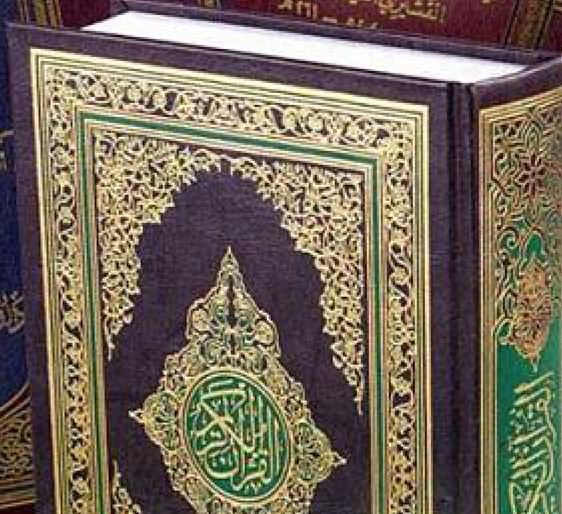
فتاویٰ اسلامیہ

(جلد اول)

(کتاب العقائد تا کتاب الصلاۃ)



فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"

جمع وترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

دارالسلام
DARUSSALAM


فتاویٰ
اسلامیہ
(جلد اول)

دارُالسّلام
کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ٥ جدہ ٥ شارجہ ٥ لاهور
لندن ٥ هیوسٹن ٥ نیو یارك

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الرياض:11416 سعودی عرب فون : 4043432 - 4033962 (00966 1)
فیکس :4021659 ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس:4614483
جدہ فون :6712299 فیکس :02 6173448 الخبر فون:03 8948106
شارجہ فون : 5511293 فیکس : 5511294 (009716)
پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون:7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس :7354072 ای میل:darussalampk@mail.com
② رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور فون:7120054 فیکس:7320703
لندن فون :5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون :7220419 فیکس :7220431 (001 713) نیو یارک فون: 7255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

(جلد اوّل)

فتاویٰ اسلامیہ

فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للافتاء والارشاد سعودی عرب"

کتاب العقائد
تا
کتاب الصلاۃ

جمع وترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظر ثانی:

ابو عبداللہ محمد عبدالجبار

دار السلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور

لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک

DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

فاسئلوا أهل الذكر
إن كنتم لا تعلمون

فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد اوّل)

عرض ناشر

کتاب و سنّت کا عالم اور احکام شریعت سے آگہی رکھنے والا جب کسی پیش آنے والے مسئلے کا حل شریعت کی روشنی میں پیش کرتا ہے تو اسے "فتویٰ" کہتے ہیں۔ گویا مشکل دینی احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو "فتویٰ" اور جواب دینے والے کو "مفتی" کہتے ہیں۔

اسلام میں افتاء کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ کسی کام کی اہمیت کا اندازہ اسی منصب پر مقرر کئے جانے والے کی شخصیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ امام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تبلیغ و افتاء کے منصب پر سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود کو فائز کیا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء٤/ ١٢٧)

"اے پیغمبر لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔"

پھر انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اس منصب پر فائز کیا اور فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَٱلْحَجِّ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٩)

"لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے۔"

یوں یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور وہ وحی الٰہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ جس بات میں فتویٰ دے دیا کرتے تھے اس کے بعد اس کی روگردانی کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ:

﴿ مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ﴾ (النساء٤/ ٨٠)

"جس نے رسول کی فرماں برداری کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی۔"

حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منصب پر فائز ہوئے اور افتاء کی تاریخ میں تقریباً 130 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام اس فہرست میں ملتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد علمائے حق نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا ہے اور یہ علمائے حق اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتنا نازک معاملہ ہے۔ اس میں کس درجے کا علم اور تقویٰ کا حامل ہونا چاہیئے' اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو مسلم بن بسیار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ. . .»

"جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہو گا۔"

دارالسلام نے ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے فتاویٰ کی یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ، شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین کے صادر کردہ فتوے جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو علم میں جو پختگی عنایت کی وہ انہی کا خاصا ہے۔ ان جید اور روشن ضمیر علماء کا وجود علم و کردار کا وہ مینارۂ نور ہے جس کی ضیا پاشیوں سے ایک دنیا منور ہو رہی ہے۔

اس کتاب میں عقائد، طہارت، صلوٰۃ اور کتاب العلم کے مسائل جمع کیے گئے ہیں۔ علماء کرام نے پوچھے گئے مسائل کا خالص قرآن و حدیث کے حوالے سے جواب دیا ہے اور ان کے جوابات پوچھے گئے مسئلہ کو بہت احسن طریقے سے واضح کر دیتے ہیں۔

عربی زبان سے اردو میں ترجمے کی بھاری ذمہ داری معروف سکالر اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ریسرچ آفیسر مولانا محمد خالد سیف نے نبھائی ہے۔ مولانا ایک کہنہ مشق مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جید عالم دین بھی ہیں۔ انہوں نے جس خلوص دل، جانفشانی اور اردو زبان کے محاورے کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کیا وہ باعث صد تحسین ہے۔

اس ایڈیشن میں احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ یہ ذمہ داری حافظ آصف اقبال کے سپرد کی گئی تھی اور وہ اپنے فرض سے کماحقہ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام جملہ اہل علم کو جزائے خیر دے اور اس عظیم خدمت کو اپنے حضور قبولیت بخشے اور اسے ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

مقدمہ

یہ ہمارے جلیل القدر مشائخ --- حفظہم اللہ --- کے فتاویٰ اسلامیہ کا جزء اوّل ہے' جسے ہم طویل انتظار کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

شرعی مسائل پر مبنی اس فتاویٰ کا یہ ایڈیشن ہی پہلا صحیح ایڈیشن ہے۔ اس سے پہلے بھی اگرچہ یہ کئی بار طبع ہوا مگر اس کی سابقہ تمام طبعات محض تجارتی مقاصد کے لئے اور غلطیوں اور تحریفات سے بھری ہوئی تھیں' جن میں سب سے مشہور طباعت دار العلم بیروت کی ہے' جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مقدمہ میں دار العلم کے مالک نے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس نے ان فتاویٰ کی جمع وترتیب کا کام سرانجام دیا اور اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ سے کام کیوں لیا اور اپنی طرف ایک ایسے کام کی نسبت کیوں کی ہے' جسے اس نے سرانجام ہی نہیں دیا؟

اس فتاویٰ کی دوسری طباعت مکتبہ تراث اسلامی مصر کی ہے اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے' اس مکتبہ کے مالکان نے اس کے اصلی نام ہی کو بدل دیا اور اسے "فتاویٰ هيئة كبار العلماء" کے نام سے موسوم کر دیا تاکہ وہ یہ تاثر دے سکیں کہ یہ "فتاویٰ اسلامیہ" کے بجائے کوئی اور چیز ہے حالانکہ اسے اس نام سے موسوم کرنا کتاب کے مندرجات ہی کے خلاف ہے۔

ان دونوں اور دیگر طبعات میں غلطیوں کی کثرت کے کئی اسباب ہیں' جن میں سے سب سے اہم سبب یہ ہے کہ یہ مفتیان کرام اور مشائخ عظام --- حفظہم اللہ --- خصوصاً سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ اور فتاویٰ کی کمیٹی کی نظر ثانی کے بغیر عمل میں آئی ہیں حالانکہ انہوں نے نظرثانی کے بغیر طباعت واشاعت کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی نظر ثانی ہی کی وجہ سے اسے طبع کرنے اور استفادہ کے لئے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے میں ہم سے تاخیر ہوئی ہے۔

جن فتاویٰ کا تعلق سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ سے تھا' آپ نے ان کی قراءت وتصحیح کا اہتمام فرمایا ہے' اسی طرح فتویٰ کمیٹی نے بھی اپنے فتاویٰ کی نظر ثانی کی ہے اور پھر انہوں نے بالآخر مجھے تحریری طور پر ان کی طباعت واشاعت کی اجازت دی ہے۔ شیخ ابن باز حفظہ اللہ نے تو مجھے ایک ایسی تحریر بھی دی ہے' جس میں آپ نے اس کتاب کے مذکورہ بالا نسخوں کے استعمال سے منع کیا اور صرف اسی صحیح نسخہ کے استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

سماحۃ الشیخ محمد بن العثیمین اور شیخ عبد اللہ بن جبرین --- حفظہم اللہ --- تو کئی سال پہلے اپنے فتاویٰ پر نظر ثانی کا کام مکمل کر کے' طباعت واشاعت کی اجازت فرما چکے تھے' ہاں البتہ مشاغل واعمال کی کثرت کی وجہ سے سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز

حفظہ اللہ کی طرف سے اجازت ملنے میں تاخیر ہوئی' اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے' اسلام اور مسلمانوں کو آپ سے فائدہ پہنچائے اور ملت اسلامیہ اور دین اسلام کی آپ کے ساتھ نصرت واعانت فرمائے۔ ①

مذکورہ بالا مفتیان کرام ومشائخ عظام کے فتاویٰ کے علاوہ اس مجموعہ میں فقہی کونسل کی بعض قراردادیں بھی شامل ہیں۔ فقہی کونسل کا اجلاس ہر سال مکہ مکرمہ میں پہلے سماحۃ الشیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ کے زیر صدارت اور پھر شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے زیر صدارت منعقد ہوتا رہا ہے۔

اس طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ میں نے ان فتاویٰ کو کئی سالوں میں مختلف مصادر ومآخذ' کتب اور رپورٹوں وغیرہ سے جمع کیا ہے' ان میں سے بعض فتاویٰ تاحال مخطوط اور خود حضرات علماء کرام کے پاس موجود تھے' میں نے جمع وترتیب کے بعد ان حضرات علماء کرام کی خدمت میں انہیں پیش کیا' جن کے یہ فتاویٰ تھے اور انہوں نے خود ان کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے' بہرحال دیگر تجارتی ایڈیشنوں کے برعکس یہ صحیح' ثقہ اور قابل اعتماد ایڈیشن ہے۔

آخر میں اللہ کریم' رب عرش عظیم سے دعاء ہے کہ وہ میرے اس عمل کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمارے ان مشائخ عظام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ لوگوں کو دین کا علم سکھانے اور جہالت دور کرنے کے سلسلہ میں کس قدر عظیم کوششیں فرما رہے ہیں۔

واللّٰہُ المستعان' وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد

محمد بن عبدالعزیز المسند

پوسٹ بکس نمبر: 4224 - ریاض 11491

① لیکن اب حضرت الشیخ ..... رحمہ اللہ ...... اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات قبول فرمائے اور انہیں اپنے خصوصی اجر وثواب سے نوازے۔ (ناشر)

اسلام میں افتاء کی اہمیت

لغوی معنی: اسلام میں افتاء کی اہمیت پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افتاء کے لغوی و شرعی معنی بیان کر دیئے جائیں: اَلْفَتَاوٰی یا اَلْفَتَاوِیْ کا واحد فَتْوٰی ہے۔ اس کا واحد فُتْوٰی اور فُتْیَا بھی آتا ہے۔ فتویٰ سے مراد ہے: مَااَفْتٰی بِهِ الْفَقِیْهُ یعنی فتویٰ وہ ہے جو کسی فقیہ کی جانب سے دیا جائے گویا یہ اَفْتَی الْعَالِمُ اِذَا بَیَّنَ الْحُکْمَ "عالم نے فتویٰ دیا یا حکم بیان کیا" سے اسم مشتق [1] ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے جو بعض علماء لغت کے نزدیک اَلْفُتُوَّةُ سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی ہیں: کرم، سخاوت، مروت اور زور آوری۔ فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے والا مفتی اپنی فتوت یعنی سخاوت و مروت اور عالمانہ قوت سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے [2] علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

«اَلْفُتْیَا وَالْفَتْوٰی: اَلْجَوَابُ عَمَّا یُشْكِلُ مِنَ الأَحْكَامِ وَیُقَالُ اسْتَفْتَیْتَ فَأَفْتَاكَ» (مفردات القرآن: ۲۷۳)

فتویٰ اور فتیا مشکل احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سے فتویٰ دریافت کیا تو اس نے مجھے فتویٰ دیا۔"

ابن الاثیر نے اسکے معنی کسی مسئلے کے بارے میں رخصت یا جواز پیش کرنے کے بتائے ہیں۔ [3]

بعض کے نزدیک فتویٰ دراصل اَلْفَتٰی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اَلثَّابِتُ الْقَوِیُّ چونکہ کسی حادثہ یا واقعہ کے جواب میں پیش کئے جانے والے دینی مسائل کو مفتی اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے، اس لئے فتویٰ گویا مدلل ثبوت والا جواب ہوا۔ [4] قرآن مجید میں بھی اس لفظ کے بہت سے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء ٤/ ١٢٧)

"(اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔"

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي ٱلْكَلَٰلَةِ ﴾ (النساء ٤/ ١٧٦)

"(اے پیغمبر) لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے۔"

---

[1] لسان العرب و تاج العروس، مادہ (ف - ت - د) [2] کشف الظنون ص ۱۲۱۸۔ [3] النہایہ فی غریب الحدیث: ۱۹۹/۳ [4] کشف الظنون ص:۱۲۱۸، دستور العلماء ۳: ۱۳، کتاب التعریفات ص:۱۷۱

﴿ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ ﴾ (یوسف۱۲/ ۴۳)

"تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔"

﴿ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ﴿١١﴾ ﴾ (الصافات۳۷/ ۱۱)

"ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی مخلوق ہم نے بنائی ہے ان کا؟"

یہ چند آیات کریمہ بطور مثال ذکر کی ہیں' ان کے علاوہ اس لفظ کے اور بھی بہت سے مشتقات قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ [1]

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے' چنانچہ ایک مشہور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

«اَلإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ»(مسند احمد)

"گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز کا فتویٰ دیں۔"

صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«اَلإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»(صحيح مسلم، مع شرح النووي، تفسير البر والاثم ج:١٦، ص:١١١، دارالكتاب العربي بيروت١٩٨٧ء)

"گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اسکی اطلاع ہو۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ:

«اَلإِثْمُ مَا حَاكَ فِي الْقَلْبِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ»(مسند احمد)

"گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینے میں اس کے بارے میں تردد پیدا ہو خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز اور رخصت کا فتویٰ دیں۔"

شرعی معنیٰ: علماء فقہ و اصول کے اقوال کے مطابق فتویٰ کے شرعی معنیٰ ادلہ شرعیہ کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنا ہے' چنانچہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

«اَلْمُفْتِيْ قَائِمٌ فِي الأُمَّةِ مَقَامَ النَّبِيِّ ﷺ لأَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَأَنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ»(الموافقات ج:٤، ص:٢٤٤)

"مفتی' امت میں نبی ﷺ کی نیابت کرتا ہے' کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں' جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام نے انہیں دینار یا درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا ہے۔

مفتی تبلیغ احکام میں نبی اکرم ﷺ کا نائب ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے:

«لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب قول النبي ﷺ رب مبلغ أوعى من سامع حديث:٦٧، ص:٩١، مكتبة دارالسلام)

---

[1] دیکھئے "المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الكريم" ص:۵۱۲

"تم میں سے جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں تک بھی یہ احکام پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔"

«بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً»(صحيح بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، ح:٣٤٦١)

"میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔"

«تَسْمَعُوْنَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ»(أبوداود، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ح:٣٦٥٩)

"تم میری احادیث کو سنتے ہو' تم سے بھی انہیں سنا جائے گا اور ان سے بھی جنہوں نے تم سے سنا ہو گا۔"

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ مفتی گویا نبی ﷺ کے نائب اور قائم مقام کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

افتاء نویسی کی اہمیت: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "افتاء ایک عظیم الشان' جلیل القدر اور بہت ہی شرف و فضل کا حامل عمل ہے کیونکہ مفتی درحقیقت وارث انبیاء ہے اور فرض کفایہ کو سرانجام دیتا ہے لیکن یہ الگ بات کہ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ ①

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ "فاسق مفتی نہیں بن سکتا کیونکہ فتویٰ امور دین میں سے ہے اور امور دین کے بارے میں فاسق کا قول ناقابل قبول ہے۔" ② اسی طرح علامہ قرافی نے بھی لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "کسی عالم کو اس وقت تک فتویٰ نہیں دینا چاہیئے جب تک لوگ اسے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو فتویٰ کا اہل نہ سمجھے۔" امام مالک رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی علماء کے نزدیک اہمیت ظاہر اور ثابت نہ ہو وہ منصب افتاء کا اپنے آپ کو اہل نہ سمجھے' چنانچہ مختلف مکاتب فکر کی کتب فقہ میں اس مفہوم کی بہت سی عبارتیں موجود ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ لوگ فتویٰ دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ سلف صالح بھی اس سلسلے میں بے حد محتاط تھے' حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سلف صالحین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ فتویٰ میں جلد بازی کو ناپسند فرماتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کاش اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص فتویٰ دے دے' لیکن ان میں سے جب کوئی یہ محسوس فرماتا کہ اب اس کے لئے فتویٰ دینا فرض ہے تو وہ کتاب و سنت یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے قول کی روشنی میں اس کے حکم کو معلوم کرنے کے لئے پورے پورے اجتہاد سے کام لے کر فتویٰ دیتا۔" ③

حضرت عبداللہ بن مبارک نے عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ:

"میں نے ..... مسجد نبوی میں ...... ایک سو بیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور دیکھا کہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ہر محدث کی یہ خواہش ہوتی تھی کاش اس کی بجائے اس کا کوئی دوسرا بھائی افتاء کے فرض سے عہدہ برآ ہو۔" ④

① المجموع شرح المهذب ص:۴۰' طبع ادارة الطباعه المنيريه ۱۳۴۴ھ۔ ② ردالمحتار حاشيه- الدرالمختار ج:۴' ص:۲۱۸۔ ③ الفروق ج:۲' ص:۱۱۰۔ ④ اعلام الموقعين ج:۱' ص:۶۳' مكتبه ابن تيميه القاهره۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ابن ابی یعلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے' بہرآئینہ اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین فتویٰ دینے میں کس قدر محتاط تھے لیکن اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلبہ کو تعلیم دینا اور استفتاء کرنے والوں کو فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی مسئلہ یا واقعہ کے پیش آنے کے وقت صرف ایک ہی ایسا شخص ہو جو اس کا جواب دے سکتا ہو تو پھر اس کے لئے جواب دینا فرض عین ہے اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اس کا اہل ہو تو پھر یہ دونوں کے لئے فرض کفایہ ہو گا۔''①

نبی ﷺ بحیثیت مفتی اعظم: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تبلیغ و افتاء کے منصب پر جنہیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے' وہ خود سیدالمرسلین' امام المتقین' خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہیں۔ آپ وحی الٰہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور اللہ احکم الحاکمین کے اس ارشاد پر عمل پیرا تھے کہ:

﴿ قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ ﴾ (صٓ۳۸/ ۸۶)

''(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں۔''

آپ کے فتاویٰ جامع احکام اور فصل خطاب پر مشتمل تھے اور وجوب اتباع میں ثانی کتاب تھے کہ کسی مسلمان کے لئے ان سے روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

''اور اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) بھی اچھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جہاں تمام تنازعات اور معاملات میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے' وہاں یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ وہ بے فائدہ سوال پوچھنے سے اجتناب کریں اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کریں کہ اگر ان کی حقیقتیں واضح کر دی جائیں تو بری لگیں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْـَٔلُوا۟ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهَا ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ١٠١)

''مومنو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی (اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

«ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى

① فقہاء کرام کے اقوال کے لئے ملاحظہ فرمایئے: المجموع شرح المهذب ج:۱' ص:۴۵' البحر الرائق ج:۶' ص:۲۹۰' الفروق ج:۴' ص:۸۹' منتہی الارادات ج:۴' ص:۲۵۷۔

أَنْبِيَآئِهِمْ»(مسند امام احمد بن حنبل ۲/ ۳۱۳)

''جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ دو کہ تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرام سے اختلاف نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔''

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَآءَ رَحْمَةً بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَسْئَلُوْا عَنْهَا»(رزين بحواله جمع الفوائد، ۱/ ٤۱، حديث: ۲۷۲، المكتبه الاسلاميه، سمندري)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں' تم انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ اشیاء سے اس نے سکوت فرمایا ہے اور یہ بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر ہے' لہٰذا ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔''

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ:

«أَعْظَمُ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْئَالَتِهِ»(مسند امام احمد ۱/ ۱۷۹)

''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔''

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ان ارشادات پر سختی سے عمل کیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے صرف وہی سوالات پوچھے جو ناگزیر تھے اور جن کے پوچھنے کی انہیں واقعتاً ضرورت تھی' چنانچہ قرآن و سنت کے صفحات شاہد ہیں کہ انہوں نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب کی طرح نہ تو بے معنی سوالات پوچھے اور نہ کسی کٹ حجتی سے کام لیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے انتہائی پاکباز تھے' علم کے اعتبار سے بے حد گہرے' تکلف میں سب سے کم' بیان کے اعتبار سے سب سے حسین' ایمان میں سب سے پکے' بات کے سب سے سچے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تقرب الٰہی کے سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہی لشکر ایمان' عسکر قرآن اور عبادالرحمٰن تھے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے بعد افتاء کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور افتاء: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض سے تو کثرت سے فتاویٰ منقول ہیں اور بعض کے فتاویٰ کی تعداد انتہائی قلیل ہے جب کہ ان میں سے بعض کے فتاویٰ کی تعداد کثرت و قلت کے درمیان ہے' بہرحال ان صحابہ کرام کی تعداد ایک سو تیس سے بھی کچھ زیادہ ہے جن کے فتاویٰ محفوظ ہیں۔

جن حضرات سے بکثرت فتاویٰ منقول ہیں' ان میں حضرت عمر فاروق' حضرت علی مرتضیٰ' عبداللہ بن مسعود' صدیقۂ کائنات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ' زید بن ثابت' عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاوی کو اگر جمع کیا جائے تو ان سے ایک بہت ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے' چنانچہ ایک بہت بڑے امام و محدث ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب نے امیرالمؤمنین مامون کے

لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ کو مرتب کیا تو وہ بیس کتابوں پر مشتمل تھے۔ امام ابو محمد بن حزم اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقاعدہ فہرست مرتب فرمائی ہے جو منصب افتاء پر فائز تھے نیز انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ فتویٰ نویسی میں کثرت، قلت یا توسط کے کس درجہ پر فائز تھے، ① بلکہ امام ابن حزم نے تو ان تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ کی ایک مفصل فہرست بھی مرتب فرما دی ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور دیگر علاقوں میں منصب افتاء پر فائز تھے۔ ②

فتویٰ کون دے سکتا ہے؟: دین کا معاملہ چونکہ بے حد اہمیت کا حامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے علم کے بغیر دین کے بارے میں بات کرنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۳)

"کہہ دو کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ نے محرمات کو چار مراتب میں تقسیم فرمایا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے کم درجہ کی محرمات کو ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ظاہر و پوشیدہ بے حیائی کی باتیں، اور ان کے بعد انہیں ذکر کیا ہے جن کی حرمت ان سے شدید ہے، اور وہ ہیں گناہ اور ناحق زیادتی کرنا اور پھر اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سے بھی شدید ہے، اور وہ ہے اللہ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا اور آخر میں اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سب سے شدید تھی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر بات کہنا خواہ وہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات اور افعال کے بارے میں کہی جائے یا اس کے دین و شریعت کے بارے میں، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَٰعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ ﴾ (النحل ۱۶/ ۱۱۶-۱۱۷)

"اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے، مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم (بہت) ہوگا۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال و احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا حرام ہے۔ مفتی چونکہ اللہ تعالیٰ یا اسکے دین کے بارے میں بات بتاتا ہے لہٰذا اگر اسکی بات شریعت کے مطابق نہ ہو تو گویا

① جوامع السیرۃ، امام ابن حزم ص:۳۱۹-۳۳۵۔ ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ ضلع گوجرانوالہ، اعلام الموقعین، امام ابن قیم ج:۱، ص:۳۹-۴۲۔ ② ملاحظہ فرمایئے: الرسالۃ الثالثۃ، اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدھم علی مراتبھم فی کثرۃ الفتیا، یہ رسالہ جوامع السیرۃ میں (۳۱۹-۳۳۵) شامل ہے۔

اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیربات کی ہے۔

ہاں البتہ اگر اس نے اجتہاد سے کام لیا ہو اور حق بات معلوم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو اور اس کے باوجود اس سے غلطی ہو گئی ہو تو پھروہ اس وعید کا مصداق نہیں ہوگا' اس کی خطا معاف ہوگی بلکہ اجتہاد کرنے کی وجہ سے اسے اجروثواب بھی ملے گا لیکن اسے یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیئے کہ جو بات وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کہہ رہا ہو اس کے بارے میں اسے کتاب و سنت سے کوئی نص نہ ملی ہو تو اس کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کرے کہ:

- اللہ تعالیٰ نے یہ حلال قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ حرام قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ مباح قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے۔

اس مسئلہ میں ائمہ سلف کس قدر محتاط تھے' اس کا اندازہ اس بات سے فرمایئے کہ امام مالک رحمہ اللہ جب کوئی مسئلہ اپنے اجتہاد اور رائے کی بنیاد پر بیان کرتے تو ساتھ ہی یہ آیت کریمہ تلاوت فرما دیا کرتے تھے کہ:

﴿ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (الجاثیة ۴۵/ ۳۲)

''ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص اپنے آپ کو منصب افتاء پر فائز کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وجوہ قرآن' اسانید صحیحہ اور سنن کا عالم ہو'' آپ سے مروی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ''فتویٰ دینا صرف اس آدمی کے لئے جائز ہے' جو کتاب و سنت کا عالم ہو۔''

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی شخص کے لئے اس وقت تک فتویٰ دینا حلال نہیں ہے جب تک وہ کتاب اللہ اور اس کے ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ' تاویل و تنزیل' مکی و مدنی سورتوں اور ان کے معانی و مطالب سے آگاہ نہ ہو۔ حدیث رسول اللہ ﷺ' اس کے ناسخ و منسوخ اور قرآن مجید ہی کی طرح حدیث سے متعلق دیگر امور سے آگاہ نہ ہو۔ اسے لغت و شعر کا بھی اس قدر علم ہو جو قرآن و سنت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے' مختلف علاقوں کے اہل علم کے اختلاف کا بھی اسے علم ہو نیز اسے طبعی ملکہ بھی حاصل ہو' اگر اس میں یہ باتیں موجود ہوں تو وہ حلال و حرام کے بارے میں فتویٰ دے سکتا ہے اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو اسے فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔''[1]

بہرحال اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ایسی رائے کی بنیاد پر فتویٰ دینا حرام ہے جو کتاب وسنت کی نصوص کی مخالفت پر مبنی ہو یا نصوص نے جس رائے کو قبول کرنے کی شہادت نہ دی ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾ ﴾ (القصص ۲۸/ ۵۰)

''پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے

---

① اعلام الموقعین ج:۱' ص: ۷۸ - ۸۰۔

زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

حضرت داؤد علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَـٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَـٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ ﴾ (صٓ ٣٨/ ٢٦)

"اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ ثُمَّ جَعَلْنَـٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ ٱلْأَمْرِ فَٱتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا۟ عَنكَ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ وَإِنَّ ٱلظَّـٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۖ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ ﴾ (الجاثية ٤٥/ ١٨-١٩)

"پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا' یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی علم کے بغیر فتویٰ دینے سے منع فرمایا ہے' چنانچہ مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ. . . »(أخرجه الحاكم في المستدرك، ١/ ١٠٣ ورواه الحافظ البيهقي في سننه الكبرى، ١٠/ ١١٦)

"جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا تو اسکا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہوگا۔"

کتاب و سنت کے ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ صرف اس شخص کو دینا چاہیئے جس میں مکمل اہلیت ہو۔ مکمل اہلیت سے کیا مراد ہے' اس کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال مختلف ہیں۔[1] فقہ حنفی کے مطابق جو واقعہ ابھی تک پیش ہی نہ آیا ہو اس کے بارے میں فتویٰ دینا واجب نہیں ہے۔ فتویٰ میں تساہل کا ثبوت دینا یا اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ فتویٰ صرف اسی شخص کو دینا چاہیئے جو علما کے اقوال کو جانتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ علماء کے ان اقوال کا مصدر و ماخذ کیا ہے' اگر کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوں تو اسے اس قول کی دلیل بھی معلوم ہونی چاہیئے جسے اس نے اختیار کیا ہو الغرض ہر اس بالغ عاقل مسلمان کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے جو روایات کا حافظ' درایات سے واقف' طاعات کا

---

① تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: البحرالرائق لابن نجیم ج:٦' ص:٢٨٩' مواہب الجلیل مع التاج والاکلیل ج:٦' ص:٩٤-٩٥' المجموع للنوی ج:١' ص:٤٢' روضۃ الناظر ج:٢' ص:٤٤١' اعلام الموقعین ج:١' ص:٧-٣٨' مکتبہ ابن تیمیہ' قاہرہ۔

محافظ اور شہوات و شبہات سے مجتنب ہو' خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان ① اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ کے ارشادات بھی قریباً قریباً اسی کے ہم معنی ہیں۔ ② حافظ ابن قیم نے آداب فتویٰ و مفتی و مستفتی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ③

مفتی کا اپنے فتویٰ سے رجوع: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مفتی نے کوئی فتویٰ دیا ہو اور پھر وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کرے اور مستفتی کو بھی اس کے رجوع کے بارے میں علم ہو جائے اور ابھی تک اس نے اس کے فتویٰ پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے لئے ایک قول کے مطابق اس کے اس پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام ہے جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ محض مفتی کے رجوع کی وجہ سے اس کے پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام نہیں ہو گا بلکہ اسے چاہیئے کہ اس کے متعلق کسی اور مفتی سے بھی فتویٰ طلب کرے اور اگر دوسرے مفتی کا فتویٰ اس کے پہلے فتویٰ کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرے اور اگر وہ اس کے دوسرے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دے اور کسی اور نے بھی اس کے اس دوسرے فتویٰ کے خلاف فتویٰ نہ دیا ہو تو پھر پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام ہو گا اور اگر کسی شہر میں مفتی ہی ایک ہو تو پھر اس سے یہ پوچھ لے کہ اس نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کیوں کیا ہے؟ اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس نے اس مسئلہ میں کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیا ہے جب کہ پہلا قول بھی درست ہے تو اس صورت میں پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام نہ ہو گا اور اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتویٰ صحیح نہیں تھا اور اس میں اس سے غلطی ہو گئی ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا حرام ہے بشرطیکہ اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتویٰ شرعی دلیل کے خلاف ہو اور اگر اس کا رجوع محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو پھر مستفتی کے لئے اس کے مطابق عمل کرنا حرام نہیں ہو گا۔ ④

کیا مستفتی کو بتانا ضروری ہے؟: اگر مفتی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لے یا اس کے اجتہاد میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے تو کیا اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مستفتی کو بھی اس کے بارے میں مطلع کرے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مفتی کو یہ معلوم ہو کہ فتویٰ دینے میں اس سے غلطی ہو گئی ہے اور اس کا فتویٰ کتاب و سنت کی کسی ایسی نص کے خلاف ہے جس کے مقابلہ میں کوئی اور نص موجود نہیں ہے یا اس کا فتویٰ اجماع امت کے خلاف ہے تو اس صورت میں اسے چاہیئے کہ وہ مستفتی کو مطلع کرے اور اگر اسے یہ معلوم ہے کہ اس کا فتویٰ صرف اس کے اپنے فقہی مذہب یا اپنے امام کے قول کے خلاف ہے تو اس صورت میں مستفتی کو مطلع کرنا واجب نہیں ہے۔ ⑤

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ افتاء کی شرائط کو پورا کرتا ہو اور فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق نہ ہو جسے علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① الفتاوی الھندیہ ج:۳' ص:۳۰۹-۳۱۰' البحرالرائق لابن نجیم ج:۶' ص:۲۹۱۔ ② ملاحظہ فرمایئے: التاج والاکلیل مع مواہب الجلیل ج:۶' ص:۹۱' المجموع للنووی ج:۱' ص:۴۵' کشاف القناع للبھوتی الحنبلی ج:۶' ص:۲۴۲۔ ③ اعلام الموقعین ج:۴' ص:۱۹۹-۲۳۰' مکتبہ ابن تیمیہ' القاہرۃ۔ ④ اعلام الموقعین ج:۴' ص:۱۹۹-۲۳۰۔ ⑤ اعلام الموقعین ج:۴' ص:۱۱۹-۲۳۰' المجموع للنووی ج:۱' ص:۴۵-۴۶' مختصر الطحاوی ص:۳۲۷' قوانین الاحکام الشرعیۃ لابن جزی المالکی ص:۳۲۲' طبع دار العلم بیروت ۱۹۷۴۔

«يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ - وَفِي رِوَايَةٍ - قَوْمٌ رُءُوْسٌ جُهَّالٌ يُفْتُوْنَ النَّاسَ فَيَضِلُّوْنَ وَيُضِلُّوْنَ»(الفقيه والمتفقه، ۲/ ۱۵۲-۱۵۳، طبع اول، دارالإفتاء السعودية۱۳۸۹هـ)

"آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ ---اور ایک روایت میں ہے کہ--- کچھ ایسے جاہل لوگ پیدا ہوں گے جو لوگوں کو فتویٰ دیں گے' مگر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ مسلمانوں کے امام و حاکم کو چاہیئے کہ وہ مفتی حضرات کے حالات کا جائزہ لے' ان میں سے جو فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تو برقرار رکھے اور جو اس صلاحیت سے محروم ہو تو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دے اور کہے کہ اگر وہ آئندہ باز نہ آیا تو اسے سزا دی جائے گی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر خلفاء بنی امیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ موسم حج میں مکہ مکرمہ میں مفتیوں کا تقرر کر دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان مفتیان کرام کے علاوہ کسی اور سے فتویٰ طلب نہ کیا جائے۔"①

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور علم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں کسی کو بھی فتویٰ نہ دیتا۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم نے "شرح الروض" کے حوالہ سے یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم وقت کو چاہیئے کہ وہ اپنے زمانے کے مشہور اہل علم سے یہ پوچھے کہ فتویٰ دینے کی صلاحیت سے کون بہرہ ور ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو فتویٰ دینے سے منع کر دے جو اس صلاحیت سے محروم ہوں اور باز نہ آنے کی صورت میں انہیں سزا بھی دے۔ علامہ خطیب بغدادی' حافظ ابن قیم اور دیگر اہل علم نے بھی ائمہ کرام و فقہاء عظام کے ارشادات اس مسئلہ سے متعلق بیان فرمائے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر سردست ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

افتاء و استفتاء کی تاریخ: افتاء و استفتاء کا سلسلہ چونکہ خود حضور اکرم ﷺ کے مبارک عہد ہی سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے کیونکہ آپ ہی مہبط وحی' شارح اسلام اور مرجع خلائق تھے۔

آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منصب پر فائز تھے' جن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف لوگ رجوع کیا کرتے تھے ان میں سے مدینہ منورہ میں خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت زید بن ثابت' حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ بن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ 'کوفہ میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما' بصرہ میں حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما' شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما' اور مصر میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں قریباً ایک سو تیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی محفوظ ہیں جو مسند افتاء پر فائز تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعد جلیل القدر تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ منصب افتاء پر فائز رہے ان میں چند نمایاں شخصیتوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

1 سعید بن مسیب 2 سعید بن جبیر 3 عروہ بن زبیر 4 عکرمہ 5 مجاہد 6 عطاء 7 علقمہ بن قیس

① البحرالرائق ج:۶' ص:۲۸۶۔

8 قاضی شریح 9 یزید بن ابی حبیب 10 لیث بن سعد رحمہم اللہ

یہ چند اسماء گرامی ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" ذکر کئے ہیں' تفصیل کے شائقین حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی کتاب "جوامع السیرۃ" اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "اعلام الموقعین" کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگرچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی فتاوی کے سلسلے میں مجتہدین میں بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا لیکن تدوین فقہ کے دور میں اختلاف کی اس خلیج میں مزید وسعت پیدا ہو گئی اور اس کے نتیجے میں فقہاء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں ایک اہلحدیث کا گروہ تھا جو کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کی بنیاد پر فتویٰ دیتا تھا۔ اس گروہ میں علماء حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی۔ دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا جو نصوص شرعیہ کی تشریح ان کے عقلی معنی و مفہوم کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا تھا' اس گروہ میں فقہاء عراق کی غالب اکثریت شامل تھی۔

اس دور کے بعد فتاویٰ کا اجرا اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہو گئی' دوسرے ائمہ و فقہاء کے مقلدین مختلف گروہوں میں بٹ گئے' ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ نااہل لوگ اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے یا صحیح اجتہاد کے اہل علماء کے صحیح مجتہدانہ فتاویٰ کو خلاف اسلام ثابت کر کے ان پر کفر کے فتوے لگانے لگے' اندھی تقلید کی وجہ سے جو ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوئی اس کا شکوہ کرتے ہوئے سلطان العلماء عزبن عبدالسلام نے بجا فرمایا ہے کہ:

> "یہ انتہائی تعجب انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کے ضعف کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے مداوا کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید اور مذہبی جمود کے باعث انہیں کتاب و سنت اور صحیح قیاس کو ترک کر دینے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا بلکہ کتاب و سنت کے واضح نصوص کو ترک کر دینے اور اپنے امام کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے عجیب وغریب بعید از قیاس اور باطل تاویلوں سے کام لیتے ہیں۔

لیکن الحمدللہ ہر دور میں اہل حق کا --- آلام و مصائب کا تختۂ مشق بننے کے باوجود --- ایک ایسا مقدس گروہ بھی رہا ہے' جنہوں نے اپنے افکار و نظریات اور اپنے فتاویٰ یا مسائل کی بنیاد قیل و قال اور آراء الرجال کے بجائے ہمیشہ کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ پر رکھی۔ سلف امت حضرات صحابہ کرام و تابعین کے بعد بھی ہر دور میں ایسے بے شمار اساطین علم و فضل رہے جو حاملین کتاب و سنت کی اسی سلک مروارید سے منسلک ہیں اور ان کی کتب اور فتاویٰ کے مجموعوں سے آج بھی دنیا اکتساب ضیاء کر رہی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل' حضرت امام بخاری' شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم' حافظ ابن حجر عسقلانی' شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب' امام قاضی محمد بن علی شوکانی اور دیگر ائمہ و فقہاء کرام رحمہم اللہ جو حیطہ شمار سے باہر ہیں اسی مسلک سلف کے ترجمان ہیں۔ ادھر برصغیرپاک و ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ' ان کے صاحبزادگان گرامی اور نبیرہ عالی مقام حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نواب والاجاہ حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں' شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے بے شمار شاگردان رشید بالخصوص استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی' حضرت علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی' حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری وغیرہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ برصغیرپاک و ہند کے ان علماء میں سے

جن کے فتاویٰ کو بطور خاص شرف پذیرائی حاصل ہوا ان میں سے شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کا "فتاویٰ نذیریہ" شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور ان کا "فتاویٰ ثنائیہ" حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ اور ان کا "مجموعہ فتاویٰ" حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ اور ان کا "فتاویٰ سلفیہ" حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی اور حضرت العلام امام محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ اور ان کے فتاویٰ کے مجموعے ہیں۔ اس وقت ان حضرات مفتیان کرام اور ان کے فتاویٰ کے مجموعوں کی تفصیلات و خصوصیات بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ قلم برداشتہ چند باتیں فتاویٰ کے اردو ترجمہ کی تقریب اشاعت و طباعت کی مناسبت سے نوک قلم پر آگئی ہیں۔

یہ فتاوی برادر اور عظیم اسلامی ملک سعودی عرب کے حسب ذیل حضرات مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے:

❁ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ ❁ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ

❁ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ

علاوہ ازیں اس میں دارالافتاء کی فتوی کمیٹی کے فتاویٰ اور فقہی کونسل کی قراردادیں بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعہ فتاویٰ بھی مسلک سلف کا ترجمان ہے، اس میں بھی ایک ایک فتویٰ کا کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے۔ فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا حضرات مفتیان کرام و شیوخ عظام کے فتاویٰ کے اس مجموعہ کو بہت ہی احسن انداز میں مرتب فرمایا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ

برادر مکرم فضیلۃ الشیخ عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اُردو قارئین کرام کے لئے اس عظیم مجموعہ فتاویٰ سے استفادہ کی راہیں آسان کیں اور اسے دارالسلام کی جمیل و جلیل روایت کے مطابق نہایت سلیقہ سے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

محمد خالد سیف

اسلام آباد ۲۰-۵-۱۴۱۸ھ / ۲۳-۹-۱۹۹۷م

باب اوّل

کتاب العَقِیدَۃ

جنوں کے لئے ذبح کرنے والے کا کوئی عمل توبہ کے بغیر قبول نہیں

الحمدلله رب العالمين و الصلاة و السلام على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين - و بعد:

❁ بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ہمارے پاس صحراء میں کئی علماء آتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی جن کے نام پر ذبح کرے تو اس کی نہ نماز قبول ہے اور نہ حج۔ میں نے جب ان کی یہ بات سنی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی کہ آئندہ میں جن کے لئے ذبح نہیں کروں گا' میں حج بھی کر چکا ہوں۔ علماء فرماتے ہیں تمہارا حج باطل ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا میرا حج واقعی باطل ہے یا صحیح ہے؟ اور اگر میرا حج باطل ہو گیا ہے تو کیا مجھے نیا حج کرنا پڑے گا؟

❁ کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جِنّ کے لئے ذبح کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے' اگر ایسا کرنے والا توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ ابدی جہنمی ہو گا کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٨)

"اور اگر وہ لوگ (یعنی انبیاء بھی) شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے' سب ضائع ہو جاتے۔"

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو اس گناہ عظیم سے توبہ کی توفیق بخشی کہ جس کی موجودگی میں کوئی عمل قبول نہیں ہوتا لہٰذا آپ دوبارہ حج کیجئے۔ اگر آپ کی توبہ سچی ہے تو توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ گناہوں کو معاف فرما کر اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦٨-٧٠)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔" اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے ۔ ((وصلى الله وسلم على عبده

ورسوله محمد وآله وصحبه))

فتویٰ کمیٹی

مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھنا

سوال جو شخص مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھے اور اس کے لئے درج ذیل آیت سے استدلال کی کوشش کرے:

﴿ فَكُلُوا۟ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِـَٔايَـٰتِهِۦ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اسے کھالیا کرو۔"

اور کہے کہ یہ آیت کریمہ محتاج تفسیر نہیں ہے اور کسی کی بات کو نہ سنے تو کیا وہ کافر ہو گا؟

جواب جو شخص شرک اکبر کے مرتکب مشرک کے ذبیحہ کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے حلال قرار دے تو وہ خطاکار ہے لیکن وہ کافر نہیں کیونکہ یہاں یہ شبہ موجود ہے کہ شاید وہ اللہ کے نام کی وجہ سے اسے حلال قرار دے رہا ہو' البتہ مذکورہ آیت سے اس کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ آیت کے عموم کو مشرک کے ذبیحہ کی حرمت پر اجماع نے خاص کر دیا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مشرک کی طرف سے حج اور اس کے لیے مغفرت کی دعاء

سوال ایک شخص جس نے زندگی بھر کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور جن' پتھر' درخت اور بتوں کے نام پر ذبح کرتا رہا اور اسی حالت میں مرگیا تو کیا اس کے کسی رشتہ دار کے لئے اس کی طرف سے حج کرنا یا اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص سوال میں مذکور حالت کے مطابق مرا ہو' اسے شرک اکبر کا مرتکب سمجھا جائے گا اور ایسے شخص کی طرف سے حج کرنا یا اس کے لئے بخشش کی دعاء کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَـٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ ﴾ (التوبة٩/ ١١٣)

"نبی اور مسلمانوں کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک دوزخی ہیں تو ان کے لئے بخشش مانگیں' اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ أَنْ أَزُوْرَ قَبْرَ أُمِّيْ فَأَذِنَ لِيْ، وَاسْتَأْذَنْتُهُ أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِيْ»

(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ربه في زيارة قبر أمه، ح:٢٢٥٨، ٢٢٥٩)

"میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اس نے مجھے اجازت عطا فرمادی اور میں نے مغفرت کی دعاء کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔"

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ کے اس فرمان کا معنی کہ ''ایک کے سوا تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔''

سوال نبی ﷺ کے اس ارشاد میں امت سے کیا مراد ہے جس میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ ''ایک کے سوا میری امت کے تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے۔'' تو کیا یہ بہتر فرقے مشرکوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا نہیں؟ اور جب ہم ''نبی کی امت'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو کیا اس سے مراد آپ ﷺ کے فرمانبردار اور نافرمان سب مراد ہوتے ہیں یا اس سے صرف آپ کے فرمانبردار مراد ہوتے ہیں؟

جواب اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی' ان میں سے بہتر فرقے منحرف اور بدعتی تو ہوں گے لیکن ملت اسلام سے خارج نہیں ہوں گے۔ بدعت اور انحراف کے باعث انہیں عذاب ہو گا الا یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اور اسے جنت میں پہنچا دے۔ صرف اہل سنت و جماعت کا ایک فرقہ نجات یافتہ ہے۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا اور آپ کے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو اختیار کیا چنانچہ انہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّن أُمَّتِيْ قَائِمَةٌ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلاَ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، ح:٧١ـ٣٦٤١، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة...، ح:١٩٢٠)

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا' اس کی مخالفت کرنے والے اور اسے رسوا کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ اللہ کا امر (قیامت) آ جائے گا۔''

جو شخص اپنی بدعت کے باعث دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اس کا تعلق امت دعوت سے ہے' امت اجابت سے نہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو گا اور اس مسئلہ میں راجح قول یہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت ہے اور اس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن کی طرف نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اور ایک گروہ سے مراد جہنم سے نجات پانے والی امت ہے خواہ عذاب سے اس کا سابقہ پڑے یا نہ پڑے' اس کا انجام بہرحال جنت ہے۔

فرقہ ناجیہ کے سوا دیگر بہتر فرقے کافر اور ابدی جہنمی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت دعوت' امت اجابت کی نسبت عام ہے یعنی جو شخص امت اجابت سے تعلق رکھتا ہے وہ امت دعوت میں سے بھی ہے لیکن امت دعوت کا ہر فرد امت اجابت میں سے نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلاَّ وَارِدُهَا ﴾ کے معنی

سوال میں نے سورۂ مریم کی آیات ۷۱'۷۲ کو پڑھا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۷۱_۷۲)

"اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

میں ان آیات کریمہ خاص طور پر ان میں مذکور جہنم میں وارد ہونے کے معنی معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس ورود سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی چھت پر نصب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ لوگ اپنے اعمال کے مطابق رفتار کے ساتھ اس کے اوپر سے گزر جائیں گے۔

——— شیخ ابن باز ———

لوگ اپنی قبروں سے کس طرح اٹھیں گے

سوال قیامت کے دن لوگ اپنی قبروں سے کس طرح اٹھیں گے' انبیاء' اقطاب اور ابدال کس طرح اٹھیں گے؟ اور سب سے پہلے کس کو لباس پہنایا جائے گا؟

جواب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی ریڑھ کی ہڈی سے دوبارہ پیدا فرمائے گا' اس سے لوگ ٹھیک اپنی شکل و صورت میں اسی طرح پیدا ہوں گے جس طرح دانے سے کھیتی اور گٹھلی سے کھجور پیدا ہوتی ہے' پھر وہ اپنی قبروں سے برہنہ پاؤں' برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اس طرح نکلیں گے گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہوں یا بکھرے ہوئے پتنگے اور وہ راہ حشر سے ناواقف نہ ہوں گے بلکہ بھٹ تیتر سے بھی اپنی منزل کے بارے میں زیادہ آگاہ ہوں گے اور قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی قبر شق ہو گی' صعقہ سے آفاقہ بھی سب سے پہلے آپ ہی کو ہو گا۔ قبروں سے اٹھنے کے بعد جن کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس دن سب لوگوں پر انتہائی گھبراہٹ اور خوف (دہشت) کی کیفیت طاری ہو گی حتیٰ کہ ہر نبی بھی "نفسی نفسی" پکار رہا ہو گا۔ جو شخص بھی القمر' المعارج اور القارعہ جیسی سورتوں میں آیات بعث کو پڑھے گا تو اس کے سامنے مذکورہ باتوں میں سے بہت سی واضح ہو جائیں گی اور صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً»(صحيح بخاري، كتاب احاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: واتخذ الله ابراهيم خليلا، ح:٣٣٤٩، صحيح مسلم، كتاب صفة الجنة، باب فناء الدنيا...، ح:٢٨٦٠)

"بلاشبہ تم برہنہ پاؤں' برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اٹھائے جاؤ گے!"

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۱۰۴)

"جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے (یہ) وعدہ (ہے جس کا پورا کرنا) ہم پر لازم ہے' ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔"

اور فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو بائیں جانب لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا "یہ تو میرے ساتھی ہیں" تو مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے' تو میں بھی نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح یہ کہوں گا:

﴿ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ١١٧)

"اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا....."

"صحیحین" میں نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی ہے کہ:

«إِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ. . . »(صحيح بخاري، كتاب الخصومات، باب ما يذكر في الاشخاص. . .ح:٢٤١٢)

"لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور سب سے پہلے میری زمین شق ہو گی۔"

صحیحین ہی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيْقُ. . . »(صحيح بخاري، كتاب التفسير باب ﴿ ولما جاء موسى لميقاتنا... ﴾ ح ٤٦٣٨)

"لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔"

ان دونوں حدیثوں کی تحقیق کے لئے "شرح عقیدہ طحاویہ" کا وہ مقام دیکھئے جہاں امام طحاوی رحمہ اللہ نے لوگوں کے قیامت کے دن کے حالات کو بیان فرمایا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

توکل کی حقیقت

سوال اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کے یہ معنی نہیں کہ تیراکی جانے بغیر آپ سوئمنگ پول میں چھلانگ لگا دیں یا مشق کئے بغیر کسی گیم میں حصہ لے کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیں' تو پھر سوال یہ ہے کہ توکل کی حقیقت کیا ہے؟ امید ہے مستفید فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب توکل علی اللہ کا معنی یہ ہے کہ کام کو اللہ تعالیٰ وحدہ کے سپرد کر دیا جائے اور یہ واجب ہی نہیں بلکہ ایمان کا ایک اہم اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢٣)

"اور اللہ ہی پر توکل رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو"

مطلوب و مقصود کے حصول کے لئے توکل ایک طاقتور معنوی سبب ہے لیکن مومن کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر ممکن اسباب کو بھی اختیار کرے خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو مثلاً دعاء' نماز' صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ یا ان کا تعلق مادیات سے ہو کہ قوانین فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو مسببات کے ساتھ ملا دیا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے' جنہیں سائل نے اپنے استفتاء میں ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ

سب سے بہترین متوکل تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر کمال درجہ کے توکل کے ساتھ ساتھ دیگر مناسب اسباب کو بھی اختیار فرمایا کرتے تھے۔ پس جو شخص دستیابی کے باوجود دیگر اسباب کو ترک کر دے اور محض توکل پر اکتفاء کرے تو اس کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے اور اس کے اس عمل کو شرعی توکل کی بجائے عاجزی یا کم ہمتی کہا جائے گا۔ ((وصلی اللہ علٰی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

مساجد کے افتتاح کے لئے مجلسوں کا اہتمام

الحمدللّٰہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین - وبعد:!

❁ بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو اس سوال کا علم ہوا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کے نام ارسال کیا گیا ہے اور جس میں یہ پوچھا گیا ہے کہ ہمارے ہاں جب کوئی نئی مسجد بنائی جاتی ہے اور اس میں نماز شروع کرنے کا پروگرام بنتا ہے تو اس کے لئے مختلف شہروں سے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے تاکہ وہ افتتاح مسجد کی تقریب میں شریک ہوں' تو اس مقصد کے لئے لوگوں کے آنے کا کیا شرعی حکم ہے؟ کیا حدیث:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩)

"تین مساجد کے علاوہ کسی طرف (تبرک کی غرض سے) سواریاں تیار کرکے (سامان سفر باندھ کر) مت جایا جائے"

کی روشنی میں یہ فعل حرام ہو گا؟ اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو جواز کی دلیل کیا ہے؟ کیا وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ "بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے گھر تشریف لا کر ایک کونے میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے جائے نماز قرار دے لیں۔" اس عمل کے جواز کی دلیل بن سکتی ہے؟ اور کیا اس سلسلہ میں قصہ مسجد ضرار سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں جانے کے محض قصدوارادہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس لئے منع کیا کہ اس مسجد کو ضرر اور کفر کے لئے بنایا گیا تھا؟

❁ کمیٹی کا جواب حسب ذیل ہے:

مساجد کا افتتاح ان میں نماز پڑھنے اور ذکر الٰہی' تلاوت قرآن مجید' تسبیح و تحمید و تہلیل اور علوم شرعیہ کی تعلیم جیسے امور سے ہونا چاہئے' جو مسجد کے لئے باعث عظمت و رفعت شان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ ٱللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْـَٔاصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَـٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءِ ٱلزَّكَوٰةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَـٰرُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ ٱللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا۟ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ ﴾

(النور٢٤/ ٣٦-٣٨)

"(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کا

نام ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت' وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ اللہ انکو انکے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے"

اس طرح کے وعظ و نصیحت اور مشورہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مساجد کو آباد فرمایا کرتے تھے' آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ' تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ ہدایت کا بھی یہی طرز عمل رہا اور سراسر خیروبرکت اسی میں ہے کہ ان پاکباز لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مساجد کے افتتاح کے لئے انہی کی پیروی کریں اور مسجدوں کو عبادات اور ان کے ہم معنی شعائر اسلام سے آباد شاد رکھیں۔ نبی ﷺ سے اور آپ کی پیروی کرنے والے ائمہ ہدیٰ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی افتتاح مسجد کے موقعہ پر اس قسم کی تقریب کا اہتمام کیا ہو اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہو' جس طرح آج کل لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور وہ مسجد کی تعمیر کی تکمیل کے موقعہ پر مختلف شہروں سے آکر تقریب میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر یہ عمل قابل ستائش ہوتا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس کی طرف سبقت فرماتے' امت کیلئے اسے مسنون قرار دے دیتے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ ہدی رحمہم اللہ اس کی پیروی کرتے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ یقیناً منقول بھی ہوتا لہٰذا اس طرح کی محفلوں کا اہتمام درست نہیں ہے' اس طرح کی محفل میں شرکت کی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور نہ مالی امداد کی صورت میں ان محفلوں کے انعقاد میں تعاون کرنا چاہئے۔ سراسر خیرو بھلائی اتباع سلف میں اور سراسر شروبرائی ابتداع خلف میں ہے۔

یہ جو حدیث ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے گھر تشریف لائیں اور ان کے مکان کے ایک حصہ میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے اپنے نوافل وغیرہ کے لئے جائے نماز بنالیں' تو یہ مروجہ تقریب افتتاح مسجد کی قطعاً دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ آپ ﷺ کو تقریب میں شرکت کے لئے نہیں بلکہ نماز کے لئے دعوت دی گئی تھی آپ نے اس نماز کے لئے سفر بھی نہیں کیا اور پھر اس محفل میں شرکت یا اس مسجد میں نماز کے لئے سفر اس حدیث کے عموم نہی میں داخل ہے جس میں آپ ﷺ نے تین معروف مساجد کے علاوہ دیگر مسجدوں کی طرف شد رحال (رخت سفر تیار) کر کے جانے سے منع فرمایا ہے لہٰذا اس تو ایجاد عادت سے اجتناب کرنا چاہئے اور مسجدوں کے معاملات میں بھی اسی عمل پر اکتفاء کرنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد اور آپ کے تابعدار ائمہ ہدیٰ کے دور میں تھا۔ ((وصلى الله وسلم على عبده ورسوله محمد وآله وصحبه))

—— فتویٰ کمیٹی ——

حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد از وفات کسی کی مدد نہیں کر سکتے

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے۔ "کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ مصائب کے وقت کسی کی مدد کر سکتے ہیں؟

جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور وہ اپنے قاتل کی تدبیر کو معلوم نہ کر سکے اور نہ اپنے نفس سے اس مصیبت کو

دور کر سکے' تو یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کی مشکلات کو دور کر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی مشکل کو دور نہ کر سکے؟ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا فوت شدگان میں سے کوئی اور شخصیت نفع پہنچا سکتی ہے یا مدد کر سکتی یا نقصان کو دور کر سکتی ہے' تو وہ مشرک ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں تو جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ یہ خصوصیات کسی اور میں بھی ہیں یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرے تو اس نے گویا اسے اپنا الٰہ بنالیا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ ۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾﴾ (یونس ۱۰/ ۱۰۷)

''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو دور کرنے والا بھی کوئی نہیں اور اگر وہ آپ سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

قبر پر پھولوں کے گلدستے رکھنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ وبَعْدُ:

❁ بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل سے پوچھا گیا تھا کہ گم نام فوجی کی قبر پر پھولوں کے گلدستے رکھنے پر کیا وہ احکام منطبق ہوں گے' جو ان لوگوں کے عمل پر منطبق ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے اولیاء و صلحاء کی اس قدر تعظیم کی حتیٰ کہ وہ عبادت کی صورت اختیار کر گئی؟

جواب یہ عمل بدعت اور مردوں کے بارے میں غلو ہے اور تعظیم کے اعتبار سے ان کے صالحین کے ساتھ معاملہ سے مشابہت رکھتا ہے اور خدشہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ عمل ان کی قبروں پر قبے تعمیر کرنے' ان کے ذریعے تبرک حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں معبود بنانے کا سبب بن جائے گا لہٰذا شرک کے سدباب کے لئے اسے ترک کر دینا فرض ہے۔ ((وصلی اللّٰه وسلم علی عبده ورسوله محمد و آله وصحبه))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کا انجام

سوال جو لوگ زنا' قذف (تہمت) یا چوری جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں اور احکام شریعت کے مطابق انہیں دنیا میں ان جرائم کی سزا نہ دی جا سکے اور وہ توبہ کئے بغیر مر جائیں تو قیامت کے دن ایسے لوگوں کے بارے میں حکم الٰہی کیا ہو گا؟

جواب اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان زنا' قذف (تہمت) اور چوری جیسے کبیرہ گناہوں پر اصرار کی حالت میں مر جائے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق معاملہ کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرما دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور بالآخر اس کا انجام جنت ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

"بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔"

صحیح اور متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ گناہ گار موحدین کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا:

«أَتُبَايِعُوْنِيْ عَلٰى أَلاَّ تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا وَلاَ تَزْنُوْا وَلاَ تَسْرِقُوْا»(صحيح بخاري، كتاب الإيمان، باب رقم: ١١، ح:١٨، ٣٨٩٢، ٣٨٩٣، ٣٩٩٩، ٤٨٩٤)

"کیا میری اس بات پر بیعت کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے' بدکاری نہ کرو گے' چوری نہ کرو گے۔"

پھر آپ نے سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت کریمہ تلاوت کی اور فرمایا:

«فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ» (بخاري، كتاب الإيمان، باب رقم: ١١، ح:١٨، ٣٨٩٢، ٣٨٩٣، ٣٩٩٩، ٤٨٩٤)

"جو تم میں سے اس بیعت کو پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور اسے سزا مل جائے تو وہ سزا اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرما دے۔"

فتویٰ کمیٹی

قبروں پر سجدہ اور ذبح کرنے کا حکم

سوال قبروں پر سجدہ کرنے اور ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب قبروں پر سجدہ کرنا اور ذبح کرنا زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی اور شرک اکبر ہے کیونکہ یہ دونوں کام عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ وحدہ ہی کے لئے ہے۔ جو شخص غیراللہ کی عبادت کرے وہ مشرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِى وَنُسُكِى وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِى لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میری نماز' میری عبادت' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الكوثر١٠٨/ ١-٢)

"(اے محمدﷺ!) ہم نے آپ کو کوثر (خیر کثیر) عطا فرمائی ہے' پس اپنے پروردگار کیلئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سجدہ اور ذبح کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا اور ذبح کرنا شرک ہے۔ بے شک انسان جب سجدہ و ذبح کے لئے قبروں کا رخ کرتا ہے تو اس کا مقصود قبروں کی تعظیم و توقیر ہی ہوتی ہے۔ امام مسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«حَدَّثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ، بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ أَوَىٰ مُحْدِثًا، لَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»(صحيح مسلم، الاضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالي، ح:١٩٧٨، سنن نسائي، كتاب الاضاحي، باب من ذبح لغير الله عزوجل، ح:٤٤٢٢)

"رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

① اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔

② اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔

③ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے اور

④ اللہ تعالیٰ اس پر بھی لعنت فرمائے جو زمین کے نشانات کو تبدیل کرے۔"

اسی طرح امام ابوداؤد نے سنن میں بطریق ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے مقام بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اور اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوْا: لاَ، قَالَ: فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوْا: لاَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ»(سنن أبي داود، كتاب الأيمان، باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر، ح:٣٣١٣)

"کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہے جس کی پوجا کی جاتی ہو؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا "نہیں۔" آپ نے فرمایا "کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کا کوئی میلہ منعقد ہوتا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا "نہیں" تو نبی ﷺ نے فرمایا "اپنی نذر کو پورا کرلو کیونکہ اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہئے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔"

ان مذکورہ آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نیز ایسی جگہ بھی جانور کو ذبح کرنا حرام ہے جہاں کسی بت یا کسی بھی غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہو یا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی میلہ ٹھیلا منعقد ہوتا ہو خواہ ذبح کرنے والے کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مُردوں کے لئے ذبح کرنے کا حکم

✿ بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے پاس یہ سوال آیا کہ میرے ملک میں بعض لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں

اور ان کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ ان میں سے جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو وہ ایک مخصوص طریقہ سے اس کے لئے گائے' بکری یا کوئی اور پالتو جانور ذبح کرتے ہیں اور اس کا گوشت اپنے اردگرد کے لوگوں بشمول مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں لیکن مسلمان اس گوشت کو قبول کرنے سے انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے تو پھر وہ مسلمانوں کو گائے وغیرہ زندہ جانور ہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جانور لے لو اور اسے اپنے طریقے سے ذبح کر لو تاکہ یہ اس میت کی طرف سے صدقہ ہو جو کہ غیراللہ کی عبادت کرتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کیا اس جانور کو لے کر اسلامی طریقہ سے ذبح کر کے اس کے گوشت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ عمل ان کے کام میں شرکت سمجھا جائے گا؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب غیراللہ کی عبادت کرنا اور مُردوں' غائب لوگوں اور درختوں اور دیگر غیراللہ کے نام کی نذر ماننا یا ان سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔ وہ شخص بہت اچھا کرتا ہے جو گائے بکری وغیرہ کے اس گوشت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے جسے غیراللہ کے پجاری اپنے مردوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں' ہاں البتہ اس زندہ گائے اور بکری کے لینے میں کوئی حرج نہیں جسے ان سے لے کر اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کر لیا جائے بشرطیکہ ذبح کے وقت کا مُردہ کی وفات کے وقت سے تعلق نہ ہو' نہ ان کی بدعت میں شرکت ہو اور نہ ذبح کرنے اور گوشت تقسیم کرنے سے مقصود میت پر صدقہ کرنا ہو جب کہ میت غیراللہ کی عبادت کرنے والوں میں سے ہو اور اگر مسلمان اس جانور کو اس کی موت کے وقت یا اس کے جنازہ کے لے جانے کے وقت ذبح کریں تو جائز نہ ہو گا کیونکہ اس میں ان کی بدعت میں شراکت ہو گی۔

((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

منتروں' تعویذوں اور دموں کے لکھنے کا حکم

سوال کچھ لوگ مریضوں' مجنونوں اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کے لئے قرآن و سنت کے کلمات کو بطور تعویذ لکھتے ہیں' ہم نے انہیں ایسا نہ کرنے کی نصیحت کی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کلمات کو بطور تعویذ لکھنا منع نہیں حالانکہ یہ ایسے لوگوں پر بھی تعویذ لٹکا دیتے ہیں جو پاک نہیں ہوتے مثلاً حیض اور نفاس والی عورت' مجنون و مدہوش مرد اور چھوٹا بچہ جسے عقل ہوتی ہے نہ طہارت کا شعور' تو کیا ان تعویذوں وغیرہ کا لکھنا جائز ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید' اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اذکار اور ادعیہ میں شرک نہ ہو یا وہ ایسے کلام پر مشتمل نہ ہوں جن کا مفہوم واضح نہ ہو۔ کیونکہ عوف بن مالک سے مروی ہے کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے اور اس بارے میں جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ»(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا بأس بالرقی ما لم یکن فیه شرك، ح: ۲۲۰۰)

''میرے سامنے اپنے دم پیش کرو' دم میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرکیہ نہ ہو۔''

اس طرح کے دم کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں تاثیر صرف اسی صورت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے۔ گردن یا جسم کے کسی دوسرے عضو کے ساتھ باندھا جانے والا تعویذ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور ہو تو حرام ہے بلکہ شرک ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، رَأَىٰ رَجُلاً فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِيْدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»

(سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب تعليق التمائم، ح:٣٥٣١، مسند احمد٤/ ٤٤٥)

"نبی ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے اتار دے یہ تجھے کمزوری کے سوا اور کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔"

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(أحمد في المسند ٤/ ١٥٤، وأبويعلى في المسند رقم:١٧٥٩ والحاكم في المستدرك ٤/٤١٧)

"جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

امام احمد اور ابوداود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣، مسند احمد١/ ٣٨١)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

خواہ جو اس نے لٹکایا ہو وہ قرآنی آیات ہی ہوں' صحیح بات یہی ہے کہ قرآنی آیات کا لٹکانا بھی ممنوع ہے اور اس کے تین اسباب ہیں:

① تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے بارے میں احادیث عام ہیں' تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

② سد ذریعہ کے لئے اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے غیر قرآن لٹکانے کا راستہ کھلتا ہے۔

③ لٹکائے جانے والے کلمات کی توہین ہوتی ہے کیونکہ آدمی انہیں قضائے حاجت' استنجاء اور جنسی عمل کے وقت بھی اپنے ساتھ لٹکائے ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورت یا آیات کا پلیٹ یا کاغذ پر لکھنا اور پھر اسے پانی یا زعفران وغیرہ کے ساتھ دھونا اور اسے برکت یا علمی استفادہ یا کسب مال یا صحت و عافیت وغیرہ کے حصول کی نیت سے پینا نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ آپ نے خود کبھی اپنے لئے ایسا کیا نہ کسی دوسرے انسان کے لئے اور نہ آپ نے اس کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم یا امت میں سے کسی کو اجازت دی حالانکہ اس وقت اس کے دواعی اور اسباب بھی موجود تھے' لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے' جو شریعت میں ثابت ہے یعنی قرآن کریم' اسماء حسنٰی اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اذکار اور دعائیں اور

ایسے کلمات جن کے معنی واضح ہوں' جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ایسے طریقے سے قرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے جو اس نے خود مقرر فرمایا ہے تاکہ ثواب حاصل ہو سکے' اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو دور فرما دے' غم و فکر سے نجات دے دے' علم نافع سے سرفراز فرمائے۔ ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے ہی کافی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات کو کافی سمجھے تو وہ اسے غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے!

—— فتویٰ کمیٹی ——

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے

سوال میرے خاندان میں تقرب کے حصول کے لئے اولیائے کرام کی قبروں پر بکریوں کے ذبح کرنے کا رواج ہے۔ میں نے انہیں اس سے روکا لیکن اس سے ان کے عناد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس کی عبادت کا حق ہے' لیکن اگر ہم اولیاء کی زیارت کریں اور اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے یوں کہیں کہ اپنے فلاں ولی کے طفیل ہمیں شفاء عطا فرمایا ہماری فلاں مصیبت کو دور کر دے تو بھلا اس میں گناہ کی کون سی بات ہے؟ میں نے کہا کہ ہمارا دین واسطے کا دین نہیں ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو.... میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے علاج کے لئے آپ کون سا حل بہتر سمجھتے ہیں؟ ان کے مقابلہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں اس بدعت کا کس طرح مقابلہ کروں؟ شکریہ!

جواب کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اللہ خواہ وہ اولیاء ہوں یا جن' بت ہوں یا دیگر مخلوقات' ان کے لئے ذبح کر کے تقرب حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور جاہلیت و مشرکین کے اعمال میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔"

"نسک" کا معنی ذبح کرنا ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جس طرح غیر اللہ کے لئے نماز پڑھنا شرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الکوثر١٠٨/ ١-٢)

"(اے محمد) ہم نے آپ کو کوثر (بہت بڑی خیر و برکت) عطا فرمائی ہے۔ سو (آپ اس کے شکر میں) اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔"

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں اور اسی کے

لئے قربانی کریں جب کہ مشرکین غیراللہ کو سجدہ کرتے اور غیراللہ ہی کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البينة٩٨/ ٥)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔"

اس مضمون کی آیات بہت سی ہیں۔ ذبح کرنا عبادت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ذبح بھی صرف اللہ ہی کے نام پر کیا جائے۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، كتاب الاضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله وتعالى ولعن فاعله، ح: ١٩٧٨)

"جو شخص غیراللہ کے لئے ذبح کرے اللہ اس پر لعنت فرمائے۔"

رہی قائل کی یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ سے بحق اولیاء یا بجاہ اولیاء یا بحق نبی یا بجاہ نبی سوال کرتا ہوں' تو یہ شرک تو نہیں لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک بدعت اور وسیلۂ شرک ضرور ہے کیونکہ دعاء عبادت ہے اور اس کی کیفیت توقیفی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ مخلوق میں سے کسی کے حق یا جاہ کے ساتھ توسل شرعاً جائز ہے' لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ وسیلہ کی کوئی ایسی صورت ایجاد کرے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ﴾ (الشورى٤٢/ ٢١)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ،ح: ١٧١٨)

"جس نے ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔"

اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے جسے امام بخاری نے بھی اپنی "صحیح" میں تعلیقاً ذکر فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ، ح: ١٧١٨، وصحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب رقم: ٢٠)

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین (اسلام) میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے فرمان "رد" کے معنی یہ ہیں کہ اسے کام کرنے والے کے منہ پر دے مارا جائے گا اور ہرگز ہرگز قابل قبول نہ ہو گا' لہٰذا مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ صرف اس کی پابندی کریں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس سے اجتناب کریں جو بدعات لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ جس وسیلہ کی شریعت میں اجازت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ' اس کی صفات' اس کی توحید' اعمال صالحہ' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس طرح کے دیگر نیکی اور بھلائی کے کاموں کے ساتھ وسیلہ ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

ممنوع اور جائز دم جھاڑ

سوال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَآئِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣، مسند احمد١/ ٣٨١)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ لِيْ خَالٌ يَرْقِيْ مِنَ الْعَقْرَبِ فَنَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، عَنِ الرُّقٰى، قَالَ: فَأَتَاهُ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى وَأَنَا أَرْقِيْ مِنَ الْعَقْرَبِ فَقَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة ....، ح:٢١٩٩)

"میرا ایک ماموں بچھو کے کاٹے کیلئے دم کیا کرتا تھا' جب نبی ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ ﷺ! "آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے' اور میں بچھو کے کاٹے کا دم کرتا ہوں۔" تو آپ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اسے فائدہ پہنچانا چاہیے۔"

جھاڑ پھونک کے موضوع سے متعلق ممانعت اور جواز کی ان حدیثوں میں تطبیق کی کیا صورت ہو گی؟ اگر کوئی بیمار آدمی اپنے سینے پر قرآنی آیات والا تعویذ لٹکائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جس جھاڑ پھونک سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں شرک ہو یا غیر اللہ کے ساتھ توسل (وسیلہ پکڑنا) ہو یا ایسے مجہول الفاظ ہوں۔ جن کے معنی معلوم نہ ہوں' باقی رہے وہ دم جھاڑ جو ان سے پاک ہوں تو وہ شرعاً جائز اور شفاء کا ایک بڑا سبب ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ شِرْكًا»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ....، ح:٢٢٠٠)

"جس دم جھاڑ میں شرک نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة . . .، ح:٥٧٢٩)

"جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے ضرور پہنچانا چاہئے۔"

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ رُقْيَةَ إِلاَّ مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(صحيح بخاري، كتاب الطب، باب من اكتوى أو كوى . . .، ح:٥٧٠٥، وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب لدليل على دخول طوائف . . .، ح:٢٢٠)

"دم جھاڑ نظر بد اور ڈسے جانے سے ہوتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو باتوں ہی میں دم جھاڑ زیادہ بہتر اور زیادہ شفاء بخش ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے خود دم کیا بھی ہے اور کرایا بھی ہے۔ باقی رہا مریضوں یا بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانا تو یہ جائز نہیں' جو تعویذ لٹکائے جائیں انہیں تمائم' حروز اور جوامع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ان کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ حرام اور شرک کی انواع و اقسام میں سے ایک ہیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَبِسَ تَمِيمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ»(مسند احمد٤/ ١٥٤، مجمع الزوائد٥/ ١٠٣، وابويعلي في المسند رقم:١٧٥٩)

"جو شخص تعویذ پہنے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو شخص سیپی (گھونگا) لٹکائے اللہ اسے آرام نہ دے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(احمد في المسند٤/ ١٥٦، والحاكم في المستدرك ٤/ ٤١٧، وفي مجمع الزوائد ٥/ ١٠٣)

"جس شخص نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

نیز فرمایا:

«إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

جو تعویذ قرآنی آیات اور جائز دعاؤں پر مشتمل ہوں' ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حرام ہیں یا نہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہیں اور اس کے دو سبب ہیں:

① مذکورہ احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کے تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں یا غیر قرآنی کلمات پر!

② شرک کے سدباب کے لئے یہ بھی حرام ہیں کیونکہ اگر قرآنی آیات پر مشتمل تعویذوں کو جائز قرار دے دیا جائے تو ان میں دوسرے بھی شامل ہو کر معاملے کو مشتبہ بنا دیں گے اور ان تعویذوں کے لٹکانے سے شرک کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو ذرائع شرک اور گناہوں تک پہنچانے والے ہوں' ان کا بند کر دینا قواعد

شریعت میں سے ایک بہت بڑا قاعدہ ہے اور توفیق عطا فرمانے والا تو اللہ ہی ہے!

—— شیخ ابن باز ——

تعویذ لٹکانے والے کا ذبیحہ

سوال جو شخص قرآن یا غیر قرآن کا تعویذ یا گرہ لگائے ہوئے دھاگے لٹکائے' اس کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب تمائم تمیمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ منکے' سیپی' گھونگا اور تعویذ ہیں جو بچوں' عورتوں اور حیوانوں وغیرہ کی گردنوں میں یا سینوں کے وسط پر یا بالوں میں لٹکائے جاتے ہیں تاکہ شر سے محفوظ رہا جائے اور جو ضرر نازل ہو چکا ہو اسے دور کیا جا سکے تو یہ منع ہے بلکہ شرک ہے کیونکہ نفع و نقصان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے' اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ»(سنن ترمذي، كتاب الطب، ما جاء في كراهية التعليق، ح:٢٠٧٢، احمد في المسند٤/ ٣١٠، ٣١١)

"جو شخص کوئی چیز لٹکائے اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔"

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَرْسَلَ رَسُولاً أَلاَّ تَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلاَدَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلاَدَةٌ إِلاَّ قُطِعَتْ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في الجرس ...ح:٣٠٠٥)

کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب آپ نے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسی باقی نہ رہنے دی جائے (جو نظر بد وغیرہ کے سلسلہ میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) مگر اسے کاٹ دیا جائے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں پر رسیوں کے لٹکانے سے مطلقاً منع فرمایا ہے خواہ ان میں گرہیں لگائی گئی ہوں یا نہ لگائی گئی ہوں' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رسیوں کے کاٹ دینے کا حکم دیا کیونکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اونٹوں پر رسیاں باندھتے' ان کی گردنوں میں ہار ڈالتے اور انہیں تعویذ پہناتے تھے تاکہ انہیں آفات اور نظر بد سے محفوظ رکھ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان سب باتوں سے سختی سے منع فرما دیا اور ان چیزوں کے کاٹ دینے کا حکم دیا لہٰذا اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ ان تعویذوں اور منتروں' جنتروں میں حصول منفعت اور دفع مضرت کے سلسلہ میں ذاتی تاثیر ہے تو وہ مشرک اور شرک اکبر کا مرتکب ہے' جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ایسے شخص کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں۔

جو شخص ان تعویذوں وغیرہ کو محض اسباب سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نفع و نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اسباب سے نتائج پیدا کرتا ہے تو وہ شرک اصغر کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب عادی ہیں نہ شرعی بلکہ

یہ وہمی ہیں۔ ہاں! البتہ بعض علماء نے ایسے تعویذوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو قرآنی آیات پر مشتمل ہوں' انہوں نے ان کے استعمال کی اجازت دی ہے اور ممانعت کی احادیث کو ایسے تعویذوں پر محمول کیا ہے جو غیر قرآنی ہوں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث عام ہیں' نبی ﷺ سے قرآنی تعویذوں کی تخصیص ثابت نہیں ہے' سد ذریعہ کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ پھر آدمی ایسے تعویذ بھی استعمال کرنے لگ جاتا ہے جو غیر قرآنی ہوں' قرآنی ہونے کی صورت میں قرآن مجید کی بے ادبی کا بھی احتمال ہے ہاں البتہ قرآنی تعویذ استعمال کرنے والے کے ذبیحہ کو کھایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس میں تاثیر و برکت کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ عقیدہ اسے ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا اور پھر اس لئے بھی کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تعویذوں کے لٹکانے کا حکم

سوال کیا قرآنی اور غیر قرآنی تعویذوں کے لٹکانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟

جواب لوگ جن تعویذوں کو استعمال کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

① قرآنی آیات پر مشتمل تعویذ اور ② غیر قرآنی کلمات پر مشتمل تعویذ

اگر تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں' تو ان کے بارے میں علماء سلف کے دو قول ہیں:

پہلا قول "ایسے تعویذوں کو بھی استعمال کرنا جائز نہیں" یہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ حذیفہ' عقبہ بن عامر اور ابن عکیم کا بھی بظاہر قول یہی ہے' تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے' جن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا۔ متأخرین نے بھی بڑے وثوق کے ساتھ اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ قول اس حدیث پر مبنی ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد وغیرہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣، احمد في المسند١/ ٣٨١، وابن ماجة في السنن رقم:٣٥٧٦)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہی قول صحیح ہے اور اس کے تین سبب ہیں جو غور کرنے والے کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

① ممانعت کی احادیث عام ہیں اور عام کو خاص کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے۔

② شرکیہ و بدعیہ تعویذات کا ذریعہ بند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو بھی ممنوع قرار دیا جائے۔

③ قرآنی آیات سے لکھے ہوئے تعویذات گلے میں ڈالنے والا لازمی طور پر قضاء حاجت اور استنجاء کی حالت میں بھی انہیں اپنے ساتھ رکھے ہو گا اور اس طرح قرآنی آیات کی توہین اور بے ادبی ہو گی۔

دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بظاہر یہی مروی

ہے۔ ابو جعفر باقر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور ممانعت کی حدیث کو انہوں نے ایسے تعویذوں پر محمول کیا ہے جو شرکیہ ہوں کیونکہ حدیث کے الفاظ «اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» عام ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شعبدہ بازوں سے علاج کرانا

سوال کچھ لوگ بزعم خود شعبدہ بازی کے طبی طریقہ سے علاج کرتے ہیں' جب میں ان میں سے کسی کے پاس جاؤں تو وہ مجھے کہتا ہے کہ اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو اور پھر کل ہمارے پاس آؤ اور پھر جب کوئی ان کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھے فلاں فلاں مصیبت آئی ہے اور اس کا علاج یہ ہے... ان میں سے کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ میں کلام اللہ سے علاج کرتا ہوں' ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور ان کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص علاج میں ایسا طریقہ استعمال کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنوں سے خدمت لیتا اور علم غیب کا دعوی کرتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے پاس جانا' اس سے سوال کرنا اور اس سے علاج کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے لوگوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَ لَهُ عَنْ شَيْءٍ لَـمْ تُقْبَلْ لَـهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

''جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جاکر کچھ پوچھا تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی۔''

اور بھی بہت سی احادیث سے کاہنوں' نجومیوں اور جادوگروں کے پاس جانے اور ان سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کی ممانعت آئی ہے' چنانچہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰی كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِـمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِـمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم: ٦٣٩، واحمد في المسند٢/ ٤٠٨، ٤٧٦)

''جو شخص کسی کاہن و نجومی کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے جائے اور پھر اسکے جواب کی تصدیق بھی کرے تو اس نے اس شریعت کا انکار کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔''

جو شخص بھی کنکریاں مارنے یا گھونگھے اور سیپیاں استعمال کرنے یا زمین پر لکیریں کھینچنے یا مریض سے اس کے' اس کی ماں یا اس کے رشتہ داروں کے نام پوچھ کر علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سب باتیں دلیل ہیں کہ وہ نجومیوں اور کاہنوں میں سے ہے' جن سے سوال کرنے اور جن کی تصدیق کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

مجہول تعویذوں اور منتروں کا حکم

سوال استاذ گرامی! میں نے راستہ میں ایک لکھا ہوا کاغذ دیکھا اور چاہا کہ اسے راستہ سے دور کر دوں تا کہ یہ پاؤں تلے پامال

نہ ہو لیکن جب اس پر نظر پڑی تو اس میں قرآنی آیات تھیں اور ساتھ ایک عبارت بھی لکھی ہوئی تھی' امید ہے کہ آپ مجھے اسکا کامل مفہوم سمجھائیں گے اور یہ بھی فرمائیں گے کہ اسکا کیا حکم ہے یعنی کیا یہ حلال ہے یا حرام؟ عبارت یہ تھی:

"اسے سونے کی انگوٹھی میں نقش کیا جائے' عود و عنبر کی خوشبو لگائی جائے اور مکمل طہارت پر پہنا جائے اور ایک ہفتہ تک ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایک نام ۱۳۰۰ بار اس طرح پڑھے کہ ہر ماہ کے پہلے جمعہ کی نماز صبح سے شروع کرے اور جمعرات کو عشاء کی نماز کے بعد ختم کرے' اس کے بعد بقدر استطاعت ہر فرض نماز کے بعد دو اسم پڑھے' اس سے بہت عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوں گے' جن کی قیمت کو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا' آپ بھی ان کے اسرار کو اپنے بیٹے یا کسی بھی دوسرے شخص کے سامنے بیان نہ کیجئے تاکہ انہیں کوئی بندگان الٰہی کو نقصان یا ایذاء پہنچانے کے لئے استعمال نہ کر سکے۔"

جواب سوال میں جو کچھ مذکور ہے اس کے مطابق عمل جائز نہیں ہے اور نہ اسے بطور نقش یا تعویذ استعمال کرنا ہی جائز ہے کیونکہ یہ نقش مجہول ہے' ممکن ہے اس میں شرکیہ کلمات بھی ہوں۔ اس میں وقت اور تعداد کا جو تعین کیا گیا ہے یہ بھی غیر شرعی ہے اس میں دو ناموں کا ذکر ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ دو نام کون سے ہیں تو اس طرح کی سب باتیں حرام ہیں' ان کے مطابق عمل جائز نہیں' جو شخص ایسی باتوں میں مبتلا ہو اسے ان سے فوراً چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیئے' ان اذکار کو ترک کر دینا چاہیئے۔ انگوٹھی کے نقش کو مٹا دینا چاہیئے اور عود و عنبر کے ساتھ اسے خوشبو لگانا ترک کر دینا چاہیئے اور آئندہ کے لئے ان سب باتوں سے توبہ کرنی چاہیئے۔

فتویٰ کمیٹی

شعبدہ بازوں اور مجہول لوگوں سے علاج کرانا جائز نہیں

سوال بعض لوگ اپنے مرگی کے مریض کو بعض عرب اطباء کے پاس لے جاتے ہیں اور یہ طبیب جنوں کو حاضر کرتے ہیں اور ان سے عجیب و غریب قسم کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں۔ یہ مریض کو بھی کچھ عرصہ کے لئے چھپا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر جن یا جادو کا اثر ہے۔ ان کے علاج سے مریضوں کو بسا اوقات شفاء بھی مل جاتی ہے اور ان کے اس علاج کی اجرت بھی انہیں دی جاتی ہے' تو سوال یہ ہے کہ ان سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟ نیز ایسے تعویذوں کے ساتھ علاج کا کیا حکم ہے جن میں قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں اور انہیں پانی میں حل کر کے مریضوں کو پلایا جاتا ہے؟

جواب مرگی اور جادو کے مریض کا قرآنی آیات اور جائز دواؤں سے علاج جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ معالج کا عقیدہ اچھا ہو اور وہ شرعی امور کا پابند ہو۔ باقی رہا ان لوگوں سے علاج کرانا جو علم غیب کا دعویٰ کرتے یا جنوں کو حاضر کرتے' یا شعبدہ باز اور مجہول الحال ہوں اور ان کے علاج کی کیفیت بھی معلوم نہ ہو تو ان کے پاس جانا' ان سے سوال کرنا اور ان سے علاج کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً» (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

"جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰی عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح:٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم:١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم:٦٣٩، واحمد في المسند٢/٤٠٨، ٤٧٦)

"جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے جائے اور پھر اس کے جواب کی تصدیق بھی کرے تو اس نے اس شریعت کا انکار کر دیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نجومیوں اور کاہنوں سے سوال کرنا اور ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ کاہنوں اور نجومیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں یا جنوں سے مدد لیتے ہیں یا ان کے اعمال اور تصرفات سے ایسا معلوم ہوتا ہو۔ انہی جیسے لوگوں کے بارے میں وہ مشہور حدیث وارد ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

«سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ، عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ: هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في النشرة، ح:٣٨٦٨)

"نبی کریم ﷺ سے "نشرہ" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ شیطانی عمل ہے۔"

علماء نے "نشرہ" کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد اہل جاہلیت کا جادو کے ذریعہ جادو کو دور کرنا ہے اور اس میں ہر وہ علاج بھی شامل ہے جس میں کاہنوں' نجومیوں' جھوٹے لوگوں اور شعبدہ بازوں سے مدد لی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام بیماریوں اور مرگی وغیرہ کی تمام قسموں کا شرعی طریقوں اور مباح وسائل سے علاج جائز ہے۔ اور انہی وسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مریض پر قرآنی آیات اور شرعی دعائیں پڑھ کر دم کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ شِرْكًا»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى . . .، ح:٢٢٠٠)

"دم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرک نہ ہو"

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«عِبَادَاللهِ تَدَاوَوْا وَلاَ تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الادوية المكروهة، ح:٣٨٧٤)

"اللہ کے بندو! علاج کرو لیکن حرام کے ساتھ علاج نہ کرو۔"

آیات کریمہ اور شرعی دعاؤں کے صاف پلیٹ یا صاف کاغذوں پر زعفران سے لکھنے اور دھو کر مریضوں کو پلانے میں کوئی حرج نہیں' بہت سے سلف سے یہ ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد وغیرہ میں لکھا ہے۔ لکھنے والے

کے لئے بھی ضروری ہے کہ خیر و استقامت میں معروف لوگوں میں سے ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ عبد العزیز بن باز ———

قرآن کے ساتھ علاج کا حکم

سوال قرآن مجید کے ساتھ علاج کرنے اور تعویذ وغیرہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب قرآن مجید کے ساتھ علاج جائز ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

«اِنْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوْهَا، حَتّٰى نَزَلُوْا عَلٰى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوْهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوْهُمْ، فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ، فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لاَ يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ أَتَيْتُمْ هٰؤُلاَءِ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ نَزَلُوْا لَعَلَّهُمْ أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوْا: يَاأَيُّهَا الرَّهْطُ إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ، وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لاَ يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَهَلْ عِنْدَ اَحَدٍ مِنْكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَعَمْ، وَاللهِ إِنِّي لأَرْقِيْ، وَلٰكِنِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا فَمَا أَنَا بِرَاقٍ حَتّٰى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلاً، فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰى قَطِيْعٍ مِنَ الْغَنَمِ، فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ: اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ، فَانْطَلَقَ يَمْشِيْ وَمَا بِهٖ قَلَبَةٌ قَالَ: فَاَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمْ الَّذِيْ صَالَحُوْهُمْ عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اقْتَسِمُوْا، فَقَالَ الَّذِيْ رَقٰى: لاَ تَفْعَلُوْا حَتّٰى نَأْتِيَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِيْ كَانَ فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا، فَقَدِمُوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَذَكَرُوْا لَهُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَمَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ أَصَبْتُمْ اقْتَسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيَ مَعَكُمْ سَهْمًا»(صحيح بخاري، كتاب الاجارة، باب ما يعطى في الرقية على احياء العرب بفاتحة الكتاب، ح:٢٢٧٦، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب جواز اخذ الاجرة علي الرقية بالقرآن والاذكار، ح:٢٢٠١، وسنن أبي داود رقم:٣٤١٨، واخرجه الترمذي في الجامع رقم:٣٠٦٣، ٢٠٦٤ وابن ماجة في السنن رقم: ٢١٥٦، واحمد في المسند رقم:٣/ ١٠،٤٤)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر میں تھی حتی کہ وہ ایک عرب قبیلے کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ان سے (عربوں کے دستور کے مطابق) مطالبہ کیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں لیکن انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا ادھر اس قبیلے کے سربراہ کو بچھو نے ڈس لیا تو انہوں نے اس کے علاج کے لئے ہر کوشش کر دیکھی لیکن اسے کچھ فائدہ نہ ہوا تو بعض نے کہا کہ اس آنے والے قافلہ کے لوگوں سے پوچھ لیتے ہیں شاید ان کے پاس کوئی چیز ہو! تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قافلہ والو! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ہر جتن کر دیکھا ہے لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا' کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا ''اللہ کی قسم! میں دم کرتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تم سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا تو تم نے ہماری مہمان نوازی نہ کی لہٰذا میں تو اس وقت تک دم نہ کروں گا جب تک

تم اس کی مزدوری نہ دو گے۔
بکریوں کے ایک ریوڑ پر سمجھوتہ ہو گیا اور یہ شخص گیا اور اس نے اس کے پاس جا کر "الحمد للہ رب العالمین" کو پڑھنا اور اس کے ساتھ اسے دم کرنا شروع کر دیا تو وہ یوں ہو گیا گویا اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو اور پھر بالآخر مکمل صحت یاب ہو گیا تو انہوں نے وہ مزدوری دے دی جس پر سمجھوتہ ہوا تھا۔ اب ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم ان بکریوں کو تقسیم کر لیں لیکن جس نے دم کیا تھا اس نے کہا کہ نہیں ابھی تقسیم نہ کرو حتی کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں' یہ سارا واقعہ بیان کریں اور پھر دیکھیں گے کہ آپ کیا حکم دیتے ہیں۔
یہ سب لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟" پھر فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا ہے' بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور ان میں میرا حصہ بھی رکھو۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ علاج کرنا شرعاً جائز ہے لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کو بطور تعویذ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کتاب حصن حصین اور حرزالجوشن وغیرہ

سوال دم اور تعویذ اگر قرآن مجید سے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر میں اپنے ساتھ "حصن حصین" یا کتاب "حرز الجوشن" یا "سبع عقود سلیمانیہ" رکھوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ان کتابوں کا اپنے پاس رکھنا نظر بد اور حسد..... وغیرہ سے بچاتا ہے؟ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں معوذات اور آیۃ الکرسی ہے۔ اگر کتابوں کو ہر وقت ساتھ نہ رکھا جائے تو کیا پھر بھی معوذات اور آیۃ الکرسی کا پڑھنا فائدہ دیتا ہے؟

جواب قرآن مجید اور ایسے اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کرنا جائز ہے جو شرکیہ نہ ہوں۔ تعویذ لکھنے اور انہیں بطور حرز کے استعمال کرنے کے بارے میں ہم ایک مفصل فتویٰ جاری کر چکے ہیں اسے ملاحظہ فرمائیں۔
کتاب "حصن حصین" "حرزالجوشن" اور "سبعہ عقود" وغیرہ کو بطور حرز استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی کا پڑھنا نیز "قل ھواللہ احد" اور "معوذتین" کا پڑھنا مفید ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ایسی مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں اور جو شخص مسجد میں نبی ﷺ کی قبر سے استدلال کرتا ہے اس کا جواب۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

* بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو جناب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ "آپ سے سوال ہے کہ اس مسجد میں نماز کا کیا حکم ہے جس میں قبر ہو؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی مسجد میں نماز جائز نہیں

خواہ شہر میں اس کے علاوہ کوئی اور مسجد نہ ہو' ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نسبت گھر میں نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے جب کہ بعض دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی مسجد میں نماز جائز ہے کیونکہ مسجد نبوی میں بھی تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبریں موجود ہیں۔ مجھے ان دونوں اقوال کی کوئی دلیل نہیں مل سکی اس لئے حقیقت اور دلیل سمجھنے کے لئے آپ کی خدمت میں یہ خط ارسال کر رہا ہوں۔ میں سینی گال کے دیہاتی علاقے میں رہتا ہوں اور وہاں صرف ایک ہی مسجد ہے اور اس مسجد میں چار قبریں ہیں' تین قبریں تو مسجد سے باہر قبلہ والی دیوار کے ساتھ ہیں اور ایک قبر بالکل مسجد کے اندر ہے' مجھے اس مسئلہ کا قطعاً علم نہیں۔ براہ کرم آپ مجھے حقیقت اور دلیل سے آگاہ فرمائیں' مجھے چونکہ علم نہیں تھا اس لئے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ کے مطابق آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب اولاً: قبروں پر مسجدیں بنانا جائز نہیں اور نہ کسی ایسی مسجد میں نماز جائز ہے جو کسی قبر یا قبروں پر بنائی گئی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مرض الوفات میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا:

«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا وَلَوْلاَ ذٰلِكَ لأُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح: ١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد.. ح: ٥٢٩، وسنن نسائي رقم: ٧٠٤، واحمد في المسند ٥/ ٦٠٤، وموطا امام مالك، كتاب قصر الصلاة في السفر، رقم: ٨٥)

"یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ آپ ﷺ ان کے فعل سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی قبر کو بھی نمایاں کر دیا جاتا' نمایاں اس لئے نہ کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔"

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ دن قبل آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ، فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلاً، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً، أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور... ح: ٥٣٢)

"میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات سے اظہار برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار! آگاہ رہو تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے مگر تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے جو قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ مسجدوں پر قبریں بنانے اور ان میں نماز پڑھنے میں غلو فی الدین بھی ہے اور یہ شرک کا ذریعہ بھی ہے' اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "آپ ﷺ ان کے فعل (کام) سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو بھی نمایاں کر دیا جاتا' نمایاں اس لئے نہ کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔"

ثانیاً: جب کسی ایک یا زیادہ قبروں پر کوئی مسجد بنا لی جائے تو اس کا گرا دینا واجب ہے کیونکہ اسے خلاف شریعت تعمیر کیا گیا ہے' اسے باقی رکھنا اور اس میں نماز پڑھنا گناہ پر اصرار ہے' غلو فی الدین اور جس کی قبر پر مسجد بنائی گئی ہے اس کی تعظیم میں اضافہ ہے اور یہ شرک کا ذریعہ ہے۔ والعیاذ باللہ' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (النساء٤/ ١٧١)

"اپنے دین میں غلو نہ کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ»(احمد في المسند١/٣٤٧، والحاكم في المستدرك، ١/ ٤٦٦، وابن ماجة في السنن رقم:٣٠٢٩)

"غلو سے بچو' تم سے پہلے لوگوں کو غلو ہی نے تباہ و برباد کیا تھا۔"

مسجد اگر قبر پر نہ بنائی گئی ہو بلکہ بعد میں میت کو مسجد میں دفن کیا گیا ہو تو اس صورت میں مسجد کو نہیں گرایا جائے گا بلکہ میت کو قبر سے نکال کر باہر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا کیونکہ اس کا مسجد میں دفن کیا جانا ایک منکر بات ہے اور اس منکر کے ازالہ کی صرف یہی صورت ہے کہ اسے اس قبر سے نکال کر قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

ثالثاً: مسجد نبوی کو نبی ﷺ نے اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضا کی بنیادوں پر تعمیر فرمایا تھا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کو اس مسجد میں دفن نہیں کیا گیا تھا بلکہ آپ کی تدفین تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں عمل میں آئی تھی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہیں بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں دفن کیا گیا تھا اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہیں بھی حجرہ میں ہی دفن کیا گیا تھا اور اس وقت حجرہ مسجد نبوی میں شامل نہ تھا بلکہ اسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد مسجد میں داخل کیا گیا۔ لہٰذا اس مسجد میں نماز کی شرعی طور پر نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ مسجد حرام کے بعد اس میں نماز سب سے افضل اور دیگر مسجدوں میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے اس کے برعکس ایسی مسجد جسے کسی قبر یا قبروں پر تعمیر کیا گیا ہو یا اس میں میت کو دفن کیا گیا ہو تو اس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

رابعاً: فرض نماز گھر میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ آپ کو چاہئے کہ اپنے بعض مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر باجماعت ادا کریں اور کسی ایسی مسجد میں ادا کریں جسے قبر پر نہ بنایا گیا ہو خواہ کھلی جگہ ہی پڑھ لیں اور آپ لوگوں کو چاہئے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ایک مسجد بنائیں تاکہ اس میں باجماعت نماز پنج گانہ ادا کر سکیں' نصوص شریعت کے مطابق عمل کر سکیں اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے باز رہ سکیں۔ واللہ الموفق ((وصلی اللہ وسلم علی عبده ورسوله محمد وآله وصحبه))

—— فتویٰ کمیٹی ——

قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو گی

سوال ہم اکثر یہ بات سنتے رہتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی' جب تک اسلام ساری زمین میں نہ پھیل جائے گا اور دوسری طرف ہم یہ بات سنتے ہیں کہ قیامت اس وقت قائم ہو گی جب زمین میں "لاالہ الا اللہ" کہنے والا کوئی شخص باقی نہ رہے گا' تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہو گی؟

جواب یہ دونوں قول صحیح ہیں۔ نبی ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل نہ کریں گے' آپ خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑیں گے' مال کی فراوانی ہو جائے گی اور جزیہ ختم ہو جائے گا اور وہ اسلام یا تلوار کے سوا اور کچھ قبول نہ کریں گے۔ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا دیگر تمام دینوں کو ختم کر دے گا اور سجدہ صرف اللہ وحدہ ہی کے لئے ہو گا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ساری زمین میں دین اسلام پھیل جائے گا اور اسلام کے سوا اور کوئی دین باقی نہ رہے گا اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ' عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایک ایسی پاک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن مرد اور عورت کی روح کو قبض کرے گی اور پھر اس کے بعد بدترین قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں دفن ہیں؟

سوال کتاب السیر میں لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم (کعبہ) میں دفن ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں مدفون ہیں تو پھر اس جگہ نماز کیسے جائز ہو گی؟

جواب یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں مدفون ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے' کسی حال میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ((وباللّٰه التوفيق ۔ وصلى اللّٰه على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی حکمت

سوال جب یہ معلوم ہے کہ مُردوں کو مسجد میں دفن کرنا جائز نہیں اور جس مسجد میں قبر ہو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد علي القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المساجد...، ح:٥٣١، وسنن نسائي رقم:٧٠٤، واحمد في المسند٥/ ٦٠٤، وموطا امام مالك كتاب قصر الصلاة في السفر، رقم:٨٥)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔"

اسی طرح یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے:

«ذَكَرَتَا لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ، كَنِيْسَةً رَأَتَاهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ وَمَا فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ، فَقَالَ ﷺ: أُوْلٰئِكَ إِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُوْلٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب تنبش قبور مشركي... ح:٤٢٧، ٤٣٤، ١٣٤١، ٣٨٧٨ ومسلم في الصحيح رقم: ٥٢٨ والنسائي في المجتبى٢/ ٤١ واحمد في المسند ٦/ ٥١ وأبو يعلى في المسند رقم:٤٦٢٩، وابن خزيمة في الصحيح رقم:٧٩٠)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گرجا کا ذکر کیا جسے انہوں نے ارض حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں میں اگر کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بھی بناتے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ہیں۔"

حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلاً، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلاً، لاَتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً، أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور... ح:٥٣٢، والحاكم في المستدرك٢/ ٥٥٠)

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے' جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اگر میں امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا' تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے' خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ نَهٰى أَنْ تُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ح:٩٧٠)

"نبی کریم ﷺ نے قبر کو چونا گچ (پختہ) کرنے' اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

یہ احادیث اور اس مفہوم کی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہے اور ایسا کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے' اسی طرح یہ احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ قبروں پر عمارتیں بنانا' قبے تعمیر کرنا اور انہیں چونا گچ کرنا حرام ہے کیونکہ یہ شرک اور غیراللہ کی عبادت کے اسباب میں سے ہے جیسا کہ قدیم و جدید دور کی تاریخ شاہد ہے لہٰذا دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے' قبروں کو مسجد بنانے' ان پر قبے تعمیر کرنے' انہیں چونا گچ کرنے اور ان پر چراغ جلانے سے جو منع فرمایا ہے' اس سے اور

دیگر کاموں سے اجتناب کریں' جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اکثر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے فریب خوردہ نہ ہوں کیونکہ حق تو مومن کی متاع گم شدہ ہے' وہ جب بھی اسے پاتا ہے لے لیتا ہے۔ اور حق کتاب و سنت کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے' لوگوں کے آراء اور اعمال سے نہیں۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صاحبین رضی اللہ عنہما کی تدفین مسجد میں عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ ان مقدس ہستیوں کی تدفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہوئی تھی۔

جب ولید بن عبدالملک کے عہد میں مسجد نبوی میں توسیع ہوئی تو پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا گیا لہٰذا ولید کا یہ عمل مسجد میں دفن کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کو ارض مسجد کی طرف منتقل نہیں کیا گیا بلکہ مسجد میں توسیع کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس حجرہ کو جس میں آپ مدفون تھے مسجد میں داخل کر دیا گیا لہٰذا یہ عمل کسی کے لئے قبروں پر عمارت بنانے کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا یا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجدیں بنانا یا مسجدوں میں دفن کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث جو میں نے ابھی ذکر کی ہیں' ان سے ان سب باتوں کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت کے خلاف ولید کا عمل کسی کے لئے حجت نہیں ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

((کنت سمعه الذی یسمع به و بصره ......)) کے معنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

* بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش کئے گئے اس استفتاء کے بارے میں علم ہوا' جس میں یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ "جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں' جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں' جس سے وہ چلتا ہے؟"

جواب جب مسلمان فرائض کو ادا کرے' پھر تقرب الٰہی کے حصول کے لئے نفل عبادتوں کو بھی بجالانے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور ہر کام میں اس کا معاون بن جاتا ہے' جب سنتا ہے تو سننے میں اسے اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور وہ خیر ہی کی بات سنتا ہے' حق ہی کو قبول کرتا ہے اور باطل اس سے دور ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی آنکھ اور دل سے دیکھتا ہے تو اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس میں وہ اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ ہدایت و بصیرت پر ہوتا ہے اور وہ حق کو حق' اور باطل کو باطل دیکھتا ہے۔ جب کسی چیز کو پکڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کے ساتھ پکڑتا ہے اور اس کی یہ پکڑ حق کی حمایت کے لئے ہوتی ہے اور جب وہ چلتا ہے تو اس کی یہ چال اللہ تعالیٰ کی اطاعت' طلب علم یا اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کے ساتھ عمل اللہ تعالیٰ کی ہدایت و قوت کا رہین منت ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کر جاتا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ مزید راہنمائی ان کلمات سے ملتی ہے جو اس حدیث کے آخر میں آئے ہیں:

«وَلَئِنْ سَأَلَنِيْ لأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَ بِيْ لأُعِيْذَنَّهُ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، ح:٦٥٠٢)

''اگر میرا بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دے دیتا ہوں اور اگر میرے ساتھ پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ دے دیتا ہوں۔''

بعض روایات میں جو یہ الفاظ آتے ہیں:

«فَبِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يُبْصِرُ»(فتح الباري، ١١/ ٤١٨)

''وہ میرے ساتھ سنتا اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔''

تو اس میں حدیث کے ابتدائی حصہ سے جو مراد ہے اس کی وضاحت اور تصریح ہے کہ سائل کون ہے اور مسئول کون' مستعیذ (پناہ مانگنے والا) کون ہے اور معیذ (پناہ دینے والا) کون ہے۔ یہ حدیث قدسی ایک دوسری حدیث قدسی کی نظیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي الخ . . . »(مسند أحمد٢/ ٤٠٤)

''میرے بندے میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔'' الخ!

ان دونوں حدیثوں میں آخری حصہ ابتدائی حصہ کی خود ہی شرح کرتا ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ خواہشات کے پجاری متشابہ نصوص کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' محکم سے اعراض کرتے ہیں اور اس طرح یہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ ((وباللّٰه التوفيق - وصلى اللّٰه على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

میت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال کیا زیارت قبر کے وقت میت کے لئے سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کا کوئی اور حصہ پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا اس کا اسے فائدہ ہوتا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ قبروں کی زیارت فرمایا کرتے تھے اور مُردوں کے لئے آپ دعائیں فرمایا کرتے تھے جو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سیکھیں' چنانچہ ان دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح:٩٧٥)

''اے (اس) بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے بار بار قبروں کی زیارت فرمائی لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی مُردوں کے لئے سورت فاتحہ یا قرآن کی دیگر آیات کو پڑھا ہو۔ اگر یہ شرعی حکم ہوتا تو آپ ایسا کرتے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اسے واضح فرماتے' انہیں ثواب کی رغبت دلاتے اور امت پر رحمت فرماتے اور اس طرح فریضۂ تبلیغ کو بھی ادا فرماتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا آپ ﷺ کی شان یہ ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ (التوبة٩/ ١٢٨)

"(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں' تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔"

جب آپ ﷺ نے وجود اسباب کے باوجود ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شرعی امر نہیں ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بات کو جانتے تھے لہٰذا انہوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی اور زیارت قبور کے وقت مُردوں کے لئے دعاء اور ان سے عبرت حاصل کرنے پر اکتفا کیا۔ اور یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے مُردوں کے لئے کبھی قرآن پڑھا ہو' لہٰذا ثابت ہوا کہ مُردوں کے لئے قرآن پڑھنا بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علي صلح، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (بات) مردود ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

کیا ہندو مت' بدھ مت اور سکھ مت دین ہیں؟

سوال مؤرخہ ۴ صفر کو جمعہ کی شام ٹیلی وژن سے عالم فطرت کے نام سے ایک پروگرام پیش کیا گیا' یہ پروگرام ہندوستان کے لوگوں کے بارے میں تھا۔ پروگرام پیش کرنے والے نے اس نشریہ کی ابتداء میں کہا: "ہندوستان کو جو مختلف ادیان کا مذہب کہا جاتا ہے تو یہ بالکل درست ہے کیونکہ وہاں ہم ہندومت' بدھ مت اور سکھ مت..... الخ سب دین پاتے ہیں" آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ وضاحت فرمائیں کیا یہ واقعی ادیان ہیں' جنہیں پروگرام پیش کرنے والے نے ادیان قرار دیا؟ کیا یہ ادیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اور رسولوں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے گئے ہیں؟

جواب ہر وہ طریقہ جس کے لوگ پیروکار ہوں اور اسے دین سمجھ کر سرانجام دیں' اسے دین کا نام دیا جا سکتا ہے خواہ وہ باطل ہو جیسے بدھ مت' بت پرستی' یہودیت' ہندومت' نصرانیت اور دیگر باطل ادیان۔ اللہ نے سورۃ الکافرون میں فرمایا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿٦﴾﴾ (الكافرون١٠٩/ ٦)

"تمہارے لیے تمہارا دین ہے' میرے لیے میرا دین"۔

اس آیت میں بتوں کے پجاریوں کے طریقے کو بھی دین کہا ہے' جبکہ دین حق صرف اسلام ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران٣/ ١٩)

"دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ ۵/ ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

اسلام یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے بجائے صرف اور صرف اللہ وحدہ کی عبادت کی جائے' اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی کو ترک کیا جائے اور اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کی جائے اور ہر اس چیز کے ساتھ ایمان لایا جائے' جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے' خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے۔ ادیان باطلہ میں سے کوئی دین بھی ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور اسے پسند کیا ہو بلکہ یہ سب بدعی اور غیر منزل ہیں۔ اسلام ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے اگرچہ شریعتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ (المائدۃ ۵/ ٤٨)

"ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

فوت شدہ حکام کی سلامی کے لئے کھڑا ہونا

سوال جب کوئی حاکم یا سربراہ فوت ہوتا ہے تو حکومتی اداروں کے بعض ارکان مقتول پر غم و حزن کے اظہار کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کسی عرب ملک کا سربراہ فوت ہوتا ہے تو اظہار غم اور سوگ کے لئے بعض اسلامی ملک اپنے بازاروں کو بند کر دیتے اور اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے جب کہ میت کے لئے نوحہ جائز نہیں اور یہ صورتیں تو نوحہ سے بھی بدتر ہیں؟

جواب آج کل لوگوں میں جو یہ رواج ہے کہ وہ شہداء یا عظیم لوگوں کی سلامی یا ان کی روحوں کی تعظیم و تکریم کے لئے خاموشی کے ساتھ کچھ دیر کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیتے ہیں تو یہ منکر اور نو ایجاد بدعی امور میں سے ہے' نبی کریم ﷺ' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح کے دور میں ایسا کوئی رواج نہ تھا' یہ طریقہ آداب توحید اور اللہ کے لئے اخلاص تعظیم کے بھی منافی ہے' اپنے دین سے بعض جاہل مسلمان کفار کی پیروی اور ان کی قبیح عادات کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں' اس طرح کے غلو کا اظہار کفار اپنے زندہ و مردہ سربراہوں اور عظیم لوگوں کے بارے میں کرتے ہیں اور ہمیں نبی کریم ﷺ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اسلام نے فوت شدہ مسلمانوں کے جن حقوق کو بیان کیا ہے' وہ یہ ہیں کہ ان کے لئے دعاء کی جائے' ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے' ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے' ان کی برائیوں کے ذکر سے اجتناب کیا جائے۔ علاوہ ازیں اس طرح کے اور بھی بہت سے آداب ہیں جنہیں اسلام نے بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے زندہ یا مردہ بھائیوں کے لئے ان آداب کی پابندی کریں۔ شہداء یا عظیم لوگوں کی سلامی کے لئے خاموشی کے ساتھ بطور سوگ کھڑا ہو جانا یقیناً ان آداب میں سے نہیں ہے' جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے بلکہ اسلام کے اصول اس طرح کے آداب تعظیم کی نفی کرتے ہیں۔ ((وباللّٰہ التوفیق ۔ صلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

میت کی طرف سے صدقہ کرنا شرعاً جائز ہے

سوال کیا میت کی طرف سے صدقہ کا اجروثواب اسے ملتا ہے؟ کیا میت کی طرف سے صدقہ سے اس کے اعمال حسنہ میں اضافہ ہوتا ہے؟

جواب میت کی طرف سے صدقہ کرنا ان امور میں سے ہے جو شرعاً جائز ہیں' خواہ یہ صدقہ مال کی صورت میں ہو یا دعاء کی صورت میں' امام مسلم نے "صحیح" میں' امام بخاری نے "الادب المفرد" میں اور اصحاب سنن نے اپنی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، ح:١٦٣١، واخرجه أبوداود في السنن رقم:٢٨٨٠، والترمذي في الجامع رقم:١٣٧٦، والنسائي في المجتبى٦/ ٢٥١، واحمد في المسند٢/ ٣٧٢ والبخاري في الادب رقم:٣٨)

"جب ابن آدم فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع (ختم) ہو جاتا ہے البتہ تین طرح کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔"

① صدقہ جاریہ ② علم نافع (مفید) اور ③ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو"

یہ حدیث اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو حاصل ہوتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرق نہیں فرمایا کہ صدقہ میت کی طرف سے وصیت کی وجہ سے ہو یا اس کی وصیت کے بغیر ہو لہٰذا یہ حدیث عام ہو گی اور ان دونوں حالتوں کیلئے شامل ہو گی۔ میت کیلئے دعاء کے سلسلہ میں صرف اولاد کے ذکر کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ بہت سی صحیح احادیث سے مردوں کیلئے دعاء ثابت ہے جیسا کہ ان کی نماز جنازہ میں اور ان کی قبروں کی زیارت کے موقعہ پر دعاء کی جاتی ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ میت کا کوئی قریبی عزیز دعاء کرے یا کوئی اجنبی دعاء کرے۔

فتویٰ کمیٹی

قبروں کے ساتھ تبرک نہیں

سوال کیا میت کے لئے دعاء کی وجہ سے قبر کے پاس کھڑا ہونا یا بیٹھنا جائز ہے؟

جواب قبروں کی شرعی زیارت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان عبرت و نصیحت حاصل کرے اور موت کو یاد کرے' اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قبروں میں مدفون نیک لوگوں کے ساتھ تبرک حاصل کیا جائے' جب کوئی شخص قبرستان میں آئے تو اسے چاہئے کہ مدفون لوگوں کو سلام کہنے کے لئے یہ دعاء پڑھے:

«اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَلاَحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح:٩٧٥)

"اے (اس) لبستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔"

اگر چاہے تو اس کے علاوہ دیگر مسنون دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے لیکن وہ مردوں سے دعاء نہ کرے' نہ ان سے دفع نقصان اور حصول منفعت کے لئے فریاد کرے کیونکہ دعاء تو عبادت ہے اور یہ صرف اللہ وحدہ کے لئے ہے' میت کے لئے دعاء میں قبر کے پاس بیٹھنے یا کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن تبرک یا استراحت کے لئے قبر کے پاس بیٹھنے یا کھڑا ہونے کی اجازت نہیں کیونکہ قبر نہ مقام استراحت ہے اور نہ رہائش کی جگہ ہے کہ آدمی وہاں بیٹھے۔ میت کی تدفین کے بعد قبر کے پاس دعاء کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرما دے' کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوْا لأَخِيْكُمْ وَاسْأَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ح:٣٢٢١ واخرجه الحاكم، ١/ ١٢٩، والبيهقي، ٤/ ٥٦)

"اپنے بھائی کی مغفرت (بخشش) کے لئے دعاء کرو اور دعاء کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے' اس وقت اس سے سوال پوچھے جا رہے ہیں۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

① زینت کے لئے مجسّموں کا استعمال
② نبی ﷺ کی قسم کھانے کا حکم

سوال ① وہ مجسّمے جو گھروں میں عبادت کے لئے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے رکھے جائیں' ان کا کیا حکم ہے؟

سوال ② بعض لوگ نبی ﷺ اور اولاد نبی کی قسم کھاتے ہیں' ان کا قصد و ارادہ تو نہیں ہوتا لیکن عادتاً وہ اس طرح کی قسم کھاتے ہیں تو کیا اس کا بھی محاسبہ ہو گا؟

جواب ① تصویروں یا حنوط شدہ جانوروں کو گھروں' دفتروں اور مجلسوں میں لٹکانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ ان احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گھروں وغیرہ میں تصویروں کا لٹکانا اور مجسّموں کا رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کا وسیلہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کی مشابہت اور اس کے دشمنوں کے عمل کی پیروی ہے۔ حنوط شدہ جانوروں کو گھروں میں بطور زینت استعمال کرنے میں

مال کو ضائع کرنا' اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور مورتیوں اور مجسموں کے لٹکانے کے دروازہ کو کھولنا ہے اور ہماری مکمل ترین اسلامی شریعت نے ان تمام ذرائع کو بند کر دیا ہے جو شرک یا گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

جواب ② کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نبی ﷺ یا مخلوق میں سے کسی اور کی قسم کھائے۔ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام اور شرک ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلاَ يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح بخاري، كتاب الشهادات، باب كيف يستحلف، ح:٢٦٧٩، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

"جو شخص قسم کھانا چاہے' اسے چاہیئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في أن من حلف بغير الله فقد اشرك، ح:١٥٣٥، واخرجه أبوداود في السنن رقم:٣٢٥١ واحمد في المسند ٢/ ٣٤، ٤٧، ٦٧، ٨٧، ١٢٥، والحاكم في المستدرك ١/ ١٨، ٤/ ٢٩٧)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم سے اجتناب کرے اور ماضی میں اس نے جو غیر اللہ کی قسم کھائی یا دیگر گناہوں کا ارتکاب کیا' ان سے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ کے پاس جو خیروبھلائی اور اجر جزیل ہے اس کی رغبت اور اس کے غضب و عقاب سے پناہ حاصل کرنے کے لئے حق پر قائم رہے اور حق کی حفاظت کرے۔ وباللہ التوفیق!

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا یہ درست ہے کہ میڈیکل کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رحم میں کیا ہے؟

سوال مجلہ "العربی" کے شمارہ ۲۰۵ صفحہ ۱۵ مجریہ دسمبر ۱۹۷۵ء میں ایک سوال جواب کے نتیجہ میں یہ لکھا ہے کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جنین نر ہے یا مادہ؟ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دین اسلام کا مؤقف کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو غیب کا علم ہے؟

جواب سب سے پہلے اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی رحم میں حمل کو جس طرح چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اسے اپنی مرضی و مشیئت سے نر یا مادہ' کامل یا ناقص بنا دیتا ہے' اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا قطعاً کوئی تصرف اور اختیار نہیں ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى يُصَوِّرُكُمْ فِى ٱلْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ۝٦ ﴾ (آل عمران۳/ ٦)

"وہی (اللہ) تو ہے جو (ماں کے) پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے' اس غالب حکمت والے کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ لِّلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ ﴾

(الشوری ٤٢/ ٤٩۔٥٠)

"(تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے' آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد (بانجھ) رکھتا ہے یقیناً وہی جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔"

ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے حمل کو رحم میں نر یا مادہ کی صورت میں پیدا فرماتا ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے اسے ناقص یا مکمل اور خوبصورت یا بدصورت پیدا فرماتا ہے' اس میں صرف اور صرف اسی کا تصرف و اختیار ہے' اس کے سوا اس میں کسی اور کی کوئی شراکت نہیں ہے لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ شوہر یا ڈاکٹر یا کوئی فلسفی و حکیم' جنین کی جنس کو متعین کرنے کی طاقت رکھتا ہے' ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ شوہر زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ عورت کے بچے پیدا کرنے کی عمر میں اس سے مباشرت کر کے حمل قرار پا جانے کی امید رکھے' کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق اس کی یہ امید بر آتی ہے اور کبھی یہ امید پوری نہیں ہوتی' امید کے پورا نہ ہونے کے بھی کئی اسباب ہوتے ہیں۔ جن میں سے رحم میں خرابی یا بانجھ پن یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی آزمائش حمل قرار نہ پانے کے چند اہم اسباب ہیں' لیکن اسباب بھی بذات خود مؤثر نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی اللہ کی مرضی و مشیت سے مؤثر بنتے ہیں۔ حمل قرار پانا ایک کونی امر ہے۔ بندے کا اختیار صرف جنسی عمل ہے باقی اس کے نتیجہ میں حمل قرار پانا یا نہ پانا اور حمل قرار پا جانے کی صورت میں اس کی تصریف و تکییف اور تسخیر و تدبیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص بھی اس ضمن میں لوگوں کے حالات' اقوال اور اعمال پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ ان دعوؤں میں مبالغہ اور اقوال و افعال میں کذب و افتراء سے کام لیا گیا ہے اور یہ ان کی جہالت اور جدید علوم میں غلو اور اسباب کے بارے میں حد اعتدال سے تجاوز کی وجہ سے ہے اور جو شخص امور و معاملات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھے تو وہ تمیز کرے گا کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص امور کون سے ہیں اور وہ امور کون سے ہیں جن کو اس نے اپنی مرضی و مشیت اور تدبیر سے مخلوق کے سپرد کر دیا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

انبیاء و مرسلین اور آسمانی کتابوں کی تعداد

سوال انبیاء و مرسلین کی تعداد کتنی ہے؟ کیا ان میں سے بعض کے ساتھ عدم واقفیت کی وجہ سے عدم ایمان کفر شمار ہو گا؟ آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تعداد کتنی ہے؟ کیا کتابوں کی تعداد میں تفاوت ہے؟ اور کیوں؟

جواب مختلف احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے

تین سو تیرہ رسول ہیں جیسا کہ یہ بھی وارد ہے کہ انبیاء کی تعداد آٹھ ہزار ہے' اس سلسلہ میں احادیث حافظ ابن کثیر کی مشہور کتاب "تفسیر القرآن العظیم" میں سورۂ نساء کی آیت ﴿ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ (اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے بیان نہیں کئے) کی تفسیر میں مذکور ہیں' لیکن یہ احادیث کثرت کے باوجود ضعف سے خالی نہیں ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نام لیا ہے ان پر تفصیلی اور جن کا نام نہیں لیا ان پر اجمالی ایمان رکھے' اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں تفریق کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت کی کہ انہوں نے کہا تھا:

﴿ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ (النساء٤/ ١٥٠)

"اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔"

لیکن ہم ہر اس نبی اور رسول کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں' جسے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی زمانے میں مبعوث فرمایا لیکن بات یہ ہے کہ ان کی شریعت ان کے اہل زمانہ اور ان کی کتاب ان کی امت و قوم کے لئے تھی۔ باقی رہی آسمانی کتابوں کی تعداد تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ان کی تعداد ایک سو چار بیان کی گئی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے لیکن اس بات کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تورات' انجیل' زبور اور صحف ابراہیم و موسیٰ کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں' جن کا ہمیں علم نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں یہی کافی ہے کہ ہم ان سب کتابوں کی اجمالی طور پر تصدیق کریں۔ واللہ اعلم!

—— شیخ ابن جبرین ——

میلاد النبی ﷺ کی محفل منعقد کرنا

سوال کیا مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو نبی کریم ﷺ کے پیدائش کے دن کی مناسبت سے مسجد میں سیرت النبی ﷺ کی محفل منعقد کریں مگر دن کو عید کی طرح چھٹی نہ کریں؟ ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کچھ لوگ اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور کچھ اسے بدعت غیر حسنہ کہتے ہیں؟

جواب مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ۱۲ ربیع الاول یا کسی اور تاریخ کو میلاد النبی ﷺ کی محفل منعقد کریں' اسی طرح کسی بھی دوسرے نبی کی محفل میلاد منعقد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یوم پیدائش منانا دین میں نئی بدعت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی اپنا یوم پیدائش نہیں منایا حالانکہ آپ دین کے مبلغ اور اپنے پروردگار کے طریقوں پر لوگوں کو چلانے والے تھے' نہ آپ ﷺ نے یوم پیدائش منانے کا حکم دیا' نہ خلفاء راشدین نے اسے منایا' نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین نے حالانکہ وہ خیرالقرون کا دور تھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا ماَ لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح...، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة...،

ح:١٧١٨)

"جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔"

"صحیح مسلم" کی روایت میں ہے جسے امام بخاری نے بھی تعلیقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . . ، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

میلاد کی محفلیں منعقد کرنے کا حکم نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا بلکہ یہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے یہ مردود ہے۔ نبی علیہ السلام جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

«أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧، سنن ابن ماجة، كتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، ح:٤٥)

"بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے زیادہ برے کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا اور امام نسائی نے جید سند کے ساتھ ان زائد الفاظ کو بھی بیان کیا کہ:

«وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»(سنن نسائي، كتاب صلاة العيدين، باب كيف الخطبة، ح:١٥٧٩)

"اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔"

آپ ﷺ کا یوم پیدائش منانے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں رہتی کہ آپ کی پیدائش سے متعلق واقعات کی تعلیم، نبی علیہ السلام کی سیرت سے متعلق اسباق میں ہوتی رہتی ہے، نیز مساجد و مدارس میں آپ کی اسلام سے قبل اور بعد کی حیات طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لہٰذا میلاد کی ایسی محفلیں منعقد کرنے کی ضرورت ہی نہیں، جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا اور نہ ان کے انعقاد کی کوئی شرعی دلیل ہی موجود ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے اور اس سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے کہ وہ سنت پر اکتفاء کریں اور بدعت سے بچیں۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت جائز نہیں جب کہ تعلیم کی اجرت جائز ہے

سوال ہمارے ہاں مغرب میں بعض حافظ بظاہر مال کمانے کے لئے تلاوت کرتے ہیں، جب بھی ان کے لئے محفل قائم کی جائے تو اس میں شرکت کرتے اور الفاظ پر غور اور احترام تلاوت کے بغیر قرآن مجید پڑھتے ہیں، اس طرح کی محفل میں حاضر ہونے سے ان کا بڑا مقصد اجرت لینا اور لوگوں سے صدقات و خیرات وصول کرنا ہوتا ہے، ان صدقات و خیرات کو جمع کرکے یہ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور کسی فقیر و مسکین کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی روشنی میں ان صدقات کا کیا حکم ہے' جسے یہ آپس میں تقسیم کرنے کے لئے جمع کرتے اور اس مقصد کے لئے تلاوت کو استعمال کرتے ہیں؟ میں نے ایک کتاب میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پڑھی تھی کہ "جس نے مال کمانے کے لئے قرآن استعمال کیا تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی کی طرح ہو گا۔" یعنی گوشت سے خالی ہو گا' تو کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ نیز یہ فرمائیں کہ اس آیت کریمہ: ﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اولاً: تلاوت قرآن محض عبادت اور ایک ایسا ذریعہ ہے' جس سے بندہ اپنے رب کا تقرب حاصل کرتا ہے اور عبادات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ انہیں مسلمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سرانجام دے اور ان کے ثواب کی اللہ تعالیٰ ہی سے امید رکھے' مخلوق سے اس کے صلہ و شکریہ کی امید نہ رکھے' یہی وجہ ہے کہ سلف صالح کا محفلوں اور مجلسوں میں قرآن پڑھ کر اجرت وصول کرنے کا طریقہ نہ تھا' نہ ائمہ دین میں کسی سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کا حکم دیا ہو یا اس کی رخصت دی ہو اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی تلاوت قرآن کی اجرت وصول کی ہو' نہ کسی خوشی کے موقعہ پر اور نہ کسی غم کے موقعہ پر' بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی خاطر تلاوت کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے وہ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرے' لوگوں سے سوال کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر ایک قصہ گو کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ کر سوال کر رہا تھا' آپ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ»(جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسأل الله به... ح:٢٩١٧، ومسند احمد، ٤/ ٤٣٢)

"جو شخص قرآن پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرے' عنقریب کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کریں گے۔"

باقی رہا قرآن کی تعلیم یا اس کے ساتھ دم کر کے اجرت لینا یا کوئی ایسا عمل جس کا نفع غیر قاری تک بھی پہنچے تو صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ حدیث ابوسعید میں ہے کہ ایک آدمی نے سورت فاتحہ کے ساتھ دم کر کے شفاء حاصل ہونے پر مریض سے بطور اجرت بکریوں کا ایک ریوڑ لیا تھا اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کی ایک عورت سے شادی کے لئے مہریہ مقرر کیا کہ اسے جس قدر قرآن یاد ہے وہ عورت کو بھی یاد کرا دے' لیکن جو شخص نفس تلاوت پر اجرت لیتا ہے یا تلاوت کرنے والوں کی ایک جماعت کو اجرت پر بلاتا ہے تو وہ سلف صالح کے اجماع کے خلاف کرتا ہے۔

ثانیاً: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' مخلوق کے کلام پر اس کی فضیلت اسی طرح ہے' جس طرح خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر فضیلت حاصل ہے۔ تلاوت قرآن مجید تمام اذکار سے بہترین اور افضل ترین ہے لہٰذا تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ با ادب ہو کر' خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ' احسن انداز میں حسب قدرت معانی پر غور کرتے ہوئے تلاوت کرے'

تلاوت کی بجائے دیگر اذکار کا شغل اختیار نہ کرے' نہ تکلف و تصنع (بناوٹ) سے کام لے اور نہ ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرے۔ جو لوگ تلاوت قرآن کی مجلس میں حاضر ہوں انہیں چاہئے کہ خاموشی کے ساتھ تلاوت کو سنیں اور معانی پر غور کریں' کوئی لغو کام کریں نہ تلاوت کے وقت دوسروں کے ساتھ باتیں کریں اور نہ قاری اور حاضرین مجلس کو تشویش میں ڈالیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾ وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِى نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ ٱلْجَهْرِ مِنَ ٱلْقَوْلِ بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْـَٔاصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ ٱلْغَٰفِلِينَ ﴿٢٠٥﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۲۰۴_۲۰۵)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا۔"

ثالثاً: لوگ فکر و فہم کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر مکلف پر فرض ہے کہ وہ دین اور احکام شریعت کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فہم و وسعت وقت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرے تاکہ خود عمل کر سکے اور دوسروں کی رہنمائی کر سکے۔ سب سے پہلے جسے سمجھنا' جس کی طرف مائل ہونا اور جس کی طرف دل سے متوجہ ہونا ضروری ہے' وہ اللہ کی کتاب ہے' قرآن کے جس مقام کو خود نہ سمجھ سکے' اس کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استعانت (مدد طلب) کرے اور پھر حسب طاقت و قدرت علماء سے مدد لے اور اگر اس کے باوجود کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ مقدور بھر کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص قرآن کو نہ سمجھ سکے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تلاوت کرنا بھی چھوڑ دے' مقدور بھر کوشش کے باوجود نہ سمجھ سکنا معیوب نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ فِي الْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتعتع فيه، ح:۷۹۸، سنن ابن ماجة، كتاب الادب، باب ثواب القرآن، ح:۳۷۷۹، مسند احمد ۶/ ۹۸، ۱۷۰، ۲۶۶)

"قرآن کا ماہر معزز و نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے' اس میں اٹکتا ہے اور وہ اس پر گراں گزرتا ہے تو اسے دوگنا اجر و ثواب ملتا ہے۔"

رابعاً: فقیر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق صدقہ لے سکتا ہے' صدقہ کرنے والے کے لئے دعائے خیر کرنا مسنون ہے لیکن قرآن کی تلاوت کر کے اجرت لینا یا وعظ و نصیحت کر کے مال وصول کرنا' یا برکت کی امید سے کسی کو مال دینا' یا حصول برکت کے لئے کچھ لوگوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے' ابتدائی تین صدیوں میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے خیرالقرون قرار دیا' مسلمانوں میں اس طرح کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔

خامساً: ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۵۷)

"(اے پیغمبر)! کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (کام) کی اجرت نہیں مانگتا"

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو یہ بتا دیں کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ دین و شریعت کی جو تبلیغ کرتے ہیں اور انہیں توحید خالص اور دیگر تمام احکام اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اس پر ان سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کرتے ہیں اور اجروثواب کی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ اعلان اس لئے بھی کروایا تا کہ آپ مشرکوں کے ان اوہام اور ظنون کا ذبہ کا ازالہ فرما دیں کہ رسول انہیں اپنی اتباع کی اس لئے دعوت دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ مال کمانا چاہتا ہے یا قوم کی سربراہی چاہتا ہے لہٰذا آپ نے ان کے سامنے یہ واضح فرمادیا کہ آپ انہیں حق کی دعوت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیتے ہیں۔

اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی قوموں کو جو دعوت دی تو اس پر لوگوں سے کسی قسم کی اجرت کا سوال نہیں کیا تھا۔ اس جواب کے پہلے فقرہ میں حدیث عمران بن حصین کے حوالہ سے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنانا اور قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرنا منع ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ مانگنے والے کے منہ پر قیامت کے دن گوشت نہ ہو گا تو یہ وعید ہراس شخص کے لئے ہے جو کسی اضطراری حالت کے بغیر لوگوں سے مانگتا ہے خواہ وہ قرأت قرآن کے حوالہ سے مانگے یا اس کے بغیر مانگے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَزَالُ الْمَسْأَلَةَ بِأَحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤٠ ومسند احمد ٢/ ١٥، ٨٨)

''سوال تم میں سے کسی ایک کے ساتھ چمٹا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»(صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا، ح:١٤٧٤، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤٠)

''آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ»(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤١، سنن ابن ماجة، كتاب الزكاة، باب من سأل عن ظهر غنى، ح:١٨٣٨، مسند احمد، ٢/ ٢٣١)

''جو شخص اپنے پاس زیادہ مال جمع کر لینے کی غرض سے' لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے' اب چاہے ان کو کم کر لے یا زیادہ کر لے۔''

جو آدمی لوگوں سے قرآن کے حوالہ سے مانگتا ہے' اگر فقیر ہے تو حدیث عمران کے مصداق ہے اور اگر صاحب دولت

ہے تو وہ ان تمام احادیث کے مصداق ہے۔ سوال میں مذکور حدیث کے الفاظ' ہمارے علم کی حد تک کسی صحیح حدیث میں نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم)

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت کی وصیت کی تھی؟

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف سازش کی تھی؟

جواب شیعہ فرقہ کے سوا مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے اور یہ ایک باطل قول ہے' رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ بہت سے دلائل سے یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے ..... اللہ تعالیٰ ان سے اور دیگر تمام صحابہ کرام سے راضی ہوں ..... لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ میں کوئی نص صریح ثابت ہے' نہ آپ نے اس کے لئے کوئی قطعی وصیت فرمائی ہے ہاں البتہ آپ ﷺ کے کچھ ارشادات سے اس سلسلہ میں راہنمائی ضرور ملتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی نماز میں امامت کریں' جب آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کا ذکر ہوا تو فرمایا:

«يَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلاَّ أَبَا بَكْرٍ»(صحيح بخاري، كتاب الاحكام، باب الاستخلاف، ح:٧٢١٧، ٥٦٦٦، انظر سلسله " الصحيحة ج:٢، ح:٦٩٠)

''اللہ تعالیٰ اور مومن' ابوبکر کے سوا ہر کسی کا انکار کرتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی' بیعت کرنے والوں میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے' تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں یہ کہا کرتے تھے:

«خَيْرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب فضل ابي بكر بعد النبي ﷺ، ح:٣٦٥٥)

''نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

نبی کریم ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بات کی تائید فرماتے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے:

«خَيْرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب. . . ، ح:٣٦٧١)

''نبی ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

«لاَ أُوْتٰى بِأَحَدٍ يُفَضِّلُنِيْ عَلَيْهِمَا إِلاَّ جَلَدْتُهُ حَدَّ الْـمُفْتَرِيْ»

''اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دے تو میں اسے تہمت کی حد کے مطابق کوڑے لگاؤں گا''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ وہ امت کے سب سے افضل انسان ہیں اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خلافت کی وصیت فرمائی تھی اور نہ یہ کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر ظلم کیا اور ان سے ان کا حق چھین لیا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد انہوں نے پہلی بیعت کی تاکید کے لئے دوبارہ بیعت کی تاکہ لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کر سکیں کہ وہ جماعت ہی کے ساتھ ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ان کے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور انہوں نے اپنے بعد خلافت کے فیصلہ کے لئے عشرہ مبشرہ (وہ دس عظیم انسان جن کو زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی تھی) میں سے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنا دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں ان کی زندگی میں کوئی اختلاف کیا تھا نہ ان کی وفات کے بعد اور نہ یہ کہا کہ وہ ان سب سے افضل ہیں۔

ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی تھی' جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کبھی کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتراف تھا' آپ نے جہاد اور شوریٰ کے مسائل میں ان سے پورا پورا تعاون بھی کیا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام مسلمانوں کا بھی اس پر اجماع تھا' جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ لہٰذا اس کے بعد کسی فرد یا کسی جماعت کے لئے خواہ وہ شیعہ ہو یا کوئی اور یہ دعویٰ کرنا جائز نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی ہیں اور ان سے پہلے خلفاء کی خلافت باطل ہے۔ اسی طرح کسی کے لئے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا اور ان کا حق چھین لیا کیونکہ یہ بات سب سے زیادہ باطل بات اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوء ظن (براگمان) ہے' جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے پاک رکھا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے کہ یہ کبھی ضلالت پر جمع ہو جائے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ» (جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في اهل الشام، ح:٢١٩٢، سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، ح:٦)

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر کامیاب رہے گا۔''

لہٰذا یہ بات محال ہے کہ امت اپنے اشرف ترین دور میں باطل پر جمع ہو جائے کیونکہ شیعہ کے بقول حضرت ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت باطل ہے حالانکہ اس طرح کی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جس شخص کو اسلام کے بارے میں ادنیٰ سی بھی بصیرت حاصل ہو وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

شیخ ابن باز

جس حجرہ میں قبریں ہوں' اس میں نماز جائز نہیں

سوال میں نے ان بعض لوگوں سے جھگڑا کیا جو قبرستان میں نماز کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں جس میں قبر یا قبریں ہوں۔ میں نے صحیح اور صریح احادیث کے ساتھ ان کے شبہات کا رد کیا لیکن انہوں نے میرے جواب میں یہ کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہوئے تو پھر وہ کہاں نماز پڑھتی تھیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی قبر شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے اندر تھی یا باہر؟ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد حرام میں بھی نمازیں پڑھی ہیں حالانکہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سیدہ ہاجر رضی اللہ عنہا اور بعض انبیاء مدفون ہیں' تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے بعد حجرہ میں نماز پڑھتی رہیں اور مسجد حرام میں حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا اور بعض انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں ہیں؟

جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد...، ح:٥٣١)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

«يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا، وَلَوْلاَ ذٰلِكَ لأُبْرِزَ قَبْرُهُ وَلٰكِنْ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد...، ح:٥٢٩، ٥٣١)

"آپ ﷺ کے اس بیان فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرا رہے تھے' اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو بھی نمایاں کیا جاتا لیکن آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ آپ کی قبر کو مسجد بنایا جائے۔"

ایک روایت میں ہے:

«وَلٰكِنْ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»

"آپ اس بات سے ڈرے کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے۔"

بخاری کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«غَيْرَ أَنِّيْ أَخْشٰى أَنْ يُتَّخَذَ»(بخاري، الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد...، ح:١٣٣٠)

"میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میری قبر کو مسجد نہ بنا لیا جائے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں میں نماز پڑھنا ناجائز اور انہیں بنانا حرام ہے۔ سوال میں

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نمازیں کہاں پڑھا کرتی تھیں؟ اور کیا آپ کی قبر گھر کے اندر تھی یا باہر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ان صحیح احادیث کی راوی ہیں' جن میں رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی اللہ عزوجل کی حکمت و مصلحت ہے کہ ان احادیث کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس حجرہ میں قطعاً نمازیں نہ پڑھتی تھیں' جن میں قبریں تھیں کیونکہ اگر وہ اس حجرہ میں نماز پڑھتیں تو ان احادیث کی مخالفت لازم آتی' جنہیں انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور یہ آپ کے شایان شان نہ تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا یا بعض انبیاء مسجد حرام میں مدفون ہیں' تو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

رسول اللہ ﷺ کی جنوں سے ملاقات

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کے ساتھ ملاقات فرمائی تھی؟

جواب ہاں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس ملاقات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بتایا' انہیں ان کے آثار بھی دکھائے' چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیے سورۂ احقاف کی آیت کریمہ:

﴿ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ ٱلْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقُرْءَانَ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ٢٩)

"اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں....."

کی تفسیر نیز سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الجن کی تفسیر میں آپ کو اس سوال کا مفصل جواب مل جائے گا۔

فتویٰ کمیٹی

ابلیس آج تک ہمارے درمیان زندہ ہے

سوال کیا ابلیس ــــ لَعَنَهُ اللهُ ــــ اب تک زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ کیا جن بھی اپنے مُردوں کو انسانوں کی طرح دفن کرتے ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابلیس نے مہلت طلب کی جو اسے دے دی گئی جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے کہ:

﴿ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ ٱلْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾ ﴾ (الحجر١٥/ ٣٦ـ٣٧)

"ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ جب لوگ اٹھائے جائیں' مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔"

چنانچہ وہ اس یوم معلوم تک زندہ ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہلاکت کا حکم دیا ہے اور وہ دنیا میں سب سے آخر میں مرنے والا ہو گا۔ جن ایسے ارواح ہیں جو جسموں سے بے نیاز ہیں' وہ فوت تو ہوتے ہیں لیکن ان کی تدفین ان کے حسب حال ہوتی ہے' ہمیں ان کی صورتوں کی کیفیت اور ان کی موت و تدفین کی حالت کا علم نہیں ہے کیونکہ ان کا تعلق

جنس بشر سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جادو کی حقیقت

سوال کیا جادو برحق ہے؟

جواب ہاں جادو کی حقیقت ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ جادوگر شیطانوں کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں اور شیاطین ان کے ارادوں کے مطابق ان کی مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کو ایسی طاقت و قدرت عطا فرمائی ہے جس سے وہ عجیب و غریب کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء و صالحین کا وسیلہ

سوال کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء وصالحین کا وسیلہ پیش کرے؟ مجھے بعض علماء کا یہ قول معلوم ہوا ہے کہ اولیاء کے ساتھ وسیلہ پکڑنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دعاء تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔ بعض علماء اس کے خلاف ہیں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب ولی ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اس سے ڈرے' اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اسے بجالائے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے رک جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۶۲-۶۳)

"سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔"

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے اولیاء کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کی کئی قسمیں ہیں:

① انسان کسی زندہ ولی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لئے کشادگی رزق' بیماری سے شفاء یا ہدایت و توفیق کی اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ بارش کے لئے دعاء فرمائیں' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دعاء فرمائی' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا اور بارش نازل فرما دی۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دعاء کروائی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعاء کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعاء پر آمین کہی۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد میں بھی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے حصول منفعت یا دفع نقصان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔

② اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اولیاء اللہ سے محبت کے وسیلہ سے دعاء کرے اور

جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اس کی قطعی دلیل ہے اور وہ منسوخ بھی نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں گے۔

جواب اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے' چنانچہ ایجاد نسل کا مباشرت سے ربط ہے' فصل کے اگنے کا زمین میں بیج بونے اور اسے پانی کے ساتھ سیراب کرنے سے' جلانے کا تعلق آگ سے ہے اور غرق کرنے اور تر کرنے کا پانی سے۔ الغرض اسی طرح دیگر اسباب و مسببات ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۳۰)

"اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ ٱلْمُعْصِرَٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهِۦ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّٰتٍ أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ ﴾ (النبا۷۸/ ۱۴۔۱۶)

"اور ہم نے نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں اور گھنے گھنے باغ"

اور فرمایا:

﴿ وَنَزَّلْنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً مُّبَٰرَكًا فَأَنۢبَتْنَا بِهِۦ جَنَّٰتٍ وَحَبَّ ٱلْحَصِيدِ ﴿٩﴾ وَٱلنَّخْلَ بَاسِقَٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ﴿١٠﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۖ وَأَحْيَيْنَا بِهِۦ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ ٱلْخُرُوجُ ﴿١١﴾ ﴾ (قٓ۵۰/ ۹۔۱۱)

"اور آسمانوں سے برکت والا پانی اتارا اور اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہہ بتہہ ہوتا ہے (یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے (کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا (بس) اسی طرح (قیامت کے روز) نکل پڑنا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِۦ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ ٱلشَّيْطَٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ ٱلْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ۱۱)

"اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔"

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب اور معنوی و مادی مسببات کو بیان کر کے ان میں ربط کو بیان فرمایا ہے یعنی اسباب کو مسببات کا سبب بنا دیا ہے اور دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے خلق اور قضاء و قدر سے ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معنوی اسباب بھی پیدا فرمائے جب کہ وہ اسباب کے بغیر بھی مسببات کے پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اسباب ہی کے ساتھ مسببات کو پیدا کرتا اور وجود میں لاتا ہے اور اس میں مضمر حکمت کو بھی وہی جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أُحْكِمَتْ ءَايَٰتُهُۥ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴿١﴾ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّا ٱللَّهَ ۚ إِنَّنِى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴿٢﴾ وَأَنِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَٰعًا حَسَنًا إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِى فَضْلٍ

فَضْلَهُۥ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ (ھود ١١/ ١-٣)

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔ (وہ یہ) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تم کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تم کو ایک وقت مقرر تک متاع نیک سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحب بزرگی کو اس کی بزرگی (کی داد) دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔"

اپنے نبی ہود علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ وَيَـٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ ﴾ (ھود ١١/ ٥٢)

"اور اے میری قوم! اپنے پرودگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو' وہ تم پر آسمانوں سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔"

اپنے نبی نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ يَـٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ﴾ (نوح ٧١/ ٢-٤)

"بھائیو! میں تمہیں کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی کاش تم جانتے ہوتے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی امتوں کو دعوت دیتے ہوئے کہا:

﴿ ۞ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى ٱللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ﴾ (ابراھیم ١٤/ ١٠)

"ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور (فائدہ پہنچانے کے لئے) ایک مدت مقرر تک تم کو مہلت دے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہا جو غزوہ احد میں مارے گئے تھے کہ:

﴿ لَّوْ كَانُوا۟ عِندَنَا مَا مَاتُوا۟ وَمَا قُتِلُوا۟ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٥٦)

"اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔"

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ فرما دیں کہ:

﴿ لَّوْ كُنتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٥٤)

"اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور

نکل آتے۔"

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قتل نفس اپنے سبب کا مرہون ہے اور ہر مقتول اپنے وقت مقرر کے مطابق فوت ہونے والا ہے' نہ کوئی اپنے مقررہ وقت سے پہلے فوت ہو سکتا ہے اور نہ بغیر سبب کے' اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحيح بخاري، كتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح:٥٩٨٥، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعها، ح:٢٥٥٧، واخرجه أبوداود في السنن رقم:١٦٩٣)

"جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اسکے رزق میں کشادگی اور عمر میں درازی ہو تو وہ صلہ رحمی سے کام لے۔"

اگرچہ صحت کی حفاظت و نگہداشت کا جسمانی صحت اور بیماریوں کے مقابلہ میں خصوصی کردار ہے جیسا کہ سائل نے کہا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اذن و تقدیر کے ساتھ ہے جیسا کہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ اس حفاظت و نگہداشت کو نتائج کا سبب بنا دیتا ہے جیسا کہ اسباب اور مسببات کی ترتیب اس کی قضا و قدر کے مطابق پہلے سے اس کے علم میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اسباب کا مسببات میں دخل ہے' اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سبب بنا دیا ہے اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان پر مسببات کو مرتب کر دے' اس کے یہ معنی نہیں کہ نتائج کے سلسلہ میں اسباب کی اپنی ذاتی اور مستقل تاثیر ہے بلکہ ان میں تاثیر اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسباب کو ان میں ودیعت کئے ہوئے خواص سے محروم کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے جیسا کہ اس نے آگ سے جلانے کے خاصہ کو سلب کر لیا اور اس نے اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا بلکہ دہکتی اور بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ اسی طرح اس نے پانی سے غرق کر لینے کی صلاحیت کو سلب کر لیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم امن و سلامتی کے ساتھ دریا عبور کر گئی اور جب فرعون اور اس کے ساتھی اسی دریا سے گزرنے لگے تو اس نے پانی کو یہ صلاحیت واپس لوٹا دی اور انہیں غرق کر دیا تو قضا و قدر کے اعتبار سے مسببات اپنے اسباب کے ساتھ مرہون ہیں حتی کہ حفاظت اور عدم حفاظت کے باوجود انسانوں کی عمریں درازی و کمی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہیں لہٰذا سائل کا یہ کہنا کہ حفاظت و نگہداشت کا عمروں کی درازی و کمی سے کوئی تعلق نہیں ہے علی وجہ الاطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ان کا بھی دخل ہے۔ «وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم»

فتویٰ کمیٹی

زندوں اور مردوں کی طرف سے صدقہ اور قرأت قرآن

سوال کیا کسی شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے زندہ والدین کی طرف سے صدقہ کرے؟ کیا وہ ان کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتا ہے؟ اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کیا صدقہ و قرأت کے لئے صرف نیت ہی کافی ہو گی؟

جواب والدین اور دیگر لوگوں کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ اور اس کے لئے دل سے نیت

ہی کافی ہے' اگر زبان سے بھی یہ کہہ دے کہ "اے اللہ! میرے والدین کی طرف سے اس صدقہ کو قبول فرما تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ والدین' قریبی رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعاء اور استغفار بھی مسنون ہے' قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے ایصال ثواب کو اگرچہ بہت سے علماء نے جائز قرار دیا ہے لیکن یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے عدم نصوص کی وجہ سے بہت سے علماء نے اس سے منع بھی کیا ہے لہٰذا کبھی کبھار ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ جبرین ———

تعویذوں اور منتروں کی فروخت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ ۔ وَبَعْدُ

سوال بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ سوال آیا جسے وزارت داخلہ کے سیکرٹری کی طرف سے جناب عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے:

(ع ۔ م ۔ ز) نامی ایک شخص نے منطقہ ریاض کے امیر سے اجازت طلب کی ہے کہ اسے بازار میں تعویذوں اور منتروں کے بیچنے کی اجازت دی جائے کیونکہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارے نے اس سے امیر کی طرف سے اجازت نامہ طلب کیا ہے اور امیر نے تجویز پیش کی ہے کہ اسے آپ کی طرف سے اجازت نامہ دیا جائے اور رخصت کے طالب سے یہ تسلی کر لی جائے کہ وہ ان قواعد وضوابط کی پابندی کرے گا جو ہم وطنوں کو ناجائز نفع اندوزی سے بچاتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ اتفاق فرمائیں گے اور کاروبار کے لئے شرائط کو پورا کرنے والے کو اجازت نامہ دینے کے امکانات پر غور فرمائیں گے؟

جواب قبل ازیں بھی یہ فتویٰ صادر کیا جاچکا ہے کہ قرآن مجید یا اذکار نبویہ وغیرہ کو کاغذ یا پلیٹ پر لکھنا اور پھر پانی وغیرہ سے مٹا کر مریض کو پلانا تاکہ اسے بیماری سے شفا نصیب ہو منع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے' خلفاء راشدین سے یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا ثابت نہیں ہے' ہمارے علم کی حد تک ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا' ہر طرح کی خیر وبھلائی رسول اللہ ﷺ' خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی میں ہے۔ مذکورہ فتویٰ کی مکمل عبارت حسب ذیل ہے:

نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید' اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ دم کے لئے کوئی ایسا کلمہ اختیار نہ کیا جائے جو شرکیہ ہو یا جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو کیونکہ میں عوف بن مالک سے مروی ہے:

«كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، ح:٢٢٠٠، واخرجه أبوداود في السنن رقم:٣٨٨٦)

"ہم زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے اور اس بارے میں جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے سامنے اپنے دم پیش کرو' دم میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ شرکیہ نہ ہو"

اس طرح کے دم کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں تاثیر صرف

اس صورت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے۔ گردن یا جسم کے کسی دوسرے عضو کے ساتھ باندھا جانے والا تعویذ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور ہو تو وہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، رَأَىٰ رَجُلاً فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِيْدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»(سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب تعليق التمائم، ح:٣٥٣١، ومسند أحمد، ٤/ ٤٥٥)

"نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے تو آپ نے فرمایا اسے اتار دے' یہ تجھے کمزوری کے سوا اور کوئی فائدہ نہ دے گا' اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ»(مسند احمد، ٤/ ١٥٤، مجمع الزوائد، ٥/ ١٠٣ وأبويعلى في المسند رقم: ١٧٥٩)

"جو شخص تعویذ لٹکائے' اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو شخص سیپی (گھونگا) لٹکائے' اللہ تعالیٰ اس کو آرام نہ دے۔"

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(احمد في المسند، ٤/ ١٥٤ وأبويعلى في المسند، رقم: ١٧٥٩، والحاكم في المستدرك، ٤/ ٤١٧)«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب تعليق التمائم، ح: ٣٨٨٣، ومسند احمد، ٣٨١١)

"جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح: ٣٨٨٣، احمد في المسند١/ ٣٨١، وابن ماجة في السنن رقم: ٣٥٧٦)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور اعمال حب شرک ہیں۔"

خواہ اس نے جو لٹکایا ہے وہ قرآنی آیات ہی ہوں۔ صحیح بات یہی ہے کہ قرآنی آیات کا لٹکانا بھی ممنوع ہے اور اس کے تین اسباب ہیں:

① تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے بارے میں احادیث عام ہیں' تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

② سد ذریعہ کے لئے اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے غیر قرآن کے لٹکانے کا راستہ کھلتا ہے۔

③ لٹکائے جانے والے کلمات کی توہین ہوتی ہے کیونکہ آدمی انہیں قضاء حاجت' استنجاء اور جنسی عمل کے وقت بھی اپنے ساتھ لٹکائے ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی کسی سورت یا آیات کا پلیٹ یا کاغذ پر لکھنا اور پھر اسے پانی یا زعفران وغیرہ کے ساتھ دھونا اور اسے

برکت یا علمی استفادہ یا کسب مال (مال کمانے) یا صحت و عافیت وغیرہ کے حصول کی نیت سے پینا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے خود کبھی اپنے لئے ایسا کیا اور نہ کسی دوسرے انسان کے لئے اور نہ آپ نے اس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا امت میں سے کسی کو اجازت دی حالانکہ اس وقت اس کے دواعی اور اسباب بھی موجود تھے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے جو شریعت میں ثابت ہے یعنی قرآن کریم' اسماء حسنیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اذکار و ادعیہ اور ایسے کلمات جن کے معنی واضح ہوں اور جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ایسے طریقے سے تقرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے جو اس نے خود فرمایا ہے تاکہ ثواب حاصل ہو سکے' اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو دور فرما دے' غم و فکر سے نجات دے دے' علم نافع سے سرفراز فرمائے اور ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے ہی کافی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کو کافی سمجھے تو وہ اسے ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

ان دلائل کی بنیاد پر اس شخص کو تعویذوں اور منتروں کی فروخت کی اجازت نہیں ہونی چاہئے بلکہ اسے ان کے فروخت کرنے سے منع کرنا چاہئے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا ابلیس فرشتوں میں سے تھا؟

سوال کیا ابلیس --- لعنه الله --- فرشتوں میں سے ہے یا کسی دوسری جنس سے؟ اور اگر وہ کسی دوسری جنس سے ہے تو پھر ارشادی باری تعالیٰ:

﴿ فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝٣٠ إِلَّآ إِبْلِيسَ ﴾ (الحجر١٥/ ٣٠-٣١)

"ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا" میں استثناء کی کیا توجیہہ ہو گی؟

جواب واضح رہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک جنس ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً کر گزرتے ہیں۔ ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ جنوں میں سے تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ ٱلْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ ﴾ (الکهف١٨/ ٥٠)

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ (یعنی اس کی نافرمانی کی)۔"

حضرت آدم علیہ السلام کو جو اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ:

﴿ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِى مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ۝٧٦ ﴾ (صٓ٣٨/ ٧٦)

"تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔"

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ ﴾ (صٓ ٣٨/ ٧٣-٧٤)

"تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے۔"

میں استثناء منقطع ہے جیسے کہ کوئی یہ کہے جَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا "گدھے کے سوا ساری قوم آئی" بعض اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ ابلیس لعنہ اللہ، جنس ملائکہ سے تھا لیکن اس نے نافرمانی کی اور جب تمرد و عصیان (سرکشی اور نافرمانی) پر اصرار کیا تو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق قرار پایا۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

نجومی اور کاہن سے سوال پوچھنا جائز نہیں

سوال میرے والد نفسیاتی مریض ہیں، ان کا مرض بہت طول اختیار کر گیا ہے، کئی بار ہم نے انہیں ہسپتال میں بھی داخل کروایا ہے، اب بعض قریبی رشتہ داروں نے یہ کہا کہ ہم اسے فلاں عورت کے پاس لے جائیں کہ وہ اس طرح کی بیماریوں کا علاج جانتی ہے۔ انہوں یہ بھی بتایا کہ ہمیں اس عورت کو صرف مریض کا نام بتانا ہو گا اور وہ یہ بتا دے گی کہ ان کی بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے، سوال یہ ہے کہ اس عورت کے پاس جانا ہمارے لئے جائز ہے؟

جواب اس عورت اور اس جیسی دیگر عورتوں کے پاس جانا، ان سے سوال کرنا اور ان کی تصدیق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عورتیں ان نجومیوں اور کاہنوں سے تعلق رکھتی ہیں جو علم غیب کے مدعی ہیں اور علاج کرنے اور خبریں بتانے میں یہ جنوں سے مدد لیتے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً» (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

"جو شخص کسی نجومی کے پاس جا کر سوال کرے تو چالیس راتوں تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔"

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم: ٦٣٩، واحمد في المسند ٢/ ٤٠٨، ٤٧٦)

"جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ کفر کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں لہٰذا واجب ہے کہ ان لوگوں کا اور ان کے پاس آنے والوں کا انکار کیا جائے، نہ ان سے کوئی سوال پوچھا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے بلکہ ان کا معاملہ حکمرانوں تک پہنچانا چاہیے تاکہ انہیں وہ سزا دی جائے جس کے یہ مستحق ہیں کیونکہ انہیں چھوڑنے اور حکام کو ان کے بارے میں مطلع نہ کرنے میں معاشرے کا نقصان ہے اور جاہل لوگوں کے دھوکا کھانے میں معاون بنتا ہے کہ وہ دھوکا و فریب کی وجہ سے ان سے سوال بھی کریں گے اور ان کی تصدیق بھی کریں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر...، ح:٤٩، واخرجه الترمذي في السنن رقم:٢١٧٣، واحمد في المسند، ٣/٤٩، ٥٢، ٥٣، ٥٤، والنسائي في السنن رقم:٥٠١١)

''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھائے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

بلاشک و شبہ حکمرانوں مثلاً امیر شہر یا محکمہ امر بالمعروف یا عدالت میں ان کی شکایت زبان سے اس برائی کو روکنے کے مترادف ہو گی اور یہ نیکی اور تقویٰ میں تعاون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ وہ نیکی و سلامتی کو اختیار کریں اور ہر برائی سے بچیں۔

——— شیخ ابن باز ———

نبی کی قسم کھانا

سوال بعض لوگ نبی کی قسم کھاتے ہیں اور وہ اس کے عادی بن جاتے ہیں' ان کا عقیدہ تو نہیں ہوتا لیکن محض عادت کی وجہ سے یہ قسم کھا لیتے ہیں' تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ یا مخلوقات میں سے کسی اور کی قسم کھانا منکر عظیم اور محرمات شرکیہ میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحدہ کے سوا اور کسی کے نام کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس بات پر اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اسے شرک قرار دیا ہے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، ح:١٦٤٦، جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤، مسند احمد ٢/٧)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جو شخص قسم کھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔''

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«فَلَا يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَسْكُتْ»(جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤)

''اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔''

اسی کے بارے میں مزید نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في

كراهية الحلف بغير الله، ح: ١٥٣٤، وأبوداود في السنن رقم: ٣٢٥١)

"جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا۔"

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا»(سنن أبي داود، كتاب الأيمان والنذور، باب كراهية الحلف بالامانة، ح: ٣٢٥٣)

"جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

اس باب میں بہت سی مشہور و معروف احادیث ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ کی قسم کھائیں۔ مذکورہ احادیث کے پیش نظر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں' خواہ وہ کوئی بھی ہو' جو شخص اس کا عادی بن چکا ہو اسے اس سے اجتناب کرنا چاہئے' اپنے اہل و عیال اور دوستوں ساتھیوں کو بھی اس سے منع کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر. . .، ح: ٧٨، واخرجه الترمذي في السنن رقم: ٢١٧٣، واحمد في المسند، ٣/ ٤٩، ٥٢، ٥٣، ٥٤، والنسائي في السنن رقم: ٥٠١١)

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

غیر اللہ کی قسم کھانا شرک اصغر ہے اور اگر قسم کھانے والے کے دل میں یہ بات ہو کہ جس کی قسم کھائی جا رہی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح تعظیم یا عبادت کا مستحق ہے تو پھر یہ شرک اکبر ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں پر احسان فرمائے کہ وہ اس سے بچیں' سب کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور اپنی ناراضی کے اسباب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿ إِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴾

شیخ ابن باز

تلاوت قرآن کی اجرت کا تقاضا کرنا

سوال بہت سے مسلمان ملکوں میں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ قاریوں سے اجرت پر تلاوت کروائی جاتی ہے' سوال یہ ہے کہ قاری کے لئے قراءت کی اجرت لینا جائز ہے؟ کیا تلاوت کی اجرت دینے والا گناہ گار ہو گا؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت خالص عبادت الٰہی اور تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تلاوت اور دیگر تمام عبادات کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں مسلمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے سرانجام دے اور اسی سے ثواب کو طلب کرے' مخلوق سے اس کا بدلہ یا صلہ نہ چاہے' یہی وجہ ہے کہ سلف صالح سے مُردوں کے لئے یا محفلوں اور مجلسوں میں لوگوں سے اجرت لے کر قرآن پڑھانا ثابت نہیں ہے' نہ ائمہ دین میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اس کا حکم یا اس کی اجازت دی ہو اور نہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ اس نے تلاوت قرآن کی اجرت لی ہو بلکہ وہ

صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور محض اس سے حصول ثواب کے لئے تلاوت کیا کرتے تھے' نبی کریم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے' لوگوں سے سوال کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ سنن ترمذی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر ایک قصہ گو کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگ رہا تھا' انہوں نے "اناللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ»(جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فيسأل الله به . . . ، ح:٢٩١٧، ومسند احمد ٤/ ٤٣٢)

"جو شخص قرآن پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے' کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گے۔"

باقی رہا قرآن مجید کی تعلیم' یا دم کرنے یا اس طرح کے کسی ایسے کام کی اجرت جس کا نفع قاری کے علاوہ کسی اور تک بھی پہنچنے والا ہو تو صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ حدیث ابوسعید میں ہے کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کر کے شفاء حاصل ہونے پر بکریوں کا ایک ریوڑ بطور اجرت لیا تھا۔ حدیث سہل سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کے لئے شادی میں مہر ہی یہ مقرر کیا تھا کہ اسے جس قدر قرآن کریم یاد ہے وہ اپنی بیوی کو بھی یاد کرا دے' لیکن جو شخص نفس تلاوت پر اجرت لے یا اجرت پر کچھ لوگوں سے تلاوت کروائے تو وہ سنت اور سلف صالح رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع کا مخالف ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ظہور مہدی

سوال ظہور مہدی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا احادیث سے یہ ثابت ہے؟ امید ہے آپ وضاحت فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے؟

جواب امام مہدی کی آمد کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں' جو متعدد طرق سے وارد اور جنہیں بہت سے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت' جس میں چوتھی صدی کے عالم ابوالحسن آجری بھی شامل ہیں' نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مہدی کی آمد کے بارے میں وارد احادیث تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب ((لوامع الانوار البھیہ)) میں اور علامہ شوکانی نے اپنی کتاب "التوضیح فی تواتر احادیث المھدی والدجال والمسیح" میں یہی بات ذکر کی ہے۔ ان کی مشہور علامات بھی ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں' جن میں سے سب زیادہ اہم یہ ہے کہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو وہ عدل و انصاف سے بھر دیں گے لیکن کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ فلاں بن فلاں ہی مہدی ہے حتی کہ اس میں وہ ساری علامات موجود نہ ہوں جن کا نبی کریم ﷺ نے صحیح احادیث میں ذکر فرمایا ہے اور جن میں سے اہم ترین علامت جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینا ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی

نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

نبی کریم ﷺ کے ساتھ استغاثہ' آپ کو پکارنا اور آپ پر درود پڑھنا

سوال ① کیا نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ روح عنصری جسم و بدن میں موجود ہو اور آپ کی یہ زندگی دنیوی و حسی زندگی جیسی ہو؟ یا آپ کی زندگی اعلیٰ علیین میں اخروی و برزخی زندگی ہے کہ جس میں انسان مکلف نہیں ہوتا جس طرح آپ نے وفات کے وقت فرمایا بھی تھا کہ ((اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى)) اور اب قبر میں آپ کا جسد منور بلا روح ہے جب کہ روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے اور روح پاک کا جسم اطہر کے ساتھ اتصال روز قیامت کو ہو گا جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ "اور جب روحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی؟"

جواب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی قبر میں برزخی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی نعمتوں کی صورت میں آپ کے اعمال صالحہ کی جو پوری پوری جزاء عطا فرمائی ہے' اس سے آپ مستفید ہوتے ہیں لیکن آپ کی روح مبارک جسم اطہر میں نہیں ہے جس طرح دنیا میں تھی اور نہ ہی روح کا جسم اطہر سے اس طرح اتصال ہے جس طرح قیامت کے دن ہو گا بلکہ اس وقت آپ ﷺ کی زندگی برزخی زندگی ہے' جو دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کے درمیان کی ایک زندگی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وفات پا گئے تھے جس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے سابقہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی فوت ہو گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ ٱلْخُلْدَ ۖ أَفَإِيْن مِّتَّ فَهُمُ ٱلْخَـٰلِدُونَ ﴿٣٤﴾ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۳۴)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا بھلا اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَـٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ﴾ (الرحمن۵۵/ ۲۶۔۲۷)

"جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الزمر۳۹/ ۳۰)

"(اے پیغمبر!) آپ بھی فوت ہو جائیں گے اور وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔"

مذکورہ بالا اور اس طرح کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فوت کر دیا تھا اور اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا' جنازہ (بصورت درود شریف) پڑھا اور آپ کو روضہ اطہر میں دفن کر دیا۔ اگر آپ کی زندگی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو آپ کے ساتھ یہ معاملات نہ کئے جاتے جو فوت شدہ انسانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی وراثت کا مطالبہ کیا کیونکہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ آپ

وفات پا گئے ہیں' یہ اعتقاد رکھنے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کی مخالفت نہیں کی ہاں البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب ضرور دیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام جمع ہوئے تاکہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کا انتخاب کر لیں' چنانچہ خلیفہ اول کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ صحابہ کرام کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا گویا ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں' اگر آپ کی زندگی اب بھی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو حضرات صحابہ کرام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب نہ کرتے۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں اور اس سے پہلے اور بعد میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن فتنوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان مشکل حالات میں وہ کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف نہیں گئے کہ آپ سے مشورہ کریں یا ان فتنوں اور مشکلات سے نکلنے کا طریقہ معلوم کریں۔ اگر آپ کی زندگی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو ان حالات میں وہ ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے کیونکہ وہ اس بات کے شدید ضرورت مند تھے کہ کوئی انہیں ان مشکل حالات سے نکلنے کی سبیل بتائے یا راہ سمجھائے!

سوال ② کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف کے پاس ہر دعاء اور پکار کو سنتے ہیں یا خاص طور پر صرف درود شریف ہی کو سنتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ»(رواه البيهقي في شعب الايمان، ٢/٢١٨، ح:١٥٨٣)

"جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے میں اسے سنتا ہوں"

نیز فرمائیے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے یا موضوع؟

جواب اصل بات یہ ہے کہ مردے' زندہ انسانوں کی دعاء اور پکار کو نہیں سنتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِى ٱلْقُبُورِ ﴿٢٢﴾﴾ (فاطر ۳۵/ ۲۲)

"اور (اے پیغمبر!) آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے۔"

کتاب و سنت صحیحہ سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی ہر دعاء اور پکار سنتے ہیں کہ اسے آپ کی خصوصیت تسلیم کر لیا جائے بلکہ آپ سے صرف یہ ثابت ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کے صلوٰۃ و سلام کو آپ تک پہنچا دیا جاتا ہے خواہ کوئی آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھے' یا دور پڑھے' دونوں حالتیں برابر ہیں۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ایک "فرجہ" میں آتا ہے اور اس میں داخل ہو کر دعاء کرتا ہے۔ آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جسے میں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے میرے دادا سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَلاَ بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ تَسْلِيْمَكُمْ يَبْلُغُنِيْ أَيْنَ كُنْتُمْ»

(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢، ومسند احمد ٢/٣٦٧ واخرجه أبويعلى في المسند رقم:٤٦٩)

"میری قبر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا' تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا

سلام مجھے پہنچ جائے گا۔"

یہ حدیث کہ "جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے' اسے میں سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے اسے پہنچا دیا جاتا ہوں۔" اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو یہ روایت بیان کی ہے کہ

«مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلاَّ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤١)

"جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے بھی ہیں بلکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ اس وقت جواب دیتے ہوں گے' جب فرشتے آپ ﷺ کو سلام پہنچاتے ہوں گے اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ آپ سلام پڑھنے والے کے سلام کو سنتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ دعاء اور پکار کو بھی سنتے ہیں۔

سوال ③ کیا ہر ضرورت کے لئے نبی کریم ﷺ سے دعاء یا فریاد کرنا اور مصائب و مشکلات کے وقت آپ ﷺ کی ذات گرامی سے قبر شریف کے قریب سے یا دور سے مدد مانگنا شرک قبیح ہے یا نہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے ضرورتوں کے پورا کرنے یا مشکلات کے خاتمہ کے لئے دعاء' فریاد یا مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے خواہ کوئی دعاء اور فریاد قبر شریف کے پاس کرے یا دور سے' مثلاً یوں کہے:"یا رسول اللہ! مجھے شفا عطا فرما دو۔" "یا رسول اللہ! میرے گمشدہ (عزیز) کو واپس لوٹا دو۔" وغیرہ۔

سوال ④ قبر شریف کے پاس درود شریف کے کون سے صیغے افضل ہیں یعنی «اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ» یا «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ... الخ» کیا نبی کریم ﷺ اس آدمی کو دیکھتے ہیں جو آپ کی قبر شریف کے پاس آپ پر درود پڑھتا ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے صحابہ عظام یا اولیاء کرام میں سے کسی کے سلام کا جواب دینے کے لئے کبھی اپنا دست مبارک اپنی قبر شریف سے باہر نکالا تھا؟

جواب (الف) ہمارے علم کی حد تک قبر شریف کے پاس پڑھنے کے لئے صلوٰۃ و سلام کے کوئی مخصوص الفاظ ثابت نہیں ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے وقت یہ پڑھنا بھی جائز ہے کہ «اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ!» یہ الفاظ اگرچہ خبر کے ہیں لیکن ان سے معنی طلب و انشاء کے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ درود ابراہیمی «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ... الخ» پڑھ لیا جائے۔

(ب) کتاب و سنت صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ کہ نبی کریم ﷺ قبر شریف کی زیارت کرنے والے کو دیکھتے ہیں' اصل عدم رؤیت ہے الا یہ کہ کتاب و سنت کی کسی دلیل سے ثابت ہو جائے۔

میت کے بارے میں اصل بات یہ ہے' خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی کہ' وہ قبر میں حرکت نہیں کر سکتا کہ ہاتھ کو آگے بڑھائے یا اس طرح کی کوئی بات کرے' یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی سلام کرنے والے کے لئے نبی کریم ﷺ نے اپنا دست

مبارک قبر شریف سے باہر نکالا اور فرمایا کہ (اپنے دائیں ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تا کہ تمہیں یہ سعادت نصیب ہو) تو یہ بات صحیح نہیں' یہ محض وہم و خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

غیراللہ کی قسم کھانا

سوال غیراللہ کی قسم کھانے کا کیا حکم ہے؟کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟

جواب کسی بھی فرشتے یا نبی یا ولی یا مخلوقات میں سے کسی بھی مخلوق کی قسم کھانا حرام ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک قافلہ میں دیکھا کہ وہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب قافلہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، ح:١٦٤٦، جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤)

"خبردار! لوگو! آگاہ رہو کہ اللہ عزوجل تمہیں اپنے آباء کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے۔ پس جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش ہو جائے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلاَ يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللهِ» (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى ح:١٦٤٦)

"جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے۔"

قریش چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے تھے اس لئے فرمایا:

«لاَ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ» (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالى ح:١٦٤٦)

"اپنے آباء کی قسمیں نہ کھاؤ۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیراللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا اور نہی کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ حرمت پر دلالت کرتی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس کا نام شرک رکھا ہے' چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِشَيْءٍ دُوْنَ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(مسند احمد، ١/ ٤٧، ٢/ ٣٤)

"جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔"

ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا اور حسن قرار دیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(أبوداود في السنن، رقم:٣٢٥١، جامع الترمذي، كتاب

النذور والایمان، باب ما جاء في ان من حلف بغیر الله، ح: ١٥٣٤)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔"

علماء نے اسے شرک اصغر پر محمول کیا ہے اور اسے "کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ" قرار دیا ہے یعنی یہ وہ کفر اکبر نہیں ہے جس کا ارتکاب کر کے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ "والعیاذ باللہ" لیکن یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے' اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں' اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھاؤں۔" اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللاَّتِ فَلْيَقُلْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَمَنْ قَالَ لأَخِيْهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ»(صحیح بخاري، کتاب الایمان النذور، باب لا یحلف باللات والعزی ولا بالطواغیت، ح: ٦٦٥٠، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب من حلف باللات والعزی . . .، ح: ١٦٤٧)

"جس نے قسم کھاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ لات کی قسم! تو اسے اس کے بعد یہ کہنا چاہیے "لاالہ الا اللہ" اور جس نے اپنے بھائی سے یہ کہہ دیا کہ آیئے جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہیے۔"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو مسلمان لات کی قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کے بعد "لاالہ الا اللہ" پڑھ لے کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس کمال توحید کے منافی ہے' جسے اختیار کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ غیر اللہ کی قسم کھانے میں غیر اللہ کی تعظیم ہے اور یہ تعظیم یعنی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ بعض احادیث میں جو آباء کی قسم کا ذکر آیا ہے تو اس کا تعلق ممانعت سے قبل' قریش کے اس معمول کے مطابق ہے' جس کے وہ زمانۂ جاہلیت میں عادی تھے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بدعات

سوال محدثات الامور (بدعات) سے کیا مراد ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ»(مسند أحمد، ٤/١٢٦)

"اپنے آپ کو دین میں نئی باتوں سے بچاؤ"

سے مراد ہر وہ نئی بدعت ہے' جسے لوگوں نے دین اسلام میں ایجاد کر لیا ہو' خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات وغیرہ سے کہ یہ کتاب اللہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت سے ثابت نہ ہو مگر لوگوں نے اسے دین بنا لیا ہو اور اس کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہوں کہ یہ حکم شریعت ہے حالانکہ یہ حکم شریعت نہیں بلکہ یہ بدعت اور شریعت میں ممنوع ہوتا ہے مثلاً فوت شدہ صالحین یا غائبین سے دعاء کرانا' قبروں پر مسجدیں بنانا' قبروں کے اردگرد طواف کرنا' اہل قبور سے مدد طلب کرنا اور یہ گمان کرنا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں اور حاجتوں کے پورا کرنے اور مشکلات کے

خاتمہ کے لئے وسیلہ ہیں' انبیاء و اولیاء کے ایام ولادت پر عرس منانا اور ان ایام میں محفلیں منعقد کرنا اور ان محفلوں میں ایسے کام کرنا جن کو یہ شب ولادت یا یوم ولادت یا ماہ ولادت کی مناسبت سے تقرب کے مخصوص کام قرار دیتے ہیں۔ الغرض اس طرح کی بے شمار بدعات و خرافات ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا اور نہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔ اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بدعات تو شرک ہیں مثلاً مُردوں سے فریاد یا ان کے نام کی نذر نیاز اور بعض صرف بدعت ہیں' شرک نہیں مثلاً قبروں پر عمارتیں یا مسجدیں بنانا بشرطیکہ ان میں غلو کے ایسے کام نہ کئے جائیں جو شرک تک پہنچا دینے والے ہوں۔

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

فاسق کے لئے رحم کی دعاء کرنا

سوال میرا ایک رشتے دار فوت ہو گیا جو زندگی میں فاسق و فاجر تھا لیکن وہ نماز پڑھتا تھا' تو کیا وفات کے بعد اس کے لئے رحمہ اللہ کہنا اور دعاء کرنا جائز ہے؟

جواب ایسے شخص کے لئے دعاء کرنا اور رحمہ اللہ کہنا جائز ہے جب تک کہ اس نے دین اسلام کو اپنا دین سمجھا' شہادتین کا اقرار کیا' نمازیں پڑھیں اور دین کے ظاہری شعائر کو بجا لاتا رہا تو وہ اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے دعاء کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی دعاء کو قبول کر کے اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

غیر اللہ سے مدد مانگنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال کیا اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جو غیر اللہ سے مدد مانگتا اور اس طرح کے کلمات زبان سے ادا کرتا ہو کہ "اے غوث! ہماری فریاد سن' اے پیر عبدالقادر جیلانی! ہماری مدد فرما۔"[1] اگر ایسے امام کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو کیا میرے لئے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب مشرکوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور جو غیر اللہ سے فریاد کرتے اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں' غیر اللہ سے استغاثہ خواہ وہ مردہ انسان ہوں یا بت یا جن وغیرہ' یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ

---

① جیسے ہمارے ہاں کئی لوگ یہ کہتے ہیں اور بعض ظالموں نے تو اسے اپنی مسجدوں پر بھی لکھوا رکھا ہے کہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاللہ" (اے شیخ عبدالقادر جیلانی! ہمیں بھی اللہ کے لیے کچھ دیجئے!) برصغیر پاک و ہند کے اکثر مشرک لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو "غوث اعظم" کہتے ہیں اور یہ صریحاً شرک ہے' اسی طرح یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں ؎

امداد کن' امداد کن از رنج و غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

یہ تمام شرکیہ اور کفریہ کلمات ہیں۔ والعیاذ باللہ! (مترجم)

شرک ہے ہاں البتہ کسی حاضر اور زندہ انسان سے مدد لی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ:

﴿ فَٱسْتَغَٰثَهُ ٱلَّذِى مِن شِيعَتِهِۦ عَلَى ٱلَّذِى مِنْ عَدُوِّهِۦ ﴾ (القصص۲۸/ ۱۵)

"جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ (علیہ السلام) کے دشمنوں میں سے تھا' مدد طلب کی۔"

اگر کوئی مسلمان امام نہ ہو جس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر تم مشرک امام سے پہلے یا بعد میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو تو اس طرح پڑھ لو۔ اگر مسلمانوں میں یہ استطاعت ہو کہ مشرک امام کو معزول کر کے کسی مسلمان امام کو متعین کر دیں تو ان کے لئے ایسا کرنا فرض ہے کیونکہ یہ امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی شریعت کو قائم کرنا ہے' بشرطیکہ فتنہ کے بغیر ایسا کرنا ممکن ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ (التوبة۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (مددگار و معاون) ہیں نیکی اور بھلائی کے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر... ، ح: ٤٩ واخرجه الترمذي في السنن رقم: ٢١٧٣، واحمد في المسند، ٣/ ٤٩، ٥٢، ٥٣، ٥٤، والنسائي في السنن ح رقم: ٥٠١١)

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے مٹا دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکومت نہ کرے۔

سوال وہ حکمران جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں کیا وہ کافر سمجھے جائیں گے اور اگر ہم یہ کہیں کہ نہیں وہ مسلمان ہیں تو پھر اس ارشاد باری تعالیٰ کے کیا معنی ہیں کہ:

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾ ﴾ (المائدة۵/ ۴۴)

"جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"

جواب اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے بغیر حکم دینے کی کئی قسمیں ہیں' جن کے اعتقاد و اعمال کے مطابق احکام مختلف ہیں۔ جو شخص بغیر ما انزل اللہ کا حکم دے اور کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے بہتر ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے' اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بجائے وضعی قوانین کو نافذ کرے اور ان وضعی

قوانین کے نفاذ کو جائز قرار دے' خواہ یہ اقرار بھی کرے کہ شرعی قوانین کو نافذ کرنا افضل ہے' تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ اس نے اس کو حلال قرار دے دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا تھا لیکن جو شخص خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے یا رشوت کے لئے یا اپنے اور محکوم علیہ کے درمیان دشمنی کی وجہ سے یا دیگر اسباب کی وجہ سے بغیر ماانزل اللہ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے خلاف) حکم دیتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس پر واجب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم دے' تو ایسے شخص کو کبیرہ گناہ کا مرتکب سمجھا جائے گا اور اس کے اس فعل کو کفر اصغر' ظلم اصغر اور فسق اصغر شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طاؤس اور سلف صالح کی ایک جماعت سے یہ بات منقول اور اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے "علیہ السلام" کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں

سوال کتاب ((عقدالدرر فی اخبار المنتظر)) پڑھتے ہوئے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کو بیان کرتے ہوئے مصنف یہ اسلوب اختیار کرتا ہے کہ: "حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..." سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے انسان کے لئے "علیہ السلام" یا اس کے مشابہ الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حضرت علی کیلئے "علیہ السلام" کے الفاظ کی تخصیص کرنا جائز نہیں بلکہ آپ کے حق میں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں رضی اللہ عنہم کے الفاظ استعمال کرنا مشروع ہے یا "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ بطور خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے "علیہ السلام" یا "کرم اللہ وجہہ" کے الفاظ استعمال کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا افضل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو دیگر خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ ان کے لئے بطور خاص استعمال نہ کئے جائیں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

شیخ ابن باز

جن کے لئے ذبح کرنے والا

سوال اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو ایسے شہر میں پروان چڑھا جہاں اسے صرف نماز یا زیادہ سے زیادہ ارکان خمسہ کا علم ہو سکا اور وہ ان کے مطابق عمل بھی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں کے نام پر ذبح کرتا اور بوقت ضرورت انہیں پکارتا بھی ہے لیکن نہیں جانتا کہ اسلامی شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ کیا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہے یا نہیں؟ کیا حقیقت حال بیان کرنے سے قبل اسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تو مشرک ہے؟

جواب توحید کا علم رکھنے والے جس شخص کو اس کا حال معلوم ہو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے یہ بتائے کہ جن وغیرہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے' اس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے بھی جنوں کو پکارنا شرک اکبر ہے اور اس سے بھی انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں

صورتیں عبادت کی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ یہ خالص اللہ ہی کے لئے ہوں' غیر اللہ کو ان میں شریک کرنا شرک اکبر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٥)

''(اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری عبادت' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العلمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں' کہئے کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ﴾ (یونس١٠/ ١٠٦-١٠٧)

''اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہئے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الكوثر١٠٨/ ٢)

''اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، كتاب الاضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٨٧)

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔''

اگر ایسا شخص جنوں کے لئے ذبح کرنے اور ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے انہیں پکارنے پر اصرار کرے تو وہ شرک اکبر کا مرتکب مشرک ہو گا۔ کتاب و سنت کے دلائل کے بعد اس کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور اس کو شرک اکبر کا مرتکب کافر و مشرک کہا جائے گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا قبر میں میت میں زندگی لوٹ آتی ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ ۔ وَبَعْدُ

سوال بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ میں نے علماء اسلام سے سنا ہے کہ مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے اور وہ فرشتوں کے سوال کا جواب دیتا ہے اور اگر اس میں

کفر اور دنیا کی زندگی میں اسلام پر عدم استقامت ثابت ہو تو اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ مبادی اسلام کے شناسا ہونے کی حیثیت سے مجھے قرآن کریم سے کوئی ایسی واضح دلیل نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ قبر میں سوال و جواب اور عذاب ہوتا ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے:

﴿ يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَٱدْخُلِى فِى عِبَٰدِى ﴿٢٩﴾ وَٱدْخُلِى جَنَّتِى ﴿٣٠﴾ ﴾
(الفجر۸۹/ ۲۷۔۳۰)

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل' تو اس سے راضی۔ وہ تجھ سے راضی' تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔"

میرے ناقص فہم کے مطابق جسم سے نکلنے کے بعد روح اپنے رب کے پاس جا پہنچتی ہے' میں نہیں سمجھتا کہ روح قبر میں اپنے جسم کے ساتھ مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا۟ رَبَّنَآ أَمَتَّنَا ٱثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا ٱثْنَتَيْنِ ﴾ (الغافر۴۰/ ۱۱)

"وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔"

میں اس آیت سے یہ سمجھتا ہوں کہ دو دفعہ کی موت سے مراد وقت نطفہ اور جسم سے جان کے خروج کے وقت کی موت ہے جس طرح کہ دو دفعہ کی زندگی سے مراد شکم مادر اور بعثت کے وقت کی زندگی ہے۔ اس آیت میں قبر کے سوال و جواب اور عذاب کی طرف اشارہ نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَا مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ ﴾ (یٰس۳۶/ ۵۲)

"وہ (کافر) کہیں گے (اے ہے) ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگایا) اٹھایا۔"

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار (اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہوں گے اور نیند تو عذاب کے منافی ہے' آخر میں امید ہے کہ مجھے اس سوال کا شافی جواب ملے گا جیسا کہ آپ کے جوابات ہمیشہ شافی ہی ہوتے ہیں۔

جواب کمیٹی نے اس کا یہ جواب دیا:

اولاً: احکام شرعیہ کے دلائل جیسے قرآن کریم سے ہوتے ہیں ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت شدہ سنت سے بھی ہوتے ہیں خواہ وہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے کہ آپ ہمارے پاس جو بھی نصوص کتاب و سنت لے کر آئیں ہم ان کو لے لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ ﴾ (الحشر۵۹/ ۷)

"جو چیز تم کو رسول (ﷺ) دیں لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔"

کیونکہ آپ خواہش نفس سے بات نہیں فرماتے تھے بلکہ وحی الٰہی کی روشنی میں ہمارے لئے احکام شریعت بیان فرماتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ﴿٥﴾ ﴾ (النجم۵۳/ ۳۔۵)

"اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ (قرآن) تو اللہ کا حکم ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ ان کو بڑی قوتوں والے نے سکھایا۔"

نبی ﷺ جو کچھ بھی لے کر آئے اس کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان اور اس کی محبت کی دلیل ہے اور اس کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی محبت فرماتا اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾﴾ (آل عمران٣/ ٣١)

''(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾﴾ (آل عمران٣/ ٣٢)

''(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے (لوگو!) اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو' اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔''

اور فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾ (النساء٤/ ٥٩)

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرادی کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو' یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام و نتیجہ بھی اچھا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾﴾ (النساء٤/ ٨٠)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بلاشبہ اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

اس طرح کی قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں' آپ کا اتباع کریں اور جو کچھ آپ سے ثابت ہے اسے لے لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ حجت ہے اور اس سے عقیدہ و عمل کے احکام ثابت ہوتے ہیں' جس طرح آیات قرآن حجت ہیں اور ان سے بھی عربی زبان کے قواعد کے تقاضوں کے مطابق اور عربوں کے اپنی زبان کو سمجھنے کے طریقوں کے مطابق صراحتاً اور استنباطاً احکام ثابت ہوتے ہیں۔

ثانیاً: عقلی طور پر کافروں کے لئے عذاب قبر ممکن ہے' قرآن کریم سے بھی یہ ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٦﴾﴾ (غافر٤٠/ ٤٥۔٤٦)

"اور آل فرعون کو سخت عذاب نے آگھیرا (یعنی) آتش جہنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

یہ آیت کریمہ قبر میں آگ کے عذاب کے اثبات کے لئے واضح دلیل ہے کہ ایک تو اس میں صبح و شام کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کوئی صبح و شام نہ ہوگی اور آیت کریمہ کے آخر میں جو یہ فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓاْ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ ﴾ (غافر ٤٠/ ٤٦)

"اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت سے قبل انہیں کم تر درجہ کا عذاب ہو رہا ہے اور وہ ہے آگ کے سامنے پیش کیا جانا اور وہ عذاب قبر ہی ہے اور جزاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم و عدل میں فرعون' آل فرعون اور دیگر سب کافر برابر ہیں' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَٰقُواْ يَوْمَهُمُ ٱلَّذِى فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِى عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُواْ عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ ﴾ (الطور ٥٢/ ٤٥-٤٧)

"پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے' سامنے آ جائے جس دن ان کا کوئی داؤ (مکر و فریب) کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کو (کہیں سے) مدد پہنچے گی اور یقیناً ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب (سزا) بھی ہے لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔"

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں کو قیامت سے پہلے کمتر عذاب ہوتا ہے۔ یہاں عذاب عام ہے ان کو دنیا میں ہونے والا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور وہ عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے جو انہیں قبروں میں ہوگا اور قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد پھر انہیں عذاب اکبر ہوگا۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیتے۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور لوگوں کو خطبہ دیا تو فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ چاہو۔" اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے بقیع الغرقد میں اللہ تعالیٰ سے تین بار عذاب قبر سے پناہ مانگی جب کہ ایک صحابی کی میت کے لئے قبر کھودی جا رہی تھی۔ اگر عذاب قبر ثابت نہ ہوتا تو آپ ﷺ خود اس سے اللہ کی پناہ مانگتے نہ صحابہ کرام کو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیتے۔ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ يُثَبِّتُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱلْقَوْلِ ٱلثَّابِتِ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ ٱللَّهُ ٱلظَّٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ ﴾ (ابراھیم ١٤/ ٢٧)

"اللہ تعالیٰ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (مضبوط رکھے گا) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں سوال کے وقت مومن کو ثابت قدم رکھتا اور کافر کو رسوا کر دیتا ہے۔ مومن کو صحیح جواب کی توفیق ملتی اور قبر میں نعمتوں سے نوازا جاتا ہے' جب کہ کافر ذلیل و خوار ہوتا' جواب میں تردد کا شکار ہوتا اور پھر قبر میں عذاب سے دوچار ہوتا ہے' چنانچہ اسے حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے عنقریب بیان کیا جائے گا۔

عذاب قبر کی دلیلوں میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، مَرَّ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ، فَدَعَا بِجَرِيْدَةٍ رَطْبَةٍ فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ وَغَرَزَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، وَقَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب ما جاء في غسل البول، ح:٢١٨، واخرجه الترمذي في السنن، رقم:٧٠ وابن ماجه في السنن، رقم: ٣٤٧، ٣٤٩)

”ان دو قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی ایسے بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا (جس سے بچنا ان کے لیے محال تھا) ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تر و تازہ شاخ منگوائی اور اسے دو حصوں میں کرکے ہر ایک قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا اور فرمایا ہو سکتا ہے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ قبر میں میت سے سوال ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے عقیدہ و عمل کے مطابق نعمت یا عذاب سے دوچار ہوتا ہے' ان متواتر احادیث کی موجودگی میں عذاب قبر کے بارے میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی' عذاب قبر کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا' تمام اہل سنت و جماعت بھی عذاب قبر کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور حدیث وہ بھی ہے جسے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازہ میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ بیٹھ گئے' قبر کھودی جا رہی تھی اور ہم اس قدر خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا:

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»(اخرجه احمد في المسند، ٤/٢٨٧، ٢٩٥)

”میں عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔“

پھر فرمایا کہ:

«إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا، وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلاَئِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوْطٌ مِنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ، قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى يَأْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِي ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِي ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ، قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلاَ يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلَى مَلإٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ إِلاَّ قَالُوْا: مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ؟

فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتَّى يَنْتَهُوْا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهُ فَيُفْتَحُ لَهُمْ، فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُقَرَّبُوْهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي تَلِيْهَا، حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِي عِلِّيِّيْنَ، وَأَعِيْدُوْهُ إِلَى الأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا أُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَى، قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِي جَسَدِهِ، فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّيَ اللهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الإِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِي مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ، قَالَ: وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرِّيْحِ، فَيَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتَّى أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي وَمَالِيْ وَقَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ، فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ إِلَى سَخَطٍ مِنَ اللهِ وَغَضَبٍ، قَالَ فَتَفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ، فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى يَجْعَلُوْهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوْحِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ وُجِدَتْ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ، فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلَى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِيْثُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانَ يُسَمَّى بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ﴾ فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَهُ فِي سِجِّيْنٍ، فِي الأَرْضِ السُّفْلَى فَتُطْرَحُ رُوْحُهُ طَرْحًا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ ٱلسَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ ٱلطَّيْرُ أَوْ تَهْوِى بِهِ ٱلرِّيحُ فِى مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾﴾ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْا لَهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا، وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهُ، وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ، قَبِيْحُ الثِّيَابِ، مُنْتِنُ الرِّيْحِ، فَيَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْءُكَ، هٰذَا يَوْمُكَ

الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالشَّرِّ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ لاَ تُقِمِ السَّاعَةَ»(أخرجه احمد ٤/ ٢٨٧، ٢٩٥)

"مومن بندہ جب آخرت کی طرف آ رہا اور دنیا سے جا رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں' ان کے پاس جنت کے کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں' وہ اس کے پاس آ کر' جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے' بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے پاک روح! آ اللہ کی مغفرت اور رضا مندی کی طرف!" تو وہ روح اس طرح جسم سے باہر آ جاتی ہے' جس طرح مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ آسانی سے باہر آ جاتا ہے۔ ملک الموت (موت کا فرشتہ) اسے پکڑ لیتا ہے لیکن یہ فرشتے اس کے ہاتھ میں لحہ بھر بھی نہیں رہنے دیتے حتی کہ اسے پکڑ لیتے اور جنت کے کفن میں لپیٹ کر جنت کی خوشبو میں بسا دیتے ہیں۔ اس روح سے ایسی پاکیزہ خوشبو نکلتی ہے جیسی کہ زمین کی کسی اعلیٰ اور پاکیزہ ترین کستوری کی خوشبو ہو' فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے' اس خوبصورت نام کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے اچھا اور خوبصورت نام ہوتا ہے' حتی کہ اسے لے کر آسمان تک جا پہنچتے ہیں اور آسمان کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے ملائکہ مقربین اگلے آسمان تک الوداع کرنے کے لئے اس کے ساتھ جاتے ہیں حتی کہ اس آسمان تک پہنچ جاتے ہیں' جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں "میرے بندے کے نامہ اعمال کو علیین میں لکھ دو۔" اسے زمین کی طرف لوٹا دو' میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا' زمین میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ پھر زمین ہی سے انہیں نکالوں گا' چنانچہ اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے' اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا لیتے ہیں اور وہ اس سے پوچھتے ہیں "تیرا رب کون ہے؟" یہ جواب دیتا ہے کہ "میرا رب اللہ ہے" فرشتے پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" یہ جواب دیتا ہے "میرا دین اسلام ہے۔" فرشتے پوچھتے ہیں "وہ آدمی کون ہیں جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟" یہ جواب دیتا ہے "وہ اللہ کے رسول ہیں۔" فرشتے پوچھتے ہیں تمہیں کیسے علم ہوا؟ تو یہ کہتا ہے "میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا' اس پر ایمان لایا اور اس کی میں نے تصدیق کی۔" آسمانوں سے ایک منادی (اعلان کرنے والا) یہ اعلان کرتا ہے "میرے بندے نے سچ کہا ہے' اس کے لئے جنت کا بستر بچھا دو۔" جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو" آپ نے فرمایا "اس سے جنت کی پاکیزہ ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آنا شروع ہو جاتی ہیں اور تاحد نظر اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے' اس کے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کا چہرہ بہت خوبصورت' جس کا لباس بہت خوبصورت اور جس کی خوشبو بہت پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے تمہیں بشارت ہو اس چیز کی جس سے تم خوش ہو جاؤ' یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' یہ مرد مومن پوچھتا ہے تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ وہ ہے جو خیر لایا ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں۔ یہ کہتا ہے

"اے میرے رب قیامت قائم کر دے تا کہ میں اپنے اہل اور مال کے پاس لوٹ جاؤں۔"
اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کافر آدمی دنیا سے جا رہا اور آخرت کی طرف آ رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے کالے سیاہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں' وہ اس کے پاس تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں' پھر حضرت ملک الموت تشریف لاتے' اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے اور فرماتے ہیں: "اے خبیث روح! آ اللہ کی ناراضی اور اس کے غضب کی طرف' یہ سن کر روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے' ملک الموت اس کے جسم سے روح کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں' جس طرح گیلی روئی سے سیخ کو کھینچ لیا جائے' ملک الموت پکڑ لیتے ہیں تو فرشتے لمحہ بھر کے لئے اسے ان کے ہاتھ نہیں رہنے دیتے حتی کہ اسے ان ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے ایسی انتہائی سخت بدبو خارج ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر روئے زمین پر اور کوئی بدبو نہ ہو گی' فرشتے اسے لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟" فرشتے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے' دنیا کے اس کے بدترین ناموں سے اس کا تعارف کرواتے ہیں حتی کہ وہ اسے لے کر آسمان دنیا تک جا پہنچتے ہیں' دستک دیتے ہیں مگر اس کے لئے آسمان دنیا کے دروازے کو نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ ﴾ (الأعراف٧/ ٤٠)

"ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔"
اللہ عزوجل اس کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سجین یعنی زمین کی نچلی تہہ میں لکھ دو چنانچہ وہاں سے اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ ٱلسَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ ٱلطَّيْرُ أَوْ تَهْوِى بِهِ ٱلرِّيحُ فِى مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ﴾ (الحج٢٢/ ٣١)

"اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا اس کو ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔"
چنانچہ اسکی روح بھی اسکے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے' اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا لیتے اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: "ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔" پھر وہ پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" تو وہ جواب دیتا ہے: "ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔" پھر وہ پوچھتے ہیں "یہ آدمی کون ہیں جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟" تو وہ جواب دیتا ہے کہ "ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔" تو آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اس کیلئے جہنم کا بستر بچھا دو' جہنم کی طرف اس کا ایک دروازہ کھول دو' تو جہنم کی حرارت اور گرم ہوا اس کے پاس آتی ہے اور اسکی قبر تنگ ہو جاتی ہے حتی کہ اسکی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہونے لگتی ہیں۔ اسکے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کا چہرہ بہت برا' جس کا لباس

بہت برا اور جس کی بدبو بہت بری ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ "تمہیں بشارت ہو اس بات کی جو تمہیں بہت بری لگے۔" یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" یہ پوچھتا ہے "تم کون ہو؟" تمہارا چہرہ وہ چہرہ ہے جو برائی لاتا ہے" وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ قیامت قائم نہ کرنا۔"

ثالثاً : عقلی طور پر یہ بات محال بھی نہیں ہے کہ فرشتے قبروں میں مُردوں سے سوال کریں اور مُردے ان کو جواب دیں اور پھر مُردوں کو ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور کائنات میں اس کے عجائبات کے اعتبار سے یہ کچھ بعید نہیں کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں نعمتوں سے نوازا جائے اور کافروں کو عذاب دیا جائے کہ جو بھی کائنات پر گہری نظر ڈالے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ کائنات میں اسی کی مشیت جاری و نافذ ہے۔ اس کی قدرت جامع اور کامل ہے اس نے مخلوق کو نہایت اعلیٰ تدبیر کے ساتھ مستحکم و استوار کیا اور جس کو پیدا کیا عجیب نرالے انداز میں پیدا فرمایا ہے۔ ان تمام امور پر غور کرنے سے نصوص صحیح میں وارد مُردوں سے سوال اور پھر ان کے جواب کے مطابق ان سے رحمت یا عذاب کے مسئلہ پر عقیدہ رکھنا آسان ہو جائے گا۔ ان نصوص سے ثابت ہے کہ دفن کے بعد اللہ تعالیٰ مُردے میں اس کی روح لوٹا دیتا ہے تاکہ اسے وہ برزخی زندگی حاصل ہو جو دنیوی زندگی اور قیامت کے بعد کی اخروی زندگی کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ دو زندگیوں کے درمیان کی یہ زندگی ہی انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ سوال سن سکے اور اس کا جواب دے سکے اور پھر اس میں راحت و نعمت یا عذاب و سزا کا احساس بھی پیدا کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ تدبیر و خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے کمالات ہیں کہ انسانی عقلیں اپنی کوتاہی کی وجہ سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور نہ انہیں محال سمجھتی ہیں بلکہ انہیں ممکن سمجھتی ہیں' اگرچہ ان کے اسباب و علل کے بارے میں حیران' ان کی کنہ و حقیقت کے معلوم کرنے اور ان کے مقصود و مطلوب کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہیں۔ انسان جب کسی چیز سے عاجز آ جائے اور کوئی معاملہ اس سے مخفی رہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز و قاصر سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت پر شک نہ کرے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا مؤقف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ﴾ (آل عمران ۳/ ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۹)

"یقیناً دین (حق) تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۳)

''یہ سب ایک جیسے نہیں ہیں' ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں.....''

اور فرمایا:

﴿ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۲)

''(اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں.....''

میں چونکہ عیسائیوں کے ساتھ مل جل کر کام کرتا ہوں اور بعض سے میرے گہرے مراسم بھی ہیں لیکن بسااوقات اس موضوع پر بحث مباحثہ شروع ہو جاتا ہے۔ کیا دین اسلام عیسائیوں کا اعتراف کرتا ہے یا نہیں؟ اسلام کا عیسائیوں کے بارے میں کیا مؤقف ہے؟ میرے یہ عیسائی دوست اپنے مؤقف کی تائید میں قرآن کریم کی اس طرح کی آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں' جن کی طرف میں نے سطور بالا میں ابھی اشارہ کیا ہے۔ عیسائی حضرات جن آیات کا حوالہ دیتے ہیں یہ ان میں سے چند ایک بطور مثال ہیں' اس سے تمام آیات کا حصر مقصود نہیں ہے۔

اپنے فاضل علماء کرام سے امید ہے کہ وہ مجھے کافی وشافی جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ امید ہے کہ جواب مفصل' مسکت' دلائل و براہین سے مدلل اور اسلوب بیان سہل اور دلنشیں ہو گا۔ کیا ان آیات میں سے کوئی منسوخ تو نہیں؟ کیونکہ عیسائی ہمارے خلاف بات کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان آیات میں تناقض و تعارض ہے! اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حد درجہ کی قلبی وابستگی نے مجھے یہ سطور لکھنے پر مجبور کیا ہے اس لئے امید ہے کہ جامع جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟

جواب حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام جن شریعتوں کو لے کر آئے ان سب کے اصول ایک ہیں۔ انہی اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل کی اور انہی کے مطابق ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ بھی وصیت فرمائی کہ وہ بعد میں آنے والے نبیوں پر ایمان بھی لائیں اور ان کی تائید وحمایت بھی کریں اور بعد میں آنے والے نبی اپنی امتوں کو یہ وصیت کرتے رہے کہ وہ سابقہ انبیاء کرام کی تصدیق بھی کریں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام' اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کا نام دین اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٢﴾ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾﴾ (آل عمران۳/ ۸۱۔۸۵)

"اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں' پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا)؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو اس کے بعد پھر جائیں' وہ بدکردار ہیں۔ کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرماں بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اترے اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء کو پروردگار کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿ ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِ مِن رَّبِّهِۦ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَۚ كُلٌّ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ أَحَدٖ مِّن رُّسُلِهِۦۚ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۵)

"رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی' ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَقَفَّيۡنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِۖ وَءَاتَيۡنَٰهُ ٱلۡإِنجِيلَ فِيهِ هُدٗى وَنُورٞ وَمُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَهُدٗى وَمَوۡعِظَةٗ لِّلۡمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ ﴾ (المائدة۵/ ۴۶)

"اور ان پیغمبروں کے بعد انہیں کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے اور پرہیز گاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ مُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِۖ ﴾ (المائدة۵/ ۴۸)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) کی محافظ و نگہبان بھی۔ پس جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرنا"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَـٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَـٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَـٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ١٥۔١٦)

”اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارے رسول (آخرالزماں) آ گئے ہیں‘ جو کچھ تم کتاب (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے‘ وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کر بتا دیتے ہیں اور بہت سی باتوں سے درگزر فرماتے ہیں‘ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے‘ جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیروں میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ ٱلرُّسُلِ أَن تَقُولُوا۟ مَا جَآءَنَا مِنۢ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَآءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ١٩)

”اے اہل کتاب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو (ایک عرصے تک) منقطع رہا تو (اب) تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آ گئے ہیں جو تم سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو (اب) تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ يَـٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِٱلْبَيِّنَـٰتِ قَالُوا۟ هَـٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (الصف٦١/ ٦)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے‘ جن کا نام احمد ہو گا‘ ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب وہ (مبشر رسول) ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ ﴾ (الأنبیاء٢١/ ٢٥)

”اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔“

ان مذکورہ آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو عام اور خاص دونوں طرح سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں

کہ انبیاء کرام علیہم السلام شریعت کے جو اصول لائے وہ سب ایک تھے مثلاً: صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا' اس کے ساتھ اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں' یوم آخرت اور قضاء وقدر کے ساتھ ایمان لانا اور نماز' زکوٰۃ اور روزے کو بجا لانا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ دعاء کی تھی:

﴿ رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ﴾ (ابراھیم۱۴/ ۳۷)

''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے' اے پروردگار! (میں نے یہ اس لیے کیا ہے) تاکہ یہ نماز پڑھیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ رَبِّ ٱجْعَلْنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ﴾ (ابراھیم۱۴/ ۴۰)

''اے پروردگار مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی توفیق بخش۔''

اور فرمایا:

﴿ وَٱذْكُرْ فِي ٱلْكِتَٰبِ إِسْمَٰعِيلَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِۦ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۵۴۔۵۵)

''اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَٱجْعَلُوا۟ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۗ ﴾ (یونس۱۰/ ۸۷)

''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو۔''

حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَنَادَتْهُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُصَلِّي فِي ٱلْمِحْرَابِ أَنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ ﴾ (آل عمران۳/ ۳۹)

''وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ قَالَ إِنِّي عَبْدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِيَ ٱلْكِتَٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَٰنِي بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۰۔۳۱)

''عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے۔''

روزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٣)

''مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔''

ہاں البتہ ان تمام شریعتوں کا عبادات کی کیفیات اور فروع کی تفصیلات میں ضرور اختلاف تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ (المائدة٥/ ٤٨)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ دِينُهُمْ وَاحِدٌ وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى»(صحيح بخاري، كتاب احاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى...، ح:٣٤٤٣، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، ح:٢٣٦٥)

''انبیاء علاتی بھائی ہیں' جن کا دین ایک اور مائیں مختلف ہیں۔''

تو جو لوگ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں کے اصول کے ساتھ ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور ان کے لئے سعادت و فلاح لکھ دیتا ہے' انہی کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تعریف فرمائی ہے اور انہی کی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اپنی سنت میں ستائش فرمائی ہے اور جو لوگ انبیاء کرام کی لائی ہوئی شریعتوں کے بعض اصولوں پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں تو انہیں سمجھایا جائے گا کہ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کر رہے ہیں کیونکہ تمام انبیاء کا دین ایک ہے اور بعض کا دین بعض کی تصدیق کرتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کرنے والوں کا انجام جہنم ہے جو بدترین ٹھکانا ہے' ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں مذمت فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا۟ بَيْنَ ٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا۟ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَلَمْ يُفَرِّقُوا۟ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُو۟لَـٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٥٠-١٥٢)

''جو لوگ اللہ سے اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان سے ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں' وہ بلا شبہ کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (یعنی سب کو مانا) ایسے لوگوں کو وہ

(اللہ) عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اسی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ یہودی اور عیسائی اہل کتاب سب حکم میں برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے اور کچھ کی مذمت' تعریف ان کی کی ہے جنہوں نے اس حکم الٰہی کی اطاعت اختیار کی کہ:

﴿ قُولُوٓاْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡنَا وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَمَآ أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِيَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ أَحَدٖ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ١٣٦﴾

(البقرۃ ۲/ ۱۳۶)

"کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہماری طرف اتاری گئی اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کئے گئے' ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں' ان پر اور جو پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب) پر (ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں۔"

اسی طرح ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿ وَإِنَّ مِنۡ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِ لَمَن يُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُمۡ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِمۡ خَٰشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشۡتَرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ثَمَنٗا قَلِيلًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ أَجۡرُهُمۡ عِندَ رَبِّهِمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلۡحِسَابِ ١٩٩﴾ (آل عمران ۳/ ۱۹۹)

"اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے' یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

اسی طرح اہل کتاب میں سے بعض عیسائیوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيسِينَ وَرُهۡبَانٗا وَأَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُونَ ٨٢ وَإِذَا سَمِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَى ٱلرَّسُولِ تَرَىٰٓ أَعۡيُنَهُمۡ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ ٱلۡحَقِّۖ يَقُولُونَ رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَٱكۡتُبۡنَا مَعَ ٱلشَّٰهِدِينَ ٨٣ وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ ٱلۡحَقِّ وَنَطۡمَعُ أَن يُدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلصَّٰلِحِينَ ٨٤ فَأَثَٰبَهُمُ ٱللَّهُ بِمَا قَالُواْ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ جَزَآءُ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ٨٥﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۲-۸۵)

"یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے آخری) رسول (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں' اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! (ہم ایمان لے آئے ہیں تو ہمیں بھی (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے' ایمان نہ لائیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک

بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا تو اللہ نے ان کے اس کہنے کے عوض انہیں (بہشت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی صلہ ہے۔''

یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

﴿ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَأُو۟لَٰٓئِكَ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِٱلْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ ﴾ (آل عمران/٣: ١١٣_١١٥)

''ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (حکم اللہ پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں (اور) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کاموں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں اور وہ جس طرح کی نیکی کریں گے' اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں گروہوں کے ان لوگوں کی مذمت بھی بیان فرمائی ہے جنہوں نے منافقت اختیار کی' بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا' واضح ہونے کے باوجود حق کو چھپایا' کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیا' شریعتوں کے اصول و فروع میں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہدوپیمان توڑ دیئے' چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا۟ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُۥ مِنۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا۟ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوٓا۟ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّآ أَمَانِىَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ ٱلْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾ (البقرة/٢: ٧٥_٧٩)

''(مومنو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں' کیا تم سمجھتے نہیں؟ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں' اللہ کو (سب) معلوم ہے۔ اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (اللہ کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں' تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے

(آئی) ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں' ان پر افسوس ہے اس لئے (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ ٱثْنَىْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ ٱللَّهُ إِنِّى مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَيْتُمُ ٱلزَّكَوٰةَ وَءَامَنتُم بِرُسُلِى وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَٰقَهُمْ لَعَنَّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِۦ ۙ وَنَسُوا۟ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱصْفَحْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذْنَا مِيثَٰقَهُمْ فَنَسُوا۟ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَاوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ ٱللَّهُ بِمَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۲۔۱۴)

"اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ (۱۲) سردار مقرر کئے پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں' پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا پس ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی' ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کو معاف کرو اور (ان سے) درگزر کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت بیان کی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور پھر اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے معبود ٹھہرالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان افتراء پردازیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَى ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ ٱللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَٰهِهِمْ ۖ يُضَٰهِـُٔونَ قَوْلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَبْلُ ۚ قَٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا

يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ (التوبۃ۹/ ۳۰۔۳۱)

’’اور یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں' پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے' یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں' اللہ ان کو ہلاک کرے' یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنالیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ پاک ہے ان چیزوں سے جنہیں یہ لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔‘‘

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت کی ہے' جنہوں نے کفر کے ساتھ ساتھ یہ گمان بھی کیا کہ جنت تو صرف انہیں لوگوں کے لئے وقف ہے' ان کے سوا کوئی اور اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کی تکذیب کی اور بیان فرمایا کہ حقیقت میں کون لوگ اہل جنت ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَالُوا۟ لَن يَدْخُلَ ٱلْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَـٰرَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا۟ بُرْهَـٰنَكُمْ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُۥٓ أَجْرُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۱۱۔۱۱۲)

’’اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا بہشت میں ہرگز کوئی نہیں جائے گا' یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں (اے پیغمبران سے) کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو' ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت بیان فرمائی ہے' جنہوں نے ناحق انبیاء اور صالحین کو قتل کیا اور کہا کہ ہمارے دل پردے میں ہیں' حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھا' حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا' سود اور لوگوں کے اموال کو ناجائز طریقے سے کھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو کافر قرار دیا ہے اور ان کے باطل گمانوں کی تردید فرمائی اور انہیں ((عَذَابٌ أَلِيمٌ)) کی دھمکی دی۔

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سعادت اور ابدی نعمتوں کی کامرانیوں سے سرفراز ہوں گے اور اسی طرح باقی لوگوں کی مذمت بیان کی ہے اور ان کے ان کرتوتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی ناراضی' لعنت اور عذاب الیم کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا مؤقف عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ ان کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کی تعریف و تنقیص کے اعتبار سے کتاب و سنت کی نصوص میں کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ جن کی اسلام نے تعریف کی ہے ان میں اور جن کی مذمت کی ہے ان میں بہت واضح فرق ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس رسول نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جسے یہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے' جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے' ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر پڑے

ہوئے بوجھ اور طوق (بیڑیاں) اتار پھینکتا ہے اور اس آیت پر یہ عمل کرتے ہیں کہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ مِن قَبْلُ ﴾ (النساء٤/ ١٣٦)

''مومنو! اللہ پر' اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخرالزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں' سب پر ایمان لاؤ۔''

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپ لیا اور وہ اللہ کی تعریف کے مستحق قرار پائے اور یہی لوگ کامیاب ہیں لیکن اس کے برعکس جنہوں نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا یا بعض کے ساتھ ایمان لے آئے اور بعض کے ساتھ کفر کیا' تورات اور انجیل میں تحریف کی' تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔ یہ لوگ عذاب الٰہی کے مستحق' جہنمی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں لہٰذا اس میں کوئی تناقض نہیں کہ جو لوگ مدح و ثناء کے مستحق تھے ان کی قدرومنزلت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ان کے حسب مراتب عزت دی گئی اور دیگر لوگوں کی بری سیرت و کردار کی وجہ سے مذمت کی گئی۔ ان کے عقیدہ کی خرابی اور اس میں آئے دن ہونے والی تبدیلی کو بیان کیا اور بتایا کہ ان کے علماء و مشائخ نے ان کے دین میں جو تبدیلی پیدا کر دی تھی' اسے انہوں نے ہدایت و بصیرت کے بغیر قبول کر لیا تو قرآن مجید کی ان نصوص میں نسخ نہیں ہے' کیونکہ ان میں کوئی باہمی تعارض بھی نہیں ہے بلکہ بعض آیات بعض دیگر کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

جو شخص اس مسئلہ کی مزید تفصیل و وضاحت چاہے' اسے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص آیات قرآنی' صحیح احادیث رسول اور صحیح تاریخی واقعات پر غور کرے گا' عصبیت سے پاک ہو گا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرے گا تو اس کے سامنے حق واضح ہو جائے گا اور اسے راہ راست پر چلنے کی توفیق و ہدایت مل جائے گی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

ان مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں

سوال کیا ایسی مسجدوں میں نماز جائز ہے جن میں قبریں موجود ہوں؟

جواب جن مسجدوں میں قبریں ہوں ان میں نماز نہ پڑھی جائے بلکہ ضروری ہے کہ قبروں کو اکھاڑ کر مدفون لوگوں کی ہڈیوں کو عام قبرستانوں میں دفن کر دیا جائے' دیگر قبروں کی طرح ہر میت کے لئے الگ الگ قبر کھودی جائے اور اس میں اسے دفن کر دیا جائے۔ مسجدوں میں قبروں کا باقی رکھنا جائز نہیں خواہ وہ کسی ولی کی قبر ہو یا کسی اور شخصیت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کی ہے' چنانچہ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح: ١٣٣٠)

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بات فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرا رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک گرجا کے بارے میں بتایا کہ اس میں تصویریں اور فلاں فلاں چیزیں تھیں تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أُوْلٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُوْلٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(بخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي، ح:٤٢٧، ٤٣٤، ١٣٤١، ومسلم، رقم:٥٢٨، ونسائي ٢/ ٤١، واحمد ٦/ ٥١)

"ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصویریں بناتے' قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ساری مخلوق میں سے بدترین لوگ ہوں گے۔"

نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:

«أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد. . ، ح: ٥٣٢، والحاكم في المستدرك ٢/ ٥٥٠)

"خبردار آگاہ رہو کہ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے' تم قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع فرمادیا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص کسی قبر کے پاس نماز پڑھتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اسے مسجد بنالیا ہے اور جو کوئی کسی قبر پر نماز پڑھنے کے لئے عمارت بنائے' اس نے بھی گویا قبر کو مسجد بنا دیا جب کہ فرض یہ ہے کہ قبروں کو مسجدوں سے دور رکھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں ان میں قبریں نہ بنائی جائیں تاکہ ہم اس لعنت سے محفوظ رہ سکیں' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر پڑتی ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھے گا جس میں قبریں ہوں گی تو شیطان اس کے لئے میت سے دعاء کرنے یا اس سے مدد طلب کرنے یا اس کے لئے نماز پڑھنے یا اسے سجدہ کرنے جیسے اعمال کو مزین کرے گا' جس کی وجہ سے وہ شرک اکبر میں واقع ہو جائے گا اور پھر چونکہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طرز عمل ہے اور ہمارے لئے یہ واجب ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں اور ان کے برے طریقے اور عمل سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے!

شیخ ابن باز

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ اور ﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ ﴾ میں تطبیق

سوال آیت کریمہ:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

"یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا اور جو گناہ جس کو چاہے

معاف کر دے"

اور آیت کریمہ:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طہٰ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے اور پھر سیدھی راہ پر چلے اس کے گناہ میں ضرور بخش دینے والا ہوں"

میں تطبیق کیسے ہو گی' کیا ان میں تعارض نہیں ہے؟

جواب ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو شرک پر مرے اور توبہ نہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ ﴾

(المائدة۵/ ۷۲)

"جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا' اللہ تعالیٰ نے اس پر بہشت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام۶/ ۸۸)

"اور اگر وہ (یعنی انبیاء علیہم السلام) بھی شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔"

دوسری آیت کریمہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو توبہ کر لیں' اسی طرح حسب ذیل آیت کریمہ:

﴿ ۞ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر۳۹/ ۵۳)

"(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ بھی توبہ کرنے والوں کے بارے میں ہے اور توبہ کی توفیق عطا فرمانے والا بھی تو اللہ ہی ہے۔

شیخ ابن باز

قرآن کریم کی محکم و متشابہ آیات

سوال قرآن کریم کی محکم اور متشابہ آیات کون سی ہیں؟ قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم ہی کیوں نہ بنا دیا گیا تا کہ لوگ حق کے سوا اور کوئی تأویل کر ہی نہ سکتے؟

جواب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں:

① قرآن سارے کا سارا محکم ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿ تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ ٱلْحَكِيمِ ﴿١﴾ ﴾ (یونس۱۰/ ۱)

"یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت و دانش سے لبریز ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ كِتَٰبٌ أُحْكِمَتْ ءَايَٰتُهُۥ ﴾ (ہود۱۱/ ۱)

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں۔"

② دوسری صفت یہ کہ قرآن کریم متشابہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا ﴾ (الزمر۳۹/ ۲۳)

"اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں۔"

یہ حکم عام ہے جو سب قرآن کو شامل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن محکم ہے۔ اپنے اخبار' احکام اور الفاظ کے اعتبار سے نہایت مستحکم ہے اور یہاں متشابہ کے معنی یہ ہیں کہ کمال' عمدگی' تصدیق اور ہم آہنگی کے اعتبار سے قرآن کے بعض مقام بعض دیگر سے مشابہت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے احکام و اخبار میں قطعاً کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ سارے کا سارا قرآن ایک دوسرے مقام کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اس کی سچائی کی شہادت بھی دیتا ہے' جہاں انسان کو بظاہر کوئی تعارض محسوس ہو وہاں تدبر اور غور و فکر سے کام لینا چاہئے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ ﴾ (النساء٤/ ٨٢)

"بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔"

③ قرآن کا تیسرا وصف یہ بیان ہوا ہے کہ اس کی بعض آیات محکم اور بعض متشابہ ہیں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ مُّحْكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

یہاں محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں کیونکہ اس کے مقابل یہاں الفاظ یہ ہیں ﴿ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ اور ایک لفظ کی تفسیر اس کے بالمقابل استعمال ہونے والے لفظ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے' یہ تفسیر کا ایک اہم قاعدہ ہے جو مفسر کے سامنے رہنا چاہئے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴾ اس میں لفظ "ثبات" کے سمجھنے میں انسان کو مشکل محسوس ہوتی ہے لیکن جب ہم اس کے بالمقابل استعمال ہونے والے الفاظ ﴿ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴾ کو دیکھتے ہیں تو یہ مشکل دور ہو جاتی ہے اور بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ثبات کے معنی متفرق اور الگ الگ کے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق جب ہم اس آیت کریمہ:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہیں کہ انہیں

عام و خاص سبھی لوگ جانتے ہیں جیسے ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ جیسی آیات جن کے معنی بالکل ظاہر ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی بعض آیات متشابہات ہیں' جن سے مراد ایسی آیات ہیں جن کے معنی بہت سے لوگوں کے لئے مخفی ہیں کہ ان کے معنی اللہ تعالیٰ اور راسخ فی العلم علماء ہی جانتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ ﴾ (آل عمران ۳/ ۷)

''اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔''

یہاں قراءت کے بارے میں ائمہ سلف کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ الا اللہ پر وقف کیا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں وقف نہ کیا جائے بلکہ وصل کے ساتھ یعنی اسے آگے ملا کر پڑھا جائے۔ بہر حال یہاں دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ سارے قرآن کو محکم کیوں نہ بنایا گیا اور اس کی بعض آیات کو متشابہ کیوں بنایا گیا ہے؟ اس کا جواب دو طرح سے ہے ایک یہ کہ معنی عام کے اعتبار سے قرآن سارے کا سارا محکم ہے جیسا کہ ہم نے جواب کے آغاز میں ذکر کیا حتی کہ اس آیت کریمہ کے حوالہ سے بھی قرآن محکم ہے اور وہ اس طرح کے جب ہم متشابہ کا محکم کے ساتھ ملا کر جائزہ لیں گے تو اس کے معنی بھی واضح اور ظاہر ہو جائیں گے اور اس طرح سارا قرآن ہی محکم ہو گا۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ آیات کو متشابہ قرار دیا ہے' جن کے سمجھنے کے لئے تدبر' غورو فکر اور انہیں محکم کی طرف لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص حکمت کے پیش نظر متشابہ بنایا ہے اور وہ حکمت ہے ابتلاء' امتحان اور آزمائش کہ بعض لوگ ان آیات متشابہات کو فتنہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور ان کے حوالہ سے قرآن پر طعن و تشکیک کا الزام ٹھہراتے ہیں حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائے ہوئے احکام شریعت یا اس کی آیات شریعت ..... مثلاً ..... قرآن ..... میں سے کچھ متشابہ ہیں اسی طرح اس کی کونی و قدری آیات میں سے بھی بعض متشابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے امتحان کے لئے بعض اشیاء کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ بندے اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں یا نہیں جیسا کہ اس نے اہل سبت پر ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار پر پابندی عائد کر کے ان کی آزمائش کی تھی اور اس میں بھی ان کی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن سطح آب پر بڑی کثرت سے مچھلیاں نمودار ہوتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ باقی دنوں میں نمودار نہیں ہوتی تھیں لیکن وہ لوگ اس آزمائش میں صبر نہ کر سکے اور شکار کے لئے انہوں نے معروف و مشہور حیلہ اختیار کر لیا کہ جمعہ کے دن جال لگا لیا تاکہ اس میں مچھلیاں پھنس جائیں اور اتوار کو ان کا شکار کر لیں لیکن اس حیلہ سازی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی آزمائش کی' چنانچہ ملاحظہ فرمائیے' آیت کریمہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ﴾
(المائدة ۵/ ۹٤)

"مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش کی' حالت احرام میں شکار سہولت کے ساتھ ان کی دسترس میں تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حرام قرار دیئے شکار کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اسی طرح آیات قرآنیہ میں بھی بعض متشابہ اشیاء ہوتی ہیں جن میں بظاہر تعارض اور ایک دوسرے مقام کی تکذیب ہوتی ہے لیکن راسخ فی العلم لوگ جانتے ہیں کہ ان آیات میں تطبیق کی کیا صورت ہے لیکن اہل فتنہ و شر ان آیات کی وجہ سے یہ کہنے لگتے ہیں کہ قرآن مجید میں تعارض اور تناقض ہے:۔

﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ اس میں سے ان آیتوں کی پیروی کرتے ہیں جو باہم مختلف معنوں کی متحمل ہوتی ہیں' وہ لوگ فتنہ کے متلاشی ہوتے ہیں اور ان آیات کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

جنت میں دیدار الٰہی

سوال حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ . . . لاَ تُضَامُوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، ح:٥٥٤، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات رؤية المومنين في الآخرة ربهم سبحانه وتعالى، ح:١٨٣)

"تم قیامت کے دن اپنے رب کا اسی طرح دیدار کرو گے جس طرح تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو.... دیدار الٰہی کے سلسلہ میں تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے"

سوال یہ ہے کیا قیامت کے دن دیدار الٰہی حق ہے؟ کیا مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے؟ کیا دیدار الٰہی سب لوگوں کو ہو گا یا صرف مومنوں کو؟ بعض راویان حدیث کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری ثلث میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب یہ حدیث صحیح و ثابت اور اس بات کی دلیل ہے کہ مومنوں کو یقیناً اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا' جس طرح وہ چاہے گا اور کافر دیدار الٰہی سے محروم ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ﴾ (المطففين۸۳/ ۱۵)

"بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار سے) اوٹ اور حجاب میں ہوں گے۔"

بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مومنوں کو جنت میں دیدار الٰہی کی سعادت میسر ہو گی جیسا کہ قرآن کریم سے

بھی یہ ثابت ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ ﴾ (القيامة٧٥/ ٢٢_٢٣)

"اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے!"

اور فرمایا:

﴿ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (المطففين٨٣/ ٢٣)

"اور تختوں پر (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہے ہوں گے۔"

رؤیت باری کی حقیقت کے باوجود اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کیونکہ دار آخرت کو دنیا پر قیاس کیا جا سکتا ہے' نہ غیب کو حاضر پر۔ اور ہمیں چاہئے کہ صرف اپنے علم کے مطابق بات کریں۔

② نزول باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ فَيَقُوْلُ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوْبَ عَلَيْهِ؟»(صحيح بخاري، كتاب التجهد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، ح:١١٤٥ وفي مقام آخر، رقم:٦٣٢١، ٧٤٩٤، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء . . . ، ح:٧٥٨)

"جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا پر نزول فرماتا اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی دعاء کرنے والا کہ میں اس کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازوں؟ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ کو قبول کر لوں؟"

لیکن یہ نزول امور غیب میں سے ہے' ہم اس پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ افضل ہے' اس میں نماز' دعاء اور توبہ و استغفار مستحب ہے اور یہ قبولیت کا وقت ہے!

شیخ ابن جبرین

مخالف اہل سنت کی امامت

سوال کیا کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے جس کا عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کے مخالف ہو۔ مثلاً اشعری وغیرہ کے پیچھے؟

جواب زیادہ درست بات یہ معلوم ہوتی ہے ...... واللہ اعلم ...... کہ جس شخص کو ہم مسلمان سمجھیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی صحیح ہے اور جس کو مسلمان نہ سمجھیں اس کے پیچھے نماز بھی صحیح نہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ گناہ گار کے پیچھے نماز درست نہیں تو یہ قول مرجوح ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امراء کے پیچھے نماز ادا کرنے کی رخصت دی ہے اور امراء میں سے اکثریت نافرمانوں کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حجاج کے پیچھے نمازیں پڑھیں حالانکہ وہ بہت بڑا ظالم تھا۔

حاصل کلام یہ کہ ایسے بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے جس کی بدعت اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے اور ایسے فاسق کے پیچھے بھی جس کا فسق اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے لیکن جب لوگ ایک جگہ جمع ہوں تو بہتر یہ ہے کہ صاحب سنت و جماعت اور کسی افضل آدمی کو امام بنایا جائے۔

———— شیخ ابن باز ————

جادو گروں اور شعبدہ باز صوفیوں سے سوال پوچھنا

سوال یمن کے بعض علاقوں میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو سادات (شاہ صاحب) کہلاتے ہیں' یہ لوگ شعبدہ بازی اور کئی ایسے کام کرتے ہیں جو دین کے منافی ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے پیچیدہ اور مشکل امراض کے علاج کی قدرت حاصل ہے اور اس کی دلیل کے طور پر اپنے ہی جسموں میں بسا اوقات خنجر چھبو لیتے ہیں یا اپنی زبانوں کو کاٹ کر بغیر تکلیف کے انہیں دوبارہ جوڑ لیتے ہیں' ان میں سے کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھتے۔ یہ اپنے لئے تو یہ جائز قرار دیتے ہیں کہ کسی دوسرے خاندان میں شادی کر لیں لیکن کسی دوسرے شخص کو اپنے خاندان میں شادی کی اجازت نہیں دیتے۔ مریضوں کے لئے دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں یا اللہ' یا فلاں ـــــ یہاں اپنے آباء واجداد میں سے ایک شخص کا نام لیتے ہیں ـــــ ماضی میں لوگ ان کی بے حد تعظیم کرتے اور انہیں غیر معمولی انسان سمجھتے تھے بلکہ انہیں مقربین بارگاہ الٰہی اور رجال اللہ کے نام سے موسوم کرتے تھے' اب لوگ ان کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں' کچھ تو ان کے مخالف ہیں خاص طور پر نوجوان اور بعض طالب علم ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ بدستور ان سے وابستگی رکھتے ہیں خصوصاً بڑی عمر کے لوگ اور غیر طالب علم...... آنجناب سے امید ہے کہ اس مسئلہ کی حقیقت کو بیان فرمائیں گے؟

جواب مذکورہ بالا اور اس طرح کے لوگ ان صوفیاء میں سے ہیں جن کے اعمال منکر اور جن کے تصرفات باطل ہیں اور یہ ان نجومیوں میں سے ہیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

''جس نے کسی نجومی کے پاس جا کر کوئی سوال پوچھا تو اس کی چالیس راتوں تک نماز قبول نہ ہو گی۔''

اس لئے کہ یہ لوگ علم غیب کا دعویٰ کرتے اور جنوں سے خدمت لیتے ہیں اس لئے اس حدیث شریف کے پیش نظر ان لوگوں کے پاس جانا اور ان سے سوال پوچھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«مَنْ أَتٰی كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم: ٦٣٩، واحمد في المسند٢/ ٤٠٨، ٤٧٦)

''جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ کفر کیا جسے محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں کاہن کے ساتھ نجومی کا لفظ بھی ہے۔ ان کا غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ سے فریاد کرنا یا یہ گمان

کرنا کہ ان کے آباؤ اجداد اس کائنات میں تصرف رکھتے یا مریضوں کو شفاء دیتے یا مرنے اور غائب ہونے کے باوجود دعاء کو سنتے ہیں تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ کفر اور مشرکین کا عمل ہے۔ فرض ہے کہ ان کا انکار کیا جائے' ان کے پاس جایا جائے نہ ان سے سوال پوچھا جائے اور نہ ان کی تصدیق کی جائے کیونکہ ایک طرف ان کے اعمال کاہنوں اور نجومیوں کے اعمال ہیں تو دوسری طرف ان مشرکین کے اعمال ہیں جو غیر اللہ کے پجاری ہیں' غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں' اللہ کو چھوڑ کر جنوں' فوت شدگان اور دیگر غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں جن کی طرف یہ اپنے آپ کو منسوب کرتے اور انہیں آباؤاجداد قرار دیتے ہیں یا اسی قسم کے دیگر لوگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ انہیں ولایت و کرامت حاصل ہے۔ یہ تمام اعمال شعبدہ بازوں' کاہنوں اور نجومیوں کے اعمال ہیں' ہماری شریعت مطہرہ ان اعمال سے نہایت سختی سے منع کرتی ہے۔

باقی رہے ان کے یہ تصرفات کہ یہ اپنے ہی جسم میں خنجر پیوست کر لیتے یا اپنی زبان کو کاٹ کر پھر درست کر لیتے ہیں تو یہ صرف فریب کاری اور لوگوں کو دھوکا دینا ہے کیونکہ یہ سب کچھ اس سحر اور جادوگری کی کرشمہ سازی ہے' نصوص کتاب و سنت نے جسے حرام ٹھہرایا اور جس سے بچنے کی ازحد تلقین فرمائی ہے لہٰذا کسی بھی عقل مند کو ان کی شعبدہ بازیوں سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہئے' یہ تو اس طرح کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں فرمائی ہے کہ:

﴿ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ ﴾ (طه ٢٠/ ٦٦)

''تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔''

تو ان لوگوں نے جادوگری' شعبدہ بازی' کہانت اور اس کے ساتھ ساتھ شرک اکبر یعنی غیر اللہ سے استعانت' غیر اللہ سے استغاثہ' علم غیب کے دعویٰ اور کائنات میں تصرف کے دعویٰ کو یکجا کر لیا ہے اور یہ تمام شرک اکبر اور صریح کفر کی قسمیں ہیں اور شعبدہ بازی کے وہ اعمال ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ نیز دعویٰ علم غیب ہے حالانکہ بجز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کوئی شخص علم غیب نہیں جانتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (النمل ٢٧/ ٦٥)

''اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں' اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے۔''

ان کے حالات جاننے والے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ان کا انکار کریں' ان کے سوء تصرف کو بیان کریں اور بتائیں کہ یہ منکر ہے اور ان کے اعمال شرکیہ و کفریہ ہیں نیز یہ شعبدہ بازی' کہانت' نجومیت اور دعویٰ علم غیب پر مشتمل ہیں اور یہ تمام باتیں ضلالت' گمراہی' کفر اور باطل کی قسمیں ہیں' ان اعمال سے اور ان اعمال کے کرنے والوں سے دور رہنا فرض ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اپنی بچیوں کا دوسروں کو رشتہ نہیں دیتے' جب کہ دوسروں سے رشتہ لے لیتے ہیں تو یہ بھی جہالت و ضلالت کی بات ہے جس کی کوئی وجہ نہیں' جس کی کوئی شرعی اصل نہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ

أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ (الحجرات٤٩/ ١٣)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔"

یہ لوگ خواہ سادات سے ہوں یا بنی ہاشم سے ہوں' انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی بچیوں کا رشتہ دوسروں کے لئے حرام قرار دیں بلکہ ان کا یہ فعل منکر اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب اسدیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی' فاطمہ بنت قیس قرشیہ رضی اللہ عنہا کی شادی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی' جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنی ہاشم سے نہیں بلکہ بنی عدی میں سے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ان کے اس طرز عمل کو باطل قرار دیتے اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ اپنے اسلاف کے عمل کے بھی مخالف ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے' اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے انہیں ڈرایا جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ اپنے ان تمام اعمال سے توبہ کریں جن میں انہوں نے شریعت مطہرہ کی مخالفت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ان سب کو ہدایت عطا فرمائے!

——— شیخ ابن باز ———

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم

سوال ایک آدمی ایسے لوگوں میں رہ رہا ہے' جو غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں تو کیا اس کے لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا اس کے لئے واجب ہے کہ انہیں چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے؟ کیا ان لوگوں کا یہ شرک غلیظ ہے اور ان سے دوستی حقیقی کافروں سے دوستی کی طرح ہے؟

جواب جن لوگوں کے درمیان آپ رہ رہے ہوں' اگر ان کا حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور وہ مردوں' غائب لوگوں' درختوں' پتھریا ستاروں وغیرہ سے مدد مانگتے ہیں تو یہ لوگ شرک اکبر کے مرتکب مشرک ہیں' جس کی وجہ سے یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں' جس طرح کفار سے دوستی جائز نہیں ان سے بھی جائز نہیں' ان کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں' ان میں رہنا سہنا اور اقامت اختیار کرنا بھی جائز نہیں' سوائے اس شخص کے جو دلیل کے ساتھ انہیں حق کی طرف دعوت دے اور امید رکھے کہ یہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور اس کے ہاتھوں ان کے حالات کی دینی اعتبار سے اصلاح ہو جائے گی' اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں میں جا شامل ہونا واجب ہے' جن کے ساتھ یہ اسلام کے اصول و فروع کے مطابق عمل کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا احیاء کر سکے اور اگر ایسے لوگ بھی میسر نہ ہوں تو پھر تمام فرقوں کو چھوڑ دے خواہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ أَقَعَ فِيْهِ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا

الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ: نَعَمْ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلٰى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب الفتن، كيف الامر إذا لم تكن جماعة، ح:٧٠٨٤)

"لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے اور میں اس خوف کی وجہ سے شر کے بارے میں سوال کرتا کہ مبادا اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا:"یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے سرفراز فرمادیا تو کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں"

میں نے عرض کیا: "کیا اس شر کے بعد خیر ہو گی؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں لیکن اس میں کچھ کمزوری ہو گی۔"

میں نے عرض کیا: "کمزوری کیا ہو گی؟"

آپ نے فرمایا: "یہ لوگ میری سنت کے بغیر عمل کریں گے اور میری ہدایت کے بغیر ہدایت طلب کریں گے ان کی کچھ باتیں اچھی ہوں گی اور کچھ باتیں بری ہوں گی۔"

میں نے عرض کیا: "کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں، جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہوں گے جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے جہنم رسید کر دیں گے!"

میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ان کی کچھ نشانیاں بیان فرما دیجئے۔"

آپ نے فرمایا: "وہ لوگ ہم ہی میں سے ہوں گے اور ہماری بولی ہی بولتے ہوں گے۔"

میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اگر میں ان حالات کو پالوں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟"

آپ نے فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ مل کر رہو۔"

میں نے عرض کیا: "اگر مسلمانوں کی جماعت اور امام ہی نہ ہو؟"

آپ نے فرمایا: "پھر سب فرقوں کو چھوڑ دو، خواہ تمہیں درخت کی کھال چبا کر گزارہ کرنا پڑے حتیٰ کہ اسی حالت میں تمہیں موت آ جائے۔" ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر

سوال نبی کریم ﷺ کی قبر اور دیگر اولیاء و صالحین کی قبروں کے لئے سفر کا کیا حکم ہے؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی دوسرے انسان کی قبر کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ، اَلْـمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْـمَسْجِدِ الأَقْصٰى»(صحيح بخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد ....، باب مسجد بيت المقدس، ح:١١٩٧، ١٩٩٥، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧)

"تین مسجدوں کے سوا اور کسی کی طرف شد رحال کر کے نہ جایا جائے۔ مسجد حرام' میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔"

جو شخص مدینہ سے دور ہو اور وہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر کا ارادہ کر لے تو اس طرح اسے تبعاً رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' شہداء اور اہل بقیع کی قبروں کی زیارت کا موقعہ بھی مل جائے گا۔

اگر مسجد نبوی اور قبر شریف دونوں کی زیارت کی نیت کر لے تو پھر بھی جائز ہے کیونکہ بسا اوقات جو چیز مستقلاً جائز نہ ہو تو تبعاً جائز ہو جاتی ہے البتہ شد رحال کر کے صرف قبر شریف کی زیارت کی نیت جائز نہیں ہاں البتہ جو شخص قریب ہو اسے شد رحال کی ضرورت نہیں اور نہ اس کا قبر شریف کی طرف جانا سفر کہلائے گا لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شد رحال کے بغیر نبی ﷺ اور صاحبین کی قبروں کی زیارت سنت و قربت ہے' اسی طرح شہداء' اہل بقیع اور ہر جگہ مدفون مسلمانوں کی قبروں کی بغیر شد رحال کے زیارت سنت و قربت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه ...، ح:٩٧٦)

"قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔"

اور نبی ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبروں کی زیارت کے وقت پڑھنے کے لئے یہ دعا سکھایا کرتے تھے:

«اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْـمُؤْمِنِيْنَ وَالْـمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلاَحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح:٩٧٥)

"اے (اس) بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں تفضیل

سوال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾(البقرة۲/ ۲۵۳) ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾(البقرة۲/ ۱۳۶)
میں ہم کس طرح تطبیق دیں گے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾ (البقرة۲/ ۲۵۳)

"یہ پیغمبر(جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے کہ:

﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾ (الإسراء۱۷/ ۵۵)

"اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔"

بے شک بعض انبیاء اور رسل بعض دیگر سے افضل ہیں۔ رسل' انبیاء سے افضل ہیں اور اولوالعزم پیغمبر دوسروں سے افضل ہیں۔ اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو آیتوں میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو سورۂ احزاب کی یہ آیت ہے کہ:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾
(الأحزاب۳۳/ ۷)

اور دوسری سورۂ شوریٰ کی یہ آیت ہے کہ:

﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ﴾ (الشوری۴۲/ ۱۳)

گویا یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ پانچ پیغمبر دیگر تمام سے بلا شبہ افضل ہیں۔

جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے کہ:

﴿ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۵)

"یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایمان کے اعتبار سے ان میں فرق نہیں کرتے بلکہ اس بات پر ہم ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے سچے پیغمبر ہیں لیکن اب واجب الاتباع صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ آپ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے یعنی ایمان تو تمام پیغمبروں پر ہو کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے

لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت نے تمام سابقہ دینوں اور شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اب سب لوگوں پر یہ فرض ہے کہ وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ اب سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَـٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأعراف/٧/ ١٥٨)

"اے محمد ﷺ! کہہ دیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس تم اللہ پر' اس کے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں' ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ"

رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کے سوا سابقہ تمام ادیان اگرچہ منسوخ ہیں لیکن تمام رسولوں پر ایمان لانے اور انہیں حق جاننے کے سوا چارہ کار نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عورت قبروں کی زیارت نہ کرے

سوال عورت کے لئے قبروں کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے' اس لئے بھی کہ عورتیں فتنہ میں جلد مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان میں صبر کم ہوتا ہے۔ لہٰذا ان پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان ہے کہ ان کے لئے قبروں کی زیارت کو حرام قرار دے دیا تاکہ نہ خود فتنہ میں مبتلا ہوں اور نہ دوسروں کو فتنہ میں مبتلا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حال کی اصلاح فرمائے! آمین!!

—— شیخ ابن باز ——

عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کیوں حرام ہے؟

سوال عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کی حرمت کا سبب یا علت کیا ہے؟

جواب اولاً: رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ»(سنن ترمذي، كتاب الصلاة باب ما جاء في كراهية ان يتخذ على القبر مسجدا، ح: ٣٢٠، وسنن كبرى بيهقي ٢/ ٧٨)

"اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائے۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے اس کی شدید ممانعت ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعزیت کے لئے جب کچھ لوگوں کی زیارت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدَاءَ "يعني أَدْنَى الْمَقَابِرِ" مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ. . . الخ»(سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب التعزية، ح:٣١٢٣، والنسائي في المجتبى ٣/٢٧ واحمد في المسند٢/١٦٨، ١٦٩)

"اگر تو ان کے ساتھ مقام کداء (یعنی قبرستان کا قریب ترین مقام) تک بھی جاتی تو جنت کو نہ دیکھ سکتی...."

ثانیاً: اس کی علت اس حدیث میں موجود ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جب کچھ عورتیں جنازے کے ساتھ نکلیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَارْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ فَإِنَّكُنَّ تَفْتِنَّ الْحَيَّ وَتُؤْذِيْنَ الْمَيِّتَ»

"تم واپس لوٹ جاؤ' اگر تم جنازے کے ساتھ آئیں تو تمہیں گناہ ہو گا۔ اجر وثواب نہیں ملے گا کیونکہ تم زندہ کو فتنہ میں ڈال دیتی ہو اور مردہ کو تکلیف پہنچاتی ہو۔" گویا آپ نے اس کے دو سبب بیان فرمائے:

① عورتیں زندہ انسانوں کے لئے فتنہ ہیں' عورت سراپا پردہ ہے' اس کا اجنبی مردوں کے سامنے آنا اور نمایاں ہونا فتنے میں مبتلا کرنے اور جرائم کی طرف لے جانے کا باعث ہے۔

② عورتوں میں چونکہ صبر کم ہوتا ہے' ان کا دل نرم ہوتا ہے' یہ آلام و مصائب کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے خدشہ ہے کہ قبروں کے پاس جا کر یہ نوحہ شروع کر دیں' بلند آواز سے سوگ کا اظہار کریں اور میت کے محاسن کو بیان کرنا شروع کر دیں اور یہ سب باتیں شرعاً حرام ہیں۔①

شیخ ابن جبرین

آخرت میں کافر کا حساب

سوال مرد مومن کے حساب کا وقت روز قیامت ہے' اگر اس نے اچھے عمل کئے تو اچھا انجام اور اگر برے عمل کئے تو برا انجام ہو گا' لیکن سوال یہ ہے کہ کافر سے حساب کیوں کہ اس سے تو ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ہی نہیں جن پر عمل کرنے کا مومن سے مطالبہ ہے؟

جواب یہ سوال غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ کافر سے بھی وہی مطالبہ ہے جو مومن سے ہے لیکن دنیا میں وہ اس کا پابند نہیں ہے' کافر سے اس کے مطالبہ کی دلیل یہ ہے کہ:

① عورتوں کا زیارت کے نقطہ نظر سے قبرستان جانے کو علمائے محققین نے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ مَردوں کے ساتھ اختلاط اور بے پردگی نہ ہو۔ دوسرے' وہ وہاں جا کر جزع فزع اور اس قسم کی غیر شرعی حرکات کا ارتکاب نہ کریں۔ اس لئے ممانعت کی احادیث یا تو ضعیف ہیں' جسے مذکورہ بالا فتویٰ میں جو تین حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ یہ تینوں سنداً ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (احکام الجنائز و بدعھا' ص:236' ضعیف النسائی' حدیث:1880' و مسند ابویعلیٰ بہ تحقیق حسین سلیم اسد' ج:7' ص:109) یا پھر ان کا تعلق زیارت قبور کی اجازت دینے سے پہلے سے ہے' بعد میں جب زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی تو اس اجازت میں مَردوں کے ساتھ عورتیں بھی مذکورہ شرط کے ساتھ ←

﴿ إِلَّآ أَصۡحَٰبَ ٱلۡيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّٰتٖ يَتَسَآءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ ٱلۡمُجۡرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمۡ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُواْ لَمۡ نَكُ مِنَ ٱلۡمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ ٱلۡمِسۡكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ ٱلۡخَآئِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوۡمِ ٱلدِّينِ ﴿٤٦﴾ ﴾

(المدثر ٧٤/ ٣٩-٤٦)

"مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ) کہ وہ باغ ہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے (یعنی آگ میں جلنے والے) گناہ گاروں سے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روز جزاء کو جھٹلاتے تھے۔"

اگر نماز نہ پڑھنے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے وہ متاثر نہ ہوتے تو وہ اس کا ذکر کیوں کرتے؟ یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ فروع اسلام کے ترک پر بھی کفار سے مؤاخذہ ہو گا اور جیسے نقلی دلیل سے یہ ثابت ہوا' عقلی دلیل سے بھی ثابت ہوا ہے اور وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ دینی واجبات میں کوتاہی پر اپنے مومن بندے کا مؤاخذہ کرے گا تو اس کوتاہی پر اپنے کافر بندے سے باز پرس کیوں نہ کرے گا؟ بلکہ میں تو یہاں یہ بھی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو کھانے' پینے اور جس جس نعمت سے بھی نوازا اس کا حساب ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٞ فِيمَا طَعِمُوٓاْ إِذَا مَا ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّأَحۡسَنُواْۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٩٣﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٩٣)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر پرہیز کیا اور نیکو کاری کی اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مومنوں نے جو کچھ کھایا اس کا انہیں کچھ گناہ نہیں لیکن کافروں نے جو کچھ کھایا اس کا انہیں گناہ ہو گا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِيٓ أَخۡرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزۡقِۚ قُلۡ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا ﴾

(الأعراف٧/ ٣٢)

"پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں' ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہی کا حصہ ہوں گی۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ قُلۡ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا ﴾ (الأعراف٧/ ٣٢)

"کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔"

شامل ہوں گی۔ اس لئے جن روایات میں ممانعت ہے' بشرط صحت' ان کا تعلق ان عورتوں سے ہو گا جو جزع فزع کرنے والی ہوں گی۔ دوسری عورتوں کے لئے جواز ہو گا' کیونکہ تذکیر بالآخرۃ کی وہ بھی اسی طرح ضرورت مند ہیں جس طرح مرد ہیں۔ (واللہ اعلم)

یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر مومن کو دنیا کی ان چیزوں سے مستفید ہونے کا حق حاصل نہیں ہے یعنی شرعی حق‘ ہاں البتہ امر کونی کے اعتبار سے حق حاصل ہے‘ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا فرمایا اور اس سے کافر نے بھی فائدہ اٹھایا ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر سے اس کا حساب لیا جائے گا جو اس نے کھایا اور پہنا تو جیسا کہ یہ نقلی دلیل سے ثابت ہوتا ہے‘ عقلی دلیل سے بھی یہ ثابت ہے کہ عاصی و کافر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں لاتا یہ اس کی نعمتوں کو کیوں استعمال کرتا ہے؟ عقلی طور پر یہ اس بات کا کیسے حق دار ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے‘ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کیا ہے؟ یہ بات جب واضح ہو گئی تو اس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ کافر سے بھی روز قیامت اس کے عمل کا حساب لیا جائے گا لیکن اس کا حساب مومن کی طرح نہیں ہو گا کیونکہ مومن کا حساب تو بہت آسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مرد مومن سے خلوت میں ملاقات فرمائے گا‘ اس سے اپنے گناہوں کا اقرار کروائے گا اور بندہ جب اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

«قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ»(صحيح بخاري، كتاب الادب، باب ستر المؤمن على نفسه، ح: ٦٠٧٠)

”میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج انہیں معاف کرتا ہوں۔“

اور کافر کا حساب اس طرح ہو گا .... والعیاذ باللہ .... کہ اس سے گناہوں کا اقرار بھی کروایا جائے گا اور سب لوگوں کے سامنے اسے ذلیل و خوار بھی کیا جائے گا۔

﴿ وَيَقُولُ ٱلْأَشْهَـٰدُ هَـٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ كَذَبُوا۟ عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٨﴾ ﴾

(هود١١/١٨)

”گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا‘ سن رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔“

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

مومن کی آزمائش کے فائدے

سوال اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں پر جو کثرت سے اس کی عبادت بجالاتے ہیں‘ بیماریوں اور آزمائشوں کا کیوں بوجھ ڈالتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اس زندگی کی آسائشوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں؟

جواب اس سوال کے دو پہلو ہیں:

1 اعتراض کا پہلو اور 2 استرشاد (راہنمائی طلب کرنے) کا پہلو

اگر یہ سوال بطور اعتراض ہے تو یہ سائل کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو ہماری عقلیں نہیں پا سکتیں جیسا کہ روح کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ ﴾

(الأسراء١٧/ ٨٥)

"اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔"

یہ روح جو ہمارے اپنے جسم میں ہے' جو ہمارا مادۂ حیات ہے' ہم اس کو نہیں جانتے۔ تمام دانشور' فلسفی اور متکلم و حکیم اس کی تحدید و کیفیت سے عاجز و درماندہ ہیں' یہ روح جو مخلوقات میں ہمارے سب سے زیادہ قریب ہے' اس کے بارے میں جب ہم صرف یہی جانتے ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہوا ہے' تو دیگر مخلوقات کے بارے میں جو ہمارا علم ہے' وہ کس قدر ہو گا' اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے؟ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم' سب سے عظیم' سب سے جلیل اور سب سے بڑی قدرت والا ہے' ہم پر فرض ہے کہ اس کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کردیں' اس کی کونی و قدری قضاء کو سربسر تسلیم کرلیں کیونکہ ہم اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں لہٰذا اس پہلو سے اس سوال کے جواب میں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں' ان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو بہت علم والا' بہت حکمت والا' بہت قدرت والا اور بے حد و حساب عظمت والا ہے۔

اس سوال کے دوسرے پہلو ---راہنمائی--- کے اعتبار سے اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ مومن کی آزمائش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جس آزمائش سے مسلمان کو تکلیف ہو' اس کے دو بڑے فائدے ہیں (۱) ایک تو اس آدمی کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس کا ایمان سچا ہے یا متزلزل ہے؟ صادق الایمان مومن' اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر صبر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کا طالب ہوتا ہے اور اس سے اس کے لئے آزمائش آسان ہو جاتی ہے۔ ایک عابدہ خاتون کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی انگلی کٹ گئی یا زخمی ہو گئی لیکن اس نے کسی تکلیف یا جزع فزع کا اظہار نہ کیا' جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ "اس تکلیف پر اجر کی حلاوت نے اس پر صبر کی تلخی کو بھلا دیا۔" مومن چونکہ اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھتا ہے لہٰذا وہ اس کے فیصلوں کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتا ہے۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صابر بندوں کی بہت زیادہ تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے' وہ انہیں بغیر حساب کے اجروثواب سے نوازے گا۔ صبر وہ بلند و بالا مرتبہ ہے جسے صرف صبر کرنے والا ہی حاصل کر سکتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی اس لئے بھی آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ صابرین کے درجہ کو پا لیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو ایمان' تقویٰ اور خشیت کے سب سے عظیم مرتبہ پر فائز تھے' دو آدمیوں جتنا بخار ہوتا اور بوقت نزع بھی آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی اور یہ سب اس لئے تھا کہ آپ کا مرتبہ صبر مکمل ہو جائے کیونکہ آپ تمام صابرین کے سردار اور ان سب سے بڑھ کر صبر کا مظاہرہ فرمانے والے تھے۔ اس سے آپ کے سامنے وہ حکمت واضح ہو جاتی ہے' جس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی آزمائش فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں' فاسقوں' فاجروں اور کافروں کو جو بے پناہ صحت و عافیت اور رزق سے نوازتا ہے' تو یہ اس کی طرف سے استدراج ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«إِنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»(صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، ح: ٥٦٢٩)

"دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

کافروں کو یہ نعمتیں اس لئے ملتی ہیں تاکہ ان کے حصے کی تمام نعمتیں انہیں جلدی سے دنیا ہی میں دے دی جائیں اور روز آخرت ان کے حصہ میں عذاب الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ عَلَى ٱلنَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَٰتِكُمْ فِى حَيَاتِكُمُ ٱلدُّنْيَا وَٱسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ ٱلْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾﴾ (الأحقاف٤٦/ ٢٠)

"اور جس دن کافر آگ کے سامنے کیے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان میں متمتع ہو چکے ہو' آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ اس کی سزا ہے) کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔"

حاصل کلام یہ کہ یہ دنیا کافروں کے لئے ہے لیکن ان کے ساتھ استدراج کیا جاتا ہے اور جب وہ اس دنیائے آسائش سے آخرت کی طرف منتقل ہوں گے تو وہاں عذاب الٰہی ان کے انتظار میں ہو گا۔ العیاذ باللہ۔ اور یقیناً وہ عذاب انہیں بہت سخت محسوس ہو گا کیونکہ ایک طرف تو اس میں عبرت اور سزا کا پہلو ہو گا تو دوسری طرف دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے محرومی کا احساس!

مومن کی دنیا میں آزمائش کا مذکورہ بالا دو فائدوں کے ساتھ ایک تیسرا فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن اس دنیا سے بہتر گھر کی طرف منتقل ہوتا ہے یعنی وہ دکھوں اور مصیبتوں کے گھر سے خوشیوں اور مسرتوں کے گہوارے کی طرف جاتا ہے تو اس کی خوشی دو چند ہو جاتی ہے' اس کے آلام و مصائب کا دور ختم ہو جاتا اور ابدی و سرمدی نعمتوں اور کامرانیوں کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

قبر کو مسجد سے دور ہٹا دو

سوال ایک شخص نے مسجد بنوائی اور اپنے خاندان کو وصیت کی کہ اس کی قبر مسجد میں بنائی جائے' چنانچہ وہ فوت ہوا تو اسے مسجد میں قبلہ کے سامنے دفن کیا گیا' اب قبر اور مسجد کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ ہے' امید ہے اس مسئلہ میں آپ ہماری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اس قبر کو اکھاڑ دینا اور میت کو مسجد سے دور شہر کے قبرستان میں دفن کرنا فرض ہے کیونکہ مسجد میں قبر کی موجودگی شرک کا ذریعہ ہے اور خاص طور پر جب قبر قبلہ کی طرف ہو تو اس کی حرمت اور ذریعہ شرک ہونے میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح صاحب قبر کی عبادت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصول وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب رقم:٥٥، ح:٤٣٧، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، ح:٥٣٠)

"اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلاَ تُصَلُّوْا إِلَيْهَا»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، ح:٩٧٢، سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في كراهية القعود على القبور، ح:٣٢٢٩)

"قبروں پر بیٹھو، نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔"

صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد...، ح:٥٣٢)

"تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتے تھے، خبردار تم مسجدوں کو قبریں نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مقام جنت

سوال جب جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ اس کائنات میں کہاں ہے، جسے آسمانوں اور زمین نے بھر رکھا ہے؟

جواب جواب سے قبل یہاں ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو کچھ کتاب اللہ میں مذکور ہے یا جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے، وہ حق ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ امرواقع کے خلاف ہو، امرواقع و محسوس بھی حق ہے، اس کا انکار بھی ممکن نہیں اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہو وہ بھی حق ہے، اس کا انکار بھی ممکن نہیں اور دونوں حق باتوں میں اس طرح کا کبھی تعارض نہیں ہو سکتا کہ اسے دور ہی نہ کیا جا سکے، چنانچہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جنت کا عرض آسمان و زمین کی طرح ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ لاریب! یہ ارشاد باری تعالیٰ حق ہے، ایک یہودی نے بھی نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر جنت آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا:

«إِذَا جَاءَ اللَّيْلُ فَأَيْنَ يَكُوْنُ النَّهَارُ؟»(مسند احمد، ٤/ ٧٥، مستدرك حاكم، ١/ ١١٤)

"جب رات آتی ہے تو پھر دن کہاں ہوتا ہے؟"

پھر سائل کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اس کائنات میں صرف آسمان اور زمین ہی ہے، اس کائنات میں آسمان و زمین بھی ہیں اور کرسی و عرش بھی۔ نبی کریم ﷺ نماز میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ایک یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے، کہ:

«مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة،

باب ما یقول إذا رفع رأسه من الركوع، ح:٤٧٦، واخرجه ترمذي في السنن، رقم:٣٤٢١)

''اے اللہ! تیری تعریف آسمانوں کے بقدر' زمین کے بقدر اور اس کے بعد ہر اس چیز کے بقدر جو تو چاہے۔''

آسمانوں اور زمین کے علاوہ بھی عالم ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' ہم صرف اسی قدر جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے' بتا دیا ہے' مثلاً عرش' کرسی اور پھر عرش الٰہی تو تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر مستوی ہے جس طرح کہ اس کے جلال و عظمت کے لائق ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قبر پر لکھنا

سوال کیا قبر پر لوہے کی پلیٹ یا پتھر وغیرہ کی لوح رکھنا اور اس پر آیات قرآنی کے ساتھ ساتھ میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے؟

جواب میت کی قبر پر لکھنا جائز نہیں خواہ قرآنی آیات ہوں یا کچھ اور ہو' لوہے کی پلیٹ پر لکھنا جائز ہے نہ لکڑی یا پتھر کی تختی یا کسی اور چیز پر کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ:

«نَهٰى أَنْ تُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ح:٩٧٠)

''قبر کو پختہ بنایا جائے' اس پر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت بنائی جائے۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ:

«وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ»(جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، ح:١٠٥٢)

''قبر پر لکھا جائے۔''

فوت شدگان کے لئے قرآن پڑھنا

سوال کیا میت کے لئے اس طرح قرآن پڑھنا کہ اس کے گھر میں قرآن کریم کے نسخے رکھ دیئے جائیں اور پھر اس کے پڑوسی اور دیگر مسلمان دوست احباب آئیں اور ان میں سے ہر ایک' ایک پارہ تلاوت کرے اور تلاوت کر کے چلا جائے اور اسے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہ دیا جائے اور پھر قرأت سے فراغت کے بعد میت کے لئے دعاء کی جائے اور قرآن پڑھنے کا ثواب اسے پہنچایا جائے' تو کیا تلاوت اور دعاء میت تک پہنچتی ہے؟ اور اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے؟

جواب اس طرح کے عمل بے اصل (بے دلیل) ہیں' نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انہوں نے اس طرح مردوں کے لئے قرآن پڑھا ہو بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الاحكام

الباطلة، ح:١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر(دین) کے خلاف ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطحوا على صلح ... ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح...:١٧١٨)

''جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (چیز) مردود ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کے خطبہ میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧، سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، ح:٤٥)

''حمد وثنا کے بعد! سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ سب سے بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ بھی ثابت ہیں کہ:

«وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»(سنن نسائي، كتاب الصلاة العيدين كيف الخطبة، ح:١٥٧٩)

''ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔''

فوت شدگان کی طرف سے صدقہ کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا ان کے لئے منفعت بخش ثابت ہوتا ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ صدقہ اور دعاء کا ثواب انہیں ملتا ہے۔ وباللہ التوفیق' واللہ المستعان۔

—— شیخ ابن باز ——

سالگرہ کی تقریب منانا

سوال ہمارے ملک مصر میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر لیتا ہے تو وہ ایک تقریب کا اہتمام کرتا ہے جسے تقریب سالگرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ شرعی طور پر یہ تقریب منانا ناجائز ہے' تو کیا یہ واقعی ناجائز ہے اور اگر دعوت ملے تو کیا اس طرح کی تقریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ مستفید فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب یہ ایک برا رواج اور بدترین بدعت ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا' عیدیں عبادات کی طرح توقیفی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اہل مدینہ زمانۂ جاہلیت میں دو عیدیں منایا کرتے تھے' جن میں وہ کھیلا کودا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ان دو عیدوں کی بجائے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو مقرر کر دیا جو کہ ہمارے لئے شرعی عیدیں ہیں۔ ہماری شریعت میں چونکہ عید میلاد کا کوئی ذکر مذکور نہیں' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف میں سے بھی کسی نے اس کو نہیں

منایا لہذا اس طرح کی تقریب کا اہتمام کرنا' اس میں شرکت کرنا' تقریب کا اہتمام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور انہیں سالگرہ کی مبارک باد دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح امر منکر (برے کام) کی اعانت اور اس کی تائید و حمایت ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

یہود و نصاریٰ کے کفر کا اثبات اور انہیں کافر نہ کہنے والوں کی تردید

سوال یورپ کی ایک مسجد میں ایک واعظ نے اپنے درس میں یہ بیان کیا کہ یہود و نصاریٰ کو کافر کہنا جائز نہیں' جیسا کہ آپ جانتے ہیں یورپ میں مساجد میں آنے والے مسلمانوں کی علمی استعداد بہت کم ہے' اس لئے ہم ڈرتے ہیں کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے لہذا امید ہے کہ آپ اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالیں گے؟

جواب اس آدمی کی یہ بات ضلالت و گمراہی بلکہ کفر ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کو تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کافر قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَـٰرَى ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ ٱللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَٰهِهِمْ ۖ يُضَـٰهِـُٔونَ قَوْلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَبْلُ ۚ قَـٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾﴾ (التوبۃ۹/ ۳۰۔۳۱)

"اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے' یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں' اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ مشرک ہیں' جب کہ کئی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح طور پر کافر قرار دیا ہے۔ مثلاً:

﴿لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ ۚ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۷)

"جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ ہیں' وہ بے شک کافر ہیں۔"

﴿لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَـٰثَةٍ ۘ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۳)

"وہ لوگ پکے کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔"

﴿لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۸)

"جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔"

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ فِى نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ (البینۃ۹۸/ ۶)

"جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب اور مشرک وہ دوزخ کی آگ میں (پڑیں گے)"

چنانچہ اس موضوع کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں' جو شخص ان یہود و نصاریٰ کے کفر کا انکار کرے جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو وہ اللہ کی تکذیب کرتا ہے اور اللہ کی تکذیب کفر ہے۔ جو شخص یہود و نصاریٰ کے کفر میں شک کرے' اس کے اپنے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ سبحان اللہ! یہ شخص ان کو کیوں کافر قرار نہیں دیتا جب کہ یہ تثلیث کے قائل ہیں اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیا ہے' یہ ان کو کافر کیوں قرار نہیں دیتا جب کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں؟ تعجب ہے یہ شخص ایسے لوگوں کو کیوں کافر قرار نہیں دیتا جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے برے اوصاف بیان کرتے ہیں جو سراسر سب و شتم اور عیب ہیں۔

میں اس شخص کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ یہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھے:

﴿ وَدُّوا۟ لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (القلم۶۸/ ۹)

"یہ لوگ چاہتے کہ آپ نرمی اختیار کریں تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔"

لیکن کفر کے بارے میں ان سے کوئی نرمی نہ کی جائے اور سب کے سامنے برملا بیان کرنا چاہیئے کہ یہ لوگ کافر ہیں' جہنمی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِيْ يَهُوْدِيٌّ وَّلاَ نَصْرَانِيٌّ مِنْ هٰذِهِ الأُمَّةِ - اَيْ أُمَّةِ الدَّعْوَةِ - ثُمَّ لاَ يَتَّبِعُ مَا جِئْتُ بِهِ، أَوْ قَالَ لاَ يُؤْمِنُ بِمَا جِئْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا. . .، ح:۱۵۳)

"اس ذات اقدس کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے بارے میں امت---یعنی امت دعوت--- میں سے کوئی یہودی اور عیسائی سنے اور پھر وہ اس کی اتباع نہ کرے جو دین لے کر میں آیا ہوں--- تو وہ جہنمی ہو گا۔"

اس بات کے کہنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس زبردست افتراء پردازی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے' صریحاً اعلان کرے کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں' جہنمی ہیں اور ان پر فرض ہے کہ اس نبی امی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں' جن کا تذکرہ تورات و انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے' جو انہیں نیکی کا حکم دیتے' برائی سے روکتے' ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال ٹھہراتے اور ناپاک کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس بوجھ اور بیڑیوں کو اتار پھینکتے ہیں جو ان پر پڑی ہوئی ہیں۔ جو لوگ آپ پر ایمان لائے' آپ کی عزت کی' آپ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جسے آپ پر اتارا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ وہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت سنائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ يَـٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِٱلْبَيِّنَـٰتِ قَالُوا۟ هَـٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (الصف۶۱/ ۶)

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہو گا' ان کی بشارت سناتا ہوں' (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔''

جب ان کے پاس آ گئے 'کون؟ وہ احمد ﷺ جن کی آمد کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت سنائی تھی اور آئے بھی کھلی نشانیوں کے ساتھ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے' اسی سے ہم ان عیسائیوں کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی آمد کی بشارت دی وہ احمد ہیں محمد نہیں ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف محمد ﷺ ہی تشریف لائے ہیں اور حضرت محمد ﷺ ہی احمد ﷺ ہیں' یہ تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف الہام کیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کا اسم پاک احمد سے ذکر کریں کیونکہ احمد' حمد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد بیان فرمانے والے ہیں جب کہ احمد کو اسم فاعل سے تفضیل کا صیغہ مان لیا جائے اور اگر اسے اسم مفعول سے تفضیل کا صیغہ مانیں تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ اپنے کامل اوصاف کے باعث تمام مخلوق میں سب سے زیادہ قابل ستائش ہیں گویا آپ حمد کے اکمل صیغہ احمد کے اعتبار سے حامد بھی ہیں اور محمود بھی!

میں تو یہ بھی کہوں گا کہ اگر کوئی شخص یہ گمان کر لے کہ زمین میں اسلام کے سوا کوئی اور بھی دین ہے' جسے اللہ قبول فرمائے گا تو وہ کافر ہے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۸۵)

''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۳)

''آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔''

لہٰذا میں تیسری بار پھر یہ کہتا ہوں کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہئے اور لوگوں کے سامنے کھل کر اس بات کا اعلان کرنا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں کیونکہ ان پر حجت تمام ہو چکی ہے' اللہ کا پیغام ان تک پہنچ چکا ہے لیکن انہوں نے محض عناد کی وجہ سے کفر کو اختیار کیا ہے۔

یہودیوں کو مغضوب علیہم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق کو جاننے کے باوجود اس کی مخالفت کی اور نصاریٰ کو ضآلین اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق کا ارادہ تو کیا مگر اس سے بھٹک گئے اور اب ان سب نے حق کو جان اور پہچان تو لیا ہے لیکن دانستہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں' جس کی وجہ سے یہ سب غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ میں ان تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کے ساتھ ایمان لائیں اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی کریں کیونکہ ان کی اپنی کتابوں میں بھی انہیں یہی حکم دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ﴾ (الأعراف/٧ ـ١٥٦ـ١٥٧)

”اور میری رحمت ہر ایک چیز کو شامل (یعنی ہر چیز پر چھائی ہوئی) ہے' میں اس (رحمت و بھلائی) کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی' جو نبی امی ہیں' پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ انہیں اچھے (نیکی کے) کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے (سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں' تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے' اس کی پیروی کی' وہی مراد پانے والے ہیں:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأعراف/٧ /١٥٨)

(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں' ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔“

یہود و نصاریٰ کو چاہئے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر دوگنا اجروثواب حاصل کر لیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب تعليم الرجل أمته واهله،ح:٩٧، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا. . . ،ح:١٥٤)

”تین آدمیوں کو دوگنا اجروثواب ملتا ہے ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جو اہل کتاب سے ہو اور پہلے وہ اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور پھر حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بھی ایمان لایا ہو۔“ (الحدیث)

میں یہاں تک لکھ پایا تھا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ”الاقناع“ کے مصنف نے ”باب حکم المرتد“ میں لکھا ہے کہ:

”یا وہ اسے کافر نہ سمجھے جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے جیسے عیسائی ہیں یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے تو وہ بھی کافر ہے۔“

انہوں نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

"جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ گرجے اللہ کے گھر ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے اور یہود و نصاریٰ جو کچھ کرتے ہیں' یہ اللہ کی عبادت اور اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے یا اللہ اس سے خوش ہوتا اور اسے پسند کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے گرجے کھولنے اور ان کے دین کی اقامت میں ان کی مدد کی ہے اور ان کا یہ طرز عمل قربت و طاعت الٰہی ہے' تو وہ کافر ہے۔"

انہوں نے ایک اور جگہ بھی لکھا ہے کہ:

"جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اہل ذمہ کی ان کے کنیسوں میں زیارت تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے تو وہ مرتد ہے۔"

ان حوالہ جات سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے' جسے ہم نے اس جواب کے شروع میں ذکر کیا ہے اور اس امر میں قطعاً کوئی اشکال نہیں ہے۔ (واللہ المستعان)

شیخ ابن عثیمین

کراماً کاتبین کی تخلیق میں کیا حکمت ہے؟

سوال اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کراماً کاتبین فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے' جو ہم بولتے اور سنتے ہیں وہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان فرشتوں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس سے ہماری کوئی ظاہری اور باطنی بات پوشیدہ نہیں ہے؟

جواب اس طرح کے امور کی حکمت کبھی ہمیں معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کی حکمت ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے روح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ ﴾

(الإسراء ۱۷/ ۸۵)

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔"

اسی طرح اگر کوئی شخص مثلاً یہ پوچھے کہ اونٹ کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اور گھوڑے کو اس طرح' گدھے کو اس طرح اور آدمی کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ یا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ظہر' عصر اور عشاء کی نمازوں کی چار چار رکعات فرض قرار دینے میں کیا حکمت ہے؟ انہیں آٹھ یا چھ رکعات کیوں مقرر نہیں کر دیا گیا؟ تو ہمیں سچی بات یہ ہے کہ ان کی حکمت کا علم نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے کونی اور شرعی امور ایسے ہیں جن کی حکمت ہم سے مخفی ہے۔ اگر اشیاء مخلوقہ یا اشیاء مشروعہ کی حکمت ہمیں معلوم ہو جائے تو یہ زائد فضل' علم اور خیر ہے اور اگر ان کی حکمت معلوم نہ ہو سکے تو یہ کمی یا نقص کی بات نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہمارے ساتھ کراماً کاتبین مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیاء کو ایک نظم کے ساتھ ترتیب دیا اور اس نظم کو نہایت عمدگی و خوبی کے ساتھ مضبوط و مستحکم کیا ہے حتیٰ

کہ انسانوں کے اقوال و افعال کے لکھنے کے لئے اس نے کراماً کاتبین کو مقرر فرما دیا ہے حالانکہ وہ علام الغیوب تو ہمارے کرنے سے بھی پہلے ہمارے اقوال و افعال کو جانتا ہے لیکن یہ سارا نظام اس بات کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمال درجہ کی اہمیت دی ہے اور اس نے کائنات کے نظام کو کمال طریقے سے ترتیب دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کسی معین شخص کو شہید کہنا اور ---!

سوال میں نے صحابی جلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پڑھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ

«مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ؟ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ قَالَ: إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذًا لَقَلِيْلٌ، قَالُوْا: فَمَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان الشهداء، ح:١٩١٥)

"تم شہداء کن کو سمجھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا"یا رسول اللہ! جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔" آپ نے فرمایا "پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہوں گے۔" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر شہداء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے' جو اللہ کے راستہ میں فوت ہو جائے وہ بھی شہید ہے' جو طاعون سے فوت ہو وہ بھی شہید ہے' جو پیٹ کی بیماری سے فوت ہو وہ بھی شہید ہے اور جو پانی میں غرق ہو جائے وہ بھی شہید ہے۔"

تو کیا وہ شخص جو نشہ کی حالت میں ہو اور پانی میں غرق ہو جائے' وہ بھی شہید ہے؟ کیونکہ حدیث میں غرق ہونے والے کو شہید بتایا گیا ہے۔ امید ہے جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اس بات کی طرف توجہ مبذول کرانا پسند کرتا ہوں کہ اس دور میں بہت سے لوگوں کے ہاں شہید کے لفظ کے استعمال کا رواج بہت عام ہو گیا ہے حتیٰ کہ جو شہادت کا اہل نہیں ہوتا اسے بھی لوگ شہید کہنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے کیونکہ شہید صرف اسے ہی کہنا چاہئے جس کے شہید ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت دینے کی دو قسمیں ہیں:

① آپ کسی معین شخص کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ وہ شہید ہے' جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے' پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ، وَشَهِيْدَانِ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي

ﷺ، باب قول النبي ﷺ لو كنت متخذا خليلا، ح:٣٦٧٥، سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في الخلفاء، ح:٤٦٥١، ومسند احمد، ٥/ ٣٣١، ٣٣٨)

''احد! ساکن رہو! تم پر اس وقت ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

تو جسے نبی کریم ﷺ شہید قرار دیں' آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع میں ہم بھی اسے شہید کہیں گے۔

② جنہیں نبی کریم ﷺ علی وجہ العموم شہید قرار دیں' جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کی طرف سائل نے اشارہ کیا ہے کہ وہ شخص جو کہ اللہ کے راستہ میں مقتول ہو وہ شہید ہے؟ جو اللہ کے راستہ میں فوت ہو تو وہ بھی شہید ہے' جو غرق ہو جائے وہ بھی شہید ہے اور اسی طرح کے دیگر شہداء جنہیں شہادت عامہ کے اعتبار سے شہید کہا گیا ہے۔ اس قسم کے اعتبار سے کسی معین شخص کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہید ہے' ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کا یہ وصف ہو وہ شہید ہے' لیکن کسی معین شخص کو بطور خاص نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہید ہے کیونکہ شہادت وصف اور چیز ہے اور شہادت عین اور ہے' اسی لئے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں ایک باب کا عنوان ہی اس طرح قائم فرمایا ہے کہ "بَابٌ لَایُقَالُ فُلَانٌ شَهِیْدٌ" .... یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص شہید ہے ...... اور انہوں نے نبی' ﷺ کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ:

«اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ یُجَاهِدُ فِي سَبِیْلِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب رقم:٧٧، دارالسلام)

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ میں کون جہاد کرتا ہے؟''

نیز یہ کہ:

«وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ یُكْلَمُ فِي سَبِیْلِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب رقم:٧٧، دارالسلام)

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کسے زخم لگتا ہے؟''

پھر آپ نے اس عنوان کے تحت وہ مشہور اور طویل حدیث بیان فرمائی ہے جس میں اس آدمی کا قصہ مذکور ہے جو ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا اور وہ بہت بہادر اور دلیر تھا اور کسی بھی دشمن کو وار کیے بغیر جانے نہ دیتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِیْمَا یَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب لا يقال فلان شهيد، ح:٢٨٩٨)

''آدمی اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے جیسا کہ لوگوں کو بظاہر نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جہنمی ہوتا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد کہ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ میں کون جہاد کرتا ہے۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر حال کبھی باطنی حال کے خلاف بھی ہوتا ہے اور اخروی احکام ظاہر کے نہیں بلکہ باطن کے مطابق ہوں گے۔ امام بخاری نے اس باب کے تحت جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آخر میں اس شخص نے خودکشی کر لی تھی لہٰذا ہم لوگوں کے ظاہر حال کے مطابق ان پر اخروی احکام منطبق نہیں کر سکتے اور نصوص کو ہم عموم پر رکھیں گے لیکن یہ

اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ شخص اس نص کے مصداق ہے یا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری فی شرح صحیح البخاری" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے غزوات کے بیان میں کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شخص شہید فوت ہوا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سواری نے اسے گرادیا ہو لہٰذا تم یہ نہ کہا کرو بلکہ اس طرح کہا کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

«مَنْ مَاتَ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَوْ قُتِلَ فَهُوَ شَهِيْدٌ»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب الشهداء، ح: ۱۹۱۵، مسند احمد، ۲/ ۵۲۲)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فوت ہوا یا قتل ہوا وہ شہید ہے۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے' لہٰذا ہم کسی کو نص کے مطابق ہی شہید کہیں گے یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معین شخص کو شہید قرار دیا ہے تو ہم بھی اسے شہید کہیں گے اور اگر آپ نے شہادت کو علی العموم فرمایا ہے تو ہم بھی اسے عموم ہی پر رکھیں گے' لہٰذا سائل کا جو یہ سوال ہے کہ ایک شخص جو نشہ کی حالت میں غرق ہوا تو کیا وہ شہید شمار ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح غرق ہونے والے کسی معین شخص کو ہم شہید نہیں کہہ سکتے خواہ غرق ہوتے وقت اس نے شراب پی تھی یا نہیں پی تھی' وہ نشے میں تھا یا نشے میں نہیں تھا۔

نشہ کی مناسبت سے یہاں یہ ذکر کرنا بھی بے جانہ ہو گا کہ شراب پینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے' ہر عاقل مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے اور اس سے اجتناب کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ترک کر دینے کا حکم دیا ہے' اگر کوئی شخص شراب پیئے حتی کہ اسے نشہ ہو جائے تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے' اگر پھر پیئے تو پھر کوڑے لگائے جائیں گے' اگر پھر پیئے تو تیسری بار کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر چوتھی بار بھی پیئے تو بعض اہل علم کے بقول اسے قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ نہیں اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث منسوخ ہے جس میں قتل کرنے کا حکم ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کوڑے لگنے سے باز آجائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر شراب نوشی اس قدر کثرت سے پھیل جائے کہ بار بار سزا کے باوجود بھی لوگ اس سے باز نہ آئیں تو پھر اس کی سزا قتل ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عید میلاد اور معراج کی محفلیں منعقد کرنا

سوال کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن دعوت و محفل کا انعقاد کرتے اور اس میں مہمانوں کو مدعو کرتے ہیں جو اکٹھے ہو کر قرآن مجید' سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائیں پڑھتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ اسراء و معراج کے موقعہ پر بھی اسی طرح کرتے' صدقہ کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ فعل جائز ہے یا حرام ہے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یقیناً ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ اس وقت تک ایمان ہی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کسی کو اپنی اولاد' اپنے والدین' اپنی جان اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت نہ ہو' اسی

طرح بلاشک و شبہ آپ کی محبت و تعظیم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت کا اتباع اور آپ کی سنت کی پیروی کی جائے' آپ سے پیش قدمی نہ کی جائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہ کی جائے جو شریعت میں سے نہ ہو کیونکہ کوئی شخص اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کے لئے مقرر نہ کیا ہو تو وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر نعوذباللہ یہ الزام لگاتا ہے کہ آپ نے دین کو ادھورا چھوڑا ہے حالانکہ کوئی مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو بدعات سے بچنے کی تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(مسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

"اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ کیونکہ ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔"

آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کی سنت اور آپ کے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کیا جائے۔ لاریب! نبی کریم ﷺ کی تعظیم عبادت ہے لیکن اگر آپ کی تعظیم اس طریقے سے کی جائے جو سنت سے ثابت نہیں تو پھر یہ تعظیم بدعت بن جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو عید کے طور پر منانا' اس دن محفلوں کا انعقاد کرنا' صدقہ کرنا اور دعوتوں کا اہتمام کرنا بلاشک و شبہ بدعت ہے۔ ایک مرد مومن کے شایان شان صرف یہ بات ہے کہ وہ صرف اسی بات پر عمل کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو کیونکہ دین میں جو نئی بات ایجاد کرلی جائے' رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور جس سے آپ نے منع فرما دیا ہے اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں' اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہوتا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یقیناً اور سب سے بڑھ کر اس کا اہتمام فرماتے۔

عید میلاد کی بدعت تو چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوئی۔ پہلی تین افضل صدیوں میں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ اگر عید میلاد حق ہوتی تو ابتدائی صدیوں کے مسلمان بھی یقیناً اس کا ہم سے بڑھ کر اہتمام فرماتے۔ اگر آپ حب رسول ﷺ کے دعوے میں سچے ہیں تو آپ کی اتباع کیجئے کیونکہ آپ کی اتباع اور پیروی ہی سراپا خیر و بھلائی ہے لہٰذا مسلمان بھائی! آپ ﷺ کی پیروی کو اختیار کیجئے اور ان بدعات کو ترک کر دیجئے۔

تعجب ہے کہ بعض لوگ اس بدعت کا اس قدر شدید اہتمام کرتے ہیں گویا یہ سب سے بڑا واجب اور فرض ہو لیکن نبی ﷺ سے ثابت شدہ صحیح سنتوں کے بارے میں بے حد سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں لہٰذا اس طرز عمل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ "سمعنا وأطعنا" امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کے آخر دور کی اصلاح بھی صرف اور صرف اسی چیز سے ممکن ہو گی جس سے اس امت کے ابتدائی دور کی اصلاح ہوئی تھی۔

اسی طرح معراج کے بارے میں بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا قرون مشہود لھابالخیر کے مسلمانوں میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے معراج کی مناسبت سے کسی محفل کا انعقاد کیا ہو' اگر اس کا تعلق شریعت سے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان فرما دیتے بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور باقی امت کو بھی اس کی ضرور دعوت دیتے۔

یہ بھی قطعاً ثابت نہیں کہ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کے دن یا رات کو ہوئی ہو اور نہ یہ ثابت ہے کہ معراج ۲۷ رجب کو ہوا۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ کو نہیں بلکہ ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی طرح معراج کے بارے میں بھی مشہور بات یہ ہے کہ ربیع الاول میں ہوا' قرین قیاس یہی بات معلوم ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی

محل نظر ہے، تاہم کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ معراج رجب میں ہوا یا رمضان میں یا ربیع الاول میں؟ گویا معراج اور میلاد کی یہ بدعت کسی بنیاد پر استوار نہیں ہے، نہ شرعی اعتبار سے اور نہ تاریخی طور پر، لہٰذا عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ ان محفلوں کے انعقاد سے اجتناب کیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن ہی سے لکھے ہوں

سوال تعویذوں کے لٹکانے، سینے پر رکھنے یا تکیے کے نیچے رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے یہ سوال ان تعویذوں کے بارے میں ہے جو صرف قرآنی آیات پر مشتمل ہوں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ تعویذوں کو استعمال کرنا حرام ہے خواہ وہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ہی پر مشتمل ہوں کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہ ہو وہ لغو اور غیر معتبر شمار ہو گی۔ مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور تعویذ جب نہ شرعاً سبب ہیں اور نہ ان کا سبب ہونا، تجربہ، حس اور واقع سے ثابت ہے لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ہم ان کے سبب ہونے کا اعتقاد کر لیں راجح قول کے مطابق تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن مجید کے الفاظ ہوں یا کوئی اور ہاں البتہ اگر کوئی انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اسے چاہیئے کہ کسی سے دم کروالے جس طرح کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دم کیا کرتے تھے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دم کر دیا کرتے تھے۔ شریعت سے بس دم ہی ثابت ہے۔ (تعویذ نہیں)

——— شیخ ابن عثیمین ———

جنوں کا انسانوں کے ساتھ میل ملاپ

سوال جب ہم جنوں کے بارے میں لکھتے یا گفتگو کرتے ہیں تو کیا وہ ہماری باتیں سنتے ہیں؟ کوئی دعاء یا استعاذہ ہے جو اس موقعہ پر پڑھ لیا جائے؟

جواب ہاں جن انسانوں سے میل ملاپ رکھتے اور ان کی گفتگو کو سنتے ہیں اور جب وہ انسانوں پر تسلط حاصل کر لیں تو ان میں پیوست بھی ہو جاتے ہیں جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ ہاں بہت سی دعائیں یا قرآن مجید کی آیات اور سورتیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے انسان جنوں کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً "معوذتین" (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) اور آیت الکرسی وغیرہ۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اہل فترت
(دو نبیوں کے درمیان کے زمانہ کے لوگ)

سوال قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے لیکن بعد میں جو نسلیں آئیں جنہیں یہ علم نہ تھا کہ

ان میں تحریف ہو چکی ہے' انہوں نے ان کے مطابق عمل کیا تو روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نسلوں سے کیسے معاملہ ہو گا؟

جواب کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے اپنے قصد و ارادہ سے تحریف کی' بعض سزاؤں کو کالعدم قرار دے دیا اور بعض میں تبدیلی کر دی تو ایسے لوگوں کو تو دوگنا گناہ ہو گا۔ ایک گناہ تحریف کی وجہ سے اور دوسرا اپنے بعد میں آنے والوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ کچھ لوگوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے' ان کے مطابق عمل کیا اور صحیح جاننے کے باوجود تحریف کو برقرار رکھا تو انہیں تحریف شدہ احکام کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے گناہ ہو گا۔ کچھ لوگ جاہل اور ناخواندہ (ان پڑھ) تھے جنہوں نے صحیح کی تحقیق و تلاش کے بغیر ہی ان تحریف شدہ شرعی احکام کے مطابق عمل کیا تو ایسے لوگوں کو بھی کچھ گناہ ہو گا...... اور اگر ان کے سامنے حق کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ کوئی ایسا شخص ہی ہے جس سے وہ پوچھ سکیں تو ان لوگوں کے احکام اہل فترت کے سے ہوں گے' جن کا آخرت میں امتحان ہو گا جس سے مومن مصدق واضح ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اونچی قبر کا گرانا

سوال میرے بھائی کا انتقال ہوا تو ہمارے ایک قریبی رشتہ دار نے اس کی قبر کو سطح زمین سے اونچا بنا دیا اور اس پر قرآن مجید کی آیات لکھوا دی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کیا اس عمارت کو گرانا جائز ہے؟

جواب احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ قبر پر عمارت بنائی جائے یا اسے چونا گچ کیا جائے یا اس پر لکھا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ:

«أَنْ لاَ تَدَعْ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، ح:٩٦٩، سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في تسوية القبر، ح:٣٢١٨، جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في تسوية القبر، ح:١٠٤٩)

"ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔"

یعنی اونچی قبر کو بھی دیگر قبروں کی طرح ہموار کر دو اور شاید اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اونچی اور نمایاں قبر اپنی طرف توجہ مبذول کروائے گی اور صاحب قبر کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گی۔ جاہل لوگ سمجھیں گے کہ یہ کسی ولی یا نیک بزرگ کی قبر ہے اور اس سے انہیں تعلق خاطر پیدا ہو گا تو وہ قبر کو مسجد بنا کر یہاں نماز پڑھیں گے حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حکم یہ ہے کہ قبر کو صرف ایک بالشت اونچا رکھا جائے اور وہ بھی اس لئے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے اور اس پر کوئی بیٹھے نہ اسے کوئی اپنے قدموں سے پامال کرے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

سوال ہم طالب علم درس کی ایک مجلس میں بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے؟ ایک ساتھی نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم اللہ کی عبادت اس کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کی امید کی وجہ سے کرتے ہیں اور اس کی دلیل اس نے یہ پیش کی کہ عبادت کے لوازم میں یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے' انہیں ہم بجالائیں اور جن سے انہوں نے منع کیا ہے' ان سے رک جائیں۔ ایسا کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو گی اور اسی عبادت ہی پر جزاء کا انحصار ہو گا اور اسی کی ہم رغبت کرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ یہ سن کر ایک دوسرے طالب علم نے کہا کہ ہم اللہ کی عبادت اس کی ذات کے لئے کرتے ہیں' اس نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے' صرف وہی عبادت کا مستحق ہے لہٰذا ہم جنت و جہنم سے بے نیاز ہو کر اس کی عبادت کرتے ہیں' فرض کریں کہ اگر جنت اور جہنم نہ ہو تو کیا اس کی عبادت نہ کی جائے گی؟ الغرض اس طرح اس نے پہلے قول کی زبردست تردید کی اور اسے ایک قول ''منکر'' قرار دیا۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سا قول صحیح ہے؟ کیا آداب علم و تعلم میں سے یہ بھی ہے کہ بغیر دلیل کے قول رد کر دیا جائے یا اپنے مؤقف کے خلاف قول کو کسی دلیل کے بغیر رد کر دیا جائے' اس طرح کے امور و مسائل میں زیادہ بحث مباحثے کا کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیر الجزاء

جواب بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں حساب کے وقت ایک آدمی کو حاضر کر کے یہ پوچھے گا کہ تو نے میری عبادت کیوں کی؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ ''اے اللہ! میں نے جنت اور اس کی ابدی نعمتوں کے بارے میں سنا تو راتوں کو بیدار رہا' دنوں کو تیری عبادت میں مشغول رہا اور پیاسا رہا کہ جنت میں داخل ہونے کے شوق اور نعیم مقیم اور ثواب عظیم کے حصول کی خواہش تھی۔'' اللہ تعالیٰ یہ سن کر فرمائے گا۔ ''یہ ہے میری جنت جا اس میں داخل ہو جا' تیری ہر تمنا و خواہش کو پورا کر دیا جائے گا۔'' اللہ ایک اور بندے کو بلائے گا اور اس سے فرمائے گا کہ ''تو نے میری عبادت کیوں کی؟'' وہ جواب دے گا کہ ''میں نے جہنم اور اس کے عذاب' اس کی عبرت ناک سزاؤں' اس کی زنجیروں اور بیڑیوں (طوقوں) اور اس کے آلام و مصائب کے بارے میں سنا تو میں نے جہنم اور اس کی سزاؤں اور اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے رات کے آرام اور دن کے چین کو تج دیا اور خوب خوب مشقتیں برداشت کیں۔'' اللہ تعالیٰ یہ جواب سن کر ارشاد فرمائے گا۔ ''میں نے تجھے جہنم سے بچا لیا جا تو جنت میں داخل ہو جا' تیری ہر خواہش پوری ہو گی۔'' پھر اللہ تعالیٰ ایک اور بندے کو بلائے گا اور اس سے فرمائے گا کہ ''بندے تو نے میری کیوں عبادت کی؟'' وہ بندہ عرض کرے گا۔ ''اللہ میں نے تیری صفات' تیرے جلال' تیری کبریائی' تیری نعمتوں اور نوازشوں کو پہچان لیا تھا تو میں نے تیری ملاقات کے شوق اور تیری محبت کی خاطر تیری عبادت کی۔ مخلوق پر اپنے فضل و انعام اور کمال صفات اور عظیم جلال کے باعث تو ہی عبادت و تعظیم کا مستحق ہے۔'' اللہ رب ذوالجلال فرمائے گا ''میں یہ موجود ہوں' تو میرا دیدار کر لے' میں نے تجھے بے پایاں اجر و ثواب سے نوازا اور تیری تمام خواہشوں اور تمناؤں کو پورا کر دیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ جواب دینے میں دونوں حق پر ہیں لیکن وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لئے کرتا

ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' وہ اہل تقویٰ و اہل مغفرت ہے' وہ اپنے بندے کا خالق و منعم حقیقی ہے' وہی فضل و کرم اور ثناء حسن کا مالک ہے' جو اس احساس و ادراک کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرے گا' اسے یقیناً ثواب زیادہ ہو گا۔ (واللہ واسع علیم)

———— شیخ ابن جبرین ————

کسی میت کو مغفور و مرحوم کہنا جائز نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ أَمَّا بَعْدُ

آج کل اخبارات و جرائد میں فوت شدہ لوگوں کی وفات کے کثرت سے اعلانات اور فوت شدگان کے قریبی رشتہ داروں سے کثرت سے اظہار تعزیت ہونے لگا ہے۔ تعزیت کرتے ہوئے لوگ فوت شدہ آدمی کے لئے مغفور اور مرحوم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہ مثلاً وہ جنتی ہے تو جس شخص کو اسلام کے امور و عقائد کا ذرہ بھر بھی علم ہے' وہ جانتا ہے کہ کسی کا جنتی ہونا یا نہ ہونا اور مغفور و مرحوم ہونا یا نہ ہونا ان امور میں سے ہے' جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سوائے اس کے جس کے لئے قرآن میں نص ہو' کسی دوسرے کو جنتی یا جہنمی کہنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً ابولہب کے بارے میں قرآن میں نص ہے کہ وہ جہنمی ہے یا یہ کہ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت دی' اس طرح کسی کو مغفور یا مرحوم کہنا بھی گویا اس کے جنتی ہونے کی شہادت دینا ہے لہٰذا ان کے بجائے یہ الفاظ استعمال کرنا چاہئیں۔ "غفر اللہ لہ" (اللہ اسے معاف فرما دے) یا "رحمہ اللہ" (اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرمائے) یا اس طرح کے الفاظ جو میت کے لئے دعاء پر مشتمل ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

———— شیخ ابن باز ————

عوام الناس کی زبانوں پر بعض مشہور کلمات

سوال ہم نے بعض کلمات عوام کی زبان سے سنے ہیں اور خدشہ ہے کہ کہیں ان میں شرک سرایت نہ کر گیا ہو۔ یہ کلمات اس طرح کے ہیں کہ ((مَا صَدَّقْتُ عَلَی اللّٰهِ)) میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کرتا---- یا ((اَللّٰهُ لَا يَقُوْلُهُ)) اللہ تعالیٰ ایسا نہ کہے---- وغیرہ' تو اس طرح کے کلمات استعمال کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب اس طرح کے کلمات قصد و ارادہ کے بغیر عوام الناس کی زبانوں پر آ جاتے ہیں اور وہ اس طرح کے کلمات استعمال کرنے سے کسی حرام بات کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ چھوٹے بچے' بڑوں سے اس طرح کے کلمات سیکھ لیتے ہیں لیکن ان کلمات کے معانی ضرور قابل اعتراض ہیں لہٰذا انہیں بالکل استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی نفی ہے جب کہ مومن اللہ تعالیٰ کی بھی تصدیق کرتا ہے اور ان تمام باتوں کی بھی جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے لہٰذا اس کے بجائے یوں کہنا چاہئے کہ اگر "اس طرح ہو گیا یا وہ آ گیا تو میں سچا نہیں ہوں گا" اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس چیز کے حصول میں میں جھوٹا ہو سکتا ہوں تاآنکہ وہ حاصل ہو جائے۔ اسی طرح دوسرے جملہ میں گویا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی

کو پابند کرتا ہے کہ وہ اس طرح نہ کہے گویا کہ وہ وقوع کی نفی مراد لیتے ہیں' یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وقوع پذیر نہ کرے یا وہ اس طرح وجود میں نہ آئے۔ اس لیے یہ کہنا کہ "لَاَ قَدَّرَ اللّٰہُ" (اللہ ایسا نہ کرے) اس میں بھی خطرناکی کا پہلو ہے۔ اگر اس کی جگہ وہ اللہ سے دعاء کرے کہ وہ اس کو واقع کرے اور نہ اسے پیدا کرے' تو زیادہ محتاط اور محفوظ بات ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

میت پر نماز وغیرہ کا صدقہ کرنا

سوال کیا میت پر نماز' روزے اور قرآن کا صدقہ کرنا صحیح ہے؟

جواب ہاں یہ صحیح ہے کہ انسان میت کے لئے نماز' روزہ' خیرات' قرأت قرآن اور ذکر وغیرہ کا صدقہ کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اگر وہ کافر ہو تو پھر کسی چیز کا تبرع کرنا بھی جائز نہیں مثلاً اگر کوئی بے نماز انسان فوت ہو جائے تو اس کے گھر والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے لئے استغفار کریں یا اس کے لئے کسی بھی نیک عمل کا تبرع کریں' لیکن یاد رہے کہ اس طرح کے اعمال صالحہ کا تبرع کرنا کوئی مستحب امر نہیں ہے بس یوں کہہ سکتے ہیں کہ جائز ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ اس کے لئے دعاء کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، ح:١٦٣١، سنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الصدقة عن الميت، ح:٢٨٨٠، والترمذي في الجامع، رقم:١٣٧٦، والنسائي في المجتبى، ٦/ ٢٥١ والبخاري في الادب، رقم:٣٨ واحمد في المسند، ٢/ ٣٧٢)

"جب کوئی ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو تین طرح کے (اعمال کے) سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

دین میں سطحیت نہیں ہے

سوال اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو یہ کہتا ہے کہ داڑھی منڈانا یا تنگ لباس پہننا معمولی باتیں ہیں' ان کا دین کے اصول سے کوئی تعلق نہیں ہے یا ایسی باتیں کرنے والوں سے وہ ہنسی مذاق کرتا ہے؟

جواب یہ کلام خطرناک اور منکر عظیم ہے' دین میں کوئی سطحیت نہیں ہے بلکہ دین تو عقل' صلاح اور اصلاح پر مبنی ہے' دین کے مسائل اصول و فروع میں تقسیم ہیں۔ داڑھی اور کپڑوں کا مسئلہ دین کے فروعی مسائل میں سے ہے اصول میں سے نہیں ہے لیکن دین کی کسی بھی بات کو سطحیت سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ خدشہ ہے کہ جو شخص ازراہ تنقص و استہزاء ایسی بات کہتا ہے' وہ کہیں مرتد ہی نہ ہو جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾

(التوبة۹/ ٦٥-٦٦)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے' بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ یہ حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کو کٹوایا جائے اور تمام امور میں آپ کی اطاعت اور آپ کے امرونہی کی تعظیم واجب ہے۔ امام ابو محمد بن حزم نے ذکر فرمایا ہے کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ داڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کٹوانا فرض ہے اور بلاشک و شبہ سعادت' نجات' عزت' کرامت اور اچھی عاقبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی میں ہے اور ہلاکت' نقصان اور برا انجام اس بات میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی جائے۔ کپڑے کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا' وہ (تہبند سے ڈھانپا ہوا حصہ) جہنم میں ہو گا۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمَنَّانُ فِيمَا أَعْطَى، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحِلْفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار . . . ح:١٠٦، وأبوداود في السنن، رقم:٤٠٨٧،)

"قیامت کے دن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ ① اپنے تہبند کو نیچے لٹکانے والا ② دے کر احسان جتانے والا اور ③ جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

«لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، ح:٥٧١٣)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا نہیں جو تکبر و فخر کی وجہ سے اپنا کپڑا (ٹخنے سے نیچے) لٹکائے۔"

اس لئے ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے اونچا رکھے خواہ وہ قمیص ہو یا تہبند' شلوار ہو یا پاجامہ اور ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے' افضل یہ ہے کہ کپڑا نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان ہو' اگر کپڑے کو ازراہ تکبر و فخر لٹکایا تو گناہ بہت زیادہ ہو گا اور اگر کپڑا محض غفلت و سستی کی وجہ سے لٹک گیا تو یہ بھی امر منکر ہے' اس سے بھی آدمی گناہ گار ہو گا لیکن متکبر کی نسبت اسے گناہ کم ہو گا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کپڑے کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانا وسیلۂ تکبر ضرور ہے اگرچہ آدمی گمان یہی کرے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا اور پھر حدیث میں وعید عام ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تساہل سے ہرگز کام نہیں لینا چاہئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا:

«إِنَّ إِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ إِلاَّ أَنْ أَتَعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ إِنَّكَ لَسْتَ

مِمَّنْ يَفْعَلُهُ خُيَلَاءَ»(سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب ما جاء في اسبال الازار، ح:٤٠٨٥)

"کوشش کے باوجود میرا تہبند (ٹخنے سے) نیچے لٹک جاتا ہے" اور نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ "آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ازراہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کا حال صدیق اکبر جیسا ہو یعنی جس کا کپڑا بغیر تکبر کے لٹک گیا ہو اور اس کے باوجود وہ کوشش کرتا ہو کہ اپنے کپڑے کو اونچا رکھے اور جو شخص قصدوارادہ سے اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچا رکھے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح نہیں ہے کپڑوں (شلوار' پینٹ' پاجامہ اور تہبند وغیرہ کو ٹخنوں) سے نیچے لٹکانے میں مذکورہ بالا وعید کے ساتھ ساتھ اسراف بھی ہے اور کپڑوں کے نجاست سے آلودہ ہونے کا اندیشہ بھی نیز عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے لہٰذا مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بچائے۔ ((واللہ ولی التوفیق' والھادی الی سواء السبیل))

——— شیخ ابن باز ———

رزق اللہ کے ذمہ ہے

سوال میں نے ان لوگوں سے سنا ہے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے کہ رزق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صحیح اسلام کے راستہ پر چلے تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھائے گا اور اس کے پاس رزق ایسی ایسی جگہ سے آئے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گی' لیکن سوال یہ ہے کہ پھر انسان بعض علاقوں میں بھوک اور قحط سالی کی وجہ سے مرتے کیوں ہیں؟ کیا ان علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ نہیں اٹھایا' یا یہ ذمہ اطاعت کے ساتھ مشروط ہے؟

جواب بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے لئے رزق کا ذمہ اٹھایا ہے اور اسی نے اسباب مہیا فرمائے ہیں لیکن وہ اپنے بندوں--- خواہ مومن ہوں--- کی آزمائش بھی کرتا رہتا ہے تاکہ یہ ظاہر کر دے کہ ان میں کون صبر کرنے والے ہیں اور کون بے صبرے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی نے اسباب رزق کو آسان بنا کر مہیا فرما دیا ہے اور اس نے انسان کو صنعت و حرفت' کمائی کے طور طریقے اور طلب رزق کے انداز بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت و ملکہ کو استعمال نہ کرے تو وہ کوتاہی کا مرتکب ہے اور اس کے بارے میں خدشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھوک' افلاس اور تکلیف کو مسلط کر دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کبھی کبھی گناہوں' کفر اور ترک واجبات کی وجہ سے بھی مختلف علاقوں پر قحط مسلط کر دیتا ہے اور پھر جانور وغیرہ بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟

سوال ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو سوال یہ ہے کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟ یا پھر اس کے بارے میں ہم کیا کہیں؟

جواب اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور اپنے عدل کے ساتھ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے کونی و قدری ارادے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی' اس میں کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت بھی داخل ہے' جو اللہ چاہے صرف وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے' وہ نہیں ہوتا' اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی قدرت و اختیار عطا کیا ہے' جس کے ساتھ وہ اعمال خیر و شر کو اختیار کر سکتے ہیں اور اعمال خیر بجا لانے والے کو ثواب اور اعمال شر اختیار کرنے والے کو عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا یہ فضل و کرم فرمایا ہے کہ انہیں ہدایت سے نوازا اور محض اپنے فضل و کرم سے ان کے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف متوجہ کر دیا' کافروں کو اس نے ذلیل و رسوا کیا اور اپنے عدل و حکمت سے ان کے نفسوں' ان کی خواہشوں اور ان کے دشمنوں کو چھوڑ دیا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کفر اللہ تعالیٰ کے کونی ارادہ اور بندے کی اپنی اس قدرت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے' اسے حاصل شدہ اختیار و استطاعت ہی کی وجہ سے سزا ملے گی اگرچہ اس کے اختیار و استطاعت سے پہلے اللہ خالق و مالک کی قدرت و ارادہ مقدم ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ڈاکٹروں سے علاج کی بابت اسلام کا موقف

سوال ڈاکٹروں سے علاج کرانے کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ:

«مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً»(صحيح بخاري، كتاب الطب، باب ما انزل الله داء إلا انزل له شفاء، ح:٥٦٧٨)

"اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کی شفا بھی اتاری ہے۔"

جس نے اسے جان لیا' اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا' اس نے نہ جانا۔ ڈاکٹروں نے ان دواؤں کے تجزیے کئے اور ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے' جنہیں علماء فن نے لکھا تھا طب' علم کے بہت سے فنون میں سے ایک فن ہے' عہد نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی ہر دور میں اس فن کے کچھ لوگ متخصص (Specialist) رہے ہیں' جنہوں نے دواؤں کی ترکیب اور ہر دوا کے خواص اور کیفیت استعمال کو خوب جان لیا اور ساتھ ہی اعتقاد یہ رکھا کہ یہ اسباب شفاء ہیں' مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے لہٰذا فن طب کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کے ساتھ علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سائل کو چاہئے کہ وہ مزید معلومات کے لئے کتاب "الطب النبوی" حافظ ابن قیم رحمہ اللہ' "الطب النبوی' علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور "الآداب الشرعیۃ" ابن مفلح کی اور کتاب تسہیل المنافع" وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تین مسجدوں کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف شد رحال کا حکم

سوال ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جس کا نام "مسجد معاذ بن جبل" ہے اور وہ "مسجد الجند" کے نام سے مشہور ہے۔ ہر

سال ماہ رجب کے ایک جمعہ کو بہت سے مرد اور عورتیں اس مسجد کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ کیا یہ عمل مسنون ہے؟ اور آپ کی اس سلسلہ میں اے فضیلۃ الشیخ! کیا نصیحت ہے؟

جواب اولاً تو یہ عمل غیر مسنون ہے کیونکہ یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو انہوں نے وہاں کوئی مسجد بنوائی ہو' جب یہ ثابت نہیں تو پھر اس مسجد کو حضرت معاذ کی مسجد کہنا دعویٰ بغیر دلیل کے ہے اور ہر وہ دعویٰ جو بلا دلیل ہو وہ غیر مقبول ہے۔

ثانیاً: اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہاں کوئی مسجد بنوائی تھی تو اس مسجد کی طرف شد رحال (مکمل تیاری) کر کے جانا شرعی حکم نہیں ہے بلکہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف شد رحال کر کے جانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا، وَالْمَسْجِدِ الأَقْصَى»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة في المسجد، باب مسجد بيت المقدس، ح:١١٩٧، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧)

”تین مسجدوں یعنی (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی اور (۳) مسجد اقصیٰ کے سوا کسی اور مسجد کی طرف شد رحال نہ کیا جائے۔“

ثالثاً: اس عمل کی ماہ رجب میں تخصیص بھی بدعت ہے کیونکہ ماہ رجب میں نماز یا روزے کی کسی خاص عبادت کا قطعاً کوئی حکم نہیں ہے بلکہ رجب کا حکم بھی وہی ہے جو دیگر حرمت والے مہینوں کا ہے۔ یاد رہے حرمت والے مہینے رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم ہیں' انہی مہینوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِى كِتَـٰبِ ٱللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ (التوبة٩/ ٣٦)

”اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں (یعنی) اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں۔“

لیکن یہ ثابت نہیں کہ رجب میں نماز یا روزے وغیرہ کی کسی خاص عبادت کا حکم ہو' لہٰذا نبی کریم ﷺ سے ثبوت کے بغیر اگر کوئی انسان اس مہینے کو کسی عبادت کے لئے مخصوص کرتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق بدعتی ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(مسند احمد، ١٢٦/٤، ١٢٧)

”میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنے آپ کو (دین میں) نئے نئے کاموں سے بچاؤ کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب مسجد کی طرف جانے والے بھائیوں کی خدمت میں میری نصیحت یہ

ہے کہ وہ اس کام سے باز آ جائیں اور اس میں اپنی جانوں کو ہلکان کریں نہ اپنے مالوں کو کھپائیں' جو اللہ تعالیٰ سے انہیں دور کرنے کا سبب ہے۔ اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنی ہمتوں اور توانائیوں کو ان کاموں کے سرانجام دینے میں صرف کریں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور ایک مرد مومن کے لئے بس کتاب و سنت ہی کافی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

احکام شریعت پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے

سوال ایک شخص یہ کہتا ہے کہ بعض احکام شریعت نظرثانی کے محتاج ہیں اور ضرورت ہے کہ ان میں مناسب تبدیلی کر دی جائے کیونکہ وہ عصرحاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر وہ میراث کا ایک اصول بیان کرتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ آدمی کو دو عورتوں کے برابر حصہ دیا جائے۔ اس طرح کے شخص کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب وہ احکام شریعت جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنی کتاب کریم یا اپنے رسول امین ﷺ کی زبانی بیان فرمایا مثلاً احکام میراث' نماز پنجگانہ' زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے واضح فرما دیا ہے' اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ کسی کو ان پر اعتراض کرنے اور ان کو بدلنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ شریعت کے یہ محکم احکام جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھے' آپ کے بعد قیامت تک یہ اسی طرح رہیں گے۔ انہی محکم احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اسے واضح طور پر بیان فرمایا اور تمام علماء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے لہٰذا اعتقادوایمان کے ساتھ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور جو شخص یہ گمان کرے کہ اس حکم الٰہی کی بجائے کوئی اور حکم زیادہ موزوں ہے تو وہ کافر ہے اور جو شخص حکم الٰہی کی مخالفت کو جائز قرار دے وہ بھی کافر ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ' رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت پر معترض ہے۔ اگر یہ معترض مسلمان ہے تو حاکم وقت پر فرض ہے کہ اس سے توبہ کروائے اگر وہ شخص توبہ کر لے تو بہتر وگرنہ کافر ہونے اور اسلام سے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کرنا واجب ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، ح:٣٠١٧، وأبوداود، رقم: ٤٣٥١، وابن ماجه في السنن، رقم: ٢٥٣٥، ومسند احمد ١/ ٢٨٢)

"جو شخص اپنے دین کو بدل لے تو اسے قتل کر دو۔"

ہم اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرتے ہیں کہ وہ سب کو گمراہ کن فتنوں اور شریعت مطہرہ کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

سعادت و شقاوت کے معنی

سوال میں اس سعادت و شقاوت کے معنی کو واضح طور پر معلوم کرنا چاہتا ہوں' جسے اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس وقت لکھ دیتا ہے' جب وہ ابھی شکم مادر ہی میں ہوتا ہے نیز اس میں اور درج ذیل آیات میں کس طرح تطبیق ہو گی:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ ﴾ (الليل ٩٢/ ٥-١٠)

جواب وہ سعادت اور شقاوت جسے اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس وقت لکھتا ہے جب وہ شکم مادر میں ہوتا ہے' اسے تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل بھی لکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ :

«فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى حِيْنَ خَلَقَ الْقَلَمَ قَالَ لَهُ: اُكْتُبْ قَالَ: رَبِّ وَمَاذَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَا هُوَ كَائِنٌ فَجَرٰى فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(سنن ابي داود، كتاب السنة، باب في القدر، ح:٤٧٠٠، وسنن الترمذي، كتاب القدر، ح:٢١٥٥)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب قلم کو پیدا فرمایا تو اس سے کہا لکھ! قلم نے عرض کیا: "اے میرے رب میں کیا لکھوں؟" "اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ دے تو قلم نے اسی وقت وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا۔"

قلم نے جو کچھ لکھا اس میں انسانوں کی سعادت و شقاوت (کا بیان) بھی ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ ﴾ (الليل ٩٢/ ٥-١٠)

"تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی اور نیک بات کو سچ جانا اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے سختی میں پہنچائیں گے۔"

کیونکہ بندے کا یہ فعل سعادت یا شقاوت کا سبب بنتا ہے' بندے پر فرض ہے کہ اسے ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے یعنی اس کے حکم کی اطاعت بجالائے' نہی سے اجتناب کرے' خیر کی تصدیق کرے' بخل و استغناء اور اللہ تعالیٰ کی خبر کی تکذیب سے باز رہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی جنت یا جہنم میں جگہ کو لکھ رکھا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا اس تحریر پر توکل کرتے ہوئے ہم عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟" تو آپ ﷺ فرمایا:

«اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ»(صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب فَسَنُيَسِّرُهُ للعسرى، ح:٤٩٤٩)

"عمل کرو! ہر ایک کے لئے اسے آسان کر دیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیات کی تلاوت فرمائی۔

جب انسان کو توفیق ملے' وہ سلامتی کی روش کو اختیار کرے' امر کو بجالائے' نہی کو ترک کر دے' جس کی تصدیق فرض ہے' اس کی تصدیق کرے تو اسے آسانی کی توفیق میسر آجائے گی اور یہ اس بات کی دلیل اور عنوان ہوگی کہ وہ اہل سعادت میں سے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اہل سعادت کو اہل سعادت کے سے عملوں کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شقی ہے۔۔ والعیاذ باللہ ۔۔۔ کیونکہ اس کے لئے اہل شقاوت کے عمل کو آسان بنا دیا گیا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

عذاب قبر

سوال کیا عذاب قبر صرف روح کے ساتھ خاص ہے یا جسم کو بھی ہوتا ہے؟

جواب عذاب قبر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّـٰلِمُونَ فِى غَمَرَٰتِ ٱلْمَوْتِ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا۟ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوٓا۟ أَنفُسَكُمُ ۖ ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ ٱلْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ ءَايَـٰتِهِۦ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٩٣)

"اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے ان کی طرف (عذاب کے لئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں (اور کہہ رہے ہوں) کہ نکالو اپنی جانیں' آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی' اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ ﴾ (المؤمن٤٠/ ٤٦)

"آتش جہنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہو گی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔"

وہ احادیث بے شمار ہیں جن میں عذاب قبر کا ذکر ہے انہی میں سے ایک وہ مشہور حدیث بھی ہے جسے ہر خاص و عام جانتا اور نمازی نماز پڑھتے ہوئے یہ دعاء کرتا ہے۔

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الدعاء قبل السلام، ح:٨٣٢، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، ح:٥٨٩)

"اے اللہ! میں عذاب جہنم سے' عذاب قبر سے' زندگی و موت کے فتنہ سے اور دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

عذاب قبر اصل میں تو روح پر ہوتا ہے لیکن کبھی جسم پر بھی ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب دفن کے بعد آدمی سے اس کے رب' دین اور نبی کے بارے میں سوال ہوتے ہیں' اس وقت اس کے جسم میں روح کو لوٹا دیا جاتا ہے لیکن روح کی جسم میں یہ واپسی برزخی ہوتی ہے اور اس کا جسم کے ساتھ اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا جس طرح دنیوی زندگی میں ہوتا ہے۔ روح کی جسم میں اس واپسی کے بعد میت سے اس کے رب' اس کے دین اور اس کے نبی کے بارے میں سوال ہوتا ہے' کافر یا منافق اس کا جواب یہ دیتا ہے:

«هَاهْ هَاهْ لاَ أَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ فَيُضْرَبُ بِمِرْزَبَةٍ مِنْ حَدِيْدٍ فَيَصِيْحُ

صَيْحَةً يَسْمَعُهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلاَّ الإِنْسَانُ وَلَوْ سَمِعَهَا الإِنْسَانُ لَصَعِقَ » صحيح البخاري، كتاب الجنائز ح ١٣٣٨، ١٣٨٠

"ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں میں نے لوگوں کو ایک بات کرتے ہوئے سنا تو میں بھی اسی طرح کہتا رہا۔ اس کے بعد اسے لوہے کے ایک گرز کے ساتھ مارا جاتا ہے کہ وہ چیخ چیخ اٹھتا ہے اس کی اس چیخ و پکار کو انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز سنتی ہے' اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔"

شیخ ابن عثیمین

علم غیب کا دعویٰ کرنے والا کاہن یا جادوگر یا طاغوت ہے

سوال جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے اس کا کیا حکم ہے؟ غیب کی وہ کون سی قسمیں ہیں جنہیں جاننے کا انسان کو شوق ہوتا ہے؟

جواب جو شخص علم غیب کا دعوی کرے وہ کاہن یا جادوگر یا طاغوت ہے کیونکہ علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ ﴾ (الأنعام٦/ ٥٩)

"اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

غیب سے مراد مستقبل کے واقعات' موت اور عمر وغیرہ کا علم ہے۔

شیخ ابن جبرین

نفسیاتی بیماریوں کا تعویذوں سے علاج نہیں کرنا چاہئے

سوال نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے لئے کیا تعویذ استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب تعویذ استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت آئی ہے ہاں البتہ قرآن مجید' دعاؤں اور اذکار ماثورہ (احادیث میں مذکور وظائف) کے ساتھ دم کرنا جائز ہے' نیز نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے لئے کثرت ذکر' اعمال صالحہ' شیطان سے استعاذہ اور گناہوں اور گناہ گاروں سے دوری اختیار کرنا چاہئے۔ یہ تمام امور موجب راحت ہوں گے اور ان سے طمانینت و حیات سعیدہ حاصل ہو گی۔

شیخ ابن جبرین

امانت کے ساتھ قسم کھانا

سوال کیا اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ قسم کھانا جائز ہے؟ اور اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو شطرنج اور چوسر (اور کیرم بورڈ اور لڈو وغیرہ) کھیلتا ہے؟

جواب امانت کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالْأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا»(سنن أبي داود، كتاب الإيمان، باب كراهية الحلف بالامانة، ح: ٣٢٥٣)

"جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

شطرنج کھیلنا حرام ہے جیسا کہ علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے' اسی طرح چوسر اور لڈو (اور کیرم بورڈ وغیرہ) بھی ایسے کھیل ہیں جو مسلمان کو اللہ کے ذکر سے روکتے اور اس کا وقت ضائع کرتے ہیں جب کہ عقل مند آدمی اپنے وقت کو اس طرح کے فضول کاموں میں ضائع نہیں کرتا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شیطانی خیالات کا علاج

سوال بسا اوقات میرے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے کہیں بے دین ہی نہ ہو جاؤں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا اس طرح کے خیالات کی وجہ سے گناہ ہو گا؟

جواب یہ خیالات اور افکار پریشان اس شیطان کی طرف سے ہیں' جو لوگوں کے دلوں میں اس لئے وسوسے ڈالتا ہے تا کہ مسلمان کو حیران و پریشان کر دے۔ جب تم اس طرح کے خیالات محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہو اور غیبی امور کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو' امور صفات و کائنات کے بارے میں بھی سوچنا ترک کر دو تا کہ یقین کمزور نہ ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

فرشتوں کا گھروں میں داخل ہونا

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ فرشتے اس کمرے میں داخل نہیں ہوتے جس کی دیواروں پر تصویریں لٹکائی گئی ہوں؟

جواب حدیث صحیح میں آیا ہے کہ:

«إِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لاَ تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلاَ صُوْرَةٌ»(بخاري، بدء الخلق، باب إذا قال احدكم آمين والملائكة في السماء، ح: ٣٢٢٤، ومسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة . . . ، ح: ٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔"

بعض روایات میں آیا ہے:

«إِلاَّ رَقْمًا فِيْ ثَوْبٍ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب من كره العقود علي الصور، ح: ٥٩٥٨)

"الّا یہ کہ کپڑے پر نقش و نگار ہوں۔"

حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ وَقَدْ سَتَرَتْ فُرْجَةً فِي بَيْتِهَا بِسَتْرٍ فِيْهِ صُوْرَةٌ فَغَضِبَ وَلَمْ يَدْخُلْ حَتَّى نَزَعَتْهُ وَشَقَّتْ مِنْهُ وِسَادَةً أَوْ وِسَادَتَيْنِ مَنْبُوْذَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، ح: ٥٩٥٤)

نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ انہوں نے گھر میں ایک سوراخ پر ایک ایسا پردہ لٹکا رکھا ہے جس میں تصویر ہے تو آپ اس سے ناراض ہو گئے اور گھر میں داخل نہ ہوئے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اتار دیا اور اسے پھاڑ کر اس سے ایک یا دو تکیے بنا دیئے۔"

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر تصویر کی بے حرمتی ہوتی ہو' پاؤں تلے پامال ہوتی ہو اور اس کے اوپر بیٹھا جاتا ہو تو پھر جائز ہے اور جس کی ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے کہ تصویر کو باقاعدہ دیوار پر آویزاں کیا گیا ہو۔ تصویر میں قباحت کے کئی پہلو ہیں' اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں مشابہت ہے' جن کی تصویریں ہوں ان کی تعظیم اور ان کے بارے میں غلو کا پہلو ہے یا پھر اس سے مصوروں کی تعظیم و مدح لازم آتی ہے اور مصور ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کی دلیل

سوال حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی صداقت کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدد فرمائی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت پر بہت سے دلائل قائم فرمائے اور ایسے ایسے معجزات سے ان کی مدد فرمائی جس سے انسانیت دنگ رہ گئی' قوموں نے اپنے انبیاء کو ان کی صداقت اور ان کے جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی سے بھی پہچانا کہ ان کے اخلاق حسنہ' ان کے اعمال صالحہ' ان کی زبانیں راست باز' اور وہ امانت و دیانت کے پیکر تھے اور چہروں کی بشاشت و طلاقت اس پر مستزاد! اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ نبوت و رسالت کا مستحق کون تھا؟ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے بہترین تھے اور تمہارا رب جو چاہتا پیدا فرماتا اور منتخب کرتا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے اسے تاریخ' تفسیر' سیرت النبی ﷺ' معجزات اور دلائل نبوت کی ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو حضرات علماء کرام نے تصنیف فرمائی ہیں۔ انہوں نے ان کتابوں میں تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف اور ان پر لعنت کا حکم

سوال مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت و الجماعت کا کیا مؤقف ہے؟ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اہل سنت مشاجرات صحابہ کے بارے میں توقف سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا جس کا اجتہاد درست تھا اسے دو گنا ثواب ملے گا اور جس کا درست نہ تھا اسے بھی اجتہاد کرنے کا ثواب ضرور ملے گا اور اس کی غلطی معاف ہو گی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے کتاب و سنت کے صفحات لبریز ہیں لہٰذا ہم ان سب کو عادل سمجھتے اور سب کو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ ہم ان رافضیوں سے اظہار برأت کرتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دشنام دیتے یا ان پر لعنت کرتے ہیں۔ جو شخص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی پر بھی طعن کرے یا لعنت کو جائز سمجھے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

شیخ ابن جبرین

رسول اور نبی میں فرق

سوال کیا رسول اور نبی میں کوئی فرق ہے؟

جواب ہاں! فرق ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شریعت کی وحی تو کی ہو لیکن اس کی تبلیغ کا اسے حکم نہ دیا ہو بلکہ وحی صرف اس لئے نازل کی ہو تاکہ وہ خود عمل کرے' اس پر تبلیغ کی پابندی نہیں ہوتی۔ اور رسول وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شریعت کی وحی نازل کی ہو اور اسے حکم ہو کہ وہ اس کے مطابق خود بھی عمل کرے اور اس کی تبلیغ بھی کرے۔ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی تعداد رسولوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے اور بعض کا ذکر نہیں فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ﴾ (المؤمن ٤٠/ ٧٨)

"اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے اور کسی پیغمبر کا مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔"

اس آیت کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس قدر بھی انبیاء علیہم السلام مذکور ہیں وہ سب رسول ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

جادو کا جادو سے توڑ

سوال میرے ایک دوست کی بیوی پر جادو ہو گیا اور کسی بھی دواء سے اسے فائدہ نہ ہوا تو ہمیں ایک آدمی نے ایک ایسے شخص کا پتہ بتایا جو جادو کا علاج جادو سے کرتا ہے تو کیا اس شخص کو گناہ ہو گا جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے تو جادو سے کام لیتا ہے مگر اس سے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا؟ اور کیا اپنی بیوی کے علاج کے لئے اس جادوگر کے پاس جانے کی وجہ سے میرے دوست کو گناہ ہو گا؟

جواب سب سے پہلے میں یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جادو اکبر محرمات میں سے ہے بلکہ اگر جادوگر اپنے جادو کے سلسلہ میں شیطانی احوال سے مدد لیتا ہو یا جادو اسے شرک تک پہنچاتا ہو تو پھر یہ کفر بھی ہے۔ جادو کا سیکھنا بھی کفر ہے لہٰذا اس سے دور رہنا اور اس سے بچنا فرض ہے تاکہ انسان کفر میں مبتلا ہو کر ملت اسلامیہ ہی سے خارج نہ ہو جائے۔ مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہو) سے سحر دور کرنے کے دو طریقے ہیں (ا) مباح دعاؤں اور قرآنی آیات سے اسے دور کیا جائے یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ مسحور کو ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ پڑھ کر دم کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جادو کا جادو سے علاج کیا جائے' اس مسئلہ میں سلف و خلف

میں اختلاف رہا ہے۔ بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ اس سے مسحور سے شر کا ازالہ ہو جاتا ہے اور بعض نے جادو سے علاج کی اجازت نہیں دی۔ نبی کریم ﷺ سے نشرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ شیطان کا عمل ہے اور عمل شیطان جادو ہی ہوتا ہے۔" مباح دعاؤں کے ساتھ علاج میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص جادو میں مبتلا ہو جائے اسے صبر کرنا چاہئے اور قرآن مجید اور مباح دعاؤں کو کثرت سے پڑھنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرما دے۔

جادو کی تصدیق کی دو قسمیں ہیں:

① یہ ماننا کہ اس کی تاثیر ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ ایک امر واقع ہے۔

② یہ کہ اس کا اقرار کرے اور اسی پر اظہار رضامندی کرے' یہ حرام اور ناجائز ہے۔

شیخ ابن عثیمین

اہل فترت کا انجام

سوال جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات[①] کے بعد سے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل تک کا زمانہ پایا ہے ان کا انجام کیا ہو گا؟ کیا انہیں اہل فترت شمار کیا جائے گا؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اہل فترت کی دو قسمیں ہیں:

① جن پر حجت قائم ہو گئی اور (انہوں نے) حق کو پہچان بھی لیا لیکن اپنے آباء و اجداد کی پیروی کی تو ایسے لوگوں کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور یہ جہنم رسید ہوں گے۔

② لیکن جن لوگوں پر حجت قائم نہ ہو سکی تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' ہمیں ان کے انجام کا علم نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام سے اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔

اور جس کے بارے میں دلیل صحیح سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ جہنمی ہے تو وہ بلا شبہ جہنم رسید ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

عزو شرف اور کعبہ کی قسم کھانا

سوال کیا عزو شرف اور کعبہ کی قسم کھانا جائز ہے؟

جواب غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں بلکہ یہ شرک ہے کیونکہ کسی چیز کی قسم کھانے کے معنی اس کی تعظیم کے ہیں اور مخلوق کی تعظیم جائز نہیں۔ شروع اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کعبہ کی قسم کھایا کرتے تھے تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ کعبہ کی بجائے رب کعبہ کی قسم کھایا کرو۔ عزو شرف اور حسب و نسب یا باپ دادا وغیرہ کی قسم کھانا غیر اللہ کی قسم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی کی آہٹ سے بھی زیادہ مخفی طریقے سے اس امت میں

① قرآن اور حدیث کے قطعی نصوص و دلائل کے مطابق ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا لہٰذا ان کے لیے یہاں وفات کی بجائے "رفع سماء" کے الفاظ استعمال کرنا چاہئیں۔ حیات مسیح کے مسئلہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہرۂ آفاق کتاب "شہادۃ القرآن"

شرک سرایت کر جائے گا مثلاً تم کسی خاتون سے یہ کہو کہ تمہاری زندگی کی قسم یا یہ کہو کہ میری زندگی کی قسم' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زندگی کی قسم کو بھی شرک قرار دیا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عید میلاد منانے کا حکم

سوال میلاد کی عیدوں کا منانے کا کیا حکم ہے؟

جواب میلاد کی عیدوں کے منانے کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں بدعت ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ... ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح...:١٧١٨)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی "صحیح" میں تعلیقاً مگر جزم اور یقین کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

اور یہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی اپنا یوم میلاد نہیں منایا' نہ کبھی اس کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو یہ سکھایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کبھی بھی نبی ﷺ کا یوم میلاد نہیں منایا حالانکہ انہیں آپ ﷺ کی سنت کا سب سے زیادہ علم بھی تھا اور انہیں آپ ﷺ کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ محبت بھی تھی' وہ آپ کی اتباع اور پیروی کے بھی شدید حریص تھے لہٰذا اگر عید میلادالنبی منانے کا شریعت میں کوئی حکم ہوتا تو وہ یقیناً اسے بڑھ چڑھ کر مناتے' اسی طرح ابتدائی فضیلت والی صدیوں میں علماء کرام میں سے کسی نے بھی اسے منایا نہ منانے کا حکم دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلادالنبی کا اس شریعت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں' جسے حضرت محمد ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اگر نبی ﷺ نے عید میلاد کو منایا ہوتا تو ہم بھی اسے ضرور ضرور مناتے اور لوگوں کو اس کے منانے کی دعوت بھی دیتے کیونکہ بحمداللہ! ہم آپ کی سنت کے اتباع اور آپ کے امرونہی کی تعظیم کے شدید حریص ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں بھائیوں کیلئے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق پر ثابت قدم رکھے اور ہر اس کام سے محفوظ رکھے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ «إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ»

—— شیخ ابن باز ——

کفار کے ساتھ معاملہ

غیر مسلموں کی خدمت میں شراب پیش کر کے ان کی عزت افزائی کرنا

سوال کیا ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم ساتھیوں کی عزت افزائی کے لئے ان کی خدمت میں ایسا کھانا پینا پیش کرے جو دین اسلام میں حرام ہو؟

جواب اسلام روا داری' آسانی اور سہولت کا دین ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ عدل و اکرام اور دیگر اسلامی آداب کا دین بھی ہے لیکن جس شخص کی عزت افزائی کی جا رہی ہو اگر وہ کافر ہو تو عزت افزائی کرنے والے کے مقصد کے مختلف ہونے سے اور جس سے وہ اس کی عزت افزائی کرنا چاہتا ہے' اس کے مختلف ہونے سے حکم بھی مختلف ہو گا' اگر عزت افزائی کا (کوئی) شرعی مقصد ہے' مثلاً: وہ کافر کے ساتھ مراسم پیدا کر کے اسے اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہے تاکہ اسے کفر و ضلالت سے بچالے تو یہ ایک پاکیزہ مقصد ہے۔

شریعت کے مقررہ قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ وسائل کا حکم ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے' اگر مقصد واجب ہو تو وہ وسیلہ بھی واجب ہو جاتا ہے اور اگر مقصد حرام ہو تو وسیلہ بھی حرام ہو گا۔ اگر کافر کی عزت افزائی کا مقصد شرعی نہ ہو اور ترک عزت کا کوئی نقصان بھی نہ ہو تو اس کی عزت کرنا جائز ہے لیکن اس کی خدمت میں حرام کھانا پینا مثلاً خنزیر کا گوشت یا شراب پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ اس عزت افزائی میں اس کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کے حق کو اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم قرار دینا ہے جب کہ ایک مسلمان پر فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے۔ اجنبی ممالک میں اپنے دین پر عمل کرنے کے بہت اچھے اثرات و نتائج ظاہر ہوتے ہیں' اس طرح مسلمان قول و عمل کے اعتبار سے دین کا داعی بن جاتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کافروں کے ساتھ تجارت

سوال کیا کافر کے ساتھ تجارت جائز ہے خصوصاً جب کہ ہمیں ان کی مصنوعات کی ضرورت بھی ہو؟

جواب ان شاء اللہ بوقت ضرورت کفار کی بنائی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں' جس طرح کہ ہم عصر حاضر میں کافر حکومتوں کے ساتھ معاملہ کر کے ان کی مصنوعات مثلاً گاڑیاں' لباس' سامان آرائش و زیبائش' گھریلو استعمال کی اشیاء اور برتن وغیرہ خریدتے ہیں اور یہ ضرورت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ضروری قواعد و ضوابط' شرائط' قیمت کی ادائیگی' سامان کو وصول کرنے یا بھیجنے وغیرہ پر اتفاق کر لیں اور ان تمام امور کو طے کر لیں جن کی ایک خریدار کو ضرورت ہوتی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کافروں کے ساتھ مصافحہ اور سلام کا حکم

سوال کیا کافروں کے ساتھ مصافحہ کرنا اور انہیں پہلے سلام کرنا جائز ہے؟ اگر وہ ہمیں سلام کہیں تو ہم ان کو کیسے جواب دیں؟

جواب کفار و مشرکین' یہود و نصاریٰ' بت پرست اور دہریے سب نجس (پلید) ہیں' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے لہٰذا ان کا اکرام' احترام' مجالس میں عزت افزائی' ان کے احترام میں کھڑا ہونا اور انہیں پہلے سلام کرنا یا صبح بخیر اور شب بخیر وغیرہ کہنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ وَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام...، ح:٢١٦٧، سنن أبي داود، كتاب الادب، باب في السلام على اهل الذمة، ح:٥٢٠٥ وجامع الترمذي حديث:٢٧٠٠)

"یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب انہیں راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راستہ کی طرف مجبور کر دو۔"

اور اگر وہ ہمیں سلام کریں تو ہمیں جواب میں صرف یہ کہنا چاہئے "وعلیکم" (تم پر بھی) کافروں کے ساتھ مصافحہ' معانقہ اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز نہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

غیر اللہ سے استغاثہ کرنے والے کے پیچھے نماز اور دوستی کا حکم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد!

بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک شخص کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے کہ:

سوال ایک شخص ایسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے' جو غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں تو کیا اس کے لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا ان سے قطع تعلق کرنا واجب ہے؟ کیا ان کا شرک غلیظ ہے؟ کیا ان سے دوستی حقیقی کافروں سے دوستی کی طرح ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جن لوگوں کے ساتھ آپ رہ رہے ہیں' اگر ان کا حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ غیر اللہ سے یعنی مُردوں سے یا زندہ مگر غائب لوگوں سے یا درختوں' پتھروں اور ستاروں وغیرہ سے فریاد کرتے ہیں' تو وہ ایسے شرک اکبر کے مرتکب مشرک ہیں' جو انہیں ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے' ایسے لوگوں سے دوستی جائز نہیں' جس طرح کہ کافروں سے دوستی جائز نہیں ہے' نہ ان کے پیچھے نماز جائز ہے' نہ ان سے معاشرت جائز ہے اور نہ ان کے ساتھ مل جل کر رہنا جائز ہے' ہاں البتہ اس شخص کے لئے جائز ہے جو دلیل وبرہان کے ساتھ انہیں حق کی طرف دعوت دے اور امید

رکھے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور اس کے ہاتھوں ان کی دینی اصلاح ہو جائے گی' بصورت دیگر واجب یہ ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لے اور دوسرے لوگوں سے مل جائے اور ان کے ساتھ اسلام کے اصول وفروع اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے احیاء کے لئے تعاون کرے اور اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوں تو یہ تمام فرقوں سے الگ تھلگ ہو جائے خواہ سختی ہی کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ خَشْيَةَ أَنْ أَقَعَ فِيْهِ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: أَبَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قال: نَعَمْ دُعَاةٌ إِلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ: نَعَمْ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ح:٣٦٠٦، ٧٠٧٤)

''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے مگر میں آپ سے شر کے بارے میں پوچھتا تھا تاکہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں' میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے نواز دیا تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہو گا؟'' فرمایا: ''ہاں!'' میں نے عرض کیا: ''کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہو گا؟ فرمایا: ہاں! لیکن اس میں کچھ کدورت ہو گی۔'' میں نے عرض کیا: ''کدورت سے کیا مراد ہے؟'' فرمایا: ''میری سنت چھوڑ کر اوروں کے طور طریق پر چلیں گے' میری ہدایت سے ہٹ کر دوسروں کی چال اختیار کر لیں گے' کچھ باتیں ان کی اچھی پاؤ گے کچھ بری۔'' میں نے عرض کیا: ''کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہو گا؟'' فرمایا: ''ہاں! ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے' جو شخص ان کی بات پر لبیک کہے گا' یہ اسے جہنم رسید کر دیں گے۔'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ان کی کچھ نشانیاں بیان فرما دیں؟'' فرمایا: ''یہ لوگ ہمیں سے ہوں گے اور ہماری بولیاں بولتے ہوں گے۔'' میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اگر میں اس طرح کے حالات دیکھوں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟'' فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ ہو جانا۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر اس وقت کوئی جماعت اور امام ہی نہ ہو؟'' تو آپ نے فرمایا: ''پھر ان تمام فرقوں کو چھوڑ دینا خواہ ایسا کرنے میں یہ حال ہو جائے کہ درخت کی جڑ چبا کر وقت کاٹنا پڑے' پھر بھی ان سے الگ رہو یہاں تک کہ موت آجائے۔'' وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کے ساتھ معاملہ

سوال جو آدمی اصحاب ثلاثہ (ابوبکر صدیق' عمر فاروق اور عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہم) کو گالی دے' اس کے ساتھ معاملہ کس طرح ہونا چاہیے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے سب سے بہترین افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾﴾ (التوبة۹/ ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے' یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿۞ لَّقَدْ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾﴾ (الفتح۴۸/ ۱۸)

''(اے پیغمبر!) جب مومن درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے تو یقینی طور پر اللہ ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسکین (تسلی) نازل فرمائی اور (جرأت ایمانی کے بدلے) انھیں جلد فتح عنایت کی۔''

اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سابقین میں سرفہرست ہیں اور ان میں شامل ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ بیعت لی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کے حق میں شہادت اور آپ پر اعتماد کا اظہار تھا' اس طرح آپ کی بیعت دوسروں کی نسبت زیادہ قوی تھی۔ دیگر بہت سی احادیث میں بھی اجمال اور تفصیل کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب موجود ہیں اور ان کے ساتھ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جنت کی بشارت دی گئی اور انھیں گالی دینے سے منع کیا گیا ہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهُ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ، لو كنت متخذا . . .، ح: ۳۱۷۳، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة رضي الله عنهم، ح: ۲۵٤۰، ۲۵٤۱)

"میرے صحابہ (کرام رضی اللہ عنہم) کو گالی نہ دینا۔ تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا نصف مد[1] (کے ثواب کو بھی) نہیں پا سکتا۔"

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً اصحاب ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرے تو اس سے اس کے بارے میں یقیناً باز پرس ہو گی کیونکہ اس نے کتاب و سنت کی مخالفت کی ہے اور وہ اس مغفرت سے یقیناً محروم ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ان کی اتباع کریں گے' ان کے لئے مغفرت کی دعاء کریں گے اور یہ دعاء کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں کسی بھی مومن کے لئے کینہ و حسد پیدا نہ کرے۔ اصحاب ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو سمجھایا جائے' حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے آگاہ کیا جائے' ان کے درجات سے اسے مطلع کیا جائے اور بتایا جائے کہ اسلام میں انہیں کس قدر عظمت و استقامت حاصل ہے۔ اگر اس کے بعد وہ شخص توبہ کر لے تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے اور اگر وہ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرے تو بقدر امکان سیاست شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے گستاخی سے باز رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص ہاتھ یا زبان سے اسے باز نہ رکھ سکے تو وہ دل ہی میں اسے برا سمجھے اور جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر مسلم خادمہ کو ملازم رکھنا

سوال میں نے گھر میں اپنی بیوی کی مدد کے لئے ایک خادمہ بلانے کے لئے بیرون ملک خط لکھا تو مجھے جواب آیا کہ یہاں سے کوئی مسلمان خادمہ ممکن نہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ میں کسی غیر مسلم خادمہ کو بلا لوں؟

جواب جزیرۃ العرب میں کسی بھی غیر مسلم خادم یا خادمہ' ڈرائیور یا کسی بھی کارکن کو بلانا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ یہاں صرف مسلمان ہی باقی رہیں اور وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ تمام مشرکوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔

کافر مردوں اور عورتوں کے یہاں بلانے میں خطرہ ہے کہ اس سے یہاں مسلمانوں کے عقائد' اخلاق اور ان کی اولاد کی تربیت پر برا اثر پڑے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور شرک و فساد کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان غیر مسلم خادموں سے اجتناب کریں۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

کیا کافر پڑوسی کو قربانی کے گوشت کا تحفہ دیا جا سکتا ہے؟

سوال کیا قربانی کے گوشت میں کافر پڑوسی کا بھی حصہ ہے یا نہیں؟

[1] مد ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک ایک اور تہائی رطل ہے' جب کہ ایک رطل بارہ اوقیہ یا چالیس تولے کے برابر ہوتا ہے۔

جواب مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کافر پڑوسی کی دلجوئی اور اس کی تالیف قلب کے لئے اسے قربانی کے گوشت کا تحفہ دے، حق پڑوس کا بھی یہ تقاضا ہے اور شرعاً اس کی ممانعت کی کوئی دلیل بھی نہیں، اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے مطابق بھی یہ جائز قرار پاتا ہے کہ:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/٨)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس مسئلہ میں پہلے بھی حسب ذیل فتویٰ جاری ہو چکا ہے کہ:

''ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم کسی کافر ذمی اور قیدی کو قربانی کا گوشت کھلائیں۔ فقر، قرابت، پڑوس یا تالیف قلب کے لئے کسی بھی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے کیونکہ قربانی کے جانور کو ذبح یا نحر کرنا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے تقرب کے حصول کے لئے ہے اور اس کے گوشت کے بارے میں افضل یہ ہے کہ ایک ثلث خود کھائے، ایک ثلث رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کو تحفہ دے اور ایک ثلث فقیروں میں صدقہ کر دے، اس میں اگر کمی بیشی ہو جائے یا کسی ایک قسم میں ہی سارا گوشت صرف کر دے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، اس میں کافی گنجائش ہے البتہ کسی حربی کافر کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے بجائے اس کی کمزوری و ذلت اور رسوائی مقصود ہے۔''

حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے پیش نظر دیگر نفل صدقات کیلئے بھی یہی حکم ہے:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٨-٩)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ان (لوگوں) سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔''

نبی ﷺ نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی مشرک ماں کے ساتھ مالی طور پر صلہ رحمی کر سکتی ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کافر کو سلام کہنا

سوال ان دنوں جب ہم مشرق و مغرب کے مختلف ممالک میں جاتے ہیں، جن کے باشندوں کی غالب اکثریت مختلف

مذاہب سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کی ہے' وہ ہمیں جہاں بھی ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں تو اس سلسلہ میں ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ وَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام...، ح:٢١٦٧)

''یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو اور جب راستہ میں انہیں ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کر دو۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاستئذان، باب كيف الرد على اهل الذمة بالسلام، ح:٦٢٥٨، وصحيح مسلم، رقم: ٢١٦٣)

''جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو انہیں جواب میں صرف یہ کہو ''وعلیکم''

اہل کتاب سے مراد اگرچہ یہود و نصاریٰ ہیں لیکن بقیہ کفار کا حکم بھی اس مسئلہ میں یہی ہے کیونکہ ان میں اور دیگر کافروں میں فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کافر کو مطلقاً پہلے سلام نہ کہا جائے اور اگر وہ سلام کہے تو واجب ہے کہ جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہا جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اور اس کے بعد یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ بچوں کا کیا حال ہے؟ جیسا کہ بعض اہل علم مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے' خصوصاً جب کہ اسلامی مصلحت کا یہ تقاضا بھی ہو مثلاً اسے اسلام کی رغبت دینا' اسلام سے اسے مانوس کرنا تاکہ وہ دعوت اسلام قبول کر لے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل١٦/ ١٢٥)

''(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ ۞ وَلَا تُجَٰدِلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٤٦)

''اور اہل کتاب سے جھگڑا (بحث مباحثہ) نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو' ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں......''

— شیخ ابن باز —

ذمی کے ساتھ معاملہ کا مثالی طریقہ

سوال ذمی کے ساتھ معاملہ کے لئے مثالی طریقہ کیا ہے؟ کیا ہم اس سے عام معاملہ ہی کریں گے یا اس کی کوئی خاص نوعیت ہو گی؟

جواب ذمی کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ کا مثالی طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ذمہ کی وفا کی جائے جیسا کہ ان آیات و احادیث سے ثابت ہے جن میں ایفاء عہد' حسن سلوک اور عادلانہ معاملہ کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/٨)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا' اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ذمی سے بات اچھے انداز سے کی جائے' عموماً احسان کیا جائے الا یہ کہ شریعت نے اس سے منع کر دیا ہو مثلاً یہ کہ اسے پہلے سلام نہ کیا جائے' مسلمان خاتون سے اس کی شادی نہ کی جائے' کسی مسلمان کی وراثت سے اسے حصہ نہ دیا جائے اور اسی طرح کے دیگر امور جن کی ممانعت کے بارے میں نص وارد ہے۔ اس موضوع کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے علامہ ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''احکام اہل الذمۃ'' اور اہل علم کی دیگر کتب۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیرون ملک غیر مسلم خاندانوں کے ساتھ سکونت

سوال ایک سائل یہ سوال کرتا ہے کہ جو شخص تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک جائے کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ زیادہ بہتر انداز میں زبان سیکھنے کے لئے کسی غیر مسلم خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کر لے؟

جواب غیر مسلم خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کفار کے اخلاق اور ان کی عورتوں کی وجہ سے طالب علم کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ طالب علم کی رہائش اسباب فتنہ سے دور ہو لیکن یہ سب کچھ اس قول کی بنیاد پر ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کفار ممالک میں سفر کر کے جانا طلبہ کے لئے جائز ہو لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کافروں کے ملک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا بھی جائز نہیں الا یہ کہ انتہائی شدید ضرورت ہو اور طالب علم صاحب علم و بصیرت ہو اور اسباب فتنہ سے دور رہنے والا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«لَاَ يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْ مُشْرِكٍ عَمَلاً بَعْدَمَا أَسْلَمَ حَتّٰى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ»(سنن نسائي، كتاب الزكاة، باب من سأل بوجه الله عزوجل، ح:٢٥٦٩، وسنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب المرتد عن دينه، ح:٢٥٣٦)

''مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو قبول نہیں کرتا حتی کہ وہ مشرکوں سے الگ ہو جائے۔''

اس حدیث کو امام نسائی نے بسند جید روایت کیا ہے اور امام ابوداود' نسائی اور ترمذی نے بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل من اعتصم بالسجود، ح:٢٦٤٥، وسنن ترمذي، كتاب السير، باب ما جاء في كراهية المقام بين اظهر المشركين، ح:١٦٠٤)

"میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ للذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اہل شرک کے ملکوں میں سفر سے اجتناب کرے الا یہ کہ انتہائی شدید ضرورت ہو۔ مسافر صاحب علم و بصیرت ہو اور اس کا مقصود دعوت الی اللہ ہو تو پھر یہ صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں خیر عظیم کا پہلو ہے کہ آدمی مشرکوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دے' انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی تعلیم دے' تو ایسا شخص محسن ہو گا اور علم و بصیرت کے باعث خطرات سے دور بھی رہے گا۔ (واللہ المستعان)

——— شیخ ابن باز ———

کافروں کے ملکوں کی طرف سفر کا حکم

سوال بعض ادارے اخبارات میں اعلان کر کے مسلمان نوجوانوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات مغربی ممالک میں گزاریں تاکہ وہ اس طرح انگریزی زبان بھی اچھی طرح سیکھ سکیں؟

جواب اس سوال کا جواب دینے کے لئے' ہم اس موضوع سے متعلق فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ذیل میں نقل کرتے ہیں:

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَاَتْبَاعِهِ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ـ أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بے پایاں نعمتوں سے نوازا' بے شمار منفرد خصوصیات سے سرفراز فرمایا اور اسے بہترین امت بنا دیا ہے' جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا (میدان میں لایا گیا) ہے' جو نیکی کا حکم دیتی' برائی سے منع کرتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں میں سے عظیم ترین نعمت اسلام ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے شریعت اور دستور حیات کے طور پر پسند فرمایا اور اس کے ساتھ اس نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اتمام اور اپنے دین کی تکمیل فرما دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

لیکن اس نعمت کبریٰ کی وجہ سے دشمنان اسلام مسلمانوں سے حسد کرنے لگے' ان کے دل کینے اور غصے سے بھر گئے اور اس دین اور دین والوں سے عداوت و دشمنی کرنے لگے اور یہ خواہش کرنے لگے اے کاش! وہ مسلمانوں کو اس نعمت سے محروم کر دیں جیسا کہ ان کے دلوں میں آنے والے خیالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ﴾ (النساء٤/ ٨٩)

"وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۸)

"مومنو! اپنے (اہل ایمان کے) علاوہ کسی (غیر مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری بربادی (اور فتنہ گری کرنے) میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے' ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا۟ لَكُمْ أَعْدَآءً وَيَبْسُطُوٓا۟ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِٱلسُّوٓءِ وَوَدُّوا۟ لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ ﴾ (الممتحنة ۶۰/ ۲)

اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا رسانی کے لئے تم پر ہاتھ بھی چلائیں اور زبانیں (بھی) اور یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ يُقَـٰتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ ٱسْتَطَـٰعُوا۟ ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۱۷)

"اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر وہ طاقت رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔"

ایسی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور اس کے لئے وہ مخفی اور ظاہر ہر قسم کے اسباب و وسائل اختیار کرتے ہیں' انہی وسائل میں سے یہ بھی ہے جو مختلف یورپین ادارے اخبارات میں اعلانات کے ذریعہ مسلمان نوجوانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات یورپ اور امریکہ کے مختلف علاقوں میں گزاریں تاکہ وہ اس طرح انگریزی زبان میں اچھی طرح مہارت حاصل کرلیں اور پھر اس طرح وہ آنے والے لوگوں کے تمام اوقات کا باقاعدہ ایک پروگرام مرتب کر لیتے ہیں۔ یہ پروگرام کچھ اس طرح کے نکات پر مشتمل ہوتا ہے:

① کسی انگریز کافر خاندان میں طالب علم کے قیام کا بندوبست حالانکہ اس میں بہت سے قابل اعتراض پہلو ہیں۔

② جس شہر میں قیام ہو وہاں موسیقی' ڈرامہ اور تھیٹر وغیرہ کی محفلوں میں شرکت۔ اور رقص میں ایک دوسرے سے مقابلہ بازی۔

③ ڈانس اور رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت۔

④ انگریز لڑکیوں کے ساتھ ڈسکو ڈانس کی محفلوں میں شرکت۔

⑤ ایک انگریزی شہر میں لہو و لعب کے پروگرامز کی جو فہرست جاری کی گئی تو اس میں حسب ذیل تفریحی انتظامات تھے: (شبینہ محفلیں' ڈسکو ڈانس' کلاسیکل موسیقی' ماڈرن موسیقی' سینما ہال اور ڈرامہ ہال کے پروگرام' روایتی انگلش

ہوٹل وغیرہ)

انگریزی اداروں کے مسلمان نوجوانوں کو اس طرح کے پروگرام میں شرکت کی دعوت دینے سے جو اغراض و مقاصد ہیں وہ بہت خطرناک ہیں اور ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

① اس سے مسلمان نوجوانوں کو جادۂ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کرنا مقصود ہے۔

② نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کرنا اور اسباب و وسائل مہیا کر کے انہیں اخلاقی بے راہ روی اور انارکی میں مبتلا کرنا ہے۔

③ مسلمانوں کے عقیدے میں تشکیک پیدا کرنا ہے۔

④ مسلمان نوجوانوں کو مغربی تہذیب پر فریفتہ کرنا اور اس کا دلدادہ بنانا ہے۔

⑤ اسے مغرب کے بدترین اخلاق و عادات کا عادی بنانا ہے۔

⑥ دین اور دینی آداب و احکام سے دور ہٹانا ہے۔

⑦ مسلمان نوجوانوں کی اس انداز سے تربیت کرنا کہ ان پروگراموں سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے ملکوں کو جائیں تو مغرب' اس کے افکار و نظریات اور اس کے طرز بود و باش کے مبلغ اور داعی بن کر جائیں۔

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے اغراض و مقاصد ان دشمنان اسلام کے پیش نظر ہوتے ہیں' جن کے حصول کے لئے یہ اپنے تمام وسائل اور بے شمار ظاہری و مخفی اسالیب و ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ مسلمان ملکوں کے نوجوانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کے لئے یہ لوگ اپنے ان دعوتی اداروں کے عربی نام بھی رکھ لیتے ہیں تاکہ بڑی عیاری اور ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کر سکیں۔ اس لئے میں اپنے اس ملک کے مسلمان بھائیوں کو خصوصاً اور دیگر تمام عالم اسلام کے مسلمان بھائیوں کو عموماً تلقین کرتا ہوں کہ وہ ان اداروں کے دام فریب میں نہ پھنسیں۔ ان سے حد درجہ محتاط رہیں' ان کی کسی دعوت کو قبول نہ کریں کیونکہ ان کے یہ سارے پروگرام ایک میٹھا زہر ہیں۔ یہ دشمنان اسلام کی دسیسہ کاریاں ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتنوں میں مبتلا کر کے' ان کے دین و عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے انہیں بے دین بنا دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

﴿وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۲۰)

''اور آپ سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لیں۔''

میں امور طلبہ کے منتظمین کو بھی بطور خاص یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کریں اور انہیں اس قسم کے بیرونی سفر کی قطعاً اجازت نہ دیں کیونکہ اس میں ان کے دین' اخلاق اور ملک کی خرابی کے کئی پہلو ہیں جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے۔ یہ حضرات بچوں کی راہنمائی کریں کہ وہ اپنے ہی شہروں کے تفریحی مقامات پر جو کہ بحمد للہ بہت ہیں موسم گرما کی تعطیلات بسر کرنے کا پروگرام بنائیں' اس سے مطلوب و مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور ہمارے نوجوان ان خطرات' مشکلات' صعوبات اور برے نتائج و اثرات سے بھی محفوظ رہیں گے' جو اجنبی ممالک میں جانے سے پیش آتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعاء ہے کہ وہ ہمارے ملک' دیگر تمام اسلامی ممالک اور ہمارے تمام نوجوانوں کو ہر بری اور ناپسندیدہ

بات سے بچائے' دشمنوں کے مکروفریب سے انہیں محفوظ رکھے' ان کے مکروفریب کو ناکام و نامراد بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ توفیق بخشے کہ وہ اس قسم کے جھوٹے پروپیگنڈے اور خطرناک اعلانات پر پابندی لگائیں نیز انہیں توفیق بخشے کہ وہ انسانوں' اپنے علاقوں اور شہروں کی بہتری کے کام کر سکیں' اللہ تعالیٰ ہی کارساز و قادر ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى عَبْدِهِ وَرَسُوْلِهِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَتْبَاعِهِ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

—— شیخ ابن باز ——

یہود و نصاریٰ کے تہواروں کی تعظیم جائز نہیں

سوال گھانا میں بعض مسلمان یہودونصاریٰ کے تہواروں کی تو بہت تعظیم کرتے ہیں مگر اپنے تہواروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب یہودونصاریٰ کی کسی عید کا وقت آتا ہے تو اس کی مناسبت سے اسلامی مدارس میں تعطیل کر دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کی عید کے وقت وہ مدارس میں تعطیل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر وہ یہودونصاریٰ کی عیدوں کو منائیں گے تو اس طرح وہ دین اسلام کو قبول کرلیں گے۔ شیخ محترم! آپ یہ وضاحت فرمادیں کیا ان کا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟

جواب سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دینی اسلامی شعائر کا اظہار کیا جائے اور ترک اظہار رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ»(سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح٤٦٠٧، وسنن ترمذي، رقم:٢٦٧٦ وابن ماجه، رقم:٤٢، ومسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

''تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔''

مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں کی عیدوں میں شرکت کرے' ان کی عیدوں کے موقعہ پر فرحت و مسرت کا اظہار کرے اور اپنے دینی اور دنیوی کاموں کو روک دے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت ہے جو کہ حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم»(سنن أبي داود كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ح:٤٠٣١، ومسند احمد، ح: ٢/ ٥٠، ٩٢)

''جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔''

ہم نصیحت کرتے ہیں کہ آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' کا مطالعہ کریں' وہ اس موضوع سے متعلق بے حد مفید کتاب ہے۔((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

میت کی وفات کے چالیس روز بعد محفل منعقد کرنا

سوال عیسائیوں اور یہودیوں کی تقلید میں یہاں امریکہ میں مسلمانوں میں بھی یہ رواج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ میت کی

وفات کے چالیس دن بعد ایک دینی محفل منعقد کرتے ہیں۔ کیا چالیسویں کی اس محفل کا انعقاد اسلامی شریعت کے مطابق ہے؟ کیا اس کے جواز کی کوئی دلیل ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں' نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ سلف صالح سے کہ میت کی وفات کے وقت' یا ایک ہفتہ بعد' یا چالیس دن بعد یا ایک سال بعد کسی محفل کا اہتمام کیا جائے۔ بلکہ یہ بدعت اور ایک بدترین عادت ہے۔ یہ قدیم مصریوں اور دیگر کافروں میں ایک رواج تھا لہٰذا جو مسلمان اس قسم کی محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں انہیں سمجھانا چاہئے اور اس کی حقیقت بتانا چاہیے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں' دین میں بدعات سے اجتناب کریں اور کافروں کی مشابہت سے بچیں۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ حَتَّى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذِّلُّ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»(مسند احمد، ٢/ ٥٠)

"مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے' حتیٰ کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کی انی کے نیچے رکھ دیا گیا ہے' ذلت و رسوائی اس شخص کا مقدر ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔"

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ»(مستدرك حاكم، كتاب الفتن والملاحم، ح:٨٤٠٤ واصله في الصحيحين، اخرجه البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، ح:٣٤٥٦)

تم بالشت بہ بالشت اور قدم بقدم پہلے لوگوں کے طریقوں کو اختیار کرو گے (یعنی جس طرح بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی سانڈے کی بل میں داخل ہوا تھا تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔"

—— شیخ ابن باز ——

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ کا معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ "ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو۔" کے کیا معنی ہیں؟ ان کے ساتھ دوستی کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان کے پاس جانا' بات چیت اور گفتگو کرنا اور ان کے ساتھ ہنسنا بھی دوستی ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہودیوں اور ان جیسے دیگر کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے ان کے ساتھ دوستی' محبت' اخوت اور نصرت جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ انہیں ولی دوست بنالیا جائے خواہ یہ مسلمانوں سے برسرپیکار نہ بھی ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟

ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ﴾ (المجادلة۵۸/ ۲۲)

"جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ' بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔"

اور فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۸)

"مومنو! اپنے (اہل ایمان کے) علاوہ کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا' یہ لوگ تمہاری بربادی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہوسکے) تمہیں تکلیف پہنچے ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔"

اسی طرح اس مفہوم کی کتاب و سنت میں اور بھی بہت سے نصوص ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات سے منع نہیں کیا کہ وہ غیر حربی کافروں کے ساتھ نیکی کریں' یا مباح منافع کا ان کے ساتھ تبادلہ کریں یا ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں یا ان کے تحفوں کو قبول کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩﴾﴾ (الممتحنة۶۰/ ۸-۹)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا' اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تمہیں دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے تمہارے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ان (لوگوں) سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔"

فتویٰ کمیٹی

غیر مسلم کارکنوں کو اسلامی ممالک خصوصاً جزیرۃ العرب میں بلانا

سوال کیا غیر مسلم کارکنوں کو بلانا جائز ہے؟

جواب اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے' یہود ونصاریٰ کے جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بھی آپ نے حکم دیا اور فرمایا کہ:

«لأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لاَ أَدَعَ إِلاَّ مُسْلِمًا»(صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب اخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، ح:١٧٦٧، وأبوداود، كتاب الامارة، باب في اخراج اليهود من جزيرة العرب، ح:٣٠٣٠، ترمذي، رقم:١٦٠٦، ١٦٠٧)

''میں یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا حتی کہ یہاں صرف مسلمان ہی باقی رہ جائیں گے۔''

احادیث اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ جزیرۃ العرب میں صرف مسلمان ہی رہیں کیونکہ عیسائیوں اور دیگر کفار کے جزیرۃ العرب میں موجود ہونے کے بہت سے خطرات ہیں۔ اسی جزیرہ سے اسلام کا آغاز ہوا اور یہاں سے اسلام اطراف و اکناف عالم میں پھیل گیا اور پھر بالآخر اسلام یہیں لوٹ آئے گا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان سمٹ کر مدینہ کی طرف اس طرح آ جائے گا جس طرح سانپ سمٹ کر اپنی بل کی طرف آ جاتا ہے۔ غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب میں بلانے کے بہت زیادہ خطرات ہیں اور نہ بھی ہوں تو کیا یہ خطرہ کم ہے کہ انہیں بلانے والا ان سے الفت و محبت کا اظہار کرے گا' ان کی طرف مائل ہو گا' ممکن ہے اس کے دل میں بھی ان کی محبت رچ بس جائے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

''جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔''

اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس کے سامنے حق و باطل میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ انہیں اپنا بھائی سمجھنے لگ جائے اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر کہے کہ یہ ہمارے انسانی بھائی ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی اخوت ایمانی اخوت ہے' دین کا اختلاف ہو تو پھر کوئی اخوت نہیں حتی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خدمت میں جب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ عرض کیا:

﴿رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝٤٥﴾ (هود١١/ ٤٥)

''میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے تھا (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ (هود١١/ ٤٦)

''وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی مومن اور کافر کے درمیان ہر قسم کے تعلق کو منقطع کر دیا ہے حتی کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح بخاري، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم، ...ح:٦٧٦٤، صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم، ... ح:١٦١٤، أبوداود، كتاب الفرائض، رقم:٢٩٠٩، والترمذي، كتاب الفرائض، رقم:٢١٠٧)

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔''

جب صورت حال یہ ہے تو پھر غیر مسلموں سے میل جول رکھنا' انہیں اپنے ملکوں میں بلانا' انہیں اپنے کاموں میں شریک کرنا' ان کے ساتھ کھانا پینا اور ان کے پاس آنا جانا مسلمانوں کے دلوں سے غیرت کو ختم کر دے گا حتی کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرنے لگیں گے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١)

''مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے منکر ہیں۔''

——— شیخ ابن عثیمین ———

اہل و عیال کے ساتھ سکونت کا حکم جب کہ وہ نماز نہ پڑھتے ہوں

سوال جب آدمی اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دے لیکن وہ اس کی بات نہ سنیں تو کیا وہ ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے اور مل جل کر رہے یا گھر سے نکل جائے؟

جواب اگر یہ اہل و عیال بالکل نماز نہ پڑھیں تو وہ کافر ہیں' دائرہ اسلام سے خارج ہیں' ان کے ساتھ سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ اس آدمی پر واجب ہے کہ وہ انہیں دعوت دیتا رہے' الحاح و زاری کے ساتھ اور بار بار دعوت دیتا رہے شاید اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ تارک نماز کافر ہے۔ والعیاذ باللہ! کتاب و سنت کے دلائل' اقوال صحابہ اور صحیح نقطہ نظر کے مطابق یہی بات صحیح ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر مسلموں سے میل جول سے دینی غیرت ختم ہو جاتی ہے

سوال میں اردن کے ایک ایسے گھر میں مقیم ہوں' جس کے رہنے والوں کی اکثریت عیسائی بھائیوں پر مشتمل ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کھاتے پیتے ہیں۔ تو کیا میری نماز باطل ہے؟ اور میری اقامت ان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

جواب آپ کے اس سوال کے جواب سے پہلے میں ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں اور امید ہے کہ یہ بات آپ کی زبان پر قصدوارادہ کے بغیر آئی ہو گی اور وہ یہ کہ آپ نے کہا ہے کہ ''میں عیسائی بھائیوں کے ساتھ

رہتا ہوں۔" تو بات یہ ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کبھی بھی اخوت کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ اخوت تو ایمانی اخوت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۰)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اگر اختلاف دین کی وجہ سے قرابت نسب ختم ہو سکتی ہے' تو اختلاف دین اور عدم قرابت کی وجہ سے اخوت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ جب حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا "میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے تھا (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔" تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ "وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔

مومن اور کافر کے درمیان کبھی بھی اخوت نہیں ہو سکتی بلکہ مومن پر فرض یہ ہے کہ وہ کسی بھی کافر کو دوست نہ بنائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ ﴾ (الممتحنة۶۰/ ۱)

"مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے' منکر ہیں۔"

اللہ کے دشمن کون ہیں؟ اللہ کے دشمن کافر ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَٰفِرِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۹۸)

"جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ ﴾ (المائدة۵/ ۵۱)

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ جو ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہو گا بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی کافر کو خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی' مجوسی ہو یا ملحد کبھی بھی اپنا بھائی قرار دے۔ اے بھائی! آئندہ کسی غیر مسلم کو بھائی کہنے سے اجتناب کیجئے۔

اب اپنے سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے جو یہ ہے کہ آپ کو غیر مسلموں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ غیر مسلموں سے میل جول آپ کے دل سے دینی غیرت کو نکال دے گا اور ممکن ہے کہ ان کی محبت و مودت آپ کے دل میں پیدا ہو جائے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ:

﴿ لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟

ءَابَآءَهُمۡ أَوۡ أَبۡنَآءَهُمۡ أَوۡ إِخۡوَٰنَهُمۡ أَوۡ عَشِيرَتَهُمۡۚ أُوْلَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ ٱلۡإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٖ مِّنۡهُۖ وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُۚ أُوْلَٰٓئِكَ حِزۡبُ ٱللَّهِۚ أَلَآ إِنَّ حِزۡبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿٢٢﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

"جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے' خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا' ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش' یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

عید الام منانے کا حکم

سوال ہمارے ہاں ہر سال ۲۱ مارچ کو عید الام کے نام سے ایک خاص عید منائی جاتی ہے' جس میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کیا یہ عید منانا اور اس موقعہ پر تحائف پیش کرنا حلال ہے یا حرام ہے؟

جواب شرعی عیدوں کے سوا باقی تمام عیدیں ایجاد بندہ اور بدعت ہیں اور عہد سلف صالح میں یہ عیدیں معروف نہ تھیں۔ بسا اوقات ان عیدوں کی ایجاد کا سہرا غیر مسلموں کے سر بھی ہوتا ہے تو اس طرح ان میں بدعت کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ شرعی عیدیں اہل اسلام میں معروف ہیں اور وہ عید الفطر' عید الاضحیٰ اور ہفتہ وار عید ------- جمعۃ المبارک ------ ہیں۔ ان تین کے سوا اسلام میں اور کوئی عید نہیں ہے اور جو ایجاد کر لی گئی ہیں' وہ مردود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی رو سے باطل ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ... ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح...:١٧١٨)

"جو کوئی ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

لہٰذا سائل نے جس عید کا ذکر کیا اور جسے عید الام کے نام سے موسوم کیا' اس میں عید کے شعائر' خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار اور تحائف کا تبادلہ وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دین ہی کو باعث عزت و فخر سمجھے اور اس دین قیم کے سلسلہ میں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے' انہی حدود کی پابندی کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین فرما دی ہیں یعنی دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرے اور نہ ہر کس و ناکس کے پیچھے بے سوچے سمجھے اندھا دھند چل پڑے۔ مسلمان کی شخصیت اور اس کی زندگی شریعت الٰہی کے تابع ہونی چاہیے تاکہ وہ لوگوں کے پیچھے چلنے والا نہ ہو بلکہ لوگ اس

کے پیچھے چلنے کے لئے مجبور ہوں' وہ لوگوں کو اپنے لئے نمونہ نہ سمجھے بلکہ لوگ اسے اپنا آئیڈیل قرار دیں کیونکہ بحمد اللہ ہماری شریعت ہر اعتبار سے کامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ٥/ ٣)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

کیا ماں کا صرف یہی حق ہے کہ سال میں ایک مرتبہ اس کے نام کی عید منائی جائے اور بس! نہیں بلکہ ماں کا اس کی اولاد پر حق اس سے بہت زیادہ ہے۔ ماں کا یہ حق ہے کہ اولاد اس کی خدمت ہر وقت اور ہر جگہ بجا لائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں --- بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو --- کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کام کے افتتاح کے وقت فیتہ کاٹنا

سوال بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنے مختلف منصوبوں اور سکیموں کی افتتاحی تقریبات میں فیتے کاٹتے ہیں' بعض مسلمان فیتہ کاٹنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کام میں برکت کی دعاء بھی کرتے ہیں' کیا یہ مسلمانوں کا کوئی قدیمی رواج ہے یا یہ محض غیروں کی تقلید ہے؟ کیا اسلامی عہد میں اسلامی سکیموں کے افتتاح کے موقعہ پر اس طرح فیتے کاٹنے کا کوئی رواج تھا؟

جواب اس عادت و رواج کی مجھے کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے۔ سابقہ زمانوں میں مسلمانوں میں اس کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہ محض غیر مسلم ملکوں کی اندھی تقلید ہے۔ اسلام نے کام شروع کرنے سے قبل جو طریقہ تعلیم فرمایا ہے' وہ یہ ہے کہ استخارہ کر لیا جائے' خیروبرکت کے حصول اور اللہ تعالیٰ سے منصوبہ و سکیم کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کی دعا کر لی جائے اور پھر محنت' توجہ اور خلوص سے کام کرنا چاہئے۔ قریب و بعید کے ساتھ یکساں سلوک کرے' ملاوٹ' ظلم اور دھوکے سے بچے' امانت میں خیانت نہ کرے اور کام کاج میں اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھے۔ مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے اور عبادات کو ادا کرکے' تقرب الٰہی کے حصول کو اختیار کرکے اور محرمات کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی ادا کرے' تو اس سے امید ہے کہ منصوبے اور سکیمیں کامیابی سے ہمکنار ہوں گی اللہ تعالیٰ کاروبار میں برکت پیدا فرمائے گا' لوگوں میں بھی اس کی شہرت ہو گی اور وہ اس سے معاملہ کرنے کے خواہش مند ہوں گے اور اسے نفع اور خیروبرکت حاصل ہو گی۔ (واللہ الموفق)

——— شیخ ابن جبرین ———

غیر مسلموں کو صدقہ دینا

سوال کیا غیر مسلموں کو صدقہ دینا جائز ہے؟

جواب کافروں کو زکوٰۃ دینا تو جائز نہیں اور نفل صدقہ دینا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کفر پر ان کی اعانت ہے اور فرمان

باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

لیکن اس طرح اگر غیر مسلم کے مسلمان ہونے کی امید ہو تو پھر اسے صدقہ دینے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح اگر کافر کے بھوک سے مرنے کا ڈر ہو تو پھر بھی اس کی جان بچانے کے لئے اس پر صدقہ کرنا جائز ہے تاکہ اسے اسلام کی خوبیوں کا بھی پتہ چل جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

غیر مسلم خادمہ کے ساتھ میل جول

سوال ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے تو کیا گھر کی خواتین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس سے میل جول رکھیں اور مل جل کر کھا پی لیں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق مسلم خواتین کے لئے غیر مسلم عورت سے پردہ کرنا فرض نہیں ہے لیکن یہ فرض ہے کہ اس سے اس طرح معاملہ نہ کریں جس طرح ایک مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق اپنے دل میں بغض رکھیں:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٤)

"(اے اہل ایمان!) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق (بیزار) ہیں اور تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔"

اگر یہ غیر مسلم خادمہ اسلام قبول نہ کرے تو گھر والوں کو چاہئے کہ اسے اس کے ملک میں واپس بھیج دیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس جزیرۃ العرب میں کوئی یہودی' عیسائی یا کوئی غیر مسلم' خواہ وہ مرد ہو یا عورت رہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ انہیں جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور ویسے بھی ان کے بجائے الحمدللہ مسلمان مرد اور عورتیں ہی کافی ہیں' ہمیں ان کی ضرورت ہی نہیں۔ مسلمانوں میں ان کا وجود خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا جزیرۃ العرب کے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ یہاں خدمت اور کام کاج کے لئے صرف مسلمانوں ہی کو بلائیں تاکہ نبی کریم ﷺ کی وصیت پر عمل ہو سکے اور اخلاق و عقائد کی اس خرابی سے بچا جا سکے' جو ان کی موجودگی کی وجہ سے مسلمان مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے بے نیاز کر دے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ ((إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ))

——— شیخ ابن باز ———

کافر کی نجاست معنوی ہے

سوال ہم کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہیں جو بے دین ہیں' آگ اور گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ناپاک اور نجس قرار دیا ہے' تو سوال یہ ہے کہ ان کی نجاست کی ماہیت کیا ہے؟ کیا ہم ان سے دور رہیں' مصافحہ بھی نہ کریں اور جب وہ ناپاک ہیں تو پھر ان کے ساتھ مل کر کام کس طرح کریں؟ جن چیزوں کو وہ ہاتھ لگاتے ہیں کیا وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؟ یاد رہے کہ یہ لوگ تجارتی مراکز میں کام کرتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کا میل جول ہے۔ امید ہے اس مسئلہ میں آپ مستفید فرمائیں گے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ (التوبة٩/ ٢٨)

"مشرک تو پلید ہیں۔"

اور منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَأَعْرِضُواْ عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ﴾ (التوبة٩/ ٩٥)

"سو ان کی طرف التفات نہ کرنا یہ ناپاک ہیں۔"

لیکن ان کی یہ نجاست معنوی نجاست ہے اور اس سے مراد ان کا ضرر' شر اور فساد ہے' اگر ان کے جسم صاف ہوں تو انہیں حسی طور پر نجس قرار نہیں دیا جا سکتا لہٰذا ان کے پہنے ہوئے کپڑے پہنے جا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ پاک ہوں الا یہ کہ وہ کپڑے جو شرم گاہوں کے قریب استعمال ہوتے ہوں اور یہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتے ہوں اور خصوصاً وہ لوگ جن کا ختنہ بھی نہ ہوا ہو تو ان کے کپڑے استعمال کرنا جائز نہ ہو گا' اسی طرح اگر وہ کسی نجاست میں ملوث ہوں مثلاً خنزیر کے پکانے یا شراب وغیرہ بنانے میں تو پھر یہ نجس ہوں گے لیکن ان سے مصافحہ کرنے اور ان کی بنی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ چیزیں پاک ہیں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی بنی ہوئی چیزوں اور ان کے بنے ہوئے کپڑے کو استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ اشیاء میں اصل تو طہارت اور پاکیزگی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی شادی کے بارے میں شبہات کا ازالہ ......

سوال حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا کیا قصہ ہے' جن سے بعد میں نبی ﷺ نے شادی کر لی تھی؟ شادی کیسے ہوئی اور پھر کیوں ختم ہو گئی؟ بعض عرب ملکوں میں ہم نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ نبی ﷺ کو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عشق ہو گیا تھا اور اس سلسلہ میں میں نے جو باتیں سنی ہیں' میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ میں انہیں لکھوں لہٰذا براہ کرم صحیح صورت حال پر روشنی ڈالیں؟

جواب زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا جس کی وجہ سے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما دیا:

﴿ ٱدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵)

''مومنو! لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو۔''

تو اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے انہیں زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا اور حضرت زینب سے مراد زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ ہیں' ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا قصہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شادی کروائی تھی کیونکہ زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے' آپ نے زید کی شادی کی بات کی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں حسب و نسب کے اعتبار سے اس سے بہتر ہوں لیکن اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳٦)

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔''

تو اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے احترام میں حضرت زینب نے زید سے شادی کو منظور کر لیا اور ایک سال کے قریب حضرت زید کے ساتھ رہیں' پھر ان دونوں میاں بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے' حضرت زید نے رسول اللہ کی خدمت میں ان کی شکایت کی کیونکہ زید اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے تو زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں' زید نے طلاق دینے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ طلاق نہ دو بلکہ صبر کرو حالانکہ آپ کو وحی الٰہی سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کے حبالۂ عقد میں آ جائیں گی لیکن آپ کو خدشہ محسوس ہوا کہ لوگ طعنہ دیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے کیونکہ اس طرح کی شادی زمانۂ جاہلیت میں ممنوع تھی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِىٓ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَٱتَّقِ ٱللَّهَ وَتُخْفِى فِى نَفْسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى ٱلنَّاسَ وَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَىٰهُ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۷)

''اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے' جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا

اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کہ آپ اپنے جی میں اس بات کو چھپا رہے تھے' جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروا دیا تھا کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دے دیں گے اور پھر زینب سے آپ کی شادی ہو گی تاکہ آپ حکم الٰہی کے سامنے سراطاعت جھکاتے ہوئے' اس کی حکمت و مصلحت کے مطابق زینب سے شادی کر لیں لیکن آپ لوگوں کی باتوں اور الزام تراشیوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں لہٰذا آپ لوگوں کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر اس بات کا کھلم کھلا اعلان فرما دیجئے جو زید اور زینب رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کی بابت بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے۔

حضرت زید نے جب طلاق دے دی اور عدت گزر گئی تو نبی ﷺ نے حضرت زینب کو شادی کا پیغام بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ولی اور گواہوں کے بغیر اپنے پیغمبر کی حضرت زینب سے شادی کر دی' بلاشبہ نبی ﷺ تمام مومنوں کے ولی ہیں بلکہ ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ٱلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٦)

"پیغمبر نبی ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

زمانۂ جاہلیت میں جو لے پالک بنانے کی عادت تھی اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا اور مسلمانوں کے لئے یہ حلال قرار دے دیا کہ وہ اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے ساتھ ان کے طلاق دینے یا ان کے فوت ہو جانے کی صورت میں شادی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت فرمانے اور ان سے حرج کو دور کرنے کے لئے یہ حکم دیا۔

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زینب کو پس پردہ سے دیکھا تو اس سے ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی' آپ کو ان سے عشق ہو گیا' حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے آپ پر نبی کریم ﷺ کو ترجیح دی اور زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تاکہ نبی کریم ﷺ ان سے نکاح کر لیں تو یہ باتیں کسی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں' ویسے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان اس سے بہت اونچی' ان کے نفس عفیف' ان کے اخلاق کریمانہ اور ان کا مقام و مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اور پھر نبی کریم ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد زینب کا رشتہ حضرت زید کے لئے طلب کیا تھا' اگر آپ کے دل میں حضرت زینب کے بارے میں ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ شروع ہی میں یہ رشتہ زید کی بجائے اپنے لئے طلب فرما لیتے خصوصاً جبکہ شروع میں حضرت زینب نے اس سے انکار بھی کر دیا تھا اور آپ اس وقت راضی ہوئیں جب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمانۂ جاہلیت کی عادات کو ختم کرنے کے لئے ایک تدبیر اور فیصلہ تھا اور لوگوں کے لئے اس میں تخفیف اور رحمت کا پہلو تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَـٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِىٓ أَزْوَٰجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا۟ مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾ مَّا كَانَ عَلَى ٱلنَّبِىِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ ٱللَّهُ لَهُۥ ۖ سُنَّةَ ٱللَّهِ فِى ٱلَّذِينَ خَلَوْا۟ مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾ ٱلَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَـٰلَـٰتِ ٱللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُۥ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا ٱللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَـٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٧-٤٠)

"پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی طلاق دے دیں) اور اللہ تعالیٰ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔ نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ جو انبیاء کرام پہلے گزر چکے ہیں ان کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ان لوگوں کے لیے) جو اللہ کے پیغامات (جوں کے توں) پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

نبی ﷺ پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا تو فرض ہے

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایک بار درود بھیجنا فرض ہے اور باقی مستحب ہو گا' اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں؟

جواب یقیناً نبی ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا فرض ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے کہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵۶)

"مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔"

اصول یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور جب آیت کریمہ سے تکرار کا وجوب ثابت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ زندگی بھر میں کم از کم ایک بار درود پڑھنا تو فرض ہے اور بار بار پڑھنا مستحب ہے کیونکہ بہت سی احادیث میں درود کی ترغیب دی گئی ہے ہاں البتہ ان مقامات میں درود شریف پڑھنا واجب ہو گا جہاں درود پڑھنا احادیث میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کو پکارنا اور آپ سے مدد مانگنا شرک اکبر ہے

سوال کیا نبی کریم ﷺ کو کسی حاجت کے لئے پکارنا یا آلام و مصائب میں آپ سے مدد مانگنا' آپ کی قبر شریف کے قریب یا دور سے پکارنا شرک قبیح ہے یا نہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو پکارنا آپ سے فریاد کرنا اور حاجتوں کے پورا کرنے اور مشکلات کے ازالہ کے لئے آپ سے مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے' جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' خواہ کوئی آپ کی قبر شریف کے پاس سے آپ کو پکارے یا دور سے مثلاً یوں کہے کہ: "یا رسول اللہ مجھے شفا عطاء فرما دیجئے۔" یا میرے غائب کو

واپس لوٹا دیجئے وغیرہ تو یہ شرک ہے۔

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

نبی کریم ﷺ پر سلام کے وقت کھڑا ہونا

سوال کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کو نبی کریم ﷺ پر سلام کے موقعہ پر کھڑا ہونے سے منع کیا کرتے تھے؟

جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سلام کے وقت کھڑا ہونے کی مطلقاً عادت نہ تھی' وہ آپ کی قبر کی زیارت کے وقت کھڑا ہوتے نہ کسی دوسرے وقت اور نہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب بھی مسجد نبوی میں آئیں تو کھڑے ہو کر سلام بھی پڑھیں ہاں البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ جب سفر سے واپس آتے تو مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس آتے اور سلام پڑھتے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

نبی ﷺ کی ذات گرامی پر سلام

سوال جب سلام بدعت حسنہ ہے تو کیا لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سلام کرنے سے منع کرنا چاہیے؟

جواب نہیں! رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا بدعت حسنہ نہیں ہے' جیسا کہ سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے بلکہ یہ حکم شریعت ہے جیسا کہ ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے لہٰذا لوگوں کو صلوٰۃ و سلام سے منع نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ کسی ایسے طریقے سے پڑھا جائے جو سلف صالح' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عہد میں معروف نہ ہو مثلاً جیسا کہ مؤذن اذان کے بعد جہری آواز میں پڑھے یا کچھ لوگ مخصوص اوقات میں جمع ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں تو یہ سلف صالح سے ثابت نہیں ہے تو اس انداز سے پڑھنا بدعت ہو گا جب کہ مطلق صلوٰۃ و سلام پڑھنا حکم شریعت ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

کیا نبی ﷺ نور من نور اللہ تھے؟

سوال کیا حضرت محمد ﷺ کا نور اللہ کے نور میں سے تھا یا کسی اور نور سے تھا؟

جواب نبی کریم ﷺ کو جو نور حاصل تھا اس سے مراد نور رسالت و ہدایت ہے' اس نور سے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کی آنکھوں کو چاہا ہدایت سے سرفراز فرما دیا اور بے شک نور رسالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآيِٕ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِۦ مَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُۥ عَلِىٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِى مَا ٱلْكِتَٰبُ وَلَا ٱلْإِيمَٰنُ

وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٣﴾ (الشوری۴۲/ ۵۱_۵۳)

"اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القاء کرے۔ بے شک وہ عالی مرتبہ (اور) حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے' آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد ﷺ!) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو! سب کام اللہ کی طرف لوٹیں گے اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔"

رسول اللہ ﷺ کو یہ نور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے' آپ نے اس کا اکتساب خاتم الاولیاء سے نہیں کیا جیسا کہ بعض ملحد لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔

باقی رہا آپ کا جسم مبارک تو وہ خون' گوشت اور ہڈیوں ہی سے بنا ہوا تھا' قانون فطرت کے مطابق اپنے ماں باپ کے گھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی' ولادت باسعادت سے قبل آپ کی تخلیق نہیں ہوئی اور جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا' یا جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرہ کے نور سے ایک مٹھی پکڑی اور فرمایا یہ مٹھی بھر نور محمد ﷺ ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی کی طرف دیکھا تو اس سے قطرے گرنے لگ گئے اور اس ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی پیدا فرمایا یا تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے نور محمدی سے پیدا کیا تو یہ روایات نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ رحمہ اللہ جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶ اور بعد کے صفحات۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا نبی کریم ﷺ علم غیب جانتے ہیں؟

سوال کیا نبی کریم ﷺ حاضروناظر ہیں یعنی علم غیب جانتے ہیں کہ آپ کے نزدیک حاضروغائب یکساں ہوں؟

جواب امور غیب کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٥٩)

"اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (النمل ٢٧/ ٦٥)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔"

ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے' غیب کی جس بات پر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ ﴾ (الجن ٧٢/ ٢٦-٢٧)

"(وہی) غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا' ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو غیب کی باتیں بتا دیتا اور اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾ ﴾ (الأحقاف ٤٦/ ٩)

"کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو صاف صاف (کھلم کھلا) ڈرانا ہے۔"

بطریق ام العلاء ایک طویل حدیث میں ہے کہ:

«لَمَّا تُوُفِّيَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ أَدْرَجْنَاهُ فِي أَثْوَابِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، شَهَادَتِيْ عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَمَا يُدْرِيْكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ؟ فَقُلْتُ لاَ أَدْرِيْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ مِنْ رَبِّه، وَإِنِّيْ لأَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ، وَاللهِ مَا أَدْرِيْ وَأَنَا رَسُوْلُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ، فَقُلْتُ: وَاللهِ لاَ أُزَكِّيْ بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا ادرج في اكفانه، ح:١٢٤٣، ٢٦٨٧، ٣٩٢٩، ٧٠٠٣)

"جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ہم نے انہیں کفن پہنا دیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابو سائب! (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی کنیت) اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے' میری آپ کے بارے میں گواہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت بخشی ہے؟ میں نے عرض کیا: "میرے ماں باپ آپ پر نثار' مجھے تو معلوم نہیں۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عثمان کے پاس ان کے رب کی طرف سے یقین آیا اور مجھے ان کے بارے میں خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! مجھے بھی یہ معلوم نہیں کہ میرے

ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" میں نے عرض کیا: "واللہ! اس کے بعد میں کبھی بھی کسی کو پاک قرار نہ دوں گی۔"

ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«مَا أَدْرِيْ وَأَنَا رَسُوْلُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِهِ »(صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب العين الجارية في المنام، ح: ٧٠١٨

"مجھے نہیں معلوم کہ اسکے ساتھ کیا سلوک ہو گا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔"

اور بہت سی احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انجام سے مطلع فرما کر انہیں جنت کی بشارت بھی سنا دی تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث میں ہے کہ جب حضرت جبریل نے نبی علیہ السلام سے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ»(صحيح بخاري كتاب الايمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الايمان...ح:٥٠، صحيح مسلم، كتاب الايمان، ح :٨)

"اس کے بارے میں سائل کو مسئول سے زیادہ علم نہیں ہے"

پھر آپ نے جبریل علیہ السلام کو قیامت کی چند نشانیوں کے بارے میں ضرور بتلایا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو بس اتنا علم غیب تھا جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروا دیا تھا' اسی کے بارے میں آپ نے بوقت ضرورت بتایا' غیب کے باقی امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتایا' ان کے بارے میں آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔

فتویٰ کمیٹی

کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس تشریف لاتے ہیں؟

سوال کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس خود بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں یا آپ کی صورت دکھائی جاتی ہے؟

جواب نبی ﷺ کی تشریف آوری ان غیبی امور میں سے ہے جو توقیفی ہیں' ان کا علم صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتائے لہٰذا کسی نص شرعی کے بغیر ان امور میں غور و خوض کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ کسی بھی آیت یا حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ خود بنفس نفیس یا آپ کی صورت میت کے پاس تشریف لاتی ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ثابت ہے کہ قیامت کے دن لوگ آپ کے پاس جمع ہو کر یہ درخواست کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کریں یا قیامت کے دن سے متعلق اس طرح کی دیگر باتیں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور جو آپکے خصائص میں سے ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بشیر و نذیر' داعی الی اللہ اور سراج

منیر بنا کر مبعوث فرمایا نیز آپ کو ہدایت' رحمت' دین حق اور اس شخص کے لئے دنیا و آخرت کی سعادت بنا کر مبعوث فرمایا جو آپ پر ایمان لائے' آپ سے محبت کرے اور آپ کے نقش راہ کی پیروی کرے۔ آپ نے پیغام رسالت کو پہنچا دیا' امانت کو ادا فرما دیا' امت کی خیرخواہی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس طرح جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین' احسن اور اکمل جزا سے سرفراز فرمائے!

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت' آپ کے امر کی فرمانبرداری اور آپ کے نہی سے اجتناب' اسلام کے اہم فرائض میں سے ہے اور آپ کی رسالت کا یہی مقصود ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت کا تقاضا ہے کہ آپ سے محبت کی جائے' آپ کی اتباع کی جائے' ہر مناسبت اور آپ کے ذکر خیر کے موقعہ پر آپ کی ذات گرامی پر درود بھیجا جائے کہ اس طرح آپ ﷺ کا کچھ حق بھی ادا ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف مبعوث فرما کر ہم پر جو احسان عظیم فرمایا' اس کا کچھ شکر بھی ادا ہو جائے گا۔

حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت ہو جاتی ہے نیز اس کے فرشتوں کے ساتھ بھی موافقت ہو جاتی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ ﴾

(الأحزاب ٣٣/ ٥٦)

''اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔''

درود شریف پڑھنے سے بے حد اجر و ثواب ملتا ہے' دعاء کی قبولیت کی امید ہو جاتی ہے' درود شریف پڑھنے سے برکت حاصل ہوتی ہے اور نبی ﷺ کی محبت میں دوام' اضافہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔ درود شریف پڑھنے سے بندے کو ہدایت اور اس کے دل کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جو انسان بکثرت درود شریف پڑھے گا اور آپ کا کثرت سے ذکر کرے گا' اس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت کو غلبہ حاصل ہو جائے گا حتی کہ اس کے دل میں آپ کے ارشادات کے بارے میں کوئی تعارض اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے گا۔

بہت سی احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درود شریف پڑھنے کی بہت ترغیب دلائی ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، ح:٤٠٨، اخرجه احمد في المسند، ٢/ ٣٧٢، والنسائي في السنن، ح:١٢٩٧)

''جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلاَ تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا، وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُمَا كُنْتُمْ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢، ومسند أحمد، ٢/ ٣٦٧)

''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا' تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا

خواہ تم کہیں بھی ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ»(جامع الترمذي، كتاب الدعوات، باب رغم أنف رجل ذكرت عنده... ح: ٣٥٤٥، ومسند احمد٢/ ٢٥٤)

"اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

شریعت کا حکم ہے کہ نبی ﷺ پر تشہد میں' خطبوں میں' دعاؤں میں' استغفار میں' اذان کے بعد' مسجد میں داخل ہوتے وقت' مسجد سے نکلتے وقت' آپ کے ذکر خیر کے وقت اور دیگر مواقع پر درود شریف پڑھا جائے۔ جب کسی کتاب' تصنیف' رسالہ یا مقالہ میں آپ ﷺ کا اسم گرامی آئے تو اس کے ساتھ درود شریف لکھنے کی بے حد تاکید ہے جیسا کہ سابقہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے اور پھر درود شریف کے الفاظ پورے لکھنے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد مکمل درود ہے' قارئین کو بھی چاہئے کہ وہ جب بھی آپ ﷺ کا کسی کتاب یا رسالہ میں اسم پاک پڑھیں تو درود شریف بھی پڑھیں۔ درود شریف لکھتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کے مکمل الفاظ لکھنے چاہئیں اور صرف کلمہ (ص) یا (صلعم) یا اس طرح کے دیگر رموز پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ بعض اہل قلم اور مصنفین کی یہ عادت ہے کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد: «صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا» کی مخالفت لازم آئے گی۔ (ص) یا (صلعم) لکھنے سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور صلوٰۃ و سلام کے مکمل الفاظ یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے میں جو افضلیت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ مرموز انداز میں درود لکھنے کو بسا اوقات قارئین سمجھ بھی نہیں سکتے' اسی لئے اہل علم نے اسے مکروہ قرار دیا اور اس سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" جو "مقدمہ ابن الصلاح" کے نام سے معروف ہے' کے نوع نمبر ۲۵ میں جو کتابت حدیث اور کیفیت ضبط کتابت کے بارے میں ہے۔ لکھا ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر کے موقعہ پر آپ کی ذات گرامی پر نہایت التزام کے ساتھ درود شریف لکھا جائے اور آپ ﷺ کے اسم گرامی کے بار بار آنے کی وجہ سے بار بار درود شریف لکھنے سے اکتانا نہیں چاہئے' یہ ایک بہت بڑا فائدہ ہے جسے حدیث کے طالب علم اور لکھنے والے فوراً حاصل کر لیتے ہیں۔ جو شخص درود شریف لکھنے میں غفلت کرے گا وہ ایک عظیم ترین سعادت سے محروم ہو جائے گا۔ کثرت سے درود شریف لکھنے والوں کے لئے ہم نے بڑے اچھے اچھے خواب دیکھے ہیں۔ آدمی جب درود شریف کے الفاظ لکھتا ہے تو یہ ایک دعاء ہے' جسے وہ کتاب یا رسالہ میں ثبت کر رہا ہوتا ہے' یہ کلام نہیں جسے وہ روایت کر رہا ہو لہٰذا اگر اصل کتاب میں' جس سے وہ نقل کر رہا ہو درود شریف کے الفاظ مکمل نہ بھی لکھے ہوں تو اسے چاہئے کہ ان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ درود شریف کے الفاظ مکمل لکھے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے لئے بھی ثناء کے الفاظ "عزوجل' تبارک و تعالیٰ" اور اسی طرح کے دیگر الفاظ بھی مکمل لکھے ...... حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام کے لکھنے میں دو نقصوں سے اجتناب کرنا چاہئے ایک تو صوری نقص یعنی صلوٰۃ و سلام کے مکمل الفاظ نہ لکھے بلکہ دو حرفوں کے ساتھ محض اشارہ پر اکتفاء کرے اور دوسرا

معنوی نقص اور وہ یہ کہ صرف صلوٰۃ لکھے اور سلام نہ لکھے۔ حمزہ کنانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں حدیث لکھتے ہوئے جہاں نبی ﷺ کا اسم گرامی آتا تو صرف "صلی اللہ علیہ" لکھتا اور "وسلم" نہ لکھتا تو خواب میں مجھے نبی ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا بات ہے تم مجھ پر پورا درود کیوں نہیں بھیجتے؟" فرماتے ہیں اس کے بعد پھر میں نے ایسا کبھی نہ کیا بلکہ پورا درود شریف لکھا یعنی "صلی اللہ علیہ وسلم۔" حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک تو یہ مکروہ ہے کہ صرف "علیہ السلام" پر اکتفاء کیا جائے۔" واللہ اعلم۔ یہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث للعراقی" میں فرماتے ہیں کہ "اے کاتب اس بات سے اجتناب کرو کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے لئے رمزواشارہ سے کام لو اور دو حرفوں پر اکتفا کرو تو اس طرح یا تو صوری طور پر نقص ہو گا یا معنوی طور پر' جس طرح کسائی اور جاہل ابناء عجم کی اکثریت کا معمول ہے اور عام طلبہ بھی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے (ص) یا (صم) یا (صلعم) لکھ دیتے ہیں۔ تو اس طرح نقص کتابت کی وجہ سے اجر بھی کم ملے گا اور یہ خلاف اولیٰ بھی ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" میں لکھا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں شریعت نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے وہاں صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے جیسا کہ "شرح مسلم وغیرہ" میں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ((صلوا علیه وسلموا تسلیما ......)) ایک یا دو حرف کے ساتھ رمزواشارہ پر اکتفاء بھی مکروہ ہے مثلاً یوں لکھا جائے "صلعم" بلکہ صلوٰۃ و سلام کو مکمل لکھنا چاہیئے۔

ہر مسلمان' قاری اور کاتب کو میری وصیت یہ ہے کہ وہ اس بات کو حاصل کرے جو افضل ہو' اس کی جستجو کرے جس میں اجروثواب زیادہ ہو اور اس سے دور رہے جس سے اس کا عمل باطل یا ناقص ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ((انه جواد کریم)) ((و صلی الله و سلم علی نبینا محمد و آله و صحبه))

——— شیخ ابن باز ———

رسول اللہ ﷺ اور تعدد ازواج

سوال رسول اللہ ﷺ کے متعدد عورتوں سے شادی کرنے میں کیا حکمت تھی؟

جواب اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ ہے' اس نے اپنی حکمت کے تحت سابقہ شریعتوں میں بھی اور ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں بھی مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ تعدد ازواج نبی ﷺ ہی کا خاصہ نہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک بار اس امید سے آپ ایک رات میں ان سب کے پاس گئے کہ ان میں سے ہر ایک ایک بچے کو جنم دے گی جو بڑے ہو کر اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے۔

تعدد ازواج شریعت میں کوئی نئی بات ہے نہ یہ عقل و فطرت کے تقاضا کے خلاف ہے بلکہ یہ عین حکمت و مصلحت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اعدادوشمار سے ثابت ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اور بسا اوقات مرد میں

اس قدر قوت و طاقت ہوتی ہے' جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرے تاکہ وہ حرام کے بجائے حلال طریقے سے اپنی خواہش نفس کو پورا کرسکے۔ بسا اوقات عورت کو حیض و نفاس جیسے امراض کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مرد اپنی جنسی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتا اب دو ہی صورتیں باقی ہوتی ہیں یا تو اس کے پاس دوسری بیوی ہو یا وہ حرام کاری کا ارتکاب کرے' شریعت اس صورت میں تعدد ازواج ہی کی حمایت کر سکتی ہے تو تعدد ازواج جب عقلی' فطری اور شرعی طور پر جائز ہے' سابقہ انبیاء کرام کا عمل بھی اس کے مطابق ہے اور کبھی اس کی شدید ضرورت و حاجت بھی پیش آ جاتی ہے تو پھر اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اگر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ایک سے زیادہ شادیاں کی ہیں!

آنحضرت ﷺ کی ان تعدد ازواج کے بارے میں علماء نے اور بھی کئی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ اس طرح اپنے اور بعض قبائل کے درمیان تعلقات کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہتے تھے تاکہ ان مضبوط روابط کی وجہ سے اسلام کو تقویت حاصل ہو' اس سے اسلام کی نشرواشاعت میں مدد ملے کیونکہ رشتہ' مصاہرت سے اخوت' محبت اور الفت کے جذبات میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ آپ ﷺ بعض بیوہ خواتین کو سہارا اور ان کے فوت شدہ شوہروں کا نعم البدل مہیا کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی دلجوئی کی جا سکے اور ان کے مصائب کو کم کیا جا سکے' اس طرح آپ ﷺ نے امت کے لئے یہ سنت قائم کی کہ وہ ان خواتین سے احسان کا سلوک کرتے ہوئے انہیں اپنے حبالہ' عقد میں لے لیں جن کے شوہر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے ہوں۔ تیسری مصلحت نسل انسانی میں اضافہ اور امت کی تعداد کو بڑھانا مقصود تھا تاکہ آنے والی نسل دین کی نصرت اور نشرواشاعت کے پرچم کو تھام سکے۔

نبی ﷺ کے تعدد ازواج کے پس پردہ محض جذبہ' شہوت کارفرما نہ تھا' اس کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی بھی دوسری کنواری یا چھوٹی عمر کی خاتون سے شادی نہیں کی بلکہ دیگر تمام ازواج مطہرات شوہر دیدہ تھیں' اگر تعدد ازواج سے آپ ﷺ کا مقصود محض جنسی جذبہ کی تسکین ہوتا تو آپ یقیناً کنواری خواتین سے شادیاں فرماتے خصوصاً ہجرت کے بعد جب کہ آپ ﷺ کو بہت سی فتوحات حاصل ہو گئی تھیں' اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی' مسلمانوں کی تعداد میں بہت اضافہ اور انہیں بہت شوکت و قوت حاصل ہو گئی تھی اور ہر قبیلہ آپ ﷺ سے رشتہ' مصاہرت کا خواہش مند بھی تھا اور وہ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اس میں ضرور شادی کریں لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ آپ ﷺ نے بلند ترین مقاصد اور اعلیٰ ترین اغراض کے پیش نظر شادیاں کیں جیسا کہ ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز اگر آپ ﷺ کا مقصد محض جنسی جذبہ کی تسکین ہوتا تو آپ ﷺ یہ شادیاں شباب (جوانی) و قوت کے دور میں کرتے حالانکہ اس دور میں آپ ﷺ کے پاس ایک ہی زوجہ کریمہ یعنی خدیجہ بنت خویلد تھیں جو آپ ﷺ سے عمر میں بھی بڑی تھیں اور اگر یہ بات ہوتی تو آپ ﷺ ازواج مطہرات سے عدل و انصاف کا معاملہ بھی نہ فرماتے کیونکہ وہ حسن و جمال کے اعتبار سے ایک دوسری سے مختلف تھیں لیکن آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے' وہ ازواج مطہرات کے مابین کمال درجے کا عدل و انصاف ہے جو آپ ﷺ کے کمال عفت' امانت' عہد شباب و کبرسن ہر حال میں کمال حفاظت و صیانت' پاک دامنی اور بلندی اخلاق پر دلالت کناں ہے اور اس بات کا بین ثبوت کہ آپ ﷺ نے تمام حالات میں حد درجہ استقامت کا ثبوت دیا جس کے آپ ﷺ کے دشمن بھی قائل تھے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نبی ﷺ کی محبت صرف ایک ہی رات کے لئے تو نہیں ہونی چاہیئے

سوال میلاد النبی منانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم تفصیل سے جواب دیجئے' آج کل اس موضوع پر بہت گفتگو ہو رہی ہے

جواب یہ قطعاً ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی اپنا یوم میلاد منایا ہو یا کسی اور کا یوم میلاد منایا ہو اور بہترین طریقہ تو حضرت محمد ﷺ ہی کا طریقہ ہے' جب آپ ﷺ نے اس رات کو نہیں منایا تو معلوم ہوا کہ اس رات کی دوسری راتوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اگر اسے کوئی فضیلت حاصل بھی ہے تو یہ صرف اس رات کی فضیلت ہے جس میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی نہ کہ بعد میں آنے والے سالوں کی ہر اس رات کو فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرما دی ہے اور نبی ﷺ نے مکمل دین کو امت تک پہنچا دیا ہے' اگر اس رات کے منانے کا کوئی شرعی حکم ہوتا یا سنت ہوتا اور آپ ﷺ نے اسے بیان نہ فرمایا' اس رات کو خود منایا' نہ منانے کا حکم دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدانخواستہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دین ناقص تھا اور جس بات کا امت تک پہنچانا آپ ﷺ پر فرض تھا' آپ نے اسے امت سے چھپایا۔ دوسری طرف صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . . ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح. . . :١٧١٨)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

بلاشک و شبہ اس رات کو منانا ایک ایسا عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد شروع ہوا ہے' یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رات کو نبی ﷺ نے منایا' نہ خلفاء راشدین نے اور نہ بعد کے ائمہ دین نے اس رات کو منایا۔ اس رات کو منانے کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں بعض رافضیوں نے کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد زمانۂ جاہلیت کی بعض عادتوں کا احیاء تھا' مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا' اس دور کے بہت سے لوگوں نے اس رات کو منانا شروع کر دیا اگرچہ جمہور اس کے خلاف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ یہ محبت سارے سال میں صرف ایک رات کے لیے نہ ہو بلکہ ہمیشہ کے لیے ہو اور آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے' آپ کے نقش قدم پر چلا جائے' جو شخص ایسا کرے گا وہ آپ کی امت اور آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہو گا اور جو شخص عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جو آپ ﷺ نے مقرر نہ فرمایا ہو تو اس نے آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کی مخالفت کی اور دین میں ایسا اضافہ کیا جو اس میں سے نہیں ہے۔ میلاد رات' نزول وحی کی رات' معراج کی رات' ہجرت کی رات اور غزوۂ بدر کی رات سے افضل تو نہیں ہے' ان سب راتوں میں مسلمانوں کو نفع و خیر حاصل ہوا تھا اور یہ کسی ایک سے بھی ثابت نہیں کہ اس نے ان میں سے کسی رات کو کبھی منایا ہو' یا اسے بیداری و شب زندہ داری کے لئے مخصوص کیا ہو' حالانکہ وہ اس امت کے سلف تھے' اچھا نمونہ تھے' وہ لوگ اچھا نمونہ نہیں ہیں جو اپنے ان اسلاف کے طریقہ کی مخالفت کریں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ازواج مطہرات میں سب سے افضل

سوال: نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے افضل کون ہیں؟

جواب: نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو خصوصی امتیاز و فضیلت حاصل ہے' وہ سب امہات المومنین ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔ ان میں اسلام میں سبقت کے اعتبار سے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا افضل ہیں جب کہ علم و فہم اور مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے سب سے افضل حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ باقی ازواج مطہرات کو بھی شرف و فضیلت حاصل ہے' جس کا انکار صرف رافضی وغیرہ ہی کرتے ہیں۔ ہم رافضیوں اور ان کے پیروکاروں کے عقائد سے اظہار برأت کرتے ہیں۔ ہم سائل کو مشورہ دیں گے کہ وہ عقیدہ واسطیہ کی شروح مثلاً: ((الکواشف الجلیة' والاسئلة والا جوبة الاصولیة' التنبیهات السنیة' اور الروضة الندیة)) اور عقائد کی دیگر کتب مثلاً "معارج القبول" وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

شیخ ابن جبرین

نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود کے بجائے "صلعم" کے ساتھ اشارہ کرنا

سوال: کیا نبی ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے بجائے حرف "ص" یا "صلعم" کے ساتھ اشارہ کرنے میں کوئی حرج ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے ان حروف کے ساتھ اشارہ کرنا غلط ہے' اگرچہ متأخرین کی کتابوں میں اس کا بکثرت استعمال ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے الفاظ مکمل طور پر لکھے جائیں تاکہ قاری بھی اسے پڑھ سکے اور کاتب بھی لکھنے کا اجروثواب حاصل کر سکے اور قاری بھی ثواب حاصل کر سکے' رمزکی صورت میں قاری یا تو اسے پڑھے گا ہی نہیں یا رمز ہی کے ساتھ پڑھے گا۔

شیخ ابن جبرین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ وَبَعْدُ

بحوث العلمیۃ والافتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک سائل کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں سوالات موصول ہوئے جن کے کمیٹی نے جوابات دیئے' یہ سوالات وجوابات حسب ذیل ہیں:

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ اور اب وہ کہاں ہیں؟

سوال: کیا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ زندہ یا مردہ ہیں تو اس وقت کہاں ہیں؟ کتاب و سنت سے اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زندہ ہیں اور اب تک فوت نہیں ہوئے' یہودیوں نے آپ کو قتل کیا نہ پھانسی دی

بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بدن و روح سمیت آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا تھا اور اب وہ آسمانوں ہی میں ہیں' اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے' جو یہودیوں کی افتراء پردازیوں کے جواب میں ہے کہ:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَٰقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَقَتْلِهِمُ ٱلْأَنۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌۢ ۚ بَلْ طَبَعَ ٱللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَٰنًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا ٱلْمَسِيحَ عِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ ٱللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ ٱلَّذِينَ ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ لَفِى شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا ٱتِّبَاعَ ٱلظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًۢا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٥٥-١٥٨)

"(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے (نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے سو چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لاتا اور ان کے انکار کرنے اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا تھا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحمت اور ان کی عزت افزائی تھی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ایک نشانی بن جائیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا وجود اول سے آخر تک سراپا آیات الٰہی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾ "بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا" میں "اضراب" کا تقاضا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدن بمعہ روح کے اوپر اٹھا لیا تاکہ یہودیوں کے اس گمان کی تردید ہو سکے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا اور قتل کیا ہے کیونکہ قتل و صلب تو اصل میں بدن ہی کے لئے ہوتا ہے اور اگر صرف روح ہی کو اٹھایا گیا ہوتا تو یہ ان کے دعویٰ قتل وصلب کے منافی نہ ہوتا۔ محض روح کے رفع سے یہودیوں کے بہتان کی تردید نہ ہو سکتی تھی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جسم و روح دونوں سے تعبیر ہیں' ان میں سے کسی ایک پر بغیر قرینہ کے حضرت عیسیٰ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے اور پھر روح و بدن سمیت اٹھانا ہی اللہ تعالیٰ کے کمال عزت' حکمت و تکریم اور نصرت و تائید کا تقاضا ہے جیسا کہ اس آیت کے اختتام پر ان الفاظ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے

سوال اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا وہ آخری زمانہ میں نازل ہوں گے' لوگوں کے درمیان فیصلے کریں گے اور

رسول اللہ ﷺ کے دین کی پیروی کریں گے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں ہرگز نازل نہیں ہوں گے اور نہ لوگوں میں فیصلے کریں گے تو ہم اس کی تردید کس طرح کریں؟

جواب ہاں! اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے اور اس سلسلہ میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ ختم کر دیں گے اور صرف اسلام ہی قبول کریں گے اور ان کے نزول کے بعد وفات سے پہلے تمام اہل کتاب یہود ونصاریٰ ایمان لے آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ ﴾

(النساء ٤/ ١٥٩)

"اور اہل کتاب سب کے سب مسیح پر اس کی موت سے پہلے ضرور ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام اہل کتاب یہود ونصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ آخر زمانہ میں حاکم و عادل اور داعی اسلام کی حیثیت سے نازل ہوں گے' جیسا کہ اس کا ذکر اس حدیث میں آئے گا جو آپ کے نزول پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کے یہی متعین معنی ہیں' یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے موقف اور یہودیوں کے ان کے ساتھ طرز عمل کے سلسلہ میں ہے' نیز اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح نجات دی اور ان کے دشمنوں کے مکر و فریب کو کس طرح دور کر دیا لہٰذا آیت کریمہ:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ ﴾

(النساء ٤/ ١٥٩)

میں دونوں مجرور ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے' بہت سی صحیح اور متعدد سندوں سے مروی اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا اور وہ آخر زمانے میں حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور مسیح دجال کو قتل کریں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور آخر زمانہ میں نزول کی بکثرت سندوں سے مروی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث ہیں جو ابو ہریرہ' ابن مسعود' عثمان بن ابی العاص' ابوامامہ' نواس بن سمعان' عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان میں آپ کے نزول اور نزول کی جگہ کا ذکر ہے۔ الخ

انہی احادیث میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضَ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ»(صحيح بخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب نزول عيسى ابن مريم عليهما السلام، ح:٣٤٤٨، وصحيح مسلم، كتاب الايمان،

باب نزول عیسی ابن مریم حاکما بشریعة...، ح:۱۵۵، واخرجه الترمذي في السنن، ح:۲۲۳۳، و احمد في المسند، ۲/۵۳۸)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے' جو صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کر دیں گے' جزیہ ختم کر دیں گے اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔"

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھ لو:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ﴾ (النساء۱۵۹/٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب نزول عيسى بن مريم حاكما بشريعة...، ح:۱۵۵)

"تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَيَقُوْلُ أَمِيْرُهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ: لاَ إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءَ تَكْرِمَةَ اللهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكما بشريعة ....، ح:۱۵٦)

"میری امت کا ایک گروہ حق پر لڑتا' قیامت کے دن تک غالب رہے گا' آپ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آیئے ہمیں نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض' بعض پر امیر ہیں یہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اعزاز بخشا ہے۔"

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ آخر زمانے میں نازل ہوں گے' ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے اور بلاشک و شبہ ان کے نزول کے زمانہ میں جو امام نماز پڑھائے گا' وہ امت محمدیہ کا فرد ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی نئی شریعت کو لے کر نازل نہیں ہوں گے' اول و آخر حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے' کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا

سوال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان کے بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا؟ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حقیقتاً آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے تو دیگر انبیاء علیہم السلام کے بجائے خاص طور پر حضرت

عیسیٰ علیہ السلام ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا؟

جواب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع ہے' اس نے ہر چیز کا قوت و غلبہ کے ساتھ احاطہ کر رکھا ہے' اس کی حکمت بالغہ' اس کا ارادہ نافذہ اور اس کی قدرت کاملہ ہے۔ اس نے اپنے جن بندوں کو چاہا انبیاء و رسل کے طور پر منتخب کر کے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرما دیا۔ بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت دی اور اپنے فضل و رحمت سے ہر ایک کو نمایاں امتیازات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد ﷺ کو خلت سے نوازا۔ ہر نبی کو ان کے زمانے کے مناسب حال آیات و معجزات عطا کئے تاکہ ان کی امت کے سامنے حجت تمام ہو جائے' ان سب امور میں اس کی حکمت و عدل کار فرما ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا' وہ عزیز و حکیم اور لطیف و خبیر ہے۔

ہر انفرادی فضیلت موجب افضلیت نہیں ہے' حضرت عیسیٰ کو جو زندہ آسمانوں پر اٹھانے کی خصوصیت سے نوازا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و حکمت کے مطابق ہے' اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے آپ تمام رسولوں سے افضل ہو گئے اور ابراہیم علیہ السلام' محمد ﷺ اور نوح علیہ السلام سے بھی آگے بڑھ گئے کیونکہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کو جن خصوصیات و امتیازات سے نوازا گیا' ان کی وجہ سے وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ ان فضیلتوں کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت پر ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے' وہ جو کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے بازپرس نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کا علم بھی کمال اور اس کی حکمت بھی کمال ہے اور پھر ان فضیلتوں سے عمل و عقیدہ کا تعلق نہیں ہے بلکہ ان مسائل پر غور کرنے والا بسا اوقات حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے' ریب و تشکیک کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ مرد مومن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ احکام الٰہی کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتا ہے اور عقیدہ و عمل سے متعلق امور میں کوشش کرتا ہے' حضرات انبیاء و مرسلین کا یہی منہج ہے اور خلفاء راشدین اور امت کے ہدایت یافتہ اسلاف کا یہی طریق ہے۔

آپ کا نام مسیح کیوں؟

سوال حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نام مسیح کیوں پڑا ہے؟

جواب حضرت عیسیٰ بن مریم کا نام مسیح اس لئے ہے کہ آپ جب بیماری میں مبتلا کسی مریض کے جسم پر مسح کرتے یعنی ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتا تھا۔ بعض سلف نے کہا کہ اس کی وجہ تسمیہ دعوت دین کے لئے زمین میں کثرت سے سیر و سیاحت ہے۔ ان دونوں قولوں کے مطابق مسیح بمعنی ماسح ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسیح القدمین تھے۔ یعنی آپ کے قدم پورے زمین پر لگتے تھے (ہمارے قدموں کی طرح) ان میں ایسا حصہ نہیں تھا جو کہ زمین پر نہیں لگتا۔ ایک قول اس نام کے متعلق یہ ہے کہ آپ کو برکت سے نوازا گیا اور یہ نام "مسح بالبرکۃ" کے محاورہ سے مشتق ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو گناہ سے پاک کر کے بنا دینے کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ ان معنوں کے اعتبار سے مسیح بمعنی ممسوح ہے لیکن پہلا سبب سب سے زیادہ واضح ہے' واللہ اعلم! بہرحال اس مسئلہ سے عقیدہ و عمل کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال ان سوالات کے ساتھ کچھ ایسی نصوص بھی ہیں جن سے قادیانی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور تدفین پر استدلال کرتے ہیں۔ امید ہے آپ ان نصوص کی وضاحت بھی فرمائیں گے اور یہ بھی کہ ہم ان کا کیا جواب دیں؟

پہلی آیت

﴿ مَّا ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ وَأُمُّهُۥ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ ٱلطَّعَامَ ۗ ٱنظُرْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۵)

"مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (مریم اللہ کی) ولی (اور سچی فرماں بردار) تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔"

جواب اس آیت سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے کہا تھا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۲)

"مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح' اللہ ہیں۔"

نیز جنہوں نے یہ کہا تھا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَٰثَةٍ ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۳)

"کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔"

تو اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام رب یا الہ نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا تھا' وہ بھی انہی رسولوں کے مانند ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' ان کی اجل محدود ہے۔ لیکن اس آیت نے یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ فوت کب ہوں گے؟ ہاں البتہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے جو ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں' یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا اور وہ عنقریب حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے' آخر زمانہ میں نزول اور لوگوں میں حکومت کرنے کے بعد پھر وفات پائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام دونوں کھانا کھایا کرتے تھے' جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں الہ نہیں تھے کیونکہ انہیں تو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت تھی' جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی فرد' صمد اور غنی مطلق ہے' اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بارگاہ کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کا سیاق و سباق بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے' چنانچہ اس سے پہلے یہ ذکر ہے کہ:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۲)

"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔"

نیز یہ ذکر ہے کہ:

﴿ لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَٰثَةٍ ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۳)

"وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔"

اور اس کے بعد کی آیات میں دین میں غلو سے منع کیا گیا ہے' غیر اللہ کی عبادت کا انکار کیا گیا ہے' جو شخص ایسا کرے یا دیکھ کر سکوت اختیار کرے اور اس سے منع نہ کرے اس پر لعنت کی گئی ہے نیز اس کی وضاحت سورہ الانعام کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿ قُلْ أَغَيْرَ ٱللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۴)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی (اور) کو مددگار بناؤں کہ (وہی) تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا۔"

دوسری آیت

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِى ٱلْأَسْوَاقِ ﴾

(الفرقان ۲۵/ ۲۰)

"اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں' سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔"

اس آیت سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے' جنہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا تھا اور کہا کہ رسول تو فرشتوں میں سے ہوتا ہے' انسانوں میں سے نہیں' تو اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسولوں کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ انہیں انسانوں ہی میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اجل کی تحدید کو بیان نہیں کیا گیا جب کہ دیگر آیات و احادیث نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا پھر آپ آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور پھر وفات پائیں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔

تیسری آیت

﴿ وَمَا جَعَلْنَٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَمَا كَانُوا۟ خَٰلِدِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الأنبياء ۲۱/ ۸)

"اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔"

جواب یہ آیت اس بات کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و سولی کی سازش کی تو وہ فوت ہو گئے بلکہ اس آیت میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں' ایسے جسم نہ تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ دیگر انسانوں کی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی کھانا کھایا کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہ تھے۔ اہل سنت کا اسی پر ایمان ہے کہ دیگر رسولوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک دن فوت ہوں گے لیکن کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام موت کا جام اس وقت نوش فرمائیں گے جب وہ آخر زمانے میں حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے' صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔

چوتھی آیت

﴿ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ ٱللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۶۲)

"اور تم اللہ کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔"

جواب یہ جملہ اگرچہ عام ہے مگر ان آیات و معجزات نے اسے خاص کر دیا' جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ہاتھوں ظہور کروایا اور جو ان کی قوموں کے لئے ان کی نبوت کی دلیل تھے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے دریا میں بارہ خشک راستے بن جانا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے برص و جذام کے مریضوں کو صحت یاب اور مردوں کو زندہ کرنا اور دیگر معجزات جو بکثرت ہیں اور مشہور و معروف ہیں' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھانا اور صدیوں

تک انہیں زندہ باقی رکھنا اور آخر زمانے میں انہیں نازل کرنا بھی انہیں خوارق عادات میں سے ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو عطا فرمائیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

پانچویں آیت

﴿ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ ﴾ (الزخرف٤٣/ ٥٩)

"وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کیلئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنادیا۔"

جواب اس آیت کریمہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت سے نوازا' وہ رب یا الٰہ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی ایک نشانی ہیں' خیرو بھلائی کے سلسلہ میں ایک ایسا اعلیٰ نمونہ ہیں' جس کی پیروی کی جائے اور جس کے نقش قدم پر چلا جائے۔ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ آیت پہلی آیت ہی کے مانند ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کی کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ اس کا بیان اور اس کی تحدید ہمیں دیگر نصوص کتاب و سنت سے ملتی ہے جیسا کہ قبل ازیں یہ بیان کیا جاچکا ہے۔

چھٹی آیت

﴿ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ ٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ ﴾ (المائدة٥/ ١٧)

"(ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ' عیسیٰ بن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں' سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟"

جواب اس آیت کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ "جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں' وہ بے شک کافر ہیں" تو گویا ﴿ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ﴾ کہہ کہ ان لوگوں کی تردید کی جارہی ہے' جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور بیان یہ کیا جارہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ تو اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کی طرح اس کے دو ضعیف بندے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ انہیں' ان کی والدہ کو اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح سب کو یکجا ہلاک نہیں کیا بلکہ اپنی حکمت و مصلحت سے ہر ایک کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے اور یہ بھی اس کی حکمت و مصلحت ہی سے ہوا کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھالیا اور اب تک زندہ رکھا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے' لوگوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں فوت کرے گا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔

ساتویں آیت

﴿ وَجَعَلْنَا ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥٓ ءَايَةً وَءَاوَيْنَٰهُمَآ إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥٠)

"اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں آب رواں (کا چشمہ) تھا' پناہ دی تھی۔"

جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے ولادت ہوئی بلکہ ان کی یہ ولادت کوئی سنت ہی کے خلاف تھی' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اور بھی بہت سے معجزات سے سرفراز فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی دلیل ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک ایسی اونچی جگہ جو سرسبزوشاداب تھی' رہنے کے لائق بھی تھی اور جہاں صاف وشفاف پانی بھی تھا' پناہ دی تھی' اس سے فلسطین کا بیت المقدس کا علاقہ مراد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ان پر نعمت و رحمت تھی اور جیسا کہ عرض کیا یہ ربوہ یا مقام بلند فلسطین کا ایک علاقہ تھا اس سے مراد پاکستان کا شہر نہیں ہے' یہ واقعہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پانچ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے کا ہے نہ کہ آپ کی ہجرت کے بارہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد کا' تو جو شخص ربوہ سے مراد پاکستان (کے قادیانیوں) کا شہر مراد لے یا تاویل کرتے ہوئے کہے کہ ابن مریم سے مراد مرزا غلام احمد ہے تو وہ اس آیت میں تحریف کرتا ہے' اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے اور تاریخی حقائق کا انکار کرتا ہے۔

آٹھویں آیت

﴿ إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ﴾ (آل عمران ۳/ ۵۵)

''اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا۔''

جواب قادیانیوں نے اس آیت سے جو یہ استدلال کیا ہے کہ ماضی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے' تو یہ سلف سے منقول اس آیت کی تفسیر کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے لینا' آسمان پر زندہ اٹھانا اور کافروں سے نجات دینا ہے۔ اسی تفسیر ہی سے اس آیت اور کتاب و سنت کے ان تمام صحیح نصوص میں تطبیق کی صورت ممکن ہے جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا گیا ہے' وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور ان کے نزول کے موقع پر تمام اہل کتاب اور دیگر سب لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں جو توفی بمعنی وفات منقول ہے تو اس روایت کی سند صحیح نہیں کیونکہ وہ منقطع ہے۔ آپ سے اسے روایت کرنے والے علی بن ابی طلحہ ہیں' جنہوں نے آپ کو دیکھا نہ ان کا آپ سے سماع ثابت ہے' اسی طرح وہب بن منبہ یمانی سے توفی کی تفسیر جو وفات سے منقول ہے تو اس روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے اسے محمد بن اسحاق نے وہب سے' ایک ایسے شخص کے واسطہ سے روایت کیا ہے جو غیر متہم ہے لیکن ایک تو ابن اسحاق نے اس روایت کو عنعنہ سے بیان کیا ہے اور وہ مدلس ہے لہٰذا اس کی معنعن روایت قبول نہیں اور دوسرے یہ راوی جسے غیر متہم کہا گیا یہ مجہول ہے' پھر اس تفسیر کو اگر درست مان بھی لیا جائے تو اس کے معنی زیادہ سے زیادہ یہ ہوں گے کہ تَوَفِّيْ کے معنی میں ایک یہ بھی احتمال ہے کیونکہ توفی کے یہاں کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے ایک معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین سے جسم و روح کے ساتھ پکڑ لیا اور پھر انہیں اپنی طرف زندہ اٹھا لیا۔ دوسرے اس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر کے انہیں اوپر اٹھایا اور پھر رفع کے بعد اور آخر زمانہ میں نزول کے بعد انہیں فوت کرے گا کیونکہ واؤ ترتیب کی متقاضی نہیں ہوتی' یہ صرف دو امروں کو جمع کرنے کی متقاضی ہوتی ہے۔

اصول یہ ہے کہ جب ایک آیت کے معنی کے بارے میں اقوال مختلف ہوں تو اس قول کو اختیار کرنا واجب ہوتا ہے جو دیگر ظاہر دلائل سے ہم آہنگ ہوتا کہ تمام دلائل میں تطبیق پیدا ہو جائے اور متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیا جائے' چنانچہ راسخ فی العلم علماء کا یہی معمول ہوتا ہے ہاں البتہ کج روی اختیار کرنے والوں کی راہ دوسری ہوتی ہے کہ وہ فتنہ و تاویل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

نویں آیت

﴿ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۱۱۷)

''اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا' جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا۔''

جواب اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل از رفع سماء یا بعداز رفع اور آخر زمانہ میں نزول سے قبل پر استدلال توفی کی موت سے تفسیر پر مبنی ہے جیساکہ قبل ازیں آٹھویں آیت پر کلام کرتے ہوئے بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور سلف کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہے اور اسی تفسیر کو اختیار کرنے ہی سے کتاب و سنت کے تمام صحیح دلائل میں تطبیق ممکن ہے۔

دسویں آیت

﴿ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۱)

''اور جب تک زندہ رہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔''

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں جو کلام کیا تھا اس میں ایک یہ جملہ بھی تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں' اس میں نہ تو ان کی زندگی کی تحدید ہے اور نہ ان کی وفات کے وقت کا بیان ہے۔ اس کا ذکر تو ان آیات میں ہے جو قبل ازیں بیان کی جاچکی ہیں اور اصول یہ ہے کہ مجمل نصوص کو مفصل پر محمول کیا جاتا ہے'بعض کو بعض سے الگ نہیں کیا جاتا اور نہ محض متشابہ آیات ہی کو لے کر اس طرح کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آیات محکمات کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ سب آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بعض آیات بعض دیگر کی وضاحت اور تصدیق کرتی ہیں۔

گیارہویں آیت

﴿ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۳)

''اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام اور رحمت ہے۔''

جواب یہ آیت بھی پہلی آیت ہی کی طرح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام حالات میں انہیں امن و سلامتی حاصل رہے گی' اس میں نہ تو ان کی مدت حیات کو بیان کیا گیا ہے اور نہ ان کے وقت وفات کا ذکر ہے۔ مدت حیات اور وقت وفات کے لئے ان دیگر نصوص کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جن میں اس کا ذکر ہے جیساکہ قبل ازیں اس کا

بیان ہو چکا ہے۔

بارہویں آیت

﴿ وَٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَٰتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ ﴾
(النحل١٦/ ٢٠-٢١)

''اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو (دوسروں کی طرح) بنایا گیا ہے (وہ) لاشیں ہیں بے جان!''

جواب اس آیت میں تو ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے' جنہوں نے غیر اللہ یعنی ملائکہ حضرت عزیر' حضرت عیسیٰ' لات' عزیٰ' منات وغیرہ کی عبادت کی اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے حتیٰ کہ مکھی تک بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو خود مخلوق ہیں' مربوب ہیں' ایک دن فوت ہونے والے ہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک زندہ ہیں اور پھر آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور لوگوں کے درمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور پھر فوت ہوں گے۔

تیرہویں آیت

﴿ قُولُوٓا۟ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِىَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ ﴾
(البقرة٢/ ١٣٦)

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہماری طرف اتاری گئی اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف نازل کئے گئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ وحدہ) کے فرماں بردار ہیں۔''

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر اور جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس پر ایمان لانا چاہئے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان پر نازل کردہ صحیفوں اور کتابوں پر وجوب ایمان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں درحقیقت یہود ونصاریٰ کی تردید ہے' جو یہ کہتے تھے کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ ہدایت پاجاؤ گے' جیسا کہ اجمالی طور پر اس آیت کریمہ میں بھی ان کی تردید ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا:

﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِـۧمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٣٥)

''(اے پیغمبر ان سے) کہہ دیجئے (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم اختیار کئے ہوئے ہیں جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں موت و حیات کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں ہے کیونکہ سیاق آیت سے ایسی کوئی راہنمائی نہیں ملتی بلکہ اگر راہنمائی ملتی ہے تو وہ جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز انبیاء کرام علیہم السلام

نے بھی ایسی کوئی دعوت نہیں دی تھی لہٰذا اس کے یہ معنی بیان کرنا آیت کے سیاق کے خلاف اس کی معنوی تحریف ہو گی۔ اگر بالفرض ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ کو اگر عموم پر محمول کر لیا جائے کہ جنس موت و حیات کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام میں کوئی فرق نہ ہو تو یہ بات امرواقع اور حقیقت کے خلاف ہو گی کیونکہ موت و حیات کی صفات' انواع واقسام' زمان و مکان اور عمر کی درازی و کمی کے اعتبار سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں بہت فرق تھا' اسی فرق ہی میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو بہت طول دے دیا گیا' زندگی بسر کرنے کے لئے جگہ بھی بدل دی گئی اور اس طویل ترین زندگی کے بعد وہ وفات پائیں گے اور جیسا کہ دیگر بہت سے امور میں وہ اپنے انبیاء بھائیوں سے مختلف ہیں' اس موت و حیات کے مسئلہ میں بھی ان سے مختلف ہیں جیسا کہ سابقہ نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

چودھویں آیت

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ﴾
(البقرۃ۲/ ۱٤۱)

"یہ جماعت گزر چکی' ان کے لیے وہ جو انہوں نے کیا (یعنی ان کے اعمال ان کے کام آئیں گے) اور تمہارے لیے وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔"

جواب اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کے اپنے عمل کی جزا دی جائے گی۔ کسی دوسرے کے عمل کے بارے میں اس سے پرسش ہوگی نہ کسی دوسرے سے اس کے بارے میں سوال ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں اس طرح فرمایا:

﴿ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ ﴾ (الطور۵۲/ ۲۱)

"ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٤)

"اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

لہٰذا ہر شخص کو خیر کے کمانے اور شر سے بچنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور اسے یہ نہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو کسی غیر سے متعلق کر کے اس پر فخر کرے یا اس کی قرابت یا صلہ رحمی یا دنیا میں اس کی تعظیم کرنے کی وجہ سے یہ امید کر بیٹھے کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے نجات پا لے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ امت ماضیہ کے عموم میں داخل ہیں لیکن کتاب و سنت کے دلائل سے ان کی یہ تخصیص ثابت ہو چکی ہے کہ انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا گیا' وہ اب تک زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور یہ اسلامی شریعت کا مشہور و معروف اصول ہے کہ نصوص خاصہ کی روشنی میں نصوص عامہ کی تخصیص کر دی جاتی ہے' چنانچہ ان نصوص خاصہ میں سے ایک نص یہ بھی ہے۔

پندرھویں آیت

﴿ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًۢا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٥٧-١٥٨)

"اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

نیز ایک دوسری نص یہ ہے کہ:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٥٩)

''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لے آئے گا اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے دن ان (اہل کتاب) پر گواہ ہوں گے۔''

جواب ان دونوں آیتوں کے بارے میں پہلی' دوسری' تیسری اور چوتھی آیت پر کلام کے ضمن میں گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔ مختصر یہ کہ قادیانیوں نے اپنے اس گمان کے اثبات کے لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں' مختلف قرآنی آیات سے جو استدلال کیا ہے اس کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے:

① آیات عموم کی حامل ہیں' جنہیں دیگر آیات و احادیث نے خاص کر دیا ہے جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور وہ اب تک زندہ ہیں حتی کہ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور قرآنی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے لیکن قادیانیوں نے تخصیص آیات کی بجائے عموم ہی کو لیا ہے اور یہ اسلامی اصول و قواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

② قادیانیوں کا استدلال ان مجمل آیات سے ہے جن کی ان دیگر نصوص نے تفصیل بیان کر دی ہے کہ اس تفصیل کو اخذ کرنا فرض ہے لیکن قادیانیوں نے اپنے زعم باطل کی تائیدوحمایت کے لئے مجمل آیات ہی کا سہارا لیا اور محکم کو ترک کر دیا جن سے ان مجمل آیات کی تفسیر و توضیح ہوتی تھی۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور نفاق ہو ان کی یہی روش ہوتی ہے کہ وہ نصوص کتاب و سنت میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور متشابہ نصوص کی تاویل اپنی خواہشات کے مطابق کریں۔

③ کچھ کلمات کی تفسیر میں انہوں نے ایسے آثار پر اعتماد کیا ہے' جن کی سلف کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں آٹھویں آیت:

﴿ إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَـٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ ﴾ (آل عمران٣/ ٥٥)

کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ لوگ ان آثار سے بہت خوش ہیں کہ یہ ان کی خواہشوں کے مطابق ہیں۔ عامۃ المسلمین کو انہوں نے فریب دینے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے ان آثار کی سندوں کی طرف یا تو جہالت کی وجہ سے یا پھر دھوکہ و فریب اور اپنے باطل عقائد کی ترویج و اشاعت کی وجہ سے دیکھا ہی نہیں اور یہ سب کچھ ان کی کج روی اور فتنہ گری کی علامت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ مِنْهُ ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَـٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ ﴿٧﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ٧)

''وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد

اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔"

((واللّٰہ الموفق للصواب' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم))

فتویٰ کمیٹی

ممبر: عبداللہ بن قعود' عبداللہ بن غدیان' نائب چیئرمین کمیٹی: عبدالرزاق عفیفی' چیئرمین: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔

فرقے اور مذاہب

صیہونی تحریک کی طرف انتساب کے بارے میں شرعی فتویٰ (فقہی کونسل کی قرارداد)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی آلِہِ وَأَصْحَابِہِ وَمَنِ اھْتَدٰی بِھُدَاہ ۔ أَمَّا بَعْدُ

فقہی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ مؤرخہ ۱۰ شعبان ۱۳۹۸ ہجری بمطابق ۱۹۷۸ء کو ماسونی (صیہونی) تحریک اور اس کی طرف منسوب ہونے والوں کا جائزہ لیا کہ اس کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟

کونسل کے ارکان نے اس خطرناک تنظیم کا مکمل جائزہ لیا اور قدیم و جدید دور میں اس کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مطالعہ کیا' اس تحریک کے ارکان' قائدین اور اس سے وابستہ لوگوں نے اس سے متعلق جو دستاویزات' کتب' مقالات اور مجلّات وغیرہ طبع کئے' ان کا بھی خوب دقت نظر سے مطالعہ کیا' اس مطالعہ سے کونسل کے سامنے اس تحریک کی جو ناقابل تردید صورت واضح ہوئی وہ حسب ذیل ہے:

① ماسونی ایک خفیہ تحریک ہے' جو زمان و مکان کے حالات کے مطابق کبھی تو ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی زیر زمین چلی جاتی ہے لیکن اس کے حقیقی مبادیات جس پر یہ تنظیم استوار ہے' وہ تمام حالات میں ہی مخفی ہیں حتیٰ کہ سوائے ان خواص الخواص کے وہ اس تنظیم کے ارکان سے بھی مخفی رکھے جاتے ہیں' جو مختلف تجربوں کے بعد اونچے عہدوں پر فائز کئے جاتے ہیں۔

② یہ تنظیم ناواقف لوگوں کو دھوکا و فریب میں مبتلا کرنے کے لئے روئے زمین میں پھیلے ہوئے اپنے بعض ارکان کا بعض کے ساتھ جس ظاہری اساس پر رابطہ استوار کرتی ہے' وہ بزعم خود انسانی اخوت کی اساس ہے' جس کی بنیاد پر تمام لوگ عقائد' فرقوں اور مذہبوں کی تمیز کے بغیر اس تنظیم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نوٹ: حیات مسیح کے مسئلہ کی تفصیل کے لئے مطالعہ فرمائیے' حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی نہایت علمی و تحقیقی اور شاہکار کتاب ((شہادۃ القرآن باعلی النداء بان المسیح رفع حیا الی السماء))

③ یہ تنظیم جن لوگوں کو اپنے مقاصد کی خاطر اپنے ساتھ ملانا ضروری سمجھتی ہے' انہیں ذاتی منفعت کے نام پر دھوکا دے کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور دعویٰ یہ کرتی ہے کہ ہر ماسونی بھائی دنیا بھر کے ہر دوسرے ماسونی بھائی کی مدد کے لئے ہر وقت تیار ہے جو کہ اس کی تمام ضرورتوں' مقاصد اور مشکلات میں مدد کرے گا' سیاسی اغراض و مقاصد میں بھی اس کی بھرپور تائیدوحمایت کرے گا' اگر کسی مشکل میں مبتلا ہو تو اس مشکل سے نکلنے کے لئے اس کا پورا پورا ساتھ دے گا' الغرض ہر حال میں وہ اس کا ساتھ دے گا خواہ یہ حق پر ہو یا باطل پر' خواہ یہ ظالم ہو یا مظلوم' اگرچہ بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ صرف حق پر ہونے کی صورت میں مدد کرتے ہیں' باطل پر ہونے کی صورت میں مدد نہیں کرتے لیکن یہ تو ان کا وہ بڑا جال ہے' جس میں وہ دنیا کے بڑے بڑے معاشرتی مراکز سے لوگوں کو شکار کرتے (پھنسا لیتے) ہیں اور ان سے خاطر خواہ مالی عطیات بھی وصول کرتے ہیں۔

④ جب کوئی نیا ممبر اس تنظیم میں داخل ہوتا ہے تو دہشت گردی کے مخصوص اسرار و رموز پر مبنی تصویروں سے مزین ایک تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے' جس سے اس نئے ممبر کو یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر اس نے اس تحریک کی تعلیمات کی خلاف ورزی کی تو اسے بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے نیز اسے یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ اس تک احکام حسب مراتب درجہ بدرجہ تحریک سے وابستہ لوگوں کی طرف سے پہنچیں گے۔

⑤ سادہ لوح ارکان کو اپنی دینی عبادات کے ادا کرنے کی آزادی دی جاتی ہے۔ تنظیم ان کے مناصب اور ذمے داریوں سے اپنے مخصوص مفادات کی حد تک فائدہ اٹھاتی ہے' تاہم ملاحدہ یا جو الحاد کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں' ان کے مراتب میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے لیکن پہلے وہ ان کو تجربات اور بار بار کے ان امتحانات سے گزارتی ہے جو کہ تنظیم ان کی استعداد کے مطابق اپنے اہداف و مقاصد اور خطرناک منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے لیتی ہے۔

⑥ اس تحریک کے سیاسی اغراض و مقاصد ہیں' دنیا میں جو بھی بڑے بڑے سیاسی و فوجی انقلابات اور خطرناک تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں' ان کے پس پردہ اس تحریک کا ظاہر یا مخفی ہاتھ کارفرما ہے۔

⑦ اپنی اصلی اور تنظیمی بنیاد کے اعتبار سے یہ ایک یہودی تحریک ہے' یہ یہودیوں ہی کا ایک بین الاقوامی اور بہت بڑا مخفی ادارہ ہے' اس کی تمام سرگرمیاں صیہونیت ہی کی مظہر ہیں۔

⑧ اپنے حقیقی اور خفیہ اغراض و مقاصد کے اعتبار سے یہ تنظیم دنیا بھر کے تمام ادیان کے خلاف ہے اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہے' جب کہ اس کا خاص ہدف اسلام ہے۔ فرزندان اسلام کے دلوں سے اسلام کی محبت و عقیدت کو نکال دینا اس کا اولین ٹارگٹ ہے۔

⑨ اس تحریک کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرے جو مالی' سیاسی' معاشرتی' علمی یا کسی بھی دوسری حیثیت سے بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہوں تاکہ ان لوگوں کے اثر ورسوخ سے یہ فائدہ اٹھا سکے۔ جن لوگوں کی معاشرہ میں کوئی حیثیت نہ ہو انہیں اپنے ساتھ شامل کرنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کی مکمل خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے بادشاہوں' سربراہوں اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیتوں کو اپنے ساتھ ملائے۔

⑩ اس تحریک کی کئی شاخیں ہیں' لوگوں کو دھوکا دینے یا لوگوں کی نظریں ہٹانے کے لئے انہیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اس سے اس تحریک کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ ماسونی تحریک زیر عتاب آ جائے تو اس کے

دیگر دفاتر اور برانچیں جو اور اور ناموں سے موسوم ہیں' وہ بدستور سرگرم عمل رہیں' چنانچہ ان میں سے لائنز آرگنائزیشن' روٹری کلب اور لیونز وغیرہ کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان تمام تنظیموں کے اغراض و مقاصد بے حد خبیث اور اسلام کے قواعد و تعلیمات کے بالکل منافی ہیں۔

ناقابل تردید دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ماسونی تحریک کا بین الاقوامی یہودی صیہونی تحریک سے بے حد گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق عرب ممالک کے تمام حکمرانوں اور سربراہوں کی کوششوں کو اس نے کامیابی سے سبوتاژ کیا اور اس مسئلہ سے متعلق صرف اس بات کی تائید وحمایت کی جو بین الاقوامی یہودی و صیہونی تحریک کے مفاد میں تھی۔

ان حالات اور بہت سی دیگر تفصیلی معلومات کی بنیاد پر جو ہمیں ماسونی تحریک کی سرگرمیوں' خطرات' خبیث دجل و فریب اور خطرناک اغراض و مقاصد کے بارے میں موصول ہوئی ہیں' فقہی کونسل ماسونی (Freemasonic) تحریک کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تحریک شمار کرتی ہے۔ جو شخص اس تحریک کی حقیقت اور اس کے اغراض و مقاصد کو جانتے ہوئے اس میں داخل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج کافر اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ (واللّٰہ ولی التوفیق)

چیئرمین: عبداللہ بن حمید' سربراہ سپریم کورٹ (سعودی عرب)' وائس چیئرمین: محمد علی الحرکان' سیکرٹری جنرل رابطۂ عالم اسلامی' ارکان: ① عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز' ڈائریکٹر جنرل ادارات بحوث علمیہ وافتاء و دعوۃ وارشاد' سعودی عرب ② محمد محمود الصواف۔

وہابی دعوت سلفی دعوت ہے اور ان افتراء پردازیوں میں کوئی صداقت نہیں

سوال یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ امام شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے پیروکاروں نے جب جزیرۃ العرب پر قبضہ کیا اور مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی میں واقع روضہ شریف میں اپنے گھوڑے باندھ دیئے تھے' کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ یہ جھوٹ اور حق کی مخالفت ہے۔ مشہور بات یہ ہے کہ امام محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے جب مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں سلفی دعوت کی نشرواشاعت کا کام کیا۔ اس توحید کی حقیقت کو بیان کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا اور جس شرک اکبر میں اکثر لوگ مبتلا ہو چکے تھے اس کی انہوں نے تردید کی مثلاً رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے استغاثہ' آپ سے مدد طلب کرنا' بقیع میں مدفون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' اہل بیت اور اولیاء سے استغاثہ' نبی ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء احد سے استغاثہ کی انہوں نے تردید کی اور لوگوں کو اسلام کی حقیقت بتائی اور اس وقت حجاز وغیرہ میں جن بدعات و خرافات کا دور دورہ تھا' ان کی انہوں نے مذمت کی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہوں نے قبر شریف یا روضہ کی توہین کی یا یہ کہتا ہے کہ انہوں نے معاذاللہ نبی کریم ﷺ کی توہین کی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ میں سے کسی کی شان میں گستاخی کی تو وہ جھوٹ بولتا' افتراء پردازی کرتا' خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت بات کرتا ہے۔ کتب تاریخ ان دلائل سے بھری پڑی ہیں جو ہماری بات کی شہادت دیتی اور افتراء پردازوں کے جھوٹ کو طشت ازبام کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین میں تفقہ اور ثابت قدمی عطاء فرمائے کہ ہم اس سے ملاقات کے دن تک اس

کے دین سے وابستہ رہیں۔ مجھے اور آپ کو لغزشوں سے محفوظ رکھے' وہی کارساز و قادر ہے۔ ہم اللہ عزوجل سے یہ بھی دعاء کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے تمام علماء اور تمام داعیان ہدایت کو معاف فرمائے' ہمیں اور آپ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے' ہم سب کو حق کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے اور باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ انه ولی ذلک والقادر علیه والله الموفق!

——— شیخ ابن باز ———

بدھ مت

سوال کیا بدھ مت کی بھی کوئی کتاب ہے؟

جواب ہمارے علم کے مطابق بدھ مت کے ماننے والوں کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بت پرستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی یہودیت' یا عیسائیت یا مجوسیت کو اختیار کرلے تو اس کے لئے اس دین کا حکم ہو گا جس کو اس نے اختیار کر لیا ہو۔ ((والله الموفق!))

——— شیخ ابن باز ———

شیعہ مذہب کی تقلید

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات و معاملات کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کے لئے ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرے لیکن مذہب شیعہ امامیہ اور شیعہ زیدیہ ان چاروں مذاہب میں سے نہیں ہیں' تو آپ کی خدمت میں گزارش ہے کیا آپ اس رائے سے علی الاطلاق اتفاق کرتے ہیں کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید تو کی جائے لیکن مذہب شیعہ امامیہ و اثنا عشریہ کی تقلید نہ کی جائے؟

جواب ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اگر وہ خود کتاب و سنت سے احکام اخذ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے اور اگر وہ خود احکام اخذ نہیں کر سکتا تو جب اسے دین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اہل علم سے پوچھ لے اور کوشش کرے کہ جو زیادہ بڑا عالم ہو اس سے بالمشافہ یا خط و کتابت کے ذریعہ استفسار کرے۔

کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مذہب شیعہ امامیہ یا شیعہ زیدیہ یا ان جیسے دیگر مبتدعین (اہل بدعت) مثلاً خوارج' معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کی تقلید کرے' البتہ مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی کی طرف انتساب میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ تعصب سے کام نہ لے اور اس مذہب کی وجہ سے دلیل کی مخالفت نہ کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وہابی نبی ﷺ کی شفاعت کے منکر نہیں ہیں

سوال کیا وہابی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے منکر ہیں؟

جواب ہر اس عقل مند انسان سے یہ بات مخفی نہ ہو گی' جس نے امام شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی

سیرتوں کا مطالعہ کیا ہو گا کہ وہ اس قول سے بری ہیں کیونکہ حضرت الامام رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں خصوصاً "کتاب التوحید" اور "کشف الشبہات" میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر نہیں بلکہ وہ دیگر انبیاء' ملائکہ اور مومنوں کی شفاعت کو بھی مانتے ہیں' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا ہے' کتاب و سنت کے دلائل کے پیش نظر سلف صالح کا بھی یہی مسلک تھا اس سے یہ واضح ہوا کہ شیخ اور ان کے پیروکاروں کے حوالہ سے جو یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر ہیں' یہ سب سے بڑی باطل اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے والی بات ہے اور داعیان دین پر سراسر ایک جھوٹا الزام۔ ہاں البتہ شیخ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ فوت شدگان وغیرہ سے شفاعت طلب کی جائے۔ ہم اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز سے عافیت و سلامتی چاہتے ہیں جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔ ((واللہ الموفق!))

—————— شیخ ابن باز ——————

کیا بیٹا غیر اللہ کی عطاء ہے؟

سوال کیا بیٹا مرشد عطاء کرتا ہے؟ کیا مرشد رزق میں کمی بیشی کرتا ہے؟ جو شخص یہ اعتقاد رکھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے بیٹا دیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رزق میں کمی بیشی کر سکتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اس کا شرک زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے شرک سے بھی بڑا ہے کیونکہ عربوں وغیرہ سے جب زمانۂ جاہلیت میں یہ پوچھا جاتا تھا کہ انہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ یہ سب کام اللہ کرتا ہے۔ وہ اپنے معبودان باطلہ کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ ان کا گمان یہ تھا کہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (یونس ١٠/ ٣١)

"(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جان دار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ "اللہ" تو پھر پوچھئے کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِى مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى مَنْ هُوَ كَٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٣)

"اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں' تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں' اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ اس

شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔"

نیز فرمایا:

﴿ أَمَّنْ هَٰذَا ٱلَّذِى يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُۥ ﴾ (الملك٦٧/ ٢١)

"بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟"

سنت سے یہ ثابت ہے کہ دینا یا نہ دینا یہ صرف اللہ وحدہ کا اختیار ہے جیسا کہ حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" کے ((باب الذكر بعدالصلاة)) میں بیان کیا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے کاتب وراد بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»(صحيح بخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاة، ح:٦٣٣٠، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفته، ح:٥٩٣)

"اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے کوئی اس کا ساتھی نہیں' اسی کا سارا ملک ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطاء فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری پکڑ سے) نہیں بچا سکتی۔"

امام مسلم نے بھی اپنی "صحیح" میں اسی طرح ذکر فرمایا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اولاد تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطاء فرماتا ہے لیکن اس بندے کے اپنے اللہ سے دعاء کرنے کی وجہ سے اس کی اولاد کے رزق میں وسعت عطاء فرما دیتا ہے' جس طرح سورۂ ابراہیم سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔ سورۂ مریم و انبیاء میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَجْلِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحيح بخاري، كتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح:٥٩٨٥، وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٧)

"جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں درازی ہو تو اسے صلہ رحمی سے کام لینا چاہئے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

طریقہ شاذلیہ

سوال بحوث العلمیہ والا فتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش ہوا تھا اور جس کا مضمون یہ ہے کہ فرقہ شاذلیہ سے وابستہ لوگ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ ہی زکوٰۃ ادا

کرتے ہیں۔ اپنے مرشد جسے یہ "سیدنا" کہہ کر پکارتے ہیں' کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ رب کے قائم مقام ہے۔ وہی آخرت کے دن ان کا کفیل ہو گا' اس نے ان کے دنیا کے ہر عمل کو معاف کردیا ہے۔ یہ لوگ ہر ہفتہ' سوموار اور جمعہ کی رات جمع ہوتے ہیں' میرا باپ مجھے اس فرقہ کے ساتھ وابستگی پر مجبور کرتا ہے اور جب میں روزہ رکھوں یا نماز پڑھوں تو وہ ناراض ہوتا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ہمارے سید نے ہمارے لئے سب کچھ معاف کر دیا ہے' اس نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا ہے یعنی ہم یقینی طور پر جنتی ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کی یہ بات یقینی طور پر غلط ہے کیونکہ وہ ہمارے جیسا انسان ہی ہے۔ لہٰذا میری راہنمائی فرمایئے کہ میں کیا کروں؟ میں جانتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے' حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اسلام میرا دین ہے۔ میں اسلام کے ارکان خمسہ کی بھی پابندی کرتا ہوں لیکن اگر میں اپنے باپ کی اطاعت کروں تو اپنے رب کے احکام کا مخالف ٹھہروں گا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا ﴾ (الأسراء١٧/ ٢٣)

"ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا"

اور اگر میں اپنے باپ کی اطاعت نہ کروں تو مجھ سے ہمیشہ ناراض رہے گا اور مجھ سے جھگڑتا رہے گا کہ میں اس طریقے کو کیوں اختیار نہیں کرتا۔ دوسری طرف میری حالت یہ ہے کہ میں اپنے لئے کچھ نہیں کما سکتا' میری والدہ کے سوا خاندان میں کوئی اور میری مدد بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا براہ کرم میری راہنمائی فرمائیں کہ میں اپنے رب کو کس طرح راضی کروں اور اپنے باپ کی ناراضی سے کس طرح بچوں جو نماز روزے یا صحیح الفاظ کے مطابق دین اسلام ہی کا مخالف ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا کہ:

اگر امرواقعہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ تمہارا والد اور اس کے ساتھ اس طریقہ میں شامل لوگ نماز پڑھتے ہیں نہ روزے رکھتے ہیں اور اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ ان کا سید یا شیخ رب کے قائم مقام ہے' جو ان کے لئے جنت کا ضامن ہے اور وہ ان کے تمام برے اعمال کو معاف کر دے گا تو وہ کافر ہیں۔ اگر تمہارا باپ تمہیں ان میں شامل ہونے کا حکم دے اور نماز روزے کی پابندی سے منع کرے تو اس کی بات بالکل نہ مانو کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کی اطاعت کیجئے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیجئے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کے مطابق دنیا کے کاموں میں ان کے ساتھ شریک رہئے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَـٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِى ٱلدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَٱتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىَّ ۚ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ ﴾

(لقمان٣١/ ١٤_١٥)

"اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اسے) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے' جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ

ماننا' ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے' اس کے راستے پر چلنا پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو' میں سب سے تم کو آگاہ کر دوں گا۔"

آپ سچے مومن لوگوں کے ساتھ رہ کر ان عقائد کو اختیار کیجئے جن کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے جن کی وضاحت فرمائی ہے' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیجئے' اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو تکلیف آئے اسے برداشت کیجئے' اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے راستہ پر چلئے کہ یہی راستہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے۔ فرقہ شاذلیہ کے لوگوں کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ڈر ہے کہ یہ لوگ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے روزی کمانے کا کوئی ذریعہ پیدا فرما دے گا' جس سے آپ زندگی بسر کر سکیں کیونکہ رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' آپ کے والد کے ہاتھ میں ہے نہ کسی اور انسان کے ہاتھ میں!

——— فتویٰ کمیٹی ———

صوفیاء کے طریقے' خرق عادت واقعات اور شیطانی حالات

سوال ہمارے ہاں درویشوں کا ایک طریقہ مروج ہے۔ ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک ایسا آدمی ان کے ساتھ ہے' جس نے صاحب طریقہ سے پانی پیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے پیٹ پر خنجر' تلوار' لاٹھی یا بندوق وغیرہ جس آلہ سے بھی مارا جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا حالانکہ یہ بالکل ان پڑھ آدمی ہے' اسے سمجھ بوجھ بھی نہیں اور نہ ہی یہ لوگوں کے سامنے دیسہ کاریوں یا شعبدہ بازیوں وغیرہ کا اظہار کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نماز' روزہ اور دیگر فرائض جو مقرر فرمائے ہیں' یہ شخص انہیں بھی ادا نہیں کرتا۔ امید ہے آپ بیان فرمائیں گے کہ اسلام کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟ مار برداشت کرنے کا کیا راز ہے؟ امید ہے کہ آپ جواب سے مطلع فرمائیں گے کیونکہ یہ فرقہ ہمارے ملک اور بہت سے عربی اور اسلامی ملکوں میں موجود ہے۔

جواب نص اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت کو ختم فرما دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٤٠)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں میں سے آخری (خاتم النبیین) ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ کی بہت سی متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سب مسلمانوں کا بھی آپ کی ختم نبوت پر اجماع ہے۔ اولیاء کی دو قسمیں ہیں:

① اولیاء الرحمٰن ② اولیاء الشیطان۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی دوست ہیں اور شیطان کے بھی دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟

يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾﴾ (یونس۱۰/ ٦٢ـ٦٤)

"سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے' ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾﴾
(البقرة٢/ ٢٥٧)

"اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے ہیں وہ (اللہ تعالیٰ) انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں' وہ (شیطان) ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

حدیث صحیح میں ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دیگر محدثین نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

«مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ أَوْ فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، ح: ٦٥٠٢، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب من ترجى له السلامة من الفتن، ح: ٣٩٨٩)

"جو کوئی میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔"

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس شخص کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ شیطان کے بھی دوست ہوتے ہیں' چنانچہ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾﴾
(النحل١٦/ ٩٨ـ١٠٠)

"اور جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کریں جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا ہے۔ اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾﴾

(النساء٤/ ١١٩)

''اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَا ٱلشَّيَـٰطِينَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوا۟ فَـٰحِشَةً قَالُوا۟ وَجَدْنَا عَلَيْهَآ ءَابَآءَنَا وَٱللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّى بِٱلْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا۟ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَٱدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلضَّلَـٰلَةُ ۗ إِنَّهُمُ ٱتَّخَذُوا۟ ٱلشَّيَـٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٧۔٣٠)

''ہم نے شیطان کو انہی لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء واجداد (بزرگوں) کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ اور اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ ان سے کہو' اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ اے نبی کہہ دو کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ نماز کے وقت سیدھا (قبلہ کی طرف) رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اسی کو پکارو' اس نے جس طرح تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔ ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا ہے اور سمجھتے (یہ) ہیں کہ ہدایت یاب ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَإِنَّ ٱلشَّيَـٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَـٰدِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

''اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے۔''

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿ يَـٰٓأَبَتِ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَـٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَـٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ ﴾ (مریم١٩/ ٤٥)

''ابا جی! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔''

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ يُخْرِجُونَ ٱلرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَـٰدًا فِى سَبِيلِى وَٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِى ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَأَنَا۠ أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ﴿١﴾ إِن

يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَآءً وَيَبْسُطُوٓا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوٓءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَٰوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُۥٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَىْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَآ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١_٥)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ اُن کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ زبان سے تمہیں تکلیف دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی اور نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور اُس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے اُن معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔" مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست کروں گا، اور اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے۔ (اور ابراہیم اور اصحاب ابراہیم کی دعا یہ تھی کہ) اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کر لیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں سے درگزر فرما، بیشک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔"

ان آیات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص شیطان کے دوستوں میں سے ہے اور مذکورہ اعمال شیطانی احوال ہیں، جن کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دے کر ان کی آنکھوں کو فریب دیا گیا ہے، ان کاموں کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف شیطانوں کے ذریعہ لوگوں کی آنکھوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں سورۂ اعراف میں فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوٓا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾﴾ (الأعراف٧/ ١١٦)

"جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں

اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔"

اور سورۂ طہٰ میں فرمایا:

﴿ قَالُوا يَٰمُوسَىٰٓ إِمَّآ أَن تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ أَلْقُوا۟ ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ ﴾ (طه۲۰/ ۶۵۔۶۶)

"(جادوگر) بولے کہ موسیٰ یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو (جب انہوں نے چیزیں ڈالیں) تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔" ((وصلی الله علی نبینا محمد و آله و صحبه و سلم))

فتویٰ کمیٹی

نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے

سوال بعض صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرض نماز سے افضل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ﴿ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ﴾ تو کیا واقعی صوفیہ کے بقول ذکر الٰہی نماز سے افضل ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے کثرت کے ساتھ اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۴۱۔۴۲)

"اے اہل ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی (تسبیح و تقدیس) بیان کرتے رہو۔"

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ذکر الٰہی سے اطمینان و سکون قلب حاصل ہوتا ہے:

﴿ أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الرعد۱۳/ ۲۸)

"اور سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فِي السَّبْعَةِ الَّذِيْنَ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، البكاء من خشية الله عزوجل، ح:٦٤٧٩، ١٤٢٣، ٦٦٠، وجامع الترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في الله، ح:٢٣٩١)

"جس شخص نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ اسے ان سات قسم کے لوگوں میں شامل فرمائے گا جنہیں اس دن اپنے سایہ تلے جگہ عطاء فرمائے گا جب اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا"

آپ ﷺ نے مثال دے کر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی سی اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی سی ہے۔ ذکر الٰہی دلوں کی زندگی اور اطمینان اور نفسوں کی پاکیزگی اور طہارت ہے اور اس کا اللہ کے ہاں اجروثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

بے شک نماز افضل اذکار تلاوت قرآن' تکبیرو تہلیل اور تسبیح و تحمید پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو بندوں

کے کلام پر اسی طرح فضیلت ہے' جس طرح خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر فضیلت حاصل ہے' سب سے افضل ذکر جو رسول اللہ ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا وہ کلمہ لاالہ الا اللہ ہے' اس کے ساتھ ساتھ نماز رکوع و سجود پر مشتمل ہے اور بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے' جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نماز سے باہر ذکر کو نماز پر فضیلت دینا کسی چیز کی اپنے نفس پر فضیلت کے مترادف ہے بلکہ یہ ایک اعلیٰ چیز پر فضیلت کے مترادف ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ ۖ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ ٱللَّهِ أَكْبَرُ ۗ﴾

(العنكبوت٢٩/ ٤٥)

"اور نماز کے پابند رہئے۔ یقیناً نماز بے حیائی کی باتوں اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا (اچھا کام) ہے۔"

معنی یہ ہے کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں اس طرح ادا کرنا' جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے بیان فرمایا ہے' یقیناً ایک مسلمان اور اس کے گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے برائیوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا جب تم اس کا ذکر کر رہے ہوتے ہو تو یہ بھی قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم اور اجروثواب کے اعتبار سے بہت افضل عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرة٢/ ١٥٢)

"تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"

ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی بات کو اختیار کیا ہے اور بہت سے مفسرین نے بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین سے منقول ارشادات کی بنیاد پر ابن جریر کی تائید کی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

شاذلیہ وغیرہ صوفیوں کے طریقوں کی طرف نسبت

سوال شیخ عبدالقادر جیلانی یا ابوالحسن شاذلی کے سلسلوں میں داخل ہونے اور ان کی طرف نسبت میں کوئی حرج ہے؟ کیا یہ سنت ہے یا بدعت؟

جواب امام ابوداؤد اور دیگر اصحاب سنن نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

«صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا، فَقَالَ: أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اِخْتِلاَفًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(سنن ابي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة،

ح:٤٦٠٧، وجامع الترمذي، ح:٢٦٧٦، وسنن ابن ماجه، ح:٤٢، ومسند احمد، ٤/ ١٢٦، ١٢٧)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد ہماری طرف توجہ فرمائی اور بہت مؤثر وعظ ارشاد فرمایا' جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل ڈر گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو الوداع کہنے والے کا وعظ ہے تو آپ ہمیں کیا وصیت فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی امیر ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا یقیناً وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا (اختلاف سے بچنے کے لئے) میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا' اسے مضبوطی سے تھام لینا اسی سے وابستہ رہنا اور اپنے آپ کو بدعات سے بچانا' (دین میں ایجاد کی گئی) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے!؟"

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی امت میں بہت زیادہ اختلاف رونما ہو گا' لوگ مختلف طریقے اور انداز اختیار کر لیں گے' ان میں بدعات و محدثات کی کثرت ہو گی تو ان حالات میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت یہ فرمائی کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے دامن سے وابستگی اختیار کر کے اسے مضبوطی سے تھام لیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تفرقہ بازی' انتشار و خلفشار اور بدعات و محدثات سے اجتناب کرنے کی بھی تلقین فرمائی کیونکہ بدعات انسان کو گمراہ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور لے جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کو وہی وصیت فرمائی جو حسب ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وصیت فرمائی ہے:

﴿ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۳)

"اور تم سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِى مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٥٣)

"بلاشبہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دیگر راستوں پر نہ چلنا کیونکہ تم (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔"

ہم تمہیں وہی وصیت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔ ہم اہلسنّت کے ساتھ وابستگی کی وصیت کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں' جسے ان تصوف کے سلسلے والوں نے ایجاد کیا ہے' جس میں بدعی اوراد' غیر مشروعہ اذکار اور شرکیہ دعائیں ہیں یا شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں مثلاً غیراللہ سے استغاثہ' مفرد اسماء کے ساتھ اس کا ذکر اور کلمہ آہ کے ساتھ اس کا ذکر حالانکہ آہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح دعاء میں مشائخ کے ساتھ توسل اور مشائخ کے بارے میں یہ اعتقاد کہ وہ دلوں کے حالات سے آگاہ ہیں' دلوں کے مخفی بھید جانتے ہیں نیز ان کا اجتماعی طور پر ایک ہی آواز میں حلقوں میں ترنم کے ساتھ لہک لہک کر ذکر کرنا وغیرہ یہ وہ باتیں ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

صوفیاء کی مخصوص اصطلاح ”صاحب وقت“

سوال تصوف کی طرف منسوب لوگوں کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ”ہمارا مرشد صاحب وقت ہے“ وہ تصرف کر سکتا ہے۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب ”ہمارا مرشد صاحب وقت ہے“ اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے ہاتھ میں مخلوق کے امور ہیں' وہ ان کے امور میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں' ان کی مشکلات کو ختم کر سکتے ہیں' ان کی مصیبتوں اور بلاؤں کو دور کر سکتے ہیں اور ان کے بزعم وہ ان کی طرف اچھائیوں اور بھلائیوں کو پہنچا سکتے ہیں۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور تدبیر امور خلق میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے' اس کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز نہیں' اسے مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز کرنا درست نہیں۔ صریح کفر واضح شرک اور زمانہ جاہلیت کے شرک سے بھی بدتر شرک کے ارتکاب کی وجہ سے ایسے لوگوں کو نماز کا امام بنانا بھی جائز نہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَـٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمُ ٱلْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ ٱلْحَقِّ إِلَّا ٱلضَّلَـٰلُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۳۱-۳۲)

”(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے؟ اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ! تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ یہی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟ تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟“

— فتویٰ کمیٹی —

کیا ولی کسی دوسرے انسان کی مدد کر سکتا ہے؟

سوال کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ولی کسی ایسے انسان کی مدد کرے جو اس سے دور ہو مثلاً ایک آدمی ہندوستان میں ہے اور ولی سعودیہ میں رہ رہا ہے تو کیا اس سعودی ولی کے لئے سعودیہ میں رہتے ہوئے کسی ہندوستان کے آدمی کی ہندوستان میں مدد کرنا ممکن ہے؟

جواب ولی اور غیر ولی زندہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ عادی اسباب کے اندر رہتے ہوئے ان لوگوں کی مدد کرے جو اس سے مدد طلب کریں مثلاً یہ کہ وہ ان کے لئے مال خرچ کر سکتا ہے' حکمرانوں کے پاس سفارش کر سکتا ہے یا ان اسباب و وسائل کو اختیار کرتے ہوئے جو انسانی مقدور میں ہوں اور ان کا استعمال معروف و معمول ہو وہ کسی ناپسندیدہ چیز سے انہیں بچا بھی سکتا ہے۔

ایسے غیر عادی اسباب جو انسانی طاقت سے بالا ہوں جیسے کہ اس مثال میں سائل نے ذکر کیا ہے' یہ بندوں کی دسترس سے باہر ہیں اور یہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے قبضہ اختیار میں ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے' کونی سنن صرف اسی کے تصرف میں ہیں' ان میں سے جن کے مطابق وہ چاہتا ہے عمل کرتا ہے اور جن کے مطابق وہ نہیں چاہتا عمل نہیں کرتا۔ اسی کی دعوت

حق ہے' صرف اسی کی ذات ملجا و ماویٰ ہے۔ صرف وہی مدد کر سکتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ اکیلا ہی ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز سے اس کی حکمت و رحمت وسیع ہے۔ وہ جو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ وہ جو فیصلہ فرمائے' اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا کہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُۥٓ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَـٰمَةِ وَهُمْ عَن دُعَآئِهِمْ غَـٰفِلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَـٰفِرِينَ ۝﴾ (الأحقاف٤٦/ ٥-٦)

''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے شخص کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ (قیامت کے دن) جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَـٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝﴾ (فاطر٣٥/ ١٤)

''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہ دے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں سورۂ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اس کی جناب میں یہ عرض کریں:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾ (الفاتحة١/ ٥)

''(اے پروردگار!) ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

نبیؐ نے بھی ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اللہ ہی سے سوال کریں اور صرف اسی سے مدد مانگیں' چنانچہ آپؐ کا ارشاد یہ ہے کہ:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ»(جامع الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث حنظلة . . . ، ح:٢٥١٦)

''جب تم سوال کرو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرو اور جب تم مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگو۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

کمیونزم کی طرف انتساب کا حکم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ ـ وَبَعْدُ

فقہی کونسل نے جن اہم امور کا مطالعہ کیا ان میں سے کمیونزم اور سوشلزم کا موضوع بھی ہے اور فکری یورش کی وجہ سے وہ مشکلات بھی جن سے اس وقت عالم اسلام دوچار ہے' حکومتوں کی سطح پر بھی اور افراد کی سطح پر بھی اور پھر اس خطرناک فکری یورش کے خطرات سے ناواقفیت کی وجہ سے حکومتوں اور قوموں کو جن مشکلات کا سامنا ہے' کونسل نے انہیں بھی پیش نظر رکھا ہے۔

فقہی کونسل کی یہ رائے ہے کہ اس وقت عالم اسلام کے اکثر ممالک افکار وعقائد کے خلا کا شکار ہیں اور دوسری طرف ان درآمد شدہ افکار و عقائد کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ یہ اسلامی معاشروں میں پھیل سکیں' مسلمانوں کے عقائد میں خلل پیدا کر سکیں' اخلاق و کردار میں گراوٹ پیدا کر سکیں' انسانی اقدار کو ملیامیٹ کر سکیں اور معاشرے میں خیروبھلائی کی تمام بنیادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ اب یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دنیا کے تمام بڑے ممالک اپنے نظام اور افکار کے اختلاف کے باوجود اس نکتہ پر سب متفق ہیں کہ ہر اس ملک کا نظام درہم برہم کر دیا جائے جس کی اسلام کی طرف نسبت ہے۔ اسلام دشمنی' اس کی اشاعت کے خوف اور مسلمانوں کی بیداری کے ڈر نے ان سب کو اختلاف کے باوجود ایک نکتہ پر متفق و متحد کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کو خراب کر دیا جائے!

عقائد کے میدان میں یہ ممالک ہر اس شخص کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں' جو کیمونزم کو اختیار کر لے اور پھر کیمونزم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ان کے ریڈیو' ٹیلی وژن' اخبارات' خوشنما پروپیگنڈے اور اجرتی مصنفین شب و روز مصروف ہیں اور پھر بڑے خوشنما لیبل لگا کر یہ اس الحاد کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ کبھی اسے آزادی کا نام دیتے ہیں اور کبھی ترقی کا' کبھی اسے جمہوریت کہتے ہیں اور کبھی کچھ اور' اس کے خلاف تمام اصلاحات' اخلاق و کردار کی حفاظت کی کوشش اور بلند پایہ اسلامی تعلیمات اور آداب و اخلاق کو یہ رجعیت' پسماندگی اور دقیانوسیت وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں' اسی طرح اخلاق کے میدان میں یہ اباحیت اور مرد و زن کے بے محابا اختلاط کے داعی ہیں اور اسے بھی یہ ترقی اور آزادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ انہیں فکری' مادی اور سیاسی طور پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ دین اور اخلاق کا جنازہ نکال دیں۔ جب یہ دین اور اخلاق کا جنازہ نکال دیں گے تو پھر ان کے لئے خیروبھلائی کے تمام سرچشموں کو بند کر دینا آسانی سے ممکن ہو گا اور پھر یہ جس طرح چاہیں تصرف کر سکیں گے یعنی اس فکری' عقائدی اور سیاسی کشمکش میں یہ اپنے دوستوں کی مال' اسلحہ اور پروپیگنڈہ کے ذریعہ خوب مدد کرتے ہیں تاکہ انہیں معاشرے میں نہ صرف اثرورسوخ حاصل ہو بلکہ وہ اقتدار پر بھی قبضہ کر لیں اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد یہ لوگ جو قتل و غارت کا بازار گرم کرتے' مخالفین کو جلا وطن کرتے' آزادیوں کو سلب کرتے اور ہر اس شخص کو جس میں دین اور اخلاق کی ادنیٰ سی بھی رمق ہو' اسے جس طرح جیل کی کال کوٹھڑیوں میں پھینک دیتے ہیں' اس کے بارے میں مت پوچھئے!

جن اسلامی ممالک نے اپنی دینی و اخلاقی قدروں سے اپنے تحفظ کا اہتمام نہ کیا' کیمونزم کی اس یلغار نے انہیں آسانی سے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ اپنے علمی و دینی اختصاص کی وجہ سے فقہی کونسل کا چونکہ یہ فرض ہے کہ وہ اس فکری' عقائدی اور سیاسی یورش کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرے' جو ابلاغ اور فوج کے اسباب و وسائل کے ذریعہ پھیلائے جا رہے ہیں' اس لئے اسلامی فقہی کونسل کے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

کونسل عالم اسلام کے تمام ممالک اور اقوام کی اس جانب توجہ مبذول کروائے کہ کیمونزم اسلام کے منافی ہے۔ کیمونزم کو اختیار کرنا اس دین کا انکار کرنا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے' یہ انسانی و اخلاقی قدروں کو ملیامیٹ کرنا ہے' انسانی معاشروں کو کھوکھلا کرنا ہے اور اس کے برعکس اسلامی و محمدی شریعت ہی آخری آسمانی دین ہے' جسے اللہ حکیم و حمید نے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لانے کے لئے نازل فرمایا ہے۔ یہ دین سیاسی' معاشرتی' ثقافتی اور معاشی ہر اعتبار سے ایک مکمل نظام حیات ہے۔ ان تمام خرابیوں سے نجات کے لئے' جنہوں نے

مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کر دیا ہے' ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اور ان کے اتفاق و اتحاد کو انتشار و خلفشار سے بدل دیا ہے' یہ دین ہی مفید و مؤثر اور کارآمد ثابت ہو سکتا ہے' خصوصاً وہ معاشرے جنہوں نے اسلام کو پہچانا لیکن پھر اسے پس پشت ڈال دیا' ان میں تمام تر خرابی کی جڑ یہی کیمونزم ہے۔ کیمونزم اور سوشلزم کی اس سخت معاندانہ اور خطرناک یلغار کا سب سے بڑا ہدف اسلام' اس کے مبادئ و تعلیمات' اس کے اخلاق و آداب اور اس کے دامن سے وابستہ ممالک تھے' اس لئے کونسل اسلامی ملکوں اور معاشروں کو یہ نصیحت کرتی ہے کہ وہ مختلف اسباب و وسائل کو بروئے کار لا کر اس زبردست خطرے کا مقابلہ کریں' جس کی چند حسب ذیل صورتیں بھی ممکن ہیں:

① انتہائی سرعت کے ساتھ اس نصاب تعلیم اور طرز تعلیم پر نظرثانی کی جائے جسے حال ہی میں اسلامی ملکوں میں رائج کیا گیا ہے' کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نصاب تعلیم میں الحادی' سوشلسٹ اور زہر آلود افکار شامل کئے جا چکے ہیں جو اسلامی ملکوں کے لئے ایک طرح سے اعلان جنگ ہیں اور یہ نصاب کیمونزم کے ماہر اساتذہ و مصنفین سے تیار کروایا گیا ہے۔

② اسلامی ملکوں کو چاہئے کہ وہ حد درجہ کوشش کر کے اولین فرصت میں اپنے تمام اداروں کے نظام کا جائزہ لیں خصوصاً ذرائع ابلاغ' معاشیات' داخلی و خارجی تجارت اور مقامی اداروں کے نظام کا ازسرنو جائزہ لیں تاکہ ان کی تہذیب و تطہیر کی جا سکے اور انہیں اسلام کی صحیح بنیادوں پر ازسرنو استوار کیا جا سکے کیونکہ یہ اسلامی بنیادیں ہی مسلمان ملکوں اور قوموں کو تحفظ فراہم کر کے انہیں حسد و بغض کا شکار ہونے سے محفوظ رکھ سکتی ہیں اور مسلمانوں میں ازسرنو اخوت' باہمی تعاون اور اخلاص کی روح پھونک سکتی ہیں۔

③ اسلامی ملکوں اور قوموں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ تخصص کے ایسے مدارس و مکاتب قائم کریں' جن سے ایسے مخلص اور پرجوش داعی تیار ہوں جو اس یلغار کی تمام صورتوں کا مقابلہ کرنے کی استعداد رکھتے ہوں اور جو شخص اجنبی یورش کی حقیقت اور اس کے خطرناک اغراض و مقاصد کو معلوم کرنا چاہے' یہ داعی اپنے گہرے مطالعہ اور ٹھوس معلومات کی بدولت اسے مطمئن کر سکیں اور دوسری طرف انہیں اسلام اور اس کے قیمتی خزانوں کے بارے میں بھی بھرپور معلومات حاصل ہوں' ایسے مدارس اور اس طرح کے دعاۃ و مبلغین جس ملک میں جس قدر زیادہ ہوں گے' اسی قدر یہ امید بھی زیادہ ہو گی کہ وہ ان مغربی اور ملحدانہ افکار و نظریات کا آسانی سے خاتمہ کر سکیں گے اور امید ہے کہ اس طرح علم و عمل کے ہتھیاروں سے مسلح' واقعی طور پر منظم ایک ایسی جماعت ان تمام تحریکوں کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی' جو مسلمانوں کے دلوں میں اخلاق و کردار کی اس باقی ماندہ دولت کو بچانے کی کوشش کرے گی جس کا یہ ملحدانہ تحریکیں خاتمہ کر دینا چاہتی ہیں۔

کونسل تمام علماء اسلام سے خواہ ان کا تعلق کسی بھی جگہ یا کسی بھی تنظیم سے ہو' یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ ان خطرناک اور ملحدانہ افکار و نظریات کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں' جو مسلمانوں کے دین و شریعت اور عقائد و اخلاق کو بھی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور ان کے ملکوں کو بھی۔ لہٰذا علماء اسلام پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اشتراکیت اور کیمونزم کی حقیقت کو واضح کریں اور بتائیں کہ یہ دونوں اسلام کے خلاف جنگ ہیں۔

بہائیت کی طرف انتساب کا حکم

اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنِ اهْتَدٰى بِهُدَاهُ - وبَعْدُ

اسلامی فقہی کونسل نے فرقہ بہائیہ کا جائزہ لیا جو گزشتہ صدی کے نصف آخر میں بلاد فارس (ایران) میں ظاہر ہوا اور آج اسلامی و غیر اسلامی ملکوں میں اس سے وابستہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

اس فرقہ کے بارے میں علماء و مصنّفین اور اس فرقہ کی حقیقت سے آگاہ لوگوں نے جو اس کی نشأت' دعوت' کتابوں اور اس فرقہ کے بانی مرزا حسین علی مازندرانی--- جو ۲۰ محرم ۱۲۳۳ ہجری بمطابق ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوا--- اس کے پیروکاروں کے کردار و اخلاق' اس کے خلیفہ ولی عہد عباس آفندی مسمی عبدالبھاء اور اس فرقہ کی دینی تنظیموں کے بارے میں جو لکھا ہے' اس کا جائزہ لیا ہے۔

بہت سے قابل اعتماد مصادر وماخذ کے مطالعہ کے بعد' جن میں سے کچھ کتابیں' خود بہائی مصنّفین کے قلم سے ہیں' کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ:

بہائیت ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے جو بابیت کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور خود بابیت بھی ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے' جسے علی محمد--- جو یکم محرم ۱۲۳۵ ہجری بمطابق اکتوبر ۱۸۱۹ء کو شیراز میں پیدا ہوا--- نے ایجاد کیا تھا۔ ابتداء میں یہ شخص صوفی و فلسفی تھا اور طریقہ شیخیہ سے وابستہ تھا' جس کا بانی اس کا گمراہ شیخ کاظم رشتی خلیفہ تھا جو کہ احمد زین الدین احسائی کے نام سے مشہور تھا۔ طریقہ شیخیہ کے اس گمراہ بانی کا خیال یہ تھا کہ اس کا جسم ملائکہ کی طرح نورانی ہے' اس طرح اور بھی بہت سے باطل ہفوات و خرافات کو اس شخص نے اختیار کر رکھا تھا۔

علی محمد پہلے اپنے شیخ کے ان اقوال کا قائل تھا لیکن پھر یہ اس سے الگ ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ایک نئے روپ میں ظاہر ہوا اور دعویٰ کرنے لگا کہ میں وہ علی بن ابی طالب ہوں جس کے بارہ میں رسول (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ:

«أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا»(جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب أنا دارالحكمة وعلي بابها، ح: ٣٧٢٣)

"میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔"

اس طرح اس نے اپنے آپ کو "باب" کہلانا شروع کر دیا' پھر اس کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مہدی منتظر کے لئے باب ہے اور پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا' پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اعلیٰ کہنا شروع کر دیا۔ جب مرزا حسین علی مازندرانی مسمی بالبھاء نے اپنی دعوت کو شروع کیا تو باب نے بھی اس کی دعوت کو قبول کر لیا لیکن جب اس کے کفر اور فتنہ کی وجہ سے باب کو قتل کر دیا گیا تو مرزا حسین علی نے اعلان کیا کہ باب نے اس کے حق میں یہ وصیت کی ہے کہ بابیوں کا سربراہ بھی یہی ہے' اس طرح از خود ہی یہ بابیوں کا بھی سربراہ بن گیا اور اپنے آپ کو اس نے بھاء الدین کے نام سے موسوم کر لیا تھا۔

پھر اس نے ایک اور زقند لگائی اور یہ اعلان کیا کہ سابقہ تمام دین اس کے ظہور کے پیش خیمہ کے طور پر دنیا میں آئے

تھے اور اس کے دین کے سوا دیگر تمام دین ناقص ہیں' یہ خود اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہے' اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا یہ سرچشمہ ہے' اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی ہے' رب العالمین سے مراد بھی یہی ہے' جس طرح اسلام کی آمد سے سابقہ تمام دین منسوخ ہو گئے اسی طرح بہائیت کی آمد سے اسلام بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

باب اور اس کے پیروکاروں نے قرآن عظیم کی آیات کی جو تاویلیں کیں وہ حد درجہ عجیب و غریب اور ان کی باطنیت کی مظہر تھیں' یہ تاویلیں انہوں نے اس لئے کیں تاکہ قرآنی آیات کو اپنی خبیث دعوت کے لئے استعمال کر سکیں۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کر دیا تھا کہ آسمانی شریعتوں کے احکام بدل دینے کا اسے اختیار حاصل ہے اور پھر اس نے عبادتوں کی بھی نئی نئی صورتیں ایجاد کیں جن کے مطابق اس کے پیروکار عمل کرتے تھے۔

ثابت شدہ نصوص کی شہادت کی روشنی میں کونسل کے سامنے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بہائیوں کا عقیدہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اس عقیدہ کا قیام انسانی بت پرستی کی بنیاد پر ہے کہ اس عقیدہ میں بہاء کی الوہیت کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے اور یہ دعویٰ بھی کہ اسے اسلامی شریعت کے احکام تبدیل کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ بہائیت کے ان افکار و آراء کی بنیاد پر کونسل نے باتفاق رائے یہ قرار دیا کہ بہائیت اور بابیت دائرہ اسلام سے خارج ہیں بلکہ یہ اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہیں' ان کے پیروکار کھلم کھلا کافر ہیں' ان کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

کونسل تمام مسلمانوں کو یہ تلقین کرتی ہے کہ وہ اس مجرم اور کافر گروہ کی دسیسہ کاریوں سے بچیں' اس کا مقابلہ کریں' اپنے آپ کو اس کے شر سے بچائیں کیونکہ یہ بات اب کوئی راز نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعماری حکومتیں اس تحریک کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ واللہ الموفق!

قادیانیت کی طرف انتساب کا حکم

فقہی کونسل نے قادیانی گروہ کا بھی جائزہ لیا ہے جو کہ گزشتہ صدی (انیسویں صدی عیسوی) میں پیدا ہوا اور جو اپنے آپ کو احمدیہ جماعت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس گروہ کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۷۶ء) تھا' جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ نبی ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے' وہ مسیح موعود ہے۔ مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ نبوت پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ پر ختم نہیں ہوئی (جیسا کہ قرآن عظیم اور سنت مطہرہ کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے) بلکہ نبوت کا سلسلہ اب تک جاری ہے' وہ خود نبی ہے اور اس پر دس ہزار سے زیادہ آیات بذریعہ وحی نازل ہو چکی ہیں' جو اس کی تکذیب کرے وہ کافر ہے' مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ قادیان کا حج کریں کیونکہ یہ شہر مکہ اور مدینہ کی طرح مقدس ہے' اسی شہر کا قرآن مجید میں نام مسجد اقصیٰ ہے۔ یہ ساری باتیں مرزا کی کتاب "براہین احمدیہ" اور اس کے رسالہ "التبلیغ" میں موجود ہیں۔

کونسل نے مرزا کے خلیفہ مرزا بشیر الدین بن غلام احمد قادیانی کے اقوال کا بھی جائزہ لیا' چنانچہ اس کی کتاب "آئینہ صداقت" میں ہے کہ ہر وہ مسلمان جو مسیح (یعنی اس کے والد مرزا غلام احمد) کی بیعت نہ کرے' خواہ وہ ان کے بارے میں سنے یا نہ سنے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (کتاب مذکور ص ۳۵) اسی طرح اس نے اپنے اخبار "الفضل" میں اپنے والد مرزا غلام احمد کے حوالے سے لکھا کہ ہم ہر چیز میں حتیٰ کہ اللہ' رسول' قرآن' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے بارے میں

مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں' ان میں سے ہر چیز کے بارے میں ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جوہری اختلاف ہے (اخبار الفضل' مجریہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)۔

اسی اخبار کی تیسری جلد میں بھی لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد ہی نبی کریم محمد ﷺ ہیں' قرآن مجید میں جو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ:

﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾ (الصف ٦١/ ٦)

''اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے' جن کا نام احمد ہو گا' ان کی بشارت سناتا ہوں۔''

تو اس کا مصداق بھی مرزا غلام احمد قادیانی ہے (کتاب انذار خلافت ص:۲۱) کونسل نے ثقہ مسلمان علماء و مصنفین کی ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے' جو انہوں نے قادیانی و احمدی فرقہ کی تردید میں لکھیں اور جن میں انہوں نے ناقابل تردید دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ فرقہ بالکل قطعی طور پر خارج از اسلام ہے۔

اسی وجہ سے پاکستان کے شمالی علاقوں (آزاد کشمیر) کی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں باتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی کہ قادیانی فرقہ غیر مسلم اقلیت ہے اور پھر اس کے بعد پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی باتفاق رائے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

ان قادیانی عقائد کے ساتھ ساتھ جو مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں سے ثابت ہیں' ہم اس کے ان خطوط کی طرف بھی توجہ مبذول کروائیں گے' جو اس نے ہندوستان کی اس دور کی انگریزی حکومت کو لکھے' جس سے اسے مالی امداد بھی ملتی تھی اور جہاد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں مرزا کو انگریزی حکومت کی تائید و حمایت بھی حاصل تھی۔ مرزا جہاد کا اس لئے منکر تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے بجائے وہ اس وقت کی استعماری انگریزی حکومت کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں اخلاص پیدا کر سکے۔ مرزا سمجھتا تھا کہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کے ہوتے ہوئے انگریزوں کے لئے اخلاص پیدا کرنا ناممکن ہے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنی کتاب ''شہادۃ القرآن'' ص ۱۷ طبع ششم میں لکھتا ہے کہ ''میرا ایمان ہے کہ جیسے جیسے میرے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ان کی تعداد زیادہ ہوتی چلی جائے گی' جہاد پر ایمان لانے والوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی کیونکہ میرے مسیح اور مہدی ہونے پر ایمان لانے کا معنی ہی جہاد کا انکار ہے۔'' ملاحظہ فرمایئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا رسالہ ''قادیانیت'' ص ۲۵ طبع رابطہ عالم اسلامی!

قادیانیت کے بارے میں نہایت ثقہ اور قابل اعتماد لٹریچر کے مطالعہ کے بعد اور قادیانیوں کے عقائد' بانی قادیانیت کے حالات' قادیانیت کے اغراض و مقاصد اور اہداف کے مطالعہ کے بعد کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ قادیانی معتقدات' صحیح اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہیں۔ قادیانیوں کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائد سے دور ہٹا کر گمراہ کر دیں' اس لئے کونسل نے باتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی ہے کہ قادیانی یا احمدی جماعت بلاشک و شبہ مکمل طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ قادیانی کافر اور مرتد ہیں' ان کا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا دھوکہ و فریب ہے' لہٰذا اسلامی فقہی کونسل یہ اعلان کرتی ہے کہ تمام مسلمانوں پر' ان کی حکومتوں' علماء' مصنفین' مفکرین اور دعاۃ و مبلغین پر یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کے ہر کونے اور گوشے میں اس گمراہ فرقے اور اس سے وابستہ لوگوں کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

((وباللہ التوفیق!))

دستخط: چیئرمین عبداللہ بن حمید چیف جسٹس سپریم کورٹ سعودی عرب۔
دستخط: وائس چیئرمین محمد علی الحرکانی' سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی

دستخط ارکان: عبدالعزیز عبداللہ بن باز' ڈائریکٹر ادارات بحوث علیہ و افتاء و دعوۃ و ارشاد۔ سعودی عرب' مصطفیٰ الزرقاء' محمد محمود صواف' محمد بن عبداللہ سبیل' محمد رشید (دستخط کرنے سے پہلے سفر پر روانہ ہو گئے) ابوبکرجومی' صالح بن عثیمین' محمد رشید قبانی' عبدالقدوس ہاشمی ندوی۔

نظریۂ ارتقاء اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے

سوال مغربی انداز کے کالجوں میں ہمیں ہر جگہ نظریۂ ارتقاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے' کتابوں اور مجلات میں بھی اس نظریہ کا یوں اظہار کیا جاتا ہے گویا اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ میں سائنس کالج شعبہ بیالوجی کا طالب علم ہوں۔
میں اس موضوع سے متعلق قرآنی آیات' احادیث شریفہ اور آپ کی آراء چاہتا ہوں تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو؟

جواب بلا شک و شبہ نظریۂ ارتقاء دہریوں اور ان کے پیروکاروں مثلاً غالی فلسفیوں اور ماہرین طبعیات وغیرہ کا عقیدہ ہے اور یہ ایک غلط نظریہ ہے جس کی بنیاد کسی دلیل کے بغیر محض ظن و تخمین پر ہے' اسی طرح یہ لوگ عالم کو قدیم مانتے اور مبدأ و معاد اور حشر کا انکار کرتے ہیں اور بلا شک یہ کفر صریح ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے جو خبریں دی ہیں ان کی تکذیب ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں اس کی صراحت فرمائی ہے' اس میں بروبحر میں موجود تمام مخلوقات داخل ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مخلوقات کو اسی طرح پیدا فرمایا اور انہیں اپنی قدرت اور کمال ربوبیت کی نشانیاں بنا دیا' چنانچہ فرمایا:

﴿ فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۶۴)

''اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلائے۔''

اور فرمایا:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ (ھود۱۱/ ۶)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے' وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی!''

یعنی ان کی جگہوں اور عمروں کو بھی جانتا ہے اور فرمایا:

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا طَٰٓئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ﴾ (الأنعام۶/ ۳۸)

''اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے' ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَأَلْقَىٰ فِي ٱلْأَرْضِ رَوَٰسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ (لقمان۳۱/ ۱۰)

"اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تاکہ تم کو ہلا نہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ اس نے ان تمام جانوروں کو پانی سے پیدا فرمایا ہے:

﴿ وَٱللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّن مَّآءٍ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِۦ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰٓ أَرْبَعٍ ﴾ (النور۲٤/ ٤٥)

"اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔"

یہ بطور مثال ہے وگرنہ کئی جانوروں کی چھ یا اس سے زیادہ ٹانگیں بھی ہیں' سب کو چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے' اس لئے اس نے خلق و رزق اور کبر و صغر کے اعتبار سے فرق رکھا اور پھر ہر چیز کو اس نے پیدا فرما کر اس پر راہ عمل کو بھی کھول دیا ہے تاکہ اس کی حیات اور نوع کی بقا کا اہتمام بھی ہو۔ ان میں سے ہر ہر مخلوق میں توالد و تناسل' نشوونما' اپنی اپنی اولاد پر شفقت کا جذبہ اور اپنے رزق کی پہچان کا شعور بھی ہو اور تمام مخلوقات کو یہ سب باتیں طبعی طور پر کسی کے تعلیم دینے کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان مخلوقات میں سب سے اشرف و افضل انسان ہے کہ ساری کائنات کو اسی کی خاطر پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس عقل و ادراک کے ساتھ یہ غور و فکر سے کام لے سکے' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام مخلوقات سے نمایاں اور ممتاز کر دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِيٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُۥ وَبَدَأَ خَلْقَ ٱلْإِنسَٰنِ مِن طِينٍ ﴿٧﴾ ﴾ (السجدة۳۲/ ۷)

"جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔"

ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق و ملکیت ہیں۔ اس نے کائنات کی ہر چیز کو ہمارے لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ ہم اس سے نفع حاصل کریں اور عبرت بھی! (واللہ الموفق)

—— شیخ ابن جبرین ——

قومیت کی دعوت جاہلیت کی دعوت ہے

سوال قومیت کی دعوت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اس دعوت کے معنی یہ ہیں کہ نسل اور زبان کی طرف انتساب کو دین کی طرف انتساب سے مقدم سمجھا جائے' قومیت کی داعی جماعتیں اگرچہ دعویٰ یہ کرتی ہیں کہ وہ دین کی دشمن نہیں ہیں لیکن یہ قومیت کو دین سے مقدم ضرور سمجھتی ہیں۔ آپ کی اس دعویٰ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ دعوت جاہلیت ہے' اس کی طرف انتساب اور اس دعوت کے دینے والوں کی حوصلہ افزائی جائز نہیں بلکہ اسے ختم کرنا ضروری ہے کیونکہ اسلامی شریعت تو دنیا میں آئی ہی اس لئے ہے کہ اس جاہلانہ دعوت کے خلاف جنگ کرے' اس سے نفرت دلائے' اس کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کی تردید کرے' جس سے طالب کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو عربی کو لغت' ادب اور اخلاق کے اعتبار سے زندہ رکھ سکتا ہے لہٰذا دین اسلام کی مخالفت کے معنی ہی عربی زبان و ادب اور اخلاق کے حقیقی خاتمہ کے ہیں۔ دعاۃ و مبلغین پر فرض ہے کہ وہ اسلامی دعوت کے نمایاں

کرنے میں بھی اسی طرح تن' من' دھن کی بازی لگا دیں' جس طرح استعماری طاقتیں اسے ختم کرنے میں اپنا پورا زور صرف کر رہی ہیں۔

دین اسلام کی روشنی میں بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ عربی یا کسی بھی دوسری قومیت کی طرف دعوت ایک باطل دعوت ہے' ایک زبردست غلطی' ایک بہت بڑی برائی' ایک بدترین جہالت اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خوفناک سازش ہے۔ اس کے وجوہ و اسباب ہم نے اپنی کتاب ((نقد القومية العربية على ضوء الاسلام و الواقع)) --- ''اسلام اور امر واقع کی روشنی میں عربی قومیت پر تنقید'' --- میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

—— شیخ ابن باز ——

صوفیہ کے پیچھے نماز کا حکم

سوال صوفیہ کون لوگ ہیں؟ کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب صوفیہ اصل میں وہ زاہد لوگ ہیں جو تقشف (مفلسی اور درویشی) کی وجہ سے بھیڑ بکریوں کی صوف (اون) کے کپڑے پہنتے تھے' بعد میں ان میں بدعات' رقص و سرود اور امرد لڑکوں کی صحبت وغیرہ جیسی خرابیاں پیدا ہو گئیں' علاوہ ازیں ان میں تصور شیخ اور وحدت الوجود جیسے غلط عقائد پیدا ہو گئے لہٰذا غالی صوفیوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنا درست نہیں عام صوفیوں کی اقتداء میں نماز درست ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کمیونسٹ مرتد ہیں

سوال کمیونزم کا نظریہ وجود باری تعالیٰ کے انکار پر مبنی ہے۔ یہ نظریہ مادی حیات کا نظریہ ہے یعنی تمام مخلوقات طبعی طور پر از خود پیدا ہوئی ہیں' تو کیا عالم اسلام کے وہ نوجوان جنہوں نے کمیونزم کے افکار و نظریات کو اختیار کر لیا ہے' خاص طور پر وہ جنہوں نے ان افکار و نظریات کو عقیدہ کی حیثیت سے اختیار کر لیا ہے' وہ مرتد ہیں؟

جواب میرے سامنے یہ سوال بظاہر اس طرح ہے جیسے کوئی یہ سوال کرے کیا سورج سورج ہے؟ کیا رات رات ہے؟ کیا دن دن ہے؟ کیونکہ منکر خالق کے بارے میں کسے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ کافر نہیں ہے؟ سابقہ ملحدوں میں سے کوئی خالق کا منکر نہیں تھا' یہ انکار اس آخری دور کے ملحدوں نے کیا ہے۔ خالق کائنات کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے' جب کہ اس کے وجود کے دلائل و براہین آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ نمایاں اور روشن ہیں' دن کے ہوتے ہوئے دن کو ثابت کرنے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہو تو پھر ایسے انسان کو کوئی اور بات کس طرح ذہن نشین کرائی جا سکتی ہے۔ الحمد للہ! خالق کے وجود کے دلائل فطرت' عقل' مشاہدہ اور حس ہر طرح سے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا تو کوئی ہٹ دھرم انسان ہی انکار کر سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انکار کرنے والوں کے دلوں میں بھی اس کے وجود کے بارے میں' اطمینان ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں' جس نے خالق کا انکار کر کے خود ربوبیت کا دعویٰ کر دیا تھا' ذکر کیا ہے کہ:

﴿ وَجَحَدُوا۟ بِهَا وَٱسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ﴾ (النمل ٢٧/ ١٤)

"اور انہوں نے ظلم (بے انصافی) اور غرور سے ان کا انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا:

﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنزَلَ هَٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ بَصَآئِرَ ﴾ (الاسراء ١٧/ ١٠٢)

"یقینی طور پر تو یہ خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں۔"

جو لوگ خالق کا انکار کرتے ہیں' حقیقت میں وہ اپنے ہی نفسوں کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو خود پیدا نہیں کیا' ان کی ماؤں نے بھی انہیں پیدا نہیں کیا' ان کے باپوں نے بھی انہیں پیدا نہیں کیا' چوتھا اور کوئی انسان بھی نہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہو تو اب صرف اللہ رب العالمین ہی کی ہستی رہ جاتی ہے' جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے' جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ خُلِقُوا۟ مِنْ غَيْرِ شَىْءٍ أَمْ هُمُ ٱلْخَٰلِقُونَ ﴿٣٥﴾ ﴾ (الطور ٥٢/ ٣٥)

"کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔"

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے' انہوں نے جب اس آیت کریمہ کو نبی کریم ﷺ سے سنا تو بیان کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ میں یہ آیت سن کر اڑنے لگتا کہ یہ خالق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کی قاطع اور ظاہر دلیل تھی۔

اللہ تعالیٰ کے منکروں سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو سوائے اس کے ان کے پاس اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے' کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں نے اپنے آپ کو خود تو پیدا نہیں کیا۔ اور ہر موجود کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی موجد واجب الوجود بھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مثلاً یہ عظیم الشان محل جو انواع و اقسام کے برقی قمقموں سے جگمگا رہا ہے' یہ خود بخود بن گیا ہے تو لوگ کہیں گے کہ یہ پاگل انسان ہے کیونکہ محل خود بخود نہیں بن سکتا۔ اگر ایک محل خود بخود نہیں بن سکتا تو یہ آسمان و زمین' یہ افلاک اور ستارے اور سیارے جو مربوط و مستحکم نظام میں منسلک ہیں اور اپنی تخلیق کے لمحہ سے لے کر اس وقت تک اسی طرح باقی رہیں گے' جب اللہ تعالیٰ اس نظام کو ختم کرنے کا حکم دے دے گا' تو یہ کس طرح خود بخود پیدا ہو سکتے ہیں میری رائے میں تو یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی دلیل کے لانے کی بھی ضرورت نہیں ہے' لہٰذا بلاشک و شبہ وہ شخص فاترالعقل ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ وہ بے دین ہے' کافر ہے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔

یہ حکم ان لوگوں پر بھی صادق آتا ہے جنہوں نے دائرہ اسلام میں زندگی بسر کرتے ہوئے کمیونزم کی تقلید کی کیونکہ اسلام تو اس کا زبردست طریقے سے انکار کرتا ہے۔ اس فکر اور اس سوچ کا باطل ہونا کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے اور اگر کسی سے مخفی ہے بھی تو وہ معذور نہیں ہے کیونکہ اس حقیقت کو جاننے والے ہر جگہ موجود ہیں بلکہ یہ لوگ اگر خود اپنی ہی فطرت کی طرف رجوع کریں تو انہیں یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اس مذہب اور فکر کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

―――― شیخ ابن عثیمین ――――

فقہی مذاہب سے وابستگی

سوال: کیا اہل سنت و الجماعت کے نزدیک قابل اعتماد مذاہب صرف چار ہیں؟ کسی ایک معین مذہب کے ساتھ وابستگی کا کیا حکم ہے؟ کیا ایک سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا جائز ہے؟

جواب: یہ مذاہب صدر اول میں مدون ہوئے' ان کے ائمہ کے اقوال و اختیارات مشہور ہیں' کچھ لوگوں نے ان کی پیروی اس لئے کی کہ ان کے سامنے ان کی صحت ظاہر ہو گئی تھی لیکن بعد میں ان مذاہب کے کچھ ایسے پیروکار پیدا ہوئے جنہوں نے تعصب سے کام لیا اور اپنے مذاہب کی تائیدوحمایت میں بہت تشدد کیا۔ صحیح احادیث تک کو رد کر دیا۔ پہلے لوگ تو معذور تھے لیکن بعد میں آنے والے جن کے سامنے حق واضح ہو گیا ان کو ہم معذور قرار نہیں دے سکتے لہٰذا کسی ایک معین مذہب کی پابندی لازم نہیں ہے بلکہ جب کسی امام کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا فرض ہے اس طرح محض خواہش نفس کی پیروی یا محض رخصتوں کے حصول کے لئے ایک مذہب کی بجائے دوسرے کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

باب دوم

کتابُ العِلْمِ

میں کتابیں جمع تو کرتا ہوں لیکن پڑھتا نہیں

سوال الحمدللہ میرے پاس بہت سی مفید کتب اور مراجع ہیں لیکن میں سب کو نہیں پڑھتا بلکہ ان میں سے بعض منتخب کتابوں کو پڑھتا ہوں' تو سوال یہ ہے کیا گھر میں کتابیں جمع کر کے رکھنے کی صورت میں گناہ تو نہ ہو گا' ہاں یہ بھی ہے کہ بعض لوگ مجھ سے وقتاً فوقتاً کتابیں مستعار لے جاتے ہیں اور استفادہ کر کے انہیں واپس کر دیتے ہیں؟

جواب ایک مسلمان کے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مفید کتابوں کو جمع کر لے' اپنی لائبریری میں حفاظت سے رکھے' خود بھی مراجعت اور استفادہ کرے اور ملاقات کے لئے آنے والے اہل علم کی خدمت میں بھی پیش کرے تاکہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ اگر بہت سی کتابوں کو آدمی خود نہ بھی پڑھ سکے تو کوئی حرج نہیں' قابل اعتماد آدمیوں کو استفادہ کے لئے کتابیں مستعار دینا نیکی کا کام اور تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے کہ یہ تحصیل علم کے لئے اعانت ہے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور نبی ﷺ کے فرمان کے مصداق ہے کہ:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔"

شیخ ابن باز

میں استانی ہوں' کیا طالبات کے سوالات کے جوابات دے سکتی ہوں؟

سوال میں ایک استانی ہوں' انٹرمیڈیٹ کالج سے میں نے اسلامک سٹڈیز میں سند فراغت حاصل کی ہے' کچھ فقہی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے' طالبات مجھ سے سوال کرتی ہیں تو کیا اپنی معلومات کے مطابق بطریق قیاس واجتہاد--- حلال و حرام کے احکام میں مداخلت کئے بغیر--- میں ان کے سوالوں کے جواب دے سکتی ہوں؟

جواب کتابوں کی طرف مراجعت اور اجتہاد کرنے کے بعد وہ جواب دو جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ صحیح ہے اور اس طرح سوالوں کے جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب کسی جواب کے بارے میں شک ہو اور واضح نہ ہو کہ صحیح جواب کیا ہے تو کہہ دو کہ اس کا جواب مجھے معلوم نہیں اور طالبات سے یہ وعدہ کر لو کہ تحقیق کر کے اس کا جواب بتاؤں گی پھر کتابوں کا مطالعہ کر و یا اہل علم سے اس کا جواب پوچھ لو تاکہ معلوم ہو جائے کہ صحیح جواب کیا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

اجتہاد و افتاء

سوال کیا اسلامی احکام کے بارے میں اجتہاد کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھلا ہے یا مجتہد کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں؟ کیا واضح دلیل کی معرفت کے بغیر محض اپنی رائے سے فتویٰ دینا ہر انسان کے لئے جائز ہے؟ اور اس حدیث کا کیا درجہ ہے جس کے الفاظ یا مفہوم یہ ہے کہ:

«أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»(سنن الدارمي، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة، ح: ١٥٧)

"تم میں سے جو فتویٰ کے بارے میں زیادہ جرأت سے کام لیتا ہے' وہ جہنم کی آگ کے بارے میں بھی زیادہ دلیر ہے؟"

جواب احکام شرعیہ کی معرفت کے بارے میں اجتہاد کا دروازہ ہر اس شخص کے لئے کھلا ہے' جو اس کا اہل ہو بایں طور کہ جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کر رہا ہو اس کے بارے میں اسے آیات اور احادیث کا علم ہو' ان کے فہم اور ان سے مطلوبہ استدلال کی اسے قدرت حاصل ہو' جن احادیث سے استدلال کر رہا ہو' صحت و ضعف کے اعتبار سے ان کے درجے کا علم ہو' زیر بحث مسائل میں اجماع کے مقامات کا علم ہو تا کہ وہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف موقف اختیار نہ کر سکے' عربی زبان کی بھی اتنی پہچان ضرور ہو' جس سے اس کے لئے نصوص کے مفہوم کا سمجھنا ممکن ہو تا کہ وہ استدلال و استنباط کر سکے۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دین کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کرے یا لوگوں کو علم کے بغیر فتویٰ دے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ شرعی دلیل سے راہنمائی حاصل کرے' پھر اہل علم کے اقوال سے استفادہ کرے اور دیکھے ان کے سامنے کون سے دلائل ہیں اور ان کے استنباط و استدلال کا کیا طریقہ ہے' پھر جس پر اسے قناعت حاصل ہو جائے اور جسے وہ بطور دین کے اپنے لئے پسند کر لے' اس کے مطابق گفتگو بھی کر سکتا ہے اور فتویٰ بھی دے سکتا ہے۔

حدیث:

«أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»(سنن الدارمي، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة، ح: ١٥٧)

کو حافظ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے اپنی "سنن" میں عبیداللہ بن ابی جعفر مصری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

فتویٰ کے بارے میں خبر دینے میں کوئی حرج نہیں

سوال طلبہ ایک ایسے استاد سے فتویٰ پوچھتے ہیں' جس کے پاس مناسب علم تو ہے لیکن وہ فتویٰ دینے کا اہل نہیں ہے ہاں البتہ اس طرح کے سوال کا اس نے بعض ثقہ علماء سے جواب ضرور سن رکھا ہوتا ہے' تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ

وہ طلبہ کو یہ فتویٰ دے یا ضروری ہے کہ جواب کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کیا جائے؟

جواب جب کسی ایسے شخص سے سوال کیا جائے جس کے پاس فتویٰ دینے کی اہلیت نہ ہو اور اسے معتبر علماء کا فتویٰ یاد ہو تو اس فتویٰ کے بتانے میں کوئی حرج نہیں لیکن جواب کو اپنی طرف منسوب نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اس کا یہ فتویٰ دیتے ہوئے سنا ہے جب کہ اسے وہ فتویٰ بغیر شک و شبہ کے یاد ہو۔ (واللہ ولی التوفیق)

—— شیخ ابن باز ——

شرعی علم کا حاصل کرنا

سوال اگر کوئی شخص ایسے علوم کی تحصیل میں مصروفیت کے باعث' جن کا شرعی علم سے کوئی تعلق نہیں ہے یا کسی اور کام میں مصروفیت کے سبب' شرعی علم حاصل نہ کر سکے تو کیا اس کا عذر قابل قبول ہو گا؟

جواب شرعی علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے' اگر کچھ ایسے لوگ علم حاصل کر رہے ہوں جو معاشرہ کی ضرورت کے لئے کافی ہوں تو پھر باقی لوگوں کے لئے اسے حاصل کرنا سنت ہو گا۔ کبھی شرعی علم کا حاصل کرنا انسان کے لئے واجب یعنی فرض عین بھی ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سلسلہ میں انسان کے لئے یہ سیکھنا واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کس طرح کرے۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مشغول ہے اور وہ شرعی علم حاصل نہیں کر سکتا تو وہ معذور ہے بشرطیکہ اس قدر علم ضرور حاصل کر لے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کر سکے بہرحال مقدور بھر شرعی علم ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مذاہب اربعہ

سوال میری اب تک مذاہب اربعہ میں سے کسی سے وابستگی نہیں ہے۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں ان میں سے کسی ایک مذہب کو اپنے لئے پسند کر لوں؟

جواب ائمہ اربعہ کے مذاہب اصول یعنی عقیدہ میں متفق ہیں ہاں البتہ فقہی مسائل کے فروع سے متعلق ان کے اجتہادات مختلف ہیں اور یہ اختلاف فہم' مصالح اور اطلاع میں اختلاف کے سبب ہے اور اس کے باوجود وہ اجتہاد کی وجہ سے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ جس کا اجتہاد درست ہو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جس کا اجتہاد درست نہ ہو اسے بھی ایک اجر ضرور ملتا ہے اور حسن ارادہ کی وجہ سے اس کی غلطی معاف ہوتی ہے۔ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی جائز ہے جب تک کہ اس کی غلطی ظاہر نہ ہو' اسی طرح ہر مذہب کے راجح قول کے مطابق عمل کرنا بھی جائز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

علمی مجلس میں سلام کہنا

سوال جب کوئی شخص کالج کے لیکچر یا کسی علمی مجلس میں دیر سے اس وقت پہنچے جب استاد نے لیکچر شروع کر دیا ہو تو پھر

افضل کیا ہے سلام کہے یا سلام نہ کہے اور مجلس میں بیٹھ جائے؟

جواب سلام کہنے سے اگر درس منقطع ہوتا یا حاضرین مجلس تشویش محسوس کرتے ہوں تو افضل یہ ہے کہ سلام نہ کہے اور اگر سلام کہنے سے اس طرح کی کوئی بات رونما نہ ہوتی ہو تو مجلس میں آنے والے ہر شخص کے لئے سلام کہنا سنت ہے لہٰذا اسے سلام کہنا چاہئے اور اگر حاضرین میں سے کوئی ایک شخص بھی سلام کا جواب دے دے تو یہ کافی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

فتویٰ دینے میں توقف کرنا

سوال ایک عالم کے لئے فتویٰ سے توقف کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

جواب ایک عالم جب فتویٰ دینے کا اہل ہو اور اسکے پاس علم بھی ہو تو وہ فتویٰ دینے سے توقف یا تو دلائل کے تعارض کی وجہ سے کرے گا یا اس وجہ سے کہ اسکے نزدیک مستفتی (فتویٰ طلب کرنے والا) غیر سنجیدہ ہو گا کیونکہ بعض مستفتی حق معلوم کرنے کیلئے فتویٰ طلب نہیں کرتے بلکہ ان کا مقصود کھیل تماشا اور یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ عالم اسکا کیا جواب دیتا ہے؟ دوسرا کیا اور تیسرا اسکا کیا جواب دیتا ہے؟ لہٰذا ایسی صورت حال میں ایک عالم توقف کرتا یا جواب دینے سے اعراض کرتا ہے' جب کہ اسے یہ علم یا ظن غالب ہو کہ یہ شخص کھیل تماشا کر رہا ہے' یہ محض لوگوں کا جائزہ لینا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ بعض اقوال کا سہارا لے کر بعض کو رد کر دے اور یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ سنگین ہے کیونکہ اس صورت میں وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں عالم یہ کہتا ہے اور فلاں یہ (ہم کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں لہٰذا نتیجۃً وہ کوئی بات بھی نہیں مانتا) یہ صورت بھی ان اسباب میں سے ہے' جن کی وجہ سے ایک مفتی فتویٰ دینے میں توقف سے کام لیتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

علم کے بغیر فتویٰ دینا

سوال کچھ لوگ علم نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دیتے ہیں' ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل بہت خطرناک اور کبیرہ گناہ ہے۔ علم کے بغیر بات کو اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٣٣)

''(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو' ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی (حرام کیا ہے) کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی (حرام کیا ہے) کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔''

یہ حکم سب کو شامل ہے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں یا اس کی صفات کے بارے میں یا اس کے افعال کے بارے میں یا اس کے شرعی احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا منع ہے۔ کسی شخص کے لئے بھی اس وقت تک کسی چیز کے

بارے میں فتویٰ دینا جائز نہیں' جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کا حکم کیا ہے اور اس کے لئے اس کے پاس اس ملکہ کا ہونا بھی ضروری ہے' جس سے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے نصوص کے معنی و مفہوم کو بھی سمجھ سکے' جب اس میں یہ ملکہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ فتویٰ دے سکتا ہے۔ مفتی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا اور نبی ﷺ کے ارشادات کو آگے پہنچاتا ہے لہٰذا اگر وہ کوئی بات علم کے بغیر کہتا ہے یا نظرواجتہاد اور دلائل پر غور کی روشنی میں حاصل ہونے والے ظن غالب کے بغیر کہتا ہے' تو اس نے علم کے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بات منسوب کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا لہٰذا اسے سزا کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ ٱلنَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٤﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٤)

"تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے تاکہ ازراہ بے دانشی لوگوں کو گمراہ کرے کچھ شک نہیں کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

شیخ ابن عثیمین

ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا

سوال بہت سے فقہی مسائل میں علماء اسلام میں اختلاف ہے۔ علماء اسلام سے میری مراد ائمہ اربعہ ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا کسی ایک مذہب سے وابستہ شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کے قول کو جو اس کے مناسب حال ہو اختیار کرے مثلاً میرا تعلق ایک ایسے مذہب سے ہے جس میں زینت کے لئے استعمال ہونے والے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے جب کہ میں نے بہت سے دیگر علماء سے یہ سنا ہے کہ ان میں بھی زکوٰۃ ہے' خلاصہ یہ کہ کیا ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مذہب سے وابستہ ہوتے ہوئے کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کی رائے کو اختیار کرلے جب کہ اسے فقہی مسائل کا خاطر خواہ علم ہو؟

جواب بے شک ایک مسلمان کا مقصودومطلوب حق ہے۔ وہ جب بھی حق کو پاتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ائمہ اربعہ نے کسی کو بھی اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ ہر چیز میں ان کی تقلید کرے' انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ ان کے نزدیک پسندیدہ اور قابل ترجیح قول کون سا ہے اور دوسروں کو انہوں نے حکم یہ دیا ہے کہ اگر دوسروں کے قول میں انہیں حق مل جائے تو اسے لے لیں لہٰذا کوئی شخص بھی کسی ایک امام کے قول کا پابند نہیں ہے کہ وہ ہر چیز میں اس کی تقلید کرے' اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ تخفیف یا خواہش نفس کی پیروی میں رخصتوں یا علماء کی لغزشوں یا ان کی غلطیوں کو ڈھونڈتا پھرے۔ اکثر ائمہ جو زیورات میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں' انہوں نے اسے استعمال کی اشیاء پر قیاس کیا یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول آثار سے استدلال کیا ہے جب کہ صحیح اور مرفوع احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے' جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے لہٰذا یہ دلیل قیاس اور آثار کی نسبت قابل ترجیح ہے یہی وجہ ہے کہ علماء محققین نے اسے اختیار کیا ہے۔

شیخ ابن جبرین

ارض فدک کا قصہ

سوال میرے ہاتھ میں ((فدک فی التاریخ)) "فدک تاریخ کے آئینہ میں" نامی ایک کتاب آئی' جس کا مؤلف دونوں خلیفوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دیتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب رافضیوں ((لَعَنَهُمُ اللّٰهُ)) کا عقیدہ ہے کہ دوسرے انسانوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مال بھی آپ کے وارثوں میں تقسیم ہونا چاہیے تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ازراہ ظلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وراثت سے محروم کیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی' جب کہ مدینہ کے قریب فدک نامی رقبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا لیکن حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس میں تصرف کیا اور اسے اپنی ملکیت میں لے لیا یا اسے انہوں نے بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس کتاب کا مصنف خبیث عقیدے کا مالک ایک رافضی ہے' اس سے اور اس کے کذب و بہتان سے ہٹ کر دور رہنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود ارشاد فرمایا تھا کہ:

«لاَ نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري، كتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة على اهله. . .، ح:٥٣٥٨، وصحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، ح:١٧٥٧ واخرجه أبوداود، كتاب الخراج والامارة، ح:٢٩٦٣، والترمذي في السنن، ح:١٦١٠)

"ہمارا مال وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ تو صدقہ ہوتا ہے۔"

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس زمین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات پاک میں کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم نے بھی اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ روافض عقل سے کام نہیں لیتے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن

سوال میں نے کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن ص ۱۸۵ جلد دوم میں یہ پڑھا ہے کہ بادشاہ سیف ایک علاقے میں گیا جہاں اس نے ایک آدمی کو پایا اور جب اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام خضر بتایا۔ خضر نے بادشاہ سیف کو ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ دکھایا' جس کا نام سفید جزیرہ تھا اور وہ وہیں قیام کیے ہوئے تھا کیونکہ اس میں بہت سے عجائبات تھے' مثلاً یہ کہ وہاں ہر رات آسمان کا ایک دروازہ کھلتا تھا جس سے اللہ کے فرشتے نازل ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین میں تصرف کرتے تھے۔ خضر نے بادشاہ کو بتایا کہ اس جزیرے کے پیچھے نور ہے اور اس نور کے پیچھے تاریکی ہے جو دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے بعد ایک پہاڑ ہے جس کا نام "قذ" ہے اور وہ حلقہ کی طرح گول ہے اور پوری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور آسمان اس پر سواری کیے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پہاڑ کے پیچھے ایک ایسی مخلوق ہے جو نہ انسان ہے اور نہ جن...... سوال یہ ہے کہ کیا یہ باتیں سچی اور صحیح ہیں؟

جواب یہ داستان بے اصل ہے' اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کی تائید کرنا اور اسے اسلامی عقائد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت خضر کے حوالہ سے جو حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں' وہ بے بنیاد ہیں کیونکہ

حضرت خضر کا بھی دیگر بندگان الٰہی کی طرح انتقال ہو چکا ہے' اگر وہ موجود ہوتے تو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کو انس و جن سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب خرافات اور جھوٹی باتوں پر مشتمل ہے جو کہ بالکل بے اصل ہیں۔ اس کا مصنف بھی ایک گمنام آدمی ہے یا وہ "حاطب لیل" (رات کو ایندھن اکٹھا کرنے والا) ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اسے بلا تحقیق نقل کر دیتا ہے یا لوگوں کو مشغول رکھنے کے لئے اپنے تخیل سے عجائبات دنیا کے بارے میں باتیں وضع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوقات کے بارے میں اس کے احاطہ کی وسعت میں کوئی شک نہیں لیکن ان خرافات و ہفوات کا کوئی سرپاؤں نہیں لہٰذا یہ اس قابل ہیں کہ انہیں مٹا دیا جائے اور تلف کر دیا جائے۔

شیخ ابن جبرین

جس کا کوئی استاد نہیں اس کا استاد شیطان ہے

سوال اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے کہ جس کا کوئی استاد نہیں' اس کا استاد شیطان ہے؟

جواب بے شک علم' حاملین علم ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ علماء صالحین ہیں۔ جو ان سے علم حاصل کرے گا وہ بہت فائدہ اٹھائے گا' نص کو سمجھ لے گا' علم و عمل کو پہچان لے گا اور جو شخص محض کتابوں کے مطالعہ پر اکتفاء کرے' اس سے بہت سی چیزیں مخفی رہ جائیں گی اور بعض کو وہ صحیح طور پر نہ سمجھ سکے گا لیکن یہ قول مجھے کسی مرفوع یا موقوف حدیث میں نظر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ علماء میں سے کسی نے یہ بات اس لئے کی ہو تاکہ لوگ علماء کے حلقوں میں شرکت کریں اور اہل علم کی مجلسوں سے دور نہ رہیں۔ (واللہ الموفق)

شیخ ابن جبرین

جمعہ کے دن حدیث بیان کرنا

سوال کیا جمعہ کے دن عصر کے وقت حدیث بیان کرنا جائز ہے؟ راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب جمعہ کے دن عصر کے وقت' مغرب کے وقت اور ہر وقت حدیث بیان کرنا جائز ہے' حدیث بیان کرنا' وعظ و نصیحت کرنا سننے والوں کے لئے علم' نصیحت اور فائدہ کے حصول کا موجب ہے۔ اس میں حاضر ہونے کے لئے کسی کو پابند نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے مکروہ سمجھنے کی کوئی دلیل ہے' ہاں البتہ لوگوں نے یہ عادت اپنا لی ہے کہ وہ جمعہ کے دن کام کرتے ہیں نہ درس و تدریس' ویسے اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جبرین

امتحانات میں دھوکا دینا بھی حرام ہے

سوال میں اپنی پڑھائی میں بہت کند ذہن ہوں' مجھے پڑھائی میں سمجھ بھی بہت کم آتی ہے' جس کی وجہ سے میں امتحانات

میں دھوکا (نقل وغیرہ) سے کام لیتا ہوں' امید ہے اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ خوب خوب محنت سے کام لیں' بار بار پڑھیں اپنے اسباق کو یاد کرنے' سمجھنے اور استاد سے استفادہ کی بھرپور کوشش کریں' اپنے ہم درس ساتھیوں سے بھی مدد لیں اور بار بار سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کریں' اس سے فائدہ حاصل ہو گا اور معانی و مطالب کی سمجھ بھی آئے گی۔ نقل وغیرہ کا سلسلہ بالکل ترک کر دیں کیونکہ یہ حرام بھی ہے اور امت کے خاص و عام افراد کے لئے اس میں دھوکا بھی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

سنن فطرت

داڑھی کو کالا کرنا

سوال جو شخص داڑھی کو کالے سیاہ رنگ سے رنگے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ داڑھی کو منڈانے اور کالا کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو مہندی اور وسمہ وغیرہ سے رنگنے کی شرعی طور پر اجازت ہے لیکن کالے رنگ کی اجازت نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے اسی طرح ثابت ہے' چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«جِيْءَ بِأَبِيْ قُحَافَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَكَأَنَّ رَأْسَهُ ثَغَامَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِذْهَبُوْا بِهِ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ فَتُغَيِّرَ بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب . . .، ح:٢١٠٢، وسنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في الخضاب، ح:٤٢٠٤، وسنن نسائي، كتاب الزينة، ح:٥٠٧٩)

فتح مکہ کے دن "ابو قحافہ" (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد) کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کا سر ثغامہ ① کی مانند تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں ان کی کسی خاتون کے پاس لے جاؤ جو ان کے بالوں کو کسی چیز سے رنگ دے لیکن انہیں سیاہ رنگ سے بچانا۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر میں کسی بوڑھے آدمی کو ان کے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دیتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کی وجہ سے ابو قحافہ کے پاس خود چل کر جاتا۔ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے' ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ کے پھولوں کی مانند سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ هٰذَا الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ»(سنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في

① ثغامہ' ایک قسم کا سفید پھولوں والا پودا ہے۔

الخضاب، ح:٤٢٠٥، وجامع الترمذي، كتاب اللباس، باب ما جاء في الخضاب، ح:١٧٥٣، وسنن نسائي، كتاب الزينة، ح:٥٠٨٤، ٥٠٨٥، واللفظ له)

"سب سے بہترین چیز جس سے تم سفید بالوں کو رنگو وہ مہندی اور وسمہ ہے۔"

داڑھی کو منڈانا اور کالے رنگ سے رنگنا دونوں ممنوع ہیں لیکن منڈانا' کالے رنگ سے رنگنے کی نسبت زیادہ سخت گناہ ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مونچھوں کو منڈوانا

سوال امید ہے کہ آپ کچھ ایسی احادیث کی طرف راہنمائی فرمائیں گے' جن سے معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص داڑھی منڈائے وہ فاسق ہے" نیز یہ فرمایئے کیا یہ جائز ہے کہ مونچھوں کو بالکل منڈوا دیا جائے؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے اور منڈانے والا فاسق ہے کیونکہ وہ ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے جن میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے' اس سے پہلے بھی بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی نے اس سے ملتے جلتے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیا تھا جو کہ حسب ذیل ہے:

"داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، وَوَفِّرُوْا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوْا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوْا اللُّحٰى وَخَالِفُوا الْـمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھوں کو کتراؤ' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی منڈانے پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے' جو منڈائے اسے نصیحت کرنا اور داڑھی منڈانے سے منع کرنا واجب ہے' اگر ایسا کوئی شخص قیادت یا کسی دینی مرکز میں ہو تو اسے اور بھی زیادہ تاکید کے ساتھ سمجھانا ضروری ہے۔

مونچھوں کو منڈوانا رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے' اس سلسلہ میں جو ثابت ہے وہ کترانا اور ترشوانا ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

رخساروں سے بالوں کو منڈانا

سوال داڑھی منڈانے' رخساروں کے بالوں کے منڈانے اور داڑھی اور مونچھوں کے چھوڑ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈانا جائز نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے کہ:

«قَصُّوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ»(مسند احمد، ۲/ ۲۲۹)

"مونچھیں کتراؤ' داڑھیاں بڑھاؤ اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔"

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ۲۶۰)

"مونچھیں کتراؤ' داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو رخساروں اور ٹھوڑی پر ہوں جیسا کہ صاحب لسان و قاموس نے واضح کیا' لہٰذا رخساروں اور ٹھوڑی کے بالوں کو منڈانا یا کٹوانا نہیں چاہیے بلکہ واجب ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اصلاح احوال کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے

سوال کیا داڑھی منڈانا بھی اس آیت:

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء۴/ ۱۱۹)

"اور یہ بھی کہتا رہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں۔"

میں داخل ہے؟

جواب ہاں داڑھی منڈانا بھی اس عموم میں داخل ہے' جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ داڑھی منڈانا بھی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے اور نبی کریم ﷺ کا بھی حکم ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کو کترایا جائے۔((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

داڑھی منڈانے والے کا حکم

سوال اسلامی نقطۂ نگاہ سے مونچھوں کی کیا صورت ہونی چاہیے؟ ہم نے بعض فاضل علماء سے یہ سنا ہے کہ یہ بھی بدعت اور بالوں کا مثلہ ہے کہ مونچھوں کو بالکل منڈوا دیا جائے۔ جب کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہونٹ کے زائد بال لینے کی نسبت یہ افضل ہے کہ ساری مونچھیں منڈوا دی جائیں' تو سوال یہ ہے کہ ان میں کون سی صورت افضل اور راجح ہے؟

جواب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَوَفِّرُوْا اللِّحٰی وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب تقليم

الاظفار، ح:۵۸۹۲، وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:۲۵۹)

''مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الأَظَافِرِ وَنَتْفِ الإِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لاَ نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:۲۵۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے وقت کا تعین فرما دیا کہ مونچھیں کاٹنے' ناخن تراشنے' زیر بغل بال صاف کرنے اور زیر ناف بال صاف کرنے پر چالیس سے زیادہ دن نہیں گزرنے چاہئیں۔''

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«جُزُّوْا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوْا اللُّحٰى وَخَالِفُوا الْـمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:۲۶۰)

''مونچھیں کٹواؤ' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

ترمذی نے بروایت زید بن ارقم بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا»(جامع الترمذي، كتاب الادب، باب ما جاء في قص الشارب، ح:۲۷۶۱)

''جو شخص اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔)

ابن عبدالبر نے حسن بن صالح سے انہوں نے سماک بن حرب سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کو کترایا کرتے تھے۔ اور بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھوں کو کترایا کرتے تھے (محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دیا ہے)۔

ان احادیث میں یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک ہے ''احفاء'' جس کے معنی خوب اچھی طرح مونڈنا ہیں اور دوسرا ہے ''قص'' جس کے معنی قینچی وغیرہ سے کاٹنے کے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں شرعاً دونوں طرح اختیار ہے لہٰذا ہماری رائے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ مونچھوں کو خوب اچھی طرح مونڈنا مثلہ یا بدعت ہے کیونکہ ایسا کہنا مذکورہ نص کے خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صحیحہ کی موجودگی میں کسی کے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مونچھوں کو کاٹنا اور داڑھیوں کو بڑھانا

سوال مختلف احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ((قصوا الشارب واعفوا اللحى)) اسی طرح ((قص الشارب' قلم الاظافر' نتف الا بط)) اور ((حلق العانة)) کے الفاظ بھی آئے ہیں' سوال یہ ہے کہ کیا حلق اور قص ایک دوسرے سے مختلف معنی رکھتے ہیں؟ یہ سوال بھی ہے کہ کچھ لوگ مونچھ کے ان بالوں کو تو کاٹ دیتے ہیں جو اوپر کے ہونٹ کے ساتھ ملے ہوتے

ہیں لیکن باقی مونچھ کو نہیں کاٹتے' بعض لوگ آدھی مونچھ کاٹ دیتے ہیں اور آدھی نہیں کاٹتے تو کیا ((اوینھک الشارب)) کے یہی معنی ہیں؟ امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے کہ مونچھوں کے کاٹنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے جب کہ داڑھی کے بارے میں تو یہ بات معروف ہے کہ اسے بالکل چھوڑ دینا چاہئے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ»(مسند احمد، ۲/ ۲۲۹)

''مونچھوں کو کترو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مشرکوں کی مخالفت کرو''

اس حدیث کی صحت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ، ح: ۲٦۰)

''مونچھوں کو کترو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

بعض روایات میں ((أحْفُوا الشَّوَارِبَ)) کے الفاظ بھی ہیں اور احفاء کے معنی ہوتے ہیں خوب اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ مونڈ دینا لہٰذا جو شخص مونچھ کے بالوں کو کتر دے حتی کہ اوپر کا ہونٹ ظاہر ہو جائے یا خوب اچھی طرح سارے بال مونڈ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ احادیث سے دونوں طرح ثابت ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

مرد کے لئے کمر' پنڈلیوں اور رانوں کے بالوں کا صاف کرنا

سوال کیا مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ زیر ناف اور بغل کے بالوں کی صفائی کے ساتھ ساتھ پیٹھ' پنڈلیوں اور رانوں وغیرہ کے بالوں کو بھی صاف کر دے جب کہ اس کا مقصود عورتوں یا کافر اہل کتاب وغیرہ سے مشابہت نہ ہو؟

جواب جسم کے مذکورہ بالا بالوں کو صاف کرنا جائز ہے کہ اس سے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بشرطیکہ عورتوں یا کافروں سے مشابہت اختیار کرنا مقصود نہ ہو کیونکہ اصل جواز ہے اور مسلمان کے لئے کسی چیز کو دلیل کے بغیر حرام قرار دینا جائز نہیں اور مذکورہ امر کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا اس سے سکوت فرمانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ مونچھیں کاٹی جائیں' ناخن تراشے جائیں' بغلوں اور زیر ناف بالوں کی صفائی کی جائے' مردوں کے لئے آپ ﷺ نے سر منڈانے کی بھی اجازت دی۔ نامصہ اور متنمصہ[1] پر آپ لعنت نے فرمائی اور ہمیں داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ باقی بالوں سے سکوت فرمایا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سکوت فرمالیں وہ قابل معافی ہے' اسے حرام قرار دینا جائز نہیں کیونکہ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

① امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ نامصہ سے مراد وہ عورت ہے جو ابرو کے بال چن چن کر ابرو کو باریک کر دے۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی چہرے سے بال چننا ہیں اور المتنمصہ سے مراد وہ عورت ہے جس کے ساتھ یہ عمل کیا جائے۔ ''مختصر الترغیب والترھیب'' حافظ ابن حجر' ترجمہ محمد خالد سیف۔ ص ۳۹۸۔

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلاَ تُضَيِّعُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلاَ تَعْتَدُوْهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلاَ تَنْتَهِكُوْهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلاَ تَبْحَثُوْا عَنْهَا»(أخرجه الدارقطني في سننه، ص:٥٠٢ وكذا البيهقي ١٠/ ١٢-١٣ ، ورجاله ثقات ولكنه منقطع بين محكول وأبي ثعلبة وقال العلامة المحدث ناصر الدين الالباني هذا حديث ضعيف لا يصح كما أورد في كتابه إرواء الغليل)

"اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو' کچھ حدود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو' کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر سکوت فرمایا ہے ان کے بارے میں کرید نہ کرو۔"

امام نووی رحمہ اللہ کے بقول اس حدیث کو دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس مذکورہ حدیث اور اس کے ہم معنی احادیث و آثار کی بنیاد پر اہل علم کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ ان احادیث و آثار میں سے بعض کو حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامع العلوم والحکم" میں حدیث ابی ثعلبہ کی شرح میں بیان فرمایا ہے' جو انہیں معلوم کرنا چاہے' وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ (واللہ اعلم)

—————— شیخ ابن باز ——————

داڑھی کا مذاق اڑانا

سوال داڑھی نبی کریم ﷺ سے ثابت صحیح سنتوں میں سے ایک سنت ہے' کچھ لوگ اسے منڈوا دیتے ہیں کچھ کترا دیتے ہیں' کچھ اس کا انکار کرتے ہیں اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے رکھنے والے کو ثواب ہو گا اور نہ رکھنے والے کو عذاب نہ ہو گا۔ کچھ بے وقوف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر داڑھی میں خیروبرکت ہوتی تو بال زیر ناف نہ اگتے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کہنے والوں کا برا کرے .... تو ان میں سے ہر ایک کے لئے کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نبی کریم ﷺ کی کسی سنت کا انکار کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے یہ ثابت ہے کہ داڑھی بڑھانا اور رکھنا سنت ہے اور اسے مونڈنا اور کترنا حرام ہے' چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحٰى وَخَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ»(مسند احمد، ٢/ ٢٢٩)

"مونچھیں کترو' داڑھیوں کو چھوڑ دو اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔"

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى وَخَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٦٠)

"مونچھوں کو کترو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

یہ دو حدیثیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ داڑھی رکھنا اور بڑھانا واجب ہے اور

اسے مونڈنا اور کترنا حرام ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے' رکھنے والے کو ثواب ہوتا ہے اور نہ رکھنے والے کو گناہ نہ ہو گا تو وہ یقیناً غلط کہتا اور صحیح احادیث کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ امر وجوب اور نہی تحریم کے لئے ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دلیل کے بغیر احادیث صحیحہ کے ظاہر مفہوم کی مخالفت کرے' اور یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر ان احادیث کے ظاہر کو بدل دیا جائے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا» (جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في الأخذ من اللحية، ح: ٢٧٦٢)

''نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی کے طول و عرض کی طرف سے بالوں کا کاٹ دیا کرتے تھے''

تو یہ حدیث باطل ہے' رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی متہم بالکذب ہے۔ جو شخص داڑھی کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے زیر ناف بالوں سے تشبیہ دے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے جو اسلام سے مرتد ہونے کا موجب ہے کیونکہ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اس کا مذاق اڑانا کفر و ارتداد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ﴾

(التوبة۹/ ٦٥-٦٦)

''کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

فتویٰ کمیٹی

رخساروں کے بالوں کو مونڈنا اور بحالت روزہ حجامت بنوانا

سوال کیا آدمی کے لئے یہ جائز ہے کہ رخساروں کے بالوں کو تو مونڈ دے مگر داڑھی کو چھوڑ دے؟ کیا روزے کی حالت میں سر یا زیر ناف بالوں کو صاف کرنا جائز ہے جب کہ اس سے خون نکل آتا ہو؟

جواب رخساروں کے بالوں کو مونڈنا جائز نہیں کیونکہ یہ داڑھی میں شامل ہیں سر کے بالوں کو مونڈنا اور زیر ناف بالوں کو صاف کرنا رمضان اور غیر رمضان میں جائز ہے خواہ اس سے خون نکل آتا ہو۔ یاد رہے زیر ناف بالوں کی صفائی تو سنن فطرت میں سے ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مسواک اور دانتوں کا خون

سوال بعض نمازی اقامت صلوٰۃ کے وقت مسواک کرتے ہیں' جس سے منہ کی بو پھیلتی ہے اور بعض اوقات خون بھی نکل آتا ہے تو کیا یہ اس حدیث کے مطابق عمل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ:

«لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ» (صحيح بخاري، كتاب الجمعة،

باب السواك يوم الجمعة، ح:٨٨٧، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في السواك، ح:٢٣)

"اگر امت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم دے دیتا؟"

جواب اس عمل کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خالص سنت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔ جو لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ بات بھی درست نہیں کہ اس سے ناگوار بو پھیلتی ہے بلکہ مسواک تو منہ کو صاف کرتی اور منہ کو بو سے پاک کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ»(سنن نسائي، كتاب الطهارة، الترغيب في السواك ح:٥)

"مسواک منہ کو پاک کرنے اور رب کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔"

مسواک کرنے سے اگر مسوڑھوں سے کچھ خون نکل آئے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ مسجد میں یا نماز کے وقت مسواک کرنا چھوڑ دیا جائے' کیونکہ ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو مسواک کرنے کی عادت ہو اور وہ ہمیشہ مسواک کرے تو اس سے خون آنا بند ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بالوں کو چھوٹا اور لمبا کرنا

سوال میں نے ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر کے کچھ بالوں کو منڈوا دیا اور کچھ کو چھوڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس سے منع کر دیا اور فرمایا کہ "سارے سر کو مونڈ دو یا سارے کو چھوڑ دو۔" تو سوال یہ ہے کہ کیا بالوں کو کاٹنا حرام ہے؟ نیز ﴿ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ﴾ کا کیا مفہوم ہے؟

جواب سر کے بالوں کو کاٹنا یا مونڈنا حرام نہیں ہے بلکہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور افضل یہ ہے کہ آدمی عادت کے مطابق عمل کرے بشرطیکہ ہم یہ بات صحیح تسلیم کریں کہ بالوں کا مسئلہ عادت کے تابع ہے سنت کے تابع نہیں۔ سوال میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے سر کے کچھ حصے کو مونڈ رکھا تھا اور کچھ کو چھوڑ رکھا تھا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ سارے سر کو مونڈ لے یا سارے کو چھوڑ دے لہٰذا اگر سر کے بالوں کو مونڈ دیا جائے یا کترا دیا جائے یا تحلیق و تقصیر کے بغیر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو اس میں اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ:

﴿ لَتَدْخُلُنَّ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ﴾ (الفتح٤٨/ ٢٧)

"اللہ نے چاہا تو تم ہر صورت مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن و امان سے داخل ہو گے۔"

اس لئے کہ عمرہ کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر کو منڈوائے یا اپنے بال کتروائے ہاں البتہ دلیل سے یہ ثابت ہے کہ کتروانے کی نسبت بالوں کو منڈوانا افضل ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مردوں کے لئے سرمہ کا استعمال

سوال بغیر ضرورت کے مردوں کے لئے اپنی آنکھوں میں سرمہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب سرمہ کی دو قسمیں ہیں:

① وہ جو تقویت بصر' آنکھ کے پردہ کو جلا بخشنے اور آنکھ کی نظافت و طہارت کے لئے استعمال کیا جائے اور اس میں جمال کا پہلو نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان مقاصد کے لئے سرمہ استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ نبی کریم ﷺ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے خصوصاً جب کہ وہ اصلی اثمد ہوتا۔

② وہ جو محض زینت و جمال کے لئے استعمال ہو تو یہ عورتوں کے لئے ہے کیونکہ عورت سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے زیب و زینت کا اظہار کرے۔ مردوں کے لئے اس کے استعمال کا کیا حکم ہے' مجھے یہ معلوم نہیں؟

——— شیخ ابن عثیمین ———

داڑھی کو کالا کرنا

سوال داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنے اور ایسا کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب سفید بالوں کو خواہ وہ سر میں ہوں یا داڑھی میں' کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' کالے کے علاوہ دیگر رنگوں مثلاً سرخ اور پیلے سے رنگنا جائز ہے' مہندی اور وسمہ ملا کر بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

«غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ، وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة....، ح:٢١٠٢، وسنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في الخضاب، ح:٤٢٠٤)

"ان سفید بالوں کے رنگ کو بدل دو اور انہیں (حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو) سیاہی کے استعمال سے بچاؤ۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لاَ يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ»(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، ح:٢١٠٣)

"یہود و نصاریٰ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

ابروؤں کے بالوں کو چھوٹا کرنا

سوال اگر ابروؤں کے بال بہت گھنے ہوں تو کیا عورتوں سے مشابہت یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی کے ارادہ کے بغیر ہی انہیں کتروانا جائز ہے؟

جواب میری رائے میں ان بالوں کو چننا یا کترنا یا کاٹنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمال و زینت اور آنکھ کی

حمایت و صیانت (حفاظت) کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ مرد یا عورت اگر ان بالوں کو زائل کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی بات ہے چونکہ ایسا اکثر عورتیں کرتی ہیں' اس لئے ان پر اس کی وجہ سے حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

شیخ ابن جبرین

شرعی داڑھی کے حدود اور داڑھی منڈانے کا حکم

سوال امید ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں گے کہ داڑھی منڈانے یا اس کے کچھ بال کترانے کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ فرمایئے کہ شرعی داڑھی کے حدود کیا ہیں؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

«أَعْفُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»

"داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ"

داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی سنت کو چھوڑ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے طریقہ کو اختیار کرنا ہے۔

داڑھی کی حد کے بارے میں گزارش ہے کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ وہ تمام بال جو چہرے' رخساروں' کلوں اور ٹھوڑی پر ہوں وہ داڑھی میں شامل ہیں اور ان میں سے کسی حصہ کے بالوں کو لینا معصیت میں شامل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات أعفُوااللِّحٰی' اَرْخُوااللِّحٰی' وَفِّرُوااللِّحٰی' اور اَوْفُوا اللِّحٰی کا تقاضا ہے کہ داڑھی کے کسی حصہ کے بالوں کو لینا بھی جائز نہیں ہے لیکن معاصی میں بھی چونکہ تفاوت ہوتا ہے لہٰذا داڑھی منڈانا' کترانے کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ نمایاں اور بڑی مخالفت ہے۔

شیخ ابن عثیمین

داڑھی منڈانا

سوال داڑھی منڈانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰى»

"مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ"

آپ ﷺ نے مونچھیں کترانے اور داڑھی بڑھانے کو دس سنن فطرت میں سے بھی شمار فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اپنی داڑھی مبارک بھی گھنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۹۴)

"بھائی میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے۔"

داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو کلوں اور ٹھوڑی پر اگیں' کلے نچلے دانتوں کے اگنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور جس مقام پر دونوں کلے مل جاتے ہیں اسے ٹھوڑی کہتے ہیں۔ داڑھی بڑھانے کا حکم چونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے' اس لئے مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجالائے اور اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ مکمل فرماں برداری کی جائے۔ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے وہ نبی ﷺ کے ارشادات اعفوااللحی' اوفوااللحی' وفرواللحی اور اوفوا اللحی کی نافرمانی کرتا ہے جو شخص داڑھی منڈائے یا کترائے اس کی اطاعت رسول میں خلل ہے اور وہ معصیت میں مبتلا ہے لہٰذا اسے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے توبہ کرنی چاہئے اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

—— شیخ ابن جبرین ——

داڑھی منڈانا اور مونچھیں کترانا

سوال میں نے سنا ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ' تو جو شخص مونچھیں رکھتا اور داڑھی منڈاتا ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰی»

''مونچھیں کٹواؤ' داڑھیاں بڑھاؤ''

مونچھوں کو لمبا کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ اس میں تکلیف بھی ہے اور ایذاء بھی جب کہ داڑھی باعث جمال و زینت ہے اس لئے اسے منڈانا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ داڑھیوں کو بڑھایا جائے اور آپ ﷺ کے پیروکاروں اور آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ آپ ﷺ کی فرماں برداری کرے اور آپ ﷺ کی اطاعت بجالائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

✿ ✿ ✿

باب سوم

كتابُ الطَّهارَة

مریض کی طہارت کے احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی أَشْرَفِ الأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہِ وَصَحْبِہِ أَجْمَعِیْنَ ۔ وبَعْدُ

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہر نماز کے لئے طہارت کا حکم دیا ہے لہٰذا ناپاکی کو دور کرنا اور نجاست کا ازالہ کرنا' خواہ وہ بدن میں ہو یا کپڑے میں ہو یا اس جگہ میں ہو جہاں نماز پڑھنی ہو' نماز کی شرائط میں سے ہے لہٰذا جب مسلمان نماز کا ارادہ کرے تو اس کے لئے واجب ہے کہ چھوٹی ناپاکی کی صورت میں وضوء کرے اور بڑی ناپاکی کی صورت میں غسل کرے اور بول و براز کی صورت میں ضروری ہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا جائے یا ڈھیلوں کو استعمال کر لیا جائے تاکہ طہارت و نظافت مکمل طور پر حاصل ہو جائے۔ طہارت و نظافت سے متعلق بعض احکام کا ذکر حسب ذیل ہے:

دونوں راستوں سے نکلنے والی ہر چیز مثلاً بول و براز کی وجہ سے پانی سے استنجاء واجب ہے۔ نیند یا محض ہوا خارج ہونے کی وجہ سے استنجاء نہیں ہے بلکہ صرف وضوء کرنا ہو گا کیونکہ استنجاء کا حکم تو ازالہ' نجاست کے لئے ہے اور نیند و خروج ہوا کی صورت میں نجاست نہیں ہے۔

ڈھیلے پتھروں کے ہوں یا جو چیز پتھروں کے قائم مقام ہو سکتی ہو' ڈھیلوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین ہوں اور پاک ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستتار في الخلاء، ح:٣٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، ح:٣٣٧)

"جو شخص ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَإِنَّهَا تُجْزِىءُ عَنْهُ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالاحجار، ح:٤٠)

"تم میں سے کوئی جب قضاء حاجت کے لئے جائے تو وہ اپنے ساتھ تین ڈھیلے لے جائے یہ اس کے لئے کافی ہوں گے۔"

نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ڈھیلے تین سے کم ہوں لید' ہڈی اور کھانے کی کسی چیز کو اور ہر اس چیز کو جو قابل احترام ہو بطور ڈھیلا استعمال کرنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ پتھروں کو بطور ڈھیلا استعمال کیا جائے یا جو چیزیں ان سے مشابہت

رکھیں، مثلاً ٹشو پیپرز وغیرہ اور پھر ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کیا جائے کیونکہ پتھر عین نجاست کو زائل کرتے ہیں اور پانی محل نجاست کو پاک کرتا ہے لہٰذا اس سے خوب خوب صفائی ہو جاتی ہے۔ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ پانی کے ساتھ استنجاء کرے یا پتھروں وغیرہ کے ساتھ صفائی کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«يَدْخُلُ الْخَلاَءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلاَمٌ نَحْوِيْ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً فَيَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب حمل العنزة مع الماء في الاستنجاء، ح:١٥٢، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء، ح:٢٧١)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خلا میں داخل ہوتے تو میں یا میرے جیسا کوئی اور لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ اٹھالیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجاء فرماتے"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عورتوں کی ایک جماعت سے فرمایا:

«مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَسْتَطِيْبُوْا بِالْمَاءِ فَإِنِّيْ أَسْتَحْيِيْهِمْ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَفْعَلُهُ»

(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الاستنجاء بالماء، ح:١٩)

"اپنے شوہروں سے کہو کو وہ پانی کے ساتھ طہارت کریں، میں ان سے بات کرنے میں حیا محسوس کرتی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔"

اگر آدمی دونوں میں سے ایک پر اکتفاء کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ پانی پر اکتفاء کرے کیونکہ پانی مقام کو بھی پاک کرتا ہے اور عین نجاست کو بھی زائل کرتا ہے، اس سے نظافت بھی خوب ہوتی ہے۔ اگر ڈھیلوں پر اکتفاء کرے تو پھر تین ڈھیلے استعمال کرے، اگر مقام صاف ہو جائے تو بہتر ورنہ چار اور پانچ استعمال کرے حتی کہ مقام پاک صاف ہو جائے لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی طاق تعداد میں استعمال کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستتار في الخلاء، ح:٣٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، ح:٣٣٧)

"جو ڈھیلے استعمال کرے، اسے طاق استعمال کرنے چاہئیں"

ڈھیلہ دائیں ہاتھ سے استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ:

«نَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِيَمِيْنِهِ لاَ يُمْسِكْ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَهُوَ يَبُوْلُ وَلاَ يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلاَءِ بِيَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، ح:١٥٣ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة باب النهي عن الاستنجاء باليمين، ح:٢٦٧)

"ہم میں سے کوئی دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے، پیشاب کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اپنے آلۂ تناسل کو نہ پکڑو اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرو۔"

اگر بایاں ہاتھ کٹا ہو یا اس میں کوئی بیماری ہو تو پھر اس طرح کی حالت میں بوقت ضرورت دایاں ہاتھ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسلامی شریعت کی بنیاد چونکہ آسانی اور سہولت پر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذر میں مبتلا لوگوں کے لئے عبادات کے ادا کرنے میں حسب عذر تخفیف کر دی ہے تاکہ وہ کسی حرج اور مشقت کے بغیر اپنی عبادت ادا کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج۲۲/ ۷۸)

"اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین (کی کسی بات) پر تنگی نہیں کی۔"

اور فرمایا:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۵)

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔"

اور فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن۶۴/ ۱۶)

"سو جہاں تک ہو سکے، تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:۷۲۸۸، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:۱۳۳۷)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: "دین آسان ہے۔"

مریض کو جب پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کی استطاعت نہ ہو یعنی حدث اصغر کی صورت میں وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں غسل کرنے سے عاجز ہو یا اس سے مرض میں اضافہ کا خوف ہو یا بیماری کے درست ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر لے یعنی دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر ایک بار مارے اور اپنی انگلیوں کے اندر کے حصے کو اپنے چہرہ پر پھیرے اور ہتھیلیوں کو دونوں بازوؤں پر پھیرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾ (المائدۃ۵/ ۶)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو۔"

جو شخص پانی کے استعمال سے عاجز ہو اس کا حکم وہی ہے، جو اس شخص کا ہے جس کے پاس پانی ہی نہ ہو کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوَى»(صحيح بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ح:۱)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

مریض کے حالات مختلف ہوتے ہیں مثلاً:

① مرض معمولی ہو اور پانی کے استعمال سے ہلاکت' بیماری میں اضافہ' شفایابی میں تاخیر اور درد میں نمایاں اضافہ کا کوئی خدشہ نہ ہو جیسے سر درد یا داڑھ میں درد وغیرہ ہو یا مریض کے لئے گرم پانی کا استعمال ممکن ہو اور اس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو اس کے لئے تیمم جائز نہیں کیونکہ تیمم کا جواز نفی ضرر کے لئے ہے اور یہاں کوئی ضرر ہے ہی نہیں اور پانی بھی اس کے پاس موجود ہے لہٰذا اس کے لئے پانی کا استعمال واجب ہے۔

② اگر مرض ایسا ہو کہ پانی کے استعمال سے ہلاکت' یا کسی عضو کے ناکارہ ہونے یا اس سے کسی ایسے مرض کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو' جس سے جان کو خطرہ لاحق ہو یا کوئی عضو ناکارہ ہونے یا اس کی افادیت ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے مریض کے لئے تیمم جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے۔"

③ اگر مرض ایسا ہے کہ آدمی چل پھر نہیں سکتا اور اس کے پاس کوئی اور انسان بھی نہیں جو اسے پانی مہیا کر سکے تو اس کے لئے بھی تیمم جائز ہے۔

④ جس شخص کے جسم پر زخم ہوں یا پھوڑے پھنسیاں ہوں یا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو یا مرض ایسا ہو کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو اور وہ جنبی ہو جائے تو اس کے لئے سابقہ دلائل کی بنیاد پر تیمم کرنا جائز ہے اور اگر اس کے لئے جسم کے صحیح حصے کا دھونا ممکن ہو تو اسے دھونا واجب ہو گا اور باقی حصے کا تیمم کر لے۔

⑤ اگر مریض کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی نہ ہو' مٹی بھی نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جو مٹی یا پانی لا کر دے سکے تو وہ حسب حال اسی طرح نماز پڑھ لے' نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

⑥ سلسل البول کا وہ مریض جو علاج معالجہ سے بھی صحیح نہ ہو سکتا ہو تو اسے وقت ہونے کے بعد ہر نماز کے لئے وضوء کرنا چاہئے اور جسم کے اس حصہ کو دھولینا چاہئے جہاں پیشاب لگا ہو۔ اگر مشقت نہ ہو تو نماز کے لئے الگ پاک کپڑے استعمال کرے ورنہ اس کے لئے معافی ہے اور وہ انہی کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ ﴾ (الحج٢٢/ ٧٨)

"اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

نیز فرمایا:

﴿ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے' سختی نہیں چاہتا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

سلسل البول کے مریض کو احتیاط کرنی چاہئے کہ پیشاب اس کے کپڑوں' جسم اور نماز کی جگہ کو نہ لگے۔ یاد رہے تیمم بھی ہر اس چیز سے باطل ہو جاتا ہے جس سے وضوء باطل ہوتا ہے نیز پانی کے استعمال کی قدرت کے حاصل ہونے یا معدوم ہونے کی صورت میں پانی کے مل جانے سے بھی تیمم باطل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

مریض کس طرح طہارت حاصل کرے؟

① مریض کے لئے بھی واجب ہے کہ پانی سے طہارت حاصل کرے' حدث اصغر کی صورت میں وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں غسل کرے۔

② اگر وہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو یا پانی کے استعمال سے مرض میں اضافہ یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر لے۔

③ تیمم کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ کو ایک بار پاک زمین پر مارے اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سارے چہرہ کا مسح کرے اور پھر ایک دوسرے ہاتھ کے ساتھ دونوں ہاتھوں پر مسح کرے۔

④ اگر کوئی مریض از خود طہارت حاصل نہ کر سکتا ہو تو کوئی دوسرا انسان اسے وضوء یا تیمم کرا دے۔

⑤ اگر بعض اعضاء طہارت میں زخم ہو تو اسے پانی سے دھو لے' اگر پانی سے دھونے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو زخم پر مسح کر لے یعنی ہاتھ کو پانی سے تر کر کے زخم پر پھیر لے اور اگر اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لے۔

⑥ اگر جسم کا کوئی عضو ٹوٹا ہو اور اس پر پٹی یا پلستر لگا ہو' تو اسے دھونے کی بجائے پانی سے مسح کر لے' اس صورت میں تیمم کی ضرورت نہ ہو گی کیونکہ مسح دھونے کے قائم مقام ہے۔

⑦ تیمم دیوار کے ساتھ جائز ہے اور ہر اس پاک چیز کے ساتھ بھی جس پر غبار ہو' اگر دیوار پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جس کا جنس زمین سے تعلق نہ ہو مثلاً پینٹ وغیرہ تو اس سے تیمم نہ کرے الا یہ کہ دیوار پر غبار موجود ہو۔

⑧ جب زمین سے یا دیوار سے یا کسی ایسی چیز سے تیمم نہ کرے جس پر غبار ہو تو پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کسی برتن یا رومال وغیرہ میں مٹی رکھ کر اس سے تیمم کر لے۔

⑨ جب آدمی ایک نماز کے لئے تیمم کر لے اور دوسری نماز کے وقت تک وہ بحالت طہارت رہے تو وہ پہلے تیمم ہی سے نماز پڑھ لے' دوسری نماز کے لئے اسے دوبارہ تیمم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ابھی تک طہارت پر قائم ہے اور ایسی کوئی بات واقع نہیں ہوئی جو اس کی طہارت کو ختم کر دے۔

⑩ مریض کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے جسم کو نجاستوں سے پاک رکھے اور اگر اسے اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ اپنے حسب حال نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح ہو گی' اسے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

⑪ مریض کے لئے واجب ہے کہ پاک کپڑوں میں نماز پڑھے' اگر کپڑے ناپاک ہو جائیں تو انہیں دھونا یا ان کی بجائے پاک کپڑے پہننا واجب ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ حسب حال نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح ہو گی' اسے نماز دو ہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔

⑫ مریض کے لئے واجب ہے کہ پاک جگہ پر نماز پڑھے' اگر اس کی جگہ ناپاک ہو تو اسے دھونا واجب ہے' یا وہ کسی دوسری پاک جگہ منتقل ہو جائے یا اس پر کوئی پاک چیز بچھا دے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ حسب حال نماز پڑھ لے' نماز صحیح ہو گی' اسے دو ہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔

⑬ مریض کے لئے یہ جائز نہیں کہ طہارت سے عاجزی کی وجہ سے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے بلکہ مقدور بھر طہارت حاصل کر کے نماز کو بروقت ادا کرے خواہ اس کے جسم' کپڑے یا جگہ پر نجاست ہو جس کے ازالہ سے وہ عاجز ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خشک نجاست نقصان دہ نہیں ہے

سوال کیا خشک پیشاب کپڑوں کو ناپاک نہیں کرتا یعنی مثلاً بچے نے زمین پر پیشاب کیا' اسے دھویا نہ گیا اور وہ زمین خشک ہو گئی اور پھر کوئی شخص آکر اس خشک پیشاب پر بیٹھ گیا تو اس سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

جواب خشک نجاست کے لمس سے جسم یا خشک کپڑے کو نقصان نہیں پہنچتا' اسی طرح خشک حمام میں خشک ننگے پاؤں داخل ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نجاست تر ہونے کی صورت میں پھیلتی ہے!

——— شیخ ابن جبرین ———

زخموں کی صفائی کے لئے اس خوشبو کا استعمال جس میں الکحل کی آمیزش ہو

سوال کیا زخموں وغیرہ کی صفائی کیلئے ان عطریات و خوشبویات کا ظاہری استعمال جائز ہے جن میں الکحل کی آمیزش ہو؟

جواب اس سوال کے جواب سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

اولاً: کیا شراب ناپاک ہے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ شراب حسی طور پر نجس ہے' جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کرنا واجب ہے جب کہ بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے کہ نجاست کا حسی ہونا ایک شرعی حکم ہے' جسے ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا جب کسی شرعی دلیل سے شراب کا ناپاک ہونا ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ پاک ہے' کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل تو خود کتاب اللہ کی یہ آیت کریمہ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۰)

"اے ایمان والو! شراب اور جواء اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے

بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔"

اور رجس بمعنی نجس ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے' حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردار' خنزیر کا گوشت اور دم مسفوح رجس یعنی نجس ہیں' رجس کے یہاں نجس ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے مردہ جانوروں کی کھالوں کے متعلق فرمایا ہے کہ "پانی انہیں پاک کر دیتا ہے" ((يُطَهِّرُهَا)) "یعنی اسے پاک کر دیتا ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پہلے ناپاک تھیں جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ بات معلوم ہے لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہاں رجس سے مراد رجس عملی ہے رجس حسی نہیں اور اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں:

﴿ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠)

"(یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔"

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جواء' بت اور پانسے حسی طور پر نجس نہیں ہیں اور آیت میں چار چیزوں کے بارے میں خبر ہے اور وہ ہیں [1] شراب [2] جواء [3] بت اور [4] پانسے تو جب خبران چاروں کے متعلق ہے تو حکم بھی ان سب کے متعلق مساوی ہو گا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے' ان کے پاس ایک دوسری دلیل سنت سے یہ بھی ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو نبی ﷺ نے شراب کے برتنوں کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حرمت کے حکم کے نازل ہونے کے بعد شراب کو بازاروں میں بہا دیا۔ اگر شراب نجس ہوتی تو وہ اسے بازاروں میں نہ بہاتے کیونکہ اس سے بازاروں میں چلنے والوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ تھا۔

ثانیاً:جب یہ بات واضح ہو گئی کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے اور میرے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے' تو معلوم ہوا کہ الکحل بھی حسی طور پر نجس نہیں ہے بلکہ اس کی نجاست معنوی ہے کیونکہ جس الکحل سے سکر (نشہ) پیدا ہو وہ شراب ہے' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ)) "ہر نشہ آور چیز شراب ہے" ① اور جب یہ شراب ہے تو اکل و شرب میں اس کا استعمال کہ اسے کسی کھانے پینے کی چیز میں ملایا جائے کہ اس کی تاثیر اس میں ظاہر ہو تو حرام ہے اور اس کی حرمت نص اور اجماع سے ثابت ہے' دیگر امور مثلاً جراثیم کے خاتمہ وغیرہ کے لئے اس کا استعمال تو یہ مسئلہ محل نظر ہے اور اجتناب ہی میں زیادہ احتیاط ہے لیکن میں اسے حرام نہیں کہہ سکتا اور میں سوائے زخموں کو مندمل کرنے وغیرہ کی ضرورت کے خود استعمال بھی نہیں کرتا۔

شیخ ابن عثیمین

① صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب بیان ان کل خمر حرام' ح: 2002

جس شخص کی ہوا مسلسل خارج ہوتی رہتی ہو

سوال جب کوئی مسلمان کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے زور سے ہوا خارج کرنے پر مجبور ہو اور ہوا روکنے کی صورت میں بہت تکلیف ہو تو کیا نماز پڑھتے ہوئے ہوا خارج ہونے سے اس کا وضوء اور نماز فاسد ہو جائے گی یا سلسل البول پر قیاس کرتے ہوئے فاسد نہ ہو گی؟

جواب اس شخص کو مقدور بھر کوشش کر کے اپنی طہارت کی حفاظت کرنی چاہئے' اگر ہوا ہر وقت خارج نہ ہوتی رہتی ہو بلکہ کبھی کبھی خارج ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا اور اگر ہوا ہمیشہ اور ہر وقت خارج ہوتی رہتی ہو اور چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' لیٹتے اور سواری کی حالت میں کسی وقت بھی بند نہ ہوتی ہو اور نہ وہ اِسے بند کر سکتا ہو' بند کرنے سے اسے تکلیف ہو' تو یہ معذور ہو گا۔ ہوا خارج ہونے سے اس کا وضوء اور نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کا حکم اس شخص کا سا ہو گا جس کی ناپاکی دائمی ہے ہاں البتہ وقت شروع ہونے کے بعد اسے ہر نماز کے لئے نیا وضوء کرنا ہو گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

پیشاب کا وسوسہ

سوال فضیلۃ الشیخ! میں جب پیشاب سے فارغ ہوتا ہوں تو بعد میں ایک قطرہ نکل آتا ہے۔ یہ مرض مجھے پانچ ماہ سے لاحق ہے۔ میں نے ہسپتال سے علاج بھی کروایا لیکن بے سود اور میں اسی حالت میں نمازیں پڑھ رہا ہوں' تو سوال یہ ہے کہ میں نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں یا کیا کروں؟ میری راہنمائی فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب برادر! پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی طہارت کے لئے مقدور بھر احتیاط سے کام لیجئے' پیشاب کرنے اور قطرہ وغیرہ کے منقطع ہونے کے بعد نماز کا وقت داخل ہونے سے قریباً نصف گھنٹہ پہلے پہلے وضوء کر لیجئے تاکہ یہ امید کی جا سکے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے قطرہ ختم ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر بار پیشاب کرنے کے بعد اپنی شرم گاہ کو ٹھنڈے پانی سے دھو لیجئے' اس سے بھی قطرہ آنا بند ہو جائے گا۔ اور اگر یہ قطرے وسواس و وہم کا نتیجہ ہوں تو استنجاء کے بعد اپنی شلوار اور کپڑے وغیرہ پر پانی کے چھینٹے مار لیجئے تاکہ شیطان تمہیں وہم میں مبتلا نہ کر سکے کہ یہ تری پیشاب کی ہے کیونکہ تمہارے سامنے یقینی طور پر یہ بات ہو گی کہ یہ تو اس پانی کی ہے' جس کے چھینٹے آپ نے کپڑے پر مارے ہیں ہاں البتہ اگر پیشاب کا سلسلہ جاری رہے یا پیشاب کے بعد قطرے جاری رہیں اور وہ کئی گھنٹوں تک ختم ہی نہ ہوں تو یہ سلسل البول کا مرض ہو گا اور ایسے شخص کا حکم اس انسان جیسا ہو گا جس کی ناپاکی دائمی ہے' اسے نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کرنا چاہئے نیز اس کے لئے ہر نماز کے لئے وضوء کرنا لازمی ہے اور اس وقت وضوء کرنے کے بعد قطرے اس کے لئے نقصان دہ نہ ہوں گے خواہ وہ اس کے کپڑے یا جسم کو بھی لگ جائیں بشرطیکہ وہ حفاظت اور صفائی کے لئے مقدور بھر اسباب کو اختیار کرے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

وضوء میں وسوسہ

سوال میں جب نماز کے لئے وضوء کرتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ آلہ تناسل سے کوئی چیز نکل رہی ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ میں ناپاک ہو گیا ہوں یا نہیں؟ اور کیا جب میں نماز پڑھتے ہوئے ایسا محسوس کروں تو میری نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب نمازی کے یہ محسوس کرنے سے کہ اس کی دبر یا قبل سے کوئی چیز خارج ہو رہی ہے' وضوء باطل نہیں ہوتا اور اس احساس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس طرح کی صورت حال کے بارے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، ح:١٣٧، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة ... ، ح:٣٦١)

"اس وقت تک نماز سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔"

البتہ جب نمازی کو یہ یقین ہو جائے کہ ہوا یا پیشاب وغیرہ خارج ہوا ہے تو فساد طہارت کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی' اسے وضوء اور نماز کو دوہرانا ہو گا۔

شیخ ابن باز

جگہ کی طہارت کے بارے میں شک

سوال جب ہم ایک فلیٹ سے دوسرے فلیٹ میں منتقل ہوتے ہیں تو عام طور پر تمام یا اکثر فلیٹوں میں کارپٹ بچھا ہوتا ہے' تو کیا ہمارے لئے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے' جب کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم سے پہلے اس گھر میں رہنے والے مسلمان تھے یا نہیں؟

جواب اشیاء میں اصل طہارت ہے۔ کسی چیز یا جگہ کو صرف اسی صورت میں نجس قرار دیا جا سکتا ہے' جب اس کی نجاست کی کوئی دلیل ہو اور پھر وہ نجس چیز اس جگہ واقعی موجود ہو اور جب یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں تو مسلمان نماز پڑھ سکتا ہے' اس کی نماز صحیح ہو گی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

ہوا کا مسلسل خروج

سوال میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں جس کی وجہ سے میرا وضوء برقرار نہیں رہتا' جس کی وجہ سے مجھے نماز' تلاوت قرآن اور ان تمام عبادات میں مشقت کا سامنا ہے' جن کے لئے وضوء لازم ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جوں ہی وضوء کا پانی میرے جسم کو چھونے لگتا ہے' میرے قصد وارادہ کے بغیر ہوا خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ نماز جمعہ' عیدین' فرض نمازوں اور تلاوت قرآن کریم کے لئے بیٹھنے میں بھی مجھے دشواری ہوتی ہے اور سکون اس وقت ہوتا ہے جب ہوا

خارج ہو جائے۔ اس بیماری کی وجہ سے مجھے نماز میں اطمینان حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مجھے وضوء کے بارے میں اندیشہ رہتا ہے' تو سوال یہ ہے کیا میرے لئے رخصت یا جواز ہے' جس سے اس مرض کی حدت میں تخفیف ہو جائے خواہ اسے فالج پر قیاس کر لیا جائے؟ مجھے اس مسئلہ کا حل بتایئے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے!

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ وسوسہ ہے جس میں بہت سے لوگ وضوء اور نماز کے سلسلہ میں مبتلا ہیں' اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کی تو آپ معذور ہیں اور آپ کو اس شخص پر قیاس کیا جائے گا جس کی ناپاکی دائمی ہے جیسے کہ سلسل البول کا مریض ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ اس وقت وضوء کیجئے جب نماز کا وقت شروع ہو جائے اور اقامت قریب ہو' پھر مقدور بھر کوشش کر کے وضوء کو ٹوٹنے سے بچایئے اور اگر آپ مغلوب ہو جائیں اور ہوا کو روکنے پر قادر نہ ہوں تو آپ کی نماز (ان شاء اللہ) صحیح ہو گی کیونکہ یہ امر انسانی اختیار سے باہر اور اضطرار کے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

دھوپ سے طہارت حاصل نہیں ہوتی

سوال میرے چھوٹے بچے ہیں' جنہیں گود میں اٹھانا پڑتا ہے اور وہ میرے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر انہیں میں نماز پڑھ لیتی ہوں' کیا ایسے کپڑوں میں نماز جائز ہے؟

جواب لڑکے نے اگر کھانا کھانا نہ شروع کیا ہو تو اس کے پیشاب پر چھینٹے مارنا ہی کافی ہے کیونکہ ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ:

«أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَجْلَسَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب بول الصبيان، ح:٢٢٣، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع، ح: ٢٧٨

"اپنے ایک ایسے چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جس نے ابھی کھانا کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیا تو بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا' تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر چھینٹے مار دیئے اور اسے نہ دھویا۔"

نضح کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اتارے بغیر پانی سے تر کر دیا جائے اور اسے ملنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ اگر کھانا کھانا شروع کر دے تو اس کے پیشاب کو دھویا جائے گا جب کہ بچی کے پیشاب کو ہر حال میں دھویا جائے گا کیونکہ لبابہ بنت حارث سے روایت ہے کہ حسین بن علی نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو میں نے عرض کیا آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور یہ تہبند مجھے دے دیں تاکہ میں اسے دھو دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الأُنْثَى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب، ح: ٣٧٥)

"بچی کے پیشاب سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹے مار لئے جاتے ہیں۔"

بچے اور بچی کے پیشاب کے بارے میں یہ وہ حکم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا

کہ سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ پیشاب سے آلودہ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر انہی میں نماز پڑھ لیتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ دھوپ سے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ ایسے کپڑے کو پاک کئے بغیر اس میں نماز پڑھنا صحیح نہ ہو گا۔

فتویٰ کمیٹی

نماز کے بعد کپڑوں میں نجاست کی موجودگی

سوال ایک آدمی نے نماز پڑھی اور کافی مدت بعد معلوم ہوا کہ اس کے کپڑے ناپاک تھے' تو کیا وہ نماز کو دوہرائے جب کہ اس نے ان کپڑوں میں پانچ ماہ پہلے نماز پڑھی تھی؟

جواب اگر نجاست کا علم نماز سے فراغت کے بعد ہو تو نماز صحیح ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے جب نبی کریم ﷺ کو دوران نماز یہ بتایا کہ آپ کے نعلین (جوتے) کو نجاست لگی ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے انہیں اتار دیا اور نماز کے ابتدائی حصے کو جو آپ ﷺ پڑھ چکے تھے' نہ دوہرایا۔ اسی طرح اگر نجاست کے بارے میں نماز سے پہلے معلوم ہو لیکن پھر بھول کر انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لے اور اسے نماز کے بعد یاد آئے کہ یہ کپڑے ناپاک تھے تو پھر بھی نماز صحیح ہو گی' ارشاد باری تعالیٰ میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا!"

اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دعاء کو شرف قبولیت سے نواز دیا ہے۔

شیخ ابن باز

سلسل البول کا مریض

سوال ایک شخص جو سلسل البول کے مرض میں مبتلا ہے' کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ نماز کے اختتام تک پیشاب کو روکے رکھے؟

جواب سلسل البول کے مریض کو حسب طاقت علاج کروانا چاہئے اور اگر یہ شیطانی اوہام و وساوس ہوں تو پھر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور اصل یعنی طہارت کا خیال کیا جائے گا حتیٰ کہ یقین ہو جائے کہ کوئی ایسی چیز خارج ہوئی ہے جو ناقض وضوء ہے۔ اگر پیشاب مسلسل خارج ہوتا رہتا ہو اور کبھی بھی نہ رکتا ہو تو یہ شخص حسب حال نماز پڑھ لے۔ اگر یہ شخص پیشاب کے خارج ہونے کو کم کر سکتا ہو تو اسے کم کرنا چاہئے خواہ اسے آلہ تناسل کے منہ پر کپڑے یا روئی وغیرہ کا کوئی ٹکڑا رکھنا پڑے یا آلہ تناسل کو کسی لفافہ وغیرہ میں لپیٹ دے' جس سے اس کے کپڑے پیشاب سے ملوث نہ ہوں۔ اور اگر قطرے پیشاب کرنے کے بعد خارج ہوتے ہوں تو اسے نماز کے وقت سے اس قدر پہلے پیشاب کرنا چاہئے جس سے اس کے قطرے منقطع ہو جائیں اور پھر شرم گاہ کو پانی سے دھو لے۔ ٹھنڈے پانی سے شرم گاہ کو دھونے سے قطروں کا خروج ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ پیشاب کرنے میں زیادہ وقت نہ لگائے اور اگر اسے یہ ڈر

ہو کر یہ وقت دراز ہو جائے گا اور نماز فوت ہو جائے گی تو اسے چاہئے کہ نماز کی تکمیل تک پیشاب کو مؤخر کر لے بشرطیکہ اس سے اسے کوئی جلن یا تکلیف نہ ہو جس کی وجہ سے نماز میں خلل پیدا ہو۔ (واللہ اعلم)۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں سگریٹ کا پاس ہونا اور وہ پانی جس میں کیڑا گر گیا ہو

سوال جب نماز میں آدمی کے پاس سگریٹ ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اس پانی کا کیا حکم ہے جس میں کیڑا گر گیا ہو؟

جواب سگریٹ نوشی کی حرمت پر علماء محققین کا اتفاق ہے کیونکہ یہ دین' مال اور بدن کے لئے نقصان دہ ہے' ناپاک ہے اور پینے والے پر اس کے بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مجھے یاد نہیں کہ علماء محققین میں سے کسی نے اس کو بول و براز کی طرح نجس عین قرار دیا ہو لیکن اس کی حرمت اور ناپاکی کی وجہ سے میں یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ یہ دوران نماز آدمی کے پاس ہو یا کوئی اسے مسجد میں لے جائے خواہ یہ پیکٹ ہی میں کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا کرے تو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ نماز دوہرائے کیونکہ اس کے نجس عین ہونے میں توقف ہے۔

بہت سے علماء کی رائے ہے کہ جس پانی میں کیڑے گر گئے ہوں وہ ناپاک ہے۔ اس کا بہا دینا واجب ہے کیونکہ یہ کیڑے نجاستوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے اس سے بیت الخلاء میں پیدا ہونے والے کیڑے مراد ہیں ہاں البتہ کنوؤں میں پیدا ہونے والے کیڑوں کا یہ حکم نہیں ہے۔ لیکن راجح بات یہ ہے کہ کیڑے گرنے سے پانی کی طہوریت سلب نہیں ہوتی۔ کیڑا اگرچہ نجاست سے پیدا ہوتا ہے لیکن وہ ایک ایسی چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہے۔ اور پھر صحیح قول کے مطابق پانی اس وقت نجس ہوتا ہے جب اس میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے اور ان جانوروں کے گرنے سے عموماً پانی کے اوصاف میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی لہٰذا پانی پاک رہے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

—— شیخ ابن جبرین ——

کافر خادمہ کا کھانا پکانا اور کپڑے دھونا

سوال ہمارے پاس ایک غیر مسلم خادمہ ہے تو کیا میرے جن کپڑوں کو وہ دھوئے' میں ان میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ اور جو وہ کھانا پکائے اسے کھا سکتا ہوں؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کے دین کے عیب اور بطلان کو واضح کرتا رہوں؟

جواب کافر سے خدمت لینا اور کھانا پکانے اور کپڑے دھونے وغیرہ کے لئے اسے استعمال کرنا جائز ہے اس کے پکائے ہوئے کھانے کو کھانا اور اس کے سلے ہوئے اور دھوئے ہوئے کپڑوں کو پہننا جائز ہے کیونکہ اس کے ہاتھ بظاہر صاف ہیں اور اس کی نجاست معنوی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کافر غلاموں اور لونڈیوں سے خدمت لے لیا کرتے تھے اور بلاد اہل کفر سے جو چیزیں آتیں' انہیں بھی کھا لیا کرتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حسی طور پر ان کے جسم طاہر ہیں۔ ہاں البتہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ ان کے برتنوں میں کھانا پکانے سے پہلے انہیں دھو لیا جائے' جب کہ وہ ان میں شراب پیتے اور مردار و خنزیر کو پکاتے ہوں اور ان کے ان کپڑوں کو استعمال سے پہلے دھو لیا جائے جو ان کے مقام ستر سے لمس کرتے ہوں۔

ان کے دین کے عیب و بطلان کو واضح کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ان کا موجودہ دین مراد ہے کیونکہ یہ یا تو بدعی دین ہے جس طرح بت پرستی وغیرہ یا محرف و منسوخ ہے جس طرح عیسائیت وغیرہ' تو عیب اس دین پر ہونا چاہئے جو محرف و مبدل صورت میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ چاہئے کہ آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اسلام کی تعلیمات اور فضائل کو بیان کریں۔ اسلام کے احکام کو واضح کریں اور یہ بتائیں کہ اسلام اور دیگر ادیان میں کیا فرق ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

سوال کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ "صحیحین" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، ح:٢٢٦)

"نبی کریم ﷺ ایک قوم کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔"

چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر حضرت عمر' حضرت علی' ابن عمر' اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیشاب کرے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلاَ تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ إِلاَّ قَاعِدًا»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في النهي عن البول قائما، ح:١٢، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب البول في البيت جالسا، ح:٢٩)

"جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی بات کی تصدیق نہ کرو کیونکہ آپ ﷺ تو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ اور پھر بیٹھ کر پیشاب کرنے کی صورت میں پردہ پوشی بھی زیادہ ہے اور آدمی پیشاب کے چھینٹوں سے بھی زیادہ محفوظ رہتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پیشاب کی نجاست سے بچئے

سوال کبھی کبھی نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میرے کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے یا کوئی نجاست لگی ہوئی ہے۔ اس نجاست کا انکشاف کبھی دوسرے دن بھی ہوتا ہے' تو کیا میری سابقہ نماز درست ہو گی؟ کیا مجھ پر کوئی چیز لازم ہو گی؟

جواب پیشاب وغیرہ کی نجاست سے بچنے کے لئے احتیاط سے کام لیجئے۔ جب پیشاب کرنے کا عمل مکمل ہو جائے تو پھر

استنجاء اور وضوء کو شروع کیجئے۔ اگر قطرے گرنے یا سلسل البول کی شکایت ہے تو نماز سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے پیشاب کیجئے۔ قطروں کے بند ہونے کا انتظار کیجئے اور جب بند ہو جائیں تو پھر وضوء کیجئے۔ اگر یہ صورت وسوسہ کی وجہ سے ہو تو پھر اپنے کپڑے اور شلوار وغیرہ پر پانی کے چھینٹے مار لیجئے تاکہ شیطان یہ نہ کہہ سکے کہ یہ تری پیشاب کی ہے۔ اور اگر سلسل البول کی شکایت مستقل ہو تو اسی حالت میں نماز جائز ہے لیکن وضوء اذان کے بعد کیجئے۔ اگر پیشاب کے قطرے بند ہو گئے ہوں اور تم تری کو دیکھو اور یہ یقین ہو جائے کہ یہ تری نماز سے پہلے کی ہے تو پھر احتیاط یہ ہے کہ اس نماز کو دوہرا لیا جائے اور اگر محض شک ہو تو پھر نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں' (ان شاء اللہ تعالیٰ)

—— شیخ ابن جبرین ——

جس شخص کا وضوء ٹوٹ جائے وہ نماز توڑ دے

سوال ایک شخص باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے پہلی صف میں کھڑا تھا کہ اس کا وضوء ٹوٹ گیا مگر وہ شخص نماز میں بدستور مصروف رہا اور اسے نہ توڑا تاکہ وہ پچھلی صفوں کو چیرتا ہوا اور نمازیوں کے خشوع کو خراب کرتا ہوا باہر نہ جائے تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب امید ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا لیکن واجب یہ ہے کہ جب انسان نماز میں بے وضوء ہو جائے یا اسے یاد آئے کہ وہ حالت طہارت میں نہیں ہے تو اسے نماز قطع کر دینی چاہئے اور وضوء کرنا چاہئے اور پھر واپس آکر نماز باجماعت میں شریک ہو جانا چاہئے۔ یاد رہے امام کا سترہ مقتدیوں کی صفوں کے لئے بھی سترہ ہے لہٰذا ایسی صورت میں مقتدیوں کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ بے وضوء ہونے کی صورت میں آدمی کو اطمینان و سکون کے ساتھ صف سے باہر نکلنا چاہئے تاکہ نمازی خلل میں مبتلا نہ ہوں۔

—— شیخ ابن باز ——

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے کوٹ

سوال پچھلے دنوں لیدر سے بنے ہوئے کوٹ پہننے کے مسئلہ پر ہم میں کافی گرماگرم بحث ہوئی' کچھ بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ کوٹ عموماً خنزیر کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں اور اگر واقعی یہ خنزیر کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں تو ان کے پہننے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا شرعی طور پر ان کا استعمال جائز ہے؟ بعض دینی کتابوں مثلاً یوسف قرضاوی کی ((الحلال والحرام)) اور ((الفقه علی المذاهب الاربعة)) میں اگرچہ اس مسئلہ کا ذکر ہے لیکن انہوں نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح نہیں کیا لہٰذا امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں گے۔

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا دُبِغَ الإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، ح:٣٦٦، وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في أهب الميتة، ح:٤١٢٣)

''جب کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«دِبَاغُ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ طَهُوْرُهَا»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، ح:٣٦٦، وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في أهب الميتة، ح:٤١٢٥)

"مردہ جانوروں کی کھالوں کی رنگائی ان کی طہارت ہے۔"

لیکن اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث تمام کھالوں کے لئے ہے یا صرف ان مردہ جانوروں کی کھالوں کے لئے ہے جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں یقیناً وہ جانور جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں مثلاً اونٹ' گائے' بکری وغیرہ ان کی کھالوں کو جب رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہیں۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق ان کا ہر چیز کے لئے استعمال جائز ہے۔ خنزیر اور کتے جیسے جانور جو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتے' ان کی کھالوں کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ وہ رنگنے سے پاک ہوتے ہیں یا نہیں؟ احتیاط اس میں ہے کہ انہیں استعمال نہ کیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢، وصحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب اخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ جائے اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيْبُكَ»(سنن ترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل...، ح:٢٥١٨)

"جس میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اس کو لے لو۔"

شیخ ابن باز

جب نماز پڑھتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو

سوال جب امام کو نماز پڑھاتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو اور وہ محض شک کی بنیاد پر نماز کو نہ توڑے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد واقعی کپڑے کو ناپاک دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس قسم کی صورت حال میں کیا محض شک کی بنیاد پر نماز ختم کر دے یا نماز کو پورا کرے؟

جواب جب نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو اپنے کپڑے کے بارے میں ناپاکی کا شک ہو تو اس کے لئے نماز کو توڑنا جائز نہیں خواہ امام ہو یا مقتدی۔ اسے اس حالت میں بھی نماز پوری کرنی چاہئے اور نماز سے فراغت کے بعد اگر معلوم ہو کہ کپڑا واقعی ناپاک تھا تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس نماز کی قضاء بھی لازم نہیں کیونکہ اسے ناپاکی کا یقین نماز کے بعد ہوا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب بحالت نماز جبریل علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ آپ ﷺ کے نعلین ناپاک ہیں تو آپ ﷺ نے نماز ہی میں نعلین اتار دیئے اور نماز کو بدستور جاری رکھا اور ابتدائی حصہ کو دوہرایا نہیں تھا۔[1]

[1] سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب الصلاۃ فی النعل' ح: 650

شیخ ابن باز

کولونیا کو بطور خوشبو استعمال کرنا

سوال کولونیا (COLOGNE) کو بطور (میک اپ) خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں کافی بحث مباحثہ ہوا لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ یہ فرمائیں کہ اگر یہ خوشبو استعمال کی ہو تو کیا وضوء دوبارہ کرنا ہو گا یا صرف جسم کے اس حصے کو دھو لیا جائے جہاں یہ خوشبو لگی ہو؟

جواب کولونیا کی خوشبو "اسپرٹ" سے خالی نہیں ہوتی اور اطباء کے بقول یہ ایک نشہ آور مادہ ہے لہٰذا اس کا استعمال ترک کرنا اور اس کی بجائے اس مادہ سے پاک خوشبو کا استعمال کرنا واجب ہے لیکن اگر کسی نے یہ خوشبو استعمال کر لی ہو تو اس سے وضوء کرنا واجب نہیں اور نہ جسم کے اس حصے کو دھونا واجب ہے جہاں یہ لگی ہو کیونکہ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

سر پر مہندی رکھنے سے طہارت ختم نہیں ہوتی

سوال ایک عورت نے وضوء کیا اور پھر سر کو مہندی لگا کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ کیا اس کی یہ نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ اور اگر اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو کیا وہ مہندی کے اوپر مسح کرے یا بالوں کو دھو کر نماز کے لئے وضوء کرے؟

جواب اگر عورت نے بحالت طہارت سر پر مہندی لگائی ہو تو یہ ناقض طہارت نہیں ہے۔ اگر اس نے وضوء کرنے کے بعد سر پر مہندی یا دیگر ضمادات میں سے کوئی چیز لگائی ہو جن کی عورتوں کو ضرورت ہوتی ہے تو اس حالت میں طہارت صغریٰ کے لئے سر پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ طہارت کبریٰ کے لئے اسے سر پر تین بار پانی بہانا ہو گا اور اس حالت میں مسح کافی نہ ہو گا کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

«يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ أَشُدُّ شَعْرَ رَأْسِيْ أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ قَالَ: لاَ إِنَّمَا يَكْفِيْكِ أَنْ تَحْثِيْ عَلَيْهِ ثَلاَثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة: ح: ٣٣٠)

یارسول اللہ! میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا جنابت اور حیض کے غسل کے لئے بالوں کو کھولوں؟ آپ ﷺ فرمایا نہیں، تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ سر پر تین چلو پانی ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی ڈال کر طہارت حاصل کر لو۔"

اگر غسل حیض کے لئے عورت اپنے سر کو کھول لے تو دیگر احادیث کے پیش نظر یہ زیادہ افضل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

مذی کا حکم

سوال شہوت کے بعد جب آلہ تناسل سے پانی کی طرح بے رنگ سیال مادہ کے قطرے نکلیں تو کیا ان سے غسل واجب ہے یا اس صورت میں کیا کروں؟ یہ مادہ جب کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو کیا وہ ناپاک ہو جائے گا اور اس حالت میں مجھے کیا کرنا ہو گا' براہ کرم راہنمائی فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب خارج ہونے والا یہ مادہ مذی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سفید لیس دار پانی ہوتا ہے جو شہوت کے بعد یا مباشرت کو یاد کرنے وغیرہ کی حالت میں خارج ہوتا ہے۔ یہ کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اسے دھونا واجب ہے لیکن آدمی کے لئے غسل کرنا صرف اس صورت میں واجب ہے جب منی ٹپک کر لذت کے ساتھ خارج ہو۔ منی سفید رنگ کا معروف پانی ہے اور مذی و منی میں رنگ اور حکم کے اعتبار سے فرق ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

وضوء' تیمم اور غسل

نماز یا تلاوت قرآن کے دوران وضوء کا ٹوٹ جانا

سوال نماز یا تلاوت قرآن کے درمیان ہوا خارج ہونے سے میرا وضوء ٹوٹ جاتا ہے تو میں دوبارہ وضوء کر لیتی ہوں لیکن مجھ سے ایک دینی بہن نے یہ کہا کہ تمہیں بار بار وضوء کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی وضوء سے نماز پڑھ لو۔ ایک بار وضوء ٹوٹ جائے تو دوبارہ کر لو' دوبارہ ٹوٹے تو پھر کر لو لیکن اگر تیسری بار بھی ٹوٹ جائے تو پھر وضوء کرنا لازم نہیں ہے' تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اور مجھے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

جواب جب نماز پڑھتے ہوئے یقینی طور پر وضوء ٹوٹ جائے یعنی ہوا خارج ہونے کی آواز سنائی دے یا بدبو محسوس ہو تو وضوء اور نماز کو دوہرانا ہو گا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلاَةَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب فيمن يحدث في الصلاة، ح:٢٠٥)

''جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو تو اسے نماز ختم کر کے وضوء کرنا اور نماز کو دوہرانا چاہیئے''

اس حدیث کو اہل سنن نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور، ح:١٣٥، ٦٩٥٤، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤، ومسند احمد، ٢/ ٣٠٨)

''بے وضوء کی نماز قبول نہیں ہوتی حتی کہ وہ وضوء کرے۔''

ہاں البتہ اگر ہمیشہ ناپاکی کی حالت رہتی ہو تو پھر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضوء کر لو اور وقت کے اندر اندر اس وضوء سے جس قدر چاہو فرض و نفل نماز ادا کر لو اور وقت کے اندر خارج ہونے والی ہوا سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا کیونکہ یہ حالت ضرورت ہے اور بہت سے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ دائمی طور پر بے وضوء رہنے والے انسان کے لئے معافی ہے' جب اس نے وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کیا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قصہ مستحاضہ کے سلسلہ میں مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

«ثُمَّ تَوَضَّئِي لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ»

"پھر تم ہر نماز کے وقت کے لئے وضوء کرو۔" ①

غیر طاہر حالت میں زبانی قرآن مجید کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں لیکن حالت جنابت میں غسل کئے بغیر تلاوت جائز نہیں۔ قرآن مجید کو ہاتھ بھی اسی صورت میں لگانا چاہئے جب حدث اکبر و اصغر سے طہارت حاصل کر لی گئی ہو' ہاں البتہ اگر حدث دائمی ہو تو پھر نماز کے وقت میں وضوء کر کے نماز بھی پڑھ سکتی ہو اور زبانی اور دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتی ہو جیسا کہ نماز کے حکم میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق بخشے۔

—— شیخ ابن باز ——

عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال درمیان میں کسی چیز کے حائل ہوئے بغیر اگر کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگاتا ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نیز یہ بتائیے کہ اجنبی عورت سے کیا مقصود ہے؟

جواب اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، ح:١٧٨، ١٧٩، وجامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في ترك الوضوء من القبلة، ح:٨٦)

"نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو بوسہ دیا' پھر نماز پڑھی اور وضوء نہ کیا۔"

لیکن عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم کے ساتھ مصافحہ کرے اور نہ مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ مصافحہ کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن نسائي، كتاب البيعة، باب بيعة النساء، ح:٤١٨٦، والمؤطا لمالك بن انس، كتاب البيعة، باب ما جاء في البيعة، ح:٢)

---

① امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ " اَنَّ الرِّوَايَةَ لِكُلِّ صَلَاةٍ لَا لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ " روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضو کرو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو۔ نیل الاوطار جلد: 1' ص: 275- امام شوکانی رحمہ اللہ کی یہ بات درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: سنن ابی داود' کتاب الطہارۃ' باب من قال تغتسل من طہر الی طہر ح: 298-

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ فَقَطْ قَالَتْ: وَمَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ إِمْرَأَةٍ قَطُّ»(صحيح بخاري، كتاب الاحكام، باب بيعة النساء، ح:٧٢١٤، ٤٨٩١، ٥٢٨٨، ٢٧١٣، وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦)

"نبی کریم ﷺ عورتوں سے صرف ہم کلام ہو کر بیعت لیا کرتے تھے اور کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو آپ ﷺ کا ہاتھ نہیں لگا تھا۔"

اور اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے۔"

عورتوں کا غیر محرم مردوں سے اور مردوں کا غیر محرم عورتوں سے مصافحہ سب کیلئے فتنہ کا سبب ہے اور کامل ترین اسلامی شریعت آئی ہی اسلئے ہے کہ ان تمام ذرائع کو بند کر دے جو ان امور تک پہنچاتے ہیں' جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجنبی عورت سے مراد وہ عورت ہے کہ جس کے اور مرد کے درمیان نسب یا کسی دوسرے مباح سبب کے باعث کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ اس کے لئے حرام ہو مثلاً: ماں' بہن پھوپھی وغیرہ یا کسی شرعی سبب کی وجہ سے حرام ہے۔ مثلاً رضاعت و مصاہرت وغیرہ تو ایسی عورتیں اجنبی نہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

اونٹ کا گوشت کھانا

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے اور اس کھانے کے بعد جسے اونٹ کے گوشت کے ساتھ بنایا گیا ہو' وضوء کرنا واجب ہے؟

جواب اونٹ کا گوشت ملا کھانا کھانے اور اونٹنی کا دودھ پینے سے وضوء کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق صرف ابل (اونٹ) کے گوشت کھانے سے وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ وَلاَ تَتَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح:٨١، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:١٨٤)

"ابل (اونٹ) کے گوشت کھانے سے وضوء کرو اور بکری کے گوشت کھانے سے وضوء نہ کرو"

اور امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ:

«أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ، ﷺ، أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ قَالَ نَعَمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:٣٦٠)

"ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا ہم اونٹ کے گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"ہاں"

یاد رہے شوربے' کھانے اور دودھ کو گوشت نہیں کہا جا سکتا (یعنی یہ حکم صرف گوشت کھانے کی صورت میں ہے) اور یہ امور توقیفی ہیں' قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن باز

وضوء کی دعائیں' کیا غسل' وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟

سوال کیا وضوء کرتے وقت دعائیں پڑھنی چاہئیں؟ کیا غسل وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟

جواب وضوء کے وقت تسمیہ واجب ہے۔ وضوء کرنے والے کو کلی کرتے یا اس سے پہلے ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے اور جب وضوء سے فارغ ہو جائے تو آسمانوں کی طرف نظر اٹھا کر یہ دعاء پڑھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما يقال بعد الوضوء، ح:٥٥، وقال الترمذي في اسناده اضطراب قال محمد ناصر الدين الالباني رحمه الله، اسناده صحيح رجاله كلهم ثقات رجال مسلم)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! تو مجھے کثرت سے توبہ کرنے والوں میں شامل کر لے اور مجھے خوب پاک صاف رہنے والوں میں داخل فرما دے۔"

وضوء کر کے کھڑے ہوتے وقت کفارہ مجلس والی یہ دعاء بھی پڑھ سکتا ہے:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ»(اخرجه النسائي في عمل اليوم والليلة، ص:١٧٣، وصححه الحاكم والذهبي وابن حجر انظر ارواء الغليل، ١/ ١٣٥، ٢/ ٣٢٥)

"پاک ہے تو اے اللہ! اور تیری ہی حمد و ثنا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں' تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے (گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں۔"

اس کے علاوہ وضوء کی اور کوئی دعاء صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

جس شخص پر غسل واجب ہو تو اس کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل سے پہلے مکمل وضوء کر لے' پھر غسل کرے اور حالت غسل میں آلہ تناسل یا شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگائے تا کہ اس کا وضوء نہ ٹوٹے' اگر اس طرح غسل کرے گا تو اسے دوبارہ وضوء کرنے کی ضرورت نہ ہو گی اور اگر وضوء نہ کرے بلکہ غسل پر ہی اکتفاء کر لے اور اعضاء وضوء کو ترتیب سے دھوئے تو پھر بھی ان شاء اللہ یہ غسل وضوء سے کفایت کرے گا۔

شیخ ابن جبرین

اونٹ کے گوشت کے شوربے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال اس میں کیا حکمت ہے کہ اونٹ کے گوشت سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ کیا اونٹ کے گوشت کے شوربے سے بھی وضوء باطل ہو جاتا ہے؟

جواب یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کا حکم دیا لیکن ہمارے لئے آپ ﷺ نے حکمت کو بیان نہیں فرمایا' ہمیں صرف اس قدر علم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حکیم و علیم ہے' وہ اپنے بندوں کو صرف اسی بات کا حکم دیتا ہے' جس میں ان کے لئے دنیا و آخرت کی خیر وبھلائی ہو اور صرف اسی بات سے منع فرماتا ہے' جو دنیا و آخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہو۔ مسلمان کے لئے واجب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر (حکموں) کو قبول کرے اور ان کے مطابق عمل کرے خواہ اسے حکمت معلوم نہ بھی ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو اس سے باز رہے خواہ اس کی حکمت معلوم نہ بھی ہو کیونکہ بندہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا مامور ہے' اسے پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے لہٰذا یہ ایمان رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم ہے اسے سر اطاعت جھکا دینا چاہیئے اور اگر اسے حکمت کا علم ہو جائے تو یہ سراپا خیر ہے۔

اونٹ کے گوشت کے شوربے یا اونٹ کے دودھ پینے سے وضوء باطل نہیں ہوتا بلکہ خاص طور پر گوشت کھانے سے باطل ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ وَلاَ تَتَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح:٨١، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:١٨٤)

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کرو اور بکری کا گوشت کھانے سے وضوء نہ کرو۔''

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ!:

«أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لَحْمِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: إِنْ شِئْتَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:٣٦٠)

''کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں'' اس نے عرض کیا کیا بکری کا گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر چاہو تو کر لو''

یہ دونوں حدیثیں صحیح اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

سوال میں نے وضوء شروع کیا اور ہاتھ دھونے کے بعد یاد آیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی لہٰذا مجھے جب بھی یاد آ جاتا ہے تو میں وضوء دوبارہ شروع کر دیتا ہوں' اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جمہور اہل علم کا مذہب ہے کہ تسمیہ کے بغیر بھی وضوء صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ جب علم ہو اور

یاد بھی ہو تو تسمیہ واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في التسمية عند الوضوء، ح:٢٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في التسمية في الوضوء، ح:٣٩٧، ٣٩٨، ٣٩٩)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں۔"

لیکن جو شخص بھولنے یا جہالت کی وجہ سے تسمیہ نہ پڑھ سکے اس کا وضوء صحیح ہے اور اگر تسمیہ کو واجب قرار دیں تو پھر بھی اس کے لئے وضوء کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ یہ شخص جہالت اور نسیان کی وجہ سے معذور ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں سکھائی گئی دعاء ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا!"

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ نے اس دعاء کو شرف قبولیت سے سرفراز فرما دیا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے

سوال میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ ظہر یا عصر سے پہلے بیت الحرام میں سو جاتے ہیں پھر جب انہیں نماز کے لئے بیدار کرنے والا آتا ہے تو وہ وضوء کئے بغیر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض عورتیں بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب نیند اگر اس قدر گہری ہو کہ اس سے شعور زائل ہو جائے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ صحابی جلیل حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، إِذَا كُنَّا مُسَافِرِينَ أَنْ لاَ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، ح:٩٥، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر، ح:١٢٧ وصححه ابن خزيمة)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں تو بول و براز اور نیند کی وجہ سے تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں ہاں حالت جنابت ہو تو پھر اتارنا ہو گا۔"

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ»(مسند احمد، ٤/ ٩٦ وسنن دارمي، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، ح:٧٢٢، والسنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، ح:٥٨٢ وفي سنده ضعف ، لكن له شواهد تعضده كحديث صفوان المذكو وبذلك يكون حديث حسنًا)

"آنکھ شرم گاہ کا تسمہ ہے لہٰذا جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو یہ تسمہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جو مرد اور عورتیں مسجد حرام میں یا کسی دوسری جگہ سوئیں ان کی طہارت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا انہیں وضوء کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے وضوء کے بغیر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہو گی۔ شرعی وضوء یہ ہے کہ کلی اور ناک کی صفائی کے ساتھ منہ دھویا جائے' کہنیوں تک ہاتھوں کو دھویا جائے' کانوں سمیت سر کا مسح کیا جائے اور دونوں ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں کو دھویا جائے۔ نیند' ہوا کے خروج' شرم گاہ کو ہاتھ لگنے اور اونٹ کا گوشت کھانے کی صورت میں استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وضوء سے پہلے استنجاء یا ڈھیلوں کا استعمال خاص طور پر بول و براز یا ان کے ہم معنی حالتوں میں واجب ہوتا ہے۔

اونگھ سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس سے شعور ختم نہیں ہوتا اور اسی سے اس باب میں وارد مختلف احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

کیا سابقہ طہارت میں شک کی بنا پر نماز کو دوہرایا جائے

سوال ایک آدمی وضوء کر رہا تھا کسی نے دیکھا کہ اس کے پاؤں میں تھوڑی سی جگہ خشک رہ گئی ہے' دوبارہ پھر ایک دفعہ دیکھا کہ اس کے پاؤں میں اس کے مشابہ تھوڑی سی جگہ پھر خشک رہ گئی ہے' جس کی وجہ سے شک ہوا کہ یہ پہلے بھی وضوء صحیح نہیں کرتا رہا ہے نیز شک ہوا کہ شاید یہ پہلے غسل جنابت بھی صحیح نہیں کرتا رہا ہے۔ کیا یہ شخص اپنی نماز کو دوہرائے یا کیا کرے؟

جواب سائل کا ایک یا دو دفعہ یہ دیکھنا کہ وضوء کرتے ہوئے اس کے پاؤں میں تھوڑی سی ایسی جگہ خشک رہ گئی ہے جہاں پانی نہیں پہنچا' اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی باقی ساری طہارتیں بھی صحیح نہ تھیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ (ان شاء اللہ) اس نے صحیح وضوء کیا ہو گا اور شکوک و شبہات سے اصل نہیں ٹوٹتا' اسی طرح غسل جنابت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ صحیح کرتا رہا ہے لہٰذا اسے سابقہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نیند سے بیدار ہو کر وضوء کئے بغیر نماز پڑھنا

سوال میں نے بعض حاجیوں کو دیکھا ہے کہ وہ رات کی نماز پڑھنے کے بعد چت لیٹ کر گہری نیند سو گئے اور پھر بوقت صبح جب بیدار ہوئے تو بلا تجدید وضوء صبح کی نماز پڑھ لی' اس نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح جیسے آپ نے ذکر کی ہے تو نماز پڑھ کر چت لیٹ کر گہری نیند سونے والے کا علماء کے صحیح قول کے مطابق وضوء ٹوٹ گیا لہٰذا اس نیند کے بعد بلا وضوء پڑھی ہوئی اس کی نماز باطل ہو گی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم،

ح:۲۰۳، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، ح:۴۷۷ ومسند احمد، ۱/ ۱۱۱)

"آنکھ شرم گاہ کا تسمہ ہے لہٰذا جو شخص سو جائے تو وہ وضوء کرے۔"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو یہ روایت ہے کہ:

«كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ الآخِرَةِ حَتَّى تَخْفِقَ رُؤُسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلاَ يَتَوَضَّؤُوْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم، ح:۲۰۰)

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام عشاء کی نماز کا انتظار کرتے حتی کہ ان کے سر جھکنے لگتے' پھر وہ نماز پڑھتے اور وضوء نہ کرتے۔"

تو یہ حدیث ہلکی اور معمولی نیند (اونگھ) پر محمول ہے' جس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور اسی سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہو گی اور پھر حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ أَلاَّ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، ح:۹۵، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر، ح:۱۲۷ وصححه ابن خزيمة)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم بول و براز اور نیند کی وجہ سے تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں مگر حالت جنابت میں انہیں اتارنا ہو گا۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

پانی کی موجودگی میں تیمم

اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ وَعَلٰی آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ وَالاَهُ ـ أَمَّا بَعْدُ

مجھے بعض قابل اعتماد لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ کچھ بادیہ نشین لوگ پانی کی وافر مقدار کی موجودگی کے باوجود تیمم کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بری بات ہے' اس کے بارے میں تنبیہ کرنا واجب ہے۔ وضوء نماز کی صحت کے لئے شرط ہے بشرطیکہ پانی موجود ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُواْ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُواْ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی ضرورت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو

پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

اور صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور، ح:١٣٥ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤)

"جو شخص بے وضوء ہو جائے وہ جب تک وضوء نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیمم کو جائز قرار دیا اور اسے وضوء کے قائم مقام قرار دیا ہے' جب پانی موجود نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے آدمی پانی کے استعمال سے عاجز ہو جیسا کہ سابقہ آیت سے ثابت ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾ ﴾

(النساء٤/ ٤٣)

"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو' نماز کے پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی(نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کر لو ہاں اگر بحالت سفر راستے پر چلے جا رہے ہو اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو بلا شبہ اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ، ﷺ فِي سَفَرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ، فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا؟ قَالَ: أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلاَ مَاءَ قَالَ ﷺ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ» (صحيح بخاري، كتاب التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم يكفيه عن الماء، ح:٣٤٤، ٣٤٨، ٣٥٧)

"ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ الگ تھلگ بیٹھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ "تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟" اس نے عرض کیا "میں حالت جنابت میں ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم مٹی استعمال کر لیتے تمہارے لئے یہی کافی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جب پانی موجود ہو اور استعمال کی قدرت بھی ہو تو پھر نماز کے لئے تیمم جائز نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاں بھی ہو وضوء اور غسل جنابت کے لئے پانی استعمال کرے۔ جب تک اسے پانی کے استعمال کی قدرت ہو تو پانی کے استعمال کے ترک اور تیمم پر اکتفاء کرنے میں وہ معذور تصور نہ ہو گا' اس کی نماز بھی صحیح نہ ہو گی کیونکہ اس طرح نماز کی ایک شرط فوت ہے اور وہ ہے بوقت قدرت پانی کے ساتھ طہارت۔ لیکن بہت سے بادیہ نشین --- اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے اور دیگر لوگ جب سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں تو کثیر مقدار میں پانی کی موجودگی کے

باوجود تیمم کرتے ہیں حالانکہ پانی تک پہنچنا بھی آسان ہوتا ہے' تو بلاشک و شبہ یہ تساہل عظیم اور عمل قبیح ہے' جو ادلہ شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہرگز جائز نہیں۔ تیمم کے لئے تو مسلمان کو اسی وقت معذور سمجھا جائے گا جب پانی اس سے دور ہو یا یہ کہ اس کے پاس بہت ہی معمولی مقدار میں پانی ہو' جسے اس نے اپنی' اپنے اہل و عیال اور اپنے جانوروں کی زندگی بچانے کے لئے محفوظ رکھا ہو۔ ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو' تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' اللہ تعالیٰ نے جن امور کو واجب قرار دیا ہے' ان کی پابندی کرے اور انہی امور میں سے بوقت قدرت پانی کے ساتھ وضوء کرنا بھی ہے۔ اسی طرح مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال کی قدرت کے باوجود تیمم نہ کرے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین میں سمجھ بوجھ اور ثابت قدمی عطا فرمائے اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے محفوظ رکھے۔ انه جواد كريم - وصلى الله وسلم على نبينا محمد و آله و صحبه۔

—— شیخ ابن باز ——

جو شخص کسی عضو کے دھونے یا مسح کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس کے بجائے تیمم کرے

سوال اگر انسان وضوء کرے اور اس کے ہاتھ میں زخم ہو جسے پانی نہیں لگنے دیتا اور وہ اس کے عوض تیمم کرتا ہے لیکن ایک دفعہ وہ بھول گیا اور اس نے تیمم کے بغیر نماز شروع کر لی اور اسے اس وقت یاد آیا جب وہ نماز میں تھا تو اس نے نماز قطع کئے بغیر ہی تیمم کر لیا اور نماز کو جاری رکھا تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ نماز باطل ہے یا صحیح ہے؟

جواب اگر وضوء کے مقامات میں سے کسی جگہ زخم ہو کہ اسے دھونا یا اس پر مسح کرنا ممکن نہ ہو کہ اس سے زخم کے بڑھ جانے یا شفایابی کے مؤخر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس شخص کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ تیمم کر لے' جو شخص زخم کی جگہ کو چھوڑ کر وضوء کر لے اور نماز کو شروع کر لے اور دوران نماز یاد کر لے کہ اس نے زخم کی جگہ کے بدلے تیمم نہیں کیا تو وہ تیمم کر لے اور نماز کو دوبارہ شروع کر لے کیونکہ زخم کے تیمم کے بغیر اس نے جو نماز پڑھی ہے' وہ صحیح نہیں ہے' اس کی تکبیر تحریمہ بھی صحیح نہ ہو گی یعنی نماز شروع کرنا ہی صحیح نہ ہو گا کیونکہ طہارت' صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے اور وضوء کے مقامات میں سے کسی مقام یا اس مقام کے کسی حصہ کو ترک کر دینے سے وضوء صحیح نہ ہو گا۔

«رَأَى النَّبِيُّ ﷺ، رَجُلاً فِي قَدَمِهِ قَدْرَ الدِّرْهَمِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَأَمَرَهُ بِإِعَادَةِ الْوُضُوءِ» (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، ح: ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥)

"نبی کریم ﷺ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاؤں میں ایک درہم کے برابر جگہ خشک ہے جسے پانی نہیں پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ وضوء کرے۔"

یہ شخص جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کے لئے اگر غسل اور مسح میں دشواری اور معذوری ہو تو اس کے لئے واجب ہے کہ وہ اس کے بدل یعنی تیمم کو اختیار کرے' حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو۔"

زخم والے صحابی کے قصہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ غَسَلَ جَسَدَهُ وَتَرَكَ رَأْسَهُ حَيْثُ أَصَابَهُ الْجِرَاحُ»(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب في المجروح تصيبه الجنابة فيخاف على نفسه، ح: ٥٧٢)

"اسے چاہئے تھا کہ اپنے جسم کو دھو لیتا اور سر میں جہاں زخم تھا اسے چھوڑ دیتا۔"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المجدور يتيمم، ح: ٣٣٦)

"اسے تیمم کرنا ہی کافی تھا۔"

اگر اس شخص نے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے' نماز کو نہیں دوہرایا تو اسے دوہرانا چاہئے۔

فتویٰ کمیٹی

جائے نماز پر تیمم کرنا

سوال ایک شخص ہسپتال میں داخل ہے' وہ وضوء سے تو عاجز ہے لہٰذا وہ نماز کے لئے تیمم کر لیتا ہے لیکن وہ تیمم جائے نماز پر کرتا ہے' تو کیا اس کی نماز صحیح ہو گی؟

جواب مریض کو نماز کے لئے اگر طاقت ہو تو وضوء کرنا چاہئے' اگر وضوء سے عاجز ہو تو اس مٹی کے ساتھ تیمم کرے جس میں غبار ہو بشرطیکہ اس کے حصول کی اسے قدرت ہو اور اگر یہ اس کی طاقت سے باہر ہو تو وہ ہموار زمین پر' جس پر غبار ہو' تیمم کرے یا بستر پر غبار ہو تو اس سے تیمم کرے' بستر پر غبار نہ ہو تو جو زمین اس کے قریب ترین ہو' یا جہاں اسے پہنچنا آسان ہو' اس سے تیمم کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔"

شیخ ابن جبرین

عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض کا طریقہ

سوال کیا مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق ہے؟ عورت کے لئے بالوں کا کھولنا ضروری ہے یا اس کے لئے سر پر پانی کے تین چلو ڈالنا ہی کافی ہے؟ غسل جنابت اور غسل حیض میں کیا فرق ہے؟

جواب مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق نہیں' ان میں سے کسی کو بھی غسل کے لئے بال کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ سر پر پانی کے تین چلو ڈالنا اور پھر سارے جسم پر پانی بہالینا کافی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:

«إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لاَ، إِنَّمَا يَكْفِيْكِ أَنْ تَحْثِيْ عَلٰى رَأْسِكِ ثَلاَثَ حَثَيَاتٍ، ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة، ح:٣٣٠، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، ح:٢٥١، جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، ح:١٠٥)

"میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا میں انہیں غسل جنابت کیلئے کھولوں؟ آپ نے فرمایا "نہیں بلکہ تمہیں اسی قدر کافی ہے کہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی بہا کر پاک ہو جاؤ۔"

اگر مرد یا عورت کے سر پر بیری وغیرہ کے پتے یا مہندی لگی ہو جس کی وجہ سے بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچتا ہو تو ان چیزوں کو دور کر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ اور اگر یہ چیزیں خفیف ہوں کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ بنتی ہوں' تو پھر ان کو دور کرنا واجب نہیں ہے۔

غسل حیض کے لئے عورت کے بالوں کے کھولنے کے وجوب کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عورت کے لئے غسل حیض میں بالوں کا کھولنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:

«إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لاَ، إِنَّمَا يَكْفِيْكِ أَنْ تَحْثِيْ عَلَى رَأْسِكِ ثَلاَثَ حَثَيَاتٍ، ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة، ح:٣٣٠، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، ح:٢٥١، جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، ح:١٠٥)

"میں اپنے سر کی مینڈھیوں کو بہت مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل حیض و جنابت کے لئے انہیں کھولوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں بلکہ تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی ڈال کر پاک ہو جاؤ۔"

یہ روایت نص ہے کہ عورت کے لئے غسل جنابت و حیض میں سر کے بالوں کو کھولنا واجب نہیں ہے' لیکن افضل یہ ہے کہ احتیاط کے طور پر غسل حیض میں بالوں کو کھول لے۔ اس سے اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور تمام دلائل میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

پہلے غسل کرو

سوال میں حالت جنابت میں تھا' بیدار ہوا تو سورج نکلنے والا تھا' اگر غسل شروع کر دیتا تو سورج طلوع ہو جاتا' اس

حالت میں کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لوں یا غسل کر کے نماز پڑھوں؟

جواب پہلے غسل کرو' طہارت کو مکمل کرو اور پھر نماز پڑھو' اس حالت میں تیمم جائز نہیں ہے' جو شخص بھول جائے یا سویا رہے' اس کو حکم ہے کو وہ جلدی سے نماز پڑھ لے۔ اس کا کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة فليصل إذا ذكر... ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے' اس کا صرف یہی کفارہ ہے۔"

اور یہ بات معلوم ہے کہ طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لاَ تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ»(

صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة ح: ٢٢٤

"طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔"

جس شخص کے پاس پانی موجود ہو اس کی طہارت پانی سے ہو گی اور جس شخص کے پاس پانی موجود نہ ہو تو اسے تیمم کرنا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾ (المائدة٥/٦)

"تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

ہاں یہ بھی واجب ہے کہ نماز کے بارے میں خصوصی توجہ اور اہتمام سے کام لو' سرہانے الارم لگا کر رکھ لو یا گھر والوں میں سے کسی کو کہو کہ وقت ہو جائے تو وہ آپ کو بیدار کر دیں تاکہ آپ فریضہ کو اپنے مسلمان بھائیوں کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں ادا کر سکیں اور ان منافقوں کی مشابہت سے بچ سکیں' جو نماز کو تاخیر سے ادا کرتے اور سست کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو منافقین کی صفات اور اخلاق سے محفوظ رکھے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

جب احتلام کا کوئی نشان نہ ہو

سوال بسا اوقات نیند سے بیدار ہونے پر یاد آتا ہے کہ احتلام ہوا تھا لیکن اس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تو کیا اس صورت میں غسل واجب ہے یا نہیں؟

جواب احتلام ہونے پر صرف اسی صورت میں غسل واجب ہے جب آدمی پانی یعنی منی دیکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الاسلام لا يوجب ...، ح:٣٤٣)

"پانی کا استعمال پانی (دیکھنے کی صورت میں) ہے۔"

یعنی غسل کے لئے پانی استعمال کرنے کی اس وقت ضرورت ہے جب منی کا خروج ہوا ہو۔ اہل علم کے نزدیک یہ حکم محتلم کے لئے ہے۔ لیکن جو شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس کے لئے غسل فرض ہے خواہ پانی خارج نہ بھی ہوا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الماء من الماء وجوب الغسل بالتقاء الختانين، ح:٣٤٩)

"جب مرد کا ختنے کا مقام عورت کے ختنے کے مقام سے مل جائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ»(صحيح بخاري، كتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان، ح:٢٩١، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الماء من الماء، وجوب الغسل بالتقاء الختانين، ح:٣٤٨)

"مرد جب عورت کی چاروں شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الماء من الماء . . .، ح:٣٤٨)

"خواہ انزال نہ ہو"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم انصاریہ .... یہ حضرت انس کی والدہ ہیں رضی اللہ عنہا .... نے کہا یا رسول اللہ!

«إِنَّ اللهَ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ ﷺ: نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ»(صحيح بخاري، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، ح:٢٨٢، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، ح:٣١٣)

"اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا' کیا عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا "ہاں جب پانی دیکھے۔"

تمام اہل علم کے نزدیک یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لئے ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

جنبی انسان کا چیزوں کو ہاتھ لگانا

سوال مرد اور عورت جب مباشرت کریں تو کیا غسل کرنے سے پہلے کسی چیز کو ہاتھ لگانا جائز ہے؟ اس حالت میں ہاتھ لگانے سے چیز ناپاک تو نہ ہو گی؟

جواب ہاں جنبی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ غسل سے قبل کپڑوں' برتنوں اور ہنڈیوں وغیرہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ وہ نجس نہیں ہیں اور نہ ان کے ہاتھ لگانے سے چیزیں نجس ہوں گی!

شیخ ابن باز

غسل جنابت و حیض میں سر کی تکلیف کی وجہ سے مسح

سوال میں ایک شادی شدہ عورت اور سینہ کی الرجی کی مریض ہوں' مجھے سارا سال نزلہ رہتا ہے' میں کس طرح نماز پڑھوں؟ کیا میں غسل کر لوں اور سر کو دھوئے بغیر اس کا صرف مسح کر لوں؟ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ جب سر کو ایک بار دھو لوں تو ہفتے میں کئی بار نزلہ ہو جاتا ہے اور مجھے اکثر نماز چھوڑنا پڑتی ہے کیونکہ مجھے سر دھونے کی قدرت نہیں ہوتی اور میں صرف مسح کر سکتی ہوں اور اس کی وجہ سے مجھے بے حد قلق واضطراب ہے اور میں بہت پریشان ہوں لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دین بہت آسان ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں میری قطعی راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میں اطمینان سے زندگی بسر کر سکوں اور اپنے فرائض کو بھی مکمل طور پر ادا کر سکوں' میں استانی ہوں۔ کام کے لئے مجھے روزانہ گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے' ہوا لگ جائے تو کئی دن کے لئے صاحب فراش ہو جاتی ہوں کیونکہ میں مریضہ ہوں' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے ازدواجی زندگی کی وجہ سے بہت پریشانی ہے کیونکہ خاوند کی اطاعت فرض ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔

جواب اگر غسل جنابت و حیض میں سر دھونے سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو سر کا تیمم کے ساتھ مسح کرنا ہی کافی ہو گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨، وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك اكثار سواله عما . . . ، ح:١٣٣٧)

"جس بات سے میں تمہیں منع کر دوں اس سے اجتناب کرو اور جس کا میں تمہیں حکم دوں' مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

شیخ ابن باز

پیشاب کے ساتھ منی کا خارج ہونا

سوال مجھے احتلام ہوا تو میں نے غسل کیا اور صبح اپنے سکول چلا گیا۔ مجھے سکول میں مغرب کے بعد تک رہنا پڑتا ہے کیونکہ وہ میرے گھر سے بہت دور ہے اور اس میں صبح وشام کلاسیں ہوتی ہیں۔ جب میں وضوء کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ پیشاب کے ساتھ تھوڑی سے منی بھی خارج ہوئی ہے لیکن سردی کی شدت کے باعث میں غسل نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے وضوء کیا اور ظہر' پھر عصر اور پھر مغرب کی نمازیں پڑھ لیں۔ کیا میری یہ نمازیں صحیح ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ مجھے دوبارہ تو

نہیں پڑھنی چاہئیں؟

جواب اس حالت میں غسل واجب نہیں ہے کیونکہ پیشاب کے ساتھ خارج ہونے والی منی شہوت کے ساتھ ٹپک کر نہیں نکلی بلکہ یہ تو پیشاب کے ساتھ بہہ کر نکلی ہے اسے ودی کہا جاتا ہے اور اگر منی احتلام کے بعد رک گئی اور منتقل ہو گئی تھی اور غسل کے بعد خارج ہوئی تو پھر بھی دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک ہی دفعہ خارج ہونے والی منی ہے جس کی وجہ سے دو دفعہ غسل واجب نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

مذی سے غسل واجب نہیں

سوال کیا مذی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا لیکن اگر نماز یا طواف یا قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کا ارادہ ہو تو پھر آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِيْهِ الْوُضُوْءُ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب من استحيا فامر غيره بالسوال، ح؛١٣٢، وصحيح مسلم، كتاب الحيض باب المذي ، ح:٣٠٣،)

"اس میں وضوء ہے"

اور جس کی مذی خارج ہوئی ہو اسے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ آلہ تناسل اور خصیتین کو دھولے۔ غسل صرف منی سے واجب ہوتا ہے جب وہ ٹپک کر لذت کے ساتھ خارج ہو یا آدمی دن یا رات کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس کا نشان دیکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

جنبی کا دریا یا جوہڑ میں غسل کی نیت سے اترنا

سوال جب کوئی انسان جنبی ہو اور وہ کسی کنوئیں یا جوہڑ یا دریا میں اتر کر غسل جنابت کی نیت سے غسل کرے تو کیا اس کا یہ غسل صحیح ہو گا؟

جواب ہاں اس کا یہ غسل صحیح ہو گا بشرطیکہ پانی زیادہ ہو یعنی دو قلے یا اس سے زیادہ ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب آپ ﷺ سے جنگل میں اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جسے درندے اور جانور بھی پیتے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب ما ينجس الماء، ح:٦٣، وصحيح ترمذي، كتاب الطهارة، باب منه آخر، ح:٦٧، وصححه ابن خزيمة وابن حبان والحاكم والذهبي والنووي وقال الحافظ اسناده صحيح انظر ارواء الغليل، ١/ ٦٠)

"جب پانی دو قلے ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا"

اور ایک روایت میں ہے کہ:

«لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ»(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب مقدار الماء الذي لا ينجس، ح:٥١٧، ٥١٨، ومسند احمد، ١/ ٢٣٥)

"اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی" واللہ الموفق

——— فتویٰ کمیٹی ———

محتلم پر غسل کب واجب ہوتا ہے؟

سوال ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ اس احتلام سے غسل واجب ہوتا ہے' جس میں آدمی صریحاً عمل مباشرت دیکھے اور منی بھی خارج ہو اور اگر سوئے ہوئے منی تو خارج ہو لیکن عمل مباشرت نظر نہ آئے تو وہ غسل نہیں کرتا اور اس پر تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے' وہ پوچھتا ہے کہ ان سالوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب واضح ہو کہ خروج منی سے غسل واجب ہو جاتا ہے جب وہ حالت بیداری میں لذت کے ساتھ ٹپک کر خارج ہو اور خواب میں مطلقاً خارج ہو' کیونکہ امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَاضِخًا فَلَا تَغْتَسِلْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، ح:٢٠٦ وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب الغسل من المني، ح:١٩٣، ومسند احمد، ١/ ١٠٩، ١٢٥ وسنده صحيح انظر إرواء الغليل ١/ ١٦٢)

"جب پانی اچھل کر نکلے تو غسل کرو اور اگر اچھل کر نہ نکلے تو غسل نہ کرو۔"

((فضخ)) کے معنی پانی کے اچھل کر اور چھلک کر خارج ہونے کے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا' کیا احتلام ہونے کی صورت میں عورت پر بھی غسل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ»(صحيح بخاري، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، ح:٢٨٢، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، ح:٣١٣)

"ہاں اگر وہ پانی دیکھے۔"

وجوب غسل مباشرت کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ یہ تو خروج منی کے ساتھ مقید ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، ح:٢٠٦ وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب الغسل من المني، ح:١٩٣، ومسند احمد، ١/ ١٠٩، ١٢٥ وسنده صحيح انظر إرواء الغليل ١/ ١٦٢)

"جب پانی اچھل کر نکلے تو غسل کر لو۔"

حالت بیداری میں مرد اور عورت کے صرف ختنہ کے مقامات ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ

ہو۔ لہٰذا اس سائل کو چاہئے کہ جو احتلام کی صورت میں منی خارج ہونے اور خواب نظر نہ آنے کی وجہ سے غسل نہیں کرتا رہا' مقدور بھر کوشش کر کے ان تمام گزشتہ سالوں کی نمازوں کو پڑھے۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

کیا صحرا میں رہنے والوں پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟

سوال ہم صحراء میں بسنے والے بدو ہیں۔ پانی ہم سے پچاس کلو میٹر دور ہے۔ ہم اپنے اہل و عیال کے لئے گاڑیوں پر پانی لاتے اور اسی میں سے اونٹ اور بکریوں کو پلاتے ہیں۔ کیا جنابت کی وجہ سے ہم پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟ جب کہ بعض گھروں میں دس یا اس سے بھی زیادہ افراد ہیں یا ہمارے لئے تیمم جائز ہے؟

جواب جب پانی موجود ہو تو اللہ تعالیٰ نے وضوء اور غسل کا حکم دیا ہے اور اگر پانی موجود نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال میں دشواری ہو تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ﴾ (المائدۃ٥/ ٦)

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

سائل نے جب یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اونٹ اور بکریوں کو پلانے کے لئے پانی لاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس پانی موجود ہے لہٰذا ان کے لئے وضوء اور غسل لازم ہے' ان کا صحراء نشین ہونا اور پانی سے پچاس کلو میٹر دور ہونا کوئی ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے تیمم جائز ہو کیونکہ وہ تو اونٹوں اور بکریوں کے لئے بھی گاڑیوں پر پانی لا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

ایک شخص حالت سفر میں جنبی ہے مگر پانی نہیں

سوال ایک آدمی طویل راستہ میں ہے اور دوران سفر وہ جنبی ہو گیا مگر غسل کے لئے اس کے پاس پانی نہیں تو کیا وہ ناپاکی کی حالت ہی میں نماز پڑھ لے یا کیا کرے؟

جواب جو شخص بحالت سفر جنبی ہو جائے اور اس کے پاس کھانے پینے کی ضرورت سے اس قدر زائد پانی نہ ہو جس سے وہ غسل کر سکے' پانی کو تلاش بھی کرے لیکن ظن غالب یہ ہو کہ اس علاقے میں پانی نہیں ہے' تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ

لے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٦ ﴾

(المائدۃ٥/ ٦)

"اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

ایک مرتبہ وضوء کر لو اور شیطان کی پیروی نہ کرو

سوال ہر دفعہ وضوء کرنے سے پہلے کوشش کرتا ہوں کہ آلہ تناسل میں موجود تمام پیشاب نکال دوں۔ اس مقصد کے لئے میں کئی دفعہ بیٹھتا ہوں، جس غسل خانہ میں وضوء کرتا ہوں وہاں ٹانگ کو بھی اوپر تک اٹھاتا ہوں اور اکثر دو بار یا تین بار وضوء کرتا ہوں کیونکہ وضوء مکمل کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کے کچھ قطرے نکلنے لگے ہیں۔ لیکن اکثر معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض وہم تھا، لیکن کبھی اس میں حقیقت بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وسوسہ لاحق رہتا ہے۔ لیکن دو یا تین بار وضوء کرنے اور غسل خانہ میں زیادہ وقت صرف کرنے میں مشقت بھی بہت ہے، تو سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں خصوصاً سردی کے موسم میں جب میں ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کر سکتا اور وضوء کے لئے گرم پانی استعمال کرتا ہوں؟

جواب بلاشک و شبہ یہ اکثر باتیں اوہام اور وسوسے ہیں، جنہیں شیطان بعض لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ انہیں عبادت ثقیل محسوس ہو اور وہ اس سے اکتا کر اسے ترک کر دیں لہٰذا ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ان اوہام اور وسوسوں کی طرف توجہ نہ کرو۔ بس ایک دفعہ وضوء کر لو اور بار بار وضوء نہ کرو، پیشاب کی جگہ زیادہ دیر نہ بیٹھا کرو۔ پیشاب کے بقیہ حصے کو نکالنے کے لئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ یہ اس طرح ہے جس طرح تھن میں دودھ ہو کہ اگر دوہا جائے تو اتر آتا ہے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو چڑھ جاتا ہے، ہاں اگر یہ یقینی امر ہو کہ پیشاب خارج ہوا ہے تو پھر تمہیں دوبارہ وضوء کرنا ہو گا لیکن اس کے لئے تفتیش و تحقیق اور ہاتھ لگا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر پیشاب انقطاع کے بغیر ہمیشہ خارج ہوتا رہے تو یہ سلسل البول ہے۔ اس صورت میں تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ایک بار وضوء کر لو اور وضوء کے بعد پیشاب کے خارج ہونے سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا لیکن تمہاری صورت حال کے بارے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادہ تر وہم کی کرشمہ سازی ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہٰذا اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے!

—— شیخ ابن جبرین ——

مریض کا پتھر کے فرش سے تیمم کرنا

سوال کیا اس پتھر سے تیمم کرنا جائز ہے جس سے ہاتھ پر غبار نہ لگے؟ تیمم کن کن اعضاء پر ہونا چاہیے؟ ایک تیمم کے ساتھ کتنی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں؟

جواب بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تیمم کے لئے شرط ہے کہ وہ ایسی مٹی سے ہو جس سے ہاتھ پر غبار لگ جائے' ان کا استدلال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدۃ٥/ ٦)

"اور اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

سے ہے کہ جس میں یہ غبار نہ ہو اس سے مسح نہیں کیا جا سکتا لیکن صحیح یہ ہے کہ غبار شرط نہیں ہے' شرط صرف یہ ہے کہ مٹی پاک ہو' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"پاک مٹی سے تیمم کر لو"

صعید سطح زمین کو کہتے ہیں لہٰذا تیمم ریت سے بھی جائز ہے جس میں غبار نہیں ہوتا' اسی طرح کنکریوں وغیرہ سے بھی جائز ہے۔ وہ قیدی یا مریض جس کے پاس پتھر یا ٹائل وغیرہ سے بنا ہوا فرش ہو اور وہ دوسری جگہ نہ جا سکتا ہو تو اس کا اس فرش ہی سے تیمم جائز ہو گا خواہ اس پر غبار نہ بھی ہو' نیز مٹی نہ ہونے کی صورت میں وہ بستر وغیرہ پر بھی تیمم کر سکتا ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اعضاء تیمم چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ پہلے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لے پھر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر پھیرے اور انگلیوں میں خلال کرے' اور مسح کے لئے ہتھیلیوں پر ہی اکتفاء کرے اور اگر ہاتھوں پر بھی مسح کرے تو کوئی حرج نہیں اور ایک ہی ضرب کافی ہے اور اگر دوبار ضرب لگا لے تو یہ بھی جائز ہے۔

افضل یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے تیمم کرے اور اگر دو فرض نمازیں اکٹھی پڑھ رہا ہو تو ان کے لئے ایک تیمم ہی کافی ہے۔ ایک تیمم کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ محدث (بے وضو) نہ ہو یا پانی نہ پائے اور جب پانی پا لے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور جسم کو پانی لگانا چاہیے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حمام میں وضوء کی صورت میں دل میں تسمیہ پڑھے

سوال میں جب وضوء کا ارادہ کرتا ہوں تو نیت یہ ہوتی ہے کہ نماز کے لئے وضوء کر رہا ہوں لیکن حمام میں ہونے کی صورت میں اللہ کا نام نہیں لیتا حالانکہ مجھے اس حدیث کا علم ہے کہ جو شخص اللہ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں' تو اس کے

لئے کیا حکم ہے؟

جواب انسان جب حمام میں ہو تو وہ زبان سے تسمیہ نہ پڑھے بلکہ دل میں پڑھ لے اور پھر راجح قول یہ ہے کہ تسمیہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لہٰذا وسوسوں اور غفلت کو خیرباد کہہ دو۔

شیخ ابن عثیمین

شرم گاہ کا دھونا وضوء کا حصہ نہیں ہے

سوال ایک شخص نیند سے بیدار ہوا اور وہ حدث اکبر یا اصغر سے دوچار نہیں ہے' وہ بحالت طہارت سویا تھا' نیند سے بیدار ہوا تو عام مفہوم کے مطابق اس نے وضوء کی تجدید کر لی' تو کیا اس حالت میں وضوء کامل ہو گا یا ناقص؟

جواب ہاں اس حالت میں وضوء صحیح ہو گا اور اس کے لئے استنجاء یعنی شرم گاہ کا دھونا ضروری نہیں ہو گا بلکہ اس کے لئے صرف اعضاء ظاہرہ کا دھونا لازم ہو گا۔ یعنی معروف وضوء کرنا ہو گا' عام لوگ جو اسے تجدید وضوء کا نام دیتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ تجدید تو اس شخص کی ہے جو وضوء موجود ہونے کی صورت میں وضوء کرے اور یہ شخص نیند کی وجہ سے حدث اصغر میں مبتلا ہے کیونکہ نیند نواقض وضوء میں سے ہے لیکن اس سے استنجاء واجب نہیں ہوتا۔

شیخ ابن جبرین

شاور کے نیچے بھی غسل درست ہے

سوال میں چاہتا ہوں کہ تفصیل کے ساتھ اور آسان انداز میں غسل جنابت کا طریقہ معلوم کروں کیونکہ اس سلسلہ میں' میں نے مختلف طریقوں کے بارے میں سن رکھا ہے لہٰذا امید ہے کہ آپ صحیح طریقہ کی وضاحت فرمائیں گے نیز یہ فرمائیے کیا شاور کے نیچے غسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب غسل کامل کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی غسل کی نیت کرے' بسم اللہ پڑھے' دونوں ہاتھوں کو تین بار دھوئے' پھر شرم گاہ کو اور جسم پر جو منی کے اثرات وغیرہ ہیں انہیں دھوئے' پھر مکمل وضوء کرے' پھر غسل شروع کرے اور سر کو تین بار دھوئے اور بالوں کی جڑوں کو خوب مبالغہ کے ساتھ دھوئے' پھر باقی جسم کو اس طرح غسل دے کہ دائیں طرف سے پہلے شروع کرے اور پھر بائیں طرف کو دھوئے اور خوب مل مل کر دھوئے اور مقدور بھر کوشش کر کے جہاں جہاں جسم تک ہاتھ پہنچ سکتا ہو ہاتھ سے جسم کو ملے۔

شاور کے نیچے بھی غسل جائز ہے اور اگر سارے جسم پر ایک ہی بار پانی بہا دیا جائے تو یہ غسل بھی درست ہو گا۔

شیخ ابن جبرین

تیمم سے پڑھی ہوئی نمازوں کو دوہرانا

سوال میں صبح کے وقت حالت جنابت میں تھا لیکن پانی موجود نہ تھا اس لئے میں نے نمازوں کو تیمم سے پڑھ لیا' شام کو جب پانی ملا تو میں نے غسل جنابت کر لیا' تو کیا مجھے وہ نمازیں دوہرانا ہوں گی جو میں نے تیمم سے پڑھی ہیں؟

جواب آپ نے پانی کی عدم موجودگی کا سبب ذکر نہیں کیا۔ اگر آپ کسی صحرائی قصبہ یا کسی شہر میں سکونت پذیر ہیں تو ان میں عام طور پر پانی موجود ہوتا ہے' اگر ایک جگہ پانی کی سپلائی بند ہو تو دوسری جگہ جاری ہوتی ہے لہٰذا جنبی اور محدث (بے وضو) کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانی تلاش کرے' پڑوسیوں سے' واٹر سپلائی کے مراکز سے یا کنوؤں وغیرہ سے پانی طلب کرے لہٰذا جس نے پانی تلاش کئے بغیر تیمم سے نماز پڑھ لی اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس نماز کو دوہرائے۔ بادیہ یا صحرا میں بسا اوقات پانی دستیاب نہیں ہوتا لہٰذا قرب و جوار میں تلاش کرنے کے باوجود اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ اگر ضرورت سے زائد پانی موجود ہو یا عدم موجودگی کی صورت میں قریب جگہ سے ملنا ممکن ہو تو پھر تیمم جائز نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

جب احتلام تو ہو لیکن تری موجود نہ ہو

سوال ایک شخص نے خواب میں والدہ کو دیکھا اور احتلام ہو گیا لیکن بیدار ہونے کے بعد احتلام کا کوئی اثر نہ دیکھا حالانکہ اسے یاد ہے کہ اسے احتلام ہوا تھا لہٰذا اس نے احتیاطاً غسل جنابت کر لیا لیکن والدہ کے ساتھ احتلام کی وجہ سے یہ شخص بے حد پریشان ہے اور فکر مند ہے کہ وہ اس کی کیا توجیہ کرے؟ امید ہے آپ بقدر امکان جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا اس صورت میں اسے کوئی گناہ وغیرہ ہو گا؟

جواب جس شخص کو احتلام ہو اور وہ تری نہ دیکھے تو اس کے لئے غسل لازم نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ:

«إِنَّمَا الْـمَآءُ مِنَ الْـمَآءِ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الاسلام لا يوجب . . .، ح:٣٤٣)

''پانی کا استعمال پانی دیکھنے کی صورت میں ہے۔''

اگر وہ اپنے کپڑے یا جسم پر منی کا کوئی نشان دیکھے تو اس کے لئے غسل لازم ہو گا خواہ اسے احتلام نہ بھی یاد ہو۔ جیسا کہ سنن میں موجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ خواب میں والدہ کے ساتھ احتلام میں کوئی ضرر نہیں ہے بلاشبہ اس کی توجیہ شدت محبت' نیکی اور اطاعت سے کی جائے گی۔ لہٰذا اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔

شیخ ابن جبرین

شیطانی وسوسے

سوال میں بسا اوقات وضوء کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ میرا وضوء ٹوٹ رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت ہے یا محض وسوسہ ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے اکثر وضوء اور نماز کو دوہرانا پڑتا ہے' اس لیے بسا اوقات میری جماعت رہ جاتی ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ اجروثواب سے نوازے گا۔

جواب یہ شیطانی وسوسے ہیں' ضروری ہے کہ انہیں جھٹک دو اور ان کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ وضوء اور نماز کی تکمیل کی طرف توجہ دو۔ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ اسے نماز میں یہ خیال آتا

ہے کہ وہ کوئی چیز محسوس کر رہا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلاّ من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل علي ان من تيقن الطهارة ثم شك . . . ، ح:٣٦١)

"یہ آدمی اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کرے"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لاَ فَلاَ يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك . . . ، ح:٣٦٢)

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز پائے اور اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں تو وہ اس وقت تک مسجد سے نہ نکلے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کر لے"

ان دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث کی وجہ سے وضوء اور نماز کو نہیں توڑنا چاہئے بلکہ ان وسوسوں سے اعراض کرنا چاہئے حتی کہ اسے یقینی طور پر یہ علم ہو جائے کہ اس سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے اور وضوء کے بارے میں اسے یہ یقینی علم ہو کہ اس نے وضوء نہیں کیا۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

یقین پر بنیاد دین کا ایک بہت بڑا اصول ہے

سوال امید ہے آپ اس حدیث کی شرح فرما دیں گے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

«لاَ يَنْفَتِلْ أَوْ لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك...، ح: ٣٦١

"جب تک آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے، نماز سے نہ پھرے"

جواب یہ حدیث صحیح ہے اور شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور وہ یہ کہ یقین پر بنیاد رکھی جائے، شکوک و اوہام کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ انسان جب یقین کے ساتھ طہارت حاصل کرے تو وہ اس وقت تک طاہر رہتا ہے جب تک اسے حدث کا یقین نہ ہو جائے، لہذا ان اوہام و شکوک کی طرف التفات نہ کیا جائے گا جنہیں شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ انسان تشویش میں مبتلا ہو کر عبادت سے اکتا جائے اور اسے بہت گراں محسوس کرنے لگے، اس لیے جب وہ دوران نماز پیٹ میں کوئی گرانی یا حرکت وغیرہ محسوس کرے تو اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک اسے آواز سننے یا ہوا کے خارج ہونے سے طہارت کے ختم ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے۔

شیخ ابن جبرین

بوسہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال کیا بوسہ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، ح:١٧٨، ١٧٩، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة، ح:٨٦، ومسند احمد، ٦/٢، ١٠، ٢٠٧)

"نبی کریم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کو بوسہ دیا اور پھر وضوء کئے بغیر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔"

اس حدیث میں اس حکم کا بیان ہے کہ کیا عورت کو چھونے اور بوسہ دینے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں ---علماء--- رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اگر شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا تو وضوء ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مطلقاً وضوء نہیں ٹوٹتا اور ان میں سے یہی قول راجح ہے یعنی مرد جب اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اس کے ہاتھ کو چھوئے یا اسے اپنے ساتھ لگائے اور اس سے اسے نہ انزال ہو اور نہ وہ محدث (بے وضو) ہو تو اس سے مرد کا وضوء ٹوٹے گا نہ عورت کا' کیونکہ اصل یہ ہے کہ وضوء اپنی حالت پر برقرار رہے گا الا یہ کہ کسی دلیل سے معلوم ہو کہ وضوء ٹوٹ گیا ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی دلیل ثابت نہیں جس سے معلوم ہو کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لہذا عورت کو چھونے سے خواہ بغیر کسی چیز کے حائل ہوئے اور خواہ شہوت کے ساتھ چھونے سے اور بوسہ دینے اور ساتھ لگانے سے بھی وضوء نہیں ٹوٹتا۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

جنبی قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا

سوال کیا جنبی شخص زبانی قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے؟ اور اگر تلاوت کرنا جائز نہیں تو کیا وہ تلاوت کو سن سکتا ہے؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب جنبی کے لئے غسل کئے بغیر قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی تلاوت کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ لاَ يَحْجُزُهُ شَيْءٌ عَنِ الْقُرْآنِ إِلاَّ الْجَنَابَةُ»(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، ح:٥٩٤ وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يقرأ القرآن، ح:٢٢٩، ومسند احمد، ١/٨٤، ١٢٤)

"جنابت کے سوا اور کوئی چیز آپ ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں روکتی تھی۔"

ہاں البتہ جنبی کے لئے قرآن مجید کی تلاوت سننے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں بہت فائدہ ہے ہاں البتہ وہ قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا' دیکھ کر قرآن مجید پڑھ نہیں سکتا۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا

سوال کیا وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وضوء کے بعد وہ اپنے اعضاء کو صاف کرے' اسی طرح غسل کے بعد بھی اعضاء کو صاف کرنا جائز ہے کیونکہ عبادات کے سوا دیگر امور میں اصل حلت ہے تاوقتیکہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو جائے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو یہ حدیث ہے کہ:

«أَنَّهَا جَاءَتْ بِالْمِنْدِيْلِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، بَعْدَ أَنِ اغْتَسَلَ فَرَدَّهَا وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهِ»(سنن نسائي، كتاب الطهارة، باب ترك المنديل بعد الغسل، ح:٢٥٥، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، ح:٢٤٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل، ح:٤٦٧)

"رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں رومال لے کر آئیں مگر آپ ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی صاف کرنا شروع کر دیا۔"

تو آپ ﷺ کا رومال کو لوٹا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا استعمال مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک قضیۂ عین ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس رومال میں کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے نبی ﷺ نے اسے استعمال کرنا پسند نہ فرمایا ہو اور ہاتھ ہی سے پانی کو صاف کر لیا ہو' اس حدیث کے پیش نظر کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رومال پیش کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر ان کے ہاں جائز اور مشہور تھا ورنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے رومال پیش کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ آپ یہ قاعدہ معلوم کر لیں کہ عبادات کے سوا دیگر امور میں اصل حلت ہے حتیٰ کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو!

——— شیخ ابن عثیمین ———

وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونا

سوال وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونے کا کیا حکم ہے؟

جواب شرعاً اس بات کا کوئی حکم نہیں ہے کہ وضوء کے لئے چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھویا جائے بلکہ یہ محض تکلف اور تصنع ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ»(صحيح مسلم، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون، ح:٢٦٧٠، وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧، ومسند احمد، ١/ ٣٨٦)

"تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے' تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے۔"

آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا' ہاں البتہ ہاتھ میں اگر کوئی میل کچیل وغیرہ ہو اور وہ صابن یا اس طرح کی دیگر پاک اور صاف کرنے والی کسی چیز کے استعمال کے بغیر دور نہ ہو سکتا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن عام حالات میں بلا ضرورت صابن کا استعمال تکلف اور بدعت ہو گا لہٰذا استعمال نہ کیا جائے۔

شیخ ابن عثیمین

کیا تیل بھی پانی کے اعضاء وضوء تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے؟

سوال ایک دینی بھائی نے یہ سوال کیا ہے کہ میں نے بعض علماء کرام سے یہ سنا ہے کہ تیل بھی وضوء کے اعضا تک پانی کے پہنچنے میں حائل ہے اور میں جب کھانا پکاتا ہوں تو تیل کے قطرے میرے بالوں یا اعضاء وضوء پر گر جاتے ہیں تو کیا اس صورت میں وضوء سے پہلے ان اعضاء کو صابن سے دھونا ضروری ہے تاکہ اعضاء وضوء تک پانی پہنچ جائے؟ میں اپنے بالوں کے علاج کے لئے بھی بسا اوقات تیل استعمال کرتا ہوں تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ امید ہے مستفید فرمائیں گے۔

جواب اس سوال کے جواب سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان کر دوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں یہ بیان فرمایا ہے کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمۡتُمۡ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ وَأَيۡدِيَكُمۡ إِلَى ٱلۡمَرَافِقِ وَٱمۡسَحُواْ بِرُءُوسِكُمۡ وَأَرۡجُلَكُمۡ إِلَى ٱلۡكَعۡبَيۡنِۚ﴾ (المائدۃ٥/٦)

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر اپنے کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو)"

ان اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کو زائل کیا جائے' جو ان اعضاء تک پانی کے پہنچنے میں حائل ہو کیونکہ کسی چیز کے حائل ہونے کی صورت میں پانی اعضاء تک نہ پہنچ سکے گا اور اس طرح وہ دھل نہ سکیں گے تو اس کی بنیاد پر ہم یہ کہیں گے کہ انسان جب اپنے اعضاء وضوء پر کوئی تیل وغیرہ استعمال کرے اور اگر وہ جامد شکل میں ہو تو ضروری ہے کہ وضوء سے پہلے اسے زائل کر دیا جائے کیونکہ تیل اگر اسی طرح جامد صورت میں اعضاء پر لگا رہا تو وہ جسم تک پانی کو نہیں پہنچنے دے گا جس کی وجہ سے وضوء صحیح نہ ہو گا۔

اگر تیل جامد صورت میں اعضاء پر باقی نہ ہو بلکہ صرف اس کا اثر باقی ہو تو یہ نقصان دہ نہیں ہے لیکن اس صورت میں اعضاء وضوء کو ہاتھوں سے خوب ملنا چاہئے کیونکہ عموماً تیل پانی سے الگ ہو جاتا ہے اور اس بات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ اچھی طرح اعضاء کو نہ ملنے کی صورت میں ممکن ہے تمام اعضاء تک پانی نہ پہنچ سکے' لہٰذا ہم سائل سے یہ کہیں گے کہ اگر اعضاء طہارت پر موجود یہ تیل جامد ہے اور وہ پانی کے اعضاء تک پہنچنے میں حائل ہے تو پھر اسے وضوء سے پہلے زائل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر یہ جامد صورت میں موجود نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں اور اسے صابن سے دھونا ضروری نہیں لیکن اعضاء وضوء کو ہاتھوں سے خوب ملئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی تیل کے اوپر سے پھسل جائے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

دانتوں میں کھانے کے ذرے اور وضوء

سوال ایک دینی بہن یہ سوال پوچھتی ہیں کہ بسااوقات میں محسوس کرتی ہوں کہ دانتوں میں کھانے کے کچھ ذرے ہیں تو کیا وضوء سے پہلے ان کا ازالہ ضروری ہے؟

جواب مجھے بظاہریوں معلوم ہوتا ہے کہ وضوء سے پہلے ان کا ازالہ ضروری نہیں ہے لیکن بلاشک و شبہ دانتوں کی صفائی اکمل و اطہر ہے اور دانتوں کی بیماری سے انسان کو بچاتی ہے کیونکہ یہ ذرے جب دانتوں میں رہ جائیں تو ان سے عفونت پیدا ہوتی ہے جس سے دانتوں اور مسوڑھوں کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انسان کھانا کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کر لے تاکہ کھانے کے ذرات کو دور کر سکے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ مسواک کرے کیونکہ کھانا منہ کی بو کو بدل دیتا ہے اور نبی ﷺ نے مسواک کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

«إِنَّهُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ»(سنن نسائي، كتاب الطهارة، باب هل يستاك الامام بحضرة رعيته، ح: ٥)

"مسواک منہ کو پاک کرتی اور رب تعالیٰ کو راضی کرتی ہے۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب بھی منہ کو پاک کرنے کی ضرورت ہو تو اسے مسواک سے پاک صاف کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

شیطان کی پھونک

سوال نماز شروع کرنے اور ایک یا دو رکعت پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہو رہی ہے' تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور جب یہ صورت حال ہمیشہ جاری رہے تو مجھے کیا کرنا ہو گا؟

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں تاکہ شیطان نمازی کی نماز کو خراب کر دے یا اس کے ادا کرنے کو اس کے لئے مشکل بنا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَأْتِيْ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فِيْ صَلاَتِهِ فَيَنْفُخُ فِي مَقْعَدَتِهِ فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَحْدَثَ وَلَمْ يُحْدِثْ، فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ فَلاَ يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(رواه البزار؛ انظر كشف الاستار، ١/١٢٨، اسناده ضعيف وهو صحيح لغيره واصل الحديث في البخاري: ١٣٧، ومسلم، الحيض ٩٨، عن عبدالله بن زيد، وفي سند البزار ابواويس لكن تابعه الدراوردي عند البيهقي، أفاده الحافظ في التلخيص ١/١٢٨)

"شیطان تم میں سے ایک کے پاس اس کی نماز میں آتا اور اس کی مقعد میں پھونک مارتا ہے تو نمازی کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بے وضوء ہو گیا ہے حالانکہ وہ بے وضوء نہیں ہوا ہوتا جب کوئی اس طرح کی صورت حال پائے تو وہ نماز کو نہ توڑے حتی کہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے۔"

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فَقَالَ إِنَّكَ أَحْدَثْتَ فَلْيَقُلْ كَذَبْتَ»(مسند احمد، ٣/ ١٢، ٥٠، ٥١، ٥٤، وابن حبان، ٦/ ٢٦٦٦)

"جب تم میں سے کسی کے پاس آکر شیطان یہ کہے کہ تو بے وضوء ہو گیا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔"

یعنی اپنے جی میں اس سے یہ کہے۔ لہٰذا ہم سائل کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ان شیطانی اوہام و تخیلات کی طرف توجہ نہ کرے اس سے یہ جلد ختم ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ حقیقی و یقینی صورت حال ہے اور دائمی ہے جیسا کہ اس نے ذکر کیا ہے تو اس کا حکم دائمی حدث میں مبتلا مریض کا ہو گا لہٰذا نماز کے وقت میں خروج ہوا سے اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی مثال سلسل البول کے مریض کی سی ہو گی اس کے لئے چونکہ بار بار وضوء کرنے میں مشقت ہے لہٰذا یہ ہر فرض نماز کے وقت میں وضوء کر لے اور پھر نماز پڑھتا رہے۔ (خواہ نماز میں ہوا خارج ہوتی رہے' بیماری کی وجہ سے یہ شخص معذور تصور ہو گا)۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

وضوء میں وسوسہ

سوال میں چھبیس برس کی عمر کا ایک نوجوان ہوں۔ وضوء کرتے ہوئے اور کبھی وضوء کے بعد اٹھتے ہوئے یا کسی حرکت کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے کہ پیشاب کا قطرہ نکل آیا ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اکثر شیطان بعض لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ ہوا یا پیشاب کا قطرہ خارج ہونے سے ان کا وضوء ٹوٹ گیا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو شخص اس طرح کے کسی وسوسہ میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ وہ یقین یعنی اپنی طہارت ہی کو پیش نظر رکھے اور ان اوہام کی طرف توجہ نہ دے' اس سے وہ محفوظ بھی رہے گا اور اوہام کا یہ سلسلہ جلد ختم بھی ہو جائے گا۔ اور اگر آدمی ان اوہام میں کھو جائے تو اس کا غم دراز اور اس کے وسوسوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ وہ بار بار وضوء کرے گا تو نماز باجماعت یا نماز کی اول وقت میں ادائیگی فوت ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ عبادت ہی سے اکتا جائے گا اور عبادت اسے بہت گراں محسوس ہونے لگے گی اور شیطان مردود کی یہی تو خواہش ہے کہ وہ انسان کو اپنے رب کی بندگی سے دور ہٹا دے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ہوا کے خارج ہونے میں شک

سوال مجھے گیس کی بہت تکلیف ہے حتیٰ کہ وضوء کرتے ہوئے بھی یہ شک ہونے لگتا ہے کہ ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں' اور اس کی وجہ سے مجھے ایک یا دو مرتبہ وضوء دوہرانا پڑتا ہے۔ کیا یہ طبعی حالت ہے؟ نیز یہ فرمایئے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز کے دوران بعض لوگوں کو جو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خاج ہو رہی ہے تو اکثر و بیشتر صورتوں میں محض وہم

ہوتا ہے' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة ثم شك . . .، ح:٣٦١)

"اس وقت تک کوئی شخص نماز سے نہ پھرے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کرے۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

اصل بقاء طہارت ہے

سوال جب انسان وضوء کرے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد نماز کا وقت ہو جائے لیکن وہ بھول جائے کہ وہ طاہر ہے یا نہیں تو کیا اس کے لئے وضوء کرنا لازم ہے؟ اس صورت حال میں وہ کس بات پر بنیاد رکھے؟

جواب جب انسان وضوء کرے اور کامل وضوء کرے تو وہ حالت طہارت ہی میں ہو گا خواہ کتنا وقت گزر جائے اور اگر اسے وضوء کے ٹوٹنے کے بارے میں شک ہو تو اس شک کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے یقین یعنی طہارت پر بنا کرنا ہو گی کیونکہ حدیث میں ہے جس کے راوی عبداللہ بن زید ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ اسے خیال آتا ہے کہ وہ نماز میں کوئی چیز محسوس کر رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة ثم شك . . .، ح:٣٦١)

"اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔"

اس حدیث کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب وضوء پر ایک وقت گزر جائے اور اسے شک ہو کہ اس کا وضوء برقرار ہے یا ٹوٹ گیا ہے تو اسے چاہئے کہ اس صورت میں نماز پڑھ لے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل بقاء طہارت ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

منی پاک ہے

سوال میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی' پھر اٹھ کر غسل کیا اور نماز فجر ادا کر لی' تو سوال یہ ہے کہ کیا میں اس بستر پر دوبارہ سو سکتا ہوں اور اس چادر کو اوڑھ سکتا ہوں۔ جس میں نے میں اپنی بیوی سے صحبت کی ہو؟

جواب منی پاک ہے' اس سے انسان یا اس کا بستر ناپاک نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

«كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ فَرْكًا ثُمَّ يُصَلِّي فِيْهِ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المني يصيب الثوب، ح:٣٧٢)

"میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے کھرچ دیا کرتی تھی اور آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیا

کرتے تھے۔"

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ خروج منی سے پہلے جب آدمی نے پیشاب کیا ہو تو پانی سے استنجاء کیا ہو یا شرعی طریقہ کے مطابق ڈھیلوں کو استعمال کیا ہو اور اس نے اگر ایسا نہ کیا ہو تو پھر منی تو پاک ہے لیکن نجس مقام سے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جائے گی۔ منی چونکہ پاک ہے اس لئے مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ اس بستر پر سو جائے اور اس چادر کو اوڑھ لے جس میں اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہو' اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

پیشاب کے بعد خارج ہونے والا سفید مادہ

سوال جب میں بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو پیشاب کے آخر میں محسوس کرتا ہوں کہ کچھ مادہ منویہ خارج ہوا ہے لیکن معلوم نہیں کہ ہر مرتبہ پیشاب کے بعد غسل کروں یا کیا کروں کیونکہ مجھے شک ہے کہ اس کا حکم مباشرت کا ہے یا نہیں؟

جواب یہ منی جو پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے' یہ ودی کے نام سے مشہور ہے یہ چونکہ پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے اور بہہ کر نکلتی ہے اس لئے یہ موجب غسل نہیں بلکہ ناقض وضوء ہے لہٰذا اس کے خارج ہونے سے آلہ تناسل کو دھونا اور وضوء کرنا لازم ہوگا' غسل کرنا لازم نہ ہو گا کیونکہ غسل تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب منی دفق اور لذت کے ساتھ خارج ہو' دفق کے معنی ہیں خوب زور سے اچھل کر نکلنا لہٰذا اگر منی پیشاب کی صورت میں بہہ کر یا قطروں کی صورت میں خارج ہو تو اس طرح خارج ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

پانی کی موجودگی میں تیمم باطل ہے

سوال ایک دن مجھے احتلام ہو گیا اور اس دن سخت سردی تھی' میں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور مدرسہ چلا گیا' پھر میں واپس لوٹا تو میں نے غسل نہ کیا' اس بارے میں راہنمائی فرمایئے کیا حکم ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب ماضی کی نسبت سے تو یہ حکم ہے کہ غسل جنابت کے بغیر جو نمازیں پڑھیں ہیں' انہیں دوبارہ پڑھنا ہو گا کیونکہ سائل شہر میں تھا اور پانی کا حصول اس کی استطاعت میں تھا ہاں البتہ سردی کے خوف کی وجہ سے وہ تیمم کر سکتا ہے لیکن اگر پانی گرم کرنے کی سہولت میسر ہو تو پھر غسل کرنا واجب ہو گا۔ اگر آدمی سفر میں ہو' پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی اور جب پانی پا لے تو اسے غسل کرنا ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اونٹ کا گوشت ناقض وضوء ہے

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص سے بو محسوس کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے تمام حاضرین کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں اور ہم نے ابتدائیہ میں یہ پڑھا تھا کہ اونٹ کا گوشت کھانے

سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب یہ قصہ تو مطلقاً بے اصل اور نبی کریم ﷺ کی طرف ایک جھوٹی بات منسوب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جو شخص بے وضوء ہو گیا ہے وہ وضوء کرے۔ محدث کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگوں پر وضوء کرنا لازم نہیں ہوتا۔

اونٹ کا گوشت کھانے کی صورت میں صحیح بات یہ ہے کہ اس سے وضوء کرنا واجب ہے' خواہ گوشت تھوڑا کھایا ہو یا زیادہ' کچا کھایا ہو یا پکا کر اور خواہ اونٹ کے جسم کے کسی بھی حصہ کا گوشت کھایا ہو کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد:

«تَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح:٨١، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:١٨٤)

"اونٹ کے گوشت سے وضوء کرو۔"

کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا۔

«يَارَسُوْلَ اللهِ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: إِنْ شِئْتَ، قَالَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:٣٦٠)

"یا رسول اللہ! کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟" فرمایا "اگر چاہو تو کر لو" اس نے عرض کیا "کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنے کو کھانے والے کی مرضی پر منحصر قرار دیا تو معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنا انسان کی مرضی پر منحصر نہیں ہے اور یہی معنی ہیں اس بات کے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنا واجب ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کثرت گیس کا عارضہ

سوال مجھے کثرت گیس کا عارضہ لاحق ہے جو نماز میں بھی رکاوٹ بنتا ہے اور کبھی نماز پڑھتے ہوئے بھی یہ عارضہ لاحق ہو جاتا ہے تو اس صورت حال میں کیا میں نماز توڑ دوں یا غیر طاہر حالت ہی میں پڑھتی رہوں؟ مجھے ایک نماز کے لئے کئی بار وضوء کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بہت تکلیف اور مشقت اٹھانا پڑتی ہے' خصوصاً سردیوں کے موسم میں اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

جواب نماز میں وضوء کی حفاظت اور ہوا کے روکنے کی کوشش کرو' اگر ہوا کا خروج دائمی اور مستقل نوعیت کا ہو تو اس شخص کے حکم میں ہو گا جس کا حدث دائمی ہوتا ہے۔ مثلاً سلسل البول اور استحاضہ کی مریضہ لہٰذا اس صورت میں مشقت کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹے گا ہاں البتہ آپ کو اس بیماری کا مقدور بھر علاج ضرور کرانا چاہئے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وضوء میں تسلسل

سوال میں وضوء کر رہا تھا کہ ٹونٹی سے پانی آنا ختم ہو گیا' میں نے کچھ وقت انتظار کیا اور جب پانی آیا تو وہ اعضاء جو میں پہلے دھو چکا تھا خشک ہو گئے تھے' تو کیا اب مجھے سارا وضوء دوبارہ کرنا ہو گا یا جہاں تک پہلے کر چکا تھا' اس سے آگے کر لوں؟

جواب اس سوال کا جواب موالات (تسلسل) کے معنی اور اس کے صحت نماز کے لئے شرط ہونے پر مبنی ہے۔ اور اصل مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ موالات شرط ہے اور وضوء اگر تسلسل ہی کے ساتھ کیا جائے تو صحیح ہو گا اور اگر بعض اعضاء کو ایک دفعہ دھویا بعض کو دوسری دفعہ دھویا اور درمیان میں وقفہ آ گیا تو اس سے وضوء صحیح نہ ہو گا اور اس مسئلہ میں یہی قول راجح ہے کیونکہ وضوء ایک عبادت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس عبادت کے بعض اجزاء بعض دیگر کے ساتھ متصل ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ موالات واجب اور صحت وضوء کے لئے شرط ہے تو سوال یہ ہے کہ موالات کیسے ہو گی؟

بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ موالات یہ ہے کہ ایک عضو کے دھونے کو آپ اس قدر مؤخر نہ کریں کہ اس سے پہلے دھویا ہوا عضو خشک ہو جائے الا یہ کہ کسی ایسی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہو جس کا طہارت ہی سے تعلق ہو مثلاً یہ کہ کسی ایک عضو پر پینٹ وغیرہ لگا ہوا تھا' اس نے اسے دور کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش کی وجہ سے تاخیر ہو گئی اور پہلے دھوئے ہوئے اعضاء خشک ہو گئے' اس صورت میں وہ اپنے وضوء کے پہلے تسلسل ہی کو برقرار رکھے گا خواہ اس میں خاصی دیر ہو جائے کیونکہ اسے ایسے کام کی وجہ سے دیر ہوئی ہے' جس کا طہارت کے ساتھ تعلق ہے اور اگر تاخیر پانی کے حصول کی وجہ سے ہوئی ہو جیسا کہ اس سوال میں ہے تو بعض اہل علم کے بقول اس صورت میں موالات باقی نہیں رہتی لہٰذا وضوء از سر نو دوبارہ شروع کرنا ہو گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی موالات باقی ہے کیونکہ یہ امر غیر اختیاری ہے' وضوء کرنے والا تو تکمیل وضوء کے لئے انتظار کرتا رہا ہے لہٰذا جب پانی آ جائے تو اسے صرف باقی ماندہ وضوء کرنا چاہئے خواہ اس کے اعضاء خشک ہو گئے ہوں۔

بعض علماء جو موالات کے وجوب اور شرط کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ موالات کا تعلق عضو کے خشک ہونے سے نہیں بلکہ عرف سے ہے۔ عرف کے مطابق جسے وقفہ سمجھا جائے وہ وقفہ ہو گا اور اس سے موالات قطع ہو جائے گی اور جسے عرف وقفہ نہ سمجھے وہ وقفہ نہ ہو گا اور اس سے موالات ختم نہ ہو گی مثلاً پانی منقطع ہونے کی صورت میں جو لوگ پانی کھینچنے میں مشغول ہیں تو اس صورت کو وضوء کے اول و آخر میں انقطاع شمار نہیں کیا جاتا لہٰذا انہیں پہلے وضوء کو صحیح شمار کرتے ہوئے صرف باقی ماندہ وضوء کرنا ہو گا اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جب پانی آ جائے تو صرف باقی ماندہ وضوء کو مکمل کریں الا یہ کہ درمیان میں وقفہ بہت زیادہ طویل ہو جائے جو اسے عرف سے خارج کر دے تو پھر از سر نو وضوء کرنا ہو گا۔ اس مسئلہ میں دونوں صورتوں کے لئے گنجائش ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' پڑھائی میں مصروف ہوں اور رات کو ہونے والے احتلام کی وجہ سے مشقت میں مبتلا ہوں' کبھی تنگی وقت اور کبھی شرمندگی کی وجہ سے فوری طور پر غسل نہیں کر سکتا۔ کبھی میں بحالت جنابت ہی باجماعت نماز پڑھ لیتا ہوں اور پھر مناسب وقت پر غسل کر کے نماز دوہرا لیتا ہوں اور کبھی پاک مٹی سے تیمم کر کے اور پھر وضوء کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں اور اسے دوہراتا بھی نہیں ہوں کیونکہ میں نے یہ مسئلہ سن رکھا ہے کہ اگر کوئی دوست کسی دوست کے ہاں شب بسر کرے' اسے احتلام ہو جائے اور اسے خوف ہو کہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تو وہ تیمم کر لے۔ اور کبھی کبھی میں صبح کی نماز کو موخر کر کے ظہر کے ساتھ ادا کر لیتا ہوں تا کہ آسانی کے ساتھ غسل کر سکوں۔ ان صورتوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے؟

جواب برادر! آپ کے لئے یہ لازم ہے کہ احتلام ہونے پر نماز سے پہلے غسل ضرور کرلیں خواہ احتلام ہر رات ہو کیونکہ اس سے غسل واجب ہے۔ جب آپ شہر میں ہوں اور پانی بھی وافر مقدار میں موجود ہو تو غسل ساقط نہیں ہوتا اور نہ کسی کو ترک غسل میں معذور سمجھا جائے گا اور پھر اب تو مسجدوں میں' گھروں میں اور بازاروں میں ہر جگہ غسل خانے موجود ہونے کی وجہ سے غسل کرنے میں کوئی دشواری نہیں بلکہ بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے لہٰذا ہر حال میں آپ کے لئے غسل کرنا لازم ہے اور دین کے حکم پر عمل کرنے میں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیمم تو صرف اس صورت میں جائز ہے جب پانی موجود نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ ﴾ (المائدة ٥/ ٦)

''اگر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔''

اس دوست کا قصہ حجت نہیں ہے' جس نے دوست کے پاس شب بسر کی اور اسے احتلام ہو گیا اور اس نے سوء ظنی سے بچنے کے لئے تیمم کر لیا تو یہ کسی نے اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیا ہو گا اور شاید اس کا تعلق کسی خاص حالت سے ہو عام حالات پر اسے منطبق نہیں کیا جا سکتا لہٰذا غسل کرنا ازبس ضروری ہے' قدرت کے باوجود اسے ظہر یا کسی اور وقت تک مؤخر کرنا بھی جائز نہیں' اسی طرح پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا بھی ہرگز جائز نہیں الا یہ کہ بہت سخت سردی ہو' پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں موت یا کسی اور نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں تیمم کا جواز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

زکام اور تیمم

سوال میں زکام کا دائمی مریض ہوں' علاج سے بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیا میرے لئے تیمم کرنا درست ہے؟ حالت جنابت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جب انسان بیمار ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری میں اضافہ یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾

(المائدۃ۵/ ٦)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو تم پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس دائمی زکام میں جس میں تم مبتلا ہو پانی کا استعمال بیماری میں اضافہ یا صحت میں تاخیر کا سبب نہیں بنتا۔ اور اگر یہ بات واقعی درست ہو کہ پانی کا استعمال اس مرض میں اثر انداز نہیں ہوتا تو پھر آپ کیلئے حدث اصغر کی صورت میں پانی سے وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں پانی سے غسل کرنا واجب ہے' کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں آپ طبیب سے بھی مشورہ کر لیں' اگر طبیب یہ کہے کہ پانی کا استعمال آپ کیلئے نقصان دہ ہے تو پھر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں' ورنہ پانی سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نیند میں منی کا خروج

سوال کیا نیند میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟ نیز وہ کون سی اشیاء ہیں جن سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب نیند میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے' خواہ احتلام نہ بھی یاد ہو اور اگر کسی شخص کو احتلام تو ہو لیکن انزال نہ ہو تو اس سے غسل لازم نہ ہو گا۔

نیند میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر بیداری میں منی پیشاب کے ساتھ بہہ کر نکلے اور لذت نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہ ہو گا۔ لیکن اگر اچھل کر لذت کے ساتھ خارج ہو تو غسل واجب ہو گا۔ مباشرت کی صورت میں محض ختنے کے مقامات کے آپس میں ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال نہ بھی ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس خارج ہونے والے مادہ کا کیا حکم ہے؟

سوال میں جب اپنی بیوی سے خوش طبعی کی باتیں کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کوئی چیز خارج ہو رہی ہے اور جب میں اپنے کپڑوں کا جائزہ لیتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بے رنگ لیس دار مادہ خارج ہوا ہے۔ کیا اس مادہ کے خروج کی صورت میں بھی مکمل طہارت یعنی غسل کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب اگر خارج ہونے والا یہ مادہ منی ہے تو غسل واجب ہو گا اور منی مشہور و معروف مادہ ہے جو اچھل (ٹپک) کر لذت

کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مادہ منی نہیں بلکہ مذی ہے جو غیر محسوس طور پر اکثروبیشتر فتور شہوت کے وقت خارج ہوتا ہے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ واجب یہ ہوتا ہے کہ آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضوء کر لیا جائے جب کہ منی کے خروج کی صورت میں غسل واجب ہے اور جب یہ شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی تو پھر اسے مذی پر محمول کیا جائے گا اور غسل واجب نہ ہو گا۔ اس صورت میں آلہ تناسل' خصیتین اور کپڑے کے آلودہ حصے کو دھو لو اور نماز کے لئے وضوء کی طرح وضوء کر لو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

زخمی کس طرح غسل کرے؟

سوال میں نوجوان لڑکی ہوں۔ میرے ہاتھ میں کندھے کے قریب زخم آیا جس کی وجہ سے آپریشن کرانا پڑا۔ ڈاکٹر نے مجھے غسل سے منع کیا ہے تاکہ پانی لگنے سے زخم خراب نہ ہو لیکن چند دنوں بعد ہی میں اپنے ایام حیض سے فارغ ہوئی اور میں نے غسل کا ارادہ کیا تو حیران و پریشان ہو گئی کہ اب کیا کروں؟ کیا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی سارے جسم کو دھو لوں؟ لیکن مجھے معلوم ہے کہ غسل تو اس صورت میں ہی کامل ہوتا ہے جب تمام اعضاء کو دھویا جائے اور پھر زخم ہے ایسی جگہ کہ اسے نہاتے ہوئے پانی سے بچانا بہت مشکل ہے؟

جواب غسل حیض وغیرہ کے لئے اس حالت میں آپ اپنے جسم کو جس قدر غسل دے سکتی ہیں' اسے غسل دینا لازم ہے۔ زخم پر پٹی وغیرہ رکھ کر باقی جسم کو دھو لو اور اگر اس میں مشقت ہو اور ایسا ممکن نہ ہو تو زخم سے نیچے کے حصہ کو جس میں زخم نہیں ہے دھو لو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مباشرت سے غسل کرنے کی حکمت

سوال بیوی سے مباشرت کرنے کے بعد غسل میں کیا حکمت ہے؟

جواب مباشرت اور احتلام کی صورت میں غسل کرنا واجب ہے کیونکہ شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا ہے' حکمت خواہ ہمارے سامنے نہ بھی ظاہر ہو۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا اور ان کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا واجب ہے۔ علماء نے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں بیان بھی کی ہیں مثلاً ایک قول یہ ہے کہ یہ چونکہ حدث اکبر ہے لہٰذا اس کی وجہ سے سارے جسم کا غسل لازم ہے جیسا کہ حدث اصغر کی صورت میں اطراف بدن کا دھونا (وضو) لازم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ منی کے خارج ہونے سے چونکہ کمزوری اور سستی لاحق ہوتی ہے لہٰذا قوت و نشاط کے حصول کے لئے غسل کو لازم قرار دیا گیا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ غسل کرنے سے قوت و نشاط حاصل ہوتی ہے جب کہ ترک غسل سے کمزوری اور کئی نفسیاتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جنبی کا غسل کرنے سے پہلے سونا

سوال میں نے مباشرت کی اور پھر سو گیا تو مجھ سے کہا گیا کہ مباشرت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ سونے یا کھانے کا ارادہ کرے تو کم از کم وضوء ضرور کرے جب کہ بعض دیگر لوگوں نے کہا کہ یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لہٰذا اس مسئلہ میں فتویٰ عطا فرمایئے۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب جنبی کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ سونے' کھانے یا دوبارہ مباشرت کرنے کے لئے شرم گاہ کو دھو کر وضوء کرے لیکن یہ ضروری نہیں ہے' البتہ سونے کے سلسلہ میں اس کی تاکید بہت آئی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں جب وہ وضوء کرے" لیکن اگر کوئی سونے سے پہلے وضوء یا غسل نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بحالت جنابت پانی کو چھوئے بغیر ہی سو جایا کرتے تھے۔ لہٰذا جنابت کی حالت میں سونے سے پہلے وضوء کر لینا چاہئے اور اگر نہ کیا جائے تو گناہ نہیں' وضوء کر لینے سے جنابت میں تخفیف ہو جاتی ہے اور اگر سونے سے پہلے غسل کر لیا جائے تو یہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

موزوں پر مسح

وضوء کے بغیر پہنی ہوئی جرابوں کے ساتھ نماز

سوال میں نے نماز فجر وضوء کر کے ادا کی اور پھر جرابیں پہننا بھول گیا اور سو گیا اور پھر جب کام پر جانے کے لئے بیدار ہوا تو میں نے جرابیں پہنیں اور اس وقت میں باوضوء نہ تھا لیکن جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے وضوء کیا اور جرابوں پر مسح کر کے نماز پڑھ لی اور پھر عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اسی طرح مسح کر کے ادا کیں کیونکہ میں یہ سمجھتا رہا کہ میں نے انہیں باوضوء پہنا ہے۔ عشاء کی نماز کے قریباً دو گھنٹے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے جب جرابیں پہنی تھیں تو میں باوضوء نہ تھا تو ان چار نمازوں کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ یاد رہے میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

جواب جو شخص غیر طاہر حالت میں موزے یا جرابیں پہنے اور پھر ان پر بھول کر مسح کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے' اسے ان نمازوں کو دوہرانا ہو گا جو اس نے مسح سے پڑھی ہیں کیونکہ مسح کے درست ہونے کے لئے تمام اہل علم کے اجماع کے مطابق شرط یہ ہے کہ جرابوں کو بحالت وضوء پہنا ہو اور جس نے انہیں وضوء کے بغیر پہنا ہو اور ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لی ہو تو اس کا حکم اس انسان کی طرح ہے جو بغیر وضوء کے نماز پڑھ لے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلاَ صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤)

"وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت سے صدقہ قبول نہیں ہوتا"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور، ح:١٣٥، ٦٩٥٤، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٥)

"تم میں سے جب کوئی شخص بے وضوء ہو جائے تو اس کی اس وقت تک نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ وضوء نہ کرے"

اور اس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سفروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وضوء کے لئے پانی ڈال رہے تھے، وضوء کرتے ہوئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمبارک کا مسح فرمالیا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کے موزوں کو اتارنے کے لئے جھکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ادخل رجليه وهما طاهرتان، ح:٢٠٦)

"ان کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے انہیں بحالت وضوء پہنا ہے"

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔ اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چاروں نمازیں دوہرانا ہوں گی اور بھولنے کی وجہ سے اسے کوئی گناہ بھی نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعاء سکھائی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔"

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس . . .، ح:١٢٦)

"اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بندوں سے کوئی غلطی یا بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرماتا۔ ((فللہ الحمد والشکر علی ذلک))

——— شیخ ابن باز ———

بایاں پاؤں دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں جراب پہن لینا

سوال وضوء کرتے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تک آپ اپنے بائیں پاؤں کو نہ دھولیں، دائیں پاؤں میں جراب پہننا جائز نہیں ہے۔ میں نے عرصہ ہوا ایک کتاب میں جس کا اب نام یاد نہیں، یہ پڑھا تھا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور راجح قول یہی ہے کہ یہ جائز نہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب افضل اور احوط یہی ہے کہ بایاں پاؤں دھونے سے پہلے جرابیں نہ پہنی جائیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا، وَلاَ يَخْلَعْهُمَا إِنْ شَاءَ إِلاَّ مِنَ الْجَنَابَةِ»(رواه الحاكم، ١/ ١٨١، والدارقطني ١/ ٢٠٣، ٢٠٤ قال الحاكم اسناده صحيح على شرط مسلم)

"جب تم میں سے کوئی وضوء کر کے موزے پہن لے تو وہ ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لے اور اگر چاہے تو انہیں نہ اتارے ہاں البتہ غسل جنابت کے لئے انہیں اتارنا ہو گا۔"

اور اسی طرح حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا»(اخرجه الدارقطني، ١/ ١٩٤، وابن خزيمة، ١/ ١٩٢، وقال الترمذي في علله الكبير سألت محمدا يعني البخاري في هذا الحديث فقال حديث صفوان بن عسال، حديث حسن)

"نبی کریم ﷺ نے مسافر کو تین دن اور ان کی راتیں اور مقیم کو ایک دن رات کے لئے رخصت دی ہے کہ جب وہ بحالت وضوء موزے پہنے تو ان پر مسح کرے۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا تو ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کے موزے اتار دیں تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ادخل رجليه وهما طاهرتان، ح: ٢٠٦)

"انہیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے انہیں بحالت وضوء پہنا ہے۔"

ان تینوں اور ان کے ہم معنی احادیث کے بظاہر الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے موزوں پر مسح جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس نے انہیں کمال طہارت کے بعد پہنا ہو اور جو شخص بائیں پاؤں کے دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب پہن لیتا ہے تو اس نے اسے طہارت کی تکمیل سے پہلے پہن لیا ہے۔ بعض اہل علم اس صورت میں بھی مسح کے جواز کے قائل ہیں کہ یعنی خواہ بائیں پاؤں کو دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب کو پہن لیا تو مسح جائز ہے کیونکہ دونوں پاؤں میں سے ہر ایک میں طہارت کے بعد جراب کو پہنا گیا ہے' لیکن زیادہ احتیاط پہلے قول ہی میں ہے اور دلیل کے اعتبار سے بھی بظاہر یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے' تو جس شخص نے ایسا کر لیا اسے چاہئے کہ وہ مسح سے پہلے اپنے دائیں پاؤں سے موزے یا جراب کو اتار لے اور پھر بائیں پاؤں کو دھونے کے بعد اسے پاؤں میں پہنے تا کہ وہ اختلاف سے بچ سکے اور دین میں اس پہلو کو اختیار کر لے جس میں احتیاط ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

بہت باریک جراب پر مسح

سوال بہت باریک جراب پر مسح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جراب پر مسح کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ موٹی ہو اور پاؤں کو چھپائے ہوئے ہو اور اگر جراب باریک ہو تو مسح جائز نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں تو پاؤں گویا ننگا ہو گا۔

شیخ ابن باز

سوال روئی' اون یا نائیلون کی بنی ہوئی ان جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جو آج کل استعمال ہوتی ہیں؟ موزوں پر مسح کی کیا شرائط ہیں؟ کیا جوتے کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب ایسی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جو پاک ہوں اور قدم کو چھپائے ہوئے ہوں جس طرح موزوں پر مسح جائز ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے جرابوں پر مسح کیا۔ جرابوں اور موزوں میں فرق یہ ہے کہ موزے چمڑے کے بنائے جاتے ہیں جب کہ جراب روئی وغیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ موزوں اور جرابوں پر مسح کی شرطیں یہ ہیں کہ وہ پاؤں کو چھپائے ہوئے ہوں' انہیں بحالت طہارت پہنا گیا ہو۔ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات کے لئے مسح کر سکتا ہے' وقت کا آغاز بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے شمار ہو گا تا کہ اس مسئلہ میں وارد تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔

ایسے جوتوں میں نماز جائز ہے جو پاک ہوں اور ان کو کوئی نجس چیز نہ لگی ہوئی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«لأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، صَلَّى فِيْ نَعْلَيْهِ»

''آپ ﷺ نے نعلین شریفین میں نماز ادا فرمائی۔''

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيُقَلِّبْ نَعْلَيْهِ فَإِنْ رَأَى فِيْهِمَا أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ٦٥٠)

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ اپنے جوتوں کو الٹ کر دیکھ لے' اگر ان میں کوئی گندگی ہو تو اسے رگڑ کر صاف کر لے اور ان میں نماز پڑھ لے۔''

جب مسجد میں دریاں یا قالین وغیرہ بچھے ہوں تو پھر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ آدمی جوتے اتار کر کسی مناسب جگہ رکھ دے یا انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر اپنے پاؤں میں رکھ لے تا کہ نمازیوں کے لئے مسجد کا فرش خراب نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

کس قسم کے موزہ پر مسح جائز ہے؟

سوال کیا موزوں پر مسح کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مخصوص قسم کے ہوں یا ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب ایسے ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جو پاؤں اور ٹخنوں کو چھپائے ہوئے ہوں' پاک ہوں' پاک جانوروں مثلاً اونٹ' گائے اور بکری وغیرہ کی کھال سے بنے ہوں' انہیں بحالت وضوء پہنا ہو۔ اسی طرح جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جس طرح موزوں پر جائز ہے۔ اور علماء کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ یاد رہے جرابیں وہ ہیں جنہیں روئی یا

اون وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جرابوں اور نعلین پر مسح فرمایا' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہی ثابت ہے اور پھر حصول سہولت میں جرابیں موزوں ہی کی مانند ہیں۔ مدت مسح کے سلسلہ میں یاد رہے کہ یہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق مدت کا آغاز بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے ہو گا جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ مسح طہارت صغریٰ میں کیا جاتا ہے اور اگر طہارت کبریٰ درپیش ہو تو پھر مسح کی اجازت نہیں بلکہ موزوں کو اتار کر پاؤں کو دھونا فرض ہو گا کیونکہ صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَلاَّ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ، وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ»(سنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، ح:٩٦، ٣٥٣٥، ومسند احمد، ٤/ ٤٠ وابن خزيمة، ١/ ١٩٣)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جب مسافر ہوں تو تین دن اور رات موزے نہ اتاریں ہاں البتہ حالت جنابت میں انہیں اتارنا ہو گا' بول و براز اور نیند کی وجہ سے انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

طہارت کبریٰ سے مراد وہ طہارت ہے جو جنابت' حیض اور نفاس کے بعد حاصل کی جاتی ہے اور حدث اصغر یعنی بول و براز اور خروج ریح جیسے نواقض وضوء کی صورت میں جو طہارت حاصل کی جاتی ہے' اسے طہارت صغریٰ کہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

موسم گرما میں عذر کے بغیر جرابوں پر مسح کرنا

سوال میں بعض نمازیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ موسم گرما میں بھی وضوء کرتے ہوئے جرابوں پر مسح کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے کہ اس میں کہاں تک گنجائش ہے؟ نیز یہ کہ مقیم کے لئے افضل کیا ہے پاؤں کو دھونا یا مسح کرنا؟ یاد رہے مسح کرنے والوں کے پاس بجز اس کے کوئی عذر نہیں کہ اس کی رخصت ہے؟

جواب احادیث صحیحہ کے عموم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موزوں اور جرابوں پر موسم گرما ہو یا سرما مسح کرنا جائز ہے۔ مجھے کسی ایسی شرعی دلیل کا علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ مسح صرف موسم سرما میں جائز ہے ہاں البتہ ضروری ہے کہ جرابوں پر مسح کے سلسلہ میں شرعی طور پر معتبر شرطوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جراب نے اس مقام کو ڈھانپ رکھا ہو جسے دھونا فرض ہے' اسے بحالت طہارت پہنا گیا ہو' مدت مسح ملحوظ رکھی جائے جو مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے مدت کا آغاز ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مدت مسح

سوال کیا جرابوں کا پہننا انسان کے لئے ایک دن رات کے ساتھ مقید ہے یعنی صرف پانچ نمازیں ہی پڑھ سکتا ہے؟ اور اگر وہ بحالت طہارت پانچ سے زیادہ نمازیں پڑھ لے تو پھر کیا حکم ہے ؟ مثلاً اس نے عشاء کی نماز کے بعد مسح کا آغاز کیا اور فجر' ظہر' عصر اور مغرب کی نمازیں مسح کے ساتھ ادا کیں۔ مغرب کا وضوء برقرار تھا کہ عشاء کا وقت ہو گیا تو کیا وہ مغرب کے اس وضوء کے ساتھ نماز عشاء ادا کر سکتا ہے یا اسے جرابیں اتار کر وضوء کرنا پڑے گا؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ :

«وَقَّتَ لِلْمُسَافِرِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بِلَيَالِيْهَا وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً»(واصله في سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح، ح:١٥٧، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمقيم، ح:١٢٨، ١٢٩)

''نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کے لئے مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات کی مدت کا تعین فرمایا۔''

آپ ﷺ نے مسح کی رخصت کا تعین نمازوں کی تعداد کے حساب سے نہیں فرمایا' اس لئے مقیم مسح کے ساتھ پانچ سے زیادہ نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً حدث کے بعد نماز مغرب کے وضوء میں مسح کرے' پھر مغرب و عشاء جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرے پھر نماز فجر' ظہر اور عصر کے لئے وضوء اور مسح کر لے اور پھر مغرب و عشاء کی نمازیں بیماری وغیرہ کے کسی شرعی عذر کی بنا پر جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرے تو یہ جائز ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

موزوں پر مسح کے وقت کی ابتداء

سوال موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز کب سے شمار ہو گا؟ کیا حدث کے بعد یا وضوء کے بعد سے؟

جواب موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز اس وقت سے ہو گا جب وہ حدث کے بعد پہلا مسح کرے گا۔ یہی قول راجح ہے ''کیونکہ نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کے لئے جو وقت معین فرمایا ہے' وہ مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات ہے'' تو موزوں پر مسح جب فعلاً ہو گا تو اسی وقت سے اس کا شمار ہو گا اور سابقہ مدت اس میں شمار نہ ہو گی مثلاً اگر کسی نے نماز فجر کے وقت موزے پہنے' ضحیٰ کے وقت وہ بے وضوء ہو گیا اور زوال آفتاب کے وقت اس نے مسح کیا تو مسح کی مدت کا آغاز زوال آفتاب سے ہو گا اور جب دوسرے دن زوال آفتاب ہو گا تو مقیم کے لئے اور جب چوتھے دن زوال آفتاب ہو گا تو مسافر کے لئے مدت ختم ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جرابوں پر مسح کے بعض احکام

سوال مسافر کتنی مدت کے لئے جرابوں پر مسح کر سکتا ہے؟ اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو ایک بار مسح کر لے اور پھر پانچوں فرض نمازیں اس وضوء سے پڑھ لے' پھر جراب اتارے اور وضوء کرے؟ کیا اس جراب کے اتارنے سے جس پر مسح کیا ہو وضوء ٹوٹ جائے گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے!

جواب مسافر کے لئے مسح کرنے کی مدت تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اس مدت کا آغاز حدث کے بعد پہلے مسح سے ہو گا' مثلاً نماز فجر کا وضوء کر کے جرابیں پہنیں' ضحیٰ کے وقت آدمی بے وضوء ہو گیا اور اس نے زوال آفتاب کے وقت وضوء کرتے ہوئے مسح کیا تو مدت مسح کا آغاز زوال آفتاب کے وقت سے ہو گا اور مقیم ہونے کی صورت میں اگلے ایک دن رات تک اور مسافر ہونے کی صورت میں آئندہ تین دن اور راتوں تک اسے مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر مسح کی مدت ختم ہو جائے اور آدمی کی حالت طہارت برقرار ہو تو اس سے اس کی طہارت ختم نہ ہو گی بلکہ جب تک طہارت ختم نہ ہو اس کی حالت طاہر شمار ہو گی۔

اگر آدمی نے وضوء کر کے جرابیں پہنیں اور ابھی تک ایک دفعہ بھی مسح نہیں کیا یعنی ابھی تک وضوء برقرار ہی تھا کہ اس نے جرابوں کو اتار دیا تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا اور اگر مسح کرنے کے بعد جرابوں کو اتارا تو پھر بھی صحیح بات یہی ہے کہ اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس صورت میں وضوء کے ٹوٹنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن دوبارہ جرابیں پہننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وضوء کر کے پاؤں دھوئے!

——— شیخ ابن عثیمین ———

حیض اور نفاس

حج میں حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف وداع

سوال حیض اور نفاس والی عورت طواف وداع کس طرح کرے گی؟

جواب حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف وداع کا حکم نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ»(صحيح بخاري، كتاب الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع عن الحائض، ح:١٣٢٨)

"رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے لیکن حائضہ عورت کو آپ نے اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔"

اہل علم کے ہاں اس سلسلہ میں نفاس والی عورت کا حکم بھی یہی ہے۔

شیخ ابن باز

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے

سوال امید ہے آپ اس مسئلہ میں فتویٰ سے نوازیں گے کہ نفاس والی عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ چالیس دنوں کے بعد ہی نمازیں پڑھے یا پاک ہونے کی صورت میں وہ چالیس دنوں سے پہلے بھی نماز پڑھ سکتی ہے؟

جواب نفاس والی عورت جب پاک ہو جائے تو وہ غسل کر کے روزہ رکھ سکتی اور نماز پڑھ سکتی ہے خواہ اس نے چالیس دن پورے کئے ہوں یا ابھی نہ کئے ہوں۔ اور جب وہ چالیس دن پورے کر لے اور پھر بھی خون جاری ہو تو وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے خواہ خون جاری ہو کیونکہ چالیس دنوں کے بعد جاری رہنے والا خون' خون استحاضہ کے مانند فاسد خون ہے الا یہ کہ انہی ایام میں خون حیض جاری ہو جائے تو پھر اسے اپنے معمول کے ایام کے مطابق صوم و صلوٰۃ کو چھوڑ دینا ہو گا اور ایام ختم ہونے کی بعد غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کرنا ہو گی۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

حائضہ عورت سے مباشرت کا کفارہ

سوال عورت حیض و نفاس سے فارغ تو ہو گئی لیکن ابھی تک اس نے غسل نہیں کیا تھا کہ اس کے شوہر نے ازراہ جہالت اس سے مباشرت کر لی تو کیا اس صورت میں کوئی کفارہ ہے اور وہ کیا ہے؟ اس مباشرت کے نتیجہ میں اگر عورت حاملہ ہو جائے تو کیا پیدا ہونے والے بچے کو ولد حرام (حرام زادہ) کہا جائے گا؟

جواب حائضہ عورت سے مباشرت کرنا حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢)

"اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے وہ تو نجاست ہے سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔"

جو شخص حالت حیض میں مقاربت کر بیٹھے' اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنی چاہئے نیز اس فعل کے کفارہ کے طور پر اسے ایک یا نصف دینار صدقہ بھی کرنا چاہئے جیسا کہ امام احمد اور اصحاب سنن نے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ فِي الَّذِيْ يَأْتِيْ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ أَوْ نِصْفِ دِيْنَارٍ» فَأَيُّهُمَا أَخْرَجْتَ أَجْزَاكَ (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في اتيان الحائض، ح:٢٦٤، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الكفارة في ذلك، ح:١٣٦، ١٣٧، ومسند احمد، ١/ ٣٦٧)

"جو شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے مقاربت کرے تو اسے ایک یا نصف دینار صدقہ کرنا چاہئے۔"
ان میں سے جو بھی صدقہ کر لے وہ کافی ہو گا اور ایک دینار کی مقدار ۴/۷ سعودی پاؤنڈ کے برابر ہے اگر سعودی پاؤنڈ بطور مثال ستر ریال کے برابر ہو تو آپ کو بیس یا چالیس ریال فقراء میں تقسیم کرنے چاہئیں۔
یہ بھی جائز نہیں کہ مرد اپنی بیوی سے انقطاع خون کے بعد مگر اس کے غسل کرنے سے پہلے مقاربت کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۲)
"اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے' ان کے پاس جاؤ۔"
اللہ تعالیٰ نے حائضہ عورت سے مقاربت کی اجازت نہیں دی تاوقتیکہ اس کا خون ختم ہو جائے اور وہ غسل کر کے پاک ہو جائے۔ جو شخص اس کے غسل کرنے سے پہلے مقاربت کرے وہ گناہ گار ہو گا اور اس پر کفارہ ہو گا۔ حالت حیض میں یا انقطاع خون کے بعد اور غسل سے پہلے مباشرت کے نتیجے میں اگر حمل قرار پا جائے تو اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو حرامی نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اس کا شرعی بچہ ہو گا۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

حائضہ کے لئے دعائیں پڑھنا

سوال کیا حائضہ کے لئے عرفہ کے دن دعاؤں کی کتابوں کا پڑھنا جائز ہے جب کہ ان کتابوں میں قرآنی آیات پر مشتمل دعائیں بھی ہوتی ہیں؟

جواب حیض و نفاس والی عورتوں کے لئے مناسک حج کے سلسلہ میں لکھی ہوئی دعاؤں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ صحیح قول کے مطابق قرآن مجید پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ کوئی ایسی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے' جس سے معلوم ہو کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت صرف جنبی مرد اور عورت کے لئے ہے کہ وہ قرآن نہ پڑھے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ حیض اور نفاس والی کے بارے میں یہ جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ:

«لاَ تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(سنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الجنب والحائض ...، ح:۱۳۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، ح:۵۹۵، ۵۹۶، هذا حديث ضعيف لان اسماعيل بن عياش قد وثقه أئمة الحديث في اهل الشام، وضعفوه في الحجازيين وهو روى هذا الحديث عن موسى بن عقبة وهو من اهل الحجاز، قال البيهقي هذا حديث ضعيف لا يحتج بها انظر ارواء الغليل، ۱۹۲)

"حائض اور جنبی قطعاً قرآن مجید نہ پڑھیں۔"
تو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اسے اسماعیل بن عیاش نے حجازی راویوں سے روایت کیا ہے اور وہ ان سے روایت

کرنے میں ضعیف ہے' ہاں البتہ حیض یا نفاس والی کو زبانی' قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر' پڑھنے کی اجازت ہے جب کہ جنبی غسل کے بغیر زبانی پڑھ سکتا ہے اور نہ دیکھ کر۔ اور فرق کا سبب یہ ہے کہ جنبی کے لئے وقفہ جنابت بہت کم ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ مقاربت کے فوراً بعد جب چاہے غسل کر لے' معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے' اگر وہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو تو تیمم کر کے نماز اور قرآن مجید پڑھ سکتا ہے لیکن حیض و نفاس والی عورت کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور پھر حیض و نفاس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہتا ہے لہٰذا ان کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ یہ قرآن مجید کو بھول نہ جائیں اور تلاوت اور کتاب اللہ کے شرعی احکام حاصل کرنے کی فضیلت سے محروم نہ رہیں لہٰذا ایسی کتابوں کے پڑھنے کی تو انہیں بالاولیٰ اجازت ہے جو آیات و احادیث کی ملی جلی دعاؤں پر مشتمل ہوں۔ علماء کے قول میں سے یہی درست اور زیادہ صحیح قول ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

حائضہ کے لئے کتب تفسیر کا مطالعہ

سوال میں غیر طاہر حالت مثلاً معمول کے ایام میں بھی بعض کتب تفسیر کا مطالعہ کر لیتی ہوں تو کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ کیا اس میں گناہ تو نہیں ہے؟ فتویٰ سے سرفراز فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب علماء کرام کے صحیح قول کے مطابق حیض اور نفاس والی کے لئے کتب تفسیر کے پڑھنے بلکہ ہاتھ لگائے بغیر قرآن مجید کے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جنبی کے لئے مطلقاً ممنوع ہے کہ جب تک وہ غسل نہ کرے قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا لیکن وہ کتب تفسیر و حدیث کا اس طرح مطالعہ کر سکتا ہے کہ درمیان میں آنے والی آیات کو نہ پڑھے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ لاَ يَحْجُزُهُ شَيْءٌ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ إِلاَّ الْجَنَابَةُ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يقرأ القرآن، ح:٢٢٩، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب قراءة القرآن على غير طهارة، ح:٥٩٤، ومسند احمد، ١/ ٨٤، ١٢٤)

"رسول اللہ ﷺ جنابت کے سوا اور کسی وجہ سے قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں رکتے تھے۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«فَأَمَّا الْجُنُبُ فَلاَ وَلاَ آيَةً»(مسند احمد، ١/ ١١٠)

"جنبی کو ایک آیت پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

ماہانہ معمول میں اضطراب

سوال میں بیالیس برس کی ایک خاتون ہوں' میرا ماہانہ معمول چار دن کے لئے ہوتا ہے اور پھر تین دن تک خون بند

رہتا ہے لیکن ساتویں دن پھر خون جاری ہو جاتا ہے لیکن خفیف مقدار میں اور پھر خون مٹیالے رنگ میں تبدیل ہو کر بارہویں دن تک جاری رہتا ہے۔ میں خون کی کمی کے مرض میں مبتلا تھی لیکن علاج کے بعد بحمد اللہ یہ مرض ختم ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی مذکورہ حالت کے بارے میں ایک متقی پرہیز گار طبیب سے مشورہ بھی کیا تو اس نے کہا کہ میں چوتھے دن کے بعد غسل کر کے نماز' روزہ اور دیگر عبادات کو شروع کر دوں اور عملاً گزشتہ دو سال سے طبیب کے اسی مشورہ پر عمل کر رہی ہوں لیکن بعض خواتین نے مجھ سے کہا ہے کہ آٹھ دن تک انتظار کروں۔ امید ہے کہ آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ میرے لئے صحیح طریق کار کیا ہے؟

جواب مذکورہ چار اور سات' سارے ایام' ایام حیض ہیں۔ ان دنوں میں نماز' روزے کو چھوڑ دو اور تمہارے شوہر کے لئے ان دنوں میں مقاربت بھی حلال نہیں۔ چار دنوں کے بعد غسل کر کے نماز پڑھو اور چار اور سات ایام کی اس درمیانی مدت تین دن میں تمہارے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے ان دنوں میں روزہ رکھنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں' اگر رمضان ہو تو پھر ان دنوں کا روزہ بھی واجب ہو گا اور جب بعد کے سات دنوں سے فارغ ہو جاؤ تو غسل کر کے تمام پاک عورتوں کی طرح نماز اور روزہ بجا لاؤ کیونکہ ماہانہ معمول یعنی حیض میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کے ایام کبھی اکٹھے ہوتے ہیں اور کبھی الگ الگ بھی!

——— شیخ ابن باز ———

غسل کے بعد خون

سوال میں معمول کے پانچ ایام گزارنے کے بعد جب غسل کرتی ہوں تو کبھی کبھی غسل کے فوراً بعد تھوڑا سا خون آ جاتا ہے اور پھر اس کے بعد نہیں آتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں صرف پانچ دن شمار کروں اور اس سے زیادہ کو شمار نہ کروں اور نماز' روزہ شروع کر دوں یا اس دن کو بھی معمول کے ایام میں شمار کروں اور نماز روزہ چھوڑ دوں۔ یاد رہے یہ صورت حال ہمیشہ نہیں ہوتی بلکہ دو یا تین حیض کے بعد ہوتی ہے۔ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔

جواب طہارت کے بعد خارج ہونے والا مادہ اگر پیلے یا مٹیالے رنگ کا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں' اس کا حکم پیشاب کے حکم کی مانند ہے اور اگر یہ مادہ صریحاً خون ہے تو پھر اسے حیض شمار کیا جائے گا اور آپ کو خون ختم ہونے کے بعد دوبارہ غسل کرنا ہو گا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا --جو صحابیات میں سے ہیں-- بیان کرتی ہیں کہ :

«كُنَّا لاَ نَعُدُّ الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا»(صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب الصفرة والكدرة في غير ايام الحيض، ح:٣٢٦، وأبوداود، كتاب الطهارة، باب في المرأة ترى الصفرة والكدرة بعد الطهر، ح:٣٠٧)

"طہارت کے بعد آنے والے پیلے یا مٹیالے رنگ کے مادہ کو ہم کچھ شمار نہیں کرتی تھیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

مانع حیض گولیوں کا استعمال

سوال کچھ ایسی گولیاں ہیں جن کے استعمال سے عورتوں کا معمول رک جاتا یا وقت سے مؤخر ہو جاتا ہے۔ کیا ان کا استعمال بوقت حج جائز ہے تاکہ معمول کی وجہ سے حج میں خلل نہ پڑے؟

جواب عورت کے لئے موسم حج میں مانع حیض گولیوں کا استعمال جائز ہے لیکن یہ استعمال ماہر طبیب کے مشورہ سے ہونا چاہئے کہ اس سے عورت کی سلامتی کو توکوئی خطرہ نہ ہو گا۔ اسی طرح عورت کے لئے رمضان میں بھی ان گولیوں کا استعمال جائز ہے جب وہ سب لوگوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے کو پسند کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حائضہ کے لئے مسجد سے ملحقہ حصوں میں داخلہ

سوال امریکہ میں ایک مسجد کی تین منزلیں ہیں۔ اوپر کی منزل عورتوں کی نماز کے لئے ہے اور اس کے نیچے کی منزل اصلی مسجد ہے اور اس کے نیچے کی جو منزل ہے اس میں وضوء اور غسل کی جگہ' مجلّات اور اسلامی جرائد و اخبارات کے لئے جگہ اور عورتوں کی تعلیم اور نماز کے لئے جگہ بنائی گئی ہے۔ کیا اس سب سے نچلی منزل میں حائضہ عورتوں کے لئے داخلہ جائز ہے نیز اس مسجد میں ایسے ستون بنائے گئے ہیں جو نمازیوں کی صفوں کے درمیان میں آ جانے سے صف کے دو حصے ہو جاتے ہیں' کیا اس سے صف ٹوٹتی تو نہیں ہے؟

جواب جب مذکورہ بالا عمارت کو مسجد کے لئے بنایا گیا ہے اور اوپر اور نیچے کی دونوں منزلوں والے امام کی آواز کو سنتے ہیں تو سب کی نماز صحیح ہے اور حائضہ خواتین کے لئے اس جگہ بیٹھنا جائز نہیں' جسے نچلی منزل میں خواتین کی نماز کے لئے مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہ جگہ مسجد کے تابع ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنِّيْ لاَ أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلاَ جُنُبٍ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، ح: ٢٣٢)

"میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال قرار نہیں دیتا۔"

ہاں البتہ بعض ضرورتوں کے پیش نظر حائضہ کے لئے مسجد سے گزرنا جائز ہے اس احتیاط کے ساتھ کہ خون نہ گرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اور جنابت کی حالت میں بھی قریب نہ جاؤ الا یہ کہ راستے چلے جا رہے ہو۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کو مسجد سے مصلیٰ لا دیں تو انہوں نے عرض کیا کہ وہ حائضہ ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ... ح:٢٩٨، ومسند احمد ٢/ ٨٦، ٦/ ٤٥)

"بلاشبہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھوں میں تو نہیں ہے۔"

نچلی منزل وقف کرنے والے نے اگر مسجد کی نیت نہ کی ہو بلکہ اس کے سٹور بنانے یا دیگر ضروریات کے استعمال کے لئے جیسا کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے' نیت کی ہو تو یہ جگہ مسجد کے حکم میں نہ ہو گی' اس جگہ حائض و جنبی کے لئے بیٹھنا جائز ہو گا اور اس حصہ میں نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ جگہ طہارت خانوں کے تابع نہ ہو' جس طرح باقی پاک مقامات پر نماز پڑھی جا سکتی ہے' یہاں بھی پڑھی جا سکتی ہے لیکن یہاں نماز پڑھنے والا اوپر کی منزل میں نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء نہیں کرے گا جب کہ وہ اسے یا بعض نمازیوں کو نہ دیکھ سکتا ہو کیونکہ علماء کے راجح قول کے مطابق اس صورت میں یہ جگہ مسجد کے تابع نہ ہو گی۔ صفوں کے درمیان میں واقع ستونوں سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہاں اگر یہ ممکن ہو کہ صف کو ستونوں سے آگے یا پیچھے بنالیا جائے اور وہ درمیان میں حائل نہ ہوں تو یہ افضل اور اکمل ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

نفاس والی عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا

سوال کیا نفاس والی عورتوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مدت نفاس کے اختتام سے قبل گھروں سے باہر نہ نکلیں؟

جواب نفاس والی عورتیں بھی دوسری عورتوں ہی کی طرح ہیں۔ بوقت ضرورت ان کے لئے بھی گھروں سے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ضرورت نہ ہو تو پھر تمام عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں ہی میں رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِى بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٣)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت کے دنوں میں اظہار زینت کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔"

شیخ ابن باز

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے

سوال اگر نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو کیا اس کے لئے نماز' روزہ اور حج جائز ہے؟

جواب ہاں! اس کے لئے نماز' روزہ' حج اور عمرہ جائز اور اس کے شوہر کے لئے مقاربت حلال ہے خواہ وہ بیس دنوں بعد پاک ہو جائے تو پھر بھی اسے غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دینا ہو گا۔ اس کے شوہر کے لئے وظیفہ زوجیت بھی حلال ہو گا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ انہوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے تو یہ مکروہ تنزیہ یا احتیاط پر محمول ہو گا اور یہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ درست بات یہی ہے کہ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' اس کی طہارت صحیح ہو گی اور اگر اس کے بعد دوبارہ خون آ جائے تو پھر صحیح بات یہ ہے کہ وہ نفاس کی مدت چالیس دن شمار کرے لیکن بحالت طہارت اس کی نماز' روزہ اور حج صحیح ہو گا' حالت طہارت میں ادا کئے ہوئے ان میں سے کسی عمل کو دوہرانے کی ضرورت نہ ہو گی۔

شیخ ابن باز

جنین ساقط ہونے کی صورت میں عورت کے لئے احکام

سوال بعض حاملہ عورتوں کا جنین ساقط ہو جاتا ہے' کئی جنین ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیق مکمل ہو چکی ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیق ابھی مکمل نہیں ہوئی ہوتی' امید ہے کہ آپ یہ وضاحت فرمائیں گے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز کا کیا حکم ہو گا؟

جواب جب عورت ایسے جنین کو ساقط کرے جس کا سر' ہاتھ' پاؤں اور دیگر اعضاء بن چکے ہوں تو وہ نفساء (نفاس والی) ہے' اس کے لئے وہی احکام ہوں گے جو نفاس کے ہیں' وہ طہارت یا چالیس دن سے پہلے نماز پڑھے گی نہ روزہ رکھے گی اور نہ اس کے شوہر کے لئے اس سے مقاربت حلال ہو گی۔ اگر وہ چالیس دنوں سے کم میں طاہر ہو جائے تو اس کے لئے غسل' نماز اور رمضان کے روزے واجب ہوں گے اور اس کے شوہر کے لئے اس سے مقاربت حلال ہو گی۔

نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں' اگر وہ ولادت کے دس دن بعد یا اس سے کم یا زیادہ دنوں میں پاک ہو جائے تو اس کے لئے غسل کرنا واجب ہو گا اور اس کے لئے طاہر عورتوں کے احکام ہوں گے اور وہ خون جو وہ چالیس دنوں کے بعد دیکھے' وہ فاسد خون ہو گا اس کی موجودگی میں وہ نماز' روزہ کر سکتی ہے اور اس کے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے۔ مستحاضہ کی طرح اسے ہر نماز کے وقت میں وضوء کرنا ہو گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش ---جب وہ مستحاضہ تھیں--- سے فرمایا کہ:

«وَتَوَضَّئِيْ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ»

"ہر نماز کے وقت میں وضوء کرو"①

اور چالیس دنوں کے بعد اگر ماہانہ معمول یعنی حیض شروع ہو جائے تو اس کے لئے حیض کا حکم ہو گا یعنی اس کے لئے طہارت سے پہلے نماز' روزہ اور جنسی عمل حرام ہو گا۔

اگر ساقط ہونے والے جنین میں عمل تخلیق ابھی تک واضح نہ ہوا ہو' یعنی ابھی تک وہ گوشت کا لوتھڑا سا ہو' اس میں ہاتھ پاؤں نمایاں نہ ہوئے ہوں یا ابھی تک صرف خون ہی ہو تو اس کے لئے حیض و نفاس کا نہیں بلکہ مستحاضہ کا حکم ہو گا' یہ نماز پڑھے گی' رمضان کے روزے بھی رکھے گی' اس کے شوہر کے لئے وظیفۂ زوجیت بھی حلال ہو گا' اسے ہر نماز کے وقت میں وضوء کرنا ہو گا' مستحاضہ کی طرح روئی وغیرہ کے ساتھ خون کو گرنے سے روکنا ہو گا حتی کہ وہ پاک ہو جائے' اسے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے' اس کے لئے ظہر و عصر' مغرب و عشاء اور صبح کی نماز کے لئے غسل کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث حمنہ بنت جحش سے ثابت ہے کیونکہ اس صورت میں اہل علم کے نزدیک یہ عورت مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

---

① امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ " ان الروایۃ لکل صلاۃ لا لوقت کل صلاۃ " روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضو کرو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو۔ نیل الاوطار' جلد:1' ص:275- امام شوکانی رحمہ اللہ کی یہ بات درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: سنن ابی داود' کتاب الطھارۃ' باب من قال تغتسل من طھر الی طھر ح : 298-

——— شیخ ابن باز ———

نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں

سوال کیا نفاس والی عورت جب چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کر سکتی ہے؟

جواب جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کے لئے غسل' نماز اور رمضان کے روزے رکھنا واجب ہے اور اہل علم کا اجماع ہے کہ اس کے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے۔ یاد رہے نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

جب حیض معمول سے زیادہ دنوں تک جاری رہے

سوال جب عورت کا ماہانہ معمول آٹھ یا سات دنوں کا ہو لیکن کبھی ایک یا دو مرتبہ یہ معمول اس سے زیادہ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب عورت کا معمول چھ یا سات دنوں کا ہو لیکن اس مدت میں اضافہ ہو جائے اور یہ سلسلہ آٹھ یا نو یا دس یا گیارہ دنوں تک طول پکڑ جائے تو ان دنوں میں بھی اسے نماز نہیں پڑھنی ہو گی حتی کہ پاک ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حیض کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۲)

"اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' کہہ دیجئے وہ تو نجاست ہے۔"

تو جب تک یہ خون باقی ہو گا عورت اپنے حال ہی پر ہو گی حتی کہ خون بند ہو جائے' غسل کر لے اور نماز پڑھنی شروع کر دے۔ اگر دوسرے مہینے اس سے کم دنوں کے لئے حیض آئے تو جب پاک ہو جائے غسل کر لے خواہ سابقہ مدت کے مطابق نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک حیض موجود ہو گا عورت نماز نہیں پڑھے گی خواہ حیض معمول کے ایام کے مطابق ہو یا ان سے زیادہ ہو یا کم ہو اور جب پاک ہو جائے گی تو پھر اسے نماز پڑھنی ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طہارت کے بعد مٹیالا یا پیلا پانی کچھ نہیں

سوال میرا معمول چھ دن کا ہوتا ہے اور کبھی یہ معمول سات دن کا بھی ہو جاتا ہے۔ میں طہارت کے مشاہدہ کے بعد غسل کر لیتی ہوں لیکن ایک مکمل دن کی طہارت کے بعد میں مٹیالے سے رنگ کا پانی دیکھتی ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ لہٰذا میں حیران ہو جاتی ہوں کہ نماز' روزہ اور اپنے خالق کی عبادت سے متعلق دیگر امور ادا کروں یا نہ کروں؟ براہ کرم راہنمائی فرمایئے کہ میں اس حالت میں کیا کروں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے گا؟

جواب اگر تمہیں اپنے معمول کے ایام کا علم ہے تو اتنے دن شمار کرو اور ان کے بعد نماز اور روزہ شروع کرو اور

طہارت کے بعد نظر آنے والے مٹیالے یا پیلے رنگ کے مادہ کے اخراج کی وجہ سے نماز اور عبادت کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ طہارت کی ایک نمایاں علامت ہے جسے عورتیں خوب پہچانتی ہیں اور اسے خالص سفیدی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' جب عورت اسے دیکھ لے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مدت حیض ختم اور مدت طہارت شروع ہو گئی ہے لہٰذا اس وقت غسل کر کے نماز' روزہ اور تلاوت قرآن جیسی عبادات کو بجا لانا فرض ہو جاتا ہے۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

جب حیض نماز کے وقت شروع ہو

سوال میرا ماہانہ معمول نماز کے دوران شروع ہو گیا تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ کیا مدت حیض کی نمازوں کی مجھے قضا دینا ہو گی؟

جواب جب حیض کا آغاز نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ہو مثلاً زوال کے نصف گھنٹہ بعد آغاز ہوا تو حیض سے طہارت کے بعد اسے اس نماز کی قضاء دینا ہو گی جس کا وقت اس کی طہارت کی حالت میں شروع ہو گیا تھا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

لیکن دوران حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں ہے' چنانچہ ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟»(صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، ح:٣٠٤، ٩٥٦، ١٤٦٢، ١٩٥١، ٢٦٥٨)

"کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟"

اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عورت کے لئے مدت حیض کی نمازوں کی قضا نہیں ہے ہاں البتہ عورت جب پاک ہو اور اس قدر وقت ہو کہ وہ اس وقت کی نماز کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعتیں پڑھ سکتی ہو تو اس کے لئے اس وقت کی نماز کو پڑھنا فرض ہو گا جس میں وہ پاک ہو گئی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، ح:٦٠٨، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب وقت العصر، ح:٤١٢، ومسند احمد، ٢/ ٢٥٤، ٢٨٢)

"جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالی تو اس نے عصر کو پا لیا۔"

تو جب عورت عصر کے وقت یا طلوع آفتاب سے پہلے پاک ہو اور طلوع و غروب آفتاب میں ایک رکعت کی مقدار کے برابر وقت باقی ہو تو اسے عصر اور فجر کی نماز پڑھنا ہو گی۔

―――― شیخ ابن عثیمین ――――

جب جنین تیسرے مہینے ساقط ہو جائے

سوال میں ایک عورت ہوں' تیسرے مہینے میرا جنین ساقط ہو گیا تھا لیکن میں نے پاک ہونے تک نمازیں نہیں پڑھیں۔ اب مجھ سے کہا گیا ہے کہ مجھے نمازیں پڑھنی چاہئے تھیں۔ میں کیا کروں جب کہ متعین طور پر مجھے یہ معلوم بھی نہیں کہ میں نے کتنے دن نمازیں نہیں پڑھیں؟

جواب اہل علم کے ہاں معروف بات یہ ہے کہ جب تیسرے ماہ عورت کا جنین ساقط ہو جائے تو اسے طاہر ہونے تک نماز نہیں پڑھنی ہو گی کیونکہ جب اس حالت میں اسقاط ہو کہ جنین کے اعضاء بننا شروع ہو گئے ہوں تو اسقاط کے بعد خارج ہونے والا خون نفاس کا ہو گا اور جب تک یہ باقی رہے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب جنین اکیاسی (۸۱) ایام کا ہو جائے تو اس میں اعضاء کا پیدا ہونا ممکن ہے اور اکیاسی (۸۱) دن کی یہ مدت تین ماہ سے کم ہے لہٰذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ اسقاط تیسرے ماہ کے بعد ہوا ہے تو یہ نفاس کا خون ہو گا اور اگر اسقاط اسی (۸۰) دنوں سے پہلے ہو گیا ہو تو پھر یہ خون فاسد ہو گا اس کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس سوال کرنے والی خاتون کو چاہئے کہ وہ اچھی طرح یاد کرے' اگر جنین کا اسقاط اسی (۸۰) دنوں سے پہلے ہوا ہے تو اسے نمازوں کی قضاء دینا ہو گی اور اگر اسے متعین طور پر یاد نہیں تو یاد کرنے کی کوشش کرے اور جس مدت کے بارے میں یہ ظن غالب ہو کہ اس میں اس نے نمازیں نہیں پڑھیں تو اس ظن غالب کے مطابق نمازوں کی قضا دے لے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

باب چہارم

کتابُ الصّلاۃ

اذان اور تکبیر

کیا تکبیر کے بعد دعاء ثابت ہے

سوال نماز جمعہ کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ جب مؤذن اقامت کو مکمل پڑھ لے تو تم کوئی ایسی دعاء نہ پڑھو جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو' کتاب و سنت میں وارد نہ ہو اور جب مؤذن اقامت میں اللہ کا ذکر کرے تو تم بھی اللہ کا ذکر کرو اور پھر امام کے تکبیر کہنے تک خاموش رہو۔ آج ہم امام صاحب کی ان باتوں کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے ہیں اور امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں جلد راہنمائی فرمائیں گے تاکہ ہمیں اطمینان نصیب ہو؟

جواب سنت یہ ہے کہ اقامت سننے والا بھی وہی کلمات کہے' جو اقامت کہنے والا کہتا ہے کیونکہ یہ ایک طرح سے دوسری اذان ہے' اس کا بھی اذان کی طرح جواب دیا جانا چاہئے اور تکبیر کہنے والا جب ((حی علی الصلاۃ)) اور ((حی علی الفلاح)) کہے تو سننے والے کو اس کے جواب میں کہنا چاہئے ((لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ)) تکبیر کہنے والا جب ((قد قامت الصلٰوۃ)) کہے تو اس کے جواب میں ((قد قامت الصلٰوۃ)) ہی کہنا چاہئے اور ((اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا)) نہیں کہنا چاہئے کیونکہ جس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ»(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ح:٦١١، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه . . .، ح:٣٨٣)

''جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔''

یہ ارشاد اذان و اقامت دونوں کے لئے ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اذان کہا جاتا ہے۔ تکبیر کہنے والا جب ((لا الہ الا اللّٰہ)) کہے تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنا چاہئے اور پھر یہ دعا:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ح:٦١٤، ٤٧١٩)

پڑھے جس طرح اذان کے بعد درود شریف اور یہ دعاء پڑھی جاتی ہے' اس کے علاوہ اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی ذکر یا دعاء نہیں' جس کا پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کام کی جگہ پر نماز کے لئے اذان

سوال ہمارے کام کی جگہ مسجد سے زیادہ دور نہیں ہے تو کیا ہم کام کی جگہ پر اذان کہہ سکتے ہیں؟

جواب تم لوگوں پر واجب یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣ واخرجه الدارقطني، ١/ ٤٢٠ والحاكم، ١/ ٢٤٥، والبيهقي، ٣/ ٧٥، من هذا الطريق وسنده صحيح)

"جو شخص اذان سنے اور پھر نماز کے لئے نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔"

ہاں البتہ اگر تمہارے لئے کوئی جبری ممانعت ہو تو پھر ادلہ شرعیہ کے عموم کے مطابق تمہارے لئے اپنے کام کی جگہ پر اذان و اقامت جائز ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا عورت اذان کہہ سکتی ہے؟ کیا اس کی آواز بھی پردہ ہے؟

سوال کیا عورت کے لئے اذان کہنا جائز ہے؟ کیا اس کی آواز کو پردہ شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب اولاً: علماء کے صحیح قول کے مطابق عورت کے لئے اذان نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں کبھی کسی عورت نے اذان نہیں کہی تھی۔

ثانیاً: عورت کی آواز علی الاطلاق پردہ نہیں ہے کیونکہ عورتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنی شکایت پیش کرتیں، اسلامی احکام دریافت کرتیں، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حکمرانوں سے بھی احکام و مسائل کے بارے میں گفتگو کرتیں، اجنبی مردوں کو سلام کرتیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتی تھیں اور ائمہ اسلام میں سے کسی نے کبھی بھی اس سے منع نہیں کیا، ہاں البتہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مردوں سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجہ میں شیرینی اور حلاوت (مٹھاس) پیدا کرے کیونکہ اس سے مرد فریفتہ ہوں گے اور یہ امران کے لئے باعث فتنہ ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَأَحَدٖ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِنِ ٱتَّقَيۡتُنَّۚ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِٱلۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ ٱلَّذِي فِي قَلۡبِهِۦ مَرَضٞ وَقُلۡنَ قَوۡلٗا مَّعۡرُوفٗا ٣٢ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٢)

"اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم (لہجے میں) باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی (غلط) امید (نہ) پیدا کرلے اور (ان سے) دستور کے مطابق بات کیا کرو۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

اذان کے بعد بلند آواز سے ذکر

سوال کچھ اسلامی ملکوں میں بعض مؤذن اذان کے بعد بلند آواز سے کہتے ہیں: «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ» کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد ہے؟

جواب اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر اسے مؤذن آہستہ آواز میں کہتا ہے تو یہ اذان دینے والے اور سننے والے دونوں کے لئے شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوْا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لاَ تَنْبَغِيْ إِلاَّ لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه . ، ح: ٣٨٤)

"جب تم موذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے' پھر مجھ پر درود بھیجو' جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا' پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک (ایسا بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ) مقام ہے جس پر بندگان الٰہی میں سے صرف ایک انسان ہی فائز ہو گا اور امید ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو گا۔ جس شخص نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعاء کی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔"

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ٦١٤، ٤٧١٩)

"جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے تو اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی: "اے اللہ! اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک تو محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما دے اور ان کو اس مقام محمود تک پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔"

اور اگر مؤذن ان الفاظ کو اذان ہی کی طرح بلند آواز سے کہتا ہے تو یہ بدعت ہے کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی اذان کا حصہ ہے اور اذان میں اپنی طرف سے اضافہ جائز نہیں۔ اذان کا آخری کلمہ "لاالہ الااللہ" ہے' اس میں اضافہ جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو سلف صالح سبقت کا مظاہرہ کرتے بلکہ نبی کریم ﷺ خود امت کو یہ سکھاتے اور اس کا حکم فرماتے اور یاد رہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب رقم: ٢٠، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

اللہ سبحانہ سے دعاء ہے کہ وہ ہماری' آپ کی اور سب بھائیوں کی دینی سمجھ بوجھ میں اضافہ فرمائے اور ہم سب کو محض اپنے فضل و کرم سے دین میں ثابت قدمی سے نوازے۔ انہ سمیع قریب۔

شیخ ابن باز

عورت بلا اقامت نماز پڑھے

سوال کیا عورت کے لئے نماز کی اقامت کہنا جائز ہے یا وہ بغیر اقامت ہی کے نماز پڑھ لے؟

جواب اذان اور اقامت کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے' عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ:

«لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلاَ إِقَامَةٌ»(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ليس على النساء أذان ولا اقامة، ح:١٩٥٩)

"عورتوں کے لئے اذان و اقامت نہیں ہے۔"

لہٰذا عورت کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اذان و اقامت نہ کہے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز کی اقامت کے بعد کلام

سوال نماز کے لئے اقامت کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے ایسے امور کے بارے میں کلام کے لئے کیا حکم ہے جو نماز سے خارج ہوں مثلاً صفوں کی درستی وغیرہ یا مثلاً گفتگو جو دنیا کی زندگی سے متعلق ہو؟

جواب نماز کھڑی ہونے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے گفتگو اگر نماز سے متعلق ہو جیسے صفوں کی درستی وغیرہ تو اس کا شرعاً جواز ہے اور اگر اس گفتگو کا تعلق نماز سے نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے تاکہ نماز میں داخل ہونے کی تیاری کی جائے اور اس کی تعظیم بجالائی جائے!

شیخ ابن باز

جب منفرد اقامت کہنا بھول جائے

سوال جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو' وہ تکبیر کہنا بھول جائے اور نماز شروع کر لے تو کیا اس کی یہ نماز مکمل ہو گی یا وہ اسے دوبارہ از سر نو پڑھے؟

جواب جب کوئی شخص منفرد یعنی مرد یا عورت انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ اقامت بھی کہے کیونکہ اقامت تو نماز باجماعت کے لئے ہوتی ہے اور اس سے مقصود نمازیوں کو یہ معلوم کروانا ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہے لہٰذا انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کو اس کی ضرورت ہی نہیں۔ اقامت' نماز کے شروط اور

ارکان میں سے بھی نہیں ہے لہٰذا اگر باجماعت نماز بھی اذان اور تکبیر کے بغیر پڑھ لی جائے تو نماز درست ہو گی۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا اقامت کہنے والا امامت بھی کروا سکتا ہے؟

سوال کیا مؤذن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اقامت کہہ کر نمازیوں کا امام بھی بن جائے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ ایک ہی شخص اذان و اقامت کہے اور اگر مؤذن دیگر نمازیوں کی نسبت قرآن مجید کا زیادہ عالم ہو تو وہ حاضرین کا امام بھی بن سکتا ہے۔ جب مقررہ امام موجود نہ ہو اور وہ مؤذن کو اپنا نائب بنا جائے تو اس صورت میں بھی مؤذن امامت کروا سکتا ہے' اسی طرح مؤذن کو تنخواہ دار امام کے منصب پر فائز کرنا بھی جائز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

سپیکر پر اذان کے بعد مؤذن کا یہ کہنا کہ نماز پڑھو اللہ تمہیں ہدایت دے!

سوال بعض مؤذن اذان فجر سے فارغ ہونے اور مسنون دعاء پڑھنے کے بعد یہ کہتے ہیں "نماز پڑھو' اللہ تمہیں ہدایت دے۔" تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ٥/ ٣)

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ» (مسند احمد ١/ ١٢٦، ١٢٧)

"میری اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو' اس سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور نئے نئے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ...، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة ...، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے دین میں کسی ایسی نئی بات کو پیدا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ اتباع کرو اور بدعت ایجاد نہ کرو کیونکہ تمہارے لئے کتاب و سنت کافی ہے۔ لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ امور عبادت میں وہ صرف اسی پر اکتفاء کرے جس کی مشروعیت ثابت ہو اور اس پر کسی قسم کا اضافہ نہ کرے کیونکہ یہ زائد چیز اگر مستحسن ہوتی تو اس کا شریعت میں ضرور حکم دیا جاتا۔ اگر یہ بات بہتر ہوتی تو نبی ﷺ اس کے بارے میں ضرور بتاتے اور اس پر خود بھی عمل کرتے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل پیرا ہوتے۔ اس تفصیل سے مذکورہ سوال کا جواب خود بخود واضح ہو گیا کہ اذان کے بارے میں صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے' جو اذان کے بارے میں شرعی طور پر ثابت ہے اور اس پر جو بھی اضافہ ہو گا وہ بدعت کے قبیل سے ہو گا۔ واللہ اعلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

فجر کی پہلی اور دوسری اذان میں فرق

سوال میں نے پڑھا ہے کہ ((الصلوٰۃ خیر من النوم)) کے الفاظ فجر کی پہلی اذان میں کہے جائیں لیکن عصر حاضر میں ہم ان الفاظ کو دوسری اذان میں سنتے ہیں۔ امید ہے آپ دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں گے؟

جواب اس جملہ کو اذان فجر میں کہا جائے۔ اذان فجر سے مراد وہ اذان ہے جسے طلوع فجر کے بعد فرض نماز کے ادا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ اسے اذان اول میں کہا جائے تو یہ احادیث صحیح ہیں لیکن اول سے مراد اذان ہے' جسے ابتدائے وقت میں مینار کے پاس کہا جاتا ہے اور ان احادیث میں اذان ثانی سے مراد اقامت ہے کیونکہ اقامت کو بھی اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب كم بين الاذان والاقامة ومن ينتظر اقامة الصلاة، ح:٦٢٤، وصحيح مسلم، كتاب المسافرين، باب بين كل اذانين صلاة، ح:٨٣٨)

"ہر دو اذانوں--- یعنی اذان و اقامت--- کے درمیان نماز ہے۔"

رات کے آخری حصہ کی اذان کے بارے میں راجح بات یہ ہے کہ یہ رمضان کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لاَ يَرُدَّكُمْ عَنْ سَحُوْرِكُمْ أَذَانُ بِلاَلٍ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ لِيُوْقِظَ نَائِمَكُمْ وَيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ» (والحديث بلفظ، لا يمنعن احدكم اذان بلال . . . ، الخ، صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الاذان قبل الفجر، ح:٦٢١، ٥٢٩٨، ٧٢٤٨)

"بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے' وہ رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ وہ تمہارے سوئے ہوئے کو بیدار کر دیں اور قیام کرنے والا لوٹ جائے۔"

اس سے واضح ہوا کہ یہ اذان اس لئے ہے تاکہ سویا ہوا سحری کے لئے بیدا ہو جائے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا یہ معلوم کرے کہ سحری کا وقت قریب ہے اور وہ اپنی نماز کو ختم کرے لہٰذا اس میں ((الصلاۃ خیر من النوم)) کہنے کی ضرورت نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عورتوں کے لئے اقامت

سوال جب عورتیں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جمع ہوں تو کیا وہ اقامت کہیں؟

جواب اگر وہ اقامت کہہ لیں تو کوئی حرج نہیں اور اگر نہ کہیں تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اذان و اقامت مردوں کے واجبات میں سے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

مؤذن کو سننے والا کیا کہے

سوال کیا اذان کے بعد کی دعاء میں ((اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَاد)) کے الفاظ بھی ہیں یا ((وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا)) کے الفاظ پر اکتفاء کرنا چاہئے؟ اسی طرح اقامت سے متعلق یہ سوال ہے کہ ((قدقامت الصلوۃ)) کے جواب میں کیا کہا جائے؟

جواب مسلمان کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب مؤذن کو سنے تو اسی طرح کہے جس طرح مؤذن کہتا ہے لیکن حیعلتین ((حی علی الصلوۃ)) اور ((حی علی الفلاح)) کے جواب میں اسی طرح نہیں کہنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ح:٦١١، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول . . .، ح:٣٨٣)

"جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے"

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "نبی ﷺ نے جب اذان کو سنا تو اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا تھا اور جب آپ ﷺ نے ((حی علی الصلوۃ)) اور ((حی علی الفلاح)) کے کلمات سنے تو فرمایا: ((لا حول ولا قوۃ الا باللہ)) پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ ذٰلِكَ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ» (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول . . .، ح:٣٨٥)

"جو شخص دل سے یہ کہے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلاَّ لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤمن لمن سمعه ثم...، ح:٣٨٤)

"جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے اور پھر مجھ پر درود پڑھو' جس نے مجھ پر ایک دفعہ

درود پڑھا' اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا' پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو' یہ جنت کا ایک مرتبہ ہے' جو بندگان الٰہی میں سے صرف ایک ہی انسان کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا' جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا' اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔"

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ٦١٤، ٤٧١٩)

"جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو جائے گی"

بیہقی میں حضرت جابر کی بسند جید روایت میں ((اَلَّذِيْ وَعَدْتَّهُ)) کے بعد:

«إِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ»(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا فرغ من ذلك، ح: ١٩٧٢)

مستحب یہ ہے کہ اقامت کا بھی اسی طرح جواب دیا جائے جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اور ((قد قامت الصلوۃ)) کے جواب میں ((قدقامت الصلوۃ)) ہی کہنا چاہئے جس طرح مؤذن کے قول ((الصلوۃ خیر من النوم)) کے جواب میں ((الصلوۃ خیر من النوم)) ہی کہنا چاہئے کیونکہ اس سلسلہ میں مذکورہ احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ حدیث میں جو ((قدقامت الصلوۃ)) کے جواب میں

«أَقَامَهَا اللهُ وَأَدَامَهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سمع الاقامة، ح:٥٢٨، وهو ضعيف لا اصل له ، انظر، التلخيص الحبير، ١/٢١١، وارواء الغليل، ١/٢٥٨، ٢٥٩ وتمام المنة، ص: ١٥٠)

کہنے کا آیا ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

منفرد کے لئے اقامت لازم نہیں

سوال جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کروں تو کیا وقت ہونے کے بعد اذان کی بجائے اقامت کہہ لینا ہی کافی ہو گا؟

جواب اذان کا شریعت میں اس لئے حکم دیا گیا ہے تاکہ اہل شہر کو بتا دیا جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر سب کے سب اہل شہر ایک جگہ اکھٹے ہوں اور ان کے سوا شہر میں اور کوئی نہ ہو تو پھر اذان واجب نہیں ہے ہاں البتہ مسافر کے لئے اذان دینا مستحب ہے تاکہ اس کی آواز سننے والے حجر و شجر اس کے بارے میں شہادت دے سکیں۔ اور اقامت کا حکم اس لئے ہے تاکہ حاضرین کو بتا دیا جائے کہ جماعت کھڑی ہونے لگی ہے لہٰذا جب کوئی شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے اقامت کہنا لازمی نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

منفرد کے لئے اذان واقامت

سوال ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ میں کبھی کبھی تنہا فرض نماز پڑھتا ہوں کیونکہ میرے قریب کوئی مسجد نہیں ہے' تو کیا میرے لئے یہ لازم ہے کہ میں ہر نماز کے لئے اذان و اقامت کہوں یا یہ بھی جائز ہے کہ اذان و اقامت کے بغیر نماز پڑھ لوں؟

جواب سنت یہ ہے کہ آپ اذان و اقامت کہیں۔ اس کے وجوب کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ عموم ادلہ کے پیش نظر اذان و اقامت کہیں۔ لیکن آپ کے لئے یہ لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نماز باجماعت ادا کریں۔ اگر جماعت پالیں یا کسی قریب کی مسجد سے اذان سنیں تو ضروری ہے کہ مؤذن کی آواز پر لبیک کہیں اور نماز باجماعت میں حاضری دیں۔ اگر اذان سنائی نہ دے اور قریب کوئی مسجد بھی نہ ہو تو پھر سنت یہ ہے کہ اذان و اقامت کہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

مؤذن کے لئے حیعلتین میں دائیں بائیں دیکھنا

سوال کیا مؤذن کے لئے یہ لازم ہے کہ حیعلتین یعنی اذان میں ((حی علی الصلاة)) اور ((حی علی الفلاح)) کہتے ہوئے وہ دائیں اور بائیں التفات کرے؟

جواب مؤذن کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ حیعلتین کے وقت دائیں اور بائیں منہ کرے تاکہ اس کے ان دونوں اطراف اور پیچھے کے لوگ بھی آواز کو سن سکیں لیکن شاید یہ اس صورت میں ہے جب اذان مینارہ پر دی جا رہی ہو اور لاؤڈ سپیکر موجود نہ ہو جیسا کہ زمانہ ماضی میں معمول تھا۔ لیکن میری رائے میں لاؤڈ سپیکر پر اذان کی صورت میں شاید اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سپیکر کا مائیک ہی مؤذن ہے۔ آدمی اگر اس کے قریب ہو تو اس کی آواز قوی اور اگر اس سے دور ہو تو آواز ضعیف ہوگی اور مؤذن کے لئے حکم یہ ہے کہ اس کی آواز بلند اور طاقتور ہو!

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز کی کیفیت اور احکام

جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو

سوال جب میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں آؤں اور لوگ حالت رکوع میں ہوں تو کیا میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کہہ کر ان کے ساتھ اسی حالت میں داخل ہو جاؤں اور کیا دعاء استفتاح پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

جواب جب کوئی مسلمان مسجد میں داخل ہو اور امام اس وقت حالت رکوع میں ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ دو

تکبیریں کہہ کر ان کے ساتھ اسی حالت میں داخل ہو جائے' ایک تو وہ کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہے اور دوسری تکبیر رکوع کے لئے اس وقت کہے جب وہ رکوع کے لئے جھک رہا ہو' وقت کی تنگی کی وجہ سے اس وقت اس کے لئے دعاء استفتاح یا سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے اور اس کی یہ رکعت ہو جائے گی کیونکہ صحیح البخاری میں حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں تھے تو انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح: ۷۸۳)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے' آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہیں دیا' جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ رکعت ہو گئی۔[1] جو شخص مسجد میں داخل ہو اور لوگ حالت رکوع میں ہوں تو اسے یہ نہیں چاہئے کہ وہ اکیلا ہی رکوع شروع کر دے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ صف میں داخل ہو خواہ رکوع فوت ہی ہو جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

——— شیخ ابن باز ———

نفل پڑھنے والوں کے پیچھے فرض پڑھنا

سوال نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے والے کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ نماز صحیح ہو گی۔ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض سفروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ نماز خوف کی دو رکعات پڑھیں اور پھر آپ نے دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں تو آپ کی یہ دوسری مرتبہ کی دو رکعات نماز نفل تھی۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "وہ اپنی نماز عشاء کے فرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ میں جا کر اہل محلہ کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ نماز نفل اور اہل محلہ کی فرض ہوتی تھی۔"[2]

——— شیخ ابن باز ———

---

① فضیلۃ الشیخ حضرت مفتی صاحب کی یہ رائے مضبوط دلیل پر مبنی نہیں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے' وہ تھے: ((لَا تَعُدْ)) جس میں کئی احتمال ہیں۔ ایک تو وہی جس کا تذکرہ فاضل مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ آئندہ اس طرح نہ کرنا۔ اور دوسرا احتمال ہے ((لَا تَعْدُ)) "دوڑ کر نہ آنا" اور تیسرا احتمال ہے کہ یہ ((لَا تَعُدَّ)) ہو' یعنی "اس رکعت کو شمار نہ کرنا" اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ ((لَا تُعِدْ)) یعنی تو نماز نہ دہرا تیری نماز درست ہے۔ اور اصول ہے کہ ((اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ)) "جب ایک سے زیادہ احتمال ہوں' تو اس سے استدلال جائز نہیں رہتا۔" اس لئے مذکورہ الفاظ سے کسی ایک مفہوم پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ بنابریں مدرک رکوع کی رکعت کے صحیح ہونے کا فتویٰ دینا بھی غیر صحیح ہے۔ کیونکہ مدرک رکوع کے دو رکن فوت ہو گئے۔ ایک قیام اور دوسرا قراءت فاتحہ اور نماز کا ایک رکن بھی فوت ہو جائے' تو وہ رکعت نہیں ہوتی۔ تو پھر دو رکن فوت ہو جانے کے باوجود اس رکعت کا شمار کرنا کیوں کر صحیح ہو گا؟ (ص - ی)

② صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجة وخرج وصلى' ح: 700' 701' 705' 711' 6106

فوت شدہ نمازوں کی قضا کا طریقہ

سوال میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں لیکن بعض فرض نمازیں نہیں پڑھ سکا اور اب ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھ لیتا ہوں۔ میرے لئے کیا طریقہ ہے جس سے میں فوت شدہ نمازوں کو پڑھ کر راحت حاصل کر سکوں؟

جواب اگر آپ نے بعض نمازیں کسی بیماری یا بے ہوشی کے عذر کی وجہ سے ترک کی ہیں تو جلدی سے ان کی قضا دے لیں' جب بھی آپ کو فراغت اور قوت حاصل ہو حسب نشاط مختلف نمازیں پڑھ لیں' مثلاً ضحیٰ کے وقت دو یا اس سے زیادہ دنوں کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیں' اسی طرح ظہر کے بعد پڑھ لیں۔ اگر نمازوں کی تعداد زیادہ ہو اور آپ نے محض سستی کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں تو نوافل کثرت سے پڑھئے' فرائض کی حفاظت کیجئے' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے۔ بعض بھائی اسے جائز بتاتے ہیں اور بعض ناجائز اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب آدمی کھلی جگہ زمین پر نماز پڑھ رہا ہو اور زمین دھوپ کی وجہ سے بہت گرم ہو اور وہ زمین جو سورج کے سامنے منکشف نہ ہو' اس کے بارے میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ ناپاک ہو؟

جواب صحیح احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ جوتوں میں نماز مستحب ہے یا کم از کم جائز ضرور ہے' چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

«أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ، يُصَلِّيْ فِي نَعْلَيْهِ قَالَ: نَعَمْ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعال، ح:٣٨٦، ٥٨٥٠، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب جواز الصلاة في النعلين، ح:٥٥٥)

"رسول اللہ ﷺ اپنے نعلین میں نماز ادا فرما لیتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا "ہاں۔"

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُم لاَ يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلاَ خِفَافِهِمْ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٢)

"یہودیوں کی مخالفت کرو کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔"

ان احادیث میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ نماز چھت والی مسجد میں ہو یا صحرا' کھیتوں اور گھروں وغیرہ میں ہو بلکہ بعض روایات سے مسجد میں بھی جوتوں سمیت نماز کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٠)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ دیکھے کہ اگر اس کے جوتوں میں کوئی ناپاک یا تکلیف دہ چیز لگی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے جوتوں سے اسے صاف کر دے اور ان میں نماز پڑھ لے۔"

ابوداؤد ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَلَا يُؤْذِ بِهِمَا أَحَدًا، لِيَجْعَلْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَوْ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المصلي إذا خلع نعليه اين يضعهما، ح:٦٥٥، وقد قال العراقي في هذا الحديث: صحيح الاسناد)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور اپنے جوتے اتار دے تو ان کے ساتھ کسی کو تکلیف نہ دے' انہیں اپنے پاؤں کے درمیان رکھ لے یا انہیں میں نماز پڑھ لے۔"

علامہ عراقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ ابوداؤد' احمد اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سند سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَمُنْتَعِلاً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٣، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب الصلاة في النعال، ح:١٠٣٨)

"میں نے رسول اللہ کو برہنہ پاؤں بھی اور جوتوں کے ساتھ بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" (تو اس کی سند بھی جید ہے۔)

——— فتویٰ کمیٹی ———

کچھ نمازوں میں قرأت جہری ہے اور کچھ میں نہیں

سوال مغرب' عشاء اور صبح کی نمازوں میں قرأت جہری کیوں ہے اور دوسری نمازوں میں کیوں نہیں اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب ان نمازوں میں قرأت جہری کرنے میں جو حکمت ہے' اسے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے' بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رات اور صبح کی جہری نمازوں کے اوقات میں ظہر وعصر کی نسبت جہری قرأت سے استفادہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں کیونکہ ان اوقات میں ان کے مشاغل بھی نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں رفع الیدین کے مقامات

سوال ہمارے شہر میں لوگوں کی دو جماعتیں ہیں' ان میں سے ایک جماعت تو اپنے تمام اقوال کے سلسلہ میں حدیث شریف سے استدلال کرتی ہے' جب کہ دوسری جماعت تمام عبادات میں مالکی مذہب کی پابندی کرتی ہے مثلاً کچھ لوگ خاص طور پر نوجوان رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے اور حدیث نبوی شریف سے استدلال کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ رفع الیدین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے رفع الیدین نہیں کیا تو کیا تمہارا علم

امام دارالہجرت کے علم کی طرح ہو سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ احکام شرعیہ کو ان کے شرعاً معتبر دلائل یعنی کتاب و سنت اور اجماع اور ان دلائل سے جو ان کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں مثلاً قیاس وغیرہ سے معلوم کرے بشرطیکہ وہ تحقیق و اجتہاد کا اہل ہو اور اگر خود اس بات کا اہل نہ ہو تو قابل اعتماد اہل علم سے پوچھ لے اور بغیر تعصب کے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے۔

سنت صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت' رکوع کو جاتے ہوئے' رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے رفع الیدین فرمایا کرتے تھے[1] لہٰذا یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مقابلہ میں کسی شخص کے قول کو پیش کیا جائے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مغرب کی نماز کو عشاء تک مؤخر کرنا

سوال مجھے اور میرے اہل و عیال کو پچاس کلو میٹر دور ایک قریبی شہر میں بعض ضروری اشیاء خریدنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ مغرب کے وقت ہم واپس لوٹتے ہیں اور ٹریفک کے رش اور مغرب کے وقت کی تنگی کے باعث ہم عشاء کی نماز کے وقت پہنچتے ہیں یعنی مغرب کا وقت ختم ہونے کے بعد' تو کیا شہر کے دور ہونے اور عورتوں کو لاحق ہونے والی مشقت کے پیش نظر مغرب کی نماز کو اس حد تک مؤخر کرنا کہ ہم شہر پہنچ جائیں جائز ہے؟

جواب مذکورہ حالت میں دفع مشقت کے پیش نظر مغرب کی نماز کو اس حد تک موخر کرنا کہ تم اپنے شہر پہنچ جاؤ' جائز ہے اور اگر راستہ میں بآسانی نماز مغرب بروقت ادا کرنا ممکن ہو تو یہ افضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

فرض نمازوں میں قنوت کا حکم

سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے نماز صبح کی آخری رکعت میں بعداز رکوع ہاتھ اٹھا کر ساری زندگی دعاء قنوت ((اللهم اهدنی فیمن هدیت .....)) پڑھی ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نماز صبح میں ہمیشہ مشہور دعائے قنوت ((اللهم اهدنا فیمن هدیت ... الخ)) یا کوئی اور دعاء نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ صرف اس وقت دعائے قنوت فرماتے جب مسلمانوں پر دشمنان اسلام کی طرف سے کوئی افتاد نازل ہوتی تو آپ ﷺ ایک معینہ مدت تک دشمنوں کے لئے بددعاء اور مسلمانوں کے لئے دعاء فرماتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ سعد بن طارق اشجعی کی روایت ہے کہ:

«قَالَ لِأَبِيْهِ يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَخَلْفَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری' کتاب الاذان باب فی التکبیرة الاولی مع الافتتاح سواءً ح: 735' 736' 738- و صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین' ح: 390- و سنن ابی داود' کتاب الصلاة' باب بعد افتتاح الصلاة' ح: 744' وغیرہ۔

وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَفَكَانُوْا يَقْنُتُوْنَ فِي الْفَجْرِ؟ فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ»
(صحيح ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في ترك القنوت، ح:٤٠٢، واحمد، ٣/ ٤٧٢، ٦/ ٣٩٤)

"انہوں نے اپنے والد سے یہ کہا کہ ابا جان! آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو کیا وہ فجر میں قنوت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا "اے بیٹے یہ بدعت ہے۔"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا»(مسند احمد، ٣/ ١٦٢)

"نبی کریم ﷺ ساری زندگی نماز صبح میں قنوت فرماتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔"

تو یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

شیخ ابن باز

صف کے پیچھے منفرد کی نماز

سوال جب میں رکوع سے تھوڑی سی دیر پہلے نماز میں شامل ہو جاؤں تو کیا سورت فاتحہ کو شروع کروں یا دعاء استفتاح کو؟ اور اگر امام میرے سورت فاتحہ مکمل پڑھنے سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو کیا کروں؟

سوال ایک شخص نے انفرادی طور پر نماز کو شروع کیا اور دوسری رکعت میں اس کے ساتھ ایک اور شخص شامل ہو گیا لیکن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر پانچویں رکعت بھی پڑھی یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی پہلی رکعت صحیح نہیں کیونکہ اسے اس نے صف کے پیچھے انفرادی طور پر پڑھا' تو کیا اس کی یہ نماز صحیح ہے اور جس شخص نے ایسا کیا ہو وہ اپنی نماز کو کس طرح پورا کرے؟

جواب دعاء استفتاح کا پڑھنا سنت ہے' جب کہ اہل علم کے صحیح قول کے مطابق سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے لہٰذا جب یہ خدشہ ہو کہ دعائے استفتاح پڑھنے کی صورت میں فاتحہ نہ پڑھ سکو گے تو پھر سورت فاتحہ سے آغاز کرو اور اگر فاتحہ کی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلا جائے تو تم بھی رکوع میں چلے جاؤ' فاتحہ کا باقی حصہ پڑھنا ساقط ہو جائے گا[①] کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلاَ تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا. . .»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، ح:٤١٤)

"امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا تم امام سے اختلاف نہ کرو۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو......"

① یہ رائے بھی محل نظر ہے' اگر مقتدی نصف یا نصف سے زیادہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہے تو اس کے لئے سورۂ فاتحہ مکمل کر کے امام کے ساتھ رکوع میں مل جانا' کوئی مشکل امر ہے اور نہ اس میں امام کی مخالفت ہی کا پہلو ہے۔ جب کہ فتوی میں ظاہر کردہ رائے میں ⬅

جواب نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّـفِّ»(ابن حبان (موارد ص٤٠١)، ومسند احمد، ٤/ ٢٣، وابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، ح:١٠٠٣)

"صف کے پیچھے منفرد کی نماز نہیں ہوتی۔"

نبی علیہ السلام سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً يُصَلِّي خَلْفَ الصَّـفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلاَةَ»(سنن أبي داود، ابواب الصفوف، باب الرجل وحده خلف الصف، ح:٦٨٨، وابن حبان، ٥/ ٥٧٥، ٥٧٦)

"آپ نے صف کے پیچھے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے حکم دیا کہ وہ نماز کو دوہرائے۔"

لیکن جو شخص صف سے پہلے ہی رکوع کرے اور پھر صف میں سجدہ سے پہلے داخل ہو جائے تو اس کی رکعت ہو جائے گی کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں آئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"①

نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعت ہو گئی اور اس طرح کا یہ عمل آپ کے اس ارشاد سے مستثنیٰ ہے کہ صف کے پیچھے منفرد کی نماز نہیں ہوتی۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا

سوال حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازی کو آگے سے گزرنے والے کو منع کرنا چاہیے؟

جواب حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ آگے سے گزرنے والے کو منع نہ کرے کیونکہ سلف صالح آگے سے گزرنے والوں خواہ وہ طواف کرنے والے ہوں یا کوئی اور انہیں منع نہیں کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی منع نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ مسجد حرام میں ازدہام زیادہ ہونے کی وجہ سے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو منع کرنے سے بھی انسان عاجز ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ اس سلسلہ میں آسانی پیدا کر دی جائے۔

◄ سورۂ فاتحہ کی تکمیل کے بغیر ہی رکعت شمار کر لی گئی ہے' جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے صورت مسئولہ میں سورۂ فاتحہ کی تکمیل کر کے رکوع میں شامل ہونا چاہئے اور اگر مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کا پورا کرنا ممکن نہ ہو' تو پھر امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور یہ رکعت بعد میں پوری کرے' کیونکہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ رکعت شمار نہیں ہو گی۔ (ص-ی)

① اس واقعے میں مدرک رکوع کی رکعت کو شمار کرنا صحیح نہیں ہے' جیسا کہ اس سے قبل ایک حاشیے میں اس کی مختصر تفصیل گزر چکی ہے۔

شیخ ابن باز

جہری نماز میں مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ پڑھنا واجب ہے

سوال امام فاتحہ پڑھنے کے بعد کسی دوسری سورت کو شروع کر دیتا ہے اور میں فاتحہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ امام فاتحہ پڑھنے کے بعد اتنا سکتہ نہیں کرتا جو فاتحہ پڑھنے کے لئے کافی ہو اور حدیث میں ہے کہ ((لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) جب کہ ایک دوسری حدیث میں ہے ((قِرَاءَةُ الإِمَامِ قِرَاءَةٌ لِمَنْ خَلْفَهُ)) تو ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

جواب مقتدی کے لئے سورت فاتحہ کی قراءت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی:

«لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات . . . ، ح:٧٥٦، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه إذا لم . . . ، ح:٣٩٤)

"جو شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

کے عموم کے پیش نظر راجح ترین بات یہ ہے کہ مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قَالُوْا: نَعَمْ قَالَ: لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح:٨٢٣)

"شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا جی ہاں' تو نبی ﷺ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

اگر امام جہری نماز میں سکتہ نہ بھی کرے تو پھر بھی مقتدی کو ہر حال میں سورت فاتحہ پڑھنی چاہئے خواہ اس وقت ہی کیوں نہ پڑھے جب امام قراءت کر رہا ہو اور پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش ہو جائے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اگر مقتدی بھول جائے یا وہ جاہل ہو اور اسے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے وجوب کا علم نہ ہو تو اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا جس طرح اس شخص سے ساقط ہو جاتا ہے جو امام کو بحالت رکوع پائے اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کی یہ رکعت ہو جائے گی' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کیونکہ حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب مسجد میں آئے تو نبی کریم ﷺ رکوع فرما رہے تھے تو انہوں نے بھی صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر اسی طرح بحالت رکوع صف میں داخل ہو گئے تو نبی ﷺ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے' آئندہ اس طرح نہ کرنا"

لیکن نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا[1] اور یہ حدیث:

«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَأَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ»(مسند احمد، ٣/٣٣٩، مصنف ابن ابي شيبة، ١/٣٧٦، وهو ضعيف لا يحتج به انظر الكامل في الضعفاء لابن عدي، ٢/٧٠٦، ٦/٢١٠٧، ٢٣٩٦)

"جس کا امام ہو تو اس کی قراءت اس کی قراءت ہو گی۔"

ضعیف اور ناقابل استدلال ہے' اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ عام ہے اور سورت فاتحہ کا پڑھنا اس مسئلہ میں وارد صحیح احادیث کے پیش نظر خاص ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

دیر تک رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

سوال نماز مغرب کی تیسری رکعت میں مجھے عذاب قبر' اس کی ہولناکیاں اور سختیاں یاد آ گئی تو اس وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں کوئی پانچ منٹ روتا رہا' اس کے بعد میں نے اپنی باقی نماز مکمل کی۔ کیا میری یہ نماز درست ہے یا مجھے یہ دوبارہ پڑھنی ہو گی؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں رحمت کا ذکر ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ ﷺ عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز میں رونے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ ﴿١٠٩﴾ ﴾ (الأسراء١٧/١٠٧-١٠٩)

"جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے' جب وہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾ ﴾ (مریم١٩/٥٨)

"اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نماز میں رویا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

---

① یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ نبی ﷺ نے رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ ((لاَ تعد)) میں متعدد احتمالات ہیں' اس لئے متعین طور پر کسی ایک مفہوم کو مراد لے کر اس پر اس مسئلے کی بنیاد رکھنا صحیح ہے اور نہ مذکورہ دعویٰ ہی صحیح ہے۔ کَمَا مَرَّ

بارش کی وجہ سے ظہرو عصر کی نمازوں کو جمع کیا لیکن.....

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ استفتاء آیا کہ لوگوں نے ظہرو عصر کی نمازوں اور عشاء و مغرب کی نمازوں کو بارش کی صورت میں جمع تقدیم سے ادا کیا لیکن پھر بارش رک گئی تو کیا اس صورت میں عصر اور عشاء کی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا ہو گا یا نہیں؟

جواب کمیٹی نے استفتاء پڑھنے کے بعد درج ذیل جواب دیا:

اہل علم نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ بارش جس سے کپڑے بھیگیں اور جس میں باہر نکلنے میں مشقت ہو تو اس کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ کپڑے بھگو دینے والی بارش میں عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کر کے پڑھنے کے جواز پر اہل علم کا اتفاق ہے کیونکہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ "سنت یہ ہے کہ بارش کے دن مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے ادا کر لیا جائے۔" (رواہ الاثرم) اور موطا میں روایت ہے کہ

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ»

"رسول اللہ ﷺ نے ایک بارش والی رات مغرب و عشا کی نمازوں کو جمع کر کے ادا فرمایا۔"

ظہرو عصر کے جمع کر کے ادا کرنے کے جواز میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے حسن بن وضاح نے موسیٰ بن عقبہ سے' انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بارش کی وجہ سے ظہرو عصر کو جمع کر کے ادا فرمایا' اس قول کو قاضی اور ابوالخطاب نے اختیار کیا ہے اور امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے ظہرو عصر کو جمع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ جواز صرف مغرب و عشاء کے بارے میں ہے کیونکہ ان نمازوں میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ ظہرو عصر کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اثرم بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ سے بارش میں ظہرو عصر جمع کر کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "نہیں! میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔" ابوبکر' ابن حامد اور امام مالک کا یہی قول ہے۔

پھر اس کے بعد ابن قدامہ نے ان دونوں نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کے جواز کے قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے لئے جمع کرنے کی دلیل ابو سلمہ کا قول ہے اور اجماع بھی صرف مغرب و عشاء کے جمع کرنے کے بارے میں ہے اور ظہرو عصر کو جمع کرنے کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث صحاح و سنن میں موجود بھی نہیں ہے اور امام احمد کا یہ فرمانا کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی' بھی اس بات پر دال ہے کہ یہ حدیث کچھ نہیں ہے۔ ظہرو عصر کو مغرب و عشاء پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان نمازوں میں اندھیرے اور نقصان کے اندیشے کی وجہ سے مشقت ہوتی ہے نیز انہیں سفر پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سفر میں قافلہ کے چلنے اور ساتھیوں کے بچھڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہاں اس قسم کا کوئی اندیشہ موجود نہیں ہے۔

دو نمازوں کے جمع کرنے کی صحت کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پہلی نماز کے افتتاح و اختتام اور دوسری کے افتتاح کے وقت کوئی ایسا عذر موجود ہو جس کی وجہ سے جمع کرنا جائز ہو' اگر تکبیر تحریمہ کے بعد وہ عذر ختم ہو جائے جو پہلی نماز کے افتتاح و اختتام اور دوسری نماز کے افتتاح کے وقت موجود تھا تو باقی نماز میں اس عذر کی عدم موجودگی باعث مضرت نہ ہوگی' تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں' ان کے بقول نماز عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء کو جمع کر کے ادا کرنے والوں کو اس وقت نماز عشاء کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے جب تکبیر تحریمہ کے بعد عذر ختم ہو گیا ہو کیونکہ تکبیر تحریمہ کے وقت جواز کا عذر موجود تھا۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

مقیم کی مسافر کے پیچھے نماز

سوال جب انسان مسافر ہو اور وہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنا چاہے' ایک مقیم شخص کو پائے جس نے نماز ظہر ادا کر لی ہو تو کیا اس صورت میں وہ مقیم مسافر کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز قصر پڑھے گا یا پوری نماز؟

جواب جب مقیم مسافر کے پیچھے فضیلت جماعت کے حصول کے لئے نماز پڑھے اور مقیم اپنی فرض نماز پہلے ادا کر چکا ہو تو اس صورت میں اسے مسافر کے ساتھ دو رکعات ہی پڑھنا ہوں گی کیونکہ یہ نماز مقیم کے حق میں نفل ہو گی لیکن اگر مقیم مسافر کی اقتداء میں ظہر و عصر اور عشاء کے فرض ادا کرے تو اس صورت میں اسے چار رکعات پڑھنی ہوں گی۔ لہٰذا امام دو رکعات کے بعد جب سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو دو رکعات مزید ادا کر کے اپنی نماز کی تکمیل کرنا ہو گی۔ اگر مسافر مقیم کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہو تو علماء کے صحیح قول کے مطابق مسافر کو ظہر و عصر و عشاء کی نمازوں کی چار چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی۔ کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے ''مسند میں'' اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے کہ:

«أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنِ الْمُسَافِرِ يُصَلِّيْ خَلْفَ الإِمَامِ أَرْبَعًا وَيُصَلِّي مَعَ أَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ: هٰكَذَا السُّنَّةُ»(مسند احمد، ١/٢١٦، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين، وقصرها، ح:٦٨٨)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ مسافر مقیم امام کی اقتداء میں چار رکعات لیکن اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعات ادا کرتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا سنت اسی طرح ہے!''

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالامام، ح:٤١٤)

''امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو۔'' (اس حدیث کی صحت پر ائمہ کا اتفاق ہے۔)

―――― شیخ ابن باز ――――

جب نماز کے ادا کرنے یا نہ کرنے میں شک ہو

سوال جب نمازی کو شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو وہ کیا کرے؟ وقت میں شک ہو تو کیا کرے اور وقت کے علاوہ شک ہو تو کیا کرے؟

جواب جب مسلمان کو فرض نمازوں میں سے کسی نماز کے بارے میں یہ شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ اس نماز کو فوراً پڑھ لے کیونکہ اصل بقاء واجب ہے لہٰذا اسے اس واجب کو جلد ادا کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي الصلاة . . . ، ح:٥٩٧ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . . ، ح:٦٨٤)

"جو شخص سو جائے یا نماز ادا کرنا بھول جائے تو وہ اسی وقت پڑھے جب اسے یاد آئے' بس اس کا یہی کفارہ ہے۔"

مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرے' باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے اور ایسے کاموں میں مشغول نہ ہو کہ نماز کو بھول ہی جائے کیونکہ نماز اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد سب سے اہم فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَـٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُوا۟ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرْكَعُوا۟ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾﴾ (البقرة٢/ ٤٣)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«رَأْسُ الْأَمْرِ الإِسْلاَمِ وَعَمُوْدُهُ الصَّلاَةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ح:٢٦١٦)

"اصل معاملہ تو اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَإِقَامِ

الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اركان الاسلام ودعائمه العظام، ح:١٦)

''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا اور (۵) بیت اللہ کا حج کرنا۔''

نماز کی عظمت شان اور اس کی حفاظت کے وجوب کے سلسلہ میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔

———— شیخ ابن باز ————

جب مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے

سوال جب نماز کھڑی ہو جائے اور میں مقتدی کی حیثیت سے نماز باجماعت ادا کرنے کی حالت میں ایک یا دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جاؤں تو کیا میری یہ نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ کیا میرے لئے سورۂ فاتحہ کو پڑھنا ضروری ہو گا یا نہیں؟ اس حالت میں مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

جواب جب مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے یا اسے اس کے وجوب کا علم نہ ہو یا وہ امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو ان حالات میں اس کی رکعت ہو جائے گی' اس کی نماز صحیح ہو گی اور جہالت' نسیان یا عدم ادراک قیام کی وجہ سے وہ معذور ہو گا' اس کے لئے اس رکعت کی قضاء لازم نہ ہو گی' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک نماز میں نبی کریم ﷺ کو بحالت رکوع پایا تو صف سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر حالت رکوع ہی میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

''اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے آئندہ اس طرح نہ کرنا۔''

آپ ﷺ نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہ دیا بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آئندہ صف میں شامل ہوئے بغیر صف سے پہلے رکوع کریں۔ واللہ ولی التوفیق

———— شیخ ابن باز ————

میرے خاندان کی کمائی حرام ہے

سوال میں ایک بے روزگار مسلمان نوجوان ہوں' میرا خاندان کھانے پینے میں حرام کمائی خرچ کرتا ہے' کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟

جواب حرام کمائی میں سے آپ کو جو دیا جائے آپ کے لئے اسے کھانا' پہننا اور خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا' تو وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو

ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

لیکن اس کا آپ کی نماز پر کوئی اثر نہ ہو گا' نماز صحیح ہو گی۔

فتویٰ کمیٹی

نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی

سوال جب انسان نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے سے کوئی انسان گزر جائے تو کیا اس سے اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اسے نماز کو دوبارہ پڑھنا ہو گا؟

جواب نمازی کے آگے سے کسی مرد کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق تین چیزوں میں سے کسی ایک کے گزرنے کی صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں:

① بالغ عورت ② سیاہ رنگ کا کتا اور ③ گدھا۔

نبی کریم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ، الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الأَسْوَدُ، قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا بَالُ الأَسْوَدِ مِنَ الأَحْمَرِ وَالأَصْفَرِ؟ قَالَ: الْكَلْبُ الأَسْوَدُ شَيْطَانٌ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي، ح:٥١٠، وابوداود، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، ح:٧٠٢، ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء انه لا يقطع الصلاة ...، ح:٣٣٨، وابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، ح:٩٥٢)

"جب پالان کی کیلی (پالان کے پچھلی طرف والی لکڑی) کے مانند مسلمان آدمی کے سامنے سترہ نہ ہو تو پھر عورت' گدھا اور کالا کتا آگے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔" عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کالے رنگ کے اور سرخ و پیلے رنگ کے کتے میں فرق کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "سیاہ رنگ کا کتا شیطان ہے۔"

مقصود یہ ہے کہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ان تین اشیاء میں سے اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزر جائے تو اس سے اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے' آدمی کے آگے سے گزرنے سے' اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر ممکن ہو تو اسے آگے سے گزرنے سے منع کرنا چاہئے' گزرنے والے کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نمازی کے آگے سے گزرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِيْنَ، خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح:٥١٠، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٧، وأبوداود، كتاب الصلاة، باب ما ينهى عنه من المرور، ح:٧٠١)

"اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اس سے اسے کس قدر گناہ ہوتا ہے تو چالیس سال تک کھڑے رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہو۔"

نمازی کو بھی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وہ نماز پڑھے تو اپنے آگے سترہ رکھ لے اور کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے بلکہ اسے منع کرے' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب يردّ المصلي من مر بين يديه، ح:٥٠٩، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٥)

"جب کوئی شخص لوگوں سے سترہ کر کے نماز ادا کر رہا ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ اسے منع کرے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی میں بھی دریغ نہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔"

سنت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ وہ اپنے آگے سے گزرنے والے کو منع کرے خواہ وہ ان مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو اور خواہ وہ انسان ہو یا حیوان بشرطیکہ اسے آسانی کے ساتھ روکنا ممکن ہو لیکن اگر وہ غالب آ کر گزر جائے تو اس کی نماز کو کوئی نقصان نہ ہو گا۔

مسلمان کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس کے آگے کوئی چیز بطور سترہ ہو مثلاً آگے کرسی رکھ لے' یا زمین میں نیزہ گاڑ لے یا دیوار ہو یا مسجد کے ستونوں میں سے کوئی ستون ہو۔ اگر گزرنے والے سترہ کے پیچھے سے گزریں تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر وہ سترہ اور نمازی کے درمیان میں سے گزریں تو پھر انہیں منع کیا جائے گا اور اگر گزرنے والا عورت یا گدھا یا کالا کتا ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی یعنی جب ان تینوں میں سے کوئی ایک چیز نمازی کے آگے قریب سے گزرے اور اس نے سترہ نہ رکھا ہو اور اس کے اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر یہ دور سے گزریں کہ فاصلہ تین ہاتھ سے زیادہ ہو تو پھر نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب کعبہ میں نماز ادا فرمائی تو آپ ﷺ نے اپنے اور مغربی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھا۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ سترہ کی مسافت تین ہاتھ ہے اور قطع کے معنی باطل ہونے کے ہیں جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کمال ختم ہو جاتا ہے جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر آدمی فرض نماز ادا کر رہا ہو تو اسے دوہرانا لازم ہو گا۔

—— شیخ ابن باز ——

حاملہ عورت سلس البول میں مبتلا ہو تو کیا نماز ترک کر دے؟

سوال ایک حاملہ عورت کے حمل کا یہ نواں مہینہ ہے لیکن ہر وقت اس کا پیشاب جاری رہتا ہے' جس کی وجہ سے وہ حمل کے اس آخری مہینہ میں نماز پڑھنے سے رک گئی ہے۔ کیا یہ عورت نماز ترک کر سکتی ہے؟ اسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب اس مذکورہ عورت یا اس جیسی عورتوں کو نماز چھوڑنی نہیں چاہئے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ حسب حال ہی نماز ادا کر لیں۔ یہ مستحاضہ کی طرح ہر نماز کے لئے اس کے وقت میں وضوء کریں اور روئی وغیرہ کے ساتھ جس قدر پیشاب سے بچ سکتی ہوں بچیں اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں' وقت میں نوافل پڑھنے کی بھی اجازت ہے' یہ عورت مستحاضہ کی

طرح ظہرو عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے بھی ادا کر سکتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

''سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو۔''

اس عورت نے جس قدر نمازیں چھوڑی ہیں ان کی قضاء دینا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ بھی کرنی چاہئے کہ جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور یہ عزم کیا جائے کہ آئندہ ایسی کوتاہی نہیں کی جائے گی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

''اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔''

——— شیخ ابن باز ———

مسبوق (جس سے باجماعت نماز مکمل یا اس کا کچھ حصہ نکل چکا ہو) کی امامت کا حکم

سوال ایک شخص امام اور نمازیوں کے سلام پھیرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور اس نے ایک مسبوق شخص کو دیکھا جو اپنی باقی نماز پوری کر رہا ہے تو یہ اس کے ایک جانب کھڑا ہو گیا تاکہ مسبوق کو امام بنا کر جماعت کا ثواب حاصل کر سکے' تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہو گا یا مسبوق اس کا امام نہیں بن سکتا؟ کیا اس شخص نے مسبوق کے ساتھ جو نماز ادا کی وہ صحیح ہو گی؟

جواب جب مسبوق مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز پڑھ چکے ہوں اور دوسرا مسبوق اپنی باقی نماز ادا کر رہا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ مسبوق کے دائیں جانب کھڑا ہو کر جماعت کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے نماز ادا کرے' مسبوق کو امامت کی نیت کر لینی چاہئے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو یہ اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے اس کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے اور جب مسبوق سلام پھیر دے یا وہ شخص جو تنہا نماز پڑھ رہا تھا' سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو پورا کر لے۔ ان دلائل کے عموم سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جو نماز باجماعت ادا کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں اور جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نماز ختم ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے (یعنی اسے جماعت سے نماز پڑھا دے۔)''

——— شیخ ابن باز ———

منفرد کی امامت

سوال ایک شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو کیا اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ لَمَّا رَأَى رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ بَعْدَ انْتِهَاءِ الصَّلاَةِ قَالَ أَلاَ رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هٰذَا

فَيُصَلِّيَ مَعَهُ»(اخرجه احمد في المسند بلفظ آخر ٣/ ٤٥)

’’میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک رات گزاری اور رسول اللہ ﷺ رات کو جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ ﷺ کی بائیں جانب آکر کھڑا ہو گیا' آپ ﷺ نے مجھے میرے کان کی لو سے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔‘‘

اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں نفل و فرض میں کوئی فرق نہیں۔

فتویٰ کمیٹی

منفرد کی اقتداء

سوال میں اکیلا فرض نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے میری اقتداء میں نماز شروع کر دی تو نماز میں منفرد سے امام کی نیت کی تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

جواب اس صورت میں جو تم نے ذکر کی ہے' دوران نماز منفرد سے امام بننے کی نیت کی تبدیلی جائز ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَذَبَنِيْ وَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام فحوله الامام . . .، ح:٦٩٨)

’’ایک رات میرا قیام اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھا تو رسول اللہ ﷺ نے رات کو اٹھ کر جب نماز شروع فرمائی تو میں آکر آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے مجھے کان کی لو سے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا۔‘‘ بوقت ضرورت مقتدی کا امام بننا اور امام کا مقتدی بننا جائز ہے۔

فتویٰ کمیٹی

جب پہلی صف میں جگہ نہ ہو تو؟

سوال جب نمازی مسجد میں داخل ہو اور وہ پہلی صف میں کوئی جگہ نہ پائے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ پہلی صف سے کسی انسان کو پیچھے کھینچ لے یا اس صورت میں کیا کرے؟

جواب جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور وہ دیکھے کہ تمام صفیں مکمل ہیں' کسی بھی صف میں کوئی جگہ نہیں تو اسے چاہئے کہ انتظار کرے حتی کہ اسے جگہ مل جائے یا کوئی اور نمازی آ جائے یا وہ امام کے دائیں جانب صف بنا لے۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ صف میں سے کسی کو پیچھے کھینچے کیونکہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے' وہ ضعیف ہے۔ صف سے آدمی کو پیچھے کھینچنے کی صورت میں صف میں خلاء پیدا ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کا حکم تو یہ ہے کہ صف کے خلاء کو پر کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق!

شیخ ابن باز

مقتدی نے امام کے ساتھ جو نماز پائی وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے

سوال ایک شخص نماز مغرب ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور اس نے امام کے ساتھ دو رکعات پالیں جب کہ آخری رکعت اس نے الگ پڑھی' تو کیا اس رکعت میں وہ قرأت جہری کرے گا؟ سورۂ فاتحہ پڑھے گا؟ یہ سمجھتے ہوئے کہ آخری رکعت تو اس نے امام کے ساتھ ادا کرلی ہے اور یہ اس کی پہلی رکعت ہے' کیا اس نے امام کے ساتھ جو رکعت شروع کی وہ امام کی نماز کے مطابق اس کی بھی دوسری رکعت سمجھی جائے گی؟

جواب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے جس رکعت کو پڑھا ہے وہ اس کی آخری رکعت ہو گی لہٰذا اس میں جہری قرأت صحیح نہ ہو گی کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق مسبوق جہاں آکر شامل ہوتا ہے وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے اور جسے وہ بعد میں پورا کرتا ہے وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَامْشُوا. وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب قول الرجل، فاتتنا الصلاة، ح:٦٣٥ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة . . . ، ح:٦٠٢)

"جب تم نماز کے لئے آؤ تو اطمینان اور سکون سے چلتے ہوئے آؤ' جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

شیخ ابن باز

نماز کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنا

سوال نماز کے بعد مصافحہ کرنے کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے یا سنت' براہ کرم دلائل کے ساتھ بیان فرمایئے۔

جواب فرض نمازوں کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنے کی ہمیں کوئی اصل معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عمل بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . . ، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے"

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . . ، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام . . . ، ح:١٧١٨)

"جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

جلسہ استراحت واجب نہیں ہے

سوال کیا پہلی رکعت کے بعد دوسری کے لئے اور تیسری کے بعد چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے جلسہ استراحت (بیٹھنا) واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

جواب علماء کا اتفاق ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد اٹھنے سے قبل نمازی کا بیٹھنا نماز کے واجبات یا سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کیا یہ صرف سنت ہے یا یہ بالکل نماز کے واجبات میں سے نہیں ہے یا جلسہ استراحت صرف وہ شخص کرے جو کمزوری یا بڑھاپے یا مرض یا جسم کے بوجھ کی وجہ سے اس کا ضرورت مند ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ امام بخاری اور اصحاب سنن نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ:

«أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ، فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب من استوى قاعدا في وتر من صلاته ثم نهض، ح:٨٢٣)

"انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نماز کی طاق رکعت میں سیدھے ہو کر بیٹھے بغیر نہیں اٹھا کرتے تھے۔"

اکثر علماء جلسہ استراحت کو سنت نہیں سمجھتے' ان میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ بھی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ دیگر احادیث میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس جلسہ کا ذکر ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کی حیات پاک کے اس آخری دور سے ہو جس میں جسم اطہر قدرے بھاری ہو گیا تھا یا یہ جلسہ آپ ﷺ نے کسی اور وجہ سے کیا ہو' ایک تیسری جماعت نے ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ جلسہ کی احادیث حالت ضرورت و حاجت پر محمول ہوں گی لہٰذا یہ جلسہ بوقت حاجت مشروع ہے' حاجت نہ ہو تو مشروع نہیں ہے۔ تمام دلائل کو سامنے رکھا جائے تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلسہ مطلقاً مستحب ہے اور دیگر احادیث میں اس کا عدم ذکر عدم استحباب کو مستلزم نہیں ہے بلکہ یہ عدم وجوب پر دلالت کناں ہے' اس کے مستحب ہونے کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے:

① رسول اللہ ﷺ کے فعل کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ آپ ﷺ اسے اس لئے سرانجام دیتے ہیں کہ وہ حکم شریعت ہے اور اس کی اقتداء کی جانی چاہیئے۔

② یہ جلسہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ثابت ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے انہوں نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نبی کریم ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کی اور اس میں جلسہ استراحت کا بھی ذکر کیا اور ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی۔

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

ہم نے اجتہاد سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی

سوال جب ہم امریکہ پہنچے تو ہم قطب نما کے مطابق لیکن غیر قبلہ رخ نماز پڑھتے رہے اور جب ہمیں وہاں رہنے والے کچھ مسلمان بھائیوں کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے بھی یہ بتایا کہ ہم غیر قبلہ رخ نماز پڑھتے رہے ہیں اور پھر انہوں نے صحیح سمت قبلہ بھی بتائی۔ اب آپ سے سوال یہ ہے کہ قبلہ کے صحیح سمت کے معلوم ہونے سے پہلے ہم نے جو نمازیں ادا کی ہیں کیا وہ صحیح ہیں یا نہیں؟

جواب جب کوئی مومن قبلہ کی سمت معلوم کرنے میں اس وقت اجتہاد سے کام لے جب وہ صحرا میں یا ایسے شہروں (اور علاقوں) میں ہو جہاں سمت قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد کے مطابق نماز پڑھ لے اور پھر جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ غیر قبلہ سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے آخری اجتہاد کے مطابق عمل شروع کر دے جب کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس کا یہ آخری اجتہاد پہلے اجتہاد سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کی پہلی نمازیں بھی صحیح ہوں گی کیونکہ وہ اس نے اجتہاد اور حق معلوم کرنے کی کوشش کے بعد ادا کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے جو ان نمازوں کی صحت پر دلالت کناں ہے' اس وقت کے حوالہ سے جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ مشرفہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا تھا۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

منفرد کے لئے جہری قرأت کا حکم

سوال کیا انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جہری نمازوں میں جہری قراءت کرے؟

جواب جس طرح امام جہری قرأت کرتا ہے' انفرادی طور پر نماز ادا کرنے والا بھی جہری قرأت کر سکتا ہے بلکہ یہ سنت ہے لیکن اسے اس قدر آواز بلند نہیں کرنی چاہئے جس سے اردگرد کے نمازیوں یا ذکر کرنے والوں یا سونے والوں کو تکلیف پہنچے جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد احادیث سے ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے

سوال کیا مصلحت عامہ مثلاً مسجد وغیرہ یا انفرادی ضرورت کے لئے صدقات کا سوال کرنے والے کے لئے نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب نمازیوں کے آگے سے گزرنا حرام ہے' خواہ وہ یہ اسلامی سکیموں مثلاً مساجد کے بنانے یا ان کی مرمت کرنے یا ان میں قالین وغیرہ ڈالنے کے لئے صدقات جمع کرنے کے لئے ہو۔ اس طرح کے فعل خیر کے لئے قیام نمازیوں کے آگے سے گزرنے کا جواز نہیں بن سکتا کیونکہ حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ سے مروی نبی ﷺ کی اس حدیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح:٥١٠، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٧)

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اسے کس قدر گناہ ہو گا تو چالیس تک کھڑا رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہے۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

طہارت خانوں کی چھتوں پر یا ان کے پاس نماز کا حکم

سوال کیا ایسی جگہ پر نماز جائز ہے' جہاں نمازی کے آگے طہارت خانے ہوں اور نمازی اور طہارت خانوں کے مابین صرف ایک دیوار حائل ہو؟ کیا اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز ادا کرنا افضل ہے؟

جواب مذکورہ جگہ پر نماز ادا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں' خواہ سامنے طہارت خانے ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ وہ جگہ پاک ہو جہاں نماز ادا کرنا مقصود ہو۔ اسی طرح علماء کے صحیح قول کے مطابق طہارت خانوں کی چھتوں پر بھی نماز ادا کرنا جائز ہے' جب کہ وہ پاک ہوں۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

ایسی گھڑیوں کے ساتھ نماز کا حکم جن میں تصویریں یا صلیبیں ہوں

سوال بعض گھڑیوں کے اندر بعض جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں تو کیا ان گھڑیوں کے ساتھ نماز جائز ہے؟ کیا ایسی گھڑی پہنی ہو تو نماز جائز ہے جس میں صلیب کا نشان ہو؟

جواب اگر گھڑیوں کی تصویریں مستور ہوں اور نظر نہ آتی ہوں تو ان کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر گھڑی کے اندر یا باہر تصویر نظر آتی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہو گی کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

«أَنْ لاَ تَدَعَ صُوْرَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، ح:٩٦٩، أبوداود، كتاب الجنائز، باب تسوية القبر، ح:٣٢١٨، وترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في تسوية القبور، ح:١٠٤٩)

''کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر اسے مٹا دو۔''

اسی طرح جس گھڑی پر صلیب کا نشان بنا ہو تو اس کے ساتھ بھی نماز جائز نہیں الا یہ کہ اسے مٹا دیا جائے یا اس پر پینٹ وغیرہ لگا کر اسے چھپا دیا جائے' اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی ایسی چیز دیکھتے جس پر تصویر بنی ہوتی تو آپ ﷺ اسے توڑ دیتے اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ اسے مٹا دیتے۔

—— شیخ ابن باز ——

باریک کپڑے میں نماز کا حکم

سوال کیا سلکی کپڑا جو بہت باریک ہو اس سے ستر پوشی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب مسلمان آدمی نے اسے پہنا ہو تو کیا نماز صحیح ہو گی؟

جواب اگر مذکورہ کپڑا بے حد باریک ہونے کی وجہ سے جسم کو نہ چھپائے تو اس میں مرد کی نماز صحیح نہ ہو گی الا یہ کہ اس نے نیچے شلوار یا ازار پہن رکھا ہو جو ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کو چھپائے ہوئے ہو اور عورت کے لئے اس قسم کے کپڑے میں نماز صحیح نہیں الا یہ کہ اس نے نیچے سے اپنے سارے جسم کو کسی اور کپڑے سے ڈھانپ رکھا ہو۔ مذکورہ کپڑے کے نیچے چھوٹی شلوار کافی نہ ہو گی۔ مرد کو یہ بھی چاہئے کہ اس قسم کے باریک کپڑے میں نماز پڑھنے کی حالت میں رومال یا کوئی ایسی چیز بھی استعمال کرے جس سے اس کے کندھے چھپ جائیں یا ایک کندھا چھپ جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ يُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، ح:٥١٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع اثواب ما يصلى فيه، ح:٦٢٦)

"تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی چیز نہ ہو۔" (اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔)

—— شیخ ابن باز ——

ہوائی جہاز میں نماز کی کیفیت

سوال میں ایک مہم کے سلسلہ میں ہوائی جہاز میں محو پرواز تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ہوائی جہاز کی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا رخ کس طرف ہے؟ کیا میری یہ نماز صحیح ہے اور اگر صحیح نہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں طیارے سے اترنے تک نماز کو مؤخر کر دوں؟

جواب مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ طیارہ یا صحرا میں ہو تو قبلہ کا رخ معلوم کرنے کے لئے کوشش کرے' جاننے والوں سے پوچھ لے یا علامات قبلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے قبلہ کا رخ معلوم کر کے علی وجہ البصیرت قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرے۔ اگر اسے قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو سکے تو محنت اور کوشش کے ساتھ اسے معلوم کرنے کی جستجو کرے اور پھر اس طرف منہ کر کے نماز ادا کرے۔ اس کی یہ نماز درست ہو گی خواہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس نے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے کیونکہ اس نے اجتہاد کیا اور مقدور بھر اللہ تعالیٰ کے ڈر کو پیش نظر رکھا ہے۔ قبلہ رخ معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کے بغیر اسے ہوائی جہاز یا صحراء میں نماز ادا نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اسے نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی کیونکہ وہ مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا اور نہ اس نے اجتہاد کیا۔

سائل نے جو بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو' جس طرح کھڑا نہ ہو سکنے کی حالت میں کشتی اور بحری جہاز میں بھی بیٹھ کر نماز ادا کی جا سکتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اگر نماز کو مؤخر کر دیا جائے اور طیارہ سے اتر کر پڑھ لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ یاد رہے یہ سب احکام فرض نماز کے حوالہ سے ہیں۔ نفل نماز میں ہوائی جہاز یا گاڑی یا جانور پر نماز ادا کرنے کی صورت میں استقبال قبلہ واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سواری کی حالت میں اسی طرف منہ کر کے نفل نماز ادا کر لیتے تھے جس طرف سواری جا رہی ہوتی تھی لیکن مستحب یہ ہے کہ اس صورت میں تکبیر تحریمہ کے وقت نمازی کا منہ قبلہ رخ ہو اور پھر جس طرف سواری چلے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا مسبوق دعاء استفتاح اور فاتحہ پڑھے؟

سوال جب مقتدی امام کے ساتھ اس وقت شامل ہو جب وہ رکوع سے قبل قراءت کے اختتام پر پہنچ چکا ہو تو وہ دعائے استفتاح سبحانک اللھم وبحمدک ... پڑھے یا خاموش رہے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے؟

جواب جب مقتدی اس وقت آئے جب امام رکوع کرنے والا ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔ اس صورت میں دعائے استفتاح یا کچھ اور نہ پڑھے بلکہ اللہ اکبر کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر مقتدی اس وقت آئے کہ وہ دعائے استفتاح اور فاتحہ پڑھ سکتا ہو تو اسے ضرور پڑھنا چاہئے کہ اس کے لئے حکم شریعت یہی ہے کہ پہلے دعائے استفتاح اور پھر فاتحہ پڑھے' خواہ نماز جہری ہو اگر امام سکوت کرے تو یہ سکتہ میں پڑھ لے اور اگر امام سکوت نہ کرے تو یہ اپنے جی میں پڑھ لے اور پھر امام کی قرأت سننے کے لئے خاموش ہو جائے' لیکن اگر وہ لیٹ ہو اور رکوع کے وقت پہنچے تو تکبیر کہہ کر رکوع شروع کر دے' اس حالت میں اس سے فاتحہ ساقط ہو جائے گی کیونکہ وہ معذور ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں ڈھاٹا باندھنے اور ٹیک لگانے کا حکم

سوال کیا نماز میں ڈھاٹا (منہ پر کپڑا) باندھنا جائز ہے؟ اور کیا دیوار یا ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب نماز میں کسی مجبوری کے بغیر ڈھاٹا باندھنا جائز نہیں' اسی طرح فرض نماز میں دیوار یا ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ صاحب استطاعت پر فرض ہے کہ وہ سہارے کے بغیر سیدھا کھڑا ہو۔ ہاں البتہ نفل نماز میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے بیٹھ کر ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن بیٹھ کر ادا کرنے کی نسبت ٹیک لگا کر اور کھڑے ہو کر ادا کرنا افضل ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

تصویر پاس ہونے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے جو تصویر اٹھائے ہوئے ہو مثلاً یہ کہ اس کے پاس شناختی کارڈ ہو جس میں اس کی تصویر ہو اور اگر وہ شخص نماز پڑھنے تک اسے رکھ دے تو اس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو یا اس کے پاس کرنسی نوٹ ہوں' جس پر تصویریں ہوں؟

جواب شناختی کارڈ یا تصویروں والے کرنسی نوٹوں کی موجودگی میں فرض اور نفل نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر ان تصویروں والی چیزوں کے بغیر نماز ادا کرے تو بہتر ہے بشرطیکہ وہ کسی نقصان یا مشقت کے لاحق ہونے سے محفوظ ہو تاکہ احادیث کے ظاہر الفاظ پر عمل بھی ہو جائے اور غیر مجسم تصویروں کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے' اس سے بھی نکل سکے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

فرض ادا کرنے کے بعد دوسروں کی امامت

سوال جس شخص نے خود فرض نماز ادا کرلی ہو تو کیا وہ یہی فرض نماز دوسروں کو پڑھا سکتا ہے؟

جواب اس کے جواز میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن ہمیں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے خود فرض نماز ادا کر لی ہو اس کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ یعنی نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے' کیونکہ:

«لأَنَّ مُعَاذًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّي بِقَوْمِهِ تِلْكَ الصَّلَاةَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح: ٧٠٠)

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پہلے فرض نماز نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے تھے۔''

اسی طرح سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ»(سنن أبي داود، كتاب صلاة السفر، باب من قال يصلى بكل طائفة ركعة ثم يسلم . . . ، ح: ١٢٤٤)

''نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نماز خوف کی دو رکعات پڑھائیں اور پھر سلام پھیر دیا' پھر دوسری جماعت کو بھی دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔''[1]

---

[1] علامہ طحاوی نے اس حدیث کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے تو یہ دعویٰ ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلادلیل ہے۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قطعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے اور مخالفین کے پاس اس کا کوئی شافی جواب نہیں ہے۔ (عون المعبود' ج: 4' ص: 90)

امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں فرض پڑھنا جائز ہے اور عطاء' اوزاعی' شافعی' ابوثور اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے۔ (واللہ اعلم)

فتویٰ کمیٹی

جب امام ایسے مسبوق کو اپنی جگہ کھڑا کر دے جس کی دو رکعات رہ گئی ہوں

سوال جب امام نماز کی چوتھی رکعت میں بے وضوء ہو جائے اور وہ کسی ایسے مسبوق شخص کو اپنا نائب بنا دے جو تیسری رکعت میں نماز میں شامل ہوا تھا تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہو گا' جو پہلے امام کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت میں شامل ہوئے تھے؟ کیا ان کے لئے امام ثانی سے قبل سلام پھیرنا جائز ہے؟ یا وہ امام ثانی کی اقتداء کرتے ہوئے چار سے زیادہ رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں؟ یا وہ بیٹھ کر انتظار کریں حتی کہ امام کی چاروں رکعات پوری ہو جائیں اور وہ سلام پھیرے تو یہ بھی سلام پھیر دیں؟ ان حالات میں سب لوگوں کی نماز کا کیا حکم ہو گا؟

جواب اگر ان نمازیوں کا امر واقعہ اسی طرح ہو' جس طرح سوال میں بیان کیا گیا ہے' تو جن لوگوں نے امام اول کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت میں شرکت کی وہ اپنی نماز کی تکمیل کے بعد امام ثانی کے ساتھ زیادہ نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے کیونکہ انہوں نے چار رکعتیں پڑھ لیں اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے لیکن وہ امام سے پہلے سلام نہیں پھیر سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح: ٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم، ح: ٤١٤)

''امام کو اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔''

فتویٰ کمیٹی

تراویح پڑھنے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء

سوال ایک شخص مسجد میں اس وقت پہنچا جب لوگ نماز تراویح ادا کر رہے تھے اور اسے اس بات کا علم بھی تھا تو کیا وہ اس امام کی اقتداء میں عشاء کی نیت کر کے نماز عشاء ادا کر سکتا ہے یا وہ اکیلا نماز پڑھے؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں عشاء کی نیت کر کے نماز تراویح پڑھانے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور جب امام سلام پھیر دے تو اسے اپنی باقی نماز مکمل کرنا ہو گی۔ اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، صَلَاةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ تِلْكَ الصَّلَاةَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح: ٧٠٠)

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز عشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا فرمایا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں یہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔''

اور نبی کریم ﷺ کا انہیں اس سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں جائز ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ صلوٰۃ خوف کی پہلے ایک جماعت کو دو رکعات پڑھائیں اور پھر دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں' نبی ﷺ کی پہلی دو رکعات فرض اور دوسری دو رکعات نفل تھیں جب کہ دوسری جماعت کی یہ نماز فرض تھی۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

ایک شخص انفرادی طور پر نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ....

سوال میں مسجد میں داخل ہوا تو جماعت ہو چکی تھی۔ میں نے اقامت کہی اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دی۔ ایک آدمی آیا اور وہ میرے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا جب کہ میں نے اس کی نیت ہی نہیں کی تھی' تو کیا اس صورت میں اس کی نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں جب ایک یا ایک سے زیادہ آدمی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں تو آپ امامت کی نیت کر لیں کیونکہ جماعت مطلوب ہے اور اس میں اجروثواب بہت زیادہ ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا صرف نفل میں جائز ہے' جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ فرض اور نفل دونوں میں جائز ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ فرض اور نفل ادا کرنے والوں کے احکام ایک جیسے ہیں الا یہ کہ دلیل سے کسی بات کی تخصیص ہو گئی ہو۔ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي اللَّيْلِ، وَحْدَهُ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةُ خَالَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ جَمِيْعًا فَقَامَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَوَضَّأَ وَصَفَّ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَدَارَهُ النَّبِيُّ عَنْ يَمِيْنِهِ وَصَلَّى بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام ...، ح:٦٩٨، ٦٩٩)

"نبی کریم ﷺ میمونہ خالہ ابن عباس رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات کو تنہا نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھے' انہوں نے وضوء کیا اور آکر نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا اور ان کو نماز پڑھائی۔"

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَحْدَهُ فَجَاءَ جَابِرٌ وَجَبَّارٌ فَصَفَّا عَنْ يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ فَجَعَلَهُمَا خَلْفَهُ وَصَلَّى بِهِمَا»(صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، ح: ٣٠١٠)

"نبی کریم ﷺ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے کہ جابر اور جبار آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں جانب صف بنالی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیچھے کھڑا کر دیا اور نماز پڑھائی۔"

چنانچہ یہ دونوں حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں' جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ امام کے ساتھ اگر ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

——— شیخ ابن باز ———

مسجد سے متصل سڑکوں پر بھی نماز جائز ہے

سوال مسجد کے شرعی طور پر معتبر حدود کیا ہیں؟ کیا مسجد کے ساتھ متصل سڑکوں کو بھی مسجد کے تابع شمار کیا جائے گا؟ اور اگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہ ہو تو کیا سڑکوں پر نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے؟ حالانکہ شہر میں اور بھی مسجدیں ہیں جو نمازیوں سے بھری نہیں ہوتیں؟

جواب اس مسجد کے حدود جسے اس لئے بنایا گیا ہو کہ مسلمان اس میں نماز پنجگانہ باجماعت ادا کریں' وہی ہیں جن کا احاطہ اس کی عمارت' یا لکڑی یا کھجور کی شاخوں یا سرکنڈوں وغیرہ سے کیا گیا ہو' اس کا حکم مسجد کا ہو گا اور اس میں حائضہ' نفاس والی عورت اور جنبی کے لئے ٹھہرنا ممنوع ہے۔ جو شخص مسجد میں آئے' مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہو اور اس میں جگہ نہ ہو تو بعد میں آنے والے اس شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز جمعہ اور دیگر فرائض و نوافل مسجد سے باہر قریب ترین جگہ میں مسجد کے ساتھ متصل سڑک وغیرہ پر ادا کرے۔ ضرورت کی وجہ سے ایسا جائز ہے بشرطیکہ وہ اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ منضبط رکھ سکتا ہو اور امام کے آگے نہ کھڑا ہو لیکن ان راستوں اور سڑکوں وغیرہ کا حکم مسجد کا نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنا

سوال نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کے لئے امامت کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا خیال درست نہ تھا تو اس نے نماز دوبارہ پڑھی' تو کیا اس کی پہلی نماز صحیح ہو گی یا دوسری؟

جواب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ:

«كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، صَلاَةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّيْ بِقَوْمِهِ تِلْكَ الصَّلاَةَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح:٧٠٠)

"وہ نماز عشاء نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر یہی نماز انکو خود پڑھاتے تھے۔"

اسی طرح:

«وَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ، بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فِي صَلاَةِ الْخَوْفِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ، ثُمَّ صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ»(سنن أبي داود، كتاب صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ثم ...، ح:١٢٤٤)

"نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نماز خوف کی دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا اور پھر دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔"

آپ ﷺ کی دوسری دو رکعات نفل تھیں۔ تو ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جہالت کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا نہ پڑھنا

سوال ہم چار اشخاص جنگل میں تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ ہم میں سے ایک نے اذان کہی اور نماز پڑھائی لیکن دوسری رکعت میں اس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔ جب ہم میں سے ایک شخص نے اسے سبحان اللہ کہہ کر متنبہ کیا تو پھر بھی امام نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی بلکہ سورۃ الکافرون پڑھ دی اور پھر نماز ختم کرتے ہوئے سجدہ سہو بھی نہ کیا' تو اس موضوع پر ہمارے درمیان بحث ہوئی۔ لہٰذا براہ کرم راہنمائی فرمایئے کیا اس صورت میں سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب یہ مذکورہ نماز باطل ہے اور اسے دوبارہ پڑھنا لازم ہے کیونکہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ مقتدیوں پر واجب تھا کہ امام کو سورۂ فاتحہ یاد دلا دیتے' مثلاً ان میں سے ایک سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیت پڑھ دیتا اس سے امام کو یاد آ جاتا اور اگر وہ حالت قیام میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیتا تو نماز مکمل ہو جاتی اور اگر وہ نماز سے فراغت کے بعد اس رکعت کو جس میں اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی دوبارہ پڑھ لیتا اور سجدہ سہو کر لیتا تو پھر بھی نماز ہو جاتی۔

اب چونکہ اس نے دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے تو اس کے نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ رکعت باطل ہو گئی۔ امام نے چونکہ سلام پھیر دیا تھا اور اب اس پر طویل زمانہ گزر چکا ہے لہٰذا یہ نماز ہی باطل ہوئی۔ فاتحہ کے ترک کرنے کا نقصان سجدہ سہو سے پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا رکن ہے لہٰذا اس نماز کو دوبارہ پڑھنا ہو گا۔ واللہ الموفق

——— شیخ ابن جبرین ———

بوندا باندی کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا

سوال مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے اچانک عشاء کی نماز کے لئے اقامت کہہ دی گئی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس نماز کے بارے میں جب امام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بارش کے سبب آسانی کی خاطر نمازوں کو جمع کیا گیا ہے اور انہوں نے بتایا کہ یہ نماز صحیح ہے حالانکہ بارش بہت ہلکی تھی اور مقتدیوں کے لئے بھی نمازوں کے جمع کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تو کیا یہ نماز صحیح ہے؟

جواب شدید اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے' جس سے کپڑے بھیگ جائیں' دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز ہے خصوصاً جب رات کا وقت ہو' راستے تاریک ہوں' سردی شدید ہو' لوگوں کو دشواری ہو اور سازوسامان کی کمی کے باعث وہ سردی کی شدت سے بچاؤ کا بندوبست نہ کر سکتے ہوں اور راستہ میں کیچڑ وغیرہ کی وجہ سے پاؤں پھسلنے کا بھی اندیشہ ہو تو ان حالات میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے لیکن جب راستے کشادہ ہوں اور ساری رات برقی قمقموں سے جگمگاتے ہوں' راستوں میں مٹی اور کیچڑ بھی نہ ہو اور نہ کوئی نجاست اور غلاظت وغیرہ ہو' لوگ طاقتور بھی ہوں یا ان کے پاس گاڑیاں بھی ہوں جن کی وجہ سے طویل فاصلوں کو بھی بغیر مشقت کے بآسانی طے کیا جا سکتا ہو' سردی

سے بچاؤ کے لئے گرم کپڑے بھی وافر مقدار میں ہوں اور بارش بھی ہلکی ہو جس کے عموماً تھوڑی دیر بعد بند ہونے کا قوی امکان ہو تو ان حالات میں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ نماز کے اوقات متعین ہیں' جن میں کسی دلیل یا راجح عارضہ کے بغیر تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ جب نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز ہو تو امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو بھی بتا دے تاہم اگر نہ بتائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو عجیب و غریب قسم کے خیالات اور وسوسے پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں' جن کی وجہ سے بسا اوقات یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کیا پڑھا ہے اور کتنی رکعات پڑھی ہیں؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟

جواب نماز پڑھنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ پوری توجہ اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھیں اور یہ خیال کریں کہ وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں تاکہ شیطان دور ہو جائے اور وسوسے کم ہو جائیں اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل بھی ہو سکے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ۝٢﴾ (المؤمنون۲۳/ ۱۔۲)

"بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔"

جب وسوسے کثرت سے پیدا ہونے لگیں تو پھر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو اس وقت حکم دیا تھا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ بتایا کہ شیطان ان کی نماز میں خلل ڈالتا ہے۔

جب نمازی کو نماز کی رکعات کی تعداد میں شک ہو تو وہ کم تر تعداد کو لے لے' یقین پر بنیاد رکھے' نماز کو مکمل کر لے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے سہو کے کر لے جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد باب السهو في الصلاة والسجود له، ح:٥٧١)

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ علم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہئے کہ شک کو چھوڑ دے' یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے' اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ ان سجدوں کی وجہ سے جفت ہو جائیں گی اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب ذلت و رسوائی ہوں گے۔"

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں دعاء

سوال کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ فرض نمازوں میں ارکان پورے کرنے کے بعد دعاء مانگے مثلاً سجدوں میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھنے کے بعد «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ» جیسی دعاء پڑھ لے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے تاکہ مستفید ہو سکوں' اور ہدیہ سلام قبول فرمائیے۔

جواب مومن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں دعاء کے مقام پر دعاء کرے نماز خواہ فرض ہو یا نفل اور نماز میں دعاء کا مقام سجدہ' دو سجدوں کے درمیان' تشہد اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود و سلام کے بعد نماز کا آخری حصہ ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان دعاء کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرماتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين، ح:٨٥٠، وسنن ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده، ح:٨٧٤ وقال الحاكم والذهبي والنووي هذا حديث صحيح)

"اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے اور میری بگڑی بنا دے اور مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت عطا فرما۔"

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَأَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، ح:٤٧٩)

"رکوع میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں خوب کوشش سے دعاء کرو' امید ہے کہ تمہاری دعاء شرف قبولیت سے نوازی جائے گی۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، ح:٤٨٢)

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا سجدہ میں کثرت سے دعاء کرو"

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں تشہد سکھایا تو فرمایا:

«ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٢)

"اس کے بعد نمازی جو چاہے اپنے رب سے دعاء کرے"

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب ما يتخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب، ح:٨٣٥)

"پھر اس دعاء کو منتخب کرے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو اور اس کے ساتھ دعاء کرے۔"

اس مفہوم کی احادیث بہت ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان مقامات میں مسلمان جو دعاء کرنا چاہے' اس کی اجازت ہے خواہ دعاء کا تعلق آخرت سے ہو یا دنیوی مصالح سے بشرطیکہ دعاء کا تعلق کسی گناہ یا قطع رحمی سے نہ ہو اور افضل یہ ہے کہ ان دعاؤں کو کثرت کے ساتھ مانگا جائے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔

———— شیخ ابن باز ————

تصویروں سے مزین مصلّی پر نماز کا حکم

سوال ایسے مصلّی پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جو مسجدوں اور ایسے قبوں وغیرہ کی تصویروں سے مزین ہو جو قبروں اور مزاروں وغیرہ پر بنے ہوتے ہیں؟

جواب ایسی چیز کی تصویر جس میں روح نہ ہو جائز ہے لیکن ایسے مصلّی پر نماز جس پر غیر ذی روح چیزوں کی تصویریں ہوں مکروہ ہے کیونکہ یہ نمازی کی نماز میں خلل انداز ہوتی ہیں لیکن نماز صحیح ہو گی۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں کعبہ میں داخل ہونے کے بعد بلایا اور فرمایا:

«إِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ الْكَبْشِ حِيْنَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ فَنَسِيْتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَهُمَا، فَخَمِّرْهُمَا، فَإِنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ أَنْ يَكُوْنَ فِي قِبْلَةِ الْبَيْتِ شَيْءٌ يُلْهِي الْمُصَلِّي»(مسند احمد، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

"میں جب بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے مینڈھے کے دو سینگ دیکھے اور میں آپ کو یہ حکم دینا بھول گیا کہ انہیں ڈھانپ دو لہٰذا میں اب آپ کو یہ حکم دیتا ہوں کہ انہیں ڈھانپ دو کیونکہ قبلہ رخ کوئی ایسی چیز گھر میں نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو نماز سے غافل کر دے"

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا' جس سے انہوں نے اپنے گھر کے ایک حصہ کو ڈھانپ دیا تھا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهُ لاَ تَزَالُ تَصَاوِيْرُ تَعْرِضُ فِيْ صَلاَتِيْ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب ان صلى في ثوب مصلب ...، ح:٣٧٤، ٥٩٥٩)

"اس پردے کو ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں خلل انداز ہوتی رہی ہیں۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ سینگوں کو ڈھانپ دیا جائے اور پردے کو ہٹا دیا جائے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ نمازی کو مشغول کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کی وجہ سے آپ نے نماز کو توڑ دیا ہو۔ بخاری اور مسلم میں بطریق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک چادر پر نماز پڑھی جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں تو ناگہاں آپ کی نگاہ ان تصویروں کی طرف اٹھ گئی تو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«اِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهِ إِلَى أَبِيْ جَهْمٍ وَائْتُوْنِيْ بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِيْ جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِيْ آنِفًا عَنْ صَلاَتِيْ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب إذا صلى في ثوب له اعلام ونظر إلى علمها، ح:٣٧٣، ٧٥٢، ٥٨١٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب كراهة الصلاة في ثوب له اعلام، ح:٥٥٦)

"میری یہ چادر ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور ابو جہم کی انبجانیہ چادر میرے پاس لے آؤ کیونکہ اس نے ابھی مجھے نماز سے غافل کر دیا تھا۔"

اس حدیث میں ایسی چیزوں سے پرہیز کی تلقین ہے' جو نمازی کو اس کی نماز سے غافل کر دیں لیکن رسول اللہ ﷺ کا اپنی نماز کو قطع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان چیزوں کی موجودگی میں بھی نماز صحیح ہے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

مسبوق کے حوالہ سے زائد نماز کا حکم

سوال جب مسلمان مسجد میں آئے' امام نماز ظہر پڑھا رہا ہو اور یہ دوسری رکعت میں آکر ملا ہو لیکن امام بھول جائے اور چار کی بجائے پانچ رکعتیں پڑھا دے تو کیا یہ اس رکعت کو پڑھے گا جو فوت ہو گئی تھی اور امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا؟ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ زائد رکعت مسبوق کے لیے کافی ہو گی اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کافی نہ ہو گی اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ یہ کافی نہ ہو گی کیونکہ اسے فوت شدہ نماز کی قضاء سلام کے بعد دینا ہوتی ہے لہٰذا جب امام سلام پھیر دے تو اسے فوت شدہ نماز کو پورا کرنا چاہیے' اسے زائد نماز میں امام کی متابعت بھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ امام کے سلام پھیرنے تک یہ بیٹھا رہے اور جب امام سلام پھیرے تو یہ کھڑا ہو کر فوت شدہ نماز کو پورا کرے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ وہ زائد نماز میں امام کی متابعت نہ کریں بلکہ انہیں امام کو متنبہ کرنا چاہیے' اگر امام متنبہ ہو جائے تو درست ورنہ انتظار کریں اور اگر انہیں معلوم ہو کہ یہ زائد پڑھ رہا ہے تو اس کی متابعت نہ کریں لیکن جس شخص کو شرعی حکم کا علم نہ ہو یا یہ علم نہ ہو کہ یہ زائد نماز ہے تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ مسبوق کو چاہیے کہ جب امام سجدہ سہو کرے تو وہ بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور پھر جب امام سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو پورا کرے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

نمازی کے آگے سے گزرنا

سوال کیا مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے؟

جواب نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے خواہ اس نے اپنے آگے سترہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو کیونکہ اس حدیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح:٥١٠، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٧)

"اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اسے کتنا گناہ ہو گا تو اس کے لیے چالیس (سال) تک کھڑے رہنا گزرنے سے بہتر ہو۔"

فقہاء کی ایک جماعت نے مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ کثیر بن کثیر بن مطلب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، يُصَلِّي حِيَالَ الْحِجْرِ وَالنَّاسُ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، إِذَا فَرَغَ مِنْ سَبْعِهِ جَاءَ حَتَّى يُحَاذِيَ الرُّكْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّقِيْفَةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْهِ فِيْ حَاشِيَةِ الْمَطَافِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّوَّافِ أَحَدٌ»(هذا حديث ضعيف) (سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في مكة، ح: ٢٠١٦، وسنن النسائي، ح: ٢٩٦٢)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب طواف کے ساتویں چکر سے فارغ ہوئے تو آپ تشریف لائے اور آپ نے رکن کو اپنے اور سقیفہ کے درمیان کر لیا اور حاشیہ مطاف میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور آپ کے اور لوگوں کے طواف کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔"

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس سے اس سلسلہ میں وارد آثار کی ضرور تقویت ہوتی ہے اور رفع حرج کے دلائل کے عموم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت کی صورت میں اکثر و بیشتر حالات میں تکلیف اور مشقت ہو گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز میں وسوسے

سوال میری مشکل یہ ہے کہ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور قبلہ رخ ہو کر نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتا ہوں تو مجھے شک گزرتا ہے کہ شاید میں نے تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں لہٰذا میں دوبارہ تکبیر کہتا ہوں' اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں تو اس میں بھول جاتا ہوں اور اسے دوبارہ از سر نو پڑھنا شروع کر دیتا ہوں' خاص طور پر جب امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہوں تو یہ صورت پیش آتی ہے۔ کیا اس حالت میں میری نماز صحیح ہے؟ نیز سہو سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میری راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب مذکورہ حالت میں نماز صحیح ہے لیکن آپ کو ان وسوسوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور وہ اس طرح کہ آپ نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں' اس کی عظمت کو مد نظر رکھیں اور دلی توجہ کے ساتھ نماز ادا کریں نیز "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ لیا کریں اس سے (ان شاء اللہ تعالیٰ) وسوسے دور ہو جائیں گے' شیطان ذلیل و خوار ہو گا اور اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے گا۔

شیخ ابن باز

وہ عمل جو جنس نماز سے نہ ہو تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ کثرت حرکات سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جواب بے شک ایسے عمل کی کثرت جو جنس نماز سے نہ ہو نماز کو باطل کر دیتا اور اس کی حکمت کے منافی ہے مثلاً مسلسل چلنا' بکثرت ادھر ادھر دیکھنا (اور متوجہ ہونا) بغیر ضرورت کے دونوں ہاتھوں سے بہت زیادہ فضول حرکات کرنا حالانکہ نماز میں تو قلیل فضول حرکت کی بھی ممانعت ہے کیونکہ یہ غفلت کی دلیل ہے اور نماز میں مطلوب خشوع کے منافی ہے۔

شیخ ابن جبرین

امام بسم اللہ جہری پڑھتا ہے

سوال میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی' جماعت تو نہ مل سکی لہٰذا میں نے بعض ایسے نمازیوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر لی جن کی میری طرح جماعت رہ گئی تھی۔ جماعت کراتے ہوئے یہ امام بسم اللہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔ کیا یہ نماز صحیح ہے؟ ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ بخشے گا۔

جواب یہ امام شافعی کے مذہب پر عمل پیرا ہے کیونکہ شافعی مذہب میں بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے لہٰذا وہ جہری نمازوں میں بسم اللہ پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہے' ہو جائے گی کیونکہ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے لیکن ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی اسے جہر پڑھنا چاہیے اور یہ صحیح بات ہے اور اس سے تمام دلائل میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں قرأت

سوال کیا یہ جائز ہے کہ نماز کی ایک رکعت میں ایک سورت کی کچھ آیات کی تلاوت کی جائے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی' یا پہلی رکعت میں کسی طویل سورت کی چند آیات پڑھ لی جائیں اور دوسری رکعت میں چھوٹی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھ لی جائے؟

جواب یہ مستحب ہے کہ ایک رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں بھی پہلی سے چھوٹی سورت پڑھی جائے خواہ وہ اس سے متصل بعد والی نہ بھی ہو لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ایک سورت کو آپ دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھ لیں' اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ کسی سورت کی ابتدائی یا آخری یا درمیان کی آیات پڑھ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْءَانِ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔"

کے عموم سے یہ ثابت ہے' اگرچہ یہ خلاف افضل ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز صبح کے وقت سوتے رہنا

سوال جب انسان صبح کی نماز کے وقت سویا رہے تو کیا اللہ تعالیٰ اسے دن کی باقی نمازوں کا اجر و ثواب دے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ بیدار ہونے کے بعد صبح کی نماز ادا کرے تو کیا اس کی یہ نماز قبول ہو گی یا نہیں؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لاَ كَفَّارَةَ لَهَا، إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة...، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة...، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سویا رہے یا بھول جائے تو وہ اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے' اس کا صرف یہی کفارہ ہے۔"

یہ حکم عام ہے جو صبح کی اور دیگر تمام اوقات کی نمازوں کو شامل ہے' لہٰذا اگر صبح کے وقت سویا رہنے والا شخص بعد کی نمازوں کی حفاظت کرے اور انہیں بروقت ادا کرے تو پہلی نماز کے وقت سویا رہنا اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو گا بلکہ اس کے عمل اور نماز میں محنت و کوشش کے بقدر اسے مکمل اجر و ثواب ملے گا۔ لیکن اسے اس معاملہ میں سستی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کی ڈیوٹی لگائے جو اسے بروقت جگا دے یا اپنے سرہانے الارم لگا کر ٹائم پیس رکھ لے تاکہ وہ بروقت بیدار ہو جائے اور نماز صبح میں کوتاہی اور سستی سے کام نہ لے۔ اور اگر ان تمام اسباب کو استعمال کرنے کے باوجود اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اسے کوئی گناہ نہ ہو گا البتہ بیدار ہونے کے بعد اسے فوراً نماز ادا کر لینی چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال ایک بھائی جنہوں نے اپنا نام ص۔ ص۔ ص۔ کے اشارے کے ساتھ لکھا ہے' انہوں نے سوال کیا ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے' خاص طور پر عصر حاضر میں جب کہ مسجدوں میں خوبصورت قالین وغیرہ بچھائے ہوتے ہیں؟ لیکن جوتوں میں نماز پڑھنے والے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح سنت رسول ﷺ کو زندہ کر رہے ہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب اس سوال کے جواب کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ اگر جوتے پاک صاف ہوں' ان میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جس سے نمازیوں یا مسجد کے قالینوں وغیرہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ان کو پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' نماز صحیح ہو گی کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے نعلین شریفین میں نماز ادا فرمائی اور

ایک دن نماز پڑھاتے ہوئے آپ نے جب نعلین (جوتے) اتار دیئے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتار دیئے تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«مَا لَكُمْ خَلَعْتُمْ نِعَالَكُمْ؟ قَالُوْا: رَأَيْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللهِ خَلَعْتَ نَعْلَيْكَ فَخَلَعْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ ﷺ: إِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَانِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ بِهِمَا أَذًى وَفِيْ لَفْظٍ قَذَرًا فَخَلَعْتُهُمَا، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٠)

"تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! جب ہم نے یہ دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے ہیں' تو ہم نے بھی اتار دیئے۔" آپ نے فرمایا "مجھے تو جبریل نے ابھی ابھی یہ بتایا تھا کہ میرے جوتے میں ناپاکی لگی ہوئی ہے لہٰذا میں نے انہیں اتار دیا لہٰذا تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے جوتوں کو دیکھے اگر ان میں کوئی ناپاک چیز لگی ہو تو انہیں رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔"

اگر جوتے ناپاک ہوں یا ان میں کوئی پلید چیز لگی ہو یا کوئی ایسی چیز لگی ہو مثلاً مٹی یا کیچڑ وغیرہ جس سے مسجد کا فرش یا قالین وغیرہ خراب ہوتے ہوں تو وہ ان جوتوں میں نماز نہ پڑھے اور نہ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہو بلکہ انہیں مسجد کے دروازے کے پاس رکھ دے تاکہ نہ مسجد خراب ہو اور نہ نمازیوں کو تکلیف ہو' نہ نماز کی جگہ آلودہ ہو' خاص طور پر دریوں اور قالینوں کی موجودگی میں جو بہت جلد متاثر ہوتے ہیں تو اس حالت میں مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے جوتوں کو کسی محفوظ جگہ پر رکھ دے اور مسجد میں ننگے پاؤں جائے تاکہ مٹی اور کیچڑ وغیرہ سے کسی کے لیے بھی تکلیف کا باعث نہ بنے۔

جہاں تک احیائے سنت کی بات ہے تو وہ کلام و بیان سے بھی ہو سکتی ہے یعنی آدمی یہ بیان کر دے کہ نبی ﷺ سے یہ عمل بھی ثابت ہے اور اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اکثر لوگ پروا نہیں کرتے اور نہ جوتوں کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ لاپروائی سے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں' ایسے لوگوں کو اگر اجازت دے دی جائے تو مسجد کی دریوں اور قالینوں پر گندگی جمع ہو جائے گی اور اس گندگی کی وجہ سے کئی لوگ مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے تو اس طرح یہ شخص نمازیوں کے لیے کراہت کا باعث بنے گا اور انہیں ایذاء پہنچائے گا حالانکہ اس کا مقصد نیک اور سنت پر عمل کرنے کا ہے تو اس حالت میں سنت یہ ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اور نہ مسجد کو گندا کیا جائے کہ ایک مؤمن کے یہی بات شایان شان ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دریاں اور قالین وغیرہ ہر چیز سے متاثر ہوتی ہیں' تو اس حالت میں افضل اور شرعی قواعد کے تقاضوں کے مطابق یہی بات ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے اور اگر کسی جگہ دریاں اور قالین وغیرہ نہ ہوں تو پھر جوتوں سمیت نماز پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ وہ پاک صاف ہوں اور ان میں کوئی ناپاک چیز نہ لگی ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں کثرت حرکات

سوال میری مشکل یہ ہے کہ میں نماز میں حرکت بہت کرتا ہوں اور میں نے ایک حدیث سنی ہے جس کے معنی یہ ہیں

کہ جو شخص نماز میں تین بار حرکت کرے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ نماز میں فضول حرکتوں سے نجات کی کیا سبیل ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ مومن نماز کو پوری توجہ' انہماک اور قلب و بدن کے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ١-٢)

"بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔"

نماز بہت اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کرنی چاہیے کیونکہ یہ نماز کے بہت اہم ارکان و فرائض میں سے ہے' چنانچہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے نماز کو خراب طریقے سے پڑھا اور اطمینان و سکون سے نہیں پڑھا تھا کہ:

«ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم ...، ح:٧٥٥، ٧٩٣، ٦٢٥١، ٦٦٦٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة...، ح:٣٩٧)

"واپس لوٹ جاؤ' نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔"

چنانچہ جب تین بار ایسے ہوا تو اس آدمی نے عرض کیا:

«يَارَسُوْلَ اللهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لاَ أُحْسِنُ غَيْرَ هٰذَا فَعَلِّمْنِيْ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم ...، ح:٧٥٥، ٧٩٣، ٦٢٥١، ٦٦٦٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة...، ح:٣٩٧)

"یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں اس سے اچھے طریقے سے نماز نہیں پڑھ سکتا لہٰذا مجھے سکھا دیجئے" تو نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو خوب اچھے طریقے سے وضوء کرو' پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر کہو اور جو آسانی سے ممکن ہو قرآن پڑھو' پھر رکوع کرو اور اطمینان سے رکوع کرو' پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ' پھر سجدہ کرو اور نہایت اطمینان سے سجدہ کرو' پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ' پھر سجدہ کرو اور نہایت اطمینان سے سجدہ کرو اور ساری نماز اسی طرح اطمینان سے ادا کرو۔"

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللهُ...»

"پھر ام القرآن (سورۂ فاتحہ) اور جو اللہ چاہے پڑھو۔"

یہ صحیح حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طمانینت نماز کا رکن اور فرض عظیم ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ جو شخص نماز میں ٹھونگیں مارے اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ خشوع و خضوع تو نماز کا خلاصہ اور نماز کی روح ہے لہٰذا مومن کو چاہیے کہ وہ نماز میں خشوع اور خضوع کا خاص اہتمام کرے۔

یہ تحدید کہ خشوع و خضوع کے منافی تین حرکتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے' اس کا ذکر نبی ﷺ کی کسی حدیث میں نہیں' یہ بعض اہل علم کی بات ہے' جس کی بنیاد کسی قابل اعتماد دلیل پر نہیں ہے۔

ہاں البتہ نماز میں فضول حرکتیں مثلاً ناک میں انگلی ڈالنا' داڑھی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنا اور کپڑوں کے ساتھ کھیلنا وغیرہ مکروہ ہے اور اگر اس طرح کی فضول حرکات کثرت اور تسلسل کے ساتھ ہوں' تو ان سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر حرکتیں ایسی ہوں' جنہیں عرف میں قلیل سمجھا جاتا ہو یا حرکتیں کثیر ہوں لیکن مسلسل نہ ہوں تو ان سے نماز باطل تو نہ ہو گی لیکن مومن کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ خشوع و خضوع کا اہتمام کرے' فضول حرکات کو چھوڑ دے' خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر تاکہ اس کی نماز تمام و کمال درجہ کی نماز ہو۔

وہ دلائل جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل قلیل اور حرکات قلیلہ سے نماز باطل نہیں ہوتی نیز متفرق اور غیر مسلسل عمل و حرکت سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی' ان میں سے نبی ﷺ سے ثابت یہ حدیث بھی ہے کہ:

«أَنَّهُ فَتَحَ الْبَابَ يَوْمًا لِعَائِشَةَ وَهُوَ يُصَلِّي»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، ح:٩٢٢)

''آپ نے ایک دن نماز پڑھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔''

نیز حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ صَلَّى ذَاتَ يَوْمٍ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، ح:٥١٦، ٥٩٩٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، ح:٩١٧، ٩١٨، ٩١٩، ٩٢٠)

''ایک دن آپ ﷺ نے اپنی نواسی' حضرت زینب کی بیٹی امامہ کو اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ جب سجدہ میں جاتے تو انہیں بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں اٹھا لیتے۔''

——— شیخ ابن باز ———

مدرک رکوع کی رکعت

سوال ایک مقتدی دیر سے آیا اس نے امام کو حالت رکوع میں پایا اور امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے وہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا گیا' تو کیا اس مقتدی کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ رکعت پڑھنا ہو گی؟

جواب جب مقتدی کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ لے اور پھر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی یہ رکعت ہو جائے گی کیونکہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ جب مسجد میں پہنچے تو نبی ﷺ حالت رکوع میں تھے' انہوں نے

صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے' آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"

ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«وَرَكَعَ دُوْنَ الصَّـفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّـفِّ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يركع دون الصف، ح:٦٨٤)

"انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر چلتے چلتے صف میں شامل ہوئے۔"

نیز ابوداؤد میں روایت ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوعَ فَقَدْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يدرك الامام ساجدا كيف يصنع، ح:٨٩٣)

"جو شخص رکوع کو پالے اس نے رکعت کو پالیا۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

مقتدی کا بلند آواز سے پڑھنا

سوال مقتدی جو نماز کے دوران بلند آواز سے قرأت کرتا ہو' اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب مقتدی کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ قرأت اور دیگر تمام اذکار اور دعاؤں کو آہستہ آہستہ پڑھے کیونکہ مقتدی کے لیے بلند آواز سے پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پھر اس کے بلند آواز سے پڑھنے سے اس کے اردگرد کے نمازیوں کو پریشانی بھی ہوگی۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں عدم خشوع کا علاج

سوال ہم نماز میں خشوع کے بارے میں بہت کچھ سنتے ہیں اور میں یہ چاہتا بھی ہوں کہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کروں لیکن یہ بات جلد ختم ہو جاتی ہے اور پھر سے دوبارہ وسوسے مجھے گھیر لیتے ہیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب نماز خوب توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کریں' جو آپ زبان سے کہہ رہے یا امام سے سن رہے ہوں' اس پر غور اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور وسوسہ اور حدیث نفس کی بجائے دل کو غور و فکر میں مصروف رکھیں' اسی طرح نماز کے افعال' حرکات اور ان کی حکمت پر غور کریں تو یہ باتیں آپ کو وسوسوں سے بچائیں گی لیکن اگر کوئی خارجی غور و فکر غالب آ جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے اور اسی وجہ سے سجدہ سہو کا حکم دیا گیا ہے۔ (کہ اگر نماز میں وسوسوں کی وجہ سے یا بھولنے کی وجہ سے کوئی کمی بیشی ہو جائے تو سجدہ سہو کر لیا جائے اس سے اس کی تلافی ہو جائے گی)

شیخ ابن جبرین

امام کی متابعت اختیار کی جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز ظہر پڑھی لیکن آخری دو رکعتوں میں میں سورۂ فاتحہ مکمل نہ پڑھ سکا۔ اگر میں اسے مکمل پڑھتا تو امام کے ساتھ رکوع فوت ہو جاتا تو اس صورت میں کیا مجھے سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنی چاہیے یا امام کی قرأت پر اکتفاء کرتے ہوئے رکوع کرنا چاہیے؟

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام قرأت میں بہت جلدی کرتا اور قیام بہت ہلکا کرتا ہے یا تم قرأت بہت آہستہ کرتے اور مد اور اخراج حروف کو بہت لمبا کرتے ہو۔ اگر پہلی بات ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس امام کو نصیحت کرو کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے کہ جس سے مقتدیوں کے لیے ارکان کو پورا کرنا ہی ممکن نہ ہو۔ اور اگر دوسری بات ہے تو تمہیں چاہیے کہ تھوڑی سی جلدی کرو تاکہ تم امام کے ساتھ ارکان کو ادا کر سکو لیکن بہرحال تمہارے لیے امام کی متابعت لازمی ہے اور جب رکوع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور تم نے قرأت کو مکمل نہ کیا ہو تو پھر بھی امام کی متابعت میں رکوع میں چلے جاؤ۔

شیخ ابن جبرین

آخری سجدہ کی طوالت

سوال میں بعض ائمہ -- اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے -- کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز کے آخری سجدہ کو بہت لمبا کرتے ہیں، تو کیا اس کی کوئی شرعی سند ہے؟ اور کیا آواز کے نغمہ کی اس وجہ سے تبدیلی کی کوئی اصل ہے کہ اس تبدیلی سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ جلسہ جلسۂ تشہد ہے؟

جواب مجھے کوئی ایسی دلیل یاد نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آخری سجدہ کو لمبا کرنا چاہیے بلکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکان نماز برابر ہوں یا قریب قریب برابر ہوں۔ باقی رہا مسئلہ جلسۂ تشہد کے لیے تکبیر کی آواز میں تبدیلی کا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو ائمہ کے ہاں معمول بہ ہے اور شاید ان کی دلیل عمل متسلسل ہے، جو اگلوں سے پچھلوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس کی بنیاد صرف نقل پر ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جلسۂ تشہد ہے اور اس سے وہ تکبیر سن کر کھڑے نہیں ہوتے۔ [1]

شیخ ابن جبرین

---

① جیسے اس سوال کے ابتدائی حصہ کے جواب میں فضیلۃ الشیخ نے یہ فرمایا کہ مجھے اس کی کوئی دلیل یاد نہیں یعنی یہ بات بے سند ہے، اسی طرح سچی بات یہ ہے کہ تشہد کے لیے تکبیر کہتے ہوئے آواز کی تبدیلی کی بات بھی قطعاً بے دلیل اور بے سند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مترجم)

اس شخص کی نماز جس کے ستر کا بعض حصہ کھل گیا ہو

سوال میں بسا اوقات تولیہ سے جسم کو ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہوں اور اس سے بظاہر ستر کا کوئی حصہ ننگا نہیں ہوتا لیکن سجدہ کے وقت گھٹنے یا ان سے اوپر کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جاتا ہے' اس وقت میں تنہا ہوتا ہوں اور میرے پاس بھی کوئی نہیں ہوتا تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ستر کے مقام کے کچھ حصہ کو بھی برہنہ (ننگا) کرنا جائز نہیں خواہ نماز فرض ہو یا نفل اور مرد کے ستر کی حد ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے لہٰذا اس مقام کی ستر پوشی ضروری ہے۔ جب گھٹنا یا اس سے اوپر کا کوئی حصہ ننگا ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی' خواہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا اس کے پاس آدمی موجود ہوں اور خواہ وہ اندھیرے میں نماز ادا کر رہا ہو سترکو ڈھانپنا لازم ہے' جس سے ظاہری جلد چھپ جائے اور جسم نظر نہ آئے لہٰذا نماز کے لیے خفیف اور باریک لباس یا اس قدر چھوٹا لباس کافی نہیں ہے' جو رکوع و سجود کے وقت سمٹ جائے' جس سے سرینوں سے اوپر کمر کی طرف کا کچھ حصہ یا ران یا گھٹنا ننگا ہو جائے' لباس خواہ تہبند ہو یا چھوٹی شلوار ہو یا جبہ ہو یا چادر ہو یا تولیہ وغیرہ ہو!

—— شیخ ابن جبرین ——

سوئے ہوئے شخص کی نماز

سوال جو شخص نماز عشاء نہ پڑھے' سو جائے اور اسے نماز فجر کے بعد یاد آئے تو کیا وہ اسے اسی وقت پڑھے یا اگلی عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھے؟

جواب صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لاَ كَفَّارَةَ لَهَا، إِلاَّ ذٰلِكَ، وَقَرَأَ قَوْلَهُ تَعَالَى ﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ ١٤﴾» (صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة. . .، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة. . .، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ اس وقت پڑھے جب اسے یاد آ جائے اس کا یہی کفارہ ہے"
اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی پڑھا: اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔"

اس مسئلہ میں نماز عشاء اور دیگر نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا آدمی جب بھی بیدار ہو' وقت نہ بھی ہو تو فوراً اسی وقت پڑھ لے اور عشاء تک مؤخر نہ کرے بلکہ جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لے خواہ ممانعت کا وقت ہو یا کسی اور نماز کا لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ اس نماز کے پڑھنے سے موجودہ نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو پھر پہلے موجودہ نماز کو پڑھ لے اور اس کے بعد فوت شدہ نماز کو پڑھ لے۔ (واللہ اعلم)

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں کثرت حرکات

سوال میں مسجد میں بعض بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے بڑی کثرت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں یا اپنا ایک قدم امام کی طرف آگے بڑھا دیتے ہیں گویا وہ نماز میں نہیں بلکہ سڑک پر کھڑے ہوں۔ کیا اس سے نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب نماز میں حرکت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ یہ بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے' تاہم حرکت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) حرکت واجب (۲) حرکت حرام (۳) حرکت مکروہ (۴) حرکت مستحب اور (۵) حرکت مباح۔

حرکت واجب وہ ہے جس پر صحت نماز موقوف ہے مثلاً یہ کہ اپنے رومال میں کوئی گندگی دیکھے تو واجب ہے کہ اس کے ازالہ کے لیے حرکت کرے اور رومال اتار دے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

«لأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ فِيْ نَعْلَيْهِ أَذًى فَخَلَعَهُمَا ﷺ، وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ وَاسْتَمَرَّ فِيْهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٠)

”نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کے پاس جبریل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے جوتوں میں گندگی ہے تو آپ نے حالت نماز ہی میں انہیں اتار دیا اور نماز کو جاری رکھا“

یا مثلاً یہ کہ کوئی شخص اسے بتائے کہ وہ قبلہ رخ نہیں ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ حرکت کر کے قبلہ رخ ہو جائے۔

حرکت حرام سے مراد وہ حرکت ہے جو بلا ضرورت کثرت کے ساتھ مسلسل حرکت کی جائے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور جس سے نماز باطل ہو جائے' وہ فعل حلال نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے مذاق کرنے کے مترادف ہے۔

حرکت مستحب وہ ہے جو نماز میں کسی امر مستحب کے لیے کی جائے مثلاً صف سیدھی کرنے کے لیے حرکت کرے یا اپنے سامنے کی صف میں خالی جگہ دیکھے تو حالت نماز ہی میں آگے بڑھ کر اس خالی جگہ میں کھڑا ہو جائے یا صف سمٹ رہی ہو اور اس کی تکمیل کے لیے حرکت کی جائے یا اس طرح کی کوئی اور حرکت جو فعل مستحب کے لیے کی جائے تو یہ بھی مستحب ہو گی کیونکہ یہ حرکت تکمیل نماز کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ:

لمَّا صَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ عَنْ يَسَارِهِ أَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، بِرَأْسِهِ مِنْ وَرَائِهِ فَجَعَلَهُ عَنْ يَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام. . .، ح:٦٩٨، ٦٩٩)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب رات کو نماز پڑھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کے سر کے پیچھے کے حصہ کی طرف سے پکڑا اور اپنے دائیں طرف کھڑا کر لیا۔“

حرکت مباح وہ ہے جو کسی ضرورت کی وجہ سے تھوڑی سی یا ضرورت کے لیے زیادہ حرکت کی جائے' حاجت کے

لیے تھوڑی سی حرکت کی مثال نبی ﷺ کا اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو اٹھا کر نماز پڑھانا اور سجدہ کرتے ہوئے اتار دینا ہے۔
بوقت ضرورت حرکت کثیرہ کی مثال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَـٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۸-۲۳۹)

"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو' اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو)' پھر جب امن (واطمینان) ہو جائے تو جس طریق سے اللہ نے تم کو سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے' اللہ کو یاد کرو۔"

جو شخص نماز پڑھ رہا اور چل رہا ہے تو بے شک یہ عمل کثیر ہے لیکن چونکہ یہ ضرورت کے لیے ہے اس لیے مباح ہے اور اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔

حرکت مکروہ وہ ہے' جو ان مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ ہو اور حرکت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے جس کی تفصیل مذکورہ بالاسطور میں بیان کر دی گئی ہے لہٰذا اس اصول کی بنیاد پر ہم ان لوگوں سے کہیں گے' جنہیں ہمارے اس سائل بھائی نے نماز میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ لوگو! تمہارا یہ عمل مکروہ ہے' تمہاری نماز کو ناقص کرنے والا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص آج نماز پڑھنے والوں کو دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی اپنی گھڑی' کوئی اپنے قلم' کوئی اپنے جوتے' کوئی ناک' کوئی داڑھی اور کوئی کسی چیز کے ساتھ کھیل رہا ہوتا ہے' یہ سب حرکت مکروہ کی قسمیں ہیں۔ اور اگر یہ حرکت کثرت کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ ہو تو پھر یہ حرکت حرام ہو گی اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی' اس طرح نماز پڑھتے ہوئے ایک پاؤں کو دوسرے سے آگے بڑھانا بھی جائز نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ دونوں پاؤں برابر ہوں بلکہ تمام نمازیوں کے پاؤں برابر اور مساوی ہوں کیونکہ صفوں کی برابری امر واجب ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اگر لوگ صفوں کو برابر نہ کریں گے تو گناہ گار اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان ہوں گے' نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں کو درست فرماتے اور ان کے سینوں اور کندھوں کو ہاتھ لگا کر درست فرماتے تھے' نیز فرماتے تھے "آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے" اور اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد ایک دن آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے آگے بڑھا ہوا تھا' تو آپ نے فرمایا:

«عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ بَيْنَ صُفُوْفِكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب تسوية الصفوف عند الاقامة وبعدها، ح:٧١٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها، ...ح:٤٣٦)

"اے اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مختلف کر دے گا۔"
اہم بات یہ ہے کہ صفوں کی برابری ضروری ہے اور یہ امام اور مقتدیوں کی ذمہ داری بھی ہے۔ امام کو چاہیے

کہ وہ صفوں کا جائزہ لے اور انہیں سیدھا کرے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی صفوں کو سیدھا رکھیں اور خوب مل جل کر کھڑے ہوں۔

شیخ ابن عثیمین

عورت کا نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کرنا

سوال اگر نماز میں عورت کے دونوں ہاتھ اور پاؤں ننگے ہوں تو اس کا کیا حکم ہے جب کہ وہاں کوئی نہ ہو اور عورت اپنے گھر میں نماز ادا کر رہی ہو؟

جواب حنابلہ ۔ رحمۃ اللہ علیہم ۔ کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ نماز میں آزاد اور بالغ عورت کا چہرے کے سوا سارا جسم پردہ ہے لہٰذا اس کے لیے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کرنا جائز نہیں لیکن بہت سے اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لیے نماز میں ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا رکھنا جائز ہے' جب کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے لیکن فرض کیا کہ اگر عورت نے نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کر لیا اور پھر وہ اس سلسلہ میں فتویٰ طلب کرے تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی نماز کو دوہرائے۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال میں ایک عورت ہوں' اللہ تعالیٰ نے جن عبادات کو فرض کیا ہے ان کو بجالاتی ہوں البتہ میں نماز میں بہت بھول جاتی ہوں۔ نماز شروع کرتی ہوں تو دن بھر کے حالات و واقعات کا نماز میں خیال آنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ خیال نماز شروع کرتے ہی آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک میں قرأت جہری شروع نہیں کر دیتی۔ براہ کرم راہنمائی فرمائیں کہ ان وسوسوں سے کیسے نجات پائی جائے؟

جواب یہ معاملہ جو تمہیں درپیش ہے' یہ بہت سے نمازیوں کو درپیش ہے اور یہ اس لیے کہ شیطان انسان کی نماز میں وسوسوں کے دروازے کو کھول دیتا ہے اور بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں کیا پڑھ رہا اور کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا علاج وہی ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے کہ انسان اپنی بائیں طرف تین بار تھوکے اور کہے ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) ایسا کرنے سے ان شاء اللہ وسوسے دور ہو جائیں گے' اسی طرح آدمی کو چاہیے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت یہ تصور کرے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں حاضر اور اس ذات گرامی سے ہم کلام ہے اور تکبیر و تعظیم' اس کے پاک کلام کی تلاوت اور نماز کے مقامات دعاء میں دعاء کے ساتھ تقرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرے۔ انسان میں جب یہ شعور بیدار ہو تو وہ یقیناً اپنے رب کی بارگاہ قدس میں خشوع و خضوع سے حاضر ہو گا' اس کی تعظیم بجالائے گا' اس کے پاس جو خیر و بھلائی ہے اس سے محبت کرے گا اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی صورت میں اس کے عذاب سے خائف ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

مقتدی کو سورۂ فاتحہ ہر حال میں پڑھنی چاہیے

سوال مقتدی کو نماز میں کیا کرنا چاہیے' کیا وہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھتا جائے یا اسے امام کی قرأت سننی چاہیے؟

جواب نماز خواہ سری ہو یا جہری مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کو ہر حال میں پڑھنا ضروری ہے۔ نماز جہری ہو تو فاتحہ کے علاوہ امام کی باقی قرأت کو سننا چاہیے سورۂ فاتحہ کے علاوہ اس حال میں کچھ اور پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا:

«لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح:٨٢٣)

سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

مقتدی' تنہا نماز پڑھنے والے سے مختلف ہے کیونکہ امام جب ((سمع الله لمن حمده)) کہتا ہے تو مقتدی ((ربنا و لک الحمد)) کہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَلاَ تُكَبِّرُوْا حَتَّى يُكَبِّرَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَلاَ تَرْكَعُوْا حَتَّى يَرْكَعَ، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَلاَ تَسْجُدُوْا حَتَّى يَسْجُدَ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا، وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا أَجْمَعِيْنَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالامام، ح:٤١٤)

"امام اسلئے بنایا گیا ہے کہ اسکی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو لیکن اس وقت تک تکبیر نہ کہو جب تک امام تکبیر نہ کہہ لے' جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور اس وقت تک رکوع نہ کرو جب تک وہ رکوع نہ کرے اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم کہو ربنا و لک الحمد جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اس وقت تک سجدہ نہ کرو جب تک وہ سجدہ نہ کرے' جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

نماز کو توڑ دینا

سوال جب میں بھول کر ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا شروع کر دوں جو ناپاک ہو اور یہ مجھے نماز میں یاد آئے تو کیا یہ جائز ہے کہ میں نماز توڑ کر لباس تبدیل کر لوں؟ اور وہ کون سے حالات ہیں جن میں آدمی کے لئے نماز کو توڑ دینا جائز ہے؟

جواب جو شخص اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے وغیرہ ناپاک ہوں اور اسے اس کا علم بھی ہو تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر اسے اس کا علم نہیں ہے اور اس نے پوری نماز ادا کر لی تو اس کی نماز صحیح ہو گی' اسے دوبارہ پڑھنا لازم نہ ہو گا۔ اگر نماز کے دوران اس کا علم ہو اور جلدی سے اس کا ازالہ ممکن ہو تو اسے زائل کر دے اور اپنی نماز کو

جاری رکھتے ہوئے مکمل کر لے جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے نعلین اتار دیئے تھے جب کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ وہ صاف نہیں ہیں لیکن آپ نے ان نعلین میں ادا کئے ہوئے نماز کے ابتدائی حصہ کو باطل نہیں کیا تھا' اسی طرح اگر سر پر عمامہ ہو اور وہ ناپاک ہو تو اسے بھی فوراً اتار دے اور نماز کو جاری رکھتے ہوئے مکمل کر لے اور اگر ناپاک کپڑے وغیرہ کی تبدیلی کے لئے عمل کی ضرورت ہو مثلاً یہ کہ قمیص یا شلوار وغیرہ کو اتارنا پڑے تو پھر اسے اتار کر از سر نو نماز شروع کرے' اسی طرح اگر اسے یہ یاد آئے کہ وہ بے وضوء ہے یا نماز میں بے وضوء ہو جائے یا ہنسنے کی وجہ سے اس نے نماز کو باطل کر لیا ہو تو اسے نماز توڑ کر دوبارہ پڑھنی ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں آنکھیں بند کرنا

سوال کیا خشوع کے ارادہ سے نماز میں آنکھوں کو بند کرنا جائز ہے؟

جواب فقہاء نے مکروہات نماز میں آنکھوں کے بند کرنے کو بھی ذکر کیا ہے کیونکہ یہ یہودیوں کا فعل ہے اور اس سے نیند آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ((منار السبیل)) وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن اگر اس سے دل زیادہ متوجہ ہو' خشوع و خضوع زیادہ پیدا ہو' سہو و نسیان سے زیادہ دوری ہو اور وسوسوں سے بچ سکے تو یہ جائز ہے کیونکہ دل بھی اسی کے تابع ہوتا ہے جس پر نظر پڑتی ہے لیکن یاد رہے کہ نمازی کو حکم ہے کہ اس کی نظر سجدہ کی جگہ پر ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تشہد میں سبابہ انگلی کو حرکت دینا

سوال میں نے سنا ہے کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے تشہد کی حالت میں انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے ساتھ ملا کر انگشت شہادت کو اٹھا لیا جائے' اسے حرکت دی جائے اور اس پر نظر رکھی جائے تو یہ شیطان کے لئے لوہے کی ضرب سے بھی زیادہ سخت ہے' اس روایت کی صحت کا کیا حال ہے؟

جواب مجھے اس روایت کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے لیکن شرعی حکم یہ ہے کہ انسان خنصر (چھنگلیا) اور بنصر (چھنگلیا کے ساتھ والی انگلی) کو مٹھی کی طرح بند کرے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے حلقہ پر رکھے اور انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نماز میں بچوں کی صف کا حکم

سوال دو آدمی مسجد میں آئے اور ان کے ساتھ سات یا آٹھ سال کی عمر کا ایک بچہ بھی تھا' ان میں سے ایک امام بن گیا اور دوسرا آدمی اور بچہ صف بنا کر امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو سوال یہ ہے کہ ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ کتنی عمر کا بچہ صف میں ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب صف میں وہ بچہ کھڑا ہو سکتا ہے جو سن تکلیف (شرعی احکام کی پابندی کی عمر) کو پہنچ گیا ہو اور وہ اس طرح کہ وہ پندرہ سال کی عمر کا ہو گیا ہو یا اسے احتلام شروع ہو گیا ہو یا اس کے زیر ناف کھردرے بال اگ آئے ہوں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق سات سال کی عمر کے بچے کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا جائز ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب مقتدی آیت سجدہ پڑھے

سوال جب امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے میں کوئی ایسی سورۃ پڑھ لوں جس میں آیت سجدہ ہو تو کیا کروں؟

جواب اس حالت میں آپ سجدہ نہ کیجئے کیونکہ امام کی اقتداء واجب ہے اور سجدۂ تلاوت سنت ہے لہٰذا مقتدی ہونے کی صورت میں یہ سجدہ جائز نہ ہو گا۔ اگر آدمی قصدوارادہ سے سجدہ کرے اور اسے یہ علم ہو کہ اس حال میں اس کے لئے یہ سجدہ جائز نہیں ہے' تو اس سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص اقامت یا فاتحہ بھول جائے اس کی نماز کا حکم

سوال ایک آدمی نے نماز عصر پڑھی لیکن وہ اقامت کہنا بھول گیا تھا تو اس پر کیا واجب ہے؟ اگر انسان کسی رکعت میں فاتحہ بھول جائے تو کیا وہ اس رکعت کو دوہرائے یا اسے مکمل نماز دوہرانا ہو گی؟

جواب ترک اقامت نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے شروط اور واجبات میں سے نہیں ہے' اس کا حکم تو اس لئے ہے تاکہ لوگوں کو معلوم کروا دیا جائے کہ نماز کھڑی ہونے لگی ہے لیکن جان بوجھ کر اسے ترک نہیں کرنا چاہئے' جو شخص بھولنے کی وجہ سے فاتحہ نہ پڑھ سکے اور اگر وہ امام ہے یا منفرد تو اسے یہ رکعت دوہرانی ہو گی' جس میں اس نے فاتحہ نہیں پڑھی اور اگر مقتدی ہے تو اس سے سہواً ترک کا ازالہ امام کی طرف سے ہو جائے گا' اگر امام جان بوجھ کر ترک کر دے تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی اور پوری نماز کا اعادہ لازم ہو گا لیکن امام کی وجہ سے مقتدی کے بارے میں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورۃ کی قرأت

سوال جہری نماز میں امام کے سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں لیکن میں بعض مقتدیوں کو سنتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ کوئی اور چھوٹی سورہ بھی پڑھ لیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورۃ کا پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے بعد اس کے لئے یہ واجب ہے کہ امام کی قرأت کو خاموشی کے ساتھ سنے کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ، قُلْنَا: نَعَمْ قَالَ: لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح: ٨٢٣)

شاید تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾﴾ (الأعراف/٧ ٢٠٤)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوْا»(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب إذا قرأ الامام فأنصتوا، ح: ٨٤٧)

"جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

ہاں البتہ مذکورہ بالاحدیث کے پیش نظر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اس سے مستثنیٰ ہے اور درج ذیل حدیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کو ہر حال میں پڑھا جائے:

«لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات ....، ح:٧٥٦، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه...، ح:٣٩٤)

"جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔"

——— شیخ ابن باز ———

امام کی قرأت کے دوران نبی ﷺ پر درود بھیجنا

سوال کیا امام جب یہ آیت کریمہ پڑھے: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ تو نماز میں یہ آیت سن کر درود شریف پڑھنا جائز ہے؟

جواب جب آپ نماز میں امام کے پیچھے ہوں اور وہ جہری قرأت کر رہا ہو تو آپ کو خاموشی کے ساتھ اس کی قرأت کو سننا چاہئے اور کوئی بات نہیں کرنی چاہئے خواہ وہ ذکر یا دعاء ہی کیوں نہ ہو کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾﴾ (الأعراف/٧ ٢٠٤)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو۔"

علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

«إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح: ٤٠٤)

"جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

لیکن جب امام اس آیت کو جمعہ یا عید کے خطبہ میں پڑھے یا آپ نماز سے باہر کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنیں یا خود اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں تو پھر درود شریف پڑھنے کی ازحد تاکید ہے جیسے کہ دیگر اوقات میں بھی درود شریف کو کثرت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید ہے۔ اور درود شریف پڑھنے کی فضیلت بے حد و حساب ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال جب میں نماز پڑھتا ہوں تو خواہ قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ پڑھنا شروع کر دوں مجھے نماز میں دنیوی امور و معاملات کے بارے میں بہت خیالات آتے ہیں' اس کا کیا علاج ہے؟

جواب پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ ان خیالات اور وسوسوں کو جھٹک کر پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ خوب غور و فکر کے ساتھ یہ پڑھ لیا کریں:

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ»

"میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں مردود شیطان سے یعنی اس کے (پیدا کردہ) وسوسوں سے' اس کے پھونکے ہوئے پراگندہ خیالات سے اور اس کے تکبر سے۔"

اور تیسری بات یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے زبان سے جو آیات' اذکار یا دعائیں پڑھو تو ان پر غور کرو' اس کے نتیجہ میں آپ دیگر چیزوں کے خیالات سے بچ جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے اسے معمول بنا لیجئے۔ امید ہے اس سے خیالات اور وسوسے زائل ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں ایسے باریک کپڑے پہننے کا حکم جن سے ستر پوشی نہ ہوتی ہو

سوال آج کل باریک کپڑے کثرت سے پہنے جاتے ہیں اور ان کا عام مسلمانوں میں بہت رواج ہو گیا ہے خصوصاً ہم دیکھتے ہیں کہ موسم گرما میں تو اکثر نمازیوں نے یہ باریک کپڑے پہنے ہوتے ہیں اور وہ نیچے نصف ران یا ٹخنے ران تک انڈر ویئر پہن لیتے ہیں اور بعض لوگ نیچے بنیان وغیرہ بھی پہنتے ہیں لیکن اس سے زیر ناف حصہ باریک کپڑے سے نظر آتا ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں ستر پوشی تو صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے' تو کیا اس طرح کے باریک کپڑے پہننے سے ستر پوشی ہو جاتی ہے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیے' اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔

جواب تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازی کے لئے نماز میں ستر پوشی واجب ہے اور اس کے لئے عریاں طور پر نماز پڑھنا جائز نہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت' ہاں البتہ عورت کے لئے ستر پوشی کا حکم زیادہ تاکید اور کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ آدمی کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور حسب مقدور دونوں یا ایک کندھے کو ڈھانپنا بھی ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ:

«إِنْ كَانَ الثَّوْبُ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا، ح:٣٦١)

''اگر کپڑا کشادہ ہو تو اسے لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو اسے چادر کے طور پر استعمال کرو''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ:

«لاَ يُصَلِّيْ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، ح:٥١٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع اثواب ما يصلى فيه، ح:٦٢٦)

''تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی چیز نہ ہو۔''

نماز میں چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہی پردہ ہے۔ عورتوں کے ہاتھوں کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' بعض نے تو ہاتھوں کے ڈھانپنے کو بھی واجب قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے ننگا رکھنے کی رخصت دی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ان شاء اللہ دونوں طرح گنجائش ہے ہاں البتہ ڈھانپ لیا جائے تو زیادہ افضل ہے اور پھر اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ جمہور اہل علم کے نزدیک عورت کے لئے نماز میں پاؤں کو چھپانا بھی واجب ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ کیا عورت چادر کے بغیر محض قمیص اور دوپٹے میں بھی نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة، ح:٦٤٠)

''ہاں جب قمیص اس قدر کشادہ ہو کہ اس سے پاؤں کے اوپر کا حصہ چھپ جائے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''بلوغ المرام'' میں لکھا ہے کہ ائمہ کرام نے اس حدیث کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ واجب ہے کہ نماز میں مرد اور عورت کا لباس ایسا ہو جو ستر پوشی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو اور اگر لباس باریک ہو کہ اس سے ستر پوشی نہ ہو رہی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہ مرد نے اگر چھوٹی نیکر پہنی ہو کہ اس سے اس کے ران غیر مستور (ننگے) ہوں اور نیکر کے اوپر کوئی اور کپڑا نہ پہنے کہ جس سے ران چھپ جائیں تو اس حال میں اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ اس طرح اگر عورت اس قدر باریک لباس پہنے جو ستر پوشی کا کام نہ دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز اسلام کا ستون ہے اور شہادتین کے بعد اسلام کا سب سے عظیم رکن ہے لہذا تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر یہ واجب ہے کہ وہ نماز کا خاص اہتمام کریں' نماز کو اس کی مکمل شرائط کے ساتھ ادا کریں اور ایسے امور سے اجتناب کریں جو نماز کو باطل کر دینے والے ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَـٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"(مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (البقرة۲/ ۴۳)

"اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔"

بے شک نماز کا خاص اہتمام کرنا اور نماز کے شرائط اور تمام واجبات کو ادا کرنا بھی نماز کی اس حفاظت اور اقامت میں شامل ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے عورت کے پاس کوئی اجنبی شخص ہو تو پھر اس کے لئے چہرے کو چھپانا بھی فرض ہے' اسی طرح طواف میں بھی عورت کے لئے سارے جسم کو چھپانا فرض ہے کیونکہ طواف بھی نماز کے حکم میں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز پڑھتے وقت جیب میں سگریٹ

سوال میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مسجد میں جب نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں' تو ان کی جیبوں میں سگریٹ ہوتے ہیں' کیا اس کی وجہ سے انہیں گناہ تو نہیں ہوتا؟

جواب نماز میں سگریٹ پاس ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں کیونکہ سگریٹ کا جیب میں ہونا نماز پر اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ سگریٹ پاک ہے اور اس کی نجاست معنوی ہے' حسی نہیں ہاں البتہ سگریٹ نوشی ضرور گناہ کا کام ہے۔ عصر حاضر کی تحقیق یہ ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اگرچہ پہلے اس کے بارے میں اہل علم میں ضرور اختلاف تھا' بعض اسے مباح قرار دیتے تھے' بعض مکروہ سمجھتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ یہ حرام ہے لیکن اب چونکہ طبی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ سگریٹ نوشی انسانی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے اور یہ بہت سی ایسی خطرناک بیماریوں کا سبب بنتی ہے' جو تباہی و بربادی اور ہلاکت کا سبب بنتی ہیں لہٰذا یہ حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوا۟ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۵)

"اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے مسجد جانے سے پہلے لہسن اور پیاز کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ:

«إِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِيْ وَإِنَّ الْمَلَائِكَة تَتَأَذّٰى مِمَّا يِتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُوْا آدَمَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والكراث، ح:۸۵۳، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من اكل ثوما أو بصلا أو كراثا، ح: ۵۶۴)

"اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔"

سگریٹ نوشی میں صحت اور جسم کا بھی نقصان ہے' مال کا بھی ضیاع ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ (لہٰذا اس سے اجتناب ازبس ضروری ہے۔)

شیخ ابن عثیمین

اہل بدعت کے پیچھے نماز کا حکم

سوال بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسے امام کے پیچھے جو بدعتی ہو اور بہت سی سنتوں کا منکر ہو' نماز جائز نہیں جب کہ حدیث میں ہے:

"ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔"

تو کیا بدعتی امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب یہ حدیث جس کی طرف سائل نے اشارہ کیا ہے' یہ بے اصل ہے' ان الفاظ کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہو' دین پر زیادہ عمل کرنے والا ہو' اس کے پیچھے اس انسان کی نسبت نماز افضل ہے جو دین میں سستی کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔

اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں:

① جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی ہیں اور ② جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی نہیں ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم کے اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہیں' اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی نماز صحیح نہیں لہٰذا یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام بنیں اور وہ اہل بدعت جن کی بدعتیں کفر تک نہیں پہنچاتیں تو ان کے پیچھے نماز کا حکم علماء کے اس مسئلہ میں اختلاف پر مبنی ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے الا یہ کہ ان کے پیچھے نماز ترک کرنے میں مصلحت ہو مثلاً نماز نہ پڑھنے کی صورت میں اگر ان کے لئے تنبیہ ہو اور اس طرح وہ اپنے فسق و فجور کو ختم کر سکتے ہوں تو پھر اس مصلحت کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

شیخ ابن عثیمین

شعبدہ بازی سے علاج کرنے والے امام کے پیچھے نماز

سوال مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو امام ہمارے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہے' وہ تعویذوں اور شعبدہ بازی کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ کیا اس بات کے معلوم ہونے کے بعد اگر میں اس کے پیچھے نماز پڑھوں تو اس میں گناہ ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اصول یہ ہے کہ جس مسلمان کا نماز پڑھنا صحیح ہو اس کی امامت بھی صحیح ہے خصوصاً جب امام کے حالات کے بارے میں علم نہ ہو لیکن جن کی اپنی نماز ہی صحیح نہ ہو مثلاً وہ اہل بدعت جن کی بدعات کفر تک پہنچاتی ہوں تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ ان کی اپنی نماز صحیح نہیں ہے۔

یہ شخص جو شعبدہ بازی اور تعویذوں سے علاج کرتا ہے تو اس کے دو پہلو ہیں:

① شعبدہ بازی جو بلاشک و شبہ حرام ہے کیونکہ اس میں دھوکا اور فریب ہے اور ممکن ہے کہ اس میں کسی وقت کوئی

ایسی چیز بھی ہو جو کفر تک پہنچانے والی ہو مثلاً یہ کہ وہ اپنی شعبدہ بازی کے سلسلہ میں شیطانوں سے خدمت لے یا ذبح و دعاء کے ذریعہ ان کا تقرب حاصل کرے وغیرہ۔ اور

② تعویذ نویسی' اگر تعویذات قرآنی آیات یا مسنون دعاؤں پر مشتمل ہوں' تو ان کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہے' بعض نے انہیں جائز قرار دیا اور بعض نے ان سے بھی منع کیا ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ تعویذ بھی ممنوع ہیں لیکن ان کے استعمال کرنے والے امام کے پیچھے نماز کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

اگر تعویذ شرکیہ و بدعیہ کلمات پر مبنی ہوں تو ان کے بارے میں صرف ایک ہی بات ہے کہ انہیں استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ایسے تعویذ لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ کرے اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تعویذ نویسی کے اس کاروبار کو ترک کر دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میرے چھوٹے بچے نماز پڑھتے ہیں اور میری بیوی نماز نہیں پڑھتی

سوال میرے چھوٹے بچے' جن میں سب سے بڑا تین سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہے' وہ گھر میں نماز کے لئے میرے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ میں انہیں نماز کا طریقہ سکھاؤں' اتنے چھوٹے بچوں نے وضوء بھی نہیں کیا ہوتا تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ اپنی بیوی کے بارے میں کیا کروں جو نماز میں کبھی کبھی سستی کرتی ہے؟

جواب اس سوال کی پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قول و فعل سے اپنے بچوں کو نماز سکھائے۔ جب نبی کریم ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تو آپ نے اس پر چڑھ کر نماز پڑھی اور جب سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو منبر سے اتر کر زمین پر سجدہ فرمایا اور پھر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلاَتِيْ» (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، ح: ٩١٧)

"میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو سیکھ لو۔"

بچے اگر سمجھ بوجھ رکھتے اور بات کو سمجھتے ہیں تو انہیں وضوء کا طریقہ بھی سکھانا چاہئے لیکن سائل نے بچوں کی جو عمر ذکر کی ہے ان میں سے بڑا تین سال کا ہے تو میرے خیال میں اس عمر میں وہ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے' شاید یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیں جب کہ وہ سات سال کی عمر کے ہوں اور اگر دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھیں تو ہم انہیں سزا دیں۔

سوال کی دوسری شق کہ بیوی نماز نہیں پڑھتی تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ شوہر پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز پڑھنے کا حکم دے اور ادب سکھائے اور اگر وہ ترک نماز پر اصرار کرے تو وہ کافر ہو جائے گی' والعیاذ باللہ! نکاح ٹوٹ جائے گا اور جب تک وہ نماز کو ترک کئے رکھے' وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی کہ مہاجر خواتین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١٠)

"اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ انکو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز۔"

مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کافر اور اسلام سے مرتد عورت سے شادی کرے اور اگر یہ ارتداد نکاح

کے بعد پیدا ہوا ہو تو اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا' عدت ختم ہونے سے قبل اگر یہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو یہ اس کی بیوی ہو گی وگرنہ یہ بائنہ ہو جائے گی۔

شیخ ابن عثیمین

مسجدوں میں بچوں کی نماز

سوال کیا دس سال سے کم عمر کے بچے صف کے درمیان میں کھڑے ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے چھوٹی شلواریں اور تین چار سال کی عمر کے بچوں نے نیکر پہن رکھی ہوں؟ کیا امام کے لئے ایک چادر میں نماز پڑھانا جائز ہے؟

جواب سمجھدار اور باشعور بچے کے لئے صف کے درمیان میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسے مسجد اور نمازیوں کے احترام کے بارے میں تعلیم دی گئی اور ادب سکھایا گیا ہو نیز وہ عبث کام نہ کرے اور طہارت کاملہ کا التزام لیکن افضل یہ ہے کہ بچوں کی صف مردوں کی صف سے پیچھے ہو ہاں البتہ اگر ان کے یکجا کھڑے ہونے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ کھیلیں اور ہنسیں گے' جس سے نمازیوں کو پریشانی ہو گی تو پھر انہیں الگ الگ کر کے کھڑا کرنا واجب ہے۔ جو بچے ابھی سن تمیز کو نہ پہنچے ہوں انہیں نماز اور خطبہ کے وقت مسجد میں داخل نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسجد کے احترام سے آگاہ نہیں ہیں۔

امام وغیرہ کے لئے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے ستر پوشی کے تقاضے پورے ہوتے ہوں لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی نیچے ازار یا شلوار پہن لے تاکہ وہ بے پردگی سے محفوظ ہو جائے۔

شیخ ابن جبرین

دروازہ کھولنے کے لئے نماز توڑ دینا

سوال کیا دروازہ کھولنے یا ٹیلی فون سننے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے؟

جواب آپ کے لئے لازم یہ ہے کہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں' اگر آپ کسی عذر کی وجہ سے لیٹ ہو گئے اور پھر آپ نے نماز کو شروع کر دیا تو کسی دستک دینے والے یا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں ہے لیکن جب دستک دینے والا دستک دے دے کر پریشان کر دے تو اضطراب اور پریشانی سے بچنے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے بشرطیکہ آپ حالت نماز ہی میں دروازہ نہ کھول سکتے ہوں اور نہ آپ کے سوا کوئی اور دروازہ کھولنے والا موجود ہو۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں دستانے پہننے کا حکم

سوال نماز میں دستانے پہننے کا کیا حکم ہے خصوصاً جب کہ نمازی امام بھی ہو؟

جواب مردوں اور عورتوں کے لئے' نماز کے اندر اور باہر' امام اور مقتدی دونوں کے لئے دستانے پہننا جائز ہے کیونکہ انسان کو سردی وغیرہ کی وجہ سے دستانے پہننے کی ضرورت ہوتی ہے' صرف عورت کے لئے دستانے پہننے کی ممانعت ہے جب کہ وہ حالت احرام میں ہو۔

شیخ ابن جبرین

عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا روزانہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟

جواب ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو مثلاً سفر یا ایسی بارش جس سے کپڑے بھیگتے ہوں اور اس کی وجہ سے کیچڑ اور پھسلن ہو یا بیماری وغیرہ جس میں وضوء کرنے میں دشواری ہو!

شیخ ابن جبرین

ناہموار زمین پر نماز کا حکم

سوال ایسی زمین پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جو ناہموار ہو یعنی اونچی نیچی ہو جس کی وجہ سے نمازی اعتدال کے ساتھ رکوع اور سجود نہ کر سکتا ہو؟

جواب ایسی ناہموار زمین پر نماز جائز نہیں جہاں نماز پڑھتے ہوئے اطمینان اور خشوع میسر نہ ہو کہ یہ نماز کی روح ہے لیکن اگر مثلاً جامع مسجد تنگ پڑ جائے اور لوگ مسجد سے باہر بھی صف بنالیں اور مسجد سے باہر کی یہ جگہ نشیب و فراز والی ہو اور نمازی اسے ہموار کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ضرورت کے پیش نظر ان کے لئے یہاں نماز پڑھنا جائز ہو گا۔

شیخ ابن جبرین

بحالت جنابت نماز پڑھ لینا

سوال میں بحالت جنابت تھا کہ میں نے فجر' ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ لیں اور یہ بات بھول گیا کہ میں جنبی ہوں اور یہ بات مجھے اگلے دن یاد آئی تو کیا میں ان نمازوں کو دوبارہ پڑھوں یا بھول چوک کی وجہ سے میری یہ نمازیں صحیح ہوں گی؟

جواب ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا لازم ہے کیونکہ جو شخص حدث اصغر یا اکبر کی حالت میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باطل ہے' خواہ اس نے اسے بھول کر پڑھا ہو کیونکہ اس نے نماز کے بارے میں اہتمام نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب غسل کئے بغیر حالت احتلام میں نماز پڑھ لی تھی تو انہوں نے اس نماز کو دوبارہ پڑھا تھا۔

شیخ ابن جبرین

جب نماز میں ہوا خارج ہو جائے

سوال جب آدمی نماز ادا کر رہا ہو اور دوران نماز ہوا خارج ہو جائے تو کیا وہ اسی وقت صف سے باہر نکل جائے یا جماعت کے ختم ہونے کا انتظار کرے اور پھر اسے دوہرائے خواہ آخری تشہد میں ہو؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ:

«إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيُمْسِكْ بِأَنْفِهِ وَلْيَنْصَرِفْ»(سنن ابي داود، كتاب الصلاة استئذان المحدث للامام، ح:١١١٤، سنن كبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من احدث في صلاته قبل الاحلال منها بالتسليم، ح:٣٤٦٨)

''جب تم میں سے کسی کا نماز میں وضوء ٹوٹ جائے تو وہ اپنی ناک کو پکڑ لے اور صف سے باہر چلا جائے۔''

لہذا بے وضوء ہونے والے شخص کو چاہیئے کہ وہ صف سے باہر نکل جائے تاکہ نیا وضوء کر سکے۔ ہاں البتہ اگر وہ پہلی صف میں ہو اور صفوں کے درمیان میں سے نکلنا مشکل ہو تو وہ نماز کے اختتام تک اپنی جگہ پر رہے اور پھر اختتام نماز کے بعد دوہرائے' اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وضوء نماز کے ابتدا میں ٹوٹے یا اختتام پر آخری تشہد میں ٹوٹے دونوں حالتوں میں حکم ایک ہی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

قبر پرستوں کے پیچھے نماز

سوال اس امام کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے جو کسی ولی کی قبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ نفع و نقصان کا مالک ہے؟

جواب اس امام کے پیچھے نماز صحیح اور جائز نہیں ہے کیونکہ فوت شدگان کے بارے میں نفع و نقصان کا عقیدہ رکھنا ربوبیت میں شرک اکبر ہے' اس طرح مردوں سے دعاء کرنا' ان سے مدد مانگنا' ان کے نام کی نذر ماننا اور ان کے ناموں پر جانور ذبح کرنا عبادت میں شرک اکبر ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مخالف نیت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز

سوال میں مسجد میں آیا تو امام صاحب عصر کی نماز پڑھا رہے تھے لیکن میں نے ابھی تک ظہر کی نماز ادا نہیں کی تھی لہذا میں ظہر کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جماعت سے فراغت کے بعد میں نے نماز عصر کو انفرادی طور پر ادا کر لیا تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ عصر کی نماز پڑھنے والے امام کی اقتداء میں آپ نماز ظہر اور ظہر کی نماز ادا کرنے والے امام کی اقتداء میں آپ نماز عصر پڑھ سکتے ہیں کیونکہ دونوں نمازوں کی رکعات کی تعداد ایک ہی جیسی ہے۔ اس حالت میں پوشیدہ نیت کا اختلاف موجب نقصان نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بارش اور تجارت کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا بارش والی رات جب کہ مسجد کے راستہ میں کیچڑ بھی بہت ہو مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے؟

کیا تاجر ان دونوں نمازوں کو جمع تقدیم کی صورت میں ادا کر سکتا ہے تاکہ اس کی دوکان وغیرہ کھلی رہے؟

جواب بارش کی وجہ سے مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے جب کہ بارش موسلا دھار ہو یا راستہ میں کیچڑ' مٹی اور پھسلن وغیرہ ہو' راستوں میں اندھیرا ہو اور سردی شدید ہو۔ لیکن تاجروں کا اس لئے نمازوں کو جمع کرنا کہ ان کے تجارتی مراکز ہمیشہ کھلے رہیں جائز نہیں' بلکہ بوقت نماز تجارتی مراکز کو بند کر دینا واجب ہے!

—— شیخ ابن جبرین ——

خالی جگہ پر کرنے کے لئے نماز میں چلنا

سوال میں نے اپنے سامنے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھی تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں آگے بڑھ کر اس جگہ کو پر کر دوں جب کہ میں خود بھی تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہوں؟

جواب خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے اگلی صف کی طرف بڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ صف ملانے کے قبیل سے ہے اور جو صف کو ملائے اسے اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ ملا لیتا ہے' خواہ اس کے لئے ایک یا دو قدم اٹھانا پڑیں۔ یہ قابل معافی معمولی حرکت ہے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

ایک وضوء کے ساتھ ایک سے زیادہ فرض نمازوں کو ادا کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ ہم نیت کے بغیر ایک وضوء کے ساتھ دو فرض نمازیں ادا کر سکیں؟

جواب ہاں انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ اس نے مثلاً نماز ظہر کے لئے وضوء کیا ہو اور پھر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا اور اس کا وضوء قائم ہو تو وہ اسی وضوء کے ساتھ نماز عصر ادا کر سکتا ہے خواہ اس نے وضوء کرتے وقت اس کے ساتھ دو نمازوں کے ادا کرنے کی نیت نہ بھی کی ہو کیونکہ نماز ظہر کے لئے اس نے جو وضوء کیا تھا اس سے اس کا حدث ختم ہو گیا اور جب حدث ختم ہو جائے تو وہ دوبارہ کسی سبب ہی سے پیدا ہو گا اور اس کا سبب وہ معروف و مشہور امور ہیں جن سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

انسان اگر نماز کی نیت کے بغیر بھی وضوء کر لے یعنی مثلاً اس نے محض رفع حدث کے لئے وضوء کیا ہو تو طہارت برقرار رہنے تک اس وضوء سے بھی وہ جس قدر چاہے فرض و نفل نمازیں ادا کر سکتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں رفع الیدین کے مقامات

سوال نماز میں رفع الیدین کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز کن مقامات پر رفع الیدین کیا جائے؟

جواب نماز میں چار مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے: (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع کو جاتے ہوئے (۳) رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور (۴) تشہد اول سے اٹھتے ہوئے۔

تکبیر کے آغاز کے ساتھ ہی ہاتھوں کو اٹھانے کا آغاز ہونا چاہئے اور یہ بھی جائز ہے کہ آدمی پہلے ہاتھ اٹھا لے اور پھر تکبیر کہے یا پہلے تکبیر کہے اور پھر ہاتھوں کو اٹھائے۔ رکوع کے لئے جب آدمی جھکنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور پھر رکوع میں جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ لے۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے اٹھائے اور انہیں اٹھاتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور پھر انہیں اپنے سینہ پر باندھ لے۔

تشہد اول سے جب کھڑا ہو تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھائے جیسا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کیا تھا۔ ان چار مقامات کے علاوہ اور کسی مقام پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا بھی مشروع ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جو شخص آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو

سوال ایک آدمی جو آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو تو کیا وہ صرف آخری تشہد پڑھنے پر اکتفاء کرے یا نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعائیں بھی پڑھے؟ امید ہے کہ دلیل کے ساتھ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

جواب جب کوئی شخص امام کو حالت تشہد میں پائے تو وہ اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور تشہد پڑھے اور اذکار کے دیگر سلسلہ کو بھی جاری رکھے حتی کہ تشہد مکمل ہو جائے کیونکہ اس جگہ نمازی محض امام کی متابعت کی وجہ سے بیٹھا ہے لہٰذا اسے بیٹھنے میں اور اس جگہ بیٹھ کر کئے جانے والے ذکر میں اپنے امام کے تابع ہونا چاہئے اور اگر وہ صرف تشہد اول کے پڑھنے پر اکتفاء کرے تو امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ وہ نماز کی تکمیل تک امام کی متابعت کرے۔ نبی ﷺ کے ارشاد:

«فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة. . .، ح:٦٠٢، ٦٠٣)

"نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھو۔"

کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے نیز حدیث میں ہے کہ:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ»(سنن ترمذي، كتاب الجمعة، باب ما ذكر في الرجل يدرك الامام وهو ساجد كيف يصنع، ح:٥٩١، وشرح السنة، باب من صلى وحده خلف الصف وحده، ح:٨٢٥)

"جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی اسی طرح کرے جس طرح امام کرے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا گناہ ہے

سوال اس کپڑے میں نماز کا کیا حکم ہے جس نے ٹخنوں کو ڈھانپ رکھا ہو؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے خصوصاً

جب کہ وہ اس سے ممانعت کی احادیث کو جانتا بھی ہو؟ رہنمائی فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

جواب ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے والے کی نماز صحیح ہے لیکن وہ گناہ گار ضرور ہے لہٰذا واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اس سے اجتناب کی تلقین کی جائے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مسلمان کے لئے واجب ہے کہ اس کا لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔''

لباس کی تمام قسموں قمیص' شلوار اور پینٹ وغیرہ کا وہی حکم ہے جو ازار کا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ فِيْمَا أَعْطَىٰ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحِلْفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار والمن بالعطية، ح:١٠٦)

''تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ روز قیامت کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (۱) کپڑے کو (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا (۲) صدقہ دے کر احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔''

یہ حکم مردوں کے حق میں ہے۔ اور عورتوں کے لئے یہ واجب ہے کہ جب وہ گھر سے باہر بازاروں کی طرف نکلیں تو جرابوں یا کشادہ لباس کے ساتھ اپنے پاؤں کو ڈھانپیں' اسی طرح گھر میں اگر کوئی اجنبی مثلاً اس کے شوہر کا بھائی وغیرہ ہو تو بھی پاؤں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز

سوال جب کپڑا یا پتلون وغیرہ اس قدر لمبی ہو کہ وہ ٹخنوں سے نیچے پہنچ رہی ہو تو کیا اس کے ساتھ نماز صحیح ہو گی؟

جواب پتلون وغیرہ کو ٹخنوں کے نیچے لٹکانا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَفِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔''

اور نبی ﷺ نے اس حدیث میں جو ازار کی بابت فرمایا ہے' باقی کپڑوں کے لئے بھی یہی حکم ہے لہٰذا ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی پتلون اور دیگر کپڑوں کو اپنے ٹخنوں سے اونچا رکھے اور اگر کپڑا نیچے لٹک رہا ہو تو اس حالت میں پڑھی جانے والی نماز کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز صحیح ہو گی کیونکہ آدمی نے

واجب یعنی ستر پوشی کے حکم کو پورا کر دیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حالت میں نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ اس نے حرام کپڑے کے ساتھ ستر پوشی کی ہے' انہوں نے ستر پوشی کے لئے یہ بھی شرط قرار دی ہے کہ وہ جائز کپڑے کے ساتھ ہو لہٰذا کپڑوں کے ٹخنوں سے نیچے ہونے کی صورت میں خطرہ ضرور ہے لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے کپڑے اوپر اٹھا لینے چاہئیں تاکہ وہ ٹخنوں سے اوپر اوپر رہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا کسی عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟

جواب عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا ٱطۡمَأۡنَنتُمۡ فَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَۚ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتۡ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ كِتَٰبٗا مَّوۡقُوتٗا ﴿١٠٣﴾ ﴾
(النساء٤/ ١٠٣)

"پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بیشک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے اوقات مقرر کرتے ہوئے ہر نماز کے لئے ایک مخصوص وقت کا تعین فرمایا ہے لہٰذا کسی شرعی عذر کے بغیر نماز میں تقدیم و تاخیر حدود الٰہی سے تجاوز ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٩)

"اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اور جو لوگ اللہ کی حدود سے باہر نکل جائیں گے' وہ گناہ گار ہوں گے۔"

لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے لیکن جب ضرورت ہو اور وقت پر نماز پڑھنے میں بہت دشواری ہو تو پھر جمع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس حالت میں آسانی کے مطابق ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع تقدیم و تاخیر دونوں صورتوں میں ادا کرنا جائز ہے۔ نیز اس طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کو بھی آسانی کے مطابق جمع تقدیم و تاخیر کی صورت میں ادا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ، بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي الْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلاَ مَطَرٍ»(سنن نسائي، كتاب المواقيت، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، ح:٦٠٣)

"نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے ادا فرمایا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں جب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ امت کو حرج

میں مبتلا نہ کریں یعنی ترک جمع کا حکم دے کر امت کو حرج و مشقت میں مبتلا نہ کر دیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے گویا اشارہ ہے کہ جمع کرنا صرف اسی وقت جائز ہے جب جمع نہ کرنے کی صورت میں حرج اور مشقت ہو۔ اس حدیث کے یہی معنی ہیں لہٰذا انسان جب کسی شرعی عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھے گا تو یہ نمازیں عنداللہ مقبول اور صحیح نہ ہوں گی کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے امر کے خلاف یہ عمل کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . .، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے' تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

شیخ ابن عثیمین

جنازہ کے سوا ہر نماز کے لئے دعاء استفتاح ہے

سوال کیا ہر نماز میں دعاء استفتاح پڑھنا واجب ہے؟

جواب دعاء استفتاح:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ»(جامع الترمذي، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، ح:٢٤٣)

کا تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے۔ نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا مشروع نہیں ہے لیکن ایسی نمازوں میں پڑھنا سنت ہے جن میں رکوع اور سجود ہو مثلاً فرض نمازیں' سنن مؤکدہ' وتر' نماز جمعہ' نماز عیدین' استسقاء' کسوف اور نماز تراویح وغیرہ۔ دعاء استفتاح اس کے سوا اور بھی ثابت ہے لہٰذا جو شخص حدیث سے ثابت دعاؤں اور اذکار کے ساتھ استفتاح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جبرین

مقتدی کو امام کی متابعت کرنی چاہئے

سوال ایک شخص جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے' امام آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے لیکن سجدہ نہیں کرتا تو کیا اس شخص کے لئے سجدہ کرنا جائز ہے؟ اور اگر وہ سجدہ کرے تو کیسے کرے جب کہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ امام کی مخالفت کر رہا ہے؟

جواب مقتدی کے لئے نماز کے تمام افعال میں امام کی متابعت لازم ہے لہٰذا اگر امام سجدۂ تلاوت کرے تو مقتدی بھی کرے اور اگر امام نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ امام تو قرأت میں مصروف ہو اور مقتدی اپنے طور پر اکیلا ہی سجدہ تلاوت کرے' یہ مسئلہ ہے جب نماز جہری ہو اور نماز اگر سری ہو مثلاً ظہر و عصر تو اس میں امام و مقتدی کے لئے آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے لہٰذا اگر کوئی اس آیت کو پڑھ لے تو وہ سجدہ تلاوت نہ کرے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی کیونکہ سجدہ کرنے کی وجہ سے دیگر نمازیوں کو تشویش لاحق ہو گی لہٰذا اس صورت میں وہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرے۔ اگر امام

نے جہری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور امام نے سجدہ کیا لیکن مقتدی نے نہ کیا تو اس صورت میں اگر وہ جاہل ہے کہ اسے آیت سجدہ کا علم نہیں یا یہ علم نہیں کہ اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا لازم ہے تو وہ اس جہالت کی وجہ سے معذور ہے اور اگر وہ یہ جانتا ہے اور اس کے باوجود سجدہ نہیں کرتا تو اس کی نماز باطل ہے اور اسے یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز

سوال جب مسجد میں نمازیوں کی کثرت ہو تو کیا مسجد کے ستونوں کے ساتھ جماعت کی صف میں فاصلہ آجانا جائز ہے؟

جواب لاریب! افضل یہ ہے کہ صفیں باہم دگر ملی ہوں' مسلسل ہوں اور دور نہ ہوں کہ سنت یہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہی حکم ہے کہ صفیں خوب ملی ہوئی ہوں اور ان میں خلل نہ ہو۔ [1] حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کے درمیان صفیں بنانے سے بچتے تھے کیونکہ اس طرح صف کا ایک حصہ دوسرے سے الگ ہو جاتا ہے لیکن اگر ضرورت و حاجت درپیش ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اگر مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہو تو پھر اس حالت میں ستونوں کے درمیان صفیں بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ درپیش امور کے لئے خاص احکام ہوتے ہیں اور ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے وہ احکام ہوتے ہیں' جو ان کے مطابق ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب امام ﴿ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ پڑھے تو مقتدی کا.....

سوال جب امام سورۂ فاتحہ کی قرأت کرتے ہوئے ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ پڑھتا ہے تو بعض مقتدی یہ سن کر پڑھتے ہیں ((اسْتَعَنَّا بِاللّٰهِ)) "ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں" اور بعض تو یہ کلمہ بلند آواز سے کہہ دیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ مقتدی کو یہ نہیں کہنا چاہئے۔ اس کے کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ فاتحہ کا پڑھنے والا جب یہ کہتا ہے کہ ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ تو یہ گویا خبر ہے اس کے بارے میں جو اس کے قلب و ضمیر میں ہے کہ وہ اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتا ہے اور نہ اس کے سوا کسی سے مدد چاہتا ہے۔ مقتدی سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ وہ امام کے ﴿ وَلَا الضَّآلِّينَ ﴾ کہنے کے بعد آمین کہے اور بس!

بعض مقتدی جو مذکورہ بالا کلمہ کہتے ہیں تو اس کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے اور اس سے گردو پیش کے مقتدیوں کو تشویش بھی ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

---

[1] صفوں کو درست کرنے کے بارے میں بے شمار روایات ہیں چند کے حوالے مذکور ہیں۔ صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب اقامة الصف من تمام الصلاة' ح : 723- و مسلم' کتاب الصلاة' باب تسوية الصفوف' ح : 433- ابوداود' ابواب الصفوف باب تسوية الصفوف' ح : 667' اسے امام ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

ایک سورۂ کا تکرار اور ایک رکن کی دوسرے کی نسبت طوالت

سوال نماز میں ایک ہی سورہ کے تکرار کا کیا حکم ہے؟ رکوع کی نسبت سجدہ کی طوالت کا کیا حکم ہے؟ اور ایک رکعت کے دوسری کی نسبت طویل ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ایک ہی سورہ کے تکرار میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ آپ کوئی دوسری سورت پڑھیں' خواہ ایک ہی رکعت کا معاملہ ہو یا دو رکعات کا کیونکہ عہد نبوت سے اب تک معمول یہ چلا آ رہا ہے کہ قاری ایک رکعت میں ایک سورت یا کسی سورت کی چند آیات پڑھتا ہے اور پھر دوسری رکعت میں کوئی دوسری سورت اور کوئی دیگر آیات پڑھتا ہے لیکن اس کے باوجود ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَٱقۡرَءُواْ مَا تَيَسَّرَ مِنَ ٱلۡقُرۡءَانِۚ ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔"

کے عموم کے پیش نظر تکرار میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے حسب نشاط' رکوع و سجود کی طوالت جائز ہے لیکن امام کے لئے رکوع و سجود کے کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ تین بار کہے ((سبحان ربی الاعلی)) اور کمال کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ یہ کلمہ دس بار کہے۔ اور مقتدی اس وقت تک تسبیح کہتا رہے جب تک اس کا امام رکوع و سجود میں مصروف رہے۔ بعض رکعات کو بعض دیگر کی نسبت لمبا کرنا بھی جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ قرأت کے اعتبار سے پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہو اور رکوع و سجود جیسے ارکان قریباً ایک جیسے ہوں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز فجر میں قنوت کا حکم

سوال میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور یہاں سعودیہ میں تقریباً چھ سال سے رہ رہی ہوں۔ ہم اپنے ملک میں نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں لیکن یہاں میں نے دیکھا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے۔ میرا سوال یہ ہے کہ نماز فجر میں قنوت پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھا کر ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے اور ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ:

«مَا زَالَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا»(مسند احمد، ۳/ ۱۶۲)

"نبی کریم ﷺ نماز صبح میں ہمیشہ قنوت فرماتے رہے حتی کہ دنیا سے تشریف لے گئے"

اور جب قنوت مذکور کی کوئی دعاء منقول نہ تھی تو انہوں نے حدیث حضرت حسن رضی اللہ عنہ میں قنوت وتر کے بارے میں مروی دعاء:

«اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّمَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلاَ يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لاَ يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، [وَلاَ يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ]، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ»(أبوداود، ابواب الوتر، باب القنوت

في الوتر، ح:١٤٢٥، ١٤٢٦، سنن ترمذي، كتاب الوتر، باب ما جاء في القنوت في الوتر، ح:٤٦٤، مسند احمد، ١/ ١٩٩، ٢٠٠)

کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

امام احمد اور کئی دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر میں قنوت مشروع نہیں ہے الا یہ کہ مسلمان کسی افتاد (مصیبت) میں مبتلا ہوں مثلاً دشمن' خوف یا کسی عام وبائی مرض کا سامنا ہو تو پھر دعاء قنوت نازلہ کی جا سکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت فرمایا۔ آپ ان قبائل عرب کے لئے بد دعاء کرتے تھے جنہوں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا تھا اور پھر ایک ماہ کے بعد آپ نے اس قنوت کو ترک فرما دیا تھا۔ [1] ان ائمہ کرام کا کہنا ہے کہ جس قنوت کو آپ نے ہمیشہ جاری رکھا' اس سے مراد طول قیام ہے جس کا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

میں ذکر ہے' بہرحال جو ائمہ شافعیہ کے اتباع میں قنوت کرے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشروع نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ہمیشہ عمل کیا ہو لہٰذا بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلا سبب ہو تو مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے

سوال نماز میں ہاتھوں کے کھلا چھوڑنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے۔ نمازی کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لے جیسا کہ "صحیح البخاری" میں حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ:

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة، ح:٧٤٠)

"لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ لے۔"

اس مسئلہ میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حدیث سہل بن سعد کے عموم کا یہی تقاضا ہے' ہاں البتہ اس عموم سے رکوع خارج ہے کہ اس میں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر ہوتے ہیں' سجود خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں' جلسہ خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ رانوں پر ہوتے ہیں۔ باقی رہی حالت قیام تو اس میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں حالتوں میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھا جائے گا۔

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الوتر' باب القنوت قبل الرکوع و بعدہٗ' ح: 1002- و صحیح مسلم' کتاب المساجد باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات--- ح: 677-

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ بات صحیح نہیں

سوال میں نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر چالیس سال یا اس سے زیادہ عمر میں پیشانی پر سجدہ کرنے کا نشان نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہے کہ اس انسان کا سجدہ صحیح نہیں یا ناقص ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سجدہ کو ضرور شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ جب بندہ اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو' خواہ چالیس سال کی عمر سے پہلے یا بعد میں اس کی پیشانی پر سجدہ کی علامت نمودار ہو یا نہ ہو۔ یہ علامت آج کل غالبًا لوگوں کی پیشانیوں پر اس لئے بھی نمایاں نہیں ہوتی کہ اکثر لوگ نرم قالینوں اور مصلوں پر نماز ادا کرتے ہیں اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ پیشانی پر سجدہ کی علامت نمایاں ہو اور اس کے نمایاں نہ ہونے سے سجدہ باطل نہیں ہوتا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں تاخیر

سوال ایک شخص جو سویا رہتا ہے اور نماز فجر کو ظہر سے قریباً دو گھنٹے پہلے ادا کرتا ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عذر کے بغیر نماز کو وقت سے مؤخر کر کے ادا کرنا جائز نہیں اور نیند ہر شخص کے لئے عذر نہیں بن سکتی کیونکہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جلدی سوئے تاکہ نماز کے لئے جلد بیدار ہو سکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے والدین یا کسی بھائی یا پڑوسی وغیرہ سے کہہ دے کہ وہ اسے بیدار کر دے' علاوہ ازیں آدمی کو خود بھی چاہئے کہ نماز کا اس قدر خیال کرے اور نماز کو دل میں اس طرح جگہ دے کہ جب وقت قریب ہو تو دل میں خود بخود احساس پیدا ہو جائے خواہ آدمی سویا ہوا ہی کیوں نہ ہو لہٰذا جو شخص ہمیشہ نماز فجر کو ضحیٰ کے وقت میں ادا کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں نماز کا ہرگز اہتمام نہیں ہے۔ بہرحال انسان کو حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ نماز کو زیادہ سے زیادہ قریب وقت میں ادا کرے اور اگر سویا ہوا ہے تو اٹھ کر جلد پڑھ لے' اسی طرح جو بھول گیا ہو اسے جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عشاء کی نماز میں تاخیر

سوال عشاء کی نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز عشاء کے بارے میں افضل یہ ہے کہ اسے آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا کیا جائے لیکن مرد اگر اسے مؤخر کر کے ادا کرے گا تو اس کی جماعت فوت ہو جائے گی لہٰذا یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کو مؤخر کرے اور اس کی جماعت فوت ہو جائے' ہاں البتہ عورتیں گھروں میں جس قدر نماز عشاء تاخیر سے پڑھیں ان کے لئے افضل ہے لیکن آدھی رات سے زیادہ مؤخر نہ کریں۔

شیخ ابن جبرین

کیا میری نماز صحیح ہے؟

سوال میں نماز عصر کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور جماعت کے ساتھ مل گیا لیکن میری ایک رکعت فوت ہو گئی اور امام جب تیسری رکعت سے فارغ ہوا تو وہ بھول گیا اور چوتھی رکعت کے لئے کھڑا نہ ہوا' مقتدیوں کو بھی خبر نہ ہوئی اور امام نے سلام پھیر دیا۔ میں نے کھڑے ہو کر اس رکعت کو پڑھنا شروع کیا جو رہ گئی تھی اور جب میں سجدے کے قریب پہنچا تو مقتدیوں نے امام کو بتایا کہ نماز میں یہ کوتاہی ہو گئی ہے لہٰذا وہ چوتھی رکعت پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' میں بھی سجدہ مکمل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور میں نے رکعت پڑھی' جلسہ' تشہد بھی کیا' ان کے ساتھ سجدۂ سہو بھی کیا اور پھر ہم سب نے اکٹھا سلام پھیر دیا۔ کیا اس صورت میں میری یہ نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں جب آپ کو امام کے بھولنے کا علم ہو گیا تھا تو آپ پر واجب تھا کہ امام کو اس کی کوتاہی پر متنبہ کرتے لیکن اگر شک کی وجہ سے آپ بھی کھڑے ہو گئے تو کوئی حرج نہیں اور اب آپ کو یہ چاہئے تھا کہ انفرادی طور پر نماز کو جاری رکھتے اور اسے مکمل کر لیتے' انفرادی طور پر ایک رکعت پڑھنے کے بعد علت کی وجہ سے دوبارہ ان کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے۔ امام نے جب سلام پھیر دیا تھا تو آپ کے لئے اب امام سے علیحدگی جائز تھی لیکن آپ بھی جب باقی مقتدیوں کی طرح دوبارہ امام کی اقتداء میں آ گئے تو یہ بھی جائز ہے۔

شیخ ابن جبرین

نیند کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال میں ایک لڑکی ہوں۔ نیند کی وجہ سے میری اکثر نماز مغرب فوت ہو جاتی ہے اور پھر میں اسے رات کو دیر سے یا صبح پڑھتی ہوں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم یہ ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نماز میں اس قدر سستی کرے کہ اس کا وقت ختم ہو جائے۔ انسان جب سونے لگے تو وہ کسی کو کہہ دے' جو اسے بیدار کر دے تاکہ بروقت نماز ادا کی جائے۔ یہ ضروری ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نماز مغرب یا عشاء کو صبح تک مؤخر کیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ نماز کو بروقت ادا کیا جائے لہٰذا اس لڑکی کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں سے کہے کہ وہ اسے نماز کے وقت بیدار کر دیں' ہاں البتہ اگر کوئی ایسی شدید حاجت یا عارضہ درپیش ہو جس کی وجہ سے نیند کا سخت غلبہ ہو' وہ مغرب کی نماز ادا کرے اور ڈر ہو کہ اگر اس نے نماز عشاء نہ پڑھی تو اس پر نیند کا اس قدر غلبہ ہو گا کہ وہ نماز فجر سے پہلے نہ اٹھ سکے گی تو پھر اس حال میں عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کر کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ عشاء کی نماز وقت سے فوت نہ ہو لیکن ایسی صورت تو کسی عارضہ ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ وہ کئی راتوں تک بیدار رہی ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے یہ صورت درپیش ہو۔

شیخ ابن عثیمین

مسبوق' امام کے ساتھ جو پائے وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے۔

سوال جب کوئی آدمی امام کے ساتھ چار رکعتوں والی نماز میں اس وقت شامل ہو کہ اس کی دو رکعات فوت ہو گئی ہوں تو ان دو آخری رکعات کے بارے میں وہ کیا نیت کرے کہ یہ اس کی پہلی دو رکعات ہیں یا آخری دو رکعات ہیں تاکہ پہلی دو رکعات کی نیت سے وہ فوت شدہ رکعات کی قضا دے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ آدمی جماعت کے ساتھ جو نماز پاتا ہے' وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے اور جسے وہ بعد میں ادا کرتا ہے' وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص امام کے ساتھ ظہر کی دو رکعات پالے اور امام کے ساتھ اس کے لیے سورت فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھنا ممکن ہو' تو وہ پڑھے۔ اور امام جب سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو مکمل کر لے اور ان آخری دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے کیونکہ یہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار، ح:٦٣٦، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة...، ح:٦٠٢، ٦٠٣)

"نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

شیخ ابن عثیمین

فوت شدہ نمازوں کی قضاء

سوال جب وقت ختم ہو جائے اور میں ایک نماز کو دوسری کے ساتھ مثلاً ظہر کو عصر کے ساتھ ادا کرنا چاہوں تو پہلے کون سی نماز پڑھوں؟

جواب پہلے فوت شدہ نماز کو پڑھو مثلاً عصر سے پہلے ظہر اور عشاء سے پہلے مغرب پڑھو۔ اگر مسجد میں عصر کی نماز کھڑی ہو چکی ہو تو تم ظہر کی نیت کر کے ان کے ساتھ نماز ادا کرو اور پھر اس کے بعد نماز عصر پڑھ لو' ایسا اس لئے جائز ہے کہ ظہر اور عصر کی رکعتوں کی تعداد اور صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔

شیخ ابن جبرین

جنبی جو غسل نہیں کرتا رہا

سوال میں مشت زنی کرتا رہا ہوں اور غسل کیے بغیر نماز پڑھتا اور روزہ بھی رکھتا رہا ہوں کیونکہ مجھے علم نہ تھا کہ اس فعل کی وجہ سے مجھ پر غسل واجب ہے۔ مجھے اب معلوم بھی نہیں کہ اس طرح بغیر غسل کے میں نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں؟ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب تم نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ مشت زنی حرام ہے اگرچہ بعض اہل علم نے اس شخص کے لئے اس کی اجازت دی ہے جسے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہو اور پھر دوسری بڑی غلطی یہ کی کہ اس کے بارے میں کسی سے پوچھا بھی نہیں کہ حکم کیا ہے؟ ہاں البتہ جہالت' طول زمان اور بہت سی نمازوں کی قضاء میں مشقت کی وجہ سے تمہارا یہ گناہ قابل معافی ہے' لہٰذا اب تمہیں کثرت کے ساتھ نفل نمازیں اور عبادتیں ادا کرنی چاہئیں تاکہ ماضی میں جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

امام کو رکوع میں دیکھ کر " اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ " کہنا

سوال ایک شخص مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے آئے اور دیکھے کہ نمازی حالت رکوع میں ہیں تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ امام سے مخاطب ہو کر یہ کہے "صبر کیجئے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" تاکہ امام رکوع لمبا کر دے اور یہ اس کے ساتھ شامل ہو سکے؟

جواب اس طرح کرنا جائز نہیں خواہ یہ کہے کہ "صبر کیجئے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" یا کھنکار کر اشارہ کرے یا زمین پر پاؤں مار کر امام کو مطلع کرے یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرے' جس سے امام کو یہ باور کرانا مقصود ہو کہ وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو رہا ہے بلکہ اس حالت میں واجب یہ ہے کہ آدمی اطمینان و سکون کے ساتھ آئے اور جلد بازی سے کام نہ لے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الإِقَامَةَ فَامْشُوْا إِلَى الصَّلاَةِ وَلاَ تُسْرِعُوْا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار، ح:٦٣٦، ومسند احمد ٢/ ٥٣٢، السنن الكبرى للبيهقي، ٣/ ٩٣)

"جب تم اقامت کو سنو تو چلو اور دوڑ کر نہ آؤ' جو پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے' اسے پورا کر لو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واجب یہ ہے کہ آپ نماز کے لئے اطمینان و سکون سے آئیں' آرام سے صف میں شامل ہو جائیں' جو پالیں اسے پڑھ لیں اور جو فوت ہو جائے' اسے بعد میں مکمل کر لیں۔ نبی ﷺ کا یہی حکم ہے۔ امام اور مقتدیوں کو پریشان نہیں کرنا چاہئے اور نہ کوئی ایسا کام کرنا چاہئے' جو عہد صحابہ میں نہیں تھا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مسبوق' امام کی زائد نماز کو شمار نہ کرے

سوال ایک آدمی نماز کے لئے جماعت کے ساتھ شامل ہوا اور اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی' پھر امام نے سجدہ سہو کیا اور سلام پھیر دیا اور اس آدمی کو اپنی باقی نماز پڑھتے ہوئے معلوم ہو گیا کہ امام نے نماز میں ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اس زائد رکعت کو شمار کرے یا اس زائد رکعت کو شمار نہ کرے اور اپنی نماز کو از سر نو شروع کرے؟

جواب جب امام بھول کر ایک رکعت زیادہ پڑھ لے' تو مسبوق کو چاہئے کہ وہ اسے شمار نہ کرے کیونکہ امام نے اس رکعت کو بھول کر ادا کیا ہے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس شخص کو کامل نماز پڑھنی ہوگی اور اگر اس نے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہ کیا ہو تو اپنی نماز سے فراغت کے بعد سجدہ سہو کرے اور اگر امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا ہو تو وہی کافی ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

جہری نماز میں قراءت کا بلند آواز سے نہ پڑھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ نماز عشاء میں قراءت جہری نہ کی جائے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ امام رات کی نماز میں قراءت جہری کرے تاکہ مقتدی اسے سن کر اس سے استفادہ کریں' اگر امام سہواً جہر ترک کر دے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے جہری قراءت لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے تو اپنی قرأت اپنے جی ہی کو سنانا ہوتی ہے اور اگر وہ جہری قراءت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے قاری یا نمازی یا سوئے ہوئے آدمی کو پریشانی نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جہری قراءت اس کے لئے زیادہ قوی اور حضور قلب کا باعث ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز عصر کو بعد از مغرب پڑھنا

سوال ہم نماز عصر پڑھنا بھول گئے اور اس وقت یاد آیا جب ہم نے مغرب کی اذان سنی تو ہم نے نماز مغرب کے بعد عصر کی نماز کو پڑھ لیا' اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جب انسان نماز کو بھول جائے یا سو جائے اور پاس کوئی بیدار کرنے یا یاد دلانے والا نہ ہو اور وقت خارج ہو جائے تو جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يُصَلِّيْهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَلاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة . . .، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . .، ح:٦٨٤)

"اسے جب یاد آئے پڑھ لے' اس کا بس یہی کفارہ ہے۔"

اس حالت میں جو سائل نے ذکر کی ہے اسے چاہئے تھا کہ پہلے نماز عصر پڑھتا اور پھر مغرب تاکہ وہ اس ترتیب کے مطابق نماز پڑھتا' جسے اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی نمازیں جب ایک دن غزوۂ خندق کے دوران فوت ہو گئی تھیں' تو آپ نے انہیں ترتیب ہی سے پڑھا تھا اور آپ کا مشہور ارشاد گرامی ہے کہ:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الاذان للمسافرين . . .، ح:٦٣١)

"تم اس طرح نماز پڑھو' جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

لہٰذا جب آپ مسجد میں آئے اور لوگ نماز مغرب ادا کر رہے تھے تو آپ ان کے ساتھ نماز عصر کی نیت کر کے شامل

ہو جاتے اور امام کے سلام کے بعد باقی نماز پوری کر لیتے' لوگوں کی یہ نماز مغرب' آپ کے لئے نماز عصر ہوتی اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ امام اور مقتدی کی نیت الگ الگ ہو کیونکہ افعال ایک جیسے ہیں اور امام سے جن اختلافات سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے' وہ نیت کے علاوہ دیگر افعال ہیں' اور آپ نے مغرب کی نماز کو جو عصر سے پہلے پڑھ لیا تو یہ شرعی حکم سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر میں جہری قرأت

سوال جب ایک جماعت سوئی رہے اور وہ طلوع آفتاب کے بعد بیدار ہو تو کیا پھر بھی نماز فجر میں قرأت جہری ہو گی؟

جواب وہ جماعت جب بیدار ہو' اسی وقت نماز ادا کرے اور اسے مزید لیٹ نہ کرے' اس صورت میں بھی فجر میں قرأت اسی طرح جہری ہو گی جس طرح بروقت نماز ادا کرنے کی صورت میں جہری ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بوقت ضرورت نماز توڑ دینا

سوال میں نے گھر میں ضحیٰ کی دو رکعات پڑھنا شروع کیں۔ جب میں نے تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ کو بھی پڑھ لیا تو دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے سلام پھیر دیا اور دروازہ کھول دیا اور واپس آکر دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز از سر نو شروع کر دی تو کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟

جواب بوقت ضرورت نماز توڑ دینے میں کوئی حرج نہیں خواہ فرض ہو یا نفل جیسا کہ اس صورت مسئولہ میں ہے کیونکہ بعض دفعہ دستک دینے والا بلند آواز کے ساتھ بلاتا ہے یا دستک ہی زور سے دیتا ہے' جس سے اضطراب و تشویش لاحق ہوتی ہے اور آدمی توجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا' ہاں البتہ بغیر ضرورت کے نماز کو نہیں توڑنا چاہیئے' لیکن اگر کسی نے بلاضرورت نماز توڑ دی اور پھر دوبارہ شروع کر کے پڑھ لی تو ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ ہو گا اور ندامت و توبہ کے سوا اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز کو باطل کرنے والی حرکات

سوال کہا جاتا ہے کہ تین حرکتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے' کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب نمازی کو چاہئے کہ وہ پرسکون ہو کر نماز ادا کرے' خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے' اپنے دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں یا سر کے ساتھ کوئی فضول حرکت نہ کرے اور مختصر عمل کی وجہ سے نماز کو باطل قرار نہ دے مثلاً سامنے سے گزرنے والے کو اگر منع کیا یا بوقت ضرورت دروازہ وغیرہ کھولنا پڑا تو اس سے اس کی نماز باطل نہ ہو گی لہٰذا اگر کوئی ایسا کام کر لیا جس کو عادتاً کثیر سمجھا جاتا ہو مثلاً بلاضرورت اگر پانچ قدم چل لئے یا کثرت کے ساتھ کوئی بے فائدہ کام کر لیا تو اس

سے نماز باطل ہو جائے گی۔ تین حرکتوں سے حد بندی درست نہیں بلکہ جس عمل کو عادتاً کثیر سمجھا جاتا ہو خواہ وہ عمداً کیا ہو یا غلطی سے اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

کھنکارنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

سوال میں ایک مسجد کے پڑوس میں رہتا ہوں اور ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں اس مسجد میں ادا کرتا ہوں۔ آج کل دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب جب مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھاتے ہیں' تو وہ نماز میں بہت کھنکارتے ہیں یعنی ایک رکعت میں کوئی تین مرتبہ کے قریب۔ سوال یہ ہے کیا اس سے نماز باطل تو نہیں ہو جاتی؟ براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' خواہ وہ کثرت سے کھنکارتا ہو کیونکہ اگر ضرورت کی وجہ سے کھنکارا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی اور سوال میں جو صورت حال مذکور ہے ایسا عموماً ضرورت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

نماز میں وسوسے

سوال جب میں نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ذہن بہت منتشر ہو جاتا ہے اور افکار پریشان کا ہجوم ہوتا ہے اور مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہی ہوں حتی کہ اس حالت میں سلام پھیر دیتی ہوں' پھر نماز کو دوبارہ پڑھتی ہوں تو پھر بھی کیفیت پہلے جیسی ہی ہوتی ہے' حتی کہ میں پہلا تشہد بھی بھول جاتی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کتنی رکعات پڑھی ہیں' جس سے میرے اضطراب اور اللہ تعالیٰ سے خوف میں اضافہ ہو جاتا ہے اور میں سجدہ سہو کر لیتی ہوں۔ امید ہے میری اس حالت کے بارے میں رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے۔

جواب وسوسے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ آپ کے لئے واجب ہے کہ نماز کا خاص اہتمام کریں' اطمینان و سکون قلب' کامل یکسوئی اور بصیرت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ۝٢ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۱۔۲)

''بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے' وہ لوگ جو نماز میں عجزونیاز کرتے ہیں۔''

اور نبی کریم ﷺ نے جب ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز کو صحیح طریقے سے اور اطمینان سے ادا نہیں کر رہا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ نماز کو دوبارہ پڑھو اور فرمایا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ

حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلاَتِكَ كُلِّهَا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والماموم، ح:٧٥٥، ٧٩٣، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة. . .، ح:٣٩٧)

"جب نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو خوب اچھی طرح وضوء کرو' پھر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ اکبر کہو' پھر قرآن مجید کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو' پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اطمینان سے سجدہ کرو' پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اور پھر ساری نماز اسی طرح اطمینان و اعتدال کے ساتھ ادا کرو۔"

جب نماز پڑھتے ہوئے تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے سرگوشیاں کر رہی ہو تو اس سے نماز میں خشوع پیدا ہو گا' توجہ ہو گی' شیطان تم سے دور ہو جائے گا' اس کے وسوسوں سے تم محفوظ رہو گی اور جب نماز میں وسوسے کثرت سے پیدا ہونے لگیں تو تین بار اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے وسوسے زائل ہو جائیں گے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ عرض کیا کہ شیطان نے میری نماز میں خلل ڈال دیا ہے تو آپ نے انہیں یہی حکم دیا تھا۔

وسوسوں کی وجہ سے نماز کو دوہرانے کا حکم نہیں ہے بلکہ سجدہ سہو ہی کافی ہو گا بشرطیکہ ایسا کوئی فعل سرزد ہوا ہو جو موجب سجدہ سہو ہو مثلاً تشہد اول بھول جانا یا رکوع اور سجود میں تسبیح بھول جانا۔ اگر مثلاً نماز ظہر میں یہ شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین قرار دو اور ایک اور رکعت پڑھ کر نماز کو مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لو۔ اسی طرح اگر نماز مغرب میں یہ شک ہو کہ تم نے دو رکعات پڑھی ہیں یا تین' تو انہیں دو سمجھو' ایک رکعت اور پڑھ کر نماز مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے پناہ دے اور اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس سے وہ راضی ہو۔

———— شیخ ابن باز ————

مغرب کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ عشاء کی جماعت کھڑی ہو گئی

سوال میں مسجد میں داخل ہوا تو نماز عشاء کی جماعت کھڑی تھی لیکن نماز شروع کرنے سے پہلے مجھے یاد آیا کہ میں نے تو مغرب کی نماز نہیں پڑھی' تو کیا اس صورت میں میں پہلے نماز مغرب ادا کروں اور پھر جماعت میں شامل ہو جاؤں یا نماز مغرب' عشاء کی نماز کے بعد ادا کر لوں؟

جواب جب آپ مسجد میں آئیں اور نماز عشاء کھڑی ہو اور آپ کو یاد آئے کہ آپ نے تو مغرب کی نماز بھی نہیں پڑھی تو اس صورت میں آپ نماز مغرب کی نیت کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائیں' جب امام چوتھی رکعت کے لئے اٹھے تو آپ تین پڑھ کر بیٹھے رہیں' انتظار کریں اور جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اہل علم کے صحیح قول

کے مطابق اس صورت میں امام اور مقتدی کی نیت کا اختلاف نقصان دہ نہیں ہے اور اگر آپ اکیلے نماز مغرب ادا کر لیں اور پھر نماز عشاء کا جو حصہ پائیں اسے جماعت سے ادا کر لیں' تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھنا

سوال کیا نمازی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو باندھ لے؟ ایک مسجد میں ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا' ہمیں فتویٰ دیجئے کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث جو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ' وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے لئے حالت قیام میں مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو باندھ لے خواہ یہ قیام رکوع سے پہلے ہو یا بعد میں ہو اور بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینہ پر باندھا جائے۔

مذکورہ احادیث پر عمل کے مطابق یہی قول مختار ہے۔ جو لوگ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے کے قائل ہیں' ان کے پاس اس مسئلہ میں کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ ہم نے اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے جو بعض مقامی اور غیر مقامی پرچوں میں شائع ہوا ہے' لیکن یاد رہے کہ ہاتھوں کو باندھنا یا چھوڑ دینا ان مسائل میں سے نہیں ہے کہ جن کی وجہ سے امت میں اختلاف اور دشمنی پیدا کی جائے بلکہ مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں' اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں' آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کریں خواہ قبض و ارسال جیسے فرعی مسائل میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے' واجب نہیں ہے۔ جو شخص ہاتھوں کو باندھ کر نماز پڑھے یا چھوڑ کر' نماز صحیح ہے ہاں البتہ ہاتھوں کو باندھنا افضل اور مشروع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے نفسوں کی شرارتوں' برے اعمال اور گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے۔ انہ سمیع مجیب۔

——— شیخ ابن باز ———

غیر قبلہ رخ نماز

سوال جب ایک جماعت غیر قبلہ رخ نماز پڑھ لے جب کہ انہیں معلوم نہ ہو کہ قبلہ کس طرف ہے تو کیا نماز کو دوہرانا پڑے گا؟

جواب اگر یہ لوگ صحراء میں ہوں اور قبلہ کی جہت معلوم کرنے کے لئے کوشش کریں اور کوشش کے بعد اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیں' جس کے بارے میں گمان ہو کہ قبلہ اس طرف ہے تو اس نماز کی قضاء نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ لوگ شہر میں ہوں تو ان پر قضاء ہوگی کیونکہ ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ گرد و پیش کے لوگوں سے قبلہ کی سمت کے بارے میں پوچھ

لیتے۔

——— شیخ ابن باز ———

نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا

سوال وضوء اور نماز کی نیت کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اسے ترک کردینا واجب ہے۔ نیت کا مقام دل ہے لہٰذا الفاظ کے ساتھ نیت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

میں کیا کروں؟

سوال اگر کچھ لوگ مسافر ہوں اور وہ مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور ان میں ایک ایسا آدمی آکر شامل ہو جس کی پہلی نماز فوت ہو گئی ہو لیکن لوگ دوسری نماز پڑھ رہے ہوں اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا انتظار کرے حتیٰ کہ لوگ فارغ ہو جائیں اور پھر یہ ان سے پوچھے یا کیا کرے؟

جواب صورت مذکورہ میں اگر سائل کو یہ معلوم ہو کہ وہ دوسری نماز پڑھ رہے ہیں اور اس دوسری نماز کے وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ دوسری نماز ہی کی نیت کر کے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ اسے تو وقت پر ادا کر سکے اور اس سے فارغ ہو کر پھر پہلی نماز پڑھ لے اور اس طرح اس نے حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر لی اور اگر وہ پہلی نماز کی نیت کر کے داخل ہوا لیکن معلوم ہوا کہ یہ تو دوسری نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کی یہ پہلی نماز ہی ہو گی۔ اگر وہ ایک رکعت پڑھ چکے ہیں تو یہ امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے گا اور امام کے اتباع کی وجہ سے اس کے ساتھ تشہد میں بھی بیٹھے گا اور جب امام سلام پھیر دے گا تو یہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھے گا پھر پہلا تشہد بیٹھے گا' پھر تیسری رکعت پڑھے گا' پھر تشہد کے بعد سلام پھیر دے گا اور پھر عشاء کی نماز پڑھے گا۔ اور اگر یہ پہلی رکعت ہی میں شامل ہو جائے تو امام کے (عشاء کی دو رکعت نماز قصر سے) سلام پھیرنے کے بعد (مغرب کی) تیسری رکعت پڑھے گا' تشہد کے بعد سلام پھیر دے گا اور پھر نماز عشاء پڑھے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرنا بدعت ہے۔

سوال نماز کی نیت کے الفاظ کو زبان سے جہراً ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نیت کو الفاظ میں ادا کرنا بدعت ہے اور اگر یہ الفاظ جہری ہوں تو اور زیادہ گناہ ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ نماز کی نیت دل میں کی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ظاہر و مخفی سب باتوں کو جانتا ہے اور اس کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ ٱللَّهَ بِدِينِكُمْ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۶)

"ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلاتے ہو اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے۔"

نبی ﷺ سے' نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے اور نہ ائمہ متبوعین میں کسی سے یہ ثابت ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم شریعت نہیں ہے بلکہ یہ نوایجاد بدعت ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں بسم اللہ کو سری طور پر پڑھنا افضل ہے

سوال نماز میں سورۂ فاتحہ یا دیگر سورہ کی قرأت کے موقعہ پر بسم اللہ کے جہری طور پر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے جہری پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور سری طور پر پڑھنے کو پسند کیا ہے۔ اس مسئلہ میں زیادہ راجح اور افضل یہی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ، وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ لاَ يَجْهَرُوْنَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ»(سنن نسائي، كتاب الافتتاح، باب ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، ح:۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، وابن خزيمة، ۴۹۶، ۴۹۷)

"نبی ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرأت جہراً نہیں فرمایا کرتے تھے۔"

اس مفہوم کی بہت سی احادیث ہیں۔ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ...... کو جہراً پڑھنا مستحب ہے لیکن یہ احادیث ضعیف ہیں۔ ہمارے علم میں کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بسم اللہ کو جہری طور پر پڑھا جائے' لیکن اس مسئلہ میں کافی گنجائش اور سہولت ہے۔ پس اس میں جھگڑا جائز نہیں ہے لہٰذا اگر بعض اوقات امام اسے جہری پڑھ لے تاکہ مقتدیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ امام اسے پڑھتا ہے' تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں اسے آہستہ پڑھا جائے تاکہ عمل صحیح احادیث کے مطابق ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

کعبہ کے اندر نماز

سوال کیا باہر کی نسبت کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے؟ اور انسان نے کعبہ کے اندر جو دیکھا ہو کیا اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے؟

جواب کعبہ کے اندر نماز مستحب ہے بشرطیکہ وہاں تکلیف و مشقت اور لوگوں کو ایذاء پہنچائے بغیر بآسانی نماز پڑھنا ممکن ہو۔ نبی کریم ﷺ نے بھی کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز ادا فرمائی تھی جیسا کہ "صحیحین" سے ثابت ہے۔[1] آپ سے یہ بھی

---

① صحیح بخاری' کتاب الصلاۃ' باب قوله تعالى واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى' ح: 397' 468' 504' 505- صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره---' ح: 1329-

مروی ہے کہ آپ کعبہ سے باہر غمگین ہو کر نکلے اور فرمایا:

«إِنِّيْ أَخْشَى أَنْ أَكُوْنَ قَدْ شَقَقْتُ عَلَى أُمَّتِي »(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في دخول الكعبة، ح:٢٠٢٩)

"مجھے خدشہ ہے کہ شاید میں نے امت کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔"

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّي فِي الْحِجْرِ فَإِنَّهُ مِنَ الْبَيْتِ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب الصلاة في الحجر ح:٢٠٢٨، ومسند احمد ٦/ ٩٢)

"حجر میں نماز پڑھ لو' وہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا مستحب ہے' قربت اور اطاعت ہے اور اس میں فضیلت بھی زیادہ ہے لیکن اس کے لئے مزاحمت نہیں ہونی چاہئے' نہ لوگوں کو کوئی ایذاء پہنچائی جائے اور نہ ایسا اقدام کیا جائے' جس سے اپنے آپ کو یا لوگوں کو تکلیف ہو' اس فضیلت کے حصول کے لئے حجر میں نماز پڑھنا بھی کافی ہے کہ وہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ بیت اللہ کے نقش و نگار یا اس کی چھت اور دیوار کے بارے میں لوگوں کے سامنے بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ میں نے وہاں یہ دیکھا ہے۔ سنت یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہو کر آدمی دو رکعت نماز ادا کرے' بیت اللہ کے نواح میں تکبیریں کہے اور آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو دعاء کرنا ممکن ہو وہ کرے خصوصاً جامع قسم کی دعاؤں کو پڑھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے' آپ نے نماز پڑھی اور نواح میں تکبیریں کہیں اور پھر دعاء فرمائی اور یہ تمام امور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں قرأت کے درمیان دعاء کا حکم

سوال میں نے بعض نمازیوں کو سنا ہے کہ وہ نماز میں قرأت کے دوران' قرأت کو قطع کر کے مناسب دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً جنت کے ذکر کے موقعہ پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ)) اس طرح جہنم کے ذکر کے موقعہ پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ)) تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب جو شخص بھی نماز کے اندر یا نماز سے باہر قرآن مجید کی تلاوت کرے اس کے لئے یہ مسنون ہے کہ جب وہ آیت رحمت کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے' جب آیت عذاب کی تلاوت کرے تو اس سے جہنم کی آگ سے پناہ چاہے' جب اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی آیت کی تلاوت کرے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرے اور اس موقعہ پر سبحانہ وتعالیٰ یا اس طرح کے دیگر کلمات کہہ لے اور جو یہ پڑھے: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ﴾ تو اس کے لئے مستحب ہے کہ یہ کہے ((بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ)) جب یہ پڑھے ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴾ تو کہے ((بَلٰى اَشْهَدُ)) جب یہ پڑھے ﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو یہ کہے ((اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ)) جب یہ پڑھے ﴿ فَبِاَيِّ

اَلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ تو یہ کہے ((لَا نُكَذِّبُ بِشَيْئٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّنَا)) اور جب یہ پڑھے ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴾ تو کہے ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى))

یہ کلمات امام' مقتدی اور منفرد سب کے لئے کہنا مستحب ہے کیونکہ یہ دعاء ہیں اور دعاء آمین کی طرح سب سے مطلوب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز سے باہران آیات کی قرأت کرتا ہے تو پھر بھی اس کے لئے یہی حکم ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ

سوال کیا نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینے پر باندھنا نبی کریم ﷺ کا فعل ہے یا نہیں؟

جواب سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے کچھ حصہ پر' کلائی پر اور کچھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ پر باندھ لیا جائے اور قیام میں قرأت کے دوران انہیں اسی طرح رکھا جائے۔ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سے لے کر سجدہ میں جانے تک بھی انہیں اسی طرح باندھا جائے' یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت و عملی سنت ہے۔[1] ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

نمازی کے سترہ کی حدود

سوال کیا مسجدوں میں موجود قالینوں اور دریوں وغیرہ کے کناروں کو نمازی کے لئے سترہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب قالینوں اور دریوں وغیرہ کے کناروں کو نمازی کے لئے سترہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ سنت یہ ہے کہ سترہ پالان کی کیلی (پچھلی لکڑی) کے مانند کوئی کھڑی چیز ہو یا اس سے کوئی اونچی چیز مثلاً دیوار' ستون اور کرسی وغیرہ بھی سترہ ہو سکتی ہے۔ اگر اس طرح کی کوئی چیز پاس موجود نہ ہو تو امام یا منفرد ہونے کی صورت میں اپنے سامنے عصا وغیرہ کو گاڑ لے۔ مقتدی کے لئے امام کا سترہ ہی کافی ہو گا۔ اور اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں سترہ کے لئے کوئی بھی چیز موجود نہ ہو تو پھر زمین پر خط کھینچ لے۔

اس مسئلہ میں اصل نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يؤمر المصلي أن يدرأ عن الممر بين يديه، ح:٦٩٨)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ سترہ کی طرف نماز پڑھے اور سترہ سے قریب ہو کر کھڑا ہو۔"

---

[1] سینے پر ہاتھ باندھنے کی بے شمار احادیث ہیں: صحیح ابن خزیمہ' 243/1' ح: 479- اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے مسند احمد' 226/5- حافظ ابن عبدالبر اور علامہ عظیم آبادی نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی' کتاب الافتتاح' باب فی الامام اذارای الرجل---' ح: 490- اسے ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ:

«يَقْطَعُ صَلاَةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ: الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي، ح:٥١٠، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، ح:٧٠٢، ومسند احمد، ١/ ٢٤٧، ٣٤٧)

"عورت' گدھے اور کالے کتے کے (نمازی کے) آگے سے گزرنے سے مسلمان آدمی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے' جب اس کے سامنے پالان کی کیلی کی طرح (سترہ) نہ ہو۔"

اسی طرح آپ کا ایک اور ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَخُطَّ خَطًّا ثُمَّ لاَ يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ما يستر المصلي، ح:٩٤٣، وصححه ابن حبان)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ لے' اگر کوئی چیز نہ پائے تو عصا گاڑ لے' اگر عصا بھی نہ ہو تو خط کھینچ لے تو پھر آگے سے گزرنے والی کوئی چیز بھی نقصان نہ دے گی۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "بلوغ المرام" میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو مضطرب قرار دینے والے کی بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں جمائی لینا

سوال جمائی تو اگرچہ نماز میں بھی آ سکتی ہے اور غیر نماز میں بھی لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر جمائی نماز میں آئے تو کیا اس وقت بھی یہ واجب ہے کہ نمازی «اعوذ بالله من الشيطن الرجيم» پڑھ کر منہ پر ہاتھ رکھ لے یا اس حالت میں نمازی کیا کرے؟

جواب جب کوئی شخص جمائی لے خواہ وہ حالت نماز میں ہو یا کسی اور حالت میں تو اسے چاہئے کہ مقدور بھر منہ کو بند کر لے۔ اگر جمائی کا غلبہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ اگر آدمی جمائی کے وقت منہ بند نہ کرے اور اس پر ہاتھ نہ رکھے تو شیطان انسان کے منہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔[1]

—— شیخ ابن جبرین ——

[1] صحیح مسلم' کتاب الزھد' باب تشمیت العاطس و کراھة التثاؤب ح: 2995' و سنن ابی داود' باب فی التثاؤب ' ح: 5026 و سنن ترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی کراھیة التثاؤب فی الصلاۃ' ح: 370

نماز کے بعد کے اذکار

نماز کے بعد ایک ہی آواز کے ساتھ اجتماعی دعا

سوال ہماری بستی میں دو جماعتیں ہیں' جن میں سے ہر ایک راہ صواب پر ہونے کی مدعی ہے' ان میں سے ایک جماعت نماز ختم ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر یوں دعاء کرتی ہے کہ:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا»

اور اس طرح ایک اور دعاء بھی پڑھتے ہیں' جسے دعاء فاتح کہا جاتا ہے جب کہ دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ہم اس طرح نہیں کریں گے جس طرح پہلی جماعت نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم جب پہلی جماعت سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ یہ اجتماعی دعاء کمال نماز ہے اور یہ دعاء ہی تو ہے' اس میں سوائے خیروبھلائی کے اور کچھ نہیں لیکن دوسری جماعت اس کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے اور یہ جماعت نبی ﷺ کے ارشاد ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) سے بھی اپنے مؤقف کی تائید میں استدلال کرتی ہے۔۔ ۔۔۔ ہم نوجوان پریشان ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون سی جماعت راہ راست پر ہے' لہٰذا آپ سے اے برادران! مطالبہ یہ ہے کہ واضح فرمائیں کہ ان میں سے کون سی جماعت راہ راست پر ہے؟

جواب امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک ہی آواز میں اجتماعی دعاء کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جو اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس سلسلہ میں بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

"فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا سنت نہیں ہے خواہ اکیلا امام دعاء کرے یا مقتدی یا دونوں مل کر بلکہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ ہاتھ اٹھائے بغیر دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ وباللہ التوفیق۔" ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

سنن رواتب اور فرائض کے بعد جہری طور پر دعاء کرنا

سوال بعض لوگ نماز کے بعد جہری طور پر دعاء کرتے ہیں اور اکثر بلند آواز سے بڑے ترنم کے ساتھ دعاء کرتے ہیں اور جو اس طرح دعاء نہ کرے اسے کافر قرار دیتے ہیں' اسی طرح سنن رواتب کے بعد بھی اسی طرح اجتماعی طور پر ہمیشہ باقاعدگی سے دعاء کرتے اور اسے حکم شریعت قرار دیتے ہیں' بعض دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعائیہ کلمات کو دو دو' تین تین بار

دوہراتے ہیں اور اس عمل کو اہل سنت کے شعار میں سے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کو جو اس کی مخالفت کرے' وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے' براہ کرم دلیل سے واضح فرمائیں کہ شریعت بیضاء کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز پنجگانہ اور سنن رواتب کے بعد اس طرح اجتماعی طور پر باقاعدگی کے ساتھ بلند آواز میں دعاء کرنا بدعت منکرہ ہے کیونکہ اس طرح دعاء نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور جو شخص فرض نمازوں یا سنن راتبہ کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کرے' وہ اہلسنّت و جماعت کا مخالف ہے اور اس اجتماعی دعاء کی مخالفت کرنے والے اور اس طرح دعاء نہ کرنے والے کو کافر کہنا یا یہ کہنا کہ یہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں ہے' جہالت' ضلالت اور حقائق کو مسخ کرنا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء کرنا

سوال کیا رسول اللہ ﷺ سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء کرنا ثابت ہے؟ مجھے علماء نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء نہیں کیا کرتے تھے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے نماز فرض کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء کرنا ثابت نہیں ہے اور ہماری معلومات کے مطابق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے یہ ثابت نہیں ہے۔ فرض نمازوں کے بعد لوگ جو ہاتھ اٹھاکر دعاء کرتے ہیں تو یہ بدعت ہے کیونکہ اس کا کوئی اصل نہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة. . . ، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے' تو وہ مردود ہے۔"

اسی طرح نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحیح بخاري، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح . . . ، ح:٢٦٩٧، وصحیح مسلم، کتاب الاقضیه، باب نقض الاحکام . . . ، ح:١٧١٨)

"جس نے ہمارے اس امر(دین) میں کوئی نئی بات ایجاد کرلی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

شیخ ابن باز

دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے

سوال کیا تسبیح دائیں ہاتھ پر پڑھنا افضل ہے یا بائیں ہاتھ پر؟

جواب افضل یہ ہے کہ تسبیح دائیں ہاتھ پر پڑھی جائے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو

یہ بات پسند تھی کہ جوتا پہننے' کنگھی کرنے' وضو کرنے اور دیگر تمام امور میں دائیں طرف سے شروع کریں۔ اس سلسلہ میں وارد احادیث کے پیش نظر دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا بھی جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا

سوال ایک نوجوان نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کے بعد اس نے صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح کو پڑھنا شروع کیا تو بعض نمازیوں نے اس پر اعتراض کیا اور نوجوان سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ سنت ہے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کیا اس نوجوان کی یہ بات صحیح ہے؟

جواب اس امام نے جو کیا وہ درست ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھتے تھے اور جو شخص دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھ لے تو اکثر احادیث کے اطلاق کے پیش نظر اس میں کوئی حرج نہیں لیکن دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر درست ہے

سوال فرض نمازوں کے بعد تسبیح کے جہری یا سری پڑھنے کے بارے میں ہمارے ہاں بہت جھگڑا ہے لہٰذا امید ہے کہ اس موضوع کے درج ذیل پہلوؤں کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے:

① تسبیح جہری طور پر پڑھنا افضل ہے یا سری طور پر؟

② اگر جہری طور پر پڑھنے سے ان لوگوں کی نماز میں خلل پڑتا ہو' جن کی کچھ نماز جماعت سے رہ گئی ہو تو اس کا کیا حل ہے؟

③ اس قسم کے مسائل کے بارے میں جھگڑا کرنے والوں کے لئے خصوصاً جو مسجدوں میں جھگڑتے ہوں' آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤١، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٥٨٣)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے ذکر کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی اس بلند آواز کو سن کر ہی مجھے معلوم ہوتا کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔"

یہ حدیث صحیح ہے اور اسی طرح وہ احادیث جو اس کے ہم معنی ہیں اور ابن زبیر' مغیرہ بن شعبہ اور دیگر صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' وہ سب بھی اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس قدر بلند آواز سے ذکر مشروع ہے' جسے وہ لوگ بھی سن لیں' جو مسجد کے دروازے کے پاس یا گردوپیش ہوں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ نماز مکمل ہو گئی ہے اور جس شخص کے پاس کوئی نماز پڑھ رہا ہو' اسے چاہئے کہ وہ نسبتاً ذرا کم آواز سے ذکر کرے تاکہ اس کی نماز میں خلل نہ پڑے' اس کے لئے افضل یہی ہے تاکہ اس سلسلہ کی دیگر احادیث پر بھی عمل ہو جائے۔ فرض نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کے بہت فائدے ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثناء کا اظہار ہے کہ اس نے احسان فرمایا کہ اس عظیم فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ اس میں جاہل کے لئے تعلیم اور بھولنے والے کے لئے تذکیر کا سامان بھی ہے اور اگر اس طرح بلند آواز سے ذکر نہ کیا جاتا تو یہ سنت بہت سے لوگوں سے مخفی رہ جاتی۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا سنت ہے

سوال نماز کے بعد بلند آواز سے استغفار اور ذکر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور یہ معلوم ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں دوسروں کے لئے دشواری ہے اور ان کے لئے خشوع کے ساتھ تسبیح و ذکر کرنا مشکل ہو جاتا ہے نیز جو شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر کو اس طرح بلند آواز سے کیا جائے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر ذکر بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

«كَانَ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤١، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٥٨٣)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ معمول تھا کہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔“

اگر سب لوگ اس موقعہ پر بلند آواز سے ذکر کریں تو اس سے کچھ لوگوں کے ذکر میں خلل نہیں آئے گا بلکہ خلل اس وقت آئے گا جب کچھ لوگ بلند آواز سے ذکر کریں اور کچھ آہستہ آواز سے کیونکہ اس موقعہ پر آہستہ ذکر کرنے والے کو تشویش ہو گی اور اگر وہ بھی دوسروں کی طرح بلند آواز سے ذکر کرے تو اسے بھی کوئی تشویش نہ ہو گی۔ جو لوگ اپنی باقی نماز کے ادا کرنے میں مصروف ہیں تو ان کے لئے یہ تشویش خود ان کی اپنی وجہ سے ہے۔ اگر وہ بھی نماز کے لئے پہلے آتے' ساری نماز باجماعت ادا کرتے تو انہیں بھی کوئی تشویش میں مبتلا نہ کرتا اور جیسا کہ میں نے کہا اگر تمام آوازیں مختلط ہوں تو اس سے تشویش نہ ہو گی حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی نہ ہو گی جو اپنی نماز پوری کر رہے ہوں جیسا کہ جمعہ کے دن سب لوگ مسجد میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے ہیں اور نمازی آتے ہیں تو وہ اپنی نماز شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح انہیں کوئی تشویش نہیں ہوتی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

فرض نمازوں کے بعد سلام و مصافحہ

سوال ہر فرض نماز کے بعد ہمیشہ امام اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام اور مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز پنجگانہ کے بعد ہمیشہ امام سے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام اور مصافحہ کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے، اگر ثابت ہوتا تو یہ منقول ہو کر ہم تک ضرور پہنچتا کیونکہ نماز تو روزانہ پانچ وقت ادا ہوتی ہے اور اس طرح نماز پنجگانہ کے بعد ہونے والا یہ عمل مسلمانوں سے مخفی نہ رہ سکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ...، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام ...، ح:١٧١٨)

”جو شخص ہمارے اس امر(دین) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

نیز فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة...، ح:١٧١٨)

”جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

—— فتویٰ کمیٹی ——

نماز میں سہو

جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟

سوال جب امام کو رباعی (چار رکعتوں والی) نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور سلام پھیر دے، سلام کے بعد بعض مقتدی اسے یہ بتائیں کہ آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں تو اس حالت میں چوتھی رکعت کے لئے کیا امام کو تکبیر تحریمہ کہنی ہوگی یا صرف کھڑا ہو کر تکبیر کہے بغیر سورۂ فاتحہ شروع کر دے؟ اس صورت میں سجدہ سہو کب کرے سلام سے پہلے یا بعد میں؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ وفقکم اللّٰہ

جواب جب امام یا منفرد کو رباعی نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ وہ یقین پر بنا کرے اور یقینی صورت یہ ہے کہ وہ اسے تین رکعات شمار کرے اور پھر چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ الصَّلَاةِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: ٥٧١)

''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ شک کو دور کر دے اور یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔''

اگر کوئی شخص تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر اسے متنبہ کیا جائے تو وہ تکبیر کے بغیر نماز کی نیت سے کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے' پھر بیٹھ کر تشہد پڑھے' تشہد' نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعاء کے بعد سلام پھیر دے' پھر سہو کے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیر دے' ہر مسلمان کے حق میں یہی طریقہ افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی نماز میں دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور سلام کے بعد جب ذوالیدین نے اس بارے میں عرض کیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز کو مکمل کیا پھر سلام پھیر دیا پھر سہو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔[1] اسی طرح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک بار نماز عصر میں تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا' سلام کے بعد جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے چوتھی رکعت پڑھائی پھر سلام پھیر دیا' پھر سہو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔[2]

—— شیخ ابن باز ——

جس نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کیا کہ امام سجدہ سہو کر رہا ہے

سوال ہم نماز مغرب باجماعت ادا کر رہے تھے کہ تیسری رکعت میں آخری تشہد کے بعد امام نے اللہ اکبر کہا تاکہ ایک رکعت اور پڑھائے لیکن بعض نمازیوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ امام کھڑا ہو رہا ہے اور انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ امام نے سجدہ سہو کے لئے اللہ اکبر کہا ہے' سجدہ کر لیا لیکن انہوں نے جب سجدہ سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ امام سبحان اللہ سننے کی وجہ سے بیٹھ رہا ہے' اس وجہ سے امام نے سہو کے دو سجدے بھی کئے بعض مقتدیوں کے تین سجدے ہو گئے تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب جس شخص نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کر لیا کہ امام سجدہ سہو کر رہا ہے' کوئی حرج نہیں' اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر نماز میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے اعتقاد کے مطابق امام کی متابعت ہی میں یہ سجدہ کیا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

---

[1] صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السهو في الصلاة والسجود له' ح: 573۔

[2] صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السهو في الصلاة' ح: 574۔

نمازی کو جب سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو

سوال نماز کے دوران میں یہ بھول جاتا ہوں کہ میں نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں تو کیا اس وجہ سے سجدہ سہو کرنا ہو گا؟ سجدہ سہو میں کیا پڑھنا چاہیے؟ اور جب ظن غالب یہ ہو کہ سورۂ فاتحہ پڑھی ہے تو کیا پھر بھی سجدہ سہو کیا جائے؟

جواب جب نماز پڑھنے والے منفرد یا امام کو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو تو وہ رکوع کرنے سے قبل سورۂ فاتحہ پڑھ لے اور اس کی وجہ سے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر نماز سے فراغت کے بعد شک پیدا ہو تو یہ ناقابل التفات ہے۔ نماز صحیح ہو گی۔ سجدہ سہو میں بھی وہی پڑھا جاتا ہے جو نماز کے عام سجدوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً ((سبحان ربی الاعلیٰ)) اور اس قسم کے دیگر کلمات!

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں وسوسے اور شکوک

سوال مجھے نماز کی رکعات کی تعداد میں بہت شک رہتا ہے حالانکہ میں نماز بلند آواز سے پڑھتی ہوں تاکہ جو پڑھا ہے اسے یاد رکھ سکوں لیکن پھر بھی شک رہتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہوتی ہوں تو یوں محسوس کرتی ہوں جیسے کوئی رکعت یا سجدہ یا تشہد بھول گئی ہوں حالانکہ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ شک سے بچوں لیکن بے سود۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ میں شک سے کس طرح بچ سکتی ہوں؟ کیا شک کی وجہ سے نماز کو دوہرانا واجب ہے؟ کیا کوئی ایسی دعاء ہے جسے نماز کے شروع میں ازالہ شک کے لئے پڑھ لیا کروں؟

جواب وسوسوں کے خلاف جنگ کرنا' ان سے بچنا اور کثرت سے ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) پڑھنا واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ۝١ مَلِكِ ٱلنَّاسِ ۝٢ إِلَـٰهِ ٱلنَّاسِ ۝٣ مِن شَرِّ ٱلْوَسْوَاسِ ٱلْخَنَّاسِ ۝٤﴾ (الناس۱۱۴/ ۱۔۴)

''کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ (یعنی) لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود برحق کی۔ وسوسہ ڈالنے والے (شیطان) کی برائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَـٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝٢٠٠﴾ (الأعراف۷/ ۲۰۰)

''اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

جب نماز یا وضوء سے فارغ ہونے کے بعد شک پیدا ہو تو اس شک کو جھٹک دیجئے' اس سے اعراض کیجئے' اس کی طرف التفات نہ کیجئے اور اعتقاد کیجئے کہ نماز اور وضوء صحیح ہے اور اگر نماز کے اندر یہ شک ہو کہ معلوم نہیں آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین قرار دے کر نماز مکمل کر لو اور سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کر لو کیونکہ جس

شخص کو اس طرح کا شک لاحق ہو اسے نبی کریم ﷺ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شیطان سے محفوظ رکھے۔

شیخ ابن باز

جب مقتدی کو یہ شک ہو کہ اس نے التحیات پڑھا ہے یا نہیں!

سوال امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مجھے یہ شک گزرا کہ میں نے التحیات پڑھا ہے یا نہیں تو اس حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

جواب عبادت کے بعد لاحق ہونے والے شک کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ عام طور پر انسان نماز کے واجبات و ارکان کو ان کے مقام پر ادا کرتا ہی ہے۔ جب نماز کے دوران شک ہو تو یقین پر بنا کرتے ہوئے عبادت کے لئے محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا لیکن فراغت کے بعد لاحق ہونے والا شک ناقابل التفات ہو گا۔

شیخ ابن جبرین

سجدہ سہو کب کیا جائے؟

سوال جب انسان نماز پڑھتے ہوئے یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب اسے چاہئے کہ وہ یقین پر بنا کرے اور ظاہر ہے کہ کم تعداد یقینی ہو گی اور باقی نماز کو پورا کرے اور سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کرے کیونکہ صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى؟ ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لأَرْبَعٍ تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: ٥٧١)

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہئے کہ شک کو جھٹک دے' یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کرے' اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہیں تو ان دو سجدوں کی وجہ سے وہ جفت ہو جائیں گی اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ دو سجدے شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔“

شیخ ابن باز

سنت یہ ہے کہ امام کو سبحان اللہ کہہ کر یاد دلایا جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز عصر پڑھی۔ امام نے آخری تشہد کو ترک کر دیا اور پانچویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑا

ہوا۔ انہیں "الحمد اللہ" کہہ کر متنبہ کیا گیا لیکن وہ بدستور جاری رہے حتیٰ کہ تشہد کے بعد انہوں نے سلام پھیر دیا' لیکن اکثر نمازیوں نے امام کی اقتداء نہ کی اور سلام کا انتظار کیا اور جب امام نے سلام پھیرا تو انہوں نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا' پھر امام کو یاد دلایا گیا تو انہوں نے سجدہ سہو کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ امام کے بھولنے پر ہمارے "الحمد اللہ" کہنے اور ان کے ساتھ نہ اٹھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ مستفید فرمائیں گے۔

جواب جب امام زائد رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگے یا نہ بیٹھنے کی جگہ بیٹھنے لگ جائے' تو سنت یہ ہے کہ انہیں "سبحان اللہ" کہہ کر متنبہ کیا جائے کیونکہ سنت سے یہی ثابت ہے' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا نَابَكُمْ شَيْءٌ فِيْ صَلاَتِكُمْ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ وَلْتُصَفِّقِ النِّسَاءُ»(صحيح بخاري، كتاب العمل في الصلاة، باب رفع الايدي في الصلاة لأمر ينزل به، ١٢١٨، ٧١٩٠ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الامام: ٤٢١)

"جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو مردوں کو "سبحان اللہ" کہنا چاہئے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہئے۔"

لوگوں میں بھی یہی بات معروف ہے اور اس موقعہ پر الحمد اللہ کہنا معروف نہیں ہے۔ مقتدی پر واجب ہے کہ وہ کمی بیشی میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ امام اگر نماز میں اضافہ کر رہا ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ بیٹھا رہے اور امام جب سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے تو یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اگر امام کی نماز میں کمی ہو گئی ہو تو مقتدی کھڑا ہو کر نماز کو مکمل کر لے بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ امام بھول گیا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ اپنی نماز کو مکمل کر لے۔ جو شخص زائد رکعت میں امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو جائے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ امام زائد رکعت پڑھ رہا ہے یا اسے حکم شرعی کا علم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ اسی طرح نماز میں کمی کی صورت میں جو شخص امام کے ساتھ بیٹھ جائے کہ اسے علم نہ ہو کہ امام نے کم نماز پڑھی ہے یا اسے حکم شرعی کا علم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ اور جب وہ قریبی وقت میں معلوم کرے یا اسے کوئی یاد دلائے کہ اس نے نماز کو مکمل نہیں پڑھا تو اسے چاہئے کہ ساری نماز کو دوہرائے۔ اسی طرح امام جب بھول جائے اور نماز ابھی باقی ہو لیکن اس نے اپنی بات پر اصرار کیا اور پھر سلام کے بعد اسے بتایا گیا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو وہ اپنی نماز کو مکمل کرے گا۔ اس کی اتباع کرنے والے بھی اس کے ساتھ نماز کو مکمل کریں گے۔ امام اور اس کے مقتدیوں پر اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہو گا۔ اور اگر وقت طویل ہو گیا اور امام نے نماز کے متروک حصہ کو ادا نہ کیا تو اس کے لئے لازم ہو گا کہ اس نماز کو دوہرائے اس طرح ان لوگوں کو بھی یہ نماز دوہرانا ہو گی' جنہوں نے اس کی اقتداء میں ادا کی تھی۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

جب نمازی کو رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہو

سوال میں نے بعض دینی کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو اور نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک ہو تو اس کی یہ نماز باطل ہو گی اور بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جب نمازی کو شک ہو تو وہ نماز ختم ہونے کے بعد دو سجدے کرے۔ ان میں سے صحیح بات کون سی ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ نماز باطل نہ ہو گی کیونکہ اس قسم کا شک اکثروبیشتر صورتوں میں غیراختیاری طور پر ہوتا ہے اور جسے نماز میں شک ہو' اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حکم بیان فرمایا ہے۔ اور شک کی دو قسمیں ہیں:

① انسان کو رکعات کی تعداد میں شک ہو اور ان میں سے ایک پہلو کو وہ ترجیح دے سکتا ہو تو اس حالت میں وہ قابل ترجیح صورت پر اعتماد کرے گا اور اسی کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام کے بعد سجدہ سہو کرے گا۔

② انسان کو رکعات کی تعداد میں شک ہو اور ان میں سے کوئی ایک پہلو بھی قابل ترجیح نہ ہو' تو وہ کم تعداد پر بنا کرے گا کیونکہ کم تعداد یقینی اور زائد مشکوک ہے لہٰذا کم کو بنیاد بناتے ہوئے نماز کو مکمل کر کے سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے گا اور اس سے اس کی نماز باطل نہ ہو گی' یہ تو ہے رکعات کی تعداد کے بارے میں شک کا حکم۔

اسی طرح اگر اسے یہ شک ہو کہ اس نے دوسرا سجدہ کیا ہے یا نہیں' رکوع کیا ہے یا نہیں؟ تو اس صورت میں بھی جو پہلو اس کے نزدیک قابل ترجیح ہو' اس کے مطابق عمل کرے' نماز کو مکمل کر لے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر کوئی پہلو قابل ترجیح ہو تو اس کے مطابق عمل کرے' جس میں زیادہ احتیاط ہو یعنی اس رکوع یا سجدہ کو کرے' جس کے بارے میں شک ہو اور پھر باقی نماز کو پورا کر کے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے ہاں البتہ جب وہ اس رکن کی جگہ تک پہنچ جائے جس کے ترک میں شک ہو' تو دوسری رکعت اس رکعت کے قائم مقام ہو جائے گی جس کے کسی رکن کو اس نے ترک کیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب نمازی کو یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟

سوال ایک دینی بھائی نے یہ پوچھا ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو کیا اسے نماز دوہرانا چاہئے؟ امید ہے مستفید فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب جب انسان کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس شک کی بنیاد پر نماز کو توڑ دے' جب کہ فرض نماز ہو کیونکہ فرض نماز کو توڑنا جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں وہ کرنا چاہئے جو سنت میں آیا ہے اور سنت میں یہ آیا ہے کہ جب انسان کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے' تین رکعت یا چار تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ شک مساوی ہو کہ کسی ایک پہلو کو وہ ترجیح نہ دے سکتا ہو' تو اس صورت میں وہ قلیل تعداد پر بنا کرے یعنی انہیں تین سمجھے اور چوتھی رکعت پڑھے اور سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ شک تو ہو لیکن ایک پہلو راجح ہو مثلاً یہ کہ رکعات چار ہی پڑھی ہیں تو اس صورت میں چار ہی پر بنا کرے' سلام پھیر دے اور پھر سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

شک کی ان دونوں حالتوں کے بارے میں سنت سے یہی ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ پہلی حالت میں یقین پر بنا کی جائے اور دوسری حالت میں صحیح صورت حال کے لئے کوشش کی جائے تو یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ شک کی وجہ سے نماز کو توڑ نہ دیا جائے۔ اگر نماز فرض ہو تو اسے توڑنا حرام ہے۔ اگر نفل ہو تو اسے بھی شک کی بنا پر توڑا نہ

جائے بلکہ وہ کام کیا جائے جس کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے' ہاں البتہ نفل نماز کو اگر توڑنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی صحیح غرض کے بغیر نفل نماز کو توڑنا مکروہ ہے' نفل حج اور عمرہ کو توڑنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ راستہ محصور ہو جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۹۶)

اور اللہ (کی خوشنودی) کے لئے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو)۔"

یہ آیت حج کی فرضیت سے پہلے حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور حج ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

جب امام سورۂ فاتحہ کی قرأت بھول جائے تو کیا کرے؟

سوال امام آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول گیا اور اسے دوسرے سجدہ کے بعد یہ یاد آیا تو وہ کیا کرے؟

جواب امام کو چاہئے کہ اس رکعت کے بجائے جس میں اس نے قرأت فاتحہ کو ترک کر دیا ہے ایک اور رکعت پڑھے اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے' اور مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ امام کی اقتداء کریں۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

جس نے شک کی حالت میں سجدہ سہو نہ کیا

سوال جب مجھے نماز میں شک ہو اور میں سجدہ سہو نہ کروں تو کیا اس سے نماز باطل ہو گی یا ناقص؟ یاد رہے میں عمداً سجدہ سہو نہیں کرتا کیونکہ میں بکثرت شک میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔

جواب نماز میں شکوک و شبہات کی کثرت کی طرف التفات کرنا جائز نہیں ہے بلکہ نمازی کو چاہئے کہ اصل کے مطابق نماز کو مکمل کرے۔ سہو اور وسوسہ کی وجہ سے سجدہ سہو نہیں ہے' کہ ہم میں سے کون ہے جو نماز میں سہو میں مبتلا نہیں ہوتا یا جس کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں ہوتا؟ ہاں البتہ اگر کسی واجب کو ترک کر دے یا اس فعل واجب میں شک ہو یا نماز میں اضافہ ہو یا کسی واجب کو کم کر دے تو اس صورت میں اسے سجدہ سہو کرنا ہو گا جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور سجدہ سہو نہ کرے

سوال ہم نے امام کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی۔ امام نے پانچ رکعات پڑھانے کے بعد سلام پھیرا اور جب اس سلسلہ میں بعض مقتدیوں نے امام کو بتایا تو انہوں نے سجدہ سہو بھی نہ کیا' تو کیا ہماری نماز صحیح ہے یا نہیں؟ اس طرح کے حالات میں واجب الاتباع چیز کیا ہے؟

جواب جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور اسے اس کا علم بھی ہو تو اسے سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔ مقتدیوں نے اگر اس اضافے کے عدم علم کی وجہ سے متابعت کی ہے تو ان کی نماز صحیح ہے اور جس نے یہ جانتے ہوئے متابعت کی کہ امام زائد رکعت پڑھا رہا ہے' اس کی نماز باطل ہے۔ جاننے والے کو چاہئے کہ تھا کہ وہ سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کرتا' اگر امام اپنی حالت پر اصرار کرتا اور واپس نہ لوٹتا تو یہ اس کی اتباع نہ کرتا بلکہ بیٹھ کر انتظار کرتا اور جب امام سلام پھیرتا تو یہ بھی اس کے ساتھ سلام پھیرتا۔ مذکورہ لوگوں کو چونکہ شرعی حکم کا علم نہ تھا لہٰذا ان کی نماز صحیح ہے لیکن جب علم ہو گیا کہ ایک رکعت زائد پڑھی گئی ہے تو پھر انہیں سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا اور اگر انہوں نے سجدہ سہو نہیں کیا تو ان کی یہ نماز باطل ہے اور اب وقت طویل ہونے کی وجہ سے انہیں یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

آپ کے لئے سجدہ سہو لازم نہیں

سوال میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہتا ہوں کہ معلوم نہیں کتنی نماز پڑھ لی ہے' کتنی باقی رہ گئی ہے' اس لئے میں سجدہ سہو بھی کثرت کے ساتھ کرتا رہتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ محض وسوسہ کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہیں ہے۔ اگر کسی رکعت یا رکن کے ترک میں شک ہو تو اسے از راہ احتیاط دوبارہ ادا کر لیجئے اور سجدہ سہو کر لیجئے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جب مقتدی سے سہو ہو جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی اور پہلے سجدہ میں تسبیح پڑھنا بھول گیا' اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں امام کے سلام کے بعد سجدہ سہو کر لوں یا کیا کروں؟

جواب آپ کے لئے اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں ہے' سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد۔ امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی صورت میں مقتدی سے اس طرح کا سہو ساقط ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

سجود تلاوت

سجود تلاوت کا حکم

سوال جب میں کوئی آیت سجدہ پڑھوں تو کیا سجدہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب سجدہ تلاوت سنت مؤکدہ ہے' اسے ترک نہیں کرنا چاہئے' لہٰذا جب انسان آیت سجدہ کی تلاوت کرے' خواہ

قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی' نماز میں یا نماز سے باہر' تو اسے سجدہ تلاوت ضرور کرنا چاہئے۔ ہاں البتہ یہ سجدہ واجب نہیں ہے۔ انسان اس کے ترک سے گناہ گار نہیں ہو گا کیونکہ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے منبر پر سورۂ نحل کی آیت سجدہ پڑھی اور منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور پھر انہوں نے دوسرے جمعہ میں بھی اس آیت کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا الا یہ کہ ہم خود سجدہ کرنا چاہیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا۔ ①

اس طرح ثابت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورۃ النجم کی آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا۔ ② اگر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیتے۔ سجدۂ تلاوت سنت مؤکدہ ہے اور افضل یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے' خواہ فجر کے بعد یا عصر کے بعد کا وقت ہی کیوں نہ ہو' جس میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس سجدہ کا ایک خاص سبب ہے اور ہر وہ نماز جس کا خاص سبب ہو اسے اوقات ممانعت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسے سجدۂ تلاوت اور تحیۃ المسجد وغیرہ۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سری نماز میں آیت سجدہ کی قرأت

سوال امام اگر سری نماز مثلاً ظہر یا عصر میں ایسی آیات یا سورۂ کی تلاوت کرے جس میں آیت سجدہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب امام کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ سری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرے کیونکہ اگر وہ سجدہ نہ کرے گا تو تارک سنت ہو گا اور اگر سجدہ کرے گا' تو اس سے مقتدیوں کو ابہام اور تشویش لاحق ہو گی۔ لہٰذا اس کی قرأت کو ترک کرنا افضل ہے اور اگر وہ آیت سجدہ کو پڑھ لے تو سجدۂ تلاوت نہ کرے کیونکہ اس سے مقتدیوں کو تشویش لاحق ہو گی۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

سجدۂ تلاوت سنت ہے

سوال جب میں منبر پر بیٹھ کر یا شاگردوں کو پڑھاتے ہوئے یا کسی بھی جگہ آیت سجدہ تلاوت کروں تو کیا سجدہ تلاوت کروں یا نہ کروں؟ کیا سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں کے لئے ہے؟

جواب سجدۂ تلاوت قاری اور سامع کے لئے سنت ہے' واجب نہیں۔ سامع کے لئے قاری کی اتباع کی وجہ سے ہے لہٰذا جب قاری سجدہ کرے گا۔ تو سامع بھی کرے گا' جب آپ اپنے دفتر میں یا تدریس کے وقت آیت سجدہ پڑھیں تو سجدہ کرنا چاہئے اور طلبہ کو بھی چاہئے کہ وہ آپ کے ساتھ سجدہ کریں کیونکہ وہ سامع ہیں اور اگر آپ سجدۂ تلاوت نہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

① صحیح بخاری' کتاب سجود القرآن' باب من رأی ان اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود' ح: 1077۔

② صحیح بخاری' ابواب سجود القرآن وسنتها' باب من قرأ السجدة ولم یسجد' ح: 1072' 1073۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذکر کے بعد سجدہ کرنا

سوال کیا اللہ کے اسماء کے ذکر یا ان میں سے کسی ایک اسم کے ایک معین اور مخصوص تعداد میں ذکر کے بعد سجدہ کرنا جائز ہے؟

جواب ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں' جو اس سجدہ کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو اور نہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل ہے' جس سے معلوم ہو کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔ ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان آپ سے ثابت ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة. . .، ح:١٧١٨)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں ایسی سورہ کا حکم جس کی آخری آیت سجدہ ہو

سوال جب امام نماز میں کوئی ایسی سورۂ پڑھے جس کی آخری آیت سجدہ ہو تو وہ رکوع کے ساتھ کس طرح سجدہ کرے؟

جواب نماز میں ایسی سورت کی قراءت بھی جائز ہے' جس کی آخری آیت سجدہ ہو مثلاً سورۃ العلق اور سورۃ النجم۔ امام قراءت مکمل ہونے پر سجدہ کرے گا' امام جب سجدہ سے اٹھے تو اللہ اکبر کہے' اگر کسی اور سورت کی قراءت کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے۔ قرأت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے' اگر منفرد ہے تو وہ اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے اور پھر رکوع میں جائے خواہ وہ مکمل طور پر سیدھا نہ بھی کھڑا ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سجدۂ تلاوت کی کیفیت

سوال سجدۂ تلاوت کی کیا کیفیت ہے؟ اس میں کتنے سلام ہیں؟ اس میں کیا پڑھا جائے؟

جواب سجدۂ تلاوت بھی سجدۂ نماز کی طرح ہے۔ افضل یہ ہے کہ آدمی سیدھا کھڑا ہو کر پھر سجدہ کے لئے جھکے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرے اور تین بار کہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰی اور پھر یہ دعاء پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ . . . سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ»(صحیح مسلم، کتاب المسافرين، باب صلاة النبي ودعائه بالليل، ح:٧٧١)

«اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا أَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ وَعَلٰی نَبِيِّنَا أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ»(سنن ترمذي، کتاب الجمعة، باب ما جاء ما يقول في سجود القرآن، ح:٥٧٩)

"اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا ہے اور تیری ہی ذات کے ساتھ میں ایمان لایا ہوں اور تیرا ہی میں فرمانبردار ہوں اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا ہے..... میری پیشانی نے اس (پروردگار) کو سجدہ کیا ہے' جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت دی' تو بہت ہی اچھی صورت دی۔ (سننے کے لئے) کان بنائے' (دیکھنے کے لئے) آنکھیں بنائیں' بڑا ہی برکت والا ہے اللہ' جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ اے اللہ! تو اس سجدہ کا ثواب اپنے ہاں لکھ لے اور اس کے سبب سے تو (گناہوں کا) بوجھ مجھ سے دور کر دے اور اس (سجدہ) کو تو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا دے اور تو اس (سجدہ تلاوت) کو میری جانب سے ایسے ہی قبول فرما لے جیسے تو نے اپنے بندے داؤد (علیہ السلام) سے قبول فرمایا' ان پر اور ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر افضل درود و سلام ہو!"

—— شیخ ابن جبرین ——

سجدۂ تلاوت کے لئے تکبیر

سوال کیا نماز کے اندر یا باہر سجدۂ تلاوت کے لئے تکبیر لازم ہے؟ نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں سلام لازم ہے؟ امید ہے مستفید فرمائیں گے۔ (وفقکم اللّٰہ)

جواب سجدۂ تلاوت' سجدۂ نماز ہی کی طرح ہے لہٰذا جب انسان نماز میں سجدہ کرے تو سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ فِي الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ كَبَّرَ»(سنن نسائي، كتاب التطبيق، باب التكبير للسجود، ح:١١٥٠، ١١٥١ نحو المعنى، سنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب التكبير عند كل خفض ورفع، ح:١٢٤٩)

"آپ نماز میں ہر خفض و رفع کے لئے (یعنی نیچے جھکتے اور اوپر اٹھتے وقت) اللہ اکبر کہتے تھے' جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ سجدۂ تلاوت بھی چونکہ سجدۂ نماز ہی ہے اور دلائل سے یہی ظاہر ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے بھی اللہ اکبر کہا جائے گا لیکن نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں صرف سجدہ کے آغاز میں اللہ اکبر کہنا مروی ہے اور یہی معروف طریقہ ہے جیسا کہ امام ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[1] نماز سے باہر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر یا سلام کہنا مروی نہیں ہے۔ بعض اہل علم نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت اللہ اکبر کہے اور فارغ ہو کر سلام بھی پھیرے لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے لہٰذا نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں صرف تکبیر اولیٰ ہی لازم ہے۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

① سنن ابی داود' کتاب سجود القرآن' باب فی الرجل یسمع السجدة وهو راکب---' ح: 1413 و مسند احمد' 2/17۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

ممانعت کے اوقات میں تحیۃ المسجد

سوال تحیۃ المسجد کے بارے میں ہمارے ہاں کافی بات چیت ہوئی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے ممانعت کے اوقات مثلاً طلوع و غروب آفتاب کے وقت نہیں پڑھنا چاہیئے' جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ اوقات ممانعت میں بھی جائز ہے کیونکہ اس کا تعلق ان نمازوں سے ہے' جن کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے حتی کہ اگر آدھا سورج غروب ہو گیا ہو تو اس وقت بھی تحیۃ المسجد کو پڑھا جا سکتا ہے۔ امید ہے آپ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کو تمام اوقات میں حتیٰ کہ فجر اور عصر کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔''

اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے اور پھر یہ نماز طواف اور نماز خسوف کی طرح ان نمازوں میں سے ہے' جنہیں خاص اسباب کی وجہ سے ادا کیا جاتا ہے اور ایسی سب نمازوں کو اوقات ممانعت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فوت شدہ فرائض کو ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔ نماز طواف کے بارے میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لاَ تَمْنَعُوْا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب الطواف بعد العصر، ح:١٨٩٤ وسنن ترمذي، كتاب الحج، باب ما جاء في الصلاة بعد العصر لمن يطوف، ح:٨٦٨، ومسند احمد، ٤/ ٨١)

''اے بنی عبد مناف! جو شخص اس گھر کا طواف کرے' اسے نماز سے نہ روکو' وہ دن یا رات کی جس گھڑی میں چاہے نماز پڑھ لے۔''

اسی طرح نماز کسوف کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس، ح:١٠٤٠، وصحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف، ح:٩٠١)

''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا لہٰذا جب تم ان کو گرہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھو اور اس وقت تک دعاء کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے۔''

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة . . . ، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . . ، ح:٦٨٤)

''جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ اسے اس وقت پڑھے جب اسے یاد آئے' اس کا بس یہی کفارہ ہے۔''

یہ احادیث عام ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نمازوں کو ممانعت اور غیر ممانعت کے تمام اوقات میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

اوقات ممانعت میں تحیۃ المسجد کی اجازت حرمین کی ساتھ مخصوص نہیں ہے

سوال کیا تحیۃ المسجد عصر اور صبح کی نماز کے بعد ہر مسجد میں جائز ہے یا صرف حرمین شریفین میں اس کی اوقات ممانعت میں اجازت ہے حتی کہ حرمین شریفین کی دیگر مساجد میں بھی اجازت نہیں ہے؟

جواب علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ آدمی جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد پڑھے خواہ نماز کی ممانعت کا وقت ہی کیوں نہ ہو اور خواہ مسجد کوئی بھی ہو تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے عموم پر عمل ہو جائے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔''

باقی رہیں وہ احادیث جن میں طلوع و غروب و استواء آفتاب اور بعد از عصر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو انہیں فرائض اور ذوات اسباب مثلاً تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعات کے علاوہ مطلق نوافل پر محمول کیا جائے گا لیکن تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعات کو عصر کے بعد' صبح کے بعد اور دیگر تمام ممنوع اوقات میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز مغرب سے پہلے نفل

سوال ۱ اذان مغرب کے بعد اور نماز سے پہلے ۔۔ جب کہ اذان و اقامت کے درمیان وقت بہت کم ہوتا ہے ۔۔ تحیۃ المسجد اور نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال ۲ جو شخص نماز فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک مسجد میں رہے' کیا اس کے لئے طلوع آفتاب کے وقت

ضحیٰ کی دو رکعات پڑھنا جائز ہے؟ نیز یہ فرمایئے کہ نماز ضحیٰ کا مسنون وقت کون سا ہے؟

جواب ۱ تحیۃ المسجد سنت مؤکدہ ہے' جسے تمام اوقات حتی کہ ممانعت کے اوقات میں بھی علماء کے صحیح قول کے مطابق ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب .. جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسـ.. ركعتين، ح:٧١٤)

"ب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔"

اذان مغرب کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز سنت ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب الصلاة قبل المغرب، ح:١١٨٣، ٧٣٦٨)

"مغرب سے پہلے نماز پڑھو' مغرب سے پہلے نماز پڑھو اور تیسری بار آپ نے فرمایا کہ جو چاہے وہ پڑھے۔"

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب اذان مغرب ہو جاتی' تو وہ اقامت سے پہلے جلدی سے دو رکعات پڑھ لیتے تھے' نبی کریم ﷺ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے بلکہ آپ نے تو اس کا حکم بھی دیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے۔

جواب ۲ ضحیٰ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے' جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب سورج ظہر سے پہلے کھڑا ہو جائے۔ (یعنی نصف النہار کے وقت جب ابھی زوال شروع نہیں ہوا ہوتا) اور افضل وقت وہ ہے' جب دھوپ گرم ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«صَلَاةُ الأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الأوابين حين ترمض الفصال، ح:٧٤٨)

"اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلتے ہیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

سوال وہ کون کون سے اوقات ہیں' جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب وہ اوقات جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے' یہ ہیں:

① طلوع آفتاب کے بعد سے لے کر سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہونے تک۔

② سورج کے آسمان کے وسط میں کھڑا ہو جانے کے بعد سے لے کر جہت مغرب زوال پذیر ہونے تک۔

③ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک۔

یہ ہیں وہ اوقات جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنا منع

ہے لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں' جو مخصوص اسباب کی وجہ سے ادا کی جا رہی ہوں مثلاً نماز طواف اور نماز کسوف کو عصر و صبح کے بعد بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تحیۃ المسجد کو بھی اوقات ممانعت میں ادا کیا جا سکتا ہے جس طرح سنت فجر کو طلوع فجر کے بعد ادا کرنا مستثنیٰ ہے اور یہ جائز نہیں کہ دو رکعات سے زیادہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد آپ صرف دو ہلکی پھلکی رکعات سنت فجر کے طور پر ادا فرماتے اور اگر وقت کی تنگی یا دیگر اسباب کی وجہ سے نماز فجر سے پہلے سنتوں کو نہ پڑھ سکے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق نماز فجر کے بعد انہیں پڑھ سکتا ہے اور اگر انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے تو یہ افضل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

ممانعت کے وقت نماز

سوال کیا مغرب سے پہلے نماز مکروہ ہے' خواہ وہ تحیۃ المسجد ہی ہو؟

جواب یہ سوال مبہم ہے' جہت وقت اور نوعیت نماز کے اعتبار سے تفصیل کا محتاج ہے۔ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت ممانعت کا وقت ہے لہٰذا اس وقت عام نماز نہیں پڑھی جا سکتی کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہے مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى صلاةقبل غروب الشمس، ح:٥٨٦، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ح:٨٢٧)

"صبح کے بعد سے لے کر سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں ہے اور عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک نماز نہیں ہے۔"

لیکن اگر کسی فوت شدہ نماز کی قضاء دینا مقصود ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے' اسی طرح وہ نمازیں جو مخصوص اسباب کی وجہ سے ادا کی جاتی ہیں مثلاً نماز کسوف' نماز جنازہ اور تحیۃ المسجد کی دو رکعات' تو اہل علم کے راجح قول کے مطابق یہ اوقات ممانعت میں بھی جائز ہیں کیونکہ مخصوص اسباب والی نمازوں کے بارے میں احادیث عام ہیں' انہیں اوقات ممانعت وغیر ممانعت سبھی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

"تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعات پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔"

اور اوقات ممنوعہ میں جن نمازوں کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے تو انہیں فوت شدہ نمازوں اور مخصوص اسباب والی نمازوں کے علاوہ دیگر پر محمول کیا جائے گا۔

شیخ ابن باز

عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز نہیں

سوال نماز عصر کے بعد سنتوں یا دیگر نماز کو کیوں ادا نہیں کیا جاتا؟

جواب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلاَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى صلاة قبل غروب الشمس، ح:٥٨٦، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ح:٨٢٧)

''عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز نہیں ہے۔''

علماء نے فرمایا اس کا سبب شاید ان مشرکین کی مشابہت سے ممانعت ہے جو ان اوقات میں سورج کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا بلاسبب ان اوقات میں نماز نفل سے منع کر دیا تا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ سورج کو سجدہ کیا جا رہا ہے یعنی احتیاط اور شرک کے اسباب و وسائل سے دوری اختیار کرنے کے پیش نظر ان اوقات میں نماز سے منع کر دیا گیا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مؤذن کی متابعت اور پھر تحیۃ المسجد

سوال جب انسان مسجد میں داخل ہو اور مؤذن اذان کہہ رہا ہو تو کیا اذان ختم ہونے سے پہلے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب افضل یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دے' پھر مسنون دعاء پڑھے اور پھر تحیۃ المسجد شروع کرے مگر بعض علماء نے اس شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے' جو جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آئے' جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو' تو وہ خطبہ سننے کی وجہ سے تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے اور اس کا سبب علماء نے یہ بتایا کہ خطبہ سننا واجب ہے اور مؤذن کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اوقات ممنوعہ

سوال میں نے سنا ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہیں' جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ اوقات کون سے ہیں اور ان میں نماز کی کراہت کا سبب کیا ہے؟

جواب اوقات ممنوعہ یہ ہیں نماز فجر کے بعد سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یعنی تقریباً ایک میٹر بلند ہونے تک۔ اور سورج طلوع ہونے کے قریباً پندرہ منٹ بعد ایک میٹر بلند ہو جاتا ہے۔ (۲) دوسرا وقت سورج کے سر پر کھڑا ہونے کے وقت سے لے کر زوال شروع ہونے تک ہے یعنی جب سورج زوال سے قبل نصف النہار پر ہو اور یہ قریباً پانچ منٹ تک کا وقت ہوتا ہے۔ نماز عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ فجرو عصر میں ہر انسان کی اپنی نماز معتبر ہو گی' جب انسان نماز عصر ادا کرے تو غروب آفتاب تک نماز حرام ہے لیکن اس سے وہ فرض نماز مستثنیٰ ہے جو فوت ہو گئی ہو اور آدمی کو ان مکروہ اوقات میں یاد آئے تو وہ اسے پڑھ سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت، باب من نسي صلاة . . . ، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتا الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . . ، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اسے جب بھی یاد آئے پڑھ لے۔"

اسی طرح ہر وہ نفل نماز بھی اس سے مستثنیٰ ہے جس کا کوئی خاص سبب ہو کیونکہ یہ نماز اپنے سبب کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس صورت میں حکمت ختم ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً اگر آپ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوں' تو دو رکعات پڑھ سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

"تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔"

اسی طرح اگر نماز عصر کے بعد سورج کو گرہن لگے' تو اس وقت نماز کسوف ادا کی جا سکتی ہے کیونکہ ان نمازوں کا ایک خاص سبب موجود ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص ان اوقات میں آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے۔

ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ ان کفار کے ساتھ مشابہت سے روکنا مقصود ہے' جو طلوع آفتاب کے وقت اس کے طلوع کی خوشی میں اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اسے سجدہ کرتے ہیں اور غروب کے وقت اسے الوداع کہتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اور نبی ﷺ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ ہر اس دروازے کو بند کر دیں جو شرک تک پہنچاتا ہو یا جس میں مشرکین کی مشابہت ہو۔ آفتاب کے نصف النہار پر ہونے کے وقت نماز کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس وقت جہنم کی آگ کو بھڑکایا جاتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے لہٰذا اس وقت نماز سے رک جانا چاہئے۔

— شیخ ابن عثیمین —

نفل نماز

میں فجر کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ مؤذن نے اذان شروع کر دی

سوال میں صبح کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور میں نے دو رکعات پڑھنا شروع کر دیں' جب میں دوسری رکعت کے لئے اٹھ رہا تھا تو مؤذن نے صبح کی اذان کہنی شروع کر دی۔ میں نے جو دو رکعات شروع کیں تو وہ صبح کی سنتوں کی نیت سے شروع کی تھیں کیونکہ میں جب گھر سے نکلا تو بعض مسجدوں میں اذان ہو رہی تھی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا' تو میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اٹھو صبح کی سنتیں پڑھ لو' میں نے کہا کہ میں نے انہیں پڑھ لیا ہے' تو اس نے کہا آپ نے چونکہ اس وقت پڑھی تھیں' جب مؤذن اذان کہہ رہا تھا اور یہ جائز نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ آپ انہیں دوبارہ پڑھیں۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں مستفید فرمائیں گے؟

جواب اگر مؤذن نے اذان دیر سے دی ہے اور آپ نے سنتیں طلوع فجر کے بعد پڑھی ہیں تو آپ کی طرف سے سنت پر عمل ہو گیا اور یہ سنتیں جو آپ نے پڑھی ہیں کافی ہوں گی اور ان کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر آپ کو شک ہو اور یہ علم نہ ہو کہ اس مؤذن کی اذان جسے سن کر آپ نے نماز شروع کی تھی' اس کی اذان صبح کے بعد ہے یا طلوع فجر کے وقت ہے تو پھر افضل یہ ہے اور زیادہ احتیاط بھی اسی میں ہے کہ آپ ان دو رکعات کو دوبارہ پڑھ لیں تاکہ یقین ہو جائے کہ آپ نے انہیں طلوع فجر کے بعد ادا کیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز کے بعد فجر کی سنتوں کی قضا

سوال میں ہمیشہ نماز فجر مسجد میں ادا کرتا ہوں۔ اگر میں یہ دیکھوں کہ جماعت کھڑی ہو گئی ہے اور میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تو کیا اس بات کی اجازت ہے کہ میں انہیں سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لوں؟ اگر میں طلوع آفتاب تک انتظار کروں تو کیا اس سے اجروثواب میں کمی ہو گی؟ میں جانتا ہوں کہ صبح کی سنتیں دنیا وما فیھا سے بہتر ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؟

جواب اگر مسلمان آدمی نماز سے پہلے فجر کی سنتوں کو ادا نہ کر سکے' تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو نماز کے فوراً بعد ادا کر لے یا سورج نکلنے کے بعد ادا کر لے کیونکہ سنت سے دونوں طرح ثابت ہے۔ نماز کے فوراً بعد ادا کرنا سنت تقریری سے ثابت ہے یعنی ایک شخص نے نماز کے فوراً بعد ان سنتوں کو ادا کیا' نبی ﷺ نے اسے دیکھا تو اس پر سکوت فرمایا اور اسے کچھ نہیں کہا۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

سنن رواتب کا حکم

سوال نماز کے بعد ادا کی جانے والی دو سنتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ فرضوں سے پہلے اور بعد اور اوقات ممنوعہ کے سوا دیگر تمام اوقات میں نماز ادا کرے' اسی نفل نماز میں سے سنن رواتب بھی ہیں یعنی ظہر سے پہلے دو رکعات اور ظہر کے بعد دو رکعات' فجر سے پہلے دو رکعات' مغرب کے بعد دو رکعات اور عشا کے بعد دو رکعات۔ یہ تمام رکعات واجب نہیں بلکہ سنت ہیں' انہیں ادا کرنے والے کو ثواب اور نہ ادا کرنے والے کو گناہ نہ ہو گا۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نفس عبادت کا عادی بنتا اور نماز کی محبت پیدا ہوتی ہے' ان سے فرائض میں رہ جانے والی کمی کی بھی تلافی ہو گی لہٰذا جو شخص کبھی کبھی انہیں چھوڑ دیتا ہے' اسے گناہ نہیں ہوتا لیکن ہمیشہ چھوڑ دینا عبادت کے عدم اہتمام کی دلیل ہے اور اس سے اس شخص کی عدالت بھی مجروح ہوتی ہے کہ وہ ترک سنن اور فعل خیر کے استخفاف میں رغبت رکھتا ہے۔

---

① دار قطنی 383/1' 384- بیہقی 283/2- ابن خزیمہ 1116- اسے ابن حبان اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

شیخ ابن جبرین

سنتیں پڑھنے کے لئے تکبیر کہی تھی کہ جماعت کھڑی ہو گئی

سوال ایک شخص ظہر کی سنتیں ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا لیکن جب اس نے اللہ اکبر کہا تو جماعت کھڑی ہو گئی، تو کیا یہ شخص اپنی نماز کو توڑ دے یا اسے مکمل کرے؟ امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں گے۔

جواب جب جماعت کھڑی ہو جائے اور کچھ لوگ تحیۃ المسجد یا سنت راتبہ پڑھ رہے ہوں، تو اس صورت میں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کو توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جائیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ صَلاَةَ إِلاَّ الْمَكْتُوبَةُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع...، ح: ٧١٠)

"جب جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔"

بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ جلدی سے اپنی نماز کو پورا کر لیں اور توڑیں نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَلَا تُبۡطِلُوٓاْ أَعۡمَٰلَكُمۡ ﴿٣٣﴾﴾ (محمد٤٧/ ٣٣)

"مومنو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے دو۔"

اور مذکورہ حدیث کو انہوں نے اس شخص پر محمول کیا ہے، جو جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتیں وغیرہ شروع کرے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ حدیث مذکور دونوں حالتوں کے لئے عام ہے اور پھر کچھ اور احادیث بھی وارد ہیں، جو عموم پر دلالت کناں ہیں۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ نے ایک شخص کو اس وقت نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جب مؤذن نماز کے لئے اقامت کہہ رہا تھا۔ رہی آیت کریمہ تو وہ عام ہے اور یہ حدیث خاص ہے۔ خاص سے عام کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور یہ اس کے مخالف نہیں ہوتا جیسا کہ اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں سے اس کی تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر جماعت کھڑی ہو گئی ہے اور آدمی نے دوسری رکعت کا رکوع بھی کر لیا ہے تو پھر نماز مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نماز قریب الاختتام ہے اور اس کا رکعت سے بھی کم حصہ باقی ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

ایک رات میں دو بار وتر نہیں

سوال کیا ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز ہے؟

جواب کسی کے لئے ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«اجْعَلُوْا آخِرَ صَلاَتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا»(صحيح بخاري، كتاب الوتر، باب ليجعل آخر صلاته وترا، ح:٩٩٨، وصحيح مسلم صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى ...، ح:٧٥١، ١٥١)

"رات کی نماز کے آخری حصہ کو وتر بنالو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ خَافَ أَنْ لاَ يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلاَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب من خاف ان لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ح:٧٥٥)

"جس کو یہ ڈر ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا' تو وہ ابتدائی حصہ ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ آخری حصہ میں اٹھ سکے گا تو اسے رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ وقت افضل ہے۔"

جب مسلمان کو رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنے کی توفیق میسر ہو تو وہ اپنی نماز کے آخر میں ایک رکعت پڑھ لے' اس سے اس کی ساری نماز وتر ہو جائے گی اور اگر آدمی آخری رات نہ اٹھ سکے تو وہ رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لے اور اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اٹھنے کی توفیق عطا فرما دے' تو وہ جس قدر نماز پڑھ سکتا ہو' دو دو رکعات پڑھے۔ وتر کو دوبارہ نہ پڑھے' رات کے پہلے حصہ میں پڑھے ہوئے وتر ہی کافی ہوں گے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

جس انسان نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر وہ ...

سوال اگر میں نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر آخری حصہ میں بھی اٹھ کھڑا ہوں تو کس طرح نماز پڑھوں؟

جواب جب آپ نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ آخری حصہ میں بھی اٹھنے کی توفیق عطا فرما دے تو جتنی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے' دو دو رکعات کر کے پڑھ لیجئے۔ وتر دوبارہ نہ پڑھئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ وتر کے بعد بھی نماز جائز ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

نماز میں قنوت

سوال نماز فجر میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ قنوت وتر کا کیا حکم ہے؟ نماز مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس سوال میں دو مسئلے پوچھے گئے ہیں' ان میں سے پہلا مسئلہ نماز فجر میں قنوت کا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے قنوت فرمایا' جس میں کچھ لوگوں کے لئے دعاء فرمائی یا کچھ لوگوں کے لئے آپ نے بددعاء فرمائی مکہ میں رہنے والے کمزور مومنوں کے لئے آپ نے دعاء فرمائی اور ان لوگوں کے لئے بددعاء فرمائی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (دھوکے سے) شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ ان کے لئے ایک ماہ تک بددعاء فرماتے رہے[1] تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر غور کرے گا' اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت حال یہ ہے کہ فرائض میں قنوت نہیں الا یہ کہ مسلمان کسی افتاد میں مبتلا ہوں یا کسی حادثہ سے دوچار ہوں' جس کی وجہ سے ضرورت اس امر کی ہو کہ تمام مسلمان الحاح و زاری کے ساتھ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں دعاء کریں تو اس صورت میں قنوت کیا جائے۔ دلائل کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف نماز فجر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسے تمام نمازوں میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جہری نمازوں میں قنوت جہری اور سری نمازوں میں سری طور پر کیا جائے گا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اہم حوادث کے وقت قنوت کیا جائے پھر جب حالات معمول پر آ جائیں تو قنوت نہ کیا جائے!

باقی رہی سوال کی دوسری شق یعنی قنوت وتر' تو وتر میں قنوت کرنا سنت ہے لیکن دوام و استمرار سنت نہیں ہے لہٰذا اگر بعض اوقات قنوت کر لے تو بہتر ہے اور اگر بعض اوقات ترک کر دے تو یہ بھی بہتر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قنوت سکھایا تھا[2] لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ خود بھی قنوت فرماتے تھے یا نہیں؟

---

① صحیح بخاری' کتاب الوتر' باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ' ح: 1002- و صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات---' ح: 677-

② سنن ابی داود' ابواب الوتر' باب القنوت فی الوتر' ح: 1425 - 1426' سنن ترمذی' باب ماجاء فی القنوت فی الوتر' ح: 464-

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ وتر کو نماز مغرب کی طرح ادا کرنے کا کیا حکم ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ جب انسان تین رکعت وتر پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو انہیں دو سلام کے ساتھ ادا کرے یعنی دو رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر تیسری رکعت اکیلی پڑھ لے یا تینوں رکعات کو ایک تشہد کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ وتر کی تین رکعات کو دو تشہد کے ساتھ نماز مغرب کی طرح ادا کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

انفرادی طور پر پڑھنے والے کو جہری قرأت کی ضرورت نہیں

سوال میں وتر کی تین رکعات پڑھتا اور آخری رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتا ہوں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی سورۃ' دوسری میں ﴿ قل یا ایھا الکفرون ﴾ اور تیسری میں ﴿ قل ھو اللہ احد ﴾ اور ﴿ معوذتین ﴾ پڑھ لیتا ہوں۔ کبھی کبھی وتر کی گیارہ رکعات پڑھتا اور آخری رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتا ہوں اور پہلی تین رکعات میں مذکورہ بالا سورتوں کو پڑھتا اور باقی رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں کیا میری یہ نماز صحیح ہے اور اگر وتر کی تیرہ رکعات پڑھنا چاہوں تو کس طرح پڑھوں؟

جب مغرب یا عشاء یا صبح کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکوں تو انفرادی طور پر پڑھ لیتا اور آیات کی قرأت سری طور پر کرتا ہوں لیکن میرے چچا جان نے مجھے بتایا ہے کہ جہری نماز میں انفرادی طور پر پڑھنے کی صورت میں بھی قرأت جہری کرنا واجب ہے تو کیا میری سابقہ نمازیں صحیح ہیں؟ اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی کفارہ وغیرہ تو لازم نہیں؟

جواب وتر کی تیرہ یا گیارہ رکعات کو اس طرح پڑھنا مستحب ہے کہ آپ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں اور فاتحہ کے بعد جن سورتوں کی چاہیں قرأت کر لیں۔ نو رکعات پڑھنا بھی جائز ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے یا آٹھ رکعات پر تشہد بیٹھیں اور پھر نویں رکعت پڑھ کر تشہد کریں اور سلام پھیر دیں۔ ایک سلام کے ساتھ سات اور پانچ رکعات پڑھنا بھی جائز ہے۔ مستحب یہ ہے کہ وتر کی رکعات تین سے کم نہ ہوں اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھی جائے۔ اگر ان کے علاوہ دیگر سورتیں پڑھ لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ افضل یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں اور اگر ایک سلام کے ساتھ پڑھ لے تو پھر بھی (ان شاء اللہ) جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ انفرادی طور پر نماز پڑھنے میں قرأت کے جہری کرنے کی ضرورت نہیں ہے' جہری قرأت تو امام رات کی نمازوں میں اس لئے کرتا ہے تاکہ مقتدیوں کو وہ اپنی قرأت سنا سکے اور مقتدیوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقعہ ملے لیکن جو شخص انفرادی طور پر نماز پڑھتا ہے' وہ تو اپنے آپ کو سناتا ہی ہے' خواہ قراءت سری کرے یا جہری اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی پھر۔۔!

سوال ایک شخص نے تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی لیکن نماز کے دوران ہی اس نے رکعات کی تعداد میں اضافہ کا

ارادہ کر لیا تو کیا یہ جائز ہے؟ کیا اذان کے بعد بھی تحیۃ المسجد جائز ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ تین وتر دو سلام کے ساتھ پڑھے جائیں' اگر تین سے زیادہ پڑھے تو افضل ہے۔ وتر گیارہ رکعات تک پڑھے جا سکتے ہیں۔ ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے۔ اگر تین رکعات پڑھنے کی نیت کی اور تکبیر کے بعد زیادہ رکعات پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے۔ تیسری رکعت کے بعد چوتھی رکعت کے اضافہ پھر اس کے بعد ایک رکعت پڑھنے کا ارادہ کیا تو (ان شاء اللہ) اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تحیۃ المسجد اذان کے بعد بھی جائز ہے اور نماز سے پہلے کی سنت راتبہ کے طور پر بھی یہ کافی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا

سوال نماز تراویح میں امام کے قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کی کتاب و سنت سے کیا دلیل ہے؟

جواب قیام رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس طرح مقتدیوں کو سارا قرآن مجید سنایا جا سکے گا کتاب و سنت کے شرعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قرأت کی جائے اور یہ حکم عام ہے قرآن مجید سے دیکھ کر اور زبانی قرأت سبھی کو شامل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے غلام ذکوان کو حکم دیا کہ وہ قیام رمضان میں ان کی امامت کروائیں اور ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھتے تھے' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی "صحیح" میں [1] معلقا مگر صحت کے پورے وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال ہم نے رمضان المبارک میں نماز تراویح امریکی شہر فرزنو میں ادا کی اور قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کے بارے میں ہمارے ہاں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض بھائیوں کی یہ رائے تھی کہ نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کرنا جائز نہیں اور بعض کی رائے یہ تھی کہ یہ جائز ہے۔ اس وقت یہ صورت حال اس لئے پیش آئی کہ ہم میں کوئی ایسا بھائی نہ تھا جسے مکمل قرآن مجید یاد ہو؟

جواب جب امر واقعہ اس طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا تو آپ کے امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کر لے بلکہ اس طرح کی حالت میں اس طرح کرنا شرعاً مستحب ہے کیونکہ نماز تراویح میں طویل قرأت کی ترغیب دی گئی ہے اور تمہارے لئے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارا امام دیکھ کر قرأت کرے۔ امام ابن ابی داؤد نے "کتاب المصاحف" میں "ایوب عن ابن ابی ملیکہ کی سند سے" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کا غلام ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر آپ کی امامت کروایا کرتا تھا۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا ہشام بن عروہ سے' انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کا ایک مدبر غلام تھا جو رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر آپ کو نماز پڑھایا کرتا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب امامة العبد والمولی' قبل حدیث : 692-

فتویٰ کمیٹی

وتر کا آخری وقت

سوال وتر کی نماز کے لئے آخری وقت کون سا ہے؟

جواب وتر کی نماز کے لئے آخری وقت طلوع فجر سے پہلے رات کا آخری حصہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى . . . فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى»(صحيح بخاري، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، ح:٩٩٠، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، ح:٧٤٩)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے' جب تم میں سے کسی کو صبح کے طلوع ہونے کا خدشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے' اس سے اس کی ساری نماز وتر ہو جائے گی۔"

شیخ ابن باز

قنوت کی دعائیں

سوال میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ امید ہے آپ میرے لئے کچھ ایسی مستحب دعائیں ارسال فرما دیں گے' جنہیں رمضان المبارک میں نماز وتر میں پڑھا جا سکے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت وتر میں پڑھنے کے لئے کچھ کلمات سکھائے تھے جیسا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قنوت وتر میں پڑھنے کے لئے مجھے یہ کلمات سکھائے:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلاَ يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لاَ يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، [وَلاَ يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ]، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ»(سنن أبي داود، ابواب الوتر، باب القنوت في الوتر، ح:١٤٢٥، ١٤٢٦ وسنن ترمذي، باب ما جاء في القنوت في الوتر، ح:٤٦٤، مسند احمد، ١/١٩٩، ٢٠٠ (ولا يعز من عاديت) رواه البيهقي، ٢/٢٠٩)

"اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے' ان (کے زمرہ) میں تو مجھے بھی ہدایت دے اور مجھے ان لوگوں (کے زمرہ) میں عافیت دے' جن کو تو نے عافیت دی ہے اور جن لوگوں کا تو کارساز بنا ہے ان (کے زمرہ) میں تو میرا بھی کارساز بن جا اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے' اس میں برکت عطا فرما اور جو تو نے میرے لئے مقدر کیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا' اس لئے کہ تیرا حکم' بے شک' سب پر چلتا ہے مگر تیرے اوپر کسی کا حکم نہیں چلتا جسکا تو والی (مددگار) بن گیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ توہی بابرکت ہے۔ اے ہمارے پروردگار توہی سب سے بلند و برتر ہے۔"

علاوہ ازیں آپ مسنون دعاؤں میں سے جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

وتر میں سورۂ اخلاص پڑھنا واجب نہیں ہے

سوال کیا وتر میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا شرط ہے یا کوئی بھی سورت پڑھ لی جائے تو یہ جائز ہے؟

جواب وتر میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا لازمی شرط نہیں ہے بلکہ یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، كَانَ يُوتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلٰى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ»(سنن نسائي، كتاب قيام الليل، باب ذكر اختلاف الفاظ الناقلين ...، ح:١٧٠٠، ١٧٠١، ١٧٠٢، وسنن أبي داود، كتاب الوتر، باب ما يقرأ في الوتر، ح:١٤٢٣)

"رسول اللہ ﷺ وتر میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔"

اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا چاہے تو جائز ہے لیکن وہ اس سورت کی قرأت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

فتویٰ کمیٹی

خسوف و کسوف سے متعلق مسائل

سوال سماحۃ الشیخ! ہم نے اخبارات میں ایک خبر پڑھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عنقریب غروب آفتاب کے تھوڑی دیر بعد چاند کو مکمل طور پر گرہن لگے گا اور اس سے تین دن پہلے سورج کو بھی گرہن لگے گا۔ اس مقالہ میں مضمون نگار نے اسباب خسوف اور اس کی ابتداء و انتہاء کے بارے میں نہایت شرح وبسط سے لکھا ہے جس سے درج حقائق کے بعد ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں:

① سورج اور چاند کو گرہن لگنا ایک طبیعی بات ہے کیونکہ فلکی رصد گاہوں کے ماہرین اس کے وقوع پذیر ہونے سے بھی کئی دن پہلے بتا دیتے ہیں اور یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ کس وقت گرہن شروع ہو کر کس وقت تک رہے گا اور نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ سورج یا چاند کا کتنا حصہ گرہن کی زد میں آئے گا؟

② رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حالت خسوف میں نماز پڑھیں اور فرمایا کہ اس حالت میں نماز پڑھو حتی کہ اللہ تعالیٰ گرہن کو صاف کر دے۔

③ صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خسوف کے وقت ہمیں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

④ "فتح الباری" میں حدیث ہے کہ "سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔" تو سوال یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن سے لوگ کیوں ڈریں کیونکہ یہ تو ایک طبیعی

چیز ہے' جو رونما ہونے سے بھی پہلے معلوم کی جا سکتی ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ سورج اور چاند کو گرہن اس لئے لگتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتے ہیں اور یہ ترغیب دینا چاہتے ہیں کہ اس کے بندے ان نشانیوں کو دیکھ کر اس سے ڈریں اور اس کے ذکروطاعت کی طرف لپکیں' نبی ﷺ نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ سورج اور چاند کو گرہن کسی انسان کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْخُسُوْفَ فَافْزَعُوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَدُعَائِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الذكر في الكسوف، ح:١٠٥٩، ١٠٦٠، وصحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف.، ح:٩١١، ٩١٢، ٩١٥، وسنن أبي داود، كتاب صلاة الكسوف، باب الصدقة فيها، ١١٩١، وسنن نسائي، كتاب الكسوف، باب الأمر بالاستغفار في الكسوف، ١٥٠٣، ١٥٠٤ رواه كلهم نحو المعنى)

"جب تم گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعاء کی طرف لپکو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الذكر في الكسوف، ح:١٠٥٩، ١٠٦٠، وصحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف، ح:٩١١، ٩١٢، ٩١٥، وسنن أبي داود، كتاب صلاة الكسوف، باب الصدقة فيها، ١١٩١، وسنن نسائي، كتاب الكسوف، باب الأمر بالاستغفار في الكسوف، ١٥٠٣، ١٥٠٤ رواه كلهم نحو المعنى)

"جب تم یہ دیکھو تو نماز پڑھو اور دعاء کرو حتی کہ گرہن صاف ہو جائے۔"

اس موقعہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے' غلاموں کو آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ اس موقعہ پر نماز' ذکر' استغفار' صدقہ' غلاموں کو آزاد کرنے' خوف الٰہی اور اس کے عذاب سے ڈرنے کو اختیار کیا جائے۔ گرہن کا حساب سے معلوم ہو جانا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے کیونکہ اس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اور اسی نے ان کے لئے اسباب کو ترتیب دیا ہے جیسا کہ سورج' چاند اور ستارے مخصوص اوقات میں طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بھی ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب کو بھی مقرر فرمایا ہے' جن کے پیش نظر ماہرین فلکیات گرہن کو معلوم کر لیتے ہیں تو ان کا ان اسباب سے گرہن کو معلوم کر لینا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے' جس طرح سورج' چاند' ستارے' گرمی اور سردی یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ ان میں بھی تخویف و تحذیر کا پہلو ہے۔ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ ان نشانیوں کو بھی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ بندے اپنے اللہ سے ڈریں' اپنے دل میں اس کا خوف پیدا کریں' اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' ان کو چھوڑ دیں۔

آسمان میں خسوف اور کسوف وغیرہ کی جو نشانیاں ہیں' ماہرین فلکیات اور حساب دانوں کا انہیں معلوم کر لینا اور

اکثروبیشتر وہ ان کے اسباب ہی سے انہیں معلوم کرتے ہیں' اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ حساب تو غلط بھی ہو سکتا ہے' ماہر فلکیات کو بھی غلطی لگ سکتی ہے' کبھی اس کا حساب درست بھی ہو سکتا ہے' لیکن اگر اسے حساب و فلکیات میں مہارت حاصل ہو تو اکثروبیشتر صورتوں میں اس کا اندازہ درست ہوتا ہے' تو اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا کیونکہ خسوف اور کسوف کے اسباب معلوم ہیں' جنہیں ماہرین فلکیات سورج اور چاند کی حرکت اور ان کی منازل سے معلوم کر لیتے ہیں اور اس منزل کو بھی معلوم کر لیتے ہیں' جس میں خسوف و کسوف رونما ہونا ہو' تو یہ اس بات سے مانع نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی حکم دیا ہے کہ اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے' صدقہ و خیرات کیا جائے یا اس طرح کے دیگر امور بجالائے جائیں کہ ان سب امور میں بندگان الٰہی کی مصلحت ہے کہ وہ اس سے ڈریں' اس کے خوف کو اپنے دلوں میں جگہ دیں اور صراط مستقیم پر گامزن رہیں اور حساب سے اس کا معلوم ہو جانا ان امور سے مانع نہیں ہے۔

سوال کیا اس طرح کی خبروں کو نشر کرنا گرھن کی اہمیت کو کم نہیں کرتا؟

جواب اگر ان خبروں کی اشاعت کو ترک کر دیا جائے' تو یہ احسن و افضل ہے تاکہ لوگ جب اچانک گرہن کو دیکھیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہو اور وہ یہ دیکھ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے لئے خوب کوشش کریں لیکن بعض ماہرین کی یہ رائے ہے کہ لوگوں کو پہلے سے مطلع کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ اس طرح غفلت میں مبتلا ہو جانے کی بجائے' وہ اطاعت اور عبادت الٰہی کے لئے باقاعدہ تیاری کر لیتے ہیں کیونکہ بسااوقات لوگ گرہن کے بارے میں جب غافل ہوتے ہیں' تو انہیں شعور اور آگاہی حاصل نہیں ہوتی اور وہ اطاعت و عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتے لہٰذا اگر اخبارات میں پہلے سے خبر شائع کر دی جائے' تو وہ خبردار ہو کر اس کے لئے مناسب تیاری کر لیتے ہیں اور ان خبروں کے شائع کرنے سے اکثروبیشتر یہی مقصود ہونا چاہئے۔

سوال کیا چاند اور سورج کے گرہن کے بارے میں پہلے سے پیش گوئی کر دینا ادلہ شرعیہ سے تصادم تو نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و نگہداشت فرمائے!

جواب نہیں! اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اہل علم فرماتے ہیں کہ ان باتوں کا تعلق غیبی امور سے نہیں ہے بلکہ انہیں حساب سے معلوم کیا جا سکتا ہے' جس طرح پہلے لوگوں میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ ماہرین فلکیات و حساب' چاند اور سورج کی منزلوں سے اس کا حساب لگا لیتے ہیں اور ان طریقوں سے اسے معلوم کر لیتے ہیں' جنہیں انہوں نے علم فلکیات میں پڑھا اور معلوم کیا ہوتا ہے۔ علم غیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان دو رکعات پڑھنا

سوال میں نے نماز جمعہ میں یہ دیکھا ہے کہ جب امام دو خطبوں کے درمیان بیٹھا تو بعض نمازیوں نے کھڑے ہو کر دو رکعات پڑھیں اور پھر بیٹھ گئے۔ اس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے کہ آدمی مسجد میں آکر بیٹھنے کے بعد پھر نماز کے لئے کھڑا ہو؟

جواب یہ نماز غیر مشروع ہے کیونکہ مشروع یہ ہے کہ جب امام خطبہ شروع کر دے تو لوگ اس کا خطبہ سنیں۔ دو خطبوں کے درمیان امام کے دوسرے خطبہ کا انتظار کریں اور اگر دو خطبوں کے درمیان دعاء کریں تو یہ بھی بہت بہتر ہے کیونکہ یہ قبولیت دعاء کا وقت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«فَإِنَّ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةً لاَ يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلاَّ أَعْطَاهُ اللهُ تَعَالَى مَا دَعَا بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، ح:٩٣٥، وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، ح:٨٥٢)

"جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں مسلمان آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء کو قبول فرماتے ہوئے وہ عطا فرما دیتا ہے۔"

ہاں آدمی مسجد میں بیٹھنے کے بعد تحیۃ المسجد ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد نبوی میں اس وقت آیا جب نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا:

«أَصَلَّيْتَ: قَالَ لاَ قَالَ قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب ، وباب من جاء والامام يخطب صلى ركعتين خفيفتين ح:٩٣٠، ٩٣١، وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب التحية والامام يخطب ح:٨٧٥)

"کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟" اس نے عرض کیا۔ "نہیں" تو آپ نے فرمایا۔ "کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعات پڑھو۔"

ہاں اگر آدمی کو بیٹھے ہوئے کافی وقت ہو جائے تو پھر تحیۃ المسجد نہ پڑھے کیونکہ سنت یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مقام ختم ہو جائے تو مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اذان اول کے بعد نماز فجر

سوال کیا اذان اول کے بعد نماز فجر ادا کرنا صحیح ہے؟ دونوں اذانوں کے مابین کے وقت کو نماز فجر کا وقت قرار دیا جا سکتا ہے؟ یا اذان ثانی کے بعد کا وقت ہی نماز فجر کے لئے صحیح ہے؟

جواب نماز وقت شروع ہونے کے بعد ہی صحیح ہو گی اور فجر کا وقت طلوع صبح کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور صبح سے مراد مشرق میں پھیلنے والی سفیدی ہے لہٰذا جو شخص طلوع صبح سے پہلے نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ اذان اس کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ صحت نماز کے لئے وقت کا شروع ہونا شرط ہے۔ اگر وقت ہو جائے اور اذان نہ بھی ہو تو نماز صحیح ہو گی۔ ہاں البتہ نماز فجر کے لئے بعض علماء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس کے لئے رات کے آخری حصہ میں وقت شروع ہونے سے پہلے بھی اذان دی جا سکتی ہے لیکن وقت شروع ہونے سے پہلے نماز نہیں پڑھی جا سکتی اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ قبل ازوقت صرف رمضان میں صبح کی اذان دی جا سکتی ہے تاکہ سونے والا شخص سحری کے لئے بیدار ہو جائے اور نمازی کو یہ معلوم ہو جائے کہ سحری کا وقت قریب ہے لیکن نماز' دوسری اذان کے بعد جو صحیح وقت پر

ہوتی ہے' ادا کی جائے گی۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

کیا کوئی نماز فائدہ بھی ہے؟

سوال لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک نماز فائدہ ہے' جس کی سو رکعات ہیں۔ بعض لوگ اس کی صرف چار رکعات بتاتے ہیں اور اسے رمضان کے آخری جمعہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا بدعت؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے۔ نماز فائدہ نامی کوئی نماز نہیں کیونکہ تمام نمازیں ہی مبنی بر فوائد ہیں۔ فرض نماز فوائد کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبادت جب فرض ہو تو وہ نفل عبادت سے بہرحال افضل ہے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

«مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، ح: ٦٥٠٢)

"میرے بندے نے کسی ایسی چیز کے ساتھ میرا تقرب حاصل نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو جسے میں نے اپنے بندے پر فرض قرار دیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے جس عبادت کو واجب قرار دیا ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے اور یہ بندے کے لئے نفل سے زیادہ منفعت بخش ہے' یہی وجہ ہے کہ اسے لازم بھی قرار دیا گیا اور اس میں اجروثواب بھی زیادہ رکھا گیا تو تمام نمازیں ہی مبنی برفوائد ہیں۔ نماز فائدہ نامی کوئی خاص نماز نہیں ہے بلکہ یہ بدعت اور بے اصل ہے۔ آدمی کو ایسے اذکار اور نمازوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو لوگوں میں عام رواج پاچکی ہیں' لیکن سنت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ یاد رہے عبادت میں اصل ممانعت ہے لہذا کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں نہ بتایا ہو۔ جب انسان کو کسی چیز کے بارے میں یہ شک ہو کہ یہ اعمال عبادت سے ہے یا نہیں؟ تو اصل بات یہ ہے کہ وہ عبادت نہیں ہے حتیٰ کہ دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ عبادت ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

نماز حاجت اور حفظ القرآن غیر شرعی ہیں

سوال میں نے نماز حاجت اور نماز حفظ القرآن کے بارے میں سن رکھا ہے تو کیا یہ نمازیں صحیح ہیں یا نہیں؟

جواب یہ دونوں نمازیں صحیح نہیں ہیں۔ نماز حاجت درست ہے اور نہ نماز حفظ القرآن' کیونکہ اس طرح کی عبادات کا اثبات کسی ایسی شرعی دلیل ہی سے ممکن ہے جو حجت ہو اور یہ نمازیں کسی ایسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہیں' جو حجت ہو لہذا یہ غیر شرعی ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

جب وتر پڑھتے ہوئے اذان فجر ہو جائے

سوال ایک آدمی نماز وتر پڑھ رہا تھا کہ صبح کی اذان شروع ہو گئی تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ اپنی نماز کو پورا کرے یا کیا کرے؟

جواب ہاں جب وتر پڑھتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو نماز مکمل کر لینی چاہئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن عثیمین

سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا

سوال کیا فرض ادا کرنے کے بعد سنتوں کی جگہ کی تبدیلی کے بارے میں کوئی دلیل وارد ہے؟

جواب ہاں! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَمَرَنَا أَنْ لاَ نُوْصِلَ صَلاَةً بِصَلاَةٍ حَتّٰى نَخْرُجَ أَوْ نَتَكَلَّمَ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح:٨٨٣، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح:١١٢٩)

"ہم ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملائیں حتی کہ ہم الگ ہو جائیں یا کلام کریں۔"

تو اس حدیث سے اہل علم نے یہ اخذ کیا ہے کہ فرض اور سنتوں میں فاصلہ ہونا چاہئے' کلام کے ذریعہ یا جگہ کی تبدیلی کے ذریعہ۔

شیخ ابن عثیمین

وتر کی قضاء

سوال جب میں سو جاؤں اور رات کو نماز وتر ادا نہ کر سکوں تو کیا اس کی قضاء دوں اور کس وقت دوں؟

جواب سنت یہ ہے کہ اس کی قضاء ضحیٰ کے وقت' سورج بلند ہونے کے بعد اور استواء سے پہلے جفت تعداد میں نہ کہ طاق تعداد میں دی جائے۔ اگر آپ کی عادت رات کو تین وتر پڑھنے کی ہے اور آپ سو گئے یا بھول گئے تو پھر دن کو تین کے بجائے دو دو کر کے چار رکعتیں پڑھی جائیں اور اگر آپ کی عادت رات کو پانچ رکعات وتر پڑھنے کی ہے اور آپ سو گئے یا بھول گئے تو پھر دن کو پانچ کے بجائے دو دو کر کے چھ رکعات پڑھی جائیں اور اگر آپ کا معمول اس سے زیادہ رکعات پڑھنے کا ہے تو ان کے بارے میں بھی اسی طرح حکم ہو گا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، إِذَا شُغِلَ عَنْ صَلاَتِهِ بِاللَّيْلِ بِنَوْمٍ أَوْ مَرَضٍ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً» مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض، ح:٧٤٦)

"رسول اللہ ﷺ جب نیند یا مرض کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو آپ دن کو بارہ رکعات پڑھتے۔"

آپ ﷺ کی وتر کی نماز چونکہ اکثر وبیشتر گیارہ رکعت ہوتی تھی اس لئے آپ قضاء کے طور پر بارہ رکعت ادا فرماتے اور سنت یہ ہے کہ انہیں دو دو رکعات پڑھا جائے جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى» سنن أبي داود، كتاب التطوع، باب صلاة النهار، ح:١٢٩٥، واصله في

الصحيحين من حديث ابن عمر رضي الله عنهما لكن بدون ذكر النهار)

"دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ اصل میں یہ حدیث صحیحین میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما موجود ہے لیکن اس میں دن کا ذکر نہیں ہے' لیکن امام احمد اور اہل سنن کی روایتوں میں "دن" کا لفظ بھی ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اس وقت نماز کا حکم جب خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہو

سوال جب جمعہ کے دن مسجد میں آؤں اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا اس وقت دو رکعات پڑھنا جائز ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے مسنون یہ ہے اور اس کی بہت تاکید آئی ہے کہ وہ تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعات پڑھے بغیر نہ بیٹھے خواہ امام جمعہ کا خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وتر کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں

سوال بعض ائمہ رمضان کے آخری عشرہ میں رات کے پہلے حصہ میں بھی وتر پڑھتے ہیں اور پھر رات کے آخری حصہ میں بھی۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب وتر کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو بار وتر نہیں۔"

اس لئے کہ رات کی نماز کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ وتر ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی طاق ہے اور وہ طاق کو پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا رات کو تین یا پانچ یا سات یا نو وغیرہ کی تعداد میں وتر کو پڑھا جائے۔ اگر کوئی شخص حرم میں امام کے ساتھ تراویح پڑھے تو اسے اجازت ہے کہ امام کے ساتھ پڑھے ہوئے وتر کو اس طرح شفع (جفت) بنالے کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور پھر رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد کے بعد وتر پڑھے تو یہ افضل ہے تاکہ آخری نماز وتر ہو اور اگر تراویح کے بعد امام اول کے ساتھ اس نے وتر پڑھ لئے ہوں تو پھر آخری نماز شفع (جفت) ہونی چاہئے تاکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ ہوں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز عشاء کے فوراً بعد وتر پڑھنا

سوال مجھے قرآن مجید کی تلاوت' اذکار اور مستحب نمازوں مثلاً وتر وغیرہ کا بہت شوق ہے لیکن اکثر نماز وتر بوجھل

محسوس ہونے لگتی ہے خصوصاً جب کہ نماز عشاء کے فوراً بعد اسے ادا نہ کروں' تو کیا یہ جائز ہے کہ میں اسے نماز عشاء کے فوراً بعد ادا کر لیا کروں یا ضروری ہے کہ اسے مؤخر کیا جائے اور سونے سے پہلے پڑھا جائے؟

جواب سونے تک اسے مؤخر کرنا افضل نہیں ہے' جب کہ یہ نسیان یا گرانی یا غفلت کا ذریعہ بنے بلکہ اس صورت میں اسے نماز عشاء کے فوراً بعد ادا کرنا افضل ہے۔ ہاں البتہ اگر رات کے آخری حصہ میں اٹھنے کا وثوق ہو تو پھر اسے مؤخر کرنا افضل ہے اور اگر نیند یا غفلت کا اندیشہ ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اسے رات کے پہلے حصہ ہی میں پڑھ لیا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سونے سے پہلے وتر پڑھنا

سوال میں ایک عورت ہوں۔ جب سونے لگتی ہوں تو بہت تھکی ہوتی ہوں' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لوں کیونکہ میں نماز فجر کے وقت بیدار ہوتی ہوں' کیا مجھے قیام اللیل کا ثواب مل جائے گا؟

جواب جب تمہاری عادت اذان فجر کے وقت اٹھنے کی ہے' تو پھر جو نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتی ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے سونے سے پہلے ادا کر لو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

«أَنْ يُوتِرَ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في الوتر قبل النوم، ح:١٤٣٢، ١٤٣٣، ومسند احمد، ٢/ ٢٢٩)

"وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیں۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ جتنی توفیق عطا فرمائے نماز پڑھ لو اور سونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو اور اگر اذان فجر سے پہلے بیدار ہو جاؤ اور نفل پڑھنا چاہو تو کوئی حرج نہیں۔ دو دو رکعات کر کے نفل پڑھ لو اور وتر دوبارہ نہ پڑھو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تحیۃ المسجد یا مؤذن کا جواب

سوال مؤذن اذان دے رہا ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے یا مؤذن کا جواب دینا اور اس کے بعد نماز پڑھنا افضل ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اذان ہو رہی ہو تو افضل یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دیا جائے اور اس کے فارغ ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کو ادا کیا جائے لیکن جمعہ کی اذان ثانی کے وقت افضل یہ ہے کہ اذان کے وقت تحیۃ المسجد کو پڑھا جائے تاکہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے آدمی نماز سے فارغ ہو جائے اور پھر خاموش بیٹھ کر خطبہ سن سکے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

دعاء وتر میں رفع الیدین

سوال وتر میں رفع الیدین کا کیا حکم ہے؟

جواب شریعت کا حکم ہے کہ قنوت وتر میں بھی رفع الیدین کیا جائے کیونکہ یہ قنوت بھی قنوت نازلہ ہی کے جنس میں

سے ہے اور یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دُعَائِهِ فِي قُنُوْتِ النَّوَازِلِ»(السنن الكبرى للبيهقي كتاب الصلاة، باب رفع اليدين في القنوت، ح:٣٢٢٩)

"آپ نے قنوت نازلہ میں دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے تھے۔" (امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح سند کیساتھ بیان فرمایا ہے)

—— شیخ ابن باز ——

نماز ضحیٰ' وقت اور تعداد رکعات؟

سوال نماز ضحیٰ کی رکعات کی تعداد کتنی ہے اور اس کے ادا کرنے کا مناسب وقت کون سا ہے؟

جواب نماز ضحیٰ سنت مستحب ہے۔ اس کی کم از کم دو رکعات اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ افضل وقت وہ ہے جب سورج کی حرارت میں شدت آنا شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

«صَلَاةُ الأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال، ح:٧٨٤)

"اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگتے ہیں۔"

لیکن یہ نماز اس وقت بھی جائز ہے جب ممانعت کا وقت گزرنے کے بعد سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور اذان ظہر سے پہلے زوال شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے یعنی قریباً نصف گھنٹہ پہلے تک اس نماز کا وقت رہتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز ضحیٰ اور شفع و وتر کا وقت؟

سوال ۱ نماز ضحیٰ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال ۲ نماز شفع و وتر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب ۱ نماز ضحیٰ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے' جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور ظہر سے قبل زوال سے تھوڑی دیر پہلے یعنی قریباً نصف گھنٹہ تک رہتا ہے اور افضل وقت ضحیٰ کا نصف وقت ہے' جس وقت اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنا شروع ہو جاتے ہیں یعنی گرمی کی شدت میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔

جواب ۲ وتر کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر طلوع صبح سے پہلے تک ہے۔ اسکا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے اس کیلئے جسے اس وقت اٹھنے کا اعتماد ہو۔ اور اگر اسے خدشہ ہو کہ وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے نہیں اٹھ سکے گا تو وہ سونے سے پہلے پڑھ لے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عشاء کے بعد نماز قیام اللیل ہے

سوال کیا جو شخص عشاء کی نماز کے فوراً بعد گیارہ رکعت وتر پڑھ لیتا ہے' اسے بھی قیام اللیل شمار کیا جائے گا؟

جواب قیام اللیل وہ ہے' جسے رات کے دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد ادا کیا جائے خواہ رکعات کی تعداد زیادہ ہو یا کم خواہ

اسے عشاء سے پہلے رات کے ابتدائی حصہ میں' ادا کیا جائے یا فجر سے پہلے رات کے آخری حصہ میں لیکن افضل یہ ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد رات کی آخری تہائی میں اسے ادا کیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں انسان جلدی سو جائے!

شیخ ابن جبرین

جس شخص کا نماز کسوف میں دوسرا رکوع فوت ہو جائے؟

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ نماز کسوف کا دوسرا رکوع سنت ہے لہٰذا جس کا پہلا رکوع رہ گیا اسے امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دو رکوع کیساتھ ایک مکمل رکعت ادا کرنا ہوگی یا یہ دوسرا رکوع پہلے رکوع کے قائم مقام ہو سکتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ جس شخص کا نماز کسوف میں پہلا رکوع فوت ہو گیا' وہ اسے رکعت شمار نہ کرے اور اس کے بجائے وہ دو رکوعوں کے ساتھ ایک رکعت ادا کر لے۔ نماز کسوف چونکہ عبادت ہے اور عبادات توقیفی ہیں یعنی عبادات کے بارے میں صرف اسی کیفیت پر اکتفاء کیا جائے گا' جو صحیح نصوص سے ثابت ہو۔

فتویٰ کمیٹی

مطلق نفل نماز

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں مطلق نیت کے ساتھ نفل نماز ادا کروں؟ مثلاً ایک شخص نے نفل نماز شروع کی اور رکعات کی تعداد کی تحدید نہ کی اور وہ چاہتا ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ توفیق دے رکعات پڑھے۔ کیا یہ جائز ہے؟ براہ کرم دلیل کے ساتھ جواب دیجئے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد جب اسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اس نے طاق رکعات پڑھی ہیں یا جفت اور نہ یہ معلوم ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ جتنی رکعات چاہے بیک وقت شروع کر لے بلکہ وہ شریعت کے حکم کا پابند ہے اور حکم شریعت یہ ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى»(سنن أبي داود، كتاب التطوع، باب صلاة النهار، ح:١٢٩٥، واصله في الصحيحين من حديث ابن عمر رضي الله عنهما لكن بدون ذكر النهار)

"رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔"

لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ وہ دن ہو یا رات نفل نماز دو دو رکعات کر کے پڑھے' چار یا چھ یا آٹھ وغیرہ اکٹھی نہ پڑھے ہاں البتہ وتر کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ تین یا پانچ یا سات ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے جائیں' اسی طرح نو رکعات وتر ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ ادا کی جائیں' ایک تشہد آٹھویں رکعت کے بعد کیا جائے اور دوسرا تشہد نویں رکعت کے بعد اور پھر اس کے بعد سلام پھیر دیا جائے۔ الغرض انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بیک وقت جتنی تعداد میں چاہے رکعات شروع کر لے بلکہ ضروری ہے کہ دو دو کر کے رکعات پڑھے ہاں اس طرح جتنی رکعات چاہے پڑھ سکتا ہے' اگرچہ افضل یہ ہے کہ رات کی نماز تیرہ یا گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

شیخ ابن عثیمین

نفل نماز یا طواف؟

سوال کعبہ کے پاس طواف افضل ہے یا نفل نماز؟

جواب بے شک نماز عبادت اور تقرب الٰہی کے حصول کا افضل ترین ذریعہ ہے' اسی طرح بیت الحرام کا طواف بھی نماز اور دعاء ہے اور اس کی بھی بہت فضیلت ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ جو شخص باہر سے مکہ میں آیا اور اسے یہاں سے جلد چلے جانا ہے تو اس کے حق میں مطلق نفل نماز کی نسبت طواف بہتر ہے کیونکہ طواف اسے ہر جگہ میسر نہ ہو گا لیکن وہ یہاں نماز بھی نہ چھوڑے بلکہ سنن راتبہ' طواف کی دو رکعات اور جس قدر ممکن ہو نماز بھی پڑھتا رہے۔ مکہ میں مقیم انسان کے لئے نفل نماز افضل ہے لیکن وہ بیت اللہ کا طواف بھی نہ چھوڑے' یہ کہتے ہوئے کہ وہ جب چاہے گا طواف کر لے گا۔

شیخ ابن جبرین

نماز باجماعت اور تارک نماز کا حکم

منافقوں کے لئے سب سے دشوار عشاء اور صبح کی نماز ہے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ صبح کی نماز کے وقت آدمی سویا رہے اور جب بیدار ہو' اس وقت پڑھ لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص نماز سے سویا رہے یا بھول جائے تو اسے جس وقت یاد آئے اسی وقت پڑھ لے' اس کا وہی وقت ہے۔" میں صبح کے وقت اٹھ تو سکتا ہوں لیکن بے حد مشکل کے ساتھ اور اگر اس وقت نماز پڑھوں' تو ذہن بھی حاضر نہیں ہوتا۔ (یعنی منتشر ذہن سے نماز پڑھتا ہوں) امید ہے صبح کی نماز کی فضیلت خصوصاً نہایت وضاحت کے ساتھ اس کے تارک کی سزا بھی بیان فرمائیں گے؟

جواب ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام نمازوں کو باجماعت مسجد میں ادا کرے' اس کا خاص اہتمام کرے اور ہر اس بات سے دور رہے' جو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ بنے۔ ان فرائض میں سے اہم ترین نماز فجر ہے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«أَثْقَلُ الصَّلاَةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلاَةُ الْعِشَاءِ وَصَلاَةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد . . .، ح:٦٥١)

"منافقوں کے لئے سب سے زیادہ دشوار نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان نمازوں میں کس قدر اجروثواب ہے تو وہ گھٹنوں کے بل بھی چل کر آتے"

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ ﴾ (الإسراء۱۷/ ۷۸)

"اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔"

حدیث میں بھی ہے کہ صبح کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یعنی اس وقت دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ نماز فجر ہی نماز وسطیٰ ہے اور آپ کا استدلال:

﴿ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۸)

"اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

کے جملہ سے ہے کہ طول قیام تو نماز فجر میں ہوتا ہے' بہرحال یہ واجب ہے کہ نماز صبح کے لئے خاص اہتمام کیا جائے للذا ایسے اسباب اختیار کیجئے' جن کی وجہ سے آپ کے لئے نماز صبح کا باجماعت ادا کرنا ممکن ہو مثلاً رات کو جلد سو جایئے اور دیر تک بیدار نہ رہیئے کیونکہ اس سے رات کے آخری حصہ میں نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور آدمی صبح کی نماز بروقت ادا نہیں کر سکتا۔ آپ پوری پوری کوشش کریں کہ اذان کے قریب یا اذان سنتے ہی بیدار ہو جائیں یا کسی کے ذمے لگائیں جو آپ کو بیدار کر دے' یا نماز کے وقت آپ کے دروازہ پر دستک دے دے' یا الارم والی گھڑی استعمال کیجئے کہ اذان سن کر یا اذان کے قریب آپ الارم سن کر بیدار ہو جائیں اور جب انسان اٹھنے کا عادی ہو جائے تو وہ سستی اور صعوبت پر قابو پا ہی لیتا ہے' اس کے لئے اٹھنا آسان ہو جاتا ہے' نماز سے اسے محبت ہو جاتی ہے اور نماز میں جو وہ کہتا یا سنتا ہے' اس کے لئے اسے دل کی حضوری بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

حالت رکوع میں امام کا مقتدیوں کے لئے انتظار کرنا

سوال امام جب حالت رکوع یا آخری تشہد میں مقتدیوں کے آنے کی آواز کو سنے' تو کیا اس کے لئے لازم ہے کہ ان کا انتظار کرے؟

جواب افضل یہ ہے کہ عجلت نہ کی جائے اور اسی طرح یہ بھی افضل ہے کہ امام اتنی تاخیر کرے' جو مومنوں کے لئے گراں نہ گزرے کیونکہ پہلے آنے والے مومنوں کی رعایت کرنا زیادہ اہم ہے لیکن امام اگر تھوڑی سی تاخیر کرے' کہ آنے والے لوگ امام کے ساتھ رکوع یا سجدہ یا تشہد کو پالیں تو یہ امام کے لئے افضل اور اولیٰ ہے۔

شیخ ابن باز

نماز کے ساتھ ملنے کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کرنا

سوال بہت سے مسلمانوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی نماز باجماعت کا کوئی حصہ بھی فوت نہ ہو للذا جب وہ مسجد کی طرف آتے اور یہ دیکھتے ہیں کہ امام نے نماز شروع کر دی ہے' تو وہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں' تو اس طرز عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز کے لئے دوڑ کر نہیں آنا چاہیئے' یہ ایک مکروہ عمل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَامْشُوْا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب قول الرجل فاتتنا الصلوة،ح:٦٣٥، ٦٣٦ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة . . .، ح:٦٠٢)

"جب تم نماز کے لیے آؤ تو بڑے سکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ' نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھو اور جو حصہ فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں:

«فَلَا تَأْتُوْهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَائْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة . . .، ح:٦٠٢)

"نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ آؤ' جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

سنت یہ ہے کہ آدمی نماز کے لئے چلتے ہوئے عاجزانہ انداز میں اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے آئے' بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی معمول کی چال میں آئے اور صف کے ساتھ مل جائے سنت یہی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

بچوں کو صف میں کہاں کھڑا کیا جائے

سوال جب آدمی دو یا دو سے زیادہ نابالغ بچوں کی امامت کروائے تو بچے کہاں کھڑے ہوں اس کے پیچھے یا دائیں جانب؟

جواب سنت یہ ہے کہ بچے جب سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہو جائیں تو وہ بالغوں کی طرح امام کے پیچھے ہی کھڑے ہوں اور اگر بچہ ایک ہو تو اسے امام اپنی دائیں جانب کھڑا کر لے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نماز پڑھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کر لیا[1] اور ایک دوسری روایت میں آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی اور انہیں اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا' اسی طرح ایک مرتبہ نماز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے' تو انہیں بھی آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔[2]

——— فتویٰ کمیٹی ———

① صحیح بخاری' کتاب الجماعة والامامة' باب المرأة وحدها تکون صفا' ح: 380' 727- و صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب جواز الجماعة فی النافلة' ح: 658-

② صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب اذا قام الرجل عن یسار الامام فحوله الامام---' ح: 698-

محکموں' اداروں اور کمپنیوں میں نماز

سوال ہمارے شہر میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے محکمہ کے سربراہ نے یہ حکم دیا ہے کہ بینک کا ہر ملازم نماز ظہر قریبی مسجد میں باجماعت ادا کرے' جب کہ بینک کے مدیر کی یہ رائے ہے کہ بینک کے تمام ملازمین کو بینک کے اندر ہی باجماعت نماز ادا کرنی چاہیئے آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی قولی و فعلی سنت یہ ہے کہ نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے۔ آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلا دینے کا ارادہ فرمایا' جو مسجدوں میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے نہیں آتے۔ حضرات خلفاء راشدین' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ نماز کو مسجدوں میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠ والحاكم ١/ ٢٤٥ من هذا الطريق وسنده صحيح)

"جو شخص اذان کی آواز سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی' الّا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

اسی طرح یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک (نابینا) آدمی نے عرض کیا:

«إِنِّي يَارَسُوْلَ اللهِ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يُلاَزِمُنِيْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَهَلْ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِيْ؟ فَقَالَ لَهُ الرَّسُوْلُ ﷺ: تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَأَجِبْ»
(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"یارسول اللہ! میرا کوئی معاون نہیں' جو مجھے مسجد میں لاسکے تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں گھر میں نماز ادا کرلوں؟" تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا "کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "تو اس پر لبیک کہو۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند أحمد، ٣/ ٤٢٣)

"نہیں میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ بینک کے ملازمین کو چاہیئے کہ وہ قریبی مسجد میں نماز باجماعت ادا کریں تاکہ سنت پر عمل ہو' فرض کی ادائیگی ہو' مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے پیچھے رہ جانے کے لئے اختیار کئے جانے والے حیلوں' بہانوں کا سدباب ہو اور منافقوں کی مشابہت سے اجتناب ہو۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

دوسری جماعت کا حکم

سوال جو لوگ جماعت سے پیچھے رہ جائیں اور مسجد میں آئیں اور دیکھیں کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں' تو کیا وہ اسی مسجد میں دوسری جماعت کروا سکتے ہیں؟ کیا اس حدیث کہ ((من يتصدق على هذا)) "کون ہے جو اس پر صدقہ کرے؟" اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کا جو یہ قول ہے کہ "جب ہماری جماعت رہ جاتی تو ہم الگ الگ نماز پڑھتے" میں تعارض ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں آئے اور دیکھے کہ لوگ امام راتب یا غیر راتب کی اقتداء میں جماعت سے فارغ ہو چکے ہیں تو وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر جن کی جماعت رہ گئی ہے' نماز باجماعت ادا کر لے یا ان میں سے کوئی اس پر صدقہ کرتے ہوئے اسے جماعت سے نماز پڑھا دے' جو پہلے اپنی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر چکے ہوں کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الجمع في المسجد مرتين، ح: ٥٧٤)

"کیا کوئی ہے جو اس شخص پر صدقہ کرے اور اسے نماز جماعت کے ساتھ پڑھا دے۔"

تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اسے نماز پڑھا دی۔ ترمذی نے بھی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی اس وقت آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تھے' تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلٰى هٰذَا»(سنن ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الجماعة في مسجد قد صُلّي فيه مرة، ح: ٢٢٠)

"کون ہے جو اس سے تجارت کرے؟"

ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اسے جماعت سے نماز پڑھا دی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے آپ کی موافقت کی ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی "المحلّٰی" میں اسے ذکر کر کے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "کئی ایک صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے کہ اس مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' جس میں پہلے جماعت ہو چکی ہو۔" امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں کا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کو نماز الگ الگ پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ سفیان' ابن مبارک' مالک اور امام شافعی کا قول یہی ہے کہ ان لوگوں کو نماز الگ الگ پڑھنی چاہئے۔ اور ان کے ہم نوا لوگوں نے دوسری جماعت کو اس لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس سے افتراق اور انتشار پیدا ہو گا' خواہش نفس کے پجاری جماعت سے پیچھے رہ جانے کا اسے ایک ذریعہ بنالیں گے اور اس طرح دوسری نماز اس امام کی اقتداء میں ادا کریں گے' جو ان کی جماعت اور ان کی بدعت میں ان کی موافقت کرے گا لیکن مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر ان میں سے پہلا قول ہی صحیح ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے۔ تم اللہ سے ڈرو۔"

کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے' نیز نبی ﷺ کے اس ارشاد کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧، ومسند احمد، ٢/ ٢، ٥٠٨)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ"

کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ بلاشک و شبہ نماز باجماعت ادا کرنا ہی تقویٰ ہے اور شریعت نے اس کا حکم دیا ہے لہٰذا مقدور بھر کوشش کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہئے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ صحیح احادیث کے معارضہ میں اہل علم کی ان بیان کردہ علل کو پیش کیا جائے' جن کی وجہ سے انہوں نے مسجد میں دوسری جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے بلکہ اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے' جس پر صحیح نقول دلالت کناں ہوں اور اگر کسی شخص یا کسی جماعت کے بارے میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ نماز باجماعت کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے دانستہ پیچھے رہتے ہیں اور ان سے بار بار اس بات کا صدور ہوا ہے یا ان کے طرز عمل اور ان کی جماعت کی روش سے یہ ظاہر ہو کہ وہ محض اس لئے جماعت سے پیچھے رہتے ہیں تا کہ اپنے ہم نوا لوگوں کے ساتھ نماز ادا کریں' تو انہیں تعزیری سزا دی جائے گی اور اس بات سے انہیں روکا جائے گا' مسلمان حاکم انہیں اور ان جیسے اپنی خواہش کے بچاریوں کو جو چاہے مناسب سزا دے سکتا ہے اور اس طرح انتشار و خلفشار اور خواہشات کے پجاریوں کی اغراض کا سدباب کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان دلائل کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں' جن سے ان لوگوں کے لئے دوسری جماعت کے جواز کا ثبوت ملتا ہے' جو پہلی جماعت سے محروم ہو گئے ہوں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز باجماعت واجب ہے

سوال بعض لوگ ... اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت عطاء فرمائے .. کسی شرعی عذر کے بغیر نماز باجماعت ادا نہیں کرتے۔ کچھ لوگ اس سلسلہ میں دنیوی کاموں کے عذر پیش کرتے ہیں اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے' تو وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھی جاتی ہے' کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے' آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب مسلمانوں کی ہمدردی و خیرخواہی اور منکر کا انکار کرنا تو اہم واجبات میں سے ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں' وہ (ایک دوسرے کو) اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان ...، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کوئی بری بات دیکھے' تو اسے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"

نیز آپ نے فرمایا:

«وَقَالَ ﷺ: الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: للهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٥)

"دین ہمدردی و خیرخواہی کا نام ہے" عرض کیا گیا "یا رسول اللہ! کس کے لئے ہمدردی و خیرخواہی؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے لئے' اس کے رسول کے لئے' مسلمان حکمرانوں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے!"

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔

بلاشک و شبہ بغیر کسی عذر کے نماز باجماعت ترک کرنا' ان منکرات میں سے ہے' جن سے منع کرنا ضروری ہے کیونکہ مردوں کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں اور یہ بہت سے دلائل سے ثابت ہے مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے' اور اس کی سند جید ہے۔ اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا آدمی نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟" تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لئے اذان سنتے ہو؟" تو اس نے کہا "جی ہاں" آپ نے فرمایا "پھر اذان کی آواز پر لبیک کہو۔"

(اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔)

مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی دوسرا مسلمان بھائی جب کسی برائی سے روکے تو ناراض نہ ہو بلکہ اچھے طریقہ سے جواب دے بلکہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اسے دعاء دے کیونکہ اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت دی اور اس کا حق اسے یاد دلایا ہے۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ داعی حق کے جواب میں تکبر کا اظہار کرے کیونکہ ایسا کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی اور اسے جہنم کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾﴾ (البقرة۲/ ۲۰٦)

"اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے' سو ایسے شخص کو جہنم سزا وار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

―――― شیخ ابن باز ――――

جو شخص آخری تشہد میں ملے اس کی جماعت فوت ہو گئی

سوال کیا نمازی جب آخری تشہد میں ملے تو اسے نماز باجماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب جماعت کا ثواب اسی صورت میں ملتا ہے کہ آدمی ایک رکعت ضرور پالے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»(بخاري، مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، ح:٥٨٠، ومسلم، المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ...، ح:٦٠٧)

"جس نے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔"

لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے لیٹ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب عطا فرما دیتا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ أَوْ سَافَرَ كَتَبَ اللهُ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ مُقِيْمٌ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل في الاقامة، ح:٢٩٩٦، ومسند احمد، ٤/ ٤١٠)

"جب کوئی آدمی بیمار ہو یا مسافر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کے مطابق اجر و ثواب عطا فرما دیتا ہے جو وہ اس وقت کرتا تھا جب وہ صحیح اور مقیم تھا۔"

―――― شیخ ابن باز ――――

وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے

سوال ایک مسلمان اپنے گھر میں نماز ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا ایمان بہت قوی ہے اور وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے تو کیا جب وہ فوت ہو جائے تو اہل مسجد اس کی نماز جنازہ ادا کریں یا نہ کریں؟

جواب علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کو باجماعت ادا کرنا ان مردوں کے لئے واجب ہے' جو اسے باجماعت ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں لہٰذا جو آدمی بغیر کسی عذر کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہیں کرتا' وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا گناہ گار اور نافرمان ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کو باجماعت ادا کرنا تو اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کے وقت بھی واجب قرار دیا ہے حالانکہ یہ بہت مشکل وقت ہوتا ہے اور اگرچہ اس میں صحت نماز کی بعض شرطوں پر عمل نہیں ہو سکتا

جیسا کہ نماز خوف کی بعض صورتوں میں ہوتا ہے لیکن باجماعت ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ﴾ (النساء٤/ ١٠٢)

’’اور (اے پیغمبر) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو‘ تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں اور دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی (ان کی جگہ) آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے‘ کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔‘‘

سنت سے دلیل یہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ لاَ يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ح:٦٤٤، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وانها فرض كفاية، ح:٦٥١)

’’اس ذات اقدس کی قسم‘ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے‘ میرا ارادہ ہے کہ میں حکم دوں کہ ایندھن اکٹھا کیا جائے پھر حکم دوں کہ نماز کے لئے اذان دی جائے‘ پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے پاس جا کر ان کے گھروں کو اس آگ سے جلا دوں جو مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوئے۔ اس ذات اقدس کی قسم‘ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہیں معلوم ہو کہ انہیں ایک موٹی ہڈی‘ یا دو اچھے پائے ملیں گے‘ تو وہ نماز عشاء میں ضرور حاضر ہوں۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے لیکن جو شخص کسی عذر کے بغیر جماعت ترک کر دے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے ہاں البتہ نماز جماعت کے فریضہ کے ترک کی وجہ سے وہ گناہگار ضرور ہے لہٰذا جب وہ فوت ہو جائے تو دیگر گناہ گاروں کی طرح اس کا بھی مسجد میں یا کسی اور جگہ جنازہ ضرور پڑھا جائے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

صف کے دائیں طرف نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے میں کوئی حرج نہیں

سوال عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو صف کی دائیں جانب مکمل ہو گئی لیکن بائیں جانب تھوڑے لوگ تھے تو ہم نے کہا صف کو بائیں جانب سے بھی مکمل کر لو تو ایک نمازی نے کہا دائیں جانب افضل ہے تو دوسرے نے اس کے جواب میں

کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص صفوں کے بائیں حصہ کو آباد کرتا ہے' اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔" براہ کرم فتویٰ دیجئے کہ اس مسئلہ میں صحیح بات کیا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ہر صف کا دایاں حصہ اس کے بائیں حصہ سے افضل ہے لیکن لوگوں سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ صف کو دونوں طرف سے برابر کر لو کیونکہ اگر دائیں طرف زیادہ لوگ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ دائیں طرف کی فضیلت کو حاصل کر سکیں۔

بعض نمازیوں نے جو یہ ذکر کیا کہ "جو شخص صفوں کے بائیں حصہ کو آباد کرتا ہے' اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔" تو مجھے اس حدیث کا کوئی اصل معلوم نہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے' اسے بعض ان سست لوگوں نے وضع کیا ہے' جو دائیں طرف کا شوق نہیں رکھتے اور اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ واللہ الھادی الٰی سواء السبیل

—— شیخ ابن باز ——

صف کہاں سے شروع کی جائے؟

سوال نماز کی صف کو کہاں سے شروع کیا جائے؟ کیا صف کو امام کے پیچھے سے شروع کیا جائے یا دائیں جانب کے کنارے سے شروع کیا جائے؟

جواب پہلی صف کو امام کے پیچھے سے شروع کر کے دائیں بائیں پھیلا دیا جائے اور اسے دائیں جانب کے کنارے سے شروع نہ کیا جائے جیسا کہ سوال میں پوچھا گیا ہے اور پھر اس کے بعد دوسری صف کو بھی امام کے پیچھے سے شروع کر کے دائیں بائیں جانب پھیلا دیا جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

جو شخص لہسن' پیاز یا گندنا کھائے

سوال رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ:

«مَنْ أَكَلَ بَصَلاً أَوْ ثُوْمًا أَوْ كُرَّاثًا فَلاَ يَقْرَبَنَّ مَسَاجِدَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُوْ آدَمَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من اكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها. . .، ح: ٥٦٤ اما التحديد بثلاثة ايام فلا اعلم له اصلا)

"جو شخص لہسن' پیاز یا گندنا کھائے تو وہ تین دن تک ہماری مسجدوں میں نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں' جس سے انسان کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔" (او کما قال علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام)

تو کیا اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں میں سے کسی ایک کو کھانے کے بعد مسجد میں نماز جائز نہیں حتی کہ یہ مذکورہ مدت گزر جائے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے نماز باجماعت لازم ہو اس کے لئے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے؟

جواب اس حدیث اور اس کے ہم معنی دیگر صحیح احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے اس وقت تک نماز باجماعت کے لئے مسجد میں حاضری مکروہ ہے جب تک اس سے ایسی بدبو آتی رہے جس سے اس کے گردوپیش کے نمازیوں کو تکلیف ہو' خواہ یہ بو لہسن' پیاز اور گندنا کھانے کی وجہ سے ہو یا مکروہ بدبو والی دیگر اشیا مثلاً سگریٹ نوشی وغیرہ کی وجہ سے ہو حتی کہ اس کی بو زائل ہو جائے اور جہاں تک تین دن کی حد بندی کا مسئلہ ہے تو مجھے اس کے بارے میں کوئی اصل معلوم نہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کی پڑتال

سوال ہم فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کو بلاتے اور جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے؟ امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔

جواب مسلمانوں کے لئے یہ واجب ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردی و خیرخواہی کریں اور نیکی' تقویٰ' امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اس کے لئے کبھی اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں معلوم کیا جائے اور یہ جاسوسی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اگر وہ بیمار ہے تو اس کی بیمار پرسی کی جائے' اسے مفید مشورے دیئے جائیں' کوئی پریشانی ہے تو اسے دور کیا جائے' حصول منفعت یا دفع ضرر و مشقت کے سلسلہ میں اس سے تعاون کیا جائے یا اسے نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے منع کیا جائے' چنانچہ اسی مقصد کی خاطر مسجد کے نمازیوں کی بھی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی نماز فجر میں نمازیوں کی پڑتال کی اور فرمایا:

«أَشَاهِدٌ فُلَانٌ، أَشَاهِدٌ فُلَانٌ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة، ح:٥٥٤، وسنن نسائي، كتاب الامامة، باب الجماعة إذا كانوا اثنين، ح:٨٤٤ ومسند احمد، ٥/ ١٤٠)

''کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ کیا فلاں شخص حاضر ہے؟''

—— فتویٰ کمیٹی ——

صبح کی نماز کے وقت سویا رہنا

سوال میں بعض اوقات بہت تھکا ہوتا ہوں اور رات کو سوتا بھی دیر سے ہوں' جس کی وجہ سے نماز صبح گھر ہی میں پڑھ سکتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہر بالغ مسلمان مرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پانچوں نمازیں' اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر مسجد میں باجماعت ادا کرے اور اس سلسلہ میں سستی و کاہلی ہرگز جائز نہیں' صبح یا دیگر نمازوں میں جماعت سے پیچھے رہ جانا نفاق کی نشانی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓا۟ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا۟ كُسَالَىٰ﴾ (النساء٤/ ١٤٢)

''منافق اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب یہ

نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد . . .، ح:٦٥١)

"منافقوں کے لئے سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہو تا کہ ان میں کس قدر اجر وثواب ہے تو وہ ان نمازوں میں گھٹنوں کے بل آ کر بھی شریک ہوتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی معقول شرعی عذر ہو۔"

ایک نابینا آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں ہے' جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لئے اذان سنتے ہو؟" عرض کیا "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا "پھر مؤذن کی آواز پر لبیک کہو۔"

جب ایسے نابینا شخص کو جس کے پاس کوئی معاون بھی نہ ہو' جماعت میں شرکت سے معذور نہیں سمجھا گیا تو کوئی دوسرا انسان تو بالاولیٰ معذور نہیں ہو سکتا لہٰذا اے سائل! آپ پر واجب ہے کہ اللہ سے ڈریں' فجر اور دیگر نمازوں کے باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کریں' (رات کو) جلد سو جائیں تا کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھ سکیں اور بیماری یا خوف وغیرہ کے شرعی عذر کے بغیر گھر میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے اختیار کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ ابن باز

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء

سوال کیا یہ جائز ہے کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی مل کر اجتماعی طور پر دعاء کریں؟

جواب بحوث العلمیہ والافتاء کی فتوی کمیٹی کی طرف سے اس سوال کا پہلے بھی جواب دیا جاچکا ہے' جو کہ حسب ذیل ہے:

"عبادات توقیفی ہیں لہٰذا عبادات کے اصل' عدد' کیفیت اور جگہ کے بارے میں کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشروع ہے' تو اس ضابطہ کی بنیاد پر جب ہم اس اجتماعی دعاء کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ آپ کے قول یا فعل یا تقریر سے قطعاً ثابت

نہیں ہے اور ساری خیروبرکت آپ کی سنت کے اتباع میں ہے اور اس مسئلہ میں قطعی دلائل سے ثابت جو آپ کی سنت ہے اور جس کے مطابق آپ کے خلفاء راشدین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے عمل کیا وہ اجتماعی طور پر دعاء کا نہ کرنا ہے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کے خلاف عمل کرتا ہے' تو وہ مردود (عمل) ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . . ، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر کے مطابق نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

لہٰذا جو امام سلام کے بعد دعاء کرتا ہے' مقتدی اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں اور سب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا رکھے ہوتے ہیں' ان سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اپنے اس عمل کے اثبات میں کوئی دلیل پیش کریں ورنہ یہ عمل مردود قرار پائے گا۔

اس اصولی بات کی وضاحت کے بعد اب ہم یہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا تھی؟ چنانچہ آپ کی سنت یہ تھی کہ آپ سلام کے بعد تین بار پڑھتے ((أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ)) اور پھر پڑھتے:

«اَللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلاَلِ وَالْإِكْرَامِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩١)

"اے اللہ! تو ہی سلامتی (دینے) والا ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی (نصیب ہوتی) ہے' بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و احسان (کرنے والے)"

امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ استغفار کیسے کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بندہ یہ کہے:

«أَسْتَغْفِرُ اللهَ، أَسْتَغْفِرُ اللهَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩١)

"میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں' میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔"

یہ مسلم' ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلاَتِهِ»(سنن نسائي، كتاب السهو، باب الاستغفار بعد التسليم، ح:١٣٣٨)

"رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ کہتے....."

ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ مِنْ صَلاَتِهِ اسْتَغْفَرَ اللهَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ: اَللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب ما يقول الرجل إذا سلّم، ح:١٥١٣)

رسول اللہ ﷺ جب نماز سے پھرتے تو تین بار ((استغفر اللہ)) پڑھتے اور پھر یہ پڑھتے ((اللھم انت السلام))

ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ پڑھتے:

«اَللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلاَلِ وَالْإِكْرَامِ»(سنن أبي داود، كتاب

الوتر باب ما يقول الرجل إذا سلّم، ح:١٥١٢، سنن نسائي، كتاب السهو ، باب الذكر بعد الاستغفار، ح:١٣٣٩)

مسلم میں وراد مولیٰ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں یہ بھی لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْـمُلْكُ وَلَهُ الْـحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِـمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِـمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَـنْـفَعُ ذَا الْـجَدِّ مِنْكَ الْـجَدُّ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤٤، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفة، ح:٥٩٣)

"اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے' کوئی اس کا ساتھی نہیں' اسی کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی سب تعریف ہے' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے' اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری پکڑ سے) نہیں بچا سکتی۔"

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے' جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَلاَ نَعْبُدُ إِلاَّ إِيَّاهُ، لَهُ النِّـعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّـنَاءُ الْحَسَنُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفة، ح:٥٩٤)

"اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے' کوئی اس کا ساتھی نہیں' اس کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی (سب) تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (کسی کام کی بھی) طاقت و قوت اللہ (کی مدد) کے بغیر میسر نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے' اسی کی (دی ہوئی سب) نعمتیں ہیں اور اسی کا (ہم پر) فضل و احسان ہے اور اسی کی (سب) اچھی تعریفیں ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (ہم تو) پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے دین کے پیرو ہیں اگرچہ کافروں کو برا لگے۔"

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاَثًا وَّثَلاَثِيْنَ، وَحَمِدَ اللهَ ثَلاَثًا وَّثَلاَثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلاَثًا وَّثَلاَثِيْنَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْـمُلْكُ وَلَهُ الْـحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر وبيان صفة، ح:٥٩٧)

"جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ' تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ' تینتیس (۳۳) مرتبہ اللہ اکبر پڑھے تو یہ ننانوے (۹۹) کلمات ہو گئے اور یہ پڑھ کر کلمات کی تعداد ایک سو (۱۰۰) کر دے کہ: لا الہ الا

اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد' وھو علی کل شئی قدیر تو اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا' خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔"

اور جو شخص اس سلسلہ میں مزید دعائیں معلوم کرنا چاہے تو اسے جامع کتابوں کے "کتاب الادعیہ" کی طرف رجوع کرنا چاہئے مثلاً ((جامع الاصول' مجمع الزوائد اور المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة)) وغیرھا۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

پبلک پارکوں میں نماز کا حکم

سوال پبلک پارکوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے' جب کہ ان پارکوں کو ایسے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے' جن سے گندی بو آتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جس پانی سے انہیں سیراب کیا جاتا ہے' وہ نالیوں کا یا ایسے کنوؤں کا صاف شدہ پانی ہوتا ہے' جن میں ناپاک گٹروں کا پانی شامل ہوتا ہے' تو کیا محکمہ کی طرف سے ان پارکوں میں نماز ادا کرنے سے منع کیا جا سکتا ہے؟ امید ہے اس مسئلہ میں صحیح صورت حال کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے۔

جواب جب تک ان پارکوں اور باغوں سے گندی بو آتی ہے' ان میں نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت نماز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ بھی پاک ہو جہاں مسلمان نے نماز پڑھنی ہو لہٰذا اگر کوئی پاک صاف کپڑا وغیرہ زمین پر بچھا لیا جائے تو نماز صحیح ہوگی!

لیکن یاد رہے ان پارکوں اور باغوں وغیرہ میں مسلمان کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ کوئی پاک صاف کپڑا ہی زمین پر کیوں نہ بچھا لے بلکہ اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے ان گھروں یعنی مسجدوں میں نماز ادا کرے' جن کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے:

﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ ٱللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْآصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءِ ٱلزَّكَوٰةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَٰرُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ ٱللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا۟ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ ﴾

(النور ٢٤/ ٣٦۔٣٨)

"ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔ (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔"

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد

والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم،١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

اور نبی ﷺ سے ایک نابینا آدمی نے سوال کرتے ہوئے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لوں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لئے اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا پھر اس آواز پر لبیک کہو۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے محکمہ پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو باغوں اور پارکوں میں نماز پڑھنے سے منع کرے اور مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دے تا کہ: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ اور ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (التوبة 9/81) پر عمل ہو سکے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان . . . ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

دوسری جماعت کا حکم

سوال بعض نمازی نماز کے لئے دیر سے آتے ہیں تو امام راتب کی اقتداء میں پہلی جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے وہ دوسری جماعت کھڑی کر لیتے ہیں' اس کے بارے میں اسلام میں کیا حکم ہے؟

جواب جب کچھ لوگ مسجد میں اس وقت آئیں جب امام نے سلام پھیر دیا ہو اور وہ باجماعت نماز ادا کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جب ایک شخص اس وقت مسجد میں آیا جب نبی کریم ﷺ نے نماز سے سلام پھیر دیا تھا تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ»(رواه احمد في المسند ٣/ ٤٥)

"کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اسے نماز باجماعت پڑھا دے؟"

فتویٰ کمیٹی

کیا امام کو دیکھنا واجب ہے؟

سوال ہماری مسجد کے شمالی جانب ایک قطعہ زمین ہے' جو مسجد سے ملحق ہے اور اس کی چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ ہم اس زمین کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دینا چاہتے ہیں تا کہ وہ رمضان میں یہاں نماز ادا کر سکیں' تو کیا یہ جائز ہے جب کہ وہ یہاں نماز پڑھتے ہوئے امام کو نہ دیکھ سکیں گی بلکہ صرف لاؤڈ سپیکر ہی سے امام کی متابعت کر سکیں گی؟

جواب اس مذکورہ زمین میں ان کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' جہاں سے وہ نہ امام کو دیکھ سکیں اور نہ مقتدیوں کو بلکہ صرف تکبیر کی آواز سن سکیں۔ ان کے لئے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ جگہ نماز ادا نہ کریں بلکہ اپنے گھر میں نماز ادا کریں الا یہ کہ مسجد میں انہیں نمازیوں کے پیچھے کوئی جگہ مل جائے یا کوئی ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ امام یا کچھ مقتدیوں کو دیکھ سکیں تو وہاں نماز ادا کر لیں۔

شیخ ابن باز

کیا عورتیں با جماعت نماز ادا کر سکتی ہیں؟

سوال کیا عورتیں بھی مردوں کی طرح باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں یا ان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ الگ الگ نماز ادا کریں؟ اور اگر ان کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا لازم ہے تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنے اہل خانہ کو باجماعت نماز پڑھاؤں تاکہ انہیں نماز باجماعت کا اجر وثواب مل جائے؟

جواب مسجدوں میں نماز باجماعت ادا کرنا صرف مردوں کے لئے واجب ہے لیکن جب کوئی عورت مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے اجازت مانگے تو اسے منع کرنا مکروہ ہے' جب کہ اس کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے اور گھر میں باجماعت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ان کی امام ان کی صف کے درمیان ہی میں کھڑی ہو گی لیکن عورتوں کے لئے باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت اس طرح نہیں ہے' جس طرح مردوں کے لئے ہے۔ کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مسجد کو چھوڑ کر گھر میں اپنے اہل خانہ یا عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھائے کیونکہ فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا مردوں کے لئے فرض ہے۔

شیخ ابن جبرین

ایک موضوع حدیث جو کہ صحیح نہیں ہے

سوال لوگوں میں ایک ورقہ تقسیم کیا گیا جس پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ حدیث لکھی ہوئی تھی کہ "جو شخص نماز میں سستی کرے اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا۔" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب یہ ایک جھوٹی حدیث ہے جسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی بنیاد ہے جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان" میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "لسان المیزان" میں بیان فرمایا ہے لہٰذا جو

شخص اس کاغذ کو پائے اسے جلا دے اور اسے تقسیم کرنے والے کو تنبیہ کرے تاکہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے دفاع کیا جا سکے اور آپ کی سنت صحیحہ میں' نماز کی جو عظمت اور اس کے بارے میں سستی کے لئے وعید آئی ہے' وہ کافی' شافی اور کذاب لوگوں کے کذب سے بے نیاز کر دینے والی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۸)

"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُواْ ٱلشَّهَوَٰتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۵۹)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے' جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے' سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔"

اور فرمایا:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ ﴾ (الماعون۱۰۷/ ٤ـ۵)

"تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے' جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/ ٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور کافروں کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز کا ہے جو شخص نماز کو ترک کر دے' وہ کافر ہے۔"

اور اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

اسی طرح ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَلاَ بُرْهَانٌ وَلاَ نَجَاةٌ وَحُشِرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُوْنَ وَأُبَيِّ ابْنِ خَلَفٍ»(رواه احمد في المسند، ٢/ ١٦٩ ومجمع الزوائد، كتاب الصلاة، باب فرض الصلاة، ح:١٦١١)

"جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور' برہان اور ذریعہ نجات ہو گی اور جو شخص نماز کی حفاظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ نور ہو گا' نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات اور اسے روز

قیامت فرعون' ہامان' قارون اور ابی بن خلف کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔"

بعض علماء نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ جس نے نماز کو ضائع کر دیا اسے قیامت کے دن ان کافروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا کیونکہ اگر اس نے حکومت و ریاست کی وجہ سے اسے ضائع کیا ہے' تو وہ فرعون کے مشابہ ہے۔ اگر اس نے وزارت اور دیگر اونچے عہدوں کی وجہ سے ضائع کیا ہے' تو وہ ہامان کے مشابہ ہے جو کہ فرعون کا وزیر تھا اور اس کے ساتھ ہی روز قیامت جہنم رسید ہو گا۔ جس نے اسے مال و خواہشات نفسانی کے باعث ضائع کیا ہے تو وہ اس قارون کے مشابہ ہو گا' جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر سمیت زندہ زمین میں دھنسا دیا تھا کیونکہ اس نے اپنے بے حد وحساب مال و دولت اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے اتباع حق سے اعراض کر لیا تھا تو مال ودولت کی بنا پر نماز ضائع کرنے والے کو روز قیامت قارون کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا اور اگر اس نے اپنی تجارت اور دیگر امور و معاملات کی وجہ سے ضائع کیا' تو وہ ابی بن خلف کے مشابہ ہے جو کفار مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور ان کے ساتھ مشابہت رکھنے والے بے نمازیوں کو روز قیامت اسی کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا۔ ہم ان اور ان جیسے لوگوں کے حالات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

وہ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر ادا کرتا ہے

سوال میرا ایک دوست ہے جو میرے قریب ہی رہتا ہے اور مسجد بھی ہمارے گھر سے بہت ہی قریب ہے اور میرا یہ دوست رات بھر ٹیلی ویژن دیکھنے اور تاش کھیلنے مین مشغول رہتا ہے لیکن نماز فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتا ہے۔ میں نے اسے کئی دفعہ سمجھایا ہے لیکن وہ عذر یہ پیش کرتا ہے کہ مجھے صبح کی اذان سنائی نہیں دیتی حالانکہ مسجد ہم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اسے نماز کے لئے بیدار کر دیا کروں گا اور فی الواقع میں نے اس کے پاس جانا اور اسے بیدار کرنا شروع بھی کر دیا لیکن اس کے باوجود میں اسے مسجد میں نہیں دیکھتا' پھر میں نماز کے بعد واپس اس کے پاس آتا ہوں تو اسے بدستور سویا ہوا پاتا ہوں۔ میں اسے سرزنش کرتا ہوں تو فضول حیلے بہانے کرتا ہے اور بسااوقات کہتا ہے کہ ہاں عنداللہ روز قیامت میرے بارے میں تم جواب دہ ہو گے کیونکہ میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ آپ سے درخواست یہ ہے کہ براہ کرم مطلع فرمائیے کیا واقعی مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں اسے نماز کے لئے بیدار کروں؟

جواب کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ رات بھر اس قدر بیدار رہے کہ نماز فجر باجماعت یا بروقت ادا نہ کر سکے خواہ رات کی یہ بیداری قرآن مجید کی تلاوت یا طلب علم ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو' تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اس بات کی کس طرح اجازت ہو سکتی ہے کہ آدمی شب بھر ٹیلی ویژن دیکھنے یا تاش کھیلنے میں مشغول رہے اور نماز فجر ضائع کر دے؟

اپنے اس طرز عمل کی وجہ سے یہ شخص گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہے' حکمرانوں کی طرف سے بھی یہ سزا کا مستحق ہے' حکمرانوں پر بھی فرض ہے کہ وہ اسے اور اس جیسے لوگوں کو سزا دے کر نماز ضائع کرنے سے روکیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک عمداً نماز فجر کو طلوع آفتاب کے بعد تک مؤخر کرنا کفر اکبر ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے

کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"آدمی اور کفرو شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے"

نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے' وہ نماز ہے جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث اور آثار ایسے ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص عمداً اور بغیر شرعی عذر کے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتا ہے وہ کافر ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

تارک نماز اور تارک جماعت

سوال تارک نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز نماز باجماعت ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کمیٹی نے اس استفتاء کے مطالعہ کے بعد اس کا درج ذیل جواب لکھا:

نماز شہادتین کے بعد اسلام کے ارکان خمسہ میں سے سب سے اہم رکن ہے۔ جو شخص اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کر دے تو تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق وہ کافر ہے اور جو شخص محض غفلت اور سستی کی بنا پر ترک کرے علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور اس قول کی اصل بنیاد وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"بندے اور کفرو شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

نیز وہ روایت جسے امام احمد نے "مسند" میں اور ترمذی نے "جامع" میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے' جو شخص اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔"

باقی رہا نماز باجماعت ادا کرنا تو یہ بھی واجب عین ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ﴾ (النساء٤/ ١٠٢)

"اور (اے پیغمبر) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ حالت خوف میں بھی نماز باجماعت ادا فرمائیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت امن میں نماز باجماعت ادا کرنا تو بالاولیٰ فرض ہے۔ سنت سے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا آدمی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی مَعاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جا سکے تو کیا میرے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟" آپ نے اسے رخصت دے دی اور جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا "پھر مؤذن کی آواز پر لبیک کہو۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند احمد، ٣/ ٤٢٣)

"پھر میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایک نابینا آدمی کے لئے ترک جماعت کی رخصت نہیں تو بینا کے لئے تو بالاولیٰ یہ رخصت نہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دینے کا ارادہ فرمایا تھا جو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے نہیں آتے اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب یا فرض کفایہ سے پیچھے رہے تو اسے تو اس طرح کی سرزنش نہیں کی جا سکتی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا تارک نماز کے بارے میں لوگوں کو بتانا جائز ہے؟

سوال جب بعض لوگوں کے بارے میں مجھے یہ علم ہو کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں بلکہ اس کے بجائے وہ ایسے برے اعمال کرتے ہیں' جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں انہیں سرزنش کروں تاکہ لوگوں کو بھی ان کے بارے میں معلوم ہو جائے یا یہ جائز نہیں ہے؟

جواب سب سے پہلے تو آپ پر یہ واجب ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ وہ ان کاموں کو کرے' جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان کاموں کو چھوڑ دے' جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اگر وہ بات مانے خواہ آہستہ آہستہ ہی سہی تو اس کے ساتھ مقدور بھر نصیحت کا یہ سلسلہ جاری رکھو' وگرنہ مقدور بھر اس سے اجتناب کرو تاکہ فتنہ سے بچ سکو اور منکر سے کنارہ کشی کر سکو اور پھر اس کے بعد وہ شخص واجبات میں جو کوتاہی کرتا اور منکرات کو بجالاتا ہو' اس کے بارے میں لوگوں کو بوقت ضرورت بتا سکتے ہو تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں صحیح صورت حال کا علم ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ پڑوس اختیار کرنے' یا کاروبار میں شراکت کرنے یا مثلاً ایسے شخص کو کسی خدمت وغیرہ کے لئے رکھنے کی وجہ سے آپ سے مشورہ کرے یا آپ کو کسی کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اس کے جال میں پھنس جائے گا یا اس کے شر میں مبتلا ہو جائے گا تو ان تمام صورتوں میں لوگوں کو اس کے حال سے آگاہ کرنا واجب ہے تاکہ اچھے لوگوں کو اس کے شر سے بچایا جاسکے اور اس کے بارے میں یہ توقع ہو کہ جب اچھے لوگ اس سے کنارہ کشی کریں گے تو شاید یہ بھی اپنی اصلاح کر سکے۔ یہ جائز نہیں کہ آپ اس کے برے سیرت و کردار کو اپنے لئے یا لوگوں کے لئے مثال قرار دیں یا مجلسوں اور محفلوں میں اس کا مذاق اڑاتے پھریں کیونکہ اس طرح بھی شر پھیلتا ہے' لوگ بے حس ہو جاتے ہیں اور بری باتیں سنتے سنتے برائی کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ اسے بہت ہی برا ثابت کرنے کے لئے آپ اس کی طرف ایسی ایسی برائیاں اور ایسے ایسے بدترین اعمال منسوب کریں' جو اس نے کئے ہی نہ ہوں کیونکہ یہ کذب اور بہتان ہے اور اس سے ہمارے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

شیخ ابن باز

ایسا دوست جو نماز روزہ ادا نہیں کرتا' اس سے صلہ رحمی کی جائے یا نہیں؟

سوال میرا ایک بہت گہرا دوست علی ہے' لیکن یہ دوست فرض نماز پڑھتا ہے' نہ رمضان کے روزے رکھتا ہے' میں نے اسے سمجھایا تو وہ میری بات نہیں مانتا تو کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں یا نہ کروں؟

جواب اس طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض اور دشمنی رکھنا ضروری ہے حتی کہ وہ توبہ کر لیں کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ترک نماز کفر اکبر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک ہے۔"

اور نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٣٤٦/٥، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔" (اس حدیث کو امام احمد

اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس معنی و مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔)
شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑ دینا بھی بہت بڑا اور کبیرہ جرم ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ بیماری یا سفر وغیرہ کے شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑنا بھی کفر ہے لہٰذا آپ کے لئے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس شخص سے بغض رکھیں اور اس کو چھوڑ دیں حتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ حکمرانوں پر بھی واجب ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ تارک نماز ہیں' ان سے توبہ کرائیں اگر وہ توبہ کرلیں تو درست ورنہ انہیں قتل کر دیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا۟ سَبِيلَهُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٥)

"پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے' اس کے راستہ کو نہ چھوڑا جائے اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ»(سنن أبي داود، كتاب الادب، باب الحكم في المخنثين، ح:٤٩٢٨)

"مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔"

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے' اس کے قتل سے آپ کو منع نہیں کیا گیا۔ الغرض ادلہ شرعیہ اور آیات و احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکمران پر یہ واجب ہے کہ بے نماز اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھی کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔

—— شیخ ابن باز ——

تارک نماز کافر ہے

سوال بہت سے باپ اپنے بچوں کی تربیت خصوصاً دینی تربیت کا اہتمام نہیں کرتے۔ بچوں کی تعلیم میں کوتاہی کا وہ عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ کام کی وجہ سے وہ بہت تھک گئے ہیں' تو ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں لیکن وہ رمضان کے روزے کم ہی رکھتے ہیں یا نماز بھی وہ بہت کم ہی پڑھتے ہیں؟

جواب ایک مرد مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کا وہ پورا پورا اہتمام کرے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ ﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ' جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو حکم اللہ ان کو فرماتا ہے' اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

مرد مومن کو چاہئے کہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرے' جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کے کندھوں پر

ڈالی ہے کہ:

«اَلرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ، وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة في القرى والمدن، ح:٨٩٣، ٢٤٠٩، ٢٥٥٤، ٢٥٥٨)

”مرد اپنے اہل خانہ کے بارے میں نگہبان ہے اور اپنی اس رعیت کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔“

لہٰذا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی اولاد کی طرف توجہ نہ دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ حسب حالات اور حسب جرائم انہیں ادب سکھائے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مُرُوْا أَبْنَاءَكُمْ بِالصَّلاَةِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، ح:٤٩٤، ٤٩٥)

”اپنے بیٹوں (یعنی اولاد) کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوں۔“

یاد رہے کہ مرد کے کندھوں پر یہ جو امانت ڈالی گئی ہے' روز قیامت اس کے بارے میں اس سے بازپرس بھی ہو گی لہٰذا اسے چاہئے کہ صحیح جواب تیار کر رکھے تاکہ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکے اور اپنے عمل کے پھل کو پا سکے کہ اگر عمل اچھا کیا تو پھل بھی اچھا اور اگر عمل برا کیا تو پھل بھی برا ہو گا اور بسااوقات تو برے عمل کی سزا دنیا میں بھی اس طرح مل جاتی ہے کہ اولاد اس سے برا سلوک کرتی ہے' نافرمان ہو جاتی ہے اور اپنے باپ کے حق کو ادا نہیں کرتی۔

جو لوگ اسلام کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن نماز اور روزہ کی پابندی کم ہی کرتے ہیں' تو ان کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ رمضان کے روزے اس لئے نہیں رکھتے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ روزہ واجب نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک بدنی ریاضت ہے اور انسان کو اختیار ہے کہ چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے تو یہ لوگ کافر ہیں کیونکہ انہوں نے فرائض اسلام میں سے ایک فرض کا انکار کیا ہے اور جہالت کی وجہ سے انہیں معذور بھی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک اسلامی معاشرہ میں رہ رہے ہیں۔

اگر یہ روزہ کی فرضیت اور وجوب کا عقیدہ تو رکھتے ہیں لیکن عملاً روزہ نہیں رکھتے تو یہ نافرمان ہیں اور اہل علم کے راجح قول کے مطابق انہیں کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

اگر یہ نماز بالکل نہیں پڑھتے تو یہ کافر ہیں خواہ نماز کے وجوب کا اقرار کریں یا انکار کیونکہ اس صورت میں ان کا کفر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے' چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ﴾ (التوبة٩/ ١١)

”پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔“

اور سورۂ مریم میں ارشاد ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلشَّهَوَٰتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾﴾ (مريم١٩/ ٥٩-٦٠)

”پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے' جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا کہ اسے) کھو دیا اور

خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ ہاں! جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کئے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔"

یہاں استدلال سورۂ مریم کی اس دوسری آیت کریمہ سے ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے نماز ضائع کرنے والوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے والوں میں سے ان لوگوں کو مستثنٰی قرار دیا' جو توبہ کریں اور ایمان لے آئیں' تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز ضائع اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے وقت وہ مسلمان نہیں ہیں اور یہ استدلال پہلی آیت سے ہے جو سورۂ توبہ کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور مشرکین کے درمیان ثبوت اخوت کے لئے تین شرطیں قرار دی ہیں اور وہ یہ ہیں: ① وہ شرک سے توبہ کریں ② نماز قائم کریں اور ③ زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں لیکن نماز اور زکوٰۃ کو ادا نہ کریں تو وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں۔ اور یاد رہے دینی اخوت کی نفی صرف اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی مومن مکمل طور پر دائرہ دین سے خارج ہو جائے' فسق کے ساتھ اس اخوت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ آیت قصاص:

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَـٰنٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۷۸)

"اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔"

اس آیت میں عمداً قتل کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ نے مقتول کا بھائی قرار دیا ہے حالانکہ قتل عمد بھی اکبرا لکبائر میں سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَـٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"اور جو شخص مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے' جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا۔ اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمانی اخوت کی نفی کفر سے کم تر درجہ کے کسی جرم کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

ترک نماز سے جب دینی اخوت کی نفی ہو جاتی ہے جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت سے واضح ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کفر دون کفر یا یہ فسق نہیں ہے ورنہ اس سے دینی اخوت کی نفی نہ ہوتی' جس طرح قتل مومن سے نفی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا تم تارک زکوٰۃ کو بھی کافر قرار دو گے جیسا کہ سورۂ توبہ کی اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے' تو ہم کہیں گے کہ ہاں بعض اہل علم نے تارک زکوٰۃ کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کافر نہیں ہے ہاں البتہ اس کے لئے سزا بہت سخت ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت میں بیان فرمایا ہے مثلاً حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے

جس میں نبی ﷺ نے مانعین زکوٰۃ کی سزا کو بیان کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

«ثُمَّ يَرَى سَبِيْلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:٩٨٧)

"پھر وہ اپنے راستہ کو جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف۔"

تو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مانع زکوٰۃ کافر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو پھر اس کا راستہ جنت کی طرف نہ ہوتا تو اس حدیث کا منطوق آیت توبہ کے مفہوم سے مقدم ہے کیونکہ منطوق مفہوم سے مقدم ہوا کرتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں معروف ہے۔

سنت سے تارک نماز کے کفر کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ تَرْكَ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"بندے اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

اور بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/ ٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔"

یہاں کفر سے مراد وہ کفر ہے' جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کو مومنوں اور کافروں کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے اور ظاہر ہے ملت کفر اور ملت اسلام دو الگ الگ ملتیں ہیں تو جو شخص عہد نماز کی پابندی نہ کرے تو وہ کافروں میں سے ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَتَكُوْنُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب الانكار على الامراء فيما يخالف الشرع....، ح:١٨٥٤)

"عنقریب کچھ ایسے امراء ہوں گے کہ جن کو تم پہچانو گے بھی اور انکار بھی کرو گے' جس نے پہچان لیا وہ بری ہو گیا اور جس نے انکار کر دیا وہ سلامت رہا لیکن جو شخص ان سے راضی ہو گیا اور جس نے ان کی پیروی کی (وہ ہلاک ہو گیا)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "کیا ہم ان سے لڑائی نہ کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں جب تک یہ نماز پڑھتے رہیں (تم ان سے لڑائی نہ کرو)"

اور حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ، وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ

أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ، وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ: أَفَلاَ نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ قَالَ: لاَ، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلاَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب خيار الائمة وشرارهم، ح:١٨٥٥)

''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو' وہ تم سے محبت کریں' وہ تمہارے لئے دعائیں کریں اور تم ان کے لئے دعائیں کرو اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو' وہ تم سے بغض رکھیں' تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''کیا ہم تلوار کے ساتھ انہیں ختم نہ کر دیں؟'' آپ نے فرمایا ''نہیں جب تک وہ نماز کو قائم رکھیں (ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ)۔''

یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر حکمران نماز قائم نہ کریں تو ان کے خلاف تلوار استعمال کر کے ان کا خاتمہ کر دیا جائے اور یاد رہے کہ حکمرانوں سے لڑائی جھگڑا اور قتال صرف اسی صورت میں جائز ہے' جب وہ کفر صریح کا ارتکاب کریں اور ہمارے پاس اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح برہان ہو جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپ کی بیعت کی۔ ہم نے یہ بیعت کی کہ ہم پسندیدگی اور ناپسندگی میں' مشکل اور آسانی میں اور اپنے اوپر ترجیح دیئے جانے کی صورت میں بھی سمع و طاعت کا مظاہرہ کریں گے اور اہل لوگوں سے حکومت نہیں چھینیں گے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا:

«إِلاَّ أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ»(صحيح بخاري، كتاب الفتن، باب سترون بعدي امورا تنكرونها، ح:٧٠٥٦، ٧٠٧٦)

''ہاں الایہ کہ تم حکمرانوں کی طرف سے صریح کفر کا ارتکاب دیکھو اور تمہارے پاس اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان ہو۔''

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حکمرانوں کا نماز ترک کرنا جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے ساتھ تلوار سے لڑنے کو بھی جائز قرار دیا یہ کفر صریح ہے اور ترک نماز کے کفر صریح ہونے کی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان موجود ہے۔

کتاب و سنت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے' جس سے یہ معلوم ہو کہ تارک نماز کافر نہیں ہے یا یہ معلوم ہو کہ وہ مومن ہے یا یہ معلوم ہو کہ وہ جنت میں داخل ہو گا یا یہ معلوم ہو کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا' زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں جو وارد ہے' وہ ایسی نصوص ہیں جو توحید اور لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی فضیلت پر دلالت کرتی اور اس کا ثواب بیان کرتی ہیں اور یہ نصوص یا تو کسی ایسے وصف کے ساتھ مقید ہیں' جس کے ساتھ ترک نماز ممکن ہی نہیں یا یہ معین حالات کے بارے میں وارد ہیں' جن میں انسان ترک نماز کے لئے معذور ہوتا ہے یا یہ عام ہیں اور انہیں تارک نماز کے کفر کے دلائل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ تارک نماز کے کفر کے دلائل خاص ہیں اور خاص عام سے مقدم ہوتا ہے جیسا کہ اصول حدیث اور اصول فقہ میں یہ ایک معروف اصول ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے' کیا یہ جائز نہیں کہ تارک نماز کے کفر پر دلالت کرنے والے نصوص کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ان سے مراد وہ شخص ہے جو نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اس کا ترک کرے؟ ہم عرض کریں گے کہ نہیں

یہ تأویل جائز نہیں کیونکہ اس میں دو رکاوٹیں ہیں اس وصف کا ابطال لازم آتا ہے جسے شریعت نے معتبر قرار دیا اور جس کے مطابق حکم عائد کیا ہے۔ یعنی شریعت نے ترک نماز پر کفر کا حکم لگایا ہے اور یہاں یہ نہیں کہا کہ جو کوئی نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے' وہ کافر ہے اور پھر محض اقامت نماز کی بنیاد پر دینی اخوت کو قائم کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ دینی بھائی وہ ہیں' جو نماز کے وجوب کا اقرار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور وجوب نماز کا اقرار کر لیں تو..... اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق وجوب نماز کے اقرار کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے وجوب کا انکار کرے' وہ کافر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یہ مراد ہوتی تو اس سے روگردانی اس بیان کے خلاف ہوتی جسے قرآن نے پیش کیا ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ (النحل١٦/ ٨٩)

"اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔"

اور جس کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ (النحل١٦/ ٤٤)

"اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں' وہ ان پر ظاہر کر دو۔"

اس میں دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسے وصف کا اعتبار لازم آتا ہے' جسے شریعت نے مناط حکم قرار نہیں دیا۔ نماز پنجگانہ کے وجوب کا انکار موجب کفر ہے' اس شخص کے لئے جو جہالت کی وجہ سے معذور ہو خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے مثلاً ایک شخص اگر پانچوں نمازوں کو تمام شروط' ارکان' واجبات اور مستحبات سمیت ادا کرے لیکن وہ کسی عذر کے بغیر ان نمازوں کے وجوب کا منکر ہو تو وہ کافر ہو گا حالانکہ اس نے نماز کو ترک نہیں کیا' تو اس سے معلوم ہوا کہ نصوص کو اس بات پر محمول کرنا کہ ان سے مراد وہ شخص ہے جو وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے صحیح نہیں ہے جب کہ صحیح اور حق بات یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور وہ اپنے اس کفر کے باعث ملت سے خارج ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی اس روایت میں اس کی صراحت ہے' جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«أَوْصَانَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لاَ تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا، وَلاَ تَتْرُكُوا الصَّلاَةَ عَمْدًا، فَمَنْ تَرَكَهَا عَمْدًا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ» (انظر مجمع الزوائد: ٧١٤ وأخرجه ابن ماجه مختصراً وحسنه الألباني: ٤٠٣٤)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' قصدوارادہ سے نماز ترک نہ کرو کیونکہ جو شخص قصدوارادہ سے جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہے' تو وہ ملت سے خارج ہو جاتا ہے۔"

نیز اگر ہم اسے ترک انکار پر محمول کریں تو پھر نصوص میں نماز کے بطور خاص ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ یہ حکم تو نماز' زکوٰۃ' حج اور ان تمام امور کے لئے عام ہے جو دین کے واجبات و فرائض میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا اس کے وجوب کے انکار کی وجہ سے ترک موجب کفر ہے بشرطیکہ انکار کرنے والا جہالت کی وجہ سے معذور نہ ہو۔

جس طرح سمعی اثری دلیل کا تقاضا ہے کہ تارک نماز کو کافر قرار دیا جائے' اسی طرح عقلی نظری دلیل کا بھی تقاضا ہے اور وہ اس طرح کہ جو شخص دین کے ستون نماز ہی کو ترک کر دے تو اس کے پاس پھر ایمان کیسے باقی رہا؟ نماز کے بارے

میں اس قدر ترغیب آئی ہے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عاقل مومن اس کے ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اور اس کے ترک کے بارے میں اس قدر وعید آئی ہے' جس کا ہر عاقل مومن سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے ترک سے اور اسے ضائع کرنے سے مکمل احتیاط برتے کیونکہ اگر اسے ترک اور ضائع کر دیا گیا تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ پھر ایمان بھی باقی نہ رہے!

جہاں تک اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کا تعلق ہے تو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے بلکہ کئی ایک علماء نے کہا ہے کہ اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ:

«كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ، لاَ يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلاَةِ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢٢)

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے ترک نماز کے سوا اور کسی عمل کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔" (ترمذی۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے)

مشہور امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور نبی کریم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک اہل علم کی یہی رائے ہے کہ جو شخص قصدوارادہ سے بغیر کسی عذر کے نماز چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو جائے تو وہ کافر ہے۔

امام ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر' عبدالرحمٰن بن عوف' معاذ بن جبل' ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔ علامہ منذری نے "الترغیب والترھیب" میں امام ابن حزم کا یہ قول نقل کیا ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ مزید نام بھی شمار کروائے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عباس' جابر بن عبداللہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ کرام میں سے امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راھویہ' عبداللہ بن مبارک' نخعی' حکم بن عتیبہ' ایوب سختیانی' ابوداؤد طیالسی' ابوبکر بن ابی شیبہ' زہیر بن حرب رحمہم اللہ اور بہت سے دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی یہی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آیت کریمہ: فخلف من بعدهم خلف ... کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی "کتاب الصلوٰۃ" میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے اور اسے امام طحاوی نے خود امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کا کیا جواب ہے' جس سے تارک نماز کو کافر نہ سمجھنے والوں نے استدلال کیا ہے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جن دلائل سے انہوں نے استدلال کیا ہے' ان کی اس موضوع پر اصلاً دلالت ہی نہیں ہے کیونکہ یا تو یہ ایسے وصف سے مقید ہیں کہ اس کے ساتھ ترک نماز ہے ہی نہیں یا یہ ایسی حالت کے ساتھ مقید ہیں' جس میں تارک نماز معذور سمجھا جاتا ہے یا وہ دلائل عام ہیں' تارک نماز کی تکفیر کے دلائل کے ساتھ ان کی تخصیص کر دی جائے گی۔ تارک نماز کو کافر قرار نہ دینے والوں نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے' وہ ان مذکورہ بالا چار حالتوں سے خالی نہیں ہیں۔

یہ مسئلہ بہت اہم اور عظیم مسئلہ ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور نماز کی حفاظت کرے تاکہ اس کا شمار بھی ان لوگوں میں سے ہو' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ﴿٢﴾ وَٱلَّذِينَ هُمْ عَنِ ٱللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَوٰةِ فَٰعِلُونَ ﴿٤﴾ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾﴾ (المؤمنون٢٣/ ١۔٦)

"بلاشبہ ایمان والے رستگار (کامیاب) ہو گئے' جو نماز میں عجزونیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے (یا کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں۔"

شیخ ابن عثیمین

جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے

سوال میری مشکلات کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا شوہر شرابی ہے' وہ نماز بھی نہیں پڑھتا اور رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتا' ایک سال سے بے کار ہے اور کوئی کام بھی نہیں کرتا' میرے اس سے دو نابالغ بچے ہیں اور اب میں اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں' جب کہ میرا شوہر مختلف حیلوں بہانوں سے مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے' میں بچوں کی وجہ سے پریشان ہوں' تو کیا اس کے پاس چلی جاؤں؟ یا اس سے طلاق کا مطالبہ کروں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ بے نماز اور شرابی کے ساتھ زندگی بسر کرنا جائز نہیں لہٰذا براہ کرم رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب وہ شوہر جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/ ٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے جو اسے چھوڑ دے وہ کافر ہے۔"

اسے امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفرو شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے۔"

اسے امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لہٰذا تارک نماز کافر ہے خواہ وہ نماز کے وجوب کا انکار کرے یا نہ کرے ہاں اگر وہ نماز کے وجوب کا منکر ہے تو اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور اگر وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرتا اور اس کے وجوب کا انکار نہیں کرتا ہے تو مذکورہ بالا دو اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث کے پیش نظر' علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے!

اے سوال کرنے والی خاتون! تیرے لئے اس وقت تک اپنے مذکورہ شوہر کی طرف واپس جانا جائز نہیں' جب تک وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر کے نماز کی حفاظت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخشے اور خالص توبہ کی توفیق عطاء

فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے میں نے اپنے بھائی کو کافر کہا

سوال میرا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا تو غصے کی حالت میں میں نے اسے یہ کہہ دیا کہ "اے کافر! مجھ سے دور ہو جا" اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ وہ خاص خاص موقعوں مثلاً رشتہ داروں کی آمد وغیرہ کے موقعہ پر ہی نماز پڑھتا ہے اور عام حالات میں نہیں پڑھتا' تو اس بارے میں کیا حکم ہے' کیا وہ واقعی کافر ہے؟

جواب صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفرو شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے۔"

اسی طرح امام احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"وہ عہد جو ہمارے اور ان کے مابین ہے' وہ نماز ہے' جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ لیکن آپ کو چاہئے کہ ان حالات میں اس لفظ کے استعمال میں جلدی نہ کریں' پہلے اسے سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ ترک نماز کفر اور گمراہی ہے لہٰذا واجب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو' ہو سکتا ہے وہ تمہاری بات مان لے اور نصیحت کو قبول کر لے۔

——— شیخ ابن باز ———

بے نمازوں کے ساتھ سکونت

سوال ہمارے بہت سے ساتھی ہیں' جو نماز نہیں پڑھتے' جب کبھی وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہتے تھے تو نماز پڑھتے تھے لیکن امریکی زندگی کو دیکھنے کے بعد انہوں نے نماز اور روزہ ترک کر کے اپنے قدیم دین کو بھلا دیا ہے۔ میں نے اور میرے بعض دیگر ساتھیوں نے انہیں سمجھایا اور نماز پڑھنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے ہماری بات کو قبول نہیں کیا' تو کیا اس طرح سمجھانے سے ہم بریٔ الذمہ ہیں جب کہ ہماری رہائش ایک ہی جگہ ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کی ہے تو آپ بریٔ الذمہ ہیں اور ضرورت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ سکونت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ انہیں مسلسل نصیحت کرتے رہئے اور حکمت' عمدہ نصائح

اور پسندیدہ طریق کے ساتھ بحث کر کے انہیں دین سے وابستگی اختیار کرنے کی دعوت دیتے رہیئے' ہو سکتا ہے آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے اور اس طرح آپ کو بھی اور انہیں بھی ان شاء اللہ خیر کثیر اور بے پناہ اجروثواب حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم رکھے' تمہاری مدد فرمائے اور تمہیں صبروثواب سے بہرہ ور فرمائے۔ ﴿ انه سميع مجيب ﴾ وہ آپ کے باقی ساتھیوں کو بھی صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے!

——— فتویٰ کمیٹی ———

تارک نماز کی مجلس اختیار کرنے کے بارے میں حکم

سوال کیا تارک نماز کی مجلس اختیار کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص قصدوارادہ سے نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کر دے وہ باتفاق علماء کافر ہے اور جو شخص سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرے' اہل علم کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے' لہٰذا بے نمازوں کی مجلس اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اور ان سے قطع تعلق کر لیا جائے لیکن ضروری ہے کہ اس سے پہلے انہیں یہ سمجھایا جائے کہ نماز کا ترک کرنا کفر ہے' جب کہ یہ لوگ جاہل ہوں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٣٤٦/٥، ٣٥٥)

''ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز ہے' جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہے۔''

اور یہ حکم عام ہے جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو یا محض کوتاہی و سستی کی وجہ سے نماز ترک کرے' سب کو شامل ہے۔ (وباللّٰہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ)

——— فتویٰ کمیٹی ———

❁ جو کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا ہے' کیا وہ بھی کافر ہے؟ ❁ کیا اس کی مسلمان بیوی اس کے لئے حلال ہے؟ ❁ کیا اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

سوال ایک آدمی دو یا تین فرض نمازیں پڑھتا اور پھر چار پانچ دن تک نماز چھوڑ دیتا ہے اور یہی اس کا معمول ہے اور محض کاہلی' سستی اور عدم اہتمام کے سوا اس کے پاس کوئی عذر بھی نہیں' تو کیا اسے کافر قرار دیا جائے گا؟ کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے؟ کیا تارک نماز کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب جو شخص ہمیشہ کے لئے نماز ترک کر دے یا محض سستی و کوتاہی اور عدم اہتمام کی وجہ سے چند دنوں کے لئے نماز ترک کر دے تو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ والعیاذ باللہ! اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کر لے اور نماز پنجگانہ کو بروقت ادا کر لے تو الحمد للہ ورنہ اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا اور جب یہ ترک نماز

کی وجہ سے کافر ہو گیا تو اس کی بیوی بھی اس کے لئے حلال نہ رہی بلکہ اس کا ارتداد بیوی کے لئے طلاق یا فسخ عقد کا موجب ہو گا' اگر بیوی کی عدت کے اندر اندر یہ توبہ کر لے تو نئے عقد کے بغیر بیوی اس کے نکاح میں آ جائے گی' تارک نماز کو فرض مال زکوٰۃ بھی نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ اس کا اہل نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تارک نماز کو سلام کہنا

سوال کیا ظالم حکمرانوں کو حفظہ اللہ کہنا اور تارک نماز کو سلام کہنا جائز ہے؟

جواب ان ظالم حکمرانوں کو حفظہ اللہ کہنا جائز ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوئے۔ جو شخص نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اور جو شخص انکار کی وجہ سے تو نہیں بلکہ محض سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے لہٰذا اسے سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز نہیں کیونکہ اسے مرتد شمار کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق! ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مفقود العقل کی بعض نمازوں کا ترک ہو جانا

سوال ایک شخص فوت ہو گیا جس کے ذمہ کچھ ایسی فرض نمازیں تھیں جنہیں وہ اپنی بیماری کے ان دنوں میں نہیں پڑھ سکا تھا جب اس کی عقل جواب دے گئی تھی' تو کیا اس کی وفات کے بعد اس کے زندہ قریبی رشتہ دار مردوں یا عورتوں پر ان نمازوں کی قضاء لازم ہے یا فقدان عقل کی وجہ سے اس سے یہ نمازیں ساقط اور اس کے ورثاء پر ان کی قضاء لازم نہ ہو گی؟

جواب جب انسان عقل کے ختم ہو جانے کی وجہ سے فرض نمازوں کو چھوڑ دے تو فقدان عقل کی وجہ سے یہ اس سے ساقط ہو جائیں گی لہٰذا اس کے ورثاء پر ان کی قضاء بھی نہ ہو گی اور جب آدمی فرض نماز کو ترک کرے جب کہ اس کی عقل سلیم ہو اور خواہ جسم مریض ہو یا نہ ہو تو وہ ترک نماز کی وجہ سے گناہ گار ہو گا اور اس کا معاملہ اس کے رب کے سپرد ہے' وارث اس کی طرف سے قضاء نہیں دیں گے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میں نے چار سال پہلے ایک نماز چھوڑ دی تھی

سوال چار سال قبل ہم ایک تفریحی سفر میں تھے اور سفر میں میری ایک نماز (ظہر یا عصر) ترک ہو گئی تھی۔ اب مجھے یاد نہیں کہ وہ کون سی نماز تھی؟ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ میں نے محض کاہلی اور سستی کی وجہ سے اس نماز کو ترک کیا تھا اور اب اس گناہ پر نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ اور غلطی سے معافی کا طلب گار ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس مذکورہ نماز کے

حوالہ سے مجھ پر کیا واجب ہے؟ کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟

جواب آپ پر فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کریں' قضاء آپ کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٣٤٦/٥، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے' وہ نماز ہے۔ جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

عمداً قصد وارادہ سے نماز ترک کرنا کفر ہے۔ نیز آپ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفرو شرک کے مابین فرق نماز سے ہے۔"

خالص اور سچی پکی توبہ کے سوا اس کا اور کوئی کفارہ نہیں۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

تارک نماز کو نصیحت کرنا واجب ہے

سوال میں ایک ہسپتال میں کچھ عرصہ پہلے داخل ہوا۔ میرے ساتھ ہسپتال کے کمرہ میں دو اور آدمی بھی تھے۔ ہم اس کمرہ میں تین دن رہے۔ اس عرصہ میں میں تو وہاں نمازیں پڑھتا رہا لیکن ان دونوں آدمیوں نے نماز نہیں پڑھی حالانکہ وہ بھی مسلمان تھے اور میرے ہی شہر کے رہنے والے تھے لیکن میں نے ان سے اس سلسلہ میں کوئی بات نہ کی' تو انہیں نماز کا حکم نہ دینے کی وجہ سے کیا میں گناہ گار تو نہ ہوں گا اور اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب آپ پر یہ واجب تھا کہ ان دونوں کو نصیحت کرتے اور اس منکر عظیم یعنی ترک نماز کا وہ جو ارتکاب کر رہے تھے تو اس پر انہیں سمجھاتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو جاتی کہ:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾ (آل عمران٣/ ١٠٤)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے' جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے' یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

نیز اس مفہوم کی دیگر آیات اور نبی ﷺ کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جاتا کہ:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان . . . ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

اور جب آپ نے اس فرض کو انجام نہیں دیا تو اس معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور اس کوتاہی کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے لئے اخلاص' اس کی تعظیم' اس کے ثواب کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے آئندہ اس کے نہ کرنے کا عزم کیا جائے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ٢٠/ ٨٢)

"اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے اس کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

——— شیخ ابن باز ———

یونیورسٹی کے ایام تعلیم میں نماز ترک کر دینا

سوال ایک مسلمان عاقل نوجوان یونیورسٹی میں داخلہ سے پہلے نماز پڑھتا تھا لیکن جب تک وہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہا اس نے نماز ترک کر دی اور یہ مدت چار سال پر محیط ہے۔ یونیورسٹی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے نماز پھر شروع کر دی۔ ان چار سالوں میں نماز نہ پڑھنے کے بارے میں اب کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ اس عرصہ میں بھی وہ نماز کی فرضیت کا منکر نہیں ہوا' لہٰذا سوال یہ ہے کیا وہ ان چار سالوں کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء دے گا یا اس کے لئے توبہ ہی کافی ہے؟

جواب جہاں تک ہمیں معلوم ہے' علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ جو شخص عمداً نماز ترک کرے' وہ فوت شدہ نماز کی قضاء نہ دے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرض نمازوں کے اوقات متعین ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے شب معراج کی صبح ان اوقات کو بیان کر دیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل اور قول سے امت کے لئے ان اوقات کی حد بندی کر دی ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں تقدیم و تأخیر جائز اور صحیح نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ ہمارے علم کے مطابق علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے' لہٰذا جب وہ توبہ کر لے تو اسے ایام کفر کی ان عبادات کی قضاء لازم نہیں ہے جن کے اوقات مقرر ہیں۔ اگر وہ سچی توبہ کر رہا ہے تو اس کے لئے خیر کی امید ہے لہٰذا اسے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنا اور زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرنے چاہئیں' نبی ﷺ کے اس ارشاد کے مفہوم

خطاب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة . . . ، ح:٦٨٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة. . . ، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو گیا یا بھول گیا تو وہ اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے۔"

تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قصدوارادہ سے نماز ترک کرے' اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ قصدوارادہ کے ساتھ عمداً نماز ترک کرنے والے کو سوئے یا بھولے ہوئے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قصدوارادہ کے ساتھ ترک کرنے والا معذور نہیں ہے' اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی اور وقت مقرر نہیں کیا' جس میں وہ فوت شدہ نماز کو ادا کر سکے جب کہ سویا اور بھولا ہوا دونوں معذور ہیں لہٰذا ان کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں وہ فوت شدہ نماز کو پڑھ سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کے روزہ کا حکم

سوال میں نے بعض مسلمان نوجوانوں کو دیکھا ہے کہ وہ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے تو کیا اس شخص کا روزہ قبول ہو جاتا ہے جو نماز نہ پڑھے؟ میں نے بعض واعظوں سے یہ سنا ہے کہ وہ ایسے نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ افطار کر دو اور روزہ نہ رکھو کیونکہ جو نماز نہ پڑھے اس کا روزہ بھی نہیں ہوتا تو مہربانی کر کے رہنمائی فرمائیے کیا یہ برابر ہے کہ یہ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ اور کیا ہمیں انہیں یہ بات کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اگر تم نماز نہیں پڑھتے تو روزہ بھی چھوڑ دو؟

جواب جس شخص پر نماز واجب ہو اور وہ اپنے قصدوارادہ سے وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کر دے تو اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص محض سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کر دے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور جب وہ کافر ہے تو اس کا روزہ اور اس کی دیگر عبادات رائیگاں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٩﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٩)

"اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے' سب ضائع ہو جاتے۔"

لیکن نماز نہ پڑھنے والے کو ہم یہ حکم نہیں دیں گے کہ وہ روزہ بھی ترک کر دے کیونکہ روزہ اسے خیر اور دین کے قریب ہونے میں مدد دے گا اور اس کے دل کے اس خوف کی وجہ سے جو اسے روزہ رکھنے پر مجبور کرتا ہے' امید ہے کہ وہ نماز پڑھنا بھی شروع کر دے گا اور آئندہ کے لئے ترک نماز سے توبہ کر لے گا۔ وباللہ التوفیق ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

نماز ترک کرنے اور دین کا مذاق اڑانے والے کی صحبت

سوال ، کیا مسلمان آدمی کے لئے ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنا جائز ہے' جو اکثر اوقات نماز نہیں پڑھتا؟

سوال ۲ میں بہت سارے نوجوانوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ جب کسی ایسے نوجوان کو دیکھتے ہیں' جو نماز اور دین کی حفاظت کرتا ہو تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور بعض ایسے نوجوانوں کو بھی دیکھتا ہوں .. اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے .. جو دین کے بارے میں بہت لاپروائی کے ساتھ نامناسب انداز میں بات کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ان کے ساتھ صحبت و رفاقت جائز ہے؟ اور ایسے اوقات میں خوش طبعی جائز ہے' جو نماز کے اوقات نہ ہوں؟

جواب ا مسلمان کے لئے کسی ایسے شخص کی صحبت و رفاقت جائز نہیں' جو بعض اوقات نماز ترک کر دیتا ہو بلکہ واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اس کے اس برے عمل کا انکار کیا جائے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک وگرنہ اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا دوست نہ بنائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس سے بغض رکھے حتیٰ کہ وہ اپنے اس برے عمل سے تائب ہو جائے کیونکہ نماز کو چھوڑنا کفر اکبر ہے جیسا کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

''ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے' جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔''

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

''آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔''

ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر کسی سے دوستی رکھے اور اسی کی خاطر دشمنی جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٤)

''تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان' ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی!''

اس طرح کے آدمی کے معاملہ کو حکمرانوں تک بھی پہنچانا چاہیے بشرطیکہ تمہارے ملک میں اسلامی شریعت کی حکمرانی ہو تاکہ اس سے توبہ کروائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ جو شخص نماز چھوڑ دے اور توبہ نہ کرے تو اس کی حد قتل ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا۟ سَبِيلَهُمْ ﴾ (التوبة ٩/ ٥)

"پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز ترک کر دے اور توبہ نہ کرے تو اس کی راہ کو نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے قتل کر دیا جائے اور سابقہ دونوں حدیثوں اور ان کے ہم معنی دیگر حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو کافر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الادب، باب الحكم في المخنثين، ح:٤٩٢٨)

"مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔"

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کے قتل سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس کا قتل واجب ہے بشرطیکہ وہ توبہ نہ کر لے اور پھر ظاہر ہے کہ اس سزا کی صورت میں ہی وہ اس عظیم جرم کے ارتکاب سے باز رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرما دے، ہمیں اور ان سب کو دین پر ثابت قدم رکھے۔ انہ سمیع قریب!

جواب ۲ اسلام یا اسلام کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر اکبر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝٦٥ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾
(التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

جو شخص اہل دین اور نمازیوں کا ان کے دین اور اس کی حفاظت کرنے کی وجہ سے مذاق اڑائے تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ دین کا مذاق اڑا رہا ہے لہٰذا اس شخص کی صحبت وہم نشینی جائز نہیں بلکہ اس کی ان خرافات کا انکار کرنا اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا واجب ہے۔ نیز واجب ہے کہ اسے سچی توبہ کی ترغیب دی جائے اگر وہ توبہ کرے تو الحمدللہ ورنہ اس کے ان برے اعمال کے بارے میں عادل گواہوں کی شہادت کے بعد حکمرانوں کو شکایت کی جائے گی تاکہ شرعی عدالت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے۔ بہرحال یہ بہت اہم مسائل ہیں۔ ہر طالب علم اور اس مسلمان کے لئے جو اپنے دین کو جانتا ہو، ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی دین کا مذاق اڑانے کی اجازت نہ دے تاکہ عقیدہ خراب نہ ہو اور وہ سزا بھی نہ ملے، جو حق اور اہل حق کا مذاق اڑانے کی صورت میں ملتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اس کام سے محفوظ رکھے جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے کافر و منافق دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور تمام حالات میں کتاب و سنت کے دامن سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائے۔ انہ جواد کریم۔

——— شیخ ابن باز ———

کام میں مشغولیت تاخیر نماز کے لئے عذر نہیں ہے

سوال میں ایک مہاجر ہوں' مجھے شام کے سات بجے سے صبح کے سات بجے تک کام کرنا پڑتا ہے لہٰذا کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں تمام فرض نمازوں کو جمع کر کے ادا کر لیا کروں؟

جواب مقررہ وقت سے پہلے کسی نماز کو ادا کرنا جائز نہیں خواہ کام کی مشغولیت یا کوئی اور عذر ہو' اسی طرح کسی نماز کو بغیر عذر کے اس قدر مؤخر کرنا بھی جائز نہیں کہ اس کا وقت ہی ختم ہو جائے' معمول کا کام نماز کو مؤخر کرنے کے لئے عذر یا جمع کرنے کے لئے جواز نہیں بن سکتا۔ کام کی جگہ پر بھی نماز کو ادا کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کام کی جگہ کو بند کر کے مسجد میں جا کر نماز ادا کر لی جائے۔ علماء نے کام کروانے والوں کے لئے یہ شرط مقرر کی ہے کہ انہیں کارکنوں کو نماز پنجگانہ ان کے اوقات میں' شرائط کے مطابق ادا کرنے کی سہولت دینا ہوگی۔ یاد رہے بعض نمازوں کو سفر یا بارش یا بیماری وغیرہ کے عذر کی وجہ سے جمع کر کے پڑھنے کی اجازت ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عذر کے بغیر ترک جماعت جائز نہیں

سوال میں نماز تو ہمیشہ بروقت ادا کرتا ہوں لیکن مسجد میں نہیں بلکہ اپنے بچوں کے ساتھ گھر میں ہی ادا کر لیتا ہوں۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور کیا گھر میں ادا کی جانے والی نماز اجروثواب کے اعتبار سے مسجد میں ادا کی جانے والی نماز کے برابر ہے؟

جواب آپ کے لئے جماعت اور مسجد کو ترک کرنا جائز نہیں' خواہ اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ نماز باجماعت ہی کیوں نہ ادا کریں کیونکہ مسجدیں بنائی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ انہیں نماز باجماعت کے اہتمام کے ساتھ آباد کیا جائے اور مؤذن جو اذان میں یہ کلمہ کہتا ہے کہ ((حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ)) تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ مسجد میں آ کر نماز باجماعت ادا کرو تاکہ فلاح پا سکو لہٰذا ہم جب اذان کی آواز سنیں تو ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم مسجد میں جا کر نماز ادا کریں' جہاں تمام مسلمان ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں' نماز ادا کرنے کے طریقوں کو سیکھتے ہیں' نمازی باہم دگر ملاقات کر کے تحفۂ سلام کا تبادلہ کرتے اور اجتماعیت' محبت اور ہمدردی و خیر خواہی سے شادکام ہوتے ہیں۔ وجوب جماعت پر ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ﴾ اور ﴿ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ ﴾ سے بھی استدلال کیا گیا ہے لہٰذا جو شخص اذان سنے اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس پر لبیک کہے اور اسی وجہ سے یہ وعید بھی آئی ہے کہ جو شخص باجماعت نماز ادا نہ کرے' اس کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ))(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور اس پر لبیک نہ کہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الآیہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

اگر اس سلسلہ میں کسی کے لئے رخصت ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس نابینا آدمی کو ضرور رخصت عطا فرما دیتے' جس کا

گھر بھی مسجد سے دور تھا' جس کے گھر اور مسجد کے درمیان وادی اور کھجور کے درخت تھے اور جس کے پاس مسجد لے جانے کے لئے کوئی معاون بھی نہ تھا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا نہ کرنے والوں کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر عورتیں اور بچے نہ ہوں تو آپ ان کے گھروں کو آگ سے جلا دیں گے۔ نماز باجماعت ادا کرنا ان مسجدوں کی آبادی ہے' جو بیوت طاعت ہیں' جو اسلامی ملکوں کے شعائر ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا ذکر کیا جائے اور جن میں وہ بندگان الٰہی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے ترانے گاتے ہیں' جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز فجر میں نیند کا غلبہ

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو' جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو' نماز کے پاس نہ جاؤ۔"

کیا اس آیت میں ہمارے وہ بھائی بھی داخل ہیں' جو نماز فجر کے لئے اس حال میں آتے ہیں کہ ان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے؟ آپ اپنے ان بھائیوں کو کیا نصیحت کریں گے؟

جواب میں اپنے ان بھائیوں کو جو نماز فجر کے لئے نیند کے شدید غلبہ کی حالت میں آتے ہیں' یہ نصیحت کروں گا کہ وہ رات کو جلد سو جایا کریں کیونکہ اگر وہ رات کو جلدی سو جایا کریں گے تو ان کی نیند پوری ہو جائے گی اور نیند کا یہ شدید غلبہ ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں کیا کہہ رہے ہیں۔ اس مسئلہ کا بس یہی حل ہے کہ وہ رات کو جلد سو جایا کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسجد میں دو جماعتیں

سوال میں مسجد میں آیا تو امام آخری تشہد میں تھا تو کیا اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں یا انتظار کروں کہ وہ سلام پھیر دے اور ہم دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں؟ اگر یہ بات یقینی ہو کہ امام آخری رکعت میں ہے اور ہم بہت سے لوگ ہوں تو پھر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ہم امام کے سلام کا انتظار کریں؟ کیا آخری تشہد مکمل پڑھنا واجب ہے یا جس قدر ممکن ہو پڑھ لیا جائے؟

جواب افضل یہ ہے کہ آپ کسی دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیں' جہاں امید ہو کہ آپ کو جماعت مل جائے گی یا پھر انتظار کریں اور امام کے سلام کے بعد اسی مسجد میں دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ افضل یہی ہے کہ آپ پہلے امام کے سلام کا انتظار کریں تاکہ پہلی جماعت کی نماز میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ پہلے امام کے سلام سے قبل دوسری جماعت کے

لئے تکبیر کہنا جائز ہے اور اگر دوسری جماعت کی امید نہ ہو تو پھر پہلی جماعت کے ساتھ تشہد میں شامل ہو جایئے اور تشہد کا سارا یا جتنا حصہ پڑھنا ممکن ہو پڑھ لیں۔

شیخ ابن جبرین

مسجدوں کی بجائے سرکاری دفاتر ہی میں نماز پڑھ لینا

سوال کیا ملازمین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے دفتروں ہی میں نماز ادا کر لیں حالانکہ مسجدیں بھی ان کے پڑوس میں ہوتی ہیں یا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مسجد ہی میں نماز ادا کریں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی فعلی اور قولی سنت یہ رہی ہے کہ نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے اور آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا معمول بھی مسجد میں نماز ادا کرنا تھا۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں الاّ یہ کہ کوئی عذر ہو۔"

اور یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا آدمی نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں' جو مجھے مسجد میں لے جا سکے تو کیا مجھے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے؟" آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ فَقَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تو نماز کے لئے اذان کی آواز سنتا ہے؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" آپ نے فرمایا "پھر اس کی آواز پر لبیک کہو۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند احمد، ٣/ ٤٢٣)

"نہیں تمہیں کوئی اجازت نہیں ہے۔"

اس سے یہ واضح ہوا کہ تمام دفتروں وغیرہ کے ملازمین کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ نماز ظہر کسی قریبی مسجد میں ادا کریں تاکہ سنت کے مطابق عمل ہو' واجب ادا ہو' مسجدوں میں نماز کی ادائیگی سے پیچھے رہنے کے حیلوں بہانوں کا سدباب ہو اور اہل نفاق کی مشابہت سے اجتناب ہو۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

جس نے عرصۂ دراز تک نماز کو چھوڑے رکھا' وہ اب کیسے قضاء دے؟

سوال نماز کی قضاء کے حوالے سے یہ سوال پوچھنا ہے کہ جب انسان کئی سالوں تک نماز کو ترک کئے رکھے تو کیا اس کے لئے قضاء دینا جائز ہے؟ اور قضاء دیتے ہوئے کیا ہر وقت کی نماز کے ساتھ اس وقت کی نماز کی قضاء دے یا کس طرح قضاء دے؟

جواب جب آدمی کئی سال تک نمازوں کو ترک کرنے کے بعد توبہ کر لے اور نماز کو (باقاعدگی کے ساتھ) پابندی سے پڑھنا شروع کر دے تو اس پر متروکہ (چھوڑی ہوئی) نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے کیونکہ اگر متروکہ تمام نمازوں کی قضاء بھی لازم ہوتی تو اس سے بہت سے توبہ کرنے والے بددل ہو جاتے لٰہذا توبہ کرنے والے کو شریعت کا صرف یہ حکم ہے کہ وہ مستقبل میں نماز کی پابندی کرے اور کثرت کے ساتھ نوافل پڑھے' صدقہ و خیرات کرے اور دیگر نیکی کے کام کرے' اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔

ـــــــــ شیخ ابن جبرین ـــــــــ

جو شخص خود تو نماز کے لئے مسجد میں چلا جاتا ہے لیکن بچوں....

سوال مسجدوں کے بہت سے پڑوسی .... اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے .... خود تو نماز کے لئے آجاتے ہیں اور اپنے بالغ بیٹوں کو جن میں سے کئی شادی شدہ بھی ہوتے ہیں' گھر چھوڑ آتے ہیں اور انہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیتے تاکہ ان میں سے بعض لوگوں کے بقول وہ نماز سے متنفر نہ ہو جائیں خصوصاً وہ نماز فجر میں شریک نہیں ہوتے' تو جس گھر کے سربراہ کا یہ عمل ہو اس پر کیا واجب ہے؟ کیا اس کی اپنی نماز صحیح ہو گی اور وہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا' جب کہ اس کے بچے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ نماز باجماعت ادا نہیں کرتے؟

جواب یہ شخص جو خود تو نماز کے لئے مسجد میں آجاتا ہے اور اپنے بیٹوں کو گھر میں چھوڑ آتا ہے' اگر یہ اس کی کوتاہی ہے کہ یہ انہیں نماز کا حکم نہیں دیتا اور نہ کوتاہی کرنے سے روکتا ہے تو یہ ان کی صحیح تربیت اور رہنمائی نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے لیکن اس کی اپنی نماز صحیح ہو گی اور اگر یہ شخص خود عاجز و قاصر ہے' انہیں نماز کا حکم دیتا ہے اور کوتاہی کرنے سے منع کرتا ہے لیکن بچے اس کی بات نہیں مانتے تو اس پر واجب ہے کہ ان کی حکمرانوں کے پاس شکایت کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرے۔ حکمرانوں کو جب ایسے لوگوں کی شکایت کی جائے تو ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے مناسب کارروائی عمل میں لائیں۔

ـــــــــ شیخ ابن جبرین ـــــــــ

تارک نماز' گھر میں نماز پڑھنے والے اور نماز کو لیٹ کر کے پڑھنے والے کے لئے حکم

سوال تارک نماز کے لئے کیا حکم ہے؟ جو شخص باجماعت نماز ادا کرنے میں کوتاہی کر کے گھر میں نماز پڑھتا ہے' اس

کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ تین الگ الگ مسئلے ہیں ان میں سے پہلے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ترک نماز کفر ہے' جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو ترک نماز سے اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ جائے گا' اس شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا بھی حلال نہیں اور نہ اس کا روزہ اور صدقہ قبول ہوتا ہے۔ بے نماز کا مکہ مکرمہ میں جانا اور حرم میں داخل ہونا بھی جائز نہیں اور جب وہ فوت ہو جائے تو اسے غسل دینا' کفن پہنانا' جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں بلکہ جنگل میں گڑھا کھود کر اسے دبا دیا جائے۔ جس شخص کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے جو بے نماز ہو تو اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ لوگوں کو دھوکا دے کر اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دے کیونکہ کافر کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ﴾ (التوبة۹/ ۸۴)

"اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا' یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَـٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۱۳)

"پیغمبر اور مسلمانوں کو لائق نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز باجماعت ادا نہیں کرتا بلکہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے تو وہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو وہ اہل فسق کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور وہ گواہی کے لئے عادل نہ رہے گا

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں اس قدر دیر کر دینا کہ وقت ہی ختم ہو جائے تو اس شخص کا گناہ اس سے زیادہ ہے جو جماعت کے ساتھ تو نماز ادا نہیں کرتا لیکن وقت پر پڑھتا ہے لیکن اس شخص سے یہ بہرحال بہتر ہے جو بالکل ہی نہیں پڑھتا۔ بہرحال نماز کا مسئلہ ان انتہائی اہم امور میں سے ہے' جن کا اہتمام کرنا ایک مرد مومن کے لئے ضروری ہے کیونکہ نماز اسلام کی عمارت کا ستون ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس عمارت کا ستون ہی نہ ہو وہ عمارت مضبوط و مستحکم نہ ہو گی۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی کرتے رہنا' نماز کا حکم دیتے رہنا اور خود بھی بہت ذوق و شوق اور اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتے رہنا چاہئے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خجالت و شرمندگی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا

سوال میں گھر میں نماز پڑھتا ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میری طبیعت میں شرمیلا پن بہت زیادہ ہے۔ میں نوافل' دعاء اور تسبیح بھی کثرت سے پڑھتا ہوں' تو کیا گھر میں پڑھی جانے والی نماز قبول نہیں ہوتی؟

جواب آپ پر فرض یہ ہے کہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں۔ وہ خجالت اور شرمیلا پن جو کسی شرعی واجب کے ترک کا سبب بنے' وہ بزدلی ہے لہٰذا اس خجالت کی وجہ سے واجب کو ترک کرنا جائز نہیں لہٰذا اپنے آپ کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا عادی بنانا چاہئے۔ ایک دن اگر خجالت محسوس ہو گی تو دوسرے دن یہ خود بخود ختم ہو جائے گی لیکن اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ آپ کے لئے مسجد میں جانا مطلقاً ممکن نہ ہو اور آپ گھر میں نماز پڑھ لیں تو آپ کو گناہ نہ ہو گا کیونکہ یہ خجالت وغیرہ بھی ایک عذر ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧، ومسند احمد، ٢/ ٢، ٥٠٨)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

شیخ ابن عثیمین

نماز باجماعت ادا کرو خواہ امام تمہیں ناپسند ہو

سوال میں مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص امام ہے' جس کے پیچھے نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں' تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے تاکہ میں جماعت کے اجروثواب کو حاصل کر سکوں؟

جواب جب آپ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جائیں اور لوگوں کو نماز پڑھتا ہوئے پائیں تو ان کے ساتھ مل کر نماز ادا کریں خواہ امام ایسا شخص ہو جس کو آپ ناپسند کرتے ہوں کیونکہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے اور آپ کو جب اس کا موقع مل گیا ہے تو اب اس میں کوتاہی کرنا جائز نہیں ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اس شخص کو آپ کے ناپسند کرنے کا سبب کیا ہے؟ کیا اس کا سبب اس کے دین میں خلل ہے یا آپ دونوں کے درمیان کوئی ذاتی دشمنی ہے؟ اگر ذاتی دشمنی ہے تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے اور اپنے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ و بغض کو ختم کر کے اسے الفت و محبت سے بدل دے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٠)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اور اگر ناپسندیدگی کا سبب دین میں خرابی ہے' تو آپ پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور اس کے سامنے اس خرابی کو واضح کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر کے دین پر صحیح طور پر چلے۔ دین کی خرابی کو دیکھ کر لوگوں کا ایک دوسرے کو چھوڑ دینا اور دلوں میں بغض و عداوت کو چھپانا ان مومنوں کی شان کے خلاف ہے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

(آل عمران٣/ ١١٠)

"(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں' تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

شیخ ابن عثیمین

منفرد کے لئے نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہونا جائز ہے

سوال ایک شخص تنہا فرض نماز پڑھ رہا تھا کہ اسی اثناء میں ایک جماعت مسجد میں داخل ہوئی اور اس نے نماز باجماعت شروع کر دی تو کیا یہ شخص اپنی نماز کو توڑ دے یا نفل کی نیت کر لے تاکہ ان کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کر سکے؟

جواب افضل یہ ہے کہ اسے نفل نماز میں بدل دے اور پھر باجماعت نماز ادا کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ نماز باجماعت کا اجر و ثواب حاصل کر سکے اور اگر نماز کو توڑ کر باجماعت ادا کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے نماز ہی سے متعلق ایک شرعی مصلحت کی وجہ سے نماز کو توڑا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو

سوال میں الحمد للہ ایک مسلمان آدمی ہوں' پانچوں نمازیں باقاعدگی سے مسجد میں ادا کرتا ہوں لیکن اکثر و بیشتر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔ نیند کے غلبہ کی وجہ سے اٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے حالانکہ میں الارم بھی لگاتا ہوں۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان رہتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ نفاق ہی نہ ہو' تو کیا اس مذکورہ صورت حال میں میں منافق تو نہیں؟ آپ اس سلسلہ میں مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب آپ کے لئے واجب یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کیجئے کہ نماز باجماعت ادا کر سکیں' اس کے لئے الارم سے فائدہ اٹھائیے' جلد سو جایئے اور اہل خانہ سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ آپ کو بیدار کر دیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی وجہ سے آپ الارم کی آواز کو سن ہی نہ سکیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے لئے معاملہ میں آسانی پیدا فرمائے اور فرض ادا کرنے میں آپ کی مدد فرمائے۔

شیخ ابن باز

متروکہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں

سوال پہلے میں نماز نہیں پڑھتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی اور مجھے نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کیا گزشتہ سالوں کی نمازوں کی قضاء مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟

جواب جب انسان کئی سال تک نمازیں چھوڑے رکھے اور پھر توبہ کر کے انہیں باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دے تو اس پر چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے کیونکہ ایسی شرط کی صورت میں بہت سے لوگ توبہ ہی سے بددل ہو جائیں گے ہاں البتہ توبہ کرنے والے کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اب آئندہ نماز کی پوری پوری حفاظت کرے اور کثرت کے ساتھ نوافل پڑھے' طاعت الٰہی بجالائے' نیکی کے کام کرے' تقرب الٰہی کے حصول کے لئے کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو اپنے دل میں جگہ دے۔

—— شیخ ابن باز ——

کپڑوں کے میلا ہونے کے بہانے نماز ترک کرنا

سوال میرا ایک دوست موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہے۔ میں اسے نماز پڑھنے کی دعوت دیتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر میری دعوت کو مسترد کر دیتا ہے کہ اس کے کپڑے صاف نہیں ہیں' اس کے لئے کپڑوں کو بدلنا مشکل ہے لہٰذا وہ گھر واپس جا کر نماز پڑھ لے گا تو اس کے اس عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ کے مذکورہ دوست کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرے' اس کے لئے گھر واپس لوٹنے تک نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم،١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (شرعی) عذر ہو۔"

ہاں البتہ کپڑے اگر ناپاک ہوں تو انہیں دھونا یا تبدیل کر کے پاک کپڑے پہننا واجب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت سے بہرہ مند فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

امامت کا بیان

بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والے کی امامت

سوال کیا اس شخص کے پیچھے نماز صحیح ہے جو بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والا ہو؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق بدعتی، کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے اور دیگر گناہ گاروں کے پیچھے نماز صحیح ہے بشرطیکہ بدعت کفر تک پہنچانے والی نہ ہو، اور اگر بدعت کفر تک پہنچانے والی ہو، جیسے جہمیہ وغیرہ بدعتی ہیں جو اپنی کفریہ بدعات کے باعث دائرہ اسلام ہی سے خارج ہیں، تو ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے۔ لیکن ذمہ دار اصحاب پر یہ واجب ہے کہ امامت کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو بدعت اور فسق و فجور سے پاک ہوں اور اچھے سیرت و اخلاق کے مالک ہوں کیونکہ امامت ایک عظیم امانت ہے، امام مسلمانوں کا قائد ہوتا ہے لہٰذا اگر اچھے لوگوں کو امامت پر فائز کرنا ممکن ہو تو اہل بدعت و فسق کو امام نہیں بنانا چاہئے!

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا بھی گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکایا گیا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔''

قمیص، شلوار اور پینٹ وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ فِيْمَا أَعْطَىٰ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الإزار والمنّ بالعطية. . . ، ح:١٠٦)

''تین قسم کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ روز قیامت نہیں دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا: ① اپنی چادر کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانے والا ② دے کر احسان جتلانے والا اور ③ اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔''

اگر کپڑے وغیرہ کو تکبر کی وجہ سے لٹکایا جا رہا ہو تو اس میں گناہ اور بھی زیادہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد گرفت اور سزا کا بھی خطرہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب من جر ازاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٣، ٥٧٨٤، ٥٧٩١، ٣٦٦٥)

''جس (مرد) نے اپنے کپڑے کو ازراہ تکبر نیچے لٹکایا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔''

لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ کپڑے کے لٹکانے اور ان تمام دیگر گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب کرے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اسی طرح ہر قسم کی بدعت سے اجتناب بھی ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ، ح:١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر (دین) کے مطابق نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔''

نیز آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

«خَيْرُ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧)

''سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے' بدترین امور وہ ہیں جو نئے نئے پیدا کیے گئے ہوں اور ہر بدعت (دین میں نیا کام) ضلالت (گمراہی) ہے۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو بدعات اور گناہوں سے محفوظ رکھے۔ فانہ خیر مسئول۔

——— شیخ ابن باز ———

امام کا رکوع میں انتظار کرنا

سوال جب امام حالت رکوع میں ہو اور وہ یہ محسوس کرے کہ کچھ نمازی جلدی سے آ رہے ہیں تاکہ رکوع میں مل جائیں تو کیا امام کے لئے ان کا انتظار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں امام کے لئے افضل یہ ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے میں جلدی نہ کرے تاکہ جو لوگ رکعت پا لینے کے شوق میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونا چاہتے ہیں' وہ شامل ہو جائیں لیکن امام کو اس قدر تاخیر بھی نہیں کرنی چاہئے جس سے امام کے ساتھ شریک مقتدیوں کو تکلیف ہو' اس حالت میں نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرے انتظار کر لینا مستحب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سگریٹ نوش امام کی امامت

سوال کیا ایسے امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے جو سگریٹ نوشی کرتا ہو؟

جواب سگریٹ نوشی حرام ہے کیونکہ اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ مضر صحت ہے' یہ خبیث چیز ہے' اس میں اسراف اور فضول خرچی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

''اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔''

جہاں تک سگریٹ نوشی کرنے والے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا تعلق ہے تو اگر اس کی اقتداء میں نماز ترک کرنے سے نماز جمعہ یا نماز باجماعت فوت ہوتی ہو یا کوئی فتنہ رونما ہوتا ہو تو اخف الضررین (بڑی خرابی کی نسبت چھوٹی خرابی کو اختیار کرنا) کے اصول پر عمل کرنے کی وجہ سے اس امام کے پیچھے نماز ادا کرنا واجب ہو گا اور اگر بعض لوگ اس کے پیچھے نماز چھوڑ دیں اور اس سے ترک جمعہ یا ترک جماعت لازم نہ آئے' کوئی اور بھی نقصان نہ ہو اور امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے اسے تنبیہ بھی ہو اور وہ اس طرح سگریٹ نوشی سے باز آ جائے تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز چھوڑ دینا جائز ہو گا تاکہ اسے سرزنش ہو اور وہ اس حرام امر کے ارتکاب سے باز آ جائے اور یہ عمل انکار منکر کے قبیل سے ہو گا اور اگر اس امام کے پیچھے نماز ترک کرنے سے کوئی نقصان بھی نہ ہو' ترک جمعہ و جماعت بھی لازم نہ آئے اور نہ امام ہی

اس سے کوئی سبق سیکھے تو پھر کوشش کی جائے کہ کسی ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے جو اس کی طرح فسق و معصیت میں مبتلا نہ ہو' اس سے نماز زیادہ مکمل بھی ہوگی اور دین کی زیادہ حفاظت بھی۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

عمامہ (پگڑی) کے بغیر امامت

سوال ہمارے علاقے میں بعض لوگ اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے' جس نے عمامہ نہ پہنا ہو بلکہ عمامہ کے بغیر امامت کو وہ سنت کے خلاف سمجھتے ہیں' اسی لئے بعض لوگ اپنی مسجدوں کے محرابوں میں عماموں کو تیار رکھتے ہیں تاکہ بوقت امامت امام عمامہ کو اپنے سر پر رکھ لے تو اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

کیا شرعی نقطہ نگاہ سے اس میں کوئی فرق ہے کہ بوقت امامت سر پر عمامہ ہو یا ٹوپی؟ نیز بوقت امامت لوگ مختلف قسم کی ٹوپیاں جو استعمال کرتے ہیں تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جعفر بن عمرو بن حریث نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا ہے کہ:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَىٰ طَرَفَهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ»(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير احرام، ح:١٣٥٩، وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في العمائم، ح:٤٠٧٧ واللفظ له)

''آپ نے سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا اور اس کے کنارے کو آپ نے اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔''

امام ترمذی نے نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما سند سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے'[1] ان روایات کے پیش نظر بہت سے علماء نے امام ہو یا مقتدی سب کے لئے عمامہ پہننا اور اس کے کچھ حصہ کو لٹکانا مستحب قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی ٹوپی پر عمامہ باندھتے اور کبھی ٹوپی کے بغیر اور کبھی آپ ٹوپی ہی پہن لیتے اور عمامہ استعمال نہ فرماتے۔ اس مسئلہ میں گنجائش ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عمامہ استعمال کرنے کا حکم دیا ہو یا آپ نے خود اس کی ہمیشہ پابندی فرمائی ہو اور اس پر بھی تمام امت کا اجماع ہے کہ عمامہ نماز یا جماعت کی صحت کے لئے شرط بھی نہیں ہے تو اس کو لازم قرار دینا بھی دین میں تکلف اور تشدد ہے اور جو شخص دین میں تکلف اور تشدد کو اختیار کرے گا' دین اس پر غالب آ جائے گا۔ وباللہ التوفیق «وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم»

فتویٰ کمیٹی

① سنن ترمذی' کتاب اللباس' باب فی سدل العمامة بین الکتفین' ح : 1736۔

جس امام کی قرأت کمزور ہو کیا وہ استعفیٰ دے دے؟
ایک ہی ہفتہ میں بعض سورتوں کے بار بار پڑھنے کا حکم؟

سوال ۱ میں ریاض کے مضافات میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ میری مشکل یہ ہے کہ میں تجوید و قرأت میں کمزور ہوں اور پڑھنے میں غلطیاں بہت کرتا ہوں۔ مجھے قرآن مجید کے تین پارے اور بعض سورتوں کی بعض آیات یاد ہیں لیکن میں اس ذمہ داری کے بارے میں بہت ڈرتا ہوں۔ لہٰذا براہ کرم رہنمائی فرمائیے کیا میں امامت کا سلسلہ جاری رکھوں یا مستعفی ہو جاؤں؟

سوال ۲ ہماری مسجد کے بعض لوگ نماز فجر کے باجماعت ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں' میں نے انہیں بار بار سمجھایا ہے لیکن بے سود' تو کیا میں ان کی محکمہ میں شکایت کر دوں یا نصیحت کرتا رہوں؟

سوال ۳ کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کی ایک ہی سورہ کو ہفتہ میں دو بار یا تین یا اس سے بھی زیادہ دفعہ پڑھا جائے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔ (جزاکم اللہ خیرا)

جواب ۱ آپ کو جس قدر قرآن مجید یاد ہے اس کے حفظ و تجوید میں خوب محنت کریں اور اگر آپ کی نیت نیک ہوئی اور آپ نے خوب مقدور بھر کوشش کی تو پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیروبرکت کی بشارت ہو! کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتعتع فيه ح:٧٩٨، وسنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب ثواب القرآن، ح:٣٧٧٩، ومسند احمد، ٦/ ٩٨، ١٧٠، ٢٦٦)

"قرآن مجید کے ماہر کو معزز اور نیکوکار فرشتوں کا ساتھ نصیب ہو گا اور جو قرآن پڑھتا اور اس میں اٹکتا ہے اور قرآن پڑھنا اس کے لئے بہت مشکل ہے تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔"

ہم آپ کو یہ مشورہ نہیں دیں گے کہ استعفیٰ دے دو بلکہ یہ مشورہ دیں گے کہ مسلسل محنت اور صبرو کوشش سے کام لو حتیٰ کہ کتاب اللہ کے مکمل حفظ و تجوید میں کامیاب ہو جاؤ یا قرآن مجید کا جتنا حصہ اللہ تعالیٰ حفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے' اتنا حفظ کر لو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور آسانی فرمائے۔

جواب ۲ ہم آپ کو یہ مشورہ دیں گے کہ ان لوگوں کو مسلسل سمجھاتے رہو اور جماعت کے خاص خاص احباب کو ساتھ لے کر ان کے پاس بھی جاؤ اور بتاؤ کہ نماز باجماعت ادا نہ کرنے کے کس قدر نقصانات ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ نفاق کی نشانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں کی بات کو قبول کر کے یہ لوگ راہ راست پر آ جائیں۔ صحیح حدیث سے

ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاةالجماعة وبيان التشديد . . .، ح:٦٥١)

"منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہو کہ ان نمازوں میں کس قدر اجر وثواب ہے' تو وہ ضرور آئیں گے خواہ گھٹنوں کے بل چل کر۔"

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم،١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نماز کے لئے نہ آئے تو اس کی نماز نہیں الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

ایک نابینا آدمی نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اس کے پاس کوئی معاون نہیں جو اسے مسجد میں لے جا سکے تو کیا اس کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟" اس نے جواب دیا "ہاں" تو آپ نے فرمایا "پھر اس کی آواز پر لبیک کہو۔"

ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند احمد، ٣/ ٤٢٣)

"میں تمہارے لئے کوئی اجازت نہیں پاتا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کبار صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں' فرماتے ہیں:

«لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلاَّ مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٠، وسنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة، ح:٧٧٧، واللفظ له)

"ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہتا تھا جو واضح طور پر منافق ہوتا تھا۔"

ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ نماز باجماعت کی حفاظت کرے اور جماعت سے پیچھے رہنے میں احتیاط کرے' ائمہ مساجد پر بھی واجب ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والوں کو سمجھاتے رہیں' انہیں نصیحت کرتے رہیں اور اللہ کے غضب و عقاب سے ڈراتے رہیں اور اگر وہ وعظ و نصیحت سے بھی باز نہ آئیں تو واجب ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے

رہنے والوں کے معاملہ کو محکمہ کے اس دفتر میں پیش کیا جائے جو محلہ کی مسجد میں ہے تا کہ محکمہ ان کے بارے میں قانونی کارروائی کر سکے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو نیکی و تقویٰ کے اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب ۳ اس بات کی اجازت ہے کہ ایک سورۃ کو ہفتہ میں یا ایک ہی دن میں بار بار پڑھ لیا جائے' اس کے لئے کوئی پابندی نہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ کو پڑھ لیا جائے جیساکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ قَرَأَ سُوْرَةَ ﴿إِذَا زُلْزِلَت﴾ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُوْلٰى وَالثَّانِيَةِ»(سنن أبي داود، باب الرجل يعيد سورة واحدة في الركعتين، ح:٨١٦)

''نبی کریم ﷺ نے پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں سورۂ اذا زلزلت کی تلاوت فرمائی۔''

—— شیخ ابن باز ——

اس شخص کی امامت کا حکم' جسے ہوا خارج ہونے کا شک ہو

سوال میں قولون (بڑی آنت کے درد) کا دائمی مریض ہوں اور اس مرض کی وجہ سے ہوا خارج ہوتی رہتی ہے' خاص طور پر نماز میں اور ہوا کے کثرت سے خروج کے باعث مجھے نماز میں بھی بدبو محسوس ہوتی ہے حتی کہ بدبو اگر کسی اور چیز سے آرہی ہو تو پھر بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری ہوا خارج ہونے کی وجہ سے ہے تو میں نماز کے دوران کیا کروں؟ کیا شک کی صورت میں وضوء واجب ہے؟ اور جب مقتدی اچھی طرح قرأت نہ کر سکتے ہوں تو کیا میرے لئے ان کی امامت کرانا جائز ہے؟

جواب اصل بقاء طہارت ہے لہٰذا آپ کے لئے یہ واجب ہے کہ اپنی نماز کو مکمل کرو اور وسوسہ کی طرف توجہ نہ دو الا یہ کہ آواز سننے یا بدبو محسوس کرنے کی وجہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ہوا خارج ہوئی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آدمی اپنی نماز میں کچھ محسوس کرتا ہے تو آپ نے فرمایا:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، ح:١٣٧، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة...، ح:٣٦١)

''وہ اس وقت تک نماز کو نہ چھوڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔''

جب تمام حاضرین کی نسبت آپ قرآن مجید زیادہ پڑھنے والے ہوں' تو امامت کروانے میں ممانعت نہیں بشرطیکہ حدث کی کیفیت مسلسل نہ ہو اور یہ عارضہ کبھی کبھی لاحق ہوتا ہو اور جب وضوء ٹوٹ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے خواہ آپ امام ہوں' مقتدی ہوں یا اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں' اگر آپ امام ہوں اور وضوء ٹوٹ جائے تو اپنے پیچھے کھڑے ہوئے جماعت کے لوگوں میں سے کسی کو اپنی جگہ کھڑا کر دیں جو باقی نماز پڑھائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عافیت عطا فرمائے!

—— شیخ ابن باز ——

ننگے سر امام کی امامت کا حکم

سوال کیا یہ جائز ہے کہ امام ننگے سر نماز پڑھائے؟

جواب سر' نماز اور غیر نماز میں مردوں کے لئے خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ ستر نہیں ہے لہٰذا اسے نماز اور غیر نماز حالت میں ڈھانپنا واجب نہیں ہے لیکن حسب عادت مناسب لباس کے ساتھ سر کو ڈھانپنا جب کہ اس میں شریعت کی مخالفت نہ ہو زینت کے قبیل میں سے ہے لہٰذا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق نماز میں سر کو ڈھانپنا مستحسن ہو گا:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٖ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۱)

"اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرو۔"

امام کو نسبتاً اس کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا چاہئے۔

فتویٰ کمیٹی

داڑھی منڈے کی امامت کا حکم

سوال کیا کوئی ایسی صحیح حدیث ہے' جس سے یہ معلوم ہو کہ داڑھی منڈے ہوئے امام کے پیچھے نماز باطل ہے؟

جواب ہمارے علم کی حد تک ایسی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے' جس سے یہ معلوم ہو کہ داڑھی منڈے امام کی امامت میں نماز ادا کرنا باطل ہے۔

فتویٰ کمیٹی

پاؤں کٹے ہوئے امام کی امامت کا حکم

سوال میں ایک ایسا آدمی ہوں' جس کا پاؤں ٹخنے کے نیچے سے کٹا ہوا ہے' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ امام کی عدم موجودگی میں میں نمازیوں کو نماز پڑھا دوں؟ اور کیا نماز کے لئے وضوء کرتے ہوئے کٹے ہوئے پاؤں پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب اگر پاؤں کا کٹا ہونا کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں مانع نہیں ہے تو پھر لوگوں کی امامت کروانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آپ میں امامت کی باقی شرطیں موجود ہوں' اگر پاؤں کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو تو اس پر مسح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' جب آپ نے بحالت طہارت اس پر موزہ یا جراب کو پہن رکھا ہو اور اس طرح حالت قیام میں ایک دن رات اور حالت سفر میں تین دن رات کی نمازیں آپ مسح کر کے ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت صحیحہ سے یہ ثابت ہے۔ ①

اگر پاؤں ٹخنے کے اوپر سے کٹا ہو تو اسے نہ مسح کی ضرورت ہے اور نہ دھونے کی کیونکہ ٹخنوں کے اوپر کی جگہ دھونے یا مسح کرنے کا مقام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا بدلہ دے' آپ کی مصیبت کا صلہ دے اور آپ کو صبر اور طلب ثواب کی توفیق عطاء فرمائے!

شیخ ابن باز

---

① صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب التوقیت فی المسح علی الخفین' ح: 276۔

فاسق' جاہل اور بیوقوف وغیرہ کی امامت

سوال جو شخص داڑھی منڈاتا ہو یا سگریٹ نوشی کرتا ہو یا جاہل اور بے وقوف ہو اور قرآن پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب سگریٹ نوشی کرنے والا اور داڑھی منڈانے والا اگر مستقل یا غیر مستقل امام ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ممکن ہو تو پھر کسی دوسرے امام ہی کے پیچھے نماز ادا کی جائے اور اگر کسی دوسرے کے پیچھے ممکن نہ ہو تو پھر جماعت کے ثواب کے حصول کے لئے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے' اگر ایسا امام مستقل ہو اور اسے بدل کر اس سے بہتر امام مقرر کرنا ممکن ہو تو یہ واجب ہو گا اور اگر امام کو بدلنا ممکن نہ ہو کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا امام موجود نہ ہو یا اسے امامت سے معزول کرنے میں زبردست خرابیوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے برقرار رکھا جائے تاکہ اعلیٰ مصلحت کے حصول کی خاطر ادنیٰ مصلحت کو قربان کر دیا جائے اور بڑی خرابی کی نسبت چھوٹی خرابی کو اختیار کر لیا جائے۔

باقی رہی جاہل و بیوقوف کی امامت تو صحیح مسلم میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من احق بالامامة، ح: ٦٧٣)

"قوم کی امامت وہ کروائے جو ان میں کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو' اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کروائے جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو' اگر وہ سنت کے علم میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو اور اگر وہ ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ امامت کروائے جو عمر میں ان سے بڑا ہو۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«سِلْمًا، وَلاَ يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلاَ يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلٰى تَكْرِمَتِهِ إِلاَّ بِإِذْنِهِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من احق بالامامة، ح: ٦٧٣ وقال الأشج في روايته مكان سِلْمًا: سِنًّا)

"جو اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو' کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی جگہ امامت نہ کروائے اور نہ اجازت کے بغیر کسی کی عزت کی جگہ پر بیٹھے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ جاہل جو سورۂ فاتحہ کی قرأت بھی اچھی طرح نہ کر سکتا ہو' اس کی امامت جائز نہیں ہاں اگر کوئی اور امامت کے لائق شخص موجود نہ ہو تو پھر اسی طرح کا جاہل اپنے جیسے جاہلوں کی امامت کروا سکتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قرأت میں لحن کرنے والے امام کے پیچھے نماز

سوال ایسا امام جو قرأت میں لحن کرتا ہے اور کبھی آیات قرآنیہ کے حروف میں کمی بیشی بھی کر دیتا ہے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر لحن سے معنی میں تبدیلی نہ آئے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں مثلاً ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين ﴾ میں رب کو منصوب یا مرفوع پڑھ دینا یا بسم اللہ میں رحمٰن کو منصوب یا مرفوع پڑھ دینا وغیرہ [①] اور اگر لحن سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو پھر اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جب کہ تعلیم دینے اور لقمہ دینے سے بھی اسے کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو مثلاً ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ میں وہ کاف کو مکسور یا ﴿ اَنْعَمْتَ ﴾ میں تا کو مکسور یا مرفوع پڑھ لے۔ اگر وہ تعلیم کو قبول کر لے اور بتا دینے سے قرأت کو صحیح کر لے تو اس کی نماز اور قرأت صحیح ہو گی اور شرعی حکم بھی یہی ہے کہ مسلمان تمام حالات میں نماز کے اندر بھی اور نماز سے باہر بھی اپنے بھائی کو سکھاتا رہے کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' جب وہ غلطی کرے تو اس کی رہنمائی کرے' جاہل ہو تو اسے سکھائے اور اگر قرآن مجید پڑھتے ہوئے بھول جائے تو اس کی اصلاح کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا

سوال میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی' میں جماعت میں شامل نہ ہو سکا تھا لہٰذا میں نے دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھی' ہمارا امام غیر سعودی تھا' نماز کے بعد وہ کچھ دیر تک بیٹھا رہا اور اس نے مقتدیوں کی طرف منہ نہ کیا بلکہ وہ سلام کے بعد قبلہ رخ ہی بیٹھا رہا' میں بھی جلدی میں تھا تو کیا میرے لئے یہ صحیح تھا کہ امام کے ہماری طرف منہ کرنے سے پہلے میں چلا جاتا یا ضروری تھا کہ میں انتظار کرتا؟

جواب امام کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنے سے پہلے زیادہ دیر تک بیٹھا رہے۔ مقتدیوں کو بھی چاہئے کہ وہ انتظار کریں اور جب تک امام ان کی طرف منہ نہ کرے اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ اس امام نے غلطی کی ہے جو سلام کے بعد زیادہ دیر بیٹھا رہا ہے اور اس نے مقتدیوں کی طرف منہ نہیں کیا لہٰذا جب مقتدی کے لئے زیادہ انتظار کرنا گراں ہو تو وہ امام کے منہ پھیرنے سے پہلے اٹھ سکتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سگریٹ نوش کی امامت

سوال کیا سگریٹ نوش کو امامت کا حق ہے' جب کہ وہ دوسرے نمازیوں کی نسبت قرأت اچھی کرتا ہو؟

جواب ہاں اس کے لئے امامت کروانا جائز ہے جب کہ غیر فاسقوں میں سے کوئی شخص ایسا موجود نہ ہو جو قرأت اچھی کر سکتا اور نماز کے احکام جانتا ہو۔ اگر مذکورہ قسم کا شخص کسی مسجد میں مستقل امام ہو تو اسے بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے جب وہ سگریٹ نوشی پر اصرار کرتا ہو۔ اس مسئلہ میں مستقل کمیٹی کی طرف سے پہلے بھی ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

① "منصوب" سے مراد وہ حرف جس پر زبر ہو۔ "مرفوع" سے مراد وہ حرف جس پر پیش ہو۔ "مکسور" سے مراد وہ حرف جس کے نیچے زیر ہو۔

"جو شخص جمعہ و جماعت کا امام ہو اور وہ سگریٹ نوشی کرتا یا داڑھی منڈاتا یا کسی بھی اور گناہ کے کام میں ملوث ہو تو ضروری ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اسے گناہ کے ان کاموں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے' اگر وہ باز نہ آئے اور اسے معزول کرنا ممکن ہو تو اسے معزول کر دیا جائے بشرطیکہ اس سے کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر اندیشہ ہو تو پھر اس کی بجائے کسی اور نیک امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے تاکہ اس کو اس سے نصیحت و عبرت حاصل ہو اور اگر اسے معزول کرنے میں کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو اور کسی دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر جماعت کے اجروثواب کی خاطر اسی کی امامت میں نماز پڑھ لی جائے اور اگر کسی دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو فتنہ سے بچنے کے لئے بھی اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تاکہ اخف الضررین (بڑی خرابی کے مقابلہ میں چھوٹی خرابی اختیار کرنے) کا ارتکاب کر لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ اور دیگر سلف صالح حجاج بن یوسف کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے حالانکہ وہ سب سے بڑا ظالم تھا لیکن یہ سلف صالح مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی خاطر اور انہیں فتنہ و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔" وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

فاتحہ کے بعد سکتہ

سوال فاتحہ کے بعد امام کے وقوف کا کیا حکم ہے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے اور اگر امام یہ وقفہ نہ کرے تو پھر مقتدی کس وقت سورہ فاتحہ پڑھے؟

جواب اس بات کی کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے' جس سے معلوم ہو کہ جہری نماز میں امام کو سکتہ کرنا چاہئے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔ مقتدی کو چاہئے کہ امام کی قرأت کے سکتات میں فاتحہ کو پڑھ لے اور اگر امام سکتہ کرتا ہی نہ ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ سری طور پر فاتحہ پڑھ لے' خواہ امام قرأت کر رہا ہو اور پھر فاتحہ پڑھنے کے بعد امام کی قرأت کو سننے کے لئے خاموش ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ»(صحیح بخاري، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات . . . ، ح:٧٥٦، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في کل رکعة . . . ، ح:٣٩٤)

"جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

نیز آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا:

«لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الکتاب، ح:٨٢٣)

"سورہ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

یہ دونوں حدیثیں حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (الأعراف۷/ ۲۰٤)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد کی تخصیص کر رہی ہیں کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلاَ تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٤، ٤١١)

''امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو' جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔''

شیخ ابن باز

داڑھی منڈے کی امامت کا حکم

سوال ہمیں ایک داڑھی منڈے امام نے نماز پڑھائی تو کیا اس کے پیچھے ہماری نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر یہ داڑھی منڈا شخص تمہاری مسجد میں مستقل امام ہے تو کوشش کرو کہ اسے بدل کر اس سے بہتر امام مقرر کرو' امید ہے تم اہل صلاح و خیر میں سے یقیناً کوئی ایسا آدمی پا لو گے' جو اس گناہ سے پاک ہو اور اگر یہ امام کسی ادارہ یا مدرسہ میں عارضی طور پر کام کے وقت ظہر کی نماز پڑھاتا ہے تو اولاً اسے نصیحت کرو' اس برے فعل کے انجام سے ڈراؤ اور اگر وہ داڑھی منڈانے پر اصرار کرے اور توبہ نہ کرے تو کسی ایسے امام کو تلاش کرو' جو اس گناہ سے پاک ہو خواہ اس سے قرأت میں کم مرتبہ ہو اور اگر اس نے محض وقتی طور پر ایک نماز پڑھائی ہے' تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ گیا ہو اور اس سے بہتر قرأت والا اور کوئی شخص نہ ہو' مختصر یہ کہ اس امام کی اقتداء میں ان شاء اللہ نماز صحیح ہو گی جب کہ اسے بھی اور ہر اس مسلمان کو بھی نصیحت کرنا واجب ہے جس سے یہ یا اس طرح کا اور کوئی گناہ سرزد ہوتا ہو۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

جب امام غلط قرأت کرتا ہو

سوال جب امام سورۂ فاتحہ کے پڑھنے میں بھی غلطی کرتا ہو' تو کیا اس کے پیچھے پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب جب امام فاتحہ کی قرأت میں کوئی ایسی غلطی کرے' جس سے معنی بدل جاتے ہوں تو اسے متنبہ کرنا اور غلطی کی تصحیح کرنا ضروری ہے' اگر وہ قرأت کو صحیح کر لے تو الحمدللہ ورنہ اس کی اقتداء میں نماز جائز نہ ہو گی اور انتظامیہ پر واجب ہو گا کہ ایسے امام کو معزول کر دیا جائے۔ وہ غلطی جس سے معنی میں تبدیلی آ جاتی ہو' کی مثال یہ ہے کہ جیسے ﴿ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ میں تا پر کسرہ یا ضمہ پڑھ لیا جائے یا ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ میں ک پر کسرہ پڑھ لیا جائے اور قرأت کی وہ غلطی جس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ''رب العالمین'' یا ''الرحمٰن'' کو فتحہ یا ضمہ کے ساتھ پڑھ لیا

جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ [1]

شیخ ابن باز

سگریٹ نوشی وغیرہ کرنے والے کی امامت

سوال بحوث العلمیہ والا فتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے وہ سوال آیا جو کہ عزت مآب جناب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں کبار العلماء کمیٹی کے سیکرٹری کی طرف سے (حوالہ نمبر۱۵۱/۲) پیش کیا گیا تھا اور جس کی عبارت یہ ہے:

"نماز کا وقت ہو گیا تھا اور میں نے باجماعت نماز پالی لیکن جب میں آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ امام ان لوگوں میں سے ہے' جو سگریٹ نوشی کرتے یا سویکہ استعمال کرتے ہیں' جسے منطقہ جنوب میں "شمہ" کہا جاتا ہے یا درخت قات کے پتوں کو یا ان سب چیزوں کو استعمال کرتے ہیں۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اس امام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی بجائے' انفرادی طور پر نماز پڑھ لی اور بعض نمازیوں نے مجھے کہا کہ تم نے یہ غلط کام کیا ہے۔ کیا یہ واقعی میری غلطی تھی اور یہ جائز تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتا یا میرا الگ نماز پڑھنا درست تھا؟ اور یہ میں نے اجتہاد کی بنیاد پر ایسا کیا اور میں نے الحمدللہ' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک ان چیزوں میں سے کبھی بھی کوئی چیز استعمال نہیں کی تو کیا جو شخص ان چیزوں کے استعمال کا عادی ہے وہ لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھا سکتا ہے؟"

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

سگریٹ نوشی حرام ہے اور اس کے پینے پر اصرار اور دوام و ہمیشگی کرنا حرمت میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے کیونکہ یہ خبیث چیزوں میں سے ہے اور خبیث چیزوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ﴾ (الأعراف۷/ ۱۵۷)

"اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

سگریٹ اور تمباکو نوشی مضر صحت ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ح:۲۳٤۰. ۲۳٤۱، ومسند احمد، ۱/ ۳۱۳، البيهقي، ٦/ ٦٩، ۷۰، ٤٥۷، ۱۰/ ۱۳)

یعنی "کسی سے نقصان اٹھاؤ نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ۔"

جو شخص تمباکو نوشی میں مبتلا ہو' اسے امام بن کر نماز نہیں پڑھانی چاہئے الا یہ کہ مقتدی بھی اسی کی طرح یا اس سے بڑھ کر تمباکو نوشی کرنے والے ہوں لیکن یہ واقعی تمہاری غلطی تھی' جو تم نے ان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کی بجائے الگ نماز پڑھی کیونکہ پانچوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنا فرض ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے یہ ثابت ہے اور پھر جب تم نے امام کے تمباکو نوشی کی وجہ سے جماعت ترک کر دی' تو واجب تھا کہ کسی دوسری جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کرتے اور اگر حالات ایسے تھے کہ کسی دوسری جماعت کے ملنے کی امید نہ تھی تو پھر اسی جماعت کے ساتھ نماز

---

[1] کسرہ سے مراد زیر ہے اور ضمہ سے مراد پیش ہے اور فتحہ سے مراد زبر ہے۔

ادا کر لیتے تا کہ فرض نماز باجماعت ادا ہوتی اور ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ گناہ گاروں کے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ایسے امام کے پیچھے نماز جو قرأت اچھی نہ کرتا ہو

سوال فضیلۃ الشیخ کی اس امام کے بارے میں کیا رائے ہے' جو قرأت اچھی نہیں کرتا؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ یاد رہے ہماری بستی میں اس سے اچھی قرأت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے ہاں البتہ ایام تعطیلات میں طلبہ جب اپنے گھروں میں واپس آتے ہیں' تو وہ یقیناً اس سے اچھی قرأت کرتے ہیں لیکن یہ اس مسجد کے مستقل امام ہیں۔ یہاں قریب ہی تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ بھی ہے لہٰذا میں نے کئی دفعہ ان سے کہا ہے کہ اس مدرسہ میں قرأت سیکھ لو لیکن انہوں نے میری بات پر عمل نہیں کیا' تو امید ہے اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اگر یہ امام قرأت میں ایسی غلطی نہیں کرتے کہ جس سے معنی میں تبدیلی آ جاتی ہو تو پھر ان کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً اگر یہ ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ میں رب کی باء کو منصوب پڑھ لیں یا الرحمٰن الرحیم میں ن کو منصوب پڑھ لیں یا اسے مضموم پڑھ لیں' تو یہ غلطی نقصان دہ نہیں ہے لیکن اگر یہ قرأت میں ایسی غلطی کرے جس سے معنی میں تبدیلی آ جائے تو اس غلطی کو اس کے سامنے واضح کیا جائے' اسے سکھایا جائے اور پوری پوری توجہ دلائی جائے تا کہ اس کی قرأت صحیح ہو جائے اور اگر پڑھتے ہوئے اس طرح کی غلطی کر بیٹھے تو دوران نماز ہی اس کی تصحیح کر دی جائے' نیز مدرسہ تحفیظ القرآن میں داخلہ کی ترغیب دی جائے شاید اس سے ہی انہیں قرآن مجید صحیح طور پر پڑھنا آ جائے۔ واللہ المستعان۔

—— شیخ ابن باز ——

رباعی نماز کی تین رکعات پڑھ لیں

سوال جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو یہ شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور پھر وہ سلام پھیر دے اور سلام کے بعد بعض مقتدی بتائیں کہ انہوں نے تین رکعات پڑھی ہیں' تو اس حالت میں امام کیا چوتھی رکعت کے لئے تکبیر تحریمہ کہے گا یا فقط تکبیر تحریمہ کہے بغیر کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کر دے گا؟ اس حالت میں سجدہ سہو سلام سے پہلے ہو گا یا بعد میں؟

جواب جب امام یا منفرد کو چار رکعتوں والی نماز میں یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس کے لئے واجب یہ ہے کہ یقین پر بنا کرے اور ظاہر ہے کہ وہ کم تعداد ہو گی لہٰذا اسے تین قرار دے کر چوتھی رکعت پڑھ لے اور پھر سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد في

الصلاة والسجود له، ح:٥٧١)

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ شک کو جھٹک دے اور یقین پر بنیاد رکھ لے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے' اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔"

اگر امام تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے اور سلام پھیرنے کے بعد امام کو متنبہ کیا جائے تو وہ نماز کی نیت کی تکبیر کہے بغیر اٹھ کھڑا ہو' چوتھی رکعت پڑھے' پھر تشہد کے لئے بیٹھ جائے' تشہد' رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعاء کے بعد سلام پھیر دے' پھر دو سجدے کر لے اور پھر سلام پھیر دے' ہر اس مسلمان کے حق میں یہی افضل صورت ہے جو بھولنے کی وجہ سے نماز میں کمی کر بیٹھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی یہ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی نماز کی دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور جب ذوالیدین نے اس سلسلہ میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز کو مکمل فرمایا' پھر سلام پھیر دیا' پھر سجدہ سہو کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔ ① اسی طرح نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار نماز عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا' جب آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروائی گئی تو آپ ﷺ نے چوتھی رکعت ادا فرمائی اور سلام پھیر دیا' پھر سجدہ سہو کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔ ②

فتویٰ کمیٹی

جو شخص لوگوں کو بے وضو نماز پڑھا دے

سوال ایک شخص نے لوگوں کی ایک فرض نماز میں امامت کی اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا اور نمازی بھی منتشر ہو گئے تو اسے یاد آیا کہ اس نے تو وضوء نہیں کیا ہوا تھا تو اس نے وضوء کے بعد اپنی نماز کو دوہرا لیا' تو کیا اس حالت میں مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گی یا امام کے لئے لازم ہے کہ وہ سب مقتدیوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرے؟ اور اگر اسے تمام مقتدیوں کی پہچان بھی نہ ہو تو پھر کیا کرے؟

جواب مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گی البتہ امام کے لئے لازم ہو گا کہ وضوء کر کے نماز کو دوبارہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤)

"طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔"

شیخ ابن باز

① صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السھو فی الصلوٰۃ والسجود له' ح: 573۔

② صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السھو فی الصلوٰۃ' ح: 574۔

جب امام قرأت میں غلطی کرے

سوال جب امام جہری نماز میں قرأت کرتے ہوئے غلطی کرے مثلاً یہ کہ ایک آیت یا کسی آیت کا کوئی جز نہ پڑھے یا غلطی سے آیت کے کسی لفظ کو تبدیل کر دے تو کیا مقتدی امام کی اس نوعیت کی غلطی کی تصحیح کرے؟

جواب جب امام قرأت میں غلطی کرتے ہوئے ایک آیت کو چھوڑ دے یا الفاظ غلط پڑھے تو مقتدیوں کے لئے لازم ہے کہ امام کی تصحیح کریں اور اگر غلطی کا تعلق سورۂ فاتحہ سے ہو تو پھر اس کی تصحیح کرنا مقتدیوں پر واجب ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے ہاں البتہ اگر غلطی اس قسم کی ہو کہ اس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو مثلاً الرحمن یا الرحیم کو منصوب پڑھ لیا جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کے لئے لقمہ دینا واجب نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب امام قرأت میں غلطی کرے اور کوئی تصحیح کرنے والا بھی نہ ہو

سوال جب امام نماز میں قرآن مجید کی قرأت کر رہا ہو اور پھر وہ آیت کا آخری حصہ بھول جائے اور نمازیوں میں سے بھی کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو تو کیا وہ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے یا کوئی دوسری سورہ پڑھنی شروع کر دے؟

جواب اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اللہ اکبر کہہ کر قرأت کو ختم کر دے اور اگر چاہے تو کسی دوسری سورۃ کی ایک یا چند آیات پڑھ لے جیسا کہ اس نماز سے متعلق سنت مطہرہ کا تقاضا ہو بشرطیکہ اس بھول کا تعلق سورۂ فاتحہ سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق سورۂ فاتحہ سے ہو تو مکمل سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کی قرأت نماز کا رکن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

سلسل البول کے مریض کی امامت

سوال کیا سلسل البول کے مریض کے لئے نماز کی امامت کروانا جائز ہے؟ کیا اس کے لئے جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے اور وہ مدت مسح کو کس طرح مکمل کرے گا؟

جواب سلسل البول کے مریض کے لئے امامت کروانا جائز نہیں' خواہ مقتدی بھی اسی کی طرح کے مریض ہوں کیونکہ اس مرض میں طہارت کاملہ مفقود ہوتی ہے۔ سلسل البول کا مریض مسجد میں نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مسجد کو ناپاک کر دے گا' اسے موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے!

——— شیخ ابن جبرین ———

مسافر کی نماز

مسافر امام کا مقیم لوگوں کو نماز پڑھانا

سوال کیا مسافر امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے؟ اور امام کے نماز کو قصر کرنے اور جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں مقتدی کس طرح کریں گے؟

جواب اگر مسافر امامت کا اہل ہو تو وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔ جب نماز ایسی ہو جس میں مسافر کو قصر کی رخصت ہو اور امام اس رخصت سے فائدہ اٹھائے تو مقتدی امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی نماز کو پورا کرلیں اور وہ نماز جس میں مسافر کو جمع کی اجازت ہو تو وہ جمع کر لے گا' مقتدی اپنی نمازوں کو جمع نہیں کریں گے کیونکہ جمع کرنے کی رخصت تو صرف مسافر کے لئے ہے' مقیم مقتدیوں کے لئے نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ جب مکہ مکرمہ میں تشریف لاتے تو دو رکعات پڑھاتے اور پھر فرماتے:

«يَاأَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوا صَلاَتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ»(رواه مالك في الموطأ، كتاب الحج، باب صلاة منى، ح:٢٠٢، ٢٠٣)

"اے مکہ والو! تم اپنی نماز کو مکمل کر لو' ہم تو مسافر لوگ ہیں۔"

فتویٰ کمیٹی

قصر کے بغیر جمع کرنا

سوال کیا مسافر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نمازوں میں قصر تو کرے لیکن جمع کر کے نہ پڑھے یا جمع تو کرے لیکن قصر نہ کرے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے البتہ مسافر کے لئے قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے' جس طرح وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مقرر کردہ واجبات و فرائض پر عمل کیا جائے' اسی طرح مذکورہ بالا سبب کے پیش نظر مسافر کے لئے حالت سفر میں نمازوں کو جمع کرنا افضل ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مقیم کی امامت میں مسافر کی نماز

سوال کیا مسافر کے لئے مقیم امام کی اقتداء جائز ہے؟ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مقیم امام کے ساتھ نماز سے فراغت کے بعد اس نماز کو جمع بھی کرے' جس کا جمع کرنا اس کے الگ پڑھنے یا اپنے جیسے مسافروں کے ساتھ مل کر پڑھنے کی صورت میں جائز ہو؟

جواب مسافر کے لئے مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس صورت میں اس کے لئے امام کے سلام پھیرنے تک متابعت لازم ہو گی یعنی اگر امام چار رکعتوں والی نماز پڑھا رہا ہو تو اس صورت میں مسافر مقتدی کے لئے قصر جائز نہ ہو گی بلکہ اسے امام کی اقتداء کرتے ہوئے چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا:

«مَا بَالُ الْمُسَافِرِ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ إِذَا انْفَرَدَ وَأَرْبَعًا إِذَا ائْتَمَّ بِمُقِيْمٍ؟ فَقَالَ: تِلْكَ السُّنَّةُ»

''کیا بات ہے کہ مسافر جب الگ پڑھتا ہے تو دو رکعات لیکن جب وہ مقیم امام کی اقتداء میں پڑھتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''سنت یہی ہے''

اور ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«تِلْكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ»

''یہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''تلخیص الحبیر'' میں ذکر فرمایا اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کا اصل مسلم اور نسائی میں ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد مسافر اس نماز کو جمع کر سکتا ہے جس کا جمع کرنا جائز ہو خواہ وہ انفرادی طور پر جمع کرے یا مسافروں کی جماعت کے ساتھ!

فتویٰ کمیٹی

مسافروں کی مستقل امام کے پیچھے نماز

سوال کیا افضل یہ ہے کہ مسافر مستقل امام کی اقتداء میں نماز ظہر مسجد میں ادا کریں اور پھر اپنی عصر کی نماز جمع کر لیں یا افضل یہ ہے کہ وہ امام کا انتظار نہ کریں اور مسافر اپنی ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیں؟

جواب اگر مستقل امام کا انتظار ان کے لئے گراں نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ مستقل امام کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کریں کیونکہ اس طرح کثرت اجتماع اور انتظار جو کہ نماز ہی کی ایک قسم ہے' کی وجہ سے انہیں زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور اگر امام راتب کا انتظار گراں ہو تو مسافروں کو اجازت ہے کہ وہ اپنی نمازوں کو قصر و جمع کی رخصتوں کے ساتھ ادا کر لیں۔

فتویٰ کمیٹی

دوسرے ملکوں میں مقیم فوجیوں کے لئے قصر و جمع کا حکم

سوال مسلح افواج کے وہ سپاہی جو اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں مقیم ہوں کیا ان کے لئے بھی قصر و جمع جائز ہے؟ جو شخص کسی ملک کے دارالحکومت سے اپنے کام کی جگہ پر جانے کے لئے روزانہ ایک سو تیس کلو میٹر سفر کرتا ہو' تو کیا وہ روزانہ اس سفر پر آتے جاتے جمع و قصر کر سکتا ہے؟

جواب اگر ان کی اقامت کی نیت چار دنوں سے زیادہ کی ہو تو پھر انہیں نماز پوری پڑھنی ہو گی اور جمع بھی نہیں کر سکتے کیونکہ سفر کی رخصتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ مدت اقامت چار دن سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہاں اقامت نہ ہو یا

اقامت تو ہو لیکن وہ چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو پھر مشہور مذہب کے مطابق وہ قصر اور جمع کر سکتے ہیں۔

اس سوال کی دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ جب تک ان کی رہائش گاہ اس ملک کے دارالحکومت میں سے ہے تو ان کے لئے دارالحکومت میں قصر اور جمع کرنا جائز نہیں اور جب وہ دارالحکومت کو چھوڑ کر اپنے کام کی جگہ یا کسی اور ایسی جگہ جائیں کہ مسافت اسی کلو میٹر سے زیادہ ہو تو وہ سفر کی رخصتوں کو اختیار کر سکتے ہیں حتی کہ اپنی رہائش گاہ پر واپس آجائیں۔ جمع و قصر کا تعلق بھی سفر کی رخصتوں میں سے ہے' ہاں یہ اس صورت میں ہے' جب وہاں چار دن سے زیادہ اقامت کی نیت نہ ہو اور اگر ایسی نیت ہو تو پھر جمع و قصر جائز نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اندرون شہر مسافر کے لئے جمع و قصر کا حکم

سوال جب میں مسافر ہوں اور اس شہر میں سکونت پذیر جس کی طرف تین یا چار یا اس سے کم و بیش دن رہنے کے لئے سفر کر کے گیا ہوں اور میں ظہر کے وقت مسجد میں گیا اور جماعت کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں ادا کیں' پھر میں نے اکیلے کھڑے ہو کر نماز عصر قصر کی صورت میں ادا کر لی تو کیا میرا یہ عمل جائز ہے؟ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنی رہائش گاہ پر نمازوں کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کرتا رہوں جبکہ میرا قیام اندرون شہر ہو جہاں مسجدیں بھی بہت ہوں' میں اذان کی آواز بھی سنوں لیکن مسافر ہونے کی بنیاد پر رہائش گاہ پر ہی نمازوں کو ادا کرتا رہوں؟

جواب جس مسافر کا کسی شہر میں چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ ہو تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کے لئے پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر اس سے کم مدت کی اقامت کا ارادہ ہو تو پھر قصر افضل ہے اور اگر پوری نماز بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں اور اگر مسافر اکیلا ہو تو اسے اکیلے ہی نماز قصر نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ اس کے لئے واجب یہ ہے کہ باجماعت پوری نماز ادا کرے جیسا کہ ان احادیث سے ثابت ہے جو جماعت کے وجوب پر دلالت کناں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسافر کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ امام مقیم کے ساتھ نماز ادا کرے تو چار رکعتیں پڑھے[1] کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلاَ تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان باب إقامة الصف من تمام الصلاة، ح: ٧٢٢، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح: ٤٠٤، ٤١١)

"امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

سفر میں نماز جمع کرنا

سوال بعض لوگ جب ریاض سے خرج کا سفر کرتے ہیں جو اسی کلو میٹر کے قریب فاصلہ بنتا ہے' تو وہ راستے میں نماز جمع کر کے پڑھتے ہیں' کیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟

---

① صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ المسافرین و قصرھا' ح: 687۔

جواب ہاں مسافر کو اجازت ہے' وہ نماز جمع کر کے بھی پڑھ سکتا ہے اور ہر نماز کو اپنے وقت پر بھی لیکن مسافر جب اقامت اختیار کرے تو پھر ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا افضل ہے جس طرح نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر ہر نماز کو منیٰ میں اس کے وقت پر ادا فرماتے رہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سو کلو میٹر کی مسافت کا سفر

سوال جب انسان ایک سو کلو میٹر تک کا سفر کر کے کسی دوسرے شہر میں جائے تو کیا وہ نماز کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کر سکتا ہے؟

جواب جب انسان اپنے شہر سے سفر کر کے ایک سو کلو میٹر یا اس کے قریب قریب مسافت طے کرے تو وہ احکام سفر مثلاً قصر' افطار' جمع بین الصلاتین اور موزوں پر تین دن تک مسح پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسافت سفر شمار ہوتی ہے' اسی طرح اگر اس نے اسی کلو میٹر کے قریب سفر کیا تو جمہور اہل علم کے نزدیک یہ بھی مسافت قصر شمار ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا دو سال کی مدت تک قیام کرنے والا مسافر قصر کرے؟

سوال میرے اور ایک عرب دوست کے درمیان نماز قصر کرنے کے بارے میں جھگڑا ہوا صورت حال یہ ہے کہ ہم آج کل امریکہ میں قیام پذیر ہیں اور ممکن ہے کہ دو سال تک یہ قیام رہے میں تو نماز پوری پڑھتا ہوں گویا اب اپنے ہی ملک میں ہوں جب کہ میرا دوست نماز قصر پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مسافر ہوں خواہ سفر کی مدت دو سال تک طویل کیوں نہ ہو۔ امید ہے آپ ہمارے اس قصر نماز کے مسئلہ میں دلیل کے ساتھ رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اصل یہ ہے کہ مسافر وہ ہے جسے رباعی نماز قصر کرنے کی رخصت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ ﴾ (النساء٤/ ١٠١)

"اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔"

اور یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے کہ:

﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ ﴾ (النساء٤/ ١٠١)

"تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذاء دیں گے۔"

تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی اس سے تعجب ہوا جس سے آپ کو تعجب ہوا ہے تو میں نے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها، ح:٦٨٦)

”یہ اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس صدقہ کو قبول کر لو۔
اور بالفعل اسے مسافر کے حکم میں شمار کیا جائے گا جو چار دن راتیں یا اس سے کم مدت کے لئے قیام کرے جیسا کہ حدیث جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار ذوالحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور آپ نے ذوالحجہ کی چار' پانچ' چھ اور سات تاریخ کو مکہ ہی میں قیام فرمایا اور پھر آٹھ تاریخ کو صبح کی نماز ابطح میں ادا فرمائی' ان تمام دنوں میں آپ نے نماز قصر پڑھی اور یہاں آپ کی اقامت کی نیت تھی جیسا کہ معلوم ہے لہٰذا ہر وہ شخص جو مسافر ہو اور اس کی اتنی مدت اقامت کی نیت ہو جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا اس سے کم مدت کی نیت ہو تو وہ نماز قصر پڑھ سکتا ہے اور اگر نیت اس سے زیادہ اقامت کی ہو تو وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ وہ مسافر کے حکم میں نہ ہو گا۔

جو شخص اپنے سفر میں چار دن سے زیادہ اقامت تو اختیار کر لے لیکن اس کی اقامت کی نیت نہ ہو بلکہ ارادہ یہ ہو کہ جوں ہی اس کی ضرورت پوری ہو گئی وہ واپس لوٹ جائے گا مثلاً کوئی شخص دشمن سے جہاد کے لئے کسی جگہ مقیم ہو یا کسی کو بادشاہ نے روک لیا ہو یا کوئی کسی مرض کی وجہ سے رکنے پر مجبور ہو گیا ہو اور نیت یہ ہو کہ جونہی جہاد کا مرحلہ فتح و نصرت یا صلح کی شکل میں مکمل ہو گیا یا جوں ہی اس نے مرض یا دشمن یا بادشاہ یا اپنے سامان تجارت کی فروخت سے فراغت پالی تو وہ واپس لوٹ جائے گا تو اس صورت میں اسے مسافر سمجھا جائے گا اور اسے رباعی نماز کے قصر کی اجازت ہو گی خواہ یہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور ان دنوں میں آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے۔ اسی طرح عیسائیوں سے جہاد کے لئے آپ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور ان دنوں میں بھی آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز قصر ادا فرمائی کیونکہ آپ کی اقامت کی باقاعدہ نیت نہ تھی بلکہ نیت یہ تھی کہ جوں ہی ضرورت پوری ہو گئی' آپ سفر شروع فرما دیں گے!

——— فتویٰ کمیٹی ———

مقیم طالب علم کے لئے تعلیمی پیریڈ کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا ہمارے لئے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے جب کہ ہم شہر میں مقیم ہیں اور تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم ہونے کی وجہ سے پیریڈ کو چھوڑ کر جانا ممکن نہیں؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ ہم اس حدیث کو دلیل بنالیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفر' بارش اور بیماری وغیرہ کے عذر کے بغیر بھی نماز جمع کر کے پڑھی ہے یا ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ پیریڈ کو چھوڑ کو نماز کے لئے مسجد میں چلے جائیں؟

جواب آپ کے لئے ضروری یہ ہے کہ پانچوں فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کریں۔ پڑھائی کو ایسا عذر قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس کی وجہ سے نماز مؤخر کر کے پڑھنے کی اجازت ہو۔ جس حدیث کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر اور مسلسل عمل کے خلاف ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیمی اوقات کو اس طرح ترتیب دو کہ نماز کو ان کے اوقات میں ادا کرنا ممکن ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا حکم

سوال حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا کیا حکم ہے جب مکہ مکرمہ میں چار دن سے زیادہ اقامت ہو؟

جواب جب حاجی کی مکہ مکرمہ میں اقامت چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ چار رکعتوں والی نماز کی دو رکعات پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حجۃ الوداع میں یہی عمل تھا اور اگر ارادہ چار دن سے زیادہ قیام کا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ نماز قصر کرنے کی بجائے پوری پڑھے اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

جنگل میں نماز قصر کرنا

سوال ہم لوگ جماعت کی صورت میں جنگل میں گئے تو کیا ہمارے لئے نماز کو قصر اور جمع کی صورت میں ادا کرنا جائز تھا؟

جواب جب آپ لوگ جنگل میں اس قدر دور چلے جائیں کہ وہ سفر شمار ہو تو جمع اور قصر کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ قصر کے معنی یہ ہیں کہ ظہر' عصر اور عشاء کی نمازوں کی دو دو رکعات پڑھی جائیں' باقی رہی جمع تو اس کی رخصت ہے کہ جو چاہے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لے اور جو چاہے ان نمازوں کو الگ الگ پڑھے۔ اور اگر مسافر نے اقامت اختیار کر رکھی ہو اور وہ ہشاش بشاش بھی ہو تو افضل یہ ہے کہ جمع کو ترک کر دیا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں مدت اقامت کے دوران نمازوں کو قصر تو کیا لیکن جمع نہیں کیا ہاں البتہ ضرورت کے پیش نظر عرفہ اور مزدلفہ میں جمع کر کے بھی نمازوں کو پڑھا ہے اور جب مسافر کسی جگہ چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ کرے تو پھر احتیاط اس میں ہے کہ وہ قصر نہ کرے بلکہ رباعی نمازوں کی چار چار رکعات ہی پڑھے' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے لیکن اگر اقامت چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو پھر قصر کرنا افضل ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

—— شیخ ابن باز ——

متروکہ نمازوں کی جلد قضاء دو

سوال میں نے سعودیہ سے باہر کا سفر کیا اور ایک ایسے ملک میں گیا جو اسلامی ملک نہیں ہے لیکن میری خواہش تھی کہ میں وہاں بھی نماز ادا کرتا رہوں البتہ سعودیہ سے وقت مختلف ہونے کی وجہ سے اور قبلہ رخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میری کئی نمازیں رہ گئیں تو کیا میں ان فوت شدہ نمازوں کو پڑھوں؟

جواب ہاں ان فوت شدہ نمازوں کی جلد قضاء دو کیونکہ جو سبب آپ نے بیان کیا ہے یہ ترک نماز کے لئے جواز نہیں بن سکتا' آپ کے لئے ممکن تھا کہ قبلہ رخ کا اندازے سے یا قبلہ نما سے تعین کر لیتے' وقت کا آپ تقویم سے حساب معلوم کر سکتے تھے' رات دن سے یا گھڑی سے دونوں وقتوں کے فرق کو بھی معلوم کر سکتے تھے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو ان متروکہ نمازوں کی فوراً اور مسلسل قضاء دے لیں خواہ تمام نمازوں کو اکٹھا ایک یا دو گھنٹوں میں ادا کر لیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جب مقیم' مسافر کے پیچھے نماز پڑھے

سوال جب کوئی انسان سفر میں ہو اور وہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنا چاہے اور ایک ایسے شخص کو پائے جس نے نماز ظہر پڑھ لی ہے اور وہ مقیم ہے تو کیا یہ مقیم مسافر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے؟ نیز کیا یہ مسافر کے ساتھ قصر کرے گا یا پوری نماز پڑھے گا؟

جواب جب مقیم مسافر کے پیچھے جماعت کے ثواب کے حصول کی خاطر نماز پڑھے اور وہ اپنی فرض نماز پہلے پڑھ چکا ہو تو وہ مسافر کے ساتھ دو رکعات ہی پڑھے گا کیونکہ مقیم کے لئے یہ نماز نفل ہو گی۔ اور اگر مقیم' مسافر امام کے پیچھے ظہر' عصر یا عشاء کے فرض پڑھے تو پھر اسے چار رکعتیں پڑھنا ہوں گی لہٰذا مسافر امام جب دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے تو اسے دو رکعات اور پڑھ کر اپنی نماز کو مکمل کرنا ہو گا اور اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے فرض نماز ادا کرے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں مسافر کو بھی پوری نماز پڑھنا ہو گی کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ مسافر مقیم امام کے ساتھ چار لیکن اپنے مسافر ساتھیوں کے ساتھ دو رکعات پڑھتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ سنت یہی ہے۔[1] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان باب إقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٤، ٤١١)

"امام تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

سفر میں سنن مؤکدہ

سوال کیا سفر میں سنن مؤکدہ ساقط ہو جاتی ہیں' اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ سفر میں وتر اور صبح کی سنتوں کے سوا دیگر تمام سنن مؤکدہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں وتر اور صبح کی سنتوں کے سوا دیگر سنن مؤکدہ کو ترک فرما دیا کرتے تھے ہاں البتہ نوافل' سفر ہو یا حضر پڑھے جا سکتے ہیں' اسی طرح وہ نمازیں جن کے مخصوص اسباب ہیں' انہیں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً سنت وضو' سنت طواف' نماز ضحیٰ اور رات کی نماز تہجد کیونکہ ان نمازوں کا سفر میں بھی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

—— شیخ ابن باز ——

ہوائی جہاز میں نماز

سوال جب میں ہوائی جہاز میں محو پرواز ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا طیارہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

[1] صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ المسافرین و قصرھا' ح: 687

جواب جب نماز کا وقت ہو جائے اور طیارہ محو پرواز ہو اور کسی ایئرپورٹ پر طیارہ کے اترنے سے قبل نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ نماز کو وقت پر بقدر استطاعت رکوع' سجود اور استقبال قبلہ کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧، ومسند احمد، ٢/ ٢، ٥٠٨)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

اگر یہ معلوم ہو کہ طیارہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے ایئرپورٹ پر اتر جائے گا یا نماز ایسی ہو کہ اسے جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہو مثلاً ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو یکجا کر کے پڑھا جا سکتا ہے اور معلوم ہو کہ طیارہ ان میں سے دوسری نماز کے وقت کے ختم ہونے سے پہلے ایئرپورٹ پر اتر جائے گا اور دونوں نمازوں کے پڑھنے کے لئے کافی وقت مل جائے گا تو پھر بھی جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ انہیں طیارے میں ادا کرنا جائز ہے کہ حکم یہ ہے کہ جونہی نماز کا وقت شروع ہو جائے' مقدور بھر کوشش کے مطابق اسے ادا کیا جائے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور اس مسئلہ میں یہی قول درست ہے۔ (وباللہ التوفیق)

——— فتویٰ کمیٹی ———

سفر میں چار قسم کی رخصت ہے

سوال سفر میں کیا کیا رخصت ہے؟

جواب سفر میں چار قسم کی رخصت ہے:

- چار رکعتوں والی نماز کی صرف دو رکعات ہیں۔
- رمضان کا روزہ نہ رکھا جائے اور پھر ایام سفر کی گنتی کے مطابق روزے بعد میں رکھ لئے جائیں۔
- موزوں پر مسح شروع کرنے کے وقت سے لے کر تین دن اور تین راتوں تک مسح کر لیا جائے۔
- ظہر' مغرب اور عشاء کی سنن مؤکدہ ساقط ہو جاتی ہیں البتہ صبح کی سنتوں اور دیگر نفلوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

یعنی مسافر رات کی نماز' سنت فجر' ضحیٰ کی دو رکعات' سنت وضو' مسجد میں داخل ہونے کے وقت کی دو رکعات اور سفر سے واپسی کے موقعہ کی دو رکعات پڑھ سکتا ہے۔ سنت یہ ہے کہ آدمی جب سفر سے واپس آئے تو گھر میں آنے سے پہلے مسجد میں آئے اور اللہ کے گھر میں دو رکعات پڑھے۔ نماز کے ساتھ مسافر دیگر نوافل تو ادا کر سکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا اس نے ظہر' مغرب اور عشا کی سنن مؤکدہ کو ادا نہیں کرنا کیونکہ نبی ﷺ ان تینوں نمازوں کی سنن مؤکدہ کو ادا نہیں فرمایا کرتے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہوائی جہاز میں نماز

سوال جب طیارہ فضا میں ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا طیارہ میں نماز جائز ہے؟

جواب جب نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو مثلاً یہ کہ صبح کی نماز پڑھنے سے پہلے سورج کے طلوع اور نماز عصر پڑھنے سے پہلے سورج کے غروب ہونے کا اندیشہ ہو تو طیارہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر طیارہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جگہ ہو تو کھڑا ہو کر پڑھے اور رکوع و سجود بھی اسی طرح کرے گویا وہ زمین پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہے اور اگر ایسی کوئی جگہ نہ ہو تو اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لے اور سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ سر جھکائے اور اگر نماز ایسی ہو جسے جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہو تو اسے دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے طیارہ سے اترنے کے بعد پڑھ لے لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ طیارہ کے اترنے سے پہلے دونوں نمازوں کا وقت ختم ہو جائے گا مثلاً ظہر اور عصر کی نماز کے پڑھنے سے پہلے سورج غروب ہو جائے یا مغرب اور عشاء کی نمازوں کے پڑھنے سے پہلے فجر طلوع ہو جائے گی تو پھر ان نمازوں کو مؤخر کرنا جائز نہیں بلکہ ان کو طیارہ کے اندر ہی' خواہ اشارہ کے ساتھ' وقت پر ادا کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا ریاض سے خرج جانا سفر شمار ہو گا؟

سوال کیا ریاض سے خرج تک کے سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے جب کہ ان دونوں شہروں کے مابین قریباً اسی (۸۰) کلو میٹر کا فاصلہ ہے؟

جواب ریاض سے خرج جانا بلاشک و شبہ سفر ہے کیونکہ ان دونوں شہروں کے مابین طویل مسافت ہے اور پھر یہ دونوں شہر الگ اور مستقل ہیں' ان میں سے ایک دوسرے کی طرف منسوب بھی نہیں ہے لیکن اگر یہ آمدورفت صرف اس قدر ہو کہ ضرورت کو پورا کیا اور پھر اسی دن واپسی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اسے سفر شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے لئے سامان سفر تو تیار ہی نہیں کیا گیا جیسا کہ بہت سے لوگ شادی کی تقریب یا کسی دعوت وغیرہ میں شرکت کے لئے جاتے اور اسی دن واپس لوٹ آتے ہیں تو لوگ اسے سفر شمار نہیں کرتے لیکن جو لوگ سفر کا اندازہ مسافت کے ساتھ کرتے ہیں' ان کے نزدیک اگر سفر تراسی (۸۳) کلو میٹر سے زیادہ ہو تو وہ سفر ہے خواہ آدمی اسی دن واپس لوٹ آئے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

وہ مسافت جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے!

سوال کتنی مسافت ہو تو مسافر کے لئے فرض نماز قصر کرنا جائز ہے؟

جواب وہ مسافت جس میں نماز قصر کرنا جائز ہے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ ﴾

(النساء٤/ ١٠١)

"اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو

ایذاء دیں گے۔"

مطلق ہے اور اس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے کہ یہ مسافت طویل ہو یا قصیر لہٰذا بعض اہل علم کا یہ قول ہے کہ ہر وہ مسافت جسے عرف میں سفر کہا جا سکتا ہو اس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے کیونکہ کتاب و سنت میں لفظ ضرب (زمین میں سفر کرنا) مطلقاً استعمال ہوا ہے جب کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی اس طرح حد بندی بھی کی ہے کہ جب مسافت درمیانے درجہ کے دو دن کی ہو یعنی تقریباً اسی (۸۰) کلو میٹر ہو تو پھر قصر کرنی چاہئے لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہے کہ معین مسافت کی حد بندی مقرر نہیں بلکہ جسے عرفاً سفر کہا جائے' اس میں نماز قصر کرنا جائز ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

سفر سے پہلے اپنے ہی شہر میں قصر اور جمع کرنا

سوال کیا مسافر کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے شہر کو چھوڑنے سے پہلے دو نمازوں کو قصر اور جمع کے ساتھ ادا کرے؟

جواب مسافر کے لئے اپنے شہر میں نماز قصر کرنا حلال نہیں ہے بلکہ قصر کے لئے سفر شرط ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔"

اور آدمی زمین میں سفر کرنے والا اسی وقت کہلائے گا جب وہ اپنے شہر سے باہر نکل پڑے گا ہاں البتہ اگر یہ خدشہ ہو کہ سفر میں دوسری نماز کا پڑھنا ممکن نہ ہو گا تو وہ جمع تقدیم کی صورت میں پہلی نماز کے ساتھ پڑھ سکتا ہے' خواہ اپنے شہر ہی میں ہو اور اگر ایسا خدشہ نہ ہو تو پھر جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ابھی تک وہ اپنے شہر میں ہے اور اس نے سفر کا آغاز نہیں کیا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تعلیم کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا

سوال میں اکثر اوقات عصر اور مغرب کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتا ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں برطانیہ میں زیر تعلیم ہوں اور جس یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں وہاں وضو اور نماز کے لئے جگہ کا انتظام نہیں ہے' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ عصر کو مغرب کے ساتھ پڑھ لوں یا عصر کو کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ مؤخر ادا کروں؟

جواب دو نمازوں کو کسی عذر کی وجہ سے ہی جمع کر کے ادا کیا جا سکتا ہے مثلاً یہ کہ موسلا دھار بارش ہو' مسلسل سفر ہو یا شدید مرض ہو لیکن کسی عذر کے بغیر جمع کرنا جائز نہیں اور پھر ظہر و عصر کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں اور مغرب و عشاء کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں جمع تقدیم و تاخیر کی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے' بغیر عذر کے نماز کو اس کے وقت مقررہ سے مؤخر کرنا بھی جائز نہیں اور خصوصاً نماز عصر کو تو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنے کا بطور خاص حکم ہے کہ حدیث میں ہے جس کی نماز عصر فوت ہو گئی' اس کا گویا اہل و مال تباہ ہو گیا۔[1] سائل نے چونکہ ذکر کیا ہے کہ یونیورسٹی میں چونکہ وضو اور نماز کے لئے جگہ کا انتظام نہیں ہے لہٰذا وہ جونہی اپنی کلاس سے فارغ ہو اور عذر ختم ہو جائے' اسے غروب آفتاب سے پہلے پہلے فوراً نماز ادا کرنی چاہئے۔ واللہ الموفق!

شیخ ابن جبرین

مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے تو کیا پھر بھی جمع اور قصر کرے ؟

سوال کیا مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں کے مستقل باشندوں میں سے تو نہ ہو لیکن وہ علاج وغیرہ کی غرض سے وہاں دو یا تین دن کے لئے مقیم ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں کہ نماز کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کرے؟

جواب جب مسافر کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں کسی مقصد کی خاطر اس کا قیام ہو کہ مقصد پورا ہونے کی بعد اس نے واپس لوٹنا ہو تو وہ مسافر ہی ہے۔ عورت نماز کو قصر تو کرے گی لیکن جمع نہیں کرے گی' جمع کر بھی لے تو کوئی حرج نہیں' مرد کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور پوری نماز پڑھنا لازم ہو گا ہاں البتہ اگر جماعت فوت ہو جائے تو پھر وہ دو رکعات پڑھ سکتا ہے خواہ اس کی مدت قیام طویل ہو یا قصیر خواہ وہ ایک ماہ یا دو ماہ یا پانچ ماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت کے لئے قیام کرے بشرطیکہ اس کی اقامت اس طرح کی شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ جونہی اس کی غرض پوری ہو گئی' وہ اپنے وطن واپس لوٹ جائے گا۔

شیخ ابن عثیمین

کیا مدت تعلیم کے دوران قصر اور جمع کیا جا سکتا ہے

سوال میں برطانیہ میں تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں تو کیا مدت تعلیم کے دوران نمازوں کو قصر اور جمع کر کے ادا کر سکتا ہوں؟ اور کیا اس حالت میں رمضان میں بھی قصر اور جمع کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب مسافر کے لئے نماز کو اس صورت میں جمع کرنا جائز ہے جب وہ راستے پر چل رہا ہو اور ہر نماز کے لئے سواری سے اترنا اور پڑاؤ ڈالنا مشکل ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ دو نمازوں میں سے کسی ایک کے وقت میں دونوں کو پڑھ لے لیکن اگر مسافر باقاعدہ اقامت پذیر ہو تو وہ جمع نہیں کرے گا بلکہ اسے ہر نماز وقت پر ادا کرنا پڑے گی خواہ وہ پوری نماز پڑھے یا قصر بشرطیکہ قصر اس کے لئے جائز ہو اور قصر اس مسافر کے لئے جائز ہے جس نے رخت سفر باندھ رکھا ہو خواہ جنگل میں کسی ضرورت کے پیش نظر پڑاؤ ہی کیوں نہ ڈال دیا ہو یا شہر کے ایک کنارہ پر قبہ یا خیمہ لگا کر انتظار میں ہو کہ جوں ہی اس کا کام پورا ہو جائے گا وہ یہاں سے چل پڑے گا لیکن اگر وہ اندرون شہر مقیم ہو گیا ہو اور طویل مدت تک اقامت کا ارادہ کر لیا ہو اور اگرچہ وہ یہاں کا مستقل باشندہ تو نہیں لیکن اس نے سکونت کے لئے یہاں ایک کمرہ یا ایک کشادہ مکان حاصل کر لیا ہو اور اس کے پاس حسب ضرورت ہر طرح کا سامان زیست بھی ہو تو اس حال میں اس کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہیں اور نہ رمضان میں افطار کرنا جائز ہے کیونکہ اس حالت پر سفر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس حالت میں اس کے اور شہر کے مستقل باشندوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اور نماز پوری پڑھنے اور روزہ رکھنے میں اسے کسی مشقت کا بھی سامنا نہیں۔

شیخ ابن جبرین

① سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب وقت العصر' ح: 414- و سنن نسائی' کتاب المواقیت' باب التشدید فی تأخیر العصر' ح: 513-

مریض کی نماز

مریض کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال مریض کس طرح نماز ادا کرے؟

جواب مریض کے لئے واجب ہے کہ:

① فرض نماز کو کھڑا ہو کر ادا کرے خواہ اس کے لئے اسے جھکنا پڑے یا بوقت ضرورت کسی دیوار یا عصا وغیرہ کا سہارا لینا پڑے۔

② اگر مریض کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اور افضل یہ ہے کہ قیام اور رکوع کی حالت میں چوکڑی مار کر بیٹھے۔

③ اگر اسے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو قبلہ رخ لیٹ کر پڑھ لے' دائیں جانب لیٹ کر پڑھنا افضل ہے' اگر قبلہ رخ متوجہ ہونا ممکن نہ ہو تو جس طرف منہ کرنا ممکن ہو' نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح ہو گی اور اعادہ بھی لازم نہ ہو گا۔

④ اگر پہلو کے بل لیٹنا ممکن نہ ہو تو چت لیٹ کر پڑھ لے' دونوں پاؤں قبلہ رخ کرے اور افضل یہ ہے کہ سر تھوڑا سا اونچا کر لے تاکہ وہ قبلہ رخ ہو اور اگر پاؤں کو قبلہ رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جیسے ممکن ہو اس طرح پڑھ لے' اس صورت میں اعادہ بھی لازم نہ ہو گا۔

⑤ مریض کے لئے بھی نماز میں رکوع و سجدہ واجب ہے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سر کے اشارہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرے' سجدہ میں رکوع کی نسبت سر کو زیادہ جھکائے' اگر رکوع ممکن ہو تو رکوع کرے اور سجدہ اشارہ کے ساتھ کرے اور اگر سجدہ ممکن ہو تو سجدہ کرے اور رکوع اشارہ سے کر لے۔

⑥ اگر رکوع و سجود سر کے اشارے سے ممکن نہ ہو تو دونوں آنکھوں سے اشارہ کر لے' رکوع کے لئے آنکھوں کو تھوڑا لیکن سجدہ کے لئے زیادہ بند کر لے۔ بعض مریض جو انگلی سے اشارہ کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے' کتاب و سنت اور اہل علم کے اقوال سے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہو سکی۔

⑦ اگر سر یا آنکھ کے ساتھ اشارہ کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں نماز پڑھ لے' تکبیر کہے اور پڑھے اور رکوع' سجود' قیام اور قعود کی دل میں نیت کر لے۔ ((لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى))

⑧ مریض کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ نماز کو وقت پر ادا کرے اور مقدور بھر کوشش کر کے تمام واجبات کو پورا کرے۔ اگر ہر نماز کو وقت پر ادا کرنا اس کے لئے مشکل ہو تو پھر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھ لے اور جس طرح اس کے لئے آسانی ہو جمع تقدیم یا جمع تاخیر دونوں طرح جائز ہے لیکن فجر کی نماز تنہا پڑھی جائے گی' اسے کسی اگلی یا پچھلی نماز کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قیام کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال ہمارے ہاں ایک مریضہ ہے جس کی کمر ٹوٹی ہوئی ہے اور اس پر پلستر لگایا گیا ہے یہ کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی' ایک مہینے سے یہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہے تو کیا اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب ہاں اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اسے قیام کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ قیام اس کیلئے فرض ہے جسے کھڑا ہونے کی طاقت ہو اور اگر کمر کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ کھڑی نہیں ہو سکتی تو یہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہے اور اگر یہ لاٹھی یا دیوار وغیرہ کے سہارے کھڑی ہو سکتی ہے تو پھر اسے سہارا لے کر کھڑی ہو کر نماز پڑھنی چاہئے۔ ماضی کی وہ تمام نمازیں جو کھڑا نہ ہو سکنے کی وجہ سے اس نے بیٹھ کر پڑھی ہیں' صحیح ہیں' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

«صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ»(صحيح بخاري، كتاب التقصير، باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب، ح:١١١٧، ومسند احمد، ٤/ ٤٢٦)

"کھڑے ہو کر نماز پڑھو' اگر استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

مریض کی جب کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو کس طرح قضاء دے؟

سوال ایک مریض کا آپریشن ہوا جس کی وجہ سے اس کی کئی نمازیں فوت ہو گئیں تو کیا شفایاب ہونے کے بعد وہ ان سب نمازوں کو اکٹھا پڑھ لے یا صبح کی نماز کو صبح کے ساتھ اور ظہر کی نماز کو ظہر کے ساتھ ادا کر لے؟

جواب یہ شخص فوت شدہ تمام نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کر سکتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی غزوۂ خندق کے موقعہ پر جب نماز عصر فوت ہو گئی تو آپ نے اسے مغرب سے پہلے پڑھا تھا[1] لہٰذا جب کسی انسان کی کچھ فرض نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ ان سب کو اکٹھا پڑھے اور مزید مؤخر نہ کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نماز جمعہ و عیدین

خطبۂ جمعہ میں دعاء

سوال ہماری جامع مسجد کا خطیب ہمیشہ آخری خطبہ «اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَکَافَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ» یا کبھی «اَسْئَلُ اللّٰہَ لِیْ

① صحیح بخاری' کتاب المغازی' باب غزوة الخندق وهي الأحزاب' ح: 4111' 4112۔

وَلَكُمُ الْفِرْدَوْسُ الْأَعْلٰى)) کے الفاظ پر ختم کرتا ہے۔ یہ بہت اچھی دعاء ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ہماری دعائیں بھی اسی کے گرد گھومتی ہیں لیکن بعض مقتدی یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا دن بہت عظیم دن ہے اور یہ قبولیت دعاء کا وقت ہے لہٰذا حسب حال دعاء لمبی ہونی چاہئے مثلاً بوقت ضرورت بارش کے لئے دعاء' مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت اور حکمرانوں کے لئے اتباع حق کی دعاء' دشمنوں کے شیرازہ کے منتشر ہونے کی دعاء' الغرض اس طرح کی مناسب حال دعائیں ہونا چاہیں لیکن خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر کسی بھی دعاء کا التزام نہیں فرمایا' اسی طرح خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس موقع پر دعاء ثابت نہیں لہٰذا میں انہیں کے نقش قدم پر چلتا ہوں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض مقتدیوں نے اس مسجد کو چھوڑ کر اپنے گھروں سے دور ایک دوسری مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس مسجد کا امام خطبہ کے اختتام پر بہت سی دعائیں مانگتا ہے اور یہ لوگ اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں۔ گھروں کے قریب اس مسجد کو چھوڑنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ امام دعاء کا التزام نہیں کرتا۔ اس مسئلہ میں دین کا حکم کیا ہے؟ آپ کی نصیحت کیا ہے؟ اور ان دونوں میں سے کس کا موقف مبنی برحق ہے؟

جواب امام کا خطبہ میں مسلمانوں کے لئے دعاء کرنا حکم شریعت ہے' نبی کریم ﷺ بھی دعاء فرمایا کرتے تھے لیکن امام کو چاہئے کہ کسی ایک معین دعاء ہی کا التزام نہ کرے بلکہ حسب حالات مختلف دعائیں مانگے' دعاؤں کی کثرت و قلت کا تعلق حاجت و ضرورت سے ہے۔ نبی کریم ﷺ دعاء کو کبھی دوبار یا تین بار بھی دوہراتے تھے لہٰذا خطیب کو چاہئے کہ اپنے خطبہ میں اور اپنی دعاؤں میں نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرے۔ وباللہ التوفیق ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا یہ شرط ہے کہ خطیب ہی نماز پڑھائے؟

سوال کیا یہ شرط ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ دے' نماز بھی وہی پڑھائے؟

جواب جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ خطیب ہی جمعہ کی نماز پڑھائے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی ایسی دلیل وارد نہیں ہے کہ جس کی پابندی کی جائے ہاں البتہ مالکیہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ شرط قرار دی ہے کہ خطیب ہی نماز جمعہ کی امامت بھی کروائے' ان کی دلیل یہ ہے کہ خطبہ نماز ہی کے ساتھ منسلک ہے لہٰذا کسی عذر کے بغیر' قصد وارادہ سے اسے دو اماموں میں تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

—— فتویٰ کمیٹی ——

خطیب خطبہ جمعہ کے دوران بیمار ہو گیا اور وہ نماز نہ پڑھ سکا

سوال امام صاحب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا لیکن پھر وہ دوسرے خطبہ کے دوران بیمار پڑ گئے' خطبہ مکمل کرنے کے بعد منبر سے نیچے اتر آئے اور شدت مرض کے باعث کھڑے نہ ہو سکے' پھر نماز کے پورا ہونے کے بعد انہیں اس مرض سے افاقہ ہوا تو کیا وہ قضاء کے طور پر نماز ظہر پڑھیں گے یا نماز جمعہ جبکہ انہیں افاقہ ہوا تو ابھی جمعہ کا وقت ختم نہیں ہوا تھا؟

جواب جو شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ کی ایک رکعت نہ پا سکے' اسے نماز ظہر پڑھنا ہو گی کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ما جاء فيمن أدرك من الجمعة ركعة، ح:١١٢٣)

"جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پا لے اس نے نماز جمعہ کو پا لیا"

اور یہ شخص تو امام کے ساتھ نماز جمعہ میں بالکل شریک ہی نہ ہو سکا تھا لہٰذا اسے ظہر کی نماز ادا کرنا ہو گی۔

—— شیخ ابن باز ——

خطبہ کے دوران چھینک کا جواب

سوال جب امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو تو چھینک کا جواب دینا چاہیے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں چھینک کا جواب نہیں دینا چاہیے کیونکہ خطبہ سننے کے لئے خاموش رہنا واجب ہے' جس طرح دوران نماز چھینک کا جواب نہیں دیا جاتا اسی طرح خطبہ کے دوران بھی نہیں دیا جاتا۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جمعہ کے دن کی بعض بدعات

بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے پاس وہ رسالہ آیا' جو جناب عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ ﴾ (النساء٤/ ٦٥)

"تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"

خالد: جمعہ کے دن اذان ظہر سے پہلے جمعہ کے لئے شوق دلانا اور اشعار پڑھنا واجب ہے۔

عمر: مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔

خالد: خطبہ شروع ہونے سے پہلے صمدیہ کی قرأت اور دینی ترتیل واجب و مستحب ہے۔

عمر: اس کا اللہ نے حکم دیا ہے نہ اس کے رسول نے لہٰذا یہ واجب نہیں ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور جب خطیب منبر پر چڑھ جائے تو پھر اذان دی جائے۔

خالد: نماز جمعہ سے فراغت کے بعد دینی درس ایک مستحب چیز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

عمر: رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں اور انہوں نے ساری زندگی ایسا نہیں کیا۔

خالد: نماز جمعہ سے پہلے دو رکعات واجب ہیں' انہیں سنت قبلیہ کہتے ہیں۔

عمر: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں نہیں پڑھا۔

خالد: اذان کے بعد مؤذن کا نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود پڑھنا مستحب ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔
عمر: نہیں یہ جائز نہیں' اسے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسنون قرار نہیں دیا۔
امید ہے آپ صحیح جواب سے تحریری طور پر مطلع فرمائیں گے کہ حکم شریعت کیا ہے؟ (جزاکم اللہ خیر الجزاء)

جواب اولاً: نماز جمعہ کی اذان سے پہلے اشعار پڑھنا شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے جمعہ کے دن کو مخصوص نہ کیا جائے اور یہ تلاوت نہ اذان سے پہلے کی جائے اور نہ نماز کے بعد' صرف جمعہ کے دن تلاوت اسلامی شعار نہیں ہے بلکہ حکم شریعت تو یہ ہے کہ روزانہ تلاوت کی جائے لہذا صرف جمعہ کے دن کی تخصیص بدعت ہے اور سنت سے ثابت یہ ہے کہ صرف اذان پر اکتفاء کیا جائے۔

ثانیاً: قرآن مجید سے صمدیہ وغیرہ کی قرأت یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے دیگر اذکار وغیرہ کا پڑھنا واجب یا مستحب نہیں بلکہ یہ بدعت ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ، فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ...، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام ...، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ثالثاً: جمعہ کے دن نماز ادا کرنے کے بعد علمی مجلس میں درس دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

رابعاً: نماز جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں ہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہیں ہاں البتہ جو شخص جمعہ ادا کرنے کے لئے آئے تو اسے اجازت ہے کہ خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے وہ جس قدر چاہے نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد صرف دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کی اجازت ہے۔

خامساً: نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کی شریعت نے بہت ترغیب دی ہے' اس کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے لیکن سنت یہ ہے کہ اسے مؤذن اذان سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دل میں آہستہ سے پڑھے' بلند آواز سے نہ پڑھے کیونکہ مؤذن کا اس کو اذان سے فراغت کے بعد بلند آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔ جو شخص اذان سنے اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کہتا جائے' جب مؤذن اذان سے فارغ ہو تو سننے والا بھی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے نبی کریم ﷺ کے لئے وسیلہ کا سوال کرتے ہوئے یہ دعاء پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، ح:٦١٤، ٤٧١٩)

"اے اللہ! اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما دے اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے!"

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا عورت کے لئے نماز جمعہ میں حاضر ہونا جائز ہے؟

سوال عورت کے نماز جمعہ ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ عورت مردوں سے پہلے یا بعد میں یا مردوں کے ساتھ ہی نماز جمعہ ادا کرے؟

جواب عورت کے لئے نماز جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر عورت امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے تو اس کی نماز صحیح اور نماز ظہر سے کفایت کرے گی اور اگر عورت گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ظہر کی نماز کے چار فرض ادا کرنا ہوں گے اور وہ نماز وقت شروع ہونے یعنی زوال آفتاب کے بعد ادا کرے گی۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے

سوال جب میں مسجد میں باجماعت نماز جمعہ ادا نہ کرسکوں تو کیا جمعہ کی نیت سے گھر میں دو رکعتیں پڑھوں یا ظہر کی نیت سے چار رکعات؟

جواب جو شخص کسی شرعی عذر مثلاً بیماری وغیرہ یا دیگر اسباب کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا نہ کر سکے تو اسے نماز ظہر پڑھنی چاہئے۔ اسی طرح عورت' مسافر اور بادیہ نشین لوگ بھی نماز ظہر ادا کریں گے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے' اکثر اہل علم کا بھی یہی قول ہے اور ان سے الگ راہ اختیار کرنے والے کا کوئی اعتبار نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

جب ایک آدمی خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ امام اور ہو اور خطیب اور جب کہ امام تو قاری اور قرآن کو ترتیل سے پڑھنے والا ہو لیکن خطیب امام کی طرح قاری نہ ہو؟

جواب سنت یہ ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ بھی وہی پڑھائے' جس نے خطبہ دیا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے اور آپ کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسی کی پابندی کی کہ اپنے عہد میں ان میں سے جب کوئی خطبہ دیتا تو نماز بھی خود ہی پڑھاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب للمسافرين. . . ، ح:٦٣١)

"تم اس طرح نماز پڑھو' جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ»(مسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

"میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔"

لیکن اگر ایک شخص خطبہ دے اور عذر کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا دے تو یہ جائز ہے اور نماز صحیح ہو گی

اور اگر کوئی بغیر عذر کے ایسا کرے تو اگرچہ یہ عمل خلاف سنت ہو گا لیکن نماز صحیح ہو گی۔

فتویٰ کمیٹی

جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت نہیں ہے

سوال کیا جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ»(مسند احمد، ٤/ ١٢٦، ١٢٧)

"تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو' اس سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے نہایت مضبوطی سے تھام لو۔"

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی' جب امام منبر پر بیٹھتا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مدینہ کی آبادی میں اضافہ ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن اذان اول کا حکم دیا لہٰذا یہ بدعت نہیں کیونکہ نبی ﷺ کی اس حدیث میں جو ہم نے ابھی بیان کی ہے' ہمیں خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس مسئلہ میں اصل حدیث وہ ہے جسے امام بخاری' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ اور ابوداؤد ---- اور یہ الفاظ ابوداؤد ہی کی روایت میں ہیں ---- نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ:

«أَخْبَرَنِيْ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ أَنَّ الأَذَانَ كَانَ أَوَّلُهُ حِيْنَ يَجْلِسُ الإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ، ﷺ، وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَتْ خِلَافَةُ عُثْمَانَ وَكَثُرَ النَّاسُ أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالأَذَانِ الثَّالِثِ فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ، فَثَبَتَ الأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الاذان يوم الجمعة، ح:٩١٢، ٩١٣، ٩١٥، ٩١٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، ح:١٠٨٧)

"مجھے سائب بن یزید نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اذان اول اس وقت ہوتی تھی' جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور مدینہ کی آبادی زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان کا حکم دیا جو زوراء میں کہی جاتی تھی' تو اس وقت سے یہی معمول چلا آتا ہے۔"

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا اضافہ کیا' اس سے مراد وہ ہے جو نماز جمعہ کا وقت شروع ہونے پر کہی جاتی ہے' اسے تیسری اذان اس لئے کہا کہ یہ اذان و اقامت سے زائد ایک تیسری اذان تھی اور اس حدیث میں اقامت کو ((تغليبًا)) اذان کہا گیا ہے' جب مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہو گیا (تو جمعہ کے وقت کے قریب ہونے کی اطلاع کے پیش نظر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد سے اس اذان کا اضافہ فرمایا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس پر سکوت فرمایا اور انکار نہ کیا تو یہ گویا اجماع سکوتی ہوا۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

کیا شہر سے باہر کام کرنے والے مزارعین پر بھی جمعہ واجب ہے؟

سوال کچھ لوگ اپنے زراعت کے کام کے لئے شہر سے نکل کر اپنے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں اور کام کی غرض سے ہر سال دو سے چار ماہ تک اپنے کھیتوں ہی میں گزارتے ہیں۔ کام کی اس مدت کے دوران نماز جمعہ کے لئے شہر میں واپس آنا انہیں بہت مشکل ہوتا ہے' تو کیا ان کے لئے جمعہ واجب ہے یا جائز یا ان کے لئے کام کی جگہ پر اقامت جائز نہیں اور ان کے لئے لازم ہے کہ شہر میں جائیں خواہ اس میں تکلیف ہی ہو یا مسافر کی طرح ان سے جمعہ ساقط ہو جائے گا؟ کام کی جگہ اقامت کے دوران کتنی مدت تک ان سے جمعہ ساقط رہے گا؟

جواب اگر ان کھیتوں میں لوگوں کی ایک جماعت مقیم ہو تو ان مقیم لوگوں کی متابعت میں ان پر بھی جمعہ واجب ہو گا اور انہیں چاہئے کہ ان کے ساتھ یا کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ آسانی سے ممکن ہو مل کر نماز جمعہ ادا کریں کیونکہ جمعہ کے وجوب اور اس کے لئے سعی و کوشش کے وجوب کے دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

ان کھیتوں میں کام کرنے والے اگر اپنی بستی یا کسی دوسرے گاؤں کی جو ان کے کھیتوں کے قریب ہو' اذان کی آواز کو سنتے ہوں تو پھر وہاں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ٩)

''مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔''

اور اگر ان کھیتوں میں مقیم لوگ نہ ہوں اور نہ وہ کھیتوں میں بستیوں سے اذان جمعہ کی آواز سنیں تو ان پر جمعہ واجب نہ ہو گا لہٰذا وہ نماز ظہر باجماعت ادا کر لیں۔

نبی کریم ﷺ کے عہد میں مدینہ کے گرد قبائل بھی تھے اور نواح میں کھیت بھی لیکن آپ نے انہیں حکم نہیں دیا کہ وہ نماز جمعہ کے لئے سعی و کوشش کریں' اگر آپ نے انہیں کوئی ایسا حکم دیا ہوتا تو یقیناً منقول ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ مشقت کی وجہ سے ایسے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

عید' جمعہ کے دن میں

سوال ایک ہی دن میں دو عیدیں یعنی جمعہ اور عیدالاضحیٰ یکجا ہو گئیں تو اس صورت میں صحیح بات کیا ہے کہ جب ہم جمعہ نہ پڑھیں تو کیا ظہر پڑھیں یا جمعہ نہ پڑھنے سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

جواب جو شخص جمعہ کے دن نماز عید پڑھ لے تو اسے رخصت ہے کہ جمعہ نہ پڑھے البتہ امام کے لئے جمعہ کے لئے حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ مسجد میں آنے والوں اور عید نہ پڑھ سکنے والوں کو وہ جمعہ پڑھا دے اور اگر جمعہ پڑھنے کے لئے کوئی بھی نہ آئے تو جمعہ کا وجوب ساقط ہو جائے گا اور امام کو نماز ظہر پڑھنی ہو گی۔ استدلال سنن ابی داؤد کی اس روایت

سے ہے جو ایاس بن ابی رملہ شامی سے مروی ہے کہ میں معاویہ بن ابی سفیان کے پاس موجود تھا کہ انہوں نے زید بن ارقم سے پوچھا "کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا کبھی ایسا موقعہ ملا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہوں؟" تو انہوں نے کہا "جی ہاں" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تو پھر آپ ﷺ نے اس دن کس طرح عمل کیا؟" انہوں نے کہا کہ:

«صَلَّى الْعِيْدَ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، ح:١٠٧٠)

"آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ کے لئے رخصت دے دی اور فرمایا کہ جو شخص پڑھنا چاہے' وہ پڑھ لے۔"

ابوداؤد نے سنن ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّا مُجَمِّعُوْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، ح:١٠٧٣)

"آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئیں ہیں' جو شخص چاہے تو اس کے لئے عید ہی جمعہ سے کافی ہو گی لیکن ہم جمعہ بھی پڑھیں گے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے نماز عید پڑھ لی ہو' اس کے لئے جمعہ پڑھنے کی رخصت ہے لیکن امام کے لئے رخصت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

«وَإِنَّا مُجَمِّعُوْنَ»

"ہم جمعہ بھی پڑھیں گے۔"

اور حضرت لغمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلاَةِ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدِ بِسَبِّحِ وَالْغَاشِيَةِ، وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ فَقَرَأَ بِهِمَا فِيْهِمَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، ح:٨٧٨)

نبی کریم ﷺ نماز جمعہ وعید میں ((الاعلیٰ)) اور ((غاشیۃ)) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جائے تو پھر آپ ﷺ دونوں نمازوں ہی میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔"

جو شخص نماز عید تو پڑھے لیکن جمعہ نہ پڑھے تو اسے نماز ظہر پڑھنا ہو گی جیسا کہ ان دلائل کے عموم سے ثابت ہے' جن میں یہ ہے کہ جو شخص نماز جمعہ نہ پڑھ سکے وہ نماز ظہر پڑھے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے

سوال جب جمعہ فوت ہو جائے تو کیا انسان دو رکعتیں پڑھے؟

جواب جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ جماعت کے ساتھ -- اگر ممکن ہو -- ظہر کی چار رکعات ادا کر لے اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو انفرادی طور پر نماز ظہر پڑھ لے' یہی بات صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا خَطَبَ النَّاسَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِعَرَفَاتٍ وَكَانَ وُقُوفُهُ يَوْمَ جُمُعَةٍ ـ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى النَّبِيُّ، ﷺ الظُّهْرَ بِأَصْحَابِهِ، ثُمَّ أَقَامَ الْمُؤَذِّنُ فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ، بِهِمُ الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا»

"نبی کریم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا --آپ کا وقوف جمعہ کے دن تھا-- تو موذن نے اذان دی' پھر اقامت کہی اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ظہر ادا فرمائی' پھر موذن نے اقامت کہی اور آپ نے نماز عصر پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان نوافل وغیرہ نہیں پڑھے تھے۔"

اس مسئلہ سے متعلق دیگر دلائل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مسافر کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے

سوال جب سفر میں نماز جمعہ فوت ہو جائے تو کیا مسافر جمعہ کی دو رکعات پڑھے یا ظہر کی چار رکعتیں پڑھے؟

جواب جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ جو شخص نماز جمعہ باجماعت ادا نہ کر سکے' تو وہ ظہر کی نماز پڑھے اور اگر ایسا مسافر ہو کہ اس کے لئے قصر کی رخصت ہو تو وہ ظہر کی نیت سے دو رکعتیں پڑھے اور قرأت سری کرے گا اور اگر مقیم ہو تو ظہر کی نیت کے ساتھ چار رکعات سری قرأت کے ساتھ پڑھے گا۔ بعض اہل علم کی رائے اس کے مخالف ہے لیکن صحیح قول جمہور ہی کا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر جمعہ کے دن عرفہ میں وقوف فرمایا تو لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اور جمعہ نہیں پڑھایا تھا اور آپ نے بادیہ نشیں لوگوں کو بھی جمعہ کا حکم نہیں دیا۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

بیرون ملک مقیم شخص دو سال سے جمعہ نہیں پڑھ رہا

سوال ایک شخص کہتا ہے کہ وہ دو سال سے ریاست ہائے متحدہ میں تعلیم کے لئے مقیم ہے' وہاں مسجدیں نہیں ہیں لہٰذا وہ دو سال سے نماز جمعہ نہیں پڑھ رہا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو تعلیم کے لئے کسی ملک میں بھیجا گیا ہو' وہ مقیم ہی کے حکم میں ہے اور اگر وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت مقیم ہو تو ان کے ساتھ مل کر جمعہ ادا کرنا اس کے لئے لازم ہے لہٰذا اگر تمہاری تعداد تین یا اس سے زیادہ ہو تو کسی گھر یا باغیچہ وغیرہ میں جمعہ پڑھ لو' تم میں سے کوئی شخص اذان دے اور جو قرآن مجید زیادہ جانتا ہو وہ خطبہ و امامت کے فرائض انجام

دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾ (الجمعة٦٢/ ٩)

"مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔"

نبی کریم ﷺ نے تو نماز جمعہ کے لئے کسی عدد معین کی شرط بیان نہیں فرمائی لیکن آپ کی سنت اور اہل علم کے اجماع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے (اور تعداد دو سے زیادہ ہو تو اسے جماعت کہتے ہیں) اور پھر اقامت جمعہ میں مقیم لوگوں اور عام مسلمانوں کے لئے بہت سی مصلحتیں بھی ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جمعہ کے دن سیروسیاحت

سوال بعض لوگ جنگل یا سمندر کی طرف جمعہ کے دن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں سیروسیاحت کے لئے جمعہ کے دن ہی وقت ملتا ہے؟

جواب اس سیروسیاحت میں اگر وہ نماز جمعہ بھی ادا کرلیں تو پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس سیروسیاحت کی وجہ سے نماز جمعہ ضائع ہوتی ہو تو پھر یہ سیروسیاحت جائز نہیں کیونکہ اس سے فرض کا ضیاع لازم آتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز جمعہ کے بعد کی سنتیں

سوال رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا نماز جمعہ کے بعد بھی کچھ رکعتیں پڑھتے تھے یا نہیں؟ جمعہ کے بعد نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس سے پہلے بھی فتویٰ کمیٹی کو اسی طرح کا ایک سوال موصول ہوا تھا جس کا کمیٹی نے حسب ذیل جواب دیا تھا:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا»(مسلم، الجمعة، باب الصلاة ح:٨٨١)

"جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو وہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں بھی پڑھے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ لاَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ»

(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح:٨٨٢)

"نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔"

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ نمازی مسجد میں پڑھے تو چار رکعات اور اگر گھر میں پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے اور ایک دوسری تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ جمعہ کے بعد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار ہیں' خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں۔

فتویٰ کمیٹی

جمعہ کی نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور انسان کی تلاوت

سوال کیا یہ جائز ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں ہمیشہ سورۂ سجدہ اور سورۂ انسان (سورۂ دہر) کی تلاوت کی جائے؟

جواب جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور انسان (دہر) کی تلاوت ثابت ہے اور ان سورتوں کو ہمیشہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ لوگ سمجھیں گے کہ ان سورتوں کو پڑھنا واجب ہے تو پھر ان کو کبھی کبھی چھوڑ دیا جائے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز جمعہ ہر نیک و بد کے ساتھ واجب ہے

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے' جو جمعہ نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے کسی امام عادل ہی کے پیچھے ادا کیا جائے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر نماز جمعہ ادا کرنا واجب قرار دیا ہے' جب کہ وہ ایک جگہ سکونت پذیر ہوں' خواہ ان کی یہ سکونت بڑے شہروں میں ہو یا چھوٹے دیہاتوں میں' لیکن اہل علم کا اس تعداد کے بارے میں اختلاف ہے' جو نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اور اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں اور ان میں سے سب سے راجح قول یہ ہے کہ جب نمازیوں کی تعداد تین یا اس سے زیادہ ہو تو جمعہ ادا کیا جائے' نمازیوں کی تعداد کے اس سے زیادہ ہونے کے بارے میں کوئی شرط نہیں ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ یہ بھی جمعہ کے لئے شرط نہیں ہے کہ امام عادل اور معصوم کی اقتداء میں ادا کیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ ہر نیک و بد کے ساتھ ادا کیا جائے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اس کا گناہ ایسا نہ ہو جو اسے دائرہ اسلام ہی سے خارج کر دینے والا ہو' تو اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں کا نماز جمعہ اس لئے ادا نہ کرنا کہ امام عادل و معصوم نہیں ہے' یہ بدعت ہے اور ایک ایسی شرط ہے کہ شریعت مطہرہ میں جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح بعض اہل علم جو یہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کو صرف بڑے بڑے شہروں میں ادا کیا جائے اور چھوٹے دیہاتوں میں ادا نہ کیا جائے تو یہ قول بھی سخت ضعیف ہے اور شریعت مطہرہ میں اس کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن آپ سے بھی یہ قول صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں نے یہاں نماز جمعہ ادا کرنے کا اہتمام کیا حالانکہ ان دنوں مدینہ ایک بڑا شہر نہیں بلکہ ایک بستی شمار ہوتا تھا اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے آئے تو آپ نے بھی جمعہ کا اہتمام فرمایا اور تاحیات یہاں باقاعدگی سے نماز جمعہ ادا فرماتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین کی ایک بستی جوانی میں بھی جمعہ ادا کیا جاتا تھا اور آپ نے کبھی اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شہر ہوں یا دیہات نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے تا کہ کتاب و سنت کے شرعی دلائل پر عمل ہو سکے' وہ عظیم مصلحتیں حاصل ہو سکیں جو نماز جمعہ ادا کرنے سے مقصود ہیں' جن میں سے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو خیرو بھلائی کے لئے جمع کیا جائے اور وہ وعظ و نصیحت کی جائے اور تعلیم دی

جائے' جو ان کے لئے منفعت بخش ہو' آپس میں باہمی تعارف ہو اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون بھی ہو' علاوہ ازیں اس عبادت کے ادا کرنے میں اور بھی بہت بڑی بڑی مصلحتیں ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت سے بھی کم پایا تو اس کا جمعہ فوت ہو گیا

سوال میں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں بہت دیر سے گیا اور میں نے فقط التحیات کو پایا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد میں نے فوت شدہ نماز کی تکمیل کر لی تو کیا میری یہ نماز کامل اور صحیح ہے؟

جواب جس نے نماز جمعہ میں ایک رکعت سے کم حصہ پایا' اس کا جمعہ فوت ہو گیا للذا اسے ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شامل ہو تو اسے نماز ظہر کی نیت کے ساتھ شامل ہونا چاہئے اور اگر وہ جمعہ سمجھ کر شامل ہوا اور اس نے صرف دو رکعتیں پڑھیں تو اس کی نماز نہیں ہو گی للذا اسے ظہر کی نماز دوبارہ پڑھنی ہو گی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اور سورۂ کہف کی تلاوت

سوال کیا جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی کوئی خاص فضیلت ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اذان اول اور اقامت کے درمیان ہوتی ہے؟

جواب جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث آئی ہے جسے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ذکر فرمایا ہے' لیکن حدیث میں ضعف ہے۔ بہت سے فقہاء نے اس سورت کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا اور اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرمایا ہے۔

جمعہ کے دن قبولیت دعاء والی گھڑی کے بارے میں یہ احادیث سے ثابت ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد آخری گھڑی ہے اور یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ یہ گھڑی منبر پر امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ اس کے علاوہ اس گھڑی کے بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں' اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا سارا دن خوب کوشش کر کے دعاء میں بسر کرے تاکہ اس گھڑی کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جمعہ کے دن غسل سنت مؤکدہ ہے

سوال کیا جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا مستحب؟

جواب جمعہ کے دن غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَأَنْ يَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ»(صحيح بخاري، كتاب

الجمعة، باب الطيب للجمعة، ح: ۸۸۰ وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، ح: ۸٤٦)

"جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے نیز یہ کہ وہ مسواک کرے اور خوشبو استعمال کرے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتَّى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَعَهُ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى وَفَضْلِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ۸۵۷)

"جس نے غسل کیا اور پھر جمعہ پڑھنے آیا' توفیق کے مطابق نماز پڑھی' پھر خاموش رہا حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے' پھر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کے لئے (اس) جمعہ سے لے کر (آنے والے) جمعہ تک بلکہ تین دن مزید تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ۸۵۷)

"جس نے وضوء کیا اور خوب اچھی طرح وضوء کیا' پھر جمعہ پڑھنے آیا اور خاموش ہو کر خطبہ سنا تو اس کے لئے جمعہ سے جمعہ تک اور تین دن زیادہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس نے (جمعہ کے دوران) کنکری کو بھی چھوا اس نے لغو کام کیا۔" (اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں)

حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ:

«وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»

"جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔"

تو اس کے معنی اکثر اہل علم کے نزدیک یہ ہیں کہ اس کی بہت تاکید ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے عرب کہتے ہیں کہ:

"وعدہ قرض ہے اور آپ کا حق مجھ پر واجب ہے۔"

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء بھی کافی ہے' اسی طرح جمعہ کے دن خوشبو لگانا' مسواک کرنا' اچھے کپڑے پہننا اور جمعہ کے لئے جلدی جانا ان امور میں سے ہے' جن کی ترغیب دی گئی ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اس شخص کی نماز جمعہ جو مسافر کے حکم میں ہو

سوال کیا ہمارے لئے یہاں ہسپانیہ میں نماز جمعہ فرض ہے جبکہ یہاں کوئی مسجد نہیں ہے اور ہم لوگ یہاں علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں؟

جواب اہل علم نے صراحت کی ہے کہ آپ جیسے لوگوں کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ اگر آپ لوگ جمعہ پڑھ بھی لیں تو اس کی صحت محل نظر ہے۔ آپ کے لئے نماز ظہر واجب ہے کیونکہ آپ کی مسافروں اور بادیہ نشین لوگوں سے مشابہت ہے اور جمعہ تو ان لوگوں پر واجب ہے جو کسی علاقے کے مستقل رہنے والے ہوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسافروں اور بادیہ نشین لوگوں کو جمعہ کا حکم نہیں دیا اور نبی ﷺ نے اپنے سفروں میں خود بھی جمعہ کا اہتمام نہیں فرمایا' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی حالت سفر میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ میں جمعہ نہیں پڑھا تھا بلکہ جمعہ کے دن نماز ظہر ادا فرمائی تھی۔ آپ نے حاجیوں کو بھی جمعہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ وہ مسافروں کے حکم میں تھے۔ الحمدللہ! اہل اسلام میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں البتہ بعض تابعین سے جو اختلاف منقول ہے تو وہ شاذ اور ناقابل التفات ہے۔ ہاں البتہ آپ وہاں کے مسلمان مقیم لوگوں کو جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھیں تو پھر آپ جیسے لوگوں کو جو اس ملک میں عارضی طور پر تعلیم یا تجارت وغیرہ کی غرض سے مقیم ہیں' چاہئے کہ جمعہ پڑھنے کے اجروثواب کے حصول کے لئے ان کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کر لیں۔

——— شیخ ابن باز ———

جمعہ کے دن خطبہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو جمعہ کے دن اس وقت غیر شعوری طور پر بات کرے' جب خطیب خطبہ دے رہا ہو؟ مثلاً کسی دوست نے سلام کہا تو جواب میں سلام علیک کہہ دیا' دیکھا کہ قریب ہی بچے باتیں کر رہے ہیں تو ان سے کہہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ؟

جواب جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ دے رہا ہو' خطیب کو سننے اور خطبہ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہونا ضروری اور اس وقت کلام کرنا حرام ہے خواہ یہ کلام امربالمعروف ہی کے لئے کیوں نہ ہو' نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، ح:٩٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الانصات يوم الجمعة في الخطبة، ح: ٨٥١)

"جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اور تم اپنے ساتھی سے یہ کہو کہ خاموش ہو جاؤ تو یہ بھی تم نے لغو کام کیا۔"

فضول کام کرنا' زمین یا دری اور چٹائی وغیرہ کو اس وقت درست کرنا بھی حرام ہے' حدیث میں آیا ہے:

«وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح:٨٥٧)

"جس نے کنکری کو چھوا اس نے بھی لغو کام کیا۔"

لیکن امام مستثنیٰ ہے' اس کے لئے یہ جائز ہے کہ جمعہ کے لئے آنے والوں سے بات کرے یا جمعہ پڑھنے والوں میں سے کوئی بوقت ضرورت امام سے بات کرے۔ امام کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے بات کرنا یا کسی دوسرے سے مخاطب ہونا جائز نہیں۔ اگر کوئی تمہیں سلام کرے تو اس کے سلام کا اشارہ سے جواب دو' اسی طرح بچوں کو بھی اشارہ سے خاموش کراؤ' بات نہ کرو۔ اگر کوئی شخص ازراہ جہالت بات کرے' تو وہ معذور ہے اور اگر کوئی مذکورہ وعید کو جانتے ہوئے دانستہ بات کرے' تو وہ خطاکار ہے لیکن اسے یہ حکم نہیں کہ وہ نماز کو دوہرائے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جمعہ کے دن سپیکر پر قرآن مجید کی تلاوت

سوال بہت سے اسلامی ممالک میں جمعہ کی نماز سے پہلے بعض مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہمیں کتاب و سنت اور صحابہ کرام و سلف صالح رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا لہٰذا اس طریقہ کو بدعت ہی قرار دیا جائے گا اور پھر اس سے مسجدوں میں نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصلی اللّٰہ علی نبینا محمدٍ وآلہ وصحبہ

—— شیخ ابن باز ——

تشہد میں امام کے ساتھ ملنا

سوال جب میں مسجد میں جاؤں اور امام نماز جمعہ میں حالت تشہد میں ہو تو کیا میں جمعہ کی نماز پڑھوں یا ظہر کی؟

جواب جب کوئی شخص نماز جمعہ میں سجدہ یا تشہد میں آکر ملے تو اسے جمعہ کے بجائے نماز ظہر پڑھنا ہوگی کیونکہ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ایک رکعت ضرور پالے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلاَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلاة، ح:٦٠٧)

"جس نے نماز کی ایک رکعت پالی' اس نے نماز کو پالیا۔"

اور اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرٰى وَقَدْ تَمَّتْ صَلاَتُهُ»(سنن الدارقطني ٢/١٠، ١١، ١٣)

"جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی ملالے' اس کی نماز ہوگئی۔"

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت بھی نہ پاسکے اس کا جمعہ فوت ہوگیا لہٰذا اسے ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

خطبۂ جمعہ کا غیر عربی زبان میں ترجمہ

سوال ہمارے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خطبۂ جمعہ کا ہماری ملکی زبان میں ترجمہ جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اسے جائز بتاتے ہیں اور کچھ ناجائز تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ افیدونا افادکم اللہ

جواب علماء کرام رحمہم اللہ کا جمعہ وعیدین کے خطبوں کے عجمی زبانوں میں ترجموں کے بارے میں اختلاف ہے' اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ممنوع ہے اور انہوں نے اسے ممنوع اس لئے قرار دیا ہے تاکہ عربی زبان باقی رہے' اس کی حفاظت ہو سکے اور رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق خطبے عربی میں دیئے جائیں خواہ عجمی ممالک ہوں یا غیر عجمی اور پھر عربی زبان میں خطبہ دینے سے لوگوں میں عربی زبان سیکھنے کا شوق بھی پیدا ہو گا۔

دیگر اہل علم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خطبوں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی جائز ہے جب کہ سامعین یا ان کی اکثریت عربی زبان نہ جانتی ہو تاکہ وہ مقصود حاصل ہو سکے جس کے لئے جمعہ کا حکم ہے اور وہ یہ کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت کے اوامر اور نواہی کو پہنچا دیا جائے' اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ کی تلقین کی جائے اور ان کی خلاف ورزی سے بچنے کی تنبیہ کی جائے اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ الفاظ و رسوم کی پابندی کی بجائے معانی و مقاصد کی پابندی زیادہ افضل اور زیادہ واجب ہے خصوصاً جب کہ سامعین عربی زبان کا اہتمام کرنے والے نہ ہوں اور خطیب کا عربی میں خطبہ بھی ان میں عربی زبان کے سیکھنے کا شوق پیدا نہ کرے تو اس سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور عربی زبان میں خطبہ کے بقاء کا مطلوب حاصل نہ ہو گا تو اس سے غور کرنے والے کے سامنے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سامعین میں مروج ان زبانوں میں خطبہ جن کو وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ معنی و مراد کو سمجھ جاتے ہوں' زیادہ موزوں اور لائق اتباع ہے خصوصاً جب کہ ترجمہ نہ کرنے سے نزاع اور جھگڑے کے پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات میں حصول مصلحت اور دفع مفسدت کے لئے ترجمہ ضروری ہے۔

اگر سامعین میں کچھ لوگ عربی جاننے والے بھی ہوں تو پھر خطیب کے لئے موزوں یہ ہے کہ وہ دونوں زبانوں کو استعمال کرے' خطبہ عربی زبان میں دے اور پھر دوسری زبان میں جسے سامعین سمجھتے ہوں دوہرائے' اس سے دونوں مصلحتیں جمع ہو جائیں گی' ہر طرح کی مضرت کی نفی ہو جائے گی اور سامعین میں ہر طرح کا نزاع بھی ختم ہو جائے گا۔ شریعت مطہرہ کے بہت سے دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے' ان میں سے ایک دلیل تو یہی ہے جو بیان کی جا چکی ہے کہ خطبہ سے مقصود سامعین کو نفع پہنچانا' اللہ تعالیٰ کے حقوق یاد دلانا' اس کی طرف دعوت دینا اور انہیں ان امور کے ارتکاب سے ڈرانا ہے' جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں ایسی زبان استعمال کی جائے' جسے سامعین سمجھتے ہوں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو ان کی قوموں کی زبانوں کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کی زبانوں میں ان تک اللہ تعالیٰ کی مراد کو پہنچا دیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ﴾ (ابراھیم ۱۴/ ۴)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر (وہ) اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتا

دے۔"

نیز فرمایا:

﴿ كِتَـٰبٌ أَنزَلْنَـٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ ٱلنَّاسَ مِنَ ٱلظُّلُمَـٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَمِيدِ ﴿١﴾ ﴾ (ابراھیم۱۴/ ۱)

"(یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں (یعنی) ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف (اللہ) کے راستے کی طرف۔"

اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی مراد کو جانیں گے ہی نہیں تو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانا کس طرح ممکن ہو گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں کہ مراد الٰہی کو سمجھانے کے لئے اس کا لوگوں کی ان زبانوں میں ترجمہ کیا جائے جنہیں وہ سمجھتے ہوں اور اگر ان کے لئے اصل زبان شریعت کو سمجھنا آسان نہ ہو تو ضروری ہے کہ ان کے سامنے ان کی اپنی زبان میں یہ وضاحت کر دی جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ان پر کیا کیا حق ہے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ یہودیوں کی زبان سیکھ لیں تاکہ آپ ان کی زبان میں ان سے خط وکتابت کر کے ان پر حجت تمام کر دیں اور اگر ان کی طرف سے خطوط آئیں تو وہ انہیں پڑھ کر آپ کو سنا سکیں اور ان کے مقصود کو آپ کی خدمت میں پہنچا سکیں۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بلاد عجم فارس و روم سے جہاد کیا تو اس وقت تک لڑائی نہ کی جب تک مترجمین کے واسطہ سے انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لی اور جب انہوں نے عجمی ملکوں کو فتح کر لیا تو انہوں نے لوگوں کو عربی زبان میں دعوت الی اللہ دی' لوگوں کو عربی زبان سیکھنے کا حکم دیا' جو عربی زبان نہ سیکھ سکا' اسے اسی کی زبان میں دعوت دی اور اس تک اس زبان میں دین کے پیغام کو پہنچا دیا جسے وہ سمجھتا تھا' اس سے حجت تمام ہو گئی اور معذرت ختم ہو گئی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ترجمہ کی راہ کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں خصوصاً اس آخری دور میں' اس غربت اسلام کے عہد میں' جب کہ ہر قوم نے اپنی ہی زبان کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے تو آج ترجمہ کی ضرورت اور اہمیت بہت بڑھ چکی ہے اور اس کے بغیر داعی دعوت کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مسلمانوں کو ----- خواہ وہ کہیں بھی ہوں ----- یہ توفیق بخشے کہ وہ اپنے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں' شریعت کو مضبوطی سے تھام کر استقامت کا مظاہرہ کریں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں کی بھی اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے' اپنے دین کو فتح و نصرت سے نوازے اور اپنے دشمنوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کرے۔ انہ جواد کریم۔

—— شیخ ابن باز ——

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد

سوال میرے اور بعض نمازی بھائیوں کے درمیان اس مسئلہ میں جھگڑا پیدا ہو گیا کہ جب انسان مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم فتویٰ

دیں کیا اس حالت میں دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے مذکورہ نمازی جنہوں نے مجھ سے اختلاف کیا وہ مالکی یعنی امام مالک کے مذہب کے مقلد ہیں۔

جواب سنت یہ ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھے' خواہ امام خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو' کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين ....، ح:٧١٤)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔"

نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب التحية، والامام يخطب، ح:٨٧٥)

"جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بھی دو رکعتیں پڑھے اور انہیں مختصر طور پر پڑھے۔"

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص صریح ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے۔ شاید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک یہ سنت نہ پہنچی ہو' اگر ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے بوقت خطبہ ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے' لیکن جب صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے تو پھر کسی بھی شخص کے قول کی وجہ سے خواہ وہ کوئی بھی ہو' اس سنت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں' ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ﴾ (الشورى٤٢/ ١٠)

"اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہو گا)"

اور یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ عزوجل ہی کا حکم ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ﴾ (النساء٤/ ٨٠)

"جو شخص رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔"

——— شیخ ابن باز ———

کیا جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟

سوال میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ اقامت جمعہ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ چالیس ایسے آدمی ہوں جن پر نماز واجب ہو لیکن "الدعوۃ" میں سماحۃ الشیخ کا یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ امام کے ساتھ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جمعہ قائم کیا جائے گا' تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کس طرح ہو گی؟

جواب اہل علم کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ چالیس آدمیوں سے کم کے ساتھ بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے اور کم از کم تعداد تین ہے جس طرح کہ اس فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے جس کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ چالیس کے عدد کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ حدیث جس میں چالیس آدمیوں کی شرط کا ذکر ہے' وہ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "بلوغ المرام" میں ذکر فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جمعہ کے لئے نمازیوں کی تعداد

سوال نماز جمعہ اور اقامت خطبہ کے لئے نمازیوں کی کم از کم کتنی تعداد شرط ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں بہت اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اگر امام اور اس کے ساتھ دو مقتدی یعنی کل تین نمازی ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی بستی میں تین مکلف' آزاد اور مقیم مرد ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں اور نماز ظہر نہ پڑھیں کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت کے دلائل کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ آدمی ہوں تو ان کے لئے نماز جمعہ ادا کرنا فرض ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

عید کے دو خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

سوال کیا عید کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے؟

جواب نماز عید کے بعد دو خطبے سنت ہیں کیونکہ نسائی' ابن ماجہ اور ابوداؤد نے عطاء سے اور انہوں نے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز عید میں حاضر تھا' جب آپ نے نماز ادا فرمالی تو فرمایا:

«إِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ»

(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الجلوس للخطبة، ح:١١٥٥)

"اب ہم خطبہ دیں گے' جو خطبہ سننے کے لئے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔"

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نیل" میں لکھا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ سنت ہے' اگر خطبہ واجب ہوتا تو اس کے لئے بیٹھنا بھی واجب ہوتا۔"

جو شخص عید میں دو خطبے دینا چاہے تو اس کے لئے طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ پر قیاس کی بنیاد پر وہ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے عبیداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام عید میں دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فرق کرے۔ بعض اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ نماز عید کے لئے صرف ایک ہی خطبہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح احادیث میں صرف ایک ہی خطبہ کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

جنگلوں میں اور سفر میں نماز عید

سوال ایک دفعہ مجھے دیہاتی علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اتفاق سے یہ عیدالاضحیٰ کا دن تھا تو میں نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں قبروں کی زیارت کے لئے قبرستان گئے' مجھے اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ عید کی صبح ہر وہ شخص جس نے نماز پڑھی' وہ قبرستان میں بھی ضرور گیا! ان کے آگے جوانی اور بڑھاپے کی عمر کے درمیان کا ایک آدمی تھا جس نے سب کو نماز پڑھائی اور میں حیرت و تعجب سے یہ سارا منظر دیکھتا رہا اور میں نے ان کے ساتھ یہ نماز نہ پڑھی' جسے وہ نماز عید کے نام سے موسوم کر رہے تھے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس نماز کے بارے میں حکم اسلام کیا ہے؟ یہ دیہاتی لوگ جن کا میں تذکرہ کر رہا ہوں' ان کے ہاں کوئی جامع یا غیر جامع مسجد بھی نہ تھی کیونکہ یہ تو خیموں میں رہتے ہیں' جو ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ (میرے یہ کہنے کا مقصد کہ انہوں نے قبرستان میں نماز پڑھی یہ ہے کہ انہوں نے قبرستان کے قریب نماز پڑھی لیکن قبروں سے وہ لوگ بہت دور تھے۔)

جواب نماز عید شہروں اور بستیوں میں تو ادا کی جاتی ہے لیکن جنگلوں اور سفر میں اسے قائم کرنے کا حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے اور یہ ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی سفر میں یا جنگل میں نماز عید ادا کی ہو۔

نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ میں نماز جمعہ نہیں پڑھی' اسی طرح آپ ﷺ نے منیٰ میں نماز عید بھی نہیں پڑھی اور ہر طرح کی خیروسعادت آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع ہی میں مضمر ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

خوف کی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا

سوال ایک شخص کی نماز جمعہ کے وقت ایک ادارے کے سامان کی حفاظت کے لئے بطور چوکیدار ڈیوٹی ہے اور وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر وہ نماز کے لئے گیا تو سامان چوری ہو جائے گا' تو کیا اس سے نماز جمعہ ساقط ہو جائے گی؟

جواب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جمعہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ سامان کی چوری کا خوف یقینی ہو اور یہ ممکن نہ ہو کہ سامان کو مضبوط عمارت کے اندر رکھ کر حفاظت کے لئے تالا لگا دیا جائے اور اس علاقے میں ایسے چور اور اچکے موجود

ہوں جو نماز جمعہ پڑھنے کی بجائے لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر سامان اٹھا لیتے اور غیر محفوظ جگہ پر پڑے ہوئے سازوسامان کو چرا لیتے ہوں اور اگر چوری کا اندیشہ حقیقی نہ ہو بلکہ یہ صرف وہم کی کرشمہ سازی ہو تو اس سے کسی سے بھی جمعہ ساقط نہ ہو گا اور جب خوف کا اندیشہ یقینی ہو تو اس صورت میں سامان کے پاس ایک آدمی یا اتنے آدمی رہ جائیں جو بقدر ضرورت ہوں اور پھر دیگر چوکیداروں وغیرہ کی آمد کے بعد یہ نماز ظہر پڑھ لیں۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

یہ ترک جمعہ کے لئے عذر نہیں

سوال ایک حادثہ کی وجہ سے میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی، جس کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے میں اپنے پاؤں کو سیدھا کھڑا نہیں کر سکتا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وجہ سے نمازیوں کو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں جمعہ کی نماز گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ ادا کر لوں؟

جواب شرعاً منصوص علیہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر اس مسلمان کے لئے مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا فرض عین ہے، جس میں جمعہ کی شرطیں موجود ہوں لہٰذا جمعہ صرف اسی صورت میں ساقط ہو گا، جب ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو گی۔ سائل جب اقرار کر رہا ہے کہ وہ بالفعل نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے اور اب صرف اس وجہ سے ترک کرنا چاہتا ہے کہ بعض نمازی اس کے پاؤں کھڑا نہ کر سکنے اور مجبوراً اسے پھیلا دینے کی وجہ سے تنگی محسوس کرتے ہیں، تو یہ کوئی ایسا عذر نہیں، جس کی وجہ سے وہ نماز جمعہ کو ترک کر دے، جب کہ بالفعل اسے نماز جمعہ ادا کرنے کی قدرت حاصل ہے اور مذکورہ بالا معذوری کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صفوں کے پیچھے تنہا ایک مستقل صف میں یا کسی صف کے آخری کنارہ پر کسی بھی دوسری ایسی صورت کو اختیار کر کے کھڑا ہو جائے، جس سے ساتھ والے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن عثیمین ——

خطبۂ جمعہ کے دوران بوقت دعاء ہاتھوں کو اٹھانا

سوال خطبۂ جمعہ کے دوران امام کی دعاء پر مقتدیوں کے آمین کے موقعہ پر ہاتھوں کے اٹھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اس موقعہ پر بلند آواز سے آمین کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خطبۂ جمعہ میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے کی امام یا مقتدیوں کو شرعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین سے اس طرح ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خطبۂ جمعہ میں بارش کے لئے دعاء کی جا رہی ہو تو پھر امام اور مقتدیوں دونوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب خطبۂ جمعہ میں بارش کی دعاء مانگی تو آپ نے خود بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور لوگوں نے بھی دعاء کے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تھا اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٢١)

(مسلمانو!) تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے"
اگر آواز بلند کئے بغیر مقتدی آہستہ سے امام کی دعاء پر آمین کہتے جائیں تو میرے علم کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق

شیخ ابن باز

جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت

سوال جمعہ کی رات اور دن میں سورۂ کہف کی تلاوت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت ایک مستحب عمل ہے اور اس کی بہت فضیلت ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ انسان قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرے یا زبانی اور یاد رہے کہ شرعی دن کا آغاز طلوع فجر سے ہوتا ہے اور اختتام غروب آفتاب پر لہٰذا اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے بعد اس سورت کی تلاوت کرے تو اسے بھی اجروثواب ملے گا۔

شیخ ابن عثیمین

جمعہ کے دن امام کی دعاء پر آمین کہنا

سوال کیا خطبہ کے بعد نماز جمعہ میں مقتدیوں کا امام کی دعاء پر آمین کہنا بدعت ہے؟ یعنی جب امام دعاء کرے اور ہم اس پر آمین کہیں تو کیا یہ بدعت ہے؟

جواب خطبہ میں امام کی دعاء پر مقتدیوں کا آمین کہنا جب کہ وہ مسلمانوں کے لئے دعاء کر رہا ہو' بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ امام کی دعاء پر آمین کہی جائے لیکن آمین اجتماعی طور پر بلند آواز کے ساتھ نہ کہی جائے بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر آہستہ سے آمین کہے تاکہ تشویش پیدا نہ ہو اور مسجد میں آوازیں بلند نہ ہوں لہٰذا ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے الگ اپنے طور پر اور آہستہ سے خطیب کی دعاء پر آمین کہے!

شیخ ابن عثیمین

محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے

سوال کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنے علاقہ میں موجود مسجد کو چھوڑ کر کسی دوسری مسجد میں اس لئے جائے کہ وہاں کے خطیب کی معلومات بھی زیادہ ہیں اور وہ خطیب بھی بہت اچھا ہے؟

جواب زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ اہل محلہ اپنی مسجد میں نماز ادا کریں تاکہ آپس میں تعارف اور الفت پیدا ہو اور ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی بھی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی دینی مصلحت مثلاً تحصیل علم یا زیادہ علمی اور پر تاثیر خطبہ کی سماعت کے لئے کسی دوسری مسجد میں جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ' امام اور مسجد کی فضیلت کے پیش نظر آپ کی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر بھی نماز ادا کر لیتے جس طرح کہ رسول اللہ کے عہد مبارک میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم بھی تھا مگر

آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عید کے دن کے مستحب افعال

سوال عیدالفطر کے دن ہمارے لئے کون سے اعمال و افعال مستحب ہیں؟

جواب عید کے دن مسلمان فرحت و مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے صیام و قیام کی تکمیل کی اور دیگر عبادات کو سرانجام دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں' جن کی اس نے اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا سب سے پہلے تو وہ عید کی رات اور دن میں نماز عید سے پہلے تکبیریں شروع کر دیتے ہیں' پھر دن کے ابتدائی حصہ میں اس مخصوص عبادت یعنی نماز عید کے ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص انداز میں اپنے گھروں سے باہر کھلے میدان میں جاتے ہیں اور اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی حتیٰ کہ پردہ نشین دوشیزگان بھی اس عبادت میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ بھی خیروبھلائی اور مسلمانوں کی دعاء کے اس مقدس موقعہ پر حاضر ہوں جیسا کہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ نماز عید ادا کرنے کے بعد مسلمان اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عید گاہ سے واپس لوٹتے ہیں' ایک دوسرے کو سلام اور مبارکباد کہتے ہیں' ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے آتے جاتے ہیں اور عبادت روزہ کے اختتام پذیر ہونے کی علامت کے طور پر اس دن انواع و اقسام کی چیزیں کھاتے پیتے ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

فتاویٰ اسلامیہ (جلد اول)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سوتیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل ومشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے، وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنة الدائمة للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب وسنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد وعبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

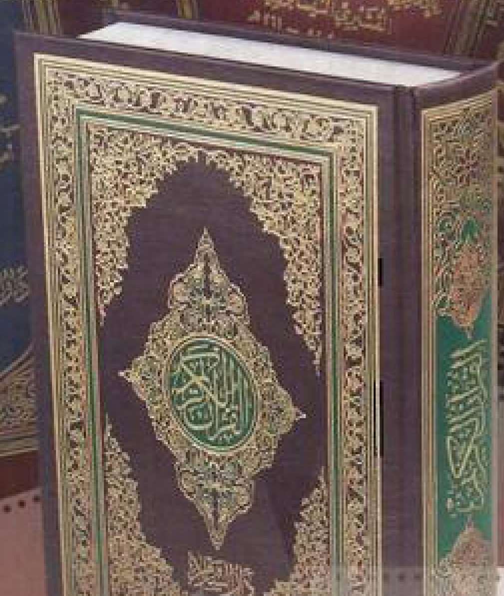
پروفیسر عبدالجبار شاکر

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیو یارک

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد دوم)

احکام المساجد تا کتاب البیوع



فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للافتاء والارشاد سعودی عرب"

جمع وترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

دارالسلام DARUSSALAM

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد دوم)

دارُالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ
• ریاض • جدہ • الخبر • شارجہ • لاہور
• لندن • ہیوسٹن • نیویارک

DARUSSALAM

ہیڈ آفس: پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4033962-4043432 (009661)
فیکس: 4021659 ای میل: Darussalam@naseej.com.sa
بک شاپ فون: 4614483 فیکس: 4644945
جدہ فون و فیکس: 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551
شارجہ فون: 5632623 (00916) فیکس: 5632624

پاکستان: ☆ 50 لوئر مال نزد ایم۔اے۔او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (42 0092)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalam@mail.com
☆ رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن: والتھامسٹو برانچ فون: 5202666 (208 0044) فیکس: 5217645 ریجنٹ پارک برانچ فون: 7243363 207
ہیوسٹن فون: 7220419 (713 001) فیکس: 7220431 ای میل: .darsalam@dar-us-salam.com
Website: http://www.dar-us-salam.com
نیویارک فون: 5925 625 (001718)

فتاویٰ اسلامیہ
(جلد دوم)

احکام المساجد
تا
کتاب البیوع

فتاویٰ
سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ
فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین
اور
اللجنۃ الدائمۃ للافتاء والارشاد سعودی عرب

جمع وترتیب:
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:
مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظرثانی:
ابو عبداللہ محمد عبدالجبار

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیو یارک

بسم الله الرحمن الرحيم

فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون

اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب

(اہل علم) سے پوچھ لو (الأنبياء ٢١/٧)

فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد دوم)

أحكام المساجد

مساجد کے احکام

مسجد کی لغوی تعریف

سوال مسجد کی لغوی اور شرعی تعریف کیا ہے؟

جواب مسجد کا لغوی معنی ہے "سجدہ کرنے کی جگہ" اور شرعاً ہر اس جگہ کو مسجد کہتے ہیں جسے مسلمانوں نے نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کے لیے تیار کیا ہو' مسجد کا اطلاق اس سے عام پر بھی ہوتا ہے چنانچہ اس میں وہ جگہ بھی داخل ہے جسے انسان اپنے گھر میں نفل یا فرض نماز ادا کرنے کے لیے مخصوص کر لیتا ہے جب کہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہو' چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ حدیث ہے جسے امام بخاری اور دیگر محدثین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ»(صحيح البخاري، التيمم، باب:(١)، ح:٣٣٥ وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، ح:٥٢١)

"مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں' جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کو نہیں دی گئیں ① میری' ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے ② میرے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ اور پاک بنا دیا گیا ہے لہٰذا میری امت کے جس آدمی کے لیے (جس جگہ) نماز کا وقت ہو جائے وہ وہاں نماز پڑھ لے ....."

فتویٰ کمیٹی

خواتین امام کو نہیں دیکھتیں' صرف اس کی تکبیر کو سنتی ہیں

سوال ہماری مسجد کے شمالی جانب کچھ جگہ ہے جہاں چار دیواری کی گئی اور اس جگہ کو مسجد کے ساتھ ملایا گیا ہے' ہم اس جگہ کو عورتوں کے لیے مخصوص کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ یہاں رمضان میں نماز ادا کر سکیں' تو کیا ان کے لیے یہاں نماز ادا کرنا جائز ہے کیونکہ وہ اس جگہ سے امام کو دیکھ نہیں سکتیں بلکہ صرف لاؤڈ سپیکر سے آواز سن کر امام کی اقتداء کر سکتی ہیں؟

جواب اس مذکورہ جگہ میں عورتوں کی نماز کے صحیح ہونے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے جب کہ وہ امام اور امام کے پیچھے مقتدیوں کو نہ دیکھ سکتی ہوں بلکہ صرف تکبیر کی آواز ہی سن سکتی ہوں۔ زیادہ احتیاط اس بات میں ہے کہ وہ مذکورہ جگہ نماز ادا نہ کریں بلکہ اپنے گھروں ہی میں ادا کریں الا یہ کہ انہیں مسجد میں نمازیوں کے پیچھے جگہ مل جائے یا مسجد سے باہر کوئی ایسی جگہ میسر آ جائے جہاں سے وہ امام یا بعض مقتدیوں کو دیکھ سکیں۔

——— شیخ ابن باز ———

شرعی طور پر معتبر' مسجد کی حدود

سوال شرعی طور پر معتبر' مسجد کی حدود کیا ہیں؟ کیا مسجد کے ساتھ متصل سڑکیں بھی مسجد کے تابع ہیں اور کیا جب لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ تنگ ہو تو ان سڑکوں پر نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہے جب کہ شہر میں اور بھی مسجدیں ہوں اور ان میں نمازیوں کا اس قدر ہجوم بھی نہ ہو؟

جواب اس مسجد کی حدود' جسے مسلمانوں کے نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہو' وہ ہیں جن کا عمارت یا لکڑیوں یا کھجور کے تنوں یا سرکنڈوں وغیرہ کے ساتھ احاطہ کر دیا گیا ہو' اس جگہ کا حکم مسجد کا ہوتا ہے کہ اس میں حیض و نفاس اور جنابت والوں کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔ جو شخص مسجد میں آئے اور مسجد نمازیوں سے بھر چکی ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ نماز جمعہ یا دیگر فرائض و نوافل مسجد سے باہر لیکن مسجد سے متصل' قریب ترین جگہ میں ادا کرے' بشرطیکہ اس کے لیے امام کے ساتھ مل کر نماز ادا کرنا ممکن ہو اور وہ امام کے آگے نہ ہو۔ لیکن یاد رہے اس جگہ کا حکم مسجد کا نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عورت مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہے

سوال کمیٹی کو حسب ذیل سوال موصول ہوا کہ تنزانیہ میں بعض مشائخ نے مسلمانوں کو یہ فتویٰ دیا ہے کہ مسجد میں عورتوں کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نجس ہیں اور ان کے لیے مسجدوں میں داخل ہونا جائز نہیں اور اس فتویٰ کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت اختلاف پیدا ہو چکا ہے؟

جواب کمیٹی نے اس کا حسب ذیل جواب دیا: انسان نجس نہیں ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت' زندہ ہو یا مردہ' لہٰذا عورت مسجد میں داخل ہو سکتی ہے ہاں البتہ اگر وہ جنبی یا حائضہ ہو تو پھر اس کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں الاّ یہ کہ وہ راستہ عبور کرنے والی ہو تو پھر اس حفاظت کے ساتھ گزر سکتی ہے کہ مسجد میں خون نہ گرے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

''اور جنابت کی حالت میں بھی (مسجد میں نہ جاؤ نہ نماز پڑھو) جب تک کہ غسل نہ کر لو' ہاں اگر (مسجد کے اندر سے) راہ چلتے گزر جانے والے ہو (تو یہ جائز ہے)۔''

امہات المومنین نبی ﷺ کے پاس اس وقت مسجد میں تشریف لے آیا کرتی تھیں جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تھے' اسی طرح ایک باندی مسجد نبوی کی صفائی کا کام بھی کیا کرتی تھی' نبی ﷺ نے مردوں کو منع فرمایا کہ وہ عورتوں کو مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے روکیں' چنانچہ آپ نے فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ» (صحيح البخاري، الجمعة، باب:١٣، ح:٩٠٠ وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد ... الخ، ح:٤٤٢)

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔''

حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها ...الخ، ح:٤٤٠)

''مردوں کی بہترین' پہلی صف اور بدترین صف آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف' آخری اور بدترین صف پہلی ہے۔''

اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے انہیں مردوں کی صفوں کے اعتبار سے کہاں کھڑا ہونا چاہیے' نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِذَا اسْتَأْذَنَـكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ»(صحيح البخاري، الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، ح:٨٦٥ وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد ... الخ، ح:٤٤٢)

''عورتیں اگر تم سے رات کی نماز مسجد میں ادا کرنے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دیا کرو۔''

فتویٰ کمیٹی کی طرف سے عورت کے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بارے میں پہلے ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

عورت کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ نماز جمعہ اور دیگر تمام نمازیں باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں آسکتی ہے۔ اس کے شوہر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے مسجد میں آنے سے منع کرے ہاں البتہ عورت کے لیے اپنے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ عورت جب مسجد میں آئے تو اسے ان آداب کی پابندی کرنی چاہیے جو اسلام نے اسے سکھائے ہیں' یعنی لباس ایسا زیب تن کرے جو ستر پوشی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو' چست اور باریک لباس پہننے سے اجتناب کرے' مسجد میں آتے وقت خوشبو بھی استعمال نہ کرے' مردوں کی صفوں میں بھی شامل نہ ہو بلکہ مردوں کی صفوں کے پیچھے صف بنائے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں اس طرح مسجدوں میں آتی تھیں کہ انہوں نے اپنی چادروں کے ساتھ اپنے آپ کو چھپا رکھا ہوتا تھا اور وہ مردوں کی صفوں کے پیچھے صفیں بنا کر نماز ادا کیا کرتی تھیں۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ» (صحيح البخاري، الجمعة، باب:١٣، ح:٩٠٠، وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد ... الخ، ح:٤٤٢)

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«خَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها ... الخ، ح:٤٤٠)

''عورتوں کی بہترین صف' آخری صف اور بدترین صف' پہلی صف ہے۔ وصلى الله على نبينا محمد وآله

وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب مقتدی امام اور اس کے پیچھے مقتدیوں کو نہ دیکھ سکتا ہو.....

سوال ① مسجد کے تہ خانے (یا گیلری) میں نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ مقتدی' امام اور امام کے پیچھے کے مقتدیوں کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ صرف لاؤڈ سپیکر کے ذریعے امام کی آواز سن سکتا ہے؟

سوال ② مسجد کے گراؤنڈ فلور میں نماز جمعہ باجماعت ادا کی جا رہی تھی کہ دوران نماز بجلی کی رو منقطع ہو گئی اور اب چونکہ مقتدی امام کی آواز نہیں سن سکتے تھے اس لیے ان میں سے ایک مقتدی آگے بڑھا اور اس نے امام بن کر نماز پڑھا دی۔ تو اس نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ مقتدیوں میں سے اس امام بننے والے شخص نے اسے نماز جمعہ کے طور پر پڑھایا ہے۔ اور اگر اس صورت میں مقتدیوں میں سے کوئی آگے بڑھ کر نماز کی تکمیل نہ کرائے تو کیا پھر ہر شخص علیحدہ علیحدہ اپنی نماز کی تکمیل کر لے؟ اور اگر اس صورت میں الگ الگ نماز پڑھنا جائز ہے تو کیا ظہر کی نماز پڑھی جائے یا جمعہ کی جب کہ جمعہ کا خطبہ بھی سنا تھا اور نماز جمعہ کو امام کے ساتھ شروع کر کے ایک رکعت بھی پڑھ لی تھی؟

سوال ③ جب آدمی ممنوع وقت میں مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد پڑھے یا نہ پڑھے؟

جواب ① اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ تہ خانہ (یا گیلری) مسجد کے تابع ہو' دلائل کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جواب ② اگر امرواقعہ اسی طرح ہے جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے تو سب لوگوں کی نماز صحیح ہو گی کیونکہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پا لے اس نے نماز جمعہ کو پا لیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اس صورت میں اگر مقتدیوں میں سے کوئی امام نہ بنے تو ہر شخص آخری رکعت کو علیحدہ علیحدہ پڑھ لے' جس طرح کہ وہ شخص پڑھتا ہے جس نے امام کے ساتھ صرف ایک رکعت کو پایا ہو اور اس کی ایک رکعت رہ گئی ہو تو وہ اپنی دوسری رکعت خود پڑھ لیتا ہے۔ ان لوگوں کی نماز جمعہ صحیح ہو گی کیونکہ نبی ﷺ کے اس فرمان کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلاَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ»(صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من أدرك من الصلاة ركعة، ح: ٥٨٠ وصحيح مسلم، المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة ... الخ، ح: ٦٠٧)

"جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔"

جواب ③ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کے لیے افضل یہی ہے کہ اس وقت بھی تحیۃ المسجد پڑھے کیونکہ نبی ﷺ کے اس فرمان کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح البخاري، التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح: ١١٦٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ... الخ، ح: ٧١٤)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔"

اور اگر کوئی شخص بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

مسجد نبوی کے توسیع شدہ حصے میں نماز کا حکم

سوال کیا مسجد نبوی کے توسیع شدہ حصہ میں چھتریوں کے نیچے نماز پڑھنا بھی اسی طرح ہے جس طرح مسجد نبوی کے اندر نماز ادا کرنا؟

جواب وہ مقامات جو توسیع کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہو جائیں تو ان کا حکم بھی مسجد ہی کا ہے لہٰذا مسجد نبوی میں جو اضافہ و توسیع کی گئی اور جن مقامات کو اس میں داخل کر دیا گیا ان کا حکم بھی مسجد نبوی ہی کا ہے کہ وہاں اجروثواب زیادہ ملتا ہے' اگرچہ پہلی اور دوسری صفوں میں نماز ادا کرنے کے اعتبار سے اجروثواب میں یقیناً فرق ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

خواتین تکبیر تو سنتی ہیں لیکن امام اور اس کے پیچھے مقتدیوں کو نہیں دیکھتیں

سوال ہماری مسجد دو منزلہ ہے۔ اوپر کی منزل مردوں کے لیے اور نچلی منزل عورتوں کے لیے ہے۔ عورتیں بھی مسجد میں مردوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتی ہیں لیکن عورتیں امام کو بلکہ مردوں کی صفوں تک کو بھی نہیں دیکھ سکتیں' وہ صرف مائیکروفون کے ذریعے آواز سن سکتی ہیں تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب اس مذکورہ صورت میں سب کی نماز صحیح ہے کیونکہ سب مسجد میں نماز ادا کر رہے ہیں اور لاؤڈ سپیکر کے ذریعے آواز سننے کی وجہ سے امام کی اقتداء ممکن ہے' چنانچہ اس صورت میں علماء کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے کہ نماز صحیح ہے ہاں البتہ اس صورت میں اختلاف کی ضرور اہمیت ہے جب کچھ مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور وہ امام اور مقتدیوں کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مسجدوں میں بچوں کی حاضری

سوال بعض نمازی جب مسجد میں آتے ہیں تو ان کے ساتھ اتنے چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں جو ابھی تک شعور کی عمر کو نہیں پہنچے ہوتے اور وہ نماز بھی اچھے طریقے سے نہیں پڑھ سکتے لیکن نمازیوں کے ساتھ صف میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بعض دوران نماز ہی کھیلنے لگتے اور اپنے ساتھ کھڑے نمازیوں کو پریشان کرنا شروع کر دیتے ہیں تو اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟ بچوں کے وارثوں کے لیے آپ کے کیا ارشادات ہیں؟

جواب میری رائے میں ایسے بچوں کو مسجد میں لانا جائز نہیں ہے جو نمازیوں کے لیے باعث تشویش ہوں کیونکہ اس میں فریضۂ الٰہی ادا کرنے والے نمازیوں کے لیے ایذاء ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب بعض صحابہ کو نماز پڑھتے اور جہری قراءت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

«لاَ يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ» (مسند أحمد: ٢/ ٣٦، ٦٧)

''جب کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو باقی جہری قراءت نہ کریں''

ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

«لاَ يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا»(سنن أبي داود، الصلاة، باب رفع الصوت بالقراءة ... الخ، ح:١٣٣٢)

''بعض نمازی بعض دوسروں کو ایذاء نہ پہنچائیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ وہ کام جائز نہیں ہے جس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہو۔

میری ان بچوں کے وارثوں کو نصیحت ہے کہ وہ انہیں مسجد میں نہ لائیں اور اسی رشد و بھلائی کو اختیار کریں جو نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں تعلیم فرمائی ہے:

«مُرُوا أَبْنَاءَ كُمْ بِالصَّلاَةِ لِسَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرِ سِنِينَ» (سنن أبي داود، الصلاة، باب متٰى يؤمر الغلام بالصلاة، ح: ٤٩٤، ٤٩٥ ومسند أحمد: ٢/ ١٨٧، واللفظ له)

''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور اگر دس سال کے ہو کر بھی نماز نہ پڑھیں تو انہیں مارو۔''

میں اہل مسجد کے لیے بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان بچوں کے لیے ان کے سینے کشادہ ہونے چاہئیں جن کا مسجد میں آنا درست ہے، انہیں وہ مشقت میں نہ ڈالیں اور نہ اس جگہ سے انہیں اٹھائیں جہاں وہ سبقت کر کے آ بیٹھے ہوں کیونکہ جو شخص جس جگہ سبقت کر کے آ بیٹھے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ خواہ وہ بچہ ہو یا بڑا۔ بچوں کو صف میں سے ان کی جگہ سے اٹھا دینے میں (اولاً) ان کی حق تلفی ہے کیونکہ جو شخص سبقت کر کے کسی ایسی جگہ بیٹھ جائے جہاں کوئی اور مسلمان سبقت کر کے نہ پہنچا ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ (ثانیاً) اس سے ان کے دلوں میں مسجد سے نفرت پیدا ہو گی۔ (ثالثاً) بچے کے دل میں اس شخص کے بارے میں کینہ اور کراہت پیدا ہو گی جو اسے اس جگہ سے اٹھائے گا جہاں وہ پہلے سے آ کر بیٹھا ہے۔ (رابعاً) بچوں کو ان کی جگہ سے اٹھا دینے کی صورت میں وہ سب اکٹھے ہو جائیں گے اور وہ کھیلنے لگیں گے جس سے اہل مسجد کو پریشانی لاحق ہو گی اور اگر بچے الگ الگ ہو کر مردوں کے درمیان میں کھڑے ہوں گے تو پھر اس طرح کی کوئی پریشانی لاحق نہ ہو گی۔

بعض اہل علم نے جو ذکر کیا ہے کہ بچوں کو ان کی جگہ سے اٹھا دیا جائے حتیٰ کہ وہ صف کے آخر میں یا آخری صف میں کھڑے ہوں اور انہوں نے اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

«لِيَلِنِي مِنكُمْ أُولُو الْأَحْلاَمِ وَالنُّهٰى» (صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول منها... الخ، ح:٤٣٢)

''تم میں سے بالغ اور صاحب فہم و دانش میرے قریب کھڑے ہوں۔''

تو یہ قول مرجوح ہے اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے معارض بھی ہے:

«مَنْ سَبَقَ إِلٰى مَا لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ»(سنن أبي داود، الخراج، باب في إقطاع الارضين، ح:٣٠٧١)

"جو شخص کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کر گیا ہو جہاں کوئی اور مسلمان سبقت نہ کر سکا ہو تو وہ چیز اسی (سبقت کرنے والے) کی ہے۔"

ان حضرات کا استدلال نبی ﷺ کے اس ارشاد سے ہے:

«لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو ٱلْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى»(صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصوف وإقامتها وفضل الأول منها . . . الخ، ح:١٢٣، ٤٣٢)

"میرے قریب وہ کھڑے ہوں جو صاحب فہم و دانش ہوں۔"

درست نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اصحاب فہم و دانش کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ آگے بڑھیں' سبقت کریں اور نبی کریم ﷺ کا جو عمل دیکھا یا قول سنا اس کو زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔ آپ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ صرف صاحب فہم و دانش ہی میرے قریب کھڑے ہوں۔ ہاں اگر آپ نے ایسا فرمایا ہوتا تو پھر بچوں کو ان کی جگہ سے اٹھا دینے کی بات درست ہوتی لیکن حدیث کے الفاظ جو ہیں ان میں اصحاب فہم و دانش کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور سبقت کر کے نبی کریم ﷺ کے قریب کھڑے ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قدیمی مسجد کو منہدم کر کے اس کی جگہ پبلک لائبریری بنانا

سوال کیا قدیمی مسجد کو جو ابھی تک قائم ہو' منہدم کرنا جائز ہے تاکہ اس کی جگہ پر ایک پبلک لائبریری بنا دی جائے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ مسجد کی جگہ کا معاوضہ لے لیا جائے یا مسجد کی انتظامیہ کو کیا اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اس کی بجائے کسی دوسری جگہ نئی مسجد قبول کر لیں؟

جواب قائم شدہ مسجد کو منہدم کرنا جائز نہیں' خواہ وہ کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو' تاکہ اس کی جگہ پر ایک پبلک لائبریری بنا دی جائے بلکہ اگر مسجد منہدم ہو چکی ہو تو پھر بھی اس کی جگہ پر پبلک لائبریری بنانا جائز نہیں' بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر مسجد کی عمارت پرانی ہو چکی ہے تو اس کی اصلاح کر دی جائے اور اگر از خود منہدم ہو چکی ہے تو اس کی جگہ پر از سر نو مسجد تعمیر کر دی جائے خواہ اس کی اصلاح و تعمیر کی غرض سے اس کے کچھ حصے کو بیچنا ہی کیوں نہ پڑے کیونکہ وقف کے سلسلہ میں اصول تو یہی ہے کہ اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ بطور وراثت تقسیم کیا جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا تھا' جب انہوں نے خیبر میں اپنے مال کو صدقہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا:

«تَصَدَّقْ بِأَصْلِهِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ» (صحيح البخاري، الوصايا، باب وما للوصي ان يعمل . . . الخ، ح:٢٧٦٤)

"اصل مال صدقہ کر دیجئے کہ اسے نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ بطور وراثت تقسیم کیا جائے اور اس کا پھل خرچ کر دیا جائے۔"

یہ ارشاد نبوی گویا ہر وقف کے بارے میں ایک حکم عام کی حیثیت رکھتا ہے لیکن علماء نے اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ جب وقف کی افادیت ختم ہو جائے یا اسے کسی دوسری جگہ منتقل کرنے میں اس کی افادیت زیادہ ہو' لوگوں کی اس

میں دلچسپی زیادہ ہو اور خود وقف کی اصلاح کے لیے بھی بہتر ہو تو پھر اس کی بیع یا کسی دوسری جگہ سے اس کا تبادلہ کرنا جائز ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ کوفہ کے بیت المال میں نقب زنی کی واردات ہو گئی ہے تو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ "تمارین (جگہ) میں مسجد کو منتقل کر دو اور بیت المال کو مسجد کے قبلہ کی طرف بنا دو کیونکہ مسجد میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نمازی موجود ہوتا ہے (اس طرح بیت المال محفوظ رہے گا۔)" [1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یہ فیصلہ فرمایا اور جب کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تو گویا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا اور جب وقف کو اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی رکھنا مشکل ہو تو پھر اس کے بقاء کی صرف یہی صورت ہے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جواز کی حالت میں وقف کی بیع یا تبادلہ شرعی حاکم یا اس کے نائب کے ہاتھوں سے ہو تاکہ وقف کے سلسلہ میں احتیاط اور حفاظت کا پہلو پیش نظر رہے اور وقف ضائع نہ ہو۔ وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد حلال نہیں

سوال ایک عورت مسجد نبوی میں تھی کہ ماہواری کا خون شروع ہو گیا تو اس کے بعد وہ تھوڑا سا وقت مسجد میں رہی تاآنکہ اس کے اہل خانہ نماز سے فارغ ہو گئے اور پھر یہ ان کے ساتھ مسجد سے باہر چلی گئی' تو کیا یہ تھوڑا سا وقت مسجد میں رہنے کی وجہ سے یہ عورت گناہ گار ہو گی؟

جواب اگر یہ عورت از خود تنہا مسجد سے باہر نہ نکل سکتی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر یہ از خود باہر نکل سکتی ہو تو پھر اسے فوراً مسجد سے باہر نکل جانا چاہیئے کیونکہ حیض' نفاس اور جنابت والوں کے لیے مسجدوں میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اور جنابت کی حالت میں بھی (مسجد میں جاؤ نہ نماز پڑھو) ہاں اگر (مسجد کے اندر سے) راہ چلتے گزر جانے والے ہو (تو یہ جائز ہے۔)"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلاَ جُنُبٍ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، ح: ٢٣٢)

"میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال قرار نہیں دیتا۔"

——— شیخ ابن باز ———

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ (216/31)

مسجد میں ایسی کتابوں کا پڑھنا جن میں تصویریں ہوں

سوال بعض طلبہ اپنے اسباق یاد کرنے کے لیے مسجدوں میں آ جاتے ہیں اور ان کی کتابیں بھی ان کے پاس ہوتی ہیں تو کیا ان کے لیے یہ درست ہے خصوصاً اس صورت میں جب بعض نصابی کتابوں میں انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں بھی طبع ہوتی ہیں؟

جواب مسجدوں میں پڑھنے اور اسباق یاد کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھروں کو ایذاء اور آوازوں کے شور سے پاک رکھا جائے اور ایسے کم عقل اور چھوٹے بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے جو مسجد کے قالینوں' قرآن مجید کے نسخوں اور درودیوار کا احترام نہ کریں۔ اگر ایذاء کی صورت نہ ہو تو مسجد میں اسباق یاد کرنے میں کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ ایسے نصابی مواد اور مجلّات وغیرہ کو مسجد میں لانا جائز نہیں جن میں جانداروں کی تصویریں بنی ہوں تاکہ اللہ کے گھروں کے تقدس اور احترام کے پیش نظر انہیں ان تصویروں سے پاک رکھا جائے جن سے فرشتے دور بھاگتے ہیں لہٰذا طلبہ کو چاہئے کہ وہ تصویروں والی کتابیں ساتھ نہ لائیں یا پھر جانداروں کی تصویریں یا ان کے سر وغیرہ مٹا دیں اور انہیں اس طرح کر دیں کہ جس سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسجد میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں سڑکوں پر نماز پڑھنا

سوال جو شخص مسجد سے باہر نماز جمعہ ادا کرتا ہے کیا اسے نماز جمعہ میں حاضر سمجھا جائے گا؟ حالانکہ فرشتے تو مسجدوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لکھتے ہیں کہ پہلے کون آیا پھر کون؟ اس کے ساتھ ساتھ جو شخص مسجد سے باہر نماز پڑھے گا وہ تحیۃ المسجد پڑھے' مسجد کے اندر بیٹھنے اور خطبہ سننے سے بھی محروم رہے گا اور باہر سڑکوں پر صفیں بھی عموماً سیدھی نہیں ہوتیں؟

جواب جو شخص مسجد سے باہر سڑکوں پر نماز جمعہ ادا کرے گا' اسے نماز جمعہ میں حاضر سمجھا جائے گا بشرطیکہ وہ امام کے ساتھ مل کر نماز ادا کر سکتا ہو لیکن اس شخص کا ثواب مسجد کے اندر نماز پڑھنے والے کی طرح نہ ہو گا خصوصاً ان لوگوں کے ثواب کی طرح تو بالکل نہ ہو گا جو پہلی صفوں میں شامل ہوں گے۔ فرشتے خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے وقت کے حساب سے اجروثواب لکھتے ہیں جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد حدیث کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعتبار حاضری کا ہے مسجد کے اندر ہونے کا نہیں ہاں البتہ انتظار نماز اور سماعت خطبہ کی کمی کی وجہ سے اس کے اجروثواب میں بھی کمی ہو گی اور صفوں کے درست نہ ہونے کی کمی کی وجہ سے اس کے ثواب میں کمی ہو گی۔ واللہ اعلم وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

راستوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں حکم

سوال کیا راستے بھی ان مقامات میں داخل ہیں جہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ اور پھر اس میں اور نبی ﷺ کے اس فرمان میں تطبیق کی کیا صورت ہو گی کہ "میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے؟"

جواب ہاں وہ راستہ جس پر لوگ چلتے اور اسے اپنے پاؤں سے پامال کرتے ہیں وہ بھی ان سات مقامات میں داخل ہے

جن میں نماز پڑھنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے‘ چنانچہ ابن ماجہ نے ”سنن“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَبْعُ مَوَاطِنَ لاَ تَجُوزُ فِيهَا الصَّلاَةُ: ظَاهِرُ بَيْتِ اللهِ، وَالْمَقْبَرَةُ، وَالْمَزْبَلَةُ، وَالْمَجْزَرَةُ، وَالْحَمَّامُ، وَعَطَنُ الْإِبِلِ، وَمَحَجَّةُ الطَّرِيقِ» (جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في كراهية ما يصلى إليه وفيه ح:٣٤٦ وسنن ابن ماجه، المساجد، باب المواضع التي تكره فيها الصلاة، ح:٧٤٧ واللفظ له)

”سات مقامات ایسے ہیں جن میں نماز جائز نہیں۔ (۱) بیت اللہ شریف کی چھت (۲) قبرستان (۳) کوڑے کرکٹ کا ڈھیر (۴) مذبح خانہ (۵) حمام (۶) اونٹوں کا باڑہ (۷) راستہ“

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن کچھ اور احادیث بھی ہیں جن میں ان مقامات کا ذکر ہے جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اور ان میں اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث میں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ فَلْيُصَلِّ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ جعلت لي الأرض ... الخ، ح:٤٣٨ وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، ح:٥٢١ ومسند أحمد:٣/ ٣٠٤)

”میرے لیے زمین کو پاک اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے۔ آدمی کے لیے جہاں نماز کا وقت ہو جائے‘ وہ وہاں نماز پڑھ لے۔“

تطبیق اس طرح ہو گی کہ حدیث جابر وغیرہ جن میں ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے‘ عام ہیں اور وہ احادیث خاص ہیں جن میں کچھ مقامات میں نماز پڑھنے کی ممانعت آتی ہے۔ لہٰذا ان احادیث سے ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت والی احادیث کے عموم کو خاص کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ بظاہر متعارض احادیث میں تطبیق کا معروف قاعدہ ہے‘ ہاں البتہ بوقت حاجت و ضرورت کسی ممنوع جگہ پر نماز ادا کرنا بھی جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسجد میں جگہ مخصوص کرنا

سوال مسجد میں پہلی صف میں اپنے لیے جگہ مخصوص کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ نمازی کسی خاص جگہ پر کتاب یا کوئی اور چیز رکھ دے اور پھر مسجد کے آخری حصہ میں جا کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جائے یا وضو کرنے کے لیے مسجد سے باہر چلا جائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں جب آدمی کو تجدید وضو کی ضرورت ہو اور وہ اپنی جگہ پر جائے نماز یا کوئی اور چیز رکھ کر چلا جائے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِّنْ مَّجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ»(صحيح مسلم، السلام، باب إذا قام من مجلسه... الخ، ح:٢١٧٩)

"جب تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس لوٹ آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔"
اسی طرح جب اسے ٹیک لگانے کی ضرورت محسوس ہو اور پہلی صف میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے ساتھ وہ ٹیک لگا سکے' اپنی جگہ پر مصلیٰ رکھ دے اور پیچھے ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ وہ اپنی اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے بشرطیکہ اس سے نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہاں اس صورت میں بھی جگہ مخصوص کرنا منع ہے کہ آدمی بہت جلدی جا کر جگہ پر قبضہ کر لے اور پھر اپنے گھر یا دوکان پر دنیوی کام کاج کے لیے چلا جائے یا جا کر سو جائے یا لوگوں سے ملنے ملانے کے لیے چلا جائے تو ایسی صورتوں میں اس کا مصلیٰ وغیرہ اٹھا کر اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسجدوں اور عید گاہوں کا قبرستان کے قریب بنانا

سوال بعض مسجدیں' عید گاہیں اور نماز استسقاء ادا کرنے کے لیے بنائی گئی جگہیں قبرستان کے بہت قریب بنی ہوتی ہیں کہ قبرستان مسجد کے قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور درمیان میں صرف چند میٹر کا فاصلہ ہوتا ہے' جب کہ بعض مسجدیں اور عید گاہیں بالکل قبرستان کے ساتھ ہی ملی ہوتی ہیں۔ بعض کے درمیان صرف چار دیواری ہی حد فاصل ہوتی ہے جب کہ بعض میں کوئی ایسی چار دیواری بھی نہیں ہوتی جو دونوں کے درمیان حد فاصل کا کام دے سکے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر ان مسجدوں اور نماز عیدین و استسقاء کے لیے بنائی گئی جگہوں (عید گاہوں) کو قبرستان کے قریب اس میں مدفون لوگوں کی تکریم کی وجہ سے نہ بنایا گیا ہو یا یہ مقصود نہ ہو کہ ان مسجدوں میں نماز پڑھنے سے اجر وثواب زیادہ ملے گا تو پھر ان کا بنانا اور ان میں تقرب الٰہی کے حصول کے لیے نماز پڑھنا جائز ہے۔ نماز اور مسجد میں ادا کی جانے والی دیگر تمام عبادات صحیح ہیں اور جن مسجدوں اور قبرستانوں کو دیوار کے ذریعہ الگ کر دیا گیا ہو تو یہ کافی ہے اور جہاں دیوار نہیں ہے وہاں دیوار بنا دی جائے تاکہ مسجدیں' عید گاہیں اور قبرستان الگ الگ ہو جائیں اور اگر مسجد و عید گاہ کی دیوار اور قبرستان کی دیوار کے درمیان خالی جگہ رکھنا ممکن ہو تو اس میں اور بھی زیادہ احتیاط ہے۔

اگر مسجدوں کو قبرستان کے قریب قبروں کی تعظیم کی وجہ سے بنایا گیا ہو تو پھر ان میں نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ان مسجدوں کو گرا دیا جائے کیونکہ اس صورت میں ان کو برقرار رکھنا شرک کا سبب اور اہل قبور کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کا ذریعہ ہے اور صحیح حدیث میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ، وَلاَ تَجْلِسُوا عَلَيْهَا»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، ح: ٩٧٢)

"قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔"

یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

«أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ» (صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور ... الخ، ح: ٥٣٢)

"خبردار! بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتے تھے۔ تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

اس موضوع کی دیگر احادیث بھی مخفی نہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد.

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا مکہ میں برائیوں کا گناہ زیادہ ہوتا ہے؟

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح نیکیوں کا اجروثواب زیادہ ملتا ہے اسی طرح برائیوں کا گناہ بھی زیادہ ہوتا ہے؟

جواب برائیوں کا گناہ ہر جگہ کیفیت کے اعتبار سے زیادہ ہوتا ہے' عدد کے اعتبار سے نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰٓ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾ ﴾

(الأنعام٦/ ١٦٠)

"جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا' اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا' اسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

اسی طرح اس مفہوم پر دلالت کرنے والی بہت سی صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ ہاں البتہ برائیوں کے گناہ میں فرق' ان کے کبیرہ و صغیرہ ہونے یا زمان و مکان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً رمضان یا عشرہ ذوالحجہ اور حرمین شریفین میں کئے جانے والے برے اعمال کا گناہ زیادہ ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق.

——— شیخ ابن باز ———

نماز کے مصلوں پر تصویریں

سوال کیا نماز کے مصلوں کے لیے یہ شرط ہے کہ ان پر حرمین شریفین یا دیگر مساجد کی تصویریں بنی ہوں یا ان پر قرآنی آیات لکھی ہوں......؟ ان تصویروں کے بارے میں کیا حکم ہے جو مصلوں پر طول کے بجائے ان کے عرض کی طرف بنی ہوں؟ نیز ان مصلوں پر نماز کے جواز کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے جن پر حیوانات یا پرندوں وغیرہ کی تصویریں بنی ہوں؟

جواب نماز کے لیے استعمال کئے جانے والے مصلوں پر آیات قرآنی ہونی چاہئیں نہ حیوانات اور پرندوں کی تصویریں' کیونکہ مصلوں پر آیات قرآنی لکھنے سے قرآن مجید کی بے ادبی و بے حرمتی ہے نیز جان دار اشیاء کی تصویریں جائز نہیں ہیں۔ اسی طرح نماز کے لیے استعمال کیے جانے والے مصلوں کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ ان پر حرمین شریفین یا دیگر مساجد کی تصویریں بنی ہوں بلکہ اس طرح کی تصویریں مکروہ ہیں کیونکہ ان کی طرف دیکھنے سے نماز کے خشوع و خضوع میں فرق آجاتا ہے اور شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ نماز خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ﴿٢﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ١۔٢)

"بے شک ایمان والے فلاح پا گئے' جو اپنی نماز میں عجزونیاز کرتے ہیں۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

پیاز کھانے اور سگریٹ پینے والے کا مسجد میں داخلہ

سوال جو شخص مسجد میں لہسن یا پیاز کھا کر آئے تو اس کے مکروہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اسلام کے نزدیک لہسن و پیاز اور سگریٹ کی بدبو میں کیا فرق ہے؟ بعض سگریٹ نوش نمازی جب سگریٹ پی کر مسجد میں آتے ہیں تو ان سے سگریٹ کی بدبو آ رہی ہوتی ہے اور وہ اس بات کی قطعاً پروا نہیں کرتے۔ امید ہے آپ واضح فرمائیں گے کہ سگریٹ نوش اور لہسن و پیاز کھانے والے کے مسجد میں داخلہ کے مکروہ ہونے میں کیا فرق ہے؟ جزاکم اللہ خیرا

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَتَأَذّى مِمَّا يَتَأَذّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ»(صحيح البخاري، الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء ... الخ، ح: ٨٥٥ وصحيح مسلم، المساجد، باب نهى من أكل ثوما أو بصلا ... الخ، ح: ٥٦٤)

"جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھ جائے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں جس سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ جس شخص سے لہسن یا پیاز کھانے کی وجہ سے بدبو آ رہی ہوتی آپ حکم دے دیتے کہ "اسے مسجد سے باہر نکال دیا جائے۔" [1]

اس کا سبب یہ ہے کہ نمازی' قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اور فرشتے ناگوار بو سے ایذاء پاتے ہیں لہٰذا ہر وہ شخص جس سے ناگوار بو آ رہی ہو جیسے سگریٹ نوش' تو اس کا حکم بھی لہسن و پیاز کھانے والے کی طرح ہے۔ ان سب کے لیے (اس وقت تک) مسجد میں آنا منع ہے جب کہ کوئی ایسی چیز استعمال نہ کر لیں جس سے ناگوار بو زائل ہو جائے۔ علاوہ ازیں جس شخص کی بغلوں وغیرہ سے ناگوار بو آ رہی ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں جو وجہ بیان فرمائی ہے اس کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت اور رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

ایسی مسجدوں کو چھوڑ دینے کا حکم جن میں بدعات کی کثرت ہو

سوال کیا ایسی مسجدوں کو چھوڑ دینا چاہیئے جن میں بدعات کی کثرت ہو؟

جواب مسلمان کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو بدعات کے ازالہ کی کوشش کرے اور اگر ان کا ازالہ مشکل ہو تو پھر ایسی مسجد کو چھوڑ کر کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھے جو بدعات سے پاک ہو۔ وباللّٰه التوفيق وصلى اللّٰه وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه.

—— فتویٰ کمیٹی ——

[1] صحیح مسلم' المساجد باب نهي من أكل ثوما او بصلا او كراثا ..... الخ' حدیث: 567-

فرض نمازوں کی نیت سے بنائی گئی مسجد کو نماز جمعہ کی مسجد کی طرف منتقل کرنا

سوال کیا ایسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے جس کی تاسیس کے وقت یہ نیت نہیں کی گئی تھی کہ اس میں نماز جمعہ بھی ادا کی جائے گی؟

جواب مذکورہ بالا صورت میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اس مسجد میں نماز جمعہ بھی ادا کی جائے جس میں پہلے نماز جمعہ ادا نہیں کی جاتی تھی بلکہ صرف دیگر نماز پنجگانہ کو باجماعت ادا کیا جاتا تھا۔ مسجد کی تعمیر کے وقت اگر نماز جمعہ کی نیت نہیں بھی کی گئی تھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد یا اس سے پہلے ہی یہاں نماز جمعہ بھی شروع کر دی جائے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق اہل علم میں سے کسی نے بھی ایسی کسی شرط کا کوئی ذکر نہیں کیا لہٰذا یہ ایک ایسی شرط ہے جس کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رات کے وقت مسجد کو تالا لگانا

سوال کیا رسول اللہ ﷺ کے دور میں رات کے وقت مسجدوں کو تالا لگا دیا جاتا اور ان مسلمانوں کو نکال دیا جاتا تھا یا نہیں جو مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے آتے اور مسجد کی دیواروں کے پاس سوجایا کرتے تھے؟

جواب ہماری معلومات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسجدوں کو تالا نہیں لگایا جاتا تھا اور نہ اس دور میں قالین وغیرہ بچھائے جاتے تھے اور لوگ بھی بے حد متقی اور پرہیز گار تھے کہ وہ نہ مسجدوں میں فساد برپا کرتے تھے اور نہ ہی انہیں گندہ کرتے تھے۔ جب مسجدوں میں قالین بچھا دیئے گئے' ان کی چوری کا خدشہ پیدا ہوا' لوگوں کی جہالت میں اضافہ ہو گیا اور بعض لوگوں نے مسجدوں میں فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا تو ان حالات میں حاکم وقت کے لیے یہ جائز ہو گیا کہ اگر وہ چاہے تو مصلحت کی وجہ سے مسجد کو مقفل کر سکتا ہے تاکہ مسجد کے سازوسامان کو محفوظ کیا جا سکے اور بے وقوفوں کے فتنہ و فساد سے انہیں پاک رکھا جا سکے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد.

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسجد میں سگریٹ لانا

سوال ایک شخص مسجد نبوی میں روضہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی جیب سے سگریٹ کی ڈبیہ گر گئی تو اس کے اس فعل کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مسجدوں میں سگریٹ لانا جائز ہے؟

جواب اگر اس سوال سے یہ مقصود ہے کہ اس شخص کے مسجد میں سگریٹ لانے کے بارے میں کیا حکم ہے تو یہ بات مخفی نہیں ہے کہ سگریٹ منکر و خبیث امور میں سے ہے اور اس کا پینا حرام ہے کیونکہ یہ جان' مال اور معاشرہ کے لیے بے حد نقصان دہ ہے۔ سگریٹ چونکہ خبیث ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کے گھروں کو اس سے پاک رکھا جائے' مسجدوں میں اسے لے جانا اللہ کے گھروں کی تعظیم و تکریم کے منافی ہے لہٰذا جائز نہیں ہے اور اگر اس سوال سے مقصود یہ ہے کہ نماز کے حوالہ سے اس فعل کے بارے میں کیا حکم ہے یعنی کیا نمازی کی جیب سے سگریٹ گر جانے سے نماز فاسد و باطل ہو

جائے گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں نماز باطل نہیں ہو گی بلکہ صحیح ہو گی۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پرانی مسجدوں کے پتھروں کو ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا

سوال ایک انتہائی قدیم ترین مسجد ہے' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنے والے سیلابوں نے بھی اس کی عمارت کو بے حد شکستہ اور ناقابل استعمال بنا دیا ہے اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی قبر بھی ہو تو کیا ایسی صورت میں کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کے پتھروں کو اپنے گھر منتقل کر کے ذاتی ملکیت بنا لے؟

جواب جب کوئی مسجد سیلاب یا دیگر اسباب کی وجہ سے خراب ہو جائے تو اہل محلہ کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کریں اور اس میں اقامت نماز کا اہتمام کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ»(صحيح ابن خزيمة:٢/٢٦٨، ح:١٢٩١ وأصله في الصحيحين انظر صحيح البخاري، ح:٤٥٠ وصحيح مسلم، ح:٥٣٣)

"جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے گا' اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں بنائے گا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ، وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ» (مسند أحمد:٦/٢٧٩ وسنن أبي داود، الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، ح:٤٥٥)

"رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے' انہیں صاف ستھرا رکھنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے۔"

اس حدیث میں "دور" کے لفظ سے مراد قبائل اور محلے وغیرہ ہیں۔ مساجد تعمیر کرنے کی فضیلت کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ اگر محلہ میں کوئی اور مسجد ہو جس کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ رہی ہو تو پھر اس مسجد کی اینٹیں اور پتھر کسی دوسرے محلہ یا شہر کی ضرورت مند مسجد کے لیے استعمال کیے جائیں۔

مذکورہ مسجد جس شہر میں ہے اس کے حاکم' قاضی امیر یا سردار قبیلہ پر فرض ہے کہ وہ اس طرف توجہ دے اور اس کے پتھروں کو دیگر ضرورت والی مساجد میں منتقل کر دے یا انہیں بیچ کر ان کی قیمت کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کر دے۔ اہل شہر میں سے کسی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ حاکم کی اجازت کے بغیر اس مسجد کی کسی چیز کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے اور اگر اس مسجد میں کوئی قبر ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس قبر کو یہاں سے ہٹا دیا جائے اور اس میں موجود ہڈیوں کو ---اگر وہ موجود ہوں--- شہر کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے کیونکہ شرعاً یہ جائز نہیں ہے کہ مسجدوں میں قبریں ہوں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنائی جائیں کیونکہ یہ شرک کا ذریعہ اور قبروں کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا سبب ہے جیسا کہ اصحاب قبور کے بارے میں غلو سے کام لینے کی وجہ سے صدیوں سے اکثر مسلمان ممالک میں ایسا ہو رہا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان قبروں کے اکھاڑ پھینکنے کا حکم دیا تھا جو اس جگہ موجود تھیں' جہاں مسجد

نبوی تعمیر کی گئی۔ ① صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ... الخ، ح:٥٢٩)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاری پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

صحیح مسلم میں ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ، وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، ح:٩٧٢)

"قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔"

صحیح مسلم ہی میں جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ» (صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور ... الخ، ح:٥٣٢)

"تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے' خبردار تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

صحیحین میں حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں بنی ہوئی تصویروں کو بھی دیکھا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَىٰ قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب بناء المسجد على المسجد، ح:٤٢٧، ١٣٤١ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، ح:٥٢٨)

"ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں اس طرح کی تصویریں بناتے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ساری مخلوق میں سے بدترین شمار ہوتے ہیں۔"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«نَهَىٰ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَىٰ عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر ... الخ، ح:٩٧٠)

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ قبر کو پختہ بنایا جائے' اس پر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت (مقبرہ وغیرہ) بنائی جائے۔"

① صحیح بخاری' الصلاۃ' باب ھل نبشت قبور مشرکی الجاھلیۃ' حدیث :428 و صحیح مسلم' المساجد' باب إبتناء مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث :524۔

اور صحیح سند کے ساتھ ترمذی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

«وَأَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا»(جامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور، ح:١٠٥٢)

''آپ نے قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا۔''

یہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ قبروں پر عمارتیں بنانا' مسجدیں بنانا' ان میں نماز پڑھنا اور قبروں کو پختہ بنانا حرام ہے کیونکہ یہ اصحاب قبور کے ساتھ شرک کے اسباب میں سے ہے۔ اسی طرح قبروں پر غلاف اور چادریں چڑھانا' ان پر لکھنا' ان پر خوشبو لگانا اور عود سلگانا بھی اسی قبیل سے ہے' کیونکہ یہ سب کچھ غلو اور شرک کے اسباب و وسائل میں سے ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود بھی ان تمام کاموں سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں' خصوصاً حکمرانوں کو اس طرف ضرور توجہ دینی چاہیے' کیونکہ ان کے فرائض اور ذمہ داریاں دوسروں سے کہیں بڑھ کر ہیں کیونکہ انہیں ان منکرات کے ازالہ کی زیادہ قوت و طاقت حاصل ہے۔ حکمرانوں کی سستی اور بہت سے اہل علم کی خاموشی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان ممالک میں ان خرابیوں کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرک کی خوب گرم بازاری ہے اور آج مسلمان بھی اسی طرح شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں جس طرح لات' عزیٰ اور منات کے پجاری' اہل جاہلیت مبتلا تھے اور مسلمان بھی آج وہی بات کہتے ہیں جو اہل جاہلیت کہتے تھے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ان کا قول نقل فرمایا ہے (وہ کہا کرتے تھے):

﴿ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَٰٓؤُنَا عِندَ ٱللَّهِ ﴾ (یونس۱۰/۱۸)

''یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ ﴾ (الزمر۳۹/۳)

''ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔''

اہل علم نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر قبر مسجد میں بنائی گئی ہو تو اس قبر کو اکھاڑنا اور مسجد سے دور کرنا ضروری ہے اور اگر مسجد بعد میں بنائی گئی ہو تو اس مسجد کو منہدم کر دینا ضروری ہے کیونکہ یہ مسجد ایک امر منکر کا باعث بنی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اس وجہ سے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی اور امت کو ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«لَا تَدَعْ صُورَةً إِلَّا طَمَسْتَهَا وَلَا قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

''جو تصویر دیکھو اسے مٹا دو اور جو اونچی قبر دیکھو اسے برابر کر دو۔''

اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے حالات کو درست فرمائے' انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے' قائدین کی اصلاح فرمائے' مسلمانوں کو تقویٰ کی بنیاد پر جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائے' شریعت کے مطابق حکومت چلانے کی توفیق سے نوازے اور مخالف شریعت امور سے بچائے۔ انه جواد کریم' وصلی اللّٰه وسلم علی نبینا محمد و آله وصحبه.

—— شیخ ابن باز ——

مکہ کی دیگر مساجد میں نماز مسجد حرام میں نماز کی طرح نہیں ہے

سوال کیا مکہ کی دیگر مساجد میں نماز کا ثواب مسجد حرام ہی کی طرح ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ دیگر مساجد میں ثواب مسجد حرام کی طرح نہیں ہے کیونکہ نماز کا کئی گنا زیادہ اجروثواب مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) ہی میں ملتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلاَةٌ فِيهِ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِلاَّ مَسْجِدَ الْكَعْبَةِ»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مكة والمدينة، ح:١٣٩٦)

''اس (مسجد نبوی) میں نماز دیگر مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے ہاں البتہ مسجد الحرام میں اس سے بھی زیادہ افضل ہے۔''

حرم کے اندر کی دیگر مساجد بلاشک و شبہ حرم کے باہر کی مساجد سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ میں قیام فرمایا اور اس کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں تو آپ اس وقت نماز حرم میں ادا فرماتے تھے۔ جب مطلقاً مسجد حرام کا ذکر ہو تو اس سے مراد حرم کی سب مسجدیں نہیں بلکہ خاص مسجد حرام ہی مراد ہوتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا ﴾ (التوبة٩/ ٢٨)

''مومنو! مشرک تو یقیناً پلید ہیں سو اس برس کے بعد وہ مسجد الحرام کے پاس نہ جانے پائیں۔''

اگر مسجد حرام سے مراد امیال کے اندر کا علاقہ ہوتا تو مشرکوں کے لیے امیال کے قریب آنا بھی جائز نہ ہوتا بلکہ ان سے دور رہنا ان کے لیے واجب ہوتا حالانکہ وہ امیال کے قریب آسکتے ہیں' ان کے اندر داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ اس آیت میں الفاظ یہ ہیں:

﴿ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ ﴾ (التوبة٩/ ٢٨)

''وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام جس کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا ہے' اس سے مخصوص مسجد حرام ہی مراد ہے' حرم مکہ کی دیگر مساجد نہیں۔ اس کی تائید نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ، وَمَسْجِدِ الأَقْصَى»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩)

''شد رحال (بغرض ثواب رخت سفر باندھنا) صرف تین مسجدوں ہی کی طرف کیا جائے مسجد حرام' میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس۔)''

اور یہ سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد شعب یا مسجد جیزہ کی طرف شد رحال کر کے جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شد رحال صرف تین مسجدوں ہی کی طرف کیا جائے۔ اگر حرم کی ہر مسجد

کی طرف شد رحال جائز ہوتا تو پھر دسیوں بلکہ سینکڑوں مسجدوں کی طرف شد رحال جائز ہوتا۔ ہاں البتہ جب حرم نمازیوں سے بھر جائے اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوں اور جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ لوگ بازار میں نماز ادا کریں تو ان بازار میں نماز ادا کرنے والوں کے لیے بھی امید ہے کہ انہیں بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا حرم کے اند نماز ادا کرنے والو کو' کیونکہ انہوں نے حسب استطاعت عمل کیا ہے اور اس عبادت کے ادا کرنے میں اہل مسجد کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

امام کے گھر کی توسیع کے لیے مسجد کا کچھ حصہ شامل کرنا

سوال ہمارے پاس ایک بہت کشادہ مسجد ہے جو جامع مسجدوں کے بعد شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے لیکن اس مسجد میں نمازیوں کی تعداد کم ہے۔ اس مسجد کے جنوبی طرف ایک گھر بھی بنا ہوا ہے جو امام مسجد کے لیے وقف ہے لیکن یہ گھر بہت چھوٹا ہے' اپنی موجودہ حالت میں اس قابل نہیں کہ اس میں رہائش اختیار کی جائے یا اسے کرایہ پر دیا جاسکے۔ کرایہ داروں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے گھر اکثر بند ہی رہتا ہے ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ مسجد کے جنوبی حصہ کی طرف سے کچھ حصہ اس گھر میں شامل کر کے اسے توسیع دے دی جائے تاکہ کرایہ داروں کے لیے اس میں دلچسپی پیدا ہو سکے اور اس سے مسجد کو بھی کوئی نقصان نہیں ہو گا بلکہ مسجد کی موجودہ وسعت کی وجہ سے اس کی صفائی کا بھی صحیح انتظام نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ اس مسجد اور گھر کو ایک ہی شخص نے وقف کیا ہے اور بلاشک و شبہ وقف کرنے سے مقصد امام کی ضرورت کو پورا کرنا اور اسے پریشانی سے بچانا تھا۔ تو اندریں صورت حال فتویٰ دیجیے کیا مسجد کے کچھ حصہ کو اس گھر کی توسیع کے لیے شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب یہ جائز نہیں کہ مسجد کے صحن کا کچھ حصہ لے کر مذکورہ بالا گھر میں شامل کر دیا جائے کیونکہ اوقاف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ انہیں اسی طرح برقرار رکھا جائے جس طرح وہ اپنی اصلی حالت میں ہوں اور وقف کے رقبہ میں کوئی ایسا تصرف نہ کیا جائے جس سے وہ فاضل کے بجائے مفضول میں بدل جائیں۔ اگر مذکورہ گھر رہائش کے قابل نہیں ہے تو اس سلسلہ میں محکمہ اوقاف کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کا جائزہ لے کر اس کے لیے کوئی شرعی حل تجویز کیا جا سکے۔

وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مسجدوں کی آبادی نماز سے ہے

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَـٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۸)

"اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اس آیت میں ﴿ یعمر ﴾ (آباد کرتے ہیں) کے کیا معنی ہیں؟ کیا کافروں کا تعمیر مسجد میں مدد کرنا جائز ہے؟ کیا مسجد بنانے

کے لیے عیسائی مزدوروں سے کام لیا جا سکتا ہے؟

جواب حقیقت میں مسجد کی آبادی اس میں نماز' اطاعت' اعتکاف اور دیگر بدنی و قولی عبادتوں کے بجالانے سے ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو مسجد میں تقرب الٰہی کے حصول کی مختلف صورتوں کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کے ایمان کی گواہی بھی دی گئی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے' جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن قرار دیا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ح:٢٦١٧)

''جب تم کسی آدمی کو کثرت سے مسجد میں آتا جاتا دیکھو تو اس کے ایمان کے گواہ بن جاؤ۔''

آپ نے یہ بات اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکوں کے اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے کی نفی کی گئی ہے۔

اجروثواب کے حصول کے لیے پاک کمائی کو مسجد بنانے میں خرچ کرنا بھی اس کی آبادی میں داخل ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر مسجدیں بنانے کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے۔ اگر کفار مسجدوں کی تعمیر کے لیے مالی مدد کریں تو یہ ان کے لیے منفعت بخش نہ ہوگی' کیونکہ شرک کی وجہ سے ان کے سارے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے مال سے مسجد بنائیں یا اس میں مالی طور پر حصہ ڈالیں تو اس مسجد میں نماز جائز ہوگی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

توسیع شدہ حصے کا حکم وہی ہے جو اصل کا ہے

سوال کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے'' مسجد نبوی کی صرف انہی حدود کے ساتھ مخصوص ہے جو عہد نبوی میں تھیں یا یہ ارشاد موجودہ تمام مسجد کے لیے بھی ہے؟

جواب مسجد نبوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجودہ مسجد سے بہت چھوٹی تھی' اسی طرح مسجد حرام بھی بہت چھوٹی تھی۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حکمرانوں نے ان دونوں میں توسیع اور اضافے کئے۔ تمام احکام کے اعتبار سے وسیع شدہ حصوں کا حکم بھی وہی ہے جو اصل کا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کفار کا مسجدوں میں داخلہ اور تعمیر مساجد کے لیے ان سے استعانت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَّالَاهُ - وبَعْدُ

کونسل ''ھیئۃ کبار العلماء'' نے اپنے سولھویں اجلاس میں جو طائف میں ۱۲ شوال سے ۲۱ شوال ۱۴۰۰ ہجری تک منعقد ہوا' کافروں کے مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلہ اور تعمیر مساجد کے لیے ان کی اعانت کے مسئلہ پر غور کیا کیونکہ اس مسئلہ میں راہنمائی کے لیے سماحۃ الرئیس العام لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد کو وکیل وزارۃ الاشغال

العامة والاسکان لشؤون الاشغال العامة کی طرف سے ٹیلی گرام نمبر ۵۳۳۴/ ۲ مورخہ ۲۹/ ۶/ ۱۴۰۰ ہجری کو موصول ہوا تھا جس کا مضمون یہ ہے:

"گزارش ہے کہ ایک ٹھیکیدار نے ایک مسجد کی تعمیر کا ٹھیکہ لیا ہے اور اس کام کے سرانجام دینے کے لیے اس نے جس انجینئر کو مقرر کیا ہے وہ عیسائی ہے۔ امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کیا شرعی طور پر کوئی امر اس بات سے مانع تو نہیں ہے کہ مسجدوں کی تعمیر اور ان کے کام کی نگرانی کے لیے غیر مسلموں سے مدد لی جائے؟"

کونسل نے اس موضوع سے متعلق جب اس تحقیقی کام کا جائزہ لیا جسے "بحوث العلمیة والافتاء" کی --فتویٰ کمیٹی-- نے تیار کیا تھا اور پھر اس موضوع سے متعلق اہل علم کو بھی سنا تو بالاتفاق یہ رائے قائم کی کہ جب مسلمان یہ کام کر سکتے ہوں تو تعمیر مساجد کا کام کافروں کے سپرد نہیں کرنا چاہیے' اور اس مقصد یا دیگر مقاصد کے لیے کافروں کو نہیں بلانا چاہیے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت پر عمل کیا جا سکے کہ "جزیرۃ العرب میں دو دین نہیں ہونے چاہئیں" [1]

اس علاقے میں دین' اور امن و استقرار کی حفاظت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہاں غیر مسلموں کو نہ آنے دیا جائے۔ اسی طریقے ہی سے ہم اپنے ملک کو ان خطرات سے بچا سکتے ہیں جس میں ہمارے کئی پڑوسی ملک کافروں کے مقیم ہونے اور بہت سے امور کی ذمہ داری کی وجہ سے مبتلا ہو چکے ہیں۔ کافروں کی طرف سے مسجدوں کی ڈیزائننگ اور اس کے مطابق تعمیر میں دھوکے کے اس پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ انہیں گرجوں کی شکل و صورت کے قریب یا مشابہ بنانے کی کوشش بھی کریں گے جیسا کہ عملی طور پر بعض جگہ ایسا دیکھنے میں آیا ہے نیز وہ مسجدوں کی تعمیر اور کنسٹرکشن میں بھی دھوکا دیں گے کیونکہ وہ تو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

کونسل یہ سفارش کرتی ہے کہ وزارت اشغال' وزارت حج اور وزارت اوقاف وغیرہ میں حکومت کے ان ذمہ دار لوگوں کو متنبہ رہنا چاہیے جن کی مسجدوں کی تعمیر و نگرانی کے سلسلے میں ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا بڑی سختی کے ساتھ اہتمام کریں کہ مسجدوں کی تعمیر کے سلسلہ میں جب بھی کسی ٹھیکیدار سے کوئی معاہدہ کریں تو اس میں یہ شرط ضرور لگائیں کہ وہ کسی غیر مسلم کو مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں کسی بھی کام پر نہیں لگائیں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

ھیئۃ کبار العلماء' رئیس اجلاس عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ

اسماء گرامی دیگر علماء کرام: عبداللہ خیاط' عبداللہ بن محمد بن حمید' عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز' سلیمان بن عبید' عبدالعزیز بن صالح' محمد بن علی الحرکان' راشد بن خنین' محمد بن جبیر' ابراہیم بن محمد آل شیخ' عبداللہ بن غدیان' صالح بن غصون' عبدالمجید حسن' عبداللہ بن قعود' عبداللہ بن منیع اور صالح بن لحیدان۔

مختلف مواقع پر مساجد کی تزئین و آرائش

سوال بعض مسجدوں میں یہ رواج ہے کہ عیدالفطر یا دیگر دینی مناسبتوں کے موقع پر انہیں بجلی کے رنگ برنگے قمقموں اور پھولوں وغیرہ سے سجایا جاتا ہے کیا اسلام میں یہ عمل جائز ہے؟ اس کے جواز یا ممانعت کی کیا دلیل ہے؟

---

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار: 2/94-95، حدیث: 1286۔

جواب مسجدیں اللہ کے گھر اور زمین کے بہترین ٹکڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید' ذکر الٰہی اور اقامت نماز کے ساتھ رفعت و عظمت بخشی جائے' لوگ مسجدوں میں آکر دین سیکھیں اور رشد و بھلائی کی وہ دولت حاصل کریں جو ان کے لیے دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی کا ذریعہ بنے۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ مسجدوں کو گندگی' بتوں' شرک و بدعت کے اعمال' خرافات' میل کچیل' نجاست' لہو ولعب اور شور و غوغا سے پاک صاف رکھا جائے حتیٰ کہ مسجد میں کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرنا بھی ممنوع ہے اور وہ تمام امور بھی منع ہیں جن سے مسجد ایک عام راستہ یا تجارت کا بازار معلوم ہو نیز اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ مسجد میں کسی مردے کو دفن کیا جائے یا مسجد کو قبروں پر بنایا جائے۔ مسجد کی دیواروں پر تصویریں لٹکانے اور بنانے سے بھی منع کر دیا گیا ہے' الغرض ان تمام امور سے منع کر دیا گیا ہے جو شرک کا ذریعہ ہوں' اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے کے دل کو کسی اور طرف مشغول کرنے والے ہوں یا اس مقصد کے منافی ہوں جس کی خاطر مسجد بنائی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ان تمام امور کو ملحوظ خاطر رکھا جیسا کہ آپ کی سیرت اور آپ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ امت کے سامنے بھی آپ نے تمام امور کو واضح فرما دیا تاکہ احترام اور تعمیر مساجد کے مسئلہ میں بھی امت آپ کے نقش قدم پر چلے' آپ کی ہدایت سے فیض یاب ہو اور اللہ کے رسول امین ﷺ کی اقتداء و پیروی کرتے ہوئے مساجد کے ذریعہ اسلامی شعائر کو سربلند کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو۔

نبی کریم ﷺ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہے کہ آپ نے مسجد کی عظمت کی خاطر کبھی عیدوں یا دیگر مناسبتوں سے روشنیوں اور پھولوں کا اہتمام کیا ہو حضرات خلفاء راشدین اور ان قرون اولیٰ کے ائمہ مہتدین سے بھی ایسا ثابت نہیں ہے' جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ گواہی ہے کہ وہ "خیرالقرون" ہیں حالانکہ پہلی تین صدیوں ہی میں لوگ بہت ترقی کر چکے تھے' مال و دولت کی بھی فراوانی ہو چکی تھی' تہذیب و ثقافت سے بھی وہ خوب آشنا ہو چکے تھے' آرائش و زیبائش اور رنگ و نور کی انواع و اقسام کی چیزیں بھی انہیں میسر تھیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا اور پھر ہر طرح کی خیر و بھلائی تو صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ' آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ائمہ دین کی اتباع ہی میں ہے۔

پھر مسجدوں میں چراغ جلانے' بجلی کے قمقمے لگانے' جھنڈے لہرانے اور تزئین و آرائش کے لیے عیدوں اور دیگر موقعوں پر پھول سجانے میں کفار کے ساتھ مشابہت بھی تو ہے۔ وہ بھی تو اپنے گرجوں اور مندروں میں ایسا ہی کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم کافروں کی عیدوں اور عبادتوں میں ان کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

باب پنجم

کتاب الجنائز

غسل کے احکام

غسل میت کا شرعی طریقہ

سوال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مروی' میت کو غسل دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب میت کو غسل دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان' میت کی شرم گاہ کو دھوئے' پھر اسے غسل دینا شروع کرے اور پہلے اسے وضو کرائے لیکن اس کے منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالے بلکہ کپڑے کو پانی سے تر کر کے اس کے منہ اور ناک کو صاف کر دے' پھر باقی جسم کو ایسے پانی سے دھوئے جس میں بیری کے پتے ملے ہوئے ہوں (وہ اس طرح کہ) بیری کے پتے باریک کوٹ کر پانی میں ملائے جائیں اور پھر پانی میں ہاتھ ڈال کر ہلایا جائے حتیٰ کہ بیری کے پتوں کا جھاگ پیدا ہو جائے تو جھاگ لے کر سر اور داڑھی کو دھو دے اور باقی پتوں کے ساتھ باقی سارے جسم کو اچھی طرح دھو دیا جائے' بیری کے پتوں کے استعمال سے خوب اچھی طرح صفائی ہو جائے گی۔ آخری بار جسم پر پانی بہاتے ہوئے اس میں کافور بھی شامل کر لیا جائے جو کہ ایک معروف خوشبو ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کافور کے استعمال کے فائدے یہ ہیں کہ اس سے جسم سخت ہو جاتا ہے اور کیڑے مکوڑے بھاگ جاتے ہیں۔

اگر میت کے جسم پر میل زیادہ ہو تو اسے زیادہ بار غسل دیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان خواتین سے فرمایا تھا جو آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں:

«اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ» (صحيح البخاري، الجنائز، باب يجعل الكافور في الأخيرة، ح:١٢٥٩ وصحيح مسلم، الجنائز، باب في غسل الميت، ح:٩٣٩)

"اسے تین بار یا پانچ بار یا سات بار غسل دو اور اگر ضرورت محسوس کرو تو اس سے زیادہ بار بھی غسل دے سکتی ہو۔"

غسل کے بعد میت کے جسم سے پانی کو صاف کر دیا جائے اور اسے کفن پہنا دیا جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شوہر کے اپنی بیوی کو غسل دینے میں کوئی حرج نہیں

سوال ہم نے عام لوگوں سے یہ بات بہت سنی ہے کہ وفات کے بعد بیوی اپنے شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے لہٰذا شوہر کے لیے اس کی طرف دیکھنا اور اسے قبر میں اتارنا جائز نہیں ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ جواب سے نوازیں' اللہ تعالیٰ آپ کو

برکت عطا فرمائے۔

جواب شرعی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ بیوی اپنے شوہر کو غسل دے اور اسے دیکھے اور شوہر اپنی بیوی کو غسل دے اور اس کی طرف دیکھے۔ حضرت اسماء بنت عمیس نے اپنے شوہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود غسل دیا تھا[1] اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیں۔[2]

——— شیخ ابن باز ———

میت کے سونے کے دانت اتارنا

سوال جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس نے سونے کے دانت لگا رکھے ہوں تو کیا انہیں اتارنا جائز ہے تاکہ اس کا قرض ادا کیا جائے خواہ یہ آسانی سے نہ اتر سکتے ہوں اور اگر اس کے ذمہ قرض نہ ہو تو کیا انہیں نہ اتارا جائے؟

جواب جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس نے سونے یا چاندی کے دانت لگائے ہوں اور انہیں آسانی سے نہ اتارا جا سکتا ہو تو پھر انہیں نہ اتارنے میں کوئی حرج نہیں' خواہ وہ مقروض ہو یا نہ ہو۔ اور کچھ وقت بعد انہیں اتارنا بھی ممکن ہے تاکہ وارث انہیں لے لیں یا ان سے اس کا قرض ادا کیا جائے اور اگر انہیں آسانی سے اتارنا ممکن ہو تو پھر انہیں اتارنا واجب ہے کیونکہ یہ مال ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے مال کو ضائع کرنا درست نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

میت کے بال کاٹنا

سوال کیا میت کے بال کاٹنا جائز ہے؟

جواب اگر میت کی مونچھوں کے بال بہت لمبے ہوں تو انہیں کاٹنے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح بغل کے بالوں کو بھی صاف کیا جا سکتا ہے لیکن وفات کے بعد زیر ناف اور شرم گاہ کے بالوں کو صاف کرنا جائز نہیں' کیونکہ مرد ہو یا عورت اس کی شرم گاہ کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ آدمی کے سر کے بالوں میں کنگھی کر دی جائے اور عورت کے بالوں کو گوندھ کر تین لٹیں بنا دی جائیں اور انہیں پیچھے کی طرف ڈال دیا جائے' کاٹا نہ جائے اور انہیں اسی طرح اپنی حالت میں رہنے دیا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

---

[1] موطا امام مالک: 223/1۔

[2] سنن دارقطنی: 78/2' حدیث: 1833 والبیهقی فی الکبری: 396/3۔

نماز جنازہ کی کیفیت

سوال امید ہے کہ آپ نماز جنازہ کی اس کیفیت کو بیان فرما دیں گے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے' کیونکہ بہت سے لوگ اس سے ناواقف ہیں؟

جواب نماز جنازہ کی کیفیت کو نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ سب سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر نماز کو شروع کیا جائے پھر تعوذ' تسمیہ' سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی چھوٹی سورت یا چند آیات پڑھے' پھر اللہ اکبر کہے اور نبی کریم ﷺ پر وہی درود پڑھا جائے جو نماز کے آخر میں پڑھا جاتا ہے' پھر تیسری بار اللہ اکبر کہے اور میت کے لیے دعا کرے' افضل یہ ہے کہ یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ! مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلاَمِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الإِيمَانِ، اَللّٰهُمَّ! لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلاَ تُضِلَّنَا بَعْدَهُ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، ح:٣٢٠١ وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الدعاء في الصلاة علي الميت، ح:١٤٩٨)

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ، وَأَهْلاً خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ وأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة، ح:٩٦٣)

«وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب في اغماض الميت والدعاء له ... الخ، ح:٩٢٠)

"اے اللہ! تو ہمارے زندہ اور مردہ کو' حاضر اور غائب کو' چھوٹے اور بڑے کو' مردوں اور عورتوں کو بخش دے! اے اللہ! تو ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھنا اور جس کو وفات دے اسے ایمان پر فوت کرنا۔
اے اللہ! تو ہمیں اس (پر صبر کرنے) کے اجر سے محروم نہ کرنا اور نہ اس (کی وفات) کے بعد ہمیں گمراہ کرنا۔"

"اے اللہ! تو اسے معاف فرما دے' اس پر رحم فرما' اسے سزا (اور عذاب) سے بچا' اسے عافیت دے اور اس کی کریمانہ مہمانی فرما اور اس کا ٹھکانہ (قبر) کشادہ کر دے اور اسے خطاؤں (اور گناہوں) سے پانی' برف اور اولوں کے ساتھ ایسے دھو دے اور پاک صاف کر دے جیسے تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ اور اسے اس کے (دنیا کے) گھر سے بہتر گھر' اور اس کے گھر والوں سے بہتر گھر والے اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی بدلہ میں دے دے۔ اور اسے جنت میں داخل فرما دے اور اسے قبر کے عذاب سے اور (جہنم کی) آگ کے عذاب سے پناہ دے دے۔"

"اس کی قبر کو کشادہ فرما دے اور اسے منور کر دے۔"

یہ سب دعائیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں' اگر کچھ اور دعائیں پڑھ لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں مثلاً یہ دعا پڑھ سکتا ہے:

«(اَللّٰھُمَّ) إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ» (المستدرك للحاكم: ۱/ ۳۵۹)

"(اے اللہ!) اگر یہ نیک ہے تو تُو اس کی نیکی (کے اجروثواب) میں اضافہ فرما اور اگر یہ خطاکار ہے تو اس (کی خطاؤں) سے درگزر فرما۔ اے اللہ تو اسے معاف فرما اور قول ثابت کے ساتھ اسے ثابت قدمی عطا فرما۔"

پھر چوتھی مرتبہ اللہ اکبر کہے اور تھوڑے سے وقفہ سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں طرف ایک بار سلام پھیردے (1) ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین بھی مستحب ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ (2)

سنت یہ ہے کہ امام' مرد کے سر کے پاس اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو کیونکہ بروایت انس و سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے۔ بعض علماء جو یہ فرماتے ہیں کہ مرد کے سینہ کے پاس کھڑا ہونا سنت ہے تو یہ ایک ضعیف قول ہے' ہمارے علم کے مطابق اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نماز جنازہ کے وقت میت کو قبلہ رخ رکھا جائے کیونکہ کعبہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے:

«إِنَّهَا قِبْلَةُ الْمُسْلِمِينَ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا»(لم أجده)

"یہ زندہ اور مردہ سب مسلمانوں کا قبلہ ہے۔" واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

فوت شدہ بچہ' جس کی نماز جنازہ بھول جانے کی وجہ سے نہ پڑھی جا سکی

سوال میرا ایک چھ ماہ کی عمر کا بچہ فوت ہو گیا تھا' میں نے اسے قبرستان میں جا کر دفن کر دیا لیکن بھول جانے کی وجہ سے میں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکا' اب مجھے بچے کی قبر کا بھی علم نہیں ہے تو کیا کوئی ایسا صدقہ یا کوئی اور ایسا عمل ہے جو نماز جنازہ سے کفایت کر سکے؟

جواب کوئی دوسرا ایسا عمل نہیں جو نماز جنازہ سے کفایت کر سکے' خواہ میت کسی بڑی عمر کے آدمی کی ہو یا بچے کی' صدقہ نماز جنازہ کا بدل ہو سکتا ہے نہ کوئی اور نیکی کا کام' لہٰذا اس قبرستان میں جاؤ جس کی ایک قبر میں اس بچے کو دفن کیا تھا' قبرستان کو اپنے اور قبلہ کے درمیان کر لو اور اس بچے کی نماز جنازہ کو وضو اور نماز کی دیگر تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرو! چونکہ آپ کو متعین طور پر بچے کی قبر کا علم نہیں لہٰذا اس طرح نماز جنازہ پڑھنا کافی ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة۲/ ۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اور فرمایا:

---

(1) مصنف ابن ابی شیبہ' الجنائز' باب في التسليم على الجنازة كما هو' حدیث: 11491۔

(2) اگرچہ یہ مسئلہ علماء کے مابین مختلف فیہ ہے تاہم راجح قول کے مطابق نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا صحیح مرفوع احادیث سے ثابت نہیں بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً منقول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 296/3 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احکام الجنائز للالبانی)

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو۔" واللہ الموفق۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب نماز جنازہ اور فرض نماز جمع ہو جائیں

سوال جب کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو اور وہ دیکھے کہ لوگ جنازہ پڑھ رہے ہیں' وقت بھی تنگ ہو مثلاً نماز مغرب کا وقت ہو (ابھی اس نے نماز پڑھنی ہو) تو کیا وہ نماز مغرب پڑھے یا نماز جنازہ؟

جواب اگر فرض نماز کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پہلے نماز جنازہ پڑھ لے کیونکہ اس طرح فرض نماز فوت نہیں ہو گی جب کہ پہلے فرض پڑھنے کی صورت میں نماز جنازہ فوت ہو جائے گی اور اس طرح آدمی دونوں فضیلتوں کو حاصل کر سکے گا اور اگر فرض نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر فرض نماز شروع کر لے اور نماز جنازہ چھوڑ دے کیونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ کچھ لوگوں کے پڑھ لینے کی صورت میں یہ فرض سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے جب کہ فرض نماز کے لیے وقت شرط ہے جب تک وقت باقی ہو تو اس میں گنجائش ہے لیکن جب وقت تنگ ہو تو اس وقت فرض نماز کا ادا کرنا متعین ہو گا۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ممنوع وقت میں نماز جنازہ

سوال کیا ممنوع وقت میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب نماز جنازہ ممانعت کے ان اوقات میں تو جائز ہے جن میں وسعت ہے مثلاً عصر یا فجر کے بعد لیکن وہ اوقات جو تنگ ہیں ان میں جائز نہیں مثلاً غروب آفتاب کے وقت حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے' طلوع آفتاب کے وقت حتیٰ کہ ایک نیزہ کی مقدار برابر سورج بلند ہو جائے اور دوپہر کے وقت حتیٰ کہ زوال شروع ہو جائے۔ یاد رہے ان اوقات میں میت کو دفن کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عورت کے لیے نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے

سوال کیا عورت کے لیے مردوں کے ساتھ شریک ہو کر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب ان عبادات میں اصول یہ ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں بیان فرمایا ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے عام ہیں حتیٰ کہ مردوں یا عورتوں کی تخصیص کی کوئی دلیل موجود ہو۔ نماز جنازہ بھی ان عبادات میں سے ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے سو یہ خطاب عام ہے جو مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے' لہٰذا اس فرض کو اکثر و بیشتر حالتوں میں صرف مرد ہی ادا کرتے ہیں کیونکہ عورتیں تو اکثر اپنے گھروں ہی میں ہوتی ہیں لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ صرف عورتیں ہی کسی میت کی نماز جنازہ پڑھیں تو اس سے فرض ادا ہو جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ سعد بن ابی وقاص کا جنازہ لایا جائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھیں'[1] چنانچہ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے مردوں کے ساتھ نماز جنازہ میں شرکت کرنا جائز ہے۔ نماز جنازہ میں بھی عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے ہوں گی' یہ بھی ثابت ہے کہ عورتوں نے بھی نبی کریم ﷺ پر اسی طرح صلوٰۃ پڑھی[2] تھی جس طرح مردوں نے پڑھی تھی ہاں البتہ عورتیں دفن کے لیے جنازہ کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس سے منع فرما دیا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا عورت نماز جنازہ پڑھ سکتی ہے؟

سوال دیکھنے میں آیا ہے کہ عورت نماز جنازہ نہیں پڑھتی' فضیلۃ الشیخ سے سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممنوع ہے؟

جواب نماز جنازہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَّمَنْ شَهِدَ حَتَّى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيرَاطَانِ قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، ح:١٣٢٥ وصحيح مسلم، الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنازة، ح:٩٤٥)

"جس شخص نے جنازے میں شریک ہو کر نماز جنازہ پڑھی اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو اس کے دفن تک موجود رہے اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے۔ عرض کیا گیا دو قیراط کتنے ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا دو بڑے پہاڑوں کے برابر۔"

لیکن عورتوں کے لیے جنازہ کے ساتھ قبرستان میں جانا جائز نہیں ہے' کیونکہ انہیں اس سے منع کر دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد' حدیث: 973-

[2] سنن الکبری: 30/4-

«نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا»(صحيح البخاري، الجنائز، باب اتباع النساء الجنازة، ح:١٢٧٨ وصحيح مسلم، الجنائز، باب نهي النساء عن اتباع الجنائز، ح:٩٣٨)

"ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کر دیا گیا اور اسے ہمارے لیے ضروری قرار نہیں دیا گیا۔"

لیکن نماز جنازہ پڑھنے سے عورتوں کو منع نہیں کیا گیا خواہ نماز جنازہ مسجد میں ادا کی جا رہی ہو یا گھر میں یا جنازہ گاہ میں۔ عورتیں مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی اور آپ کے بعد بھی نماز جنازہ پڑھتی رہی ہیں۔ [1]

جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جانے کی طرح زیارت قبور بھی صرف مردوں کے لیے مخصوص ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [2] اس ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ جنازوں کے ساتھ قبرستان جانے اور زیارت قبور میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ عورتوں کی وجہ سے مرد اور مردوں کی وجہ سے عورتیں فتنہ میں مبتلا ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب ما يُتَّقَى من شؤم المرأة ... الخ، ح:٥٠٩٦ وصحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ...، ح:٢٧٤٠)

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر نقصان دہ ہو۔"

شیخ ابن باز

غائبانہ نماز جنازہ

سوال ہم غائبانہ نماز جنازہ کس طرح پڑھیں؟

جواب غائبانہ نماز جنازہ بھی حاضر میت کی نماز جنازہ کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب نجاشی کے انتقال کی خبر دی تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ عید گاہ میں چلیں۔ وہاں آپ نے لوگوں کی صفیں بنا دیں اور پھر اسی طرح چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی [3] جس طرح آپ حاضر میت کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر میت کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک میت کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے حتیٰ کہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ ہر شام کو نماز جنازہ پڑھے اور نیت یہ کرے کہ یہ ہر اس مسلمان کی نماز جنازہ ہے جو آج زمین کے مشرق یا مغرب میں فوت ہوا ہے۔ کچھ دیگر اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ ہر ایک کی تو نہیں بلکہ صرف اس شخص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے جس کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہو کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ ایک تیسرے گروہ کا یہ کہنا ہے کہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے جس نے علم نافع وغیرہ کی صورت میں مسلمانوں پر احسان کیا ہو۔ ان میں سے راجح قول یہی ہے کہ صرف اسی شخص کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے جس کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو۔

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد' حدیث: 973۔

[2] سنن ابی داود' الجنائز' باب فی زیارۃ النساء القبور' حدیث: 3236 و جامع الترمذی' حدیث: 320 و سنن نسائی' حدیث: 2045۔

[3] صحیح بخاری' الجنائز' باب الصلاۃ علی الجنائز الخ' حدیث: 1327-1328 و صحیح مسلم' باب فی التکبیر علی الجنازۃ' حدیث: 951۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں بہت سی ایسی شخصیتیں فوت ہوئیں جن کے مسلمانوں پر بہت احسانات تھے لیکن ان میں سے کسی کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی۔ عبادات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ توقف کیا جائے الا یہ کہ ان کی مشروعیت کی دلیل موجود ہو۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا' رسول اللہ ﷺ کا خاصہ نہیں ہے

سوال کیا ہمارے لیے بھی اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوست نجاشی کا جنازہ پڑھا تھا یا یہ صرف آپ ہی کا خاصہ تھا؟

جواب غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے پڑھا ہے۔ یہ آپ کا خاصہ بھی نہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تو آپ کے ساتھ نجاشی کا جنازہ غائبانہ پڑھا تھا اور پھر اصل عدم خصوصیت ہی ہے (الا یہ کہ خصوصیت کی کوئی دلیل ہو) لیکن غائبانہ جنازہ ہر ایک کا نہیں بلکہ صرف اس کا پڑھا جائے گا جس کا اسلام میں خاص مقام و مرتبہ ہو گا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

نماز جنازہ کے بعد دعا

سوال نماز جنازہ کے بعد دعا کا کیا حکم ہے؟

جواب دعا عبادت کی روح ہے۔ [1] بندے کا اپنے رب سے اپنے لیے یا کسی اور کے لیے مانگنا اور اپنی ضرورت و حاجت براری کے لیے اپنے مولا کے سامنے عجزونیاز اور عبودیت کا اظہار کرنا ایک ایسا کام ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ترغیب دی ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (الغافر ۴۰/ ۶۰)

"اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا:

﴿ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ﴾ (الأعراف ۷/ ۵۵)

"(لوگو!) اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے قول و عمل سے دعا کی تلقین فرمائی ہے اور دعا میں اصل اطلاق ہے الا یہ کہ کسی وقت کے ساتھ اس کی قید ثابت ہو جائے یا کسی حالت یا کسی وقت معین میں کثرت کے ساتھ دعا کی ترغیب ثابت ہو مثلاً نماز میں بحالت سجدہ یا رات کے آخری حصہ میں دعا کی ترغیب موجود ہے لہٰذا اطلاق و تقیید کے بارے میں مسلمان کو صرف اسی کی پابندی کرنا چاہیئے جو نصوص سے ثابت ہو۔ نماز جنازہ کی احادیث میں میت کے لیے دعا کرنا ثابت ہے اسی طرح دفن سے

---

[1] جامع الترمذی' الدعوات' باب ماجاء فی فضل الدعاء' ح: 3371-

فراغت کے بعد بھی میت کے لیے دعا اور استغفار ثابت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر ... الخ، ح:٣٢٢١)

"اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرو' کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔"

رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ جب قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو اہل قبور کے لیے دعا فرماتے [1] اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیارت قبور کی دعا اس طرح سکھاتے جس طرح آپ قرآن مجید کی سورتیں سکھایا کرتے تھے لیکن نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا۔ نبی ﷺ سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے۔ نہ آپ کی سنت سے یہ ثابت ہے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہی سے اگر نبی ﷺ نے یا صحابہ کرام نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ہوتی تو وہ بھی اسی طرح ثابت ہوتی جس طرح آپ سے نماز جنازہ میں' زیارت قبور کے موقع پر اور دفن سے فراغت کے بعد دعا ثابت ہے' لہذا جب نماز جنازہ کے بعد آپ سے دعا ثابت نہیں ہے تو اسے یقیناً بدعت قرار دیا جائے گا اور کسی بھی مسلمان کو اس موقعہ پر دعا کرنا زیب نہیں دیتا' کیونکہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ ...»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧)

"میری سنت اور (میرے بعد کے) ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو اور دین میں نئے نئے کاموں سے بچو....."

——— فتویٰ کمیٹی ———

کافروں کے جنازوں میں شرکت

سوال کافروں کے جنازوں میں شرکت کے بارے میں کیا حکم ہے جو آج کل ایک سیاسی روایت اور بین الاقوامی عرف بن چکا ہے؟

جواب اگر کافر موجود ہوں جو اپنے مردوں کو خود دفن کر سکیں تو مسلمانوں کو ان کی تدفین کا کام نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تدفین میں شرکت اور تعاون بھی نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ان کے جنازوں کے ساتھ جانا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو عبداللہ بن ابی ابن سلول کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع فرما دیا تھا اور اس کی علت اس کا کفر بیان کی گئی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ فَـٰسِقُونَ ﴿٨٤﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٨٤)

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب مایقال عند دخول القبور والدعاء' ح: 974 - 975۔

"اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ کبھی اس پر (نماز جنازہ) نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا' بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور مرے بھی ایسی حالت میں کہ وہ نافرمان تھے۔"

اور اگر کوئی کافر انہیں دفن کرنے کے لیے موجود نہ ہو تو پھر مسلمانوں کو چاہیئے کہ انہیں دفن کر دیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر میں قتل ہونے والے کافروں کو دفن کروا دیا تھا۔ [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

بدعتیوں کے جنازہ میں حاضر ہونا

سوال کیا اہل سنت کے لیے بدعتیوں کے جنازوں میں حاضری اور ان کے مردوں کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب وہ بدعتی جن کی بدعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک تک پہنچ جاتی ہے مثلاً جو مردوں یا غائب جنوں اور فرشتوں وغیرہ اور دیگر مخلوقات سے مدد مانگتے اور فریاد کرتے ہیں تو وہ کافر ہیں' ان کے مردوں کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے جنازوں میں حاضر ہونا جائز نہیں ہے اور وہ بدعتی جن کی بدعت شرک تک نہیں پہنچتی مثلاً جو میلاد اور اسراء و معراج کی محفلیں منعقد کرتے ہیں تو یہ لوگ گناہ گار ہیں' ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور ان کے جنازوں میں بھی حاضری دی جائے گی اور ان کے لیے بھی مغفرت کی اسی طرح امید ہے جس طرح موحد گناہ گاروں کے لیے امید ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

"یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اسکا شریک بنایا جائے اور اسکے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

میت کو دفن کرنے کے احکام

میت کو اسی شہر میں دفن کیا جائے' جہاں وفات ہوئی ہے

سوال ایک باپ نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی ہے کہ اس کی وفات کے بعد اسکی میت کو مدینہ منورہ لے جاکر بقیع الغرقد میں دفن کر دیا جائے' تو سوال یہ ہے کہ ایک شہر سے لے جاکر دوسرے شہر میں میت کو دفن کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ کے عہد میں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں عملی سنت یہ رہی ہے کہ مردوں کو اسی شہر میں دفن کیا جاتا رہا ہے جہاں ان کی وفات ہوئی اور شہداء کو بھی وہیں دفن کیا جاتا رہا ہے جہاں انہوں نے شہادت پائی۔ کسی بھی صحیح حدیث یا اثر سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کو اس شہر کے قبرستان کے علاوہ جہاں اس کی وفات ہوئی' کسی اور شہر' یا اس کے مضافات یا اس کے قریب کسی اور جگہ دفن کیا گیا ہو۔ اسی وجہ سے جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی صحیح غرض کے بغیر میت کو دفن کرنے کے لیے اس شہر کے علاوہ جہاں اس کی وفات ہوئی ہو کسی اور شہر میں دفن کیا جائے۔ غرض صحیح یہ ہے کہ مثلاً اگر اس شہر میں اسے دفن کیا جائے تو کسی دشمنی اور جھگڑے وغیرہ کی وجہ

[1] صحیح بخاری 'المغازی' باب قتل أبی جھل 'حدیث:3976 و صحیح مسلم 'الجنة' باب عرض مقعد المیت..... 'حدیث:2874-2875-

سے اس کی قبر کی بے حرمتی اور توہین کیے جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں واجب ہے کہ اسے کسی ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں اس طرح کا کوئی ڈر نہ ہو یا اسے اس کے اپنے شہر میں اس لیے منتقل کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے اہل خانہ بھی اس کی زیارت کر سکیں اور اس طرح ان کی دلجوئی بھی کی جا سکے لیکن اس طرح کی جواز کی صورتوں کے باوجود یہ شرط ہے کہ اس میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ میت میں تبدیلی کا عمل شروع ہو جائے یا اس کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو۔ اگر اس طرح کا کوئی حقیقی سبب موجود نہ ہو یا یہ شرطیں پوری نہ ہوتی ہوں تو پھر میت کو منتقل کرنا جائز نہیں۔

برکت کی امید سے افضل شہر کی طرف منتقل کرنے کی اجازت دینے میں ایک خرابی کا پہلو بھی ہے جسے بعد میں ختم کرنا بہت مشکل ہو جائے گا اور وہ یہ کہ اس طرح تو پھر بہت سے لوگ یہ چاہیں گے کہ اسی غرض سے انہیں بھی یہاں دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ اس لیے کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ ہر میت کو اسی شہر کے قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں اس کا انتقال ہوا ہو اور کسی صحیح مقصد کے بغیر اسے کسی دوسرے شہر میں منتقل نہ کیا جائے تاکہ سنت کے مطابق عمل ہو سکے' سلف امت کے عمل کی اتباع ہو سکے' سد ذریعہ ہو سکے' شریعت نے میت کو جلد دفن کرنے کا جو حکم دیا ہے اس پر عمل ہو سکے' میت کو خراب ہونے سے بچایا جا سکے' شرعی ضرورت و حاجت کے بغیر خرچ ہونے والے مال میں اسراف سے بچا جا سکے اور اس کی بجائے اس مال سے وارثوں کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس مال کو شرعی مصارف اور نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اس فتویٰ پر کمیٹی کے تمام ارکان نے دستخط کئے ہیں۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا

سوال آپ کی کیا رائے ہے کہ کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ بعد از وفات اسے فلاں جگہ لے جا کر دفن کیا جائے تو کیا اس وصیت کے مطابق عمل کیا جائے گا؟

جواب سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے پوچھا جائے کہ اس نے تدفین کے لیے اس جگہ کو کیوں پسند کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی فرضی قبر ہو یا کوئی ایسی قبر ہو جس پر جا کر لوگ شرک کرتے ہوں یا اس وصیت کا اس طرح کا کوئی اور حرام سبب ہو تو اس صورت میں اس وصیت کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں ہو گا۔ لہٰذا وصیت کرنے والا اگر مسلمان ہو تو اسے مسلمانوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ اگر ان مذکورہ مقاصد کے علاوہ کسی اور مقصد سے وصیت کی ہو مثلاً یہ کہ اس شہر میں اس نے زندگی بسر کی ہو تو اس صورت میں اس وصیت پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس طرح اس پر بہت زیادہ مالی اخراجات نہ ہوتے ہوں اور اگر اس پر بہت زیادہ روپے خرچ ہوتے ہوں تو پھر وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ساری زمین ایک جیسی ہے بشرطیکہ زمین مسلمانوں کی ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ دفن کیا جائے

سوال ہمارے ہاں مصر میں میت کو اس طرح پشت کے بل لٹا کر دفن کیا جاتا ہے کہ دایاں ہاتھ پیٹ پر بائیں ہاتھ کے

اوپر ہوتا ہے لیکن سعودیہ میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ یہاں دائیں پہلو پر دفن کیا جاتا ہے۔ امید ہے مستفید فرمائیں گے کہ کون سا طریقہ صحیح ہے؟

جواب صحیح طریقہ یہ ہے کہ میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ دفن کیا جائے' کیونکہ کعبہ زندوں کا بھی قبلہ ہے اور مردوں کا بھی' جیسے سونے والے کو نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ دائیں کروٹ لیٹے[1] اسی طرح میت کو بھی دائیں کروٹ ہی پر دفن کیا جائے گا کیونکہ وفات کے اعتبار سے نیند اور موت مشترک ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ﴾ (الزمر ۳۹/ ۴۲)

"اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کرلیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کرلیتا ہے۔)"

اور فرمایا:

﴿ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ (الأنعام۶/ ۶۰)

"اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کرلیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے' پھر تمہیں دن کے وقت اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) مدت معین پوری کردی جائے۔"

لہٰذا دفن میت کے بارے میں حکم شریعت یہ ہے کہ اسے دائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹایا جائے۔ سائل نے تدفین کے سلسلہ میں اپنے ملک میں جو دیکھا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جہالت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہو ورنہ مجھے معلوم نہیں کہ اہل علم میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ میت کو چت لٹایا جائے اور اس کے ہاتھ اس کے پیٹ پر رکھ دیئے جائیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لکڑی کے صندوق میں مسلمانوں کی تدفین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ

اسلامی فقہی کونسل نے اس سوال کا جائزہ لیا جو اسلامک یوتھ کے نگران اور آسٹریلیا کی ریاست وکٹوریہ کی اسلامی جمعیت کے وفد کے سربراہ کی طرف سے موصول ہوا کہ لکڑی کے صندوق میں مسلمانوں کی اس طرح تدفین کے بارے میں کیا حکم ہے جس طرح عیسائیوں کے ہاں اس کا رواج ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ بعض مسلمان اس طریقے کو اچھا سمجھتے اور اسی کو اختیار کرتے ہیں' حالانکہ مذکورہ ریاست کی حکومت نے مسلمانوں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنے مردوں کو اسلامی طریقے کے مطابق شرعی کفن میں دفن کر سکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے اور اس کا جائزہ لینے کے بعد اسلامی فقہی کونسل نے درج ذیل رائے کا اظہار کیا ہے:

---

[1] صحیح بخاری' الوضوء' باب فضل من بات علی وضوء' حدیث: 247 و صحیح مسلم' الذکر والدعاء' حدیث: 2710۔

① ہروہ عمل و کردار جسے کوئی مسلمان غیر مسلموں کی مشابہت اور تقلید میں اختیار کرے' احادیث صحیحہ کی روشنی میں وہ ممنوع ہے۔

② صندوق میں دفن کرنے سے مقصد اگر غیر مسلموں کے ساتھ تشبیہ ہو تو حرام ہے' اگر تشبیہ مقصود نہ ہو تو بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا جائے تو جائز ہے۔

میت کو رات کے وقت دفن کرنا

سوال اگر کسی میت کا انتقال آدھی رات سے پہلے یا بعد میں ہو تو کیا اسے رات کو دفن کرنا جائز ہے یا ضروری ہے کہ طلوع فجر کے بعد ہی دفن کیا جائے؟

جواب میت کو رات کے وقت دفن کرنا بھی جائز ہے' کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک انسان فوت ہو گیا جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عیادت فرمایا کرتے تھے' اس کا انتقال رات کو ہوا اور رات ہی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے دفن کر دیا' صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں بتایا تو آپ نے فرمایا:

«مَا مَنَعَكُمْ أَنْ تُعْلِمُونِي»(صحيح البخاري، الجنائز، باب الإذن بالجنازة، ح:١٢٤٧)

"مجھے کیوں نہ بتایا۔"

صحابہ نے عرض کیا "رات کا وقت تھا' اندھیرا بھی تھا' ہم نے پسند نہ کیا کہ آپ کو تکلیف دیں تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کا جنازہ پڑھا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ اسے رات کے وقت دفن کیوں کیا گیا ہاں البتہ آپ نے اس پر ضرور اعتراض فرمایا کہ آپ کو رات کے وقت ہی کیوں نہ بتایا گیا اور صبح کیوں بتایا ہے؟ جب اس سلسلہ میں صحابہ کرام نے عذر پیش کیا تو آپ نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کچھ لوگوں نے قبرستان میں آگ دیکھی تو اس کے پاس آگئے اور یہاں آکر کیا دیکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں کھڑے فرما رہے ہیں۔"

«نَاوِلُونِي صَاحِبَكُم»(سنن أبي داود، الجنائز، في الدفن بالليل، ح:٣١٦٤)

"یہ اپنا ساتھی مجھے پکڑاؤ۔"

یہ وہ صحابی تھے جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے اور یہ تدفین بھی رات کے وقت عمل میں آئی تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے قبرستان میں آگ دیکھی ......" الخ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین بھی رات کے وقت عمل میں آئی تھی جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا علم اس وقت ہوا جب ہم نے (بدھ کی) رات کے آخری پہر "مساحی" کی آواز سنی۔ [1] مساحی ان آلات کو کہتے ہیں' جن کے ساتھ مٹی کو کھودا یا کھرچا جاتا ہے۔ اسی طرح ابوبکر' [2] عثمان' [3] عائشہ [4] اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم [5] کو بھی رات ہی کے وقت دفن کیا گیا تھا۔

---

[1] مسند احمد:6/62-242-۔ [2] صحیح بخاری' الجنائز' باب موت یوم الاثنین' حدیث:1387 و مصنف ابن ابی شیبة:3/346-۔

[3] مصنف ابن ابی شیبة 3/346-۔ [4] اسد الغابة 5/54 و البدایة و النهایة 8/97-۔ [5] مصنف ابن ابی شیبة 3/346-۔

وہ روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا مکروہ ہے' وہ اس پر محمول ہے کہ کسی کو کم حیثیت سمجھتے ہوئے جلد بازی کے ساتھ راتوں رات دفن کر دیا جائے اور صبح تک لوگوں کو بھی نہ بتایا جائے تاکہ وہ اس کے جنازہ میں شریک ہی نہ ہو سکیں یا وہ اس لیے رات کو دفن کے لیے جلد بازی کا مظاہرہ کریں کہ انہوں نے کفن اچھا نہ دیا ہو اور اسے چھپانے کے لیے وہ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اسے رات ہی کو دفن کر دیں' چنانچہ اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ یا ممانعت کی روایت کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ افضل یہ ہے کہ دن کے وقت دفن کیا جائے تاکہ نماز جنازہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان شریک ہو سکیں۔ جنازہ کے ساتھ جانے والوں' تدفین میں شرکت کرنے والوں اور سنت کے مطابق لحد بنانے والوں کے لیے بھی اسی میں زیادہ سہولت ہے کہ تدفین کا عمل دن کے وقت سرانجام دیا جائے بشرطیکہ کوئی ایسی ضرورت نہ ہو جو جلد تدفین کی متقاضی ہو لیکن یاد رہے کہ زیادہ واجب یہی بات ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے خواہ رات کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و سلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

بوقت ضرورت ایک قبر میں دو میتوں کو دفن کرنا

سوال چھ ماہ کی بچی فوت ہوئی تو اسے ایک ایسے بچے کی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا کہ جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی چھٹے مہینے اسقاط ہو گیا تھا۔ کیا اس طرح (دونوں کو ایک قبر میں دفن) کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ ہر میت کو الگ الگ قبر میں دفن کیا جائے' اسی سنت پر مسلمان نبی کریم ﷺ کے دور سے آج تک عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ ہاں اگر دو یا دو سے زیادہ میتوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کی کوئی ضرورت و حاجت ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ "صحیحین" اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ضرورت و حاجت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ شہداء احد میں سے دو دو یا تین تین آدمیوں کو ایک قبر میں دفن کیا جائے۔ [1] اب اس دفن شدہ بچی اور ساقط شدہ جنین کی قبر کھودنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب وقت ختم ہو گیا اور جس نے ازراہ جہالت ایسا کیا اسے کوئی گناہ بھی نہ ہو گا' البتہ ہر اس شخص کے لیے یہ ضروری ہے جو کسی بھی عبادت یا کسی اور کام کو کرنے لگے تو یہ معلوم کرے کہ اس کے لیے احکام الٰہی کیا ہیں تاکہ وہ کسی ایسے امر کا ارتکاب نہ کر بیٹھے جو شرعاً ممنوع ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایک میت کو دوسری کے ساتھ دفن کرنا

سوال میری والدہ کا قریباً ۸۵ برس کی عمر میں انتقال ہوا' لیکن انہیں میری دوسری والدہ کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا' جن کا تین برس پہلے انتقال ہوا تھا تو اس بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

---

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب دفن الرجلین والثلاثۃ فی قبر' حدیث: 1345-

جواب کسی دوسری میت کے ساتھ دفن کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کے جسم کے کچھ حصے ابھی تک قبر میں باقی ہوں لہٰذا واجب یہ ہے کہ ہر میت کو ایک الگ اور مستقل قبر میں دفن کیا جائے۔ اگر میت کے لیے قبر کھودی جائے اور اس میں سے پہلی میت کے کچھ حصے برآمد ہوں تو ضروری ہے کہ انہیں دوبارہ دفن کر کے قبر کی مٹی اوپر ڈال دی جائے اور نئی میت کے لیے کوئی دوسری قبر کھودی جائے خواہ اس کے لیے جگہ دور ہی کیوں نہ ملے' کیونکہ مسلمان کی حرمت کا یہی تقاضا ہے خواہ وہ فوت شدہ ہی کیوں نہ ہو' چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ "میت کی ہڈی کو توڑنا اسی طرح ہے جیسے کسی زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔" [1]

—— شیخ ابن عثیمین ——

قبر میں عورت کے تنگ کو کھولنا

سوال میں ایک مسجد میں امام ہوں اور جمعہ کے خطبہ کے لیے شیخ محمد بن صالح بن عثیمین کی کتاب "الضیاء اللامع من الخطب الجوامع" سے استفادہ کرتا ہوں۔ اس کتاب میں حج کی ترغیب کے سلسلہ میں ایک خطبہ میں یہ عبارت بھی ہے کہ "عورت کے لیے سفر حج میں جو محرم کا ساتھ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے تو یہ اس کی حفاظت و صیانت کے لیے ہے۔ اس سلسلہ میں عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ اگر وہ سفر حج میں فوت ہو جائے تو محرم اس کے تنگ کو کھول سکے تو یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ عورت جب فوت ہو جائے تو اس کے کفن کے تنگ کو ہر شخص کھول سکتا ہے خواہ وہ محرم ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی کو جب دفن کیا جا رہا تھا تو نبی کریم ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما تھے' آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں تو آپ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اترنے کا حکم دیا' حالانکہ آپ خود بھی تشریف فرما تھے اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔" میں نے جب اسے خطبہ میں بیان کیا تو اس پر ایک طالب علم نے اعتراض کیا کہ یہ صحیح نہیں تو اس سلسلہ میں آپ سے فتویٰ مطلوب ہے کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب جی ہاں شیخ محمد بن صالح العثیمین نے اپنی کتاب "الضیاء اللامع" میں جو یہ لکھا ہے کہ "سفر حج اور دیگر سفروں میں عورت کے ساتھ محرم کا ہونا جو ضروری ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو وہ اس کے کفن کے تنگ کو کھول سکے" یہ بالکل صحیح ہے اسی طرح انہوں نے جو یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی صاحبزادی --- حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ --- کی قبر کے پاس تشریف فرما تھے اور آپ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قبر میں اتریں اور دفن کریں [2] جب کہ حضرت ام کلثوم کے والد گرامی اور شوہر نامدار موجود تھے' تو یہ استدلال بھی بالکل صحیح ہے اور یہ بات بھی درست نہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کا خاصہ تھا' کیونکہ اصول عدم خصوص ہی ہے الا یہ کہ خصوصیت کی کوئی دلیل ہو اور یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے۔

---

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب فی الحفار یجد العظم .....' حدیث: 3207 و سنن ابن ماجه' حدیث: 1616 - 1617-

[2] صحیح بخاری' الجنائز' باب من یدخل قبر المرأة' حدیث: 1342-

—— فتویٰ کمیٹی ——

غیر محرم کا عورت کو قبر میں اتارنا

سوال میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ میرا پاؤں کٹا ہوا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میری بیوی بیمار ہو گئی' علاج کے لیے اسے سعودیہ کے ایک ہسپتال میں داخل کروایا گیا' میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا تو وفات کے بعد اسے ایمبولینس کے ذریعہ قبرستان لے جایا گیا' ہسپتال کے بعض ملازمین بھی میرے ساتھ تھے اور قبر میں بھی اسے ہسپتال کے انہی ملازموں ہی نے اتارا' کیونکہ میں اپنے کٹے ہوئے پاؤں کی وجہ سے عاجز و قاصر تھا' لیکن میں اس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ کیا ان اجنبی اور غیر محرم آدمیوں نے میری بیوی کو جو قبر میں اتارا تو اس کا مجھے کوئی گناہ تو نہ ہو گا' کیا اس کا کوئی کفارہ وغیرہ تو نہیں؟

جواب غیر محرم اگر کسی عورت کو اس کی قبر میں اتاریں تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ محرم کی شرط قبر میں اتارنے کے لیے نہیں' بلکہ سفر کے لیے ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بوقت ضرورت مسلمانوں کو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنا

سوال کیا مسلمانوں کو کافروں کے قبرستانوں میں دفن کرنا جائز ہے' جبکہ مسلمان اپنے قبرستان سے اس قدر دور ہوں کہ وہاں میت کو لے جانے میں ایک ہفتہ سفر کرنا پڑتا ہو اور سنت یہ ہے کہ میت کو جلد دفن کر دیا جائے؟

جواب مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو کافروں کے قبرستان میں دفن کریں۔ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک سے لے کر اب تک اہل اسلام کا یہی معمول چلا آ رہا ہے کہ مسلمانوں کے قبرستان' کافروں کے قبرستان سے الگ ہوتے ہیں اور کبھی بھی کسی مسلمان کو کسی مشرک کے ساتھ دفن نہیں کیا گیا۔ اس بات پر گویا تمام امت کا اجماع ہے کہ مسلمانوں کے قبرستان کافروں کے قبرستان سے الگ تھلگ ہوں۔ چنانچہ بشیر ابن خصاصیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا کہ آپ کا مسلمانوں کے قبرستان کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا:

«لَقَدْ سَبَقَ هٰؤُلَاءِ شَرًّا كَثِيْرًا»

''یہ لوگ بہت زیادہ شر سے محفوظ ہو گئے ہیں۔''

اور پھر آپ کا مشرکوں کے قبرستان کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا:

«لَقَدْ سَبَقَ هٰؤُلَاءِ خَيْرًا كَثِيْرًا»(سنن النسائي، الجنائز، كراهية المشي بين القبور ... الخ، ح: ٢٠٥٠)

''یہ لوگ بہت زیادہ خیر سے محروم ہو گئے ہیں۔'' اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں اور کافروں کی قبریں الگ الگ ہونی چاہئیں۔

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی غیر مسلم ملک کو اپنا وطن نہ بنائے اور نہ ہی کافروں کے مابین سکونت اختیار کرے۔ فتنوں سے اپنے دین کو بچانے کے لیے فوراً کسی اسلامی ملک میں منتقل ہو جائے تاکہ دین کے شعائر کو قائم کر سکے' نیکی و

تقویٰ کے کاموں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون کر سکے اور اس سے مسلمانوں کی آبادی میں بھی اضافہ ہو۔ ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر اسلامی ملک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مقیم ہو اور اسے اس بات کی صلاحیت و قدرت بھی حاصل ہو' کافروں پر اثر انداز ہو سکتا ہو اور ان کا اثر قبول نہ کرتا ہو تو اس کے لیے کافر ملک میں سکونت اختیار کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مجبور و مضطر ہو تو وہ بھی رہ سکتا ہے' لیکن ان مسلمانوں کو چاہیئے کہ باہم تعاون اور نصرت و حمایت سے اپنے لیے ایک الگ قبرستان بنائیں جس میں مسلمان مردوں کو دفن کیا جا سکے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا

سوال ایک مسلمان نے ایک کافر لڑکے کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا لیکن وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو کیا اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے؟

جواب کسی کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں خواہ وہ کسی مسلمان کا متبنیٰ ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ بالغ ہو یا نہ ہو۔ ہاں البتہ اگر کوئی ایسی بات مل جائے جو اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہو تو پھر اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے۔ یاد رہے اسلام میں متبنیٰ (لے پالک) بنانا حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُوهُمْ لِـَٔابَآئِهِمْ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵)

"(مومنو!) ان (لے پالکوں) کو ان کے (اصلی) باپوں (کے نام) سے پکارا کرو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبروں پر سبز شاخیں رکھنا

سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی ایسے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا کہ (دنیا میں) اس سے بچنا ان کے لیے مشکل اور دشوار تھا' ان میں سے ایک پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا غیبت کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تر و تازہ ٹہنی لی اور اسے دو حصوں میں کاٹ کر ہر قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا»(صحيح البخاري، الجنائز، باب الجريدة على القبر، ح: ١٣٦١)

"ہو سکتا ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں' اللہ تعالیٰ ان سے عذاب میں تخفیف کر دے۔"

سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے کیا ہمارے لیے بھی ایسا کرنا صحیح ہے؟ کیا کھجور کی ٹہنی (چھڑی) پر قیاس کرتے ہوئے دیگر تر و تازہ اور سر سبز و شاداب چیزوں کو بھی قبر پر رکھنا جائز ہے؟ کیا یہ جائز ہے کہ قبر پر کوئی درخت لگایا دیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ ہی سر سبز رہے اور اس سے یہ مقصد حاصل ہوتا رہے؟

جواب نبی کریم ﷺ کا ان دو قبروں پر تخفیف عذاب کی امید سے کھجور کی ٹہنی رکھنا ایک خاص واقعہ ہے جو کہ عموم کا حامل نہیں' کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے اور پھر یہ آپ کا معمول بھی نہیں تھا' اگر مختلف واقعات میں بھی ایسا ہوا ہو تو بھی دو تین بار سے زیادہ نہیں ہوا' حضرات صحابہ کرام میں سے بھی کسی نے ایسا نہیں کیا' حالانکہ وہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء کرنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچانے کے بے حد خواہش مند تھے ہاں البتہ اس سلسلہ میں صرف بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ ضرور روایت ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخوں کو گاڑ دیا جائے (1) لیکن ہمارے علم کی حد تک حضرات صحابہ کرام میں سے کسی اور نے حضرت بریدہ کی اس مسئلہ میں موافقت نہیں کی۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

میت کی قبر پر کھجور کی شاخ رکھنے کا حکم

سوال میت کی قبر پر کھجور کی شاخ یا کوئی اور سرسبز شاخ رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کی قبروں پر دو ٹہنیاں رکھی تھیں' (2) کیونکہ آپ کو معلوم کردایا گیا تھا کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے لہٰذا ہمارے لیے قبر پر کھجور یا کسی اور درخت کی شاخ رکھنا جائز نہیں ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

قبر پر کیا رکھنا جائز ہے

سوال میں نے مختلف قبروں کو دیکھا ہے کہ کسی پر تو قبر کے آغاز میں صرف ایک پتھر رکھا ہوتا ہے۔ بعض پر قبر کے شروع اور آخر میں دو پتھر رکھے ہوتے ہیں اور بعض پر قبر کے شروع' درمیان اور آخر میں تین پتھر رکھے ہوتے ہیں اور انہیں "رکیزہ یا نصیبۃ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کی قبروں پر کیا رکھنا جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے؟

جواب میت کو دفن کرنے کے بعد یہ جائز ہے کہ قبر کے کناروں کی طرف صرف دو اینٹیں کھڑی کر دی جائیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قبر ہے' خواہ یہ قبروں کے درمیان ہی میں کیوں نہ ہو اور اس سلسلہ میں مرد' عورت یا بچے کی قبر میں کوئی فرق نہیں ہے بس دو اینٹوں سے زیادہ اور کوئی چیز نہ رکھی جائے ہاں البتہ اگر قبر کے ایک طرف کوئی پتھر وغیرہ رکھ دیا جائے تاکہ بوقت زیارت قبر معلوم ہو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

---

(1) امام بخاری نے اسے کتاب الجنائز باب الجریدة علی القبر کے تحت معلقا روایت کیا ہے اور ابن سعد نے الطبقات الکبری (8/7) میں موصولاً بیان کیا ہے' دیکھئے: تغلیق التعلیق 492/2۔

(2) صحیح بخاری' الجنائز' باب الجریدة علی القبر' ح: 1361۔

میت کی قبر پر کچھ لکھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میت کی قبر پر لوہے یا پتھر وغیرہ کی کوئی ایسی سلیٹ لگا دی جائے کہ جس پر قرآنی آیات بھی لکھی ہوں اور میت کا نام اور تاریخ وفات وغیرہ بھی ......؟

جواب یہ جائز نہیں کہ میت کی قبر پر لوہے' پتھر یا کسی اور چیز پر قرآنی آیات یا کچھ اور لکھ کر لگایا جائے' کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰی رَسُولُ اللهِ ﷺ، أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر ... الخ، ح:٩٧٠)

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ قبر کو پختہ بنایا جائے یا اس پر بیٹھا جائے یا اس پر کوئی عمارت تعمیر کی جائے۔"

صحیح سند کے ساتھ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَأَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا»(جامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، ح:١٠٥٢)

"آپ نے قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا۔"

——— شیخ ابن باز ———

قبروں پر عمارت بنانا اور کتبے لگانا

سوال میں نے بعض قبروں کو دیکھا ہے کہ انہیں سیمنٹ کے ساتھ پلستر کر کے ایک میٹر لمبا اور آدھا میٹر چوڑا کر دیا جاتا ہے اور پھر اس پر میت کا نام' تاریخ وفات اور اس طرح کی بعض عبارتیں بھی لکھ دی جاتی ہیں کہ "اے اللہ! فلاں بن فلاں پر رحم فرما" تو اس طرح کے کاموں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب قبروں پر کسی قسم کی عمارت بنانا اور کچھ لکھنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے قبروں پر عمارت بنانے اور لکھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰی رَسُولُ اللهِ ﷺ، أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر ... الخ، ح:٩٧٠)

"رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے' قبر پر بیٹھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

امام ترمذی اور کئی دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور صحیح سند کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے:

«وَأَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا»(جامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، ح:١٠٥٢)

"آپ نے قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

کیونکہ یہ ایک طرح سے غلو ہے' لہٰذا اس سے منع کرنا واجب ہے۔ کتابت و تحریر وغیرہ کے غلو کے بسااوقات ایسے خطرناک نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں لہٰذا حکم شریعت بس یہی ہے کہ قبر کی اپنی ہی مٹی اس پر ڈالی جائے اور اسے تقریباً ایک بالشت برابر اونچا کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ قبر ہے' قبروں کے بارے میں یہی وہ سنت ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔ اسی طرح قبروں پر مسجدیں بنانا' غلاف اور چادریں چڑھانا اور قبے بنانا بھی جائز نہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠ وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور . . . الخ، ح:٥٢٩)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں (سجدہ گاہیں) بنا لیا تھا۔"

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی وفات سے پانچ دن پہلے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلاً، كَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِي خَلِيلاً لَأَتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيلاً، أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَّسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور. . . الخ، ح:٥٣٢)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اسی طرح اپنا خلیل بنا لیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا' اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لوگو! یاد رکھو تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا کرتے تھے' مگر تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا' میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔"

——— شیخ ابن باز ———

قبروں پر عمارت بنانا

سوال حضرموت میں ایک بہت ہی قدیم قبرستان ہے اور اس کے بہت قدیمی ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کچھ قبریں بیت المقدس کے رخ بنی ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان قدیم قبروں کے اوپر عمارت بنانا جائز ہے؟

جواب جب تک واضح طور پر قبروں کے نشانات باقی ہوں اس وقت تک ان پر عمارت بنانا جائز نہیں اور یہ بات یقینی ہو کہ یہ قبریں ہی ہیں خواہ وہ قدیم ہی کیوں نہ ہوں۔ ان قبروں کا بیت المقدس کے رخ ہونا ان کے قدیمی ہونے کی دلیل نہیں اور نہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قبریں غیر مسلموں کی ہیں' کیونکہ یہ شہر مسلمانوں کا ہے لہٰذا ان قبروں کے اردگرد ایک دیوار کھینچ دو اور باقی زمین کو کاشت کاری یا عمارت وغیرہ کے لیے استعمال کر لو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

دفن کے بعد میت کے لیے دعا و استغفار کی غرض سے قبر پر کھڑا ہونا

سوال کیا میت کو دفن کرنے اور اس پر مٹی ڈال دینے کے بعد قبر کے پاس میت کے لیے استغفار یا دعا کرنے کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے؟

جواب ہاں میت کو دفن کرنے اور اس پر مٹی ڈال دینے کے بعد دعا و استغفار کے لیے قبر کے پاس کھڑا ہونا جائز ہی نہیں، بلکہ مستحب ہے' کیونکہ ابوداود اور حاکم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر . . . الخ، ح: ٣٢٢١ والمستدرك للحاكم: ١/ ٣٧٠)

"اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اس کی ثابت قدمی کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو' کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

دفن کے بعد میت کے لیے دعا کی کیفیت

سوال میت کو دفن کرنے اور اس پر مٹی ڈال دینے کے بعد میت کے لیے کس طرح دعا کی جائے یعنی بیٹھ کر دعا کرنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟

جواب جو شخص میت کو دفن کرنے اور اس پر مٹی ڈالنے کے بعد دعا کرنا چاہے تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ کھڑا ہو کر دعا کرے' اس کے لیے دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداود نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر . . . الخ، ح: ٣٢٢١ والمستدرك للحاكم: ١/ ٣٧٠)

"اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اس کی ثابت قدمی کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو' کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔"

امام ابوداود اور منذری نے اس حدیث پر سکوت فرمایا۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ [1] علاوہ ازیں امام بزار نے بھی اسے روایت کیا اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے صرف اسی طریق سے مروی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

[1] مستدرک حاکم: 270/1 والمنذری فی الترغیب: 345/4 والبزار فی مسندہ: 91/2' حدیث: 445۔

میت کے لیے مسنون دعائیں

سوال میت کی دعا کے لیے کچھ ایام مثلاً پہلا اور ساتواں اور چالیسواں وغیرہ مقرر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میت کے لیے کون سی دعائیں مانگنا مسنون ہے؟ میت کو قبر میں رکھتے وقت درود شریف پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: میت کی دعا کے لیے پہلا' ساتواں یا چالیسواں وغیرہ دن مقرر کرنے کے بارے میں کتاب و سنت یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ائمہ سلف رحمۃ اللہ علیہم کے عمل سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے' بلکہ یہ ایک ایسی بدعت ہے جسے اس دور میں ایجاد کر لیا گیا اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧)

"جس نے ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ثانیاً: میت کو قبر میں رکھتے وقت وہ الفاظ پڑھے جائیں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو قبر میں رکھتے تو یہ پڑھتے:

«بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ» (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في إدخال الميت القبر، ح:١٥٥٠)

"اللہ کے نام سے اور رسول اللہ کی ملت پر (اس میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔)"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ» (المصدر المذكور وسنن أبي داود، الجنائز، باب في الدعاء للميت إذا وضع في قبره، ح:٣٢١٣)

"اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر (اس میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے)"

ثالثاً: یہ بھی مستحب ہے کہ جنازہ کے ساتھ میت کو الوداع کرنے کے لیے آنے والے دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوں اور اس کی مغفرت و ثبات کے لیے دعا کریں' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے [1] اور میت کو قبر میں داخل کرتے وقت درود شریف پڑھنے کی ہمیں کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب الاستغفار عند القبر .....' حدیث: 3221-

مسائل تعزیت کے بارے میں نصیحت اور یاد دہانی

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے اپنے ان تمام مسلمان بھائیوں کے نام' جن کی نظر سے میری یہ تحریر گزرے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ان تمام بھائیوں کو نیک اعمال کے کرنے اور بدعات و منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ..... امابعد:

اس تحریر کا سبب ان مسائل تعزیت کے بارے میں نصیحت اور یاددہانی ہے جو مخالف شریعت ہیں اور جن میں بعض لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ لہذا یہ مناسب نہیں کہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے بلکہ ضروری ہے کہ ان کے بارے میں تنبیہ اور ان سے بچنے کی تلقین کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ یہ عرض ہے کہ ہر مسلمان کو اس بات کا پختہ یقین ہو کہ اسے جو تکلیف بھی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کی وجہ سے ہے' لہذا اس پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھنا چاہیے۔ مصیبت زدہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے' اسی سے اسے برداشت کرنے کا حوصلہ مانگے اور صبرونماز کے ساتھ مدد حاصل کرنے کے لیے اس کے حکم کی اطاعت بجالائے تاکہ اس اجروثواب کا مستحق بن سکے جس کا اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں سے وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٥﴾ ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾﴾ (البقرۃ۲/ ۱۵۵۔۱۵۷)

"اور (اے پیغمبر)! صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو' ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی بخشش اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مصیبت کے وقت یہ کہے:

«إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ! أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا»(صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة؟، ح:۹۱۸)

"ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میری اس مصیبت کا اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما۔"

تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت پر اسے اجروثواب بھی عطا فرماتا ہے اور اس سے چھن جانے والی نعمت سے بہتر چیز بھی عطا فرماتا ہے۔ مصیبت زدہ کو حد درجہ احتیاط کرنی چاہیے کہ زبان پر کوئی ایسا لفظ نہ آنے پائے جس سے اس کا اجر ضائع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ ایسے الفاظ زبان پر ہرگز ہرگز نہیں آنے چاہئیں جن سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی ظلم و غضب ڈھایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تو سراپا عدل ہے' وہ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں فرماتا' جو لے لیتا ہے وہ بھی اسی کا ہے اور جو عطا فرما دیتا ہے وہ بھی اسی کا عطیہ ہے۔ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے اور اس

میں بھی حکمت بالغہ ہے اور وہ اپنے ارادے کے مطابق ہر کام کر گزرنے والا ہے۔ جو شخص ان باتوں کی مخالفت کرے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس قضاء و قدر پر اعتراض کرتا ہے جو عین مصلحت و حکمت اور عدل و صلاح کی بنیاد ہے۔

مصیبت زدہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے لیے بددعا بھی نہ کرے' کیونکہ جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

«لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلاَّ بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ» (صحيح مسلم، الجنائز، باب في إغماض الميت والدعاء له إذا حضر، ح: ٩٢٠)

"اپنے لیے بھلائی ہی کی دعا کرو' کیونکہ تم جو کچھ بھی کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔"

ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے رہنا چاہیئے۔ جس شخص کو کسی عزیز کی وفات کی وجہ سے صدمہ پہنچا ہو تو اس سے تعزیت کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ» (جامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في أجر من عزى مصابا، ١٠٧٣ وسنن ابن ماجه، ح: ١٦٠٢)

"جس نے کسی مصیبت زدہ کے ساتھ تعزیت کی تو اسے بھی اسی کے برابر ثواب ملے گا۔"

اس سے مقصود یہ ہے کہ مصیبت زدگان کو تسلی دی جائے' ان سے خیر خواہی اور ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔

میت پر رونے میں بھی کوئی حرج نہیں' کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور آپ کی صاحبزادیوں کا انتقال ہوا تو آپ بھی اشکبار ہو گئے تھے۔ [1] ہاں البتہ نوحہ کرنا' رخسار پر طمانچے مارنا' گریبان پھاڑنا' چہرے کو نوچنا' بالوں کو اکھاڑنا' ہائے وائے پکارنا اور اس طرح کے دیگر کام کرنا حرام ہے' کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ» (صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، ح: ١٢٩٧)

"وہ ہم میں سے نہیں ہے جو رخسار پیٹے' گریبان پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بین کرے۔"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَرِيءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ» (صحيح البخاري، الجنائز، باب ما ينهى من الحلق عند المصيبة، ح: ١٢٩٦)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت کے وقت چیخنے چلانے والی' سر کے بال مونڈنے والی اور گریبان پھاڑنے والی عورت سے بری ہیں۔"

کیونکہ ان میں اور ان سے مشابہ اس طرح کے دیگر کاموں میں جزع فزع' ناراضی اور عدم تسلیم و رضا کا اظہار ہے!

---

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انابک لمحزونون' حدیث: 1303 و صحیح مسلم' الفضائل' باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال' حدیث: 2315۔

اَلصَّالِقَة : وہ عورت جو مصیبت کے وقت چیختی چلاتی ہے' اَلْحَالِقَة : وہ عورت جو مصیبت کے وقت اپنے بال مونڈتی ہے اور اَلشَّاقَّة کہتے ہیں اس عورت کو جو مصیبت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑتی ہے۔

یہ مستحب ہے کہ کھانا تیار کر کے میت والوں کے گھر بھیجا جائے تاکہ ان کی اعانت اور دلجوئی ہو سکے' کیونکہ وہ اپنے عزیز کی وفات کے صدمے اور تعزیت کے لیے آنے والے لوگوں سے ملنے کی وجہ سے مشغول ہوتے ہیں اور کھانا وغیرہ تیار نہیں کر سکتے۔ امام احمد' ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ح:٣١٣٢)

”جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو بلاشبہ انہیں ایک ایسی مصیبت درپیش ہے جس نے انہیں (اور کاموں سے) مشغول کر دیا ہے۔“

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«فَمَا زَالَتْ سُنَّةً، حَتَّى كَانَ حَدِيثًا فَتُرِكَ» (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الطعام يبعث... الخ، ح:١٦١١)

”یہ سنت (ہم میں) ہمیشہ رہی حتی کہ اسے معمولی بات سمجھتے ہوئے ترک کر دیا گیا۔“

گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا خواہ وہ وارثوں کے مال میں سے ہو یا میت کے ثلث مال سے یا کسی اور شخص کی طرف سے تو یہ جائز نہیں' کیونکہ یہ خلاف سنت بھی ہے اور عمل جاہلیت بھی اور پھر اس سے ان کی مصیبت و مشغولیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

«كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ»(سنن ابن ماجة، الجنائز، باب ما جاء في النهي عن الاجتماع ... الخ، ح:١٦١٢ ومسند أحمد:٢/ ٢٠٤ واللفظ له)

”ہم میت کی تدفین کے بعد اہل میت کے پاس اجتماع اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔“

باقی رہا سوگ تو کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا حرام ہے ہاں البتہ بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ عدت کی ساری مدت سوگ میں گزارے' اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ يَحِلُّ لاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ إِلاَّ عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»(صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفى عنها أربعة اشهر وعشرا، ح:٥٣٣٤ وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة... الخ، ح:١٤٨٦)

”کسی بھی عورت کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے ہاں البتہ بیوی اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ منائے۔“

عورتوں کا ایک مکمل سال سوگ کا اظہار کرنا تو یہ اسلامی شریعت کے خلاف ہے اور زمانۂ جاہلیت کی وہ عادت ہے جسے اسلام نے باطل قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس رسم کا انکار کر دیا جائے اور لوگوں کو

بھی اس کے ترک کر دینے کی وصیت کی جائے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ بات بھی شریعت کے محاسن اور حکمت و مصلحت میں سے ہے کہ اہل جاہلیت موت کی مصیبت کی وجہ سے سوگ منانے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیتے تھے عورت ایک تنگ و تاریک اور وحشت ناک کوٹھڑی میں ایک سال اس طرح گزارتی کہ نہ خوشبو استعمال کرتی' نہ تیل لگاتی اور نہ ہی غسل کرتی اور اس طرح کے کئی اور کام بھی کرتی جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر سے ناراضی کا اظہار ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے ساتھ ہمارے لیے جاہلیت کے اس طریقے کو باطل قرار دے دیا اور اس کی بجائے ہمیں صبر اور اپنی حمد بیان کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔"

موت کی مصیبت ہی چونکہ ایسی اندوہناک ہے کہ اس سے مصیبت زدہ کو غم و حزن کا لاحق ہونا ایک طبعی امر ہے لہٰذا اس حکیم و خبیر ہستی نے ہمیں تھوڑے سے سوگ کی اجازت دی ہے یعنی صرف تین دن تک اور اس مدت میں آدمی اپنے غم و حزن کا اظہار کر کے راحت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ مدت تک سوگ کا اظہار کیا جائے تو پھر اس میں خرابی کا پہلو راجح ہو گا لہٰذا اس سے شریعت نے منع کر دیا ہے ہاں البتہ تین دن تک مردوں پر سوگ کی اجازت ہے لیکن بیوی اپنے شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت کا سارا عرصہ سوگ میں گزار سکتی ہے جبکہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے اور وضع حمل کے ساتھ ہی اس کا سوگ بھی ختم ہو جائے گا۔"

عدت کی تکمیل کے بعد محفل منعقد کرنا بھی بدعت ہے جبکہ وہ نوحہ اور بین وغیرہ حرام امور پر مشتمل ہو'کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور سلف صالح میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ میت کی وفات کے وقت یا ساتویں دن یا چالیسویں دن یا سال بعد برسی کی محفل کا اہتمام کیا جائے بلکہ یہ تو بدعت اور ایک قبیح عادت ہے لہٰذا ان جیسی بدعات سے دور رہنا' ان کا انکار کرنا' ان سے توبہ کرنا اور ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے'کیونکہ اس میں مشرکوں کے ساتھ مشابہت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُعْبَدَ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصِّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي، وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»(مسند أحمد: ٢/ ٥٠)

"مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی جا سکے' میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ تلے رکھ دیا گیا ہے' ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے' وہ اسی میں سے ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨)

"جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن میں مشرکوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے اور دین میں بدعت پیدا کرنے کی ممانعت ہے۔ واللہ اعلم۔

تعزیت کا حکم' کیفیت' مخصوص وقت اور بچے اور بڑھیا کی تعزیت

سوال کیا تین دن کو اہل میت کی تعزیت کے لیے مخصوص کرنا بدعت ہے؟ کیا وفات کے بعد بچے' بڑھیا اور اس دائمی مریض کی بھی تعزیت کی جائے جس کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو؟

جواب تعزیت کرنا سنت ہے' کیونکہ اس میں مصیبت زدہ کے لیے دلجوئی بھی ہے اور دعائے خیر بھی اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ مرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا' تعزیت کے لیے شرعاً کوئی مخصوص الفاظ بھی مقرر نہیں ہیں بلکہ مسلمان اپنے بھائی سے جس طرح چاہے مناسب الفاظ میں تعزیت کر سکتا ہے مثلاً یہ کہہ سکتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے' آپ کی اس مصیبت کا آپ کو اچھا بدلہ عطا فرمائے' مرحوم کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اگر میت کافر ہو تو اس کے لیے دعا نہ کی جائے ہاں البتہ اس کے مسلمان رشتہ داروں سے تعزیت کے مذکورہ الفاظ کہے جا سکتے ہیں۔

تعزیت کرنے کے لیے کوئی وقت یا ایام مخصوص نہیں ہیں۔ میت کی وفات کے وقت' جنازہ سے پہلے' جنازہ کے بعد' دفن سے پہلے اور دفن کے بعد ہر وقت تعزیت کی جا سکتی ہے۔ افضل یہ ہے کہ شدت مصیبت کے وقت جلد تعزیت کی جائے۔ وفات کے تین دن بعد تعزیت کرنا بھی جائز ہے' کیونکہ وقت کے تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

تعزیت کے لیے سفر کرنا

سوال جو شخص کسی قریبی رشتہ دار یا دوست کی تعزیت کے لیے سفر کر کے جاتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز کیا دفن کرنے سے پہلے بھی تعزیت کرنا جائز ہے؟

جواب ہمارے علم میں کسی قریبی رشتہ دار یا دوست کی وفات کی وجہ سے تعزیت کے لیے سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں ہمدردی' غم گساری اور تکلیف صدمہ کی تخفیف ہے۔ تعزیت دفن سے پہلے بھی کی جا سکتی ہے اور بعد میں بھی اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مصیبت کے بعد جس قدر قریبی وقت میں تعزیت ہو گی اسی قدر مصیبت کی تخفیف کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تعزیت قبول کرنے کے لیے ایک وقت معین کا مخصوص کرنا

سوال بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اہل میت تعزیت وصول کرنے کے لیے نماز مغرب کے بعد تین دن تک بیٹھتے ہیں۔ کیا یہ (اس طرح بیٹھنا) جائز ہے یا بدعت ہے؟

جواب موت کی وجہ سے مصیبت زدہ سے تعزیت کرنا شرعاً جائز ہے' اس میں کوئی اشکال نہیں لیکن تعزیت قبول کرنے

کے لیے وقت معین اور دن مخصوص کرنا بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔" وباللہ التوفیق۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تعزیت کے لیے ایک ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ بیٹھنا

سوال ہمارے شہر کے لوگوں کی یہ عادت ہے کہ کسی شخص کی وفات کے وقت تعزیت کے لیے ایک ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ بیٹھتے ہیں اور دعوتوں کے لیے جانور ذبح کرنے اور دیگر لوازمات پر بہت مال خرچ کرتے ہیں۔ تعزیت کرنے والے بھی وفدوں کی صورت میں' دور دراز کے سفر طے کر کے آتے ہیں اور جو نہ آسکے اس کے متعلق (بیہودہ) باتیں کرتے اور اسے بخیل اور تارک واجب قرار دیتے ہیں؟

جواب تعزیت کرنا تو جائز ہے' کیونکہ اس میں مصیبت پر صبر کے بارے میں تعاون ہے لیکن تعزیت کے لیے مذکورہ طریقے سے بیٹھنا اور اسے ایک عادت کا روپ دے دینا' نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے ثابت نہیں ہے لوگوں نے تعزیت کو جو یہ شکل و صورت دے دی ہے اور اس کے لیے بے پناہ مال و دولت کو خرچ کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ ترکہ تو یتیموں کا مال ہے اور اسے خرچ کرنا ان کی مصلحتوں کے خلاف ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ جو لوگ ان محفلوں میں شریک نہ ہوں انہیں یہ اس طرح ملامت کرتے ہیں گویا انہوں نے کوئی شرعی فریضہ ترک کر دیا ہو۔

بلاشک و شبہ تعزیت کی یہ صورت ان بدعات میں سے ہے جن کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت فرمائی ہے۔ یہ بدعت آپ کے اس ارشاد کے عموم میں داخل ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧)

"جو شخص ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧)

"میری اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور مضبوطی سے تھام لو اور نئی نئی باتوں کے پیدا کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اس حدیث میں آپ نے اپنی اور اپنے بعد کے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی سنت سے تو یہ ثابت ہے کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح پھر یہ عمل بدعت قرار پاتا ہے اور بدعت سے آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ یہ ضلالت ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان بری عادتوں کے خاتمے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں تاکہ ان بدعات کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیا جائے' سنت کا اتباع کیا جائے' مال اور وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے' زیادہ جانور ذبح کرنے 'تعزیت کے لیے آنے والوں کی کثرت اور ایسی محفلوں کی طوالت پر فخر سے بچا جا سکے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ بس اسی پر اکتفاء کریں جس پر حضرات صحابہ کرام اور سلف صالح رحمہم اللہ اکتفاء فرمایا کرتے تھے اور وہ یہ کہ میت کے گھر والوں سے تعزیت کی جائے' انہیں تسلی دی جائے' میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور اس کی مغفرت و رحمت کیلئے دعا کی جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

میت کے گھر والوں کے ساتھ لباس اور مال کی صورت میں احسان

سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: «اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا»
"آل جعفر کے لیے کھانا بناؤ" پر عمل کرنے کے لیے کیا میت کے گھر والوں کے ساتھ کھانے کے بجائے لباس اور مال وغیرہ کی صورت میں احسان جائز ہے یا نہیں؟

جواب میت کے گھر والوں کو لباس یا مال دینا بھی کھانے کے قائم مقام ہو سکتا ہے' کیونکہ حدیث کے آخر میں الفاظ یہ ہیں:

«قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ح:٣١٣٢)

"ان کو ایسی مصیبت درپیش ہے جس نے انہیں (اور کاموں سے) مشغول کر رکھا ہے۔"

یہ ارشاد اس بارے میں تو واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے لیے کھانا بنانے کا حکم دیا ہے' کیونکہ اس مصیبت میں مشغولیت کی وجہ سے وہ اپنے لیے کھانا تیار نہیں کر سکتے (لہٰذا تم ان کے لیے کھانا تیار کرو)۔ ہاں اہل میت اگر لباس اور مال کے ضرورت مند ہوں تو یہ تعاون بھی فی نفسہ بہتر ہے' اہل میت یا دیگر لوگ ضرورت مند ہوں تو شریعت نے ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی ترغیب دی ہے لہٰذا جو شخص کسی کے غم کو دور کرنے اور مشکل کو ختم کرنے کے لیے اس طرح کا کوئی تعاون کرتا ہے تو یہ نیکی کا کام ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

زیارت قبور کے احکام

مسلمانوں کی قبروں کی زیارت اور ان کے لیے دعا کرنا سنت ہے

سوال میں ایک ایسے محلے میں رہتا ہوں جس میں قبرستان بھی ہے اور مجھے ہر روز اس راستہ سے ایک بار بلکہ کئی بار گزرنا پڑتا ہے تو اس سلسلہ میں مجھ پر کیا واجب ہے؟ کیا میں جب بھی اس راستہ سے گزروں مردوں کو سلام کروں یا کیا کروں؟ براہ کرم میری رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائیں۔

جواب قبروں کی شرعی زیارت مسنون ہے کیونکہ اس سے آخرت اور موت یاد آتی ہے اور پھر اس سے آدمی مسلمان

مردوں کے لیے مغفرت' رحمت اور جہنم سے عافیت کی دعا بھی کر سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«زُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل ... الخ، ح:٩٧٦ وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، ح:١٥٦٩ واللفظ له)

"قبروں کی زیارت کیا کرو' کیونکہ یہ تمہیں آخرت یاد دلا دیتی ہیں۔"

نبی کریم ﷺ حضرات صحابہ کرام کو قبروں کی زیارت کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرماتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا، إِنْ شَآءَ اللهُ، لَلَاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور ... الخ، ح:٩٧٥)

"اے اس بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو' ہم بھی ان شاء اللہ (تم سے) عنقریب ملنے والے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔"

زیارت قبور کے بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں لہٰذا آپ جب بھی قبروں کے پاس سے گزریں تو ان میں مدفون لوگوں کو سلام کہیں اور ان کی مغفرت و عافیت کی دعا کریں لیکن یاد رہے یہ واجب نہیں' بلکہ مستحب ہے اور اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے اور اگر گزرتے ہوئے آپ سلام نہ بھی کہہ سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

عورت کا قبرستان میں جانا

سوال عورت کے لیے قبروں کی زیارت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت جائز نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے [1] اور پھر اس لیے بھی کہ وہ فتنہ ہیں' ان میں صبر بھی بہت کم ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت اور احسان فرماتے ہوئے ان کے لیے قبرستان میں جانا حرام قرار دے دیا تاکہ نہ خود فتنہ میں مبتلا ہوں اور نہ دوسرے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصلاح احوال کی توفیق بخشے! [2]

——— شیخ ابن باز ———

---

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب فی زیارۃ النساء القبور' حدیث: 3236۔

[2] عورتوں کا زیارت کے نقطۂ نظر سے قبرستان جانے کو علمائے محققین نے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور بے پردگی نہ ہو۔ دوسرے' وہ وہاں جا کر جزع فزع اور اس کی قسم کی غیر شرعی حرکات کا ارتکاب نہ کریں۔ اس لیے ممانعت کی احادیث یا تو ضعیف ہیں' جیسے مذکورہ بالا فتویٰ میں جو تین حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ یہ تینوں سنداً ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (احکام الجنائز و بدعھا' ص: 236 ضعیف النسائی' حدیث: 1880 و مسند ابویعلی بہ تحقیق حسین سلیم اسد' ج: 7' ص: 109) یا پھر ان کا تعلق زیارت قبور کی اجازت دینے سے پہلے سے ہے' بعد میں جب زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی تو اس اجازت میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مذکورہ شرط کے ساتھ شامل ہوں گی۔ اس لیے جن روایات میں ممانعت ہے' بشرط صحت' ان کا تعلق ان عورتوں سے ہو گا جو جزع فزع کرنے والی ہوں گی۔ دوسری عورتوں کیلئے جواز ہو گا' کیونکہ تذکیر بالآخرۃ کی بھی اسی طرح ضرورت مند ہیں' جس طرح مرد ہیں۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کے لیے قبرستان کی زیارت اور بعض خرافات

سوال کیا میں اپنے فوت شدہ بیٹے کی قبر کو دیکھنے کے لیے جا سکتی ہوں؟ میں نے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر والدہ طلوع آفتاب سے پہلے قبرستان جائے' سورت فاتحہ پڑھے لیکن روئے نہ تو اس کے لیے اپنے بیٹے کو دیکھنا ممکن ہے' دونوں کے درمیان چھلنی کے سوراخوں کی طرح مسافت ہو گی اور اگر وہ روئے تو پھر دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو گا اور وہ دیکھ نہ سکے گی' کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز عورتوں کے لیے قبرستان میں جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ نے جو یہ بات ذکر کی ہے کہ عورت اگر جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے اپنے بیٹے کی قبر کو دیکھنے جائے اور نہ روئے اور سورت فاتحہ پڑھے تو اس کے لیے کشف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بیٹے کو اس طرح دیکھ سکتی ہے گویا چھلنی کے سوراخوں میں سے دیکھ رہی ہو تو یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک باطل اور ناقابل اعتماد قول ہے۔

باقی رہا عورتوں کے لیے زیارت قبور کا مسئلہ' تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مکروہ اور بعض نے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ وہ کسی ممنوع کام کا ارتکاب نہ کرے اور بعض اہل علم نے اسے حرام قرار دیا ہے اور میرے نزدیک بھی اس مسئلہ میں اہل علم کا یہی قول راجح ہے کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور حرام ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں' ان پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (1) ظاہر ہے کہ جو فعل مباح یا مکروہ ہو اس پر لعنت نہیں کی جا سکتی کیونکہ لعنت تو اسی کام پر ہوتی ہے جو حرام ہو۔ اہل علم کے ہاں معروف قاعدے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور کو کبیرہ گناہ قرار دیا جائے' کیونکہ یہ مستحق لعنت ہے اور جو گناہ موجب لعنت ہو وہ کبیرہ ہوتا ہے جیسا کہ اکثر اہل علم کے ہاں یہ ایک مسلم قاعدہ ہے' لہٰذا اس عورت کے لیے جس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے' میری نصیحت یہ ہے کہ یہ اپنے گھر میں اپنے بیٹے کے لیے کثرت سے استغفار اور دعا کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا اور استغفار کو قبول فرما لیا تو یہ اس کے بیٹے کے لیے نفع بخش ہو گا' خواہ یہ اس کی قبر کے پاس نہ بھی ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عورت کے لیے زیارت قبور کیوں ممنوع ہے؟

سوال عورتوں کو زیارت قبور سے روکنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب بلاشبہ عورت کو زیارت قبور کی اجازت نہیں ہے بلکہ اہل علم کے راجح قول کے مطابق حرام بلکہ کبیرہ گناہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (2) اور لعنت کبیرہ گناہ ہی پر ہو سکتی ہے' اسی لیے اہل علم نے کبیرہ گناہ کی ایک یہ علامت بھی بیان کی ہے کہ اس پر لعنت کی گئی ہو' کیونکہ لعنت ایک بڑی سزا ہے اور بڑی سزا بڑے گناہ ہی کی ہوتی ہے۔

عورت قبرستان کے پاس سے گزر رہی ہو اور وہ کھڑی ہو جائے کہ اصحاب قبور کے لیے دعا کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج اس میں ہے کہ وہ زیارت قبور ہی کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلے تو یہ حرام ہے۔

---

(1) سنن ابی داود' الجنائز' باب في زيارة النساء القبور' حديث: 3236۔ (2) حوالہ سابق

اس میں حکمت یہ ہے کہ عورتوں کے زیارت قبور میں کئی خرابیاں ہیں مثلاً یہ کہ عورت کمزور ارادے مگر شدید جذبات کی حامل (بہت ہی شفیق) ہوتی ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ جب اپنے کسی قریبی عزیز مثلاً ماں یا باپ کی قبر کی زیارت کرے تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور رونا دھونا' چیخنا پکارنا اور نوحہ کرنا شروع کر دے تو اس سے اس کے ایمان اور جان دونوں کو نقصان پہنچے گا۔

اس میں ایک یہ حکمت بھی ہے کہ قبرستان عموماً لوگوں سے خالی ہوتے ہیں' لہٰذا عورت کے تن تنہا قبرستان میں جانے میں یہ اندیشہ بھی ہے کہ یہ فاسق و فاجر لوگوں کے ہتھے چڑھ کر کسی ایسی حرکت کا شکار نہ ہو جائے جس کا انجام اچھا نہ ہو۔

اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عورت ارادے کی کمزوری اور جذبات کی تیزی کے باعث زیارت قبور کو اپنا معمول بنا لے گی جس کی وجہ سے یہ قبرستان آنے جانے ہی میں مصروف رہے گی اور دین و دنیا کی کئی مصلحتوں اور حکمتوں کو ضائع کر بیٹھے گی۔

اگر اس ممانعت میں اور کوئی حکمت نہ بھی ہو تو بس یہی کافی ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور یہی (لعنت) قبروں کی زیارت سے رکنے اور دور رہنے کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جس کام سے اپنی کتاب میں یا اپنے رسول ﷺ کی زبانی منع فرما دیں' تو اس میں ہمارے لیے کوئی خیر و بھلائی نہیں ہوتی۔

شیخ ابن عثیمین

زیارت قبور سے متعلق ایک مسئلہ اور لوگوں کا قول "اس کی آخری منزل"

سوال ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ جب کسی مردے کو دفن کر دیا جاتا ہے تو پھر چالیس دن تک اس کے اہل خانہ اس کی قبر کی زیارت کے لیے نہیں جاتے اور پھر اس کے بعد جاتے ہیں اور ان کے نزدیک چالیس دن سے پہلے زیارت جائز نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟

جواب اس سوال کے جواب سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے تو قبروں کی زیارت سے منع فرما دیا تھا اور پھر بعد میں مردوں کو اس کی اجازت عطا فرما دی اور اب صرف مردوں کے لیے زیارت قبور سنت ہے' لہٰذا جو شخص زیارت قبور کے لیے جائے' وہ اس لیے جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان مردوں کی حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کر سکے کہ کل تک تو یہ زمین پر چلتے پھرتے تھے اور اب اپنی قبروں میں اپنے اعمال کے رہین منت ہیں' اپنے اعمال کے سوا وہاں ان کا اور کوئی دوست اور ساتھی نہیں ہے۔

قبر انسان کا آخری ٹھکانا نہیں ہے بلکہ اس کے بعد وہ یوم آخر آنے والا ہے کہ جس کے بعد اور کوئی دن نہیں ہو گا' قبروں میں باقی رہنا ہی زیارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَلْهَىٰكُمُ ٱلتَّكَاثُرُ ۝١ حَتَّىٰ زُرْتُمُ ٱلْمَقَابِرَ ۝٢ ﴾ (التکاثر ۱۰۲/ ۱-۲)

"(لوگو!) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا' یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔"

بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ ﴿ حَتَّىٰ زُرْتُمُ ٱلْمَقَابِرَ ﴾ تو وہ بے ساختہ پکار اٹھا کہ "زائر مقیم نہیں ہوتا"

اس مناسبت سے میں اس طرف توجہ مبذول کروانا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض لوگ سوچے سمجھے بغیر جو اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ "وہ فلاں شخص کو اس کے آخری ٹھکانے پر پہنچا آئے ہیں۔" ان الفاظ پر ہم اگر غور کریں تو ان میں ایک طرح سے بعثت کا انکار ہے' کیونکہ اگر قبر ہی آخری ٹھکانہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعد بعث و نشر نہ ہو گا اور یہ ایک بہت خطرناک بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا تو ایمان و اسلام کی شرط ہے۔ لیکن معلوم یوں ہوتا ہے کہ عامۃ الناس اس قسم کے کلمات کو سوچے سمجھے بغیر استعمال کرتے ہیں لیکن اس طرف توجہ دلانا ضروری تھی' کیونکہ اس طرح کے جملوں کو مطلقاً استعمال کرنا حرام ہے اور اگر کسی شخص کا اعتقاد ہی یہی ہے کہ قبر آخری ٹھکانہ یا آخری آرام گاہ ہے تو پھر یہ کفر ہے' کیونکہ اس میں یوم آخرت کا انکار ہے۔

باقی رہا چالیس دن کے بعد زیارت قبور کا مسئلہ تو اس کی کوئی دلیل نہیں' کیونکہ انسان اپنے کسی عزیز کی تدفین کے دوسرے دن بعد بھی اس کی قبر کی زیارت کر سکتا ہے' لیکن جب کسی انسان کا کوئی قریبی عزیز وفات پا جائے تو پھر اسے دل کا روگ نہیں بنا لینا چاہیئے اور اس کی قبر پر کثرت سے نہیں جانا چاہیئے' کیونکہ اس سے غم تازہ رہے گا' وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے گا اور زیادہ اہمیت اس بات کو دے گا کہ اپنا زیادہ وقت اپنے اس عزیز کی قبر کے پاس ہی گزارے' اس سے انسان کو وسوسوں' برے افکار و خیالات اور خرافات میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بدعات جنائز

میت کے گھر میں اور جنازہ قبرستان لے جاتے وقت بلند آواز سے قرآن پڑھنا

سوال جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس گھر میں لاؤڈ سپیکر پر قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی جاتی ہے' حتیٰ کہ جب گاڑی پر میت کو قبرستان میں لے جایا جاتا ہے تو اس وقت بھی گاڑی کے ساتھ سپیکر نصب ہوتا ہے' حتیٰ کہ اس طرح تلاوت سنتے ہی لوگ یہ بدشگونی لیتے ہیں کہ کوئی فوت ہو گیا ہے' اور اب صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ کسی انسان کی موت پر ہی تلاوت قرآن کی جاتی ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس طرح کرنے والوں کے لیے آپ کے کیا پند و نصائح ہیں؟

جواب بلاشک و شبہ یہ عمل بدعت ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں اس طرح کا کوئی رواج نہ تھا۔ تلاوت قرآن سے بلاشبہ غم و فکر ہلکا ہو جاتا ہے بشرطیکہ آدمی اسے خود خشوع و خضوع سے پڑھے' نہ کہ سپیکروں پر اس طرح پڑھا جائے' اسی طرح اہل میت کا تعزیت کے لیے آنے والوں کے استقبال کے لیے جمع ہونا بھی ان امور میں سے ہے جو عہد نبوی اور عہد صحابہ میں معروف نہ تھے' حتیٰ کہ بعض علماء نے اسے بھی بدعت قرار دیا ہے' لہٰذا ہماری رائے میں اہل میت کو لوگوں کی طرف سے تعزیتیں وصول کرنے کے لیے جمع نہیں ہونا چاہیئے بلکہ انہیں اپنے دروازے بند کر لینے چاہئیں' اگر بازار میں انہیں کوئی ملے یا جاننے والوں میں سے کوئی آئے کہ تعزیت وصول کرنے کا انہوں نے باقاعدہ کوئی اہتمام نہ کیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تعزیت وصول کرنے کے لیے لوگوں کے باقاعدہ استقبال کا عہد نبوی اور عہد صحابہ میں کوئی رواج نہیں تھا' حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اہل میت کے جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو بھی نوحہ شمار کرتے تھے۔ نوحہ کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ معروف ہے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے:

«اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، ح: ٩٣٤)

"نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے روز قیامت اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر تارکول کا کرتہ اور خارشی زرہ ہوگی۔" (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔)

میری اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت ہے کہ ان بدعت والے کاموں کو ترک کر دیں' کیونکہ ان کا ترک کر دینا' ان کے لیے بھی اور میت کے لیے بھی اللہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میت کو اس کے گھر والوں کے رونے اور نوحہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔"[1]

یعنی اسے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اگرچہ اسے اس کی اتنی سزا نہیں ملے گی جتنا کہ نوحہ کرنے والے کو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٤)

"اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

اس حدیث میں عذاب کا لفظ سزا کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ»(صحيح البخاري، العمرة، باب السفر قطعة من العذاب، ح: ١٨٠٤)

"سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔"

یعنی دکھ درد اور غم و فکر کو بھی عذاب کہا جاتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ عذبنی ضمیری "میرے ضمیر نے مجھے عذاب دیا۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان باتوں سے دور رہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی اور ان کے مردوں کو عذاب سے قریب کر دینے والی ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

جنازے کے ساتھ بلند آواز سے "لا الہ الا اللہ" پڑھنا

سوال جب جنازہ قبرستان کی طرف لے جایا جارہا ہو تو اسوقت اجتماعی طور پر بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب آپ جنازے کے ساتھ تشریف لے جاتے تو آپ سے نہ کلمہ طیبہ کا ورد سنا جاتا نہ قرآن مجید کی تلاوت اور نہ ہی کچھ اور۔ ہمارے علم کے مطابق تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' جنازہ کے ساتھ

---

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ..... الخ' حدیث : 1286' 1287 و صحیح مسلم' الجنائز' باب المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ' حدیث :927-

اجتماعی طور پر کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ سے تو یہ مروی ہے:

«لَا تُتْبَعُ الْجَنَازَةُ بِصَوْتٍ وَلَا نَارٍ» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في اتباع الميت بالنار، ح:٣١٧١)

"جنازہ کے ساتھ آواز بلند ہو نہ جنازہ کے ساتھ آگ کو لے جایا جائے۔"

قیس بن عباد فرماتے ہیں (جو اکابر تابعین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے) کہ "حضرات صحابہ کرام جنازے' ذکر اور جنگ کے وقت آواز پست رکھنا مستحب سمجھتے تھے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنا خواہ وہ قراءت کی صورت میں ہو' ذکر کی صورت میں یا کسی اور صورت میں' مستحب نہیں ہے' ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور صحابہ و تابعین و سلف سے بھی یہی منقول ہے' کسی نے اس مسئلہ میں مخالفت بھی نہیں کی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حدیث و آثار کا علم جاننے والوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خیر القرون میں اس کا کوئی رواج نہ تھا۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بلند آواز سے جنازوں کے ساتھ کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھنا ایک قبیح بدعت ہے' اسی طرح اس موقع پر لوگوں کا یہ کہنا کہ "بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھو یا اللہ کا ذکر کرو یا قصیدہ بردہ وغیرہ پڑھو' یہ سب بدعت ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

شہداء اور بڑے لوگوں کی وفات پر خاموشی کے ساتھ کھڑا ہونا

سوال اقوام متحدہ میں جب کسی رکن ملک کے سربراہ کی وفات کی خبر آتی ہے تو وہاں سب لوگ مقتول کی وفات پر اظہار غم کے لیے لمحہ بھر خاموش کھڑے ہو جاتے ہیں' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بعض لوگ شہداء یا اکابر لوگوں کی وفات پر ان کی تعظیم و تکریم کے لیے کچھ دیر کے لیے جو خاموش کھڑے ہو جاتے ہیں' یہ ان بدعات و منکرات میں سے ہے جن کا نبی ﷺ' حضرات صحابہ کرام' اور سلف صالح کے دور میں قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہ بات آداب توحید اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اخلاص تعظیم کے بھی منافی ہے۔ افسوس کہ بعض جاہل مسلمان بھی اس قسم کی بدعات میں کافروں کی پیروی کرتے' ان کی قبیح عادات کو اختیار کرتے اور اکابر و روسا کی تعظیم میں انہی کی طرح غلو سے کام لیتے ہیں' حالانکہ نبی کریم ﷺ نے کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [1]

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جن حقوق کی تعلیم دی ہے وہ یہ ہیں کہ جو مسلمان فوت ہو جائیں ان کے لیے دعا کی جائے' ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے' ان کی خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے اور ان کی برائیوں کو بیان نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے آداب ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے اور مسلمانوں کے بارے میں خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ انہیں ملحوظ رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ اسلام نے اس بات کی ہرگز تعلیم نہیں دی اور نہ یہ ادب سکھایا ہے کہ وہ شہداء یا اکابر کی وفات پر بطور سوگ خاموش کھڑے ہوں بلکہ یہ بات اسلام کے اصولوں کے منافی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

[1] سنن ابی داود' اللباس' باب فی لبس الشھرۃ' ح: 4031۔

میت کے پیٹ پر قرآن مجید رکھنا

سوال میت پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اس کے پیٹ پر قرآن مجید رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا تعزیت کے ایام مقرر ہیں؟ یہ جو کہا جاتا ہے کہ تعزیت صرف تین دن تک کی جا سکتی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم شریعت ہے؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے! جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب میت پر یا قبر پر قرآن مجید پڑھنے کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے' لہٰذا یہ ایک غیر شرعی امر بلکہ بدعت ہے۔ اسی طرح میت کے پیٹ پر قرآن مجید رکھنے کی بھی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے' لہٰذا یہ بھی ایک غیر شرعی امر ہے۔ ہاں بعض اہل علم نے یہ ضرور ذکر کیا ہے کہ وفات کے بعد پیٹ پر لوہا یا کوئی وزنی چیز رکھ دی جائے تاکہ پیٹ پھول نہ جائے۔ باقی رہی تعزیت تو اس کے لیے ایام مخصوص اور محدود نہیں ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مدینہ طیبہ میں دوسرے دروازوں کی بجائے باب رحمت سے میت کا داخلہ

سوال مدینہ منورہ میں بہت سے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ وہ دیگر دروازوں کی بجائے صرف باب رحمت سے میت کو داخل کرتے ہیں اور عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ اس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ میت پر رحمت کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیتا ہے' کیا یہ بات ہماری شریعت مطہرہ کی روشنی میں صحیح ہے؟

جواب ہماری شریعت مطہرہ میں اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا یہ ایک خلاف شریعت بات ہے' اس کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں' جنازہ کو کسی بھی دروازہ سے داخل کر لیں اس میں کوئی حرج نہیں اور افضل یہ ہے کہ اس دروازے سے داخل کیا جائے جس سے داخل کرنے میں نمازیوں کو تکلیف کم ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

میت کی قبر کے پاس اذان و اقامت

سوال میت کو قبر میں رکھتے وقت اذان و اقامت کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بلاشک و شبہ یہ بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہرگز ثابت نہیں ہے جب کہ ساری خیر و برکت انہی کے نقش قدم پر چلنے میں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالسَّـٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَـٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَـٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۰)

"وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی اور وہ جنھوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی' اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور . . . الخ، ح:٢٦٩٧)

"جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة . . . الخ، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

اسی طرح نبی ﷺ خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، (وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ) وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ» (صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧، وما بين القوسين لفظ النسائي، العيدين، كيف الخطبة، ح:١٥٧٩)

"امابعد! سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے' سب سے بدترین امور وہ ہیں جنہیں (دین میں) نیا ایجاد کر لیا گیا ہو' ایسی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

دفن کے بعد میت کو تلقین کرنا اور وفات کے وقت (سورت) "یٰس" پڑھنا

سوال ایک آدمی نے پوچھا ہے کہ دفن کے بعد میت کو تلقین کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ اے اللہ کے بندے! اس عہد کو یاد کر جس پر تو دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف آیا ہے' یعنی دنیا میں تو یہ گواہی دیتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں--- جب تیرے پاس دو فرشتے آئیں اور تجھ سے یہ سوال کریں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تو ان فرشتوں کو یہ جواب دینا کہ اللہ میرا رب ہے' اسلام میرا دین ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ میرے نبی ہیں' کعبہ میرا قبلہ ہے اور مسلمان میرے بھائی ہیں--- اس طرح دفن کے بعد اور بھی بہت لمبی گفتگو کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بوقت وفات سورت یٰسین بھی پڑھی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح تلقین میت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے' کیونکہ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ اس کے لیے کئی احادیث پیش کرتے ہیں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے کہ دفن میت سے فراغت کے بعد آپ اور حضرات صحابہ کرام قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے' میت کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کرتے۔ [1] آپ صحابہ کرام کو بھی یہی حکم دیتے کہ وہ بھی مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کریں' آپ قبر کے پاس بیٹھ کر نہ تو کچھ پڑھتے اور نہ میت کو تلقین کرتے۔

---

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب الاستغفار عند القبر' حدیث: 3221۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ موت کے بعد تلقین میت واجب نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں بھی مسلمانوں میں یہ عمل مشہور نہ تھا' البتہ بعض صحابہ مثلاً حضرت ابوامامہ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے' لہٰذا بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے اختیار کیا ہے۔ امام احمد اور امام شافعی کے بعض اصحاب نے اسے مستحب قرار دیا ہے جب کہ بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے' کیونکہ وہ اسے بدعت قرار دیتے ہیں گویا اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) یہ مستحب ہے (۲) مکروہ ہے (۳) جائز ہے۔ سب سے صحیح قول یہ ہے کہ مستحب یہ ہے جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بھی دیا اور ترغیب بھی دی کہ میت کے لیے دعا کی جائے۔" وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ایک بدعت

سوال "الترغیب والترہیب" میں ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کی قبر کی مٹی کی ایک مٹھی لو اور اس پر یہ آیات پڑھو ---اب مجھے وہ آیات یاد نہیں--- پھر وہ مٹی اس کے کفن پر ڈال دو تو اس سے میت کو عذاب قبر نہیں ہو گا۔ یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟

جواب یہ ایک بالکل بے اصل بات بلکہ بہت بری بدعت ہے لہٰذا یہ جائز نہیں اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے' کفن پہنایا جائے' اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کر دیا جائے۔ جبکہ اس وقت موجود لوگوں کو حکم یہ ہے کہ تدفین سے فراغت کے بعد میت کی مغفرت اور حق پر ثابت قدمی کے لیے دعا کریں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعا فرمایا کرتے اور دعا کا حکم بھی دیا کرتے تھے۔ [1] وباللّٰہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

قبر کے پاس یٰسٓ پڑھنے اور درخت لگانے کا حکم

سوال بعض لوگ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس سورت یٰسٓ کی تلاوت کرتے ہیں اور قبر کے پاس املی وغیرہ کی ٹہنی گاڑ دیتے ہیں اور بعض لوگ قبر کی سطح پر جو یا گندم کے دانے اگا دیتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو قبروں پر ٹہنیاں رکھی تھیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب دفن کرتے وقت یا دفن کے بعد قبر پر سورۂ یٰسٓ یا قرآن مجید کی کوئی اور سورت پڑھنا جائز نہیں۔ قبرستان میں بھی شریعت نے قرآن مجید پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے بھی ایسا ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح قبر کے پاس اذان و اقامت کا بھی حکم نہیں بلکہ یہ سب کام بدعت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة

---

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب الاستغفار عندالقبر' حدیث: 3221۔

. . . الخ، ح:١٧١٨)

”جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

اسی طرح قبروں پر املی وغیرہ کا درخت لگانا' جو اور گندم وغیرہ اگانا بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو ان دو قبروں پر ٹہنیاں گاڑیں' [1] جن میں مدفون مردوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا تھا' کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے' تو یہ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ اور یہ عمل انہی دو قبروں کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ ان کے علاوہ اور کسی قبر پر آپ نے کبھی بھی ٹہنی نہیں گاڑی تھی' لہٰذا مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے دین میں کسی ایسی بات کا ایجاد کرنا جائز نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا ہو اور پھر ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَـٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ۚ. . الآیۃ﴾ (الشوری٤٢/ ٢١)

”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا---“

——— شیخ ابن باز ———

مُردوں پر سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال کیا مُردوں کے لیے فاتحہ خوانی جائز ہے اور کیا اس کا انہیں ثواب ملتا ہے؟

جواب مُردوں کے لیے فاتحہ خوانی کے بارے میں سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے اسے نہ پڑھا جائے' کیونکہ عبادات میں اصل ممانعت ہے الا یہ کہ ان کے ثبوت کی کوئی دلیل موجود ہو جس سے معلوم ہو کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت سے ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر از خود دین میں کچھ چیزوں کو مقرر کر لیا' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَـٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ۚ﴾ (الشوری٤٢/ ٢١)

”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة . . . الخ، ح:١٧١٨)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

اور جب وہ عمل مردود ہے تو وہ یقیناً باطل اور عبث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے کہ کسی ایسے عمل کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کیا جائے۔ کسی قاری کو اجرت دے کر قرآن پڑھانا تاکہ اس کا ثواب میت کو پہنچے' تو یہ حرام ہے' کیونکہ قرآن پڑھ کر اجرت لینا صحیح نہیں ہے۔ جو شخص قرآن پڑھ کر اجرت لے وہ گناہگار اور ثواب سے محروم ہے' کیونکہ قرآن مجید پڑھنا تو عبادت ہے اور یہ جائز نہیں کہ عبادت کو حصول دنیا کا وسیلہ بنا لیا جائے' ارشاد ربانی ہے:

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب الجریدة علی القبر' حدیث: 1361۔

﴿ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ ﴾

(ھود۱۱/ ۱۵)

"جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔"

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

قبر کے پاس سورت فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنا

سوال کیا زیارت قبر کے وقت میت کے لیے سورت فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا میت کو اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ قبروں کی زیارت فرمایا کرتے تھے اور مُردوں کے لیے وہ دعائیں مانگتے جو آپ نے صحابہ کرام کو بھی سکھائیں اور صحابہ کرام نے آپ سے سیکھیں مثلاً انہیں میں سے ایک یہ دعا بھی ہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ، لَلَاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ» (صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور ... الخ، ح: ٩٧٥)

"اے اس بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو بے شک ہم بھی ان شاء اللہ (تم سے) عنقریب ملنے والے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کی دعا کرتا ہوں۔"

قبروں کی بکثرت زیارت کے باوجود یہ بات ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مُردوں کے لیے کبھی سورت فاتحہ یا قرآن مجید کی کچھ آیات پڑھی ہوں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو آپ خود بھی یقیناً ایسا کرتے اور صحابہ کرام کے سامنے بھی اس بات کو واضح فرما دیتے تاکہ اس طرح آپ حصول ثواب کی ترغیب دیتے' امت پر رحمت فرماتے اور فریضۂ تبلیغ کو بھی ادا فرماتے۔ آپ کی شان تو یہ ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۲۸)

"(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں' تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔"

اسباب میسر ہونے کے باوجود جب نبی ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر شرعی عمل ہے۔ حضرات صحابہ کرام کو بھی اس کا علم تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بھی محض آپ کے نقش قدم پر چلنے پر اکتفا کیا کہ صرف عبرت اور مُردوں کے حق میں دعا کے لیے قبروں کی زیارت کی اور کبھی بھی زیارت قبور کے موقع پر قرآن مجید نہیں پڑھا' گویا اس موقع پر قرآن مجید کو پڑھنا بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا

علی صلح جور . . . الخ، ح:٢٦٩٧)

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو دین میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

——— فتویٰ کمیٹی ———

دفن کے بعد قبر پر قرآن خوانی

سوال میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر قرآن خوانی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور مُردوں پر رحمت کے لیے ہم جو اپنے گھروں میں لوگوں کو اجرت دے کر پڑھاتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اہل علم کا راجح قول یہ ہے کہ دفن کے بعد قبر پر قرآن خوانی بدعت ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس کا کوئی رواج نہ تھا۔ آپ نے اس کا حکم دیا نہ خود ایسا کیا بلکہ زیادہ سے زیادہ جو ثابت ہے وہ یہ کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر . . . الخ، ح:٣٢٢١ والمستدرك للحاكم:١/ ٣٧٠)

”اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کرو' کیونکہ اب اس سے سوال پوچھے جائیں گے۔“

اگر قبر کے پاس قرآن خوانی حکم شریعت ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اس کا حکم دیتے تاکہ امت کو یہ حکم شریعت معلوم ہو جاتا۔ اسی طرح کسی میت کی روح کے ایصال ثواب کے لیے گھروں میں جمع ہو کر قرآن خوانی کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالح رحمہم اللہ بھی ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ مسلمان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو صبر کرے' اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھے اور زبان سے وہ کلمات کہے جو صبر کرنے والوں کا شعار ہے یعنی یہ کہے:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي! فِيْ مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا»(صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة؟، ح:٩١٨)

”بے شک ہم سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم سب اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میری اس مصیبت کا مجھے اجر دے اور اسکے عوض مجھے بہتر بدل عطا فرما۔“

اہل میت کے ہاں اجتماع کرنا' قرآن خوانی کرنا' کھانے تیار کرنا اور اس طرح کے دیگر تمام امور بدعت ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ماتم کرنے کے بارے میں حکم شریعت

سوال میت دفن کرنے کے تین دن بعد تک اجتماع کرنا اور قرآن خوانی کرنا' جسے ماتم کہا جاتا ہے' اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب میت کے گھر میں کھانے پینے یا قرآن خوانی کے لیے جمع ہونا بدعت ہے' اسی طرح جمع ہو کر اجتماعی طور پر دعا کرنا

بھی بدعت ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ میت کے گھر صرف اس لیے جانا چاہیئے کہ ان سے تعزیت کی جائے' ان کے لیے صبر کی دعا اور میت کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ باقی رہا ماتم کے لیے یا اجتماعی خصوصی دعا کے لیے یا قرآن خوانی کے لیے جمع ہونا تو یہ بے اصل ہے۔ اگر یہ نیک کام ہوتا تو سلف صالح یقیناً اسے سرانجام دیتے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی ایسا کرنا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے۔ غزوۂ موتہ کے موقع پر جب نبی ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی حضرت جعفر بن ابی طالب' حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے حضرات صحابہ کرام کو بھی ان کی شہادت کی بابت بتایا' ان کے لیے دعا فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔"

آپ نے اس موقع پر نہ تو لوگوں کو جمع فرمایا' نہ دسترخوان سجایا اور نہ ماتم کا اہتمام کیا' الغرض اس موقع پر آپ نے قطعاً ایسا کوئی کام نہیں کیا' حالانکہ یہ تینوں بہترین اور افضل صحابہ کرام میں سے تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ماتم کا اہتمام نہیں کیا گیا حالانکہ آپ تمام صحابہ کرام میں سب سے افضل تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کی شہادت پر بھی صحابہ کرام نے ماتم کا اہتمام نہیں کیا' لوگ جمع ہوئے نہ ہی قرآن خوانی کی گئی' اسی طرح جب حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے دور میں شہید ہوئے تو ان کی شہادت پر بھی لوگ مخصوص دنوں میں نہ جمع ہوئے اور نہ اجتماعی دعا کا اہتمام کیا گیا اور نہ ہی ان کے لیے کھانوں کے پکانے کا انتظام کیا گیا۔

میت کے قریبی رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے لیے یہ ضرور مستحب ہے کہ وہ کھانا پکا کر میت کے اہل خانہ کے پاس بھیجیں جیسا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا:

«اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ح: ٣١٣٢)

"آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں ایک ایسی مصیبت درپیش ہے جس نے انہیں (اور کاموں سے) مشغول کر دیا ہے۔"

اہل میت مصیبت کی وجہ سے مشغول ہوتے ہیں لہٰذا اگر کھانا تیار کر کے ان کے ہاں بھیج دیا جائے تو یہ حکم شریعت کے مطابق ہے لیکن یہ طرز عمل کہ وہ پہلے ہی مصیبت میں مبتلا ہیں اور انہیں مزید پریشان کیا جائے کہ وہ لوگوں کو کھانا کھلائیں یہ خلاف سنت بلکہ بدعت ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ» (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في النهي عن الاجتماع ... الخ، ١٦١٢ ومسند أحمد: ٢/ ٢٠٤ واللفظ له)

"ہم دفن کے بعد اہل میت کے پاس جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کیا کرتے تھے۔"

اور نوحہ حرام ہے' نوحہ کے معنی بلند آواز سے رونا ہے۔ نوحہ کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے البتہ اگر شدت غم سے آنکھیں اشکبار ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

وفات کے بعد کھانے کی دعوتیں

سوال بعض لوگ اپنے اعزہ و اقارب کی وفات کے بعد کھانے کی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں جن میں جانور ذبح کر کے گوشت وغیرہ خوب پکائے جاتے ہیں۔ ان دعوتوں کے اخراجات بھی متوفی کے مال ہی سے ادا کئے جاتے ہیں' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر فوت ہونے والے نے اس قسم کی دعوتوں کی وصیت کی ہو تو کیا ازروئے شریعت اس طرح کی وصیت پر عمل کرنا لازم ہے؟

جواب وفات کے بعد دعوتوں کے اہتمام کی وصیت کرنا بدعت اور عمل جاہلیت ہے۔ اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو اہل میت کا ازخود اس قسم کی دعوتوں کا انتظام کرنا بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلٰى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ» (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في النهي عن الاجتماع ... الخ، ح:١٦١٢ ومسند أحمد:٢/ ٢٠٤ واللفظ له)

"ہم دفن کے بعد اہل میت کے ہاں جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد حسن بیان فرمایا ہے اور پھر یہ بات حکم شریعت کے خلاف بھی ہے' کیونکہ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کر کے ان کی دلجوئی کی جائے اس لیے وہ مصیبت کی وجہ سے مشغول ہیں' چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے غزوۂ موتہ میں شہید ہونے کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا:

«اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ح:٣١٣٢)

"جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں ایک ایسی مصیبت درپیش ہے جس نے انہیں (اور کاموں سے) مشغول کر دیا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

میت کا ساتواں یا چالیسواں

سوال ایک مسلمان فوت ہوا جس کے بہت سے بچے ہیں اور اس نے ان کے لیے مال بھی بہت چھوڑا ہے تو کیا وہ اس کی طرف سے ساتویں یا چالیسویں دن روٹی اور گوشت وغیرہ کی دعوت کر سکتے ہیں تاکہ اس کے ایصال ثواب کے لیے مسلمانوں کو جمع کر کے کھانا کھلا دیں؟

جواب میت کی طرف سے صدقہ کرنا درست ہے۔ فقرا و مساکین کو کھانا کھلانا' پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور مسلمانوں کی عزت افزائی کرنا بلاشبہ نیکی کے وہ کام ہیں جن کی شریعت نے ترغیب دی ہے لیکن میت کے لیے اس کی وفات کے دن یا کسی معین مثلاً ساتویں یا چالیسویں دن بکری یا گائے یا اونٹ یا پرندوں وغیرہ کو ذبح کر کے دعوت کا اہتمام کرنا

بدعت ہے۔ اسی طرح میت کی طرف سے صدقہ کرنے کے لیے بھی کسی دن یا رات کا معین کرنا مثلاً جمعرات کا دن' جمعہ کا دن یا جمعہ کی رات وغیرہ تو یہ بھی بدعت ہے۔ سلف صالح میں اس طرح کا کوئی رواج نہ تھا' لہٰذا اس قسم کی بدعتوں کو ترک کر دینا واجب ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی چیز پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ» (سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧، واصله في صحيح مسلم)

"اپنے آپ کو (دین میں) نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچاؤ' کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

میت کی طرف سے چالیسویں دن صدقہ

سوال کیا یہ جائز ہے کہ وفات کے چالیس دن بعد میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے؟

جواب میت کی طرف سے صدقہ کرنا صحیح ہے لیکن کسی دن کی تحدید اور تعیین کرنا بدعت ہے۔ مستقل فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علیہ وافتاء کے پاس میت کی طرف سے چالیسویں دن محفل منعقد کرنے کے سلسلے میں ایک سوال آیا تھا جس کا کمیٹی نے حسب ذیل جواب دیا:

نبی کریم ﷺ' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح سے میت کے لیے کسی قسم کی محفل منعقد کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے' نہ وفات کے وقت' نہ وفات کے بعد ساتویں یا چالیسویں دن اور نہ ایک سال بعد بلکہ یہ بدعت اور ایک بری عادت ہے۔ یہ قدیم مصریوں اور دیگر کافروں کی رسم ہے لہٰذا جو مسلمان اس قسم کی محفلیں منعقد کرتے ہیں انہیں سمجھانا اور اس سے منع کرنا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر کے ان بدعات اور کفار کی مشابہت سے اجتناب کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصِّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»(مسند أحمد: ٢/ ٥٠)

"مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے حتیٰ کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے رکھا گیا ہے اور ذلت و رسوائی اس کے لیے ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی میں سے ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمْ وَحَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ جَامَعَ امْرَأَتَهُ بِالطَّرِيقِ لَفَعَلْتُمُوهُ» (صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٥٦ والمستدرك للحاكم: ٤/ ٤٥٥ واللفظ له)

"تم پہلے لوگوں کے طریقوں کو بالکل اسی طرح مکمل طور پر اختیار کر لو گے جس طرح بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی شخص سانڈے کی بل میں داخل ہوا تو تم بھی داخل ہو گے اور اگر ان میں سے کسی نے راہ چلتے اپنی بیوی سے جماع کیا تو تم بھی ایسا کرو گے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

چہلم اور ماتمی جلسہ

سوال رسم چہلم منانے کی اصل کیا ہے؟ کیا ماتمی جلسہ کرنے کی کوئی شرعی دلیل ہے؟

جواب رسم چہلم منانا فرعونیوں کی رسم ہے۔ اسلام سے قبل فرعون یہ رسم منایا کرتے تھے اور پھر ان سے دیگر قوموں میں یہ رسم پھیل کر عام ہو گئی' لہٰذا یہ ایک بہت بری بدعت ہے' اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں' چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور . . . الخ، ح:٢٦٩٧)

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کر لی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ثانیاً: موجودہ طریقے کے مطابق جمع ہو کر ماتمی جلسہ کرنا اور فوت ہونے والے شخص کی تعریف میں بے حد مبالغہ سے کام لینا جائز نہیں ہے' کیونکہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمَرَاثِي»(سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في البكاء على الميت، ح:١٥٩٢ ومسند أحمد: ٤/٣٥٦)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔"

چونکہ میت کے اوصاف بیان کرنے میں اکثر فخر وغرور کا اظہار کیا جاتا ہے اور غم و حزن کی تجدید ہوتی ہے اور اگر میت کے تذکرہ کے وقت یا اس کے جنازہ کے گزرنے کے وقت تعریف کی جائے یا اس کے تعارف کے لیے اس کے کارہائے نمایاں بیان کئے جائیں تو یہ جائز ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض صحابہ نے شہداء احد یا دیگر صحابہ کرام کے انتقال کے وقت ان کی تعریف کی تھی۔ اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے جس کی صحابہ کرام نے تعریف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "واجب ہو گئی" پھر لوگ ایک اور جنازہ لے کر گزرے تو صحابہ کرام نے اس کی برائی بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی یہی فرمایا کہ "واجب ہو گئی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا واجب ہو گئی؟ آپ نے فرمایا:

«هٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَهٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الأَرْضِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ثناء الناس على الميت، ح:١٣٦٧ وصحيح مسلم، الجنائز، باب فيمن يثنى عليه خير أو شر من الموتى، ح:٩٤٩)

"جس کی تم نے اچھائی بیان کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جس کی تم نے برائی بیان کی اس کے لیے جہنم واجب ہو گئی' تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

عید کی رات قبروں کی زیارت

سوال ہماری بستی میں یہ رواج ہے کہ لوگ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی رات قبرستان میں جاتے ہیں' اپنے مردوں کی قبروں پر چراغ جلاتے اور حفاظ کو بلا کر قرآن پڑھاتے ہیں۔ کیا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب یہ فعل باطل' حرام اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا سبب ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [1] عید کی رات قبروں کی زیارت بدعت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے عید کی رات یا عید کے دن بطور خاص قبروں کی زیارت کی ہو' بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ)»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وما بين القوسين لفظ النسائي، صلاة العيدين، كيف الخطبة، ح:١٥٧٩)

"اپنے آپ کو دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچاؤ' کیونکہ دین میں ایجاد کی گئی ہر نئی بات بدعت ہے' ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے کا سبب بنے گی۔"

آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنی عبادت اور ہر اس کام کے لیے جسے وہ تقرب الٰہی کے حصول کے لیے کرنا چاہتا ہو یہ دیکھے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ اصول یہ ہے کہ عبادات میں اصل ممانعت ہے الاّ یہ کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس سے معلوم ہو کہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ سائل نے عید کی رات قبروں پر چراغ جلانے کے بارے میں جو سوال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کی دلیل موجود ہے کہ یہ ممنوع اور کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر آیا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] سنن ابی داود' الجنائز' باب فی زیارۃ النساء القبور' حدیث: 3236۔

17563

جنازے کے متعلق متفرق احکام

کسی میت کو مغفور و مرحوم کہنا جائز نہیں

اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ أَمَّا بَعْدُ

آج کل بعض لوگوں کی وفات کے بارے میں اخبارات میں بہت کثرت سے اعلانات شائع کرائے جاتے اور فوت شدگان کے اعزہ و اقارب سے تعزیت کے پیغامات بھی بڑی کثرت سے طبع کرائے جاتے ہیں اور اس طرح کے اعلانات و پیغامات میں میت کے نام کے ساتھ مغفور یا مرحوم یا اس کے مشابہ کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یقینی طور پر جنتی ہے' حالانکہ جسے احکام و عقائد اسلام کا ادنیٰ سا بھی علم ہو وہ جانتا ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

اہلسنت و الجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ کی نص کے بغیر متعین طور پر کسی کو جنتی یا جہنمی کہنا جائز نہیں۔ کتاب اللہ سے مثال جیسے ابولہب کو جہنمی کہا گیا اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مثال جیسے عشرہ مبشرہ کو جنتی قرار دیا گیا۔ کسی کو مغفور یا مرحوم کہنے کے بھی یہی معنی ہیں کہ ہم اس کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں' لہٰذا مغفور و مرحوم کے الفاظ کے بجائے یہ الفاظ استعمال کرنے چاہئیں کہ غفر اللّٰہ لہ "اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے" یا رحمہ اللّٰہ "اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے" یا اس طرح کے دیگر دعائیہ کلمات میت کے لیے استعمال کئے جائیں۔ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وصلی الله علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه۔

—— عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ——

وفات کے وقت سورۂ یٰسٓ پڑھنا

سوال کیا وفات کے وقت سورۂ یٰسٓ پڑھنا صحیح ہے؟

جواب فقہاء نے وفات کے وقت اس سورت کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ اس سورت مبارکہ کے پڑھنے سے روح آسانی سے نکل جاتی ہے۔ فوت ہونے والے کے پاس اس سورت کی قراءت کا مستحب ہونا دراصل نبی کریم ﷺ کے حسب ذیل ارشاد پر مبنی ہے:

«اِقْرَءُوا "یٰسٓ" عَلٰی مَوْتَاکُمْ» (سنن أبي داود، الجنائز، باب القراءة عند الميت، ح:۳۱۲۱)

"تم اپنے مرنے والوں پر یٰسٓ پڑھا کرو۔"

اس حدیث کو بعض اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض نے اسے قابل استدلال قرار دیا ہے۔ اگر اس سورت

مبارکہ کو پڑھ لیا جائے تو امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا اور اگر اسے نہ پڑھا جائے اور میت کو صرف "لا الہ الا اللہ" کی تلقین پر اکتفاء کر لیا جائے تاکہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کی زبان سے ادا ہونے والے آخری الفاظ لا الہ الا اللہ ہوں تو یہ بھی بہت اچھا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اخبارات میں وفات کی خبر شائع کرنا

سوال اخبارات میں وفات کی خبر شائع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے' بعض اوقات فوت شدہ کی تصویر بھی شائع کی جاتی ہے؟

جواب خیر و بھلائی اور نیکی کے کاموں میں مشہور لوگوں کی اخبارات میں وفات کی خبر شائع کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ خبر پڑھنے والے مسلمان اس کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کر سکیں۔ لیکن فوت شدگان کی ایسی تعریف کرنا جس کے وہ مستحق نہ ہوں جائز نہیں' کیونکہ یہ تو صریحاً جھوٹ ہے اور نہ کسی کے بارے میں یقینی طور پر یہ کہنا جائز ہے کہ وہ قطعی جنتی ہے' کیونکہ اہلسنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی متعین آدمی کے بارے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ قطعی جنتی یا جہنمی ہے' ہاں البتہ ہم نیک لوگوں کے بارے میں جنت کی امید رکھتے ہیں اور گناہ گاروں کے بارے میں یہ خوف کہ وہ جہنم رسید ہوں گے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

موت کے بعد میت پر نوحہ خوانی

سوال کیا میت پر رونا جائز ہے؟ اگر رونے میں نوحہ کرنا' رخسار پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا بھی شامل ہو تو کیا میت پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے؟

جواب میت کی بے جا تعریف کرنا' نوحہ کرنا' کپڑے پھاڑنا' رخساروں کو پیٹنا اور اس طرح کی دوسری باتیں جائز نہیں ہیں' کیونکہ "صحیحین" میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ» (صحيح البخاري، الجنائز، باب لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الجيوب، ح: ١٢٩٤)

"وہ ہم میں سے نہیں ہے جو رخساروں کو پیٹے گریباں پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کے کلمات کہے۔"

یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت فرمائی ہے [1] اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے:

«اَلْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من النياحة على الميت، ح: ١٢٩٢)

"نوحہ کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔"

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ' حدیث: 934-

«إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، باب قول النبي ﷺ يعذب الميت . . . الخ، ح:١٢٨٦ وصحيح مسلم، الجنائز، باب الميت يعذب ببكاء أهله عليه، ح:٩٢٧)

"میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

میت کو گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے

سوال کیا میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے؟

جواب ہاں میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے' کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے۔[1] علماء رحمھم اللہ کا اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کافر ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو اپنی موت پر رونے کی وصیت کر جائے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہے جسے یہ معلوم ہو کہ اس کے گھر والے اس کی وفات کے بعد روئیں گے اور وہ انہیں منع نہ کر کے جائے' کیونکہ اس کی خاموشی گویا اس کی رضامندی ہے اور جو شخص کسی برائی پر راضی ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے گویا خود اسے کر رہا ہو۔ اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں یہ تین اقوال ہیں لیکن یہ تینوں ظاہر حدیث کے مخالف ہیں' کیونکہ حدیث میں ان میں سے کوئی بات مذکور نہیں' لہٰذا حدیث کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے ہم یہ کہیں گے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے لیکن اس عذاب سے مراد سزا نہیں ہے' کیونکہ اس نے گناہ نہیں کیا کہ اسے اس کی سزا دی جائے بلکہ اس عذاب سے مراد رونے کی وجہ سے دکھ اور تکلیف ہے۔ اور دکھ تکلیف کے بارے میں یہ ضروری نہیں کہ سزا ہی ہو جیسا کہ نبی ﷺ نے سفر کے بارے میں فرمایا ہے:

«قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ»(صحيح البخاري، العمرة، باب السفر قطعة من العذاب، ح:١٨٠٤)

"وہ عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔"

حالانکہ سفر سزا ہے نہ عذاب لیکن غم و فکر اور قلق و اضطراب ضرور ہے۔ رونے کی وجہ سے میت کیلئے قبر میں عذاب بھی اسی قسم کا ہے کہ اس سے اسے غم و فکر اور قلق و اضطراب ہوتا ہے اگرچہ یہ اس کے اپنے کسی گناہ کی سزا نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

بغیر ضرورت کچھ دنوں کے لیے میت کے منہ کو ننگا رکھنا

سوال بغیر ضرورت کے ایک یا دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ دنوں تک میت کے منہ کو ننگا رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے تاکہ دور و نزدیک کے سب لوگ اس کا دیدار کر سکیں؟ فوت شدہ' مرد ہو یا عورت' کے چہرہ کو روزانہ دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا منہ کو ننگا رکھنا اسلامی تعلیمات کے منافی تو نہیں؟

---

[1] صحیح بخاری' الجنائز' باب قول النبی صلی اللہ یعذب المیت ..... الخ' حدیث : 1286 - 1287 و صحیح مسلم' الجنائز' باب المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ' حدیث : 927-

جواب اولاً : سنت یہ ہے کہ انسان جب فوت ہو جائے تو چہرے سمیت اس کے سارے جسم کو ڈھانپ دیا جائے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ»(صحيح البخاري، اللباس، باب البرود والحبر والشملة، ح:٥٨١٤ وصحيح مسلم، الجنائز، باب تسجية الميت، ح:٩٤٢ ومسند أحمد:٦/٨٩، ١٥٣)

"رسول اللہ ﷺ جب وفات فرما گئے تو آپ کے جسد اطہر کو ایک (یمنی) چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔"

صحابہ کرام میں بھی یہی امر معروف تھا اور یہ عہد نبوی کے عمل ہی کا تسلسل تھا' امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ "اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ میت کو ڈھانپ دیا جائے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کی حفاظت کی جائے اور اس کی صورت میں اگر کوئی تبدیلی رونما ہو تو اسے آنکھوں سے اوجھل رکھا جائے اور میت کا جن کپڑوں میں انتقال ہوا ہو انہیں اتارنے کے بعد اسے ڈھانپا جائے تاکہ ان کپڑوں کی وجہ سے اس کے جسم میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ سوال میں ایک یا ایک سے زیادہ ایام تک میت کا چہرہ کھلا رکھنے کے بارے میں جو پوچھا گیا ہے تاکہ لوگ اس کا دیدار کر سکیں' تو یہ اسلامی طریقے اور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ اگر میت کے گھر والے تجہیز و تدفین میں تاخیر کیے بغیر اس کا چہرہ کھلا رکھ کر دیکھنا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«لَمَّا قُتِلَ أَبِي جَعَلْتُ أَكْشِفُ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهِ أَبْكِي وَيَنْهَوْنِي عَنْهُ وَالنَّبِيُّ ﷺ لاَ يَنْهَانِي»(صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول علي الميت بعد الموت... الخ، ح:١٢٤٤ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عمرو بن حرام ... الخ، ح:٢٤٧١)

"جب میرے والد شہید ہو گئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑے کو ہٹاتا اور روتا تھا' لوگ مجھے اس سے منع کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ مجھے اس سے منع نہیں فرماتے تھے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُقَبِّلُ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ حَتَّى رَأَيْتُ الدُّمُوعَ تَسِيلُ»

(سنن أبي داود، الجنائز، باب في تقبيل الميت، ح:٣١٦٣)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ حضرت عثمان بن مظعون کو بوسہ دے رہے تھے جب کہ وہ فوت ہو چکے تھے اور میں نے آپ کے آنسو بہتے ہوئے بھی دیکھے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ سیدھے وہاں تشریف لے آئے جہاں نبی کریم ﷺ کی میت پاک دھاری دار (یمنی) چادر سے ڈھانپ کر رکھی ہوئی تھی' انہوں نے چہرہ اقدس سے کپڑا ہٹایا اور جھک کر بوسہ دیا اور پھر رونے لگے اور فرمایا:

«بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا نَبِيَّ اللهِ، لاَ يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، ح:١٢٤١، ١٢٤٢)

"اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا۔"

ثانیاً : جب یقین ہو جائے کہ موت واقع ہو چکی ہے تو پھر سنت یہ ہے کہ تجہیز میں جلدی کی جائے' کیونکہ اس طرح میت

میں کوئی تبدیلی بھی رونما نہ ہو گی کہ لوگ اس سے نفرت کریں۔ سنن ابی داود میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُرٰی طَلْحَةَ إِلاَّ قَدْ حَدَثَ فِيهِ الْمَوْتُ، فَـآذِنُونِي بِهِ وَعَجِّلُوا، فَإِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَهْلِهِ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب تعجيل الجنازة ... الخ، ح:٣١٥٩)

''میں دیکھ رہا ہوں کہ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ پر موت طاری ہو چکی ہے' لہٰذا جب وہ وفات پا جائیں تو مجھے اس کی اطلاع کر دینا اور ان کی تیاری میں جلدی کرنا' کیونکہ مسلمان کی میت کو اس کے گھر والوں کے پاس زیادہ دیر تک نہیں رکھنا چاہیے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلاَ تَحْبِسُوهُ وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلٰی قَبْرِهِ»(المعجم الكبير للطبراني:١٢/ ٤٤٤، ح:١٣٦١٣)

''جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو پھر اسے زیادہ دیر تک نہ روکو بلکہ اسے جلد اس کی قبر میں پہنچا دو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً، فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ، فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب السرعة بالجنازة، ح:١٣١٥ وصحيح مسلم، الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، ح:٩٤٤)

''جنازے میں جلدی کرو! اس لیے کہ اگر میت نیک ہے تو تم اسے خیر و بھلائی کی طرف لے جاتے ہو اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو برائی کو جلد اپنے کندھوں سے اتار پھینکتے ہو۔''

اس حدیث میں بھی یہ تلقین کی گئی ہے کہ تجہیز و تدفین میں جلدی کرنی چاہیے تاکہ میت کو جلد خیر و بھلائی کی طرف لے جایا جائے یا جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے' ہاں اس قدر انتظار جائز ہے کہ وہ لوگ جمع ہو جائیں جو جنازہ پڑھیں' اسے الوداع کریں اور اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کریں' بشرطیکہ انتظار کی وجہ سے تاخیر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت ایک یا ایک سے زیادہ دنوں تک میت کے دفن میں تاخیر کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے لہٰذا ان لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیے جو تجہیز و تدفین میں تاخیر کرتے اور لوگوں کے دیدار کے لیے میت کے منہ کو کھلا رکھتے ہیں اور انہیں بتانا چاہیے کہ ان مسائل میں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس طرح سمجھانے سے اللہ تعالیٰ انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

طبی مقصد کی خاطر مسلمان کا پوسٹ مارٹم کرنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَصَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰی مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ، مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ۔ وَبَعْدُ

کبار علماء کونسل نے اپنے نویں اجلاس میں جو طائف شہر میں' شعبان ۱۳۹۶ھ میں منعقد ہوا' وزیر عدل کے خط حوالہ : ۲/۳۲۲۱/خ کا جائزہ لیا جو کہ وکیل وزارت خارجہ کے خط حوالہ : ۳/۱۳۴۴۶/۲/۱/۳۴ مورخہ ۱۳۹۵/۸/۶ھ پر مبنی تھا اور جس کے ساتھ سفارت خانہ مالیزیا جدہ کی یادداشت بھی منسلک تھی جس میں یہ استفسار کیا گیا ہے کہ سعودی عرب کا' مسلمان میت کے پوسٹ مارٹم کے بارے میں کیا رائے اور موقف ہے جو طبی اغراض و مقاصد اور مصالح پر مبنی ہو؟

اس اجلاس میں اس تحقیق کا بھی جائز لیا گیا جو اس موضوع پر بحوث علیہ وافتاء کی فتویٰ کمیٹی نے پیش کی تھی اور جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ موضوع تین حصوں میں تقسیم ہے:

(۱) کسی فوجداری دعویٰ کی تحقیق کی غرض سے پوسٹ مارٹم۔

(۲) وبائی امراض کی تحقیق کی غرض سے پوسٹ مارٹم' تاکہ اس کی روشنی میں وبائی امراض سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکیں۔

(۳) تعلیم و تعلم یعنی اعلیٰ مقاصد کے لیے پوسٹ مارٹم۔

افکار و آراء اور اس تحقیق کے مطالعہ کے بعد جو کمیٹی نے پیش کی تھی' جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے' کونسل نے طے کیا کہ:

پہلی اور دوسری صورت میں پوسٹ مارٹم جائز ہے' کیونکہ ان صورتوں میں امن و عدل اور معاشرے کو وبائی امراض سے بچانے کی بہت سی مصلحتیں کار فرما ہیں اور اس میں اس میت کی بے حرمتی کا جو پہلو ہے' جس کا پوسٹ مارٹم کیا جا رہا ہو' وہ ان یقینی اور بہت سی مصلحتوں کے مقابلہ میں چھپ جاتا ہے' اس لیے ان دو مقاصد کے لیے کونسل بالاتفاق پوسٹ مارٹم کو جائز قرار دیتی ہے' خواہ وہ لاش جس کا پوسٹ مارٹم کیا جا رہا ہو کسی معصوم انسان کی ہو یا غیر معصوم کی۔

باقی رہی تیسری قسم یعنی تعلیمی مقاصد کے لیے پوسٹ مارٹم' تو شریعت اسلامیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مصالح کو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے اور مفاسد کو کم سے کم کیا جائے' خواہ اس کے لیے دو ضرر رساں چیزوں میں سے اس کا ارتکاب کرنا پڑے جس کا ضرر کم ہو اور اسے ختم کیا جا سکے جس کا نقصان زیادہ ہو اور جب مصالح میں تعارض ہو تو اسے اختیار کر لیا جائے گا جو راجح ہو' حیوانی لاشوں کا پوسٹ مارٹم انسانی لاشوں کے پوسٹ مارٹم کا بدل نہیں ہو سکتا اور پوسٹ مارٹم میں چونکہ بہت سی مصلحتیں ہیں جو آج کی علمی ترقی کے باعث مختلف طبی مقاصد کے لیے بہت کار آمد ہیں' لہٰذا کونسل کی رائے میں فی الجملہ انسانی لاش کا پوسٹ مارٹم جائز ہے لیکن اسلامی شریعت نے چونکہ مسلمان کو موت کے بعد بھی اسی طرح عزت و تکریم سے نوازا ہے جس طرح زندگی میں اسے عزت و شرف سے سرفراز ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في الحفار يجد العظم ... الخ، ح: ٣٢٠٧)

''مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔''

اور پوسٹ مارٹم چونکہ عزت و تکریم کے منافی اور اس میں انسانی لاش کی بے حرمتی ہے اور پوسٹ مارٹم کی ضرورت چونکہ غیر معصوم لاشوں کے آسانی سے میسر آ جانے کی وجہ سے پوری ہو جاتی ہے لہٰذا کونسل کی رائے یہ ہے کہ اس مقصد

کے لیے غیر معصوم لاشوں کو استعمال کرنے پر اکتفاء کیا جائے اور معصوم مردوں کی لاشوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ الموفق وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

ــــــــ ہیئۃ کبار العلماء ــــــــ

تعلیمی مقاصد کے لیے مردہ لاش کا پوسٹ مارٹم

سوال میں نے میڈیکل کالج قاہرہ کے پوسٹ مارٹم والے کمرہ میں مردوں' عورتوں اور بچوں کی کئی لاشیں دیکھی ہیں' تعلیمی مقاصد کے لیے جن کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا اور اعضاء کو کاٹا جاتا ہے۔ کیا اس ضرورت کے پیش نظر شرعاً پوسٹ مارٹم جائز ہے؟ کیا مرد عورت کا اور عورت مرد کا پوسٹ مارٹم کر سکتی ہے؟ کیا انسانی اعضاء کو کاٹنا جائز ہے؟

جواب میت اپنی زندگی میں جب معصوم ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو اس کا پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں' کیونکہ اس میں میت سے بدسلوکی اور اس کی بے حرمتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في الحفار يجد العظم ... الخ، ح:٣٢٠٧)

"مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔"

ہاں البتہ اگر میت غیر معصوم ہو مثلاً مرتد اور حربی وغیرہ تو طبی مصلحت کے لیے اس کے پوسٹ مارٹم میں مجھے کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

ــــــــ شیخ ابن باز ــــــــ

مردہ نفع نہیں پہنچا سکتا اور نہ سن کر نفع اٹھا سکتا ہے

سوال کیا مُردہ سلام اور کلام کو سنتا اور اس کے پاس جو کیا جائے اسے سمجھتا ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اہل علم و سنت کا اختلاف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال، ح:١٣٣٨ وصحيح مسلم، الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة ... الخ، ح:٢٨٧٠ واللفظ له)

"بلاشبہ بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے (دفن کر دیا جاتا ہے) اور اسے دفن کرنے والے آ رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُرُّ عَلَى قَبْرِ رَجُلٍ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلاَّ عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ»(العلل المتناهية: ٢/ ٤٢٩، ح:١٥٢٣ والاستذكار لابن عبدالبر، ح:١/ ٢٣٤)

"جب کوئی (مسلمان) بندہ کسی ایسے (مسلمان) آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے' جسے وہ دنیا میں جانتا تھا اور

اسے سلام کہتا ہے تو وہ (قبر والا) اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"
اس حدیث کو ابن عبدالبر نے صحیح کہا ہے اور ابن قیم نے اسے "کتاب الروح" میں ذکر کیا اور اس پر کوئی تعاقب نہیں کیا...
اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو فرماتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ» (صحیح مسلم، الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور ... الخ، ح: ۹۷٤)

"اے مومنوں کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔"

بہرحال میت خواہ سنتی بھی ہو وہ کسی دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتی یعنی اگر آپ کسی کی قبر کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں (تو بھی) یہ ناممکن ہے کہ میت آپ کو کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ میت اس صورت میں کوئی نفع پہنچا سکتی ہے کہ آپ اس سے دعا کریں..... کسی کی قبر کے پاس اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ دعا کو سن لیتا ہے یہ جھوٹ اور بدعت ہے۔ جبکہ کسی صاحب قبر کو پکارنا اور خاص اسی ہی سے دعا کرنا ایسا شرک اکبر ہے کہ جس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خودکشی کرنے والے کو غسل دینا

سوال کیا خودکشی کرنے والے کو بھی غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟

جواب خودکشی کرنے والے کو غسل دیا جائے گا' اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا اور اسے مسلمانوں کے ساتھ ہی دفن کیا جائے گا' اس لیے کہ وہ گناہ گار ہے' کافر نہیں' کیونکہ خودکشی معصیت ہے کفر نہیں' لہٰذا جو شخص خودکشی کرے' والعیاذ باللہ اسے غسل دیا جائے گا' اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے کفن دیا جائے گا لیکن معروف عالم دین اور ایسے لوگوں کو جن کی خاص اہمیت ہو' چاہیئے کہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں تاکہ یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کے عمل سے راضی ہیں' اس لیے معروف عالم دین' بادشاہ' قاضی' چیئرمین بلدیہ یا امیر شہر اس سے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے جنازہ ترک کر دیں اور یہ اعلان کر دیں کہ خودکشی کرنا غلط ہے تو یہ ایک اچھی بات ہے لیکن بعض نمازیوں کو اس کی نماز جنازہ پڑھ لینی چاہیئے۔

——— شیخ ابن باز ———

ایک جھوٹی کہانی

اخبار "عکاظ" شمارہ ۵۹۷۷ مجریہ ۱۴۰۲/۱۲/۲۴ھ کے ص ۲۰ پر کویتی اخبار "سیاست" کے حوالہ سے محمد مصری نامی ایک شخص کے بارے میں ایک جھوٹی کہانی شائع ہوئی ہے جس کے مطابق اس شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ بدھ کے دن بے ہوش ہو گیا جس کی وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے اور بدھ کے دن ہی اسے دفن کر دیا گیا لیکن جمعہ کے دن اسے قبر سے باہر نکال لیا گیا اور اس نے بہت سی عجیب و غریب قسم کی چیزیں دیکھیں..... الخ۔
یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ کہانی کہیں بعض لوگوں میں رواج نہ پا جائے اور وہ اسے صحیح نہ سمجھنے لگ جائیں' میں نے مناسب

سمجھا کہ یہ واضح کر دوں کہ یہ کہانی بالکل باطل اور محض جھوٹی ہے جسے کوئی عقل مند آدمی بھی سچی کہانی نہیں سمجھ سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے خود اس محمد مصری نامی شخص نے یا کسی اور نے اپنے گھٹیا اغراض و مقاصد کے لیے گھڑا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جو اپنے گھر والوں کی بات سن رہا ہو' ڈاکٹر کی بات سن رہا ہو اور اپنے جنازہ کے ساتھ جانے والوں کی بات سن رہا ہو تو ڈاکٹر یا کسی اور سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ یہ انسان مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے' پھر ایک طرف تو یہ بیان کر رہا ہے کہ یہ بے ہوش تھا لیکن پھر اسے وہ سب کچھ یاد بھی ہے جو اس کے گردو پیش میں ہوا اور پھر اپنے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی سنت ہے کہ جو شخص قبر جیسی بند اور تنگ جگہ میں اتنی مدت گزارے اور وہ زندہ بھی ہو تو اس کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ نیز شریعت کی روشنی سے یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی زندہ انسان کو قبر میں رکھ دیا جائے تو اس کے پاس دو فرشتے نہیں آتے' کیونکہ یہ دو فرشتے تو اس انسان کے پاس آتے ہیں جو واقعی فوت ہو چکا ہو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو تو سب زندوں اور مردوں کا علم ہے اور وہی میت کے پاس سوال کرنے کے لیے دو فرشتے بھیجتا ہے' پھر اس کذاب آدمی نے فرشتوں کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو فرشتے نہیں بلکہ دو انسان ہیں اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ دو فرشتے انسان کو اس کی نیکیوں اور برائیوں کے بارے میں نہیں بتاتے بلکہ اس سے رب' دین اور نبی ﷺ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اگر میت صحیح جواب دے دے تو وہ حصول جنت میں کامیاب ہے اور اگر جواب صحیح نہ دے سکے تو پھر اسے عذاب ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد اس نے جو عجیب و غریب مناظر بیان کئے ہیں اس سے وہ صرف اپنی اس باطل اور جھوٹی کہانی کو مشہور کرنا اور لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں میں سے ہے تاکہ لوگ اس سے محبت و شفقت کا سلوک کریں اور یہ جو کچھ ان سے طلب کرے وہ اس کو دے دیں یا مانگے بغیر ہی اسے دینا شروع کر دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مقصد حصول شہرت ہو تاکہ لوگ اسے اپنے پاس بلا بلا کر اس کے مشاہدات کے بارے میں اس سے پوچھیں اور اس طرح اسے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو۔ اس کی جہالت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے اس جھوٹی کہانی کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ ''صدف کی مشیت سے میرے گھر والے میری قبر کی زیارت کے لیے آئے۔'' یہ بات جائز نہیں' کیونکہ صدف کی کوئی مشیت نہیں ہوتی' صحیح بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت سے۔'' خلاصہء کلام یہ کہ یہ ایک جھوٹی اور من گھڑت کہانی ہے جس میں ذرہ بھر صداقت نہیں جیسا کہ سیاق و سباق سے اور اس کی تفصیل سننے سے واضح ہوتا ہے۔ ہمارے موقر اخبارات و رسائل کو بھی اس طرح کی خرافات شائع کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اخبارات کو ہر قسم کے جھوٹ اور باطل سے پاک کر دے' مکاروں اور فریب کاروں کو ذلیل و رسوا کرے' مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور تمام مسلمانوں کو دین میں فقاہت و ثابت قدمی عطا فرمائے۔ انه سبحانه خير مسئول' وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

——— عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ———

کیا یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی قبریں الگ ہونی چاہئیں؟

سوال کیا یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی قبریں عیسائیوں یا دیگر اہل مذاہب کی قبروں سے الگ ہوں یا کسی تمیز کے بغیر سب قبریں ایک جگہ بھی ہو سکتی ہیں؟

جواب یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی قبریں یہود ونصاریٰ، مشرکین، ملحدین اور دیگر کافروں کی قبروں سے بالکل الگ تھلگ ہوں جیسا کہ عہد نبوی سے آج تک مسلمانوں میں یہی رواج ہے اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ کافروں کی قبروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قبروں کی ایک خاص حرمت بھی ہے۔ مسلمانوں کی قبریں کافروں کی قبروں سے اس لیے الگ ہونا بھی ضروری ہیں تاکہ کافروں کے عذاب سے مسلمانوں کو ایذاء نہ پہنچے اور پھر زیارت کے لیے آنے والے چونکہ صرف مسلمانوں ہی کو سلام کہنا اور ان کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے اس لیے بھی ان کی قبریں کافروں کی قبروں سے علیحدہ ہونی چاہئیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبروں کی حفاظت کے لیے درختوں کو کاٹ دینا

سوال میرے گاؤں کے قبرستان میں رمث کے بعض درخت ہیں جن کے نیچے چوہوں کی بلیں ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو ان بلوں کی وجہ سے بارش کا پانی قبروں میں چلا جاتا ہے، لومڑیاں ان بلوں کو مزید چوڑا کر کے مُردوں کی ہڈیاں قبروں سے باہر نکال دیتی ہیں۔ کیا قبروں کے ان سوراخوں اور شگافوں کو بند کرنے کے لیے درختوں کو کاٹ دینا جائز ہے؟

جواب سوال میں مذکور اس صورت حال کے پیش نظر کہ درختوں کے نیچے چوہوں کی بلیں ہیں اور ان سے لومڑیاں قبروں میں داخل ہو کر مُردوں کی بے حرمتی کرتی ہیں، ان درختوں کے کاٹنے اور چوہوں کی بلوں کے بند کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ قبروں کو بارشوں اور مُردوں کو لومڑیوں کی دست برد سے محفوظ رکھا جا سکے۔ وباللہ التوفیق، وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اصحاب قبور تم (زندوں) سے زمین کے زیادہ مستحق ہیں

سوال مجھے والدہ کی طرف سے ایک گھر وراثت میں ملا تھا جو کہ گر گیا ہے اور میں نے اسے از سرنو کرنا چاہا۔ اس گھر کے پاس بہت سی قبریں بھی ہیں۔ جب ہم بنیادیں کھود رہے تھے تو ہمیں کئی بوسیدہ ہڈیاں بھی ملیں جن کے بارے میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہیں قبروں کی ہوں گی جو گھر کے پاس ہیں۔ میں نے گھر سے دور ایک جگہ دفن کر دیں، ہمارے سارے گھر قبروں کے پاس ہیں اور یہ گھر ہمیں اپنے آباؤ و اجداد سے بطور وراثت ملے ہیں، ان کے علاوہ ہمارے پاس اور گھر نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی زمین ہے کہ ہم ان قبروں سے دور گھر بنا لیں۔ کیا ہمیں اس گھر میں رہنے کا حق حاصل ہے؟ کیا ہم از سرنو ان ہڈیوں کو ان کی جگہ سے منتقل کر دیں تو اس میں کوئی گناہ ہے یا نہیں؟

جواب اگر یہ مسلمانوں کی قبریں ہیں تو پھر قبروں والے اس زمین کے تمہاری نسبت زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ جب وہ اس زمین میں دفن ہو گئے تو اس کے مالک بن گئے اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ مسلمانوں کی قبروں پر اپنے گھر بناؤ اور جب تمہیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ اس جگہ قبریں ہیں تو پھر تمہارے لیے ضروری ہے کہ گھر بنانا بند کر دو اور قبروں کو عمارت کے بغیر ہی رہنے دو۔ اگر تمہارے پاس گھر نہیں ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسروں کے گھروں پر قبضہ جما لو آخر قبریں

بھی تو مُردوں کے گھر ہیں۔ ان گھروں میں رہنا تمہارے لیے حلال نہیں جب کہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ قبروں پر بنائے گئے ہیں۔

ـــــــ شیخ ابن عثیمین ـــــــ

کافروں کے چھوٹے بچوں کا حکم اہل فترت کا ہے

سوال یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ آخرت میں مشرکوں کا ٹھکانا کیا ہو گا؟ لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے وہ چھوٹے بچے جو بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں ان کا انجام کیا ہو گا؟

جواب جب کفار کے بچے سن تمیز سے پہلے فوت ہو جائیں اور ان کے والدین کافر ہوں تو دنیا میں ان کا حکم کافروں کا ہو گا کہ انہیں نہ غسل دیا جائے گا نہ کفن دیا جائے گا نہ جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ انہیں مسلمانوں کے ساتھ دفن ہی کیا جائے گا' کیونکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ کافر ہی ہیں۔ باقی رہا آخرت میں ان کا حال تو یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اگر وہ بڑے ہوتے تو دنیا میں کس طرح کے عمل کرتے؟ ان کے بارے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں کوئی حکم دے کر ان کی آزمائش کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کر دے گا اور اگر وہ نافرمانی کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم رسید کر دے گا۔ اہل فترت اور ان لوگوں کے بارے میں بھی یہی قول ہے جن تک اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچ سکا ہو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اگر ان تک (اللہ تعالیٰ کا) پیغام پہنچ جاتا تو وہ دنیا میں کس طرح کے کام کرتے' لہٰذا اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا ان کی آزمائش کرے گا۔ اگر انہوں نے اطاعت کی تو انہیں جنت میں داخل کر دے گا اور اگر نافرمانی کی تو پھر انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

ـــــــ شیخ ابن عثیمین ـــــــ

مشرکوں کے بچے جو چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیں

سوال وہ بچہ جس کے ماں باپ کافر ہوں اور وہ بالغ اور شریعت کا مکلف ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو کیا وہ عنداللہ مسلمان ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، ح: ١٣٨٥)

"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے"

اور اگر وہ بچہ مسلمان ہے تو کیا مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اسے غسل دیں اور اس کا جنازہ پڑھیں؟ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر سے نوازے!

جواب جب کافر ماں باپ کا نابالغ بچہ فوت ہو جائے تو دنیا کے احکام کے اعتبار سے وہ اپنے والدین کے تابع ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا نہ جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کیا جائے گا اور آخرت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب مشرکوں کے بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ»(صحيح البخاري، القدر، باب الله أعلم بما كانوا عاملين، ح:٦٥٩٧، ٦٥٩٨ وصحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة ... الخ، ح:٢٦٥٩، ٢٦٦٠)

"اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے؟"

بعض اہل علم کا قول ہے کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم قیامت کے دن ظاہر ہو گا اور ان کا بھی اہل فترت کی طرح امتحان ہو گا اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کی تو جنت میں داخل ہوں گے اور اگر نافرمانی کی تو جہنم رسید ہوں گے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہیں کہ اہل فترت کا قیامت کے دن امتحان ہو گا۔ اہل فترت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو گی۔ اسی طرح جو لوگ ان کے حکم میں ہوں گے مثلاً مشرکوں کے بچے' (ان کا بھی امتحان ہو گا) کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝١٥ ﴾ (الإسراء١٧/ ١٥)

"اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیجیں ہم عذاب نہیں دیا کرتے۔"

اہل فترت کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ' آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم اور سلف و خلف کی ایک جماعت رحمہم اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

باب ششم

کتاب الزکاۃ

زکوٰۃ کے مسائل

زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ - أَمَّا بَعْدُ

اس تحریر کا باعث فریضہ زکوٰۃ کے بارے میں نصیحت اور یاد دہانی ہے' کیونکہ اس بارے میں بہت سے مسلمان تساہل سے کام لیتے ہیں اور اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں کرتے جس طرح شریعت نے حکم دیا ہے' حالانکہ اس کی بڑی اہمیت ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے ان ارکان خمسہ میں سے ایک ہے جن کے بغیر اسلام کی عمارت تعمیر ہی نہیں ہو سکتی' کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم، ح:٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ... الخ، ح:١٦)

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔"

مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض قرار دینا اسلام کے نمایاں ترین محاسن میں سے ایک اور کثرت فوائد کی بناء پر اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے حالات کا بھی خیال رکھتا ہے' چنانچہ مسلمان فقراء کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے فریضہ زکوٰۃ کو عائد کیا گیا ہے سو اس کے فوائد میں سے ہے کہ یہ غنی و فقیر کے درمیان عہد محبت کو پیدا کرتا ہے' کیونکہ اپنے محسن کے ساتھ محبت کرنا انسانی فطرت ہے' اور اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اس سے نفس کی تطہیر و تزکیہ ہوتا ہے اور نفس بخل اور کنجوسی سے دور ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ﴾ (التوبة٩/ ١٠٣)

"(اے نبی!) ان کے مال و دولت میں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعے ان کے ظاہر و باطن کو پاک کیجئے۔"

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے مسلمان میں جود و کرم اور ضرورت مندوں کے لیے محبت و شفقت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ باعث خیر و برکت بھی ہے اور اس سے مال میں اضافہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُۥ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿٣٩﴾ ﴾ (سبا٣٤/ ٣٩)

"اور تم جو چیز (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو گے' تو وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا' وہ سب سے بہتر رزق

دینے والا ہے۔" اور نبی کریم ﷺ کا ایک صحیح حدیث میں ارشاد موجود ہے:

«قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: يَاابْنَ آدَمَ! أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله وكان عرشه على الماء، ح:٤٦٨٤ وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ح:٩٩٣ ومسند أحمد: ٢/ ٢٤٢)

"اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر' میں تجھ پر خرچ کروں گا۔"

علاوہ ازیں زکوٰۃ کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ جو شخص بخل سے کام لے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرے' اس کے بارے میں وعید بھی بہت شدید آئی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾﴾ (التوبة٩/ ٣٤_٣٥)

"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے آپ ان کو اس دن کے درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا' پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ یہ) وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا' سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔"

ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے' اس کی وجہ سے اس کے مالک کو قیامت کے دن عذاب ہو گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہے جس میں آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلاَ فِضَّةٍ، لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرٰى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:٩٨٧)

"سونے اور چاندی کا وہ مالک جو اس کے حق کو ادا نہیں کرتا' قیامت کے دن جہنم کی آگ میں اسے چوڑے چوڑے پتروں کی صورت میں ڈھال کر گرم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کے پہلو پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا' جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کیا جائے گا اور پچاس ہزار سال مقدار کے دن (ان کے ساتھ) اسی طرح ہوتا رہے گا' حتیٰ کہ بندوں کا حساب کتاب مکمل ہو جائے گا' پھر وہ جنت یا جہنم میں اپنا ٹھکانہ دیکھے گا۔"

پھر نبی کریم ﷺ نے اونٹ گائے اور بکری کے اس مالک کا بھی ذکر کیا جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور آپ نے فرمایا اسے بھی قیامت کے دن عذاب ہو گا۔ یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ ـ يَعْنِي شِدْقَيْهِ ـ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:١٤٠٣)

"جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی شکل میں ڈھال دیا جائے گا' جس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے' اس سانپ کو اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں' پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا۟ بِهِۦ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۸۰)

"جو لوگ اس مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے' بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لیے برا ہے' وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں' قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔"

زکوٰۃ چار قسم کے اموال میں واجب ہے

① زمین کی پیداوار یعنی دانوں اور پھلوں میں۔ ② جنگل و صحراء میں چرنے والے چوپایہ جانوروں میں ③ سونے اور چاندی میں اور ④ سامان تجارت میں۔

ان چاروں قسموں کا نصاب مقرر ہے' اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں' چنانچہ دانوں اور پھلوں کا نصاب پانچ وسق ہے اور ایک وسق نبی کریم ﷺ کے صاع کے حساب سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ گویا کھجور' کشمش' گندم' چاول اور جو وغیرہ کا نصاب تین سو صاع ہے اور نبی کریم ﷺ کے صاع کا اندازہ ایک معتدل آدمی کے دونوں بھرے ہوئے ہاتھوں کی چار لپوں کے برابر ہے۔

جنگلات میں چرنے والے اونٹ' گائے' بکری اور دیگر جانوروں کا نصاب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے جنہیں اس سے دلچسپی ہو وہ اہل علم سے پوچھ سکتے ہیں' اگر اختصار مقصود نہ ہوتا تو ہم اس کی تفصیل بھی بیان کر دیتے۔

چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال ہے۔ سعودی عرب کی کرنسی کے حساب سے یہ چھپن ریال کے برابر ہے۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے۔ سعودی گنیوں کے حساب سے اس کی مقدار $11\frac{3}{7}$ گنی ہے' جو شخص سونے اور چاندی یا دونوں میں سے ایک کے نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ نفع اصل زر کے تابع ہوتا ہے' لہٰذا اس کے لیے نئے سال کی ضرورت نہیں ہوتی' جس طرح کہ چوپایوں کے بچے اپنے اصل کے تابع ہوتے ہیں' لہٰذا جب چوپاؤں کا نصاب مکمل ہو تو ان کے بچوں کے لیے نئے سال کی ضرورت نہیں بلکہ وہ انہی کے ساتھ شمار ہوں گے۔

ان تمام کرنسی نوٹوں کا حکم بھی سونے چاندی جیسا ہی ہے جو آج لوگوں میں مروج ہیں' خواہ وہ درہم ہوں یا دینار یا ڈالر یا ان کا کوئی بھی اور نام ہو۔ جب ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے مطابق ہو اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

عورتوں کے سونے یا چاندی کے زیورات کو بھی نقدی کے ساتھ ملایا جائے گا جب یہ نصاب کو پہنچ جائیں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی خواہ وہ استعمال کرتی ہوں یا نہ کرتی ہوں۔ اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلاَ فِضَّةٍ، لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ . . .»(صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:٩٨٧)

"سونے اور چاندی کا وہ مالک جو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا' قیامت کے دن جہنم کی آگ میں اسے چوڑے چوڑے پتروں کی صورت میں ڈھال کر گرم کیا جائے گا....."

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو فرمایا:

«أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هٰذَا؟ قَالَتْ: لاَ، قَالَ: أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟ فَأَلْقَتْهُمَا، وَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي، ح:١٥٦٣)

"کیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟" اس نے جواب دیا "نہیں" تو آپ نے فرمایا "کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ ان کے بدلے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے جہنم کی آگ کے دو کنگن پہنا دے؟ اس عورت نے وہ دونوں کنگن اتار کر پھینک دیئے اور کہا کہ "وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ سونے کی پازیب پہنا کرتی تھیں تو انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا یہ بھی کنز ہے؟" آپ نے فرمایا:

«مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدّٰى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي، ح:١٥٦٤)

"جو مال نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے زیور میں زکوٰۃ واجب ہے۔

سامان تجارت کی سال کے آخر میں قیمت لگائی جائے اور کل قیمت میں سے ڈھائی فی صد بطور زکوٰۃ ادا کر دیا جائے خواہ قیمت اس کی ثمن کے برابر ہو یا اس سے کم و بیش ہو' کیونکہ حدیث سمرہ میں ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُّخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ» (سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة . . . الخ، ح:١٥٦٢)

"یقیناً رسول اللہ ہمیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم سامان تجارت میں سے بھی زکوٰۃ نکالیں۔"

ان تمام اراضی' عمارتوں' گاڑیوں اور تمام سامانوں میں بھی زکوٰۃ فرض ہے جو بغرض تجارت ہوں۔ وہ عمارتیں جو بیع کے

لیے نہ ہوں بلکہ کرایہ کے لیے ہوں تو زکوٰۃ ان کی قیمت پر نہیں ہو گی' کیونکہ وہ بغرض تجارت نہیں ہیں' ہاں البتہ سال گزرنے پر ان کے کرایوں پر ضرور زکوٰۃ فرض ہو گی۔

اسی طرح پرائیویٹ گاڑیوں اور ٹیکسیوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہو گی جب کہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں اور انہیں ذاتی استعمال (یا کرایہ پر چلانے) کے لیے خریدا گیا ہو۔ ٹیکسی وغیرہ کے مالک کو کرایہ سے حاصل ہونے والی نقدی اگر نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی' خواہ اس نے اس نقدی کو اپنے خرچہ' شادی' جائیداد خریدنے یا قرض ادا کرنے وغیرہ کے مقاصد کی خاطر جمع کیا ہو' کیونکہ ادلہ شرعیہ کے عموم اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس طرح کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق قرض بھی مانع زکوٰۃ نہیں ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یتیموں اور مجنونوں کے اموال جب نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائیں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے سال گزرنے پر ان کے وارثوں پر فرض ہو گا کہ ان کی طرف سے زکوٰۃ کی نیت کر کے زکوٰۃ ادا کریں' کیونکہ عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ»

(صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، ح:١٣٩٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين ... الخ، ح:١٩)

"اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے' جسے ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔"

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے' لہٰذا اسے محض دوستی پالنے کی خاطر غیر مستحق کو نہ دیا جائے اور نہ ہی اسے کوئی ذاتی نفع حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے یا مال کو نقصان سے بچانے یا محض لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے ادا نہ کیا جائے بلکہ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ صرف مستحق لوگوں میں تقسیم کرے' کیونکہ وہ اس کے حق دار ہیں' کسی دوسری غرض کے لیے اسے ہرگز استعمال نہ کرے اور پھر خوش دلی اور اللہ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ ادا کرے تاکہ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو کر اللہ تعالیٰ سے بے پایاں اجر و ثواب اور اس کا بدل حاصل کر سکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں مصارف زکوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱلْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَٱلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى ٱلرِّقَابِ وَٱلْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ ﴾

(التوبة٩/ ٦٠)

"صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں مسافروں (کی مدد) میں (یہ مال خرچ کرنا چاہیے' یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔)"

اس آیت کریمہ کے آخر پر اللہ تعالیٰ کے ان دو عظیم ناموں "علیم و حکیم" کو ذکر کیا گیا ہے تو اس میں بندگان الٰہی کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے احوال کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون زکوٰۃ کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے اور اس نے شریعت کے جو احکام و قوانین مقرر فرمائے ہیں ان میں وہ حکیم ہے (اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں) خواہ اس کے کچھ بندوں کو اس کی حکمت کے بعض اسرار معلوم نہ ہو سکے ہوں' اس نے تمام احکام کو مبنی بر حکمت اس لیے بنایا ہے تاکہ بندگان الٰہی کو شریعت کے بارے میں اطمینان قلب نصیب ہو اور وہ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین میں فقاہت' معاملہ میں صداقت' اپنی رضا کے کاموں میں مسابقت اور ایسے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی ناراضی کا موجب ہوں۔ انه سميع قريب' وصلى الله وسلم على عبده ورسوله' محمد وآله وصحبه۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

زکوٰۃ کس پر واجب ہے

زکوٰۃ چھوٹے بڑے ہر شخص کے مال پر واجب ہے

سوال میں سترہ سال کا نوجوان ہوں' اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہوں' میرے والد صاحب میرے سارے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ اسلامی بینک میں میں نے اپنا کچھ مال رکھا ہوا ہے' اس پر ایک سال بھی گزر چکا ہے۔ کیا مجھ پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے؟ کیا منافع پر بھی زکوٰۃ ہے؟ کیا زکوٰۃ سن بلوغت سے شروع ہوتی ہے؟

جواب زکوٰۃ چوپاؤں' سونے چاندی' زمین کی پیداوار اور سامان تجارت پر واجب ہے' خواہ مالک چھوٹی عمر ہی کا ہو۔ یتیم کے مال میں بھی زکوٰۃ اسی طرح واجب ہے جیسے بڑی عمر کے آدمی کے مال پر واجب ہے۔ یتیم کی طرف سے اس کا ولی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ زکوٰۃ تجارت کے نفع پر بھی واجب ہے' خواہ نفع نصاب سے کم ہو بشرطیکہ اصل مال نصاب کے مطابق ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

یتیم اور دیوانے کے مال بھی زکوٰۃ واجب ہے

سوال کیا یتیم اور دیوانے کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب ان دونوں میں سے ہر ایک کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے جب کہ یہ آزاد مسلمان ہوں اور انہیں پورا پورا حق ملکیت حاصل ہو۔ ایک مرفوع روایت ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ وُلِّيَ مَالَ الْيَتِيمِ فَلْيَتَّجِرْ بِهِ، وَلاَ يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ»(سنن الدارقطني: ٢/ ١٠٩، ح: ١٩٥١)

"جو شخص یتیم کا ولی ہو اسے چاہیئے کہ اس کے مال کے ساتھ تجارت کرے' اسے اسی طرح نہ چھوڑ دے تاکہ اسے زکوٰۃ ہی کھا جائے۔"

امام مالک نے موطا میں عبدالرحمٰن بن قاسم سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اپنے باپ سے' کہ میں اور میرا بھائی دونوں یتیم تھے' ہم حضرت عائشہ کی گود میں پرورش پا رہے تھے' وہ ہماری ولیہ تھیں اور ہمارے اموال کی زکوٰۃ ادا فرمایا کرتی تھیں۔ ① حضرت علی' ابن عمر' جابر' عائشہ اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ "یتیم اور دیوانے کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے" جیسا کہ ابن منذر نے بیان کیا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مال کی زکوٰۃ

ماہانہ تنخواہ کی زکوٰۃ

سوال میں ایک مقامی کمپنی میں ملازم ہوں اور تقریباً چار ہزار سعودی ریال تنخواہ لیتا ہوں جس میں ایک ہزار سعودی ریال مکان کا کرایہ ہے۔ کیا میری اس تنخواہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو کتنی؟ یاد رہے کہ اس تنخواہ کے علاوہ میرا کمائی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے؟

جواب اگر تمہاری اس ماہانہ تنخواہ سے کچھ رقم بچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی بشرطیکہ بچی ہوئی رقم نصاب کے مطابق ہو جو سعودی کرنسی کے مطابق چار سو ریال ہے اور اس پر ایک سال بھی گزر جائے۔ اگر ہر ماہ اپنی تنخواہ میں سے کچھ بچت کر کے جمع کرتے ہیں تو احتیاط اور آسانی اس میں ہے کہ آپ ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ایک مہینہ مقرر کر لیں' جس میں اس سال کی اور سابقہ جمع شدہ پونجی کی زکوٰۃ ادا کر دیں مال کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے' یعنی زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فی صد سالانہ ہے۔ واللہ الموفق

——— شیخ ابن جبرین ———

شادی کے لیے جمع کیے ہوئے مال کی زکوٰۃ

سوال ایک آدمی اپنے بیٹے کی شادی کے لیے کئی سالوں سے مال جمع کر رہا ہے تو کیا اس پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے؟ یاد رہے اس مال کے جمع کرنے سے اس کا مقصد صرف اور صرف اپنے بیٹے کی شادی کا انتظام کرنا ہے؟

جواب اس آدمی کو جمع شدہ تمام رقوم کی زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی بشرطیکہ جمع شدہ رقوم پر ایک سال گزر جائے' خواہ وہ بچے کی شادی ہی کیلئے جمع کیا گیا ہو' کیونکہ یہ رقوم جب تک اس کے پاس ہیں' اس کی ملکیت ہیں' لہٰذا اسے ہر سال ان کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے تاآنکہ یہ رقوم شادی پر خرچ نہ ہو جائیں۔ کتاب و سنت کے دلائل کے عموم سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

---

① موطا امام مالک (251/1)

سوال میں اس وقت ایک حکومتی ادارے میں ملازم ہوں اور قریباً چار ہزار ریال ماہانہ تنخواہ لیتا ہوں۔ میں نے ایک سال میں سترہ ہزار ریال جمع کیے ہیں جو کہ ایک غیر سودی بینک میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں ان شاء اللہ ماہ شوال میں خرچ کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ میں شادی کی تیاری کر رہا ہوں اور شادی کے اخراجات کے لیے اس سے دوگنی رقم مجھے بطور قرض بھی لینا پڑے گی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا ان سترہ ہزار ریال پر زکوٰۃ واجب ہے' یاد رہے ایک سال کی مدت گزر چکی ہے اور اگر زکوٰۃ واجب ہے تو اس کی مقدار کتنی ہے؟

جواب مذکورہ بالا رقم پر زکوٰۃ واجب ہے' کیونکہ اس پر ایک سال گزر چکا ہے' خواہ اسے شادی کے لیے کیوں نہ جمع کیا گیا ہو۔ زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فی صد سالانہ ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن باز ———

زکوٰۃ اصل زر اور نفع دونوں پر واجب ہے

سوال یہ بات تو معروف ہے کہ زکوٰۃ وہ ہے جسے آدمی اپنے اموال تجارت' اپنی آمدن اور سونے چاندی کی زکوٰۃ کے طور پر سال بعد ادا کرتا ہے۔ لیکن ہم اسلامی بینک میں رکھے ہوئے مال کے نصاب کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اس کا بھی وہی نصاب ہے جو دیگر اموال کا ہے یاد رہے اس بینک میں شرح منافع بہت کم ہے؟

جواب اسلامی بینک میں رکھے ہوئے مال کا حکم بھی وہی ہے جو دیگر اموال کا ہے۔ سال گزرنے پر اصل زر اور نفع دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گی۔ اصل زر اور نفع دونوں میں شرح زکوٰۃ اڑھائی فی صد سالانہ ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سال گزرنے کے بعد نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ کا وجوب

سوال ایک آدمی نے کمائی کے ذریعہ کچھ رقم جمع کی ہے۔ اس رقم کے اکثر حصہ پر ایک سال گزر چکا ہے۔ اس رقم کو اس نے کاروبار میں بھی لگایا جس سے اسے نفع بھی حاصل ہوا ہے۔ کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب جب جمع شدہ مال پر ایک سال گزر جائے اور مال نصاب کے مطابق ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے' خواہ وہ بعد میں اسے شادی وغیرہ ہی پر کیوں نہ خرچ کر دے۔ اگر اس نے واجب شدہ زکوٰۃ کو ادا نہ کیا تو اس فریضہ کو ادا کرنا اس کے ذمہ واجب رہے گا۔ جس مال پر ایک سال نہ گزرا ہو اور اسے دوران سال ہی خرچ کر لیا جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جمع کیے ہوئے مال پر زکوٰۃ

سوال کیا ماہانہ تنخواہ سے بچت کر کے جمع شدہ مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ جب کہ اس پر سال گزر چکا ہو؟ یاد رہے اس جمع شدہ مال کو کسی کاروبار میں نہیں لگایا گیا بلکہ اسے صرف گھریلو اخراجات ہی کے لیے جمع کیا گیا ہے۔ تو کیا اس صورت میں بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی؟

جواب ہاں سال گزرنے پر اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی' کیونکہ جس مال پر زکوٰۃ واجب ہو اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اسے تجارت میں لگایا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پھلوں اور دانوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ محض اپنی ضرورت ہی کے لیے ہوں اگر کسی انسان کے گھر میں کھجوروں کے چند درخت ہوں' ان کا پھل نصاب کے مطابق ہو اور ان درختوں کے پھل کو اس نے صرف اپنے ہی خرچ کے لیے رکھا ہو تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ کھیتوں کی اس پیداوار کے سلسلہ میں بھی یہی حکم ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہو' جنگل میں چرنے والے ان جانوروں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے جن میں زکوٰۃ واجب ہو خواہ انہیں انسان نے تجارت کے لیے نہ بھی رکھا ہو۔ اسی طرح ان درہموں کا بھی یہی حکم ہے جن میں زکوٰۃ واجب ہو' خواہ انسان نے انہیں تجارت کے لیے نہ بھی جمع کیا ہو۔ پس تنخواہ سے پس انداز کئے ہوئے سرمایہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب کے مطابق ہو اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے۔ لیکن یہاں ایک مسئلہ قابل غور ہے جس میں لوگوں کو بہت مشکل پیش آتی ہے اور وہ یہ کہ ہر ماہ تنخواہ یا گھر کے کرایہ یا دکان کے کرایہ سے یا اس طرح کی دیگر صورتوں میں آدمی اپنے اکاؤنٹ میں یا کسی دوسری جگہ جمع کرتا ہے اور پھر اس سے حسب ضرورت خرچ بھی کرتا ہے اور پھر اس میں جمع بھی کرتا ہے تو اب یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کتنی رقم پر سال گزرا ہے اور کتنی رقم ہے جس پر ابھی تک سال نہیں گزرا تو اس سلسلہ میں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جب اس کے پاس پہلی مرتبہ بقدر نصاب رقم جمع ہو جائے تو اس وقت سے وہ سال کا حساب لگائے اور سال پورا ہونے پر تمام جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ ادا کر دے تو جس رقم پر سال مکمل ہو گیا ہے اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی اور جس رقم پر ابھی سال پورا نہیں ہوا اس کی زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی' کیونکہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ ہر ماہ کی نسبت سے الگ الگ سال کا حساب لگانے کی بجائے یہ صورت آسان ہے جب کہ ہر ماہ کے حساب سے سال کا حساب لگانے میں دشواری ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مال زکوٰۃ کا نصاب

زکوٰۃ کا نصاب

سوال چاندی کا نصاب زکوٰۃ دو سو درہم ہے جو کہ ستاون ریال کے مساوی ہے اور سونے کا نصاب بیس دینار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تو بیس دینار' دو سو درہم کے مساوی تھے لیکن آج کل بیس دینار ستاون ریال کے مساوی نہیں ہیں بلکہ زیادہ ہیں' تو پھر عمل کیسے ہو گا؟

جواب چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے جو کہ سعودی عرب کے چاندی کے چھپن ریال یا ان کے مساوی کرنسی نوٹ کی قیمت کے برابر ہے اور سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس کا وزن 3/7 11 سعودی گنی کے برابر ہے یا اس کی کرنسی نوٹوں میں جو قیمت بنے' اس کا حکم بھی سونے ہی کا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مروجہ کرنسی نوٹوں کا نصاب

سوال آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آج کل مروجہ کرنسی نوٹوں کے نصاب کے بارے میں کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ نصاب چھپن ریال ہے' کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاندی کے دو سو درہم کی ریالوں کے حساب سے جو قیمت بنے' وہ نصاب ہے تو اس طرح دو سو درہم چاندی کی قیمت تو تقریباً آٹھ سو سعودی ریال بنتی ہے لہٰذا میں اس سلسلہ میں پریشان ہوں' براہ کرم فتویٰ دیجیے کہ مروجہ کرنسی نوٹوں کے حساب سے نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟

جواب چاندی کا نصاب زکوٰۃ دو سو درہم ہے جو کہ ایک سو چالیس مثقال کے برابر ہے اور یہ چاندی کے سعودی چھپن ریال کے مساوی ہے یا کرنسی نوٹوں کے حساب سے اس کی جو بھی قیمت ہو' اس کے برابر ہے۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد و آلہ وصحبہ۔

مال کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

سوال ایک ملازم اپنی ماہانہ تنخواہ سے کچھ رقم بچا کر جمع کرتا رہتا ہے جو کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی ہے اور اس میں سے کچھ رقم پر تو سال گزر گیا ہے اور کچھ پر سال نہیں گزرا اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ہر مہینے اس نے کتنا جمع کیا ہے۔ تو وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

سوال ایک دوسرا ملازم ہے جو ہر ماہ اپنی تنخواہ ایک بکس میں ڈال دیتا ہے اور پھر حسب ضرورت اس سے خرچ کرتا رہتا ہے' تو سوال یہ ہے کہ اس طرح بکس میں جو رقم بچے گی اس کی زکوٰۃ وہ کس حساب سے ادا کرے گا جب کہ باقی بچ جانے والی تمام رقم پر سال نہیں گزرا؟

جواب پہلے اور دوسرے دونوں سوالوں کی نوعیت چونکہ ایک جیسی ہے لہٰذا کمیٹی ان دونوں اور ان جیسے دیگر سوالوں کا ایک جامع جواب دینا چاہتی ہے تاکہ سب لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور وہ یہ ہے کہ جو شخص نقدی کی صورت میں نصاب کا مالک ہو اور پھر مختلف اوقات میں اس کے پاس کچھ اور نقدی بھی آتی رہی جو پہلی نقدی کے نفع کی صورت میں نہیں ہے اور نہ ہی پہلی نقدی اس کا سبب ہے بلکہ یہ بھی مستقل ہے مثلاً جیسے کہ کوئی ملازم اپنی ماہانہ تنخواہ سے جمع کرتا ہے یا اسے یہ رقم بطور وراثت یا ہبہ یا جائداد کے کرایہ کی صورت میں ملی ہو اور وہ اس بات کا خواہش مند ہو کہ اپنا حق بھی پورا پورا محفوظ رکھے اور مستحقین زکوٰۃ کو بھی صرف ان کے حق کے مطابق ہی ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی آمدنی کے حساب کا باقاعدہ ایک گوشوارہ بنالے اور ہر مال کے ملکیت میں آنے کے بعد سے لے کر سال مکمل ہونے تک کا حساب رکھے اور جس مال پر سال پورا ہو جائے اس کی زکوٰۃ ادا کر دے اور اگر وہ راحت و سخاوت کو پیش نظر رکھے اور خوش دلی کے ساتھ فقراء اور دیگر مصارف زکوٰۃ کے پہلو کو ترجیح دے تو اس وقت اپنے تمام مال کی زکوٰۃ ادا کر دے' جب اس کی

ملکیت میں آنے والے پہلے مال پر ایک سال مکمل ہو جائے' اس سے اسے اجروثواب بھی زیادہ ملے گا' درجات بلند ہوں گے' راحت و سکون حاصل ہو گا' فقراء و مساکین اور دیگر مصارف زکوٰۃ کے حقوق کی نگہداشت ہو گی اور اپنے فرض سے جو وہ زیادہ ادا کرے' اس کے بارے میں وہ یہ نیت کر لے کہ وہ فقراء و مساکین کے ساتھ احسان کر رہا ہے' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور مال و دولت کے عطا کرنے پر اس کا شکر ادا کر رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے یہ بھی امید رکھے کہ وہ اسے اپنے فضل و کرم سے اور بھی زیادہ مال و دولت عطا فرمائے گا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ (إبراهيم ١٤/ ٧)

''اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے

سوال میں ملازم ہوں اور ہر مہینے اپنی تنخواہ سے کچھ بچا کر جمع کرتا ہوں اور اس طرح جمع کی جانے والی رقم کی کوئی معین تعداد نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ میں اپنے اس مال کی زکوٰۃ کس طرح ادا کروں؟

جواب تم پر واجب ہے کہ اپنے مال کی ہر قسم کی زکوٰۃ اس وقت ادا کرو جب اس پر ایک سال مکمل ہو جائے اور اگر پہلی قسط پر سال کی تکمیل کے بعد آپ اپنے تمام مال کی زکوٰۃ ادا کر دیں تو یہ بھی جائز ہے اور اس طرح باقی قسطوں کی آپ نے سال کی تکمیل سے پہلے گویا پیشگی زکوٰۃ ادا کر دی اور سال کی تکمیل سے قبل پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ ضرورت یا کسی شرعی مصلحت کا تقاضا بھی ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

زمین' جائداد' تجارتی مراکز اور سامان تجارت کی زکوٰۃ

عمارت بنانے کے لیے رکھی ہوئی زمین پر زکوٰۃ نہیں

سوال میرے پاس ایک قطعۂ اراضی ہے جو میں نے عمارت بنانے کے لیے خریدا تھا لیکن پھر کچھ مدت بعد ضرورت کی وجہ سے مجھے یہ فروخت کرنا پڑا' تو کیا اس مدت کی مجھے زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی جس میں یہ میرے پاس رہا اور میں نے اسے بیچا نہیں تھا؟

جواب جب امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو اس کی بیع سے قبل کی مدت کی آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے' کیونکہ وجوب زکوٰۃ کی علت مفقود ہے اور وہ ہے قصد بیع' جب کہ آپ کا ارادہ' بیچنے کا نہیں تھا۔

—— شیخ ابن باز ——

عمارت بنانے کے لیے رکھی ہوئی زمین پر زکوٰۃ نہیں خواہ......

سوال میں ایک مصری نوجوان ہوں سعودیہ میں کام کرتا ہوں اور مصر میں کرایہ کے ایک مکان میں رہتا ہوں یعنی مصر میں ابھی تک میرا کوئی ذاتی مکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو اب میں نے اپنے شہر میں ایک پلاٹ خریدا ہے جس کی قیمت آٹھ ہزار پانچ سو مصری جنیہ ہے اور اس پلاٹ پر رہائش کے لیے گھر بنانے کے لیے میں نے مصر کے اسلامی بینک میں مبلغ سترہ ہزار پانچ سو مصری جنیہ بھی جمع کرا رکھی ہے۔ میرا سوال یہ ہے کیا اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو کتنی؟ اس پلاٹ کی تعمیر کے لیے بینک میں جو رقم جمع کی گئی ہے' کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟ اگر ہے تو کتنی؟

جواب اس زمین پر زکوٰۃ نہیں ہے جسے عمارت بنانے کے لیے رکھا گیا ہو خواہ یہ عمارت (ذاتی) رہائش کے لیے بنائی جائے یا کرایہ پر دینے کیلئے' کیونکہ زکوٰۃ تو اس زمین پر ہے جو تجارت و بیع کیلئے رکھی ہو۔ جو ذاتی استعمال یا رہائش کے لیے ہو جیسے کہ یہ زمین' تو اس پر زکوٰۃ نہیں لیکن بینک میں رکھی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ وہ مکان بنانے یا شادی کرنے پر ضرورت کی اشیاء خریدنے کے لیے رکھی ہو اور مقدار زکوٰۃ اڑھائی فی صد یعنی ایک ہزار میں سے صرف پچیس ہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

زمین کی زکوٰۃ

سوال میرے پاس ایک پلاٹ ہے جسے میں استعمال میں نہیں لا رہا بلکہ اسے میں نے ضرورت کے لیے رکھا ہوا ہے۔ کیا اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اور جب اس کی زکوٰۃ ادا کروں تو کیا ہر مرتبہ اس کی قیمت کا اندازہ مقرر کروں؟

جواب آپ پر اس پلاٹ کی زکوٰۃ نہیں ہے' کیونکہ سامان کی قیمت پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہے جبکہ وہ بغرض تجارت ہو' زمین' جائداد' گاڑیوں اور قالینوں وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر ان اشیاء سے مال یعنی روپیہ کمانا مقصود ہو بایں طور کہ یہ خرید و فروخت اور تجارت کے لیے ہوں تو پھر ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر یہ اشیاء بغرض تجارت نہ ہوں جیسا کہ آپ نے سوال میں پوچھا ہے تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تجارتی زمین پر زکوٰۃ

سوال جو اراضی خرید و فروخت (تجارت) کے لیے ہوں ان کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو زمینیں خرید و فروخت کے لیے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ یہ سامان تجارت ہیں اور کتاب و سنت کے ان دلائل کے عموم میں داخل ہیں جو زکوٰۃ کے وجوب کے بارے میں نازل ہوئے جن میں سے ایک دلیل یہ ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ (التوبة۹/ ۱۰۳)

"ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے اور اس کے ذریعے ان کے ظاہر و باطن کو پاک کیجئے۔"

اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود،

الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة. . . الخ، ح: ١٥٦٢)

''رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال کی زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے تجارت کے لیے تیار کیا ہو۔''

جمہور اہل علم کا یہی قول ہے اور یہی بات حق ہے۔ وصلی اللّٰه وسلم علی نبینا محمد.

——— فتویٰ کمیٹی ———

تجارتی زمین پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال بلدیہ نے مجھے ایک ایسی زمین دی ہے جس کی آمدنی بہت محدود ہے۔ یہ زمین میرے پاس تین سال سے ہے اور میرا ارادہ یہ ہے کہ جب بھی اس کی مناسب قیمت ملی میں اسے فروخت کر دوں گا' کیونکہ میرے لیے اس کا محل وقوع مناسب نہیں ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا اس زمین پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو کیا میں گزشتہ تین سالوں کی زکوٰۃ ادا کروں یا ایک سال کی؟ فتویٰ دیجئے' اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے!

جواب اگر آپ نے اس زمین کے فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی جب کہ آپ کے ارادۂ فروخت کے وقت کے بعد ایک سال ہو جائے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة. . . الخ، ح: ١٥٦٢)

''رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال کی زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے تجارت کے لیے تیار کیا ہو۔''

اور بھی کئی شواہد ہیں' جو اس حدیث کے معنی پر دلالت کر رہے ہیں۔ وباللّٰه التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

عمارتوں' مارکیٹوں اور زمینوں کی زکوٰۃ

سوال میرے بھائی کے پاس بہت سا مال ہے جو کہ عمارتوں' تجارتی مارکیٹوں اور زمینوں پر مشتمل ہے اور ان سب چیزوں کی آمدنی بھی ہے۔ میں نے اسے نصیحت کی کہ اپنے اصل مال تجارت کی زکوٰۃ ادا کیا کرو تو اس نے مجھے بتایا کہ اصل مال تجارت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ تو صرف اس کے وصول ہونے والے کرایہ پر ہے جب کہ اس پر ایک سال گزر جائے اور اگر وہ کرایہ وصول کرنے کے بعد عمارت ہی پر خرچ کر دے تو زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ کئی اور لوگ بھی ہیں جن کا عمل میرے اس بھائی کے عمل کی طرح ہے۔ تو کیا یہ عمل اسلام کی رو سے جائز ہے؟ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار تو نہ ہو گا؟ کون سی جائداد ہے جس کے اصل اور نفع پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے' حتیٰ کہ ایک سال گزر جائے؟ اس سلسلہ میں کوئی حد بھی مقرر ہے یا حکم ایک جیسا ہے خواہ جائداد کم ہو یا زیادہ؟

جواب انسان کے مال کی کئی قسمیں ہوتی ہیں مثلاً نقدی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ نقدی نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے۔ زرعی زمین کی پیداوار مثلاً دانوں اور پھلوں کی زکوٰۃ اس دن واجب ہے جس دن پھلوں کو توڑا اور کھیتی کو کاٹا جائے۔ زرعی زمین کی اصل قیمت نہیں بلکہ اس کی پیداوار پر زکوٰۃ ہے۔ جو زمین یا عمارت کرایہ پر دی گئی ہو

تو سال گزرنے کے بعد اس کے کرایہ پر زکوٰۃ ہے بشرطیکہ کرایہ نصاب کے بقدر ہو' اس زمین یا عمارت کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں البتہ وہ زمین یا عمارت یا دیگر سازوسامان جو بغرض تجارت ہو تو اس کی قیمت پر سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو گی بشرطیکہ قیمت نصاب کے برابر ہو۔ اس صورت میں نفع کو بھی اصل زر کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا۔ اسی طرح چوپائے جانوروں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ نصاب کے مطابق ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے۔ وباللہ التوفیق۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مکانوں اور مارکیٹوں کے کرایہ کی زکوٰۃ

سوال ایک آدمی کے پاس بہت سے مکانات ہیں جنہیں وہ کرایہ پر دے کر سال میں بہت سامال کماتا ہے۔ کیا اس پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے؟ زکوٰۃ کب واجب ہو گی؟ اور کس قدر واجب ہو گی؟

جواب جب مکان یا دوکان وغیرہ سے حاصل ہونے والے کرایہ پر ایک سال گزر جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے' جب کہ وہ نصاب کے مطابق ہو۔ کرایہ سے حاصل ہونے والی رقم کو اگر سال مکمل ہونے سے پہلے اپنی ضرورتوں پر خرچ کر لیا جائے تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ شرح زکوٰۃ اڑھائی فی صد سالانہ ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے' سونے کا نصاب بیس مثقال ہے سعودی اور افرنگی گنی کے مطابق اس کی مقدار ۳/۷ ۱۱ گنی ہے۔ چاندی کا نصلب ایک سو چالیس مثقال ہے اور اس کی مقدار چاندی کے چھپن سعودی ریال کے برابر ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کرایہ پر دی ہوئی جائداد کی زکوٰۃ

سوال میرے پاس کچھ جائداد ہے جس سے سالانہ آمدنی نہیں ہوتی بلکہ وہ مدرسین کو نو(۹) ماہ کے لیے کرایہ پر دی جاتی ہے اور کچھ جائداد ایسی ہے جو ایک سال کے لیے کرایہ پر دی جاتی ہے۔ جب مجھے کرایہ وصول ہوتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ فریضۂ زکوٰۃ سے بھی عہدہ برآ ہو جاؤں۔ جس جائداد کو ماہوار کرایہ پر دیا ہو کیا اس میں زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب جس جائداد کو کرایہ پر دیا گیا ہو اس کے کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وجوب زکوٰۃ کی شرائط موجود ہوں مثلاً کرایہ کی رقم نصاب کے مطابق ہو اور کرایہ وصول ہونے کے بعد اس پر ایک سال گزر گیا ہو' کرایہ پر دی جانے والی جائداد کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے الا یہ کہ صاحب جائداد نے اسے خریدا ہی اس لیے ہو کہ وہ زکوٰۃ سے راہ فرار اختیار کر سکے تو پھر اس کے ارادہ کے برعکس اس سے معاملہ کیا جائے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گھروں اور گاڑیوں کی زکوٰۃ

سوال ایک آدمی کے پاس کچھ گاڑیاں اور گھر ہیں اور وہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اپنے اہل و عیال پر خرچ کر دیتا

ہے اور سال بھر اس میں سے وہ کچھ بھی نہیں بچا سکتا' تو کیا اس مال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے؟ گاڑیوں اور گھروں پر زکوٰۃ کب واجب ہو گی؟ اور اس کی کیا مقدار ہو گی؟

جواب گھر اور گاڑیاں جب ذاتی استعمال کے لیے یا اس لیے ہوں کہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو گھریلو ضروریات کے لیے خرچ کیا جائے گا تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر تمام یا بعض گھر اور گاڑیاں بغرض تجارت ہوں تو سال گزرنے کے بعد ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر سال پورا ہونے سے پہلے آپ انہیں گھریلو ضروریات یا نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیں تو آپ پر زکوٰۃ نہیں ہے.....' کیونکہ اس سلسلہ میں وارد آیات و احادیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان فرمائی ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة. . . الخ، ح: ١٥٦٢)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اس مال کی زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے بغرض تجارت تیار کیا ہو۔"

—— شیخ ابن باز ——

کرایہ کے لیے استعمال کی جانے والی گاڑیوں کی زکوٰۃ

سوال بسوں' ٹرکوں اور ٹیکسیوں وغیرہ کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے گی؟ کیا ان کی قیمت پر زکوٰۃ ہو گی یا ان کے کرایہ سے حاصل ہونے والی آمدنی پر؟

جواب جب تک ان گاڑیوں کو کرایہ پر دینے کے لیے استعمال کیا جائے تو زکوٰۃ ان سے وصول ہونے والی آمدنی پر ہو گی' جب کہ سال گزر جائے۔ ان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہو گی۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نقل و حمل کے لیے استعمال کی جانے والی گاڑیوں پر زکوٰۃ نہیں

سوال وہ تجارتی گاڑیاں جنہیں سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب وہ گاڑیاں اور اونٹ جنہیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ان میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ تجارت کے لیے نہیں بلکہ نقل و حمل کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں اور اگر گاڑیاں یا اونٹ تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة. . . الخ، ح: ١٥٦٢)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اس مال کی زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے بغرض تجارت تیار کیا ہو۔"

جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے جیسا کہ امام ابوبکر بن منذر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

—— مستقل کمیٹی ——

پریس کا مالک زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

سوال ایک پریس کے مالک نے یہ سوال کیا ہے کہ وہ اپنے پریس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ زکوٰۃ پریس کی آمدنی پر ہے جب کہ کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ زکوٰۃ پریس کی مشینری اور پرنٹنگ کے سازوسامان پر ہے نیز اس کی آمدنی پر بھی' تو اس سلسلہ میں صحیح بات کیا ہے؟

جواب پریس اور فیکٹری وغیرہ کے مالکان پر زکوٰۃ ان اشیاء میں واجب ہے جو بغرض تجارت ہوں اور وہ اشیاء جو استعمال کے لیے ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح ان گاڑیوں' قالینوں اور برتنوں وغیرہ میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو استعمال کے لیے ہوں' کیونکہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے سنن میں حسن سند کے ساتھ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة... الخ، ح:١٥٦٢)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال میں سے زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے بغرض تجارت تیار کیا ہو۔"

نقدی' سونے' چاندی اور کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ ذاتی اخراجات ہی کے لیے کیوں نہ ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نصاب کے مطابق ہوں اور ان پر ایک سال گزر گیا ہو۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

دکان کے سامان مثلاً کپڑوں وغیرہ کی زکوٰۃ

سوال ایک آدمی کی دوکانیں ہیں جن میں مختلف قسم کے سامان مثلاً کپڑے' جوتے اور عطریات وغیرہ فروخت ہوتے ہیں تو وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

جواب ہر وہ شخص جس کے پاس سامان تجارت ہو خواہ وہ کپڑے ہوں یا کچھ اور ان کی قیمت پر اور اس کے پاس موجود نقدی پر زکوٰۃ واجب ہے' کیونکہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة... الخ، ح:١٥٦٢)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے ہم اس مال کی زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے بغرض تجارت تیار کر رکھا ہو۔"

علاوہ ازیں ان دیگر دلائل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے جنہیں اہل علم نے سامان تجارت کی زکوٰۃ کے باب میں ذکر کیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

پالتو جانوروں کی زکوٰۃ

سوال کیا میرے لیے پالتو جانوروں کے فارم کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروری ہے؟

جواب مسلمان کے وہ تمام اموال جو تجارت کے لیے ہوں' خواہ وہ حیوان ہوں یا غیر حیوان' ان میں زکوٰۃ ہے' سال پورا ہونے پر ان کی جو قیمت ہو گی اس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة ... الخ، ح:١٥٦٢)

"رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال کی زکوٰۃ ادا کریں جو ہم نے تجارت کیلئے تیار کر رکھا ہو۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے وقت قیمت خرید کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سال پورا ہونے پر سامان تجارت کی جو قیمت ہو گی اسے دیکھا جائے گا' خواہ (اس وقت) اس کی قیمت' قیمت خرید سے کم ہو یا زیادہ۔

——— شیخ ابن باز ———

حصص کی زکوٰۃ

حصص جائداد کی زکوٰۃ

سوال آپ سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج کل لوگ جائداد کے حصص کی صورت میں کاروبار کرتے ہیں اور اس طرح بہت سا سرمایہ جامد ہو جاتا ہے' جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے' لیکن سرمایہ چار پانچ سال یا اس سے کم و بیش مدت کے لیے جامد ہو جاتا ہے اور مالک جب اپنے حصص بازار میں فروخت کرنا چاہتا ہے تو کبھی تو ان کی قیمت ان کی قیمت خرید کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی اس سے کم اور کبھی کئی سال ایک ہی قیمت رہتی ہے۔ اسی طرح بسااوقات اراضی کی خریداری پر سرمایہ خرچ کر دیا جاتا ہے اور بازار میں جب زمین کی قیمت بڑھ جائے تو پھر اسے فروخت کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کیا جائداد کے ان حصص کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے جنہیں ابھی تک فروخت نہیں کیا گیا اور عرصہ دراز سے جن کی قیمت میں بھی ابھی تک کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ امکان ہے کہ بازار میں ان کی قیمت کم ہو گئی ہو؟ اسی طرح سوال یہ ہے کہ وہ اراضی جسے کمائی کرنے کے لیے خریدا گیا ہو' کیا اس پر بھی ہر سال زکوٰۃ لازم ہے جس طرح دیگر سامان تجارت پر ہر سال زکوٰۃ لازم ہوتی ہے یا مالک اس وقت زکوٰۃ ادا کرے جب اسے فروخت کرے؟ بعض علماء کا یہی قول ہے کہ بسااوقات کئی سال گزرنے کے باوجود اس کی قیمت ایک جیسی ہی رہتی ہے اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور اگر اس پر زکوٰۃ ہے تو کیا ہر سال ہے یا صرف ایک بار؟ اور جب وہ اسے فروخت کرے تو کیا گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا صرف ایک سال کی؟ یاد رہے بسااوقات آدمی کا ان جائدادوں اور حصص کی صورت میں مال تو بہت ہوتا ہے لیکن زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے وہ قرض لینے یا جائداد کے کچھ حصے کو فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے' کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نقد رقم اس کے پاس نہیں ہوتی؟

جواب سوال میں مذکور سامان تجارت کے حصص میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ہر سال ان کی قیمت کا تعین کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ان کی قیمت خرید کیا تھی؟ اگر اس کے پاس مال موجود ہو تو زکوٰۃ ادا کر دے ورنہ انہیں بیچنے کے بعد جب ان کی قیمت حاصل کر لی جائے تو اس میں سے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اسی طرح وہ جائدادیں جو تجارت کے لیے تو ہوں لیکن ان میں مذکورہ حصص کی صورت نہ ہو تو ان کی زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

زیورات کی زکوٰۃ

زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں صحیح قول اور زیورات کی زکوٰۃ کا طریقہ

سوال خواتین جو زیورات زینت کے لیے استعمال کرتی ہیں' ائمہ اربعہ ---جزاهم الله خير الجزاء--- کی آراء ان زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں مختلف ہیں۔ کسی نے کہا کہ ان میں زکوٰۃ مشروط طور پر واجب ہے' کسی نے کہا کہ ان میں زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے اور کسی نے یہ کہا ہے کہ ان میں کسی بھی قسم کی شرط کے بغیر زکوٰۃ واجب ہے۔ آپ کے نزدیک ان میں سے کون سی رائے مناسب ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا

نیز اگر زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے تو کیا وہ بازار کے موجودہ نرخ کے مطابق نکالی جائے؟...... حالانکہ اگر انسان انہیں بازار میں بیچنا چاہے تو اسے وہ قیمت نہیں مل سکتی جس پر اس نے خریدا تھا...... یا اس پرانے نرخ کے مطابق ادا کرے جس پر اس نے خریدا تھا؟

جواب بلاشبہ استعمال ہونے والے زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں قدیم و جدید ہر دور میں بہت اختلاف رہا ہے لیکن میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ ہر سال زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے' خواہ خواتین انہیں پہنتی ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اس قول کے دلائل بہت قوی ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت ان کی موجودہ قیمت کا حساب لگایا جائے گا اور اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی' یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ان کی قیمت خرید کیا تھی' خواہ وہ کم تھی یا زیادہ اور پھر کل قیمت کا چالیسواں حصہ (یعنی اڑھائی فی صد) بطور زکوٰۃ ادا کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ

سوال میرے پاس گردن' ہاتھوں' سر اور سینے کے زیورات کی صورت میں کچھ چاندی ہے۔ میں نے اپنے شوہر سے کئی بار یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسے بیچ کر اس کی زکوٰۃ ادا کرے لیکن اس کا کہنا ہے کہ یہ نصاب سے کم ہے اور اب تقریباً ۲۴ برس گزر گئے ہیں کہ میں نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی' تو سوال یہ ہے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر یہ چاندی نصاب سے کم ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یاد رہے چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال ہے جو

کہ چاندی کے چھپن ریال کے برابر ہے' لہٰذا چاندی کے زیورات اگر اس مقدار میں ہوں تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ان میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ ایک سال گزر جائے۔ زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فی صد سالانہ ہے یعنی سو میں سے اڑھائی ریال اور ایک ہزار ریال میں سے پچیس ریال زکوٰۃ ہے۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس کی مقدار ساڑھے گیارہ سعودی گنی یا بانوے گرام ہے' لہٰذا جب سونے کے زیور کا یہ وزن ہو یا اس سے زیادہ ہو تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی اور شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ یعنی ایک سو گنی میں سے اڑھائی گنی ہے یا پیپر کرنسی یا چاندی کے سکوں کی صورت میں اس کی جو قیمت بنے اور زیورات کا وزن اگر اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلاَ فِضَّةٍ، لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرٰى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:٩٨٧)

''سونے اور چاندی کا ہر وہ مالک جو ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا' تو قیامت کے دن سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں پتروں کی صورت میں ڈھال کر ان کے ساتھ اس کی پیشانی' پہلو اور پشت کو اس دن داغا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے اور یہ عذاب اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ تمام انسانوں کا حساب مکمل نہیں ہو جائے گا' پھر یہ اپنے راستہ کو دیکھے گا کہ وہ جنت کی طرف ہے یا جہنم کی طرف۔!''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس عورت سے فرمایا جو آپ کے پاس آئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے ''کیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟'' اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا:

أَيَسُرُّكِ أَنْ يُّسَوِّرَكِ اللهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟ فَأَلْقَتْهُمَا، وَقَالَتْ: هُمَا للهِ وَلِرَسُولِهِ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي، ح:١٥٦٣)

''کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی بجائے جہنم کی آگ کے دو کنگن پہنا دے؟ اس عورت نے وہ دونوں کنگن اتار پھینکے اور کہا یہ دونوں کنگن اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔''

اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

زیورات' الماس اور قیمتی پتھروں کی زکوٰۃ

سوال میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ میری عمر تقریباً تیس سال ہے اور قریباً چوبیس سال سے میرے پاس سونے کے ہار ہیں جو بغرض تجارت نہیں بلکہ زیب و زینت کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ کبھی کبھی ان میں سے کچھ فروخت کر کے اور

کچھ رقم مزید خرچ کر کے میں ان سے بھی زیادہ خوبصورت ہار خرید لیتی ہوں۔ اب بھی میرے پاس زیورات ہیں اور میں نے سنا ہے کہ بطور زینت استعمال کئے جانے والے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ امید ہے آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں گے اور اگر مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے تو اس گزشتہ مدت کے بارے میں کیا حکم ہے جس میں میں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اور نہ اب مجھے یہ علم ہے کہ گزشتہ سالوں میں میرے پاس کتنا سونا تھا؟

جواب آپ پر زکوٰۃ اس وقت سے واجب ہو گی جب سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ وجوب زکوٰۃ کے علم سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے' کیونکہ احکام شرعیہ علم کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے بشرطیکہ زیورات کی مقدار نصاب کے مطابق ہو۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور یہ ساڑھے گیارہ سعودی گنی کے برابر ہے' لہٰذا زیورات کا وزن اگر بیس مثقال یا اس سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔

شرح زکوٰۃ ایک ہزار میں سے پچیس ریال ہیں۔ چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال ہے اور یہ چاندی کے چھپن ریال یا اس کی کرنسی نوٹوں میں جو قیمت ہو اس کے برابر ہیں۔ سونے کی طرح چاندی کی جو قیمت ہو اس میں شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے۔

الماس اور دیگر قیمتی پتھر اگر پہننے کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے بشرطیکہ ان کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

خاتون نے جہالت کی وجہ سے زیورات کی زکوٰۃ ادا نہیں کی

سوال ایک عورت کے پاس نصاب کے مطابق سونا ہے اور اسے قریباً پانچ سال بعد یہ علم ہوا کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اب وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتی ہے لیکن اس سونے کے علاوہ اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے' لہٰذا سوال یہ ہے کہ وہ گزشتہ پانچ سالوں کی زکوٰۃ کے حوالہ سے کیا کرے؟ کیا کچھ سونا بیچ کر زکوٰۃ ادا کر دے یا کیا کرے؟ اور آئندہ سالوں میں وہ کیا کرے؟ اگر وہ اس سونے کی یکبار زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ ہر سال کچھ سونا بیچ دے' کیونکہ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی تھوڑا بہت سرمایہ نہیں ہے؟

جواب اس عورت کو مستقبل میں اپنے زیورات کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی بشرطیکہ زیورات نصاب کے بقدر ہوں اور نصاب بیس مثقال ہے جو کہ $\frac{3}{7}$ ۱۱ مثقال سعودی گنی کے برابر ہے' گرام کے حساب سے یہ بانوے گرام کے برابر ہے' زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے خواہ یہ سونے یا اپنی کسی اور چیز کو بیچ کر ادا کرے اگر اس کی اجازت سے اس کی طرف سے اس کا شوہر یا باپ وغیرہ زکوٰۃ ادا کر دے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ورنہ جب تک یہ ادا نہیں کرے گی زکوٰۃ اس کے ذمہ قرض ہو گی۔ وجوب زکوٰۃ کے علم سے پہلے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کے حوالے سے اس پر کچھ واجب نہیں ہے' کیونکہ ایک تو اسے وجوب زکوٰۃ کا علم ہی نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ اس وجوب میں کچھ شبہ بھی ہے' کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک ان زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو پہنے جاتے ہوں یا پہننے کے لیے تیار کئے گئے ہوں لیکن راجح ترین بات یہی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ ان کا وزن نصاب کے مطابق ہو اور ایک سال کی مدت گزر جائے۔ کتاب و سنت کے دلائل سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

زیورات کی زکوٰۃ ان کے مالک پر ہے

سوال میری بیوی کے پاس سونا ہے جسے وہ پہنتی ہے اور وہ نصاب کے مطابق ہے تو کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟ کیا ان زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے یا میری بیوی پر؟ کیا وہ زکوٰۃ زیور ہی کی صورت میں نکالے یا اس کی قیمت کا حساب لگا کر کرنسی کی صورت میں بھی زکوٰۃ ادا کر سکتی ہے؟

جواب سونے اور چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے جب ان کا وزن نصاب کے مطابق ہو۔ سونے کا نصاب بیس اور چاندی کا ایک سو چالیس مثقال ہے۔ موجودہ پیمانے کے مطابق سونے کے نصاب کی مقدار 3/7 11 سعودی گنی ہے' لہٰذا سونے کی زیورات کا جب یہ یا اس سے زیادہ وزن ہو تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ان میں زکوٰۃ واجب ہے' خواہ وہ زیورات پہننے ہی کے لیے ہوں۔

چاندی کے نصاب کی مقدار چھپن سعودی ریال ہے' لہٰذا جب چاندی کے زیورات اس مقدار یا اس سے زیادہ میں ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ سونے' چاندی اور سامان تجارت میں شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ یعنی سو میں اڑھائی اور ہزار میں سے پچیس ہے اور جیسے مالیت زیادہ ہو گی' زکوٰۃ بھی اسی حساب سے ہو گی۔

زکوٰۃ زیورات کی مالکہ پر واجب ہے۔ اگر اس کی اجازت سے اس کا شوہر یا کوئی اور اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ زیورات ہی کی صورت میں زکوٰۃ ادا کی جائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ سال مکمل ہونے پر بازار میں سونے چاندی کی جو قیمت ہو تو اس کے حساب سے اڑھائی فی صد کی شرح سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے...

شیخ ابن باز

کیا الماس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال الماس جسے پہننے اور زینت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' کیا اس میں بھی زکوٰۃ ہے؟

جواب الماس جسے زینت اور پہننے کے لیے استعمال کیا جائے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر تجارت کے لیے ہو تو اس میں زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح موتیوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے لیکن سونے اور چاندی میں زکوٰۃ ہے جب کہ وہ نصاب کے مطابق ہوں خواہ پہننے ہی کے لیے ہوں۔ اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے۔

شیخ ابن باز

نگینوں اور قیمتی پتھروں سے مرصع زیورات کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

سوال ایسے زیورات کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے جو خالص سونے کے نہ ہوں بلکہ انواع و اقسام کے نگینوں اور قیمتی پتھروں سے مرصع ہوں؟ کیا ان نگینوں اور پتھروں کا بھی سونے کے ساتھ ہی وزن کیا جائے گا' کیونکہ انہیں سونے سے الگ کرنا تو بہت مشکل ہے؟

جواب زکوٰۃ تو سونے ہی میں ہے' خواہ وہ پہننے کے لیے ہو۔ قیمتی پتھروں' موتیوں اور الماس وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے اور ہاروں وغیرہ میں اگر یہ چیزیں لگی ہوں تو پھر عورت یا اس کے شوہر یا وارثوں کو چاہیئے کہ وہ بغور جائزہ لے کر خالص سونے کے وزن کا تعین کریں یا ماہر لوگوں سے پوچھ لیں اور ظن غالب کے مطابق اگر زیور کا وزن نصاب کے مطابق ہو تو اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے۔ سعودی اور افرنگی گنی کے حساب سے یہ ساڑھے گیارہ گنی اور گرام کے حساب سے یہ بانوے گرام کے برابر ہے۔ زکوٰۃ ہر سال ادا کی جائے۔ شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے۔ یعنی ہزار میں سے پچیس۔ اہل علم کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے۔ اگر زیورات تجارت کے لیے ہوں تو ان کی موتیوں اور الماس سمیت ان کے حسب قیمت زکوٰۃ ادا کی جائے گی جس طرح کہ دیگر سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

وقف شدہ اور اس جیسے مال کی زکوٰۃ

مال وقف میں زکوٰۃ نہیں ہے

سوال ہمارے ہاں "جامعہ ملک سعود" میں طلبہ کے لیے ایک کیش بکس ہے جو مالی تعاون کے لیے رکھا گیا ہے' اس میں کیش جامعہ کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے اور تھوڑا سا حصہ طلبہ کے وظائف میں سے بالاقساط لیا جاتا ہے اور اس فنڈ سے ضرورت مند طلبہ کی اعانت کی جاتی ہے۔ کیا اس بکس میں موجود رقوم پر زکوٰۃ ہے؟

جواب مذکورہ بکس اور اس طرح کے دیگر اموال میں زکوٰۃ نہیں ہے' کیونکہ وہ ایسا مال ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے بلکہ وہ تو نیکی کے کاموں کے لیے وقف ہے اور یہ بھی ایسے تمام اموال ہی کی طرح ہے جنہیں نیکی کے کاموں کے لیے وقف کیا گیا ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مال وقف میں زکوٰۃ کا حکم

سوال میرے پاس کچھ مال ہے جو اہل خیر نے مسجد بنانے کے لیے دیا ہے اور یہ میرے پاس ایک سال سے زیادہ عرصہ سے ہے تو کیا اس مال کی مجھ پر زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

جواب اس مال کی مطلقاً زکوٰۃ نہیں ہے' کیونکہ اس مال کے مالکوں نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس مال کو اس کے مصرف پر جلد خرچ کر دیں۔

——— شیخ ابن باز ———

باہمی تعاون کے لیے جمع کئے ہوئے مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ایک جماعت کے افراد نے باہمی تعاون اور استفادہ کے لیے کچھ مال جمع کیا ہے کہ اگر کسی کو (اللہ نہ کرے) کوئی حادثہ پیش آ جائے یا عام حالات میں کسی کو کوئی ضرورت پیش آ جائے تو وہ اس سے استفادہ کر سکے۔ اس مال کو جمع کئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

جواب یہ اور ان جیسے دیگر ایسے اموال پر زکوٰۃ نہیں ہے جنہیں لوگوں نے مصالح عامہ اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں تعاون کے لیے عطیہ کے طور پر دیئے ہوں' کیونکہ ان کے مالکان نے انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے وقف کر دیا ہے اور ان کے فائدے فقیرودولت مند سب لوگوں کے لیے مشترک ہیں کہ انہیں پیش آمدہ حوادث کی وجہ سے لاحق ہونے والی مشکلات کے ازالہ کے لیے رکھا گیا ہے' لہٰذا انہیں ان کو ذاتی ملکیت سے خارج تصور کر کے ایسے صدقات کے حکم میں سمجھا جائے گا جو انہیں مقاصد کے لیے خرچ کئے جاتے ہیں جن کی خاطر وہ جمع کئے گئے ہوں۔

——— شیخ ابن باز ———

زکوٰۃ اور اموال اوقاف

سوال کیا مساجد کے لیے وقف شدہ اموال میں زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب مساجد وغیرہ کے لیے وقف اموال میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ اموال کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے اور اس مسئلہ میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وقف میں زکوٰۃ نہیں

سوال مغرۃ میں واقع ایک نخلستان ہے جس میں درختوں کی چھ قطاریں ہیں۔ ایک کسان کو اس کی دیکھ بھال کے لیے اس شرط پر مقرر کیا گیا ہے کہ اسے پھل کا تین چوتھائی حصہ ملے گا اور ایک چوتھائی وصیت کرنے والے کو' تو کیا وصیت کرنے والے کے ایک چوتھائی حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ یاد رہے وصیت کرنے والے کا ایک چوتھائی حصہ جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کی ضرورت کے لیے کافی نہیں ہے۔

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو وصیت کرنے والے کے حصہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے' کیونکہ یہ وقف ہے اور اس کا سارا مصرف نیکی و بھلائی کا کام ہی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قرض دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ

قرض کی زکوٰۃ

سوال میں نے ایک بھائی سے قرض لینا ہے' کیا اس قرض کی زکوٰۃ بھی مجھ پر لازم ہے؟

جواب اگر قرض ایسے لوگوں کے ذمہ ہو جو خوشحال اور مال خرچ کرنے والے ہوں کہ آپ جب بھی طلب کریں تو وہ آپ کا مال آپ کو دے دیں تو اس صورت میں سال گزرنے پر آپ کے لیے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہو گی' کیونکہ یہ صورت ایسی ہے کہ گویا مال آپ ہی کے پاس ہے اور ان کے پاس وہ امانت ہے اور اگر مقروض تنگ دست ہو کہ وہ اسے ادا ہی نہ کر سکتا ہو یا تنگ دست تو نہ ہو لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لیتا ہو اور آپ اس سے واپس نہ لے سکتے ہوں تو اس صورت میں علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے حتیٰ کہ آپ اس ٹال مٹول سے کام لینے والے یا تنگ دست سے اپنا قرض واپس لے لیں۔ جب آپ اسے اپنے قبضہ میں لے لیں تو ایک سال تک انتظار کریں اور قبضہ میں لینے کے ایک سال بعد زکوٰۃ ادا کریں اور ان سابقہ سالوں کی اگر آپ ایک بار زکوٰۃ ادا کر دیں جن میں یہ مال تنگ دست یا ٹال مٹول کرنے والے کے پاس رہا تو پھر بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ بعض اہل علم نے یہ کہا ہے لیکن لازم مستقبل ہی میں ہو گی جب کہ آپ اپنا مال تنگ دست اور ٹال مٹول کرنے والے سے لیکر اپنے قبضہ میں لے لیں گے اور اس پر ایک سال بھی گزر جائے۔ اس مسئلہ میں یہی مختار قول ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قرض پر دیئے ہوئے مال کی زکوٰۃ

سوال میں نے ایک شخص کو کچھ مال بطور قرض دیا جس پر ایک سال گزر چکا ہے اور اس نے ابھی تک واپس نہیں کیا تو کیا میں اس مال کی زکوٰۃ ادا کر دوں یا اس کی واپسی کا انتظار کروں اور پھر قبضہ میں لینے کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ ادا کروں؟

جواب اگر قرض کسی دولت مند اور خوش حال انسان کے پاس ہو کہ آپ جب چاہیں اس سے واپس لے لیں تو اس صورت میں ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہو گا' کیونکہ اس طرح مال گویا اس کے پاس امانت ہے' خواہ آپ نے اس کی سہولت کے لیے اس کے پاس مال چھوڑ رکھا ہو یا اس لیے کہ آپ کو اس کی ابھی ضرورت ہی نہیں اور اگر قرض کسی تنگ دست یا ٹال مٹول کرنے والے یا ادا نہ کر سکنے والے کے پاس ہو تو مختار اور راجح بات یہ ہے کہ اس میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک آپ اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لیں اور جب آپ اپنے قبضہ میں لے لیں تو پھر ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دیں' اگرچہ وہ مقروض کے پاس کئی سال تک رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قرض کو زکوٰۃ میں شمار کرنا جائز نہیں

سوال ہمارا ایک قریبی رشتہ دار فقیر و محتاج ہے۔ ہم اسے ہر سال اپنے مال کی زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ کافی عرصہ قبل ہم نے اسے کچھ رقم بطور قرض دی لیکن وہ ابھی تک ہمیں واپس نہیں کر سکا' حالانکہ کئی سال گزر چکے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے کہ ہم اسے یہ قرض معاف کر دیں اور اسے اس زکوٰۃ میں شمار کر لیں جو اسے ہم ان شاء اللہ اس سال دیں گے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ مقروض کے ذمہ سے مایوسی یا وصولی میں تاخیر کی وجہ سے قرض کو ساقط کرنا اور اسے زکوٰۃ میں شمار کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ زکوٰۃ ایسا مال ہے جو فقراء کو ان کے فقر و ضرورت کی وجہ سے دیا جاتا ہے' ہاں البتہ اگر وہ فقیروں کو زکوٰۃ دے اور وہ اپنے قرض کو ادا کرنے کے لیے اسے واپس کر دیں تو یہ جائز ہے بشرطیکہ انہیں زکوٰۃ دینے سے قصدوارادہ یہ نہ ہو کہ وہ اسے واپس کر دیں گے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

زکوٰۃ کی منتقلی اور مستحقین زکوٰۃ

ایک شہر سے دوسرے میں زکوٰۃ منتقل کرنا

سوال میں سعودی عرب میں اجنبی ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں یہاں سے اپنے ملک کے مستحق لوگوں کے پاس زکوٰۃ ارسال کر دوں؟ مستفید فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔

جواب صحیح قول کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے جب کہ راجح مصلحت کا یہ تقاضا ہو مثلاً اس جگہ فقروفاقہ شدید ہو اور قریبی مسلمان ضرورت مند ہوں اور اس جیسی دیگر مصلحتیں' محض محبت و الفت کی وجہ سے زکوٰۃ کی منتقلی جائز نہیں جب کہ وہاں مستحق لوگ بھی موجود ہوں کہ اس طرح مستحق لوگ محروم ہو جائیں گے۔ اگر اپنے علاقے کے لوگوں کا استحقاق مشکوک ہو اور کسی دور کے علاقے کے اپنے قریبی رشتہ داروں کا استحقاق یقینی ہو تو پھر وہ زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں اور انہیں زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ کی ادائی بھی ہے اور صلہ رحمی بھی!

——— شیخ ابن جبرین ———

فقیر بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال میرا ایک شادی شدہ فقیر اور مقروض بھائی ہے اور ایک شادی شدہ بہن ہے جس کا شوہر بھی فقیر و مقروض ہے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنی ساری زکوٰۃ ان دونوں ہی کو دے دوں تاکہ ان کے قرض ادا ہو جائیں یا انہیں مال زکوٰۃ کا کچھ حصہ ہی دیا جا سکتا ہے؟

جواب ان دونوں کو زکوٰۃ دینے میں کوئی امر مانع نہیں جب کہ یہ مسلمان اور مقروض ہوں اور آپ کی زکوٰۃ سے ان کا

قرض ادا ہو سکتا ہو جس کے ادا کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتے' کیونکہ یہ دونوں ارشاد باری تعالیٰ میں داخل ہیں:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ﴾ (التوبة ۹/ ٦٠)

"صدقات (زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں کا حق ہے۔" وباللّٰہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

ماں کو زکوٰۃ دینا

سوال کیا اپنی والدہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے والدین یا اولاد کو زکوٰۃ دے اگر یہ ضرورت مند ہوں تو ان پر اصل مال کو خرچ کرنا چاہیئے جب کہ اسے خرچ کرنے کی قدرت بھی ہو۔ وباللّٰہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

مسکین اور فقیر

سوال اس مسکین کی کیا تعریف ہے جسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟ نیز مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟

جواب مسکین وہ فقیر ہے جس کے پاس بقدر کفایت مال نہ ہو اور فقیر وہ ہے جو اس سے بھی زیادہ ضرورت مند ہو۔ یہ دونوں ان مستحقین زکوٰۃ میں سے ہیں جن کا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ذکر ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡعَٰمِلِينَ عَلَيۡهَا﴾ (التوبة ۹/ ٦٠)

"صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان زکوٰۃ کا حق ہے۔"

جس کے پاس اس قدر مال ہو جو اس کے کھانے' پینے' پہننے اور رہنے سہنے کی ضرورت کیلئے کافی ہو' خواہ اسے یہ مال وقف سے حاصل ہوتا ہو یا کاروبار سے یا ملازمت سے' تو اسے فقیر و مسکین نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

بھائی اور چچا کو زکوٰۃ دینا

سوال کیا ایک بھائی اپنے دوسرے ضرورت مند بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے جب کہ وہ شادی شدہ ہو' کام بھی کرتا ہو لیکن اس کی آمدنی اس کی ضرورت کے مطابق کافی نہ ہو؟ کیا فقیر چچا کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟ کیا عورت اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے بھائی یا پھوپھی یا بہن کو دے سکتی ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی مرد یا عورت اپنے فقیر بھائی' بہن' چچا' پھوپھی یا کسی دوسرے فقیر رشتہ دار کو زکوٰۃ دے' چنانچہ دلائل کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے بلکہ انہیں دینا تو زکوٰۃ بھی' ہے اور صلہ رحمی بھی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ، صَدَقَةٌ، وَصِلَةٌ» (جامع

الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة، ح:٦٥٨)

"مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینا دو چیزیں ہیں۔ صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی"

ہاں البتہ والدین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں' خواہ وہ اوپر کے درجہ (یعنی دادا نانا وغیرہ) ہی میں کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں خواہ وہ نچلے درجہ (یعنی پوتے اور نواسے وغیرہ) ہی میں کیوں نہ ہوں اگرچہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں' کیونکہ ان پر تو اپنے اصل مال سے خرچ کرنا لازم ہے' بشرطیکہ اسے خرچ کرنے کی طاقت ہو اور اس کے سوا ان پر خرچ کرنے والا اور کوئی نہ ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال میری ایک شادی شدہ بہن ہے جس کی مالی حالت کمزور ہے۔ کیا میرے لیے اسے کچھ مال زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ اس کی مالی حالت بہتر ہو سکے اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اس کی اعانت کی جا سکے خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ اس کا شوہر اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور ہم اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں مگر اس کی اصلاح احوال نہیں کر سکے؟

جواب اگر وہ فقیر ہے' اس کا شوہر اس پر خرچ نہیں کرتا' آپ اس کی اصلاح احوال سے عاجز آ گئے ہیں اور کوئی بھی نہیں جو اس پر خرچ کر سکے تو اسے بقدر ضرورت زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

شادی کرنے والے کو زکوٰۃ دینا

سوال ایک تندرست و توانا نوجوان شادی کرنا چاہتا ہے اور بلاشک و شبہ شادی کے سلسلہ میں وہ مدد کا محتاج ہے تو کیا اس سلسلہ میں مدد کے لیے اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب اس نوجوان کو شادی میں مدد کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ خود اخراجات برداشت کرنے سے عاجز ہو۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ عورت اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے جب کہ وہ فقیر ہو؟

جواب عورت اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دے سکتی ہے جب کہ وہ فقیر ہو' کیونکہ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ﴾ (التوبة٩/ ٦٠)

"بے شک صدقہ و خیرات فقراء اور مساکین کے لیے ہے۔" کے عموم میں داخل ہے' لہٰذا اس کے فقر کو دور

کرنے کے لیے اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

فتویٰ کمیٹی

زکوٰۃ سے مسجد میں قالین بچھانا اور مرمت کرنا

سوال کیا مسجد کی مرمت کرنے اور اس میں قالین بچھانے کے لیے زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے جبکہ مسجد کی کوئی آمدنی نہیں اور اہل مسجد فقیر ہیں؟

جواب واضح رہے کہ مسجد کے امور و معاملات وزارت حج و اوقاف کے سپرد ہیں اور اسی وزارت ہی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مساجد کی دیکھ بھال کرے' قالین بچھائے اور مساجد کی دیگر ضروریات کو پورا کرے۔ اگر وزارت کے لیے مساجد کی تمام ضروریات کو پورا کرنا ممکن نہ ہو تو وہ پہلے ان ضروریات کو پورا کرے جو سب سے زیادہ اہم ہوں اور اگر وزارت مساجد کی جلد اصلاح نہ کر سکے اور اہل مساجد انتظار نہ کر سکیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے اموال مساجد کی اصلاح اور ضروریات کے لیے خرچ کریں زکوٰۃ کے مصارف صرف آٹھ ہیں جنہیں حسب ذیل آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡعَٰمِلِينَ عَلَيۡهَا وَٱلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمۡ وَفِي ٱلرِّقَابِ وَٱلۡغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِۖ ﴾ (التوبة٩/ ٦٠)

"صدقات (زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں' محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے)"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مساجد ان آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔ زکوٰۃ صرف انہی مصارف تک منحصر رہنی چاہیئے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد' وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

مجرموں اور مقروضوں کو زکوٰۃ دینا

سوال کیا مقروضوں' مجرموں اور ان لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جن کے ذمہ دیت لازم ہو اور وہ مدد کے طلب گار ہوں یا انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے؟

جواب اللہ تبارک و تعالیٰ نے درج ذیل آیت کریمہ میں مصارف زکوٰۃ کو بیان فرمایا ہے۔

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡعَٰمِلِينَ عَلَيۡهَا وَٱلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمۡ وَفِي ٱلرِّقَابِ وَٱلۡغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِۖ ﴾ (التوبة٩/ ٦٠)

"صدقات (زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے۔)"

انہی مصارف میں سے مقروض بھی ہیں۔ مقروضوں کی دو قسمیں ہیں ① وہ شخص جو ایک بہت بڑی جماعت کے مابین صلح کرانے کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہو وہ اس طرح کہ دو قبیلوں یا دو بستیوں کے باشندوں کے خون یا مال کے تنازعات کی وجہ سے آپس میں عداوت و دشمنی پیدا ہو گئی ہو اور یہ شخص ان دونوں جماعتوں کی عداوت و دشمنی ختم کرانے اور ان کے درمیان صلح کرانے کی ذمہ داری اٹھالے' تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ یہ اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکے' خواہ یہ دولت مند تو ہو لیکن اپنے مال کو خرچ نہ کرنا چاہے اور اگر یہ اپنے مال کو خرچ کر دے تو پھر اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ② وہ مقروض جس نے کفار سے اپنے آپ کو رہائی دلانے کے لیے یا کسی مباح چیز کے خریدنے کے لیے یا کسی ایسی حرام چیز خریدنے کے لیے جس سے اس نے توبہ کر لی ہو' قرض لیا ہو اور وہ فقیر ہو تو اسے اپنا قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ساری زکوٰۃ ایک ہی خاندان کو دے دینا

سوال انسان جب اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرلے اور وہ بہت تھوڑی مقدار میں ہو مثلاً دو سو ریال تو کیا افضل یہ ہے کہ وہ ساری زکوٰۃ ایک ہی ضرورت مند و محتاج خاندان کو دے دے یا اسے یہ زکوٰۃ مختلف ضرورت مند گھروں میں تقسیم کرنی چاہیے؟ براہ کرم میری راہنمائی فرمائیں۔

جواب زکوٰۃ اگر کم ہو تو اسے ایک ہی ضرورت مند گھر کو دے دینا زیادہ بہتر اور افضل ہے' کیونکہ زکوٰۃ کی رقم اگر کم ہو تو اسے زیادہ گھروں میں تقسیم کرنے سے اس کی منفعت کم ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

ماں کو زکوٰۃ نہ دی جائے' تارک نماز' زکوٰۃ کا مستحق نہیں

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں اپنی والدہ کو کچھ مال دوں اور پھر زکوٰۃ میں شمار کر لوں' حالانکہ میرے والد صاحب میری والدہ صاحبہ پر خرچ کرتے اور ان کی مالی حالت بھی الحمد اللہ اچھی ہے؟ اسی طرح میرا ایک بھائی بھی ہے جو کام کرتا ہے' اس نے ابھی تک شادی بھی نہیں کی لیکن (اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے) وہ نماز کی زیادہ حفاظت نہیں کرتا' کیا میں اسے کچھ زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟ راہنمائی کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے!

جواب آپ کے لیے اپنی والدہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں' کیونکہ والدین زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں اور پھر آپ کے والد صاحب کے خرچ کرنے کی وجہ سے انہیں زکوٰۃ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

باقی رہا آپ کا بھائی تو جب تک وہ تارک نماز ہے اسے بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی' کیونکہ شہادتین کے بعد نماز اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اور اسے جان بوجھ کر چھوڑ دینا کفر اکبر ہے اور پھر وہ صحت مند بھی ہے اور کماتا بھی ہے اور اگر اس پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے آپ کے والد صاحب زیادہ ذمہ دار ہیں' کیونکہ خرچ کرنے کے اعتبار سے یہ ان کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ انہیں اس کی استطاعت ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے اور حق کی طرف اس کی راہنمائی فرمائے اور اسے اپنے نفس' شیطان اور برے ساتھیوں کے شر سے بچائے!

——— شیخ ابن باز ———

قرض اور زکوٰۃ

کیا قرض مانع زکوٰۃ ہے؟

سوال (الف) ایک شخص تجارت کرتا اور غیر ملکی کمپنیوں سے کچھ مدت تک کے لیے ادھار پر معاملہ کرتا ہے۔ ایک سال گزر جاتا ہے اور اس کے ذمہ بہت زیادہ قرض ہے۔ اگر وہ سال گزرنے سے چند دن پہلے ان کمپنیوں کے قرض ادا کر دے تاکہ بطور قرض ادا کی جانے والی رقم کی زکوٰۃ سے بچ سکے تو کیا وہ گناہ گار تو نہ ہو گا؟

(ب) اگر اس کے مال کی تفصیل درج ذیل ہو تو وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

سال کے اختتام پر سٹور میں موجود مال کی قیمت	200,000 ریال
اس کے ذمہ قرض	300,000 ریال
اس نے جو قرض لینا ہے	200,000 ریال
بینک میں موجود رقم	100,000 ریال

(ج) بعض رقوم کے ادا کرنے کا وقت تو آ گیا ہو لیکن اس نے ادا کرنے میں کچھ تاخیر کر دی ہو ہاں البتہ ان رقوم کو ادا کرنے کے لیے اس نے انہیں تجوری سے الگ کر دیا ہو اور ادا کیے جانے والے قرض سے بھی انہیں علیحدہ کر دیا ہو تو کیا ان کی زکوٰۃ اسے معاف ہو گی؟

جواب اگر کوئی شخص سال پورا ہونے سے پہلے اپنے ذمہ قرض ادا کر دے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں' خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مقروض لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ ''وہ زکوٰۃ کا وقت آنے سے پہلے پہلے قرض ادا کر دیں۔ صاحب قرض اگر اپنا کچھ قرض معاف کر دے تاکہ اسے باقی قرض وصول ہو جائے تو اس میں بھی علماء کے صحیح قول کے مطابق کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس میں مقروض کی بھی مصلحت ہے اور قرض خواہ کی بھی اور پھر اس میں سود بھی نہیں ہے۔

سٹور میں موجود سازوسامان کی قیمت پر سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی' اسی طرح بینک میں موجود رقم پر بھی سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔

آپ نے لوگوں سے جو قرض لینا ہے اس میں تفصیل ہے' کہ جو قرض آپ نے خوش حال لوگوں سے لینے ہیں اور جن کے ملنے کی امید ہے تو ان میں سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ ہو گی' کیونکہ اس طرح کے قرض کی مثال بینک میں رکھی ہوئی رقم کی سی ہے اور جو قرض تنگ دست لوگوں سے لینا ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

بعض اہل علم کے بقول قرض کی وصولی کے بعد صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی' یہ بہترین قول ہے اور اس میں احتیاط بھی ہے لیکن صحیح قول کے مطابق یہ واجب نہیں ہے' کیونکہ زکوٰۃ ان اموال میں واجب نہیں ہے جن کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ وصول ہوں گے یا نہیں؟ اس لیے کہ وہ تنگ دست یا ٹال مٹول سے کام لینے والوں کے ذمہ ہیں اور ان کی مثال مفقود اموال یا گم شدہ جانوروں کی طرح ہے۔

وہ قرض جو آپ کے ذمہ ہے اہل علم کے صحیح قول کے مطابق مانع زکوٰۃ نہیں ہے۔ آپ نے قرض ادا کرنے کے لیے جو مال الگ کیا لیکن اہل قرض کو واپس لوٹانے سے پہلے اس پر ایک سال گزر گیا تو اس کی زکوٰۃ ساقط نہ ہو گی بلکہ اس کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہو گی' کیونکہ آپ کی ملکیت میں اس پر ایک سال گزر چکا ہے۔ وباللّٰہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

زکوٰۃ کے متعلق مختلف فتوے

زکوٰۃ میں نیت کا ضروری ہونا

سوال جب کسی فقیر کو کچھ نقدی بطور زکوٰۃ دی جائے تو کیا یہ نیت کرنا چاہیئے کہ یہ زکوٰۃ ہے؟

جواب جب آپ اپنے مال میں سے کچھ نکالیں' اسے فقیر کے ہاتھ پر رکھ دیں اور اسے دیتے وقت یہ نیت کریں کہ یہ آپ کے مال کی زکوٰۃ ہے تو یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کھانے اور کپڑوں وغیرہ کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا

سوال کیا زکوٰۃ نقدی کے علاوہ کسی اور صورت مثلاً کھانے' کپڑے یا دیگر اشیاء کی صورت میں بھی ادا کی جا سکتی ہے کہ ضرورت کی ان چیزوں کو خرید کر زکوٰۃ کے مستحقین کو دے دیا جائے؟ کیا زکوٰۃ کا کچھ حصہ قریبی رشتہ داروں کو بھی دیا جا سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کس قسم کے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ مال کی جنس ہی سے ادا کی جائے' ہاں البتہ اموال تجارت کی قیمت لگا کر ان کی زکوٰۃ نقدی کی صورت میں ادا کر دی جائے۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا اگر یہ مناسب خیال کرے کہ فقیر کو ضروری اشیاء مثلاً لباس' کھانے پینے کی اشیاء یا دیگر ایسی چیزیں خرید کر لے دے جن کی اسے ضرورت ہو تو یہ بات بھی جائز معلوم ہوتی ہے۔ زکوٰۃ ان مستحقین ہی کو دینا چاہیئے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں بلکہ قریبی رشتہ دار اگر ضرورت مند ہو تو اسے زکوٰۃ دینا افضل ہے بشرطیکہ اس میں محض الفت و محبت کا مظاہرہ نہ ہو اور زیادہ مستحق مگر اجنبی لوگوں کو محروم کرنا لازم نہ آتا ہو۔ ایسے قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو وارث اور اصول و فروع ہوں مثلاً آباء و اجداد اور بیٹے' پوتے وغیرہ۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا محض شوق کی خاطر جمع کیے ہوئے مختلف سکوں کی زکوٰۃ ہے؟

سوال ایک آدمی محض شوق کی خاطر عربی اور غیر عربی سکے جمع کرتا ہے ان میں سے کچھ سکے قیمتی ہیں اور کچھ قیمتی نہیں ہیں تو کیا سال گزرنے پر ان کرنسی سکوں میں بھی زکوٰۃ ہو گی؟

جواب جب ان پر ایک سال گزر جائے اور یہ نصاب کے مطابق ہوں تو ان کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے' کیونکہ کتاب و سنت کے دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے اور پھر اس لیے بھی کہ یہ نقدی کے حکم میں ہیں اور کرنسی نوٹوں کی طرح یہ بھی نقدی ہی کے قائم مقام ہیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن باز ———

ماضی کی زکوٰۃ کس طرح؟

سوال اگر ماضی میں مجھ پر زکوٰۃ کی مقدار مخفی رہی ہو تو اب کس طرح زکوٰۃ ادا کروں؟

جواب یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور صاحب نصاب لوگوں پر فرض ہے۔ اگر زکوٰۃ کی مقدار کا صحیح علم ہو تو اسے ادا کر دے اور اگر صحیح علم نہ ہو تو ظن غالب کے مطابق زکوٰۃ ادا کر دے یعنی اس قدر مال بطور زکوٰۃ مستحقین کو دے دے کہ ظن غالب یہ ہو کہ اس سے وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے جو اس کے ذمہ ہے۔ یاد رہے ظن غالب پر انحصار کرنا بھی شریعت کا ایک اصول ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

محکمہ زکوٰۃ ریونیو کی معرفت زکوٰۃ ادا کرنا

سوال میں ایک تجارتی فرم کا مالک ہوں اور اپنے سرمایہ سے اڑھائی فی صد محکمہ زکوٰۃ ریونیو کو بطور زکوٰۃ ادا کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میرے مال تجارت کی زکوٰۃ ہے اور اگر میں محکمہ کو یہ زکوٰۃ ادا نہ کروں تو میں کئی فوائد سے بھی محروم ہو جاؤں مثلاً ملازمین کو اپنے پاس باہر سے نہ منگوا سکوں اور اپنے ضروری کاغذات میں کوئی درستی یا تبدیلی نہ کروا سکوں' اس لیے میں اس رقم کے ادا کرنے پر مجبور ہوں لیکن میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ یہ زکوٰۃ نہیں ہے' لہٰذا مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کے علاوہ اور زکوٰۃ ادا کروں۔ امید ہے آپ اس مسئلہ میں راہنمائی فرمائیں گے' کیونکہ یہ میرا ہی نہیں سعودی عرب کی تمام فرموں اور کمپنیوں کا یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھلائی کی توفیق دے!

جواب جب تک آپ سے زکوٰۃ کے نام سے لیا جائے اور آپ زکوٰۃ ہی کی نیت سے ادا کریں تو یہ زکوٰۃ ہے کیونکہ حکمران کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دولت مندوں سے زکوٰۃ طلب کرے تاکہ اسے زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کر سکے۔ آپ نے جب حکومت کو زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کے بجائے اور زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس کچھ اور ایسے اموال یا اثاثے ہوں جن کی آپ نے زکوٰۃ حکومت کو ادا نہ کی ہو تو ان کی زکوٰۃ نکال کر مستحق فقراء یا دیگر اہل زکوٰۃ میں تقسیم کر دیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بیرون ملک مقیم کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟

سوال جو شخص بیرون ملک مقیم ہو وہ کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟ کیا وہ اپنی زکوٰۃ اپنے ملک میں بھیج دے یا اسی ملک میں

ادا کرے جہاں وہ مقیم ہو؟ یا وہ اپنے گھر والوں سے یہ کہہ دے کہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دیں؟

جواب وہ یہ دیکھے کہ مستحقین زکوٰۃ کے لیے کون سی صورت بہتر ہے کیا یہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ اپنے ملک کے فقراء میں تقسیم کرے یا کسی اور دوسرے ملک میں جہاں فقراء موجود ہوں اور اگر یہ دونوں باتیں برابر ہوں تو پھر وہ اسی ملک میں اپنی زکوٰۃ تقسیم کر دے جہاں وہ مقیم ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں

سوال سبزیوں مثلاً ٹماٹر' آلو اور پیاز وغیرہ میں بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب تمام ایسے غلوں اور پھلوں میں زکوٰۃ واجب ہے جن کو تولا اور ذخیرہ کیا جاتا ہو لیکن سبزیوں میں مطلقاً زکوٰۃ واجب نہیں ہے' کیونکہ اس حدیث میں ہے جسے امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ» (سنن الدارقطني: ٢/ ٩٤، ح: ١٨٩٠)

"سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح روایت ہے نیز اثرم نے روایت کیا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عامل نے آپ کی طرف ایک ایسے باغ کے بارے میں لکھا جس میں اناروں کے بجائے سبزیوں سے آمدنی زیادہ تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ گھاس پھوس کے مانند ہیں۔" [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے وکیل مقرر کر دیجئے

سوال میرے پاس مصر میں کئی گائیں ہیں' کیا میں ان کی زکوٰۃ ادا کروں جبکہ میں یہاں عراق میں ہوں یا میں اپنے ملک میں واپسی تک کا انتظار کروں؟

جواب آپ پر واجب یہ ہے کہ جب بھی سال مکمل ہو آپ ان گائیوں کی زکوٰۃ ادا کر دیں اور اس بارے میں اپنی طرف سے کسی کو مصر میں اپنا وکیل مقرر کر دیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عمال کو بھیجا کرتے تھے [2] وہ لوگوں سے ان کی زکوٰۃ وصول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں قربانی کیے جانے والے جو اونٹ باقی رہ گئے تھے' انہیں ذبح کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کیا تھا۔ [3]

---

[1] دارقطنی: 94/2' حدیث: 1891-

[2] صحیح بخاری' الحج' باب یتصدق بجلود الھدی' حدیث: 1717, 1718 و صحیح مسلم' الحج' باب الصدقة بلحوم الھدایا ..... حدیث: 1317- [3] المصدر السابق-

آپ مصر میں کسی قابل اعتماد آدمی کو اپنا وکیل مقرر کر دیں جو آپ کے مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کر دے' واپسی تک زکوٰۃ کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ تاخیر میں مستحقین زکوٰۃ کی محرومی ہے اور پھر آپ کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ مصر واپسی سے پہلے کہیں موت ہی نہ آ جائے اور آپ کے وارث ادا نہ کریں تو یہ فرض آپ کے ذمہ باقی رہے گا۔ لہٰذا بھائی جان! زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کیجئے اور اس میں تاخیر نہ کیجئے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

غلہ پر زکوٰۃ

سوال میں نے بعض مزارعین سے کچھ غلہ لے کر جمع کر لیا تاکہ حال اور مستقبل میں وہ بچوں کی خوراک کے طور پر استعمال کیا جا سکے' تو کیا اس غلہ پر زکوٰۃ ہے؟

جواب یہ دانے اور اس طرح کی دیگر چیزیں جنہیں انسان اپنی ضرورت کے لیے جمع کرتا ہے ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ تو اس مال میں ہے جو تجارت کے لیے ہو یا سونے چاندی اور اس چیز میں زکوٰۃ ہے جو ان کے قائم مقام ہو مثلاً کرنسی نوٹ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان کے ساتھ کھانے پینے اور ضرورت کی دیگر اشیاء سے زکوٰۃ کو معاف کر دیا ہے۔ فللّٰہ الحمد والشکر علی ذلک۔

—— شیخ ابن باز ——

چار اونٹنیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے

سوال جب ایک شخص کے پاس چار اونٹنیاں ہوں اور سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے ایک اونٹنی ایک بچے کو جنم دے دے تو کیا اس سے اس سال کا نصاب پورا ہو جائے گا؟

جواب جب انسان کے پاس نصاب سے کم مال ہو مثلاً تیس بکریاں ہوں اور پھر اصل مال پر سال مکمل ہونے سے قبل پیدائش کی وجہ سے بکریوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے تو وہ سال کا آغاز اس دن سے شمار کرے جس دن نصاب پورا ہوا ہو' جمہور کا یہی مذہب ہے اور اسی کے مطابق عمل ہے۔

اس مسئلہ میں امام مالک کی رائے جمہور کے مخالف ہے وہ فرماتے ہیں کہ "پیدائش کی وجہ سے اگر دوران سال بکریوں کی تعداد چالیس ہو جائے اور سال کے باقی حصہ میں یہ تعداد باقی رہے تو ان میں سے ایک بکری بطور زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی کیونکہ پیدائش کا سال اصل مال کے سال کے تابع ہے لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے' مشہور قول اور جس کے مطابق عمل ہے' وہ یہ کہ چار اونٹنیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور سال کا آغاز اس وقت سے شمار ہو گا جب ان کی تعداد پانچ ہو جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

زکوٰۃ کی نیت سے قرض معاف کرنا

سوال جب میں نے بعض لوگوں کو قرض دیا ہو اور ان کے لیے واپس کرنا مشکل ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ میں اس قرض کو معاف کر کے اسے زکوٰۃ میں شمار کر لوں یا یہ جائز نہیں ہے؟

جواب جب کسی شخص پر آپ کا کوئی حق ہو تو یہ جائز نہیں کہ آپ اسے ساقط کر کے زکوٰۃ میں شمار کر لیں کیونکہ اس طرح آپ نے اپنا مال تو بچا لیا کہ وصول نہ ہونے والے مال کو اپنے مال کی زکوٰۃ سمجھ کر ساقط کر دیا اور وہ زکوٰۃ جس کی ادائیگی آپ کے ذمہ تھی' اسے آپ نے اپنا مال سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیا' لہٰذا یہ جائز نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا سونے کے قلم کی زکوٰۃ دی جائے گی؟

سوال مجھے کچھ سونے کے قلم بطور تحفہ ملے ہیں' ان کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ کیا ان قلموں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی یا نہیں؟ مستفید فرمائیے' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب صحیح ترین بات یہ ہے کہ مردوں کے لیے انہیں استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح:٥١٥١)

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔''

نیز سونے اور ریشم کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«هٰذَانِ حِلٌّ لِإِنَاثِ أُمَّتِي حَرَامٌ عَلٰى ذُكُورِهِمْ» (لم أجده بهذا اللفظ بل معناه في سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح:٥١٤٧ ـ ٥١٥٠ مختصرا وسنن ابن ماجه، اللباس، باب لبس الحرير والذهب للنساء، ح:٣٥٩٥ ـ ٣٥٩٧)

''یہ دونوں چیزیں میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ہیں۔''

جہاں تک ان کی زکوٰۃ کا تعلق ہے' اگر ان قلموں ہی کا وزن نصاب کے مطابق ہو یا سونے کی دیگر اشیاء کے ساتھ مل کر نصاب مکمل ہو جائے تو سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو گی' اسی طرح اگر اس کے پاس چاندی یا سامان تجارت ہو اور ان کے ملانے سے نصاب مکمل ہو جاتا ہو تو پھر بھی علماء کے صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ سونا چاندی گویا ایک چیز کی طرح ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر کا حکم اور مقدار

سوال کیا صدقۂ فطر واجب ہے یا سنت؟ نیز یہ کس پر واجب ہے؟

جواب صدقۂ فطر تمام مسلمانوں پر واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے سب پر فرض قرار دیا ہے۔ [1] اس کی مقدار کھانا، کھجور، جو، کشمش، پنیر وغیرہ کا ایک صاع ہے اور آپ نے حکم دیا ہے کہ اسے عیدالفطر کی نماز کی طرف نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے، یہ فریضۂ نبویہ ہے، رمضان کے اختتام پر اسے ادا کرنے کا حکم ہے تاکہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے روزہ پاک ہو جائے اور مسکینوں کو کھانا میسر آسکے اور وہ عید کے دن لوگوں سے مانگنے اور سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

صدقۂ فطر کن چیزوں سے؟

سوال کھانے کی وہ کون سی اشیاء ہیں جنہیں صدقۂ فطر کے طور پر دیا جا سکتا ہے؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ صدقۂ فطر پانچ چیزوں یعنی گندم، جو، کھجور، کشمش اور پنیر سے ادا کیا جائے۔ [2] بعض علماء محققین نے ذکر کیا ہے کہ ان پانچ اشیاء کا ذکر اس لیے آیا ہے کہ اس دور میں کھانے کے طور پر صرف یہی اشیاء مستعمل تھیں اور انہوں نے اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ ان کے علاوہ بھی اگر کوئی چیز کسی علاقے کی اکثر و بیشتر خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہو مثلاً چاول اور مکئی وغیرہ تو اسے بھی صدقۂ فطر کے طور پر دینا جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز عید سے قبل صدقہ ادا کرنا بھول جانا

سوال میں نے عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کے لیے تیار کیا تاکہ اسے ایک ایسے فقیر کو دے دوں جس کو میں جانتا تھا لیکن میں بھول گیا اور مجھے نماز میں یاد آیا اور میں نے نماز کے بعد ادا کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب کوئی حرج نہیں! سنت یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے پہلے ادا کیا جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے [3] لیکن جو آپ نے کیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں نماز کے بعد بھی صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا

---

[1] صحیح بخاری، الزکاۃ، باب صدقة الفطر، حدیث: 1503 - 1504 و صحیح مسلم، الزکاۃ، حدیث: 984۔

[2] صحیح بخاری، الزکاۃ، باب صدقة الفطر صاع من طعام، حدیث: 1506 و صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

[3] صحیح بخاری، الزکاۃ، باب صدقة الفطر، حدیث: 1503 - 1504 و صحیح مسلم، الزکاۃ، حدیث: 984۔

اگرچہ حدیث میں آیا ہے کہ یہ ایک عام صدقہ ہو گا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صدقہ ہو گا ہی نہیں' لہٰذا امید ہے کہ یہ مقبول ہو گا کیونکہ آپ نے اسے عمداً مؤخر نہیں کیا بلکہ بھول جانے کی وجہ سے مؤخر کیا ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا خطا ہو گئی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا۔"

اور نبی کریم ﷺ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا:

«يَقُولُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَعَلْتُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله . . . الخ، ح:١٢٦)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی اس دعا کو قبول فرما لیا ہے کہ وہ بھول چوک کی صورت میں ان سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

——— شیخ ابن باز ———

زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں تاخیر

سوال کیا یہ جائز ہے کہ انسان اپنے مال کی زکوٰۃ یا صدقہ فطر کو محفوظ رکھے تاکہ اسے کسی ایسے فقیر کو دے جو ابھی تک اس کے پاس نہیں آیا؟

جواب اگر مدت تھوڑی ہو اور زیادہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ زکوٰۃ کو محفوظ رکھیں اور اسے بعض فقیر رشتہ داروں کو یا ایسے فقیروں کو دے دیں جن کا فقر اور ضرورت شدید ہو لیکن یہ مدت زیادہ لمبی نہیں ہونی چاہیے لیکن یہ بات زکوٰۃ کے حوالہ سے ہے۔ جہاں تک صدقہ فطر کا تعلق ہے تو اسے مؤخر نہیں کرنا چاہیے بلکہ واجب ہے کہ اسے نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے'[1] ہاں البتہ عید سے ایک دو یا تین دن پہلے ادا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اسے نماز سے بعد تک مؤخر نہ کیا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

صدقہ فطر نقدی کی صورت میں ادا کرنا

سوال صدقہ فطر نقدی کی صورت میں ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیونکہ کچھ لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں؟

جواب کسی بھی مسلمان سے یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ دین حنیف اسلام کا سب سے اہم رکن' یہ گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لا الہ الا اللہ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ وحدہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کی جائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اس کا طریقہ سکھایا ہے۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ صدقہ فطر ادا کرنا ایک عبادت ہے اور عبادات کے بارے میں اصول یہ ہے کہ یہ توقیفی ہیں' لہٰذا کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی بھی عبادت شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے

[1] صحیح بخاری' الزکاۃ' باب صدقۃ الفطر' حدیث: 1503 - 1504 و صحیح مسلم' الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر' حدیث: 984-

طریقے کے بغیر ادا کرے کہ ان کے بارے میں خود رب کائنات نے یہ فرمایا ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ ﴾ (النجم ٥٣/ ٣۔٤)

"اور وہ (پیغمبر ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ (قرآن تو) وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔"

اور خود نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور . . . الخ، ح:٢٦٩٧)

"جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة . . . الخ، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے صدقۂ فطر کے بارے میں جو حکم دیا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ یہ کہ کھانے یا جو یا کھجور یا کشمش یا پنیر کا ایک صاع ہو' چنانچہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالأُنْثٰى، وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب صدقة الفطر، ١٥٠٣، ١٥٠٤ وصحيح مسلم، الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين . . . الخ، ح:٩٨٤)

"رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر غلام' آزاد' عورت' مرد' چھوٹے اور بڑے مسلمان پر فرض قرار دیا اور حکم دیا کہ اسے لوگوں کے نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔"

امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا:

«كُنَّا نُعْطِيهَا فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيبٍ ۔ وَفِي رِوَايَةٍ ۔ أَوْ صَاعًا مِّنْ أَقِطٍ» (صحيح البخاري، الزكاة، باب صاع من زبيب، ح:١٥٠٨ وصحيح مسلم، الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين . . . الخ، ح:٩٨٥)

"ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کھانے کا ایک صاع یا کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع یا کشمش کا ایک صاع بطور صدقۂ فطر ادا کیا کرتے تھے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کے بارے میں یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں خاص طور پر مدینہ کے معاشرہ میں دینار اور درہم بھی موجود تھے اور اس وقت یہی کرنسی مروج تھی لیکن صدقۂ فطر کے سلسلہ میں آپ نے دینار و درہم کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر انہیں صدقۂ فطر میں دینا جائز ہوتا تو آپ یہ ضرور بیان فرما دیتے' کیونکہ ضرورت کے وقت بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو صحابہ کرام دینار

و درہم کی صورت میں بھی ضرور صدقہ فطر ادا فرماتے۔ جانوروں کی زکوٰۃ میں کمی بیشی کو دینار و درہم سے پورا کرنے کے بارے میں جو آتا ہے تو یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے جسے ادا کرنا واجب ہو لیکن وہ موجود نہ ہو اور یہ بھی ان صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا احادیث میں ذکر آیا ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ عبادات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ توقیفی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں کسی صحابی کے بارے میں یہ علم نہیں کہ انہوں نے نقدی کی صورت میں صدقہ فطر ادا کیا ہو جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے بھی تھے اور سنت رسول کے مطابق عمل کرنے کا شوق بھی سب لوگوں سے زیادہ رکھتے تھے۔ اگر انہوں نے نقدی کی صورت میں صدقہ فطر ادا کیا ہوتا تو یہ بھی منقول ہوتا جس طرح ان کے امور شریعت سے متعلق دیگر اقوال و افعال منقول ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۲۱)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے (اے مسلمانو!) رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔" اور فرمایا:

﴿ وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۰)

"جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی' اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ایک طالب حق کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نقدی کی صورت میں صدقہ فطر ادا کرنا جائز نہیں ہے' لہٰذا جو شخص نقدی کی صورت میں صدقہ فطر ادا کرے گا تو اس کا یہ صدقہ ادا نہیں ہو گا کیونکہ اس کا یہ عمل مذکورہ ادلہ شرعیہ کے خلاف ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو اپنے دین میں فقاہت (سمجھ بوجھ) اور دین پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور ہر اس چیز سے بچائے جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔

انہ جواد کریم' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

———— شیخ ابن باز ————

صدقہ فطر اپنے شہر کے فقراء میں تقسیم کیا جائے

سوال کیا فطرانہ اپنے ہی شہر کے فقراء میں تقسیم کیا جائے یا دوسروں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ اگر ہم نے عید الفطر سے تین دن پہلے سفر کرنا ہو تو پھر کس طرح فطرانہ ادا کریں؟

جواب سنت یہ ہے کہ صدقہ فطر اپنے ہی شہر کے فقراء میں تقسیم کیا جائے اور یہ نماز عید سے پہلے' عید کے دن کی صبح تقسیم کر دیا جائے۔ عید سے ایک یا دو دن پہلے تقسیم کرنا بھی جائز ہے یعنی رمضان المبارک کی اٹھائیس تاریخ سے تقسیم کرنا شروع کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص عید سے ایک یا دو دن پہلے سفر کرے تو وہ اسی اسلامی ملک میں تقسیم کرے جہاں سفر کر

کے جا رہا ہو اور اگر وہ غیر اسلامی ملک ہو تو وہاں مسلمان فقراء کو تلاش کر کے ان میں تقسیم کر دے اور اگر سفر اس وقت شروع ہو جب صدقۂ فطر ادا کرنا جائز ہو تو پھر اپنے شہر ہی میں تقسیم کر دے کیونکہ مقصود فقیروں کی ہمدردی و خیر خواہی' ان کے ساتھ نیکی اور انہیں عید کے دن لوگوں سے مانگنے سے روکنا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

فقیہ شہر کے پاس صدقۂ فطر جمع کرانا

سوال ہم صدقۂ فطر اکٹھا کر کے فقیہ شہر کے پاس جمع کرا دیتے ہیں کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص روزہ رکھے اس کے لیے یہ واجب ہے کہ صدقۂ فطر فقیہ شہر کے پاس جمع کرائے' کیا ہمارا یہ موقف صحیح ہے؟

جواب اگر یہ فقیہ امین ہو اور فقراء میں صدقہ تقسیم کر دیتا ہو تو لوگوں کے لیے اس کے پاس اپنا فطرانہ جمع کرانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ یہ فقراء میں تقسیم کر دے لیکن فقیہ کے پاس عید سے ایک یا دو دن پہلے جمع کرانا چاہیئے تاکہ وہ اسے عید کے دن تقسیم کر دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

صدقۂ فطر فقراء ہی کو دیا جائے

سوال ایک شخص جو شہر سے دور کسی جنگل میں رہتا ہو اور اس کے پڑوسی درمیانی حیثیت کے ہوں' یعنی امیر نہ فقیر تو کیا وہ انہیں فطرانہ دے سکتا ہے؟

جواب فطرانہ کی فرضیت میں حکمت یہ ہے کہ عید کے دن فقراء کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے تو جو شخص فقیر نہ ہو وہ فطرانے کا مستحق نہیں ہے۔ اگر اپنے ماحول میں کوئی فقیر شخص نہ ہو تو فطرانہ کسی قریب ترین شہر کے فقراء میں تقسیم کے لیے بھیج دینا چاہیئے اور وہاں کسی کو اپنا نائب مقرر کر دینا چاہیئے جو صدقۂ فطر کو وقت مقررہ کے اندر اندر فقراء میں تقسیم کر دے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

باب ہفتم

کتاب الصِّیام

روزوں کے مسائل

رمضان کے روزوں اور قیام کی فضیلت

اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ، وَعَلٰی آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنِ اهْتَدٰی بِهُدَاهُ ـ أَمَّا بَعْدُ

یہ ایک مختصر سی نصیحت ہے جس کا تعلق رمضان کے صیام و قیام کی فضیلت اور اس مہینہ میں اعمال صالحہ میں سبقت کی فضیلت سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ ضروری احکام و مسائل بھی بیان کئے جائیں گے جن سے بعض لوگ ناواقف ہوتے ہیں۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کرام کو ماہ رمضان کی آمد کی بشارت سنایا کرتے اور انھیں یہ بتایا کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ جس میں رحمت اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں' چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

«إِذَا كَانَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَنَادٰى مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ»(جامع الترمذي، الصوم، باب ما جاء في فضل شهر رمضان، ح: ٦٨٢ وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في فضل شهر رمضان، ح: ١٦٤٢)

"جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو پابند زنجیر و سلاسل کر دیا جاتا ہے' اور جہنم کے (سارے) دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی دروازے کو بھی کھلا نہیں رہنے دیا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی دروازے کو بھی بند نہیں کیا جاتا اور ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ اے خیروبھلائی کے طلب گار! آگے بڑھ اور اے برائی کے خواست گار! اب تو رک جا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے لوگوں کو آزادی عطا فرماتا ہے اور ایسا رمضان میں ہر رات ہوتا ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ وَيُغْنِيكُمُ اللهُ فِيهِ، فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ وَيَحُطُّ الْخَطَايَا، وَيَسْتَجِيبُ فِيهِ الدُّعَاءَ، يَنْظُرُ اللهُ إِلٰى تَنَافُسِكُمْ وَيُبَاهِي بِكُمْ مَلَائِكَتَهُ، فَأَرُوا اللهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيهِ رَحْمَةَ اللهِ»(مجمع الزوائد: ٣/ ١٤٢ الصيام، باب في شهور البركة وفضل شهر رمضان، ح: ٤٨٨٣ وكنز العمال: ٢٣٦٩٢، باختلاف يسير)

''تمہارے پاس رمضان آیا ہے جو کہ برکت کا مہینہ ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اس مہینے میں اللہ تعالیٰ تمہیں (اپنی رحمت سے) غنی کرتا ہے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے' گناہوں کو معاف فرماتا اور دعا کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے' اللہ تعالیٰ اس مہینے میں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تمہارے ذوق شوق اور رغبت کو دیکھتا ہے اور اپنے فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے سو تم بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی طرف سے خیرو بھلائی کا مظاہرہ دکھا دو اور وہ شخص تو بڑا ہی بدبخت ہے جو اس مہینے میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہا۔''

آپ ﷺ یہ بھی فرماتے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، ح:٢٠١٤، وصلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ح:٢٠٠٩ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان ... الخ، ح:٧٥٩، ٧٦٠)

''جس نے ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جو ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کرے گا تو اس کے بھی سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس نے ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے بھی سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

آپ یہ بھی فرماتے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلاَّ الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَتْرُكُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»(صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم، ح:١٩٠٤ وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، ح:١٦١/ ١١٥١ بالفاظ مختلفة)

''ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزے کے اور روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اس نے میری وجہ سے اپنی شہوت اور کھانے پینے کو ترک کر دیا ہے۔ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب کے دیدار کے وقت' روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ اور اچھی ہے۔''

رمضان کے صیام و قیام اور عام روزے کی فضیلت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں لہٰذا ہر مومن کو چاہیئے اس فرصت کو غنیمت جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اسے رمضان سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمایا لہٰذا اسے چاہیئے کہ نیکیوں میں سبقت کا مظاہرہ کرے' برائیوں سے اجتناب کرے' فرائض ادا کرنے میں خوب کوشش کرے' خصوصاً نماز پنجگانہ کے بارے میں خوب خوب اہتمام کرے کیونکہ نماز اسلام کا ستون اور کلمہ طیبہ کے بعد سب سے عظیم فریضہ ہے لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت پر نماز کی حفاظت کرنا واجب ہے اور تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں خشوع و خضوع اور نہایت اطمینان و سکون سے ادا کیا جائے۔

مردوں کے حق میں نہایت اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ نماز کو باجماعت اللہ تعالیٰ کے ان گھروں میں ادا کیا جائے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بلند کئے جائیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٤٣)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ حَٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوَٰتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"(مسلمانو!) سب نمازیں' خصوصاً درمیانی نماز (نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَوٰةِ فَٰعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَٰنَٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَٰعُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْوَٰرِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿١١﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ١-١١)

"بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے۔ جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں' وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں' یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں (یعنی) جو بہشت کی میراث حاصل کریں (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز ہے' جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہے۔"

نماز کے بعد سب سے اہم فریضہ زکوٰۃ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾ ﴾ (البينة٩٨/ ٥)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (اور یک سو ہو کر) نماز پڑھیں اور

زکوٰۃ دیں اور یہی سچا دین ہے۔"

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اسے قیامت کے دن عذاب ہو گا۔

نماز اور زکوٰۃ کے بعد سب سے اہم فریضہ رمضان کے روزے ہیں۔ روزہ بھی اسلام کے ان ارکان خمسہ میں سے ایک ہے جن کا نبی ﷺ کی اس حدیث میں ذکر ہے' آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم، ح:٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ... الخ، ح:١٦)

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔"

مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے روزے کو ان اقوال و اعمال سے بچائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ روزے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کی جائے' اس کی محرمات کی تعظیم بجالائی جائے' نفس کے خلاف جہاد کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلہ میں اس (نفس) کی خواہشات کی مخالفت کی جائے' اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو حرام قرار دیا ہے ان پر صبر کا نفس کو عادی بنایا جائے کیونکہ روزے سے محض یہ مقصود نہیں ہے کہ کھانا پینا اور دیگر مفطرات کو ترک کر دیا جائے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ»(صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول: إني صائم، إذا شتم، ح:١٩٠٤ ومسند أحمد:٦/ ٢٤٤)

"روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کسی نے روزہ رکھا ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ شوروغوغا مچائے' اگر اسے کوئی گالی دے یا لڑائی جھگڑا کرے تو اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔"

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ، وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب من لم يدع قول الزور ... الخ، ح:١٩٠٣ وكتاب الأدب، ح:٦٠٥٧)

"جو شخص جھوٹی بات' اس کے مطابق عمل اور جہالت کو ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا ترک کرلے۔"

مذکورہ بالا اور دیگر نصوص سے یہ معلوم ہوا کہ روزے دار پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام قرار دیا ہے اور اس چیز کی حفاظت کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب قرار دیا ہے کیونکہ اسی عمل ہی سے مغفرت' جہنم سے آزادی اور صیام و قیام کی قبولیت کی امید کی جا سکے گی۔

کچھ امور جو بعض لوگوں کو معلوم نہیں

ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے روزہ رکھے۔ ریاکاری' شہرت' لوگوں کی تقلید یا محض اس وجہ سے روزہ نہ رکھے کہ اس کے گھر والے یا شہر والے چونکہ آج کل روزے رکھ رہے ہیں لہٰذا وہ بھی روزہ رکھ رہا ہے بلکہ روزہ اس لیے رکھنا چاہیئے کہ یہ ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنا فرض قرار دیا ہے لہٰذا وہ اس فرض کے ادا کرنے اور اپنے رب سے اس کے اجروثواب کو پانے کی امید سے روزہ رکھے' اسی طرح قیام رمضان بھی کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ ایمان و حصول ثواب کی نیت سے کرنا چاہیئے کیونکہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» (صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، ح:٢٠١٤، وصلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ح:٢٠٠٩ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان ... الخ، ح:٧٥٩، ٧٦٠)

"جو شخص بحالت ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے۔ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں' جو شخص بحالت ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جو شخص بحالت ایمان ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کرے اس کے بھی سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

وہ امور جن کا حکم بعض لوگوں سے مخفی ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روزے دار کو اگر کوئی زخم لگ جائے یا نکسیر پھوٹ جائے یا قے آ جائے یا غیر اختیاری طور پر حلق تک پانی وغیرہ چلا جائے تو ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا' ہاں البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قے کرے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلاَ قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ، فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ»(سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم يستقيء عامدا، ح:٢٣٨٠ وجامع الترمذي، ح:٧٢٠ وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الصائم يقيء، ح:١٦٧٦ واللفظ له)

"جسے خود بخود قے آ جائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو شخص جان بوجھ کر قے کرے اس پر قضاء لازم ہے۔"

بعض لوگوں سے اس مسئلہ کا حکم بھی مخفی ہے کہ بسااوقات روزے دار کے غسل جنابت میں طلوع فجر تک تاخیر ہو جاتی ہے یا بعض عورتوں کے غسل حیض و نفاس میں طلوع فجر تک تاخیر ہو جاتی ہے جب کہ وہ طلوع فجر سے قبل پاک ہو گئی ہوں تو اس صورت میں بھی ان کے لیے روزہ لازم ہو گا۔ طلوع فجر کے بعد تک غسل مؤخر ہونے میں کوئی حرج نہیں البتہ غسل میں طلوع آفتاب تک تاخیر نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ واجب ہے کہ وہ طلوع آفتاب سے پہلے پہلے غسل کر کے نماز پڑھ لیں۔ اسی طرح جنبی کو چاہیئے کہ وہ غسل میں اس قدر تاخیر نہ کرے کہ سورج طلوع ہو جائے بلکہ ضروری ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے غسل کر کے نماز فجر ادا کرے۔ مرد کو چاہیئے کہ وہ جلد از جلد غسل جنابت کرے تاکہ نماز فجر باجماعت ادا کر

سکے۔

وہ امور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (ان میں سے ایک) کیمیائی تجزیہ کے لیے خون نکالنا ہے' اسی طرح اس ٹیکے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا جو غذائی مقصد کے لیے نہ ہو لیکن زیادہ بہتری اور احتیاط اس میں ہے کہ ٹیکہ دن کی بجائے رات کو لگوالیا جائے بشرطیکہ ایسا ممکن ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلٰى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (صحيح البخاري، البيوع، باب تفسير الشبهات [تعليقا موقوفًا] وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل ... الخ، ح:٢٥١٨)

"اس کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

"جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔"

وہ امور جن کا حکم بعض لوگوں سے مخفی ہے' (ان میں سے ایک) نماز میں عدم اطمینان کا مسئلہ بھی ہے۔ نماز خواہ فرض ہو یا نفل' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اطمینان نماز کے ارکان میں سے ایک ایسا رکن ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اطمینان سے مراد یہ ہے کہ نماز نہایت آرام و سکون اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے اور عجلت (جلد بازی) کا مظاہرہ نہ کیا جائے بلکہ اس طرح سکون کے ساتھ نماز ادا کی جائے کہ ہر جوڑ اپنی جگہ واپس آ جائے۔ بہت سے لوگ رمضان میں نماز تراویح اس طرح پڑھتے ہیں کہ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ اور اطمینان و سکون کے بغیر اس طرح جلد جلد پڑھتے ہیں جس طرح ٹھونگیں مار رہے ہوں حالانکہ اس طرح نماز پڑھنا باطل ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے اور قطعاً کوئی ثواب نہیں ملتا۔

وہ امور جن کا حکم بعض لوگوں سے مخفی ہے (ان میں سے ایک یہ بھی ہے) کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعات سے کم پڑھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ بعض کا یہ گمان ہے کہ گیارہ یا تیرہ رکعات سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے یہ سب باتیں نامناسب' غلط اور دلائل کے خلاف ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رات کی نماز میں بہت گنجائش ہے۔ اس کی کوئی ایسی حد متعین نہیں ہے کہ جس کی مخالفت جائز نہ ہو بلکہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو گیارہ اور کبھی تیرہ رکعات پڑھتے [1] اور کبھی رمضان و غیر رمضان میں اس سے کم و بیش بھی پڑھتے تھے اور جب آپ ﷺ سے رات کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ، صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلّٰى»(صحيح البخاري، الوتر، باب ماجاء في الوتر، ح:٩٩٠ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنٰى مثنٰى ... الخ، ح:٧٤٩)

---

[1] صحیح بخاری' التهجد' باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باللیل فی رمضان' حدیث : 1147 و صحیح مسلم' صلاة المسافرین' باب صلاة اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ..... الخ' حدیث : 738۔

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب تم میں سے کسی کو یہ خدشہ ہو کہ صبح طلوع ہونے والی ہے تو وہ ایک رکعت پڑھ لے اس سے اس کی ساری پڑھی ہوئی نماز وتر ہو جائے گی۔"

رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز کی رکعات کی تعداد معین نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد اور بعض دیگر اوقات میں تئیس رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے گیارہ رکعات پڑھیں۔ یہ سب کچھ حضرت عمر فاروق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے عہد فاروقی میں ثابت ہے۔ بعض سلف رمضان میں چھتیس رکعات اور تین وتر پڑھتے اور بعض سے اکتالیس رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے' چنانچہ سلف کے حوالہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے "اس مسئلہ میں کافی گنجائش ہے۔" انہوں نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ "افضل یہ ہے کہ جس کی قراءت' رکوع اور سجود لمبے ہوں وہ تعداد کم کر دے اور جس کی قراءت' رکوع اور سجدے چھوٹے ہوں' وہ رکعات کی تعداد میں اضافہ کر لے۔" یہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم ہے۔

جو شخص اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر غور کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ سب سے افضل صورت یہ ہے کہ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھی جائیں کیونکہ اکثر و بیشتر حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا' نمازیوں کے لیے بھی اسی میں سہولت ہے اور خشوع و خضوع اور اطمینان و سکون بھی اسی میں زیادہ ہے اور اگر کوئی اس سے زیادہ رکعات پڑھنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

امام کے ساتھ قیام رمضان کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ امام کے ساتھ آخر تک قیام میں شرکت کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا قَامَ مَعَ الإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ» (سنن أبي داود، شهر رمضان، باب في قيام شهر رمضان، ح: ١٣٧٥ وجامع الترمذي، ح: ٨٠٦ وسنن النسائي، ح: ١٣٦٥ وسنن ابن ماجه، ح: ١٣٢٧ ومسند أحمد: ٥/ ١٥٩ واللفظ له)

"آدمی جب آخر تک امام کے ساتھ قیام کرے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے۔"

تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس مہینے میں تمام اقسام کی عبادات خوب محنت اور کوشش سے سرانجام دیں' زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کریں' تدبر اور غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں' کثرت کے ساتھ تسبیح' تہلیل' تحمید' تکبیر' استغفار اور شرعی دعائیں کریں' امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کا کام بھی خوب کریں' فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی و غم گساری کریں' والدین کی اطاعت و فرماں برداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں' صلہ رحمی' مہمان نوازی' مریض کی عیادت اور اس طرح کے نیکی کے دیگر کاموں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں کیونکہ مذکورہ بالا بیان کردہ حدیث میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی پڑھ آئے ہیں:

«يَنْظُرُ اللهُ إِلٰى تَنَافُسِكُمْ وَيُبَاهِي بِكُمْ مَلاَئِكَتَهُ، فَأَرُوا اللهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيهِ رَحْمَةَ اللهِ» (مجمع الزوائد: ٣/ ١٤٢، الصيام، باب في شهور البركة وفضل شهر رمضان، ح: ٤٨٨٣ وكنز العمال: ٢٣٦٩٢، باختلاف يسير)

اللہ تعالیٰ' (اس مہینے میں) نیکی اور بھلائی کے کاموں میں' تمہارے ذوق شوق اور رغبت کو دیکھتا ہے اور اپنے

فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے' سو تم بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی طرف سے خیروبھلائی کا مظاہرہ دکھا دو اور وہ شخص تو بڑا ہی بدبخت ہے جو اس مہینے میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہا۔"

اس مہینے میں نیکی و تقویٰ کے کاموں میں سبقت کا مظاہرہ اس لیے بھی ہونا چاہیئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ، كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدَّى فِيهِ فَرِيضَةً كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ»(صحيح ابن خزيمة، الصيام، باب فضائل شهر رمضان . . . الخ، ح:١٨٨٧)

"جو شخص اس مہینے میں کوئی نفل کام کرتا ہے تو اسے اس قدر ثواب ملتا ہے جیسے دوسرے مہینوں میں اس نے کوئی فرض سرانجام دیا ہو اور جو اس مہینے میں کوئی فرض سرانجام دیتا ہے تو اسے دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے بقدر ثواب ملتا ہے۔"

اسی طرح صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے:

«عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً أَوْ قَالَ حَجَّةً مَعِي»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٣ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ح:١٢٥٦)

"رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے یا آپ نے یہ فرمایا کہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔"

ایسی احادیث و آثار تو بہت ہی زیادہ ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حکم شریعت یہ ہے کہ اس ماہ مقدس میں نیکی و تقویٰ کے کاموں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں خوب خوب سبقت کا مظاہرہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہر اس کام کی توفیق عطا فرمائے جس میں اس کی رضا ہو۔ وہ ہمارے صیام و قیام کو شرف قبولیت سے نوازے' ہمارے حالات کی اصلاح فرمادے' ہمیں گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے! ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حکمرانوں کی اصلاح فرمائے اور حق پر ان سب کو جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ بے شک وہی قادر و کارساز ہے۔ والسلام علیکم ورحمة الله وبركاته!

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

الرئیس العام

لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

مہینے کی ابتداء و انتہاء اور رؤیت ہلال کے احکام

رمضان اور شوال کا چاند دیکھنا

سوال وہ کیا طریقہ ہے جس سے معلوم ہو کہ قمری مہینہ شروع ہو گیا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث اس امر پر دلالت کناں ہیں کہ جب ایک ثقہ آدمی غروب آفتاب کے بعد شعبان کی تیسویں رات کو اور دو ثقہ آدمی رمضان کی تیسویں رات کو چاند دیکھ لیں تو یہ رؤیت معتبر ہو گی اور اسی سے مہینے کا آغاز معلوم ہو جائے گا۔ اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ غروب آفتاب کے بعد چاند کتنے منٹ تک باقی رہا ہے یعنی بیس منٹ یا اس سے کم و بیش کیونکہ صحیح احادیث سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ غروب آفتاب کے کتنے منٹ بعد چاند غروب ہوا ہو تو نیا چاند نظر آتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اثبات ہلال کے لیے حساب پر اعتماد جائز نہیں

سوال بعض اسلامی ملکوں میں لوگ رمضان کے لیے چاند دیکھنے کی بجائے کیلنڈر پر اعتماد کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ "وہ چاند دیکھ کر روزے رکھیں اور چاند دیکھ کر ہی روزے چھوڑیں اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو مہینے کے تیس دن پورے کر لیں۔" [1]

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ، اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَخَنَسَ إِبْهَامَهُ فِي الثَّالِثَةِ وَقَالَ: اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ كُلِّهَا يَعْنِي بِذٰلِكَ أَنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَّعِشْرِينَ وَيَكُونُ ثَلاَثِينَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ "لا نكتب ولا نحسب" ح:١٩١٣، والطلاق، باب اللعان... الخ، ح:٥٣٠٢ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨٠)

"ہم ایک امی امت ہیں۔ ہم حساب کتاب نہیں جانتے۔ مہینہ اس طرح' اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کرتے وقت تیسری بار آپ نے انگوٹھے کو بند کر لیا تھا پھر فرمایا مہینہ اس طرح' اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے اور دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں سے اشارہ کیا اس سے مقصود یہ تھا کہ قمری مہینہ کبھی انتیس اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔"

---

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا رأیتم الهلال فصوموا ..... حدیث: 1909 و صحیح مسلم' الصیام' باب وجوب صوم رمضان لرؤیته ..... حدیث: 1081-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِينَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا ... الخ، ح:١٩٠٩ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨١)

"چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔" رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے۔

«لاَ تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ، وَلاَ تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا ... الخ، ح:١٩٠٦ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨٠)

"جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے نہ چھوڑو۔"

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رؤیت کے مطابق عمل واجب ہے اور عدم رؤیت کی صورت میں واجب ہے کہ مہینے کے تیس دن مکمل کر لیے جائیں۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چاند کے لیے اعتماد رؤیت پر کرنا چاہیئے کسی حساب وغیرہ پر نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اثبات ہلال کے لیے حساب پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے اور بے شک اس مسئلہ میں یہی بات حق ہے۔" واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

صوم و افطار رؤیت ہلال کے مطابق ہونا

اَلْحَمْدُ لله وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنِ اهْتَدٰى بِهُدَاهُ أَمَّا بَعْدُ:

بہت سے بھائیوں نے مجھ سے یہ سوال پوچھا ہے کہ روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں ریڈیو کے اعلان کے مطابق عمل کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ اس صحیح حدیث کے مطابق ہے کہ صُوْمُوْالِرُوِيَتِهِ وَأَفْطِرُوْالِرُؤْيَتِهِ کیا جب ایک اسلامی ملک میں عادل آدمی کی شہادت کے ساتھ رؤیت ثابت ہو جائے تو اس کے پڑوسی ملک کے لیے بھی اس کے مطابق عمل واجب ہے؟ اور اگر جواب اثبات میں ہو تو اس کی دلیل کیا ہے نیز کیا اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟

جواب ان تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ بہت سی سندوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ثابت ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ ثَلاَثِينَ» (صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال... الخ، ح:١٠٨٠)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر چھوڑ دو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن پورے کر لو۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاَثِينَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا . . . الخ، ح:١٩٠٧)

''پھر تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔''

ایک اور حدیث میں الفاظ ہیں:

«فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِينَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا . . . الخ، ح:١٩٠٩)

''پھر شعبان کی تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔''

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثُمَّ صُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ»(سنن أبي داود، الصيام، باب إذا أغمي الشهر، ح:٢٣٢٦ وسنن النسائي، ح:٢١٢٨)

''مہینے سے آگے نہ بڑھو حتیٰ کہ چاند دیکھ لو یا گنتی پوری کرلو اور جب چاند دیکھ لو یا گنتی پوری کرلو تو روزے رکھو۔''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اعتبار اس بات کا ہے کہ چاند دیکھ لیا جائے یا گنتی پوری کرلی جائے۔

اس مسئلہ میں حساب کتاب پر انحصار نہیں کیا جا سکتا اور یہی حق بات ہے' قابل اعتماد اہل علم کا اسی بات پر اجماع ہے۔ لیکن یاد رہے کہ احادیث سے مراد یہ نہیں کہ ہر ہر انسان خود چاند دیکھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ عادل شہادت کے ساتھ یہ ثابت ہو جائے کہ چاند نظر آگیا ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے:

«تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلاَلَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنِّي رَأَيْتُهُ، فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ»
(سنن أبي داود، الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، ح:٢٣٤٢)

''لوگوں نے جب (رمضان کا) چاند دیکھنے کی کوشش کی (تو مجھے نظر آگیا) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے تو آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس (رمضان) کے روزے رکھنے کا حکم دیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَتَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ نَعَمْ، قَالَ يَابِلاَلُ! أَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُومُوا غَدًا»(سنن أبي داود، الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، ح:٢٣٤٠ وجامع الترمذي، ح:٦٩١ وسنن نسائي، ح:٢١١٥ وسنن ابن ماجه، ح:١٦٥٢ وصحيح ابن خزيمة،

ح: ۱۹۲۳، ۱۹۲٤ وصحيح ابن حبان، ح: ۸۷۰)

"کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے جب اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا "بلال! لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ وہ کل کا روزہ رکھیں۔"

عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب سے روایت ہے کہ انہوں نے شک کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے پاس بیٹھا تھا اور میں نے ان سے پوچھا اور انہوں نے مجھے یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَانْسُكُوا لَهَا فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَتِمُّوا ثَلَاثِينَ وَإِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ مُسْلِمَانِ فَصُومُوا وَأَفْطِرُوا»(مسند أحمد: ٤/ ٣٢١ وسنن النسائي، الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد . . . الخ، ح: ٢١١٨)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو' اسے دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اسی کو دیکھ کر قربانی کرو' اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس (دن) پورے کر لو اور اگر دو مسلمان گواہ (چاند دیکھنے کی) گواہی دے دیں تو روزہ رکھو اور افطار کر دو۔"

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور نسائی نے بھی مگر نسائی کی روایت میں "مسلمان" کا لفظ نہیں ہے۔ امیر مکہ حارث بن حاطب سے روایت ہے:

«عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نَنْسُكَ لِلرُّؤْيَةِ، فَإِنْ لَّمْ نَرَهُ وَشَهِدَ شَاهِدَا عَدْلٍ نَسَكْنَا بِشَهَادَتِهِمَا»(سنن أبي داود، الصيام، باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال، ح:٢٣٣٨ وسنن الدارقطني: ٢/ ١٦٧، ح: ٢١٧٢)

"رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم حج اور قربانی رؤیت (ہلال) کے مطابق سرانجام دیں اور اگر ہم نے چاند نہ دیکھا ہو اور دو عادل گواہ (چاند دیکھنے کی) گواہی دے دیں تو ہم ان کی گواہی کے مطابق حج اور قربانی کریں۔"

یہ اور اس کے ہم معنی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے ایک عادل شاہد کی گواہی کافی ہے لیکن رمضان کے اختتام اور دیگر مہینوں کے لیے دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے اور اسی طرح ہی اس مسئلہ میں وارد مختلف احادیث میں تطبیق ممکن ہو گی۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور یہی حق ہے کیونکہ دلائل سے یہی واضح ہوتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رؤیت سے مراد چاند کا شرعی طریقے سے ثبوت ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شخص خود چاند دیکھے۔ جب کوئی ایسا مسلمان ملک جس میں شریعت کے مطابق فیصلہ ہوتا ہو (مثلاً سعودی عرب) یہ اعلان کرے کہ رمضان یا شوال یا ذوالحج کا چاند نظر آ گیا ہے تو تمام رعایا کے لیے یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس اعلان کی پابندی کرے' بلکہ اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت کے نزدیک دیگر تمام مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پابندی فرض ہو جاتی ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ لَيْلَةً فَلَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا . . . الخ، ح: ١٩٠٧)

"مہینہ انتیس کا ہوتا ہے' لہٰذا اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک چاند کو دیکھ نہ لو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو

تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔" اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ» (صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح: ١٠٨٠)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر چھوڑ دو۔ اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن کا اندازہ پورا کر لو۔"

اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے:

«فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمُ الشَّهْرُ، فَعُدُّوا ثَلَاثِينَ»(صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح: ١٠٨١)

"اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے تمہیں مہینے (کے اختتام) کا پتہ نہ چل سکے تو پھر (وہ مہینہ) تیس (دنوں کا) شمار کرو۔"

یہ احادیث اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ساری امت کے لیے ہے۔ امام نووی نے "شرح المهذب" میں امام ابن منذر سے نقل کیا ہے کہ لیث بن سعد' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ امام مدینہ و کوفہ یعنی امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

اہل علم کی ایک اور جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مطالع ایک ہوں اور اختلاف مطالع کی صورت میں ہر اہل مطلع کے لیے ان کی اپنی اپنی رؤیت کا اعتبار ہو گا۔ اس قول کو امام ترمذی نے اہل علم سے روایت کیا ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے پاس کریب' شام سے مدینہ میں' رمضان کے آخر میں آئے تو انہوں نے بتایا کہ شام میں جمعہ کی رات چاند نظر آیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں نے روزہ رکھا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لیکن ہم نے تو چاند ہفتہ کی رات دیکھا ہے لہٰذا ہم تو روزے رکھتے رہیں گے حتیٰ کہ (شوال کا) چاند دیکھ لیں یا گنتی پوری کر لیں۔ میں نے عرض کیا' کیا آپ معاویہ کی رؤیت اور ان کے روزہ رکھنے پر اعتماد نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا ہے۔ [1] ان اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت کو عام نہیں سمجھتے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اہل بلد کے لیے ان کی اپنی رؤیت ہے جبکہ مطالع مختلف ہوں۔ ان اہل علم کا یہ بھی کہنا ہے کہ مدینہ کا مطلع' شام کے مطلع سے مختلف ہے جب کہ بعض دیگر اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل شام کی رؤیت کے مطابق شاید اس لیے عمل نہ کیا ہو کہ اس کی شہادت کریب ہی نے دی تھی اور رمضان کے اختتام کے لیے ایک گواہ کی گواہی کے مطابق عمل نہیں کیا جا سکتا ہاں البتہ رمضان کے آغاز کے لیے ایک گواہ کی گواہی کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے۔

یہ مسئلہ سعودی عرب کی مجلس کبار علماء کے اجلاس دوم منعقدہ شعبان ۱۳۹۲ھ میں بھی پیش کیا گیا تو ان علماء کی رائے یہ تھی کہ اس مسئلہ میں راجح بات یہ ہے کہ اس میں کافی گنجائش ہے' اپنے ملک کے علماء کی رائے کے مطابق ان اقوال سے اگر کسی ایک کے مطابق عمل کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔ میری رائے میں یہ ایک معتدل رائے ہے اور اس سے اہل علم کے

---

[1] صحیح مسلم' الصیام' باب بیان ان لکل بلد رؤیتهم ..... الخ' حدیث: 1087۔

مختلف اقوال و دلائل میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہر ملک کے اہل علم پر بھی یہ واجب ہے کہ ماہ کے آغاز و اختتام کے موقع پر اس مسئلہ کی طرف خصوصی توجہ مبذول کریں اور اس ایک بات پر متفق ہو جائیں جو ان کے اجتہاد کے مطابق حق کے زیادہ قریب ہو پھر اسی کے مطابق عمل کریں اور لوگوں تک بھی اپنی بات پہنچا دیں' ان کے ملک کے حکمرانوں اور عام مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ اس سلسلہ میں اپنے علماء کی پیروی کریں اور اس مسئلہ میں اختلاف نہ کریں کیونکہ اس سے لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور کثرت سے قیل و قال ہونے لگے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب ملک غیر اسلامی ہو اور اگر اسلامی ملک ہو تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ اپنے اہل علم کی بات پر اعتماد کرے اور علماء کی رائے کے مطابق رمضان کے آغاز و اختتام کی اپنے عوام سے پابندی کروائے تاکہ مذکورہ بالا احادیث پر عمل ہو سکے' فرض کو ادا کیا جا سکے اور رعایا کو ان امور سے بچایا جا سکے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حرام قرار دیئے ہیں اور سبھی جانتے ہیں کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ سلطان سے وہ کام لے لیتے ہیں جو قرآن سے نہیں لیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ہمیں دین میں فقاہت اور ثابت قدمی نصیب ہو' دین کے مطابق ہی ہم فیصلہ کریں' دین ہی کی طرف تنازعات کے حل کے لیے رجوع کریں اور دین کی مخالفت سے اجتناب کریں۔ انه جواد كريم وصلى الله وسلم على عبده ورسوله' نبينا محمد وآله وصحبه۔

———— شیخ ابن باز ————

اثبات ہلال' رؤیت سے ہونا چاہیئے فلکیات کے حساب سے نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہُ وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ لاَّ نَبِیَّ بَعْدَہُ ۔ أَمَّا بَعْدُ

اسلامی فقہی کونسل نے اپنے اجلاس چہارم میں جو کہ سیکرٹریٹ رابطہٴ عالم اسلام مکہ مکرمہ میں ۷ سے ۱۷ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ تک منعقد ہوا' جمعیت دعوت اسلامیہ سنگاپور کے خطبہ مورخہ ۱۶ شوال ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۷۹ء پر غور کیا جو کہ سنگاپور میں سعودی عرب کے سفیر کو بھیجا گیا تھا اور جس میں لکھا تھا' سنگاپور کی اس جمعیت اور وہاں کی اسلامی کونسل کے درمیان ۱۳۹۹ء بمطابق ۱۹۷۹ء کے رمضان کے ابتداء اور اختتام کے بارے میں اختلاف ہوا۔ جمعیت کی رائے میں ماہ رمضان کی ابتدا و انتہاء ادلہ شرعیہ کے عموم کے مطابق شرعی رؤیت کے مطابق ہونی چاہیئے جب کہ سنگاپور کی اسلامی کونسل کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی ابتدا و انتہا فلکیات کے حساب کے مطابق ہونی چاہیئے' کیونکہ اس وقت ایشیا کے ممالک کا مطلع عموماً اور سنگاپور کا مطلع خصوصاً ابر آلود تھا لہٰذا اکثر ممالک میں رؤیت کے مقامات ابر آلود ہونے کی وجہ سے یہ ایک ایسا عذر ہے کہ جس کی وجہ سے فلکیات کے حساب پر انحصار کے بغیر چارہٴ کار نہیں۔

اسلامی فقہی کونسل کے ارکان نے نصوص شرعیہ کی روشنی میں اس موضوع کا خوب مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کی روشنی میں جمعیت دعوت اسلامی کی تائید کی' کیونکہ اس موقف کی تائید میں ادلہ شرعیہ واضح طور پر دلالت کناں ہیں۔

اسلامی فقہی کونسل کی یہ بھی رائے ہے کہ سنگاپور اور ایشیا کے بعض دیگر ممالک جہاں عموماً مطلع ابر آلود ہوتا ہے اور ان جیسے علاقوں میں مسلمانوں کے لیے چاند کو دیکھنا ممکن نہیں ہوتا' انہیں چاہیئے کہ اس سلسلہ میں ان اسلامی ملکوں پر اعتماد

کر لیں جو چاند کے سلسلہ میں کسی حساب کے بجائے صرف اور صرف رؤیت بصری پر انحصار کرتے ہیں تاکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو سکے:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمُ الشَّهْرُ، فَعُدُّوا ثَلاَثِينَ» (صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا الخ، ح:١٩٠٩ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨١ واللفظ له)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر چھوڑو اور اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے مہینے کا پتہ نہ چل سکتا تو (وہ مہینہ) تیس (دنوں کا) شمار کرو۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ، وَلاَ تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا ... الخ ح:١٩٠٦ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨٠)

"روزہ نہ رکھو حتیٰ کہ چاند دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو حتیٰ کہ چاند دیکھ لو۔"

نیز اس مضمون کی دیگر احادیث کا بھی یہی تقاضا ہے۔

ایک ملک کی رؤیت ہلال تمام ممالک کے لیے لازم نہیں ہے

سوال رمضان اور شوال کے چاند اسلامی ملکوں میں مختلف دنوں میں نظر آتے ہیں۔ کیا کسی ایک ملک میں چاند نظر آنے پر تمام مسلمانوں کو روزہ رکھنا چاہیئے؟

جواب رؤیت ہلال کے مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ کچھ اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی بھی جگہ رمضان کے چاند کی شرعی طریقے سے رؤیت ثابت ہو جائے تو تمام مسلمانوں کے لیے روزہ رکھنا لازم ہو جاتا ہے اور اگر اسی طرح کسی بھی جگہ شوال کے چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے تو تمام مسلمانوں کے لیے روزہ چھوڑنا لازم ہو جاتا ہے۔ امام احمد کے مذہب میں مشہور قول یہی ہے۔ اس قول کے مطابق اگر مثلاً سعودی عرب میں چاند نظر آ جائے تو دنیا بھر کے تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ وہ رمضان اور شوال کے احکام اس رؤیت کے مطابق ادا کریں۔ اس سلسلہ میں استدلال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

"سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو تو اسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔"

اور نبی ﷺ کے ارشاد:

«إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا»(صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقال رمضان ... الخ، ح:١٩٠٠ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨٠)

"جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو روزہ رکھنا چھوڑ دو" کے عموم سے ہے۔

بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ رمضان کے روزے اور شوال کی عید کے احکام ان لوگوں کے لیے واجب ہوں گے جو خود چاند دیکھ لیں یا چاند دیکھنے والوں کا مطلع ایک ہو' کیونکہ اہل معرفت کا اتفاق ہے کہ ہلال کے مطالع مختلف ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہر ملک اپنی رؤیت کے مطابق عمل کرے اور اس رؤیت کے مطابق عمل ان ملکوں کے لیے بھی واجب ہو گا جن کا مطلع اس کے مطابق ہو۔ اور جن ممالک کا مطلع اس کے مطابق نہ ہو گا وہ اس کے تابع نہ ہوں گے۔ یہ قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے۔ آپ کا استدلال بھی اسی آیت اور اسی حدیث ہی سے ہے جس سے پہلے گروہ نے استدلال کیا ہے لیکن وجہ استدلال مختلف ہے اور وہ یہ کہ اس آیت میں حکم کو شاہد اور حدیث میں رائی (دیکھنے والے) کے ساتھ معلق کیا گیا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو شاہد اور رائی نہ ہو اس کے لیے حکم لازم نہ ہو گا..... اس قول کے مطابق مطالع مختلف ہونے کی صورت میں محض عموم کی وجہ سے احکام ہلال ثابت نہ ہوں گے۔ بلاشبہ استدلال کے اعتبار سے یہی قول قوی ہے اور نظر و قیاس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان کے اٹھائیس روزے

سوال کیا ماہ رمضان کے صرف اٹھائیس روزے رکھنا بھی جائز ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور مستفیض (مشہور) احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مہینہ انتیس دن سے کم نہیں ہوتا اور اگر رمضان المبارک کے اٹھائیس روزے رکھنے کے بعد شرعی شہادت کے ساتھ شوال کا آغاز ثابت ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رمضان کا ایک روزہ رہ گیا ہے لہٰذا اس ایک روزے کی قضا لازم ہو گی' کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ قمری مہینہ اٹھائیس دن کا ہو' یقیناً یہ مہینہ انتیس یا تیس دن کا ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا ہم اکتیس روزے رکھیں

سوال اگر ہم نے سعودی عرب میں رمضان کے روزے رکھنے شروع کئے ہوں اور پھر ہم نے مشرقی ایشیا کے اپنے ممالک کی طرف سفر شروع کر لیا ہو جہاں عام طور پر قمری مہینہ سعودیہ سے ایک دن پیچھے ہوتا ہے تو کیا اس صورت میں ہم اکتیس روزے رکھیں؟

جواب اگر تم نے سعودیہ وغیرہ میں روزے رکھنے شروع کئے اور پھر باقی روزے اپنے ملکوں میں جا کر رکھے تو باقی روزوں کے سلسلہ میں اپنے ممالک کے لوگوں کے ساتھ ہی روزے رکھو اور ان کے ساتھ ہی چھوڑو خواہ اس طرح روزوں کی تعداد تیس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ»(جامع الترمذي، الصوم، باب ما جاء أن الصوم يوم تصومون ... الخ، ح:٦٩٧)

"روزے کا وہ دن ہے جس میں تم سب روزہ رکھتے ہو اور افطار کا وہ دن ہے جس میں تم سب روزہ نہیں رکھتے۔"

اور اگر اس صورت میں روزے انتیس نہ ہوں تو انتیس کی تعداد پوری کرنی ضروری ہو گی کیونکہ قمری مہینہ انتیس دن سے کم نہیں ہوتا۔

———— شیخ ابن باز ————

رمضان کے ہمیشہ تیس روزے رکھنا

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو ہمیشہ رمضان کے تیس روزے ہی رکھتے ہیں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور متواتر احادیث اور حضرات صحابہ کرام' تابعین عظام اور علماء امت کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ قمری مہینہ کبھی تیس اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے لہٰذا جو شخص چاند کا اعتبار کئے بغیر ہمیشہ تیس روزے ہی رکھتا ہے تو اس کا یہ عمل نہ صرف سنت اور اجماع کے مخالف ہے بلکہ یہ دین میں ایک ایسی نئی بدعت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ﴾ (الأعراف۷/ ۳)

"(لوگو!) تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور رفیقوں کے پیچھے مت چلو۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ﴾ (آل عمران۳/ ۳۱)

"(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٧﴾ ﴾
(الحشر۵۹/ ۷)

"جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء۴/ ۱۳-۱۴)

"یہ (احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا اللہ اس کو ایسے

باغات میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (یہ) بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہو گی۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں' چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا . . . الخ، ح:١٩٠٦ وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال. . .الخ، ح:١٠٨٠)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر چھوڑ دو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو اس کے لیے اندازہ کر لو۔"

اور "صحیح مسلم" کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«فَاقْدُرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ»(صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال . . . الخ، ح:١٠٨٠)

"تیس کا اندازہ پورا کر لو۔"

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ»(صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال . . . الخ، ح:١٠٨٠)

"جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو' اور جب تم اسے دیکھو تو افطار کرو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو اس کے لیے اندازہ کر لو۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«فَعُدُّوا ثَلَاثِينَ»(صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال . . . الخ، ح:١٠٨١)

"تو تیس دن شمار کرو۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُم فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ» (صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال . . . الخ، ح:١٩٠٩)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور (عید کا) چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن مکمل کرو۔" اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا . . . الخ، ح:١٩٠٧)

"پھر تیس کی گنتی پوری کر لو۔"

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«فَصُومُوا ثَلاَثِينَ يَوْمًا»(صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ... الخ، ح:١٠٨١)

"تو تیس دن کے روزے رکھو۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثُمَّ صُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ أَوْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ»(سنن أبي داود، الصيام، باب إذا أغمي الشهر، ح:٢٣٢٦ وسنن النسائي، ح:٢١٢٨)

"روزہ رکھنے کے لیے پیش قدمی نہ کرو حتی کہ چاند دیکھ لو یا (شعبان کی) گنتی پوری کر لو پھر روزہ رکھو حتی کہ (شوال کا) چاند دیکھ لو یا (رمضان کی) گنتی پوری کر لو۔"

اور بہت سی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے:

«اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ فَلاَ تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاَثِينَ»

(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا ... الخ، ح:١٩٠٧)

"مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے لہٰذا روزہ نہ رکھو حتیٰ کہ چاند دیکھ لو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس کی گنتی مکمل کر لو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: "مہینہ اس طرح' اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے' آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے تیسری مرتبہ انگوٹھے کو بند کر لیا اور پھر فرمایا کہ مہینہ اس طرح' اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے آپ نے سب انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور اس طرح گویا آپ نے اشارہ یہ فرمایا کہ مہینہ کبھی انتیس اور کبھی تیس دنوں کا ہوتا ہے۔" [1]

اہل علم و ایمان یعنی حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام نے ان احادیث صحیحہ کو قبول کیا' ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور انہی کے مطابق عمل کیا ہے۔ وہ شعبان' رمضان اور شوال کے چاندوں کو دیکھتے اور مہینے کے تمام یا کم ہونے کے بارے میں جو شہادت سے ثابت ہوتا' اسی کے مطابق کرتے تھے لہٰذا تمام مسلمانوں پر بھی یہی واجب ہے کہ وہ اسی سچے اور صحیح انداز کو اختیار کریں اور اس کے خلاف لوگوں کی جو آراء ہیں یا انہوں نے جو بدعات ایجاد کر لی ہیں' ان کو چھوڑ دیں کیونکہ وہ صرف اسی سے اس سلک مروارید میں داخل ہو سکتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے جنت اور اپنی رضا کا وعدہ فرما رکھا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝١٠٠﴾ (التوبة٩/ ١٠٠)

---

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب ولا نحسب ..... الخ' حدیث: 1913 و صحیح مسلم' الصیام باب وجوب صوم رمضان لرؤیہ الهلال ..... الخ' حدیث: 1080۔

"وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان قبول کرنے میں سبقت کی نیز وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہیں اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

رمضان کے آغاز کا طلوع فجر کے بعد علم ہوا

سوال اس شخص کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے جسے نیند وغیرہ کی وجہ سے رمضان کے آغاز کا طلوع فجر کے بعد علم ہوا؟

جواب جس شخص کو طلوع فجر کے بعد رمضان کے آغاز کا علم ہوا ہو تو اسے چاہیئے کہ دن کے باقی حصہ میں ان چیزوں کے استعمال سے رک جائے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ دن رمضان کا دن ہے اور کسی مقیم اور صحیح آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ دن کو کوئی ایسی چیز استعمال کرے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اسے اس دن کے روزہ کی قضا دینا ہوگی کیونکہ اس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی تھی اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَّمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلاَ صِيَامَ لَهُ»(سنن النسائي، الصيام، باب ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة في ذلك، ح: ٢٣٣٣)

"جو شخص فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کرے' اس کا روزہ نہیں ہے۔"

اس حدیث کو موفق ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی" میں نقل کیا ہے اور اکثر فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ یاد رہے اس روزے سے مراد فرض روزہ ہے کیونکہ نفل روزہ کی نیت تو دن کو بھی جائز ہے بشرطیکہ طلوع فجر کے بعد کوئی ایسی چیز استعمال نہ کی ہو جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صیام و قیام کو شرف قبولیت سے نوازے۔ انہ سمیع قریب۔

—— شیخ ابن باز ——

روزہ اس ملک کی رؤیت کے مطابق ہوگا جس میں آپ مقیم ہوں

سوال جب یہ ثابت ہو جائے کہ کسی اسلامی ملک مثلاً سعودی عرب میں رمضان کا آغاز ہو گیا ہے اور اس کا باقاعدہ اعلان بھی کر دیا گیا ہو لیکن جس ملک میں کوئی آدمی مقیم ہو وہاں ابھی رمضان کے آغاز کا اعلان نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا سعودی عرب میں رمضان کے آغاز کی وجہ سے ہم بھی روزے رکھنا شروع کر دیں یا اس ملک کے مطابق رمضان کا آغاز و اختتام کریں جہاں مقیم ہوں؟ اور اسی طرح عید کا پروگرام بھی اسی ملک کے مطابق ہی بنائیں یعنی جب دونوں ملکوں میں چاند کی تاریخیں مختلف ہوں تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ عنا و عن المسلمین خیر الجزاء۔

جواب مسلمان کو چاہیئے کہ وہ روزہ اور عید کو اس ملک کے مطابق سرانجام دے جہاں وہ مقیم ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّونَ»(جامع الترمذي، الصوم، باب ما جاء أن الصوم يوم تصومون ... الخ، ح:٦٩٧)

"روزے کا وہ دن ہے جس دن تم روزہ رکھتے ہو اور افطار کا وہ دن ہے جس میں تم روزہ نہیں رکھتے اور عیدالاضحیٰ کا وہ دن ہے جس میں تم قربانیاں کرتے ہو۔" وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

فرضیت روزہ کی عمر

بالغ پر روزہ فرض ہے

سوال میں تیئیس سال کی عمر کا ایک جوان ہوں۔ میری عمر تقریباً پندرہ سال تھی جب میرے والد صاحب نے مجھے روزہ رکھنے کی تلقین کی۔ اس وقت میں کبھی روزہ رکھ لیتا تھا اور کبھی چھوڑ دیتا تھا کیونکہ اس وقت میں روزے کے حقیقی معنی و مفہوم سے آشنا نہیں تھا لیکن بالغ ہونے اور روزہ کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہونے کے بعد میں نے ہر رمضان کے روزے رکھنا شروع کر دیئے تھے اور پھر کبھی ایک روزہ بھی ترک نہیں کیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر گزشتہ سالوں کے ان روزوں کی قضا واجب ہے جو میں نے نہیں رکھے تھے' یاد رہے میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں باقاعدہ روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے؟

جواب جب انسان کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو وہ شرعی احکام کا مکلف ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عمر بلوغت کی عمر ہے' لہٰذا سائل نے بالغ ہونے کے بعد جو روزے ترک کئے ہیں ان کی قضا لازم ہے۔ روزہ کی حکمت سے ناواقفیت ترک روزہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی' لہٰذا اسے چاہیئے کہ جو روزے اس نے رکھے نہیں یا رکھ کر پورے نہیں کیے تو ان کی قضا بھی دے اور کفارہ بھی یعنی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور اگر ان روزوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو جو اس نے نہیں رکھے تو احتیاط کے ساتھ اتنے دن روزے رکھ لے کہ یقین ہو جائے کہ اس نے اپنے ذمہ روزوں کی قضا کو پورا کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تیرہ سال عمر کی لڑکی نے روزے نہیں رکھے

سوال ایک لڑکی نے' جس کی عمر بارہ یا تیرہ سال ہے' رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھے تو کیا اسے یا اس کے گھر والوں کو کوئی کفارہ دینا چاہیئے؟ اور اگر وہ روزے رکھ لے تو کیا پھر بھی کوئی کفارہ ہے؟

جواب عورت اسلام' عقل اور بلوغت کی شروط کے ساتھ مکلف قرار پاتی ہے اور بلوغت کی علامت حیض یا احتلام یا شرم گاہ کے اردگرد سخت کھردرے بالوں کا اگنا ہے یا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جانا ہے۔ اگر اس لڑکی میں یہ شروط موجود ہیں تو اس پر روزہ واجب ہے اور جو روزے نہیں رکھے ان کی قضا لازم ہے اور اگر ان میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو تو وہ مکلف (احکام شریعت کی پابند) ہو گی نہ اس پر کوئی کفارہ ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وجوب روزہ کی عمر

سوال لڑکی پر روزہ کب فرض ہوتا ہے؟

جواب لڑکی پر روزہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب وہ شرعی امور کی مکلف ہونے کی عمر کو پہنچ جائے یعنی جب اس کی عمر پندرہ سال ہو جائے یا اس کی شرم گاہ کے گرد کھردرے بال اگ آئیں یا انزال منی یا حیض یا حمل ہو جائے۔ جب ان میں سے کوئی چیز موجود ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا لازم ہو گا' خواہ اس کی عمر دس سال ہو۔ بہت سی لڑکیاں دس یا گیارہ سال کی عمر ہی میں حیض آنے کی وجہ سے بالغ ہو جاتی ہیں مگر ان کے گھر والے تساہل سے کام لیتے اور سمجھتے ہیں کہ لڑکی ابھی چھوٹی ہے لہذا وہ اسے روزے نہیں رکھنے دیتے تو یہ غلطی ہے کیونکہ لڑکی کو جب حیض آنا شروع ہو جائے تو وہ بالغ اور شرعی احکام کی مکلف ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

روزہ کے فوائد و آداب اور تارک اور کاہل نماز کا روزہ

روزے کے معاشرتی فوائد

سوال کیا روزے کا کوئی معاشرتی فائدہ بھی ہے؟

جواب ہاں روزے کے بہت سے معاشرتی فائدے ہیں' مثلاً اس سے مسلمانوں میں یہ شعور اجاگر ہوتا ہے کہ وہ سب ایک ہی امت کے افراد ہیں سب ایک ہی وقت میں کھاتے اور ایک ہی وقت میں روزے رکھتے ہیں۔ دولت مند اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے فقیروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ رمضان میں اولاد آدم کے لیے شیطان کی دسیسہ کاریوں میں بھی بہت کمی واقع ہو جاتی ہے۔ روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ معاشرہ کے افراد میں الفت و محبت اور اخوت کے جذبات پروان چڑھتے ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

روزے دار کے کرنے کے کام

سوال روزے دار کو کیا کام کرنے چاہئیں یعنی اس کے لیے کون سے کام واجب ہیں؟

جواب روزہ دار کو چاہیے کہ وہ اطاعت الٰہی کے کام کثرت سے بجالائے اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے' جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ واجبات کی پابندی کرے۔ محرمات سے بچے۔ نماز پنجگانہ بروقت باجماعت ادا کرے۔ جھوٹ' غیبت' دھوکا' سودی معاملات اور ہر اس قول و فعل سے اجتناب کرے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ، وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب من لم يدع قول الزور ... الخ، ح:١٩٠٣، وكتاب الأدب، ح:٦٠٥٧)

"جو شخص جھوٹی بات' اس کے مطابق عمل اور جہالت کو ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔"

———— شیخ ابن عثیمین ————

افطاری میں اسراف

سوال افطاری کے کھانوں کی تیاری میں اگر اسراف سے کام لیا جائے تو کیا اس سے روزے کا ثواب کم ہو جاتا ہے؟

جواب نہیں اس سے روزے کا ثواب کم نہیں ہوتا۔ روزہ ختم ہونے کے بعد اگر کسی حرام کام کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے بھی روزے کا ثواب کم نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ افطاری میں اسراف حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں داخل ہے:

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٣١)

"اور کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

لہٰذا اسراف بجائے خود ممنوع ہے جب کہ کھانے پینے میں اعتدال اختیار کرنا تو نصف معیشت ہے۔ اگر کسی کے پاس رزق کی فراوانی ہو تو اسے چاہیئے کہ اسراف کے بجائے صدقہ کر دے کیونکہ یہ ایک افضل عمل ہے۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

جو شخص روزہ تو رکھتا ہے لیکن نماز میں سستی کرتا ہے

سوال بعض نوجوان (اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے) رمضان وغیرہ میں نماز میں تو سستی کرتے ہیں لیکن رمضان کے روزے بہت اہتمام سے رکھتے اور بھوک پیاس کو برداشت کرتے ہیں۔ آپ انہیں کیا نصیحت فرمائیں گے؟ ایسے نوجوانوں کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب میری ان نوجوانوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ اپنے بارے میں تھوڑا سا غور کریں اور اس حقیقت کو خوب جان لیں کہ نماز شہادتین کے بعد اسلام کا سب سے اہم رکن ہے۔ جو شخص نماز نہ پڑھے اور محض سستی کی وجہ سے چھوڑ دے تو میرے نزدیک راجح قول کے مطابق' جس کی کتاب و سنت کے دلائل سے تائید ہوتی ہے' وہ کافر' ملت اسلامیہ سے خارج اور اسلام سے مرتد ہے' لہٰذا یہ معاملہ کوئی معمولی معاملہ نہیں۔ جو شخص کافر اور مرتد ہو جائے تو پھر اس کا روزہ' صدقہ یا کوئی اور عمل بھی مقبول نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٥٤)

"اور ان لوگوں کے خرچ (صدقات) صرف اس لیے قبول نہیں کیے جاتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور نماز کو آتے ہیں تو محض سست و کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا اپنے مال کو خرچ کرنا بھی ان کے کفر کی وجہ سے قبول نہیں ہوتا حالانکہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے' نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا ﴿٢٣﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٢٣)

"اور جو انہوں نے عمل کیے ہوں گے ' ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کی مانند کر دیں گے۔"

یہ لوگ جو روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے تو ان کا روزہ بھی مقبول نہیں بلکہ مردود ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ کافر ہیں جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے ' لہٰذا میری ان نوجوانوں کو نصیحت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں ' نماز کی پابندی کریں اور نماز کو بروقت اور باجماعت ادا کریں۔ اللہ کی توفیق سے میں انہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ جب وہ نماز کی پابندی کریں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رمضان اور رمضان کے بعد بھی اپنے دلوں میں نماز کی رغبت اور شوق محسوس کریں گے اور نماز کو بروقت اور باجماعت ادا کریں گے کیونکہ انسان جب اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی بارگاہ قدس میں سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد کے اعمال کو یقیناً شرف قبولیت سے نوازتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے کہ درخت کا پھل کھانے کے بعد جب انہوں نے پکی سچی توبہ کر لی تو:

﴿ ثُمَّ ٱجْتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿١٢٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ٢٠/ ١٢٢)

"پھر ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا پس ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں سیدھی راہ بتائی۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص روزہ رکھتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا

سوال میں نے بعض مسلمان نوجوانوں کو دیکھا ہے کہ وہ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے تو سوال یہ ہے کہ اس شخص کا روزہ قبول ہو جاتا ہے جو نماز نہ پڑھے؟ میں نے بعض واعظوں کو ایسے نوجوانوں سے کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ روزہ توڑ دو ' روزہ نہ رکھو کیونکہ جو نماز نہ پڑھے اس کا روزہ بھی نہیں ہے؟

جواب جس شخص پر نماز واجب ہو اور وہ جان بوجھ کر وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کر دے تو علما کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص محض کاہلی اور سستی کی وجہ سے نماز ترک کر دے تو اہل علم کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور جب وہ کافر ہے تو پھر اس کا روزہ اور دیگر تمام عبادات رائیگاں ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام ٦/ ٨٨)

"اور اگر وہ لوگ (انبیاء) شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے ' سب ضائع ہو جاتے۔"

لیکن جو نماز نہ پڑھے اسے یہ حکم نہیں دیا جا سکتا کہ وہ روزہ بھی ترک کر دے کیونکہ روزہ اسے نیکی اور دین کے قریب کرے گا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے روزہ رکھتا ہے تو پھر تو اس بات کی بہت امید ہے کہ وہ نماز بھی پڑھنے لگے گا اور جو نمازیں اس نے نہیں پڑھیں ان کی وجہ سے وہ توبہ بھی کرے گا۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو شخص روزہ رکھتا اور صرف رمضان میں نماز پڑھتا ہے

سوال جو شخص رمضان کے روزے رکھتا اور صرف رمضان ہی میں نماز پڑھتا ہے اور رمضان ختم ہونے کے ساتھ ہی نماز چھوڑ دیتا ہے تو کیا اس کا روزہ قبول ہو جاتا ہے؟

جواب نماز اسلام کا رکن ہے بلکہ شہادتین کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن اور فرض عین ہے۔ جو شخص نماز کے وجوب کے انکار کی وجہ سے یا محض سستی و کوتاہی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ جو لوگ رمضان کے روزے رکھتے اور صرف رمضان ہی میں نماز پڑھتے ہیں تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ وہ بہت برے لوگ ہیں جو صرف رمضان ہی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں۔ اگر وہ رمضان کے علاوہ باقی دنوں میں نماز نہیں پڑھتے تو ان کا روزہ بھی قبول نہ ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رمضان میں دن کے وقت عورت سے بات کرنا اور اس کے ہاتھ کو چھونا

سوال روزے دار اگر رمضان میں دن کے وقت کسی عورت سے بات کرے یا اس کے ہاتھ کو چھوئے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے بعض کاروباری مراکز اور مارکیٹوں میں ایسا ہوتا ہے؟

جواب اگر مرد کی عورت کے ساتھ بات چیت کسی شک یا اس کے ساتھ گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے قصد کے بغیر ہو یعنی کسی تجارتی مقصد یا راستہ وغیرہ پوچھنے کے لیے ہو یا قصد و ارادہ کے بغیر ہاتھ لگ گیا ہو تو یہ رمضان و غیر رمضان میں جائز ہے' لیکن اگر عورت کے ساتھ گفتگو تلذذ کے ارادہ سے ہو تو یہ رمضان میں جائز ہے نہ غیر رمضان میں۔ رمضان میں یہ زیادہ سختی کے ساتھ منع ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اس شخص کا روزہ جو رمضان کی راتوں میں شراب پیتا ہے

سوال ایک شخص شراب نوشی کا عادی ہے حتیٰ کہ وہ رمضان کی راتوں میں بھی شراب پیتا لیکن دن کو روزہ بھی رکھ لیتا ہے' تو ایسے شخص کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شراب پینا اکبر الکبائر میں سے ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَـٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدۃ٥/ ٩٠-٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

شراب اگرچہ رمضان و غیر رمضان میں ہر وقت حرام ہے لیکن رمضان میں اس کی حرمت اور بھی زیادہ شدید ہے۔ شراب پینے والے کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے' شراب نوشی سے اجتناب کرے' شراب نوشی کے جرم کی وجہ سے جو کوتاہی ہوئی اس پر افسوس اور ندامت کا اظہار کرے اور یہ پختہ عزم کرے کہ رمضان و غیر رمضان میں آئندہ شراب نہیں پیئے گا۔

جو شخص رات کو شراب پی لے تو اس کا روزہ صحیح ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے لیے روزے کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ان تمام چیزوں سے رک جائے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

روزے کی حالت میں تمام دن سویا رہنا

سوال ایک شخص روزے کی حالت میں تمام دن سویا رہتا ہے اور صرف فرض نمازوں کے لیے بیدار ہوتا ہے (نماز پڑھ کر) پھر سو جاتا ہے تو اس کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ سوال دو حالتوں پر مشتمل ہے:

ایک حالت تو یہ ہے کہ ایک آدمی سارا دن سویا رہتا ہے اور وہ دن کو بیدار ہی نہیں ہوتا تو بے شک یہ شخص گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے کہ نماز کو اوقات کے مطابق ادا نہیں کرتا اور پھر باجماعت ادا نہیں کرتا کہ ترک جماعت حرام ہے اور اس سے روزے کا اجروثواب کم ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص محل تو بنائے مگر شہر تباہ و برباد کر دے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرے اور نیند سے بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ آدمی دن کو سوئے مگر فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں باجماعت بھی ادا کرے تو یہ آدمی گناہ گار تو نہیں ہو گا لیکن زیادہ سونے کی وجہ سے اپنے آپ کو خیر کثیر سے محروم کرے گا' کیونکہ روزے دار کو چاہیئے کہ وہ دن کے وقت نماز' ذکر الٰہی' دعا اور قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہے تاکہ اس روزے میں بہت سی عبادتیں یکجا ہو جائیں' انسان جب روزے کی حالت میں عبادت کا اپنے آپ کو عادی بنا لے تو اس کے لیے دیگر ایام میں بھی عبادت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور اگر وہ روزے کی حالت میں بھی سستی' کوتاہی اور آرام پسندی کا عادی بن جائے تو دیگر ایام میں بھی اس کی یہی عادت ہو گی' روزے کی حالت میں بھی اسے عبادت اور اعمال صالحہ بہت دشوار محسوس ہوں گے۔ لہٰذا اس شخص کو میری نصیحت یہ ہے کہ روزے کی حالت میں سارا دن سو کر نہ گزارے بلکہ اس وقت کو غنیمت جانے اور عبادت میں گزارے۔ الحمدللہ آج کل تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایئر کنڈیشنرز اور اس طرح کی اور بھی بہت سی سہولتیں عطا فرما رکھی ہیں جن کی وجہ سے روزے رکھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رمضان میں افطار و امساک

اذان کے دوران یا تھوڑا عرصہ بعد تک کھانا

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۷)

''اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے واضح ہو جائے۔''

تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو اذان کے وقت اپنے سحری کے کھانے پینے کو مکمل کرتا یا اذان فجر کے بھی پندرہ منٹ بعد تک کھاتا پیتا رہتا ہے؟

جواب اگر سوال میں مذکورہ شخص یہ جانتا ہے کہ وہ صبح طلوع ہونے سے پہلے کھا پی رہا ہے تو اس پر قضا نہیں اور اگر وہ جانتا ہے کہ صبح طلوع ہو چکی ہے تو پھر اسے قضا دینا ہوگی اور اگر اسے علم نہیں کہ وہ طلوع فجر سے پہلے کھا پی رہا ہے یا بعد میں تو پھر بھی اس کے ذمہ قضا نہیں ہوگی کیونکہ اصل تو بقاء لیل ہے لیکن مومن کو چاہیئے کہ وہ روزے کے بارے میں احتیاط سے کام لے اور جب اذان سنے تو کھانے پینے سے رک جائے الا یہ کہ اسے معلوم ہو کہ یہ اذان صبح سے پہلے تھی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اس شخص کا روزہ جو اذان کے وقت کھائے

سوال جو شخص اذان فجر کو سن کر بھی کھانا پینا جاری رکھے اس کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مومن کے لیے ضروری ہے کہ جب طلوع فجر واضح ہو جائے تو وہ کھانے پینے اور دیگر مفطرات سے رک جائے جب کہ روزہ فرض ہو مثلاً یہ کہ رمضان کا یا نذر کا یا کفارہ وغیرہ کا روزہ ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۷)

''اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ و دھاری سے واضح ہو جائے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔''

جب کوئی شخص اذان سنے اور اسے معلوم ہو کہ یہ اذان فجر ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کھانے پینے سے رک جائے۔ اگر موذن طلوع فجر سے قبل اذان دے رہا ہو تو پھر رک جانا واجب نہیں بلکہ کھانا پینا جائز ہے' حتیٰ کہ فجر واضح ہو جائے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اذان فجر سے پہلے ہے یا بعد میں تو پھر افضل اور زیادہ محتاط بات یہ ہے کہ رک جائے اور اگر اذان کے وقت کچھ کھا پی لیا تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہو گا کیونکہ اسے طلوع فجر کا علم نہیں ہے۔

یہ معلوم امر ہے کہ جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں' جہاں بجلی کی روشنیاں ہوتی ہیں وہ عین صحیح وقت پر طلوع فجر کو معلوم

نہیں کر سکتے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ وہ اذان اور ان کیلنڈروں کے مطابق عمل کریں جن میں گھنٹوں اور منٹوں کے حساب سے طلوع فجر کا تعین کیا گیا ہوتا ہے تاکہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو سکے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَالاَ يَرِيبُكَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، [باب حديث اعقلها توكل...]، ح:٢٥١٨)

"جو چیز تجھے شک میں مبتلا کرتی ہو اس کو چھوڑ کر ایسی چیز کو اختیار کر جو شک میں مبتلا کرنے والی نہ ہو۔"

نیز آپ کے اس فرمان پر عمل ہو سکے:

«مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢، صحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا۔" واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

جب روزے دار اذان فجر کے بعد کچھ پی لے

سوال جب روزے دار اذان فجر سننے کے بعد کچھ پی لے تو کیا اس کا روزہ صحیح ہو گا؟

جواب جب روزے دار اذان فجر کو سننے کے بعد پیے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر مؤذن نے طلوع صبح کے بعد اذان کہی ہے تو پھر اذان کے بعد کھانا پینا جائز نہیں اور اگر اذان طلوع صبح سے پہلے کہی ہے تو پھر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَالْـَٔـٰنَ بَـٰشِرُوهُنَّ وَٱبْتَغُوا۟ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٧)

"اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو اور اللہ نے جو چیز تمہارے لیے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

«إِنَّ بِلاَلاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى تَسْمَعُوا أَذَانَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ لاَ يُؤَذِّنُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ لا يمنعنكم من سحوركم ... الخ، ح:١٩١٨، ١٩١٩ وصحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم ... الخ، ح:١٠٩٢ وما بين القوسين لفظ البخاري)

"بلال رات کو اذان کہتے ہیں لہٰذا تم کھاؤ پیو' حتیٰ کہ ابن اُم مکتوم کی اذان کو سن لو کیونکہ وہ اذان نہیں کہتے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جائے۔"

مؤذنوں کو بھی چاہیئے کہ وہ احتیاط سے کام لیں اور اس وقت تک اذان نہ کہیں جب تک صبح نمودار نہ ہو جائے یا صبح

وقت دینے والی گھڑیوں کے ذریعہ طلوع فجر کا یقین نہ ہو جائے تاکہ وہ لوگوں کو دھوکا نہ دے سکیں' اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام نہ قرار دے سکیں اور نماز فجر کو قبل ازوقت حلال نہ قرار دے سکیں۔ وقت سے قبل اذان دینے کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص طلوع فجر کے بعد کھائے پیئے اس کا روزہ نہیں

سوال میں نے سوموار کے دن نفلی روزہ کی نیت کی لیکن اذان فجر کے بعد میں نے پی لیا تو کیا یہ روزے مجھے مکمل کرنا چاہیئے؟ کیا اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ جو شخص نفلی روزے میں اذان فجر کے بعد کھا پی لے تو کیا اسے یہ روزہ مکمل کرنا چاہیئے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب روزے دار کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کا روزہ فرض ہو تو وہ اس وقت کھانے پینے اور دیگر تمام ایسی اشیاء سے رک جائے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' جب اسے یقین ہو جائے کہ فجر طلوع ہو گئی ہے یا وہ کسی ایسے موذن کی اذان سن لے جس کی عادت یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتا ہے یا اذان دینے کے لیے ایسے کیلنڈر کو سامنے رکھتا ہے جس میں طلوع فجر کے اوقات بے حد احتیاط کے ساتھ درج کیے گئے ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾

(البقرة۲/ ۱۸۷)

"اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے واضح ہو جائے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

«إِنَّ بِلاَلاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ» (صحيح البخاري، الأذان، باب آذان الأعمى إذا . . . الخ، ح:٦١٧)

"بلال رات کو اذان دیتا ہے تم کھاؤ پیو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دے۔"

ابن ام مکتوم ایک نابینا آدمی تھے وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے جب تک ان سے یہ نہ کہا جاتا کہ صبح ہو گئی ہے' صبح ہو گئی ہے۔

اگر طلوع فجر کے بعد اس نے کچھ کھا پی لیا یا کوئی مفطر چیز استعمال کر لی تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا' اسی طرح نفلی روزہ رکھنے والے نے بھی اگر طلوع فجر کے بعد کچھ کھا پی لیا یا کوئی مفطر چیز استعمال کر لی تو اس کا روزہ بھی نہیں ہو گا ہاں البتہ فرض اور نفل روزے میں اس اعتبار سے ضرور فرق ہے کہ نفلی روزہ کی نیت دن کو بھی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ طلوع فجر کے بعد سے روزہ کی نیت کرنے تک کچھ کھایا پیا نہ ہو اور نہ کسی اور ایسی چیز کو استعمال کیا ہو جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا:

«هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ فَقُلْنَا: لاَ، قَالَ: فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ! أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ، فَقَالَ: أَرِينِيهِ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ»(صحيح مسلم، الصيام،

باب جواز صوم النافلة بنية من النهار ... الخ، ح:١١٥٤)

"کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟" ہم نے عرض کیا' نہیں! تو آپ نے فرمایا "پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں" ایک دن آپ پھر تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس حلوے کا تحفہ آیا ہے تو آپ نے فرمایا مجھے بھی دکھاؤ (آپ نے فرمایا) میں نے تو روزہ رکھا ہوا تھا۔ پھر آپ نے کھالیا۔"

نیت کے بارے میں تو نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جو روزے دار طلوع فجر یا غروب آفتاب میں شک کی وجہ سے کھالے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو طلوع فجر یا غروب آفتاب میں شک کی وجہ سے کچھ کھا پی لے؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے!

جواب جو شخص طلوع فجر میں شک کی وجہ سے کھا پی لے تو اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں اس کا روزہ صحیح ہے کیونکہ اصل بقاء لیل ہے لیکن مومن کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ دین میں احتیاط اور کمال صوم کے پیش نظر شک کے وقت سے پہلے پہلے سحری کھالے۔

جو شخص غروب آفتاب میں شک کی وجہ سے کھاپی لے تو اس نے غلطی کی ہے' اسے اس کی قضا دینا ہو گی کیونکہ اصل بقاء دن ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غروب آفتاب کا یقین کئے بغیر روزہ افطار کر لے یا کم از کم ظن غالب یہ ہو کہ سورج غروب ہو گیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

ریڈیو سے اعلان سن کر روزہ افطار کر دیا

سوال رمضان میں ایک دن اناؤنسر نے ریڈیو سے یہ اعلان کیا کہ اب سے دو منٹ بعد اذان مغرب ہو گی لیکن محلہ کی مسجد کے مؤذن نے اسی لحہ میں اذان دینا شروع کر دی تو ان دونوں میں سے کس کی اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے؟

جواب اگر مؤذن غروب آفتاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد اذان کہتا ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو ہم مؤذن کی پیروی کریں گے کیونکہ وہ واقع محسوس یعنی غروب آفتاب کا مشاہدہ کر کے اذان کہتا ہے اور اگر وہ سورج دیکھنے کے بجائے محض گھڑی دیکھ کر اذان کہتا ہو تو پھر ظن غالب یہ ہے کہ ریڈیو کا اعلان زیادہ صحیح ہے کیونکہ گھڑیوں کے اوقات مختلف ہوتے ہیں' لہٰذا ریڈیو کے اعلان کی پیروی زیادہ بہتر ہے۔

ــــــــ شیخ ابن عثیمین ــــــــ

جن ممالک میں سورج بہت تاخیر سے غروب ہوتا ہے

سوال ہمارے ملک میں سورج شام کو ساڑھے نو یا ساڑھے دس بجے غروب ہوتا ہے' تو ہم کس وقت افطار کریں؟

جواب آپ اسی وقت افطار کریں گے جب سورج غروب ہو گا۔ جب تک آپ کے ہاں دن رات کا دورانیہ چوبیس گھنٹوں پر مشتمل ہو گا روزہ فرض ہو گا خواہ دن کتنا ہی لمبا ہو۔

ــــــــ شیخ ابن عثیمین ــــــــ

لیل و نہار کی طوالت

سوال اسکنڈے نیویا۔ اور اس سے اوپر کے شمالی علاقوں میں مسلمانوں کو رات اور دن کے طول و اختصار کی وجہ سے مشکل پیش آتی ہے کیونکہ یہاں دن بائیس گھنٹے کا اور رات صرف دو گھنٹے کی ہوتی ہے اور اگلے موسم میں صورتحال اس کے برعکس ہوتی ہے جیسا کہ ایک سائل کو یہ صورت حال پیش آئی' جب اس کا رمضان میں یہاں سے گزر ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ بعض علاقوں میں دن اور رات چھ چھ ماہ کے بھی ہوتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان علاقوں میں روزہ کس طرح رکھا جائے گا یا جو لوگ کام اور تعلیم کے لیے یہاں مقیم ہیں وہ کس طرح روزے رکھیں گے؟

جواب ان علاقوں میں مشکل صرف روزہ کے حوالہ ہی سے نہیں بلکہ یہ مشکل نماز کے حوالے سے بھی ہے لیکن اگر ان علاقوں میں رات اور دن ہے تو اس کے مطابق عمل ہو گا خواہ دن لمبا ہو یا چھوٹا اور اگر یہاں دن رات نہ ہو جس طرح کے قطبی علاقوں میں دن اور رات چھ چھ ماہ کے ہوتے ہیں تو یہ لوگ اپنے روزوں اور نمازوں کے اوقات کے اندازے مقرر کر لیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اندازہ کس حساب سے لگایا جائے گا؟ بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے اوقات کو معیار بنایا جائے کیونکہ مکہ مکرمہ ام القریٰ ہے اور ام وہ چیز ہوتی ہے جس کی اقتدا کی جائے' جس طرح امام کی اقتدا کی جاتی ہے' جس طرح کہ شاعر نے کہا ہے۔ ع

«عَلٰی رَأْسِهِ أُمٌّ لَهُ يَقْتَدِي بِهَا»

بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ ان علاقوں میں بارہ گھنٹے کا دن اور بارہ گھنٹے کی رات شمار کی جائے گی کیونکہ رات دن کے لیے معتدل وقت یہی ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ان علاقوں کے اس قریب ترین ملک کے اوقات کو معیار مقرر کیا جائے گا جہاں دن رات معمول کے مطابق ہوں یہی قول زیادہ راجح ہے کیونکہ قریب ترین علاقے اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے' جغرافیائی اعتبار سے بھی ان کا موسم ان کے قریب ترین ہے' لہٰذا وہ ایسے قریب ترین علاقے کے اوقات کو اپنے لیے معیار قرار دیں جہاں دن رات معمول کے مطابق ہو اور انہی اوقات کے مطابق نماز اور روزے کو ادا کریں۔

ــــــــ شیخ ابن عثیمین ــــــــ

وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

توبہ کفارہ ہے

سوال میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت مشت زنی کرنے کا کیا کفارہ ہے؟ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہ جائز نہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا کفارہ کیا ہے' اگر کوئی کفارہ ہے تو اسے وضاحت سے بیان فرما دیں؟

جواب مشت زنی رمضان اور غیر رمضان میں جائز نہیں بلکہ یہ گناہ اور جرم ہے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ سچی توبہ کی جائے اور ایسے نیک عمل کئے جائیں جو برائیوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ چونکہ اس فعل بد کا ارتکاب رمضان میں دن کے وقت ہوا ہے اس لیے اس کے گناہ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سچی پکی توبہ کی جائے' کثرت کے ساتھ اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے کام کئے جائیں اور نفس کو حرام شہوت سے روکا جائے۔ اس دن کے روزے کی قضا بھی ضروری ہے جسے مشت زنی کی وجہ سے خراب کر دیا گیا تھا۔ اگر صدق دل سے توبہ کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز کر ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

روزے دار کا لعاب کا نگلنا

سوال روزے دار اگر لعاب کو نگل لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب لعاب روزے کو نقصان نہیں دیتا' اسے نگلنے میں کوئی حرج نہیں' تھوک دیا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ سینہ سے خارج ہونے والے کھنکھار یا ناک سے خارج ہونے والے رینٹ کو جو در حقیقت جما ہوا بلغم ہوتا ہے اور کبھی سینہ سے خارج ہوتا ہے اور کبھی سر کی طرف سے آتا ہے' واجب ہے کہ تھوک دیا جائے' باہر نکال دیا جائے اور اسے نہ نگلا جائے۔ ہاں البتہ لعاب میں کوئی حرج نہیں اس سے مرد یا عورت کے روزے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

——— شیخ ابن باز ———

اگر کلی کرتے ہوئے پانی حلق تک چلا جائے

سوال جب روزے دار کلی کرے یا ناک صاف کرے اور غیر ارادی طور پر پانی حلق تک چلا جائے تو کیا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا؟

جواب جب روزے دار کلی کرے یا ناک میں پانی ڈالے اور پانی اندر تک چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس نے قصد و ارادہ سے ایسا نہیں کیا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۵)

"لیکن جو کام تم دلی ارادے سے کرو (اس پر مؤاخذہ اور گناہ ہے۔)"

—— شیخ ابن عثیمین ——

میں نے کلی کرتے ہوئے پانی نگل لیا

سوال میں نے ایک دن کلی کے بعد پانی نگل لیا اور جب ایک عالم سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے' یاد رہے کہ میں نے قصد و ارادہ سے یہ پانی نہیں نگلا تھا۔ تو سوال یہ ہے کیا مجھ پر کوئی کفارہ وغیرہ ہے؟

جواب اس وجہ سے آپ پر کوئی کفارہ نہیں ہو گا اور مذکورہ مفتی نے آپ کو جو فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہے' اس لیے کہ اولاً تو یہ آپ سے جہالت اور عدم معرفت حکم کی وجہ سے ہوا۔ ثانیاً: اس طرح حلق تک آنے والا پانی بہت ہی کم ہوتا ہے اور ثالثاً: ایسا عموماً غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

رمضان میں مسواک کرنا

سوال کچھ لوگ رمضان میں مسواک نہیں کرتے تاکہ روزہ خراب نہ ہو جائے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز یہ فرمائیں کہ رمضان میں مسواک کرنے کے لیے افضل وقت کون سا ہے؟

جواب رمضان میں دن کے وقت یا دیگر ایسے ایام میں جب روزہ رکھا ہو مسواک سے پرہیز کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ مسواک کرنا تو سنت ہے اور جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

«اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ»(سنن النسائي، الطهارة، باب الترغيب في السواك، ح:٥)

"مسواک کرنا منہ کی صفائی و پاکیزگی اور رب کے راضی ہونے کا سبب ہے۔"

ہر وضو اور نماز کے وقت مسواک کرنے کی بہت تاکید آئی ہے' اسی طرح نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک کرنا بھی سنت ہے۔ مسواک کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر مسواک کا لعاب میں ذائقہ اور اثر ہو تو پھر اس لعاب کو نہ نگلیں۔ اسی طرح مسواک کرتے ہوئے اگر مسوڑھوں سے خون نکل آئے تو اسے بھی نہ نگلیں' ان چیزوں کے نگلنے سے اگر آپ پرہیز کریں تو محض مسواک کرنے سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

روزے دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال

سوال کیا روزے دار کے لیے رمضان میں دن کے وقت روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ احتیاط کی جائے کہ اسے نگلنے نہ پائے۔ جس طرح روزہ دار کے لیے دن کے ابتدائی اور آخری حصہ میں مسواک کرنا جائز ہے اسی طرح ٹوتھ پیسٹ یا منجن وغیرہ استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ بعض اہل علم نے زوال کے بعد مسواک کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے مگر یہ ایک مرجوح قول ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ کسی وقت بھی

مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہ تقاضا ہے:

«اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ» (سنن النسائي، الطهارة، باب الترغيب في السواك، ح:٥)

"مسواک کرنا منہ کی صفائی و پاکیزگی اور رب کے راضی ہونے کا سبب ہے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ح:٨٨٧ وصحيح مسلم، الطهارة، باب السواك، ح:٢٥٢)

"اگر امت کے مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"

ہر نماز میں تو ظہر اور عصر بھی شامل ہیں اور یہ زوال کے بعد ہیں۔(لہٰذا معلوم ہوا کہ زوال کے بعد مسواک کرنا بھی مکروہ نہیں)

——— شیخ ابن باز ———

روزے کی حالت میں ٹوتھ برش کا استعمال؟

سوال کیا روزہ کی حالت میں پیسٹ کے ساتھ ٹوتھ برش استعمال کرنا جائز ہے؟ ٹوتھ برش استعمال کرنے سے مسوڑھوں سے تھوڑی سی مقدار میں اگر خون نکل آئے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

جواب روزہ کی حالت میں دانتوں کو پانی' مسواک اور ٹوتھ برش وغیرہ سے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض اہل علم نے روزہ دار کے لیے زوال کے بعد مسواک کرنے کو مکروہ سمجھا ہے' کیونکہ اس سے روزہ دار کے منہ کی بو زائل ہو جاتی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مسواک کرنا مستحب ہے خواہ دن کا ابتدائی حصہ ہو یا آخری۔ اور اس کے استعمال سے منہ کی وہ بو زائل نہیں ہوتی جسے حدیث میں "خلوف" کہا گیا ہے۔ ہاں البتہ اس سے دانت اور منہ بدبو' بخارات اور کھانے کے ریزوں سے ضرور پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ پیسٹ کا استعمال بظاہر مکروہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ پیسٹ میں خوشبو اور ذائقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا خدشہ ہے کہ لعاب دہن کے ساتھ ملنے کی وجہ سے آدمی اسے نگل نہ لے' لہٰذا جسے پیسٹ کے استعمال کی ضرورت ہو تو وہ اسے اذان فجر سے پہلے استعمال کر لے اور اگر وہ دن کو استعمال کر لے اور نگلنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر (دن کو بھی استعمال کرنے میں) کوئی حرج نہیں۔ اگر برش یا مسواک کرنے سے تھوڑی سی مقدار میں مسوڑھوں سے خون نکل آئے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

(روزے دار کے لیے) تیل کا استعمال

سوال کیا کسی ایسے تیل وغیرہ کا استعمال روزے کے لیے نقصان دہ تو نہیں ہے جو جلد کو چکنا تو کرے لیکن جلد تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہ بنے؟

جواب روزے کی حالت میں بوقت ضرورت جسم پر تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ تیل سے جلد کا صرف اوپر کا حصہ تر ہوتا ہے اور تیل جسم کے اندر داخل نہیں ہوتا اور اگر یہ مساموں سے اندر داخل ہو بھی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

روزہ دار کے لیے مہندی کا استعمال

سوال کیا نماز و روزہ کی حالت میں بالوں کو مہندی لگانا جائز ہے؟ میں نے سنا ہے مہندی کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے۔ روزہ کی حالت میں مہندی کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جس طرح سرمہ کے استعمال سے اور کان یا آنکھ میں دوائی کا قطرہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح سر پر مہندی لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس سے روزے کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

دوران نماز مہندی کے بارے میں جو پوچھا گیا ہے تو معلوم نہیں کہ اس سوال سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ جس عورت نے نماز پڑھنا ہوگی اس کے لیے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ مہندی لگائے (کیونکہ اس طرح اس کا سر ننگا ہوگا)۔ شاید سوال سے یہ مراد ہو کہ اگر مہندی لگی ہو تو کیا اس سے وضو ہو جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مہندی کے استعمال سے وضو کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ مہندی کے استعمال سے جسم پر کوئی ایسی تہہ نہیں بیٹھتی جو جلد تک پانی پہنچنے میں حائل ہو کیونکہ مہندی کے استعمال سے جسم پر صرف رنگ ظاہر ہوتا ہے' جبکہ وضو پر وہ چیز اثر انداز ہوتی ہے جس کا ایسا وجود ہو جو جلد تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے' لہٰذا اگر کوئی ایسی چیز استعمال کی ہو تو ضروری ہے کہ اسے وضو کرنے سے پہلے دور کر دیا جائے تاکہ وضو صحیح ہو سکے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان میں دن کے وقت خوشبو کا استعمال

سوال روزے دار کے لیے رمضان میں دن کے وقت عطریات کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب رمضان میں دن کے وقت عطریات کے استعمال کرنے اور انہیں سونگھنے میں کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ بخور (خوشبودار دھونی) کو نہیں سونگھنا چاہیئے کیونکہ اسے سونگھنے سے دھواں معدے تک پہنچ جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان میں خوشبو اور دھونی کا استعمال

سوال کیا رمضان میں دن کے وقت خوشبو مثلاً عطر' عود' کولون اور صندل وغیرہ کی دھونی کا استعمال جائز ہے؟

جواب ہاں خوشبو کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ (صندل وغیرہ کی) دھونی کو نہ سونگھے۔

——— شیخ ابن باز ———

کھانے کو چکھنا

سوال کیا روزہ کی حالت میں کھانا پکانے والے کیلئے اسے چکھنا جائز ہے تاکہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ کھانا پک گیا ہے یا نہیں؟

جواب بوقت ضرورت کھانا چکھنے میں کوئی حرج نہیں اور وہ اس طرح کہ زبان کے کنارے کے ساتھ کھانے کی شیرینی اور

نمکینی وغیرہ کو چکھ لیا جائے لیکن اسے نگلا نہ جائے بلکہ فوراً منہ سے نکال دیا جائے۔ ان شاء اللہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بھول کر کھالینا

سوال جو شخص بھول کر کھا پی لے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جو شخص کسی کو بھول کر کھاتے پیتے ہوئے دیکھے تو کیا اس پر یہ واجب ہے کہ اسے روزے کے بارے میں یاد دلا دے؟

جواب جو روزے دار بھول کر کچھ کھا یا پی لے اس کا روزہ صحیح ہے لیکن اس کے لیے یہ واجب ہے کہ اسے جب یاد آ جائے تو فوراً کھانے پینے سے رک جائے حتیٰ کہ اگر کھانے کا کوئی لقمہ یا کسی مشروب کا کوئی گھونٹ اس کے منہ میں ہو تو ضروری ہے کہ اسے بھی منہ سے نکال کر پھینک دے۔ اس کے روزے کے صحیح ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«مَنْ نَّسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ» (صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا، ح:١٩٣٣ وكتاب الأيمان والنذور، ح:٦٦٦٩ وصحيح مسلم، الصيام، باب أكل الناسي وشربه ... الخ، ح:١١٥٥ واللفظ له)

"جو روزے دار بھول جائے اور کھا پی لے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا روزہ مکمل کر لے' اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔"

کوئی آدمی اگر بھول کر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کر بیٹھے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة٢/٢٨٦)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔"

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«قَدْ فَعَلْتُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس ... الخ، ح:١٢٦)

"میں نے ایسے ہی کیا۔"

جو شخص کسی کو اس طرح بھول کر کھاتے پیتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے واجب ہے کہ اسے یاد دلا دے کیونکہ یہ منکر کو مٹا دینے کے قبیل سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَّأَى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھائے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر اپنے دل میں (اسے برا سمجھے)"

اور لاریب! روزہ کی حالت میں کھانا پینا ایک امر منکر ہے۔ ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ بھولنے کی وجہ سے وہ قابل معافی ہے اور اس سے مواخذہ نہیں ہو گا لیکن جو شخص اسے دیکھے تو اس کے بارے میں اسے بتانے میں چونکہ کوئی عذر

نہیں ہے' لہٰذا اسے چاہیئے کہ اسے فوراً بتا دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آنکھ میں دوائی کا قطرہ ڈالنا

سوال رمضان میں دن کے وقت اگر آنکھوں میں دوائی کا قطرہ ڈال لیا جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ دوائی کے اس قطرے سے روزہ نہیں ٹوٹتا' اس مسئلہ میں اگرچہ اہل علم میں اختلاف ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اگر اس قطرے کا ذائقہ حلق تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مطلقاً روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ آنکھ کا معدہ کی طرف راستہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حلق میں ذائقہ آ جانے کی وجہ سے احتیاطاً اور اختلاف سے بچنے کے لیے قضا دے لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ دوائی کا قطرہ آنکھ میں ڈال لیا جائے یا کان میں۔

——— شیخ ابن باز ———

دوائی کے قطرہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال کتاب "الضیاء اللامع" میں ایک خطبہ رمضان اور روزہ کے احکام سے متعلق ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اگر ازخود قے آ جائے یا آنکھوں اور کانوں میں دوائی کے قطرے ڈالے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔" آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟

جواب اس میں جو یہ لکھا ہے کہ آنکھوں یا کانوں میں دوائی کے قطرے ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو یہ صحیح ہے کیونکہ اسے عرف عام یا اصطلاح شریعت میں کھانا پینا نہیں کہتے اور نہ اس حالت میں دوائی کھانے پینے کے راستہ ہی میں داخل کی جاتی ہے' ہاں البتہ اگر دن کے بجائے رات کو آنکھوں یا کانوں میں دوائی استعمال کر لی جائے تو اس میں زیادہ احتیاط بھی ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو خود بخود قے آ جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اور پھر شریعت کی بنیاد رفع حرج (تنگی ختم کرنے یعنی آسانی) پر ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج ٢٢/ ٧٨)

"اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی۔"

اور بھی کئی دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے' نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ فرمایا:

«مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلاَ قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ، فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ» (سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم يستقيء عامدا، ح: ٢٣٨٠ وجامع الترمذي، ح: ٧٢٠ وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الصائم يقيء، ح: ١٦٧٦ واللفظ له)

"جس شخص کو خود بخود قے آ جائے اس پر قضا نہیں ہے اور جو شخص خود قے کرے اس پر قضا ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

رمضان میں دن کے وقت ٹیکہ لگانا

سوال کیا رمضان میں دن کے وقت ٹیکہ لگانا' روزے پر اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب ٹیکے کی دو قسمیں ہیں (۱) جو غذائی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کھانے پینے سے بے نیاز کر دیتا ہے کیونکہ یہ کھانے پینے کے معنی ہی میں ہوتا ہے' اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ نصوص شریعت جس معنی پر مشتمل ہوں وہ معنی جس صورت میں بھی پایا جائے تو اس پر ان نصوص کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے (۲) وہ ٹیکہ جو غذائی مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا اور نہ وہ کھانے پینے سے بے نیاز کرتا ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس پر نص کا لفظی یا معنوی طور پر اطلاق نہیں ہوتا یعنی نہ یہ کھانا پینا ہے اور نہ کھانے پینے کے معنی میں ہے اور اصول یہ ہے کہ روزہ اس وقت تک صحیح ہے جب تک کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے شرعی دلیل کے تقاضے کے مطابق روزہ ٹوٹ جاتا ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

روزے دار کا کثرت سے غسل کرنا

سوال رمضان میں دن کے وقت ایک سے زیادہ بار غسل کرنے اور طویل وقت تک ایسے ائرکنڈیشنر کے پاس بیٹھے رہنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو رطوبت خارج کرتا ہو؟

جواب یہ جائز ہے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام روزے کی حالت میں گرمی یا پیاس کی وجہ سے اپنے سر مبارک پر پانی ڈال لیا کرتے تھے' [1] ابن عمر رضی اللہ عنہما حرارت یا پیاس کی شدت کم کرنے کے لیے اپنے کپڑے کو گیلا کر لیا کرتے تھے۔ [2] رطوبت روزے پر اثرانداز نہیں ہوتی کیونکہ یہ پانی تو نہیں ہے جو معدے تک پہنچتا ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کیا دوا سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال دمہ کے مریض ناک کے ذریعے دوائی سونگھ کر استعمال کرتے ہیں کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب دمہ کی دوا جسے مریض ناک کے ذریعہ سونگھ کر استعمال کرتا ہے' وہ دوا ہوا کی نالی کے ذریعہ پھیپھڑوں تک پہنچ جاتی ہے' معدہ تک نہیں پہنچتی۔ دوا کا اس طرح استعمال نہ کھانا پینا ہے اور نہ یہ کھانے پینے کے مشابہ ہے بلکہ یہ تو دوا کے اس قطرہ کے مشابہ ہے جسے آلہٗ تناسل میں ڈالا جاتا ہو' نیز یہ مختلف زخموں پر رکھی جانے والی دوا' سرمہ اور اس ٹیکہ وغیرہ کے مشابہہ ہے' جس سے دوا دماغ یا بدن میں منہ اور ناک کے راستہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے پہنچتی ہے۔ ان اشیاء کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ ان کے استعمال سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ ان میں سے کسی بھی چیز

---

[1] سنن ابی داود' الصیام' باب الصائم یصب علیه الماء ..... الخ' حدیث: 2365۔

[2] صحیح بخاری' الصوم' باب اغتسال الصائم۔

کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور بعض نے کہا ہے کہ ان میں سے بعض سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بعض سے نہیں ٹوٹتا جب کہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی بھی چیز کا نام کھانا پینا نہیں ہے لیکن جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ان اشیاء سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ ان کو کھانے پینے کے حکم میں سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک چیز اپنے اختیار سے پیٹ میں جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«بَالِغْ فِي الاِسْتِنْشَاقِ إِلاَّ أَنْ تَكُونَ صَائِمًا» (سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم يصب عليه الماء ... الخ، ح:٢٣٦٦ وجامع الترمذي، ح:٧٨٨ وسنن ابن ماجه، ح:٤٠٧ وسنن النسائي، ح:٨٧)

"خوب مبالغہ کے ساتھ ناک صاف کرو الایہ کہ تم روزے دار ہو۔"

تو اس حدیث میں روزہ دار کو مبالغہ کے ساتھ ناک صاف کرنے سے اسی لیے تو منع کیا گیا ہے کہ پانی اس کے حلق یا معدہ تک نہ چلا جائے کیونکہ اس سے اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو اپنے اختیار سے پیٹ میں جائے' اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جن علماء کی یہ رائے ہے کہ ان اشیاء کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا شامل ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ ان اشیاء کا کھانے پینے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اور کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ ہر اس چیز سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے جو دماغ یا بدن تک پہنچے یا کسی بھی جسمانی راستے (مساموں) سے اندر داخل ہو پیٹ تک پہنچ جائے' شریعت نے ان اوصاف میں سے کسی وصف کے بارے میں بھی یہ حکم بیان نہیں کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' اسی طرح اسے مبالغہ کے ساتھ ناک صاف کرتے ہوئے پانی کے حلق یا معدہ تک پہنچ جانے کے ہم معنی قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے' پانی تو غذا ہے لہٰذا جب وہ حلق یا معدہ تک پہنچے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ وہ منہ کے راستہ داخل ہو یا ناک کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک راستہ ہے یہی وجہ ہے کہ مبالغہ کے بغیر محض کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ منہ اور ناک میں پانی ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ منہ کا راستہ ہونا تو ایک عام وصف ہے جس کی کوئی تاثیر نہیں' لہٰذا جب پانی وغیرہ ناک سے پہنچ جائے تو اس کا حکم یہی ہے جس طرح منہ سے پہنچنے کا حکم ہے پھر ناک اور منہ برابر ہیں اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ناک کے ذریعہ اس دوا کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے' کیونکہ یہ کسی طرح بھی کھانے پینے کے حکم میں نہیں ہے۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

روزے کی حالت میں احتلام' خون اور قے آنا

سوال میں روزے کی حالت میں مسجد میں سویا ہوا تھا' جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ مجھے احتلام ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کیا احتلام روزے پر اثرانداز ہوتا ہے یاد رہے کہ میں نے غسل بھی نہیں کیا اور غسل کے بغیر ہی نماز پڑھ لی تھی؟ ایک مرتبہ میرے سر پر پتھر لگ گیا تھا جس کی وجہ سے خون نکل آیا۔ کیا خون نکل آنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ نیز قے کے بارے میں بھی بتائیے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ آدمی کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا' ہاں البتہ اگر منی خارج ہو جائے تو غسل جنابت واجب ہو گا۔ نبی کریم ﷺ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ "محتلم پر غسل واجب ہے' جب وہ یہ دیکھے کہ منی خارج ہوئی ہے" آپ نے جو غسل کیے بغیر نماز پڑھ لی تو یہ بہت بڑی غلطی اور منکر عظیم ہے' لہٰذا اس نماز کو دوبارہ پڑھیے اور اللہ سبحانہ کی بارگاہ قدس میں توبہ بھی کیجئے۔

پتھر لگنے سے جو خون نکلا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوا' اسی طرح غیر اختیاری طور پر جو قے آ جائے اس سے بھی روزہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلاَ قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ، فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ»(سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم يستقيء عامدا، ح:٢٣٨٠ وجامع الترمذي، ح:٧٢٠ وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الصائم يقيء، ح:١٦٧٦ واللفظ له)

"جسے خود بخود قے آ جائے اس پر قضا نہیں ہے اور جو شخص خود قے کرے اس پر قضا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

وہ خون جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے

سوال خون کے بارے میں کیا ضابطہ ہے یعنی جسم سے خارج ہونے والا وہ کون سا خون ہے جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟ اور روزہ کس طرح فاسد ہوتا ہے؟

جواب روزے کو فاسد کرنے والا وہ خون ہے جو سینگی لگانے سے خارج ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»(سنن أبي داود، الصيام، باب في الصائم يحتجم، ح:٢٣٦٧)

"سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔"

ہر اس کام کو بھی سینگی پر قیاس کیا جائے گا جو اس کے ہم معنی ہو' جسے انسان اپنے اختیار سے سرانجام دے اور جس کی وجہ سے بہت سا خون خارج ہو کر جسم کمزور ہو جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد ہو جائے گا جس طرح سینگی سے فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ اسلامی شریعت متماثل (ملتی جلتی اور ایک جیسی) چیزوں کو جدا جدا نہیں کرتی' جس طرح دو متفرق چیزوں کو جمع نہیں کرتی..... وہ خون جو انسان کے قصد و ارادہ کے بغیر نکل آئے مثلاً نکسیر کا خون یا گوشت کاٹتے ہوئے چھری لگ جانے سے یا شیشے وغیرہ پر پاؤں آ جانے سے جو خون نکل آئے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ خون زیادہ مقدار ہی میں نکل آئے اسی طرح اگر خون تھوڑی مقدار میں نکلا ہو جیسے کیمیائی تجزیہ کے لیے بہت تھوڑی سی مقدار میں خون نکالا جاتا ہے تو اس سے سینگی کی طرح روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

روزے دار کا سینگی لگوانا اور اس سے خون نکلنا

سوال حدیث میں ہے "أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ" (سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا) کیا یہ حدیث

صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام احمد اور کئی دیگر محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ روزے دار جب کسی دوسرے کو سینگی لگائے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور اگر اسے کوئی سینگی لگائے تو اس کا روزہ بھی ٹوٹ گیا کیونکہ سینگی میں دو ہی آدمی ہوتے ہیں ایک سینگی لگانے والا اور دوسرا لگوانے والا۔ محجوم اس کو کہتے ہیں جس کا خون نکالا گیا ہو اور حاجم اسے کہتے ہیں جس نے خون نکالا ہو۔ اگر روزہ فرض ہو تو پھر سینگی لگوانا جائز نہیں الاّ یہ کہ اس کی شدید ضرورت ہو مثلاً فشار خون (خون کا دباؤ) بڑھ جانے کی وجہ سے بہت تکلیف ہو تو پھر سینگی لگوانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ایک اضطراری صورت ہوگی' اس دن کی اسے قضا دینا ہوگی' سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹ گیا' لہٰذا وہ دن کے باقی حصہ میں کھا پی سکتا ہے کیونکہ جو شخص کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ توڑے اس کے لیے دن کے باقی حصہ میں کھانا پینا جائز ہے کیونکہ اس دن روزہ توڑ دینے کی شریعت نے اجازت دی ہے اور شرعی دلائل کے تقاضا کے مطابق اب اس کے لیے کھانے پینے سے رک جانا واجب نہیں ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کی مناسبت سے یہاں یہ بھی ذکر کر دوں کہ بعض لوگ معمولی خراش کی وجہ سے بہت تھوڑا سا خون نکل آنے کی وجہ سے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا روزہ باطل ہو گیا حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر انسان کے لیے اپنے فعل کے بغیر خون نکلتا ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا مثلاً اگر کسی کی نکسیر پھوٹ گئی اور اس کی وجہ سے بہت سا خون نکل گیا تو اس سے روزے کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یا مثلاً کسی زخم کے پھٹ جانے کی وجہ سے اگر بہت سا خون بہہ جائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا مثلاً کسی حادثہ کی وجہ سے بہت سا خون بہہ جائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان سب صورتوں میں غیر اختیاری طور پر خون نکلا ہے لیکن اگر خون اپنے ارادہ و اختیار سے نکالا جائے اور اس سے سینگی لگوانے کی وجہ سے بدن میں ضعف اور قوت میں کمی آ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ معنوی طور پر اس میں اور سینگی لگوانے میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر خون اس قدر معمولی مقدار میں ہو کہ اس سے جسم متاثر نہ ہوتا ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بہرحال ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ ان احکام و حدود کو جانتا ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے تاکہ وہ علی وجہ البصیرت اپنے رب کی عبادت کر سکے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

روزے دار کے جسم سے خون لینا

سوال جب رمضان میں روزے دار کے دائیں ہاتھ سے کیمیائی تجزیہ کے لیے معمولی مقدار میں خون لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب کیمیائی تجزیہ کے لیے اس طرح معمولی مقدار میں خون لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ ضرورت و حاجت کی وجہ سے یہ عمل قابل معافی ہے اور اس کا تعلق ان امور میں سے نہیں ہے جن کی وجہ سے شریعت مطہرہ کے احکام کی روشنی میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

―――― شیخ ابن باز ――――

روزے دار کا خون کا عطیہ دینا

سوال کیا رمضان میں دن کے وقت خون کا عطیہ دینا جائز ہے یا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب جب کوئی شخص خون کا عطیہ دے اور اس سے بہت زیادہ خون لیا جائے تو سینگی پر قیاس کی وجہ سے روزہ باطل ہو جائے گا۔ یاد رہے خون صرف اسی صورت میں لیا جا سکتا ہے جب کسی مریض کو دے کر اس کی جان بچانا مقصود ہو یا ہنگامی حالات کے لیے اسے محفوظ رکھنا مقصود ہو اور اگر خون کی مقدار کم ہو مثلاً صرف اس قدر ہو جتنا کہ کیمیائی تجزیہ کے لیے انجکشن اور امتحانی نالی وغیرہ میں لیا جاتا ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

خود بخود آنے والی قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال کیا قے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

جواب روزے دار کو بہت سے ایسے امور پیش آتے ہیں جن کا اس نے اپنے قصد و ارادہ سے ارتکاب نہیں کیا ہوتا مثلاً زخم لگ جانا' نکسیر پھوٹنا' قے آ جانا یا پانی وغیرہ کا غیر اختیاری طور پر گلے میں چلے جانا تو ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلاَ قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ، فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ»(سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم يستقيء عامدا، ح:٢٣٨٠ وجامع الترمذي، ح:٧٢٠ وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الصائم يقيء، ح:١٦٧٦ واللفظ له)

"جسے خود بخود قے آ جائے اس پر قضا نہیں ہے اور جو شخص خود قے کرے اس پر قضا ہے۔"

―――― شیخ ابن باز ――――

روزے کی حالت میں بوسہ لینا

جواب جب کوئی جوان یا بوڑھا شخص روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے تو کیا اسے گناہ ہو گا؟

سوال اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی وجہ سے روزے دار کو گناہ نہیں ہو گا خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا کیونکہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ عمر بن ابی سلمہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا' کیا روزے دار بوسہ لے سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ام سلمہ سے پوچھو تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لیتے ہیں' تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللهِ! إِنِّي لأَتْقَاكُمْ للهِ، وَأَخْشَاكُمْ لَهُ»(صحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن القبلة في الصوم ... الخ، ح:١١٠٨)

"اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کی خشیت رکھنے والا ہوں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

شہوت سے خارج ہونے والی مذی سے روزہ باطل نہیں ہوتا

سوال جب کوئی انسان روزے کی حالت میں بوسہ لے یا بعض عریاں فلموں کو دیکھے اور مذی خارج ہو جائے تو کیا وہ روزے کی قضا دے؟ اور اگر متفرق دنوں میں ایسا ہو تو قضا مسلسل دے یا متفرق؟ جزاکم اللہ عن امۃ الاسلام خیرالجزاء

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق مذی نکلنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا خواہ اس کا سبب بیوی کا بوسہ یا فلموں کو دیکھنا یا کوئی اور شہوت انگیز بات ہو، لیکن مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عریاں فلمیں دیکھے اور ایسے گانے بجانے کو سنے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

شہوت سے اگر منی خارج ہو تو اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے خواہ یہ مباشرت، بوسہ، نظربازی یا دیگر شہوت انگیز اسباب مثلاً مشت زنی وغیرہ کی وجہ سے ہو۔ احتلام اور محض سوچ بچار کی وجہ سے روزہ باطل نہیں ہوتا خواہ منی خارج ہو جائے۔ قضا رمضان میں یہ لازم نہیں کہ روزے مسلسل رکھے جائیں بلکہ الگ الگ دنوں میں رکھنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۴)

"جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے۔"

——— شیخ ابن باز ———

مذی خارج ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال ایک آدمی نے پوچھا ہے کہ جب وہ اپنی بیوی سے خوش طبعی کرے یا اسے چومے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ آلہ تناسل سے کچھ خارج ہو رہا ہے تو اس سے طہارت اور روزے کی صحت وعدم صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب سائل نے اپنے سوال میں یہ ذکر نہیں کیا کہ بیوی سے خوش طبعی کے نتیجہ میں منی خارج ہوتی ہے یا مذی، اس نے صرف اس قدر ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی شلوار میں صرف رطوبت محسوس کرتا ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مذی خارج ہوتی ہے نہ کہ منی۔ مذی پلید ہے، اس مقام کو دھونا واجب ہے جہاں یہ لگی ہو، اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے آلہ تناسل اور خصیتین کو دھونا بھی فرض ہے اور پھر اس کے بعد وضو کرنا فرض ہے تاکہ طہارت حاصل ہو جائے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق مذی خارج ہونے سے روزہ فاسد ہوتا ہے نہ غسل واجب ہوتا ہے۔

مذکورہ صورت میں اگر منی خارج ہوتی ہے تو اس سے غسل واجب ہو گا اور روزہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ منی پاک ہے لیکن اسے مکروہ سمجھا جاتا ہے۔ کپڑے یا شلوار وغیرہ کے جس حصے کو منی لگی ہو اسے دھونا چاہیے۔ روزے دار کو چاہیئے کہ وہ روزے میں محتاط رہے اور خوش طبعی اور دیگر شہوت انگیز امور ترک کر دے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رمضان میں دن کے وقت احتلام

سوال جب روزے دار کو رمضان میں دن کے وقت احتلام ہو جائے تو کیا اس سے روزہ باطل ہو جائے گا یا نہیں؟ کیا اس حالت میں فوراً غسل کرنا واجب ہے؟

جواب احتلام سے روزہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ یہ روزے دار کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا' ہاں البتہ اس صورت میں غسل جنابت کرنا فرض ہو گا۔ اگر کسی کو نماز فجر کے بعد احتلام ہو اور اس نے نماز ظہر کے وقت تک غسل کو مؤخر کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے رات کو اپنی بیوی سے مباشرت کی اور اس نے طلوع فجر کے بعد غسل کیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ بحالت جنابت صبح کرتے اور پھر غسل فرما کر روزہ رکھ لیتے [1] اسی طرح حیض و نفاس والی عورتیں اگر رات کو پاک تو ہو جائیں لیکن غسل طلوع فجر کے بعد کریں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ان کا روزہ صحیح ہو گا۔ لیکن حیض و نفاس اور جنابت والوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غسل اور نماز کو طلوع آفتاب تک مؤخر کریں بلکہ ان سب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جلدی کریں اور طلوع آفتاب سے پہلے غسل کریں تاکہ نماز فجر بروقت ادا کر سکیں۔

خصوصاً مرد کو چاہیئے کہ وہ نماز فجر سے پہلے غسل جنابت کرے تاکہ نماز باجماعت ادا کر سکے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

رمضان میں دن کے وقت بیوی سے مباشرت

سوال جو شخص ماہ رمضان میں حرام کا ارتکاب کر بیٹھے اسکا کیا حکم ہے اور جو رات کے وقت اسکا ارتکاب کرے اسکا کیا کفارہ ہے؟

جواب جو شخص ماہ رمضان میں رات کے وقت یعنی غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر کے درمیان اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ دن کے وقت یعنی طلوع فجر سے غروب آفتاب کے درمیان مباشرت کرے اور وہ روزے دار اور مکلف ہو تو وہ گناہ گار اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا نافرمان ہو گا۔ اس پر قضا اور کفارہ لازم ہو گا اور وہ ہے ایک غلام آزاد کرنا اور اگر یہ میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر اسکی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کہ ہر مسکین کو اس طرح کا نصف صاع کھانا دیا جائے جس طرح کے کھانا کھانے کا اس علاقے میں رواج ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

روزے دار کی اپنی بیوی سے زبردستی مباشرت

سوال جب کوئی شخص روزے کی حالت میں دن کے وقت اپنی بیوی کو مجبور کر کے اس سے مباشرت کرے اور وہ گردن آزاد کر سکتے ہوں نہ کاروباری مصروفیت کی وجہ سے روزے رکھ سکتے ہوں تو کیا ان کے لیے کھانا کھلا دینا کافی ہو گا؟ کھانے کی مقدار اور نوعیت کیا ہونی چاہیئے؟

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب اغتسال الصائم' حدیث: 1930-1931 و صحیح مسلم' الصیام' حدیث: 1108-

جواب جب کوئی مرد اپنی بیوی کو مباشرت پر مجبور کرے جب کہ دونوں روزے سے ہوں تو عورت کا روزہ صحیح ہو گا اور اس پر کفارہ بھی نہیں ہو گا۔ ہاں البتہ مرد پر کفارہ ہو گا اور وہ یہ کہ ایک گردن آزاد کرے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو دوماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے جیسا کہ "صحیحین" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔[1] نیز اسے اس روزے کی قضا بھی دینا ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

روزے دار کا کام کے دوران سو جانا

سوال ایک ملازم نے یہ سوال پوچھا ہے کہ وہ فیکٹری میں کام کے دوران کئی بار سو گیا ہے۔ کیا ڈیوٹی کے دوران کام نہ کرنے کی وجہ سے اسکا روزہ تو فاسد نہ ہو گا؟

جواب اس سے روزہ تو فاسد نہیں ہو گا کیونکہ ترک عمل اور روزے میں کوئی تعلق نہیں لیکن انسان پر یہ واجب ہے کہ جس کام کا اس نے ذمہ اٹھایا ہے اسے پورا پورا سرانجام دے کیونکہ اس کام کی اسے تنخواہ ملتی ہے۔ لہٰذا جس طرح وہ تنخواہ پوری وصول کرتا ہے اسی طرح اس پر پورا کام کرنا بھی فرض ہے تاکہ اپنے ذمہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اپنے ذمہ کام کو چھوڑ کر سو جانا حرام ہے اور اس حرام فعل کے ارتکاب کی وجہ سے اس کے روزے کا ثواب کم ہو جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان کے روزے کون لوگ چھوڑ سکتے ہیں

جس مریض کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو

سوال سل کے ایک مریض کے لیے رمضان کے روزے رکھنا بہت مشکل ہے۔ وہ گزشتہ رمضان میں بھی روزے نہیں رکھ سکا تھا تو کیا وہ فدیہ کے طور پر کھانا کھلا دے؟ یاد رہے کہ اب اس کے صحت یاب ہونے کی امید نہیں ہے؟

جواب جب اس مریض کو رمضان کے روزے رکھنے کی طاقت نہیں ہے اور اس کے صحت یاب ہونے کی امید بھی نہیں ہے تو اس سے روزے ساقط ہو جائیں گے اور اس کے لیے واجب یہ ہے کہ ہر ایک روزے کے بجائے ایک مسکین کو گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ جسے گھر میں کھانے کا معمول ہو' نصف صاع دے دے بشرطیکہ اسے اس کی طاقت ہو جیسے کہ اس بے حد بوڑھے مرد اور عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے جس کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو!

——— فتویٰ کمیٹی ———

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب اذا جامع فی رمضان' ..... الخ' حدیث 1936 و صحیح مسلم' الصیام' حدیث: 1111۔

جس مریض کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو

سوال میں ایک بیمار عورت ہوں' گزشتہ رمضان میں کچھ روزے نہیں رکھ سکی تھی اور بیماری کی وجہ سے ان کی قضا بھی نہیں دے سکی تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ اسی طرح اس رمضان کے روزے بھی نہیں رکھ سکوں گی تو اس کا کیا کفارہ ہے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب جس مریض کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ چھوڑ دے اور جب اللہ تعالیٰ اسے شفا دے تو اس کی قضا دے لے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۵)

''جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے۔''

اے خاتون! آپ کے لیے رمضان کے روزے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ بیماری باقی ہو کیونکہ مریض اور مسافر کو اللہ تعالیٰ نے روزہ چھوڑ دینے کی اجازت دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے' جس طرح وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت و نافرمانی کے کام کئے جائیں۔ آپ کے ذمہ کفارہ نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے تو آپ کو ان روزوں کی قضا دینا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفا عطا فرمائے اور ہمارے اور آپ کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے

سوال میری والدہ رمضان سے چند دن پہلے بیمار ہو گئیں اور بیماری نے اس کو لاغر کر دیا کیونکہ وہ بہت عمر رسیدہ ہیں' انہوں نے رمضان کے پندرہ روزے رکھے ہیں اور باقی روزے نہیں رکھ سکیں' انہیں ان کی قضا کی بھی طاقت نہیں ہے تو کیا وہ صدقہ کر سکتی ہے؟ ایک دن کے عوض کتنا صدقہ کافی ہو گا؟ یاد رہے کہ اپنی والدہ پر میں خرچ کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر ان کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟

جواب جو شخص بڑھاپے یا ایسی کمزوری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز و قاصر ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸٤)

''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ رخصت اس بوڑھے مرد اور عورت کے لیے نازل ہوئی جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ [1]

آپ کی والدہ پر واجب ہے کہ وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع کے حساب سے وہ کھانا کھلا دیں جو

[1] صحیح بخاری' التفسیر' سورۃ البقرۃ' باب: 25 حدیث: 4505۔

آپ کے علاقے میں کھانے کا معمول ہو۔ اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لیے ان کے پاس کچھ نہ ہو تو ان پر کچھ واجب نہیں ہے اور اگر آپ ان کی طرف سے کھانا کھلا دیں تو یہ نیکی ہو گی اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند فرماتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

درد گردہ کا مریض اور روزہ

سوال میں درد گردہ کا مریض ہوں۔ مجھے ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ روزے نہ رکھوں لیکن میں ان کی بات تسلیم نہیں کرتا اور روزے رکھ لیتا ہوں تو اس سے میرے درد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر میں روزے چھوڑ دوں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ نیز روزے چھوڑ دینے کی صورت میں کفارہ کیا ہے؟

جواب اگر آپ کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہے' اس سے بیماری میں اضافہ ہو جاتا ہے' مسلمان اور تجربہ کار ڈاکٹر کا بھی یہی کہنا ہے کہ روزہ رکھنے سے آپ کی صحت کو نقصان پہنچے' درد میں اضافہ ہونے اور زندگی کو خطرہ لاحق ہونے کا خدشہ ہے' تو آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ روزہ چھوڑ دیں اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ آپ پر قضا نہیں ہو گی کیونکہ صحت کی خرابی اور اس بیماری کی وجہ سے آپ کے لیے قضا ممکن ہی نہیں ہے' ہاں البتہ اگر بیماری زائل ہو جائے اور آپ کو تندرستی حاصل ہو جائے تو پھر آپ کے لیے آئندہ رمضان کے روزے رکھنا واجب ہو گا اور ان گزشتہ برسوں کی قضا لازم نہ ہو گی' جن کے روزے آپ نے نہیں رکھے اور ان کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مریض کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے

سوال میری عمر سولہ سال ہے' میں بیمار ہوں اور گزشتہ پانچ سالوں سے ہسپتال میں زیر علاج ہوں' گزشتہ سال ماہ رمضان میں ڈاکٹر نے میرے لیے ورید میں کیمیاوی علاج تجویز کیا جب کہ میں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ یہ علاج بہت قوی اور معدہ اور تمام جسم پر بہت اثر انداز ہوا تھا' جس دن میں نے علاج شروع کیا اس دن (اس کی وجہ سے) مجھے بہت سخت بھوک لگ گئی حالانکہ فجر کے بعد سے اب تک صرف سات گھنٹے گزرے تھے اور عصر کے وقت تک تو میری تکلیف اور بھوک اس قدر بڑھ گئی کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا لیکن میں نے اذان مغرب سے پہلے روزہ افطار نہ کیا ان شاء اللہ اس رمضان میں بھی ڈاکٹر میرا اسی طرح علاج کرے گا تو کیا میں اس دن روزہ رکھوں یا نہ رکھوں؟ اور اگر نہ رکھوں تو کیا اس روزے کی قضا دینا ہو گی؟ کیا ورید سے خون لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ کیا مذکورہ بالا علاج سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب مریض کے لیے شریعت میں یہ رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے بشرطیکہ روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہو یا اسے برداشت کرنا مشکل ہو یا علاج کے لیے دن کے وقت اسے گولیاں' سیرپ یا دیگر دوائیاں استعمال کرنے کی ضرورت ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

"جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ»(مسند أحمد: ٢/ ١٠٨)

"اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو اختیار کر لیا جائے جس طرح وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت و نافرمانی کے کاموں کو اختیار کیا جائے۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ»(صحيح ابن حبان، ح: ٩١٣، ٩١٤)

"جس طرح وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مقرر کردہ فرائض کی بجا آوری کی جائے۔"

کیمیائی تجزیہ وغیرہ کے لیے ورید سے خون لینے کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر خون زیادہ مقدار میں لینا مقصود ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ دن کے بجائے رات کے وقت لے لیا جائے اور اگر زیادہ مقدار میں خون دن کے وقت لیا گیا ہو تو پھر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اس روزے کی قضا دے لی جائے کیونکہ یہ عمل سینگی سے مشابہت رکھتا ہے۔

———— شیخ ابن باز ————

انتہائی بڑھاپے میں تکلیف (شرعی ذمہ داری) ساقط ہو جاتی ہے

سوال میری دادی بہت معمر تھی۔ اس نے عدم استطاعت کی وجہ سے گزشتہ دس سالوں سے روزے نہیں رکھے تھے اور اس سال ان کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کے وارثوں نے جہالت کی وجہ سے ان کے روزوں کا کفارہ بھی ادا نہیں کیا۔ یاد رہے کہ انہیں معاشرتی کفالت کے ادارے کی طرف سے امداد بھی ملتی تھی۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ان وارثوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ گزشتہ تمام سالوں کے روزوں کا کفارہ ادا کریں اور کیا وہ کفارہ ادا نہ کرنے کی صورت میں گناہ گار ہوں گے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر وہ مدت مذکورہ میں سلیم العقل تھیں اور کفارہ ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتی تھیں تو ان کے ترکہ میں سے ان دنوں کا کفارہ ادا کیا جائے گا جن میں انہوں نے روزے نہیں رکھے اور کفارہ بھی ادا نہیں کیا۔ کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع کے حساب سے وہ کھانا دے دیا جائے جو آپ کے علاقے میں کھایا جاتا ہے۔

اگر بے انتہا بڑھاپے کی وجہ سے ان کی عقل جاتی رہی تھی یا وہ اپنی زندگی میں فقر کے باعث کفارہ ادا نہیں کر سکتی تھیں کہ انہیں معاشرتی کفالت کے ادارے سے صرف بقدر ضرورت ہی ملتا تھا اور کفارہ ادا کرنے کے لیے اس میں سے کچھ نہیں بچتا تھا تو پھر ان پر یا ان کے وارثوں پر کچھ لازم نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة ... الخ، ح:١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو اور جب کسی چیز کا حکم دوں تو اسے مقدور بھر بجالاؤ۔"

بے حد بڑھاپے کے باعث اگر ان کی عقل زائل ہو گئی تھی تو ان سے روزہ' نماز اور دیگر تمام شرعی فرائض ساقط ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

معدوم العقل پر روزہ واجب نہیں

سوال میری بیٹی کی عمر تیس سال ہے' اس کے بچے بھی ہیں لیکن چودہ سال سے اس کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ پہلے تو اس طرح ہوتا کہ اس بیماری کی وجہ سے کچھ عرصہ ذہنی توازن درست نہ رہتا اور پھر درست ہو جاتا لیکن اب خلاف عادت تین ماہ سے مسلسل بیمار ہے اور کسی دوسرے انسان کی راہنمائی کے بغیر نہ صحیح طور پر وضو کر سکتی اور نہ نماز پڑھ سکتی ہے۔ اس رمضان المبارک میں اس نے صرف ایک روزہ رکھا اور وہ بھی صحیح طریقے سے نہیں رکھا اور باقی روزے بھی نہیں رکھے۔ براہ کرم اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں کہ سرپرست ہونے کی وجہ سے مجھ پر کیا واجب ہے اور میری بیٹی کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کی ہے تو اس پر نماز واجب ہے نہ روزہ جب تک یہ اسی طرح مریض رہے ادا لازم ہے نہ قضا اور اس سلسلہ میں آپ پر یہ لازم ہے کہ اس کی حفاظت اور نگہداشت کریں کیونکہ آپ اس کے ولی ہیں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ... الحديث»(صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، ح:٨٩٣ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل ... الخ، ح:١٨٢٩)

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی....." (الحديث)

جب انہیں مرض سے اِفاقہ ہو تو صرف اسی وقت کی نمازیں واجب ہوں گی جس میں یہ صحت یاب ہوں گی' اسی طرح اگر رمضان میں یہ صحت یاب ہوں تو صحت کے دنوں کے روزے فرض ہوں گے۔ لہٰذا جن دنوں اِفاقہ سے ہوں صرف انہی دنوں کے روزے رکھیں گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا مزدور کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

سوال میں نے رمضان المبارک کے دوسرے جمعہ کے خطبہ میں خطیب سے سنا کہ اس مزدور کے لیے روزہ چھوڑ دینا جائز ہے جسے کام کی وجہ سے بہت محنت مشقت اٹھانا پڑتی ہو اور اس کام کے علاوہ وہ کوئی اور کام بھی نہ کر سکتا ہو تو وہ رمضان کے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے دے جس کی قیمت انہوں نے پندرہ درہم بیان کی۔ کیا اس فتویٰ کی کتاب و سنت سے کوئی صحیح دلیل ہے؟

جواب مزدور کے لیے محض کام کاج کی وجہ سے روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کام کی وجہ سے اسے بہت ہی زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہو جس کی وجہ سے وہ دن کے وقت روزہ افطار کر دینے کے لیے مجبور و مضطر ہو جائے تو وہ اس مشقت کے ازالہ کے لیے روزہ توڑ دے اور پھر غروب آفتاب تک کچھ نہ کھائے پیے اور پھر لوگوں کے ساتھ افطار کرے اور اس دن کے روزہ کی بعد میں قضا دے لے اور آپ نے جو فتویٰ ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا چرواہوں کے لیے رمضان کے روزے چھوڑنا جائز ہے؟

سوال رمضان المبارک بسا اوقات گرمی کے موسم میں آتا ہے چرواہوں کو ایسے لوگ نہیں ملتے جو اجرت لے کر اونٹوں اور بکریوں کو چرا دیں اور شدید پیاس کی وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے' تو کیا ان کے لیے روزے چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر روزے دار دن کے وقت روزہ چھوڑ دینے کے لیے اس قدر مجبور ہو جائے کہ اگر وہ روزہ نہ چھوڑے تو اس کے لیے جان کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس کے لیے اس قسم کی ضرورت کے وقت اس قدر کھانا پینا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ جائے اور پھر غروب آفتاب تک رک جائے اور رمضان کے بعد اس روزے کی قضا دے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اور فرمایا:

﴿ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ ﴾ (المائدۃ۵/ ۶)

"اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

جو شخص جان بوجھ کر رمضان کا روزہ توڑ دے

سوال ایک شخص نے رمضان کا روزہ رکھا ہوا تھا' اسے شدید پیاس لگی تو اس نے پانی پی لیا۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب علما کے صحیح قول کے مطابق ایسے شخص پر قضا تو لازم ہے مگر کفارہ لازم نہیں اور اگر اس نے محض تساہل کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو پھر قضا کے ساتھ ساتھ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ بھی کرنی چاہیئے۔ کفارہ صرف اس شخص پر ہے جس پر روزہ واجب ہو اور پھر وہ روزے کی حالت میں دن کے وقت مباشرت کرے کیونکہ صحیح قول کے مطابق کفارہ کے بارے میں حدیث صرف اسی صورت سے متعلق ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا مجاہدین روزہ چھوڑ دیں؟

سوال وہ لوگ جو دشمن سے جنگ کر رہے ہوں کیا ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور پھر بعد میں ان کی قضا دے لیں؟

جواب جب کافروں سے جنگ کرنے والے مسلمان مسافر ہوں کہ ان کے لیے نماز قصر کرنا جائز ہو تو پھر ان کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور رمضان کے بعد ان کی قضا دے لیں اور اگر وہ مسافر نہ ہوں بایں طور کہ دشمن نے ان کے شہروں پر حملہ کر دیا ہو تو اس صورت میں جہاد کے ساتھ ساتھ جس شخص کو روزہ رکھنے کی بھی استطاعت ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا واجب ہے اور جو شخص روزے اور جہاد ---جب یہ فرض عین ہو--- دونوں سے بیک وقت عہدہ برآ ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ روزے نہ رکھے اور رمضان کے بعد اتنے دنوں کے روزوں کی قضا دے جتنے دن اس نے روزے نہیں رکھے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسافر اور روزہ

سفر میں روزہ

سوال جس مسافر کو رمضان میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے' کیا اس کے لیے ایسی کوئی شرط ہے کہ وہ سفر پیدل کرے یا سواری پر؟ کیا جانور کی سواری یا گاڑی اور ہوائی جہاز کی سواری کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟ کیا سفر کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس میں مسافر کے لیے ناقابل برداشت تھکاوٹ وغیرہ ہو؟ مسافر کو اگر روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے یا روزہ چھوڑ دینا؟

جواب جس سفر میں نماز قصر کرنا جائز ہے اس میں مسافر کے لیے روزہ چھوڑنا بھی جائز ہے' خواہ سفر پیدل ہو یا سواری پر اور سواری خواہ گاڑی ہو یا ہوائی جہاز وغیرہ اور خواہ سفر میں ایسی تھکاوٹ لاحق ہوتی ہو جس میں روزہ مشکل ہو یا تھکاوٹ لاحق نہ ہوتی ہو' خواہ سفر میں بھوک پیاس لگتی ہو یا نہ لگتی ہو۔ کیونکہ شریعت نے اس سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کی مطلقاً اجازت دی ہے اور اس میں سواری کی نوعیت یا تھکاوٹ اور بھوک پیاس وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی۔

حضرات صحابہ کرام نے رمضان میں جہاد کے سلسلہ میں آپ کے ساتھ سفر کیا تو بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا۔ اور اس کے بارے میں کسی ایک نے بھی دوسرے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ہاں البتہ اگر گرمی کی شدت' راستہ کی دشواری' دوری اور مسلسل سفر کی وجہ سے روزہ میں تکلیف ہو تو پھر مسافر کے لیے تاکید کے ساتھ حکم یہ ہے کہ وہ سفر میں روزہ نہ رکھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم میں سے بعض لوگوں نے روزہ رکھا اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا' روزہ نہ رکھنے والے ہشاش بشاش تھے اور انہوں نے کام کیا جب کہ روزہ رکھنے والے کمزور ہو گئے تھے اور وہ بعض کام نہ کر سکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالأَجْرِ» (صحيح البخاري، الجهاد، باب فضل الخدمة في الغزو، ح: ۲۸۹۰ وصحيح مسلم، الصيام، باب أجر المفطر في السفر ... الخ، ح: ۱۱۱۹)

''آج تو روزہ نہ رکھنے والوں نے اجر و ثواب حاصل کر لیا۔''

کبھی کسی ہنگامی حالت کی وجہ سے یہ واجب بھی ہو جاتا ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھا جائے جیسا کہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف سفر کیا اور جب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ قَدْ دَنَوْتُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ»

''تم اپنے دشمن کے بہت قریب ہو گئے ہو اور روزہ چھوڑ دینا تمہارے لیے باعث تقویت ہو گا۔''

یہ ایک رخصت تھی اس لیے ہم میں سے کچھ لوگوں نے روزہ رکھا اور کچھ نے نہ رکھا' پھر ہم نے جب ایک دوسری منزل پر پڑاؤ ڈالا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ مُصَبِّحُو عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ، فَأَفْطِرُوا»(صحيح مسلم، الصيام، باب أجر المفطر في السفر إذا تولى العمل، ح: ۱۱۲۰)

''تمہاری دشمن سے مڈبھیڑ ہونے والی ہے' روزہ نہ رکھنا تمہارے لیے باعث تقویت ہو گا' لہٰذا روزہ چھوڑ دو۔''

چونکہ آپ کی طرف سے یہ ایک تاکیدی حکم تھا اس لیے ہم سب نے روزہ چھوڑ دیا' راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں روزے رکھے بھی تھے۔

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں ایک آدمی کو دیکھا جس پر لوگ جمع ہوئے تھے اور اس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک روزے دار ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ أَنْ تَصُومُوا فِي السَّفَرِ»(صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان ... الخ، ح: ۱۱۱۵)

''یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم سفر میں روزہ رکھو۔''

فتویٰ کمیٹی

سفر میں روزے

سوال جیسا کہ آنجناب کے علم میں ہے کہ آج کل بحمداللہ اسباب و وسائل سفر بہت آرام دہ ہیں جن کی وجہ سے مسافر کو روزے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو کیا مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے یا روزہ نہ رکھنا افضل ہے؟

جواب مسافر کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ ادلہ شرعیہ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے' خصوصاً جب کہ روزہ رکھنے میں مشقت بھی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ» (صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ لمن ظلل عليه... الخ، ح:١٩٤٦)

''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔''

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ»(مسند أحمد:٢/ ١٠٨)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے جس طرح وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے۔''

اگر روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور کوئی روزہ رکھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر تکلیف ہو تو پھر روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا مسافر شہر میں پہنچ کر کھانے پینے سے رک جائے؟

سوال جب میں رمضان میں مسافر ہوں' سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو اور کسی ایسے شہر میں پہنچ کر جس میں کئی دن قیام کا ارادہ ہے' دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رک جاؤں اور اس قیام کے دوران باقی دنوں میں مجھے روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب جب مسافر کا گزر اپنے شہر کے علاوہ کسی اور شہر کے پاس سے ہو اور اس نے روزہ نہ رکھا ہوا ہو تو اس کے لیے کھانے پینے سے رکنا واجب نہیں ہے جب کہ اس شہر میں اس کی اقامت چار دن یا اس سے کم ہو۔ اور اگر اس کا ارادہ چار دن سے زیادہ مقیم رہنے کا ہو تو وہ اپنی آمد کے دن کے اس بقیہ حصے میں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرے گا' اس دن کی قضا دے گا اور قیام کے باقی دنوں میں روزہ رکھنا لازم ہو گا کیونکہ اپنی مذکورہ نیت کی وجہ سے وہ مقیم لوگوں کے حکم میں ہے' مسافروں کے حکم میں نہیں ہے جیسا کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

غیر مقیم کے روزے کا حکم

سوال جب تجارتی مقاصد کی خاطر سفر کر کے میں شعبان کے آخر میں ایک شہر میں پہنچ جاؤں اور نصف شوال تک وہاں قیام کروں تو کیا اس صورت میں مجھے روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے جب سفر کی مشقت یا مرض وغیرہ کا کوئی عذر ہو' جب کہ مسافر کے لیے بھی افضل یہ ہے کہ وہ روزہ رکھ لے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا اکثر عمل یہی تھا' ہاں البتہ اگر سفر میں مشقت ہو تو پھر روزہ نہ رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رخصت سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور اگر وہ حالت سفر میں ہو تو اس کے لیے قصر کرنا اور روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی شہر میں مقیم نہ ہو بلکہ شہر سے باہر کسی خیمہ میں مقیم ہو یا گاڑی ہی میں رہا ہو اور گرمی' دھوپ اور گرم ہوا کی وجہ سے اسے تکلیف ہوتی ہو اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بھی اسے آنا جانا پڑتا ہو تو اس صورت میں بھی اسے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ اور اگر صورت حال یہ ہو کہ وہ کسی شہر میں مقیم ہو' ایئر کنڈیشنڈ ہوٹل' عالی شان محل یا کسی بلڈنگ میں سکونت پذیر ہو' ضروریات بلکہ آرام و راحت کے تمام سامان میسر ہوں کہ بستر' بیڈ' کھانے پینے کی اشیا ائر کنڈیشنز اور دیگر تمام سہولتوں سے مستفید ہو رہا ہو تو اس حالت میں یہ مقیم شمار ہو گا اور اسے حالت سفر قرار نہیں دیا جائے گا کہ سفر تو عذاب کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے' لہٰذا میری رائے میں ایسے شخص کو نہ نماز قصر کے ساتھ پڑھنی چاہیئے اور نہ روزہ ہی چھوڑنا چاہیئے بلکہ یہ مقیم لوگوں کے حکم میں ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

سبب ختم ہونے کے بعد کھانے پینے سے رک جانا واجب ہے

سوال جب میں سفر میں ہوں' سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہوا ہو اور کسی دن عصر سے پہلے اپنے گھر پہنچ جاؤں تو کیا اس صورت میں کھا پی سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب ہاں جب وہ سبب ختم ہو جائے جس کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تھا تو پھر کھانے پینے سے رک جانا واجب ہے مثلاً اگر دن کے وقت سفر ختم ہو جائے تو دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے باز رہنا واجب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ ﴾ (البقرہ ۲/ ۱۸۴) تو اب تو سفر ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح جس مریض نے بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو اور وہ دن کو کسی وقت شفایاب ہو جائے تو اس کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ دن کے باقی حصہ میں کچھ نہ کھائے پیے کیونکہ ان صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کا عذر زائل ہو گیا ہے لیکن یاد رہے کہ اس دن کی دوسرے دنوں کی طرح مکمل قضا دینا واجب ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ڈرائیوروں کا روزہ

سوال کیا گاڑیوں اور ٹرکوں وغیرہ کے ڈرائیور بھی جو ایام رمضان میں شہروں سے باہر مسلسل گاڑیاں چلانے کے کام میں مصروف رہتے ہیں' مسافر کے حکم میں ہیں؟

جواب ہاں یہ حالت سفر میں ہیں' ان کے لیے اجازت ہے کہ نماز قصر اور جمع کی صورت میں ادا کریں اور روزہ نہ رکھیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ان کا تو ہمیشہ یہی کام ہے' لہذا وہ روزے کب رکھیں؟ تو ہم اسے کہیں گے کہ یہ لوگ سردیوں کے دنوں میں روزے رکھ لیں جب کہ دن چھوٹے اور ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ جو ڈرائیور شہروں کے اندر گاڑیاں چلاتے ہیں وہ مسافروں کے حکم میں نہیں ہیں' لہذا ان کے لیے روزے رکھنا واجب ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حیض و نفاس والی عورتیں اور روزہ

حائضہ کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں

سوال کیا عورت جب رمضان میں حائضہ ہو جائے تو وہ روزے چھوڑ دے اور پھر اپنے ایام کے دنوں کے مطابق بعد روزے رکھ لے؟

جواب ہاں حائضہ عورت کا روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے ایام میں روزے رکھے بلکہ جوں ہی ایام شروع ہوں' اسے روزے چھوڑ دینے چاہئیں اور پھر رمضان کے بعد اتنے دنوں کے روزے رکھنے چاہئیں جتنے دن وہ حیض کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رمضان میں مانع حیض گولیوں کا استعمال

سوال بعض عورتیں رمضان میں مانع حیض گولیاں استعمال کرتی ہیں تاکہ انہیں رمضان کے بعد روزوں کی قضا نہ دینا پڑے۔ سوال یہ ہے کیا ان گولیوں کا استعمال جائز ہے؟ اور کیا اس سلسلہ میں کچھ قیود بھی ہیں' جن کی عورتوں کے لیے پابندی لازم ہے؟

جواب اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ عورت کو مانع حیض گولیاں استعمال نہیں کرنا چاہئیں بلکہ اسے ایسی حالت میں رہنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اور دیگر تمام بنات آدم کے لیے مقرر فرما رکھی ہے۔ ماہواری کے اس نظام میں بھی اللہ تعالیٰ نے حکمت رکھی ہے۔ یہ حکمت عورت کی طبیعت کے مناسب ہے۔ لہذا عورت اگر اپنی ماہواری کی عادت روکے گی تو یقیناً اس کا ایک ردعمل بھی ہو گا جو عورت کی جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہو گا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ح: ٢٣٤٠)

''نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔''

جیسا کہ اطبا نے ذکر کیا ہے' ان گولیوں کا استعمال رحم کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے' لہذا میری رائے یہ ہے کہ

خواتین کو یہ گولیاں استعمال نہیں کرنا چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام اور اس میں موجود حکمت و مصلحت پر ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ عورت کو جب حیض شروع ہو جائے تو اسے نماز اور روزہ سے رک جانا چاہیئے' جب پاک ہو جائے تو پھر نماز اور روزہ شروع کر دے اور جب رمضان ختم ہو جائے تو اپنے ان روزوں کی قضا دے جو حیض کی وجہ سے نہیں رکھ سکی تھی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب عورت فجر کے بعد پاک ہو!

سوال جب عورت فجر کے فوراً بعد پاک ہو تو کیا وہ اس دن کا روزہ رکھے یا نہ رکھے؟ کیا اس پر اس دن کے روزے کی قضا واجب ہے؟

جواب جب عورت کا خون طلوع فجر کے وقت یا اس سے تھوڑی دیر پہلے بند ہو جائے تو اس کا روزہ صحیح ہے اور فرض ادا ہو جائے گا خواہ وہ غسل صبح کے بعد کرے اور اگر اس کا خون صبح طلوع ہونے کے بعد بند ہوا ہو تو پھر اس دن کا روزہ جائز نہیں بلکہ اسے رمضان کے بعد اس روزے کی قضا دینا ہو گی۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نفاس والی عورت کا روزہ

سوال اگر رمضان سے ایک ہفتہ پہلے میرے ہاں بچے کی ولادت ہو اور میں چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جاؤں تو کیا رمضان کے ان باقی دنوں کے روزے رکھنا مجھ پر واجب ہے؟

جواب ہاں جب نفاس والی عورت پاک ہو جائے اور طہارت کی علامت یعنی پانی کی سفیدی یا مکمل صفائی کو دیکھ لے تو وہ نماز روزہ شروع کر دے خواہ وہ ولادت کے ایک دن یا ایک ہفتہ بعد ہی پاک ہو جائے کیونکہ نفاس کی کم از کم کوئی حد نہیں ہے بلکہ بعض عورتوں کو تو ولادت کے بعد بالکل خون نہیں آتا لہٰذا اس سلسلہ میں چالیس دن کی کوئی شرط نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جب روزے کی حالت میں دوبارہ نفاس شروع ہو جائے

سوال جب نفاس والی عورت ایک ہفتہ میں پاک ہو جائے اور رمضان کے روزے رکھنا شروع کر دے لیکن کچھ دنوں بعد دوبارہ خون جاری ہو جائے تو کیا وہ اس حالت میں روزہ چھوڑ دے؟ اور کیا اسے ان تمام دنوں کی قضا دینا پڑے گی جن میں اس نے روزے رکھے ہیں یا چھوڑے ہیں؟

جواب جب زچہ چالیس دنوں کے اندر پاک ہو جائے اور روزے رکھنا شروع کر دے لیکن چالیس دنوں کی تکمیل سے قبل دوبارہ پھر خون جاری ہو جائے تو اس نے جو روزے رکھے ہیں وہ صحیح ہیں البتہ اب خون جاری ہونے کے بعد وہ نماز روزہ چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے یا چالیس دن پورے ہو جائیں کیونکہ چالیس دن کے اندر اندر جو خون آئے وہ

زچگی کا خون ہے۔ جب چالیس دن پورے ہو جائیں تو اس کے لیے غسل کرنا واجب ہے خواہ وہ طہارت کی علامت نہ دیکھے' کیونکہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق نفاس کی زیادہ سے زیادہ حد چالیس دن ہے۔ اگر چالیس دنوں کے بعد بھی خون جاری رہے تو اسے ہر نماز کے وقت میں وضو کر کے اسے ادا کرنا ہو گا حتیٰ کہ خون منقطع ہو جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مستحاضہ کو حکم دیا تھا۔ (1) چالیس دنوں کے بعد خاوند اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا ہے خواہ اس نے ابھی تک طہارت کی علامت نہ بھی دیکھی ہو کیونکہ چالیس دنوں کے بعد خون زچگی کا خون نہیں بلکہ یہ ایک فاسد خون ہے جو نماز روزہ اور جنسی تعلق سے مانع نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر نفاس کے چالیس دنوں کے بعد کسی عورت کے حیض کے ایام شروع ہو جائیں تو پھر وہ نماز روزہ ترک کر دے گی' (جنسی تعلق بھی جائز نہ ہو گا) کیونکہ یہ حیض کا خون ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

غسل حیض کو طلوع فجر تک مؤخر کرنا

سوال کیا غسل جنابت میں طلوع فجر تک تاخیر کرنا جائز ہے؟ کیا خواتین کے لیے حیض یا نفاس کا غسل کو طلوع فجر تک مؤخر کرنا جائز ہے؟

جواب جب عورت فجر سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کے لیے روزہ رکھنا لازم ہے۔ طلوع فجر کے بعد تک غسل مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن تاخیر اس قدر نہیں ہونی چاہیئے کہ سورج طلوع ہو جائے بلکہ طلوع آفتاب سے پہلے غسل کرنا اور نماز پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح جنبی مرد اور عورت کو بھی سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے غسل کر کے نماز ادا کرنا چاہیئے خصوصاً مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ جلد غسل کرے تاکہ نماز فجر باجماعت ادا کر سکے۔

——— شیخ ابن باز ———

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت اور روزہ

حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین جب رمضان کے روزے نہ رکھ سکیں

سوال حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین جب رمضان کے روزے نہ رکھ سکیں تو انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ اور اگر وہ چاولوں کی صورت میں فدیہ دینا چاہیں تو کتنا فدیہ دیں؟

جواب حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی عذر کے بغیر ایام رمضان کے روزے چھوڑیں اور اگر کسی عذر کی وجہ سے انہیں رمضان کے روزے چھوڑنا پڑیں تو ان دنوں کی قضا لازم ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریض کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۴)

(1) سنن ابی داود' الطهارة' باب ماروی أن المستحاضة تغتسل لكل صلاة' حديث: 292۔

"پس سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرے۔"

اور یہ دونوں قسم کی عورتیں مریض کے حکم میں ہیں اور اگر ان کا عذر یہ ہو کہ وہ روزے کی وجہ سے بچے کی صحت کے بارے میں خائف ہوں تو پھر قضا کے ساتھ ساتھ ان پر فدیہ بھی لازم ہے' فدیہ یہ ہے کہ ہر روز ایک مسکین کو گندم یا چاول یا کھجور یا جو لوگوں کی خوراک ہو' سو وہ دی جائے۔ بعض علما کے بقول حاملہ اور مرضعہ پر ہر حال میں صرف قضا ہی لازم ہے کیونکہ وجوب فدیہ کی کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اصول یہ ہے کہ جب تک وجوب کی دلیل نہ ہو اس وقت تک آدمی بری الذمہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حاملہ اور مرضعہ کو جب اپنے یا اپنے بچے کے بارے میں خطرہ ہو

سوال حاملہ یا مرضعہ کو جب رمضان میں روزے رکھنے کی وجہ سے اپنے یا اپنے بچے کے بارے میں نقصان کا خطرہ ہو اور وہ روزے نہ رکھے تو کیا وہ فدیہ اور قضا دے یا صرف قضا دے اور فدیہ نہ دے یا صرف فدیہ دے اور قضا نہ دے' ان تینوں صورتوں میں سے کون سی صورت صحیح ہے؟

جواب حاملہ عورت کو اگر رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنے یا اپنے بچے کے بارے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور اس کے ذمہ صرف قضا ہو گی' کیونکہ اس کی حالت اس انسان جیسی ہے جسے روزے کی طاقت ہی نہ ہو یا روزہ رکھنے سے اسے نقصان ہوتا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

"اور جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے۔"

اسی طرح مرضعہ عورت کو اگر رمضان میں بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ ہو یا روزہ رکھنے کی وجہ سے بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی روزہ چھوڑ دے اور رمضان کے بعد صرف قضا دے لے۔ وباللہ التوفیق

—— فتویٰ کمیٹی ——

حاملہ عورت پر صرف قضا لازم ہے

سوال میں رمضان میں حاملہ تھی۔ میں نے روزے چھوڑ دیئے اور پھر رمضان کے بعد ایک پورے مہینے کے روزے بھی رکھے اور صدقہ بھی کیا۔ اگلے رمضان میں' میں پھر حاملہ تھی میں نے روزے چھوڑ دیئے اور رمضان کے بعد ایک دن چھوڑ کر ایک روزہ رکھ لیا اور اس طرح دو ماہ میں روزے مکمل کر لیے لیکن صدقہ نہیں کیا' تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی صدقہ واجب ہے؟

جواب جب حاملہ عورت کو روزے کی وجہ سے اپنے یا اپنے بچے کی صحت کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور اس پر صرف قضا واجب ہے کیونکہ اس کی حالت اس مریض جیسی ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو یا روزہ رکھنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۵)

"اور جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی کو پورا کرے۔"

———— فتویٰ کمیٹی ————

شیر خوار بچے کی وجہ سے قضا نہ دی

سوال ایک عورت نے رمضان میں بچے کو جنم دیا اور پھر رمضان کے بعد شیر خوار بچے کی وجہ سے قضا نہ دی اور پھر حاملہ ہو گئی اور دوسرے رمضان میں پھر بچے کو جنم دیا۔ کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ روزے رکھنے کی بجائے رقم تقسیم کر دے؟

جواب اس عورت پر یہ واجب ہے کہ جتنے دن اس نے روزے نہیں رکھے اتنے دنوں کی قضا دے خواہ دوسرے رمضان کے بعد' کیونکہ اس نے پہلے اور دوسرے رمضان قضا کو عذر کی وجہ سے ترک کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کیا اسے اس میں بھی مشقت ہے کہ وہ سردیوں کے موسم میں ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھ لے؟ اگر وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قوت عطا فرما دے گا اور روزہ اس کی صحت یا اس کے دودھ پر اثر انداز نہ ہو گا۔ لہٰذا اسے چاہیئے کہ اگلے رمضان کی آمد سے قبل مقدور بھر کوشش کر کے پہلے رمضان کی قضا دے لے اور اگر اس کے لیے قضا دینا ممکن نہ ہو تو پھر اسے دوسرے رمضان تک مؤخر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

روزوں کی قضا

بیماری سے شفا کے بعد روزے کی قضا ضروری ہے

سوال ایک عورت نفسیاتی بیماری' بخار' ڈیپریشن اور اعصابی کمزوری میں مبتلا تھی جس کی وجہ سے وہ تقریباً چار سال تک روزے نہ رکھ سکی' تو اس حالت میں کیا وہ روزے کی قضا دے یا نہ دے اس کے روزوں کا کیا حکم ہو گا؟

جواب اگر اس نے عدم قدرت کی وجہ سے روزے ترک کئے ہیں تو جب اسے قدرت حاصل ہو جائے تو ان تمام روزوں کی قضا واجب ہو گی جو اس نے گزشتہ چار سالوں میں نہیں رکھے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۵)

"اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) ان کی گنتی پورا کرے۔ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لیے (دیا گیا ہے) تاکہ تم روزوں کا شمار

پورا کرلو اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے' تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو۔"

ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق اگر عورت اپنی بیماری اور عاجزی کی وجہ سے روزہ رکھنے سے قاصر ہو تو وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ جو وہاں کے لوگوں کی خوراک ہو' کھلا دے کیونکہ اس عورت کی مثال اس بے حد بوڑھے مرد اور عورت کی طرح ہے جنہیں روزے کی وجہ سے شدید مشقت ہو اور وہ روزے نہ رکھ سکتے ہوں' لہٰذا اس صورت میں اس کے لیے قضا نہیں ہو گی۔

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

نفلی روزے رمضان کی قضا نہیں بن سکتے

سوال میں بیمار ہو گئی اور مرض جب شدت اختیار کر گیا تو میرے بھائی نے مجھے مکہ مکرمہ میں ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ ہسپتال میں داخلہ کے دوران دوبارہ رمضان آیا اور پھر اس کے بعد مجھے ریاض منتقل کر دیا گیا اور میں وہاں دوبارہ پھر ہسپتال میں داخل ہو گئی اور جب پھر رمضان آ گیا تو میں پہلے سے بہتر تھی' لہٰذا میں نے روزے رکھ لیے۔ کیا روزے رکھنا میرے لیے لازم ہے جبکہ میں ہر ماہ تین روزے رکھتی ہوں؟ یا میرے لیے صدقہ کرنا لازم ہے؟ کیا میں اپنے اکلوتے بیٹے سے کہوں کہ وہ صدقہ کر لے جب کہ وہ تنگدست ہے' ملازمت بھی نہیں کرتا اور ایک کرایہ کے مکان میں رہتا ہے اور میں ایک کمزور حالت والی عورت ہوں۔ میں کوئی کام کر کے صدقہ کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتی۔ لہٰذا اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟

جواب سائلہ پر مذکورہ دو مہینوں کی قضا واجب ہے کیونکہ (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۵)

"تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی کو پورا کر لے۔"

سائلہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ ہر مہینے تین روزے رکھتی ہے' اگر ان روزوں کے رکھنے سے سائلہ کی نیت مذکورہ دو مہینوں کے روزوں کی قضا دینا ہے تو یہ نیت صحیح ہے' لہٰذا اسے باقی روزے بھی رکھ لینے چاہئیں اور اگر ان تین روزوں کے بارے میں اس کی نیت نفل روزوں کی تھی تو اس سے فرض ساقط نہیں ہوں گے اور اسے مکمل دو ماہ کے روزے رکھنا ہوں گے۔ روزوں کے بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا اس کے لیے واجب نہیں ہے کیونکہ یہ معذور تھی اور بیماری کی وجہ سے اس نے روزے مؤخر کئے ہیں۔

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھنا

سوال چند سال پہلے میں نے ایک پورے رمضان کے روزے نہیں رکھے کیونکہ میں ہسپتال میں داخل تھا اور ڈاکٹروں نے مجھے روزے رکھنے سے منع کر دیا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ میری صحت روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتی' میں نے اگلا

رمضان آنے سے پہلے مکمل مہینے کا فدیہ ادا کر دیا لیکن اس کے بعد میں نے مسلسل کئی سالوں کے رمضان کے روزے رکھے ہیں۔ جس رمضان کے روزے میں نے چھوڑے تھے اس کے بھی ۲۳ روزوں کی قضا دے لی ہے اور اب صرف سات باقی ہیں' تو کیا سابقہ مہینے کا کفارہ ادا کر دیا جائے تو یہ کافی ہو گا یا میرے لیے ان سات دنوں کی قضا واجب ہے میری صحت اکثروبیشتر صورتوں میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتی؟

جواب آپ پر واجب یہ ہے کہ سات دنوں کی قضا بھی دیں اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے عوض شہر میں کھائی جانے والی خوراک کے مطابق ایک مسکین کو نصف صاع کھانا دیں کیونکہ آپ نے جس رمضان کے روزے چھوڑے تھے' انہیں اگلے رمضان تک مؤخر کر دیا جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۵)

"تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی کو پورا کرے۔"

حضرات صحابہ کرام کی ایک جماعت کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ جو شخص رمضان کی قضا کو مؤخر کر دے تو اس پر یہ لازم ہے کہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کے کھانے کے فدیہ کے ساتھ ساتھ قضا بھی دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔ والسلام۔

——— شیخ ابن باز ———

بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھے اور پھر.........

سوال ایک شخص کا عیدالفطر کے دن انتقال ہوا۔ رمضان کی پہلی یا دوسری تاریخ کو وہ بیمار ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ رمضان کا کوئی روزہ نہ رکھ سکا تو کیا اب اس کے وارث اس کی طرف سے روزے رکھیں یا فدیہ ادا کریں یا اس سلسلہ میں میت اور اس کے وارثوں پر کچھ بھی لازم نہیں ہے؟

جواب اس مریض نے اگر روزے اس لیے نہیں رکھے کہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہ تھی اور قضا اس لیے نہیں دے سکا کہ عیدالفطر کے دن اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے لیے روزہ رکھنا واجب نہ تھا۔ کیونکہ بیماری کی وجہ سے اسے اس کی طاقت نہ تھی اور اس پر قضا بھی واجب نہیں کیونکہ عیدالفطر کے دن فوت ہو جانے کی وجہ سے اسے اس کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس کے وارثوں پر بھی اس کی طرف سے روزہ رکھنا یا فدیہ ادا کرنا واجب نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

متوفی کے ذمہ ایک دن کے روزے کی قضا تھی

سوال میرے اٹھارہ سال کی عمر کے بیٹے کا پانچ دن پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے رمضان کا ایک روزہ نہیں رکھا تھا۔ یہ رمضان کا پہلا دن ہی تھا اور پھر اس کے بعد اس نے سارے روزے رکھے تھے تو اس ایک روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس نے اس دن کے روزے کی قضا اس لیے نہیں دی کہ ڈاکٹر نے تو اسے یہ کہا تھا کہ وہ بالکل روزے نہ رکھے تاکہ اس کی ہڈی جڑ جائے اور اس کے لیے اسے بہت اچھی خوراک کی ضرورت تھی؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے کہ آپ کے بیٹے کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ کمزوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا اور پھر قضا دینے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس پر یا اس کے وارثوں پر قضا یا کفارہ کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة۲/ ۲۸٦)

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

فتویٰ کمیٹی

عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کا کفارہ

سوال میں نے رمضان ۱۳۹۵ھ میں دو روزے چھوڑے لیکن ان کی قضا نہ دی حتیٰ کہ ۹٦ھ کا رمضان آگیا اور پھر ۹٦ھ کے رمضان کے بھی تین روزے نہ رکھے اور پھر محرم ۹۷ھ میں مسلسل پانچ دن قضا دے لی کیا اس صورت میں فدیہ ادا کرنے کی ضرورت تو نہیں؟

جواب اگر آپ نے مذکورہ روزے کسی عذر کی وجہ سے چھوڑے ہیں تو آپ پر اس قضا کے علاوہ اور کچھ لازم نہیں ہے جو آپ نے سرانجام دے دی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸٤)

''پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی کو پورا کرے۔''

اور اگر آپ نے روزے کسی (شرعی) عذر کے بغیر ترک کئے ہیں تو پھر مذکورہ قضا کے ساتھ ساتھ توبہ بھی لازم ہے کیونکہ کسی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ ۹٦ھ کے رمضان کے آپ نے جو روزے چھوڑے ان کا کوئی کفارہ نہیں۔ ہاں البتہ آپ نے ۹۵ھ کے رمضان کے جو دو روزے چھوڑے ہیں قضا کے ساتھ ساتھ ان کا کفارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے کیونکہ آپ نے کسی عذر کے بغیر ان کو اس قدر مؤخر کیا کہ ۱۳۹٦ھ کا رمضان آگیا۔ کھانے کی مقدار یہ ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع وہ کھانا کھلا دیں جو آپ کے شہر میں کھایا جاتا ہے' لیکن یاد رہے کہ یہ اس صورت میں جب آپ کے روزے چھوڑنے کا سبب جنسی عمل نہ ہو اور اگر اس کا سبب جنسی عمل ہے تو پھر قضا کے ساتھ ساتھ اس کا کفارہ بھی لازم ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے عوض ایک ایک مومن گردن آزاد کریں' وہ میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھیں اور اگر روزے رکھنے سے بھی آپ عاجز و قاصر ہوں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ واللہ الموفق

فتویٰ کمیٹی

ایک رمضان کی قضا دوسرے رمضان تک مؤخر کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے جو کسی عذر کی وجہ سے یا عذر کے بغیر ایک رمضان کی قضا کو دوسرے رمضان تک مؤخر کر دیتا ہے؟

جواب جو شخص کسی شرعی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے روزوں کی قضا مؤخر کر دے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۵)

"اور جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی کو پورا کرے۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

ہاں البتہ جو شخص بغیر عذر کے اس قدر تاخیر کرے تو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ اسے چاہیئے کہ توبہ کرے' ان روزوں کی قضا دے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا بھی دے۔ کھانے کی مقدار چاول وغیرہ یا جو اس علاقے کی خوراک ہو وہ نصف صاع فی دن کے حساب سے دی جائے نصف صاع کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہے۔ یہ کھانا بعض فقراء یا کسی ایک فقیر کو روزوں سے پہلے یا بعد میں دے دیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

قضا اگلے رمضان تک مؤخر کر دی

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے اور پھر قضا نہ دے حتیٰ کہ اگلا رمضان آجائے؟

جواب اگر چھوڑے ہوئے روزے کی قضا میں کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے تاخیر ہوئی ہو تو اس پر بوقت قدرت صرف قضا لازم ہو گی اور اگر اس نے کسی عذر کے بغیر قضا میں تاخیر کی ہے تو اس نے بہت برا کیا ہے۔ اس صورت میں قضا بھی لازم ہو گی اور ایک مسکین کو کھانا بھی کھلانا ہو گا۔

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے ذمہ ۱۳۹۲ھ کے رمضان کا ایک روزہ تھا اور اس نے قضا نہ دی حتیٰ کہ ۹۳ھ کا رمضان آ گیا؟

جواب جب کوئی انسان رمضان کے ایک یا ایک سے زیادہ روزوں کی قضا میں اس قدر سستی کرے کہ اگلا رمضان آ جائے تو پھر وہ قضا بھی دے اور نصف صاع کے حساب سے ہر دن کے عوض مسکین کو گندم وغیرہ بھی دے یا کوئی اور ایسی جنس جو اس علاقے میں کھانے کا معمول ہو بشرطیکہ اس نے قضا میں کسی عذر کے بغیر تاخیر کی ہو اور اگر اس نے کسی عذر کی وجہ سے قضا میں تاخیر کی ہو مثلاً بیماری یا اس قدر کمزوری ہو کہ وہ فوت شدہ روزوں کی قضا دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اس پر فدیہ لازم ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عذر کے بغیر قضا میں تاخیر

سوال پانچ سال پہلے میں رمضان میں شدید بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکا اور ان روزوں کی آج تک

قضا بھی نہ دے سکا تو کیا یہ جائز ہے کہ ان روزوں کی اب قضا دے لوں؟ کیا اس سلسلہ میں مجھے گناہ ہو گا؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور اجروثواب سے نوازے۔

جواب اس بہت زیادہ تاخیر کی وجہ سے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ آپ پر واجب یہ تھا کہ جس رمضان کے آپ نے روزے نہیں رکھے تھے اس کے روزوں کی قضا اگلے رمضان کی آمد سے پہلے پہلے دے لیتے۔ اب آپ پر واجب ہے کہ توبہ کے ساتھ ساتھ ہر دن کے عوض نصف صاع شہر کی خوراک از قسم کھجور یا چاول وغیرہ کا فدیہ بھی ادا کریں۔ نصف صاع کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہے۔ یہ تمام فدیہ فقیروں کو یا کسی ایک فقیر کو دے دیا جائے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمیں اور آپ کو معاف فرماوے۔ انه خیر مسئوول!

—— شیخ ابن باز ——

چوبیس سال پہلے کے رمضان کے روزوں کی قضا

سوال ایک عورت نے ۱۳۸۲ھ کے رمضان کے روزے ایک حقیقی عذر یعنی اپنے بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے چھوڑے تھے۔ وہ بچہ اب بڑا ہو کر چوبیس سال کا ہو گیا ہے لیکن اس عورت نے اب تک روزوں کی قضا نہیں دی۔ اللہ عظیم کی قسم! قضا نہ دینے کا سبب سستی اور قصدو ارادہ نہیں بلکہ جہالت ہے تو رہنمائی فرمائیں کہ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس سال کے رمضان کے دنوں کے بقدر روزے رکھے خواہ متفرق طور پر رکھ لے اور اس تاخیر کی وجہ سے کفارہ بھی ادا کرنا ہو گا۔ کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے کیونکہ جو شخص قضا میں اس قدر تاخیر کر دے کہ اگلا رمضان آ جائے تو اس کے لیے قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ پورے مہینے کے کفارہ کے طور پر پینتالیس کلو چاول کافی ہوں گے۔ اس عورت کے لیے یہ واجب تھا کہ اگر اسے معلوم نہ تھا تو دین کے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھ کر تحقیق کر لیتی کیونکہ یہ مسئلہ مشہور و معروف ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑ دے تو اس کے لیے فوری طور پر قضا لازم ہے اور کسی عذر کے بغیر قضا میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

قضا لازم ہے خواہ الگ الگ دنوں میں دے لو

سوال میں سترہ برس کی ایک لڑکی ہوں۔ روزے فرض ہونے کے بعد کے ابتدائی دو سال میں نے رمضان کے جو روزے چھوڑے تھے ان کی اب تک قضا نہیں دی لہٰذا اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

جواب ان دنوں کی فوراً قضا دو' خواہ الگ الگ دنوں میں دے لو اور ایک سال سے زیادہ تاخیر کی وجہ سے قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے جیسا کہ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جس نے جان بوجھ کر روزے چھوڑے پھر توبہ کی؟

سوال اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے گزشتہ کئی سالوں میں رمضان کے روزے نہیں رکھے' ہاں البتہ دیگر فرائض ادا کیے تھے۔ وہ اپنے ملک سے باہر تھا لیکن کسی عذر کے بغیر اس نے روزے چھوڑ دیے تھے۔ اب اگر وہ توبہ کر لے یا اپنے ملک واپس آ جائے تو کیا اس کے لیے قضا لازم ہے؟

جواب رمضان کے روزے ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہیں لہٰذا اس شخص کا جان بوجھ کر روزے چھوڑ دینا جس پر فرض ہوں بہت بڑا گناہ ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک ایسا شخص کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسے سچی اور خالص توبہ کرنی چاہیے' کثرت کے ساتھ نفل اعمال صالح ادا کرنے چاہئیں اور اسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دیگر احکام شریعت کی پابندی کرنی چاہیے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق ایسے شخص پر قضا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کا جرم اس سے کہیں بڑا ہے کہ قضا سے اس کی تلافی ہو سکے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پہلے فوت شدہ روزوں کی قضا دیجئے

سوال کیا رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنا جائز ہے؟ کیا ماہ شوال کے سوموار کے دن کا روزہ اس نیت سے جائز ہے کہ رمضان کی قضا بھی ہو جائے اور سوموار کے دن کے روزے کا اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے؟

جواب شوال کے چھ روزوں کا ثواب اسی صورت میں حاصل ہو گا کہ پہلے ماہ رمضان کے روزے مکمل کر لیے گئے ہوں۔ جس کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا ہو تو وہ قضا کے بعد ہی شوال کے چھ روزے رکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ . . . . »(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام ... الخ، ح:١١٦٤)

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے........."

لہٰذا جس کے ذمہ قضا ہو اس سے ہم یہ کہیں گے کہ پہلے رمضان کے روزوں کی قضا دو پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھو۔ اتفاق سے ان چھ دنوں میں سوموار یا جمعرات کا جو دن آئے گا تو چھ دن کی نیت کا بھی اجر و ثواب ملے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ انما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان کے روزوں کی قضا موسم سرما تک مؤخر کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا موسم سرما تک مؤخر کر دی جائے؟

جواب جونہی قدرت حاصل ہو اور عذر زائل ہو جائے تو رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہے اور کسی سبب کے بغیر تاخیر جائز نہیں مبادا کہ بعد میں بیماری یا سفر یا موت کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو جائے لیکن اگر کسی نے اس قدر تاخیر کر دی کہ سردیوں کے چھوٹے دن آ گئے اور ان دنوں میں قضا دے لی تو یہ قضا بھی صحیح ہو گی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز تراویح اور قیام

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے

سوال کیا نماز تراویح صرف سنت ہے یا سنت مؤکدہ؟ ہم اسے کس طرح ادا کریں؟

جواب یہ سنت مؤکدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح البخاري، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ح:٢٠٠٩ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان ... الخ، ح:٧٥٩)

"جو شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ تمام گناہ معاف فرما دے گا۔"

یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چند راتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نماز پڑھائی اور پھر اس خدشہ سے نہ پڑھائی کہ یہ فرض ہی نہ کر دی جائے [1] لیکن صحابہ کرام کو آپ نے یہ ترغیب دی کہ وہ اپنے طور پر اس نماز کو ضرور پڑھیں لہٰذا کوئی اکیلا پڑھ لیتا' کوئی دو مل کر اور کوئی تین مل کر جماعت سے ادا کر لیتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں (جب کہ تراویح کی فرضیت کا خطرہ دور ہو گیا تھا) یہ مناسب سمجھا کہ تمام لوگ ایک امام کی اقتدا میں نماز باجماعت ادا کریں [2] کیونکہ اس طرح سب کو نماز باجماعت ادا کرنے اور قرآن مجید سننے کا موقع نصیب ہو گا اور تب سے اب تک یہ سنت باجماعت ادا کرنے کا مسلمانوں میں معمول جاری ہے۔ اس زمانے میں اس نماز کی تیئیس رکعتیں ادا کی جاتی تھیں'

---

[1] صحیح بخاری' التراویح' باب فضل من قام رمضان' حدیث: 2012 و صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب الترغیب فی قیام رمضان..... الخ' حدیث: 761۔

[2] صحیح بخاری' صلاۃ التراویح' باب فضل من قام رمضان' حدیث: 2010۔

لوگ اس قدر لمبی قراءت کرتے کہ سورۃ البقرہ کو بارہ اور کبھی آٹھ رکعتوں میں پڑھ لیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح کی رکعات کی تعداد چونکہ معین نہیں فرمائی للذا اس سلسلہ میں کافی گنجائش ہے کہ جو چاہے رکعات کی تعداد کم کر لے اور ارکان کو طول دے لے اور جو چاہے رکعات کی تعداد کو بڑھا لے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تراویح سنت ہے واجب نہیں

سوال میں ایک تجارتی ادارے میں کام کرتا ہوں اور نماز تراویح مسجد میں ادا نہیں کر سکتا کیونکہ کام کے اوقات مغرب کے بعد سے لے کر سحری کے قریب تک ہیں تو کیا اس کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟ اس ثواب سے محروم رہنے کی تلافی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

جواب ترک تراویح کی وجہ سے آپ کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ تراویح سنت ہے' اگر انسان ادا کرے تو اسے ثواب ملتا ہے اور اگر یہ ادا نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ کو آپ کی اس نیت کا علم ہے کہ اگر اس ملازمت کی وجہ سے آپ کی مشغولیت نہ ہوتی تو آپ ضرور تراویح پڑھتے۔ اس لیے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے آپ کی نیت کے مطابق وہ آپ کو ضرور اجر وثواب سے نوازے گا۔

نماز تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر قراءت

سوال کیا نماز تراویح اور نماز کسوف میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر وثواب سے نوازیں۔

جواب قیام رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس طرح مقتدیوں کو تمام قرآن مجید کے سنانے کا موقع ملے گا۔ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قراءت مشروع ہے اور یہ حکم عام ہے خواہ قرآن مجید دیکھ کر قراءت کی جائے یا زبانی' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام ذکوان کو حکم دیا کہ وہ قیام رمضان میں امامت کے فرائض سرانجام دیں' چنانچہ ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی "صحیح" میں تعلیقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

رات کی نماز دو دو رکعت ہے

سوال بعض امام نماز تراویح پڑھاتے ہوئے چار یا اس سے بھی زیادہ رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھا دیتے ہیں۔ دو رکعتوں کے درمیان بیٹھتے بھی نہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس عمل کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل ہے؟

---

[1] امام بخاری نے اس کو کتاب الاذان' باب امامة العبد والموالی میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ فتح الباری 185/2۔

جواب اکثر اہل علم کے نزدیک یہ عمل غیر مشروع بلکہ مکروہ یا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى»(صحيح البخاري، أبواب الوتر، باب ماجاء في الوتر، ح:٩٩٠ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى . . . الخ، ح:٧٤٩)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلاَةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ، إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ» (صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ . . . الخ، ح:٧٣٦)

"رسول اللہ ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہونے سے فجر تک کے درمیانی وقفے میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا کرتے اور ایک رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔" (اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ جو مشہور حدیث ہے:

«[كَانَ] يُصَلِّي [مِنَ اللَّيْلِ] أَرْبَعًا فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ»(صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل . . . الخ، ح:١١٤٧ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ . . . الخ، ح:٧٣٨)

"(نبی کریم ﷺ رات کو) چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے' ان کی خوبصورتی اور لمبائی کے بارے میں مت پوچھئے۔ آپ پھر چار رکعتیں اور پڑھتے اور ان کے حسن اور طول کے بارے میں بھی مت پوچھئے۔"

تو اس سے مراد بھی یہی ہے کہ آپ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیتے تھے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ ایک ہی سلام سے چار رکعتیں اکٹھی پڑھتے تھے کیونکہ آپ سے مروی سابقہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ دو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ نیز آپ نے خود یہ فرمایا ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى»(صحيح البخاري، أبواب الوتر، باب ما جاء في الوتر، ح:٩٩٠ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى . . . الخ، ح:٧٤٩)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔"

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے' نیز اصول یہ ہے کہ بعض احادیث بعض کی تصدیق اور تفسیر بیان کرتی ہیں' لہٰذا مسلمان کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ تمام احادیث کو قبول کرلے اور مبین کے ساتھ مجمل کی تفسیر کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز کو اطمینان سے پڑھنا فرض ہے

سوال ہماری مسجد کا امام نماز تراویح اس قدر جلدی پڑھاتا ہے کہ اس عظیم فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے ہم دعا

مانگ سکتے ہیں نہ تسبیح پڑھ سکتے ہیں اور نہ نماز خشوع سے ادا کر سکتے ہیں۔ وہ صرف تشہد اول پر اکتفا کرتا یعنی "اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" تک پڑھتا اور کہتا ہے کہ بس اس قدر تشہد کافی ہے۔ یعنی درود شریف نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ یہ اضافہ ہے اور قراءت بھی صرف ایک یا دو آیتوں کی کرتا ہے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے۔

جزاکم اللہ خیرًا

جواب ائمہ کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ نماز خواہ تراویح ہو یا فرض اسے نہایت اطمینان د سکون سے پڑھائیں۔ قراءت ترتیل کے ساتھ کریں۔ رکوع و سجود خشوع کے ساتھ کریں اور رکوع کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان کامل اعتدال سے کام لیں اور تمام نمازیں خواہ وہ فرض ہوں یا نفل نہایت اطمینان و سکون سے پڑھائیں کیونکہ طمانیت فرض ہے اور اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ جو شخص نماز میں طمانیت کو ترک کر دے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ "صحیحین" میں حدیث موجود ہے [1] کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو کہ اطمینان کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا تھا تو آپ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اس کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے بتایا کہ رکوع و سجدہ میں طمانیت واجب ہے' نیز رکوع کے بعد اور دو سجدوں کے درمیان اعتدال واجب ہے لہٰذا ائمہ مساجد کو چاہیئے کہ ترتیل اور خشوع کے ساتھ قراءت کیا کریں تاکہ قراءت سے خود بھی استفادہ کریں اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے مقتدی بھی استفادہ کر سکیں۔ ترتیل اور خشوع سے کی گئی قراءت سن کر ہی دلوں میں تحریک' خشوع اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور توجہ پیدا ہوتی ہے۔

امام اور مقتدیوں پر یہ بھی واجب ہے کہ تشہد میں شہادتین کے بعد سلام سے پہلے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود ابراہیمی پڑھیں [2] کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے [3] لہٰذا اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت نماز میں درود شریف کی فرضیت کی قائل ہے۔ امام اور مقتدیوں کے لیے یہ جائز نہیں ---خواہ نماز کا مسئلہ ہو یا کوئی اور--- کہ وہ شریعت مطہرہ کی مخالفت کریں۔ امام' مقتدی اور انفرادی طور پر نماز ادا کرنے والے سب لوگوں کے لیے یہ بھی حکم شریعت ہے کہ وہ نماز میں درود شریف کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عذاب جہنم' عذاب قبر' فتنۂ موت و حیات اور فتنۂ مسیح دجال سے پناہ بھی طلب کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا بھی یہ عمل تھا اور آپ نے امت کو اس دعا کے مانگنے کا حکم بھی دیا ہے۔ [3] اسی طرح سلام سے پہلے کوئی اور دعا ساتھ ملا لینا بھی مستحب ہے' مثلاً اس موقع پر وہ مشہور دعا بھی مانگی جا سکتی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی کہ وہ ہر نماز کے آخری حصہ میں یہ دعا ضرور مانگیں:

---

[1] صحیح بخاری' الاذان' باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم ..... الخ' حدیث: 757 و صحیح مسلم' الصلاۃ' باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ..... الخ' حدیث 397-

[2] صحیح بخاری' التفسیر' باب قولہ ان اللّٰہ و ملائکتہ یصلون علی النبی' حدیث: 4797 و صحیح مسلم' الصلاۃ' باب الصلاۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد التشھد' حدیث 407-

[3] صحیح مسلم' المساجد' باب ما یستعاذ منہ فی الصلاۃ' حدیث: 588-

[4] سنن ابی داود' الصلاۃ باب فی الاستغفار' حدیث: 1522-

«اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»(سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، ح:١٥٢٢)

"اے اللہ! تو اپنا ذکر کرنے اور اپنا شکر ادا کرنے پر اور اپنی بہترین عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔"

———— شیخ ابن باز ————

تراویح میں لمبی قراءت

سوال ایک مسجد کے امام نماز تراویح پڑھاتے ہوئے ہر رکعت میں قرآن کا ایک پورا صفحہ یعنی قریباً پندرہ آیات تلاوت کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بہت لمبی قراءت ہے جب کہ بعض کی رائے اس کے برعکس ہے۔ سوال یہ ہے کہ نماز تراویح میں سنت کیا ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی حد منقول ہے جس سے طوالت و عدم طوالت کو معلوم کیا جا سکے؟

جواب صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان و غیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے [1] اور قراءت اور ارکان کو آپ بہت طول دیتے حتیٰ کہ ایک بار تو آپ نے ایک رکعت میں پانچ پاروں سے بھی زیادہ کی تلاوت فرمائی اور پھر نہایت ترتیل اور سکون کے ساتھ یہ تلاوت فرمائی اور یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے [2] کہ آپ نصف رات کے وقت یا تھوڑا سا نصف سے پہلے یا بعد میں اٹھتے اور طلوع فجر کے قریب تک نماز میں مصروف رہتے اور اس طرح قریباً پانچ گھنٹوں میں کل تیرہ رکعات ادا فرماتے' جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی قراءت اور ارکان بہت طویل ہوتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا تو وہ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت میں سورت بقرہ کی تیس آیات کے قریب یعنی چار پانچ صفوں کے بقدر تلاوت کرتے تھے اور اس طرح آٹھ رکعتوں میں وہ سورۂ بقرہ پڑھ لیا کرتے تھے اور اگر وہ بارہ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتے تھے تو اس قراءت کو وہ تخفیف پر محمول کرتے تھے۔ تو یہ ہے نماز تراویح کے بارے میں سنت کہ اگر قراءت میں تخفیف ہو تو رکعات کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے حتیٰ کہ بعض ائمہ کے بقول اکتالیس تک رکعات پڑھی جا سکتی ہیں اور اگر کوئی شخص گیارہ یا تیرہ رکعات پر اکتفاء کرے تو قراءت اور ارکان کی طوالت میں اضافہ کر دے۔ نماز تراویح کی تعداد متعین نہیں ہے بلکہ مطلوب و مقصود یہ ہے کہ اسے نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کیا جائے اور کم از کم ایک گھنٹہ تو اس نماز پر ضرور صرف کیا جائے۔ جو شخص اس قدر قیام کو طویل سمجھتا ہے تو خلاف منقول ہونے کی وجہ سے اس کی یہ بات ناقابل التفات ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' التهجد' باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم باللیل فی رمضان' حدیث : 1147 و صحیح مسلم' صلاة المسافرین' باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی الله علیه وسلم' ..... الخ' حدیث : 738-

[2] صحیح بخاری' الوتر' باب ساعات الوتر' حدیث : 996 و صحیح مسلم' صلاة المسافرین' باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی الله علیه وسلم' حدیث : 745-

——— شیخ ابن جبرین ———

مقتدیوں کو تمام قرآن مجید تراویح میں ترتیب کے ساتھ سننا چاہیے

سوال اگر میں تراویح میں امامت کے فرائض انجام دوں تو کیا یہ لازم ہے کہ میں تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھوں یا جہاں دن کو میں نے اپنی تلاوت کو چھوڑا ہو وہاں سے بھی قراءت شروع کر سکتا ہوں؟

جواب ائمہ کرام کو چاہیے کہ اگر انہیں استطاعت ہو تو قیام رمضان میں مقتدیوں کو سارا قرآن سنائیں کہ پہلی رات جن آیات اور سورتوں کو تلاوت کیا ہو تو اگلی رات اس سے آگے کا حصہ تلاوت کریں تاکہ نمازی اپنے رب کی کتاب پاک کو مکمل اور ترتیب کے ساتھ سن سکیں۔ لہٰذا اگر استطاعت ہو تو یہ بہت افضل ہے کہ نماز تراویح میں ایک بار مکمل قرآن مجید ختم کیا جائے بشرطیکہ نمازیوں کے لیے بھی یہ گراں نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ تلاوت ترتیل' خشوع اور اطمینان کے ساتھ کی جائے کیونکہ نماز سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس کے سامنے اس کے عذاب سے ڈرا جائے۔ نماز سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ خشوع اور حضور قلب کے بغیر محض رسمی طور پر رکعات کی گنتی پوری کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اصلاح احوال اور دنیا و آخرت کی نجات کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

دعائے قنوت

سوال رمضان کی راتوں میں وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اسے ترک کرنا بھی جائز ہے؟

جواب وتر میں دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے۔ کبھی کبھی اسے ترک بھی کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

وتر میں قنوت سنت ہے

سوال بعض ائمہ ہر رات وتر میں قنوت کرتے ہیں۔ کیا یہ سلف سے منقول ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو وتر کی دعائے قنوت سکھائی [1] تو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اسے کبھی کبھی چھوڑ دیا جائے اور نہ یہ حکم دیا تھا کہ اسے ہمیشہ پڑھا جائے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے [2] کہ وہ جب مسجد نبوی میں حضرات صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے تو بعض راتوں میں قنوت ترک کر دیتے تھے اور شاید یہ اس لیے تاکہ آپ لوگوں کو یہ معلوم کرا دیں کہ قنوت واجب نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] سنن ابی داود' الصلاۃ' باب القنوت فی الوتر' حدیث: 1425' جامع ترمذی' حدیث 464 و سنن نسائی' حدیث: 1747۔

[2] سنن ابی داود' الصلاۃ' باب القنوت فی الوتر' حدیث: 1428 - 1429۔

قیام اللیل رمضان ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے

سوال کیا رات کا قیام صرف ماہ رمضان المبارک ہی کے ساتھ خاص ہے یا سارا سال قیام کیا جا سکتا ہے؟ رات کا قیام کس وقت شروع اور کس وقت ختم کیا جائے؟ کیا قیام صرف نماز کا نام ہے یا نماز اور قرآن کریم کی قراءت کا نام قیام ہے؟

جواب نماز اور تہجد کے ساتھ قیام اللیل سنت اور فضیلت ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے ہمیشہ قیام فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ ٱلَّيْلِ وَنِصْفَهُۥ وَثُلُثَهُۥ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ ٱلَّذِينَ مَعَكَ ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا کرتے ہو۔"

رات کا قیام رمضان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سارا سال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا وقت عشاء اور فجر کے درمیان ہے لیکن رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ رات کے درمیانی حصہ میں پڑھ لے تو پھر بھی اجر وثواب ملے گا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ قیام سو کر اٹھنے کے بعد ہو یا رات کے آخری نصف حصہ میں ہو۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

عورتوں کی بہترین صف

سوال جب مسجد میں مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان (مضبوط و مستحکم) پردہ حائل ہو تو کیا پھر بھی نبی ﷺ کا یہ ارشاد صفوں پر منطبق ہو گا کہ "مردوں کی سب سے بہتر پہلی صف ہے اور....." یا اس ارشاد کا حکم زائل ہو جائے گا؟ اور اس طرح کے پردہ کی وجہ سے عورتوں کی سب سے بہتر صف بھی پہلی صف ہو گی؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں عورتوں کی آخری صف کو بہترین قرار دینے کا سبب مردوں سے دوری ہے عورت جس قدر مردوں سے دور ہو گی اسی قدر اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والی اور اخلاقی خرابی کی طرف میلان سے اپنے آپ کو دور رکھنے والی ہو گی۔ لیکن جب عورتوں کی جائے نماز مردوں سے دور ہو اور دونوں کے درمیان دیوار یا مضبوط و مستحکم پردہ حائل ہو اور وہ لاؤڈ سپیکر کی آواز کے ذریعہ امام کی متابعت کرتی ہوں تو پھر راجح بات یہی ہے کہ سبقت اور قبلہ کے قرب کی وجہ سے عورتوں کی بھی پہلی صف افضل ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مختلف فتوے

جس نے رمضان کا ایک روزہ چھوڑا اور پھر توبہ کر لی

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے رمضان میں ایک دن جان بوجھ کر کھانا کھا لیا اور پھر بعد میں توبہ کر لی، تو کیا اس کی توبہ قبول ہو گی؟

جواب ہاں توبہ قبول ہو گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه ٢٠/ ٨٢)

"اور بلاشبہ جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھی راہ چلے' میں اس کو بخش دینے والا ہوں۔"

علاوہ ازیں کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے والے کا گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میں نے امتحانات کی وجہ سے روزہ چھوڑا

سوال میں ایک نوجوان لڑکی ہوں۔ میں نے حالات کی وجہ سے مجبور ہو کر عمدا رمضان المبارک کے چھ روزے چھوڑ دیے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ رمضان میں امتحانات شروع ہو گئے تھے اور مضامین بہت مشکل تھے۔ اگر میں روزے نہ چھوڑتی تو ان مضامین کے مشکل ہونے کی وجہ سے ان کی تیاری نہ کر سکتی تھی۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ توبہ کیجئے اور جتنے روزے چھوڑے ہیں ان کی قضا دیجئے جو شخص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے لیکن توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماضی کی غلطی کا ارتکاب نہیں کرنا۔ غلطی کا تعلق اگر حقوق العباد سے ہو تو توبہ کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ متعلقہ بندوں سے اسے معاف کروا لیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور مومنو تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے خالص توبہ کرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا»

"توبہ سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔"

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ وَّلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. . . الحديث»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة ... الخ، ح:٢٤٤٩)

"جس کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کر کے اس کی عزت و آبرو یا کسی اور چیز کو نقصان پہنچایا ہو تو اس سے آج ہی

معاف کروالے پہلے اس کے کہ (وہ دن آئے کہ) اس کے پاس کوئی دینار یا درہم نہ ہو اگر اس کے پاس اعمال صالحہ ہوئے تو اس کے ظلم کے بقدر وہ (اعمال صالحہ) اس سے لے لیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر لادی جائیں گی....''

—————— شیخ ابن باز ——————

سحری کی برکت

سوال رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً»

''سحری کھاؤ' سحری میں برکت ہے۔''

تو سوال یہ ہے کہ سحری کی برکت سے کیا مراد ہے؟

جواب سحری کی برکت سے شرعی اور بدنی برکت مراد ہے۔ شرعی برکت تو یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی فرماں برداری اور آپ کی اقتدا ہے اور بدنی برکت سے مراد یہ ہے کہ سحری سے بدن کو غذا ملتی اور روزہ کے لیے تقویت نصیب ہوتی ہے۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

روزے کی نیت

سوال اس حدیث سے کیا مقصود ہے کہ ''جو شخص رات کو نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں۔''؟

جواب نیت یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے لیے دل میں ارادہ کیا جائے۔ یہ نیت کرنا ہر اس مسلمان کے لیے ضروری ہے جسے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض قرار دیئے ہیں۔ اس فرضیت کو پہچاننا اور اس پر عمل کرنا نیت کے لیے کافی ہے۔ نیز یہ بھی کافی ہے کہ دل میں یہ ارادہ کرے کہ وہ کل روزہ رکھے گا جب کہ ترک روزہ کا کوئی عذر نہ ہو۔ روزے کی نیت سے سحری کھانا بھی نیت کے لیے کافی ہے۔ یاد رہے روزہ یا دیگر عبادات کے لیے زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نیت کا مقام دل ہے زبان نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ سارے دن کے روزے کی نیت ہو یعنی یہ نیت نہ کرے کہ دن کو روزہ توڑ دے گا یا اسے باطل کر دے گا۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

اسے یاد دلانا جو بھول کر دن کے وقت کھا رہا ہو

سوال اگر میں کسی روزہ دار کو دیکھوں کہ وہ رمضان میں دن کے وقت بھول کر کھا یا پی رہا ہے تو کیا مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں اسے متنبہ کر دوں کیونکہ میں نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ یہ لازم نہیں ہے کیونکہ اسے تو اللہ کھلا اور پلا رہا ہے؟

جواب جو شخص کسی مسلمان کو دیکھے کہ وہ رمضان میں کھا پی رہا یا کوئی اور ایسا کام کر رہا ہو جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو تو ضروری ہے کہ اسے اس سے منع کیا جائے کیونکہ رمضان میں دن کے وقت اس کا اظہار منکر ہے' خواہ ایسا کرنے والا فی نفسہ معذور ہی کیوں نہ ہو تاکہ لوگ رمضان میں دن کے وقت ان امور کے اظہار میں دلیر نہ ہو جائیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر بہانہ یہ کریں کہ وہ بھول گئے تھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص واقعی بھول گیا ہو تو اس پر قضا نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ» (صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا، ح:١٩٣٣ وكتاب الأيمان والنذور، ح:٦٦٦٩ وصحيح مسلم، الصوم، باب أكل الناسي وشربه ... الخ، ح:١١٥٥ واللفظ له)

"جو روزے دار بھول کر کھا پی لے تو اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہئے کیونکہ اسے تو اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔"

اسی طرح مسافر کو بھی ان مقیم لوگوں میں جو اسے نہیں جانتے' کھلم کھلا نہیں کھانا پینا چاہئے بلکہ اسے چھپ کر کھانا پینا چاہئے تاکہ اس پر یہ الزام عائد نہ ہو کہ یہ حرام امور کا ارتکاب کر رہا ہے اور نہ اسے دیکھ کر دوسرے بھی اس کی جرأت کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کے مابین مقیم کافروں کو بھی اس سے منع کیا جائے گا تاکہ تساہل کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ ویسے بھی کفار کے لیے یہ ممنوع ہے کہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے اپنے باطل دین کے شعائر کا اظہار کریں۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

چھوٹے بچے پر روزہ واجب نہیں ہے

سوال میرا چھوٹا سا بچہ رمضان کے روزے رکھنے پر اصرار کرتا ہے حالانکہ صغرسنی اور صحت کی کمزوری کی وجہ سے روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہے تو کیا میں سختی سے اسے روزہ رکھنے سے منع کر دوں؟

جواب اگر بچہ اس قدر چھوٹا ہے کہ ابھی بالغ نہیں ہوا تو اس پر روزہ لازم نہیں ہے اور اگر وہ مشقت کے بغیر روزہ رکھ سکتا ہو تو اسے اس کا حکم دیا جائے گا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے چھوٹے بچوں سے بھی روزے رکھوایا کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی چھوٹا بچہ رونے لگتا تو اسے کھلونا دے کر بہلاتے لیکن جب یہ ثابت ہو کہ چھوٹے بچے کے لیے روزہ نقصان دہ ہو گا تو پھر اسے روزہ رکھنے سے منع کیا جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ چھوٹے بچوں کو ان کے اموال نہ دیں تاکہ وہ خراب نہ ہو جائیں تو ان امور سے انہیں ضرور روکنا چاہئے جن سے ان کے ابدان پر نقصان دہ اثرات مرتب ہوں لیکن اولاد کی تربیت کے معاملہ میں سختی سے کام نہیں لینا چاہئے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

چھوٹے بچے کے روزے کی صحت کی شروط

سوال چھوٹے بچے کے روزے کے صحیح ہونے کی کیا شروط ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ چھوٹے بچے کے روزے کا اس کے والدین کو ثواب ملتا ہے؟

جواب والدین کو چاہیئے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو روزے کا عادی بنائیں بشرطیکہ انہیں اس کی طاقت ہو خواہ ان کی عمر دس سال سے بھی کم ہو اور بچے جب بالغ ہو جائیں تو پھر انہیں روزہ رکھنے کے لیے مجبور کریں۔ بالغ ہونے سے پہلے اگر کوئی بچہ روزہ رکھے تو اسے بھی بڑوں کی طرح کھانے پینے اور ہر اس چیز کو چھوڑنا پڑے گا جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچے کو بھی روزے کا ثواب ملے گا اور اس کے والدین کو بھی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

صوم وصال

سوال صوم وصال کیا مراد ہے؟ کیا یہ سنت ہے؟

جواب صوم وصال (سے مراد) یہ ہے کہ انسان دو دن تک افطار ہی نہ کرے اور مسلسل دو دن تک روزہ رکھے رہے۔ اس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے اور فرمایا:

«أَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ»(صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال إلى السحر، ح:١٩٦٧)

"تم میں سے جو شخص وصال کرنا چاہے وہ سحری تک کر لے۔"

سحری تک وصال جائز ہے۔ یہ حکم شریعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جلد افطار کی ترغیب دی ہے اور فرمایا:

«لاَ يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ» (صحيح البخاري، الصوم، باب تعجيل الإفطار، ح:١٩٥٧ وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور . . . الخ، ح:١٠٩٨)

"لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔"

سحری تک وصال کی آپ نے صرف اجازت دی ہے اور جب صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی تو وصال کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ»(صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال، ح:١٩٦٤ وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، ح:١١٠٥)

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان میں وفات

سوال نبی ﷺ نے فرمایا "جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔" تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص رمضان میں فوت ہو وہ بغیر حساب کے جنت میں جائے گا؟

جواب نہیں یہ بات نہیں! بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جنت کے دروازے عمل کرنے والوں میں نشاط پیدا کرنے کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کے لیے داخلہ میں آسانی ہو اور جہنم کے دروازے اس لیے بند کر دیئے جاتے ہیں

تاکہ اہل ایمان گناہوں سے رک جائیں اور ان دروازوں سے داخل نہ ہوں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ جو شخص رمضان میں فوت ہو وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہو گا۔ بغیر حساب کے تو جنت میں وہ لوگ داخل ہوں گے' جن کے رسول اللہ ﷺ نے یہ اوصاف بیان فرمائے ہیں:

«هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ، وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ وَلاَ يَكْتَوُونَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف المسلمين ... الخ، ح:٢١٨)

''وہ دم جھاڑ نہیں کراتے' پیشانیوں وغیرہ پر داغ نہیں لگاتے' فال نہیں پکڑتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

علاوہ ازیں دیگر اعمال صالحہ جو ان پر واجب ہیں' ان کو بھی بجالاتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اعتکاف اور اس کی شرطیں

سوال کیا رمضان المبارک میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے؟ غیر رمضان میں اعتکاف کے لیے کیا شروط ہیں؟

جواب رمضان میں اعتکاف سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات پاک میں اعتکاف فرمایا اور آپ کے بعد ازواج مطہرات بھی اعتکاف فرماتی رہی تھیں۔ [1] اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس بات پر علما کا اجماع ہے کہ اعتکاف مسنون ہے لیکن ضروری ہے کہ اعتکاف اس مقصد سے ہو جس کے لیے اسے مشروع قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ انسان مسجد میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے لیے گوشہ نشین ہو' دنیا کے کاموں کو خیرباد کہہ کر اطاعت الٰہی کے لیے کمر ہمت باندھ لے اور دنیوی امور سے بالکل دست کش ہو کر انواع و اقسام کی اطاعت و بندگی بجا لائے' نماز اور ذکر الٰہی کا کثرت سے اہتمام کرے۔ رسول اللہ ﷺ لیلۃ القدر کی تلاش و جستجو کے لیے اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ معتکف کو چاہیئے کہ وہ دنیوی مشاغل سے بالکل دور رہے' خرید و فروخت کا بالکل کوئی کام نہ کرے' مسجد سے باہر نہ نکلے' جنازہ کے لیے بھی نہ جائے اور نہ کسی مریض کی بیمار پرسی کے لیے جائے۔ بعض لوگوں میں جو یہ رواج پا گیا ہے کہ اعتکاف کرنے والوں کے پاس دن رات آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے اور ان ملاقاتوں کے دوران ایسی گفتگو بھی ہو جاتی ہے جو حرام ہے تو یہ سب کچھ اعتکاف کے مقصود کے منافی ہے۔

ہاں اعتکاف کے دوران گھر کا کوئی فرد ملنے کے لیے آئے اور باتیں کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف میں تھے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ملاقات کیلئے تشریف لائیں اور انہوں نے آپ سے کچھ باتیں بھی کیں۔ [2]

خلاصۂ کلام یہ کہ انسان کو چاہیئے وہ اپنے اعتکاف کو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا لے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

---

[1] صحیح بخاری' الاعتکاف' باب الاعتکاف فی العشر الاواخر' حدیث : 2026 و صحیح مسلم' الاعتکاف' باب اعتکاف العشر الاواخر ..... الخ' حدیث 1172۔

[2] صحیح بخاری' الاعتکاف' باب هل یخرج المعتکف لحوائجه ..... الخ' حدیث : 2035 و صحیح مسلم' السلام' باب بیان انه یستحب لمن رئی خالیا بامرأة ...الخ' حدیث :5712۔

والدین کی طرف سے صدقہ

سوال: بعض لوگ رمضان میں جانور وغیرہ ذبح کر کے دعوتوں کا اہتمام کرتے اور انہیں اپنے والدین کی طرف سے صدقہ کا نام دیتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: فوت شدہ والدین کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں لیکن صدقہ کے بجائے دعا کرنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں ہماری اسی طرف رہنمائی فرمائی ہے:

«اِذا مَاتَ الإِنْسَانُ انقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يحلق الانسان من الثواب بعد وفاته، ح:١٦٣١)

"انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے ہاں البتہ تین طرح کا عمل باقی رہتا ہے (١) صدقہ جاریہ (٢) وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو اور (٣) وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

تو اس حدیث میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نیک اولاد جو اپنے والدین کی طرف سے صدقہ کرتی یا نماز پڑھتی ہو۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنی کسی میت کی طرف سے صدقہ دے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اسے جائز قرار دیا تھا۔ ①

لیکن بعض لوگ رمضان کی راتوں میں جانور ذبح کر کے بہت سی ایسی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں جن میں سرمایہ دار ہی شرکت کرتے ہیں تو یہ مشروع نہیں ہے اور نہ سلف صالح سے اس طرح ثابت ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تو درحقیقت محض کھانے پینے اور مل بیٹھنے کے بہانے ہیں۔ بعض لوگوں کا جو یہ تصور ہے کہ تقرب الٰہی کے لیے ضروری ہے کہ جانور خود ذبح کیا جائے اور وہ بازار سے گوشت خرید کر پکانے کی نسبت خود (اپنے ہاتھ سے) ذبح کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں تو یہ خلاف شرع ہے کیونکہ تقرب الٰہی کے حصول کے لیے شریعت نے جن ذبیحوں کا حکم دیا ہے وہ صرف قربانی' ہدی اور عقیقہ ہیں' لہٰذا رمضان میں تقرب الٰہی کے حصول کی نیت سے جانور ذبح کرنا سنت نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمضان میں زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: زکوٰۃ جو ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے' کیا اسے رمضان میں ادا کرنا افضل ہے؟

جواب: دیگر اعمال صالحہ کی طرح زکوٰۃ بھی فاضل زمانہ میں ادا کرنا افضل ہے لیکن جب زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو جائے تو رمضان تک مؤخر نہ کیا جائے مثلاً اگر رجب میں سال پورا ہو جائے تو رمضان تک انتظار نہ کرے بلکہ اسے رجب ہی میں ادا کر دے۔ اسی طرح اگر سال محرم میں پورا ہو رہا ہو تو زکوٰۃ بھی محرم میں ادا کر دے اور رمضان تک اسے مؤخر نہ کرے۔ ہاں البتہ اگر سال کی تکمیل رمضان ہی میں ہو رہی ہو تو پھر رمضان میں زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

① صحیح بخاری' الجنائز' باب موت الفجأة البغتة' حدیث : 1388 و صحیح مسلم' الزکاۃ' باب وصول ثواب الصدقة ..... الخ' حدیث : 1004۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جس شخص کے ذمہ مسلسل دو ماہ کے روزے ہوں؟

سوال مجھ پر کفارہ کے مسلسل دو ماہ کے روزے فرض تھے۔ الحمدللہ میں نے وہ رکھ لیے ہیں لیکن میں نے ایک مکمل ماہ کے روزے رکھنے کے بعد دو دن روزے نہیں رکھے اور پھر اس کے بعد دوسرے مہینے کے روزوں کی تکمیل شروع کر دی' لیکن مہینے کی تکمیل سے پہلے میں بیمار ہو گیا اور تین دن تک روزہ نہ رکھ سکا اور ان کو میں نے بعد میں رکھ لیا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ آپ کو دوبارہ مسلسل دو ماہ کے روزے اس طرح رکھنے چاہئیں کہ ان میں ایک دن کا بھی ناغہ نہ ہو' لہٰذا رہنمائی فرمائیں کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر درمیان میں آپ کے روزے چھوڑنے کا سبب بیماری یا کوئی اور شرعی عذر تھا اور عذر کے زائل ہونے کے فوراً بعد آپ نے دو ماہ پورے کرنے کے لیے روزے رکھ لیے تو اعادہ کی ضرورت نہیں اور آپ کے روزے صحیح ہیں اور اگر آپ نے کسی شرعی عذر کے بغیر درمیان میں روزے چھوڑے ہیں تو پھر آپ کو دوبارہ مسلسل دو ماہ کے یعنی ساٹھ روزے رکھنا ہوں گے جیسا کہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

روزے ساٹھ سے کم نہیں ہونے چاہئیں الا یہ کہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ مہینہ انتیس دنوں کا ہے۔

وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

نفلی روزے

شوال کے چھ روزے اور موطا مالک میں وارد مسئلہ

سوال رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ موطا مالک میں ہے کہ امام مالک بن انس نے رمضان کے بعد شوال کے ان چھ روزوں کے بارے میں کہا ہے کہ میں نے اہل علم وفقہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو ان روزوں کو رکھتا ہو۔ سلف میں سے بھی کسی کے بارے میں مجھے یہ خبر نہیں ملی' بلکہ اہل علم ان روزوں کو مکروہ سمجھتے اور ڈرتے تھے کہ کہیں یہ بدعت ہی نہ ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح رمضان کے ساتھ ایسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے جو اس میں سے نہیں ہے۔ موطا امام مالک' حدیث: 228۔

جواب حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ»(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة ايام ... الخ، ح:١١٦٤ وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صيام ستة ... الخ، ح:٧٥٩ واللفظ له)

"جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لیے تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے سال بھر کے روزے رکھ لیے۔"

یہ حدیث صحیح ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا سنت ہے۔ امام شافعی' امام احمد اور ائمہ علما کی ایک جماعت نے اس سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کے مقابلہ میں بعض علما کی یہ بات پیش کی جائے کہ شوال کے یہ روزے مکروہ ہیں کیونکہ جاہل یہ سمجھیں گے کہ شاید یہ بھی رمضان کے روزے ہیں یا شاید وہ یہ سمجھیں کہ یہ روزے بھی واجب ہیں یا کوئی یہ کہے کہ اسے سابقہ اہل علم میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں جو یہ روزے رکھتا ہو۔ یہ سب باتیں محض ظنون و اوہام ہیں۔ صحیح سنت کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور جس شخص کو کسی سنت کا علم ہو گیا' وہ اس کے مقابلہ میں حجت ہے جس کو اس کا علم نہ ہو سکا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شوال کے روزوں کے لیے یہ شرط نہیں کہ مسلسل رکھے جائیں

سوال کیا شوال کے چھ روزوں کے لیے یہ لازمی ہے کہ مسلسل رکھے جائیں یا پورے مہینے میں الگ الگ رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں؟

جواب شوال کے چھ روزے رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں' ان کو مسلسل اور متفرق دونوں طرح رکھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان روزوں کا مطلقاً ذکر فرمایا ہے اور اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ انہیں مسلسل رکھا جائے یا الگ الگ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کا فرمان ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة ايام ... الخ، ح:١١٦٤)

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ اس طرح ہے جیسے سال بھر کے روزے رکھے ہوں۔"

—— شیخ ابن باز ——

شوال کے بعد چھ روزوں کی قضا

سوال ایک عورت ہر سال شوال کے چھ روزے رکھا کرتی ہے لیکن ایک سال رمضان کی ابتدا ہی میں اس کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی اور پھر جب وہ رمضان کے بعد پاک ہوئی تو اس نے رمضان کے روزوں کی قضا شروع کر دی' تو کیا رمضان کے روزوں کی قضا کے بعد شوال کے چھ روزوں کی قضا بھی لازم ہے' خواہ یہ شوال کا مہینہ نہ بھی ہو یا صرف رمضان ہی کے روزوں کی قضا لازم ہے؟ کیا شوال کے یہ چھ روزے ہمیشہ رکھنا لازم ہیں یا نہیں؟

جواب شوال کے یہ چھ روزے سنت ہیں' فرض نہیں کیونکہ نبی کریم نے فرمایا ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب ستة ايام ... الخ، ح:١١٦٤)

"جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لیے تو وہ اس طرح ہے جیسے سال بھر کے روزے رکھے ہوں۔"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ روزے مسلسل رکھ لیے جائیں یا متفرق کیونکہ حدیث کے الفاظ مطلق ہیں ہاں البتہ انہیں جلد رکھنا افضل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾﴾ (طه٢٠/ ٨٤)

"اور اے میرے پروردگار! میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو۔"

علاوہ ازیں دیگر بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ بھی اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ نیکی کے کاموں میں مسابقت و مسارعت افضل ہے۔ ان روزوں کو ہمیشہ رکھنا واجب تو نہیں ہے ہاں البتہ افضل ضرور ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ مَادَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ، وَإِنْ قَلَّ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب احب الدين ... الخ، ح:٤٣ وصحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان ... الخ، ح:٧٨٢ (قبل الحديث:١١٥٧) واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ کو وہ عمل بہت پسند ہے جسے عمل کرنے والا ہمیشہ سرانجام دے خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔"

شوال کے ختم ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا نہیں ہے کیونکہ یہ روزے سنت ہیں اور اب ان کا وقت ختم ہو گیا ہے خواہ وقت کسی عذر کی وجہ سے ختم ہوا یا بغیر عذر کے۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

پہلے رمضان کی قضا دی جائے

سوال جس شخص کے ذمہ رمضان کے کچھ روزے باقی ہوں اور وہ شوال کے چھ روزے بھی رکھنا چاہتا ہو تو کیا وہ رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے روزے رکھ سکتا ہے کیونکہ رمضان کے روزوں کی قضا تو سارا سال کسی بھی وقت ممکن ہے جبکہ یہ چھ روزے شوال ہی کے ساتھ مخصوص ہیں؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب مشروع یہ ہے کہ شوال کے چھ روزوں سے پہلے رمضان کے روزوں کی قضا دی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ»(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة ايام ... الخ، ح:١١٦٤)

"جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے۔"

اور اگر رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے روزے رکھ لیے تو وہ رمضان کے بعد نہ ہوئے بلکہ رمضان کے

بعض روزوں سے پہلے ہوئے اور پھر یہ کہ رمضان کے روزے تو فرض ہیں' لہٰذا انہیں پہلے مکمل کرنا افضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کفارہ کے روزوں سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنا جائز نہیں

سوال ایک آدمی کے ذمہ مسلسل دو ماہ کے روزوں کا کفارہ لازم ہے اور وہ شوال کے چھ روزے بھی رکھنا چاہتا ہے تو کیا اس کے لیے یہ روزے رکھنا جائز ہے؟

جواب واجب یہ ہے کہ جلدی سے پہلے کفارہ کے روزے رکھے جائیں۔ کفارہ کے روزوں سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ روزے نفل ہیں اور کفارہ کے روزے فرض ہیں اور انہیں فورا رکھنا فرض ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں شوال کے چھ روزوں یا دیگر نفل روزوں سے پہلے رکھا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

نفل روزے کو توڑنا

سوال کیا نفل روزے میں یہ جائز ہے کہ روزے دار جب چاہے روزہ توڑ دے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ روزہ پورا کیا جائے الا یہ کہ مہمان کی عزت افزائی' گرمی کی شدت یا اس طرح کے کسی اور سبب کی وجہ سے روزہ توڑنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ یہ مسائل جو ہم نے ذکر کیے ہیں نبی ﷺ کی فرمودہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ثابت ہیں۔ [1] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

نفلی روزے شوہر کی اجازت سے

سوال (شرعاً) مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اپنی بیوی کو نفلی روزے مثلاً شوال کے چھ روزے رکھنے سے منع کر دوں؟ اگر منع کروں تو مجھے گناہ تو نہ ہو گا؟

جواب حدیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفل روزے رکھے کیونکہ شوہر کو اس سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ اگر کسی عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھا اور شوہر کو مباشرت کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے لیے اس کے روزے کو توڑ دینا جائز ہے۔ اگر شوہر کو کوئی ایسی ضرورت درپیش نہ ہو تو پھر اس کے لیے یہ مکروہ ہے کہ اپنی بیوی کو روزے سے منع کرے بشرطیکہ روزہ بیوی کے لیے نقصان دہ نہ ہو یا روزے سے بچوں کی تربیت اور رضاعت میں کوئی فرق نہ آتا ہو۔ ان مسائل میں شوال کے چھ روزوں اور دیگر نفل روزوں کا حکم یکساں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

[1] صحیح مسلم' الصیام' باب جواز صوم النافلۃ بنیۃ من النہار ..... الخ' حدیث: 1154۔

نفل روزوں کی قضا نہیں

سوال میں ہرماہ تین روزے رکھتا ہوں۔ ایک ماہ بیماری کی وجہ سے میں روزے نہ رکھ سکا تو کیا ان کی قضا یا کفارہ لازم ہے؟

جواب نفل روزوں کی قضا نہیں، خواہ انہیں اپنے اختیار ہی سے کیوں نہ ترک کیا ہو' ہاں البتہ ایک مسلمان کے لیے یہ افضل ضرور ہے کہ جس عمل صالح کا معمول ہو اسے ہمیشہ سرانجام دے کیونکہ حدیث میں ہے:

«أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهُ وَإِنْ قَلَّ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ح:٦٤٦٤ وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله ... الخ، ح:٢٨١٨ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ کو وہ عمل سب سے زیادہ پسند ہے جسے ہمیشہ سرانجام دیا جائے خواہ وہ تھوڑا ہو۔"

مذکورہ روزے نہ رکھنے کی وجہ سے آپ پر کوئی قضا یا کفارہ نہیں ہے۔ یاد رہے کہ انسان کا اگر کسی عمل صالح کا معمول ہو اور وہ بیماری یا کسی عذر یا سفر وغیرہ کی وجہ سے اسے سرانجام نہ دے سکے تو پھر بھی اس کے لیے اس کا اجروثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے:

«إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا» (صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل ... الخ، ح:٢٩٩٦)

"جب (مومن) بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو وہ جس قدر عبادات بحالت اقامت اور دوران صحت کرتا تھا اس کے لیے وہ سب لکھی جاتی ہیں۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

وہ ایام جن میں روزہ رکھنا منع ہے

سوال وہ کون سے ایام ہیں جن میں روزہ رکھنا مکروہ ہے؟

جواب وہ ایام جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے ان میں سے ایک تو جمعے کا دن ہے کہ یہ جائز نہیں کہ محض جمعے کے دن کا نفل روزہ رکھا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' [1] اسی طرح صرف ہفتے کے دن کا روزہ رکھنا بھی منع ہے لیکن اگر جمعے کے دن کے ساتھ ہفتے یا جمعرات کا بھی روزہ رکھ لے تو پھر کوئی حرج نہیں جیسا کہ نبی ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح عیدالفطر' عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق کے روزے رکھنا بھی حرام ہے۔ نبی ﷺ نے ان دنوں کے روزوں سے منع فرمایا ہے۔ [2] ہاں البتہ یہ ثابت ہے کہ اس شخص کیلئے ایام تشریق میں (حج) تمتع اور قران کی ہدی کے بجائے روزے رکھنا جائز ہے جس کے پاس ہدی کی استطاعت نہ ہو کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

---

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب صوم یوم الجمعة ..... الخ' حدیث: 1985 و صحیح مسلم' الصیام' حدیث: 1144-

[2] صحیح بخاری' الصوم' باب صوم یوم الفطر' حدیث: 1990- 1991 و صحیح مسلم' الصیام' باب تحریم صوم یومي العیدین' حدیث: 1137-

«لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلاَّ لِمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْهَدْيَ» (صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، ح:١٩٩٧، ١٩٩٨)

"ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں سوائے اس شخص کے جس کے پاس ہدی نہ ہو۔"

لیکن محض نفل یا دیگر اسباب کی وجہ سے روزے رکھنا جائز نہیں جس طرح عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں اسی طرح رؤیت ہلال ثابت نہ ہو تو شعبان کی تیس بھی روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ یوم شک ہے۔ اور علما کے صحیح قول کے مطابق اس دن کا روزہ رکھنا جائز نہیں خواہ مطلع صاف ہو یا ابر آلود' کیونکہ احادیث صحیحہ اس دن کے روزے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

تیرہ ذوالحج کا روزہ جائز نہیں

سوال ایام بیض' اگر تشریق میں آجائیں تو کیا ان دنوں کے روزے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ذوالحج کی تیرہ تاریخ کو کوئی نفل یا فرض روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس کا شمار ایام اکل و شرب اور ذکر الٰہی میں ہے اور ان دنوں میں نبی کریم ﷺ نے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور کسی کو ان دنوں میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں سوائے اس شخص کے جس کے پاس حج تمتع کی ہدی نہ ہو تو وہ ہدی کے بجائے تینوں ایام تشریق کے روزے رکھ سکتا ہے اور باقی سات روزے اپنے گھر واپس لوٹ کر رکھ لے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلاَّ لِمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْهَدْيَ» (صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، ح:١٩٩٧، ١٩٩٨)

"ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں سوائے اس شخص کے جس کے پاس ہدی نہ ہو۔"

ذوالحجہ کی چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کا شمار ایام تشریق میں نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

شعبان کی پندرھویں رات عبادت کی خاص رات نہیں ہے

سوال میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ پندرہ شعبان کا روزہ (دوسری) بدعات میں سے ایک بدعت ہے جب کہ ایک دوسری کتاب میں پڑھا ہے کہ اس دن کا روزہ مستحب ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قطعی حکم کیا ہے؟

جواب شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح اور مرفوع روایت ثابت نہیں ہے جس کے مطابق حتیٰ کہ فضائل اعمال میں بھی عمل کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ وارد ہے وہ یا تو بعض تابعین سے مقطوع آثار ہیں یا پھر ایسی احادیث ہیں جن میں صحیح ترین کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ موضوع یا بے حد ضعیف ہیں۔ یہ روایت بہت سے ایسے علاقوں میں مشہور ہے جن میں جہالت کا غلبہ ہے اور وہ لوگ از راہ جہالت یہ سمجھتے ہیں کہ اس رات

موت اور حیات کا فیصلہ ہوتا ہے...... الخ۔ لہٰذا اس رات کا قیام کیا جائے نہ دن کا روزہ رکھا جائے اور نہ کسی بھی معین عبادت کے لیے اس رات کو مخصوص کیا جائے۔ جاہلوں کی ایک کثیر تعداد اس رات کو جو اعمال سرانجام دیتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

شب عاشوراء کی تلاش کا حکم

سوال بہت سے لوگ یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کی ترغیب کے بارے میں مبلغین سے سنتے رہتے ہیں۔ تو لوگوں کو اس طرف کیوں توجہ نہیں دلائی جاتی کہ وہ ہلال محرم کو خاص اہتمام سے دیکھیں اور پھر ریڈیو یا دیگر ذرائع ابلاغ سے اس کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے؟

جواب یوم عاشوراء کا روزہ سنت اور مستحب ہے۔ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دن کا روزہ رکھا ہے [1] اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی نیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس دن کا روزہ رکھا تھا کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ تو اس نجات کی خوشی میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر اور اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کے اسوہ کے پیش نظر اس دن کا روزہ رکھا بلکہ اہل جاہلیت بھی اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی امت کو اس روزے کی کافی تاکید فرمائی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیئے تو آپ نے اس روزے کے بارے میں فرمایا:

«مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ»(صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، ح:٢٠٠١)

''اب جو چاہے رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے۔''

نبی ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ اس ایک دن کے روزے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گزشتہ سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھ لیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا:

«صُومُوا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ يَوْمًا بَعْدَهُ» (مسند أحمد: ١/ ٢٤١ واللفظ له،السنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ٢٨٧ وصحيح ابن خزيمة، الصيام، جماع ابواب صوم التطوع، باب الأمر بأن يصام قبل عاشوراء ... الخ، ح: ٢٠٩٥)

''اس سے پہلے یا بعد بھی ایک دن کا روزہ رکھ لو۔''

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«صُومُوا يَوْمًا قَبْلَهُ وَيَوْمًا بَعْدَهُ» (مسند أحمد: ١/ ٢٤١ واللفظ له والسنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ٢٨٧

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب صوم یوم عاشوراء' حدیث: 2001 ' 2007 و صحیح مسلم' الصیام' باب صوم یوم عاشوراء' حدیث: 1125' وما بعدہ۔

وصحيح ابن خزيمة، الصيام، جماع ابواب صوم التطوع، باب الأمر بأن يصام قبل عاشوراء ... الخ، ح: ٢٠٩٥)

''اس سے پہلے ایک دن اور اس کے بعد ایک دن کا بھی روزہ رکھ لو۔''

لہٰذا اگر کوئی شخص دو یا تین روزے رکھ لے تو یہ سب صورتیں بہتر ہیں اور اس میں اللہ کے دشمن یہودیوں کی مخالفت بھی ہے۔

شب عاشوراء کی تلاش و جستجو' تو یہ کوئی ضروری چیز نہیں کیونکہ یہ نفل ہے' فرض نہیں۔ لہٰذا ہلال محرم کی تلاش اور جستجو کی دعوت لازم نہیں ہے۔ کیونکہ مومن اگر غلطی کی وجہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اسے ہر حال میں اجر عظیم ملے گا۔ لہٰذا محض اس وجہ سے مہینے کی ابتدا کا خاص خیال رکھنا ضروری نہیں کیونکہ ان سب عبادتوں کی حیثیت فقط نفل کی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

یوم عاشوراء کا روزہ

سوال یوم عاشوراء کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کے ساتھ اس سے پہلے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے یا بعد والے دن کا؟ یا ان سب دنوں کا روزہ رکھا جائے یا صرف یوم عاشوراء کا؟ امید ہے وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا سنت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ [1] یہودی بھی اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا تھا۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا اور ہمیں روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا اور فرمایا: ''اس سے ایک دن پہلے یا بعد بھی روزہ رکھ لو۔''

افضل یہ ہے کہ دس کے ساتھ نو تاریخ کا بھی روزہ رکھا جائے۔ اگر دس کے ساتھ گیارہ تاریخ کا روزہ رکھ لیا جائے تو یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ بھی صحیح ہے۔ اگر دس کے ساتھ نو اور گیارہ یعنی تین روزے رکھ لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«صُومُوا يَوْمًا قَبْلَهُ وَيَوْمًا بَعْدَهُ»(مسند أحمد: ١/ ٢٤١ واللفظ له والسنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ٢٨٧ وصحيح ابن خزيمة، الصيام، جماع ابواب صوم التطوع، باب الأمر بأن يصام قبل عاشوراء ... الخ، ح: ٢٠٩٥)

''اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھ لو۔''

ہاں البتہ صرف دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

---

[1] صحیح بخاری' الصوم' باب صوم یوم عاشوراء حدیث: 2001 ' 2007 و صحیح مسلم' الصیام باب صوم یوم عاشوراء حدیث 1125' وما بعدہ۔

شیخ ابن باز

یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق فتویٰ

سوال جس نے نو اور دس تاریخ کا روزہ رکھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو محرم کی آٹھ اور نو تاریخ تھی تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کی قضا لازم ہے؟

جواب اس کی قضا نہیں ہے۔ حسب نیت ان شاء اللہ اجر و ثواب بھی پورا ملے گا کیونکہ اس نے تو ان کو نواں اور دسواں دن سمجھا تھا جیسا کہ ڈائریوں اور کیلنڈروں میں لکھا ہوا تھا۔ لہٰذا اسے اجر و ثواب ملے گا' دو دنوں کا اجر وثواب اور اس صورت میں قضا بھی نہیں۔

سوال اگر نو تاریخ کو معلوم ہو کہ کل دس تاریخ ہے تو کیا پھر بھی تین دنوں کے مسلسل روزے رکھے؟

جواب ہاں افضل یہ ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھے تاکہ محرم کی دس تاریخ کا یقینی طور پر روزہ رکھ سکے۔ افضل یہی ہے اور اگر روزہ نہ رکھے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں اور اس طرح اس کا دسویں تاریخ کا روزہ فوت ہو جائے گا۔

شیخ ابن باز

باب ہشتم

كتاب المناسك

حج کے مسائل

بیت اللہ الحرام کے حجاج کے لیے نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عَبْدِهِ وَرَسُوْلِهِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اے مسلمانو! بیت اللہ الحرام کے حاجیو!

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور آپ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشے جو اس کی رضا کا موجب ہوں' وہ ہمیں گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ آپ سب کو مناسک حج اس طرح ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے وہ راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے حج کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمہیں اپنے وطنوں کی طرف سلامتی و عافیت کے ساتھ واپس لوٹائے۔ انہ خیر مسئول۔

اے مسلمانو! میری تم سب کے لیے وصیت یہ ہے کہ تمام حالات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے تقویٰ کو اختیار کرو' اس کے دین سے استقامت کے ساتھ وابستہ رہو اور ان اسباب سے بچو جو اس کی ناراضی کا باعث بنتے ہوں۔ سب سے اہم فرض اور سب سے عظیم واجب اللہ تعالیٰ کی توحید اور تمام عبادات میں اس کے لیے اخلاص ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ازبس ضروری ہے کہ تمام اقوال و اعمال میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ تمام مناسک حج اور دیگر تمام عبادات کو اس طرح سرانجام دیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بندوں کو اپنے رسول و خلیل' سرور کائنات' ہمارے نبی و امام اور سردار حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی زبانی حکم دیا ہے۔

اسی طرح سب سے بڑا گناہ اور سب سے خطرناک جرم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ شرک یہ ہے کہ عبادت یا عبادت کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لیے ادا کیا جائے۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

''یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف فرمادے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٥)

''اور (اے محمد!) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ

اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم زیاں کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔"

بیت اللہ الحرام کے حاجیو! مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد ہمارے نبی ﷺ نے صرف ایک حج کیا ہے اور یہ وہی حج ہے جو آپ نے اپنی حیات پاک کے آخری دور میں کیا ہے اور یہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے' اس حج میں آپ نے لوگوں کو اپنے قول و عمل سے مناسک حج کی تعلیم دی اور ان سے فرمایا:

«خُذُوْا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(السنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥)

"لوگو! مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔"

لہٰذا تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ فریضہ حج ادا کرتے ہوئے آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے سامنے رکھیں اور مناسک حج اس طرح ادا کریں جس طرح آپ نے انہیں سکھایا ہے کیونکہ آپ وہ معلم و مرشد ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور آپ تمام بندگان الٰہی کے لیے حجت ہیں' اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ آپ کی اطاعت ہی جنت میں داخلہ اور جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ ہو گی اور یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بندے کو اپنے رب سے اور رب تعالیٰ کو اپنے بندے سے سچی محبت ہے جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ (الحشر٥٩/ ٧)

"اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٥٦)

"اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور (اللہ کے) رسول (ﷺ) کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

اور فرمایا:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ ﴾

(الأحزاب٣٣/ ٢١)

"رسول اللہ کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے (یعنی) اس شخص کے لیے جسے اللہ (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغات میں داخل فرمائیں گے جس میں نہریں بہہ رہی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں

ڈالیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو رسوا کن عذاب ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَـٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۵۸)

"(اے محمد!) کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا (بھیجا ہوا رسول ہوں (وہ اللہ) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگانی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے۔ سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر' جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام (خود بھی) پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ ﴾ (آل عمران ۳/ ۳۱)

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔" (اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔)

تو آپ سب کے لیے اور اپنے لیے بھی میری وصیت یہ ہے کہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو پیش نظر رکھا جائے اور صدق دل سے تمام اقوال و افعال میں حضرت محمد ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے کہ اس میں دنیا و آخرت کی سعادت اور نجات کا راز مضمر ہے۔

اے بیت اللہ الحرام کے حجاج کرام!

ہمارے نبی محمد ﷺ آٹھ ذوالحج کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ (۱) آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی رہائش گاہوں سے احرام باندھ لیں اور منیٰ کی طرف چل پڑیں۔ اس موقع پر آپ نے انہیں طواف وداع کا حکم نہیں دیا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے خواہ اس کا تعلق اہل مکہ سے ہو یا وہ باہر سے آکر یہاں مقیم ہوا ہو یا وہ عمرہ سے حلال ہوا ہو تو وہ آٹھ ذوالحج کو لبیک کہتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہو۔ اس موقع پر حجاج کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ مسجد حرام میں جاکر کعبہ کا طواف وداع کریں۔

حج کا احرام باندھتے وقت بھی مسلمان کے لیے یہ مستحب ہے کہ اسی طرح کے کام کرے جس طرح اس نے میقات پر احرام باندھتے ہوئے کیے تھے یعنی غسل کرے' خوشبو استعمال کرے اور صفائی وغیرہ کر لے جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا حکم دیا تھا جب انہوں نے حج کا احرام باندھنے کا ارادہ کیا تھا۔ (۲) انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا کہ دخول مکہ کے وقت ماہانہ معمول شروع ہو گیا جس کی وجہ سے منیٰ کی طرف جانے سے پہلے ان کے لیے طواف مشکل تھا' اس لیے آپ نے حکم دیا کہ غسل کر لیں اور حج کا احرام باندھ لیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس کی وجہ سے ان کا حج

---

(۱) صحیح مسلم' الحج' باب حجة النبی ﷺ' حدیث: 1218-

(۲) صحیح بخاری' الحج' کیف تهل الحائض و النفساء' حدیث: 1556-

قران ہو گیا یعنی ان کا حج اور عمرہ یکجا ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منیٰ میں فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قصر کر کے ادا فرمائیں اور انہیں جمع نہیں کیا تھا۔ ① لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے پیش نظر سنت یہی ہے۔ نیز اس مرحلہ پر حجاج کے لیے یہ بھی سنت ہے کہ وہ تلبیہ، ذکر الٰہی، قرآن مجید کی تلاوت اور نیکی کے دیگر کاموں مثلاً دعوت الی اللہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور فقراء کے ساتھ احسان وغیرہ میں مشغول رہیں۔

عرفہ کے دن جب سورج طلوع ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عرفات کی طرف روانہ ہوئے، ② اس وقت کچھ لوگ تلبیہ اور کچھ تکبیر پڑھ رہے تھے۔ عرفات پہنچ کر رسول اللہ ﷺ بالوں کے بنے ہوئے ایک قبہ میں فروکش ہوئے جو بطور خاص آپ کے لیے بنایا گیا تھا اس قبہ کے سایہ سے بھی رسول اللہ ﷺ نے استفادہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لیے خیموں اور درختوں کا سایہ استعمال کرنا جائز ہے۔

جب سورج ڈھل گیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی سواری پر جلوہ افروز ہوئے، آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا، لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی اور انہیں مناسک حج سکھائے۔ نیز انہیں سود اور اعمال جاہلیت سے ڈرایا اور فرمایا کہ ان کے خون، مال اور عزتیں ان کے لیے حرام ہیں۔ آپ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے! ③

لہٰذا تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ آپ کی اس وصیت پر عمل کریں، جہاں کہیں بھی ہوں اس پر استقامت کے ساتھ ڈٹ جائیں۔ تمام مسلمان حکمرانوں پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں، تمام معاملات میں انہی کے مطابق عمل کریں، اپنی اپنی رعایا کو بھی ان کے مطابق عمل کا پابند بنائیں کیونکہ دنیا و آخرت میں صرف یہی عزت و کرامت اور سعادت و نجات کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو کتاب و سنت کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

پھر نبی ﷺ نے لوگوں کو ظہر و عصر کی نمازیں قصر اور جمع کے ساتھ جمع تقدیم کی صورت میں پڑھائیں، اذان ایک بار لیکن اقامت دوبار یعنی ہر نماز کے لیے الگ الگ اقامت کہی گئی تھی ④ اور آپ موقف کی طرف متوجہ ہوئے، قبلہ کی طرف رخ انور کیا، سواری پر جلوہ افروز ہو کر اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہو گئے، دعا دونوں ہاتھ اٹھا کر کی اور ذکر و دعا کا یہ سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ اس دن آپ نے روزہ بھی نہیں رکھا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حجاج کرام کو چاہیے کہ عرفات میں تمام افعال اسی طرح سرانجام دیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سرانجام دیئے تھے یعنی ذکر الٰہی، دعا اور تلبیہ میں غروب آفتاب تک مشغول رہیں، دعا دونوں ہاتھ اٹھا کر کریں اور یہاں روزہ بھی نہ رکھیں۔ صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

① صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث: 1218۔

② صحیح بخاری، الحج، باب التلبية والتكبير ..... الخ، حدیث: 1659 و باب التهجير بالرواح، يوم عرفة، حدیث: 1660۔

③ صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث: 1218۔

④ صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث: 1218۔

«مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِيهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ، مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ "سُبْحَانَهُ" لَيَدْنُو ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل يوم عرفة، ح:١٣٤٨)

"جس کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ بندوں کو عرفہ کے دن جہنم سے آزادی عطا کرتا ہے اور کسی دن اس کثرت سے نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہو کر ان پر اپنے فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«أُنْظُرُوا إِلَى عِبَادِي أَتَوْنِي شُعْثًا غُبْرًا يَّرْجُونَ رَحْمَتِي أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ»(صحيح ابن خزيمة، الحج، باب تباهي الله أهل السماء بأهل عرفات، ح: ٢٨٤٠ وصحيح ابن حبان، الحج، باب ما جاء في الوقوف بعرفة والمزدلفة، ح:١٠٠٦)

"میرے بندوں کی طرف ذرا دیکھو تو سہی' میرے پاس پراگندہ حال اور غبار آلود ہو کر آئے ہیں۔ یہ میری رحمت کے طلب گار ہیں۔ میں تمہیں گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔"

یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَقَفْتُ هَاهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» (صحيح مسلم، الحج، باب ما جاء أن عرفة كلها موقف، ح:١٤٩/١٢١٨)

"میں نے یہاں وقوف کیا ہے لیکن سارا عرفہ موقف ہے۔"

رسول اللہ ﷺ بعد ازاں غروب آفتاب کے بعد لبیک کہتے ہوئے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے' وہاں آپ نے نماز مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں' رات بھی یہیں بسر فرمائی اور صبح کی نماز سنتوں سمیت ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا فرمائی۔ (1) پھر آپ مشعر کے پاس تشریف لے آئے اس کے پاس اللہ کا ذکر کیا' تکبیر اور تہلیل میں مصروف رہے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا:

«وَقَفْتُ هَاهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» (صحيح مسلم، الحج، باب ما جاء أن عرفة كلها موقف، ح:١٤٩/١٢١٨)

"میں نے یہاں وقوف کیا ہے جب کہ سارا مزدلفہ موقف ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حجاج کے لیے سارا مزدلفہ موقف ہے۔ ہر حاجی اپنی اپنی جگہ پر رات بسر کرے' اپنی جگہ ہی پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور استغفار کرے اور یہ ضروری نہیں کہ صرف اسی جگہ وقوف کیا جائے جہاں رسول اللہ ﷺ نے وقوف فرمایا تھا۔ نبی ﷺ نے کمزور لوگوں کو مزدلفہ کی رات ہی رخصت دے دی تھی کہ وہ رات کے وقت ہی منیٰ روانہ ہو جائیں (2) تو اس سے معلوم ہوا کہ کمزوروں یعنی عورتوں' بیماروں اور بوڑھوں وغیرہ کے لیے اس رخصت پر عمل کرتے ہوئے

---

(1) صحيح مسلم' الحج' باب حجة النبي ﷺ' حديث: 1218-

(2) صحيح بخارى' الحج' باب من قدم ضعفة اهله بليل ..... الخ' حديث: 1676 و صحيح مسلم' الحج' باب استحباب تقديم دفع الضعفة ..... الخ' حديث: 1295-

رات کے آخری حصہ میں مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلے جانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ بھیڑ کی مشقت سے بچ سکیں۔ ان کے لیے رات کو جمرہ کو رمی کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دے دی تھی‘ (1) پھر جب خوب اچھی طرح دن روشن ہو گیا تو نبی ﷺ تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے‘ (2) جمرہ عقبہ کا قصد فرمایا‘ اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا‘ پھر آپ نے اپنی ہدی کو نحر کیا اور پھر سر مبارک کے بال منڈوا دیئے‘ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خوشبو لگائی‘ پھر آپ بیت اللہ شریف تشریف لے گئے اور طواف فرمایا۔ نبی ﷺ سے قربانی کے دن یہ پوچھا گیا کہ جو شخص رمی سے پہلے قربانی کر دے‘ یا قربانی سے پہلے بال منڈوا دے یا رمی سے پہلے طواف افاضہ کر لے...... تو اس طرح کے تمام سوالوں کے جواب میں آپ نے فرمایا ”کوئی حرج نہیں۔“ (3)

راوی کا بیان ہے کہ اس دن جس چیز کے بھی مقدم یا مؤخر کر دینے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”وہ کر لو کوئی حرج نہیں۔“ (4) ایک آدمی نے آپ سے یہ پوچھا کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔“
اس سے معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ عید کے دن رمی جمرہ سے آغاز کریں پھر نحر کریں جب کہ ان پر ہدی لازم ہو اور پھر سر کے بالوں کو منڈوایا کترا دیں‘ لیکن بالوں کو منڈوا دینا کترا دینے سے افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بال منڈوانے والوں کے لیے مغفرت و رحمت کی تین بار اور بال کتروانے والوں کے لیے ایک بار دعا فرمائی تھی...... (5)
اس سے حجاج کو تحلل اول حاصل ہو جاتا ہے یعنی وہ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتے اور خوشبو استعمال کر سکتے ہیں اور ان کے لیے عورتوں کے سوا ہر اس چیز کا استعمال مباح ہو جاتا ہے جو احرام کی وجہ سے حرام ہوا تھا۔ پھر حجاج بیت اللہ جائیں اور عید کے دن یا اس کے بعد طواف کریں اور اگر حج تمتع ہے تو صفا و مروہ کی سعی بھی کریں‘ اس سے ان کے لیے عورتوں سمیت ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھی۔

حاجی اگر مفرد یا قارن ہو تو اس کے لیے وہ سعی اول ہی کافی ہے جو اس نے طواف قدوم کے ساتھ کی تھی اور اگر طواف قدوم کے ساتھ سعی نہ کی ہو تو ضروری ہے کہ طواف افاضہ کے ساتھ سعی کر لی جائے۔

پھر رسول اللہ ﷺ منیٰ واپس تشریف لے آئے اور آپ عید کے دن کا باقی حصہ اور گیارہ‘ بارہ اور تیرہ تاریخ تک یہیں مقیم رہے۔ ان ایام تشریق میں ہر دن آپ زوال کے بعد جمرات کو رمی کرتے رہے‘ ہر جمرہ کو سات کنکریاں مارتے‘ (6)

---

(1) صحیح بخاری‘ الحج‘ من قدم ضعفة اهله بليل ..... الخ‘ ح: 1679- و صحیح مسلم‘ الحج‘ باب استحباب تقديم دفع الضعفة ..... الخ‘ حديث: 1291-

(2) صحیح بخاری‘ الحج‘ باب متى يدفع من جمع‘ حديث: 1684 و باب التلبية والتكبير غداة النحر ..... الخ‘ حديث: 1685-

(3) صحیح بخاری‘ الحج‘ باب الذبح قبل الحلق‘ حديث: 1722 و صحیح مسلم‘ الحج‘ باب جواز تقديم الذبح على الرمى ..... الخ‘ حديث: 1306 - 1307-

(4) حواله سابق-

(5) صحیح بخاری‘ الحج‘ باب الحلق والتقصير عند الاحلال‘ حديث: 1727 - 1728 و صحیح مسلم‘ الحج‘ باب تفضيل الحلق على التقصير ..... الخ‘ حديث: 1301 - 1302-

(6) سنن ابی داود‘ المناسک‘ باب فی رمی الجمار‘ حديث: 1973-

ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر پڑھتے اور جمرہ اولیٰ اور ثانیہ سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے۔ دعا کے وقت آپ جمرہ اولیٰ کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کر لیتے لیکن تیسرے کے پاس وقوف نہ فرماتے۔ تیرہ تاریخ کو رمی جمرات کے بعد آپ روانہ ہوئے اور مقام ابطح میں تشریف لے آئے اور یہاں آپ نے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں۔ [1]

پھر آپ رات کے آخری حصہ میں مکہ مکرمہ تشریف لے آئے' لوگوں کو نماز فجر پڑھائی' طواف وداع فرمایا اور پھر چودہ تاریخ کی صبح نماز فجر کے بعد آپ سوئے مدینہ رواں دواں ہو گئے۔ علیہ من ربه افضل الصلاة والتسلیم۔

اس سے معلوم ہوا کہ حاجی کے لیے سنت یہ ہے کہ ہر ہر عمل کو اس طرح سرانجام دے جس طرح نبی کریم ﷺ نے سرانجام دیا تھا۔ ایام منیٰ میں ہر دن تینوں جمروں کو زوال کے بعد رمی کرے' ہر جمرے کو سات کنکریاں مارے' ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔ جمرہ اولیٰ کو رمی کرنے کے بعد رک جائے اور قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ جمرہ اولیٰ کو اپنی بائیں طرف کر لے' جمرہ ثانیہ کو رمی کے بعد بھی وقوف کرے' اسے اپنی دائیں طرف کر لے' لیکن یاد رہے یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے' تیسرے جمرے کی رمی کے بعد وقوف نہ کرے۔ اگر زوال کے بعد اور غروب آفتاب سے پہلے رمی کرنا ممکن نہ ہو تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق آنے والی رات کے آخری حصہ تک رمی کر سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت اور وسعت ہے۔ جو شخص بارہ تاریخ ہی کو رمی جمار کے بعد جلدی کر لے اور چل دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو شخص یہ پسند کرے کہ وہ ٹھہرا رہے تاکہ تیرہ تاریخ کو بھی رمی جمار کر لے تو یہ افضل ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے عمل کے موافق ہے۔

حاجی کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ گیارہ اور بارہ کی رات منیٰ میں بسر کرے' بہت سے اہل علم کے نزدیک یہ راتیں منیٰ میں بسر کرنا واجب ہے۔ اگر آسانی سے رات کا اکثر حصہ بسر کرنا ممکن ہو تو یہ بھی کافی ہے اگر کوئی شرعی عذر ہو جیسا کہ کارکنوں اور بکریوں کے چرواہوں وغیرہ کا عذر ہوتا ہے تو ان کے لیے یہاں رات بسر کرنا ضروری نہیں ہے۔ حجاج کیلئے تیرہ تاریخ کی رات منیٰ میں بسر کرنا واجب نہیں ہے جب کہ وہ جلدی کر کے غروب آفتاب سے قبل منیٰ سے رخصت ہو جائیں اور اگر رات منیٰ میں آ جائے تو پھر تیرہ تاریخ کی رات بھی منیٰ ہی میں بسر کی جائے اور تیرہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی جمار کی جائے اور پھر وہاں سے رخصت ہو جائے۔ تیرہ تاریخ کے بعد کسی کیلئے رمی کا حکم نہیں ہے خواہ وہ منیٰ ہی میں مقیم ہو۔

حاجی جب اپنے وطن کی طرف واپسی کا ارادہ کرے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ طواف وداع کے لیے بیت اللہ شریف کے گرد سات چکر لگائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمْ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

”اس وقت تک کوئی شخص روانہ نہ ہو جب تک اپنا آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزار لے۔“

ہاں البتہ حیض اور نفاس والی خواتین کیلئے طواف وداع نہیں ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے [2] کہ لوگوں

---

[1] السنن الکبری: 5/160 - 161۔

[2] صحیح بخاری' الحج' باب طواف الوداع' حدیث: 1755 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1328۔

کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنا آخری وقت بیت اللہ میں گزاریں۔ ہاں البتہ حائضہ عورت سے تخفیف کر دی گئی (یعنی اسے اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔)

جس شخص نے طواف افاضہ کو مؤخر کیا ہو اور وہ اب سفر شروع کرنے سے پہلے یہ طواف کرنا چاہتا ہو تو مذکورہ دونوں حدیثوں کے پیش نظر طواف افاضہ' طواف وداع سے بھی کفایت کرے گا یعنی ایک ہی طواف کافی ہو گا۔

میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے' ہمارے اور آپ کے تمام اعمال کو شرف قبولیت سے نوازے' بے شک وہی قادر وکارساز ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فضیلۃ الشیخ کی حجاج کرام کو ایک اور نصیحت

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے ہر اس مسلمان کے لیے جو اس تحریر کو دیکھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ' امابعد:

اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کیا جائے۔ مجھے بعض بھائیوں نے یہ بات بتائی ہے کہ منیٰ میں موجود بعض حاجی اپنے پڑوسیوں کے لیے سگریٹ نوشی اور گانوں کے ذریعے ایذاء رسانی کا سبب بنتے ہیں اور بلا شبہ دین کا یہ حکم سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ بِغَيْرِ مَا ٱكْتَسَبُوا۟ فَقَدِ ٱحْتَمَلُوا۟ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٨)

"اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام سے جو انہوں نے نہ کیا ہو' ایذاء دیں تو انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔"

اگر یہ ایذاء رسانی سگریٹ نوشی یا ریڈیو یا گانوں کی کیسٹوں کی صورت میں ہو تو یہ ایذاء بہت بڑی اور یہ گناہ بہت عظیم ہو گا کیونکہ گانا سننا حرام ہے اور اسی طرح سگریٹ نوشی بھی دین و دنیا اور صحت کے لیے نقصان دہ اور حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ﴾ (لقمان ٣١/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے گمراہ کرے۔"

اکثر علماء کے بقول اس آیت کریمہ میں "لھوالحدیث" سے مراد گانا بجانا اور آلات موسیقی کا استعمال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۙ ﴾ (المائدۃ ٥/ ٤)

”(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ (ان سے) کہہ دیجئے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ﴾ (الأعراف۷/ ۱۵۷)

”اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے صرف پاک چیزوں ہی کو حلال قرار دیا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے بھی اپنی امت کے لیے صرف پاک چیزوں ہی کو حلال قرار دیا ہے۔ پاک چیزیں منفعت بخش ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے کوئی نقصان نہیں ہوتا جب کہ تمباکو نوشی نقصان دہ اور ناپاک چیزوں میں سے ہے۔ تمام اطباء اور دیگر سب باخبر لوگوں کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ تمباکو نوشی صحت کے لیے بے حد نقصان دہ' اس کا انجام بہت برا اور اس کی بدبو بہت خبیث ہے (لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے' استقامت کے ساتھ عمل کی توفیق بخشے اور ہم سب کو شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے۔

والسلام علیکم ورحمة الله وبركاته۔

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

الرئيس العام

لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

حج فوری طور پر واجب ہے

سوال حج کب فرض ہوا تھا اور اس بات کی کیا دلیل ہے کہ حج فوری طور پر واجب ہے یا یہ تاخیر سے واجب ہوتا ہے؟

جواب صحیح قول کے مطابق حج ۹ ھ میں فرض ہوا تھا۔ یہ وہی سال ہے جس میں مختلف وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اسی سال سورۂ آل عمران نازل ہوئی جس میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران۳/ ۹۷)

”اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے' وہ اس کا حج کرے۔“

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ حج فوری طور پر واجب ہے کیونکہ امر (یعنی حکم) کا تقاضا یہ ہے کہ اسے فورا ادا کیا جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«تَعَجَّلُوا إِلَى الْحَجِّ - يَعْنِي الْفَرِيضَةَ - فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لاَ يَدْرِي مَا يَعْرِضُ لَهُ»(مسند أحمد: ۱/ ۳۱۳)

”حج یعنی فرض کو جلد ادا کرو کیونکہ تم میں سے کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسے کل کیا حالات درپیش ہوں۔“

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ فَإِنَّهُ قَدْ يَمْرَضُ الْمَرِيضُ، وَتَضِلُّ الرَّاحِلَةُ، وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ»(سنن ابن ماجه، المناسك، باب الخروج إلى الحج، ح:٢٨٨٣ ومسند أحمد:١/ ٣٥٥ واللفظ له)

"جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے جلدی کرنا چاہیئے کیونکہ اسے کوئی مرض لاحق ہو سکتا ہے' سواری گم ہو سکتی ہے اور کوئی ضرورت و حاجت پیش آ سکتی ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حج فوری طور پر نہیں بلکہ تاخیر سے ادا کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دس ہجری تک مؤخر کر کے ادا فرمایا تھا لیکن اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ آپ نے اسے صرف ایک سال مؤخر کیا ہے کیونکہ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ پہلے بیت اللہ کو مشرکوں' برہنہ ہو کر حج کرنے والوں اور بدعات سے پاک فرما دیں۔ چنانچہ جب ان سب سے آپ نے بیت اللہ کو پاک کر دیا تو پھر اس کے بعد والے سال حج ادا فرمایا۔ حج فوری طور پر ادا کرنا اس لیے بھی واجب ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ادا کرنے سے پہلے موت آ جائے اور دانستہ تاخیر کرنے کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جائے کیونکہ حدیث میں ہے:

«مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا»(جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء من التغليظ في ترك الحج، ح:٨١٢)

"جو شخص زاد راہ اور ایسی سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکتی ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی کی حیثیت میں مر جائے۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

وجوب حج کی شرطیں

سوال وجوب حج کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب وجوب حج کی یہ پانچ شرطیں ہیں ① اسلام ② عقل ③ بلوغت ④ آزادی اور ⑤ استطاعت۔ کافر کا حج صحیح نہیں اور نہ قبول ہی ہوتا ہے کیونکہ اس میں بنیادی شرط ہی مفقود ہے جو حج اور دیگر تمام عبادات کے لیے شرط ہے یعنی اسلام۔ اسی طرح دیوانے پر بھی حج لازم نہیں ہے اور اگر وہ کر بھی لے تو اس کا حج ادا نہ ہو گا' ہاں البتہ بلوغت سے پہلے بچے کا حج صحیح ہے' اس کے ولی کو ثواب ملے گا اور اسے بھی اجر ملے گا لیکن بلوغت سے پہلے کے اس حج سے فرض ادا نہ ہو گا بلکہ بلوغت کے بعد اس پر فرض حج ادا کرنا لازم ہو گا۔ غلام پر بھی حج لازم نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے اور اگر وہ حج کر لے تو اس کا حج ہو جائے گا اور اسے ثواب ملے گا۔

جہاں تک شرط استطاعت کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے حج کو اس کے لیے واجب قرار دیا ہے جسے راستہ کی استطاعت ہو۔ استطاعت سے مراد زاد راہ اور سواری ہے یعنی زاد راہ اس کی اصلی حاجتوں اور اہل و عیال کی ضرورتوں سے زائد اور حج کی واپسی تک کے لیے کافی ہو۔ یہ عام شرطیں ہیں۔ اور بعض لوگوں نے ایک چھٹی شرط کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ ہے راستہ کا پر امن ہونا لیکن یہ شرط تو استطاعت میں داخل ہے اور ایک شرط عورتوں کے حوالے سے مخصوص ہے اور وہ ہے

ان کے ساتھ محرم کا موجود ہونا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حج اور عمرہ کرنے والے کے لیے کیا ضروری ہے؟

سوال حج اور عمرہ ادا کرنے والے کے لیے کیا ضروری ہے؟

جواب جو شخص حج وغیرہ کے لیے طویل سفر کا ارادہ کر لے تو اسے چاہیئے کہ پہلے اپنے قرض ادا کرے یا قرض والوں سے اجازت لے لے جب کہ وہ حریص ہوں اور ان کی طرف سے تقاضا شدید ہو' پھر اپنی وصیتوں اور اپنے فرائض و حقوق کو لکھ دے' پھر نماز استخارہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اس کی توفیق عطا فرمائے جس میں اس کی بہتری ہو اور پھر اپنے شرح صدر کے مطابق عمل کرے۔ اہل علم و دین اور نیک رفقاء کی رفاقت اختیار کرے۔ کچھ علمی کتابیں بھی اپنے ساتھ رکھ لے جن سے اعمال حج اور دیگر مسائل کے بارے میں استفادہ کرے اور اپنے رفقاء سفر کو بھی فائدہ پہنچائے۔ نفقہ اور زاد راہ بھی کثیر مقدار میں ساتھ لے لے تاکہ بوقت ضرورت اپنے اور اپنے بھائیوں پر خرچ کر سکے۔ سفر کے وقت اپنے اہل و عیال اور دوست احباب کو الوداع کہے اور ہر ایک سے یہ کہے:

«اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء ما يقول إذا ودع إنسانا، ح:٣٤٤٣ ومسند أحمد:٢/٧)

''میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارے دین کو' امانت (و دیانت) کو اور تمہارے عمل کے خاتموں کو۔''

کوشش کرے کہ اس کا یہ عمل خالص ہو۔ حج اور عمرہ کے ادا کرنے سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو' کسی کے تعریف کرنے یا نہ کرنے کا اس کی صحت پر کوئی اثر نہ ہو اور پھر یہ بھی کوشش کرے کہ اس کا نفقہ حلال اور پاک کمائی سے ہو۔ سفر میں آتے جاتے ہوئے واجبات دین کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل عبادات کا بھی اہتمام کرے۔ اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہنچائے اور اہل علم سے استفادہ کرے۔ حج اور عمرہ کے واجبات کی تکمیل کے لیے مقدور بھر سنن اور اعمال صالحہ بھی سرانجام دے تاکہ تمام اعمال کا اسے دوگنا اجر و ثواب ملے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

حج کے حوالہ سے مسلمان کے واجبات

سوال فریضہ حج ادا کرتے ہوئے مسلمان پر کیا واجب ہے؟ کیا دوران حج عبادت کے علاوہ دیگر بیرونی کاموں میں بھی مشغولیت جائز ہے؟

جواب مسلمان کے لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو بروقت اور باجماعت ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے' اس حکم کی اطاعت کا خصوصی اہتمام کرے۔ علاوہ ازیں دوران حج امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کا کام کرے اور ان تمام امور سے اجتناب کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي ٱلْحَجِّ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٧)

"پس جو شخص ان (مہینوں) میں حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ حَجَّ لله فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»(صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، ح:١٥٢١ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، ح:١٣٥٠)

"جو شخص اللہ (کی رضا جوئی) کے لیے حج کرے اور حج کے دنوں میں عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے تو وہ اس طرح گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا ہے۔"

اس آیت اور حدیث میں جو "رفث" اور "فسوق" کے الفاظ آئے ہیں تو رفث سے مراد حالت احرام میں عورتوں سے اختلاط اور اس سلسلہ کے قول و فعل کی صورت میں اسباب و دواعی ہیں اور فسوق' (فسق کی جمع ہے اور اس) کے معنی گناہوں کے ہیں۔ ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے' واجبات کو ادا کرے اور محرمات سے اجتناب کرے لیکن جب وہ بلداللہ الحرام میں ہو اور مناسک حج ادا کر رہا ہو تو پھر یہ واجب اور بھی عظیم اور شدید ہو جاتا ہے اور کسی حرام کام کا گناہ بھی بہت بڑا اور بہت سخت ہو جاتا ہے' ہاں البتہ دوران حج خرید و فروخت اور دیگر مباح اقوال و اعمال جائز ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٨)

"اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر اہل علم اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ موسم حج میں بھی تجارت کی جا سکتی ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت اور اپنے بندوں پر تخفیف و احسان ہے کہ حاجی کو دوران حج اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

رفث' فسوق اور جدال کا معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَٰتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي ٱلْحَجِّ ﴾
(البقرة٢/ ١٩٧)

"حج کے مہینے (مقرر ہیں جو) معلوم ہیں پس جو شخص ان (مہینوں) میں حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔"

تو سوال یہ ہے کہ رفث' فسوق اور جدال سے کیا مراد ہے جن سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے؟ کیا جو شخص حج کے دوران لڑائی جھگڑا کرتا یا کوئی عبث کام کرتا ہے تو اس کا حج باطل ہو جاتا ہے؟

جواب اہل علم نے "رفث" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد عورتوں سے اختلاط اور اس سلسلہ کے اسباب و وسائل ہیں۔ فسوق سے مراد گناہ ہیں اور جدال سے مراد فضول لڑائی جھگڑا ہے یا جس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے واضح فرما دیا ہے تو اس میں جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں۔ "جدال" میں ایسے تمام تنازعات شامل ہیں جو حاجیوں کے لیے ایذاء کا باعث بنیں یا امن عامہ میں خلل ڈالیں یا جن سے مراد باطل کی دعوت دینا اور حق سے روکنا ہو اور وہ جدال جو احسن انداز سے ہو اور حق کو ثابت کرنے اور باطل کو مٹانے کے لیے ہو تو وہ شرعاً جائز ہے اور اس جدال میں داخل نہیں ہے جو ممنوع ہے۔

فسوق اور جدال سے حج باطل نہیں ہوتا لیکن ان سے حج' اجروثواب اور ایمان میں نقص ضرور آ جاتا ہے جب کہ تحلل اوّل سے قبل عورتوں سے اختلاط کی صورت میں حج باطل ہو جاتا ہے۔

حج اور عمرہ کرنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے حج و عمرہ کی تکمیل کے لیے ان مذکورہ بالا امور سے اجتناب کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص حج میں رفث اور تمام گناہ ترک کر دے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں

سوال حدیث میں آیا ہے:

«مَنْ حَجَّ لله فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»(صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، ح:١٥٢١ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، ح:١٣٥٠)

"جو شخص اللہ (کی رضا جوئی) کے لیے حج کرے اور پھر نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے تو وہ اس طرح واپس لوٹتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا ہو۔"

سوال یہ ہے کیا اس حدیث کے پیش نظر حج کرنے والے کے حج سے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟

جواب یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔ اس میں مومن کے لیے بشارت ہے کہ جب وہ صفت مذکورہ کے مطابق حج ادا کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دے گا کیونکہ رفث اور فسوق کے ترک کا معنی یہ ہے کہ اس نے صدق دل سے توبہ کر لی ہے اور جو شخص توبہ کرے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ رفث سے مراد حالت احرام میں عورتوں سے اختلاط اور وہ قول و عمل ہے جو اس کا سبب بنے۔ فسوق سے مراد تمام گناہ ہیں' تو جو شخص حج میں رفث اور تمام معاصی چھوڑ دے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ معصیت پر اصرار کرنا بھی فسوق میں شامل ہے جو شخص معصیت پر ڈٹا رہے تو وہ فسوق کو ترک کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔ یہ حدیث اسی طرح ہے جیسے ایک دوسری حدیث میں ہے:

«وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلاَّ الْجَنَّةُ»(صحيح البخاري، العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، ح:١٧٧٣ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، ح:١٣٤٩)

"حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔"

مبرور سے مراد وہ حج ہے جس میں واجبات کو مکمل طور پر ادا کیا گیا ہو' گناہوں کو ترک کر دیا گیا ہو اور کسی بھی گناہ پر اصرار نہ کیا گیا ہو۔ حج اور عمرہ کرنے والے تمام مومنوں پر واجب ہے کہ وہ تمام گناہوں سے اجتناب کریں' پہلے کئے ہوئے تمام گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ہاں جو اجروثواب ہے' اس کی رغبت کے پیش نظریہ سچا عزم کریں کہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

تکمیل توبہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ گناہ کا تعلق اگر حقوق العباد سے ہے تو اس حق کو ادا کرے یا متعلقہ آدمی سے اسے معاف کروا لے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

''اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

''مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (خالص اور سچی) توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کرے گا۔''

جو شخص صدق دل سے سچی پکی توبہ کرے وہ کامیاب ہو جائے گا' اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما کر اسے جنت میں داخل فرما دے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ حاجیوں اور غیر حاجیوں تمام مسلمانوں کو سچی توبہ اور حق پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ انہ سمیع قریب۔

——— شیخ ابن باز ———

حج میں مزاحمت

سوال لوگ بعض مشاعر حج کو ادا کرتے ہوئے قصداً مزاحمت کرتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کا حج صحیح ہے یا باطل؟

جواب مزاحمت سے حج باطل تو نہیں ہوتا لیکن جو لوگ بغیر ضرورت قصد و ارادہ سے ایسا کریں وہ گناہ گار ضرور ہوں گے کیونکہ اس میں حاجیوں کے لیے ظلم' ایذاء رسانی اور انہیں حج سے متنفر کرنا ہے۔

اگر انسان قصد و ارادہ کے بغیر کسی دوسرے انسان کی وجہ سے ازدحام کا سبب بنے تو اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

''سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔''

اور فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

——— شیخ ابن باز ———

مشروط حج!

سوال جب محرم کو یہ خدشہ ہو کہ وہ بیماری یا خوف کی وجہ سے مناسک حج ادا نہیں کر سکے گا تو پھر وہ کیا کرے؟

جواب اس صورت میں اسے احرام باندھتے وقت یہ کہنا چاہیئے کہ: "اگر کسی روکنے والے نے مجھے روک دیا تو میں وہاں حلال ہو جاؤں گا جہاں تو مجھے روک دے گا۔"

لیکن جب کسی رکاوٹ کی وجہ سے خدشہ ہو مثلاً بیماری (وغیرہ) تو پھر سنت یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت مذکورہ شرط ذکر کر دی جائے جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ جب ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب نے آپ سے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں احرام کے وقت مذکورہ بالا شرط کے ذکر کا حکم دیا تھا۔ [1]

بچے کا حج

بچے کا احرام

سوال جب چھوٹا بچہ ازخود طواف نہ کر سکتا ہو تو کیا اسے اٹھا کر طواف کرانا صحیح ہے؟ چھوٹا بچہ حج کی اگر کسی شرط کو پورا نہ کر سکے تو کیا اس پر کوئی کفارہ لازم ہو گا؟

جواب بچے کا احرام باندھنا صحیح ہے تو اس کا ولی اس کا ذمہ دار ہے۔ ولی بچے کو کپڑے پہنا کر اوپر احرام باندھ دے اور اس کی طرف سے حج کی نیت بھی کرے۔ اس کی طرف سے لبیک بھی کہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر طواف و سعی کرا دے۔ اور اگر بچہ طواف و سعی کرنے سے عاجز ہو کہ وہ بہت چھوٹا یا شیر خوار ہو تو اسے اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور صحیح قول کے مطابق دونوں (بچے اور اس کو اٹھانے والے) کی طرف سے ایک طواف ہی کافی ہو گا۔ اگر بچہ ازراہ جہالت کوئی ممنوع کام کر لے یعنی سلا ہوا لباس پہن لے یا سر کو ڈھانپ لے تو اس پر کوئی فدیہ نہ ہو گا کیونکہ اس نے قصد و ارادہ سے ایسا نہیں کیا اور اگر ایسا قصد و ارادہ سے کیا ہو یعنی مثلاً سردی وغیرہ کی وجہ سے لباس پہن لیا ہو تو پھر بچے کے ولی کو فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

---

[1] صحیح بخاری، النکاح، باب الاکفاء فی الدین، حدیث: 5089 و صحیح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل بعذر المرض و نحوہ، حدیث: 1217۔

جب بچہ دوران حج بالغ ہو جائے

سوال میں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اس وقت حج کیا کہ میں ابھی چھوٹا تھا لیکن آٹھ ذوالحج کو مجھے احتلام ہو گیا تو میں نے غسل کر کے اپنا احرام پہن لیا اور اپنا حج مکمل کر لیا۔ پھر میں نے سات سال بعد اپنے اس حج کے بارے میں پوچھا کہ اس سے فرض ادا ہو گیا یا نہیں؟ تو میں نے سنا کہ اس سے فرض ادا نہیں ہوا۔ اب میں اپنی فوت شدہ والدہ کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے صرف ایک ہی حج کیا تھا تو کیا مجھے اپنی طرف سے حج کرنا ہو گا یا اس صورت میں اگر اپنی والدہ کی طرف سے حج کروں تو وہ ہو جائے گا؟

جواب بچہ اگر دوران حج عرفہ میں یا اس سے پہلے اور عمرہ میں طواف سے پہلے بالغ ہو جائے تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ سائل چونکہ آٹھ ذوالحج کو بالغ ہوا جب کہ وہ محرم تھا اور اس کے بعد اس نے عرفہ میں وقوف کیا لہٰذا اسے وہ اپنا حج قرار دے اور اب اپنی والدہ یا کسی اور کی طرف سے وہ حج کر سکتا ہے اور اس کے بعد بھی وہ ان شاء اللہ اپنی طرف سے' اپنے والدین کی طرف سے اور جن کی طرف سے چاہے بار بار حج کر سکتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عورت کا حج

جس عورت کے ساتھ محرم نہ ہو اس پر حج واجب نہیں

سوال سباء کی ایک عورت جو نیکی اور تقویٰ میں مشہور ہے وہ ادھیڑ عمر کی ہے بلکہ بڑھاپے کی طرف مائل ہے۔ وہ فرض حج کرنا چاہتی ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے' ہاں البتہ معززین شہر میں سے ایک شخص جو نیکی و تقویٰ میں مشہور ہے اور اس کے ہمراہ محرم عورتیں بھی ہیں تو کیا اس عورت کے لیے یہ صحیح ہے کہ اس آدمی کے ہمراہ عورتوں کے ساتھ مل کر حج کرے جبکہ آدمی اس کی بھی نگہداشت کرے گا؟ یا اس عورت سے فریضۂ حج ساقط ہو جائے گا کیونکہ اسے اگرچہ مالی استطاعت تو ہے لیکن اس کے ساتھ محرم نہیں ہے؟ براہ کرم اس مسئلہ میں ہمیں فتویٰ دیجئے کیونکہ ہمارا بعض بھائیوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بارک اللہ فیکم

جواب وہ عورت جس کے ساتھ محرم نہ ہو' اس پر حج واجب نہیں ہے کیونکہ عورت کے لیے محرم بمنزلہ سبیل کے ہے اور استطاعت سبیل وجوب حج کے لیے شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران۳/ ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے۔"

اس عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حج یا کسی اور مقصد کے لیے اپنے شوہر یا محرم کے بغیر سفر کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ لاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ

عَلَيْهَا»(صحيح البخاري، التقصير، باب في كم يقصر الصلاة، ح:١٠٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم... الخ، ح:١٣٣٩)

"اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ ایک دن اور رات کا سفر محرم کے بغیر کرے۔"

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُومَحْرَمٍ، وَلاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے الا یہ کہ اس کا محرم اس کے ساتھ ہو اور نہ کوئی عورت محرم کے بغیر سفر کرے۔" یہ ارشاد سن کر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوہ کے لیے لکھا جا چکا ہے تو آپ نے فرمایا:

«اِنْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة... الخ، ح:٥٢٣٣، وجزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم... الخ، ح:١٣٤١)

"تم جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔"

امام حسن بصری، نخعی، احمد، اسحاق، ابن منذر اور اصحاب الرائے کا بھی یہی قول ہے اور عموم احادیث کے موافق ہونے کی وجہ سے یہی قول صحیح ہے کہ عورت کے لیے شوہر اور محرم کے بغیر سفر کرنا منع ہے۔ امام مالک، شافعی اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کا قول اس کے خلاف ہے کہ انہوں نے ایسی شرط ذکر کی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن منذر فرماتے ہیں انہوں نے ظاہر حدیث کے مطابق قول کو ترک کر دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے ایک ایسی شرط ذکر کی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

اکیلی عورت کا محرم کے بغیر سفر حج کرنا

سوال ایک عورت یہ کہتی ہے کہ میری والدہ مغرب میں ہے اور میں سعودیہ میں کام کرتی ہوں۔ میں انہیں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے یہاں بلانا چاہتی ہوں لیکن ان کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے کیونکہ میرے والد فوت ہو چکے ہیں اور میرے بھائی فریضۂ حج ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے؟

جواب اس (یعنی آپ کی والدہ) کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ حج ادا کرنے کیلئے اکیلی آئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمائی تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور میرا فلاں فلاں غزوہ میں نام لکھا جا چکا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِنْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم ... الخ، ح:١٣٤١)

"تم جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔"

عورت کے ساتھ جب محرم نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہے کیونکہ یا تو اس سے یہ فریضہ ساقط ہے کہ محرم کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے مکہ مکرمہ پہنچنے کی قدرت ہی نہیں ہے اور عدم قدرت شرعی عذر ہے یا اس پر حج کی ادئیگی ہی واجب نہیں ہے' لہٰذا اس کے فوت ہونے کی صورت میں اس کے ترکہ میں سے حج کرا دیا جائے۔

بہرحال میں اس سائل خاتون سے یہ کہوں گا کہ اگر عورت فوت ہو جائے اور وہ محرم کی عدم موجودگی کی وجہ سے حج نہ کر سکے تو اسے کوئی گناہ ہو گا نہ کوئی نقصان کیونکہ یہ عورت شرعاً معذور اور غیر مستطیع ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران۳/ ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے' وہ اس کا حج کرے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک عورت کو اس کا شوہر حج سے منع کرتا ہے

سوال میں ایک بڑی عمر کی مالدار خاتون ہوں۔ میں نے کئی دفعہ اپنے شوہر سے یہ کہا ہے کہ ہم حج کریں لیکن اس نے کسی وجہ کے بغیر میری اس خواہش کو رد کر دیا ہے۔ میرا بڑا بھائی اس سال حج کرنا چاہتا ہے تو کیا میں اس کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہوں خواہ میرا شوہر اجازت نہ دے یا اپنے شوہر کی اطاعت کروں اور حج ترک کر دوں؟ براہ کرم فتویٰ دیجئے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب حج اپنی تمام شروط کے ساتھ فوری طور پر واجب ہے۔ یہ خاتون چونکہ مکلف ہے' اسے قدرت بھی حاصل ہے اور اس کے لیے محرم بھی ہے' لہٰذا اس پر یہ واجب ہے کہ فوراً حج کرے اور اس کے شوہر کے لیے بغیر کسی سبب کے اسے حج سے منع کرنا حرام ہے۔

مذکورہ صورتحال کے مطابق اس عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ حج کرے خواہ اس کا شوہر اس کی اجازت نہ دے' کیونکہ حج بھی اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور روزہ فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو مقدم سمجھنا زیادہ افضل ہے اور اس عورت کے شوہر کو اس بات کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی سبب کے بغیر اسے حج سے روکے۔ واللہ الموفق والھادی الی سواء السبیل۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا حج

سوال کیا شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا حج صحیح ہے؟ کیا شوہر بیوی کو حج کی اجازت دے کر رجوع کر سکتا ہے؟ کیا شوہر اپنی بیوی کو حج کرنے سے منع کر سکتا ہے؟

جواب شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حج سے منع کرے جبکہ حج کی شروط مکمل ہوں اور بیوی کے لیے حج کرنا ممکن ہو کیونکہ حج علی الفور واجب ہے۔ قدرت ہو تو اسے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ بیوی کے لیے مستحب ہے کہ اپنے شوہر سے اجازت طلب کرے اگر وہ اجازت دے دے تو ٹھیک ورنہ بغیر اجازت ہی کے چلی جائے۔ شوہر اجازت دے دے تو پھر اس کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ حج اگر نفل ہو تو پھر شوہر اپنی بیوی کو منع کر سکتا ہے۔ نفل حج بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی کیونکہ وہ فرض نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

محرم کے بغیر عورتوں کے ساتھ مل کر حج کرنا

سوال میں نے اپنی خواتین کے ساتھ حج کیا اور ان کے ساتھ ایک ایسی بڑھیا بھی شامل ہو گئی جس کے ساتھ کوئی محرم نہیں تھا۔ میں نے اس بڑھیا پر بھی خرچ کیا حتیٰ کہ اس نے سارے مناسک حج ادا کر لیے اور پھر اپنے شہر میری خواتین کے ساتھ ہی واپس لوٹ آئی۔ کیا مجھے اس سلسلہ میں کوئی گناہ تو نہیں ہو گا؟

جواب یہ عورت چونکہ عمر رسیدہ تھی اور سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس کے ہمراہ اس کی اپنی خواتین بھی تھیں اور یہ بڑھیا ان کے ساتھ شامل ہو گئی تو کیونکہ اس کے ہمراہ اپنا کوئی ساتھی نہ تھا اور پھر یہ مناسک حج ادا کرنے سے بھی واقف نہ تھی تو اس طرح سائل نے اس کے ساتھ احسان کیا اور احسان کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عورت کے لیے ایام حج میں مانع حیض گولیوں کا استعمال

سوال عورت کے لیے ایام حج میں اپنے ماہانہ معمول کو روکنے کے لیے گولیوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں فائدہ و مصلحت بھی ہے اور اس طرح یہ لوگوں کے ساتھ مل کر طواف بھی کر سکے گی اور شرکاء سفر سے بھی پیچھے نہیں رہے گی۔

——— شیخ ابن باز ———

تارک نماز کا حج

بے نماز کا حج اور ---؟

سوال جو شخص تارک نماز ہو' خواہ وہ جان بوجھ کر ترک کرتا ہو یا محض سستی کی وجہ سے کیا اس کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا؟

جواب جو شخص حج کرے مگر وہ تارک نماز ہو تو اگر اس کا ترک وجوب کے انکار کی وجہ سے ہے تو وہ بالاجماع کافر ہے اور اس کا حج صحیح نہیں اور اگر وہ محض سستی اور غفلت کی وجہ سے ترک کرتا ہے تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا حج صحیح ہے اور بعض کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور یہی بات زیادہ درست ہے کہ اس کا حج صحیح نہیں ہے

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد: ٥/٣٤٦)

"وہ عہد جو ہمارے اور ان کے مابین ہے وہ نماز ہے جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر... الخ، ح:٨٢)

"آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (فرق) ترک نماز (سے) ہے۔"

یہ حکم عام ہے اور جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو' اسے بھی شامل ہے اور جو محض غفلت اور سستی کی وجہ سے تارک ہو اسے بھی شامل ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

حج اور ترک نماز

سوال فضیلۃ الشیخ! بغیر رغبت اور خواہش کے محض حالات کی مجبوری کی وجہ سے مجھے نصف رمضان کے وقت ایک اجنبی ملک کی طرف سفر کرنا پڑا۔ اپنے ملک میں رمضان کے نصف اول کے میں نے روزے رکھے تھے لیکن جب میں نے سفر کیا تو اس ملک میں قیام کے دوران جو پندرہ دن پر مشتمل تھا میں نے نماز اور روزہ دونوں کو ترک کر دیا۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ لوگ ناپاک ہیں' ان کی اشیاء ضرورت کو استعمال کرنا جائز نہیں' مجھے قبلہ کی جہت کا بھی علم نہیں تھا' میں نے ان کے کھانے پینے کی کوئی چیز بھی استعمال نہیں کی۔ میرا سوال یہ ہے کہ ان پندرہ دنوں میں میں نے جو نماز اور روزہ ترک کیا تو کیا اس کا میرے اس حج پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا جو میں نے کئی سال پہلے ادا کیا تھا؟ اس نماز اور روزہ کے ترک کی وجہ سے میرے لیے کیا حکم ہے یا اس کی کیا دیت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دے؟ رہنمائی فرمائیں۔ بارک اللہ فیکم۔

جواب اس مدت میں ترک نماز و روزہ کا اس حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جو آپ نے کئی سال پہلے ادا کیا تھا کیونکہ سابقہ عمل صالح جس چیز سے باطل ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان مرتد ہو کر فوت ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُوْلَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢١٧﴾﴾ (البقرة٢/ ٢١٧)

"اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر (کر کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

گناہوں سے سابقہ اعمال صالحہ باطل نہیں ہوتے' لیکن بسا اوقات یہ دیگر جہات سے اعمال صالحہ کو باطل کرنے کا سبب بن جاتے ہیں اور وہ اس طرح کہ جب یہ گناہ بہت زیادہ ہوں اور گناہوں اور نیکیوں میں وزن کے وقت گناہوں کا پلڑا بھاری ہو جائے تو پھر گناہوں کی وجہ سے انسان کو عذاب ہو گا' لہٰذا اب آپ پر واجب ہے کہ مذکورہ دنوں میں ترک نماز کی

وجہ سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں' اعمال صالحہ کثرت سے بجا لائیں اور راجح قول کے مطابق ان نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے۔ ان مذکورہ دنوں میں آپ کے لیے روزہ ترک کرنا جائز تھا کیونکہ آپ مسافر تھیں اور مسافر کے لیے روزہ لازم نہیں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۵)

"اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) ان کا شمار پورا کر لے۔"

لہٰذا ان روزوں کی آپ کو قضاء دینا ہو گی۔ نماز ترک کرنے کا آپ نے جو یہ سبب بتایا ہے کہ آپ کو قبلہ کا علم نہیں تھا اور آپ ان کے کھانے پینے کی کسی چیز کو بھی استعمال نہیں کرتی تھیں' تو یہ بات درست نہیں اور نہ اس وجہ سے نماز ترک کرنا درست ہے کیونکہ آپ پر واجب تھا کہ آپ بقدر استطاعت نماز ضرور ادا کرتیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن۶۴/ ۱۶)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:۷۲۸۸ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:۱۳۳۷)

"جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجا لاؤ۔"

لہٰذا انسان جب کسی ایسی جگہ میں ہو جہاں اسے قبلے کا علم نہ ہو' کوئی جہت قبلہ بتانے والا قابل اعتماد آدمی بھی نہ ہو تو وہ کوشش کر کے جہت قبلہ کا تعین کرے اور جس جہت کے بارے میں ظن غالب ہو کہ قبلہ اس طرف ہے تو ادھر منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ ان نمازوں کا اعادہ بھی لازم نہ ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بے نماز کی طرف سے حج نہ کیا جائے

سوال میرا ایک قریبی رشتہ دار ماہ رمضان میں فوت ہو گیا۔ وفات سے پہلے وہ نماز اور زکوٰۃ کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی حج نہیں کیا تھا تو کیا میرے لیے اس کی طرف سے حج کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے؟

جواب اگر یہ شخص کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا تھا تو اس کی طرف سے حج کیا جائے نہ زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اس کے مسلمان قریبی رشتہ دار اس کے ترکہ کے وارث بھی نہیں ہوں گے بلکہ اس کے ترکہ کو مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دیا جائے کیونکہ ترک نماز کفر اکبر ہے جیسا کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/٣٤٦)

"وہ عہد جو ہمارے اور ان کے مابین ہے' وہ نماز ہے۔ جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر . . . الخ، ح:٨٢)

"آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (فرق) ترک نماز (سے) ہے۔"

اسی طرح کتاب و سنت کے اور بھی دلائل ہیں جو ہماری بات پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرما دے۔ سب کو نماز کی حفاظت و اس پر استقامت اور ترک نماز کے اسباب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه جواد کریم۔

——— شیخ ابن باز ———

حج کی استطاعت

حج کی استطاعت کا معنی

سوال حج کے حوالے سے استطاعت کے کیا معنی ہیں؟ کیا مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے زیادہ ثواب ملتا ہے یا واپسی پر؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اجر و ثواب مکہ سے اپنے وطن واپسی کے وقت زیادہ ہو گا یا اس وقت کہ جب وہاں اس نے پہلا نیک عمل کیا؟

جواب حج کے حوالہ سے استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی صحیح البدن ہو۔ آدمی کے پاس ہوائی جہاز یا گاڑی یا ایسی سواری ہو جو بیت اللہ شریف تک پہنچا دے یا حسب حال اس کے پاس سواری وغیرہ کا کرایہ موجود ہو۔ آنے جانے کے لیے زادِ راہ بھی موجود ہو اور حج سے واپسی تک اہل و عیال کے لیے بھی نفقہ و خرچہ وغیرہ موجود ہو اور اگر عورت حج یا عمرہ کے لیے جا رہی ہو تو اس کے لیے شوہر یا کسی اور محرم کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔

جہاں تک حج کے ثواب کا تعلق ہے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے مطابق ملے گا اور اس کے مطابق کہ اس نے مناسک کو کس طرح ادا کیا ہے اور ان امور سے کس قدر اجتناب کیا ہے جو کمال حج کے منافی ہیں۔ نیز اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال کتنا خرچ کیا ہے؟ مشقت کس قدر برداشت کی ہے؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ واپس لوٹ آئے یا وہاں مقیم ہو جائے یا حج مکمل کرنے سے پہلے یا بعد میں وفات پا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال کو خوب جانتا اور اسے جزاء سے نوازتا ہے۔

ہر مکلف شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عمل کو خوب اچھی طرح کرے' ظاہری و باطنی ہر حال میں اسلامی شریعت کی پابندی کرے اور عبادت اس طرح کرے گویا اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کر رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو پھر وہ اس

حقیقت کو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا اور اس کے تمام حالات سے باخبر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کرید نہ کرے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے' وہ نیکیوں کا کئی گنا زیادہ اجروثواب عطا فرماتا اور گناہ معاف فرما دیتا ہے اور تمہارا رب کسی پر کبھی ظلم نہیں فرماتا۔ تم اپنے نفس کی حفاظت کرو اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دو جو حکیم و عادل اور رؤف رحیم ہے۔ واللہ الموفق

——— فتویٰ کمیٹی ———

حج کی استطاعت

سوال حج کے حوالے سے استطاعت کیا ہے اور اس کی شروط کیا ہیں؟

جواب حدیث میں استطاعت کی تفسیر زاد راہ اور سواری سے کی گئی ہے لیکن استطاعت کا لفظ شاید اس سے بھی زیادہ عام ہے کہ جو شخص کسی طرح بھی مکہ مکرمہ پہنچ جائے اس کے لیے حج اور عمرہ لازم ہے اگر کوئی شخص پیدل چلنے اور اپنا سامان اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو یا اس کا سامان اٹھانے والا کوئی موجود ہو تو اس کے لیے بھی حج لازم ہے اور اگر وہ جدید وسائل حمل و نقل مثلاً بحری جہازوں' گاڑیوں اور ہوائی جہازوں وغیرہ کا کرایہ ادا کر سکتا ہو تو اس کے لیے بھی حج لازم ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس زادراہ اور سواری تو ہو لیکن اس کے سامان اور اہل و عیال کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو یا مدت حج میں اس کے اہل و عیال کے نفقہ و خرچہ کا انتظام نہ ہو تو مشقت کی وجہ سے اس پر حج لازم نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر راستہ خطرناک ہو یا راستہ میں قزاقوں اور راہزنوں کا خدشہ ہو یا حکومت کی طرف سے عائد کردہ مالی ٹیکس ناقابل برداشت ہو یا وقت اس قدر کم ہو کہ مکہ مکرمہ پہنچنا ممکن نہ ہو یا بیماری یا ضرر (تکلیف) کی وجہ سے وہ سواری پر سوار ہونے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ان تمام صورتوں میں حج ساقط ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مالی استطاعت ہو تو اس کیلئے یہ لازم ہو گا کہ اپنی طرف سے کسی کو نائب بنا کر حج کیلئے بھیج دے اور اگر مالی استطاعت بھی نہیں تو پھر اس پر حج فرض نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا بیٹے کا اپنے باپ کے مال سے فرض حج ادا کرنا جائز ہے؟

سوال میرے بیٹے کی عمر قریباً بیس سال ہے۔ میرے پاس گاڑی ہے لیکن میں گاڑی چلانا نہیں جانتا۔ میرا بیٹا گاڑی چلاتا ہے اور میں نے اپنی گاڑی میں حج کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میرا بیٹا ابھی سکول میں پڑھتا ہے اور اس نے کسی سے یہ سنا ہے کہ بیٹے نے اگر ابھی تک فرض حج ادا نہ کیا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے باپ کے مال سے حج کرے بلکہ اسے خود مال کما کر حج کرنا چاہیے۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کافی مال ہے' تو رہنمائی فرمائیں کیا میرا بیٹا میرے مال سے حج کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے۔

جواب بیٹا اگر اپنا فرض حج اپنے باپ کے مال سے کرے تو اس کا حج صحیح ہے بلکہ اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جلد حج کرے اور گاڑی چلانے میں اپنے باپ کی مدد کرے کیونکہ یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ نیکی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میں نے ہر سال حج کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا

سوال میں نے اللہ تعالیٰ سے ہر سال حج کرنے کا عہد کیا تھا کیونکہ پہلے میں ملازم نہیں تھا پھر بعد میں حالات کی مجبوری کی وجہ سے مجھے فوج میں ملازمت کرنا پڑی اور اب محکمہ کی طرف سے مجھے ہر سال حج کرنے کے لیے رخصت نہیں ملتی۔ لہٰذا امید ہے کہ رہنمائی فرمائیں گے کہ ان حالات میں حج نہ کر سکنے کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا؟

جواب اگر بعض برسوں میں کوئی ایسی رکاوٹ پیش آجائے جس کی وجہ سے آپ کو حج کی استطاعت نہ ہو اور آپ اس رکاوٹ پر غلبہ نہ پا سکیں تو کوئی گناہ نہ ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ ﴾ (المائدۃ۵/ ۶)

"اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔"

وباللّٰہ التوفیق و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و صحبہ و سلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

ضروری کام کی وجہ سے حج کو مؤخر کرنا جائز ہے

سوال گزشتہ تین سالوں سے میں اپنے محکمہ میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے چھٹی کی درخواست دے رہا ہوں لیکن میرے سپرد کام کی اہمیت کی وجہ سے مجھے چھٹی نہیں مل رہی' تو کیا حج نہ کرنے کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟ اگر میں محکمہ کے علم اور اجازت کے بغیر حج کر لوں تو کیا اس میں گناہ ہو گا؟

جواب ہاں جب تک آپ دوسرے کے ساتھ مقید ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر آپ حج پر نہیں جا سکتے اور اگر ضرورت کا تقاضا ہو کہ آپ کام کی جگہ پر موجود رہیں تو ضرورت پوری ہونے تک موجود رہنے میں کوئی حرج نہیں' الا یہ کہ کوئی شخص آپ کے قائم مقام کام کر سکے یا کسی اور طریقے سے ضرورت پوری ہو سکے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مزدور اور سپاہی کا اجازت کے بغیر حج

سوال کیا سپاہی کے لیے اپنے محکمہ کی اجازت کے بغیر حج کرنا جائز ہے؟

جواب مزدور اور سپاہی کو اپنے محکمہ کی اجازت کے بغیر مطلقاً حج نہیں کرنا چاہیے' بلکہ محکمہ کی اجازت کے بغیر ان کے لیے حج کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ خواہ حج فرض ہو یا نفل کیونکہ ان کے اوقات کے مستحق ان کے محکمے ہیں اور پھر اعمال حج کی وجہ سے یہ اپنے محکمانہ فرائض بھی تو سرانجام نہیں دے سکیں گے۔

——— شیخ ابن باز ———

سپاہی کا محکمہ کی اجازت کے بغیر اپنی والدہ کے ساتھ حج

سوال میں محکمہ پولیس میں سپاہی ہوں اور اپنی والدہ کے ساتھ حج کرنا چاہتا ہوں لیکن محکمہ کی طرف سے مجھے اجازت نہیں ملی۔ اگر میں محکمہ کی اجازت کے بغیر اپنی والدہ کے ساتھ حج کر لوں تو کیا مجھے گناہ ہو گا؟

جواب آپ ملازم ہیں اور اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کے عوض آپ کو تنخواہ ملتی ہے' لہٰذا محکمہ کی اجازت کے بغیر کام ترک کر کے والدہ کے ساتھ حج کرنا بے جا تصرف ہو گا کیونکہ آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ محکمہ کی طرف سے سپرد کی گئی ڈیوٹی سرانجام دیں' لہٰذا کوئی ایسا کام نہ کیجئے جو اس ذمہ داری میں رکاوٹ بنے الا یہ کہ آپ نے پہلے فرض حج نہ کیا ہو تو فرض حج بغیر اجازت کے ادا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ حکومت کے کام میں مشغولیت سے پہلے یہ فریضہ آپ کے ذمہ عائد ہے' لہٰذا معلوم ہوا کہ اپنے محکمہ کی اجازت کے بغیر آپ اپنی والدہ کے ساتھ حج نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے پہلے فرض حج نہیں کیا تو پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ آپ محکمہ سے اجازت لیں۔ آپ کی والدہ کے حوالے سے یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے ہمراہ آپ کے علاوہ کوئی اور محرم چلا جائے اور خرچہ وغیرہ آپ ادا کر دیں۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قرض اور حج

مقروض کا حج

سوال کیا مقروض کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ فریضۂ حج ادا کرے جب کہ اس نے پہلے حج نہ کیا ہو؟ یا کیا ہو اور اب وہ نفل حج کرنا چاہتا ہو؟

جواب اگر انسان پر اس قدر قرض ہو کہ ادا کرنے پر تمام مال ہی ختم ہو جائے تو اس پر حج واجب نہیں ہے کیونکہ حج تو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب قرار دیا ہے جسے اس کی استطاعت ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران۳/ ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے' وہ اس کا حج کرے۔"

اور جس پر اس کے سارے مال کے بقدر قرض ہو تو اسے حج کی استطاعت نہیں ہے' لہٰذا اسے پہلے اپنا قرض ادا کرنا چاہیئے اور اگر بعد میں ممکن ہو تو حج کر لے اور اگر قرض کم ہو کہ وہ قرض ادا کرنے کے بعد حج بھی کر سکتا ہو تو وہ پہلے قرض ادا کرے اور پھر حج کر لے' خواہ حج فرض ہو یا نفل۔ لیکن حج اگر فرض ہو تو اسے ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے اور اگر اس نے فرض حج پہلے ادا کر لیا ہو تو اسے اختیار ہے کہ نفل حج اگر چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرض ادا کرنے سے پہلے حج کرنا

سوال میں کام کے دو سال کے معاہدہ پر سعودی عرب میں آیا ہوں۔ میں نے اپنے کچھ دوستوں کا قرض دینا ہے۔ قرض ادا کرنے کے لیے کسی مدت کا تعین نہیں ہے بلکہ مجھے اجازت ہے کہ جب آسانی سے ممکن ہو تو میں قرض ادا کر دوں۔ میری نیت اس سال اپنے والدین کے ساتھ حج کرنے کی ہے لیکن میں نے پڑھا ہے کہ حج سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری ہے تو سوال یہ ہے کیا اس صورت میں میرے لیے حج کرنا جائز ہے جب کہ میں اپنے وطن واپس لوٹ کر اپنے قرض ادا کر دوں گا؟

جواب آپ کے لیے قرض ادا کرنے سے پہلے حج کرنا جائز ہے۔ آپ کا حج صحیح ہو گا کیونکہ قرض ادا کرنے کے لیے وقت کا تعین نہیں ہے بلکہ آپ کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ آپ جب چاہیں آسانی سے ادا کر دیں اور پھر قرض دہندہ یہاں موجود نہیں ہیں' وہ آپ کے دوست بھی ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو کہ آپ حج کر رہے ہیں تو وہ آپ کو منع بھی نہیں کریں گے' ہاں البتہ جب قرض دہندہ سختی سے اپنے قرض کی وصولی کا مطالبہ کریں تو پھر پہلے قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور اگر وہ درگزر کریں اور آپ ان کو قائل اور مطمئن کر سکیں کہ حج سے واپس آنے کے بعد آپ انہیں قرض ادا کر دیں گے تو پھر حج سے ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی امر مانع نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اس شخص کا حج جس کے ذمے چوری کا مال ہو

سوال میں نے اپنے والد کی پھوپھی کا کچھ مال ان کے علم کے بغیر لے لیا تھا۔ اس مال کی واپسی سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے گزشتہ سال حج بھی کیا ہے جب کہ اس مال کی واپسی میرے ذمہ تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں میرا حج صحیح ہے؟ بری الذمہ ہونے کے لیے اب میں اس مال کو کیا کروں کیونکہ اس خاتون کے وارث اب صرف میرے والد اور ان کے بھائی ہیں؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب آپ کا حج ان شاء اللہ صحیح ہے بشرطیکہ آپ نے ان تمام امور کو ادا کیا ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے حج میں واجب قرار دیا ہے اور ان تمام امور کو ترک کر دیا ہو جن سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ آپ نے ناحق اپنے والد کی پھوپھی کا جو مال لیا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کیجئے اور اگر آپ کے والد ان کے وارث ہیں تو وہ مال انہیں دے دیجئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں' آپ کو اور ہر ایک مسلمان کو معاف فرما دے۔

—— شیخ ابن باز ——

حج اور قرض

سوال میں اس سال فریضۂ حج ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے بینک سے قرض لے رکھا ہے جسے ماہانہ قسطوں کی صورت میں ادا کر رہا ہوں اور یہ قسطیں اب سے چھ ماہ بعد ختم ہوں گی' تو کیا اس صورت میں میرے لیے فریضۂ حج ادا کرنا جائز ہے' یاد رہے کہ یہ قرض میں نے کسی اور مقصد کے لیے لیا تھا اس وقت فریضۂ حج ادا کرنا میرے پیش نظر نہ تھا؟

جواب اگر آپ کے پاس حج کے اخراجات اور قرض کے بروقت ادا کرنے کی طاقت ہے تو آپ پر حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے پیش نظر حج واجب ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران ۳/ ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے' وہ اس کا حج کرے۔"

اور اگر قرض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حج کے اخراجات کی آپ کو استطاعت نہیں ہے تو پھر مذکورہ آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ کی رو سے آپ پر حج واجب نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

قرض لے کر حج کرنا

سوال میں بیت اللہ شریف کا حج کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس مالی استطاعت نہیں ہے لیکن میں جس ادارے میں کام کرتا ہوں اس نے مجھے حج کے لیے قرض دینے کا اس شرط پر وعدہ کر لیا ہے کہ وہ میری تنخواہ سے یہ قرض وصول کرتا رہے گا' تو کیا اس صورت میں میرا یہ حج مقبول ہو گا؟

جواب آپ اس طرح حج کر لیں تو حج مقبول ہو گا۔ قرض لیے ہوئے مال سے حج کیا جائے تو مقبول ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حج اس پر واجب قرار دیا ہے جسے استطاعت ہو اور آپ کو اس وقت استطاعت نہیں ہے۔ آپ کو قرض نہیں لینا چاہیئے کیونکہ آپ کو علم نہیں کہ شاید آپ قرض نہ اتار سکیں۔ بسااوقات انسان بیمار ہو جاتا ہے' فوت ہو جاتا ہے یا ممکن ہے کہ بعد میں آپ اس ادارے میں کام ہی نہ کریں' لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ قرض نہ لیں۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کو مالی وسائل عطا فرما دے تو حج کر لیں ورنہ نہ کریں۔

—— شیخ ابن باز ——

حج بدل

اجرت لے کر حج بدل کرنا

سوال جو شخص ہدی کے بغیر تین ہزار ریال حج کی اجرت لے لے اور صحیح طریقے سے حج کرلے تو کیا اسے حج کا ثواب ملے گا؟ کیا اس سے متوفی کا بھی حج ہو جائے گا؟ اور اس کا بھی جس نے اجرت ادا کی ہے؟ یا جس نے حج کیا ہے وہ محروم رہے گا؟ کیونکہ بعض لوگ ایسا فتویٰ دینے لگے ہیں جسے ہم نہیں جانتے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ حج کرنے والے کو حج کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس نے حج کی بجائے اجرت لے لی ہے۔ ہم اس مسئلہ میں صحیح صورتحال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

جواب اگر اس شخص نے حج کی اجرت محض دنیا کے حصول کی خاطر لی ہے تو یہ بہت خطرناک صورتحال ہے اور خطرہ ہے کہ شاید اس کا حج مقبول ہی نہ ہو کیونکہ اس شخص نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی ہے۔ اور اگر اس نے اجرت اس لیے لی

ہے کہ فریضۂ حج ادا کر کے وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکے' اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے حج کر کے اسے نفع پہنچا سکے' مشاعر حج میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو سکے' طواف' مسجد حرام کی نمازوں اور علمی محفلوں میں شرکت کر کے اجر و ثواب حاصل کر سکے تو وہ یقیناً بہت زیادہ خیر و برکت حاصل کر کے حج کا بھی اسی قدر ثواب حاصل کرے گا جس قدر اسے ثواب ملے گا جس کی طرف سے اس نے حج کیا ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تندرست آدمی کی طرف سے حج بدل

سوال ایک صحیح سالم (تندرست) آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو حج پر بھیج دے تو کیا اس کا حج صحیح ہو گا؟

جواب علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص خود حج کرنے کی قدرت رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ فرض حج کے لیے کسی اور کو اپنی طرف سے نائب بنا کر بھیجے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص خود حج کرنے کی قدرت رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی کو نائب بنا کر بھیج دے۔ اسی طرح صحیح قول کے مطابق نفل حج کی نیابت بھی جائز نہیں ہے کیونکہ حج عبادت ہے اور عبادات میں اصل یہ ہے کہ یہ توقیفی ہیں اور ہمارے علم کے مطابق شریعت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تندرست آدمی بھی اپنی طرف سے کسی کو حج پر بھیج سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (بات) مردود ہے"

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة... الخ، ح:١٧١٨)

"جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

اسی طرح سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے یہ سوال پوچھا گیا: "جو شخص پہلے فریضۂ حج ادا کر چکا ہو تو کیا وہ نفل حج کے لیے کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے' جبکہ وہ خود بھی حج کر سکتا ہو؟ تو سماحۃ الشیخ نے اس سوال کا یہ جواب دیا:

اس مسئلہ میں اگرچہ اہل علم میں اختلاف ہے لیکن زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ حج بدل کی اجازت کا تعلق میت اور اس بے حد بوڑھے انسان سے ہے جو خود حج کرنے سے عاجز و قاصر ہو اور اس دائمی مریض کا بھی یہی حکم ہے جس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو اور عبادات کے سلسلہ میں اصل عدم نیابت ہے' لہٰذا واجب ہے کہ اس اصول کو باقی رہنے دیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

اسی موضوع سے متعلق حسب ذیل سوال سماحۃ الشیخ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: "ایک عورت یہ چاہتی ہے کہ وہ کسی کو اپنا وکیل بنا کر حج کے لیے بھیج دے کیونکہ اس شخص کو حج کے مسائل کا علم ہے اور اس عورت کو بھی اس پر اعتماد ہے کہ وہ تمام مناسک حج مکمل طور پر ادا کرے گا جب کہ اس عورت کو مناسک حج کا بہت کم علم ہے اور پھر ماہانہ معمول وغیرہ کی وجہ سے بھی حج میں خلل آنے کا اندیشہ ہے۔ نیز یہ عورت یہ بھی چاہتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت اور گھر میں ان کی نگہداشت میں مصروف رہے۔ تو کیا اندریں صورت حال اس کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ کسی کو اپنا وکیل بنا کر حج پر بھیج دے؟ سماحۃ الشیخ نے اس کا یہ جواب دیا:

انسان جب کسی کو حج کے لیے اپنا وکیل بناتا ہے تو اس کی حسب ذیل دو حالتیں ہوتی ہیں:

① فرض حج کے لیے وکالت!

② نفل حج کے لیے وکالت!

حج اگر فرض ہو تو پھر یہ جائز نہیں کہ انسان کسی کو اپنا وکیل بنائے تاکہ وہ اس کی طرف سے حج اور عمرہ کرے الا یہ کہ دائمی مرض ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے بیت اللہ تک پہنچنا ممکن ہی نہ ہو۔ اگر بیماری سے صحت یاب ہونے کی امید ہو تو پھر انتظار کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت و عافیت عطا فرما دے تو اپنا حج خود کرے اور اگر حج ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو بلکہ آدمی خود حج کر سکتا ہو تو پھر اس کیلئے یہ حلال نہیں کہ حج کیلئے کسی اور کو اپنا وکیل بنائے کیونکہ خود اس سے ذاتی طور پر مطالبہ ہے کہ یہ خود حج کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران۳/۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے، وہ اس کا حج کرے۔"

عبادات میں مقصود ہی یہ ہے کہ انسان انہیں خود سرانجام دے تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے وہ خود بندگی اور عاجزی و انکساری کا اظہار کر سکے اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی اور کو اپنا وکیل بناتا ہے تو وہ اس عظیم مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا جس کے لیے عبادات کا حکم دیا گیا ہے۔

حج اگر نفل ہو یعنی وہ شخص فرض حج پہلے ادا کر چکا ہو اور اب وہ حج یا عمرہ کے لیے کسی کو اپنا وکیل مقرر کرنا چاہتا ہو تو اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے کہ انسان کسی کو نفل حج اور عمرہ میں اپنا وکیل بنائے کیونکہ عبادات میں اصول یہ ہے کہ انسان انہیں خود سرانجام دے جس طرح انسان روزوں کے سلسلہ میں کسی کو اپنا وکیل نہیں بنا سکتا اسی طرح حج میں بھی نہیں بنا سکتا، ہاں البتہ اگر کوئی انسان فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ فرض روزے ہوں تو پھر وہ روزے اس کی طرف سے اس کے وارث کو رکھنے چاہئیں، اسی طرح اگر کوئی فوت ہو جائے اور وہ فرض حج ادا نہ کر سکتا ہو تو پھر اس کا وارث اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔ حج چونکہ ایک بدنی عبادت ہے جسے انسان خود ہی سرانجام دیتا ہے اور جب یہ بدنی عبادت ہے تو پھر کسی اور کا اس کی طرف سے اس عبادت کو ادا کرنا صحیح نہیں ہے، سوائے ان صورتوں کے جن کا سنت میں ذکر آگیا ہے اور نفل حج کے بارے میں سنت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ انسان کے لیے نفل حج یا عمرہ میں کسی کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہے خواہ وہ خود قادر ہو یا نہ ہو، لہٰذا اس قول کی بنیاد پر صاحب ثروت و قدرت لوگوں کو چاہیئے کہ وہ خود

حج ادا کریں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کئی سال گزر جاتے ہیں اور بعض لوگ وسائل کے باوجود حج کے لیے مکہ مکرمہ نہیں جاتے کیونکہ وہ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کسی کو وکیل بنا کر بھیج دیں گے اور اس طرح کئی سال گزر جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حج فوت ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

والدین کی طرف سے حج کرو تمہیں ثواب ملے گا

سوال ہمارے والدین فوت ہو چکے ہیں اور انہوں نے فریضۂ حج ادا نہیں کیا تھا اور نہ اس کی وصیت ہی کی تھی' تو کیا ہم ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں؟

جواب اگر وہ اپنی زندگی میں خوش حال تھے اور حج کی مالی استطاعت رکھتے تھے تو آپ پر واجب ہے کہ ان کے مال سے ان کی طرف سے حج کریں اور اگر آپ اپنے مال سے ان کی طرف سے حج کریں تو آپ کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔ اور اگر وہ تنگ دست تھے تو پھر آپ کیلئے ان کی طرف سے حج کرنا لازم نہیں ہے یا ان میں سے اگر کوئی ایک تنگ دست تھا تو تنگ دست کی طرف سے حج کرنا لازم نہیں ہے' ہاں البتہ اگر آپ ان کی طرف سے حج کرلیں تو یہ نیکی ہوگی اور آپ کو اس کا اجر عظیم ملے گا۔

—— شیخ ابن باز ——

والدہ کی طرف سے حج میں ان کی طرف سے تلبیہ بھول گیا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے اپنی والدہ کی طرف سے حج کیا اور میقات پر حج کے لیے لبیک تو کہا لیکن اپنی والدہ کی طرف سے تلبیہ کہنا بھول گیا؟

جواب اگر اس کا مقصود اپنی والدہ کی طرف سے حج کرنا تھا اور وہ ان کی طرف سے تلبیہ کہنا بھول گیا تو یہ حج ان کی والدہ ہی کے لیے ہو گا کیونکہ اس میں زیادہ قوی دخل نیت کا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية... الخ، ح:١٩٠٧)

''اعمال کا انحصار صرف نیتوں پر ہے۔''

لہٰذا جب قصد و ارادہ ماں یا باپ کی طرف سے حج کا ہو اور پھر احرام کے وقت آدمی ان کی طرف سے تلبیہ کہنا بھول جائے تو یہ حج ماں یا باپ یا ان کے علاوہ اسی کے لیے ہو گا جس کے لیے نیت کی تھی۔

—— شیخ ابن باز ——

حج میں نیابت

سوال ایک آدمی اپنے ماں باپ کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتا تھا تو اس نے اپنے باپ کی طرف سے حج کا خرچ ایک عورت کے سپرد کر دیا تاکہ وہ یہ خرچہ اپنے شوہر کو حج کے لیے دے دے اور اس نے اپنی ماں کی طرف سے حج کا خرچ اس

عورت کو دے دیا' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ کا اپنے ماں باپ پر حج کا صدقہ کرنا نیکی اور احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیکی اور احسان کا یقیناً اجروثواب عطا فرمائے گا۔

آپ نے اپنے والد کی طرف سے حج کا خرچہ جو اس عورت کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اپنے شوہر کو دے دے تو یہ وکالت ہے اور اس کام میں وکالت جائز ہے اور حج میں نیابت بھی جائز ہے بشرطیکہ نائب خود حج کر چکا ہو۔ اسی طرح آپ نے عورت کو جو خرچ دیا تاکہ وہ آپ کی امی کی طرف سے حج کرے تو عورت کی بھی' عورت اور مرد کی طرف سے حج میں نیابت جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے۔ [1] حج کیلئے کسی کو نائب بنانے والے کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ نیابت کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرے جو اہل دین و امانت میں سے ہو تاکہ یہ اطمینان رہے کہ اس نے فرض کو صحیح طور پر ادا کیا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

فوت شدہ نے حج کیا ہو نہ اس کی وصیت کی ہو؟

سوال جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس نے کسی کو اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت بھی نہ کی ہو پھر اگر اس کا بیٹا اس کی طرف سے حج کر لے تو کیا اس کی طرف سے فریضۂ حج ادا ہو جائے گا؟

جواب جب اس کا مسلمان بیٹا اس کی طرف سے حج کرے' جب کہ وہ خود اپنا حج کر چکا ہو تو اس کی طرف سے فریضۂ حج ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح بیٹے کے سوا اگر کوئی اور مسلمان بھی جس نے پہلے اپنا حج کیا ہوا ہو' اس کی طرف سے حج کرے تو پھر بھی فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ "صحیحین" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں پر جو فریضۂ حج عائد کیا ہے' وہ اس پر فرض ہے لیکن وہ حج کی اور سواری پر سوار ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا' تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا:

«نَعَمْ، فَحُجِّي عَنْهُ»(صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الحج وفضله... الخ، ح:١٥١٣ وصحيح مسلم، الحج، باب الحج عن العاجز... الخ، ح:١٣٣٤ ـ ١٣٣٥)

"ہاں! ان کی طرف سے حج کرو۔" اس مسئلے کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

فوت شدہ کے مال سے حج کیا جائے

سوال ایک شخص فوت ہو گیا۔ اس نے فریضۂ حج ادا نہیں کیا تھا۔ اور وصیت کی کہ اس کے مال سے حج کیا جائے تو کیا غیر کا حج کرنا اسی طرح ہے جس طرح بذات خود اس کا حج کرنا؟

---

[1] صحیح بخاری' جزاء الصید' باب الحج عمن لا یستطیع الثبوت ..... الخ' حدیث: 1854 و صحیح مسلم' الحج' باب الحج عن العاجز ..... الخ' حدیث: 1335۔

جواب جب کوئی مسلمان شخص فوت ہو جائے اور وہ فریضۂ حج ادا نہ کر سکے جبکہ وہ وجوب حج کی شرطوں کو پورا کرتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کے ترکہ سے حج کیا جائے خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور جب کوئی دوسرا شخص فوت شدہ کی طرف سے حج کرے' جو پہلے خود اپنا حج کر چکا ہو تو یہ حج صحیح ہے۔ اس سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ کسی غیر کا حج کرنا' کیا خود حج کرنے کی طرح ہے یا اس کا ثواب کم یا زیادہ؟ تو یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جب استطاعت ہو تو ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ جلدی کرے اور فوت ہونے سے پہلے پہلے فریضۂ حج ادا کرے جیسا کہ ادلہ شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں تاخیر کرنے میں گناہ کا بھی اندیشہ ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بالغ بیٹا فوت ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا تھا

سوال میرا سولہ سال کا بیٹا فوت ہو گیا ور اس نے حج نہیں کیا تھا۔ تو کیا مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی طرف سے حج کروں؟

جواب جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے یا ان کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو حج واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ استطاعت ہو۔ بلوغت سے پہلے کیے ہوئے حج سے فرض ادا نہیں ہو گا۔ اگر کوئی شخص بلوغت اور استطاعت کے بعد فوت ہو تو اس کے مال سے حج کیا جائے یا اس کا وارث اس کی طرف سے حج کرے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

معمر والدہ کی طرف سے حج کرنا

سوال ایک شخص کی والدہ کی عمر تقریباً ستر سال ہے اور اس کی طبیعت یہ ہے کہ وہ گاڑیوں پر سفر نہیں کر سکتی خواہ مسافت قریب ہی ہو کیونکہ وہ ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ جب وہ گاڑی پر سوار ہوتی ہے تو اپنی یادداشت کھو بیٹھتی ہے' لہٰذا وہ فریضۂ حج ادا نہیں کر سکی' تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے مال میں سے اس کی طرف سے حج کروں' یاد رہے کہ میں ہی اپنی والدہ کا اکلوتا بیٹا ہوں؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو آپ کے لیے اپنی والدہ کی طرف سے حج کرنا اور اس سلسلہ میں اپنا کچھ مال خرچ کرنا بھی جائز ہے بلکہ والدہ کے ساتھ نیکی اور احسان کے پیش نظر آپ کے لیے ان کی طرف سے حج کرنے کی تاکید مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ انہیں استطاعت نہیں ہے اور اس مذکورہ حالت میں حج میں نیابت جائز ہے۔

وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا میں والدہ کی طرف سے خود حج کروں یا.....؟

سوال میری والدہ فوت ہو گئیں جبکہ میں چھوٹا ہی تھا' لہٰذا میں نے ایک قابل اعتماد شخص کو اجرت پر حج کے لیے بھیجا۔ اسی طرح میرے والد کا بھی انتقال ہو چکا ہے اور ان میں سے میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے بعض رشتہ

داروں سے یہ سنا ہے کہ میرے والد نے حج کیا تھا۔ کیا کسی کو والدہ کی طرف سے حج کے لیے اجرت پر بھیجنا جائز ہے یا ضروری ہے کہ میں خود ان کی طرف سے حج کروں؟ کیا میرے لیے اپنے والد کی طرف سے حج کرنا بھی لازم ہے جبکہ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے حج کیا تھا؟ امید ہے رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں گے۔

جواب اگر آپ اپنے والدین کی طرف سے خود حج کریں اور شرعی طریقے سے حج کی تکمیل کے لیے کوشش کریں تو یہ افضل ہے اور اگر آپ دین دار اور امانت دار لوگوں میں سے کسی کو اجرت پر بھیج دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ آپ خود اپنے والدین کی طرف سے حج اور عمرہ کریں اور اگر کسی کو نائب بنا کر بھیجیں تو آپ اسے حکم دیں کہ وہ ان کی طرف سے حج اور عمرہ کرے۔ آپ کا یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک ہو گا۔ تقبل اللّٰہ منا ومنک۔

—— شیخ ابن باز ——

فوت شدہ والدین کی طرف سے حج کرنا

سوال کیا میں اپنے فوت شدہ والدین کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟ کیونکہ فقر کی وجہ سے وہ فریضۂ حج ادا نہیں کر سکے لہٰذا میں ان کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہوں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ اپنے والدین کی طرف سے حج کریں بشرطیکہ آپ نے خود پہلے حج کیا ہو۔ اسی طرح ان کے حج کے لیے کسی ایسے شخص کو نائب بنا کر بھیجنا بھی درست ہے جو خود پہلے اپنا حج کر چکا ہو۔ سنن ابی داود میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

«لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ»

"میں شبرمہ کی طرف سے حاضر ہوں۔"

تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ شُبْرُمَةَ؟ قَالَ: أَخٌ لِي - أَوْ قَرِيبٌ لِي»

"شبرمہ کون ہے؟" اس نے کہا کہ وہ میرا بھائی یا کوئی رشتہ دار ہے۔"

آپ نے فرمایا:

«حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟ قَالَ لاَ»

"کیا تم نے خود حج کر لیا ہے؟" اس نے جواب دیا نہیں۔

تو آپ نے فرمایا:

«حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ» (سنن أبي داود، المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، ح: ١٨١١ والسنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ٣٣٦)

"پہلے خود حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔"

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس باب (مسئلہ مذکورہ) میں اس سے زیادہ اور کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ایسے اشخاص کی طرف سے حج کرنا جن کے نام معلوم نہ ہوں

سوال میرے چچاؤں اور دادوں میں سے چار مرد اور عورتیں ایسے ہیں جن میں سے بعض کے میں نام بھی نہیں جانتا لیکن ان میں سے ہر ایک کیلئے میں ایک ایک شخص کو اپنے خرچ پر حج کیلئے بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو جن مردوں اور عورتوں کے آپ کو نام معلوم ہیں تو ان کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور جن چچاؤں' ماموؤں' مردوں اور عورتوں کے آپ کو نام معلوم نہیں ہیں تو ان کی عمروں اور اوصاف کی ترتیب سے ان کے بارے میں نیت کر لینا ہی کافی ہے خواہ نام نہ بھی معلوم ہو۔ وباللہ التوفیق۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

حج کی نیت میں تبدیلی

سوال ایک شخص نے خود اپنے لیے حج ادا کرنے کی نیت کی تھی' پھر عرفہ میں اسے خیال آیا کہ یہ حج وہ اپنے کسی عزیز کی طرف سے کرے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب انسان جب اپنے لیے حج کا احرام باندھ لے تو پھر راستہ میں یا عرفہ میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اس حج کو اپنے لیے مکمل کرے' تبدیلی کر کے اسے اپنے باپ یا ماں یا کسی اور کے لیے نہ بنائے کیونکہ اب یہ حج اسی کے لیے متعین ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۶)

"اور اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو۔"

اب جبکہ اس نے اپنے لیے احرام باندھا ہے تو ضروری ہے کہ اسے اپنے لیے ہی پورا کرے اور اگر اس نے کسی اور کے لیے احرام باندھا ہو تو پھر اسی کے لیے اسے پورا کرنا چاہیئے اور احرام کے بعد اس میں تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔

فتویٰ کمیٹی

وکیل جب حج کرنے سے عاجز و قاصر ہو؟

سوال چار سال قبل ایک شخص نے ایک طواف کرنے والے سے حج بدل کا خرچہ وصول کیا تاکہ وہ بیرون ملک مقیم ایک شخص کی طرف سے حج کرے لیکن مالی ضرورت اور سستی کی وجہ سے یہ شخص حج نہیں کر سکا اور اب وہ یہ چاہتا ہے کہ حج کر کے بری الذمہ ہو جائے لیکن بیماری کی وجہ سے حج نہیں کر سکتا' ہاں البتہ اس کیلئے تیار ہے کہ خرچ ادا کر دے۔ یاد رہے جس طواف کرنے والے نے اسے حج کیلئے وکیل بنایا تھا وہ اب موجود نہیں ہے اور نہ اس کی جگہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو اسے چاہیئے کہ حج کا خرچ کسی ایسے شخص کو دے دے جو دین اور امانت کے اعتبار سے قابل اطمینان ہو تاکہ وہ اس کی طرف سے حج کر سکے جس کی طرف سے حج کرنے کے لیے اسے مال دیا گیا تھا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے لیے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

—— شیخ ابن باز ——

عمرہ دو کی طرف سے نہیں ہو سکتا

سوال الحمدللہ ہم ہر سال عمرہ ادا کرنے کے لیے رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو ایک سال میں اپنے باپ کی طرف سے اور دوسرے سال اپنی والدہ کی طرف سے عمرہ کی نیت کر لیتا ہوں لیکن آخری عمرہ جو میں نے کیا ہے تو اس میں دونوں کی طرف سے نیت کی تھی اور جب میں نے اس عمرے کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمرہ آپ ہی کے لیے ہو گا' آپ کے ماں باپ کے لیے نہیں ہو گا تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب ہاں یہ بات صحیح ہے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ دو کی طرف سے نہیں بلکہ صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ یعنی اپنے لیے یا صرف اپنے باپ یا ماں کے لیے اور یہ ممکن نہیں کہ آدمی دو کی طرف سے لبیک کہے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ دو کی طرف سے نہیں بلکہ خود اسی کی طرف سے ہو گا۔

میں یہ بھی کہوں گا کہ ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ عمرہ' حج' صدقہ' نماز' تلاوت قرآن اور دیگر تمام اعمال صالحہ اپنی طرف سے ادا کرے کیونکہ ہر انسان ان اعمال صالحہ کا خود محتاج ہے۔ ایک دن آنے والا ہے کہ انسان ایک ایک نیکی کی تمنا کرے گا نبی کریم ﷺ نے امت کی یہ رہنمائی نہیں فرمائی کہ لوگ اپنے اعمال صالحہ کو اپنے باپ' ماں' یا کسی زندہ یا مردہ انسان کی طرف منسوب کر دیں' ہاں البتہ آپ نے یہ ضرور رہنمائی فرمائی ہے کہ فوت شدگان کے لیے دعا کی جائے' چنانچہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے' ہاں البتہ تین طرح کا عمل باقی رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے نفع اٹھایا جا رہا ہوں اور (۳) نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔"

نبی ﷺ کے ان الفاظ پر غور فرمایئے کہ "نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔" آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ نیک بچہ جو اس کے لیے قرآن پڑھتا ہو یا اس کے لیے دو رکعتیں پڑھتا ہو یا اس کی طرف سے حج اور عمرہ کرتا ہو یا اس کی طرف سے روزہ رکھتا ہو بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔" حالانکہ سیاق میں عمل صالح کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کے لیے کوئی اور عمل صالح کرنے کی بجائے دعا کرے لیکن اگر کوئی شخص عمل صالح کر کے اسے اپنے والدین یا کسی ایک کی طرف منسوب کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن حج اور عمرہ میں بیک وقت دونوں کی طرف سے لبیک نہ کہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مواقیت

زمانی اور مکانی مواقیت

سوال حج و عمرہ کے حوالے سے زمانی اور مکانی مواقیت کیا ہیں؟

جواب حج کے لیے زمانی مواقیت تو ماہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں للذا حج کا احرام صرف انہی دنوں میں باندھا جا سکتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۷)

"حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو حج کے دنوں میں عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔"

عرفہ کے دن میدان عرفہ میں وقوف تک محرم رہنا ہو گا۔ عمرہ کے لیے کوئی وقت مخصوص نہیں ہے بلکہ اسے سارا سال ادا کرنا صحیح ہے۔ ہاں البتہ رمضان میں عمرہ ادا کرنا افضل ہے کیونکہ یہ حج کے برابر ہے۔

مکانی مواقیت حسب ذیل ہیں:

(۱) اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ ہے جو کہ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے اور مکہ مکرمہ سے اونٹ کے سفر کے حساب سے سولہ مراحل پر ہے۔ عوام اس جگہ کو ابیار علی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(۲) جحفہ مکہ سے تین مراحل کے فاصلہ پر ہے اور آج کل یہ خراب ہو چکا ہے' اس لیے لوگ اس سے تھوڑا سا پہلے مقام رابغ سے احرام باندھ لیتے ہیں۔ یہ اہل شام' مصر اور مغرب کیلئے میقات ہے جب کہ وہ مدینہ کی طرف سے نہ گزریں۔

(۳) قرن المنازل' یہ مکہ سے دو مرحلوں کے فاصلہ پر ہے۔ آج کل یہ مقام "السیل الکبیر" کے نام سے معروف ہے اور مغربی جانب سے بالائی علاقہ وادی محرم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اہل نجد طائف اور اس راستہ سے گزرنے والے دیگر لوگوں کے لیے میقات ہے۔

(۴) یلملم' یہ بھی مکہ سے دو یا دو سے زیادہ مرحلوں پر ہے اور اب سعدیہ کے نام سے معروف ہے۔ اہل یمن اور اس راستہ سے گزرنے والے لوگ یہاں سے احرام باندھتے ہیں۔ [1] جس کے راستہ میں میقات نہ ہو تو وہ اس کے قریب ترین مقام کے جب برابر ہو تو احرام باندھ لے خواہ وہ بری' بحری یا فضائی کسی بھی راستہ سے سفر کر رہا ہو۔ ہوائی جہاز کے مسافر کو بھی چاہیئے کہ وہ میقات کے برابر پہنچ کر احرام باندھ لے یا احتیاط کے طور پر پہلے ہی باندھ لے تاکہ وہ احرام باندھنے سے پہلے میقات سے نہ گزرے۔ اگر کسی نے میقات سے گزرنے کے بعد احرام باندھا ہو تو اس کوتاہی کے کفارہ کے لیے اس پر دم لازم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] اہل پاکستان کے لیے بھی یہی میقات ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میقات سے احرام باندھنا واجب ہے

سوال ماہ رجب ۱۴۰۵ھ میں میں نے عمرہ کی نیت کی اور میں میقات یلملم سے جو کہ اہل یمن کا میقات ہے' بغیر احرام کے گزر گیا اور جب میری ایک بھائی سے ملاقات ہوئی' اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر سے نوازے اس نے میری رہنمائی فرمائی کہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں واپس جاؤں اور میقات سے احرام باندھ کر آؤں کیونکہ مکہ مکرمہ میں معمول کے کپڑوں میں داخل ہونا جائز نہیں ہے' چنانچہ میں تیس کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے واپس آیا اور میں نے میقات سے احرام باندھا۔ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے کیا بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے دم لازم ہو جاتا ہے؟ کیا اس جگہ سے احرام باندھنا بھی جائز تھا جہاں میری اس بھائی سے ملاقات ہوئی یا میرے لیے میقات پر واپس جانا ضروری تھا؟

جواب جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو اس کے لیے واجب ہے کہ اس میقات سے احرام باندھے جس کے پاس سے وہ گزر رہا ہو۔ بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب مواقیت کا تعین کیا تو فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ فَمِنْ أَهْلِهِ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا» (صحيح البخاري، الحج، باب مهل اهل مكة للحج والعمرة، ح: ١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح: ١١٨١)

"یہ مواقیت ان علاقوں کے لوگوں کے لیے ہیں' نیز ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے باشندے تو نہ ہوں لیکن یہاں سے ان کا گزر ہو اور ان کا حج و عمرہ کا ارادہ ہو اور جو لوگ مواقیت کے اندر ہوں تو وہ اپنی اپنی جگہ سے احرام باندھ لیں حتیٰ کہ اہل مکہ' مکہ ہی سے احرام باندھیں۔"

لہٰذا یمن کا کوئی باشندہ جب یلملم کے راستہ سے گزرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ یلملم سے احرام باندھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مدینہ کی طرف سے آ رہا ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ مدینہ کے میقات سے احرام باندھے اور اگر کوئی شخص بغیر احرام میقات سے گزر جائے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ واپس لوٹ کر میقات سے احرام باندھے لہٰذا جس شخص نے آپ کی رہنمائی کی کہ آپ واپس جائیں اور یلملم سے احرام باندھیں اس نے بہت اچھا کیا اور آپ نے بھی بہت اچھا کیا جو میقات پر واپس آ گئے اور وہاں سے احرام باندھا۔ والحمد للہ!

اگر آپ اسی جگہ سے احرام باندھتے' جہاں آپ کی رہنمائی کی گئی تھی تو پھر دم واجب ہوتا کیونکہ آپ نے میقات سے تجاوز کر لیا تھا حالانکہ آپ کا عمرے کا ارادہ تھا۔ دم اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ یا وہ بکری ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو کہ اسے مکہ میں ذبح کر کے حرم کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ عمرہ کے لیے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا کفارہ ادا ہو سکے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مکہ میں رہنے والے کی عمرے کے لیے میقات

سوال مکہ میں رہنے والے کے لیے میقات عمرہ کون سی جگہ ہے؟

جواب مکہ میں رہنے والے کے لیے میقات عمرہ حِل (حرم سے باہر کی جگہ) ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج قران کے بعد جب ایک مستقل عمرہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے آپ کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ تنعیم تک جائیں اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آئیں۔ مکہ سے قریب ترین مقام حل تنعیم ہی ہے' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت تنعیم گئی تھیں۔[1] اگر مکہ یا حرم کی کسی بھی جگہ سے احرام باندھنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہ دیتے کہ وہ اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تنعیم جائیں اور وہاں سے احرام باندھ کر آئیں۔ یہ رات کا وقت تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا ارادہ فرما چکے تھے اور انتظار میں بہت دشواری بھی تھی لہٰذا اگر بطحاء مکہ میں اپنی رہائش ہی سے احرام باندھنا جائز ہوتا تو شریعت کے آسانی و سہولت کے اصول کے مطابق آپ اس کی اجازت دے دیتے کیونکہ آپ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ اس کا انتخاب فرماتے جس میں آسانی ہوتی بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا اور اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپ اس سے سب لوگوں سے زیادہ دور ہوتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ کے اندر احرام باندھنے کی اجازت نہ دی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ عمرے کا احرام باندھنے والوں کے لیے میقات نہیں ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تخصیص بھی کر دی جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ' اہل شام کے لیے جحفہ اور اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر کیا اور فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل الشام، ح:١٥٢٦، وباب مهل أهل اليمن، ح:١٥٣٠ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"یہ ان علاقوں کے لوگوں کے لیے میقات ہیں اور ان کے لیے بھی جو یہاں سے گزریں اور یہاں کے باشندے نہ ہوں اور ان کا حج و عمرہ کا ارادہ ہو۔ جو لوگ میقات کے اندر ہوں تو وہ اپنی جگہ ہی سے احرام باندھیں حتیٰ کہ اہل مکہ' مکہ ہی سے (احرام باندھیں۔")

—— فتویٰ کمیٹی ——

جو شخص حج اور عمرہ کی نیت کے بغیر مکہ جائے

سوال اس شخص کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے جو ریاض سے مکہ مکرمہ جاتا ہے لیکن اس کا ارادہ حج و عمرہ کا نہیں ہے لیکن پھر مکہ میں پہنچ کر اس نے حج کا ارادہ کر لیا اور جدہ سے حج قران کا احرام باندھ لیا تو کیا جدہ سے یہ احرام باندھنا صحیح

[1] صحیح بخاری' باب کیف تھل الحائض والنفساء' حدیث: 1556 و صحیح مسلم' الحج' باب بیان وجوہ ..... الخ' حدیث: 1211۔

ہے یا اس صورت میں اس پر دم واجب اور کسی معلوم میقات کے پاس جا کر احرام باندھنا ضروری ہے؟ فتویٰ دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے گا۔

جواب جو شخص ریاض وغیرہ سے مکہ مکرمہ جائے اور اس کا ارادہ حج و عمرہ کا نہ ہو بلکہ اس کا کوئی اور مقصد مثلاً تجارت یا اعزہ و اقارب سے ملاقات وغیرہ ہو اور پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر اس کا حج کرنے کا ارادہ ہو جائے تو وہ اسی جگہ سے احرام باندھ لے جہاں وہ موجود ہو۔ اگر اس وقت جدہ میں ہو تو جدہ سے احرام باندھ لے اور اگر مکہ میں ہو تو مکہ میں احرام باندھ لے۔ الغرض جس وقت وہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو اسی جگہ سے احرام باندھ لے جہاں اس نے یہ ارادہ کیا ہو جب کہ وہ میقات کے اندر ہو اور اس صورت میں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے لیے میقات وہی جگہ ہے جہاں اس نے نیت کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے میقات کا تعین کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«وَمَنْ كَانَ دُونَ ذٰلِكَ فَمُهَلُّهُ مِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ» (صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل اليمن، ح: ١٥٣٠ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح: ١١٨١)

"جو شخص ان کے اندر ہو تو وہ وہاں سے احرام باندھے جہاں وہ موجود ہو حتیٰ کہ اہل مکہ' مکہ ہی سے (احرام باندھیں۔)"

فتویٰ کمیٹی

احرام کے بغیر میقات سے گزرنا

سوال جو شخص حج یا عمرہ یا کسی اور غرض سے مکہ مکرمہ جا رہا ہو اور وہ احرام کے بغیر میقات سے گزر جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص حج اور عمرہ کے لیے بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ واپس لوٹ کر میقات سے حج و عمرہ کا احرام باندھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

«يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلُ نَجْدٍ مِّنْ قَرْنٍ وَّيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَّلَمْلَمَ»(صحيح البخاري، الحج، باب ميقات أهل المدينة... الخ، ح: ١٥٢٥ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح: ١١٨٢)

"اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے' اہل شام جحفہ سے' اہل نجد قرن سے اور اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں۔"

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ' اہل شام کے لیے جحفہ' اہل نجد کے لیے قرن منازل اور اہل یمن کے لیے یلملم کا تعین کرتے ہوئے فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح: ١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح: ١١٨١)

"یہ مواقیت ان علاقوں کے لوگوں کے لیے ہیں' نیز ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے باشندے تو نہ ہوں لیکن

وہ حج اور عمرہ کے ارادہ سے یہاں سے گزریں۔"

لہٰذا جس شخص کا حج یا عمرہ کا ارادہ ہو تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس میقات سے احرام باندھے جس سے وہ گزر رہا ہو۔ یعنی اگر وہ مدینے کے راستہ سے آ رہا ہے تو ذوالحلیفہ سے' شام یا مصر یا مغرب کے راستہ سے آ رہا ہے تو جحفہ سے جسے آج کل رابغ کہا جاتا ہے اور اگر یمن کے راستہ سے آ رہا ہے تو یلملم سے احرام باندھے اور اگر وہ نجد یا طائف کے راستہ سے آ رہا ہے تو وادی قرن سے جسے آج کل "سیل" یا بعض لوگ وادی محرم کے نام سے موسوم کرتے ہیں' حج یا عمرہ کا احرام باندھے طواف کرے' سعی کرے' بال کتروائے اور حلال ہو جائے اور پھر حج کے وقت میں حج کا احرام باندھے اور اگر حج کے مہینوں کے علاوہ دیگر مہینوں مثلاً رمضان یا شعبان میں یہاں سے گزرے تو صرف عمرہ کا احرام باندھے۔ یہی حکم شریعت ہے۔

جو شخص مکہ مکرمہ میں حج و عمرہ کی نیت سے نہیں بلکہ کسی اور ارادے سے مثلاً خرید و فروخت' رشتہ داروں یا دوست احباب کی ملاقات وغیرہ کے لیے آ رہا ہو تو صحیح قول کے مطابق اس کے لیے احرام ضروری نہیں بلکہ وہ بغیر احرام کے بھی مکہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ علماء کا راجح قول یہی ہے لیکن افضل یہ ہے کہ وہ اس فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے عمرہ کا احرام باندھ لے۔

——— شیخ ابن باز ———

جن کے لیے احرام کے بغیر میقات سے گزرنا جائز ہے

سوال کس کے لیے احرام کے بغیر میقات سے گزرنا جائز اور کس کے لیے ناجائز ہے؟ اور جو شخص احرام کے بغیر میقات سے گزر جائے تو اس کے لیے کیا لازم ہے؟

جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ' اہل شام کے لیے جحفہ' اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ» (صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"یہ ان علاقوں کے باشندوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے بھی جو یہاں کے باشندے تو نہ ہوں لیکن یہاں سے حج اور عمرہ کے ارادہ سے گزریں۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے ان میں سے کسی ایک میقات کے پاس سے گزرے تو اس کے لیے احرام لازم ہے اور اگر اس کا ارادہ و نیت حج اور عمرہ کا نہ ہو بلکہ وہ کسی عزیز سے ملنے یا کسی اور خاص کام کے لیے مکہ جا رہا ہو تو اس کے لیے احرام کے بغیر میقات سے گزرنا جائز ہے۔ اسی طرح ایندھن اور ڈاک لانے لے جانے والوں اور گاڑیوں کے ڈرائیوروں وغیرہ کے لیے بھی یہاں سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے لیکن اس شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں جو حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جا رہا ہو۔ حج اور عمرہ کے لیے جانے والا اگر کوئی شخص احرام

کے بغیر میقات سے گزر جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ واپس آئے اور میقات سے احرام باندھے۔ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز سے سفر کے ذریعے جدہ اترے تو وہ گاڑی پر سفر کر کے اہل نجد کے میقات پر چلا جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر آئے اور اگر اس کا حج و عمرہ کا ارادہ ہو اور وہ جدہ سے احرام باندھ لے تو اس صورت میں احرام کے بغیر میقات سے گزرنے سے کفارہ کے طور پر دم لازم ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بحری یا ہوائی سفر کی صورت میں احرام

سوال ہوائی راستہ سے حج اور عمرہ کے لیے آنے والا کس وقت احرام باندھے؟

جواب فضائی یا بحری راستے سے آنے والا بھی اسی وقت احرام باندھے جب وہ میقات کے قریب پہنچے جس طرح خشکی کے راستے سے آنے والا احرام باندھتا ہے۔ ہوائی جہاز' بحری جہاز یا کشتی کی تیز رفتاری کی وجہ سے احتیاط اس بات میں ہے کہ میقات سے کچھ پہلے ہی احرام باندھ لیا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جدہ سے احرام باندھنا

سوال فقہی کونسل نے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اجلاس میں اس موضوع کا جائزہ لیا کہ جدہ سے احرام باندھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز فضائی اور بحری راستے سے حج اور عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آنے والے بہت سے لوگ ان مواقیت سے جہالت کی وجہ سے گزر جاتے ہیں جن کا رسول اللہ ﷺ نے تعین کرتے ہوئے یہاں رہنے والوں اور حج و عمرہ کی غرض سے یہاں سے گزرنے والوں کے لیے واجب قرار دیا کہ وہ احرام کے بغیر یہاں سے نہ گزریں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس موضوع کے مطالعہ اور نصوص شرعیہ کے جائزہ کے بعد کونسل نے حسب ذیل قرار داد پاس کی:

اولاً: وہ مواقیت جن کو نبی کریم ﷺ نے مقرر کیا اور جن کے رہنے والوں یا وہاں سے حج اور عمرہ کے لیے گزرنے والوں کے لیے وہاں سے احرام باندھنا واجب قرار دیا وہ یہ ہیں (ا) ذوالحلیفہ' یہ اہل مدینہ اور یہاں سے گزرنے والے دیگر لوگوں کے لیے ہے۔ اسے آج کل ابیار علی کہا جاتا ہے۔ (۲) جحفہ' یہ اہل شام و مصر اور یہاں سے گزرنے والے دیگر لوگوں کے لیے ہے۔ اسے آج کل رابغ کہا جاتا ہے۔ (۳) قرن المنازل' یہ اہل نجد اور اس راستے سے گزرنے والے دیگر لوگوں کے لیے ہے' اسے آج کل وادی محرم کہا جاتا ہے نیز اسے "السیل" بھی کہا جاتا ہے۔ (۴) ذات عرق' یہ اہل عراق و خراسان اور اس راستہ سے گزرنے والے دیگر لوگوں کے لیے ہے۔ اسے آج کل ضریبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور (۵) یلملم یہ یمن اور اس راستہ سے گزرنے والے دیگر لوگوں کے لیے ہے۔

کونسل نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ جب بھی فضائی یا بحری راستہ سے جانے والے ان مواقیت خمسہ میں سے کسی ایک قریب ترین میقات کے پاس سے گزریں تو وہ احرام باندھ لیں۔ اگر صورتحال واضح نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی ہمراہ نہ ہو جو میقات کے بارے میں رہنمائی کر سکے تو پھر واجب یہ ہے کہ وہ احتیاطاً میقات سے اس قدر پہلے احرام باندھ لیں کہ ظن

غالب یہ ہو کہ ابھی وہ میقات کے برابر نہیں پہنچے کیونکہ احرام میقات سے پہلے بھی جائز مع الکراہت ہے لیکن جب مقصود یہ احتیاط ہو کہ احرام کے بغیر میقات سے تجاوز نہ ہو تو پھر کراہت زائل ہو جائے گی کیونکہ واجب ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے' چنانچہ مذاہب اربعہ کے اہل علم کا یہی قول ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے استدلال کیا ہے۔ ان کا استدلال امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اس ارشاد سے بھی ہے کہ جب اہل عراق نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ ہمارا میقات قرن ہمارے راستے سے دور ہٹا ہوا ہے؟" تو آپ نے فرمایا کہ راستہ میں یہ دیکھ لو کہ اس کے برابر کون سی جگہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ وہ اس سے جہاں تک ہو سکے ڈریں اور جو شخص اصل میقات کے پاس سے نہ گزرے تو مقدور بھر اس کی استطاعت میں یہی ہے کہ وہ اس جگہ سے احرام باندھے لے جو میقات کے برابر ہو' لہٰذا فضائی یا بحری راستے سے حج اور عمرہ کے لیے آنے والوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ احرام کو جدہ تک مؤخر کریں کیونکہ جدہ تو رسول اللہ ﷺ کا مقرر کردہ میقات نہیں ہے۔ اسی طرح جس شخص کے پاس احرام کی چادریں نہ ہوں تو اس کے لیے بھی جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے لیے بھی واجب یہ ہے کہ وہ شلوار ہی میں احرام باندھ لے کیونکہ صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَّمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لبس الخفين ... الخ، ح:١٨٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٩)

"جس کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے' جن کے پاس چادر نہ ہو تو وہ شلوار پہن لے۔"

اور سر کو ننگا رکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ محرم کیا پہنے؟ تو آپ نے فرمایا:

«لاَ يَلْبَسُ الْقُمُصَ، وَلاَ الْعَمَائِمَ، وَلاَ السَّرَاوِيلاَتِ، وَلاَ الْبَرَانِسَ، وَلاَ الْخِفَافَ إِلاَّ أَحَدٌ لاَ يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ» (صحيح البخاري، الحج، باب ما لا يلبس المحرم... الخ، ح:١٥٤٢ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٧)

"وہ قمیصیں' عمامے' شلواریں' ٹوپیاں اور موزے نہ پہنے' ہاں جس کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے۔"

یہ جائز نہیں کہ محرم کے سر پر عمامہ یا ٹوپی یا کوئی ایسی چیز ہو جس کو سر پر پہنا جاتا ہو' ہاں البتہ اگر عمامہ ایسا ہو کہ اس سے جسم چھپ سکتا ہو تو اسے چادر کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن شلوار پہننا جائز نہیں لہٰذا شلوار کے بجائے چادر استعمال کی جائے۔ اگر آدمی نے شلوار نہ پہنی ہو اور اس کے پاس ایسا عمامہ بھی نہ ہو جس کو چادر کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جب ہوائی جہاز' بحری جہاز یا کشتی میں میقات کے برابر پہنچے تو اپنی قمیص ہی میں' جسے اس نے پہنا ہوا ہے' محرم بن جائے اور اپنے سر کو ننگا کر لے۔ جدہ پہنچ کر چادر خرید لے' قمیص اتار دے اور بحالت احرام قمیص پہننے کی وجہ سے کفارہ ادا کرے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ چھ مسکینوں کو نصف صاع فی مسکین کے حساب سے کھجور' چاول یا کسی دوسری غذائی جنس سے جو شہر کی خوراک ہو' دے دے یا تین روزے رکھے یا ایک بکری ذبح کر دے' اسے اختیار ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے جس پر چاہے عمل کرے جیسا کہ نبی ﷺ نے کعب بن عجرہ کو ان تین باتوں میں سے

ایک کا اس وقت اختیار دے دیا تھا[1] جب حالت احرام میں بیماری کی وجہ سے انہیں سر کے بال منڈوانے کی آپ نے اجازت دی تھی۔

ثانیًا: فقہی کونسل رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹریٹ سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ ہوائی اور بحری کمپنیوں کو یہ خط لکھے کہ وہ میقات کے قریب آنے سے پہلے مسافروں کو خبردار کریں کہ میقات آنے والا ہے لہٰذا وہ احرام باندھنے کی تیاری کر لیں اور انہیں اس قدر پہلے بتا دیا جائے کہ ان کے لیے احرام باندھنا ممکن ہو۔

ثالثًا: اسلامی فقہی کونسل کے رکن جناب شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء اور جناب شیخ ابوبکر محمود جومی نے صرف جدہ کی طرف آنے والے (سعودی) باشندوں کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

جدہ میقات نہیں ہے

سوال ہوائی راستے سے حج کے لیے آنے والوں کو بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ جدہ سے احرام باندھ لیں جبکہ بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں' تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت حال کیا ہے؟ فتویٰ دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے؟

جواب تمام حاجیوں کے لیے یہ واجب ہے خواہ وہ فضائی' بحری یا بری کسی بھی راستے سے آ رہے ہوں کہ وہ اپنے اپنے میقات سے احرام باندھیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مواقیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ» (صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"یہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کے لیے ہیں اور دوسرے علاقوں کے ان لوگوں کے لیے بھی جو حج اور عمرہ کے ارادہ سے یہاں سے گزریں۔"

—— شیخ ابن باز ——

احرام کو جدہ تک مؤخر کرنا

سوال ایک آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ ہے اور اس نے ہوائی جہاز ہی میں احرام پہن لیا لیکن اس کے باوجود اسے میقات کا علم نہیں ہے تو کیا اس کے لیے احرام کو جدہ تک مؤخر کرنا جائز ہے؟

جواب جس شخص کا فضائی راستے سے حج یا عمرے کا ارادہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر ہی میں غسل کرے اور اگر چاہے تو احرام کی دونوں چادریں بھی پہن لے اور جب میقات قریب آنے والا ہو تو حج یا عمرے کا احرام باندھ لے اور اس میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' المحصر' باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ فمن کان منکم مریضا ..... ﴾ حدیث: 1814 و صحیح مسلم' الحج' باب جواز حلق الرأس للمحرم ..... الخ' حدیث: 1201۔

اگر اسے میقات کا علم نہ ہو تو وہ ہوائی جہاز یا بحری جہاز کے کپتان یا کسی باخبر اور قابل اعتماد مسافر سے پوچھ لے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ و صحبہ

—— فتویٰ کمیٹی ——

ہوائی جہاز کے ذریعے آنے والے کا جدہ سے احرام

سوال جو شخص کسی ملک سے ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر کر کے آئے' جدہ ائیرپورٹ پر اترے' اس نے احرام نہ باندھا ہو اور وہ جدہ سے احرام باندھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب کوئی شخص ہوائی جہاز سے اترے اور وہ اہل شام یا مصر میں سے ہو تو اسے رابغ سے احرام باندھنا چاہیئے۔ وہ گاڑی وغیرہ کے ذریعے رابغ چلا جائے اور وہاں سے احرام باندھے۔ جدہ سے احرام نہ باندھے' اگر نجد کی طرف سے آنے والے نے احرام نہ باندھا ہو تو وہ "سیل" یعنی وادی قرن سے جاکر احرام باندھے اور اگر وہ میقات پر نہ جائے اور جدہ ہی سے احرام باندھ لے تو اسے ایک ایسی بکری ذبح کرنا ہوگی جس کی قربانی کرنا جائز ہو۔ اسے ذبح کر کے مکہ کے فقراء میں تقسیم کر دے یا اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ تقسیم کر دے تاکہ حج اور عمرہ کی اس کمی کی تلافی ہو سکے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کام کے لیے طائف اور جدہ کے درمیان بغیر احرام کے آنا جانا

سوال ایک ملازم کا حج کا ارادہ ہے لیکن کام کی وجہ سے اسے طائف اور جدہ کے درمیان بار بار احرام کے بغیر آنا جانا پڑتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ طائف اور جدہ کے درمیان بار بار آنے جانے کے وقت اس کا حج یا عمرے کا قصد نہیں بلکہ اپنی دیگر ضرورتوں کی تکمیل مقصود ہے لیکن طائف سے آخری بار واپس لوٹتے وقت جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ حج سے پہلے واپس نہیں آئے گا تو اسے چاہیئے کہ میقات سے عمرہ یا حج کا احرام باندھ لے اور اگر اسے یہ معلوم نہ ہو اور حج کا وقت اسے جدہ میں آ جائے تو وہ جدہ ہی سے حج کا احرام باندھ لے۔ اس صورت میں بھی اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم جدہ میں مقیم ان لوگوں کا ہو گا جو اپنے بعض کاموں کے لیے جدہ آئے ہوں اور میقات سے گزرتے وقت ان کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

اہل طائف کے لیے جدہ شہر سے احرام باندھنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو طائف سے آکر وقت حج تک جدہ میں مقیم ہو گیا ہو' مقیم ہوتے وقت ہی اس کی نیت اس سال حج کرنے کی ہو' وہ حج کے مہینوں میں یہاں آیا ہو اور پھر اس نے جدہ ہی سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا ہو؟

جواب ادلہ شرعیہ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے واپس جا کر طائف کے میقات سے احرام باندھنا چاہیئے کیونکہ اس کی حج کی نیت تھی اور یہ احرام کے بغیر میقات سے گزرا ہے اور جو شخص میقات پر احرام نہ باندھ سکے اسے چاہیئے کہ جدہ میں احرام باندھ لے اور مکہ میں ایک دم ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دے اور اگر میقات سے گزرتے وقت حج یا عمرہ کی نیت نہ تھی تو پھر جدہ سے حج یا عمرہ کا احرام باندھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مواقیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ فَمِنْ أَهْلِهِ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا» (صحيح بخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"یہ اپنے علاقوں کے لوگوں کے لیے ہیں نیز ان دوسرے علاقوں کے لوگوں کے لیے بھی جن کا یہاں سے حج یا عمرہ کے لیے گزر ہو اور جو شخص میقات کے اندر ہو تو وہ اپنی جگہ ہی سے احرام باندھ لے حتیٰ کہ اہل مکہ، مکہ ہی سے احرام باندھ لیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

مدینہ سے آنے والے نے جدہ سے احرام باندھا

سوال میں ایک طالب علم ہوں۔ مدینہ میں پڑھتا ہوں۔ میں نے عمرے کا ارادہ کیا تو مجھے براہ راست مکہ پہنچانے والی گاڑی نہ ملی، لہٰذا میں پہلے جدہ چلا گیا اور وہاں سے احرام باندھ لیا۔ اس صورت میں مجھ پر کیا واجب ہے؟ کیا میرا جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہے؟

جواب اگر واقعہ اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے عمرے کا ارادہ کیا جب کہ آپ مدینہ میں تھے لیکن آپ نے احرام جدہ جا کر باندھا تو یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ اہل مدینہ کے میقات سے احرام کے بغیر گزر گئے۔ اس غلطی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کیجئے اور احرام کے بغیر میقات سے گزرنے کی اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں کسی بھی وقت ایک ایسی بکری ذبح کر دی جائے جس کی قربانی جائز ہو اور اسے حرم کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھائیں۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عبادات حج

تلبیہ بھول جانے والے کے متعلق حکم؟

سوال ایک حاجی نے میقات سے احرام باندھا لیکن تلبیہ میں وہ یہ کہنا بھول گیا لبیک عمرۃ متمتعا بھا الی الحج تو کیا اس کا حج تمتع ہو جائے گا؟ اور اگر وہ عمرہ سے حلال ہو کر پھر مکہ سے حج کا احرام باندھے تو اس صورت میں اس کے لیے کیا لازم ہو گا؟

جواب اگر احرام کے وقت عمرہ کی نیت تھی اور وہ تلبیہ بھول گیا تو اس کا حکم ایسے ہی ہے جیسے اس نے تلبیہ کہا ہو، لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ طواف کرے، سعی کرے، بال کتروائے اور حلال ہو جائے۔ راستے میں تلبیہ کہنا بھی مشروع ہے اور اگر

تلبیہ نہ بھی کہے تو اس کا کوئی کفارہ نہیں کیونکہ تلبیہ واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ لہٰذا وہ طواف کرے' سعی کرے بال کتروائے اور اسے عمرہ بنا دے کیونکہ اس کی نیت عمرہ ہی کی تھی اور اگر احرام کے وقت اس کی نیت حج کی تھی اور اب وقت کافی ہو تو پھر بھی افضل یہ ہے کہ حج کو فسخ کر کے اسے عمرہ بنا دے۔ یعنی طواف و سعی کرے اور بال کترواکر حلال ہو جائے۔ بحمد اللہ اس صورت میں اس کا حکم حج تمتع کرنے والوں کا ہو گا۔

—— شیخ ابن باز ——

رمضان میں عمرہ اور اسی سال حج ....

سوال فضیلۃ الشیخ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرے اور پھر اسی سال اس کا حج کا بھی ارادہ ہو تو کیا اس کے لیے فدیہ لازم ہے؟ نیز یہ فرمائیں کہ حج کی کون سی قسم افضل ہے؟

جواب جس شخص نے رمضان میں عمرہ کیا اور پھر اسی سال حج مفرد کا احرام باندھ لیا تو اس پر کوئی فدیہ نہیں کیونکہ فدیہ تو اس شخص کے لیے لازم ہے جو حج کے وقت تک عمرہ سے فائدہ اٹھائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۶)

"تو جو (تم میں سے) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔"

اور جو شخص رمضان میں عمرہ کرے اور پھر حج کے مہینوں میں احرام باندھ لے تو اسے متمتع (فائدہ اٹھانے والا) نہیں کہتے بلکہ متمتع تو وہ شخص ہوتا ہے جو حج کے مہینوں یعنی شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی عشرہ میں عمرہ کا احرام باندھے اور پھر اسی سال حج بھی کرے یا حج اور عمرہ کو ملا دے تو اسے متمتع کہتے ہیں اور اس پر فدیہ لازم ہے۔ حج کا ارادہ کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ حج کے ساتھ عمرہ کرے یعنی طواف اور سعی کر کے بال کتروا دے اور حلال ہو جائے اور پھر اسی سال حج کا احرام باندھے۔ اور افضل یہ ہے کہ حج کا احرام آٹھ ذوالحج کو باندھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا حکم دیا تھا۔ [1]

حج تمتع کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ حج کے لیے بھی اسی طرح طواف اور سعی کرے جس طرح اس نے عمرہ کے لیے طواف و سعی کیا تھا' اکثر اہل علم کے نزدیک عمرہ کی سعی حج کی سعی سے کفایت نہیں کرے گی اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کی دلالت سے یہی بات درست ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کرنے والا متمتع نہیں ہے

سوال جب کوئی مسلمان حج کے مہینوں سے پہلے حج کی نیت سے مکہ میں آ جائے اور عمرہ کر کے حج تک مکہ ہی میں رہے اور حج کرے تو کیا اس کا یہ حج تمتع ہو گا یا افراد؟

جواب اس کا یہ حج مفرد ہو گا کیونکہ حج تمتع تو یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا جائے اور اس سے فراغت

[1] صحیح مسلم' باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: 1218۔

کے بعد پھر اسی سال حج کا احرام باندھ لیا جائے۔ اور اگر کوئی شخص حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھ لے تو اسے حج قران کہتے ہیں۔ حج تمتع تو اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے کیونکہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں تو پھر عمرہ کے بجائے احرام حج ہی کے لیے مخصوص ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تخفیف کر دی اور اس بات کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اسے پسند بھی فرمایا کہ حاجی پہلے عمرے کا احرام باندھیں اور حج تک فائدہ اٹھا لیں یعنی وہ کام کر سکیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہو گئے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جس شخص نے شوال میں عمرہ کیا' گھر لوٹ آیا ....

سوال میں نے ماہ شوال کے آخر میں عمرہ ادا کیا اور پھر اس نیت سے گھر واپس لوٹ آیا کہ حج مفرد کروں گا۔ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ کیا اس طرح میرا شمار حج تمتع کرنے والوں میں ہو گا اور مجھ پر ہدی لازم ہو گی یا نہیں؟

جواب جب کوئی انسان شوال یا ذوالقعدہ میں عمرہ ادا کر کے اپنے گھر واپس لوٹ جائے اور پھر حج مفرد کرے تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تمتع نہیں ہے اور نہ اس پر ہدی لازم ہے کیونکہ یہ تو اپنے اہل خانہ کے پاس واپس لوٹ گیا تھا اور اب اس نے حج مفرد کیا ہے۔ حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے' جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی انسان متمتع ہو گا اور اس پر ہدی واجب ہو گی کیونکہ اس نے ایک ہی سال کے حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ کو جمع کیا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور بعض کے بقول مسافت قصر کے بقدر سفر کر لے اور پھر حج مفرد کرے تو وہ تمتع نہیں ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول راجح ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ جب وہ اپنے گھر واپس لوٹ آئے تو وہ متمتع نہیں ہے ہاں البتہ جو شخص حج کے لیے آئے اور عمرہ ادا کر کے جدہ یا طائف میں رہے اور پھر حج کا احرام باندھ لے تو یہ شخص بلاشبہ متمتع ہی ہو گا۔ طائف' جدہ یا مدینہ جانے سے اس کا تمتع ختم نہیں ہو گا کیونکہ یہ حج اور عمرہ دونوں کی ادائیگی کے لیے آیا ہے اور اس نے جدہ یا طائف کی طرف سفر ضرورت کی وجہ سے کیا ہے یا مدینہ کا سفر زیارت کی وجہ سے کیا ہے تو ظاہر اور راجح بات یہ ہے کہ یہ سفر اس کے تمتع کے خلاف نہیں ہے۔ لہٰذا اسے حج تمتع کی ہدی کرنا ہو گی۔ نیز اسے حج کے لیے بھی اسی طرح سعی کرنا ہو گی جس طرح اس نے عمرہ کے لیے سعی کی تھی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

راجح بات یہ ہے کہ اس پر ہدی تمتع لازم ہے

سوال میں ۱۴۰۳ھ میں ریاض میں مقیم تھا۔ ماہ شوال میں جدہ چلا گیا اور وہاں سے میں عمرہ ادا کرنے کے لیے چلا گیا اور عمرہ کر کے پھر واپس لوٹ آیا اور اس سال کے موسم حج تک میں وہاں ہی رہا' پھر حج کے لیے چلا گیا اور پھر حج اور عمرہ کے بعد ریاض واپس لوٹ آیا۔ اب اس سال مجھے ایک بھائی نے بتایا کہ میرا یہ حج اور عمرہ قران تھا لہٰذا میرے لیے جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے' ہمیں فتویٰ عطا فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب بہت سے اہل علم کے بقول حج تمتع کرنے والا جب جدہ یا مدینہ یا طائف کے درمیان سفر کرے' پھر جدہ سے حج کا

احرام باندھ لے اور اگر مدینہ کی طرف سفر کیا ہو تو میقات مدینہ سے احرام باندھ لے اور اگر طائف کی طرف سفر کیا تو میقات طائف سے احرام باندھ لے تو اس سے حج تمتع کا دم ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض دیگر اہل علم کے بقول اس صورت میں دم ساقط نہیں ہوتا اور اس سفر سے تمتع کا وصف زائل نہیں ہوتا۔ لہذا اسے تمتع کا دم دینا ہو گا اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۶)

"تو جو (تم میں سے) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔"

کے عموم کے پیش نظر یہی قول راجح ہے۔ اس سلسلہ میں وارد احادیث کے عموم کے پیش نظر بھی یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جدہ کی طرف سفر سے تمتع ختم نہیں ہوتا

سوال میں نے عمرے کا احرام باندھا اور میرا ارادہ حج تمتع کا تھا پھر عمرہ کے بعد میں جدہ چلا گیا اور اب واپس آ کر جب حج کروں گا تو کیا میرا یہ حج تمتع شمار ہو گا؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اس سے تمتع ختم نہیں ہوتا. جب کوئی شخص مکہ میں رمضان کے بعد تمتع کی نیت سے آئے' اس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور اس کا ارادہ حج کرنے کا ہو پھر عمرہ سے فراغت کے بعد وہ کسی ضرورت سے طائف یا جدہ چلا جائے تو صحیح بات یہ ہے کہ اس حالت میں اس کا تمتع برقرار رہتا ہے۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب آدمی مسافت قصر کے بقدر مکہ سے باہر چلا جائے اور پھر حج کا احرام باندھ کر واپس آ جائے تو اس سے اس کا تمتع ختم ہو جائے گا اور اس کا حج مفرد ہو گا' لیکن زیادہ صحیح اور ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حج اور عمرہ کے مابین ان تصرفات سے اس کا حج مفرد نہیں ہو گا' بلکہ تمتع ہی ہو گا الا یہ کہ وہ اپنے وطن واپس لوٹ آئے اور پھر حج مفرد کے لیے جائے تو اس صورت میں اس کا حج مفرد ہو گا اور اس پر دم بھی لازم نہ ہو گا۔ یہ بعض اہل علم کا قول ہے۔ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

گروپ کے ساتھ حج مفرد کا احرام باندھنا.......

سوال میں گروپ کے ساتھ حج کے لیے آیا تھا' حج مفرد کا احرام باندھا تھا اور اب میرا گروپ مدینہ جانا چاہتا ہے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ گروپ کے ساتھ مدینہ چلا جاؤں اور پھر تھوڑے دنوں بعد عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ واپس آ جاؤں؟

جواب جب کوئی شخص گروپ کے ساتھ حج کرے' اس نے حج مفرد کا احرام باندھا ہو اور پھر گروپ کے ساتھ ہی وہ زیارت کے لیے (مدینہ) چلا جائے تو اس کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کے لیے خاص کر دے اور عمرہ

کا طواف وسعی کرے اور پھر بال کٹوا کر حلال ہو جائے اور پھر حج کے وقت میں حج کے لیے احرام باندھے تو اس طرح وہ متمتع ہو جائے گا اور تمتع کی ہدی (قربانی) اس پر لازم ہو گی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہی حکم دیا تھا جن کے ساتھ ہدی نہ تھی۔ [1]

شیخ ابن باز

متمتع جب اپنے وطن واپس لوٹ آئے ....

سوال میں نے سنا ہے کہ متمتع جب اپنے وطن واپس لوٹ آئے تو اس کا تمتع منقطع ہو جاتا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ حج مفرد کرے اور اس پر دم نہ ہو؟

جواب ہاں حج تمتع کرنے والا جب اپنے وطن واپس لوٹ آئے اور پھر اپنے ملک سے حج کے لیے سفر کرے تو وہ مفرد ہے کیونکہ اس نے وطن واپس لوٹ کر عمرہ و حج کو منقطع کر دیا' تو دوبارہ سفر شروع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس نے حج کے لیے یہ نیا سفر کیا ہے لہٰذا اس کا یہ حج مفرد ہو گا اور اس صورت میں اس پر حج تمتع کی ہدی واجب نہ ہو گی لیکن اگر کسی نے ہدی کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ سازی سے ایسا کیا تو اس سے ہدی ساقط نہ ہو گی کیونکہ حیلہ سازی سے واجب ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ حیلہ سازی سے محرم حلال نہیں ہوتا۔

شیخ ابن عثیمین

حج تمتع میں عمرہ ادا کرنے کے بعد ....

سوال میں حج تمتع کی نیت سے گیا تھا' عمرہ ادا کرنے کے بعد میں تین ذوالحج کو منیٰ چلا گیا اور جب میں عمرہ سے حلال ہوا تو میں نے گھٹنے میں اس قدر درد محسوس کیا جس نے مجھے چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا۔ میں نے ڈاکٹر سے رجوع کیا تو اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں حج نہ کروں' لہٰذا میں مدینہ واپس لوٹ آیا' جہاں میں مقیم ہوں اور میں نے حج نہیں کیا۔ یاد رہے کہ عمرہ کی نیت کرتے ہوئے میں نے یہ الفاظ نہیں کہے تھے کہ "اگر مجھے کسی مجبوری نے روک دیا تو میں وہاں حلال ہو جاؤں گا' جہاں مجھے رک جانا پڑا۔" اس صورت حال میں اب آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر دم لازم ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے عمرہ سے حلال ہو کر حج کا ارادہ موقوف کر دیا اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے اپنے شہر واپس لوٹ آئے تو اس صورت میں کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہے کیونکہ عمرہ تو ادا کرنے اور اس سے حلال ہونے سے مکمل ہو گیا اور حج کا تو آپ نے ابھی احرام ہی نہیں باندھا تھا۔

فتویٰ کمیٹی

وقت تمتع اور یوم ترویہ (آٹھ ذوالحج) سے پہلے حج کا احرام باندھنا

سوال کیا تمتع کرنے والے کے لیے تمتع کا کوئی وقت محدود ہے؟ اور کیا وہ یوم ترویہ سے پہلے بھی حج کا احرام باندھ

[1] صحیح مسلم' الحج' باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: 1218

سکتا ہے؟

جواب ہاں تمتع کے لیے احرام باندھنے کا وقت محدود ہے اور وہ ہے شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن۔ یہ حج کے مہینے ہیں۔ کوئی شخص شوال سے پہلے اور عید کی رات کے بعد تمتع کا احرام نہیں باندھ سکتا لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے اور عمرہ سے فراغت کے بعد صرف حج کا احرام باندھا جائے اور یہ ہے تمتع کامل۔ اور اگر کوئی شخص عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھ لے تو اسے متمتع بھی کہتے ہیں اور قارن بھی اور ان دونوں صورتوں میں دم دینا لازم ہے' جسے دم تمتع کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا جانور ذبح کیا جائے جسے بطور قربانی کے ذبح کرنا جائز ہو' اس سلسلہ میں قربانی کی طرح گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ بھی کافی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۶)

"تو جو (تم میں سے) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔"

اور اگر کوئی شخص قربانی نہ کر سکتا ہو تو وہ اس طرح دس روزے رکھے کہ تین تو ایام حج ہی میں اور سات اپنے گھر واپس آکر رکھے' جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا' حج کا وقت محدود ہے' غیر محدود نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص شوال کے آغاز میں احرام باندھے تو پھر عمرہ سے لے کر آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھنے تک مدت طویل ہو گی جیسا کہ حضرات صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے حکم سے احرام باندھا تو آپ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ احرام کھول کر حلال ہو جائیں۔ (1) حضرات صحابہ کرام میں سے بعض مفرد تھے اور بعض قارن تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ حلال ہو جائیں سوائے ان کے جن کے ساتھ قربانی کا جانور ہو تو صحابہ کرام نے طواف کیا' سعی کی' بال کتروائے' اور حلال ہو گئے اور اس طرح وہ متمتع بن گئے تو یوم ترویہ یعنی آٹھ ذوالحج کو نبی ﷺ نے ان کو یہ حکم دیا کہ اپنی رہائش گاہوں سے حج کا احرام باندھ لیں' لہٰذا افضل طریقہ یہی ہے۔ اگر کوئی شخص ذوالحج کے آغاز میں یا اس سے بھی پہلے حج کا احرام باندھ لے تو یہ بھی صحیح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ حج کا احرام آٹھ ذوالحج کو باندھے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام نے نبی ﷺ کے حکم سے کیا تھا۔

——— شیخ ابن باز ———

مفرد کے لیے ایک ہی سعی ہے

سوال میں نے حج مفرد کیا ہے اور عرفہ سے پہلے ہی طواف و سعی کر لیا ہے تو کیا میرے لیے افاضہ کے وقت یا طواف افاضہ کے ساتھ طواف اور سعی کرنا لازم ہے؟

جواب جو شخص حج مفرد کرے' اور اسی طرح اگر وہ حج اور عمرہ ملا کر' یعنی قران کرے پھر مکہ مکرمہ میں آکر طواف و سعی کرے اور حالت احرام میں برقرار رہے' کیونکہ وہ مفرد یا قارن ہے اور حلال نہ ہو تو اس کے لیے ایک ہی سعی کافی ہے۔ اس کے لیے دوسری سعی لازم نہیں ہے' لہٰذا جب وہ عید کے دن طواف کرے تو یہ طواف افاضہ ہی اس کے لیے کافی ہو گا بشرطیکہ وہ قربانی کے دن تک اپنے احرام سے حلال نہ ہو یا اس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو تو وہ اس وقت تک احرام نہ

(1) امام بخاری نے اسے کتاب العمرة' باب متی یحل المعتمر میں تعلیقاً ذکر کیا ہے اور باب عمرة التنعیم میں موصولاً ذکر کیا ہے۔
و صحیح مسلم' الحج' باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: 1218۔

کھولے جب تک قربانی کے دن حج و عمرہ دونوں سے حلال نہ ہو جائے اور اس نے جو پہلی سعی کی تھی تو یہی کافی ہے' خواہ اس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ عید کے دن عرفہ میں آنے کے بعد حلال ہوا ہو تو اس صورت میں پہلی سعی کافی ہو گی' دوسری سعی کی اسے ضرورت نہیں ہے جب کہ وہ قارن یا مفرد ہو کیونکہ دوسری سعی تو صرف تمتع کرنے والے کے لیے ہے یعنی جس نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور صرف عمرہ کے لیے طواف و سعی کی ہو اور پھر حلال ہو گیا ہو اور پھر حج کا از سرنو احرام باندھا ہو تو اسے عمرہ کی سعی کے علاوہ حج کے لیے بھی دوسری سعی کرنا ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

حج قران کی تمتع میں تبدیلی کا حکم

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے حج قران کا احرام باندھا تھا لیکن عمرہ کے بعد اس نے احرام کھول دیا تو کیا اسے متمتع شمار کیا جائے گا؟

جواب ہاں جب حج و عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے پھر طواف اور سعی کرے اور بالوں کو کتروا کر اسے عمرہ بنا دے تو اسے متمتع کہا جائے گا اور تمتع کا دم اس پر لازم ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

جس نے پہلے اِفراد کی نیت کی پھر-----

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے حج مفرد کی نیت کی تھی لیکن مکہ مکرمہ میں پہنچ کر اس نے اسے تمتع میں بدل دیا اور عمرہ ادا کر کے حلال ہو گیا تو اس کے لیے کیا فدیہ ہو گا؟ وہ حج کا احرام کب اور کہاں سے باندھے؟

جواب افضل یہی ہے کہ جب کوئی شخص حج یا حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھ کر آئے تو وہ اس کو عمرہ کا احرام بنا دے۔ صحابہ کرام جب مکہ میں آئے تو نبی ﷺ نے انہیں اسی طرح کرنے کا حکم دیا تھا کیونکہ ان میں سے بعض قارن تھے اور بعض مفرد اور ان کے پاس ہدی بھی نہ تھی تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ اس احرام کو عمرہ کے لیے خاص کر دو' چنانچہ انہوں نے طواف و سعی کی اور بال کتروا کر حلال ہو گئے۔ [1] ہاں البتہ جس کے پاس ہدی کا جانور ہو تو اسے بدستور حالت احرام میں رہنا چاہیئے حتیٰ کہ وہ اپنے حج قران یا مفرد سے عید کے دن حلال ہو جائے۔ مقصود یہ ہے کہ جو شخص مکہ میں صرف حج یا حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھ کر آئے اور اس کے ساتھ ہدی (قربانی) کا جانور بھی نہ ہو تو پھر سنت یہ ہے کہ وہ حج کے احرام کو فسخ کر کے صرف عمرہ کے لیے خاص کر دے اور طواف و سعی کرے اور بالوں کو کتروا کر حلال ہو جائے اور پھر حج کے وقت' حج کا احرام باندھے اس طرح وہ متمتع ہو جائے گا' لہٰذا اسے دم تمتع بھی ادا کرنا ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

---

[1] حوالہ سابق۔

کیا قران اور افراد منسوخ ہیں؟

سوال بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حج قران اور افراد منسوخ ہو چکے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو تمتع کا حکم دیا تھا۔ تو جناب کی اس دعوے کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ ایک بالکل باطل قول ہے جو ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) افراد (۲) قران (۳) تمتع۔ جو شخص حج افراد کی نیت کرتا ہے تو اس کا احرام صحیح ہے' حج بھی صحیح ہے اور اس پر کوئی فدیہ بھی نہیں لیکن اگر وہ اسے فسخ کر کے عمرہ کے لیے خاص کر دے تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ افضل ضرور ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا جنہوں نے حج افراد یا قران کا احرام باندھا تھا اور ان کے ساتھ قربانیوں کے جانور بھی نہ تھے کہ وہ اپنے اس احرام کو عمرہ کے لیے خاص کر دیں اور طواف و سعی کرنے اور بال کتروانے کے بعد حلال ہو جائیں' [1] چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کیا تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ حج افراد منسوخ ہو گیا ہے بلکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے افضل و اکمل صورت کی طرف رہنمائی تھی۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جس نے نیت تمتع کی کی اور تلبیہ مفرد کا کہا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے حج تمتع کی نیت کی لیکن میقات کے بعد اس نے اپنی رائے تبدیل کر کے مفرد کے لیے لبیک کہنا شروع کر دیا تو کیا اس پر ہدی (قربانی) لازم ہو گی؟

جواب اس کی صورتیں مختلف ہیں اگر اس نے میقات پر پہنچنے سے پہلے تمتع کی نیت کی اور میقات پر پہنچنے کے بعد نیت بدل کر صرف حج کا احرام باندھ لیا تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں اور کوئی فدیہ نہیں لیکن اگر اس نے میقات سے یا میقات سے پہلے عمرہ و حج کے لیے لبیک کہا اور پھر یہ ارادہ کر لیا کہ اس احرام کو حج کے لیے خاص کر دے تو اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اس احرام کو وہ صرف عمرہ کے لیے تو خاص کر سکتا ہے لیکن صرف حج کے لیے نہیں۔ قران کو فسخ کر کے صرف حج کے لیے خاص نہیں کیا جا سکتا' ہاں البتہ اسے فسخ کر کے صرف عمرہ کے لیے خاص کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں مومن کے لیے زیادہ آسانی بھی ہے اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی کا حکم بھی دیا تھا [2] تو گویا معلوم یہ ہوا کہ جب میقات سے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا ہو تو پھر اسے صرف حج کے لیے خاص نہیں کیا جا سکتا ہاں' البتہ عمرہ کے لیے اسے ضرور خاص کیا جا سکتا ہے' بلکہ افضل یہی ہے کہ اسے عمرہ ہی کے لیے خاص کر دیا جائے اور طواف و سعی اور حجامت کے بعد حلال ہو جائے اور پھر بعد میں وقت پر حج کا احرام باندھ لیا جائے اور اس طرح آدمی متمتع ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

---

[1] حوالہ سابق۔

[2] حوالہ سابق۔

رقم گم ہو جانے کی وجہ سے فدیہ (قربانی) کی استطاعت نہ تھی ----؟

سوال جس شخص نے حج اور عمرے کا احرام باندھا تھا لیکن مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد اس کے اخراجات کی رقم گم ہو گئی اور فدیہ کی استطاعت نہ رہی تو اس نے تبدیلی کر کے حج مفرد کی نیت کر لی تو کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر وہ کسی اور کی طرف سے حج کر رہا ہو جس نے حج تمتع کی شرط عائد کی تھی تو پھر وہ کیا کرے؟

جواب ایسا کرنا درست نہیں' خواہ اس کی رقم گم ہی کیوں نہ ہو گئی ہو کیونکہ فدیہ کی عدم استطاعت کی صورت میں وہ دس روزے رکھ سکتا ہے۔ الحمدللہ! تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اپنے گھر واپس لوٹ کر' لہٰذا اسے حالت تمتع پر برقرار رہنا ہو گا اور شرط کو بھی پورا کرنا ہو گا' لہٰذا اسے چاہیئے کہ عمرے کا احرام باندھے' طواف و سعی کرے اور بال کتروا کر حلال ہو جائے اور پھر حج کا احرام باندھے اور فدیہ دے۔ اگر فدیہ ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہو تو اس طرح دس روزے رکھے کہ تین ایام حج میں عرفہ سے پہلے اور سات اپنے گھر واپس لوٹ کر۔ یاد رہے نبی کریم ﷺ کی اقتداء کے پیش نظر افضل یہ ہے کہ عرفہ کے دن آدمی نے روزہ نہ رکھا ہو کیونکہ آپ نے یوم عرفہ میں روزے کے بغیر وقوف فرمایا تھا۔ [1]

—— شیخ ابن باز ——

حج افراد کو قران میں تبدیل کرنا

سوال بعض جدید کتب میں ہے کہ حج افراد کرنے والے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حج افراد کو حج قران میں تبدیل کرے' تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ نے افراد اور قران حج کرنے والوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اسے عمرہ میں بدل دیں [2] اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی موجودگی میں کسی اور کا کلام حجت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حجۃ الوداع کے موقع پر حکم دیا تھا حالانکہ وہ تین قسموں میں بٹے ہوئے تھے ان میں سے بعض نے حج قران' بعض نے حج افراد اور بعض نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ خود نبی اکرم ﷺ نے حج قران کا احرام باندھا ہوا تھا کیونکہ آپ ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے۔ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس احرام کو عمرہ کے لیے خاص کر دو لیکن جن کے ساتھ ہدی کا جانور ہو وہ اپنے احرام کو تبدیل نہ کریں" لہٰذا صحابہ کرام جب مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے طواف و سعی کیا اور نبی ﷺ نے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ "بال کتروا دیں اور حلال ہو جائیں سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں۔" کیونکہ وہ تمتع نہیں کر سکتے۔ صحابہ کرام نے آپ کے اس ارشاد کو سنا تو اطاعت بجا لائے اور بال کتروا کر حلال ہو گئے۔ یہ سنت اس حاجی کے لیے ہے جو حج افراد یا قران کے لیے آئے اور اس کے ساتھ ہدی کا جانور نہ ہو' اسی میں آرام و راحت ہے اور کوئی تکلیف بھی نہیں اور پھر اس کے بعد جب ذوالحج کی آٹھ تاریخ آئے تو حج کا احرام باندھ لیا جائے۔ اس

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب صوم یوم عرفۃ' حدیث: 1658 و صحیح مسلم' الصیام' حدیث: 1123

[2] حوالہ سابق۔

صورتحال میں جو خیر عظیم ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یعنی حاجی اگر ذوالحجہ کے ابتداء یا ذوالقعدہ کے نصف سے محرم رہے تو احرام کی پابندیوں کی وجہ سے اسے مشقت ہو گی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آسانی کو قبول کر لینا چاہیئے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

جس نے حج کیا اور عمرہ نہ کیا

سوال میں نے فرض حج ادا کیا لیکن اس کے ساتھ عمرہ نہ کیا تو اس صورت میں مجھ پر کچھ لازم ہے؟ اور جو حج کے ساتھ عمرہ کرے تو کیا اسے دوبارہ عمرہ کرنا لازم ہے؟

جواب جب انسان حج کرے اور اس نے پہلے زندگی میں کبھی بھی بلوغت کے بعد عمرہ نہ کیا ہو تو اسے عمرہ کرنا چاہیئے خواہ حج سے پہلے کرے یا بعد میں۔ اور اگر اس نے حج کیا اور عمرہ نہ کیا تو عمرہ حج کے بعد کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں کو واجب قرار دیا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں' لہٰذا مرد مومن کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عمرہ بھی ادا کرے۔ اگر حج اور عمرہ ملا کر دونوں کے لیے اکٹھا احرام باندھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہ احرام کافی ہو گا اور اگر اس نے میقات سے حج افراد کا احرام باندھا ہو اور اسی احرام میں اس نے حج مکمل کر لیا ہو تو پھر عمرہ کے احرام کے لیے اسے تنعیم یا جعرانہ کے مقام پر جانا چاہیئے یعنی حرم سے باہر کسی مقام حِل سے جا کر احرام باندھنا چاہیئے اور پھر مکہ مکرمہ میں آکر طواف و سعی کرنے کے بعد بال کتروا یا منڈوا کر حلال ہو جانا چاہیئے' عمرہ بس یہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح کیا تھا۔[1] آپ جب مکہ میں تشریف لائیں تو آپ نے عمرے کا احرام باندھا ہوا تھا مگر مکہ کے قریب ہی آپ کے ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے آپ کے لیے بیت اللہ کا طواف ممکن ہوا نہ عمرہ کی تکمیل' لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا تاکہ آپ قران کر لیں' چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور حج کو مکمل کر لیا اور پھر نبی ﷺ کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ عمرہ بھی کرنا چاہتی ہیں کیونکہ آپ کے ہمراہ دیگر خواتین نے الگ سے عمرہ کیا تھا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ہمراہ مقام تنعیم تک جائیں تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ سکیں' چنانچہ آپ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں آئیں اور طواف و سعی کرنے کے بعد قصر کیا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص حج میں عمرہ نہ کر سکے تو اس کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ تنعیم یا اس جیسے کسی دوسرے مقام حل سے جا کر احرام باندھ لے۔ اس کے لیے میقات تک جانا لازم نہیں ہے ہاں البتہ جس نے پہلے حج و عمرہ کیا ہو اور وہ دوبارہ حج کے لیے آیا ہو تو اس کے لیے عمرہ کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے سابقہ عمرہ ہی کافی ہے کیونکہ عمرہ بھی حج کی طرح عمر بھر میں صرف ایک بار ہی واجب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح بخاری' الحج' باب کیف تهل الحائض و النفساء' حدیث: 1556 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1211

احرام اور حج کی نیت

احرام کا معنی اور محرم کے لیے مسنون اعمال

سوال احرام کا کیا معنی ہے؟ اور محرم کے لیے کون کون سے اعمال مسنون ہیں؟

جواب احرام حج و عمرہ کی نیت کو کہتے ہیں یعنی (کسی انسان کا) دل میں یہ ارادہ کرنا کہ وہ حج یا عمرہ کو شروع کرنے لگا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ ان امور سے رک جاتا ہے جو محرم کے لیے حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ احرام محض لباس ترک کرنے کا نام نہیں کیونکہ دو چادریں تو انسان کبھی اپنے شہر میں بھی نیت کے بغیر پہن لیتا ہے تو اسے محرم نہیں کہا جاتا کیونکہ انسان محرم تو دل کے قصد و ارادہ سے ہوتا ہے اور اس ارادہ کے ساتھ ہی وہ اپنے معمول کے لباس قمیص اور عمامہ وغیرہ کو اتار کر احرام کا لباس پہن لیتا ہے اور فدیہ دیتا ہے۔

اگر صفائی و ستھرائی کو دیر ہو گئی ہو تو احرام کے وقت غسل کرنا مسنون ہے اور اگر ایک دن پہلے غسل اور صفائی وغیرہ کی ہو تو پھر تجدید غسل کی ضرورت نہیں ہے' ہاں البتہ میل کچیل وغیرہ دور کر کے صفائی حاصل کرنا مسنون ہے' لہٰذا مونچھیں اگر لمبی ہوں تو انہیں کاٹ لیا جائے تاکہ احرام کے بعد بڑھ جانے کی وجہ سے اسے تکلیف نہ ہو۔ احرام کی نیت سے پہلے خوشبو کا استعمال بھی مسنون ہے جبکہ نیت کے بعد خوشبو کا استعمال ممنوع ہے۔ احرام سے پہلے خوشبو لگانا اس لیے جائز ہے تاکہ بعد میں پسینے اور میل سے تکلیف نہ پہنچے اور اگر ایسا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر ترک خوشبو میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حج ہو یا عمرہ احرام کی مدت کم ہی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نبی ﷺ کا احرام' تلبیہ اور غسل برائے احرام

سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہی میں احرام باندھا اور غسل فرمایا تھا؟

جواب نبی ﷺ نے مدینہ منورہ سے نہیں بلکہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا کیونکہ نبی ﷺ نے مواقیت کا تعین کرتے ہوئے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ میقات قرار دیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ آپ ایک چیز کا تعین فرمائیں اور پھر خود ہی اس کی مخالفت بھی کریں' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ' اہل شام کے لیے جحفہ' اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر کیا اور فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

''یہ ان علاقوں کے لوگوں کے لیے بھی میقات ہیں اور دوسرے علاقوں کے ان لوگوں کے لیے بھی جو یہاں سے

گزریں اور ان کا حج و عمرہ کا ارادہ ہو۔ اور جو لوگ میقات کے اندر رہ رہے ہوں تو وہ اپنی اپنی جگہ سے احرام باندھ لیں حتیٰ کہ اہل مکہ مکہ ہی سے احرام باندھ لیں۔"

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد گرامی کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلاَّ مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ يَعْنِي مَسْجِدَ ذِي الْحُلَيْفَةِ»(صحيح البخاري، الحج، باب الإهلال عند مسجد ذي الحليفة، ح:١٥٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب أمر أهل المدينة بالإحرام ... الخ، ح:١١٨٦)

"رسول اللہ ﷺ نے مسجد ذی الحلیفہ کے پاس احرام باندھا تھا۔"

ذوالحلیفہ ہی میں آپ نے غسل فرمایا تھا چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں احرام باندھا اور غسل فرمایا تھا۔ ①

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

افضل یہ ہے کہ غسل احرام سے پہلے کیا جائے

سوال جب حج کا ارادہ کرنے والا شخص آٹھ ذوالحج کو مکہ سے منیٰ کی طرف آئے اور منیٰ میں غسل کرے تو کیا یہ غسل اس کے لیے کافی ہے اور اس سلسلہ میں اس کے لیے کیا واجب ہے؟

جواب اگر منیٰ میں غسل کرے تو کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے اپنے گھر میں یا مکہ میں کسی بھی جگہ غسل کرے اور پھر اپنے گھر سے حج کا احرام باندھے اور اس وقت طواف کے لیے مسجد حرام میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آٹھ ذوالحج کو منیٰ کی طرف جانے والے پر طواف وداع واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص غسل کے بغیر احرام باندھ لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اگر احرام کے بعد منیٰ میں غسل کر لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں لیکن افضل اور سنت یہ ہے کہ احرام سے قبل غسل کیا جائے اور اگر کوئی غسل اور وضو کے بغیر احرام باندھ لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس موقع پر غسل اور وضو واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

حج اور عمرہ میں نیت کی الفاظ سے ادائیگی

سوال کیا عمرہ یا حج یا طواف و سعی بیت حرام کے ادا کرنے کے لیے نیت کو الفاظ میں ادا کرنا جائز ہے؟ نیت کے الفاظ استعمال کرنا کس وقت جائز ہے؟

جواب نبی اکرم ﷺ سے نماز' طہارت' روزہ یا کسی بھی دوسری عبادت میں نیت کی الفاظ سے ادائیگی ثابت نہیں ہے حتیٰ کہ حج اور عمرہ میں بھی ثابت نہیں ہے اور نہ آپ نے صحابہ کرام میں سے کسی کو اس کا حکم دیا۔ زیادہ سے زیادہ اس

① جامع ترمذی' الحج' باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام' حدیث: 830

سلسلہ میں جو ثابت ہے وہ یہ کہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا نے جب یہ عرض کیا کہ ان کا حج کا ارادہ ہے لیکن وہ بیمار ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«حُجِّي وَاشْتَرِطِي، أَنَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي "فَإِنَّ لَكِ عَلٰى رَبِّكِ مَا اسْتَثْنَيْتِ"»

(صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، ح:٥٠٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم ... الخ، ح:١٢٠٧ وسنن النسائي، مناسك الحج، باب كيف يقول إذا اشترط، ح:٢٧٦٧)

”حج کرو اور ساتھ یہ شرط عائد کرلو کہ میں وہاں حلال ہو جاؤں گی جہاں تو مجھے روک لے گا اس طرح تو نے جو شرط کرلی تھی وہ اب تیرے لیے تیرے رب کے ذمے ہوگی۔“

اور یہ کلام زبان ہی سے تھا کیونکہ عقد حج نذر کی طرح ہے اور نذر زبان سے ہوتی ہے' اس لیے کہ اگر انسان محض دل میں نذر کی نیت کرے تو یہ نذر نہ ہوگی۔ اور جب حج کو آدمی شروع کر دے تو اسے پورا کرنا اسی طرح لازم ہے جس طرح نذر کو پورا کرنا لازم ہے تو یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضباعہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی زبان سے اس شرط کو بھی ذکر کریں کہ اگر مجھے رکاوٹ نے روک لیا تو میں وہاں حلال ہو جاؤں گی جہاں مجھے تو روک لے گا اور حدیث سے جو یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَّبِّي فَقَالَ: صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ أَوْ عُمْرَةٌ وَّحَجَّةٌ»(صحيح البخاري، الحج، باب قول النبي ﷺ العقيق واد مبارك، ح:١٥٣٤، والاعتصام، باب ما ذكر النبي ﷺ وحض على اتفاق أهل العلم ... الخ، ح:٧٣٤٣)

”آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا (جبریل علیہ السلام) آیا اور اس نے کہا: کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو: عمرہ حج میں (داخل) ہے یا یہ کہا کہ کہو: حج اور عمرہ (ایک ہی احرام سے ادا کروں گا۔)“

تو اس کا یہ معنی نہیں کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرے۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ تلبیہ میں حج کا ذکر کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ کے ساتھ نیت نہیں کی تھی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیت کا محل دل ہے اور حج میں..........

سوال کیا احرام کی نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے سے ہوتی ہے؟ اور آدمی جب کسی دوسرے کی طرف سے حج کر رہا ہو تو کس طرح نیت کرے؟

جواب نیت کا مقام دل ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں یہ ارادہ کرے کہ وہ فلاں شخص یا اپنے بھائی یا فلاں بن فلاں کی طرف سے حج کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مستحب ہے کہ زبان سے یہ الفاظ ادا کرے کہ ”اے اللہ! میں فلاں کی طرف سے حج کے لیے حاضر ہوں یا فلاں کی طرف سے (اپنے باپ کی طرف سے) یا فلاں بن فلاں کی طرف سے عمرہ کے لیے حاضر ہوں۔“

تاکہ دل کے ارادے کی زبان کے ان الفاظ سے تاکید ہو جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرہ کے الفاظ زبان سے بھی ادا فرمائے تھے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ پر عمل کے پیش نظر نیت کے الفاظ کی زبان سے ادائیگی بھی صحیح ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے بھی زبان سے حج کی نیت کے الفاظ کو ادا فرمایا تھا جیسا کہ نبی ﷺ نے انہیں اس کی تعلیم دی تھی۔ حضرات صحابہ کرام ان الفاظ کو بلند آواز سے ادا فرمایا کرتے تھے' لہذا سنت یہی ہے اور اگر زبان سے الفاظ ادا نہ کرے اور نیت ہی پر اکتفاء کرے تو یہ بھی کافی ہے۔ حج بدل کے تمام اعمال کو بھی اسی طرح ادا کیا جائے جس طرح انسان اپنے حج کے اعمال ادا کرتا ہے یعنی فلاں بن فلاں کے ذکر کے بغیر مطلقاً تلبیہ کہے ہاں البتہ اگر نیت کرتے وقت ایک بار تلبیہ میں اس شخص کا تعین کرے جس کی طرف سے حج کر رہا ہو تو یہ افضل ہے اور پھر تلبیہ اسی طرح کہے جس طرح حج اور عمرہ کرنے والے لوگ کہتے ہیں یعنی: "حاضر ہوں میں اے اللہ! حاضر ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تر تعریف اور انعام (و احسان) تیرا ہی ہے اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ حاضر ہوں میں اے اللہ! میں حاضر ہوں' حاضر ہوں اے معبود (حقیقی حاضر ہوں)"

یعنی مقصد یہ ہے کہ اسی طرح لبیک کہے جس طرح وہ اپنی طرف سے لبیک کہتا ہے اور کسی کا نام نہ لے' ہاں البتہ صرف ابتداء میں ایک دفعہ کہہ دے کہ "فلاں کی طرف سے حج کے لیے' یا فلاں کی طرف سے عمرہ کے لیے یا فلاں کی طرف سے عمرہ اور حج کے لیے حاضر ہوں۔" یہ افضل ہے کہ احرام کے آغاز میں نیت کے ساتھ یہ کہا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

دو حجوں کا احرام جائز نہیں ہے

سوال کیا دو حجوں یا دو عمروں کا احرام باندھنا صحیح ہے؟ نیز تلبیہ' اس کی شروط' حکم اور وقت کے بارے میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب یہ صحیح نہیں کہ ایک سال میں دو حجوں کا احرام باندھ لیا جائے کیونکہ ہر سال صرف ایک ہی حج جائز ہے۔ اسی طرح ایک ہی وقت میں دو عمروں کا احرام باندھنا بھی جائز نہیں۔ ایک حج دو آدمیوں کی طرف سے بھی نہیں ہو سکتا' اسی طرح ایک عمرے میں دو آدمیوں کی طرف سے بھی احرام نہیں باندھا جا سکتا کیونکہ دلائل سے ایسا ہرگز ثابت نہیں ہے۔

اور تلبیہ دراصل اللہ تعالیٰ کی اس پکار کا جواب ہے:

﴿ وَأَذِّن فِي ٱلنَّاسِ بِٱلۡحَجِّ ﴾ (الحج۲۲/ ۲۷)

"لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے۔"

اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

«لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ»(صحيح البخاري، الحج، باب التلبية، ح:١٥٤٩ وصحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، ح:١١٨٤)

"میں حاضر ہوں' اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تر تعریف

اور انعام (و احسان) تیرا ہی ہے اور بادشاہت بھی تیری ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔"

ان سے زیادہ الفاظ کہنا بھی جائز ہے مثلاً آپ یہ کہہ سکتے ہیں:

«لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ حَقًّا حَقًّا، تَعَبُّدًا وَرِقًّا»

"میں حاضر ہوں اور تیری فرمانبرداری کے لیے تیار ہوں اور ہر خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔ میں حاضر ہوں اور تیری جانب میری رغبت اور میرا عمل ہے۔ میں بندگی اور غلامی کا اظہار کرتے ہوئے سچ مچ حاضر ہوں۔"

تلبیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے جب کہ بعض نے اسے رکن قرار دیا ہے کیونکہ یہ حج و عمرہ کا ظاہری شعار ہے۔ اس کا وقت نیت کے بعد احرام باندھنے کے فوراً بعد ہے جب کہ احرام باندھنے والا ابھی اسی جگہ ہو جہاں اس نے نماز پڑھی ہو نیز ہر اس وقت تلبیہ کہنا چاہیئے جب سواری پر سوار ہو' سواری سے اترے' اونچی جگہ پر چڑھے یا نشیبی جگہ پر اترے' کسی اور کو لبیک کہتے ہوئے سنے یا ساتھیوں سے ملے یا کسی ممنوع کام کا ارتکاب کر بیٹھے یا فرض نماز ادا کرے یا رات یا دن کا آغاز ہو اور اسی طرح تغیر احوال کے دیگر مواقع پر بھی۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

احرام کے وقت نماز شرط نہیں ہے

سوال کیا احرام کی دو رکعتیں ادا کیے بغیر بھی مسلمان کا حج یا عمرے کا احرام صحیح ہے؟ کیا احرام کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ احرام کی نیت کے الفاظ بلند آواز سے کہے جائیں؟

جواب احرام سے پہلے نماز ادا کرنا احرام کے لیے شرط نہیں بلکہ اکثر کے نزدیک یہ مستحب ہے اور مشروع یہ ہے کہ دل میں حج یا عمرے کی نیت کی جائے اور زبان سے یہ الفاظ ادا کیے جائیں:

«اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً»

"اے اللہ! میں عمرہ کے لیے حاضر ہوں۔"

یا یہ کہے:

«اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا»(صحيح مسلم، الحج، باب في الإفراد والقران، ح: ١٢٣٢)

"اے اللہ! میں حج کے لیے حاضر ہوں۔"

یا اگر قران کا ارادہ ہو تو حج اور عمرہ دونوں کا ذکر کرے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام نے کیا تھا۔ (1)

نیت کے الفاظ کی زبان سے ادائیگی شرط نہیں ہے بلکہ دل کی نیت ہی کافی ہے۔ تلبیہ شرعیہ کے الفاظ یہ ہیں:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ»(صحيح البخاري، الحج، باب التلبية، ح:١٥٤٩ وصحيح مسلم، الحج، باب التلبية

(1) صحیح مسلم' الحج' باب فی الافراد و القران' حدیث: 1232

وصفتها ووقتها، ح:١١٨٤)

یہ ہے نبی کریم ﷺ کا وہ تلبیہ جو صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث سے ثابت ہے۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

کیا احرام کے لیے دو رکعتیں شرط ہیں؟

سوال کیا احرام کے لیے دو رکعتیں شرط ہیں یا نہیں؟

جواب یہ دو رکعتیں احرام کے لیے شرط نہیں بلکہ ان کے مستحب ہونے کے بارے میں بھی علماء میں اختلاف ہے۔ جمہور نے اسے مستحب قرار دیا ہے کہ وضو کرے' دو رکعتیں پڑھے اور پھر تلبیہ پڑھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد احرام باندھا تھا۔ [2] یعنی آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر پہلے نماز ظہر ادا فرمائی اور پھر احرام باندھا اور فرمایا:

«أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَبِّي فَقَالَ: صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ»

(صحيح البخاري، الحج، باب قول النبي ﷺ العقيق واد مبارك، ح:١٥٣٤)

"آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا (جبریل علیہ السلام) آیا اور اس نے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور کہیں کہ عمرہ حج میں (داخل) ہے۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دو رکعت نماز پڑھنا مشروع ہے۔ جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔

دیگر اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں نص نہیں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ مذکورہ حدیث میں نماز سے مراد فرض نماز ہو' لہٰذا یہ حدیث احرام کی دو رکعتوں کے بارے میں نص نہیں ہے۔ فرض نماز کے بعد احرام باندھنا بھی اس بات کی دلیل نہیں کہ احرام کی دو مخصوص رکعتیں مشروع ہیں بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آسانی سے ممکن ہو تو حج یا عمرہ کا نماز کے بعد احرام باندھنا افضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

میقات سے پہلے احرام باندھنا

سوال میقات سے پہلے احرام باندھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھنا صحیح ہے؟

جواب مکانی میقات سے پہلے احرام باندھنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً یہ کہ صفائی حاصل کر کے طائف سے احرام باندھ لیں' نیت کریں اور تلبیہ پڑھنا شروع کر دیں' اسی طرح اہل مدینہ کے لیے اپنے گھروں سے احرام باندھنا بھی جائز ہے۔ اہل مصر کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ جب سفر کا ارادہ کریں تو اپنے گھروں سے نکلتے وقت یا جدہ کی طرف سفر کے لیے ہوائی جہاز پر سوار ہوتے وقت احرام باندھ لیں لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب التلبیۃ' حدیث: 1549 و صحیح مسلم' الحج' باب التلبیۃ وصفتها ووقتها حدیث: 1184

[2] السنن الکبریٰ: 33/5

حج کے مہینوں سے قبل حج کا احرام باندھنا مثلاً رمضان میں حج کا احرام باندھنا' تو اس سے بعض علماء نے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے قبل از وقت نماز ادا کر لی جائے لیکن شاید زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ قبل از وقت حج کا احرام باندھنا صحیح ہے کیونکہ تقدیم نفسِ عمل کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتی البتہ طویل عرصہ تک احرام باندھنے کی وجہ سے محرم کے لیے ضرور دشواری ہے کہ اسے عرفہ اور قربانی کے دن تک محرم رہنا پڑے گا اور اس میں بہت دشواری ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میقات کے اندر رہنے والا شخص اپنی جگہ سے احرام باندھے

سوال جو شخص میقات کے اندر رہائش پذیر ہو وہ کہاں سے احرام باندھے؟

جواب جو شخص میقات کے اندر ہو تو وہ اپنی جگہ سے احرام باندھ لے مثلاً ام سلم اور بحرہ کے لوگ اپنے علاقے سے اور جدہ کے باشندے اپنے شہر سے احرام باندھ لیں کیونکہ حدیث ابن عباس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَمَنْ كَانَ دُونَ ذٰلِكَ - أَيْ دُونَ الْمَوَاقِيتِ - فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"جو میقات کے اندر رہتا ہو تو وہ وہاں سے احرام باندھے جہاں سے چلے۔"

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل الشام، ح:١٥٢٦ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"وہ اپنے گھر سے احرام باندھ لے حتیٰ کہ اہل مکہ' مکہ ہی سے احرام باندھ لیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

جو منیٰ میں ہو وہ منیٰ ہی سے احرام باندھ لے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو یوم ترویہ (آٹھ ذوالحج) سے قبل منیٰ میں ہو تو کیا وہ مکہ میں جا کر احرام باندھے یا منیٰ میں احرام باندھ لے؟

جواب جو شخص منیٰ میں بیٹھا ہو تو اس کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ منیٰ ہی سے احرام باندھ لے۔ والحمدللہ! اسے مکہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ جب وقت آئے تو وہ اپنی جگہ سے حج کے لیے تلبیہ کہہ دے۔

——— شیخ ابن باز ———

ترویہ کے دن احرام باندھنا

سوال ترویہ کے دن حاجی احرام کس جگہ سے باندھے؟

جواب حاجی اپنی جگہ ہی سے احرام باندھے جس طرح کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ابطح میں اپنی اپنی رہائش گاہوں سے احرام باندھا تھا۔ [1] اسی طرح جو شخص مکہ کے اندر ہو وہ بھی اپنی جگہ ہی سے احرام باندھ لے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

«فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا» (صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل الشام، ح:١٥٢٦ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"جو شخص میقات کے اندر ہو تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھ لے حتیٰ کہ اہل مکہ' مکہ ہی سے احرام باندھ لیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

فضائی اور بحری راستے سے آنے والا کب احرام باندھے

سوال حج اور عمرہ کے لیے فضائی راستے سے آنے والا کب احرام باندھے؟

جواب فضائی اور بحری راستے سے آنے والا بھی خشکی کے راستہ سے آنے والے کی طرح اس وقت احرام باندھے جب وہ میقات کے برابر آئے یا میقات کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے احرام باندھ لے تاکہ ہوائی یا بحری جہاز کی تیز رفتاری کی وجہ سے وہ احتیاط سے کام لے اور میقات سے احرام کے بغیر نہ گزرے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

جدہ سے احرام باندھنا

سوال بعض لوگ فضائی راستے سے حج کے لیے آنے والوں کو یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ جدہ سے احرام باندھیں جبکہ (کچھ) دوسرے لوگ اس کا انکار کرتے ہیں' تو آپ ہمیں فتویٰ دیں کہ اس مسئلہ میں درست بات کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازیں۔

جواب ہوائی' سمندری اور خشکی کے راستے سے آنے والے تمام حاجیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس میقات سے احرام باندھیں جس پر سے وہ خشکی کے راستے سے گزر رہے ہوں یا فضائی اور سمندری راستہ سے اس کے برابر سے گزر رہے ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مواقیت مقرر فرمائے تو ارشاد فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل اهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

"یہ مواقیت ان علاقوں کے باشندوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے باشندے تو نہ ہوں لیکن حج یا عمرہ کے ارادے سے ان میقاتوں سے گزریں۔"

---

[1] صحیح مسلم' الحج' باب بیان وجوہ الاحرام--- الخ' حدیث: 1214

رہا جدہ' تو وہاں سے گزرنے والوں کے لیے میقات نہیں بلکہ وہ تو صرف اہل جدہ ہی کے لیے میقات ہے اور ان کے علاوہ ان لوگوں کے لیے بھی میقات ہے جو حج اور عمرہ کے ارادے کے بغیر وہاں آئیں پھر وہاں آ کر انہوں نے حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

شیخ ابن باز

ایک شخص نے از راہ جہالت جدہ سے حج کا احرام باندھا

سوال ایک شخص نے جدہ سے حج کا احرام باندھا اور جب حج کے بعد وہ مدینہ پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ آپ کے حج میں نقص ہے تو کیا اس صورت میں اس پر دم ہے یا نہیں؟

جواب حج یا عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس میقات سے یا اس کے برابر سے احرام باندھے جس سے وہ گزر رہا ہو۔ اگر وہ بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے اور میقات کے بجائے مکہ کے قریب کسی دوسری جگہ سے احرام باندھے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر دم لازم ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جدہ میقات کے اندر ہے' پس جو شخص یہاں سے احرام باندھتا ہے تو وہ گویا شرعی میقات سے احرام کے بغیر تجاوز کر آیا ہے' لہٰذا اس کے ذمہ دم لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ یا بکری جو دو دانت والی (دوندی) ہو ذبح کرے یا اونٹ اور گائے کے ساتویں حصے کو حرم میں ذبح کرنے کے بعد حرم کے مساکین میں تقسیم کر دے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئًا، أَوْ تَرَكَهُ فَلْيُهْرِقْ دَمًا»(موطأ للإمام مالك، الحج، باب جامع الفدية، ح:٢٥٧، ١/٤١٩/ ٢٤٠)

"جو شخص حج کا کوئی رکن بھول جائے یا ترک کر دے تو وہ خون بہائے۔" وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

جو شخص بغیر ارادہ حج کے مکہ آئے پھر----

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو مکہ مکرمہ میں کسی کام یا ملازمت کے لیے آیا ہو اور پھر اسے حج کرنے کی فرصت بھی حاصل ہو گئی تو کیا وہ اپنی جگہ ہی سے احرام باندھے یا حرم سے باہر حل میں جا کر احرام باندھے؟

جواب جب کوئی شخص مکہ مکرمہ میں آئے اور اس کی حج یا عمرہ کی نیت نہ ہو بلکہ وہ کسی ضرورت' کسی رشتہ دار کی ملاقات' کسی مریض کی عیادت یا تجارت وغیرہ کے لیے آیا ہو اور پھر اس کا حج یا عمرے کا ارادہ بن گیا ہو تو اسے چاہیئے کہ حج کا احرام تو اپنی جگہ ہی سے باندھ لے خواہ وہ مکہ شہر کے اندر رہ رہا ہو یا مضافات میں۔ اور اگر اس کا عمرے کا ارادہ ہو تو پھر اسے احرام کے لیے حدود حرم سے باہر حل کی طرف نکلنا پڑے گا خواہ تنعیم چلا جائے' جعرانہ یا کسی اور جگہ کیونکہ عمرہ کے لیے سنت بلکہ واجب یہی ہے کہ وہ حل کی طرف جائے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا[1] جب

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب کیف تھل الحائض والنفساء' حدیث: 1556 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1211

انہوں نے عمرے کا ارادہ کیا کہ تنعیم جائیں اور آپ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ہمراہ حدود حرم سے باہر حل یعنی تنعیم تک جائیں چنانچہ عمرے کا ارادہ کرنے والے کے لیے واجب یہی ہے لیکن حج کا ارادہ کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ ایک جگہ ہی سے احرام باندھ لے خواہ وہ حدود کے اندر ہو یا باہر جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ لوگ اپنے گھروں سے احرام باندھیں

سوال گزشتہ سال میں اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے جدہ گیا اور وہاں کچھ قیام کے بعد میں نے حج کی نیت کر کے میقات جدہ سے احرام باندھ لیا اور حج کے لیے مکہ چلا گیا تو ایک بھائی نے مجھے بتایا کہ میں نے چونکہ احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کیا ہے لہٰذا مجھے ایک جانور ذبح کرنا چاہیئے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ جبکہ جدہ ملاقات کے لیے گیا تھا اور ریاض سے روانہ ہوتے وقت میری نیت حج کی نہ تھی۔ فتویٰ دیجئے جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب اگر ریاض سے روانہ ہوتے وقت آپ کی نیت حج کی نہ تھی اور یہ نیت آپ نے جدہ میں کی تو پھر آپ کا جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہے اور اس صورت میں کوئی فدیہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مواقیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا:

«هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح: ١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح: ١١٨١)

’’یہ ان علاقوں کے باشندوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے بھی جو ان کے باشندے تو نہ ہوں لیکن یہاں سے گزریں اور ان کا حج اور عمرہ کا ارادہ ہو اور جو ان کے اندر ہوں تو وہ اپنی جگہ ہی سے احرام باندھیں حتیٰ کہ اہل مکہ، مکہ ہی سے احرام باندھیں۔‘‘

اس حدیث کے حکم میں اہل جدہ، ام سلم، بحرہ اور ان جیسے وہ سب لوگ داخل ہیں جو حدود حرم سے باہر لیکن مواقیت کے اندر رہ رہے ہوں۔ یہ لوگ جب بھی حج یا عمرہ کا ارادہ کریں تو یہ اپنے گھروں ہی سے احرام باندھیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

طویل مدت تک حالت احرام میں رہنا

سوال میں رمضان میں عمرہ کے لیے گیا، میری والدہ بھی میرے ساتھ تھیں۔ ہوائی جہاز ابیار علی کے اوپر تھا کہ میں نے احرام باندھ لیا اور ہم جدہ میں اتر پڑے اور یہاں بیٹھے رہے حتیٰ کہ روزہ افطار کرنے کے بعد شام کو ہم عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور ہم نے عمرہ کی تکمیل سے پہلے احرام نہ اتارا، تو سوال یہ ہے کہ کیا جدہ میں کچھ دیر تک بحالت احرام بیٹھے رہنے کی وجہ سے کچھ لازم ہے؟ رہنمائی فرمائیں، جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب جب امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ پر یا آپ کی والدہ پر جدہ میں بحالت احرام قیام کی وجہ سے کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ محرم کیلئے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ تسلسل کے ساتھ اپنے سفر کو جاری رکھے بلکہ اسے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ راستہ میں آرام یا دیگر ضروریات کی وجہ سے احرام کے باوجود قیام بھی کر سکتا ہے۔ وفق اللہ الجمیع

——— شیخ ابن باز ———

احرام کا لباس

جو شخص احرام نہ پہن سکتا ہو

سوال ایک شخص رمضان میں عمرہ ادا کرنا چاہتا ہے لیکن وہ احرام نہیں پہن سکتا کیونکہ وہ معذور ہے اور اس کے ہاتھ شل ہیں تو کیا وہ اپنے معمول کے کپڑوں میں عمرہ ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا (احرام نہ پہن سکنے کی وجہ سے) اسے کفارہ ادا کرنا ہو گا؟

جواب ہاں انسان جب لباس احرام نہ پہن سکتا ہو تو وہ کوئی دوسرا مناسب اور جائز لباس پہن لے اور اس صورت میں اہل علم کے نزدیک اس کے لیے یہ لازم ہے کہ ایک بکری ذبح کر کے فقرا میں تقسیم کر دے' یا نصف صاع فی مسکین کے حساب سے چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا تین روزے رکھے' سر منڈانے پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم کا اس مسئلہ میں یہی قول ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ﴾ (البقرة ۲/ ۱۹۶)

"اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر منڈا لے تو اس کے بدلے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس صورت میں تین روزے رکھنا ہے اور صدقہ چھ مسکینوں کو نصف صاع فی کس کے حساب سے کھانا کھلانا ہے اور قربانی ایک بکری ذبح کرنا ہے۔ [1]

——— شیخ ابن عثیمین ———

لباس احرام پر خوشبو لگانا

سوال نیت اور تلبیہ سے پہلے احرام کو خوشبو لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب احرام کی چادروں کو خوشبو نہیں لگانی چاہیئے' سنت یہ ہے کہ خوشبو بدن مثلاً سر' داڑھی' بغلوں اور جسم کے باقی حصے پر لگائی جائے۔ احرام کے وقت لباس کو خوشبو نہ لگائی جائے کیونکہ احرام باندھنے والوں کیلئے نبی کریم ﷺ کا یہ حکم ہے:

---

[1] صحیح بخاری' المحصر' باب قول اللہ تعالیٰ (فمن کان منکم مریضا...... الخ' حدیث: 1814 و صحیح مسلم' الحج' باب جواز حلق الرأس للمحرم...... الخ' حدیث: 1201

«لاَ يَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ زَعْفَرَانُ وَلاَ الْوَرْسُ»(صحيح البخاري، الحج، باب ما لا يلبس المحرم من الثياب، ح:١٥٤٢ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٧ ومسند أحمد:٢/٥٩)

"تم کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جسے زعفران اور ورس لگا ہو۔" ①

سنت یہ ہے کہ خوشبو صرف جسم پر لگائی جائے (احرام پر نہ لگائی جائے) اور اگر کسی نے احرام کو معطر کر لیا ہو تو اسے دھوئے بغیر نہ پہنے یا کوئی دوسرا احرام پہن لے۔

—— شیخ ابن باز ——

احرام کی چادر پہننے کی کیفیت

سوال کیا محرم کے لیے دونوں کندھے ڈھانپنا افضل ہے یا بحالت احرام ایک کندھا ننگا رکھنا افضل ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ محرم اوپر کی چادر کو دونوں کندھوں کے اوپر کر کے ان کے کناروں کو اپنے سینے کے اوپر کر لے' چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا تھا ہاں البتہ طواف قدوم کے موقع پر اپنی چادر کے وسط کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے کناروں کو اپنے بائیں کندھے پر ڈال لے اور دائیں کندھے کو ننگا کر لے اور یہ صرف طواف قدوم یعنی حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ میں آ کر جو سب سے پہلا طواف کیا جاتا ہے' اس کے ساتھ خاص ہے' لہٰذا طواف قدوم سے فراغت کے بعد چادر کو درست کر کے اپنے دونوں کندھوں پر کر لے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھے' جو شخص ہر وقت اپنے کندھے کو ننگا رکھتا ہے تو یہ خلاف سنت ہے' اسی طرح دونوں کندھوں کو ننگا رکھنا بھی خلاف سنت ہے۔

سنت یہ ہے کہ حالت احرام میں چادر کے ساتھ دونوں کندھوں کو چھپایا جائے' ہاں البتہ کوئی چادر اتار دے اور بیٹھتے یا کھانا کھاتے یا اپنے بھائیوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس کے کندھے ننگے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن سنت یہ ہے کہ جب چادر پہنے تو وہ اس کے کندھوں پر اور اس کے کنارے اس کے سینے پر ہوں۔

—— شیخ ابن باز ——

محرم کے لیے پیٹی یا تھیلی وغیرہ باندھنے کا حکم

سوال محرم حاجی کے لیے نقدی وغیرہ کی حفاظت کے لیے پیٹی یا تھیلی باندھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا اسے بھی سلا ہوا کپڑا سمجھ کرنا جائز قرار دیا جائے گا؟

جواب پیٹی یا تھیلی وغیرہ پہننے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح تہبند کو باندھنے یا نقدی کی حفاظت کے لیے رسی یا رومال وغیرہ استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

① ورس' ایک قسم کی گھاس تل کے مانند ہے' جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں۔

لباس احرام کو تبدیل کرنا

سوال کیا دھونے کے لیے احرام کے لباس کو تبدیل کرنا جائز ہے؟

جواب لباس احرام کو دھونے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح احرام کو تبدیل کر کے اس کے بجائے دوسرا نیا یا دھلا ہوا احرام پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

حالت احرام میں جرابوں اور دستانوں کا استعمال

سوال حالت احرام میں جرابوں اور دستانوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب مرد کے لیے حالت احرام میں جرابوں اور موزوں کا استعمال جائز نہیں ہے' الّا یہ کہ اس کے پاس جوتے نہ ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لبس الخفين ... الخ، ح:١٨٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٩)

"جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں' وہ موزے پہن لے اور جس کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے۔"

ہاں البتہ عورت کے لیے حالت احرام میں بھی موزے اور جرابیں پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسکا سارا بدن پردہ ہے اور موزوں اور جرابوں کا استعمال اس کے لیے ستر پوشی کا موجب ہے اور اگر عورت اپنے کپڑوں کو اس قدر نیچے لٹکائے کہ جس سے اس کے پاؤں چھپ جائیں تو یہ بھی نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں موزوں اور جرابوں کے بجائے کافی ہے۔ مرد اور عورت دونوں ہی کے لیے حالت احرام میں دستانوں کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے محرم عورت کے بارے میں فرمایا ہے:

«لاَ تَنْتَقِبِ الْمُحْرِمَةُ وَلاَ تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ما ينهى من الطيب ... الخ، ح:١٨٣٨)

"محرمہ عورت نقاب استعمال نہ کرے اور نہ دستانے پہنے۔"

جب عورت کے لیے دستانوں کا استعمال حالت احرام میں حرام ہے تو مرد کے لیے یہ بالاولیٰ حرام ہو گا' اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے بارے میں فرمایا تھا' جو حالت احرام میں فوت ہو گیا تھا:

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ، وَّكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ، (وَلاَ تُحَنِّطُوهُ) وَلاَ تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ وَلاَ وَجْهَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب المحرم يموت بعرفة... الخ، ح:١٨٤٩ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يفعل بالمحرم إذا مات، ح:١٢٠٦ واللفظ لمسلم)

"اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو' احرام کی دونوں چادروں میں کفن دو' اسے خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپو کیونکہ اسے روز قیامت لبیک کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔"

عورت کو چاہیئے کہ وہ نقاب کے بجائے مردوں کی موجودگی میں اپنے چہرے کو دوپٹے سے چھپا لے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذُوا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ»(سنن أبي داود، المناسك، باب في المحرمة تغطي وجهها، ح:١٨٣٣ وسنن ابن ماجه:٢٩٣٥)

"قافلے گزرتے تھے' ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں تھیں' جب قافلے ہمارے قریب آتے تو ہم سر سے دوپٹے کھینچ کر چہرے کو چھپا لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم پھر چہرے کو ننگا کر لیا کرتی تھیں۔"

دار قطنی میں یہ روایت اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (1)

——— شیخ ابن باز ———

عورت کے لیے حالت احرام میں جرابوں اور دستانوں کا استعمال

سوال عورت کے لیے حالت احرام میں جرابوں اور دستانوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا عورت کے لیے احرام کے لباس کو اتارنا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ جوتے اور جرابوں میں احرام باندھے کیونکہ یہ اس کے لیے افضل اور زیادہ ستر پوشی کا موجب ہے اور اگر معمول کے لباس میں ہو تو یہ بھی کافی ہے اگر عورت نے احرام کی حالت میں جرابوں کو پہنا ہو اور پھر انہیں اتار دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ کسی آدمی نے حالت احرام میں جوتے پہنے ہوں اور پھر جب چاہے انہیں اتار دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حالت احرام میں دستانے پہنے کیونکہ محرم عورت کے لیے دستانے پہننے اور چہرے پر نقاب ڈالنے کی ممانعت ہے' اسی طرح برقعہ وغیرہ استعمال کرنے کی بھی ممانعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عورت کو چاہیئے کہ وہ غیر محرم مردوں کی موجودگی اور طواف و سعی کے وقت اپنے چہرے پر دوپٹے یا چادر کو لٹکا لے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذُوا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ»(سنن أبي داود، المناسك، باب في المحرمة تغطي وجهها، ح:١٨٣٣ وسنن ابن ماجه:٢٩٣٥)

"قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے جب کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حالت احرام میں تھیں' قافلے جب ہمارے قریب آتے تو ہم سر سے دوپٹے کو کھینچ کر چہرے پر لٹکا لیتیں اور جب قافلے گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کو ننگا کر لیا کرتی تھیں۔"

مردوں کے لیے صحیح قول کے مطابق موزوں کا پہننا بھی جائز ہے خواہ وہ کٹے ہوئے نہ بھی ہوں جبکہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ انہیں کاٹ لے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جب جوتے نہ ہوں تو موزوں کو کاٹنا لازم نہیں ہے کیونکہ

(1) سنن دار قطنی' 294/2' ح: 2738

نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو عرفہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

«مَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لبس الخفين ... الخ، ح:١٨٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٨)

"جس کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے اور جس کے پاس تہبند نہ ہو تو وہ شلوار پہن لے۔"

اس حدیث میں آپ نے موزوں کے کاٹنے کا حکم نہیں دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ کاٹنے کا حکم منسوخ ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

عورت کا حالت احرام میں جرابیں پہننا

سوال میں حالت احرام میں سیاہ رنگ کی جرابیں پہنتی ہوں تاکہ میرے پاؤں چھپ جائیں اور پھر انہیں جرابوں کے ساتھ میں طواف کرتی اور نماز پڑھتی ہوں' لیکن مجھ سے کہا گیا ہے کہ اس سے احرام باطل اور دم لازم ہو جاتا ہے' لہٰذا آنجناب سے گزارش ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ حالت احرام' طواف اور نماز میں ان جرابوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یہ ایک نہایت پسندیدہ اور قابل ستائش عمل ہے کیونکہ اس میں ستر پوشی بھی ہے اور اسباب فتنہ سے دوری بھی' جس شخص نے آپ سے کہا ہے کہ اس (جرابیں پہننے) کی وجہ سے آپ پر دم ہے تو اس کی یہ بات غلط ہے کیونکہ محرم عورت کے لیے صرف دستانے پہننے کی ممانعت ہے' عورت کے لیے پاؤں میں جرابیں پہننے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اسے طواف کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے جرابیں ضرور استعمال کرنا چاہیئے اور اگر وہ احتیاط کے ساتھ کشادہ لباس پہن کر طواف اور نماز میں اپنے پاؤں کو چھپا لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ جرابوں کے لیے کالے رنگ کا ہونا شرط نہیں بلکہ کسی بھی رنگ کی جرابیں استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان سے پاؤں چھپ جائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انہ سمیع مجیب۔

——— شیخ ابن باز ———

عورت جن کپڑوں میں چاہے احرام باندھ سکتی ہے

سوال کیا عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جن کپڑوں میں چاہے احرام باندھ لے؟

جواب ہاں عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جن کپڑوں میں چاہے احرام باندھ لے اس کے احرام کے لیے کوئی مخصوص لباس نہیں ہے جیسا کہ بعض عامۃ الناس کا یہ خیال ہے لیکن افضل یہ ہے کہ احرام کا لباس خوب صورت اور جاذب نظر نہ ہو کیونکہ ایام حج میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ بھی میل جول ہو جاتا ہے' لہٰذا عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ ان کا لباس خوب صورت اور جاذب نظر نہ ہو بلکہ عام سادہ لباس ہو جو فتنہ انگیز نہ ہو۔

مردوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ سفید کپڑے احرام کے لیے استعمال کریں' اگر سفید کے علاوہ کسی اور رنگ کے کپڑے ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سبز رنگ کی چادر زیب تن فرما کر طواف کیا تھا' [1] اسی طرح آپ نے کالے رنگ کا عمامہ بھی استعمال فرمایا تھا [2] حاصل کلام یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم سفید کے علاوہ کسی اور رنگ کے احرام کو استعمال کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

ممنوعاتِ احرام

سوال وہ کون سی اشیاء ہیں جن سے محرم کے لیے اجتناب کرنا واجب ہے؟

جواب محرم کے لیے ان نو اشیاء سے اجتناب کرنا واجب ہے جو علماء نے بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) بالوں کو کاٹنا۔ (۲) ناخنوں کو کاٹنا۔ (۳) خوشبو استعمال کرنا۔ (۴) سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ (۵) سر کو ڈھانپنا۔ (۶) شکار کرنا۔ (۷) بیوی سے صحبت کرنا۔ (۸) نکاح کرنا اور (۹) عورتوں سے مباشرت کرنا۔ (یہاں مباشرت سے مراد صحبت کے علاوہ دیگر امور مثلاً بوسہ وغیرہ ہیں۔)

ان تمام اشیاء سے محرم کو حلال ہونے تک اجتناب کرنا چاہیئے' تحلل اول میں جماع کے سوا دیگر سب امور حلال ہو جاتے ہیں۔ اور جب تحلل ثانی بھی مکمل ہو جائے تو پھر جماع کرنا بھی حلال ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ممنوعات احرام اور ان کی اقسام

سوال ممنوعات احرام اور ان کی اقسام کون کون سی ہیں؟

جواب ممنوعات احرام نو ہیں:

(۱) سر یا جسم کے بال مونڈنا۔ (۲) ہاتھ اور پاؤں کے ناخن کاٹنا۔ (۳) مرد کے لیے سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ مثلاً قمیص' شلوار' نیکر (جانگیا)' جبہ' بنیان' قباء (شیروانی) اور چوغہ وغیرہ۔ (۴) سر کو چپکنے والی چیزوں مثلاً عمامہ اور ٹوپی وغیرہ کے ساتھ ڈھانپنا لیکن سر پر چھتری یا خیمہ ہو یا سامان وغیرہ اٹھایا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۵) خوشبو کا استعمال' اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی بو عطر بیز ہو مثلاً کستوری' گلاب' پھول اور دیگر تمام عطریات کہ ان کو جسم یا لباس میں استعمال کیا جاتا ہو' (۶) خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا مثلاً کبوتر' سرخاب' چکور' چڑیا وغیرہ یا ہرن' پہاڑی بکرا' نیل گائے' سانڈا' یربوع اور وبر وغیرہ۔ (۷) محرم کے لیے منگنی کرنا' نکاح کرنا یا کسی نکاح میں ولی بننا جائز نہیں ہے۔ (۸) بیوی یا لونڈی کے ساتھ صحبت کرنا۔ (۹) صحبت کے علاوہ دیگر امور مثلاً شہوت سے بوسہ لینا یا گلے لگانا وغیرہ حرام ہیں۔

---

[1] سنن ابی داود' المناسک' باب الاضطباع فی الطواف' حدیث: 1883 و جامع ترمذی' حدیث: 859-

[2] صحیح مسلم' الحج' باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام' حدیث: 1358 ۔ 1359

ان میں سے پہلی پانچ اشیاء میں سے اگر کسی کا ارتکاب کر لیا جائے تو فدیہ لازم ہے' البتہ اس سے حج باطل نہیں ہو گا' شکار وغیرہ کی صورت میں اس طرح کے جانور کو ذبح کرنا ہو گا' نکاح وغیرہ کی صورت میں فدیہ تو نہیں ہے لیکن اس سے حج باطل ہو جائے گا اور مباشرت وغیرہ کی صورت میں حج تو باطل نہ ہو گا البتہ دم دینا لازم ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جہالت کی وجہ سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرنا

سوال جو شخص جہالت یا نسیان کی وجہ سے ان نو قسم کے ممنوعات میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص بھول کر بال یا ناخن کاٹ لے تو اس میں کوئی گناہ ہے نہ فدیہ' اسی طرح جو شخص بھول کر خوشبو لگا لے یا سر ڈھانپ لے یا سلا ہوا کپڑا پہن لے تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ دعا قبول فرمائی ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

اور صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا۔ (1)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥)

"اور جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو قصد سے کرو اس پر مواخذہ ہے۔"

اور حدیث میں ہے

«إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ» (سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، ح: ٢٠٤٥)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے خطا و نسیان کو معاف کر دیا ہے۔"

شکار کے بارے میں جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے اس کی مثل جانور ذبح کرنا ہو گا اور شکار کرنے والے سے یہ تفصیل نہیں پوچھتے کہ اس نے جان بوجھ کر شکار کیا ہے یا غلطی سے لیکن اس مسئلہ میں بھی شاید صحیح بات یہی ہے کہ جو شخص بھول کر یا ازراہ جہالت شکار کرے تو اس پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ فدیہ لازم کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا ﴾ (المائدة: ٥/ ٩٥)

"اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے۔"

محرم کا نکاح کرنا صحیح نہیں ہو گا' خواہ وہ جہالت کی وجہ سے کر رہا ہو لیکن اس میں کوئی فدیہ نہیں ہے۔ صحبت اور مباشرت میں جمہور کے نزدیک فدیہ ہے خواہ اس نے بھول کر ہی یہ کام کیا ہو کیونکہ اس کا تعلق دو شخصوں سے ہے اور یہ

(1) صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس الخ' حدیث: 126

بات بعید ہے کہ دونوں ہی بھول جائیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے کہ اس کا فدیہ ادا کیا جائے' اگرچہ بعض علماء نے جہالت و نسیان کی وجہ سے اس مسئلہ میں بھی محرم کو معذور قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

احرام باندھنے سے قبل کچھ بال کاٹنا

سوال میری بیوی نے عمرے کا احرام باندھا لیکن اس نے حمام سے باہر نکلنے اور لباس احرام پہننے سے پہلے کچھ بال کاٹ دیے تو کیا اس صورت میں اس پر کچھ واجب ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج یا فدیہ وغیرہ نہیں کیونکہ بالوں کو کاٹنا نیت احرام منعقد ہونے کے بعد منع ہے لیکن اس صورت میں مذکورہ عورت کی نہ ابھی تک نیت منعقد تھی اور نہ اس نے ابھی تک لباس احرام ہی پہنا تھا' لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں' اگر احرام شروع کرنے کے بعد ازراہ جہالت و نسیان ایسا کرتی تو پھر بھی کوئی فدیہ لازم نہ تھا کیونکہ جہالت کی وجہ سے وہ معذور تصور ہو گی۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جہالت کی وجہ سے احرام کے بعد بال کاٹنا

سوال ایک شخص نے عمرے کا احرام باندھا' احرام کے بعد اسے یاد آیا کہ اس کے لیے بغل کے بالوں کو صاف کرنا واجب ہے' لہٰذا اس نے انہیں صاف کر دیا اور پھر عمرہ کے لیے چل پڑا' تو وضاحت فرمائیں کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے گا؟

جواب احرام میں بغل کے بالوں کو کاٹنا یا اکھاڑنا واجب نہیں ہے' بلکہ مستحب یہ ہے کہ احرام سے پہلے انہیں اکھاڑ دیا جائے یا کسی پاک چیز سے صاف کر دیا جائے اسی طرح مونچھوں کو کاٹنا' ناخنوں کو تراشنا اور زیر ناف بالوں کو احرام سے پہلے صاف کرنا بھی مستحب ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو' نیز یاد رہے کہ احرام کے وقت یہ امور لازم نہیں ہیں بلکہ اگر احرام سے پہلے گھر یا راستہ میں کسی جگہ انہیں سرانجام دے لے تو پھر بھی ٹھیک ہے۔

حکم شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے مذکورہ بالا شخص نے احرام کے بعد جو بغل کے بالوں کو صاف کر لیا تو اس میں کوئی فدیہ وغیرہ نہیں ہے' اسی طرح احرام کے بعد اگر محرم ممنوعات میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو کوئی فدیہ نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز رکھا ہے۔ [1]

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالٰی عن حدیث النفس...... الخ' حدیث: 126

——— شیخ ابن باز ———

محرم کے سر کے بالوں کا گرنا

سوال اگر محرم عورت کے سر کے بال ازخود گر جائیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر محرم کے سر کے بال خواہ وہ مرد ہو یا عورت' وضو میں سر کا مسح کرتے ہوئے یا غسل کرتے ہوئے گر جائیں تو یہ نقصان دہ نہیں' اسی طرح اگر مرد کی داڑھی یا مونچھوں کے بال گر جائیں یا ناخن وغیرہ ٹوٹ جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جان بوجھ کر ایسا نہ کرے۔ ہاں البتہ ممانعت اس بات کی ہے کہ محرم جان بوجھ کر بال یا ناخن کاٹے عورت کو بھی جان بوجھ کر بال یا ناخن وغیرہ نہیں کاٹنے چاہئیں لیکن جو بال وغیرہ ازخود گر جائیں تو یہ مردہ بال ہوتے ہیں جو حرکت وغیرہ سے گر جاتے ہیں اور ان کا گرنا نقصان دہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ان شاء اللہ آپ پر کوئی فدیہ نہیں

سوال میں نے دو سال پہلے فریضہ حج ادا کیا اور یہ میرا پہلا حج تھا' عرفہ کے عظیم دن میں اللہ رب ذوالجلال کے حضور دعا میں مصروف تھا تو میری آنکھیں اشکبار تھیں اور جب دعا سے فراغت کے بعد میں نے اپنے آنسوؤں سے تر چہرے پر ہاتھ پھیرا تو میرے ہاتھوں میں آنکھوں کی پلکوں کے دو بال آ گئے' یہ بال قصد و ارادہ سے نہیں توڑے تھے (بلکہ یہ ازخود گر گئے تھے) تو کیا اس کے لیے کوئی فدیہ وغیرہ لازم ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے عمل کو قبول فرمائے' آپ کو اجر بے پایاں سے نوازے اور آپ کے اس شوق' خشوع اور عمل کا ثواب عطا فرمائے جسے آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے سرانجام دیا ہے۔ آپ نے آنکھوں کی پلکوں کے بالوں کے گرنے کا جو ذکر کیا ہے تو اس کا ان شاء اللہ کوئی فدیہ نہیں ہے کیونکہ آپ نے قصد و ارادہ سے ان بالوں کو نہیں کاٹا' خطاء و نسیان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ وفقک اللہ۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نسیان پر مؤاخذہ نہیں

سوال ایک مسلمان نے عمرے کا احرام باندھا اس کی عادت یہ ہے کہ وہ سوچ بچار کے وقت اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہتا ہے' بھول کر حالت احرام میں بھی اس نے جب ایسا ہی کیا تو اس کے کئی بال گر گئے تو کیا اس صورت میں کوئی کفارہ ہو گا؟

جواب اس پر کوئی کفارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دعا یہ کرتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

''اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دیا ہے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا:

«قَدْ فَعَلْتُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس ... الخ، ح:١٢٦)

"میں نے یہ کر دیا۔" (یعنی میں مؤاخذہ نہیں کروں گا۔)

——— شیخ ابن باز ———

سلے ہوئے کپڑے کی حد بندی اور احرام کے نیچے شلوار

سوال سلے ہوئے لباس کی حد بندی کیا ہے؟ کیا آج کل استعمال ہونے والی شلواریں احرام کے نیچے استعمال کی جا سکتی ہیں؟

جواب جس شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو اس کے لیے شلوار وغیرہ یا کوئی اور سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے' نہ سارے بدن پر اور نہ اوپر کے حصہ پر بنیان وغیرہ اور نہ نچلے حصہ پر شلوار وغیرہ پہننا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ محرم کیا لباس پہنے تو آپ نے فرمایا:

«لاَ يَلْبَسُ الْقُمُصَ، وَلاَ الْعَمَائِمَ، وَلاَ السَّرَاوِيلاَتِ، وَلاَ الْبَرَانِسَ، وَلاَ الْخِفَافَ إِلاَّ أَحَدٌ لاَ يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ»(صحيح البخاري، الحج، باب ما لا يلبس المحرم من الثياب، ح:١٥٤٢ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٧)

"کہ وہ قمیصیں' عمامے' شلواریں' ٹوپیاں اور موزے نہ پہنے' اگر کسی کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔"

اس سے سائل کو یقیناً معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ کون سا سلا ہوا لباس ہے' جو محرم کے لیے استعمال کرنا ممنوع ہے۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ سلے ہوئے لباس سے مراد وہ لباس ہے جو سارے بدن کی پیمائش کے مطابق سلا یا بنا گیا ہو جیسے کہ قمیص یا اوپر کے نصف حصہ کے لیے بنایا گیا ہو جیسے بنیان وغیرہ یا نچلے حصہ کے لیے مثلاً شلوار وغیرہ اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو صرف ہاتھ کے لیے بنایا گیا ہو مثلاً دستانے یا پاؤں کے لیے بنایا گیا ہو مثلاً موزے۔ ہاں البتہ جوتے نہ ہونے کی صورت میں موزے استعمال کرنے کی اجازت ہے اور صحیح قول کے مطابق موزوں کا کاٹنا بھی لازم نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لبس الخفين ... الخ، ح:١٨٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح:١١٧٨)

"جسے جوتے نہ ملیں' وہ موزے پہن لے اور جسے تہبند نہ ملے' وہ شلوار پہن لے۔"

تو اس حدیث میں موزوں کے کاٹنے کا ذکر نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹنا واجب نہیں ہے اور پہلی حدیث میں جو کاٹنے کا ذکر ہے تو وہ اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیش نظر منسوخ ہے۔ یہ مسائل مرد کے حوالے سے ہیں' جہاں تک حج یا عمرے کا احرام باندھنے والی عورت کا تعلق ہے تو اس کے لیے شلوار اور موزے وغیرہ پہننا مطلقاً جائز ہے لیکن اس کے لیے نقاب اور دستانوں کے استعمال کی ممانعت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے [1] جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں مذکور ہے لیکن اجنبی مردوں کے سامنے اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو نقاب اور دستانوں کے سوا کسی اور چیز مثلاً دوپٹے وغیرہ سے چھپا لینا چاہیئے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

جہالت کی وجہ سے شلوار میں احرام باندھ لیا

سوال ایک سال پہلے میں عمرہ کے لیے گیا تو مجھے بعض شرائط کے بارے میں علم نہ تھا' میں نے جب میقات سے احرام باندھا تو جہالت کی وجہ سے احرام کے نیچے نیکر بھی پہن لی' جب میں عمرہ سے واپس آیا تو بعض لوگوں نے بتایا کہ یہ جائز نہیں اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ سلا ہوا لباس جائز نہ تھا تو میں نے اس سال پھر عمرہ ادا کر لیا ہے' تو پہلے جو میں نے حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا پہن لیا تھا تو کیا اس کی وجہ سے مجھ پر کچھ لازم ہے؟

جواب آپ پر کچھ لازم نہیں کیونکہ آپ کو شرعی حکم کا علم نہ تھا' اس ممنوع کام کے ارتکاب میں جہالت کی وجہ سے آپ معذور ہیں' فدیہ اس شخص کے لیے ہے جو ایسا کام جانتے ہوئے اور قصدوارادہ سے کرے' آپ کے لیے عمرے کا اعادہ بھی لازم نہیں ہے کیونکہ آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے عمرہ فاسد ہو گیا ہو' لہٰذا آپ کا دوسرا عمرہ نفل شمار ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جان بوجھ کر شلوار میں احرام باندھ لیا

سوال میقات کے پاس میں نے حج تمتع کی نیت سے عمرے کا احرام باندھ لیا لیکن شدت حیا کی وجہ سے شلوار نہ اتاری' اور اسی احرام میں جس میں میں نے نیچے شلوار بھی پہنی ہوئی' عمرہ ادا کر لیا اور جب حج کے لیے احرام باندھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت شلوار پہننا میری غلطی ہے' لہٰذا حج ادا کرنے کے لیے میں نے دوران احرام ہی شلوار اتار دی۔ اب سوال یہ ہے کہ عمرہ ادا کرتے ہوئے شلوار نہ اتارنے کی وجہ سے کیا مجھ پر کچھ لازم ہے جبکہ حج ادا کرتے ہوئے میں نے اسے اتار دیا تھا۔ مجھے علم تھا کہ سلا ہوا کپڑا پہننے سے احرام باطل ہو جاتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ شدت حیا کی وجہ سے میں نے ایسا کیا تھا اور یہ میرا پہلی بار حج و عمرہ تھا اور اب اس کو کئی سال ہو گئے ہیں' امید ہے راہنمائی فرمائیں گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

[1] صحیح بخاری' جزاء الصید' باب ماینهی من الطیب للمحرم والمحرمة' حدیث: 1838

جواب جان بوجھ کر اس لباس کو برقرار رکھنے کی وجہ سے آپ پر فدیہ واجب ہے' لیکن یاد رہے کہ یہ ممنوعات احرام میں سے ہے۔ اس سے احرام باطل نہیں ہوتا۔ اور فدیہ یہ ہے کہ تین روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا ایک بکری ذبح کر دی جائے' ان میں سے جو فدیہ بھی ادا کریں وہ صحیح ہے' لیکن ضروری ہے کہ بکری کا گوشت یا کھانا مکہ مکرمہ میں حرم کے مسکینوں میں تقسیم کیا جائے' جب کہ روزہ ہر جگہ رکھنا صحیح ہے۔ تاخیر کی وجہ سے آپ کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ لازم نہیں' ہاں البتہ اس قدر طویل مدت میں اس مسئلہ کے بارے میں سوال نہ پوچھ کر آپ نے بہت کوتاہی کی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

معمول کے کپڑوں میں احرام

سوال میں نے اس سال رمضان کے آغاز میں عمرہ ادا کیا' پندرہ دن قیام کیا' اور میں نے عمرہ اپنے کپڑوں ہی میں کیا۔ جب حرم میں پہنچا تو میں نے تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعتیں پڑھیں' بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے اور اس کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھیں' پھر سعی کے سات چکر لگائے اور اس کے بعد میں نے بال کٹوا دیئے تو کیا میرا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب آپ نے اپنے سوال میں عمرہ کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے' آپ پر یہی واجب تھا' اس کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں تھا بشرطیکہ آپ نے میقات سے احرام باندھا ہو' ہاں البتہ آپ نے مسجد حرام میں داخل ہو کر طواف سے پہلے تحیۃ المسجد کی جو دو رکعتیں پڑھیں تو یہ خلاف سنت ہے کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے والے خصوصاً محرم کے لیے سنت یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ طواف سے آغاز کرے۔ آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ آپ نے اپنے کپڑوں ہی میں احرام باندھ لیا تھا' اگر اس سے آپ کی مراد احرام کے دو کپڑے یعنی چادر اور تہبند ہیں' جنہیں آپ اس عمرہ سے پہلے عمرہ میں بھی استعمال کر چکے تو حج اور عمرہ میں ان کے بار بار استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں' انہیں کسی اور کو استعمال کے لیے دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ احرام کی مخصوص چادروں کے بجائے آپ نے معمول کے کپڑوں ہی کو بطور احرام استعمال کر لیا تو یہ آپ کی غلطی ہے اس طرح آپ نے ممنوعات احرام میں سے دو کاموں کا ارتکاب کیا اور وہ ہے سلے ہوئے کپڑوں کو پہننا اور سر کو ڈھانپنا' اگر آپ کو اس کا علم تھا کہ یہ کام احرام میں ممنوع ہیں تو ان کی وجہ سے آپ پر دو فدیے لازم ہیں' ان میں سے ہر فدیے کے طور پر یا تو ایسی بکری ذبح کی جائے جس کی قربانی جائز ہے یا چھ مسکینوں کو نصف صاع فی کس کے حساب سے کھجور یا آپ کے شہر میں جس خوراک کا معمول ہو' وہ دے دی جائے یا تین روزے رکھ لیے جائیں' دونوں بکریوں اور کھانے کو مکہ کے مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس میں سے نہ خود کچھ کھایا جائے اور نہ کسی کو ہدیہ دیا جائے' روزے ہر جگہ اور ہر وقت رکھے جا سکتے ہیں اور اگر آپ کو حکم شریعت کا علم نہ تھا یا آپ نے بھول کر ایسا کیا تو پھر آپ پر کوئی فدیہ لازم نہیں ہے' ہاں البتہ دونوں حالتوں میں توبہ و استغفار لازم ہے' نیز یہ کہ عزم صمیم کیا جائے کہ آئندہ یہ کام نہیں کیا جائے گا جو احرام کے تقاضوں کے منافی ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

محرم کا جوتے یا جرابیں پہننا

سوال اگر محرم مرد یا عورت جوتے یا جرابیں جہالت کی وجہ سے یا جانتے ہوئے یا بھول کر پہن لے تو کیا اس سے احرام باطل ہو جائے گا؟

جواب مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ حالت احرام میں جوتے استعمال کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

«لِيُحْرِمْ أَحَدُكُمْ فِي إِزَارٍ وَّرِدَاءٍ وَّنَعْلَيْنِ» (تلخيص الحبير: ٢/ ٢٣٧)

"محرم کو چاہیئے کہ وہ چادر، تہبند اور جوتوں میں احرام باندھے۔"

لہٰذا افضل یہ ہے کہ احرام میں جوتے استعمال کئے جائیں تاکہ محرم کانٹوں گرمی اور سردی وغیرہ سے بچ سکے، اگر کوئی احرام میں جوتے استعمال نہ کرے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے بھی استعمال کر سکتا ہے لیکن اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ وہ ان کو کاٹے یا نہ کاٹے؟ آنحضرت ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لبس الخفين ... الخ، ح: ١٨٤٢ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة ... الخ، ح: ١١٧٧)

"جو شخص جوتے نہ پائے تو وہ موزے پہن لے اور انہیں دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔"

لیکن یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں، وہ موزے پہن لے اور اس موقع پر آپ نے انہیں کاٹنے کا حکم نہیں دیا، اس وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہے، لہٰذا محرم موزوں کو کاٹنے کے بغیر استعمال کر سکتا ہے جبکہ بعض دیگر علماء کا یہ کہنا ہے کہ پہلا حکم منسوخ تو نہیں ہے لیکن کاٹنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، کیونکہ عرفات میں آپ نے اس سے سکوت فرمایا۔ زیادہ راجح بات ان شاء اللہ یہ ہے کہ کاٹنے کا حکم منسوخ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا تو اس میں دیہاتی اور شہری علاقوں کے لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا جو کہ مدینہ میں اس وقت موجود نہ تھا جب آپ نے انہیں کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا اگر کاٹنا واجب یا مشروع ہوتا تو آپ اسے امت کے اس جم غفیر کے سامنے ضرور بیان فرما دیتے، لیکن جب آپ نے عرفات میں اس سے سکوت فرمایا تو معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کاٹنے کے حکم سے درگزر کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیا ہے کیونکہ کاٹنے کی صورت میں موزے خراب ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

عورت کے موزے یا جرابیں پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عورت تو سراپا پردہ ہے، ہاں البتہ اس کے لیے دو چیزوں یعنی نقاب اور دستانوں کے استعمال کی ممانعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«لاَ تَـنْتَقِبِ الْمُحرِمَةُ وَلاَ تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ما ينهى من الطيب ... الخ، ح: ١٨٣٨)

"محرمہ عورت نقاب اور دستانے استعمال نہ کرے۔"

نقاب سے مراد وہ چیز جو چہرے کو چھپانے کے لیے بنائی گئی ہو مثلاً برقع وغیرہ' لہٰذا اسے حالت احرام میں استعمال نہ کرے' ہاں البتہ اجنبی مردوں کی موجودگی میں نقاب کے سوا کسی اور چیز سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لے اور جب مردوں سے دور ہو تو پھر اپنے چہرے کو ننگا کر لے۔ عورت کے لیے چہرے پر نقاب اور برقع ڈالنا جائز نہیں اور نہ اس کے لیے ہاتھوں پر دستانے استعمال کرنا جائز ہے۔ ہاں البتہ کسی اور چیز سے اپنے ہاتھوں کو ڈھانپ سکتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف افاضہ سے قبل بوسہ کی وجہ سے انزال

سوال ایک شخص ایک ممنوع کام میں مبتلا ہو گیا اور وہ ہے بیوی کو بوسہ دینا اور شہوت کے ساتھ انزال ہونا اور یہ جمرہ عقبہ کی رمی اور حلق کے بعد مگر طواف افاضہ سے قبل ہوا جب کہ اس کی بیوی حج نہیں کر رہی تھی تو اس صورت میں اس پر کیا واجب ہے؟

جواب جس مسلمان نے حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کا احرام خراب ہو جائے یا عمل ناقص ہو جائے۔ جس نے حج کا احرام باندھا ہو تو اس کے لیے بوسہ حرام ہے' حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر حلال ہو جائے یعنی جمرہ عقبہ کو رمی کر لے' بال منڈوا یا کٹوا لے' طواف افاضہ کرے' اگر اس کے ذمہ سعی ہو تو سعی بھی کر لے کیونکہ ان تمام امور کی تکمیل سے قبل وہ حالت احرام ہی میں ہوتا ہے اور اس حالت میں اس کے لیے عورتیں حرام ہیں۔ تحلل اول کے بعد اگر بوسہ لے اور اسے انزال ہو جائے تو اس کا حج فاسد نہیں ہو گا' اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے' آئندہ اس طرح کا کام نہ کرے اور اس کے فدیہ کے طور پر ایک ایسی بکری ذبح کر دے جس کی قربانی جائز ہے اور اس کے گوشت کو حرم مکہ کے فقیروں میں تقسیم کر دے اور جس قدر جلد ممکن ہو یہ فدیہ ادا کر دینا چاہیئے۔ واللہ ولی التوفیق۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

تحلل اول سے قبل جماع

سوال کیا اس شخص کے لیے دوبارہ حج کرنا واجب ہے جو تحلل اول سے قبل ہی اپنی بیوی سے جماع کر لے' جبکہ اس کا یہ حج نفل ہو؟

جواب جو شخص تحلل اول سے قبل بیوی سے صحبت کر لے' اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے لیکن اس حج کو پورا کرنا چاہیئے اور بعد میں اس کی قضا بھی دینا چاہیئے خواہ حج نفل ہی ہو' چنانچہ اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ ہے' نیز اسے ایک اونٹ ذبح کر کے مکہ مکرمہ کے فقراء میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔ واللّٰہ المستعان۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف افاضہ کے بعد عورتوں کے پاس جانا

سوال جب حاجی طواف افاضہ کر لے تو کیا اس کے لیے ایام تشریق میں عورتوں کے پاس جانا حلال ہے؟

جواب جب حاجی طواف افاضہ کر لے تو اس کے لیے عورتوں کے پاس جانا حلال نہیں بشرطیکہ وہ دیگر تمام امور مثلاً رمی جمرہ اور حلق یا تقصیر کی بھی تکمیل کر لے تو اس کے لیے عورتوں کے پاس جانا حلال ہے ورنہ نہیں۔

اکیلا طواف کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ عید کے دن رمی جمرہ کی جائے بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا اور طواف بھی ضروری ہے' نیز اس کے ذمہ اگر سعی ہو تو سعی بھی ضروری ہے۔ ان تمام امور کی تکمیل کے بعد عورتوں سے مباشرت حلال ہو گی' تکمیل سے پہلے نہیں۔ لیکن اگر وہ ان تین کاموں میں سے دو کر لے یعنی اگر رمی کر لے اور بالوں کو منڈوایا کٹوا لے تو اس کے لیے لباس اور خوشبو جائز ہو جاتی ہے' عورت سے صحبت نہیں' اسی طرح اگر رمی اور طواف کر لے یا طواف کر لے اور بال منڈوا لے تو اس کے لیے خوشبو' سلا ہوا لباس' شکار اور ناخن تراشنا وغیرہ حلال ہو جاتا ہے لیکن عورتوں سے صحبت صرف اسی صورت میں حلال ہو گی جب وہ یہ تینوں کام کر لے' یعنی جمرہ عقبہ کو رمی کر لے' بالوں کو منڈوایا کٹوا لے' طواف افاضہ کر لے اور اگر متمتع کی طرح اس کے ذمہ سعی ہو تو سعی بھی کر لے تو ان تمام امور کی تکمیل کے بعد اس کے لیے عورتیں حلال ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن باز ———

حالت احرام میں احتلام

سوال جب ہم نے آٹھ تاریخ کو احرام پہنا اور منیٰ میں رات بسر کی تو مجھے احتلام ہو گیا' جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہو گیا کہ اگر غسل کروں تو اس سے سر سے بال گریں گے اور مجھے احرام کھولنا پڑے گا جس کی وجہ سے مجھے ممنوعات احرام میں سے دو کاموں کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور تیمم کی صورت میں یہ ارتکاب نہیں ہوتا لیکن میں نے تیمم کے بجائے غسل ہی کر لیا تو اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟ فتویٰ دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر وثواب سے نوازے گا؟

جواب جسے احتلام ہو جائے اس پر غسل کرنا واجب ہے' غسل کئے بغیر نماز' طواف اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا صحیح نہیں ہے' لہٰذا اسے ہر صورت میں غسل کرنا چاہئے خواہ وہ محرم ہی کیوں نہ ہو' غسل کرتے ہوئے اگر سر سے چند بال گر جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ممنوع یہ ہے کہ آدمی از خود بال منڈوائے یا کٹوائے یا اکھاڑے۔

احتلام کی وجہ سے غسل واجب ہے' غسل کرتے ہوئے سر کو دھونا اور بالوں میں خلال کرنا واجب ہے لیکن بہت مبالغے کے ساتھ بالوں کو نہ ملے بلکہ سر پر پانی بہا دے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بالوں میں پھیرے تاکہ پانی سر کی جلد تک پہنچ جائے کیونکہ جنابت کا اثر ایک ایک بال کے نیچے ہوتا ہے۔ احرام کو اتارنا یعنی تہبند کو ضرورت کے وقت اتارنا ممنوعات احرام میں سے نہیں ہے۔

قضائے حاجت کے وقت بھی تہبند کو اتارنا جائز ہے' احرام کی چادر یا تہبند کو تبدیل کرنا یا میلا ہونے کی وجہ سے دھونا بھی جائز ہے۔ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالت احرام میں غسل فرمالیا کرتے تھے۔ [1] واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

احتلام سے حج باطل نہیں ہوتا

سوال میں نے فریضۂ حج ادا کیا اور منیٰ میں دوران قیام ایک رات مجھے احتلام ہو گیا لیکن میں غسل نہ کر سکا تو کیا اس صورت میں مجھ پر کچھ لازم ہے؟

جواب جس شخص نے حج یا عمرے کا احرام باندھا ہو اور اسے احتلام ہو جائے تو احتلام اس کے حج اور عمرہ پر اثر انداز نہیں ہوتا یعنی اس سے حج اور عمرہ باطل نہیں ہوتے' لہٰذا جسے احتلام ہو جائے تو وہ بیدار ہونے کے بعد غسل جنابت کرلے' اگر اس نے کپڑے پر منی کو لگا ہوا دیکھا ہو۔ احتلام کی وجہ سے کوئی فدیہ وغیرہ لازم نہیں ہے کیونکہ یہ اختیار میں نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

حیض و نفاس والی خواتین اور حج

حائضہ عورت کا حج

سوال اس مسلمان عورت کے بارے میں کیا حکم ہے جسے ایام حج میں حیض شروع ہو جائے؟ کیا اس کا یہ حج ہو جائے گا؟

جواب جب ایام حج میں کسی عورت کا حیض شروع ہو جائے تو وہ تمام امور اسی طرح سرانجام دے جس طرح دیگر حجاج سرانجام دیتے ہیں' ہاں البتہ وہ پاک ہوئے بغیر بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی نہیں کر سکتی' لہٰذا جب پاک ہو جائے تو پھر طواف اور سعی کرے۔ اگر حیض اس وقت شروع ہو جب وہ تمام اعمال حج سرانجام دے چکی ہو اور صرف طواف وداع باقی ہو تو اسے سفر کی اجازت ہے' طواف وداع اس سے ساقط ہو جائے گا اور اس کا حج صحیح ہو گا۔ اس مسئلہ میں دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی اور امام ابوداود نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إِذَا أَتَتَا عَلَى الْوَقْتِ ـ يَعْنِي الْمِيقَاتَ ـ تَغْتَسِلاَنِ وَتُحْرِمَانِ وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ»(سنن أبي داود، المناسك، باب الحائض تهل بالحج، ح:١٧٤٤ وجامع الترمذي، ح:٩٤٥)

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب الاغتسال عند دخول مکۃ' حدیث: 1573 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1259

"حیض اور نفاس والی عورتیں جب میقات پر آئیں تو غسل کریں' احرام پہنیں اور تمام مناسک ادا کریں مگر وہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔"

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ عمرہ ادا کرنے سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایام شروع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ حج کا احرام باندھ لیں' پاک ہوئے بغیر بیت اللہ شریف کا طواف نہ کریں اور وہ سب کچھ کریں جو حاجی کرتے ہیں اور اس حج کو عمرہ کے ساتھ ملا دیں۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایام شروع ہو گئے اور انہوں نے اس کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا' تو آپ نے فرمایا:

«أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟ قَالُوا إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ قَالَ فَلاَ إِذًا»(صحيح البخاري، الحج، باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت، ح:١٧٥٧)

"کیا یہ اب ہمیں سفر سے روکے رکھے گی؟ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ انہوں نے طواف افاضہ کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ پھر اب یہ ہمیں نہیں روکے گی۔"

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ طواف افاضہ کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایام شروع ہو گئے تو حضرت عائشہ نے اس کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

«أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟ قَالَتْ فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّهَا قَدْ كَانَتْ أَفَاضَتْ وَطَافَتْ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ حَاضَتْ بَعْدَ الإِفَاضَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ فَلْتَنْفِرْ» (صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع . . . الخ، ح:٣٨٢/ ١٢١١)

"کیا یہ اب ہمیں روکے رکھے گی؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! انہوں نے افاضہ اور بیت اللہ کا طواف کر لیا ہے اور افاضہ کے بعد ایام شروع ہوئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر یہ سفر کر سکتی ہیں۔"

شیخ ابن باز

حائضہ نماز کے بغیر احرام باندھ لے

سوال حائضہ عورت احرام کی دو رکعتیں کس طرح پڑھے؟

جواب حائضہ عورت احرام کی دو رکعتیں نہ پڑھے بلکہ وہ نماز کے بغیر ہی احرام باندھ لے۔ احرام کی دو رکعتیں جمہور کے نزدیک سنت ہیں۔ بعض اہل علم ان کو مستحب بھی نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے بارے میں کوئی مخصوص چیز وارد نہیں ہے جبکہ جمہور انہیں مستحب قرار دیتے ہیں کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ جل و علا فرماتا ہے:

«صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ: عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ»(صحيح البخاري، الحج، باب قول النبي ﷺ العقيق واد مبارك، ح:١٥٣٤)

"اس وادی مبارک میں نماز پڑھ لو اور کہو عمرہ حج میں داخل ہے"

وادی سے مراد وادی عقیق ہے اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ ایک صحابی سے بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے نماز پڑھ کر احرام باندھا' لہٰذا جمہور نے اسے مستحب قرار دیا ہے کہ نماز کے بعد احرام باندھا جائے نماز خواہ فرض ہو یا نفل' یعنی وضو

کر کے دو رکعتیں پڑھ لے۔ حیض اور نفاس والی عورتیں چونکہ نماز نہیں پڑھ سکتیں اس لیے وہ نماز کے بغیر ہی احرام باندھ لیں' ان کے لیے ان دو رکعتوں کی قضا بھی لازم نہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

جب احرام کے بعد حیض یا نفاس شروع ہو جائے

سوال جب احرام کے بعد عورت کا حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو کیا اس کے لیے بیت اللہ کا طواف کرنا جائز ہے؟ یا وہ کیا کرے؟ کیا ایسی عورت کے لیے طواف وداع بھی لازم ہے؟

جواب جب عمرہ کے لیے آمد کے موقع پر نفاس یا حیض شروع ہو جائے تو عورت پاک ہونے تک رک جائے اور جب پاک ہو جائے تو پھر طواف کرے' سعی کرے' بال کاٹ لے' اس سے اس کا عمرہ مکمل ہو جائے گا۔ اور اگر یہ صورت حال عمرہ ادا کرنے کے بعد پیش آئے یا آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھنے کے بعد پیش آئے تو وہ اعمال حج یعنی وقوف عرفہ و مزدلفہ' رمی جمار اور تلبیہ و ذکر وغیرہ کو تو سرانجام دے اور جب پاک ہو جائے تو پھر حج کے لیے طواف و سعی کرے' والحمدللہ! اور اگر حیض طواف و سعی کے بعد اور طواف وداع سے قبل شروع ہو جائے تو اس صورت میں طواف وداع ساقط ہو جائے گا کیونکہ حیض اور نفاس والی عورتوں کے لیے طواف وداع معاف ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

عمرہ کے احرام کے بعد حائضہ کیا کرے

سوال حج تمتع کرنے والی عورت نے جب احرام باندھا ہو اور پھر بیت اللہ تک پہنچنے سے پہلے ہی حیض شروع ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ کیا عمرہ سے پہلے حج کرے؟

جواب وہ اپنے عمرہ کے احرام کو باقی رکھے اور اگر نو ذوالحجہ سے پہلے پاک ہو جائے اور اس کے لیے عمرہ کرنا ممکن ہو تو عمرہ کر لے اور پھر حج کا احرام باندھ کر دیگر مناسک حج کی تکمیل کے لیے عرفہ چلی جائے اور اگر وہ عرفہ کے دن سے پہلے پاک نہ ہو تو وہ حج کو عمرہ پر داخل کر دے اور یہ کہے "اے اللہ! میں نے اپنے عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لیا ہے۔"

اس طرح اس کا حج قران ہو جائے گا' یہ لوگوں کے ساتھ وقوف کرے گی' دیگر تمام اعمال کی تکمیل بھی کرے گی اور اس کا یہ احرام عید کے دن یا اس کے بعد طواف زیارت اور حج و عمرہ کی سعی کے لیے کافی ہو گا اور اس پر حج قران کی قربانی لازم ہو گی جس طرح حج تمتع کرنے والے پر لازم ہوتی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جب طواف افاضہ سے قبل حیض شروع ہو جائے

سوال جب طواف افاضہ سے قبل حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو کیا عورت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ مکہ مکرمہ ہی میں رہے حتیٰ کہ پاک ہو جائے اور طواف کرے یا اس کے لیے جدہ وغیرہ کی طرف سفر کرنا جائز ہے اور پھر جب پاک ہو جائے تو

واپس آکر طواف کر لے؟

جواب اگر مکہ میں رہنے کی استطاعت ہو تو مکہ ہی میں رہے حتیٰ کہ طہارت کے بعد اپنے حج کی تکمیل کرے اور اگر مکہ میں قیام کی استطاعت نہ ہو تو اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کہ وہ محرم کے ساتھ جدہ یا طائف وغیرہ کی طرف سفر کرے اور پھر پاک ہونے کے بعد محرم کے ساتھ واپس مکہ آئے اور اپنے مناسک حج کی تکمیل کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

حیض اور نفاس والی عورت کا حج کے مہینوں ------

سوال جب طواف افاضہ سے قبل حیض شروع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ جب کہ اس نے دیگر تمام مناسک ادا کر لیے ہوں اور حیض ایام تشریق کے بعد تک جاری رہا ہو؟

جواب جب طواف حج سے قبل عورت کا حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو اس کے ذمہ طواف باقی رہے گا' حتیٰ کہ جب پاک ہو جائے تو غسل کر کے طواف حج کرے خواہ یہ طواف حج کے کئی دنوں بعد کرنا پڑے خواہ محرم یا صفر ہی میں کیوں نہ کرنا پڑے کیونکہ اس کے لیے کوئی متعین وقت نہیں ہے۔ بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ اسے اس قدر مؤخر کرنا جائز نہیں کہ ماہ ذوالحج ختم ہو جائے لیکن یہ قول بلادلیل ہے' لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ اسے ذوالحج کے بعد تک مؤخر کرنا بھی جائز ہے لیکن اگر استطاعت ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ یہ طواف جلد کر لیا جائے اور اگر اسے ذوالحج سے مؤخر کر دیا تو پھر بھی یہ جائز ہے اور اس صورت میں دم بھی لازم نہیں ہے۔

حیض اور نفاس والی عورتیں معذور ہیں لہٰذا ان کے لیے طواف کو مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کے لیے اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار بھی تو نہیں' لہٰذا وہ جب بھی پاک ہوں طواف کر لیں خواہ ذوالحج میں پاک ہوں یا محرم میں۔

——— شیخ ابن باز ———

حائضہ کا طواف سے قبل اپنے گھر چلے جانا

سوال کیا حائضہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ طواف افاضہ سے قبل اپنے گھر چلی جائے اور جب پاک ہو جائے تو پھر طواف افاضہ کے لیے مکہ مکرمہ میں واپس لوٹ آئے یا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ ہی میں قیام کر کے طہارت کا انتظار کرے اور پھر پاک ہونے کے بعد طواف کرے؟

جواب جب طواف افاضہ سے قبل حیض شروع ہو جائے تو اس کے محرم کو انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ یہ پاک ہو جائے اور اگر انتظار ممکن نہ ہو تو اس کے لیے گھر جانا جائز ہے اور پھر جب پاک ہو جائے تو مکہ مکرمہ میں واپس آکر اپنے حج کی تکمیل کرے' اس حالت میں اس کے شوہر کو اس کے قریب نہیں آنا چاہیے اور اگر اس کے لیے دوبارہ واپس آنا ممکن نہ ہو کہ یہ کسی دور دراز ملک سے آئی ہو تو پھر ضرورت کی وجہ سے اس کے لیے یہ جائز ہے کہ لنگوٹ باندھ کر طواف کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب طواف افاضہ سے قبل حیض شروع ہو جائے

سوال ایک عورت کے طواف افاضہ سے پہلے ایام شروع ہو گئے' وہ مکہ مکرمہ سے باہر رہتی ہے' اس کا سعودی عرب سے سفر کرنے کا وقت بھی آ گیا ہے اور مکہ میں مزید قیام کی اسے استطاعت نہیں اور دوبارہ مکہ مکرمہ میں واپسی بھی محال ہے تو ایسی عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے' جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ اس عورت نے طواف افاضہ نہیں کیا' حیض شروع ہو گیا' مکہ میں مزید قیام مشکل ہے اور طواف سے قبل اگر سفر شروع کرے تو مکہ میں دوبارہ واپسی مشکل ہے تو اس حالت میں اس کے لیے یہ جائز ہے کہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرے۔ (۱) یا تو ایسا ٹیکہ لگوا لے جس سے خون رک جائے یا (۲) اس طرح مضبوطی سے کس کر لنگوٹ باندھ لے کہ مسجد میں خون نہ گرے اور ضرورت کی وجہ سے طواف کر لے' اس مسئلہ میں یہی راجح قول ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے۔ اور اگر اس قول کو اختیار نہ کیا جائے تو پھر دو باتوں میں سے ایک کو ضرور اختیار کرنا ہو گا' اول یہ کہ یہ عورت بدستور حالت احرام میں رہے' جس کی وجہ سے اپنے خاوند کے قریب جانا اس کے لیے حلال نہ ہو گا اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس حالت میں شادی کرنا جائز نہ ہو گا اور دوم یہ کہ اسے محصر شمار کر لیا جائے اور یہ ایک ہدی ذبح کر کے احرام کو کھول دے اور اس حالت میں اس کا یہ حج نہیں ہو گا' لیکن یہ دونوں باتیں ہی بہت مشکل ہیں لہٰذا راجح قول وہی ہے' جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے اور یہ نظریہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج ۲۲/ ۷۸)

"اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

اور فرمایا:

﴿ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۵)

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔"

اس حالت میں عورت کے لیے اگر سفر کرنا ممکن ہو تو وہ سفر کر سکتی ہے اور پھر پاک ہونے کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ میں واپس آ کر طواف حج کرے' اس حالت میں اس کے لیے ازدواجی تعلقات جائز نہیں ہیں کیونکہ ابھی تک اسے تحلل ثانی حاصل نہیں ہوا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حالت حیض میں حج کا احرام باندھا

سوال ایک عورت نے "سیل" سے حج کا احرام باندھا اور جب مکہ پہنچی تو کسی ضرورت کی وجہ سے اسے جدہ میں جانا پڑا' جدہ جا کر یہ پاک ہو گئی اور اس نے غسل کر کے بالوں کو کنگھی کر لی اور پھر حج کر لیا تو کیا اس کا یہ حج صحیح ہے' اس پر

کوئی فدیہ وغیرہ تو لازم نہیں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں' حالت حیض میں جدہ کی طرف سفر کرنے کی وجہ سے حج کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ اس صورت میں اس پر کوئی فدیہ وغیرہ لازم ہے' اسی طرح کنگھی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ خوشبو استعمال نہ کی جائے اور بالوں کو نہ کاٹا جائے' اگر بھول کر یا جہالت کی وجہ سے خوشبو استعمال کر لے یا بال کاٹ لے تو پھر بھی کوئی فدیہ لازم نہیں اور اگر جان بوجھ کر اور شرعی حکم کو جانتے ہوئے ایسا کرے تو پھر خوشبو کے استعمال اور بالوں کے کاٹنے میں سے ہر عمل کی وجہ سے فدیہ لازم ہو گا اور وہ یہ کہ چھ مسکینوں کو نصف صاع فی کس کے حساب سے شہر کی خوراک کے مطابق کھانا دیا جائے یا ایک بکری ذبح کر دی جائے یا تین دن کے روزے رکھ لیے جائیں۔

—— شیخ ابن باز ——

عمرہ ادا کرنے سے قبل حیض شروع ہو گیا.........

سوال ایک عورت عمرے کا احرام باندھ کر آئی اور مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد اسے ایام شروع ہو گئے' مگر اس کا محرم فوری سفر کرنے کے لیے مجبور وناچار ہے اور مکہ میں اس کا کوئی محرم بھی نہیں تو اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے کہ حالت احرام میں طواف سے قبل حیض شروع ہو گیا اور اس کا محرم فوری سفر کے لیے مجبور وناچار ہے اور مکہ میں اس کا شوہر یا کوئی محرم نہیں تو اس حالت میں ضرورت کے باعث دخول مسجد اور طواف کے لیے حیض سے طہارت کی شرط اس سے ساقط ہو جائے گی۔ لہٰذا اسے چاہیئے کہ لنگوٹ باندھ کر طواف اور سعی کر لے اور اگر قرب مسافت کی وجہ سے اس کے لیے یہ بہ آسانی ممکن ہو کہ سفر کر لے اور طہارت کے فورا بعد اپنے شوہر یا کسی محرم کے ساتھ واپس آ کر حالت طہارت میں عمرہ کے لیے طواف کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے' ورنہ جو پہلے حکم بیان کیا گیا ہے اسی پر عمل کر سکتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۸۵)

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔"

اور فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج۲۲/ ۷۸)

"اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

اور فرمایا:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن۶۴/ ۱۶)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة ... الخ، ح:١٣٣٧ ومسند أحمد: ٢/ ٥٠٨ واللفظ له)

"میں جب تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

علاوہ ازیں دیگر بہت سی نصوص بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں آسانی ہے' تنگی نہیں۔ ہم نے جو ذکر کیا ہے اہل علم کی ایک جماعت نے بھی اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے' جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم رحمہما اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

طواف افاضہ کے دوران حیض شروع ہو گیا

سوال ایک عورت نے حج کے لیے سفر شروع کیا اور سفر شروع کرنے سے پانچ دن پہلے اس کے ایام شروع ہو گئے تھے اور میقات پر پہنچنے کے بعد اس نے غسل کر کے احرام باندھ لیا جب کہ وہ ابھی تک پاک نہیں ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد وہ حرم سے باہر رہی اور حج و عمرہ کے شعائر میں سے کوئی کام سرانجام نہ دیا اور پھر منیٰ میں دو دن گزارنے کے بعد وہ پاک ہو گئی' اس نے غسل کیا اور حالت طہارت میں تمام مناسک عمرہ ادا کیے لیکن جب وہ حج کے لیے طواف افاضہ کر رہی تھی تو پھر خون جاری ہو گیا مگر اس نے اسی حالت میں مناسک حج کی تکمیل کر لی اور اس کے بارے میں اپنے ولی کو اپنے شہر میں پہنچنے کے بعد بتایا' تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو اس مذکورہ عورت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ مکہ مکرمہ جائے اور حالت حیض میں کیے ہوئے طواف کے بجائے حج کی نیت سے طواف کرے اور طواف کے بعد مقام ابراہیم یا حرم میں کسی بھی دوسری جگہ دو رکعت نماز پڑھے اس سے اس کا حج مکمل ہو جائے گا۔

اگر حج کے بعد اس کے شوہر نے اس سے مجامعت کر لی ہے تو اسے ایک جانور ذبح کر کے فقراء مکہ میں تقسیم کر دینا چاہیے کیونکہ محرم عورت سے طواف افاضہ' عید کے دن رمی جمرہ اور بالوں کی کٹنگ کے بعد ہی اس کا شوہر مجامعت کر سکتا ہے۔

اگر یہ عورت حج تمتع کر رہی تھی اور اس نے حج سے قبل عمرہ کے لیے سعی نہیں کی تھی تو اس کے ذمہ صفا و مروہ کی سعی بھی لازم ہے اور اگر یہ حج قران یا حج افراد کر رہی تھی تو پھر اس پر دوسری سعی نہیں ہے جبکہ اس نے طواف قدوم کے ساتھ سعی کر لی ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ اس عورت کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے کہ اس نے حالت حیض میں طواف کر لیا' طواف سے قبل مکہ مکرمہ سے چلی گئی اور پھر اس طویل مدت تک طواف کو مؤخر کیا۔ ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب آٹھ تاریخ کو نفاس شروع ہو جائے ....

سوال اگر کسی عورت کا نفاس یوم ترویہ یعنی آٹھ ذوالحج کو شروع ہو اور وہ طواف و سعی کے علاوہ دیگر تمام ارکان حج مکمل کر لے اور پھر وہ دس دنوں بعد ہی یہ دیکھ لے کہ وہ پاک ہو گئی ہے تو کیا وہ غسل کر کے باقی رکن یعنی طواف حج کو بھی ادا کر لے؟

جواب ہاں اگر آٹھ تاریخ کو نفاس شروع ہو تو وہ حج کر سکتی یعنی لوگوں کے ساتھ عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کر سکتی ہے' اسی طرح رمی جمار' تقصیر اور قربانی بھی کر سکتی ہے اور اس طرح اس کے ذمہ صرف طواف اور سعی باقی رہ جائے گا اور انہیں پاک ہونے تک مؤخر کرنا ہو گا اور اگر وہ دس دنوں یا اس سے کم یا زیادہ میں پاک ہو جائے تو غسل کر کے نماز' روزہ' طواف اور سعی کر سکتی ہے۔ یاد رہے کم از کم نفاس کی کوئی حد محدود نہیں ہے' عورت دس دنوں سے کم یا زیادہ میں بھی پاک ہو سکتی ہے' ہاں البتہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ حد چالیس ایام ہے' اگر چالیس دن پورے ہو جائیں اور خون منقطع نہ ہو تو پھر وہ اپنے آپ کو پاک عورتوں کے حکم میں شمار کرے اور غسل کر کے نماز' روزہ شروع کر دے اور چالیس دنوں کے بعد جاری رہنے والے اس خون کو فاسد سمجھے اور اس کی موجودگی میں بھی نماز' روزہ اور اپنے شوہر سے مقاربت کر سکتی ہے لیکن روئی وغیرہ کے استعمال کے ذریعے خون سے حفاظت کرے' ہر نماز کے وقت میں وضو کرے اور اگر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو ملا کر پڑھ لے تو پھر بھی اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حمنہ بنت جحش کو یہی حکم دیا تھا۔ [1]

—— شیخ ابن باز ——

حائضہ عورت کا مسعی میں بیٹھنا

سوال کیا حائضہ عورت کے لیے مسعی میں بیٹھنا جائز ہے؟

جواب ہاں حائضہ عورت کے لیے مسعی میں بیٹھنا جائز ہے کیونکہ مسعی (صفا و مروہ کے درمیان کی وہ جگہ جہاں سعی کی جاتی ہے) مسجد حرام میں شمار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر طواف کے بعد اور سعی سے پہلے حائضہ ہو جائے تو وہ سعی کر سکتی ہے کیونکہ سعی طواف نہیں ہے اور نہ اس کے لیے طہارت شرط ہے' لہٰذا اگر حائضہ عورت مسعی میں بیٹھ کر اپنے اہل خانہ کا انتظار کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

[1] صحیح بخاری' الحیض' باب عرق الاستحاضۃ' حدیث: 327 و صحیح مسلم' الحیض' باب المستحاضۃ و غسلها و صلاتها' حدیث: 334

حج میں وکالت

رمی جمار میں وکالت

سوال رمی جمار میں کب وکالت جائز ہے؟ کیا کچھ ایسے ایام بھی ہیں' جن میں وکالت جائز نہیں؟

جواب تمام جمرات میں وکالت جائز ہے اس مریض کے لیے جو رمی کرنے سے عاجز ہو' اس حاملہ کے لیے جسے اپنے بارے میں خطرہ ہو' اس مرضعہ کے لیے جس کے بچوں کی حفاظت کے لیے کوئی نہ ہو' اور اس بوڑھے مرد و عورت کے لیے جو رمی کرنے سے عاجز ہوں' اسی طرح چھوٹے بچے اور بچی کی طرف سے ولی رمی کر سکتا ہے۔ وکیل اپنی طرف سے اور اپنے مؤکل کی طرف سے ہر جمرہ کے پاس ایک ہی وقت میں رمی کر سکتا ہے' وہ پہلے اپنی طرف سے رمی کرے اور پھر اپنے موکل کی طرف سے' الاّ یہ کہ وکیل کا نفل حج ہو تو پھر اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ اپنی طرف سے پہلے رمی کرے' لیکن یاد رہے رمی میں وکالت صرف حاجی ہی کر سکتا ہے' جو شخص حج نہ کر رہا ہو تو وہ رمی میں دوسرے کی وکالت بھی نہیں کر سکتا اور نہ اس کا کسی دوسرے کی طرف سے رمی کرنا جائز ہی ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

طاقت کے باوجود رمی میں نیابت

سوال کیا طاقتور شخص کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ رمی جمار کے لیے ایام تشریق کے دوسرے دن کسی اور شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے کیونکہ گھریلو حالات کی وجہ سے میرا آج ریاض واپس جانا ضروری ہے یا اس کی وجہ سے مجھ پر دم لازم ہو گا؟

جواب کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنائے اور رمی کی تکمیل سے قبل خود سفر کرے بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر اسے قدرت ہے تو خود رمی کرے اور اگر خود عاجز ہو تو انتظار کرے' کسی کو اپنا نائب مقرر کرے اور اس وقت تک سفر نہ کرے جب تک کہ اس کا وکیل رمی جمار سے فارغ نہ ہو جائے' پھر یہ موکل طواف وداع کرے اور پھر اس کے بعد وہ سفر کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص خود صحیح سالم ہو تو اس کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ خود رمی کرے کیونکہ اس نے جب حج کا احرام باندھا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی تکمیل بھی کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۶)

"اور اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو۔"

اسی طرح عمرہ کے لیے بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے کہ جب ایک دفعہ شروع کر دیا جائے تو پھر واجب ہے کہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ صحیح قول کے مطابق اس شخص کے لیے بعض اعمال حج میں وکالت جائز

نہیں جو انہیں سرانجام دینے پر قادر ہو اور اگر کوئی شخص رمی سے قبل سفر کر جائے تو اس کے لیے جانور ذبح کر کے فقراء مکہ کو کھلانا واجب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مریض' عورت اور بچے کی طرف سے رمی میں وکالت

سوال مریض' عورت اور بچے کی طرف سے رمی میں وکالت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مریض اور ایسی عورت جو خود رمی کرنے سے عاجز ہو مثلاً حاملہ' بہت بھاری بھرکم اور کمزور عورت کے لیے وکالت میں کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ طاقت ور اور صحت مند عورت کو خود رمی کرنی چاہیئے۔ جو شخص دن کے وقت زوال کے بعد رمی کرنے سے عاجز ہو وہ رات کو رمی کر لے' جو عید کے دن رمی نہ کر سکے وہ گیارہ کی رات کو رمی کرے' جو گیارہ تاریخ کو رمی نہ کر سکے وہ بارہ کی رات کو کر لے اور جو شخص بارہ تاریخ کو بھی نہ کر سکے یا زوال کے بعد رمی نہ کر سکے تو وہ تیرہ تاریخ کی رات کو رمی کر لے اور پھر اس کے بعد طلوع فجر کے ساتھ رمی کا وقت ختم ہو جائے گا۔ یاد رہے ایام تشریق میں دن کو زوال کے بعد ہی رمی کی جا سکتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ہجوم وغیرہ کی وجہ سے رمی میں وکالت

سوال کیا اس عورت کے لیے جو فرض حج ادا کر رہی ہو ہجوم وغیرہ کی وجہ سے رمی جمرات میں وکالت جائز ہے یا اسے خود ہی رمی کرنا پڑے گی؟

جواب رمی جمرات کے پاس رش کی وجہ سے جائز ہے کہ عورت کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دے خواہ اس کا حج فرض ہی کیوں نہ ہو۔ عورت مرض' کمزوری' حمل کی حفاظت جب کہ وہ حاملہ ہو نیز عزت حرمت کی حفاظت کی وجہ سے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر سکتی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سوال ایک عورت نے رمی جمار کے علاوہ دیگر تمام مناسک حج کو ادا کر دیا اور رمی کے لیے اس نے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیا کیونکہ اس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا اور یہ اس کا فرض حج تھا تو اس بارے میں کیا حکم ہے' فتویٰ دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر وثواب سے نوازے گا؟

جواب اس سلسلہ میں اس پر کچھ لازم نہیں' وکیل کا رمی کرنا جائز ہے۔ رمی جمار کے وقت رش کی وجہ سے عورتوں کے لیے خصوصاً جن کے ہمراہ بچے بھی ہوں' بہت خطرہ ہوتا ہے لہٰذا ان کے لیے وکالت جائز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

گاڑیوں کے رش کی وجہ سے وکیل مقرر کرنا

سوال جو شخص اپنی گاڑی خود چلا رہا ہو اور رش کی وجہ سے وہ نماز عصر تک راستے ہی میں رک جائے' کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ رمی جمرات کے لیے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دے؟

جواب مذکورہ شخص کے لیے خود رمی کرنا واجب ہے جب کہ اسے اس کی قدرت ہے اور اس نے خود ہی اپنے اختیار سے اپنے آپ کو گاڑیوں کے درمیان پھنسایا ہے' وہ رمی کرنے کے بعد بھی گاڑی چلا سکتا تھا' تاہم اس کے پاس اب بھی عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت باقی ہے اور یہ رمی اور نماز عصر بروقت ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رمی اور طواف وداع میں وکالت

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو دوسرے دن رمی جمرات کے لیے کسی کو اپنا وکیل مقرر کرے؟ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو طواف وداع میں کسی کو وکیل مقرر کر کے خود اپنے ملک کے لیے سفر پر روانہ ہو جائے؟ کیا اس کے لیے یہ جائز ہے جبکہ وہ خود بھی جوان ہو؟

جواب اولاً: اگر موکل خود رمی کرنے سے عاجز ہو اور وکیل حاجی' مکلف اور قابل اعتماد ہو تو رمی میں وکالت صحیح ہے اور خواہ موکل جوان ہی کیوں نہ ہو' وکیل کو چاہیے کہ پہلے خود اپنی طرف سے رمی کرے اور پھر اپنے موکل کی طرف سے' اگر موکل خود رمی کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا وکیل غیر مکلف یا غیر حاجی ہو تو پھر رمی میں وکالت صحیح نہیں اور اس پر دم لازم ہو گا۔

ثانیاً: طواف وداع اور بیت اللہ کے کسی بھی دوسرے طواف میں وکالت صحیح نہیں ہے' لہٰذا جو شخص طواف وداع میں کسی کو وکیل بناتا اور خود طواف نہیں کرتا تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور اس کے ذمہ دم لازم آتا ہے' یعنی طواف وداع ترک کرنے کی وجہ سے اسے حرم میں جانور ذبح کرنا ہو گا۔ موکل کو اس وقت تک سفر نہیں کرنا چاہیے جب تک وکیل رمی نہ کر لے اور رمی ختم ہونے کے بعد وہ خود طواف وداع نہ کر لے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

طواف میں وکالت جائز نہیں

سوال میری والدہ میرے والد کے ساتھ حج کے لیے گئیں اور ان کے ساتھ تین اور آدمیوں کی جماعت بھی تھی اور ہر آدمی کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی تاکہ سب مل کر فریضۂ حج ادا کر سکیں' چنانچہ ان سب نے فریضۂ حج ادا کیا لیکن طواف وداع کے وقت حرم حاجیوں سے بھرا ہوا تھا' لہٰذا میری والدہ کے ہمراہ عورتیں حرم میں داخل نہ ہو سکیں اور انہوں نے اپنے شوہروں کو وکیل بنا لیا لیکن میری والدہ نے نذر مانی کہ وہ خود طواف کرے گی اور پھر واقعی انہوں نے خود ہی طواف کیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ حرم کے اندر اس نذر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز کیا طواف وداع میں وکالت جائز ہے؟

جواب طواف میں وکالت جائز نہیں' خواہ طواف زیارت ہو یا وداع' لہٰذا جو شخص طواف ترک کر دے' اس کا حج مکمل نہیں' ہاں البتہ طواف وداع ترک کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ مکہ میں ایک جانور ذبح کر کے حرم کے مسکینوں کو کھلا دیا جائے' طواف وداع حائضہ و نفساء سے ساقط ہو جاتا ہے جبکہ انہوں نے طواف زیارت کیا ہو' اس نذر کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ طواف واجب کے لیے نذر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسے تو خود شریعت نے واجب قرار دے رکھا ہے' ہاں البتہ اگر کوئی شخص ایسے طواف کی نذر مانتا ہے جو واجب نہیں ہے تو پھر اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وہ بھی نذر ماننے کی وجہ سے واجب ہو جائے گا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا۟ تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا۟ نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا۟ بِٱلْبَيْتِ ٱلْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (الحج۲۲/ ۲۹)

"پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

نائب پہلے اپنی طرف سے رمی کرے

سوال جب کوئی آدمی اپنی طرف سے رمی کے ساتھ ساتھ اپنے ماں باپ کی طرف سے بھی رمی میں نیابت کرے تو کیا اس کے لیے کوئی خاص ترتیب لازم ہے یا اسے اختیار ہے کہ جس کی طرف سے چاہے پہلے رمی کر لے؟

جواب جب کوئی شخص اپنے ماں باپ کے مرض یا عجز کی وجہ سے رمی جمار میں ان کی نیابت کرے تو وہ پہلے اپنی طرف سے رمی کرے اور پھر اپنے ماں باپ کی طرف سے' اور والدین کی طرف سے رمی کرتے ہوئے اگر اپنی ماں کی طرف سے پہلے رمی کرے تو یہ افضل ہے کیوں کہ ماں کا حق زیادہ ہے' اور اگر پہلے باپ کی طرف سے رمی کرے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن پہلے اسے اپنی طرف سے خصوصاً جب کہ حج فرض ہو' رمی کرنا چاہیے۔

نفل حج میں کوئی حرج نہیں خواہ پہلے اپنی رمی کرے یا اپنے ماں باپ کی طرف سے' ہاں البتہ افضل اور احسن یہ ہے کہ پہلے اپنی طرف سے' پھر ماں کی طرف سے اور پھر باپ کی طرف سے رمی کرے اور ایک ہی موقف میں اور عید کے دن رمی کرے' عید کے علاوہ باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کرے اور ہر جمرہ کو اکیس اکیس کنکریاں مارے۔ اگر بعض کی طرف سے رمی کو بعض پر مقدم کر دے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر باپ کی طرف سے رمی کو ماں کی طرف سے رمی پر یا ان دونوں کی طرف سے رمی کو اپنی طرف سے رمی پر مقدم کر دے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ حج نفل ہو اور حج اگر فرض ہو تو پھر یہ ضروری ہے کہ پہلے اپنی طرف سے اور پھر اپنے ماں باپ کی طرف رمی کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

سعی میں وکالت

سوال جو شخص حج یا عمرہ کی سعی سے عاجز ہو تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ سعی یا طواف میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے؟ اور اگر حج کا وقت ختم ہونے کے بعد وہ خود تندرست ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب طواف اور سعی میں وکالت صحیح نہیں ہے بلکہ لازم یہ ہے کہ طواف اور سعی کو خود کیا جائے خواہ اس کے لیے چارپائی یا گاڑی وغیرہ کا استعمال کیوں نہ کرنا پڑے۔ اگر کسی کو شدت مرض کے باعث اس کی بھی طاقت نہ ہو تو وہ بدستور حالت احرام میں رہے اور شفایاب ہونے کے بعد طواف و سعی کرے خواہ کئی ماہ گزر جائیں بشرطیکہ اس کے شفایاب ہونے کی امید ہو' اس کے لیے احرام کو ختم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوتا اور اگر کوئی شخص شفایاب ہونے سے مایوس ہو جائے تو وہ محصر (راستے میں روکے ہوئے شخص) کی طرح ہے' اسے چاہیے کہ ایک بکری ذبح کر کے حرم کے مسکینوں کو کھلا دے اور حلال ہو جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۶)

"اور اگر (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو۔)"

اور اگر بکری کی قیمت موجود نہ ہو تو پھر دس روزے رکھے اور پھر حلال ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص عرفہ سے قبل بیمار ہو جائے اور وقوف عرفہ نہ کر سکے تو اس کا حج فوت ہو گیا' لہٰذا اسے چاہیے کہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اعمال حج

قربانی کے دن کے اعمال اور تقدیم و تاخیر

سوال قربانی کے دن حاجی کے لیے کون سے اعمال افضل ہیں اور کیا ان میں تقدیم و تاخیر بھی جائز ہے؟

جواب قربانی کے دن سنت یہ ہے کہ جمرات کی رمی کی جائے۔ جمرہ عقبہ سے جو مکہ کے ساتھ ملا ہوا ہے آغاز کیا جائے۔ اسے سات کنکریاں ماری جائیں' ہر کنکری الگ الگ ماری جائے' ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی جائے اور اگر ہدی پاس ہو تو پھر ہدی کو ذبح کیا جائے' پھر حاجی سر کے بال منڈوایا کٹوا دے لیکن بالوں کو منڈوانا افضل ہے۔ پھر طواف کرے اور اگر سعی لازم ہو تو سعی بھی کرے۔ افضل تو یہی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی پہلے رمی کی' پھر قربانی کی' پھر بال منڈوائے اور پھر مکہ مکرمہ جا کر طواف کیا' تو یہ ترتیب افضل ہے' اور ان میں سے اگر کسی عمل کو دوسرے سے مقدم کر دیا تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر رمی سے پہلے قربانی کر دی' یا رمی سے پہلے افاضہ کر لیا' یا رمی سے پہلے بالوں کو منڈوا دیا' یا قربانی سے پہلے بالوں کو منڈوا دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب ان اعمال میں تقدیم و تاخیر کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا:

«لاَ حَرَجَ لاَ حَرَجَ»(صحيح البخاري، الحج، باب الذبح قبل الحلق، ح:١٧٢١ وصحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي ... الخ، ح:١٣٠٦، ١٣٠٧)

"اس میں کوئی حرج نہیں' اس میں کوئی حرج نہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

تحلل اول و ثانی کے معنی

سوال تحلل اول اور ثانی سے کیا مراد ہے؟

جواب تحلل اول سے مراد یہ ہے کہ حاجی تین میں سے دو کام کرے یعنی رمی اور حلق یا تقصیر کرے یا رمی اور طواف کرے یا طواف و حلق یا تقصیر کرے تو یہ تحلل اول ہے۔ اور جب وہ تینوں کام ہی کر لے یعنی رمی، طواف اور سر کے بالوں کو منڈوایا یا کٹوا لے تو یہ تحلل ثانی ہے۔ جب آدمی ان تینوں میں سے کوئی دو کام کر لے تو وہ سلا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے، خوشبو استعمال کر سکتا ہے اور بیوی سے جنسی تعلق کے سوا ہر وہ کام اس کے لیے حلال ہو جاتا ہے، جو احرام کی وجہ سے حرام ہو گیا تھا۔ اور جب وہ تیسرا کام بھی سرانجام دے دے تو وہ مکمل طور پر حلال ہو جاتا ہے اور اس کے لیے جنسی عمل بھی جائز ہو جاتا ہے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ جب آدمی عید کے دن رمی جمرہ کر لے تو اسے تحلل اول حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک جید (عمدہ) قول ہے، لہٰذا انسان ایسا کرے تو ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں، لیکن افضل اور زیادہ محتاط بات یہ ہے کہ جلدی نہ کرے حتیٰ کہ اس کے بعد دوسرا عمل بھی کر لے یعنی بال منڈوا لے یا کٹوا لے یا رمی جمرہ کے بعد طواف کر لے کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے اگرچہ اس کی سند محل نظر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا رَمَيْتُمْ وَحَلَقْتُمْ فَقَدْ حَلَّ لَكُمُ الطِّيبُ وَالثِّيَابُ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلاَّ النِّسَاءَ» (مسند أحمد: ٦/ ١٤٣)

"جب تم رمی کر لو اور بال منڈوا لو تو تمہارے لیے سوائے عورتوں کے خوشبو، کپڑے (عام لباس) اور ہر چیز حلال ہے۔"

اس باب کی کچھ اور احادیث بھی ہیں جن سے یہی ثابت ہے اور پھر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عید کے دن جمرہ کو رمی کی، ہدی کو نحر کیا اور بال منڈوا دیئے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خوشبو لگائی تھی، ظاہر نص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رمی، نحر اور حلق کے بعد خوشبو استعمال فرمائی تھی۔ لہٰذا افضل اور محتاط بات یہ ہے کہ تحلل اول اس وقت تک اختیار نہ کرے جب تک رمی، حلق یا تقصیر نہ کر لے اور اگر یہ ممکن ہو کہ رمی کے بعد اور بال منڈوانے سے پہلے ہدی کو نحر کر لے تو یہ افضل بھی ہے اور اس طرح تمام احادیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف اور سعی

تحیۃ المسجد کی جگہ بھی طواف کی دو رکعتیں ....

سوال جب میرا عمرہ یا حج کا ارادہ ہو اور میں نے احرام باندھا ہو تو مسجد حرام میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھوں یا براہ راست طواف شروع کر دوں؟

جواب حج یا عمرہ کرنے والا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو تو اس کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے طواف شروع کرے' طواف کی دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی جگہ بھی کافی ہوں گی' ہاں البتہ اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت طواف سے کوئی شرعی عذر مانع ہو تو پھر پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ لی جائیں اور پھر جب آسانی سے ممکن ہو طواف کر لیا جائے' اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت داخل ہو جب جماعت کھڑی ہو گئی ہو تو وہ پہلے باجماعت نماز ادا کرے اور پھر اس کے بعد طواف کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

کعبہ سے دور ہو کر طواف

سوال مقام (ابراہیم) یا زمزم کے پیچھے سے طواف کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں حتیٰ کہ اگر برآمدہ میں سے طواف کیا جائے تو وہ بھی صحیح ہو گا' لیکن جس قدر کعبہ سے قریب ہو افضل ہے بشرطیکہ گنجائش ہو اور رش نہ ہو۔ اور اگر کعبہ کے قریب ہو کر طواف کرنے میں دشواری ہو تو پھر دور سے طواف کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

———— شیخ ابن باز ————

حرم کی بالائی منزل سے طواف

سوال میں نے گزشتہ سال ۱۴۰۰ھ میں حج کیا تھا اور جب میں ایام تشریق کے دوسرے دن زوال کے فوراً بعد مکہ میں واپس آیا تو طواف وداع کے لیے سیدھا کعبہ کی طرف چلا گیا۔ ہمارے خیمے منیٰ کے آخر میں تھے تو وہاں سے پیدل چل کر ہم سیدھے حرم کی طرف چلے گئے اور جب حرم میں پہنچے تو دیکھا تو وہ لوگوں سے اس قدر بھرا ہوا ہے کہ طواف کرنے والے برآمدہ تک پہنچے ہوئے ہیں' یہ ظہر کا وقت تھا' ہم بہت تھکے ہوئے بھی تھے تو میرے دونوں ساتھیوں نے کہا کہ آؤ ہم بالائی منزل سے طواف کر لیں اور اس طرح دھوپ اور رش سے بھی بچ جائیں گے' چنانچہ ہم نے طواف کیا اور اپنے وطن واپس لوٹ گئے اور جب اس سال ہم حج کے لیے آئے اور منیٰ میں ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت وارشاد کے بعض شیوخ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو بعض نے کہا کہ بے پناہ رش کی وجہ سے جب لوگ برآمدے میں بھی طواف کر رہے تھے تو بالائی منزل میں طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ جائز نہیں کیونکہ بالائی منزل کعبہ کی سطح سے اونچی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو پھر بالائی منزل میں طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں' آپ کا طواف صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

حامل اور محمول کی نیت سے طواف

سوال جب سعی یا طواف کرنے والے نے کسی چھوٹے بچے یا مریض کو اٹھا رکھا ہو تو کیا ایک طواف یا سعی حامل اور محمول دونوں کی طرف سے کافی ہو گا؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق حامل اور محمول کی طرف سے جب نیت کر لی گئی ہو تو ایک ہی طواف یا سعی کافی ہو گی۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حجر کے اندر سے طواف

سوال ایک شخص نے حجر اسماعیل کے اندر سے طواف کیا' سعی کی' احرام کھول دیا اور گھر جا کر اپنی بیوی سے صحبت کر لی تو کیا اسے اس کا گناہ ہو گا؟

جواب یہ عمرہ فاسد ہے کیونکہ اس کا طواف صحیح نہیں ہے۔ اسے چاہیئے کہ دوبارہ طواف اور سعی کرے' بال منڈوائے اور دم دے۔ دم کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کی تکمیل سے پہلے اس نے اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے' اس کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں ایک بکری ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دے' نیز اس نے حجر کے اندر سے جو طواف کیا ہے' وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ضروری ہے کہ طواف حجر کے باہر سے کیا جائے' حجر کے اندر سے طواف کرنے کی وجہ سے اس کا یہ عمرہ فاسد ہو گیا ہے لہٰذا اسے صحیح عمرہ کرنا چاہیئے اور اس کے لیے اسی میقات سے احرام باندھنا چاہیئے جس سے اس نے پہلے احرام باندھا تھا' نیز بیوی سے صحبت کی وجہ سے اس نے اپنے عمرہ کو جو فاسد کر لیا ہے لہٰذا اس پر واجب ہے کہ دوبارہ عمرہ کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

حجر کے اندر سے طواف

سوال کیا حج یا عمرہ کرنے والے کے لیے یہ صحیح ہے کہ طواف کرتے ہوئے وہ حجر اسماعیل کے اندر داخل ہو کر طواف کرے؟

جواب حج یا عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کرنے والے یا نفل طواف کرنے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حجر اسماعیل میں داخل ہو' اگر کسی نے حجر کے اندر سے طواف کیا تو اس کا یہ طواف صحیح نہیں ہو گا کیونکہ طواف بیت اللہ کے باہر سے کرنا ہے اور حجر تو بیت اللہ کا حصہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلْيَطَّوَّفُوا۟ بِٱلْبَيْتِ ٱلْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (الحج ٢٢/ ٢٩)

"اور چاہیے کہ وہ (لوگ) خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔"

امام مسلم اور کئی دیگر ائمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«هُوَ مِنَ الْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب جدر الكعبة وبابها، ح:٤٠٥/١٣٣٣ وسنن ابن ماجه، الحج، باب الطواف بالحجر، ح:٢٩٥٥ واللفظ له)

"وہ بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ میری یہ خواہش تھی کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھوں' تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِذَا أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ» (سنن أبي داود، المناسك، باب الصلاة في الحجر، ح:٢٠٢٨ وجامع الترمذي، ح:٨٧٦ وسنن النسائي، ح:٢٩١٥)

"جب بھی تو بیت اللہ میں داخل ہونا چاہے تو حجر کے اندر نماز پڑھ لے کیونکہ وہ (حجر) بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

رش میں عورتوں کے لیے حجر اسود کا بوسہ

سوال میں نے بعض طواف کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے اپنی عورتوں کو آگے دھکیل رہے تھے تو ان میں سے کون سا عمل افضل ہے حجر اسود کو بوسہ دینا یا مردوں کے ہجوم سے دور رہنا؟

جواب اگر سائل نے یہ عجیب صورت حال دیکھی ہے تو میں نے اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز صورت دیکھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ فرض نماز کے سلام سے بھی پہلے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوڑ کر حجر اسود کو بوسہ دیں اور اس طرح وہ اپنی فرض نماز کو ضائع کر بیٹھتے ہیں' جو ارکان اسلام میں سے ایک ہے' اس عمل کی وجہ سے جو واجب نہیں ہے بلکہ مشروع بھی نہیں ہے الا یہ کہ طواف میں حجر اسود کو بوسہ دے' لہٰذا لوگوں کا یہ عمل جہالت پر مبنی ہے' جس کی وجہ سے انسان افسوس ہی کر سکتا ہے کیونکہ حجر اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کو چھونا صرف طواف ہی میں سنت ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ طواف کے علاوہ بھی حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہو اور اگر کسی شخص کو علم ہو کہ یہ سنت ہے اور وہ اس کی دلیل سے ہمیں بھی آگاہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر سے نوازے گا۔

ہمارے علم کے مطابق حجر اسود کو بوسہ دینا طواف کی سنتوں میں سے ایک ہے اور پھر یہ مسنون بھی اس صورت میں ہے کہ اس سے کسی طواف کرنے والے یا کسی دوسرے انسان کو کوئی اذیت نہ پہنچے اور اگر اس سے کسی کو اذیت پہنچے تو پھر ہمیں وہ دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مقرر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انسان حجر اسود کو ہاتھ سے چھولے اور اپنے ہاتھ کو بوسہ دے لے[1] اور اگر اس میں بھی کوئی اذیت یا مشقت ہو تو پھر ہمیں وہ تیسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہم دونوں ہاتھوں سے نہیں بلکہ صرف اپنے دائیں ہاتھ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر دیں اور اس صورت میں اپنے ہاتھ کو بوسہ نہ دیں'[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔

---

(1) صحیح بخاری' الحج' تقبیل الحجر' حدیث: 1610 ـ 1611 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1268

(2) صحیح مسلم' الحج' باب جواز الطواف علی البعیر' حدیث: 1273 ـ 1274

سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی خواتین کو حجر اسود کے بوسہ کے لیے آگے دھکیلتے ہیں تو یہ بے حد غیر محتاط اور نامناسب ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عورت حاملہ ہو یا بڑھیا ہو یا ایسی دوشیزہ ہو جسے اس دھکم پیل کی استطاعت نہ ہو یا اس نے بچے کو اٹھا رکھا ہو۔ عورتوں کو دھکیلنا انتہائی منکرات ہے کیونکہ اس سے انہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے' مردوں کو بھی اس سے تنگی اور بھیڑ کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ سب صورتیں حرمت یا کراہت سے خالی نہیں ہیں' لہذا مردوں کو چاہیئے کہ وہ اس طرح نہ کریں' جب اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں گنجائش رکھی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اپنے آپ پر سختی نہیں کرنی چاہیئے ورنہ اللہ تعالیٰ بھی سختی فرمائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رکن یمانی کو چھونا اور اشارہ کرنا

سوال کعبہ مشرفہ کے رکن جنوبی و غربی کو چھونے یا اشارہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ رکن یمانی اور حجر اسود کے پاس تکبیروں کی تعداد کتنی ہونی چاہیئے' رہنمائی فرمائیں؟

جواب طواف کرنے والے کے لیے مشروع یہ ہے کہ طواف کے ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کو چھوئے اور مستحب یہ ہے کہ ہر چکر میں حجر اسود کو چھونے کے ساتھ بوسہ بھی دے حتیٰ کہ اگر آسانی سے ممکن ہو تو آخری چکر میں بھی بوسہ دے۔ اگر مشقت ہو تو پھر بھیڑ کرنا مکروہ ہے' لہذا اس صورت میں ہاتھ یا عصا سے اشارہ کرے اور تکبیر کہے...... ہمارے علم کے مطابق رکن یمانی کی طرف اشارے کی کوئی دلیل نہیں ہے' اگر مشقت نہ ہو تو اسے دائیں ہاتھ سے چھوا جائے' بوسہ نہ دیا جائے اور یہ کہا جائے باسم اللہ واللہ اکبر یا اللہ اکبر........ مشقت ہو تو پھر اسے ہاتھ لگانا مشروع نہیں ہے' اس صورت میں اشارہ یا تکبیر کے بغیر بس اپنے طواف کو جاری رکھے کیونکہ اس صورت میں اشارہ یا تکبیر نبی کریم ﷺ یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرة والزیارة" میں بیان کیا ہے۔

تکبیر صرف ایک بار ہے' اس کی تکرار کی کوئی دلیل نہیں۔ طواف میں جو آسانی سے ممکن ہوں دعائیں اور اذکار پڑھے جائیں اور جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے' طواف کے ہر چکر کو اس مشہور دعا پر ختم کیا جائے:

﴿ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلْأَخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۰۱)

"اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخش اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔"

یاد رہے تمام اذکار اور دعائیں طواف اور سعی میں سنت ہیں' واجب نہیں ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

طواف اور سعی میں طہارت

سوال کیا طواف اور سعی کے لیے طہارت لازم ہے؟

جواب صرف طواف کے لیے طہارت لازم ہے۔ سعی کے لیے افضل یہ ہے کہ طہارت کے ساتھ کی جائے اور اگر کسی نے طہارت کے بغیر سعی کر لی تو وہ بھی جائز ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف میں عورت کو چھونے کے بارے میں حکم

سوال ایک شخص بے حد رش میں طواف افاضہ کر رہا تھا کہ اس نے ایک اجنبی عورت کے جسم کو چھو لیا تو کیا اس سے طواف باطل ہو جائے گا؟ اور کیا وضو پر قیاس کرتے ہوئے اسے دوبارہ طواف شروع کرنا ہو گا؟

جواب اگر انسان طواف یا بھیڑ میں یا کسی بھی جگہ عورت کے جسم سے چھو جائے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس سے طواف یا وضو کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس مسئلہ میں علماء کے کئی اقوال ہیں کہ لمس عورت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مطلقاً وضو نہیں ٹوٹتا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اگر لمس شہوت سے ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن ان میں سے زیادہ راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مطلقاً وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کو بوسہ دیا اور پھر نماز ادا کی اور وضو نہ فرمایا اور پھر اصل وضو اور طہارت کی سلامتی ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے' الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ لمس عورت سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے اور یہ جو قرآن مجید میں ہے:

﴿أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ﴾ (المائدۃ: ٥/٦)

"یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔"

تو اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد جماع ہے' اسی طرح دوسری قراءت "اَوْلَمَسْتُمُ النِّسَآءَ" کے مطابق بھی اس سے مراد جماع ہی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سے منقول ہے' اس سے محض لمس مراد نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد جماع ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا طواف میں عورت کے جسم سے لمس ہو جائے اس کا طواف صحیح ہے' وضو بھی صحیح ہے' جو شخص اپنی بیوی کو مس کرے یا اسے بوسہ دے تو اس کا وضو صحیح ہے' بشرطیکہ اس سے کوئی چیز خارج نہ ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

آدھی رات سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی اور طہارت کے بغیر طواف

سوال میں نے حج کرتے ہوئے آدھی رات سے قبل جمرہ کبریٰ کو رمی کر لی اور پھر طواف افاضہ کے لیے فوراً حرم کی طرف چلا گیا اور طواف کرتے ہوئے میرا وضو ٹوٹ گیا لیکن رش کی وجہ سے میں نے اسی طرح طواف مکمل کر لیا اور طواف کی دو رکعتیں بھی نہ پڑھ سکا' پھر میں نے حدود حرم اور منیٰ کو چھوڑ دیا اور پھر نماز مغرب کے بعد ہی واپس لوٹا تو سوال یہ ہے کہ اس سے مناسک حج میں کوئی خلل آیا یا نہیں' یاد رہے میرا یہ حج مفرد تھا؟

جواب آدھی رات سے قبل رمی جمرہ جائز نہیں کیونکہ رمی جمرہ کا اول وقت قربانی (دس ذوالحجہ) کی آدھی رات کے بعد ہے' اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے لہٰذا آدھی رات سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے۔

ثانیاً: طواف اگر آدھی رات سے پہلے کیا یا بعد میں وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ طواف طہارت کے بغیر کیا گیا ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے کہ طواف کے دوران اس کا وضو ٹوٹ گیا تھا' لہٰذا صحیح قول کے مطابق اس نے گویا طواف کیا ہی نہیں لہٰذا اس شخص پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ رمی اور طواف کرے' بغیر وضو کیا ہوا یہ طواف صحیح نہیں ہے اور اگر رمی کے اوقات گزر جانے کے بعد اسے یہ یاد آئے تو پھر اس پر دم لازم ہے کیونکہ اس نے درحقیقت رمی کی ہی نہیں' لہٰذا ترک رمی کی وجہ سے اس کے ذمہ دم لازم ہے' اسی طرح طواف بھی لازم ہے خواہ کسی وقت بھی کر لے خواہ ذوالحجہ کے آخر میں یا محرم میں کر لے تاکہ حج مکمل ہو جائے' ترک رمی کی وجہ سے جانور کو مکہ مکرمہ ہی میں ذبح کر کے حرم کے فقراء میں تقسیم کرنا ہو گا۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن باز ———

جب دوران طواف نماز کھڑی ہو جائے

سوال حاجی یا معتمر نے طواف اور سعی مکمل نہیں کی اور نماز کھڑی ہو گئی تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے کہ وہ کیا کرے؟

جواب وہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھے پھر اپنے طواف اور سعی کو مکمل کرے جہاں سے اس نے ختم کیا تھا۔ یعنی جہاں سے طواف چھوڑا تھا اب وہیں سے شروع کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب طواف کرتے ہوئے جماعت کھڑی ہو جائے

سوال اگر کوئی انسان بیت اللہ شریف کا طواف شروع کرے اور ابھی تین یا چار چکر ہی لگائے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ کیا طواف کو قطع کر دے یا مکمل کرے؟ اور اگر قطع کر دے تو کیا دوبارہ اسی جگہ سے شروع کرے جہاں چھوڑا تھا یا از سر نو طواف شروع کرے؟

جواب جب جماعت کھڑی ہو جائے اور آدمی طواف کر رہا ہو تو وہ نماز میں شریک ہو جائے اور نماز سے فراغت کے بعد باقی طواف کی تکمیل کرے' نماز سے پہلے چکر اگر مکمل نہ ہو تو اسے شمار نہ کرے' یاد رہے مکمل چکر وہ ہے جو حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود پر ختم ہو اور اگر چکر ابھی مکمل نہ ہو تو دوبارہ حجر اسود سے شروع کرے' احتیاط اسی میں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو تو ....

سوال گزشتہ رمضان میں میں نے عمرہ ادا کیا تھا' طواف کے آخر میں مجھے یہ شک پڑ گیا کہ چکر چھ ہوئے ہیں یا سات'

لہٰذا اس خوف کو دور کرنے کے لیے کہ چکروں کی تعداد کم نہ رہ جائے نیز شک کو دور کرنے کے لیے میں نے ایک اور چکر لگالیا تھا لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا اس سلسلہ میں مجھ پر کچھ لازم ہے یا نہیں؟

جواب آپ نے اچھا کیا کہ ایک چکر اور لگالیا' آپ پر یہی واجب تھا کیونکہ جسے طواف و سعی کے چکروں میں شک ہو تو اسے چاہیئے کہ یقین یعنی کم تعداد پر بنا رکھے جیسا کہ نماز میں اگر شک ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ یقین پر بنا رکھے اور یقینی تعداد کم یعنی تین ہے اور پھر اس کے بعد چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کر لے خواہ امام ہو یا منفرد لیکن مقتدی اپنے امام ہی کے تابع ہوتا ہے' اسی طرح طواف اور سعی میں جسے شک ہو کہ اس نے چھ چکر لگائے ہیں یا سات تو اسے بھی یقینی یعنی کم تعداد پر بنا رکھنی چاہیئے اور اس کے بعد ساتواں چکر لگا لے' اس کے علاوہ اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

طواف کی دو رکعتیں -----

سوال کیا طواف کی دو رکعتوں کے بارے میں یہ لازم ہے کہ مقام کے پیچھے ہی ادا کی جائیں؟ نیز جو شخص انہیں ادا کرنا بھول جائے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان دو رکعتوں کا مقام کے پیچھے ادا کرنا لازم نہیں ہے' بلکہ انہیں حرم میں ہر جگہ ہی ادا کیا جا سکتا ہے اور جو انہیں بھول جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ سنت ہیں' واجب نہیں ہیں۔ واللہ الموفق

—— شیخ ابن باز ——

جسے طواف قدوم کی استطاعت نہ ہو ....

سوال جسے طواف قدوم کی استطاعت نہ ہو کہ وہ مکہ مکرمہ میں یوم عرفہ کی عصر کے وقت پہنچا ہو تو کیا وہ حرم میں جانے کے بغیر سیدھا عرفہ چلا جائے یا کیا کرے؟

جواب اس شخص کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مکہ میں داخل ہو کر طواف و سعی کرے' حالت احرام میں برقرار رہ کر عرفات چلا جائے اور وہاں جب تک اللہ تعالیٰ چاہے وقوف کرے' خواہ یہ وقوف رات ہی کو کر لے' پھر رات بسر کرنے کے لیے مزدلفہ چلاجائے اور اگر چاہے تو عرفات چلا جائے' غروب آفتاب تک وہاں وقوف کر لے' پھر لوگوں کے ساتھ مزدلفہ چلا جائے' وہاں مغرب و عشاء کی نمازیں ادا کرے اور شب بسر کرے اور پھر اس کے بعد قربانی کے دن یا اس کے بعد طواف اور سعی کرے اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس پر کوئی دم وغیرہ لازم ہے جب کہ اس نے صرف حج ہی کا احرام باندھا ہو اور اگر اس نے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا ہو تو پھر اس پر ہدی تمتع لازم ہو گی اور وہ ہے اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا مسنہ بکری یا بھیڑ کا ایک سال کا بچہ جسے' منیٰ یا مکہ میں ذبح کرے اور اس سے خود بھی کھائے اور صدقہ بھی کرے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِّيَشْهَدُوا مَنَـٰفِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا ٱسْمَ ٱللَّهِ فِىٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومَـٰتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنۢ بَهِيمَةِ

ٱلْأَنْعَٰمِ فَكُلُوا۟ مِنْهَا وَأَطْعِمُوا۟ ٱلْبَآئِسَ ٱلْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ (الحج ٢٢/ ٢٨)

”تاکہ وہ (لوگ) اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایام معلوم میں چوپائے مویشیوں کے ذبح کے وقت جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں' ان پر اللہ کا نام لیں' اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو بھی کھلاؤ۔“

——— شیخ ابن باز ———

طواف افاضہ سے قبل وفات

سوال ایک شخص نے طواف افاضہ کے علاوہ دیگر تمام اعمال حج پورے کر لے اور پھر وہ فوت ہو گیا تو کیا اس کی طرف سے یہ طواف کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب جو شخص طواف افاضہ کے سوا دیگر تمام اعمال حج کو پورا کر لے اور پھر فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے طواف نہیں کیا جائے گا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑا تھا کہ اپنی سواری سے گر گیا جس سے اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوت ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، (وَلاَ تُحَنِّطُوهُ) وَلاَ تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ وَلاَ وَجْهَهُ فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب المحرم يموت بعرفة ... الخ، ح:١٨٤٩، ١٨٥٠ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يفعل بالمحرم إذا مات، ح:١٢٠٦ واللفظ لمسلم)

”اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو' احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں کفن دے دو' خوشبو استعمال نہ کرو' اس کے سر کو نہ ڈھانپو' اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ شخص تلبیہ کہہ رہا ہو گا۔“

نبی ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا کہ اس کی طرف سے طواف کیا جائے بلکہ آپ نے یہ خبر دی کہ اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ کہہ رہا ہو گا کیونکہ وہ حالت احرام میں باقی رہا کہ نہ اس نے خود طواف کیا اور نہ اس کی طرف سے طواف کیا گیا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

طواف کو سعی سے مؤخر کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے طواف افاضہ تو کر لیا لیکن سعی نہ کی' حتیٰ کہ ایام تشریق کے آخری دن کا سورج بھی غروب ہو گیا اور اگر یہ اس دن غروب آفتاب کے بعد اور ایام تشریق کے بعد سعی کرے تو اس سعی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ایام تشریق کے آخری دن یا اس کے بعد سعی کرنا صحیح ہے اور اس تاخیر میں کوئی حرج نہیں کیونکہ سعی کی صحت

کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ طواف ہی کے ساتھ متصل ہو لیکن نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے پیش نظر کمال کی بات یہی ہے کہ سعی طواف کے متصل بعد ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

رمی یا وقوف عرفہ سے قبل طواف افاضہ

سوال کیا یہ جائز ہے کہ جمرہ عقبہ کبریٰ کی رمی یا وقوف عرفہ سے قبل طواف افاضہ اور سعی کر لی جائے' رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب حج کے طواف اور سعی کو رمی سے پہلے سرانجام دینا جائز ہے لیکن طواف حج کو عرفات سے پہلے یا قربانی کی نصف رات سے پہلے سرانجام دینا جائز نہیں کیونکہ جب عرفات سے واپس لوٹے اور عید کی رات مزدلفہ سے واپس آئے تو پھر اس کے لیے یہ جائز ہے کہ قربانی کی رات کے نصف اخیر میں طواف اور سعی کرے' نیز قربانی کے دن رمی سے پہلے بھی طواف اور سعی کر سکتا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے رمی سے پہلے افاضہ کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ»(صحيح البخاري، الحج، باب الذبح قبل الحلق، ح:١٧٢٢ وصحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي ... الخ، ح:١٣٠٦، ١٣٠٧)

"کوئی حرج نہیں۔"

لہٰذا جب عید کی صبح یا رات کے آخری حصہ میں مزدلفہ سے آئیں تو عورتوں اور ان جیسے کمزور لوگوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ پہلے طواف کر لیں تاکہ عورت کے ایام نہ شروع ہو جائیں' اسی طرح کمزور مردوں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ پہلے طواف کر لیں اور پھر رمی کر لیں' اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے رمی کی جائے' پھر ہدی کو نحر کیا جائے' اگر ہدی موجود ہو' پھر بالوں کو منڈوایا یا کٹوایا جائے لیکن منڈوانا افضل ہے' پھر آخری طواف کیا جائے' رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا کہ عید کے دن جمرہ کو رمی کی'[1] پھر خوشبو استعمال فرمائی' پھر سواری کے ذریعہ بیت اللہ تشریف لے گئے اور طواف فرمایا لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے بعض اعمال کو بعض دیگر سے پہلے کر لے مثلاً رمی سے پہلے نحر کر لے یا قربانی سے پہلے بال منڈا لے یا رمی سے پہلے بال منڈا لے یا رمی سے پہلے طواف کر لے یا قربانی سے پہلے طواف یا بال منڈانے سے پہلے طواف کر لے تو الحمدللہ یہ تمام صورتیں جائز ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب تقدیم و تاخیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ لاَ حَرَجَ»(صحيح البخاري، الحج، باب الذبح قبل الحلق، ح:١٧٢١ وصحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي ... الخ، ح:١٣٠٦، ١٣٠٧)

"کوئی حرج نہیں' کوئی حرج نہیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

---

[1] صحیح مسلم' الحج' باب حجۃ النبی ﷺ' حدیث: 1218

طواف افاضہ میں تاخیر

سوال کیا طواف افاضہ کو طواف وداع کے ساتھ مؤخر کرنا جائز ہے؟ کیا حاجی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ طواف کے سات چکروں میں پانی پینے کے لیے وقفہ کرے؟

جواب رش وغیرہ کے خوف کی وجہ سے طواف افاضہ کو مؤخر کرنا جائز ہے' لہٰذا مکہ سے رخصت ہوتے ہوئے افاضہ اور وداع کی نیت سے طواف کر لے تو یہ دونوں سے کفایت کرے گا اور اس کے بعد رخصت ہو جائے تاکہ اس پر یہ بات صادق آسکے کہ اس نے آخری لمحات بیت اللہ میں گزارے ہیں' لیکن افضل یہ ہے کہ طواف افاضہ عید کے دن یا ایام تشریق میں کیا جائے جب کہ اسے مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔

طواف کے چکروں میں تھوڑا سا وقفہ کرنا جائز ہے مثلاً اس قدر کہ وضو کی تجدید کی جا سکے' پانی پیا جا سکے' فرض نماز یا نماز جنازہ وغیرہ ادا کی جا سکے۔

اگر وقفہ طویل ہو مثلاً آدھا گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ تو پھر صحیح بات یہ ہے کہ اس سے طواف باطل ہو جائے گا' لہٰذا اسے چاہیئے کہ اس قدر طویل وقفہ کے بعد طواف از سر نو شروع کرے۔ صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

طواف افاضہ' طواف وداع سے بھی کفایت کرتا ہے

سوال جو شخص طواف افاضہ مؤخر کر دے اور پھر طواف افاضہ اور طواف وداع کی نیت کر کے ایک ہی طواف کر لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا طواف افاضہ رات کو بھی کیا جا سکتا ہے؟

جواب اعمال حج کے بعد سفر کے وقت اگر یہ طواف کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' طواف افاضہ' طواف وداع سے بھی کفایت کر جائے گا خواہ طواف افاضہ کے ساتھ طواف وداع کی نیت کرے یا نہ کرے۔ مقصود یہ ہے کہ طواف افاضہ' طواف وداع سے بھی کفایت کر جاتا ہے جب کہ وہ مکہ سے خروج کے وقت کیا جائے اور اگر ان دونوں (طواف افاضہ اور وداع) کی نیت کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ یاد رہے طواف افاضہ اور طواف وداع دن ہو یا رات ہر وقت کرنا جائز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف وداع کے بعد کیا واجب ہے؟

سوال طواف وداع کے بعد حاجی کے ذمہ کیا واجب ہے؟

جواب طواف وداع اعمال حج میں سے آخری عمل ہے۔ اس کے بعد حاجی کو ملتزم کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ بیت اللہ شریف آنے کی توفیق عطا فرمائے' یہ اس کی آخری حاضری نہ ہو' اس کے علاوہ اور بھی مناسب دعائیں کرے اور پھر معمول کی چال کے ساتھ بیت اللہ شریف سے نکل جائے یعنی یہ حکم شریعت نہیں کہ واپسی کے وقت وہ الٹے پاؤں چلے بلکہ معمول ہی کی چال چلے کہ بیت اللہ شریف اس کے پیچھے ہو اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو

جائے اور اگر کسی ضرورت کے بغیر طواف وداع کے بعد مکہ میں طویل قیام کیا ہو مثلاً نصف دن تک تو پھر دوبارہ طواف وداع کرے اور اگر اس نے تجارت یعنی خرید و فروخت کے لیے قیام کیا یا کوئی ایسا کام کیا جس سے اقامت میں رغبت معلوم ہوتی ہو تو پھر بھی اسے دوبارہ طواف وداع کرنا ہو گا اور اگر اس کے بعد اس نے سفر یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لیے کوئی چیز خریدی تو پھر دوبارہ طواف وداع لازم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

طواف وداع کے بعد سفر نہ کر سکا

سوال ایک آدمی نے حج کیا اور رات کو طواف وداع کیا لیکن طواف کے بعد اس کے لیے مکہ سے خروج ممکن نہ ہوا لہٰذا اس نے صبح تک مکہ ہی میں قیام کیا اور پھر سفر کیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ حاجی طواف وداع اس وقت کرے جب وہ مکہ سے رخصت ہو رہا ہو کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی متفق علیہ حدیث میں ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

"لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ سفر سے قبل آخری لمحات بیت اللہ میں گزاریں ہاں البتہ حائضہ عورت کے لیے تخفیف (رخصت) ہے۔"

اس شخص نے رات کو اگر اس نیت سے طواف کیا تھا کہ طواف کے بعد خروج کر جانا ہے لیکن صبح تک خروج ممکن نہ ہوا تو اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں' ہاں البتہ اگر وہ دوبارہ طواف کرے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

رش کی وجہ سے طواف وداع میں تاخیر

سوال ہم جدہ کے باشندے ہیں' گزشتہ سال ہم نے حج کیا اور طواف وداع کے علاوہ دیگر تمام مناسک حج کو پورا کیا اور اس طواف کو ذوالحج کے آخر تک مؤخر کر دیا اور جب رش کم ہو گیا تو ہم نے مکہ واپس آ کر طواف کیا تو سوال یہ ہے کیا ہمارا یہ حج صحیح ہے؟

جواب جب انسان حج کرے اور طواف وداع کو دوسرے وقت تک مؤخر کر دے تو اس کا حج صحیح ہے۔ اسے مکہ سے خروج کے وقت طواف کر لینا چاہیے لیکن جو شخص جدہ' طائف یا مدینہ وغیرہ کا باشندہ ہو تو اسے طواف وداع کے بغیر سفر نہیں کرنا چاہیے۔ یاد رہے طواف وداع بیت اللہ شریف کے گرد صرف سات چکروں پر مشتمل ہے اور اس میں صفا و مروہ کی سعی نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص طواف وداع کے بغیر خروج کر جائے تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس پر دم لازم ہے جسے مکہ میں ذبح کر

کے مکہ کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے' اس کا حج صحیح ہو گا' جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اہل علم کے صحیح قول کے مطابق طواف وداع واجب ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ "جو شخص حج کے کسی واجب کو ترک کر دے یا بھول جائے تو وہ خون بہائے۔"[1]

لہٰذا جو انسان عمداً اسے ترک کر دے' اسے ایک جانور ذبح کر کے مکہ کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دینا چاہیے' مکہ میں دوبارہ واپس لوٹنے سے یہ دم ساقط نہ ہو گا۔ میرے نزدیک یہی مختار اور راجح قول ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن باز ———

حیض و نفاس والی عورت کے لیے طواف وداع نہیں ہے

سوال کیا حیض و نفاس والی عورت اور عاجز و مریض کے لیے طواف وداع لازم ہے؟ میں نے اس مسئلہ کے بارے میں منیٰ میں جب علماء سے پوچھا تو وہ متفق نہ تھے' بعض کہہ رہے تھے کہ ان کے لیے یہ طواف لازم نہیں ہے اور بعض کی رائے یہ تھی کہ ان کے لیے بھی یہ طواف لازم ہے؟

جواب حیض و نفاس والی عورت کے لیے طواف وداع لازم نہیں ہے' ہاں البتہ عاجز و مریض کو اٹھا کر طواف کرایا جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

"کوئی اس وقت تک سفر نہ کرے جب تک وہ آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزارے"

اور "صحیحین" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

"لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ سفر سے قبل آخری لمحات بیت اللہ میں گزاریں ہاں البتہ حائضہ عورت کے لیے رخصت ہے۔"

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاس والی عورت بھی حائضہ کی طرح ہے کہ اس پر بھی طواف وداع نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عذر کی وجہ سے طواف وداع کا ایک چکر----

سوال میں نے ایک جماعت کے ساتھ حج کیا اور الحمد للہ حج کے تمام مناسک کو ادا کیا لیکن طواف وداع کے چھٹے چکر کے اختتام پر میری بیوی بے ہوش ہو گئی اور میں مجبور ہو گیا کہ اسے اٹھا کر حرم سے باہر لے جاؤں جس کی وجہ سے میں' میری

---

[1] موطأ إمام مالک' الحج' باب جامع الفدية' حديث: 257' 1/419/420

بیوی اور اس کا بھائی ساتواں چکر پورا نہ کر سکے۔ کیا ہم پر کوئی فدیہ وغیرہ لازم ہے؟

جواب اگر آپ لوگوں نے دوبارہ طواف وداع نہیں کیا تو آپ میں سے ہر ایک پر دم لازم ہے جسے مکہ میں ذبح کر کے فقراء حرم میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ طواف وداع ہر اس حاجی پر واجب ہے جو مکہ مکرمہ میں سے سفر کرنا چاہتا ہو اور اسے ترک کرنے کی صورت میں دم لازم ہے۔ دم کے سلسلہ میں واجب یہ ہے کہ اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا وہ بکری جس کے سامنے کے دو دانت گر گئے ہوں یا بھیڑ کا ایسا بچہ ذبح کرے جو قربانی کے جانور کی طرح تمام عیوب سے پاک ہو اور اس کے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار بھی کیا جائے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

"کوئی اس وقت تک کوچ نہ کرے' جب تک اپنا آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزارے۔"

طواف وداع کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

"لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ سفر سے قبل آخری لمحات بیت اللہ میں گزاریں ہاں' البتہ حائضہ عورت کے لیے رخصت ہے۔"

اہل علم کے نزدیک اس مسئلہ میں حیض اور نفاس والی عورتوں کے لیے ایک ہی حکم ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

جو حاجی طواف وداع ترک کر دے

سوال اس حاجی کے لیے کیا حکم ہے' جو طواف وداع ترک کر دے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

"کوئی اس وقت تک کوچ نہ کرے جب تک آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزار لے۔"

اور صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی یہ حدیث بھی ہے

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

"لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ سفر سے قبل آخری لمحات بیت اللہ میں گزاریں' ہاں البتہ حائضہ عورت کے

لیے رخصت ہے۔"

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ جب تمام اعمال حج سے فارغ ہو کر سفر کا ارادہ فرما رہے تھے تو آپ نے بھی سب سے آخری عمل جو سرانجام دیا وہ طواف وداع ہی تھا اور آپ نے فرمایا:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧ والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

"مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔"

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حائضہ و نفساء کے علاوہ دیگر تمام خواتین و حضرات کے لیے طواف وداع واجب ہے' لہٰذا جو حاجی اسے ترک کر دے تو اس پر دم لازم ہے کیونکہ اس نے سنت کی مخالفت کی اور ایک واجب کو ترک کر دیا' چنانچہ اس مسئلہ میں علماء کا صحیح قول یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص حج کے کسی واجب کو ترک کر دے یا بھول جائے تو وہ خون بہائے' [1] اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث اور اس مضمون کی دیگر احادیث کی وجہ سے حیض اور نفاس والی عورت پر طواف وداع نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف وداع واجب ہے

سوال میں جدہ کا باشندہ ہوں اور میں نے سات بار حج کیا ہے' لیکن طواف وداع نہیں کیا' کیونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جدہ کے باشندوں کے لیے طواف وداع نہیں ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ طواف وداع نہ کرنے کی وجہ سے کیا میرا حج صحیح ہے یا نہیں' رہنمائی فرمائیں' جزاکم اللہ خیراً؟

جواب جدہ' طائف اور ان جیسے دیگر علاقوں کے باشندوں کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ حج سے فراغت کے بعد طواف وداع کیے بغیر مکہ مکرمہ سے رخصت نہ ہوں کیونکہ نبی ﷺ کا یہ فرمان عام ہے جس میں آپ نے تمام حاجیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ح: ١٣٢٧ ومسند أحمد: ١/ ٢٢٢)

"کوئی اس وقت تک کوچ نہ کرے جب تک وہ آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزارے۔"

اور صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

"لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ سفر سے قبل آخری لمحات بیت اللہ میں گزاریں۔ ہاں البتہ حائضہ عورت

---

[1] موطأ إمام مالک' الحج' باب جامع الفدیة' حدیث: 257' 420/419/1

کے لیے رخصت ہے۔"

جو شخص طواف وداع ترک کر دے تو اس پر دم لازم ہے۔ دم اونٹ یا گائے کے ساتویں حصہ میں شرکت یا ایسی بکری جس کے سامنے کے دو دانت گر گئے ہوں یا بھیڑ کا بچہ مکہ میں ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کرنا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ توبہ و استغفار کیا جائے اور یہ عزم صادق کہ آئندہ ایسا نہیں کیا جائے گا۔ حیض و نفاس والی عورتوں کے لیے یہ طواف واجب نہیں ہے۔ اسی طرح علماء کے صحیح قول کے مطابق عمرہ کرنے والے کے لیے بھی طواف وداع نہیں ہے۔ جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے' بہت سے دلائل کی بنا پر اجماع بیان کیا ہے۔ مثلاً جو لوگ حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کر کے حلال ہو گئے تھے' نبی ﷺ نے انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ مکہ سے سفر کرتے وقت طواف وداع کریں' اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ کے باشندوں کو آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں ہی سے منیٰ اور پھر عرفہ چلے جائیں' انہیں بھی آپ نے طواف وداع کا حکم نہیں دیا تھا۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

طواف وداع سے قبل جدہ کا سفر

سوال کیا حاجی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ طواف وداع کئے بغیر جدہ کا سفر کرے اور جو ایسا کرے اس کے لیے کیا لازم ہے؟

جواب حاجی کے لیے یہ جائز نہیں کہ حج کے بعد وہ طواف وداع کئے بغیر مکہ سے کوچ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

"کوئی شخص اس وقت تک کوچ نہ کرے' جب تک وہ آخری لمحات بیت اللہ میں نہ گزارے۔"

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

"لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ (سفر سے قبل) آخری لمحات بیت اللہ میں گزاریں' ہاں البتہ حائضہ عورت کے لیے یہ رخصت ہے۔"

لہذا جدہ' طائف اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے لیے جائز نہیں کہ حج سے فراغت کے بعد طواف وداع کئے بغیر مکرمہ سے رخصت ہوں اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس پر دم لازم ہے کیونکہ اس نے ایک واجب کو ترک کر دیا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اگر طواف وداع کی نیت سے واپس آ جائے اور طواف کرے تو یہ طواف صحیح ہو گا اور اس سے دم ساقط ہو جائے گا لیکن یہ قول محل نظر ہے اور مومن کے لیے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اگر اس نے طواف وداع

کیے بغیر مسافت قصر کے بقدر سفر کر لیا ہو تو وہ حج کے اس نقص کو پورا کرنے کے لیے دم دے۔

شیخ ابن باز

عمرہ کرنے والے کے لیے طواف وداع اور.........

سوال کیا عمرہ میں بھی طواف وداع واجب ہے؟ کیا عمرہ یا حج میں طواف وداع کے بعد مکہ مکرمہ سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے؟

جواب عمرہ میں طواف وداع واجب نہیں ہے' ہاں البتہ یہ افضل ضرور ہے لیکن اگر کوئی بغیر طواف وداع سفر کر جائے تو کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ حج میں یہ واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

''کوئی اس وقت تک کوچ نہ کرے جب تک آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزارے۔''

یہ بات آپ نے حاجیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔

طواف وداع کے بعد آدمی اپنی ضرورت کی تمام اشیاء خرید سکتا ہے اگر تجارت کے لیے بھی خریدے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مدت قلیل ہو طویل نہ ہو اور اگر مدت طویل ہو جائے تو اسے دوبارہ طواف (وداع) کرنا ہو گا اور اگر عرف کے مطابق مدت طویل نہ ہو تو پھر طواف کا مطلقاً اعادہ نہیں ہے۔

شیخ ابن باز

والدین اور رشتہ داروں کے لیے طواف

سوال کیا یہ جائز ہے کہ انسان اپنے والدین یا کسی فوت شدہ رشتہ دار کی طرف سے طواف کرے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنے ماں باپ میں سے کسی کے لیے یا کسی رشتہ دار کے لیے حج یا عمرہ کرے اور اس میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنے والدین میں سے کسی ایک کے لیے یا کسی رشتہ دار کے لیے طواف کرے۔

شیخ ابن جبرین

طواف یا نفل نماز

سوال کیا بار بار طواف کرنا افضل ہے یا نفل نماز ادا کرنا؟

جواب اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سا عمل افضل ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ دونوں کام ہی کیے جائیں' نفل نماز بھی کثرت سے ادا کی جائے اور طواف بھی تاکہ دونوں قسم کی نیکیوں کو جمع کر لیا جائے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اجنبی لوگوں کے لیے طواف افضل ہے کیونکہ وہ اپنے ملکوں میں کعبہ کو نہیں پا سکتے' لہٰذا جب تک وہ مکہ میں رہیں ان کے

لیے مستحب یہ ہے کہ وہ طواف کثرت سے کریں جبکہ بعض لوگوں نے نماز ہی کو افضل قرار دیا ہے' لیکن میری رائے یہ ہے کہ دونوں ہی کو کثرت سے ادا کیا جائے خواہ آدمی اجنبی ہی کیوں نہ ہو تاکہ وہ کسی کی بھی فضیلت سے محروم نہ رہے۔

—— شیخ ابن باز ——

طواف وغیرہ کا ایصال ثواب

سوال میں مکہ مکرمہ ہی میں تھی کہ مجھے ایک عزیزہ کی وفات کی خبر پہنچی تو میں نے اس کی طرف سے نیت کر کے طواف کیا تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ آپ طواف کریں اور اس کا ثواب جس مسلمان کو چاہیں بخش دیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہی مشہور قول ہے کہ مسلمان جو بھی نیکی کرے اور اس کا ثواب جس زندہ یا مردہ مسلمان کو بخش دے تو وہ اسے نفع دیتا ہے خواہ یہ نیکی محض بدنی عمل ہو جیسے نماز و طواف یا محض مالی ہو مثلاً صدقہ' یا مالی و بدنی ہو مثلاً قربانی وغیرہ' لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام اعمال صالحہ کو اپنی طرف سے ادا کرے اور جس مسلمان کے لیے چاہے دعا کر دے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رہنمائی فرمائی ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال اس سے منقطع ہو جاتے ہیں مگر یہ تین اعمال منقطع نہیں ہوتے (ا) صدقہ جاریہ (۲) منفعت بخش علم اور (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حجر اسود کے بوسہ کے لیے رشوت دینا

سوال ایک شخص اپنی والدہ کے ساتھ حجر اسود کے بوسہ کے لیے آیا جب کہ وہ دونوں حج کر رہے تھے لیکن لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے لیے بوسہ دینا مشکل تھا تو اس نے سپاہی کو دس ریال دیئے اور حجر اسود کے پاس متعین اس سپاہی نے لوگوں کو دور کر دیا تو اس آدمی اور اس کی والدہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو سوال یہ ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ حج صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے تو اس آدمی نے سپاہی کو جو رقم دی یہ رشوت ہے' جسے دینا جائز نہ تھا۔ حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے' یہ حج کے ارکان اور واجبات میں سے نہیں ہے' لہٰذا جو شخص کسی کو کچھ دیئے بغیر اسے چھو سکے اور بوسہ دے سکے تو اس کے لیے یہ مستحب ہے۔ اگر اسے چھونا اور بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو عصا کے ساتھ چھو لے اور اسے بوسہ دے۔ اگر ہاتھ یا عصا سے بھی چھونا ممکن نہ ہو تو اس کے برابر آ کر اشارہ کرے اور اللہ اکبر کہے' سنت یہی ہے۔

اس کے لیے رشوت دینا جائز نہیں' نہ طواف کرنے والے کے لیے اور نہ سپاہی کے لیے' لہٰذا دونوں کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہ و

تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سعی کی کیفیت' ابتداء اور چکروں کی تعداد

سوال سعی کی کیا صورت ہے؟ سعی کرنے والا کہاں سے آغاز کرے اور سعی کے چکروں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب سعی کو صفا سے شروع کر کے مروہ پر ختم کیا جائے۔ اس کے چکروں کی تعداد سات ہے۔ پہلا چکر صفا سے شروع ہو گا اور آخری مروہ پر ختم ہو گا۔ سعی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے' تسبیحات پڑھی جائیں اور دعا کی جائے نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے صفا اور مروہ پر قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر تین تین بار ذکر' دعا اور تکبیر کہی جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

سعی شروع کرتے ہوئے کیا پڑھا جائے؟

سوال کیا سعی کے ہر چکر کے شروع میں یہ پڑھنا جائز ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ بِهِ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ»

یا یہ بدعت ہے؟

جواب مشروع یہ ہے کہ سعی کے پہلے چکر میں یہ پڑھا جائے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ﴾ (البقرة ٢/ ١٥٨)

جیسا کہ نبی ﷺ نے پڑھا تھا۔ ہمیں ایسی کوئی دلیل معلوم نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ہر چکر میں یہ پڑھنا مستحب ہے۔ سعی کرنے والے کو چاہیئے کہ تمام چکروں میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' دعا کرے' تسبیح' تحمید' تہلیل' تکبیر اور استغفار پڑھے' نیز طواف میں بھی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ (وَالسَّعْيُ) بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ»(سنن أبي داود، المناسك، باب في الرمل، ح:١٨٨٨ ومسند أحمد: ٦/ ٦٤، ٧٥، ١٣٩ واللفظ له)

"بیت اللہ کے طواف' صفا و مروہ کی سعی اور رمی جمار کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

سعی کے پانچ چکروں کے بعد واپسی

سوال ایک جماعت سعی کر رہی تھی کہ وہ پانچ چکروں کے بعد ہی مسعی سے نکل گئی اور اپنی رہائش گاہ پر جانے کے بعد اسے باقی دو چکروں کے بارے میں یاد آیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب یہ لوگ جو پانچ چکروں کے بعد اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے گئے اور انہیں آخری دو چکروں کے بارے میں یاد نہ رہا تو انہیں چاہیئے کہ واپس آکر دو چکر مکمل کریں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس مسئلہ میں صحیح بات یہی ہے' کیونکہ راجح

قول کے مطابق سعی کے چکروں کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ انہیں مسلسل لگایا جائے اور اگر وہ از سرنو سعی کر لیں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ دو چکر اور لگا کر اپنی سعی مکمل کر لیں۔ اس مسئلہ میں علماء کا راجح قول یہی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

طواف سے پہلے سعی

سوال کیا حج یا عمرہ میں طواف سے پہلے سعی کرنا جائز ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ پہلے طواف کیا جائے اور پھر اس کے بعد سعی، لیکن اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے طواف سے پہلے سعی کر لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ»(سنن أبي داود، المناسك، باب فيمن قدم شيئًا قبل شيء في حجه، ح:٢٠١٥)

"کوئی حرج نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی پہلے سعی کرے تو وہ ہو جائے گی، لیکن سنت یہ ہے کہ پہلے طواف کرے اور پھر سعی، عمرہ ہو یا حج دونوں میں سنت یہی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سعی حج طواف افاضہ سے پہلے

سوال کیا حاجی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ طواف افاضہ سے پہلے حج کی سعی کرے؟

جواب حاجی اگر مفرد یا قارن ہو تو اس کے لیے طواف افاضہ سے پہلے سعی کرنا جائز ہے یعنی وہ طواف قدوم کے بعد سعی کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا، جو ہدی کے جانور اپنے ساتھ لائے تھے۔

حاجی اگر متمتع ہو تو اس کے لیے دو سعی ہیں، ایک مکہ میں قدوم کے وقت اور یہ عمرہ کے لیے سعی ہو گی اور دوسری حج کے لیے ہو گی۔ اور افضل یہ ہے کہ طواف افاضہ کے بعد ہو کیونکہ سعی طواف کے تابع ہے اور اگر طواف سے پہلے کر لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، راجح قول یہی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب ایک شخص نے یہ عرض کیا کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے، تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ»(سنن أبي داود، المناسك، باب فيمن قدم شيئًا قبل شيء في حجه، ح:٢٠١٥)

"کوئی حرج نہیں۔"

حاجی کو چاہیئے کہ عید کے دن حج کے پانچ اعمال ترتیب کے ساتھ سرانجام دے اور وہ یہ ہیں (۱) رمی جمرہ عقبہ (۲) قربانی (۳) بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا (۴) طواف اور (۵) صفا و مروہ کی سعی، ہاں البتہ حاجی اگر قارن یا متمتع ہو تو پھر اسے طواف قدوم کے بعد سعی کرنا چاہیئے۔ اور افضل یہ ہے کہ یہ اعمال مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سرانجام دیئے جائیں لیکن اگر بعض کو

بعض سے پہلے انجام دے خصوصاً جب کہ اس کی ضرورت بھی ہو تو کوئی حرج نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور آسانی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سعی' طواف سے پہلے جائز ہے

سوال ایک آدمی نے یہ سنا کہ سعی طواف سے پہلے بھی جائز ہے تو اس نے سعی کر لی اور پھر بارہ یا تیرہ تاریخ کو طواف کیا تو اسے بتایا گیا کہ اس جواز کا تعلق صرف عید کے دن کے ساتھ ہے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ عید اور غیر عید کے دن میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ سعی طواف سے پہلے جائز ہے' لہٰذا اس حدیث کے عموم کے پیش نظر یہ عید کے دن کے بعد بھی جائز ہے کہ جب ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے' تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ»(سنن أبي داود، المناسك، باب فيمن قدم شيئًا قبل شيء في حجه، ح:٢٠١٥)

''کوئی حرج نہیں''

لہٰذا جب یہ حدیث عام ہے تو پھر اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ یہ سعی عید کے دن کی جائے یا اس کے بعد۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

طواف سے قبل سعی حج

سوال ایک عمرہ کرنے والے نے لاعلمی میں طواف سے پہلے سعی کر لی تو کیا اسے طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنی ہو گی؟

جواب اسے دوبارہ سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امام ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ اسامہ بن شریک کی یہ روایت ''سنن'' میں ذکر فرمائی ہے کہ میں بھی نبی ﷺ کے ساتھ حج میں شریک تھا۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل پوچھ رہے تھے۔ کوئی یہ کہتا کہ یا رسول اللہ! میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے' یا میں نے فلاں چیز پہلے کر لی ہے اور فلاں بعد میں کی ہے' تو آپ نے ان تمام سوالوں کے جواب میں فرمایا:

«لاَ حَرَجَ، لاَ حَرَجَ إِلاَّ عَلٰى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ وَّهُوَ ظَالِمٌ، فَذٰلِكَ الَّذِي حَرِجَ وَهَلَكَ» (سنن أبي داود، المناسك، باب فيمن قدم شيئًا قبل شيء في حجه، ح:٢٠١٥)

''کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ جو شخص کسی مسلمان آدمی کی عزت و آبرو کو ظلم سے تار تار کرتا ہے تو وہ یقیناً گناہ اور ہلاکت میں مبتلا ہے۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

طواف تو کر لیا لیکن سعی نہ کی

سوال جس شخص پر سعی واجب ہو اور وہ طواف کر لے اور سعی نہ کرے اور اسے پانچ دن کے بعد یہ بتایا جائے کہ اس پر تو سعی واجب تھی تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ طواف نہ کرے اور صرف سعی کرے؟

جواب جب کوئی انسان یہ سمجھتے ہوئے طواف کر لے کہ اس پر سعی واجب نہیں ہے اور پھر اسے بتایا جائے کہ اس پر تو سعی واجب تھی تو اسے صرف سعی ہی کرنی چاہیے' طواف کے اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ طواف اور سعی میں تسلسل شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص عمداً بھی سعی کو طواف سے مؤخر کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ سعی' طواف کے فوراً بعد ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مروہ سے آغاز کیا صفا پر بال کٹوا دیئے

سوال میں ایک بوڑھا آدمی ہوں' میں نے عمرہ کے لیے طواف کیا اور پھر سعی کے سات چکر لگائے لیکن میں نے سعی کا آغاز مروہ سے کیا اور صفا پر بال کٹوا دیئے اور سلا ہوا لباس پہن لیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس سائل کو چاہیے کہ ایک چکر اور لگائے کیونکہ اس کا ایک چکر رہ گیا ہے الاّ یہ کہ آٹھ چکر لگا لیے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں' پہلا چکر زائد ہو گا اور اس کا کوئی نقصان نہیں' مقصود یہ ہے کہ اگر اس نے مروہ سے آغاز کر کے صفا پر سعی کو ختم کیا اور آٹھ لگائے ہیں تو یہ اس کے پورے سات چکر ہی شمار ہوں گے اور اگر اس کے تمام چکر سات ہی ہیں تو پھر اس کا ایک چکر رہ گیا ہے' لہٰذا اسے ایک چکر اور لگا کر سعی کو مکمل کرنا چاہیے اور بال دوبارہ کٹوانے چاہئیں تاکہ عمرہ مکمل ہو جائے' پہلے کٹوائے ہوئے بال کافی نہ ہوں گے کیونکہ انہیں تکمیل سعی سے پہلے کٹوا لیا گیا ہے' پہلا چکر جو مروہ سے شروع کیا گیا' وہ شمار نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

بال منڈوانا اور کٹوانا

بال منڈوانا کٹوانے سے افضل ہے

سوال عمرہ یا حج ادا کرنے کے بعد بال منڈوانا افضل ہے یا کٹوانا؟ کیا سر کے بعض حصے کے بال کٹوا دینا بھی کافی ہے؟

جواب عمرہ اور حج دونوں ہی میں بال منڈوانا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بال منڈوانے والوں کے لیے مغفرت و رحمت کی تین بار اور کٹوانے والوں کے لیے ایک بار دعا فرمائی تھی'[1] لہٰذا افضل یہ ہے کہ بال منڈوا دیئے جائیں لیکن اگر عمرہ حج کے قریب ہی کیا ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ عمرہ میں بال کٹوا دیئے جائیں تاکہ حج میں منڈوانے کے لیے بال موجود ہوں کیونکہ عمرہ کی نسبت حج اکمل ہے اور اکمل عمل اکمل ہی کے لیے ہونا چاہیے اور اگر عمرہ اور حج میں کافی وقت ہو مثلاً یہ کہ عمرہ شوال میں کیا ہو اور اس مدت میں بالوں کا طویل ہونا ممکن ہو تو وہ بال منڈوا دے تاکہ منڈوانے کی فضیلت کو حاصل کر سکے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق سر کے کچھ حصے کے بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا کفایت نہیں کرتا بلکہ واجب یہ ہے کہ سارے سر کے بالوں کو منڈوایا یا کٹوایا جائے' نیز افضل یہ ہے کہ بالوں کے منڈوانے یا کٹوانے کا آغاز دائیں طرف سے کیا جائے۔

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب الحلق الخ' حدیث: 1727 - 1728 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1301 - 1302

——— شیخ ابن باز ———

بال کٹوانے کی کیفیت

سوال ہم نے دیکھا ہے کہ حج یا عمرہ میں بعض لوگ صرف سر کے نیچے کے حصہ سے بالوں کو کٹوا دیتے ہیں یعنی دائرہ کی صورت میں سر کے تمام اطراف سے نیچے نیچے سے بال کٹوا دیتے ہیں اور باقی بالوں کو نہیں کٹواتے اور جب ہم نے ان سے یہ کہا کہ سارے سر کے بالوں کو کٹوانا ضروری ہے تو انہوں نے کہا کہ "نہیں" مطلوب صرف یہ ہے کہ سر کے کچھ بالوں کو کٹوا دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں واجب کیا ہے؟

جواب واجب یہ ہے کہ حج ہو یا عمرہ سارے سر کے بال منڈوایا کٹوا دیئے جائیں لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک ایک بال کو چن چن کر مونڈا یا کاٹا جائے۔ مذکورہ لوگوں کے بارے میں آپ نے جو ذکر کیا ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق یہ کافی نہیں ہے اور نہ حضرت محمد بن عبداللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ سنت ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب حاجی سارے سر کے بال نہ کٹوائے

سوال جب حج یا عمرہ کرنے والا اپنے سر کے دونوں طرف سے بال کٹوا دے اور پھر احرام کھول دے' جب کہ اس نے سارے سر کے بال نہ کٹوائے ہوں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ حج کر رہا ہے اور اس نے طواف اور رمی کر لی ہے تو وہ اپنے کپڑوں ہی کو پہنے رہے اور سر کے بالوں کو مکمل طور پر منڈوایا کٹوا دے اور اگر وہ عمرہ کر رہا ہے تو اس کے لیے لازم یہ ہے کہ اپنے کپڑوں کو اتار دے اور دوبارہ احرام پہن لے اور پھر سارے سر کے بال منڈوائے یا کٹوائے جبکہ وہ محرم ہو یعنی اس نے لباس احرام پہن رکھا ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص جہالت کی وجہ سے حلق یا تقصیر کو ترک کر دے

سوال ایک حاجی تمتع کے لیے آیا اور اس نے طواف و سعی کے بعد اپنے معمول کے کپڑے لیے اور بالوں کو نہ کٹوایا اور نہ منڈوایا اور حج کے بعد جب اس نے اس کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ اس نے غلطی کی ہے' تو سوال یہ ہے کہ وہ اب کیا کرے۔ جبکہ اس کے عمرہ کرنے کے بعد اب حج کا وقت ختم ہو گیا ہے؟

جواب اس آدمی نے عمرہ کے واجبات میں سے ایک واجب حلق یا تقصیر کو ترک کیا ہے اور اس صورت میں اہل علم کے نزدیک اس پر واجب یہ ہے کہ فدیہ کے طور پر مکہ میں ایک جانور ذبح کرے اور اسے فقراء مکہ میں تقسیم کر دے' اس طرح یہ اپنے تمتع پر بدستور برقرار رہے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص حلق یا تقصیر کو بھول جائے

سوال جو شخص عمرہ میں حلق یا تقصیر کو بھول جائے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لے اور پھر اسے یاد آئے کہ اس نے ابھی تک بال منڈوائے یا کٹوائے نہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص عمرہ میں طواف و سعی تو کر لے لیکن حلق یا تقصیر کو بھول جائے اور حلق و تقصیر سے پہلے معمول کا لباس پہن لے تو وہ یاد آنے پر اپنے کپڑوں کو فورا اتار کر احرام پہن لے اور حلق و تقصیر کے بعد اپنے لباس کو پہنے اور اگر اس نے معمول کا لباس پہن کر جہالت یا نسیان کی وجہ سے حلق یا تقصیر کر لیا تو اس پر کوئی فدیہ نہیں اور اس صورت میں حلق یا تقصیر کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں' لیکن جب وہ خبردار ہو تو پھر اس کے لیے یہ واجب ہے کہ اپنا معمول کا لباس اتار دے تاکہ حالت احرام میں حلق یا تقصیر کرے۔

فتویٰ کمیٹی

بھول جانے کی وجہ سے بال نہ کٹوائے

سوال ایک عورت نے حج کیا اور تمام اعمال حج سرانجام دیئے لیکن جہالت یا نسیان کی وجہ سے اب تک بال نہیں کٹوائے حتیٰ کہ اب اپنے وطن واپس پہنچ گئی اور وہ سارے کام کر لیے ہیں' جو محرم کے لیے ممنوع ہوتے ہیں' سوال یہ ہے کہ اب اس پر کیا لازم ہے؟ اور اسے کیا کرنا چاہیئے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس عورت نے جہالت یا نسیان کی وجہ سے تقصیر کے سوا دیگر تمام اعمال حج سرانجام دیئے ہیں تو اسے چاہیئے کہ اب اپنے وطن ہی میں تقصیر کرے۔ جہالت یا نسیان کی وجہ سے یہ جو تاخیر ہوئی تو اس کی وجہ سے کوئی فدیہ وغیرہ نہیں ہے' بس اتمام حج کی نیت سے اب تقصیر کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ سب کو توفیق اور قبولیت عطا فرمائے۔

اس سوال میں جو یہ مذکور ہے کہ تقصیر سے قبل اس کے شوہر نے اس سے مقاربت کی ہے تو اس کی وجہ سے اس پر یہ لازم ہے کہ مکہ میں مساکین حرم کے لیے ایک (مکمل) بکری یا اونٹ کا ساتواں حصہ ----- جو قربانی کی شرائط کے مطابق ہو----- ذبح کرے اور اگر اس عورت نے اپنے شوہر سے مقاربت حرم سے باہر اپنے وطن میں کی ہے تو پھر جانور کو بھی وہاں ذبح کر کے وہاں کے مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔

فتویٰ کمیٹی

حلق محظورات احرام میں سے ہے-----

سوال معلوم ہے کہ سر کو منڈانا محظورات احرام میں سے ہے تو یہ کس طرح جائز ہے کہ عید کے دن تحلل میں اس کا آغاز کر دیا جائے کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ تحلل تو اس صورت میں ہوتا ہے جب تین میں سے کوئی دو کام کر لیے جائیں اور وہ ان تین میں حلق کو بھی ذکر کرتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ حاجی اس سے آغاز کرے؟

جواب ہاں اس سے آغاز کرنا جائز ہے کیونکہ احلال کے وقت حلق حج ہی کے لیے ہے' لہٰذا اس وقت اس کے لیے حلق

حرام نہ ہو گا بلکہ یہ حکم الٰہی کی تعمیل ہے اور جب یہ حکم الٰہی ہے تو پھر اسے بجالانا گناہ نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ سے جب قربانی اور رمی سے قبل حلق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ»(صحيح البخاري، الحج، باب الذبح قبل الحلق، ح:١٧٢١، ١٧٢٢ وصحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي ... الخ، ح:١٣٠٦، ١٣٠٧)

''کوئی حرج نہیں''

اور کسی چیز کے بارے میں یہ شریعت ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ مامور ہے یا ممنوع' مثلاً دیکھئے غیراللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دے دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو یہ اطاعت ہو گیا' اسی طرح کسی انسان خصوصاً اولاد کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو ذبح کر دیں تو یہ حکم اطاعت بن گیا جس کی تعمیل کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام عظیم مرتبے پر فائز ہو گئے تھے' یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے لخت جگر پر رحمت فرمائی اور اسماعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچالیا اور فرمایا:

﴿فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُۥ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنَـٰدَيْنَـٰهُ أَن يَـٰٓإِبْرَٰهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ ٱلرُّءْيَآ ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَـٰذَا لَهُوَ ٱلْبَلَـٰٓؤُا۟ ٱلْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾﴾ (الصافات٣٧/ ١٠٣-١٠٦)

''جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا' تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا' ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں' بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔''

—— شیخ ابن عثیمین ——

تحلل ثانی کے بعد حلق یا تقصیر

سوال جب تحلل اصغر' یعنی رمی جمرات سے فراغت کے بعد حاجی اپنے بالوں کو منڈوایا کٹوالے تو کیا تحلل اکبر کے بعد حلق یا تقصیر واجب ہے؟

جواب جب تحلل اصغر یعنی رمی جمرات سے فراغت کے بعد حاجی اپنے بالوں کو منڈوایا کٹوا لے تو پھر تحلل اکبر کے بعد حلق یا تقصیر واجب یا مستحب نہیں ہے کیونکہ حلق و تقصیر حج کا ایک عمل اور عبادت ہے اور عبادات توقیفی ہیں اور یہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ نے تحلل اکبر کے بعد حلق یا تقصیر کیا ہو بلکہ یہ آپ نے فقط تحلل اصغر کے بعد ہی کیا تھا اور آپ نے فرمایا ہے:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧ والسنن الكبرى للبيهقي:٥/ ١٢٥ واللفظ له)

''مجھ سے اپنے مناسک حج سیکھ لو۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

عمرہ میں حلق یا تقصیر

سوال عمرہ میں حلق یا تقصیر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عمرہ میں حلق یا تقصیر واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ جب حجۃ الوداع کے لیے مکہ مکرمہ میں تشریف لائے' طواف اور سعی کو ادا فرمالیا تو آپ نے ہر اس شخص کو جس کے ہمراہ قربانی کا جانور نہیں تھا' یہ حکم دیا کہ وہ بالوں کو کٹوا دے اور پھر منڈوا دے اور جب آپ نے بالوں کے کٹوانے کا حکم دیا تو اصول یہ ہے کہ حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ بال کٹوائے بغیر چارۂ کار ہی نہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کو اور صحابہ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا اور آپ کے اس حکم کی اطاعت میں صحابہ کرام سے جب تھوڑی سی تاخیر ہوئی تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ عمرہ میں تقصیر افضل ہے کہ حلق تو افضل حلق یعنی بال منڈوانا ہے ہاں البتہ حج تمتع کرنے والا حاجی جو تاخیر سے مکہ میں آیا ہو تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ بال کٹوا دے تاکہ حج میں منڈوانے کے لیے اس کے سر پر بال موجود ہوں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وقوفِ عرفہ

عرفہ میں آمد و رفت کا وقت

سوال حاجی عرفہ میں کب جائے اور وہاں سے کس وقت واپس لوٹے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ عرفہ میں عرفہ کے دن یعنی نو تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد جائے اور ظہر و عصر کی نمازیں جمع اور قصر کی صورت میں جمع تقدیم کے ساتھ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کرے تاکہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکے اور غروب آفتاب تک عرفہ میں ذکر الٰہی' دعا' تلاوت قرآن مجید اور تلبیہ میں مشغول رہے اور یہ کلمات کثرت سے پڑھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ»(سلسلة الأحاديث الصحيحة، ح:١٥٠٣)

”اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا تمام ملک ہے اور اسی کی سب تعریف ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے' پاک ہے اللہ اور اسی کے لیے ہی سب تعریف ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی بھی قوت اور طاقت اللہ تعالیٰ (کی مدد) کے بغیر (میسر) نہیں۔“

دعا دونوں ہاتھ اٹھا کر کی جائے' قبلہ رخ ہو کر کی جائے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے اور نبی کریم ﷺ

کی ذات گرامی پر درود بھیجا جائے۔ یاد رہے تمام عرفہ موقف ہے۔ جب آفتاب غروب ہو جائے تو پھر حاجیوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اطمینان و سکون اور وقار کے ساتھ اور کثرت سے تلبیہ پڑھتے ہوئے عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور جب مزدلفہ میں پہنچیں تو مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ اس طرح ادا کریں: مغرب کی تین اور عشاء کی صرف دو رکعتیں پڑھی جائیں۔

——— شیخ ابن باز ———

غروب آفتاب سے قبل عرفہ سے روانگی

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حج میں غروب آفتاب سے قبل ہی اپنے ضروری کاموں کی وجہ سے عرفہ سے روانہ ہو جائے؟

جواب جو شخص غروب آفتاب سے قبل عرفہ سے روانہ ہو جائے اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہے الاّ یہ کہ وہ رات کو واپس آ جائے تو پھر فدیہ ساقط ہو جائے گا۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک جانور ذبح کر کے حرم کے مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

عرفہ سے باہر وقوف

سوال جب کوئی حاجی حدود عرفہ سے باہر مگر عرفہ کے قریب ہی وقوف کرے' حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے اور پھر وہاں سے روانہ ہو جائے تو اس کے حج کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب کوئی حاجی وقوف کے وقت عرفہ میں وقوف نہ کرے تو اس کا حج نہیں ہوتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْحَجُّ عَرَفَةُ، مَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ (بِلَيْلٍ) قَبْلَ أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ»(سنن النسائي، مناسك الحج، باب فرض الوقوف بعرفة، ح:٣٠١٩ والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٧٣ واللفظ له)

"حج عرفہ ہے' جو شخص رات کو طلوع فجر سے پہلے پہلے عرفہ میں آ جائے تو یقیناً اس نے حج کو پا لیا۔"

وقوف کا وقت' عرفہ کے دن کے زوال کے بعد سے لے کر قربانی کی رات کی طلوع فجر تک ہے اور اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔

زوال سے ماقبل کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ اکثر کی یہ رائے ہے کہ اگر زوال کے بعد اور رات کو وقوف نہ کرے تو قبل از زوال کا وقوف کفایت نہیں کرے گا۔ جو شخص زوال کے بعد دن کو یا رات کو وقوف کرے تو اس کا یہ وقوف صحیح ہے۔ افضل یہ ہے کہ دن کے وقت ظہر اور عصر کی نمازیں جمع تقدیم کی صورت میں ادا کر کے غروب آفتاب تک وقوف کیا جائے۔ دن کے وقت وقوف کرنے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے عرفہ سے واپس لوٹے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر دم لازم ہو گا کیونکہ اس نے ایک واجب کو ترک کر دیا اور وہ یہ کہ دن کو وقوف کرنے والے کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ دن رات کے وقوف کو جمع کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص دن کو عرفہ میں وقوف نہ کر سکے ....

سوال ایک شخص اعمال حج میں شریک ہوا لیکن اپنے کام کی نوعیت کی وجہ سے اس کے لیے دن کے وقت عرفہ میں وقوف ممکن نہ ہوا تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ لوگوں کے یہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ رات کو وقوف کر لے؟ کتنا وقوف کافی ہو گا؟ اگر وہ اپنی گاڑی میں عرفہ سے گزر جائے تو کیا یہ بھی کافی ہے؟

جواب وقوف عرفہ کا وقت نو تاریخ کی طلوع فجر سے قربانی کے دن کی طلوع فجر تک ہے' لہٰذا اگر کوئی حاجی نو تاریخ کو دن کے وقت وقوف نہ کر سکے تو وہ رات کو بھی وقوف کر سکتا ہے حتیٰ کہ اگر طلوع صبح سے تھوڑی دیر پہلے خواہ چند منٹ ہی وقوف کر لے تو یہ بھی کافی ہے۔ اسی طرح اگر عرفات سے خواہ گاڑی ہی پر گزر جائے تو یہ بھی کافی ہے' لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی اس وقت حاضر ہو جب دیگر سب لوگوں نے وقوف کیا ہو' عرفہ کی شام ان کے ساتھ دعا میں شریک ہو' خشوع اور حضور قلب کا اظہار کرے' لوگوں کی طرح نزول رحمت اور حصول مغفرت کی امید کرے۔ اگر دن کو وقوف نہ کر سکے تو پھر رات کو کر لے' لیکن افضل یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو جلد وقوف کرے اور عرفہ میں آ جائے خواہ تھوڑی ہی مدت کے لیے سہی اور اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا دے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرے اور پھر لوگوں کے ساتھ ہی مزدلفہ چلا جائے اور رات کے آخر تک مزدلفہ ہی میں رہے تاکہ اس کا حج مکمل ہو جائے۔

—— شیخ ابن باز ——

عرفہ وغیرہ میں اجتماعی دعا

سوال عرفہ کے دن عرفات میں اجتماعی دعا کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مثلاً یہ کہ ایک حاجی دعاؤں کی کتابوں میں وارد بعض دعاؤں کو عرفہ وغیرہ کے دن پڑھے اور اس سے سن کر باقی حاجی ان دعاؤں کو بار بار دہرائیں اور آمین نہ کہیں تو کیا اس طرح کی یہ دعا بدعت ہے؟ امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے!

جواب اس عظیم الشان دن میں حاجی کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں خوب خشوع و خضوع اور الحاح و زاری کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی غروب آفتاب تک یہ دن دعا اور ذکر الٰہی میں صرف فرمایا تھا۔ آپ نے جب وادی عرنہ میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع و قصر کی صورت میں ادا فرمائیں' پھر موقف تشریف لے گئے' صخرات اور جبل دعا --- جسے جبل آل بھی کہتے ہیں --- کے پاس وقوف فرمایا اور دعا اور ذکر الٰہی میں خوب خوب مشغول رہے' دعا کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور قبلہ رخ اور اپنی ناقہ پر سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ الحاح و زاری' آہستگی' شوق اور ڈر کے ساتھ اس سے دعا کریں۔ عرفہ دعا کے لیے بہترین جگہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُوا۟ رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۵۵)

"(لوگو) اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِى نَفْسِكَ ﴾ (الأعراف ٧/ ٢٠٥)

"اور اپنے رب کو اپنے دل ہی میں یاد کرتے رہو۔"

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے بلند آواز سے دعا شروع کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! ارْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، إِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلاَ غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَهُ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَةِ أَحَدِكُمْ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب ما يكره من رفع الصوت في التكبير، ح: ٢٩٩٢ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر ... الخ، ح: ٢٧٠٤ واللفظ له)

"لوگو! اپنے آپ پر شفقت و مہربانی کرو، تم کسی ایسی ہستی کو نہیں پکار رہے جو گونگی یا غائب ہو بلاشبہ تم جسے پکار رہے ہو وہ سمیع، قریب اور تمہارے ساتھ ہے اور جس ذات اقدس کو پکار رہے ہو وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی قریب تر ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے انداز دعا کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعریف کی اور فرمایا:

﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُۥ زَكَرِيَّآ ﴿٢﴾ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ ﴾ (مريم ١٩/ ٢-٣)

"یہ تمہارے رب کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے رب کو دبی آواز سے پکارا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (الغافر: ٤٠/ ٦٠)

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

بے شمار آیات و احادیث ہیں جن میں ذکر الٰہی اور دعا کی ترغیب کا ذکر ہے اور اس جگہ پر تو خاص طور پر کثرت کے ساتھ اخلاص، حضور قلب، ڈر اور شوق کے ساتھ خوب خوب دعا اور ذکر کرنا چاہیے۔ اس مقام پر بلند آواز سے ذکر، دعا اور تلبیہ بھی جائز ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے۔ اگر کوئی انسان ایک جماعت کے ساتھ مل کر دعا کر رہا ہو اور سب لوگ اس کی دعا پر آمین کہہ رہے ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ قنوت، ختم قرآن اور استسقاء کی اجتماعی دعا میں یہ جائز ہے لیکن عرفہ کے دن عرفہ کے علاوہ کسی اور جگہ پر اجتماع نبی اکرم رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح: ١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔" واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مزدلفہ میں رات بسر کرنا

مزدلفہ میں وقوف اور واپسی

سوال مزدلفہ میں وقوف اور رات بسر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور یہ کس قدر ہونا چاہیئے؟ اور حاجی مزدلفہ سے واپسی کب اختیار کرے؟

جواب صحیح قول کے مطابق مزدلفہ میں رات بسر کرنا واجب ہے۔ بعض نے اسے رکن اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔ اہل علم کے اقوال میں سے سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے لہٰذا اس کے ترک کی صورت میں دم لازم ہے اور سنت یہ ہے کہ اس سے واپسی نماز فجر اور روشنی ہونے کے بعد ہونی چاہیئے۔ نماز فجر یہاں ادا کی جائے اور جب روشنی ہو جائے تو پھر لبیک کہتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے۔ سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا کی جائے اور جب روشنی ہو جائے تو پھر تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے۔

کمزور مردوں' عورتوں اور بوڑھوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ رات کے نصف اخیر کے وقت مزدلفہ سے روانہ ہو جائیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو رخصت دی ہے۔[1] لیکن طاقتور لوگوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ نماز فجر تک یہاں رہیں' نماز کے بعد کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور پھر طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہو جائیں۔ عرفہ کی طرح مزدلفہ میں بھی یہ سنت ہے کہ ہاتھ اٹھا کر اور قبلہ رخ ہو کر دعا کی جائے۔ یاد رہے سارا مزدلفہ موقف ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

مزدلفہ میں رات بسر کرنا

سوال نصف رات سے قبل مزدلفہ میں رات بسر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حاجی کے لیے یہ واجب ہے کہ ذوالحج کی دسویں رات طلوع فجر تک مزدلفہ میں بسر کرے' ہاں البتہ اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے کوئی عذر ہو تو پھر اس کے لیے اور اس کی نگہداشت کرنے والے کے لیے یہ جائز ہے کہ نصف رات کے بعد وہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے حج میں خود طلوع فجر تک مزدلفہ میں قیام فرمایا تھا اور معذوروں کو یہ اجازت دے دی تھی کہ وہ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

مزدلفہ میں رات بسر کرنے کا ضابطہ

سوال مزدلفہ میں رات بسر کرنے کے لیے کیا ضابطہ ہے اور اگر شب بسر کرنا مشکل ہو اور حاجی یہاں سے گزرنے ہی پر

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب من قدم ضعفة أهله بليل--- الخ' حديث: 1676 و صحيح مسلم' الحج' حديث: 1295

اکتفاء کرے تو اس کے حج کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حاجی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ آدھی رات تک کا وقت مزدلفہ میں گزارے اور اگر پوری رات یہاں بسر کرے' نماز فجر ادا کرے' نماز کے بعد ذکر و استغفار کرے اور پھر خوب روشنی کے بعد یہاں سے روانہ ہو تو یہ افضل و اکمل ہے۔ ہاں البتہ کمزور مردوں' عورتوں اور بوڑھوں کے لیے آدھی رات کے بعد یہاں سے روانگی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کو اس کی رخصت دے دی تھی لیکن آپ نے خود یہاں شب بسر فرمائی' نماز فجر ادا فرمائی' نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور تہلیل و استغفار پڑھا اور پھر خوب روشنی ہونے کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اور حجاج کرام کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اسی اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کریں' البتہ کمزوروں کے لیے یہ ضرور رخصت ہے کہ وہ صبح سے پہلے بھی کوچ کر سکتے ہیں جیساکہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے۔

جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر مزدلفہ میں شب بسر نہ کرے تو اس پر دم لازم ہے کیونکہ اس نے سنت کی خلاف ورزی کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "جو شخص حج کے کسی واجب کو ترک کر دے یا اسے بھول جائے تو اس کی جگہ خون بہائے۔"[1]

اور بلاشک و شبہ مزدلفہ میں شب بسر کرنا حج کا ایک عظیم واجب ہے حتیٰ کہ بعض اہل علم نے اسے حج کا رکن قرار دیا ہے اور بعض نے اسے سنت کہا ہے جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے لہٰذا اس کے ترک کی وجہ سے دم بھی لازم ہے اور توبہ و استغفار بھی' جب کہ اسے کسی شرعی عذر کے بغیر جان بوجھ کر ترک کر دیا ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

جو مزدلفہ میں شب بسر نہ کرے

سوال جو حاجی عید کی رات مزدلفہ میں شب بسر نہ کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مزدلفہ میں شب بسر کرنا واجب ہے' ہاں البتہ کمزور مردوں اور عورتوں لیے یہ رخصت ہے کہ وہ رات کے آخری پہر وہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ اسے عمداً ترک کرنے کی صورت میں جمہور اہل علم کے نزدیک گناہ بھی ہے اور اس کی وجہ سے فدیہ بھی لازم ہے اور اگر جہالت کی وجہ سے ترک کیا ہو تو پھر صرف فدیہ لازم ہے' عجز و درماندگی کی صورت میں دیگر تمام واجبات کی طرح یہ بھی ساقط ہو جائے گا' لیکن جو شخص اول وقت میں یہاں نماز فجر کو پالے اور پھر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور پھر یہاں سے روانہ ہو تو یہ بھی کافی ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رش کی وجہ سے مزدلفہ میں شب بسر نہ کرنا

سوال ان ایام میں جب ہم عرفات سے مزدلفہ کوچ کرتے ہیں تو بے پناہ رش ہو جاتا ہے کہ مزدلفہ پہنچ کر رش کی شدت کی وجہ سے حاجی کے لیے یہاں شب بسر کرنا ممکن نہیں ہوتا اور اس میں بے حد مشقت ہوتی ہے' تو کیا یہ جائز ہے کہ

[1] موطأ إمام مالك' الحج' باب جامع الفدية' حديث: 257' 420/419/1

مزدلفہ میں رات بسر نہ کی جائے اور یہاں شب بسر نہ کرنے کی وجہ سے کیا حاجی پر کچھ لازم ہو گا؟ کیا مغرب و عشاء کی نمازیں اگر مزدلفہ میں ادا کی جائیں تو یہ وقوف اور شب باشی سے کفایت کر سکتی ہیں؟ یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ادا کرنے کے فوراً بعد منیٰ روانگی اختیار کی جائے تو اس طرح یہ وقوف صحیح ہو گا؟ امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔

جواب مزدلفہ میں شب بسر کرنا حج کے واجبات میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہاں شب بسر فرمائی' صبح کی نماز یہاں ادا فرمائی اور خوب روشنی ہونے تک یہاں مقیم رہے تھے اور آپ کا ارشاد ہے:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة الخ، ح:١٢٩٧، والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

"مناسک حج کی تعلیم مجھ سے حاصل کرو۔"

جو حاجی یہاں مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کرنے کے بعد یہاں سے چل پڑے تو اس نے گویا اس واجب کو ادا ہی نہیں کیا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے کمزور لوگوں کو بھی رات کے آخری حصہ میں یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت دی ہے۔

جو شخص مزدلفہ میں رات بسر نہ کر سکے تو اس ترک واجب کے کفارہ کے طور پر اس پر دم لازم ہے۔ اہل علم کا یہ اختلاف مشہور و معلوم ہے کہ مزدلفہ میں شب بسر کرنا رکن ہے یا واجب ہے یا سنت' تو ان میں سے راجح ترین قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے' جو شخص اسے ترک کر دے اس پر دم لازم ہے اور اس کا حج صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے' ہاں البتہ صرف کمزور لوگوں کو یہ رخصت ہے کہ وہ آدھی رات کے بعد یہاں سے کوچ کر سکتے ہیں' طاقتور لوگ جن کے ساتھ کمزور نہ ہوں' ان کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ ساری رات مزدلفہ میں گزاریں' نماز فجر ادا کریں' نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا کریں اور جب دن خوب روشن ہو جائے تو پھر طلوع آفتاب سے قبل رسول اللہ ﷺ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے یہاں سے روانہ ہوں۔ جو کمزور لوگ یہاں رات کے آخری حصہ میں پہنچیں تو ان کے لیے یہی کافی ہے کہ کچھ دیر یہاں رہیں اور پھر رخصت کو قبول کرتے ہوئے یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ واللہ ولی التوفیق

———— شیخ ابن باز ————

جو مغرب و عشا کی نمازیں مزدلفہ سے پہلے ادا کر لے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو مغرب و عشاء کی نمازیں قصر اور جمع تاخیر کی صورت میں مزدلفہ میں داخل ہونے سے پہلے ادا کرے اور یہ ہنگامی حالات کی وجہ سے ہو' مثلاً یہ کہ مزدلفہ کے راستے میں اس کی گاڑی خراب ہو گئی ہو اور وقت ختم ہونے کے خدشہ کے پیش نظر وہ حدود مزدلفہ کے پاس یعنی مزدلفہ سے بہت ہی قریب مسافت پر دونوں نمازوں کو ادا کر لے اور پھر گاڑی ٹھیک ہونے تک سو جائے اور نماز فجر بھی حدود مزدلفہ کے قریب ہی ادا کر لے اور مزدلفہ میں اس کے لیے داخلہ اس وقت ممکن ہو جب سورج طلوع ہو چکا ہو تو کیا حدود مزدلفہ کے پاس ادا کی گئی مغرب و عشاء اور صبح کی یہ نمازیں صحیح ہوں گی؟ امید ہے عزت مآب دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب نماز ہر جگہ صحیح ہے سوائے اس کے جسے شارع (علیہ السلام) نے مستثنیٰ قرار دیا ہو' چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

«جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا»(صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ 'جعلت لي الأرض مسجدا ... الخ'، ح:٤٣٨ وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، ح:٥٢١)

"میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔"

لیکن حاجی کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے مزدلفہ میں ادا کرے بشرطیکہ نصف رات سے پہلے اس کے لیے یہ ممکن ہو اور اگر رش وغیرہ کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو جہاں بھی ممکن ہو پڑھ لے اور نصف رات کے بعد تک اسے مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

یعنی نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنا فرض ہے اور عشاء کی نماز کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

«وَقْتُ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ»(صحيح مسلم، المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، ح:٦١٢)

"عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

جو نماز فجر مزدلفہ میں ادا کر لے ....

سوال ایک گروہ غروب آفتاب کے بعد عرفہ سے نکلا لیکن راستہ بھولنے کی وجہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا' پھر سپاہیوں نے اسے عرفہ کی طرف روانہ کر دیا' عرفہ پہنچ کر یہ ٹھہر گیا اور اس نے مغرب و عشاء کی نمازیں عرفہ میں رات کے ایک بجے ادا کیں اور پھر یہ اذان فجر کے وقت مزدلفہ میں داخل ہو گیا اور نماز فجر اس نے مزدلفہ میں ادا کی تو کیا اس پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہے یا نہیں؟

جواب اس گروہ میں شامل لوگوں پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں کیونکہ انہوں نے نماز فجر مزدلفہ میں ادا کی۔ اذان فجر کے وقت یہ مزدلفہ پہنچ گئے اور نماز فجر انہوں نے اندھیرے میں ادا کی ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ صَلاَتَنَا هٰذِهِ وَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى يَدْفَعَ وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلاً أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضٰى تَفَثَهُ»(جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء فيمن أدرك الإمام بجمع ... الخ، ح:٨٩١)

"جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہو جائے اور ہمارے ساتھ وقوف کرے حتیٰ کہ ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں اور اس سے پہلے دن یا رات کو وہ عرفہ میں بھی وقوف کر چکا ہو تو اس نے حج کو مکمل کر لیا۔"

لیکن ان لوگوں نے یہ غلطی کی ہے کہ نماز کو نصف رات کے بعد تک مؤخر کر دیا جب کہ نماز عشاء کا وقت آدھی

رات تک ہے۔ (1)

شیخ ابن عثیمین

جسے مزدلفہ میں جگہ نہ ملے

سوال جب عید رات مزدلفہ میں بسر کرنے کے لیے حاجی کو جگہ ہی نہ ملے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب جسے مزدلفہ میں جگہ ہی نہ ملے تو ظاہر ہے کہ اس پر کوئی فدیہ وغیرہ لازم نہیں کیونکہ عجز و درماندگی کی صورت میں واجبات ساقط ہو جاتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

نمرہ کو مزدلفہ سمجھتے ہوئے پڑاؤ ڈال دیا

سوال ایک حاجی نے نمرہ کو مزدلفہ سمجھتے ہوئے وہاں پڑاؤ ڈال دیا تو اس کے حج کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو لوگ نمرہ کو مزدلفہ سمجھتے ہوئے وہاں پڑاؤ ڈال دیں تو ان پر فدیہ لازم ہے کیونکہ انہوں نے کوتاہی کی' انہیں چاہیئے تھا کہ کسی سے پوچھ لیتے' تاہم ان کا حج صحیح ہے۔

شیخ ابن عثیمین

مشعر حرام کے پاس وقوف واجب نہیں ہے

سوال اس سال حج کرتے ہوئے عرفہ کے بعد جب میں مزدلفہ میں گیا اور وہاں رات بسر کی تو میں مشعر حرام کے پاس جانا بھول گیا تو کیا اس کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟

جواب جب آپ نے مزدلفہ میں کسی بھی جگہ رات گزار لی تو آپ پر کوئی گناہ نہیں اور مشعر حرام نہ جانے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے مشعر حرام میں وقوف کیا اور فرمایا:

«وَقَفْتُ هَاهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»(صحيح مسلم، الحج، باب ما جاء أن عرفة كلها موقف، ح:١٤٩/١٢١٨)

"میں نے یہاں وقوف کیا ہے لیکن سارا مزدلفہ موقف ہے۔"

لہذا آپ مزدلفہ میں جہاں بھی وقوف کر لیں اور رات بسر کر لیں کافی ہے۔ نبی ﷺ کے اس فرمان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ مشعر تک پہنچنے کے لیے تکلف نہ کرے اور مشقت نہ اٹھائے بلکہ وہ جہاں بھی ہو وہاں وقوف کر لے اور جب نماز فجر ادا کر لے تو اللہ عزوجل سے دعا کرے اور پھر منیٰ روانہ ہو جائے۔

شیخ ابن عثیمین

---

(1) صحیح مسلم' المساجد' باب اوقات الصلوات الخمس' ح: 612

جو شخص گیارہ بج کر چالیس منٹ پر مزدلفہ سے نکلے ------

سوال ہم گیارہ بج کر چالیس منٹ پر مزدلفہ سے نکل گئے کیونکہ ہمارے ساتھ بچے بھی تھے' جب کہ ہم نے گیارہ بج کر پچاس منٹ پر جمرہ کو رمی بھی کر لی تھی اور پھر ہم مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ پر کچھ لازم نہیں کیونکہ آپ کا مزدلفہ سے خروج نصف رات کے قریب تھا' ہاں البتہ اگر آپ لوگ کچھ دیر اور ٹھہر جاتے حتیٰ کہ چاند غائب ہو جاتا تو یہ افضل اور زیادہ بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے' آپ کے اور تمام مسلمانوں کے اعمال کو شرف قبولیت سے نوازے!

—— شیخ ابن باز ——

نصف رات سے پہلے مزدلفہ سے کوچ

سوال ایک مصری شخص جو سعودی عرب میں مقیم ہے' اس نے مصر سے حج کی نیت سے آنے والی اپنی والدہ کا جدہ ایئر پورٹ پر استقبال کیا' جب وہ پہنچ گئی تو یہ لوگ گئے اور انہوں نے مناسک حج ادا کر لیے اور جب مطوف کی معیت میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے اور مزدلفہ میں مغرب و عشا کی نمازیں جمع کر کے ادا کر لیں تو مطوف نے آدھی رات سے پہلے ہی انہیں منیٰ جانے پر مجبور کر دیا یعنی یہ لوگ مزدلفہ میں آدھی رات سے پہلے بیٹھے اور پھر مطوف کے مجبور کرنے پر منیٰ روانہ ہو گئے اور اسی طرح انہوں نے حج ادا کیا تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اب والدہ مصر سفر کر گئی ہے اور اس کی واپسی ممکن نہیں اور کیا اس کا یہ حج جائز ہے جب کہ اس نے ہوائی جہاز میں محرم کے بغیر سفر کیا ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو مذکورہ عورت کا حج صحیح ہے اور ان کے نصف رات سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہونے کی وجہ سے کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ انہیں اسی پر مجبور کر دیا گیا تھا' ہاں البتہ محرم کے بغیر مصر سے آنا جائز نہ تھا' لہٰذا اس سے توبہ کرنی چاہیئے لیکن اس سے حج باطل نہیں بلکہ صحیح ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

منیٰ میں رات بسر کرنا

منیٰ میں جگہ نہ ملنا

سوال جب کسی حاجی کو تشریق کے دن اور راتوں میں منیٰ میں جگہ نہ ملے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جن لوگوں کو منیٰ میں جگہ نہ ملے تو وہ حاجیوں کے آخری خیمہ کے پاس پڑاؤ ڈال لیں خواہ ان کا یہ پڑاؤ حدود منیٰ سے باہر ہی ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

شیخ ابن عثیمین

رش کی وجہ سے منیٰ سے باہر رات بسر کرنا

سوال جب حاجی رات بسر کرنے کے لیے منیٰ میں جگہ نہ پائے تو وہ کیا کرے؟ کیا منیٰ سے باہر رات بسر کرنے کی وجہ سے کوئی فدیہ وغیرہ ہے؟

جواب جب حاجی منیٰ کی راتیں منیٰ میں بسر کرنے کے لیے جگہ تلاش کرنے میں کوشش کرے اور اسے کوئی جگہ نہ ملے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ منیٰ سے باہر پڑاؤ ڈال دے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اس پر کوئی فدیہ بھی نہیں کہ اس نے منیٰ میں قیام اس لیے نہیں کیا کہ اسے اس کی قدرت ہی نہ تھی۔

شیخ ابن باز

ناواقفیت کی وجہ سے منیٰ سے باہر رات بسر کرنا

سوال میں نے اور میرے اہل خانہ نے اس سال حج کیا اور تین دن گزارے۔ حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے دن ہمیں معلوم ہوا کہ ہم تو منیٰ سے باہر ہیں۔ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے کہ اس سلسلہ میں مجھ پر کیا لازم ہے؟

جواب اگر آپ کو جگہ ہی نہیں ملی تو آپ پر کچھ لازم نہیں اور اگر آپ کو جگہ ملی اور آپ نے کوتاہی کی تو آپ کو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیئے اور اگر آپ نے تمام راتیں ہی منیٰ سے باہر گزاری ہیں تو پھر اہل علم کے بقول آپ پر فدیہ لازم ہے جسے فقرائے مکہ میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر آپ نے ایک رات منیٰ میں نہیں گزاری اور دوسری رات منیٰ میں گزاری ہے تو پھر آپ پر یہ لازم ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

شیخ ابن عثیمین

ناواقفیت کی وجہ سے منیٰ سے باہر رات بسر کرنا----

سوال ایک آدمی نے دو راتیں منیٰ کے بہت ہی قریب یہ سمجھتے ہوئے گزاریں کہ وہ منیٰ ہی میں ہے لیکن اسے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ منیٰ کے اندر نہیں بلکہ منیٰ کے قریب ہے اور یہ بات حج کے بعد اسے آج کل انہی ایام میں معلوم ہوئی تو اب اسے کیا کرنا چاہیئے؟

جواب اس آدمی پر ایک دم لازم ہے جسے ذبح کر کے وہ فقرائے مکہ میں تقسیم کر دے کیونکہ اس نے شرعی عذر کے بغیر ایک واجب کو ترک کیا ہے' اس آدمی کے لیے یہ واجب تھا کہ منیٰ کے بارے میں کسی سے پوچھ لیتا اور پھر وہاں رات بسر کرتا لیکن اس نے جب اس واجب کو ادا نہیں کیا تو اس پر دم واجب ہے اور وہ یہ کہ بھیڑ کا بچہ یا ایسی بکری جس کے سامنے

کے دو دانت گر گئے ہوں اور جس کی قربانی کی جا سکتی ہو ذبح کرے۔ جو شخص منیٰ میں جگہ تلاش کرے لیکن اسے جگہ نہ ملے تو اس پر کچھ لازم نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

''پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٨٦)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة ... الخ، ح:١٣٣٧ ومسند أحمد:٢/ ٥٠٨ واللفظ له)

''جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔''

منیٰ میں شب بسر کرنے سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ ہوں گے جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے معذور ہوں مثلاً بیمار' چرواہے اور سقے وغیرہ۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

منیٰ میں ساری رات گزارنا افضل ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی' میں نے اپنے خاوند کے ساتھ اس سال حج کیا' تینوں ایام تشریق میں ہم منیٰ میں صرف رات کے ایک بجے تک رہتے تھے اور پھر باقی رات گزارنے کے لیے ہم مکہ میں آ جاتے تھے کیونکہ وہاں ہمارے پاس گھر موجود تھا تو کیا یہ جائز ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب منیٰ میں رات کا اکثر حصہ گزار دینا کافی ہے والحمدللہ' لہٰذا آپ پر کوئی فدیہ وغیرہ نہیں ہے لیکن اگر آپ نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کے اسوہ پر عمل کے پیش نظر ساری رات منیٰ ہی میں بسر کرتے تو یہ افضل تھا۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

منیٰ میں رات کا اکثر حصہ گزارنا شرط ہے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو رات کو منیٰ میں بارہ بجے تک رہے پھر مکہ مکرمہ میں واپس لوٹ آئے اور طلوع فجر سے پہلے دوبارہ وہاں نہ جائے؟

جواب اگر بارہ بجے تک آدھی رات ہو جاتی ہو تو پھر اس کے بعد منیٰ سے باہر آنے میں کوئی حرج نہیں' اگرچہ افضل یہ ہے کہ دن رات منیٰ ہی میں بسر کیے جائیں اور اگر بارہ آدھی رات سے پہلے بج جاتے ہوں تو پھر منیٰ سے باہر نہیں آنا

چاہیئے کیونکہ شرط یہ ہے کہ رات کا اکثر حصہ منیٰ میں بسر کیا جائے جیسا کہ ہمارے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر فرمایا ہے۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

حاجی کا ایام تشریق مکہ میں گزارنا

سوال یہ تو معلوم ہے کہ حاجی کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ایام تشریق منیٰ میں بسر کرے لیکن جب انسان رات کو سونا نہ چاہے تو کیا وہ منیٰ سے باہر نکل کر حرم میں رات بسر کر سکتا ہے تاکہ حرم میں رہ کر مزید عبادت کر سکے۔ وفقکم اللہ

جواب اہل علم جو یہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق میں منیٰ میں رات بسر کرنا واجب ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان دنوں کو انسان منیٰ ہی میں بسر کرے خواہ سو کر یا بیدار رہ کر۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان دنوں میں منیٰ میں سونا واجب ہے لہٰذا ہم سائل سے یہ کہیں گے کہ ایام تشریق آپ کے لیے مکہ میں گزارنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ یہ دن منیٰ میں بسر کئے جائیں ہاں البتہ اہل علم کے بقول اگر رات کا اکثر حصہ منیٰ میں بسر کر لیا جائے تو یہ بھی کافی ہے' اگر منیٰ میں جگہ نہ ملے تو منیٰ کے آخری خیمہ کے پاس پڑاؤ ڈال دے لیکن مکہ مکرمہ نہ جائے کیونکہ واجب ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہیں جیسا کہ مسجد بھری ہو تو لوگوں کو مل کر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

کام کی وجہ سے منیٰ میں رات بسر نہ کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے کام کاج کے حالات اسے ایام تشریق میں رات منیٰ میں بسر کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوں؟

جواب عذر والے لوگوں سے منیٰ میں رات بسر کرنے کا حکم ساقط ہے لیکن انہیں چاہیئے کہ باقی اوقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے انہیں حجاج کے ساتھ منیٰ میں بسر کریں۔

—————— شیخ ابن باز ——————

ایام تشریق میں منیٰ سے باہر رات گزارنا

سوال ایام تشریق میں منیٰ سے باہر رات گزارنے کے بارے میں کیا حکم ہے' خواہ یہ جان بوجھ کر ہو یا منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے' نیز حاجی منیٰ سے کب کوچ کرنا شروع کریں؟

جواب صحیح قول کے مطابق گیارہ اور بارہ تاریخ کی رات منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔ محقق اہل علم نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مرد اور عورت حاجیوں پر راتیں منیٰ میں بسر کرنا واجب ہے۔ اگر منیٰ میں جگہ نہ ملے تو یہ حکم ساقط ہو جائے گا اور اس صورت میں کوئی فدیہ وغیرہ نہ ہو گا' لیکن جو شخص اسے بلا عذر ترک کر دے تو اس پر دم لازم ہے۔

حاجی جب بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی جمرات سے فارغ ہو جائے تو وہ منیٰ سے کوچ کر سکتا ہے۔ پس اسے رخصت ہے کہ وہ منیٰ سے چلا جائے' اور اگر وہ رک جائے حتیٰ کہ تیرہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی جمرات سے فراغت کے بعد کوچ

کرے تو یہ افضل ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

بغیر عذر کے منیٰ میں رات بسر نہ کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو منیٰ میں تین یا دونوں دنوں کی راتیں بسر نہ کرے تو کیا اس پر ہر رات بسر نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم لازم ہو گا یا تینوں راتوں کے لیے ایک دم ہی کافی ہو گا' امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب جو شخص کسی عذر کے بغیر ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں بسر نہیں کرتا تو وہ افعال و ارکان حج میں سے ایک ایسے فعل کا تارک ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے مشروع قرار دیا ہے اور اس کے ترک کی آپ نے صرف عذر والوں مثلاً چرواہوں اور سقوں وغیرہ ہی کو رخصت دی ہے اور رخصت عزیمت کے بالمقابل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایام تشریق کی راتوں کو منیٰ میں بسر کرنا' اہل علم کے صحیح قول کے مطابق واجبات حج میں شمار کیا گیا ہے' لہٰذا جو شخص اسے شرعی عذر کے بغیر ترک کر دے تو اس پر دم لازم ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ "جو شخص حج کے کسی عمل کو ترک کر دے یا بھول جائے تو وہ خون بہائے۔"[1] ان تمام راتوں کے لیے ایک دم ہی کافی ہو گا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن باز ——

بیماری کی وجہ سے منیٰ میں رات بسر نہ کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو گیارہ تاریخ کی رات منیٰ میں اس لیے بسر نہ کر سکے کہ وہ بیمار تھا' ہاں البتہ دن کو زوال کے بعد اس نے رمی جمار کی اور پھر بارہ تاریخ کو بھی اس نے زوال کے بعد رمی کی تو کیا بیماری کی وجہ سے گیارہ تاریخ کی رات منیٰ میں نہ گزارنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہے' جیسا کہ اس نے بارہ تاریخ کی رات منیٰ میں گزاری تھی اور پھر بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی جمار کر کے اس نے منیٰ سے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا' امید ہے اس مسئلہ کی دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں گے؟

جواب اگر بیماری کی وجہ سے ایک رات کا قیام ترک کیا ہے تو کوئی فدیہ لازم نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے سقوں اور چرواہوں کو ترک قیام کی رخصت عطا فرما دی تھی[2] تو اس سے معلوم ہوا کہ معذور کے لیے ترک قیام کی رخصت ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن باز ——

---

[1] موطأ إمام مالك' الحج' باب جامع الفدية' حديث: 257' 419/1' 420

[2] صحيح بخاری' الحج' باب سقاية الحاج' حديث: 1634 - 1635 و صحيح مسلم' الحج' حديث: 1315

یوم عید ایام تشریق میں سے نہیں ہے

سوال بعض لوگ منیٰ میں صرف ایک رات قیام کرتے ہیں یعنی گیارہ کی رات قیام کرتے ہیں اور گیارہ تاریخ کو وہ بارہ کی بھی رمی کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہوں نے دو دن گزار لیے ہیں کیونکہ عید کے دن کو بھی وہ ایام تشریق میں سے شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے عید (قربانی) کے دن اور اس کے بعد دوسرے دن جو کہ گیارہ تاریخ کا دن ہے رمی کر لی ہے اور یہی وہ دو دن ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے:

﴿ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۰۳)

"اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں (چل دے) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔"

اور اس طرح وہ گیارہ تاریخ کو منیٰ چھوڑ جاتے ہیں' تو کیا یہ شرعاً جائز ہے اور کیا یہ صحیح ہے کہ انسان یوم عید کو بھی ان دو دنوں میں شمار کرے۔ امید ہے اس مسئلہ کی دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں گے؟

جواب ان دو دنوں سے مراد جنہیں منٰی میں بسر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جلدی کرنے والوں کو منٰی سے رخصت ہو جانے کی اجازت دی ہے' عید کا دوسرا اور تیسرا دن ہے کیونکہ یوم عید تو یوم حج اکبر ہے اور ایام تشریق عید کے دن کے بعد کے تین دنوں کو کہتے ہیں اور یہی دن رمی جمرات اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں۔ جو شخص جلدی کرنا چاہے تو وہ بارہ تاریخ کے غروب آفتاب سے پہلے پہلے منیٰ سے کوچ کر جائے' لیکن اگر سورج غروب ہو گیا تو پھر منیٰ ہی میں رات بسر کرنا واجب ہو گا اور اسے تیرہ تاریخ کو بھی رمی کرنا پڑے گی۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا تھا۔ جو شخص گیارہ تاریخ کو منیٰ سے روانہ ہو جائے تو اس نے ایک واجب یعنی رمی کو ترک کیا ہے' لہٰذا اس پر دم لازم ہے جسے مکہ میں فقراء کے لیے ذبح کیا جائے اور اس نے بارہویں رات کا منیٰ میں جو قیام ترک کیا تو اس کی وجہ سے اسے مقدور بھر صدقہ کرنا چاہیئے نیز اس کوتاہی اور بے وقت جلد بازی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کرنا چاہیئے۔

—— شیخ ابن باز ——

بارہ تاریخ کو منیٰ سے چلا گیا.........

سوال جب کوئی حاجی عجلت کی نیت سے بارہ تاریخ کے غروب آفتاب سے قبل منیٰ سے چلا جائے لیکن منیٰ میں کام کی وجہ سے اسے غروب آفتاب کے بعد پھر واپس آنا پڑے تو کیا اسے جلدی سے نکل جانے والوں میں شمار کیا جائے گا۔

جواب ہاں اسے جلدی کرنے والا شمار کیا جائے' کیونکہ اس نے حج کو ختم کر دیا اور دوبارہ منٰی میں آیا ہے تو وہ کام کی وجہ سے نہ کہ حج کی وجہ سے اور یہ عجلت کے خلاف نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رمی جمرات

جمار کی کنکریاں

سوال جمار کی کنکریاں کہاں سے لی جائیں؟ وہ کیسی ہوں اور انہیں دھونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کنکریاں منیٰ سے لی جائیں۔ اگر عید کے دن مزدلفہ سے لے لی جائیں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، کنکریوں کی تعداد سات ہونی چاہیئے۔ انہیں دھونے کا حکم نہیں ہے بلکہ انہیں منیٰ یا مزدلفہ یا بقیہ حرم سے کسی بھی جگہ سے لے کر اسی طرح رمی کر دے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایام تشریق میں کنکریوں کو منیٰ سے لیا جائے اور ہر روز اکیس کنکریاں لیجائیں اور اگر عجلت میں ہو تو بیالیس کنکریاں، گیارھویں اور بارھویں دن کے لئے درکار ہوں گی اور اگر تین دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر کل تریسٹھ کنکریاں مارنا ہوں گی۔ کنکری کا سائز بکری کی متوسط سائز کی مینگنی کے بقدر ہونا چاہئے جو کہ چنے کے دانے سے بڑی ہو اور بندق درخت کے پھل سے چھوٹی ہو جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے۔ اس کنکری کو حصى الخذف کہا جاتا ہے اور جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ کنکری بکری کی مینگنی سے تھوڑی سی چھوٹی ہونی چاہئے۔

——— شیخ ابن باز ———

جمروں کے اردگرد کی کنکریوں سے رمی کرنا

سوال کیا حاجی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جمروں کے اردگرد پڑی ہوئی کنکریوں سے رمی کر لے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کیونکہ ان کے ساتھ دراصل رمی نہیں ہوئی، ہاں البتہ جو حوض میں کنکریاں ہوں تو انہیں رمی کے لیے بالکل استعمال نہ کیا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

مستعمل کنکریوں سے رمی کرنا

سوال کہا جاتا ہے کہ مستعمل کنکریوں سے رمی کرنا جائز نہیں تو کیا یہ صحیح ہے؟ اس کی دلیل ہے؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مستعمل کنکریوں سے رمی کرنا جائز نہیں ہے، انہوں نے اس کے تین اسباب بیان کئے ہیں (۱) مستعمل کنکری، طہارت واجب کے لیے مستعمل پانی کی طرح ہے اور طہارت واجب میں مستعمل پانی طاہر تو ہوتا ہے لیکن مطہر نہیں۔ (۲) یہ کنکری اس غلام کی طرح ہے جسے ایک بار آزاد کر دیا گیا ہو تو اسے دوبارہ کسی کفارہ وغیرہ کے لیے آزاد نہیں کیا جا سکتا (۳) مستعمل کنکری سے رمی کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام حاجی صرف ایک ہی پتھر سے رمی کر لیں اور وہ اس طرح کہ آپ ایک پتھر پھینکیں اور پھر اسے پکڑ کر دوبارہ سہ بارہ حتیٰ کہ سات بار پھینک دیں اور پھر دوسرا حاجی اسی کو پکڑ کر پھینک دے، ان لوگوں نے عدم جواز کی یہ تین علتیں بیان کی ہیں لیکن ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علتیں بے حد علیل (نہایت کمزور) ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی علت کے بارے میں ہم

یہ کہیں گے کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ طہارت واجب میں استعمال کیا گیا پانی طاہر تو ہوتا ہے مطہر نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پانی کو اس کے اصلی وصف یعنی طہوریت سے کسی دلیل ہی سے خارج قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں تو معلوم ہوا کہ طہارت واجب میں مستعمل پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی اور جب مقیس علیہ کے حکم کی نفی ہو گئی تو اس کی فرع کی خود بخود نفی ہو گئی۔ اسی طرح دوسری علت یعنی مستعمل کنکری کو آزاد کردہ غلام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کہ غلام کو جب آزاد کر دیا جائے تو وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتا ہے لہٰذا اب دوبارہ اس کی آزادی کے کوئی معنی نہیں لیکن پتھر رمی کے بعد بھی پتھر ہی رہتا ہے اور اس سے وہ صفت زائل نہیں ہوتی جس کی وجہ سے یہ رمی کے قابل تھا اور پھر ایک مرتبہ آزاد کردہ غلام اگر کسی شرعی سبب کے باعث دوبارہ غلام بن جائے تو اسے دوبارہ آزاد کرنا بھی جائز ہے۔
اسی طرح تیسری علت جو یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ تمام حاجیوں کے لیے ایک ہی پتھر کافی ہو تو ہم عرض کریں گے کہ اگر ایسا ممکن ہو تو یہ جائز ہے لیکن ایسا ممکن ہی نہیں اور پھر کنکریوں کی کثرت اور فراوانی کی وجہ سے کون ایسا کر سکتا ہے' لہٰذا آپ کے ہاتھ سے جب ایک یا ایک سے زیادہ کنکریاں جمرات کے پاس گر جائیں تو ان کے بجائے اپنے پاس سے کنکریاں پکڑ لو' خواہ ظن غالب کے مطابق وہ رمی میں استعمال ہو چکی ہوں یا استعمال نہ ہوئی ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رمی جمرات کی ابتداء' کیفیت اور کنکریوں کی تعداد

سوال حاجی رمی جمرات کی کب ابتداء کرے' رمی کی کیفیت کیا ہو' کنکریوں کی تعداد کتنی ہو نیز کس جمرہ سے شروع کرے اور کس پر ختم؟

جواب پہلے جمرہ کو عید کے دن رمی کی جائے۔ یہ وہ جمرہ ہے جو مکہ سے ملا ہوا ہے اور اسے جمرہ عقبہ کہا جاتا ہے۔ اسے عید کے دن رمی کی جائے اور اگر قربانی کی رات نصف اخیر کے وقت رمی کر لی جائے تو یہ بھی صحیح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ضحیٰ کے وقت رمی کی جائے اور غروب آفتاب تک رمی کی جاسکتی ہے اور اگر دن کو رمی نہ کی جاسکے تو عید کے دن کے بعد والی رات کو غروب آفتاب کے بعد بھی رمی کی جاسکتی ہے۔ ایک ایک کنکری پھینکی جائے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ ایام تشریق میں زوال آفتاب کے بعد رمی کی جائے۔ پہلے اس پہلے جمرہ کو رمی کی جائے جو مسجد خیف کے ساتھ ہے۔ اسے سات کنکریاں ماری جائیں اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ پھر جمرہ وسطیٰ کو سات کنکریاں ماری جائیں اور پھر آخری جمرہ کو سات کنکریاں ماری جائیں۔ اور جسے (جلدی) نہ ہو وہ گیارہ' بارہ اور تیرہ تاریخ کو اسی طرح کنکریاں مارے۔ سنت یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے جمرہ کو رمی کرنے کے بعد رک جائے' پہلے جمرہ کو رمی کرنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے' جمرہ کو اپنی بائیں طرف کر لے اور اللہ تعالیٰ سے خوب لمبی دعا کرے' جسے جلدی نہ ہو وہ گیارہ' بارہ اور تیرہ تاریخ کو اسی طرح کرے۔ جمرہ اخیرہ جو مکہ مکرمہ سے ملا ہوا ہے' اسے رمی تو کر لے لیکن اس کے پاس کھڑا نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے رمی تو کی تھی لیکن آپ اس کے پاس کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح مسلم' الحج' باب حجة النبی ﷺ' حدیث: 1218۔

رمی جمار کا وقت

سوال تینوں ایام تشریق میں رمی جمار کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ خاص ان دنوں میں حاجی کو چاہیئے کہ ان جمروں کو رات کو رمی کر لے کیونکہ دن کے وقت بے پناہ رش کی وجہ سے رمی کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے' لہٰذا بعض لوگ اس صحیح حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کے دن منیٰ میں سوال کیا جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ» -

"کوئی حرج نہیں۔"

ایک آدمی نے آپ سے یہ سوال کیا کہ میں نے قربانی سے پہلے بال منڈوا دیئے ہیں تو آپ نے فرمایا:

«اذْبَحْ وَلاَ حَرَجَ»

"اب قربانی کر لو کوئی حرج نہیں۔"

ایک نے کہا کہ میں نے مغرب کے بعد رمی کی ہے تو آپ نے فرمایا:

«لاَ حَرَجَ»

"کوئی حرج نہیں۔"

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو رمی کی اجازت دے دی تھی جبکہ قربانی کے دن حاجی کے لیے رمی کرنا ایک انتہائی اہم واجب ہے' حتیٰ کہ وہ تحلل اول کی صورت میں حلال ہو جائے تو باقی تینوں ایام تشریق میں وہ رات کو رمی کیوں نہیں کر سکتا جبکہ وہ یوم نحر کی نسبت کم وجوب کے حامل ہیں' تو یہ گویا اس بات کی دلیل ہے کہ تینوں ایام تشریق میں رات کے وقت بھی رمی کرنا جائز ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو رات کو رمی جمار کرے' کیا اس پر کوئی فدیہ لازم ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ عزت مآب مدلل اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب ایام تشریق میں رمی جمار کا وقت زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«رَمٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًی، وَأَمَّا بَعْدَ، فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ»(صحيح مسلم، الحج، باب بيان وقت استحباب الرمي، ح:٣١٤/١٢٩٩)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ضحیٰ کے وقت اور اس دن کے بعد زوال کے بعد رمی کی۔"

اور امام بخاری نے یہ روایت ذکر فرمائی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

«كُنَّا نَتَحَيَّنُ، فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا» (صحيح البخاري، الحج، باب رمي الجمار، ح:١٧٤٦)

"ہم انتظار کرتے تھے اور جب آفتاب زوال پذیر ہو جاتا تو ہم رمی کرتے۔"

جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے' ہاں البتہ اگر کوئی شخص رات کو کسی مجبوری کی وجہ سے رمی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ جسے استطاعت ہو تو وہ غروب آفتاب سے پہلے پہلے رمی کر لے تاکہ سنت کے مطابق

عمل ہو سکے اور اختلاف سے بھی بچا جا سکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت رات کو رمی کرنے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ سائل نے نبی کریم ﷺ سے قربانی کے دن سوال کیا تھا' لہذا اس کے الفاظ "بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ" کے معنی زوال کے بعد کے ہیں' ہاں البتہ رات کو رمی کرنے کے بارے میں اس سے یہ استدلال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی نص صریح ثابت نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کناں ہو کہ رات کو رمی کرنا جائز نہیں ہے کہ اصل تو جواز ہے لیکن افضل اور زیادہ احتیاط تو اس میں ہے کہ دن کے وقت رمی کی جائے اور اگر رات کو رمی کرنے کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' البتہ اگلے دن کی رمی سابقہ رات میں نہ کرے۔ لیکن کمزور لوگوں کو ضرور یہ اجازت ہے کہ وہ قربانی کے دن کی رمی قربانی کی رات کے آخری حصہ میں کر سکتے ہیں جب کہ طاقتور لوگوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ جمرہ عقبہ کو رمی طلوع آفتاب کے بعد کریں' جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے تاکہ اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث میں تطبیق دی جا سکے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن باز ——

جمرہ عقبہ کی رمی کا وقت

سوال جمرہ عقبہ کی رمی کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ وقت ادا اور وقت قضا کی وضاحت فرما دیں؟

جواب عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کا وقت گیارہویں دن کی طلوع فجر کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان کمزور لوگوں کے لیے جو بھیڑ کا سامنا نہ کر سکتے ہوں' رمی کا وقت قربانی کی رات کے آخری حصہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ ایام تشریق میں رمی کا وقت بھی ان دونوں جمروں کی طرح جو ان کے ساتھ ہیں' زوال سے شروع ہوتا اور طلوع فجر کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور اگر ایام تشریق میں سے آخری دن ہو تو پھر رمی کا وقت غروب آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ دن کے وقت رمی کرنا افضل ہے خواہ دن کے اوقات میں حاجیوں کی کتنی ہی کثرت ہو اور وہ ایک دوسرے کے بارے میں کتنے ہی بے پروا ہوں' ہاں البتہ اگر کسی کو ہلاکت' نقصان یا شدید مشقت کا اندیشہ ہو تو وہ رات کو رمی کر لے اس میں کوئی حرج نہیں' اگر اس طرح کے کسی اندیشہ کے بغیر بھی رات کو رمی کر لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں' لیکن افضل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھا جائے' لہذا ضرورت کے بغیر رات کو رمی نہ کرے' آنے والے دن کی جب فجر طلوع ہو جائے تو یہ رمی کی قضاء ہو گی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایام تشریق میں زوال سے پہلے رمی جمار جائز نہیں

سوال ایک حاجی جس کا تعلق بیرون ملک سے ہے اور وہ سفر کے حالات' ٹکٹوں اور طیاروں کی ترتیب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اس نے شہر میں پوچھا کیا ۱۳/ ۱۲/ ۱۴۰۵ھ کی عصر کے وقت چار بجے سیٹ کی بکنگ ممکن ہے تو اسے بتایا گیا کہ ہاں یہ ممکن ہے تو اس نے اس وقت کی سیٹ بک کروائی لیکن پھر اسے تیرہویں تاریخ کی رات منیٰ ہی میں بسر کرنا پڑی تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ صبح کے وقت رمی کر لے اور پھر سفر شروع کرے کیونکہ اگر وہ زوال کے بعد لیٹ

ہو گیا تو سفر نہ کر سکے گا اور اس صورت میں اسے مشقت بھی بہت ہو گی اور ملکی قوانین کی مخالفت بھی لازم آئے گی؟

جواب یہ تو جائز نہیں کہ وہ زوال سے پہلے رمی کرے'ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ اس حالت میں ضرورت کے پیش نظر اس سے رمی ساقط ہو جائے گی اور اس پر فدیہ لازم ہو گا' جسے وہ خود یا اس کا وکیل منیٰ یا مکہ میں ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دے اور یہ طواف وداع کر کے سفر کرے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک قول کے مطابق زوال سے قبل بھی رمی کرنا جائز ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ زوال سے قبل رمی جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧ والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔''

اور نبی ﷺ نے زوال کے بعد رمی فرمائی تھی' اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کا زوال کے بعد رمی کرنا محض آپ کا فعل ہے اور محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا' تو ہم عرض کریں گے کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ مجرد فعل ہے اور مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا اور نبی کریم ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا کہ رمی زوال کے بعد ہو اور نہ زوال سے پہلے رمی کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ صحیح ہے کہ فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ وجوب تو اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کسی فعل کا حکم دیا گیا ہو یا کسی فعل کے ترک سے منع کر دیا گیا ہو' لیکن ہم عرض کریں گے کہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس کے وجوب پر قرینہ دلالت کناں ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ رمی کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ سورج زوال پذیر ہو جاتا اور اگر رمی زوال آفتاب سے قبل جائز ہوتی تو آپ ضرور زوال سے قبل رمی فرماتے کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے زیادہ سہولت اور آسانی ہے اور نبی اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان ترین کو منتخب فرما لیتے بشرطیکہ وہ کام گناہ کا نہ ہوتا اور اگر آپ نے یہاں آسان کام کو منتخب نہیں فرمایا جو کہ یقیناً قبل از زوال رمی ہے تو معلوم ہوا کہ قبل از زوال رمی کرنا گناہ ہے۔ زوال کے بعد رمی کرنے کے وجوب پر دلالت کرنے والا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ زوال آفتاب کے فورا بعد اور نماز ظہر سے قبل رمی شروع فرما دیا کرتے تھے گویا آپ زوال کا شدت سے انتظار فرمایا کرتے تا کہ جلد رمی کر سکیں اور اس کے لیے نماز ظہر کو بھی مؤخر فرما دیتے حالانکہ نماز کو اول وقت ادا کرنا افضل ہے لیکن یہ سارا اہتمام صرف اس لیے ہوتا کہ رمی زوال کے بعد کر سکیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

زوال سے پہلے رمی جائز نہیں

سوال میں نے حج کے آخری دن جمرات کو اذان ظہر سے پندرہ منٹ پہلے رمی کر دی تھی' تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ زوال کا وقت ہے؟ اور اگر زوال کا وقت شروع نہیں ہوا تو کیا اس صورت میں مجھ پر کوئی فدیہ لازم ہے؟

جواب آپ پر دم لازم ہے جسے مکہ میں ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ ایام تشریق میں رمی جمار' زوال آفتاب کے بعد ہے' زوال سے پہلے جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایام تشریق میں زوال کے بعد رمی کی ہے اور آپ نے فرمایا:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧ والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

"مجھ سے اپنے مناسک حج کو سیکھ لو۔"

لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس مسئلہ میں بھی آپ کی اتباع کریں۔

دم کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ بھی لازم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ کریں کیونکہ آپ نے حکم شریعت کی مخالفت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں' تمہیں اور تمام مسلمانوں کو معاف فرمائے!

—— شیخ ابن باز ——

جمرہ عقبہ کو رات کو رمی کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ عید کی رات مزدلفہ سے منیٰ آنے کے بعد رات کے وقت جمرہ عقبہ کو رمی کر دی جائے اور صحیح حدیث میں جو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غلمان بنی عبدالمطلب سے فرمایا تھا:

«لاَ تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ» (جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء في تقديم الضعفة من جمع بليل، ح:٨٩٣)

"سورج طلوع ہونے تک جمرہ کو رمی نہ کرو۔"

تو اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟

جواب طاقتور لوگوں کے لیے افضل یہ ہے کہ عید کے دن جمرہ عقبہ کو طلوع آفتاب کے بعد رمی کریں تاکہ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء اور مذکورہ حدیث کے مطابق عمل ہو سکے' جہاں تک معذوروں اور کمزوروں کا تعلق ہے تو ان کے لیے رات کے نصف اخیر میں بھی رمی کرنا جائز ہے جیسا کہ اس مسئلہ سے متعلق احادیث سے یہ ثابت ہے مثلاً عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نحر والی رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا تو انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ کو رمی کی تھی۔ [1]

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ مولیٰ اسماء سے روایت کیا ہے کہ وہ مزدلفہ کی رات مزدلفہ میں آئیں اور کچھ دیر نماز پڑھتی رہیں اور پھر کہنے لگیں اے میرے بیٹے! کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا نہیں' تو وہ کچھ دیر نماز پڑھتی رہیں' پھر کہا' کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا ہاں' تو انہوں نے کہا کہ پھر اب کوچ کرو' چنانچہ ہم نے کوچ کیا حتیٰ کہ انہوں نے جمرہ عقبہ کو رمی کیا' پھر واپس لوٹ آئیں' اور صبح کی نماز اپنی رہائش پر ادا کی۔ میں نے کہا کہ ابھی تک تو بہت اندھیرا ہے تو انہوں نے کہا اے بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ [2] باقی رہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں طلوع آفتاب کے بعد رمی کا ذکر ہے تو بعض اہل علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے۔ اور اگر اسے صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو یہ استحباب اور افضیلت پر محمول ہو گا تاکہ اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث میں تطبیق دی جا سکے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] ابو داود' المناسک' باب التعجیل من جمع' حدیث: 1942-

[2] صحیح بخاری' الحج' باب من قدم ضعفة أهله بليل فيقفون...... الخ' حدیث: 1679-

——— فتویٰ کمیٹی ———

جمرہ عقبہ کو رات کے وقت رمی کرنا

سوال حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں یہ آیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی ہے' تو آپ نے فرمایا "کوئی حرج نہیں" اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے تو کیا یہ صحیح ہے کہ قربانی کے دن غروب آفتاب کے بعد جمرہ عقبہ کو رمی کرنا جائز ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے قربانی کے دن (ایام تشریق میں نہیں) یہ سوال کیا گیا جیسا کہ بخاری میں ہے [1] کہ ایک صحابی نے آپ سے یہ پوچھا کہ میں نے شام کے بعد رمی کی ہے یعنی دن کے آخری حصہ میں رمی کی ہے' تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے کہ عید کے دن ظہر یا عصر کے بعد دن کے آخری حصہ میں رمی کر لی جائے' اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس صحابی نے رات کو رمی کی تھی کیونکہ اس نے تو یہ سوال ہی رات کے آنے سے پہلے کیا تھا۔ غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جائز ہے اور یہی قول قوی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا جائز نہیں بلکہ اس صورت میں مؤخر کر دے اور پھر گیارہ تاریخ کو زوال آفتاب کے بعد رمی کرے' لیکن علماء فرماتے ہیں کہ گیارہویں تاریخ کے جمرات سے پہلے جمرہ عقبہ کو رمی کر لے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ کوشش کر کے عید کے دن جمرہ عقبہ کو دن کے وقت رمی کر لے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام نے کیا تھا' اسی طرح رمی کے دیگر ایام میں زوال کے بعد مگر غروب آفتاب سے پہلے پہلے رمی کرے۔ اگر مشکل درپیش ہو' سورج غروب ہو جائے اور رمی نہ کر سکے تو پھر صحیح قول کے مطابق غروب کے بعد سے لے کر رات کے آخری حصہ تک رمی کرنا جائز ہے۔ **واللہ ولی التوفیق۔**

——— شیخ ابن باز ———

رات کو رمی جمار..........

سوال کیا جسے کوئی عذر نہ ہو اس کے لیے ایام تشریق میں تینوں جمرات کو رات کو رمی کرنا جائز ہے؟ جو شخص کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ قربانی کی رات نصف شب کے بعد مزدلفہ سے آیا ہو تو اس کے لیے جمرہ عقبہ کو رمی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ غروب کے بعد رمی کرنا جائز ہے' لیکن سنت یہ ہے کہ غروب سے پہلے اور زوال کے بعد رمی کی جائے' لہٰذا اگر ممکن ہو تو یہی افضل ہے اور اگر ممکن نہ ہو تو صحیح قول کے مطابق غروب آفتاب کے بعد بھی رمی کی جا سکتی ہے۔ جو محرم او ڈرائیور وغیرہ' کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ آئیں تو ان کا حکم بھی وہی ہے جو ان کا ہے' یعنی وہ بھی عورتوں وغیرہ کے ساتھ رات کے آخری حصہ میں رمی کر سکتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح بخاری' الحج' باب اذا رمی بعد ما أمسی الخ' حدیث: 1735

جسے حوض میں کنکری کے گرنے میں شک ہو

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جسے یہ شک ہو کہ بعض کنکریاں حوض میں نہیں گریں؟

جواب جسے شک ہو وہ کنکریوں کی تعداد مکمل کرے' منیٰ میں اپنی قریبی زمین سے کنکریاں لے لے اور ان کے ساتھ تعداد مکمل کر لے۔

—— شیخ ابن باز ——

جب کنکری حوض میں نہ گرے

سوال ایک حاجی نے مشرقی جانب سے جمرہ عقبہ کو رمی کی لیکن کنکر حوض میں نہیں گرے' اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہیئے' یاد رہے اس نے تیرہ تاریخ کو رمی کی ہے' کیا اس کے لیے ایام تشریق میں رمی کا اعادہ لازم ہے؟

جواب اس کے لیے ساری رمی کا اعادہ لازم نہیں ہے بلکہ صرف اس رمی کا اعادہ لازم ہے جس میں اس سے غلطی ہوئی' لہٰذا اسے صرف جمرہ عقبہ کی رمی کو دوبارہ صحیح طریقے سے کرنا ہو گا۔ اور اس نے مشرقی جانب سے جو رمی کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرف سے رمی کرنے سے کنکریاں حوض میں نہیں گرتیں جو کہ رمی کی جگہ ہے' ہاں البتہ اگر مشرقی جانب سے پل کے اوپر سے رمی کرے تو وہ صحیح ہو گی کیونکہ اس صورت میں کنکریاں حوض ہی میں گرتی ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جس نے صرف چھ کنکریاں پھینکی ہوں

سوال اس شخص پر کیا واجب ہے جس نے آخری کنکری پھینکی لیکن وہ جمرہ کبریٰ کے حوض میں نہ گری کیونکہ شدت بھیڑ کی وجہ سے اس کی قوت جواب دے گئی تھی؟

جواب اگر اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ کسی مشقت کے بغیر اس کے بجائے اور کنکری پھینک سکے تو ایک کنکری پھینک دے ورنہ جو وہ رمی کر چکا ہے' وہی کافی ہو گی اور اس پر کوئی دم یا کھانا وغیرہ لازم نہ ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

جس کے ذمہ ایک یا دو کنکریاں ہوں

سوال جب پھینکی گئی سات کنکریوں میں سے ایک یا دو نہ لگیں اور ایک یا دو دن بھی گزر جائیں تو کیا اس ایک یا دو کنکریوں کا اعادہ لازم ہے اور اگر لازم ہے تو کیا وہ اس کے بعد والی رمی کا اعادہ کرے؟

جواب جب کسی ایک جمرہ کی ایک یا دو کنکریاں باقی رہ گئی ہوں تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس آخری جمرہ کی رمی کو مکمل کر لے جو ناقص رہ گئی ہے' اس سے پہلے کی ہوئی رمی کا اعادہ لازم نہیں ہے اور اگر آخری سے کسی پہلے جمرہ کی رمی ناقص رہ گئی ہو تو اسے مکمل کر لے اور پھر اس کے بعد والے جمروں کو رمی کر لے' لیکن میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ رمی میں

جو نقص رہ گیا ہو اسے مکمل کر لے اور اس پر بعد والی رمی کا اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ جہالت یا نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور اس آدمی نے جب دوسرے جمرہ کو رمی کی تو اس کے خیال میں پہلے جمرہ کے حوالہ سے اس پر کچھ لازم نہ تھا کیونکہ اس کی حالت جہالت اور نسیان کے درمیان تھی' لہٰذا ہم اس سے یہ کہیں گے کہ جتنی کنکریاں کم رہ گئی ہیں' انہیں پورا کر لو اور اس کے بعد کی رمی آپ پر واجب نہیں ہے۔

جواب ختم کرنے سے پہلے میں اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ رمی کرنے کی جگہ وہ ہے جہاں کنکریاں جمع ہوتی ہیں نہ کہ وہ ستون جسے اس جگہ کی نشاندہی کے لیے استوار کیا گیا ہے' لہٰذا جو شخص حوض میں کنکری پھینک دے اور اس کی کنکری ستون کو نہ لگے تو اس کی رمی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تمام جمروں کو ایک ہی دن رمی کرنا

سوال کیا حاجی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایام تشریق کے تمام جمروں کو ایک ہی دن رمی کر دے' خواہ وہ ایام تشریق میں سے پہلا دن ہو یا دوسرا یا تیسرا اور منیٰ میں دو یا تین دن بسر کرے اور رمی نہ کرے تو کیا اس طرح ایک ہی دن رمی کرنا صحیح ہے یا یہ ضروری ہے کہ رمی میں ایام کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے' امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب رمی جمار حج کے واجبات میں سے ہے اور غیر متعجل کے لیے عید کے دن اور ایام تشریق میں رمی کرنا واجب ہے۔ اور متعجل کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ایام تشریق کے پہلے دو دنوں میں رمی کرے اور ہر روز زوال کے بعد رمی کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد رمی کی تھی اور حج کے سلسلہ میں آپ کا مشہور ارشاد گرامی ہے:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧ والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

"حج کے احکام و اعمال مجھ سے سیکھو۔"

لہٰذا قبل از وقت رمی کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ شدید ضرورت مثلاً بہت زیادہ بھیڑ وغیرہ کی صورت میں اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک اسے مؤخر کرنا جائز ہے۔ ان اہل علم نے یہ بات ان چرواہوں وغیرہ پر قیاس کرتے ہوئے فرمائی ہے جنہیں نبی کریم ﷺ نے یہ رخصت عطا فرمائی تھی کہ وہ دو دنوں کی رمی دوسرے دن یعنی بارہ تاریخ کو کر لیں [1] اور ترتیب کے لیے نیت کر لیں۔ رمی کے لیے پہلا دن عید کا ہے اور پھر ایام تشریق کا پہلا پھر دوسرا اور پھر تیسرا دن ہے' بشرطیکہ عجلت کا مسئلہ درپیش نہ ہو اور پھر طواف وداع رمی کے بعد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

[1] سنن ابی داود' المناسک' باب فی رمی الجمار' حدیث: 1975 و جامع ترمذی' حدیث: 954 و سنن نسائی' حدیث: 3070 و سنن ابن ماجه، حدیث: 3036-

——— شیخ ابن باز ———

جو ایک ہی دفعہ تمام جمروں کو رمی کرلے

سوال میں نے اپنے والد کے ساتھ فریضۂ حج اس وقت ادا کیا جب میری عمر سترہ برس تھی اور مجھے حج کے احکام و مسائل کے بارے میں کچھ خبر نہ تھی۔ میں اپنے والد کے ساتھ جب رمی جمرات کے لیے گئی تو میرے والد نے کنکریوں کو لے کر تمام کو یکبار ہی پھینک دیا تو کیا میرا حج صحیح ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب اگر آپ کے والد نے تمام جمرات کو یکبار رمی کر دیا ہے' تو آپ پر دم لازم ہے اور وہ ہے اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا ایک عدد بھیڑ یا بکری ہے۔ اس کو مکہ میں ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ رمی جمرات حج کے واجبات میں سے ہے اور واجب یہ ہے کہ ساتوں کنکریوں کو ایک ایک کر کے پھینکا جائے۔ اگر کوئی حاجی تمام کنکریوں کو یکبار مار دے تو یہ ایسے ہو گا جیسے اس نے ایک ہی کنکری ماری ہو۔ اس مذکورہ صورت میں آپ کا حج صحیح ہے' اس کا اعادہ لازم نہیں ہے' ہاں البتہ اس میں جو نقص رہ گیا ہے اسے بیان کردہ مذکورہ دم کے ساتھ پورا کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کے لیے دوبارہ حج کرنا ممکن ہو تو وہ حج نفل ہو گا۔ بہر آئینہ حج فرض ہو یا نفل' اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو یہ فضل عظیم اور اجر کبیر کا حامل عمل ہے' بشرطیکہ اسے حکم شریعت کے مطابق ادا کیا جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلاَّ الْجَنَّةَ»(صحيح البخاري، العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، ح:١٧٧٣ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، ح:١٣٤٩)

''حج مبرور کی جزا جنت ہی ہے۔''

جو شخص رمی کرنے سے عاجز ہو مثلاً مریض یا بوڑھا یا وہ عورت جو جمرہ تک نہ پہنچ سکتی ہو یا اس طرح کے دیگر لوگ تو ان کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ رمی جمار کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنالیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

''سو جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔''

تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر یہ واجب ہے کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور ان احکام کو سیکھیں جو ان پر نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج وغیرہ کے سلسلہ میں واجب قرار دیئے گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور احکام کی معرفت کا اس کے بغیر اور کوئی طریقہ نہیں کہ انسان دین کا علم سیکھے اور اس میں فقاہت حاصل کرے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»(صحيح البخاري، العلم، باب من يرد الله به خيرا ... الخ، ح:٧١ وصحيح مسلم، الزكاة، باب النهي عن المسألة، ح:١٠٣٧)

''جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے' اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔''

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ» (جامع الترمذي، العلم، باب فضل طلب العلم، ح:٢٦٤٦)

''جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی وجہ سے جنت کے

راستے کو آسان بنا دیتا ہے۔"

اللہ تمام مسلمانوں کو علم نافع حاصل کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ إِنَّهُ خَيْرُ مَسْئُوْلٍ ۔

——— شیخ ابن باز ———

دوسرے دن زوال سے پہلے رمی کر لینا

سوال جس نے عید کے دوسرے دن ضحیٰ (چاشت) کے وقت رمی کی اور اسے بعد میں معلوم ہوا کہ رمی کا وقت تو ظہر کے بعد تھا' اس پر کیا واجب ہے؟

جواب جو شخص عیدالاضحیٰ کے دوسرے دن زوال سے پہلے رمی کر لے تو اسے اسی دن زوال کے بعد دوبارہ رمی کرنا چاہیئے اور اگر اسے اپنی غلطی کا تیسرے یا چوتھے دن علم ہو تو وہ تیسرے یا چوتھے دن زوال کے بعد رمی کا اعادہ کر لے اور جس دن اسے یاد آئے اس دن کی رمی بعد میں کرے پہلے اس رمی کا اعادہ کرے جسے اس نے غلط وقت پر کیا تھا اور اگر اسے اپنی غلطی کے بارے میں چوتھے دن غروب آفتاب کے بعد علم ہوا تو وہ رمی نہ کرے بلکہ ایک دم ذبح کر کے حرم کے فقراء کو کھلا دے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو شخص رمی جمار میں ترتیب بدل دے

سوال میرا ایک قریبی عزیز فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے ۱۴۰۶ھ میں یہاں آیا اور اس نے رمی جمار کے پہلے دن اصغر' اوسط اور اکبر کو ترتیب کے ساتھ رمی کرنے کے بجائے اس ترتیب کو بدل دیا اور اس غلطی کے بارے میں اسے دوسرے دن اس وقت علم ہوا جب کہ اس نے دوسرے اور تیسرے دن صحیح رمی کی اور پہلے دن جو اس نے غلط رمی کی تھی اس کے بجائے دوبارہ رمی کی اور نہ کوئی کفارہ ادا کیا حتیٰ کہ دیگر تمام مناسک حج ادا کرنے کے بعد وہ اپنے ملک واپس لوٹ گیا اور اس نے خط ارسال کر کے اپنی اس غلطی کے بارے میں پوچھا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے جن علماء سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا ہے' ان کی آراء مختلف ہیں؟

جواب اس شخص پر دم لازم ہے اور وہ یہ کہ اونٹ یا گائے کے ساتویں حصہ کو یا ایک عدد بھیڑ کو یا ایسی بکری کو جس کے سامنے کے دو دانت گر گئے ہوں' مکہ مکرمہ میں ذبح کر کے حرم کے فقراء میں تقسیم کر دے کیونکہ اسے رمی کے دنوں ہی میں اس مسئلہ کے بارے میں علم ہو گیا تھا اور پھر اس نے حکم شریعت کے مطابق رمی کا اعادہ نہ کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "جو شخص حج کے کسی عمل کو ترک کر دے یا اسے بھول جائے تو وہ خون بہائے۔" [1]

اور یاد رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی اور پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت بھی نہیں کی۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] موطأ إمام مالک' الحج' باب جامع الفدیہ' حدیث: 257' 1/419/ 420

تاخیر کی صورت میں شب بسر کرنا واجب ہے اور ....

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو عید کے بعد دو دن رہے اور تیسرے دن (تیرھویں) کی رات بھی گزارے تو کیا اس کے لیے ناگزیر حالات میں طلوع فجر یا طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص منیٰ ہی میں رہے حتیٰ کہ تیرہویں کی رات آ جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ منیٰ ہی میں رات بسر کرے اور پھر زوال کے بعد رمی کرے' پہلے دو دنوں کی طرح اس کے لیے تیرہویں کے دن بھی زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہویں کا دن بھی منیٰ میں بسر فرمایا تھا اور اس دن بھی آپ نے زوال کے بعد ہی رمی کی تھی اور آپ نے فرمایا:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧ والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

"مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔"

—— شیخ ابن باز ——

جو شخص بارہویں تاریخ کی رمی ترک کر دے ....

سوال میں اپنی بیوی کے ساتھ دوسری مرتبہ فریضۂ حج ادا کر رہا تھا' میرے بچے ریاض میں تھے۔ دوسرے جمرہ کو رمی کرنے کے بعد ہم مکہ میں آ گئے' حج مکمل کر لیا اور ریاض کے لیے سفر پر روانہ ہو گئے کیونکہ دل میں بچوں کا خیال تھا۔ ہم نے ایک قریبی رشتہ دار کو اپنا وکیل مقرر کر دیا کہ وہ ہماری طرف سے رمی جمرات کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ اس صورت میں ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب آپ دونوں میاں بیوی پر یہ لازم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ آپ نے بارہویں دن کی رمی کو ترک کیا جو کہ واجب تھی اور پھر طواف وداع کو بروقت نہیں کیا کیونکہ اس کا وقت اختتام رمی کے بعد ہے۔ آپ دونوں میں سے ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ وہ ایسے دو جانور مکہ میں ذبح کرے جن کی قربانی جائز ہو اور انہیں فقرائے حرم میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک جانور بارہویں دن ترک رمی کی وجہ سے ہے اور دوسرا جانور طواف وداع ترک کرنے کی وجہ سے ہے اور طواف وداع بھی واجب ہے لیکن آپ نے اسے قبل از وقت کیا ہے اور بارہویں رات منیٰ میں بسر نہ کرنے کی وجہ سے مقدور بھر صدقہ بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

—— شیخ ابن باز ——

گیارہویں دن رمی' وداع اور سفر

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو گیارہویں دن رمی کر کے طواف وداع کرے اور پھر سفر پر روانہ ہو جائے؟

جواب جو شخص گیارہویں دن رمی کر کے طواف وداع کے بعد سفر کرے تو اس نے دو واجب ترک کئے ایک بارہویں دن کا رمی جمرات اور دوسرا اس دن کی رات کو منیٰ میں بسر کرنا' لہٰذا بہت سے اہل علم کے بقول اس پر دو فدیے واجب ہیں' جنہیں مکہ میں ذبح کر کے وہاں کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے ایام تشریق کے آخر..........

سوال جب کوئی حاجی بیماری یا بڑھاپے یا بھیڑ کے خوف کی وجہ سے رمی کو آخری یوم تشریق تک مؤخر کر دے تو کیا وہ ایک ہی موقف میں جمرہ عقبہ اور دیگر جمرات کو رمی کر سکتا ہے یا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر دن کی الگ الگ رمی کرے یعنی پہلے پہلے دن کی رمی کرے' پھر از سرنو دوسرے دن کی رمی کرے پھر اسی طرح از سرنو تیسرے دن کی رمی کرے خواہ اس میں اسے کتنی ہی مشقت کیوں نہ ہو؟

جواب پہلے جمرہ عقبہ کو رمی کرے' پھر گیارہویں دن کے جمرات' پھر بارہویں دن کے جمرات اور پھر تیرہویں دن کے جمرات کو رمی کرے بشرطیکہ اسے جلدی نہ ہو' سنت یہ ہے کہ حتی المقدور ہر دن کی رمی کو بروقت کیا جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شرعی عذر کی وجہ سے وکالت جائز ہے

سوال شدت ازدحام کی وجہ سے میری والدہ اور دونوں بہنوں نے رمی جمرات کے لیے مجھے اپنا وکیل مقرر کر دیا تو کیا یہ صحیح ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

جواب اگر وہ شدت ازدحام یا بیماری یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے عاجز ہوں تو پھر ان کا رمی کیلئے آپ کو وکیل مقرر کرنا صحیح ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

فدیہ

ممنوع فعل کا فدیہ' اس کی اقسام اور تکرار

سوال حج میں فدیہ کیا ہے؟ اسکی اقسام کیا ہیں؟ اور اگر ایک ہی طرح کے ممنوع فعل کا بار بار ارتکاب ہو تو پھر اسکا کیا حکم ہے؟

جواب ممنوعات احرام میں سے کسی ممنوع فعل کے ارتکاب کی وجہ سے فدیہ کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) اختیار ہے کہ ایک بکری ذبح کر دے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا تین دن کے روزے رکھ لے۔ یہ فدیہ اس صورت میں ہے جب بالوں کو مونڈ دے خواہ تین بال ہوں یا ناخن کاٹ دے یا سلا ہوا کپڑا پہن لے یا خوشبو استعمال کر لے یا سر کو ڈھانپ لے۔

(۲) شکار کی صورت میں اختیار ہے کہ اسی طرح کا کوئی چوپایہ جانور ذبح کرے یا اس کی قیمت کا اندازہ کر کے اس کے بقدر کھانا صدقہ کر دے یا اندازہ کر کے ایک مد کھانے کے عوض ایک دن کا روزہ رکھ لے۔

(۳) تمتع اور قران کے فدیہ کی صورت میں دم لازم ہے' بشرطیکہ اس کے پاس موجود ہو اور اگر موجود نہ ہو تو دس دن کے روزے رکھ لے' تین روزے مکہ مکرمہ میں رکھے اور سات گھر واپس آکر رکھ لے۔

(۴) حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کرنے کی صورت میں دم لازم ہے مثلاً مزدلفہ میں رات بسر کرنا' رمی جمار' بال منڈانا' طواف وداع اور میقات سے احرام باندھنے میں سے اگر کسی واجب کو ترک کردے تو اس پر لازم ہے کہ ایک جانور ذبح کر کے مساکین حرم میں تقسیم کر دے۔ اگر ایک ہی جنس کے ممنوع کا کئی بار ارتکاب ہو تو اس پر ایک ہی فدیہ لازم ہے مثلاً یہ کہ ہر دن کئی بال منڈا دے یا کئی بار اپنے سر کو ڈھانپ لے لیکن اگر پہلی بار کے فعل کا فدیہ دے اور پھر دوبارہ اس کا ارتکاب کرے تو دوبارہ فدیہ لازم ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جو شخص حرم کا درخت کاٹ دے

سوال جو شخص حرم کا درخت کاٹ دے' اس پر کیا واجب ہے؟ حرم مکہ کی حدود کیا ہیں؟

جواب جو شخص حرم مکہ کا ایک بڑا درخت کاٹ دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک اونٹ ذبح کرے اور جو کوئی چھوٹا درخت کاٹ دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک بکری ذبح کرے اور جڑی بوٹی کی صورت میں اس کی قیمت ادا کی جائے۔ ہاں البتہ ان ٹہنیوں کو کاٹنا جائز ہے جو پھیل کر راستے پر آ گئی ہوں اور ان سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو' اسی طرح آدمی نے خود جو فصل اگائی ہو اسے کاٹنا بھی جائز ہے۔ حرم مکہ کی حدود معروف ہیں۔ ان کے اختتام پر نمایاں علامات لگا دی گئی ہیں جیسا کہ وہ علامت جو مزدلفہ اور عرفہ کے درمیان لگا دی گئی ہے' اسی طرح جدہ کے راستہ میں شمیسی کے قریب یعنی حدیبیہ کے مقام پر بھی علامت لگائی گئی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

واجب ترک کرنے والے سے دم ساقط نہیں ہوتا

سوال کیا دم ساقط ہو جاتا ہے' اس جاہل سے جو حکم نہیں جانتا یا اس شخص سے جو بھول کر واجبات حج میں سے کسی واجب مثلاً رات بسر کرنا' رمی کرنا اور بال منڈانا وغیرہ کو ترک کر دے یا ضروری ہے کہ دم دیا جائے؟ نیز کیا ممنوعات احرام میں سے کسی کے ارتکاب کی صورت میں بھی دم ضروری ہے؟

جواب جو شخص جاہل ہو یا بھول کر ممنوعات احرام میں سے کسی ممنوع کا ارتکاب کرے تو اس سے تو دم ساقط ہو جاتا ہے' لیکن جو شخص جہالت یا نسیان کے باعث حج یا عمرہ کے واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کر دے تو اس سے دم ساقط نہیں ہوتا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص حج کے کسی حکم کو ترک کر دے یا بھول جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ خون بہائے' نیز اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جس میں یہ ہے کہ ایک شخص نے عمرہ کی حالت میں خوشبو سے معطر جبہ پہن لیا تھا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

احصار

میقات سے احرام باندھا لیکن ....

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھے مگر پھر کسی رکاوٹ کی وجہ سے طواف اور سعی نہ کر سکے؟

جواب اگر اس رکاوٹ کے جلد دور ہو جانے کی امید ہو تو بدستور حالت احرام میں رہے' مثلاً رکاوٹ سیلاب کی وجہ سے ہو یا کسی ایسے دشمن کی وجہ سے جس سے سمجھوتہ ہو جانے کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں داخلہ ممکن ہو تو اس صورت میں احرام کھولنے میں جلدی نہ کرے جیسا کہ نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت احرام کھولنے میں جلدی نہیں کی تھی جب انہیں حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا تھا اور انہوں نے اہل مکہ کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیئے تھے کہ شاید وہ کسی لڑائی جھگڑا کے بغیر مکہ میں جاکر عمرہ ادا کرنے کی اجازت دے دیں' لیکن جب ایسا ممکن نہ ہوا اور اہل مکہ نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے خواہ اس کے لیے انہیں جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے تو اس صورتحال کو دیکھ کر نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہدی کے جانور ذبح کر کے بال منڈوا دیئے اور احرام کھول دیئے تھے۔

مُحصَر کے لیے یہی حکم شریعت ہے کہ وہ انتظار کرے۔ اگر رکاوٹ کا خاتمہ ممکن ہو تو اپنے احرام کو باقی رکھے اور مناسک ادا کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو اور اس جگہ جہاں اسے روک دیا گیا ہو' قیام میں دشواری ہو تو اس عمرہ یا حج کے احرام کو کھول دے اور اس پر سوائے اس کے اور کچھ واجب نہیں کہ جانور ذبح کر کے اور بال منڈوا یا کٹوا کر حلال ہو جائے جیسا کہ نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا اور جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا۟ رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْهَدْىُ مَحِلَّهُۥ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۹۶)

"اور اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ نہ جائے سر نہ منڈاؤ۔"

یاد رہے حلق' ذبح کے بعد ہو گا' یعنی پہلے قربانی کا جانور ذبح کرے اور پھر اس کے بعد بال منڈوائے یا کٹوائے پھر احرام کھول دے اور اپنے وطن واپس لوٹ جائے۔

—— شیخ ابن باز ——

حج کی راہ میں کسی رکاوٹ کا پیش آجانا

سوال جب کوئی حج یا عمرہ کیلئے لبیک کہتا ہوا میقات سے گزر جائے اور اس نے نیت کرتے ہوئے کسی شرط کو بھی عائد نہ کیا ہو اور اسے بیماری وغیرہ کی وجہ سے رکاوٹ پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ حج یا عمرہ کو مکمل نہ کر سکتا ہو تو اسے کیا کرنا چاہیئے؟

جواب اس طرح کے شخص کو "مُحْصَر" کہتے ہیں۔ اگر اس نے کوئی شرط نہ بھی ذکر کی ہو اور اسے کوئی ایسی رکاوٹ پیش آ جائے جس کی وجہ سے وہ (حج یا عمرہ) مکمل نہ کر سکتا ہو تو اس صورت میں اگر اس کے لیے صبر کرنا ممکن ہو کہ شاید یہ رکاوٹ دور ہو جائے اور اس کے لیے حج یا عمرہ کو مکمل کرنا ممکن ہو جائے تو اسے صبر کرنا چاہیئے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ محصر ہے اور محصر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٦)

"اور اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو۔)"

صحیح بات یہ ہے کہ یہ رکاوٹ دشمن کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور دشمن کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی، تو اس صورت میں قربانی کر دی جائے، بال منڈوا یا کٹوا دیئے جائیں اور احرام کھول دیا جائے۔ محصر کے لیے یہی حکم ہے کہ اسے جہاں روک دیا جائے، وہ وہاں جانور ذبح کر دے خواہ وہ جگہ حدود حرم کے اندر ہو یا اس سے باہر، اور قربانی کے گوشت کو اسی جگہ کے فقراء میں تقسیم کر دے خواہ وہ جگہ حرم سے باہر ہو اور اگر وہاں گوشت لینے والے لوگ موجود نہ ہوں تو اسے فقرائے حرم کے پاس یا اس جگہ کے گردو پیش یا بعض بستیوں وغیرہ کے فقراء کے پاس پہنچا دیا جائے۔ قربانی کے بعد بال منڈوائے یا کٹوائے اور احرام کھول دے۔ اور اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو دس روزے رکھ لے اور پھر بال منڈوا یا کٹوا دے اور احرام کھول دے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب حاجی احرام کے بعد محصر ہو جائے

سوال جب کوئی مسلمان حج کا عزم کر لے لیکن احرام باندھنے کے بعد اس کیلئے حج کرنا مشکل ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

جواب جب کوئی انسان احرام باندھنے کے بعد بیماری وغیرہ کی وجہ سے محصر ہو جائے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ قربانی کر دے اور پھر سر کے بال منڈوا یا کٹوا کر حلال ہو جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا۟ رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْهَدْيُ مَحِلَّهُۥ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٦)

"اور اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ نہ جائے سر نہ منڈاؤ۔"

نبی ﷺ کو جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا تو آپ نے قربانی کر دی، اپنے سر کو منڈوا دیا اور پھر حلال ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اسی طرح کریں۔ ① اگر محصر احرام کے وقت یہ کہے کہ اگر کسی رکاوٹ نے مجھے روک دیا تو میں وہاں حلال ہو جاؤں گا جہاں رکاوٹ پیش آئے گی تو وہ حلال ہو جائے، اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہو گا، نہ قربانی اور نہ کچھ اور کیونکہ "صحیحین" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! میرا حج کا ارادہ ہے اور میں بیمار ہوں۔" تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

① صحیح بخاری، المحصر، باب اذا احصر المعتمر، حدیث: 1807 و صحیح مسلم، الحج، حدیث: 1230-

«حُجِّي وَاشْتَرِطِي، أَنَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي»(صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، ح:٥٠٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم ... الخ، ح:١٢٠٧ واللفظ له)

"حج کرو اور یہ شرط عائد کر لو کہ میں وہاں حلال ہو جاؤں گی' جہاں روک دی جاؤں گی۔"

——— شیخ ابن باز ———

جسے احرام سے قبل ہی حج سے روک دیا جائے

سوال جب کوئی انسان حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور اسے راستے میں کوئی جماعت یا قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والے روک دیں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب جس شخص کو کوئی دشمن یا رہزن حج سے روک دے تو یہ رکاوٹ احرام سے پہلے ہو گی یا بعد میں' لہٰذا اگر کوئی مسلم حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے نکلے اور احرام باندھنے سے پہلے ہی کوئی دشمن اسے مکہ جانے سے روک دے تو وہ اپنے گھر واپس آ جائے' اس پر کوئی فدیہ بھی لازم نہ ہوگا اور نیت کے مطابق اسے ثواب ملے گا اور جب راستے پرامن ہو جائیں تو پھر اسے فریضۂ حج جلد ادا کرنا چاہیئے اور اگر حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے نکلے' میقات تک پہنچ جائے' احرام باندھ لے اور پھر دشمن اسے آگے نہ جانے دیں اور راستے میں رکاوٹ بن جائیں تو اسے چاہیئے کہ ایک بکری ذبح کر دے اور محصر کی طرح حلال ہو جائے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ﴾ (البقرة٢/ ١٩٦)

"اور اگر تم (راستے میں) روک دیئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو)"

اور اگر بکری نہ ملے تو احرام نہ کھولے اور دس روزے رکھے اور پھر احرام کھول کر حلال ہو جائے' اور اگر اس نے احرام کے وقت یہ شرط عائد کی ہو کہ اگر مجھے کسی روکنے والے نے روک دیا تو میں وہاں حلال ہو جاؤں گا جہاں کوئی مجھے روک دے گا تو پھر اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ اس صورت میں اس کیلئے یہ جائز ہے کہ قربانی کے بغیر ہی احرام کھول کر حلال ہو جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

احرام حج کے بعد مکہ میں داخلہ سے روک دیا گیا

سوال جس شخص نے میقات سے احرام باندھا اور پھر وہ مکہ کے قریب پہنچ گیا مگر چیک پوسٹ والوں نے اسے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا کیونکہ اس کے پاس حج پاسپورٹ نہ تھا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب اس صورت میں جب اس کیلئے مکہ میں داخل ہونا مشکل ہو تو وہ محصر کے حکم میں ہے۔ اسے چاہیئے کہ جہاں اسے روک دیا گیا ہو وہاں قربانی کا جانور ذبح کر دے اور احرام کھول کر حلال ہو جائے۔ اگر وہ یہ فرض حج ادا کرنے آ رہا تھا تو اسے بعد میں ادا کر لے اور یہ بعد میں ادا کرنا ادا ہی ہو گا قضا نہیں۔ اور اگر یہ حج فرض نہیں تھا تو پھر اس کیلئے کچھ بھی لازم نہیں' راجح قول یہی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان صحابہ کرام کو عمرہ کی قضا کا حکم نہیں دیا تھا جنہیں عمرہ کرنے سے غزوۂ حدیبیہ میں روک دیا گیا تھا۔ محصر کیلئے وجوب قضاء کا حکم کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول میں' بلکہ فرمان باری تعالیٰ یہ ہے:

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۶)

"اور اگر تم (راستے میں) روک دیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو۔)"

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ذکر نہیں فرمایا' لیکن یاد رہے کہ اس عمرہ کو عمرۃ القضاء اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قضاء معاہدہ کے معنی میں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس موقع پر قریش سے معاہدہ فرمایا تھا یہ قضاء استدراک مافات کے معنی میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

جسے عرفات کے راستے میں کوئی حادثہ پیش آجائے.........

سوال میں سات تاریخ کو بیت اللہ شریف میں آیا' عمرہ ادا کیا اور پھر منیٰ روانہ ہو گیا' منیٰ میں پانچ فرض نمازیں ادا کیں اور پھر عرفات روانہ ہو گیا لیکن عرفات کے راستہ میں گاڑی الٹ گئی' ہم زخمی ہو گئے اور ساتھیوں میں سے ایک جو میری والدہ کی طرف سے حج ادا کر رہا تھا' اس حادثہ میں فوت ہو گیا جس کی وجہ سے میں نو ذوالحجہ کی رات حادثہ کی جگہ سے واپس آ گیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب جب آپ نے حج کا احرام باندھا تو واجب یہ تھا کہ آپ اس احرام کو بدستور باقی رکھتے حتیٰ کے سارے مناسک حج ادا کر لیتے۔ اس حادثہ کی وجہ سے آپ کو احرام ترک نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حادثہ میں محفوظ رکھا تو یہ حادثہ ترک حج کے لیے عذر نہیں تھا۔ آپ چونکہ وقوف عرفہ' طواف وداع اور دیگر مناسک کی تکمیل سے قبل واپس چلے گئے لہٰذا آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنا چاہئے' نیز ایک ایسا جانور جس کی قربانی ہو سکتی ہو' ذبح کر کے فقرائے حرم میں تقسیم کر دینا چاہئے جس میں سے نہ آپ خود کچھ کھائیں اور نہ کسی غنی رشتہ دار کو ہدیہ دیں اور آئندہ سال ان شاء اللہ حج کریں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

احکام ہدی

اہل مکہ کے لیے ہدی نہیں ہے

سوال اہل مکہ میں سے جو شخص صرف حج کا احرام باندھے کیا اس پر ہدی واجب ہے؟ کیا ان کے لیے حج تمتع صحیح ہے یا قران؟ امید ہے دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں گے۔

جواب اہل مکہ اور دیگر سب لوگوں کے لیے بھی حج تمتع اور قران صحیح ہے لیکن اہل مکہ پر ہدی واجب نہیں ہے بلکہ ہدی تو ان لوگوں پر واجب ہے جو دوسرے علاقوں سے تمتع یا قران کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں آئیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ فِي ٱلْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹٦)

"(جو تم میں سے) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے اور جس کو (قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مکے میں نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

کیا ہدی کی طاقت رکھنے والے کے لیے یہ ....

سوال ہدی سے بہت کم استفادہ کیا جاتا ہے' تو کیا یہ افضل نہیں ہے کہ جسے ہدی کی طاقت ہو وہ روزے رکھ لے اور واپس آکر اپنے وطن کے مسکینوں میں ہدی کی قیمت تقسیم کر دے؟ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب یاد رہے کہ احکام شریعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لیے جاتے ہیں۔ یہ لوگوں کی آراء پر مبنی نہیں ہوتے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں حکم یہ دیا ہے کہ حاجی اگر متمتع یا قارن ہو تو وہ قربانی کرے' اور اگر اسے قربانی کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پھر وہ دس روزے رکھے تین ایام حج میں اور سات اپنے گھر واپس آکر۔ ہمیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ ہم ازخود احکام شریعت وضع کر لیں' لہٰذا واجب یہ ہے کہ قربانی میں جو خرابی کی صورت پیدا ہو گئی ہے' اس کی اصلاح کی جائے اور وہ یہ کہ حکمرانوں کو توجہ دلائی جائے کہ قربانی کے جانوروں کے گوشت کی فقراء و مساکین میں تقسیم کا صحیح انتظام کیا جائے' جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہوں کا خصوصی اہتمام کیا جائے' ان کو کشادہ بھی کیا جائے اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ کیا جائے تاکہ حجاج کرام بروقت سہولت کے ساتھ اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کر سکیں۔ حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ قربانی کے گوشت کی مستحقین میں تقسیم کا مناسب انتظام کریں۔ فوری طور پر تقسیم ممکن نہ ہو تو ان کے لیے کولڈ سٹوریج کا اہتمام کریں تاکہ اسے ضائع ہونے سے بچایا جا سکے اور بعد میں مکہ اور دیگر ممالک کے فقراء میں تقسیم کیا جا سکے۔

جہاں تک قربانی کے نظام میں تبدیلی کا تعلق ہے کہ اس کی استطاعت رکھنے والا بھی قربانی کرنے کے بجائے روزے رکھ لے یا اپنے ملک کے فقراء کے لیے قربانی کے جانور خرید لے یا اس کی قیمت ہی ان میں تقسیم کر دے تو یہ ایک نئی شریعت ہے۔ مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اسے اختیار کرے کیونکہ شارع اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے' اس کے علاوہ کسی اور کو شریعت سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ﴾ (الشوری۴۲/ ۲۱)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔"

مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے سامنے سراطاعت خم کر دیں' اسے نافذ کریں اور اگر

لوگوں کی طرف سے اس کی تنفیذ میں کوئی خلل واقع ہو تو اسکی اصلاح واجب ہے جیسا کہ حج کے موقع پر قربانیاں تو کی جاتی ہیں مگر ایسا کوئی معقول انتظام نہیں کہ انہیں مستحقین تک پہنچایا جا سکے' لہٰذا حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول کریں اور قربانی کے گوشت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اسی طرح ہر مسلمان پر بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنی قربانی کی حفاظت کرے' اسے خود مسکینوں میں تقسیم کرے یا خود کھائے یا بعض دوستوں اور بھائیوں کو ہدیہ دے یہ جائز نہیں کہ قربانی کر کے کسی ایسی جگہ رکھ دی جائے' جہاں اس سے استفادہ نہ کیا جا سکتا ہو۔

حکمرانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ گوشت کو بروقت فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جا سکے یا پھر اسے فورا کولڈ سٹوریج میں منتقل کر دیں تاکہ اسے بعد میں تقسیم کیا جا سکے اور اسے ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔ حکمرانوں کا یہ فرض ہے اور وہ اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سرگرم عمل بھی ہیں۔ اہل علم بھی انہیں ہمیشہ اس سلسلہ میں توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی مدد فرمائے کہ ہم اس باب (معاملے) میں بھی اور دیگر ابواب (معاملات) میں بھی وہ کام کریں جن میں مسلمانوں کی مصلحت اور خیر خواہی ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

جو قربانی کر کے اسی جگہ چھوڑ جائے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اسی جگہ چھوڑ جائے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص قربانی کا جانور ذبح کرے' اس کے لیے یہ واجب ہے کہ اسے مستحق لوگوں تک پہنچائے۔ یہ جائز نہیں کہ قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اسی جگہ چھوڑ دے' ہاں البتہ اگر قربانی کے جانور کے گوشت سے تھوڑا سا خود کھا کر باقی صدقہ کر دے تو یہ جائز ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حرم سے باہر قربانی کے جانور کو ذبح کرنا

سوال ایک حاجی نے ایام تشریق میں اپنی قربانی عرفات میں ذبح کر کے وہاں موجود لوگوں میں تقسیم کر دی تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر کوئی ناواقفیت کی وجہ سے یا جان بوجھ کر ایسا کرے تو اس کے لیے کیا واجب ہے؟ اگر کوئی شخص عرفات میں قربانی ذبح کر کے اس کا گوشت حرم کے اندر تقسیم کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ وہ کون سی جگہ ہے جہاں قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ضروری ہے؟ شکریہ!

جواب حج تمتع اور قران کی قربانی کے جانور کو حرم ہی میں ذبح کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی غیر حرم مثلاً عرفات اور جدہ وغیرہ میں ذبح کر دے تو یہ جائز نہیں خواہ وہ اس کے گوشت کو حرم ہی میں کیوں نہ تقسیم کرے .... حرم سے باہر ذبح کرنے کی صورت میں اس کے علاوہ قربانی کا ایک دوسرا جانور حرم میں ذبح کرنا پڑے گا خواہ کوئی ناواقفیت کی صورت میں ایسا کرے یا جان بوجھ کر کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے قربانی کے جانوروں کو حرم میں ذبح کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا:

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة ... الخ، ح:١٢٩٧

والسنن الكبرى للبيهقي: ٥/ ١٢٥ واللفظ له)

"مجھ سے حج کے احکام و مناسک کو سیکھو۔"

اسی طرح آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی قربانیوں کو حرم ہی میں ذبح کیا تھا۔

——— شیخ ابن باز ———

ناواقفیت کی وجہ سے عید کے دن سے پہلے قربانی کرنا

سوال ہم نے ایک گروپ کی صورت میں حج تمتع کے لیے احرام باندھا' عمرہ ادا کیا اور حلال ہو گئے۔ اسی اثناء میں بعض نے کہا کہ قربانی کر کے اسے مکہ میں تقسیم کر دیا جائے' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' لیکن پھر ہمیں معلوم ہوا کہ قربانی تو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ہی ہونی چاہیئے اور مجھے اس بات کا علم بھی تھا اور میں نے یہ کہا بھی کہ قربانی کو عید کے دن یا اس کے بعد کریں لیکن گروپ کے ساتھیوں نے اسی بات پر اصرار کیا کہ عمرہ ادا کرنے کے بعد اسی دن قربانی کر دی جائے۔ اس مسئلہ میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص عمرہ یا تمتع کے دم کو عید کے دن سے پہلے ذبح کر دے تو یہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانی کے جانوروں کو ایام نحر ہی میں ذبح کیا تھا اور وہ چار ذوالحج کو مکہ مکرمہ میں حج تمتع کے لیے تشریف لائے تھے۔ قربانی کے دن تک بکریاں اور اونٹ ان کے پاس رہے۔ اگر اس دن سے پہلے انہیں ذبح کرنا جائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان چار دنوں میں انہیں ذبح کر دیتے جن میں وہ منیٰ کی طرف تشریف لے جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور پھر اس وقت لوگوں کو گوشت کی ضرورت بھی تو تھی لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانی کے دن سے پہلے جانوروں کو ذبح نہیں کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کے دن سے پہلے قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے' لہٰذا جو شخص قربانی کے دن سے پہلے ذبح کرتا ہے' وہ سنت کی خلاف ورزی کرتا اور نئی شریعت ایجاد کرتا ہے۔ جس طرح قبل از وقت فرض نماز اور روزہ جائز نہیں اسی طرح وقت سے پہلے قربانی بھی جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ عبادت چونکہ وقت سے پہلے ادا کی گئی ہے لہٰذا یہ صحیح نہ ہوئی۔ اگر استطاعت ہو تو قربانی دوبارہ کرنی ہو گی اور عدم استطاعت کی صورت میں تین روزے ایام حج میں اور سات گھر واپس آ کر رکھنے ہوں گے یعنی عدم استطاعت کی صورت میں قربانی کے بجائے دس دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔

——— شیخ ابن باز ———

تمتع اور قران کی ہدی عید سے پہلے

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے جو تمتع یا قران کی ہدی یوم عید سے پہلے ذبح کر دیں اور ان اصحاب مذاہب کے قول پر عمل کریں جو اسے جائز قرار دیتے ہیں؟

جواب اس کے جواز کے قائل اصحاب مذاہب کی تقلید کی وجہ سے جو لوگ تمتع یا قران کی ہدی کو عید سے پہلے ذبح کر دیں ان پر کفارہ وغیرہ نہیں ہے لیکن انہیں تنبیہ کی جائے کہ آئندہ ایسا نہ کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص ناواقفیت کی وجہ سے ہدی ترک کر دے

سوال ایک شخص نے حج قران کیا، تمام مناسک حج کو ادا کیا اور ایام منیٰ میں قربانی کو بھی ذبح کر دیا لیکن ناواقفیت کی وجہ سے ہدی کو ذبح نہیں کیا حتیٰ کہ ایام منیٰ ختم ہو گئے تو کیا اس پر ہدی لازم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ مکہ مکرمہ میں قران کی ہدی کو ذبح کرے اور اس کے گوشت کو وہ خود بھی کھا سکتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مکہ مکرمہ میں کسی امین شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی طرف سے ذبح کرے، اس نے قربانی کی نیت سے جو جانور ذبح کیا ہے، وہ ہدی سے کفایت نہیں کرے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حج تمتع میں تمام نقدی گم ہو گئی اور ----

سوال میں نے ایسا احرام باندھا تھا جس میں ہدی لازم ہے لیکن میرے پاس جس قدر بھی رقم تھی وہ سب کی سب گم ہو گئی تو اس حالت میں میرے لیے کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ اس موقع پر میری بیوی بھی میرے ساتھ تھی۔

جواب جب کوئی انسان ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھے اور پھر حج تک فائدہ اٹھائے یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے تو اس صورت میں دم لازم ہے اور وہ یہ کہ دو دانت والی بکری، یا بھیڑ کا بچہ یا اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ ایام نحر میں ذبح کر کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دے۔ اس سے خود بھی کھا سکتا ہے اور اس سے صدقہ بھی کرے، یہ دم واجب ہے۔ اگر کوئی شخص رقم گم ہو جانے یا فقر و تنگ دستی یا خرچ کی کمی کی وجہ سے دم کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ تین روزے ایام حج میں رکھ لے اور سات اپنے گھر واپس جا کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ یہ شخص گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کے بھی روزے رکھ سکتا ہے اور یہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور اگر یہ عرفہ کے دن سے پہلے روزے رکھ لے تو یہ افضل ہے جبکہ رقم پہلے گم ہو گئی ہو بہرحال تین روزے ایام حج میں اور سات اپنے گھر واپس آ کر رکھ لے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن باز ———

رقم بھی گم ہو گئی اور روزے کی بھی طاقت نہیں

سوال میں اس سال فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے گیا، حج قران کی نیت تھی۔ میں نے جب حج و عمرہ کے تمام مناسک ادا کر لیے اور ہدی کا دن آیا تو میں نے دیکھا کہ میری تمام رقم گم ہو گئی ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کہیں گر گئی ہے یا کسی نے چرا لی ہے، گم ہونے والی یہ رقم چار سو پچاس سعودی ریال تھی۔ رقم گم ہونے کی وجہ سے میں قربانی نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا میں نے روزے رکھنے کی نیت کر لی لیکن میں بیمار ہو کر انفلوئنزا میں مبتلا ہو گیا اور علاج کے لیے مجھے مکہ مکرمہ میں ہسپتال جانا پڑا جہاں میرا ضروری علاج کیا گیا اور اس بیماری کی وجہ سے میں روزے بھی نہ رکھ سکا اور ٹیکسی کے ذریعہ ریاض واپس

آگیا' یہاں واپسی کے بعد بیماری اور کمزوری میں مزید اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے سینی ٹوریم جانا پڑا جہاں میرا مکمل معائنہ اور علاج ہوا بہر حال اس بیماری کی وجہ سے میں روزے نہ رکھ سکا۔ اب سوال یہ ہے کہ مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے بعد کیا روزے رکھنا میرے لیے مفید ہو سکتا ہے یا اب مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ یاد رہے میری نیت ہدی کی تھی لیکن اللہ کی قضا و قدر سے مذکورہ حالات پیدا ہو گئے کہ میں ہدی نہ کر سکا' لہٰذا فتویٰ عطا فرمائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ آپ کو دین اسلام کی نصرت و اعانت کی مزید توفیق عطا فرمائے؟

جواب جب امرواقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا کہ آپ نے حج اور عمرہ کے قران کا احرام باندھا تھا' جنہیں آپ نے ادا بھی کیا لیکن آپ کی رقم گم ہو گئی جس کی وجہ سے آپ ہدی کا جانور نہ خرید سکے لہٰذا آپ کو ایام حج میں تین اور اپنے گھر واپس آکر سات روزے رکھنے تھے لیکن ریاض واپسی تک بیماری کی وجہ سے آپ روزے بھی نہ رکھ سکے لہٰذا آپ جب صحت یاب ہوں تو ریاض میں یا جہاں بھی آپ مقیم ہوں دس روزے رکھ لیں' اس کے علاوہ آپ پر اور کچھ لازم نہیں ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تمتع کی ہدی کا وقت کب ختم ہوتا ہے؟

سوال حج تمتع کی ہدی ذبح کرنے کا وقت کب ختم ہوتا ہے؟ کیا اس وقت کی تحدید میں آراء مختلف ہیں؟

جواب ہدی ذبح کرنے کا وقت تیرہ ذوالحج کے غروب آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور یہ وقت شروع تب ہوتا ہے جب عید کے دن ایک نیزہ کے بقدر سورج بلند ہونے کے بعد نماز عید کی ادائیگی کے برابر گزر جائے۔ اس وقت کی ابتداء اور انتہاء کے بارے میں اختلاف بھی ہے لیکن راجح یہی بات ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حج تمتع اور قران کی ہدی

ذبح کرنے کا وقت اور جگہ' اسکی قیمت صدقہ کرنے کا حکم گوشت کے سلسلہ میں مشکلات کا حل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہُ، وَبَعْدُ

جیسا کہ مجلس کبار علماء کے ساتویں اجلاس میں یہ طے ہوا جو کہ شعبان ۱۳۹۵ھ کے نصف اول میں طائف میں منعقد ہوا تھا کہ آٹھویں اجلاس کے ایجنڈا میں حج تمتع اور قران کی ہدی کے مسئلہ کو بھی شامل کر لیا جائے' چنانچہ آٹھویں اجلاس میں جو کہ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ میں ریاض میں منعقد ہوا' اس تحقیقی بحث کا جائزہ لیا گیا جسے بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی نے تیار کیا اور اس میں درج ذیل مسائل پر روشنی ڈالی گئی کہ ہدی کے ذبح کرنے کا وقت اور جگہ کون سی ہے؟ کیا جانور ذبح کرنے کے بجائے

اس کی قیمت کو بھی صدقہ کیا جا سکتا ہے؟ ہدی کے جانوروں کے گوشت کے سلسلہ میں مشکلات کا کیا حل ہے؟

اس بحث کے جائزہ اور افکار و آراء کے تبادلہ کے بعد درج ذیل مسائل بالاتفاق طے پائے۔

ا- یہ جائز نہیں کہ تمتع اور قران کی ہدی کا جانور ذبح کرنے کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے' کیونکہ کتاب و سنت اور اجماع امت سے اس کی ممانعت ہے کیونکہ ہدی کا جانور ذبح کرنے سے اصلی مقصود خون بہا کر تقرب الٰہی کا حصول ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقْوَىٰ مِنكُمْ ﴾ (الحج ۲۲/ ۳۷)

"اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمہاری پرہیز گاری پہنچتی ہے۔"

اسلامی شریعت کا ایک معروف قاعدہ سدذرائع بھی ہے' اس کی روشنی میں بھی یہ بات صحیح نہیں کہ قربانی کرنے کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دی جائے کیونکہ اس سے تو شریعت کھیل بن کر رہ جائے گی' مثلاً آج اگر آپ قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرتے ہیں تو کل یہ کہیں گے کہ آج کل حج کرنا چونکہ بہت مشکل ہے لہٰذا حج کرنے کے بجائے' حج پر آنے والے خرچہ کو صدقہ کر دیں۔ یاد رہے کہ مصالح کی تین قسمیں ہیں۔ (ا) وہ جن کے قابل اعتبار ہونے پر اجماع ہے۔ (۲) جن کے ناقابل اعتبار ہونے پر اجماع ہے اور (۳) مصالح مرسلہ۔ اور قربانی کے بجائے اس کی قیمت کو صدقہ کرنا ایک ایسی مصلحت ہے جس کے ناقابل اعتبار ہونے پر اجماع ہے کیونکہ یہ مصلحت ادلہ شرعیہ کے معارض ہے' لہٰذا یہ ناقابل اعتبار ہے۔

۲- کونسل نے کثرت رائے سے یہ قرار دیا کہ قربانی کے چار دن ہیں یعنی ایک یوم عید اور تین دن اس کے بعد' نیز ایام تشریق کی راتوں میں بھی قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِّيَشْهَدُوا۟ مَنَٰفِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا۟ ٱسْمَ ٱللَّهِ فِىٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومَٰتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنۢ بَهِيمَةِ ٱلْأَنْعَٰمِ ۖ فَكُلُوا۟ مِنْهَا وَأَطْعِمُوا۟ ٱلْبَآئِسَ ٱلْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا۟ تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا۟ نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا۟ بِٱلْبَيْتِ ٱلْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (الحج ۲۲/ ۲۸-۲۹)

"تاکہ وہ (لوگ) اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایام معلوم میں چوپائے مویشیوں (کے ذبح کے وقت) جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں ان پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیر و درماندہ کو بھی کھلاؤ' پھر چاہیئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔"

اس آیت کریمہ سے استدلال یہ ہے کہ میل کچیل کو دور کرنا اور طواف زیارت قربانی کے دن سے پہلے نہیں ہو سکتا اور جب ان افعال کو ہدی ذبح کرنے کے بعد قرار دیا گیا ہے تو معلوم ہوا اس سے قران اور تمتع کی ہدی مراد ہے کیونکہ تمام اقسام کی ہدی پر تو یہ افعال مرتب نہیں ہوتے۔ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی ہدی کو عید کے دن ذبح فرمایا' اسی طرح آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے ہدی کو بھی عید ہی کے دن ذبح فرمایا' نبی ﷺ یا کسی بھی صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے ہدی کو عید کے دن سے پہلے یا ایام تشریق کے بعد ذبح کیا ہو۔ سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ عَرَفَاتٍ مَوْقِفٌ ـ وَكُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ»(مسند أحمد: ٤/ ٨٢ وصحيح ابن حبان (موارد الظمآن)، ح: ١٠٠٨)

"سارا عرفات موقف ہے۔" اور "تمام ایام تشریق میں ہدی کے جانور ذبح کیے جا سکتے ہیں۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت دو مختلف سندوں سے مروی ہے جو ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہیں۔

۳۔ ہدی کے جانور صرف منیٰ ہی میں نہیں بلکہ مکہ مکرمہ میں بھی اور حرم میں کسی بھی جگہ ذبح کیے جا سکتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيقٌ وَمَنْحَرٌ»(سنن أبي داود، المناسك، باب الصلاة بجمع، ح: ١٩٣٧ وسنن ابن ماجه، ح: ٣٠٤٨)

"سارا منیٰ قربان گاہ ہے اور مکہ مکرمہ کے تمام علاقے اور راستے قربان گاہ ہیں۔"

۴۔ جو گوشت قربان گاہوں میں چھوڑ دیئے جائیں' ان کے بارے میں حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان کی اس طرح سے حفاظت کا اہتمام کیا جائے کہ وہ فقرائے حرم میں تقسیم ہو سکیں۔

۵۔ حکومت کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ لوگ قربان گاہوں میں گوشت کے علاوہ جانوروں کی دیگر چیزیں مثلاً کھالیں' ہڈیاں اور اون وغیرہ جو چھوڑ جائیں تو ان کی حفاظت کا بھی ایسا اہتمام کرے کہ وہ فقرائے حرم کے استعمال میں آ سکیں۔

۶۔ حکومت کو چاہیئے (اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا فرمائے) کہ وہ منیٰ' مکہ مکرمہ اور دیگر حرم میں اس قدر کثرت کے ساتھ قربان گاہیں بنا دے کہ حجاج کرام آسانی اور سہولت کے ساتھ قربانی کے جانوروں کو ذبح کر سکیں اور ان کے گوشت سے حسب خواہش استفادہ بھی کر سکیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

مجلس کبار العلماء

عمرہ کے احکام

بیوی کے مال سے عمرہ

سوال ایک بیوی نے اپنے خاص مال سے اپنے شوہر کو عطیہ دیا تاکہ وہ عمرہ کر سکے جب کہ شوہر کو خاص اپنے مال سے بھی عمرہ کرنے کی استطاعت ہے۔ دینی نقطۂ نگاہ سے یہ عمل کیا ہے؟ فتویٰ دیجئے' اللہ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔ ان شاء اللہ۔

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کے باب سے ہے۔ اس بیوی کو اس عمل صالح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔

شیخ ابن باز

جو دوست سے ملنے جدہ جائے اور ....

سوال میں اپنے دوستوں سے ملنے کیلئے جدہ گیا اور وہاں ایک دن قیام کے بعد میں نے عمرے کا پروگرام بنالیا اور جدہ سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور عمرہ ادا کر لیا' تو بعض دوستوں نے کہا کہ آپ پر دم لازم ہے کیونکہ آپ کیلئے یہ واجب تھا کہ

وادی محرم سے احرام باندھتے یا میقات پر پہنچنے کے وقت طیارہ کے اندر ہی احرام باندھ لیتے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں؟

جواب اگر آپ نے ریاض میں عمرہ کی نیت کی تھی تو پھر یہ لازم تھا کہ میقات سے یا ہوائی جہاز جب اس کے برابر آتا تو احرام باندھتے اس صورت میں اگر آپ نے میقات سے احرام نہیں باندھا تو اس کی تلافی کیلئے دم لازم ہے اور اگر سفر شروع کرتے وقت آپ کا عمرے کا ارادہ نہیں تھا اور یہ ارادہ آپ نے جدہ پہنچ کر کیا تو اس صورت میں آپ کیلئے وہی جگہ میقات ہے جہاں آپ نے یہ ارادہ کیا اور جیسا کہ آپ نے ذکر کیا وہ جگہ جدہ ہے جہاں آپ نے ارادہ کیا تھا لہٰذا آپ پر دم لازم نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مکہ مکرمہ میں مقیم جب عمرہ کا ارادہ کرے

سوال اہل مکہ میں سے یا مکہ میں آنے والے لوگوں میں سے جب کوئی عمرے کا ارادہ کرے تو وہ کہاں سے احرام باندھے؟ کیا مکہ ہی سے یا حل سے یا اپنے ملک کے میقات سے؟ امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ میں مستفید فرمائیں گے۔

جواب مکہ میں مقیم لوگوں میں سے جب کوئی عمرہ کا ارادہ کرے' خواہ وہ مکہ مکرمہ کے باشندوں میں سے ہو یا باہر کسی دوسرے ملک سے آیا ہو' تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ حل سے احرام باندھے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں اور انہوں نے عمرہ کا ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ حرم سے باہر جا کر احرام باندھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ساتھ آپ کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تھا جن کے ساتھ جا کر آپ نے مقام تنعیم سے احرام باندھا۔ [1] یہ جگہ آج کل مسجد عائشہ کے نام سے معروف ہے۔ بعض اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ اہل مکہ کے لیے عمرہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رمضان میں مکہ کو فتح کیا تو آپ عمرہ کے لیے مکہ سے باہر نہیں نکلے' لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی مذکورہ حدیث کے پیش نظر جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال مکہ سے باہر جا کر احرام نہیں باندھا تو یہ عمرہ کی عدم مشروعیت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایک چیز کو بہت سے اسباب کی وجہ سے ترک کر دیا کرتے تھے اور بعض صحابہ کو اس کا حکم بھی دے دیا کرتے تھے تاکہ امت کو اس کی مشروعیت کا بھی علم ہو جائے جیسا کہ آپ نے ابوہریرہ [2] اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما [3] کو تو نماز ضحیٰ پڑھنے کی تاکید فرمائی لیکن آپ خود اسے ہمیشہ نہیں پڑھا کرتے تھے' اسی طرح آپ نے نفل روزے کے بارے میں فرمایا کہ اس کی افضل صورت حضرت داود علیہ السلام کے روزہ کی ہے [4] اور وہ یہ کہ ایک دن روزہ رکھ لیا جائے اور ایک دن افطار کر دیا جائے لیکن بعض اسباب کے پیش نظر آپ خود اس کی پابندی نہیں فرمایا کرتے تھے اور ان اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ آپ کو امت کے مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب کیف تھل الحائض والنفساء' حدیث: 1556 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1211-

[2] صحیح بخاری' التھجد' باب صلاۃ الضحٰی فی الحضر' حدیث: 1178 و صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب استحباب صلاۃ الضحٰی' حدیث: 721-

[3] سنن ابن ماجه' الفتن' باب الصبر علی البلاء' حدیث: 4034 - 3371-

[4] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فی کم یقراء القرآن' حدیث: 5052-

وہ حدیث تو بالاتفاق صحیح ہے کہ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں تو وہ حج اور عمرہ کا احرام اپنی جگہ ہی سے باندھیں تو یہ حکم مکہ مکرمہ میں مقیم لوگوں کے صرف حج کے لیے ہے اور عمرہ کے لیے واجب یہ ہے کہ اس کا حل سے احرام باندھا جائے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے ثابت ہے [1] اور اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

عمرے کا احرام باندھ کر کھول دینا

سوال میں اور میری اہلیہ نے عمرے کا پروگرام بنایا اور جس دن پروگرام بنا' اسی دن میں نے عمرے کا احرام باندھ لیا لیکن پھر پروگرام تبدیل کر لیا اور کہا کہ کسی دوسرے دن جائیں گے اور میں نے احرام کھول دیا تو کیا اس صورت میں میرے لیے کوئی کفارہ وغیرہ ہے؟

جواب جب آپ نے عمرے کا احرام باندھنے کی نیت کر لی تو پھر رجوع کرنا جائز نہیں بلکہ حج کی طرح عمرہ کو پورا کرنا بھی واجب ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۹۶)

"اور اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو۔"

اس پر اہل علم کا اجماع ہے' لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ احرام پہنیں اور فوراً مکہ مکرمہ چلے جائیں اور طواف کریں' سعی کریں اور بال منڈوا یا کٹوا دیں' اس سے آپ کا عمرہ مکمل ہو جائے گا اور ازراہ جہالت آپ نے جو خوشبو استعمال کی' سلے ہوئے کپڑے پہنے اور سر کو ڈھانپ لیا وغیرہ تو اس سے آپ پر کچھ لازم نہیں اور اگر آپ کو شرعی حکم کا علم تھا کہ عمرہ کو جب ایک بار شروع کر لیا جائے تو یہ جائز نہیں کہ تکمیل سے قبل احرام کھول دیا جائے لیکن آپ نے تساہل سے کام لیتے ہوئے احرام کھول دیا تو آپ پر لازم ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں یا ایک بکری ذبح کریں یا تین روزے رکھیں۔ یہ کفارہ ہے سر ڈھانپنے' سلے ہوئے کپڑے پہننے' خوشبو استعمال کرنے' ناخن تراشنے اور سر منڈانے وغیرہ کا۔ ان میں سے ہر چیز کا ایک مستقل کفارہ ہے اور وہ یہ کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک کفارہ ادا کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ روزے تو کسی بھی جگہ رکھے جا سکتے ہیں لیکن کھانا کھلانے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ حرم کے مسکینوں کو کھلایا جائے۔ ہر مسکین کو نصف صاع کھجور یا شہر میں جو خوراک استعمال ہوتی ہو وہ دے دی جائے' اسی طرح بکری کا گوشت بھی مساکین حرم میں تقسیم کیا جائے۔ اور اگر اسی طرح آپ نے احرام کھولنے کے بعد اپنی بیوی سے صحبت بھی کر لی ہے تو پھر واجب یہ ہے کہ اس عمرہ کو مکمل کریں اور پھر اس کی قضاء بھی دیں اور احرام وہاں سے باندھیں جہاں سے پہلی مرتبہ احرام باندھا تھا' علاوہ ازیں آپ پر دم بھی لازم ہے اور وہ یہ کہ ایک بھیڑ یا بکری ذبح کر کے فقرائے مکہ میں تقسیم کر دی جائے۔ بھیڑ یا بکری کے بجائے اونٹ یا گائے کے ساتویں حصہ میں شرکت بھی جائز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس عظیم عبادت میں تساہل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توبۃ النصوح کی توفیق بخشے اور ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے۔

---

[1] صحیح بخاری' الحج' باب کیف تھل الحائض والنفساء' حدیث: 1556 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1211۔

شیخ ابن باز

جو شخص عمرہ کی تکمیل نہ کرے

سوال میں گزشتہ رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے گیا اور جب طواف شروع کیا تو ازدحام کی شدت کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکا اور مکہ مکرمہ سے اپنے شہر واپس آ گیا' واپسی ستائیس تاریخ کو تھی' اب آنجناب سے سوال ہے کہ اس صورت میں مجھ پر کیا لازم ہے؟ یاد رہے کہ میری صحت الحمد للہ بہت اچھی ہے' رہنمائی فرمائیں۔

جواب آپ نے غلطی کی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو معاف فرمائے۔ آپ پر یہ واجب تھا کہ عمرہ کی کسی دوسرے وقت تکمیل کر لیتے جب رش نہ ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۶)

"اور تم اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو۔"

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی تکمیل کرے اور عمرہ کے تمام اعمال سے فراغت کے بعد ہی احرام کھولے' الا یہ کہ وہ محصر ہو یا اس نے مشروط احرام باندھا ہو اور وہ شرط پوری ہو گئی ہو لیکن آپ کے سلسلہ میں ایسی کوئی بات نہ تھی' لہٰذا آپ کو توبہ کرنی چاہیے۔ اور اگر آپ نے مذکورہ مدت میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے تو پھر آپ پر دم بھی واجب ہے اور وہ یہ کہ اونٹ یا گائے کے ساتویں حصہ یا ایک عدد بھیڑ یا بکری کی قربانی دی جائے اور اگر آپ کو یہ علم تھا کہ ایسا کرنا جائز نہیں تو پھر آپ کو توبہ کے ساتھ ساتھ چھ مسکینوں کو کھانا بھی کھلانا چاہیے اور وہ یہ کہ ہر مسکین کو شہر کی خوراک کے مطابق نصف صاع گندم یا چاول وغیرہ دیں یا ایک عدد بکری ذبح کریں یا تین روزے رکھیں کیونکہ آپ نے سلے ہوئے کپڑے پہن لیے ہیں۔ اگر مذکورہ مدت میں سر ڈھانپ لیا ہو یا خوشبو استعمال کر لی ہو یا ناخن تراش لیے ہوں یا بال منڈا لیے ہوں تو ان سب کا کفارہ بھی اسی طرح ہے اور اگر آپ نے جہالت کی وجہ سے مذکورہ کام کیا ہے تو پھر آپ پر مذکورہ فدیہ میں سے کچھ بھی واجب نہیں ہے کہ ارشاد باری ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۶)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

اور صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرما لیا ہے۔" [1]

نیز دیگر دلائل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

حائضہ عورت کا عمرہ

سوال ایک عورت نے یہ سوال پوچھا ہے کہ وہ حالت حیض میں تھی کہ اس کے اہل خانہ نے عمرہ کے لیے جانے کا پروگرام بنا لیا اگر یہ ان کے ساتھ نہ جاتی تو گھر میں اکیلی رہ جاتی' یہ ان کے ساتھ چلی گئی اور اس نے عمرہ کے تمام ارکان

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس...... الخ' حدیث: 126-

طواف اور سعی وغیرہ اس طرح مکمل کر لیے گویا اسے کوئی عذر نہیں تھا کیونکہ ایک تو یہ جاہل تھی' اسے حکم شریعت کا علم نہیں تھا اور دوسرا اس نے شرمندگی کی وجہ سے اپنی حالت کے بارے میں اپنے ولی کو نہیں بتایا تھا' بالخصوص وہ ان پڑھ تھی' پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اب اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب جب اس نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اسے چاہیئے کہ غسل کے بعد دوبارہ طواف کرے اور دوبارہ بال کٹوائے' جب کہ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس مذکورہ حالت میں سعی جائز ہے اور اگر یہ طواف کے بعد سعی بھی دوبارہ کر لے تو یہ بہتر ہے اور اس میں زیادہ احتیاط بھی ہے۔ حالت حیض میں اس نے جو طواف کر لیا اور طواف کی دو رکعتیں بھی پڑھ لیں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیئے۔

اگر یہ عورت شادی شدہ ہے' تو عمرہ کی تکمیل سے قبل اس کے شوہر کے لیے مقاربت جائز نہیں ہے اور اگر اس نے عمرہ کی تکمیل سے پہلے مقاربت کر لی ہے' تو اس سے عمرہ فاسد ہو گیا اور اس پر دم لازم ہو گیا اور وہ یہ کہ ایک بھیڑ یا دو دانت والی (دوندی) بکری ذبح کر کے مکہ مکرمہ کے فقراء میں تقسیم کی جائے اور اس عمرہ کی تکمیل کرے اور اس فاسد عمرہ کے بجائے دوسرا عمرہ کرے جس کا احرام اسی میقات سے باندھے' جہاں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اگر اس نے طواف و سعی محض شرم و حیا کی وجہ سے کیا ہے اور میقات سے عمرہ کا احرام نہیں باندھا تھا' تو پھر سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں توبہ کے سوا اور کچھ اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ عمرہ اور حج' احرام کے بغیر صحیح نہیں ہیں۔ اور احرام یہ ہے کہ عمرہ یا حج یا دونوں ہی کی نیت کی جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

عمرہ کی نامکمل سعی

سوال ایک شخص نے عمرہ کیا لیکن اس نے نسیان یا جہالت کی وجہ سے سعی کے چار چکر چھوڑ دیئے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب اس کے لیے یہ حکم ہے کہ ان چکروں کو مکمل کرے تاکہ اس کی سعی پوری ہو جائے۔ خواہ عمرہ کی ہو یا حج کی' اسے مکمل کرنا چاہیئے! اور اگر اس نے اپنے وطن کی طرف سفر کر لیا ہے تو پھر بھی اسے مکہ واپس آکر ان چکروں کو مکمل کرنا ہو گا جو اس نے چھوڑے ہیں تاکہ اس کا عمرہ مکمل ہو جائے اور جب تک وہ اپنے عمرہ کو مکمل نہیں کر لیتا احرام کے حکم میں ہے' لہٰذا اسے اپنی بیوی سے دور رہنا چاہیئے۔

——— شیخ ابن باز ———

عمرہ میں حلق اور تقصیر

سوال عمرہ میں حلق یا تقصیر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عمرہ میں بھی بالوں کو منڈانا یا کٹانا واجب ہے' کیونکہ نبی ﷺ جب حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں تشریف

لائے اور آپ نے طواف و سعی کر لیا تو آپ نے حکم دیا کہ "جو شخص اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لایا وہ بالوں کو کٹوا دے یا منڈوا دے" ① تو جب آپ نے بالوں کے کٹوانے کا حکم دیا اور اصول یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بال کٹوانا واجب ہے اور اس کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کو کفار مکہ نے مکہ میں جانے سے روک دیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اپنے سروں کو منڈا دیں اور جب انہوں نے اس سلسلہ میں سستی کی تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ ② اب رہا یہ مسئلہ کہ عمرہ میں بالوں کو منڈانا افضل ہے یا کٹانا' تو افضل یہ ہے کہ منڈا دیا جائے' ہاں البتہ وہ شخص جس کا حج تمتع کا ارادہ ہو اور وہ دیر سے آیا ہو تو اس کے لیے بالوں کو کٹوانا افضل ہے تاکہ حج میں منڈانے کے لیے بال کافی ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بال کٹانے سے قبل احرام کھول دینا

سوال میں نے گزشتہ سال رمضان المبارک میں عمرہ ادا کیا اور جب ہم اپنی رہائش گاہ پر واپس آئے تو میں نے بال کٹانے سے قبل احرام کھول دیا کیونکہ مجھے اس کا علم نہ تھا اور میرے اہل خانہ کو بھی اس چیز کا علم نہ تھا کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے اور جب انہیں علم ہوا کہ میں نے بال نہیں کٹوائے تو انہوں نے بتایا کہ یہ جائز نہیں تو میں نے فوراً بال کٹوا دیئے' تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ عمرہ مقبول ہے یا نہیں؟

جواب عمرہ میں محرم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سر کے بالوں کے منڈوانے یا کٹوانے سے پہلے احرام کھولے' لہٰذا جو شخص بالوں کے کٹوانے سے پہلے احرام کھول دے' سلے ہوئے کپڑے پہن لے اور سر ڈھانپ لے اور اسے اس مسئلہ کا علم ہو تو اس پر فدیہ لازم ہے اور اگر اسے یہ مسئلہ معلوم نہ ہو یا وہ بھول کر ایسا کر لے تو پھر فدیہ لازم نہیں ہے لیکن جب اسے معلوم ہو یا یاد آ جائے تو اسے چاہیئے کہ فوراً لباس اتار دے' احرام پہن لے اور بالوں کو منڈانا یا کٹانا شروع کر دے' ان احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے اسے معذور سمجھا جائے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عمرہ کرنے والے کے لیے طواف وداع کا واجب نہ ہونا

سوال عمرہ ادا کرنے کے بعد اگر کوئی شخص حدود حرم سے باہر اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے جانا چاہے تو کیا اس کے لیے طواف وداع لازم ہے؟ اور کیا یہ طواف نہ کرنے کی صورت میں کوئی فدیہ وغیرہ ہے؟

جواب عمرہ کرنے والے کے لیے طواف وداع نہیں ہے جب کہ وہ حرم سے باہر مکہ کے مضافات میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے جانا چاہے' اسی طرح حاجی کے لیے بھی یہی حکم ہے لیکن جب وہ اپنے گھر یا کسی اور جگہ جانے کے لیے سفر کا ارادہ کرے تو پھر اس کے لیے طواف وداع مشروع ہے' لیکن واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

---

① صحیح مسلم' الحج' باب حجة النبی ﷺ' حدیث: 1218

② صحیح بخاری' المحصر' باب اذا احصر المعتمر' حدیث: 1807 و صحیح مسلم' الحج' حدیث: 1230

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرہ سے حلال ہونے کے بعد منیٰ اور عرفات کی طرف گئے تھے اور انہیں یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ طواف وداع کریں لیکن حاجی جب مکہ مکرمہ سے رخصت ہونا چاہے تو اس کے لیے طواف وداع لازم ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَّكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ»(صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

''لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مکہ میں آخری وقت بیت اللہ میں گزاریں' ہاں البتہ حائضہ عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔''

''لوگوں کو حکم دیا گیا'' سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد:١/ ٢٢٢)

''اس وقت تک کوئی شخص کوچ نہ کرے جب تک وہ اپنا آخری وقت بیت اللہ میں نہ گزارے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اور عمرہ میں حائضہ عورت طواف وداع سے مستثنیٰ ہے' اسی طرح نفاس والی عورت بھی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اہل علم کے نزدیک ان دونوں کے لیے حکم ایک جیسا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

عمرہ میں طواف وداع واجب نہیں

سوال میں عمرہ کرنے والوں کے لیے بھی یہ لازم قرار دیتا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے کوچ کرتے وقت طواف وداع کریں لیکن میں نے حرم میں آپ کے درس میں یہ سنا کہ ان کے لیے طواف وداع نہیں ہے۔ امید ہے اس مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائیں گے؟

جواب جو شخص حج کرے' اس کے لیے یہ واجب ہے کہ مکہ مکرمہ سے کوچ کرتے وقت طواف وداع کرے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَّكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ» (صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥ وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع ... الخ، ح:١٣٢٨)

''لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو البتہ حائضہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔''

نیز آپ کا قول ہے کہ ''لوگ ہر طرف سے رخصت ہو جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا:

«لاَ يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع

... الخ، ح:١٣٢٧ ومسند أحمد: ١/ ٢٢٢)

"اس وقت تک کوئی رخصت نہ ہو جب تک وہ آخر میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔"

قرینۂ حال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حاجیوں کے لیے ہے کیونکہ آپ نے حاجیوں کے لیے حج سے فراغت کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا۔ عمرہ کرنے والے کے لیے طواف وداع واجب نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس کے لیے مسنون (یعنی مستحب) ضرور ہے کہ وہ بھی کوچ کرتے وقت طواف کرے لیکن ہم اسے واجب نہیں کہیں گے کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پھر یہ اس لیے بھی کہ عمرۃ القضاء کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت طواف وداع نہیں فرمایا تھا۔ ہمارے علم کے مطابق آپ کی سنت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رمضان میں عمرہ کرنا افضل ہے

سوال کیا حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا دیگر مہینوں میں عمرہ کرنے سے افضل ہے؟

جواب عمرہ کی ادائیگی کے لیے افضل وقت رمضان ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً»(جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء في عمرة رمضان، ح:٩٣٩ وسنن ابن ماجه، المناسك، باب العمرة في رمضان، ح:٢٩٩٤)

"رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔"

اور صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے:

«تَقْضِي حَجَّةً أَوْ حَجَّةً مَّعِي»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٣ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ح:١٢٥٦)

"یہ حج کے یا میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔"

یعنی الفاظ شک کے ساتھ ہیں۔ رمضان کے بعد ذوالقعدہ میں عمرہ کرنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے تمام عمرے ذوالقعدہ ہی میں ادا فرمائے تھے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے

سوال کیا احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے؟ یا رمضان میں بھی اس کا ثواب دیگر تمام مہینوں کی طرح ہے؟

جواب ہاں صحیح مسلم میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ح:١٢٥٦ والترمذي، الحج، باب ما جاء في عمرة رمضان، ح:٩٣٩ واللفظ له)

"رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔"

یعنی اس کا ثواب حج کے برابر ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر آدمی نے حج نہ کیا ہو تو رمضان میں عمرہ کرنے سے اس سے حج ساقط ہو جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ لیکن یہ باقی قرآن سے انسان کو بے نیاز نہیں کر سکتی۔ نماز میں اگر کوئی شخص تین بار سورۂ اخلاص پڑھ لے تو وہ سورۂ فاتحہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا' اسی طرح اگر دس بار یہ پڑھ لے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، ح:٢٦٩٣)

تو یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کرنے کے برابر ہے' لیکن اگر کسی انسان پر گردن آزاد کرنا لازم ہو تو محض ان کلمات کا پڑھنا کفایت نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے کسی کے برابر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اس سے کفایت بھی کر سکتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا رمضان میں عمرہ کی فضیلت کچھ ایام کے ساتھ مخصوص ہے؟

سوال کیا رمضان میں عمرہ کی فضیلت مہینے کے اول' اوسط یا آخری حصہ کے ساتھ مخصوص ہے؟

جواب رمضان میں جب بھی عمرہ کیا جائے فضیلت حاصل ہو گی اور یہ فضیلت اول' اوسط یا آخری حصہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد عام ہے:

«عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ح:١٢٥٦ وسنن الترمذي، الحج، باب ما جاء في عمرة رمضان، ح:٩٣٩ واللفظ له)

"رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے"

آپ نے اسے کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ جو شخص رمضان میں سفر کر کے جائے اور عمرہ ادا کرے تو اس کا ثواب ایسے ہے جیسے اس نے حج کیا۔ میں یہاں ان بھائیوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہوں گا جو عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو کچھ لوگ رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے عمرہ کر لیتے ہیں اور اس طرح وہ رمضان میں عمرہ کے ثواب سے محروم رہتے ہیں' لہٰذا اگر وہ اپنے سفر کو تھوڑا سا مؤخر کر دیں تاکہ وہ رمضان میں عمرہ کا احرام باندھ سکیں تو یہ بہت بہتر اور افضل ہے۔

اسی طرح ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض لوگ مہینے کے ابتدائی حصہ میں عمرہ کے لیے آتے ہیں اور پھر مہینے کے درمیان میں تنعیم جا کر دوسرے عمرے کا احرام اور اسی طرح مہینے کے آخر میں پھر تنعیم جا کر تیسرے عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں تو یہ عمل بے اصل ہے۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں انیس

دن قیام فرمایا تھا لیکن دوسرے عمرہ کے لیے آپ تنعیم تشریف نہیں لے گئے تھے' حالانکہ آپ نے مکہ مکرمہ کو رمضان ہی میں فتح فرمایا تھا مگر قتال کے خاتمہ کے بعد آپ عمرہ کے لیے تنعیم نہیں گئے بلکہ آپ نے عمرہ ذوالقعدہ میں غزوۂ طائف سے واپسی کے وقت ادا فرمایا۔ اس موقع پر مقام جعرانہ میں آپ نے قیام فرمایا اور وہاں ہی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا تھا' اسی اثناء میں جعرانہ ہی سے ایک رات عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تھے اور پھر اسی رات عمرہ ادا کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو مکہ سے نکل کر تنعیم یا کسی اور دوسری جگہ نہیں جانا چاہیئے تاکہ وہاں سے احرام باندھ کر ایک اور عمرہ کر سکے۔ اگر یہ نیکی کا کام ہوتا تو اسے سب سے پہلے خود رسول اللہ ﷺ سرانجام دیتے کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ کو سب لوگوں سے زیادہ نیکی کا شوق تھا اور پھر آپ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت تک احکام شریعت کے پہنچانے والے ہیں' لہٰذا اگر یہ حکم شریعت ہوتا تو آپ اسے امت کے سامنے قول' فعل یا تقریر کے ذریعے ضرور بیان فرما دیتے' لیکن جب ان میں سے کوئی صورت بھی موجود نہیں تو پھر ہمیں صرف نبی ﷺ کی سنت ہی پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ اتباع سنت ہی بہتر ہے' خواہ وہ عمل کم ہی کیوں نہ ہوں اس بدعت سے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رمضان اور غیر رمضان میں بار بار عمرہ کرنا

سوال رمضان اور غیر رمضان میں حرم سے اس نیت سے نکل کر حل میں جانے کا کیا حکم ہے تاکہ ایک اور عمرہ کر لیا جائے؟

جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ باتفاق سلف' عمروں کی کثرت اور تکرار مکروہ ہے۔ اس قول کو خواہ تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن یہ بات درست ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لیے آیا ہے اس کے رمضان اور غیر رمضان میں حرم سے نکل کر حل میں جانا تاکہ وہ دوسرا اور تیسرا عمرہ بھی کر سکے' یہ یقیناً ان امور بدعت میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں معروف نہ تھے۔ عہد نبوی سے اس کی صرف ایک ہی مثال ملتی ہے اور اس کا تعلق بھی ایک خاص مسئلہ سے ہے اور وہ یہ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج تمتع کی نیت سے عمرہ کا احرام باندھا تھا کہ آپ کے ایام شروع ہو گئے' [1] نبی ﷺ نے دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں' رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا' اس پر آپ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ "یہ تو وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنات آدم کے لیے لکھ رکھا ہے' پھر آپ نے حکم دیا کہ حج کا احرام باندھ لیں' چنانچہ آپ نے حج کا احرام باندھ لیا اور اس طرح ان کا حج قران ہو گیا اور جب وہ حج سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حج کے علاوہ ایک مستقل عمرہ بھی کرنا چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی اور آپ نے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ تنعیم تک جائیں تاکہ آپ وہاں سے احرام باندھ آئیں اور اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ عمرہ کیا۔ اگر یہ مطلقاً مشروع ہوتا تو آپ اس کی طرف تمام صحابہ کرام کی رہنمائی فرماتے اور بالخصوص عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو تو اس کی ضرور ترغیب دیتے جو اپنی بہن کے ہمراہ تھے کہ وہ بھی ایک اور عمرہ کا اجر وثواب حاصل کریں اور پھر ہم سب یہ

[1] صحيح بخاري' الحج' باب كيف تهل الحائض والنفساء' حديث: 1556 و صحيح مسلم' الحج' حديث: 1211۔

جانتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں انیس دن قیام فرمایا مگر اس دوران عمرہ نہیں کیا حالانکہ آپ کے لیے اب اس میں کوئی دشواری نہیں تھی' لہٰذا معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص رمضان یا غیر رمضان میں عمرہ کے لیے آئے تو وہ حرم سے حل تک نہ جائے تاکہ بار بار عمرہ کرے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے یا خلفائے راشدین سے یا حضرات صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے۔

بہت سے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں رمضان میں عمرہ کے لیے آیا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک عمرہ اپنی ماں یا باپ یا کسی رشتہ دار وغیرہ کے لیے بھی کر لوں تو ہم عرض کریں گے کہ فوت شدگان کے لیے ایصال ثواب امور مشروع میں سے نہیں ہے۔ یعنی کسی بھی آدمی سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں یا باپ یا بہن وغیرہ کے لیے نیک عمل کرے' ہاں البتہ اگر کوئی ایسا کرے تو یہ جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اپنے نخلستان میں صدقہ کریں' [1] اسی طرح ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں جب یہ عرض کیا کہ میری امی اچانک فوت ہو گئی ہیں اور میرا گمان ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! [2] لیکن اس کے باوجود آپ نے علی العموم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنے فوت شدہ ماں' باپ یا دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ کرو۔ ہر طالب علم کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ وہ امر مشروع اور امر واجب میں فرق معلوم کرے' یعنی امر مشروع تو وہ ہے جس کے بارے میں ہر مسلمان سے یہ تقاضا ہے کہ وہ اسے ضرور سرانجام دے اور امر جائز وہ ہے جسے شریعت جائز تو ضرور قرار دیتی ہے لیکن ہر مسلمان سے اسے سرانجام دینے کا مطالبہ نہیں کرتی۔ یہاں بطور مثال میں اس صحابی کے واقعہ کی طرف اشارہ کروں گا جسے نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا تھا اور وہ جب بھی نماز پڑھتے تو اپنی قراءت کو سورہ اخلاص پر ختم کرتے' [3] واپسی پر صحابہ کرام نے جب نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس سورت میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے' لہٰذا میں اس سورت سے محبت رکھتا ہوں' یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جاؤ انہیں بتا دو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے" لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ کا یہ معمول نہیں تھا کہ اپنی ہر قراءت کو سورۂ اخلاص پر ختم فرمائیں اور نہ آپ نے امت کو اس کی تلقین فرمائی۔

اس سے امر مشروع اور امر جائز میں فرق واضح ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ اپنی ماں کی طرف سے باغ کو صدقہ کریں یا اس سائل کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت دی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص کے لیے یہ حکم شریعت ہے کہ وہ ایسا ضرور کرے' ہاں البتہ کوئی ایسا کرتا ہے تو اس سے اسے ضرور نفع پہنچتا ہے جس کی طرف سے صدقہ کیا جائے' لیکن ہمیں حکم شریعت یہ ہے کہ اپنے والدین کے لیے دعا کریں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] سنن نسائی' الوصایا' باب اذامات الفجأة هل يستحب لاهله --- الخ' حدیث: 3680۔

[2] صحیح بخاری' الجنائز' باب موت الفجأة البغتة' حدیث: 1388 و صحیح مسلم' الزکاة' حدیث: 1004۔

[3] صحیح بخاری' التوحید' باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ ' حدیث: 7375 و صحیح مسلم' صلاة المسافرین' باب فضل قراءة قل هو الله أحد' حدیث: 813۔

«إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب ... الخ، ح:١٦٣١ والأدب المفرد، باب بر الوالدين بعد موتهما، ح:٣٨ واللفظ له)

"جب بندہ فوت ہوتا ہے تو تین طرح کے اعمال کے سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ تین یہ ہیں: صدقہ جاریہ' وہ علم جس سے نفع اٹھایا جا رہا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مختلف فتوے

حج اور گناہوں پر اصرار

سوال اس شخص کے حج کے بارے میں کیا حکم ہے جو معصیت کے کاموں پر اصرار کرتا ہو یا صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا رہتا ہو؟

جواب اس کا حج تو صحیح ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو لیکن ہے حج ناقص' اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے خصوصاً جب وہ مکہ مکرمہ میں حج کے لیے آیا ہو تو اسے تمام گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے اور جو شخص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اے مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا۔"

"توبۃ النصوح" یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کے عذاب کے خوف سے گناہوں کو ترک کر دے۔ ماضی میں جو گناہ ہوئے ان پر ندامت کا اظہار کرے اور اس بات کا سچا ارادہ کرے کہ وہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ توبہ کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کو جانی' مالی یا عزت و آبرو کا نقصان پہنچایا ہو تو اسے پورا کرے یا ان سے معاف کروا لے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اصلاح قلوب اور اعمال کی توفیق بخشے اور ہم پر اور ان سب پر یہ احسان فرمائے کہ ہم تمام گناہوں سے پکی سچی توبہ کر سکیں۔ اِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ۔

—— شیخ ابن باز ——

حج میں نماز قصر کرنا

سوال حاجی اگر مکہ مکرمہ میں چار دن سے زیادہ اقامت اختیار کرے تو اس کے لیے نماز قصر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حاجی اگر مکہ مکرمہ میں چار دن یا اس سے کم مدت کے لیے مقیم ہو تو سنت یہ ہے کہ چار رکعتوں والی نماز کی دو رکعتیں ادا کرے' کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کا یہی عمل تھا۔ اور اگر چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ ہو تو پھر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ پوری نماز پڑھے' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

حج یا عمرہ کرنے والے کا حرم میں نماز ادا کرنا

سوال بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ عمرہ کے لیے جائیں تو ان کے لیے یہ واجب ہے کہ فرض نماز حرم ہی میں ادا کریں' ورنہ ان کا عمرہ باطل ہو جائے گا۔ امید ہے آپ اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حج یا عمرہ کرنے والے کے لیے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ فرض نماز مسجد حرام ہی میں ادا کرے' بلکہ اگر وہ مکہ کی کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ اس مسئلہ میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اس پر تو اجماع ہے۔ والحمدللہ!

عمرہ کرنے والے کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ طواف کرے' سعی کرے اور بال منڈا یا کٹا دے' اس سے عمرہ مکمل ہو جائے گا اور ان تمام امور سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس نے مکہ مکرمہ کی طرف آتے ہوئے اپنے میقات سے احرام باندھا ہو' بشرطیکہ وہ میقات کے باہر سے آیا ہو۔ اور اگر وہ میقات کے اندر ہی رہتا ہو جیسا کہ جدہ' ام سلم' بحرہ' لزیمہ اور شرائع وغیرہ کے باشندے ہیں تو وہ اسی جگہ سے احرام باندھیں گے جہاں سے انہوں نے حج یا عمرہ کی نیت کی ہو جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ' اہل شام کے لیے جحفہ' اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر کیا اور فرمایا:

«هُنَّ لَهُمْ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ، مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَمَنْ كَانَ دُونَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ»(صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، ح:١٥٢٤ وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، ح:١١٨١)

’’یہ میقات ان لوگوں کے لئے بھی ہیں۔ جو ان علاقوں کے باشندے ہوں اور ان لوگوں کے لئے بھی جو ان کے باشندے تو نہ ہوں لیکن وہ یہاں سے گزریں اور ان کا حج و عمرہ کا ارادہ ہو اور جو ان کے اندر رہتے ہوں تو وہ وہاں ہی سے احرام باندھیں حتیٰ کہ اہل مکہ مکہ ہی سے (احرام باندھیں)۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منیٰ کے آخری دن جب عمرہ کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حرم کے باہر سے جا کر احرام باندھیں تو انہوں نے تنعیم سے احرام باندھا اور مکہ مکرمہ آ کر طواف سعی اور تقصیر کیا تو اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے اور وہ حرم مکہ کے اندر ہو تو اس کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ حرم سے باہر حل میں جا کر

احرام باندھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ کو یہی حکم دیا تھا۔ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مذکور حدیث میں جو عموم ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے اس کی تخصیص ہو جاتی ہے، یعنی وہ حکم حج کرنے والے کے لیے ہے اور عمرہ کرنے والے کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ حدود حرم سے باہر جا کر حل سے احرام باندھے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

اس شخص کا حج جو بوجہ عذر رمضان کے روزے نہ رکھ سکا

سوال رمضان المبارک میں بیماری کی وجہ سے میں روزے نہ رکھ سکا اور میں نے یہ نیت کر لی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی عطا فرمائی تو کسی دوسرے مہینے میں یہ روزے رکھ لونگا اور اس کے بعد جب حج کا مہینہ آیا تو میں نے اس سال حج کرنے کا ارادہ کر لیا تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں حج کروں جب کہ میں نے ابھی تک وہ روزے نہیں رکھے؟

جواب اگر آپ نے ابھی تک رمضان کے روزوں کی قضاء نہیں دی تو پھر بھی حج جائز ہے لیکن اگر روزوں کی قضاء کی طاقت ہو تو پھر انہیں اس قدر مؤخر کرنا جائز نہیں کہ اگلا رمضان آ جائے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی وجہ تسمیہ

سوال کعبہ کو "بیت اللہ الحرام" کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

جواب کعبہ کو بیت اللہ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی تعظیم کی جگہ ہے۔ لوگ ہر جگہ سے قصد کر کے یہاں آتے ہیں تاکہ فریضۂ حج ادا کر سکیں۔ دنیا بھر کے لوگ نماز میں منہ بھی اسی کی طرف کرتے ہیں تاکہ صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط کو پورا کر سکیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۵۰)

"اور (اے پیغمبر!) جہاں سے نکلیں مسجد محترم کی طرف منہ (کر کے نماز پڑھا) کریں اور مسلمانوں تم جہاں ہوا کرو (مسجد) کی طرف رخ کیا کرو۔"

اس گھر کی تشریف، تعظیم اور تکریم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کی طرف نسبت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی طرف جو چیزیں مضاف ہیں ان کی دو قسمیں ہیں (۱) یا تو وہ صفات باری تعالیٰ ہیں مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت اور کلام اور (۲) یا وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں اور عزت کی وجہ سے انہیں اللہ کے پاک نام کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ ﴾ (الحج ۲۲/ ۲۶)

① صحیح بخاری، باب کیف تھل الحائض و النفساء، حدیث: 1556 و صحیح مسلم، الحج، حدیث: 1211۔

"اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک (صاف رکھا) کرو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

مکہ مکرمہ میں برائی کا گناہ زیادہ ہونا

سوال کیا مکہ مکرمہ میں' دوسری جگہ کی نسبت برائی کا گناہ بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے' جس طرح نیکی کا ثواب کئی گناہ زیادہ ہوتا ہے اور یہ کیوں؟

جواب ادلۂ شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل زمان و مکان مثلاً رمضان' عشرہ ذی الحجہ اور حرمین شریفین میں نیکیوں کا ثواب زیادہ ہوتا ہے' لہٰذا مکہ مکرمہ میں بلاشبہ نیکیوں کا ثواب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلاَةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلاَةٍ فِي مَاسِوَاهُ إِلاَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلاَةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ خَيْرٌ مِّنْ مِّائَةِ صَلاَةٍ فِي مَسْجِدِي»(مسند أحمد: ٤/ ٥ وصحيح ابن حبان، ح: ١٠٢٧ واللفظ للبيهقي في السنن الكبرى ٥/ ٢٤٦ وأصله متفق عليه من حديث أبي هريرة)

"میری اس مسجد میں نماز دیگر مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے ہاں البتہ مسجد حرام میں ایک نماز میری اس مسجد کی ایک سو نماز سے بہتر ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے بقدر اور مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے بقدر ملتا ہے' اسی طرح دیگر اعمال صالحہ کا ثواب بھی یہاں زیادہ ملتا ہے لیکن ان کے بارے میں کوئی حد مذکور نہیں ہے کہ کس قدر زیادہ ملتا ہے بلکہ یہ حد صرف نماز کے بارے میں ہے' دیگر اعمال مثلاً روزہ' اذکار' قراءت قرآن اور صدقات وغیرہ کے بارے میں مجھے کوئی نص معلوم نہیں کہ ان کا کس قدر زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ہاں البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ یہاں اعمال صالحہ کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اور وہ حدیث جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے:

«مَنْ صَامَ فِي مَكَّةَ كَتَبَ اللهُ لَهُ مِائَةَ أَلْفِ رَمَضَانَ»(سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب صوم شهر رمضان بمكة، ح: ٣١١٧)

"جو شخص مکہ میں روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک لاکھ رمضان کا ثواب لکھ دیتا ہے۔"

تو یہ حدیث اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں نیکیوں کا ثواب تو زیادہ ملتا ہے۔ لیکن کسی نص سے اس اضافہ کی مقدار کا تعین ثابت نہیں' ہاں البتہ صرف نماز کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ یہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

برائیوں کے بارے میں محقق اہل علم کی یہ رائے ہے کہ ان کا گناہ عدد کے اعتبار سے تو زیادہ نہیں ہوتا' ہاں البتہ کیفیت کے اعتبار سے ضرور زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰٓ إِلَّا مِثْلَهَا﴾ (الأنعام٦/ ١٦٠)

"جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی۔"

برائیوں کا گناہ عدد کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہوتا خواہ ان کا ارتکاب رمضان میں کیا جائے یا حرم میں۔ ایک برائی کو ہمیشہ ایک ہی قرار دیا جاتا ہے اور یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل و احسان ہے۔

ہاں البتہ جو برائی حرم میں یا رمضان میں یا عشرہ ذی الحجہ میں کی جائے اس کا گناہ یقیناً زیادہ ہے یعنی مکہ میں کی جانے والی برائی کا گناہ جدہ اور طائف وغیرہ میں کی جانے والی برائی سے زیاہ ہو گا' اسی طرح رمضان اور عشرۂ ذی الحجہ میں کی جانے والی برائی کا گناہ رجب اور شعبان وغیرہ میں کی جانے والی برائی سے زیادہ ہو گا لیکن یہ اضافہ کیفیت کے اعتبار سے ہے عدد کے اعتبار سے نہیں جب کہ نیکیوں کے ثواب میں اضافہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل سے کیفیت اور عدد دونوں اعتبار سے ہوتا ہے۔

حرم میں برائی کے ارتکاب کے شدید ہونے پر یہ ارشاد باری تعالیٰ دلالت کناں ہے:

﴿ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ ﴾ (الحج ۲۲/ ۲۵)

"اور جو اس میں شرارت سے کجروی (وکفر) کرنا چاہے اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرم میں برائی کا ارادہ کرنے پر بھی وعید ہے اور اگر حرم میں الحاد کے ارادہ پر عذاب الیم کی وعید ہے تو جو یہاں الحاد اور سیئات و منکرات کا ارتکاب کرے تو اس کا گناہ یقیناً محض ارادہ کرنے والے سے زیادہ ہو گا' لہٰذا معلوم ہوا کہ حرم میں برائی کا ارتکاب بے حد خطرناک ہے۔

الحاد کا لفظ عام ہے اور یہ ہر باطل کی طرف میلان کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا کسی اور بات سے۔ یہی وجہ ہے کہ ﴿ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ ﴾ (الحج' 25/22) میں الحاد کا لفظ نکرہ استعمال ہوا یعنی خواہ جس الحاد کا بھی ارادہ کیا جائے اور الحاد کے معنی حق سے روگردانی کے ہیں اور یہ روگردانی عقیدہ میں بھی ہو سکتی ہے' لہٰذا جو کوئی یہاں کفر اختیار کرے اس کا گناہ اعظم اور اس کا الحاد بہت بڑا ہو گا۔ حق سے اس روگردانی کا تعلق دیگر برائیوں مثلاً شراب نوشی' بدکاری اور ماں باپ کی نافرمانی سے بھی ہو سکتا ہے' تو جو شخص ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا کفر کی نسبت کم ہو گی۔

الحاد کی نوعیت اگر انسانوں پر ظلم کی ہے یعنی اگر یہاں کوئی قتل کرتا ہے یا مارتا ہے یا مال چھینتا ہے یا گالی وغیرہ دیتا ہے تو یہ بھی بے شک الحاد اور ظلم ہے اور اس کی سزا بھی بے حد خطرناک ہے لیکن وہ الحاد جو کفر باللہ اور دائرۂ اسلام سے خروج کی شکل میں ہے وہ دیگر تمام برائیوں کی نسبت بدترین صورت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۳)

"بے شک شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔" واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن باز ———

حرم کے کبوتروں کی کوئی خصوصیت نہیں

سوال ایک حاجی کا کہنا ہے کہ جب مدینہ منورہ کے کسی کبوتر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ مکہ مکرمہ آجاتا ہے اور

کعبہ مشرفہ کے اوپر چکر لگاتا ہے گویا طواف وداع کر رہا ہو اور پھر کچھ میلوں کی مسافت تک اڑنے کے بعد مرجاتا ہے' کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب مدینہ اور مکہ کے کبوتروں کی دوسرے مقامات کے کبوتروں کی نسبت کوئی خصوصیت نہیں' سوائے اس کے کہ کسی کیلئے ان کا شکار کرنا یا انہیں بھگانا جائز نہیں' خواہ اس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو یا نہ باندھا ہو اور اگر کوئی حرمین شریفین سے نکل جائے تو پھر اس کے لیے ان کا شکار حلال ہے بشرطیکہ وہ یہ شکار محرم کے لیے نہ کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۹۵)

"اے مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا۔"

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي، وَلاَ تَحِلُّ لأَحَدٍ بَعْدِي، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ لاَ يُخْتَلَى خَلاَهَا، وَلاَ يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا ينفر صيد الحرم، ح:۱۸۳۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے' مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے حلال نہیں تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ میرے لیے بھی دن کی صرف ایک گھڑی میں اسے حلال قرار دیا گیا تھا' نہ اس کے گھاس کو کاٹا جائے اور نہ ہی اس کے درخت کو چھانٹا یا کاٹا جائے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے۔"

نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا، لاَ يُقْطَعُ عِضَاهُهَا، وَلاَ يُصَادُ صَيْدُهَا»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة ... الخ، ح:۱۳۶۲)

"بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کی دونوں سرحدوں کے درمیان کو حرم قرار دیتا ہوں' اس کے کانٹے دار درخت کو نہ کاٹا جائے اور نہ اس کے جانوروں کا شکار کیا جائے۔"

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ جب مدینہ منورہ کے کسی کبوتر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اڑ کر مکہ چلا جاتا ہے اور کعبہ کی فضا میں چکر لگاتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اس نے ایک ایسی بات کا دعویٰ کیا ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے کیونکہ موت کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا اور کسی کو نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌۢ بِأَىِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۳۴)

"اور کوئی نفس نہیں جانتا ہے کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی۔"

کعبہ کا طواف وداع تو اس کے لیے ہے جو حج یا عمرہ کرے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ کبوتر کو موت کے وقت کا علم ہو جاتا ہے' لہٰذا وہ کعبہ کے اوپر اڑ کر طواف وداع کرتا ہے یہ ایک بالکل جھوٹا دعویٰ ہے' اس کی جرأت کوئی جاہل شخص ہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے بارے میں افتراء پرداز ہے۔ واللہ المستعان۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مکہ کے لقطہ کو ملکیت میں نہ لیا جائے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ مکہ مکرمہ میں گری ہوئی چیز کو لوں اور جس علاقے میں میں رہتا ہوں وہاں جا کر اس کے بارے میں اعلان کروں؟ یا یہ واجب ہے کہ اس کے بارے میں مکہ مکرمہ ہی کی مسجدوں کے دروازوں اور بازاروں وغیرہ میں اعلان کروں؟

جواب مکہ مکرمہ کے لقطہ کے بارے میں بطور خاص یہ حکم ہے کہ اسے اٹھانا کسی کے لیے بھی حلال نہیں' سوائے اس شخص کے جو ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے یا اس حاکم کے سپرد کر دے جو اس قسم کے اموال کو وصول کرتا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ تَحِلُّ لُقْطَتُهَا إِلاَّ لِـمُنْشِدٍ»(صحيح البخاري، اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة؟، ح: ٢٤٣٣)

''مکہ کے لقطہ کو سوائے اعلان کرنے والے کے اور کسی کے لیے اٹھانا حلال نہیں ہے۔''

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر گری ہوئی چیزوں کو انہی کی جگہ پڑا رہنے دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان کے اصل مالک وہاں آکر انہیں خود ہی اٹھالیں' لہٰذا ہم اس بھائی سے یہ کہیں گے کہ واجب ہے کہ آپ اس کا مکہ مکرمہ اس کی جگہ اور اس کے گردوپیش میں مسجدوں کے دروازوں اور اجتماعات میں اعلان کریں یا پھر اسے ان حکام کے سپرد کر دیں' جن کی لقطوں وغیرہ کے سلسلہ میں سرکاری ڈیوٹی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

زیارت کے احکام

مسجد نبوی کی زیارت اور اس کے لیے سفر

سوال ایک شخص مکہ میں ہے اور وہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہے؟

جواب مسلمان کے لیے یہ جائز' بلکہ مستحب ہے کہ وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے مدینہ کا سفر کرے کیونکہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب بیت اللہ شریف کے علاوہ باقی تمام مساجد میں (ادا کی گئی) ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور اگر آدمی مکہ میں ہو تو پھر مسجد نبوی میں نماز کے لیے سفر کے بجائے مسجد حرام میں نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ مسجد حرام کی ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ لیکن محض نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت یا مدینہ کی دوسری قبروں کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: الْـمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي هٰذَا وَالْـمَسْجِدِ

الأَقْصٰی»(صحیح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مکة والمدینة، باب فضل الصلاة في مسجد ... الخ، ح:۱۱۸۹ وصحیح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:۱۳۹۷ ومسند أحمد:۷/٦ واللفظ له)

"تین مسجدوں کے سوا اور کسی کے لیے سفر اختیار نہ کیا جائے (اور وہ تین یہ ہیں) مسجد حرام' میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس۔)" وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

زیارت مدینہ کا عمرہ سے تعلق

سوال میں ماہ رمضان میں عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ میں گیا لیکن مکہ میں ایک دن کے قیام کے بعد ہی بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے عمرہ کے شعائر کو مکمل نہ کر سکا یعنی میں نے کعبہ شریف کے گرد سات چکر لگا کر طواف تو کر لیا اور صفا و مروہ کی سعی بھی کر لی لیکن اس بیماری کی وجہ سے حرم رسول ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ نہ جا سکا اور اپنے شہر میں واپس لوٹ آیا' سوال یہ ہے کہ کیا میرا یہ عمرہ صحیح ہے؟

جواب جب طواف اور سعی کر لی جائے اور بال کٹوا دیئے جائیں تو یہ عمرہ کامل ہے' اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ زیارت مدینہ' عمرہ کی تکمیل کے لیے شرط نہیں ہے اور نہ اس کا عمرہ کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ ہاں البتہ مسجد نبوی کی زیارت سنت ہے' لہٰذا جب ممکن ہو مسلمان کو مسجد نبوی کی زیارت ضرور کرنی چاہیئے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسجد نبوی کی زیارت واجب نہیں ہے

سوال بعض حاجیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اگر مسجد نبوی کی زیارت نہ کی جائے تو حج ناقص ہے' کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب مسجد نبوی کی زیارت سنت ہے' واجب نہیں اور اس کا حج سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مسجد نبوی کی زیارت تو سارا سال مسنون ہے اور یہ حج کے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰی ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: الْـمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هٰذَا وَالْـمَسْجِدِ الأَقْصٰی»(صحیح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مکة، باب فضل الصلاة في مسجد ... الخ، ح:۱۱۸۹ وصحیح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة،ح:۱۳۹۷ ومسند أحمد:۷/٦ واللفظ له)

"تین کے سوا اور کسی مسجد کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں (اور وہ تین مسجدیں یہ ہیں) مسجد حرام' (بیت اللہ) میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)۔"

جب کوئی شخص مسجد نبوی کی زیارت کرے تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ روضہ میں دو رکعتیں پڑھے اور نبی ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کرے' اسی طرح بقیع کی زیارت بھی مسنون ہے تاکہ وہاں مدفون شہداء حضرات صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کی خدمت میں سلام پیش کیا جائے اور ان کے

لیے دعا کی جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ بھی بقیع کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور صحابہ کرام کو یہ تعلیم فرماتے کہ جب قبروں کی زیارت کریں تو یہ دعا پڑھیں:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاَحِقُونَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، ح:٩٧٥ وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في ما يقال إذا دخل المقابر، ح:١٥٤٧ واللفظ له)

”اے اس بستی کے رہنے والے مومنو! اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کی دعا کرتے ہیں“

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ بقیع کی زیارت کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، ح:٩٧٤، ٩٧٥)

”اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے جانے والوں اور پیچھے آنے والوں پر رحم فرمائے۔ اے اللہ! تو اہل بقیع الغرقد کو معاف فرمادے۔“

مسجد نبوی کی زیارت کرنے والے کے لیے یہ بھی مشروع ہے کہ وہ مسجد قباء کی بھی زیارت کرے اور اس میں دو رکعتیں پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ ہر ہفتہ کے دن اس مسجد کی زیارت کرتے اور اس میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ، ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ، فَصَلَّى فِيهِ صَلَاةً، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ»(سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء، ح:١٤١٢)

”جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے اور پھر مسجد قباء میں آکر نماز پڑھے تو اسے عمرہ جتنا ثواب ملتا ہے۔“

یہ ہیں مدینہ کے وہ مقامات جن کی زیارت کی جاتی ہے' ان کے علاوہ باقی مقامات مثلاً مساجد سبعہ' مسجد قبلتین اور دیگر مقامات وغیرہ جن کی زیارت کے بارے میں مناسک حج پر لکھنے والے بعض مؤلفین نے لکھا ہے تو یہ بے اصل اور بے دلیل ہے۔ مرد مومن کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ سنت پر عمل کرے اور بدعت سے بچے۔

——— شیخ ابن باز ———

روضۂ رسول کی زیارت کے بارے احادیث کا حکم

سوال امید ہے درج ذیل احادیث کی صحت کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے۔

«مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي»

”جو شخص بیت اللہ کا حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے جفا سے کام لیا۔“

«مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي»

"جو شخص میری موت کے بعد میری زیارت کرے' اس نے گویا میری زندگی ہی میں میری زیارت کی۔"

«مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"جو شخص حصول ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کرے تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے بارے میں گواہی دوں گا۔"

یہ احادیث بعض کتابوں میں مذکور ہیں' لہٰذا ان کے بارے میں کئی اشکال ہیں اور ان کے بارے میں دو رائے ہیں' جن میں سے ایک رائے کے مطابق یہ احادیث صحیح ہیں اور دوسری کے مطابق صحیح نہیں ہیں؟

جواب ان میں پہلی حدیث کو ابن عدی اور دار قطنی نے بطریق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

«مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ»(الكامل لابن عدي: ٧/ ٢٤٨٠ والسلسلة الضعيفة، ح: ٤٥)

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ سے جفا کی۔"

یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ اس کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے کہ یہ موضوع یعنی جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن نعمان بن شبل باہلی ہے' جو اسے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی بے حد ضعیف ہیں۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں طعن نعمان کی وجہ سے نہیں بلکہ ابن نعمان کی وجہ سے ہے" اس حدیث کو بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم غفاری ہے اور وہ بھی ضعیف ہے' نیز بیہقی نے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند مجہول ہے۔

دوسری حدیث کو امام دار قطنی نے عن رجل من آل حاطب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند کے ساتھ انہی الفاظ میں روایت کیا ہے [1] لیکن اس کی سند میں ایک مجہول آدمی ہے۔ امام ابو یعلیٰ نے اسے "مسند" میں اور ابن عدی نے "کامل" میں بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حفص بن داود ہے جو کہ ضعیف الحدیث ہے۔

تیسری حدیث کو ابن ابی فدیک نے سلیمان بن یزید سے روایت کیا ہے' [2] سلیمان بن یزید کعبی نے جو کہ ضعیف الحدیث ہے' اسے بطریق عمر روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک مجہول راوی بھی ہے۔ الغرض وہ تمام احادیث جن میں خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا ذکر ہے' وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں بلکہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ موضوع ہیں۔

ہاں البتہ ایسی صحیح احادیث ضرور ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ قبر کی زیارت عبرت و نصیحت اور میت کی دعا کے لیے کی جائے' لہٰذا جو شخص قبروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی شرعی زیارت کرنا چاہے یعنی عبرت و نصیحت کے لیے' میت کے لیے دعا کے لیے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود بھیجنے کے لیے' صاحبین کے لیے یہ دعا کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوں اور پھر اس مقصد کے لیے نہ شد رحال کرے (یعنی نہ تو کجاوے کسے) اور نہ سفر کرے تو یہ زیارت مشروع ہے اور اس میں اجر و ثواب کی امید ہے۔

---

[1] سنن دارقطنی 277/2' حدیث: 2668

[2] تاریخ جرجان ص 220' 434

جو شخص اس مقصد کیلئے شد رحال کرے یا باقاعدہ سفر اختیار کرے تو یہ جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰی ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: الْـمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هٰذَا، وَالْـمَسْجِدِ الأَقْصٰی»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة، باب فضل الصلاة في مسجد... الخ، ح:١١٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧ ومسند أحمد:٧/٦ واللفظ له)

"تین مسجدوں کے سوا اور کسی کی طرف شد رحال نہ کیا جائے (اور وہ تین مسجدیں یہ ہیں) مسجد حرام' میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔"

باقی رہی یہ حدیث:

«لاَ تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَلاَ بُيُوتَكُمْ قُبُورًا (وَصَلُّوا عَلَيَّ) فَإِنَّ تَسْلِيمَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيْنَمَا كُنْتُمْ»(مسند أبي يعلى، ح:٤٦٩ من رواية على بن أبي طالب رضي الله عنه وما بين القوسين لفظ أبي داود، من حديث أبي هريرة رضي الله عنه، في المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢)

"میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنانا اور مجھ پر درود بھیجتے رہنا' تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا سلام مجھے پہنچ جائے گا۔" اسے ضیاء مقدسی نے "المختارہ" میں روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن باز ——

نفلی حج

نفل حج یا مجاہدین کے ساتھ امداد

سوال جس شخص نے فریضہ حج ادا کیا ہو اور وہ دوبارہ حج کر سکتا ہو تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ دوبارہ حج کے اخراجات کو افغانستان کے مسلمان مجاہدین پر خرچ کر دے؟ کیونکہ دوبارہ حج تو نفل ہے اور جہاد کے لیے خرچ کرنا فرض' رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ عن المسلمین خیرا الجزاء۔

جواب جس شخص نے فریضہ حج ادا کیا ہو تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ دوسرے حج کے نفقہ کو مجاہدین فی سبیل اللہ مثلاً مجاہدین افغان یا ان میں سے پاکستان میں پناہ گزین مہاجرین پر خرچ کر دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کہ آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ "کون سا عمل افضل ہے؟" تو آپ نے فرمایا:

«إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، قِيلَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من قال إن الإيمان هو العمل، ح:٢٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، ح:٨٣)

"اللہ اور اس کے رسول پر ایمان" سائل نے پوچھا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟" تو آپ نے فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ" سائل نے پوچھا "اس کے بعد کون سا" تو آپ نے فرمایا "حج مبرور"۔

اس حدیث میں حج کو جہاد کے بعد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مراد نفل حج ہے جب کہ فرض حج تو اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے بشرطیکہ اس کی استطاعت ہو اور صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث موجود ہے

«مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَىٰ، وَمَنْ خَلَفَهُ فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَىٰ» (صحيح البخاري، الجهاد، باب فضل من جهز غازيا الخ، ح:٢٨٤٣ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل إعانة الغازي الخ، ح:١٨٩٥ واللفظ له)

"جس نے راہ الٰہی کے غازی کو تیار کیا اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے اچھے طریقے سے اس کے بعد اس کے گھر کی نگہداشت کی اس نے بھی جہاد کیا۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مجاہدین فی سبیل اللہ اس بات کے سخت محتاج ہیں کہ ان کے بھائی ان کی مادی امداد کریں اور مذکورہ بالا دو حدیثوں اور دیگر احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفل حج کی نسبت مجاہدین پر خرچ کرنا افضل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا میں دوبارہ حج کروں یا صدقہ کروں؟

سوال میں نے فریضہ حج ادا کیا ہے اور اب دوبارہ حج کی بھی استطاعت ہے تو کیا دوبارہ حج کی قیمت کو صدقہ کر دوں یا حج کروں؟

جواب اگر آپ کے پاس مالی استطاعت ہو اور صدقہ بھی کریں اور حج بھی تو یہ افضل ہے۔ اور اگر دونوں کی استطاعت نہ ہو اور آپ کے پاس شدید حاجت مند فقراء ہوں اور ایسی فلاحی سکیمیں ہوں جن میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو ان میں مال خرچ کرنا نفل حج سے افضل ہے۔ اور اگر ایسی کوئی شدید حاجت نہ ہو تو پھر حج کرنا افضل ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

والد کی طرف سے حج لیکن سفر کا آغاز ....

سوال ایک آدمی نے اس سال اپنے فوت شدہ والد کی طرف سے حج کیا لیکن اس نے سفر کا آغاز اپنے والد کے آبائی وطن سے نہیں کیا تھا، تو وہ یہ پوچھتا ہے، کیا اس کا یہ حج صحیح ہے؟

جواب سائل کے سوال سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اور اگر امر واقع اسی طرح ہے تو اس حج میں کوئی حرج نہیں خواہ اس نے سفر کا آغاز اپنے والد کے آبائی وطن سے نہ بھی کیا ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مجاہدین کی امداد

سوال میرا اپنے چند دوستوں کے ساتھ اس بات پر جھگڑا ہوا کہ عمرہ افضل ہے یا مجاہدین کی امداد؟ دراصل ہم نے رمضان کے آخر میں عمرہ کی نیت کی، یاد رہے میں اور میرا ایک دوست پہلے بھی کئی بار عمرہ کر چکے ہیں، بالآخر میرا یہ

دوست کہنے لگا کہ وہ عمرہ نہیں کرے گا بلکہ عمرہ پر خرچ ہونے والی اس رقم کو صدقہ کر دے گا یا جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کیلئے افغان مجاہدین کو دے دے گا کیونکہ عمرہ کرنے سے یہ افضل ہے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کیا اس کیلئے یہ افضل ہے کہ عمرہ کرے جبکہ پہلے بھی کئی عمرے کر چکا ہے یا عمرہ کے ان اخراجات کو جہاد فی سبیل اللہ کیلئے افغان مجاہدین کو دے دے؟

جواب جو شخص پہلے فریضۂ حج اور عمرہ ادا کر چکا ہو تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ نفل حج اور عمرہ کے اخراجات کو مجاہدین فی سبیل اللہ مثلاً افغان مجاہدین پر خرچ کر دے کیونکہ شرعی جہاد نفل حج اور عمرہ سے افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے "جب یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا تھا:

«إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، قِيلَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: حَجٌّ مَّبْرُورٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من قال إن الإيمان هو العمل، ح:٢٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، ح:٨٣)

"اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان" پھر عرض کیا گیا اس کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ" عرض کیا گیا پھر کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا "حج مبرور۔"

——— شیخ ابن باز ———

قربانی کے مسائل

قربانی اور ہدی میں فرق

سوال قربانی کا کیا حکم ہے؟ کس پر واجب ہے؟ کیا قربانی اور ہدی میں فرق ہے؟ کیا قربانی حجاج پر بھی واجب ہے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے کیسے، کب اور کہاں قربانی کی تھی؟ امید ہے آپ وضاحت فرمائیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے کیا مراد ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا»(سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب الأضاحي واجبة أم لا؟، ح:٣١٢٣)

"جس کے پاس استطاعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔" جزاکم اللہ خیراً

جواب اہل علم کے صحیح قول کے مطابق قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ جس کے پاس مالی استطاعت ہو اسے قربانی ضرور کرنی چاہیے کیونکہ یہ عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق کی عبادات میں سے بے حد اہم عبادت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہمیشہ ہمیشہ قربانی کی ہے۔ آپ ہر سال سفید و سیاہ رنگ کے بڑے بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی دیا کرتے تھے جیسا کہ "صحیحین" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ [1]

قربانی اور ہدی میں فرق یہ ہے کہ تمتع اور قران کی ہدی واجبات حج میں سے ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلۡعُمۡرَةِ إِلَى ٱلۡحَجِّ فَمَا ٱسۡتَيۡسَرَ مِنَ ٱلۡهَدۡيِ﴾ (البقرة٢/١٩٦)

[1] صحیح بخاری، الاضاحی، باب وضع القدم --- الخ، حدیث: 5564 و صحیح مسلم، الاضاحی، حدیث: 1966۔

”سو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔“

جب کہ قربانی صحیح قول کے مطابق واجب نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے' جس سے معلوم ہو کہ قربانی واجب ہے۔ ہدی اور قربانی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہدی منیٰ اور بقیہ حرم میں ذبح کرنا مشروع ہے جب کہ قربانی ہر جگہ ذبح کی جاسکتی ہے' باقی احکام دونوں کے ایک جیسے ہیں مثلاً ذبح کرنے کے وقت' مطلوبہ شرائط' گوشت کھانے اور صدقہ کرنے وغیرہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ حدیث:

«مَنْ وَّجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلاَ يَقْرُبَنَّ مُصَلاَّنَا»(مسند أحمد: ٢/ ٣٢١)

”جس کے پاس استطاعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔“

اس کے بارے میں حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) نے ”بلوغ المرام“ میں لکھا ہے کہ اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے جب کہ دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور پھر یہ قربانی کے واجب ہونے کی صحیح دلیل بھی نہیں ہے۔ اگر اس کا مرفوع ہونا ثابت ہو بھی تو یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا»(صحيح البخاري، الأذان، باب ما جاء في الثوم النَّيء ... الخ، ح: ٨٥٥)

”جو لہسن یا پیاز کھائے' وہ ہماری مسجد سے دور رہے (قریب نہ آئے)۔“

اہل علم کی رائے میں یہ حدیث لہسن اور پیاز کی حرمت کی موجب نہیں ہے بلکہ اس سے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان چیزوں کے استعمال کے بعد مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونا مکروہ ہے کیونکہ ان کی ناگوار بو سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچتی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

قربانی کی نیت کرنے والے کے لیے بال کٹوانا

سوال عشرۂ ذوالحجہ میں بال کٹوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جب کہ انسان نے قربانی کی نیت کر رکھی ہو اور بال خواہ وہ بھول کر کٹوا دے یا جان بوجھ کر اور عورت جب اس عشرہ میں حیض سے پاک ہو اور اس نے قربانی کی نیت کر رکھی ہو تو کیا وہ اپنے بالوں میں کنگھی کرے یا نہ کرے؟ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ عنا وعن المسلمین أحسن الجزاء

جواب جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ ماہ ذوالحجہ کے آغاز سے لے کر قربانی کرنے تک بال اور ناخن نہ کٹوائے کیونکہ اس حدیث صحیح میں اس کی ممانعت آئی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ”صحیح“ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے [1] کہ جب حیض اور نفاس والی عورتیں عشرۂ ذوالحجہ میں پاک ہو جائیں اور وہ قربانی کا ارادہ رکھتی ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائیں' جیسا کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والے دیگر مسلمان بھی اس موقع پر اپنے جسم کے بال اور ناخن نہیں کٹواتے لیکن انہیں غسل کے وقت بال کھولنے اور کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں' لیکن جان بوجھ کر بال نہ کاٹیں' بال کھولنے اور کنگھی کرنے کے وقت اگر غیر ارادی طور پر کچھ بال گر جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] صحیح مسلم' الاضاحی' باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة --- الخ' حدیث: 1977-

اسی طرح اگر قربانی کرنے والا کوئی شخص بھول کر یا جہالت کی وجہ سے بال یا ناخن کاٹ لے تو اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس طرح کے اور دیگر امور میں خطاونسیان کو معاف فرما دیا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے تو اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیئے' ہاں قربانی کرنے والے کے اہل خانہ پر کچھ واجب نہیں ہے' یعنی علماء کے صحیح قول کے مطابق ان کے لیے بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ یہ حکم قربانی کرنے والے یعنی اپنے مال سے قربانی خریدنے والے ہی کے لیے خاص ہے۔ اسی طرح وکلاء کے لیے بھی یہ حکم نہیں ہے کیونکہ وہ قربانی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ قربانی کرنے والے تو ان کے موکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم نافع اور اس کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

اپنے مال سے قربانی کرنے والا بال نہ کٹوائے

سوال عشرۂ ذی الحجہ میں کس شخص کے لیے بال اور ناخن کاٹنے حرام ہیں؟ کیا اس سے مراد جانور کو ذبح کرنے والا ہے یا وہ جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہو جب کہ وہ زندہ ہو اور قربانی خواہ اس ایک ہی کی طرف سے ہو یا وہ کچھ لوگوں کے ساتھ قربانی میں شریک ہو؟

جواب ماہ ذوالحجہ کے آغاز کے ساتھ ہی جس کے لیے بال اور ناخن کاٹنے حرام ہیں' اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے مال سے اپنے لیے یا کسی اور کے لیے قربانی کرنا چاہتا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمْ هِلاَلَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ»

(صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة . . . الخ، ح:١٩٧٧)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے۔ ہاں! جو شخص اس کی طرف سے قربانی کر رہا ہو مثلاً قربانی کرنے والے کی اولاد اور بیوی وغیرہ تو ان کے لیے بال یا ناخن کاٹنا حرام نہیں ہے جب کہ یہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کر رہا ہو کیونکہ اس کے اہل خانہ قربانی کرنے والے نہیں ہیں' کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق قربانی کرنے والا وہ ہے جو اپنے مال سے قربانی کی قیمت ادا کرے۔ اسی طرح اگر کسی کو قربانی کے لیے وکیل مقرر کیا ہو تو اس کے لیے بھی بال اور ناخن کاٹنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ قربانی کرنے والا نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

مشترکہ طور پر قربانی کرنے والے بال نہ کٹوائیں

سوال میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میرے بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ ہمارا مال و اسباب بھی ایک ہی ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد ہم نے اسے تقسیم نہیں کیا۔ میں ہر سال اپنے ایک بیٹے کو قربانی کا جانور

خریدنے اور ذبح کرنے کے لیے کہہ دیتی ہوں' تو سوال یہ ہے کہ کیا ہم سب کے لیے یا کس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ عشرۂ ذوالحجہ میں بال اور ناخن نہ کاٹے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ سب کا مال اور قربانی میں اشتراک ہے تو پھر آپ سب لوگ قربانی کرنے والے شمار ہوں گے۔ لہٰذا ماہ ذوالحجہ کے آغاز کے بعد آپ میں سے کسی کے لیے بھی بال یا ناخن کاٹنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ هِلاَلَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ»

(صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة ... الخ، ح:١٩٧٧)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب کسی کی طرف سے کوئی دوسرا شخص قربانی کرے ....

سوال ایک شخص کی طرف سے کوئی اور قربانی کرے گا تو کیا ذوالحجہ کے عشرہ کے آغاز کے بعد ان میں سے کسی کے لیے بال وغیرہ کاٹنا جائز ہے؟ کیا ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز اور دوسرے کے لیے ناجائز ہیں یا دونوں ہی کے لیے ناجائز ہیں؟ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس کی وہ بکری گم ہو گئی ہو جس کی قربانی کرنے کی اس نے نیت کی تھی' لیکن پھر وہ ایام حج ختم ہو جانے کے بعد مل گئی ہو؟

جواب صحیح حدیث میں آیا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ هِلاَلَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ»

(صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة ... الخ، ح:١٩٧٧)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

حدیث میں اس شخص کا ذکر نہیں جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو' لیکن بعض علماء نے ایسے شخص کے لیے بھی یہ مکروہ قرار دیا ہے' ہاں البتہ اگر ان میں سے کوئی شخص بال یا ناخن کاٹ لے تو اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے' اس کی قربانی بھی باطل نہ ہو گی' لہٰذا وہ قربانی ترک نہ کرے' اس کی قربانی ان شاء اللہ تعالیٰ مقبول ہو گی۔

جب کوئی شخص قربانی کرنے کا عزم کر لے اور جانور کو خرید لے لیکن جانور گم ہو جائے اور وہ ایام قربانی ختم ہو جانے کے بعد ملے تو اس کا ذبح کرنا لازم نہیں ہے' الا یہ کہ نذر کی وجہ سے یا اس جانور کی تعیین کی وجہ سے قربانی اس کے ذمہ واجب ہو' لیکن اگر وہ اسے ذبح کر دے اور اس کے گوشت کو بھی قربانی کی طرح صدقہ کر دے تو اسے ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا۔ اور اگر اس نے ایام عید میں گم شدہ جانور کے بجائے کوئی اور جانور ذبح کر دیا ہو تو پھر اس کے لیے دوسرا جانور ذبح کرنا لازم نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

قربانی کرنے والے کے لیے عشرۂ ذوالحجہ میں سر دھونا اور کنگھی کرنا

سوال کیا عشرۂ ذوالحجہ میں بالوں میں کنگھی کرنا جائز ہے؟

جواب عشرۂ ذوالحجہ میں سر کو دھونے اور آہستہ آہستہ سر میں کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس طرح سر کا کوئی بال گر جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' اس سے قربانی کے اجروثواب میں کوئی کمی واقع نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بھی بال یا ناخن کاٹ لے تو اس کی وجہ سے بھی وہ قربانی کو ترک نہ کرے۔ قربانی کا اسے ان شاء اللہ تعالیٰ پورا پورا ثواب ملے گا۔

شیخ ابن جبرین

قربانی کرنے والے کا داڑھی میں کنگھی کرنا

سوال میں قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور عشرۂ ذوالحجہ میں جب داڑھی میں کنگھی کرتا ہوں تو اس سے کچھ بال گر جاتے ہیں' تو کیا میں کنگھی کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب داڑھی میں کنگھی کرنے سے قصد و ارادہ کے بغیر جو بال گر جائیں یہ قابل معافی ہیں کیونکہ یہ بال بے جان شمار ہوتے ہیں' اسی طرح وضو اور غسل کرتے وقت محرم کے سر اور داڑھی سے جو بال از خود گر جائیں وہ بھی قابل معافی ہیں کیونکہ یہ بال بے جان ہوتے ہیں تو عشرہ کے آغاز کے بعد قربانی کرنے والے کے بالوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے' ہاں البتہ حرام یہ ہے کہ حالت احرام میں یا قربانی کرنے والا عشرۂ ذوالحجہ کے شروع ہونے کے بعد جان بوجھ کر بال یا ناخن کاٹے۔ یاد رہے کہ داڑھی کے بالوں کو جان بوجھ کر کاٹنا نہ حالت احرام میں جائز ہے اور نہ کسی دوسری حالت میں' کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحَى (خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ)»(مسند أحمد: ٢/ ٢٢٩ عن أبي هريرة، بدون الشطر الأخير الذي رواه البخاري في الصحيح، اللباس، باب تقليم الاظفار، ح: ٥٨٩٢، عن ابن عمر)

''مونچھیں کاٹو' داڑھی بڑھاؤ اور مشرکین کی مخالفت کرو۔''

شیخ ابن باز

قربانی کرنے والے کا نماز عید سے قبل سر منڈانا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے جانے سے پہلے سر منڈا دے حالانکہ اسے نصیحت بھی کی گئی تھی لیکن اس نے نماز سے پہلے ہی سر منڈانے پر اصرار کیا؟

جواب قربانی کا ارادہ کرنے والے کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ قربانی سے پہلے ایام عشرہ میں بال منڈائے یا ناخن کاٹے

لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس سے قربانی باطل نہ ہو گی اور نہ اس پر کوئی فدیہ ہو گا' ہاں البتہ وہ ایسا کرنے سے خطا کار ضرور ہے لیکن اس کی وجہ سے قربانی ترک نہیں کرنی چاہیئے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قربانی کے ارادے کے باوجود بال کٹوا دیئے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے اپنے لیے قربانی کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر اس نے عشرۂ ذوالحجہ میں ناپسندیدگی کے باوجود بال یا ناخن کاٹ دیئے؟

جواب جس شخص کے پاس جانور ہو' وہ اسے قربان کرنا چاہتا ہو اور ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے تو اس کے لیے قربانی کرنے تک بال یا ناخن کاٹنا جائز نہیں کیونکہ "صحیح مسلم" میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث موجود ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ ذِبْحٌ يَذْبَحُهُ، فَإِذَا أُهِلَّ هِلاَلُ ذِي الْحَجَّةِ، فَلاَ يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلاَ مِنْ أَظْفَارِهِ شَيْئًا، حَتَّى يُضَحِّيَ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة ... الخ، ح:١٩٧٧)

"جس شخص کے پاس ذبح کرنے کے لیے جانور موجود ہو تو وہ ذوالحجہ کا چاند طلوع ہونے سے لے کر قربانی کرنے تک بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے بال یا ناخن کاٹ لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے لیکن اس پر کوئی فدیہ وغیرہ نہیں ہے خواہ اس نے جان بوجھ کر ہی ایسا کیا ہو۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

افضل قربانی

سوال کیا مینڈھے کی قربانی افضل ہے یا گائے کی؟

جواب سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے' پھر گائے کی' پھر بکری کی' پھر اونٹ یا گائے میں اشتراک کیونکہ جمعہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً» (صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الجمعة، ح:٨٨١ وصحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، ح:٨٥٠)

"جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح (اہتمام سے) غسل کرکے پھر پہلی گھڑی میں آئے اس نے گویا

اونٹ کی قربانی کی' جو دوسری گھڑی میں آئے اس نے گویا گائے کی قربانی کی' جو تیسری گھڑی میں آئے اس نے گویا سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی' جو چوتھی گھڑی میں آئے اس نے گویا مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں آئے اس نے گویا انڈے کی قربانی کی۔"

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں تقرب الٰہی کے حصول کے لیے اونٹ کی قربانی کو افضل قرار دیا گیا ہے پھر گائے اور پھر بکری کی قربانی کو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی تقرب الٰہی کے حصول کا سب سے عظیم ذریعہ ہے اور اونٹ چونکہ قیمت' گوشت اور منفعت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہے' لہٰذا ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ' شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی قربانی کو افضل قرار دیا ہے جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے افضل مینڈھے کی قربانی کو' پھر گائے اور پھر اونٹ کی قربانی کو افضل قرار دیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کی تھی [1] اور آپ تو ہمیشہ وہی عمل سرانجام دیا کرتے تھے جو سب سے افضل ہوتا تھا۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کبھی غیر اولیٰ کو بھی امت کے لیے سہولت و آسانی کی خاطر اختیار فرمالیا کرتے تھے کیونکہ امت نے تو آپ کے اسوہ حسنہ ہی کو اختیار کرنا ہوتا ہے اور آپ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ امت کو مشقت میں مبتلا کریں اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ اونٹ' گائے اور بکری وغیرہ کی نسبت افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میت کی طرف سے قربانی

سوال قربانی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میت کی طرف سے بھی قربانی کرنا جائز ہے؟

جواب اکثر علماء کے قول کے مطابق قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی قربانی کی اور اپنی امت کو بھی قربانی کی ترغیب دی۔ قربانی دراصل زندہ انسان سے مطلوب ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی طرف سے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرے' لیکن وہ اپنی قربانی کے ثواب میں زندہ اور مردہ انسانوں میں سے جس کو چاہے شریک کر سکتا ہے۔

میت کی طرف سے قربانی کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ میت نے اگر اپنے ثلث مال میں سے اس کی وصیت کی ہو یا اپنے وقف مال کے بارے میں یہ وصیت کی ہو کہ اس سے اس کی طرف سے قربانی کی جائے تو وارثوں کے لیے یہ واجب ہے کہ اس کی وصیت اور وقف کو اس کی خواہش کے مطابق عملی جامہ پہنائیں اور اگر وصیت و وقف کی صورت نہ ہو اور کوئی انسان اپنے ماں' باپ یا کسی اور کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو یہ ایک اچھا عمل ہے' اسے میت کی طرف سے صدقہ شمار کیا جائے گا اور اہل سنت والجماعت کے قول کے مطابق میت کی طرف سے صدقہ مشروع ہے۔

قربانی کے جانور کی قیمت کو جانور ذبح کرنے سے افضل قرار دیتے ہوئے صدقہ کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر وصیت یا وقف میں قربانی ہی کا ذکر ہو تو پھر وکیل کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ قربانی کے بجائے قیمت کو صدقہ کر دے' اس صورت میں اسے قربانی ہی کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ازخود کسی کی طرف سے صدقہ کر رہا ہو تو اس میں بہت وسعت ہے

[1] صحیح بخاری' الاضاحی' باب وضع القدم علی صفح الذبیحۃ' حدیث : 5564 و صحیح مسلم' الاضاحی' باب استحباب استحسان الضحیۃ' حدیث : 1966

جس صورت کو وہ چاہے اختیار کر لے۔ ہر وہ زندہ مسلمان جسے استطاعت ہو اس کے لیے اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے اور قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

———— شیخ ابن باز ————

قربانی زندہ و مردہ کی طرف سے مشروع ہے

سوال کیا میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے' امید ہے آپ دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے' نیز یہ فرمائیں گے کہ جانور کی قیمت صدقہ کر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زندہ اور مردہ کی طرف سے قربانی مشروع ہے' نبی ﷺ مدینہ میں ایک بکری کی اپنے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے' [1] حالانکہ آپ کے اہل بیت میں بعض فوت شدہ گان بھی تھے' مثلاً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما قربانی بھی ایک صدقہ ہے۔ لہٰذا یہ صدقہ اور قربت کے اعتبار سے دیگر صدقات کے مشابہہ ہے' نبی ﷺ کے عمل سے زندہ انسان کے لیے اس کی بہت تاکید معلوم ہوتی ہے نیز آپ کے اس ارشاد سے بھی ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ هِلاَلَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ»

(صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة ... الخ، ح:١٩٧٧)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں جو یہ ذکر کیا ہے کہ جو شخص کسی کی طرف سے قربانی کر رہا ہو تو وہ بھی اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے تو مجھے اس کی کوئی قابل اعتبار دلیل نہیں ملی کیونکہ اس حکم کا مخاطب صرف وہ انسان ہے جو اپنے مال سے قربانی کر رہا ہو' لہٰذا اس کے بیوی بچوں کو بال اور ناخن کاٹنے سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ قربانی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کی طرف سے ان کے گھر کے سربراہ نے قربانی کی ہے' لہٰذا اس ممانعت کا مخاطب بھی وہی ہے۔

قربانی کے جانور کو ذبح کرنا اس کی قیمت صدقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ اس میں سنت کا احیاء' اظہار اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کی اتباع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

فوت شدہ کی طرف سے قربانی

سوال کیا یہ جائز ہے کہ قربانی کا ثواب فوت شدہ کو ہدیہ کر دیا جائے؟

جواب قربانی' عیدالاضحیٰ یا اس کے تین دن بعد جانور ذبح کر کے یا اونٹ نحر کر کے تقرب الٰہی حاصل کرنے کا نام ہے۔ زندہ انسان کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ قربانی کیا کرتے تھے۔

---

[1] جامع ترمذی' الاضاحی' باب ماجاء ان الشاۃ الواحدۃ تجزئ عن اھل البیت' حدیث: 1505 و سنن ابن ماجہ' حدیث: 3147۔

جب کوئی انسان اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرے اور یہ نیت کرے کہ اس کا اجر و ثواب اس کے اور اس کے زندہ و مردہ اہل خانہ کے لیے ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں' باقی رہی میت کے لیے خاص قربانی تو اس کی دو حالتیں ہیں:
(۱) میت نے اس کی وصیت کی ہو تو اس کی وصیت پر عمل کے پیش نظر اس کی طرف سے قربانی کی جائے گی کہ وصیت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَمَنۢ بَدَّلَهُۥ بَعْدَمَا سَمِعَهُۥ فَإِنَّمَآ إِثْمُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨٢﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۱۔۱۸۲)

''جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس کے (بدلنے) کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں اور بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے' جاننے والا ہے۔ اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

یہ دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ میت کی وصیت پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ اس میں گناہ یا کسی کی حق تلفی نہ ہو۔
(۲) میت نے وصیت تو نہ کی ہو بلکہ از خود اس کی طرف سے قربانی کی جائے' اس کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ مشروع ہے یا غیر مشروع! بعض نے اسے زندہ کی طرف سے قربانی اور مردہ کی طرف سے صدقہ کی طرح مشروع قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ غیر مشروع ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ کی حیات میں آپ کے اعزہ و اقارب اور ازواج مطہرات میں سے کئی ایک کا انتقال ہوا لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ان میں سے کسی کی طرف سے بطور خاص قربانی کی ہو۔ اسی طرح آپ کی حیات پاک ہی میں آپ کی تین صاحبزادیوں اور تین صاحبزادوں کا انتقال ہوا لیکن یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی کی طرف سے بطور خاص قربانی کی ہو۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور آپ نے ان کی طرف سے قربانی نہیں کی اور اسی طرح آپ کی حیات ہی میں آپ کی دو بیویوں حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور آپ نے ان کی طرف سے بھی کبھی کوئی قربانی نہیں کی تھی۔
اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ امر مشروع ہوتا تو آپ اسے ضرور سرانجام دیتے' لیکن میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر آپ کا ارادہ میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ہے تو اپنی طرف سے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے قربانی کیجئے اور نیت یہ کیجئے کہ یہ آپ کی اور آپ کے زندہ اور مردہ قریبی رشتہ داروں کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بے حد وسیع ہے۔ (امید ہے وہ ان سب کو اپنے فضل و کرم سے سرفراز فرما دے گا)۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

بوقت ضرورت عورت کے لیے بھی قربانی کرنا جائز ہے

سوال جب وقت ذبح آ جائے اور گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہو تو کیا عورت کے لیے قربانی کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بوقت ضرورت قربانی یا دوسرے جانور کو ذبح کر سکتی ہے جبکہ ذبح کرنے کی دیگر شرائط موجود ہوں۔

قربانی ذبح کرتے وقت ان لوگوں کا نام لینا مسنون ہے' جن زندہ یا مردہ لوگوں کی طرف سے ذبح کرنے کی اس نے نیت کی ہو اور اگر نام نہ لیا جائے تو نیت بھی کافی ہے۔ اور اگر کسی اور کا نام غلطی سے لے لے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قربانی کے گوشت کو کھانے کا حکم

سوال کیا قربانی کرنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قربانی کے گوشت سے کھانے کا آغاز کرے؟

جواب جس نے قربانی کرنی ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ کچھ نہ کھائے حتیٰ کہ عید کی نماز پڑھ لے اور پھر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے۔ اور اگر آسانی سے ممکن ہو تو اس دن کے کھانے کا آغاز اپنی قربانی کے گوشت سے کر لے' اکثر اہل علم کا جن میں حضرت علی' ابن عباس رضی اللہ عنہما' مالک' شافعی رحمۃ اللہ علیہما اور کئی دیگر بھی ہیں' یہی قول ہے۔ امام ترمذی اور اثرم نے حضرت بریدہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر تشریف نہیں لے جایا کرتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہیں کھایا کرتے تھے۔ [1] اثرم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ قربانی کرنے سے پہلے کچھ نہیں کھایا کرتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دن نہ کھائے حتیٰ کہ نماز سے واپس آ جائے بشرطیکہ اس نے قربانی کرنی ہو [2] کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی کے گوشت کو تناول فرمایا کرتے تھے اور اگر قربانی نہ کرنی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کہ کسی اور کی قربانی کے گوشت کو عید سے پہلے کھا لے یا بعد میں۔ واللہ اعلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قربانی کا گوشت امیروں اور فقیروں سب کے لیے جائز ہے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو دس ذوالحجہ کو کسی سے قربانی کا گوشت لے لے جبکہ وہ خود بھی خوش حال ہو اور اسے گوشت کی ضرورت نہ ہو؟

جواب جائز ہے کیونکہ ہدی' قربانی اور ہدی تمتع و قران کا گوشت تمام حاجیوں کے لیے خواہ وہ امیر ہوں یا فقیر جائز ہے خصوصاً جب کہ گوشت کے خراب ہونے کا بھی اندیشہ ہو جیسا کہ آج کل قربانی کے بہت سے جانوروں کے گوشت کو پھینک دیا' جلا دیا یا دفن کر دیا جاتا ہے اور ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاتا اور پھر ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ فَكُلُوا۟ مِنْهَا وَأَطْعِمُوا۟ ٱلْقَانِعَ وَٱلْمُعْتَرَّ ﴾ (الحج ۲۲/ ۳۶)

''ان میں سے تم (خود) بھی کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے کو بھی کھلاؤ۔''

قَانِع سے مراد قناعت سے بیٹھ رہنے والا اور سوال نہ کرنے والا ہے جبکہ مُعْتَر سے مراد وہ ہے جو سوال کرنے والا ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

[1] جامع ترمذی' الجمعۃ' باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج' حدیث: 54

[2] نیل الاوطار 329/3' تحفۃ الاحوذی بشرح' حدیث: 542

قربانی کا گوشت کافر کو ہدیہ کرنا

سوال کیا قربانی کرنے والے کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی کافر کو قربانی کا گوشت تحفہ میں دے؟

جواب مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں (۱) قربانی کرنے والے کیلئے (۲) دوست واحباب کے لیے اور (۳) مسکینوں کے لیے ' فقر' قرابت' پڑوس یا تالیف قلب کے لیے کافر کو بھی قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عقیقہ اور احکام مولود

مولود کے عقیقہ کا حکم

سوال مولود کے عقیقہ کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ فرض ہے یا سنت؟

جواب مولود کے عقیقہ سے مراد وہ ذبیحہ ہے جسے بچے کی پیدائش کے بعد ساتویں دن تقرب الٰہی کے حصول اور اولاد جیسی نعمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اہل علم میں یہ اختلاف ہے کہ یہ سنت ہے یا واجب! اکثر اہل علم نے اسے سنت مؤکدہ قرار دیا ہے حتیٰ کہ امام احمد رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ قرض لے کر عقیقہ کیا جائے' یعنی جس کے پاس مال نہیں ہے تو وہ قرض لے کر عقیقہ کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا بدل عطا فرما دے گا کیونکہ وہ ایک سنت کو زندہ کرتا ہے۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ قرض لے لے تو یاد رہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جسے مستقبل میں قرض ادا کرنے کی امید ہو اور جسے امید نہ ہو تو وہ قرض نہ لے' بہرحال امام احمد رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور آپ کی یہ بات درست ہے۔ لہٰذا بچے کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک جانور (بکرا) پیدائش کے ساتویں دن بطور عقیقہ ذبح کیا جائے اور اسے خود بھی کھائے' دوستوں اور عزیزوں کو تحفہ بھی دے اور صدقہ بھی کرے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اسے پکا کر صدقہ بھی کیا جائے اور رشتہ داروں اور پڑوسیوں وغیرہ کو کھانے کی دعوت پر مدعو بھی کیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حکم واحکام عقیقہ

سوال بچے اور بچی کی طرف سے بطور عقیقہ جانور ذبح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا بچے کی طرف سے دو بکرے ذبح کرنا واجب ہے؟ اگر بچے کی پیدائش کو طویل عرصہ ہو گیا اور ایک جانور ذبح کر دیا جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر دادا پوتے کی طرف سے عقیقہ کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ جانور خریدنے میں مدد کر سکتا ہے؟ دعوت عقیقہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس دعوت میں کن امور کو ملحوظ رکھنا واجب ہے؟

جواب عقیقہ سے مراد وہ جانور ہے جسے بچے کی پیدائش پر ذبح کیا جاتا ہے' یہ سنت مؤکدہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ غُلَامٍ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمَّى»(سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، ح: ٢٨٣٧، ٢٨٣٨ وجامع الترمذي، ح: ١٥٢٢ وسنن ابن ماجه، ح: ٣١٦٥ وسنن النسائي، ح: ٤٢٢٥ ومسند أحمد: ٧/٥ واللفظ له)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے' لہٰذا عقیقہ ساتویں دن کیا جائے اور ساتویں دن ہی بچے کا نام بھی رکھا جائے۔"

لیکن اس حدیث سے بھی اس کی تاکید ہی معلوم ہوتی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ بچے کی طرف سے دو بکریاں یا دو بھیڑیں ذبح کی جائیں اور بچی کی طرف سے ایک ذبح کی جائے' بچے کی طرف سے بھی اگر ایک ہی جانور ذبح کیا جائے تو ان شاء اللہ یہ بھی کافی ہو گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہفتے کے بعد ایک جانور اور دوسرے ہفتے کے بعد دوسرا جانور ذبح کیا جائے لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ والد پر یہ واجب ہے کہ وہ اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جس نے اسے اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ اگر بچے کا دادا یا بھائی یا کوئی اور عقیقہ کر دے تو یہ بھی جائز ہے یا ان میں سے کوئی اگر جانور خریدنے میں تعاون کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ سنت یہ ہے کہ عقیقہ کے گوشت کا ایک ثلث خود کھالے' ایک ثلث اعزہ و اقارب کو ہدیہ کر دیا جائے اور ایک ثلث مسلمانوں میں صدقہ کر دیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دعوت عقیقہ پر اعزہ و اقارب کو مدعو کیا جائے یا عقیقہ کے تمام گوشت کو صدقہ کر دیا جائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عقیقہ مولود کے لیے ہے میت کے لیے نہیں

سوال میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور میں ان کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں اور جب اس کے بارے میں میں نے ایک امام صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ عقیقہ تو زندہ کی طرف سے ہوتا ہے' مردہ کی طرف سے نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب عقیقہ کا حکم میت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی انسان کے پیدا ہونے کے ساتویں دن کیا جاتا ہے۔ بچے کے باپ کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ بچے کی طرف سے دو بکرے اور بچی کی طرف سے ایک بکرا عقیقہ کے طور پر ذبح کرے اور اگر والد کی مالی حالت کمزور ہو تو وہ بچے کی طرف سے بھی ایک بکرا ذبح کر سکتا ہے۔

عقیقہ کا جانور (بچے کی) پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے' اسے خود بھی کھایا جائے' صدقہ بھی کیا جائے اور ہدیہ بھی دیا جائے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ دعوت عقیقہ میں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو مدعو کیا جائے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ساتویں دن (عقیقہ کرنا) ممکن نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر چودھویں دن بھی ممکن نہ ہو تو اکیسویں دن اور اگر اکیسویں دن بھی ممکن نہ ہو تو پھر جب چاہے عقیقہ کر لے۔

میت کی طرف سے عقیقہ نہیں بلکہ مغفرت اور رحمت کی دعا کی جاتی ہے کیونکہ میت کے لیے دعا کرنا مشروع اور از حد مفید ہے ہاں اس کی طرف سے صدقہ بھی کیا جا سکتا ہے یا دو رکعتیں پڑھ کر یا قرآن مجید کی تلاوت کر کے میت کے لیے

ایصال ثواب کی نیت سے کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن میت کے حق میں دعا کرنا ہی سب سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ ①

—— شیخ ابن عثیمین ——

عقیقہ کو ساتویں دن سے مؤخر کرنا خلاف سنت ہے

سوال بچی کی وفات کے بعد عقیقہ کیا گیا جب کہ وفات کے وقت اس کی عمر ڈیڑھ سال تھی' کیا یہ عقیقہ صحیح ہے؟ کیا یہ بچی آخرت میں اپنے والدین کے لیے نفع بخش ہوگی' رہنمائی فرمائیں؟

جواب ہاں یہ عقیقہ ہو جائے گا لیکن اسے پیدائش کے ساتویں دن سے زیادہ مؤخر کرنا خلاف سنت ہے' ہر وہ بچہ یا بچی جو چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے' اس کی وفات پر صبر کرنے والے اس کے مسلمان والدین کو اللہ تعالیٰ اس سے نفع پہنچائے گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

استطاعت نہ ہو تو عقیقہ ساقط ہے

سوال میں استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے اپنے بچوں کا عقیقہ نہ کر سکا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر آپ کو اس کی استطاعت نہیں تو آپ کو کوئی گناہ نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے' اللہ سے ڈرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧

---

① میت کی طرف سے نفل نماز کا اہتمام کرنا یا ایصال ثواب کی نیت سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا قرآن و حدیث کی کسی واضح دلیل سے اس کا جواز نہیں ملتا جیسا کہ خود مفتی علیہ الرحمہ کی کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے اور یہی موقف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے تفصیل کے لیے دیکھیے "الاختیارات العلمیة ص:54" و احکام الجنائز ص: 213 صرف میت کے لیے دعا کرنا ہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے عام دلائل سے ثابت ہے اور یہی افضل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے صرف تین چیزیں (ایصال ثواب کا باعث بنتی ہیں) (۱) (زندگی میں کیا ہوا) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے بعد میں فائدہ اٹھایا جائے۔ (۳) یا نیک اولاد کی دعا' صحیح مسلم' حدیث: 4223

ومسند أحمد: ٢/ ٥٠٨ واللفظ له)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

جب کوئی انسان بچوں کی ولادت کے وقت فقیر ہو تو اس پر عقیقہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ عاجز ہے اور عجز کی صورت میں عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قبل از وقت گر جانے والے بچے کا عقیقہ

سوال قبل از وقت ساقط ہو جانے والا ایسا بچہ جس کے بارے میں یہ واضح ہو کہ وہ بچہ ہے کہ بچی' کیا اس کا عقیقہ کیا جائے؟ وہ بچہ جو اپنی ولادت کے چند دن بعد فوت ہو جائے اور اس کی زندگی میں اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو' کیا بعد از وفات عقیقہ کیا جائے؟ کیا بچے کی ولادت پر جب ایک یا دو ماہ یا نصف یا پورا سال گزر جائے یا وہ بڑا ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو کیا اس کا بھی عقیقہ کیا جائے؟

جواب جمہور فقہاء کا قول ہے کہ عقیقہ سنت ہے کیونکہ سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا، وَأَمِيطُوا عَنْهُ الأَذٰى»(صحيح البخاري، العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، ح:٥٤٧٢ ومسند أحمد:٤/ ١٨ وسنن أبي داود، ح:٢٨٣٩ وجامع الترمذي، ح:١٥١٥ وسنن النسائي، ح:٤٢١٩ وسنن ابن ماجه، ح:٣١٦٤)

"بچے کے ساتھ عقیقہ ہے لہٰذا اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے ایذاء کو دور کرو۔"

اسی طرح حسن بن سمرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ وَيُسَمَّى»(سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، ح:٢٨٣٨)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے' اس (کی طرف) سے ساتویں دن ذبح کیا جائے' اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔"

اسی طرح عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے واسطے سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ مِنكُمْ أَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهِ فَلْيَفْعَلْ، عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ»(سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، ح:٢٨٤٢ وسنن النسائي، ح:٤٢١٧ ومسند أحمد:٢/ ١٨٢ واللفظ له)

"جو شخص اپنے بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو وہ کرے۔ بچے کی طرف سے ایک جیسے دو بکرے اور بچی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرے۔"

ساقط ہو جانے والے بچے کی طرف سے عقیقہ نہیں ہے خواہ یہ واضح ہو چکا ہو کہ وہ بچہ ہے یا بچی جب کہ وہ نفخ روح سے قبل ساقط ہو جائے کیونکہ اسے بچہ یا مولود نہیں کہتے۔ عقیقہ ولادت کے ساتویں دن کیا جائے۔

جب بچہ زندہ پیدا ہو لیکن وہ ساتویں دن سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے بھی ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون

ہے'بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ساتواں دن گزر جائے تو اس کی وفات کے بعد عقیقہ کرنا مسنون نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے ساتویں دن کا تعین فرمایا ہے۔

حنابلہ اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ساتویں دن کے بعد بھی عقیقہ کیا جائے خواہ ایک مہینہ یا ایک سال یا ولادت کے بعد اس سے بھی زیادہ مدت گزر چکی ہو کیونکہ احادیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا عقیقہ بعثت کے بعد کیا تھا[1] اور زیادہ احتیاط بھی اسی میں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

وقت سے پہلے گر جانے والے نا تمام بچے کا عقیقہ

سوال کیا وقت سے پہلے گر جانے والے درج ذیل نا تمام بچوں کا عقیقہ کرنا لازم ہے یا نہیں:

(۱) جو بچہ حمل کے تین دن کم چار ماہ بعد گر گیا۔

(۲) جو بچہ حمل کے تین ماہ سترہ دن بعد گر گیا۔

(۳) جو بچہ حمل کے صرف دو ماہ بعد گر گیا۔

یہ تینوں جنین لڑکے تھے اور کیا یہ تینوں روز قیامت میرے بیٹے شمار ہوں گے'قیامت کے دن اٹھنے کے وقت ان کی عمر کیا ہو گی؟

جواب وقت سے پہلے گر جانے والے نا تمام بچے کا عقیقہ سنت ہے' جب کہ اسقاط نفخ روح کے بعد ہو یعنی حمل کے چار ماہ بعد اسقاط ہوا ہو لہٰذا سوال میں مذکور ساقط ہونے والے بچوں کا عقیقہ نہیں ہے۔ قبروں سے اٹھائے جانے کے وقت ان کی عمر کیا ہو گی' اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور یہ سوال بھی بے معنی ہے اور آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے معنی کاموں کو ترک کر دے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ان دونوں بچوں کا عقیقہ مستحب ہے

سوال میری بیوی نے دس سال پہلے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا تھا' جب کہ حمل کو ابھی چھ ماہ ہی ہوئے تھے لیکن وہ پیدائش کے بعد پہلے دن ہی فوت ہو گئے تھے' ان کا نام بھی رکھ دیا گیا تھا تو کیا ان کا عقیقہ جائز ہے؟

جواب ان کا عقیقہ مستحب ہے' ان میں سے ہر ایک کی طرف سے دو دو ایسے بکرے ذبح کیے جائیں' جن کی قربانی جائز ہو کیونکہ احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے مثلاً ام کرز کعبیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ»(سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، ح:٢٨٣٥، ٢٨٣٦ وجامع الترمذي، ح:١٥١٦ وسنن النسائي، ح:٤٢٢٢، ٤٢٢٣ وسنن ابن ماجه، ح:٣١٦٢ ومسند أحمد:٦/ ٤٢٢)

---

[1] السنن الکبریٰ: ۹/۳۰۰

"لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (کا عقیقہ کیا جائے)۔"

اس بات میں آپ کو اختیار ہے کہ آپ جانوروں کے تمام یا کچھ گوشت کو صدقہ کر دیں یا کھانا پکا کر اعزہ و اقارب' پڑوسیوں' دوستوں اور فقراء کی دعوت کر دیں۔

——— شیخ ابن باز ———

نومولود بچے کو تحفہ دینا

سوال بعض عورتوں میں جو یہ رواج ہے کہ جب ان کی کسی سہیلی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس نومولود بچے کو کچھ رقم بطور تحفہ دیتی ہیں' کیا اس رواج کی کوئی شرعی اصل بھی ہے؟

جواب ولادت کے وقت مولود کو ہدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ ہدیہ تمام معاملات میں حلال ہے' الا یہ کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل ہو۔ جب عرف و عادت یہ ہے کہ بچے کی ولادت پر اعزہ و اقارب ہدیہ دیتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ عبادت کے طور پر نہیں بلکہ محض عرف و عادت کے طور پر ایسا کیا جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بچے کا نام رکھنے کے لیے اجتماع

سوال کیا بچے کا نام رکھنے کیلئے احباب' پڑوسیوں اور دوستوں کا اجتماع جائز ہے یا اس اجتماع کو بدعت و کفر قرار دیا جائے گا؟

جواب بچے کا نام رکھنے کے لیے اجتماع نبی کریم ﷺ کی سنت نہیں ہے اور نہ آپ کے عہد میں صحابہ کرام میں سے کسی نے ایسا کیا تھا۔ لہٰذا جو اسے سنت سمجھ کر کرے تو وہ دین میں ایک ایسی بات ایجاد کرتا ہے جو اس میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ رسم بدعت اور مردود قرار پائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

لیکن اسے کفر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں اگر فرحت اور مسرت کے طور پر یا دعوت عقیقہ کھانے کیلئے اجتماع ہو اور اسے سنت نہ سمجھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کرنا اور بچے کا نام رکھنا مشروع ہے۔ [1]

——— فتویٰ کمیٹی ———

[1] سنن ابی داود' الاضاحی' باب فی العقیقة' حدیث: 2837 ۔ 2838 و جامع ترمذی' حدیث: 1522 و سنن ابن ماجه' حدیث: 3165 و سنن نسائی' حدیث: 4225 و مسند احمد' 5/8،12۔

باب نہم

کتاب البیوع

خرید و فروخت کے مسائل

جائز اور سودی معاملات

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے سوال پوچھا گیا کہ اگر چینی کی ایک بوری کی نقد قیمت مبلغ ایک سو ریال ہو تو کیا اس کی ادھار مبلغ ایک سو پچاس ریال میں بیع جائز ہے؟ تو آپ نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نقد اور ادھار کی بیع میں فرق ہے اور اس طرح کا لین دین ہمیشہ مسلمان کرتے چلے آئے ہیں' تو یہ گویا ان کا اس کے جواز پر اجماع ہے اور ان اہل علم کی رائے شاذ ہے جنھوں نے ادھار کی صورت میں زائد قیمت کو ناجائز اور سود قرار دیا ہے۔ یہ قول بلا دلیل ہے اور یہ قطعاً سود نہیں ہے کیونکہ تاجر نے جب اپنا سودا ایک مقررہ مدت کے ادھار پر بیچا تو وہ ادھار پر اسی لیے راضی ہوا ہے تاکہ زیادہ قیمت سے فائدہ اٹھا سکے اور خریدار اس لیے راضی ہوا کیونکہ اسے قیمت ادا کرنے میں مہلت مل گئی ہے اور اسے نقد قیمت ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا گویا دونوں ہی نے اس معاملہ میں نفع اٹھایا ہے اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے جو اس معاملہ کے جواز پر دلالت کناں ہے۔ مثلاً آپ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ وہ لشکر کی تیاری کا اہتمام کریں تو حضرت عبداللہ دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ ادھار خرید لیا کرتے تھے۔ [1] اور پھر لین دین کی صورت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں بھی داخل ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۸۲)

"مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔"

یہ معاملہ قرض کے ان معاملات میں سے ہے جو جائز اور آیت مذکورہ میں داخل ہیں۔ معاملہ کی یہ صورت بیع سلم کی جنس سے ہے کہ جس میں بائع دانے یا دیگر ایسی اشیاء جن میں بیع سلم صحیح ہے ایسی قیمت کے ساتھ بیچتا ہے جو نقد کی صورت میں ادھار سے کم ہوتی ہے لیکن اس میں قیمت کو جلد ادا کر دیا جاتا ہے لیکن خریدی ہوئی چیز کو ایک مدت کے بعد ادا کیا جاتا ہے گویا یہ صورت اس کے بالکل برعکس ہے جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے اور یہ صورت بالا جماع جائز ہے اور یہ صورت معنوی طور پر ادھار بیع ہی کی طرح ہے اور بیع سلم کی طرح اس کی ضرورت بھی پیش آتی رہتی ہے۔ بیع سلم کی صورت میں قیمت میں اضافہ بھی اس طرح ہے جس طرح ادھار بیع کی صورت میں قیمت میں اضافہ ہے اور اس اضافے کا سبب بیع سلم کی صورت میں فروخت شدہ چیز کو دینے میں تاخیر اور ادھار بیع میں قیمت کے ادا کرنے میں تاخیر ہے بشرطیکہ چینی کی بوری وغیرہ کے خریدار کا مقصود بیع اور اس کی قیمت سے نفع اٹھانا ہو محض اس سودے سے نفع اٹھانا مقصود نہ ہو۔ معاملہ کی اس صورت کو "تورق" اور بعض عامۃ الناس "وعدہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ علماء کا اس کے جواز

[1] سنن ابی داود' البیوع' باب فی الرخصۃ' حدیث: 3357

میں اختلاف ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ یہ صورت ممنوع یا مکروہ ہے کیونکہ اس سے مقصود دراہم کی دراہم کے بدلے خریداری ہے اور فروخت شدہ سامان ایک ایسا واسطہ ہے جو بذات خود مقصود نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ اس کی حاجت و ضرورت پیش آتی رہتی ہے' ہر ضرورت مند کو بغیر سود کے قرض دینے والا نہیں مل سکتا اور پھر یہ صورت ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"اور اللہ تعالیٰ نے سودے کو حلال قرار دیا ہے۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۲)

"مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔"

کے عموم میں داخل ہے۔

شرعی اصول یہ ہے کہ تمام معاملات حلال ہیں الا یہ کہ کسی معاملہ کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو اور اس معاملہ کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی شرعی دلیل معلوم نہیں جس سے یہ حرام قرار پاتا ہو' جن لوگوں نے اس کے ممنوع یا مکروہ ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس سے مقصود نقدی کی بیع ہی ہوتی ہے تو یہ کوئی ایسی علت نہیں ہے جو حرمت یا کراہت کی موجب ہو کیونکہ اکثر وبیشتر معاملات میں تاجروں کا مقصود کم نقدی کے ساتھ زیادہ نقدی کا حصول ہی ہوتا ہے اور فروخت کیا جانے والا سامان ہی اس سلسلہ میں واسطہ ہوتا ہے اور یہ عقد بیع صرف اس صورت میں ممنوع ہے جب بیع اور شراء کا تعلق مسئلہ عینہ کی طرح ایک ہی شخص سے ہو کہ اسے سود کے لیے حیلہ بنایا جاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے سے (ادھار قیمت پر) سامان خریدے اور پھر اس کو وہی سامان اس (ادھار پر خریدی ہوئی قیمت) سے کم (نقد) قیمت پر بیچ دے جو اس نے اسے ادا کرنی ہو تو یہ صورت شرعاً ممنوع ہے کیونکہ یہ سود کا ایک حیلہ ہے اور اسے ہی بیع عینہ کہا جاتا ہے اور حضرت عائشہ [1] اور ابن عمر رضی اللہ عنہما [2] سے مروی حدیث اس کی ممانعت کی دلیل ہے۔ لیکن یہ مسئلہ تورق جسے بعض لوگ "وعدہ" کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں یہ بالکل ایک دوسرا معاملہ ہے جو بیع عینہ کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ اس میں تو خریدار نے ایک شخص سے سودا ایک مدت کے ادھار پر خریدا ہے اور پھر کسی دوسرے کو نقد بیچ دیا ہے کیونکہ اسے نقدی کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سود کا حیلہ نہیں ہے کیونکہ اس میں مشتری اور بائع الگ الگ ہیں لیکن اکثر لوگوں کو چونکہ اس مسئلہ میں شریعت کے تقاضا کا علم نہیں ہوتا اس لیے کچھ لوگ تو ایسا سودا بیچ دیتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہی نہیں ہوتا اور سودا کرنے کے بعد خریدتے اور پھر اسے خریدار کے سپرد کرتے ہیں اور بعض خرید کر اسے بائع کی جگہ ہی پر یعنی شرعی قبضہ میں لیے بغیر فروخت کر دیتے ہیں اور یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح:۳۵۰۳)

[1] سنن ابی داود' الاجارة' باب النهی عن العينة' حديث: 3462

[2] لم أجده

"جو چیز تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو تو اسے نہ بیچو۔"

نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَّلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ماليس عنده، ح:٣٥٠٤)

"سلف و بیع حلال نہیں اور اس چیز کی بیع بھی حلال نہیں ہے جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلاَ يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ»(صحيح البخاري، البيوع، باب الكيل على البائع والمعطي، ح:٢١٢٦ وصحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، ح:١٥٢٥، ١٥٢٦ واللفظ له)

"جو شخص کھانے کی کوئی چیز خریدے تو وہ اس وقت تک نہ بیچے جب تک اسے مکمل طور پر اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم کھانے کی اشیاء اٹکل (اندازے) سے خریدا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف قاصد بھیج دیتے جو ہمیں منع کرتے کہ ہم انہیں اس وقت تک نہ بیچیں جب تک ہم ان کو اپنی جگہوں پر منتقل نہ کر لیں۔" ①

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی ثابت ہے:

«نَهٰى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ حَتّٰى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلٰى رِحَالِهِمْ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في بيع الطعام قبل أن يستوفي، ح:٣٤٩٩)

"آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ سامان کو وہاں بیچا جائے جہاں خریدا گیا ہو' حتیٰ کہ تاجر اسے اپنی جگہوں پر منتقل نہ کر لیں۔"

ان اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث سے ایک طالب حق کے لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے سودے کو بیچے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو اور پھر اسے خود ہی خرید لے بلکہ واجب یہ ہے کہ اس کی بیع کو مؤخر کرے یعنی خرید کر پہلے اسے اپنی ملکیت میں لے۔ ان احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ جو یہ کرتے ہیں کہ سودے کو بائع کی جگہ ہی بیچ دیتے ہیں اور اسے اپنی جگہ یا بازار میں منتقل نہیں کرتے تو یہ جائز نہیں' کیونکہ اس میں سنت نبوی کی مخالفت' معاملات کے ساتھ مذاق اور شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی ہے اور یہ بھی کہ اس کے خرابی اور برائی کے علاوہ اور بھی بہت سے بھیانک انجام ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی مخالفت کرنے سے بچائے۔

---

① صحیح بخاری' البیوع' باب من رأی إذا اشتری' طعاما جزافاً...... الخ' حدیث: 2137

وہ اضافہ جس کے ساتھ معاملہ سودی ہو جاتا ہے اس سے مراد وہ اضافہ ہے جو مدت گزرنے کے بعد قرض دینے والے کو ادا کیا جاتا ہے تاکہ وہ مقروض کو کچھ عرصہ کے لیے مزید مہلت دے دے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ لوگ مقروض سے کہتے کہ یا تو قرض ادا کرو اور یا پھر تمہیں قرض کی اصل رقم سے زیادہ دینا ہو گا' اسلام نے اس سے منع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٠)

"اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے تک) مہلت دو۔"

علماء کا اجماع ہے کہ اس طرح کا اضافہ اور ہر وہ معاملہ جو اس طرح کے اضافے کو حلال قرار دینے کا وسیلہ بنے' حرام ہے' مثلاً اگر کوئی قرض دینے والا مقروض سے یہ کہے کہ یہ چینی یا کوئی اور سامان مجھ سے ادھار خرید لو اور پھر مجھے نقد بیچ کر مجھ سے جو قیمت حاصل کرو اس سے میرا قرض ادا کر دو تو یہ معاملہ ایک کھلم کھلا حیلہ ہے جسے اس سود کو حلال قرار دینے کے لیے اختیار کیا گیا ہے جس کے زمانۂ جاہلیت کے لوگ عادی تھے' لیکن طریق کار میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی گئی ہے۔ لہٰذا واجب یہ ہے کہ اسے بالکل ترک کر کے اس سے اجتناب کیا جائے اور تنگ دست مقروض کو مہلت دی جائے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی پیدا فرما دے' اسی طرح تنگ دست مقروض پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور ایسے جائز اسباب اختیار کرے جن سے وہ اپنے قرض کو ادا کرے اور قرض دینے والوں کے حقوق کو ادا کر سکے۔ اگر وہ سستی کرے' حقوق ادا کرنے کے لیے اسباب و وسائل حاصل کرنے کے لیے محنت نہ کرے تو وہ اہل حق پر ظلم کرنے والا اور خیانت کرنے والا ہو گا اور یہ اس دولت مند کے حکم میں ہو گا جو قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو اور اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے:

«مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ»(صحيح البخاري، الاستقراض، باب مطل الغني ظلم، ح:٢٤٠٠ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم مطل الغني، ح:١٥٦٤)

"دولت مند کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ» (سنن أبي داود، القضاء، باب في الدين هل يحبس به، ح:٣٦٢٨)

"جس شخص کے پاس مال موجود ہو اور وہ ٹال مٹول کرے تو اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا حلال ہے۔"

بینکوں اور بعض تاجروں کا یہ معاملہ بھی سودی ہے جو قرض دے کر زیادہ وصول کرتے ہیں یا تو مطلقاً یا ہر سال ایک معلوم شرح کے حساب سے پہلے کی مثال یہ ہے کہ وہ اس شرط پر ایک ہزار قرض دے کہ (مقروض) اس (ایک ہزار) کے بجائے ایک ہزار ایک سو واپس لوٹائے گا یا اپنے گھر یا دوکان میں جگہ دے گا یا ایک معلوم مدت تک کے لیے اسے اپنی گاڑی یا سواری وغیرہ دے گا۔ اور دوسرے کی مثال یہ ہے کہ وہ قرض پر لی ہوئی رقم کے مقابلہ میں ہر سال یا ہر ماہ معلوم شرح کے حساب سے منافع (سود) ادا کرے گا خواہ اس نے یہ رقم اسے قرض کے نام سے دی ہو یا امانت کے نام سے' کیونکہ جب

وہ اسے اپنے مصرف میں لانے کے لیے امانت کے نام سے لے گا تو یہ بھی قرض ہو گا جس کا وہ ضامن ہے۔ نفع ادا کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت جائز نہیں کہ وہ اور بینک یا تاجر اس بات پر متفق ہو جائیں کہ وہ اس مال کو مضاربت کے لیے استعمال کرے گا اور نفع کا ایک معلوم و معروف حصہ ایک کے لیے اور باقی دوسرے کے لیے ہو گا' اس نفع کو "قراض" بھی کہتے ہیں اور یہ بالاجماع جائز ہے کیونکہ وہ دونوں نفع و نقصان میں شریک ہیں۔ اس معاہدہ میں بنیادی سرمایہ درحقیقت عامل کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے کہ اگر کسی افراط و تفریط کے بغیر تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہے اور اسے اپنے کام کے عوض نفع کا صرف اتنا ہی معلوم حصہ ملتا ہے جو معاہدہ میں طے کر لیا گیا ہو۔ اس تفصیل سے شرعی معاملہ اور سودی معاملہ میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قسطوں پر ادھار بیع

سوال نقد کی بجائے اگر ادھار اور قسطوں کی صورت میں ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مدت معلوم تک بیع جائز ہے بشرطیکہ وہ معتبر شرائط پر مشتمل ہو' اسی طرح قیمت بالاقساط ادا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اقساط معروف اور مدت معلوم ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى فَٱكۡتُبُوهُۚ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٢)

"مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُوم وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُوم»(صحيح البخاري، السلم، باب السلم في وزن معلوم، ح:٢٢٤٠ وصحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، ح:١٦٠٤)

"جو شخص کسی چیز کی ادھار بیع کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ معلوم ناپ' معلوم وزن اور معلوم مدت کے لیے بیع کرے۔"

اسی طرح "صحیحین" میں موجود بریرہ کے قصہ [1] سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مالک سے اپنے آپ کو نو اوقیہ پر اس شرط پر خریدا کہ وہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کرے گی اور یہ قسطوں ہی کی بیع ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا' بلکہ اسے برقرار رہنے دیا اور اس اعتبار سے اس میں کوئی فرق نہیں' ادھار ادا کی جانے والی قیمت نقد قیمت کے برابر ہو یا مدت کی وجہ سے اس سے زیادہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح بخاری' المكاتب' باب استعانة المكاتب --- الخ' حدیث: 2563 و صحیح مسلم' العتق' حدیث: 1504

ادھار اور سامان کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیع

سوال جب انسان کے پاس کوئی سامان مثلاً دانے یا چینی یا تیل یا مویشی ہو جس کی نقد قیمت ایک سو ریال ہو اور وہ اسے ایک محدود مدت کے ادھار پر جو کہ عموماً ایک سال ہوتی ہے' ایک سو تیس ریال پر بیچ دے تو کیا یہ جائز ہے جب کہ خریدار بسااوقات ایک سال یا دو سال گزرنے پر بھی قیمت ادا نہیں کرتا؟

اسی طرح مقروض سٹور یا دوکان سے ایک چیز خرید تا ہے تو کیا وہ اسے گننے اور وصول کرنے کے بعد اسی جگہ بیچ سکتا ہے یا ضروری ہے کہ وہ اسے اپنے قبضہ میں لے کر کسی دوسری جگہ منتقل بھی کرے؟ فتویٰ عطا فرما کر ثواب حاصل کریں!

جواب انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کھانے کی اشیاء یا کوئی اور سامان مدت معلوم کے ادھار پر بیچے خواہ وہ بیع کے وقت کی قیمت سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے اور مقروض کو چاہیے کہ وہ مقررہ مدت پر قرض کو ادا کر دے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا تقاضا ہے:

﴿ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ ٱلَّذِى ٱؤْتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۳)

"اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ»(صحيح البخاري، الاستقراض، باب من أخذ أموال الناس ... الخ، ح:۲۳۸۷)

"جو شخص لوگوں کے اموال لے اور انہیں ادا کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ادا کرنے کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور جو لوگوں کے اموال لے اور انہیں تلف کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دیتا ہے۔"

اور جب کوئی انسان کسی سٹور یا دوکان سے کوئی سامان خریدے اور مالک گن کر اسے دے دے تو مشتری (خریدار) کے لیے اسے اسی جگہ بیچنا جائز نہیں' بلکہ ضروری ہے کہ اسے اپنے قبضہ میں لے کر کسی دوسری جگہ منتقل کرے' کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حکیم بن حزام کی روایت بیان فرمائی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کچھ اشیاء خرید تا ہوں' ان کی کون سی صورت حلال اور کون سی حرام ہے؟ آپ نے فرمایا:

«إِذَا اشْتَرَيْتَ بَيْعًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ» (مسند أحمد:۳/ ۴۰۲)

"جب تم سودا خریدو تو اسے اس وقت تک نہ بیچو جب تک اپنے قبضہ میں نہ لے لو۔"

اسی طرح امام احمد اور ابوداود نے حضرت زید بن ثابت کی اس روایت کو بیان کیا ہے:

«نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ» (سنن أبي داود، البيوع، باب في بيع الطعام قبل أن يستوفى، ح:۳۴۹۹)

"نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ سودے کو وہاں بیچا جائے جہاں سے اسے خریدا ہو' اور یہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک تاجر سامان کو اپنی جگہوں پر منتقل نہ کر لیں۔"

اور امام احمد اور مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَسْتَوْفِيَهُ»(صحيح مسلم، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، ح:١٥٢٩)

"جب تم غلہ خریدو تو اسے اس وقت تک نہ بیچو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لو۔"

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَكْتَالَهُ»(صحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، ح:١٥٢٥، ١٥٢٨)

"جو شخص غلہ خریدے وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک اسے تول کر اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

ادھار کی وجہ سے سامان کو زیادہ قیمت پر خریدنا

سوال میں جس کمپنی میں ملازم ہوں' اس سے میں نے زیادہ قیمت پر مکان خریدا ہے کیونکہ میں ایک کم آمدنی والا ملازم ہوں' تو کیا یہ وہ سود تو شمار نہ ہوگا' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟

جواب یہ وہ سود نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے بشرطیکہ آپ کے معاہدہ کرنے سے قبل کمپنی اس مکان کی مالک ہو۔ اگر انسان کسی چیز کو اس کی موجودہ قیمت سے زیادہ پر ادھار کی صورت میں خریدے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع نقل فرمایا ہے اور پھر اس میں بائع و مشتری دونوں ہی کی مصلحت ہے۔ بائع کا فائدہ یہ ہے کہ اسے قیمت زیادہ ملتی ہے اور مشتری کا فائدہ یہ ہے کہ اسے قیمت ادا کرنے کے لیے مہلت مل جاتی ہے اور یہ سود نہیں ہے کیونکہ سود تو کچھ معین اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہیں اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:١٥٨٧)

"سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' جو جو کے ساتھ' کھجور کھجور کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ' جب کہ وہ ایک جیسے' برابر برابر اور دست بدست ہوں۔"

ان چھ اشیاء اور جو علت میں ان میں شریک ہوں (حسب اختلاف علماء) ان میں سود ہے اور جو چیز اپنی ہی جنس کے ساتھ بیچی جا رہی ہو' اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔ (ا) تول والی اشیاء وزن میں اور ناپ والی اشیاء ناپ میں برابر ہوں۔ (۲) فریقین الگ الگ ہونے سے پہلے قبضہ میں لے لیں اور اگر کوئی چیز کسی دوسری جنس کے ساتھ بیچی جا رہی ہو تو پھر مساوی ہونا شرط نہیں ہے' لیکن جب اسے کسی ایسی چیز کے ساتھ بیچا جا رہا ہو جو اس کے ساتھ علت میں اشتراک رکھتی ہو تو پھر ضروری ہے کہ دونوں الگ الگ ہونے سے پہلے اسے قبضہ میں لے لیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:١٥٨٧)

"جب یہ اصناف مختلف ہوں تو پھر جیسے چاہو بیچو جب کہ سودا دست بدست ہو۔"

اور وہ اشیاء جو ان اصناف کے سوا اور علت میں مشترک ہوں تو ان میں سود نہیں ہے' مثلاً حیوان اور کپڑوں وغیرہ کی بیع۔ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو لشکر کی تیاری کا حکم دیا تو وہ ایک اونٹ خریدتے کہ جب صدقہ کے اونٹ آئیں گے تو دو اونٹ ادا کر دیں گے [1] اور دو اونٹ لیتے کہ وہ تین دے دیں گے' لیکن اگر سودے میں درہم آ جائیں اور ادا کرنے کے لیے مدت کا تعین کیا جائے تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ سود ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ادھار کی صورت میں نقد سے زیادہ قیمت

سوال ایک آدمی اگر نقد قیمت پر دس گنی میں ایک سودا بیچتا ہے لیکن اگر وہ اسی سودے کو نقد قیمت کے بجائے ماہانہ قسطوں پر بیچے تو وہ اس سے بہت زیادہ قیمت وصول کرتا ہے' تو کیا یہ زائد قیمت سود شمار ہو گی یا زائد قیمت کے لیے کوئی حد مقرر ہے جس کی بائع کے لیے پابندی کرنا واجب ہے جب کہ وہ قسطوں میں قیمت وصول کر رہا ہو؟

جواب جب امر واقع اسی طرح ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو ادھار کی صورت میں نقد سے زیادہ قیمت پر سامان بیچنا جائز ہے خواہ قیمت قسطوں میں ادا کی جا رہی ہو یا طے شدہ مدت پر یک مشت ہی ادا کر دی جائے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ الگ الگ ہونے سے پہلے بیع کی قسم کا تعین کر لیں اور اس بات کو بھی طے کر لیں کہ یہ بیع نقد ہو گی یا ادھار! زیادہ قیمت کو وصول کرنا سود نہیں ہے۔ شریعت میں ایسی کوئی بھی نص نہیں ہے جس نے نقد کے بجائے ادھار کی صورت میں زائد قیمت کی مقدار کا تعین کیا ہو۔ ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی ضرور ترغیب دی ہے کہ بیع و شراء میں اور وصولی اور ادائیگی میں عالی ظرفی اور رواداری کا ثبوت دینا چاہیئے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ادھار بیع میں زیادہ قیمت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے

سوال جب کسی آدمی کے پاس چینی کی ایک بوری ہو جو نقد قیمت پر ۸۰ ریال کی ہو لیکن جب ایک خریدار نے اس سے ادھار پر خریدنے کا مطالبہ کیا تو اس نے اسے ایک سو پچاس ریال میں بیچا۔ سوال یہ ہے کہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت وصول کرنے کی کوئی حد مقرر ہے جس کی پابندی کی جائے؟

جواب بیع نقد ہو یا ادھار دونوں طرح جائز ہے اور قیمتوں کے بارے میں اصول یہ ہے کہ ان میں تحدید نہیں ہے خواہ بیع نقد ہو یا ادھار کیونکہ اس کا تعلق رسد اور طلب سے ہے' لیکن لوگوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں رحم دلی اور رواداری سے کام لیں' بیع و شراء میں عالی ظرفی اور فراخ دلی کو اختیار کریں اور معاملات میں لوگوں کی تنگی اور مشکلات میں مبتلا کر

---

[1] سنن ابی داود' البیوع' باب فی الرخصة' حدیث: 3357

دینے کے موقع کی تلاش میں نہ رہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رَحِمَ اللهُ رَجُلاً سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرٰی»(صحيح البخاري، البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء ... الخ، ح:٢٠٧٦)

"اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو بیع و شراء (خرید و فروخت) میں روا داری سے کام لیتا ہے۔"

جب کوئی انسان اپنے بھائی کو مشکل میں مبتلا کر دینے کے موقع کی تلاش میں ہو کہ اس کے پاس جو سامان ہو اس کے کسی بھائی کو اس کی شدید ضرورت ہو اور وہ سامان کسی اور کے پاس موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن بے حد کمائی کے لالچ میں تاجر لوگ بازار میں اس کی قیمت بڑھا دیں تو جس شخص کے پاس سامان موجود ہو تو اس کے لیے یہ حرام ہے کہ ضرورت مندوں کو اس کی نقد یا ادھار کی صورت میں ثمن مثل سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے' اور جو شخص اس طرح کے موقع پر موجود ہو تو اسے چاہیئے کہ عدل و انصاف میں مدد دے اور ظلم سے روکے۔ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے اعتبار سے جو شخص جس درجہ پر فائز ہو' اسی کے حساب سے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یاد رہے بیع و شراء کے وقت کی موجود حالت ہی دراصل ثمن مثل کا تعین کرتی ہے کیونکہ ہربازار اور ہروقت کا اپنا نرخ ہوتا ہے اور پھر سامان اور طلب کی قلت و کثرت سے بھی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

قیمت اور حالت کی پہچان ضروری ہے

سوال جس گاڑی کی نقد قیمت دس ہزار ہو' اسے قسطوں کی صورت میں بارہ ہزار میں بیچنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جیسا کہ آج کل گاڑیوں کی نمائش گاہوں میں یہ ایک عام رواج ہے؟

جواب جب کوئی انسان کسی دوسرے کو گاڑی یا کوئی اور چیز نقد دس ہزار اور ادھار کی صورت میں بارہ ہزار میں بیچے اور وہ مجلس عقد میں کسی ایک معاملہ یعنی نقد یا ادھار قیمت پر متفق ہوئے بغیر الگ الگ ہو جائیں تو یہ بیع جائز نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں قیمت مجہول ہے اور نقد یا ادھار کی قیمت پر اتفاق نہیں ہے اور اس کے ممنوع ہونے کے لیے بہت سے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ہے۔[1] امام احمد و نسائی نے اسے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اگر دونوں بیع کرنے والے مجلس عقد میں الگ الگ ہونے سے پہلے کسی ایک قیمت یعنی قیمت نقد یا قیمت ادھار پر متفق ہو جائیں اور قیمت کے تعین کے بعد الگ ہوں تو بیع جائز اور صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں قیمت اور حالت معلوم ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیع کے چند مسائل

سوال جب کوئی شخص دوسرے کے پاس آئے اور اس سے ادھار سامان طلب کرے تو کیا دوسرے کے لیے یہ جائز ہے

[1] جامع ترمذی' البیوع' باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعة' ح: 1231 و سنن نسائی' ح: 4636

کہ وہ بازار سے سامان خرید کر اسے بیچ دے یا کچھ سامان تو موجود ہو اور باقی بازار سے خرید کر مقروض کو بیچ دے' تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اسے اس بات کا پابند کرے کہ اسے ایک ہزار کے بجائے ایک ہزار پانچ سو ادا کرنا ہوں گے اور کیا یہ صحیح ہے کہ قیمت ماہانہ قسطوں کی صورت میں ادا کی جائے؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ مثلاً وہ اس طرح کہے کہ دس' پندرہ ہیں؟

جواب ان سوالوں کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔ (۱) معاہدے کا محض سابقہ اتفاق ہی فریقین یا کسی ایک کو اس کا پابند نہیں کرتا بلکہ ان میں سے جو بھی چاہے اس معاہدہ سے رجوع کر سکتا ہے۔ تو اس بنیاد پر جب دوسرا شخص بازار سے سامان خریدے' اسے اپنے قبضہ میں لے لے' پھر مقروض کو بیچ دے اور پھر مقروض اسے اپنے قبضہ میں لے لے تو بیع صحیح ہے' لیکن مشتری کا ارادہ اگر محض پیسوں ہی کا حصول ہو اور وہ ادھار پر سودا ایک سو میں خرید کر نقد پر بازار میں ستر میں بیچ دے تو یہ سودا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سودا درہموں کے ساتھ درہموں کا ہے' جن کے درمیان حریرہ ہے اور بعض اہل علم نے جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اجتناب ضروری ہے۔

ائمہ دعوت میں شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"بیع اگر ابتداء ہی سے ادھار ہو تو جائز ہے بشرطیکہ مباح صورت میں ہو۔"

اور اگر اس بیع سے مقصود محض دراہم کا حصول ہو یعنی ادھار کی صورت میں ایک سو روپے خرید کر بازار میں نقد پر ستر میں بیچ دے تو علماء کے ظاہر قول کے مطابق یہ بیع مذموم اور ممنوع ہے' اسے "تورق" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "تورق سود کا بھائی ہے۔"

(۲) سائل نے جو یہ کہا ہے کہ جب سامان میرے پاس آ جائے اور میں ایک ہزار کا معاوضہ بھی لینا چاہوں' تو کیا یہ صحیح ہے کہ میں اسے پابند کروں کہ ایک ہزار کے عوض ایک ہزار پانچ سو ادا کرنا ہوں گے؟ اگر اس سے سائل کا مقصود یہ ہے کہ اسے اس طرح بیچے جس طرح سابقہ مسئلہ میں بیان کیا گیا ہے تو اس کا حکم بھی بیان کیا جا چکا ہے اور اگر اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ بائع اور مشتری اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ جس سودے کی قیمت ایک ہزار ہے' وہ ایک ہزار پانچ سو میں ہو گا' اور مشتری ایک ہزار لے لیتا ہے اور بائع اسے ایک ہزار پانچ سو ادا کرنے کا پابند کرتا ہے' یعنی اس صورت میں سودا صرف فرضی ہوتا ہے اور حقیقت میں کوئی سودا ہوتا ہی نہیں جسے بیچا یا خریدا جا رہا ہو تو یہ بلاشک و شبہ سود ہے اور کتاب و سنت کے ان دلائل کے عموم میں داخل ہے جو سود کی حرمت پر دلالت کناں ہیں۔

(۳) اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں کہ تمام قیمت ہی ادھار ہو اور اسے خواہ ایک وقت میں ادا کرنا ہو یا مختلف اوقات میں' یعنی قسطوں کی صورت میں کہ مثلاً ہر ماہ یا ہر دو ماہ بعد ایک قسط ادا کرنا ضروری ہو اور اس سلسلہ میں اصل "آیت دین" کا عموم ہے کہ اس میں اس بات کی تحدید نہیں ہے کہ مدت ایک ہو یا مختلف ہوں' تو اس صورت میں ہر قسم کی قیمت کے لیے ایک مدت ہو گی۔

(۴) انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کہے کہ دس پندرہ ہیں جب کہ اس بات سے اس کا مقصود یہ ہو کہ جس چیز کی نقد قیمت دس ہے اس کی ادھار قیمت پندرہ ہے اور اگر اس کا مقصود یہ ہو کہ دس ریال کو پندرہ ریال کے عوض بیچا جا رہا ہے تو یہ جائز نہیں ہے اور اس مسئلہ کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

(۵) ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے حق میں حکم شریعت یہ ہے کہ وہ جب اس سے کوئی سودا ادھار لینے

کے لیے آئے تو وہ اسے اتنی زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور نہ کرے جو عدل و انصاف کے معروف طریقوں پر مبنی تعامل کے عموم کے خلاف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُ بِٱلۡعَدۡلِ وَٱلۡإِحۡسَٰنِ ﴾ (النحل١٦/ ٩٠)

''اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

اور ہر چیز میں عدل اس کے حساب سے ہوتا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی کو ناحق بیع پر مجبور کیا جائے یا تجارتی قافلوں سے (شہر سے باہر) ملاقات کی جائے (کیونکہ انہیں بازار کے نرخ کا علم نہیں ہوتا) یا کوئی شہری کسی دیہاتی کا دلال بنے الا یہ کہ ان شرائط کی پابندی کی جائے جو مشہور و معروف ہوں۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ آپس میں رحم دلی کا مظاہرہ کریں کہ جو شخص کسی پر رحمت کرتا ہے تو اس پر بھی رحم کیا جاتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بیع عینہ

سوال ایک آدمی نے شادی کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے پاس مہر کے لیے مطلوبہ رقم نہ تھی۔ وہ ایک تاجر کے پاس قرض لینے کے لیے گیا تو تاجر نے اس سے کہا کہ میں تجھے یہ گاڑی سترہ ہزار ریال پر ادھار بیچتا ہوں جو تو مجھے سال کے اختتام پر یک مشت ادا کرے گا تو کیا یہ سود ہے؟ یاد رہے کہ اس گاڑی کی نقد قیمت صرف ساڑھے بارہ ہزار ریال ہے اور یہ گاڑی ہی بائع اور اس شادی کرنے والے کے درمیان شرط کا محور ہے۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح جس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص سے گاڑی ادھار پر نقد قیمت کی نسبت زیادہ پر خریدتا ہے تاکہ مشتری' بائع یا جو اس کے حکم میں ہو اس کے سوا جس کو چاہے بیچ دے تو یہ سود نہیں ہے بلکہ یہ جائز اور صحیح عقد بیع ہے۔ اور اگر وہ ایک شخص سے ادھار گاڑی خریدتا ہے اور اس شرط پر کہ وہ اسے جلد ہی اس سے کم قیمت پر لوٹا دے گا جس پر اس نے خریدا ہے تو یہ نقد کی نقد کے ساتھ اضافہ کے ساتھ بیع ہے اور یہ وہ سود ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے' اور گاڑی کی بیع ایک فرضی بیع ہے جسے محض دھوکا' سود کے لیے حیلہ اور باطل طریقے سے مال کھانے کا ایک ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اگر مشتری ایک ایسے شخص سے گاڑی خریدتا ہے جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ کام میں وہ پہلے بائع ہی کے تابع ہے یا کسی ایسے شخص سے جو اس منصوبہ میں شریک ہے کہ گاڑی بائع اول ہی کے پاس واپس لوٹ آئے تو یہ بھی دھوکا اور سود کھانے کے لیے ایک حیلہ سازی ہے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسئلہ تورق

سوال ہم مساجد میں وعظ و نصیحت کرنے والے علماء سے اکثر یہ سنتے ہیں کہ ادھار خرید و فروخت حرام ہے' لہٰذا سوال یہ ہے کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے ایک مال خریدا' اس کی قیمت بھی ادا کر دی اور مالک سے

لے کر مال بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور پھر اس کے پاس کوئی دوسرا شخص آکر اس کی اصل قیمت سے ایک سال کے ادھار پر زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے؟

جواب مال کی ادھار اس کی نقد قیمت سے زیادہ قیمت کے ساتھ بیع' اہل علم کے نزدیک مسئلہ تورق کے نام سے معروف ہے اور حنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں ترجیح اس بات کو ہے کہ یہ جائز ہے' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب مشتری کو سامان کی تو ضرورت نہ ہو بلکہ اسے سونے چاندی کی ضرورت ہو اور وہ سامان خرید لے تاکہ اسے اس نقدی کے ساتھ بیچ دے جس کی اسے ضرورت ہے' اس صورت میں اگر اس نے اس سامان کو بائع کے پاس ہی لوٹا دیا تو اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں اور اگر وہ یہ سامان کسی اور کو مکمل بیع کی صورت میں فروخت کر دے اور کسی حال میں بھی یہ پہلے مالک کی طرف واپس نہ لوٹے تو سلف کا اس کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے۔ وہ معاملہ کی اس صورت کو "تورق" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ قرار دیتے اور فرماتے تھے کہ تورق سود کا بھائی ہے۔ ایاس بن معاویہ اس کی رخصت دیتے تھے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اِس مسئلہ میں دو روایتیں منصوص ہیں۔"

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

"جو شخص کسی سے قرض لے تو اس کی تین صورتیں ہیں: (ا) ان کے درمیان لفظی یا عرفی موافقت ہو کہ مشتری دکان کے مالک سے سودا خریدے گا اور پھر اسے بیچے گا لیکن پھر یہ سودا دکان کے مالک ہی کو لوٹا دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(۲) دکان کے مالک سے خرید کر اسی کو لوٹا دے گا تو یہ صورت بھی حدیث ام ولد زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی وجہ سے جائز نہیں۔

(۳) مشتری اولاً سامان خرید لے اور پھر ثانیاً اس (سامان) کو (اس شخص کے ہاں) فروخت کر دے جس سے اس نے قرض لیا ہے' اس صورت کا نام "تورق" ہے کیونکہ مشتری کی غرض روپیہ حاصل کرنا ہے کہ وہ لیتا تو ایک سو ہے لیکن اس صورت میں اس کے ذمہ ایک سو بیس (مثلاً) ہو جاتا ہے۔ سلف کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اس لیے زیادہ قوی بات یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ "تورق" سود ہے' اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ اگر دراہم ایک مدت کے ادھار پر دیئے ہوں تو واپسی پر ان سے زیادہ لیے جائیں کیونکہ یہ محتاج کو ضرر پہنچانا اور اس کے مال کو باطل طریقے سے کھانا ہے اور یہ بات تورق کی صورت میں موجود ہے' اور اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے جسے جائز قرار دیا ہے وہ بیع اور تجارت ہے۔"

مشتری کا مقصود اگر اس سامان کو استعمال کرنا ہے جسے اس نے خریدا ہے یا اس سامان سے وہ تجارت کرنا چاہتا ہے تو پھر نقد قیمت سے ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر اس کی بیع جائز ہے بشرطیکہ بائع اس کا واقعی مالک ہو جس چیز کو اس نے اس سے خریدا ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مسئلہ تورق

سوال ایک آدمی نے دوسرے سے مبلغ دس ہزار ریال اس شرط پر قرض لیے کہ وہ معاہدہ کے ایک سال بعد اسے دو ہزار ریال زیادہ ادا کرے گا اور اس معاملہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

صاحب قرض نے ایک سامان مبلغ دس ہزار ریال میں خریدا اور مقروض کو وہ بارہ ہزار ریال میں اس شرط پر بیچ دیا کہ وہ معاہدہ کے ایک سال بعد اسے سارا قرض ادا کرے گا' لیکن دوسرے شخص نے اس سامان کو اسی جگہ پر نو ہزار آٹھ سو ریال میں فروخت کر دیا........ یاد رہے قرض دہندہ نے پہلے سارا سامان اپنے قبضہ میں لے لیا تھا اور پھر اس نے مقروض کے ساتھ مذکورہ رقم ادا کرنے پر اتفاق کیا تھا' تو کیا قرض دہندہ کا مقروض کے ساتھ یہ معاملہ صحیح ہے؟ کیا مقروض کا جگہ کے مالک کے ساتھ یہ معاملہ صحیح ہے؟ کیا یہ مسئلہ تورق ہے یا یہ سود ہی کا ایک حیلہ ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سود کے شر سے بچائے' ہمیں اس مسئلہ میں فتویٰ دیجئے۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب یہ مسئلہ اہل علم کے ہاں تورق کے نام سے موسوم ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کسی دوسرے کو اپنا وہ سامان جس کا وہ مالک ہے اور جسے اس نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے' معلوم قیمت کے ساتھ معلوم مدت کے ادھار پر بیچے اور پھر مشتری اسے اپنے قبضہ میں لینے کے بعد اس میں تصرف کرے۔

اکثر و بیشتر حالات میں اس طرح کا معاملہ نقدی کی ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور علماء کے صحیح قول کے مطابق اس طرح کی یہ بیع جائز ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۵)

''اور سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔''

اور فرمان باری تعالیٰ:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۲)

''اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

میں داخل ہے اور قرض دہندہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے سامان کو بیچے جو تاجروں کے پاس ہو اور جسے اس نے خریدا اور اپنے قبضہ میں نہ لیا ہو بلکہ یہ باطل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٤)

''سلف اور بیع حلال نہیں ہے اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس نہ ہو۔''

اسی طرح آپ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(مسند أحمد:٣/ ٤٠٢ وسنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٣)

''اس سامان کو نہ بیچو جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو۔''

اس مسئلہ یعنی مسئلہ' تورق' میں بیع جائز ہے بشرطیکہ مال بائع کے پاس موجود ہو اور اس کے قبضہ میں ہو اور پھر مشتری

کے لیے یہ جائز نہیں کہ اسے اپنے قبضہ و ملکیت میں لیے یا بازار میں منتقل کیے بغیر قرض دہندہ ہی کے پاس فروخت کر دے۔ قرض دہندہ کے پاس اس قیمت سے کم پر بیچنا بھی جائز نہیں جس پر اس نے خود خریدا ہو کیونکہ اس صورت کو سود کے لیے ایک حیلہ کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔

اس سامان کو قرض دہندہ کے پاس اس قیمت سے کم پر بیچنا جس پر اس سے خریدا ہو صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بیع عینہ ہے جو سودی بیوع میں سے ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

قسطوں کے ساتھ بیع

سوال ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہے اور میں گاڑیوں کی نقد خریداری میں اس کی سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہوں۔ گاڑی کی قیمت نو ہزار ریال ہے لیکن میں اسے ایک سال یا دو سال کی مدت کے لیے قسطوں پر چودہ ہزار یا دس ہزار ریال میں فروخت کر دیتا ہوں جب کہ دو ہزار یا تین ہزار ریال پیشگی بھی لے لیتا ہوں لیکن مجھے (اس میں) شک ہے کہ کیا یہ بیع صحیح ہے یا سودی ہے؟ میں دو سال سے اس طرح کی بیع کر رہا ہوں تو جواب تک ہو چکا ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"اور سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

اللہ تعالیٰ نے جن بیوع کو حلال قرار دیا ہے' ان میں ادھار کی بیع بھی ہے اور اس کے جائز ہونے کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۲)

"اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں سے کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ انصاف سے لکھے اور نیز لکھنے والا جیسا اللہ نے اسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے۔"

قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ قرض کے لین دین کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔ "صحیحین" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے[1] کہ بریرہ کو اس کے مالکان نے نو اوقیوں میں (اسے) بیچا جسے نو قسطوں میں ادا کرنا تھا اور ہر سال ایک اوقیہ کی قسط تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس معاملہ کو برقرار رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ کی یہ صورت جائز ہے جس کے بارے میں سائل نے پوچھا ہے اور وہ اس آیت مذکورہ کے عموم میں داخل ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری' المکاتب' باب استعانۃ المکاتب --- الخ' حدیث: 2563 و صحیح مسلم' العتق' حدیث: 1504

فتویٰ کمیٹی

قسطوں پر بیع

سوال میں قسطوں پر گاڑیاں فروخت کرنے والی ایک کمپنی کے پاس گیا اور اس سے ایک گاڑی خریدی جس کی نقد قیمت پچاس ہزار پانچ سو اور قسطوں کی صورت میں چودہ فی صد زائد کے حساب سے مبلغ چون ہزار ایک سو اکتیس ریال ہے۔ میں نے دس ہزار نقد ادا کر دیئے تھے اور چوالیس ہزار ایک سو اکتیس باقی تھے جو بارہ ماہ کی قسطوں میں چودہ فی صد کی زائد شرح کے ساتھ ادا کرنا تھے۔ گاڑی خریدنے کے چار ماہ بعد اچانک مجھے اس زائد قیمت کا خیال آیا تو میں نے کمپنی سے اس چودہ فی صد زائد ادا کی جانے والی رقم کے بارے میں پوچھا تو کمپنی نے بتایا کہ یہ بینک کے اخراجات ہیں جس کی وجہ سے مجھے شک پیدا ہو گیا ہے' کیا یہ بیع حرام ہے یا حلال؟

جواب جب مشتری گاڑیوں کو فروخت کرنے والی کمپنی کے ساتھ اس بات پر متفق ہو جائے کہ ادھار کی صورت میں گاڑی کی قیمت مبلغ چون ہزار ایک سو اکتیس ہو گی جسے قسطوں میں ادا کیا جائے گا یا جس کا کچھ حصہ نقد اور کچھ ادھار ادا کیا جائے گا تو یہ بیع شرعاً جائز ہے خواہ ادھار کی صورت میں قیمت نقد کی نسبت زیادہ ہو۔

فتویٰ کمیٹی

قسطوں کی بیع میں کوئی حرج نہیں

سوال قسطوں کی صورت میں فروخت کی جانے والی گاڑیوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے' مثلاً ایک گاڑی کی اگر نقد قیمت پندرہ ہزار ہے تو قسطوں کی صورت میں اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو گی تو کیا یہ بیع سود ہے؟

جواب قسطوں کی بیع میں کوئی حرج نہیں جب کہ مدت اور قسطیں معلوم ہوں خواہ قسطوں کی صورت قیمت میں نقد قیمت سے زیادہ ہو کیونکہ قسطوں کی صورت میں بائع اور مشتری دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بائع زیادہ قیمت سے اور مشتری مہلت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے [1] کہ بریرہ کے مالکوں نے اسے نو سال کی قسطوں پر چالیس درہم سالانہ کی قسط پر بیچا تھا' تو اس سے معلوم ہوا کہ قسطوں کی بیع جائز ہے اور پھر بیع کی اس صورت میں دھوکہ' سود اور جہالت نہیں ہے لہٰذا یہ بھی دیگر تمام شرعی بیوع کی طرح جائز ہے۔

شیخ ابن باز

گاڑیوں کی قسطوں میں فروخت

سوال بعض بھائیوں نے جو قسطوں پر گاڑیوں کی خرید و فروخت کی تجارت کرتے ہیں یہ پوچھا ہے کہ وہ ماہانہ قسطوں کی بنیاد پر گاڑی فروخت کرتے ہیں کہ خریدار کے ساتھ قسطیں طے کر لیتے ہیں کیونکہ اسے گاڑی کی ضرورت ہوتی ہے اور

---

[1] صحیح بخاری المکاتب' باب استعانة المکاتب --- الخ' حدیث : 2563 و صحیح مسلم' العتق' حدیث : 1504

اس کے لیے گاڑی خریدنے سے پہلے ہی نفع سمیت بیع طے کر لیتے ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر بائع گاڑی کو اس کا مالک بنے' اسے اپنے نام کرانے اور اپنے قبضہ میں لینے کے بعد خریدار کو فروخت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکیم بن حزام سے فرمایا تھا:

«لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(مسند أحمد: ٣/ ٤٠٢ وسنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٣)

"اسے نہ بیچو جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَّلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٤)

"سلف اور بیع حلال نہیں ہے اور نہ یہ حلال ہے کہ وہ چیز بیچو جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو۔"

یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں ان کے مطابق عمل کرنا اور ان کی مخالفت سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

قسطوں میں فروخت کرنا

سوال کیا قرض حرام ہے یا نہیں؟ اس سوال کا پس منظر یہ ہے کہ بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ وہ تقریباً سولہ ہزار میں ایک گاڑی خرید کر کسی دوسرے شخص کو قریباً چوبیس ہزار میں ایک سال کے قرض پر یا ماہانہ قسطوں کی صورت میں فروخت کر دیتے ہیں' کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ گاڑی کے مالک نے اس صورت میں جو زیادہ قیمت وصول کی ہے کیا یہ حلال ہے؟

جواب آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بوقت ضرورت گاڑی یا کوئی اور چیز قرض پر لے لے اور اسے نقد قیمت سے زیادہ پر خریدے۔ یہ زائد قیمت مدت کے مقابل ہو گی لیکن عقد بیع اس وقت تک جائز نہیں جب تک گاڑی بائع کے قبضہ میں نہ ہو اور اسے وہ اپنی جگہ سے آگے نہ بھیجے' قبضہ اور ملکیت کے بعد وہ مشتری سے کہہ سکتا ہے کہ یہ گاڑی میں نے خریدی تھی (اور اب تمہیں فروخت کرتا ہوں)' لیکن مقروض کی ضرورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے نقصان پہنچانا اور اس سے بہت زیادہ قیمت لے لینا جائز نہیں ہے' بلکہ مالدار کو چاہیئے کہ نرمی سے کام لے' تھوڑا نفع لے' کڑی شرطیں نہ لگائے اور قرض کی واپسی کے لیے بہت سختی نہ کرے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

یہ حیلہ ہے

سوال میں ایک گاڑی خریدنا چاہتا تھا' گاڑیوں کے شو روم میں گیا' اور وہ گاڑی دیکھی جو میں (خریدنا) چاہتا تھا اور پھر ایک ایسے شخص کے پاس گیا جس سے میری جان پہچان تھی اور وہ قسطوں پر گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ میں

نے یہ مسئلہ اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے کہا کہ میں وہ گاڑی تمہیں خرید کر دے دیتا ہوں لیکن قسطوں کی وجہ سے دس ہزار زیادہ قیمت وصول کروں گا تو میں نے شو روم پر جا کر پانچ سو ریال بیعانہ دے دیا اور پھر وہ میرے ساتھ شو روم پر آیا' گاڑی خریدی' تحریر لکھ دی اور اس نے اس کی نقد قیمت ادا کر دی اور جب ہم شو روم سے باہر نکلے تو اس نے پوچھا کہ گاڑی کہاں ہے؟ میں نے اسے گاڑی دکھائی تو اس نے کہا کہ تمہیں گاڑی مبارک ہو اور یہ کہہ کہ وہ چلا گیا۔ میں نے گاڑی لے لی جبکہ وہ اس کے نام پر ہے اور اس کے بعد میں نے حسب معاہدہ ماہانہ قسطیں ادا کرنا شروع کر دیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ بیع جائز ہے یا ناجائز؟ گاڑی تقریباً ایک سال سے میرے قبضہ میں ہے اور میں اسے قطعاً اس شرط کے ختم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا جو زیادہ قیمت ادا کرنے کے سلسلہ میں اس سے کی تھی۔ میری اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب یہ بیع حرام اور سود کے لیے ایک حیلہ ہے کیونکہ حقیقت امر یہ ہے کہ اس آدمی نے آپ کو گاڑی کی قیمت سود پر قرض دی ہے اور اس نے اسے محض صوری طور پر خریدا ہے جبکہ اس کا اپنے لیے گاڑی خریدنا مقصود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو حرام قرار دیا ہے' وہ حیلہ سازیوں سے حلال نہیں ہو جاتے بلکہ حیلہ سازیوں سے تو قباحت اور خباثت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ حیلہ سازیاں آدمی کو ان یہودیوں کے مشابہ بنا دیتی ہیں جو گھٹیا حیلوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتوں کو حلال ٹھہرا لیا کرتے تھے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ (عَلَيْهِمْ) شُحُومَهَا جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح:١٥٨١)

"اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر جانوروں کی چربیوں کو حرام قرار دیا تو انہوں نے ان چربیوں کو پگھلا کر بیچ دیا اور ان کی قیمت کو کھانے لگے۔"

اصحاب سبت کے واقعہ کو تو ہر مومن کتاب اللہ میں پڑھتا ہے کہ دریا کے کنارے آباد بستی کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کو حرام قرار دیا تھا اور ان کی آزمائش کے طور پر ہفتہ کے دن سطح آب پر مچھلیاں اس قدر کثرت سے نمودار ہوتی تھیں کہ دوسرے دنوں میں اس طرح نمودار نہیں ہوتی تھیں' لیکن جب مدت دراز ہو گئی تو انہوں نے دیکھا کہ اب مچھلی کے شکار کے بغیر چارۂ کار نہیں تو انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ جمعہ کے دن پانی میں جال ڈال دیتے تھے' ہفتہ کے دن آنے والی مچھلیاں ان کے جال میں پھنس جاتی تھیں اور یہ اتوار کے دن انہیں اپنے جال سے نکال لیا کرتے تھے' تو پھر انہیں اس حیلہ سازی کی سزا کیا ملی؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ٱلَّذِينَ ٱعْتَدَوْا۟ مِنكُمْ فِى ٱلسَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا۟ قِرَدَةً خَـٰسِـِٔينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَـٰهَا نَكَـٰلًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٦٥-٦٦)

"اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے عبرت اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیا۔"

اس موقع کی مناسبت سے میں اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان امور کے بارے میں حیلوں بہانوں سے کام نہ لیں‘ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور پھر یاد رہے کہ عقود میں اعتبار مقاصد کا ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

”تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جو اس نے نیت کی۔“

اور اگر یہ شخص واقعی اس کا دوست ہے تو پھر کیا خوب تھا کہ اسے سود کے بغیر قرض حسنہ دے دیتا اور اس طرح ان محسنین کی صف میں شامل ہو جاتا جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

”بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

میں اس بھائی اور دوست کو جس نے یہ معاملہ کیا ہے‘ نصیحت کرتا ہوں کہ گاڑی کی قیمت پر وصول کرنے والے اس سود کو ختم کر دے اور صرف گاڑی کی اس اصلی قیمت کے وصول کرنے پر اکتفاء کرے جس پر آپ نے اسے خریدا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قسطوں پر اس سامان کو بیچنا جس کا وہ مالک نہ ہو

سوال یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض کمپنیاں اس طرح کا کاروبار کرتی ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی ایسا شخص آتا ہے جسے سامان یا گاڑی یا گھر وغیرہ خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں کمپنیوں کے پاس نہیں ہوتیں تو وہ ضرورت کی یہ اشیاء خرید کر اس شخص کو قسطوں پر نفع کے ساتھ بیچ دیتی یا کمپنیاں اسے کہہ دیتی ہیں کہ تم خود ہی اپنی ضرورت کا سامان خرید لو اور یہ بل ادا کر دیتی اور اس شخص سے نفع لیتی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص مثلاً ایک لاکھ قرض لے کہ وہ اسے قسطوں میں ادا کرے گا اور ہر قسط کے ساتھ آٹھ فی صد زیادہ ادا کرے گا اور اس شرح میں خواہ مدت زیادہ ہونے کی صورت میں اضافہ ہو یا نہ ہو یہ ربا ہے‘ ربا النسیئہ اور ربا الفضل۔ اور اگر مدت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ شرح سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے تو اس کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہی وہ زمانۂ جاہلیت کا سود ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٠_١٣٢)

”اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم نجات حاصل کرو اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔“

یاد رہے اس معاملہ میں کسی حیلہ سازی سے کام لینا اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے بارہ میں حیلہ سازی ہے اور اس ذات اقدس کے ساتھ مکرو فریب ہے جو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید سے خوب آگاہ ہے۔

یاد رہے حیلوں بہانوں سے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور اس وقت حلال نہیں ہو جاتے' جب ان کی ظاہری صورت حلال مگر ان سے مقصود حرام ہو اور پھر حیلہ سازیوں سے تو حرام امور کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ حیلہ کرنے والا دو حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے (۱) احکام الٰہی کے ساتھ مکرو فریب اور تلاعب اور (۲) اس حرام کا ارتکاب جس کے لیے اس نے حیلہ سے کام لیا ہے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے بارے میں حیلہ سازی وہ جرم ہے جس کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا' اس لیے حیلہ سازی کرنے والا یہودیوں کے مشابہہ بھی ہو جاتا ہے' چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

«لاَ تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ» (تفسير ابن كثير: ١/ ١٦٠، ٢/ ١١٦٨، مطبوعه دارالسلام، بحواله أبوعبدالله بن بطة)

"تم اس جرم کا ارتکاب نہ کرو جس کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا اور وہ یہ کہ گھٹیا حیلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال ٹھہرانے لگ جاؤ۔"

جو شخص بھی خواہش نفس سے پاک ہو کر غور کرے گا' اسے معلوم ہو جائے گا کہ جو شخص گاڑی کے خریدار سے یہ کہے کہ جاؤ شوروم میں جا کر اس گاڑی کو پسند کر لو جسے تم خریدنا چاہتے ہو تو میں اسے شوروم سے خرید کر تمہیں قسطوں پر بیچ دوں گا---- یا وہ زمین کے خریدار سے کہے کہ سکیم میں جا کر اس زمین کو پسند کر لو جسے تم خریدنا چاہتے ہو اور پھر اس پلاٹ کو خرید کر میں تمہیں قسطوں میں بیچ دوں گا۔ یا مکان بنانے کے لیے لوہے کے ضرورت مند سے کہے یا سیمنٹ کے ضرورت مند سے کہے کہ فلاں مارکیٹ میں جا کر لوہے اور سیمنٹ کو پسند کر لو جسے تم خریدنا چاہتے ہو تو اسے میں خرید کر قسطوں پر تمہیں بیچ دوں گا۔ تو جو شخص بھی خواہش نفس سے پاک ہو کر ان صورتوں پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ محض سود کے لیے ایک حیلہ ہے کیونکہ جس تاجر نے مذکورہ بالا سامان خریدا ہے' اس کا مقصد یہ سامان خریدنا نہ تھا اور نہ اس کا ایسا کوئی ارادہ تھا اور نہ اس نے ضرورت مند کے ساتھ احسان کے لیے اسے خریدا ہے' بلکہ اس نے تو اسے محض اس لیے خریدا ہے کہ جس مدت کے لیے یہ قرض دے رہا ہے اس کے عوض فائدہ حاصل کر سکے اور جیسے جیسے اس کے ادا کرنے کی مدت میں اضافہ ہو گا اس فائدہ میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ حقیقت میں اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ان اشیاء کی قیمت میں تجھے قرض دے دیتا ہوں لیکن اس پر تمہیں سود ادا کرنا ہو گا لیکن اس نے درمیان میں سامان کو داخل کر لیا ہے جیسا کہ ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی کے بارے میں یہ پوچھا گیا کہ اس نے دوسرے آدمی کو ایک سو درہم میں حریرہ بیچا اور پھر اس سے پچاس درہم میں خرید لیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ درہموں کی درہموں کے اضافہ کے ساتھ بیع ہے اور درمیان میں حریرہ داخل ہو گیا ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تہذیب السنن (۵/ ۱۰۳) میں فرماتے ہیں کہ "یہ ربا ہے اور اس کی حرمت اس کے معنی کے تابع ہے اور بیع کی صورت کے نام بدلنے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہو گی۔"

اگر آپ اس مسئلہ کا مسئلہ عینہ کے ساتھ تقابل کریں تو اسے مسئلہ عینہ کی بعض صورتوں کی نسبت زیادہ قریب پائیں گے

کیونکہ عینہ تو جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو ادھار پر کوئی سامان بیچ دے اور پھر وہ نقد ادا کر کے کم قیمت پر اس سے خرید لے' اس صورت میں بسااوقات بائع کی اسے خریدنے کی نیت بھی نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود یہ حرام ہے اور حیلہ ساز بائع کی اس بات سے یہ معاملہ جائز نہیں ہو جاتا کہ میں نے اسے اس سامان کے خریدنے پر مجبور تو نہیں کیا' کیونکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ مشتری نے اپنی ضرورت ہی کی وجہ سے تو اس سے اس کا مطالبہ کیا ہے اور وہ اس کے خریدنے سے رکے گا بھی نہیں کیونکہ جو لوگ اس طرح سامان خریدنا چاہتے ہیں' ہم نے نہیں سنا کہ کوئی اس کے خریدنے سے باز رہا ہو۔ حیلہ ساز تاجر نے اپنے لیے بظاہر احتیاط سے کام لیا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ مشتری اسے ضرور خریدے گا الا یہ کہ اسے سامان میں کوئی عیب یا اس کی کوالٹی میں کوئی نقص نظر آئے۔

اگر کہا جائے کہ جب یہ معاملہ سود کے لیے حیلہ ہے تو کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جس سے یہ مسئلہ سود کے بغیر بھی حل ہو جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور رحمت کے ساتھ اپنے بندوں سے مصلحتوں کے دروازے کو بند نہیں کیا' اگر اللہ تعالیٰ نے ضرر کی وجہ سے ایک چیز کو اپنے بندوں کے لیے حرام قرار دیا ہے تو اس نے ایسے کئی دروازے بھی کھول دیئے ہیں جو ضرر کے بغیر بندوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہیں۔ اس معاملہ میں سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ یہ سامان تاجر کے پاس موجود ہونا چاہیئے جسے وہ خریداروں کو ادھار بیچ دے' خواہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت وصول کرے اور میرا خیال ہے کہ بڑے تاجر ایسے سامان خریدنے سے عاجز نہیں ہوتے جن کی خریداری میں لوگوں کی بہت دلچسپی ہو تاکہ وہ اپنی پسندیدہ قیمت کے ساتھ بیچ سکیں اور انہیں سود سے محفوظ رہ کر مطلوبہ نفع بھی حاصل ہو سکے' اور اگر ان کی نیت ان خریداروں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہو جو نقد قیمت ادا کر کے خریدنے سے عاجز و قاصر ہوں تو انہیں امید ہے کہ آخرت میں اجر و ثواب بھی ملے گا کہ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي . . . الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية . . . الخ، ح:١٩٠٧)

''تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔''

سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ کمپنی اسے ہی کہہ دیتی ہے کہ وہ اپنے مطلوبہ سامان کو خرید لے' اگر کمپنی نے اسے اپنا وکیل بنایا ہے تو پھر وہ وہی مسئلہ ہے جس کے بارے میں ہم نے گفتگو کی ہے اور اگر کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے لیے سامان خریدے تو یہ ایسا قرض ہے جو موجب منفعت ہے اور اس کے صریحاً ربا ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جائز بیع سلم کے چند مسائل

سوال جب کوئی شخص ضرورت مند ہو اور وہ کسی سے کچھ نقد رقم اس شرط پر ادھار لے کہ وہ ایک معین مدت کے بعد اس رقم کے عوض اتنے صاع گندم یا مکئی دے دے گا لیکن جب وہ یہ سودا کرتا ہے' اس وقت گندم یا مکئی ابھی تک کھانے کے قابل نہیں ہے؟

جواب جب قرض دہندہ مقروض کے ذمہ مذکورہ صاع لازم قرار دے دے گا' تو یہ مسئلہ مسائل سلم میں سے شمار ہو گا اور سلم بیع کی ایک قسم ہے جو کہ حسب ذیل سات شرطوں کے ساتھ صحیح ہے:

(۱) یہ بیع ایسے سودے کے بارے میں ہو جس کی صفت کو ضبط کرنا ممکن ہو۔

(۲) اس کی ایسی صفت بیان کرے جس سے قیمت کا اختلاف ظاہر ہو۔

(۳) ناپ والی چیز میں اس کے ناپ' تول والی چیز میں اس کے وزن اور پیمائش والی چیز کے بارے میں اس کی پیمائش کی مقدار کو بیان کرے۔

(۴) جس چیز کی بیع سلم کی جا رہی ہو' اسے سپرد کرنے کے لیے مدت معلوم کی شرط عائد کرے۔

(۵) جس چیز کے بارے میں بیع سلم کی جا رہی ہو وہ اپنی جگہ پر موجود ہو۔

(۶) معاہدہ کی مجلس میں قیمت کو اپنے قبضہ میں لے لے۔

(۷) بیع سلم ذمہ کے بارے میں کرے اور اگر سامان کے بارے میں کی تو صحیح نہیں ہو گی۔ قرآن مجید سے بیع سلم کے جواز کی دلیل حسب ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۲)

"اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ قرض جو ایک مدت کے لیے سپرد کیا گیا ہو' اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور اس کی اجازت دی ہے اور پھر آپ نے تائید میں اسی مذکورہ بالا آیت کو پڑھا۔ اسے سعید (بن منصور) نے روایت کیا ہے۔

سنت سے اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں کی ایک یا دو سال کی ادھار بیع کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ»(صحيح البخاري، السلم، باب السلم في وزن معلوم، ح: ٢٢٤٠ وصحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، ح: ١٦٠٤)

"جو شخص کسی چیز کی ادھار بیع کرے تو وہ معلوم ناپ' معلوم وزن اور معلوم مدت تک کے لیے بیع کرے۔"

وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

بیع سلم کے کچھ اور مسائل

سوال جب کوئی شخص معلوم وزن کی کھجوروں کی بیع سلم کے سلسلہ میں کسی کو کچھ درہم دے تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وزن کے اندازے کے مطابق کھجوروں کے کچھ درخت لے لے جبکہ پھل کے پکنے کا آغاز ہو گیا ہو یا اس طرح اندازے سے درخت لینا جائز نہیں ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض اہل علم نے اسے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔ جن لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس شرط کے ساتھ اسے مشروط قرار دیا ہے کہ ان درختوں کا پھل یقینی طور پر اس سے کم ہو جو مقروض کے ذمہ ہے اور دونوں اس پر راضی بھی ہوں اور معاہدہ کے وقت ایسی کوئی شرط عائد نہ کی ہو۔ ان حضرات کا استدلال حضرت جابر کے قصہ سے ہے جو کہ "صحیح" میں موجود ہے [1] اور پھر باب الابقاء' باب بیع سے زیادہ وسیع ہے اور اس میں اس چیز کی بھی ضرورت پیش آ سکتی ہے جس کی بیع میں ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس مسئلہ کا تعلق اس صورت سے بھی ہے کہ اپنا کچھ حق لے لیا جائے اور باقی معاف کر دیا جائے' نیز اس صورت میں مقروض کے ساتھ نرمی' احسان اور رواداری بھی ہے کہ اس سے پورا مال لینے کے بجائے تھوڑے ہی پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

جمہور نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور "صحیحین" میں موجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ، إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ»(صحيح البخاري، السلم، باب السلم في وزن معلوم، ح:٢٢٤٠ وصحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، ح:١٦٠٤)

"جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے تو وہ معلوم ناپ' معلوم وزن اور معلوم مدت کے لیے کرے۔"

اس حدیث کا مضمون عام ہے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قصہ خاص ہے جس کا حکم عام نہیں ہے۔ لہٰذا سدذریعہ کے لیے یہ عدم جواز کا نقطہ نظر ہی راجح ہے۔ ان حضرات کا استدلال "صحیحین" [2] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے بھی ہے جس میں بیع المزابنہ کی ممانعت ہے' جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کھیت کے پھل کو اگر وہ کھجور ہے تو کھجور کے ساتھ اور اگر فصل ہے تو کھانے کی اشیاء کے ساتھ اور اگر تازہ انگور ہوں تو کشمش (خشک انگور) کے ساتھ ناپ کر بیچ دے۔

ان دونوں میں سے پہلا قول زیادہ راجح ہے کیونکہ حدیث جابر اس کے جواز کی نص ہے' نیز مذکورہ بالا وجوہ سے بھی اس کی حلت معلوم ہوتی ہے۔ یعنی پیمائش وزن اور مدت متعین ہونی چاہئے لیکن اگر درختوں کے پھل کی مقدار کم' برابر یا زیادہ ہونے کا محض احتمال ہو تو پھر یہ بیع بالاتفاق ممنوع ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی سابقہ حدیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مشترکہ ملکیت میں سے اپنے حصہ کی بیع

سوال مشترکہ ملکیت کے ایک ایسے قطعہ اراضی میں سے اپنے حصہ کو بیچنے کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے حدود' پیمائش اور موقع و محل معروف ہو اور اس حصہ کی دستاویز بھی موجود ہو جس سے اس قطعہ اراضی کی ملکیت میں اشتراک ثابت ہوتا ہو اور اس حصہ کی مقدار کا بھی تعین ہوتا ہو؟

---

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب الکیل علی البائع والمعطی' حدیث: 2127۔

[2] صحیح بخاری' البیوع' باب بیع المزابنة --- الخ' حدیث: 2185 و صحیح مسلم' البیوع' حدیث: 1539

جواب ایسی مشترکہ جاگیر میں سے جس کے حدود' پیائش اور موقع و محل معروف ہو اپنے حصہ کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس حصہ کی نسبت بھی معلوم ہو کہ یہ چوتھا' آٹھواں یا چالیسواں حصہ وغیرہ ہے' تو اس حصہ کے بطور بیع' شراء' ہبہ' وراثت اور رہن وغیرہ کے لین دین میں کوئی حرج نہیں۔ آدمی کو شرعی طور پر تصرف کے جو حقوق حاصل ہیں' وہ سب یہاں استعمال کر سکتا ہے کیونکہ شرعی طور پر کوئی امر اس سے مانع نہیں ہے۔ وصلی اللّٰہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کھجور کے درختوں پر پھل کی بیع

سوال کچھ لوگ کھجور کے درختوں پر پھل کو معین قیمت کے ساتھ اس وقت خریدتے ہیں جبکہ وہ پکنا شروع ہو جاتا ہے اور پھل ابھی تک درختوں ہی پر ہوتا ہے تو وہ نفع لے کر آگے بیچ دیتے ہیں' کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب یہ بیع جائز ہے کیونکہ یہ کتاب و سنت سے بیع کے دلائل کے عموم میں داخل ہے اور ہمیں کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جو اسے اس عموم سے خارج کرتی ہو۔ اور اس لیے بھی کہ یہ "مقبوض بالتخلیہ" (بائع کا مشتری کو مبیع میں تصرف کا اختیار دینا) ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

محنت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں جب دور سے سامان خرید کر لاؤں تو اسے اپنے پاس منتقل کرنے اور محنت کرنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں تھوڑا سا اضافہ کر کے بیچوں یا یہ اضافہ سود شمار ہو گا؟

جواب ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں جب آپ سامان خریدیں' اس کی قیمت ادا کر دیں اور دوسرے شہر اسے منتقل کر کے نفع کے ساتھ بیچیں کہ آپ نے کام کیا ہے' اسے اپنے شہر منتقل کیا ہے اور اس پر اپنی رقم خرچ کی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح تمام لوگ اپنے خریدے ہوئے سامان کو نفع پر بیچتے ہیں' لیکن اگر آپ نے سامان کو اپنے کسی ایسے دوست کے لیے خریدا ہو جس نے آپ کو وکیل بنایا ہو' اس نے خریدنے کے لیے آپ کو رقم دی ہو اور آپ نے اس کے لیے خریدا ہو تو پھر اصل رقم اور حمل و نقل کی اجرت کے سوا اس سے زیادہ رقم نہ لیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسلمانوں کو اپنی شرطوں کا پاس کرنا چاہیئے

سوال میں ایسے صوفے بنانے کی صنعت سے وابستہ ہوں' جن کو لکڑی کی چھیلن کے ساتھ بھرا جاتا ہے اور جب میں انہیں بیچتا ہوں تو خریدار کو سمجھا دیتا ہوں کہ انہیں چھیلن کے ساتھ بھرا گیا ہے تو کیا یہ کاروبار جائز ہے؟

جواب جب آپ خریدار کو یہ بتا دیتے ہیں کہ صوفوں کو چھیلن کے ساتھ بھرا گیا ہے اور چھیلن کی یہ قسم اس طرح نمایاں

ہو کہ جب آپ خریدار کو بتائیں تو وہ گویا اس کو دیکھ رہا ہو تو پھر اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ حدیث کے عموم میں داخل ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلٰی شُرُوطِهِمْ»(جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، ح: ١٣٥٢ وسنن أبي داود، ح: ٣٥٩٤)

''مسلمانوں کو اپنی شرطوں کا پاس کرنا چاہیے۔''

——— فتویٰ کمیٹی ———

نفع کی حد اور بھاؤ مقرر کرنا

سوال کیا تجارت میں نفع کی کوئی حد مقرر ہے؟ بھاؤ مقرر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نفع کی کوئی حد مقرر نہیں ہے کہ یہ تو اللہ عزوجل کی طرف سے رزق ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی انسان کو رزق کثیر سے نوازتا ہے کہ اسے کبھی دس فی صد یا اس سے بھی زیادہ نفع ہو جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس نے سستے بھاؤ کوئی چیز خریدی ہو اور پھر نرخ میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے اسے زیادہ نفع ہو گیا ہو اور کبھی صورت اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے کوئی چیز مہنگی خریدی ہو اور پھر بعد میں وہ بہت سستی ہو گئی ہو' پس جائز نفع کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

ہاں البتہ اگر سامان اور اس کی مارکیٹنگ اسی انسان سے مخصوص ہو تو پھر اس کے لے یہ حلال نہیں کہ لوگوں سے بہت زیادہ نفع لے کیونکہ اس صورت میں یہ بیع المضطر کے مشابہہ ہو گا کیونکہ جب لوگوں کو جس چیز کی حاجت ہو اور وہ صرف ایک ہی معین شخص کے پاس موجود ہو تو لوگ اسی سے خریدیں گے خواہ اس کی قیمت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو' تو اس صورت میں حکومت اور حکمرانوں کو مداخلت کر کے نرخ مقرر کرنا چاہیے اور مناسب نفع کا تعین کر دینا چاہیے کہ جو اس قدر کم بھی نہ ہو کہ اسے نقصان پہنچے اور نہ اس قدر زیادہ ہو کہ دوسروں کو نقصان پہنچے' اس سے معلوم ہوا کہ بھاؤ مقرر کرنے کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ لوگوں پر ظلم اور ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے جس بھاؤ کے مقرر کرنے کے لیے حکمران مجبور ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا تعلق سیاست حسنہ سے ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحْتَكِرُ إِلاَّ خَاطِئٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، ح: ١٦٠٥)

''صرف خطاکار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔''

اور خطاکار وہ ہے جو جان بوجھ کر خطا کا ارتکاب کرے اور اگر وہ غلطی کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو تو واجب ہے کہ حکمرانوں کی وساطت سے اس کی اصلاح کی جائے کہ جب کوئی انسان کسی چیز کی ذخیرہ اندوزی کرے' سامان کسی اور کے پاس موجود نہ ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو تو حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ مداخلت کریں اور نفع کی ایک ایسی حد مقرر کر دیں جس سے بائع کو بھی نقصان نہ ہو اور مشتری کو بھی فائدہ ہو۔

۲۔ اگر قیمتوں میں اضافہ کسی ظلم کا نتیجہ نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو کہ کسی چیز کی قلت ہو گئی ہو یا اس کا کوئی اور ایسا سبب ہو جو معاشی حالات پر اثرانداز ہوا ہو تو ایسی صورت میں نرخ مقرر کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ یہ کسی ایسے

شخص کے ظلم کا ازالہ نہیں جس نے نرخ بڑھا دیا ہو اور پھر سب امور تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں جب مدینہ میں قیمتوں میں اضافہ ہوا اور لوگوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! نرخ مقرر فرما دیجئے! تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ، وَإِنِّي لأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ يُطَالِبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَّلاَ مَالٍ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في التسعير، ح:٣٤٥١ وجامع الترمذي، ح:١٣١٤ وسنن ابن ماجه، ح:٢٢٠٠)

"بے شک وہ اللہ ہی نرخ مقرر فرمانے والا ہے جو کم کر دینے والا' بڑھا دینے والا اور رزق عطا فرمانے والا ہے' اور مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کروں گا کہ کوئی مجھ سے خون یا مال کے ظلم کا مطالبہ نہیں کرے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے نرخ مقرر کرنے سے انکار فرما دیا تھا کیونکہ یہ مہنگائی لوگوں کی طرف سے مصنوعی طور پر پیدا کردہ نہیں تھی۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نرخ مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں (ا) کہ اگر یہ ظلم کے ازالہ کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور (۲) اور اگر یہ خود ظلم ہو یعنی اگر مہنگائی کسی انسان کے ظلم کی وجہ سے نہ ہو تو پھر نرخ مقرر کرنا بجائے خود ظلم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نفع کی کوئی حد مقرر نہیں ہے

سوال کیا ایسی گاڑی کو خریدنا جائز ہے جس کی بازار میں قیمت مبلغ تیس ہزار ریال ہو لیکن ماہانہ قسطوں پر خریدنے کی صورت میں اس کی قیمت پچاس ہزار ہو یعنی نقد اور ادھار قیمت میں بیس ہزار کا فرق ہو تو کیا اس کام میں کوئی شرعی ممانعت تو نہیں؟

جواب عموم ادلہ کے باعث مذکورہ معاملہ میں کوئی حرج نہیں جب کہ گاڑی بائع کے قبضہ و ملکیت میں ہو۔ نفع کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ مشتری کے حالات اور قسطوں کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے مختلف ہو سکتا ہے۔ "صحیحین" میں عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ بریرہ ؓ نے اپنے مالک سے اپنے آپ کو نو اوقیوں میں خریدا' جنہیں نو سالوں میں ادا کرنا تھا' [1] یعنی ایک اوقیہ فی سال قسط تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا اور نہ یہ پوچھا کہ نقد بیع ہونے کی صورت میں قیمت کیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

شرعی نفع بازار کے رواج کے مطابق ہوتا ہے

سوال ایک دوست کچھ سامان ساٹھ اشرفیوں میں خرید کر دو سو اسی اشرفیوں میں فروخت کرتا ہے' اس بارے میں کیا

[1] صحیح بخاری' المکاتب' باب استعانة المکاتب --- الخ' حدیث: 2563 و صحیح مسلم' العتق' حدیث: 1504

حکم شریعت ہے؟ شرعاً تجارت میں کتنا نفع جائز ہے؟

جواب مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کی ہمدردی و خیرخواہی کرے' ان میں اختلاف پیدا نہ کرے' معاملات میں انہیں نقصان نہ پہنچائے اور ناواقف لوگوں کی عدم واقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دگنی چوگنی قیمت وصول نہ کرے۔ بائع کے لیے لازم ہے کہ اسی نفع پر قناعت کرے جس کا عام طور پر بازار میں رواج ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نصف قیمت سے بھی زیادہ نفع

سوال کیا سامان کی نصف قیمت سے بھی زیادہ نفع لینا جائز ہے' جب کہ مجھے جگہ کا کرایہ اور کارکنوں کی تنخواہیں بھی ادا کرنا پڑتی ہیں۔

جواب صحیح بات یہ ہے کہ سامان اس قیمت پر فروخت کرنا چاہیئے جو بازار میں قیمت ہو خواہ اس میں نفع کم ہو یا زیادہ یا نقصان ہو۔ اور اگر نرخ کے بارے میں بازار میں کوئی عرف و عادت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اپنے کاروبار کی نوعیت اور کارکنوں کی اجرت وغیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ نفع لیا جائے اور ناواقف خریدار سے بہت زیادہ نفع نہ لیا جائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مشتری نے قیمت تو ادا کر دی لیکن ---!

سوال ایک آدمی نے آٹھ تاریخ کو منیٰ میں ایک حاجی کو اونٹ فروخت کیا اور حاجی نے اسے قیمت تو ادا کر دی لیکن کہا کہ وہ اس سے دس تاریخ کو منیٰ میں اونٹ لے لے گا لیکن خریدار حسب وعدہ' اونٹ لینے کے لیے نہ آیا اور موسم حج کے ختم ہونے' خریدار کے نہ آنے اور اس کے پتہ کے بھی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس آدمی نے اونٹ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی وجہ سے اسے بیچ دیا اور اس کی قیمت وصول کر لی کہ سوال یہ ہے کہ وہ اب اس قیمت کا کیا کرے؟ کیا اسے اس کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دے یا اس کے بدلہ میں اونٹ خرید لے؟ یاد رہے کہ اس نے اسے اونٹ ذبح کرنے یا اس میں تصرف کرنے کا نہیں کہا تھا؟

جواب اگر یہ آدمی اونٹ کے خریدار کا نام جانتا ہے تو پھر افضل یہ ہے کہ اس کی قیمت مکہ مکرمہ میں محکمہ کے سپرد کر کے اسے اس کا پورا نام بتا دے' ہو سکتا ہے کہ اس طرح وہ معلوم ہو سکے اور اس تک اس کا حق پہنچایا جا سکے۔ اور اگر یہ اس کے نام کو نہیں جانتا تو پھر افضل یہ ہے کہ اس کی طرف سے نیت کر کے اسے فقراء میں تقسیم کر دے یا تعمیر مساجد میں خرچ کر دے' اس سے اس کا ذمہ بری ہو جائے گا اور اونٹ کے مالک کو نفع پہنچے گا۔ اس صورت میں بھی اگر قیمت محکمہ کے سپرد کر دے تو پھر بھی ان شاء اللہ بری الذمہ ہو جائے گا۔

—— شیخ ابن باز ——

آپ کے لیے فسخ بیع لازم نہیں ....

سوال میں نے ایک شخص کو اپنی گاڑی بیچی' اس کی قیمت طے ہو گئی لیکن اس نے مجھے سات سو ریال دیئے اور کہا کہ قیمت ادا کرنے تک گاڑی میرے پاس ہی رہے گی لیکن وہ قریباً نصف ماہ بعد میرے پاس آیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ اس بیع کو فسخ کر کے اس کے وہ پیسے اسے واپس دے دیئے جائیں جو اس نے پیشگی ادا کئے تھے' لیکن میں نے اس کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا' کیا اسے ان پیسوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا حق ہے اور اب میرے لیے کیا لازم ہے؟

جواب اگر آپ اس کی بات کو تسلیم کر لیں اور اس کے پیسے واپس کر دیں تو یہ افضل ہے' اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو اس کا اجر عظیم ملے گا' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللهُ عَثْرَتَهُ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في فضل الإقالة، ح:٣٤٦٠ وسنن ابن ماجه، التجارات، باب الإقالة، ح:٢١٩٩)

"جو کسی مسلمان کے فسخ بیع کے مطالبہ کو مان لے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا۔"

جہاں تک لزوم کی بات ہے' اگر بیع میں شرعاً معتبر تمام شرائط پوری ہوں تو پھر فسخ بیع لازم نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

ایک چیز بیچنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ....

سوال ایک دن میں نے ایک آدمی کو ایک چیز بیچی اور پھر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ناقابل استعمال ہے' وہ مجھے واپس بھی کرنے آیا لیکن میں نے تسلیم نہ کیا تو وہ پھینک کر چلا گیا لیکن یاد رہے کہ جب میں نے اسے وہ چیز بیچی تو میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ درست اور قابل استعمال ہے اور معلوم نہ تھا کہ وہ خراب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں اسلامی شریعت کا کیا موقف ہے اور میرا اس چیز کے بارے میں کیا موقف ہونا چاہیئے؟ امید ہے رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں گے!

جواب اگر بوقت عقد آپ کو اس چیز کی خرابی کا علم نہ تھا تو آپ معذور ہیں اور اب جب کہ اس نے چیز آپ کو واپس کر دی ہے اور آپ کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اس میں خرابی پہلے سے تھی تو آپ پر واجب ہے کہ اس کے مطالبہ کو قبول کر کے اس کی قیمت اسے واپس لوٹا دیں یا اس کے ساتھ صلح کر لیں اور اسے اس کے بجائے صحیح چیز دے دیں یا خرابی کی وجہ سے قیمت کم کر لیں' لیکن اب جب کہ وہ خود اس چیز کو واپس کر گیا ہے تو آپ کو چاہیئے کہ خریدار کو تلاش کر کے مذکورہ بالا طریقہ سے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے' صلح کر لیں اور اگر آپ خریدار کو نہیں جانتے تو اس رقم کو فقراء میں صدقہ کر دو اور نیت یہ کریں کہ اس صدقہ کا ثواب اسے ملے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

سونے کی خرید و فروخت کے احکام

سونے کی تجارت

سوال میں سونے کی بنی ہوئی سعودی اشرفیوں اور سونے کی اینٹوں کا کاروبار کرتا ہوں' جب بازار میں سونے کا نرخ کم ہو جائے تو خریدتا اور جب زیادہ ہو جائے تو بیچتا ہوں۔ مثلاً سونے کی ایک گنی (اشرفی) تین سو ریال میں خرید کر چار سو اسی ریال میں بیچ دیتا ہوں' کیا اس کاروبار میں شرعاً کوئی ممانعت تو نہیں ہے؟ میں جب اشرفیوں کو خریدتا ہوں تو ان کی قیمت بینک کو ادا کر کے اشرفیوں کو لے لیتا ہوں اور جب بیچتا ہوں تو اشرفیوں کو دے کر ان کی قیمت وصول کر لیتا ہوں؟

جواب مذکورہ معاملہ جیسا کہ آپ نے ذکر کیا اگر دست بدست ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح: ١٥٨٧)

''سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' جو جو کے ساتھ' کھجور کھجور کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ ایک جیسا' برابر برابر اور دست بدست ہو اور جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو بیع کرو بشرطیکہ سودا دست بدست ہو۔''

—— شیخ ابن باز ——

مشورہ کے لیے سامان لے جانا

سوال ایک آدمی نے مجھ سے زیور لیا اور کہا کہ یہ میں اپنے گھر والوں کو دکھانا چاہتا ہوں کہ کیا یہ انہیں پسند ہے؟ اور اگر پسند ہوا تو میں اس کی قیمت لا کر تمہیں دے دوں گا' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر گھر والوں کو دکھانے کے لیے زیور لینے سے پہلے بیع و شراء کا معاملہ مکمل نہیں ہوا بلکہ اس نے زیور کو صرف اس لیے لیا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو دکھا دے کہ اگر انہیں پسند آیا تو خرید لیں گے ورنہ واپس لوٹا دیا جائے گا تو اس صورت میں زیور مشتری کے پاس امانت ہو گا' حتیٰ کہ اہل خانہ کی پسند کے بعد عقد بیع مکمل ہو جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

سونا خرید کر واپس کر دیا

سوال ایک شخص نے مجھ سے سونا خریدا' اس کی قیمت بھی ادا کر دی اور پھر کچھ مدت کے بعد آیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ میں سونا واپس لے کر اس کی قیمت اسے لوٹا دوں تو کیا یہ جائز ہے یا یہ ضروری ہے کہ میں اس سے بازار کے موجودہ ریٹ کے مطابق خریدوں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو یہ جائز ہے کہ بیع کو توڑ دیا اور فسخ کر دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سونے کی سونے کے ساتھ بیع کا جائز طریقہ

سوال میں ایک سونا بیچنے والے کے پاس کچھ پرانے زیورات لے کر گیا' جن کا اس نے وزن کر کے بتایا کہ ان کی قیمت مبلغ پندرہ سو ریال ہے اور میں نے اس سے نئے زیورات خریدے جن کی قیمت مبلغ اٹھارہ سو ریال ہے۔ کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں صرف تین سو ریال ادا کر دوں (جو فرق ہے) یا یہ ضروری ہے کہ پہلے اس سے پندرہ سو ریال وصول کروں اور پھر اسے اٹھارہ سو ریال دوں؟

جواب سونے کی سونے کے ساتھ بیع جائز نہیں الاّ یہ کہ وہ ایک جیسا ہو' برابر برابر ہو' وزن ایک جیسا ہو اور دست بدست ہو جیسا کہ احادیث صحیحہ میں نبی کریم ﷺ سے اسی طرح منقول ہے' [1] خواہ سونے کے زیورات قدیم و جدید ہونے کی اعتبار سے مختلف نوعیت کے ہوں یا کسی اور اعتبار سے مختلف ہوں' اسی طرح چاندی کی خرید و فروخت کا بھی یہی حکم ہے۔

جائز طریقہ یہ ہے کہ جو شخص سونے کو سونے کے بدلہ میں خریدنا چاہے تو اس کے پاس جو سونا ہو اسے چاندی یا نوٹوں کے ساتھ بیچ دے اور اس کی قیمت وصول کر لے اور پھر اپنی ضرورت کے مطابق سونا اس کے موجودہ بھاؤ کے حساب سے خریدے اور قیمت میں چاندی یا نوٹ ادا کر کے دست بدست سودا کرے۔ سونے کی سونے کے ساتھ یا سونے کی چاندی کے ساتھ بیع میں سود کے اعتبار سے کرنسی نوٹ بھی سونے اور چاندی ہی کے قائم مقام ہیں۔

اگر سونے یا چاندی کو نقدی کے سوا کسی اور چیز مثلاً گاڑی یا سامان یا چینی وغیرہ کے ساتھ بیچ دیا تو پھر قبضہ کرنے سے پہلے الگ ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ سونے' چاندی اور کرنسی نوٹوں اور ان مذکورہ اور ان جیسی دیگر اشیاء میں سود جاری نہیں ہوتا۔ اگر بیع ادھار ہو تو پھر ضروری ہے کہ مدت کی وضاحت کر دی جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۲)

"اے مومنو! جب آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

---

[1] صحیح مسلم' المساقاۃ' باب الصرف و بیع الذھب بالورق نقدا' حدیث:1584 - 1587

جائز معاملہ

سوال میرے پاس کچھ قدیم زیورات تھے میں انہیں بازار میں بیچنے کے لیے ایک تاجر کے پاس لے گیا' اس نے مجھ سے کچھ لیے یا دیئے بغیر ان کے بجائے مجھے دوسرے زیورات دے دیئے۔ میں نے کہا کہ یہ تو جائز نہیں' تو اس نے کہا کہ اس نے مجھ سے جو زیورات لیے اور جو مجھے دیئے ہیں' ان کا وزن برابر ہے تو میں نے اسے سچا مان لیا' امید ہے اس معاملہ میں آپ مجھے فتویٰ عطا فرمائیں گے' لیکن اب میرے لیے اسے سونا واپس کرنا ممکن نہیں ہے؟

جواب اگر دونوں زیورات وزن میں برابر تھے اور ان کا لین دین ایک ہی مجلس میں ہوا تو پھر اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں خواہ ایک دوسرے سے عمدہ ہی کیوں نہ ہوں کہ احادیث صحیحہ کے عموم سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے.......... اور اگر اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ یہ ہم وزن ہیں تو پھر اس کا گناہ اسے ہو گا۔

—— شیخ ابن باز ——

سونے کی سونے یا نقدی کے ساتھ بیع میں تاخیر جائز نہیں

سوال اگر میرے پاس ایک شخص کچھ زیورات خریدنے کے لیے آئے اور جب میں اس کے مطلوبہ زیورات کا وزن کر دوں اور اس کے پاس زیورات کی پوری قیمت نہ ہو تو معلوم ہے کہ اس حالت میں میرے لیے اسے سونا بیچنا اور اس کے سپرد کر دینا جائز نہیں کیونکہ اس نے مجھے پوری قیمت ادا نہیں کی' لیکن اگر مثلاً یہ معاملہ ہم صبح کے وقت کر رہے ہوں اور وہ کہے کہ سونا میں تمہارے پاس ہی رہنے دیتا ہوں اور عصر کے وقت میں پوری قیمت لے کر حاضر ہو جاؤں گا اور قیمت ادا کر کے اس خریدے ہوئے سونا کو وصول کر لوں گا' تو کیا یہ جائز ہے کہ اس سونے کو اس کے حساب میں باقی رکھ دوں کہ جب وہ آئے تو اسے لے لے یا یہ ضروری ہے کہ اس معاہدہ کو ختم کر دوں اور اگر وہ آئے تو اس سے دیگر خریداروں ہی کی طرح معاملہ کروں؟

جواب یہ جائز نہیں کہ جس سونے کو اس نے خریدا ہے اسے رقم لانے تک آپ ہی کے پاس رہنے دیا جائے بلکہ اس صورت میں یہ معاہدہ ہی نہیں ہوا تاکہ ربا النسیئہ سے بچا جا سکے۔ اس صورت میں یہ سونا آپ ہی کی ملکیت ہو گا اور جب وہ باقی رقم بھی لے کر آ جائے تو آپ از سر نو معاملہ کریں اور ایک ہی مجلس میں قیمت اور زیورات کا لین دین کریں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مستعمل سونے کا نئے سونے کے ساتھ تبادلہ ....

سوال اس کے بارے میں کیا حکم ہے کہ زیورات کی دکانوں کے بہت سے مالکان مستعمل سونا خرید لیتے ہیں اور پھر اسے سونے کے تاجر کے پاس لے جاتے ہیں اور اسے سونے کے نئے زیورات کے ساتھ بدل لیتے ہیں؟ وزن تو وزن کے برابر ہوتا ہے البتہ تاجر نئے زیورات کے بنانے کی اجرت وصول کر لیتے ہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ،

وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:١٥٨٧)

"سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' جو جو کے ساتھ اور کھجور کھجور کے ساتھ ایک ہی طرح' برابر برابر اور دست بدست ہونی چاہیے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبٰى» صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:٨٢/ ١٥٨٤، ١٥٨٨)

"جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اس نے سود لیا۔"

یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ کی خدمت میں جب عمدہ کھجوریں پیش کی گئی تھیں تو آپ نے ان کے بارے میں پوچھا تو صحابہ کرام نے بتایا کہ ہم اس طرح کی کھجوروں کا ایک صاع لیتے ہیں اور عام کھجوروں کے دو صاع دے دیتے ہیں یا دو صاع لیتے اور تبادلہ میں تین صاع دے دیتے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ اس بیع کو رد کر دیا جائے کہ یہ عین ربا ہے' پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ "ردی کھجور کو درہموں کے ساتھ بیچ دو اور پھر ان درہموں کے ساتھ عمدہ کھجور خرید لو۔" [1]

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ سائل نے جو سونے کے ساتھ تبدیلی اور زیورات بنانے کی اجرت ادا کرنے کے بارے میں سوال پوچھا ہے تو یہ معاملہ حرام ہے' جائز نہیں کیونکہ یہ بھی اس ربا میں داخل ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں محفوظ طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی معاہدہ یا اتفاق کے پرانے سونے کو پہلے بیچ دیا جائے اور قیمت وصول کرنے والا پھر اس کے ساتھ نئے سونے کو خرید لے اور افضل یہ ہے کہ نئے سونے کو کسی اور جگہ سے خریدے اور اگر مطلوبہ زیورات وغیرہ کسی اور جگہ سے نہ مل سکیں تو پھر اسی سے قیمت ادا کر کے خرید لے اور اس صورت میں اسے زیادہ بھی ادا کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ سونے کا سونے کے ساتھ تبادلہ اضافہ کے ساتھ نہ ہو خواہ یہ اضافہ زیورات کی مزدوری ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو اور یہ اس صورت میں ہے جب تاجر تاجر بیع ہو اور اگر تاجر زرگر ہو تو پھر اس کے پاس جا کر کہیں کہ یہ سونا لے لو اور اس سے مجھے یہ زیورات بنا دو اور جب تم زیورات بنا دو گے تو میں تمہیں مزدوری ادا کر دوں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سونے کی دکانوں کے مالکان کا زبانی وکالہ

سوال کیا یہ لازم ہے کہ سونے کی دکانوں کے مالکان کے مابین زبانی وکالہ ہو؟ یا اتنا ہی کافی ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ معروف نرخ پر بیچ دیں؟

---

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منه' حدیث: 2201 - 2202 و صحیح مسلم' المساقاة' حدیث: 1593۔

جواب وکالہ عقود میں سے ایک عقد ہے جو کہ قول یا فعل کی دلالت کے مطابق منعقد ہو جاتا ہے۔ جب دکان داروں کی یہ عادت ہو کہ ان میں سے اگر کسی کے پاس کوئی سامان نہ ہو اور مشتری پاس کھڑا ہو تو وہ اپنے پڑوس سے اس سامان کو لے کر اسے بیچ دے اور قیمت اسے بھی معلوم ہو جس نے اس سامان کو لیا اور اس کے مالک کی طرف سے بیچ دیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اہل علم کے قول کے مطابق وکالہ اس کے مطابق منعقد ہو جاتا ہے' جس پر قول یا فعل دلالت کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سونا ادھار خریدنا

سوال سونے کی دکانوں کے بعض مالکان جائز سمجھتے ہوئے ادھار سونا خریدتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سامان تجارت ہی ہے۔ اس سلسلہ میں جب ان کے بڑے لوگوں سے بات کی گئی کہ یہ کام جائز نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اہل علم کو اس کام کے بارے میں علم نہیں ہے؟

جواب یہ معاملہ یعنی سونے کی دراہم کے ساتھ ادھار بیع بالا جماع حرام ہے کیونکہ یہ ربا النسیئہ ہے اور عبادہ بن صامت کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''سونا سونے کے بدلہ' چاندی چاندی کے بدلہ........ الخ اور پھر آپ نے فرمایا:

«فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب، ح:١٥٨٧)

''جب یہ اصناف مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو بیچو جب کہ معاملہ دست بدست ہو۔''

انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ اہل علم کو اس کا علم نہیں ہے تو یہ اہل علم پر ناحق تہمت ہے کیونکہ اگر یہ انہیں اہل علم کہہ رہا ہے تو پھر انہیں علم ہے کیونکہ علم کی ضد تو جہالت ہے اور اہل علم ہونے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں یہ انہیں جانتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ معاملہ' حرمت پر دلالت نص کی وجہ سے' ایک حرام کام ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سونے کو اہل خانہ کی پسند کی شرط کے ساتھ خریدنا

سوال اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ جب ایک خریدار سونے کا سامان خریدے اور پھر یہ شرط لگا دے کہ اگر یہ اہل خانہ کو پسند نہ آیا تو وہ اسے تبدیل کرے گا یا اس کی قیمت واپس لے لے گا۔ اس طرح کے معاملہ میں شرعی طریقہ کیا ہے کیونکہ بعض خریدار بہت دور سے شہر آتے ہیں کہ ان کے لیے اسی دن یا دوسرے دن دوبارہ آنا بہت مشکل ہوتا ہے؟

جواب اس معاملہ میں افضل صورت یہ ہے کہ عقد بیع مکمل ہونے سے پہلے سونے کے زیورات لے کر اہل خانہ کو دکھا دے کہ اگر انہیں پسند آئیں تو دکان دار سے خرید لے۔ خریدنے اور عقد بیع مکمل کرنے کے بعد یہ شرط لگانا کہ اگر اس کے اہل خانہ نے پسند کیا تو خریدے گا وگرنہ واپس کر دے گا' اس میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے

اور کہا ہے کہ مسلمان اپنی شرطوں کا پاس کرتے ہیں اور بعض نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شرط چونکہ ایک حرام کام کو حلال قرار دیتی ہے اور وہ تمام عقد سے پہلے علیحدگی ہے۔ ان میں سے پہلا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ظاہر قول ہے اور دوسرا قول (حنبلی) مذہب کا مشہور قول ہے' لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ہر وہ عقد جس میں فریقین کے دست بدست قبضہ کی شرط ہو تو اس میں شرط خیار صحیح نہیں ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ بری الذمہ ہو اور سلامتی کا راستہ اختیار کرے تو اسے چاہیئے کہ عقد بیع مکمل ہونے سے پہلے زیورات کو لے کر اہل خانہ سے مشورہ کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مستعمل سونے کو نئے کے طور پر بیچنا

سوال اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ سونے کی دکانوں کے بعض مالکان مستعمل مگر صاف ستھرے سونے کو خرید کر نئے (سونے) کے بھاؤ بیچتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے یا یہ لازم ہے کہ خریدار کو بتا دیا جائے کہ یہ مستعمل سونا ہے یا یہ بتانا لازم نہیں ہے کہ بعض خریدار یہ پوچھتے ہی نہیں کہ یہ نیا ہے یا پرانا؟

جواب دکان دار کے لیے خیر خواہی واجب ہے اور یہ کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کو کوئی ایسی مستعمل چیز بیچے جو بہت کم استعمال ہوئی ہو اور اس پر کوئی اثر نہ پڑا ہو اور وہ آپ کو اسے نئی چیز کے طور پر بیچ دے تو یقیناً اسے آپ دھوکا اور فریب قرار دیں گے۔ اگر آپ یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ آپ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کریں تو آپ کو یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ آپ دوسروں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کریں؟ لہٰذا کسی بھی انسان کو اس طرح نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ خریدار کو یہ بتا دے کہ یہ تھوڑا سا استعمال ہوا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات کر دے جس سے حقیقت واضح ہو جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

بھٹی میں پگھلاتے وقت ایک دوسرے کے سونے کو ملا دینا

سوال جب کوئی شخص زیور بنانے کے لیے اپنا سونا زرگر کو دیتا ہے تو بسا اوقات وہ بھٹی میں پگھلانے کے لیے اس کے سونے کو دوسرے لوگوں کے سونے کے ساتھ ملا دیتا ہے لیکن واپسی کے وقت وہ اسی وزن میں دے دیتا ہے جس وزن میں اس نے لیا ہوتا ہے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زرگر کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے اموال آپس میں نہ ملائے اور انہیں الگ الگ ہی رکھے جب کہ مقدار مختلف ہو اور اگر مقدار مختلف نہ ہو تو پھر باہم ملانے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال کیا سونا وصول کرتے وقت ہی زیورات کی اجرت دینا لازم ہے۔ یا اس کا حساب جاری رکھ سکتے ہیں؟

جواب اسے فوراً دست بدست ادا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ تو کام کی اجرت ہے۔ زیورات لیتے وقت ہی اگر اجرت ادا کر دی جائے تو بہتر ورنہ جب ادا کر دے صحیح ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیا سونا خریدنے کی شرط پر پرانا بیچنا

سوال اس مسئلہ میں کیا حکم شریعت ہے کہ سونے کی دکانوں کے بعض مالکان مستعمل سونا بیچنے والے سے کہتے ہیں کہ وہ اس شرط پر پرانا سونا خریدیں گے کہ وہ بھی ان سے نیا سونا خریدے؟

جواب یہ شرط جائز نہیں کیونکہ یہ اضافہ کے ساتھ سونے کے بدلے سونا بیچنے کا ایک حیلہ ہے اور حیلے شریعت میں ممنوع ہیں کیونکہ یہ دھوکا اور احکام الٰہی کا مذاق اڑانے کے مترادف ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس کام میں کوئی حرج نہیں

سوال آپ جناب کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے کہ سونے کے بعض خریدار پہلے نئے سونے کا بھاؤ معلوم کرتے ہیں اور پھر اپنے پاس سے مستعمل سونا نکال کر اسے بیچ دیتے ہیں اور رقم وصول کرتے وقت اس سے نیا سونا خرید لیتے ہیں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ پہلے سے یہ طے شدہ نہ ہو' ہاں البتہ امام احمد رحمہ اللہ کی اس جیسی صورت حال میں یہ رائے ہے کہ وہ اپنا پرانا سونا بیچ کر نیا سونا کسی اور جگہ سے خرید لے اور اگر کسی اور جگہ سے نہ ملے تو پھر اسی سے خرید لے تاکہ حیلہ کے شبہ سے بچ جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مستعمل بیچ کر نیا خریدنا

سوال اس شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے جو دکان پر جاکر سونا بیچتا ہے اور پھر اپنی قیمت فروخت کے ساتھ اسی دکان سے اور سونا خرید لیتا ہے اور دونوں کی قیمتوں میں جو فرق ہو وہ ادا کر دیتا ہے اور اپنے فروخت کیے ہوئے سونے کی قیمت وصول نہیں کرتا؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ اس نے اپنی چیز کو بیچ کر اس کی قیمت کو اپنے قبضہ میں نہیں لیا اور اس کے عوض وہ چیز لے لی جس کی اس کے ساتھ ادھار بیع حلال نہیں ہے' چنانچہ فقہاء کی صراحت کے مطابق یہ صورت حرام ہے کیونکہ یہ صورت بسااوقات ایسی چیز کے لیے حیلہ بن جاتی ہے جس کی اس انداز سے قیمت اپنے قبضہ میں لیے بغیر ادھار بیع جائز نہیں ہے اور اگر اس میں دونوں کے سونے کی جنس ایک ہی ہو تو یہ ربا الفضل بھی ہوگا اور ربا النسیۂ بھی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حرام کاروبار کرنے والے دکانداروں کے پاس ملازمت

سوال سونے کی دکانوں کے ایسے مالکان کے پاس کام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو سودی یا حرام حیلے یا ملاوٹ اور دھوکا وغیرہ کے غیر شرعی کام کرتے ہوں؟

جواب ایسے لوگوں کے پاس کام کرنا حرام ہے جو سود یا دھوکا و ملاوٹ کا کاروبار کرتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

یہ ارشاد بھی ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلْكِتَـٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَـٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُواْ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگ جائیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کوئی برا کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے۔"

اور جو ایسے لوگوں کے پاس کام کرتا ہے اس نے گویا اس برے کام کو نہ ہاتھ سے مٹایا' نہ زبان سے سمجھایا اور نہ دل ہی میں برا جانا' لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کا نافرمان ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قیمت وصول کرنے سے پہلے سونا بیچنا

سوال قیمت وصول کرنے سے پہلے سونا بیچنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر کسی قریبی رشتہ دار سے فوراً قیمت ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو قطع رحمی کا خدشہ ہے لیکن اس بات کا پختہ یقین ہے کہ وہ قیمت ضرور ادا کر دے گا' خواہ کچھ عرصہ بعد ہی کرے؟

جواب واجب ہے کہ آپ یہ عمومی قاعدہ جان لیں کہ مکمل قیمت وصول کئے بغیر سونے کی دراہم (روپوں پیسوں) کے ساتھ ہرگز ہرگز بیع جائز ہی نہیں ہے اور اس اعتبار سے کسی قریبی رشتہ دار اور اجنبی میں کوئی فرق ہی نہیں ہے کیونکہ اللہ کے دین کے مقابلے میں کسی سے محبت نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے کوئی قریبی رشتہ دار ناراض ہوتا ہے تو وہ ہوتا رہے' وہ شخص ظالم اور گناہ گار ہے جو یہ چاہتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کریں۔ آپ نے اسے اس سے روک کر درحقیقت نیکی کی ہے کہ آپ نے اسے ایک حرام معاملہ سے روک دیا ہے اور اگر اس وجہ سے وہ ناراض ہوتا ہے یا تعلقات منقطع کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہے اور آپ اس گناہ میں شریک نہیں ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سونا خرید کر رکھا اور قیمت میں اضافہ ہونے پر بیچ دیا

سوال ایک آدمی نے سونے کا ایک ٹکڑا دو سو دینار میں خریدا اور ایک عرصہ تک اسے محفوظ رکھا حتیٰ کہ اس کی قیمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تو اسے تین ہزار دینار میں بیچ دیا تو اس اضافہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے مسلمان بیع و شراء میں ہمیشہ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں کہ سامان خریدتے ہیں اور قیمت میں اضافہ ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور بسااوقات اپنے استعمال کے لیے خریدتے ہیں اور قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جانے پر بیچ بھی دیتے ہیں حالانکہ پہلے بیچنے کی نیت نہیں ہوتی' اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ اضافہ بازار کے مطابق ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں' خواہ اس میں کئی گناہ اضافہ ہو جائے۔

ہاں البتہ اگر اضافہ اس طرح ہو کہ سونے کا سونے سے تبادلہ کر کے اضافہ وصول کرے تو یہ حرام ہے کیونکہ سونے کی سونے سے بیع جائز نہیں الا یہ کہ وزن برابر ہو اور سودا دست بدست ہو جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے [1] جب آپ سونے کو سونے کے ساتھ بیچیں خواہ ان میں کوالٹی کے اعتبار سے فرق ہو یعنی ایک دوسرے سے زیادہ اچھا ہو تو پھر بھی برابر برابر اور دست بدست سودا کریں۔ اگر سونا نمبر ۱۸ کے دو مثقال سونا نمبر ۲۴ کے ڈیڑھ مثقال کے بدلے میں لیے تو یہ حرام ہے کیونکہ دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیئے' اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ بائع اور مشتری مجلس عقد ہی میں نقدلین دین کریں یعنی اگر ایک نے تو سونے کے دو مثقال لے لیے اور دوسرے نے اسی مجلس میں نہ لیے بلکہ اس کے قبضہ میں تاخیر ہو گئی تو یہ بھی جائز نہیں' اسی طرح سونے کی کرنسی نوٹوں کے ساتھ خریدوفروخت کے بارے میں بھی یہی حکم ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی تاجر یا زرگر سے سونا خریدتا ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی مکمل قیمت ادا کئے بغیر اس سے جدا ہو کیونکہ کرنسی نوٹ چاندی کے قائم مقام ہیں۔ اور جب سونے کی چاندی کے ساتھ بیع ہو تو پھر بھی واجب ہے کہ بائع اور مشتری جدا ہونے سے پہلے پہلے مجلس عقد میں اپنے خریدے ہوئے سودے کو قبضہ میں لے لیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب ... الخ، ح:١٥٨٧)

"جب یہ اصناف مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ سودا دست بدست ہو!"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھیاں..........

سوال مردوں کے لیے مخصوص سونے کی انگوٹھیاں بیچنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب کہ تاجر کو یقین بھی ہو کہ مشتری اسے پہنے گا؟

جواب مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھیاں بیچنا حرام ہے جب کہ بائع کو یہ علم ہو یا اس کا ظن غالب ہو کہ مرد اسے پہنے

[1] صحیح مسلم' المساقاة' باب الربا' حدیث: 1584 - 1587

گا تو پھر اسے مرد کو فروخت کرنا حرام ہے کیونکہ ہماری امت کے مردوں کے لیے سونا حرام ہے تو جو شخص کسی ایسے مرد کو سونا بیچتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو یا جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ اسے پہنے گا تو اس کے ساتھ اس نے گناہ کے کام میں تعاون کیا اور اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ گناہ اور سرکشی کے کام میں تعاون کیا جائے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

زرگر کے لیے بھی یہ حلال نہیں ہے کہ مردوں کے پہننے کے لیے سونے کی انگوٹھیاں بنائے۔

شیخ ابن عثیمین

سونا رہن رکھ کر مشورہ کے لیے سونا لے جانا

سوال تاجر کے اس سونا کے عوض سونا لینے کے بارے میں کیا حکم ہے' جس کے بارے میں مشتری مشورہ کرنا چاہتا ہو اور تاجر نے مشتری کے واپس کرنے تک جو سونا رہن رکھا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں کا وزن ایک نہیں ہوتا؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس نے بیع نہ کی ہو اور صرف یہ کہا ہو کہ اس سونے کو اپنے پاس رہن رکھ لو حتیٰ کہ میں جاکر مشورہ کرلوں اور پھر واپس آکر ہم از سرنو سودا کریں گے اور جب وہ سودا کرلیں تو وہ مکمل قیمت ادا کر دے اور رہن رکھے ہوئے اپنے سونے کو واپس لے لے۔

شیخ ابن عثیمین

سونے کی کچھ رقم ادا کی اور باقی بینک سے لا کر دینا

سوال اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ جو شخص سونا خریدے' بیع مکمل ہو جائے' مشتری کچھ قیمت ادا کر دے اور باقی رقم لینے کے لیے وہ گاڑی کے پاس یا بینک میں جائے اور تھوڑی دیر بعد ہی لا کر دے دے لیکن سونا وہ مکمل قیمت ادا کرنے کے بعد ہی لے تو کیا یہ صورت صحیح ہے یا یہ ضروری ہے کہ وہ باقی رقم لانے کے بعد از سرنو عقد بیع کریں؟

جواب بہتر یہ ہے کہ باقی رقم لانے کے بعد بیع کا اعادہ کریں اور اس میں کوئی نقصان بھی نہیں صرف الفاظ ہی دوہرانا ہوں گے۔ اور اگر رقم نامکمل ہونے کی صورت میں وہ عقد بیع ہی ترک کر دے حتیٰ کہ مکمل رقم لا کر بیع کرے تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ مکمل رقم لانے سے پہلے بیع کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

پرانے خالص سونے کا ایسے سونے سے تبادلہ جس میں نگینے بھی ہوں

سوال سونے کی دکانوں کے بعض مالکان سونے کے تاجر کے پاس جاتے ہیں اور اس سے مثلاً ایک کلو ایسا سونا خرید لیتے ہیں جو نگینوں کے ساتھ مرصع ہوتا ہے خواہ یہ نگینے الماس یا زرکون جیسے قیمتی پتھروں کے ہوں یا دیگر عام پتھروں کے اور

خریدار اس کے عوض ایک کلو خالص سونا دیتا ہے جس میں نگینے نہیں ہوتے اور پھر بائع زیورات کے بنانے کی اجرت بھی وصول کرتا ہے۔ یعنی بائع اس طرح دو فائدے حاصل کرتا ہے ایک تو یہ کہ وہ نگینوں کے عوض سونا حاصل کرتا ہے اور دوسرے وہ زیورات کے بنانے کی اجرت بھی وصول کرتا ہے حالانکہ وہ سونے کا تاجر ہے زرگر نہیں' تو اس کام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ وفقکم اللہ؟

جواب یہ کام حرام ہے کیونکہ یہ سود پر مشتمل ہے اور جیسا کہ سائل نے ذکر کیا' سود اس میں دو طرح سے ہے (۱) نگینوں وغیرہ کے مقابلہ میں سونے کا حصول حالانکہ یہ اس ہار کے مشابہہ ہیں جس کا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے کہ "انہوں نے بارہ دینار میں ایک ایسا ہار خریدا جس میں سونا بھی تھا اور پتھر کے نگ بھی' تو انہوں نے اسے الگ الگ کر دیا اور دیکھا کہ اس میں نگ سونے سے بھی زیادہ ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب بيع القلادة ... الخ، ح:١٥٩١)

"اس طرح کے ہار کو الگ الگ کیے بغیر نہ بیچا جائے۔"

(۲) دوسرا اضافہ زیورات کے بنانے کی اجرت ہے اور صحیح یہ ہے اجرت کا اضافہ بھی جائز نہیں کیونکہ اگرچہ زیورات کی صنعت کا تعلق آدمی کے فعل سے ہے لیکن سودی معاملات میں یہ اضافہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیز پر اضافہ لینا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عمدہ کھجور کا ایک صاع' دو صاع ردی کھجور کے عوض خریدا جائے [1] اور مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ سود سے بچے اور اس سے دور رہے کیونکہ یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نقش ونگار والے سونے کا حکم

سوال اس سونے کے بیچنے کے بارے میں کیا حکم ہے جس پر نشانات یا تتلی یا سانپ کا سر یا اس طرح کی اور تصویریں بنی ہوں؟

جواب سونے اور چاندی کا وہ زیور جس پر کسی جاندار کی تصویر بنی ہو تو اس کا بیچنا' خریدنا' پہننا اور استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ جاندار اشیاء کی تصویروں کو مٹا کر ختم کر دے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوالھیاج سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

«أَلاَ أَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ أَنْ لاَ تَدَعَ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا وَلاَ قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"کیا آپ کو بھی اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا؟ اور وہ یہ کہ ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔"

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منه' ح: 2201 - 2202 و صحیح مسلم' المساقاة' باب بیع الطعام مثلا بمثل' ح: 1593

((إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ)) (صحيح البخاري ' بدء الخلق ' باب إذا قال أحدكم آمين والملائكة ... الخ، حديث: ٣٢٢٤)

"جس گھر میں تصویر ہو اس میں اللہ کی رحمت کے فرشتے داخل ہی نہیں ہوتے۔"

لہٰذا مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ تصویروں والے زیور کے استعمال اور اس کی بیع و شراء سے اجتناب کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سونے کی بیع میں چیک کی صورت میں ادائیگی

سوال سونے کی بیع میں چیک کی صورت میں قیمت ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ بوقت بیع چیک کیش ہو سکتا ہو' سونا خریدنے والے بعض لوگ چیک کے ساتھ اس لیے معاملہ کرتے ہیں کہ رقوم اپنے پاس رکھنے کی صورت میں جانی اور مالی نقصان کا خطرہ ہوتا ہے؟

جواب سونے یا چاندی کی بیع میں چیک کے ساتھ معاملہ جائز نہیں کیونکہ چیک لینے کے یہ معنی نہیں کہ بائع نے قیمت کو قبضہ میں لے لیا ہے' یہ تو صرف ایک دستاویز ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چیک گم ہونے کی صورت میں چیک دینے والے سے قیمت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ قیمت ہی ہوتی تو ضائع ہونے کی صورت میں اس کا دوبارہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی درہموں کے ساتھ سونا خریدے اور بائع اس سے درہم وصول کرے اور انہیں اپنے گھر لے جائے اور وہ اس سے ضائع ہو جائیں تو وہ مشتری سے دوبارہ ان کا مطالبہ نہیں کر سکتا' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چیک وصول کرنا قیمت قبضہ میں لینے کے مترادف نہیں ہے اور جب یہ قیمت قبضہ میں لینا نہیں ہے تو پھر یہ بیع بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سونے اور چاندی کی بیع کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حکم یہ دیا ہے کہ یہ دست بدست ہو۔ [1] ہاں البتہ چیک بینک کی طرف سے تصدیق شدہ ہو اور بائع بینک میں جا کر یہ کہے کہ ان پیسوں کو اپنے پاس ہی میری ودیعت (امانت) رہنے دو تو پھر اس صورت میں اس کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کچھ قیمت ادا کر کے سونا رکھوا دینا

سوال سونا محفوظ رکھوا دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یعنی خریدار کچھ قیمت ادا کر کے تاجر سے کہے کہ یہ سونا میرے لیے رکھ دو میں مکمل قیمت ادا کر کے اسے لے لوں گا؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ جب وہ اسے بیچے تو بیع کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی ملکیت کو بائع سے مشتری کی طرف منتقل کر دے اور یہ حرام ہے' ناجائز ہے کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی مکمل قیمت اپنے قبضہ میں لے اور پھر اس کے بعد مشتری چاہے تو اسی کے پاس رہنے دے اور اگر چاہے تو لے جائے ہاں البتہ اگر وہ بائع سے اس کا بھاؤ معلوم کر لے اور بیع نہ کرے بلکہ جا کر باقی قیمت بھی لے آئے اور پھر عقد بیع مکمل کر کے اسے اپنے قبضہ میں لے لے تو یہ جائز ہے

---

[1] صحیح مسلم' المساقاة' باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقدا' حدیث: 1584 ـ 1587

کیونکہ عقد بیع قیمت حاضر کرنے کے بعد ہوا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سونے کی ادھار بیع

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو سونا خرید تا ہے اور اس کے ذمہ کچھ قیمت باقی رہ جاتی ہے' تو وہ کہتا ہے کہ جب آسانی سے ممکن ہوا میں یہ قیمت ادا کر دوں گا؟

جواب یہ عمل جائز نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو جس سونے کی قیمت اس نے لے لی ہے اس کے بارے میں عقد صحیح ہو گا اور جس کی قیمت اس نے قبضہ میں نہیں لی اس کے بارے میں عقد باطل ہو گا کیونکہ سونے اور چاندی کی بیع کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«بِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب ... الخ، ح:١٥٨٧)

"جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ سودا دست بدست ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

جاندار اشیاء کی تصویر والے سونے کی بیع

سوال کیا کسی جاندار کی تصویر میں ڈھلے سونے کی بیع جائز ہے' نیز اس سونے کی بیع جس میں انسان کی آدھی تصویر بنی ہوئی ہو؟

جواب جاندار اشیاء کی تصویروں کی بیع و شراء حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح:١٥٨١)

"بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔"

کیونکہ یہ تصویریں ان لوگوں کے بارے میں غلو کا سبب بنتی ہیں جن کی یہ ہوں جیسا کہ قوم نوح اس غلو میں مبتلا ہو گئی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَقَالُوا۟ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ ﴾ (نوح ٧١/ ٢٣)

"اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔"

کے بارے میں منقول ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں سو جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کے اس طرح بت بناؤ جس طرح گویا یہ اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوں اور پھر ان کو

ان کے اپنے ناموں سے بھی موسوم کر دو' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی پوجا اس وقت شروع ہوئی جب یہ لوگ بھی فوت ہو گئے اور علم ختم ہو گیا۔"

اس طرح دیگر ان بہت سی نصوص کی وجہ سے بھی یہ حرام ہیں جن میں جاندار چیزوں کی تصویروں کی حرمت کا ذکر ہے۔ ہر وہ تصویر حرام ہے جو کسی بھی جاندار چیز کی ہو خواہ یہ سونے پر بنی ہو یا چاندی پر' کاغذ پر یا کپڑے پر یا کسی آلہ پر۔ اور اگر انہیں دیواروں پر اس طرح لٹکایا جاتا ہو کہ ان کی بے حرمتی نہ ہو تو پھر بھی ان کا لین دین کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی جاندار چیزوں کی تصویروں کی حرمت کے دلائل کے عموم میں داخل ہے اور اگر تصویر کسی ایسی چیز پر بنی ہوئی ہو جس میں اس کی بے حرمتی ہو مثلاً کسی ایسے آلہ پر جس سے کاٹنے کا کام لیا جاتا ہو' یا کسی ایسے بچھونے پر جسے بچھایا جاتا ہو' یا تکیہ وغیرہ پر جس پر سویا جاتا ہو وغیرہ تو یہ جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک ایسا پردہ لٹکایا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اسے اتار دیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

«فَقَطَعْتُهُ وِسَادَتَيْنِ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَرْتَفِقُ عَلَيْهِمَا»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ح:٩٥/٢١٠٧)

"میں نے کاٹ کر اس کے دو تکیے بنا دیئے تو آپ ان پر ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔"

مسند احمد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«قَطَعْتُهُ مِرْفَقَتَيْنِ فَقَدْ رَأَيْتُهُ مُتَّكِئًا عَلٰى إِحْدَاهُمَا وَفِيهَا صُورَةٌ»(مسند أحمد:٦/ ٢٤٧)

"میں نے ان کے دو تکیے بنا دیئے اور میں نے دیکھا کہ آپ نے ان میں سے ایک پر ٹیک لگائی ہوئی تھی اور اس پر تصویر تھی۔"

یاد رہے کہ جاندار اشیاء کی تصویریں بنانا حرام ہے' کپڑوں پر بھی اور کسی دوسری چیز پر بھی بنانا حرام ہے' اجرت کے طور پر تصویروں کا کام بھی حرام ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

مردوں کے استعمال کے لیے سونے کی گھڑیاں' انگوٹھیاں اور قلم

سوال کیا مردوں کے لیے ایسی گھڑیاں بیچنا جائز ہے' جن میں سونا استعمال ہوا ہو' نیز سونے کی بنی ہوئی انگوٹھیاں اور قلم بیچنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بیچے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب سونے اور چاندی کی بنی ہوئی گھڑیاں اور انگوٹھیاں مردوں اور عورتوں کو بیچنا تو جائز ہے لیکن مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سونے کی گھڑی یا انگوٹھی پہنے یا ایسی گھڑی اور انگوٹھی پہنے جس پر سونے کی پالش کی گئی ہو۔

اسی طرح چاندی کی گھڑی بھی صرف عورتوں کے لیے استعمال کرنا جائز ہے البتہ چاندی کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ سونے اور چاندی کے پین مردوں اور عورتوں سب کے لیے ناجائز ہیں کیونکہ یہ زیورات میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ تو سونے اور چاندی کے برتنوں کے مشابہ ہیں اور سونے اور چاندی کے برتن سب کے لیے استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلاَ تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الآخِرَةِ»(صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مفضض، ح:٥٤٢٦ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب ... الخ، ح:٢٠٦٧)

”سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ان کے پیالوں میں کھاؤ کیونکہ یہ ان (کافروں) کے لیے دنیا میں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔“

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ (وَالذَّهَبِ) إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ» (صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، ح:٥٦٣٤ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال أواني الذهب ... الخ، ح:٢٠٦٥)

”جو شخص سونے اور چاندی کے برتن میں پیتا ہے تو یقیناً وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔“

یاد رہے کہ چمچ اور چائے اور قہوہ کے لیے استعمال ہونے والی پیالیاں بھی برتنوں میں شامل ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے غضب اور ناراضی کے کاموں سے محفوظ رکھے! واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

حصص کی خرید و فروخت کے احکام

بینکوں کے حصص کی خرید و فروخت حرام اور سود ہے

سوال بینکوں کے حصص خریدنے اور پھر ایک مدت کے بعد فروخت کر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ اس طرح ایک ہزار کے تین ہزار بھی ہو جاتے ہیں، کیا یہ خرید و فروخت سود ہے؟

جواب بینکوں کے حصص کی خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ یہ تساوی اور تقابض کی شرط کے بغیر نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع ہے اور پھر سودی اداروں کے ساتھ خرید و فروخت کی صورت میں تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة: ٥/ ٢)

”اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔“

اور حدیث سے ثابت ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَمُوكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح

مسلم، المساقاۃ، باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، ح:۱۵۹۸)

"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

آپ کے لیے صرف راس المال ہی جائز ہے۔ آپ کے لیے اور دیگر تمام مسلمانوں کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ تمام سودی معاملات سے مکمل طور پر اجتناب کریں اور جو کچھ پہلے ہو چکا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں کیونکہ سودی معاملات تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے جنگ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا سبب ہیں جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰا۟ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵۔۲۷۶)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا، اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا (بے برکت کرتا) اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾

(البقرۃ۲/ ۲۷۸۔۲۷۹)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو، اور اگر ایمان رکھتے ہو تو (تمہارا) جتنا سود (لوگوں پر) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر ایسا تم نے نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اور اگر تم (اب بھی) توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو تو تمہیں اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے نہ تم ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔" اور جیساکہ سابقہ حدیث شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔

———— شیخ ابن باز ————

کمپنیوں کے حصص کا کاروبار

سوال بازار میں کام کرنے والی کمپنیوں کے حصص کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟ کیا ان کا کاروبار جائز ہے؟

جواب میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ بازاروں میں کام کرنے والی کمپنیاں سودی معاملات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کسی کمپنی کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو کہ یہ سودی کاروبار کرتی اور حصص خریدنے والوں میں سودی نفع تقسیم کرتی ہے تو پھر اس کے حصص خریدنا جائز نہیں ہے۔ اگر آپ نے حصص خرید لیے ہوں اور یہ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا کاروبار سودی ہے تو اس کمپنی کے پاس جاکر اپنا اشتراک ختم کر دو۔ اور اگر یہ ناممکن ہو اور آپکا کمپنی میں حصہ باقی رہے تو پھر اس طرح کرو کہ جب کمپنی سے نفع آئے تو اس میں سے اپنے حلال نفع کو لے لو اور حرام نفع سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے صدقہ کر دو۔ اور اگر نفع میں حلال و حرام کی شرح معلوم کرنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر احتیاط کے طور پر نصف نفع صدقہ کر دو اور نصف اپنے پاس رکھ لو کیونکہ آپ کے بس میں یہی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

کرنسی کا کاروبار

کرنسی کے کاروبار کے بارے میں حکم

سوال کیا مسلمان کیلئے کرنسی کا کاروبار کرنا صحیح ہے؟ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟ اس کاروبار کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب کرنسی کے کاروبار میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ نقدی کے ساتھ بیع ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ الگ ہونے سے پہلے بائع اور مشتری اپنی اپنی نقدی کو قبضہ میں لے لیں' خواہ وہ نقدی دے کر بینک کی طرف سے تصدیق شدہ چیک وصول کریں کیونکہ چیک بھی نقدی ہی کے قائم مقام ہیں اور خواہ یہ دونوں باہمی سودا کرنے والے مالک ہوں یا وکیل۔ اور اگر عرف اس طرح نہ ہو تو پھر یہ کاروبار جائز نہ ہو گا اور ایسا کام کرنے والا گناہ گار اور ناقص الایمان تو ضرور ہو گا لیکن وہ اس سے کافر نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کرنسی کی خرید و فروخت

سوال کیا ایک مسلمان کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ ڈالر یا کوئی اور کرنسی سستے بھاؤ خریدے اور جب وہ مہنگی ہو جائے تو اسے بیچ دے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں جب وہ ڈالر یا کوئی بھی اور کرنسی خریدے اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھے اور پھر اس کے بعد جب وہ مہنگی ہو تو اسے بیچ دے لیکن اسے ادھار نہیں بلکہ دست بدست خریدے مثلاً ڈالروں کو سعودی ریالوں یا عراقی دیناروں کے ساتھ دست بدست خریدے کیونکہ سونے اور چاندی کی طرح کرنسی کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا سودا دست بدست ہو۔ واللہ المستعان۔

—— شیخ ابن باز ——

امریکی ڈالروں کی ادھار بیع

سوال امریکی ڈالروں کی کمائی کے لیے ادھار بیع کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر یہ بیع جائز نہیں تو مقررہ مدت آنے پر بائع کو کس حساب سے رقم ادا کی جائے اور اس طرح کا معاملہ کرنے والے فریقوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب امریکی ڈالر بھی کرنسی ہے اور اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے بارے میں بھی وہی حکم ہے جو دیگر کرنسیوں کا ہے یعنی ڈالر کی ڈالر ہی کے ساتھ کمائی کیلیئے ادھار بیع جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ربا الفضل بھی ہے اور ربا النسیۂ بھی اور نہ ہی اس کی کسی دوسری کرنسی کے ساتھ ادھار بیع جائز ہے کیونکہ اس میں ربا النسیۂ ہے' لہٰذا ان دونوں حالتوں میں عقد بیع فاسد ہو گا۔
بائع کو نفع کے بغیر اصل رقم ہی واپس کرنی چاہیئے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۹)

"اور اگر تم (اب بھی) توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے نہ تم ظلم کرو' اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

اور وہ عقد فاسد ہونے کی وجہ سے فوراً اس کا مستحق ہو گا۔ اس طرح کا کاروبار کرنے والوں میں سے جس شخص کو اس برائی سے روکا جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ رک جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور اس حرام کاروبار کو جاری رکھے تو حکمران اسے کوئی مناسب تعزیری سزا بھی دے سکتے ہیں۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

حرام بیوع کا بیان

تجارتی اداروں کی طرف سے انعامات کی پیشکش

یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض ادارے اور تجارتی مراکز اخبارات وغیرہ میں یہ اعلانات کرتے ہیں کہ جو لوگ ان سے سامان خریدیں گے یہ ان کی خدمت میں انعامات بھی پیش کریں گے' اس سے برانگیختہ ہو کر لوگ اسی دکان یا ادارے سے سامان خریدتے ہیں اور دوسرے سے نہیں خریدتے یا ان انعامات میں سے کسی ایک انعام کے حصول کے لالچ میں ایسا سامان بھی خرید لیتے ہیں جن کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی' یہ چونکہ جوئے کی ایک قسم ہے جو شرعاً حرام ہے اور باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کا ایک طریقہ ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کو اپنے سامان خریدنے پر برانگیختہ کیا جاتا ہے اور یہ طریقہ دوسرے اداروں کی کساد بازاری کا سبب بنتا ہے جو اس طرح جوئے کا کاروبار نہیں کرتے' لہٰذا میں نے چاہا کہ مسلمانوں کو تنبیہ کروں کہ یہ عمل حرام ہے اور اس طریقہ سے حاصل کیا جانے والا انعام بھی حرام ہے کیونکہ یہ جوا ہے جو شرعاً حرام

ہے لہٰذا تجارت پیشہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس جوا سے اجتناب کریں اور دوسرے لوگوں کی طرح معمول کی تجارت پر اکتفاء کریں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَـٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (النساء٤/ ٢٩-٣٠)

"مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ' ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔"

اور یہ جوا تجارت نہیں ہے جو باہمی رضامندی کا لین دین ہونے کی وجہ سے جائز ہو بلکہ یہ تو وہ جوا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ تو باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانا اور لوگوں میں عداوت اور دشمنی پیدا کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَـٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیئے۔"

اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے' جس میں اس کی رضا اور اس کے بندوں کی بہتری ہو اور ہم سب کو ان تمام کاموں سے بچائے جو اس کی شریعت کے خلاف ہوں۔ انه جواد کریم' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آله وصحبه۔

—— عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ——

چیئرمین

ادارات بحوث علمیہ وافتاء و دعوت وارشاد

گاہکوں کی تعداد بڑھانے کے لیے خریداری پر انعامات کی تقسیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ أَمَّا بَعْدُ

بحوث علمیہ وافتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال پر غور کیا جو ادارہ بحوث علمیہ وافتاء و دعوت وارشاد کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

"میری بازار میں عطریات' سامان آرائش و زیبائش اور تھیلوں وغیرہ کی دکان ہے اور میں نے خریداروں کے

لیے انعامی سکیم کے ذریعہ مقامی اشیاء کی سیل بڑھانے کا ارادہ کیا ہے جس کی صورت یہ ہو گی کہ جب کوئی گاہک دو سو ریال کا سامان خریدے گا تو وہ لاٹری کا کارڈ نکالے گا اور وہ انعام حاصل کرے گا جو اس کارڈ پر لکھا ہو گا اور جب وہ چار سو ریال کا سامان خریدے گا تو وہ لاٹری کے دو کارڈ نکال کر دو انعام حاصل کر سکے گا۔ اس انعامی سکیم میں رکھے جانے والے انعامات بھی مختلف ہوں گے' ان میں سے کچھ تو قیمتی ہوں گے مگر ان کی تعداد کم ہو گی' کچھ درمیانی قیمت کے ہوں گے اور ان کی تعداد بھی درمیانی ہو گی اور ایسے انعام کی تعداد بہت زیادہ ہو گی جن کی قیمت خریدار کی قیمت خرید کے دس فیصد کے بقدر ہو گی یعنی ایک انعام کی قیمت بیس ریال یا اس سے زیادہ ہو گی یعنی ہر گاہک کوئی انعام تو ضرور حاصل کرے گا لیکن انعام وہ ہو گا جو لاٹری کے کارڈ پر لکھا ہو گا البتہ اس کی قیمت مختلف ہو گی یعنی وہ ٹیپ ریکارڈر یا ائرکنڈیشنر یا ٹیلی وژن یا لائٹر یا عطر کی شیشی وغیرہ حاصل کر سکے گا اور یاد رہے اس انعامی سکیم کے دنوں میں بھی سامان فروخت کی قیمت وہی ہو گی جو عام دنوں میں ہوتی ہے یعنی قیمتوں میں کوئی کمی بیشی نہ ہو گی۔ یہ انعامی سکیم صرف پرچون نرخ پر ہو گی یعنی تھوک نرخ پر نہیں ہو گی' اسی طرح دکان کے ملازمین بھی لاٹری کارڈ نکالنے کے مستحق نہ ہوں گے نیز انتظامیہ کے افراد بھی اس سکیم میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔ اب سوال یہ ہے کیا یہ سکیم جائز ہے کہ ہم اخبارات میں اس کا اعلان کر دیں اور نمائش کے دروازہ پر انعامی سکیم کا بورڈ لگا دیں یا یہ جائز نہیں ہے؟ امید ہے آپ اس امر کی طرف میری رہنمائی فرمائیں گے جس میں دین و دنیا کی مصلحت ہو؟ واللہ یحفظکم۔

افتاء کمیٹی نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

''اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو اس طرح انعامات کے نام سے خریداروں کو جو دیا جاتا ہے یہ حرام ہے کیونکہ اپنے سامان کو ترویج دینے اور گاہکوں کی تعداد بڑھا کر اپنے رأس المال میں اضافہ کرنے کے لیے یہ سکیم ہے خواہ اس انعامی سکیم میں بھی مال عام قیمت ہی پر فروخت کیا جائے اور پھر اگر دوسرے تاجر یہ طریقہ اختیار نہ کریں تو اس میں ان کا نقصان بھی ہے یعنی یہ اپنی تجارت کو فروغ دینے اور زیادہ کمائی کرنے کے لیے جوا کی ایک سکیم ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں عداوت اور بغض کی آگ بھی بھڑکتی ہے اور یہ لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھانے کا بھی ایک طریقہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص کو تو دو سو ریال کا مال خریدنے پر ٹیپ ریکارڈر یا ائرکنڈیشنر مل جائے اور دوسرے...... کو اسی قیمت کے سامان خریدنے کے نتیجہ میں صرف لائٹر یا عطر کی شیشی ہی ملے جس کی قیمت صرف دس یا بیس ریال ہو' لہذا یہ ایک حرام طریقہ ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ کاروبار جوا ہے

سوال ہمارے شہر میں ایک ویلفیئر سوسائٹی ہے جس نے اپنے دفتر کے دروازے کے سامنے ایک گاڑی کھڑی کر رکھی ہے جو شخص عام ریٹ پر ایک سو یا اس سے زیادہ درہم کا سامان خریدے گا تو اسے مفت ایک ٹکٹ دی جائے گی جس پر نمبر لگے

ہوئے ہیں اور جس پر لکھا ہوا ہے کہ اس کی قیمت دس درہم ہے اور پھر بعد میں ٹکٹ کے نمبروں کے حساب سے لاٹری نکالی جائے گی اور جس سعادت مند (ان کے بقول) کی لاٹری نکل آئی اسے گاڑی دے دی جائے گی۔ اس تفصیل کے عرض کرنے سے میرا مقصد یہ پوچھنا ہے کہ:

۱۔ مفت حاصل ہونے والے اس ٹکٹ کے ذریعہ اس لاٹری سکیم میں شرکت کے بارے میں کیا حکم ہے۔ یاد رہے کہ اس سکیم میں شرکت کرنے والے کو اگر کامیابی نہ ہو تو اسے کوئی نقصان بھی نہیں ہے؟

۲۔ اس مذکورہ ٹکٹ کے حاصل کرنے کی غرض سے اس سوسائٹی سے سامان خریدنے اور قرعہ اندازی میں شریک ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں یہاں لوگوں کو' جن میں پڑھے لکھے لوگ بھی شامل ہیں تردد ہے' لہٰذا امید ہے کہ آپ دلائل کے ساتھ مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے جواب عطا فرمائیں گے تاکہ لوگوں کو اس مسئلہ میں دینی رہنمائی میسر آ سکے۔ جزاکم اللہ خیراً!

جواب یہ معاملہ جوا ہے اور جوا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حرام ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰۔۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں دشمنی ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔

تمہارے شہر اور دیگر تمام شہروں کے حکمرانوں اور اہل علم پر یہ واجب ہے کہ وہ اس معاملہ سے روکیں اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کریں کیونکہ اس میں کتاب اللہ کی مخالفت بھی ہے اور یہ لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے کھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت اور حق پر استقامت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

سگریٹ (تمباکو) کی بیع

سوال تمباکو پینے اور بیچنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب تمباکو پینا بھی حرام اور اس کی خرید و فروخت کرنا اور تمباکو و سگریٹ بیچنے والوں کو اپنی دکانیں کرایہ پر دینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون ہے اور اس کی حرمت کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُواْ ٱلسُّفَهَآءَ أَمْوَٰلَكُمُ ٱلَّتِى جَعَلَ ٱللَّهُ لَكُمْ قِيَٰمًا ﴾ (النساء۴/ ۵)

"اور بے عقلوں کو ان کا مال' جسے اللہ نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دو۔"

اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم بے عقلوں کو مال دیں کیونکہ

بے عقل اس میں ایسا تصرف کرے گا جس میں فائدہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ مال دینی و دنیوی مصلحتوں کے حصول کا ذریعہ اور لوگوں کے لیے سبب معیشت ہے اور اس مال کو تمباکو اور سگریٹ میں خرچ کر دینے میں نہ دین کا فائدہ ہے اور نہ دنیا کا' لہٰذا اس میں خرچ کرنا اس مقصد کے منافی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے' اس کی حرمت کی ایک دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔"

اس آیت کریمہ سے استدلال یہ ہے کہ طب اور میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تمباکو اور سگریٹ نوشی ایسی مہلک بیماریوں کا سبب بنتا ہے جو انسان کو موت کے منہ میں گرا دیتی ہیں مثلاً کینسر کا ایک بڑا سبب بھی حقہ اور سگریٹ نوشی ہے تو تمباکو نوشی کرنے والا ایک ایسی چیز کو استعمال کرتا ہے جو ہلاکت کا سبب ہے اس کے حرام ہونے کی ایک اور دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ وَلَا تُسْرِفُوٓا۟ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٣١)

"اور کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اڑاؤ کیونکہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

اس آیت کریمہ سے استدلال اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مباح چیزوں میں بھی اسراف یعنی حد سے بڑھ کر خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے' تو ایک ایسے کام میں مال خرچ کرنا تو بالاولیٰ منع ہو گا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

اس کی حرمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے [1] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمباکو اور سگریٹ خریدنے میں مال صرف کرنا مال کو ضائع کرنا ہے' کیونکہ کسی بے فائدہ کام میں مال صرف کرنا بلاشبہ اسے ضائع کرنا ہی ہے۔ اس کی حرمت کے اگرچہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں لیکن عقل مند کے لیے تو کتاب و سنت کی صرف ایک دلیل ہی کافی ہوتی ہے۔

اس کی حرمت کی عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ کسی بھی عقل مند کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی ایسی چیز کو اختیار کرے جو اس کے لیے نقصان اور بیماری کا سبب بنے اور پھر اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہو کیونکہ عقلمند تو اپنے جسم اور مال کی حفاظت کرتا ہے اور اس میں کوتاہی صرف وہی کرتا ہے جس کی عقل اور سمجھ بوجھ میں نقص ہو۔ اس کی حرمت کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ جب اسے سگریٹ نہیں ملتی تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے' افکار پریشان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور سگریٹ نوش کو عبادت خصوصاً روزہ رکھنا بہت مشکل محسوس ہوتا ہے کیونکہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک سگریٹ چھوڑنا اسے بہت گراں معلوم ہوتا ہے اور اگر روزہ موسم گرما کے طویل دنوں کا ہو تو پھر سگریٹ نوش روزے کو انتہائی ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے' لہٰذا میں اپنے مسلمان بھائیوں کو عموماً اور سگریٹ نوشی میں مبتلا لوگوں کو خصوصاً یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سگریٹ اور تمباکو نوشی سے مکمل اجتناب کریں' اس کی خرید و فروخت بھی نہ کریں اور اس کا کاروبار کرنے والوں سے بھی کرایہ پر دکان دینے یا کسی بھی اور صورت میں ہرگز ہرگز تعاون نہ کریں۔

---

[1] صحیح بخاری' الادب' باب عقوق الوالدین من الکبائر' حدیث: 5975 و صحیح مسلم' الاقضیۃ' باب النهی عن کثرۃ المسائل --- الخ' حدیث: 12' 593

——— شیخ ابن عثیمین ———

تمباکو اور سگریٹ کی تجارت اور اس سے صدقہ

سوال تمباکو اور سگریٹ وغیرہ کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ان کی قیمت اور ان کی تجارت سے حاصل ہونے والے نفع کو صدقہ' حج اور نیکی کے دیگر کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے؟

جواب تمباکو' سگریٹ اور دیگر تمام حرام اشیاء کی تجارت ناجائز ہے کیونکہ یہ خبیث اشیاء ہیں۔ ان کے استعمال میں جسمانی' روحانی اور مالی نقصان ہے۔ اگر کوئی شخص صدقہ یا حج یا نیکی کے دیگر کاموں میں خرچ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے پاک مال خرچ کرنا چاہیئے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا۟ ٱلْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُوا۟ فِيهِ﴾ (البقرة٢/ ٢٦٧)

"اے مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ (اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو) بجزاس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کرو اور ان کو کبھی نہ لو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا» (صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب ... الخ، ح: ١٠١٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی قبول فرماتا ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

تصویروں اور مجسموں کی تجارت

سوال کیا ایک مسلمان کے لیے یہ صحیح ہے کہ وہ تصویروں اور مجسموں کی تجارت کرے اور اس سامان کے ذریعہ وہ گزر بسر کا اہتمام کرے؟

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے تصویروں اور مجسموں کی بیع اور تجارت جائز نہیں ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہے ہے کہ جاندار اشیاء کی تصویریں اور مجسمے بنانا اور انہیں باقی رکھنا حرام ہے۔ اور ان کی تجارت کے معنی انہیں رواج دینا اور تصویروں کے بنانے اور انہیں گھروں اور محفلوں میں لٹکانے میں مدد دینا ہے اور جب یہ حرام ہے تو پھر تصویروں کو بنانا اور انہیں بیچنا بھی حرام ہے' مسلمان کے لیے ان کی کمائی سے کھانا اور لباس پہننا وغیرہ جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس قسم کا کاروبار شروع کر رکھا ہو تو اسے چاہیئے کہ اسے فوراً ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے' امید ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾﴾ (طٰہٰ٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے' پھر سیدھے راستے پر بھی چلے تو یقیناً میں اس کو بخش دینے والا ہوں۔"

ہماری طرف سے پہلے بھی ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام جاندار اشیاء کی تصویریں حرام ہیں خواہ وہ مجسم ہوں یا غیر مجسم اور خواہ انہیں تراش کر بنایا گیا ہو یا ہاتھ سے بنایا گیا ہو یا رنگوں کی آمیزش سے بنایا گیا ہو یا کیمرہ وغیرہ سے بنایا گیا ہو۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ویڈیو کیسٹوں کی تجارت

سوال ویڈیو کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے جس میں کم سے کم جو برائی ہے وہ یہ کہ عورتیں بے پردہ دکھائی جاتی ہیں اور عشق و محبت کے قصوں کو فلمایا جاتا ہے۔ کیا ان کا کاروبار کرنے والے تاجر کا مال حرام ہے؟ ایسے تاجر کے لیے کیا واجب ہے؟ وہ ان کیسٹوں اور دیگر سامان سے کس طرح نجات حاصل کرے؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب ان کیسٹوں کی خرید و فروخت اور ان کو دیکھنا اور سننا حرام ہے کیونکہ یہ فتنہ و فساد کی دعوت دیتی ہیں' لہٰذا واجب ہے کہ انہیں ضائع کر دیا جائے اور ان کا کاروبار کرنے والوں کو روک دیا جائے تاکہ فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو اور مسلمانوں کو اسباب فتنہ سے محفوظ رکھا جا سکے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

وی سی آر کی فروخت

سوال میں نے تقریباً اڑھائی سال پہلے فلمیں دیکھنے کے لیے وی سی آر خریدا تھا اور اب تقریباً ایک سال سے میں نے اسے استعمال نہیں کیا۔ میں اس کے خریدنے پر نادم ہوں اور میں اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ میں اس کا کیا کروں کیونکہ میں کسی اور کو اس برائی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا جس میں میں خود مبتلا ہوا ہوں اور کیا اس کے بیچنے میں بھی گناہ ہو گا کیونکہ یہ حرام امور کے لیے استعمال ہوتا ہے؟

جواب زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اسے فروخت نہ کریں کیونکہ اس کا اکثر و بیشتر استعمال برائی ہی کے کاموں کے لیے ہے' امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی قیمت کے بجائے خیر و برکت سے نوازے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔" [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

حرام گانوں کی کیسٹوں کی تجارت اور اس کے لیے دکانیں کرایہ پر دینا

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین!

---

[1] کشف الخفاء للعجلونی: 238/2

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے' جیسا کہ آپ جانتے ہیں' یہ بلا اور مصیبت آج کل بہت عام ہو گئی ہے کہ جگہ جگہ مختلف انواع و اقسام کے گانوں کی کیسٹوں کی دکانیں کھل گئی ہیں۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ گانوں کی ان کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ یہ کیسٹیں مشتمل ہوتی ہیں:

۱۔ تمام اقسام کے آلات موسیقی پر

۲۔ عشق' فساد اور مرد و عورت کے مابین بے حیائی پھیلانے کی دعوت پر

۳۔ گھٹیا گفتگو اور فحش عشقیہ اشعار پر

لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان کیسٹوں کو خریدنے اور ان کے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کیسٹوں کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کیسٹوں کے کاروبار کرنے والوں کو کرایہ پر دکانیں دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ان کے لیے کرایہ پر دکانیں دینے والے اور ان کے کاروبار کرنے والوں کو کیسٹیں خریدنے والوں کے گناہ کا بار بھی اٹھانا پڑے گا؟ فتویٰ عنایت فرما کر ثواب حاصل کریں!

جواب جب یہ کیسٹیں ان امور پر مشتمل ہیں' جن کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ ان میں مختلف اقسام کی موسیقی بھی ہے اور مردوں اور عورتوں میں عشق' فساد اخلاق' فسق و فجور' گھٹیا گفتگو اور فحش گانے پھیلا دینے کی دعوت بھی' تو پھر مومن تو کیا' جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا' اس کے عذاب سے ڈرتا اور اس سے ثواب کی امید رکھتا ہو' کسی بھی عقلمند کو یہ شک نہیں ہو سکتا کہ ان کی خرید و فروخت اور ان کو دیکھنا اور سننا حرام ہے کیونکہ یہ اخلاق کو خراب اور معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے والی ہیں اور امت کو اس مقام پر لے جانے والی ہیں جہاں عام خاص سبھی عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ ہر اس شخص پر یہ واجب ہے جس کے پاس یہ کیسٹیں ہوں کہ وہ ان کو صاف کر کے ان پر کوئی مفید چیز ریکارڈ کرے۔

ان کیسٹوں کی تجارت سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے اور وہ اس کے مالک کے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ»(مسند أحمد: ۱/ ۲۴۷ وسنن الدارقطني: ۳/ ۷، ح: ۲۷۹۱ واللفظ له)

''اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔''

ان کیسٹوں کے کاروبار کرنے والوں کو دکانیں کرایہ پر دینا بھی حرام ہے اور ان کا کرایہ لینا بھی حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ اور سرکشی پر تعاون کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة۵/ ۲)

''اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔''

خریداروں کا گناہ انہی پر ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ان کے گناہ میں کمی کیے بغیر اس کا کچھ گناہ کیسٹیں بیچنے والوں اور انہیں کرایہ پر دکانیں دینے والوں کو بھی ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

فحش اخبارات و مجلّات کی فروخت

سوال ہماری کتابوں اور سٹیشنری کے سامان کی ایک دوکان ہے' علاوہ ازیں بعض اخبارات و جرائد بھی ہوتے ہیں' جن میں سے کچھ کے ٹائٹل پر یا اندرونی صفحات میں لڑکیوں کی رنگین تصویریں بھی شائع ہوتی ہیں جو خریداروں کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے شائع کی جاتی ہیں' تو ایسے جرائد و مجلّات کی وجہ سے بعض لوگوں نے ہم پر تنقید بھی کی ہے اور کہا ہے کہ ان کا بیچنا حرام ہے تو ہم اپنے عظیم المرتبت شیخ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ میں فتویٰ سے نوازیں گے' جزاکم اللہ خیراً

جواب آپ کے لیے یا کسی اور کے لیے بھی ایسے جرائد و مجلّات کا بیچنا جائز نہیں ہے جو عورتوں کی تصویروں یا خلاف شریعت مقالات پر مشتمل ہوں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٢ ﴾

(المائدۃ ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

تصویروں والے اخبارات و رسائل کی فروخت

سوال میں اکیس برس کا ایک نوجوان ہوں' میرے والد صاحب فوت ہو گئے ہیں' ہم پانچ بھائی ہیں' والدہ بھی حیات ہیں' والد صاحب کے ترکہ میں کئی دکانیں ہیں' جن میں سے ایک مکتبہ بھی ہے جس پر اخبارات و رسائل' دینی کتب اور قرآن مجید فروخت ہوتے ہیں۔ مکتبہ میں ایک غیر مسلم ملازم بھی کام کرتا ہے۔ میں نے اپنے بڑے بھائی سے کہا کہ اس ملازم کے لیے قرآن مجید اور دینی کتابوں کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے نیز تصویروں والے اخبارات و رسائل کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں' لیکن انہوں نے میری اس بات کو رد کر دیا ہے تو اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا میرے لیے اپنے بھائیوں کے ساتھ بیٹھنا اور کھانا جائز ہے' رہنمائی فرمائیں؟

جواب ہم آپ کے تقویٰ اور حرام یا مشتبہ سے بچنے کے لیے احتیاط کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں اور یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اس کافر کو الگ کر دو' اس کے بجائے کسی امین مسلمان کو ملازم رکھ لو اسے اس سے ان شاء اللہ بہت بہتر پاؤ گے۔ اخبارات و رسائل اگر فحش اور فسق و فجور کی دعوت دینے والے ہوں تو ان کو بیچنا اور ان سے نفع حاصل کرنا حرام اور اگر تصویریں معمولی اور عام نوعیت کی ہوں اور فحاشی و بے حیائی سے خالی ہوں تو پھر ان مجلّات و جرائد کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں ان کی بیع علوم' فوائد اور ان چیزوں میں ہے جو مباح کلام ہے اس کی وجہ سے ہو گی' ان تصویروں کی وجہ سے نہیں۔ ہم آپ کو یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مل جل کر رہیں کھائیں پیئیں' آپ کو ان شاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سٹوڈیو کھولنے کے بارے میں حکم

سوال میں ایک ہندوستانی شہری لیکن الحمدللہ مسلمان ہوں اور یہاں سعودی عرب میں کام کرتا ہوں۔ میں اپنے وطن واپس جا کر سٹوڈیو اور فوٹو سٹیٹ کا کاروبار کرنا چاہتا ہوں تاکہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے روزی کما سکوں۔ کیا یہ کام حلال ہے یا حرام؟

جواب جاندار چیزوں کی تصویر بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٩، واللفظ له)

”قیامت کے دن سب سے سخت عذاب مصوروں کو ہو گا۔“

نیز آپ نے سود کھانے' کھلانے اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[1] ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ سٹوڈیو نہ کھولیں اور اس کے بجائے کمائی کا کوئی حلال ذریعہ اختیار کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و غم سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔“

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

”اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔“

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر اچھے کام کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

چوری کے مال کی خرید و فروخت

سوال جب کوئی انسان ایک چیز چوری کر کے بیچ دے اور خریدار کو معلوم ہو کہ یہ مسروقہ مال ہے تو کیا اسے گناہ ہو گا؟

جواب جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ فروخت کیا جانے والا مال مسروقہ (چرایا ہوا) ہے تو اس کے لیے اسے خریدنا حرام ہے اور واجب یہ ہے کہ چوری کا مال بیچنے والے کو منع کرے اور اسے نصیحت کرے کہ یہ مال اس کے اصل مالک کو لوٹا دو اور اگر محض نصیحت سے کام نہ بنے تو حکمرانوں سے اس کے لیے مدد لی جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب موکل الربا --- الخ' حدیث: 2086

مردہ جانور کی بیع

سوال کیا کسی انسان کے لیے مردہ جانور کو بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا جائز ہے؟

جواب مردہ جانور حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ ٱلۡمَيۡتَةُ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مرا ہوا (مردار) جانور حرام کر دیا گیا ہے۔"

اور جب یہ حرام ہے تو اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے اس کا کھانا حرام ہے سوائے اس کے کہ حالت اضطرار ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں حرام اشیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿فَمَنِ ٱضۡطُرَّ فِي مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٖ لِّإِثۡمٖ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ۝٣﴾ (المائدة٥/ ٣)

"ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

لیکن اس سے ٹڈی اور مچھلی مستثنیٰ ہیں کہ ان کی بیع میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی اور ٹڈی کو حلال قرار دیا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّ لَكُمۡ صَيۡدُ ٱلۡبَحۡرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَٰعٗا لَّكُمۡ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا (کی چیزوں) کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے سمندر کے بارے میں فرمایا ہے:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، ح:٦٩ وسنن النسائي، ح:٥٩ وسنن ابن ماجه، ح:٣٨٦)

"اس کا پانی پاک اور اس کا مردہ جانور حلال ہے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ، فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ»(سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، ح:٣٣١٤ ومسند أحمد:٢/ ٩٧)

"ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کر دیے گئے ہیں' مُردوں سے مراد مچھلی اور ٹڈی اور خونوں سے مراد جگر اور تلی ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

خون کی تجارت

سوال خون کی بیع کے بارے میں کیا حکم ہے نیز کیا خون کی قیمت وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب خون ناپاک ہے۔ اس کا استعمال علاج یا کسی اور مقصد کے لیے جائز نہیں ہے خواہ اسے منہ کے ذریعہ استعمال کیا جائے یا شریانوں کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے کیونکہ ان احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے جن میں حرام اور ناپاک اشیاء کو

بطور دوا استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلاً ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ، وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً، فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٧٤)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دواء نازل فرمائی ہے اور ہر بیماری کی دواء بھی بنائی ہے تو تم دواء استعمال کرو لیکن حرام اشیاء کو بطور دواء استعمال نہ کرو۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور چیز کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»(صحيح البخاري، الاشربة، باب شراب الحلواء والعسل تعليقًا)

"اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی جس کو تمہارے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔"

اس قول کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ لیکن مرض کے باعث جب انسان حالت اضطرار کو پہنچ جائے اور خون استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر "الضرورات تبيح المحظورات" کے اصول پر عمل کیا جائے گا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

کہ اگر مرض کے باعث نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ خون استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر خون دینا نہ صرف جائز بلکہ انسانی جان بچانے کے لیے خون استعمال کرنا واجب ہے لیکن خون کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے جیسا کہ ابوداود اور ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ (فَجَمَلُوهَا) فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٦٠ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح:١٥٨٢ ومصنف ابن أبي شيبة:٦/ ٤٤٤ واللفظ لأبي داود، ح:٣٤٨٨ إلا "فجملوها")

"اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربیوں کو حرام قرار دیا تو انہوں نے انہیں پگھلا کر بیچ دیا اور ان کی قیمت کھانا شروع کر دی۔"

اگر معاوضہ کے بغیر خون کا حصول مشکل ہو تو پھر معاوضہ دے کر حاصل کرنا بھی جائز ہے اور اس صورت میں خون دینے والے کو معاوضہ لینے کا گناہ ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایسے سامان کی فروخت جس کے مالک کا علم نہ ہو اور ....

سوال کچھ سامان دفتر اعلانات میں اس لیے جمع کرا دیئے جاتے ہیں کہ ان کے مالکان کا علم نہیں ہوتا کہ وہ سامان یا تو کسی غلط بندرگاہ پر اتر جاتے ہیں یا ان پر ایڈریس وغیرہ مکمل نہیں لکھے ہوتے یا بندرگاہ پر اترنے کے بعد وہ کسی ایسے سٹور میں پہنچ جاتے ہیں جو ان کی سٹوریج کی جگہ نہیں ہوتی یا اس کے دیگر اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے اصل مالکان کو معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے تو کیا اس طرح کے سامان کو بیچنا حلال ہے یا حرام؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ کسی بھی سبب کی وجہ سے مالکان کا علم نہ ہو اور اسے دفتر اعلانات میں جمع کرا دیا گیا ہو تو اسے بیچنا جائز ہے اور اصل مالکان تک قیمت کے پہنچانے کا ذمہ دار وہ ہے جس نے اس سامان کو بیچا ہے یا جس نے اس کے بیچنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس طرح کے لاوارث سامان کے نہ بیچنے کی صورت میں ضائع ہونے اور اس کے مالکان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

سوال اگر اس طرح کے درآمد کیے گئے سامان میں تمیز کرنا مشکل ہو جسے درآمد کرنے والوں نے بندرگاہ سے وصول نہ کیا ہو اور ان کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اسے دفتر اعلانات میں داخل کرا دیا گیا ہو تو کیا اس طرح کے سامان کو گم شدہ سامان کے دفتر سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب جس کے لیے اس طرح کے سامان کا معاملہ خلط ملط ہو اور حلال و حرام میں تمیز نہ ہو تو حرام کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے اسے خریدنا جائز ہے۔ نبی اکرم ﷺ یہود اور کفار سے بھی عموماً سامان خرید لیا کرتے [1] اور ان کے تحائف کو بھی قبول فرما لیا کرتے تھے' حالانکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے مال میں حلال و حرام ملا ہوا ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عیب دار چیز کو بیچنا جائز نہیں

سوال میں سبزی کا تاجر ہوں' میرا ایک شراکت دار بھی ہے جس نے ایک ہزار کلو میٹر کی مسافت سے چالیس قطار زرد آلو خریدے اور جب یہ چھوٹے دکاندار کو بیچے جانے لگے تو معلوم ہوا کہ یہ خراب ہیں' ان کو کیڑا لگا ہوا ہے اور یہ کھانے کے قابل نہیں ہیں۔ چھوٹے دکانداروں کو یہ میں نے بیچے اور مجھے علم نہ تھا کہ ان کو کیڑا لگا ہوا ہے اور کھانے کے قابل نہیں ہیں۔ میرا ساتھی جو انہیں خرید کر لایا تھا اسے اس کا اسی وقت علم ہو گیا تھا جب اس نے انہیں اپنے سٹور میں رکھا تھا لیکن اس نے مجھے نہیں بتایا کہ یہ سارا مال خراب ہے' ہاں البتہ یہ کہا کہ چند دانوں میں کیڑے ہیں....... تو اس کے بیچنے کے بارے میں کیا حکم شریعت ہے؟ ان چھوٹے دکانداروں کے بارے میں کیا حکم ہے جن کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مال خراب ہے اور انہوں نے پھر بھی اسے بیچ دیا؟

جواب عیب دار چیز کو اس کے عیب کے بتائے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تو اس دھوکا کی ایک قسم ہے جس کے

---

[1] صحیح بخاری' الرهن' باب من رهن درعه' حدیث: 2509 و صحیح مسلم' المساقاة' حدیث: 1603

بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

''جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا» (صحيح البخاري، البيوع، باب إذا بين البيعان ... الخ، ح:٢٠٧٩ وصحيح مسلم، البيوع، باب الصدق في البيع والبيان، ح:١٥٣٢)

''بیع کرنے والے دونوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ الگ نہ ہوں۔ اگر وہ سچ بولیں اور ہر چیز واضح کر دیں تو ان کی بیع میں برکت ہو گی اور اگر وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کی بیع کی برکت ختم ہو جائے گی۔''

جو شخص دھوکا دے اور عیب والی چیز کو صحیح چیز کے بھاؤ بیچے اسے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنی چاہیئے' اپنے فعل پر نادم ہونا چاہیئے اور جس کو دھوکا دیا ہے اسے اس کا حق واپس کر کے صلح کر لینی چاہیئے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

جانتے بوجھتے کے باوجود خراب گاڑی فروخت کر دی

سوال میں نے ایک گاڑی خریدی تو اس میں معمولی سا نقص پایا جس کی وجہ سے میں نے اسے بیچ دیا لیکن خریدار کو اس کے بارے میں نہ بتایا تو کیا یہ بھی دھوکا ہے یا نہیں؟

جواب ہاں یہ بھی دھوکا ہے اور دھوکا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

''جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں اور جلدی سے مشتری کو بھی یہ بتا دیں کہ گاڑی میں یہ نقص ہے تاکہ آپ بری الذمہ ہو جائیں۔ اگر وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو الحمدللہ! ورنہ اس خرابی کے عوض اسے معاوضہ دینے پر اتفاق کر لیں یا اس کی رقم واپس کر کے اس سے گاڑی لے لیں۔ اگر صلح نہ ہو سکے تو یہ معاملہ اپنے علاقہ کے قاضی کی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرا لیں۔ اور اگر خریدار کے بارے میں علم نہ ہو تو خرابی کی قیمت کے بقدر اس کی طرف سے صدقہ کر دیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا یہ ربا ہے؟

سوال ایک آدمی نے دوسرے کے چاول کی بوریاں ایک مدت کے ادھار پر بیچیں تو مشتری نے انہیں بائع سے لے کر

اپنے قبضہ میں لے لیا اور دلال انہیں بازار میں لے گیا تو دلال سے ایک اور آدمی نے انہیں خرید لیا اور کہا کہ انہیں قبضہ میں لے لو لیکن گاہک نے انہیں موجود نہ پایا تو بائع اول نے کہا کہ میں وکیل ہوں' میں انہیں دلال سے لے کر اپنے قبضہ میں لے لوں گا' یہ بات سن کر حاضرین پکار اٹھے کہ یہ تو سود ہے سود! اس مسئلہ میں فتویٰ دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر وثواب سے نوازے!

جواب جس شخص نے دلال سے چاول خریدے ہیں اگر اس نے یہ اپنے لیے خریدے ہیں' اس کے اور بائع اول کے درمیان یہ منصوبہ بندی بھی نہیں ہے کہ وہ اس کے لیے خریدے اور وہ اس کے پاس کام بھی نہیں کرتا اور بائع اول کا چاول کی بوریوں کو اپنے قبضہ میں لینا دلال سے مشتری کے لیے بطریق وکالہ ہے تو بیع صحیح ہے اور اس میں ربا نہیں ہے اور اگر بائع اول اور دلال سے چاول کی بوریاں خریدنے والے کے درمیان پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی ہے کہ وہ اس سے خریدے تاکہ یہ بوریاں پھر سے بائع اول کے پاس آ جائیں تو یہ ربا ہے اور بیع صحیح نہیں ہے اور یہ دھوکا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اور نہ اس سے حرام حلال ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سامان خرید کر اسی جگہ فروخت کرنا

سوال بعض تاجر کچھ سامان خریدتے ہیں اور پھر وصول نہیں کرتے اور نہ اس کا معائنہ ہی کرتے ہیں بلکہ بیع اور قیمت کی رسید لے لیتے ہیں اور اس سامان کو اس تاجر اول کے سٹور ہی میں رہنے دیتے ہیں جس سے انہوں نے خریدا ہوتا ہے اور پھر تاجر ثانی پہلے تاجر کے سٹور ہی سے اسے کسی اور کو بیچ دیتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خریدار کے لیے یہ سامان اس وقت تک بیچنا جائز نہیں جب تک یہ بائع کی ملکیت میں رہے اور مشتری خریدنے کے بعد اسے اپنے گھر یا بازار میں منتقل نہ کر دے کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح:٣٥٠٤)

"ادھار اور بیع حلال نہیں اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس نہ ہو۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح:٣٥٠٣)

"جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو' اسے نہ بیچو"

اسے امام احمد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان کو وہاں بیچا جائے جہاں سے خریدا گیا تھا' حتیٰ کہ تاجر اسے اپنے مقامات پر منتقل کر لیں۔" [1]

ان مذکورہ اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص مشتری سے خریدے اس کے لیے بھی یہ جائز

[1] سنن ابی داود' البیوع' باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی' حدیث: 3499 و مسند احمد: 191/5

نہیں کہ اسے اپنے گھر یا بازار وغیرہ کسی دوسری جگہ منتقل کئے بغیر بیچے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

جو تمہاری ملکیت میں نہ ہو اسے نہ بیچو

سوال جب میرے پاس مال موجود ہو اور ایک شخص میرے پاس آکر مجھ سے ایک ہزار ریال ادھار مانگے اور میں اس سے یہ کہوں کہ میں ایک ہزار ریال تیرہ سو ریال میں دوں گا۔ یعنی میں ہر دس سو ریال کے عوض تین سو ریال کماؤں گا' جب وہ میری شرط قبول کرے تو میں اس کے ساتھ بازار جاکر اسے ایک ہزار ریال کا سامان خرید کر تیرہ سو ریال میں بیچ دوں تو کیا یہ حلال ہے یا حرام؟ یاد رہے کہ میں سامان خریدنے سے پہلے ہی اس سے عقد بیع کر لیتا ہوں؟

جواب جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ملکیت سے پہلے ہی اس شخص کے ساتھ سامان کا سودا کیا اور سودا کرنے کے بعد بازار سے سامان خرید کر دیا تو اس صورت میں یہ بیع صحیح نہیں ہے کیونکہ اس نے وہ سامان بیچا جو اس کی ملکیت میں نہیں تھا اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ تَبِـعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح:٣٥٠٣)

"اسے نہ بیچو جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو۔"

اس حدیث کو ترمذی' ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

بیع عینہ حرام ہے

سوال جب میں ایک شخص کو قسطوں میں گاڑی بیچوں (یاد رہے کہ قسطوں کی صورت میں گاڑی کی قیمت زیادہ ہو گی) اور پھر وہ مجھ سے مطالبہ کرے کہ میں اپنی گاڑی کو اس سے کم قیمت پر خرید لوں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ مسئلہ' مسئلہ' عینہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ ادلہ شرعیہ اس کی ممانعت پر دلالت کناں ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

سامان کو ملکیت میں لینے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے

سوال ایک تاجر نے بعض اشیاء مثلاً ریفریجریٹر اور واشنگ مشین وغیرہ کے نمونے رکھے ہوئے ہیں اور جب کوئی گاہک اس سے سامان خریدنے پر متفق ہو جاتا ہے تو پھر وہ درآمد کنندہ سے رابطہ قائم کر کے مطلوبہ تعداد میں سامان خرید کر اپنی گاڑی کے ذریعہ گاہک کے گھر پہنچا دیتا اور اس کے بعد اس سے قیمت وصول کر لیتا ہے تو اس بیع کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ بیع جائز نہیں کیونکہ یہ سامان کو اپنے قبضہ اور ملکیت میں لیے بغیر بیع ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَّلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٤)

"ادھار اور بیع حلال نہیں ہے اور نہ ایسی چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو"

اسی طرح نبی ﷺ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٣)

"اسے نہ بیچو جو تمہارے پاس موجود ہی نہ ہو۔"

نبی کریم ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ سامان کو تاجر اپنے مقامات پر منتقل کئے بغیر اسی جگہ بیچیں جہاں انہوں نے خریدا ہو۔" واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اسے نہ بیچو جو تمہارے پاس ہی نہ ہو

سوال ایک کمپنی گاڑیوں کے شو رومز میں اپنے نمائندے بھیج دیتی ہے تو جو شخص قسطوں پر گاڑی خریدنا چاہتا ہو تو وہ شو روم کے مالک کے ساتھ قیمت طے کر لیتا ہے اور پھر وہ کمپنی کے نمائندہ سے ملتا ہے اور کمپنی اس گاڑی کی مکمل قیمت ادا کر دیتی ہے اور خریدار کے ساتھ اپنا نفع رکھ کر ماہانہ قسطیں طے کر لیتی ہے' امید ہے کمپنی کے شو رومز کے مالکان اور خریداروں کے ساتھ اس معاملہ کی شرعی حیثیت کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب کمپنی کا یہ معاملہ جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے' یہ حکم شریعت کے مخالف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَّلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٤)

"ادھار اور بیع حلال نہیں ہے اور نہ ہی اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس ہی نہ ہو۔"

آپ نے حکیم بن حزام سے فرمایا تھا:

«لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح: ٣٥٠٣)

"وہ چیز نہ بیچو جو تمہارے پاس ہی نہ ہو۔"

زید بن ثابت سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ سامان وہاں بیچا جائے جہاں سے خریدا گیا ہو' حتیٰ کہ تاجر اسے اپنی جگہوں پر منتقل کر لیں۔" [1]

مذکورہ کمپنی کا طرز عمل ان تمام احادیث کے مخالف ہے کیونکہ وہ اس چیز کی بیع کرتی ہے جس کی وہ مالک ہی نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ تعاون جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سنن ابی داود' البیوع' باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی' حدیث: 3499 و مسند احمد: 191/5۔

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾

(المائدۃ: ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

شرعی طریقہ یہ ہے کہ یہ کمپنی گاڑیاں اور دیگر سامان وغیرہ خرید کر اپنی جگہ منتقل کرے اور پھر جو خریدنا چاہے اسے نقد یا ادھار بیچ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

سامان کی قیمت میں اضافہ نہ ہونے دینا

سوال جب کسی سامان کا نیلام ہوتا ہے تو بعض خریدار باہمی طور پر طے شدہ منصوبے کے مطابق ایسا حیلہ کرتے ہیں جس کا بائع یا سامان کے مالک کو علم نہیں ہوتا کہ ایک خریدار مثلاً ایک معین قیمت پر آ کر رک جاتا ہے اور دوسرے بھی اس کی قیمت میں اضافہ نہیں کرتے کیونکہ وہ پہلے سے اس پر متفق ہو چکے ہوتے ہیں' امید ہے رہنمائی فرمائیں گے کہ اس طرح ان میں سے اگر کوئی سامان خریدتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب نیلامی یا غیر نیلامی میں کچھ خریداروں کا طے شدہ منصوبے کے مطابق سامان کی قیمت کے سلسلہ میں ایک معین حد پر آ کر رک جانا اور اس کی قیمت میں اضافہ نہ ہونے کے لیے یہ حیلہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس طرح سامان کے مالکان کو نقصان پہنچا کر مذموم خود غرضی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ یہ بد خلقی بھی ہے جو مسلمانوں کو زیب نہیں دیتی اور نہ اسلامی شریعت ہی اسے مستحسن قرار دیتی ہے۔ یہ طرز عمل ضرورت کے بغیر کسی کو مشکل میں مبتلا کرنے اور شہر سے نکل کر باہر سے آنے والے قافلوں سے سامان خریدنے کے ہم معنی بھی ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں کسی فرد یا جماعت کا نقصان بھی ہے۔ اس سے حسد اور دشمنی کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہ لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھانے کا ایک حیلہ بھی ہے اور نبی کریم ﷺ نے شہر سے نکل کر باہر سے آنے والے قافلوں سے سامان خریدنے' بھائی کی بیع پر بیع کرنے' بھائی کی منگنی پر منگنی کرنے [1] اور اس طرح کی ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے جن میں ظلم ہو' دوسروں کو نقصان پہنچتا ہو اور جن سے عداوت اور حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہوں۔ لہٰذا اگر کسی بائع کو یہ معلوم ہو کہ ایک طے شدہ منصوبے کے ساتھ اس کے سامان کی قیمت کو بڑھنے سے روکا گیا ہے تو اسے اختیار ہو گا کہ اگر وہ چاہے تو اس بیع کو فسخ کر دے اور اگر چاہے تو اسے برقرار رہنے دے۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم.

——— فتویٰ کمیٹی ———

---

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب هل يبيع حاضر لباد --- الخ' حدیث: 2158 و صحیح مسلم' البیوع' باب تحریم بیع الحاضر للبادی' حدیث: 1521-

سود' قرض اور بینکوں میں ملازمت کے چند مسائل

پیپر کرنسی کے بارے میں فقہی کونسل کی قرارداد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ، سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا ـ أَمَّا بَعْدُ

اسلامی فقہی کونسل نے اس تحقیقی مقالہ پر غور کیا جو اس کے سامنے پیپر کرنسی اور اس کے شرعی احکام کے موضوع پر پیش کیا گیا۔ کونسل کے ارکان نے مباحثہ اور خصوصی غور و فکر کے بعد یہ طے کیا کہ:

اولاً: اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ نقدی میں اصل بنیاد تو سونا چاندی ہے اور فقہاء شریعت کے صحیح ترین قول کے مطابق ان میں سود جاری ہونے کی علت مطلق ثمنیت ہے لیکن فقہاء کے نزدیک ثمنیت محض سونے اور چاندی ہی پر منحصر نہیں ہے' اگرچہ اصل بنیاد اسی معدن پر ہے اور اب چونکہ پیپر کرنسی بھی ثمن (قیمت) بن گئی ہے اور معاملہ میں سونے چاندی کی قائم مقام ہے کہ عصر حاضر میں کاروبار اسی کے مطابق ہو رہا ہے اور سونے چاندی کے ساتھ کاروبار پس منظر میں چلا گیا ہے اور اب لوگ سونا چاندی لینے کی بجائے اسی کو مال سمجھنے اور جمع کرنے پر مطمئن ہیں اور عموماً لین دین اسی کے مطابق ہو رہا ہے حالانکہ اس کی قیمت بذات خود کرنسی میں نہیں ہے بلکہ ایک خارجی امر میں ہے اور وہ یہ کہ لین دین کے لیے ایک واسطے کے طور پر اس پر اعتماد کر لیا گیا ہے اور یہی ثمنیت کے ساتھ اس کے تعلق کا راز ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ سونے چاندی میں ربا کے پائے جانے کی علت مطلق ثمنیت ہے اور یہ بات پیپر کرنسی میں بھی ہے۔ لہٰذا اسلامی فقہی کونسل یہ قرار دیتی ہے کہ پیپر کرنسی بھی قائم بالذات ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو نقدین یعنی سونے اور چاندی کا ہے۔ لہٰذا اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی' اس میں بھی سود کی دونوں قسمیں (ربا الفضل اور ربا النسیئہ) جاری ہوں گی' جیسا کہ یہ نقدین یعنی سونے چاندی میں جاری ہیں کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے پیپر کرنسی کا بھی سونے چاندی ہی پر قیاس ہے لہٰذا پیپر کرنسی کے لیے بھی نقود کے وہ تمام احکام ہوں گے جن کو شریعت نے نقود کے لیے لازم قرار دیا ہے۔

ثانیاً: پیپر کرنسی میں بھی نقدیت کو اسی طرح قائم بالذات شمار کیا جائے گا جس طرح کہ سونے' چاندی اور دیگر اثمان میں نقدیت قائم بالذات ہے۔ اسی طرح پیپر کرنسی کو مختلف اجناس میں شمار کیا جائے گا جو مختلف ممالک سے جاری ہونے کی وجہ سے مختلف ہوں گی یعنی سعودی عرب کی پیپر کرنسی ایک جنس ہے' امریکہ کی پیپر کرنسی ایک دوسری جنس ہے' الغرض اسی طرح ہر پیپر کرنسی ایک مستقل جنس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بھی سود کی دونوں قسمیں فضل اور نسیئہ اسی طرح جاری ہوں گی' جس طرح وہ سونے چاندی اور دیگر اثمان میں جاری ہوتی ہیں۔ اس ساری تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ:

(الف) پیپر کرنسی کی آپس میں یا دیگر نقدی اجناس مثلاً سونا چاندی وغیرہ کے ساتھ مطلقاً ادھار بیع جائز نہیں ہے۔ مثلاً سعودی ریال کی کسی دوسری کرنسی سے اضافہ کے تقابض کے بغیر ادھار بیع جائز نہ ہو گی۔

(ب) ایک ہی قسم کی پیپر کرنسی کی آپس میں اضافہ کے ساتھ بیع جائز نہ ہو گی خواہ یہ بیع ادھار ہو' یا دست بدست مثلاً

دس سعودی ریال کی بیع گیارہ سعودی ریال کے ساتھ نقد یا ادھار جائز نہیں۔

(ج) ایک کرنسی کی دوسری قسم کی کرنسی کے ساتھ بیع مطلقاً جائز ہے جب کہ دست بدست ہو مثلاً سوریا یا لبنان کے لیرا کی سعودی ریال کے ساتھ خواہ وہ کاغذ کا ہو یا چاندی کا' بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے اسی طرح ایک امریکی ڈالر کی مثلاً تین سعودی ریال یا اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ بیع جائز ہے بشرطیکہ دست بدست ہو' اسی طرح چاندی کے ایک سعودی ریال کی کاغذ کے تین یا اس سے کم یا زیادہ سعودی ریال کے ساتھ بھی بیع جائز ہے جب کہ سودا نقد ہو کیونکہ اس صورت میں بیع غیر جنس کے ساتھ ہو گی' لہٰذا محض نام میں اشتراک کا کوئی اثر نہیں ہو گا جب کہ دونوں کی حقیقت مختلف ہے۔

ثالثًا: پیپر کرنسی میں بھی زکوٰۃ واجب ہے جب کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی میں سے جس کا نصاب کم ہو' اس کے بقدر ہو یا دیگر اثمان اور سامان تجارت کے ساتھ مل کر نصاب مکمل ہو جاتا ہو۔

رابعًا: بیع سلم اور کمپنیوں وغیرہ کی شراکت میں پیپر کرنسی کو رأس المال قرار دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— شیخ ابن باز ——

سودی معاملات کی تحریر

سوال میں ایک تجارتی کمپنی میں محاسب ہوں۔ یہ کمپنی بینک سے سودی قرض لینے پر مجبور ہے۔ معاہدۂ قرض کی ایک کاپی میرے پاس بھی آتی ہے تاکہ کمپنی کے ریکارڈ میں بھی اس کا مقروض ہونا ثابت ہو...... کیا اس صورت میں بھی کاتب سود ہوں کہ میرے لیے اس کمپنی میں کام کرنا جائز نہیں ہے یعنی اگر یہ معاہدہ میں نے نہ کیا ہو تو کیا اسے محض لکھنے کی وجہ سے میں بھی گناہ گار ہوں گا؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب مذکورہ کمپنی کے ساتھ سودی معاملات میں تعاون جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ [1] اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۲)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

ناواقفیت کی وجہ سے سودی چیک لکھ دیا

سوال سڑک پر ایک شخص نے میرے بھائی سے یہ کہا کہ مہربانی فرما کر فلاں آدمی کے نام یہ چیک لکھ دیں اور اس کا نام بتایا اور کہا کہ میں اسے لوجہ اللہ تعالیٰ یہ قرض دے رہا ہوں لیکن بعد میں میرے بھائی کو معلوم ہوا کہ اس نے تو اسے سود پر ادھار دیا ہے جس کی وجہ سے میرے بھائی کو چیک لکھ دینے پر بہت ندامت ہوئی' امید ہے آپ اس سلسلہ میں رہنمائی

[1] صحیح مسلم' المساقاۃ' باب لعن آکل الربا وموکلہ' حدیث: 1598۔

فرمائیں گے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر فرمایا ہے کہ آپ کے بھائی کو چیک لکھتے وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سودی قرض کے لیے ہے تو اسے کوئی گناہ نہیں ہے اور وہ اس وعید کے تحت نہیں آتا جس میں سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ سود کے لیے حیلہ ہے

سوال مجھے سعودیہ کے ایک شہر میں مکان بنانے کے لیے قرض کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں ایک شخص کے پاس گیا اور اس سے میں نے قرض مانگا' تو اس نے کہا کہ میں تجھے گاڑی دیتا ہوں یہ کہہ کر اس نے مجھے بارہ ہزار ریال دیئے لیکن اپنے پاس اس نے اکیس ہزار لکھ لیے حالانکہ میں نے نہ کوئی گاڑی دیکھی اور نہ مجھے اس کے رنگ ہی کا علم ہے۔ اس نے فقط اس کی رسید لکھی اور مجھے کہا کہ ہر ماہ ایک ہزار ریال دے دیا کرو' اس وقت تو میں راضی ہو گیا کیونکہ میں محتاج تھا اور مجھے رقم کی ضرورت تھی لیکن اب جب کہ میں ساڑھے آٹھ ہزار ریال دے چکا ہوں تو پھر بھی میرے ذمہ بارہ ہزار پانچ سو ریال باقی ہیں تو سوال یہ ہے کہ اس کے رأس المال سے زائد رقم ادا کرنا بھی کیا میرے لیے لازم ہے؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے' جزاکم اللہ خیراً

جواب جب امر واقع اسی طرح ہے جسے سائل نے ذکر کیا ہے تو یہ معاملہ بالکل باطل ہے کیونکہ اس میں ربا الفضل بھی ہے اور ربا النسیئہ بھی۔ لہٰذا جس نے آپ کو قرض دیا ہے اسے صرف اپنا رأس المال بھی بارہ ہزار ریال ہی لینے چاہئیں کیونکہ اس نے آپ کو گاڑی نہیں دی اور نہ اسے بیچا ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے بلکہ اس نے تو آپ کو دراہم کے بدلے دراہم دیئے ہیں لہٰذا اس صورت میں آپ سے زیادہ لینا بالکل غلط اور صریحاً سود ہے۔ لہٰذا تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ کبھی بھی اس طرح کا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ دونوں کی توبہ کو قبول فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ بھی سودی حیلہ ہے

سوال میرے پاس چاول کی کچھ بوریاں سٹور میں پڑی ہیں' کچھ لوگ میرے پاس آ کر بازار کی قیمت کے حساب سے خرید لیتے اور دوسرے لوگوں کو ادھار دے دیتے ہیں اور جب یہ چاول مقروض کے حصے کے ہو جاتے ہیں تو میں اس سے ایک ریال کم قیمت پر خرید لیتا ہوں' پھر کچھ اور لوگ آتے ہیں اور وہ مجھ سے خرید لیتے ہیں' ہاں البتہ یہ لوگ اسے خرید کر اپنی جگہ منتقل کر لیتے ہیں کیا اس طرح کی خرید و فروخت میں کوئی گناہ تو نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب یہ طریقہ سود کا ایک حیلہ ہے اور سود بھی مغلظ ہے جس میں فضل اور نسیئہ کی دونوں قسمیں جمع ہیں کیونکہ قرض دہندہ اس طریقے سے زیادہ مثلاً دس کے بدلے بارہ ریال حاصل کرنا چاہتا ہے اور قرض دینے اور لینے والا کبھی کبھی صاحب

دوکان کے پاس آنے سے پہلے بھی اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کے بجائے بارہ یا اس سے کم یا زیادہ لے گا اور یہ اتفاق کرنے کے بعد دوکان دار کے پاس آتے ہیں تاکہ اس کے لیے اس حیلہ کو عملی جامہ پہنا دیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے ''حیلہ ثلاثیہ'' سے موسوم کیا ہے اور یہ بلاشبہ ربا الفضل اور ربا النسیئہ کے لیے ایک حیلہ ہے جو کہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ حیلہ سازی سے کوئی حرام چیز مباح نہیں ہو جاتی بلکہ حیلہ سازی سے اس کی خباثت اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایوب سختیانی رحمہ اللہ کے پاس جب اس طرح کے حیلہ سازوں کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ''یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس طرح دھوکا دینا چاہتے ہیں جس طرح بچوں کو دھوکا دے رہے ہوں' اگر اس حیلہ سازی کے بجائے صاف صاف ارتکاب کرتے تو گناہ اس سے کم تر ہوتا۔'' انہوں نے یہ بالکل سچ فرمایا ہے کہ حیلہ باز درحقیقت منافق کی طرح ہے جو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا ہے' حالانکہ وہ کافر ہوتا ہے۔ اور اس طرح سود کے بارے میں حیلہ سے کام لینے والا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بیع کے لیے ایک صحیح اور حلال طریقہ استعمال کر رہا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ادھار کی وجہ سے سودا زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم

سوال میں نے گاڑی بارہ ہزار ایک سو ریال میں خریدی تھی اور پانچ ماہ کے ادھار پر چودہ ہزار ایک سو ریال میں بیچ دی۔ امید ہے فتویٰ عطا فرمائیں گے کہ یہ بیع سودی ہے یا غیر سودی؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر فرمایا ہے تو یہ بیع جائز ہے بشرطیکہ آپ نے گاڑی خریدنے کے بعد اپنے قبضہ میں لے لی ہو اور پھر اسے بیچا ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۲)

''اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

اور ''صحیحین'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اس کے پاس لوہے کی ایک زرہ رہن رکھی[1] '' اس میں ان شاء اللہ سود نہیں ہے خواہ ادھار کی صورت میں قیمت' نقد قیمت کی نسبت زیادہ ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کارکن کی نفع میں شرکت

سوال میرے ایک دوست نے فرنیچر کی ایک چھوٹی ورکشاپ کھولی ہے' جس کے لیے اس نے ایک کارکن کو بیرون ملک سے منگوایا ہے جس کے ساتھ ایک ہزار ریال ماہانہ تنخواہ طے کی گئی تھی لیکن اس کارکن کے سعودیہ پہنچنے پر فریقین نے اس پہلے معاہدہ کو ختم کر دیا اور از سرنو یہ معاہدہ کیا کہ ورکشاپ کا مالک اوزار' ہتھیار اور دیگر تمام ضروری سازوسامان مہیا کرے گا اور یہ کارکن کام کرے گا اور نفع دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گا اس طرح اس کارکن کو اب پندرہ

[1] صحیح بخاری' الرهن' باب من رهن درعه' حدیث: 2509 و صحیح مسلم' المساقاة' حدیث: 1603

سو ریال تک بھی مل جاتے ہیں تو کیا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے؟

جواب اس دوسرے معاہدے میں کوئی حرج نہیں اور وہ یہ کہ کارکن نفع میں سے پہلے سے طے شدہ ایک معلوم مقدار مثلاً نصف لے لے اور باقی نفع ورکشاپ کا مالک لے لے۔

—— شیخ ابن باز ——

اسے نہ بیچو جو تمہارے پاس نہ ہو

سوال ادھار کی بیع کے بارے میں کیا حکم ہے جس میں بیع و شراء کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ سامان اپنی جگہ پر ہی ہوتا ہے' جیسا کہ اس وقت ادھار کی بیع کے سلسلہ میں یہ طریقہ لوگوں میں رائج ہے؟

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے نقد یا ادھار کوئی سامان بیچنا جائز نہیں الّا یہ کہ وہ اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«لاَ تَبِـعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح:٣٥٠٣)

"اس چیز کو نہ بیچو جو تمہارے پاس نہ ہو۔"

اسی طرح حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَّلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ح:٣٥٠٤)

"ادھار اور بیع حلال نہیں ہے اور نہ یہ حلال ہے کہ ایسی چیز بیچو جو تمہارے پاس نہ ہو۔"

ان دونوں حدیثوں کے پیش نظر خریدار کو بھی چاہیئے کہ وہ اس وقت تک کوئی چیز نہ بیچے جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لے کیونکہ امام احمد اور ابوداود نے بھی روایت کیا اور ابن حبان و حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ زید بن ثابت سے مروی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ سامان کو اسی جگہ بیچا جائے جہاں سے اسے خریدا گیا ہو تاآنکہ تاجر اسے اپنے مقامات تک نہ منتقل کر لیں" [1] اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان فرمایا ہے:

«لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَبْتَاعُونَ جِزَافًا يُضْرَبُونَ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوُهُ إِلَى رِحَالِهِمْ» (صحيح البخاري، البيوع باب من رأى إذا اشترى طعاما ... الخ، ح:٢١٣٧)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ غلہ کو اٹکل کی بیع کی صورت میں خریدتے تو انہیں اسی جگہ بیچنے پر مارا جاتا تھا یعنی وہ اسے اپنی جگہ منتقل کئے بغیر کیوں بیچتے ہیں۔" اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

[1] سنن ابی داود' البیوع' باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی' حدیث: 3499 و مسند احمد: 191/5

یہ معاہدہ صحیح ہے

سوال ایک شخص نے دوسرے سے دس ہزار لیے کہ وہ ایک سال بعد ان کی اسے گاڑی خرید کر دے گا تو کیا یہ معاہدہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، گاڑی کے اوصاف معلوم ہوں اس کی قیمت دس ہزار ہی ہو اور مدت بھی معلوم ہو تو پھر یہ معاہدہ صحیح ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا بیعانہ جائز ہے؟

سوال اگر بیع مکمل نہ ہو تو بائع کے بیعانہ لینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو شخص آپس میں بیع کرتے ہیں، اگر بیع مکمل ہو جائے تو مشتری مکمل قیمت ادا کر دیتا ہے اور اگر بیع مکمل نہ ہو تو بائع بیعانہ پر قبضہ کر لیتا ہے اور وہ مشتری کو واپس نہیں کرتا؟

جواب علماء کے زیادہ صحیح قول کے مطابق بیعانہ لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بائع اور مشتری کا اس پر اتفاق ہو اور بیع مکمل نہ ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

ناواقفیت کی وجہ سے آپ پر کچھ لازم نہیں

سوال میں سعودیہ میں کام کرتا ہوں اور اپنے ملک سوڈان میں رقوم اس طرح منتقل کرتا ہوں کہ ایک شخص جب مجھے سعودی ریال دے دیتا ہے تو میں اسے سوڈان میں اپنے ایجنٹ کے نام خط دے دیتا ہوں تاکہ وہ اسے سعودی ریال کے عوض سوڈانی گنیاں دے دے، تو اس طرح ہم دونوں کرنسی کے فرق سے مستفید ہوتے ہیں۔ پھر میں ریال سٹیٹ بینک امریکہ میں بھیج دیتا ہوں اور وہاں سے سوڈان منتقل کر لیتا ہوں تو اس طرح ایک ڈالر کے دو ڈالر بن جاتے ہیں تو اب کیا کروں جب کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ حرام ہے اور اس طرح کمائے ہوئے مال سے میں نے شادی بھی کی ہے اور جائدادیں بھی بنائی ہیں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ یہ معاملہ ممنوع ہے کیونکہ رقم کے تبادلہ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ دست بدست ہو مثلاً اگر وہ سعودی ریالوں کا سوڈانی گنیوں سے تبادلہ کرنا چاہے اور پھر گنیوں کو سوڈان بھیجنا چاہے تو اس کے لیے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سعودی ریال لے کر سوڈانی گنیاں دے دو اور پھر انہیں اپنے ایجنٹ کو ارسال کر دو یا ریال ہی سوڈان ارسال کر دو اور انہیں وہاں گنیوں سے تبدیل کر دیا جائے تاکہ دونوں طرف سے قبضہ دست بدست ہو لیکن آپ ریال تو یہاں اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں اور ایجنٹ کو خط ارسال کر دیتے ہیں، اس طرح فریقین کے باہمی قبضہ کی صورت ختم ہو جاتی ہے اور اس مدت میں نرخ میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے اور پھر آپ امریکی بینک کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں تو یہ ایک سودی معاملہ

بھی ہے کیونکہ یہ بینک سود کی بنیادوں پر کام کرتا ہے اور جیسا کہ آپ نے ذکر بھی کیا ہے کہ آپ ایک ڈالر کے دو ڈالر حاصل کر لیتے ہیں تو یہ اضافہ سود ہونے کی وجہ سے صریحاً حرام ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ اس کام سے توبہ کریں' اسے بالکل چھوڑ دیں اور اس کے بجائے ایسا جائز طریقہ اختیار کریں جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہو۔ شرعی حکم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس طرح آپ نے جو مال کمایا ہے تو اسے اپنے پاس رکھنے اور اس سے بنائی ہوئی جائداد اور اس سے ادا کیے ہوئے مہر اور نان و نفقہ میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جبرین

یہ مال سود نہیں ہے

سوال ہم سوڈان سے کچھ لوگ آئے ہیں جنہوں نے ایک کمپنی کے ساتھ کام کا معاہدہ کیا ہے اور جب ہم اس کمپنی کے دفتر میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کمپنی نے بینکوں کے ساتھ معاہدے کر رکھے ہیں اور بینک تو اپنے گاہکوں کے ساتھ سودی معاملہ کرتے ہیں۔ ہم اس کمپنی میں اس کی حفاظت کے لیے چوکیدار کے طور پر کام کرتے ہیں اور یہ بینک سے لیے ہوئے قرض سے بہت معمولی مقدار میں ہمیں تنخواہ دیتی ہے تو ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ یہ تو سود ہے کیونکہ ہمیں یہ تنخواہ اس کمپنی سے ملتی ہے جو بینک سے سودی لین دین کرتی ہے' امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کیا یہ سود ہے؟

جواب مجھے اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آپ تو کمپنی میں کام کرتے ہیں اور بینک کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ تو کمپنی کی حفاظت کے لیے چوکیدار کے طور پر کام کرتے ہیں اور یہ آپ کو تنخواہ ادا کرتی ہے' باقی رہا اس کا بینکوں کے ساتھ معاملہ تو اکثر کمپنیاں اکاؤنٹ رکھنے' گارنٹی فراہم کرنے' درآمد و برآمد اور قرض وغیرہ کے سلسلہ میں بینکوں ہی سے معاملہ کرتی ہیں تو گناہ سودی معاملہ کرنے والی کمپنیوں کے مالکان کو ہو گا۔

شیخ ابن جبرین

ڈالروں کی قسطوں پر خریداری

سوال میں ایک شخص سے دس ہزار امریکی ڈالر' چالیس ہزار سعودی ریال میں اس شرط پر خریدنا چاہتا ہوں کہ ہر ماہ ایک ہزار ریال کی قسط ادا کر دوں گا اور پھر ان ڈالروں کو بازار میں سینتیس ہزار پانچ سو ریال میں فروخت کر دوں گا' تو اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے' جب کہ مجھے اس رقم کی ضرورت ہے؟

جواب اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ رقوم کا فرق کے ساتھ تبادلہ حرام ہے' نیز یہ تبادلہ ایک ہی مجلس میں باہمی قبضہ کی صورت میں ہونا چاہیئے۔ تو اس سوال میں بیان کی گئی صورت میں عوض ثانی یعنی ڈالروں کی قیمت کا قبضہ موجود نہیں ہے' لہٰذا یہ معاملہ فاسد اور باطل ہے۔

اور اب جب یہ معاملہ ہو چکا ہو تو ڈالر لینے والے کو چاہیئے کہ وہ ڈالر ہی واپس کرے اور پہلے طے ہونے والے معاہدہ کو ختم کر دے کیونکہ یہ فاسد ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ

وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ»(صحيح البخاري، البيوع، باب إذا اشترط في البيع شروطا لا تحل، ح:٢١٦٨ وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، ح:١٥٠٤)

"ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو باطل ہے خواہ وہ سو شرط ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ زیادہ صحیح اور اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ پختہ ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

گندم اور دیگر غلہ وغیرہ کی اس کی جنس سے اضافہ کے ساتھ بیع

سوال ہمارے علاقے میں غلہ پیدا ہوتا ہے اور رقوم کی قلت کی وجہ سے ہم غلہ کے ساتھ ہی معاملہ کرتے ہیں' تو جب بیج بونے کا وقت آتا ہے تو ہم تاجروں سے غلہ کا ایک صاع ایک ریال میں خرید لیتے ہیں اور جب فصل کاٹنے کا وقت آتا اور غلہ صاف کر لیا جاتا ہے تو تاجر ہم سے ایک ریال کے دو صاع لیتے ہیں کیونکہ بوائی کے وقت کی نسبت اس وقت غلہ سستا ہوتا ہے' تو سوال یہ ہے کیا یہ معاملہ جائز ہے؟

جواب اس معاملہ کے بارہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ گندم وغیرہ کی اس کی جنس سے اضافہ کے ساتھ ادھار بیع ہے اور یہ دو وجہ سے سود ہے' ایک تو اضافہ کی وجہ سے اور دوسرے ادھار کی وجہ سے' جب کہ دیگر اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ یہ جائز ہے جب کہ بائع اور مشتری نقدی کے بجائے گندم وصول کرنے پر متفق نہ ہوئے ہوں اور انہوں نے معاہدہ کے وقت ایسی شرط عائد نہ کی ہو تو یہ ہے اہل علم کی اس مسئلہ میں رائے۔ اور آپ کے اس معاملہ سے تو یہ ظاہر ہے کہ آپ کا تھوڑے دانوں کے بجائے زیادہ دانوں پر اتفاق ہو چکا ہے کیونکہ نقود قلیل ہیں' تو یہ جائز نہیں ہے' تو اس صورت میں زمینداروں کو چاہیئے کہ وہ غلہ ایسے تاجروں کو بیچیں جن سے انہوں نے بیج نہ خریدا ہو اور پھر ان کا حق انہیں نقد ادا کر دیں کہ سلامتی' احتیاط اور سود سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔ اگر تاجروں اور زمینداروں میں بیع نقود کے ساتھ ہو اور پھر زمیندار غلے کی صورت میں ادا کر دیں جب کہ پہلے سے یہ طے نہ ہو تو یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کا قول یہی ہے' خصوصاً جبکہ زمیندار فقیر ہو اور تاجر کو یہ خدشہ ہو کہ اگر نقدی کے بجائے غلہ نہ لیا تو اس سے کچھ نہ ملے گا اور وہ اپنا حق حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ زمیندار کسی اور کو ادا کر دے گا اور اسے چھوڑ دے گا یا غلے کو اپنی دوسری ضرورتوں میں خرچ کر لے گا جیسا کہ بہت سے فقیر زمیندار کرتے ہیں اور اس سے تاجروں کا حق ضائع ہو جاتا ہے۔ اور اگر تاجر اور زمیندار پہلے سے اس شرط پر متفق ہو جائیں کہ وہ نقدی کے بجائے غلہ ادا کر دے گا تو پہلے سے اس طے شدہ شرط کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں ہو گی اور تاجر کو کسی اضافہ کے بغیر صرف اتنا ہی غلہ لینا ہو گا جتنا کہ اس نے زمیندار کو دیا تھا' اسے قرض سمجھا جائے گا کیونکہ زیادہ غلہ لینے کی پہلے سے طے شدہ شرط کے ساتھ بیع صحیح نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نقد ایک بکری کی ادھار دو یا تین بکریوں سے بیع

سوال کیا ایک بکری کی اس شرط پر بیع جائز ہے کہ مثلاً بیس سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد اس کے بجائے دو یا

تین بکریاں ادا کر دی جائیں گی؟

جواب علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ایک معین اور حاضر جانور کی بیع ایک یا ایک سے زیادہ جانوروں کے ساتھ قریب یا بعید مدت تک یا قسطوں میں جائز ہے جب کہ ثمن کا ایسی صفات کے ساتھ تعین کیا گیا ہو جو نمایاں ہوں اور جانور خواہ فروخت کیے گئے جانور کی جنس سے ہو یا کسی اور جنس سے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ایک اونٹ خریدا تھا کہ صدقہ کے اونٹ آنے پر اس کے بجائے دو دیئے جائیں گے۔" [1] اس روایت کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

ایک میٹر کا دو میٹر کپڑے سے تبادلہ

سوال کیا ایک میٹر کپڑے کا دو میٹر کے ساتھ یا ایک قسم کے کپڑے کا دو قسم کے کپڑوں کے ساتھ تبادلہ جائز ہے؟

جواب کپڑوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برابری اور اضافہ کی بنیاد پر تبادلہ جائز ہے' خواہ یہ کپڑے ایک یا زیادہ جنسوں سے ہوں' خواہ سودا نقد ہو یا ادھار کیونکہ کپڑے ان جنسوں میں سے نہیں ہیں جن میں سود داخل ہوتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سودی کاروبار کرنے والے کا کفارہ

سوال میرا ایک قریبی رشتہ دار فوت ہو گیا ہے جو کہ سودی کاروبار کرتا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیں تو اس کے لیے شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب وارثوں کو چاہیئے کہ یہ اندازہ لگائیں کہ اس نے کتنا سود لیا ہے اور پھر اس کے بقدر رقم اس کی طرف سے صدقہ کر دیں اور اس کی مغفرت اور بخشش کی دعا کریں' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' اسے اور ہر مسلمان کو معاف فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

بچے کا سود خور باپ کے مال سے کھانا

سوال کیا بچے کے لیے سودی کاروبار کرنے والے اپنے باپ کے مال کو کھانا جائز ہے؟

جواب سود کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں حرام ہے۔ اگر آپ کا والد سودی کاروبار کرتا ہے تو آپ پر واجب ہے کہ اسے بتائیں کہ سود کس قدر حرام ہے اور سود کا لین دین کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس قدر سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے باپ کے اس مال کو استعمال کریں جس کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہو کہ یہ سود ہے اور آپ کے باپ کے پاس یہ سودی لین دین کے ذریعہ آیا ہے۔ آپ رزق اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور حصول رزق کے لیے شرعی اسباب کو اختیار کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سنن ابی داود' البیوع' باب فی الرخصة' حدیث: 3357 السنن الکبری للبیهقی' : 287/5 و الحاکم : 56/2۔ 57

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ (اللہ) اس کے لیے (رنج و محن سے) خلاصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

سونے کی بیع کے چند مسائل

سونے کی سونے اور چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع

سوال میں زیورات کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہوں لیکن مجھے ایک آدمی نے بتایا ہے کہ سونے کی بیع صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ نقد ہو اور دست بدست ہو۔ میں نے کہا کہ یہ سعودی گنی کی طرح کوئی کرنسی تو نہیں ہے بلکہ یہ تو زیورات کی شکل میں ڈھلا ہوا ہے اور اس میں نمبر۲۱ بھی ہے اور ۱۸ بھی اور پھر زیورات بنانے کے لیے اس میں تانبے کی ملاوٹ بھی ہے اور اسی طرح چاندی بھی نمبر۲۱ کی بھی ہوتی ہے اور نمبر۱۸ کی بھی اور وہ پیسے جن کے بدلے میں نے اسے خریدا ہے وہ پیپر کرنسی ہے سونا نہیں ہے جبکہ یہ ڈھلا ہوا سونا ہے۔ مجھے بھی اس مسئلہ میں شک پیدا ہو گیا ہے لہٰذا فتویٰ کے لیے یہ خط ارسال کر رہا ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً

اگر آپ یہ فرمائیں کہ سونے کے کاروبار کے لیے یہ لازم ہے کہ ایک ہی مجلس میں فریقین کا قبضہ ہو تو کیا مذکورہ صورت میں کاروبار کرنے والے اس آیت کے مصداق ہوں گے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَـٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٥)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

جواب سونے کی سونے کے ساتھ اور چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع جائز نہیں الاّ یہ کہ وہ برابر برابر اور دست بدست ہوں خواہ عوض میں دی جانے والی یہ دونوں چیزیں زیورات کی شکل میں ڈھلی ہوں یا نقدی کی صورت میں ہوں یا ایک ڈھلی ہو اور دوسری نقدی ہو اور خواہ دونوں بینک نوٹ کی صورت میں ہوں اور خواہ ان میں سے ایک بینک نوٹ کی صورت میں اور دوسری ڈھلی ہوئی یا نقدی کی صورت میں ہو۔

اور اگر ان دونوں معاوضوں میں سے ایک ڈھلا ہوا سونا یا نقدی ہو اور دوسرا ڈھلی ہوئی چاندی یا نقدی ہو تو ان کی مقدار میں تفاوت جائز ہے بشرطیکہ مجلس معاہدہ میں ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے فریقین قبضہ کر لیں اور جو صورت اس حکم کے مخالف ہوگی وہ سود ہوگی اور اس کے مطابق عمل کرنے والا اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہوگا:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ﴾
(البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

سونے کی بیع میں فریقین کے قبضہ کا حکم

سوال ایک شخص بینکوں کی معرفت سونے کی اینٹوں کی خرید و فروخت کرتا ہے' لیکن یہ شخص سونے کو اپنے قبضہ میں نہیں لیتا بلکہ اسے دیکھتا بھی نہیں ہے۔ جب ہم نے اسے یہ بتایا کہ یہ طریقہ جائز نہیں ہے تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے جہاں میں اسے حفاظت سے رکھ سکوں اور مجھے چوری کا خدشہ ہے' تو سوال یہ ہے کہ اس کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر محفوظ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے سونا اپنے قبضہ میں لینا اس کے لیے ممکن نہیں ہے تو پھر اس کے لیے یہ معاملہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ حرام سے بچنا واجب ہے اور اس سے بچنے کی تو اسے قدرت ہے کیونکہ اس کے لیے یہ ضروری تو نہیں کہ وہ صرف یہی تجارت کرے' لہٰذا اس کے لیے واجب ہے کہ یا تو وہ اس تجارت میں تقابض کے شرعی تقاضا کو پورا کرے اور یا پھر اس تجارت کو چھوڑ دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مستعمل سونے کی نئے سونے سے فرق کے ساتھ بیع

سوال ایک شخص زیورات کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے' ایک شخص اس کے پاس مستعمل سونا لے کر آتا ہے تو وہ اس سے خرید لیتا اور ریالوں میں اس کی قیمت بتا دیتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اسی جگہ اور اسی وقت قیمت ادا کرے' پرانا سونا بیچنے والا اس سے نیا سونا خرید لیتا ہے' اس کی قیمت بھی بتا دی جاتی ہے اور مشتری فرق اپنی طرف سے ادا کر دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا ضروری ہے کہ وہ پہلے مستعمل سونے کی قیمت ادا کرے اور پھر مشتری سے نئے سونے کی قیمت وصول کرے؟

جواب اس صورت میں یہ واجب ہے کہ مستعمل سونے کی قیمت ادا کی جائے پھر مستعمل سونا بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ اسی سے یا کسی اور سے نیا سونا خریدے اور اگر اسی سے خریدے تو نئے سونے کی قیمت ادا کر دے تاکہ مسلمان سود والی ردی جنس کو اس کی عمدہ جنس سے اضافہ کے ساتھ بیچ کر سود کا ارتکاب نہ کرے جو کہ حرام ہے۔ امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر کیا تو وہ آپ کے پاس بہت عمدہ کھجوریں لے کر

آیا تو آپ نے فرمایا:

«أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟»

''کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟''

اس نے عرض کیا: جی نہیں بلکہ ہم اس طرح کا ایک صاع دو صاع ردی کھجوروں کے عوض خرید لیتے ہیں اور دو صاع تین صاع کھجوروں کے عوض لے لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

«لاَ تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»(صحيح البخاري، المغازي، باب استعمال النبي ﷺ على أهل خيبر، ح٤٢٤٤، ٤٢٤٥ وصحيح مسلم، المساقاة، باب بيع الطعام مثلا بمثل، ح:١٥٩٣)

''اس طرح جمع کر کے نہ سودا کرو بلکہ کم قیمت کی کھجور کو درہموں کے ساتھ بیچو اور پھر درہموں کے ساتھ عمدہ قسم کی کھجور خرید لو۔''

اسی طرح کی بیع میں ادلہ بدلہ خواہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت پر ہو' سونے کی سونے سے اضافہ کے ساتھ بیع کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:١٥٨٧)

''سونا سونے سے' چاندی چاندی سے' گندم گندم سے' جو جو سے' کھجور کھجور سے اور نمک نمک سے یکساں برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے ہاں البتہ اگر یہ اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ سودا دست بدست ہو۔''

ابن سعید کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«مَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبٰى، اَلآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَآءٌ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:٨٢/ ١٥٨٤)

''جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا اس نے سودی معاملہ کیا اور سود لینے اور دینے والا سب برابر ہیں۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

سونے کا زیور خریدا اور بائع ہی سے قیمت ادھار لے کر ادا کر دی

سوال ایک انسان نے مجھ سے سونے کا زیور خریدا جس کی قیمت ایک ہزار ریال ہے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ اس کی بیع نقد ہی جائز ہے تو اس نے کہا کہ آپ مجھے ایک ہزار ریال ادھار دے دیں تو میں نے اسے ایک ہزار ریال ادھار دے

دیئے اور وہ اس نے مجھے سونے کی قیمت کے طور پر واپس کر دیئے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ یہ تو سود کے لیے حیلہ ہے اور پھر اس میں دو عقد یعنی عقد سلف اور عقد بیع بھی جمع ہیں اور یہ بھی ممنوع ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

زرگر کو زیور بنانے کے لیے خام سونا دینا

سوال ایک آدمی نے ایک زرگر کو سونے کی اینٹ دی اور کہا کہ اس کے مجھے کنگن بنا دو اور اس میں تانبا بھی داخل کر لو جس سے سونا نمبر ۲۴ کے بجائے نمبر ۲۱ کا بن جائے اور میں تانبے اور سونے کے وزن کے بقدر ٹوٹے ہوئے کنگن دے دوں گا۔ زرگر نے اس سے کام کی اجرت بھی لی تو کیا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر وہ سونا زرگر کو وزن کے حساب سے دے تاکہ وہ اس کا زیور بنا کر اسے لوٹا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' ان شاء اللہ' بشرطیکہ کام کی طے شدہ اجرت اسے ادا کر دے۔ اور اگر زرگر اس سے سونے کی اینٹ لے کر رکھ لے اور اسے کسی اور سونے سے کنگن بنا دے تو یہ جائز نہیں بشرطیکہ سونا' سونے اور تانبے کے وزن کے ہم مثل ہو۔ کام کے عوض اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سونے کی تجارت

سوال سونے کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے یعنی ایک شخص جب سونا سستا ہوتا ہے تو خرید لیتا اور مہنگا ہوتا تو بیچ دیتا ہے مثلاً تیس ریال میں ایک اوقیہ۔ [1] خرید کر پچاس ریال میں فروخت کر دیتا ہے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا یہ نقد کی نقد کے ساتھ بیع کے حکم میں ہے؟

جواب سونے کی سونے کے ساتھ بیع میں کوئی حرج نہیں' جبکہ یکساں ہو' وزن ایک جیسا ہو' سونا برابر برابر ہو اور سودا دست بدست ہو' سونا خواہ نیا ہو یا پرانا یا ان میں سے ایک نیا اور دوسرا پرانا ہو۔

سونے کی چاندی اور پیپر کرنسی کے ساتھ بیع میں بھی کوئی حرج نہیں جب کہ سودا دست بدست ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، (وَزْنًا بِوَزْنٍ) يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح: ١٥٨٧، وما بين القوسين لفظ مسلم أيضًا لكن من رواية أبي هريرة برقم: ١٥٨٨)

---

[1] ایک اوقیہ رطل کا بارہواں حصہ ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ ایک اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے۔ (مترجم)

''سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' کھجور کھجور کے ساتھ' جو جو کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ یکساں طور پر برابر برابر وزن بھی ایک جیسا اور سودا دست بدست ہو اور جب یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو۔''

نیز حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَّلاَ تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَّلاَ تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَّلاَ تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَّلاَ تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، ح:٢١٧٧ وصحيح مسلم، المساقاة، باب الربا، ح:٧٥/ ١٥٨٤)

''سونے کو سونے کے ساتھ نہ بیچو الاّ یہ کہ وہ برابر ہو اور ایک دوسرے کو کم یا زیادہ نہ کرو۔ اور چاندی کو چاندی کے ساتھ نہ بیچو الاّ یہ کہ وہ برابر برابر ہو اور ایک دوسرے کو کم یا زیادہ نہ کرو اور نہ ان میں سے غائب کو حاضر کے ساتھ بیچو۔''

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سونے کو سونے کے ساتھ کمائی یا نفع کے لیے نرخوں کی تبدیلی کے بعد بیچنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ خرید وفروخت اس طرح ہو جس طرح ان حدیثوں میں مذکور ہے۔ وباللہ التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

کمپنیوں کے حصص میں شراکت

سودی کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے حصص میں شراکت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ ـ أَمَّا بَعْدُ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض کمپنیاں' سود کے لین دین کا کام کرتی ہیں اور مجھ سے حصص خریدنے والوں اور دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی ان منافع کے بارے میں سوال پوچھا ہے جو سودی کاروبار کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کے پیش نظر کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کی ہمدردی و خیرخواہی کی جائے اور نیکی و تقویٰ میں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے' میں نے یہ مناسب سمجھا کہ یہ بتاؤں کہ سودی کاروبار کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰاْ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ

وَيُرْبِي الصَّدَقَٰتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾﴾ (البقرۃ٢/ ٢٧٥-٢٧٦)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کہ کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو' یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام' تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت کو) بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

اللہ تعالیٰ نے سود کو اپنے اور اپنے رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾﴾

(البقرۃ٢/ ٢٧٨-٢٧٩)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو)۔ اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔"

اور حدیث سے ثابت ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَمُوكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ»(صحیح مسلم، المساقاۃ، باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، ح:١٥٩٨)

"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحیح مسلم، المساقاۃ، باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، ح:١٥٩٨)

"یہ سب لوگ گناہ میں برابر ہیں۔"

ایسی آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں جن میں سود سے بچنے کی تلقین کی گئی اور اس کے بھیانک انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ لہٰذا جو افراد اور کمپنیاں وغیرہ سودی لین دین کرتی ہیں' ان پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور مستقبل میں سودی معاملہ سے مکمل طور پر اجتناب کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجالائیں' سود کے جرم میں ملنے والی سزاؤں سے بچ سکیں اور اس کام سے دور ہو جائیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہو سکیں:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ﴾ (التحريم٦٦/٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے اور تم کو باغہائے بہشت میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (داخل کرے گا۔)"

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو تمام گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے' اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہمارے تمام حالات کی اصلاح فرما دے۔ انه جواد کریم' وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه۔

—— شیخ ابن باز ——

تجارتی اور انشورنس کمپنیوں کے حصص میں شراکت

سوال میں کویت کا باشندہ ہوں' ہمارے ہاں تجارتی اور زرعی کمپنیوں' انشورنس اور آئل کمپنیوں اور بینکوں کے حصص کو ملک کا ہر شہری اور اس کے افراد خانہ خرید سکتے ہیں' امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ اس طرح کی کمپنیوں کے حصص خریدنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب ہر انسان کے لیے ان کمپنیوں کے حصص میں شراکت جائز ہے بشرطیکہ یہ سودی کاروبار نہ کرتی ہوں اور اگر یہ سودی کاروبار کرتی ہوں تو پھر ان میں شراکت جائز نہیں ہے کیونکہ کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ سودی کاروبار حرام ہے۔ اسی طرح انشورنس کمپنیوں کے حصص میں شراکت بھی جائز نہیں کیونکہ انشورنس کی پالیسی غرر (دھوکا)' جہالت اور سود پر مشتمل ہے اور وہ پالیسیاں جو غرر (دھوکا) جہالت اور سود پر مشتمل ہوں' وہ اسلامی شریعت میں حرام ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تجارتی حصص میں اپنے اصل سرمایہ پر نفع لینا

سوال ایک آدمی نے کچھ تجارتی حصص خریدے اور پھر جب وہ اپنا سرمایہ واپس لینے کے لیے گیا تو کمپنی کے مالک نے اسے اس کے اصل سرمایہ سے چالیس فی صد زیادہ بھی دے دیا تو کیا یہ اضافہ سود شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ کمپنی کے مالک نے حصہ دار کو اس کا اصل سرمایہ دے دیا اور اس پر چالیس فی صد نفع بھی دیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس نے اسے نفع دیتے وقت کمپنی کے حصص کا حساب لگا کر ہر حصہ کا نفع معلوم کر کے اس سے اس کے حصص کے مطابق نفع دیا ہو اور وہ اس کے مال کا چالیس فی صد بنتا ہو تو یہ جائز ہے' سود نہیں ہے اور نہ اس میں جہالت اور نہ غرر (دھوکا) ہے' لہٰذا جب یہ کمپنی کے مالک سے اس جائداد کے حصص خریدے اور حصص پر چالیس فی صد نفع کے حساب سے زیادہ قیمت ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد وآله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

سودی بینک

بینکوں سے کاروبار‘ ملازمت‘ اکاؤنٹ‘ شراکت اور نفع فقہی کونسل کی قرارداد

اسلامی فقہی کونسل نے اپنے نویں اجلاس میں جو دفتر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں بروز ہفتہ ۱۲ رجب سے بروز ہفتہ ۲۹ رجب ۱۴۰۶ھ تک منعقد رہا‘ اس موضوع پر غور کیا کہ سودی بینکوں کا جال پھیلتا جا رہا ہے اور لوگ انہی کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں کیونکہ کوئی متبادل نظام موجود نہیں ہے‘ کونسل کو اس موضوع پر غور کرنے کی دعوت رابطہ کے جنرل سیکرٹری عزت مآب ڈاکٹر صاحب نے دی تھی جو فقہی کونسل کے نائب صدر بھی ہیں۔ کونسل نے فاضل ارکان کے اس اہم مسئلہ سے متعلق ارشادات سنے جس میں ایک ایسے حرام امر کا ارتکاب کیا جا رہا ہے جس کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

آج کل جدید معاشی تحقیق نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ سود دنیا کی اقتصادیات‘ سیاسیات‘ اخلاقیات اور دنیا کی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ آج دنیا جن بحرانوں میں مبتلا ہے‘ ان میں سے بہت سے بحرانوں کا سبب یہ سود ہی ہے۔ ان بحرانوں سے نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ سود کی اس خبیث بیماری کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے جس سے اسلام نے چودہ صدیاں پہلے ہی منع فرما دیا تھا اور پھر ایسے اسلامی بینکوں کے قیام کا مبارک منصوبہ بنایا جائے جو سود اور شرعاً ممنوع معاملات سے یکسر پاک ہوں۔ اس طریقے ہی سے سیکولر اور نئی ثقافتی یلغار کے شکار ان لوگوں کی تکذیب کی جا سکتی ہے‘ جن کا خیال یہ ہے کہ اقتصادی میدان میں اسلامی شریعت کا نفاذ محال ہے کیونکہ بینکوں کے بغیر کوئی معاشی نظام کامیاب نہیں ہو سکتا اور کوئی بینک سود کے بغیر چل نہیں سکتا‘ اس لیے کونسل نے یہ قرارداد پاس کی ہے کہ:

اولاً: تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ سودی لین دین اور کسی بھی صورت میں سودی لین دین سے تعاون کو بالکل ختم کر دیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

ثانیاً: سودی بینکوں کے متبادل کے طور پر اسلامی بینکوں کے قیام کو کونسل بنظر تحسین دیکھتی ہے اور اس بات کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ سود سے پاک اسلامی بینکوں کا جال تمام اسلامی ملکوں میں پھیلا دیا جائے بلکہ غیر اسلامی ملکوں میں بھی جہاں جہاں مسلمان ہوں ان کی شاخیں کھول دی جائیں تاکہ سود سے پاک یہ اسلامی بینک مکمل اسلامی معاشی نظام کے قیام میں نہایت اہم کردار ادا کر سکیں۔

ثالثاً: ہر وہ مسلمان جسے اسلامی بینکوں کی سہولت میسر ہو اسے اندرون و بیرون ملک غیر اسلامی اور سودی بینکوں سے کاروبار کو حرام سمجھنا چاہیئے کیونکہ متبادل اسلامی بینکوں کی موجودگی میں سودی بینکوں سے کاروبار کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ناپاک کے بجائے پاک اور حرام کے بجائے حلال طریق کار کو اختیار کرے۔

رابعاً: کونسل اسلامی ملکوں کے حکمرانوں اور سودی بینکوں کے منتظمین کو یہ دعوت دیتی ہے کہ وہ انہیں سود کی نجاست سے پاک کرنے کے لیے جلد اقدام کریں۔

خامسًا: ہروہ مال جو سودی نفع کے طور پر حاصل ہو وہ شرعاً مال حرام ہے' لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خود یا اس کے اہل خانہ میں سے کوئی اپنی کسی بھی ضرورت کے لیے استعمال کرے بلکہ واجب ہے کہ اسے مسلمانوں کی بہبود کے عام منصوبوں مثلاً سکولوں یا ہسپتالوں وغیرہ پر خرچ کر دیا جائے یہ صدقہ تو نہیں ہو گا لیکن اس سے ان کا مال حرام سے پاک ہو جائے گا۔

سودی فوائد کو سودی بینکوں ہی میں رہنے دینا جائز نہیں کیونکہ اس سے سودی بینکوں کو تقویت حاصل ہو گی اور اگر یہ بینک غیر ملکی ہو تو اس میں سودی رقم چھوڑ دینے میں اور بھی زیادہ گناہ ہے کیونکہ یہ رقم عموماً عیسائی اور یہودی اداروں پر خرچ کی جاتی ہے اور اس طرح مسلمانوں کے مال مسلمانوں ہی کے خلاف جنگ میں اسلحہ کے طور پر اور مسلمانوں کی اولاد کو ان کے عقیدے سے دور کر کے گمراہ کر دینے میں صرف ہوتے ہیں لیکن یہ بھی یاد رہے کہ نفع لیے یا نہ لیے بغیر ان سودی بینکوں کے ساتھ ہمیشہ لین دین کرتے رہنا بھی جائز نہیں ہے۔

کونسل اسلامی بینکوں کی انتظامیہ سے یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ ان بینکوں میں کام کرنے کے لیے وہ نیک مسلمانوں کا انتخاب کرے اور ان کے لیے اسلامی احکام و آداب کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے تاکہ ان کے تمام معاملات اور تصرفات اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ واللہ الموفق والهادي إلى سواء السبيل۔

مجلّة الدعوة نمبر: ۱۰۳۷

سودی بینکوں کے ساتھ کاروبار

سودی بینکوں کے ساتھ لین دین کے بارے میں حکم

سوال درج ذیل لوگوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

- جو اپنا سرمایہ بینک میں رکھتا اور سال ختم ہونے پر سود لیتا ہے۔
- جو بینک سے سود پر قرض لیتا ہے۔
- جو شخص بینک میں سرمایہ تو رکھتا ہے لیکن سود نہیں لیتا۔
- وہ صاحب جائداد جو اپنی عمارتیں بینکوں کو کرایہ پر دیتا ہے۔

جواب بینکوں میں سود پر سرمایہ رکھنا یا سود پر بینکوں سے قرض لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ صریحاً سود ہے۔ سود پر بینکوں کے سوا کسی اور جگہ سرمایہ رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور نہ کسی سے سود پر قرض لینا جائز ہے کیونکہ یہ تمام صورتیں اہل علم کے نزدیک حرام ہیں' اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۵)

''اور سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔''

اور فرمایا:

﴿ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷٦)

"اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۸-۲۷۹)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا اس کو چھوڑ دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔"

پھر اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۰)

"اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے تک) مہلت دو۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تلقین فرمائی ہے کہ تنگ دست سے قرض کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ مہلت کی وجہ سے اس پر اور مالی بوجھ ڈال دیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ قرض ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہونے کی صورت میں اسے مہلت دی جائے' تاآنکہ وہ آسانی سے قرض ادا کر دے' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت اور لطف و کرم ہے اور انہیں اس ظلم اور بدترین لالچ سے بچانا ہے جو ان کے لیے سراسر نقصان دہ ہے اور ان کے لیے ذرہ بھر فائدہ مند نہیں۔

بینکوں میں سود کے بغیر سرمایا رکھنے میں کوئی حرج نہیں' جبکہ مسلمان اس کے لیے مجبور ہو' البتہ سودی بینکوں میں کام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے' خواہ کوئی مینجر کے طور پر کام کرے یا کلرک کے طور پر یا اکاؤنٹینٹ کے طور پر یا کسی اور طور پر کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾ (المائدة۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔" اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحیح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:۱۵۹۸)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

گناہوں پر تعاون کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات اور احادیث بہت سی ہیں' انہی مذکورہ دلائل سے یہ بھی معلوم

ہوتا ہے کہ جائیداد کے مالکان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سودی کاروبار کرنے والے بینکوں کو کرایہ پر اپنی عمارتیں دیں کیونکہ یہ بھی سودی کاموں پر اعانت ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت سے سرفراز فرمائے' حاکم اور محکوم سب مسلمانوں کو سود سے جنگ کی توفیق بخشے اور انہی شرعی معاملات پر اکتفاء کرنے کی توفیق بخشے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مباح قرار دیا ہے' بے شک وہی قادر و کارساز ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بینکوں میں سود پر رقم جمع کرانا

سوال بینکوں میں سرمایہ کاری کے بارے میں کیا حکم ہے' جب کہ بینک رقوم جمع کرانے پر سود دیتے ہیں؟

جواب اسلامی شریعت کا علم رکھنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ بینکوں میں سود پر سرمایہ کاری حرام ہے' کبیرہ گناہ ہے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰاْ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۵۔۲۷٦)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام' تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا' اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾ البقرة۲/ ۲۷۸۔۲۷۹)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو)' اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا (نقصان)۔"

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے

والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحیح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی اور مصور پر بھی لعنت فرمائی۔" ①

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ»

"سات تباہ و برباد کر دینے والی چیزوں سے اجتناب کرو۔"

عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ! وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا:

«اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلاَتِ الْمُؤْمِنَاتِ» (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله تعالى ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ... الخ﴾، ح:٢٧٦٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٩)

"شرک کرنا' جادو کرنا' اس نفس کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو مگر حق کے ساتھ' یتیم کے مال کو کھانا' سود کھانا' جنگ کے دن فرار ہونا اور پاک دامن غافل اور مومن عورتوں پر بہتان اور تہمت لگانا۔"

سود کی حرمت اور اس سے بچنے کے بارے میں آیات و احادیث بہت سی ہیں' لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ سود سے بچیں' اس کو ترک کر دیں اور دوسروں کو بھی اسے ترک کر دینے کی تلقین کریں۔ مسلمان حکمرانوں پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنے ملکوں میں سودی بینک قائم کرنے والوں کو منع کریں' ان سے شریعت مطہرہ کے حکم کی پابندی کرائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کر کے اس کے عذاب سے بچ سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعۡتَدُونَ ۝٧٨ كَانُواْ لَا يَتَنَاهَوۡنَ عَن مُّنكَرٖ فَعَلُوهُۚ لَبِئۡسَ مَا كَانُواْ يَفۡعَلُونَ ۝٧٩ ﴾ (المائدۃ٥/ ٧٨-٧٩)

"جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے (اور) برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔" اور فرمایا:

﴿ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتُ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلِيَآءُ بَعۡضٖۚ يَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ ﴾ (التوبۃ٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں

---

① صحیح بخاری' البیوع' باب موکل الربا لقول اللہ عزوجل --- الخ' حدیث: 2086

سے منع کرتے ہیں۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ، فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابِهِ» (سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف ... الخ، ح:٤٠٠٥ وسنن أبي داود، ح:٤٣٣٨ وجامع الترمذي، ح:٣٠٥٧ ومسند أحمد: ١/ ٢ واللفظ له)

"لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اس سے منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے سکتا ہے۔"

امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کے بارے میں آیات و احادیث بہت سی ہیں جو معلوم ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو' حکام کو بھی اور محکوم کو بھی' علماء کو بھی اور عوام کو بھی استقامت کے ساتھ اپنی شریعت پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور ہراس کام سے بچائے جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔ انه خير مسئول۔

—— شیخ ابن باز ——

معین نفع کے ساتھ بینکوں میں سرمایہ رکھنا

سوال معین نفع کے ساتھ بینکوں میں سرمایہ رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب معین نفع کے ساتھ بینکوں میں سرمایہ رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عقد ربا پر مشتمل ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٥)

"سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٨-٢٧٩)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو)' اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔"

بینکوں میں سرمایہ رکھنے والا اپنے سرمایہ پر جو نفع حاصل کرتا ہے' اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرْبِي ٱلصَّدَقَٰتِ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٦)

"اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔"

بینکوں سے معاملہ کی یہ صورت ربا الفضل بھی ہے اور ربا النسیۂ بھی کیونکہ بینک میں رقم جمع کرانے والا معلوم مدت اور معلوم نفع کی شرط کے ساتھ رقم جمع کراتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سودی بینکوں میں بطور امانت سرمایہ رکھنا

سوال جس شخص کے پاس کچھ سرمایہ ہو اور وہ حفاظت کے نقطہ نظر سے کسی بینک میں بطور امانت رکھ دے اور ہر سال اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب سودی بینکوں میں اپنا سرمایہ رکھنا جائز نہیں خواہ سود نہ بھی لے کیونکہ اس میں گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے' لیکن اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور سودی بینکوں کے سوا اس کے پاس اپنے سرمایہ کی حفاظت کے لیے کوئی اور جگہ نہ ہو تو پھر نظریۂ ضرورت کے پیش نظر اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہ ہو گا' کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"اور جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیئے) مگر اس صورت میں کہ ناچار ہو جاؤ۔"

اور اگر کوئی اسلامی بینک موجود ہو یا کوئی ایسی جگہ جہاں اپنا مال بطور امانت رکھنے میں گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ ہو تو پھر سودی بینک میں سرمایہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نفع کے بغیر سودی بینکوں میں سرمایہ رکھنا

سوال ان لوگوں کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے' جو بینکوں میں کام کرتے ہیں نیز ان لوگوں کے بارے میں جو سود تو نہیں لیتے لیکن بینکوں میں اپنا سرمایہ رکھ دیتے ہیں؟

جواب لاریب! سودی بینکوں میں کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾

(المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ» (صحیح مسلم، المساقاة، باب لعن آکل الربا ومؤکله، ح:۱۵۹۸)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

بینکوں میں ماہانہ یا سالانہ نفع کی بنیاد پر سرمایہ رکھنا سود اور باجماع علماء حرام ہے اور بغیر نفع کے بارے میں بھی زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ضرورت کے بغیر نہ رکھا جائے کیونکہ اگر بینک سودی کاروبار کرتا ہے تو اس میں سرمایہ رکھنے میں سودی کاموں میں تعاون ہے خواہ سرمایہ رکھنے والا سود نہ بھی لے' لہٰذا اس صورت میں خدشہ ہے کہ کہیں یہ بھی گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون کرنے والوں میں شامل نہ ہو جائے خواہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ بھی ہو' لہٰذا واجب ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اپنے سرمایہ کی حفاظت اور تصرف کے لیے ایسے طریقے استعمال کئے جائیں جو پاک ہوں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے جو ان کے لیے باعث سعادت' عزت اور نجات ہوں اور انہیں جلدازجلد ایسے اسلامی بینک قائم کرنے کی سعادت عطا فرمائے جو سود سے پاک ہوں۔ بے شک وہی قادروکارساز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

بینکوں کے ذریعے سرمایہ کی منتقلی

سوال کیا ایک مسلمان کے لیے ان بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے جو سرمایہ پر سود دیتے اور قرض پر سود لیتے ہیں؟

جواب کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا سرمایہ کسی ایسے بینک میں رکھے جو اسے سالانہ معین مقدار میں سود دیتا ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ سود ادا کرنے کی شرط پر کسی بھی بینک سے قرض لے مثلاً یہ کہ جب وہ بینک کا سرمایہ واپس کرے گا تو اس سے پانچ فی صد سود بھی ادا کرے گا۔ یہ دونوں صورتیں کتاب و سنت اور اجماع کے دلائل کے عموم میں داخل ہیں جو سود کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ والحمد اللہ!

جہاں تک سود کے بغیر بینکوں میں اپنا سرمایہ محض بطور امانت رکھنے کی بات ہے تو اگر آدمی مجبور و مضطر نہ ہو تو پھر جائز نہیں کیونکہ یہ بینک مالکان کے ساتھ سودی معاملات میں تعاون ہو گا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور اگر کوئی شخص بینکوں میں اپنا سرمایہ رکھنے کے لیے مجبور ہو تو پھر ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہ ہو گا۔ ایک بینک کے ذریعے دوسرے بینک میں سرمایہ کی منتقلی میں کوئی حرج نہیں خواہ منتقلی کی خدمات سرانجام دینے والا بینک سرچارج وصول کرے کیونکہ یہ سرچارج درحقیقت منتقلی کے کام کی اجرت ہوتی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ تعاون عین سود ہے

سوال ایک بینک نے سٹوڈنٹس فنڈز کے ذمہ داروں کو یہ پیشکش کی ہے کہ وہ ان فنڈز کی حفاظت اور ان میں تعاون کے لیے تیار ہے کیونکہ وہ ان فنڈز کو اپنے کاروبار میں استعمال کرے گا' تو کیا ان فنڈز کو بینک میں جمع کرانا جائز ہے؟

جواب یہ کام جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عین ربا ہے' اس لیے کہ بینک ان فنڈز کو استعمال کرے گا اور ان پر طے شدہ سود ادا کرے گا۔ بینک نے دجل و تلبیس' دھوکا اور سود پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کا نام تعاون رکھا ہے اور سود تو بہرحال سود ہے خواہ لوگ اس کا کوئی بھی نام رکھ لیں۔ واللہ المستعان۔

—— شیخ ابن باز ——

نفع پر بل کی بینک کو فروخت

سوال ایک آدمی نے بائع سے کچھ سامان خریدا اور طے کیا کہ وہ ایک یا دو ماہ بعد رقم ادا کرے گا' مشتری نے بائع کے لیے اس کاغذ پر دستخط بھی کر دیئے' جسے بل کہا جاتا ہے اور اس میں قیمت خرید' رقم کی ادائیگی کا وقت اور خریدار کا نام لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد بائع یہ بل بینک کو فروخت کر دیتا ہے اور بینک بائع سے نفع لے کر اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے تو کیا معاملہ کی یہ صورت حلال ہے یا حرام؟

جواب معلوم مدت کے ادھار پر معلوم قیمت کے ساتھ سامان خریدنا جائز ہے اور اس کی قیمت وغیرہ کو لکھ لینا شرعاً مطلوب ہے کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۲)

"اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔"

باقی رہا بل کا بینک کو بیچنا' بینک کا اس کی قیمت ادا کر دینا اور پھر اصل خریدار سے اسے وصول کرنا تو یہ معاملہ حرام ہے کیونکہ یہ سود ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بینکوں کے حصص کی خریداری

سودی بینکوں کے حصص کو خریدنا

سوال کیا سعودی عرب میں کام کرنے والے بینکوں مثلاً سعودی امریکی بینک' سعودی کمرشل بینک وغیرہ کے حصص کو خریدنا جائز ہے جنہوں نے آج کل فروخت کے لیے اپنے حصص پیش کیے ہیں' رہنمائی فرمائیں' جزاکم اللہ عنا الف خیر؟

جواب سودی بینکوں کے حصص کو خریدنا اور بینکوں وغیرہ کے ساتھ سودی معاملات کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور

ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

بینکوں کے حصص کی خریداری

سوال بینکوں کے حصص کو خریدنا اور پھر انہیں ایک مدت کے بعد فروخت کر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جس میں ایک ہزار مثلاً تین ہزار کے بھی بن جاتے ہیں' کیا یہ سود شمار ہو گا؟

جواب بینکوں کے حصص کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تساوی اور تقابض کی شرط کے بغیر نقود کی نقود کے ساتھ بیع ہے اور پھر یہ سودی ادارے ہیں۔ لہٰذا ان سے تعاون اور خرید و فروخت جائز نہیں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔" آپ ان بینکوں سے صرف اپنا اصل سرمایہ لے سکتے ہیں۔

آپ کو اور دیگر تمام مسلمانوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ خود بھی سودی معاملات سے بچیں اور دوسروں کو بھی ان سے بچائیں' سابقہ کوتاہیوں سے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں کیونکہ سودی معاملات تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ ہے اور اس کے غضب و عذاب کا سبب جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَـٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰا۟ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ أَصْحَـٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَـٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَـٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٧٥-٢٧٦)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کہ کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو' یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام' تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت کو) بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾

(البقرۃ۲/ ۲۷۸۔۲۷۹)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔" نیز مذکورہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام حرام ہے۔

———— شیخ ابن باز ————

بینکوں میں کام

سودی بینکوں میں کام کرنے کے بارے میں حکم

سوال میں سند فراغت حاصل کرنے کے قریب ہوں اور اپنے شہر میں موجود بینکوں میں سے کسی ایک بینک میں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے' کیا بینکوں میں کام کرنا سود کے بارے میں وارد حدیث شریف کے ضمن میں آتا ہے؟

جواب میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ سودی بینکوں میں کام نہ کریں کیونکہ اس میں سودی کام کرنے والوں کے ساتھ تعاون ہے اور سود حرام ہے اور حرام کاموں میں تعاون کرنے کی ممانعت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾

(المائدۃ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:۱۵۹۸)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بینک قائم کرنے والوں کو توفیق بخشے کہ وہ اسلامی شریعت پر عمل کریں' اس سود کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' ترک کر دیں۔ حکمرانوں کو بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ وہ انھیں اس سے منع کریں تاکہ وہ

اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں اور اس کی مخالفت سے اجتناب کریں۔ انه خیر مسؤول

——— شیخ ابن باز ———

سودی بینکوں میں کام گناہ میں تعاون ہے

سوال میرا ایک چچا زاد بھائی ایک بینک میں کلرک کے طور پر کام کرتا ہے۔ اسے بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ یہ کام نہ کرے اور اسے چھوڑ کر کوئی اور ملازمت تلاش کرے۔ آپ رہنمائی فرمائیں' کیا اس کے لیے بینک میں کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب جنہوں نے مذکورہ فتویٰ دیا ہے انہوں نے بہت اچھا فتویٰ دیا ہے کیونکہ سودی بینکوں میں کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

سودی اداروں میں کام کرنے کے بارے میں حکم

سوال کیا کسی سودی ادارے میں ڈرائیور یا چوکیدار کے طور پر کام کرنا جائز ہے؟

جواب سودی اداروں میں کام کرنا جائز نہیں خواہ انسان ڈرائیور یا چوکیدار کے طور ہی پر کیوں نہ کام کرے کیونکہ سودی اداروں میں ملازمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے کام سے خوش ہے کیونکہ جو شخص کسی حرام کام سے خوش ہو تو وہ گناہ میں شریک ہو گا اور جو شخص ان اداروں میں براہ راست ملوث ہے کہ وہ ان کے حساب کتاب کو لکھتا ہے یا ان سے لین دین کرتا ہے یا اس طرح کے کسی اور کام میں شریک ہے تو وہ بلاشبہ حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب گناہ میں برابر (کے شریک) ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بینک میں بطور چوکیدار ملازم

سوال ایک آدمی ایک بینک میں دس سال سے ملازمت کر رہا ہے اور اب اسے معلوم ہوا ہے کہ بینکوں میں کام کرنا جائز نہیں ہے' وہ رات کے چوکیدار کے طور پر کام کرتا ہے اور بینک کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو کیا وہ اس ملازمت کو جاری رکھے یا چھوڑ دے؟

جواب سودی بینکوں میں کسی مسلمان کے بطور چوکیدار کام کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تم ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

بینکوں کے اکثر معاملات چونکہ سود پر مبنی ہیں لہٰذا آپ کو چاہئے کہ اس کے بجائے کسی حلال طریقہ سے رزق تلاش کریں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ناواقفیت کی وجہ سے بینکوں میں کام اور تنخواہ کا حکم

سوال میں آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ میں سعودی ہالینڈی بینک میں جس کی پورے سعودیہ میں شاخیں ہیں' کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے سیکنڈری تعلیم سے فراغت کے بعد چھ یا سات ماہ تک اس بینک میں کام کیا ہے اور جب مجھے میرے ایک ساتھی نے یہ بتایا کہ بینک کی ملازمت حرام ہے کیونکہ وہ اپنے بعض معاملات میں سودی لین دین کرتا ہے تو میں بینک کی ملازمت ترک کر کے سعودی ایئر لائن سے وابستہ ہو گیا' اب سوال یہ ہے کہ کیا سات ماہ کی وہ تنخواہ جو میں نے بینک سے اپنے کام کے عوض وصول کی ہے' وہ حرام ہے اور کیا مجھ پر لازم ہے کہ اس تنخواہ کو میں صدقہ کر دوں یا میرے لیے بس یہی کافی ہے کہ میں نے بینک کی ملازمت ترک کر دی ہے؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ کو بتایا گیا کہ بینک کی ملازمت جائز نہیں ہے تو آپ نے اسے ترک کر دیا تو مذکورہ مدت میں کام کر کے آپ نے بینک سے جو تنخواہ لی ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور اس تنخواہ کو صدقہ کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس سے توبہ کرنا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو معاف فرمائے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد و آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

سودی بینکوں میں ملازمت کا حکم

سوال میں مصر میں حکومت کے تابع ایک بینک میں کام کرتا تھا' اس بینک کا کام یہ ہے کہ یہ زمینداروں اور دیگر لوگوں کو آسان شرطوں پر ایک مدت کے لیے قرض دیتا ہے جو کہ چند مہینوں سے لے کر کچھ سالوں تک کی بھی ہو سکتی ہے۔ بینک ان قرضوں پر سود بھی لیتا ہے اور مقرر مدت سے تاخیر کی صورت میں تین سے سات فی صد یا اس سے بھی زیادہ جرمانہ

بھی کرتا ہے اور جب مدت مقررہ آ جاتی ہے تو بینک اصل قرض کے علاوہ سود اور جرمانہ کی رقم بھی نقد وصول کرتا ہے اور اگر مقروض مدت مقررہ پر نہ ادا کر سکے تو بینک ہر دن کے حساب سے سود وصول کرتا ہے۔ الغرض اس بینک کی ساری آمدنی قرضوں کے سود اور تاخیر کی صورت میں وصول کئے جانے والے جرمانوں پر مشتمل ہے اور اس سے بینک کے ملازمین کو تنخواہ ادا کی جاتی ہے۔

میں اس بینک میں بیس سال سے زیادہ عرصہ سے کام کر رہا ہوں' بینک کی تنخواہ ہی سے میں نے شادی کی ہے اور اسی سے گزر بسر' بچوں کی پرورش اور صدقہ کرتا ہوں اور اس کے سوا میرا اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے بارہ میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب اس بینک کا قرضوں پر نفع اور قرضوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں جرمانہ وصول کرنا یہ سب سود ہے۔ لہٰذا اس طرح کے بینک میں ملازمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾﴾

(المائدۃ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔"

اگر آپ کو شرعی حکم کا علم نہ تھا تو آپ نے بینک سے جو تنخواہ لی ہے یہ حلال ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵۔۲۷٦)

"اللہ نے سودے کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور اگر آپ کو علم تھا کہ یہ کام جائز نہیں تو پھر آپ نے بینک سے جس قدر رقم لی ہے وہ ساری رقم فلاحی اداروں اور فقراء وغیرہ میں تقسیم کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی پکی توبہ کرے' تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر کے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (التحریم٦٦/ ۸)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

——— شیخ ابن باز ———

بینکوں کے ملازمین کی تنخواہیں

سوال کیا بینکوں کے ملازمین خصوصاً عربی بینک کے ملازمین کی تنخواہیں حلال ہیں یا حرام؟ میں نے سنا ہے کہ یہ حرام ہیں کیونکہ بینک اپنے بعض معاملات میں سودی لین دین کرتے ہیں' میں چونکہ ایک بینک میں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس لیے امید ہے رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب سودی بینکوں کی ملازمت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں اعانت ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ» (صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

بینک کے منافع

بینکوں کی طرف سے ادا کیے جانے والے منافع کا حکم

سوال لوگ بینکوں میں اپنی جو رقوم جمع کرواتے ہیں' بعض بینک ان پر منافع بھی دیتے ہیں لیکن ہمیں ان منافع کے بارے میں یہ معلوم نہیں کیا یہ سود ہے یا جائز نفع ہے کہ مسلمان کے لیے اسے لینا جائز ہو۔ کیا عرب دنیا میں ایسے بینک موجود ہیں جو لوگوں کے ساتھ اسلامی شریعت کے مطابق معاملہ کرتے ہوں؟

جواب وہ نفع جو بینک جمع کرائی جانے والی رقوم پر ادا کرتا ہے' سود ہے لہٰذا اسے استعمال کرنا حلال نہیں ہے۔ سودی بینک میں رقم جمع کرانے والے کو اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرنی چاہیئے اور اسے چاہیئے کہ فی الفور بینک سے اپنی رقم اور نفع

نکال لے اپنی اصلی رقم کو تو اپنے پاس محفوظ رکھے اور بینک سے حاصل ہونے والی اس زائد رقم کو فقراء و مساکین اور عام بہبود کے کاموں میں صرف کر دے۔

ثانیاً: کسی ایسی جگہ کو تلاش کرے جہاں سودی کاروبار نہ ہوتا ہو خواہ وہ کوئی دوکان ہی کیوں نہ ہو اور اپنی رقم وہاں مضاربت پر دے دے اور مضاربت میں نفع کا حصہ مثلاً ثلث وغیرہ یا جو بھی ہو وہ معلوم طے شدہ ہونا چاہیئے یا پھر بغیر کسی فائدہ کے محض امانت کے طور پر وہاں اپنی رقم رکھوا دے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بینکوں کے منافع کے بارے میں حکم

سوال کیا یہ نفع جسے بینک اصلی سرمایہ پر ادا کرتے ہیں حلال ہے یا حرام؟ کیا ہم اس نفع کو لے لیں یا اسے چھوڑ دیں؟

جواب یہ نفع عین سود ہے کیونکہ یہ مال کے عوض اسی کی جنس کا مال اس سے زیادہ لینا ہے اور پھر بینک اس مال پر حاصل ہونے والے نفع کی اصل مقدار کو نہیں بتاتے بلکہ اسے دوسرے کے مال کے ساتھ بھی ملا دیتے اور کبھی بہت زیادہ نفع حاصل کرتے اور کبھی خسارہ بھی اٹھاتے ہیں لہٰذا بینکوں کی طرف سے ادا کیا جانے والا یہ نفع ربا بھی ہے اور غرر بھی لیکن بعض علماء نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ اسے لے کر خود استعمال نہ کیا جائے بلکہ فقراء و مساکین اور فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کر دیا جائے اور اسے ان لوگوں کے پاس نہ رہنے دیا جائے جو اسے معصیت کے کاموں میں استعمال کریں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بینکوں کے منافع کا خیراتی سکیموں میں استعمال

سوال ہم ترکی کے باشندے ہیں اور سعودی عرب میں کام کرتے ہیں اور جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں ہمارے ملک ترکی میں سیکولرازم کو نظام حکومت کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں سودی نظام بری طرح پھیل چکا ہے حتیٰ کہ سود کی شرح پچاس فی صد سالانہ تک بھی پہنچ جاتی ہے، لیکن ہم ترکی میں اپنے اہل خانہ کو رقوم انہی بینکوں سے بھیجنے کے لیے مجبور ہیں جو کہ سود کا اصلی سرچشمہ ہیں۔ اسی طرح چوری ہو جانے، ضائع ہو جانے یا دیگر خطرات کی وجہ سے بھی ہم اپنی رقوم بینکوں میں رکھتے ہیں تو ان حالات کی وجہ سے ہم فتویٰ کے لیے دواہم سوال آپ کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں۔ جزاکم اللہ عنا خیر الجزاء۔

(۱) کیا یہ جائز ہے کہ سود انہی بینکوں میں چھوڑ دینے کے بجائے اسے فقراء اور خیراتی اداروں میں تقسیم کر دیا جائے؟

(۲) اور اگر یہ جائز نہیں تو کیا چوری یا ضائع ہونے کے خدشہ کی وجہ سے حفاظت کے لیے بینکوں میں اپنی رقوم رکھنا جائز ہے جب کہ بینک ان رقوم کو جب تک یہ اس کے پاس رہیں گی، اپنے مقاصد میں استعمال کرتا رہے گا؟

جواب بوقت ضرورت سودی بینکوں کے ذریعہ اپنی رقوم منتقل کرنے میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں مگر اس صورت میں کہ ناچار ہو جاؤ۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر میں انہی بینکوں کے ذریعہ رقوم منتقل کرنا عام ضروریات میں سے ہے' اسی طرح سود کی شرط کے بغیر محض حفاظت کے لیے رقوم رکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کسی شرط یا معاہدہ کے بغیر بینک سود ادا کریں تو اسے لے کر خیراتی سکیموں اور فقراء و مقروض لوگوں میں تقسیم کر دینے میں کوئی حرج نہیں' اس سودی رقم میں سے اپنے پاس نہ رکھے اور نہ خود اس سے کوئی فائدہ اٹھائے' یہ کمائی اگرچہ ناجائز ہے لیکن اسے لے کر فقیروں میں تقسیم کر دینا چاہیئے کیونکہ اسے بینک کے پاس چھوڑ دینے میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔ لہٰذا اسے مسلمانوں کے مفاد میں صرف کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اسے کفار ہی کے پاس رہنے دیا جائے تاکہ وہ اسے حرام کاموں میں استعمال کریں۔ اگر ان رقوم کو غیر سودی بینکوں یا دیگر مباح طریقوں سے منتقل کرنا ممکن ہو تو پھر سودی بینکوں کے ذریعہ انہیں منتقل کرنا جائز نہیں ہے' اسی طرح اگر اسلامی بینکوں یا اسلامی تجارت میں ان رقوم کو لگانا ممکن ہو تو پھر انہیں سودی بینکوں میں رکھنا جائز نہیں کہ اس صورت میں سودی بینکوں کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

سودی رقوم کو خیراتی سکیموں میں استعمال کرنا

سوال ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جس کے باشندے غیر مسلم ہیں' اللہ تعالیٰ نے الحمدللہ اس ملک میں ہمیں خوش حالی سے نوازا جس کی وجہ سے ہم امریکی بینکوں میں اپنی رقوم محفوظ رکھنے کے لیے مجبور ہیں' لیکن ہم ان بینکوں سے اپنی رقوم پر سود نہیں لیتے اور وہ لوگ اس پر بہت خوش ہیں اور ہمیں بے وقوف سمجھتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کے ان اموال کو عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت میں استعمال کرتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ ہم ان رقوم سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں اور انہیں مسلمان فقراء اور مساجد و مدارس پر کیوں نہ خرچ کریں؟ اگر ان رقوم کو لے کر فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مجاہدین اور ان کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے تو کیا اس کی وجہ سے مسلمان قابل ملامت ہو گا؟

جواب سودی بینکوں میں اپنے اموال کو رکھنا جائز نہیں ہے' خواہ یہ بینک مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے کیونکہ اس میں گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے' خواہ یہ اموال سود کے بغیر ہی رکھے جائیں لیکن اگر کوئی شخص سود کے بغیر محض حفاظت کے لیے رکھنے پر مجبور ہو تو ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الأنعام۶/ ۱۱۹)

"اور جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں مگر اس میں کہ تم ان کے لیے ناچار ہو جاؤ۔"

سود لینے کی شرط کے ساتھ اگر ان رقوم کو بینکوں میں رکھا جائے تو پھر گناہ زیادہ ہو گا کیونکہ سود کبیرہ گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب کریم میں بھی اور اپنے رسول امین ﷺ کی زبانی بھی حرام قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اسے نیست و نابود کر کے رہے گا۔ اور جو شخص سودی لین دین سے باز نہ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا ہے۔ مال

دار لوگ اگر اپنے مال کو نیکی' احسان اور مجاہدین کی مدد کے لیے خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں اجر سے بھی نوازے گا اور خرچ کئے جانے والے مال کا نعم البدل بھی عطا فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُم بِٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷٤)

''جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ان کا صلہ پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ غم۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُۥ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿٣٩﴾ ﴾ (سبا۳٤/ ۳۹)

''اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

یہ حکم زکوٰۃ اور غیر زکوٰۃ سب کے لیے عام ہے' اسی طرح صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلاَّ عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ للهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، ح:۲۵۸۸)

''صدقہ' مال میں کچھ کمی واقع نہیں کرتا' معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں (کمی نہیں بلکہ) اضافہ ہی فرماتا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کی رضاجوئی) کے لیے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے (ذلیل نہیں بلکہ) سربلند ہی کرتا ہے۔''

نیز آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلاَّ مَلَكَانِ يَنْزِلاَنِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُولُ الآخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»(صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالٰى ﴿فأما من اعطٰى واتقٰى ...﴾، ح:۱٤٤۲ وصحيح مسلم، الزكاة، باب في المنفق والممسك، ح:۱۰۱۰)

''ہر روز دو فرشتے نازل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! (مال کو) روک رکھنے والے کے مال کو تباہ و برباد کر دے۔''

نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے اور ضرورت مندوں پر صدقہ کرنے کی فضیلت کے بارے میں بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ اگر کوئی مال دار شخص جہالت یا تساہل کی وجہ سے اپنے مال پر سود وصول کر لے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے رشد و ہدایت عطا فرما دے تو وہ اسے اپنے پاس رکھنے کے بجائے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دے کیونکہ سود جس مال میں بھی شامل ہو' اسے نیست و نابود کر دیتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ۗ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷٦)

''اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔''

———— شیخ ابن باز ————

جو شخص جہالت کی وجہ سے سود لے لے

سوال جب میرے پاس کچھ مال ہو' میں اسے بینک میں رکھ دوں اور اس پر ایک سال یا زیادہ مدت گزر جائے اور مجھے اپنی اصلی رقم سے دس فی صد زیادہ ملے اور مجھے علم نہ ہو کہ یہ سود یا غیر شرعی معاملہ ہے اور میں اس زیادہ رقم کو تو لے لوں اور اصل رقم کو بینک ہی میں رہنے دوں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس رقم کے بقدر میں اپنے کسی دوسرے حلال مال سے نکال دوں؟ کیا یہ جائز ہے کہ یہ سودی رقم میں اپنی ان ضرورت مند اور شادی شدہ چچا زاد بہنوں کو دے دوں جو ہم سے دور کسی اور علاقہ میں رہتی ہیں؟

جواب نفع کے نام سے بینک نے آپ کو جو سود دیا ہے' اسے کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کریں' اس کے بقدر اپنے حلال مال سے نکالنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ قابل معافی ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن جَآءَهُۥ مَوۡعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمۡرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۖ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا' اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔"

اگر اس کے بعد بھی آپ بینک سے سود لیں تو اسے کسی قریب یا بعید کے ایسے انسان پر صدقہ کر دیں جو صدقہ کا مستحق ہو تو اس سے آپ سود کھانے کے گناہ سے بچ جائیں گے۔

شیخ ابن جبرین

سودی نفع سے بچنے کا طریقہ

سوال جب ایک سال سے زیادہ مدت کے بعد میں بینک سے اپنی رقم لوں اور اس کے ساتھ نفع بھی ہو تو کیا اس نفع کو لے کر صدقہ کر دوں یا اسے بینک ہی کو دے دوں یا میں کیا کروں؟

جواب مال پر جب بھی ایک سال کی مدت گزر جائے تو آپ کے لیے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے' یہ مال بینک میں ہو یا کسی اور جگہ بشرطیکہ نصاب کے مطابق ہو۔ بینک آپ کو جو نفع دے اسے نہ خود کھائیں اور نہ بینک کو دیں بلکہ اسے نیکی کے کاموں میں صرف کریں مثلاً فقیروں پر صدقہ کر دیں' نالیوں اور غسل خانوں وغیرہ کو بنوا دیں اور قرضوں کے ادا کرنے سے عاجز و قاصر مقروضوں کی مدد کریں۔ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ بینک یا کسی اور کے ساتھ سودی معاملہ کریں کیونکہ سود بدترین قسم کا کبیرہ گناہ ہے' چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأۡكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِي يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيۡطَٰنُ مِنَ ٱلۡمَسِّۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ قَالُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡبَيۡعُ مِثۡلُ ٱلرِّبَوٰاْۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوۡعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمۡرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۖ وَمَنۡ عَادَ فَأُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمۡحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرۡبِي ٱلصَّدَقَٰتِۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵۔۲۷۶)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کہ کسی کو جن نے لپٹ کر

دیوانہ بنا دیا ہو' یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام' تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔" اور آگے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾

(البقرۃ۲/ ۲۷۸۔۲۷۹)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو)' اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔"

یہ تمام آیات کریمہ دلالت کناں ہیں کہ سود شدید حرام ہے اور کبیرہ گناہ اور جو اس پر اصرار کرے' اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید ہے۔ ہم اللہ سے پناہ چاہتے ہیں--- اگر کوئی سود کو حلال سمجھتا ہو تو اس کے لیے یہ خلود' کافروں کے خلود کی طرح ظاہر ہی پر محمول ہوگا۔

جو شخص یہ جانتا ہے کہ سود حرام ہے' اس کی حرمت کا عقیدہ بھی رکھتا ہے اور پھر بھی سود پر اصرار کرتا ہے تو وہ بھی مذکورہ وعید کا مصداق ہے۔ اور اگر وہ جہنم رسید ہو گیا تو اس کا یہ خلود کفار کے خلود کی طرح نہ ہو گا بلکہ اس کے خلود کی کوئی نہ کوئی انتہاء ہو گی جیسا کہ خوارج و معتزلہ کے خلاف اس امت کے ائمہ سلف کا عقیدہ ہے۔ اسی طرح خودکشی کرنے والے' کسی انسان کو جان بوجھ کر دشمنی سے قتل کرنے والے اور زانی کے خلود کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ جو شخص ان گناہوں کو حلال سمجھے گا' اسے کافر قرار دیا جائے گا اور وہ کافروں ہی کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

جو شخص ان گناہوں کو حلال نہ سمجھے لیکن خواہش نفس اور شیطان کی اتباع میں ان کا ارتکاب کرے تو وہ اگر جہنم رسید ہوا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اس کے جہنم میں رہنے کی مدت کی کوئی حد ہو گی کیونکہ عربی زبان میں طویل عرصہ تک اقامت کو بھی خلود کہا جاتا ہے اور قرآن کریم عربوں ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ ایک بہت عظیم مسئلہ ہے' لہٰذا اسے بیان کرنا اور کافروں اور گناہ گاروں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کے فرق کو واضح کرنا واجب تھا۔ کافروں اور گناہ گاروں کے خلود فی النار میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے خوارج و معتزلہ ایک "منکر" عظیم اور اعتقاد فاسد میں مبتلا ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ گناہ گار بھی کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے جب کہ اہل سنت نے ان کے اس عقیدے کی زبردست تردید کی اور کتاب و سنت کے واضح دلائل اور سلف امت کے اقوال کی روشنی میں ان کے مذہب کے باطل ہونے کو واضح کیا۔

صحیح حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے' ہاتھ میں گودنے والی' ہاتھ میں گودنے کے لیے کہنے والی اور مصور پر لعنت فرمائی ہے۔[1]

تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ سودی معاملات اور سودی لین دین کرنے والوں سے تعاون کرنے سے پرہیز کریں جیسا کہ مذکورہ دونوں حدیثوں اور درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾﴾

(المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کے کاموں کے کرنے کی اور اسے ناراض کرنے والے اسباب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

سودی رقم کو فقیروں پر صدقہ کرنا

سوال بینکوں سے حاصل ہونے والے منافع کو کس طرح خرچ کیا جائے؟ کیا انہیں بینکوں ہی میں رہنے دیا جائے یا انہیں بینکوں سے لے کر صدقہ کر دیا جائے تاکہ آدمی خود سودی رقم استعمال کرنے سے بچ جائے؟

جواب میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ اسے لے کر مسلمان فقیروں میں صدقہ کر دیا جائے' ان شاء اللہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہو گا بشرطیکہ اسے خود نہ کھائے۔ یہ رقم فقیروں کے لیے سود نہیں ہو گی بلکہ یہ ایسا مال ہے کہ اسے صاحب مال نے حرام طریقہ سے لیا ہے لہٰذا اسے صدقہ کر دینا چاہیئے جیسا کہ اس چوری اور غصب کئے ہوئے مال کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے جس کے اصل مالک کے ملنے کی امید نہ ہو۔ فاحشہ عورت کی کمائی' کتے کی قیمت اور دیگر حرام اموال کے بارے میں بھی یہی حکم ہے' جن سے توبہ کر لی گئی ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

سودی رقم کو مجاہدین پر خرچ کرنا

سوال کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ میں بینک میں اپنا مال رکھوں' اس پر سود لوں اور اس سودی رقم کو مجاہدین پر خرچ

[1] صحیح بخاری' البیوع' باب موکل الربا --- الخ' حدیث: 2086۔

کر دوں؟

جواب جب کہ یہ بات مشہور ہے کہ یہ بینک سودی کاروبار کرتے ہیں لہٰذا ان میں اپنی رقم رکھنا گناہ اور ظلم کی باتوں میں اعانت ہے' لہٰذا ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ بینکوں میں رقم نہ رکھی جائے۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص مجبور و مضطر ہو اور کوئی اسلامی بینک نہ ہو تو پھر ان بینکوں میں رقم رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بینک نفع کے نام سے جو رقم دیتے ہیں اسے لینا جائز ہے لیکن اسے اپنے مال میں شامل نہ کرے بلکہ اسے فقراء' مساکین اور مجاہدین میں تقسیم کر دے' یہ اس سے بہتر ہے کہ اس رقم کو ان لوگوں کے لیے بینکوں ہی میں چھوڑ دیا جائے جو اسے گرجوں' کفر کی دعوت دینے والوں اور اسلام سے روکنے والوں پر خرچ کریں۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

سودی منافع کو نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے

سوال سودی منافع سے بچنے کے لیے شرعاً کیا طریقہ ہے؟

جواب میری رائے میں تو یہ بات مستحسن ہے کہ اسے بینکوں سے لے کر محتاج مسلمان ممالک کی مسجدوں اور دینی اداروں اور دیگر نیک کاموں پر خرچ کر دیا جائے تاکہ اسے بینک والے نہ کھائیں ورنہ وہ سب اس حدیث کے مصداق بنیں گے کہ اللہ تعالیٰ سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائے۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

مجلّہ "منارالاسلام" کے معمولی سود کو جائز قرار دینے پر سماحۃ الشیخ کا تعاقب

اما بعد!

وزارت عدل و دینی امور ابوظبی کی طرف سے شائع ہونے والے مجلّہ "منارالاسلام" شمارہ نمبر۳ جلد نمبر۹ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ میں متحدہ عرب امارات کے ایک حکومتی ادارے کی طرف سے اس اعلان کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے جس میں بینک کے سود کو جائز قرار دیا گیا ہے' اس کے بارے میں جھگڑے کو عدالتوں میں لے جایا جا سکتا ہے نیز اس اعلان میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرض پر معمولی سود جائز اور حرام سود سے مستثنیٰ ہے بشرطیکہ حاجت و مصلحت کا یہ تقاضا ہو اور بینک چونکہ اپنی موجودہ حالت میں اپنے بین الاقوامی نظام کے مطابق لوگوں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور ان کے بغیر معاشی مصلحتوں کے تقاضے پورے ہو ہی نہیں سکتے' لہٰذا عدالتیں صرف یہ کہہ کر سودی منافع کو ناجائز قرار نہیں دے سکتیں کہ شریعت نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور پھر اس کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر سود معمولی مقدار میں ہو یعنی تجارتی امور میں ۱۲ فی صد اور دیگر امور میں ۹ فیصد سے زیادہ نہ ہو تو جائز ہے اور موجودہ حالات میں بینکوں کا یہ سود اس اسلامی شریعت کے منافی نہیں ہے جس کی پابندی متحدہ عرب امارات کے لیے لازم ہے۔

مجھے اس جری اقدام پر بے حد تعجب ہوا ہے جس میں ایسے عجیب و غریب اصول بیان کیے گئے ہیں' جن سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بے حرمتی ہوتی ہے اور جن میں شریعت بیضاء اور دین اسلام کی ان تعلیمات کا مذاق اڑایا گیا ہے' جو قرآن

کریم اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ کی نصوص سے ثابت ہے اور پھر یہ اعلان ایک ایسی اسلامی حکومت کے زیر سایہ کیا گیا ہے جس کا سربراہ ایک مسلمان آدمی ہے۔ اس خطرناک اعلان میں اسلام پر افتراء پردازی بھی ہے کہ اس طرح اس چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں سخت حرام ہے جیسا کہ متحدہ عرب امارات کے محکمہ قضاء کے سربراہ نے بھی اس کی تردید کرتے ہوئے حق کو واضح فرما دیا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی بہت سی آیات کریمہ میں سود اور اس کی تمام شکلوں اور رنگوں کو حرام قرار دیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَـٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰاْ ۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَـٰٓئِكَ أَصْحَـٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَـٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَـٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵۔۲۷۶)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کہ کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو' یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی (تو نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام' تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأْكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۳۰)

"اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم نجات حاصل کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِىٓ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرْبُواْ عِندَ ٱللَّهِ ۖ ﴾ (الروم۳۰/ ۳۹)

"اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۸۔۲۷۹)

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے

(اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔"

یہ شدید اسلوب اس بات کی دلیل ہے کہ سود بہت بڑا اور خطرناک جرم ہے' وہ کبیرہ گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب اور دنیا و آخرت کے عذابوں کا سبب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾﴾ (النور٢٤/ ٦٣)

"تو جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔"

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ»

"تباہ و برباد کر دینے والی سات چیزوں سے اجتناب کرو۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا:

«اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ» (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله تعالى ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى﴾، ح:٢٧٦٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر و أكبرها، ح:٨٩)

"اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' اس نفس کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو مگر حق کے ساتھ' سود کھانا' مال یتیم کو کھانا' میدان جنگ سے فرار ہونا اور پاک دامن مومن اور غافل عورتوں پر بہتان لگانا۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُونَ بَابًا، أَدْنَاهَا مِثْلُ إِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ»(المعجم الأوسط للطبراني: ٨/ ٧٣، ٧٤، ح:٧١٤٧)

"سود کے بہتر دروازے ہیں اور ان میں سے سب سے چھوٹے دروازے سے داخل ہونے کا گناہ اس طرح ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے منہ کالا (بدکاری) کرے۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور دونوں گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، ح:١٥٩٨)

"یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبٰى اَلْآخِذُ وَالْمُعْطِي

فِيهِ سَوَاءٌ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح:٨٢/ ١٥٨٤)

''سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' جو جو کے ساتھ' کھجور کھجور کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ' برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ جو شخص زیادہ لے یا زیادہ دے' اس نے سودی معاملہ کیا۔ اور سود لینے والا اور دینے والا (گناہ میں) برابر ہیں۔''

ان اور ان جیسی دیگر بہت سی آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سود خواہ کم ہو یا زیادہ' حرام ہے۔ فرد اور معاشرہ پر اس کے بہت خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور جو شخص سودی لین دین کرے وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا ہے۔ سود کی حرمت پر اہل علم میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ حرمت سود کے بارے میں نصوص بے حد واضح ہیں۔

دین کے بارے میں کوئی بھی ایسا غیور مسلمان جس کا اس بات پر ایمان ہو کہ اسلام ایک ایسا عظیم' کامل' مکمل اور اکمل دین ہے جو جلب مصالح اور دفع مفاسد پر مشتمل ہے اور ہر زمانے اور ہر خطے کے لوگوں کے لیے قابل عمل ہونے کی خوبی سے بہرہ ور ہے وہ سود اور سودی معاملات کو ہرگز اپنے لیے جائز قرار نہیں دے سکتا۔

متحدہ عرب امارات کے محکمہ ''اتحادیہ علیا'' کے ایک دفتر نے ضرورت و حاجت کے بہانے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حرام قرار دیئے ہوئے ایک امر کو جو حلال قرار دے دیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بڑی دیدہ دلیری کا مظاہرہ اور اس کے احکام کی صریحاً مخالفت ہے اور بغیر علم کے اللہ کی طرف ایک بات کو منسوب کرنا ہے۔ لوگوں کو بینکوں کی طرف اپنی حاجت کے لیے صرف اسی وقت رجوع کرنا چاہیئے جب یہ اسلامی شریعت کی بنیادوں پر استوار ہوں' اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام قرار دیں۔ اور اگر ان کا عمل اس کے خلاف ہو تو پھر یہ شر اور فساد ہیں۔ یاد رہے احکام شریعت ثابت اور قطعی ہیں کیونکہ یہ اس عزیز و حکیم کی طرف سے ہیں جو اپنے بندوں کے حالات کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان کے حالات کی بہتری کس بات میں ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ حرام کو حلال قرار دینے یا حلال کو حرام قرار دینے کے لیے اپنی رائے یا خواہش نفس یا اس طرح کی کسی اور چیز سے فیصلہ کریں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کی ہمدردی و خیرخواہی کا جو حکم دیا ہے تو اس حکم کی اطاعت کے لیے اور میرے جیسے انسان پر جو یہ واجب ہے کہ وہ بیان کرے اور اس سے ڈرائے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے تو اس فرض کے ادا کرنے کے لیے یہ مختصر مضمون تحریر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دین میں تفقہ اور ثبات عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی ہمدردی اور خیرخواہی کرنے کی توفیق بخشے اور ہر اس چیز سے بچائے جو اس کی شریعت مطہرہ کے مخالف ہو۔ انه جواد کریم' وصلی اللّٰه وسلم علی نبینا محمد وآله وصحبه۔

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

رئیس عام

ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد

غیر معینہ مدت کے لیے قرض

بینکوں کا سالانہ نفع کی بنیاد پر قرض

الحمدللہ وحدہ وبعد' بحوث وافتاء کی مستقل کمیٹی نے اس استفتاء کا جائزہ لیا جو انجمن کبار علماء کے سیکرٹری کی طرف سے کمیٹی کو بھیجا گیا ہے اور جس میں سائل نے دو مسئلوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ ان کے ملک میں ایک بینک قائم ہوا ہے جو حصص خریدنے والوں کو چھ فیصد سالانہ نفع کی بنیاد پر قرض دیتا ہے اور جب تک بینک اپنا سارا قرض واپس نہیں لے لیتا یہ نفع لیتا رہتا ہے۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟ (۲) کیا بچیوں کا ختنہ کرنا مستحب ہے یا مکروہ؟

کمیٹی نے استفتاء پر غور کرنے کے بعد پہلے سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ بینک کا یہ معاملہ جو سوال میں مذکور ہے یہ ایک حرام معاملہ ہے کیونکہ اس میں ربا الفضل بھی ہے اور ربا النسیئہ بھی۔ ربا الفضل تو اس طرح کہ مثلاً اگر کوئی شخص بینک سے ایک ہزار لے تو وہ بینک کو ایک ہزار ساٹھ واپس کرے گا' اور ربا النسیئہ اس طرح کہ اگر وہ آج بینک سے ایک ہزار لیتا ہے تو ایک سال بعد اسے ایک ہزار ساٹھ ادا کرنا ہوں گے۔ مسند احمد اور صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ح: ١٥٨٧)

"سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' جو جو کے ساتھ' کھجور کھجور کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے اور اگر یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو۔"

اس حدیث سے استدلال کے پیش نظر یہ معاملہ حرام ہے اور اس میں سود اپنی دونوں قسموں ربا الفضل اور ربا النسیئہ کی صورت میں موجود ہے۔ بینک قرض لینے والے کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ مدت مقررہ کے بعد وہ قرض واپس کرے تو اس مدت کے عوض وہ زائد رقم بھی ادا کرے گا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نقود کا معاملہ برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے' لہٰذا یہ معاملہ حرام ہے اور اس میں سود اپنی دونوں قسموں ربا الفضل اور ربا النسیئہ کی صورت میں موجود ہے۔ ابن المنذر نے لکھا ہے کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جو شخص اس شرط پر قرض دے کہ مقروض واپسی پر زیادہ دے گا یا کوئی ہدیہ دے گا تو یہ بھی سود کی ایک قسم ہے۔

کمیٹی نے دوسرے سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ عورتوں کے لیے ختنہ مستحب ہے کیونکہ خلال نے اپنی سند کے ساتھ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ لِّلرِّجَالِ وَمَكْرُمَةٌ لِّلنِّسَاءِ»(مسند أحمد: ٥/ ٧٥)

"ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے باعث عزت۔" وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

نفع کے ساتھ قرض

سوال کیا بینک کے ساتھ معاملہ ربا ہے یا جائز ہے؟ یہ سوال اس لیے پوچھا گیا ہے کہ بہت سے ہم وطن بینکوں سے قرض لیتے ہیں۔

جواب مسلمان کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ کسی سے بھی سونا یا چاندی یا نقدی اس شرط پر قرض لے کہ وہ واپسی پر اس سے زیادہ ادا کرے گا' خواہ قرض دینے والا کوئی بینک ہو یا کوئی اور ہو کیونکہ یہ سود ہے' اور سود کبیرہ گناہ ہے اور جو بینک اس طرح کا معاملہ کرے وہ سودی بینک ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

نفع کے ساتھ قرض جائز نہیں

سوال میں ایک ملازم ہوں' میری تنخواہ ٣٠٤٨ ریال ہے۔ میں ایک سال سے شادی شدہ ہوں اور میرے ذمہ ترپن ہزار ریال قرض ہے۔ قرض دینے والے مجھ سے اکثر اپنے قرض کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں لیکن میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں کسی ایسے بینک سے قرض لے لوں جو نفع پر قرض دیتا ہو۔ بینک جو قرض مجھے دے گا اس سے میرے ذمہ جو قرض ہے وہ آدھا بھی ادا نہیں ہو گا۔ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً؟

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے بینک سے یا کسی اور سے نفع کی شرط کے ساتھ قرض لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بہت بڑا سود ہے' لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ طلب رزق اور ادائے قرض کے لیے جائز اسباب اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ نے جن معاملات اور کمائی کے طریقوں کو مباح قرار دیا ہے وہ حرام سے بچانے کے لیے کافی ہیں۔ قرض دینے والوں کو جب آپ کی تنگ دستی کا علم ہو تو انہیں چاہیئے کہ آپ کو آسانی تک مہلت دیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾﴾ (البقرة٢/ ٢٨٠)

"اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو)' اور اگر (قرض) بخش دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(مسند أحمد: ٣/ ٤٢٧ وصحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل ... الخ، ح: ٣٠٠٦)

''جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ تلے جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔''

نیز فرمایا:

«مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن . . . الخ، ح:٢٦٩٩)

''جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا۔'' واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مالدار آدمی کا ترقیاتی بینک سے قرض لینا

سوال ایک آدمی نے ترقیاتی بینک سے عمارت بنانے کے لیے قرض لیا حالانکہ الحمدللہ اس کے مالی حالات اچھے ہیں۔ کچھ مدت تک تو یہ عمارت اسی طرح رہی اور پھر اس نے کرایہ پر دے دی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ قرض لینے کے لیے اسے گناہ ہو گا؟ کیا اس عمارت کے کرایہ پر زکوٰۃ ہے؟

جواب حکومت نے ---- اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے---- یہ بینک کھولا ہے اور اس سے مقصود رہائش کی مشکلات کو حل کرنا اور بعض دوسری پریشانیوں کو دور کرنا ہے جو بعض اوقات پیش آتی ہیں۔ حکومت نے ملک کے ہر باشندے کو اجازت دی ہے کہ وہ معروف شروط کے ساتھ قرض لے سکتا ہے اور اس میں مالدار اور فقیر میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ وہ عمارت کو اپنی رہائش کے لیے بنانا چاہتا ہے یا کرایہ پر دینے کے لیے۔ لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں کوئی حرج نہیں' یہ تصرف ان شاء اللہ صحیح ہے۔ زکوٰۃ گھروں اور عمارتوں پر واجب نہیں ہے بلکہ کرایہ پر واجب ہے بشرطیکہ وہ مالک کے پاس ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے۔ اور اگر وہ کرایہ کی رقم کو خرچ کر لے یا اس کے ساتھ قرض ادا کر دے تو پھر اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ملازمین کا کمیٹی ڈالنا

سوال اساتذہ کی ایک جماعت ہر مہینے کے آخر میں جمع ہو کر اپنی تنخواہ میں سے کچھ مال جمع کر کے ایک شخص کو دے دیتی ہے اور دوسرے مہینے کسی اور شخص کو حتیٰ کہ تمام اساتذہ اپنی اس طرح ادا کی ہوئی رقم وصول کر لیتے ہیں۔ اس کو بعض لوگ کمیٹی کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ قرض ہے اور اس میں کسی کے لیے بھی زائد نفع کی کوئی شرط نہیں ہے۔ کبار علماء کی کونسل نے بھی کثرت رائے سے اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں بغیر نقصان کے سب کی مصلحت ہے۔

واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بیع قرض جائز نہیں مگر..........

سوال میرے ایک دینی بھائی (حسن - م) نے مجھے دو ہزار تونسی دینار قرض دیئے اور اس سلسلہ میں ہم نے جو تحریر لکھی اس میں اس رقم کو جرمن کرنسی میں لکھا۔ قرض کی مدت---- ایک سال---- گزرنے کے بعد جرمن کرنسی کی قیمت بڑھ گئی جس کی وجہ سے مجھے قرض لی ہوئی رقم سے تین سو دینار زیادہ دینا پڑے' تو کیا مجھے قرض دینے والے کے لیے یہ زیادہ رقم لینا جائز ہے یا یہ سود شمار ہو گا؟ خصوصاً جب کہ قرض دہندہ کی خواہش یہی ہے کہ اسے جرمن کرنسی میں قرض ادا کیا جائے تاکہ وہ جرمنی سے گاڑی خرید سکے؟

جواب قرض دہندہ (حسن - م) کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس رقم جو اس نے قرض دی ہے یعنی دو ہزار تونسی دینار سے زیادہ وصول کرے' ہاں البتہ اگر آپ اجازت دے دیں تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً» (صحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان ... الخ، ح:١٦٠٠)

"بے شک بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔"

صحیح بخاری میں یہ روایت ان الفاظ سے ہے:

«إِنَّ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً»(صحيح البخاري، الاستقراض، باب هل يعطى أكبر من سنه، ح:٢٣٩٢)

"اچھے لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔"

مذکورہ معاہدہ پر عمل نہیں ہو گا اور نہ اس سے کچھ لازم آتا ہے کیونکہ یہ ایک غیر شرعی معاہدہ ہے۔ نصوص شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ قرض کی بیع جائز نہیں الا یہ کہ قرض ادا کرتے وقت اتنی رقم ہی ادا کی جائے جتنی کہ بطور قرض لی گئی تھی۔ ہاں البتہ اگر مقروض ازراہ احسان کچھ زائد ادا کرنا چاہے تو وہ ادا کر سکتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

دوسری کرنسی میں قرض کا ادا کرنا

سوال مجھ سے قاہرہ میں مقیم میرے ایک رشتہ دار نے ۲۵۰۰ مصری گنی قرض طلب کیا تو میں نے اسے دو ہزار ڈالر بھیج دیئے جن سے اسے ۲۴۹۰ مصری گنیاں مل گئیں' اب وہ قرض مجھے واپس لوٹانا چاہتا ہے' یاد رہے ہم نے آپس میں یہ طے نہیں کیا تھا کہ وہ کب اور کس کرنسی میں قرض واپس کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ میں اس سے ۲۴۹۰ مصری گنیاں لے لوں جو اب ۱۸۰۰ امریکی ڈالر کے مساوی ہیں (یہ ڈالر ان سے کم ہیں جو میں نے دیئے تھے) یا میں اس سے دو ہزار ڈالر ہی لوں اور یہ ڈالر خریدنے کے لیے اسے ۲۸۰۰ مصری گنیاں ادا کرنا ہوں گی جو کہ تین سو کے قریب اس رقم سے زیادہ ہوں گی جو اسے اس وقت حاصل ہوتی تھی؟

جواب واجب تو یہی ہے کہ وہ آپ کو ڈالر ہی ادا کرے کیونکہ آپ کی طرف سے اسے جو قرض ملا تھا وہ ڈالروں ہی کی صورت میں تھا' لیکن اگر آپ آپس میں اس بات پر مصالحت کر لیں کہ وہ مصری گنیوں میں ادا کر دے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم "بقیع یا نقیع میں درہموں کے ساتھ اونٹ بیچتے اور دیناروں میں ان کی قیمت وصول کرتے تھے اور دیناروں میں بیچ کر درہموں میں قیمت وصول کرتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق، ح: ٣٣٥٤ وسنن النسائي، ح: ٤٥٨٦)

"اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ آپ بیع کے دن کے نرخ کے حساب سے لیں جب کہ بائع اور مشتری کی علیحدگی کے وقت دونوں میں کوئی بات طے ہونے والی باقی نہ رہ گئی ہو۔"

یہ کرنسی کی دوسری کرنسی کے ساتھ بیع ہے' یعنی یہ سونے کی چاندی کے ساتھ بیع کے مشابہہ ہے۔ اگر آپ اور وہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ وہ ان ڈالروں کے عوض مصری گنیاں ادا کرے گا بشرطیکہ آپ اس سے زیادہ گنیاں نہ لیں جو اس وقت آپ کے ادا کئے ہوئے ڈالروں کے مساوی تھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً اگر دو ہزار ڈالر اب ۲۸۰۰ گنیوں کے مساوی ہیں تو آپ کے لیے تین ہزار گنیاں لینا جائز نہیں ہے' ہاں آپ ۲۸۰۰ گنیاں یا دو ہزار ڈالر لے سکتے ہیں یعنی آپ آج کے نرخ کے مطابق یا اس سے کم لیں' زیادہ نہ لیں کیونکہ زیادہ لینے کی صورت میں آپ اس مال پر نفع لیں گے جو آپ کی کفالت میں نہیں ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے نفع سے منع فرمایا ہے جو کفالت میں نہ ہو اور کم لینے کی صورت میں آپ اپنے بعض حق کو لے رہے ہیں اور بعض کو معاف کر رہے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہر وہ قرض ربا ہے جو نفع بخش ہو

سوال ایک آدمی نے دوسرے سے قرض مانگا تو اس نے اس شرط پر قرض دیا کہ وہ قرض کی رقم کے عوض اس کی زرعی زمین اپنے پاس رہن رکھے گا اور کاشت کاری بھی کرے گا اور اس کا سارا غلہ خود رکھ لے گا یا آدھا خود رکھے گا اور آدھا زمین کے مالک کو دے دے گا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مقروض وہ سارا قرض ادا نہیں کر دیتا جو اس نے لیا تھا' قرض ادا کرنے کے بعد ہی وہ اپنی زمین واپس لے سکے گا۔ اس مشروط قرض کے بارے میں آپ کی رائے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب قرض تو نرمی کے معاہدوں میں سے ہے اور اس سے مقصود مقروض کے ساتھ نرمی اور احسان ہوتا ہے اور نرمی و احسان وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مطلوب ہیں کیونکہ اس میں بندگان الٰہی کے ساتھ احسان ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

"اور نیکی کرو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

قرض دہندہ کے لیے یہ مشروع و مستحب ہے اور مقروض کے لیے جائز اور مباح ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم

ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا تھا اور پھر آپ نے اس سے بہتر اونٹ واپس کیا۔[1] قرض جب نرمی اور احسان کا معاہدہ ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ اسے معاوضہ و نفع کے معاہدہ سے بدل دیا جائے کیونکہ یہ اپنے موضوع سے خارج ہو کر بیع اور معاوضہ کے موضوع میں داخل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے کہ "میں تجھے یہ دینار' دوسرے دینار کے عوض ایک سال کے لیے فروخت کرتا ہوں' یا یہ کہے کہ یہ دینار' دوسرے دینار کے عوض فروخت کرتا ہوں" اور پھر دونوں دینار کو قبضہ میں لینے سے پہلے الگ ہو جائیں تو بیع حرام اور ربا ہو گی لیکن اگر وہ اسے ایک دینار بطور قرض دے اور وہ اسے چھ ماہ یا ایک سال بعد واپس کر دے تو یہ جائز ہے حالانکہ قرض دہندہ نے اس کے عوض کو چھ ماہ بعد یا اس سے کم و بیش مدت کے بعد نرمی کے پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے واپس لیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی قرض دہندہ مقروض کے ساتھ کسی مادی نفع کی شرط لگائے تو یہ معاملہ قرض کے موضوع سے خارج ہونے کی وجہ سے حرام ہو جائے گا کیونکہ اہل علم کے ہاں ایک مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کا باعث ہو وہ ربا ہے لہٰذا قرض دہندہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مقروض سے کہے کہ میں اس شرط پر قرض دوں گا کہ تم اپنی زمین زراعت کے لیے مجھے دو خواہ وہ اسے اس زمین کی پیداوار سے حصہ بھی دے دے۔ اس صورت میں قرض سے چونکہ قرض دہندہ کو نفع حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ قرض اپنے اصلی موضوع نرمی اور احسان سے خارج ہو جانے کی وجہ سے قرض ہی نہیں رہتا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مال حرام سے قرض لینا

سوال کیا کسی ایسے شخص سے قرض لینا جائز ہے' جس کا کاروبار حرام ہو اور وہ حرام لین دین کرتا ہو؟

جواب میرے بھائی! اس طرح کے آدمی سے نہ قرض لینا چاہیئے اور نہ کوئی اور معاملہ کرنا چاہیئے۔ جب تک اس کے معاملات حرام ہوں' وہ سودی کاروبار کرتا ہو یا کوئی اور حرام معاملہ کرتا ہو تو اس سے لین دین نہ کریں اور نہ اس سے قرض لیں بلکہ واجب ہے کہ ایسے شخص سے دور ہو جائیں' اور اگر وہ حرام اور غیر حرام معاملہ کرتا ہو یعنی اس کے کاروبار میں پاک اور ناپاک کی آمیزش ہو تو پھر اس سے معاملہ کرنے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی احتیاط کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب:٦٠، ح:٢٥١٨ وسنن النسائي، ح:٥٧١٤)

"اس کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کو لے لو جس میں شک نہ ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔"

[1] صحیح بخاری' الاستقراض' باب حسن القضاء' حدیث: 2393 و صحیح مسلم' المساقاۃ' حدیث: 1601 - 1600

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، ح: ۲۵۵۳)

"گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو۔"

مومن تو مشتبہات سے بھی اجتناب کرتا ہے۔ لہٰذا جب آپ کو معلوم ہو کہ اس کے معاملات حرام ہیں یا یہ حرام کاروبار کرتا ہے تو ایسے شخص سے نہ کوئی معاملہ کریں اور نہ اس سے قرض لیں۔

——— شیخ ابن باز ———

ایک کرنسی کی دوسری کرنسی کے ساتھ ادھار بیع

سوال میں نے اضطراری حالات میں ایک غیر مسلم سے اس شرط پر قرض لیا کہ میں اس کے مساوی رقم آزاد کرنسی میں ادا کردوں گا' یعنی اپنے ملک کی کرنسی کے سوا کسی اور کرنسی میں اور ادا اس وقت کروں گا جب میں سعودیہ میں اپنے کام کی جگہ واپس لوٹ آؤں گا۔ اور جب ایک مدت کے بعد میں سعودیہ میں واپس آیا تو آزاد کرنسی کی قیمت بہت بڑھ گئی اور قرض لی ہوئی رقم سے دگنی ہو گئی' تو کیا اس آزاد کرنسی میں' اس فرق کے باوجود اسے ادا کرنا جائز ہے؟ یا میں اسے صرف اتنی ہی رقم ادا کردوں جتنی میں نے اس سے قرض لی تھی؟

جواب یہ قرض صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت میں حاضر کرنسی کی دوسری کرنسی کے ساتھ ادھار بیع ہے اور یہ معاملہ سودی ہے کیونکہ ایک کرنسی کی دوسری کرنسی سے بیع صرف اسی صورت میں جائز ہے جب وہ دست بدست ہو۔ لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ اسے صرف اتنی رقم واپس کریں جتنی آپ نے اس سے قرض لی تھی نیز اس سودی معاملہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے آگے سچی پکی توبہ بھی کریں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

قرض لے کر تجارت کرنے والے سے زیادہ طلب کرنا

سوال ایک آدمی نے مجھ سے تین سال پہلے قریباً پچاس ہزار ریال قرض لیے اور کہا کہ وہ چھ ماہ کے اندر واپس کر دے گا لیکن اس نے ابھی تک یہ قرض واپس نہیں کیا' اور اس سے وہ تجارت کر رہا ہے' تو کیا یہ جائز ہے کہ میں اس سے اپنے اصل سرمایہ سے زیادہ کا مطالبہ کروں یا یہ ناجائز ہے؟

جواب آپ کو صرف اپنے اصل سرمایہ ہی کا مطالبہ کرنا چاہیئے' اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں البتہ اگر وہ ازخود آپ کے حق سے زیادہ اپنی طرف سے دے دے بشرطیکہ آپ اس کا نہ مطالبہ کریں اور نہ اسے اس کا پابند کریں تو یہ اس کے حق میں افضل اور احسان ہے تاکہ وہ اس صحیح حدیث پر عمل کر سکے:

«إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً» (صحيح البخاري، الاستقراض، باب هل يعطى أكبر من سنه، ح: ۲۳۹۲ وصحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان ... الخ، ح: ۱۶۰۰)

"بے شک بہترین لوگ وہ ہیں جو احسن انداز میں قرض ادا کریں۔"

اور اس طرح اسے آپ کے احسان کا بدلہ چکانے کا موقع بھی مل جائے گا اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله عزوجل، ح:١٦٧٢)

"جو شخص تم سے نیکی کرے تو اسے اس کی نیکی کا بدلہ دو اور اگر تمہارے پاس بدلہ دینے کو کچھ نہ ہو تو اس کے لیے اس قدر کثرت سے دعا کرو حتیٰ کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

ہر قرض جو نفع کا باعث ہو وہ سود ہے

سوال اس شخص کے قرض دینے کے بارے میں کیا حکم ہے جو کسی کو اس شرط پر مدت مقررہ کے لیے قرض دیتا ہے کہ وہ بھی اسی مدت کے لیے اتنی ہی رقم اسے بھی بطور قرض دے گا؟ کیا یہ معاملہ اس حدیث کا مصداق ہے کہ ہر قرض جو نفع کا باعث ہے وہ سود ہے۔" لیکن یاد رہے اس نے زیادہ قرض لینے کی شرط عائد نہیں کی۔ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً؟

جواب یہ قرض جائز نہیں اس لیے کہ قرض دہندہ نے بھی اتنی ہی رقم قرض لینے کی شرط عائد کی ہے یہ عقد در عقد ہے اور ایک بیع میں دو بیعوں کے حکم میں ہے اور محض قرض دینے کے بجائے منفعت کی شرط ہے اور وہ یہ کہ وہ بھی اسے اتنی ہی رقم بطور قرض دے گا۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ ہر وہ قرض جو منفعت زائدہ کی شرط کا متضمن ہو یا اس میں اتنی ہی مقدار میں قرض دینے کی شرط عائد کی گئی ہو تو وہ ربا ہے۔ یہ حدیث:

«كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا»(المطالب العالية:١/ ٤١١، ح:١٣٧٣ وإرواء الغليل ٥/ ٢٣٥، ح:١٣٩٨)

"ہر وہ قرض جو منفعت کا باعث ہو وہ سود ہے۔" ضعیف ہے'

لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اس کے ہم معنی اقوال منقول ہیں کہ اگر قرض دیتے ہوئے نفع کی شرط عائد کی گئی ہو یا وہ حکم مشترط میں ہو یا قرض ہی کی شرط عائد کی گئی ہو تو یہ سود ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

معینہ مدت کے لیے قرض

ایک مقروض فوت ہوا تو کیا اس کی روح گروی ہو گی؟

سوال جو شخص مقروض فوت ہو جائے اور فقر کی وجہ سے وہ قرض ادا نہ کر سکا ہو تو کیا اس کی روح گروی اور معلق رہتی ہے؟

جواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضٰى عَنْهُ»(جامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء أن نفس المؤمن معلقة ... الخ، ح:١٠٧٩)

''مومن کا نفس اس کے قرض کے ساتھ اس وقت تک معلق رہتا ہے جب تک اسے اس کی طرف سے ادا نہیں کر دیا جاتا۔''

لیکن اس حدیث کو اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو مال چھوڑ کر جائے' تو اس کے قرض کو اس کے مال میں سے ادا کر دیا جائے لیکن جس شخص کے پاس مال ہی نہ ہو تو امید ہے کہ یہ حدیث اس کے بارے میں نہیں ہو گی اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٠)

''اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت دو۔''

نیز یہ حدیث اس کے لیے بھی نہیں ہے جس نے قرض لیتے وقت اسے ادا کرنے ہی کی نیت کی تھی لیکن وہ وفات تک اسے ادا نہ کر سکا جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ»(صحيح البخاري، الاستقراض، باب من أخذ أموال الناس ... الخ، ح:٢٣٨٧)

''جو شخص لوگوں سے مال لے اور اسے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دے گا' اور جو لوگوں سے مال ضائع کرنے کے لیے لے تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دے گا۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

مقروض میت کب بری الذمہ ہو گی؟

سوال جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ترقیاتی بینک ملک کے باشندوں کو مکانات بنانے کے لیے طویل مدت کے لیے قرضے دیتا ہے جنہیں پچیس سالوں میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی مقروض فوت ہو جائے اور اس نے اپنے قرض کی ابھی صرف دو قسطیں ہی ادا کی ہوں اور اس کے بعد اس کے وارث باقی قسطوں کو ان کے اوقات مقررہ میں ادا کریں تو کیا اس سے میت بری الذمہ ہو جائے گی اور وہ اس وعید میں داخل نہ ہو گی جو اس حدیث میں ہے:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضٰى عَنْهُ»(جامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء أن نفس المؤمن معلقة ... الخ، ح:١٠٧٩)

''مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ اس وقت تک معلق ہوتی ہے' جب تک کہ اسے ادا نہیں کر دیا

جاتا۔"

یا وہ تمام قسطوں کے ادا کرنے تک قرض کے ساتھ گروی رہے گی۔ امید ہے آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں گے؟

جواب جب کوئی انسان فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ مدت مقررہ میں ادا کیا جانے والا قرض ہو تو اس کی مدت برقرار رہے گی' اور جب اسے وارث ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیں اور صاحب قرض مطمئن ہو جائے یا وہ کوئی مناسب ضامن پیش کر دیں یا قرض کے مطابق کوئی چیز رہن رکھ دیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ مقروض اس کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

——— شیخ ابن باز ———

بینک کے قرض کی قسطوں کی فوری ادائیگی

سوال میرے والد صاحب کے ذمہ زمین (جائداد) سے متعلق بینک کا قرضہ تھا اور وہ اب فوت ہو گئے ہیں تو کیا ہم پر یہ واجب ہے کہ ان کی طرف سے سارا قرضہ مکمل طور پر ادا کر دیں یا اگر بینک کی طے شدہ قسطوں کے مطابق ادا کریں تو اس سے بھی وہ بری الذمہ ہو جائیں گے؟

جواب قرضے کو فوری طور پر ادا کرنا لازم نہیں ہے جب کہ وارث یا کوئی اور قرضے کی قسطوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کی اس طرح سے ذمہ داری اٹھا لے جس سے صاحب قرض کا کوئی نقصان نہ ہو کیونکہ مدت مقررہ میت کا حق ہے اور اس حق کے بھی اس کے وارث مالک ہیں' اور ان شاء اللہ اس طرح قسطوں کی صورت میں ادا کرنے میں میت کے لیے بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مؤجل قرضے کی ادائیگی اس کے وقت ہی میں واجب ہے' اور اگر وارث قرض ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کریں تو وہ میت کے قائم مقام ہیں' لہٰذا وہ قسطوں کی صورت میں قرض ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں صاحب قرض کے لیے کسی خطرے کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

فوت شدہ نے اپنے قرض کے بارے میں نہیں بتایا

سوال ایک شخص فوت ہو گیا' اس کے ذمہ قرض تھا لیکن اس نے قرض کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب جب میت کے ذمہ قرض ہو اور وہ وفات سے پہلے کسی کو اس کے بارے میں نہ بتائے تو اس کے وارثوں پر واجب ہے کہ وہ قرض کو اس کے ترکہ میں سے ادا کریں اور اسے اس کی وصیت پر عمل اور وراثت کی تقسیم سے پہلے ادا کریں بشرطیکہ شرعی شہادت سے قرض ثابت ہو جائے۔ اگر وارثوں اور قرض کے دعوے داروں میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کے لیے شرعی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

تنگ دست کو تمام معاملات میں مہلت دی جائے

سوال کیا تنگ دست کو مہلت دینے کے بارے میں اسلام نے شہری اور تجارتی معاملات میں کوئی تفریق کی ہے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۹-۲۸۰)

"اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہیں اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان' اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت دو۔"

یہ آیات احکام ربا کے سیاق میں ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے اس صاحب سود کو حکم دیا ہے کہ جو کسی فقیر کے ذمہ ہو اور اس کی مدت طویل ہو گئی ہو جس کی وجہ سے سود دگنا' چوگنا ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ سود لینے سے توبہ کر لے اور اپنے اصل مال کے مطالبہ ہی پر اکتفا کرے خواہ وہ کم ہی ہو اور اسی سے وہ اس پر یا اپنے آپ پر ظلم سے بچ جائے گا۔ اور اسے حکم دیا ہے کہ مقروض اگر مفلس اور فقیر ہو تو اپنے اصلی سرمایہ پر اکتفا کرے نیز اسے مہلت دے اور اپنے مال کی واپسی کا سختی سے مطالبہ نہ کرے تو یہ حکم ہر قسم کے مقروض کے لیے ہے خواہ اس کے ذمہ تجارت کا قرض ہو یا ادھار لیا ہوا قرض یا کوئی مالی حق یا اجرت تو اس کی تنگ دستی کی وجہ سے مہلت دینا واجب ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے کشائش سے نواز دے۔ تنگ دست مقروض کو قید کرنا جائز ہے نہ اس پر تشدد کرنا جائز جیسا کہ فقہاء نے "باب الحجر" وغیرہ میں لکھا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تنگ دست مقروض کو قید کرنا

سوال میں ایک قیدی ہوں' میرے ذمہ قرض ہے اور قرض کی وجہ سے میں ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ سے قید میں ہوں۔ میرا قرض خواہ کسی کی ضمانت بھی قبول نہیں کرتا' میں تنگ دست بھی ہوں اور صاحب اہل وعیال بھی تو کیا مجھے قید میں رکھنا جائز ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقدر میں جو یہ تکلیف لکھی ہے تو ہم اس پر آپ کو صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اس مشکل سے یقیناً نجات دے گا۔ جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ تنگ دست ہے اور قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اسے قید کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تنگ دستی کا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق ہڑپ کر جائیں یا ان کے مال باطل طریقے سے کھا جائیں تو اس صورت میں قید کرنا جائز ہوتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ تنگ دستی کے دعویٰ میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون!

——— شیخ ابن جبرین ———

صاحب قرض مل نہیں سکا

سوال میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور ان کے ذمہ بہت سے قرض تھے جو کہ الحمد للہ میں نے ادا کر دیئے ہیں اور اب صرف چار سو ریال باقی رہ گئے ہیں اور وہ جس شخص کے ہیں' اسے میں نے بہت ڈھونڈا ہے لیکن وہ مجھے نہیں ملا تو اس

صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا میں یہ رقم فقراء میں تقسیم کر دوں یا بیت المال میں جمع کرا دوں؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے صاحب قرض کو تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملا تو آپ اسے اس کی طرف سے صدقہ کر دیں تاکہ اسے اس کا ثواب مل جائے اور اگر بعد میں وہ آ جائے تو اسے آپ بتا دیں۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو بہتر ورنہ اسے اس کی رقم ادا کر دیں اور آپ کو اس صدقہ کی ہوئی رقم کا ان شاء اللہ اجروثواب مل جائے گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

صاحب مال نہیں ملا

سوال میں نے ۱۳۹۸ھ میں حج کیا تو میرے پاس پیسے ختم ہو گئے جس کی وجہ سے میں نے ایک آدمی سے کچھ قرض لیا کہ اپنے گھر واپس جا کر یہ قرض ادا کر دوں گا۔ جب میں حج سے واپس آیا تو میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ سفر پر گئے ہیں لیکن اس وقت سے لے کر اب تک وہ واپس نہیں آئے۔ مجھے ان کے پتہ کا بھی علم نہیں اور نہ ان کا کوئی رشتے دار ہی مل سکا ہے تو اس صورت حال میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ رقم میں سعودیہ کی کسی خیراتی تنظیم کو دے دوں یا اس کی واپسی تک اسے اپنے پاس محفوظ رکھوں یا اسے فقیروں میں تقسیم کر دوں؟ آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟

جواب مقدور بھر کوشش کر کے اس آدمی کو مزید تلاش کریں اور اس کے لیے مختلف اسباب و وسائل سے کام لیں' اس کے خاندان' شہر اور شہریت کے بارے میں پوچھئے اور جب امید ختم ہو جائے اور اس کے ملنے سے آپ بالکل مایوس ہو جائیں تو اس کی طرف سے فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیں اور جب اس سے ملاقات ہو خواہ بیس سال کے بعد ہو تو اسے حقیقت حال بتا دیں اور اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو بہت بہتر' اسے اس کا اجروثواب ملے گا ورنہ اسے اس کی رقم ادا کر دیں تاکہ آپ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو جائیں اور صدقہ کی ہوئی رقم کا آپ کو اجروثواب مل جائے گا۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وہ فوت ہو گیا اور اس کے میرے پاس تین ہزار ریال ہیں

سوال میرے پاس ایک یمنی آدمی تھا جو میرے گھر میں رنگ سازی کا کام کر رہا تھا' اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وہ ایک گاڑی کے حادثہ میں فوت ہو گیا اور اس کے میرے پاس تین ہزار ریال تھے لیکن میرے پاس اس کے وارثوں میں سے کوئی نہیں آیا جسے میں یہ رقم دے دیتا۔ میں نے اپنے شہر کے قاضی سے کہا کہ اس رقم کو وصول کر لے لیکن انہوں نے کہا کہ اس کے وارثوں کے آنے تک میں اسے اپنے پاس ہی رکھوں۔ اب اس شخص کی وفات کو ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے' میں نے اس کے بارے میں ان بعض یمنیوں سے بھی پوچھا ہے جن کے ساتھ وہ رہ رہا تھا تو انہوں نے بتایا کہ اس کے حقوق وصول کرنے کیلئے اس کا ایک بھائی عنقریب آئے گا لیکن کافی مدت گزر گئی ہے اور اس کے حقوق وصول کرنے کیلئے کوئی نہیں آیا' لہٰذا امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے کہ میں کیا طریقہ اختیار کروں جس سے بری الذمہ ہو جاؤں اور اس رقم سے نجات حاصل کر لوں جس نے میرے کندھوں پر بوجھ ڈال رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔

جواب آپ کو چاہیئے کہ اس کارکن کے حق کی اس کے وارث کی آمد تک حفاظت کریں اور یہ تحقیق کر کے کہ یہ واقعی اس کا وارث ہے' اس کے سپرد کر دیں۔ جب تک آپ کو یہ علم ہے کہ اس کا بھائی آئے گا خواہ یہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے۔ اگر آپ اس رقم کو تجارت میں لگا کر اس کی افزائش کا اہتمام کریں تو یہ اور بھی بہتر ہے اور اگر اپنے علاقے کی عدالت کے سربراہ کے پاس یہ رقم جمع کرا دیں تو یہ بھی درست ہے اور اگر جمع کراتے ہوئے ان سے رسید بھی لے لیں تو اس میں آپ کے لیے زیادہ احتیاط اور آسانی ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

مزدوری اور کرایہ داری کے چند مسائل

نماز جیسے اعمال کے لیے معاہدۂ اجرت

سوال ایک آدمی فوت ہوا جو سخاوت اور حسن اخلاق کا تو مالک تھا لیکن وہ نہ نماز پڑھتا تھا اور نہ روزہ رکھتا تھا تو اس کی وفات کے بعد اس کے اہل خانہ نے ایک شخص کو مال دے دیا تاکہ وہ اس کی طرف سے فوت شدہ نمازیں پڑھے اور روزے رکھے تو کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟ اس صورت میں مال لینے کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ فوت ہونے والا شخص جو نماز اور روزہ ادا نہیں کرتا تھا' حالت کفر میں فوت ہوا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ اہل علم کے راجح قول کے مطابق جس کی نصوص کتاب و سنت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے بھی تائید ہوتی ہے' تارک نماز کافر ہے اور جو نماز کا منکر ہو وہ بھی کافر ہے خواہ وہ نماز پڑھتا بھی ہو۔ نصوص ترک کے بارے میں وارد ہیں' انکار کے بارے میں نہیں' لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ اس وصف کو ہم لغو قرار دیں' شریعت نے جس کا اعتبار کیا ہے' یا ہم انہیں انکار پر محمول کریں جیسا کہ بعض اہل علم نے کیا ہے اور تارک نماز کی تکفیر کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں' ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ان سے مراد نماز کا منکر ہے لیکن اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ہم اس وصف کو لغو قرار دے رہے ہیں جس پر شریعت نے حکم لگایا ہے اور اس وصف کا اعتبار کر رہے ہیں جس کا شریعت نے ذکر ہی نہیں کیا' نیز اس میں تناقض بھی ہے کیونکہ نماز کا منکر تو کافر ہے خواہ وہ نماز پڑھتا بھی ہو' خواہ وہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نماز پنجگانہ فرض نہیں ہے اور وہ اسے محض نفل عبادت کے طور پر ادا کر رہا ہے تو وہ کافر ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ تارک نماز کے کفر کے بارے میں وارد نصوص کو انکار نماز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح اس آدمی کے اہل خانہ نے اس کی نمازوں اور روزوں کے لیے جو مال خرچ کیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اعمال قربت میں سے کسی عمل کے لیے عقد اجرت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ تم میری طرف سے نماز روزہ ادا کر دو میں تمہیں اس کی اجرت دے دوں گا ہاں البتہ حج کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ اس کی تفصیل کا وقت نہیں ہے لہٰذا اس شخص نے جو یہ مال لیا ہے تو یہ ناحق لیا ہے' اس کے لیے واجب ہے کہ یہ مال انہیں واپس لوٹا دے۔ اس نے جو نمازیں پڑھی ہیں' ان سے اس میت کو کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ وہ غیر مسلم ہے اور غیر

مسلم کو کوئی عمل نفع نہیں دیتا حتیٰ کہ اس کا اپنا کوئی عمل بھی نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ ٱلصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَٰرِهُونَ ﴾ (التوبة۹/ ٥٤)

"اور ان کے خرچ (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی سوا اس کے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا ﴾ (الفرقان۲۵/ ۲۳)

"اور جو انہوں نے عمل کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔"

شیخ ابن عثیمین

کرایہ دار کو نکالنے کے لیے تکلیف پہنچانا

سوال بلڈنگوں کے بعض مالکان کرایہ دار کو اپنی بلڈنگ سے نکالنے کے لیے بعض جواز ڈھونڈتے ہیں اور اس کے لیے کبھی تو صفائی کرنے والے کو صفائی کرنے سے روک دیتے ہیں، کبھی پانی بند کر دیتے ہیں اور کبھی اس طرح کی کوئی اور تکلیف پہنچاتے ہیں، تو کیا شرعاً اس طرح تکلیف پہنچانا جائز ہے؟

جواب مالک پر یہ واجب ہے کہ کرایہ دار کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہو تو اسے پورا کرے۔ عمارت اس کے سپرد کرے اور ان تمام شرائط کو پورا کرے جس پر وہ متفق ہوئے ہوں یا جو عرف کے مطابق طے شدہ ہوں اور اس مدت تک ان شرائط کو پورا کرنا چاہیئے جو آپس میں طے ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ ﴾ (المائدة٥/ ١)

"اے ایمان والو اپنے اقراروں کو پورا کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ، إِلاَّ شَرْطًا أَحَلَّ حَرَامًا، أَوْ حَرَّمَ حَلاَلاً» (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، ح:١٣٥٢ وسنن ابن ماجه، ح:٢٣٥٣ وسنن أبي داود، ح:٣٥٩٤ والتمهيد:٧/ ١١٧ واللفظ له)

"مومنوں کو اپنی شرطوں کے مطابق عمل کرنا چاہیئے الآیہ کہ کوئی ایسی شرط ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دے۔"

جب معاہدے کی مدت پوری ہو جائے اور فریقین تجدید معاہدہ کے لیے راضی ہوں تو دونوں کو حسب سابق ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ ایفاء کرنا چاہیئے۔ اگر مالک تجدید مدت نہ کرنا چاہے تو کرایہ دار کو چاہیئے کہ عمارت خالی کر کے مالک کو واپس کر دے اور اس میں مزید قیام کر کے اسے تکلیف نہ دے کیونکہ کسی بھی مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرام کام کرنے والے کو کرایہ پر عمارت دینا

سوال کیا اس شخص کو کرایہ پر عمارت دینا جائز ہے جو حلال و حرام کا کاروبار کرتا ہو اور اس سے کرایہ میں وصول ہونے والی رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ کمائی حرام ہو گی؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں حرام کا اقرار ہے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے ساتھ معصیت کے کاموں میں تعاون اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تم ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

ہر وہ شخص جو حرام اشیاء مثلاً آلات لہو و لعب' فحش فلمیں اور فتنہ انگیز تصویریں بیچے تو اسے گھر یا دکان کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے' اسی طرح جس شخص کے معاملات سود' دھوکا' چوری اور ناپ تول میں کمی جیسے حرام امور پر مشتمل ہوں یا جو شخص آپ کے گھر کو شراب کی فیکٹری یا لہوولعب یا بدکاری یا اس طرح کے دیگر مذموم اجتماعات کے لیے استعمال کریں جن کے نتیجہ میں نمازوں کا ترک یا حرام امور کا ارتکاب لازم آتا ہو تو ایسے لوگوں کو بھی اپنی عمارت کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے اور اس سے حاصل ہونے والا کرایہ اور کمائی مشتبہ اور مکروہ ضرور ہے' کلی طور پر حرام نہیں ہے اور مشتبہ امور سے بچنا بھی مسلمانوں کے لیے واجب ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سودی بینکوں کو کرایہ پر عمارتیں دینا

سوال میں ایک عمارت کا مالک ہوں اور مجھ سے ایک ایسا بینک یہ عمارت کرایہ پر لینا چاہتا ہے جو سودی کاروبار کرتا ہے تو کیا ایسے بینک کو کرایہ پر عمارت دینا جائز ہے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ مذکورہ بینک اس عمارت کو حرام' سودی کاروبار کے لیے استعمال کرے گا لہٰذا اسے کرایہ پر عمارت دینا ایک حرام کام میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرام گانوں کی کیسٹوں کے بیچنے والوں کو ....

سوال کیا یہ جائز ہے کہ آدمی اپنی دوکان گانوں کی کیسٹوں اور آلات لہو بیچنے والوں کو کرایہ پر دے؟

جواب کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دوکان دینا جائز نہیں جو اسے ایسی اشیاء کے بیچنے کے لیے استعمال کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مثلاً آلات لہو یا شراب یا سگریٹ وغیرہ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' بنانے والے' جس کے لیے بنائی گئی ہو' اٹھانے والے' جس کے لیے اٹھائی گئی ہو' بیچنے والے' خریدنے والے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اور یہ اس لیے کہ پلانے والا' بنانے والا' نچوڑنے والا' اٹھانے والا اور بیچنے والا یہ سب لوگ گناہ اور ظلم کی اس بات میں تعاون کرنے والے ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

ویڈیو کی فلمیں بنانے والوں کو کرایہ پر دوکان دینا

سوال میرے پاس ایک شارع عام پر کچھ دوکانیں ہیں جن میں سے بعض میں نے کرایہ پر دے دی ہیں اور بعض باقی ہیں۔ چند دن پہلے میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے مجھ سے ایک دوکان طلب کی تاکہ وہ اس میں ویڈیو فلموں کا کام شروع کرے لیکن مجھے اسے دوکان دینے میں تردد ہے۔ کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں حرام اشیاء بیچنے والوں کو اپنی دوکان کرایہ پر دوں؟ کیا ایسا کرنے میں مجھے گناہ ہو گا؟

جواب حرام اشیاء بیچنے یا بنانے والوں کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینا جائز نہیں مثلاً سگریٹ یا فلمیں بیچنے والوں یا داڑھی مونڈنے والوں کو کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

—— شیخ ابن باز ——

حرام امور کے لیے استعمال کرنے والوں کو دوکانیں کرایہ پر دینا----

سوال ان لوگوں کو دوکانیں اور گودام کرایہ پر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے جو حرام اشیاء مثلاً آلات لہو ولعب فروخت کرتے ہوں یا وہ گانوں کی کیسٹیں' سگریٹ یا مخالف شریعت مجلّات وغیرہ فروخت کرتے ہوں یا انہوں نے حجامت کی دوکانیں بنائی ہوں؟

نیز ان لوگوں کو عمارات اور گھر کرایہ پر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو وہاں آلات لہو پر جمع ہوتے ہوں جس سے نماز میں سستی یا ترک لازم آتا ہو' نیز اس مال کا کیا حکم ہے جو پراپرٹی آفس ایسے لوگوں کو کرایہ پر عمارت دلوا کر وصول کرتا ہے؟

جواب ایسے لوگوں کو دوکانیں یا گودام کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے جو ان میں حرام اشیاء بیچیں یا سٹور کریں کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اسی طرح ان لوگوں کو بھی دوکانیں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے جو داڑھیاں مونڈتے ہیں کیونکہ داڑھی مونڈنا حرام ہے اور انہیں دوکانیں کرایہ پر دینے میں حرام کام پر اعانت اور سہولت فراہم کرنا ہے۔

اسی طرح ان لوگوں کو بھی گھر وغیرہ کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے جو فعل حرام یا ترک واجب کے لیے جمع ہوتے ہوں' لیکن رہائش کے لیے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اور اگر اس میں رہنے والا کسی معصیت یا ترک واجب کا ارتکاب کرے تو اسے گناہ نہیں ہو گا کیونکہ اس نے تو اسے مکان رہائش کے لیے دیا ہے' معصیت یا ترک واجب کے لیے نہیں' اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي . . . الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية، ح:١٩٠٧ واللفظ للبخاري)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جو اس نے نیت کی۔"

جب دوکانوں' گوداموں اور گھروں کو کرایہ پر دینا حرام ہے تو ان سے حاصل ہونے والی کمائی بھی حرام ہے۔ پراپرٹی دفتر والے اپنی محنت اور کوشش کا ان سے جو معاوضہ لیتے ہیں وہ بھی حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ»(سنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، ح:٣٤٨٨ ومسند أحمد: ١/ ٢٤٧ ودارقطني: ٣/ ٧، ح: ٢٧٩١، واللفظ له)

"بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتا ہے۔"

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' ہمارے رزق کو پاک کر دے اور اسے اپنی اطاعت کے لیے مددگار بنا دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شفعے کا بیان

ناگزیر لوازم اور ناقابل تقسیم جائداد میں شفعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ، مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ ـ وَبَعْدُ

جیسا کہ کبار علماء کی کونسل کے ساتویں اجلاس میں جو طائف شہر میں شعبان ۱۳۹۵ھ کے نصف اول میں منعقد ہوا' یہ طے پایا تھا کہ آٹھویں اجلاس کے ایجنڈا میں ناگزیر لوازم میں شفعہ کے مسائل کو شامل کر لیا جائے' چنانچہ اس مسئلہ پر کونسل کے آٹھویں اجلاس میں غور ہوا جو ریاض شہر میں ربیع الآخر کے نصف اول میں منعقد ہوا تھا' نیز اس اجلاس میں ناقابل تقسیم جائداد میں شفعہ کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔

اس تحقیقی مقالہ کو دیکھنے کے بعد جو بحوث علیمه وافتاء کی مستقل کمیٹی کی طرف سے تیار کیا گیا اور اراکین کونسل کے باہمی تبادلۂ افکار و آراء کے بعد کونسل نے کثرت رائے سے یہ طے کیا کہ ناگزیر لوازم مثلاً کنواں' راستہ اور پانی کی گزر گاہ وغیرہ میں شرکت کی صورت میں شفعہ ثابت ہے' نیز جو ناقابل تقسیم جائداد ہو مثلاً چھوٹے گھر اور دوکانیں وغیرہ تو ان میں بھی شفعہ ثابت ہے کیونکہ دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ نیز شفعہ میں جو مصلحت یعنی مبیع یا حق مبیع میں شریک سے ضرر کو دور کرنا ہے تو اس کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور شفعہ کی مشروعیت کے بارے میں جو شرعی نصوص ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلشَّرِيكُ شَفِيعٌ، وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ» (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما جاء أن الشريك شفيع، ح: ١٣٧١)

"شریک کو شفعہ کا حق حاصل ہے اور شفعہ کا حق ہر چیز میں ہے۔" طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں شفعہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے۔" ①

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طحاوی کی سند کے راویوں میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ رحمہم اللہ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ، يُنْتَظَرُ بِهَا، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا، إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا»(سنن أبي داود، البيوع، باب في الشفعة، ح:٣٥١٨ ومسند أحمد:٣/ ٣٠٣)

"پڑوسی اپنے پڑوسی کے شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔ وہ موجود نہ بھی ہو تو اس کا انتظار کرنا چاہیے بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔"

امام بخاری نے "صحیح" میں اور امام ابوداود اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے اپنی سنن میں اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالٍ لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ، وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ»(صحيح البخاري، البيوع، باب الأرض والدور والعروض ... الخ، ح:٢٢١٤)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو' اور جب حدود متعین ہو جائیں اور راستے الگ الگ بنا دیئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہے۔"

① طحاوی فی شرح معانی الآثار' 122/4

ان احادیث سے استدلال یہ ہے جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ پڑوسی جو کسی ناگزیر ضرورت میں دوسرے آدمی کے ساتھ شریک ہو مثلاً یہ کہ دونوں کا راستہ ایک ہو یا پانی میں یا پانی کی گزرگاہ میں وہ شریک ہوں یا اس طرح کے دیگر ناگزیر لوازم میں شریک ہوں تو تقسیم کو کلی تقسیم نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ بعض حقوق ملکیت میں شریک ہو گا' اور اگر دونوں کا راستہ ایک ہو تو پھر حدود واقع نہ ہوں گی بلکہ بعض حاصل ہوں گی اور بعض کی نفی ہو گی کیونکہ حدود کا وقوع تو ہر اعتبار سے اس بات کو مستلزم یا متضمن ہے کہ راستوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔

وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

صدر اجلاس

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتاویٰ اسلامیہ (جلد اول)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سو تیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل و مشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے، وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنة الدائمة للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں کتاب و سنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد سوم)

کتاب البیوع تا کتاب القضاء



فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"

جمع و ترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

دار السلام

DARUSSALAM

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد سوم)

دارالسّلام

کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور

لندن • هیوسٹن • نیو یارك

DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الرّیاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962-4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

اِی میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون: 6879254 وفیکس: 6336270 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : RSPOSCP فیکس: RSPOSCQ (009716)

پاکستان : ① 32 B لوئر مال، لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 اِی میل: darussalampk@hotmail.com

② رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

(جلد سوم)

فتاویٰ اسلامیہ

فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"

کتاب البیوع
تا
کتاب القضاء

جمع وترتیب:
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:
مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظر ثانی:
ابو عبداللہ محمد عبدالجبار

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک
DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب
(اہلِ علم) سے پوچھ لو (الانبیاء ۲۱/۷)

فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد سوم)

کتاب البیوع

بیمہ پالیسی اور انشورنس کا حکم

امانت کے احکام

گری پڑی چیز اٹھانے کے احکام

راستے میں گرے پڑے لاوارث نومولود .....

کتاب الوقف

وقف کے مسائل

ہبہ اور عطیہ کے مسائل

کتاب الوصایا

وصیتوں کے مسائل

کتاب الفرائض

وراثت کے مسائل

مسائل وراثت

کتاب الرق

غلامی کے احکام

کتاب النکاح

نظر و خلوت اور اختلاط کے احکام

نکاح کے لئے ولی کی شرط

عقد نکاح کے احکام

نکاح میں شروط و عیوب

میاں بیوی کا ہم پلہ ہونا

كتاب الطلاق

طلاق کے مسائل و احکام

کن الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے

معلق یا مشروط طلاق

طلاق کے ساتھ قسم کھانا

نکاح ختم کرنا

طلاق سے رجوع کے احکام

کتاب الظهار

ظہار کے مسائل

کتاب العدة

عدت کے احکام اور عدت گزارنے والی .....

سوگ کرنے والی کے احکام

کتاب الرضاع

دودھ کے رشتوں کے مسائل

کتاب الجنایات

قتل عمد کے احکام

قتل خطا کے احکام

قسموں سے (قتل کا) فیصلہ

کتاب الحدود

حد زنا (بدکاری کی حد)

وہ ذبیحے جو مختلف مناسبتوں سے ذبح.....

ذبح کرنے کے احکام

مشتبہ اور حرام کھانے

کسب حرام سے کھانا

نذر (منت ماننے) کے مسائل

کتاب القضاء

قضا اور اس کے متعلقہ احکام

٩

كتاب البيوع

بیمہ پالیسی اور انشورنس کا حکم

زندگی اور املاک کا بیمہ

سوال بیمہ زندگی یا بیمہ املاک کا کیا حکم ہے؟

جواب زندگی اور املاک کا بیمہ کرانا حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اس میں دھوکہ بھی ہے اور سود بھی اور اللہ تعالیٰ نے امت پر رحمت کے پیش نظر اور اسے نقصان سے بچانے کے لیے تمام سودی معاملات کو حرام قرار دیا ہے نیز ان تمام معاملات کو بھی جن میں دھوکہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام"

اور صحیح حدیث میں ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ»(صحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، ح:١٥١٣)

"رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔" وباللہ التوفیق

— شیخ ابن باز —

گاڑیوں کی انشورنس

سوال ایک شخص نے گاڑیوں کی انشورنس کے متعلق یہ سوال پوچھا ہے کہ ہوائی اڈوں پر کرائے پر گاڑیاں فراہم کرنے والے دفاتر نے اپنی گاڑیوں کی انشورنس کروائی ہوتی ہے اور جب کوئی شخص ان سے کرائے پر گاڑی لیتا ہے تو اسے تقریباً تیس ریال انشورنس کے بھی ادا کرنے پڑتے ہیں اور اس صورت میں اگر کرائے پر گاڑی لینے والے سے حادثہ ہو جائے تو انشورنس کمپنی گاڑی کی مرمت کے اخراجات ادا کرتی ہے۔ آپ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب میری نظر میں انشورنس نقصان پہنچانے کی ایک صورت ہے وہ اس طرح کہ کمپنی بعض انشورنس کرانے والوں سے سارا سال مال تو وصول کرتی رہتی ہیں لیکن نہ تو انہیں کچھ دیتی ہے اور نہ انہیں گاڑی وغیرہ مرمت کرانے کی ضرورت ہی پیش آتی ہے۔ اور بعض لوگوں سے کمپنی مال تو تھوڑا وصول کرتی ہے لیکن اسے خرچ زیادہ کرنا پڑتا ہے اور اس طرح کمپنی کو نقصان ہوتا ہے۔

گاڑیوں کے ایسے مالکان جن میں ایمان اور خوف الٰہی کی کمی ہوتی ہے وہ انشورنس کرانے کے بعد نڈر ہو جاتے ہیں اور گاڑیاں اس قدر بے پروائی سے چلاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے بہت سے حادثات رونما ہوتے ہیں اور ان کی اندھا دھند ڈرائیونگ کے نتیجے میں کئی مسلمان حادثات کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں' مالی نقصان اس کے علاوہ ہوتا ہے لیکن

انہیں اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہوتی کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گاڑی اور اس کے حادثے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام نقصانات کی تلافی کی ذمے دار انشورنس کمپنی ہے لہٰذا میری رائے میں ان وجوہ کی بنا پر انشورنس کسی حال میں بھی جائز نہیں خواہ گاڑیوں کی ہو' یا انسانوں کی' مالوں کی ہو یا کسی اور چیز کی!

——— شیخ ابن جبرین ———

تجارتی بیمے کا حکم

سوال جب کوئی تاجر کسی بیرونی کمپنی سے چاول' چینی یا چائے منگواتا ہے تو وہ اپنے اس مال کی کل قیمت پر کسی بیمہ کمپنی کے پاس دو فیصد کے حساب سے انشورنس ادا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں کمپنی ان تمام نقصانات کو ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیتی ہے جو اس کے مال کو غرق ہو جانے' جل جانے یا کسی اور طرح سے تباہ ہو جانے کی صورت میں لاحق ہوں حتی کہ اگر جہاز غرق ہو جائے تو بیمہ کمپنی مال کی تمام قیمت ادا کر دیتی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ تجارتی بیمہ ہے جو کہ حرام ہے کیونکہ اس میں واضح طور پر نقصان بھی ہے اور جوا بھی اور یہ دونوں کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

باہمی تعاون اور تجارتی بیمے میں فرق

سوال باہمی تعاون کے بیمے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تجارتی بیمے کا شرعی بدل ہے سوال یہ ہے کہ بیمے کی ان دونوں قسموں میں کیا فرق ہے؟ تجارتی بیمہ حرام اور باہمی تعاون کا بیمہ جائز کیوں ہے؟

جواب باہمی تعاون کے بیمے سے مقصود معاوضہ لینا نہیں بلکہ اس سے مقصود تو نقصانات وحادثات کی صورت میں تعاون کرنا ہوتا ہے جبکہ تجارتی بیمے سے مقصود نفع کمانا ہے اور وہ بھی جوئے کے طریقے سے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور اسے شراب' بتوں اور تیروں کے ذریعے سے قسمت آزمائی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

یہ ہے دونوں صورتوں میں فرق' اسے اس مثال سے بھی سمجھئے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک دینار قرض دے اور وہ اسے ایک سال یا کم وبیش مدت کے بعد ادا کرے تو یہ صحیح ہے اور اگر وہ معاوضہ کے طور پر ایک دینار کے بدلے میں ایک دینار اور ادا کرے تو یہ فاسد اور حرام ہے یعنی معاملات کے حرام یا حلال ہونے میں نیت کا بہت اثر ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

امانت کے احکام

کوتاہی کے بغیر امانت میں نقصان کی ذمہ داری نہیں

سوال ایک آدمی کہتا ہے کہ میں ایک ملک میں گیا وہاں مجھے ایک بھائی نے کچھ رقم دی تاکہ اس کی سفر سے واپسی تک وہ رقم میں اپنے پاس بطور امانت محفوظ رکھوں حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ رقم ہوائی اڈے پر پکڑی گئی تو مجھ سے ضبط کر لی جائے گی کیونکہ اس ملک نے باہر رقم لے جانے کے لیے جو مقدار مقرر کر رکھی ہے وہ اس سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ ہوائی اڈے پر وہ رقم مجھ سے ضبط کر لی گئی علاوہ ازیں میرے پاس جو اپنی رقم تھی وہ بھی نکلوا لی گئی تو اس رقم کے واپس کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ امین ہے اگر اس کی کوتاہی کے بغیر امانت ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں لہٰذا اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ کے ذمے اس کی رقم کے عوض اسے رقم لوٹانا واجب نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

امانت میں تصرف اور اس کی سرمایہ کاری

سوال ایک آدمی نے کچھ رقم میرے پاس امانت رکھی تو میں نے اس رقم سے استفادہ کیا اور اسے کاروبار میں لگا دیا اور جب اس نے مجھ سے واپسی کا مطالبہ کیا تو میں نے اسے صرف اس کا اپنا سارا مال ہی واپس کیا اور اس کے مال سے جو استفادہ کیا تو اس کے متعلق میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تو کیا میرا یہ تصرف جائز ہے یا ناجائز؟

جواب جب کوئی شخص آپ کے پاس امانت رکھے تو آپ اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہیں کر سکتے بلکہ آپ کو اس کے مناسب حال اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور اب جبکہ آپ اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر چکے ہیں تو اس سے بات کر کے اسے راضی کر لیں اگر وہ بخوشی آپ کو بخش دے تو ٹھیک ورنہ اسے اس کے مال کا نفع دے دیں یا اس کے ساتھ نصف وغیرہ پر مصالحت کریں کیونکہ مسلمانوں میں مصالحت بھی جائز ہے سوائے اس مصالحت کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

گری پڑی چیز اٹھانے کے احکام

گری ہوئی چیز ملے تو پورا ایک سال اعلان کیا جائے

سوال مجھے سونے کی صورت میں گری ہوئی چیز ملی تو میں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کر دیا اور نیت یہ کی کہ اگر اس کا مالک مل گیا اور وہ راضی نہ ہوا تو میں اس کی قیمت اپنی طرف سے ادا کر دوں گا' مجھے یہ سونا ایک بڑے شہر کے وسط سے ملا تھا' کیا مجھ پر اس کا گناہ تو نہ ہو گا؟

جواب آپ کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے جسے کوئی اہم گری ہوئی چیز ملے' مکمل ایک سال تک لوگوں کے مجموں میں اس طرح اعلان کرنا واجب ہے کہ ہر ماہ دو یا تین بار اعلان کیا جائے' اگر مالک مل جائے تو وہ چیز اس کے سپرد کر دی جائے اور اگر نہ ملے تو ایک سال کے بعد یہ چیز اس کی ہو گی کیونکہ نبی ﷺ کا اس مسئلے میں یہی فرمان ہے ہاں البتہ اگر وہ چیز حرمین سے ملی ہو تو پھر وہ شخص کبھی بھی اس کا مالک نہیں بن سکتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس چیز کا اعلان کرنا ہو گا حتی کہ اس کے مالک کا پتہ چل جائے یا اسے حرمین میں متعلقہ محکمے کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی اس کے مالک کے لیے حفاظت کر سکے۔ نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ کے متعلق فرمایا تھا:

«لاَ تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلاَّ لِمُنْشِدٍ»(صحيح البخاري، اللقطة، باب كيف تعرف لقطة اهل مكة، ح:٢٤٣٤ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها ... الخ، ح:١٣٥٥)

"اس میں گری پڑی چیز بھی کسی کے لیے حلال نہیں ہے ہاں البتہ اسے وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کا اعلان کرنا چاہتا ہو۔"

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

«إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بركة صاع النبي ﷺ ومده، ح:٢١٢٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة ... الخ، ح:١٣٦٠ واللفظ له)

"میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔"

اگر لقطہ (گری پڑی چیز) معمولی اور حقیر ہو مثلاً رسی' جوتے کا تسمہ یا تھوڑی رقم تو اس کا اعلان کرنا ضروری نہیں۔ ایسی چیز پانے والا شخص اس سے خود فائدہ اٹھائے یا اس کے مالک کی طرف سے اسے صدقہ کر دے۔ البتہ اس سے گمشدہ اونٹ وغیرہ ایسے حیوانات مستثنیٰ ہیں جو بھیڑیے جیسے چھوٹے درندوں سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں لہٰذا اونٹ وغیرہ کو پکڑنا جائز نہیں ہے کیوں کہ نبی ﷺ نے اس کے متعلق پوچھنے والے سے فرمایا تھا:

«دَعْهَا فَإِنَّ مَعَهَا حِذَاءَهَا وَسِقَاءَهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا»(صحيح

البخاري، اللقطة، باب ضالة الغنم، ح:٢٤٢٨ وصحيح مسلم، اللقطة، باب معرفة العفاس والوكاء . . .
الخ ح: ١٧٢٢)

"اسے چھوڑ دے کیونکہ اس کا جوتا اور مشکیزہ اس کے ساتھ ہے' یہ خود پانی پر آسکتا ہے اور درختوں کے پتے کھا سکتا ہے حتی کہ اس کا مالک آکر اسے خود لے لے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب لقطہ کا اعلان نہ کیا جائے

سوال مجھے کچھ ریال پڑے ہوئے ملے' میں نے وہ اٹھا کر استعمال کر لیے اب اس سلسلہ میں مجھ پر کیا لازم ہے؟

جواب آپ پر واجب تھا کہ آپ (ایک سال تک) ان کا اعلان کرتے' اگر آپ مکمل ایک سال تک ہر ماہ کم از کم دو یا تین بار یہ اعلان کریں کہ فلاں جگہ پر اگر کسی کے پیسے گم ہوئے ہوں تو وہ لے لے اور یہ اعلان لوگوں کے مجمعوں میں' جامع مسجدوں کے دروازوں پر یا بازاروں میں کریں اور اگر یہ اعلان کرتے ہوئے ایک سال گزر جائے تو ان کا استعمال آپ کے لیے حلال ہے اور جب ان کا مالک آکر صحیح نشانی بتا دے تو آپ اسے دے دیجیے کیونکہ آپ کے پاس تو یہ امانت ہے اور اگر آپ نے اس کا اعلان نہیں کیا بلکہ خاموشی سے خود کھا لیے ہیں تو پھر اتنے ریال ان کے مالک کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دیں کیونکہ آپ نے وہ ذرائع اختیار نہیں کیے جن سے یہ حلال ہو جاتے اور وہ ان کا اعلان کرنا تھا' امید ہے صدقہ کرنے سے ان شاء اللہ مالک کو ثواب مل جائے گا۔ ((واللّٰہ ولی التوفیق))

——— شیخ ابن باز ———

جسے لقطہ ملے وہ کیا کرے؟

سوال ایک عالم فاضل آدمی کو دوران سفر راستہ میں کچھ نقدی ملی جس کا وہاں کوئی مالک نہ تھا' اب سوال یہ ہے کہ وہ شخص اس نقدی کا کیا کرے؟

جواب اس شخص پر لازم ہے کہ ان دو شہروں میں جو اس راستے پر واقع ہیں جہاں سے رقم ملی ہے نیز ان کے علاوہ دیگر ایسے شہر' جن کے باشندوں کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ رقم ان میں سے کسی کی ہو سکتی ہے۔ وہاں لوگوں کے مجمعوں میں اس رقم کا اعلان کرے۔

اگر ایک سال تک اعلان کرنے کے باوجود اس کا کوئی مالک نہ ملے تو لقطہ اٹھانے والا مالک بن جاتا ہے' اسے چاہیے کہ وہ رقم اپنے پاس رکھے حتی کہ اس کے مالک کو تلاش کر لے یا پھر اس کی طرف سے صدقہ کر دے' اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک مل جائے تو اسے ساری بات بتا دے' وہ صدقہ کرنے پر راضی ہو جائے تو بہت بہتر اور اگر وہ اس پر اعتراض کرے تو اتنی ہی رقم اسے اپنے پاس سے ادا کر دے اور وہ صدقہ اس کی طرف سے ہو جائے گا' یا اسے اپنے دیگر مال کی طرح خرچ کر لے اور جب اس کے اصل مالک کا پتہ چل جائے تو اسے اپنی طرف سے ادا کر دے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

فروخت شدہ گائے کا واپس لوٹ آنا

سوال ایک آدمی کا بیان ہے کہ اس نے اپنی گائے ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کی جسے وہ جانتا بھی نہیں مگر گائے خریدار کے گھر سے بھاگ کر واپس اس کے گھر آگئی' یہ آدمی چونکہ خریدار کو جانتا نہیں تھا للذا اس نے وہی گائے کسی اور کو فروخت کر دی اور اس کی قیمت کھالی۔ سوال یہ ہے کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب یہ گائے جس میں سائل نے سوال میں مذکور تصرف کیا ہے' لقطہ کے حکم میں ہے اور جب کہ اس شخص نے وہ گائے بیچ کر اس کی قیمت بھی کھالی ہے تو اسے چاہیے کہ بازاروں اور لوگوں کے مجمعوں میں ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہے' اگر مالک آجائے تو اسے صورت حال بتائے اور گائے کی وہ قیمت اس کے سپرد کر دے جس میں اس نے گائے بیچی ہے اور اگر وہ نہ آئے تو اس قیمت کو اس نیت سے صدقہ کر دے کہ اگر اس نے مالک کو پہچان لیا تو یہ اسے ساری صورت حال بتائے گا اگر اس نے وہ صدقہ خوشی سے تسلیم کر لیا تو درست ورنہ اس شخص کو اپنی طرف سے گائے کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرم کا لقطہ (گرا پڑا مال)

سوال ایک لڑکے نے حرم مکی میں گری ہوئی ایک گھڑی اٹھالی جو چار سال سے زیادہ عرصہ سے اس کے پاس ہے' اب اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ کیا اسے دوبارہ حرم میں رکھ دے یا گھڑی فروشوں سے اس کی قیمت معلوم کر کے قیمت کسی فقیر کو بطور صدقہ دے دے؟

جواب حرم کا لقطہ اعلان کرنے والے کے علاوہ اور کسی کے لیے اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلاَّ لِمُنْشِدٍ»(صحيح البخاري، اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة، ح: ٢٤٣٤ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها ... الخ، ح: ١٣٥٥)

''یہاں کی گری ہوئی چیز اعلان کرنے والے کے سوا اور کسی کے لیے اٹھانی جائز نہیں ہے۔''

اب مذکورہ لڑکے پر واجب ہے کہ وہ مذکورہ بالا لقطہ مکہ مکرمہ کے محکمہ کبریٰ (ہائی کورٹ High Court) کے حوالے کر دے تاکہ محکمہ وہ لقطہ اس کمیٹی کے سپرد کر دے جس کی ذمہ داری حرم کے گمشدہ اموال کی حفاظت کرنا ہے' اس طرح یہ لڑکا اس سے بری الذمہ ہو جائے گا نیز سابقہ مدت میں اس لڑکے نے لقطہ کا اعلان نہ کر کے جو کوتاہی کی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس پر توبہ کرنی چاہیے۔ ((وباللہ التوفیق))

——— شیخ ابن باز ———

ان کی طرف سے صدقہ کر دیجیے

سوال چند سال پہلے میں نے اپنے کچھ ساتھیوں سے ایک سو ریال لیے تھے بعد ازاں میں کسی اور جگہ چلا گیا اور ان ساتھیوں کو بھول گیا وہ بھی مجھے بھول گئے' اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ سوال یہ ہے کہ میں اس رقم کے بارے

میں کیا کروں جو میرے کندھوں پر بوجھ ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے نام بھول گئے ہیں جن سے آپ نے ایک سو ریال لیے تھے تو اب آپ کے لیے مشروع یہ ہے کہ آپ ان کی طرف سے یہ سو ریال صدقہ کر دیں اور جب کبھی وہ آپ کو یاد آ جائیں یا کہیں مل جائیں تو ان کا حق انہیں دے دیں اِلَّا یہ کہ وہ اس صدقہ کو تسلیم کر لیں جو آپ نے ان کی طرف سے کیا ہے تو اس سے آپ بریٔ الذمہ ہو جائیں گے نیز آپ کو اور انہیں اس کا ثواب بھی ملے گا۔

——— شیخ ابن باز ———

اسے تلاش کیا گیا لیکن وہ نہ ملا

سوال گزارش ہے کہ میں ۱۹۵۰ء سے قبل اردن میں کام کرتا تھا اور جب میں نے سعودیہ آنے کی چھٹی لی تو اپنے ایک ساتھی عبید المطیری سے پندرہ اردنی ریال میں ایک قبا خریدی کہ چھٹیوں کے بعد سعودیہ سے واپسی پر میں اسے یہ قیمت ادا کر دوں گا لیکن واپسی پر مجھے یہ دوست نہ ملا جس سے میں نے قبا خریدی تھی۔ میں نے اس کے متعلق لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ چھٹی لے کر کویت چلا گیا ہے لیکن ابھی تک وہ کویت سے واپس نہ آیا تھا کہ مجھے اردن میں کام سے فارغ کر دیا گیا اور میں سعودیہ واپس آ گیا۔ آتے ہوئے میں کچھ دوسرے دوستوں کو اپنا سعودیہ کا پتہ دے کر آیا تھا تاکہ وہ واپس آ کر اس پتہ پر مجھ سے رابطہ قائم کر لے لیکن اس نے اپنے حق کی وصولی کے لیے اب تک مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم ہے تو مجھے اب کیا کرنا چاہیے کہ اس شخص کے میرے ذمہ پندرہ اردنی ریال ہیں؟ رہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ پر واجب ہے کہ اس کے جاننے والوں سے اس کے بارے میں پوچھیں اور مقدور بھر کوشش کر کے اس کا پتہ چلائیں اور یہ رقم اسے بھیج دیں یا خود کویت جا کر اسے اس کا حق دیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ... الخ، ح: ٢٥٦٤)

"ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے۔"

لہٰذا اس معاملے میں تساہل جائز نہیں ہے اور اگر آپ اسے تلاش کرنے سے عاجز آ جائیں اور وہ کویت یا کسی بھی دوسری جگہ آپ کو نہ ملے تو پھر یہ رقم اس کی طرف سے اس شرط پر صدقہ کر دیں کہ اگر وہ آپ کو مل جائے تو آپ اسے یہ اختیار دیں کہ وہ یا تو اپنی رقم لے لے یا صدقے کا اجر و ثواب قبول کر لے، اگر وہ صدقے پر راضی ہو جائے تو صدقے کا مستحق وہ ہو گا ثواب اس کے لیے ورنہ یہ ثواب آپ کو مل جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو"

نیز فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

——— شیخ ابن باز ———

اس کے پاس گیا لیکن اسے نہ پایا

سوال چار سال پہلے میں نے اپنا گھر تعمیر کیا تو اس کی دیواروں کے لیے سنگ مرمر خریدا تھا جس شخص سے میں نے سنگ مرمر خریدا تھا اس کے پندرہ سو ریال میرے ذمے باقی تھے۔ کچھ مدت بعد جب میں بقیہ رقم ادا کرنے گیا تو میں نے ادارے کے پہلے مالک کو نہ پایا کیونکہ یہ ادارہ اب ایک نئے مالک کی تحویل میں آگیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ رقم اب میں پہلے مالک کو کس طرح ادا کروں' یاد رہے میں نے سنگ مرمر اس ادارے کے ایک ملازم سے خریدا تھا براہ راست اس کے مالک سے نہیں اور نہ ہی میں اصل مالک کو پہچانتا ہوں کیونکہ میرا معاملہ ملازم ہی کے ساتھ تھا۔ میں نے اس مالک کے متعلق کئی بار پوچھا ہے لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکا لہٰذا میری رہنمائی فرمائیں کہ اس رقم سے بری الذمہ ہونے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب اگر آپ کو اس ادارے کا نام اور محل وقوع معلوم ہے تو اس کے مالک کے بارے میں مزید تلاش و جستجو کریں' شاید اس کے پڑوسیوں کو اس کا علم ہو اور اگر وہ آپ کو اس کا نام پتہ اور ٹیلی فون نمبر وغیرہ بتا دیں تو اس سے رابطہ قائم کر کے اس کا حق اسے ادا کر دیں تاکہ آپ بری الذمہ ہو جائیں اگر مزید جستجو اور تلاش بسیار کے باوجود آپ اسے نہ پا سکیں اور مقدور بھر کوشش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ لگا سکیں تو یہ رقم اس کی طرف سے اس شرط پر صدقہ کر دیں کہ اگر بعد میں وہ مل گیا تو اسے اختیار ہو گا اگر وہ اخروی ثواب پر راضی ہو جائے تو درست ورنہ آپ اس کی رقم اسے ادا کریں گے اور صدقے کا ثواب آپ کو مل جائے گا۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن باز ———

توبہ واستغفار کریں

سوال ایک عورت نے حرم مکی میں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا پایا تو اسے اٹھا لیا اور اپنے سونے کے ساتھ ملا کر فروخت کر دیا اب وہ اس پر نادم ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب اس عورت کو چاہیے کہ مذکورہ سونے کی نشانی وغیرہ بتا کر اس کی قیمت محکمہ (Court) کو دے دے۔ شاید اس کی مالکہ لقطہ کی محافظ کمیٹی کے پاس آکر اس کے بارے میں پوچھے اور اگر اس لقطہ کو اٹھائے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا ہو تو اسے اس کی مالکہ کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دے' نیز توبہ واستغفار بھی کرے۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ کافی ہو گا اور اگر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو تو پھر اس کی قیمت محکمہ کو دے دے اور محکمہ وہ قیمت لقطہ کی حفاظت پر مامور کمیٹی کے سپرد کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

راستے میں گرے پڑے لاوارث نومولود کے احکام

لاوارث نومولود بچے کے سرپرست کا بچے کو اپنے نسب کی طرف منسوب کرنے کا حکم

سوال ہمارے ایک رشتے دار نے ایک نومولود لاوارث لڑکا گود لیا اس کی تربیت کی' اسے تعلیم دلوائی اور اس کے ساتھ بہت حسن سلوک سے پیش آیا' بڑی محبت اور خاص مناسبت سے اس کا نام "یوسف" رکھا۔ پھر یہ متبنیٰ بنانے والا شخص زبیر مقام پر فوت ہوگیا' اس کی اپنی صلبی کوئی اولاد نہیں جو اس کی وارث بنے وہ بچہ سن رشد کو پہنچ گیا اور اس نے ظہران کے ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ میں داخلہ بھی لے لیا ہے' رشتے داروں نے مشورہ کیا کہ اس لڑکے کا نام بدل دیا جائے۔ بعض نے اس کے حق میں اور بعض نے اس کی مخالفت میں رائے دی کیونکہ اس سے نسب میں گڑبڑ اور وراثت میں غلطی کا خطرہ ہے' امید ہے کہ آپ اس مسئلے میں فتویٰ عطا فرمائیں گے تاکہ ہم آپ کے فتویٰ کی روشنی میں لائحہ عمل اختیار کریں؟

جواب شرعاً یہ جائز ہی نہیں ہے کہ لاوارث بچے کو متبنیٰ بنانے والا اس کی نسبت اپنی طرف اس طرح منسوب کرے جس طرح بیٹا اپنے حقیقی باپ اور اس کے قبیلے کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ استفتاء میں پوچھا گیا ہے کیونکہ اس سے جھوٹ' باطل' انساب میں گڑبڑ' عزتوں کی پامالی اور وراثت میں تبدیلی اس طور پر ہوتی ہے کہ مستحق محروم ہوجاتا ہے اور غیر مستحق مال ودولت کا وارث قرار پاجاتا ہے۔ علاوہ ازیں خلوت ونکاح کے سلسلے میں حرام امور کی حلت اور حلال امور کی حرمت اور اسی طرح کئی دیگر امور کی بے حرمتی اور حدود شریعت سے تجاوز لازم آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ کسی بچے کی نسبت باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کی جائے۔

جو شخص اپنے باپ یا موالی کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو نبی ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ﴿٤﴾ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥﴾﴾

(الأحزاب۳۳/ ٤-٥)

"اور تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے قرار نہیں دیے ہیں یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ حق بات فرماتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے' (مسلمانو!) لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ' اللہ کے نزدیک یہی انصاف کی بات ہے۔ پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے غلطی میں جو کچھ ہوجائے تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے' لیکن جو کچھ تم قصداً دل کے ارادے سے کرو گے (اس کا گناہ ہو گا) اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف ... الخ، ح:٤٣٢٦، ٤٣٢٧ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ح:٦٣)

"جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، ح:٥١١٥ وجامع الترمذي، الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، ح:٢١٢٠)

"جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی اور سے اپنا تعلق جوڑے تو اس پر روز قیامت تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی رہے گی۔"

لہٰذا سائل نے مذکورہ نام رکھنے میں جو اجتہاد کیا غلط ہے۔ اسے باقی نہیں رکھنا چاہیے بلکہ بدل دینا چاہیے کیونکہ کسی بچے کو اس کے باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی حرمت کے بارے میں وارد نصوص اور ان حکمتوں کا یہی تقاضا ہے جنہیں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ باقی رہا مسئلہ نومولود لاوارث کو گود لینے' اس پر شفقت کرنے' اس کی تربیت کرنے اور اس سے اچھا سلوک کرنے کا تو یہ ایک نیک کام ہے' اسلامی شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

١٠

كِتَابُ الْوَقْفِ

وقف کے مسائل

اس نے اپنی زمین اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کر دی

سوال ایک آدمی پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہوا اور اس نے اپنی زرعی اراضی بیع و شراء کے بجائے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کی نسل کیلئے وقف کر دی تو سوال یہ ہے کہ کیا وقف کرنے والے کی بیٹیوں کی اولاد بھی اس کی اولاد ہے کہ وہ اس کی وارث ہو یا وہ اس کی اولاد نہیں ہے؟ کیا بیٹیوں کی نسل کی اولاد اس وقف کی وارث ہو گی یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بھی اولاد کی اولاد شمار ہوتی ہے یا نہیں' اس میں دو قول ہیں۔ اس کی بابت شرعی عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ ان شاء اللہ کافی ہو گا کیونکہ اس طرح کے مسائل میں اکثر لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اور اس کے حل کے لیے عدالت ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

افادیت ختم ہونے کی وجہ سے وقف کی منتقلی

سوال میری والدہ نے ایک گھر وقف کیا تھا جو بہت پرانا ہونے کی وجہ سے رہائش کے قابل نہیں ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس وقف کو منتقل کر دوں یعنی اسے بیچ کر اس کی قیمت کسی مسجد یا فلاحی تنظیم کو دے دوں یا کسی اور نیکی کے کام میں لگا دوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب آپ کو وقف میں تصرف کرنے یا اسے وقف کرنے والے کی مرضی کے خلاف کسی اور جگہ منتقل کرنے کا حق نہیں ہے اور جب اس کی افادیت ختم ہو جائے تو پھر اسے اسی طرح کی زمین' دوکان یا باغ کی صورت میں منتقل کرنا جائز ہے۔ جو اس (وقف) کے قائم مقام ہو۔ اس کی آمدنی بھی اسی مصرف میں خرچ کی جائے جس میں مذکورہ گھر کی آمدنی خرچ ہوتی تھی اور یہ کام اسی ملک کے محکمہ اوقاف کی وساطت سے ہونا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

افادیت ختم ہونے کی صورت میں وارثوں کا دادا کے وقف کو تقسیم کر لینا

سوال سعید نامی شخص نے ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی زمین وقف کیا تھا اور وہ اس قطعہ زمین کی آمدنی کو ۲۷ رمضان کی رات صدقہ کر دیا کرتا تھا' سعید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سالم سعید بھی اس کے نقش قدم پر چلتا رہا' سالم سعید کے بعد محمد سالم سعید وارث بنا اور محمد سالم سعید بھی اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتا رہا' محمد سالم سعید کے دو بچے ہیں ایک علی محمد سالم سعید اور دوسرا حیدر محمد سالم سعید' علی محمد سالم سعید بھی اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ علی اور حیدر بھی

تین تین بیٹے چھوڑ کر فوت ہوئے تو کیا ان بیٹوں کے لیے اپنے آباؤ اجداد کی جائیداد آپس میں تقسیم کرنا جائز ہے یا یہ جائیداد نسل در نسل وقف ہی رہے گی؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو ورثاء کے لیے وقف کی یہ زمین آپس میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس کی افادیت ختم ہو گئی ہو تو بھی یہ زمین وقف ہی میں رہے گی اور اس کی آمدنی نیکی کے ان کاموں میں خرچ کی جائے جہاں اس کی ضرورت ہو جبکہ ان کاموں میں خرچ کرنے والا کوئی اور نہ ہو مثلاً مسجدوں کی اصلاح' ترمیم اور تعمیر کے لیے یا پانی کے نظام کے لیے یا چٹائیاں اور دریاں خریدنے یا دیگر ایسے لوازمِ منفعت کے لیے جن کی اس شہر کے لوگوں کو ضرورت ہو جس میں وہ وقف موجود ہو یا پھر اسے وقف کرنے والے کے رشتہ دار اور غیر رشتہ دار فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

وقف بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا

سوال میرے پردادا نے ساڑھے بارہ کنال زمین وقف کی تھی کہ اس کی آمدنی کنویں پر خرچ کر دی جائے' پھر میرے دادا اور والد نے بھی اس وقف کو جاری رکھا اور اب یہ کنواں بیکار پڑا ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اب پانی کی سپلائی پائپ لائنوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور ہمیں اپنی ضرورت کے لیے اس وقف کی شدید ترین ضرورت ہے تو کیا یہ وقف ذاتی ضرورت کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے کہ زمین کنویں کے لیے وقف کی گئی تھی لیکن اب لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں رہی تب بھی یہ ضروری ہے کہ اس زمین کو وقف ہی رہنے دیا جائے اور اس کی آمدنی اس علاقے کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کی جائے جہاں یہ کنواں موجود ہے بایں طور کہ اس سے کوئی مسجد تعمیر کر دی جائے یا کسی مسجد کی مرمت کروا دی جائے' یا حفظ قرآن کا کوئی ادارہ کھول دیا جائے یا اسے فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے' وقف کرنے والے کے فقیر رشتہ دار دوسرے لوگوں کی نسبت اس وقف کی آمدنی کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اگر وقف کی افادیت کے ختم یا کم ہو جانے کی وجہ سے شرعی مصلحت کا یہ تقاضا ہو کہ اس سے کوئی ایسی جائیداد خرید لی جائے جس کی آمدنی زیادہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن یہ کام قاضیٔ شہر کی منظوری کے بعد کیا جائے۔

لیکن وقف کرنے والے کے ورثاء کا محض وارث ہونے کی وجہ سے وقف میں کوئی (خصوصی) حق نہیں کیونکہ وقف بطور میراث نہیں لیا جا سکتا' ہاں البتہ اگر وہ فقیر ہوں تو پھر انہیں بھی اس کی آمدنی میں سے دینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ ((وباللہ التوفیق))

—— فتویٰ کمیٹی ——

وقف کرنے والے کے ارادے کے برعکس وقف میں تصرف کا حکم

سوال ایک زرعی قطعۂ زمین کی آمدنی کو فقط رمضان میں افطاری کے لیے وقف کیا گیا تھا' اب میرے علاوہ اس وقف کا کوئی متولی بھی نہیں ہے اور میں اس شہر سے دور کسی اور علاقے میں ملازمت کرتا ہوں' میرے علاوہ اور کوئی نہیں جو

رمضان میں افطاری کا اہتمام کر سکے' پھر ہمارے علاقے کے لوگ ایسے علاقوں میں جا کر مال مویشی چراتے ہیں جن کے بارے میں علم نہیں ہوتا اور وہ صرف عید یا جمعہ کے دن ہی اکٹھے ہوتے ہیں اور اگر میں بذات خود افطاری کا اہتمام کروں تو بھی کھانے والے لوگ نہیں ملیں گے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں دانے ہی مستحق لوگوں میں تقسیم کردوں یا وہ دانے بیچ کر ان کی قیمت کے بدلے کھجوریں خرید کر مستحق لوگوں میں تقسیم کروں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے سوا اس وقف کا کوئی اور متولی نہیں ہے اور آپ بذات خود نہ تو اس کا اہتمام کر سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا شخص ہی آپ کی نیابت کر سکتا ہے اور اگر آپ افطاری کا اہتمام کر بھی لیں تو کھانے والا کوئی نہیں (اس صورت میں) آپ کے لیے جائز ہے کہ رمضان میں اپنے علاقے کے مستحق لوگوں میں دانے تقسیم کر دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وقف کی جگہ کے قریب ترین علاقے کے مستحق لوگوں میں انہیں تقسیم کر دیں' اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کی قیمت سے کھجوریں خرید کر تقسیم کر دیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

متولی دولت مند ہو تو اس کے لیے وقف کی آمدنی حلال نہیں

سوال میری نانی کا ایک مکان ہے' وفات کے وقت انہوں نے میری والدہ کو اس کا وکیل مقرر کر دیا کہ وہ اس کی آمدنی سے ہر سال ان کی طرف سے قربانی کر دیا کرے لیکن مکان کی ویرانی کے سبب والدہ کی زندگی میں کبھی قربانی کی جاتی کبھی نہ کی جاتی' جب میری والدہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت کی کہ میں اس مکان کی مرمت کرا دوں' میں نے ان کے ورثاء سے بھی اجازت لے لی کہ وہ ترکہ میں سے اس کی مرمت کے لیے خرچہ دیں انہوں نے اس کی اجازت دے دی' والدہ نے بھی ترکہ میں بارہ سو ریال چھوڑے تو میں نے وصیت پر عمل کرتے ہوئے اپنی طرف سے بھی رقم خرچ کر کے اس گھر کی اس طرح مرمت کرا دی ہے کہ وہ آباد و شاد گھروں کی طرح ہو گیا ہے نیز اب اس کی آمدنی ایک قربانی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے' سوال یہ ہے کہ میں نے اس مردہ وقف کو زندہ کیا ہے تو کیا میرے لیے اس کا استعمال حلال ہے؟

میری نانی کا ایک اور ویران گھر بھی ہے' کیا اس کی آمدنی کو اس ویران گھر کی مرمت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جواب یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ کی والدہ نے آپ کی نانی کے اس گھر کی مرمت کرانے کی آپ کو وصیت کی تھی اور آپ کی نانی نے ان کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے آپ کی والدہ کو اپنا وکیل مقرر کیا تھا اور آپ نے ورثاء کی اجازت سے ان کے ترکہ سے' اپنی والدہ کی چھوڑی ہوئی رقم اپنی طرف سے خرچ کر کے اس مکان کی مرمت کرا دی' ورثاء نے اس سلسلے میں جو کچھ خرچ کیا وہ ان کی طرف سے مالکہ مکان کے لیے صدقہ ہے' آپ نے مکان پر جو کچھ خرچ کیا وہ اپنی والدہ کی وصیت پر عمل اور نانی کے لیے صدقہ ہے' اس مکان کی آمدنی اس کی اصلاح اور اس کے متعلق کی گئی وصیت پر خرچ ہو گی اور جو اس سے بچ جائے وہ شرعی وکیل کی رائے کے مطابق نیکی کے دیگر کاموں میں خرچ کیا جائے گا' دوسرے فقراء کی نسبت میت کے فقیر رشتہ دار زیادہ مستحق ہیں اور اگر ورثاء کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف ہو تو اسے دور کرنے کے لیے شرعی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے آپ کی نانی کا دوسرا ویران گھر اگر اسی گھر کے تابع ہے تو اس کا حکم ہم آپ کو بتا چکے ہیں اور اگر اس گھر کا تعلق ترکہ سے ہے اور وہ وقف نہیں ہے تو یہ معاملہ وارثوں کی رائے پر منحصر ہے پس اگر

وہ اسے بھی وقف گھر کے تابع کرنا چاہیں تو اس کا حکم بھی وہی ہو گا جو پہلے وقف گھر کا ہے اور اگر وہ اسے وقف کرنے کی اجازت نہ دیں تو پھر یہ وارثوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

قبریں اپنے مدفون لوگوں کے لیے وقف ہیں

سوال میرے پاس ایک زرعی قطعۂ زمین ہے' جس کے مشرق کی طرف بھی ایک قطعۂ زمین ہے جو میری زمین کی حد کے ساتھ ہے' مغرب کی طرف میری زمین ہے' مشرق کی طرف راستہ ہے' جنوب اور شمال کی طرف کی زمین کسی اور کی ملکیت ہے میں نے زمین کی اصلاح کا ارادہ کیا اور جب میں بنیادوں تک پہنچا تو کئی پرانی قبریں پائی گئیں' جن میں صرف ہڈیاں ہی تھیں' مجھے اس زمین کی ضرورت ہے' امید ہے فتویٰ دے کر رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کی بات سے واضح ہوا کہ جس زمین کے متعلق آپ نے پوچھا ہے وہ قبرستان ہے اور آپ کی زمین اس کی مغربی حد پر ہے جبکہ یہ آپ کی زمین نہیں ہے اور کھدائی پر جب آپ کو وہاں سے قبریں اور قبروں میں ہڈیاں نظر آئی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اعتراف کیا ہے تو یہ زمین آپ کی ملکیت نہیں بلکہ یہ تو ان لوگوں کے لیے وقف ہے جو یہاں مدفون ہیں لہٰذا آپ کے لیے اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے یہ حلال نہیں کہ اسے ملکیت میں لیا جائے یا رہائش' زراعت' عمارت یا اس پر خیمہ وغیرہ لگانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

کسی نامعلوم آدمی کی ایک قدیم قبر

سوال میری زمین کے ایک طرف کسی نامعلوم آدمی کی ایک قبر ہے' میرے ساتھ قاضی شہر اور تین دیگر معمر لوگوں نے اس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ قبر میری زمین کے جنوب مشرقی جانب ہے اور یہ بہت قدیم ہے' جس سمت قبر ہے' اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ قبرستان ہے جب کہ میری زمین کے جنوبی طرف قبرستان ہے اور اب گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے اس میں دفن کیا جانا موقوف ہو چکا ہے اب لوگ اس کے اردگرد دفن کرنے لگے ہیں؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کسی نامعلوم آدمی کی قدیم قبر ہے اور قاضی کے ساتھ جانے والے معمر آدمیوں کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس میں مدفون آدمی کب دفن کیا گیا تھا اور اس قبر کے جنوبی طرف قبرستان ہے اور اب گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے اس میں دفن کیا جانا بند کر دیا گیا ہے تو اس قبر کی زمین کی نشاندہی کر کے اسے اس زمین سے نکال دیا جائے جو سائل کے بقول اس کی ملکیت ہے کیونکہ اصل میں زمین بے آباد ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس میں موجود قبر بنائی گئی خصوصاً جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے قریب عام قبرستان بھی ہے اور اگر زمین کی جنوبی جانب واقع قبرستان کے حدود کا چار دیواری کے ساتھ تعین نہیں کیا گیا تو محترم قاضی صاحب کو چاہیے کہ اس کے حدود کا تعین کریں اور متعلقہ محکمہ کے سامنے اس کی چار دیواری بنانے کا مسئلہ پیش کریں۔

وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

شارع عام کے لیے قبرستان کے کچھ حصہ کا استعمال

سوال "جبیل" شہر میں ایک سڑک کا افتتاح مقصود ہے لیکن اس کے لیے ایک قبرستان کا کچھ حصہ بھی استعمال کرنا پڑے گا تو کیا شارع عام کے لیے قبرستان کا کچھ حصہ استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب واضح رہے کہ مردوں کی بھی اسی طرح حرمت ہے جس طرح زندہ انسانوں کی حرمت ہے' مردوں کی قبریں ان کے گھر ہیں' حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ قبرستانوں کی حفاظت کریں' انہیں بے حرمتی اور ایسے امور سے بچائیں جو ان کے ساکنوں کی حرمت کے منافی ہوں۔ قبرستانوں کے کسی حصے کو ان سے الگ کر کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا ان کی حرمت و حفاظت کے خلاف ہے لہٰذا کسی شرعی جواز کے بغیر قبرستان کے کسی حصے کو کسی اور مقصد کی خاطر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ شہر کی بلدیہ نے جو یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ سڑک کو سیدھا رکھنے کے لیے قبرستان کا کچھ حصہ استعمال کرنا ضروری ہے تو یہ حسب ذیل امور کی وجہ سے شرعی جواز نہیں بن سکتا:

① اس میں مردوں اور ان کے گھروں کی بے حرمتی ہے۔

② مذکورہ شہر میں گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کی وجہ سے ٹریفک کا اس قدر ہجوم بھی نہیں ہے کہ اضطرار کا دعویٰ کیا جا سکے۔

③ جس سڑک کا افتتاح کرنا مقصود ہے نقشہ کے مطابق اس کی چوڑائی ساڑھے تیس فٹ ہو گی تو اس چوڑائی کو اس قدر کم بھی کیا جا سکتا ہے کہ ضرورت بھی پوری ہو جائے اور قبرستان کی حرمت بھی برقرار رہے لہٰذا ان اسباب کی وجہ سے کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ قبرستان کے جنوب میں واقع سڑک کو سیدھا کرنے کے لیے قبرستان کا کچھ حصہ اس میں شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

مردہ مسلمان کی حرمت زندہ ہی کی طرح ہے

سوال ایک شخص نے اپنی زرعی زمین میں گھر بنانا یا اسے توسیع دینا یا کوئی اور عمارت تعمیر کرنا چاہا تو اسے اس میں ایک' دو' تین یا اس سے بھی زیادہ قبریں نظر آئیں تو وہ اب کیا کرے؟

جواب دراصل یہ لوگ ایک بے آباد زمین میں دفن کیے گئے تھے لیکن اب یہاں مدفون ہونے کی وجہ سے وہ اس کے مالک بن گئے ہیں لہٰذا ان سے تعرض جائز نہیں' نہ ان کی قبروں کو اکھاڑا جا سکتا ہے' نہ راستہ بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی ایسا معاملہ کیا جا سکتا ہے جس سے ان کی بے حرمتی ہو بلکہ ان کے گرد ایک چار دیواری بنا دینی چاہیے جس کی وجہ سے یہ بے حرمتی سے محفوظ رہیں اور ان میں مدفون انسانوں کی عزت و حرمت برقرار رہے کیونکہ مردہ مسلمانوں کی بھی اس طرح حرمت ہے جس طرح زندہ مسلمانوں کی حرمت ہوتی ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

وقف سے رجوع کرنا

سوال ایک شخص نے صحت و تندرستی کی حالت میں بہت وسیع و عریض زمین قبرستان کے لیے وقف کر دی تھی لیکن اب تک اس میں ایک شخص بھی دفن نہیں کیا گیا نیز یہ شخص ۱۳۸۶ھ میں ریٹائرڈ ہو گیا ہے اور اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل و عیال کی رہائش کے علاوہ اور کوئی زمین نہیں ہے تو کیا وہ اس وقف یا اس کے بعض حصے میں رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب اس وقف کی ہوئی زمین یا اس کے بعض حصے میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وقف کی وجہ سے یہ واقف کی ملکیت سے نکل چکی ہے بوقت ضرورت اس سے صرف وہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس کے لیے یہ وقف کی گئی تھی اور وہ یہ ہے کہ اس میں مردوں کو دفن کیا جائے اور اگر اس مقصد کے لیے اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے بیچ کر اس کی قیمت کسی دوسرے قبرستان پر خرچ کی جائے اور یہ تصرف بھی اس زمین کے علاقے کے قاضی کے ذریعے ہونا چاہیے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی مالی حالت کی کمزوری وقف سے رجوع کا جواز نہیں بن سکتی' اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا اور آپ نے جو خرچ کیا ہے اس کا نعم البدل بھی عطا فرمائے گا۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

مسجد کے لیے زمین وقف کر کے رجوع کر لیا

سوال ایک آدمی نے مدرسہ بنانے کے لیے ایک قطعۂ زمین اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا ہے کہ اس کے لیے اپنے اس وعدہ سے رجوع کرنا جائز ہو جو اس نے پہلے عید گاہ کے لیے زمین دینے کے سلسلے میں کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا اسے اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنے سابقہ وعدے کے مطابق عید گاہ بنانے کے لیے زمین دے یا وزارت تعلیم کو مدرسہ بنانے کے لیے زمین دے؟ یاد رہے اس علاقے میں عید گاہ موجود ہے؟

جواب اگر وہ آدمی مذکورہ قطعۂ اراضی عید گاہ کے لیے عملاً وقف کر چکا ہے تو وہ قطعہ عید گاہ ہی کے لیے ہو گا۔ لیکن اگر اس کی طرف سے صرف یہ وعدہ تھا کہ وہ عید گاہ کے لیے ایک قطعۂ اراضی کا عطیہ دے گا تو تب بھی اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

نابالغ کے لیے وقف اور .....

سوال میرے والد صاحب رحمہ اللہ فوت ہو گئے ہیں اور ان کی وفات کے بعد ان کے کاغذات میں سے ایک وصیت نامہ ملا ہے جس میں انہوں نے اپنا گھریلو سامان اپنی بیٹی کے نام وقف کر دیا تھا جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی اور وہ بچی اب فوت ہو گئی ہے تو سوال یہ ہے کیا نابالغ کے لیے وقف کرنا صحیح ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو کیا وقف کے وقت اسے اس کے باقی

بھائیوں پر ترجیح دینا جائز ہے؟ اگر یہ وقف صحیح ہے تو کیا اسے والد صاحب کے ترکہ کے ثلث تک ہی محدود رکھا جائے گا یا سارا گھریلو سامان ہی اسے دے دیا جائے گا؟

جواب وصیت نامہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ سائل نے جو ذکر کیا ہے کہ ان کے والد نے گھریلو سامان اپنی مذکورہ بیٹی کے لیے وقف کر دیا تھا تو یہ بات صحیح ہے' کمیٹی سوال اور وصیت نامہ کے جائزہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس وصیت کو باطل قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں نیز اس وصیت کی حیثیت مستقل ہو گی جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے' اسے ترکہ کے صرف ثلث تک محدود نہیں رکھا جائے گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک مسجد کے مال کو دوسری کے لیے استعمال کرنا

سوال ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک مسجد بنانے کے لیے مال جمع کیا گیا' مسجد مکمل ہو گئی لیکن بہت سا مال بچ رہا' ایک دوسرے علاقے میں بھی ایک مسجد ہے اور اس کے ارد گرد بہت سے مسلمان رہائش پذیر ہیں اور اس مسجد میں لائبریری' مدرسہ اور بعض اشیاء کے بنانے کی ضرورت ہے لہٰذا اس مسجد کی انتظامیہ کے بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پہلی مذکورہ مسجد کی انتظامیہ سے کچھ مال لے لیں لیکن اس مسجد کی انتظامیہ کہتی ہے کہ یہ مال تو اسی مسجد کے لیے اکٹھا کیا گیا تھا اب اگر شیخ عبدالعزیز بن باز فتویٰ دے دیں کہ یہ مال دوسری مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا' براہ کرم راہنمائی فرمائیں؟

جواب اگر وہ پہلی مسجد مکمل ہو گئی ہے جس کے لیے مال جمع کیا گیا تھا اور وہاں اب مال خرچ کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تو زائد مال کو دیگر مساجد کی تعمیر یا ان میں لائبریریوں اور پانی کے نظام یا اس طرح کی دیگر ضروریات کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اہل علم نے کتاب الوقف میں واضح فرمایا ہے کیونکہ ان اشیاء کا تعلق بھی اس مسجد ہی سے ہوتا ہے جس کے لیے عطیہ دیا گیا ہوتا ہے اور عطیہ دینے والوں کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کی تعمیر میں حصہ لینا ہوتا ہے لہٰذا جو مال ایک مسجد سے بچ جائے اسے دوسری مسجد پر خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی ضرورت والی مسجد موجود نہ ہو تو زائد مال کو مسلمانوں کے مفاد عامہ مثلاً مدارس اور سرائے وغیرہ پر خرچ کر دیا جائے یا فقراء وغیرہ میں صدقہ کر دیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

بہتر یہ ہے کہ وقف کو اسی کام میں صرف کیا جائے ....

سوال ایک آدمی نے مسجد کی انتظامیہ کو کچھ مال دیا اور کہا کہ اسے پانی کی سپلائی کے نظام کے لیے خرچ کیا جائے لیکن انتظامیہ کی اکثریت اس کے بجائے کسی اور چیز کے لیے خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زیادہ بہتر اور احتیاط اسی میں ہے کہ مال کو اسی مقصد کے لیے خرچ کیا جائے جس کے لیے خرچ کرنے والے نے مخصوص کیا ہو جب کہ شرعاً اس میں کوئی حرج نہ ہو مثلاً پانی کی سپلائی کے نظام میں یا اس طرح کے کسی دوسرے مباح کام

میں خرچ کیا جائے لیکن اگر مسجد کی انتظامیہ یہ محسوس کرے کہ اس کی بجائے مسجد کی تعمیر کے کام میں خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے تو اس میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں کیونکہ پانی کی ٹونٹیوں پر خرچ کرنے کی بجائے مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا افضل اور زیادہ منفعت بخش ہے کیونکہ اول مقصود تو مسجد کی تعمیر ہی ہے۔ طہارت خانوں کی تعمیر تو نماز ادا کرنے کے لیے سہولت پیدا کرنے اور نمازیوں کی تعداد بڑھانے کے لیے ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

بینک کے قرضوں سے تعمیر کی گئی عمارتوں کا وقف

سوال کیا کمرشل بینک سے قرض لے کر تعمیر کی گئی عمارتوں کا وقف کرنا جائز ہے جب کہ یہ عمارتیں ابھی تک بنک ہی کے پاس گروی ہوں؟

جواب اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے جو کہ ایک دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ کیا رہن قبضے کے بغیر لازم ہے یا نہیں؟ جنہوں نے یہ کہا کہ تمام تصرفات جائز ہیں جو ملکیت کو منتقل کر دیں کیونکہ رہن باقبضہ نہیں ہے اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ رہن لازم ہو جاتا ہے خواہ رہن باقبضہ نہ ہو تو وہ وقف صحیح نہ ہو گا اور نہ اس میں ایسے تصرفات ہی جائز ہیں جو اس کی ملکیت کو منتقل کرنے والے ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ بینک کا قرضہ ادا کرنے سے پہلے اسے وقف نہیں کرنا چاہیے تاکہ علماء کے اختلاف سے بھی بچا جا سکے اور اس حدیث پر عمل بھی کیا جا سکے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ»(سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، ح:٣٥٩٤ وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح... الخ، ح:١٣٥٢)

"مسلمانوں کو اپنی شرطیں پوری کرنی چاہئیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب وقف کی افادیت ختم ہو جائے

سوال میرے والد صاحب نے آٹا پیسنے کی چکی کا سامان وقف کیا تھا جب چکی کا استعمال ختم ہو گیا تو میں نے اس کے بجائے غلہ دلنے کی چکی لگوا دی اور جب اس کا استعمال بھی ختم ہو گیا تو اس کے ساز و سامان کی قیمت سے حاصل ہونے والے چار سو ریال میرے پاس موجود ہیں اور اب والد صاحب بھی فوت ہو گئے ہیں تو میں اس رقم کو کہاں استعمال کروں؟

جواب اس باقی ماندہ رقم کو فلاح و بہبود کے ایسے کاموں میں خرچ کیا جائے جن کی لوگوں کو ضرورت ہو اور جن پر خرچ کرنے والا کوئی اور نہ ہو مثلاً مسجدوں کے دروازوں کے پاس یا عام راستوں پر پینے کے لیے پانی کا انتظام کیا جا سکتا ہے یا اس سے ٹیوب ویل لگوانے یا راستے کی اصلاح و مرمت میں حصہ ڈالا جا سکتا ہے یا اس سے کسی مسجد کی مرمت کروائی جا سکتی ہے یا اس کے لیے دریاں وغیرہ خریدی جا سکتی ہیں جبکہ ان کاموں پر کوئی اور خرچ کرنے والا نہ ہو یا خرچ کرنے والا تو موجود ہو لیکن اس کے پاس خرچ پورا نہ ہو' اگر اس طرح کے کسی بہبود عام کے کام پر خرچ کرنا ممکن نہ ہو تو یہ رقم فقیروں پر صدقہ بھی کی جا سکتی ہے بہتر ہے کہ وقف کا معاملہ محترم قاضیِ شہر کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ وہ کسی ایسے ذمہ

دار آدمی کو اس کا نگران مقرر کریں جو وقف شدہ مال کی صحیح دیکھ بھال کرنے والا' امین اور حفاظت کرنے والا ہو۔
واللہ الموفق- وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

وقف کیا ہوا گھر بیچ دیا

سوال میں نے مٹی سے بنا ہوا ایک گھر بیچ دیا جسے اپنے باپ سے بطور وراثت حاصل کیا تھا اور اس میں قربانی کے لیے وقف بھی تھا...... میرے والد نے یہ مکان اپنی والدہ سے وراثت میں حاصل کیا تھا اور ان سے میں نے اس شرط پر حاصل کیا کہ اس کے کرائے سے قربانی کی جائے گی۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد میں نے ایک دستاویز دیکھی جس کی وجہ سے مجھے اس مکان کے فروخت کرنے پر افسوس ہوا اور میں نے مشتری کو سمجھایا کہ یہ مکان مجھے واپس کر کے اپنی رقم لے لے کیونکہ یہ مکان قربانی کے لیے وقف ہے لیکن اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا ہے تو کیا میں یہ مطالبہ کر کے بری الذمہ ہو گیا ہوں یا نہیں؟ براہ کرم اس شرعی مسئلہ کے متعلق اپنے جواب سے آگاہ فرمائیں؟

جواب ہماری رائے میں آپ یہ مسئلہ عدالت میں لے جائیں اور قاضی کے سامنے پوری بات واضح کردیں کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ گھر میں وصیت بھی موجود ہے اور آپ کو یہ بات سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد معلوم ہوئی لہٰذا اسے بیچنے کی وجہ سے بہت شرمندگی ہے کیونکہ وقف کو بیچا نہیں جا سکتا الا یہ کہ اس کی افادیت ہی ختم ہو گئی ہو بہرحال آپ کو قاضی صاحب کے پاس اس مسئلے کا ان شاء اللہ کوئی مناسب حل ضرور مل جائے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وقف کو بیچا نہیں جا سکتا

سوال میرے والد رحمہ اللہ فوت ہو گئے ہیں ان کے والدین نے اپنا ایک چھوٹا سا گھر ان کے لیے چھوڑا تھا اور وصیت کی تھی کہ وہ اپنی ساری زندگی اس گھر کے کرائے سے ان کی طرف سے قربانی کرتا رہے اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد اس کام کو سرانجام دے' میرے والد نے اس گھر کو بیچ دیا تھا اور اس کی قیمت تصرف کرنے سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا اور یہ رقم بھی میراث میں داخل ہو گئی' ہمارے پاس اب اپنا وہ گھر ہے جو والدین نے ہمارے لیے چھوڑا ہے اور جو ابھی تک فروخت نہیں ہوا ہم وصیت پر کیسے عمل کریں؟ یاد رہے دادا جان کے مکان کی قیمت پچاس ہزار ریال سے زیادہ نہیں لیکن کیا اس رقم کو نیکی کے کاموں میں یا تعمیر مسجد میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا

جواب میری رائے میں اس مسئلہ کے لیے عدالت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اب اس مکان کو بیچا جا چکا ہے جب کہ وقف کو بیچنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ مالک مکان نے اسے وقف کیا ہو اور اس کے کرائے سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو اور اگر اس نے اسے وقف نہیں کیا تو مکان وارثوں کے پاس رہے گا البتہ انہیں ہمیشہ اس سے قربانی کرنا پڑے گی بہرحال سائل کو اس مسئلے کے لیے عدالت ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

چچازاد بھائی کو محروم کرنے کے لیے گھر وقف کرنا

سوال ایک آدمی کے وارثوں میں ایک بیوی' ماں اور باپ کی طرف سے بہن ہے اور عصبہ میں ایک چچازاد بھائی ہے جو اس سے بہت دور ہے' نہ اس کی کوئی مدد کرتا ہے اور نہ صلہ رحمی کا مظاہرہ کرتا ہے' جب کہ یہ آدمی ایک گھر کا مالک ہے اور یہ اسے اپنی ماں' بیوی اور بہن کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد یہ گھر نیکی کے کسی مستقل کام مثلاً مساجد وغیرہ کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کر دیا جائے کیونکہ وہ اپنے عصبہ یعنی چچازاد بھائی کو اس سے محروم کرنا چاہتا ہے کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب بحوث علیہ وافتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا: امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلي رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے گا۔"

اور سائل نے چونکہ خود ہی صراحت کر دی ہے کہ اس کام سے اس کا مقصد اپنے برادر عم (عصبہ) کو محروم کرنا ہے لہٰذا ہماری رائے میں یہ جائز نہیں ہے۔ اب اگرچہ تمام مال اصحاب الفروض کو مل جانے کی وجہ سے یہ چچا زاد بھائی وارث نہیں ہے لیکن مستقبل میں وہ وارث بن سکتا ہے۔ لہٰذا اسے محروم کرنے کی نیت سے کوئی تصرف جائز نہیں ہوگا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ہبہ اور عطیۃ کے مسائل

خاوند اپنی بیوی کو جو چاہے ہبہ کر سکتا ہے

سوال ایک آدمی اپنی بیوی کو اپنے مال یا ملکیت سے تھوڑا یا زیادہ' نقد یا جائیداد یا سونا ہدیہ کے طور پر دینا چاہتا ہے تو کیا اس کے اس تصرف سے دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچے گا؟ اس طرح کے تصرف کے لیے شریعت نے کس حد کا تعین کیا ہے کہ جس سے تجاوز جائز نہ ہو یعنی کل مال کا چوتھائی حصہ یا ایک تہائی؟ اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے خاص مال سے اپنے خاوند کو ہدیہ دینا چاہے تو اس کے لیے تصرف کے کیا حدود ہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب خاوند کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی صحت و حیات میں اپنی بیوی کو اس کے صبر یا حسن خدمت یا اس نے اسے جو اپنا مال اور مہر وغیرہ دیا ہے کے عوض جو چاہے ہدیہ دے سکتا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچانا نہ ہو اس سلسلے میں مال کے چوتھے حصے وغیرہ کی کوئی تعیین بھی نہیں ہے' اس طرح بیوی بھی اپنے خاوند کو اپنے مال یا مہر میں سے جو چاہے دے سکتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ٤)

"اگر عورتیں اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو"

لیکن حالت مرض میں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس حالت میں یہ وارث کے لیے وصیت شمار ہو گی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

خاوند کا ہبہ کرنا

سوال میری بیوی اور میں بانجھ ہیں' میرے اہل خانہ میری بیوی کو پسند بھی نہیں کرتے لہٰذا میں نے اپنے مکان کا چوتھا حصہ اس کے نام فروخت کر دیا ہے تاکہ وہ اسے میری وفات کے بعد اس گھر سے نہ نکالیں' اگر ایسا کرنا حرام ہے تو اس گناہ کے کفارہ کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر اس نے مکان کے اس چوتھے حصہ کی قیمت ادا کر دی ہے جو آپ نے اسے بیچا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں' آپ کی وفات کے بعد اس مکان کا چوتھا حصہ اس کی ملکیت ہو گا اور چوتھا اسے بطور وراثت مل جائے گا لہٰذا وہ اسے اس سے نکال نہیں سکیں گے اور اگر آپ نے اسے چوتھا حصہ قیمت لیے بغیر بطور ہبہ دیا ہے تو وہ آپ کے ساتھ حسن سلوک سے رہنے اور صبر کرنے کی وجہ سے اس کی مستحق ہے' آپ کو اسے ہبہ کرنے کا بھی حق حاصل ہے آپ کے اہل خانہ اسے گھر سے نکال نہیں سکتے بہرحال ان اسباب کی وجہ سے اسے مکان یا اس کا کچھ حصہ فروخت کرنے یا ہبہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بہن کا ہبہ

سوال میرے والد صاحب کا مدت ہوئی انتقال ہو گیا تھا' ہمارے پاس ان کا ایک مکان ہے جسے ہم اب فروخت کر کے وارثوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں' میری ایک بہن اپنے حصے سے میرے حق میں دستبردار ہو کر شادی کے لیے میری مدد کرنا چاہتی ہے' یہ بہن خود شادی شدہ اور مالی طور پر خوش حال ہے' کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائے۔

جواب شادی میں مدد دینے کیلئے بہن اپنا حصہ آپ کو ہبہ کرنا چاہتی ہے تو وہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بہن سلیم العقل ہو کیونکہ کتاب و سنت کے ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ عورت کیلئے اپنا مال اپنے رشتے داروں اور غیر رشتہ داروں کو بطور عطیہ دینا جائز ہے جیسا کہ سلیم العقل ہونے کی صورت میں اس کیلئے صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

یہ ہبہ جائز ہے

سوال ایک عورت نے اپنا وہ حصہ جو اپنے باپ کی وراثت سے حاصل کیا تھا اپنے ایک بھائی کو ہبہ کر دیا' یاد رہے اس کے اپنے بھی آٹھ بچے ہیں جن میں لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی تو کیا اس صورت میں شرعاً یہ ہبہ جائز ہے؟ اس کی اولاد کا

اس میں کتنا حصہ ہے؟

جواب اگر یہ عورت دماغی طور پر صحت مند ہے تو یہ ہبہ جائز ہے اور وہ اپنے مال میں اس طرح تصرف کر سکتی ہے اور جب تک وہ زندہ ہے اس کے بچوں کا اس میراث میں کوئی حق نہیں ہاں البتہ بعد از وفات اس کی وراثت اس کے بچوں میں احکامات شریعت کے مطابق تقسیم ہو گی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عطیہ میں ترجیح

سوال کیا خاندان کے سربراہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بعض ورثاء کو بعض پر ترجیح دے؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ حالت صحت و تندرستی میں بعض وارثوں کو بعض پر ترجیح دے لیکن اولاد میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتا ہاں البتہ بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دیتے ہوئے دوگنا دے سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔"

لہذا اگر کوئی اپنے ایک بیٹے کو سو درہم دے تو واجب ہے کہ باقی سب کو بھی سو سو درہم اور بیٹیوں کو پچاس پچاس درہم دے یا پہلے بیٹے سے بھی واپس لے لے۔ اگر بیٹے بیٹیاں سن رشد کو پہنچے ہوئے ہوں اور وہ اپنے باپ کو کسی ایک بچے کو ترجیح دینے کی اجازت دے دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن یاد رہے یہ حکم نفقہ غیرواجب کے لیے ہے جہاں تک نفقہ واجب کا تعلق ہے تو وہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق دیا جائے گا مثلاً اس کا ایک بیٹا شادی کے قابل ہے اور یہ اسے شادی کا خرچہ اور مہر وغیرہ دیتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جس قدر اس نے اس بیٹے کی شادی پر خرچ کیا ہے' اسی قدر وہ اپنے دیگر بچوں کو بھی دے کیونکہ یہ خرچ تو نفقہ ہے' اس مناسبت سے میں یہاں ایک مسئلہ کی طرف توجہ بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں' وہ یہ کہ بعض لوگ ازراہ جہالت اس طرح کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے بالغ بیٹے کی شادی پر خرچ کیا ہے تو وہ اپنے چھوٹے بچوں کے لیے یہ وصیت کر دیتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کو بھی اتنی رقم دی جائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ تو وارث کے لیے وصیت ہے اور وارث کے لیے وصیت حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن أبي داؤد، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، ح:٢٨٧٠ وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية الوارث، ح:٢١٢٠)

"اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔"

اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے ان کے لیے یہ وصیت اس لیے کی ہے کہ میں نے ان کے دوسرے بھائیوں کی شادی پر اتنی ہی رقم خرچ کی ہے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر یہ چھوٹے بچے بالغ ہو کر آپ کی زندگی میں شادی کے قابل ہو

جائیں تو بے شک ان کی شادی پر اسی قدر خرچ کر دیں جس قدر ان کے دیگر بھائیوں کی شادی پر خرچ کیا ہے اور اگر وہ آپ کی زندگی میں شادی کی عمر کو نہ پہنچیں تو پھر بعد از وفات ان کی شادی کرنا آپ پر واجب نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہبہ واپس لینے والا کتے کی طرح ہے

سوال میرا ایک بھائی مجھے ملنے کے لیے اس شہر میں آیا جہاں میں کام کرتا ہوں جب کہ ہمارے اہل خانہ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں--- جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے نیکی کے طور پر اسے کچھ رقم دی' میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ قرض ہے اور کبھی میں یہ رقم اس سے واپس لے لوں گا' اسے بھی یہ بات معلوم تھی' رقم لینے کے بعد وہ ہمارے شہر واپس چلا گیا جہاں وہ اور دیگر اہل خانہ مقیم ہیں' وہ رقم اس نے شادی کرنے میں استعمال کی' ایک مدت تک اس کی بیوی نے اس کے ساتھ زندگی بسر کی لیکن بعد میں دونوں میں کشیدگی ہو جانے کی وجہ سے عورت نے سرکشی اور بدخوئی کی روش اختیار کر لی تو میرے بھائی نے میری دی ہوئی رقم کو اپنے پاس وصیت نامہ میں بطور قرض لکھ دیا اور اس پر گواہی بھی لکھ لی اور پھر اس کے ایک مدت بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اپنے بھائی کی وفات کے بعد جب میں اپنے شہر واپس آیا تو مجھے اس وصیت کے متعلق بتایا گیا' میرے بھائی کی بیوی نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا کہ ترکہ میں سے اس کا حصہ اسے دیا جائے اور میں نے مطالبہ کیا کہ بھائی کی وصیت کے مطابق مجھے بھی وہ رقم دی جائے جو اس نے وصیت نامہ میں لکھ رکھی ہے حالانکہ یہ رقم میں نے اسے قرض نہیں بلکہ احسان کے طور پر دی تھی لیکن اس عورت نے وصیت پر عمل کے پیش نظر واقعی مجھے وہ رقم دے دی اور میں نے لے لی اور اس نے ترکہ میں سے اپنا حصہ اس کے بعد وصول کیا (اب مجھے کیا کرنا چاہیے)؟

جواب اگر آپ نے مذکورہ رقم اپنے بھائی کو بطور صدقہ دی تھی' اس نے اسے قبول کر لیا تھا اور اسے یہ معلوم بھی تھا کہ یہ صدقہ ہے تو پھر آپ کو یہ رقم واپس نہیں لینی چاہیے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ»(صحيح البخاري معلقا، الهبة، باب هبة الرجل لامراته ... الخ، قبل، ح:٢٥٨٨ وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الرجوع في الهبة، ح:١٢٩٨)

"اپنے ہبہ کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو چاٹ لے۔"

لہٰذا یہ مال اسی کا ہے' اسے اس کے وارثوں کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر آپ بھی اس کے وارث ہیں تو آپ کو بھی وراثت سے اپنا حصہ ملے گا۔ وباللہ التوفیق' صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

١١

كتاب الوصايا

وصیتوں کے مسائل

وصیت کی مقدار اور وقت

سوال وصیت کس وقت کی جائے؟ کیا شریعت نے وصیت کے لیے مال کی کوئی حد مقرر کی ہے؟

جواب وصیت ہمیشہ کی جا سکتی ہے' جبکہ انسان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو' وصیت کرنے میں جلدی کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، ح:٢٧٣٨ وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، ح:١٦٢٧ واللفظ له)

"مسلمان آدمی جس چیز کے بارے میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دو راتیں بھی ایسی بسر کرے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو"

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی "صحیح" میں اس حدیث کو بیان کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وصیت کرنا ضروری ہو تو اسے جلدی کرنی چاہیے' وصیت زیادہ سے زیادہ اپنے مال کے ایک تہائی حصے میں کی جا سکتی ہے اور اگر چوتھے یا پانچویں یا اس سے کم حصے میں کر دی جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں لیکن زیادہ سے زیادہ تیسرے حصہ تک میں وصیت کی جا سکتی ہے جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، ح:٢٧٤٤ وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، ح:١٦٢٨)

"تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر لوگ تیسرے کی بجائے چوتھے حصے کی وصیت کریں تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔" [1]

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچویں حصہ میں وصیت فرمائی تھی۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری' الوصایا' باب الوصیة بالثلث' حدیث: 2743-

[2] مصنف ابن ابی شیبہ' الوصایا' باب مایجوز للرجل من الوصیة فی مالہ' 228/6' حدیث: 30910 و مصنف عبدالرزاق' الوصایا' 67/9' حدیث: 16364-

لہٰذا تیسرے حصے کی بجائے چوتھے یا پانچویں حصے کی وصیت کرنا افضل ہے خصوصاً جب کہ مال بھی زیادہ ہو اور اگر ایک تہائی تک میں وصیت کر دے تو کوئی حرج نہیں۔

———— شیخ ابن باز ————

وصیت اور اس کی شرعی دلیل

سوال کیا وصیت کو لکھنا واجب ہے؟ اس کے لیے گواہ لازم ہیں؟ مجھے وصیت کے بارے میں شرعی دلیل معلوم نہیں' لہٰذا امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب وصیت کو اس طرح لکھا جائے:

میں زیر دستخطی یہ وصیت کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے' اور جنت حق ہے' جہنم بھی حق ہے' قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبروں میں مدفون انسانوں کو زندہ کر کے نکالیں گے۔ میں اپنے بیوی بچوں اور دیگر تمام رشتہ داروں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ کے تقویٰ کو اختیار کریں' باہم اصلاح کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں' حق و صبر کی ایک دوسرے کو وصیت کریں میں بھی انہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے فرزندوں سے کہا تھا:

﴿ يَـٰبَنِيَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٣٢)

"اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔"

ان الفاظ کے بعد آدمی جو وصیت کرنا چاہتا ہو اسے ذکر کر دے جو اس کے مال کے تیسرے حصے یا اس سے کم کے بارے میں ہو یا کسی مال معین کے بارے میں لیکن وصیت کل مال کے ایک تہائی سے زیادہ حصے میں نہ کرے' اس کے بعد وصیت کیے ہوئے مال کے شرعی مصارف کو بھی واضح کر دے اور کسی کو وکیل بھی مقرر کر دے جو ان مصارف پر مال وصیت کو خرچ کرے۔

وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے' اگر کسی چیز کے بارے میں وصیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، ح:٢٧٣٨ وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، ح:١٦٢٧ واللفظ له)

"مسلمان آدمی جس چیز کے بارے میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دو راتیں بھی ایسی گزارے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"

اگر آدمی کے ذمہ قرض یا ایسے حقوق ہوں جو لکھے ہوئے نہ ہوں تو پھر یہ واجب ہے کہ ان کے بارے میں وصیت

کرے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں' وصیت پر دو عادل گواہوں کی گواہی بھی درج کرالینی چاہیے نیز اسے قابل اعتماد اہل علم میں سے کسی سے لکھوانا چاہیے فقط اپنی تحریر پر اکتفانہ کرے کیونکہ اس سے ذمہ داروں کو اشتباہ بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا خط پڑھنے والا کوئی ثقہ آدمی میسر نہ آسکے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

وصیت کی پابندی کرنا واجب ہے

سوال ایک آدمی نے وفات سے قبل اپنے مال کے چوتھائی حصے میں اس طرح وصیت کی کہ اس کی طرف سے ہر سال قربانی کرکے فقیروں اور مسکینوں میں صدقہ کر دی جائے نیز نیکی کے کاموں میں بھی اس کا مال خرچ کیا جائے' وہ چوتھائی مال جس کے بارے میں اس نے وصیت کی ہے وہ جائیداد اور بنک میں رکھی ہوئی قلیل مقدار میں رقم ہے' سوال یہ ہے کہ کیا اس مال وصیت کو مسجد بنانے میں خرچ کرنا جائز ہے یا اسے صرف انہی امور میں خرچ کیا جائے جن کا وصیت کرنے والے نے تعین کیا ہے؟

جواب اس طرح کی وصیت کے بارے میں واجب ہے کہ وصیت کرنے والے نے جو ذکر کیا ہے اس کی پابندی کی جائے' اس طرح دیگر تمام شرعی وصیتوں کے بارے میں بھی یہ واجب ہے کہ وصیت کرنے والے نے جو ذکر کیا ہو اسی کی پابندی کی جائے اور حتی الامکان کوشش کرکے اس پر عمل کیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

وصیت کے مطابق عمل واجب ہے

سوال ایک آدمی نے یہ وصیت کی کہ اس کے ایک گھر کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اس کی طرف سے ہر سال قربانی اور حج کے لیے خرچ کیا جائے' اگر ہر سال یہ ممکن نہ ہو تو ایک سال چھوڑ کر ایسا کیا جائے اور اگر یہ مال قربانی و حج کے اخراجات سے زائد ہو تو پھر دیگر نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے' کیا وصیت کے مطابق حج کرنا ضروری ہے' اس طرح حج کرنے والے لوگ تو بہت ہیں لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا کہ وہ محض مادی فائدہ کے لیے حج کرتے ہیں تو اس صورت میں کیا یہ افضل نہیں ہے کہ حج کے بجائے اس مال کو دیگر نیکی کے کاموں میں مثلاً مسجدوں کے بنانے وغیرہ میں خرچ کر دیا جائے؟

جواب واجب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی وصیت پر عمل کیا جائے کیونکہ حج بھی تقرب الٰہی کے حصول کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے' وکیل کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے شخص کو حج پر بھیجے جس کے ظاہری حالات سے خیروصلاح اور حج کی رغبت معلوم ہوتی ہو اور بظاہر وہ حصول مال ہی کے لیے حج نہ کرنا چاہتا ہو' باقی دلوں کے بھید اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں اور وہی ان کے مطابق بدلہ بھی دیں گے۔

—— شیخ ابن باز ——

وارث کے لیے وصیت نہیں

سوال میرے والد نے اپنی زرعی زمین کے بارے میں یہ وصیت لکھی ہے کہ وہ اس کے بعد اس کے بیٹے کو دے دی

جائے جب کہ والد صاحب کی چار بیٹیاں بھی ہیں تو کیا یہ وصیت جائز ہے؟ اور اگر اس زمین کو اس کے بیٹے اور چار بیٹیوں میں تقسیم کرنا ہو تو اس کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ میت کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ ﴾ (النساء٤/ ١١)

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن أبي داود، الوصايا، باب ما جاء في الوصية للوارث، ح: ٢٨٧٠)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔"

لہٰذا اس باپ کی اپنے بیٹے کے بارے میں وصیت باطل ہے' اس پر عمل نہیں کیا جائے گا ہاں البتہ اگر تمام وارث اس پر راضی ہو جائیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ راضی نہ ہوں تو پھر اس زمین کو بھی ترکہ میں شامل کر کے تمام ورثاء میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور اگر وارثوں میں صرف یہی ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ہی ہوں تو تقسیم اس طرح ہو گی کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو گا۔ اس زمین کی قیمت اور میت کے باقی مال کو جمع کر کے انہی حصوں کے مطابق بیٹے اور بیٹیوں میں تقسیم ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک تہائی سے کم میں وصیت

سوال یہ تو معلوم ہے کہ ایک شخص اپنے مال کے ایک تہائی حصہ میں وصیت کر سکتا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ ایک تہائی سے کم میں وصیت کرے جب کہ آدمی کے پاس دولت بھی زیادہ ہو؟ مال وصیت کو کہاں خرچ کیا جائے؟ کیا یہ واجب ہے کہ قربانی کے لیے بھی وصیت کی جائے؟

جواب نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا تھا جب سعد بیمار تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا وہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ صدقہ کر سکتے ہیں؟ "تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں" انہوں نے ایک تہائی حصے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب رثاء النبي ﷺ سعد بن خولة، ح:١٢٩٥ وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، ح:١٦٢٨)

"ہاں ایک تہائی اور ایک تہائی حصہ بھی بہت ہے' اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقیر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر لوگ تیسرے کی بجائے چوتھے حصے کی وصیت کریں تو یہ زیادہ موزوں ہے کیونکہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

«اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، ح:٢٧٤٤ وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، ح:١٦٢٨)

"تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔" اور

«أَوْصٰى أَبُوبَكْرٍ بِالْخُمُسِ»(مصنف عبدالرزق:٩/٦٧ وابن أبي شيبة:٦/٢٢٨)

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کے پانچویں حصے میں وصیت فرمائی تھی۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ حالت مرض میں صدقہ اور وصیت کرنے کی زیادہ سے زیادہ حد ایک تہائی ہے۔

تہائی سے کم کی کوئی حد نہیں ہے' وصیت کرنے والا اپنے مال کے بارے میں جو وصیت کرنا چاہے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت نہ کرے اور اگر وہ تہائی سے کم مثلاً چوتھے یا پانچویں یا چھٹے حصے کے بارے میں وصیت کرے تو یہ افضل ہے خصوصاً جب کہ مال بھی زیادہ ہو۔ افضل یہ ہے کہ وصیت نیکی کے کاموں کے بارے میں ہو مثلاً فقیروں' مسکینوں' مسافروں اور مجاہدوں کی مدد کے لیے' مسجدوں اور دینی مدرسوں کی تعمیر کے لیے یا رشتہ داروں پر صدقہ کے لیے اور اگر وصیت کرنے والا اپنے لیے یا اپنے دیگر اہل خانہ کی طرف سے قربانی کے لیے وصیت کر جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ قربانی بھی شرعی تقربات میں سے ہے' وصیت ان لوگوں کی مدد کے لیے بھی کی جا سکتی ہے جو شادی کے اخراجات برداشت کرنے سے عاجز ہوں یا جو مقروض اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

مال وصیت میں سے ہر سال قربانی کرنا

سوال میت کی طرف سے اس کے مال وصیت میں ہر سال قربانی کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے' کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب وصیت کرنا شرعاً ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ وصیت کرنے والا اپنے مال کے کچھ حصے کے بارے میں یہ وصیت کر دے کہ اسے ان صدقات اور نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے جن کا اسے ثواب ملتا رہے مثلاً حج' جہاد' مساجد' دینی کتب' صلہ رحمی' مہمان نوازی' فقراء' مساکین اور مقروض لوگوں پر خرچ کرنے کی وصیت کی جا سکتی ہے' اسی طرح قربانی بھی صدقہ ہی کی ایک قسم ہے اور اس کا بھی بہت ثواب ہے لیکن اس دور میں لوگوں کے بکثرت قربانی کرنے کی وجہ سے قربانی کے گوشت کی بہت کم ضرورت رہ گئی ہے لہذا وہ فقیروں میں تقسیم نہیں ہوتی لہذا قربانی کو بہت ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ حسب ضرورت بعض حالات میں اسے ترجیح دی جا سکتی ہے لہذا سابقہ بیان کیے گئے نیکی کے دیگر کاموں پر مال وصیت کو خرچ کرنا زیادہ موزوں ہو گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ایک حرام اور باطل وصیت

سوال ایک آدمی کے دو بیٹے ہیں اور اس نے وصیت کی ہے کہ اس کا مکان ان میں سے ایک کو دے دیا جائے' پھر اس

نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد ایک اور شادی کی اور اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس بیٹے کا وراثت میں کیا حصہ ہو گا؟

جواب یہ آدمی جس کے دو بیٹے ہیں اور اس نے ان میں سے ایک کے بارے میں یہ وصیت کی ہے کہ اس کا مکان اسے دے دیا جائے، یقیناً یہ حرام اور باطل وصیت ہے کیونکہ اس وصیت میں ایک وارث کی تخصیص کی گئی ہے اور ایک بیٹے کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں پہلی بات یہ کہ وارث کے لیے وصیت حرام ہے کیونکہ یہ حدود الٰہی سے تجاوز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے مطابق وراثت کو تقسیم فرما دیا ہے اور وراثت کے سلسلے کی پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُونَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗاۚ فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمٗا ﴿١١﴾ ﴾ (النساء٤/ ١١)

"تمہارے آباؤ و اجداد ہوں یا تمہارے بیٹے، تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے کے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور کامل حکمت والا ہے۔"

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ تِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدۡخِلۡهُ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعۡصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَٰلِدٗا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٞ مُّهِينٞ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

"یہ (احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا، اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا اللہ اسے دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔"

اور تیسری میں فرمایا:

﴿ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمۡ أَن تَضِلُّواْۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمُۢ ﴿١٧٦﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٧٦)

"اللہ تم سے (یہ احکام) اس لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بھٹک جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ اولاد میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا بھی ظلم و ستم ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے انہیں کچھ مال بطور عطیہ دیا تو نعمان کی والدہ نے کہا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک آپ نبی ﷺ کو اس عطیہ پر گواہ نہیں بنا لیتے، نعمان بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب مجھے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ گواہ بن جائیں کہ میں نے اپنا فلاں مال نعمان کو عطیہ میں دے دیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَكُلَّ بَنِيكَ قَدْ نَحَلْتَ مِثْلَمَا نَحَلْتَ النُّعْمَانَ؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: فَأَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي، ثُمَّ قَالَ: أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟ قَالَ: بَلٰى قَالَ: فَلاَ إِذًا» (صحيح

البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣ واللفظ له)

"کیا تو نے اپنے ہر بیٹے کو اتنا مال بطور عطیہ دیا ہے جتنا نعمان کو دے رہے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا جی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ پھر میرے علاوہ کسی اور کو اس پر گواہ بنا لو اور پھر فرمایا: کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تمہارے تمام بچے تم سے یکساں حسن سلوک کا مظاہرہ کریں؟ عرض کیا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بیٹے کو دوسروں پر ترجیح نہ دو۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ» (صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔"

پھر اس سے واضح ہوا کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے ایک بیٹے کو تو کوئی عطیہ دے اور دوسروں کو اس سے محروم کر دے کیونکہ یہ خلاف عدل ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس آدمی نے اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد ایک اور شادی کی اور اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا وراثت میں سے کیا حصہ ہو گا؟ تو اس سوال کا جواب اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک تمام وارثوں کی تفصیل معلوم نہیں ہو جاتی کیونکہ تفصیل ہی سے معلوم ہو گا کہ وارث کون ہے اور وراثت میں اس کا کتنا استحقاق ہے؟

—— شیخ ابن عثیمین ——

وصیت پر عمل کے بعد بچ جانے والی رقم کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے

سوال ایک آدمی نے اپنی ملکیت کے چوتھے حصے کے بارے میں یہ وصیت کی کہ اس سے دو قربانیاں کر دی جائیں اور اس سے جو رقم بچ جائے اسے اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہو' وکیل وصیت نے اس چوتھے حصے سے ایک دوکان خرید لی اور اس کے کرائے سے دو قربانیاں کر دیں اور باقی رقم وصیت کے مطابق اس کی اولاد میں تقسیم کر دی اور چوتھے حصے کے بعد جو باقی رقم تھی' وہ بیس ہزار ریال تھی جسے اس نے کاروبار میں لگا دیا اور اس سے بہت زیادہ نفع ہوا تو کیا وہ اس نفع کو بھی حسب وصیت وارثوں میں تقسیم کر دے یا یہ نفع وصیت کردہ چوتھائی حصے کے تابع ہو گا کہ اسے وارثوں میں تقسیم نہ کیا جائے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو ان بیس ہزار ریال کا ہر نفع وصیت سے زیادہ ہو گا اور اسے حسب وصیت وارثوں ہی میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ مقصود یہ ہے کہ نفع سے اس کی طرف سے ہر سال دو قربانیاں کر دی جائیں اور جو رقم ان قربانیوں سے بچ جائے گی وہ زائد ہو گی خواہ دونوں قربانیاں دوکان کے کرائے سے کی جائیں یا بیس ہزار کے نفع سے۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

فتویٰ کمیٹی

بیوی کا مال لیا لیکن وصیت کر دی کہ ....

سوال ایک آدمی زندگی میں تو اپنی بیوی کا حق کھا جاتا ہے لیکن موت کے وقت وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کے عوض اسے اس کی ملکیت زمین سے چند ہاتھ زمین دے دی جائے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب اگر بیوی کے حقوق جو اس نے تلف کیے' اس کے ذمے ہوں اور جو اس نے وصیت کی ہے' یہ اس کے حقوق کے مساوی ہو تو یہ وصیت جائز ہے لیکن یاد رہے یہ وصیت اصل ترکے سے ہو گی' ثلث سے نہیں۔

فتویٰ کمیٹی

فوت ہونے والے نے وصیت نہیں کی

سوال ایک صاحب مال و عیال آدمی فوت ہوا ہے جس کی ساری اولاد نابالغ ہے' ان میں سے سب سے بڑے بچے کی عمر آٹھ سال ہے' یہ اچانک فوت ہو گیا اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی' اگر اسے موت کا علم ہوتا تو یہ ضرور وصیت کرتا تو کیا اس کے مال میں سے کچھ بطور وصیت نکالا جا سکتا ہے یا نیک اعمال مثلاً حج' عمرہ اور قربانی وغیرہ ہی کافی ہیں' رہنمائی فرمائیں؟

جواب وارثوں کے لیے اس کے مال میں سے کچھ الگ کرنا ضروری نہیں لیکن اگر وہ کوئی معلوم حصہ مثلاً ثلث یا ربع وغیرہ الگ کر دیں یا اس کی طرف سے کوئی نقدی وغیرہ صدقہ کر دیں یا کوئی جائیداد خرید کر اس کی طرف سے اللہ کی راہ میں وقف کر دیں اور اس کی آمدنی کو نیک اعمال میں خرچ کر دیں تو اس سے ان سب کو اجر و ثواب بھی ملے گا اور یہ ان کی اپنے باپ کے ساتھ نیکی بھی ہو گی لیکن یہ اس صورت میں ہو گا جب بچے بالغ ہوں' جب بچے نابالغ یا ناقص العقل ہوں تو پھر ان کے ولی کے لیے ان کے حصے سے کچھ نکالنا جائز نہیں۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور.....

سوال ایک آدمی نے اپنے کل مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی لیکن اولاد کے لیے رہائشی مکان کو اس سے مستثنیٰ کر دیا اس طرح کہ اسے شرعی میراث کے مطابق تقسیم کیا جائے لیکن وفات سے پہلے ہی اس نے اس مکان کو بیچ کر اور خرید لیا اور پھر اسے بھی بیچ دیا اور اس کی بجائے ایک تیسرا مکان خرید لیا اور جب وہ فوت ہوا تو اس کے پاس یہی ایک مکان تھا جو اس کے بچوں کا مسکن ہے' کیا مذکورہ گھر اس پانچویں حصے میں داخل ہے اور اس کا حکم پہلے گھر والا ہی ہو گا یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا سوال میں مذکور ہے تو وفات کے وقت اس شخص کے پاس جو گھر تھا یہ اسی گھر کا بدل ہو گا جسے اس نے وصیت میں مستثنیٰ قرار دیا تھا لہٰذا یہ پانچویں حصے میں شامل نہیں ہو گا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

ایک تہائی میں وصیت کے مطابق عمل واجب ہے

سوال میں نے اپنے والد کی املاک کو ۱۳۷۳ھ میں اپنی بہنوں میں تقسیم کیا کہ ان میں سے ہر ایک کے حصے میں سات سات قیراط آئے تو ایک بہن نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ وہ اپنا حصہ میری اولاد کی نذر کرتی ہے لیکن اس وصیت کے ساتھ کہ اس کی وفات کے بعد دو گائیوں کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے' اس نے اپنی اس نذر اور وصیت کا کئی بار ذکر کیا اور پھر ۱۳۹۴ھ میں یہ بہن اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی' اس نذر اور وصیت کے بارے میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ کی بہن نے باپ کی میراث سے حاصل کردہ جو حصہ آپ کے بچوں کو دیا ہے تو اس کا اثبات اس شہر کے قاضی کی معرفت ممکن ہے جہاں یہ ملکیت ہے۔

اس نے جو یہ وصیت کی ہے کہ اس کی طرف سے گائیں ذبح کر کے ان کا گوشت فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اب چونکہ اس کا انتقال ہو چکا ہے لہٰذا سوال میں مذکور وصیت کے مطابق اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ وصیت شرعی دلیل سے ثابت ہو اور دو گائیوں کی قیمت اس کے کل مال کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

وصیت نامہ گم ہو گیا تھا اور پھر تقسیم ترکہ کے بعد مل گیا

سوال میرے والد صاحب ۱۳۹۱ھ میں بیمار ہوئے اور اسی سال انہوں نے ۲۹ ذوالقعدہ کو ایک تحریر کے ذریعے اپنے ایک تہائی مال کو وقف کر کے میرے سپرد کر دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہو سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شفاء عطا فرما دی اور وہ اس بیماری کے چار سال بعد تک زندہ رہ کر ۱۳۹۵ھ میں فوت ہو گئے۔ وصیت لکھنے' ایک تہائی مال کو اپنے قبضے میں لینے اور پھر والد صاحب کے شفایاب ہو جانے کے بعد میں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ وصیت اب ختم ہو گئی ہے اور پھر جب ہم نے وہ وصیت نامہ تلاش کرنا چاہا تو ہمیں نہ ملا' تلاش کر کے جب ہم تھک گئے تو ہم نے اس موضوع کو ہی ختم کر دیا کہ وصیت کرنے والا اب ماشاء اللہ زندہ سلامت اور صحت یاب ہے لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ والد صاحب ۱۳۹۵/۱/۲ھ کو وفات پا گئے اور اس دفعہ انہوں نے وفات سے پہلے کوئی وصیت نہیں کی' انہوں نے جو ترکہ چھوڑا وہ بتیس ہزار ایک سو اڑتالیس (۳۲۱۴۸) ریال ہے اسے ان کے وارثوں یعنی دو بیویوں' دو بیٹیوں اور چار بیٹوں میں تقسیم کر دیا گیا اور جب ہر وارث نے اپنا اپنا حصہ لے لیا تو مورخہ ۱۳۹۶/۸/۱۰ھ کو ہمیں وہ وصیت نامہ بھی مل گیا جو ۱۳۹۱ھ میں والد صاحب کی پہلی بیماری کے دوران لکھا گیا تھا اور جس میں انہوں نے مال کا تیسرا حصہ وقف کر کے اس کی نگرانی میرے سپرد کی تھی' اب جب کہ ترکہ تقسیم ہو چکا ہے ہم حیران ہیں کہ کیا کریں' وصیت نامہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہم ڈرتے ہیں کہ گناہ نہ ہو' یاد رہے مرحوم کے بیٹے نیک ہیں اور ان کا مقصد بھی اپنے والدین سے نیکی کرنا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو ہر وارث سے اس قدر رقم واپس لے لی جائے جو اس کے ترکہ کے ثلث یعنی دس ہزار سات سو سولہ ریال کے بقدر ہو یعنی ہر وارث سے تیسرا حصہ واپس لے لیا جائے تو وہ

مجموعی طور پر میت کے ترکہ کے ثلث کے برابر ہو گا اور اسے اس کے شرعی وکیل کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا جائے بشرطیکہ وہ شرعی گواہی یا وارثوں کے اقرار سے ثابت ہو۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

اس مال کے بارے میں حکم جسے کسی بدعت کے کام میں خرچ کرنے کی وصیت کی گئی ہو

سوال میں نے حرم مدنی میں کسی طالب علم سے یہ سنا ہے کہ شرعاً یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص سے اجرت پر میت کے لیے قرآن پڑھایا جائے' بعض علاقوں میں چونکہ اس کا رواج ہے تو سوال یہ ہے کہ اس مال کے بارے میں کیا کیا جائے جس کے متعلق میت نے یہ وصیت کی ہو کہ یہ اس کی طرف سے قرآن خوانی پر خرچ کیا جائے؟

جواب کسی شخص کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اجرت پر قرآن خوانی کرنا بدعت ہے لہٰذا یہ ناجائز اور غلط ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨)

"جو شخص ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام بالباطلة ورد محدثات الأمور:١٧١٨ واللفظ له)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے"

میت نے قرآن پڑھنے والے کو بطور اجرت دینے کے لیے جس مال کے بارے میں وصیت کی ہو تو اسے نیکی کے کاموں میں صرف کر دیا جائے' اس کی اولاد اگر فقیر ہو تو بقدر ضرورت ان پر خرچ کر دیا جائے' اسی طرح قرآن مجید اور دینی علم کے ضرورت مند طلبہ پر خرچ کر دیا جائے کہ یہ لوگ اس مال کے زیادہ مستحق ہیں' اسی طرح اسے دیگر نیک کاموں میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

بعض بیٹوں کو وراثت سے محروم کرنے کی وصیت

سوال ایک آدمی کے آٹھ لڑکے ہیں ان میں سے چھ تو اللہ تعالیٰ اور اپنے والدین کے فرماں بردار اور دو نافرمان ہیں' وہ نماز نہیں پڑھتے' روزے نہیں رکھتے اور والدین کی نافرمانی بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے والد نے انہیں اپنی وصیت میں وراثت سے محروم قرار دے دیا ہے الّا یہ کہ وہ اس کی وفات سے پہلے توبہ کریں' کیا یہ وصیت درست ہے؟

جواب یہ وصیت جائز نہیں کیونکہ شریعت اور اس کے عدل کے تقاضے کے خلاف ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں خصوصاً

اولاد کے بارے میں حکم دیا ہے اور اس وجہ سے بھی یہ وصیت ناجائز ہے کہ امام احمد اور ابوداوٗد رحمہما اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، ح:٢٨٧٠)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے"

اور امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے والد انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطور عطیہ دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟ فَقَالَ: لاَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَارْجِعْهُ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣ واللفظ له)

"کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عطیہ بھی واپس لے لو۔"

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلاَدِكُمْ»(صحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں عدل سے کام لو۔"

نعمان بیان کرتے ہیں کہ یہ ارشاد سننے کے بعد میرے والد نے اپنا عطیہ واپس لے لیا۔

ہاں البتہ اگر شرعی طور پر کوئی ایسی بات ثابت ہو جائے جو موجب کفر ہو مثلاً یہ بیٹے اپنے باپ کی وفات کے وقت تارک نماز ہوں تو پھر ان کے لیے وراثت میں کوئی حصہ نہ ہو گا خواہ ان کے باپ نے اس کی وصیت نہ بھی کی ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلاَ الكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح:٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح:١٦١٤)

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

موت کے بعد دعوتیں کرنا

سوال بعض لوگ اپنے اعزہ و اقارب کی وفات کے بعد دعوتیں کرتے اور ان کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہیں اور ان دعوتوں اور گوشت کے لیے ذبح کیے جانے والے جانوروں کی قیمت متوفیٰ کے مال سے ادا کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر کسی میت نے اس طرح کی دعوتوں کے انعقاد کی وصیت کی ہو تو کیا وارثوں کے لیے اس وصیت پر عمل

کرنا ضروری ہے؟

جواب وفات کے بعد اس طرح کی دعوتوں کے اہتمام کی وصیت کرنا بدعت اور عمل جاہلیت ہے' میت کے اہل خانہ کا وصیت کے بغیر بھی اس طرح کی دعوتوں کا اہتمام کرنا منکر اور ناجائز ہے کیونکہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے:

«كُنَّا نَعُدُّ الإِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ»(مسند أحمد: ٢/ ٢٠٤)

"ہم دفن کے بعد اہل میت کے ہاں اجتماع اور کھانے کے اہتمام کو بھی نوحہ شمار کرتے تھے۔"

اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی شریعت نے تو یہ حکم دیا ہے کہ میت کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کر کے ان کی دلجوئی کی جائے کیونکہ وہ غم اور صدمے میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس موقع پر خود میت کے اہل خانہ کا کھانے کی دعوت کا اہتمام کرنا اس حکم شرعی کے بھی خلاف ہے' غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی جب خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ح:٣١٣٢ وجامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في الطعام ... الخ، ح:٩٩٨ وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الطعام يبعث إلى أهل الميت، ح:١٦١٠ واللفظ له)

"آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کہ ان کے پاس ایک ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں غم میں مبتلا کر دیا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

جس نے اپنی وفات کے بعد جانور کے ذبح کی وصیت کی ہو

سوال میری والدہ نے وفات سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ وفات کے بعد جانور ذبح کیا جائے اور اسے پکا کر پڑوسیوں' ساتھیوں' جنازہ میں شرکت کرنے والوں' قبر کھودنے اور دفن میں مدد دینے والوں کو کھلایا جائے' کیا میں اپنی والدہ کی اس وصیت پر عمل کر سکتا ہوں؟

جواب اگر جانور ذبح کرنے سے مقصود پڑوسیوں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور تجہیز و تدفین میں مدد دینے والوں کی مدد ہو تو ہمیں اس وصیت پر عمل کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا اور نہ اس دعوت میں شرکت میں کوئی حرج معلوم ہوتا ہے خواہ اس ماں کے مال سے اس وصیت پر عمل کیا جائے یا اس کا بیٹا اپنے مال سے اس پر عمل کر دے اور اگر اس دعوت سے مقصود موجودہ عادت پر عمل کرنا ہو جس طرح لوگ ساتویں' چہلم یا برسی وغیرہ کا اہتمام کرتے یا وفات کی وجہ سے ماتم قائم کرتے ہیں تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ بدعت اور حکم شریعت کے خلاف ہے لہٰذا اس وصیت پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

واللہ اعلم' وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

—— فتویٰ کمیٹی ——

امام نے وصیت کی کہ اسے قبلہ مسجد میں دفن کیا جائے

سوال ایک جامع مسجد کے امام نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کی کہ اسے جامع مسجد کے قبلہ کے سامنے دفن کیا جائے تو کیا یہ وصیت صحیح ہے؟

جواب یہ وصیت باطل ہے کیونکہ مساجد یا ان کے قبلہ میں دفن کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا واجب ہے کہ اس شخص کو بھی عام لوگوں کے ساتھ قبرستان ہی میں دفن کیا جائے' مسجدوں میں دفن کرنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے' آپ ﷺ نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی ہے' آپ ﷺ نے مرض الموت میں اس سے منع فرمایا' امت کو اس سے ڈرایا اور فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ کا فعل ہے' آپ ﷺ نے اس سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ وسیلہ شرک ہے۔

قبروں پر مسجدیں بنانا اور ان میں مردوں کو دفن کرنا اس لیے وسیلہ شرک ہے کہ لوگ ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ نفع و نقصان کے مالک ہیں لہٰذا یہ اس لائق ہیں کہ ان کی اطاعت بجا لا کر ان کا تقرب حاصل کیا جائے لہٰذا مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اس خطرناک کام سے اجتناب کریں' مسجدوں کو قبروں سے خالی ہونا چاہیے' ان کی بنیاد توحید اور صحیح عقیدہ پر ہونی چاہیے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن ٧٢/ ١٨)

"اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو"

واجب ہے کہ تمام مسجدیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لیے ہوں اور پھر جن مسجدوں میں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہوتی ہو انہیں ہر قسم کے شرکیہ مظاہر سے بھی پاک ہونا چاہیے اور ان میں صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جانی چاہیے اور یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ واللہ الموفق

—— شیخ ابن عثیمین ——

١٢

كتاب الفرائض

وراثت کے مسائل

تقسیم میراث سے قبل قرضوں کی ادائیگی

سوال مجھے ایک قریبی رشتے دار سے کچھ مال بطور وراثت ملا' اس وراثت میں میرے ساتھ ان کی ایک بیٹی اور دو بیویاں بھی شریک تھیں' پھر کچھ مدت کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ متوفی کے ذمہ بہت قرض ہے' باقی وارثوں نے تو ان کے قرض ادا کرنے میں حصہ لینے سے انکار کر دیا لیکن میرا دل متوفی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس کی وجہ سے بہت نرم ہو گیا تو میں نے یہ تہیہ کر لیا کہ میرے پاس جو مال موجود ہے میں اس سے کاروبار کر کے نفع حاصل کروں گا اور اس کے ذمے تمام قرض ادا کر دوں گا۔ اس وقت میرے پاس جو مال ہے' اس کے ذمہ قرضہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب میت کے ورثاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قرض کی ادائیگی سے قبل وراثت میں سے کچھ لیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب وراثت کو بیان کیا تو فرمایا:

﴿ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ﴾ (النساء٤/ ١١)

("اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کے ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی۔")

لہٰذا قرضوں کی ادائیگی سے پہلے وارثوں کے لیے میت کے مال میں کوئی حق نہیں' اگر انہیں قرض کا علم نہ ہو اور وہ مال تقسیم کریں تو پھر ہر وارث پر یہ واجب ہے کہ اس نے جو لیا ہے' وہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے واپس کرے اور اگر کوئی اس سے انکار کرے تو وہ گناہ گار ہو گا اور میت اور صاحب قرض پر اس کی طرف سے یہ ظلم ہو گا۔ اب آپ نے اس مال کو جو تجارت میں لگا دیا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کر کے میت کا قرض ادا کر سکیں تو یہ ایک اجتہادی تصرف ہے' امید ہے اس اجتہاد کی وجہ سے آپ کو گناہ نہیں ہو گا لہٰذا آپ کو چاہیے کہ آپ نے جو مال بطور وراثت حاصل کیا ہے اس سے اور اس کے نفع سے بھی قرض ادا کریں لیکن آپ نے جو کیا ہے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کو ایسے مال میں تصرف کا کوئی حق نہیں ہے جس کے آپ مستحق ہی نہیں ہیں لیکن آپ نے چونکہ یہ بطور اجتہاد کیا ہے' اس لیے امید ہے آپ کو گناہ نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک عورت حج سے پہلے فوت ہو گئی

سوال ایک عورت اپنے شوہر' والد اور بہن بھائیوں کو چھوڑ کر فوت ہوئی ہے' اس کی ایک بچی بھی تھی مگر وہ اپنی والدہ سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھی' اس عورت نے تھوڑی سی نقدی چھوڑی ہے' اس کے ورثاء ایک بات تو یہ معلوم کرنا چاہتے

ہیں کہ میراث میں ان کا حصہ کیا ہو گا اور دوسری بات یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ عورت نے فریضہ حج ادا نہیں کیا تھا اس لیے بعض ورثاء اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس سے اس کی طرف سے حج کروا دیا جائے اور بعض نے علماء کے فتوے اور حکم شریعت کے ساتھ اپنی رضامندی کو موقوف کیا ہے تو اس سلسلے میں ہمیں آپ کے جواب کا انتظار ہے؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو اس کی طرف سے حج و عمرہ کرنے والے کو اس کے ترکہ سے حج و عمرے کا خرچہ دیا جائے جب کہ یہ اپنی زندگی میں حج پر قادر تھی اور اگر یہ فقیر تھی تو پھر اس پر حج و عمرہ فرض نہیں ہے' حج و عمرہ کے اخراجات سے جو رقم بچ جائے اس سے اس کا قرض ادا کیا جائے بشرطیکہ یہ مقروض ہو' پھر وصیت پر عمل کیا جائے اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو اس کے بعد جو باقی بچ رہے وہ وارثوں میں اس طرح تقسیم ہو گا کہ صورت مسئلہ دو سے بنے گی' اس کا نصف اس کے شوہر کو ملے گا اور باقی باپ کو' باپ کی وجہ سے بھائی ساقط ہو جائیں گے اور انہیں کچھ نہیں ملے گا' جو بچی اپنی ماں کی وفات سے پہلے فوت ہو گئی ہے' اسے بھی کچھ نہیں ملے گا کیونکہ تقسیم میراث کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تقسیم کے وقت وارث موجود ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسلم' کافر کا وارث نہیں ہوتا

سوال ایک ماں باپ کے آٹھ بچے ہیں جن میں سے چار لڑکے ہیں اور چار لڑکیاں ہیں یہ سب عیسائی تھے لیکن اب ان میں سے تین لڑکے اور ایک لڑکی مسلمان ہو چکے ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے اپنے پیچھے بہت دولت چھوڑی ہے جو کہ اٹھارہ ملین سعودی ریال کے قریب ہے تو کیا اس متوفی کافر شخص کی مسلمان اولاد وارث ہے یا نہیں؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے تو کفر پر مرنے والے شخص کی مسلمان اولاد اس کی وارث نہیں ہو گی' اس مسئلہ میں اصول وہ حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسلمان بیٹا اپنے مشرک باپ کے مال کا وارث نہیں

سوال اگر باپ نماز پنجگانہ اور دیگر ارکان اسلام کا تو پابند ہو لیکن مزاروں اور درباروں میں مدفون لوگوں کے لیے نذر اور ذبح کے جواز کا بھی عقیدہ رکھتا ہو تو کیا بیٹے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس باپ کے مال میں سے اپنے مستقبل کو

سنوارنے کے لیے کچھ لے یا اس کی وفات کے بعد اس کے مال کا وارث بنے؟

جواب جو بالغ مسلمان مردوں کے لیے نذر اور ذبح کے جواز کا عقیدہ رکھے تو اس کا یہ عقیدہ ایسا شرک اکبر ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے' ایسے شخص سے تین دن تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس پر سختی کی جائے گی' اگر توبہ کرے تو صحیح ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

باقی رہا مسئلہ کہ بیٹے کا اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لیے اس کے مال سے کچھ لینا یا اس کی وفات کے بعد اس کا وارث بننا تو یہ اس بات پر مبنی ہے کہ وفات کے وقت باپ کی کیا حالت تھی اور اس کے عقیدہ کی کیا حقیقت تھی؟ یعنی اگر اس کے باپ کا اسی عقیدہ پر خاتمہ ہوا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اس عقیدہ سے توبہ کی ہے تو پھر یہ بیٹا اپنے باپ کا وارث نہ ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

زندگی میں بیٹا اپنے اس باپ کے مال کو اس وقت تک لے سکتا ہے' جب تک وہ اسے خوش دلی سے دیتا رہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

موحد اولاد مشرک کی وارث نہیں ہے

سوال ایک شخص نماز پڑھتا' روزے رکھتا اور دیگر تمام ارکان اسلام بھی ادا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے' اولیاء کا وسیلہ اختیار کرتا' ان سے مدد مانگتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے پر قادر ہیں تو کیا ایسے شخص کی وہ موحد اولاد وارث ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتی ہو؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب جو شخص نماز' روزہ اور دیگر تمام ارکان اسلام کی تو پابندی کرتا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مردوں' غائب لوگوں اور فرشتوں وغیرہ سے مدد بھی مانگتا ہو تو وہ مشرک ہے' اگر اسے سمجھایا جائے اور وہ بات نہ مانے اور اس پر اصرار کرے حتی کہ اپنے اس عقیدہ پر مر جائے تو وہ مشرک ہے' شرک اکبر پر فوت ہوا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا لہٰذا اسے نہ غسل دیا جائے' نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے' نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے' نہ اس کی مغفرت کی دعا کی جائے' اس کی موحد اولاد' ماں باپ اور بھائی وغیرہ اس کے وارث بھی نہیں ہوں گے کیونکہ یہ مسلمان ہیں اور وہ کافر اور دین کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

وارثوں کے علم کے بغیر میراث میں سے صدقہ کرنا

سوال میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور ان کے میرے پاس مبلغ چودہ ہزار ریال ہیں جو میں نے ان سے بطور قرض لیے تھے' رہنمائی فرمائیں کہ میں اس رقم کو وارثوں میں کس طرح تقسیم کروں جب کہ وارثوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور والد صاحب بھی زندہ ہیں' کیا میں وارثوں کے علم اور ان کی رضامندی کے بغیر اس مال میں سے والدہ کی طرف سے صدقہ بھی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیرًا

جواب آپ پر یہ واجب ہے کہ یہ رقم وارثوں کو دے دیں' آپ خود بھی وارثوں میں شامل ہیں' ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو گی کہ آپ کے والد کو اس مال کا چوتھا حصہ یعنی تین ہزار پانچ سو ریال ملیں گے اور باقی رقم تین لڑکوں اور ایک لڑکی میں اس طرح تقسیم ہو گی کہ لڑکی کو مبلغ پندرہ سو ریال اور لڑکے کو مبلغ تین ہزار ریال ملیں گے۔ آپ وارثوں کی رضامندی کے بغیر صدقہ نہیں کر سکتے ہاں البتہ اگر آپ کی والدہ نے وصیت کی ہو اور اس وصیت کے دو عادل گواہ موجود ہوں اور وصیت کل ترکہ کی ایک تہائی کے برابر یا اس سے کم ہو تو پھر وصیت پر عمل کے پیش نظر آپ صدقہ کر سکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

غیر مدخولہ بیوی کی میراث

سوال ایک شخص نے ایک دوشیزہ سے شادی کی' عقد نکاح تو ہو گیا لیکن یہ شخص جنسی تعلقات قائم کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا' اس نے ترکہ تو چھوڑا ہے لیکن اس بیوی کے سوا اور کوئی اولاد یا قریبی رشتے دار یا کوئی وارث نہیں تو کیا یہ بیوی جس سے اس نے ابھی تک جنسی ملاپ نہیں کیا تھا اس کی وارث ہے؟

جواب ہاں اس کی یہ بیوی جس سے اس نے جنسی ملاپ نہیں کیا اس کی وارث ہے اور یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم سے ثابت ہے:

﴿وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء۴/ ۱۲)

"اور جو مال تم (مرد) چھوڑ مرو' اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو اور (ادائے) قرض کے بعد تقسیم کیے جائیں گے۔"

محض عقد صحیح ہی سے بیوی' بیوی بن جاتی ہے لہٰذا جب عقد صحیح ہو اور خاوند فوت ہو جائے تو وہ اس کی وارث ہو گی اور اس کے لیے عدت بھی لازم ہو گی' خواہ اس کے شوہر نے اس سے ملاپ نہ بھی کیا ہو۔ اس کو مہر بھی مکمل ملے گا اور ترکہ میں سے اس کے حصے کے بعد جو بچ رہے وہ اس شوہر کے قریب ترین مرد کو ملے گا لیکن اس صورت میں جو سائل نے پوچھی ہے چونکہ اصحاب الفروض یا عصبہ میں سے اور کوئی موجود نہیں ہے لہٰذا اس عورت کے حصے کے بعد جو مال باقی بچ جائے گا وہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا کیونکہ جس مال

کا کوئی معین مالک نہ ہو اسے بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میراث مطلقہ

سوال کیا وہ مطلقہ عورت جس کا شوہر اچانک فوت ہو جائے اور وہ ابھی تک عدت میں ہو یا عدت پوری ہو گئی ہو' اپنے شوہر کی وارث ہو گی؟

جواب وہ مطلقہ عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ ابھی تک عدت میں ہو تو طلاق یا تو رجعی ہو گی یا غیر رجعی اگر طلاق رجعی ہو تو یہ عورت بیوی کے حکم میں ہو گی اور اس کی عدت طلاق کی عدت کے بجائے وفات کی عدت میں منتقل ہو جائے گی' طلاق رجعی یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو معاوضہ کے بغیر طلاق دی گئی ہو اور طلاق پہلی یا دوسری ہو اگر ایسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو یہ اس کی وارث ہو گی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِىٓ أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِى ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَٰحًاۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِۚ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٢٨)

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں) پر ویسا ہی ہے جیسا دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے' ڈرتے رہو (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں۔ ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا یقیناً وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مطلقہ عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدت کے دوران اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے کیونکہ:

﴿ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"(اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی نئی) راہ پیدا کر دے۔"

اس سے رجوع مراد ہے اور وہ عورت جس کا شوہر اچانک فوت ہو جائے اگر اس کی طلاق بائنہ مثلاً تیسری طلاق ہے یا اس نے شوہر کو معاوضہ دیا ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے یا وہ عدت فسخ میں ہے' عدت طلاق میں نہیں تو یہ عورت وارث نہیں ہو گی اور نہ اس کی عدت طلاق سے وفات کی طرف منتقل ہو گی ہاں البتہ ایک صورت ہے جس میں مطلقہ بائنہ بھی وارث بن سکتی ہے اور وہ یہ کہ مثلاً شوہر اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق دے اور اس پر الزام ہو کہ اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے طلاق دی ہے تو اس صورت میں وہ وارث ہو گی خواہ اس کی عدت ختم بھی ہو گئی ہو بشرطیکہ اس نے شادی نہ کی ہو اور اگر شادی کر لی ہو تو پھر اسے وراثت نہیں ملے گی۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

مطلقہ کی وراثت

سوال کیا ایسی مطلقہ عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث ہے جس کے شوہر کا انتقال اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہو گیا ہو؟

جواب اگر طلاق رجعی ہو اور شوہر کا انتقال اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہو گیا ہو تو یہ اپنے شرعی حصے کی وارث ہو گی اور اگر عدت ختم ہو گئی ہو تو پھر یہ وارث نہیں ہو گی' اسی طرح اگر طلاق بائنہ ہو جس میں رجوع کا حق نہیں ہوتا مثلاً یہ کہ عورت نے مال دے کر طلاق حاصل کی ہو یا اسے تیسری طلاق بھی دے دی گئی ہو تو ایسی بائنہ عورتوں کا میراث میں حق نہیں ہے کیونکہ یہ اس شخص کی وفات کے وقت اس کی بیوی نہیں ہے البتہ وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کے شوہر نے اسے مرض الموت میں طلاق دی ہو اور اس پر یہ الزام ہو کہ اس نے میراث سے محروم کرنے کی غرض سے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو ایسی عورت عدت میں بھی اور بعد از عدت بھی وارث ہو گی بشرطیکہ اس نے ابھی تک (کسی اور سے) شادی نہ کی ہو خواہ طلاق بائنہ ہی کیوں نہ ہو' اس کی اس باطل غرض کو ختم کرنے کے پیش نظر اس مسئلے میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—————— شیخ ابن باز ——————

ہیجڑے کی میراث

سوال ہیجڑے کا میراث میں کتنا حصہ ہے' کیا اس کا حصہ مرد کے برابر ہے یا عورت کے برابر؟

جواب وہ ہیجڑا جس کے بارے میں واضح نہ ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت اور وہ بچپن میں فوت ہو یا بالغ تو ہو لیکن اس کی پہچان مشکل ہو تو اسے نصف حصہ مرد کی میراث کے بقدر اور نصف عورت کی میراث کے بقدر دیا جائے گا یا اسے اس کا یقینی حصہ تو دیا جائے گا لیکن اسے اس کی صورت حال واضح ہونے تک مؤخر کیا جائے گا۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہونے والے کی میراث

سوال اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہونے والے شخص کی میراث کی بابت شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ میراث سے

محروم ہے خواہ اس کے چھوٹے فقیر بچے ہی کیوں نہ ہوں؟ کیا دوسروں کی ناپسندیدگی کے باوجود ایسے بچوں کو کچھ دینا جائز ہے؟

جواب آدمی کو چاہیے کہ جب اس کا کوئی بیٹا اس کی زندگی میں فوت ہو جائے اور اس کی اولاد ہو تو وہ ان کے لیے اپنے مال کے ایک تہائی حصے سے کم میں وصیت کرے خواہ ان کے چچے اسے ناپسند ہی کریں' آدمی کو اپنی وفات سے قبل اپنے مال کے ایک تہائی حصے میں تصرف کا حق حاصل ہے لہٰذا اگر اس کے یتیم پوتے وارث نہ بنتے ہوں تو ان کے حق میں ان کے باپ کی وراثت کی وصیت کر دے بشرطیکہ یہ وصیت کل مال کے ایک تہائی حصے کے برابر یا اس سے کم ہو' اپنے اجتہاد سے جو چاہے ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے اور اگر وہ وصیت نہ کرے تو پھر یتیم بچوں کو دادا کی میراث سے کچھ نہیں مل سکتا الا یہ کہ ان کے چچے اس کی اجازت دے دیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بیوی اپنے شوہر کے باپ کے مال میں وارث نہیں

سوال کیا میت کی بیوی اپنے شوہر کے باپ کے مال میں بھی وارث ہے؟

جواب بیوی اپنے شوہر کے باپ کے مال میں وارث نہیں ہے جبکہ شوہر فوت ہو چکا ہو اور اس کا باپ زندہ ہو ہاں البتہ اگر اس کے باپ کا پہلے انتقال ہو گیا ہو تو یہ اپنے شوہر کے اس مال میں وارث ہو گی جو اسے اپنی زندگی میں اپنے باپ کی طرف سے ملا ہو گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

پوتے دادا کی میراث میں شریک نہیں

سوال کیا پوتے اپنے دادا کی میراث میں اس کے بیٹوں کے ساتھ شریک ہیں؟

جواب پوتے اپنے دادا کی میراث میں چچاؤں کے ساتھ شریک نہیں کیونکہ اہل علم کا اجماع ہے کہ پوتے چچاؤں کی وجہ سے محجوب (محروم) ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سوال ایک شخص اپنے والد کی وفات سے پہلے فوت ہو گیا' اس کے بیٹے بھی ہیں اور بھائی بھی پھر اس کا والد بھی فوت ہو گیا تو کیا اس صورت میں پوتے دادا کی میراث میں شریک ہیں یا نہیں؟

جواب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ بیٹوں کی اولاد اپنے چچاؤں کے ساتھ میراث میں شریک نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، ح:٦٧٣٢ وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها ... الخ ح:١٦١٥)

"فرائض (مقرر کردہ حصے) ان کے حق داروں کو دے دو اور جو باقی بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دے دو"
یہاں الفاظ "قریب ترین مرد" کے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بیٹے پوتوں کی نسبت قریب ترین ہیں ہاں البتہ دادا اگر پوتوں کے لیے ایک تہائی یا اس سے کچھ کم مال کی وصیت کر جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرعی گواہی سے وصیت ثابت ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

باپ کی وجہ سے بھائی میراث سے محروم ہیں

سوال میرا (ایک ماں کا) بڑا بیٹا دس سال کی عمر میں ایک ٹریفک حادثے میں فوت ہو گیا جس کی دیت مل گئی ہے تو کیا اس کے والد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متوفی کے دو چھوٹے بھائیوں کے حق میں تصرف کر سکے یا ضروری ہے کہ ان کے حصے بالغ ہونے تک محفوظ رکھے تاکہ وہ بڑے ہو کر خود ان میں تصرف کریں؟ یاد رہے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس بچے کی وجہ سے دیت کی رقم کو نیک کاموں میں صرف کر دیں لیکن باپ کو یہ خدشہ بھی ہے کہ بچے بڑے ہو کر اس مال میں صدقے کے علاوہ کوئی اور تصرف نہ کریں؟

جواب بیٹے کی ساری دیت آپ کو (بچے کی والدہ) اور اس کے باپ کو ملے گی' آپ کو چھٹا حصہ اور باقی رقم اس کے والد کو مل جائے گی' اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس صورت میں بھائیوں کا دیت میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ باپ کی وجہ سے بھائی میراث سے محروم ہیں۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

بھائی کی بیٹیاں چچا کی وارث نہیں

سوال ایک آدمی فوت ہو گیا' اس کی بیوی اور بچے نہیں ہیں ہاں البتہ فوت شدہ بھائی کی اولاد موجود ہے تو کیا اس بھائی کی اولاد یعنی اس کے بیٹے اور بیٹیاں اپنے اس چچا کی وارث ہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو ساری میراث بھائی کے بیٹوں کو ملے گی بیٹیوں کو نہیں ملے گی اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، ح:٦٧٣٢ وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها ... الخ ح:١٦١٥)

"فرائض (مقرر کردہ حصے) ان کے حق داروں کو دے دو اور جو باقی بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دے دو"
اور اہل علم کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ بھائی کی بیٹیاں اصحاب الفروض یا عصبہ میں سے نہیں بلکہ ذوی الارحام میں سے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

پنشن صرف میت کے بچوں کا حق ہے

سوال ہم تین بھائیوں کی تمام املاک مشترکہ ہیں' ہم میں سے ایک کا انتقال ہو گیا ہے' ان کے بھی تین بیٹے ہیں اور ہم سب اس فتویٰ کی تاریخ تک تمام کاروبار مشترکہ طور پر کرتے ہیں' فوت ہونے والے بھائی کو حکومت کی طرف سے انکے بچوں کے نام سے ریٹائرمنٹ کی پنشن ملتی ہے تو کیا ہم اس پنشن کو بھی اپنی مشترکہ املاک میں شامل کر سکتے ہیں تاکہ انکی اولاد بھی اپنے باپ کی طرح ان کی وفات کے بعد بھی تمام سابقہ اور لاحقہ املاک میں شریک رہے یا یہ پنشن صرف انہی کے نام سے مخصوص رہے گی؟

جواب آپ کے بھائی کی اولاد کو حکومت کی طرف سے جو پنشن ملتی ہے وہ خاص طور پر انہیں کی ملکیت ہے اور ان میں سے جو عاقل بالغ ہو اور وہ اپنا حصہ بھی آپ کی کمپنی میں داخل کر کے آپ دونوں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے اور جو ان میں سے عاقل بالغ نہ ہو تو اس کے سرپرست کی رضامندی کاروبار میں شرکت کے لیے ضروری ہو گی' اسی طرح ان بچوں کی ان تمام دیگر املاک کے لیے بھی یہی حکم ہے جو انہوں نے خود کمائی ہوں یا وراثت میں حاصل کی ہوں' ہر ایک کو اس کی ملکیت کا حق حاصل ہے اور کاروبار میں شراکت' سرمایہ کاری' تصرف اور انتفاع اس کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ

—— فتویٰ کمیٹی ——

بھائی کے تعلیمی اخراجات اس کے حصے میں سے

سوال ہم تین بھائی ہیں' جب ہمارے والد بقید حیات تھے ہم نے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی' البتہ ہمارا چھوٹا بھائی والد صاحب کی وفات کے وقت انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم تھا تو کیا اس کی تعلیم کے اخراجات اس کے شرعی حصہ وراثت میں سے ادا کیے جائیں یا نہیں؟

جواب اس نوجوان کے کھانے' پینے' لباس اور شادی کے تمام اخراجات اس کے مال میں سے ادا کیے جائیں گے خواہ یہ مال باپ کی وفات سے قبل اس کی ملکیت میں ہو یا اسے باپ کی میراث سے ملا ہو اور اگر بالفرض اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو یا باپ نے اس کیلئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو پھر اس کے تمام اخراجات اس کے ان رشتے داروں کے ذمہ ہوں گے جن پر اس کا نفقہ لازم ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مسائل وراثت

مسائل وراثت

سوال ایک شخص فوت ہوا' اس کے وارثوں میں دو بیٹے' دو بیٹیاں' ایک بیوی' حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن ہیں تو ان میں سے ہر ایک کا وراثت میں کیا حصہ ہو گا؟

جواب فوت شدہ شخص کے مال میں سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا بشرطیکہ اس کے ذمہ قرض ہو' پھر اس کی شرعی وصیت پر عمل کیا جائے گا اگر اس نے وصیت کی ہو اس کے بعد باقی مال وارثوں میں تقسیم ہو گا' مسئلہ وراثت آٹھ سے اور اس کی تصحیح اڑتالیس سے ہو گی' بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی اڑتالیس میں سے چھ حصے ملیں گے' ہر بیٹے کو چودہ حصے

اور ہر بیٹی کو سات حصے ملیں گے اور بہن اور بھائی کو کچھ نہیں ملے گا کہ یہ میت کے بیٹوں کی وجہ سے محروم ہیں۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

سوال ایک شخص فوت ہوا اور اس کے وارثوں میں ایک باپ' بیٹی' ایک حقیقی بھائی' دو باپ کی طرف سے بھائی اور ایک حقیقی بہن ہے تو اس کی میراث کس طرح تقسیم ہو گی؟

جواب تمام ترکہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیٹی کو اصحاب الفروض میں سے ہونے کی حیثیت میں نصف اور اسی طرح باقی باپ کو اصحاب الفروض اور عصبہ میں سے ہونے کی حیثیت میں دے دیا جائے گا' بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی محروم ہیں ہاں البتہ اگر میت کے ذمے قرض ہو تو اسے وارثوں میں تقسیم سے پہلے کل ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا' قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے اسے مذکورہ حساب سے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا' اسی طرح اگر میت کی کوئی وصیت شرعی طریقہ سے ثابت ہو تو اسے بھی تقسیم ترکہ سے پہلے پورا کیا جائے گا بشرطیکہ وصیت کل مال کے ایک تہائی حصے کے بقدر یا اس سے کم ہو کیونکہ میت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے مال کے ایک تہائی حصے سے زائد میں وصیت کرے اگر کسی نے اپنے مال کے ایک تہائی سے زائد حصے میں وصیت کی تو اس پر عمل نہیں ہو گا الا یہ کہ اس کے بالغ اور عاقل وارث اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں' وراثت کی تقسیم سے پہلے قرض کے ادا کرنے اور وصیت پر عمل کرنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ حسب ذیل ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ . . . . مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء٤/ ١١)

"اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں وصیت فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے..... یہ (تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تکمیل) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی۔)"

———— شیخ ابن باز ————

سوال ایک عورت فوت ہو گئی' اس کے وارثوں میں سے ایک غیر حقیقی بھائی کے بیٹے اور ایک چچا کے بیٹے ہیں تو ان میں سے کون اس کا وارث ہو گا اور کون وارث نہیں ہو گا اور ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب اگر اس کے بھائی کے موجودہ بیٹے اس کے باپ کی طرف سے بھائی کے بیٹے ہیں تو وہ اس کے عصبہ ہیں اور ان کی موجودگی میں اس کے چچا کے بیٹوں کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر وہ صرف ماں کی طرف سے بھائی کے بیٹے ہیں تو پھر انہیں کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام میں سے ہیں اور اس صورت میں عصبہ اس کے چچا زاد بھائی ہیں بشرطیکہ وہ حقیقی چچا یا باپ کی طرف سے چچا کے بیٹے ہوں تو عصبہ حقیقی چچا کے بیٹے ہوں گے جب کہ وہ ایک ہی درجہ میں ہوں اور اگر بعض بعض سے زیادہ قریب ہوں تو جو زیادہ قریبی ہوں وہ عصبہ ہوں گے اور دور والوں کے لیے کوئی حصہ نہ ہو گا خواہ وہ حقیقی چچا کا بیٹا ہو یا باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَحْرَزَ الْوَلَدُ أَوِ الْوَالِدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ»(سنن أبي داود، الفرائض، باب في الولاء، ح: ٢٩١٧ وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب ميراث الولاء، ح: ٢٧٣٢)

"جو باپ یا بیٹے سے بچ جائے وہ اس کے عصبہ کے لیے ہے خواہ کوئی بھی ہو۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، ح:٦٧٣٢ وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها ... الخ ح:١٦١٥)

"فرائض (مقرر کردہ حصے) ان کے حق داروں کو دے دو اور جو باقی بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو۔"

اس حدیث میں "اولیٰ" کا لفظ آیا ہے' اس کے معنی "قریب ترین" کے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

سوال ایک آدمی فوت ہوا اور اس کے وارثوں میں ایک بیٹا' دو بیٹیاں' باپ' حقیقی بہن اور بیوی ہے' ان میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب اگر میت کے ذمے قرض ہو تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے قرض ادا کرنا مقدم ہے اور پھر اس کی شرعی وصیت پر عمل کیا جائے گا اور پھر اس کے ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ اٹھائیں اور اس کی تصحیح چھیانوے سے ہوگی بیوی کا آٹھواں حصہ یعنی چھیانوے میں سے بارہ حصے ہوں گے' باپ کے لیے چھٹا حصہ یعنی چھیانوے میں سے سولہ حصے ہوں گے' ہر بیٹی کے لیے چھیانوے میں سے سترہ حصے اور ہر بیٹے کے لیے چونتیس حصے ہوں گے' باپ اور بیٹے کی موجودگی میں بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

سوال اوپر جس باپ کا ذکر ہوا ہے' اب وہ فوت ہو گیا ہے اور اس کے وارثوں میں ایک بیٹی' پوتا' پوتیاں اور دو حقیقی بھائی ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب میت کے ذمے اگر قرض ہو تو اس کی ادائیگی مقدم ہے' اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو تو اس کی شرعی وصیت پر عمل کیا جائے گا اور اس کے بعد تقسیم ترکہ مسئلہ دو سے اور اس کی تصحیح آٹھ سے ہوگی' بیٹی کو کل ترکہ کا نصف یعنی آٹھ میں سے چار حصے مل جائیں گے اور باقی چار حصے پوتے پوتیوں میں اس طرح تقسیم ہوں گے کہ پوتے کو دو حصے اور ہر پوتی کو ایک حصہ ملے گا' بیٹے (یا پوتے) کی موجودگی میں اس کے دونوں حقیقی بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سوال ایک عورت کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے وارثوں میں وہ خود' اس کی ایک حقیقی بہن' ماں کے ایک حقیقی بھائی کے تین بیٹے اور ان کی ایک بہن ہے تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ کی ماں رحمہا اللہ نے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ آدھا آپ کو اور آدھا اس کی بہن (آپ کی خالہ) کو مل جائے گا' ان کے بھائی (آپ کے ماموں) کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس مسئلے میں بہن کی موجودگی میں بھتیجے محروم ہیں' اگر آپ کی ماں نے کوئی وصیت کی ہو تو پہلے اس پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ وہ کل ترکہ کے ایک تہائی حصے کے بقدر یا اس سے کم ہو اور وصیت شرعی طور پر ثابت ہو اور اگر ان کے ذمے کوئی قرض ہے تو اسے وصیت پر عمل کرنے سے پہلے ادا کیجیے۔ قرض اور وصیت کے بعد میراث آپ میں اور ان کی بہن میں تقسیم ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

۱۳

كتابُ الرِّقّ

غلامی کے احکام

غلامی میں شریعت کی حکمت

سوال لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کو کیوں حرام قرار نہیں دے دیا؟

جواب کمال علم و حکمت اور لطف و رحمت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' وہ اپنی مخلوق کے حالات سے خوب آگاہ اور اپنے بندوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے' وہ اپنے خلق و تشریع میں حکیم ہے' اس نے لوگوں کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بہتری ہے اور جو ان کے لیے حقیقی سعادت و حریت اور مساوات کا کفیل ہے اور پھر یہ سب کچھ ایسے عدل و انصاف کے دائرے میں ہے کہ جہاں نہ حقوق اللہ ضائع ہوتے ہیں اور نہ حقوق العباد' اسی شریعت کے ساتھ اس نے اپنے رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کے مبعوث فرمایا کہ جس نے اس کے راستے کی پیروی کی اور اس کے رسولوں کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کی تو وہ عزت کا مستحق ہے اور وہی سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہو گا اور جس نے شاہراہ استقامت پر چلنے سے انکار کر دیا تو اسے قتل یا غلامی جیسے ان حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے ناپسند ہوں تاکہ عدل' امن اور سلامتی کو برقرار رکھا جائے اور جانوں' عزتوں اور مالوں کی حفاظت کی جا سکے اسی وجہ سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے تاکہ سرکشوں کو روکا جا سکے' فساد پھیلانے والے عناصر کا خاتمہ کیا جا سکے اور زمین کو ظالموں سے پاک کیا جا سکے ایسے ظالموں میں سے جو قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں آجائیں تو مسلمان حکمران کو یہ اختیار ہے کہ اگر ان کی شرارتیں حد سے بڑھ چکی ہوں اور اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو انہیں قتل کر دے۔ یا معاف کر دے یا فدیہ قبول کر کے انہیں چھوڑ دے اور خیر و بھلائی کی راہ ان کے لیے آسان کر دے یا انہیں غلام بنا لے بشرطیکہ وہ یہ محسوس کرے کہ مسلمانوں میں رہنے سے انہیں اپنی اصلاح کا موقع ملے گا' کج روی درست ہو گی' انہیں ہدایت و رہنمائی کا راستہ معلوم ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عدل و انصاف اور ان کے حسن سلوک کو دیکھ کر ایمان قبول کر لیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں' اسلامی آداب و احکام کے بارے میں نصوص کے سننے سے عین ممکن ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے انشراح قلب و صدر کی دولت حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر' فسق اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دے اور اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک نئی زندگی حاصل کریں گے اور بطریق کتابت یہ آزادی حاصل کرنے کے بھی اہل ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَبۡتَغُونَ ٱلۡكِتَٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡ فَكَاتِبُوهُمۡ إِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيهِمۡ خَيۡرٗاۖ وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ ٱللَّهِ ٱلَّذِيٓ ءَاتَىٰكُمۡۚ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۳)

''تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی تمہیں کچھ دیکر آزادی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو' اگر تمہیں ان میں بھلائی نظر آتی ہو اور اللہ نے جو مال تم کو بخشا ہے' اس میں سے انہیں بھی دو۔''

یا وہ قسم یا ظہار یا نذر کے کفارے کے طور پر یا اللہ کی خوشنودی کے حصول یا قیامت کے دن کے ثواب کی خاطر آزاد کرنے کے دیگر طریقوں سے بھی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غلامی کی اصل تو قید ہے یعنی وہ کافر لوگ جو جہاد میں قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں تو انہیں اس لیے غلام بنالیا جاتا ہے تاکہ شر کے ماحول سے الگ کر کے انہیں اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے کیونکہ اسلامی معاشرے میں رہن سہن سے ان کے سامنے خیر و بھلائی کا راستہ واضح ہو جائے گا' شر کے پنجوں سے انہیں نجات ملے گی اور کفر و ضلالت کی نجاستوں سے انہیں پاکیزگی حاصل ہو جائے گی اور یہ ایسی زندگی بسر کرنے کے اہل ہوں گے جو امن و سلامتی کا گہوارہ ہو گی تو اسلام کی نگاہ میں غلامی گویا انسانوں کو پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے یا یہ ایک ایسا حمام ہے کہ جو اس میں ایک دروازے سے داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے میل کچیل کو دھو کر صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

آج کے دور میں غلامی کا حکم

سوال آج کل جب کہ شرعی جنگیں نہیں ہیں تو کیا غلامی جائز ہے یا شرعی جنگوں کی وجہ سے یہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہے؟ دلیل سے واضح فرمائیں؟

جواب بے شک وہ جنگیں جو نبی اکرم ﷺ اور کفار کے مابین تھیں' شرعی جنگیں تھیں اور ان میں قید ہونے والے بعض کفار کو غلام بھی بنایا گیا اور پھر خلفاء راشدین کے دور میں اور پھر تینوں خیر القرون میں بھی کفار اور مسلمانوں کے مابین شرعی جنگیں ہوئیں اور وہ بھی کافر قیدیوں کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرتے تھے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ان کے ساتھ معاملہ ہوتا تھا کہ احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دیا جاتا تھا یا فدیہ قبول کر کے چھوڑ دیا جاتا تھا یا غلام بنالیا جاتا یا انہیں قتل کر دیا جاتا بہرحال قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان حکمران ان سے وہ معاملہ کرتے رہے جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہوتی تھی' ائمہ امت کے اجماع کے مطابق بعد کے زمانوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا لہٰذا آج بھی اگر مسلمانوں اور کفار کے مابین شرعی جنگیں ہوں' مسلمانوں کو فتح اور نصرت حاصل ہو اور کچھ کفار قیدی بن جائیں تو مسلمان حکمران کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دے یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دے یا قتل کر دے یا غلام بنا لے یعنی آج بھی مسلمان حاکم کو اختیار ہے کہ وہ کتاب و سُنّت پر عمل کرتے ہوئے ان کے بارے میں وہ معاملہ کرے جس میں مسلمانوں کو مصلحت ہو اور اگر جنگیں شرعی نہ ہوں تو پھر کسی کو غلام بنانا جائز نہیں' ہاں البتہ اگر کسی کی غلامی شرعی جنگ سے پہلے سے ثابت ہو اور توالد و توارث کے ذریعے اس کی غلامی برقرار رہی ہو تو وہ غلام ہی ہے حتی کہ اسے آزادی حاصل ہو جائے۔ واللہ الموفق

——— فتویٰ کمیٹی ———

۱۴

کتاب النِّکاح

نظر، خلوت اور اختلاط کے احکام

بھابی کے چہرے کی طرف دیکھنا

سوال کچھ داعیان تمدن بھابی کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز قرار دیتے اور بعض دلائل سے استدلال کرتے ہیں، یہ دلائل کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی تردید کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب بھائی کی بیوی بھی دیگر تمام اجنبی عورتوں ہی کی طرح ہے لہٰذا اس کے بھائی کا اس کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے جس طرح کہ چچا یا ماموں کی بیوی کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں، دیگر اجنبی عورتوں کی طرح بھابی کے ساتھ خلوت بھی جائز نہیں ہے، کسی عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی یا اس کے چچا یا ماموں کے سامنے اپنے چہرے کو ظاہر کرے یا اس کے ساتھ سفر کرے یا خلوت اختیار کرے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۵۳)

"اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

آیت کے عموم کا یہی تقاضا ہے کیونکہ اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ حکم عام ہے جو کہ ازواج مطہرات کے لیے بھی ہے اور ان کے علاوہ دیگر تمام عورتوں کے لیے بھی، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُولِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النور۲٤/ ۳۰۔۳۱)

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس سے ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے

خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٩)

"اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں) تو اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی۔ پھر نہ ستائی جائیں گی۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"محرم کے بغیر کوئی عورت سفر نہ کرے۔"

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ ومسند أحمد: ١/ ١٨)

"جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

عورت اگر اپنے دیور وغیرہ کے سامنے اپنا چہرہ کھولے (ظاہر کرے) گی اور وہ اس کی طرف دیکھے گا تو یہ بات فتنہ میں مبتلا ہونے اور حرام کام کے ارتکاب کا سبب بن سکتی ہے۔

حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ امور ہیں جن کی وجہ سے پردے کو واجب قرار دیا گیا ہے اور غیر محرم عورت کی طرف دیکھنے اور خلوت اختیار کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ چہرہ ہی تو مجمع محاسن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال کیا کسی مرد کے لیے کسی اجنبی عورت کی طرف اچانک نظر سے بڑھ کر دیکھنا جائز ہے؟ کیا علم حاصل کرنے کی دلیل کی بنیاد پر مرد طلبہ کو علم کے لیے ایسی عورت کے لیکچر میں حاضری جائز ہے جس نے بناؤ سنگار کر رکھا ہو یا بہت چست لباس پہن رکھا ہو؟

جواب اچانک نظر سے زیادہ دیکھنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت کا تقاضا ہو مثلاً غرق ہونے یا آگ میں جلنے یا

دیوار کے نیچے دب کر مرنے سے بچانا مقصود ہو یا طبی معائنہ یا بیماری کا علاج مقصود ہو۔ بشرطیکہ ان امور سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عورتیں موجود نہ ہوں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

حرم میں شہوت کے بغیر عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال کیا حرم میں شہوت اور لذت نظر کے بغیر بھی عورتوں کی طرف دیکھنے پر مواخذہ ہو گا حالانکہ عورتیں ہی اپنی طرف توجہ مبذول کرواتی ہیں؟

جواب حقیقت یہ ہے کہ حرم میں عورتوں کا مسئلہ ایک بڑا مشکل مسئلہ ہے کہ بعض عورتیں عبادت اور خضوع کے اس مقام پر اس طرح آتی ہیں کہ فتنہ میں نہ پڑنے والا بھی اس میں مبتلا ہو جائے' یہ عورتیں اظہار زیب و زینت کرتی ہیں خوشبو استعمال کر کے آتی ہیں اور ان کی حرکات سے یوں معلوم ہوتا ہے گویا مردوں کو دعوت دے رہی ہوں' مسجد حرام تو بہت پاک مقام ہے اس طرح کا کام تو ہر جگہ منکر ہے لہٰذا جو عورتیں بھی میری نصیحت سن یا پڑھ رہی ہوں انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' بیت اللہ شریف کا احترام کریں اور یہاں گناہوں کا ارتکاب نہ کریں' مردوں کو بھی چاہیے کہ اگر وہ کسی عورت کو نامناسب حالت میں دیکھیں تو اسے سمجھائیں اور ڈانٹ ڈپٹ پلائیں یا اس شخص تک یہ بات پہنچائیں جو انہیں منع کر سکتا ہو اور الحمدللہ اچھے لوگ بھی موجود ہیں' اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہیں گے کہ مرد پر واجب ہے کہ وہ حتی الامکان اپنی نگاہ نیچی رکھے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ﴾ (النور۲۴/ ۳۰)

"اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔"

لہٰذا مرد کو چاہیے کہ وہ مقدور بھر اپنی نظر نیچی رکھے خصوصاً جب وہ اپنے نفس میں تحریک یا لذت محسوس کرے تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی نظر کو اور بھی جھکا دے اور لوگوں کا اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حرم میں قصد و ارادہ سے عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو مسجد حرام میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جائے' عورتوں کی جگہ کے قریب نماز ادا کرے اور بار بار ان کے چہروں کی طرف دیکھے؟

جواب حدیث میں ممانعت ہے کہ مرد عورتوں کے قریب نماز ادا کریں' مردوں کی بہترین صف پہلی صف اور بدترین صف آخری صف ہے کیونکہ وہ عورتوں کے قریب ہوتی ہے اور عورتوں کی بہترین آخری اور بدترین پہلی صف ہے کیونکہ وہ مردوں کے قریب ہوتی ہے۔ مرد کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ مسجد میں قصد و ارادہ کے ساتھ عورتوں کی طرف دیکھے اور مسجد میں آنے والی عورت کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ پردہ کرے اور ایسی باپردہ جگہ نماز ادا کرے جہاں مرد نہ آتے

ہوں اور اگر وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آئے تو اسے سادگی سے آنا چاہیے اور اگر وہ اپنے گھر ہی میں نماز ادا کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

طالب علم کا طالبہ کو سلام کہنا

سوال میں یونیورسٹی کا طالب علم ہوں اور کبھی کبھی لڑکیوں کو بھی سلام کہہ دیتا ہوں کیا طالب علم کا کالج میں اپنی کسی کلاس فیلو کو سلام کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب پہلی بات تو یہ کہ طلبہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ ایک ہی مقام پر' ایک ہی مدرسہ میں' ایک ہی بینچ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں کیونکہ یہ فتنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے لہٰذا فتنے کی وجہ سے طلبہ و طالبات کے لیے یہ اختلاط جائز نہیں ہے ہاں البتہ انہیں شرعی سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اسباب فتنہ کے درپے ہونا مقصود نہ ہو' اسی طرح طالبات بھی طلباء کو سلام کہہ سکتی ہیں لیکن مصافحہ نہیں کر سکتیں کیونکہ کسی اجنبی سے مصافحہ جائز نہیں بلکہ پردہ کی پابندی کے ساتھ سلام دور ہی سے ہونا چاہیے' اسباب فتنہ سے بھی دوری اختیار کی جائے اور خلوت سے بھی اجتناب کیا جائے' وہ شرعی سلام جس میں فتنہ نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر طالب علم یا طالبہ کا سلام فتنے کا سبب ہو یعنی اگر یہ شہوت یا حرام کی رغبت کی وجہ سے ہو تو پھر یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

زیب و زینت کے ساتھ ٹیلی ویژن کی سکرین پر.....

سوال ان عورتوں کو دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو بن ٹھن کر ٹیلی ویژن کی سکرین پر نمودار ہوتی ہیں؟

جواب عریاں یا نیم عریاں یا بے پردہ عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح ان مردوں کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں ہے جنہوں نے اپنی رانیں ننگی کی ہوئی ہوں' ایسے مردوں اور عورتوں کو ٹیلی ویژن' ویڈیو' سینما یا کسی بھی جگہ دیکھنا جائز نہیں ہے بلکہ آنکھیں جھکانا اور ایسے مردوں عورتوں کی طرف دیکھنے سے اعراض کرنا واجب ہے کیونکہ یہ فتنہ' دلوں کی خرابی اور ہدایت سے انحراف کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝٣٠ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ (النور ٢٤/ ٣٠۔٣١)

"اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں' اللہ ان سے خبردار ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔"

اور حدیث میں حضرت محمد ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

«اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ»(المستدرك، الرقاق: ٤/ ٣١٤، ح: ٧٨٧٥)

"نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔"

نظر کا خطرہ بہت عظیم ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے، انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس سے بچائے اور ٹیلی ویژن کے صرف ایسے پروگرام دیکھے جن میں مصلحت ہو مثلاً دینی، علمی یا فنی پروگرام، باقی رہیں حرام اشیاء تو انہیں دیکھنا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ٹیلی ویژن پر عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے مرد کے لیے اجنبی عورت اور عورت کے لیے اجنبی مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ جائز نہیں، کیونکہ ٹیلی ویژن پر آنے والی اکثر عورتیں اظہار حسن و جمال بھی کرتی ہیں اور کچھ عریانی کا اظہار بھی، اسی طرح مرد بھی اپنے آپ کو بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں اور انہیں دیکھنا اکثر و بیشتر فتنہ و گمراہی کا موجب ہوتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مجلات میں عورتوں کی تصویریں دیکھنا

سوال اخبارات و مجلات میں عورتوں کی تصویروں کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان کے لیے عورتوں کے چہروں یا پردہ کے مقامات کو مجلات یا کسی اور جگہ دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اسباب فتنہ میں سے ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ان تصویروں کو دیکھ کر نظر کو جھکا لیا جائے، تاکہ ان شرعی دلائل کے عموم پر عمل ہو سکے، جن میں ان کی ممانعت ہے اور فتنے سے بھی محفوظ رہا جا سکے، نیز راستوں پر یا جہاں بھی عورتیں نظر آئیں، انہیں دیکھ کر نظر جھکا لینا واجب ہے۔ وباللّٰہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

یہ پروگرام دیکھنا حرام ہے

سوال موسیقی گانے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز ایسے پروگرام دیکھنے کا کیا حکم ہے جن میں خواتین میک اپ کر کے شرکت کرتی ہیں؟

جواب ان پروگراموں کو دیکھنا اور سننا حرام اور ممنوع ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے، دلوں کو بیمار کرنے اور حرام امور کے ارتکاب کا سبب بنتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٞ مُّهِينٞ ﴿٦﴾ وَإِذَا تُتۡلَىٰ عَلَيۡهِ ءَايَٰتُنَا وَلَّىٰ مُسۡتَكۡبِرٗا كَأَن لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا كَأَنَّ فِيٓ أُذُنَيۡهِ وَقۡرٗاۖ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٧﴾ ﴾ (لقمان ٣١/ ٦-٧)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بے ہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھکائیں اور اس سے استہزاء کریں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا اور جب اس کو

ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے کانوں میں ثقل ہے تو آپ اسے درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔"

یہ دو آیات کریمہ اس بات کی دلیل ہیں کہ گانا بجانا سننا خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے اسباب میں سے بھی ہے اور آیات الٰہی کو سننے کے بجائے ان کے ساتھ مذاق اور ان سے اعراض بھی ہے۔

ایسا کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کرنے والے اور درد دینے والے عذاب کا وعدہ کیا ہے، آیت میں مذکور "لھوالحدیث" کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا، آلات موسیقی اور ہر وہ آواز ہے جو اللہ کی راہ سے روکے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ» (صحيح البخاري، الأشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح:٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ضرور ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔"

"حر" کا لفظ حا اور را کے ساتھ ہے، اس کے معنی حرام شرم گاہ یعنی زنا ہے، ریشم ایک معروف و مشہور چیز ہے جس کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے، شراب بھی معروف و مشہور چیز ہے اور اس سے مراد ہر نشہ آور چیز ہے جو سب کے لیے حرام ہے، معازف سے مراد آلات موسیقی مثلاً بانسری، طبلہ اور طنبور وغیرہ ہیں جیسا کہ "نہایہ" اور "قاموس" وغیرہ میں ہے "عزف" کے معنی آلات موسیقی کے ساتھ کھیلنا اور "عازف" کے معنی مغنی اور آلات موسیقی کے استعمال کرنے والے کے ہیں۔

ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ان منکرات سے اجتناب کرے اور ان پروگراموں کو دیکھنے سے بھی اجتناب کرے جن میں خواتین میک اَپ کر کے شرکت کرتی ہیں اور اظہار حسن و جمال کرتی ہیں، کیونکہ ایسے پروگرام دیکھنا حرام ہے، نیز ایسے پروگرام دیکھ کر دل بیمار ہو جاتے ہیں اور غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور ایسے پروگرام دیکھنے والے کے حرام میں مبتلا ہو جانے کا بھی شدید خطرہ ہوتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے کام کرنے اور ناراضی کے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

رسائل و جرائد میں عورتوں کی تصویریں دیکھنا

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے مجلات میں شائع ہونے والی عورتوں کی تصویریں دیکھنا جائز ہے؟ کیا عورتوں کو براہ راست دیکھنے یا رسالوں، اخبارات میں ان کی تصویریں دیکھنے کی حرمت ایک جیسی ہے؟ رہنمائی فرمائیں!

جواب بلاشبہ بے پردہ عورتوں کو دیکھنا ان امور میں سے ہے جو فتنے کا سبب بنتے اور فحاشی کی دعوت دیتے ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پردے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں"

بلاشبہ عریاں اور نیم عریاں تصویریں دیکھنا فتنے کا باعث ہے لہٰذا ہر ایسی تصویر دیکھنا حرام ہے جو فتنے فساد کا سبب بنے خواہ وہ فلم' اخبارات' رسائل یا کسی بھی اور جگہ ہو۔

شیخ ابن جبرین

فحش رسائل پڑھنا

سوال ایسے رسائل پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں نیم عریاں تصویریں شائع ہوتی ہوں نیز ان تصویروں کے دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہم ہر مسلمان کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ فتنوں اور ان کے اسباب سے دور رہے تاکہ وہ اپنے اس دین کی حفاظت کر سکے جو اسے تمام خرابیوں سے بچانے والا ہے' بلاشبہ خوبصورت عورتوں کی نیم عریاں تصویریں دیکھنا بدکاری اور بے حیائی کا ایک بہت بڑا سبب ہے اور ان یا ان جیسی دیگر عورتوں سے میل ملاپ پر اکسانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور پھر اس مقصد کے حصول کی خاطر انسان اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتا لہٰذا ہر مسلمان کو جو اپنا خود ہمدرد و خیر خواہ ہو یہی بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو اس کے کردار کو داغ دار کرنے والی ہو۔

شیخ ابن جبرین

فلموں میں عورتوں کی تصاویر دیکھنا

سوال کیا کسی مجلہ یا کسی فلم میں عورت کی عریاں تصویر کو دیکھنا جائز ہے؟

جواب کسی اجنبی عورت کی عریاں تصویر دیکھنا یا کوئی ایسی فلم یا مجلہ خریدنا جس میں عریاں تصویریں ہوں' جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ ایسی چیزوں کو جلا دیا جائے تاکہ ان کی وجہ سے فواحش و منکرات کو فروغ حاصل نہ ہو۔

شیخ ابن جبرین

عورتوں کی تصاویر جمع کرنا

سوال بعض لوگ اجنبی عورتوں کی تصویریں جمع کرتے' انہیں دیکھتے' ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تصویریں ہیں حقیقت تو نہیں ہے' تو اس کے بارے میں شریعت حکم کیا ہے؟

جواب یہ بہت خطرناک بات ہے کیونکہ انسان جب کسی عورت کی تصویر دیکھے گا خواہ وہ مرئی ذرائع ابلاغ میں ہو یا اخبارات و جرائد میں' اس سے انسانی دل میں یقیناً فتنہ پیدا ہو گا کہ وہ اس عورت کو براہ راست دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گا اور ایسا آج کل عام ہو رہا ہے' ہمیں بعض نوجوانوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ خوبصورت عورتوں کی تصویریں جمع کرتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ دیکھ کر لذت حاصل کریں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویروں کا فتنہ کتنا بڑا ہے لہٰذا کسی بھی انسان کے لیے ایسی تصویریں دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ یہ اخبارات و جرائد ہی میں کیوں نہ چھپی ہوں کیونکہ یہ فتنہ دین کے اعتبار سے نقصان دہ ہو گا' اس سے دل کا میلان عورتوں کی طرف ہو گا اور پھر تصویروں کو دیکھنے والا براہ راست بھی

عورتوں کی طرف دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گا۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن عثیمین ——

مختلف ذرائع ابلاغ میں عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال مردوں کا ان اداکار یا گلوکار عورتوں کے چہروں اور جسموں کی طرف دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو ٹیلی ویژن یا سینما یا ویڈیو پر نظر آتی ہیں یا کاغذ پر طبع ہوتی ہیں؟

جواب ان تصویروں کو دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ فتنے میں مبتلا کرتی ہیں اور سورۂ نور کی حسب ذیل آیت کریمہ:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا۟ مِنْ أَبْصَـٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا۟ فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۰)

"اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔"

میں جو حکم بیان کیا گیا ہے یہ عام ہے اور خواتین کی تصویروں کے لیے بھی خواہ وہ تصویریں کاغذ پر ہوں یا ٹیلی ویژن وغیرہ کی سکرین پر۔

—— شیخ ابن باز ——

اجنبی عورتوں سے مصافحہ کی حرمت کا سبب

سوال اسلام نے غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کیوں حرام قرار دیا ہے؟ جو شخص شہوت کے بغیر مصافحہ کرے تو کیا اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب اسلام نے اسے اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ انسان کسی اجنبی عورت کے جسم کو ہاتھ لگائے اور ہر وہ چیز جو کسی فتنے کا سبب ہو شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے، اس فتنے و فساد کے ہی سدباب کے لیے شریعت نے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت ہی سے چھوا ہو، البتہ اگر عورت کو چھونے سے مذی خارج ہو جائے، تو آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضو کرنا اور اگر منی خارج ہو جائے تو غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

بھابی سے مصافحہ کرنا

سوال کیا خاوند کے بھائیوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بھابی سے خلوت کے بغیر مصافحہ کریں جب کہ بہنیں اور والدین بھی موجود ہوں، جیسا کہ عموماً عید وغیرہ کے موقع پر ہوتا ہے؟

جواب خاوند کے بھائی یا چچا یا ماموں یا چچازاد بھائی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی یا ماموں یا چچا کی بیوی سے مصافحہ

کرے جس طرح دیگر تمام اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں' ان سے بھی جائز نہیں کیونکہ بھائی اپنی بھابی کے لیے محرم نہیں ہے' اسی طرح چچا اپنے بھتیجے کی بیوی کا' ماموں اپنے بھانجے کی بیوی کا اور چچازاد بھائی اپنے چچازاد بھائیوں کی بیویوں کے محرم نہیں ہیں لہٰذا ان سے مصافحہ جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اور حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا' آپ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔"

اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنا ان کی طرف دیکھنے کی طرح فتنے کا ذریعہ ہے' بلکہ اس میں تو دیکھنے سے بھی زیادہ فتنہ ہے' البتہ محرم عورتوں مثلاً بہن' پھوپھی' ماں یا بہو سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

———— شیخ ابن باز ————

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا

سوال بعض مرد بعض ایسی قریبی عورتوں سے بھی مصافحہ کرتے ہیں جو محرم نہیں ہوتیں بلکہ وہ رشتے دار یا پڑوسی ہوتی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور کیا عورت کے لیے پردے کے لیے ہاتھ پر کپڑے کا ٹکڑا رکھ لینا کافی ہے؟

جواب مرد کے لیے کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں' خواہ اس نے بوقت مصافحہ اپنے ہاتھ پر کپڑا ہی کیوں نہ لپیٹ رکھا ہو۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

———— فتویٰ کمیٹی ————

دستانے کے ساتھ اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا

سوال اجنبی عورت نے ہاتھ میں دستانہ پہن رکھا ہو تو کیا اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟ دلائل کے ساتھ جواب دیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا' کیا اس سلسلے میں بڑی اور چھوٹی عمر کی عورت کا حکم ایک ہی ہے؟

جواب انسان کے لیے کسی بھی ایسی اجنبی عورت سے جو محرم نہ ہو مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے' خواہ اس کے ہاتھ پر دستانہ وغیرہ ہو یا نہ ہو' کیونکہ یہ فتنے کا سبب ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (بني اسرائيل١٧/ ٣٢)

"خبردار زنا کے قریب بھی نہ جانا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمارے لیے ہر اس چیز کو ترک کر دینا ضروری ہے جو زنا تک پہنچانے والی ہو خواہ شرم گاہ کا زنا ہو جو اس کی سب سے بھیانک صورت ہے یا اس سے کم تر درجہ کا زنا ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اجنبی عورت کے ہاتھ چھونے سے شہوت کو تحریک ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس بات پر شدید وعید آئی ہے کہ آدمی غیر محرم عورت سے مصافحہ کرے اور اس مسئلے میں نوجوان اور بڑی عمر کی عورت میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں کہ عمر کے اعتبار سے لوگوں کا نقطہ نگاہ مختلف ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی ایک عورت کو بوڑھی سمجھتا ہے تو ممکن ہے کوئی دوسرا اسے جوان تصور کرتا ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا

سوال اجنبی عورت اگر بوڑھی ہو تو اس سے مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اس نے اگر ہاتھ پر کپڑا وغیرہ رکھا ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی اور خواہ مصافحہ کرنے والا مرد جوان ہو یا بوڑھا کیونکہ اس میں ہر ایک کے لیے فتنے کا خطرہ ہے، صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح: ٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ»(صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا، آپ ان سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔"

اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ عورت نے دستانے وغیرہ پہنے ہیں یا نہیں کیونکہ دلائل کے عموم اور فتنے کے سد باب کا یہی تقاضا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

غیر محرم رشتے دار عورتوں سے مصافحہ اور.....

سوال میں اپنے اہل خانہ اور اعزہ و اقارب سے چھ ماہ اور بسا اوقات ایک سال بعد ملنے کے لیے جاتا ہوں اور جب گھر

پہنچتا ہوں تو چھوٹی بڑی تمام عورتیں میرا استقبال کرتی ہیں اور بڑے احترام سے بوسہ دیتی ہیں جس سے مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ یہ عادت ہمارے علاقے میں بہت عام ہے' میرے خاندان میں بھی اسے برا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ ان کی رائے کے مطابق یہ کسی حرام کام کا ارتکاب نہیں ہے لیکن میں نے الحمدللہ اسلامی ثقافت کو بڑی حد تک اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے حیرت اور پریشانی ہے..... سوال یہ ہے کہ میں عورتوں کے بوسے سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟ یاد رہے کہ اگر میں ان سے مصافحہ کروں تو وہ شدید ناراض ہوں گی اور کہیں گی کہ یہ شخص ہمارا احترام نہیں کرتا' ہمیں ناپسند کرتا ہے اور ہم سے محبت نہیں کرتا وہ محبت جو کہ ایک خاندان کے افراد کے مابین ہوتی ہے نہ کہ وہ محبت جو ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان ہوتی ہے تو کیا اگر میں انہیں بوسہ دوں تو یہ معصیت کا ارتکاب ہو گا جب کہ میری نیت بھی ناپاک نہیں ہے؟

جواب مسلمان آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی یا محرم عورتوں کے سوا کسی اور عورت سے مصافحہ کرے یا اسے بوسہ دے کیونکہ یہ حرام' فتنے کا سبب اور کھلم کھلا فحاشی ہے اور حدیث میں ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح: ٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے بوقت بیعت بھی کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا بلکہ آپ ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔"

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنے سے زیادہ بدترین بات انہیں بوسہ دینا ہے خواہ وہ چچا یا ماموں کی بیٹیاں ہوں یا پڑوسی عورتیں یا خاندان کی دیگر خواتین' ان سب سے مصافحہ کرنا اور بوسہ دینا حرام ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ یہ حرام اور فحش کام میں مبتلا ہونے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور اس کی عادی تمام رشتے دار اور غیر رشتے دار عورتوں کو بتائے کہ یہ حرام ہے خواہ لوگ اس کے عادی ہو چکے ہوں' کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں خواہ ان کے رشتے دار یا اہل شہر اس کے عادی ہی کیوں نہ ہوں بلکہ واجب ہے کہ اس کا انکار کر دیا جائے' معاشرے کو اس سے بچایا جائے اور مصافحے اور بوسے کے بغیر زبانی سلام پر اکتفا کیا جائے۔

—— شیخ ابن باز ——

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا' ان کے ساتھ بیٹھنا اور انہیں بوسہ دینا

سوال میں اس وقت ریاض شہر میں سکونت پذیر ہوں' اس میں میرے کچھ بہت ہی قریبی رشتے دار بھی رہتے ہیں جن

میں میری خالہ کی بیٹیاں، چچاؤں کی بیویاں اور بیٹیاں بھی ہیں، میں جب ان سے ملنے جاتا ہوں تو انہیں سلام کہتا ہوں، بوسہ دیتا ہوں اور ان کے پاس بیٹھتا ہوں جب کہ ان کے چہرے کھلے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت تنگی محسوس کرتا ہوں لیکن اکثر جنوبی علاقوں میں یہ رواج عام ہے، آپ کا اس عادت کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا؟

جواب یہ ایک ایسی عادت ہے جو بہت ہی بری، منکر اور شریعت مطہرہ کے مخالف ہے، عورتوں کو بوسہ دینا اور ان سے مصافحہ کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کے چچاؤں کی بیویاں اور چچا و ماموں کی بیٹیاں آپ کی محرم نہیں ہیں لہٰذا ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ سے پردہ کریں اور آپ کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ ﴾

(الأحزاب۳۳/ ۵۳)

"اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ آیت ازواج مطہرات اور دیگر تمام عورتوں کے لیے عام ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ ازواج مطہرات ہی کے ساتھ خاص ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ﴾ (النور۲٤/ ۳۱)

"اور اپنے خاوند اور باپ اور سسر..... (کے سوا) کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں۔"

اور آپ ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جنہیں یہاں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیونکہ آپ تو اپنے چچا اور ماموں کی بیٹیوں اور بیویوں کے لیے اجنبی ہیں یعنی ان کے لیے محرم نہیں ہیں، اس لیے آپ پر واجب ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے اس کی بابت جو کچھ ذکر کیا ہے، آپ انہیں بتا دیں اور فتویٰ بھی پڑھ کر سنا دیں تاکہ حکم شریعت کو معلوم کر کے وہ آپ کو معذور جانیں، آپ کے لیے بس یہی کافی ہے کہ بوسے اور مصافحے کے بغیر محض زبانی سلام کہہ دیں جیسا کہ مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے جب ایک عورت نے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا، آپ ان سے زبانی بیعت

17564

لیا کرتے تھے۔"

صحیح مسلم میں قصہ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "جب میں نے صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور انہوں نے پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔" ①

اس سے بھی معلوم ہوا کہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد خواتین اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رکھتی تھیں' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائے اور انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

آدمی کے لیے اپنی بیٹی کو بوسہ دینا جائز ہے

سوال کیا آدمی کے لیے اپنی بیٹی کو بوسہ دینا جائز ہے جب کہ وہ بڑی ہو کر سن بلوغت سے تجاوز کر جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ بوسہ رخسار پر ہو یا منہ پر اور اگر بیٹی باپ کو بوسہ دے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنی چھوٹی یا بڑی بیٹی کو شہوت کے بغیر بوسہ دے اور اگر بچی بڑی ہو تو بوسہ رخسار پر ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی لخت جگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رخسار پر بوسہ دیا تھا۔

منہ پر بوسہ دینے سے جنسی شہوت کو تحریک ہوتی ہے لہٰذا زیادہ بہتر اور زیادہ محتاط بات یہ ہے کہ منہ پر بوسہ نہ دیا جائے' اسی طرح بیٹی بھی شہوت کے بغیر اپنے باپ کی ناک پر اس کے سر پر بوسہ دے سکتی ہے' شہوت کے ساتھ بوسہ سب کے لیے حرام ہے تاکہ فتنے کو ختم اور فحاشی کا سدباب کیا جا سکے۔

——— شیخ ابن باز ———

ٹیلیفون پر عورت سے گفتگو کرنا

سوال اگر کوئی غیر شادی شدہ نوجوان غیر شادی شدہ جوان لڑکی سے ٹیلیفون پر گفتگو کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اجنبی عورت سے ایسی گفتگو کرنا جائز نہیں جو شہوت کو بھڑکائے جیسے عشقیہ گفتگو یا ناز و نخرہ کے ساتھ گفتگو یا بہت ہی نرم لہجے میں گفتگو خواہ یہ ٹیلیفون پر ہو یا کسی اور طریقے سے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٢)

"(کسی اجنبی شخص سے) نرم لہجے میں بات نہ کرو مبادا کہ وہ شخص جس کے دل میں کسی قسم کا روگ ہو وہ کوئی خیال کرے۔"

---

① صحیح بخاری' المغازی' باب حدیث الافک' حدیث :۴۱۴۱ اور صحیح مسلم' التوبۃ' باب فی حدیث الافک ..... الخ' حدیث :۲۷۷۰۔

بوقت ضرورت گفتگو میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ فتنہ و فساد سے خالی ہو اور بس بقدر ضرورت ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مرد و زن کی باہمی خط و کتابت

سوال جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کو خط لکھے اور وہ ایک دوسرے سے محبت کریں تو کیا یہ کام بھی حرام ہو گا؟

جواب یہ کام جائز نہیں کیونکہ یہ بھی دونوں کے درمیان جنسی جذبات کو بھڑکائے گا اور طبیعت میں ملاقات کا اشتیاق پیدا کرے گا' اس طرح کی عشقیہ خط و کتابت فتنے ہی کو جنم دیتی ہے اور دل میں بدکاری کی محبت کے بیج بوتی ہے جس سے انسان کے حرام کاری میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے لہٰذا جو شخص اپنے نفس کی حفاظت کرنا چاہے اس کے لیے ہماری نصیحت ہے کہ وہ اپنے دین و عزت کی حفاظت کی خاطر اس طرح کی خط و کتابت کو یکسر ترک کر دے۔ واللہ الموفق

——— شیخ ابن جبرین ———

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے

سوال بعض لوگ اجنبی عورتوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے تساہل سے کام لیتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کے پاس جائے اور وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کی بیوی اپنے خاوند کے اس دوست سے گفتگو کرنا شروع کر دیتی ہے' ڈرائینگ روم کا دروازہ کھول دیتی اور اس کے سامنے قہوہ یا چائے پیش کرتی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ یاد رہے اس وقت بیوی کے سوا گھر میں اور کوئی موجود بھی نہیں ہوتا؟

جواب کسی بھی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں کسی اجنبی کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے خواہ وہ اس کے خاوند کا قابل اعتماد دوست ہی ہو کیونکہ اس کے معنی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کے ہوں گے اور حدیث میں ہے:

«لاَ یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ إِلاَّ کَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ح: ۲۱٦٥ ومسند أحمد: ۱/ ۱۸)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

کسی مرد کے لیے بھی یہ حرام ہے کہ اپنے دوست کی بیوی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لیے دروازہ کھولے اور اس کی خدمت کرے خواہ اسے اپنی امانت و دیانت پر کتنا ہی اعتماد کیوں نہ ہو کیونکہ اس بات کا بہرحال خطرہ موجود ہوتا ہے کہ شیطان دونوں کے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈال دے۔

خاوند پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو منع کرے کہ وہ کسی بھی اجنبی کو گھر میں داخل نہ ہونے دے خواہ وہ اس کا قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِیَّاکُمْ وَالدُّخُولَ عَلَی النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ یَارَسُولَ اللهِ، أَفَرَأَیْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم ... الخ،

ح: ٥٢٣٢ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ح: ٢١٧٢)

"عورتوں کے پاس جانے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: دیور تو موت ہے۔"

"حمو" خاوند کے بھائی یا اس کے رشتے دار کو کہتے ہیں لہٰذا اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے تو بطریق اولیٰ احتیاط کی ضرورت ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شادی سے پہلے تعلقات

سوال ان تعلقات کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شادی سے پہلے سے اگر سائل کی مراد رخصتی سے پہلے اور نکاح کے بعد ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عقد نکاح ہی سے عورت بیوی بن جاتی ہے خواہ رخصتی کے مراحل ابھی طے نہ بھی ہوئے ہوں اور اگر اس سے مراد منگنی کے دوران نکاح سے پہلے یا اس سے بھی پہلے تعلقات ہیں تو یہ حرام ہیں' جائز نہیں ہیں کیونکہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کلام یا نظر یا خلوت کے ساتھ کسی بھی عورت سے لطف اندوز ہو کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ، وَلاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»(صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح: ١٣٤١)

"کوئی بھی مرد کسی عورت کے ساتھ اس کے محرم کے بغیر خلوت میں نہ جائے اور نہ کوئی عورت محرم کے بغیر کسی کے ساتھ سفر کرے۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر یہ میل جول عقد نکاح کے بعد ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ عقد سے پہلے اور منگنی و قبول کے بعد ہے تو ناجائز ہے کیونکہ وہ عورت اس کے لیے حرام ہے اور جب تک عقد نکاح نہ ہو وہ اس کے لیے اجنبی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے

سوال محرم کے بغیر بیرون ملک سے کسی خادمہ کے آنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیا خادمہ کا محرم کے بغیر اپنے ملک سے آنا اور محرم کے بغیر اس گھر میں قیام کرنا جہاں وہ خدمت سرانجام دیتی ہو' ممنوع ہے؟

جواب محرم کے بغیر کسی عورت کے لیے سفر کرنا جائز نہیں خواہ وہ خادمہ ہو یا کوئی اور کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح: ١٨٦٣ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح: ١٣٣٨)

"محرم کے بغیر کوئی عورت سفر نہ کرے"

البتہ گھر میں اس کی موجودگی محرم کی محتاج نہیں ہے لیکن کسی اجنبی مرد کو اس کے ساتھ خلوت کی اجازت نہیں

ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» (صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم... الخ، ح:٥٢٣٣ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"کوئی مرد محرم کے بغیر کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ ومسند أحمد: ١٨/١ واللفظ له)

"جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

بیرون ملک سے محرم کے بغیر خادمہ کو بلانا

سوال بیرون ملک سے محرم کے بغیر خادمہ کو بلانے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ وہ مسلمان ہو جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ اس طرح کر رہے ہیں حتی کہ وہ بھی جو اپنے آپ کو طالب علم شمار کرتے ہیں اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ مجبور و لاچار ہیں اور بعض یہ دلیل دیتے ہیں کہ محرم کے بغیر سفر کا گناہ خود اس خادمہ کو ہے یا اسے طلب کرنے والے دفتر کو؟ امید ہے آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور جزائے خیر سے نوازے۔

جواب محرم کے بغیر خادمہ کو بلانے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی نافرمانی ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٣٨)

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔"

محرم کے بغیر اس کی آمد فتنے کا سبب بن سکتی ہے اور وہ چیز جو فتنے کا سبب بنے وہ ممنوع ہے کیونکہ جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔

بعض لوگ اس سلسلے میں جو تساہل سے کام لیتے ہیں تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے اور ان کی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کیونکہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ انہیں خادمہ کے بلانے کی ضرورت ہے تو انہیں اس بات کی تو ضرورت نہیں ہے کہ وہ اسے محرم کے بغیر بلائیں' ان کی یہ دلیل بھی درست نہیں کہ محرم کے بغیر سفر کا گناہ خود اس خادمہ کو ہو گا یا اسے بلانے والے دفتر کو کیونکہ جو شخص کسی حرام کام کا ارتکاب کرنے والے کے لیے دروازہ کھولتا ہے تو وہ اس کی اعانت کرنے کی وجہ سے گناہ میں شریک ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے اور محرم کے بغیر خادمہ کو بلانا بلاشبہ ایک امر منکر ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

——— شیخ ابن عثیمین ———

بیرون ملک محرم کے بغیر عورت کا قیام

سوال میرا سوال بیرون ملک محرم کے بغیر عورت کے قیام کے بارے میں ہے، میں اس وقت سعودی عرب میں مقیم ہوں اور ایک ایسی جگہ کام کرتی ہوں جہاں صرف خواتین ہی ہیں اور الحمدللہ وہاں نہ مردوں کے ساتھ اختلاط ہے اور نہ ہی کام یا رہائش کی جگہ پر کوئی ایسی بات جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے، میں نے کوشش کی کہ شرعی محرم کی حیثیت میں اپنے بھائی کو یہاں بلا لوں لیکن اس میں مجھے کامیابی نہیں ہو سکی تو میری موجودہ حالت یعنی محرم کے بغیر قیام کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ میں نے یہاں آنے سے پہلے بہت دفعہ استخارہ بھی کیا تھا اور محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بہت سے کاموں میں آسانی پیدا فرما دی ہے جب کہ میرے اپنے وطن میں میدان عمل میں اختلاط اور سوء اخلاق کے اعتبار سے حالت ایسی ہے کہ کوئی مسلمان وہاں کام کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا تو میں نے جو یہ حالات بیان کیے ہیں ان کی روشنی میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور آپ کے لیے توفیق اور اصلاح احوال کی دعا مانگتے ہیں، آپ نے جو یہاں قیام کیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ محرم کے بغیر عورت کے قیام میں کوئی ضرر یا حرج نہیں ہے خصوصا جب کہ اس میں خطرے کی بھی کوئی بات نہ ہو کہ کام عورتوں ہی کے حلقے میں ہو اور مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں البتہ آپ کا تنہا سفر کرنا ممنوع ہے لہٰذا محرم کے بغیر سفر نہ کیجیے اور نہ محرم کے بغیر یہاں آئیے اور اگر آپ اپنے ملک سے محرم کے بغیر آگئی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کیجیے اور آئندہ ایسا نہ کیجیے اور جب آپ یہاں سے سفر کا ارادہ کریں تو پھر بھی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لہٰذا محرم کی آمد تک صبر کیجیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٣٨)

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"

اگر رشتے داروں کی طرف سے کوئی محرم میسر آجائے یا شادی ہو جائے تو پھر شوہر سفر میں محرم ہو گا بہرحال تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، آپ کوشش کریں کہ سفر کے وقت آپ کو محرم میسر آجائے، عورتوں ہی میں اقامت اختیار کرنے اور مباح کام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ والحمدللہ!

بلاشبہ محرم کے بغیر عورت کا سفر کرنا خطرناک ہے، اس میں خطرہ بھی ہے اور فتنہ بھی لہٰذا ہم دینی بہنوں کو یہ نصیحت

کریں گے کہ وہ اس سے اجتناب کریں' محرموں کے بغیر سفر نہ کریں' مردوں کے ساتھ اختلاط' مردوں کے ساتھ کام اور مردوں کے ساتھ خلوت سے اجتناب کریں' ان تمام باتوں سے اجتناب واجب ہے کام خواہ ہسپتالوں میں ہو یا کسی اور جگہ۔ میں تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ محرم کے بغیر عورتوں کو نہ بلائیں اور نہ محرم کے بغیر کوئی عورت سفر کرے' نہ مردوں کے ساتھ کام کرے اور نہ کسی بھی غیر محرم مرد کے ساتھ خلوت اختیار کرے کیونکہ یہ فتنے کا راستہ ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرماتے ہوئے اسے حرام قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ح: ٢١٦٥ ومسند أحمد: ١/١٨)

"جب بھی کوئی مرد کسی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے"

مقصود یہ ہے کہ عورت اور اس کے ورثاء پر واجب ہے کہ اس کی عزت کی سلامتی اور اسباب فتنہ سے اس کی دوری کی کوشش کریں' عورت کا عورتوں کے مابین کام کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ کام مباح ہو اور دین کے حوالے سے نقصان دہ نہ ہو اور نہ ہی مردوں کے ساتھ کسی فتنہ کا اندیشہ ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

رقص و سرود کی قومی محفلوں میں مدارس کی طالبات کی شرکت .....

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے مجلّہ "المجتمع" کے محترم ایڈیٹر صاحب کے نام! اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد!

میں نے آپ کی طرف سے پیش کیے گئے سوالات کو ملاحظہ کیا ہے اور انہیں بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تو کمیٹی نے ان سوالات کے جواب میں ۱۲-۷-۱۴۰۱ھ کو فتویٰ نمبر ۳۸۳۱ جاری کیا جو کہ اس خط کے ساتھ منسلک ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے دین کی خدمت اور اس کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ انه سميع مجيب' والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

—— چیئرمین ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوۃ وارشاد ——

اَلْحَمْدُ لله وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِه وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ـ وبَعْدُ

بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی نے ان سوالات کو ملاحظہ کیا جو مجلّہ "المجتمع" کویت کی طرف سے عزت مآب رئیس عام کو موصول ہوئے ہیں ان کا حوالہ نمبر ۸۱۲ ہے اور یہ ۳-۵-۱۴۰۱ھ کو لکھے گئے تھے' مجلّہ کے سوالات اور کمیٹی کے جوابات حسب ذیل ہیں:

سوال کیا ہائی' مڈل اور پرائمری اسکولوں کی طالبات کو رقص و سرود کی محفلوں میں بلانا جائز ہے جب کہ انہوں نے ایسے چست لباس پہن رکھے ہوتے ہیں جن سے ان کے جسم کا ایک ایک عضو نمایاں طور پر نظر آتا ہے کہ بسا اوقات ان کا کپڑا یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف دو بالشت کا ہے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ اس سے لڑکیاں بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور ان کے جسمانی اعضاء بھی نمایاں ہوتے ہیں کیونکہ

انہوں نے بہت چھوٹے اور تنگ کپڑے پہن رکھے ہوتے ہیں اور پھر یہ محفلیں بھی لہوولعب اور رقص و سرود کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ ایک شر ہے جو محفل میں شریک حاضرین کے جنسی جذبات کو ابھارتا اور فحاشی، فتنے و فساد اور اخلاقی بے راہ روی کو جنم دیتا ہے اور پھر ان محفلوں کے سابقے اور لاحقے بھی بہت مکروہ ہیں اور وہ یہ کہ ان محفلوں میں شرکت سے پہلے بھی ان بچیوں کو اس طرح کے لباس پہنا کر رقص و سرود کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ انہیں اس بے ہودہ کام کی خوب پریکٹس ہو جائے جو شر کے اس میدان میں کامیابی کی ضامن ہو اور اس سے حاضرین خوش ہوں اور ان محفلوں کے لاحقے بھی بہت ذلیل ہیں، وہ یہ کہ یہ تربیت حاصل کرنے والی بچیاں یا ان میں اکثریت مستقبل میں بھی اسی کو بطور پیشہ اختیار کر لیتی ہیں اور دنیائے لہوولعب اور بے حیائی سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔

سوال کیا اس طرح کے پروگرام میں شرکت کی اجازت دینے والا بچی کا وارث گناہ گار ہو گا؟

جواب ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے کسی کی نگرانی سپرد کی ہو وہ اپنی رعایا کے بارے میں جوابدہ ہے، ہر طالبہ کا وارث چاہے وہ باپ ہو یا اس کے کوئی قائم مقام وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اگر وہ اسے اسلامی آداب سکھائے، احسن انداز میں اس کی تربیت کرے اور اسے شروفساد میں مبتلا ہونے سے بچائے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے نوازے گا اور اس عزت و آبرو کی حفاظت بھی فرمائے گا اور اگر وہ اس کی غلط تربیت کرے، یا تربیت کی طرف دھیان ہی نہ دے یا اسے فتنے و فساد اور لہوولعب کے مقامات کی طرف دھکیل دے تو وہ اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے یقیناً گناہ گار ہو گا، اس کا انجام بھی برا ہو گا اور وہ اپنی اس ناعاقبت اندیشی کا یقیناً خمیازہ بھی بھگتے گا، جو دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کی صورت میں ہو سکتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

سوال کیا حکومتی ادارے قومی محفلوں کے نام سے ان پروگراموں میں شرکت کے لیے بچیوں کو مجبور کر سکتے ہیں؟

جواب امتوں کو سعادت و کامرانی، ترقی، انتظامی خوبی اور حفاظت و استحکام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کے حکمران اور قائدین اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ عقیدہ، قول و عمل اور تنازعات کے حل میں انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے منہاج پر چلائیں۔

اس طرح حکمرانوں اور قائدین کو بھی استحکام و اعتبار اور وجاہت ایسی امتوں ہی کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں دین، استقامت، علم، ثقافت، صنعت، زراعت، قوت اور ترقی میں ان امور کو پیش نظر رکھیں جو قوموں کو عروج پر پہنچا دیتے ہیں اور ان کے افراد کو سربلندی سے ہمکنار کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا اعلیٰ نمونہ بن جاتے ہیں کہ عقل مند لوگ ازراہ تعجب نظریں اونچی کر کے انہیں دیکھتے ہیں اور ان کے حالات کو جاننے والے ان سے ڈرتے ہیں۔

حکمران اپنی قوموں کے ساتھ جس قدر خیروبھلائی کے ساتھ حسن سیاست کی روش اختیار کریں گے اور جس قدر ان کی اصلاح کی طرف توجہ مبذول کریں گے، وہ اسی قدر قوت و عزت اور عظمت و شوکت کی صورت میں اس کے ثمرات بھی حاصل کریں گے اور قومیں بھی جس قدر اپنے مصلح حکمرانوں کی آواز پر لبیک کہیں گی، معروف کو قبول کریں گی اور اس کے حصول میں ان کے ساتھ تعاون کریں گی، اسی قدر سعادت و کامرانی، خوش حالی و فارغ البالی اور راحت و اطمینان کی دولت سے فیض یاب ہوں گی۔

مسلمان حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اپنی قوموں میں اسلامی سیاست کو بروئے کار لائیں، رسول اللہ ﷺ کے

نقش قدم پر چلیں، آپ ﷺ کی راہنمائی کے نور سے روشنی حاصل کریں اور خلفاء راشدین کے طرز سیاست کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں تاکہ وہ خود بھی اور ان کی قومیں بھی سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہوں، دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے شاد کام ہوں، انہیں اسلامی شریعت اور اس کے مبنی برعدل و انصاف اسلوب حکومت کی مخالفت سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی اور کافر حکومتوں کی اندھی تقلید کی وجہ سے یہ تباہی و بربادی کے گڑھوں میں گر جائیں گے جیسا کہ یہ کافر حکومتیں اپنے غلط نظام حکومت، اخلاقی بے راہ روی، تہذیبی و ثقافتی خرابی، تعلیمی اداروں میں لہو ولعب اور مستی و بے حیائی کے چلن اور مخلوط تعلیم کی وجہ سے آج تباہی و بربادی کے گڑھوں میں گرے ہوئے ہیں اگر مسلمانوں نے بھی ایسا کیا تو ان کا شیرازہ بکھر جائے گا، ان کی قوت و شوکت ماند پڑ جائے گی، اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا اور انہیں عذاب سے دو چار کر دے گا کہ فتنہ و فساد پھیلانے والوں کی یہی سزا ہے۔

آخر میں یہاں اس جانب توجہ مبذول کروانا بھی ضروری ہے کہ وہ ذات گرامی، جنہیں جوامع الکلم کے معجزے سے نوازا گیا تھا کے اس ارشاد سے بڑھ کر کوئی انسانی قول زیادہ خوبصورت، زیادہ مکمل اور زیادہ جامع نہیں ہے جو آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

«أَلاَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ الأَعْظَمُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُالرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالى: أطيعوا الله أطيعوا الرسول ... الخ، ح:٧١٣٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل وعقوبة الجائر ... الخ، ح:١٨٢٩)

”خبردار تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ، امام جو لوگوں کا نگہبان ہے، وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے، مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے، عورت اپنے شوہر کے اہل خانہ اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اور غلام (نوکر) اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ خبردار! تم سب نگہبان ہو اور اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہو۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ إِلاَّ لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب من استرعى رعيته فلم ينصح، ح:٧١٥٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته، النار، ح:١٤٢)

”جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا نگہبان بنا دے اور وہ ان کی ہمدردی و خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔“

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَا مِنْ وَّالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلاَّ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»(صحيح البخاري، الأحكام باب من استرعى رعيته فلم ينصح، ح:٧١٥١ وصحيح مسلم، الايمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ح:١٤٢)

"ہر وہ شخص جو مسلمانوں کی کسی رعیت کا والی ہو اور وہ ان سے دھوکہ کرتے ہوئے فوت ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام قرار دے دے گا۔"

ہر حاکم کو چاہیے کہ اپنی رعایا کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' ان سے ہمدردی و خیر خواہی کرے اور ان میں حق کے ساتھ حکومت کرے کیونکہ ان کے بارے میں اس سے روز قیامت باز پرس ہو گی۔ واللہ الموفق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میری بیوی کی بہنیں ننگے منہ ہوتی ہیں اور .....

سوال میں نے ایک لڑکی سے شادی کی ہے جس کی تین چھوٹی بہنیں بھی ہیں اور میں اپنے خسر کے کام میں مدد دینے کے لیے اس کے ساتھ ہی رہائش پذیر ہوں لیکن اس میں بڑی مشکل یہ ہے کہ کھانے پینے وغیرہ کے لیے ہم سب جب اکھٹے ہوتے ہیں تو میری بیوی کی بہنوں نے اپنے سروں کو تو ڈھانپا ہوتا ہے لیکن ان کے چہرے کھلے ہوتے ہیں اور مجھے کبھی کبھی ان میں سے کسی کو گاڑی میں بٹھاکر مدرسہ یا کالج یا لائبریری وغیرہ میں بھی پہنچانا پڑتا ہے تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب خسر کے ساتھ مذکورہ سبب یعنی اجرت لے کر کام میں مدد دینے یا کسی اور مباح سبب کی وجہ سے رہائش اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن آپ کی بیوی کی بہنوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ سے پردہ کریں اور منہ کو بھی ڈھانپیں کیونکہ زیادہ زینت تو چہرے ہی میں ہے' سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر..... کے سوا کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں۔"

آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ خلوت اختیار کریں یا اسے تنہا مدرسے یا لائبریری میں لے جائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ»(صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ محرم کے بغیر خلوت اختیار نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ وأحمد:١/١٨)

"جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"
لہٰذا جب آپ ان میں سے کسی کو مدرسہ وغیرہ چھوڑنے جائیں تو ضروری ہے کہ ساتھ کوئی تیسرا بھی ہو تا کہ خلوت زائل ہو جائے اور اس کی موجودگی میں شیطانی کے وسوسوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

بہن کا خاوند محرم نہیں ہے

سوال کیا میری بہن کے لیے اپنے اس چچازاد بھائی سے پردہ کرنا جائز ہے جس کی بیٹی سے میرا بھائی عنقریب شادی کرنے والا ہے مگر یہ شادی ابھی تک ہوئی نہیں ہے' راہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ کی بہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے چچازاد بھائی سے پردہ کرے کیونکہ وہ اس کا محرم نہیں ہے اور اگر وہ اپنی بیٹی آپ کے بھائی کے نکاح میں دے دے تو پھر بھی بہن کا شوہر اور بھائی کی بیوی کا والد وغیرہ اجنبی ہی ہوتے ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

باپردہ عورت کا مردوں کے ساتھ بیٹھنا

سوال میری ایک سہیلی کا کہنا ہے کہ اسے اپنی جماعت کے مردوں کے ساتھ جو کہ غیر محرم ہوتے ہیں مجبوراً بیٹھنا پڑتا ہے لیکن اس نے اس وقت مکمل پردہ کیا ہوتا ہے' وہ اسے اور اس کے بچوں کو سلام بھی کہتے ہیں جب کہ اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا' اسے اس بات کا علم ہے جبکہ وہ اس صورتحال کو پسند نہیں کرتی لیکن حالات کی وجہ سے مجبور ہے؟

جواب ہم اس عورت کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ ان اجنبی مردوں کے ساتھ نہ بیٹھے خواہ وہ اس کی جماعت ہی کے ہوں اور خواہ اس نے اپنے چہرے کو ڈھانپ ہی رکھا ہو ہاں البتہ اگر دیوار یا پردے کے پیچھے سے خواتین کی موجودگی میں محض سلام پر ہی اکتفا ہو تو وہ قابل معافی ہے' یاد رہے خاوند کی رضامندی اس ہم نشینی کے لیے جواز نہیں بن سکتی ہاں البتہ یہ صورت خلوت یا اظہار زینت کے ساتھ ہم نشینی سے کم تر ضرور ہے لیکن عورت کے لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ مردوں سے دوری اختیار کرے کہ وہ اسے نہ دیکھیں اور یہ انہیں نہ دیکھے۔ واللہ المستعان

——— شیخ ابن جبرین ———

دیور زیادہ خطرناک ہے

سوال میں اور میرے بھائی ایک ہی مکان میں رہائش پذیر ہیں اور ہم الحمدللہ' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے پابند ہیں لیکن آباؤ اجداد سے ہمیں یہ عادت ورثے میں ملی ہے کہ مرد عورتیں سب اکٹھے بیٹھ جاتے ہیں ہمیں بعض دینی غیرت رکھنے والوں نے نصیحت بھی کی لیکن ہم نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی کیونکہ وہ خود نو مسلم ہیں' میں نے اس سلسلے میں ایک دن اپنے والد صاحب سے بھی بات کی کہ ہمیں اس منکر عادت پر قائم نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے

ترک کر دینا چاہیے تو یہ سن کر والد صاحب کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہیں چھوڑ جاؤں گا اور تمہارے ساتھ کبھی نہیں بیٹھوں گا' میرے کئی بھائیوں نے بھی اس مسئلے میں والد صاحب کی تائید کی لہٰذا میں آپ سے راہنمائی کے لیے درخواست کرتا ہوں' کیا میرا موقف صحیح نہیں ہے؟

جواب ہاں آپ اس بری اور مخالف شریعت عادت سے منع کرنے میں حق پر ہیں' بیویوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے خاوند کے بھائیوں سے پردہ کریں' ان کے سامنے نیز بازار میں اجنبی آدمیوں کے سامنے چہرے کو کھلا رکھنا حلال نہیں ہے اپنے دیوروں کے سامنے چہروں کو ظاہر کرنا زیادہ خطرناک ہے کیونکہ دیور تو گھر میں ہی رہائش پذیر ہو گا یا مہمان کی حیثیت سے اکثر آتا جاتا ہو گا اور گھر میں اس کی آمد پر جب کوئی روک ٹوک نہ ہو گی تو اس کا خطرہ بھی بہت ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کے پاس جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَارَسُولَ اللهِ، أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بإمراة إلا ذو محرم ... الخ، ح: ٥٢٣٢ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ح: ٢١٧٢)

"عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دیور تو موت ہے۔"

یعنی اس سے تو اسی طرح فرار اختیار کرنا چاہیے جس طرح انسان موت سے فرار ڈھونڈتا ہے۔ یہ کلمہ کہ "دیور تو موت ہے" ایک عظیم تحذیری کلمہ ہے' اس لیے میں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے اس عادت سے جو روکا ہے تو آپ کا یہ عمل صحیح ہے اور آپ کے والد صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا یعنی عورتوں کو ان کے دیوروں سے پردہ کروایا تو میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا تو میں انہیں بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ حق کو قبول کریں اور مخالفت حق عادات کی پرواہ نہ کرے' اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس بات کا تو انہیں سب سے پہلے حکم دینا چاہیے تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے پردہ کریں تاکہ وہ اپنے گھر کا اچھا سربراہ ثابت ہوتے..... بے شک مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے!

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیت کی پاکیزگی کی دلیل کے ساتھ عورتوں سے اختلاط

سوال ہمارے ہاں ایک بری عادت مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہم بہت سے کام ان کے ساتھ مل کر کرتے ہیں تو انہیں دیکھتے بھی ہیں جب کہ وہ ننگے منہ کام کر رہی ہوتی ہیں کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری نیتیں پاک ہیں' ہم میں سے جب کوئی اپنی بھابی کی طرف دیکھتا ہے تو احترام کے اعتبار سے اسے بہن سمجھتا ہے' اسی طرح پڑوسی عورتوں کو بھی ان محرمات ہی کی طرح سمجھتا ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ الغرض! ہم میں سے ایک آدمی جب اپنے حقیقی یا چچا زاد بھائی یا کسی دوست کے ساتھ رہتا ہے تو مرد عورتیں سب اکٹھے کھاتے پیتے ہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب یہ تمام امور جاہلیت اولیٰ کی عادات میں سے ہیں' شرعاً ضروری ہے کہ عورت اپنے محرم کے سوا کسی کے سامنے اپنا چہرہ ظاہر نہ کرے' عورت کے لیے واجب ہے کہ چہرہ کھلا ہو تو وہ اجنبی مردوں سے نہ ملے نیز اس کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ کسی بھی جگہ اجنبی مرد کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے' اجنبی سے مراد ہر وہ آدمی ہے جو محرم نہ ہو' مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی جو صورت ذکر کی گئی ہے بلاشبہ یہ ان امور میں سے ہے جو مخالفت شریعت ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بے شمار ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

گھریلو ڈرائیور اور عورتیں

سوال گھریلو ڈرائیور کا گھر کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ اختلاط اور انہیں بازاروں یا سکولوں میں لے جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح: ٢١٧٥ ومسند أحمد: ١/ ١٨)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

خلوت عام ہے خواہ گھر میں ہو یا گاڑی میں' بازار میں ہو یا دوکان میں کیونکہ خلوت میں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو ایسے امور کے بارے میں ہو جو جنسی جذبات کو بھڑکانے والے ہوں' بعض مرد اور عورتیں اگرچہ ورع و تقویٰ' اللہ تعالیٰ کے خوف اور گناہ سے نفرت کے اخلاق کریمانہ سے متصف ہوتے ہیں لیکن شیطان ان میں وسوسہ پیدا کر کے گناہ کو بہت چھوٹا کر کے پیش کرتا اور حیلوں بہانوں کے دروازے کھول دیتا ہے لہٰذا حفاظت و سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے اجتناب برتا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ہسپتالوں میں اختلاط

سوال میں ایک ہسپتال میں کام کرتا ہوں اور میرے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ جس میں ہمیشہ عورتوں سے میل جول اور گفتگو ہوتی رہتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اجنبی عورت سے خصوصاً رمضان میں مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اس ماحول سے دوری اختیار کریں' ایسی جگہ کام کریں جو مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو اور آپ کو اختلاط سے دور کر دے اور اگر ایسا مشکل ہو تو پھر عورتوں کو خواہ وہ ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہوں مردوں کے اختلاط سے منع کریں خواہ وہ ان کے رفقاء کار ہی کیوں نہ ہوں نیز انتظامیہ سے کہہ کر بھی انہیں اختلاط سے روکا جا سکتا ہے اور اگر آپ کو اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر مقدور بھر کوشش کر کے اپنے آپ کو عورتوں کی طرف دیکھنے اور ان سے مصافحہ کرنے سے بچائیں کیونکہ عورتوں کی طرف دیکھنا اور ان سے مصافحہ کرنا حرام کے اسباب اور وسائل میں سے ہیں خواہ نیت صاف

اور دل پاک ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اختلاط حرام ہے

سوال برطانیہ کے بعض سکولوں میں طلبہ کے والدین کے بعض اجتماع منعقد کیے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورتیں شرکت کرتی ہیں، کیا مسلمان عورت کے لیے اس قسم کے اجتماع میں محرم کے بغیر شرکت کرنا جائز ہے، یاد رہے ایک بھائی نے اسے جائز قرار دیا اور صحیح بخاری میں موجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ:

"ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی مہمانی کون کرے گا؟ چنانچہ ایک انصاری نے انہیں اپنا مہمان بنا لیا تھا اور پھر انہوں نے بیان کیا کہ وہ انصاری اور ان کی بیوی اس مہمان کے ساتھ بیٹھ گئے اور یہ ظاہر کیا گویا وہ بھی کھانا کھا رہے ہیں....." [1]

امید ہے آپ اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے یہ مخلوط اجتماع ہوتے ہیں اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط شر و فساد تک پہنچاتا ہے لہٰذا یہ ناجائز ہے لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے عورتوں کی حاضری ضروری ہو تو پھر واجب ہے کہ مردوں کو ایک طرف اور عورتوں کو دوسری طرف اس طرح بٹھا دیا جائے کہ عورتوں نے شرعی حجاب کا مکمل اہتمام کیا ہو یعنی انہوں نے اپنے چہرے سمیت سارے جسم کو ڈھانپ رکھا ہو، سائل نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے قطعاً اختلاط ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس موقع پر مرد اپنی بیوی کے ساتھ مکان کے ایک گوشے میں تھا جب کہ مہمان گوشہ ضیافت میں تھا اور پھر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ شروع میں پردے کا حکم نہیں تھا بلکہ پردے کا حکم تو ہجرت کے پانچ یا چھ سال بعد نازل ہوا لہٰذا جن احادیث میں ایسے واقعات مذکور ہیں جن میں عدم حجاب کا ذکر ہے تو انہیں آیات حجاب کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ڈاکٹر کا کسی اجنبی عورت کا معائنہ کرنا

سوال میں نے پانچ سال سے بھی پہلے شادی کی تھی لیکن میری بیوی نے تاحال کسی بچے کو جنم نہیں دیا لہٰذا ہم نے ڈاکٹر کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا اور مجھے بالکل تندرست قرار دیا اب میری بیوی کا مسئلہ ہے کیا اگر ڈاکٹر سے معائنہ کرایا جائے تو مجھے گناہ تو نہ ہو گا؟

جواب کسی انتہائی ناگزیر ضرورت کے بغیر مرد کے لیے کسی عورت کے ستر کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور یہاں کوئی ایسی ناگزیر ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مقصد کے لیے آپ کو امراض نسواں کی ماہر کوئی عورت بھی مل سکتی ہے اور ایسی عورتیں اندرون و بیرون ملک بہت ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، مناقب الانصار، باب قول اللہ عزوجل ﴿ ویؤثرون علی أنفسھم ﴾ (الآیة) حدیث:٣٧٩٨ و صحیح مسلم، الاشربة، باب اکرام الضیف و فضل ایثارہ، حدیث:٢٠٥٤

——— شیخ ابن جبرین ———

مواصلات میں اختلاط

سوال ہمارے ملک میں وسائل سفر اجتماعی اور مخلوط ہیں جس کی وجہ سے کبھی کبھی بغیر قصد و رغبت کے بعض عورتوں کے جسم چھو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بھیڑ وغیرہ بہت زیادہ ہو تو کیا اس کی وجہ سے ہمیں گناہ ہو گا سفر کے لیے اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں؟

جواب مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کو چھونے اور ٹکرانے سے اس حد تک دور رہے کہ پردے کے ساتھ بھی اس کا جسم عورتوں کے جسم سے نہ لگے کیونکہ یہ باعث فتنہ ہے اور کوئی بھی انسان معصوم نہیں ہے خواہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا لیکن شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے اور اس سے ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جو اس کے معاملے کو خراب کر دیتی ہے' اگر کبھی انسان اس کے لیے مجبور و مضطر ہو جائے اور وہ کوشش کرے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہو گا تو پھر امید ہے کہ کوئی حرج نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے لیے انسان اتنا مجبور و مضطر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ضرور مل جاتی ہو گی جہاں عورت سے چھونے اور ٹکرانے کا امکان نہ ہو خواہ اس کے لیے اسے کھڑا ہونا پڑے اور اسی سے وہ اس فتنہ انگیزبات سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ہر آدمی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مقدور بھر ڈرے اور ان امور میں سستی نہ کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخلوط بازاروں میں داخلہ

سوال کیا مسلمان کے لیے کسی ایسے بازار میں جانا جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہاں بے پردہ عورتیں بھی ہیں اور ایسا اختلاط بھی جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا؟

جواب اس طرح کے بازار میں داخل ہونا جائز نہیں سوائے اس کے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہیے یا اگر کسی شدید ضرورت کی وجہ سے جانا پڑ جائے تو نظریں نیچی کر لے اور اسباب فتنہ سے اجتناب کرے تاکہ اپنے دین و عزت کی حفاظت کر سکے اور وسائل شر سے دور رہ سکے ہاں البتہ انتظامیہ اور ہر اس شخص کے لیے جسے استطاعت ہو یہ واجب ہے کہ وہ ان بازاروں میں جا کر اس برائی کو روکے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کر سکے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ (التوبۃ ۹/ ۷۱)

”اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں ایک دوسرے کے معاون اور دوست ہیں وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔“

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ (آل عمران۳/ ۱۰٤)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ فَلاَ يُغَيِّرُونَهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابِهِ» (سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ح: ٤٠٠٥ وسنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، ح: ٤٣٣٨)

"لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے نہ مٹائیں تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور بعض اصحاب سنن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان ... الخ، ح: ٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھاوے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

فیکٹریوں اور دفتروں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط

سوال غیر اسلامی ملکوں کی فیکٹریوں اور دفتروں میں عورتوں کے مردوں کی طرح معاملے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز ان ملکوں میں اگر کوئی مسلمان عورت کسی خطرناک بیماری کے باعث موت کے کنارے پہنچ جائے اور علاج کے لیے اسے برہنہ کرنا پڑے یا ایسی صورت کسی اسلامی ملک میں بھی پیش آئے اور علاج کرنے والے ڈاکٹر مرد ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب کافر ملکوں میں کافروں کے ساتھ فیکٹریوں اور دفتروں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط جائز نہیں اور یہاں تو اختلاط سے بھی ایک بڑی بات ہے اور وہ ہے ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر، لہٰذا کفر کی موجودگی میں ان میں اختلاط کا مرض قابل تعجب نہیں۔ اختلاط تو مسلمان ملکوں میں بھی حرام ہے اور جہاں یہ موجود ہو وہاں کے حکمرانوں اور ذمے دار لوگوں پر یہ واجب ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ کر دیں کیونکہ اختلاط میں بہت سی ایسی اخلاقی خرابیاں ہیں جو کسی بھی ایسے انسان سے مخفی نہیں جس میں ادنیٰ سی بھی بصیرت ہو!

علاج کے لیے کسی مرد کا مسلمان عورت کو برہنہ کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، اگر علاج کے لیے اس کی شدید ضرورت

ہو اور مرد کے سوا کوئی اور علاج کرنے والا بھی موجود نہ ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس کا شوہر بھی اس وقت موجود ہو جب کہ یہ ممکن ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر محرم عورتیں اس وقت ضرور موجود ہونی چاہئیں اور جسم کا صرف بقدر ضرورت حصہ ہی برہنہ کیا جائے' اس کے جواز کے لیے اصل وہ دلائل ہیں جن سے شریعت میں آسانی اور بوقت ضرورت امت سے رفع حرج ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ ﴾ (المائدۃ٥/ ٦)

"اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج٢٢/ ٧٨)

"اللہ نے تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

مخلوط جگہ پر عورت کا کام کرنا

سوال کیا کسی لڑکی کے لیے ایسی جگہ کام کرنا جائز ہے جہاں مرد و عورت مل کر کام کرتے ہوں اور اس جگہ اس کے علاوہ اور لڑکیاں بھی کام کرتی ہوں؟

جواب میری رائے میں حکومت کے کسی ادارے' محکمے یا سرکاری وغیرسرکاری تعلیمی اداروں یا دیگر اداروں میں مردوں عورتوں کا مل جل کر کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میل جول سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس سے عورتوں کی حیا اور مردوں کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے نیز یہ اختلاط اسلامی شریعت کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے اور سلف صالحین کے عمل کے بھی' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عید گاہ جانے کے لیے عورتوں کے لیے ایک خاص راستہ کا تعین فرما دیا تھا تاکہ ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو جیسا کہ حدیث صحیح سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مردوں کے خطاب سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین مردوں سے اس قدر فاصلے پر تھیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا وہ خطبہ نہیں سن پائی تھیں جو آپ ﷺ نے مردوں کے اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا یا اگر سن پائی تھیں تو مکمل طور پر نہ سن پائی تھیں' پھر آپ کو معلوم نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ... الخ، ح: ٤٤٠)

"مردوں کی بہترین صف پہلی صف اور بدترین آخری صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین صف (یعنی اجر و ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے کم تر درجے والی) پہلی ہے۔"

اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ عورتوں کی پہلی صف مردوں کے زیادہ قریب ہوتی ہے لہٰذا وہ بدترین ہوئی اور آخری صف مردوں سے زیادہ دور ہوتی ہے لہٰذا وہ بہترین ہوئی اور اگر مشترک عبادت میں یہ حال ہے تو غیر عبادت میں آپ اس کا خود

اندازہ فرمالیجیے۔ حالانکہ انسان حالت عبادت میں جنسی جذبات سے بہت دور ہوتا ہے تو اس سے اندازہ لگائیے غیر عبادت میں اختلاط کس قدر مہلک ہے۔ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جس طرح خون کی گردش جاری ہے لہٰذا اختلاط کے نتیجے میں فتنہ اور بہت بڑا شر رونما ہوتا ہے اس لیے میں اپنے بھائیوں کو یہ دعوت دوں گا کہ وہ اختلاط سے دور رہیں اور جان لیں کہ مردوں کے لیے یہ بات انتہائی نقصان دہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب ما يتقي من شؤم المرأة ... الخ، ح:٥٠٩٦ وصحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ... الخ، ح:٢٧٤٠)

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر نقصان دہ ہو۔"

الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں، ہماری ایک الگ پہچان ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دوسری قوموں سے ممتاز ہوں، ہم پر یہ واجب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف کریں کہ اس نے ہم پر احسان فرمایا اور واجب ہے کہ ہم اس حقیقت کو بھی جان لیں کہ جو لوگ اللہ کے راستے اور اس کی شریعت سے دور بھاگیں گے وہ گمراہی سے دوچار ہو کر فتنے اور فساد میں مبتلا ہو جائیں گے، ہم یہ سنتے رہتے ہیں کہ جن قوموں کے مرد اور عورتیں مخلوط طور پر کام کرتے ہیں، اب وہ مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں کہ اس سے نجات حاصل کریں لیکن اب اتنی دور سے ان کا ہاتھ وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ملک اور مسلمان ملکوں کو ہر برائی، شر اور فتنے سے محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مخلوط تعلیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ - وَبَعْدُ

میں نے وہ مضمون دیکھا ہے جو اخبار "السیاست" مجریہ ۲۴-۷-۱۴۰۴ھ شمارہ نمبر ۵۶۴۴ میں طبع ہوا یہ مضمون صنعا یونیورسٹی کے پرنسپل عبدالعزیز مقالح کا تحریر کردہ ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ طالبات کو طلبہ سے الگ کر دینے کا مطالبہ شریعت کے مخالف ہے، انہوں نے اختلاط کے جواز کے لیے استدلال اس سے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسلمان مرد عورتیں ایک ہی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے (لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم بھی ایک ہی جگہ ہو) ایک اسلامی ملک کی اسلامی یونیورسٹی کے اس مدیر کی اس بات سے مجھے بے حد تعجب ہوا ہے کہ جن سے توقع تو یہ تھی کہ وہ اپنی قوم کے مردوں اور عورتوں کے لیے اس بات کا اہتمام کریں جو ان کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت اور نجات کا ضامن ہو مگر اس نے اس کا مذکورہ جواب دیا تو اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ إنا للّٰہ وإنا الیہ راجعون، ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

اس بیان میں اسلامی شریعت کی طرف ایک بہت جھوٹی بات منسوب کی گئی ہے اسلامی شریعت نے کبھی بھی اختلاط کی دعوت نہیں دی کہ اس کی ممانعت کے مطالبہ کو خلاف شریعت قرار دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شریعت تو بڑی سختی کے ساتھ اختلاط سے منع کرتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٣)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥٩)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (جب وہ باہر نکلا کریں تو) اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا (کر گھونگٹ نکال) لیا کریں اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اے نبی! ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے علاوہ جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے زور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥٣)

"اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

یہ آیات کریمہ اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ فتنے کے خوف کے باعث انہیں اپنے گھروں ہی میں رہنا چاہیے اور صرف حسب ضرورت ہی باہر نکلنا چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زمانہ جاہلیت کے اظہار تجمل سے بھی منع فرمایا

اور وہ یہ کہ وہ مردوں کے درمیان اپنے محاسن اور فتنہ انگیزیوں کا اظہار کریں۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب ما يتقي من شؤم المرأة ... الخ، ح:٥٠٩٦، وصحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ... الخ، ح:٢٧٤٠)

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر نقصان دہ ہو"

اس حدیث کو امام بخاری نے اسامہ بن زید سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسامہ بن زید اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ... الخ، ح:٢٧٤٢)

"تحقیق دنیا شیریں و شاداب ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جانشیں بنا کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، دنیا سے ڈر جاؤ اور عورتوں سے بھی ڈر جاؤ، بے شک بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ بھی عورتوں ہی کی وجہ سے تھا۔"

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے، ان کا فتنہ بلاشبہ بہت عظیم ہے، خصوصاً اس دور میں جب کہ اکثر عورتوں نے پردہ ترک کر دیا ہے اور زمانہ جاہلیت کی طرح اظہار زینت کرنے لگی ہیں جس کی وجہ سے فواحش و منکرات میں بھی بہت اضافہ ہو گیا ہے اور بہت سے ملکوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فواحش و منکرات کے دلدادہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حکم شادی سے اعراض کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پردہ سب کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بے پردگی سب کے دلوں کی ناپاکی اور ان کے راہ حق سے انحراف کی دلیل ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے طالب اور طالبہ کا ایک سیٹ پر بیٹھنا فتنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے اور یہ اس حجاب کو ترک کر دینے ہی کی وجہ سے ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا ہے اور انہیں منع فرمایا ہے کہ وہ ان مردوں کے سوا جن کا اس نے سورۂ نور میں ذکر فرمایا ہے اور کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ پردے کا یہ حکم امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہی کے ساتھ خاص ہے تو وہ بہت دور کی کوڑی لاتا ہے اور ان بہت سے دلائل کی مخالفت کرتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم پردہ عام ہے۔ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی بھی مخالفت کرتا ہے:

﴿ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٣)

"یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پردہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور مرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کے لیے تو پاکیزگی کی بات تھی لیکن بعد کے لوگوں کے لیے نہیں حالانکہ بعد کے لوگ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت اس کے زیادہ محتاج ہیں کہ دونوں میں قوت ایمانی اور بصیرت حق کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق ہے کہ حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم مرد اور عورتیں بھی بشمول امہات المومنین رضی اللہ عنہن انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین لوگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق افضل القرون ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحیحین میں موجود ہے' اگر پردہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے تو بعد میں آنے والے لوگ تو اس پاکیزگی کے پہلے لوگوں سے بہت زیادہ محتاج ہیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ کتاب و سنت میں وارد نصوص کو امت میں سے کسی کے ساتھ مخصوص کیا جائے سوائے اس کے کہ تخصیص کی کوئی صحیح دلیل موجود ہو لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر قیامت تک عام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٨)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَـٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴾ (سبا٣٤/ ٢٨)

"(اور اے محمد) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

قرآن کریم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں ہی کے لیے تو نازل نہیں ہوا بلکہ یہ ان کے لیے بھی اور بعد کے سب لوگوں کے لیے بھی نازل ہوا ہے جن تک یہ پہنچ جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَـٰذَا بَلَـٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا۟ بِهِۦ وَلِيَعْلَمُوٓا۟ أَنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ ﴿٥٢﴾ ﴾

(إبراهيم١٤/ ٥٢)

"یہ (قرآن) لوگوں کے نام (اللہ کا پیغام) ہے تاکہ ان کو اس سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأُوحِىَ إِلَىَّ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانُ لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَ ﴾ (الأنعام٦/ ١٩)

"اور میری طرف قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس جس شخص کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں مردوں کے ساتھ مسجدوں یا بازاروں میں اس طرح اختلاط نہیں کرتی تھیں' جس سے آج مصلحین منع کر رہے ہیں اور قرآن و سنت اور علماء امت نے خوف فتنہ کے باعث جس سے منع فرمایا ہے بلکہ خواتین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مردوں کی صفوں سے پیچھے صفیں بنا کر نماز ادا کیا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ... الخ، ح: ٤٤٠)

"مردوں کی بہترین صف سب سے پہلی اور بدترین (اجر و ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے کم درجے والی) صف

سب سے آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف سب سے آخری اور بدترین (اجر و ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے کم درجے والی) صف سب سے پہلی ہے۔"

آپ ﷺ یہ اس لیے فرماتے تاکہ مردوں کی آخری صف عورتوں کی پہلی صف کی وجہ سے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے اور پھر عہد نبوی میں مردوں کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر بیٹھے رہیں تاکہ عورتیں مسجد سے نکل جائیں اور ان کا مردوں کے ساتھ مسجد کے دروازوں پر اختلاط نہ ہو' احتیاط کا یہ پہلو ان مردوں اور عورتوں کے حوالے سے تھا جو ایمان اور تقویٰ کے اعتبار سے بہت ہی بلند مقام پر فائز تھے' اس سے اندازہ فرمائیے کہ بعد کے لوگوں کو اس احتیاط کی کس قدر شدید ضرورت ہے؟ اس دور میں عورتوں کو راستوں کے درمیان میں بھی چلنے سے منع کیا جاتا اور حکم دیا جاتا تھا کہ وہ راستوں کے کناروں پر چلیں تاکہ راہ چلتے ہوئے مردوں سے نہ ٹکرائیں چونکہ راہ چلتے ہوئے ایک دوسرے کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اوڑھ لیا کریں تاکہ اپنی زینت کو چھپالیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اظہار زینت سے بھی منع فرمایا ہے سوائے ان لوگوں کے سامنے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں نام لیا ہے تاکہ اسباب فتنہ کو ختم کر دیا جائے اور عفت و پاکدامنی کے اسباب کو اختیار کرنے اور فساد و اختلاط کے مظاہر سے دور رہنے کی ترغیب دی جائے!

اس سب کچھ کے بعد صنعاء یونیورسٹی کے پرنسپل کو یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے --اللہ تعالیٰ انہیں رشد و ہدایت سے نوازے-- کہ وہ اختلاط کی دعوت دیں اور یہ گمان کریں کہ اسلام نے بھی اس کی دعوت دی ہے اور یونیورسٹی کا ماحول بھی مسجد ہی کی طرح ہے اور تعلیمی اوقات نماز کے اوقات ہی کی طرح ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں بہت زیادہ فرق' زمین اور آسمان کا فرق ہے لیکن اس کے لیے جس نے اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو سمجھا ہو اور ان احکام شریعت کی حکمت پر غور کیا ہو جو اس نے اپنی کتاب عظیم میں مردوں اور عورتوں کے لیے بیان کیے ہیں۔ کسی مومن کو یہ بات کیونکر زیب دیتی ہے کہ وہ یہ کہے کہ ایک طالبہ کا طالب علم کے ساتھ مل کر تعلیمی نشست پر بیٹھنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک مسلمان عورت اپنی مسلمان بہنوں کے ساتھ مل کر مردوں کی صفوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھتی ہے۔ کوئی ایسا شخص اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا جس میں ایمان و بصیرت کی ادنیٰ سی بھی رمق ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور پھر یہ بات تو اس صورت میں بھی خطرناک ہے جب طالبہ نے شرعی حجاب کا اہتمام کر رکھا ہو اور اگر اس نے شرعی حجاب کے بجائے زیب و زینت اور اپنے محاسن کا اظہار کر رکھا ہو' فتنہ انگیز نگاہوں اور باتوں کا ایک ہی نشست پر بیٹھے طالب علم کے ساتھ تبادلہ بھی ہو رہا ہو تو پھر ان فتنہ انگیزیوں اور حشر سامانیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے:

﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى ٱلْأَبْصَٰرُ وَلَٰكِن تَعْمَى ٱلْقُلُوبُ ٱلَّتِى فِى ٱلصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ ﴾ (الحج ٢٢/ ٤٦)

"بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

مقالہ صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ امر واقع یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے مسلمان مرد عورتیں سبھی ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں لہٰذا تعلیم بھی ایک ہی جگہ ہونی چاہیے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ مرد اور عورتیں ایک ہی جگہ نماز ادا کرتے تھے لیکن عورتوں کی صفیں

مسجدوں کے آخری حصے میں ہوتی تھیں اور پھر انہوں نے پردے کا اور فتنے سے بچنے کے تمام اسباب کا بھی پورا پورا اہتمام کیا ہوتا تھا' آدمی مسجد کے ابتدائی حصے میں ہوتے تھے' عورتیں وعظ اور خطبے سنتیں' نماز میں شریک ہوتیں اور جو کچھ سنتی اور دیکھتی تھیں' ان سے احکام دین سیکھتیں۔ نبی اکرم ﷺ عید کے دن ان کے پاس تشریف لے جاتے اور مردوں کے بعد انہیں بھی وعظ و نصیحت فرماتے کیونکہ دور ہو جانے کی وجہ سے وہ خطبہ سن نہیں سکتی تھیں جو آپ ﷺ نے مردوں کے سامنے ارشاد فرمایا ہوتا تھا' اگر صورت حال اس طرح ہو جس طرح بیان کی گئی ہے تو اس میں کوئی اشکال اور حرج نہیں ہے بلکہ اشکال تو صنعاء یونیورسٹی کے پرنسپل' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت و اصلاح قلب سے نوازے اور دینی فقاہت سے سرفراز کرے--- کی اس بات میں ہے کہ "لہٰذا تعلیم بھی ایک ہی جگہ ہونی چاہیے"۔ یہ بات ان کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ عصر حاضر کی تعلیم کو ایک ہی مسجد میں مردوں کی صفوں کے پیچھے عورتوں کی نماز کے ساتھ تشبیہ دیں حالانکہ آج کی تعلیم اور عہد نبوی میں مردوں کے پیچھے عورتوں کے نماز ادا کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ مصلحین اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے تعلیمی ادارے الگ الگ ہونے چاہئیں تاکہ لڑکیاں حجاب اور مشقت کے بغیر سہولت اور راحت کے ساتھ اپنی استانیوں سے تعلیم حاصل کر سکیں اور یہ اس لیے بھی کہ نماز کی نسبت تعلیم کا وقت زیادہ ہوتا ہے لہٰذا مخصوص جگہ پر لڑکیوں کا اپنی استانیوں سے علم حاصل کرنا سب کے لیے محفوظ بھی ہے اور فتنے سے دور رہنے کا سبب بھی' اس سے نوجوان بھی ان کے فتنے سے محفوظ رہیں گے اور دینی تعلیم کی طرف توجہ مبذول بھی کر سکیں گے نیز اپنے اساتذہ کے لیکچرز کو دل جمعی سے سنیں گے' لڑکیوں سے تانک جھانک' دلچسپی' مسموم نظروں اور فسق و فجور کی داعی باتوں کے تبادلے کی بجائے حصول علم کی طرف پوری توجہ مبذول کر سکیں گے۔

مدیر صاحب نے جو یہ کہا--- اللہ تعالیٰ انہیں اصلاح احوال کی توفیق بخشے--- کہ یہ مطالبہ کہ طلبہ و طالبات کو الگ الگ کر دیا جائے یہ دقیانوسی بھی ہے اور مخالف شریعت بھی' لہٰذا یہ ناقابل تسلیم ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ مطالبہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی ہمدردی و خیرخواہی' اس کے دین کے احاطہ اور سابقہ آیات قرآنیہ اور دونوں حدیثوں کے مطابق عمل پر مبنی ہے۔ میری صنعاء یونیورسٹی کے پرنسپل کو یہ نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' اس بات سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں' سچ اور حق کی طرف رجوع کریں کہ اس کی طرف رجوع ہی عین فضیلت ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ طالب علم کو حق و انصاف کا دامن ہی مضبوطی سے تھامنا چاہیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رشد و ہدایت کے راستے کی راہنمائی فرمائے' ہمیں اور سب مسلمانوں کو علم کے بغیر بات کرنے سے بچائے' گمراہ کرنے والے فتنوں اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے' میں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ ہر جگہ کے مسلمانوں کے علماء و قائدین کو اس کی توفیق عطا فرمائے جس میں ملکوں اور شہروں کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود ہو اور وہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' انه جواد کریم' وصلی اللّٰه وسلم علی نبینا محمد و آله وصحبه والتابعین لهم باحسان الی یوم الدین

شیخ عبدالعزیز بن باز

رئیس عام: ادارات بحوث علمیه وافتاء ودعوت و ارشاد

تعلیمی اداروں میں اختلاط کے خطرات

سوال ایک نوجوان یہ کہتا ہے کہ اس کا تعلق ایک امیر گھرانے سے ہے اور وہ ایک ایسے سکول میں پڑھتا ہے جہاں مخلوط تعلیم ہے جس کی وجہ سے اس نے جنس مخالف کے ساتھ ناشائستہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور گناہوں میں غرق ہو چکا ہے' اسے اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ توبہ کی قبولیت کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب اس سوال میں دو باتیں قابل غور ہیں (ا) ہمیں اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہیے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کے لیے مخلوط تعلیمی اداروں کا جو اہتمام کیا ہے تو یہ اسلامی شریعت اور مسلمانوں کو جس اخلاق و کردار کا حامل ہونا چاہیے' اس کے خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«خَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا» (صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ... الخ، ح: ٤٤٠)

"عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین (اجر و ثواب کے لحاظ سے کم درجے والی) پہلی ہے۔"

اور یہ اس لیے کہ پہلی صف مردوں کے قریب ہوتی ہے اور آخری صف ان سے دور ہوتی ہے' اگر مردوں اور عورتوں میں دوری اور عدم اختلاط قابل رغبت ہے حتی کہ نماز جیسی عبادت میں بھی جب کہ نمازی نماز ادا کرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے رب کے سامنے کھڑا ہے تو اس سے اندازہ فرمائیے کہ مدارس میں اختلاط سے اجتناب کس قدر ضروری ہے؟ کیا ان میں دوری اور عدم اختلاط کی زیادہ ضرورت نہیں ہے؟ در حقیقت بات یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ایک بہت بڑا فتنہ ہے جسے ہمارے دشمنوں نے مزین کر کے ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور جس میں ہمارے بہت سے مسلمان بھی مبتلا ہو چکے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ وَمَكَثَ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأُرٰى - وَاللهُ أَعْلَمُ - أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ» (صحيح البخاري، الأذان، باب التسليم، ح: ٨٣٧)

"رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو آپ ﷺ کے سلام کے مکمل ہوتے ہی عورتیں کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپ ﷺ اٹھنے سے پہلے کچھ دیر بیٹھے رہتے تھے۔ ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ بہتر جانے' ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ تھوڑی دیر اس لیے بیٹھتے تھے کہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں۔"

اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اس طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی اپنی قوموں کو فتنے و شر کے اسباب سے محفوظ رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے متعلق باز پرس کرے گا۔ انہیں اس حقیقت کو بھی خوب جان لینا چاہیے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور تمام چھوٹے بڑے امور میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے گا اور ان کی محبت و خیر خواہی سے بھر دے گا' ان کے معاملات کو آسان کر دے گا اور ان کی قومیں ان کی محبت و اطاعت کا دم بھریں گی۔

امت اسلامیہ کے حکمرانوں اور عوام کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس اختلاط کی وجہ سے کس قدر شر اور فتنہ و فساد

پھیل گیا ہے اور اس کی ایک بہت نمایاں مثال اور ایک بہت بڑا ثبوت وہ ناشائستہ تعلقات ہیں' جن کا سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور جن کے اثرات اور گناہوں سے بچنے کی اب وہ کوشش کر رہا ہے۔

صدق نیت اور اصلاح کے عزم راسخ کے ساتھ فتنۂ اختلاط کو ختم کرنا ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ خواتین کے لیے ایسے مخصوص مدارس' ادارے' کالج اور یونیورسٹیاں بنا دی جائیں' جن میں مردوں کی شرکت نہ ہو' عورتیں بھی چونکہ مردوں ہی کی ہم پلہ ہیں' انہیں بھی تعلیم حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن ان کی تعلیم کا میدان مردوں کی تعلیم کے میدان سے دور اور الگ ہونا چاہیے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا:

«يَارَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ، فَقَالَ: اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ»(صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنة، باب تعليم النبي ﷺ أمته من الرجال والنساء . . . الخ، ح: ٧٣١٠ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، ح: ٢٦٣٣)

"یا رسول اللہ! آپ کی حدیث (کا علم زیادہ تر) مرد لے گئے لہٰذا آپ ہمارے لیے بھی ایک دن مخصوص فرما دیں تاکہ ہم حاضر ہوں اور آپ ہمیں بھی وہ دین سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جانا! چنانچہ خواتین (ان مخصوص مقامات پر مخصوص اوقات میں جمع ہو جاتیں) تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لا کر انہیں بھی اس دین کی تعلیم دیتے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی تھی۔"

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عورتوں کے لیے تعلیم کی الگ جگہ مخصوص ہونی چاہیے کیونکہ آپ ﷺ نے مذکورہ خاتون کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ تم مردوں کے ساتھ ہی کیوں شامل نہیں ہو جاتیں؟ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ یہ بھی دنیا و آخرت میں عزت و کرامت حاصل کر سکیں۔

دوسری قابل غور بات سائل کا سوال ہے جس میں اس نے اپنے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ جنس مخالف کے ساتھ ناشائستہ تعلقات کی وجہ سے وہ گناہوں میں غرق ہو چکا ہے لہٰذا وہ کیا کرے؟ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ قبولیت توبہ کی شرطیں کیا ہیں' تو میں اسے یہ بشارت سناتا ہوں کہ توبہ کا دروازہ ہر توبہ کرنے والے کے لیے کھلا ہوا ہے' اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ٣٩/ ٥٣)

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ بہت بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

اگر آپ اس کام سے توبہ کریں جو آپ سے سرزد ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨-٧١)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور وہ بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے گا، سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور اچھے کام کریں تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو حقیقتاً اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔"

باقی رہی توبہ کی شرطیں تو وہ پانچ ہیں:

① توبہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو اور اس میں ریاکاری یا کسی مخلوق کا ڈر نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہو کیونکہ ہر وہ عمل جسے انسان قرب الٰہی کے حصول کے لیے سرانجام دینا چاہے مگر وہ اس میں مخلص نہ ہو تو وہ رائیگاں اور باطل ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»(صحيح مسلم، الزهد، باب تحريم الريا، ح: ٢٩٨٥)

"میں تمام شرکاء کی نسبت شرک سے زیادہ بے نیاز ہوں کوئی شخص کوئی عمل کرے اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اس کے شرک سمیت ترک کر دیتا ہوں۔"

② آدمی اپنے گناہ پر ندامت کا اظہار کرے، اپنے آپ کو خطاکار سمجھے اور محسوس کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور مغفرت کی ضرورت ہے۔

③ اگر ابھی تک گناہ میں ملوث ہے تو اسے ترک کر دے کیونکہ جو گناہ پر ڈٹا رہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور پھر بھی وہ اس کا ارتکاب کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے جس طرح مثلاً آپ مخلوق میں سے کسی سے یہ کہیں کہ آپ کے بارے میں مجھ سے جو بے ادبی ہوئی ہے اس پر میں نادم ہوں لیکن اس کے باوجود آپ مزید بے ادبی کرتے چلے جائیں تو یہ اس سے مذاق ہو گا۔ اللہ عزوجل کی ذات گرامی تو بہت عظیم و جلیل ہے کہ آپ دعوئ تو گناہ سے توبہ کا کریں مگر اس کے باوجود گناہ پر ڈٹے رہیں۔

④ توبہ کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ آپ پختہ ارادہ کریں کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

⑤ پانچویں شرط یہ ہے کہ توبہ، قبولیت توبہ کے وقت میں ہو یعنی پیام موت کے آنے سے پہلے اور سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہو۔ جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوا، اس دن توبہ قبول نہ ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِىَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِىَ بَعْضُ ءَايَـٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِى بَعْضُ ءَايَـٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَـٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِىٓ إِيمَـٰنِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ ٱنتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۵۸)

"یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں، جس روز تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا اس وقت اس کا ایمان لانا اسے کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہو گا اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔"

اس آیت میں مذکور کچھ نشانیوں سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اسی طرح جب موت کا وقت آجائے تو پھر بھی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ ٱلتَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ إِنِّى تُبْتُ ٱلْـَٔـٰنَ وَلَا ٱلَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ ﴾ (النساء۴/ ۱۸)

"اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں، ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اگر یہ (پانچوں شرطیں) موجود ہوں تو پھر ان شاء اللہ آپ کی توبہ مقبول ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخلوط تعلیم والے سکول میں تعلیم حاصل کرنے کا حکم

سوال میں بیرونِ ملک ایک ایسی یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں جس میں مخلوط نظامِ تعلیم ہے۔ کیا اس یونیورسٹی میں میرا پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہم ہر اس مسلمان کو نصیحت کرتے ہیں جو اپنی نجات چاہتا ہو، کہ وہ شر اور فتنے کے اسباب سے دور رہے اور کوئی شک نہیں کہ دوشیزاؤں کے ساتھ سکولوں میں اختلاط، فساد کے واقعے ہونے اور زنا کے پھیلنے کا سبب ہے اور اگر کوئی شخص اپنی حفاظت کرنا چاہے تو اسے ضرور مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن جب کوئی شخص اس فتنے میں مبتلا ہو جائے تو اسے طاقت کے مطابق عورتوں سے دور رہنا چاہیے شرم گاہ کی حفاظت، نگاہ نیچی اور اپنا تحفظ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مخلوط تعلیم کے بارے میں اسلام کا موقف

سوال بعض اسلامی ملکوں کی ایسی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے، جن میں بہت زیادہ فسق و فجور اور کفر ہے کہ ان میں لڑکیاں بالکل عریاں لڑکے گمراہ اور منحرف اور اس طرح کھلم کھلا اور بدترین فحاشی کے انداز میں اختلاط کہ جسے اسلام قطعاً پسند نہیں کرتا لیکن یونیورسٹیوں کی تعلیمی امور کی انتظامیہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور دوسری طرف ان یونیورسٹیوں کے بہت سے کالجوں میں مسجد تک کا انتظام نہیں کہ جس میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو سکے اور پھر ان یونیورسٹیوں میں جس یونیفارم کو لازم قرار دیا گیا ہے وہ یورپ کے مشرکوں کا یونیفارم ہے کہ اس کے بغیر کسی دوسرے لباس مثلاً قمیص اور پگڑی وغیرہ کے ساتھ امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک یہ لباس دقیانوسیت اور جہالت کی علامت ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب علوم نافعہ کی تعلیم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے لہٰذا امت خصوصاً حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ مختلف انواع و اقسام کے ایسے علوم حاصل کرنے کے لیے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت تیار کریں، جن کی ملک و ملت کو ضرورت ہو تاکہ امت اپنی ثقافت کی حفاظت کر سکے، اپنے مریضوں کا علاج کر سکے اور خطرات سے بچ سکے اگر یہ مقصد پورا ہو جائے تو اس سے امت بری الذمہ ہو جائے گی، ثواب کی امید ہوگی ورنہ آفتیں مصیبتیں گھیر لیں گی اور امت مبتلائے عذاب ہو جائے گی۔

② تعلیمی اداروں میں طلبہ کا طالبات کے ساتھ اور اساتذہ کا استانیوں کے ساتھ اختلاط حرام ہے کیونکہ یہ فتنہ و فساد برپا کرتا ہے، جنسی جذبات بھڑکاتا اور فحاشی میں مبتلا کرتا ہے اور اس وقت گناہ دگنا اور جرم بڑا ہو گا جب استانیاں یا طالبات برہنگی کا مظاہرہ کریں گی یا ایسا بہت ہی باریک لباس پہنیں گی جس سے سب کچھ نظر آتا ہو یا وہ طلبہ و اساتذہ کے ساتھ خوش طبعی اور مذاق کریں یا کوئی اور ایسی حرکت کریں جو جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی تک پہنچانے والی ہو۔

حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ تعلیمی ادارے، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کریں تاکہ دین کی حفاظت کی جا سکے، جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی کو روکا جا سکے، غیرت مند اور دین دار لوگوں کے لیے کسی حرج یا تنگی کے بغیر زیور تعلیم سے آراستہ ہونا بھی اس صورت میں ممکن ہو گا اور اگر حکمران اپنا فرض ادا نہ کریں، مردوں اور عورتوں کے تعلیمی ادارے الگ الگ نہ کریں اور عریاں و برہنہ طالبات کو نہ روکیں تو پھر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہونا جائز نہیں ہے سوائے اس شخص کے جسے یہ قدرت حاصل ہو کہ وہ ان تعلیمی اداروں میں جا کر منکر کو کم کر سکے اور اپنے جیسے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ ہمدردی و خیرخواہی اور تعاون سے شر کو کم کر سکے اور وہ اپنے آپ کو فتنے سے بچا سکے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

دعوت الی اللہ کے لیے مخلوط یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنا

سوال کیا آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے جہاں مرد اور عورتیں ایک ہی کمرے میں مخلوط طور پر تعلیم حاصل کرتے ہوں، یاد رہے یہ آدمی دعوت الی اللہ کے میدان میں بھی خاصا سرگرم ہے؟

جواب میری رائے میں کسی بھی انسان کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ جائز نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرے کیونکہ اس کی عفت و پاکدامنی اور اخلاق کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ انسان خواہ کیسا ہی پاک

دامن اور بااخلاق کیوں نہ ہو جب اس کے ساتھ اس کی نشست پر ایک خاتون بھی بیٹھی ہو گی جو خوبصورت بھی ہو اور اس نے میک اپ بھی کر رکھا ہو تو فتنے فساد اور خرابی سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو فتنے فساد اور خرابی کا باعث ہو وہ حرام اور ناجائز ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں ان امور سے محفوظ رکھے جو ان کے نوجوانوں کو فتنہ و فساد اور شر میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر ملک میں صرف ایک ہی یونیورسٹی ہو تو طلبہ کو چاہیے کہ اسے چھوڑ کر کسی ایسے ملک چلے جائیں جس کے اداروں میں مخلوط تعلیم نہ ہو دوسروں کی رائے خواہ کچھ اور ہو۔ میری رائے میں مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخلوط اداروں میں تدریس

سوال کیا وہ استاد جو کسی ایسے ادارے میں پڑھائے جہاں مخلوط تعلیم ہو یا وہ صرف لڑکیوں کو پڑھائے مگر وہ بالغ ہوں تو کیا وہ ان کی طرف دیکھنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا؟

جواب مرد کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عورتوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی نگاہ نیچی کر لے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣٠)

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں‘ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔“

امام مسلم‘ ابوداود رحمہما اللہ اور کئی دیگر آئمہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، عَنْ نَظْرَةِ الْفُجَاءَةِ فَقَالَ: اصْرِفْ بَصَرَكَ» (صحيح مسلم، السلام، باب نظر الفجأة، ح:٢١٥٩/ ٤٥ وسنن أبي داود، النكاح، باب في ما يؤمر به من غض البصر، ح:٢١٤٨ واللفظ له)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی نظر کو ہٹالو۔“

مردوں اور عورتوں کی مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان میں فحاشی پھیلانے کا ایک ذریعہ ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پرائمری اسکولوں میں استانیوں کا لڑکوں کو پڑھانے کے خطرات

میں نے وہ مضمون دیکھا ہے جو اخبار ”المدینہ“ نے شمارہ نمبر ۳۸۹۸ میں ۱۳۹۷/۲/۳۰ھ کو شائع کیا ہے اور یہ مضمون ”نورہ بنت.....“ کے قلم سے ”آمنے سامنے“ کے زیر عنوان سے طبع ہوا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہ نورہ مذکورہ خواتین کی ایک مجلس میں جدہ ٹریننگ کالج کی پرنسپل فائزہ دباغ کے ساتھ شریک ہوئی اور اس نے بیان کیا ہے کہ اس مجلس میں فائزہ دباغ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ عورتیں ابتدائی کلاسوں کو کیوں نہیں پڑھاتیں حتیٰ کہ وہ انہیں پانچویں جماعت تک

بھی نہیں پڑھاتیں نورہ نے بھی فائزہ کی تائید کی اور ان اسباب کو بھی بیان کیا جن کی وجہ سے خواتین ابتدائی مرحلے کے پانچویں جماعت تک کے لڑکوں کو بھی پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

میں جہاں نورہ، فائزہ اور ان کی ساتھی خواتین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے وہاں میں اس طرف توجہ مبذول کروانا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس تجویز کے بہت سے نقصانات اور انتہائی خطرناک نتائج برآمد ہوں گے اگر بچوں کی ابتدائی تعلیم خواتین کے سپرد کر دی جائے تو اس سے بالغ بچوں کے ساتھ خواتین کا اختلاط پیدا ہو گا کیونکہ ابتدائی تعلیم کے مرحلے ہی میں بعض بچے بالغ ہو جاتے ہیں کیونکہ بچہ جب دس سال کا ہو جائے تو وہ بلوغت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور وہ طبعی طور پر عورتوں کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ اس عمر میں اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ شادی کرے اور وہ کچھ کرے جو مرد کرتے ہیں، یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ عورتوں کا ابتدائی مرحلے میں بچوں کو تعلیم دینا اختلاط تک پہنچائے گا اور پھر یہ اختلاط بعد کے مرحلوں تک بھی پھیل جائے گا اور یہ گویا بلاشک و شبہ تمام مراحل میں اختلاط کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور معلوم ہے کہ مخلوط تعلیم سے کس قدر خرابیاں اور کس قدر بھیانک نتائج ان ممالک میں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس نظام تعلیم کو اختیار کیا ہے۔ اسلامی بصیرت رکھنے والا ہر وہ شخص جسے ادلہ شرعیہ اور عصر حاضر میں امت کے حالات کا ادنیٰ سا بھی علم ہو اور وہ ہمارے بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا خواہاں ہو تو وہ بھی اس حقیقت کو یقیناً معلوم کرے گا۔ میری رائے میں تو شیطان یا اس کے کسی نمائندے نے مذکورہ فائزہ اور نورہ کی زبان پر یہ تجویز القاء کی ہے جو بلاشک و شبہ ہمارے اور اسلام دشمنوں کو خوش کرے گی کیونکہ وہ تو ظاہر اور خفیہ طور پر ہمیشہ اس کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

میری رائے میں اس دروازے کو انتہائی مضبوطی سے مقفل کر دینا چاہیے اور ہمارے لڑکوں کو تمام تعلیمی مراحل مرد اساتذہ کے سامنے ہی طے کرنے چاہئیں اور ہماری لڑکیوں کو تمام تعلیمی مراحل خواتین اساتذہ ہی کے سامنے طے کرنے چاہئیں، اسی سے ہم اپنے دین اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور رجعت کا طعنہ اپنے دشمنوں پر لوٹا سکتے ہیں اور قابل احترام خواتین اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر مقدور بھر صلاحیتوں کو مکمل اخلاص، صدق اور صبر کے ساتھ بچیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں صرف کر دیں اور مرد اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر مقدور بھر صلاحیتوں کو مکمل اخلاص، صدق اور صبر کے ساتھ تمام تعلیمی مراحل میں بچوں کو تعلیم دینے میں صرف کر دیں اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ بچوں کے تمام تعلیمی مراحل میں خواتین اساتذہ کی نسبت مرد اساتذہ ہی زیادہ صابر، قوی اور محنتی ثابت ہوتے ہیں اور جیسا کہ یہ بھی ایک معلوم حقیقت ہے کہ لڑکے خواہ وہ ابتدائی مرحلے کے ہوں یا اوپر کے مراحل کے وہ مرد استاد سے زیادہ ڈرتے ہیں، اس کا زیادہ احترام کرتے ہیں اور اس کی بات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور پھر ابتدائی مرحلے میں بچوں کی تربیت اس انداز سے کرنا ہوتی ہے کہ ان میں مردوں کے اخلاق، مردوں کی سی قوت، شجاعت اور صبر پیدا ہو سکے۔ صحیح حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يومر الغلام بالصلاة، ح: ٤٩٥ ومسند أحمد: ٢/ ١٨٧)

"اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور اگر دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو"

یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ تمام مراحل ہی میں بچوں اور بچیوں کی مخلوط تعلیم کے خطرات بہت زیادہ ہیں اور اس سلسلے میں کتاب و سنت اور امت کے حالات و واقعات سے دلائل اس قدر زیادہ ہیں کہ اختصار کی وجہ سے ہم انہیں یہاں ذکر نہیں کرنا چاہتے اور پھر یہ سارے دلائل ہماری حکومت--- اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا فرمائے--- عزت مآب وزیر تعلیم اور عزت مآب چیئرمین برائے تعلیم خواتین کے علم میں بھی ہیں لہٰذا اس مقام پر انہیں شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ہر اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس میں ہم سب کی اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور نجات ہو اور جس میں ہمارے بچوں اور بچیوں کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود اور سعادت ہو۔ انه سميع قريب' وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

——— شیخ ابن باز ———

عورتوں کے فتنے سے بچنے کا طریقہ

سوال میں انیس برس کا ایک غیر شادی شدہ نوجوان اور ایک عورت کے حسن و جمال سے بہت متاثر ہوں' مجھے کیا کرنا چاہیے جس سے میں اس عورت سے دور ہو جاؤں جس کے بارے میں ہر وقت سوچتا رہتا ہوں اور جو بری طرح میرے اعصاب پر سوار ہے؟

جواب عورتوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی نگاہ نیچی رکھیں' ان کے بارے میں سوچنا ختم کر دیں اور یہ یاد کریں کہ عفت و پاکدامنی اختیار کرنے والوں اور حرام سے بچنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ تیار فرما رکھا ہے' جلد شادی کے لیے بھی کوشش کریں کیونکہ اس سے بھی نظریں نیچی ہوں گی' شرم گاہ کی حفاظت ہو گی اور عورتوں کے بارے میں سوچ و بچار ختم ہو کر آپ کی توجہ حلال اور مباح تک محدود ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نکاح سے متعلق مختلف احکام

پوشیدہ عادت

سوال پوشیدہ عادت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پوشیدہ عادت یعنی مشت زنی حرام ہے' ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس سے اجتناب کرے کیونکہ یہ عادت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے خلاف ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِفُرُوجِهِمۡ حَٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ

مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵-۷)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا لونڈیوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں' یقیناً (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اور ڈھونڈیں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

یہ پوشیدہ عادت اس لیے بھی حرام ہے کہ اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ واللّٰہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن عثیمین ——

شادی کے لیے مناسب عمر

سوال مرد و عورت کے لیے شادی کرنے کی مناسب عمر کیا ہے' بعض عورتیں اپنے سے بڑی عمر کے مردوں اور بعض مرد اپنی عمر سے بڑی عورتوں کے ساتھ شادی کرنا پسند نہیں کرتے لہٰذا امید ہے کہ آپ اس سوال کا جواب عطا فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب میں عورتوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ کسی مرد کے ساتھ شادی کرنے سے محض اس لیے انکار نہ کریں کہ وہ عمر میں اس سے دس یا بیس یا تیس سال بڑا ہے کیونکہ عمر میں بڑا ہونا کوئی عذر نہیں ہے' نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ کی عمر ترپن (۵۳) سال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال تھی لہٰذا عمر میں بڑا ہونا شادی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ عورت کی عمر زیادہ ہو اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ مرد کی عمر زیادہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ کی عمر شریف صرف پچیس برس تھی جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی کے نزول سے پہلے یہ شادی کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے عمر میں پندرہ برس بڑی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے جب شادی کی تو ان کی عمر چھوٹی تھی یعنی وہ صرف چھ یا سات برس کی تھیں اور جب رخصتی ہوئی تو ان کی عمر نو برس تھی اور آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ترپن برس تھی۔ اکثر لوگ جو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر باتیں کرتے اور میاں بیوی کی عمر کے تفاوت سے نفرت دلاتے ہیں تو ان کی یہ بات غلط ہے انہیں ایسی باتیں کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ واجب یہ ہے کہ عورت یہ دیکھے اگر شوہر صالح اور مناسب ہے تو وہ اس سے شادی پر آمادگی کا اظہار کر دے خواہ وہ اس سے عمر میں بڑا ہو' اسی طرح مرد کو بھی چاہیے کہ وہ نیک اور دین دار عورت کو ترجیح دے خواہ وہ عمر میں اس سے بڑی ہو بشرطیکہ شباب اور انجاب (بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت) کی عمر ہو حاصل کلام یہ ہے کہ مرد یا عورت اگر نیک ہوں تو عمر کی کمی بیشی کو عذر یا عیب قرار نہیں دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح احوال فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

اجنبی لوگوں میں شادی افضل ہے

سوال ایک قریبی رشتے دار نے مجھے رشتہ دینے کی پیشکش کی ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ بچوں کے مستقبل وغیرہ کے

اعتبار سے خاندان سے باہر شادی کرنا افضل ہے' آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ قاعدہ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ وراثت کے بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں اور بے شک وراثت کے انسان کے اخلاق اور جسم پر اثرات ہوتے ہیں۔ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے--- اس کا مقصد یہ تھا کہ جب والدین کا رنگ سفید ہے تو اس کے بچے کا رنگ سیاہ کیوں ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا کیا رنگ ہے؟ اس نے کہا کہ وہ سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان میں کوئی مٹیالے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ مٹیالے رنگ کا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا شاید اسے کوئی رگ کھینچ لائی ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ شاید تیرے اس بیٹے کو بھی کوئی رگ کھینچ لائی ہو۔" ①

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کے بھی اثرات ہوتے ہیں اور بلاشبہ یہ اثرات ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، ح:٥٠٩٠ وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، ح:١٤٦٦)

"عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے ① اس کے مال ② اس کے خاندان ③ اس کے حسن ④ اور اس کے دین کی وجہ سے لیکن تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دین دار عورت سے شادی کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔"

گویا عورت سے شادی کرنے کے لیے اصل معیار دین ہے' عورت اگر دین دار اور خوبصورت ہو تو اس سے شادی کو ترجیح دینی چاہیے خواہ وہ قریبی رشتے دار ہو یا کوئی دور کی عورت ہو کیونکہ دین دار عورت اس کے مال اولاد اور گھر کی حفاظت کرے گی اور خوبصورت عورت اس کی ضرورت کو پورا کرے گی اس کی نظریں نیچی رکھے گی اور وہ اس کی موجودگی میں کسی اور عورت کی طرف متوجہ نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن عثیمین ——

بانجھ پن کی دو قسمیں ہیں

سوال جو شخص یہ کہتا ہے کہ بانجھ پن کا علاج ممکن ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا﴾ (الشورى٤٢/ ٥٠)

"اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔"

---

① دیکھیے: صحیح بخاری' الطلاق' باب: إذا عرض بنفي الولد' حدیث: ۵۳۰۵ و صحیح مسلم' اللعان' باب اللعان' حدیث ۱۵۰۰:

جواب ہماری رائے میں بانجھ پن کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو کسی سبب کی وجہ سے ہو تو اس کا علاج ممکن ہے اور دوسری جو طبعی ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدائشی بانجھ کیا ہو تو اس کا علاج ممکن نہیں ہے اور اگر علاج کیا بھی جائے تو وہ کارگر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ بانجھ رہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شادی سے پہلے معائنہ کرانے کی ضرورت نہیں

سوال میں اپنی چچازاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن اس نے اور بعض رشتے داروں نے بھی کہا ہے کہ شادی سے پہلے مجھے طبی معائنہ کروالینا چاہیے تاکہ اطمینان ہو جائے کہ تولیدی جراثیم موجود ہیں' کیا اس طرح طبی معائنہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر میں مداخلت تو نہ ہوگی؟ اس معائنے کے بارے میں دینی حکم کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے؟

جواب اس طبی معائنے کی کوئی ضرورت نہیں' تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

«أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي»(صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون أن يبدلوا كلام الله، ح:٧٥٠٥ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالى، ح:٢٦٧٥)

"میں اپنے بندے کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہوں جس طرح وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے۔"

یہ ایک حدیث قدسی ہے۔ بسا اوقات طبی معائنے کے نتائج صحیح بھی نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ دونوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

بے نماز سے شادی

سوال میرے ایک قریبی رشتے دار نے مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ طلب کیا ہے۔ وہ مجھ سے مالی حیثیت میں تو بہتر ہے لیکن وہ پکا شرابی ہے' برے لوگوں کے ساتھ اس کا میل جول ہے' نماز بہت کم یا بالکل نہیں پڑھتا اور ہمیشہ ویڈیو' ٹیلی ویژن اور آلات لہو ولعب سے شغل جاری رکھتا ہے جس کی وجہ سے مجھے اسے رشتہ دینے میں بہت حرج محسوس ہوتا ہے' امید ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں گے کہ اس کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر واقعی آپ سے بیٹی کا رشتہ طلب کرنے والا شخص ایسا ہے تو اسے رشتہ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ بیٹی آپ کے پاس امانت ہے اور آپ پر واجب ہے کہ آپ اس کی شادی دینی و اخلاقی اعتبار سے کسی بہت ہی موزوں شخص سے کریں اور جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اسے کسی نمازی مسلمان خاتون کا رشتہ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ اس کا کفو (برابر کا) نہیں ہے کیونکہ ترک نماز تو کفر اکبر ہے' اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان اطلاق اسم

الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

''آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے''

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١)

ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے گا وہ کافر ہے۔''

اسی طرح کتاب و سنت کے دیگر بہت سے دلائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کافر ہے خواہ وہ نماز کی فرضیت کا انکار نہ بھی کرے' اس مسئلے میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے اور اگر کوئی شخص نماز کے وجوب کا انکار یا اس کا مذاق اڑائے تو وہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق کفر اکبر کا مرتکب ہے۔

جو شخص نشہ کرتا ہو اور نماز پڑھتا ہو تو اسے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا بشرطیکہ وہ نشے کو حلال نہ سمجھتا ہو لیکن نشہ کرنا کبیرہ گناہ اور فسق ہے لہٰذا فسق کی وجہ سے بھی اسے رشتہ دینا جائز نہیں خواہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو بھی اس جرم عظیم کا عادی بنا دے' ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائے' انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' اور ہمیں اور انہیں خواہشات نفس اور شیطان کی اطاعت سے بچائے۔ انه جواد كريم

——— شیخ ابن باز ———

پہلے شادی

سوال آج کل یہ عادت عام ہے کہ لڑکی یا اس کا والد رشتہ طلب کرنے والوں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ وہ ثانوی یا یونیورسٹی کی تعلیم کی تکمیل کے بعد بلکہ چند سال تک کسی ادارے میں پڑھانے کے بعد شادی کریں گے اور اس طرح بعض لڑکیاں شادی کے بغیر تیس سال یا اس سے بھی زیادہ عمر کی ہو جاتی ہیں تو اس کے بارے میں آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب تمام نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ جب اسباب میسر آجائیں تو وہ جلد شادی کریں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب مَنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْبَاءَةَ فَلْيَصُمْ، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

''اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہو' تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظروں کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی جنسی

خواہش کو دبا دے گا۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تم سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ ومسند أحمد:١٥٨/٣، ٢٤٥ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨ ولفظه "يوم القيامة" عند الامام أحمد)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی سے شادی کرو کیونکہ روز قیامت میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔"

اس میں بہت سے مصلحتیں کارفرما ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا کہ اس سے نظر نیچی رہتی ہے' شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے' امت میں اضافہ ہوتا ہے اور بہت بڑے فساد اور بھیانک انجام سے تحفظ فراہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے جس میں ان کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہو' انه سميع قريب

—— شیخ ابن باز ——

جواب مذکورہ بالا سوال کا شیخ ابن عثیمین کے قلم سے جواب:

یہ بات نبی اکرم ﷺ کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے نکاح دے دو" نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ ح:١٤٠٠ واللفظ له)

اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہو تو وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نظروں کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔"

شادی نہ کرنے سے وہ مقاصد فوت ہو جاتے ہیں جن کی خاطر شادی کی جاتی ہے لہٰذا میں عورتوں کے وارثوں' مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہ کہوں گا کہ وہ تعلیم یا تدریس کی تکمیل کے بہانے شادی سے انکار نہ کریں کیونکہ عورت یہ شرط بھی عائد کر سکتی ہے کہ وہ نکاح کے بعد تکمیل تک اپنی تعلیم کو جاری رکھے گی یا ایک دو سال تک وہ تدریس کو جاری رکھے

گی اور بچوں میں مشغول نہیں ہوگی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں البتہ یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ کیا ہمیں واقعی اس بات کی ضرورت ہے کہ عورت ضرور یونیورسٹی تک کی تعلیم حاصل کرے۔ میری رائے میں تو عورت اگر ابتدائی مرحلے کی تعلیم حاصل کرے' اسے اس قدر لکھنا پڑھنا آجائے کہ وہ کتاب اللہ اور اس کی تفسیر اور احادیث نبوی اور ان کی تشریح پر مشتمل کتب کا مطالعہ کر سکے تو یہ کافی ہے الا یہ کہ وہ ایسے علوم میں ترقی کرے جن کے بغیر لوگوں کے لیے چارہ کار ہی نہیں مثلاً ڈاکٹری وغیرہ کی تعلیم بشرطیکہ اس میں اختلاط جیسا کوئی ممنوع امر مانع نہ ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

لڑکی کے وارث کا رشتہ دینے سے انکار

سوال ایک شخص لڑکی کا رشتہ طلب کرنے کے لیے آیا مگر اس کے وارث نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اس لڑکی کو شادی سے محروم رکھنا چاہتا ہے تو اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ فتویٰ عنایت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب ورثاء کا فرض ہے کہ وہ لڑکیوں کی جلد شادی کر دیں جب ان سے ان کے کفو (ہم مرتبہ لوگ) رشتہ طلب کریں اور لڑکیاں بھی اس پر راضی ہوں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تم سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔"

یہ جائز نہیں کہ عورتوں کو اپنے چچازاد وغیرہ سے شادی کرنے کی خاطر مجبور کیا جائے اور اس وجہ سے کسی اور جگہ ان کی شادی نہ کی جائے' اور نہ یہ جائز ہے کہ بہت زیادہ مال کے مطالبے یا دیگر ایسی اغراض کی وجہ سے جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا انہیں شادی سے روکا جائے۔ امراء و قضاۃ اور حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان وارثوں کو منع کریں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو اس طرح کے مقاصد کی خاطر شادی سے روک رکھا ہے اور ان کی ان کے قریبی رشتے داروں سے شادیاں کر دیں تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو' عدل و انصاف قائم ہو اور نوجوان بچوں اور بچیوں کو حرام امور میں مبتلا ہونے سے روکا جا سکے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت کی اور خواہشات نفس پر حق کو ترجیح دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه سميع مجيب۔

—— شیخ ابن باز ——

بیوی سے پہلی ملاقات کے وقت دو رکعتیں پڑھنا

سوال شادی کی رات بیوی کے پاس جاتے ہوئے دو رکعتیں ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پہلی رات بیوی سے ملاقات کے وقت دو رکعتیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں لیکن اس بارے میں مجھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح سنت معلوم نہیں ہے ہاں البتہ یہ امر مشروع ہے کہ بیوی کی پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر اللہ

تعالیٰ سے اس کی بہتری اور جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے اس کی بہتری کا سوال کرے اور اس کے شر اور جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور اگر ان الفاظ سے عورت کے بدکنے کا خطرہ ہو تو اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑ لے گویا اس سے قریب ہونا چاہتا ہے اور اسے بوسہ دے اور اپنے دل میں یہ دعا پڑھ لے اور اسے نہ ستائے کیونکہ بعض عورتیں جب یہ الفاظ سنیں کہ "میں اس کے شر اور جس پر یہ پیدا کی گئی ہے اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں" تو ممکن ہے کہ انہیں یہ خیال آئے کیا مجھ میں شر ہے؟

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

عزل

سوال کسی عذر یا عذر کے بغیر عزل کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کسی عذر کی وجہ سے عزل جائز ہے مثلاً یہ کہ آدمی کسی دارالحرب میں ہو اور اسے صحبت کی ضرورت محسوس ہو اور وہ عزل کر لے' یا اس کی لونڈی ہو اور وہ اپنی اولاد کے غلام ہونے سے ڈرتا ہو یا اس کے پاس کوئی باندی ہو اور اسے صحبت کی بھی ضرورت ہو اور وہ اسے بیچنا بھی چاہتا ہو۔ عزل کے بارے میں اصل تو وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢٠٩ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٤٠)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔"

صحیح بخاری ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں کچھ لونڈیاں ملیں تو ہم نے عزل شروع کر دیا اس کے بارے میں جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ إِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ؟ قَالَهَا ثَلَاثًا، مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلاَّ هِيَ كَائِنَةٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢١٠ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٨)

"کیا تم یہ کرتے ہو؟ --- آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا--- اور پھر فرمایا کہ قیامت تک جس جان دار نے پیدا ہونا ہے' اس نے پیدا ہو کر رہنا ہے۔"

ابو داؤد میں حدیث ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! میری ایک باندی ہے میں اس سے عزل کرتا ہوں کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو جائے لیکن وہ کام بھی کرنا چاہتا ہوں جو مرد کرنا چاہتے ہیں اور یہودی یہ کہتے ہیں کہ عزل زندہ درگور کر دینے کی ایک چھوٹی صورت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَذَبَتْ يَهُودُ لَوْ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب ما جاء في العزل، ح:٢١٧١)

"یہودی جھوٹ کہتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو تم اسے پیدا ہونے سے روک نہیں سکتے۔"

کسی عذر کے بغیر باندی سے تو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل جائز ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے نص موجود ہے' امام

مالک' ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اسے صحبت یا بچہ پیدا کرنے کا حق حاصل نہیں ہے' اسی طرح اسے اپنی باری یا اپنے لیے نفقے کا مطالبہ کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے تو عزل سے منع کرنے کی تو وہ بالاولیٰ مالک نہ ہوئی۔

آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کیا جا سکتا اور اس کے لیے اصل وہ حدیث ہے جسے امام احمد و ابن ماجہ رحمہما اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يُّعْزَلَ عَنِ الحُرَّةِ إِلاَّ بِإِذْنِهَا»(سنن ابن ماجه، النكاح، باب العزل، ح:١٩٢٨ ومسند أحمد:١/ ٣١)

"رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس کی سند قابل حجت نہیں ہے" بچہ پیدا کرنے کا چونکہ اسے حق حاصل ہے اور عزل کی وجہ سے اس کا نقصان ہے لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی اجازت سے عزل جائز ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عزل اور اس کی کیفیت

سوال عزل کب واجب ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب امام احمد و ابن ماجہ رحمہما اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے عبدالرزاق رحمہ اللہ نے "مصنف" میں اور بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«نَهٰی عَنْ عَزْلِ الْحُرَّةِ إِلاَّ بِإِذْنِهَا»(السنن الكبرى للبيهقي، الصداق، باب من قال يعزل عن الحرة بإذنها... الخ:٧/ ٢٣١ بلفظ آخر موقوفا ومصنف عبدالرزق، باب تستأمر الحرة في العزل ... الخ، ح:٧/ ١٤٣، ح:١٢٥٦٢)

"آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا منع ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت سے اجازت کے ساتھ جائز اور اجازت کے بغیر عزل منع ہے اور باندی سے عزل کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں ہاں البتہ شدید حاجت و ضرورت کے بغیر عزل نہ کیا جائے۔ عزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انزال کے وقت مرد آلہ تناسل کو شرم گاہ سے باہر نکال کر انزال کرلے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بوقت ضرورت حمل اور عزل

سوال ایک ماہر مسلمان طبیب نے ایک عورت کو یہ بتایا ہے کہ اس کے لیے حمل جائز نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حاملہ ہوئی تو وہ مر جائے گی' اس کے خاوند کی اس کے علاوہ اور کوئی بیوی بھی نہیں ہے' دونوں کی بھرپور جوانی ہے' ایک دوسرے کے

بغیر رہ بھی نہیں سکتے تو کیا اس عورت کے لیے کوئی مانع حمل دوائی استعمال کرنا جائز ہے یا اس کا خاوند جماع کے وقت عزل کرے؟

جواب ① مانع حمل گولیوں کے استعمال کا حکم عورتوں کے حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے' اس موضوع پر سعودی علماء کی کونسل نے تحقیق کے بعد ایک قرارداد بھی منظور کی ہے۔

② عزل کا جواز حدیث سے ثابت ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَبَلَغَ ذَلِكَ نَبِيَّ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢٠٨ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٤٠ واللفظ له)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے' آپ ﷺ کو بھی اس کے بارے میں خبر پہنچی مگر آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔"

③ مانع حمل گولیوں کا استعمال اور عزل اس انسان کو پیدا ہونے سے روک نہیں سکتے' جسے پیدا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما رکھا ہے' اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے جو ہماری خادمہ بھی ہے اور نخلستان سے ہمارے لیے پانی بھی لاتی ہے' میں اس سے جنسی عمل تو کرتا ہوں لیکن اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٩ وسنن أبي داود، النكاح، باب ما جاء في العزل، ح:٢١٧٣)

"اگر چاہو تو عزل کر لیا کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو فیصلہ فرما رکھا ہے' وہ ہو کر رہے گا۔"

اسی طرح ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں گئے تھے تو ہمیں عرب باندیاں بھی ملیں' ہمیں عورتوں کی خواہش تھی اور تجرد کی زندگی ہمارے لیے بہت گراں گزر رہی تھی' ہم نے عزل کرنا پسند کیا اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لاَ تَفْعَلُوا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلاَّ وَهِيَ كَائِنَةٌ» (صحيح البخاري، العتق، باب من ملك من العرب رقيقًا ... الخ، ح:٢٥٤٢ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٨ وسنن إبي داود، النكاح، باب ما جاء في العزل، ح:٢١٧٢)

"تم اگر نہ کرو تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

یہ دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث عزل کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور مانع حمل گولیوں کا استعمال بھی عزل ہی کے معنی میں ہے۔

④ اس ماہر مسلم طبیب نے جو یہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ عورت حاملہ ہو گئی تو یہ بوقت ولادت فوت ہو جائے گی صحیح نہیں ہے کیونکہ موت کا علم تو وہ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی کے ساتھ خاص ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ

غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۳٤)

"یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ نر ہے یا مادہ) کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کچھ کرے گا اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

خاوند پر نفقہ واجب ہے

سوال اگر بیوی ملازم ہو اور اس کی تنخواہ بھی اچھی ہو تو کیا پھر بھی اس کے خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہے اور اگر خاوند کی تنخواہ کم ہو تو پھر کیا صورت ہوگی؟

جواب خاوند پر بیوی کا خرچہ واجب ہے خواہ اس کی تنخواہ بہت اچھی ہو اور خاوند کی تنخواہ کم ہو کیونکہ نفقہ تو درحقیقت خاوند کا بیوی سے استفادہ کرنے کا معاوضہ ہے ہاں البتہ اگر عورت اپنی خوش دلی سے اپنے شوہر سے درگزر کرے اور اس سے خرچہ نہ لے تو اسے اس کا اختیار ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خاوند پر بیوی کے علاج کا خرچ برداشت کرنا واجب نہیں

سوال کیا شرعاً بیوی کا علاج کرنا خاوند کے ذمے ہے؟ اور جو شخص اپنی بیوی کا علاج کرانے سے انکار کر دے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خاوند پر اپنی بیوی کے علاج' دوائیوں اور ڈاکٹر کی فیس کے اخراجات برداشت کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق معمول کی ضروریات سے نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی عارضہ کی وجہ سے پیش آتی ہے لہٰذا خاوند پہ لازم نہیں ہے جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کے لیے عرف و عادت کو دیکھا جائے گا کہ اس زمانے میں عرف و عادت یہی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے علاج معالجہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے لہٰذا اگر وہ اس عرف کے مطابق عمل کرے تو یہ اس کی طرف سے فضل و کرم اور حق ادائیگی ہوگی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

رزق اور شادی لکھے ہوئے ہیں

سوال کیا رزق اور شادی کے بارے میں بھی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے؟

جواب قلم کی پیدائش سے لے کر روز قیامت تک کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا تو اسے حکم دیا:

«اُكْتُبْ - قَالَ: رَبِّي وَمَاذَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَا هُوَ كَائِنٌ، فَجَرٰى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا

هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (جامع الترمذي، القدر، باب اعظام أمر الإيمان بالقدر، ح:٢١٥٥، وح:٣٣١٩ وسنن أبي داود، السنة، باب في القدر، ح:٤٧٠٠ ومسند أحمد:٥/ ٣١٧ بألفاظ مختلفة)

"تو لکھ' اس نے عرض کیا: اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھ دے تو قلم نے اسی لمحے وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"شکم مادر میں جب جنین پر چار ماہ گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کا رزق' اجل' عمل اور شقی ہے یا سعید' لکھ دیتا ہے۔"[1]

رزق بھی لکھا ہوا ہے' اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ طلب رزق کے جو اسباب انسان اختیار کرتا ہے' ان میں سے ایک سعی و کوشش بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ ذَلُولًا فَٱمْشُوا۟ فِى مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا۟ مِن رِّزْقِهِۦ ۖ وَإِلَيْهِ ٱلنُّشُورُ ﴿١٥﴾ ﴾ (الملك٦٧/ ١٥)

"وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کیا تو تم اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور تمہیں اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے"

انہیں اسباب میں سے ایک صلہ رحمی یعنی والدین سے نیکی کرنا اور رشتے داروں سے حسن سلوک بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ» (صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح:٥٩٨٦ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٧)

"جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی اور اس کی عمر میں درازی ہو تو اسے اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔"

اور انہی اسباب میں سے ایک تقویٰ بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا' وہ اس کے لیے (رنج و آلام سے) خلاصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔"

لیکن آپ یہ نہ کہیں کہ رزق تو لکھا ہوا اور محدود ہے لہٰذا میں حصول رزق کے لیے اسباب اختیار نہیں کروں گا کیونکہ یہ تو عجز و درماندگی ہے اور عقل و احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آپ رزق اور دین و دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوشش کریں' نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' بدء الخلق' باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم' حدیث: ٣٢٠٨ و صحیح مسلم' القدر' باب کیفیۃ خلق الآدمی ..... الخ' حدیث: ٢٦٤٣۔

«اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث الكيس ... الخ، ح:٢٤٥٩ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، ح: ٤٢٦٠ ومسند أحمد: ٤/ ١٢٤)

"عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ خود کرتا رہے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا کر اللہ تعالیٰ سے امید لگا لے۔"

جس طرح رزق لکھا ہوا اور اسباب کے ساتھ مقدر ہے' اسی طرح شادی کا معاملہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے' میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے یہ لکھا ہوا ہے کہ اس کی شادی اس سے ہو گی اور اللہ تعالیٰ سے تو آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

عبادت کے لیے شادی سے انکار

سوال بعض لوگ عبادت اور تجرد کی زندگی بسر کرنے کیلئے شادی سے انکار کر دیتے ہیں' اسکے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب اس مسئلے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ شادی سے انکار کے لیے یہ ایک کمزور بلکہ مردہ بہانہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے تبتل (عزلت نشینی) کی زندگی بسر کرنے کا ارادہ کیا تھا' منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا:

«لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»(صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، ح:٥٠٦٣ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠١ ومسند أحمد:٣/ ٢٥٩، واللفظ لمسلم)

"لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں اور جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ نکاح بھی عبادت بلکہ افضل عبادت ہے حتی کہ اہل علم نے یہ صراحت کی ہے کہ شہوت کے ساتھ نکاح نفل عبادات سے افضل ہے' بہت سے اہل علم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ نکاح واجب ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واجب کا ثواب مستحب سے زیادہ ہے اور واجب اللہ تعالیٰ کو نفل عبادت سے زیادہ پسند ہے جیسا کہ قدسی حدیث میں ارشاد ہے:

«وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحْبِبْتُهُ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، ح:٦٥٠٢ وسنن الكبرى للبيهقي، صلاة الاستقاء، باب الخروج من المظالم ... الخ، ح:٣٤٦)

"میرے بندے نے کسی ایسی چیز کے ساتھ میرا تقرب حاصل نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ محبوب ہو جسے میں نے اس پر فرض قرار دیا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ بھی میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔"

ہم ان نوجوانوں کو جو یہ مریضانہ بلکہ مردہ بہانہ پیش کرتے ہیں یہ نصیحت کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور نبی اکرم ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں اور آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے شادی کریں نیز اس سے امت اسلامیہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ انہیں شادی سے نفع بھی پہنچائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خط و کتابت یا ٹیلی فون کے ذریعے شادی

سوال کیا ٹیلی فون یا خط و کتابت کے ذریعے شادی ہو جاتی ہے؟ یعنی مثلاً اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کی ٹیلی فون پر یا خط و کتابت کے ذریعے شادی کر دے تو وہ ہو جائے گی؟

جواب ٹیلی فون یا خط و کتابت کے ذریعے شادی نہیں ہو گی بلکہ شادی کے لیے شوہر' ولی اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے اور یہ موجودگی ٹیلی فون یا خط و کتابت کی صورت میں چونکہ موجود نہیں ہوتی ہاں البتہ خط و کتابت سے اس صورت میں ممکن ہے کہ جب نکاح کرنے والا کسی دوسرے ملک میں ہو تو وہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی طرف سے نکاح کو قبول کر لے اور اس حالت میں یہ ضروری ہو گا کہ وکالت نامہ شرعی طور پر قابل اعتماد اور ثابت شدہ ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دیوث وہ ہے جو اپنی اہلیہ کی فحاشی پر راضی ہو

سوال کیا دیوث وہ ہے جو خلوت میں اپنی بیوی کے ساتھ گزرے ہوئے حالات و واقعات کو بیان کرے یا دین حنیف کی نظر میں صحیح معنوں میں دیوث کون ہے؟ جزاکم اللہ خیراً؟

جواب دیوث وہ ہے جو اپنی بیوی کے بدکاری کرنے پر راضی ہو اور اسے زنا سے نہ روکے اور اس بات پر بے غیرتی اور بے ایمانی کی وجہ سے ناراض نہ ہو اور جو شخص اسے منع کرے اور فحاشی سے روکے تو وہ دیوث نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اولاد کی مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کے بارے میں شک

سوال میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں' میری بیوی نے چھ بچوں کو جنم دیا ہے لیکن میرے اور بعض بچوں کے درمیان مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اس کے کردار کے بارے میں شک ہے' سوال یہ ہے کیا مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے شک کیا جا سکتا ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب آپ کی بیوی اگر کسی ایسے بچے کو جنم دے جس کی مشابہت مشتبہ ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے کیونکہ صحیحین میں حدیث ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

> "یا رسول اللہ! میری بیوی نے ایک کالے رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے' جبکہ اس آدمی اور اس کی بیوی کا رنگ کالا نہ تھا لہٰذا وہ اس کے بچے کے بارے میں شبہہ کا اظہار کر رہا تھا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تمہارے پاس

اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا رنگ کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا' سرخ' نبی ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی مٹیالے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا اس کا رنگ مٹیالا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شاید اسے کوئی رگ کھینچ لائی ہو' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اسے بھی کوئی رگ کھینچ لائی ہو۔ (1)

آپ کو معلوم نہیں' ہو سکتا ہے کہ آپ کے یا آپ کی بیوی کے آباء و اجداد میں سے کسی کے ساتھ ان بچوں کی مشابہت ہو جن کے بارے میں آپ کو شبہہ ہے لہٰذا اس شبہہ کی طرف توجہ نہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے پناہ مانگیں' جب تک آپ کی بیوی صحیح ہے آپ کے دل میں اس کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حمل کی کم سے کم مدت

سوال میں اپنی بیوی سے مکمل ایک سال تک غائب رہا' اسے بھی میرے بارے میں معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں' طویل مدت کے بعد جب میں واپس آیا تو آٹھ ماہ پچیس دن اس کے ساتھ رہا اور اس نے اس مدت کے بعد بچے کو جنم دیا' نویں مہینے کے پانچ دن کم ہونے کی وجہ سے مجھے اس بچے کے بارے میں شک ہے۔ راہنمائی فرمائیں کیا کروں؟

جواب عورت اگر بچے کو نو ماہ سے پہلے جنم دے دے تو یہ کوئی شک والی بات نہیں ہے کیونکہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَمْلُهُۥ وَفِصَـٰلُهُۥ ثَلَـٰثُونَ شَهْرًا ﴾ (الأحقاف٤٦/ ١٥)

"اس حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ ﴾ (لقمان٣١/ ١٤)

"اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے لہٰذا عورت اگر ساتویں ماہ یا اس کے بعد بچے کو جنم دے تو اس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

ایک شخص چار سال غائب رہا.....

سوال ایک شخص اپنی بیوی سے چار سال تک غائب رہا اور پھر اس مدت کے بعد اس کی بیوی نے بچے کو جنم دیا۔ کیا بچے کو اس کے باپ کے ساتھ ملایا جائے گا؟ یاد رہے اس کی یہ بیوی آزاد ہے' غلام نہیں۔

---

(1) دیکھیے : صحیح البخاری' الطلاق' باب اذا عرض بنفی الولد' حدیث : ۵۳۰۵ و صحیح مسلم' اللعان' باب اللعان' حدیث : ۱۵۰۰

جواب اگر آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی ہے تو اہل علم کے صحیح قول کے مطابق بچے کو اسی کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ»(صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، ح:٦٨١٨ وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش ... الخ، ح:١٤٥٨)

"بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو۔"

اگر اس آدمی کو یہ معلوم ہو کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے تو اسے بچے کی نفی کر دینی چاہیے اور عورت سے لعان کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

مشت زنی اور شیخ قرضاوی کا جواز کا فتویٰ

سوال مشت زنی کے بارے میں شیخ قرضاوی اپنی کتاب ((الحلال والحرام)) (ص ۱۱۶) (مطبوعہ مکتب الاسلامی) میں لکھتے ہیں کہ "امام احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ منی بھی دیگر جسمانی فضلات کی طرح ایک فضلہ ہے لہٰذا فصد کی طرح اسے خارج کرنا جائز ہے" ابن حزم رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے بھی اس کی تائید کی ہے' کیا یہ صحیح ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے مشت زنی کو عام جائز قرار دیا ہے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور پھر یہ مصیبت اس قدر عام ہو رہی ہے کہ اللہ کی پناہ! نوجوان اس بد عادت میں مبتلا ہو کر یہ بھول رہے ہیں کہ اس حالت میں تو روزہ رکھنے کا حکم تھا۔ بعض نوجوانوں نے بتایا کہ وہ کپڑے یا روئی سے لڑکی کی قبل یا دبر کی سی صورت بنا کر اس میں آلہ تناسل داخل کر کے اس سے وطی کرتے ہیں.....الخ

جواب اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق مشت زنی حرام ہے' جمہور کا بھی یہی قول ہے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥_٧)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اور ڈھونڈیں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ہے جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنی جنسی ضرورت صرف اپنی بیوی یا لونڈی سے پوری کرے اور جو اس کے علاوہ کسی بھی اور طریقے سے اپنی حاجت کو پورا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حلال قرار دیئے ہوئے طریقے سے تجاوز کرتا ہے اور مشت زنی بھی اسی میں داخل ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور کئی دیگر ائمہ نے اسے بیان فرمایا ہے اور پھر اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ اور اس کے نتائج بھی بہت خوفناک ہیں' اس سے قویٰ مضمحل اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اسلامی شریعت ہر اس چیز سے منع کرتی ہے جو انسان کے دین' بدن' مال اور عزت کے لیے نقصان دہ ہو۔

موفق بن قدامہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ اگر اس نے مشت زنی کی تو ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا

اور اگر انزال نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہو گا اور اگر انزال ہو گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ فعل بوسہ لینے کی طرح ہے" ان کا مطلب یہ کہ مشت زنی بوسے کی طرح ہے جبکہ اس کی وجہ سے انزال ہو جائے جبکہ بغیر انزال کے بوسہ لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (مجموع الفتاویٰ' ج:۳۴' ص:۳۲۸) میں فرماتے ہیں کہ مشت زنی جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے' امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی صحیح ترین قول یہی ہے لہٰذا مشت زنی کرنے والے کو تعزیری سزا دی جائے گی اور دوسرے قول کے مطابق یہ مکروہ ہے' حرام نہیں ہے' اکثر آئمہ زنا کے خوف یا کسی اور وجہ کے باوجود بھی اسے جائز قرار نہیں دیتے۔

علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر (اضواء البیان' ج:۵' ص:۷۶۹) میں فرماتے ہیں کہ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ سورۃ المومنون کی یہ آیت:

﴿ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۷)

"اور جو ان کے سوا اور ڈھونڈیں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اپنے عموم کے اعتبار سے "مشت زنی" کی ممانعت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ جو شخص اپنے ہاتھ سے لذت حاصل کرے حتی کہ اس سے انزال ہو جائے تو اس نے اس کے سوا طریقہ اختیار کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور اس آیت کریمہ کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے جیسا یہاں سورۃ "المومنون" میں اور سورۃ "المعارج" میں بھی مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے متبعین نے اسی آیت کریمہ سے مشت زنی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن عبدالحکم نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حرملہ بن عبدالعزیز سے یہ سنا کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے مشت زنی کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے بھی:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵_۷)

"اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں۔ اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کردہ حد سے) نکل جانے والے ہیں۔"

تلاوت فرمادی' امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک و امام شافعی اور دیگر اہل علم رحمہم اللہ کا اس آیت کریمہ سے مشت زنی کی ممانعت پر استدلال کتاب اللہ کی روشنی میں صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور کتاب و سنت سے کوئی چیز اس کے معارض ثابت نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے علم و جلالت اور تقویٰ کے اعتراف کے باوجود ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے جو یہ قیاس کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے کہ یہ بھی بوقت ضرورت بدن سے فضلہ کا اخراج ہے لہٰذا فصد اور سینگی پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے جیسا کہ کسی شاعر نے بھی کہا ہے:

إِذَا حَلَلْتَ بِـوَادٍ لاَ أَنِيـسَ بِـهِ   فَاجْلِدْ عميرةَ لاَ عَـارَ وَلاَ حَرَجَ

"جب کسی ایسی وادی میں آؤ جہاں محبوب نہ ہو تو مشت زنی کر لو اس میں عار اور حرج کی کوئی بات نہیں۔"

تو یہ قیاس درست نہیں ہے اگرچہ امام احمد رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے لیکن یہ قیاس چونکہ عموم قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے اور جو اس طرح کا قیاس ہو وہ فاسد الاعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اس مبارک کتاب (تفسیر قرطبی) میں اسے کئی بار ذکر کیا ہے اور ہم نے مراقی السعود کے مؤلف کے قول کا حوالہ بھی دیا تھا:

وَالْخِلْفُ لِلنَّصِّ أَوْ إِجْمَاعٍ دَعَا　　فَسَادَ الإِعْتِبَارِ كُلُّ مَنْ وَعَى

"تمام علماء کے نزدیک نص یا اجماع کی مخالفت غیر معتبر ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اور اس سے صرف دو ہی قسموں کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا ہے:

﴿ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۶)

"مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں ان کے بارے میں انہیں کوئی ملامت نہیں ہے۔"

یعنی شرم گاہ کی عدم حفاظت صرف بیوی اور کنیز ہی سے مستثنیٰ ہے اور پھر اس کے بعد بہت جامع مانع الفاظ استعمال کیے گئے جنہوں نے ان دو صورتوں کے سوا باقی ہر صورت سے منع کر دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۷)

"اور جو ان کے سوا ڈھونڈیں وہی تو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اور بلاشک و شبہ یہ عموم مشت زنی کرنے والے کو بھی شامل ہے اور عموم قرآن کے ظاہر سے کتاب و سنت کی کسی ایسی دلیل کے بغیر جس کی طرف رجوع واجب ہو، روگردانی جائز نہیں ہے اور وہ قیاس جو ظاہر قرآن کے مخالف ہو وہ فاسد الاعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

ابوالفضل عبداللہ بن محمد بن صدیق حسنی ادریسی اپنی کتاب "الاستقصاء لادلة تحريم الاستمناء أو العادة السرية من الناحيتين الدينية والصحية" میں "مشت زنی کی حرمت اور اس کی دلیل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: مالکیہ، شافعیہ، حنفیہ اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ مشت زنی حرام ہے، صحیح مذہب بھی یہی ہے، اس کے علاوہ اس مسئلے میں کوئی اور قول جائز نہیں ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

پہلی دلیل، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵-۷)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اور تلاش کریں وہ (اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اس آیت کریمہ سے استدلال ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ حرام کام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں لیکن اپنی بیویوں یا کنیزوں کے پاس جانا قابل ملامت نہیں ہے اور پھر اس کے بعد ذکر فرمایا کہ جو کوئی بیویوں یا لونڈیوں کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرے تو وہ ظالم ہے اور حلال سے تجاوز کر کے حرام کا ارتکاب کرتا ہے اور جو کوئی حد سے تجاوز کر جائے تو اسلام اسے ظالم قرار دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۹)

"اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہی ظالم ہیں۔"

تو یہ آیت بیویوں اور کنیزوں کے سوا حرمت کے لیے عام ہے اور بلاشک مشت زنی بھی ان دونوں کے علاوہ ہے لہٰذا وہ حرام ہے اور اسے کرنے والا نص قرآن کی روشنی میں ظالم ہے۔ اس کے بعد مصنف نے مشت زنی کی حرمت کے دلائل کو بیان کرتے ہوئے چھٹی دلیل کے طور پر یہ لکھا ہے کہ علم طب سے ثابت ہے کہ مشت زنی کئی ایک بیماریوں کا سبب بنتی ہے کہ اس سے نظر کمزور ہو جاتی ہے' حرارت غریزی بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے' آلہ تناسل کمزور ہو جاتا ہے اس میں جزئی یا کلی طور پر استرخاء (ڈھیلا پن) پیدا ہو جاتا ہے اور مشت زنی کرنے والا اس قوت مردمی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے جس سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت عطا فرمائی ہے' عورت کے مشابہ ہو جاتا ہے اور شادی کی استطاعت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر وہ شادی کر بھی لے تو وہ صحیح طور پر وظیفۂ زوجیت سرانجام نہیں دے سکتا جس کی وجہ سے اس کی بیوی یقیناً کسی اور کی طرف دیکھے گی کیونکہ یہ اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتا لہٰذا اس میں یہ بے پناہ خرابیاں ہیں جو کسی سے بھی مخفی نہیں۔

مشت زنی کے نتیجے میں لاحق ہونے والی کمزوری کی وجہ سے اعصاب بھی بہت کمزور ہو جاتے ہیں' اس سے معدہ کمزور ہو جاتا ہے اور نظام ہضم میں خلل آ جاتا ہے' اس سے جسمانی نشوونما خصوصا آلہ تناسل اور خصیتین کی نشو نما رک جاتی ہے اور یہ اپنی طبعی حد تک نہیں پہنچتے' اس سے خصیتین میں التہاب منی کی وجہ سے سوزش پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مشت زنی کا عادی بری طرح سے سرعت انزال کا مریض بن جاتا ہے کہ آلہ تناسل سے کسی چیز کی معمولی رگڑ سے بھی انزال ہو جاتا ہے۔

اس سے ریڑھ کی ہڈی کے مہروں میں بھی درد رہنے لگتا ہے چونکہ منی بھی پشت ہی سے خارج ہوتی ہے لہٰذا اس درد کی وجہ سے کمر خمیدہ ہو کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

مرد کی منی غلیظ اور گاڑھی ہوتی ہے لیکن مشت زنی کرنے والے کا مادہ منویہ پتلا اور رکیک ہو جاتا ہے اور اس میں جراثیم بھی نہیں ہوتے یا بہت کمزور ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا مادہ بار آور نہیں ہوتا یا اس سے بہت ہی کمزور جنین پیدا ہوتا ہے لہٰذا اگر مشت زنی کرنے والے کے ہاں بچہ پیدا ہو بھی جائے تو وہ بہت دبلا پتلا اور کمزور ہوتا ہے' طبعی اور تندرست منی سے پیدا ہونے والے بچوں کی طرح صحت مند نہیں ہوتا' اس سے بعض اعضاء مثلاً پاؤں وغیرہ میں رعشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے' مشت زنی سے دماغ کے غدود بھی کمزور ہو جاتے ہیں جس سے عقل و فہم میں کمی پیدا ہو جاتی ہے خواہ وہ پہلے کتنا ہی عقل مند کیوں نہ ہو اور یہ دماغی کمزوری بسا اوقات اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس سے عقل میں فتور آ جاتا ہے۔

ان دلائل اور مشت زنی کے نقصانات کی تفصیل سے سائل کے لیے یقیناً یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ مشت زنی حرام ہے' روئی وغیرہ سے شرمگاہ کی شکل بنا کر اور اس میں آلہ تناسل داخل کر کے منی کا اخراج بھی مشت زنی ہی کی طرح ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منگنی کرنے والے اور منگیتر کو دیکھنے کے احکام

جب منگنی کرنے والا عقد سے پہلے فوت ہو جائے

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے منگنی کی' عورت کے رشتے داروں نے بھی اس سے اتفاق کیا' حق مہر کی رقم بھی طے ہو گئی اور آدمی نے ابھی تک حق مہر ادا نہیں کیا تھا کہ وہ فوت ہو گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ عورت اس کی وارث ہو گی اور اس پر سوگ منائے گی؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ ان میں ابھی تک ولی کی طرف سے ایجاب اور خاوند کی طرف سے قبول کی صورت میں عقد نکاح نہیں ہوا تھا اگرچہ معتبر شروط تو موجود تھیں اور دونوں کے لیے کوئی امر مانع بھی نہ تھا تاہم یہ مذکورہ عورت اس کی وارث نہیں ہو گی' اس کے لیے عدت اور سوگ بھی نہیں کیونکہ ابھی تک عقد نکاح شرعی نہیں ہوا تھا بلکہ ابھی تک تو صرف منگنی اور مہر پر رشتے داروں کی رضامندی ہوئی تھی اور منگنی اور رضامندی کو نکاح نہیں کہا جاتا' اس مسئلے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں اور اگر عورت کے وارثوں نے منگنی کرنے والے سے کچھ مال لے لیا ہو تو انہیں واپس کر دینا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنی منگیتر کو دیکھنا

سوال کیا میری بہن کو اپنے اس چچازاد سے پردہ کرنا چاہیے جو مستقبل میں اس کا شوہر ہو گا لیکن یہ ابھی اس کی بیوی نہیں ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اس سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں؟

جواب ہاں اسے دیگر اجنبی مردوں کی طرح اپنے چچازاد سے پردہ کرنا ضروری ہے خواہ اس سے اس کی منگنی ہو چکی ہے اور آپ لوگوں نے بھی اسی سے شادی کا عزم کر رکھا ہے۔ ہاں البتہ ہر وہ شخص جو کسی عورت سے منگنی کی رغبت رکھتا ہو تو وہ اسے خلوت کے بغیر دیکھ سکتا ہے تاکہ اسے نکاح کی رغبت پیدا ہو لیکن جب تک نکاح نہیں ہو تا لڑکی کا اس کے ساتھ بیٹھنا ہمیشہ اپنے چہرے کو ننگا رکھنا اور خلوت اختیار کرنا' اس وجہ سے کہ اس سے شادی کا وعدہ ہو چکا ہے' جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اگر منگیتر شرعی حکم کی پابندی سے انکار کر دے

سوال میں نے تین سال سے ایک عورت سے منگنی کر رکھی ہے اور اس اثنا میں میں نے اسے لکھا ہے کہ شادی کے

بعد میں ان شاء اللہ اسے مخلوط کام یا غیر محرموں سے مصافحہ کی اجازت نہیں دوں گا' میں نے ان مسائل سے متعلق اسے آیات' احادیث اور علماء کے فتاویٰ بھی بھیجے ہیں لیکن اس نے ہر مرتبہ مجھے یہی جواب دیا کہ وہ اپنے چچازاد' خالہ زاد اور پڑوسیوں کے بیٹے کو سلام کہے گی اور مخلوط کام بھی کرے گی لیکن میں نے اپنی بات کو شرط کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ شادی کے بعد اختلاف نہ ہو اور میں نے جو مذکورہ باتیں لکھی ہیں ان کو تسلیم کرنا اس کے لیے فرض قرار دیا ہے' امید ہے آپ بھی میری راہنمائی فرمائیں گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب آپ نے اچھا کیا جو یہ شرط عائد کر دی ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر اس مرد سے پردہ کرے جو اس کا محرم نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے مصافحہ بھی کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾
(الأحزاب ۳۳/ ۵۳)

''اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی کی بات ہے۔''

یہ آیت عام ہے ازواج مطہرات اور دیگر تمام عورتوں کو شامل ہے جیسا کہ خطاب شریعت کے سلسلے میں اصول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے لہٰذا کسی خاص دلیل کے بغیر کسی حکم کی تخصیص جائز نہیں ہے اور پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو علت بیان کی ہے یعنی دلوں کی پاکیزگی تو یہ ایک ایسی علت ہے جس کی ہر مسلمان مرد و عورت کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور سورۂ نور میں فرمایا:

﴿ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۱)

''اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور

اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس آیت میں "بعولتھن" سے مراد عورتوں کے خاوند ہیں اور زینت سے مراد جسمانی زینت' جس طرح کہ چہرہ' دونوں ہاتھ' سر' دونوں قدم اور بدن کے دوسرے حصے ہیں اور اس سے مراد اکتسابی زینت بھی ہے جس طرح کہ زیور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔"

اور زینت سے مراد یہاں "پازیب" ہے اور چونکہ جسمانی اور اکتسابی زینت کا اظہار مردوں کے فتنے کا باعث ہے اور اسی طرح نرم انداز گفتگو بھی مردوں کے فتنے اور بیمار دل والوں کے طمع کا سبب ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ۚ إِنِ ٱتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِۦ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٢)

"اے نبی کی بیویو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم لہجے میں بات نہ کرنا تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرلے ہاں دستور کے مطابق بات کیا کرو"

اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو نرم انداز سے بات کرنے سے منع فرمایا اور دستور کے مطابق بات کرنے کا حکم دیا یعنی ایسے طریقے سے بات کرنے کا حکم دیا جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی۔ غور فرمائیے! کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو نرم انداز میں بات کرنے سے منع فرما دیا اور مردوں کو منع فرما دیا کہ پردے کے بغیر ان سے کوئی چیز طلب نہ کریں حالانکہ وہ کائنات کی سب سے پاکباز اور سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار خواتین ہیں تو ان کے علاوہ پھر دیگر خواتین کے لیے تو فتنے کا زیادہ ڈر ہے جب وہ بات میں نرم لہجہ اختیار کریں یا پردہ ہٹا دیں۔

عورتوں کا غیر محرم مردوں سے مصافحہ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ بھی فتنے کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح: ٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"تحقیق میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري،

الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة . . . الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦)

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا' آپ ﷺ ان سے بیعت بھی زبانی لیا کرتے تھے۔"

تمام مسلمان عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں' اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور سے اپنے آپ کو بچائیں' اسباب فتنہ سے بھی بچیں' عورتوں کے وارثوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ان سے احکام شریعت کی پابندی کرائیں اور ایسے اسباب اختیار کرنے کی تلقین کریں جن میں نجات' سعادت اور انجام کی بہتری ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ ٱلْإِنسَـٰنَ لَفِى خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ﴿٣﴾ ﴾ (العصر١٠٣/ ١-٣)

"زمانے کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ﴾

(النساء٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے معاون اور دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ جلد رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں یہ واضح فرمادیا ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون' حق بات کی تلقین

اور صبر کی تاکید کرنا واجب ہے اور سورۃ العصر میں واضح فرمایا کہ مکمل نفع' کامل سعادت اور نقصان سے حفاظت صرف انہی اہل ایمان ہی کے لیے ہے جو عمل صالح' حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کی گئی آخری آیت میں فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

اور مکمل رحمت صرف انہی لوگوں کا مقدر ٹھہرے گی جو اللہ تعالیٰ کے دین و اطاعت پر اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں گے۔

تمام مومن مردوں اور عورتوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کریں اور اس کی مخالفت سے اجتناب کریں کہ اس سے سب کو وہ کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور بندیوں سے وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ ٱللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧٢)

"اللہ نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں سے ان باغات (جنتوں) کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے' یہی زبردست کامیابی ہے۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت اور حق پر ثابت قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سائل کو یہ وصیت بھی کریں گے کہ وہ اس منگیتر کے علاوہ جس نے حکم شریعت کی پابندی سے انکار کر دیا ہے' شادی کے لیے کوئی اور ایماندار عورت تلاش کر لے' اگر آپ طلب میں صادق ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے تو ہم آپ کو خیر و بھلائی اور حسن انجام کی بشارت دیتے ہیں کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، ح:٢٥١٦ ومسند أحمد: ١/ ٢٩٣)

"تم اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانی پیدا فرمائے' آپ کی حاجت کو پورا کرے' ہماری اور آپ کی عاقبت کو اچھا کرے' آپ کی منگیتر کو ہدایت عطا فرمائے' اسے حق کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے اور اسے اپنے نفس اور شیطان کے شر سے بچائے۔ انه سميع قريب۔

——— شیخ ابن باز ———

شادی سے پہلے منگیتر کو کس حد تک دیکھنا جائز ہے؟

سوال جب کوئی نوجوان کسی دوشیزہ سے منگنی کرنے آئے تو کیا اسے دیکھنا واجب ہے؟ کیا اس وقت دوشیزہ کا اپنے سر کو ننگا کرنا بھی صحیح ہے تاکہ اس کا حسن و جمال خوب واضح ہو جائے؟ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کہ یہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے منگنی کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ منگیتر دیکھ لے کیونکہ اس سے دونوں میں محبت پیدا ہو گی' اگر منگیتر اپنا چہرہ دونوں ہاتھ اور سر ننگا کر لے تو صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو دیکھنا ہی کافی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مذکور حدیث کے پیش نظر اس کے سر' چہرہ' دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن یہ خلوت میں جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اس وقت دونوں کے ساتھ اس کا باپ یا بھائی یا کوئی اور ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ»(صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ اس کے محرم کے بغیر خلوت اختیار نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ ومسند أحمد:١٨/١)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

دوشیزہ کے علم کے بغیر دیکھنا

سوال بعض شادی کرنے والے دوشیزہ کی تصویر یا اسے براہ راست دیکھنا چاہتے ہیں یا اسے کسی موقع پر اس طرح دیکھ لیں کہ اسے علم نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے؟

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں ہے بلکہ یہ جامع الترمذی اور مسند احمد میں ہے۔

جواب منگنی کرنے والے کو منگیتر کی تصویر دینا جائز نہیں کہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اس تصویر کو مذاق نہ بنا لے اور پھر تصویر سے حقیقت حال بھی تو واضح نہیں ہوتی کہ انسان کئی ایسی تصویریں بھی دیکھتا ہے جو حقیقت سے بہت دور ہوتی ہیں۔ تصویر سے بسا اوقات منگیتر حقیقت سے زیادہ خوبصورت بھی نظر آسکتی ہے اور اس سے شوہر دھوکے میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور اگر وہ شادی کے بعد اسے اس طرح نہ پائے جیسا کہ اس نے تصویر میں دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بے نیاز ہو کر اس سے کراہت کرنے لگے اور صورت حال الٹ ہو جائے۔ ہاں البتہ اسے براہ راست دیکھنے میں یا کسی مناسب موقع پر اس طرح دیکھنے میں کہ اسے معلوم نہ ہو کوئی حرج نہیں بلکہ شرعی طور پر مطلوب ہے کہ اسے دیکھ لیا جائے تاکہ وہ علی وجہ البصیرت کام کرے لیکن اس کے لیے کچھ شرطیں بھی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

① خلوت اختیار نہ کرے۔

② یہ دیکھنا محض معلومات کے لیے ہو لطف و لذت حاصل کرنے کے لیے نہ ہو۔

③ اس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ اگر اسے لڑکی پسند آئی تو یہ اس سے شادی کرے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

منگیتر کے بارے میں معلومات کس طرح حاصل کی جائیں؟

سوال جب میں کسی لڑکی سے منگنی کرنے جاؤں تو اس سے کس طرح بات کروں تاکہ اس کا عقیدہ' تقویٰ' خلق اور ادب معلوم کر سکوں؟ کیا اس کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے؟

جواب منگنی کرنے والا خلوت کے بغیر منگیتر کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت ثابت ہے' شادی کی مصلحت سے متعلق ضروری باتوں کے بارے میں وہ منگیتر اور اس کے وارثوں سے معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منگنی کرنے والے کا شادی شدہ ہونے سے انکار

سوال کیا شادی کی صحت کیلئے یہ شرط ہے کہ (پہلے سے شادی شدہ) مرد جس عورت سے شادی کرنا چاہے وہ نہ بھی پوچھے تو اسے بتائے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور اگر اس سے پوچھا جائے اور وہ انکار کر دے تو اس انکار کے نتیجے میں کیا مرتب ہو گا؟

جواب مرد کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بیوی یا اہل خانہ کو یہ بتائے کہ وہ شادی شدہ ہے بشرطیکہ وہ اس کے بارے میں سوال نہ کریں لیکن اس طرح کی بات عموماً مخفی نہیں رہتی کیونکہ شادی میاں بیوی میں سے ہر ایک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور چھان بین کرنے کے بعد ہوتی ہے اور امر واقع میں سے کسی چیز کو چھپانا جائز نہیں ہے' اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کے بارے میں کوئی ایسی جھوٹی بات ثابت ہو جائے جس پر فریق ثانی نے بنیاد رکھی ہو تو اسے نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مثلاً اگر وہ جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہہ دے کہ وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے' اسی طرح اگر وہ عورت کے بارے میں یہ بتائیں کہ یہ باکرہ (کنواری) ہے لیکن حقیقت میں وہ ثیبہ (شادی شدہ) ہو تو شوہر کو بھی اختیار ہے کہ چاہے اس شادی کو برقرار رکھے یا ترک کر دے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

منگنی کی انگوٹھی

سوال منگنی کرنے والے مرد کے دائیں ہاتھ اور منگیتر کے بائیں ہاتھ میں یہ جو انگوٹھی (چھلا) پہنائی جاتی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے' یاد رہے یہ سونے کی بنی ہوئی نہیں ہوتی؟

جواب شریعت میں اس عمل کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا افضل یہی ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے خواہ یہ چاندی کی انگوٹھی ہو یا کسی اور چیز کی اور اگر یہ سونے کی بنی ہوئی ہو تو پھر یہ مرد کے لیے حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منگیتر کی رائے مقدم ہے

سوال ایک لڑکی سے منگنی کے دو آدمی خواہش مند ہیں' یہ لڑکی اور اس کی والدہ ان میں سے ایک پر راضی ہیں جب کہ اس کا باپ دوسرے آدمی کو پسند کرتا ہے جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے گی؟

جواب ترجیح اسے دی جائے گی جسے لڑکی پسند کرے مثلاً لڑکی ایک آدمی کو پسند کرے اور اس کی ماں یا باپ دوسرے کو تو لڑکی کی بات کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اپنے شوہر کی شریک حیات بن کر زندگی اس نے گزارنی ہے اور اگر یہ کسی ایسے آدمی کو پسند کرے جو دین و اخلاق کے اعتبار سے کفو نہ ہو تو پھر اس کی رائے کا اعتبار نہ ہو گا خواہ والدین کی بات ٹھکرانے کی وجہ سے اسے شادی کے بغیر زندگی بسر کرنا پڑے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص شادی کا مطالبہ لے کر آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔"

اگر ماں باپ میں اختلاف ہو کہ ماں ایک آدمی سے شادی کو پسند کرے اور باپ کسی دوسرے آدمی سے تو پھر اس معاملے میں اس لڑکی کی طرف رجوع کیا جائے گا جس کی منگنی کرنا مقصود ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

محرم عورتوں کے احکام

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے

سوال سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ

وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾﴾ (النساء٤/ ٢٢_٢٣)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور (اللہ کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور تھا۔ تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں' بیٹیاں' بہنیں پھوپھیاں' خالائیں' بھتیجیاں اور بھانجیاں (اسی طرح) تمہاری دودھ کی مائیں اور تمہاری دودھ کی بہنیں' تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری مدخولہ بیویوں کی (کسی دوسرے شوہر سے) بیٹیاں اور اگر تم نے دخول کیا ہو تو کوئی حرج نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔"

مندرجہ بالا آیات کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے' ان آیات میں جن اسباب حرمت کو بیان کیا گیا ہے' ان کا تعلق تین چیزوں سے ہے اور وہ یہ ہیں (۱) نسب (۲) رضاعت اور (۳) مصاہرت۔

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾ (النساء٤/ ٢٢)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا۔)"

سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی عورت سے شادی کرے جس سے اس کے باپ یا دادا یا اس سے بھی کسی اوپر کے انسان نے شادی کی ہو' دادا ہو یا نانا دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے اور اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ ان کا اس عورت سے جنسی تعلق قائم ہوا ہے یا نہیں۔

جب کوئی آدمی کسی عورت سے صحیح عقد قائم کرے تو وہ اس کے بیٹوں' پوتوں' پڑپوتوں اور نیچے سب تک حرام ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اس آیت میں ان رشتوں کو بیان کیا گیا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں: ① مائیں اور ان سے اوپر کی خواتین یعنی دادیاں اور نانیاں ② بیٹیاں اور ان سے نیچے کی خواتین یعنی بھتیجیاں اور بھانجیاں ③ بہنیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا صرف ماں کی طرف سے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے ④ پھوپھیاں' ان سے آباء و اجداد کی بہنیں مراد ہیں خواہ وہ حقیقی

پھوپھیاں ہوں یا صرف باپ کی طرف سے ہوں یا صرف ماں کی طرف سے۔ حقیقی پھوپھیاں وہ ہیں جو آپ کے باپ کی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے بہنیں ہوں اور باپ کی طرف سے پھوپھیاں وہ ہیں جو آپ کے باپ کی ان کے باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور ماں کی طرف سے پھوپھیاں وہ ہیں جو آپ کے باپ کی ان کی ماں کی طرف سے بہنیں ہوں ⑤ خالائیں' اس سے مراد ماں اور نانی کی بہنیں ہیں خواہ وہ نانی سے بھی اوپر کی ہوں خواہ وہ ماں کی باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے بہنیں ہوں' حقیقی خالائیں وہ ہوتی ہیں جو آپ کی والدہ کی ان کے ماں باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور باپ کی طرف سے خالائیں وہ ہیں جو آپ کی والدہ کی ان کے باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور ماں کی طرف سے خالائیں وہ ہیں جو آپ کی والدہ کی ان کی ماں کی طرف سے بہنیں ہیں۔

یاد رہے کسی شخص کی خالہ یا پھوپھی اس کی اولاد در اولاد کی بھی خالہ اور پھوپھی ہے یعنی آپ کے باپ کی پھوپھی آپ کی پھوپھی اور آپ کے باپ کی خالہ آپ کی بھی خالہ ہے' اس طرح آپ کی ماں کی پھوپھی اور خالہ بھی آپ کی پھوپھی اور خالہ ہے' اسی طرح آپ کے دادوں' نانوں اور دادیوں' نانیوں کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ ⑥ بھتیجیاں خواہ وہ بھائی جس کی وہ بیٹیاں ہوں وہ حقیقی بھائی ہو یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف بھائی ہو یعنی آپ کے حقیقی بھائی کی بیٹی یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے بھائی کی بیٹی اور اس کی بیٹی کی بیٹی بھی آپ کے لیے حرام ہے' اس طرح اس کے بیٹے کی بیٹی بھی آپ کے لیے حرام ہے اور اس سے نیچے کی تمام بیٹیاں بھی آپ کے لیے حرام ہیں۔ ⑦ اسی طرح بھانجیوں کی حرمت کے بارے میں بھی یہی اصول ہے اور یہ سات رشتے نسب سے حرام ہیں۔ اور اس آیت کریمہ:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں۔"

میں ان رشتوں کی طرف اشارہ ہے جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

اور نسب سے جو رشتے حرام ہیں وہ مائیں' بیٹیاں' بہنیں' پھوپھیاں خالائیں' بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں تو ان کی نظیر جو رضاعی رشتے ہوں گے وہ بھی نبی ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق حرام ہیں۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِي دَخَلۡتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمۡ تَكُونُواْ دَخَلۡتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَٰٓئِلُ أَبۡنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنۡ أَصۡلَٰبِكُمۡ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری ساس حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی وہ بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں) تم

پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی (حقیقی) بیٹوں کی عورتیں بھی۔"

اس آیت میں ان تین رشتوں کا ذکر ہے جو مصاہرت کی وجہ سے حرام ہیں یعنی بیویوں کی ماؤں سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنی بیوی کی ماں اور دادی اور اوپر کی تمام خواتین بھی حرام ہیں خواہ وہ اس کے باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے اور یہ تمام خواتین محض عقد نکاح ہی سے حرام ہو جاتی ہیں۔

جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے تو اس مرد پر منکوحہ کی ماں حرام ہو جاتی ہے اور وہ اس کی محرم بن جاتی ہے خواہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول نہ بھی کیا ہو مثلاً اس کی یہ بیوی فوت ہو جائے یا یہ اسے طلاق دے دے تو اس کی ماں سے نکاح کرنا اس کے لیے حرام ہو گا' اگر اس نے اپنی بیوی سے دخول نہیں کیا تو پھر بھی اس کی ماں اس کے لیے حرام ہو گئی' وہ اس کے سامنے اپنے چہرے کو ننگا کر سکتی ہے' اس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے' خلوت میں جا سکتی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ محض عقد نکاح سے اس کی بیوی کی ماں اور اس کی دادیاں نانیاں حرام ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ((وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ)) "بیویوں کی ماؤں" کے عموم میں داخل ہیں اور عورت محض عقد ہی سے اپنے شوہر کی بیوی بن جاتی ہے۔ اور اس ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبۡنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنۡ أَصۡلَٰبِكُمۡ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی وہ بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو۔"

سے مراد بیوی کی بیٹیاں اور اس کی اولاد کی بیٹیاں ہیں اور خواہ وہ اس سے بھی نیچے کے درجے میں ہوں۔ جب کوئی انسان کسی عورت سے شادی کرے تو اس کی وہ بیٹیاں جو کسی اور خاوند سے ہوں وہ بھی اس کے لیے حرام ہیں اور اس کی محرم ہیں' اسی طرح اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں بھی اس کے لیے حرام ہیں لیکن اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہاں دو شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ کہ ① بیوی کی پہلے خاوند سے بیٹی (ربیبہ) آدمی کی زیر پرورش ہو۔ ② اور بیوی سے صحبت ہو چکی ہو۔ ان میں سے پہلی شرط جمہور اہل علم کے نزدیک اغلبی ہے جس کا کوئی مفہوم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مدخولہ بیوی کی بیٹی مرد کے لیے حرام ہے خواہ وہ اس کی پرورش میں نہ بھی ہو اور دوسری شرط یعنی "جن کے ساتھ تم نے دخول کیا ہو" یہ شرط اصل مقصود ہے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا مفہوم بھی ذکر فرمایا ہے۔ جب کہ پہلی شرط کا مفہوم بیان نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اس شرط کا مفہوم معتبر نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ ٱلَّٰتِي دَخَلۡتُم بِهِنَّ ﴾ کے مفہوم کا اللہ تعالیٰ نے اعتبار کیا ہے' اسی وجہ سے تو فرمایا کہ ﴿ فَإِن لَّمۡ تَكُونُواْ دَخَلۡتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ﴾ اور اس ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبۡنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنۡ أَصۡلَٰبِكُمۡ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی۔"

سے مراد حقیقی بیٹے کی بیوی ہے خواہ وہ اس سے بھی نیچے کے درجے میں ہو' وہ بھی محض عقد نکاح ہی سے اس کے باپ پر حرام ہے' اس طرح پوتے کی بیوی بھی محض عقد ہی سے دادا پر حرام ہو جاتی ہے لہذا اگر کوئی مرد کسی عورت سے صحیح عقد کرے اور پھر اسے فوراً طلاق دے دے تو وہ اس کے باپ دادا اور اس سے بھی اوپر کے تمام لوگوں کے لیے بھی حرام ہو جائے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں (بھی حرام ہیں)۔"

کے عموم کا یہی تقاضا ہے اور عورت محض عقد ہی سے اپنے شوہر کی بیوی بن جاتی ہے۔

یہ ہیں وہ تین اسباب جو موجب حرمت ہیں یعنی (۱) نسب (۲) رضاعت اور (۳) مصاہرت' نسب کی وجہ سے سات قسم کے رشتے حرام ہیں' رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہیں جو نسب کی نظیر ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

اور مصاہرت کی وجہ سے چار قسم کے رشتے حرام ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء کی آیات :۲۲/ ۲۳ میں ہے یعنی (۱) وہ عورتیں جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو (۲) ساسیں (۳) جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی بیٹیاں اور (۴) تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں۔ اور رہا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے)

تو یہ حرمت' ابدی نہیں ہے کیونکہ دونوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے' بیوی کی بہن شوہر کے لیے حرام نہیں ہے حرام یہ ہے کہ دونوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دو بہنوں کا اکٹھا کرنا حرام ہے' یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری بیویوں کی بہنیں حرام ہیں لہٰذا اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دے اور اس کی عدت پوری ہو جائے تو وہ اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ حرام یہ ہے کہ دونوں بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھا جائے' جس طرح دو بہنوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے' اسی طرح کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو اکٹھا کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے یہ ثابت ہے یعنی جن عورتوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے وہ تین قسم کی ہیں (۱) دو بہنیں (۲) عورت اور اس کی پھوپھی اور (۳) عورت اور اس کی خالہ (جب کہ چچا اور ماموں کی بیٹی کو جمع کرنا جائز ہے۔)

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ عورت اجنبی ہے

سوال میری عمر اڑتالیس برس تھی' میں بیمار ہو گیا تو میرے اہل خانہ میں سے کوئی بھی میری خبر گیری کے لیے موجود نہ تھا' میرا ایک شریک کار اور مسلمان دوست تھا' مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی لہٰذا اس نے میری مدد کی اور مجھے اپنے گھر لے گیا' اس کی بیوی بھی مسلمان' دیندار اور حافظ قرآن ہے' بیماری کے دوران اس نے بھی میری خدمت کی اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء اور صحت و عافیت سے نواز دیا تو میں نے چاہا کہ اپنے دوست کی اس بیوی کو اپنی بہن بنا لوں جب کہ میری کوئی حقیقی بہن نہیں ہے لہٰذا ہم نے قرآن مجید سامنے رکھ کر یہ عہد کیا کہ یہ عورت میری بہن ہے اور میرے لیے

ہیشہ ہیشہ حرام ہے' یہ معاہدہ اس کے شوہر' اولاد' بچیوں اور میرے سارے اہل خانہ کی رضامندی سے ہوا تھا جس کی وجہ سے میں اب اسے اپنی حقیقی بہن سمجھتا ہوں تو سوال یہ ہے: کیا میں اس کے ہاتھ کو چھو سکتا ہوں؟ حج میں اس کا محرم بن سکتا ہوں جب کہ میرے اور اس کے خاندان کے اکثر لوگوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ میں نے اسے بہن بنا لیا ہے؟ امید ہے آپ اس مسئلے میں شریعت اسلامی کے حکم سے آگاہ فرمائیں گے؟

جواب آپ کے اس دوست نے آپ سے خواہ کیسی بھی نیکی کی ہو اور اس کی بیوی نے خواہ کتنی بھی خدمت سرانجام دی ہو تو اس وجہ سے وہ آپ کی محرم نہیں بن سکتی بلکہ وہ بدستور اجنبی ہی ہے کیونکہ عورت نصوص شریعت کے بیان کردہ حدود کے اندر صرف نسب' رضاعت یا مصاہرت ہی سے حرام ہو سکتی ہے' لہٰذا آپ کے لیے اسے ہاتھ یا کسی اور عضو سے چھونا جائز نہیں اور نہ آپ حج وغیرہ کے سفر میں اس کے لیے محرم ہی بن سکتے ہیں' اس سے خلوت بھی حرام ہے خواہ اس پر وہ اور اس کا شوہر اور خاندان راضی کیوں نہ ہوں اس عورت سے آپ کا معاملہ اسی طرح ہو گا جس طرح کسی بھی اجنبی عورت سے ہو سکتا ہے۔ ہاں انہوں نے آپ کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس پر آپ اس کے شوہر اور رشتے داروں کا شکریہ ادا کریں' ان کے کام میں جسمانی مدد کے ذریعے تعاون کریں' مالی تعاون کریں' حسن سلوک سے پیش آئیں ان سے ہمدردی و خیرخواہی کا اظہار کریں اور بوقت ضرورت ان کی مقدور بھر مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرمت میں خون کو دودھ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا

سوال کسی عورت کو اگر خون کی ضرورت ہو اور وہ کسی اجنبی شخص سے لے کر اسے دے دیا جائے' عورت کو شفاء حاصل ہو جائے اور وہ شخص اس سے شادی کرنا چاہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہاں انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس عورت سے شادی کرے جسے اس کا خون دیا گیا ہو کیونکہ خون دودھ نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اس سے وہ حرام ہو جائے گی' حرمت تو دودھ سے ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ دو سال کی عمر میں دودھ چھڑانے سے پہلے پیا ہو اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

سوال ایک شخص کی بیوی بیمار تھی۔ اسے خون دینے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ہسپتال میں خاوند کا خون لے کر اس کی بیوی کو لگا دیا گیا تو کیا اس کی ازدواجی زندگی پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

جواب سائل کے ذہن میں شاید یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ اس نے خون کو دودھ پر قیاس کر لیا ہے جو کہ موجب حرمت

ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے اور اس کے دو سبب ہیں (۱) خون دودھ کی طرح غذا نہیں بنتا (۲) بموجب نص جس سے حرمت لازم آتی ہے وہ رضاعت (دودھ) ہے اور وہ بھی ان دو شرطوں کے ساتھ کہ (۱) رضاعت میں پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ دودھ پینا ثابت ہو اور (۲) رضاعت دودھ پینے کی دو سال کی مدت کے اندر ہو لہٰذا خون جو بیوی کو منتقل کیا گیا ہے اس کا ان کی ازدواجی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اپنے بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح

سوال میں اپنی پھوپھی زاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن یاد رہے کہ میرے بڑے بھائی نے میری اس پھوپھی کا ایک سے زیادہ بار دودھ پیا ہے لیکن میں نے اپنی اس پھوپھی کا مطلقاً دودھ نہیں پیا اور میری اس پھوپھی زاد نے بھی میری ماں کا دودھ بالکل نہیں پیا۔ سوال یہ ہے: کیا میں اپنی اس پھوپھی زاد سے شادی کر سکتا ہوں یا میں اس کا بھائی ہوں؟

جواب اس سوال کا جواب نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں دیا جائے گا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

یعنی رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو قرابت سے حرام ہیں کیونکہ نسب قرابت ہے۔ لفظ "نسب" کے بارے میں ان شاء اللہ عنقریب تفصیل ذکر کروں گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنی اس پھوپھی زاد سے شادی کر سکتے ہیں جس کی ماں کا آپ کے بھائی نے دودھ پیا ہے کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایسا کوئی رضاعی رشتہ نہیں ہے' لہٰذا آپ اس کے بھائی نہیں ہیں کیونکہ آپ نے تو اس کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے لہٰذا وہ آپ کی بہن نہیں ہے۔ حرمت صرف دودھ پینے والے اور اس کی اولاد کے بارے میں ثابت ہوتی ہے۔ یعنی رضاعت کا اثر دودھ پینے والے اور اس کی اولاد پر مرتب ہوتا ہے' اس کے بہن بھائیوں پر یا اصول میں جو اس سے اوپر کے رشتے دار ہوں ان تک اس حرمت کا اثر نہیں پہنچتا ہاں البتہ یہ حرمت دودھ پینے والے اور اس کی اولاد کی طرف دودھ پلانے والی کی طرف سے ضرور منتقل ہوتی ہے نیز اس کی طرف سے بھی جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہو یعنی جس نے اسے دودھ پلایا ہو یہ اس کی ماں ہو گی' اس کی ماں اس کی نانی ہو گی' اس کا باپ اس کا نانا ہو گا' اس کے بھائی اس کے ماموں ہوں گے اور اس کی بہنیں اس کی خالائیں ہوں گی۔

اسی طرح جس کی طرف اس عورت کا دودھ منسوب ہو اور وہ اس کا شوہر ہو گا یا آقا یا وہ جس نے شبہہ کی وجہ سے اس سے وطی کی ہو تو وہ اس کا باپ ہو گا اور اس کی اولاد دودھ پینے والے کے بھائی اور اس کے بھائی' اس کے چچے اور بہنیں' پھوپھیاں ہوں گی۔ یہ سب کچھ ہم نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے لیتے ہیں:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على

الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔"

کلمہ "نسب" (قرابت داری) کے متعلق میں نے جو یہ کہا تھا کہ اس کے بارے میں تفصیل ذکر گزارش کروں گا تو وہ یہ ہے کہ بہت سے عوام انساب یا ارحام کے کلمے سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد میاں یا بیوی کے رشتے دار ہیں حتیٰ کہ کئی آدمی یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص میرے انساب یا ارحام میں سے ہے' کیونکہ میں نے ان میں شادی کی ہے' یہ بات لغت اور شریعت کے اعتبار سے غلط ہے کیونکہ انساب اور ارحام سے مراد تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے رشتے دار ہوں اور جو میاں یا بیوی کی طرف سے رشتے دار ہوں تو انہیں انساب نہیں بلکہ اصہار (سسرال) کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُۥ نَسَبًا وَصِهْرًا ﴾ (الفرقان٢٥/ ٥٤)

"اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا پھر اس کو نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے باہمی تعلقات کے لیے ان دو چیزوں یعنی نسب اور مصاہرت کو ذریعہ بنایا ہے اور یہ دو الگ الگ قسمیں ہیں' میں نے اس کی طرف یہ توجہ اس لیے دلائی ہے تاکہ لوگوں کو شرعی الفاظ کے مدلولات کا علم ہو جائے اور وہ غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شوہر کے اجداد بیوی کے محرم ہیں

سوال کیا شوہر کا نانا اس کی بیوی کا محرم شمار ہو گا یا نہیں؟

جواب شوہر کے تمام دادے اور نانے اس کی بیوی کے محرم ہیں کیونکہ محرمات کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی (حقیقی) بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں۔"

"حلائل" کے معنی ہیں بیویاں' اور بیٹوں کے بیٹے بھی اپنے نانا کے بیٹے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا تھا:

«إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ»(صحيح البخاري، الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي ... الخ، ح:٢٧٠٤)

"میرا یہ بیٹا سردار ہے۔"

اور وہ نبی ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کی حسب ذیل آیت کریمہ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ "حضرت عیسیٰ ابن مریم' حضرت نوح و ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں:

﴿ وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ

وَسُلَيْمَـٰنَ . . . . وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾ (الأنعام٦/ ٨٤-٨٥)

"اور ہم نے ان کو (حضرت ابراہیم کو) اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داود اور سلیمان کو بھی..... اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی۔ یہ سب نیکوکار تھے۔"

اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا وہ تو حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں جو حضرت آدم' نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَـٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تمہارے صلبی بیٹے۔"

تو اس سے درحقیقت ان لے پالکوں کو خارج کرنا مقصود ہے جنہیں اہل جاہلیت متبنیٰ بنا لیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اپنی کتاب کریم میں منع کرتے ہوئے سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُوهُمْ لِـَٔابَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥)

"مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

باپ کی بیوی کی دوسرے شوہر سے بیٹی کے ساتھ شادی

سوال میرے والد نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر اسے طلاق دے دی تو اس نے ایک اور مرد سے شادی کر لی اور اس سے اس کے کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں تو کیا ان میں سے کسی لڑکی کے ساتھ میرے لیے شادی کرنا حلال ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آپ کے اور اس کے مابین رضاعت اور قرابت کا کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جو شادی سے مانع ہو' اس عورت کی بیٹیاں آپ کے باپ کے لیے حرام ہیں کیونکہ وہ اس کی ربیبائیں ہیں' اس لیے کہ ان کی ماں کے ساتھ آپ کے باپ نے مباشرت کی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

بہن کی رضاعی بہن سے نکاح

سوال میرے چچا کے بیٹے ہیں اور ان کی بڑی بہن نے میری ماں کا دودھ پیا ہے اور میری بڑی بہن نے ان کی ماں کا دودھ پیا ہے' ایک عرصہ بعد میں اپنے چچا کی چھوٹی بیٹی سے شادی کا پیغام لے کر گیا جس نے میری والدہ کا دودھ نہیں پیا تو کیا اس سے میری شادی جائز ہے جب کہ میں نے بھی اپنی اس چچی کا دودھ نہیں پیا ہے؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو آپ کے لیے اس چچازاد سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں جس نے آپ کی والدہ کا دودھ نہیں پیا اور آپ کے اور اس کے درمیان رضاعت یا قرابت کا کوئی ایسا

رشتہ بھی نہیں جس کی وجہ سے یہ حرام ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

بیوی کی وفات کے بعد اس کی بھانجی یا پھوپھی یا خالہ سے نکاح کرنا

سوال کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کی وفات کے بعد اس کی بھتیجی یا بھانجی یا پھوپھی سے یا خالہ سے یا ان کی بیٹیوں سے شادی کرے؟

جواب جائز ہے' کیونکہ اس صورت میں ممانعت کا سبب ختم ہو گیا ہے اور وہ ہے ایسے رشتوں کو جمع کرنا جو قطع رحمی کا سبب بنیں۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو اس کے لیے اس کی بہن یا بھتیجی یا بھانجی یا خالہ یا ان کی بیٹیوں سے شادی کرنا حلال ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ایک رضعہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال میں اپنی چچازاد سے شادی کرنا چاہتا تھا تو منگنی سے پہلے اس کی بہن نے مجھے بتایا کہ اس نے مجھے دودھ پلایا ہے لیکن اسے رضعات (دودھ پینے) کی تعداد معلوم نہیں لیکن میری والدہ نے مجھے یہ بتایا کہ اسے یاد ہے کہ اس نے صرف ایک بار دودھ پلایا تھا اور اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں' والدہ سے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ صرف ایک ہی دفعہ دودھ پینا ثابت ہے' میں نے اپنی چچازاد سے منگنی کر لی اور اب میں تردد میں ہوں کہ اس سے شادی کر لوں یا نہیں' کیونکہ پانچ معلوم رضعات تو ثابت نہیں ہیں یا یہ کہ شادی سے پہلے ہی طلاق دے دوں؟

جواب آپ اسے طلاق نہ دیں کیونکہ وہ رضاعت ثابت نہیں جس سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے اور وہ ہیں پانچ معلوم رضعات اور وہ بھی اس طرح کہ ہر دفعہ پستان کو منہ میں لے کر دودھ چوسا گیا ہو اور پھر چھوڑ دیا گیا ہو' اگر اس طرح رضاعت ثابت ہو تو یہ بیوی آپ کی خالہ یعنی آپ کی ماں کی رضاعی بہن ہو گی لیکن جب صرف ایک ہی رضعہ ثابت ہے تو یہ آپ کے لیے حرام نہیں ہے' اسے اپنی بیوی بنا کر اپنے پاس رکھو' اللہ سے ڈرو اور پریشانی اور اوہام کو دور کر دو کیونکہ اصل تو حلت ہے اور یہاں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جو اس حلت کو ختم کرنے والی ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بہن کی سوکن کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال میری بہن ایک شخص کی بیوی ہے جب کہ اس کی ایک بیوی اور بھی ہے اور ان میں سے ہر ایک نے دوسری کے بچوں کو دودھ بھی پلایا ہے اور اس پہلی بیوی کی کچھ بڑی بیٹیاں بھی ہیں جنھوں نے میری بہن کا دودھ نہیں پیا تو کیا ان میں سے کسی ایک سے میرے لیے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو آپ کے لیے اپنی بہن کی سوکن کی ان بیٹیوں

میں سے کسی ایک سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جن کو آپ کی بہن نے دودھ نہ پلایا ہو بشرطیکہ آپ کے اور ان کے مابین قرابت اور رضاعت کا کوئی اور ایسا تعلق بھی نہ ہو جو موجب حرمت ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اس نکاح سے کوئی امر مانع نہیں ہے

سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزارش ہے کہ میرا بھانجا عدنان میری ایک بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن اس مسئلے میں ایک دشواری یہ ہے کہ اس کی والدہ (میری بہن) نے میرے ان تمام چھوٹے بھائیوں کو دودھ پلایا ہے جو میرے بعد پیدا ہوئے اور اس وقت میری والدہ نے میری بہن کے ان بچوں کو دودھ پلایا تھا جو عدنان سے بڑے ہیں' اس مسئلے میں آپ مجھے جو شرعی فتویٰ عطا فرمائیں گے میں اس کی پابندی کروں گا' کیا یہ نکاح حرام تو نہیں ہے۔ یاد رہے عدنان نے اپنے دیگر بھائیوں کی طرح میری والدہ کا دودھ نہیں پیا؟

جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو عدنان مذکور کے آپ کی کسی بیٹی سے شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ یہاں کوئی ایسی قرابت یا رضاعت موجود نہیں ہے جو شادی سے مانع ہو' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا والے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

——— شیخ ابن باز ———

رضاعی بھائی کی بہن سے شادی میں کوئی حرج نہیں

سوال کیا ایسی لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے حلال ہے جس کی بڑی بہن میرے چھوٹے بھائی کی رضاعی بہن ہے؟ وجزاکم اللہ عنا خیر الجزاء

جواب بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ صرف آپ کے بھائی نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہو' لیکن آپ نے اس کا دودھ نہ پیا ہو اسی طرح اگر دودھ پینے والی اس لڑکی کی بہن ہے جس نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے تو پھر بھی اس لڑکی سے نکاح کرنا حلال ہے اور اس کی بہن نے آپ کی والدہ کا جو دودھ پیا ہے یہ آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہے اور نہ آپ کے بھائی کا اس کی ماں کا دودھ پینا آپ کے لیے نقصان دہ ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بہن کے خاوند کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال کیا ایسی لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے جس کا باپ میری بہن کا خاوند ہے لیکن یہ لڑکی میری بہن کی بیٹی نہیں ہے بلکہ میری بہن کے شوہر کی بیٹی ہے (یہ کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہے) یہ لڑکی جس کی عمر اٹھارہ برس ہے یہ

مجھے اپنا ماموں کہتی ہے اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ یہ کہوں کہ میں تمہارا ماموں نہیں ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اس کے سامنے کھلم کھلا اس حقیقت کا اظہار کردوں کہ میں اس کا ماموں نہیں ہوں اور اس سے شادی کر لوں' راہنمائی فرمائیں؟

جواب ہاں اس لڑکی سے شادی حلال ہے کیونکہ یہ آپ کی قرابت دار نہیں ہے' اس کا باپ آپ کے لیے اجنبی ہے خواہ اس نے آپ کی بہن سے شادی کر رکھی ہے' اس کی ماں بھی آپ کے لیے اجنبی ہے خواہ وہ آپ کی بہن کی سوکن ہے' آپ اس لڑکی کے ماموں نہیں ہیں' لہٰذا اس سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال ہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بیوی کی دوسرے خاوند سے ہونے والی بیٹیوں کے ساتھ شادی کا حکم

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے کئی بیٹیاں پیدا ہوئیں پھر اس نے اسے طلاق دے دی' اس نے ایک اور آدمی سے شادی کر لی اور اس سے بھی کئی بیٹیاں پیدا ہوئیں تو کیا اس دوسرے آدمی کی یہ بیٹیاں پہلے آدمی سے پردہ کریں گی؟ اور اگر پردہ کریں گی تو کیا وہ ان سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب جب کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرے اور اس کے ساتھ دخول بھی کرے تو اس کی کسی بیٹی یا بیٹی کی اولاد کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی سابقہ شوہر کی ہو یا لاحقہ کی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ . . . . وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ ﴾ (النساء ٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں--- اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں۔)"

ربیبہ سے مراد یہاں بیوی کی بیٹی ہے اور یہ شخص اس عورت کی بیٹیوں کا محرم شمار ہو گا جس سے اس نے شادی کی اور پھر دخول بھی کیا' یہ بیٹیاں اس سے پردہ بھی نہیں کریں گی۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیٹی کی باپ کے ماموں سے شادی اور.....

سوال کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اپنے باپ کے ماموں سے کر دے نیز کیا وہ اپنے چچا کی اسی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے جس نے اس کے ساتھ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ دودھ پیا ہو؟

جواب پہلا سوال کہ کیا سائل کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا اپنے باپ کے ماموں سے نکاح کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حلال نہیں کیونکہ باپ کا ماموں سائل کا' اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا بھی ماموں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ماموں کے لیے بھانجیوں سے شادی کرنا حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کتنے ہی نیچے کے درجے میں ہوں' دوسرے سوال کا جواب یہ ہے

کہ اگر رضاعت پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دودھ دو سال کی مدت کے اندر پیا ہو تو وہ بھی موجب حرمت ہے لہٰذا سائل کے لیے اس صورت میں یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے چچا کی اسی بیٹی سے شادی کرے جس نے اس کے ساتھ یا اس کے کسی بھائی کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہو اور اگر رضعات پانچ سے کم ہوں یا دو سال کی مدت کے بعد ہوں تو پھر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شرعاً معتبر رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان سے دودھ پیے اور پینے کے بعد جب پستان کو چھوڑ دے تو اسے ایک رضعہ کہتے ہیں اور جب دوبارہ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا حتی کہ وہ اسی طرح پانچ رضعات مکمل کر لے' اس سے واضح ہوا کہ رضاعت میں اعتبار اس کیفیت کا ہے جو ہم نے ابھی ابھی بیان کی ہے' اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ رضاعت ایک دن یا دن کے کچھ حصے پر مشتمل ہے کیونکہ شرعاً معتبر رضاعت کو بچہ کبھی ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں پورا کر لیتا ہے اور کبھی اس پر پانچ یا اس سے زیادہ دن بھی صرف ہو سکتے ہیں۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت سے کیا حرام ہے؟

سوال دو عورتوں میں سے ایک کا بیٹا ہے اور دوسری کی بیٹی اور انہوں نے ایک دوسری کے بچے کو دودھ پلایا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان دودھ پینے والوں کے بہن بھائیوں میں سے کس کے لیے دوسرے سے شادی کرنا حلال ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب جب کوئی عورت کسی بچے کو پانچ معلوم یا اس سے بھی زیادہ رضعات دو سال کی مدت کے اندر پلا دے تو دودھ پینے والا بچہ اس کا اور اس کے شوہر کا بیٹا بن جاتا ہے جو کہ دودھ لانے کا باعث بنا ہے۔ اور عورت کی اس شوہر سے ساری اولاد اور دوسرے شوہر سے اولاد بھی اس کے بھائی بن جاتے ہیں اسی طرح اس شوہر کی ساری اولاد خواہ وہ اس کی اس دودھ پلانے والی بیوی کے بطن سے ہو یا کسی دوسری کے بطن سے وہ بھی اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی بن جاتے ہیں' اسی طرح اس عورت کے بھائی اس بچے کے ماموں' شوہر کے بھائی اس بچے کے چچا' عورت کا باپ بچے کا نانا' اس کی ماں نانی' شوہر کا باپ دادا اور اس کی ماں دادی بن جاتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۂ نساء میں محرمات کے ذکر میں یہ بھی بیان فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں (بھی حرام ہیں۔)"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٨ والسنن الكبرى للبيهقي، الرضاع، باب ما جاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢ واللفظ له)

"رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّـيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں پہلے دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان میں سے پانچ معلوم رضعات کو منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ نے وفات پائی تو وہ (پانچ رضعات والی آیات) قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

طلاق یا وفات کے بعد چچی یا ممانی سے شادی کرنا

سوال کیا چچا کے طلاق دینے کے بعد بھتیجے کے لیے اپنی چچی سے شادی کرنا جائز ہے؟ اور کیا ماموں کے طلاق دینے کے بعد بھانجے کے لیے اپنی ممانی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب طلاق کے بعد آدمی کے لیے اپنے چچا یا ماموں کی بیوی سے نکاح کرنا حلال ہے' اس طرح طلاق کے بعد بھائی یا بھتیجے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حلال ہے جب کہ اس کی عدت گزر جائے ہاں البتہ اپنے بیٹے یا دادے یا پوتے کی بیوی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں

سوال میری والدہ' میرے والد کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے ایک شخص کے نکاح میں تھیں جس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا اور اس لڑکے کے ساتھ انہوں نے اپنی ایک بہن کو بھی دودھ پلایا اور رضاعت کا یہ سلسلہ تقریباً ایک ہفتے تک جاری رہا' پھر میری والدہ اس شخص سے الگ ہو گئی اور اس سے میرے والد نے شادی کر لی۔ کیا ہم جو کہ اپنی والدہ کے اس دوسرے خاوند کے بیٹے ہیں' اپنی خالہ کی ان بیٹیوں سے شادی کر سکتے ہیں جنہوں نے ہماری ماں کا دودھ پیا ہے یا نہیں کر سکتے؟

جواب تمہارے لیے اپنی مذکورہ خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مذکورہ رضاعت کی وجہ سے وہ

تمہاری بہن بن گئی ہے اور تم اس کی اولاد کے ماموں بن گئے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

شیخ ابن باز

بیوی کے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا

سوال دو آدمی ہیں ان میں سے ایک نے دوسرے کی بیٹی سے شادی کی' پھر بیٹی کی ماں یعنی دوسرے کی بیوی فوت ہو گئی تو اس نے ایک اور عورت سے شادی کر لی اور پھر یہ آدمی بھی فوت ہو گیا تو سوال یہ ہے کہ کیا پہلے آدمی کے لیے یہ درست ہے کہ وہ اپنی بیوی کے باپ کی بیوی سے نکاح کرے اور اگر وہ بیٹی کی طلاق کی صورت میں اس کی جگہ اس کے باپ کی بیوی سے شادی کر لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پہلے آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے باپ کی بیوی سے شادی کرے بشرطیکہ وہ اس کی بیوی کی ماں نہ ہو' اس کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ اس کے شوہر کی بیٹی اس کے ساتھ ہی ہو کیونکہ ان دونوں بیویوں یعنی اس کی پہلی بیوی اور اس کے باپ کی بیوی کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں ہے اور جن خواتین سے بیک وقت نکاح حرام ہے' وہ یہ ہیں (۱) دونوں بہنیں (۲) عورت اور اس کی خالہ (۳) عورت اور اس کی پھوپھی' اس کے علاوہ دیگر عورتوں سے بیک وقت نکاح حلال ہے کیونکہ محرمات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔"

بعض سلف نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ آدمی عورت اور اس کے باپ کی بیوی کو اکٹھا کرے لیکن اس کراہت کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

جب آدمی کے لیے ایک عورت اور اس کے باپ کی بیوی کو یکجا کرنا جائز ہے تو یہ بالاولیٰ جائز ہو گا کہ وہ اپنی بیوی سے فراق کے بعد اس کے باپ کی بیوی سے شادی کرے۔

ماں اور اس کی بیٹی کے حوالے سے بات یہ ہے کہ بیٹی اگر بیوی ہے تو اس کی ماں اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محض عقد ہی سے حرام ہو جاتی ہے اور اگر ماں بیوی ہے اور شوہر نے اس کے ساتھ مباشرت بھی کی ہے تو بیٹی اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور اگر اس کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو تو اس کو چھوڑ کر اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ . . . وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جنکی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں .... اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا۔)"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلاَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، ح:٥١٠٩ وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها . . . الخ، ح:١٤٠٨)

"عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو اکٹھا نہ کیا جائے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

لڑکے کے باپ نے لڑکی کی ماں کے ساتھ شادی کی تھی.....

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی اور پھر اس عورت نے ایک اور مرد سے شادی کی جس سے اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی' پھر اس کی ماں فوت ہو گئی اور یہ بیٹی زندہ ہے' پھر پہلے مرد نے جس نے اس بیٹی کی ماں سے شادی کی تھی ایک دوسری عورت سے شادی کی اور اس سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا' اس بیٹے نے اس لڑکی--- یعنی اس لڑکی سے جس کی ماں سے اس کے والد نے شادی کی تھی--- سے منگنی کی ہے تو اس شادی کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ لڑکے کے لیے مذکورہ لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے خواہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے شادی کی تھی کیونکہ محرمات نکاح کا ذکر کرنے کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

اور مذکورہ لڑکی ان محرمات میں شامل نہیں ہے جن کا قرآن و سنت میں ذکر ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ رضاعت شادی سے مانع نہیں ہے

سوال میں سولہ سالہ نوجوان ہوں اور اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی

چھوٹی بہن نے میری بڑی بہن کا دودھ پیا ہے۔ کیا اس سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے لیکن یاد رہے کہ اس نے میری والدہ کا دودھ نہیں پیا؟

جواب اس لڑکی سے شادی کرنے میں آپ کے لیے کوئی حرج نہیں' اس کی چھوٹی بہن نے آپ کی بڑی بہن کا جو دودھ پیا ہے اس کا آپ کی شادی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا یہ لڑکی آپ کے لیے اجنبی ہے کہ اس نے آپ کی والدہ کا یا آپ نے اس کی والدہ کا دودھ نہیں پیا اور نہ اس کی کسی بہن کا دودھ پیا ہے لہذا آپ دونوں کے مابین قرابت (رضاعت) نہیں ہے لیکن اس کی چھوٹی بہن آپ کے لیے یا آپ کے کسی اور بھائی کے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ اس نے تمہاری بہن کا دودھ پیا ہے لہذا یہ تمہاری سب بھائیوں کی بھانجی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

میں نے اپنے ماموں کی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا تھا.....

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور میں نے اپنے ماموں کی سب سے بڑی بیٹی کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کی اور بھی بہنیں پیدا ہوئیں جو کہ شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں۔ کیا میرے لیے یا میرے کسی اور بھائی کے لیے ان میں سے کسی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اے سائل! اگر آپ نے اپنے ماموں کی بیوی سے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی مدت کے اندر پیے ہیں تو آپ کے ماموں کی تمام بیٹیاں آپ کی بہنیں ہیں لہذا آپ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی شادی نہیں کر سکتے ہاں البتہ آپ کے بھائیوں کے لیے آپ کے اس ماموں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہوں نے آپ کی ممانی کا دودھ نہیں پیا بشرطیکہ آپ کے ماموں کی بیٹیوں نے بھی آپ کے بھائیوں کی ماں یا آپ کے باپ کی بیوی یا آپ کی بہنوں کا دودھ نہ پیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ آپ کے بھائیوں کے لیے آپ کے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کے درمیان رشتہ رضاعت نہ ہو جو شادی سے مانع ہوتا ہے اور مذکورہ بالا صورت میں ممانی سے رضاعت آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے' اس سے آپ کے ماموں کی بیٹیاں آپ کے بھائیوں کے لیے حرام نہیں ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

مطلقہ عورت کا اپنے پہلے شوہر کے باپ سے پردہ

سوال کیا مطلقہ عورت کے لیے جس نے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی ہو یہ جائز ہے کہ وہ پہلے شوہر کے والد کے سامنے اپنے چہرے کو ننگا کرے؟

جواب ہاں اس کے لیے یہ جائز ہے کیونکہ وہ اس کا محرم ہے خواہ اس کا بیٹا اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے' اسی طرح اس کے پہلے شوہر کی دوسری بیوی کے بیٹے اور اس کے پوتے وغیرہ بھی سب اس کے محرم ہیں خواہ ان کے باپ نے اسے طلاق دے دی ہو یا وہ فوت ہو گیا ہو اور خواہ بیٹے اور پوتے نسبی ہوں یا رضاعی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النساء٤/ ٢٢)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا۔"

اور محرمات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی (حقیقی) بیٹوں کی عورتیں بھی (حرام ہیں)"

صلبی کی شرط لگا کر لے پالکوں کو اس سے خارج کر دیا۔ بعض عرب زمانہ جاہلیت میں بعض لڑکوں کو اپنا متبنیٰ بنا لیتے تھے' اس قید سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نکال دیا اور اسلام میں متبنیٰ کی رسم کو باطل قرار دیا۔ باقی رہی رضاعت تو اس کا حکم وہی ہے جو نسب کا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

———— شیخ ابن باز ————

"القواعد" سے مراد بوڑھی عورتیں ہیں ....

سوال میرے چچا کی بیوی قاعدہ ہے (کوئی کام نہیں کرتی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہے) تو کیا اس کے لیے میرے سامنے اپنے چہرے کو ننگا کرنا جائز ہے؟

جواب اس سوال کا جواب درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی روشنی میں دیا جائے گا:

﴿ وَٱلْقَوَٰعِدُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ ٱلَّٰتِى لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَٰتٍۭ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ﴾ (النور٢٤/ ٦٠)

"اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی اور وہ کپڑے (برقعہ وغیرہ) اتار لیا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں تو (یہ) ان کے حق میں بہتر ہے"

اس آیت میں قواعد سے مراد بڑی عمر کی بوڑھی عورتیں ہیں یعنی جن کو اب نکاح کی توقع نہیں رہی تو ان کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ کپڑے (برقع یا وہ بڑی بڑی چادریں وغیرہ جو بطور برقع پہنی جاتی ہیں) اتار لیا کریں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں ظاہر نہ کریں۔ اس آیت سے مراد وہ عورت نہیں ہے جو جوان ہو اور کام کاج نہ کرتی ہو اور اس میں جو حکمت ہے وہ ظاہر ہے کہ وہ بوڑھی عورت جو شادی کے قابل نہ ہو اس کی طرف کوئی التفات نہ کرے گا اور نہ کوئی رغبت رکھے گا لہذا اس کی طرف دیکھنے میں فتنے کا کوئی خوف و خطرہ نہیں ہے۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

نکاح کے لئے ولی کی شرط

ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں

سوال میری عمر چالیس سال ہے' اڑھائی سال سے میں نے دینی تعلیمات پر باقاعدہ عمل شروع کر دیا ہے' ایک نوجوان نے مجھ سے منگنی بھی کی ہے لیکن حیلے بہانے سے اس نے یہ کہتے ہوئے میرے ساتھ خلوت اختیار کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ تو تو میری بیوی ہے اور بعض اہل علم نے شہرت کے بغیر بھی شادی کو جائز قرار دیا ہے اور اس بات کو بھی کہ شادی کا اعلان بعد میں کر دیا جائے نیز امام مالک رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہے کہ "جو شخص شہرت کے بغیر نکاح کرتا ہے' اسے رجم نہ کیا جائے" تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ خصوصاً جب کہ میں تنہا رہتی ہوں اور میں نے اس نوجوان کو بھی منع کر دیا ہے کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے نہ آیا کرے لیکن وہ کہتا ہے کہ تو میری بیوی ہے لہٰذا تو مجھے ملاقات سے کیوں منع کرتی ہے؟ اور جب میں نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو تو پہلے دو گواہ اور میرے والد صاحب کو بلا لاؤ (تاکہ نکاح کیا جا سکے) تو اس نے کہا کہ ہاں میں دو ایسے گواہ تلاش کرتا ہوں جو شادی کی اس خبر کو فی الحال چھپا لیں تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ آپ میری بیوی ہیں اور پھر بعد میں میں خود ہی لوگوں کو یہ بتا دوں گا؟

جواب ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے' کسی کے لیے بھی یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ عورت کے عصبات (ورثاء) میں سے کسی ولی کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کرے' شرعی ترتیب کے مطابق جو ولی عورت سے قریب ترین ہو گا وہ مقدم ہو گا' ولی کے بغیر نکاح فاسد اور غیر صحیح (غلط) ہے جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۱)

"اور تم (اے اہل ایمان!) شرک کرنے والی عورتوں سے (اس وقت تک) نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یاد رکھو! ایک ایماندار لونڈی' مشرک عورت سے کہیں زیادہ بہتر ہے' خواہ مشرک عورت تمہیں کیسی ہی بھلی لگے۔ اور (اسی طرح) ایماندار عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔"

اس آیت میں مومن مرد کو حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے شادی نہ کرو اور مومنہ عورت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے مشرک کے نکاح میں نہ دو اور یہ اس لیے فرمایا کہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کرے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ ﴾ (النور۲۴/ ۳۲)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو)۔"

اس آیت میں بھی بیوہ عورتوں کے ولیوں کو یہ حکم ہے کہ وہ ان کے نکاح کر دیا کریں۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا۟ بَيْنَهُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۲)

"ان کو اپنے (پہلے) شوہروں کے ساتھ۔ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں۔ نکاح کرنے سے مت روکو۔"

اگر نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط نہ ہوتی تو پھر اس کے نکاح سے روکنے کا کوئی اثر نہ ہوتا' نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي ح:٢٠٨٥ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا بولي، ح:١١٠١)

"ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا" نیز نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَارَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، ح:٥١٣٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق ... الخ، ح:١٤١٩)

"بیوہ عورت کا اس کے مشورہ کے بغیر اور باکرہ (کنواری) کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام ﷢ نے کہا یا رسول اللہ! کنواری لڑکی کس طرح اجازت دے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔"

لہٰذا اس آدمی کی اس بات سے جس نے حیلے بہانے سے خلوت اختیار کی ہے اور اس عورت سے کہا ہے کہ "تو میری بیوی ہے" یہ عورت اس کی بیوی نہیں بن جائے گی۔ بلکہ ضروری ہے کہ نکاح کے لیے ولی سے اجازت لی جائے' جہاں تک نکاح کی شہرت و اعلان کا تعلق ہے تو اس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ نکاح کے لیے اعلان ضروری ہے جب کہ بعض دیگر کی یہ رائے ہے کہ بجائے اعلان کے شہرت ہی کافی ہے لیکن صورت حال جو بھی ہو اس آدمی کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا (اور غلط) ہے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے' اس دعویٰ کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ لہٰذا اس عورت کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنے وارثوں سے رابطہ قائم کرے تاکہ وہ اسے میل جول سے منع کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عورت بذات خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی

سوال جب میں ابھی چھوٹی عمر کی تھی اور بلوغت کو بھی نہیں پہنچی تھی' میرے دادا نے میری ناپسندیدگی کے باوجود اپنے پوتے سے میرا نکاح کر دیا' زفاف کے وقت بھی میں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے کئی مشکلات بھی پیدا ہوئیں حتی کہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا اور عدالت نے میرے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ دے دیا لیکن میرا چچا جو کہ اس نوجوان کا والد ہے' وہ اپنے بیٹے ہی سے میری شادی کرنے پر مصر ہے لیکن مجھے یہ رشتہ منظور نہیں' چچا کے خوف کی وجہ سے کیا مجھے اجازت ہے کہ میں عدالت میں جا کر اس شخص سے شادی کر لوں جو میرے والد کی زندگی میں شادی کا پیغام لے کر آیا تھا؟ کیا ولی کی اجازت کے بغیر یہ شادی صحیح ہو گی؟ یاد رہے کہ اب اس چچا کے سوا میرا اور کوئی ولی نہیں ہے۔

جواب آپ کو چاہیے کہ پھر اسی عدالت میں جائیں جس نے پہلے نکاح کو فسخ کر دیا تھا اور قاضی کو بتائیں کہ آپ کے چچا نے آپ کو روک رکھا ہے اور کفو کے ساتھ شادی سے منع کر رکھا ہے تاکہ آپ کو اس طرح پریشان کر کے اپنے بیٹے سے

شادی پر مجبور نہ کر سکے' قاضی کے سامنے جب یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ وہ ایک طویل مدت سے آپ کو شادی سے روک کر نقصان پہنچا رہا ہے تو وہ آپ کے چچا کی ولایت کو ختم کر کے کسی اور کو ولی مقرر کر دے گا۔ یا وہ خود ولی کے فرائض سرانجام دے گا کیونکہ:

«فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لاَ وَلِيَّ لَهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، ح:۲۰۸۳ وجامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي، ح:۱۱۰۲)

"جس کا کوئی ولی نہ ہو حاکم اس کا ولی ہے۔"

لیکن آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنا نکاح خود کریں کیونکہ حدیث میں ہے:

«لاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا»(سنن ابن ماجه، النكاح، باب لا نكاح إلا بولي، ح:۱۸۸۲)

"کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔"

نیز حدیث ((لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ)) کا بھی یہی تقاضا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جب باپ اپنی بیٹیوں کے مناسب رشتوں سے انکار کر دے

سوال ہم کئی بہنیں ایک ہی مکان میں رہائش پذیر ہیں' ہمارے لیے کئی مناسب نوجوانوں کے رشتے آئے مگر ہمارے والد صاحب چونکہ نفسیاتی مریض ہیں اس لیے وہ رشتہ دینے سے ہر ایک کو انکار کر دیتے ہیں' کیا اس صورت حال میں قاضی ہماری شادی کرا سکتا ہے؟

جواب ہاں ولی جب کسی عورت کے دین و اخلاق کے اعتبار سے کفو (ہم پلہ مرد) سے شادی کرنے سے انکار کر دے تو پھر ولایت اس کی بجائے عصبات میں سے قریب ترین رشتہ دار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اگر رشتہ دار بھی شادی سے انکار کر دیں جیسا کہ عموماً آج کل ہو رہا ہے تو پھر ولایت حاکم شرعی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا حاکم شرعی پر واجب ہے کہ وہ ایسی عورت کی شادی کرا دے جس کے ورثاء کے متعلق اسے معلوم ہو کہ وہ اس کی شادی میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں کیونکہ حاکم شرعی کو ولایت خاصہ حاصل نہ بھی ہو تو اس کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

فقہاء کرام -- رحمہم اللہ -- نے ذکر فرمایا ہے کہ جب کوئی ولی کفو (ہم پلہ) رشتوں کو بار بار رد کر دے تو اس سے وہ فاسق ہو جاتا اور اس کی عدالت و ولایت ساقط ہو جاتی ہے بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب (قول) کے مطابق اس کی امامت بھی ساقط ہو جاتی ہے یعنی وہ اس بات کا اہل بھی نہیں رہتا کہ نماز میں مسلمانوں کی امامت کے فرائض سرانجام دے سکے' اس سے اندازہ فرمائیں کہ یہ کس قدر اہم معاملہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے' بعض لوگ اپنی لڑکیوں کے ہم پلہ رشتوں کو بھی مسترد کر دیتے ہیں اور لڑکیاں قاضی کے پاس اپنی شادی کے مسئلہ کو لے جانے میں حیا محسوس کرتی ہیں اور امر واقع یہی ہے۔ ان حالات میں لڑکی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مصالح و مفاسد کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کیا زیادہ خرابی اس میں ہے کہ وہ شادی کے بغیر رہے اور

اس کے متعلق وہ ولی اپنے مزاج اور خواہش کے مطابق فیصلہ کرے خواہ وہ بڑی ہو جائے حتی کہ وہ بالآخر خود ہی اس کی شادی کر دے گا یا زیادہ خرابی اس میں ہے کہ وہ قاضی کے پاس جائے اور اس سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی شادی کا بندوبست کرے۔ یاد رہے اسے اس مسئلہ میں قاضی کے پاس جانے کا پورا پورا شرعی حق حاصل ہے۔

بلاشک وشبہ ان میں سے دوسری صورت ہی زیادہ بہتر ہے یعنی یہ کہ وہ قاضی کے پاس جائے اور اس سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی شادی کا مسئلہ حل کرے کیونکہ اسے قاضی کی عدالت میں جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے اور پھر دوسری خواتین کی مصلحت بھی اسی میں ہے کہ یہ عدالت سے رجوع کریں کہ اس طرح انہیں بھی عدالت سے رجوع کر کے ان ظالموں کے ظلم واستبداد سے نجات پانے کا موقع ملے گا کہ جو اپنی خواتین کو ہم پلہ لوگوں سے شادی کرنے سے منع کر کے ان پر ظلم کرتے ہیں یعنی گویا اس میں تین حسب ذیل مصلحتیں ہیں:

① اس میں عورت کی اپنی مصلحت ہے کہ اس طرح اس کی شادی ہو جائے گی اور وہ خاوند کے بغیر زندگی نہیں گزارے گی۔

② اس میں دوسری عورتوں کی بھی مصلحت ہے کہ اس طرح ایسی عورتوں کے لیے بند دروازہ کھل جائے گا جو اس انتظار میں ہیں کہ کوئی پہل کرے اور وہ اس کے نقش قدم پر چلیں۔

③ اس سے ان ظالموں کو بھی روکا جا سکے گا جو اپنی بیٹیوں یا ان خواتین کے بارے میں جن کا اللہ تعالیٰ نے انہیں ولی بنایا' اپنے ارادہ اور اپنی خواہش ہی پر ہر صورت میں عمل کرنا چاہتے ہیں۔

نیز اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہونے کا موقع ملے گا:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرنے کے لیے آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔"

اس میں ایک خاص مصلحت یہ بھی ہے کہ اس طرح عورتوں کے ان رشتہ طلب کرنے والوں کی بھی ضرورت پوری ہو گی جو دین و اخلاق کے اعتبار سے کفو (ہم پلہ) ہوں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کافر باپ اپنی مسلمان بیٹی کا ولی نہیں ہو سکتا

سوال ایک مسلمان نوجوان ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن لڑکی کا باپ ہمیشہ نشہ کرتا رہتا ہے اور وہ ملحد بھی ہے۔ کیا اس باپ کا دیا ہوا رشتہ جائز ہو گا؟

جواب اگر یہ لڑکی مسلمان ہے تو اس نوجوان مسلمان کے اس کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن باپ اگر کافر (بے دین) ہے تو وہ اپنی بیٹی کا ولی نہیں بن سکتا لہٰذا اس کا بھائی یا چچا زاد بھائی یا اس کا بھتیجا وغیرہ اس کا ولی بن سکتا ہے جب کہ یہ عصبہ مسلمان ہوں' لہٰذا ان میں سے جو بھی قریب ترین رشتہ دار موجود ہو وہ اس کا رشتہ دے دے اور اگر کافر (بے دین) باپ کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر قاضی اس کی شادی کر دے۔

—— شیخ ابن باز ——

ولایت کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال میں ایک نوجوان عورت ہوں اور زندگی کے تیسرے عشرہ میں ہوں' میرے والدین فوت ہو چکے ہیں اور درج ذیل رشتہ دار موجود ہیں:

1 حقیقی چچا کا بیٹا (میری بہن کا شوہر) 2 میری والدہ کے بھائی (سگے ماموں) 3 میری بہنوں کے بیٹے جو کہ بالغ ہیں 4 میرے والد کے چچوں کے بیٹے' تو سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون میرا محرم ہے؟ اور ان میں سے کس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شادی میں میرا ولی بنے؟

جواب آپ کی شادی کے لیے ولایت کا زیادہ حق دار آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے کیونکہ آپ کے سوال میں مذکور عصبات میں سے یہ قریب ترین ہے۔ آپ کا ماموں اور بہنوں کے بیٹے شادی میں آپ کے ولی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ عصبہ نہیں ہیں ہاں البتہ آپ کے محرم ضرور ہیں' حقیقی چچا کے بیٹے کے بعد آپ کے باپ کے چچاؤں کے بیٹے نکاح میں آپ کے ولی ہیں لیکن وہ آپ کے محرم نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے آپ سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے کوئی ممانعت نہ ہو!

——— شیخ ابن باز ———

یتیم لڑکی کے نکاح میں ولی کون ہو گا؟

سوال سماحۃ الشیخ! جس لڑکی کا باپ فوت ہو گیا ہو تو بالترتیب اس کے نکاح میں ولی کون ہو گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

جواب اگر لڑکی کا ولی نہ ہو تو پھر اس کا دادا ولی ہو گا بشرطیکہ وہ زندہ ہو اور اگر دادا زندہ نہ ہو تو پھر اس لڑکی کے حقیقی بھائی' پھر اس کے باپ کی طرف سے بھائی' پھر حقیقی بھائی کے بیٹے' پھر باپ کی طرف سے بھائی کے بیٹے' پھر حقیقی چچا اور پھر باپ کی طرف سے چچا ولی ہو گا اور اگر لڑکی کا باپ موجود ہو تو وہ سب سے مقدم ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

عقد نکاح کے احکام

عقد نکاح میں وکالت جائز ہے

سوال انسان خود تو شادی کرتا ہی ہے لیکن کیا اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ شادی کے لیے کسی اور شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے؟ کیا وکیل کو کوئی مخصوص رشتہ بتانا ضروری ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو شادی کے لیے وکالت کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب ہاں انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کرے جو اس کے لیے عقد نکاح کو قبول کرے اور کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے تاکہ فلاں عورت سے میرے نکاح کو وہ قبول کرے اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس عورت کا تعین بھی کرے جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے مثلاً وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے

تجھے وکیل مقرر کیا ہے تاکہ تو میرے لیے بیوی تلاش کرے اور پھر اس سے میرا عقد کر دے کیونکہ اس صورت میں جہالت اور غرر (دھوکہ) ہے' ہو سکتا ہے کہ وکیل کے انتخاب کے بارے میں اسے ندامت ہو' بسا اوقات یہ صورت میاں بیوی کی علیحدگی پر بھی منتج ہو سکتی ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر وہ عورت جو وکیل کو اچھی لگے وہ موکل کو بھی اچھی لگے لہٰذا اس عورت کا تعین ضروری ہے' جس سے عقد نکاح کے بارے میں وکیل مقرر کیا ہو۔ اسی طرح عورت کے ولی کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرے جو اس کی طرف سے اس کی زیر سرپرستی عورت' جس عورت کا وہ ولی ہے کا فلاں شخص سے نکاح کر دے اور اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ اس شخص کا باقاعدہ تعین کرے جس سے اس عورت کا نکاح کرنا مقصود ہو' ولی کو اور عورت کو اس شخص کے بارے میں علم ہو اور وہ دونوں کو پسند بھی ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح میں وکالت جائز ہے خواہ یہ وکالت شوہر کی طرف سے ہو کہ وہ کسی شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی طرف سے فلاں عورت سے اس کے عقد نکاح کو قبول کرے یا وکالت بیوی کے ولی کی طرف سے ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی زیر ولایت عورت کا فلاں شخص سے نکاح کر دے۔

وکالت کی شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وکیل ایسا شخص ہونا چاہیے جس کی اس عقد میں وکالت جائز ہو مثلاً اگر اس نے کسی عورت کو وکیل مقرر کر دیا تو یہ جائز نہ ہو گا کیونکہ عورت تو اپنا عقد نکاح خود نہیں کر سکتی کسی دوسرے کا کیسے کر سکتی ہے۔ ہاں! البتہ اگر کسی عاقل (بالغ) مرد کو وکیل مقرر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن عثیمین

حالت حیض میں عقد نکاح

سوال میں ایک نوجوان لڑکی ہوں' کچھ عرصہ پیشتر ایک نوجوان لڑکے سے میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی مگر اتفاق سے اس تاریخ کو میرے ماہانہ معمول کا آغاز تھا' میں نے اس بارے میں پوچھا بھی کہ اس حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ جائز ہے لیکن میری تسلی نہیں ہوئی' اس لیے امید ہے کہ آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح نہیں ہے تو کیا نکاح کا اعادہ واجب ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے!

جواب حالت حیض میں عورت سے عقد نکاح جائز اور صحیح ہے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عقود کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال اور صحیح ہیں الا یہ کہ ان میں سے کسی کی حرمت کے متعلق کوئی دلیل موجود ہو اور حالت حیض میں نکاح کی حرمت کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا مذکورہ عقد صحیح ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم عقد نکاح اور طلاق میں فرق کو بھی معلوم کر لیں۔ یاد رہے حالت حیض میں طلاق حلال نہیں بلکہ حرام ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس وقت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی ہے' آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ رجوع کریں' بیوی کے قریب نہ جائیں حتی کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اسے حیض آئے اور پھر پاک ہو جائے اور پھر اس کے بعد اگر وہ چاہیں تو بیوی کو اپنے پاس رکھیں یا اسے طلاق دے دیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحۡصُواْ ٱلۡعِدَّةَۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ رَبَّكُمۡۖ لَا

تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"اے نبی! (مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو (عدت کو یاد رکھو) اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ (وہ خود بخود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

لہٰذا کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو حالت حیض میں یا کسی ایسی حالت طہر میں' جس میں اس نے مباشرت کی ہو' طلاق دے ہاں البتہ اگر یہ واضح ہو گیا ہو کہ بیوی حاملہ ہے تو پھر جب چاہے اسے طلاق دے سکتا ہے' طلاق واقع ہو جائے گی۔

عجیب بات یہ ہے کہ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا مرد کیلئے حالت حمل میں بیوی کو طلاق دینا جائز ہے خواہ اس نے زمانہ قریب ہی میں اس سے مباشرت بھی کی ہو لیکن اگر غیر حاملہ سے مباشرت کی ہو تو پھر انتظار کرنا پڑے گا کہ اسے حیض آجائے اور پھر وہ پاک ہو جائے یا واضح ہو جائے کہ اسے حمل قرار پا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَأُولَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی مدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔"

یہ آیت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حدیث ابن عمر کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا»(صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى يايها النبي إذا طلقتم النساء، ح: ٥٢٥١ وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها . . . الخ، ح: ١٤٧١ واللفظ له)

"اس کو حکم دیجیے کہ وہ رجوع کرے اور پھر اپنی بیوی کو حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دے۔"

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حالت حیض میں عقد نکاح جائز اور صحیح ہے لیکن میری رائے میں بیوی جب تک پاک نہ ہو جائے شوہر کو اس کے پاس علیحدگی میں نہیں جانا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بحالت حیض مباشرت کر کے حرام کام کا ارتکاب کر بیٹھے خصوصاً شوہر اگر جوان ہو تو اسے اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے یعنی اسے انتظار کرنا چاہیے کہ جب اس کی بیوی پاک ہو جائے تو پھر اس کے پاس جائے تاکہ فطری طریقے سے اس سے مستفید ہو سکے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

زنا سے حاملہ عورت سے نکاح

سوال اس شیبہ عورت سے نکاح کرنے کے متعلق کیا حکم ہے جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو اور حمل آٹھ ماہ کا ہو' کیا اس

صورت میں نکاح باطل یا فاسد یا صحیح ہو گا؟ ہمارے ہاں دو علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' ان میں سے ایک نے تو اس نکاح کو باطل قرار دیا ہے لیکن دوسرے نے نکاح کو تو صحیح قرار دیا ہے لیکن وضع حمل سے قبل مباشرت کو حرام قرار دیا ہے؟

جواب جب کوئی آدمی زنا سے حاملہ عورت سے نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح باطل ہے اور اس حالت میں اس کے لیے اس عورت سے مباشرت حرام ہے کیونکہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٥)

"اور جب تک عدت پوری نہ ہو لے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے:

«لاَ يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ» (سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، ح:٢١٥٨ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري الجارية وهي حامل، ح:١١٣١ ومسند أحمد:٤/١٠٨)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔"

نیز حسب ذیل ارشاد نبوی کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے:

«لاَ تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، ح:٢١٥٧)

"حاملہ عورت سے وضع حمل تک مباشرت نہ کی جائے۔"

اس حدیث کو ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حاکم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہ قول ہے کہ اس حالت میں عقد صحیح ہے ہاں البتہ مذکورہ احادیث کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے وضع حمل تک مباشرت کو حرام قرار دیا ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مباشرت کو بھی جائز قرار دیا ہے کیونکہ زنا کے پانی کی کوئی حرمت نہیں ہوتی اور نہ بچے ہی کو زانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»(صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، ح:٦٨١٨ وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش ... الخ، ح:١٤٥٨)

"زانی کے لیے پتھر ہیں۔"

اس بچے کو اس عورت سے شادی کرنے والے کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ عورت تو حمل کے بعد اس کا بچھونا بنی ہے۔ اس تفصیل سے مذکورہ علماء میں اختلاف کا سبب واضح ہو گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے وہ بات کہی

ہے جو اس کے اس امام نے کہی جس کی اس نے تقلید کی ہے لیکن ان میں سے صحیح بات یہی ہے کہ یہ نکاح باطل ہے کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں اور ممانعت پر دلالت کرنے والی احادیث کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ٹیلی فون پر نکاح

سوال جب نکاح کے دیگر تمام ارکان اور شروط تو پورے ہوں مگر ولی ایک ملک میں ہو اور شوہر دوسرے ملک میں' تو کیا ٹیلی فون کے ذریعے نکاح جائز ہو گا یا نہیں؟

جواب یہ دیکھتے ہوئے کہ آج کل دھوکا اور فراڈ بہت عام ہو گیا ہے لوگ ایک دوسرے کے انداز گفتگو کی نقالی میں بھی مہارت رکھتے ہیں حتی کہ ایک آدمی مختلف مردوں' عورتوں' چھوٹوں اور بڑوں کی آواز' لب و لہجے اور ان کی مختلف بولیوں کی بیک وقت نقالی کر سکتا ہے حتی کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ مختلف لوگ باتیں کر رہے ہیں حالانکہ درحقیت ایک ہی شخص بات کر رہا ہوتا ہے۔ نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی شریعت نے شرمگاہوں اور عزتوں کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا ہے لہذا عقد نکاح میں دیگر عقود (معاملات) کی نسبت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے لہذا کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ عقد نکاح میں ایجاب و قبول اور وکالت کے لیے ٹیلی فون کے ذریعے گفتگو پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے تاکہ مقاصد شریعت کی تکمیل ہو' عزت و آبرد کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا جا سکے اور خواہشوں کے پجاری' دھوکے باز اور فریب کار کوئی دھوکا نہ دے سکیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیوی کے ساتھ مستعار نام سے نکاح کرنا

سوال میں نے اپنی بیوی کے ساتھ اس کے لیے ایک مستعار نام کے ساتھ نکاح کیا ہے اور وہ نام دراصل اس کی ایک فوت شدہ بہن کا ہے اور یہ اس لیے کرنا پڑا کہ دفتر پیدائش میں میری بیوی کی رجسٹریشن نہ تھی اور ہمیں اس کی عمر کے بارے بھی معلوم نہیں ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل درست نہیں ہے کیونکہ اس میں جھوٹ ہے' اس عورت کو اس کی بہن کے نام سے موسوم کرنا جھوٹ ہے ہاں! البتہ جہاں تک عقد کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے کیونکہ یہ عقد ایک ایسی عورت کے ساتھ ہوا ہے جو معین ہے اور جسے ولی اور شوہر جانتا ہے اور عورت بھی پہچانتی ہے لیکن ہم اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے جھوٹ اور فریب سے کام نہ لیں کیونکہ یہ منافقوں کا طریقہ ہے' لہذا ہم سائل کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ نکاح رجسٹرار کے پاس جائے اور اپنی بیوی کے حقیقی نام کا اندراج کرائے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عقد کے بعد اور رخصتی سے پہلے شوہر کے لیے کیا حلال ہے؟

سوال شوہر کے لیے بیوی سے عقد کے بعد مگر رخصتی سے پہلے کیا حلال ہے؟

جواب اس کے لیے وہ سب کچھ حلال ہے جو شوہر کے لیے اپنی مدخولہ بیوی سے حلال ہوتا ہے مثلاً دیکھنا' بوسہ دینا (چومنا)' خلوت اختیار کرنا' سفر کرنا اور مباشرت کرنا وغیرہ ..... الخ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تجدید نکاح کی ضرورت نہیں

سوال ایک عورت کا شوہر دو بچوں کی پیدائش کے بعد فوت ہو گیا اور پھر ایک ایسے شخص نے اس سے شادی کرنی چاہی جس سے اس کا تعلق اور میل جول تھا لیکن اس کے چچا اور ولی نے یہ طے کیا کہ وہ اس شخص سے اس کی شادی نہیں کریں گے اور پھر انہوں نے اس کے ایک ایسے قریبی رشتہ دار سے اس کی شادی کر دی جس نے فوراً حق مہر ادا کر دیا اور عورت کے نہ چاہتے ہوئے اس سے اس کی شادی کر دی گئی لیکن اب شادی کے بعد دونوں میں ہم آہنگی اور انس و محبت پیدا ہو چکی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس طرح مجبوری کی شادی کے دو گواہوں کو کیا گناہ ہو گا؟ کیا اس صورت میں تجدید نکاح کی تو ضرورت نہیں؟

جواب اس عقد (نکاح) میں کوئی حرج نہیں جو میاں بیوی میں طے پا چکا جس میں ہم آہنگی اور انس و محبت بھی پیدا ہو چکی اور عقد کے تمام شروط و ارکان بھی پورے ہو چکے ہیں ہاں البتہ اس عورت کے وارثوں کی یہ ضرور غلطی ہے کہ انہوں نے عقد سے پہلے اس اجنبی کے ساتھ اسے میل جول کا موقع فراہم کیا جو خلوت میں اس کا دوست اور مونس تھا کہ محارم (خواتین) کے بارے میں غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اختلاط سے اور اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنے سے منع کیا جائے۔ بہرحال اب جب کہ اس عورت کا ایک قریبی رشتہ دار کے ساتھ عقد (نکاح) ہو چکا ہے اور یہ عورت اس پر راضی بھی ہو گئی ہے اور میاں بیوی میں ہم آہنگی بھی ہے تو ان حالات میں تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بیوی کو مارنے سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا

سوال کیا بیوی کو مارنے سے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے؟

جواب اس سے نکاح تو باطل نہیں ہوتا لیکن کسی (معقول) وجہ کے بغیر بیوی کو مارنا منع ہے۔ ہاں! البتہ اگر کوئی (معقول) وجہ ہو مثلاً سرکشی وغیرہ تو پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ﴾ (النساء ٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ اگر نہ سمجھیں تو پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو' اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں (ہلکا سا) مارو۔"

علماء فرماتے ہیں کہ عورت کو محض تادیب کے لیے مارنا چاہیے اور زیادہ نہیں مارنا چاہیے لہٰذا اگر کوئی شخص تادیب وغیرہ کے لیے اپنی بیوی کو مارتا ہے تو اس سے نکاح باقی رہتا ہے' باطل نہیں ہوتا کیونکہ مارنے کا سبب خود اس کی اپنی سرکشی اور بدخوئی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عقد سے قبل حرام قرار دینا نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا

سوال ایک مرد نے عورت کو منگنی کا پیغام تو بھیجا لیکن نکاح نہیں کیا اور اس کے اور عورت کے والد کے درمیان چونکہ تعلقات کشیدہ ہو گئے اس لیے اس نے کہہ دیا کہ "یہ عورت میرے لیے میری ماں بہن کی طرح حرام ہے" پھر بعد میں اس کے اور اس عورت کے والد کے تعلقات خوشگوار ہو گئے اور اس نے مہر معین کے ساتھ عورت سے نکاح کر لیا' عورت نے بھی اس نکاح کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ قبل از عقد اس عورت کو حرام قرار دینے کی وجہ سے مرد کے لیے کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہے اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب اس تحریم کا عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں ہو گا کیونکہ اس کا تعلق قبل از عقد نکاح سے ہے۔ اس صورت میں کفارہ ظہار بھی لازم نہیں کیونکہ مرد نے منگیتر کو اپنی بیوی بننے سے پہلے حرام قرار دیا ہے ہاں البتہ اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہو گا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُحَرِّمُواْ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُواْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِيٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَٱحْفَظُوٓاْ أَيْمَٰنَكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٨٧۔٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اس سے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو' اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان (دس محتاجوں) کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تمہیں چاہیے کہ ان قسموں کی حفاظت کرو۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَٰنِكُمْ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٢﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١۔٢)

"اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے جائز کی ہے تم اس کو حرام کیوں کرتے ہو' کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

لہٰذا جو شخص اس طرح کسی چیز کو حرام قرار دے تو اسے چاہیے کہ وہ دس مسکینوں کو اس اوسط (درمیانہ) درجے کا کھانا کھلائے' ان میں سے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ دے دے یا دس مسکینوں کو کپڑے دے یا ایک گردن کو آزاد کر دے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ مسلسل تین دن کے روزے رکھے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نکاح میں شروط و عیوب

بیوی کو شوہر کے ساتھ جانے سے روکنا

سوال جب کوئی نوجوان کسی خاندان سے رشتہ طلب کرنے کے لیے آتا ہے تو لڑکی کا والد بہت زیادہ حق مہر کی شرط عائد کر دیتا ہے' جب شادی پر فریقین کا اتفاق ہو جاتا ہے اور نوجوان شادی کر لیتا ہے تو پھر والد لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ اس کے گھر جانے سے روک دیتا ہے تاکہ وہ لڑکی اسی کی خدمت کرتی رہے' لڑکی کو بھی اس سے بہت پریشانی ہوتی ہے کہ اب وہ اپنے والد ہی کے گھر میں رہے یا اپنے شوہر کے گھر جائے' اس سے بہت سی اور مشکلات بھی پیدا ہوتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس طرح کے مسائل میں لوگوں کو صحیح طرز عمل کی راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اس بات کو مشروع قرار دیا ہے کہ مہر کم ہوں اور ان میں میانہ روی کو اختیار کیا جائے' اسی طرح ولیمہ کی دعوتوں میں بھی اعتدال کو پیش نظر رکھا جائے تاکہ ہر ایک کے لیے آسانی اور سہولت کے ساتھ شادی کرنا ممکن ہو' نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جا سکے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی جا سکے۔

ہم نے اس موضوع پر کئی بار لکھا ہے تاکہ مسلمانوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا فریضہ ادا کیا جا سکے اور انہیں حق بات کی وصیت کی جا سکے۔ اس موضوع سے متعلق مجلس کبار علماء کی طرف سے بھی کئی قراردادیں اور سفارشات جاری ہوئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کو کم ہونا چاہیے' ولیمہ کی دعوتوں میں تکلف نہیں ہونا چاہیے نیز ان میں معاشرہ کو ہر اس چیز کی ترغیب دی گئی ہے' جس سے نوجوانوں کو شادی کرنے میں آسانی ہو' میں بھی اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ وصیت کروں گا کہ وہ بھی اس مسئلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تاکہ نکاح کی کثرت ہو' بدکاری کا سدباب ہو اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو عفت و پاکدامنی غض بصر کی زندگی بسر کرنے کا موقع میسر آ سکے اور شادی ہی عفت و پاکدامنی کا سب سے اہم ذریعہ ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کا (بہترین) ذریعہ ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ اس کی جنسی خواہش کو کچل دے گا۔"

صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

"جو شخص اپنے (مسلمان ضرورت مند) بھائی کی کسی ضرورت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرمائے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جب تک کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس بندے کی نصرت فرماتا ہے۔" (اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ﴿٣﴾﴾ (العصر١٠٣/ ١-٣)

"عصر کی قسم کہ ہر انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

بلاشک و شبہ مہر اور ولیمہ کی دعوت میں تخفیف کے لیے تعاون اور تلقین بھی اسی بات میں شامل ہے، اس تخفیف کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نکاح بکثرت ہونے لگیں گے، کنوارے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد میں کمی آجائے گی، شرم گاہوں کی حفاظت ہو گی، نظریں نیچی رہیں گی، فواحش و منکرات میں کمی آجائے گی اور امت کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گا جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ ومسند أحمد:١٥٨/٣، ٢٤٥ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨ ولفظة "يوم القيامة" عند الامام أحمد)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ روز قیامت تمہاری کثرت کی

وجہ سے میں امتوں پر فخر کروں گا۔"

عورت کے والد یا بھائی کا اسے اپنے شوہر کے ساتھ سفر کرنے سے محض اس لیے منع کرنا کہ وہ اس کی خدمت میں لگی رہے یا اس کے اونٹ اور بکریوں کو چراتی رہے تو یہ ایک منکر (برا) اور ناجائز امر ہے کیونکہ عورت کے ولی کو تو یہ چاہیے کہ وہ تعاون کرے تاکہ میاں بیوی کے مل جل کر رہنے سہنے کے حالات پیدا ہو سکیں نیز اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جو کسی شرعی جواز کے بغیر ان کی علیحدگی کا سبب بنے' میں عورتوں کے وارثوں کو یہ بھی وصیت کروں گا کہ وہ اپنی خواتین کی ہم پلہ لوگوں سے شادی میں تاخیر نہ کریں خواہ وہ مالی طور پر فقیر ہی ہوں بلکہ انہیں چاہیے کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کرتے ہوئے ان کے ساتھ تعاون کریں:

﴿وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ﴾

(النور٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیوہ عورتوں اور نیک غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم دیا ہے اور اس نے ہمیں یہ خبر دی اور وہ خبر دینے میں بالکل سچا ہے کہ شادی فقیر و مفلس لوگوں کے لیے خوشحالی کا سبب ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر اس لیے دی ہے تاکہ شوہر اور عورتوں کے ولی مطمئن ہو جائیں کہ فقر و افلاس کی وجہ سے شادی کو ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ شادی تو بجائے خود رزق اور دولت کا سبب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو خیر و بھلائی کی توفیق بخشے۔

———— شیخ ابن باز ————

شادی کے لیے شرط

سوال بعض ولی اپنی بیٹیوں کی شادی کے موقع پر یہ شرط لگا دیتے ہیں کہ بیٹی شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھے گی یا یہ کہ وہ تعلیم سے فراغت کے بعد ملازمت کرے گی تو کیا اس طرح کی شرط جائز ہے؟ اگر شادی کے بعد اس طرح کی شرط پر عمل نہ ہو سکے تو اس کے متعلق (شریعت کا) کیا حکم ہے؟

جواب شادی کے وقت شوہر کے ساتھ جو شرط طے کی جائے اگر وہ شرعاً حرام نہ ہو تو اسے پورا کرنا لازم ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، ح:١٤١٨)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ ہیں جن کے ساتھ تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

لیکن بیوی اور اس کے وارثوں کو چاہیے کہ وہ اس طرح کی شرطیں عائد نہ کیا کریں جو سوال میں مذکور ہیں بلکہ ان

مسائل کو نکاح کے بعد میاں بیوی پر چھوڑ دیں کہ وہ باہمی اتفاق سے جو چاہیں آپس میں طے کر لیں او یہ سبھی جانتے ہیں کہ مرد شادی اس لیے کرتا ہے کہ بیوی اس کے بچوں کی تربیت کرے اور اس کی خدمت کرے' وہ شادی اس لیے نہیں کرتا کہ بیوی کام کرے اور وہ اسے کبھی کبھار ہی مل سکے لہٰذا زیادہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ اس طرح کے امور میں آسانی کو پیش نظر رکھا جائے اور اس طرح کی شرطیں عائد نہ کی جائیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جائز شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے

سوال جب بیوی شوہر کے ساتھ یہ شرط طے کر لے کہ وہ اسے تدریس سے منع نہیں کرے گا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کر لے اور تسلیم کرنے کے بعد نکاح کو قبول کر لے تو کیا اس صورت میں شوہر کے لیے بیوی بچوں کا نفقہ لازم ہو گا جب کہ بیوی خود بھی ملازم ہے' کیا شوہر بیوی کی رضامندی کے بغیر اس کی تنخواہ میں سے کچھ لے سکتا ہے؟ عورت اگر دیندار ہو اور وہ گانے اور موسیقی نہ سننا چاہتی ہو جب کہ شوہر اور اس کے اہل خانہ گانے سننے کے عادی ہوں اور کہتے ہوں کہ جو گانے نہ سنے وہ وسوسہ میں مبتلا ہے تو کیا اس حالت میں بیوی کے لیے ان لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا جائز ہے؟

جواب جب کوئی عورت اپنے منگیتر سے یہ شرط لگائے کہ وہ اسے تدریس یا پڑھنے سے منع نہیں کرے گا اور وہ اس شرط کو قبول کرتے ہوئے اس کی بنیاد پر نکاح کرے تو یہ شرط صحیح ہے لہٰذا وہ شادی کے بعد اسے پڑھنے پڑھانے سے منع نہیں کر سکتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَحَقَّ الشَّرْطِ أَنْ يُوفَى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشرط في النكاح، ح:١٤١٨ واللفظ له)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ ہیں جن کے ساتھ تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

شادی کے بعد اگر شوہر بیوی کو پڑھنے پڑھانے سے منع کرے تو اسے اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اگر چاہے تو شرعی حاکم سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرے۔

شوہر اور اس کے اہل خانہ کے گانے سننے اور موسیقی سے شغف سے نکاح فسخ نہیں ہو گا ہاں البتہ عورت کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرے اور بتائے کہ گانے اور موسیقی حرام ہیں اور گانے وغیرہ سننے میں وہ ان کے ساتھ شریک نہ ہو' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»(صحيح مسلم، الإيمان، بيان ان الدين النصيحة، ح:٥٥)

"دین ہمدردی و خیرخواہی کا نام ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان ... الخ،

ح: ۴۹)

"تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹادے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھادے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس موضوع سے متعلق آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں' شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرے' اسے اپنی بیوی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کی تنخواہ میں سے کچھ لینے کا حق حاصل نہیں ہے اور بیوی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نکل کر اپنے اہل خانہ یا کسی اور کے پاس جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

ازالہ بکارت کے وقت خون نکلنا شرط نہیں ہے

سوال جب کوئی شخص کسی نمازی مسلمان دوشیزہ سے شادی کرے لیکن شب زفاف مباشرت کے وقت خون جاری نہ ہو تو کیا اس صورت میں شادی کو جاری رکھنا جائز ہے یا ضروری ہے کہ اس صورت میں علیحدگی اختیار کرے خواہ اصلاح کی امید ہو' میں نے سنا ہے کہ طبی طور پر ایسے بہت قلیل یا شاذ و نادر حالات ہی ہوتے ہیں کہ ازالہ بکارت کے وقت خون جاری نہ ہو؟

جواب یہ کوئی ضروری نہیں کہ پہلی مباشرت کے وقت خون بکارت خارج ہو بسا اوقات عورت بڑی عمر کی ہوتی ہے یا پردہ بکارت خون حیض کی وجہ سے یا چھلانگ وغیرہ لگانے کی وجہ سے بھی زائل ہو جاتا ہے لہٰذا ہم نصیحت کرتے ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو' اس سے حسن ظن رکھو اور اس سے احسن انداز میں زندگی بسر کرو خصوصاً جب کہ آپ کو اس سے نیکی و اصلاح کی بھی امید ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بکارت مباشرت کے بغیر بھی زائل ہو سکتی ہے

سوال ایک نوجوان نے ایک لڑکی سے شادی کی اور دخول کے وقت دیکھا کہ وہ باکرہ نہیں ہے حالانکہ اس نے اس سے پہلے شادی بھی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا کرے' کیا اسے طلاق دے دے؟ یا اس سے حقیقت حال کے بارے میں معلوم کرے؟ آپ اس کو کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب ہماری رائے میں اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے کیونکہ بکارت مباشرت کے بغیر بھی زائل ہو سکتی ہے مثلاً چھلانگ لگانے سے' کثرت حیض سے یا انگلی مارنے وغیرہ سے بھی پردہ بکارت زائل ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ لڑکی سے بھی پردہ بکارت کے زائل ہونے کا سبب پوچھ لیا جائے' اگر وہ کوئی ایسی بات بتائے جو ممکن ہو اور بدکاری کی نفی کرے تو اس کی بات کو درست تسلیم کر لیا جائے گا اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس سے شبہ یا مجبور کر کے مباشرت کی گئی ہے تو وہ معذور ہے اور اگر وہ زنا کا اعتراف کرے اور توبہ و ندامت کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

شیخ ابن جبرین

شادی کے بعد معلوم ہوا کہ عورت بد صورت ہے

سوال میں نے اپنی بیوی کو پہلی مرتبہ شادی کے بعد ہی دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت ہی بدصورت ہے' اس سے بہت ناگوار بو بھی آتی ہے' اگر اسے طلاق دے کر میں کسی دوسری عورت سے شادی کر لوں تو کیا گناہ تو نہ ہو گا؟ یاد رہے میں دو عورتوں سے شادی کی استطاعت نہیں رکھتا۔

جواب آپ کو طلاق دینے میں ان شاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ اس عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں آپ کو کوئی فرحت و سکون حاصل نہیں ہو گا جس سے آپ انقباض اور کراہت محسوس کرتے ہیں' بے شک ناگوار بو بھی ان عیوب میں سے ہے جن کی وجہ سے شوہر کو فسخ نکاح اور جو اس نے خرچ کیا ہے' اسے واپس لینے کا حق حاصل ہے' ناگزیر اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے اور سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ اور صورت بھی کتاب و سنت میں مذکور ہے اور اس میں کوئی گناہ یا حرج نہیں ہوتا بلکہ گناہ تو عورت کے ان وارثوں پر ہے جنہوں نے اس کے ان عیوب کو چھپایا تھا۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

نامردی اور نکاح

سوال میں بائیس برس کا ایک نوجوان ہوں اور نامردی و جنسی کمزوری کا مریض ہوں جو کہ تقریباً ۳۵ فی صد ہے' طبی معائنہ کے بعد میرے لیے کئی مقوی ادویہ تجویز کی گئی ہیں جو کبھی کبھی بہت محرک ثابت ہوتی ہیں تو کیا ان کے استعمال میں کوئی گناہ تو نہیں؟ اور اگر میں کسی شریف زادی سے نکاح کر لوں تو کیا اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ میں جس قدر جنسی قوت کو پیدا کیا ہے' آپ اس پر راضی ہوں' جنسی شہوت کے اعتبار سے انسانوں میں بہت زیادہ فرق ہے کچھ لوگوں میں جنسی شہوت بے حد زیادہ ہوتی ہے اور کچھ میں بہت کم اور کچھ میں بالکل نہیں ہوتی' میں سمجھتا ہوں کہ علاج اور دواؤں سے ساری زندگی جنسی شہوت کو تیز نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ان سے محض مختصر سے وقت کے لیے کام لیا جا سکتا ہے اور پھر پہلی سی حالت ہی ہو جاتی ہے لہٰذا اگر آپ میں جنسی شہوت ہے خواہ کم ہی ہو تو آپ شادی کر سکتے ہیں اور مہینے یا دو مہینے بعد مباشرت ہی کافی ہو گی۔

شیخ ابن جبرین

شوہر کا اپنے عیوب کو چھپانا دھوکا ہے

سوال اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ میں پھلبہری کے مرض میں مبتلا ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم یہ فرمایا کہ اس کا زیادہ تر ظہور جسم کے خفیہ حصوں میں جلد پر تھا' بیس سال کی عمر میں اس مرض میں مبتلا ہوا' علاج میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن اس حکمت و مصلحت کی وجہ سے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کو معلوم ہے مجھے شفاء حاصل نہ ہو سکی' اس مرض کے

شروع ہونے کے پندرہ سال بعد میں نے منگنی کی اور اس وقت میرے دائیں ہاتھ پر اس کے تین نشان نمایاں تھے جب کہ تمام بدن کے مخفی حصوں پر اس کے نشانات بہت زیادہ تھے' منگنی کی مدت میں جو کہ چھ ماہ تک رہی' میں نے اس مرض کے بارے میں اپنی منگیتراور اس کے گھر والوں کو کچھ نہ بتایا تاکہ وہ شادی سے انکار نہ کر دیں اور میں نے یہ سمجھا کہ میرے دائیں ہاتھ کے نشانات جو انہوں نے منگنی کے عرصہ میں دیکھے ہیں' ان سے وہ یہ اندازہ لگالیں گے کہ جسم کے باقی حصوں پر بھی یہ نشانات ہو سکتے ہیں' بہرحال شادی ہو گئی لیکن میرے گھر منتقل ہونے کے بعد میری بیوی نے میرے جسم پر جب اس مرض کے نشانات دیکھے تو اس نے شدید سرکشی اختیار کر لی اور کہا کہ اسے اس صورت حال سے بے خبر رکھ کر میں نے اسے دھوکا دیا ہے۔ میں نے اس کی سرکشی کو بسا اوقات بہت شدت اختیار کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے کئی بار زد و کوب سے بھی کام لینا پڑا لیکن اس کے باوجود اس نے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کیا۔ تنگی' ترشی اور تلخی کے ساتھ کئی سال میرے ساتھ بسر کرنے کے بعد اس نے ان حالات کے سامنے سرنگوں کر دیا' اب تین بچے بھی ہو چکے ہیں اور ہماری شادی کو تیرہ سال ہو گئے ہیں لیکن مجھے کبھی کبھی بہت شدید ندامت بھی ہوتی ہے کہ میں نے شادی کے لیے اپنی صورت حال کو چھپایا' اسی ندامت میں میں یہ بھی خیال کرنے لگتا ہوں کہ اے کاش یہ مجھ سے علیحدگی کا مطالبہ کر لیتی تاکہ میں ظالم قرار نہ پاتا تو سوال یہ ہے کہ میں نے اپنے جسم پر اس مرض کے ظہور کو منگنی کی مدت میں جو چھپایا تو کیا اس کی وجہ سے میں ظالم ہوں؟ کیا اس صورت میں میری یہ شادی صحیح ہے؟ اب میرے لیے کیا واجب ہے؟

جواب لاریب! آپ نے اس مرض کو جو چھپایا اور اس کے بارے میں کچھ نہ بتایا یہ محض دھوکا اور فریب ہے' آپ کے دائیں ہاتھ پر جو نشان تھا اس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اس قدر واضح اور ظاہر تھا کہ مرض کی نشاندہی کرتا تھا یا یہ اس قدر مخفی اور چھوٹا تھا کہ مرض پر دلالت کناں نہ تھا یا اس کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ جلنے وغیرہ کا نشان ہو' آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس عورت اور اس کے اہل خانہ کو اپنی بیماری کے بارے میں واضح طور پر بتا دیتے' اسے چھپانے اور ان سے مخفی رکھنے کی وجہ سے بلاشبہ آپ گناہ گار ہیں لہٰذا اب آپ اس عورت سے معافی طلب کریں کہ آپ نے اس سے صورت حال کو چھپایا اور مستزاد یہ کہ اس کے احتجاج پر تشدد کیا اور اگر وہ معاف کر دے تو آپ اس کی شدت و قسوت کو معاف کر دیں کیونکہ معاف کر دینے میں بہت خیر و بھلائی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ﴾ (الشوری ۴۲/ ۴۰)

"پھر جو شخص درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۳۴)

"اور وہ جو لوگوں کے قصور معاف کر دینے والے ہیں۔"

اصلاح کے ساتھ معاف کر دینا سراپا خیر ہے اور اس کا ثواب بھی بہت ہے لہٰذا آپ کو میری یہ نصیحت ہے کہ اپنی بیوی سے معافی طلب کریں اور اسے بھی میری یہ نصیحت ہے کہ وہ آپ کو معاف کر دے کیونکہ وہ آپ کے بچوں کی ماں اور آپ کی شریک حیات ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کی توبہ قبول فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میاں بیوی کا ہم پلہ ہونا

ہاشمی خواتین کی غیر ہاشمی مردوں سے شادی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ أَمَّا بَعْدُ

منکر امور میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ بعض لوگ جو بنو ہاشم میں سے ہونے کے مدعی ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ان کا ہم پلہ اور ہم پایہ نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ نہ دوسرے خاندان کے لوگوں کو رشتے دیتے ہیں اور نہ ان سے رشتے لیتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی' بہت بڑی جہالت اور عورت کے لیے ظلم اور ایک ایسی بات ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا بلکہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے (یعنی برادریاں اور خاندان) بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو(اور) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۰)

"مومن تو سب کے سب آپس میں بھائی ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبۃ۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

مزید فرمایا:

﴿ فَٱسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّى لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۵)

"تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا یقیناً تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ

أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوٰى»(مسند أحمد: ٥/ ٤١١)

کسی عربی کو عجمی پر' کسی عجمی کو عربی پر' کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔"

ترمذی کی روایت میں ہے:

«اَلنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللهُ آدَمَ مِنَ التُّرَابِ»(جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الحجرات، ح: ٣٢٧٠)

"تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ آلَ أَبِي يَعْنِي فُلاَنًا لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ»(صحيح البخاري، الأدب، باب تبل الرحم ببلالها، ح: ٥٩٩٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب موالاة المؤمنين ... الخ، ح: ٢١٥ واللفظ له)

"آل بنی فلاں میرے دوست نہیں ہیں بلکہ میرے دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک صالح اہل ایمان ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح: ١٠٨٤)

"جب تم سے رشتہ طلب کرنے کے لیے کوئی ایسا شخص آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں بہت بڑا فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔"

نبی اکرم ﷺ نے زینب بنت جحش اسدیہ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کر دی تھی۔ فاطمہ بنت قیس قرشیہ کی شادی اسامہ بن زید سے کر دی تھی کہ یہ دونوں باپ بیٹا آزاد کردہ غلام تھے' حضرت بلال بن رباح حبشی نے عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن سے شادی کی تھی جو کہ زہری و قریشی تھیں ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی نے اپنے بھائی ولید کی بیٹی کا نکاح سالم سے کر دیا تھا جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَٱلطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَٰتِ ﴾ (النور٢٤/ ٢٦)

پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان اور زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں دے دیا تھا جب کہ یہ دونوں بنو ہاشم سے نہیں بلکہ بنو عبد شمس میں سے ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا جو کہ عدوی ہیں' ہاشمی نہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان رحمہ اللہ نے فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تھا جو کہ اموی ہیں ھاشمی نہیں' اسی طرح مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سکینہ رحمہا اللہ سے شادی کی تھی اور وہ بھی ہاشمی نہیں بلکہ اسدی ہیں' مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب ہاشمیہ رضی اللہ عنہا یعنی نبی ﷺ کے چچا کی بیٹی سے شادی کی تھی اور مقداد کندی ہیں ھاشمی نہیں اور اس طرح کی

بہت سی مثالیں ہیں' اس وقت مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ بعض ہاشمی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہاشمی خاتون کی غیر ہاشمی مرد سے شادی کرنا حرام یا مکروہ ہے تو یہ بات بالکل باطل ہے۔ کیونکہ واجب یہ ہے کہ دونوں میں دینی مناسبت اور برابری ہو۔ اسلام سے محروم ہونے نے ابو طالب اور ابو لہب کو دور کر دیا تھا جب کہ ایمان' نیکی' اور تقویٰ و اتباع شریعت اور صراط مستقیم پر چلنے نے سلمان فارسی' صہیب رومی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم کو قریب کر دیا تھا۔ اس جہالت اور تصرف باطلہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سی ہاشمی خواتین شادی سے محروم ہو جاتی ہیں یا ان کی شادی میں بے حد تاخیر ہو جاتی ہے اور اس کے فساد' تعطیل یا تقلیل نسل کی صورت میں جو نتائج برآمد ہوتے ہیں' انہیں قطعاً مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور اللہ تعالیٰ (بہت) وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے نکاح کر دینے کا مطلق حکم دیا ہے جو غنی (مالدار)' فقیر (تنگدست) اور دیگر تمام اقسام کے مسلمانوں کے لیے ہے جب اسلامی شریعت نے نکاح کی ترغیب دی اور بے حد تلقین کی ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں جلدی کریں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جسے نکاح کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے کہ یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔"

وارثوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹیوں' بہنوں اور بیٹوں کی جلدی شادی کریں تاکہ ان میں سے ہر ایک اس زندگی سے متعلق اپنا کردار ادا کر سکے اور فتنہ و فساد اور جرائم کم ہو سکیں اور سبھی جانتے ہیں کہ عورتوں کو شادی سے محروم رکھنے یا اس میں بے حد تاخیر کرنے سے اخلاقی جرائم پھیلتے ہیں جو معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب ہیں تو اے اللہ کے بندو! اپنے بارہ میں اور اپنی بیٹیوں' بہنوں' مسلمان بھائیوں اور دیگر لواحقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور معاشرے میں خیر و بھلائی اور سعادت کی فضا پیدا کرنے کے لیے کوشش کرو تاکہ جرائم کے پھیلنے کے اسباب کا ازالہ ہو سکے اور خوب جان لو کہ تم سب سے اپنے اعمال کے بارے میں باز پرس ہو گی' محاسبہ ہو گا اور ان کے مطابق ہی جزا و سزا ملے گی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩٢-٩٣)

"تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان سے ضرور پرسش کریں گے' ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔" نیز فرمایا:

﴿ وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ لِيَجْزِيَ ٱلَّذِينَ أَسَٰٓـُٔوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَيَجْزِيَ ٱلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ بِٱلْحُسْنَى ﴿٣١﴾ ﴾ (النجم ۵۳/ ۳۱)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے (اور اس نے مخلوق کو) اس لیے (پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے برے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیکیوں کا بدلہ دے۔"

اور نبی اکرم ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمانوں کی اقتداء (پیروی) کرتے ہوئے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی جلد شادی کرو اور شادی پر خرچ بھی کم کرو۔ مہر، دعوت ولیمہ اور شادی کے دیگر اخراجات میں مبالغہ سے کام نہ لو اور شادی کے سلسلہ میں نیکی، تقویٰ اور امانت و عفت کے اوصاف کے حامل لوگوں کو ترجیح دو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین میں فقاہت وثبات کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں، آپ کو اور دیگر تمام مسلمانوں کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے محفوظ رکھے اور ہمیں اور آپ کو ظاہری و باطنی اور گمراہ کن فتنوں سے بچائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمان حکمرانوں کی اصلاح فرمائے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— شیخ ابن باز ———

قبیلی اور خضیری کی آپس میں شادی کا حکم

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ قبیلی اور خضیری کے کیا معنی ہیں اور ان کی آپس میں شادی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ ایک جزئی مسئلہ ہے جو لوگوں میں معروف ہے قبیلی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی معروف قبیلہ کی طرف منسوب ہو جیسے قحطانی، سبیعی، تمیمی، قریشی اور ہاشمی وغیرہ۔ ان کو قبیلی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے اپنے قبیلہ کی طرف منسوب ہیں اور خضیری علاقہ نجد کے لوگوں کی اصطلاح ہے کہ نجد کے علاوہ کسی اور جگہ یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوتی اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مخصوص قبیلہ کی طرف منسوب نہ ہو یعنی عربی تو ہو لیکن اس کا کوئی معروف قبیلہ نہ ہو اور وہ قحطانی، تمیمی یا قرشی کی طرح اپنے قبیلہ کی طرف منسوب نہ ہو یعنی وہ عربی ہو، اس کی زبان بھی عربی ہو، عربوں ہی میں وہ پلا بڑھا ہو اگرچہ معروف ہو اور اس کی جماعت بھی معروف ہو۔

عربوں کے عرف میں مولیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جو اصل میں مملوک غلام ہو مگر اسے آزاد کر دیا گیا ہو، مولیٰ کی جمع موالی ہے۔ اور عجمی وہ ہیں جو عربوں کی طرف منسوب نہ ہوں یعنی ان کا تعلق عجمی خاندانوں سے ہو عربی خاندانوں سے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق ان مختلف لوگوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ تقویٰ کے بغیر ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے خواہ کوئی قبیلی ہو یا خضیری، مولیٰ ہو یا عجمی یہ سب کے سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کو کسی پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لأَحْمر عَلَى أَسْوَدَ وَلَا

أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوٰى»(مسند أحمد: ٥/ ٤١١)

"کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور کسی سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٣)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

قدیم زمانہ سے عربوں میں یہ عادت رہی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے رشتے صرف انہی لوگوں کو دیتے تھے جن کا تعلق ایسے قبائل سے ہوتا جنہیں وہ جانتے تھے اور اس شخص کو وہ رشتہ نہیں دیتے تھے جس کا کسی قبیلے سے تعلق نہ ہوتا تھا اور یہ عادت اب تک عربوں میں باقی ہے۔

بعض لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں اور وہ خضیری' مولیٰ اور عجمی کو بھی رشتہ دے دیتے ہیں چنانچہ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آزاد کرہ غلام اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی شادی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی جو کہ قرشی ہیں۔ اسی طرح ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی بھی شادی قرشی خاندان میں ہوئی تھی اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی گئی کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے زمانہ سے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں لیکن اس کے بعد خصوصاً نجد اور بعض دیگر علاقوں میں لوگوں نے غیر عربوں کو رشتے دینے ترک کر دیے اور اس بارے میں بہت تشدد سے کام لینا شروع کر دیا جیسا کہ ان کے آباؤ اسلاف سے اس کی روایت چلی آرہی ہے اور بعض اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ ان کے قبیلے کے لوگ انہیں اس طرح کی باتیں کر کے ایذاء پہنچائیں گے کہ تم نے فلاں شخص کو کیوں رشتہ دیا ہے اور اس سے قبیلہ میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے' انساب میں اختلاط آجاتا ہے اور کئی دیگر خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں لہٰذا وہ اس طرح کے کئی عذر پیش کرتے ہیں جو بسا اوقات صحیح بھی ہوتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ مصاہرت کے لیے انتخاب کا معیار دین و اخلاق ہونا چاہیے اگر دین و اخلاق موجود ہے تو پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ عربی ہے یا عجمی' آزاد کردہ غلام ہے یا خضیری' یا کچھ اور' اساس اور بنیاد دین و اخلاق ہونا چاہیے اور اگر بعض لوگوں کی رغبت اس میں ہو کہ وہ صرف اپنے قبیلہ ہی میں رشتہ دیں گے تو ہمارے علم کے مطابق اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

حرامی کے نکاح کا حکم

سوال ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی بیٹی کا رشتہ دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حرامی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر وہ مسلمان ہے تو نکاح صحیح ہے کیونکہ وہ اپنی ماں اور اس کے ساتھ بدکاری کرنے والے کے گناہ میں شریک نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ ﴾ (النجم۵۳/۳۸)

"کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

اگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے اور پسندیدہ اخلاق کو اختیار کرے تو ان دونوں کے عمل کی وجہ سے اس پر کوئی عار نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے (برادریاں اور خاندان) بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ سب سے معزز کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ»(صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الإجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ح:۲۶۹۹)

"جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا تو اس کا نسب اسے آگے نہ لے جا سکے گا۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النکاح، باب ماجاء فیمن ترضون دینه فزوجوه، ح:۱۰۸٤)

"جب تم سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں بہت بڑا فتنہ و فساد رونما ہو جائے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

ہاشمی سمجھ کر رشتہ دے دیا اور پھر............

سوال ایک آدمی نے دوسرے سے رشتہ طلب کیا تو اس نے اسے ہاشمی سمجھتے ہوئے رشتہ دے دیا پھر (بعد میں) معلوم ہوا کہ وہ ہاشمی نہیں ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب عقد مذکور میں دیگر ساری شرائط موجود ہوں تو نکاح صحیح ہے اور اگر عورت کے ولی نے رشتہ طلب کرنے والے سے یہ شرط لگائی ہو کہ اس کا ہاشمی ہونا ضروری ہے اور پھر بعد میں معلوم ہوا ہو کہ وہ ہاشمی نہیں ہے تو اسے اختیار ہے کہ اپنی عزیزہ کو اس کے نکاح میں رہنے دے یا اس سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اگر اس نے اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیا ہو تو وہ خاتون تمام مہر کی حق دار ہو گی اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے تو دونوں اس معاملہ کو شرعی حاکم کے پاس لے جائیں تاکہ وہ شریعت کی روشنی میں ان دونوں کا فیصلہ کر دے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَقَّ الشَّرْطِ أَنْ يُوفٰى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم النكاح، باب الوفاء بالشرط في النكاح، ح:١٤١٨ واللفظ له)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ ہیں جن کے ذریعے تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

اور اگر ہاشمی ہونے کی باقاعدہ شرط نہ لگائی گئی ہو بلکہ ہاشمی ہونے کے بارے میں اس کی بات کو صحیح مان لیا گیا ہو اور نکاح کے لیے اسے شرط قرار نہ دیا گیا ہو تو میرے علم کے مطابق اسے اختیار نہیں ہے کیونکہ عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں خواہ وہ ہاشمی ہوں یا نہ ہوں۔ بلکہ علماء کی ایک جماعت نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں بشرطیکہ وہ دین دار ہوں خواہ شوہر عربی اور بیوی عجمی یا مولیٰ ہو یا صورت حال اس کے برعکس ہو۔ مذکورہ بالا شرعی دلائل کی روشنی میں یہ قول بے حد قوی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

غلام کا آزاد عورت سے نکاح

سوال ایک آدمی نے اپنے آپ کو آزاد ظاہر کرتے ہوئے ایک آزاد عورت سے نکاح کر لیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو غلام ہے' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس عورت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو نکاح کو فسخ کر دے' کیونکہ شوہر کے غلام ہونے کی وجہ سے اسے بہت نقصان ہے اور اس لیے بھی کہ حقیقت حال کو واضح نہ کر کے اس نے دھوکا دیا ہے لہٰذا اسے اختیار حاصل ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئی تو اس کا شوہر مغیث رضی اللہ عنہ غلام تھا لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس اختیار کی وجہ سے مغیث رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا (متفق علیہ) اور سوال میں جس عورت کا ذکر ہے وہ تو اختیار کی زیادہ حق دار ہے کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے اور اسے بتایا نہیں گیا کہ وہ غلام ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يَخْذُلُهُ وَلاَ يَحْقِرُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ... الخ، ح:٢٥٦٤ وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، ح:١٩٢٧)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ اس پر ظلم نہ کرے اسے ذلیل و رسوا نہ کرے اور اسے حقیر نہ جانے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

"جو ہمیں دھوکا دے' وہ ہم میں سے (اہل اسلام و ایمان سے) نہیں ہے۔"

اس آدمی نے بلاشبہ اس عورت کو دھوکا دیا ہے' اپنی حقیقت حال کو اس سے چھپایا ہے اور اپنے آپ کو آزاد ظاہر کرتے ہوئے جھوٹ بولا ہے' اس نے اگر عورت سے مباشرت کی ہو تو عورت پورے حق مہر کی مستحق ہو گی' تنازعہ کی صورت میں معاملہ شرعی حاکم کی عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ وہ صورت حال کا جائزہ لے کر دونوں کے بارے میں شریعت محمدیہ ﷺ کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کر دے۔

—— شیخ ابن باز ——

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) عورتوں سے نکاح کا حکم

سوال اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک یہ حلال اور مباح ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٥﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

”اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔“

علماء تفسیر کے صحیح ترین قول کے مطابق محصنہ آزاد اور پاک دامن عورت کو کہتے ہیں' چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے لیے آزاد اور پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا حلال قرار دے دیا گیا ہے اور یہ جملہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تمہید ہے:

﴿ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

”اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)۔“

ایک قول یہ ہے کہ ”محصنات“ سے مراد آزاد عورتیں ہیں باندیاں نہیں۔ چنانچہ ابن جریر رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ چنانچہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے آزاد عورتیں مراد ہوں یا اس سے آزاد اور پاک دامن عورتیں مراد ہوں جیسا کہ ان سے مروی دوسری روایت میں ہے اور یہی جمہور کا بھی قول ہے اور یہی قول زیادہ صحیح بھی ہے اور یہ اس لیے کہ اس میں ذمی عورتیں شامل نہ ہو جائیں کیونکہ وہ عفیف بھی نہیں ہوتیں اور ان کی حالت بھی خراب ہوتی ہے' ذمی عورت سے شادی کرنے والے کی حالت تو اس طرح ہو گی جیسا کہ ایک ضرب المثل ہے کہ ”سودا ردی بھی اور تول میں کم بھی“ لہٰذا اس آیت کریمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ”محصنات“

سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بدکاری سے پاک دامن ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ مُحْصَنَٰتٍ غَيْرَ مُسَٰفِحَٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخْدَانٍ ﴾ (النساء٤/ ٢٥)

"بشرطیکہ عفیفہ (پاک دامن) ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں۔"

پاک دامن اہل کتاب عورتوں کے بارے میں مفسرین اور علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حکم ہر پاک دامن کتابی عورت کے لیے ہے' خواہ وہ آزاد ہو یا غلام جیسا کہ ابن جریر نے سلف کی ایک جماعت سے بیان کیا ہے کہ محصنہ سے مراد عفیفہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اسرائیلی عورتیں ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ذمی عورتیں ہیں حربی نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ﴾ (التوبة٩/ ٢٩)

"جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں' ان سے جنگ کرو۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہ نصرانی عورت سے نکاح کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے بڑا اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور تم (اے مومنو!) مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔"

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی' محمد بن حاتم بن سلیمان مؤدب' قاسم بن مالک مزنی' اسماعیل بن سمیع رحمۃ اللہ علیہم کی سند کے ساتھ ابو مالک غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور تم (اے مومنو! مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح مت کرو۔"

نازل ہوئی تو لوگ ان سے نکاح کرنے سے رک گئے حتی کہ اس کے بعد جب یہ آیت:

﴿ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور پاکدامن اہل کتاب عورتیں بھی حلال ہیں۔"

نازل ہوئی تو لوگوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیا' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نصرانی عورتوں سے نکاح کیا اور اس مذکورہ آیت کے پیش نظر انہوں نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا اور انہوں نے اسے سورۂ بقرہ کی اس آیت کے لیے مخصص قرار دیا جس میں مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے بشرطیکہ یہ کہا جائے کہ کتابی عورتیں بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں ورنہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہو گا کہ قرآن حکیم میں کئی ایک مقامات پر اہل کتاب کا مشرکین سے الگ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ ٱلْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ ﴾ (البينة٩٨/ ١)

"جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ﴾ (آل عمران۳/ ۲۰)

"اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم (بھی اللہ کے فرماں بردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو پس اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پائیں گے۔"

ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ آزاد اہل کتاب عورتیں حلال ہیں' چنانچہ حضرت عمر' عثمان' طلحہ' حذیفہ' سلمان' جابر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اوائل میں سے کسی سے بھی صحیح طور پر یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اسے حرام قرار دیا ہو۔ خلال نے اپنی سند کے ساتھ حذیفہ' طلحہ' جارود بن معلیٰ اور اذینۃ عبدی رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اہل کتاب عورتوں سے شادی کی تھی چنانچہ دیگر تمام اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ ہاں البتہ امامیہ نے اسے درج ذیل آیات کے پیش نظر حرام قرار دیا ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۱)

"اور تم (اے مومنو!) شرک کرنے والی عورتوں کے ساتھ اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔"

﴿ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ (الممتحنۃ۶۰/ ۱۰)

"اور کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس دے دو۔)"

﴿ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب تم ان کا مہر دے دو۔"

نیز امامیہ کا استدلال اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہے۔

(اب ان کے دلائل کا جواب سنیے) چنانچہ آیت کریمہ ﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت سورۃ مائدہ کی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے' دوسری آیت کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں آیتیں (پہلے کی) ہیں اور سورۂ مائدہ کی آیت ان سے بعد کی ہے۔ دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات منسوخ تو نہیں ہیں لیکن بات یہ ہے کہ مشرکین کا لفظ جب مطلقاً استعمال ہو تو اہل کتاب اس میں شامل نہیں ہوتے جیسا کہ درج ذیل آیات میں مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کو الگ سے مستقل طور پر ذکر کیا گیا ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ ﴾ (البینۃ۹۸/ ۱)

"جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ ﴾ (البینۃ۹۸/ ۶)

''بے شک وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں اور مشرک ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۰۵)

''جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب یا مشرک وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔''

اسی طرح دیگر سارے قرآن مجید میں بھی مشرکین اور اہل کتاب کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کا لفظ اہل کتاب کو شامل نہیں ہوتا چنانچہ سعید بن جبیر اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ ان لوگوں نے جو استدلال کیا ہے وہ ہر کافر کے بارے میں عام ہے جب کہ ہمارے سامنے اس وقت مسئلہ خاص اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلت کا ہے اور اصول یہ ہے کہ خاص کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ کتابیہ سے شادی نہ کی جائے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان لوگوں سے کہا تھا جنہوں نے اہل کتاب خواتین سے شادی کی تھی کہ انہیں طلاق دے دو تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سوا دیگر تمام لوگوں نے انہیں طلاق دے دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی فرمایا کہ اسے طلاق دے دو تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مست کر دینے والی ہے اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے پھر کہا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مست کر دینے والی ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مشکوک اور ناقابل اعتماد ہے لیکن یہ مجھ پر حلال ہے۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے بھی طلاق دے دی تو ان سے پوچھا گیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو حکم دیا تو آپ نے اس وقت طلاق کیوں نہ دی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کتابیہ عورت سے شادی کرنے میں اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ کہیں اس کی طرف دل کا میلان اس قدر زیادہ نہ ہو جائے کہ وہ فتنہ ہی میں مبتلا کر دے یا ہو سکتا ہے کہ دونوں سے پیدا ہونے والی اولاد کا رجحان (میلان) ماں کی طرف ہو جائے'' صاحب ''المغنی'' رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا۔

حافظ ابن کثیر اور صاحب ''المغنی'' رحمہما اللہ نے جو ذکر کیا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَـٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۱)

''اور تم (اے مومنو!) مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح مت کرو۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

''آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں۔''

میں دو وجہ سے کوئی تعارض نہیں ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اطلاق کے وقت اہل کتاب مشرکین میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں ان کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ ﴾ (البینة۹۸/ ۱)

"جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرکین وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے۔"

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ﴾ (البینة۹۸/ ٦)

"بے شک وہ لوگ جو اہل کتاب سے ہوں یا مشرکین سے، وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَّا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (البقرة۲/ ۱۰۵)

"جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب سے یا مشرکین سے، وہ کبھی بھی پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کچھ بھلائی نازل ہو۔"

اسی طرح قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان فرق کیا گیا ہے لہٰذا پاک دامن اہل کتاب عورتیں ان مشرک عورتوں میں داخل نہیں ہیں جن کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اہل کتاب خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اطلاق کے وقت مشرک مردوں اور عورتوں میں داخل ہیں کیونکہ وہ بلا شک و شبہ کافر اور مشرک ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ﴾ (التوبة۹/ ۲۸)

"مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔"

اگر اہل کتاب عند الاطلاق (مطلقاً) مشرکوں میں داخل نہ ہوتے تو یہ آیت انہیں شامل نہ ہوتی۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۳۱)

"ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان سب کو شرک کا مرتکب قرار دیا کیونکہ یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: مسیح

اللہ کا بیٹا ہے اور ان سب نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنالیا تھا اور یہ سب کچھ شرک کی بدترین صورت ہے اور اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت سورۂ بقرہ کی آیت کی تخصیص کر رہی ہے اور خاص عام سے مقدم ہوتا ہے جیسا کہ یہ اصول فقہ کا ایک معروف قاعدہ ہے اور اس پر فی الجملہ اجماع بھی ہے اور یہی بات درست بھی ہے اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور یہ ان مشرک عورتوں میں داخل نہیں ہیں جن کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے بلکہ اس پر اجماع ہے جیسا کہ صاحب "المغنی" کے کلام کے حوالہ سے قبل ازیں بیان کیا گیا ہے لیکن ان سے نکاح کرنے کی بجائے پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا بہتر اور افضل ہے جیسا کہ امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب' آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور سلف صالح رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے میں خصوصاً غربت اسلام کے اس دور میں بے حد خطرات ہیں' جس میں نیک اور دین میں سمجھ بوجھ رکھنے والے آدمی بہت کم ہیں اور عورتوں کی طرف میلان رکھنے والوں اور ہر چیز میں ان کی سمع و اطاعت بجالانے والوں کی کثرت ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ لہٰذا اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ کتابیہ عورت اپنے مسلمان شوہر اور اس کی اولاد کو اپنے دین و اخلاق ہی کی طرف نہ لے جائے۔ واللہ المستعان۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے لیے شادی کرنا تو جائز ہے لیکن مسلمان عورتوں کے لیے اہل کتاب مردوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان جب اللہ تعالیٰ' اس کے رسولوں اور ان پر نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں تو رسولوں میں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بھی ہیں اور ان کتابوں میں تورات بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل بھی ہے جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر اتری۔ تو مسلمانوں کا جب اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور احسان کی تکمیل فرماتے ہوئے ان کے لیے پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دے دیا لیکن اہل کتاب نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل کی گئی کتاب عظیم قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں سے نکاح کو اس وقت تک کے لیے حرام قرار دے دیا جب تک کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول بلکہ خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ایمان نہیں لاتے' اگر یہ ایمان لے آئیں تو پھر ان کے لیے ہماری عورتوں سے بھی نکاح کرنا حلال ہو گا اور ہمارے اور ان کے حقوق و فرائض ایک جیسے ہو جائیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حاکم ہے' عادل ہے' اپنے بندوں کے حالات کو دیکھنے والا اور ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ اور ہر حکم حکمت و مصلحت پر مبنی ہے' وہ گمراہوں' کافروں اور تمام مشرکوں کے قول سے پاک اور منزہ ہے۔

اس میں ایک حکمت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ عورت ضعیف اور کمزور ہے' وہ اپنے شوہر کی فوراً اطاعت شروع کر دیتی ہے' اگر مسلمان عورت کے لیے اہل کتاب مردوں سے شادی کرنا جائز قرار دے دیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اکثر و بیشتر عورتیں اپنے شوہر کے دین کو اختیار کر لیتیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اسے حرام قرار دے دیا گیا۔

—— شیخ ابن باز ——

کتابیہ عورت سے شادی

سوال کیا اسلام اس صورت میں کتابیہ عورت سے شادی کو جائز قرار دیتا ہے' جب کوئی مسلمان کسی عیسائی ملک میں ہو' اسے شریک حیات کی ضرورت ہو اور شادی نہ کرنے کی صورت میں اسے گناہ کے ارتکاب کا خطرہ ہو؟

جواب کتابیہ عورت سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک دامن ہو بدکار نہ ہو کیونکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پاک دامنی کی شرط بیان فرمائی ہے۔ اگر مشہور ہو کہ فلاں کتابیہ عورت پاک دامن ہے اور فحاشی سے دور ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں اور کھانے کو ہمارے لیے جائز قرار دیا ہے لیکن اس دور میں ان سے شادی کرنے میں بہت زیادہ خرابی اور برائی ہے کیونکہ وہ شوہر کو اپنے دین کی طرف دعوت دیں گی' اس کی اولاد کو بھی عیسائی بنا دیں گی لہٰذا اس خطرے کی وجہ سے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مسلمان کتابیہ عورت سے شادی نہ کرے اور پھر آج کل اہل کتاب عورتوں کی اکثریت فحاشی میں بھی مبتلا ہے لہٰذا اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ وہ کسی اور کی اولاد کو اس کی طرف منسوب کر دیں گی۔ لہٰذا اگر بظاہر یہ معلوم بھی ہو کہ یہ عورت بدکار نہیں ہے بلکہ عفت مآب ہے تو پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے شادی نہ کرے اور کسی مسلمان مومن عورت سے شادی کرنے کی مقدور بھر کوشش کرے لیکن اگر اس کی واقعی ضرورت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ تاکہ اپنے آپ کو عفیف و پاک دامن رکھ سکے اور غض بصر کا سامان کر سکے مقدور بھر کوشش کر کے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دیتا رہے' اس کے شر سے بچتا رہے اور اس بات کا بطور خاص خیال رکھے کہ وہ اسے یا اس کی اولاد کو کفر میں مبتلا نہ کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

کتابی عورت سے شادی کرنے کی دو شرطیں

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

''آج کے دن تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)۔''

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کتابی عورت سے شادی کرنا جائز ہے' سوال یہ ہے کیا آیت آج کل کی اس کتابی عورت کے لیے بھی ہے جو یہ کہتی ہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے یعنی جو مشرکہ ہے؟

جواب اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ یعنی اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک دامن ہوں یعنی وہ زنا اور اس کے مقدمات سے محفوظ ہوں اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں' گو وہ شریعت محمدیہ کی آمد کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں اور اس مذکورہ بالا آیت کا حکم ﴿ وَلَا تَنكِحُوا ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ اور ﴿ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ ﴾ کی آیات سے خاص ہو گا لیکن اس کے باوجود بعض صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے کتابی عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیا تھا۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم بدکار عورتوں سے نکاح نہ کر لو۔ تاہم جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ پاک دامن ہوں اور اپنے شوہر کے بستر (اپنی عفت و عصمت) کی حفاظت کرنے والی ہوں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شریعت کے مطابق کتابی عورت سے شادی

سوال میں فرانس میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں اور ایک فرانسیسی نصرانی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' شادی کے لیے کیا شرطیں ہیں؟ مہر کیسے دیا جائے گا؟ کیا مہر کے بغیر بھی شادی ہو جائے گی؟ میں عرفی اور شرعی شادی میں فرق بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں؟ میرا تعلق مغرب سے ہے اور اب فرانس میں رہ رہا ہوں اور تعلیمی وظیفہ کے سوا میری اور کوئی آمدنی بھی نہیں ہے؟

جواب مسلمان کے لیے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی کسی عورت سے شادی کرنا جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَـٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ﴾
(المائدۃ٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ تم ان کو ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔"

لیکن ضروری ہے کہ مسلمان کی کتابیہ عورت سے شادی اسلامی شریعت کے مطابق ہو کیونکہ مسلمان کے لیے اسلامی شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ مہر کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیتے ہوئے مال کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ چنانچہ محرمات نکاح کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَـٰفِحِينَ ۚ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بایں طور کہ تم مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔"

سائل نے عرفی اور شرعی نکاح میں جو فرق معلوم کیا ہے تو شرعی نکاح وہ ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق ہو' شریعت کی مقرر کردہ شروط پوری ہوں اور اس میں کوئی امر مانع نہ ہو' جب کہ عرفی نکاح وہ ہوتا ہے جو اپنے دور کے رواج وعادت کے مطابق ہو لیکن مسلمان کے لیے یہ ازحد (انتہائی) ضروری ہے کہ وہ نکاح شرعی تقاضوں کے مطابق ہی کرے کیونکہ مسلمان اسلامی احکام کا پابند ہے' اگر اس نے شادی کی اور اس میں شرعی شروط پوری نہ ہوں یا شرعاً اس میں کوئی امر مانع ہو تو یہ شادی فاسد ہو گی' عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی اور نہ اس پر شرعی نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شادی کا چرچ میں اعلان

سوال کیا کسی مومن کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کسی کتابی عورت سے شادی کی ہو تو وہ چرچ میں جا کر کسی پادری کے ہاتھ پر اس نکاح کا اعلان کرے؟

جواب کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان یا کتابی عورت سے اپنی شادی کا چرچ میں جا کر کسی پادری کے سامنے اعلان کرے خواہ اس نے یہ شادی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہی کیوں نہ کی ہو کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ نکاح کے شعار' ان کے مشاعر اور معابد کی تعظیم اور ان کے علماء و مشائخ کے احترام اور ان کی توقیر میں (نصرانیوں کے ساتھ) مشابہت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، ح:٤٠٣١ ومسند أحمد: ٢/ ٥٠)

"جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے' وہ انہیں میں سے ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

حق مہر کے احکام

مہر میں مبالغہ آرائی

سوال بعض لوگ' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے' مہر کی رقم بہت زیادہ طلب کرتے ہیں اور بیٹیوں کی شادی کے وقت وہ ایک بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں' دیگر شرائط اس کے علاوہ ہوتی ہیں تو کیا اس طریقے سے لیا ہوا مال حلال ہے یا حرام؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ مہر میں تخفیف و تقلیل ہو اور اس میں بہت زیادہ رغبت نہ ہو تا کہ اس سلسلہ میں وارد احادیث پر عمل ہو سکے' شادی کو آسان بنایا جا سکے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی عفت و پاک دامنی کا اہتمام کیا جا سکے' وارثوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے بھی رقم کا مطالبہ کریں کیونکہ یہ ان کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف عورت کا حق ہے ہاں البتہ باپ کوئی ایسی شرط عائد کر سکتا ہے جس سے بچی کو بھی کوئی نقصان نہ ہو اور نہ اس کی شادی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو اور اگر وہ ہر قسم کی شرط کو ترک کر دے تو یہ اس کے لیے بہت بہتر اور افضل ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اور اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے خوش حال کر دے گا۔"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ» (سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا حتى مات، ح:٢١١٧ والمستدرك للحاكم، النكاح: ٢/ ١٨٢، ح:٢٧٤٢ واللفظ له)

"بہترین مہر وہ ہے جو (دینا) آسان ہو۔"

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور جب ایک خاتون نے اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا تھا اور آپ نے اس کی ایک صحابی سے شادی کا ارادہ فرمایا تھا تو اسے حکم دیا:

«اِلْتَمِسْ وَلَوْ كَانَ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»(صحيح البخاري، النكاح، باب السلطان ولي ... الخ، ح:٥١٣٥، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن ... الخ، ح:١٤٢٥)

"مہر کا انتظام کرو خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔"

اور جب اسے لوہے کی انگوٹھی بھی میسر نہ آسکی تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس عورت کو قرآن حکیم کی وہ سورتیں سکھادے جن کے متعلق اس نے بتایا تھا کہ وہ اسے زبانی یاد ہیں۔ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا (جو آج کے تقریباً ایک سو تیس ریال کے برابر ہے) اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر چار سو درہم تھا (جو آج کے قریباً سو ریال کے برابر ہے) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ ہے۔"

شادی کے اخراجات جس قدر کم ہوں گے' مردوں اور عورتوں کے لیے عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنا آسان ہو گا' فواحش و منکرات میں کمی ہو گی اور امت کی تعداد میں اضافہ ہو گا اور شادی کے اخراجات میں جس قدر اضافہ ہو گا' لوگ زیادہ مہر کی رغبت کریں گے تو شادیاں کم اور بدکاریاں زیادہ ہوں گی اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگی تعطل کا شکار ہو جائے گی۔ الا ماشاء اللہ۔ لہٰذا میری تمام مسلمانوں کو' خواہ وہ کسی بھی جگہ رہ رہے ہوں' یہ نصیحت ہے کہ وہ شادی و نکاح کو آسان بنائیں۔ اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے تعاون کریں' زیادہ مہر کا مطالبہ نہ کریں' ولیمہ کی دعوتوں میں بھی تکلف سے اجتناب کریں اور صرف شرعی ولیمہ پر اکتفاء کریں جس کی وجہ سے بہت زیادہ اخراجات برداشت نہیں کرنے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اصلاح فرمائے اور انہیں ہر چیز میں سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

کم اخراجات والی شادی بابرکت ہے

سوال مہر میں مبالغہ اور شادی کی محفلوں میں اسراف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے خصوصاً شادی کے بعد ہنی مون منانے کے لیے بے پناہ اخراجات و تکلفات کیے جاتے ہیں' کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

جواب مہر اور شادی کی تقریبات میں مبالغہ خلاف شریعت ہے۔ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہوتا ہے جس میں اخراجات کم ہوں جس قدر اخراجات کم ہوں گے اسی قدر برکت زیادہ ہو گی۔ اکثر و بیشتر حالات میں یہ مسئلہ عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے کیونکہ عورتیں ہی اپنے شوہروں سے زیادہ مہر کا مطالبہ کرتی ہیں' اگر مہر کم ہو تو عورت کہتی ہے کہ نہیں یہ مہر مناسب نہیں بلکہ واجب یہ ہے کہ ہماری بیٹی کے لیے تو (اتنا اتنا اس سے کہیں زیادہ) مہر ہو۔ تقریبات میں بھی بے پناہ اخراجات سے شریعت نے منع کیا ہے اور یہ اخراجات بھی حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں داخل ہیں:

﴿ وَلَا تُسْرِفُوٓاْ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۱)

"اور (اپنا مال) بے جا نہ اڑاؤ یقیناً اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کو تقریبات کے زیادہ اخراجات پر بھی مجبور کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ فلاں فلاں کی تقریب تو اس قدر شان و شوکت سے منعقد ہوئی تھی اور ہم کسرکیوں اٹھا رکھیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ان تمام معاملات کو شریعت کی روشنی میں سرانجام دیا جائے۔ انسان کو نہ حد سے بڑھنا چاہیے اور نہ اسراف سے کام لینا چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسراف ناپسند فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۱)

"یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

ہنی مون کے نام سے جو فضول خرچی کی جاتی ہے تو یہ بھی بے حد ناپسندیدہ اور ناشائستہ حرکت ہے کیونکہ اس میں غیر مسلموں کی تقلید بھی ہے اور بہت سے مال و دولت کا ضیاع بھی علاوہ ازیں بہت سے دینی امور بھی ضائع ہوتے ہیں خصوصاً جب کہ مسلمان ہنی مون کو منانے کے لیے کسی غیر اسلامی ملک میں چلا جائے تو وہ ان کی ایسی رسوم و عادات کو اپنے ساتھ لاتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہیں ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے یا مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے چلا جائے تو ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مہر میں مبالغہ آرائی کے مشکل مسئلہ کا حل

سوال مہر میں مبالغہ آرائی ایک معاشرتی مسئلہ ہے لہٰذا اس کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہیے' آپ کی رائے میں اس سنگین مسئلہ کا کیا حل ہے؟

جواب بے شک مہر میں مبالغہ آرائی ایک سنگین معاشرتی مسئلہ ہے حکومت' علماء اور معززین کو باہمی تعاون کے ذریعے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ اس کے لیے لوگوں کو بھی یہ نصیحت کی جائے کہ وہ مہر میں تخفیف سے کام لیں' تخفیف کے فوائد بھی بیان کریں اور خود اپنا عملی نمونہ بھی پیش کریں تاکہ دوسرے لوگ بھی امراء' علماء اور معززین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس خرابی کو دور کر سکیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی پانچ سو درہم سے زیادہ مہر نہیں دیا تھا اور آپ کی ذات گرامی اپنے اقوال و اعمال میں ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقا، ح:۲۱۱۷ والمستدرك للحاكم، النكاح: ۲/ ۱۸۲، ح: ۲۷٤۲ واللفظ له)

"بہترین مہر وہ ہے جو کم ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

«أَبْرَكُهُنَّ أَيْسَرُهُنَّ مُهُورًا»(المغني عن حمل الأسفار في الأسفار للعراقي: ۲/ ٤٠، ح:۹)

"زیادہ بابرکت عورتیں وہ ہیں' جن کے مہر کم ہوں۔"

ایک صحابی کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے جب کوئی مال نہ تھا تو آپ ﷺ نے اس کی شادی ایک عورت سے اس مہر پر کر دی کہ اسے قرآن مجید کی جس قدر سورتیں یاد ہیں' وہ اپنی بیوی کو بھی یاد کرا دے۔

نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مہر میں تسامح سے کام لینا چاہیے اور ولیمہ کی دعوتوں میں بھی تکلف سے کام نہیں لینا چاہیے' بے شک ان امور میں سبقت کا مظاہرہ نوجوانوں کی جلد شادی کا سبب بنے گا اور اس طرح بہت سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو عفت و پاک دامنی کی زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم ہو گا اور معاشرے کو شیطان کی چالوں اور دسیسہ کاریوں سے محفوظ رکھا جا سکے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو شادی کرنے کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کہ اس سے نگاہیں نیچی رہیں گی اور شرم گاہ کی حفاظت ہو گی اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے' روزہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

مہر کی شرط سب سے اہم شرط ہے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ مہر کی رقم کو مؤجل اور قسطوں میں ادا کیا جائے کیونکہ میرے پاس مکمل مہر ادا کرنے کے لیے ساری رقم نہیں ہے؟

جواب انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت سے مہر معین پر شادی کر لے خواہ اسے معجل طور پر (فوراً) ادا کرے یا مؤجل (کچھ وقت کے بعد)۔ سارے مہر یا اس کے کچھ حصہ کو مؤجل کرنے پر وہ بیوی کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہے اور جب دونوں کسی معاہدہ پر متفق ہو جائیں تو پھر دونوں کے لیے ضروری ہے کہ اس معاہدہ کو پورا کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، ح:١٤١٨)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ شرطیں ہیں جن کے ساتھ تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

مہر ادا کرنے میں تاخیر

سوال عورت کے مہر کے ادا کرنے میں تاخیر کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے کیا یہ حرام ہے یا حلال؟

جواب مہر کی ادائیگی میں تاخیر میں کوئی حرج نہیں مثلاً اگر اتفاق سے یہ طے پا جائے کہ دس ہزار معجل (فوراً) اور دس ہزار مؤجل (کچھ وقت کے بعد) ادا کیا جائے گا یا بیس ہزار ہی کو مؤخر ادا کیا جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق معاملات کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَقُّ ما أَوْفَيْتُمْ مِنَ الشُّرُوطِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، ح:١٤١٨ ومصنف عبدالرزاق، النكاح، باب الشرط في النكاح، ح:١٠٦١٣ واللفظ له)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہو۔"

اگر مہر کو کسی مدت یا طلاق یا موت تک مؤخر کیا ہو تو اسے ادا کر دینا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

مہر میں تاخیر جائز ہے

سوال کیا شادی کے وقت مہر کے ادا کرنے میں تاخیر جائز ہے یا نہیں؟

جواب مہر کے کچھ حصہ کو کسی مصلحت کے پیش نظر مؤخر کرنا جائز ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ اس مدت کی تعیین بھی جائز ہے جس میں شوہر اسے ادا کر دے گا اور اگر اس نے کسی مدت کا تعین نہ کیا ہو تو اس میں طلاق یا وفات تک بھی تاخیر جائز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مہر کے بغیر نکاح

سوال کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ کسی کو محض لوجہ اللہ دے دے اور مہر کا تعین نہ کرے؟

جواب نکاح میں مال کا وجود ضروری ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔"

اور حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ میں ہے جس کی صحت پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے اس عورت سے شادی کرنا چاہی تھی جس نے اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کے لیے ہبہ کیا تھا:

«اِلْتَمِسْ وَلَوْ كَانَ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»(صحيح البخاري، النكاح، باب السلطان ولي ... الخ، ح:٥١٣٥ وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن ... الخ، ح:١٤٢٥)

"مہر کے لیے کوئی چیز تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو۔"

اگر کوئی شخص مہر کے بغیر شادی کرے تو عورت کے لیے مہر مثل واجب ہو گا' یہ بھی جائز ہے کہ شادی کے لیے آدمی یہ مہر مقرر کرے کہ وہ اسے قرآن مجید کی کچھ سورتیں یا کچھ حدیثیں یا دیگر علوم نافعہ میں سے کچھ معلوم اشیاء سکھا دے گا' کیونکہ اس ہبہ کرنے والی عورت سے شادی کرنے والے کو جب کوئی مال نہ ملا تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ "اسے قرآن مجید کی کچھ سورتیں سکھا دو" مہر عورت کا حق ہے' اگر عورت اپنے اس حق سے دستبردار ہو جائے اور وہ سلیم العقل ہو تو یہ جائز ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَءَاتُواْ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَٰتِهِنَّ نِحۡلَةٗ ﴾ (النساء٤/ ٤)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

سودی کاروبار کرنے والے باپ کے مال سے شادی کرنا

سوال الحمدللہ ' اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے سرفراز فرما رکھا ہے اور میں ان شاء اللہ عنقریب شادی بھی کرنا چاہتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے والد صاحب ' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے ' سودی کاروبار کرتے ہیں اور وہ اس شادی میں میرے ساتھ مالی تعاون بھی کریں گے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں کہ میرے پاس از خود مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے اور اگر میں اپنے والد کی اس حرام کمائی کے تعاون کو قبول نہ کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں کئی سالوں تک شادی نہ کر سکوں گا لہٰذا رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

جواب میں چاہتا ہوں کہ سائل اور قارئین کرام کو پہلے ایک مفید قاعدہ بتا دوں کہ ہر وہ چیز جو کمائی کی وجہ سے حرام قرار دی گئی ہے' وہ صرف کمانے والے کے لیے حرام ہے اور ہر وہ چیز جو خود حرام ہے وہ کمانے والے کے لیے بھی اور دیگر لوگوں کے لیے بھی حرام ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال لے لے اور وہ اسے کسی دوسرے کو بیع یا ہبہ کی صورت میں دینا چاہے تو ہم کہیں گے کہ یہ حرام ہے کیونکہ یہ مال بعینہ حرام ہے۔

لیکن جو کمائی حرام ہو مثلاً یہ کہ وہ سود یا دھوکے سے کی گئی ہو تو یہ صرف کمانے والے کے لیے حرام ہے جو اسے حق کے ساتھ لے لے اس کے لیے یہ حرام نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہودیوں کا ہدیہ اور دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے' ان کا کھانا (طعام) تناول فرما لیا کرتے تھے' ان سے اشیاء بھی خرید لیا کرتے تھے اور سبھی جانتے ہیں کہ یہودی سودی لین دین کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔

اس قاعدہ کی بنا پر میں سائل سے یہ کہوں گا کہ آپ کو شادی کے لیے جس قدر بھی ضرورت ہے' اپنے باپ کے مال سے لے لو یہ آپ کے لیے حلال ہے' حرام نہیں۔ سودی کاروبار کا گناہ آپ کے باپ کو ہو گا' میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے باپ کو ہدایت' توبہ اور سودی کاروبار ترک کر دینے کی توفیق عطا فرمائے' آپ کے باپ کو معلوم

ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے:

﴿ اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوٰا۟ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِى يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَـٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾
(البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

اس آیت کا کیا معنی سامنے آتا ہے؟ مفسرین نے اس آیت کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ سود کھاتے ہیں یہ جب قیامت کے دن اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان نے لپٹ کر جنون کی وجہ سے دیوانہ بنا دیا ہو' تو اس سے اندازہ فرمائیں کہ روز قیامت تمام لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار کرنے کے لیے ان کی یہ سزا کس قدر سنگین ہو گی۔

بعض علماء متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ سودی معاملہ مجنونوں کی طرح کرتے ہیں کہ سود نے ان کی عقل اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ختم کر دیا ہوتا ہے کہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر ان کی دلچسپی کا مرکز و محور سود ہی ہوتا ہے۔ آیت میں چونکہ اس معنی کا بھی احتمال ہے تو در حقیقت یہ معنی بھی وہی ہے جو پہلا معنی ہے جس پر جمہور علماء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس بے پناہ حرص اور لالچ کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی یہ سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی اس سزا سے دو چار ہوں گے!

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب شوہر مقاربت (بیوی کے ساتھ ملاپ) سے پہلے فوت ہو جائے تو..........!

سوال ایک شخص عقد نکاح کرنے کے بعد مگر مقاربت سے پہلے فوت ہو گیا تو کیا اس کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی بیوی سے وہ مہر واپس لے لیں جو اس نے اپنی بیوی کو دیا تھا؟

جواب جب کوئی شوہر اپنی بیوی سے مقاربت سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس صورت میں بھی بیوی کے لیے طے شدہ تمام مہر واجب ہوتا ہے کیونکہ شوہر کی وفات کی صورت میں بھی بیوی تمام مہر کی اسی طرح حق دار ہوتی ہے جس طرح وہ مقاربت کی صورت میں حق دار ہوتی ہے خواہ اس نے کچھ مہر ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو' شوہر کا باپ یا اس کی ماں مہر کے کسی بھی تھوڑے یا زیادہ حصے کے وارث نہیں ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مہر کا کچھ حصہ ادا کیا اور پھر اسے چھوڑ دیا

سوال میرے ایک رشتہ دار نے میری بہن سے منگنی کی اور مہر کا کچھ حصہ بھی ادا کر دیا لیکن ایک سال کے بعد اس نے اس منگنی کو توڑ دیا اور ایک دوسری عورت سے شادی کر لی تو اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہے جو اس نے مہر کے کچھ حصے کے طور پر ادا کی تھی؟ کیا یہ رقم اس کا حق ہے یا میری بہن کا؟

جواب یہ رقم اس نے اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے ادا کی تھی اور پھر اس نے تمہارے ہاں شادی کرنے کا ارادہ ترک کر کے اس رقم کو تمہارے لیے چھوڑ دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس رقم کو معاف کر دیا ہے لہٰذا تم اس کے رشتہ کے مطالبہ کو قبول (منگنی) کرنے اور ایک سال تک اپنی بہن کی شادی نہ کرنے کے بالمقابل اس رقم کے مستحق ہو اور پھر یہ کہ اس نے خود ہی اس رقم کو چھوڑا ہے اور اس کی واپسی کا مطالبہ بھی نہیں کرے گا لیکن بعد میں اگر وہ اس کا مطالبہ کرے تو آپ کو چاہیے کہ حسب اتفاق وہ پوری رقم یا اس کا کچھ حصہ اس کو واپس کر دو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ولیمہ اور دیگر تقریبات میں خلاف شریعت باتیں

دعوتی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنا

سوال شادی کے دعوتی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جبکہ عموماً انہیں پڑھنے کے بعد سڑکوں یا ردی کی ٹوکریوں میں پھینک دیا جاتا ہے؟

جواب دعوتی کارڈوں اور دیگر خطوط وغیرہ میں بسم اللہ لکھنا مشروع ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَبْتَرُ»(إرواء الغليل: ١/ ٢٩ والدر المنثور: ١/ ٣١)

"ہر وہ کام جس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے۔"

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مکتوبات و رسائل کو بسم اللہ ہی سے شروع فرمایا کرتے تھے لیکن جس شخص کو کوئی ایسا کارڈ یا خط ملے جس میں بسم اللہ یا قرآن مجید کی کوئی آیت ہو' اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے کوڑے میں یا ردی کی ٹوکریوں میں پھینکے یا کسی ناپسندیدہ جگہ پر رکھے۔ اسی طرح اخبارات و جرائد کی بے حرمتی کرنا' انہیں کوڑے میں پھینکنا' کھانے کے لیے دسترخوان کے طور پر بچھانا یا لفافوں وغیرہ کے طور پر استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ان میں بھی کہیں نہ کہیں اللہ کا نام ہوتا ہے جو شخص اس طرح کرے گا وہ گناہ گار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر طرح کی خیر و بھلائی کی توفیق بخشے!

—— شیخ ابن باز ——

ہوٹلوں میں تقریبات کا انعقاد

سوال ہوٹلوں میں منعقد کی جانے والی تقریبات کے بارے میں آنجناب کی کیا رائے ہے؟

جواب ہوٹلوں میں منعقد کی جانے والی تقریبات میں کئی طرح کی غلطیاں اور کئی قابل اعتراض باتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ان تقریبات میں اکثر و بیشتر صورتوں میں اسراف اور فضول خرچی ہوتی ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسری بات

یہ کہ ہوٹلوں میں ولیمہ کی دعوتوں میں بہت تکلف سے کام لینا پڑتا ہے اور اس قدر زیادہ لوگوں کو بلانا پڑتا ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ تیسری بات یہ کہ اس طرح کی تقریبات میں مردوں اور عورتوں میں اختلاط ہو جاتا ہے' ہوٹل کے سٹاف کے ساتھ بھی اور دیگر مردوں کے ساتھ بھی اور مردوں عورتوں کا یہ اختلاط انتہائی غلط اور منکر بات ہے۔ اس وجہ سے کبار علماء کی مجلس کی طرف سے جلالۃ الملک کی خدمت میں یہ سفارش پیش کی گئی ہے کہ ہوٹلوں میں شادی اور ولیمہ کی تقریبات پر پابندی عائد کر دی جائے اور لوگوں سے کہا جائے کہ وہ ان تقریبات کا انعقاد اپنے گھروں پر کریں۔ ہوٹلوں میں پر تکلف دعوتوں کو ترک کر دیں کیونکہ ہوٹلوں میں ان دعوتوں سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' اسی طرح ان دیگر تقریبات پر بھی پابندی عائد کر دی جائے جن پر بہت زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ سفارش لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لیے پیش کی گئی ہے تاکہ انہیں زیادہ خرچ نہ کرنے کی وجہ سے آسانی ہو' اقتصادیات بھی بہت خراب نہ ہو' اسراف اور فضول خرچی کی بھی حوصلہ شکنی ہو تاکہ متوسط درجے کے لوگوں کے لیے بھی شادی میں آسانی اور اسراف و فضول خرچی کی وجہ سے پریشانی نہ ہو کیونکہ جب کوئی شخص یہ دیکھے گا کہ اس کے چچازاد یا کسی اور رشتہ دار نے ہوٹل میں ولیمہ کی بہت پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا ہے تو وہ بھی اس کی نقالی اور مشابہت کے لیے یا تو قرض لے کر بے حد اخراجات برداشت کرے گا یا احساس کمتری میں مبتلا ہو کر وہ شادی کے پروگرام ہی کو مؤخر کر دے گا لہذا میری تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ خوشی کی ان تقریبات کو ہوٹلوں یا مہنگے شادی گھروں میں منعقد نہ کریں کیونکہ انہیں بہت زیادہ مہنگے شادی گھروں یا ہوٹلوں میں منعقد کرنے کی بجائے سستے ہوٹلوں' شادی گھروں یا اگر ممکن ہو تو اپنے گھروں یا اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں منعقد کرنا زیادہ بہتر ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مہر میں مبالغہ اور شادی کی تقریبات میں فضول خرچی

کبار علماء کی کونسل نے اپنے دسویں اجلاس میں (جو ریاض میں ۱۳۹۷/۳/۲۱ھ سے ۱۳۹۷/۴/۴ھ تک جاری رہا) اس تحقیقی بحث کا جائزہ لیا جو کبار علماء کی مستقل کمیٹی نے عورتوں کے حق مہر کی تحدید کے موضوع پر تیار کی تھی۔ کبار علماء کی کونسل میں غور کے لیے یہ ریفرنس مجلس وزراء کے نائب صدر نے بھیجا تھا کیونکہ بہت سے لوگوں کی طرف سے حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی تھی کہ لوگ مہر میں بے حد مبالغہ آرائی سے کام لینے لگے ہیں' شادی اور ولیمہ کی تقریبات میں بے پناہ خرچ کر کے تمام حدود سے تجاوز کر رہے ہیں' آرائش و زیبائش اور بجلی کے قمقموں سے بے پناہ روشنیوں کا اہتمام بھی حد اعتدال سے بڑھتا جا رہا ہے' لہو و لعب' گانے بجانے اور موسیقی کے (یہ ناجائز) پروگرام بسا اوقات ساری ساری رات جاری رہتے ہیں حتی کہ بسا اوقات ان کی آوازیں نماز فجر کے مؤذنین کی آوازوں سے بھی بلند ہوتی ہیں۔ شادی سے پہلے منگنی وغیرہ کی رسوم کی تقریبات اس پر مستزاد ہیں۔ حکومت کی توجہ ان بعض دلائل کی طرف بھی مبذول کروائی گئی جن میں مہر میں کمی' اخراجات میں اعتدال اور اسراف و فضول خرچی سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ ٱلْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا۟ إِخْوَٰنَ ٱلشَّيَـٰطِينِ ۖ وَكَانَ ٱلشَّيْطَـٰنُ لِرَبِّهِۦ كَفُورًا ﴿٢٧﴾﴾
(الإسراء١٧/٢٦-٢٧)

"اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (ناشکرا) ہے۔"

مسلم، ابو داود اور نسائی میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

«كَانَ صَدَاقُهُ لأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قُلْتُ: لاَ، قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ» (صحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن ... الخ، ح:١٤٢٦ وسنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، ح:٢١٠٥)

"آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیے اور نش" تھا پھر انہوں نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ نش کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں مجھے معلوم نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ نش کے معنی نصف اوقیہ کے ہیں اور اس طرح یہ سارا مہر پانچ سو درہم ہوا۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاتون سے شادی پر یا اپنی کسی صاحبزادی کے نکاح پر بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کیا ہو" امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ نیز صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی ایک عورت سے شادی کے موقع پر یہ مہر مقرر کیا کہ اسے جس قدر قرآن مجید یاد ہے، وہ اسے بھی سکھا دے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس روایت کو صحیح بھی قرار دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَلاَ لاَ تُغْلُوا صُدُقَ النِّسَاءِ قَالَ: فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوٰى عِنْدَ اللهِ كَانَ أَوْلاَكُمْ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ وَلاَ أُصْدِقَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَي عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُبْتَلٰى بِصَدُقَةِ امْرَأَتِهِ حَتّٰى تَكُونَ لَهَا عَدَاوَةٌ فِي نَفْسِهِ وَحَتّٰى يَقُولَ كُلِّفْتُ إِلَيْكَ عَلَقَ الْقِرْبَةِ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في مهور النساء، ح:١١١٤ وسنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، ح:٢١٠٦ ومسند أحمد:١/ ٤٠ واللفظ له)

"تم عورتوں کے مہر میں غلو (حد سے بڑھنے اور بے اعتدالی) سے کام نہ لو کیونکہ یہ بات اگر دنیا کے اعتبار سے باعث عزت یا اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کا سبب ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تم سے بھی زیادہ مستحق تھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات یا اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا بھی مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ بسااوقات آدمی کی اپنی بیوی کے مہر کی وجہ سے آزمائش بھی ہوتی ہے، جس سے اس کے دل میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ کہنے لگتا ہے کہ میں نے تیرے لیے (یعنی تجھے حاصل کرنے کے لیے) اتنی زحمت اور تکلیف اٹھائی جتنی مشک اٹھانے میں ہوتی ہے۔"

وہ احادیث و آثار بہت زیادہ بھی ہیں اور مشہور و معروف بھی جن میں اخراجات میں اعتدال سے کام لینے کی ترغیب

دی گئی ہے اور حد ضرورت سے تجاوز کی ممانعت کی گئی ہے تو ان احادیث و آثار کی بنیاد پر اور مہر میں مبالغہ آرائی اور شادی و ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں حد اعتدال سے تجاوز کے باعث اور پھر شادی سے پہلے اور بعد میں بھی ان دعوتوں کی کثرت کے باعث جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں اور ایسے حرام امور کا ارتکاب ہوتا ہے جو اخلاق خراب کرتے ہیں مثلاً گانا بجانا' مردوں اور عورتوں کا اختلاط' دعوتوں کے ہوٹلوں میں انعقاد کی صورت میں عورتوں کے لیے بھی ہوٹلوں کے مرد ملازمین کا خدمت سر انجام دینا جو بجائے خود ایک بہت بڑی برائی ہے اور جب بہت سے لوگ شادی کی اس طرح کی دعوتوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تو پھر وہ کسی ایسے معاشرے میں شادی کر لیتے ہیں جس کے اخلاق و روایات ہمارے معاشرہ سے ہم آہنگ نہیں ہوتے اور جن کی وجہ سے ہمارے ہاں بھی عقیدہ و اخلاق میں انحراف آ جاتا ہے۔ بلکہ یہ بے حد و حساب فضول خرچی بھی ہمارے بہت سے بچوں اور بچیوں کے اخلاقی انحراف کا سبب بنتی ہے' ان تمام امور کے پیش نظر مجلس کبار علماء شدت سے یہ محسوس کرتی ہے کہ اس صورت حال کا بہت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر علاج ہونا چاہیے' اس سلسلہ میں کونسل کی سفارشات حسب ذیل ہیں:

1 کونسل کی رائے میں شادی کی محفلوں میں گانے' بجانے' موسیقی' گلوکار مردوں' عورتوں اور لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی لگا دی جائے کیونکہ یہ سب امور منکر اور حرام ہیں' ان سے منع کرنا اور باز نہ آنے والے کو سزا دینا واجب ہے۔

2 شادی اور دیگر محفلوں میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط پر پابندی لگائی جائے اور شوہر کو بھی منع کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اس وقت نہ جائے جب اس کے پاس عورتیں پردہ کے بغیر بیٹھی ہوں اور اس سے باز نہ آنے والے شوہر کو اور بیوی کے وارثوں کو ایسی سزا دی جائے کہ وہ اس منکر سے باز آ جائیں۔

3 شادی اور ولیمہ کی دعوتوں میں اسراف' فضول خرچی اور حد اعتدال سے بڑھ کر خرچ کرنے سے منع کیا جائے' نکاح رجسٹرار اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا جائے' مہر میں تخفیف (کمی کرنے) کی ترغیب دی جائے اور اسراف کی مذمت کی جائے۔ نیز اس موضوع پر مسجدوں کے منبروں پر' علمی مجلسوں میں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نشر ہونے والے پروگراموں میں روشنی ڈالی جائے۔

4 کونسل میں کثرت رائے سے یہ بھی طے پایا کہ جو لوگ شادی اور ولیمہ کی دعوتوں میں بہت واضح طور پر اسراف اور فضول خرچی کا مظاہرہ کریں' انہیں سزا دی جائے اور محاسب پولیس کی وساطت سے ان کے معاملہ کو عدالتوں میں لے جایا جائے تاکہ جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے' اسے حاکم شرعی کوئی ایسی تعزیری سزا دے سکے جو دوسروں کے لیے بھی باعث عبرت ہو کیونکہ کچھ لوگ سزا کے بغیر باز آہی نہیں سکتے۔ حاکم وقت کو بھی چاہیے۔ (اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا فرمائے) کہ وہ امت کی ان مشکلات کا علاج کرے' انحراف کے اسباب کو ختم کرے اور مخالفت کرنے والے کی سزا پر دستخط کر دے تاکہ لوگ ان فضول خرچیوں اور اسراف سے باز آ جائیں۔

5 کونسل کی رائے میں مسجدوں کے منبروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مہر کی تخفیف و تقلیل کی تلقین و ترغیب دی جائے اور ایسی مثالیں بیان کی جائیں جو شادی کے کم اخراجات کے سلسلہ میں مشعل راہ ہوں مثلاً اگر کسی نے مہر کے کچھ حصہ کو واپس کر دیا ہو یا استطاعت کے باوجود دعوت کو اسراف و فضول خرچی سے پاک رکھا ہو تو ایسی مثالوں کو ضرور بیان کیا جائے کیونکہ لوگ ان سے متاثر ہوتے ہیں۔

6 کونسل کی رائے میں اسراف و فضول خرچی سے بچنے کے لیے سب سے زیادہ کامیاب طریقہ یہ ہے کہ قائدین' امراء' علماء' معززین اور دیگر صاحب حیثیت لوگ اسراف اور فضول خرچی سے بچنے کا آغاز کریں کیونکہ جب تک یہ لوگ باز نہیں آئیں گے عامۃ الناس بھی کبھی اس سے باز نہیں آئیں گے کیونکہ عوام تو اپنے قائدین و معززین کے تابع ہوتے ہیں لہٰذا حکمرانوں پر بھی یہ فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے خود اس کا آغاز کریں اور دوسروں سے پہلے اپنے حلقہ کے خواص سے اس کی پابندی کرائیں رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سختی سے اس کی پابندی کریں تاکہ معاشرہ میں کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کی کثرت نہ ہو کیونکہ اس سے بھی جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی جنم لیتی ہے۔

یاد رہے حکمرانوں سے کل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس امت کے بارے میں پوچھا جائے گا لہٰذا ان کے لیے یہ واجب ہے کہ یہ امت کو برائی سے روکیں' برائی کے اسباب کا خاتمہ کریں اور ان امور کا سراغ لگائیں جو نوجوانوں کی شادی میں تاخیر کا سبب بنتے ہیں تاکہ وہ اس کا مناسب علاج بھی کر سکیں ---حکومت--- اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے اور اسے توفیق بخشے--- اللہ تعالیٰ نے اسے جو بے پناہ وسائل اور امت کی اصلاح کے لیے جذبہ فراواں عطا فرمایا ہے' اس کی وجہ سے اس بات پر قادر ہے کہ ہر اس چیز کا خاتمہ کر دے جو اس معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے یا جو اخلاقی بے راہ روی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دین کی نصرت' اپنے کلمہ کی سربلندی اور بندگان الٰہی کی اصلاح کی توفیق بخشے اور اسے دنیا و آخرت میں بے پایاں اجر و ثواب سے نوازے۔ وصلی اللہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

______ مجلس کبار علماء ______

شادی وغیرہ کے موقع پر گانے بجانے اور...

سوال گانوں کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ حرام ہیں؟ میں انہیں صرف تسکین کے لیے سنتا ہوں' سارنگی کے استعمال اور کلاسیکی موسیقی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا شادی کے موقع پر ڈھولک بجانا حرام ہے جب کہ میں نے سنا ہے کہ یہ حلال ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں صحیح علم نہیں ہے؟

جواب گانوں کو سننا حرام اور منکر ہے' دل کی بیماری و سختی کا باعث اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے کا سبب ہے' اکثر اہل علم نے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ﴾ (لقمان ۳۱/ ۶)

''اور لوگوں میں ایسا (بدبخت بھی) ہے جو بے ہودہ حکایتیں (اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والے افسانے) خرید تا ہے۔''

''لھو الحدیث'' کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا ہے؟ چنانچہ جلیل القدر صحابئ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ ''لھو الحدیث'' سے مراد گانا ہے' گانے کے ساتھ اگر موسیقی کا آلہ مثلاً سارنگی' عود' کمان' اور ڈھولک بھی استعمال ہو تو حرمت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا اجماعاً حرام ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ» (صحيح البخاري،

الأشربة، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه، ح: ۵۵۹۰)

"میری امت میں ضرور کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بدکاری' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

میں آپ کو اور دیگر مردوں اور عورتوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر الٰہی کریں' میں آپ کو اور دیگر تمام لوگوں کو یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ وہ ریڈیو کے پروگرام "اذاعة القرآن" اور "نور علی الدرب" سنا کریں۔ یہ دونوں پروگرام سننے کے بہت عظیم فوائد ہیں اور پھر انسان ان پروگراموں کے سننے میں مشغول ہو کر گانے اور موسیقی سننے سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر ایسے عام گیتوں کے ساتھ صرف دف بجانا جائز ہے جن میں حرام کام کی نہ دعوت ہو اور نہ تعریف ہو اور اس کی اجازت بھی صرف خواتین کے لیے ہے کہ وہ رات کے کسی حصہ میں دف بجا سکتی ہیں تاکہ نکاح کا اعلان ہو سکے اور نکاح اور بدکاری میں فرق ہو سکے جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے۔

شادی کے موقع پر ڈھولک بجانا جائز نہیں بلکہ صرف دف ہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ شادی کے موقع پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ گائے جانے والے گانے بھی ناجائز ہیں کیونکہ اس میں بہت بڑا فتنہ ہے' اس کے بھیانک نتائج ہیں اور اس سے مسلمانوں کو بہت ایذاء اور تکلیف پہنچتی ہے' نیز ان محفلوں کو بہت زیادہ طول بھی نہیں دینا چاہیے بلکہ اس قدر تھوڑے وقت پر ہی اکتفا کرنا چاہیے جس میں نکاح کا اعلان ہو جائے کیونکہ رات کو زیادہ دیر تک بیدار رہنے کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نماز فجر باجماعت ادا نہیں کی جا سکتی اور نماز فجر باجماعت ادا نہ کرنا بہت بڑے منکر امور اور منافقوں کے اعمال میں سے ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شادیوں میں بعض منکر باتیں

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین آج کل موسم گرما کی تعطیلات کے آغاز کے ساتھ ہی شادیاں شروع ہو گئی ہیں اور ہوٹلوں 'گھروں یا شادی گھروں میں جو شادیاں ہو رہی ہیں ان میں بہت سی غلط باتیں بھی عام رواج پا گئی ہیں جن میں سے بدترین باتیں لاؤڈ سپیکر پر عورتوں کے گانے' ویڈیو کے ذریعہ تصویر کشی اور اس سے بھی بڑھ کر شادی کرنے والے مرد کا تمام عورتوں کے سامنے اپنی بیوی کو بوسہ دینا ہے' آہ! حیا اور اللہ کا خوف کہاں گیا؟ اور ان مواقع پر جب کچھ غیور مسلمان نصیحت کرتے ہیں تو وہ جواب یہ دیتے ہیں کہ فلاں شیخ نے طبلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا طبلہ بجانے کے لیے کچھ ضوابط اور حدود نہیں ہیں جن کی یہ شوریدہ لوگ پابندی کریں؟ امید ہے آپ مسلمانوں کے لیے حق بات کو واضح فرما دیں گے' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے' آپکے علم کے ساتھ نفع پہنچائے اور اللہ تعالیٰ آپکو توفیق بخشے۔

جواب شادی کے دنوں میں دف بجانے کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ شریعت میں اس کی اجازت ہے لیکن اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں:

① اس مقصد کی خاطر دف ہی استعمال ہو' جسے بعض لوگ "طار" کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور یہ ایک طرف

سے بند ہوتی ہے اور اگر یہ دونوں طرف سے بند ہو تو پھر اس کا نام ڈھولکی ہو گا اور ڈھولکی کا استعمال جائز نہیں کیونکہ وہ آلات موسیقی میں سے ہے اور تمام آلات موسیقی حرام ہیں سوائے اس کے' جس کی حلت کی کوئی دلیل موجود ہو اور وہ صرف دف ہی ہے جسے شادی کے دنوں میں بجانا جائز ہے۔

② دف کے ساتھ کوئی حرام چیز شامل نہ ہو مثلاً ایسے گانے نہ گائے جائیں جو فحش ہوں اور جنسی جذبات کو بھڑکانے والے ہوں کیونکہ اس طرح کے گانے ہر صورت میں حرام ہیں خواہ دف ہو یا نہ ہو اور خواہ شادی کے دن ہوں یا دوسرے دن۔

③ اس سے کوئی فتنہ رونما نہ ہو یعنی خوبصورت آوازیں سن کر مردوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اگر اس سے فتنہ رونما ہوتا ہو تو پھر بھی اس کا استعمال ممنوع ہو گا۔

④ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے کیونکہ تکلیف کی صورت میں بھی یہ ممنوع ہو گا۔ مثلاً لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی صورت میں بلند آوازوں سے پڑوسیوں وغیرہ کو تکلیف بھی ہوتی ہے نیز یہ آوازیں فتنہ بھی ہوتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تو نمازیوں کو بلند آواز سے قراءت کرنے سے منع فرمایا تاکہ دیگر نمازیوں کی نماز میں خلل پیدا نہ ہو تو اس سے اندازہ لگایئے کہ دف اور گانے کی بلند آوازوں کو کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

تصویروں کی قباحت میں بھی کسی عقل مند کو کوئی شک نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عقل مند اسے برضا و رغبت تسلیم ہی کر سکتا ہے۔ کسی مرد مومن کے اسے قبول کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی ماؤں' بیٹیوں' بہنوں' بیویوں اور دیگر خواتین کی تصویریں بنائی جائیں اور ہر کسی کو دکھائی جائیں یا انہیں کھلونے بنا دیا جائے کہ ہر فاسق و فاجر انہیں دیکھ کر لطف حاصل کرے۔

اور اس سے بڑھ کر بدترین بات یہ ہے کہ ویڈیو کے ذریعے تصویریں بنائی جائیں کیونکہ ان تصویروں میں اس طرح منظر نگاری کی گئی ہوتی ہے کہ تصویروں والے زندہ معلوم ہوتے ہیں کہ انہیں چلتے پھرتے ہوئے دیکھا اور باتیں کرتے ہوئے سنا جا سکتا ہے اور یہ ایک ایسا منکر امر ہے کہ اسے ہر عقل سلیم اور دین مستقیم والا انسان برا ہی محسوس کرے گا اور کوئی بھی باحیا اور ایمان دار انسان اسے جائز قرار نہیں دے سکتا۔

عورتوں کا رقص کرنا بھی انتہائی بدترین بات ہے' کیونکہ اس کی وجہ سے عورتوں کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے ہیں' ان کے سبب اس کے جواز کا قطعاً کوئی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا اور اگر رقص مردوں کا ہو تو یہ اور بھی بدتر ہے کیونکہ اس میں مردوں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور اس میں جو قباحت ہے' وہ مخفی نہیں اور اگر مردوں اور عورتوں کا مخلوط رقص ہو جیسا کہ بعض بے وقوف لوگ کرتے ہیں تو یہ تو بے حد و حساب قبیح (برا) ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ایک بہت بڑا فتنہ ہے' خصوصاً جب کہ یہ اختلاط نکاح و شادی کی جذبات انگیز تقریب میں ہو۔

سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ شوہر عورتوں کے مجمع میں آکر اپنی بیوی کو سب عورتوں کے سامنے بوسہ دیتا ہے تو یہ بات بہت ہی تعجب انگیز ہے کہ وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے شادی کی نعمت سے نوازا ہے' وہ یہ کام سب عورتوں کے سامنے کرے جو شریعت' عقل اور مروت کے اعتبار سے بے حد منکر ہے' اسے یہ بات زیب کیسے دیتی ہے کہ وہ تمام عورتوں کے سامنے شادی کی نشاط انگیز تقریب میں اس طرح کا کام کرے اور پھر تعجب یہ ہے کہ عورت کے وارث اسے اس بات کی کیسے اجازت دیتے ہیں؟ کیا وہ اس بات سے ڈرتے نہیں کہ یہ آدمی عورتوں کے اس جمگھٹے میں کسی ایسی عورت کو دیکھے جو اس

کی بیوی سے زیادہ حسین و جمیل ہو جس کی وجہ سے یہ نقد دل ہار بیٹھے' اس کی بیوی اس کی نظروں سے گر جائے اور اس کے دل میں اس حسین و جمیل عورت کا سودا سما جائے اور اس کی ازدواجی زندگی ناخوش گوار ہو کر رہ جائے؟

آخر میں میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ ان تمام برے اعمال سے باز رہیں' شادی کی نعمت اور دیگر تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں' سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سنت کو مشعل راہ بنائیں اور ان لوگوں کی پیروی نہ کریں جو خود بھی گمراہ ہیں' دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے جنہیں وہ پسند کرتا ہے اور جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے ذکر' شکر اور حسن عبادت پر ہماری مدد فرمائے۔ انه قريب مجيب' وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه اجمعين۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ولیمہ کی دعوتوں کی کثرت اور شب بھر بیداری .....

سوال شادی کی محفلوں' مہر اور ولیمے کی دعوتوں میں مبالغہ آرائی' ہوٹلوں یا شادی گھروں میں منعقد ہونے والی ان دعوتوں میں صبح تک جاگنے' گانے بجانے اور موسیقی کا اہتمام اور ان محفلوں میں شرکت خصوصاً خواتین کی شرکت کے حوالہ سے رہنمائی فرمائیں تاکہ نقصان دہ باتوں سے اجتناب کیا جا سکے؟ کیا یہ جائز ہے کہ مہر اور ولیمے کی دعوتوں میں حد بندی کر کے انہیں آسان بنا دیا جائے؟

جواب شادی کی محفلوں' مہر اور ولیمے کی دعوتوں میں مبالغہ آرائی اور ان دعوتوں میں شب بھر بیداری قطعاً مستحسن نہیں ہے کیونکہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس پر خرچ سب سے کم ہو' نکاح پر اخراجات جس قدر کم ہوں گے وہ اسی قدر بابرکت ثابت ہو گا اور اس سے شوہر کے لیے بھی یہ آسان ہو جائے گا کہ وہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کر سکے۔ شادی کی بعض محفلوں میں جو گانے بجانے اور موسیقی کا اہتمام کیا جاتا اور مردوں اور عورتوں کو مخلوط کر کے شریک کیا جاتا ہے تو یہ حلال نہیں ہے۔ لوگوں پر واجب ہے کہ ان کے یہ اجتماعات شریعت کے مطابق ہوں تاکہ کفران نعمت لازم نہ آئے۔ مسلمان بھائیوں خصوصاً شرفاء اور بڑے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مہر کم کرنے' اسراف و فضول خرچی نہ کرنے' آدھی رات یا اس سے بھی زیادہ دیر تک نہ جاگنے اور اس طرح کے دیگر امور کے سلسلہ میں نمونہ قائم کریں تاکہ عام لوگ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دلہا اور دلہن کا عورتوں کے درمیان بیٹھنا

اس دور کے منکر امور میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ دلہن کو عورتوں کے جمگھٹے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور پھر ان عورتوں کے پاس جو بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور جنہوں نے خوب بناؤ سنگار بھی کر رکھا ہوتا ہے' دلہا اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے اور بسا اوقات دلہا کے ساتھ اس کے اپنے یا اس کی دلہن کے رشتہ داروں میں سے بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں۔

فطرت سلیم اور دینی غیرت کے حامل کسی بھی شخص سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس کام میں کس قدر فتنہ وفساد مخفی ہے' اس رسم کی وجہ سے اجنبی مردوں کو ایسی عورتیں دیکھنے کا موقع ملتا ہے جو بے پردہ ہوتی ہیں اور جنہوں نے خوب بناؤ سنگھار بھی کر رکھا ہوتا ہے اور پھر اس رسم کا انجام بھی ناخوش گوار صورت میں برآمد ہو سکتا ہے لہٰذا واجب یہ ہے کہ اس رسم کو ختم کر دیا جائے تاکہ اسباب فتنہ کا خاتمہ ہو سکے۔ عورتوں کے اجتماع کو شریعت مطہرہ کی مخالفت سے بچایا جا سکے۔ میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' ہر ہر چیز میں اس کی شریعت کی پابندی کریں' ہر اس چیز سے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' اجتناب کریں' شادی کی محفلوں اور دیگر تمام مجلسوں میں شر اور فتنہ وفساد کے تمام اسباب سے دور رہیں تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکیں اور اس کی ناراضگی اور عذاب سے بچ جائیں۔

——— شیخ ابن باز ———

دلہا کی دلہن کے ساتھ رونمائی

سوال کیا یہ جائز ہے کہ عورتوں کی محفل میں دلہا کی دلہن کے ساتھ رونمائی کی جائے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ یہ حیا کے خاتمہ اور بے حیا و شریر لوگوں کی تقلید کی دلیل ہے۔ بات بالکل واضح ہے کہ دلہن تو لوگوں کے سامنے آنے سے شرماتی ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہو گا کہ سب کے سامنے اس کی رونمائی کی جائے؟

——— شیخ ابن جبرین ———

خاندانی منصوبہ بندی

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں حکم

سوال فتویٰ کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مختلف اسباب و وسائل کو اختیار کر کے خاندانی منصوبہ بندی کر سکے؟

جواب کبار علماء کی کونسل نے اس مسئلہ پر پہلے بھی غور کیا تھا اور اس کے بارے میں درج ذیل قرار داد منظور کی تھی:

"یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی شریعت نے نسل انسانی کے پھیلانے اور بڑھانے کی ترغیب دی ہے' نسل کو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم اور نعمت کبریٰ قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے ان بے شمار نصوص سے یہ واضح ہے' جنہیں بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اپنے اس تحقیقی مقالہ میں ذکر کیا ہے جو کونسل کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔"

"یہ دیکھتے ہوئے کہ خاندانی منصوبہ بندی یا منع حمل اس انسانی فطرت سے متصادم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے نیز یہ اسلامی شریعت سے بھی متصادم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے"۔

"یہ دیکھتے ہوئے کہ خاندانی منصوبہ بندی یا منع حمل کی علمبردار ایک ایسی جماعت ہے جس کا مقصد اپنی اس دعوت سے مسلمانوں کے خلاف عموماً اور عرب مسلمانوں کے خلاف خصوصاً سازش ہے اور اس سازش کے ذریعے وہ مسلمانوں کی آبادی کو کم کر کے مسلمانوں اور ان کے ملکوں پر غاصبانہ تسلط جمانا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں

میں زمانہ جاہلیت کے اعمال کی جھلک ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ بدگمانی ہے اور اسلامی معاشرے کی عمارت کو جو کہ بہت سی انسانی اینٹوں سے مل کر وجود میں آئی ہے' تباہ کرنے کی سازش ہے لہٰذا کونسل کی رائے میں خاندانی منصوبہ بندی اور منع حمل قطعاً جائز نہیں ہے جب کہ یہ بھوک اور افلاس کے خدشہ کی وجہ سے ہو کیونکہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے جو کہ زور آور اور مضبوط ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود۱۱/۶)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

ہاں البتہ اگر منع حمل کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے ہو' مثلاً عورت حسب معمول بچے کو جنم نہ دے سکتی ہو بلکہ اس کے لیے وہ آپریشن کے لیے مجبور ہو یا میاں بیوی کسی مصلحت کی وجہ سے حمل میں تاخیر چاہتے ہوں تو پھر منع حمل یا حمل کو مؤخر کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے تاکہ احادیث صحیحہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے عزل کا جو جواز مروی ہے' اس پر عمل ہو سکے اور فقہاء کے اس فتوی پر عمل ہو سکے کہ چالیس دن سے پہلے پہلے نطفہ نکالنے کے لیے دواء استعمال کرنا جائز ہے۔ یاد رہے ناگزیر ضرورت وحاجت ثابت ہو جائے تو پھر منع حمل ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

فقر کی وجہ سے منصوبہ بندی

سوال میری آمدنی محدود اور اولاد زیادہ ہے تو کیا میرے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کو اپنانا جائز ہے؟

جواب اس کے لیے منصوبہ بندی جائز نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ (الإسراء۱۷/ ۳۱)

"ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔"

ہاں کئی طریقے ایسے ہیں جن کی وجہ سے حمل میں تاخیر ہو جاتی ہے مثلاً بچے کی رضاعت کے دنوں میں عموماً حمل قرار نہیں پاتا' طہارت کے ایک یا دو ہفتے بعد مباشرت کی جائے۔ تو اس سے بھی عموماً حمل قرار نہیں پاتا کیونکہ عموماً حمل اس صورت میں قرار پاتا ہے جب حیض سے عورت کے فارغ ہونے کے فوراً بعد مباشرت کی جائے' عزل کے طریقے کو استعمال کر کے بھی حمل کو مؤخر کیا جا سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انزال شرم گاہ سے باہر کر دیا جائے اور اگر میاں بیوی اس پر متفق ہوں تو یہ جائز ہے' اسی طرح چالیس دن سے پہلے کسی مباح دوا کے ساتھ صحیح مقصد کی خاطر نطفہ کا اسقاط بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مانع حمل گولیوں کے استعمال کے ضابطے

سوال عورت کے لیے مانع حمل گولیوں کا استعمال کب جائز اور کب حرام ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں کوئی صریح نص یا فقہی رائے موجود ہے؟ کیا مسلمان کے لیے کسی سبب کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمانوں کو چاہیے کہ جس قدر بھی ممکن ہو وہ اپنی نسل بڑھائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔"

کثرت نسل' امت کی کثرت کا سبب بنے گی اور امت کی کثرت' باعث عزت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ ﴾ (الإسراء١٧/ ٦)

"اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔"

اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿ وَٱذْكُرُوٓاْ إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ﴾ (الأعراف٧/ ٨٦)

"اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر (زیادہ) کر دیا۔"

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ امت کی کثرت باعث عزت و قوت ہے نہ کہ فقر اور بھوک کا سبب ہے جیسا کہ بعض بدگمانی کرنے والے لوگ تصور کرتے ہیں۔ امت کی تعداد جب کثیر ہو' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر اس کا اعتماد اور بھروسہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اس کا ایمان ہو:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا ﴾ (هود١١/ ٦)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی پیدا فرما کر اسے اپنے فضل و کرم کے ذریعے بے نیاز کر دے گا' امید ہے اس تفصیل سے سوال کا جواب معلوم ہو گیا ہو گا۔ عورت کو درج ذیل دو شرطوں کے بغیر مانع حمل گولیاں استعمال نہیں کرنی چاہئیں:

1 عورت کو اس کی واقعی ضرورت ہو' مثلاً وہ بیمار ہو اور ہر سال حمل کی متحمل نہ ہو سکتی ہو یا بے حد لاغر و کمزور ہو یا کچھ اور ایسے موانع ہوں جن کی وجہ سے ہر سال حمل ہونا اس کے لیے جان لیوا اور نقصان دہ ہو۔

2 شوہر نے اسے اس کی اجازت دے دی ہو کیونکہ شوہر کا یہ حق ہے کہ بیوی اس کے لیے اولاد پیدا کرے' علاوہ ازیں ان گولیوں کے استعمال کے لیے طبیب سے یہ مشورہ کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کا استعمال نقصان دہ تو نہیں لہٰذا جب یہ دونوں شرطیں پوری ہو جائیں تو پھر ان گولیوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسی گولیاں استعمال نہ کی جائیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مانع حمل ہوں کیونکہ یہ قطع نسل کے مترادف ہوگا۔

سوال کے دوسرے فقرہ کا جواب یہ ہے کہ تحدید نسل ایک ایسا امر ہے جو حقیقت میں ممکن نہیں کیونکہ حمل کا ہونا یا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور پھر انسان جب ایک عدد معین کی تحدید کر لے تو یہ عدد کسی آفت کی وجہ سے ایک سال کے

میں ہی ہلاک ہو سکتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اولاد اور نسل کے بغیر رہ جائے گا' اسلامی شریعت میں تحدید نسل کے بارے میں کوئی حکم وارد نہیں ہے ہاں البتہ بوقت ضرورت مانع حمل طریقوں کو اختیار کرنا جائز ہے جیسا کہ سوال کے پہلے فقرہ کے جواب میں بیان کیا گیا ہے۔

سوال کا تیسرا فقرہ عزل سے متعلق ہے جب کہ وہ کسی سبب کے بغیر ہو تو اس کے بارے میں اہل علم میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢٠٩ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٤٠)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔"

یعنی ہم نبی اکرم ﷺ کے عہد میں بھی ایسا کیا کرتے تھے اور اگر یہ فعل حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرما دیتے' لیکن اہل علم کا قول ہے کہ آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے کیونکہ اسے اولاد پیدا کرنے کا حق ہے' عزل کی صورت میں وہ مکمل طور پر لطف اندوز بھی نہیں ہو سکتی کہ عورت کی لطف اندوزی کی تکمیل تو انزال کے بعد ہی ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم نے عزل کے جواز کو عورت کی اجازت کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

منع حمل مخصوص حالات ہی میں جائز ہے

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے اس کے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد شادی کی جب کہ اس کی ایک شیر خوار بچی بھی ہے تو کیا اس عورت کے لیے دوسرے شوہر کی موافقت کے بغیر مکمل ایک سال تک گولیوں کا استعمال جائز ہے تاکہ اسے حمل قرار نہ پا سکے جب کہ اس کی صحت بھی اچھی ہے اور حمل میں کوئی امر مانع نہیں ہے؟

جواب تحدید نسل مطلقاً حرام ہے کیونکہ شریعت میں تبتل (ازدواجی زندگی سے فرار) سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور محبت کرنے والی اور زیادہ بچوں کو جنم دینے والی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے لہذا مخصوص انفرادی حالات کے سوا عام حالات میں مانع حمل گولیوں کا استعمال حرام ہے' مثلاً اگر عورت عام معمول کے مطابق بچے کو جنم نہ دے سکتی ہو بلکہ ہر بچے کی پیدائش کے وقت وہ آپریشن کرانے کے لیے مجبور ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے عورت کے لیے حمل خطرناک ہو تو ایسی صورتوں میں مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز ہے لیکن سوال میں مذکورہ حالت ایسی نہیں ہے لہذا اس عورت کے لیے گولیوں کا استعمال ناجائز ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بانجھ بنانا اور قطع نسل کرنا

سوال علماء اسلام و فقہاء دین' تحدید نسل' انسانوں کو بانجھ بنانے اور اس مقصد کی خاطر برضا و رغبت یا زبردستی ان کی تناسل و رجولیت کی رگوں کے کاٹ دینے کے مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں' کیا یہ اللہ تعالیٰ کے دین میں جائز ہے؟

کتاب و سنت کی روشنی میں شافی جواب عطا فرمائیں' ہندوستان کے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض نے اسے حلال قرار دیا ہے اور بعض نے حرام اور بعض نے سکوت اختیار کیا ہے جب کہ ہم مسلمانان ہند اس مسئلہ میں حیران و پریشان ہیں اور نہیں جانتے کیا یہ دین میں جائز ہے یا ناجائز؟ کیا تحدید نسل کے اس عمل کو مسلمانوں کے دین و ملت میں مداخلت قرار دیا جائے گا؟ کیا کسی بھی ایسی حکومت کے لیے جو مذہبی آزادی اور دینی امور میں عدم مداخلت کی دعوے دار ہو' یہ جائز ہے کہ وہ راہ چلتے ہوئے مسلمان مسافروں کی نس بندی کر دے خواہ وہ اس پر خوش ہوں یا ناخوش' اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان فرمادیں' اللہ تعالیٰ آپ کو بے پایاں اجر و ثواب سے نوازے۔ والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته.

جواب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

دین اسلام سے بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ سوال میں مذکور یہ عمل منکر اور قوموں پر بلکہ ساری انسانیت پر ظلم کے مترادف ہے لہٰذا یہ کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانا ظلم عظیم ہے اور اس کے نتیجہ میں بے پناہ فساد برپا ہوتا اور انتہائی خطرناک نتائج ظاہر ہوتے ہیں' یہ عمل کتاب و سنت کے ادلہ شرعیہ کے بھی خلاف ہے اور اس فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے' اور انسانی حقوق (Human Rights) کے ان بلند و بالا دعوؤں کے بھی خلاف ہے جو انہی ممالک' تنظیموں اور ان کے دفاتر سے نشر کیے جاتے ہیں جو نسل انسانی کے قتل کے اس پروگرام کا پرچار اور بسا اوقات جبراً اطلاق کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر اس عمل کا تعلق مسلمانوں سے ہو تو اس میں بہت سے نقصانات ہیں جن میں سے سرفہرست دشمن کے مقابلہ میں ان کی تعداد کو کم کرنے کی سازش ہے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن میں آپ نے کثرت نسل کے اسباب کو اختیار کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی امت کی کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر قیامت کے دن فخر فرمائیں گے' اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس عمل کے ذریعے درحقیقت ان لوگوں کی تعداد کو کم کرنا مقصود ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے' اس کی شریعت کی دعوت دیتے اور زمین میں عدل و انصاف قائم کرنے میں تعاون کرتے ہیں مختصر یہ کہ نس بندی کا مذکورہ سلسلہ انتہائی بدترین قسم کا ظلم ہے اور سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ١٩)

"اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح: ٢٥٧٨)

"ظلم سے بچو کیونکہ ظلم روز قیامت بہت سی تاریکیوں کا سبب ہو گا۔"

کتاب و سنت کے ایسے بے شمار دلائل ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نس بندی حرام اور انتہائی بدترین قسم کا ظلم ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ جو شخص اس منکر کام کو کرے' اللہ تعالیٰ اسے حق و صواب کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائے اور ہر جگہ کے مسلمانوں کو اس بات کی توفیق دے جس میں ان کی عزت' حق پر استقامت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مخالفین کے مقابلے میں ان کی نصرت و اعانت ہو۔ وصلی اللہ وسلم علی عبده ورسوله نبينا محمد صلى الله عليه وسلم۔

——— شیخ ابن باز ———

خاندانی منصوبہ بندی پر خصوصی مقالہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ ـ أَمَّا بَعْدُ

بعض مقامی اخبارات نے کچھ عرصہ پہلے یہ خبر شائع کی تھی کہ اردن کے مفتی اعظم نے تحدید نسل کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت اگر اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل لازم ہو جائے گا' لوگوں میں بھی یہ خبر مشہور ہو گئی' مجلسوں اور محفلوں میں بھی اس کا چرچا ہے اور مسلمان اسے تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں' یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے سوالات موصول ہوئے ہیں کہ یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ لہٰذا میرے جیسے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کی روشنی میں بیان کریں!

قارئین کرام! آپ اس بات کو خوب جان لیں ---اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حق بات کی توفیق عطا فرمائے--- کہ میں نے اس فتویٰ کا جائزہ لیا اور اس کے مندرجات پر غور کیا ہے جسے اردن کے مفتی اعظم نے صادر کیا اور جس میں تحدید نسل کو جائز قرار دیا اور کہا کہ حکومت اگر اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل لازم ہو جائے گا۔ مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کی بنیاد حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر رکھی ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ﴾ (النور٢٤/ ٣٣)

"اور جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ وہ پاک دامنی اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

نیز انہوں نے نبی ﷺ کے درج ذیل فرمان سے بھی استدلال کیا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو شادی کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کہ اس سے اس کی نظر نیچی اور شرم گاہ محفوظ رہے گی اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔"

مفتی صاحب نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو عزل کے جواز پر دلالت کناں ہیں' یہ ہیں وہ دلائل جن پر مفتی صاحب نے اس عظیم فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے' یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے جسے مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ آج ہر جگہ آبادی میں اضافہ کی وجہ سے دنیا کے خطرات میں اضافہ ہو چکا ہے اور باخبر لوگ اس سے ڈراتے ہوئے اسے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا سبب قرار دے رہے ہیں" اسی طرح انہوں نے اپنے اس فتویٰ کے آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ "حکومت اگر اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل لازم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ حکمران اگر ضعیف قول کو بھی لے لیں تو اس کے مطابق عمل لازم ہوتا ہے"۔

اہل علم و بصیرت میں سے جو شخص بھی اس فتویٰ میں مفتی صاحب کے پیش کردہ دلائل پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بہت دور کی کوڑی لائے ہیں' راہ راست کی مخالفت کی ہے اور نشانہ وہاں لگایا ہے جو ہدف ہی نہیں ہے۔ انہوں نے جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ ان کے موقف کی قطعاً تائید نہیں کرتے بلکہ ان سے کچھ اور معلوم ہوتا ہے اور فتویٰ کچھ اور ہے جیسا کہ شاعر نے کہا۔

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا　　　شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبِ

"وہ مشرق کی طرف رخ کر کے چل دی اور میں مغرب کی طرف منہ کر کے چل پڑا اور مشرق و مغرب کی طرف جانے والوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

مفتی صاحب نے جو آیت کریمہ ذکر فرمائی ہے' اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور اللہ تعالیٰ (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔"

پھر فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ ٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور جو لوگ نکاح (شادی) کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (یا) انہیں چاہیے کہ وہ پاک دامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم اور ترغیب دی ہے اور شادی کرنے والا اگر فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا ہے تاکہ اسے نکاح کی ترغیب دے کر اس کے اس اقدام کی حوصلہ افزائی کی جائے' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر بھروسہ اور اس کے فضل و کرم اور رحمت پر اس میں اعتماد پیدا کیا جائے اسی وجہ سے اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ کے الفاظ پر ختم کیا ہے اور پھر یہ حکم دیا ہے کہ جن لوگوں کو نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو انہیں پاک دامنی کو اختیار کرنا چاہیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے' تو سوال یہ ہے کہ یہ آیت قطع یا تحدید نسل کی دلیل کس طرح ہے؟ جناب مفتی صاحب کا مفروضہ یہ ہے کہ نکاح کی استطاعت نہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جو عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ قطع و تحدید نسل پر دلالت کرتی ہے کیونکہ عجز و درماندگی کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا نتیجہ بھی تو قطع و تاخیر نسل ہے لیکن یہ بہت عجیب و غریب اور نادر و نایاب استدلال ہے جس کا اس آیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ فاللّٰه المستعان۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان دونوں آیتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا ہے جس کی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جسے مقدور ہو اس کے لیے نکاح ضروری ہے۔ انہوں نے نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے بظاہر الفاظ سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو نکاح کی استطاعت ہو تو وہ نکاح کر لے کہ اس سے نظر نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے بلاشبہ یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔"

سنن میں کئی سندوں سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ تَنَاسَلُوا فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، ح:٣٢٢٩ ومسند أحمد:٣/ ١٥٨، ٢٤٥ وصحيح ابن حبان [موارد الظمآن]، ح:١٢٢٩، ١٢٢٨ بالفاظ مختلفة)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو اور نسل کو بڑھاؤ یقیناً روز قیامت میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«حَتَّى بِالسِّقْطِ»

"جو کچے بچے ساقط ہو جاتے ہیں وہ بھی شمار ہوں گے۔"

" ایامٰی " أَيِّم کی جمع ہے اور یہ لفظ اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اس مرد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس کی بیوی نہ ہو خواہ وہ شادی کے بعد الگ ہو گئے ہوں یا ان میں سے کسی نے شادی ہی نہ کی ہو جیسا کہ علامہ جوہری نے اہل لغت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ " رجل ایم " اور " امراة أيِّم ۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ﴾ کے بارے میں علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں شادی کی ترغیب دی ہے اور آزاد و غلام سب لوگوں کو شادی کا حکم دیا اور انہیں غنی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (النور٢٤/ ٣٢)

"اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔"

ابن ابی حاتم (نے اپنے والد گرامی' محمود بن خالد ازرق' عمر بن عبدالواحد اور سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ " حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکاح کرنے کا جو حکم دیا ہے تو اس کی اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا فرما دے گا۔ (ابن جریر) بغوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور لیث نے محمد بن عجلان سے' انہوں نے سعید مقبری سے اور انہوں

نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَوْنُهُمْ: اَلْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ»(سنن النسائي، النكاح، باب معونة الله الناكح الذي يريد العفاف، ح: ٣٢٢٠ وجامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ما جاء في المجاهد ... الخ، ح:١٦٥٥ واللفظ له)

”تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے (یعنی تین قسم کے آدمیوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ضروری قرار دیا ہے) (۱) وہ مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو۔ (۲) وہ مکاتب غلام جو اپنی طے شدہ قیمت کو ادا کرنا چاہتا ہو اور (۳) وہ شادی کرنے والا جس کا مقصد عفت و پاکدامنی کا حصول ہو۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس شخص کی شادی بھی کر دی تھی جس کے پاس اپنی چادر کے سوا اور کچھ نہ تھا اور جسے لوہے کی انگوٹھی بھی میسر نہ تھی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شادی کر دی اور اسے حکم دیا کہ مہر کے طور پر اپنی بیوی کو قرآن مجید کی وہ سورتیں سکھا دو جو تمہیں یاد ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے امید ہے کہ اس نے انہیں بقدر کفایت ضرور عطا فرمایا ہو گا۔

بہت سے لوگ جو یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ”فقیروں سے شادی کرو‘ اللہ تمہیں غنی کر دے گا“ تو اس کا کوئی اصل نہیں‘ مجھے اب تک یہ کسی قوی یا ضعیف سند کے ساتھ نہیں ملی اور پھر قرآنی آیات کی موجودگی میں اس کی ضرورت بھی نہیں‘ نیز وہ احادیث اس موضوع میں کافی ہیں جو ہم نے بیان کی ہیں۔ وللّٰہ الحمد والمنۃ۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لاَ يَجِدُونَ نِكَاحًا... ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا ہے جو شادی کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں کہ وہ حرام سے بچیں اور عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کریں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح: ١٤٠٠ واللفظ له)

”اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس شخص کو شادی کرنے کی طاقت ہو تو وہ شادی کر لے کہ اس سے اس کی نظر نیچی رہے گی اور شرم گاہ کی حفاظت ہو گی اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اس کی جنسی خواہش کو کچل دے گا۔“

ہم نے اوپر جو بیان کیا اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا مذکورہ دو آیتوں کی تفسیر میں جو قول نقل کیا اس سے قارئین کرام کے سامنے ان آیتوں کے معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ نکاح کی مشروعیت اور ترغیب پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اس کے فوائد و مصالح بہت ہیں‘ مثلاً اس سے جنسی ضرورت پوری ہوتی ہے‘ عفت و پاکدامنی حاصل ہوتی ہے‘ نگاہ نیچی رہتی ہے اور نسل انسانی کی افزائش ہوتی ہے لیکن ان آیات سے قطع حمل اور تحدید نسل کے جواز کا استدلال کرنا بے حد عجیب و غریب اور بعید از قیاس ہے اسی طرح مذکورہ حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے جس پر مذکورہ دونوں آیتیں دلالت کرتی

ہیں یعنی اس میں بھی نکاح کی ترغیب دی گئی ہے' نکاح کی بعض حکمتوں اور اسرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جو نکاح کرنے سے عاجز و قاصر ہوں وہ روزہ رکھیں کہ روزہ ان کی شہوت کو کمزور کر دے گا' شیطان کے راستہ کو بند کر دے گا۔ گویا روزہ رکھنا بھی عفت و غض بصر کے اسباب میں سے ہے' یہ حدیث بھی قطع حمل اور تحدید نسل کے جواز کی دلیل قطعی نہیں ہے بلکہ اس میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جسے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ استطاعت کے حصول تک عفت و پاکدامنی کے لیے شرعی اسباب و وسائل کو اختیار کرے تاکہ حرام میں مبتلا نہ ہو۔

مفتی صاحب کا احادیث عزل سے تحدید نسل کے لیے استدلال بھی پہلے استدلال کی طرح بعید از قیاس اور مقاصد شریعت کے خلاف ہے کیونکہ عزل کے معنی تو اندام نہانی سے باہر انزال کر دینے کے ہیں تاکہ عورت حاملہ نہ ہو اور یہ کام انسان بوقت ضرورت کرتا ہے مثلاً یہ کہ عورت بیمار ہو یا بچے کو دودھ پلا رہی ہو اور حمل کی وجہ سے اسے یا اس کے بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو لہٰذا اس غرض کے لیے یا دیگر شرعی اور معقول اغراض کے لیے ایک خاص وقت تک عزل کیا جاتا ہے اور پھر اسے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو قطع حمل ہے اور نہ تحدید نسل ہے بلکہ یہ تو صرف ایسے سبب کو اختیار کرنا ہے جس کی وجہ سے ایک شرعی غرض کے لیے حمل کو کچھ وقت کے لیے مؤخر کر دیا جاتا ہے اور علماء کے صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ احادیث عزل سے معلوم ہوتا ہے اور پھر یہ بات بھی کوئی ضروری نہیں کہ عزل سے واقعی حمل قرار نہ پائے کیونکہ بسا اوقات منی اندر ہی خارج ہو جاتی ہے یا اس کے کچھ قطرے اندر گر جاتے ہیں جس کی وجہ سے عورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاملہ ہو جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جیسا کہ بعض احادیث عزل میں ہے:

«لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلاَّ اللهُ خَالِقُهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٨)

"جو جان بھی پیدا ہونے والی ہے' اسے اللہ تعالیٰ ضرور پیدا فرمائے گا۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُونُ الْوَلَدُ»(مسند أحمد: ٣/ ٩٣)

"سارے پانی سے تو بچہ پیدا نہیں ہوتا۔"

جو شخص بھی اس مقام پر غور کرے گا اور دیگر عوامل سے خالی ہو کر خوب تدبر سے کام لے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ احادیث عزل میں قطعاً تحدید نسل کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں' اردن کے مفتی اعظم اور ہمارے دیگر بھائیوں کو حق بات کی توفیق عطا فرمائے اور فہم کی غلطیوں سے محفوظ رکھے۔ انه خير مسئول

جو شخص بھی اس پر غور کرے گا جو ہم نے ذکر کیا اور اہل علم سے نقل کیا ہے وہ جان لے گا کہ تحدید نسل کے جواز کا قول ہماری اس شریعت کاملہ کے مخالف ہے جس کا مقصد مصالح کی تحصیل و تکمیل اور مفاسد کی تعطیل و تقلیل ہے نیز یہ اس فطرت سلیم کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرما کر ان کے دلوں میں اولاد کی محبت پیدا کی اور انہیں کثرت نسل کے اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے نسل کو اپنے بندوں پر اپنا احسان اور دنیا کی زینت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَٰجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ

ٱلطَّيِّبَٰتِۚ﴾ (النحل١٦/ ٧٢)

"اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱلۡمَالُ وَٱلۡبَنُونَ زِينَةُ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَاۖ﴾ (الکهف١٨/ ٤٦)

"مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔"

جو شخص بھی اس مقام پر غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ تحدید نسل کا قول مصالح امت کے خلاف ہے کیونکہ کثرت نسل تو امت کے لیے اسباب قوت و عزت اور عظمت و شوکت میں سے ہے اور تحدید نسل کا نتیجہ امت کی کمزوری و قلت بلکہ تباہی و بربادی ہے اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ ایک ایسی واضح بات ہے کہ اس کے لیے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ مفتی صاحب نے جو اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ آبادی میں اضافہ تباہی و بربادی کا سبب ہے تو یہ بات کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ ایک عالم یہ بات کہے اور اسے اہمیت دے اور پھر اس کی خاطر ایسے احکام بیان کرے جو مخالف شریعت ہوں۔ غیب کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو ہے' اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا' اسی نے ان کے رزق کا ذمہ اٹھایا ہے اور اسی نے اپنی کتاب کریم میں یہ فرمایا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقۡتُ ٱلۡجِنَّ وَٱلۡإِنسَ إِلَّا لِيَعۡبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَآ أُرِيدُ مِنۡهُم مِّن رِّزۡقٖ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطۡعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلۡقُوَّةِ ٱلۡمَتِينُ ﴿٥٨﴾﴾ (الذاریات٥١/ ٥٦۔٥٨)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ صرف میری ہی عبادت کریں' میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں' اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا﴾ (هود١١/ ٦)

"اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٖ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ٱللَّهُ يَرۡزُقُهَا وَإِيَّاكُمۡۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ﴿٦٠﴾﴾ (العنکبوت٢٩/ ٦٠)

"اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' اللہ تعالیٰ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ فَٱبۡتَغُواْ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزۡقَ وَٱعۡبُدُوهُ وَٱشۡكُرُواْ لَهُۥٓۖ إِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ﴿١٧﴾﴾ (العنکبوت٢٩/ ١٧)

"پس اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو' اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔"

اسی طرح بہت سی احادیث میں نبی اکرم ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جنین کو پیدا فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دے دیتا ہے کہ وہ اس کا رزق، عمر اور عمل لکھ دے لہٰذا ہر مخلوق کو وہ رزق مل کر رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے مقدر میں لکھ دیتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے اسباب مہیا فرما دیتا ہے لہٰذا کسی عقل مند کو یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ وہ معیشت کی تنگی کے خوف سے تحدید نسل کو مستحسن یا مباح قرار دے؟ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر بھی ہے۔ اگر ہر جگہ آبادی میں اضافہ ہو گیا ہے تو پیداوار اور رزق کے اسباب و وسائل میں بھی تو اضافہ ہو گیا ہے، اب ہر جگہ ہر چیز پہلے سے زیادہ آسانی کے ساتھ، متنوع اور خوب صورت انداز میں دستیاب ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت، کمال قدرت اور اپنے بندوں کے مصالح کے ساتھ عظیم عنایت کی دلیل ہے تو پھر کسی مسلمان کو یہ بات کیوں کر زیب دے گی کہ وہ اپنے رب کے ساتھ بدگمانی رکھے اور امت کے لیے تحدید نسل کو جائز قرار دے اور اگر حکومت اس قانون کو نافذ کر دے تو اس کی پابندی کو لازم ٹھہرائے اور یہ سب کچھ معیشت کی تنگی اور عدم حصول رزق کے خوف کی بنیاد پر کرے تو سوال یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ ایمان کہاں ہے؟ اس کی خیر و بھلائی پر اعتماد اور توکل کہاں ہے؟ پھر اس بدگمانی میں ان کفار کے ساتھ بھی مشابہت ہے جو فقر و افلاس کے ڈر کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عیب لگاتے ہوئے (یعنی ان کی خبر لیتے ہوئے) اور انہیں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُم مِّنْ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ﴾ (الأنعام٦/ ١٥١)

"اور ناداری (فقری و مفلسی) کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔"

اور سورۃ الاسراء میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا ﴿٣١﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣١)

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بہت سخت گناہ ہے۔"

مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے آخر میں جو یہ فرمایا ہے کہ اگر حکومت اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ مسلمان حکمران اگر کسی ضعیف قول کو بھی لے لے تو اس پر بھی عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے"، تو مفتی صاحب کا یہ قول بھی حد درجہ ساقط بلکہ بالکل واضح طور پر باطل ہے کیونکہ حکومت کی اطاعت تو معروف میں کی جاتی ہے اس بات میں حکومت کی اطاعت نہیں کی جاتی جس میں امت کو نقصان ہو یا جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور تحدید نسل کی یہ بات شریعت اور مصلحت امت کے خلاف ہے لہٰذا اس میں حکومت کی اطاعت کیونکر لازم ہو گی؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے حق میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٢)

"اور وہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی۔"

حالانکہ آپ ﷺ تو معروف ہی کا حکم دیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے امت کی یہ راہنمائی فرمائی کہ حکمرانوں کی اطاعت صرف معروف ہی میں ہے اور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی یہ فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، ح:٧١٤٥ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت تو صرف معروف ہی میں ہے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (مسند أحمد:٥/٦٦، ٦٧ وابن أبي شيبة، السير، باب في إمام السرية ... الخ، ح:٣٣٧٠٦ واللفظ له)

"خالق کی معصیت لازم آتی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ ان مختصر سی گزارشات سے ہمارا مقصود حق کا اظہار' حقیقت حال کی وضاحت اور اس مسئلہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت کی روشنی میں ہم جو جانتے ہیں مسلمانوں کی اس کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' سب کو دین کی فقاہت اور دین میں ثابت قدمی عطا فرمائے اور سب کو گمراہ کن فتنوں اور شیطان کے وسوسوں سے بچائے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ۔

——— شیخ ابن باز ———

منع حمل اور تحدید نسل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

اسلامی فقہی کونسل نے تحدید نسل یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جسے خاندانی منصوبہ بندی کا نام دیا جاتا ہے' کے موضوع پر غور کیا اور مناقشہ اور تبادلۂ افکار و آراء کے بعد بالاتفاق یہ طے کیا کہ:

یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی شریعت نے نسل انسانی کے پھیلانے اور بڑھانے کی ترغیب دی ہے' نسل کو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم اور نعمت کبریٰ قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے بے شمار نصوص سے یہ واضح ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحدید نسل یا منع حمل کی بات اس انسانی فطرت سے متصادم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے' نیز یہ اس اسلامی شریعت سے بھی ٹکراتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے' نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ تحدید نسل یا منع حمل کی علمبردار ایک ایسی جماعت ہے جس کا مقصد اپنی اس دعوت سے مسلمانوں کے خلاف عموماً اور عرب مسلمانوں اور کمزور اقوام کے خلاف خصوصاً سازش ہے اور اس سازش کے ذریعے وہ مسلمانوں کی آبادی کو کم کر کے مسلمانوں' ان کے ملکوں اور ان کی دولت پر غاصبانہ قبضہ و تسلط حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں میں زمانہ جاہلیت کے اعمال کی جھلک ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ بدگمانی اور اسلامی معاشرے کی عمارت کو جو بہت سی انسانی اینٹوں سے مل کر وجود میں آتی ہے' تباہ کرنے کی سازش ہے لہٰذا اسلامی فقہی کونسل بالاتفاق یہ قرار دیتی ہے کہ تحدید نسل اور منع حمل مطلقاً جائز نہیں ہے جب کہ یہ بھوک اور افلاس کے خدشہ کی وجہ سے ہو کیونکہ رزاق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ زور آور اور بہت مضبوط ہے۔

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ ﴾ (ھود ۱۱/ ٦)

"اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

یا دیگر ایسے اسباب کی وجہ سے ہو جو شرعاً معتبر نہیں ہیں۔ ہاں البتہ اگر منع حمل کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے ہو' مثلاً عورت حسب معمول بچے کو جنم نہ دے سکتی ہو بلکہ اس کے لیے وہ آپریشن کے لیے مجبور ہو تو پھر منع حمل میں شرعاً کوئی امر مانع نہیں ہے یا اسی طرح کے دیگر شرعی یا طبی اسباب کی وجہ سے جنہیں ایک قابل اعتماد مسلم طبیب نے بھی تسلیم کیا ہو' حمل کو مؤخر کرنا مقصود ہو تو پھر بھی کوئی حرج نہیں بلکہ بعض حالات میں تو حمل کو مؤخر کرنا ضروری ہو جاتا ہے مثلاً جب کہ ثقہ مسلمان اطباء کی رائے کے مطابق اس سے بچے کی ماں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو۔

ہاں البتہ تحدید نسل یا منع حمل کی مذکورہ اسباب کے پیش نظر شرعاً عام اجازت نہیں ہے اور جب اقوام پر اسے لازم قرار دیا جائے تو پھر اس کے گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ اقتصادی تعمیر و ترقی اور قوموں کی بہتری و بھلائی کے بجائے بین الاقوامی سطح پر مہلک ہتھیاروں کی تیاری میں بے پناہ مال و دولت کو خرچ کیا جا رہا ہے۔

دستخط وائس چیرمین	دستخط چیرمین اسلامی فقہی کونسل
محمد علی الحرکان رحمۃ اللہ علیہ	عبداللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ

متعدد شادیاں کرنے کے احکام

شادی میں اصل تعدد ہے

سوال شادی میں اصل تعدد ہے یا وحدت؟

جواب اس مسئلہ میں اصل تو تعدد ہی مشروع ہے بشرطیکہ استطاعت ہو اور ظلم کا خدشہ نہ ہو کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں مثلاً اپنے لیے بھی عفت و پاکدامنی کا حصول ہے اور ان خواتین کے لیے بھی جن سے اس نے شادی کی ہو نیز ان کی طرف احسان بھی ہے' نسل انسانی کی کثرت بھی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ بھی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تُقۡسِطُواْ فِي ٱلۡيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٰحِدَةً أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُواْ ﴾ (النساء ٤/ ٣)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو اِنکے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔"

اور تعدد اس لیے بھی مشروع ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک سے زیادہ شادیاں کی تھیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٞ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۲۱)

"(اے اہل ایمان!) یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین (عمدہ) نمونہ موجود ہے۔"

جب ایک صحابی نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا' دوسرے نے کہا میں ساری ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور نیند کے قریب بھی نہیں جاؤں گا' تیسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھتا رہوں گا اور کبھی بھی ناغہ نہیں کروں گا اور چوتھے نے کہا کہ میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، ح:٥٠٦٣ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠١ واللفظ له)

"لوگوں کو کیا ہوا جو ایسی باتیں کرتے ہیں' جبکہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں' جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان عظیم عام ہے اور وحدت اور تعدد دونوں کو شامل ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تعدد ازواج

سوال کیا اسلام میں تعدد ازواج مباح ہے یا مسنون؟

جواب استطاعت ہو تو تعدد ازواج مسنون ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تُقۡسِطُواْ فِي ٱلۡيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٰحِدَةً أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُواْ ٣ ﴾ (النساء٤/ ٣)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو' اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔"

نبی ﷺ کے عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج سنت ہے' کیونکہ آپ کے حبالۂ عقد میں بیک وقت ۹ ازواج مطہرات تھیں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے امت کو بہت نفع پہنچایا اور یہ تعداد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے۔ جب کہ آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔ تعدد ازواج میں مردوں' عورتوں اور ملت اسلامیہ سب کے لیے بہت فائدے ہیں' مثلاً غض بصر' شرم گاہ کی حفاظت اور کثرت نسل اور پھر اس طرح مرد بہت سی عورتوں کی اصلاح کر کے انہیں شر اور انحراف سے بچا سکتے ہیں ہاں البتہ جو شخص عدل و انصاف

کرنے سے عاجز و قاصر ہو اسے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾ (النساء ٤/ ٣)

"اور اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے)"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس میں ان کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی نجات ہو!

——— شیخ ابن باز ———

دوسری بیوی سے شادی کے وقت پہلی کو کیا دے؟

سوال ایک شخص کے پاس ایک بیوی ہے اور اب جب کہ اس نے دوسری عورت سے شادی کی تو پہلی نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے بھی اسی قدر زیور دے جس قدر اس نے دوسری بیوی کو دیا ہے تو کیا یہ اس کے لیے لازم ہے یا نہیں؟

جواب جو شخص کسی عورت سے شادی کرے تو اس کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو بھی اسی قدر مہر یا زیور' جو کہ عرفاً مہر ہی کے تابع ہوتا ہے' دے جس قدر کہ اس نے دوسری بیوی کو دیا ہے ہاں البتہ اگر وہ پہلی بیوی کی حوصلہ افزائی کے لیے اور اسے دل شکستگی سے بچانے کے لیے دے دے تو یہ بہت بہتر ہے' خصوصاً جب کہ مصلحت کا تقاضا بھی یہ ہو کہ اسے خوش کیا جائے تاکہ مستقبل میں اس کے ساتھ بھی بہتر انداز میں زندگی بسر ہو سکے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ وآلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

(دوسری شادی کے لیے) پہلی بیوی کی رضامندی شرط نہیں ہے

سوال میں نے کئی سال پہلے شادی کی تھی' میرے کئی بچے بھی ہیں اور میری عائلی زندگی خوش گوار ہے لیکن میں ایک دوسری بیوی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کیونکہ میں پاک صاف زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں اور ایک بیوی میرے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ مجھ میں مردمی طاقت ایک عورت کی برداشت سے زیادہ ہے' یہ تو اس بات کا ایک پہلو ہے اور دوسرے پہلو کے اعتبار سے میں ایک ایسی بیوی چاہتا ہوں جس میں کچھ ایسی صفات ہوں جو میری پہلی بیوی میں نہیں ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ اس وجہ سے کسی حرام میں مبتلا ہوں لیکن دوسری شادی کرنے میں مجھے یہ دشواری ہے کہ میری پہلی بیوی اس پر قطعاً راضی نہیں ہو گی بلکہ وہ اسے مطلقاً مسترد کر دے گی لہٰذا آپ کی مجھے کیا نصیحت ہے اور میری بیوی کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے؟ کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ میری دوسری شادی کو مسترد کر دے جب کہ میں اس کے بھی مکمل حقوق ادا کروں گا اور بحمد اللہ شادی کے لیے مجھے مالی استطاعت بھی حاصل ہے' امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ مسئلہ بہت سے لوگوں کو درپیش ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو شرعاً آپ کو اجازت ہے کہ آپ حسب قدرت واستطاعت دوسری' تیسری یا چوتھی بیوی سے شادی کریں جب کہ آپ کا مقصد عفت و پاکدامنی کا حصول ہو اور آپ عدل و انصاف بھی کر سکیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تُقۡسِطُواْ فِي ٱلۡيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٰحِدَةً ﴾ (النساء٤/ ٣)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے)۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو شادی کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ چیز (شادی) نظر کو انتہائی نیچا رکھنے والی اور شرمگاہ کی انتہائی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے شادی کی استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔"

اس حدیث کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ تعدد ازواج کثرت نسل کا سبب بنتا ہے اور شریعت نے کثرت نسل کو مستحسن قرار دیا اور اس کی دعوت دی ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨ ومسند أحمد:٣/ ١٥٨، ٢٤٥ ولفظة "يَوْمَ الْقِيَامَةِ" عنده)

"زیادہ محبت کرنے والی زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو بلاشبہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے روز قیامت امتوں پر فخر کروں گا۔"

حکم شریعت یہ ہے کہ آپ کی بیوی آپ کو شادی سے منع نہ کرے بلکہ آپ کو شادی کی اجازت دے دے' آپ کو بھی چاہیے کہ دونوں کے ساتھ مکمل عدل و انصاف کریں اور ان کے حقوق پورے پورے ادا کریں کہ یہ سب کچھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کے باب سے ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

''اللہ تعالیٰ (اس وقت تک) اپنے بندوں کی مدد میں ہوتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔''

آپ اپنی بیوی کے دینی بھائی ہیں اور وہ آپ کی دینی بہن ہے لہٰذا تم دونوں کو نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور صحیح اور متفق علیہ حدیث میں ہے جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

''جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے' اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا کرے گا۔''

لیکن یاد رہے جواز تعدد کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں ہے بلکہ اسے اعتماد میں لینا تو صرف اس وجہ سے ہے تاکہ تمہاری آئندہ زندگی خوش اسلوبی سے بسر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے احوال کی اصلاح فرمائے اور آپ دونوں کو اس بات کی توفیق بخشے جس کا انجام بہتر ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال بے شک اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا ہے لیکن کیا شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسری شادی سے پہلے وہ اپنی پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرے؟

جواب شوہر کے لیے یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی کے لیے اپنی پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرے لیکن مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان پہلی بیوی کو اعتماد میں لے کہ اس سے اس تکلیف میں کمی ہو جائے گی جو اس طرح کے معاملات میں عورتیں طبعی طور پر محسوس کرتی ہیں لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ وہ بشاشت سے کام لے اس سے اچھے طریقے سے پیش آئے' احسن انداز میں بات کرے اور اگر پہلی بیوی کو خوش کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تعدد کا غلط مفہوم

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنے کی صرف اسے اجازت ہے جس کے ماتحت یتیم لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے بارے میں عدم عدل سے ڈرتا ہو تو وہ ان لڑکیوں کی ماں یا اس کی بیٹیوں میں سے کسی ایک سے شادی کر لے' ان کا استدلال بھی آیت ﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي --- الخ ﴾ سے ہے' امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی حقیقت حال کو واضح فرما دیں گے؟

جواب یہ ایک باطل قول ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی کی گود میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور وہ ڈرتا ہو کہ وہ اسے مہر مثل نہیں دے گا تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے شادی کر لے کیونکہ اس کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تنگی پیدا نہیں کی اور آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے کہ دو دو یا تین تین یا چار چار عورتوں سے شادی کر لی جائے کیونکہ اس صورت میں مکمل غض بصر اور عفت و پاکدامنی

کے ساتھ' ان کی طرف احسان اور ان پر خرچ کرنے کا سبب بھی ہے۔ بلاشبہ وہ عورت جسے کسی مرد کا نصف یا ثلث یا ربع حصہ ملے وہ اس عورت سے بہتر ہے جس کا کوئی شوہر ہی نہ ہو لیکن تعدد کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی کو اس کی قدرت ہو اور وہ عدل و انصاف سے بھی کام لے اور جسے یہ خطرہ ہو کہ وہ عدل و انصاف نہیں کر سکے گا تو اسے ایک ہی پر اکتفاء کرنا چاہیے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت آپ کے پاس نو ازواج مطہرات تھیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۲۱)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین (عمدہ) نمونہ موجود ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ امت میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرے تو اس سے معلوم ہوا کہ امت کے لیے اسوہ یہ ہے کہ چار یا چار سے کم عورتوں سے شادی کی جائے اور چار عورتوں سے زیادہ سے شادی رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی

سوال بعض لوگ فخر و غرور کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرتے ہیں جب کہ انہیں اس کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہوتی تو کیا یہ جائز ہے؟ اور ان مردوں اور عورتوں کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے جو بوقت ضرورت بھی تعدد سے منع کرتے ہیں؟

جواب ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا امر مطلوب ہے بشرطیکہ انسان کو مالی' بدنی اور عورتوں کے مابین عدل و انصاف کرنے کی قدرت ہو' تعدد ازواج کی صورت میں جو خیر و بھلائی حاصل ہوتی ہے' اس میں ان عورتوں کو عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرنا ہے جن سے مرد نے شادی کی ہو' لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات میں توسیع پیدا کرنا ہے' کثرت سے اولاد پیدا کرنا ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے' علاوہ ازیں اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں اور اگر کوئی انسان محض فخر و غرور کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرتا ہے تو یہ اس اسراف میں داخل ہو گا جو کہ ممنوع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُسْرِفُوٓاْ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۳۱)

"اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

پہلی بیوی کے لیے نصیحت

سوال میری بیوی ایک جلدی مرض میں مبتلا ہو گئی ہے جس نے اس کے جسم کے اعضاء کو بدنما بنا دیا ہے اور اطباء کا اتفاق ہے کہ یہ مرض ناقابل علاج ہے جس کی وجہ سے مجھے شدید نفرت ہے' خصوصاً مباشرت کے وقت مجھے بہت نفرت محسوس ہوتی ہے اور ان حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے سے مایوس ہو گیا ہوں لہٰذا میں نے دوسری شادی کے لیے جب

اس بیوی سے مشورہ کیا تو وہ بے حد ناراض ہو گئی اور کہنے لگی کہ اگر دوسری شادی کرنی ہے تو مجھے طلاق دے دو تو سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں میرے اور میری بیوی کے لیے دین کا کیا حکم ہے؟

جواب آپ کے حوالہ سے حکم شریعت یہ ہے کہ آپ کے لیے دوسری شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے الا یہ کہ اسے خدشہ ہو کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا۔

آپ کی بیوی کے حوالہ سے بات یہ ہے کہ آپ کے دوسری شادی کے پروگرام کی وجہ سے اسے ناراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے لیے جائز قرار دیا ہے اور پھر اس حالت میں آپ معذور بھی ہیں' عورت کو جو یہ حالت درپیش ہے تو یہ ایک مصیبت ہے لہٰذا اسے اس پر صبر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ یہ مرض گناہوں کے کفارہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات کی بلندی کا سبب ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

(بیک وقت) چار سے زیادہ عورتوں سے شادی جائز نہیں

سوال کیا مرد کے لیے (بیک وقت) چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں' اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب مرد کے لیے چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٣)

''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک (عورت) کافی ہے یا (لونڈی) جس کے تم مالک ہو۔''

یہ جملہ اسی طرح ہے جیسا کہ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ سیروا مثنی وثلاث ورباع اور اس کے معنی یہ ہیں کہ صفیں بنا کر اس طرح چلو کہ ہر صف میں دو یا تین یا چار آدمی ہوں' اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چلتے وقت ہر صف میں نو آدمی ہوں' آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر یتیم لڑکیوں کے بجائے دیگر عورتوں سے شادی کر لو اور جو شخص تعدد کا طلبگار ہو تو وہ دو یا تین یا چار عورتوں سے شادی کر لے' اس مقام پر عورتوں کی تعداد کے اعتبار سے آخری حد جو بتائی وہ چار ہے لہٰذا بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے اور حدیث میں ہے کہ قیس بن حارث جب مسلمان ہوئے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی ان بیویوں میں سے چار کا انتخاب کر لو اور باقی چھوڑ دو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

چوتھی بیوی کے مجنون (پاگل) ہونے کی صورت میں پانچویں سے شادی

سوال جب کسی مسلمان کے حبالہ عقد میں چار بیویاں ہوں اور ان میں سے ایک مرض جنون میں مبتلا ہو جائے تو کیا

اس کے لیے ایک اور عورت سے شادی کرنا جائز ہے جب کہ یہ مریض بیوی بھی زندہ ہو یا یہ حرام ہے کیونکہ یہ پانچویں بیوی ہوگی؟

جواب چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرنا حلال نہیں ہے خواہ ان میں سے ایک جنون وغیرہ کے مرض میں مبتلا ہو یا تمام کی تمام مریض ہوں تو جب تک وہ اس کے حبالہ عقد میں ہوں کسی اور عورت سے شادی کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کی ممانعت کی نصوص کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ نبی ﷺ کے خصائص ہیں

سوال جو شخص نبی اکرم ﷺ کی نو عورتوں کے ساتھ شادی کرنے سے چار سے زائد شادیوں کے لیے استدلال کرلے تو ہم اسے کیا جواب دیں؟

جواب نبی اکرم ﷺ کو نکاح کے بارے میں بعض ایسے خصائص سے نوازا گیا جو کسی اور کو حاصل نہیں ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ کو رخصت دی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے تئیں آپ ﷺ کو ہبہ کردے تو آپ اس سے شادی کرسکتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱمْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ ٱلنَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٠)

"اور کوئی مومنہ عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے لیے مفت پیش کردے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) بشرطیکہ پیغمبر بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (وہ) بھی حلال ہے لیکن یہ (اجازت اے محمد ﷺ) خاص آپ ہی کے لیے ہے سب مسلمانوں کے لیے نہیں۔"

اسی طرح نبی اکرم ﷺ ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرسکتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٦)

"پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

لیکن کسی دوسرے مسلمان کے لیے ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ» (سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي ح: ٢٠٨٥)

"ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"

ایک قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے لیے یہ بھی واجب نہیں کہ آپ ازواج مطہرات میں باری کی تقسیم کی پابندی فرمائیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ تُرْجِي مَن تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيٓ إِلَيْكَ مَن تَشَآءُ ۖ وَمَنِ ٱبْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ﴾

(الأحزاب ٣٣/ ٥١)

"(اور آپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ) جس بیوی کو چاہو علیحدہ رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو اور جس کو تم

نے علیحدہ کر دیا ہو اگر اس کو اپنے پاس طلب کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔"

آپ ﷺ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی باریوں کو مقرر کریں اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا ان کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ» (سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، ح:٢١٣٣ وسنن النسائي، النكاح، ميل الرجل إلى بعض نسائه دون بعض، ح:٣٣٩٤)

"جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ مفلوج ہو گا۔"

زیر بحث مسئلہ نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے چار سے بھی زیادہ عورتوں سے شادی کرنا حلال قرار دیا ہے اور اس میں بہت عظیم مصلحتیں ہیں جو بعض اہل علم کے بقول چالیس سے بھی زیادہ ہیں جو اس موضوع کی کتب میں مذکور ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نفقہ (خرچہ) میں دونوں بیویوں کے درمیان میں عدل

سوال امید ہے اس شخص کے بارے میں فتویٰ عطا فرمائیں گے جس کی دو بیویاں ہیں' ان میں سے ایک ریاض میں اور دوسری سوڈان میں مقیم ہے' ریاض میں مقیم بیوی کی اولاد اگرچہ کم ہے لیکن سوڈان والی بیوی کی نسبت اس کا نفقہ تین گنا زیادہ ہے۔ حالانکہ سوڈان والی بیوی کی اولاد زیادہ ہے اور اس کا سبب ہر ملک کی اقتصادی حالت اور کرنسی کا نظام ہے۔ ریاض میں مقیم بیوی کا خرچ پندرہ سو (۱۵۰۰) ریال اور سوڈان میں مقیم بیوی کا خرچ پانچ سو (۵۰۰) ریال ہے تو سوال یہ ہے کہ نفقہ کے اعتبار سے ان دونوں بیویوں میں عدل کس طرح ہو گا؟ جزاکم اللہ خیرًا

جواب شوہر کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ہر بیوی کے مقام اقامت کے اعتبار سے اس قدر خرچ کرے جو کھانے' پینے' لباس اور دیگر ضروریات کے لیے عرف کے مطابق کافی ہو۔ ایک بیوی کی اگر اولاد زیادہ ہو تو عدل و انصاف کے پہلو کے تقاضے کے تحت اسے زیادہ خرچ دے کیونکہ ارشاد باری ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۳)

"اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہو گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں شوہروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ»(صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، ح:١٢١٨)

"ان کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق تمہارے ذمہ ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

پہلی بیوی بدخو ہے

سوال میری دو بیویاں ہیں' ان میں سے ایک تو میرا احترام کرتی' میری بات پر لبیک کہتی' میری اطاعت کرتی ہے اور دوسری بیوی سے اور میری اولاد' میرے والدین اور میرے رشتہ داروں سے بھی محبت کرتی ہے جب کہ دوسری بیوی کا معاملہ ان تمام امور میں اس کے برعکس ہے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں اور اس سے تعلقات منقطع کر لوں؟

جواب آپ کی یہ بیوی جو آپ کی اطاعت کرتی اور آپ کے رشتہ داروں اور آپ کی دوسری بیوی سے اولاد کی عزت کرتی ہے تو یہ ماجور و مشکور ہے اور دوسری بیوی کا طرز عمل اس کے خلاف ہے' وہ گناہ گار ہے بشرطیکہ اس کی اس بدخوئی کا کوئی سبب نہ ہو' اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور دستور کے مطابق آپ کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اگر یہ ایسا نہ کرے گی تو یہ بدخلق ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَالَّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور بدخوئی کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں) تو ان کو (ہلکا سا) مارو اور اگر فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو تکلیف دینے (ستانے) کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔"

اس بیوی کے ساتھ سونا چھوڑ دو حتی کہ یہ صحیح ہو جائے اور اپنے ان واجبات کو ادا کرنے لگے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ضروری ٹھہرائے ہیں لیکن اس سے کلام کرنا ترک نہ کریں کیونکہ کسی مومن کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مومن سے تین دن سے زیادہ عرصہ کے لیے ترک کلام کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آپ تین دن تک کے لیے ترک کلام کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ سونے کو جب تک چاہیں ترک کر دیں حتی کہ وہ اپنے واجبات کو ادا کرنے لگے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شوہر نے دو سال سے چھوڑ رکھا ہے

سوال اس بیوی کے بارے میں کیا حکم ہے جسے اس کے شوہر نے دو سال سے چھوڑ رکھا ہے حالانکہ وہ ایک ہی گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے جب کہ اسی گھر میں اس کی دو اور بیویاں بھی رہتی ہیں؟

جواب شوہر کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ بیوی کی مرضی کے بغیر چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے اس کے ساتھ سونا ترک کرے' ارشاد باری ہے:

﴿ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ﴾ (النساء٤/ ١٢٩)

"تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو گویا کہ وہ معلق ہے۔"

﴿ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٦)

"اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔"

شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی باری مقرر کرے اور شب باشی' نفقہ (خرچہ)' لباس اور دیگر امور میں انصاف کرے جو شخص ان کے درمیان انصاف نہ کرے تو وہ اپنی بیوی پر ظلم کرتا اور بری معاشرت کا مظاہرہ کرتا ہے الا یہ کہ بیوی بدخو ہو اور اگر وہ سرکش اور بدخو ہو تو پھر شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے بقدر ضرورت بستر الگ رکھے یا اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی اور پھر کسی دوسرے ملک کے سفر پر چلا گیا اور وہاں بھی اس نے ایک عورت سے شادی کر لی اور کئی مہینوں کے بعد پہلی بیوی کے پاس واپس آیا تو کیا اسی قدر مہینے اسے پہلی بیوی کے پاس بھی گزارنے ہوں گے یا وہ باری کی تقسیم از سرنو شروع کرے گا؟

جواب سنت یہ ہے کہ جب مرد ایک بیوی کے موجودگی میں دوسری بیوی سے شادی کرے تو وہ دوسری بیوی کے پاس تین دن رہے جب کہ وہ شوہر دیدہ ہو اور سات دن قیام کرے جب کہ وہ باکرہ (کنواری) ہو اور پھر اس کے بعد باری کی تقسیم شروع کرے اور دونوں کے مابین عدل کرے اور اگر ایک سے کچھ مدت کے لیے غائب رہے تو دوسری کے پاس بھی اتنی ہی مدت گزارے جب کہ یہ ممکن ہو الا یہ کہ صاحب حق اپنے سارے یا کچھ حق سے دستبردار ہو جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ایک بیوی سے زیادہ محبت کرنے میں کوئی حرج نہیں

سوال الحمدللہ میری دو بیویاں ہیں اور میں دونوں کے حوالہ سے اپنے تمام واجبات ادا کرتا ہوں لیکن ان میں سے ایک دوسری کی نسبت میری اطاعت بھی زیادہ کرتی ہے اور حسن سلوک سے پیش آتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طرف میرا میلان زیادہ ہے' تو کیا اس کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟

جواب شوہر کے لیے ضروری ہے کہ استطاعت کے مطابق اپنی بیویوں میں عدل کرے اور جس کی استطاعت ہی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرۃ ٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اگر سائل اس بیوی سے زیادہ محبت کرتا ہے جو اپنے واجبات کو ادا کرتی ہے' اس کی نسبت جو اپنے واجبات کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے حوالہ سے بھی عدل و انصاف میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نفقہ و عطیہ میں عدل

سوال میری ایک بیٹی ملازم ہے اور وہ اپنی تنخواہ سے ایک حصہ اپنی ماں کو دے دیتی ہے' میں اس کی تنخواہ سے بے نیاز ہوں پھر بھی مجھے یہ اپنی ماں سے زیادہ دیتی ہے' دوسری بیوی کا ایک بیٹا ہے جو میرے لیے مال کماتا ہے اور وہ بھی اپنی آمدنی سے اپنی ماں کو دیتا ہے تیسری بیوی کے بیٹے چھوٹے ہیں اور اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا یہ جب مجھ سے کسی رقم کا مطالبہ کرتی ہے تو میں اسے دے دیتا ہوں اور بے انصافی کے خوف کی وجہ سے اس کی سوکنوں کو بھی دے دیتا ہوں' مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ اگر اسے اس کی سوکنوں سے زیادہ دوں تو گناہ تو نہ ہو گا کیونکہ باقی بیویوں کو تو ان کے بیٹے بھی دیتے ہیں تو کیا حدیث ((أَنتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ)) کے باعث میرے بیٹوں کا دیا ہوا میرا دیا ہوا ہی شمار ہو گا تاکہ اتنا مال ہی میں اپنی تیسری بیوی کو اپنے پاس سے دے دوں' امید ہے رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی بیٹی اپنی تنخواہ میں سے اپنی ماں کو دے دیتی ہے' اسی طرح آپ کا بیٹا نفع میں سے اپنے حصہ میں سے اپنی ماں کو دیتا ہے تو آپ کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ آپ اپنی تیسری بیوی کو اپنی طرف سے اتنا مال دیں جتنا مال اس کی سوکنوں کو ان کی اولاد نے دیا ہے کیونکہ بیٹی اور بیٹے کا اپنی اپنی ماں کو مال دینا ان کی طرف سے اپنی ماں سے نیکی ہے اور آپ کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ آپ اپنی تیسری بیوی کو اسی قدر مال دیں' ہاں البتہ آپ پر یہ لازم ہے کہ اپنی بیویوں میں سے ہر ایک کو اس قدر دیں جو دستور کے مطابق ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے کافی ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عورتوں سے معاشرت

ازدواجی اختلافات کے خاتمہ کی صورت

سوال شوہروں اور بیویوں کو اپنے ازدواجی اختلافات ختم کر دینے کے لیے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے نیز عورتوں کے ان اولیاء (ورثاء) کے لیے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے جو ان کی آمدنی حاصل کرنے کے لیے انہیں شادی سے منع کرتے ہیں؟

جواب میں شوہروں اور بیویوں میں سے ہر ایک کو یہ نصیحت کرتا ہوں کو وہ اپنے ازدواجی اختلافات کو ہوا نہ دیں اور ہر ایک کو اپنے حق سے چشم پوشی کر لینی چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

«لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، ح:١٤٦٧)

''کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے اگر وہ اس کی کسی ایک عادت سے ناراض ہو گیا تو کسی دوسری عادت سے خوش ہو جائے گا۔''

جو ولی اپنی خواتین کی آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے ان کی شادی میں رکاوٹ بنتے ہیں تو یہ ان کی خیانت ہے اور یہ حرام ہے۔ اگر کوئی ولی ایسا کرے تو اس کی ولایت ساقط ہو جائے گی اور اس کے بعد والا شخص ولی بن جائے گا اور اگر وہ بھی رکاوٹ ڈالے تو ولایت اس کے بعد والے شخص کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر پہلے ولی کی قطع رحمی کے خوف کی وجہ سے تمام اولیاء اس کی شادی سے انکار کر دیں تو اس معاملہ کو عدالت میں لے جایا جائے گا اور قاضی اس کی شادی کرائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ازدواجی راز افشاء (ظاہر) کرنا

سوال بعض عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے گھر کی یا شوہروں کے ساتھ ازدواجی زندگی کی باتیں اپنی قریبی یا دوست خواتین کو بتا دیتی ہیں ان میں سے بعض باتیں ایسے گھریلو راز ہوتی ہیں کہ شوہر نہیں چاہتے کہ ان کے بارے میں کسی کو علم ہو تو ان عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو گھر کے راز گھر سے باہر افشاء (ظاہر) کر دیتی ہیں؟

جواب بعض عورتیں جو اپنے گھر یا ازدواجی زندگی کی باتیں اپنی قریبی یا دوست خواتین کو بتا دیتی ہیں تو یہ ایک حرام کام ہے کیونکہ کسی بھی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر کے راز یا شوہر کے ساتھ مخفی تعلقات کو کسی کے پاس بیان کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱلصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

''جو نیک بیویاں ہیں وہ خاوندوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کی پیٹھ کے پیچھے (عدم موجودگی میں) اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، ح:١٤٣٧)

''قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بدترین درجہ اس شخص کا ہو گا جو کسی عورت کے ساتھ صحبت کرتا اور عورت اس سے صحبت کرتی ہے اور پھر یہ اس کے راز کو افشا (ظاہر) کرتا ہے۔''

——— شیخ ابن عثیمین ———

عورت کے لیے شوہر کی اطاعت واجب ہے

سوال میرا ایک قریبی رشتہ دار ہے جو چند دائمی امراض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کام نہیں کر سکتا، اس کی اولاد بھی ہے، چار بیٹے کام کر کے معاشی مسائل میں اپنے والد کی مدد کرتے ہیں لیکن اس کی بیوی اس سے کہتی ہے کہ تمہیں اپنی اولاد سے کچھ لینے کا حق حاصل نہیں ہے اور یہ کہ اس کا نفقہ اس (خاوند) کے ذمے ہے، یہ اپنے خاوند سے اس کی اجازت

کے بغیر گھر سے باہر نکل جانے اور اپنی مرضی کا کام کرنے کا مطالبہ کرتی رہتی ہے اور ایک بار اس نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کی ماں اس کے لیے حرام ہے؟

جواب مذکورہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں اپنے شوہر کی سمع و اطاعت بجالائے' شوہر اگر اس کے لباس و پوشاک وغیرہ کے حقوق ادا کرے تو اسے اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے اور نہ جو یہ اپنے بیٹے سے لیتا ہے اس پر کوئی اعتراض کرنا چاہیے' اس نے اپنے آپ کو جو اپنے شوہر کے لیے حرام قرار دیا تو اس کا کفارہ' قسم کا کفارہ ہے نیز اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ بھی کرنی چاہیے یاد رہے قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو نصف صاع فی مسکین کے حساب سے کھجور' چاول یا وہ کھانا دے دیا جائے جو شہر میں کھانے کا رواج ہو یا انہیں ایسا لباس دے دیا جائے جس میں نماز پڑھی جا سکتی ہو۔ عورت نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا ہے تو اس کا سبب معلوم کیا جائے اور اس معاملہ کے لیے عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔ عدالت کا فیصلہ ان شاء اللہ صحیح ہو گا۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

شادی کی یادگار کی مناسبت سے تحفہ

سوال کیا شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ہر سال اپنی شادی کے دن پیار و محبت کی تجدید کے لیے اپنی بیوی کو کوئی تحفہ دے' یاد رہے یہ یادگار صرف تحفہ تک ہی محدود ہو گی اور اس مناسبت سے کسی اجتماع کا انعقاد نہیں ہو گا؟

جواب میری رائے میں تو یہ دروازہ بند ہونا چاہیے کیونکہ اس سال اگر تحفہ ہے تو اگلے سال یقیناً اجتماع کا انعقاد بھی ہو گا اور اگر اس مناسبت سے ہر سال محض تحفہ دینے کی عادت بھی بنالی جائے تو یہ عید شمار ہو گی کیونکہ عید اسے ہی تو کہتے ہیں جس میں اعادہ بار بار تکرار کے ساتھ ہو اور محبت کی تجدید ہر سال نہیں بلکہ ہر وقت ہونی چاہیے۔ جب عورت اپنے شوہر کی کسی ایسی بات کو دیکھے گی جو اسے خوش کرے اور شوہر اپنی بیوی کی کسی ایسی بات کو دیکھے جو اس کے لیے خوش کن ہو تو اس سے یقیناً پیار اور محبت کی تجدید ہوتی رہے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دستور کے مطابق معاشرت واجب ہے

سوال بعض نوجوان' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے' دینی احکام کی پابندی کے باوجود اپنی بیویوں سے دستور کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے اور اپنا وقت ایسے بہت سے کاموں میں صرف کرتے ہیں جن کا پڑھائی یا کام سے تعلق ہوتا ہے جب کہ بیوی گھر میں تنہا یا بچوں کے ساتھ کئی کئی گھنٹے گزارتی ہے تو اس مسئلہ میں آپ کیا فرمائیں گے کیا علم و عمل کے لیے بیوی کا وقت خرچ کیا جا سکتا ہے؟

جواب بے شک شوہروں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کریں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا' جب کہ وہ اپنا سارا وقت رات کے قیام اور دن کے روزہ میں صرف کرتے تھے کہ روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو' رات کو آرام بھی کرو اور قیام بھی کرو اور ہر ماہ تین روزے رکھ لیا کرو' نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے' تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے' تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے لہٰذا ہر حق دار کو اس کا حق دو۔ [1]

علاوہ ازیں اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں لہٰذا نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کریں' ان سے شفقت سے پیش آئیں اور مقدور بھر انس و محبت کا مظاہرہ کریں اور اگر مطالعہ اور بعض دیگر کام گھر میں سرانجام دینا ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس سے بیوی بچوں کے ساتھ انس کا موقع میسر آتا ہے۔

بہرحال مشروع یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے لیے بھی اوقات مخصوص کرے جس کی وجہ سے اسے انس و محبت اور حسن معاشرت میسر آئے خصوصاً جب کہ وہ گھر میں تنہا ہو یا اس کے پاس صرف بچے ہوں' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح:٣٨٩٥ والبيهقي في السنن الكبرى، النفقات، باب فضل النفقة علي الأهل:٧/ ٤٦٨)

"تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس کا اپنی بیوی سے سلوک اچھا ہو اور میں تمہاری نسبت اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ» (جامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، ح:١١٦٢ وسنن أبي داود، السنة، باب الدليل علي زيادة الإيمان ونقصانه، ح: ٤٦٨٢ ومسند أحمد: ٢/ ٢٥٠)

"کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جن کے اپنی بیویوں سے تعلقات بہتر ہوں۔"

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' الصوم' باب حق الجسم فی الصوم' حدیث : ۱۹۷۵' ۱۹۷۶ و صحیح مسلم' الصیام' باب النهی عن صوم الدهر لمن تضرربه --- حدیث :۱۱۵۹۔

بیوی کے لیے بھی یہ امر مشروع ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تعلیم و ملازمت کی سرگرمیوں میں مدد کرے اور شوہر کی طرف سے مجبوراً پیش آنے والی کوتاہی پر صبر کرے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کرتے ہوئے دونوں میں تعاون کی فضا پیدا ہو سکے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح: ٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح: ٢٥٨٠)

"جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرما دیتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح: ٢٦٩٩)

"اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

دستور کے مطابق معاشرت

سوال میری تقریباً پچیس سال پہلے شادی ہوئی تھی' میرے کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں لیکن مجھے اپنے شوہر کی طرف سے بہت سی مشکلات کا سامنا ہے' وہ میرے بچوں اور دور نزدیک کے رشتہ داروں کے سامنے بلاوجہ میری بے عزتی کرتا ہے اور کبھی بھی میری عزت افزائی نہیں کرتا اور میں صرف اس وقت سکون محسوس کرتی ہوں جب وہ گھر سے باہر نکل جاتا ہے حالانکہ یہ آدمی نماز روزے کا بھی پابند ہے۔ امید ہے آپ صحیح راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ صبر کریں' اسے احسن انداز میں نصیحت کرتی رہیں اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت یاد دلاتی رہیں' شاید وہ بات قبول کر کے حق کی طرف رجوع کر لے اور اپنے برے اخلاق کو چھوڑ دے اور اگر وہ اسے نہ چھوڑے تو اسے گناہ ہو گا اور آپ کو صبر کرنے اور تکلیف برداشت کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ آپ نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی اس کے لیے دعا کرتی رہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرمائے' آپ اپنا محاسبہ بھی کرتی رہیں' دین پر ثابت قدم رہیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں یا اپنے شوہر کے حق میں یا کسی اور کے حق میں جو غلطی یا کوتاہی ہو اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی رہیں' شاید اس طرح کا شوہر اللہ تعالیٰ نے آپ کی کسی غلطی یا گناہ کی وجہ سے آپ کے سر مسلط کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الشوریٰ٤٢/ ٣٠)

"اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔"

اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کہ آپ اس کے باپ یا ماں یا بڑے بھائیوں یا ان رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے جن کی یہ عزت کرتا ہو' یہ مطالبہ کریں کہ وہ اسے سمجھائیں کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔"

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ہے۔"

کے مطابق عمل کرتے ہوئے احسن انداز میں اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

میرا شوہر بلاوجہ مجھے ناپسند کرتا ہے

سوال میں اس امید سے آپ کی خدمت میں اپنی ایک مشکل پیش کر رہی ہوں کہ آپ مجھے اس کا حل بتائیں گے' میری مشکل کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا شوہر--- اللہ اسے معاف فرمائے ---- اخلاق فاضلہ اور خشیت الٰہی کے باوجود گھر میں قطعاً میری طرف توجہ نہیں دیتا بلکہ اس کے چہرے پر ہمیشہ غصہ اور اس کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کا سبب بھی خود میں ہوں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس کے حقوق ادا کرتی ہوں' اسے راحت و آرام پہنچاتی ہوں' ہر اس چیز کو اس سے دور کرتی ہوں' جو اسے بری لگتی ہو' میرے ساتھ اس کی جو زیادتیاں ہیں' ان پر صبر کرتی ہوں لیکن میں اس سے جب بھی کسی چیز کے بارے میں پوچھتی یا بات کرتی ہوں تو وہ غصے کے مارے بھڑک اٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ تمہاری گفتگو بے ہودہ ہے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ وہ ہنس مکھ اور ملنسار ہے لیکن مجھے ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ اور بدسلوکی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہے' بلکہ میری زندگی عذاب بن چکی ہے۔

میں نے کئی دفعہ سوچا ہے کہ اس گھر ہی کو خیرباد کہہ دوں۔ میری تعلیم بھی متوسط درجے کی ہے اور الحمدللہ میں اپنے واجبات بھی ادا کرتی ہوں' سماحۃ الشیخ! مجھے بتائیں کہ اگر میں گھر چھوڑ دوں' اپنے بچوں کی خود تربیت کروں اور تنہا زندگی کی مشکلات کو برداشت کروں تو کیا میں گناہ گار ہوں گی یا انہی حالات میں اپنے شوہر کے ساتھ گزارہ کروں اور اس کے ساتھ کلام سے اور مشکلات میں شرکت اور ان کے احساسات سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھوں؟

جواب بے شک میاں بیوی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دستور کے مطابق' محبت' اخلاق فاضلہ' حسن خلق اور بشاشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زندگی بسر کریں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے ہاں البتہ مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»(صحیح مسلم، البر والصلة، باب تفسیر البر والاثم، ح:۲۵۵۳)

"نیکی حسن خلق کا نام ہے۔"

اور نبی کریم نے فرمایا:

«لاَ تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ»(صحیح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، ۲٦۲٦)

"کسی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو خواہ یہ نیکی اپنے بھائی سے ہشاش بشاش چہرے سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔"

یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم میں ہیں نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ» (جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، ح:۱۱٦۲ وسنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، ح:٤٦۸۲ ومسند أحمد:۲/ ۲۵۰)

"مومنوں میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح:۳۸۹۵)

"اور میں تمہارے مقابلے میں اپنے اہل (بیویوں) سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔"

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عام مسلمانوں کو بھی حسن خلق' بشاشت اور حسن معاشرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تو اس سے اندازہ فرمائیں کہ میاں بیوی اور رشتہ داروں کو ان امور کا کس قدر لحاظ رکھنا چاہیے؟

آپ نے صبر کر کے بہت اچھا کیا اور اپنے شوہر کی جفا اور بد خلقی کو برداشت کیا' میں بھی آپ کو یہی وصیت کرتا ہوں کہ آپ مزید صبر کریں اور اپنے گھر کو نہ چھوڑیں' ان شاء اللہ اسی میں بہت بہتری بھی ہے اور اسکا انجام بھی بہت اچھا ہو گا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱصْبِرُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ٤٦)

"اور صبر کرو' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور ارشاد ہے:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۹۰)

"جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا صبر ضائع نہیں کرتا۔"

مزید فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ ﴾ (الزمر۳۹/ ۱۰)

"جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب دیا جائے گا۔"

نیز فرمایا!

﴿ فَٱصْبِرْ ۖ إِنَّ ٱلْعَٰقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ ﴾ (ھود۱۱/ ۴۹)

"آپ صبر کریں کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔"

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ آپ اس سے دل لگی کی باتیں کریں اور ایسے الفاظ سے اس سے گفتگو کریں جو اس کے دل کو نرم کر دیں' اس میں انبساط و انشراح قلب پیدا کریں اور اس میں اپنے حقوق کا شعور اجاگر کر دیں' جب تک وہ اہم اور واجب امور کو ادا کرتا رہے اس سے دنیوی حاجتوں (ضرورتوں) کا مطالبہ ترک کر دیں تاکہ اس میں انبساط قلب اور انشراح صدر پیدا ہو جائے اور ان شاء اللہ آپ کا انجام بھی قابل ستائش ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہر نیک کام کے لیے آپ کو مزید توفیق سے نوازے' آپ کے شوہر کی اصلاح فرمائے' اسے رشد و بھلائی کی توفیق بخشے اور اسے حسن خلق' بشاشت اور حقوق ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ بے شک وہی بہترین مسئول اور سیدھے راستے کی ہدایت فرمانے والا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

میرے شوہر اور اس کی اولاد کا مجھ سے معاملہ اچھا نہیں ہے

سوال میں نے ایک ایسے مرد سے شادی کی جس کی بیوی نو بچے چھوڑ کر فوت ہو گئی تھی میں نے اس کے بچوں سے ماں کی طرح سلوک کیا مگر مجھے ان کی طرف سے بد بختی اور دکھ کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ اس کی بڑی شادی شدہ بیٹی اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر ہی آجاتی ہے تاکہ ہمارے درمیان اختلافات کو ہوا دے اور یہ سب کچھ ان کے باپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا جو ازراہ ظلم انہی کا ساتھ دیتا تھا حتی کہ گھر کے لوازمات میں اپنے خاص مال سے خریدتی اور اس کے لیے میں نے اپنے زیورات تک فروخت کر دیے مگر اس کے باوجود میرے ساتھ اچھا سلوک نہ ہوا اور جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو میں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا مگر اس نے اسے مسترد کر دیا' اب سوال یہ ہے کہ میں اس آدمی کے بارے میں کیا کروں جو نہ تو مجھے اچھے طریقے سے بساتا ہے اور نہ ہی مجھے اچھے طریقے سے فارغ کرتا ہے؟ اس شوہر اور اس کی اولاد کو آپ کیا نصیحت کریں گے؟

جواب ہم اس شوہر اور اس کی اولاد کو یہ نصیحت کریں گے کہ اگر اس عورت کی بات صحیح ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء۴/ ۱۹)

"اور ان سے اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح: ٣٨٩٥ وسنن أبي داود، السنة، باب الدليل علي زيادة الإيمان ونقصانه، ح: ٤٦٨٢)

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا ہے اور میں بھی اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔"

اس شخص کا اس عورت کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کرنا جس طرح اس عورت نے بتایا ہے' ایک منکر امر ہے جس کی وجہ سے وہ عنداللہ گناہ گار ہو گا اور روز قیامت اس کی نیکیاں اس عورت کو دے دی جائیں گی جب کہ خود اسے بھی اس دن نیکیوں کی شدید ضرورت ہو گی۔

اس صورت حال میں عورت کے حوالہ سے جہاں تک بات کا تعلق ہے تو میں اسے یہی حکم دوں گا کہ وہ صبر کرے اور اپنے شوہر کو وعظ و نصیحت کرتی رہے جس سے اس کا دل نرم ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے اور اگر اس طرح کی کوشش بے سود ہو تو پھر فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِ ٱمْرَأَةٌ خَافَتْ مِنۢ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَٱلصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ (النساء٤/ ١٢٨)

"اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے۔"

لہٰذا اسے چاہیے کہ اہل خیر میں سے کچھ ایسے لوگوں کو جمع کرے جو اس مسئلہ میں مداخلت کریں اور صورت حال کا خوب جائزہ لے کر دونوں میں صلح کرا دیں یا معاوضہ کے ساتھ یا معاوضہ کے بغیر دونوں میں تفریق کرا دیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا بیوی پر لعنت کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہے

سوال اگر کوئی شخص قصد و ارادہ سے اپنی بیوی پر لعنت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لعنت کرنے کی وجہ سے بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی یا یہ لعنت طلاق کے حکم میں ہو گی؟ اس کا کفارہ کیا ہو گا؟

جواب شوہر کا اپنی بیوی پر لعنت کرنا ایک ایسا منکر امر ہے جو جائز نہیں ہے بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح: ٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح: ١١٠)

"مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق ... الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح:٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ تو گواہ ہوں گے اور نہ شفاعت کریں گے۔"

اس شخص پر واجب ہے کہ توبہ کرے اور اپنی بیوی کو جو اس نے گالیاں دی ہیں' وہ اس سے معاف کروالے' جو شخص سچی پکی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے' اس کی بیوی اسی کی عصمت میں باقی رہے گی اور لعنت کرنے کی وجہ سے اس پر حرام نہیں ہو گی لہٰذا اس پر واجب ہے کہ دستور کے مطابق زندگی بسر کرے اور اپنی زبان کو ہر اس بات سے محفوظ رکھے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو' بیوی کو بھی چاہیے کہ اپنے شوہر کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کرے اور اپنی زبان کو اس بات سے محفوظ رکھے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو اور اس کے شوہر کو بھی ناراض کرنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان سے اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور مردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

میرا شوہر سگریٹ نوش ہے

سوال میرا شوہر ہمیشہ سگریٹ نوشی کرتا رہتا ہے' سودی لین دین بھی کرتا ہے سگریٹ نوشی کی وجہ سے ہمارے مابین بہت سے اختلافات بھی رونما ہو چکے ہیں' پانچ ماہ پہلے میرے شوہر نے دو رکعت نماز پڑھی اور حلف اٹھایا کہ آئندہ وہ سگریٹ نوشی نہیں کرے گا لیکن حلف کے ایک ہفتہ بعد ہی اس نے دوبارہ سگریٹ نوشی شروع کر دی جس کی وجہ سے ہمارے درمیان دوبارہ اختلاف پیدا ہو گئے اور میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کر دیا لیکن اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی سگریٹ نوشی نہیں کرے گا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا لیکن مجھے اس پر بالکل اعتماد نہیں ہے'

اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس کے حلف کا کفارہ کیا ہو گا؟ آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب سگریٹ نوشی خبیث اور حرام کاموں میں سے ہے اور اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کریم کی سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

”تم سے پوچھتے ہیں کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔“

اور سورۃ الاعراف میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

”اور وہ پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ سگریٹ نوشی خبیث کام ہے لہٰذا آپ کے شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اسے ترک کر دے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے پیش نظر اس سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ کے غضب کے اسباب سے بچے، اپنے دین اور صحت و سلامتی کی حفاظت کرے اور آپ کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرے۔

قسم کے سلسلہ میں اس پر کفارہ واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ بھی کہ آئندہ وہ سگریٹ نوشی نہیں کرے گا۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا انہیں کپڑے پہنائے یا ایک مومن گردن (غلام) آزاد کرے، کھانے کے بارے میں اسی قدر کافی ہے کہ مسکینوں کو شام کا یا دوپہر کا کھانا کھلا دے یا شہر میں جس خوراک کے کھانے کا معمول ہو وہ نصف صاع کے حساب سے ہر مسکین کو دے دے۔ نصف صاع کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو بنتا ہے۔

ہم آپ کو یہ نصیحت بھی کریں گے کہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہ کریں جب تک کہ وہ نماز پڑھتا ہے، اس کی سیرت اچھی ہے اور وہ سگریٹ نوشی ترک کرتا ہے اور اگر وہ اس گناہ پر اصرار کرے تو پھر طلاق طلب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے ہدایت اور (صاف دل سے) خالص توبہ کی توفیق بخشے۔

—— شیخ ابن باز ——

سگریٹ نوش بیوی

سوال میری بیوی اپنے نماز روزہ کے تمام واجبات اور اپنے شوہر کے حقوق بھی ادا کرتی ہے مگر یہ اپنے شوہر سے چھپ کر سگریٹ بھی پیتی ہے جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کی اور سگریٹ نوشی ترک کر دینے کی تلقین بھی کی مگر اس نے میری نصیحت کو قبول نہیں کیا اور سگریٹ نوشی جاری رکھی، خلاصہء کلام یہ کہ مجھے اس بیوی کے سلسلہ میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے:

(الف) کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کے فعل پر صبر کروں لیکن کسی کام پر راضی ہونے والا تو اس فعل کے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے؟

(ب) اگر یہ سگریٹ نوشی کرتی رہے اور میرے گھر میں رہے تو کیا اس سے مجھے گناہ ہو گا؟

(ج) کیا میرے لیے اسے طلاق دینا جائز ہے تاکہ میں گناہ سے بچ جاؤں؟

امید ہے میری اس مشکل کا مفصل حل بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے آپ کو زندہ سلامت رکھے؟

جواب واجب یہ ہے کہ آپ اسے نصیحت کرتے رہیں اور مسلسل سگریٹ نوشی کے نقصانات بیان کرتے رہیں اور مقدور بھر کوشش کر کے اسے سگریٹ نوشی سے باز رکھیں' اس سے آپ کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر وہ باز نہ آئے تو آپ کو کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ آپ اس کے اس فعل پر راضی نہیں ہیں بلکہ آپ نے اسے منع کیا اور سمجھایا ہے اور واجب یہ ہے کہ آپ اسے مسلسل سمجھاتے رہیں اور مناسب تادیبی کارروائی بھی کریں جس سے وہ سگریٹ نوشی سے باز آجائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے ہدایت عطا فرمائے۔

———— شیخ ابن باز ————

میری بیوی بدخلق ہے' کیا اسے طلاق دے دوں؟

سوال میری بیوی کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے بچوں پر لعنت بھیجتی اور انہیں گالیاں دیتی اور کبھی ہر چھوٹی بڑی بات کی وجہ سے انہیں مارنے بھی لگتی ہے' میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہے کہ اس بری عادت کو ترک کر دو تو وہ جواب دیتی ہے کہ تو نے ہی انہیں بگاڑا ہے جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بچے اپنی ماں کو ناپسند کرنے لگے ہیں بلکہ اس کی بات کو اب کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے اور اب انہیں صرف سب و شتم اور مار پیٹ ہی کا علم ہے' سوال یہ ہے کہ براہ کرم تفصیل سے بتائیں کہ دینی نقطہ نگاہ سے مجھے اس بیوی کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو' کیا میں طلاق دے کر اس سے دور ہو جاؤں اور بچوں کو اس کے ساتھ ہی رہنے دوں یا کیا کروں؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب بچوں یا دوسرے لوگوں کو لعنت کرنا جو لعنت کے مستحق نہ ہوں کبیرہ گناہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح:٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الايمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه . . . الخ، ح:١١٠)

"مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق . . . الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفُعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح:٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن شہداء اور شفاعت کنندہ نہ بن سکیں گے۔"

لہٰذا اس عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے' بچوں کو گالیاں دینے سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور ان کے لیے کثرت سے ہدایت اور اصلاح کی دعا کرے' آپ کے لیے بھی حکم شریعت یہ ہے کہ اسے ہمیشہ سمجھاتے رہیں' اولاد کو گالیاں دینے سے منع کرتے رہیں اور اگر نصیحت اس کے لیے کارگر ثابت نہ ہو تو اس انداز سے اس سے تعلقات ترک کر لیں جس کے بارے میں آپ کا یہ خیال ہو کہ یہ طریقہ مفید رہے گا' اس کے ساتھ ساتھ صبر بھی کریں اور اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی امید بھی رکھیں اور طلاق دینے میں جلدی نہ کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں' آپ کو اور آپ کی بیوی کو ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

شوہر کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بے راہ روی کے اسباب سے بچائے

سوال میں نے چھپ کر اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ ٹیلی ویژن کی سکرین پر ایک فنکار کی تصویر کو بوسہ دے رہی ہے' اس منظر نے مجھے غضبناک کر دیا اور میں نے اس وقت سے اسے چھوڑ رکھا ہے امید ہے مجھے اس کی اس حرکت اور میں نے اسے جو چھوڑ رکھا ہے' اس کے بارے میں حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں گے' نیز رہنمائی فرمائیں گے کہ اس صورت حال میں اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے جب کہ مجھے بدگمانی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی وقت میری خیانت کرے؟

جواب بے شک اسباب فتنہ کے سامنے عورت میں برداشت اور صبر بہت کم ہوتا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مردوں کی تصویروں کو دیکھنا اور گلوکاروں اور فن کاروں کی آوازوں کو سننا مردوں اور عورتوں کے لیے فتنہ کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ لہٰذا ہم آپ کو نصیحت کریں گے کہ اپنی بیوی کے معاملہ میں غیرت کا ثبوت دیں' اسے فتنہ و فساد کے اسباب سے بچائیں اور گھر میں فحش رسالوں میں شائع ہونے والی فتنہ انگیز تصویریں اور شرارتوں سے بھری ہوئی فلمیں نہ لائیں اسے ایسے مردوں کی تصویریں دیکھنے سے بھی منع کریں کہ جن کی صورت یا آواز کی خوبصورتی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ مذکورہ حالات میں عورت سے ترک تعلق غیرت کی علامت ہے لیکن آپ اسے ترک تعلق کا سبب بھی بتا دیں اور یہ یقین حاصل کر لیں کہ آئندہ وہ مردوں کی طرف دیکھ کر لطف اندوز نہیں ہو گی بلکہ اپنی نظر کو وہ اپنے شوہر پر ہی مرکوز رکھے گی اور آپ بھی اپنی نظر کو اپنی بیوی تک ہی محدود رکھیں گے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سفر سے پہلے بیوی کی طرف نہ دیکھنا

سوال میں نے سنا ہے کہ بہت سے شادی شدہ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ جب اپنی بیوی سے غائب ہوں یا سفر کا ارادہ کریں تو وہ سفر کرتے یا سفر سے واپس آتے وقت اپنی بیوی کی طرف نہیں دیکھتے' کیا اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟

جواب آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ بہت سے شوہر سفر پر جاتے یا سفر سے واپس آتے وقت اپنی بیوی کی طرف نہیں

دیکھتے تو یہ بات بے اصل ہے' شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ لہذا اس عادت کی پابندی کرنا اور اسے دینی حکم سمجھنا ان بدعات میں سے ہے جنہیں ترک کر دینا چاہیے۔ ہاں البتہ انسان اگر لمبے سفر سے واپس آئے تو اسے اپنے اہل خانہ کے پاس رات کو اچانک نہیں آنا چاہیے تاکہ وہ کوئی ایسی بات نہ دیکھے جو اسے ناپسند ہو اور جس سے وہ نفرت کرتا ہو بلکہ اسے مہلت دے کر آنا چاہیے تاکہ عورت کو اس کی آمد کا علم ہو اور وہ اس کے لیے تیار ہو جائے' اس کا تعلق حسن معاشرت اور ازدواجی زندگی کے ان آداب میں سے ہے جنہیں باقی رکھنا اور جن کی حفاظت کرنا چاہیے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ مرد اپنے اہل خانہ کے پاس رات کو اچانک آئے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلاَ يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلاً»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يطرق أهله ليلاً ... الخ، ح:٥٢٤٤ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الطروق ... الخ، ح:٧١٥ بعد ح:١٩٢٨)

"جب تم میں سے کوئی شخص طویل عرصہ تک غائب رہے تو وہ اپنے اہل (بیوی) کے پاس رات کو اچانک نہ آئے۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلْتَ لَيْلاً فَلاَ تَدْخُلْ عَلَى أَهْلِكَ حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب طلب الولد، ح:٥٢٤٦ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الطروق ... الخ، ح:١٩٢٨/١٨٢)

"جب تم رات کو آؤ تو اپنے اہل (بیوی) کے پاس نہ آؤ حتی کہ وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو وہ زیر ناف بال صاف کر لے اور بکھرے بالوں والی عورت کنگھی کر لے۔"

تو اس حدیث میں گویا آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ طویل سفر سے واپس آنے والا اپنی بیوی کے پاس اچانک نہ آئے تاکہ اسے تیاری اور آرائش و زیبائش کا وقت دیا جائے اور شوہر کوئی ایسی بات محسوس نہ کرے جو اسے ناپسند اور اس کے نزدیک قابل نفرت ہو لہذا گھر واپس آنے سے پہلے اگر وہ خط لکھ کر یا فون کے ذریعے سفر سے واپسی کے وقت کے بارے میں مطلع کر دے تو پھر جس لمحے (وقت) وہ چاہے واپس آسکتا ہے' اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ اچانک بغیر اطلاع کے آیا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بچے کا نام رکھنا باپ کا حق ہے اور.....

سوال اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بیٹی عطا فرمائی تو میں نے اس کا کچھ اور میری بیوی نے کچھ اور نام رکھنا چاہا تو ہم نے ان دونوں ناموں کا قرعہ نکالا اور قرعہ کے نتیجہ کے مطابق نام رکھ لیا تو کیا یہ طرز عمل تیروں سے قسمت آزمائی ہے اور اگر یہ اسی طرح ہے تو پھر اس طرح کے اختلاف کے حل کی کیا صورت ہو گی؟ کیا بچے کا نام رکھنا صرف والد کا حق ہے؟ رہنمائی فرمائیں' جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس طرح کے امور میں قرعہ اندازی امر مشروع ہے کیونکہ اس طرح جھگڑا حل ہو جاتا اور دلوں کو اطمینان ہو جاتا

ہے' نبی اکرم ﷺ نے بھی بہت سے امور میں قرعہ استعمال فرمایا تھا' چنانچہ آپ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے' جس کے نام کا قرعہ نکل آتا اسے سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اور جب ایک آدمی نے اپنے چھ غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان میں قرعہ ڈالا اور قرعہ کے ذریعے ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رہنے دیا۔

بچے کا نام رکھنا باپ کا حق ہے لیکن مستحب ہے کہ اس سلسلہ میں طیب نفس اور تالیف قلب کے لیے بچے کی ماں سے بھی مشورہ کر لیا جائے اور دونوں کے لیے مشروع یہ ہے کہ اچھے ناموں کا انتخاب کریں اور برے ناموں کو ترک کر دیں۔ ایسے نام رکھنے جائز نہیں ہیں جن میں غیراللہ کی بندگی کا اظہار ہو مثلاً عبدالنبی' عبدالکعبہ' اور عبدالحسن وغیرہ کیونکہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندے ہیں لہٰذا غیراللہ کی طرف بندگی کی نسبت جائز نہیں ہے۔

مشہور عالم ابو محمد بن حزم نے اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ غیراللہ کی طرف بندگی کی نسبت کرنا حرام ہے۔ سوائے عبدالمطلب' کے کیونکہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس نام کو برقرار رکھا تھا۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

بیوی کی تنخواہ استعمال کرنا

سوال اگر میں کسی استانی سے شادی کروں تو کیا کسی ضرورت اور دونوں کی مصلحت مثلاً مکان وغیرہ بنانے کے لیے اس کی رضامندی سے اس کی تنخواہ کو میرے لیے استعمال کرنا جائز ہے جبکہ میں اسے اس کی کوئی رسید بھی نہ دوں اور وہ اس کا مجھ سے مطالبہ بھی نہ کرے۔ یاد رہے میں خود بھی ملازم ہوں اور ماہانہ تنخواہ وصول کرتا ہوں؟

جواب اپنی بیوی کی رضامندی سے اس کی تنخواہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ رشیدہ (باشعور) ہو۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو وہ آپ کو دے اسے لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تو تعاون ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی خوشی سے دے اور وہ خود سمجھ دار ہو کیونکہ سورۃ النساء کے آغاز میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿٤﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٤)

"اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔"

خواہ اس کی رسید نہ بھی دی جائے اور اگر وہ آپ کو اس کی تحریر دے دے تو اس میں اور بھی زیادہ احتیاط ہے' خصوصاً جبکہ آپ کو اس کے اہل خانہ اور قریبی رشتہ داروں کی طرف سے کوئی خدشہ ہو یا اس عورت ہی کی طرف سے کوئی ڈر ہو کہ وہ مال دے کر واپس نہ مانگ لے۔

—— شیخ ابن باز ——

عورت کی طرف سے بدخوئی

سوال اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنۢ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ

خَيْرٌ﴾ (النساء٤/ ١٢٨)

"اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرار داد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے۔"

تو سوال یہ ہے: کیا بد خوئی عورت ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور اگر عورت بھی انہی اسباب کی وجہ سے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرے جن اسباب کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم شریعت ہے؟

جواب عورت کی طرف سے بد خوئی کا اظہار کئی اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے حکم اور حل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں سورۃ النساء میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَٱلَّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَٱهْجُرُوهُنَّ فِي ٱلْمَضَاجِعِ وَٱضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا۟ عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بد خوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو کہ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زد و کوب کرو اور اگر وہ فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذاء دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بے شک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب عورت بد خوئی اور اپنے شوہر کی نافرمانی کرے

سوال جب بیوی الکحل اور اسپرٹ سے بنے ہوئے مختلف عطریات استعمال کر کے گھر سے نکلے اور اپنی شادی شدہ بیٹیوں کی بھی ان عطریات کے استعمال کے بعد گھر سے نکلنے کی حوصلہ افزائی کرے' حالانکہ یہ خاوند کے منع کرنے' اس سے باز رہنے پر حلف لینے' وعظ و نصیحت کرنے اور بعض اوقات ڈانٹ ڈپٹ ہی نہیں بلکہ زدو کوب کرنے کے علی الرغم ہے لہٰذا اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے اور اپنی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ بیٹیوں کی بھی شوہر یا باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کی حوصلہ افزائی کرے اور گھر سے باہر نکلنے کا مقصد محض سیر و سیاحت یا غیر ضروری اشیاء کی خریداری ہو اور اگر شوہر کے ساتھ بستر پر لیٹنے اور اس کی خدمت کرنے سے بھی انکار کرے اور بہت کم اپنے شوہر کی خدمت کرے اور اسے بیٹیوں ہی کے سپرد کر دے تو کیا اس عورت کے اس طرز عمل کو نشوز قرار دیا جائے گا؟

جواب اگر وعظ و نصیحت' ڈانٹ ڈپٹ اور زدو کوب کے باوجود عورت کا حال یہ ہے جو سوال میں مذکور ہے تو بلاشبہ ایسی عورت بد خو اور سرکش ہے کیونکہ اس نے اپنے شوہر کی اطاعت کی لاٹھی توڑ کر بغاوت و سرکشی کی روش کو اختیار کر رکھا ہے اور پھر یہ اس کی ضرورت کو بھی پورا نہیں کرتی اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں کرتی لہٰذا اس صورت میں ایک منصف' مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے بلا لیا جائے تاکہ وہ اس صورت حال کا جائزہ لیں' اس کے اسباب معلوم کریں اور دونوں میں صلح کی کوشش کریں اور اگر دونوں میں صلح اور اتفاق ہو جائے اور وہ ایک

دوسرے کے حقوق ادا کرنے لگیں تو الحمدللہ! اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی عورت کا طرز عمل برا ہے اور وہ بدستور اپنی نافرمانی اور حقوق ادا نہ کرنے پر مصر ہے تو اس علاقے کا قاضی دونوں میں تفریق کرا دے اور وہ مہر واپس لوٹا دے جو اس نے لیا ہے۔ اس کے لیے نفقہ بھی نہیں ہو گا اور اگر دونوں حاکموں کے سامنے یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر جھوٹا ہے اور یہ اس پر زیادتی کرتا ہے تو دونوں اسے سمجھائیں اور اسے حکم دیں کہ یہ حسن معاشرت کا مظاہرہ کرے اور اپنے ان واجبات کو ادا کرے جو شوہر پر بیوی کے حوالے سے عائد ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میری بیوی مجھے نہیں چاہتی

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور میں نے ایک قریبی رشتہ دار خاتون سے شادی کی ہے۔ ہماری شادی کو ابھی دو سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ بیوی کے خاندان کی طرف سے خاندانی جھگڑے شروع ہو گئے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹا بھی دیا جب کہ میں گھر سے باہر تھا اور اس کے والد اور دیگر رشتہ داروں کے کہنے کی وجہ سے جب میں واپس لوٹا تو میں نے اپنی بیوی کو (اپنے خلاف) مکمل طور پر بدلا ہوا پایا۔ شاید یہ اس کے گھر والوں اور میرے گھر سے ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک باہر رہنے کی وجہ سے تھا۔ بہرحال اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی گئی مگر اس کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا جس کی وجہ سے بالآخر میں بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ اس عورت کو چھوڑ دوں اور جب میں نے اسے طلاق نامہ ارسال کرنے کا پروگرام بنایا تو مجھ سے نکاح نامہ طلب کیا گیا اور نکاح نامہ رجسٹرڈ نہیں ہوا تھا۔ تب پتہ چلا کہ وہ تو دو سالوں سے گم ہے لہٰذا اب میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

جواب ہم آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ بیوی سے صلح صفائی کے لیے بار بار کوشش کریں اور اس مقصد کے لیے اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی درمیان میں ڈال لیں لیکن اگر آپ صلح سے مایوس ہو جائیں اور یہ محسوس کریں کہ علیحدگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تو پھر علیحدگی کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے اور اس کے لیے آپ کو نکاح نامہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اتنی بات ہی کافی ہے کہ آپ اس خاتون کے والدین کو یہ بتا دیں کہ میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دے دی ہے لہٰذا اس کی جہاں چاہو شادی کر دو اور بہتر یہ ہے کہ آپ شرعی عدالت میں طلاق لکھوائیں اور طلاق نامہ انہیں ارسال کر دیں۔ نکاح نامہ اگر گم ہو گیا ہے اور آپ کو اس کی ضرورت ہے تو قریبی عدالت میں جا کر زوجیت کو ثابت کریں اور گواہ پیش کریں تاکہ اس طرح آپ کو نکاح کے ثبوت کی دستاویز عدالت سے مل جائے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عورت کا اپنے الگ کمرہ میں سونا

سوال کیا عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے الگ اور مخصوص کمرہ میں سوئے یعنی شوہر کے شرعی حقوق ادا کرنے سے تو اسے انکار نہیں ہے صرف سونے کے لیے وہ الگ کمرہ استعمال کرتی ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شوہر راضی ہو اور کمرہ محفوظ ہو اور اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو پھر عورت کو

الگ سونے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ عرف کے خلاف ہے الا یہ کہ بوقت نکاح ایسی شرط لگائی جائے جب کہ کسی سبب کی وجہ سے وہ اس بات کو پسند نہ کرتی ہو کہ کوئی اس کے پاس سوئے تو مسلمانوں کو اپنی شرطوں کو پورا کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میری بیوی بدبودار تیل استعمال کرتی ہے

سوال میری بیوی کچھ عرصہ سے ایک ایسے تیل کے استعمال کرنے کی عادی ہو گئی ہے جس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہے کہ یہ بالوں کو گرنے سے روکتا ہے لیکن اس تیل کی بو بہت ناگوار ہے لہٰذا میں نے اسے کہا کہ اس تیل کو استعمال نہ کیا کرو اور اگر بالوں کے گرنے کی وجہ سے کوئی چیز استعمال کرنا ضروری ہے تو کوئی اور شیمپو یا تیل استعمال کر لو جس کی بو خوش گوار ہو تو وہ ناراض ہو گئی' اس نے اسے تنقید سمجھا اور بستر بھی الگ کر لیا اور دوسرے کمرے میں الگ سونا شروع کر دیا۔ امید ہے کہ آپ اس صورت حال میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے جس میں اس کی مصلحت ہو اور اسے کوئی نقصان بھی نہ ہو' اسی طرح اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اس شوہر کے لیے ایسی آرائش و زیبائش کا اہتمام کرے جس سے میاں بیوی میں پیار و محبت پیدا ہو نیز اسے ہر اس چیز سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے اس کے خاوند کو نفرت ہو خواہ وہ ناگوار بو ہو یا گندا لباس۔ اس طرح بیوی کے لیے حرام ہے کہ وہ اس کے بستر کو چھوڑے اور جب وہ مطالبہ کرے تو اس کی خواہش کو پورا نہ کرے الا یہ کہ اسے اس سے کوئی ضرر پہنچتا ہو۔ اس عورت کے لیے بہت شدید وعید آئی ہے جس کا شوہر اسے اپنے بستر کی طرف بلائے مگر وہ انکار کر دے اور وہ ساری رات ناراض رہے۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خیر و بھلائی اور محبت و پیار کے لیے کوشش کریں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میاں بیوی میں سے کسی ایک کا دوسرے کو شرعی حق سے محروم کرنا

سوال کیا میاں بیوی میں سے کسی ایک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ معقول شرعی عذر کے بغیر دوسرے کو طویل مدت تک شرعی ملاقات سے محروم رکھے؟

جواب اس میں کچھ شک نہیں کہ میاں بیوی کا اتصال (جنسی ملاپ) نفسانی ضرورتوں میں سے ہے لیکن مرد یا عورت کی شہوت کی قوت یا کمزوری کے اعتبار سے مباشرت میں رغبت مختلف ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اکثر و بیشتر مردوں میں یہ پہلو غالب ہے اور وہی کثرت مباشرت کے خواہش مند ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی خواتین اپنے شوہروں سے شاکی بھی ہوتی ہیں کیونکہ کثرت مباشرت سے انہیں نقصان پہنچتا ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ اس کا شوہر جس وقت بھی اس سے جنسی فعل کا مطالبہ کرے تو وہ اس کے مطالبہ کو پورا کرے خواہ وہ تنور ہی پر کیوں نہ ہو۔ (1)

(1) یہ صرف فقہاء کا قول نہیں بلکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

بشرطیکہ اس سے اسے نقصان نہ ہو یا کسی فرض و واجب کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ آئے لیکن طویل عرصہ تک جنسی ملاپ کو ترک کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت کا بھی یہ حق ہے کہ اس کی جنسی ضرورت پوری ہو اور اس سلسلہ میں عورت زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک صبر کر سکتی ہے لہٰذا فقہاء نے فرمایا ہے کہ شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ چار ماہ بعد مباشرت کرے بشرطیکہ اسے اس کی طاقت ہو۔ بہرحال اس معاملہ میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کی رغبت اور خواہش کا خیال رکھنا چاہیے اور اگر شوہر کی طرف سے رغبت کا اظہار ہو تو بیوی کو اس کا احترام کرنا چاہیے بشرطیکہ مشقت یا ضرر کا کوئی پہلو درپیش نہ ہو۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عورت کے لیے صرف نفقہ کی شرط

سوال ایک عورت کی عادت یہ بن گئی ہے کہ وہ اپنے گھر کی باتیں اپنے اہل خانہ یا پڑوسیوں کو بتاتی رہتی ہے اور اپنے گھر اور شوہر کے راز افشاء (ظاہر) کرتی رہتی ہے لہٰذا اس کے شوہر نے اسے اختیار دے دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے گھر میں رہے اور اسے صرف نفقہ ملے گا اور اگر چاہے تو وہ اس کے گھر سے چلی جائے' تو اس عورت نے اس کے گھر میں رہنے ہی کو پسند کیا ہے تو کیا اس شرط کے بعد شوہر پر اس عورت کے لیے نفقہ کے علاوہ کچھ اور بھی واجب ہو گا؟

جواب اس عورت کا یہ عمل حرام ہے کیونکہ کسی بھی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے گھر کے راز اپنے اہل خانہ یا دیگر لوگوں کو بتائے کیونکہ یہ راز امانت ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت واجب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَالصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ اپنے خاوندوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کی پیٹھ کے پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔"

اگر شوہر اس عورت کو یہ پیشکش کرے کہ وہ اس کے پاس اس شرط پر رہ سکتی ہے کہ وہ اسے صرف نفقہ دے گا اور عورت اس شرط کو مان لے تو وہ صرف نفقہ ہی کی مستحق ہو گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلاَّ شَرْطًا حَرَّمَ حَلاَلاً أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا» (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، ح:١٣٥٢ وسنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، ح:٣٥٩٤)

"مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی شرطوں کو پورا کریں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ» (صحيح البخاري، البيوع، باب إذا اشترط في البيع شروطًا لا تحل، ح:٢١٦٨ وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن اعتق، ح:١٥٠٤)

ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ وہ سو شرط ہی کیوں نہ ہو۔''

——— شیخ ابن عثیمین ———

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے جسم کو دیکھنا

سوال کیا حلال طریقے سے لطف اندوز ہونے کی نیت سے میاں بیوی کا ایک دوسرے کے تمام جسم کو دیکھنا شرعاً جائز ہے؟

جواب بیوی کے لیے اپنے شوہر کے تمام جسم کو دیکھنا اور شوہر کے لیے بیوی کے تمام جسم کو دیکھنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥_٧)

''اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ ان سے (مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (حدود شریعت سے) نکل جانے والے ہیں۔''

——— شیخ ابن عثیمین ———

مباشرت کے وقت عریاں ہونا

سوال کیا میاں بیوی کے لیے عریاں ہو کر مباشرت کرنا جائز ہے یا ان کے لیے اس حالت میں پردہ واجب ہے؟

جواب ہر مرد و عورت پر یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے۔ ہاں البتہ مرد کے لیے اپنی بیوی اور لونڈی سے اور بیوی و لونڈی کے لیے اپنے خاوند و مالک سے حفاظت نہیں ہے کیونکہ احمد' ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ سے' انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اپنی شرم گاہوں کی کس قدر حفاظت کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلاَّ مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ؟ قَالَ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لاَ يَرَاهَا أَحَدٌ فَلاَ تُرِيَنَّهَا قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَ مِنْهُ»(سنن أبي داود، الحمام، باب في التعري، ح:٤٠١٧ وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في حفظ العورة، ح:٢٧٩٤ واللفظ له)

''اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا (ہر ایک سے) اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ جب بعض لوگ آپس میں بیٹھے ہوں تو؟ فرمایا: کوشش کرو کہ تمہاری شرم گاہ کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے جب کوئی خلوت میں ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کیا جائے۔''

تو اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا ہے کہ عموماً حالت خلوت میں بھی ستر پوشی ہی چاہیے۔

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

طویل مدت تک عورت سے علیحدگی

سوال جو شخص اپنے اہل و عیال کی گزر بسر کے لیے کمائی کرنے کی خاطر ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ اپنی بیوی سے دور رہتا ہے' شریعت کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے کچھ لوگوں کا مقصد اس طرح کی کمائی سے عالی شان کوٹھیاں اور بنگلے بنانا یا گاڑیاں اور دنیوی آرائش و زیبائش کا دیگر سامان خریدنا ہوتا ہے لیکن اس طویل علیحدگی کا نتیجہ مرد یا عورت کی طرف سے زنا کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت اور توفیق عطا فرمائے؟

جواب جب میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے یہ دوری ہو' خواہ طویل مدت کے لیے ہو یا مختصر مدت کے لیے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دونوں پاکدامنی کا ثبوت دیں اور اس علیحدگی کی وجہ سے اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے بارے میں خدشہ ہو ---خواہ کسب معاش کے لیے اسے جانے کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو--- تو وہ اپنے ساتھی سے اپنے حق کے لیے مطالبہ کرے کہ جس سے دونوں کے لیے اکٹھا رہنا ممکن ہو تاکہ عزت کی حفاظت ہو' عفت و پاکدامنی حاصل ہو اور شرم گاہ کی بھی حفاظت ہو۔ اور اگر وہ حق کے ادا کرنے سے انکار کرے تو ضرورت مند اپنے معاملہ کو قاضی کے پاس لے جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے لیکن یاد رہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ شخص جس کے پاس بیوی نہیں یا ہر وہ بیوی جس کا شوہر اس کے پاس نہیں ضرور زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے خواہ مدت کتنی طویل ہی کیوں نہ ہو۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

چھ ماہ سے زیادہ عرصہ تک بیوی کی اجازت کے بغیر غائب نہ رہو

سوال سفر کی وجہ سے مرد کے لیے اپنی بیوی سے کتنی مدت کے لیے غائب رہنا شرعاً جائز ہے؟

جواب اگر شوہر اپنی بیوی سے طویل مدت کے لیے غائب رہے اور وہ اس کی اجازت نہ دے تو اسے ہر چھ ماہ بعد واپس لوٹ آنا چاہیے بشرطیکہ وہ مرض وغیرہ کی وجہ سے معذور نہ ہو اور اگر بیوی نے طویل مدت کی اجازت دے دی ہو تو اس مدت تک غائب رہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس حالت میں بھی اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ نفقہ وغیرہ ادا کرتا رہے۔

ـــــــــ شیخ ابن عثیمین ـــــــــ

بیوی سے غائب رہنے کی مدت

سوال میں ایک غریب نوجوان ہوں لیکن بحمد اللہ شادی شدہ ہوں جس ملک میں کام کرتا ہوں وہاں کا قانون چند ملازمتوں کے سوا دیگر لوگوں کو بیوی ساتھ لانے کی اجازت نہیں دیتا' میری تنخواہ بھی اچھی ہے' مجھے کرایہ مکان بھی ملتا ہے' میرے پاس ڈگریاں اور ڈپلومے بھی ہیں لیکن مجھے بیوی کو اپنے پاس بلانے کی اجازت نہیں ہے تو اس سلسلہ میں دین حنیف کا کیا حکم ہے جب کہ مجھے رخصت ایک سال بعد بلکہ چودہ ماہ بعد ملتی ہے؟

جواب شوہر کے غائب رہنے کی مدت کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے چار ماہ اور بعض نے چھ ماہ بتایا ہے لیکن یہ مدت بیوی کے شوہر سے واپس آنے کے مطالبہ کے بعد ہے یعنی جب چھ ماہ کی مدت گزر جائے' بیوی شوہر سے مطالبہ کرے کہ وہ آجائے اور اس کے لیے آنا ممکن بھی ہو تو اس کے لیے واپس آنا لازم ہے اور اگر نہ آئے تو وہ فسخ نکاح کے لیے معاملہ قاضی کے پاس لے جا سکتی ہے اور اگر بیوی شوہر کو باہر رہنے کی اجازت دے دے خواہ مدت کتنی ہی طویل ہو اور ایک سال یا دو سالوں سے بھی زیادہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شوہر کو واپس بلانا بیوی کا حق ہے اور اگر وہ اپنے حق کو ساقط کر دے تو پھر اسے فسخ نکاح کا حق نہیں ہے بشرطیکہ وہ شوہر کی عدم موجودگی پر راضی ہو اور وہ اسے کھانے' پینے' پہننے اور دیگر ضروریات کے لیے خرچہ بھیجتا رہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

طلب رزق کی وجہ سے بیوی سے دو سال سے زیادہ عرصہ غائب رہنا

سوال کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے دو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک جدا رہے جب کہ طلب رزق کے سلسلہ میں اسے باہر جانا پڑا ہو۔ آپ کی رائے میں وہ شرعی مدت کیا ہے جس کے اندر شوہر کو واپس آنا چاہیے' نیز اس حالت میں اس کے لیے کیا واجب ہے؟

جواب شوہر کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے دستور کے مطابق زندگی بسر کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو"

شوہر کے لیے بیوی پر اور بیوی کے لیے شوہر پر حق معاشرت واجب ہے اور دستور کے مطابق معاشرت میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی بیوی سے طویل مدت کے لیے جدا نہ رہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ معاشرت سے لطف اندوز ہو جیسا کہ بیوی کے ساتھ معاشرت سے لطف اندوز ہونا شوہر کا حق ہے۔ ہاں البتہ شوہر کی جدائی پر اگر عورت راضی ہو جائے خواہ یہ طویل مدت ہی کے لیے ہو تو بیوی کو اس کا حق ہے اور اسی کی رضامندی کی وجہ سے شوہر کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا بشرطیکہ وہ اسے ایسے پر امن گھر میں چھوڑ کر جائے جس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر انسان طلب رزق کے لیے گھر سے باہر جائے اور بیوی اس پر راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں خواہ شوہر دو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ باہر رہے لیکن اگر وہ اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے شوہر کو واپس بلائے تو یہ معاملہ شرعی عدالت میں لے جایا جائے اور عدالت جو فیصلہ کرے اس پر عمل کیا جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ بیوی کو نماز کی خاطر جگائے

سوال اگر شوہر نماز فجر ادا کرنے کے لیے بیوی کو بیدار نہ کرے تو کیا اس کے دیر سے نماز ادا کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہو گا؟

جواب اس سوال کا جواب حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں، اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

نیز نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی کہ "مرد اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا" لہٰذا شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز کے لیے بیدار کرے، خواہ اس کے لیے کوئی بھی وسیلہ اختیار کرے، الا یہ کہ وہ وسیلہ حرام ہو۔ شوہر سے بیوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں سوال ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ﴾ (التحریم٦٦/ ٦)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

جیسے گھر میں اگر کوئی ضروری کام ہو تو وہ ہر وسیلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے بیوی کو بیدار کرتا ہے۔ اسی طرح اسے نماز کے لیے بھی بیدار کرنا چاہیے، بلکہ نماز کے لیے بیدار کرنا تو زیادہ ضروری ہے کیونکہ صحیح طریقے سے نماز ادا کرنا تو دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں کا سبب ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نکاح کی فاسد، حرام اور مختلف فیہ صورتیں

مسلمان عورت کا عیسائی مرد سے نکاح

سوال مسلمان عورت کے کسی عیسائی مرد سے شادی کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس شادی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟ اس کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے اس شادی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا؟ اگر بیوی کو علم ہو کہ یہ شادی باطل ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس پر شرعی حد قائم کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر شوہر بعد میں مسلمان ہو جائے تو پھر اس شادی کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟ نیا نکاح کس طرح ہو گا؟

جواب مسلمان عورت کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ عیسائی یا کسی دوسرے کافر سے شادی کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنكِحُواْ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُواْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔"

نیز فرمایا:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٠)

"نہ یہ (مسلمان عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مرد (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں۔"

اور جب کوئی مسلمان عورت کسی کافر سے شادی کرے تو ضروری ہے کہ فوری طور پر ایسے نکاح کو فسخ کر دیا جائے۔ اگر عورت کو اس شرعی مسئلہ کا علم ہو تو کافر سے شادی کرنے کی صورت میں وہ مستحق تعزیر ہوگی۔ اسی طرح ولی' شادی کے گواہ اور پایہ' تکمیل تک پہنچانے والے بھی مستحق تعزیر ہوں گے جب کہ انہیں حکم شریعت کا علم ہو۔ اگر اس شادی کے نتیجے میں اولاد پیدا ہو تو وہ اسلام میں اپنی ماں کے تابع ہوگی۔ اگر شوہر شادی کے بعد مسلمان ہو جائے تو نکاح کی تجدید ہوگی بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ وہ صحیح طور پر مسلمان ہوگیا ہے' اس نے اسلام کو حیلہ کے طور پر قبول نہیں کیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اگر وہ مرتد ہو تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی کیونکہ حدیث میں ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله، ح:٣٠١٧)

"جو شخص اپنے دین کو بدل دے تو اسے قتل کر دو۔"

شیخ ابن جبرین

مسلمان عورت کی کافر سے شادی

سوال ایک مرد نے مسلمان عورت سے شادی کی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مرد کافر ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ ثابت ہو کہ نکاح کے وقت مذکورہ مرد کافر اور عورت مسلمان تھی تو یہ نکاح باطل ہو گا کیونکہ اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کافر کا کسی مسلمان عورت سے نکاح جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔"

نیز فرمایا:

﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٠)

"اگر تم کو معلوم ہو کہ (وہ عورتیں) مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کیونکہ نہ یہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے۔"

شیخ ابن باز

عرفی نکاح

سوال عرفی نکاح کیا ہوتا ہے' کیا اس میں اور عام معروف نکاح میں کوئی فرق ہے؟

جواب عرفی نکاح جسے بعض لوگ وقتی نکاح بھی کہتے ہیں' اس سے مراد نکاح متعہ ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ بوقت عقد جب مدت کا تعین کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ہم اس عورت سے آپ کی ایک سال یا چھ ماہ کی مدت کے لیے شادی کرتے ہیں اور اس مدت کے بعد اس عورت کو آپ سے واپس لے لیں گے تو یہ نکاح متعہ ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ قدیم اور منسوخ احادیث پر اعتماد کرتے ہوئے رافضی اس نکاح کے قائل ہیں حالانکہ یہ حرام' منسوخ اور ناجائز ہے۔ عام معروف نکاح وہ ہے جو رغبت سے کیا جاتا ہے' جس کے لیے مکمل مہر ادا کیا جاتا ہے' دستور کے مطابق کئے ہوئے اس نکاح کے بعد

اگر شوہر بیوی کو چھوڑ دے یا طلاق دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نکاح عرفی کے بارے میں حکم

سوال میں تئیس برس کا ایک نوجوان ہوں' میں نے اپنی گزشتہ زندگی میں بہت سے گناہ کیے ہیں لیکن اب توبہ کر کے گناہ چھوڑ دیے ہیں لیکن اس وقت مجھے کچھ مشکلات کا سامنا ہے جن میں سے ایک تو اپنے ہی نفس کے ساتھ کشمکش ہے اور دوسری بات بعض برے دوستوں کا پھر سے گناہ کی زندگی کی طرف لے جانے کی کوشش ہے لیکن توبہ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں علم مجھے پھر سے گناہ آلود زندگی کی طرف واپس جانے سے مانع ہے۔ میں چونکہ نوجوان ہوں' شادی کی فکر بھی دامن گیر ہے' اس کے لیے کئی بار کوشش بھی کی لیکن تاحال کامیابی نہیں ہو سکی اور اس کی وجہ سے میری نماز اور دیگر اعمال پر کافی اثر ہے' اس بات کا بھی شدید خدشہ ہے کہ کہیں میں پھر سے گناہوں کا ارتکاب نہ کرنے لگ جاؤں لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اس بات کی وضاحت فرمائیں کیا میرے لیے عرفی نکاح جائز ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ الحمدللہ میری مالی حالت اچھی ہے' جسمانی حالت بھی اچھی ہے اور ملازمت بھی بہت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے!

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان عظیم فرمایا ہے کہ آپ کو گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق بخشی' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور توبہ پر قائم رہیں شیطان اور اس کے انسانی چیلوں کے وسوسوں سے بچیں' اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد طلب کریں اور ہر اس چیز سے بچنے کی دعا کریں جو اسے ناراض کرنے والی ہو' برے دوستوں سے بھی بچیں اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، ح:٤٨٣٣ وجامع الترمذي، الزهد، باب الرجل علي دين خليله، ح:٢٣٧٨)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا تم دیکھو کہ کس شخص سے تمہاری دوستی ہے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ فوراً شرعی نکاح کر لو اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو' عرفی نکاح شریعت کے مطابق نہیں لہٰذا یہ ناجائز ہے' ہم یہاں آپ کی توجہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف مبذول کرائیں گے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن) سے نجات کی صورت پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم (وگمان) بھی نہ ہو۔"

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے کام میں سہولت پیدا کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس بات کی توفیق بخشے جو اسے پسند ہو اور ہمیں اور آپ کو حق پر ثابت قدم رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

نکاح متعہ قیامت تک حرام ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ نکاح سے مقصود الفت' استقرار' گھر اور خاندان کی تشکیل ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ (الروم۳۰/ ۲۱)

"اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔"

نکاح متعہ کی صورت میں وہ اولاد ضائع ہو جاتی ہے جو اس نکاح سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے امت میں فساد اور بگاڑ بھی پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّهُ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة ... الخ، ح:١٤٠٦، ٢٨ بلفظ إن الله قد حرم ذلك إلى يوم القيامة، أنها حرام من يومكم هذا إلى يوم القيامة)

"یہ روز قیامت تک حرام ہے۔"

اس حرمت کو منسوخ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر اسے منسوخ کرنا ممکن ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سچ نہیں ہے اور یہ امر محال ہے کہ حضور کا فرمان سچ نہ ہو!

—— شیخ ابن عثیمین ——

نکاح متعہ کے بارے میں ایک شبہ

سوال میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ متعہ حلال ہے اور اس کی دلیل یہ ہے:

﴿ فَمَا ٱسْتَمْتَعْتُم بِهِۦ مِنْهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو۔"

اور یہ کہ متعہ کو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حرام قرار دیا گیا اور ظن غالب یہ ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام قرار دیا اور خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعہ کو حرام قرار نہ دیتے تو پھر کوئی بدبخت ہی زنا کرتا' اس روایت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اسلام کے ابتدائی دور میں متعہ حلال تھا کیونکہ لوگ کفر کو نئے نئے چھوڑ کر آرہے تھے تو کچھ وقت کے لیے ان کی تالیف قلب کے طور پر اسے حلال رکھا گیا اور پھر نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے زمانہ میں اسے روز قیامت تک حرام قرار دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حرام قرار نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے تو متعۂ حج سے منع کیا تھا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے غلطی سے آپ کی طرف متعۂ نکاح کی ممانعت کو منسوب کر دیا' اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو قول منقول ہے تو یہ رافضیوں نے ازراہ کذب و جھوٹ مشہور کر رکھا ہے۔ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جسے سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو یہ

آیت متعہ نہیں بلکہ نکاح کے بارے میں ہے اور اجرتوں سے مراد مہر ہیں جیسا کہ آیت ہے:

﴿ وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ (النساء٤/ ٤)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔"

شیخ ابن جبرین

طلاق کی نیت سے شادی

سوال میں تعلیم کی غرض سے بیرون ملک کے سفر کا ارادہ رکھتا ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اس نیت سے وہاں جا کر شادی کروں کہ واپسی کے وقت طلاق دے دوں گا اور اپنی اس نیت کے بارے میں عورت کے وارثوں کو نہ بتاؤں؟

جواب جمہور اہل علم کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ جب آدمی محل سفر میں شادی کرے اور نیت یہ ہو کہ واپسی کے وقت وہ بیوی کو طلاق دے دے گا۔ بعض علماء نے اس میں توقف کیا ہے اور اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ یہ نکاح متعہ ہی کی صورت نہ ہو لیکن یہ نکاح متعہ نہیں ہے۔ کیونکہ متعہ میں تو معلوم مدت کی شرط ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ ایک یا دو ماہ بعد طلاق دے دے گا اور ایک یا دو ماہ کی اس مدت کے بعد دونوں کا یہ نکاح باقی نہیں رہے گا' تو یہ ہے نکاح متعہ۔ لیکن نکاح کی مذکورہ صورت میں یہ شرط نہیں لیکن اس کی نیت یہ ہے کہ وہ اس ملک سے واپسی کے وقت طلاق دے دے گا تو اس نیت سے یہ نکاح متعہ نہیں بن جائے گا۔ کیونکہ وہ اسے طلاق دے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں رغبت رکھے اور اسے طلاق نہ بھی دے تو جمہور اہل علم کے صحیح قول کے مطابق یہ نکاح متعہ نہیں ہے اور پھر لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کیونکہ انسان کو بسا اوقات اپنے بارے میں فتنہ کا ڈر ہوتا ہے۔ فتنہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسے مناسب بیوی مہیا کر دیتا اور وہ اس سے شادی کر لیتا ہے۔ اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وطن واپسی کے وقت وہ اسے طلاق دے دے گا کیونکہ یہ بیوی اس کے اپنے ملک کے حالات میں مناسب نہیں ہوتی یا طلاق کے کچھ دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں تو نیت طلاق صحت نکاح سے مانع نہیں ہے۔ پھر یہ نیت بدل بھی سکتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شادی کرنے والا اس میں رغبت کے باعث اسے اپنے ملک میں بھی لے جائے۔ اس صورت میں بھی اس کی نیت اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

طلاق کی نیت سے شادی کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے

سوال کیا طلاق کی نیت سے شادی جائز ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ نیت بندے اور رب کے درمیان ہو اور عورت یا اس کے وارثوں نے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی ہو لیکن اس صورت میں نکاح نہ کرنا افضل ہے کیونکہ رغبت کے لیے کامل ترین صورت یہی ہے۔ جمہور اہل علم کا یہی قول ہے جیسا کہ ابو محمد بن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے۔

شیخ ابن باز

طلاق کی نیت سے شادی کے مسئلہ کی وضاحت

سوال ایک بھائی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے آپ کا یہ فتویٰ پڑھا ہے کہ طلاق کی نیت سے شادی کرنا جائز ہے جب کہ وقت طلاق کا تعین نہ کیا گیا ہو۔ نیز یہ کہ مغربی ممالک میں جانے والے نوجوانوں کو آپ یہ وصیت کرتے ہیں کہ وہ اس طرح کی شادی کر لیں' ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی میں محبت پیدا ہو جائے یا اللہ تعالیٰ انہیں اولاد عطا فرما دے جس کی وجہ سے یہ شادی برقرار رہے' تو کیا یہ صحیح ہے۔ امید ہے آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے؟

جواب یہ فتویٰ بحوث علمیہ و افتاء سعودی عرب کی مستقل کمیٹی کی طرف سے میری سربراہی اور اشتراک میں صادر ہوا تھا' جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ موفق الدین بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں ذکر فرمایا ہے بشرطیکہ یہ نیت صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو' یاد رہے یہ صورت نکاح متعہ کی نہیں ہے۔

شادی کرنے والا اگر عورت کے وارثوں کے ساتھ اس بات پر اتفاق کر لے یا وہ نکاح ہی مدت معلوم کی شرط پر کرے تو یہ نکاح منکر اور ناجائز ہو گا اسے نکاح متعہ سمجھا جائے گا جو کہ باطل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے روز قیامت تک حرام قرار دے دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اس میں اور نکاح متعہ میں فرق

سوال میں نے کیسٹ پر آپ کا ایک فتویٰ سنا ہے کہ بیرونی ملکوں میں اس طرح شادی بھی جائز ہے جب کہ مدت معین کے بعد طلاق کی نیت ہو۔ سوال یہ ہے کہ اس میں اور نکاح متعہ میں کیا فرق ہے؟

جواب ہاں' مستقل کمیٹی کی طرف سے' جس کا میں سربراہ ہوں' یہ فتویٰ صادر ہوا ہے کہ طلاق کی نیت سے نکاح جائز ہے جب کہ نیت بندے اور اللہ کے درمیان ہو' یعنی جب کوئی بیرون ملک شادی کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ جب وہ اپنی تعلیم کو مکمل کرے گا یا اپنی ملازمت وغیرہ کی مدت مکمل کرے گا تو اسے طلاق دے دے گا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ نیت بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اور اسے بوقت نکاح شرط قرار نہ دیا گیا ہو۔

اس میں اور متعہ میں فرق یہ ہے کہ نکاح متعہ میں مدت معلوم مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ یا ایک سال یا دو سال وغیرہ کی شرط ہوتی ہے اور جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو یہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے' یہ نکاح متعہ ہے جو کہ باطل ہے' لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق نکاح کرے اور اس کے دل میں یہ ہو کہ وہ جب اس ملک سے واپس جائے گا تو اسے طلاق دے دے گا تو یہ صورت نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں نیت میں تبدیلی بھی آ سکتی ہے اور پھر اس میں مدت بھی معلوم نہیں ہے' شرط بھی نہیں ہے' ہاں البتہ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ نکاح کرنے والا زنا اور فواحش و منکرات سے بچ جائے گا۔ چنانچہ جمہور اہل علم کے بقول نکاح کی یہ صورت صحیح ہے جیسا کہ موفق الدین بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں ذکر فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

"طلاق کی نیت سے نکاح" کے مسئلے میں فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین کی رائے

سوال ایک شخص نے بیرون ملک سفر کا ارادہ کیا کیونکہ وہ مبعوث ہے تو اس نے عفت و پاکدامنی کے حصول کے لیے یہ ارادہ کیا کہ ایک معین مدت تک کے لیے نکاح کر لے اور بیوی کو نہ بتائے کہ وہ اسے طلاق دے دے گا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب طلاق کی نیت سے یہ نکاح دو حالتوں سے خالی نہیں ہے (ا) بوقت عقد یہ شرط ہو کہ وہ ایک ماہ یا ایک سال یا اپنی تعلیمی مدت کی تکمیل تک شادی کر رہا ہے تو یہ نکاح متعہ اور حرام (۲) یا یہ کہ اس کی نیت ہو کہ اسے طلاق دے دے گا البتہ یہ شرط نہ ہو تو حنابلہ کے مشہور مذہب کے مطابق یہ حرام اور عقد فاسد ہے کیونکہ فقہائے حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ معنوی بات بھی مشروط ہی کی طرح ہوتی ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»(صحیح البخاري، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول الله ﷺ ... الخ، ح:۱ وصحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الاعمال بالنیة ... الخ، ح:۱۹۰۷)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو اس نے نیت کی۔"

اگر آدمی کسی ایسی عورت سے شادی کرے جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دی ہوں اور اس کی نیت یہ ہو کہ یہ اسے اس کے لیے حلال کرنا چاہتا ہے' لہٰذا شادی کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا تو یہ نکاح فاسد ہو گا' خواہ اس میں طلاق کی شرط نہ بھی ہو کیونکہ منوی بات مشروط ہی کی طرح ہوتی ہے۔ اگر نیت تحلیل سے عقد فاسد ہو جاتا ہے تو نیت متعہ سے بھی عقد فاسد ہو جائے گا حنابلہ کا یہی قول ہے۔

اس مسئلہ میں اہل علم کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ آدمی کسی عورت سے شادی کرے جب کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ جب اس ملک سے واپس جائے گا تو اسے طلاق دے دے گا' جس طرح لوگ بیرون ملک حصول تعلیم وغیرہ کے لیے جاتے ہیں کیونکہ اس میں طلاق کی شرط نہیں ہے اور اس میں اور متعہ میں یہی فرق ہے کہ متعہ کی صورت میں جب مدت مکمل ہو جائے تو میاں بیوی میں علیحدگی ہو جاتی ہے' خواہ شوہر چاہے یا نہ چاہے لیکن یہ صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ طلاق نہ دے اور یہ شادی برقرار رہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

میرے نزدیک بھی صحیح بات یہی ہے کہ یہ نکاح متعہ نہیں ہے کیونکہ اس پر متعہ کی تعریف صادق نہیں آتی لیکن میرے نزدیک نکاح کی یہ صورت بھی حرام ہے کیونکہ اس میں عورت اور اس کے وارثوں سے دھوکا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے دھوکا اور فریب کو حرام قرار دیا ہے' اگر اس عورت کو معلوم ہو کہ یہ مرد اس سے صرف اس مخصوص مدت کے لیے شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سے کبھی شادی نہ کرے' اس طرح اس کے وارث بھی اس پر کبھی راضی نہ ہوں۔ کوئی انسان خود بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی ایسے انسان سے کرے' جس کی نیت یہ ہو کہ کچھ مدت کے بعد وہ اسے طلاق دے دے گا' جب انسان اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو دوسروں کے لیے اسے کیوں پسند کرتا ہے؟ یہ بات ایمان کے بھی خلاف ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على ان من خصال الإيمان، أن يحب لأخيه المسلم ... الخ، ح:٤٥)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ پسند نہ کرے جسے اپنے لیے پسند کرتا ہو۔''

میں نے سنا ہے کہ بعض لوگوں نے اس قول کو ایک ایسے کام کے لیے ذریعہ بنا لیا ہے کہ جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور وہ یہ کہ وہ ان ملکوں میں جاتے ہی صرف شادی کے لیے ہیں' جب تک چاہتے ہیں اس بیوی کے ساتھ رہتے ہیں اور پھر جب اپنے ملک واپس لوٹتے ہیں تو اسے طلاق دے دیتے ہیں' لہٰذا اس مسئلہ میں یہ بہت خطرناک صورت حال ہے' اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کا دروازہ بند کر دیا جائے کیونکہ اس میں دھوکا اور فریب بھی ہے اور پھر اس سے بے حیائی اور بدکاری کا دروازہ بھی کھلتا ہے' لوگ جاہل ہیں اور اکثر لوگوں کی خواہش نفس انہیں حدود الٰہی پامال کرنے سے نہیں روکتی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نکاح وٹہ سٹہ کا حکم

سوال ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی بیٹی کا رشتہ اس شرط پر دیا کہ وہ بھی اس کے مقابل اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ اسے دے گا اور دونوں میں سے ایک نے مہر بھی ادا نہیں کیا' کیا یہ نکاح جائز ہے یا ضروری ہے کہ ان دونوں خواتین کے لیے مہر بھی مقرر کیا جائے؟

جواب کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا دیگر وارث عورتوں میں سے کسی کا رشتہ کسی دوسرے انسان سے یا اس کے بیٹے سے اس شرط پر کر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا دیگر وارث عورتوں میں سے کسی کا رشتہ اسے دے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور اس کا نام شغار (وٹہ سٹہ) رکھا ہے' بعض لوگ اس کا نام نکاح بدل بھی رکھتے ہیں' مہر اس میں خواہ مقرر کیا جائے یا مقرر نہ کیا جائے یہ منع ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے اس کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کسی سے اس شرط پر کر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ اس سے کر دے گا' آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں مہر کا ذکر نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت عام ہے اور دونوں صورتیں ہی ممنوع ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے۔ مسند (احمد) اور سنن ابی داؤد میں جید سند کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیر مدینہ نے ان کی طرف لکھا کہ دو آدمیوں نے نکاح شغار کیا ہے اور مہر بھی مقرر کیا ہے' تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ کو جواب میں لکھا کہ ان میں تفریق کر دو کیونکہ یہ وہی نکاح شغار ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یہ نکاح اس لیے منع ہے کہ اس میں وارثوں کی طرف سے عورتوں پر ظلم ہے' انہیں مجبور کرنا ہے کہ وہ ان سے شادی کریں' جنہیں وہ ناپسند کرتی ہوں' نیز انہیں محض ایک سودا سلف کی حیثیت دینا ہے کہ ان کے وارث جس طرح چاہیں اپنی رغبت و مصلحت کے مطابق ان میں تصرف کریں جس طرح کہ اس کے نکاح کرنے والوں کے حالات و واقعات سے ثابت ہوتا ہے الا ماشاء اللہ' حدیث ابن عمر میں شغار کی جو یہ تفسیر بیان کی گئی ہے

کہ آدمی اپنی بیٹی کا کسی دوسرے شخص سے اس شرط پر رشتہ کر دے کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ اس سے کر دے گا اور "دونوں کے لیے حق مہر بھی نہ ہو" تو یہ الفاظ نافع کے ہیں' یہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شغار کی تفسیر میں جو الفاظ ہیں' وہ الفاظ نافع کے الفاظ سے مقدم ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ شغار ہے اور حرام ہے

سوال ایک سائل نے یہ پوچھا ہے کہ میرے رشتہ داروں میں سے ایک شخص کی شادی ہوئی ہے جس کی صورت مشکوک ہے اور وہ یہ کہ اس شخص نے دوسرے کے ساتھ یہ طے کیا کہ یہ اپنی بیٹی کی اس کے ساتھ اس شرط پر شادی کرے گا کہ وہ اپنی بہن کا اس کے بیٹے کو رشتہ دے اور ہر ایک نے یہ شرط لگائی کہ وہ عورت کو طے شدہ لباس اور زیورات بھی دے گا تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا یہ شغار ہے جو کہ حرام ہے؟ اگر یہ شغار ہے تو وہ اب کیا کریں اور اگر یہ نکاح شغار نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ شغار کیا ہوتا ہے؟

جواب یہ صورت جو آپ نے ذکر کی ہے' بلاشک و شبہ شغار ہی ہے کیونکہ اس میں مہر کے بجائے صرف کپڑوں اور زیورات کا ذکر ہے جبکہ ہمارے آج کل کے وقت میں کپڑوں اور زیورات کو مہر نہیں سمجھا جاتا بلکہ مہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ نقدی کی صورت میں ہو اور پھر ان میں سے ہر ایک نے مہر مثل سے کم پر شادی کی ہے اور بلاشک یہ شغار ہے' اس صورت میں مہر میں دو چیزیں رکھی گئی ہیں: ایک مال اور دوسری شرمگاہیں' یعنی ان میں سے ہر ایک نے جو مال خرچ کیا ہے وہ اور دوسری شرم گاہ مہر ہے اور یہ ناجائز اور حرام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ ﴾ (النساء ٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔"

اللہ تعالیٰ نے صرف مال کو مہر قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم ﴾ (النساء ٤/ ٢٤)

"مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔"

لیکن ان دونوں آدمیوں نے جو مہر مقرر کیا ہے وہ مال بھی ہے اور شرمگاہ بھی' لہٰذا یہ حرام ہے اور شغار میں داخل ہے' اگر ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی کو مہر مثل دیتا' وہ بیوی کا کفو بھی ہوتا' میاں بیوی دونوں اس شادی پر خوش بھی ہوتے تو اس صورت میں بعض اہل علم کے نزدیک یہ نکاح حلال ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک شغار نہیں ہے جبکہ بعض دیگر اہل علم نے اسے بھی شغار ہی قرار دیا ہے' لہٰذا بے شک اس سے بچ جانا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس دور میں لوگوں میں امانت بہت کم ہو گئی ہے' وہ اپنی وارث عورتوں کی مصلحت کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ اپنی ذاتی مصلحت کو اہمیت دیتے ہیں' لہٰذا سد ذریعہ اور ازالہ فساد کے لیے ضروری ہے کہ اس سے مطلقاً منع کر دیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مشروط شادی شغار ہے

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ یہ اپنی بہن کا رشتہ اس عورت کے بھائی کو دے گا' اب یہ دونوں شادی شدہ ہیں' ان کے بچے بھی ہیں' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں کا مہر بھی الگ الگ تھا' شادی بھی الگ الگ وقت میں ہوئی تھی' سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ کیا دونوں کے عقد نکاح کی تجدید کی جائے اگر یہ شغار ہے تو اب صورت کیا ہوگی؟

جواب اگر انہوں نے مشروط شادی کی تھی تو یہ شغار ہے' یعنی اگر ان میں سے ایک نے یہ کہا تھا کہ وہ اسے رشتہ دے اور اس کے بالمقابل وہ اپنی بہن کا اسے رشتہ دے دے گا تو یہ وہ شغار ہے' جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے' لہٰذا انہیں چاہیے کہ تجدید نکاح کرلیں ہاں البتہ اس صورت میں طلاق کی ضرورت نہیں ہے' جب کہ ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی میں اور بیوی اس میں رغبت رکھتی ہو' لہٰذا یہ دوسری عورت کی شرط کے بغیر تجدید نکاح کرلیں' اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد' عورت کے ولی یا عصبہ میں سے اس کے قریب ترین شخص کو طلب کرے اور اس کی موجودگی میں مہر جدید اور عقد جدید کے ساتھ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں از سر نو نکاح کرلے' دوسری عورت بھی اسی طرح کرے خواہ اس کے لیے کم مہر مقرر کیا جائے اور اس کے لیے محکمہ میں جانے کی بھی ضرورت نہیں یہ از سر نو شادی گھر میں بھی سرانجام دی جاسکتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شرط کے بغیر نکاح شغار (کی سی صورت)

سوال نکاح شغار سے متعلق ایک سوال کے بارے میں میں نے آپ کا جواب پڑھا ہے' میری صورت حال یہ ہے کہ میں نے دس سال پہلے ایک لڑکی سے شادی کی تھی' اس کا بھائی ولی تھا اور سونے چاندی کی دیگر شرائط کے ساتھ مبلغ چار ہزار پانچ سو ریال مہر مقرر کیا گیا تھا اور پھر میں نے اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا اور اس میں سونے چاندی کی دیگر شرائط کے ساتھ مبلغ چار ہزار ریال مہر تھا' میری نیت ادلے بدلے کی شادی کی نہ تھی' اس کی نیت کے بارے میں مجھے معلوم نہیں' اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شادی کے نتیجہ میں بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائی ہیں' اسی طرح وہ بھی صاحب اولاد ہے' نکاح شغار سے متعلق سوال کے بارے میں آپ کا جواب پڑھ کر میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں' لہٰذا امید ہے کہ میری اس صورت حال کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے اور آپ کی بیوی کے بھائی کے درمیان یہ شرط نہیں تھی کہ آپ اسے رشتہ دیں گے تو وہ آپ کو رشتہ دے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ نکاح شغار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ شغار نہیں ہے

سوال پانچ سال پہلے میرے چچا میرے والد کے پاس گئے تاکہ وہ میری بہن "حصہ" کا اپنے بیٹے "علی" کے لیے رشتہ طلب کریں تو میری بہن سمیت سب نے اس رشتہ کو قبول کرلیا' مہر بھی طے ہو گیا' دیگر شرطیں بھی طے ہو گئیں لیکن میرے چچا نے اس مجلس سے رخصت ہوتے وقت میرے والد سے کہا: "ابو احمد! اگر آپ کا بیٹا ہماری بیٹی عائشہ سے شادی

کرنا چاہے تو ہمیں بھی یہ رشتہ منظور ہو گا''' ان کا مقصد یہی تھا کہ ان کی بیٹی عائشہ سمیت سارے خاندان کو یہ رشتہ منظور ہو گا اور کہا کہ ہمیں اپنی بیٹی کے لیے احمد سے بہتر اور کون مل سکتا ہے؟ یاد رہے کہ ہم نے ان سے یہ رشتہ طلب نہیں کیا تھا یعنی ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم آپ کو اپنی بیٹی کا رشتہ اس شرط پر دیں گے کہ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ ہمارے بیٹے احمد کو دیں' میرے چچا نے اپنی خوشی سے از خود ہی اس مسئلہ کو شروع کیا تھا میرے والد نے اس سلسلہ میں میری رائے پوچھی کہ کیا میں عائشہ سے شادی کے لیے تیار ہوں تو میں نے بھی اس پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور اس طرح الحمدللہ ایک ماہ کے اندر ہم سب کی شادیاں ہو گئیں' میں اور میری بیوی خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین بچے بھی دیئے ہیں' اسی طرح میری بہن اور بہنوئی بھی خوشی و مسرت سے زندگی بسر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دو بچے دیئے ہیں' میرا سوال یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے' یہ شغار تو نہیں ہے؟ یاد رہے میری بہن کا مہر اور دیگر شروط میری بیوی کے مہر اور شروط کے قریب قریب ہیں صرف چند معمولی اشیاء میں فرق ہے' اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے' جس طرح سوال میں مذکور ہے' تو یہ نکاح شغار نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں والحمدللہ کیونکہ شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ تم اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے دے دو' میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہیں دے دیتا ہوں یا یہ کہے کہ اپنی بہن تم میرے نکاح میں دے دو' میں اپنی بہن تمہارے نکاح میں دے دیتا ہوں یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہے جائیں لیکن نکاح کی جو صورت آپ نے سوال میں ذکر کی ہے اس میں چونکہ کوئی ایسی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ شغار نہیں ہے' وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ شغار ہے؟

سوال میں اپنے ایک رشتہ دار کی بیٹی سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق شادی کرنا چاہتا ہوں' اس کا ایک بیٹا بھی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اپنی بہن کا رشتہ اسے دے دوں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے دونوں کا مہر ایک جیسا نہیں ہو گا' دونوں لڑکیوں کا حق خاص بھی ایک جیسا نہیں ہو گا' دونوں ان رشتوں پر راضی بھی ہیں اور ان میں سے کسی کو مجبور بھی نہیں کیا گیا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں راضی ہیں' بغیر کسی حیلہ سازی کے دونوں کو باقاعدہ مہر بھی ادا کیا جائے گا' آپ دونوں کے درمیان اس نکاح کے سلسلہ میں کوئی قولی یا عرفی شرط بھی نہیں ہے' جس کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو اس شرط پر دے گا کہ آپ اس کے بیٹے کو اپنی بہن کا رشتہ دیں' تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں کوئی شرعی امر مانع نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک عورت کو دوسری کا مہر دینا

سوال ایک شخص نے میری بہن کے لیے منگنی کا پیغام دیا اور ساتھ ہی اس نے مجھے یہ بات بھی پہنچائی کہ اس کے گھر

والے اس شادی کو اس وقت تک قبول نہیں کریں گے، جب تک میں اس کی بہن سے شادی نہ کروں، ہاں البتہ میں نے اپنی بیوی کو پیشگی مہر ادا نہیں کیا بلکہ ہم تقدیم و تاخیر پر متفق ہو گئے، میں نے اپنے گھر والوں اور بہن کو تیار کیا اور اس شخص نے اپنے گھر والوں اور بہن کو تیار کیا تو اس عقد کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ نکاح شغار شمار ہو گا؟

جواب یہ عقد نکاح شغار کے خلاف ہے کیونکہ نکاح شغار تو یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی یہ کہے کہ میں تمہیں اپنی بیٹی کا اس وقت تک رشتہ نہیں دوں گا جب تک تم اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے نہ دو، جبکہ سائل نے جو سوال پوچھا ہے وہ اس کے برعکس ہے لیکن اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ اگر یہ نکاح تبادلہ کی صورت میں ہے، یعنی ان میں سے اگر ہر عورت دوسری کے لیے مہر ہے تو پھر یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی حلت کے لیے مال خرچ کرنے کو شرط قرار دیا ہے اور تم دونوں نے بیویوں پر مال کو خرچ نہیں کیا بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسری کا مہر بنا دیا ہے اور یہ حرام ہے اور صحیح نہیں ہے اور اگر تم دونوں نے مہر مقرر کر بھی لیا ہے تو پھر بھی بعض اہل علم نے نکاح شغار کے بارے میں کہا ہے کہ اگر دونوں کامل مہر ادا کریں اور ہر عورت اپنے شوہر سے شادی کرنے پر راضی ہو تو پھر نکاح صحیح ہو گا لیکن میرا فتویٰ یہ ہے کہ آپ اس مسئلہ میں اپنے ہاں شرعی عدالت کی طرف رجوع کریں، اگر عدالت پہلے نکاح کو برقرار رکھے تو بہتر اور اگر حاکم شرعی کی رائے اعادۂ نکاح کی ہو تو نکاح دوبارہ کر لیا جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اس (شخص) کے نکاح کا حکم جو پہلے نماز نہیں پڑھتا تھا.....

سوال میں پہلی عمر میں نماز نہیں پڑھتا تھا اور اسی حالت میں شادی کر لی، الحمدللہ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی ہے، سوال یہ ہے کیا میرا عقد نکاح صحیح ہے؟

جواب اگر بوقت عقد تمہاری بیوی بھی تمہاری طرح نماز نہیں پڑھتی تھی تو عقد نکاح صحیح ہے اور اگر وہ نماز پڑھتی تھی تو پھر تجدید نکاح واجب ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لیے کافر سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنكِحُوا ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔"

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مشرکوں کی مسلمان عورتوں سے شادی نہ کرو حتی کہ مسلمان ہو جائیں، نیز سورۃ الممتحنہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٠)

"اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ ان کو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز۔"

اور معلوم ہے کہ ترک نماز کفر اکبر ہے خواہ تارک اس کے وجوب کا انکار نہ بھی کرے، چنانچہ اس مسئلے میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن النسائي، الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤)

"ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز کا ہے جو اسے ترک کردے وہ کافر ہے۔"
اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور اصحاب سنن اربعہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:
«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)
"آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق نماز سے ہے۔"
تابعی جلیل حضرت عبداللہ بن شقیق عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

عرصہ ہوا اس سے شادی کی تھی اور وہ نماز نہیں پڑھتی تھی.....

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس سے اس کے چار بچے ہیں اور اب وہ پانچویں بار حاملہ ہے لیکن جب سے اس سے شادی کی ہے یہ عورت نماز نہیں پڑھتی۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا نصیحت ہے؟
جواب یہ ایک عظیم منکر بات ہے کیونکہ نماز تو اسلام کا ستون ہے اور یہ شہادتین کے بعد عظیم ترین اور اہم فریضہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾﴾ (النور٢٤/ ٥٦)
"اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور (اللہ کے) رسول کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"
﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾﴾ (البقرة٢/ ٤٣)
"اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔"
اور فرمایا:
﴿حَٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوَٰتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)
"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"
اور فرمایا:
﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا الزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (التوبة٩/ ٥)
"اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"
﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا الزَّكَوٰةَ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (التوبة٩/ ١١)
"اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔"
یہ آیات مبارکہ اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اسے قتل کر دیا جائے، لہذا واجب ہے کہ اس

عورت سے توبہ کروائی جائے اور تادیبی کارروائی کی جائے حتی کہ وہ نماز پڑھنے لگ جائے' جو شخص توبہ کر لے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے' اگر یہ عورت توبہ کرنے سے انکار کرے تو اس کا معاملہ عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ عدالت اس سے توبہ کروائے' اگر یہ توبہ کر لے تو صحیح' ورنہ اسے اسلام سے مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے' اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢١ وسنن النسائي، الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح: ٤٦٤)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔"

اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اسے مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا لیکن ہر حال میں واجب یہ ہے کہ پہلے اس سے توبہ کروائی جائے' اگر توبہ کر لے تو صحیح' ورنہ حاکم وقت اور اس کے نائب قاضی پر واجب ہے کہ اگر توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے دیں اور اس کے شوہر پر واجب ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ یہ عورت کافر ہے اور مسلمان کافر عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ترک نماز کفر دون کفر ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ کفر اکبر ہے لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ وہ کسی ایسی عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں نہ رکھے' جو نماز نہ پڑھتی ہو بلکہ اسے چاہیے کہ سخت تادیبی کارروائی کرے' شاید وہ توبہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بیوی عطا فرما دے گا۔ واجب ہے کہ ایسی عورت کو اس کا شوہر' باپ اور اس کے دیگر اہل خانہ ادب سکھائیں تاکہ وہ نماز پڑھنے لگ جائے' اگر ضرورت ہو تو معاملہ عدالت میں لے جایا جائے تاکہ عدالت اس سے توبہ کروائے' اگر توبہ کرے تو صحیح ورنہ اہل علم کی ایک کثیر جماعت کے بقول کافر و مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں اس کے شوہر کی بھی کوتاہی ہے اور اس بات پر اس کی خاموشی ایک عظیم منکر بات ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان ... الخ، ح: ٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اسے زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"' شوہر کو تینوں طرح یعنی دل سے' زبان سے اور ہاتھ سے یہ برائی مٹانے کی قدرت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ عبداللہ بن باز ———

جب مرتد توبہ کرے تو اس کی بیوی اور اس کی اولاد کا حکم

سوال جب مرتد توبہ کر کے اخلاص نیت کے ساتھ اسلام کی طرف رجوع کر لے تو کیا وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر واپس لا سکتا ہے جب کہ وہ اخلاص، ایمان، صدق اور توحید کے ساتھ تمام ارکان اسلام کی پابندی کر رہا ہو؟ توبہ کے بعد وہ کیا کفارہ ادا کرے؟ کیا توبہ سے پہلے کی اولاد شرعی اولاد شمار ہو گی؟

جواب اگر ارتداد دخول اور موجب عدت خلوت سے پہلے ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور بیوی عقد جدید کے بغیر حلال نہ ہو گی اور اگر ارتداد دخول اور موجب عدت خلوت کے بعد ہوا ہو تو معاملہ عدت کے ختم ہونے پر موقوف ہے اگر عدت ختم ہونے سے پہلے وہ توبہ کر لے تو یہ اس کی بیوی ہے اور اگر وہ عدت پوری ہونے پر یا اس کے بھی بعد توبہ کرے تو اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ عقد جدید کے بغیر حلال نہ ہو گی۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ رجوع ہی سے حلال ہو جائے گی، عدت پوری ہونے سے اس کا قبضہ و تسلط ساقط ہو جائے گا لیکن اگر یہ اسلام کی طرف رجوع کر لے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو گی ان دونوں حالتوں کی بنیاد پر اس مرد کا اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حکم واضح ہو گیا۔

ماضی کے حوالہ سے بات یہ ہے کہ خالص توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الأنفال۸/ ۳۸)

"(اے پیغمبر) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«إِنَّ الإِسْلاَمَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ»(صحیح مسلم، الإیمان، باب کون الاسلام یهدم ما قبله ... الخ، ح: ۱۲۱)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

اولاد کے حوالہ سے بات یہ ہے کہ اگر اس کا اعتقاد یہ ہو کہ نکاح باقی ہے اور وہ ان لوگوں کا مقلد ہو جو ترک نماز کو کفر نہیں سمجھتے یا اسے یہ بات معلوم ہی نہ ہو کہ تارک نماز کافر ہو جاتا ہے تو اولاد اسی کی ہو گی اور اسی کی طرف منسوب ہو گی اور اگر اسے معلوم ہو کہ ترک نماز کفر ہے تو نماز ترک کرنے کی وجہ سے اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہ ہو گی، اس سے مباشرت کرنا حرام ہو گا اور اس حال میں اس کی اولاد بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہو گی یہ مسئلہ ان عظیم اور بڑے مسائل میں سے ہے، جن میں آج کل بعض لوگ مبتلا ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

پانچویں بیوی سے شادی کی اور.........

سوال جب آدمی کے پاس چار بیویاں موجود ہوں اور وہ پانچویں سے بھی شادی کر لے اور اس سے ایک یا ایک سے

زیادہ بچے بھی ہوں تو کیا یہ بچے اس کی طرف منسوب ہوں گے؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ پانچویں عورت سے نکاح کرنا باطل ہے اور اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شیعہ کے سوا دیگر تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانچویں عورت سے نکاح کرنا حرام ہے' پانچویں عورت سے نکاح کرنے والے پر حد قائم کرنے کے بارے میں مشہور اختلاف ہے' جسے قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور دیگر اہل علم نے بھی ذکر کیا ہے۔

بچے کے اس کی طرف الحاق کے بارے میں تفصیل ہے' اور وہ یہ کہ اگر یہ شخص جہالت یا شبہ یا تقلید کی وجہ سے اس نکاح کو حلال سمجھتا ہو تو بچے کا اس کے ساتھ الحاق کیا جائے گا ورنہ الحاق نہیں کیا جائے گا صاحب "المغنی" وغیرہ نے اس مفہوم کو اس شخص کے بارے میں بات کرتے ہوئے بیان کیا ہے جو کسی عورت سے اس کی عدت ہی میں شادی کر لے اور یہ معلوم ہے کہ اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت سے اس کی عدت میں نکاح کرنا باطل ہے لیکن اس کے باوجود نسب کا الحاق نکاح کرنے والے سے ہو گا جب کہ اس نے نکاح شبہ کی بنیاد پر کیا ہو' یعنی اسے معلوم نہ ہو کہ یہ عورت عدت میں ہے یا یہ معلوم نہ ہو کہ عدت والی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جب اس صورت میں نسب کا الحاق نکاح کرنے والے سے ہو گا تو پانچویں بیوی کی اولاد کا اس سے بالاولیٰ الحاق ہو گا کیونکہ عدت والی عورت سے نکاح کے باطل ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں جب کہ پانچویں بیوی سے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے' جیسا کہ شیعہ حضرات کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' ان جیسے لوگوں کا اختلاف تو اگرچہ ناقابل التفات ہے مگر اس میں بعض ظاہریہ کا بھی اختلاف ہے جیسا کہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور پھر اَدلۂ شرعیہ اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ شارع کی رغبت یہ ہے کہ انساب کی حفاظت کی جائے اور انہیں ضائع ہونے سے بچایا جائے' لہٰذا یہ ضروری ہے کہ حفاظت انساب کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے اور کسی بھی نسب کو ضائع نہ کیا جائے جب تک اس کے لیے کوئی شرعی سبیل موجود ہو۔ بلاشک شبہ حدود کو ساقط کر دیتا اور الحاق نسب کا تقاضا کرتا ہے۔ شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کر دیا جاتا ہے لیکن یہ امر اس بات سے مانع نہیں ہوتا کہ اسے حد سے کم یعنی سزائے تعزیر دی جائے اور اس کے باوجود نسب کا الحاق اسی کی طرف ہوتا ہے تاکہ تمام مصالح شرعیہ کو جمع کیا جا سکے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

زانی مرد یا عورت سے شادی باطل ہے

سوال اس آیت کریمہ کے معنی کیا ہیں:

﴿ٱلزَّانِى لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَٱلزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝٣﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ کے کسی سے شادی نہیں کر سکتا اور زانیہ سے بھی سوائے زانی یا مشرک مرد کے اور کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا' اور یہ (بدکاروں سے نکاح) اہل ایمان (تمام مسلمانوں) کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔"

کیا اس جرم کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور انسان مشرک ہو جاتا ہے؟

جواب جب ہم اس آیت کریمہ کو پڑھتے ہیں' جس کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔"

تو ان الفاظ سے ہم زانی مرد اور عورت کے نکاح کی حرمت کا حکم اخذ کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی زانیہ عورت سے شادی کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ کسی زانی مرد کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے اور جب ہم نے یہ جان لیا کہ ﴿ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴾ تو جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرے اگر وہ اس کی حرمت کو جانتا ہے اور اس حکم کو جانتے ہوئے محض اپنی خواہش نفس اور شہوت سے بدکار عورت سے شادی کرتا ہے تو وہ بھی زانی ہو گا کیونکہ اس نے ایک ایسا حرام عقد کیا ہے جس کے بارے میں وہ یہ جانتا بھی ہے کہ یہ حرام ہے اور یہ معلوم ہے کہ عقد حرام شرم گاہ کو اس سے لطف اندوز ہونے کو جائز قرار نہیں دیتا' لہٰذا اس آدمی کے اس بدکار عورت کی شرمگاہ کو حلال سمجھنے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے' نکاح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا یہ فعل زنا ہے' یا اس کی صورت یہ ہو گی کہ وہ اس حکم کو نہیں مانتا ہو گا اور کہتا ہو گا کہ اس عورت سے شادی بالکل حرام نہیں بلکہ حلال ہے تو اس صورت میں وہ مشرک ہو گا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شارع بنا وہ اللہ تعالیٰ کا شریک بن بیٹھا' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ﴾ (الشوریٰ ٤٢/ ٢١)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو اس کے بندوں کے لیے دین کی ایسی باتیں ایجاد کرتے ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا' شریک قرار دیا ہے تو یہ آدمی جس نے اپنے لیے زانیہ کو حلال قرار دے لیا ہے اور اس سلسلے میں حکم شرعی کی پابندی نہیں کی تو یہ مشرک ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنے والا اگر اسے حرام جانتا اور مانتا ہے تو وہ زانی ہو گا اور اگر وہ اسے حرام نہیں سمجھتا بلکہ اس کی حرمت کا منکر ہے تو وہ مشرک ہو گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کام کو حلال قرار دے لیا ہے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"بدکار عورت کو بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا۔"

اگر یہ شخص بدکار عورت سے نکاح کی حرمت کو جانتے بوجھتے ہوئے نکاح کرتا ہے تو یہ زانی ہے اور اگر یہ حرمت کو نہیں مانتا تو یہ مشرک ہے' یہی بات ہم اس شخص کے بارے میں کہیں گے جو کسی زانی مرد سے اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہے ہاں' البتہ توبہ کرنے سے یہ حکم ختم ہو جائے گا' یعنی اگر بدکار مرد اور عورت بدکاری سے توبہ کر لیں تو ان سے زانی کا وصف زائل ہو جائے گا جس طرح توبہ کرنے اور فسق ترک کرنے سے فسق کا وصف زائل ہو جاتا ہے' لہٰذا اگر زانی مرد و عورت توبہ کر لیں تو پھر نکاح حلال ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک عورت سے زنا کیا اور پھر اس سے .....

سوال ایک مرد نے ایک کنواری عورت سے زنا کیا اور اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے تو سب سے پہلے تو ان میں سے ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اس گناہ کو ترک کر دیں' فحاشی کا جو ارتکاب کیا اس پر ندامت کا اظہار کریں' آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کریں اور اعمال صالحہ کثرت سے بجالائیں' اس سے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما کر برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۱)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا' قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ مرد اگر اس عورت سے شادی کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ نکاح سے پہلے ایک حیض کے ساتھ استبراء رحم کر لے' اگر معلوم ہو کہ حمل ہے تو وضع حمل سے پہلے نکاح جائز نہیں ہو گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے: انسان دوسرے کی کھیتی کو پانی پلائے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک عورت نے شوہر کو بتائے بغیر.....

سوال ایک عورت نے اپنے باپ کی وراثت سے حصہ لینے کے لیے ایک وکیل مقرر کیا' وکیل نے اس سے اتنی فیس مانگی جو اس کی دسترس میں نہ تھی تو وکیل نے کہا کہ فیس ادا کرنے کے عوض مجھ سے شادی کر لو' یہ عورت پہلے سے شادی شدہ تھی لیکن اس کا شوہر اس وقت موجود نہ تھا کیونکہ وہ بیرون ملک کام کرتا ہے تو اس عورت نے فسخ نکاح کے لیے اسی وکیل کو مقرر کر لیا تو اس نے اس کے پہلے شوہر سے رابطہ قائم کیے بغیر ایسا ہی کیا' جب کہ عورت کے پاس اپنے شوہر کا پتہ بھی موجود ہے اور وہ اسے اور اپنی گیارہ سالہ بیٹی اور آٹھ سالہ کے بیٹے کو خرچہ بھی بھیجتا ہے تو اس شادی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اب اس کے بیٹے اور بیٹی کی سرپرستی کا حق کسے حاصل ہے؟

جواب بے شک یہ ایک حرام فعل' گھناؤنا جرم اور باطل حیلہ ہے کیونکہ یہ عورت اپنے شوہر کے عقد میں ہے اور شوہر اسے اور اس کے بطن سے اپنی اولاد کے لیے باقاعدہ خرچہ بھی بھیجتا ہے' اس وکیل نے پہلے شوہر سے فسخ نکاح کے لیے

کوشش کی ہے تاکہ اس سے خود نکاح کر لے حالانکہ پہلے شوہر سے رابطہ ممکن تھا اور اسے معتبر مدت تک مہلت دینا بھی ممکن تھا' اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ فسخ نکاح حاکم شرعی کی وساطت سے اور معقول اسباب کی وجہ سے ہوا ہے تو پہلے شوہر سے فسخ نکاح ہو جائے گا ورنہ نکاح فسخ نہیں ہو گا اور وکیل کا اس سے شادی کرنا حرام ہو گا۔ بچے اپنی ماں کے ساتھ ہوں گے' اگر دوسرا شوہر انہیں لینے سے انکار کر دے تو ان کی سرپرستی و پرورش اس عورت یا مرد کے رشتہ داروں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اگر ان بچوں کا باپ جلد واپس لوٹ آئے تو اسے ہر طرح کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نکاح حلالہ

سوال آپ کے خیال میں نکاح حلالہ کے بارے میں شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ نکاح حلالہ کیا ہے' نکاح حلالہ یہ ہے کہ مرد کسی ایسی عورت سے نکاح کا قصد کرے جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں' یعنی پہلے ایک طلاق دی اور رجوع کر لیا' پھر دوسری طلاق دی اور رجوع کر لیا اور پھر تیسری طلاق دی' اب یہ عورت اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہے جس نے اسے تین طلاقیں دے دیں ہیں الا یہ کہ یہ کسی دوسرے مرد سے برضا و رغبت شادی کرے اور وہ اس سے صحبت بھی کرے اور پھر وہ اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے یا نکاح فسخ کر دے تو پھر پہلے شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا حلال ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَٰنٍ ۗ . . . . فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۹-۲۳۰)

"طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے صرف) دو بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا..... پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) کے لیے حلال نہ ہو گی ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔"

تو اگر کوئی مرد ایسی عورت کی طرف قصد کرے جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہوں اور وہ اس سے اس نیت سے شادی کرے کہ جب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی تو یہ اسے طلاق دے دے گا' یعنی اس سے مباشرت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا اور پھر عدت گزارنے کے بعد یہ نئے نکاح کے ساتھ اپنے پہلے شوہر کے پاس چلی جائے گی تو یہ نکاح فاسد ہے نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت فرمائی اور حلالہ کرنے والے کو کرائے کا سانڈ قرار دیا' کیونکہ یہ اس سانڈ بکرے کی طرح ہے جسے بکریوں کا مالک ایک معین مدت کے لیے کسی سے ادھار لیتا ہے پھر اسے اس کے مالک کو واپس کر دیتا ہے' یہ مرد بھی سانڈ کی طرح ہے کہ اسے بھی کہا جاتا ہے کہ اس عورت سے شادی کر لو اور پھر اس سے مباشرت

کر کے اسے طلاق دے دینا۔ یہ ہے نکاح حلالہ! اور اس کی حسب ذیل دو صورتیں ہوتی ہیں:

① بوقت عقد ہی یہ شرط لگائی جائے، مثلاً شوہر سے کہا جائے کہ ہم آپ کی شادی اس عورت سے اس شرط پر کرتے ہیں کہ اس سے مباشرت کر کے اسے طلاق دے دو۔

② ایسی شرط تو عائد نہ کی جائے لیکن نیت یہی ہو، نیت شوہر کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور بیوی اور اس کے وارثوں کی طرف سے بھی، اگر نیت شوہر کی طرف سے ہے تو چونکہ اسے تو علیحدگی کا اختیار حاصل ہے لہٰذا اس طرح کے عقد کی صورت میں اس کے لیے یہ بیوی حلال نہ ہو گی کیونکہ اس نے وہ نیت نہیں کی جو مقصود نکاح ہوتی ہے کیونکہ نکاح سے مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ الفت و محبت سے بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے، عفت و پاکدامنی اختیار کی جائے اور اولاد حاصل کی جائے تو چونکہ یہ نیت نکاح کے بنیادی مقصد ہی کے خلاف ہے، لہٰذا یہ نکاح صحیح نہ ہو گا۔

عورت اور اس کے وارثوں کی نیت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور اب تک میرے نزدیک یہ واضح نہیں ہو سکا کہ ان میں سے کون سا قول زیادہ صحیح ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نکاح حلالہ حرام ہے، اس سے بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی کیونکہ یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اس کی دونوں بیویاں رضاعی بہنیں ہیں

سوال جب کوئی مرد دو عورتوں سے شادی کرے اور دونوں سے بچے بھی ہوں اور پھر کچھ مدت بعد قریبی رشتہ داروں کی شہادت سے یہ انکشاف ہو کہ یہ دونوں عورتیں رضاعی بہنیں ہیں، اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس صورت میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں بیویاں رضاعی بہنیں ہیں تو ان میں سے دوسری، یعنی جس سے بعد میں نکاح کیا ہے، اس کا نکاح باطل ہو جائے گا اور اس سے علیحدگی اختیار کرنا واجب ہے، علیحدگی اختیار کرنے کے معنی طلاق یا فسخ نہیں ہیں بلکہ واجب ہے کہ اس سے فوراً علیحدگی اختیار کر لے کیونکہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے بلکہ باطل ہے، ہاں البتہ اس مدت میں پیدا ہونے والے بچے شرعی ہوں گے یعنی یہ اس کی جائز اولاد ہو گی اور وہ اسی کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ اس مدت میں اس نے شبہ کی بنیاد پر مباشرت کی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رضاعی بہن سے شادی

سوال بیوی کے ساتھ مباشرت کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے کیونکہ میں نے اس کی بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا تو کیا اس صورت میں یہ میرے لیے حرام ہو جائے گی؟

جواب ہاں، اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ آپ نے بیوی کی بہن کے ساتھ مل کر اس کی ماں کا دودھ پیا ہے یعنی آپ نے بیوی کی ماں یا اس کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو اس حالت میں آپ اس کے بھائی ہیں، لہٰذا یہ عقد باطل ہو گا لیکن واجب ہے کہ آپ یہ بھی جان لیں کہ رضاعت اگر پانچ رضعات سے کم ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ رضاعت دودھ چھڑانے سے پہلے دو سال کے اندر ہو، اگر پانچ رضعات سے کم پیے

ہوں تو ان کا کوئی اثر نہیں اور نہ ان سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

جب آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ نے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہیں اور دو سال کے اندر پیے ہیں تو تم دونوں کے درمیان علیحدگی ضروری ہے کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے' علم سے پہلے جو بچے پیدا ہوئے وہ صحیح ہوں گے اور شرعی طور پر آپ ہی کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہ بچے شبہہ سے مباشرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں اور شبہہ سے مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کے نسب کا الحاق کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بچہ دوسرے شوہر کے لیے اور اختیار پہلے کے لیے

سوال ایک شخص عرصہ' دراز تک اپنی بیوی سے غائب ہو گیا حتی کہ اس کے بارے میں گمان یہ ہوا کہ وہ گم ہو گیا ہے لہٰذا اس کی بیوی نے ایک اور شخص سے شادی کر لی اور اس سے ایک بچے کو بھی جنم دیا۔ کئی سالوں کے بعد پہلا شوہر بھی واپس آگیا تو کیا اس صورت میں دوسرے شوہر کے ساتھ یہ شادی برقرار رہے گی یا فسخ ہو جائے گی؟ کیا پہلے شوہر کو بیوی واپس لینے کا حق حاصل ہے؟ اور اگر حق حاصل ہے تو کیا نکاح دوبارہ ہو گا؟

جواب یہ مسئلہ مفقود الخبر کی بیوی سے شادی کے نام سے معروف ہے' اگر شوہر گم ہو جائے' اس کی تلاش کی مدت ختم ہو گئی ہو اور اب اس کی مدت کا حکم لگا دیا گیا ہو اور عورت نے عدت پوری کرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی ہو اور پھر (پہلا شوہر) وہ بھی (واپس) آجائے تو اسے اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس شادی کو برقرار رہنے دے اور اگر چاہے تو اپنی بیوی کو واپس لے لے' اگر وہ اس شادی کو برقرار رہنے دے تو معاملہ واضح ہے اور عقد صحیح ہے اور اگر وہ اپنی بیوی کو واپس لینا چاہے تو بیوی اس کے پاس لوٹ جائے گی لیکن وہ اس وقت تک اس سے مباشرت نہیں کر سکے گا جب تک دوسرے شوہر کی طرف سے عدت پوری نہ ہو جائے' ہاں البتہ اسے عقد جدید کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جس سے اس کا نکاح باطل ہو گیا ہو کہ جس کی وجہ سے تجدید نکاح کی ضرورت ہو' بچہ دوسرے شوہر کا ہو گا کیونکہ وہ شرعی بچہ ہے' لہٰذا وہ اپنے باپ ہی کی طرف منسوب ہو گا کیونکہ وہ شرعی نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

والد کا بیٹی کو شادی پر مجبور کرنا حرام ہے

سوال باپ کی طرف سے میری ایک بہن ہے' میرے باپ نے اس کی مرضی اور رائے کے بغیر اس کی شادی کر دی جب کہ اس کی عمر اکیس سال ہے' عقد نکاح کے وقت گواہوں نے بھی یہ جھوٹی گواہی دے دی کہ یہ لڑکی راضی ہے' نکاح فارم پر بھی اس کے بجائے اس کی والدہ کے دستخط کروا لیے گئے اور اس طرح یہ شادی ہوئی جب کہ یہ اسے مسلسل مسترد کر رہی ہے' سوال یہ ہے کہ اس عقد اور ان گواہوں کی گواہی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ بہن اگر باکرہ تھی' اور اس کے باپ نے اس مرد سے شادی پر اسے مجبور کیا ہے' تو بعض اہل علم کے مطابق یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ ان کی رائے میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیٹی کو اس شخص سے شادی پر مجبور کر سکتا ہے جس کو یہ پسند نہ کرتی ہو' بشرطیکہ وہ کفو (ہم پلہ) ہو لیکن اس مسئلہ میں قول راجح یہ ہے کہ باپ یا کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لڑکی کو اس

شخص سے شادی پر مجبور کرے جس کو وہ پسند نہ کرتی ہو خواہ وہ کفو ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، ح:٥١٣٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق ... الخ، ح:١٤١٩)

"کنواری لڑکی کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔"

یہ حکم عام ہے' وارثوں میں سے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

«اَلْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ح:١٤٢١)

"کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت طلب کرے۔"

یہ حدیث گویا کنواری لڑکی اور باپ کے بارے میں نص ہے' نیز محل نزاع میں نص ہے' لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا اپنی بیٹی کو ایسے شخص کے ساتھ شادی پر مجبور کرنا' جسے وہ پسند نہ کرتی ہو حرام ہے اور جو چیز حرام ہو وہ صحیح اور نافذ نہیں ہوتی کیونکہ اسے نافذ کرنا اور صحیح ماننا حدیث میں وارد ممانعت کے منافی ہے' شارع جس سے منع کر دے اس کے بارے میں شارع کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ امت اس کام کو نہ کرے اور اگر ہم اس شادی کو صحیح قرار دیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کام کو کر لیا شارع نے جس سے ہمیں منع کیا تھا اور ہم نے اسے گویا ان معاملات میں سے قرار دے لیا' شارع نے جن کو مباح قرار دیا ہے' لہٰذا اس مسئلہ میں قول راجح یہ ہے کہ آپ کے والد نے آپ کی بہن کی شادی جو ایک ایسے شخص سے کی ہے' جسے یہ پسند نہیں کرتی' تو یہ شادی فاسد ہے اور عقد فاسد کے بارے میں ضروری ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔

جھوٹے گواہوں نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» (جامع الترمذي، الشهادات، باب ما جا في شهادة الزور، ح:٢٣٠١)

"کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

آپ ﷺ نے جب یہ ذکر فرمایا تو آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا:

«أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب ما قيل في شهادة الزور، ح:٢٦٥٤ وصحيح مسلم، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٧)

خبردار! جھوٹی بات۔ آپ ان کلمات کو اس قدر کثرت سے بار بار دہراتے رہے' حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہنے لگے کہ کاش! اب آپ سکوت فرمالیں۔"

(کیونکہ ان کلمات کی اس قدر کثرت کے ساتھ تکرار سے آپ کو زحمت ہو رہی تھی۔) ان جھوٹے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں' حق بات کہیں' حاکم شرعی کے سامنے حقیقت حال واضح کر دیں کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اور وہ اب اپنی اس گواہی سے رجوع کر رہے ہیں اسی طرح اس لڑکی کی ماں کو بھی توبہ کرنی چاہیے کہ اس نے اپنی بیٹی کی جگہ جھوٹے دستخط کیے' یہ بھی گناہ گار ہے' اسے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔

شیخ ابن عثیمین

نکاح میں خلافِ شریعت امور

یہ کام عقیدہ کے خلاف ہے

سوال ایک بھائی سونے کی انگوٹھی پہنتا ہے اور کہتا ہے کہ اس انگوٹھی پر اس کی بیوی کا نام لکھا ہوا ہے اور اگر وہ اس انگوٹھی کو اتار دے تو اس کی بیوی نہایت مضطرب اور شدید تنگ دل ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ اس اضطراب اور تنگ دلی کا نتیجہ علیحدگی کی صورت میں نکلے تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیے کہ اس کی بیوی مطمئن ہو جائے؟

جواب اس شخص پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور سونے کی انگوٹھی کو اتار دے کیونکہ سونا اس امت کے مردوں کے لیے حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا تھا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح:٢٠٩٠)

"کیا تم میں سے ایک جہنم کی آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے۔"

یعنی اسے پہن لیتا ہے' جب نبی اکرم ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اس سے نفع اٹھاؤ تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو نہیں اٹھاؤں گا' جسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے"" یہ حکم تو ہے سونا پہننے کے اعتبار سے' اور اگر اس کے ساتھ فاسد عقیدہ بھی شامل ہو جائے اور وہ یہ کہ بعض عورتیں بلکہ بعض مرد بھی ان انگوٹھیوں پر اپنی بیویوں کے نام لکھوا لیتے ہیں اور بیویاں اپنے شوہروں کے نام لکھوا لیتی ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس نام والی انگوٹھی کا انگلی میں رہنا میاں بیوی کی بقا کا سبب ہے تو بات عقیدہ کے خلاف ہے بلکہ یہ ایک فاسد عقیدہ ہے' جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور امر واقع بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ کتنے ہی ایسے انسان ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے نام والی انگوٹھی پہنی تھی مگر اس کے باوجود اپنی بیوی سے جلدی کے ساتھ علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ دونوں میں بہت شدید اختلاف رونما ہو گیا تھا اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اس رسم کو جانتے ہی نہیں مگر ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان ایسی الفت و محبت ہے جو بہت مثالی ہے' لہٰذا ہم اس شخص سے یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اور اپنی بیوی کی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مقدم نہ جانو اور اس انگوٹھی کو فوراً اتار دو اور جان لو کہ اگر آپ اسے اتاریں گے تو آپ کی بیوی ناراض نہیں ہو گی کیونکہ آپ نے لوگوں کی ناراضی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کیا ہے اور جو شخص لوگوں کی ناراضی کے بجائے اللہ کی رضا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے' لہٰذا میں دوبارہ یہ گزارش کروں گا کہ سونے کی اس انگوٹھی کو اتار دو اور اسے نہ پہنو بلکہ چاندی کی ایسی انگوٹھی بھی نہ پہنو کہ جس پر بیوی کا نام لکھا ہو' اسی طرح اگر آپ کی بیوی کے پاس سونے کی ایسی انگوٹھی ہو جس پر آپ کا نام لکھا ہوا ہو تو اس سے نام مٹا دو' اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ کو آسان بنا دے گا' آپ کے لیے کشائش اور پریشانیوں سے

نجات کے لیے راستہ بنا دے گا اور آپ کی بیوی بھی خوش ہو جائے گی اور اس ناراضی کا اظہار نہیں کرے گی جس کا آپ کو وہم ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دلہن کا بکری کے خون میں قدم رکھنا

سوال ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ شادی کی رات لڑکی کے گھر والے اس کے پاؤں ذبح کی ہوئی بکری کے خون میں رکھتے ہیں' اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب اس رواج کے لیے کوئی شرعی اصل (دلیل) نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت بری عادت ہے اس لیے کہ:

اولاً: یہ ایک فاسد عقیدہ ہے جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔

ثانیاً: ناپاک خون کے ساتھ لڑکی کے پاؤں کو آلودہ کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ نجاست کے بارے میں تو ہمیں حکم یہ ہے کہ اسے زائل کیا جائے اور اس سے دوری اختیار کی جائے۔

اس مناسبت سے میں مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ حکم شریعت یہ ہے کہ جب نجاست لگ جائے تو اسے فوراً زائل کر کے طہارت حاصل کی جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ چنانچہ جب ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا تو نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دیا جائے' اس طرح جب ایک ننھے بچے نے نبی اکرم ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تھا تو آپ نے پانی منگوایا اور اس سے پیشاب کو دھو دیا۔ نجاست کے ازالہ میں تاخیر کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ انسان بھول جائے اور وہ اسی نجاست میں نماز پڑھ لے' اگرچہ راجح قول کے مطابق بھول جانے کی وجہ سے وہ معذور ہو گا اور اس کی نماز صحیح ہو گی لیکن ہو سکتا ہے کہ اسے نماز کے دوران ہی یاد آجائے اور اگر نماز کو جاری رکھنے کے ساتھ ازالۂ نجاست ممکن نہ ہو تو اسے نماز توڑ کر اور نجاست کو دور کر کے' نماز از سر نو پڑھنا ہو گی۔

بہر حال یہ ایک بہت ہی بری عادت ہے جس کے بارے میں سوال پوچھا گیا ہے کہ اس میں عورت کو نجاست سے آلودہ کرنا بھی ہے جو کہ بے وقوفی ہے کیونکہ شریعت نے تو نجاست کے ازالہ اور تطہیر کا حکم دیا ہے اور پھر مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ اس عادت کی بنیاد ایک اور عقیدہ پر نہ ہو اور وہ یہ کہ وہ جانور کو جن یا شیاطین وغیرہ کے نام پر ذبح کرتے ہوں گے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے اور یہ معلوم ہے کہ شرک کو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں فرماتا۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ ایک منکر کام ہے

سوال مراکش میں بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ ماں اپنی بیٹی کے گھٹنے کے بالائی حصے پر استرے سے قریب قریب تین لکیریں لگا دیتی ہے' ان لکیروں سے نکلنے والے خون پر چینی رکھ دیتی ہے اور پھر اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ اسے کھالو اور ساتھ ہی اس سے کچھ کلمات بھی زبان سے کہلواتی ہے اور اس طرح ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ عمل ان کی بیٹی کی

بکارت کو محفوظ رکھتا ہے اور ہر زیادتی کرنے والے کو اس سے روکتا ہے' اس کام کے لیے ان کے ہاں ایک اور طریقہ بھی مروج ہے' سوال یہ ہے کہ اس عمل کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل منکر بلکہ خرافات پر مبنی ہے' اس کی کوئی اصل نہیں' لہٰذا یہ عمل کرنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ اسے ترک کیا جائے اور اس سے اجتناب کیا جائے اور یہ کہنا کہ یہ عمل ان کی بیٹی کی بکارت کی حفاظت کرے گا' یہ بھی ایک امر باطل اور شیطانی وحی ہے' شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں' لہٰذا علماء پر واجب ہے کہ اسے ترک کرنے کی وصیت کریں اور اس سے اجتناب کی تلقین کریں کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مبلغ ہیں۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن باز ———

کنواری یا ثیبہ سے شادی کرنے والے کے لیے نماز باجماعت سے پیچھے رہنا جائز نہیں

سوال دولہا کنواری بیوی کے ساتھ ایک ہفتہ اور ثیبہ کے ساتھ تین دن گزارتا ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا حتی کہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے بھی نہیں جاتا کیا یہ سنت سے ثابت ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے بھی گھر سے نہ نکلے؟

جواب جب کوئی شخص کنواری لڑکی سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن قیام کرے اور پھر باری تقسیم کر دے اور اگر شوہر دیدہ سے شادی کرے تو اس کے ہاں تین دن گزارے اور اگر وہ پسند کرے تو اس کے ہاں سات دن گزارے اور پھر باقی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات دن گزارے' اس مسئلہ میں دلیل وہ روایت ہے جو ابو قلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

«مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلاَثًا ثُمَّ قَسَمَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب إذا تزوج الثيب على البكر، ح:٥٢١٤ وصحيح مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب من اقامة ... الخ، ح:١٤٦١)

"سنت یہ ہے کہ اگر کوئی مرد شوہر دیدہ کے ہوتے ہوئے کسی کنواری لڑکی سے شادی کرے تو اس کے ساتھ سات دن گزارے اور پھر باری تقسیم کر دے اور اگر ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے ساتھ تین دن گزارے اور پھر باری تقسیم کر دے۔"

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَهَا أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلاَثًا، وَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي»(صحيح مسلم، النكاح، باب قدر ما يستحقه البكر والثب ... الخ، ح:١٤٦٠)

نبی اکرم ﷺ نے جب ان سے شادی کی تو ان کے ساتھ تین دن گزارے اور " فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ سات دن گزارتا ہوں اور پھرباقی بیویوں میں سے بھی ہرایک کے پاس سات سات دن گزاروں گا۔"

لیکن یاد رہے کہ جو شخص کنواری لڑکی سے شادی کرے یا ثیبہ سے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس وجہ سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے نہ جائے کہ اس نے شادی کی ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں' مذکورہ دونوں حدیثوں میں بھی اس طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بیوی کی دبر میں مباشرت کرنا

سوال ایک مرد نے اپنی بیوی سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی دبر میں وطی (جماع) کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعی طور پر یہ بات درست ہے؟

جواب یہ انتہائی برا کام ہے۔ ابو داود' نسائی ؒ اور کئی دیگر محدثین نے جید سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَلْعُونٌ مَّنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح:٢١٦٢ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر أبي هريرة في ذلك، ح:٩٠١٥)

"وہ شخص ملعون (لعنتی) ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں وطی (جماع) کرے۔"

——— شیخ ابن باز ———

عورت کی دبر میں یا حالت حیض و نفاس میں صحبت کرنا

سوال عورت کی دبر میں یا حالت حیض و نفاس میں صحبت کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عورت کی دبر میں جماع کرنا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ حالت حیض و نفاس میں جماع کیا جائے بلکہ یہ تو کبیرہ گناہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ ٱللَّهُ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا۟ حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢-٢٢٣)

"اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' کہہ دیجیے وہ تو نجاست ہے سو' ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو ہاں' جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے' ان کے پاس جاؤ کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک

صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے' تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی ضروری ہے اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے ساتھ مقاربت (جماع کرنے) سے منع کر دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے' نفاس کا بھی یہی حکم ہے اور جب وہ غسل کر کے پاک ہو جائیں تو پھر شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس جائے جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ کہ قبل میں جماع کرے کیونکہ کھیتی کا مقام یہی ہے جب کہ دبر تو نجاست اور غلاظت کا مقام ہے' یہ کھیتی کی جگہ نہیں ہے۔ لہٰذا بیوی کی دبر میں جماع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ شریعت مطہرہ میں یہ کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ امام ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح:٢١٦٢ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر أبي هريرة في ذلك، ح:٩٠١٥)

"وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرے۔"

امام ترمذی و نسائی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ»(جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية اتيان النساء في ادبارهن، ح:١١٦٥ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر حديث ابن عباس ... الخ، ح:٩٠٠١)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد سے یا اپنی بیوی کی دبر میں جنسی عمل کرے۔"

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ دبر میں جنسی عمل لواطت ہے جو مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے تذکرہ میں فرمایا ہے:

﴿ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٢٨)

"بلاشبہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو' تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ» (مسند أحمد:١/ ٣١٧)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو قوم لوط جیسا عمل کرے۔"

آپ نے یہ تین بار فرمایا' اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کام سے پرہیز کریں نیز ہر اس کام سے اجتناب کریں' جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو' مردوں کو چاہیے کہ وہ اس برے کام سے اجتناب کریں نیز عورتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس سے اجتناب کریں اور اپنے شوہروں کو یہ بہت ہی برا کام یعنی حالت حیض و نفاس یا دبر میں صحبت نہ کرنے دیں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہر اس کام سے عافیت و سلامتی عطا فرمائے جو اس کی شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ انه خير مسئول۔

——— شیخ ابن باز ———

دبر میں وطی کا کفارہ

سوال عورت کی دبر میں جماع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جو شخص ایسا کرے اس کے لیے کوئی کفارہ ہے؟

جواب عورت کی دبر میں وطی کرنا کبیرہ گناہ اور قبیح ترین معصیت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَلْعُونٌ مَّنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح:٢١٦٢ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر اختلاف الفاظ ... الخ، ح:٩٠١٥)

”وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرے۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ»(جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية اتيان النساء في ادبارهن، ح:١١٦٥ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر حديث ابن عباس ... الخ، ح:٩٠٠١)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں وطی کرے۔“

جو شخص ایسا کرے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور خالص توبہ کرے' خالص توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس گناہ سے رک جائے' اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کے خوف سے اسے چھوڑ دے' جو کچھ پہلے ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرے' آئندہ ایسا نہ کرنے کا سچا عزم کرے اور اعمال صالحہ کثرت سے بجا لائے' جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز دیتا ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه ٢٠/ ٨٢)

”اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے یقیناً اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔“

اور سورۃ الفرقان میں فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨ـ٧٠)

”اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے

اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو شخص یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا' قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الاسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ ومسند أحمد:٤/١٩٩)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے؟"

اس مضمون کی آیات و احادیث (اور بھی) بہت ہیں۔

علماء کے صحیح قول کے مطابق دبر میں وطی کرنے والے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور نہ اس سے اس کی بیوی ہی اس پر حرام ہوتی ہے بلکہ وہ اس کی عصمت میں باقی رہتی ہے' ہاں البتہ بیوی کو بھی چاہیے کہ اس بہت برے کام کے سلسلہ میں وہ اپنے شوہر کی بات نہ مانے اس سے رک جائے اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو فسخ نکاح کا مطالبہ کرے۔ ہم اس برے کام سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

شادی میں دف بجانا

سوال شادی کے ساتویں دن کے بعد دف بجانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس موقع پر دف کے علاوہ دیگر آلات کو استعمال کرنا بھی جائز ہے؟

جواب شادی کی مناسبت سے دف کو صرف شب زفاف میں بجایا جا سکتا ہے اور اس وقت کو کسی دوسرے وقت تک طول نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جس بات کو کسی مناسبت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہو تو وہ اسی کے مطابق مقید ہوتی ہے' شادی کے دنوں میں دف بجانے سے مقصود ایک طرف تو فرحت و مسرت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس سے نکاح کا اعلان مقصود ہوتا ہے اور اعلان نکاح ایک شرعی امر ہے۔ اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ شادی کے بعد بھی دف کو تسلسل کے ساتھ بجایا جاتا رہے' دف کے علاوہ دیگر آلات کا استعمال شادی کے موقع پر بھی حرام ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ» (صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح:٥٥٩٠)

"میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث میں "حر" سے مراد شرم گاہ یعنی زنا ہے' اس سے اللہ کی پناہ۔ ریشم اور شراب دونوں مشہور چیزیں ہیں اور "معازف" سے مراد لہو و لعب کے تمام آلات ہیں اور ان میں سے صرف وہی مستثنیٰ ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور

وہ شادی کی مناسبت سے دف بجانا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بچیوں کا ناپسند کرنا امر جاہلیت ہے

سوال اس زمانے میں ہم بعض لوگوں سے عجیب و غریب باتیں سنتے ہیں مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری بیویاں بچیوں کو جنم دیں اور بعض تو بیوی سے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر تو نے بچی پیدا کی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا لہٰذا اس وجہ سے بعض عورتیں بہت پریشان ہیں اور وہ نہیں جانتیں کہ اپنے شوہروں کی ان باتوں کے جواب میں وہ کیا کریں' امید ہے آپ اس مسئلے میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب میرے خیال میں اس بھائی نے جو بات کی ہے وہ بہت ہی شاذ و نادر ہے کیونکہ میرے خیال میں کوئی شخص جہالت کی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اگر تو نے بچی کو جنم دیا تو تجھے طلاق دے دوں گا' ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے تنگ ہو یا اکتا چکا ہو اور وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہو اور اس بات کو اس نے طلاق کے لیے بہانہ بنا لیا ہو' اگر صورت حال واقعی ایسی ہے اور وہ اس کے ساتھ صبر نہیں کر سکتا تو وہ اس بہانے کو بروئے کار لائے بغیر ہی اسے طلاق دے دے کیونکہ بوقت ضرورت طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے باوجود ہم ہر اس شخص کو یہ نصیحت کریں گے جو اپنی بیوی کی طرف سے کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھے تو وہ صبر کرے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔"

جہاں تک بچیوں کے ناپسند کرنے کی بات ہے تو بلاشبہ یہ امر جاہلیت میں سے ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر ناراضی کا اظہار ہے' انسان کو کیا معلوم شاید ایک بیٹی بہت سے بیٹوں سے بھی بہتر ثابت ہو' کتنی ہی بیٹیاں ہیں جو اپنے باپ کے لیے حیات و ممات میں بابرکت ثابت ہوئیں اور کتنے ہی بیٹے ہیں جو اپنے باپ کی زندگی میں اس کے لیے مصیبت و پریشانی کا باعث بنے اور بعد از موت بھی کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شادی بیاہ کے مسائل میں شریعت کی مخالفت پر تنبیہ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے ان تمام مسلمانوں کے نام جو اس تحریر سے مطلع ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور ان سب کو حق کی معرفت و اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس خط کے لکھنے کا مقصد شادی بیاہ کے ان مسائل کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے جو شریعت کے مخالف ہیں اور جن میں آج بہت سے لوگ مبتلا ہو چکے ہیں' ان میں سے ایک تو نکاح شغار (وٹہ سٹہ) ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی اور عزیزہ کا رشتہ کسی انسان کو اس شرط پر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی وغیرہ کا اسے یا

اس کے بیٹے یا بھتیجے وغیرہ کو رشتہ دے گا' اس صورت میں یہ عقد فاسد ہے' خواہ اس میں مہر مقرر ہو یا نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ (الحشر۵۹/ ۷)

"جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔"

اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ» (صحيح البخاري، النكاح، باب الشغار، ح:٥١١٢ وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، ح:١٤١٥)

"نبی ﷺ نے شغار (وٹہ سٹہ کے نکاح) سے منع فرمایا ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ وَالشِّغَارُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ وَأُزَوِّجُكَ ابْنَتِي أَوْ زَوِّجْنِي أُخْتَكَ وَأُزَوِّجُكَ أُخْتِي»(مسلم النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، ح:١٤١٦)

"رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے' ابن نمیر فرماتے ہیں: شغار یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ تم اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے دے دو' میں اپنی بیٹی کا رشتہ تجھے دے دوں گا یا یہ کہے کہ اپنی بہن کا رشتہ تم مجھے دو' میں اپنی بہن کا رشتہ تجھے دے دیتا ہوں۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«لاَ شِغَارَ فِي الإِسْلاَمِ»(صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه:١٤١٥ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في النهى عن نكاح الشغار، ح:١١٢٣

"اسلام میں شغار نہیں ہے۔"

یہ احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح شغار حرام' فاسد اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہے' نبی ﷺ نے اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں فرمایا کہ مہر مقرر کیا گیا ہو یا مقرر نہ کیا گیا ہو۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں نکاح شغار کی جو یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا رشتہ کسی کو اس شرط پر دے کہ وہ (دوسرا شخص) اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دے اور دونوں عورتوں کے لیے مہر بھی نہ ہو تو اس تفسیر کے بارے میں اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ یہ نافع کا کلام ہے' جو کہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں یعنی یہ نبی اکرم ﷺ کا کلام نہیں ہے' نبی ﷺ کا کلام اور شغار کی تفسیر وہی ہے جو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے قبل ازیں بیان کی گئی ہے جس میں مہر کا کوئی ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شغار میں مہر کے مقرر کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ فساد کی اصل جڑ مبادلہ کی شرط یعنی وٹہ سٹہ ہے۔

نکاح کی اس صورت میں اکثر بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح عورت کو ایسے مرد سے شادی پر مجبور کیا جاتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتی او اس طرح وارث عورت کی مصلحت کی بجائے اپنی مصلحت کو ترجیح دیتا ہے حالانکہ یہ بہت بڑی خرابی

اور عورتوں پر ظلم ہے' نکاح کی اس صورت میں عورتیں مہر مثل سے بھی محروم رہتی ہیں' جیسا کہ اس عقد فاسد کو اختیار کرنے والے بہت سے لوگوں میں یہی معمول ہے' پھر اس عقد فاسد کی صورت میں اکثر لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں جو در حقیقت شریعت کی مخالفت کی دنیوی سزا ہے' چنانچہ امام احمد اور ابو داود رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ھرمز سے روایت کیا ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن حکم رحمہ اللہ کو اپنی بیٹی کا رشتہ دیا اور عبدالرحمٰن بن حاکم نے اس کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا اور دونوں نے مہر بھی مقرر کیا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ مروان بن حکم رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ ان دونوں نکاحوں کو ختم کر دو' چنانچہ انہوں نے اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ یہ واقعہ' جو کہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا' شغار کے اس معنی کو واضح کر رہا ہے' جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر مقرر کرنے سے یہ نکاح صحیح نہیں ہو جاتا اور نہ اسے شغار سے خارج کرتا ہے کیونکہ عباس بن عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن حکم رحمہما اللہ دونوں نے مہر مقرر کیا تھا اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور دونوں میں تفریق کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ یہ ہے وہ شغار جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' حضرت نافع رحمہ اللہ کی نسبت عربی لغت اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی کو زیادہ جانتے تھے۔

نکاح کی منکر صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے' جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی یا بھتیجی وغیرہ کو اس شخص کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتی حالانکہ یہ بھی ایک بہت بڑی خرابی اور عورتوں پر ظلم ہے لہٰذا باپ یا کسی بھی دوسرے وارث کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسا کرے کیونکہ اس میں عورتوں پر ظلم بھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی مخالفت بھی کیونکہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ عورتوں کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح کیا جائے' چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَارَسُولَ اللهِ وكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، ح:٥١٣٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ح:١٤١٩)

”شوہر دیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے مشورہ کر لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے اجازت لے لی جائے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی طرف سے اجازت کس طرح ہوگی؟ آپ نے فرمایا یہ کہ وہ خاموش رہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ح:١٤٢١)

”کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت طلب کرے جبکہ اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔“

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں' ہاں البتہ اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ آدمی اپنی اس بچی کی اجازت

کے بغیر کفو (ہم پلہ) سے شادی کر سکتا ہے جو کہ ابھی تک نو سال کی عمر کو نہ پہنچی ہو اور مصلحت اس شادی میں ہو کیونکہ اس عمر میں بچی اپنے مصالح نہیں جانتی' اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کر دی تھی اور آپ سے اجازت نہ لی تھی کیونکہ آپ کی عمر ابھی نو سال سے بھی کم تھی' لہٰذا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور نکاح وغیرہ میں ان تمام امور سے اجتناب کرے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرما دیا ہے کیونکہ اتباع شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی پیروی ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائی اور ابدی سعادت و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ تمام حضرات کو ان لوگوں میں سے بنا دے جو بات کو سنتے اور پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ عورتوں کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کرنے کی وجہ سے کتنے ہی فتنے' مشکلات' عداوتیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور یہ درحقیقت شریعت مطہرہ کی مخالفت اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنے والے کے لیے کچھ دنیوی سزا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز سے عافیت کا سوال کرتے ہیں جو اس کی رضا کے خلاف ہو۔

اس طرح کے منکر امور میں سے ایک یہ بھی ہے' جس کا بہت سے دیہاتی اور شہری لوگوں میں رواج ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی چچا زاد کو روک رکھتے ہیں اور اسے کسی دوسرے شخص سے شادی کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ یہ بھی ایک بری بات' جاہلیت کا طریقہ اور عورتوں پر ظلم ہے جس کی وجہ سے بہت سے فتنے' بے شمار خرابیاں' عداوت' قطع رحمی اور خون ریزیاں ہوئی ہیں' لہٰذا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو کہ وہ اس کام سے بچ جائے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی اس (غیر شرعی) کام سے بچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ عورتوں سے اجازت لی جائے اور ان کی رضامندی کے بغیر ان کی شادی نہ کی جائے' لہٰذا عورتوں کے وارثوں پر یہ واجب ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ عورتوں کی بہتری کس بات میں ہے' وہ ان سے اجازت لے کر ایسے لوگوں سے ان کی شادی کریں جو دین و اخلاق کے اعتبار سے ان کے کفو (ہم پلہ) ہوں' اسی سے ذمہ داری پوری ہو گی اور وارث اپنے فرض سے عہدہ برا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرما دے' ان پر احسان فرماتے ہوئے انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وصیت کرنے کی توفیق بخشے' اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا ہے کہ وہ مسلمان حکمرانوں کی بھی اصلاح فرمائے اور انہیں نیک مشیر عطا فرمائے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وصلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ۔

—— شیخ ابن باز ——

۱۵

كتاب الطلاق

طلاق کے مسائل و احکام

عورت کو کب مطلقہ سمجھا جائے گا؟

سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رئیس عام ادارات بحوث علمیہ و افتاء سے سوال پوچھا گیا کہ عورت مطلقہ کب شمار ہوگی؟ اور طلاق کے جواز میں کیا حکمت ہے؟

جواب آپ نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ عورت کو اس وقت مطلقہ سمجھا جائے گا جب اس کا شوہر مکلف و مختار ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور طلاق کے وقوع سے جنون یا نشہ وغیرہ کا کوئی امر مانع بھی نہ ہو' نیز عورت طاہر ہو کہ اس طہر میں شوہر نے اس سے مجامعت بھی نہ کی ہو یا وہ حاملہ ہو اور اگر شوہر مجنون ہو یا اسے مجبور کیا گیا ہو یا وہ نشہ کی حالت میں ہو یا وہ اس قدر شدید غصے کی حالت میں ہو کہ طلاق کے نقصان کو سمجھنے سے عاجز ہو' واضح اسباب بھی اس بات کی تائید کرتے ہوں کہ اس نے شدید غصے کی حالت میں طلاق دی ہے' مطلقہ بھی اس بات کی تصدیق کرے یا معتبر گواہی سے اس کی تصدیق ہو تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاَثَةٍ: عِنَ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ»(سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، ح:٤٤٠٣ وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء فيمن لا يجب عليه الحد، ح:١٤٢٣)

"تین شخص مرفوع القلم ہیں ① سویا ہوا حتی کہ بیدار ہو جائے ② اور بچہ حتی کہ بالغ ہو جائے ③ اور مجنون حتی کہ سمجھنے لگے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ مُطۡمَئِنُّۢ بِٱلۡإِيمَٰنِ ﴾ (النحل١٦/١٠٦)

"جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے' وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔"

جب اس شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا' جسے کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس شخص کی طلاق تو بالاولیٰ واقع نہ ہو گی جس نے محض جبر (زبردستی) کی وجہ سے طلاق دی ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ طَلاَقَ وَلاَ عَتَاقَ فِي إِغْلاَقٍ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب في الطلاق على غلط، ح:٢١٩٣ وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، ح:٢٠٤٦)

"جبر کی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔"

اہل علم کی ایک جماعت نے' جس میں امام احمد رحمہ اللہ بھی ہیں' اس حدیث میں وارد لفظ "اغلاق" کے معنی جبر اور شدید

غصے کے کیے ہیں' خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نشہ میں مبتلا اس شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی کہ نشہ نے جس کی عقل کو ماؤف کر دیا ہو' اگرچہ نشہ کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔

طلاق کے جواز میں جو حکمت تو بے حد واضح ہے کہ کبھی بیوی شوہر کے مناسب نہیں ہوتی اور کبھی شوہر بہت سے اسباب مثلاً ضعف عقل' ضعف دین یا بے ادبی کی وجہ سے بیوی سے نفرت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کشادگی کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ اسے طلاق دے کر اپنی عصمت (زوجیت) سے خارج کر دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ ٱللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِۦ ﴾ (النساء٤/ ١٣٠)

"اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے (ایک دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

طلاق شوہر کا حق ہے

سوال اسلامی شریعت سے یہ بات ثابت ہے کہ طلاق شوہر کا حق ہے لیکن جمہور علماء کا جو یہ مذہب ہے کہ طلاق کا حق بیوی کو بھی سونپا جا سکتا ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا یہ حق کسی وکیل کے سپرد بھی کیا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ شوہر کسی کو یہ حق تفویض کر دے کہ وہ اس کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے' میرا سوال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ کیا یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آدمی طلاق کا حق اپنی بیوی یا کسی اور شخص کے سپرد کر سکتا ہے؟

جواب عورت یا کسی اور شخص کو طلاق کے لیے وکیل بنانے کے بارے میں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث معلوم نہیں ہے لیکن علماء نے یہ مسئلہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے اخذ کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مالی حقوق وغیرہ میں کسی سمجھدار آدمی کو وکیل بنانا جائز ہے۔

طلاق دینا شوہر کا حق ہے لیکن اگر وہ طلاق کا یہ حق اپنی بیوی یا کسی ایسے شخص کو سونپ دے' جس کی طرف وکالت (سپردگی) کی نسبت صحیح ہو تو اس میں شرعی قاعدہ پر عمل کے پیش نظر کوئی حرج نہیں لیکن شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ وکیل کو یہ حق دے کہ وہ اکٹھی تینوں طلاقیں دے دے کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا خود شوہر کے لیے بھی جائز نہیں ہے لہٰذا وکیل کیلئے یہ بالاولیٰ جائز نہیں ہو گا' چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ عرض کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ» (سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ح: ٣٤٣٠)

"کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا (مذاق کیا) جا رہا ہے حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔"

اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طلاق کے متعلق ان سے پوچھا تو فرمایا:

«أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ»(صحيح مسلم،

الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض ... الخ، ح:١٤٧١)

''آپ نے جو اسے تینوں طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں تو نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کا کثرت استعمال

سوال لوگوں میں معمولی بات پر طلاق کا جو کثرت سے استعمال ہو رہا ہے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنی اہلیہ یا دیگر لوگوں کے ساتھ نزاع کی صورت میں طلاق سے اجتناب کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ الطَّلَاقُ» (سنن أبي داود، الطلاق، باب في كراهية الطلاق، ح:٢١٧٨ وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سويد بن سعيد، ح:٢٠١٨)

''اللہ کے ہاں حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

اور پھر اس کے نتائج بھی چونکہ بہت سنگین ہوتے ہیں اس لیے بھی اس سے اجتناب ضروری ہے۔

طلاق صرف بوقت ضرورت جائز ہے اور اگر طلاق دینے میں مصالح ہوں یا عورت کو اپنے پاس رکھنے میں بہت زیادہ دینی نقصان ہو تو پھر طلاق مستحب ہے اور سنت یہ ہے کہ جب بوقت ضرورت طلاق دینا ہو تو ایک طلاق دی جائے تاکہ بوقت ارادہ عدت میں رجوع ممکن ہو اور عدت ختم ہونے کے بعد نکاح جدید ممکن ہو' اسی طرح یہ بھی مشروع ہے کہ عورت کو حمل کی حالت میں طلاق دی جائے یا اس حالت طہارت میں جس میں اس سے مقاربت نہ کی ہو کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ رجوع کر لیں' بیوی کو اپنے پاس رکھیں حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اس کے ایام شروع ہوں اور پھر وہ پاک ہو جائے تو اگر چاہیں تو مقاربت کیے بغیر اسے طلاق دے دیں اور فرمایا کہ یہ ہے وہ عدت جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ [1]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ لِعُمَرَ: «مُرْهُ - يَعْنِي ابْنَهُ عَبْدَاللهِ - فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا»(صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض ... الخ، ح:١٤٧١)

''نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انہیں یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دو کہ ''وہ رجوع کر لیں اور پھر اسے حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض و نفاس یا ایسی حالت طہارت میں جس میں مباشرت کی ہو' عورت کو طلاق دینا جائز نہیں ہے اور یہ تفسیر ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کی:

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' الطلاق' باب و قول اللہ عزوجل ﴿ یایھا النبی اذا طلقتم ..... ﴾ حدیث:٥٢٥١۔

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں ان کو طلاق دو۔"

اس طرح یہ بھی جائز نہیں کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ یا ایک ہی مجلس میں تینوں طلاقیں اکٹھی دے دی جائیں کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے بسند حسن محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ ناراضی کے عالم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ»(سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ح: ٣٤٣٠/ ٣)

"کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا (مذاق کیا) جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔"

اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے جب اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں اکٹھی دے دیں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ»(صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض ... الخ، ح: ١٤٧١)

"تجھے بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے تم نے اس کی نافرمانی کی ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

طلاق کے اسباب

سوال آپ جناب کے نزدیک طلاق کے کیا اسباب ہیں؟

جواب طلاق کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً میاں بیوی میں ہم آہنگی کا نہ ہونا اور اس وجہ سے دونوں میں سے کسی ایک کو یا دونوں ہی کو ایک دوسرے سے محبت کا نہ ہونا یا عورت کا بدخلق ہونا اور دستور کے مطابق اپنے شوہر کی فرمانبرداری نہ کرنا یا مرد کا بدخلق ہونا' عورت پر ظلم کرنا اور اس سے انصاف نہ کرنا یا مرد و زن کا ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنا یا دونوں ہی کا گناہوں میں مبتلا ہونا اور اس کی وجہ سے دونوں کے تعلقات کا خراب ہو جانا اور اس کا نتیجہ طلاق تک پہنچ جانا ہے' اسی طرح طلاق کے اسباب میں سے میاں یا بیوی کا منشیات یا تمباکو کا استعمال کرنا بھی ہے۔ بیوی کے شوہر کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلقات کا خوش گوار نہ ہونا بھی طلاق کا ایک سبب ہے اور یہ تعلقات اس وقت ناخوش گوار ہوتے ہیں' جب ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے معاملہ میں حکیمانہ سیاست استعمال نہ کی جائے' نیز طلاق کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ عورت صفائی ستھرائی کا اہتمام نہ کرے' شوہر کے لیے اچھے کپڑوں اور اچھی خوشبو کا استعمال نہ کرے' اس سے اچھے انداز سے گفتگو نہ کرے اور ملاقات اور میل جول کے وقت خوشی اور مسرت کا اظہار نہ کرے۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال سماحۃ الشیخ! طلاق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شوہر نے شادی سے پہلے اپنی بیوی کو دیکھا نہیں ہوتا حالانکہ دین

اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب بے شک نکاح سے پہلے شوہر کا بیوی کو نہ دیکھنا بھی طلاق کا ایک سبب ہو سکتا ہے' خصوصاً جب کہ عورت کی صورت حال اس کے خلاف ہو' جو اس سے بیان کی گئی ہو' اسی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شوہر کے لیے شادی سے پہلے بیوی کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، ح:٢٠٨٢ ومسند أحمد: ٣/ ٣٣٤ واللفظ له)

"جب تم میں سے کوئی عورت کو منگنی کا پیغام دے اور اگر وہ اسے اس طرح دیکھ سکتا ہے کہ جس سے اس کے ساتھ نکاح کی ترغیب ہو تو اسے دیکھ لے۔" اور فرمایا:

«اُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة، ح:١٠٨٧)

"اس کی طرف دیکھ لے' اس طرح تمہارے درمیان الفت و محبت کی زیادہ توقع ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' ایک شخص نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ اس نے ایک عورت سے منگنی کر لی ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:

«أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب ندب النظر إلى وجه المرأة ... الخ، ح:١٤٢٤)

"کیا تو نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے؟" یہ اور ان کے ہم معنی دیگر تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح سے پہلے منگیتر کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ہم آہنگی پیدا کرنے کا سبب ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہوتا ہے۔

یہ بات ہماری اس شریعت کے محاسن میں سے ہے' جس میں ہر وہ بات موجود ہے؟ جو بندگان الٰہی کے لیے بہتری کا سبب ہے اور جس میں معاشرے کی دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس شریعت کو بھیجا' اسے کامل و اکمل بنایا اور اسے کشتیٔ نوح کے مانند بنا دیا کہ جو اس پر ثابت رہا نجات پا گیا اور جو اس سے نکل گیا' تباہ و برباد ہو گیا۔

——— شیخ ابن باز ———

رجعی طلاق والی عورت کے لیے شوہر کے گھر سے نکلنا

سوال یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے' تو وہ فوراً اپنے شوہر کے گھر سے نکل جاتی ہے اور اپنے وارثوں کے گھر میں عدت گزارتی ہے لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے' حکم شریعت یہ ہے کہ عورت عدت اپنے شوہر کے گھر گزارے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ رجوع کر لے' اسی سے خاندان کی حفاظت اور طلاق کا عدم وقوع ہو گا' اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو' یعنی جسے ایک یا دو طلاقیں دی گئی ہوں تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ

اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے' شائد وہ رجوع کر لے اور رجوع میں ترغیب کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ عورت تزئین و آرائش (اپنی زیب و زینت اور بناؤ سنگھار) کا اہتمام کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴿١﴾ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو (نہ تو تم ہی) ان کو ایام عدت میں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں' ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرے گا' وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے۔"

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے لیے طلاق کے بعد فوراً (خاوند کے گھر سے) باہر نکلنا جائز نہیں ہے بلکہ اسے اپنے شوہر کے گھر میں ہی رہنا چاہیے اور اس سے نہیں نکلنا چاہیے' شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد مراجعت کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔

——— شیخ ابن باز ———

طلاق سنت

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ اختلاف ہو جانے کی وجہ سے اسے پے در پے دو طلاقیں دے دیں لیکن دوسرے ہی دن بیوی کے بھائی اور بعض رشتہ داروں کی موجودگی میں صلح ہو گئی کیا یہ طلاق واقع ہو گئی ہے؟ یاد رہے کہ اس شخص نے جس وقت طلاق دی تھی' غصے اور اعصابی تناؤ کی حالت میں تھا۔

جواب طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی بوقت ضرورت اپنی بیوی کو حالت طہارت میں طلاق دے جب کہ اس طہارت میں اس نے بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو اور طلاق بھی ایک ہی دے' اس طلاق کی عدت کے دور میں بیوی اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٦)

"(مطلقہ) عورتوں کو (ایام عدت میں) وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو۔"

اگر عدت گزر جائے اور شوہر نے رجوع نہ کیا ہو تو اس عورت کو اس سے پردہ کرنا چاہیے' اس کے گھر سے نکل جانا چاہیے' یہ عورت اس کے لیے حرام ہو جائے گی' الا یہ کہ اس کی رضامندی سے وہ اس سے نیا نکاح کر لے۔ تینوں طلاقیں اکٹھی دے دینا بدعت ہے لیکن جمہور کے نزدیک وہ واقع ہو جاتی ہیں اور عورت نئے شوہر سے نکاح کے بغیر حلال نہیں ہوتی۔ دو طلاقوں کے بعد بھی عدت کے دوران مراجعت حلال ہے' جس طرح ایک طلاق کے بعد حلال ہے' ناراضی (اور غصے) کے عالم دی گئی طلاق جمہور کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ بے ہوش نہ ہو' بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر

بہت شدید غصے کی حالت ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی' چنانچہ اس مسئلہ کی تفصیل مشہور ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا حائضہ کو دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال دو بچوں کی ماں کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی لیکن اس وقت وہ حالت طہارت میں نہ تھی اور نہ اس نے اپنے شوہر کو یہ بتایا تھا' حتی کہ جب قاضی کے پاس گئے تو اس نے قاضی کو بھی اس بارے میں نہیں بتایا' صرف اپنی ماں کو بتایا اور ماں نے ہی اسے کہا کہ قاضی کو نہ بتانا ورنہ تجھے طلاق نہیں ہو گی' پھر عورت اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور پھر شوہر کی طرف رجوع کا ارادہ کر لیا تاکہ بچے ضائع نہ ہوں' سوال یہ ہے کہ حالت حیض میں دی گئی اس طلاق کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حالت حیض میں دی گئی طلاق کے بارے میں اہل علم میں بہت اختلاف ہے یہ طلاق مؤثر ہو گی یا لغو قرار پائے گی؟ جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ طلاق مؤثر ہو گی اور ایک طلاق شمار ہو گی لیکن شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیوی کو اپنے پاس واپس لائے اور اسے اپنے پاس رکھے حتی کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے اور اب اگر چاہے تو شوہر اسے اپنے پاس رکھے چاہے تو طلاق دے دے' جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے' جن میں ائمہ اربعہ امام احمد' شافعی' مالک اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ بھی شامل ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں راجح وہ بات ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پسند فرمایا ہے اور وہ یہ کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق واقع ہوتی ہے نہ مؤثر' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے۔"

اور اس خاص مسئلہ سے متعلق دلیل حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے شدید ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا:

«مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيَتْرُكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ»(صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى: ياايها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن . . . الخ، ح:٥٢٥١ وصحيح مسلم، باب تحريم طلاق الحائض . . . الخ، ح:١٤٧١ واللفظ له)

"انہیں حکم دو کہ وہ رجوع کریں اور پھر اسے چھوڑ دیں حتی کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اسے حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو جائے اور پھر اس کے بعد اگر چاہے تو اسے اپنے پاس رکھے اور چاہے تو اسے طلاق دے دے مجامعت کرنے سے پہلے۔ یہ ہے وہ عدت جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔"

یعنی وہ عدت جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے' وہ حالت طہارت ہے جس میں شوہر نے بیوی

کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو' لہٰذا جو شخص حالت حیض میں طلاق دے' اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق طلاق نہیں دی اس لیے ایسی طلاق مردود ہوگی چنانچہ مذکورہ بالا عورت کو دی گئی طلاق مؤثر نہیں ہے اور عورت ابھی تک اپنے شوہر کی عصمت میں ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ طلاق کے وقت مرد کو یہ علم تھا کہ عورت طاہرہ ہے یا نہیں' ہاں البتہ اگر اسے یہ علم ہو کہ عورت طاہرہ نہیں ہے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اگر علم نہ ہو تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور حالت حیض میں دی جانے کی وجہ سے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حاملہ کی طلاق کا حکم

سوال میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور دوسری عورت سے شادی کے پانچ ماہ بعد معلوم ہوا کہ پہلی بیوی نے میری بیٹی کو جنم دیا ہے' کیا یہ طلاق جائز تھی یا نہیں؟ طلاق دیتے وقت مجھے علم نہیں تھا کہ میری بیوی حاملہ ہے' کیا اسے واپس لانا جائز ہے؟ میں جب اپنی بیٹی کو دیکھنے گیا تو اس مطلقہ بیوی کے باپ نے اس مقررہ رقم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جو میں ہر ماہ اپنی بیٹی کو دینا چاہتا تھا' لہٰذا اب میں جب بھی بیٹی سے ملنے جاتا ہوں تو صرف کپڑے ہی لے کر جاتا ہوں' کیا میری کوئی اور بھی ذمہ داری ہے یا نفقہ نہ دینے کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہ ہوگا؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے!

جواب حاملہ عورت کو طلاق دینا صحیح ہے اور حالت حمل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے' یہ طلاق سنت ہی کی ایک قسم ہے جب کہ حائضہ کو طلاق دینا بدعت ہے' اسی طرح غیر حاملہ کو بھی اس طہر میں طلاق دینا بدعت ہے جس میں اس کے شوہر نے اس سے مقاربت کی ہو اور حمل واضح نہ ہوسکا ہو' بہرحال مذکورہ طلاق واقع ہوگئی ہے اور صحیح ہے اور اگر طلاق ایک یا دو ہیں تو عورت کی رضامندی سے نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ رجوع جائز ہے اور اگر طلاقیں تین ہیں تو پھر وہ عورت تمہارے لیے حلال نہیں الا یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے (اور وہ کسی خفیہ منصوبہ بندی کے بغیر' برضا ورغبت از خود طلاق دے یا فوت ہو جائے)

حمل کی مدت کے دوران بیوی کا خرچہ آپ کے ذمہ تھا اور اگر آپ نے نفقہ نہیں دیا حتی کہ اس نے بچے کو جنم دے دیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا' آپ کی بچی کا نفقہ تو آپ پر واجب ہے اور اگر بچی کا نانا اس نفقہ کو ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ آپ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے خرچہ کا مسئلہ حل ہو جائے تو ٹھیک' ورنہ اختلاف کی صورت میں اس مسئلہ کو شہر کے قاضی کی عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اس ماہوار نفقہ کا تعین کر دے' جس کی یہ بچی مستحق ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حاملہ کی طلاق

سوال کیا حاملہ بیوی کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب حاملہ عورت کو طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ رجوع کر لو پھر اسے روکے رکھو حتی کہ پاک ہو جائے' پھر اسے حیض آئے اور پھر پاک ہو جائے تو اب اگر چاہو تو مقاربت سے پہلے اسے حالت طہارت میں یا حالت حمل میں طلاق دے دو۔ [1]

—— شیخ ابن باز ——

ضرورت کے بغیر طلاق مکروہ ہے

سوال میں ایک شادی شدہ مسلمان نوجوان ہوں' میرے دو بچے ہیں' میں نے ۱۹۸۱ء میں شادی کی تھی' میں اپنی بیوی سے کامل (بھرپور) محبت و احترام سے پیش آتا ہوں لیکن وہ مجھے ناپسند کرتی اور میرے والدین کو گالیاں دیتی ہے' میں نے اسے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے کے بجائے مجھے جاہل اور غیر مہذب کہتی ہے حتی کہ اب اس نے نماز بھی چھوڑ دی ہے' لہٰذا میں اپنی اس بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے اور دونوں بچوں کے حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحیح طریقہ سے طلاق دوں' لہٰذا اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں؟

جواب ضرورت کے بغیر طلاق دینا مکروہ ہے' اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے سوال میں مذکور ہے تو پھر اس عورت کو اپنے پاس رکھنا' خصوصاً جب کہ اس نے نماز بھی چھوڑ دی ہے' جائز نہیں ہے' لہٰذا اسے طلاق دے دیں جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اسے اس کی ایسی حالت طہارت میں ایک طلاق دیں جس میں اس سے مقاربت نہ کی ہو' اس طلاق کے بعد اسے گھر میں رہنے دیں حتی کہ یہ عدت گزار لے' اس دوران اسے سامان یعنی لباس اور خرچ وغیرہ بھی دیں بچوں کو اسی کے پاس رہنے دیں حتی کہ یہ شادی کر لے' پھر آپ کو حق حاصل ہو گا کہ بچے اس سے واپس لے لیں' جب تک بچے اس کے پاس رہیں آپ پر تنگ دستی و خوش حالی کے مابین عام عادت کے بقدر ان کا خرچہ بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ سَيَجْعَلُ ٱللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝٧ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۷)

"اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

ایک باطل شرط

سوال شریعت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے ایک دوسرے شخص کے ساتھ مل کر یہ طے کیا کہ دونوں ایک معین مدت کے اندر اندر شادی کریں گے اور جو شخص شادی نہ کر سکے اسے اپنی پہلی بیوی کو بھی طلاق دینا ہو گی' دونوں نے باہمی اتفاق سے اس شرط کو منظور کیا تھا؟

[1] دیکھیے: صحیح مسلم' الطلاق' تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ..... الخ' حدیث: ۱۴۷۱۔

جواب یہ ایک باطل شرط ہے' جو اسے پورا نہ کر سکے اس کے لیے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے بلکہ اسے چاہیے کہ کفارہ قسم ادا کر دے' چنانچہ اسلاف میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے' انہوں نے اس طرح کے کلام کو قسم کے حکم میں قرار دیا ہے جب کہ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں کوئی بھی کفارہ لازم نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کن الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے

ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقوں کے بارے میں حکم

سوال ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب کوئی مرد اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے مثلاً اس طرح کہے کہ: "انت طالق بالثلاث او مطلقة بالثلاث" (میں تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں) جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ اس سے عورت پر تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور صرف ایک ہی صورت میں حلال ہوتی ہے کہ اس کے بعد کسی اور شخص سے برضا ورغبت شادی کرے' حلالہ کی صورت میں نہیں' اور پھر وہ شخص اس سے مقاربت بھی کرے اور پھر موت یا طلاق کی صورت میں اس سے علیحدگی اختیار کر لے' ان اہل علم کا استدلال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے ہے کہ آپ نے تینوں طلاقوں کو لوگوں پر نافذ کر دیا تھا' بعض دیگر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ ایک طلاق شمار ہو گی اور شوہر کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر عدت ختم ہو جائے تو پھر وہ نئے نکاح کے ساتھ حلال ہو گی' ان حضرات کا استدلال صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہے:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»(صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، ح: ١٤٧٢)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد میں' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلد بازی شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی لہٰذا اسے ہم نافذ کر دیں گے چنانچہ' انہوں نے اسے نافذ کر دیا۔"

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کے عہد میں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے (پہلے) تین سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار نہیں دیا جاتا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ نیز ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے جسے امام احمد نے مسند میں جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جس کی وجہ سے

انہیں بہت غم ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی بیوی کو واپس لوٹا دیا تھا اور فرمایا تھا "یہ ایک طلاق ہے"۔ انہوں نے اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں ایک طلاق ہے تاکہ ان دو حدیثوں اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۹)

"طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے صرف) دو بار ہے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۰)

"پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) کے لیے حلال نہ ہو گی۔"

کے درمیان تطبیق دی جا سکے۔

صحیح روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ایک قول یہی ہے جب کہ دوسری روایت کے مطابق ان کا دوسرا قول اکثر لوگوں کے قول کے مطابق ہے' ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا قول حضرت علی عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے' تابعین کی ایک جماعت' محمد بن اسحاق صاحب "السیرۃ" اور متقدمین و متاخرین اہل علم کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو پسند فرمایا ہے' میں بھی اسی قول کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں' کیونکہ اس سے تمام نصوص کے مطابق عمل بھی ہو جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت اور نرمی بھی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے برادر مکرم جناب م ح ص کے نام' اللہ تعالیٰ ان کے علم و ایمان میں اضافہ فرمائے اور وہ جہاں بھی ہوں انہیں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اما بعد:

مجھے آپ کا گرامی نامہ مورخہ یکم محرم ۱۳۹۵ھ موصول ہوا' اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمائے' آپ کے خط سے آپ کی صحت کے بارے میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ الحمدللہ علی ذلک۔

دعوت کے بارے میں استفادہ سے متعلق آپ نے رغبت کا جو اظہار فرمایا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی اچھی بات نہیں ہو سکتی جو اللہ تعالیٰ نے مبلغین کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:

﴿ وَمَنۡ أَحۡسَنُ قَوۡلٗا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحٗا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ۝٣٣ ﴾

(فصلت۴۱/ ۳۳)

"اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔"

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۰۸)

"کہہ دو میرا رستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیروکار بھی۔"

نیز فرمایا:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

"اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

تو ہم آپ کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں صبر اور تحمل کے ساتھ' سختی اور شدت سے پرہیز کرتے ہوئے میدان دعوت میں کام کریں' کیونکہ سختی اور شدت کی وجہ سے انسان حق قبول کرنے سے دور ہو جاتا ہے' جیسا کہ یہ بات آپ سے مخفی نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کی مدد فرمائے' آپ کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو ہدایت کے داعیوں اور حق کے مددگاروں میں سے بنا دے' انه خير مسئول -

متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع کرنے کے حکم کے بارے میں تفصیل ہے' جیسا کہ میرے سامنے دلائل سے واضح ہوا ہے۔ اہل علم نے اسے "باب ما يختلف به عدد الطلاق" میں ذکر کیا ہے۔ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جب کہ عدت میں ہوں خواہ شوہر انہیں ایک کلمہ کے ساتھ واقع کرے' یا متعدد کلمات کے ساتھ' الا یہ کہ وہ ایسے کلمات استعمال کرے جن میں اس بات کا احتمال ہو کہ اس نے دوسرے اور اس کے بعد کے کلمات کو تاکید کے طور پر استعمال کیا ہے' مثلاً یوں کہے کہ: "انت طالق' طالق طالق' " یا " انت مطلقة' مطلقة' مطلقة " یا اس طرح کے دیگر کلمات' ان سے بیوی پر ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے' اس صورت میں دوسرے اور بعد والے لفظ کو پہلے لفظ کی تاکید سمجھا جائے گا جب کہ شوہر کا ارادہ تین طلاقیں واقع کرنے کا نہ ہو' بلکہ اس کا ارادہ تاکید ہو یا عورت کو سمجھانا' یا اس کا کچھ بھی ارادہ نہ ہو' بلکہ اس نے اس لفظ کی تکرار محض غصے کی وجہ سے کی ہو' یا تین طلاقیں واقع کرنے کے علاوہ اس کا اس سے کچھ اور مقصود ہو۔

اور اگر وہ ایسے الفاظ استعمال کرے' جن میں تاکید کا احتمال نہ ہو' مثلاً یوں کہے کہ: " طالق' ثم طالق' ثم طالق " (تجھے طلاق ہے' پھر طلاق ہے' پھر طلاق ہے) یا " انت طالق' وطالق' وطالق " یا " انت مطلقة' انت مطلقة' انت مطلقة " تو اس سے بھی پہلے الفاظ کی طرح اکثر علماء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' الا یہ کہ تاکید کا' یا عورت کو سمجھانے کا ارادہ ہو' لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ قول پسند کیا ہے کہ ان مختلف الفاظ سے بھی ایک ہی طلاق واقع ہو گی' جس طرح کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے' آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحیح مسلم میں ہے:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ

فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»(صحیح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، ح:١٤٧٢)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں میں (ایک مجلس کی) تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی، لہذا اسے ہم نافذ کر دیں گے، چنانچہ آپ نے اسے ان پر نافذ کر دیا۔"

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس سے مختلف الفاظ کے ساتھ بھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی مولفات میں اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی سب سے زیادہ تفصیل آپ کے مجموعہ فتاوی میں ہے، جسے شیخ عبدالرحمن بن قاسم نے مرتب کیا ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے نزدیک دوسری اور تیسری طلاق نکاح یا رجعت کے بعد واقع ہو گی، لیکن مجھے اس بارے میں کوئی واضح دلیل معلوم نہیں سوائے مذکورہ حدیث ابن عباس کے اطلاق کے، یا ایک دوسری حدیث کے، جو قصہ ابورکانہ کے سلسلہ میں مروی ہے، لیکن یہ دونوں حدیثیں اس موضوع کے بارے میں صریح نہیں ہیں۔ میں تیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ سے یہ فتویٰ دے رہا ہوں کہ جب شوہر ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا جو مفہوم اخذ کیا ہے یہ بہت تنگ مفہوم ہے، جس پر انہیں محمول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح علماء کے صحیح قول کے مطابق تمام کنایات سے بھی ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے جب کہ شوہر کا کنایہ سے ارادہ طلاق کا ہو، کیونکہ ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع کرنے کی نسبت کنایہ سے طلاق واقع کرنا زیادہ ضعیف ہے، لہذا جب اسے ایک طلاق شمار کرنا جائز ہے تو معتبر کنایہ کو ایک طلاق شمار کرنا بالاولیٰ جائز ہو گا۔

اس مسئلہ پر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی "اعلام الموقعین"، "زاد المعاد" اور "اغاثة اللهفان" میں بڑی شرح و بسط سے گفتگو فرمائی ہے۔ اور اس ساری بحث میں ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ طلاق دیتے وقت شوہر عاقل اور مختار ہو اور جو شخص مجبور کیا ہوا، زائل العقل اور ایسا شدید الغضب ہو کہ غضب نے اس کے شعور کو ختم کر دیا ہو تو ایسے لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ معلوم ہے۔

غصہ اگر شدید ہو، مگر اس سے عقل میں خلل نہ پڑا ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہونے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف مشہور ہے۔

غصہ اگر قلیل ہو تو اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غصے کی تین حالتیں ہیں (۱) ایسا غصہ جس کی وجہ سے عقل اور شعور زائل ہو جائے تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس پر اجماع ہے جیسا کہ: مجنون، پاگل اور زائل العقل کی طلاق، نیز نشہ میں مبتلا انسان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، گو نشہ کی وجہ سے وہ گناہ گار ضرور ہے، جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس نے طلاق اس وقت دی جب کہ وہ نشہ کی حالت میں تھا اور نشہ کی وجہ سے اس کی عقل ختم ہو گئی تھی (۲) شدید ترین غصہ ہو کہ اس (غصے) نے اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا ہو لیکن اس کے ساتھ اس کے شعور میں فرق نہ آیا ہو، یہ صورت محل اختلاف ہے، زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ اس صورت میں بھی

طلاق واقع نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد رشید ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس بات کو پسند کیا ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کا اس موضوع پر ایک چھوٹا سا رسالہ بھی ہے جسے انہوں نے "اغاثة اللهفان في حكم طلاق الغضبان" کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس میں بہت عمدہ طریقے سے بحث کی ہے۔ (۳) غصہ خفیف ہو تو یہ بالاجماع طلاق واقع ہونے سے مانع نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

——— شیخ ابن باز ———

میں نے بیوی سے کہا کہ اب تو میرے لیے حلال نہیں ....

سوال میں ایک شادی شدہ نوجوان ہوں' میری والدہ اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا' میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! یہ اب میرے لیے حلال نہیں ہے' میں نے یہ الفاظ طلاق کے ارادہ سے کہے تھے اور جب میں نے اس بارے میں ایک عالم سے فتویٰ لیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کی یہ قسم ظہار کے قائم مقام ہے' لہٰذا آپ پر دو ماہ کے روزے واجب ہیں اور اگر روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ میری بیوی میرے ساتھ گھر میں ہی رہتی ہے' میں دو ماہ تک صبر نہیں کر سکوں گا' میں نے ایک رات ایک نانبائی سے ساٹھ روٹیاں لیں اور انہیں ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کر دیا' اس واقعہ کو ایک سال ہو گیا ہے کیا اس سے میری قسم کا کفارہ ادا ہو گیا؟

جواب اگر مذکورہ الفاظ آپ نے طلاق کے قصد سے کہے تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گئی تھی اور یہ ظہار کی صورت نہیں تھی' لہٰذا آپ پر ظہار کا کفارہ بھی واجب نہیں ہے بلکہ وہ ایک طلاق ہے' کیونکہ آپ کی نیت طلاق کی تھی اور اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ...الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔"

——— شیخ ابن باز ———

بیوی سے کہا کہ تو اب میرے ذمہ میں نہیں ہے

سوال ایک رات میں اپنی بیوی کے کمرہ میں گیا تو میں نے اس کا دروازہ بند پایا' میں نے دروازہ پر دستک دی' لیکن اس نے نہ کھولا تو میں واپس لوٹ کر مردانے خانہ میں آکر سو گیا' صبح کے وقت میں اس کے پاس گیا تو میں نے پوچھا کہ دروازہ کیوں بند کیا تھا؟ اس نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا' میں اس وقت غصہ کی حالت میں تھا لہٰذا میں نے اس سے یہ کہہ دیا کہ "رات سے تو میرے ذمہ میں نہیں ہے" یہ کہہ کر میں واپس آگیا لیکن پانچ منٹ بعد ہی میں نے رجوع کر لیا اور مسلسل تین بار کہا "استغفر اللہ العظیم" اے اللہ! مجھے معاف فرما دے اور مجھ سے درگزر فرما" امید ہے رہنمائی فرمائیں گے کہ اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے؟

جواب اے بھائی! ہم آپ کو یہ نصیحت کریں گے کہ تحمل اور صبر کریں اور بیویوں کے معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے' لہٰذا آپ اس سے ٹیڑھے پن میں فائدہ اٹھائیں اور اگر سیدھا کرنا چاہیں گے تو اسے توڑ بیٹھیں گے' توڑنے سے مراد طلاق دینا ہے' لہٰذا حوصلے سے کام لیں اور طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیں اور معمولی بات پر ناراض نہ ہوں اور اگر ناراض ہوں تو اپنے آپ کو قابو میں رکھیں تاکہ کسی ایسی چیز کا اظہار نہ ہو جس پر افسوس کرنا پڑے۔ حدیث میں ہے:

«إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٤، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ... الخ، ح٢٦٠٩)

''بہادر وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔''

آپ نے جو الفاظ استعمال کیے' یہ صریحاً طلاق ہیں 'کنایہ نہیں ہیں لیکن ان کا تعلق نیت سے ہے' اگر آپ کی نیت تین طلاقوں کی تھی تو جمہور کے نزدیک تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر آپ کی نیت ایک طلاق کی تھی تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور عدت کے اندر آپ کو رجوع کا حق حاصل ہو گا اور اگر آپ اس مسئلہ کی مزید وضاحت چاہیں تو بحوث علیہ وافتاء ودعوۃ وارشاد کی مستقل کمیٹی برائے افتاء کی طرف رجوع کریں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بیوی پر لعنت بھیجنا طلاق نہیں ہے

سوال اگر شوہر اپنی بیوی پر قصد و ارادہ سے لعنت بھیجے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لعنت بھیجنے کے سبب بیوی اس پر حرام ہو جائے گی' یا لعنت طلاق کے حکم میں ہو گی' اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب شوہر کا بیوی پر لعنت بھیجنا ایک امر منکر ہے جو کہ جائز نہیں بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح:٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح:١١٠)

''مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔''

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق ... الخ، ح:٦٤)

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر۔''

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح:٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور شفاعت کنندہ نہیں بن سکیں گے۔"

لہٰذا ضروری ہے کہ توبہ کریں اور بیوی سے اسے معاف کروائیں' جو شخص سچی پکی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ لعنت کرنے کی وجہ سے بیوی عصمت ہی میں رہتی ہے' حرام نہیں ہوتی' لہٰذا واجب ہے کہ دستور کے مطابق زندگی بسر کریں اور زبان کو ہر ایسی بات سے محفوظ رکھیں' جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنتی ہو' بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ احسن طریقے سے زندگی بسر کرے اور زبان کی حفاظت کرے اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنے اور جو اس کے شوہر کو ناراض کرے' الا یہ کہ بات حق ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان سے اچھے طریقے سے رہو سہو۔" اور فرمایا:

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور مردوں کو ان پر ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

وسوسہ میں مبتلا شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال ایک شخص اپنی بیوی کے طلاق کے معاملہ میں وسوسہ میں بہت زیادہ مبتلا ہے' چنانچہ جب کسی مسئلہ میں اس سے گفتگو کرتا ہے تو پھر اپنے جی میں کہتا ہے کہ تجھے طلاق ہے' مگر زبان سے ان الفاظ کو وہ ادا نہیں کرتا لیکن وہ اپنے دل میں شک بہت زیادہ کرتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اپنے اس سوال کرنے والے بھائی اور دیگر بھائیوں کے سامنے یہ بات بیان کرنا پسند کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلشَّيْطَـٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا۟ حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا۟ مِنْ أَصْحَـٰبِ ٱلسَّعِيرِ ﴿٦﴾ ﴾ (الفاطر٣٥/ ٦)

"شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے' تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوں۔"

شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے' جس سے انسان قلق و اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی مکدر ہو کر رہ جاتی ہے' چنانچہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سنیے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَـٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ ﴾ (المجادلة٥٨/ ١٠)

"(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غمناک

ہوں' مگر اللہ کے حکم کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

اس سے واضح ہوا کہ شیطان کی کوشش ہے کہ وہ انسان کو ایسی باتوں میں مبتلا کرے جن سے وہ غم ناک ہو' نیز شیطان کی یہ بھی کوشش ہے کہ وہ اس کے دین کو خراب کرے' شیطان سے خلاصی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صدق اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرتا رہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ﴾ (فصلت ٤١/ ٣٦)

"اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔"

انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس دشمن سے اسے محفوظ رکھے' جب بندہ اپنے رب کی پناہ طلب کر لے' صدق دل سے اس کی طرف رجوع کر لے اور شیطان سے اس طرح اعراض کر لے گویا ان وسوسوں کا کوئی وجود ہی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے وسوسوں کو دور فرما دیتا ہے۔

اس بھائی کو جو اپنی بیوی کی طلاق کے سلسلہ میں وسوسوں میں مبتلا ہے' میری یہ بھی نصیحت ہے کہ وہ ان وسوسوں کی طرف دھیان نہ دے ان سے کلی طور پر اعراض کر لے اور جب دل میں کوئی وسوسہ آئے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے' اس طرح اللہ تعالیٰ اس سے وسوسہ دور فرما دے گا۔

حکم کے اعتبار سے بات یہ ہے کہ اس طرح کے وسوسوں سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ»(صحيح البخاري، العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ... الخ، ح:٢٥٢٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس ... الخ، ح:١٢٧ واللفظ له)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس چیز سے درگزر فرمایا ہے جو دل میں پیدا ہو جب تک اس کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے' یا اسے زبان سے ادا نہ کیا جائے۔"

جو چیز انسان کے دل میں آئے' اسے کچھ شمار نہیں کیا جاتا' حتی کہ دل میں اگر طلاق کے بارے میں بھی وسوسہ پیدا ہو تو اسے طلاق شمار نہیں کیا جائے گا' حتی کہ اگر کوئی دل میں طلاق دینے کا ارادہ بھی کرے تو جب تک وہ اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہ کرے طلاق نہیں ہوگی' مثلاً: وہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ وسوسوں میں مبتلا انسان کی طلاق واقع نہیں ہوتی' خواہ وہ زبان سے بھی الفاظ ادا کر دے' الا یہ کہ اس نے قصد و ارادہ کے ساتھ الفاظ ادا کیے ہوں اور چونکہ وسوسہ میں مبتلا انسان کی زبان سے الفاظ بلا قصد و ارادہ نکلے ہیں بلکہ وہ مغلق اور مکرہ (مجبور الحال) (جس پر جبر کیا گیا ہو) ہے' وسوسے کی قوت اور اس کو منع کرنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ طَلاَقَ فِي إِغْلاَقٍ»(تلخيص الحبير: ٣/ ٢١٠)

"جبر (زبردستی) کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔"

لہٰذا جب تک وہ طمانیت کے ساتھ حقیقی ارادہ نہیں کرتا' اس کی طرف سے طلاق واقع نہ ہوگی اور قصد و اختیار کے بغیر اس کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں' ان سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس طرح کے وسوسوں کے شکار ایک شخص نے ایک بار مجھ سے یہ ذکر کیا کہ میں ان وسوسوں کی وجہ سے اس قدر قلق

و اضطراب میں مبتلا ہو گیا کہ میں نے چاہا کہ واقعی طلاق دے دوں' چنانچہ اس نے ان وسوسوں سے نجات پانے کے لیے واقعی حقیقی ارادے کے ساتھ طلاق دے دی' حالانکہ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے' کیونکہ شیطان یہی تو چاہتا ہے کہ آدمی اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دے' خصوصاً جب کہ ان کی اولاد بھی ہو۔

بہر حال جو شکوک و شبہات بھی پیدا ہوں' انسان پر واجب ہے کہ وہ انہیں جھٹک دے' ان کا اعتبار نہ کرے' اور ان سے اعراض کرے حتی کہ یہ اللہ کے حکم سے ختم ہو جائیں۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

تحریری طلاق

سوال ایک شخص اپنی بہن اور بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اس نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ قلم لائے' چنانچہ اس نے کسی کی طرف منسوب کیے بغیر لکھ دیا: طلاق' طلاق' طلاق- چنانچہ اس بہن نے قلم چھین لیا اور تین بار لکھا: طلاق' طلاق' طلاق' پھر اس شخص نے یہ کاغذ بیوی کی طرف پھینک دیا اور کہا دیکھو جو میں نے لکھا ہے صحیح ہے؟ حالانکہ اس نے یہ الفاظ بیوی کو طلاق کے ارادہ سے نہیں لکھے تھے۔

جواب اگر اس شخص کا ارادہ طلاق کا نہیں تھا تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ اس کا ارادہ تو محض الفاظ لکھنے کا تھا یا طلاق دینے کے علاوہ اس کا کوئی اور ارادہ تھا اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح البخاري بدء، الوحى، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور بعض کے بقول جمہور' کا یہ قول ہے کہ کتابت' کنایہ کے معنی میں ہے اور کنایہ سے نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی' علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے' ہاں البتہ کتابت کے ساتھ اگر کوئی ایسی چیز بھی شامل ہو' جو طلاق کے ارادہ پر دلالت کرتی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی' لیکن مذکورہ واقعہ میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو طلاق واقع کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتی ہو لہٰذا اصل یہی ہے کہ اس صورت میں نکاح باقی رہے گا اور نیت کے مطابق عمل ہو گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔ انہ جواد کریم۔

———— شیخ ابن باز ————

محض نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال میرا اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا تو جھگڑے کے بعد میں نے زبان سے الفاظ ادا کیے بغیر اپنے جی میں یہ کہا: کیوں نہ اسے یہ کہہ دوں کہ تجھے طلاق ہے! تو کیا اس کی وجہ سے مجھے کوئی چیز لاحق ہو گی؟ جب کہ میں نے زبان سے کوئی الفاظ ادا نہیں کیے' فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ طلاق محض نیت سے

واقع نہیں ہوتی بلکہ زبان سے الفاظ ادا کرنے سے یا لکھ کر دینے سے واقع ہوتی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ»(صحيح البخاري، العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق . . . الخ، ح:٢٥٢٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس . . . الخ، ح:١٢٧ واللفظ له)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس بات سے درگزر فرمایا ہے' جو دلوں میں خیال آئے جب تک اس کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے' یا جب تک زبان سے الفاظ ادا نہ کر دیئے جائیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

زنا کرنے سے بیوی کو طلاق نہیں ہوتی

سوال ہم اکثر سنتے رہتے ہیں کہ بعض نوجوان جو بیرون ملک جاتے ہیں اور شادی شدہ ہونے کے باوجود وہاں جا کر جرم زنا کا ارتکاب کرتے ہیں' والعیاذ باللہ' کیا اس وجہ سے ان کی بیویوں کو طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب انسان کے زنا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی کو طلاق تو نہیں ہوئی لیکن اس پر یہ ضرور واجب ہے کہ وہ ایسے سفروں اور اختلاط سے پرہیز کرے جو بدکاری کا سبب بنتے ہوں' انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے' اس کے احکام کی نگہداشت کرے اور اپنی شرمگاہ کی حرام کام سے حفاظت کرے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الأسراء١٧/ ٣٢)

"اور زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦٨-٧٠)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے' مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس (عذاب) میں رہے گا' مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے ...."

یہ دونوں عظیم آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زنا اور اس تک پہنچانے والے اسباب کے قریب بھی جانا حرام ہے' دوسری آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے' یا کسی انسان کو ناحق قتل کرے' یا زنا کرے تو اسے دوگنا عذاب ہو گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا' یہ عظیم وعید اس بات پر دلالت کناں ہے کہ زنا بھی ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو جہنم اور اس میں ہمیشہ رہنے کا موجب ہیں لیکن زانی اور قاتل کا جہنم میں خلود (ہمیشگی) مشرک کے خلود (دوام) کی طرح نہیں ہو گا' جو کبھی ختم ہی نہ ہو' کیونکہ مشرک کا عذاب تو ابد الآباد تک (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) جاری و ساری رہے گا۔

زانی اور قاتل اگر زنا و قتل کو حلال نہ سمجھیں تو اہل سنت کے نزدیک ان کے خلود کی انتہا ہے' جب کہ مشرک کے خلود کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

«لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ» (صحيح البخاري، المظالم، باب النهبي بغير اذن صاحبه، ح: ٢٤٧٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي . . . الخ، ح: ٥٧ واللفظ له)

"زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زانی' چور اور شرابی جب ان گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کا ایمان زائل ہو جاتا ہے' یعنی وہ ایمان واجب کے کمال سے محروم ہو جاتے ہیں' یا یوں کہہ لیجیے کہ ایمان کامل اور اللہ تعالیٰ کے خوف کامل کے نہ ہونے اور ان فواحش و منکرات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خوفناک نتائج کے عدم استحضار ہی نے ان لوگوں کو ان خطرناک جرائم میں مبتلا کیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

معلق یا مشروط طلاق

بیوی سے کہا کہ اگر تو اس دروازے سے نکلی ....

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو اس دروازے سے باہر نکلی تو تجھے طلاق بھی ہو گی اور تو میری ماں' بہن کی طرح مجھ پر حرام بھی ہو گی' لیکن افسوس! کہ وہ دروازے سے باہر نکل گئی لیکن اس دروازے سے نہیں' جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا' اس بیوی کے بطن سے چونکہ میرے تین بچے بھی ہیں' لہٰذا سوال یہ ہے کہ میں نے جو کہا ہے' اس کے بارے میں (شریعت کا) کیا حکم ہے اور مجھ پر کیا واجب ہے تاکہ میں رجوع کر لوں؟

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں سوال کرنے والے بھائی اور دیگر لوگوں کی خدمت میں یہ نصیحت کروں گا کہ وہ الفاظ کے ساتھ اس طرح کا کھیل تماشا نہ کریں' کیونکہ اس طرح کے امور میں تلاعب (کھیل) انہیں مشکلات میں مبتلا کر دیتا ہے بلکہ فتویٰ دینے والوں کو بھی مشکلات میں ڈال دیتا ہے' ایسی مشکلات میں جن کی کوئی حد نہیں ہوتی' لہٰذا جو شخص قسم کھانا چاہے' اسے چاہیے کہ وہ اللہ عز و جل کے نام کی قسم کھائے اور پھر عقل مند شوہر کو تو اس طرح کی باتوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی' وہ تو منع کرنے کے کسی بھی کلمہ سے اپنی بیوی کو منع کر سکتا ہے' ہاں البتہ وہ مرد جو اپنی بیوی کے سامنے کمزور ہو اور وہ اس کی خواہشات ہی کے پیچھے لگا رہے' خواہ وہ حق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو' تو وہ مرد عقل اور مردانگی کے اعتبار سے ناقص ہے۔ لیکن انسان کو چاہیے کہ وہ سختی کے بغیر قوی اور کمزوری کے بغیر نرم ہو اور اہل خانہ کے

سامنے ایسے الفاظ استعمال کرے جن کا وزن اور قیمت ہو تاکہ وہ خوش گوار زندگی بسر کر سکیں' میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے سامنے سختی اور درشت روئی کا مظاہرہ کرے اور ان سے ہشاش بشاش چہرے سے پیش ہی نہ آئے' بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہشاش بشاش' خوش و خرم اور نرم خو ہونے کے ساتھ ساتھ عقل مند' مضبوط' مستحکم اور غیر مغلوب ہو۔

مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اگر تو اس دروازے سے نکلی تو تجھے طلاق اور تو میری ماں بہن کی طرح مجھ پر حرام ہے' تو یہ بات دو حالتوں سے خالی نہیں:

ایک تو یہ کہ وہ اسے محض منع کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد اسے طلاق دینا یا اپنے اوپر حرام کرنا نہیں ہے' لیکن شدت سے منع کرنے کے لیے اس نے گفتگو کی یہ صورت اختیار کی' تو اس حالت میں ان الفاظ کا حکم قسم کا ہو گا' جیسا کہ اہل علم کا راجح قول یہی ہے' لہٰذا اگر وہ دروازے سے نکل جائے تو اس سے اسے طلاق نہیں ہو گی' ہاں البتہ اس پر کفارہ قسم واجب ہو جائے گا اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وہ اسی مخصوص دروازے سے نکلے یا گھر کے کسی اور دروازہ سے' کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد گھر سے نکلنے سے منع کرنا تھا' کسی معین دروازے سے نکلنے سے منع کرنا نہ تھا' الا یہ کہ اس معین دروازے میں کوئی ایسی خاص بات ہو جو اس کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہو تو پھر حکم اسی دروازے ہی کے ساتھ خاص ہو گا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ان الفاظ سے اس کا ارادہ طلاق اور تحریم ہی کا ہے تو اس حالت میں اگر وہ اس دروازے سے یا گھر کے کسی بھی دروازے سے نکل جائے تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اس کا شوہر مظاہر (ظہار کرنے والا) ہو گا' لہٰذا جب اسے طلاق ہو جائے اور اس سے پہلے شوہر نے اسے دو طلاقیں نہ دی ہوں تو اسے رجوع کا حق ہے' لیکن اس وقت تک وہ بیوی کے قریب نہیں جا سکتا جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہ کر دے' اور وہ یہ کہ ایک (مومن غلام) گردن کو آزاد کرے' اگر وہ موجود نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

یاد رہے اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہو گا کہ وہ عورت اسی معین دروازے سے نکلی ہے یا گھر کے کسی اور دروازے سے کیونکہ الفاظ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے' حتیٰ کہ اگر وہ دیوار پھلانگ کر نکل جائے تو پھر بھی یہی حکم ہو گا' الا یہ کہ اس معین دروازے میں کوئی ایسی خاص بات ہو جو تخصیص کا درجہ رکھتی ہو تو اس صورت میں کسی دوسرے دروازے سے باہر نکلنے کی صورت میں نہ عورت کو طلاق ہو گی اور نہ مرد کے لیے ظہار ثابت ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طلاق میں مشروط' شرط کا تابع ہے

سوال ایک شخص نے غصے کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تم آج یا کل سے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھو اور اس سے اس کا ارادہ اس دن سے تھا جس دن وہ عدالت میں اپنے طلاق کے کیس کو پیش کرے گا' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب غصے کی حالت انسان پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب کوئی چیز اسے بھڑکانے اور اس کے اعصاب کو انگیخت

کرنے (ابھارنے) والی ہو اور ایک شخص نے جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمایئے' آپ نے فرمایا:

«لاَ تَغْضَبْ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٦)

"غصے نہ ہوا کرو۔"

آپ نے یہ بات کئی بار ارشاد فرمائی کہ "غصے نہ ہوا کرو۔" نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ غصہ آگ کا ایک ایسا انگارہ ہے' جسے شیطان انسان کے دل پر پھینکتا ہے' غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پانے والے شخص کی تعریف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ» (صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ... الخ، ح:٢٦٠٩)

"بہادر وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے' بلکہ بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"

ان احادیث کے پیش نظر انسان کو چاہیے کہ جب وہ غصے کو محسوس کرے تو اس چیز کو استعمال کرے جو اس کے غصے کو ختم کر دے' مثلاً: اس حالت میں وہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھ لے' چنانچہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ دو آدمیوں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک دوسرے کو گالیاں دیں ان میں سے ایک بے حد غضب ناک تھا' غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ اور اس کی رگیں پھولی ہوئی تھیں' نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو فرمایا:

«إِنِّي لأَعْلَمُ كَلِمَةً لَّوْ قَالَهَا لَذَهَبَ ذَا عَنْهُ، أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٥ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ... الخ، ح:٢٦١٠ واللفظ له)

"میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ یہ اگر اسے کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے' وہ کلمہ ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔"

نبی ﷺ کے اس ارشاد کو سننے والا ایک شخص اس کے پاس آ کر کہنے لگا: کیا تجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ابھی کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا نہیں' مجھے معلوم نہیں' اس نے اسے بتایا کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اگر اسے کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے' وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم" ہے' لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور جلد بازی سے کوئی ایسا کام نہ کرے' جس کا انجام اچھا نہ ہو' اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ غصے کی حسب ذیل تین حالتیں ہوتی ہیں:

① غصہ اس قدر شدید ہو کہ آدمی کو کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' اس حالت میں اس کی باتوں کے لیے کوئی حکم نہیں ہے خواہ ان باتوں کا تعلق طلاق سے ہو یا' ظہار سے یا' ایلاء وغیرہ سے کیونکہ اس حالت میں وہ عقل و شعور کے فقدان میں مبتلا ہوتا ہے۔

② غصہ معمولی ہو' انسان کا اپنے آپ پر قابو ہو' وہ حسب ارادہ تصرف کا مالک ہو تو اس حالت میں وہ طلاق وغیرہ کے

جو الفاظ بھی استعمال کرے گا وہ نافذ ہوں گے۔

③ ان دونوں کے درمیان کی حالت' جس میں انسان کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' لیکن غصے کی شدت کی وجہ سے اسے اپنے آپ پر قابو نہیں ہوتا' لہٰذا وہ طلاق' ظہار' یا ایلاء وغیرہ کے الفاظ زبان سے ادا کر دیتا ہے' اہل علم کی رائے ہے کہ اس حالت میں اس کی بات معتبر ہے لہٰذا اس حالت میں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق نافذ ہو جائے گی' بعض اہل علم کے بقول اس حالت میں اس کی بات ناقابل اعتبار ہے' لہٰذا اس کی طلاق نافذ اور واقع نہ ہو گی' یہی قول اقرب الی الصواب ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ طَلاَقَ فِی إِغْلاَقٍ»(تلخیص الحبیر: ۳/ ۲۱۰)

"جبر کی وجہ سے طلاق نہیں ہوتی۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سائل نے اگر حالت غضب میں ایسے الفاظ کہے ہیں' جو طلاق کا تقاضا کرتے ہیں' تو اگر اس حالت میں اسے اپنے آپ پر قابو نہیں تھا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔

سائل نے اپنی بیوی سے جو یہ کہا کہ تو اپنے آپ کو آج یا کل سے مطلقہ سمجھ اور اس سے اس کا مقصود وہ دن تھا جس میں وہ آئندہ عدالت میں طلاق کے کیس کو پیش کرے گا تو جب وہ صورت رونما ہو جائے' جس کے ساتھ اس نے طلاق کو مشروط قرار دیا' تو طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ مشروط' شرط کے تابع ہوتا ہے اور جب شرط پائی جائے تو مشروط بھی موجود ہوتا ہے۔

اور اگر اس کی نیت شرط کی نہیں تھی' بلکہ نیت یہ تھی کہ مستقبل میں اس دن وہ طلاق دے دے گا تو اسے چاہیے کہ طلاق کو چھوڑ دے' طلاق نہ بھی دے تو کوئی حرج نہیں' اس سے اس کی بیوی کو طلاق نہ ہو گی کیونکہ طلاق کی نیت کرنے والے اور طلاق کو شرط کے ساتھ معلق قرار دینے والے میں فرق ہے' نیت کرنے والے کی بیوی کو طلاق اس وقت ہو گی جب وہ طلاق کے الفاظ زبان سے ادا کرے گا یا' کوئی ایسی صورت اختیار کرے' جو الفاظ کے حکم میں ہو' اور اگر وہ اسے شرط کے ساتھ معلق قرار دے تو جب شرط پائی جائے طلاق واقع ہو جائے گی' الا یہ کہ طلاق قسم کے حکم میں ہو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی' بلکہ قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور وہ یہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا' یا انہیں کپڑے پہنانا' یا گردن آزاد کرنا اور اگر اس کی طاقت نہ ہو' یا مساکین و غلام موجود نہ ہوں تو پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھنا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا' لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے' جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو۔)"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روزوں کے سلسلہ میں تسلسل کی بھی شرط لگائی ہے کیونکہ ان کی قراءت میں ہے:
«فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَةٍ» (المائدة٥/٨٩)
"مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ہے۔"

طلاق قسم کے حکم میں اس وقت ہوتی ہے جب شرط سے مقصود کسی کام کے لیے زور دینا یا منع کرنا' یا تصدیق' یا تکذیب کرنا ہو۔ ہم مسلمان بھائیوں کو یہ بھی نصیحت کریں گے کہ وہ طلاق سے قسم کا کام لینے سے اجتناب کریں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب كيف يستحلف، ح:٢٦٧٩ وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

"جو شخص قسم کھانا چاہے وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

اور پھر اس لیے بھی اس سے اجتناب کرنا چاہیے کہ بہت سے یا اکثر اہل علم طلاق معلق کو کسی حال میں بھی قسم کے حکم میں نہیں مانتے' بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب بھی وہ شرط پائی جائے گی جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہو تو طلاق ہو جائے گی خواہ شرط سے مقصود قسم ہو یا محض شرط۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جس نے شرط پر طلاق کو معلق کیا پھر رجوع کر لیا

سوال اس شخص کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے جو اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ جب تجھے حیض آئے اور پھر تو پاک ہو جائے تو تجھے طلاق ہے اور اس سے اس کا مقصود طلاق ہی ہو' لیکن بعد میں حیض آنے سے پہلے اس نے طلاق نہ دینے کا ارادہ کر لیا' تو کیا اگر اب وہ اسے روک لے تو یہ طلاق ہو گی یا نہیں؟ اور اگر وہ معلق طہر کے بعد اسے نہ روکے تو کیا یہ طلاق ہو گی یا نہیں؟

جواب یہ محض شرط پر معلق طلاق ہے' اس سے مقصود برانگیختہ کرنا یا منع کرنا نہیں ہے' لہذا وجود شرط سے طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ ہے حیض کے بعد کی حالت طہارت اور اس شرط کے حصول کے بعد رجوع صحیح نہیں ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا طلاق معلق غیر اللہ کی قسم ہے؟

سوال طلاق معلق کے بارے میں اگرچہ کئی فتوے موجود ہیں لیکن افسوس پھر بھی کئی لوگ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہو گئے ہیں' مثلاً: ایک دوسرے سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تو میرے گھر نہ آئے یا میرے پاس کھانا نہ کھائے تو میری بیوی کو طلاق۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی' اسے قسم سمجھا جائے گا' لہذا اس کا کفارہ دینا ہو گا' تو سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ قسم ہے؟ لیکن قسم تو غیر اللہ کی جائز نہیں' بلکہ شرک ہے تو غیر اللہ کے نام کی اور گناہ میں مبتلا کر دینے والی اس قسم کا کفارہ کیسے؟

جواب جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ شرط کے ساتھ معلق طلاق' جب کہ اس سے مقصود منع کرنا' یا روکنا' یا پابند کرنا ہو تو یہ قسم ہے' انہوں نے در حقیقت یہ کہا ہے کہ یہ قسم کے حکم میں ہے' قسم نہیں ہے اور غیراللہ کے نام کی جس قسم سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ قسم ہے جو صیغہ قسم 'واؤ' یا 'با' یا 'تا' کے ساتھ ہو مثلاً جس طرح 'واللہ' 'باللہ' اور 'تاللہ' کہہ کر قسم کھائی جاتی ہے' اس طرح غیراللہ کے نام کی قسم کھانا منع ہے جبکہ تحریم و تعلیق طلاق قسم کے حکم میں ہے' یہ اپنے صیغہ کے اعتبار سے قسم نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ۚ﴾ (التحريم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہے آپ اسے حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ کیا آپ اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تحریم کا نام قسم رکھا ہے' لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ اس طرح کی طلاق قسم ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ قسم کے حکم میں ہے' اس سے مراد وہ قسم نہیں ہے جس کے بارے میں منع کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی نہ کھائی جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ طلاق واقع نہیں ہوئی

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے میرے مال میں سے میرے بیٹے کو پیسے دیے تو تجھے طلاق' میرا ان الفاظ سے مقصد یہ تھا کہ وہ میرے بیٹے کو پیسے نہ دے' کیونکہ وہ ان پیسوں کے ساتھ اپنی شادی کے موقع پر گانے بجانے والیوں کو لانا چاہتا تھا اور میں نے اپنے مالی حالات کی وجہ سے اس کی اس بات کو مسترد کر دیا تھا' میں نے اپنے وسائل کے مطابق اس کی شادی میں مقدور بھر تعاون کیا' لیکن جو چیزیں اصل شادی سے زائد ہیں یا تکملات شادی میں شامل ہیں میں ان پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا' الغرض مذکورہ بالا الفاظ کہنے سے میرا مقصود اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں تھا' امید ہے اس صورت حال میں اپنے فتویٰ سے نوازیں گے؟

جواب اگر آپ کا مقصد بیوی کو منع کرنا تھا کہ وہ آپ کے مال میں سے بیٹے کو کچھ بھی نہ دے اور آپ کا مقصود طلاق دینا نہ تھا تو بیٹے کو پیسے دے دینے کی صورت میں علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور بیوی پر توبہ کرنا واجب ہے' کیونکہ اس طرح کے امور میں اسے آپ کے حکم کی مخالفت اور نافرمانی کرنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا بلکہ اس پر نیکی کے کام میں سمع و اطاعت (فرمانبرداری) واجب تھی۔ ہم آپ کو یہ وصیت بھی کریں گے کہ آئندہ اس طرح کی طلاق کے الفاظ استعمال نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کے ساتھ قسم کھانا

طلاق کے لفظ کے استعمال میں تساہل روا نہیں ہے

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو میرے گھر سے نکل کر اپنے والد کے گھر گئی اور وہاں سوئی تو مجھ پر طلاق دینا لازم ہو گا' یہ میں نے اس لیے کہا کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا لیکن یہ کہنے کے باوجود میری بیوی اپنے والد کے گھر چلی گئی' لیکن پڑوسی اسے اسی دن لے کر میرے گھر آ گئے اور وہ اپنے والد کے گھر نہ سوئی' بلکہ اس رات میرے گھر میں ہی سوئی تو سوال یہ ہے کیا اس صورت میں یہ قسم ہو گی اور مجھے کیا کرنا چاہیے تاکہ مجھے قسم کی وجہ سے گناہ نہ ہو؟

جواب آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں قارئین بلکہ تمام مسلمان بھائیوں سے یہ امید کروں گا کہ وہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کریں اور طلاق کے لفظ کے استعمال میں تساہل سے کام نہ لیں' کیونکہ اس کا معاملہ بہت عظیم اور خطرناک ہے' لہٰذا جب وہ قسم کھانا چاہیں تو اللہ کے نام کی قسم کھائیں یا خاموش رہیں' طلاق کے ساتھ قسم کے حکم کے بارے میں خواہ وہ بیوی پر ہو یا کسی اور چیز پر' اہل علم کا اختلاف ہے' اکثر کے نزدیک یہ طلاق ہے اور قسم نہیں ہے' لہٰذا قسم ٹوٹنے کی صورت میں بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

کچھ دیگر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ قسم سے اگر مقصود قسم ہو تو یہ قسم ہو گی اور اگر اس سے مقصود طلاق ہو تو طلاق ہو گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»(صحيح البخاري، بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية . . . الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

یہ سائل جس نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے والد کے گھر جا کر سوئی تو تجھے طلاق ہے' اگر اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ تاکید کے ساتھ اپنی بیوی کو گھر سے نکلنے سے منع کرنا چاہتا تھا تو اس سے طلاق واقع نہ ہو گی خواہ وہ گھر سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اگر وہ گھر سے نکل جائے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو گا جو کہ دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک گردن کا آزاد کرنا ہے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

اگر سائل کا مقصد ان الفاظ سے طلاق تھا تو عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر گھر سے باہر نہ نکلے تو طلاق نہیں ہو گی یا گھر سے نکلے اور پھر واپس لوٹ آئے اور گھر میں نہ سوئے تو پھر بھی طلاق نہیں ہو گی اور اگر یہ آخری طلاق ہو تو پھر یہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہ ہو گی حتی کہ یہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طلاق کے ساتھ قسم کھائی لیکن مقصد طلاق نہ تھا

سوال میں نے چھوٹے بھائی کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں طلاق کے ساتھ قسم کھائی' لیکن وہ میری اس قسم کے باوجود گھر سے نکل گیا' طلاق کے ساتھ قسم کھاتے وقت میرا مقصود طلاق نہ تھا بلکہ محض اسے ڈرانا تھا اور اس وقت میں بہت غصے کی حالت میں بھی تھا لیکن جب غصہ ختم ہوا تو میں نے بھائی کو معاف کر دیا' امید ہے کہ آپ فتویٰ عطا فرمائیں گے کہ طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو سلامت رکھے!

جواب اے سائل! اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ بھائی کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں آپ کا قصد طلاق کا نہ تھا بلکہ آپ اسے منع کرنا اور ڈرانا چاہتے تھے تو علماء کے زیادہ صحیح قول کے مطابق آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے' اس سے آپ کی بیوی کو طلاق نہیں ہو گی۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک گردن کا آزاد کرنا ہے اور عدم استطاعت کی صورت میں تین دن کے روزے رکھنا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہوئی یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

اپنے آپ کو کسی چیز سے روکنے کے لیے طلاق کے ساتھ قسم کھانا

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میری ایک لڑکی سے منگنی ہو چکی ہے' مگر ابھی تک شادی نہیں ہوئی' میں بعض گناہوں میں مبتلا تھا اور اپنے نفس کو ان گناہوں سے باز رکھنے کے لیے قسم طلاق کھا لیتا تھا تاکہ میں ان گناہوں کا ارتکاب نہ کروں اور اپنے آپ کو ان سے باز رکھنے پر آمادہ کروں' یعنی اس قسم سے میرا مقصد اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں تھا لیکن میں نے اس طرح کی قسم طلاق کئی بار کھائی' مگر شہوت کی شدت اور ارادہ کی کمی کی وجہ سے میں پھر ان گناہوں میں مبتلا ہو جاتا تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے توبہ کی توفیق بخشی' سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں کیا حکم ہے؟ کیا اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ نے جو ذکر کیا ہے یہ طلاق کی وہ قسم ہے جو کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور اس سے مقصود اپنے آپ کو کسی چیز سے روکنا ہوتا ہے' طلاق دینا مقصود نہیں ہوتا' لہٰذا اس صورت میں (قسم کے برعکس) کچھ کرنے یا نہ کرنے پر قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے' مثلاً: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اس نے سگریٹ پیا تو اس پر طلاق ہے' یا اگر اس نے فلاں شخص سے بات کی تو اس پر طلاق ہے اور اس سے مقصود سگریٹ نوشی اور فلاں شخص سے گفتگو سے اپنے

آپ کو روکنا ہو اور طلاق دینا مقصود نہ ہو تو یہ طلاق نہیں بلکہ قسم ہو گی۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے الفاظ استعمال نہ کرے' کیونکہ بہت سے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی خواہ طلاق دینا مقصود نہ بھی ہو اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْحَلاَلَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

"حلال واضح ہے' اور حرام بھی واضح ہے' اور ان کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں' جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے لیکن جو شخص ان مشتبہ امور سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔"

―――― شیخ ابن باز ――――

عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت واجب ہے

سوال آٹھ سال قبل میں نے اپنی بیوی کے میری بھابھی کے ساتھ ملاقات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر تو آئندہ میرے بھائی کے گھر گئی تو تجھے طلاق اور میرا اس سے مقصود زجر و توبیخ اور اسے ڈرانا ہی تھا' اسے واقعی طلاق دینا نہیں تھا' بہرحال میری بیوی نے اس کی پابندی کی اور وہ میرے بھائی کے گھر نہیں گئی حتی کہ ایک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی جس نے میری بیوی کو بھائی کے گھر جانے پر مجبور کر دیا اور وہ یہ کہ میں بیرون ملک تھا کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور عورتوں کے لیے تعزیت کی جگہ میرے بھائی کا گھر تھا' لہٰذا میری بیوی کسی دوسرے مسئلہ سے قطع نظر تعزیت کے لیے میرے بھائی کے گھر چلی گئی اور جب میں وطن واپس آیا تو اس نے مجھے یہ صورت بتا کر کہا کہ اس کے بارے میں علماء کرام سے فتویٰ طلب کرو' لہٰذا امید ہے کہ حسب ذیل سوالات کے جوابات عطا فرمائیں گے:

1. کیا اس صورت میں میری بیوی کو بھائی کے گھر جانے کے وجہ سے گناہ ہو گا؟
2. میں نے جب طلاق کے ساتھ قسم کھائی تھی تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟
3. اس صورت میں میری بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو اس سے آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی' کیونکہ آپ کا مقصد بیوی کو اپنے بھائی کے گھر جانے سے منع کرنا تھا اسے طلاق دینا مقصود نہ تھا' لہٰذا علماء کے صحیح قول کے مطابق یہ طلاق نہیں' بلکہ یہ قسم ہے اور آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور اگر آپ کا مقصد اس سے طلاق ہی تھا تو اس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور آپ کو عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہو گا بشرطیکہ آپ نے اس سے پہلے اپنی بیوی کو دو طلاقیں نہ دی ہوں اور اگر عدت ختم ہو گئی ہو تو پھر نئے نکاح اور اس کی معتبر شرطوں کے بغیر یہ آپ کو حلال نہ ہو گی بشرطیکہ آپ نے اس سے پہلے اسے دو طلاقیں نہ دی ہوں' جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ آپ کی بیوی آپ کی اجازت کے بغیر جو آپ کے بھائی کے گھر گئی تو اسے توبہ کرنی چاہیے نیز ہم آپ کو یہ بھی وصیت کریں گے کہ طلاق خواہ معلق ہو یا مؤجل اس کے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لیں' طلاق صرف اس وقت دیں جب یہ ناگزیر اور شرعی مصلحت کا تقاضا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔

شیخ ابن باز

طلاق کے ساتھ قسم سے طلاق واقع نہیں ہوتی..........

سوال آنجناب کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے' جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو طلاق کے ساتھ تین بار قسم دی تاکہ وہ کوئی کام کرے' لیکن اس نے یہ کام نہیں کیا تو کیا اس کی یہ قسم اس کی بیوی پر نافذ ہو گی اور اگر وہ اس قسم کو پورا نہ کرے تو اس کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب جب کوئی انسان طلاق کے ساتھ تین بار قسم کھائے کہ فلاں شخص کو یہ کام کرنا چاہیے مثلاً: یوں کہے کہ اگر فلاں نے بات کی تو مجھ پر تین طلاقیں واجب ہوں گی یا یوں کہے کہ تو فلاں قسم کا ولیمہ کر ورنہ مجھ پر تین طلاقیں ہوں گی یا یوں کہے کہ تو فلاں عورت سے شادی کر ورنہ مجھ پر تین طلاقیں ہوں گی وغیرہ' تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس انسان کا ان الفاظ سے کیا مقصد ہے اگر اس کا مقصد تاکید ہے اور طلاق نہیں ہے تو یہ قسم کے حکم میں ہو گا اور اس قسم کا کفارہ واجب ہو گا جو کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا انہیں کپڑے دینا ہے یا پھر تین دن کے روزے رکھنا ہے اور اگر اس کا اس سے مقصود طلاق ہی ہو تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق ایک طلاق واقع ہو جائے گی' اور اگر اس نے اس سے پہلے اپنی بیوی کو دو طلاقیں نہ دی ہوں تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔

شیخ ابن باز

نکاح ختم کرنا

سوال میرا تعلق ایک غیر اسلامی ملک سے ہے' میری ایک بہن ہے جسے اس کے شوہر نے ایک طویل عرصہ سے چھوڑ رکھا ہے اور وہ دیگر امور اور حکومت کو فیس ادا کرنے کے خوف سے اسے طلاق بھی نہیں دیتا' اسی طرح ہم بھی اس مسئلہ کو عدالت میں نہیں لے جانا چاہتے' کیونکہ عدالت غیر اسلامی ہے اور اس میں عورت کے احترام کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا' سوال یہ ہے کہ اگر وہ طلاق نہ دے تو کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ نکاح فسخ کر کے کسی اور آدمی سے اس کی شادی کر دیں؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ شوہر کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی کو معلق رکھے کہ وہ نہ منکوحہ ہو اور نہ مطلقہ' لہٰذا اس پر واجب ہے کہ وہ طلاق دے دے جب کہ شوہر کے گھر والے اس معاملہ کو عدالت میں نہ لے جانا چاہتے ہوں اور اس میں اس کا کوئی نقصان بھی نہیں اور بالفرض اگر وہ معاملہ عدالت میں لے جائیں اور عدالت کچھ مال ادا کرنے کے لیے مجبور کرے تو اس عورت سے عقد نکاح کی وجہ سے اسے ہر اس چیز کی پابندی کرنی پڑے گی جو عدالت اس پر عائد کرے' خواہ وہ مظلوم ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ اپنے واجب کو ادا کرے' اس عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اسے اپنے اختیار سے طلاق دے دے تو یہ امر مطلوب ہے' ورنہ اس کی بیوی کو نکاح ختم کرنے کے مطالبہ کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

شیخ ابن عثیمین

یہ فسخ ہے طلاق نہیں

سوال میں ایک شادی شدہ عورت تھی' تین سالوں میں میرے ہاں دو بچے پیدا ہوئے' پھر ہمارے ہاں غلط فہمی پیدا ہو گئی جس وجہ سے شوہر نے مجھے چھوڑ دیا اور ہمارے ہاں جدائی پیدا ہو گئی' مگر اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اس طرح چھ سال کا عرصہ گزر گیا' پھر میں نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا مگر وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوا' البتہ اس کا والد حاضر ہوا اور عدالت نے ہمارے درمیان تفریق کرا دی' لہٰذا میرا سوال یہ ہے کہ:

① کیا یہ شرعی طلاق شمار ہو گی اور عدالت کی طرف سے حکم صادر ہونے کی تاریخ سے عدت شمار ہو گی یا کیا صورت ہو گی؟

② کیا میرے شوہر پر مذکورہ معلقہ مدت چھ سال کا نفقہ واجب ہو گا؟

جواب عدالت نے یہ جو فیصلہ کیا ہے یہ طلاق شمار نہیں ہو گا بلکہ یہ فسخ نکاح ہو گا' الا یہ کہ قاضی کی طرف سے طلاق کا لفظ صادر ہو تو یہ طلاق ہو گا اور عدت کا فیصلہ صدور حکم سے ہو گا' اس وقت سے نہیں جب اسے تفریق کا علم ہوا۔ نفقہ کے بارے میں یہ ہے کہ جب آپ عدالت سے نفقہ کا مطالبہ کریں تو عدالت آپ دونوں میں نفقہ کا فیصلہ کر دے گی' اگر سبب بیوی ہو تو پھر اس مدت میں اسے چھوڑ دینے کی وجہ سے شوہر کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

طلاق سے رجوع کے احکام

رجعت اور اس کی شرائط کا حکم

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق سنت دی' پھر اسے طلاق نامہ بھی دے دیا اور اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے کیا عورت کی رضامندی کے بغیر جبر سے بھی رجوع ہو سکتا ہے یا رجوع عورت کی رضامندی پر موقوف ہے' کیا رجوع کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو شوہر کو رجع کا حق حاصل ہے بشرطیکہ وہ عورت عدت میں ہو اور دو عادل گواہ موجود ہوں خواہ بیوی راضی ہو یا نہ' اور اگر عدت ختم ہو گئی ہو یا بیماری میں ہو اور یہ تیسری طلاق نہ ہو تو اسے عورت کی رضامندی سے نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ رجوع کا حق حاصل ہے' اور دونوں صورتوں میں یہ ایک طلاق شمار ہو گی اور اگر یہ تیسری طلاق ہو تو پھر یہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک یہ کسی دوسرے شوہر سے شرعی نکاح نہ کرے' اور وہ اس سے مقاربت بھی کر لے اور جب یہ دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پھر یہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گی' وہ عدت ختم ہونے کے بعد نئے عقد اور نئے مہر کے ساتھ عورت کی رضامندی سے اس کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا شوہر فوت شدہ ہو' اس غیر حاملہ کی عدت جس کا شوہر فوت شدہ ہو چار ماہ دس دن ہے اور اگر مطلقہ ہو اور حیض آتا ہو تو عدت تین حیض ہے اور اگر بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا حیض کی عمر سے چھوٹی ہو تو عدت تین ماہ ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

ـــــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــــ

رجوع کی کیفیت

سوال ادارات بحوث علمیہ وافتاء کے رئیس عام سے یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ریاض کی سپریم کورٹ کے قاضی کے سامنے ایک طلاق دی اور پھر دو گواہوں کی موجودگی میں رجوع کر لیا تو کیا اس کا یہ رجوع صحیح ہے؟

جواب اگر مذکورہ رجوع اس وقت ہوا جب عورت ابھی تک عدت میں تھی اور اس طلاق سے پہلے یا بعد میں دو طلاقیں اور نہیں دی گئیں تو وہ اپنے اس شوہر کی عصمت میں ہے اور اگر رجوع کی تاریخ سے پہلے عدت ختم ہو گئی تھی یا اس طلاق سے پہلے یا بعد میں اس نے اسے اگر دو طلاقیں اور دی ہیں تو پھر وہ اس شوہر کی عصمت سے خارج ہو گئی ہے اور دوسرے شوہر سے شادی کیے بغیر وہ اس شوہر کے لیے حلال نہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ۔

ـــــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــــ

سنت یہ ہے کہ گواہوں کے ساتھ رجوع کیا جائے

سوال میں ایک معمولی کام کی وجہ سے اپنی بیوی سے بہت سخت غصے ہوا اور جب غصہ دور ہوا تو میری بیوی نے مجھے بتایا کہ میں نے اسے غصے کی حالت میں ایک طلاق دے دی ہے' میں نے بیٹھ کر یاد کرنا شروع کر دیا کہ کیا میں نے اسے طلاق دی ہے یا نہیں' لیکن اس کے بارے میں مجھے مکمل طور پر یاد نہیں اور بیوی کو طلاق دینے کی میری کوئی نیت بھی نہ تھی' مگر زبان لغزش کھا گئی' قصد و ارادہ کے بغیر غصہ غالب آگیا اور چونکہ مجھے یہ بھی اعتماد تھا کہ میری بیوی نے جھوٹ نہیں بولا' لہٰذا میں نے اسی وقت رجوع کر لیا' لیکن رجوع کے لیے کسی کو گواہ نہیں بنایا بلکہ اس سے میں نے یہ کہہ دیا کہ اس سے میں نے رجوع کر لیا ہے اور پھر بعد میں حسب معمول زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور اب جب کہ اس بات پر ایک وقت گزر چکا ہے' طرح طرح کے وسوسے دامن گیر ہیں' لہٰذا امید ہے کہ آپ فتویٰ سے سرفراز فرمائیں گے کہ کیا مذکورہ حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ اور اگر طلاق واقع ہو جاتی ہے تو کیا مذکورہ طریقہ سے میرا رجوع کرنا صحیح ہے' نیز اس صورت میں میرے لیے کیا لازم ہے؟ یاد رہے کہ یہ ایک رجعی طلاق تھی اور عدت کی مدت ختم ہو چکی ہے؟

جواب مراجعت صحیح ہے بشرطیکہ عدت کے اندر واقع ہوئی ہو اور سنت یہ تھی کہ آپ دو گواہوں کو بھی اس پر شاہد ٹھہرا لیتے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢)

"پھر جب وہ اپنی معیاد (یعنی انقضائے عدت) کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو ان کو اچھی طرح سے زوجیت میں رہنے دو یا اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو اور (گواہو) اللہ کے لیے درست گواہی دینا۔"

اہل علم نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ طلاق و رجعت کے لیے گواہی مشروع ہے۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اسی

میں ہے کہ آپ اسے طلاق شمار کریں اور اس کے واقع ہونے کا اعتبار کریں' کیونکہ آپ نے سوال میں کہا ہے کہ آپ کی بیوی نے آپ کو یہ یاد دلایا' اور آپ کو اس کی بات پر اعتماد ہے اور پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح: ٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح: ١٥٩٩ واللفظ له)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔"

نیز آپ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها، ح: ٢٥١٨ والنسائي، في السنن الكبرى، الأشربة، الحث على ترك الشبهات، ح: ٥٢٢٠)

"جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔"

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کے بعد گواہی یا عدالت سے رابطہ کے بغیر رجوع'

سوال میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی بار طلاق دے دی تھی' اس نے گھر نہ چھوڑا اور پھر اس کے بعد بھی ہم اکٹھے رہے اور اس سلسلہ میں ہم نے کسی عالم دین یا عدالت کی طرف رجوع بھی نہیں کیا' ہمارے اس رجوع پر کوئی گواہ بھی نہیں تھا' کیا ہمارا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب ہاں مرد جب اپنی بیوی سے جماع کے ساتھ رجوع کر لے' یا اس سے یہ کہے کہ "میں نے رجوع کر لیا ہے" یا یہ کہے کہ "میں نے تجھے روک لیا ہے" تو رجوع صحیح ہے۔ رجوع کی نیت سے اگر آدمی جماع کر لے یا بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے تو اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے بشرطیکہ یہ طلاق صرف ایک یا دو ہوں اور اگر یہ آخری (تیسری) طلاق ہو تو پھر عورت حرام ہے تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

گواہی کے بغیر بھی رجوع صحیح ہے

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی' پھر کچھ مدت بعد اسے طلاق دے دی اور پھر گواہوں کے بغیر رجوع کر لیا تو بیوی نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا کہ کہیں حرام ہی نہ ہو لیکن شوہر نے بتایا کہ اس نے اس پر اللہ کو گواہ بنا لیا ہے اور گواہی کے لیے اللہ کافی ہے تو کیا اس طرح رجوع کرنا جائز ہے؟

جواب مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لے تو رجوع صحیح ہے اور اس طرح بیوی دوبارہ اس کی عصمت میں آجائے گی۔ رجوع پر گواہی کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے' بعض نے اسے واجب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے سنت کہا ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے' لہٰذا شوہر جب عدت کے اندر رجوع کر لے تو بیوی دوبارہ اس کی عصمت میں آجائے گی خواہ وہ اس پر گواہ بنائے یا نہ بنائے لیکن مراجعت گواہی سے ہی مکمل ہو گی۔ عورت نے اپنے شوہر کو جو اس سے ڈرایا کہ کہیں یہ حرام ہی نہ ہو تو میں اسے یقین

دلاتا ہوں کہ یہ ان شاء اللہ حرام نہیں ہے' اور آدمی نے جو یہ کہا کہ میں نے اس پر اللہ کو گواہ بنالیا ہے تو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنائیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مراجعت کے لیے معیار عدت ہے' زمانہ نہیں

سوال میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر تین ماہ بیس دن بعد رجوع کر لیا' میرے رجوع کے بعد اسے حمل قرار پایا اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ کیا اس صورت میں مجھ پر کوئی کفارہ ہے؟

جواب اس عمل میں کوئی کفارہ تو نہیں ہے' ہاں البتہ یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ اگر مراجعت عدت ختم ہونے سے پہلے ہے تو صحیح ہے کیونکہ عورت بسا اوقات تین ماہ بیس دن یا اس سے بھی زیادہ دن گزارنے کے باوجود ابھی تک عدت ہی میں ہوتی ہے کیونکہ جس عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے اور بعض عورتوں کو دو ماہ بعد حیض آتا ہے' اس صورت میں اس کی عدت چھ ماہ میں مکمل ہوگی۔

اگر مراجعت عدت مکمل ہونے کے بعد یعنی تین حیضوں کے بعد ہوئی ہے تو پھر صحیح نہیں ہے' کیونکہ عدت مکمل کرنے کے بعد عورت اپنے شوہر کے لیے اجنبی بن جاتی ہے اور عقد جدید کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہوتی اور اگر امر واقع اسی طرح ہے تو پھر آپ کو اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر آپ کی تین ماہ بیس دن کے بعد کی مراجعت عورت کو تین بار حیض آنے سے پہلے ہوئی ہے تو یہ عورت آپ کی بیوی اور اس سے مراجعت صحیح ہے اور اگر مراجعت عدت مکمل ہونے کے بعد ہوئی ہے تو پھر یہ مراجعت صحیح نہیں اور یہ عورت آپ کی بیوی نہیں ہے' لہٰذا گواہوں کی موجودگی میں' نئے مہر کے ساتھ' ولی کی اجازت سے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نئے نکاح سے رجوع کرے

سوال میرے والد نے اپنی بیوی سے اختلاف ہونے کی صورت میں غصے کی حالت میں ایک طلاق دے دی تھی جسے اب دو سال گزر چکے ہیں' اب اگر وہ رجوع کرنا چاہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ پہلی طلاق تھی اور اس سے پہلے اور کوئی طلاق نہیں دی تھی تو نئے نکاح کے ساتھ رجوع کیا جا سکتا ہے' نئی منگنی کرنی ہوگی' نیا نکاح کرنا ہوگا' دونوں کی رضامندی سے نیا مہر مقرر کرنا ہوگا اور یہ ایک طلاق شمار ہوگی اور اس کے بعد اس کے لیے صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ جائے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تیسری طلاق سے عورت اپنے شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے

سوال ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی' پھر اپنے ملک سے باہر چلا گیا اور پردیس میں قریباً ایک سال بسر کرنے کے بعد وہ جب واپس آیا تو اس عورت نے ابھی تک نکاح نہیں کیا تھا' لہٰذا اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اور وہی

عورت اس کے پاس آگئی حالانکہ اس نے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تھا؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے بشرطیکہ ولی کی اجازت سے' دو عادل گواہوں کی موجودگی میں اور عورت کی رضامندی سے ہوا ہو' کیونکہ ایک طلاق سے عورت اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوتی' اسی طرح وہ دو طلاقوں سے بھی حرام نہیں ہوتی بلکہ تین طلاقوں سے حرام ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی صورت میں وہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی اور سے شرعی نکاح نہ کرے اور وہ اس سے مقاربت بھی کرے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٍۗ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۹)

"طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے صرف) دو بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔"

اور فرمایا:

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥۗ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۰)

"پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔"

تمام اہل علم کے نزدیک آخری طلاق سے مراد تیسری طلاق ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

دوسرے شخص سے نکاح کے بغیر رجوع جائز نہیں

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کو آخری طلاق دی اور اس پر چار سال گزر گئے' اور اب وہ عقد جدید اور مہر جدید کے ساتھ مگر محلل کے بغیر رجوع کرنا چاہتا ہے' تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ اس سے جدا ہو جاتی ہے اور اس وقت تک حلال نہیں' جب تک وہ کسی اور شخص سے (شرعی) نکاح نہ کرلے' اس سے مدت کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' یعنی خواہ وہ ایک گھنٹہ بعد یا کئی سالوں بعد رجوع کے لیے آمادہ ہو' یہ اس کے لیے حرام ہے کیونکہ یہ جتنی طلاقوں کا مالک تھا اس نے وہ استعمال کرلی ہیں' لہٰذا ضروری ہے کہ اب وہ کسی دوسرے شخص سے حلالہ کی صورت میں نہیں بلکہ شرعی نکاح کی صورت میں برضا و رغبت نکاح کرے اور پھر دوسرا شخص بھی کسی خفیہ منصوبہ بندی کے تحت نہیں بلکہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے تو پھر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عقد جدید اور مہر جدید کے ساتھ رجوع کرلیں اور اگر طلاق رجعی یعنی ایک یا دو ہوں تو عدت کے اندر اندر بغیر عقد کے رجوع حلال ہے اور عدت گزرنے کے بعد نئے عقد و مہر اور عورت کی رضامندی حلال ہو گی۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

١٦

كتاب الظهار

ظہار کے مسائل

عقد سے پہلے ظہار اثر انداز نہیں ہوتا

سوال ایک آدمی نے ایک عورت کو منگنی کا پیغام بھیجا مگر ابھی تک عقد نہیں کیا تھا اور پھر اس کے والد سے ناراضی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ "یہ عورت میری ماں اور میری بہن کی طرح حرام ہے"' پھر اس آدمی اور اس عورت کے والد کے درمیان صلح ہو گئی اور اس کی رضامندی سے مہر معین کے ساتھ عقد نکاح کر لیا' تو کیا شادی سے پہلے جو اس عورت کو حرام قرار دیا تھا اس کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم ہو گی؟ اور اگر اس صورت میں کوئی کفارہ وغیرہ ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

جواب اس تحریم کا عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ یہ نکاح سے پہلے واقع ہوئی ہے' اس سے ظہار کا کفارہ بھی لازم نہیں ہو گا کیونکہ یہ واقعہ اس عورت کے بیوی بننے سے پہلے کا ہے جسے اس نے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے' ہاں البتہ اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَـٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ۖ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَـٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّـٰرَةُ أَيْمَـٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَـٰنَكُمْ ﴿٨٩﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧۔٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو' یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

نیز ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٢﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١۔٢)

"اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے آپ اس کو حرام ٹھہراتے ہیں؟ (کیا آپ اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

لہذا جس شخص نے اس طرح حرام قرار دیا ہے اسے چاہیے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلائے جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے اور وہ یہ کہ وہ آدمی ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ دے یا دس مسکینوں کو کپڑے دے یا ایک (مسلمان) غلام آزاد کر دے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اپنی بیوی کو ماں بہن کی طرح حرام قرار دے لیا

سوال میرے شوہر نے مجھے قسمیہ طلاق دی اور کہا کہ تو مجھ پر میری ماں بہن کی طرح حرام ہے' لیکن بعد میں خوبیِ قسمت سے ہم نے رجوع کر لیا' میں اس وقت سات ماہ کی حاملہ تھی' میرے گھر والوں نے میرے شوہر سے کہا کہ وہ وضع حمل سے پہلے تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے' اب میں نے دو ماہ ہوئے بچے کو جنم دے دیا ہے' میرے شوہر کے مالی حالات سازگار نہیں ہیں لیکن اس کی نیت ضرور ہے کہ وہ تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے گا مگر تاحال اس نے نہیں کھلایا' میں ایک مسلمان اور دین دار عورت ہوں' اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتی ہوں اور اس بات سے بھی بہت ڈرتی ہوں کہ کہیں میں اپنے شوہر کے ساتھ حرام زندگی تو بسر نہیں کر رہی' امید ہے ان مذکورہ حالات میں میری رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کے شوہر نے آپ کے لیے یہ جو الفاظ استعمال کیے ہیں یہ طلاق نہیں بلکہ ظہار ہے' کیونکہ اس نے یہ کہا ہے کہ تو میرے لیے میری ماں بہن کی طرح حرام ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ظہار ایک انتہائی نامعقول اور بے حد جھوٹی بات ہے' لہذا آپ کے شوہر کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیے نیز اس کے لیے آپ سے اس وقت تک جنسی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ یہ کام نہ کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ ظہار کے کفارہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ﴾ (المجادلۃ ٥٨/ ٣-٤)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے' (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' جو شخص اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔"

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت کے بغیر اس کا آپ کے قریب آنا اور آپ سے مقاربت کرنا حلال نہیں' اور نہ آپ کے لیے حلال ہے کہ اس حکم الٰہی کی تعمیل سے قبل اسے اپنے قریب آنے دیں' اس کے گھر والوں کا یہ کہنا کہ وہ تیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے' غلط ہے' کیونکہ جیسا کہ آپ نے سنا ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ اس صورت میں ایک غلام آزاد کیا جائے' غلام نہ ملے تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جائیں' جس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو مہینوں میں ایک دن کے روزے کا بھی ناغہ نہ کیا جائے' الا یہ کہ بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے کوئی شرعی عذر ہو اور جب یہ عذر ختم ہو جائے تو باقی روزے رکھنا شروع کر دے اور اگر روزں کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ساٹھ آدمیوں کا کھانا تیار کر

کے انہیں دعوت دے اور کھلا دے' یا دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں چاول یا کوئی جنس جسے لوگ کھاتے ہوں تقسیم کر دے' گندم ایک مدفی کس اور اگر کوئی اور جنس ہو تو نصف صاع فی کس کے حساب سے تقسیم کر دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

صرف ایک ماہ کے لیے ظہار

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو ایک ماہ کے لیے میری ماں کی طرح ہے' جب مہینہ گزر گیا تو اس نے بیوی سے پھر سے تعلق استوار کر لیا' کیا اس صورت میں اس کے لیے ظہار کا کفارہ لازم ہو گا یا نہیں؟

جواب علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس طرح کی صورت میں ظہار کا کفارہ نہیں ہے جب کہ اس نے مذکورہ ماہ میں مقاربت نہ کی ہو' اس صورت کو ظہار موقت کہا جاتا ہے۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ظہار کی تین قسمیں ہیں: (۱) منجز (۲) معلق اور (۳) مؤقت۔ ان میں سے پہلے کی مثال جس طرح یہ کہے کہ: "تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے" دوسرے کی مثال جس طرح یہ کہے کہ "جب رمضان یا شعبان شروع ہو گا یا فلاں شخص آئے گا تو' تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے" اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ: "تو ماہ رمضان میں میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے" اس صورت میں اگر ماہ ختم ہو جائے اور وہ مقاربت نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہو گا کیونکہ اس میں اس نے اپنی بات کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ظہار کی ان قسموں کو ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں ذکر کر کے ان کے بارے میں اہل علم کا کلام ذکر فرمایا ہے' علاوہ ازیں دیگر اہل علم نے بھی ان قسموں کو بیان کیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنی بیوی سے کہا کہ تو ایک سال کے لیے میرے لیے حرام ہے

سوال بحوث علیہ و افتاء کی مستقل کمیٹی کے سامنے یہ سوال پیش ہوا ہے کہ ایک شخص کی بیوی اور اس کی بہو کا جھگڑا ہوا' جس کی وجہ سے غصہ کی حالت میں اس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تو پورے ایک سال کے لیے میرے لیے حرام ہے' یہ سن کر اس کے بچے رونے لگ گئے' اس صورت میں اس کے لیے کیا لازم ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

"اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے تو یہ ظہار ہے' جس کی حرمت کو ایک سال کے لیے موقت کیا گیا ہے' لیکن یہ ایک انتہائی نامعقول اور جھوٹی (غلط) بات ہے' اسے اس منکر بات کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنی چاہیے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَٰتُهُمْ إِلَّا ٱلَّٰٓـِٔى وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ ٱلْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝٢ ﴾ (المجادلة۵۸/ ۲)

"جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں' وہ ان کی مائیں نہیں (بن جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

اگر سال مکمل ہو جائے اور یہ شخص مقاربت نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں اور اگر یہ دوران سال مقاربت کر لے تو پھر اس کے لیے ظہار کا کفارہ لازم ہو گا اور وہ یہ ہے کہ ایک مومن غلام آزاد کرے' اگر غلام نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں میں تیس صاع' یعنی نصف صاع فی مسکین کے حساب سے شہر میں جو خوراک کھجور یا چاول وغیرہ کھائے جاتے ہوں' تقسیم کرے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ﴾ (المجادلة۵۸/ ۳_۴)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں (یا بہن) کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضرور) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے' جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور رسول کے فرماں بردار ہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

کفارہ کے بارے میں چند سوالات

سوال اگر ساٹھ مسکین موجود نہ ہوں تو: ① کیا سارا کفارہ ایک مسکین کو بھی دینا جائز ہے؟

② کیا اس ایک مسکین کو یہ سارا کفارہ ایک ہی دن میں دے دینا جائز ہے یا ساٹھ دن تک ایک مسکین فی دن کے حساب سے اسے دیا جائے؟

③ نقدی یا کھانے کی صورت میں ایک مسکین کو دیے جانے والے کفارے کی مقدار کیا ہو گی؟

④ کیا کفارے کی ادائیگی کے لیے قرض لینا اور وہ مسکینوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ظہار کا یا رمضان میں دن کے وقت مباشرت کا کفارہ اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے بیان ہوا ہے' اس میں کسی قسم کا اختیار نہیں ہے' لہٰذا پہلے گردن آزاد کی جائے گی' اگر یہ نہ ملے تو پھر روزے رکھنا ہوں گے اور جو شخص روزے رکھنے سے بھی عاجز و قاصر ہو تو اسے مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا۔

② اگر ساٹھ مسکین موجود ہوں تو ضروری ہے کہ انہیں کھانا کھلایا جائے اور اگر ساٹھ موجود نہ ہوں تو جس قدر موجود ہوں انہیں کھانا کھلانا جائز ہے' مثلاً: اگر ساٹھ کے بجائے تیس مسکین ہوں تو انہیں دو دن کھانا کھلا دیا جائے' یا اگر ایک ہی مسکین ہو تو اسے ساٹھ دن کھانا کھلا دیا جائے اور اگر ساٹھ دن کھلانے میں دشواری ہو تو اسے سارا کفارہ ایک ہی دفعہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

③ انہیں دوپہر کا کھانا یا شام کا کھانا ایک ہی بار کھلا دے' یا انہیں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے معمول کے کھانے کے مطابق جو ایک رات کی خوراک کے لیے کافی ہو' اور اس کا اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع جنس دی

جائے' نیز ساتھ ہی سالن وغیرہ کے اخراجات بھی دیے جائیں۔

(۴) کفارہ ادا کرنے کے لیے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ (لینے والا) فقیر ہو اور اسے اعتماد ہو کہ وہ اس قرض کو ادا کر دے گا اور اگر وہ عاجز ہو اور اسے قرض دینے والا بھی کوئی نہ ہو تو اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کفارہ سے پہلے عورت کو چھونا جائز نہیں

سوال مصر میں قیام کے دوران میرے اور میری بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور سعودیہ کی طرف سفر سے پہلے میں نے ظہار کی قسم کھالی اور سعودیہ واپس آکر تھوڑی ہی مدت بعد مجھے پروگرام "نور علی الدرب" سننے کا اتفاق ہوا' جس سے معلوم ہوا کہ ظہار کا کفارہ متواتر ساٹھ دن کے روزے ہے اور اب جب کہ رمضان کی آمد آمد ہے اور رمضان کے بعد مجھے پھر مصر جا کر اپنی بیوی کے ساتھ ڈیڑھ ماہ بسر کرنا ہے' کیونکہ وہ میرے ساتھ سعودیہ میں مقیم نہیں ہے' لہٰذا مصر میں اس کے ساتھ قیام کے دوران میرے لیے دو ماہ کے روزے رکھنا مشکل ہے' کیا میرے لیے روزے رکھنے سے قبل بیوی سے مباشرت جائز ہے جب کہ روزے میں سعودیہ میں واپس آکر رکھ لوں گا یا مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے یا اسے حرام قرار دے لے' اس پر واجب ہے کہ بیوی کو چھونے سے پہلے ایک مومن غلام آزاد کرے' اگر اس سے عاجز ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اسے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے' اپنے شہر میں کھجور یا چاول وغیرہ جو خوراک کھانے کا معمول ہو' وہ مسکین کو نصف صاع' یعنی تقریباً ڈیڑھ کیلو کے حساب سے دے دے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ﴾ (المجادلۃ ۵۸/ ۳۔۴)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے' جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے۔)"

اس مذکور ترتیب کے مطابق کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کے قریب جانا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور آپ کے لیے آسانی پیدا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

عورت کا اپنے شوہر کو حرام قرار دینا ظہار نہیں

سوال جب کوئی عورت اپنے شوہر سے یہ کہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو' تو مجھ پر میرے باپ کی طرح حرام ہے' یا عورت

اپنے شوہر پر لعنت بھیجے' یا شوہر اس عورت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے' یا صورت حال اس کے برعکس ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عورت اگر اپنے شوہر کو حرام قرار دے لے' یا اسے اپنے کسی محرم کے ساتھ تشبیہ دے تو یہ قسم کے حکم میں ہے' ظہار کے حکم میں نہیں ہے' کیونکہ قرآن کی نص سے یہ ثابت ہے کہ ظہار مردوں کی طرف سے عورتوں سے ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں عورت کو قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے جو یہ ہے کہ شہر میں معمول کی خوراک سے نصف صاع' جس کا وزن تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے' فی کس کے حساب سے دس مسکینوں کو دیا جائے' یا انہیں صبح یا شام کا کھانا کھلایا جائے' یا انہیں ایسے کپڑے دے دیے جائیں جن میں نماز ادا کی جا سکتی ہو تو یہ قسم کا کفارہ ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا' تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے' جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو' یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

عورت کا کسی ایسی چیز کو حرام قرار دینا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال قرار دی ہو' قسم کے حکم میں ہے' اسی طرح بیوی کے سوا مرد کا بھی کسی ایسی چیز کو حرام قرار دینا' جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال قرار دی ہو' قسم کے حکم میں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

مرد اگر بیوی کو حرام قرار دے لے' تو علماء کے صحیح ترین' قول کے مطابق اس کا حکم ظہار کا ہے' جب کہ تحریم کسی ایسی شرط کے ساتھ مشروط یا معلق ہو جس سے مقصود برانگیختہ کرنا' یا منع کرنا' یا تصدیق کرنا' یا تکذیب کرنا نہ ہو' مثلاً: یہ کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" یا "میری بیوی مجھ پر حرام ہے" یا یہ کہنا کہ "جب رمضان آئے گا تو میری بیوی مجھ پر حرام ہو گی" تو اس طرح کی باتوں کا حکم ایسے ہی ہے' جیسے اس بات کا حکم کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے"' یہ ایک حرام' نامعقول اور جھوٹی بات ہے' یہ بات کہنے والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے۔ ظہار کا کفارہ بیوی کو چھونے سے پہلے ادا کیا جائے' جیسا کہ سورہ مجادلہ کی حسب ذیل آیات میں مذکور ہے:

﴿ الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ

مُنكَرًا مِّنَ ٱلْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٢﴾﴾ (المجادلة٥٨/ ٢)

"جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے' بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

اور پھر فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ﴾ (المجادلة٥٨/ ٣-٤)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو ان کو ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے' (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے' جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا (چاہیے۔)"

جو شخص غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے سے عاجز ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ شہر میں معمول کی خوراک میں سے نصف صاع (ڈیڑھ کلو) کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

عورت کا اپنے شوہر پر لعنت بھیجنا یا اس سے پناہ مانگنا حرام ہے اسے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی اور اپنے شوہر سے معافی مانگنی چاہیے' لیکن اس سے اس کا شوہر اس پر حرام نہیں ہو گا اور نہ اس کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ ہی لازم ہو گا' اسی طرح اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر لعنت بھیجے یا اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے تو اس سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہو گی ہاں البتہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے اور اپنی بیوی سے یہ بات معاف کروا لینی چاہیے کیونکہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان مرد یا عورت پر لعنت بھیجے خواہ وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے' کسی عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر یا کسی اور مسلمان پر لعنت بھیجے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحیح البخاري، الأیمان والنذور، باب من حلف بملة سوی ملة الإسلام، ح:٦٦٥٢ وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان غلظ تحریم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح:١١٠)

"مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحیح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغیرها، ح:٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور شفاعت کنندہ نہیں بن سکیں گے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحیح البخاري، الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط

عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق ... الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر اس چیز سے عافیت اور سلامتی عطا فرمائے جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

ظہار کے لیے قسم

سوال میرا ایک دوست سعودیہ میں کام کرتا ہے' وہ ایک بہت بری عادت میں مبتلا تھا' جب بھی اسے چھوڑنے کی کوشش کرتا تو اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا اور اس کا دوبارہ ارتکاب کر لیتا' ایک دن اس نے اپنے دل میں یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے آئندہ اس کا ارتکاب کیا تو اس کی بیوی اس پر اس کی ماں بہن کی طرح حرام ہو گی' اس کی بیوی کو اس کی اس قسم کا علم بھی نہیں' کیونکہ وہ اس وقت اپنے ملک میں تھی' اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ آئندہ اس عادت کا ارتکاب کرے تو کیا اس کی بیوی مطلقہ اور حرام ہو جائے گی یا اس کی یہ قسم واقع نہیں ہو گی' کیونکہ اس کی بیوی کو تو اس کا علم ہی نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کے ساتھ کوئی جھگڑا تھا' اس دوست نے وطن واپس جا کر اپنی بیوی سے مجامعت بھی کی ہے' اسے اب کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس سوال کا جواب دو طرح سے ہے ایک تو یہ کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک حرام عادت کا مرتکب تھا جو کسی مومن کے شایان شان نہیں' لہٰذا اس طرح کے حرام امور سے بچنے کے لیے مومن کو چاہیے کہ وہ قسموں کے بجائے دین کے ذریعہ کو استعمال کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف انسان کو حرام امور کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ اگر انسان کی نیت سچی اور عزم راسخ (پختہ) ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے مدد بھی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے یقیناً آسانی کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیوی کو ماں بہن کی طرح حرام قرار دینے سے اگر ارادہ قسم کا تھا اور اس معصیت سے باز رہنے کے لیے اس طرح قسم کھائی تو اس سے بیوی حرام نہ ہو گی اور نہ یہ صورت طلاق اور ظہار کی ہو گی لہٰذا قسم کا کفارہ ادا کر دیجیے کیونکہ یہ مکمل طور پر قسم کے معنی میں ہے' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

"لیکن پختہ قسموں پر (جن کا خلاف کرو گے) وہ (اللہ) تم سے مؤاخذہ کرے گا۔"

اس میں مدار نیت پر قرار دیا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلىٰ رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اہم بات یہ ہے کہ اس سے اگر آپ کی نیت اس عادت سے باز رہنا یا اس سے باز رہنے کے لیے تاکید تھی تو اس سے بیوی حرام نہیں ہو گی' لہٰذا آپ قسم کا کفارہ ادا کر دیں جو یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں' یا انہیں کپڑے دے دیں' یا ایک غلام آزاد کر دیں اور اگر یہ آپ کو میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں جگہ گئی تو ....

سوال میں نے اپنی بیوی کو ایک جگہ جانے سے منع کیا' مگر جب اس نے وہاں جانے پر اصرار کیا تو مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے کہا کہ اگر تو وہاں گئی تو' تو میری ماں بہن کی پشت کی طرح ہو گی' اس کے بعد میں سفر پر چلا گیا اور جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس نے میرے حکم کی مخالفت کی ہے اور وہاں چلی گئی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میں اپنی قسم کا کفارہ دوں؟ یا اس سے میری بیوی کو طلاق ہو گئی ہے؟ کیا کفارہ ادا کرنے کے لیے وقت معین ہے؟

جواب میں سائل اور دیگر تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس طرح کا احمقانہ قدم نہ اٹھایا کریں' اللہ تعالیٰ نے ظہار کو ایک بہت نامعقول اور جھوٹی بات قرار دیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سائل کا اگر مقصد "بیوی کو ماں کی پشت کی طرح قرار دینے سے" اسے حرام قرار دینا تھا تو یہ ظہار ہے اور ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے لیے بیوی کے قریب جانا جائز نہیں۔ ظہار کا کفارہ حسب ذیل آیات میں مذکور ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ ﴾ (المجادلة۵۸/ ۳۔۴)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو (ان کو) ہم بستری کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے' یہ (حکم) اس لیے (ہے) کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہو جاؤ۔"

لہٰذا اس پر واجب ہے کہ بیوی سے مجامعت کرنے سے پہلے اس کفارہ کو ادا کرے' جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے اور اگر ان الفاظ سے اس کا مقصد بیوی کو منع کرنا تھا' اسے حرام قرار دینا مقصد نہیں تھا تو پھر یہ الفاظ قسم کے حکم میں ہوں گے اور ان کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہو گا' ظہار کی صورت میں بیوی اپنے شوہر سے خاص حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ حقوق ادا نہ کرنے پر اصرار کرے تو پھر دونوں کو عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

١٧

كتابُ العِدّة

عدت کے احکام اور عدت گزارنے والی عورتوں کی مختلف انواع

نکاح کے بعد اور دخول سے قبل جس کا شوہر.....

سوال ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا مگر اس کے ساتھ مقاربت سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو کیا اس صورت میں بھی عورت کے لیے عدت ہے؟

جواب وہ عورت جس کا شوہر نکاح کے بعد مگر مقاربت سے پہلے فوت ہو گیا ہو' اس کے لیے بھی عدت اور سوگ ہے' کیونکہ یہ عورت محض نکاح ہی سے اس کی بیوی بن گئی اور اس کے لیے بھی یہی حکم باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرة۲/ ۲۳٤)

"اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور عورتیں (بیویاں) چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رہیں۔"

اور امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ إِلاَّ عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا»(صحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة . . . الخ، ح:٦٦/٩٣٨)

"کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے' ہاں البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ کرے۔"

امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اس کے لیے عدت بھی ہے اور میراث بھی' اس خاتون کا شوہر بھی نکاح کے بعد' مگر مجامعت سے قبل فوت ہو گیا تھا۔ [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

مدخول بہا مطلقہ عورت کے لیے ہر حال میں عدت ہے

سوال جب عورت کو طلاق بائنہ یا تین طلاقیں دے دی جائیں تو کیا اس کے لیے عدت ہے؟ کیا یہ عورت عدت کا عرصہ طلاق دینے والے شوہر کے گھر گزارے گی کہ اس سے اس کے دو بچے بھی ہیں؟ کیا دوسرے شخص سے شادی عدت پوری ہونے پر موقوف ہے؟

---

[1] سنن أبی داود' النکاح' باب فیمن تزوج ولم یسم صدقا حتی مات' حدیث: ۲۱۱۴ و جامع الترمذی' النکاح' باب ماجاء فی الرجل یتزوج ..... الخ حدیث: ۱۱۴۵۔

جواب جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کے لیے عدت ضروری ہے خواہ طلاق بائنہ ہو یا رجعی' کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَٱلۡمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٖۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۸)

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں"

ہاں البتہ اگر دخول اور خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو تو پھر عدت نہیں ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحۡتُمُ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوهُنَّ مِن قَبۡلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٖ تَعۡتَدُّونَهَاۖ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۴۹)

"اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں کو نکاح میں لاؤ اور پھر ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے' جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔"

جہاں تک گھر میں باقی رہنے کا مسئلہ ہے' تو اگر طلاق رجعی ہو تو یہ حسب دستور گھر میں رہے' شوہر کے سامنے اظہار زینت بھی کرے اور اپنے چہرے کو بھی کھلا رکھے' ہاں البتہ جماع اور اس کے مقدمات جائز نہیں کیونکہ یہ امور رجوع کے بعد ہی جائز ہیں' اور اگر طلاق بائنہ ہو اور گھر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی ہو تو پھر اس عورت کے گھر میں باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں' لیکن یہ اپنے اس شوہر سے پردہ کرے گی کیونکہ یہ اب اس کے لیے اجنبی بن گیا ہے' اور اگر گھر میں کوئی اور نہ ہو تو پھر اس گھر میں اس کے لیے رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح ایک اجنبی شخص کے ساتھ خلوت لازم آئے گی اور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت محرم کے بغیر کسی مرد کے ساتھ خلوت اختیار کرے۔

مطلقہ عورت کا کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا عدت کے خاتمہ پر موقوف ہے' عدت ختم ہونے سے پہلے کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا جائز نہیں خواہ طلاق بائنہ ہی کیوں نہ ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

معمر عورت کے لیے بھی سوگ لازم ہے

سوال ستر سال سے زائد عمر کی ایک ایسی عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہے جو کم عقل تھی اور بیوی ہونے کے باوجود اس کا عرصہ سے خاوند کے ساتھ کوئی میاں بیوی والا تعلق نہ تھا' کیا اس کے لیے بھی دیگر عورتوں کی طرح سوگ لازم ہے؟ اگر سوگ کی مشروعیت سے صرف یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں تو حاملہ کی عدت صرف وضع حمل ہی کیوں ہے' جب کہ یہ معمر عورت تو اب حمل سے رک چکی ہے؟

جواب سوال میں مذکور بوڑھی عورت عدت بھی گزارے گی اور چار ماہ دس دن تک سوگ بھی' کیونکہ یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنكُمۡ وَيَذَرُونَ أَزۡوَٰجٗا يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرۡبَعَةَ أَشۡهُرٖ وَعَشۡرٗاۖ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۴)

"اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور عورتیں (بیویاں) چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک

اپنے آپ کو روکے رہیں۔"

اگر عورت معمر اور حمل سے رک چکی ہو تو عدت اور سوگ کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ اس سے نکاح کی عظمت' اس کی قدر و منزلت کی رفعت' اس کی شرط کے اظہار' شوہر کے حق کی ادائیگی اور آرائش و زیبائش کو ترک کر کے شوہر سے محرومی کی کیفیت کا اظہار کرنا ہے' یہی وجہ ہے کہ باپ اور بیٹے کی نسبت شوہر کی وفات پر زیادہ سوگ کا حکم دیا گیا ہے اور حاملہ کی عدت صرف وضع حمل ہے' کیونکہ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔"

اور اس آیت نے ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ --- ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۳۴) کے عموم کی تخصیص کر دی ہے۔

وضع حمل سے عدت ختم ہو جانے میں یہ حکمت بھی ہے کہ یہ حمل پہلے شوہر کا حق ہے' لہٰذا اگر وفات یا کسی اور سبب سے جدائی کی وجہ سے حالت حمل میں یہ کسی دوسرے شوہر سے شادی کرے تو وہ کسی غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے گا' اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کی وجہ سے جائز نہیں ہے:

«لاَ يَحِلُّ لِامْرِىءٍ مُسْلِمٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، ح:٢١٥٨ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري الجارية... الخ، ح:١١٣١)

"کسی بھی مسلمان آدمی کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔"

ہر مسلمان شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کے مطابق عمل کرے خواہ وہ ان کی حکمت کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اس بات پر بھی ایمان رکھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو بھی احکام مقرر فرمائے ہیں وہ حکمت پر مبنی ہیں اور اگر کسی کو یہ حکمت بھی معلوم ہو جائے تو یہ نور علی نور اور سراپا خیر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بڑھیا اور نابالغ بچی کے لیے بھی عدت لازم ہے

سوال کیا شوہر کے فوت ہونے پر ایسی بڑھیا کے لیے جسے اب مرد کی ضرورت نہ ہو' یا ایسی چھوٹی لڑکی کے لیے جو ابھی تک بالغ نہ ہو' عدت لازم ہے؟

جواب ہاں ایسی بڑھیا جسے اب مرد کی حاجت نہ ہو اور ایسی چھوٹی لڑکی جو ابھی تک بالغ نہ ہو ان پر بھی شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت لازم ہے۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٣٤)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ

کو (نکاح کرنے سے) روکے رہیں"

نیز فرمایا:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّۚ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۴)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔"

ان آیات کے عموم کا تقاضا ہے کہ بڑھیا اور نابالغہ بھی انہی ارشادات کے مطابق عدت گزاریں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حاملہ کی عدت

سوال ایک سائل نے یہ پوچھا ہے کہ اس کی خالہ (اس کے باپ کی بیوی) حاملہ ہے تو کیا وہ اس کے باپ کی وفات کی وجہ سے چار ماہ دس دن عدت گزارے یا اس کی عدت وضع حمل تک ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا جائزہ لینے کے بعد یہ جواب دیا کہ اس عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مطلقہ کی عدت اور مطلقہ رجعیہ کا گھر سے نکلنا

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ مطلقہ کی عدت کیا ہے' نیز وہ مطلقہ جس کی طلاق رجعی ہو کیا وہ اپنے شوہر ہی کے گھر رہے تاکہ اس کا شوہر رجوع کر سکے یا وہ اپنے والد کے گھر چلی جائے؟

جواب جس مطلقہ کی طلاق رجعی ہو اس کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے اور شوہر کے لیے اسے گھر سے نکالنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٖ مُّبَيِّنَةٖۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥۚ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۱)

"نہ تو تم (ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں' ہاں اگر وہ صریح بے حیائی (بدکاری) کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

آج کل لوگوں میں جو یہ رواج ہے کہ جونہی کسی عورت کو رجعی طلاق ہوئی وہ فوراً اپنے والدین کے گھر چلی جاتی ہے' یہ غلط اور حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۱)

"نہ تو تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں۔"

اور استثناء کی صرف یہ ایک صورت بیان کی ہے کہ اگر وہ صریح بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں تو پھر انہیں گھروں سے نکال

دینا چاہیے اور پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۱)

"یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا' وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شوہر کے گھر ہی میں رہنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۱)

"(اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا فرما دے۔"

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کریں' اللہ تعالیٰ نے انہیں جو حکم دیا ہے اس کی اطاعت بجا لائیں اور محض عادات کو شرعی امور کی مخالفت کا ذریعہ نہ بنائیں' لہٰذا رجعی طلاق والی عورت کے لیے واجب ہے کہ وہ عدت پوری ہونے تک اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے اور اس دوران وہ شوہر سے پردہ بھی نہیں کرے گی' بلکہ اس کے سامنے اظہار زیب و زینت اور اہتمام آرائش و زیبائش بھی کر سکتی ہے' دونوں باہم دیگر گفتگو بھی کر سکتے ہیں' اور اکٹھے بیٹھ بھی سکتے ہیں اور مباشرت کے سوا ہر کام کر سکتے ہیں' مباشرت صرف رجوع کے وقت ہی کر سکتے ہیں اور رجوع کی صورت یہ ہے کہ شوہر زبان سے کہے کہ میں اپنی بیوی سے رجوع کرتا ہوں' نیز وہ مراجعت کی نیت سے مباشرت کر کے عملاً بھی رجوع کر سکتا ہے۔

مطلقہ کی عدت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو دخول و خلوت یعنی جماع و مباشرت سے قبل طلاق دے دی گئی ہو تو اس کے لیے مطلقاً کوئی عدت نہیں ہے' وہ محض طلاق ہی سے بائنہ ہو جائے گی اور کسی دوسرے مرد سے شادی کرنا اس کے لیے حلال ہو جائے گا اور اگر دخول و خلوت اور مجامعت کے بعد طلاق دی ہو تو پھر عدت کی حسب ذیل صورتیں ہوں گی:

① اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے' خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ' ممکن ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو صبح کے وقت طلاق دی ہو اور وہ ظہر سے پہلے بچے کو جنم دے دے تو اس کی عدت اسی سے پوری ہو جائے گی اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک شخص نے ماہ محرم میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہو اور اس کے ہاں بچے کی ولادت ذوالحجہ کے مہینے میں ہو تو ایسی عورت کو بارہ ماہ کی عدت گزارنی ہوگی' کیونکہ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُولَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۴)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے"

② اگر مطلقہ عورت حاملہ نہیں اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت طلاق کے بعد مکمل تین حیض ہے' یعنی اسے حیض آئے اور پاک ہو جائے' پھر آئے اور پاک ہو جائے اور پھر آئے اور پاک ہو جائے یعنی اس طرح اسے مکمل تین حیض آئیں خواہ ان کے درمیان کی مدت کم ہو یا زیادہ' مثلاً: اگر کوئی شخص مرضعہ (بچے کو دودھ پلانے والی) کو طلاق دے دے اور اسے دو سال تک بھی حیض نہ آئے تو وہ عدت میں ہی رہے گی حتی کہ اسے تین بار حیض آ جائے اور اس طرح اسے دو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک عدت میں رہنا پڑ سکتا ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٢٨)

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں"

③ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو خواہ اس کا سبب عدم بلوغت ہو یا کبر سنی (بڑھاپا) کی وجہ سے حیض سے مایوسی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّٰٓـِٔى يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَٰثَةُ أَشْهُرٍ وَٱلَّٰٓـِٔى لَمْ يَحِضْنَ ﴾

(الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے' اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے۔)"

④ اگر کسی کا حیض کسی سبب کی وجہ سے ختم ہو گیا ہو' اور معلوم ہو کہ اب حیض کبھی نہیں آئے گا۔ مثلاً: یہ کہ آپریشن وغیرہ کے ذریعے اس کا رحم ہی نکال دیا گیا ہو تو یہ بھی حیض سے مایوس عورت کی طرح تین ماہ عدت گزارے گی۔

⑤ اگر حیض ختم ہو گیا ہو اور اسے اس کے سبب کا بھی علم ہو تو اسے انتظار کرنا ہو گا حتی کہ یہ سبب دور ہو جائے' حیض آجائے اور یہ اس کے مطابق عدت گزارے۔

⑥ حیض ختم ہو جائے مگر عورت کو اس کے سبب کا علم نہ ہو تو علماء فرماتے ہیں کہ اسے مکمل ایک سال تک عدت گزارنی چاہیے اس میں نو ماہ حمل کے اور تین ماہ عدت کے ہوں گے۔ یہ ہیں مطلقہ عورتوں کی عدت کی اقسام۔

جس عورت کا نکاح خلع وغیرہ کی وجہ سے فسخ ہو گیا ہو اس کی عدت ایک حیض ہے' یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی سے خلع کرے کہ اس عورت نے یا اس کے ولی نے کچھ مال دے دیا ہو کہ اس کے عوض وہ نکاح فسخ کر دے اور شوہر نے مال وغیرہ لے کر عورت کو الگ کر دیا ہو تو اسے عدت کے لیے ایک حیض ہی کافی ہے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مختلعة (خلع کرنے والی) اور مطلقہ کی عدت

سوال جب عورت کو اس صورت میں طلاق دی گئی ہو کہ وہ شوہر سے کشیدہ حالات کی وجہ سے ایک سال یا دو سال یا اس سے کم مدت تک الگ تھلگ رہی ہو اور طلاق سے پہلے استبراء رحم کی مدت گزر گئی ہو تو کیا اس کے لیے بھی عدت لازم ہے یا نہیں؟ یا عدت گزارے بغیر ہی اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ اس کے شوہر نے معاوضہ لے کر اسے طلاق دے دی ہو اور رجوع کرنے میں اسے کوئی رغبت نہ ہو؟

جواب جب کسی عورت کو طلاق دی جائے تو طلاق کے بعد اس کے لیے عدت لازم ہے خواہ شوہر سے ملے ہوئے اسے زیادہ مدت ہوئی ہو یا تھوڑی کیونکہ' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٢٨)

"اور طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک انتظار کریں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو حکم دیا تھا کہ وہ خلع کے بعد ایک حیض کی عدت گزارے' اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ خلع کی طلاق کے بعد عدت ایک حیض ہے' اس حدیث نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کے عموم کی تخصیص کر دی ہے' اور اگر وہ عورت جس نے مال دے کر شوہر سے طلاق خلع حاصل کی ہو وہ اگر تین حیض تک عدت گزار لے تو یہ اکمل اور احوط صورت ہے اور مذکورہ آیت کے پیش نظر بعض اہل علم نے جو یہ کہا ہے کہ اسے بھی تین حیض تک عدت گزارنی چاہیے تو اس طرح یہ اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شرعی عذر کے بغیر عدت اور سوگ مؤخر کرنا

سوال میری عمر چالیس سال ہے' میں شادی شدہ ہوں' میرے پانچ بچے ہیں' ۱۲-۵-۱۹۸۵ء کو میرے شوہر کا انتقال ہو گیا لیکن اپنے شوہر اور بچوں سے متعلق بعض ضروری کاموں کی وجہ سے میں عدت نہ گزار سکی' وفات کے چار ماہ بعد' یعنی ۱۲-۹-۱۹۸۵ء سے میں نے عدت شروع کی اور ایک ماہ کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے میں گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ایک ماہ عدت میں شمار ہو گا اور کیا شوہر کی وفات کے چار ماہ بعد عدت گزارنا صحیح ہے یا نہیں؟ یاد رہے مجھے بعض کاموں کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے کیونکہ کوئی اور شخص نہیں ہے جس پر میں گھر کے کاموں کے بارے میں اعتماد کر سکوں؟

جواب آپ کا یہ کام حرام ہے' کیونکہ عورت پر اسی وقت سے عدت اور سوگ ضروری ہے جب اسے شوہر کی وفات کا علم ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۳۴)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں (بیویاں) چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو روکے رہیں۔"

آپ کا چار ماہ کے بعد عدت کو شروع کرنا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے' اس میں سے صرف دس دن عدت شمار ہوں گے اور ان کے بعد والے دن عدت کے دن نہیں ہیں' آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور کثرت سے اعمال صالحہ کرنے چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس گناہ کو معاف فرما دے۔ یاد رہے وقت ختم ہونے کے بعد عدت کی قضا نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سوگ کرنے والی عورت کے احکام

مصائب کے وقت کالے کپڑے پہننا باطل شعار ہے

سوال کیا فوت شدہ شخص کے لیے خصوصاً جب کہ وہ شوہر ہو' کالے کپڑے پہننا جائز ہے؟

جواب مصیبتوں کے وقت کالا لباس پہننا ایک باطل شعار ہے جس کی کوئی اصل نہیں' انسان کو چاہیے کہ مصیبت کے

وقت وہ کام کرے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے' اور وہ یہ کہے:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا» (صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، ح:٩١٨)

''ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت کا اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔''

اگر کوئی شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے یہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً اجر و ثواب بھی عطا فرمائے گا اور اس کا نعم البدل بھی عطا فرمائے گا' جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا' جو ان کے عم زاد (چچازاد) بھی تھے' اور ان سے انہیں محبت بھی بہت تھی تو انہوں نے یہ کلمات کہے اور بیان فرماتی ہیں کہ میں اپنے جی (دل) میں کہتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر شوہر کیسے مل سکتا ہے؟ لیکن جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا' وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ سے بہتر تھے' اس طرح جو شخص بھی ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے یہ کلمات کہے گا' اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت پر اسے اجر و ثواب بھی عطا فرمائے گا اور نعم البدل سے بھی نوازے گا۔
سوگ کے لیے کوئی خاص لباس' مثلاً کالے رنگ کے کپڑے پہننا بالکل بے اصل بات بلکہ یہ ایک مذموم اور باطل کام ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سیاہ لباس اور خاوند کی وفات پر عدت گزارنے والی عورت

سوال کیا خاوند کی وفات پر عدت گزارنے والی عورت کے لیے سیاہ لباس پہننا لازم ہے یا وہ کسی رنگ کا بھی لباس پہن سکتی ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ جو عورت سوگ میں ہو وہ کالا لباس پہنے' کالے رنگ کے بچھونے پر بیٹھے اور کالے رنگ کے جائے نماز پر ہی نماز پڑھے' عام خواتین کے ہاں اس طرح کے کچھ اور بھی اعتقادات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں فرمایا' امید ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں گے کہ شوہر کی وفات کی وجہ سے عورت کے لیے کس قسم کا لباس پہننا واجب ہے؟

جواب جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کے لیے مدت عدت میں سوگ لازم ہے' مدت عدت زمانے اور حالات کے ساتھ محدود ہے اگر ایسی عورت حائضہ ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے' یہ مدت شوہر کی وفات سے شروع ہو گی خواہ اس کی بیوی کو شوہر کی وفات کے بارے میں اسی وقت علم ہو یا بعد میں' فرض کیا کہ اسے شوہر کی وفات کے دو ماہ بعد اس کے فوت ہونے کا علم ہو تو اسے دو ماہ دس دن ہی عدت گزارنا ہو گی' پس حائضہ کی عدت وقت کے ساتھ محدود ہے اور وہ چار ماہ دس دن اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ' اس صورت میں عدت ایک یا دو گھنٹے یا اس سے کم ہو سکتی ہے اور ایک یا دو سال یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے' ان میں سے پہلی صورت کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرة٢/ ٢٣٤)

''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو

(نکاح کرنے سے) روکے رہیں"

اور دوسری صورت کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُولَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔"

صحیحین میں یہ حدیث کہ سبیعہ اسلمی رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے صرف چند راتوں بعد بچہ جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے شادی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ خاوند کی وفات کی صورت میں عدت کے سلسلہ میں عورت پر چند باتوں کی پابندی واجب ہے:

1. بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلے۔
2. ایسا لباس زیب تن نہ کرے جسے لباس زینت قرار دیا جاتا ہو' اس سلسلہ میں رنگ کی کوئی پابندی نہیں' چنانچہ وہ سیاہ' سرخ' سبز اور ہر قسم کے رنگ کا لباس استعمال کر سکتی ہے' لیکن یہ درست نہیں کہ وہ اس دوران صرف کالا لباس ہی استعمال کرے۔
3. زیورات کسی قسم کے بھی استعمال نہ کرے' یعنی کنگن' ہار' پازیب یا کسی قسم کا بھی زیور استعمال نہ کرے بلکہ جو زیورات پہلے سے پہن رکھے ہوں انہیں بھی اتار دے اور اگر وہ نہ اتر سکتے ہوں تو لازمی طور پر انہیں توڑ کر اتار دے۔
4. اس مدت میں عورت کو آنکھوں' رخساروں اور ہونٹوں وغیرہ کی آرائش بھی نہیں کرنی چاہیے یعنی اس کے لیے سرمہ اور سرخی وغیرہ استعمال کرنا بھی ناجائز ہے۔
5. اس حالت میں عورت کے لیے کسی بھی قسم کی خوشبو خواہ وہ بخور ہو یا تیل وغیرہ' استعمال کرنا جائز نہیں' ہاں البتہ جب وہ حیض سے پاک ہو کر غسل کرے تو صرف اس مقام پر خوشبو استعمال کر سکتی ہے جہاں سے بدبو آتی ہے۔ بعض عوام الناس جو یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت کو چاہیے کہ عدت میں کسی سے بات چیت نہ کرے' اسے کوئی نہ دیکھے' وہ گھر کے صحن میں نہ جائے' گھر کی چھت پر نہ جائے' چاند کو نہ دیکھے' جمعہ کے دن کے سوا اور کسی دن غسل نہ کرے' اذان کے وقت نماز کو مؤخر نہ کرے بلکہ اذان کے وقت ہی جلدی سے نماز ادا کرے تو ان تمام چیزوں کا شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

مردوں کی طرف دیکھنے اور مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے بھی سوگ والی اور غیر سوگ والی عورتوں میں کوئی فرق نہیں لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اپنے چہرے کا پردہ کرے اور جسم کے ہر اس حصے کو چھپائے جو فتنہ کا سبب بن سکتا ہو' اس کے لیے مردوں سے حتیٰ کہ غیر محرم مردوں سے بھی بات کرنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو' ایسی عورت ٹیلی فون بھی سن سکتی ہے اور اگر کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو تو اس کی بات کا جواب بھی دے سکتی ہے اور اس قسم کی دوسری حاجات بھی پوری کر سکتی ہے۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

عدت والی عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے..........

سوال ایک عورت نے ایک مرد سے شادی کی پھر وہ شخص فوت ہو گیا اور اس سے اس کی اولاد بھی نہیں ہے اور نہ ہی شوہر کے شہر میں اس کے کوئی رشتہ دار ہیں' کیا اس کے لیے اپنے شوہر کے شہر سے اپنے وارثوں کے شہر منتقل ہونا جائز ہے تاکہ وہاں جا کر عدت گزار سکے یا نہیں؟

جواب اس عورت کے لیے اپنے ولی کے گھر یا کسی بھی ایسی جگہ منتقل ہونا جائز ہے جہاں یہ محفوظ ہو اور اپنے شوہر کی باقی عدت گزار سکے بشرطیکہ اسے اپنے شوہر کے گھر رہنے میں اپنے بارے میں یا اپنی عزت و آبرو کے بارے میں خطرہ ہو اور یہاں اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو اور اگر اسے یہاں سے کوئی خطرہ نہ ہو اور یہ صرف اپنے اہل خانہ سے قریب ہونا چاہتی ہو تو پھر اس کے لیے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا جائز نہیں بلکہ اسے یہاں ہی رہنا چاہیے تاکہ عدت کے ایام پورے ہو جائیں اور پھر یہ جہاں چاہے اپنے محرم کے ساتھ سفر کر کے جا سکتی ہے۔ وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عدت والی عورت کے لیے کن امور سے اجتناب واجب ہے

سوال وہ کون سے احکام ہیں جن کی پابندی کرنا اس عورت کے لیے لازم ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو؟

جواب سوگ والی عورت کے بارے میں احادیث میں ان امور کا ذکر ہے جن سے اسے اجتناب کرنا چاہیے' اسی طرح اس سے پانچ امور کا مطالبہ بھی ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

① یہ اپنے اسی گھر میں رہے جس میں رہائش پذیر ہونے کی حالت میں اس کا شوہر فوت ہوا ہو حتی کہ عدت پوری ہو جائے' اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے' ہاں البتہ اگر یہ حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے' لہٰذا بچے کی ولادت کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلۡأَحۡمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔"

اسے کسی حاجت و ضرورت کے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے مثلاً بیماری وغیرہ کے علاج کے لیے ہسپتال جا سکتی ہے یا کھانے وغیرہ کی اشیاء خریدنے کے لیے بازار جا سکتی ہے بشرطیکہ یہ کام کرنے کے لیے کوئی اور شخص نہ ہو' اسی طرح اگر گھر منہدم ہو جائے تو پھر یہ کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے' اسی طرح اگر یہ گھر میں اکیلی ہو اور اسے اپنے بارے میں خطرہ ہو تو پھر بھی اس طرح کی ضرورت کے پیش نظر کسی دوسری جگہ منتقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

② اسے زرد یا سبز یا کسی بھی دوسرے رنگ کے خوب صورت کپڑے نہیں پہننے چاہئیں بلکہ اسے ایسے کپڑے پہننے چاہئیں جو خوبصورت نہ ہوں خواہ وہ کالے یا سبز یا کسی بھی اور رنگ کے ہوں' بس اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ کپڑے خوب صورت نہ ہوں' چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا یہی حکم ہے۔

③ اسے سونے' چاندی' الماس اور موتیوں کے زیورات وغیرہ کے استعمال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے خواہ وہ ہار ہوں' یا کنگن یا انگوٹھیاں یا کوئی زیور' عدت مکمل ہونے تک اس طرح کی تمام چیزوں کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

④ اسے خوشبو کے استعمال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے اور بخور یا کوئی بھی اور خوشبو استعمال نہیں کرنی چاہیے ہاں البتہ حیض سے طہارت حاصل کرتے وقت معمولی خوشبو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

⑤ اسے سرمہ استعمال کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ اسی طرح ان تمام اشیاء کے استعمال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے جو چہرے کے لیے میک اپ کا کام دیں' خصوصاً ایسا میک اپ جو لوگوں کے لیے باعث فتنہ ہو' ہاں البتہ پانی اور صابن سے منہ ہاتھ دھونے میں کوئی حرج نہیں لیکن سرمے کا استعمال جو آنکھوں کے لیے باعث زینت ہو یا دیگر ایسی چیزوں کا استعمال جو چہرے کے لیے باعث آرائش و زیبائش ہوں' جائز نہیں ہے۔ یہ ہیں وہ پانچ امور جن کی پابندی کرنا ہر اس عورت کے لیے واجب ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔

بعض لوگ از روئے کذب و افتراء جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسی عورت کو چاہیے کہ وہ کسی سے گفتگو بھی نہ کرے' کسی سے ٹیلی فون پر بھی بات نہ کرے' ہفتے میں صرف ایک بار غسل کرے' گھر میں ننگے پاؤں نہ چلے' چاند کی روشنی میں نہ جائے اور اس طرح کی دیگر خرافات' تو ان کا کوئی اصل نہیں ہے' یہ اپنے گھر میں ننگے پاؤں یا جوتے پہن کر دونوں طرح چل سکتی ہے' گھر میں اپنا اور اپنے مہمانوں کا کھانا پکا سکتی ہے' چاند کی روشنی میں آ جا سکتی ہے' مکان کی چھت پر اور گھر کے لان (صحن) میں بھی جا سکتی ہے' جب چاہے غسل بھی کر سکتی ہے' جس سے چاہے گفتگو بھی کر سکتی ہے جو شک و شبہ سے پاک ہو' عورتوں اور اپنے محرموں سے مصافحہ بھی کر سکتی ہے' ہاں البتہ غیر محرم مردوں سے مصافحہ کی اجازت نہیں' اگر پاس کوئی غیر محرم نہ ہو تو اپنے سر سے دوپٹہ بھی اتار سکتی ہے' ہاں البتہ اسے حنا (مہندی)' زعفران اور خوشبو استعمال نہیں کرنی چاہیے' نہ کپڑوں میں اور نہ قہوہ وغیرہ میں کیونکہ زعفران بھی خوشبو کی ایک قسم ہے' عدت کے اندر اسے شادی کا پیغام بھی نہیں دینا چاہیے ہاں البتہ اشارے کنائے میں کوئی حرج نہیں لیکن صراحت کے ساتھ شادی کا پیغام نہیں دینا چاہیے۔

—— شیخ ابن باز ——

سوگ والی عورت کے لیے خوشبو کا استعمال

سوال میں ایک ایسی عورت ہوں' جس کا شوہر تھوڑا عرصہ پہلے فوت ہوا ہے' کیا میں اچھی خوشبو والے صابن کے ساتھ غسل کر سکتی ہوں یا اس کے ساتھ اپنے بچوں کو نہلا سکتی ہوں؟

جواب سوگ یہ ہے کہ عورت ہر اس چیز کے استعمال سے اجتناب کرے جو جماع یا اس کی طرف دیکھنے کی دعوت دیتا ہو مثلاً خوشبو' سرمہ اور زیور کا استعمال' زیور خواہ گردن کا ہو' یا کان کا یا' ہاتھ کا' اسی طرح ہر ایسے لباس کے استعمال سے بھی اجتناب کرے جس کا پہننا باعث زینت ہو۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ عدت کے دوران اسی گھر میں رہے جس میں سکونت پذیر ہونے کی حالت میں اس کے شوہر کا انتقال ہوا تھا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝٢٣٤ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۴)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں (تو ان کی بیویوں کو چاہیے کہ) چار ماہ اور دس دن تک اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رہیں اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔"

اس ارشاد باری تعالیٰ میں یہ الفاظ کہ "جب یہ عدت پوری کر چکیں" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس وقت سے پہلے وہ چیزیں ان کے لیے ممنوع تھیں جن کی ان کو اب رخصت دی جا رہی ہے اور جن کی تفصیل سنت میں بیان کی گئی ہے۔ سوگ والی عورت کے لیے ایسا صابن بھی استعمال کرنا جائز نہیں جس سے خوشبو آتی ہو اور پھر خوشبو کے بغیر صابن بھی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

سوگ والی عورت کے لیے اپنے سر کو دھونا.....

سوال سماحۃ الشیخ! یہ فرمائیں' کیا جو عورت سوگ میں ہے' اس کے لیے اپنا سر دھونے میں بھی کوئی پابندی ہے؟ اگر وہ اپنے سر کو چکنے مواد اور خوشبودار کریموں سے دھوئے تو اس پر کیا لازم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب سوگ والی عورت جب چاہے اپنے سر کو بیری کے پتوں یا کسی ایسی چیز سے دھو سکتی ہے جس میں خوشبو نہ ہو' خوشبودار تیل لگانا یا کسی ایسی چیز سے دھونا جس میں خوشبو ہو جائز نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سوگ والی عورت کو خوشبو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے' ہاں البتہ غسل حیض کے وقت معمولی مقدار میں بخور وغیرہ استعمال کر سکتی ہے۔

شیخ ابن باز

سوگ والی عورت خوشبو استعمال نہ کرے.....

سوال کیا شوہر کی وفات کی وجہ سے سوگ والی عورت کے لیے اپنے بچوں کو نہلانا اور انہیں خوشبو لگانا جائز ہے؟ کیا عدت میں اسے شادی کا پیغام دیا جا سکتا ہے؟

جواب شوہر کی وفات کی وجہ سے سوگ والی عورت کے لیے خوشبو استعمال کرنا جائز نہیں' کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' لیکن بچوں یا مہمانوں کو خوشبو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ استعمال میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو اور عدت مکمل ہونے سے پہلے صراحت کے ساتھ اسے شادی کا پیغام دینا بھی جائز نہیں' ہاں البتہ صراحت کے بغیر اشارے کنائے کی صورت میں بات کرنے میں کوئی حرج نہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ ٱلنِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِىٓ أَنفُسِكُمْ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۳۵)

"اگر تم اشارے کنائے میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو' یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں کنائے کی اجازت دی ہے' صراحت کی اجازت نہیں دی اور اس میں جو حکمت بالغہ ہے' وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

شیخ ابن باز

سوگ والی عورت کے لیے ٹیلی فون اور گھڑی کا استعمال

سوال کیا شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کے لیے عورتوں اور اپنے محارم مثلاً بیٹوں وغیرہ سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں ایسی عورت کے لیے ٹیلی فون پر عورتوں اور محرم مردوں سے گفتگو کرنا جائز ہے کیونکہ اصل اباحت ہے' ایسی عورت غیر محرم مردوں سے بھی ٹیلی فون پر گفتگو کر سکتی ہے بشرطیکہ شرعاً اس گفتگو میں کوئی ممانعت نہ ہو۔

سوال کیا عدت کے دوران عورت کے لیے وقت معلوم کرنے کے لیے نہ کہ خوبصورتی کے لیے گھڑی استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں گھڑی کا استعمال جائز ہے کیونکہ عمل ارادہ و نیت کے تابع ہے لیکن اس کے لیے گھڑی استعمال نہ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ زیورات سے مشابہت رکھتی ہے۔

عدت کے دوران ٹیلی فون سننا

سوال کیا جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کے لیے عدت کے دوران ٹیلی فون سننا جائز ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مرد کا فون ہے یا عورت کا؟ عورت کے لیے عدت میں کیا واجب ہے؟

جواب عدت کے دوران عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ زینت کے اظہار سے اجتناب کرے اور شہرت و زینت کا لباس اور زیورات' خضاب اور سرمہ وغیرہ استعمال نہ کرے' ضرورت کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہ نکلے' خوشبو اور عطر استعمال نہ کرے' اجنبی مردوں کے سامنے نہ جائے' ضرورت کے لیے پردہ کے ساتھ اور اپنے محرموں کے ساتھ گھر سے باہر جا سکتی ہے' اپنے گھر کے اندر چل پھر سکتی ہے' گھر کے بالائی حصے پر بھی جا سکتی ہے' بوقت ضرورت ٹیلی فون پر بات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ معلوم ہو کہ یہ کسی عورت کا ٹیلی فون ہے اور اگر فون کسی ایسے مرد کا ہو جو جان پہچان کے لیے فون کر رہا ہو تو پھر فوراً بات ختم کر دینی چاہیے' اسی طرح دیگر عورتوں کو بھی اجنبی مردوں کے ساتھ اس قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہیے' پس پردہ غیر محرم رشتہ داروں سے گفتگو کرنا بھی جائز ہے' نیز ٹیلی فون پر گفتگو کرنا بھی جائز ہے' نیز سوگ کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی گفتگو جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

عدت والی عورت کا بازار جانا

سوال کیا عدت والی عورت کے لیے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے بازار جانا جائز ہے؟

جواب عدت والی عورت کے لیے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے بازار جانا اور علاج کے لیے ہسپتال جانا جائز ہے' نیز پڑھنے اور پڑھانے کے لیے جانا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اہم ضرورتیں ہیں' ہاں البتہ عدت میں زیب و زینت' خوشبو اور سونے' چاندی اور الماس وغیرہ کے زیورات کے استعمال سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ عدت میں عورت کو پانچ باتوں کی پابندی کرنا لازم ہے:

① اگر ممکن ہو تو اسی گھر میں رہے جس میں سکونت کے دوران شوہر کا انتقال ہوا ہو۔
② خوب صورت لباس کے استعمال سے اجتناب کرے۔
③ خوشبو کے استعمال سے اجتناب کرے' ہاں البتہ غسل حیض سے طہارت کے وقت بخور وغیرہ استعمال کر سکتی ہے۔
④ سونے' چاندی اور الماس وغیرہ کے زیورات بھی استعمال نہ کرے۔
⑤ سرمہ اور مہندی وغیرہ بھی استعمال نہ کرے کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

عدت والی عورت کا مدرسہ میں جانا

سوال ایک شخص نے یہ سوال پوچھا ہے کہ اس کی بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس پر عدت لازم ہے' لیکن یہ مدرسہ کی طالبہ ہے' کیا اس کے لیے اپنی تعلیم کو جاری رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ اس دوران خوشبو اور زینت سے خالی لباس پہنے گی۔

جواب جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی گھر میں عدت گزارے جس میں اس کے شوہر نے وفات پائی ہو' عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہے' ایسی عورت کو رات بھی اسی گھر میں بسر کرنی چاہیے' ایسی تمام باتوں سے اسے اجتناب کرنا چاہیے جو باعث حسن و جمال ہوں اور اس کی طرف دیکھنے کی دعوت دیتی ہوں' مثلاً: اسے خوشبو' سرمہ' خوبصورت لباس اور میک اپ وغیرہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دن کے وقت ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ اس طالبہ کے لیے جس کے لیے سوال پوچھا گیا ہے یہ جائز ہے کہ وہ اسباق پڑھنے' مسائل سمجھنے اور علم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ میں جائے لیکن ان تمام امور سے اجتناب کرے جن سے عدت والی عورت کے لیے اجتناب کرنا ضروری ہے' یعنی ایسے امور سے اجتناب جو مردوں کو فریفتہ کرنے والے اور اسے شادی کا پیغام دینے پر مجبور کرنے والے ہوں۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ملازم عورت کی عدت

سوال جب کسی مسلمان ملازم عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ کسی ایسے ملک میں رہ رہی ہو جہاں کسی قریبی کی وفات پر تین دن سے زیادہ رخصت نہ ملتی ہو تو وہ کس طرح عدت گزارے؟ کیونکہ شرعی طریقے سے عدت گزارنے کی صورت میں اسے ملازمت سے برخواست کر دیا جائے گا' کیا روزی کمانے کی وجہ سے وہ اس دینی فریضہ کو ترک کر سکتی ہے؟

جواب اس عورت کو چاہیے کہ تمام مدت عدت میں شرعی عدت اور سوگ کی پابندی کرے۔ وہ عورت دن کے وقت اپنے کام کاج کے لیے گھر سے باہر جا سکتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ عدت والی عورت کے لیے ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور روزی کمانے کے لیے کام کرنا ایک اہم ضرورت ہے اور

اگر اسے روزی کمانے کے لیے رات کے وقت ڈیوٹی پر جانے کی ضرورت ہو تو یہ بھی جائز ہے تاکہ اسے ملازمت سے برخواست نہ کر دیا جائے اور ملازمت سے برخواست ہونے کی صورت میں جو نقصانات ہیں' وہ مخفی نہیں ہیں' لیکن شرط یہ ہے کہ وہ واقعی کام کرنے کے لیے محتاج اور ضرورت مند ہو۔ علماء نے ایسے بہت سے اسباب بیان فرمائے ہیں جن کی وجہ سے عدت والی عورت کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور ان میں سے بعض اسباب مجبوری کی وجہ سے کام پر جانے کی نسبت بہت کم تر ہیں اور اس سلسلہ میں اصل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

——— شیخ ابن باز ———

۱۸

کتاب الرضاع

دودھ کے رشتوں کے مسائل

آپ کے رضائی والد کی دوسری بیوی سے اولاد آپ کے .....

سوال میں نے ایک عورت کا دودھ پیا تھا' پھر اس کے شوہر نے ایک دوسری عورت سے شادی کی اور اس کے بطن سے اس کے بیٹے پیدا ہوئے تو کیا اس کے وہ بیٹے بھی میرے بھائی ہیں؟

جواب جب پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہوں اور دودھ شوہر کی طرف منسوب ہو کہ عورت نے اس کے بچے جنم دیے ہوں تو وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے آپ کے رضائی بھائی ہیں' اور اس کی دوسری بیوی کے بیٹے صرف باپ کی طرف سے آپ کے رضائی بھائی ہیں۔

ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان کو پکڑے اور اس سے دودھ چوسے حتی کہ دودھ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے اور پھر وہ کسی بھی سبب کی وجہ سے پستان کو چھوڑ دے اور دوبارہ پھر پستان سے دودھ چوسے حتی کہ دودھ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے اور پھر وہ دودھ پینا چھوڑ دے اور اس کے بعد وہ پھر دودھ پینا شروع کر دے' حتی کہ وہ اس طرح پانچ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ دودھ پیے خواہ یہ ایک مجلس میں پیے یا زیادہ مجلسوں میں' خواہ ایک دن میں پیے یا زیادہ دنوں میں بشرطیکہ یہ دو سال کی مدت کے اندر اندر پیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہی (معتبر) ہے جو دو سال کے اندر ہو"

نیز آپ ﷺ نے سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«أَرْضِعِيهِ ـ اَيْ سَالِمًا ـ خَمْسَ رَضَعَاتٍ تَحْرُمِي عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، ح: ١٤٥٣ ولفظة "خمس رضعات" ليست عنده)

"سالم کو پانچ رضعات دودھ پلاؤ اس سے آپ اس کے لیے حرام ہو جائیں گی۔"

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی' وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اللہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

———— شیخ ابن باز ————

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں

سوال میرے بیٹے نے اپنی نانی کا دودھ پیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی خالاؤں اور ماموؤں کا رضاعی بھائی بن گیا' کیا اس کے لیے اپنی خالاؤں یا ماموؤں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اگر اس مذکورہ بچے نے اپنی نانی کا پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ دو سال کی مدت کے اندر پیا ہے تو یہ اپنے ماموں اور خالاؤں کا بھائی' اپنے ماموؤں کی اولاد کا چچا اور اپنی خالاؤں کی اولاد کا ماموں بن گیا لہٰذا اس کے لیے اپنے ماموؤں کی بیٹیوں سے شادی جائز نہیں کیونکہ یہ ان کا رضاعی چچا ہے' نیز اس کے لیے اپنی خالاؤں کی بیٹیوں سے شادی کرنا بھی جائز نہیں' کیونکہ یہ ان کا رضاعی ماموں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

رضاعت سے متعلق ایک مسئلہ

سوال میری ایک بیوی ہے اور اس کے بطن سے میری آٹھ بیٹیاں ہیں' اس کی اس سے پندرہ سال چھوٹی ایک بہن بھی ہے اس کی ماں کا ایک شخص نے دودھ پیا ہے جو اس کا بھائی بن گیا ہے اور میری مشکل یہ ہے کہ میری بیٹیاں یہ کہتی ہیں کہ وہ ان کا رضاعی ماموں ہے' اس لیے وہ اس سے پردہ نہیں کرتیں' میں انہیں منع کرتا ہوں تو وہ میری بات مانتی نہیں اور کہتی ہیں کہ وہ ہمارا رضاعی ماموں ہے' امید ہے کہ آپ اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر مذکورہ شخص نے آپ کی بیوی کی ماں یا اس کے باپ کی بیوی کا دو سال کی عمر میں پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ اس وقت پیا ہے جب وہ اس کے باپ کے حبالۂ عقد میں تھی تو وہ آپ کی بیٹیوں کا رضاعی ماموں ہے اور ان کے لیے جائز ہے کہ دیگر محرم مردوں کی طرح اس سے بھی پردہ نہ کریں اور خلوت اختیار کریں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے حرام ہے۔"

بشرطیکہ کوئی ایسی مشکوک بات نہ ہو جو ان میں سے کسی کو خلوت سے مانع ہو۔

———— شیخ ابن باز ————

آپ کے بھائی کا رضاعی والد محرم نہیں

سوال میری چھوٹی بہن نے میری بڑی بہن کا اس کے بچے کے ساتھ دودھ پیا تھا اور میرے بیٹے نے بھی میری بہن کا

دودھ پیا ہے کیا میرے بیٹے کے والد میرے شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ میری چھوٹی اور بڑی بہن کا محرم ہو اور اس کے نتیجہ میں وہ اس سے پردہ نہ کریں' رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کی چھوٹی اور بڑی بہن کے لیے آپ کے شوہر کے سامنے اس وجہ سے بے پردہ آنا جائز نہیں کہ آپ کے بیٹے نے آپ کی بڑی بہن کا دودھ پیا ہے۔ آپ کی اس بہن کا شوہر جس نے آپ کے بیٹے کو دودھ پلایا ہے' آپ کے بیٹے کا رضاعی باپ ہو گا اور اس بیٹے کی بیوی کا محرم' کیونکہ یہ اس کے رضاعی بیٹے کی بیوی ہے بشرطیکہ رضاعت پانچ یا اس سے زیادہ رضعات کی صورت میں ہو' اور دو سال کے اندر ہو' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے حرام ہوتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال میں اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' لیکن ایک شخص نے میرے ماموں کے ساتھ میری نانی کا دودھ پیا ہے اور وہ میرا رضاعی ماموں ہے اور میرے ماموں کی بیٹی نے اس شخص کی ماں کا دودھ پیا ہے اور یہ اس کی رضاعی بہن ہے' کیا اس صورت میں میرے لیے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے؟ جب کہ ہمارے درمیان رضاعت ثابت نہیں ہے کہ نہ اس نے میری ماں کا دودھ پیا ہے اور نہ میں نے اس کی ماں کا؟

جواب اس سوال کے جواب سے قبل یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو پانچ معلوم رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی مدت کے اندر دودھ چھڑانے سے پہلے ہو' پانچ رضعات سے کم کا حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' لہٰذا اگر کوئی بچہ کسی عورت کا چار رضعات دودھ پیے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں بنے گا' جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ جب یہ مسئلہ واضح ہو گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص جس نے آپ کی نانی کا دودھ پیا ہے صرف اسی صورت میں آپ کا ماموں ہو گا جب رضاعت کی شرائط پوری ہوں گی اور پھر اگر یہ آپ کا ماموں ہے تو آپ اس کی جس بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کے لیے حلال ہے' خواہ اس نے اس شخص کی ماں کا دودھ پیا ہو جس نے آپ کے ماموں کے ساتھ آپ کی نانی کا دودھ پیا ہے کیونکہ رضاعت سے پیدا ہونے والی حرمت کا تعلق صرف دودھ پلانے والے اور اس کی اولاد تک محدود رہتا ہے' یہ تعلق اس کے اصول و فروع کے رشتہ داروں تک نہیں پھیلتا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک دفعہ کی رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال میری امی نے مجھے بتایا ہے کہ میں نے ایک بار اس عورت کا دودھ پیا ہے' جس کی بیٹی سے میں شادی کرنا چاہتا

ہوں‘ کیا اس کی بیٹی سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے؟

جواب وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے‘ وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور بچے نے دو سال کے اندر دودھ پیا ہو اور اگر رضعات پانچ سے کم ہوں تو ان سے حرمت ثابت نہیں ہو گی‘ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«أَرْضِعِيهِ - اَيْ سَالِمًا - خَمْسَ رَضَعَاتٍ تَحْرُمِي عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، ح:١٤٥٣ ولفظة "خمس رضعات" ليست عنده)

”سالم کو پانچ رضعات (دودھ) پلا دو اس سے تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔“

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

”قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا‘ جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پھر دس کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔“

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح:٤٣١٩)

”رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو۔“

——— شیخ ابن باز ———

حرمت پانچ رضعات سے ثابت ہوتی ہے

سوال میں نے ایک عورت کے تین رضعات مختلف مجلسوں میں روزانہ ایک رضعہ کے حساب سے پیے ہیں‘ کیا میں اس عورت کی اولاد کا بھائی ہوں یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب تین رضعات سے حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ حرمت کے لیے پانچ رضعات یا اس سے زیادہ کا ہونا ضروری ہے‘ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ أَوِ الرَّضْعَتَانِ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب في المصة والمصتان، ح:١٤٥١)

”ایک یا دو رضعات سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔“

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب

التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پھر دس کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے "صحیح" اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے "جامع" میں بیان کیا ہے۔

ایک رضعہ یہ ہے کہ پستان کو پکڑ کر بچہ دودھ پیے خواہ وہ سیر نہ بھی ہو اور خواہ کتنی ہی دیر منہ میں رکھے اور جب وہ چھوڑ دے تو یہ ایک رضعہ ہو گا اور جب وہ دوبارہ پستان کو پکڑ کر دودھ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا' اور اسی طرح وہ پانچ بار دودھ پیے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ١٠٣/٤، ح:٤٣١٩)

"رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ»(صحيح مسلم، الرضاعة، باب إنما الرضاعة من المجاعة، ح:١٤٥٥)

"رضاعت وہ ہے جو بھوک مٹائے۔"

——— شیخ ابن باز ———

چچا کی بیٹی کی بھائی کے ساتھ رضاعت

سوال میرے چچا کی ایک بیٹی ہے' جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن معلوم ہوا ہے کہ اس نے میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے اور پانچ رضعات سے زیادہ پیا ہے' اس بارے میں کیا حکم ہے' یہ میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟

جواب اگر مذکورہ لڑکی نے آپ کی والدہ کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو پھر وہ آپ کی اور آپ کے ماں باپ کی طرف سے آپ کے تمام بھائیوں کی بہن ہے بشرطیکہ اس کے دودھ پینے کے وقت آپ کی والدہ آپ کے باپ کے ساتھ ہو اور اگر وہ اس وقت آپ کے باپ کے علاوہ کسی اور شوہر کے پاس تھی تو یہ ماں کی طرف سے آپ کی رضاعی بہن ہو گی' نیز اس کے تمام شوہروں کی اولاد کی بھی بہن ہو گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کے بیان میں فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة،

ح: ١٤٤٤)

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

شیخ ابن باز

پانچ رضعات کی صورت

سوال ان پانچ رضعات کی کیا صورت ہوتی ہے' جن سے دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت کے بچوں کا بھائی بن جاتا ہے؟

جواب صحیح قول یہ ہے کہ ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ اپنے منہ کے ساتھ پستان کو پکڑے اور اس سے دودھ چوسے اور پھر چھوڑ دے خواہ سیر ہوا ہو یا نہیں اور خواہ وہ از خود چھوڑ دے یا عورت نے اس کے منہ سے پستان کو نکال دیا ہو یا اس کے منہ میں دوسرا پستان دے دیا ہو' الغرض رضعہ پستان کو منہ میں ڈال کر نکال دینا ہے اور جب بچہ پانچ بار اس طرح کرے تو وہ بچہ مرضعہ کا بیٹا بن جائے گا' خواہ ان پانچ رضعات سے وہ سیر نہ بھی ہوا ہو اور خواہ اس نے یہ پانچ رضعات ایک ہی مجلس میں پورے کر لیے ہوں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ ایک بار سیر ہو کر دودھ پیے لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

شیخ ابن جبرین

کیا وہ اس کے تمام بھائیوں کی رضاعی بہن ہے؟

سوال ایک شخص اپنے بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہے اور اس نے ایک دوسرے خاندان کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہے تو کیا یہ لڑکی اس کے تمام چھوٹے بڑے بھائیوں کی بہن ہو گی؟ نیز کیا یہ لڑکی اس شخص کے دوسری ماں سے بھائیوں کی بھی بہن ہو گی؟

جواب جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی عمر کے اندر ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۳)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پھر دس کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان سے دودھ پیے اور پھر سانس لینے کے لیے یا پستان بدلنے کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے چھوڑ دے اور جب وہ دوبارہ دودھ پینا شروع کرے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا' لہٰذا جب یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص نے کسی لڑکی کی ماں یا اس کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے اور اس طرح پیا ہے جس طرح کی کیفیت پہلے بیان کی گئی ہے تو وہ اس لڑکی کا اور اس کے والدین کی طرف سے یا صرف ماں یا صرف باپ کی طرف سے تمام بہن بھائیوں کا بھائی ہو گا' اس کے بھائیوں میں سے ہر ایک کے لیے اس لڑکی یا اس کی بہنوں میں سے کسی سے بھی شادی کرنا جائز ہو گی اور اس رضاعت کا اس شادی پر کوئی اثر نہ ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ناامیدی کے بعد کی رضاعت .....

سوال اس عورت کے دودھ کے بارے میں کیا حکم ہے جو مایوسی کی عمر کو پہنچ گئی ہو اور پھر اسے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پلا دے' کیا یہ بھی حرمت کا سبب ہو گا اور اگر اس دودھ پلانے والی عورت کا کوئی شوہر نہ ہو تو بچے کا رضاعی باپ کون ہو گا؟

جواب رضاعت موجب حرمت ہے اور اس سے بھی وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب سے ثابت ہوتی ہے' مذکورہ رضاعت چونکہ پانچ رضعات پر مشتمل اور دو سال کی عمر کے اندر ہے' لہٰذا یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں ہو گی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں۔)"

دودھ اگر مایوسی کی عمر کے بعد پیا ہو تو پھر بھی اس کی رضاعی ماں ہو گی اور پھر اگر یہ عورت شوہر والی ہو تو یہ بچہ اس کا اور اس کے شوہر کا جس کی طرف دودھ منسوب ہے' بیٹا ہو گا اور اگر یہ عورت شوہر والی نہ ہو کہ اس نے ابھی شادی ہی نہ کی ہو تو پھر یہ اس بچے کی ماں ہو گی جسے اس نے دودھ پلایا ہو اور اس بچے کا رضاعی باپ کوئی نہ ہو گا۔

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ بچے کی رضائی ماں تو ہو لیکن اس کا کوئی رضاعی باپ نہ ہو اور اس میں بھی تعجب کی کوئی بات نہیں کہ کسی بچے کا کوئی رضاعی باپ تو ہو لیکن ماں نہ ہو پہلی صورت میں اگر عورت نے اس بچے کو دو رضع پلائے ہوں اور پھر اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہو اور عدت مکمل ہونے کے بعد اس نے کسی دوسرے شوہر سے شادی کر لی ہو' اس سے حاملہ ہو گئی ہو اور پھر اس کے بچے کو جنم دیا ہو اور پھر اس نے سابقہ بچے کو باقی رضعات بھی پلا دیئے ہوں تو یہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی کیونکہ اس بچے نے اس عورت سے پانچ رضعات دودھ پی لیا ہے البتہ اس کا رضاعی باپ کوئی نہ ہوا کیونکہ اس نے ایک آدمی کی طرف منسوب دودھ سے پانچ یا زیادہ رضعات نہیں پیئے

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے اور وہ یہ کہ بچے کا رضاعی باپ ہو تو لیکن اس کی ماں نہ ہو تو اس کی مثال ایسے

ہے جیسے ایک شخص کی دو بیویاں ہوں' ان میں سے ایک نے اس بچے کو دو رضعے اور دوسری نے باقی رضعے پلائے ہوں تو اس حالت میں یہ بچہ اس شخص کا تو رضاعی بیٹا ہوا کیونکہ اس نے اس کی طرف منسوب دودھ میں سے پانچ رضعات پیئے ہیں لیکن اس کی کوئی رضاعی ماں نہ ہو گی کیونکہ اس نے پہلی عورت سے دو رضعے اور دوسری سے تین رضعے پیئے ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے........

سوال میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سلسلہ میں ایک مشکل ہے جس کے متعلق میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے ایک گھر کے لڑکے کے ساتھ دودھ پیا ہے جب کہ اس لڑکی نے اسی گھر کی ایک لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہے یعنی جس لڑکے کے ساتھ میں نے دودھ پیا ہے' اس لڑکی نے اس لڑکے کی بہن کے ساتھ دودھ پیا ہے لیکن یاد رہے میں نے اس لڑکی کے کسی حقیقی بھائی یا بہن کے ساتھ دودھ نہیں پیا اور نہ اس لڑکی نے میری والدہ کا دودھ پیا ہے تو سوال یہ ہے کیا میں اس لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں؟

جواب اگر آپ نے کسی عورت مثلاً زینب کا دودھ پیا ہو اور اس لڑکی نے بھی اس عورت کا اس کے کسی دوسرے لڑکے یا لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہو تو یہ لڑکی آپ کی بہن ہوئی خواہ اس نے آپ سے پہلے دودھ پیا ہو یا بعد میں بشرطیکہ رضاعت تامہ ہو یعنی اس نے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہوں اور دو سال کی عمر کے اندر اندر پیے ہوں۔

—— شیخ ابن باز ——

ناواقفیت کی وجہ سے رضاعی بہن سے شادی

سوال بیوی کے ساتھ دخول کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے کیونکہ میں نے اس کی بہن کے ساتھ دودھ پیا تھا' کیا اس حالت میں یہ مجھ پر حرام ہے؟

جواب ہاں اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کی ہے کہ آپ نے اپنی اس بیوی کی بہن کے ساتھ مل کر اس کی ماں کا دودھ پیا ہے یعنی آپ نے بیوی کی ماں کا یا بیوی کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو اس حالت میں آپ اس کے بھائی ہوئے' لہٰذا یہ نکاح باطل ہوا لیکن ضروری ہے کہ آپ یہ بات جان لیں کہ رضاعت اسی وقت اثر انداز ہوتی ہے جب یہ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دودھ چھڑانے کی عمر سے پہلے' یعنی دو سال کے اندر اندر ہو اور اگر رضاعت اس سے کم ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

اگر آپ کو یقین ہو کہ آپ نے اپنی اس بیوی کی ماں کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دودھ پیا ہے اور دو سال کی عمر کے اندر پیا ہے تو پھر آپ دونوں کے درمیان علیحدگی ضروری ہے کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ رضاعت کا علم ہونے سے پہلے اس شادی کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوئی' وہ شرعاً آپ ہی کی طرف منسوب ہو گی کیونکہ یہ اولاد شبہ میں وطی سے پیدا ہوئی ہے اور شبہ میں وطی کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہو تو اس کے ساتھ نسب کو ملا دیا جاتا ہے' جیسا کہ اہل علم نے فرمایا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رضاعی بہن سے شادی

سوال میں مغرب کی رہنے والی ایک نوجوان عورت ہوں' میں نے چار سال پہلے اپنے پھوپھی زاد سے شادی کی تھی' شادی سے پہلے میں نے اپنے وطن میں ایک عالم سے یہ پوچھا تھا کہ میری اس سے شادی حلال ہے یا نہیں' کیونکہ میں نے اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر اس کی ماں کا دودھ پیا تھا؟ اس کا یہ چھوٹا بھائی میرا ہم عمر ہے جب کہ یہ مجھ سے پندرہ سال بڑا ہے تو اس عالم نے بتایا تھا کہ تیرے ساتھ اس کے لیے شادی کرنا حلال ہے' چنانچہ دستور کے مطابق شادی ہو گئی۔ شادی کے دو سال بعد ہم نے مغرب میں ٹیلی وژن کا ایک علمی پروگرام دیکھا جس میں علماء نے اس طرح کی شادی کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے اور میرے شوہر کو بہت پریشانی لاحق ہو گئی ہے' لہٰذا امید ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے' کیا یہ شادی حلال ہے یا حرام؟ کیا میں اپنے شوہر کی رضاعی بہن ہوں یا اس کے صرف اس بھائی کی رضاعی بہن ہوں جس کے ساتھ شامل ہو کر میں نے دودھ پیا ہے؟

جواب اگر آپ نے اپنے شوہر کی ماں کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو آپ اس کی رضاعی بہن ہیں خواہ آپ نے دودھ اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر پیا ہو' اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے' جس شخص نے آپ کو اس نکاح کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا اس نے ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا اور علم کے بغیر فتویٰ دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم کی سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

''تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔''

اور صحیحین میں حضرت عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔''

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین میں سمجھ بوجھ اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

یہ رضاعت غیر مؤثر ہے

سوال میری عمر چھ ماہ تھی کہ میری والدہ فوت ہو گئیں اور میری دادی نے میری تربیت کی' انہوں نے مجھے گائے کا

دودھ پلایا' لیکن کبھی کبھی مجھے بہلانے کے لیے وہ اپنا پستان بھی میرے منہ میں دے دیتیں تھیں جب کہ اس میں دودھ بھی نہیں ہوتا تھا' کیا اس صورت میں میرے لیے اپنے چچا یا پھوپھیوں کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب آپ کی دادی اس وقت چونکہ بڑی عمر کی تھیں' حیض اور ولادت سے ناامید ہو چکی تھیں' ان کے پستان بھی خشک تھے اور ان میں دودھ نہیں تھا اور انہوں نے جب پستان آپ کے منہ میں ڈالا تو اس وقت بھی اس سے دودھ نہ نکلا اور انہوں نے محض آپ کو بہلانے کے لیے اور رونے سے چپ کرانے کے لیے ایسا کیا تو ان حالات میں آپ کے لیے اپنے چچا کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز ہے' کیونکہ شادی سے مانع کوئی قرابت نہیں اور نہ ہی کوئی مؤثر رضاعت ثابت ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس کے چچا نے میرے ساتھ میری والدہ کا دودھ پیا

سوال میرے ماموں کی ایک بیٹی ہے' جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے چچا نے میرے ساتھ مل کر میری والدہ کا دودھ پیا ہے اور وہ اس لڑکے کی چچا کی بہن ہے' جب کہ یہ چچا میرا رضاعی بھائی ہے اور ماموں میری والدہ کا بھائی ہے' لیکن یاد رہے ہمیں رضعات کی تعداد معلوم نہیں ہے' سوال یہ ہے کیا اس لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟

جواب یہ رضاعت آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں بشرطیکہ اس لڑکی نے آپ کی والدہ کا دودھ نہ پیا ہو اور نہ اس کے باپ یا ماں نے دودھ پیا ہو اور نہ آپ نے اس کی ماں کا یا اس کے باپ کی کسی دوسری بیوی کا دودھ پیا ہو۔ اس کے چچا کا بلکہ اس کے بھائیوں کا دودھ پینا بھی آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ حکم صرف اسی کے ساتھ اور اس کی فرع کے ساتھ متعلق ہو گا' لہٰذا اس صورت میں آپ کے لیے یہ نکاح ان شاء اللہ حلال ہو گا' خصوصاً جب کہ رضاعت کی تعداد بھی مشکوک ہے اور مسائل میں اصل اباحت ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مشکوک بات کو چھوڑ دو

سوال میں بیس سال کا نوجوان ہوں۔ میں نے جب اپنے نصف دین کی تکمیل کے سلسلہ میں اپنے ایک قریبی خاندان کے متعلق سوچا اور حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ میں نے بچپن میں اس لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا ہے' جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن لڑکی کی والدہ کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے مجھے کتنے رضعات دودھ پلایا تھا' رضاعت کے وقت اس کا صرف ایک ہی بچہ تھا اور میری والدہ اس وقت فوت ہو چکی تھیں' کیا اس خاتون کی بیٹی سے میرے لیے شادی کرنا حلال ہے یا رضاعی بہن ہونے کی وجہ سے حرام ہے؟ امید ہے جواب سے مطلع فرمائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے' آپ کے علم سے نفع پہنچائے اور آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

جواب اگر وہ رضاعت موجود ہو جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہ پانچ معلوم رضعات ہیں تو یہ لڑکی آپ کے لیے حلال نہ ہو گی کیونکہ یہ آپ کی بہن ہے اور اس کی والدہ آپ کی رضاعی ماں ہے۔ آپ کی والدہ کو اگر رضعات کی تعداد میں

شک ہو تو پھر بھی بہتر یہ ہے کہ آپ کسی اور لڑکی سے شادی کریں' کیونکہ یہاں حرمت کا گمان ضرور ہے' للٰہذا مشکوک بات کو چھوڑ کر اسے اختیار کریں جو شک و شبہ سے بالا ہو' خصوصاً ان حالات میں کہ جب آپ کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ شیر خوار بچے تھے' للٰہذا ظن غالب یہی ہے کہ اس عورت نے آپ کو بہت دودھ پلایا ہو گا۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رضاعت محرم

سوال میرے والد کی میری والدہ کے علاوہ ایک اور بیوی بھی ہے اور اس کے بطن سے بھی میرے باپ کی اولاد ہے' ہماری ایک خالہ' یعنی میری والدہ کی ایک بہن بھی ہے' جس نے مجھے اور ماں کی طرف سے میرے بھائیوں کو دودھ بھی پلایا ہے اور اس خالہ کے بچے اور بچیاں بھی ہیں' سوال یہ ہے' کیا باپ کی طرف سے میرے بھائیوں کے لیے میری خالہ کی بیٹیوں کے ساتھ پردے کے بغیر بیٹھنا اور باتیں کرنا جائز ہے؟ یاد رہے باپ کی طرف سے میرے ان بھائیوں نے میری خالہ کا دودھ نہیں پیا' کیا اس صورت میں میری خالہ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں ہمارے سب کے بہن بھائی ہوں گے؟

جواب آپ کے ان بھائیوں کے لیے جنہوں نے آپ کی خالہ کا دودھ نہیں پیا' یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کی خالہ کی بیٹیوں کا محرم شمار کریں' کیونکہ انہوں نے آپ کی خالہ کا دودھ نہیں پیا' آپ کی خالہ کی بیٹیوں کے لیے آپ کے صرف وہ بھائی محرم ہیں جنہوں نے آپ کی خالہ سے مکمل رضاعت حاصل کی ہے' مکمل رضاعت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پیے ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہی (معتبر) ہے جو دو سالوں کے اندر ہو۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کا حکم منسوخ کر دیا گیا' نبی ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح: ٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح: ١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

شوہر دودھ آور ہے

سوال ایک بچے نے اپنے چچا کے گھر تربیت پائی اور اس نے اپنے چچا کی پہلی بیوی کا دودھ پیا' کچھ عرصہ کے بعد اس کے چچا نے ایک دوسری عورت سے شادی کی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی تو کیا مذکورہ بچے کے لیے بڑا ہونے کے بعد اپنے چچا کی اس بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے جس کی والدہ کا اس نے دودھ نہیں پیا؟

جواب اگر مذکورہ بچے نے اپنے چچا کی بیوی کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو اس سے وہ اپنے چچا کا رضاعی بیٹا بن گیا اور اس کے چچا کی تمام بیویوں کی اولاد اس کے بہن بھائی ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بچے کے لیے اپنے چچا کی مذکورہ بیٹی سے بھی شادی کرنا حرام ہے کیونکہ وہ باپ کی طرف سے اس کی رضاعی بہن ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں بھی حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں' جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت کی وجہ سے حرمت کی حدود

سوال دو عورتوں میں سے ایک کا بیٹا ہے اور دوسری کی بیٹی' لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے بچوں کو دودھ پلایا ہے تو دودھ پینے والوں کے بھائیوں میں سے کون دوسروں کے لیے حلال ہے' رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب جب کوئی عورت کسی بچے کو پانچ معلوم رضعات یا اس سے زیادہ دو سال کی عمر کے اندر پلاوے تو دودھ پینے والا بچہ اس عورت اور اس کے شوہر کا جو کہ دودھ کا سبب ہے' بیٹا بن جاتا ہے اور اس دودھ والے شوہر سے اس عورت کی تمام اولاد اس بچے کے بہن بھائی بن جاتے ہیں' اسی طرح اس صاحب لبن (دودھ والے) شوہر کی تمام اولاد بھی خواہ وہ اس عورت کے بطن سے ہو یا کسی دوسری عورت کے بطن سے وہ بھی اس کے بھائی بن جاتے ہیں' اس عورت کے بھائی اس بچے کے ماموں اور اس صاحب لبن شوہر کے بھائی اس بچے کے چچا ہوں گے۔ عورت کا باپ اس بچے کا نانا اور اس کی ماں اس کی نانی ہو گی' صاحب لبن شوہر کا باپ اس بچے کا دادا اور اس کی ماں اس کی دادی ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضائی بہنیں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔" آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح:٤٣١٨ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢ واللفظ له)

"رضاعت وہی (معتبر) ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی' پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور نبی ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

آپ کی پھوپھی کے بیٹے کی وہ بیٹی جس نے .....

سوال میری پھوپھی کا ایک بیٹا ہے جس کی ایک بیٹی ہے' میری پھوپھی کے اس بیٹے نے میری بڑی بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے' کیا اس کی بیٹی سے شادی کرنا میرے لیے حلال ہے یا حرام؟ اس کے باپ نے میری بڑی بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے اور اس طرح اس کا باپ میرا بھائی ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے اور دودھ پینے والے مذکورہ شخص نے سائل کی ماں کا پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ پیا ہے اور دو سال کی عمر کے اندر پیا ہے تو پھر سائل کے لیے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے' کیونکہ یہ اس کا رضائی چچا ہے اور صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ» (سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہ (معتبر) ہے جو دو سالوں کے اندر ہو۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

شیخ ابن باز

آپ کے بھائی کا آپ کی بیوی کی بہن کے ساتھ دودھ پینا

سوال ایک آدمی کے بڑے بھائی نے اس کی بیوی کی ماں کی طرف سے بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا' کیا اس رضاعت کا اس کی بہن کے نکاح پر اثر پڑے گا؟

جواب سائل کے بڑے بھائی کا اس کی بیوی کی ماں کی طرف سے بہن کے ساتھ مل کر دودھ پینے کا اس کی بیوی کے اس کے ساتھ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس کی بیوی اس کے بھائی کی رضاعی بہن ہونے کی وجہ سے اس پر حرام نہیں ہو گی' ہاں البتہ وہ اس کے بھائی کے لیے حرام ہو گی بشرطیکہ دودھ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پیا ہو۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

فتویٰ کمیٹی

ناامیدی کی عمر کے بعد بھی رضاعت سے حرمت ہے؟

سوال ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوۃ وارشاد کی رأستہ عامہ کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ حاجن مسعودہ کے ہاں عبدالرحمٰن نامی بیٹا پیدا ہونے کے بعد پیدائش کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ وہ ناامیدی کی عمر کو پہنچ گئی تھی' یہ بیٹا عبدالرحمٰن جب چار سال کی عمر کا ہوا تو اس کے بڑے بیٹے محمد کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مسعود رکھا گیا' جب مسعود کی عمر ایک سال نو ماہ تھی تو اس کی دادی حاجن مسعودہ نے اپنا پستان اس کے منہ میں ڈال دیا جب کہ عبدالرحمٰن کا دودھ چھڑا دیا گیا

تھا' لہٰذا ہمیں معلوم نہیں کہ مسعود نے جب پستان منہ میں لیا تو اس سے دودھ آیا یا نہیں۔ اب سوال یہ ہے' کیا مسعود کے لیے اپنے چچا مختار کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں دین کا کیا حکم ہے؟

جواب جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے یہ وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور یہ رضاعت دو سال کی عمر کے اندر ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۳)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا" اگر مسعود بن محمد نے اپنی دادی مسعودہ کا اس طرح دودھ پیا ہے جس طرح اس آیت اور حدیث میں ذکر ہے۔ اور اس کی دادی مسعودہ کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ اتر آیا تھا۔ تو پھر مسعود کے لیے اپنے چچا مختار کی بیٹی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مذکورہ صورت میں وہ اس کا چچا ہے اور اگر دودھ کے اترنے میں شک ہو یا رضاعت پانچ رضعات سے کم ہو تو پھر اس سے شادی کرنا جائز ہو گا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت کی طرح خون سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال جب کوئی عورت بیمار ہو' اسے خون دینے کی ضرورت ہو' کسی اجنبی شخص کا اسے خون دیا گیا ہو' اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرما دے تو کیا خون دینے والے شخص کا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب کسی مرد کے خون کو طاقت کے لیے عورت میں منتقل کر دینے سے حرمت لازم نہیں آتی' جس طرح رضاعت سے حرمت لازم آتی ہے' خواہ خون کتنی ہی بار کیوں نہ منتقل کیا گیا ہو' اس طرح اگر کسی مرد کو کسی عورت کا خون منتقل کیا گیا ہو تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے' لہٰذا ان دونوں کا ایک دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نانی کا دودھ پینے کی وجہ سے ماموں کی بیٹی سے .....

سوال میں نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے' کیا میرے لیے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب جس رضاعت سے حرمت حاصل ہوتی ہے وہ' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی عمر کے اندر ہو اور ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں لے کر اس سے دودھ چوسے اور پھر اسے چھوڑ دے اور اگر وہ پھر پستان کو منہ میں لے لے اور اس سے دودھ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا لہٰذا اگر آپ نے اس طرح اپنی نانی کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دودھ پیا ہے تو آپ اپنے ماموں کے رضاعی بھائی بن گئے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَـٰتُكُمْ . . . . وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ....اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاعة، ح:٢٦٤٦ وصحيح مسلم، الرضاعة، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤ واللفظ له)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو ولادت سے حرام ہیں۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اگر آپ نے اپنی نانی کا پانچ رضعات سے کم دودھ پیا ہے یا دو سال کی عمر کے بعد پیا ہے تو پھر آپ کے لیے اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں

سوال ایک عورت کی کچھ شادی شدہ بیٹیاں ہیں' جن میں سے ایک کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے' اس بچے کے بھائی بھی ہیں' سوال یہ ہے کہ اس رضاعت کا اس کے بھائیوں پر کیا اثر پڑے گا؟ کیا اس لڑکے کا کوئی دوسرا بھائی اپنی خالہ کی سگی بیٹی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ امید ہے فتویٰ عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے اور آپ کی حفاظت فرمائے!

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ ایک لڑکے نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے اور

اس کے دوسرے بھائیوں نے اس کا دودھ نہیں پیا تو پھر اس کے بھائیوں کے لیے اپنی خالاؤں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا جائز ہے' اس رضاعت کا ان کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جس عورت کا دودھ پیا ہو تو اس کی اولاد سے شادی حرام ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور ایک شخص کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' لیکن مشکل یہ ہے کہ میں نے اس شخص کی بیوی کا اس کی ایک دوسری بیٹی کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا جو کہ اب فوت ہو چکی ہے اور اس کی وفات کے بعد یہ بیٹی پیدا ہوئی تو کیا اس سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب اگر اس شخص کی بیوی نے جس کی بیٹی سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پلائے ہیں تو یہ آپ کی رضاعی ماں ہے' اس کا شوہر آپ کا رضاعی باپ اور اس کی بیٹیاں آپ کی رضاعی بہنیں ہیں' لہٰذا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ کا شادی کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں (بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔)"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا' نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اس مسئلہ سے متعلق اور بھی احادیث ہیں۔ اگر آپ نے پانچ رضعات سے کم دودھ پیا ہے یا دو سال کی عمر کے بعد پیا ہے تو اس رضاعت سے حرمت ثابت ہو گی نہ ہی دودھ پلانے والی عورت آپ کی ماں ہو گی' نہ اس کا شوہر آپ کا باپ ہو

گا اور نہ اس رضاعت کے باعث ان کی بیٹی کے ساتھ آپ کی شادی حرام ہو گی۔ مذکورہ حدیث کے پیش نظر اس مسئلہ میں اہل علم کا صحیح ترین قول یہی ہے' نیز دیگر احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے' مثلاً نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ» (سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ما جاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہ (معتبر) ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ أَوِ الرَّضْعَتَانِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب في المصة والمصتان، ح: ١٤٥١)

"ایک رضعہ یا دو رضعے حرام نہیں کرتے۔"

اہل علم نے اس مسئلہ سے متعلق کچھ دیگر احادیث بھی ذکر کی ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

رضاعی بہنوں کی پھوپھیوں سے نکاح حرام ہے

سوال میری کچھ رضاعی بہنیں ہیں جن کی پھوپھیاں ہیں تو کیا وہ میری بھی پھوپھیاں ہیں یا نہیں؟ کیا نسبی پھوپھیوں کی طرح ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے یا نہیں؟ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب اگر آپ ان کے باپ کی طرف سے یا ماں باپ کی طرف سے رضاعی بھائی ہیں تو ان کی پھوپھیاں آپ کی بھی پھوپھیاں ہیں کیونکہ وہ آپ کے رضاعی باپ کی بہنیں ہیں' لہٰذا ان سے بھی نسبی پھوپھیوں کی طرح نکاح کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح: ٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح: ١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

ہاں البتہ اگر وہ آپ کی ایسے باپ کی طرف سے بہنوں کی پھوپھیاں ہوں جو ان کا تو رضاعی باپ ہو مگر آپ کا باپ نہ ہو اور انہوں نے ایسی عورت کا دودھ پیا ہو جس کا آپ نے دودھ نہ پیا ہو تو پھر وہ آپ کے لیے اجنبی ہوں گی' ان میں سے کسی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ وہ آپ کی پھوپھیاں نہیں ہیں بلکہ آپ کی بہنوں کی پھوپھیاں ہیں کیونکہ وہ آپ کے باپ کی نہیں بلکہ ان کے رضاعی باپ کی بہنیں ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بڑی عمر میں رضاعت مؤثر نہیں

سوال میں نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ مرد کے لیے اپنی بیوی کا دودھ پینا حرام نہیں ہے تو اس کی وجہ سے میں

قلق و اضطراب میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ اگر یہ حرام نہیں تو کسی شخص کی بیوی اس کی رضاعی ماں کیسے ہو سکتی ہے امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب بڑی عمر کی رضاعت مؤثر نہیں ہوتی کیونکہ مؤثر رضاعت وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے دو سال کی عمر میں ہو' لہٰذا اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی نے کسی طرح اپنی بیوی کا دودھ پی لیا ہو تو وہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال فیصل نے محمد کے ساتھ مل کر محمد کی والدہ کا دودھ پیا ہے اور رضاعت تامہ حاصل ہے' فیصل کی ایک بڑی بہن بھی ہے' کیا محمد کے لیے اس سے نکاح کرنا حرام ہے یا نہیں؟ امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب مذکورہ رضاعت صرف فیصل کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس عورت میں کہ فیصل نے محمد کی والدہ کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دودھ دو سال کی عمر کے اندر پیا ہو۔ اس صورت میں وہ اس عورت کی اولاد کا بھائی بن جائے گا لیکن اس رضاعت کا فیصل کے بہن بھائیوں سے کوئی تعلق نہیں ہو گا اور وہ محمد کے بہن بھائی نہیں ہوں گے' لہٰذا محمد کے لیے فیصل کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں کے درمیان اور کوئی ایسی رضاعت یا قرابت نہ ہو جس کی وجہ سے شادی حرام قرار پاتی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

وہ آپ کے رضاعی ماموں ہیں

سوال میری والدہ کو ایک عورت نے دودھ پلایا تھا اور اس (دودھ پلانے والی عورت) کی کئی اور سوکنیں بھی ہیں تو کیا ان سوکنوں کی اولاد بھی میرے ماموں شمار ہوں گے یا نہیں؟

جواب یہ دودھ پلانے والی عورت آپ کی نانی شمار ہو گی کیونکہ اس نے آپ کی والدہ کو دودھ پلایا ہے' اس عورت کا شوہر آپ کی والدہ کا باپ اور آپ کا نانا ہو گا' اس (عورت) کی سوکنوں کی اولاد آپ کی والدہ کے بھائی اور آپ کے ماموں ہوں گے کیونکہ وہ آپ کے نانا کی اولاد ہیں' لہٰذا وہ آپ کے رضاعی ماموں ہوں گے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رضاعت میں شک سے نکاح باطل نہیں ہوتا

سوال ایک شخص نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا جس سے پانچ بچے پیدا ہوئے' اس کے بعد اس کی والدہ اور خاندان کے دیگر لوگوں کی گفتگو ہو رہی تھی کہ اس کی والدہ نے بتایا کہ اس نے اس کی بیوی کو اس وقت دودھ پلایا تھا جب کہ اس کی عمر نو ماہ تھی' پہلے تو اس نے کہا تھا کہ اس نے اسے صرف ایک بار دودھ پلایا تھا اور جب اس سے اصرار کے

ساتھ پوچھا گیا کہ خوب یاد کر کے سچ سچ بتائے کہ اس نے اسے کتنی بار دودھ پلایا تھا تو اس نے کہا کہ اب اسے یہ یاد نہیں کہ اس نے اسے ایک بار دودھ پلایا تھا یا زیادہ بار کیونکہ اب اس واقعہ کو بیس سال ہو چکے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اس حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس حالت میں اسے کچھ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رضاعت کے احکام صرف اسی صورت میں ثابت ہوتے ہیں جب یہ پانچ رضعات پر مشتمل ہو اور دودھ چھڑانے سے پہلے دو سال کی عمر کے اندر ہو' اگر رضاعت اس سے کم ہو تو اس سے حرمت یا احکام رضاعت ثابت نہیں ہوتے۔ اگر رضاعت میں شک ہو کہ وہ پانچ رضعات ہے یا اس سے کم ہے تو اس صورت میں اسے پانچ رضعات سے کم سمجھا جائے گا اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی' لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ شک کی صورت میں شادی نہ کی جائے' لیکن اب جب کہ شادی ہو چکی ہے' عقد بھی صحیح طریقے سے ہوا ہے' لہٰذا تفریق لازم نہیں ہے کیونکہ ایسی کوئی یقینی وجہ ثابت نہیں ہے جو مفسد نکاح ہو بلکہ عقد ثابت اور یقینی ہے جب کہ مفسد غیر یقینی ہے' لہٰذا یقینی کو غیر یقینی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یہ نکاح برقرار رہے گا اور اس میں کوئی حرج نہیں' الا یہ کہ اس کی والدہ کو یہ یاد آجائے کہ اس نے اس عورت کو پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ رضاعت کے وقت میں دودھ پلایا ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ عقد فاسد ہے' لہٰذا اس صورت میں تفریق ضروری ہو گی' اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد اس شخص کی شرعی اولاد ہو گی کیونکہ یہ ایسے نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے جسے یہ حکم شرعی کے تقاضے کے مطابق صحیح سمجھتا تھا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دودھ چھڑانے کی عمر کے بعد رضاعت مؤثر نہیں

سوال ایک بچی کی عمر چار سال ہے' اس نے ایک سال کی عمر کے بچے کی ماں کا دودھ پیا تھا تو کیا وہ اس بچے کی رضاعی بہن ہے جو اس سے عمر میں تین سال چھوٹا ہے؟

جواب یہ رضاعت مؤثر نہیں ہے کیونکہ اکثر اہل علم کے نزدیک دو سال کی عمر کے بعد بچے کی رضاعت مؤثر نہیں ہوتی اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سلسلہ میں اعتبار بچے کے دودھ چھوڑ دینے کا ہے یعنی اگر وہ دو سال کی عمر سے پہلے بھی دودھ چھوڑ دے تو پھر بھی رضاعت مؤثر نہیں ہے اور اگر دو سال کے بعد بھی اس کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو تو پھر دو سال بعد بھی رضاعت مؤثر ہے اور ظاہر ہے کہ چار سال کی بچی کا دودھ چھڑا دیا گیا ہوتا ہے' لہٰذا اس کی یہ رضاعت مؤثر نہیں ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رضاعت محرم

سوال رضاعت سے دودھ پینے والوں کی آپس میں شادی حرام ہو جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کیا رضاعت سے دونوں طرف کے تمام بھائیوں کی شادی ممنوع ہو جاتی ہے؟ امید ہے وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب جب کوئی انسان کسی عورت کا اس شرعی طریقے سے دودھ پیے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بچہ

پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر اندر پیے تو اس سے اس پر دودھ پلانے والی عورت' اس عورت کی مائیں' بہنیں' پھوپھیاں' خالائیں' بیٹیاں' بھتیجیاں اور بھانجیاں سب حرام ہو جاتی ہیں خواہ وہ ایک شوہر سے ہوں یا زیادہ شوہروں سے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

لیکن اس کے ان بھائیوں پر جنہوں نے اس عورت کا دودھ نہ پیا ہو' اس کی بیٹیوں سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ یہ ان کی ماں نہیں ہے' اس نے انہیں دودھ نہیں پلایا بلکہ اس نے تو ان کے بھائی کو دودھ پلایا ہے اور نہ اس کے بیٹوں کے لیے دودھ پینے والے بچے کی بہنوں سے نکاح کرنا حرام ہو گا کیونکہ وہ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں اور نہ عدم رضاعت کی وجہ سے وہ اس کے بیٹوں کی بہنیں ہیں اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا' نبی ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہے کہ:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں

سوال میں نے ایک عورت کا اس کے ایک بیٹے کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا' پھر اس عورت کا شوہر فوت ہو گیا' اس نے عدت پوری ہونے کے بعد ایک اور شخص سے شادی کر لی' جس سے اس کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے' کیا اس دوسرے شوہر کے بیٹے بھی میرے بھائی ہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے اور آپ نے دو سال کی عمر کے اندر اندر پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہیں تو پہلے شوہر کی اولاد آپ کے ماں باپ کی طرف سے رضاعی بھائی ہیں اور دوسرے شوہر کی اولاد صرف ماں کی طرف سے آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں۔"

پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں بھی (حرام کر دی گئی ہیں۔)"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب . . . الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

سوال میری بیوی اور میرے بھائی کی بیوی کے ہاں اولاد پیدا ہوئی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسری کی اولاد کو دودھ پلایا ہے' کیا میرے بھتیجے میری بیٹیوں سے اور میرے بیٹے میری بھتیجیوں سے شادی کر سکتے ہیں؟

جواب وہ رضعات جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی مدت کے اندر ہو جیسا کہ کتاب و سنت کی ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے۔ ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں ڈال لے' اس سے دودھ پیے اور پھر اسے سانس لینے کے لیے یا پستان بدلنے کے لیے چھوڑ دے اور جب دوبارہ پھر پستان کو منہ میں ڈال لے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا اور اسی طرح پھر تیسرا رضعہ ہو گا' لہٰذا آپ کے جس بیٹے نے آپ کے بھائی کی بیوی کا اس طرح دودھ پیا ہے اس کے لیے آپ کے بھائی کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ وہ ان کا رضاعی بھائی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ . . . . وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ..... اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اسی طرح آپ کے بھائیوں کے بیٹوں کا آپ کی بیٹیوں کی نسبت سے بھی یہی حکم ہے اگر رضاعت پانچ رضعات سے کم ہو اور دو سال کی عمر کے بعد ہو تو یہ شادی سے مانع نہیں ہوتی۔ آپ کی جس بیٹی نے آپ کے بھائی کی بیوی کا مذکورہ طریقے سے دودھ پیا ہے تو اس کے ساتھ آپ کے بھائی کے بیٹوں میں سے کسی کا بھی شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان کی رضاعی بہن ہے' اسی طرح آپ کے بھائی کی بیٹیوں میں سے جنہوں نے آپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے' ان کے ساتھ آپ کے کسی بھی بیٹے کا شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت کے چند مسائل

سوال ایک شخص نے دو سال کی عمر کے اندر ایک عورت کا پانچ رضعات دودھ پیا' اس عورت کے شوہر کی ایک اور بیوی بھی ہے اور اس کی اس سے بھی اولاد ہے' کیا وہ اولاد بھی اس دودھ پینے والے شخص کے بھائی ہوں گے؟

جواب اگر اس شخص نے اس عورت کا اس طرح دودھ پیا ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دو سال کی عمر کے اندر پانچ رضعات پیے ہوں تو یہ عورت اس کی ماں' اس کا شوہر اس کا باپ اور شوہر کے دوسری بیوی سے بیٹے' اس کے باپ کی طرف سے بھائی' دودھ پلانے والی عورت کے اس شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے بیٹے اس کی ماں کی

طرف سے بھائی' اس عورت کی بہنیں' اس کی خالائیں اور اس کے شوہر کی بہنیں اس کی پھوپھیاں ہوں گی کیونکہ رضاعت کی وجہ سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو قرابت کی وجہ سے حرام ہیں۔

سوال ایک بچی نے دو سال کی عمر میں ایک عورت کا بہت سے رضعات پر مشتمل دودھ اس کے پہلے شوہر کے ایک بیٹے کے ساتھ مل کر پیا تھا' پھر اس عورت نے ایک اور شخص سے شادی کی اور اس کی بھی اس سے اولاد پیدا ہوئی تو کیا اس عورت کے دوسرے شوہر سے اس کے بیٹے بھی اس دودھ پینے والی بچی کے بھائی ہوں گے؟

جواب یہ بچی اس عورت کی بیٹی ہے' اس کے دوسرے شوہر سے اس کے بیٹے اس بچی کے ماں کی طرف سے بھائی ہوں گے کیونکہ اس نے ان لڑکوں کی ماں کا دودھ پیا ہے اور پہلی عورت کے شوہر کے بیٹے اس بچی کے باپ کی طرف سے بھائی ہوں گے کیونکہ اس نے ان کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سوال ایک عورت نے سوال پوچھا ہے کہ اس کے بھائی نے جو اس سے دو سال چھوٹا ہے اس کے ماموں کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو کیا اس عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے ماموں کے بیٹوں سے پردہ نہ کرے اور اس کی ان بہنوں کے لیے کیا حکم ہے جو اس کے اس بھائی سے چھوٹی ہیں' جس نے اس کے ماموں کی بیوی کا دودھ پیا ہے؟

جواب اگر مذکورہ رضاعت ثابت ہے اور وہ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہے اور دو سال کی عمر کے اندر ہے تو آپ کا یہ بھائی جس نے دودھ پیا ہے آپ کے ماموں اور اس کی بیوی کا رضاعی بیٹا ہے' ان کے بیٹے اس کے بھائی ہوں گے' آپ کے ماموں کے بھائی اس کے چچا ہوں گے۔ اس کی بہنیں پھوپھیاں ہوں گی دودھ پلانے والی عورت کے بھائی اس کے ماموں ہوں گے اور اس کی بہنیں اس کی خالائیں ہوں گی' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

آپ کا مذکورہ رضاعت سے کوئی تعلق نہیں' لہٰذا آپ کے لیے اور آپ کی بہنوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ کے بھائی کے دودھ پینے کی وجہ سے آپ اپنے ماموں زاد بھائیوں سے پردہ نہ کریں کیونکہ آپ کے لیے وہ محرم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور دین پر ثابت قدمی کو توفیق بخشے!

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت کا دعویٰ کیا پھر انکار کر دیا

سوال میرے بڑے بھائی نے میرے چچا کی بیٹی سے منگنی کرنی چاہی تو اس کی بیٹی کی ماں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ میرے بھائی کو بھی دودھ پلایا ہے لیکن پھر ایک مدت کے بعد میرے چچا کی یہی بیوی ہمارے گھر آئی اور اس نے اپنے بیٹے کے لیے میری بہن کا رشتہ طلب کیا تو ہم حیران ہوئے اور ہم نے اسے یاد دلایا کہ اس نے بتایا تھا کہ اس نے

میرے بھائی کو دودھ پلایا ہے تو اس نے پہلے تو اس کا اقرار کیا مگر پھر انکار کر دیا اور کہا کہ نہیں اس نے میرے بھائی کو بالکل دودھ نہیں پلایا' سوال یہ ہے کہ ہم اس کی پہلی بات مانیں یا دوسری؟ اس بارے میں شریعت کی رائے کیا ہے؟

جواب مذکورہ عورت کا پہلا دعویٰ کہ اس نے آپ کے بھائی کو دودھ پلایا ہے' اس کے بیٹوں کی آپ کی بہنوں سے شادی میں مانع نہیں ہے' بشرطیکہ اس نے آپ کی بہنوں کو دودھ نہ پلایا ہو اور اس کے بیٹوں نے آپ کی ماں کا دودھ نہ پیا ہو اور نہ ہی رضاعت کی کوئی اور دوسری ایسی صورت ہو جو اس کے بیٹوں کی آپ کی بہنوں سے شادی میں رکاوٹ ہو۔

اگر اس نے اپنے پہلے دعویٰ کی خود ہی تکذیب کر دی ہے تو پھر آپ کے بھائی کی اس کی بیٹی سے شادی میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے' ہاں البتہ اگر احتیاطاً وہ اس کی بیٹی سے شادی نہ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلٰى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها، ح:٢٥١٨ وسنن النسائي في السنن الكبرى، الأشربة، الحث علي ترك الشبهات، ح:٥١١٤)

"شک والی بات کو چھوڑ کر اس بات کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا' اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔"

—— شیخ ابن باز ——

جب کسی آدمی کی ایک بیوی کا دودھ پیے تو.....

سوال ایک شخص کی اس کی دو بیویوں سے دو بیٹیاں ہیں' میں نے اس کی ایک بیوی کا دودھ پیا ہے تو کیا میرے لیے اس کی دوسری بیوی کی بیٹی سے نکاح کرنا حلال ہے؟

جواب اگر آپ نے اس شخص کی کسی بھی بیوی کا پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو آپ کے لیے اس کی کسی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ اس بیوی کے بطن سے' ہو جس کا آپ نے دودھ پیا ہے یا کسی دوسری بیوی کے بطن سے کیونکہ آپ اس کی تمام بیٹیوں کے رضاعی بھائی ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ. . . . وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ..... اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔"

یاد رہے ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں لے کر دودھ پینا شروع کر دے اور پھر اسے سانس لینے یا پستان بدلنے یا کسی اور وجہ سے منہ سے نکال دے اور جب دوبارہ پستان منہ میں ڈال کر دودھ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا........ اگر رضاعت اس طرح کے پانچ رضعات سے کم ہو یا دو سال کی عمر کے بعد ہو تو پھر آپ کے لیے اس کی کسی بھی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

دودھ مرد کی طرف منسوب ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے رضاعی بہن کو تو حرام قرار دیا ہے' کیا رضاعی بیٹے کے لیے کسی عورت کی وہ بیٹی بھی حرام ہے جس سے وہ پہلے پیدا ہوا ہو' اور عمر میں اس سے بڑا ہو؟ جب ایک شخص کی دو بیویاں ہوں اور کسی نے ان میں سے ایک کا دودھ پیا ہو تو کیا دونوں بیویوں کی بیٹیاں اس کے لیے حرام ہوں گی؟ بچہ کتنے رضعات پیے تو اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟

جواب جب کسی انسان نے کسی عورت کا اس طرح دودھ پیا ہو جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا شمار ہو گا اور اس کی تمام اولاد کا بھائی ہو گا خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں' رضاعت کے وقت موجود ہوں یا ان کی ولادت اس کے بعد ہوئی ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

اگر کسی آدمی نے ایک شخص کی ایک بیوی کا دودھ پیا ہو جس سے حرمت ثابت ہوتی ہو تو اس کے تمام بیٹے خواہ وہ کسی بھی بیوی سے ہوں اس کے رضاعی بھائی ہوں گے کیونکہ دودھ مرد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یاد رہے جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے یہ' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی عمر کے اندر ہو۔ ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں ڈال کر دودھ پیے اور پھر اسے چھوڑ دے' خواہ اس میں دودھ ختم کر دے یا ایک ہی گھونٹ پینے پر اکتفا کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت محرمہ

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میں نے اپنے ماموں کی بڑی بیٹی کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا' جس کے بعد ان کے ہاں اور بھی بیٹیاں پیدا ہوئیں اور اس بڑی بیٹی کی اب شادی بھی ہو چکی ہے تو کیا اس صورت میں میرے یا میرے کسی دوسرے بھائی کے لیے اپنے ماموں کی کسی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اگر آپ نے اپنے اس ماموں کی بیوی کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دودھ دو سال کی مدت کے اندر پیا ہے تو آپ کے ماموں کی تمام بیٹیاں آپ کی بہنیں ہیں' ان میں سے کسی کے ساتھ بھی شادی کرنا آپ کے لیے حلال نہیں ہے' ہاں البتہ آپ کے ان بھائیوں کے لیے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں جنھوں نے اپنی ممانی کا دودھ نہیں پیا بشرطیکہ آپ کے ماموں کی بیٹیوں نے بھی آپ کے بھائیوں کی ماں یا آپ کے باپ یا بھائیوں کی بیویوں میں سے کسی کا دودھ نہ پیا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آپ کے بھائیوں کے لیے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ ان کے مابین اس سے مانع رضاعت کا رشتہ نہ ہو۔ باقی رہا آپ کا اپنی ممانی کا دودھ پینا تو اے سائل! وہ آپ ہی کے ساتھ خاص ہے' اس سے آپ کے ماموں کی بیٹیوں سے آپ کے بھائیوں کے لیے شادی کرنا حرام نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

اس کی بیوی نے اس کے باپ .....

سوال میں نے اپنی بیٹی کی اپنے بھتیجے سے شادی کر دی اور شادی کے بعد معلوم ہوا کہ شادی کرنے والے اس لڑکے کے والد کی بیوی نے اس بیٹی کو پانچ نہیں بلکہ یقینی اور صحیح طور پر چار دن مسلسل دودھ پلایا تھا' لیکن یاد رہے یہ دودھ پلانے والی عورت اس شادی کرنے والے لڑکے کی والدہ نہیں بلکہ اس کے باپ کی دوسری بیوی ہے' سوال یہ ہے کیا اس بیٹی کا اس لڑکے سے نکاح حلال ہے؟

جواب جب اس مذکورہ بیٹی نے اپنے شوہر کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے اور یہ رضاعت پانچ رضعات پر مشتمل اور دو سال کی مدت کے اندر تھی تو پھر یہ بیٹی اس کی رضاعی بہن ہوئی' لہٰذا اس کے لیے اس سے شادی کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَـٰتُكُمْ . . . . وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَـٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ..... اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ فَنَسَخَ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسًا وَصَارَ إِلَى خَمْسِ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:٢٤/١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠ واللفظ له)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل کیا گیا تھا جو کہ حرام کرتے تھے' پھر ان میں سے پانچ رضعات کو منسوخ قرار دے دیا گیا اور اب پانچ معلوم رضعات رہ گئے جو کہ حرام قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت اسی کے مطابق عمل تھا۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلاَّ مَا فَتَقَ الأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ» (جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء ان الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحولين، ح:١١٥٢)

"صرف وہی رضاعت حرام قرار دیتی ہے جو مدت رضاعت میں انتڑیوں کو پھاڑے (پھلا دے) اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔"

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان سے دودھ چوسے اور پھر سانس لینے کے لیے یا دوسرے پستان کو منہ میں لینے کے لیے پہلے پستان کو منہ سے نکال دے اور اگر دوبارہ منہ میں ڈال لے تو یہ

دوسرا رضعہ ہوگا اور باقی رضعات بھی اسی طرح ہوں گے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

آپ کے رضاعی بھائی کی بیوی.....

سوال کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنے ماموں کی بیوی کو سلام کروں' یاد رہے میں نے اپنے ماموں کے ساتھ مل کر اپنی نانی کا دودھ بھی پیا ہے یا اسے سلام کرنا حرام ہے کہ یہ میرے لیے غیر محرم ہے؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ اپنے ماموں کی بیوی کے ساتھ مصافحہ کریں خواہ آپ کا اپنی نانی کا دودھ پینا ثابت ہو یا نہ ہو کیونکہ آپ اجنبی ہیں یعنی اس کے محرم نہیں ہیں' ہاں البتہ زبان سے سلام مسنون کہنا جائز ہے' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے عورتوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں روایت ہے:

«وَلاَ وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلاَّ بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلٰى ذٰلِكِ»(صحيح البخاري، التفسير، باب 'إذا جاء كم المومنات المهاجرات'، ح:٤٨٩١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ ولفظهما مختلف والمعنى متقارب)

”اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک کبھی بھی بوقت بیعت کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ سے نہیں لگا بلکہ آپ یہ فرماتے ہوئے زبانی بیعت لے لیا کرتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔“

امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے خواتین کے ہمراہ میں بھی آئی اور ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہ فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لاِمْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ» (جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في بيعة النساء، ح:١٥٩٧ وسنن النسائي، البيعة، بيعة النساء، ح:٤١٨٦ واللفظ له ومسند أحمد:٦/ ٣٥٧)

”میں خواتین سے مصافحہ نہیں کرتا' ایک عورت سے میری بات ایسے ہی ہے جیسے ایک سو عورتوں سے بات ہو۔“

رضاعی بھائی کی بہنیں حرام نہیں ہیں

سوال میرے ایک چچازاد بھائی نے جس سے میں دس یا کچھ دن زیادہ' چھوٹا ہوں' میرے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے' اس کی اس سے دو چھوٹی بہنیں ہیں' کیا ان میں سے چھوٹی کے ساتھ شادی کرنا میرے لیے صحیح ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو پھر آپ کے لیے اپنے چچا زاد بھائی کی کسی ایک بہن سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ آپ کے اور اس لڑکی کے درمیان رضاعت محرم نہ ہو جس سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کے برادر عم زاد نے آپ کی والدہ کا جو دودھ پیا ہے' اس کا اس کی کسی بہن سے آپ کی شادی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا خواہ اس نے دودھ کم پیا ہو یا زیادہ۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ علی عبدہ ورسولہ محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

ـــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــ

میری رضاعی ماں کا دعویٰ ہے کہ اس نے میری بیوی .....

سوال میں نے گزشتہ سال اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی تھی لیکن اب یہ مشکل آن پڑی ہے کہ میری رضاعی ماں--- جس کے بڑے بیٹے کے ساتھ میں نے دودھ پیا تھا--- نے شہادت دی ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ میری بیوی کو بھی دودھ پلایا ہے لیکن انہوں نے رضاعت کی کیفیت بیان نہیں کی اور نہ یہ بتایا ہے کہ کتنی بار دودھ پلایا ہے تو اس حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب جب تک مذکورہ عورت یہ گواہی نہیں دیتی کہ اس نے آپ کی بیوی کو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پلائے ہیں' آپ کی بیوی آپ کے لیے حرام نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس عورت کے ثقہ ہونے کی تصدیق بھی ہو' لہٰذا ہم آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اسے اپنے شہر کے محترم قاضی کے پاس لے جائیں وہ شہادت کے بارے میں اس سے پوچھیں اور اس موضوع سے متعلق دیگر امور کی بھی تکمیل کرلیں۔ وفق اللہ الجمیع

ـــــــــ شیخ ابن باز ـــــــــ

مشکوک رضاعت

سوال چار سال پہلے میں نے ایک دوشیزہ سے منگنی رچائی اور پھر شادی بھی ہوگئی لیکن میں نے اس کے ساتھ شرعی دخول نہیں کیا اور اس سال میری ایک بہن نے بتایا کہ اس نے اس دوشیزہ کو دودھ پلایا ہے لیکن بیس سال کی مدت گزرنے کی وجہ سے اسے رضعات کی تعداد یاد نہیں تو کیا اس دوشیزہ کے ساتھ میری شادی جائز ہے؟

جواب اس دوشیزہ سے یہ جو عقد نکاح ہوا ہے یہ صحیح ہے' کسی یقینی گواہی سے ہی یہ عقد ختم ہو سکتا ہے' ایسی رضاعت جو مشکوک ہو یا جس کی تعداد مشکوک ہو' اثر انداز نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ "قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا جو نکاح کو حرام کرتے تھے' چنانچہ انہیں پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا" پانچ رضعات کے وصف کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ معلوم ہوں تو یہ اس بات پر دلالت کناں ہے کہ ضروری ہے کہ رضاعت کا اور رضعات کی تعداد کا علم ہو۔ اگر دودھ پلانے والی عورت کو یہ شک ہو کہ اس نے اس بچی کو دودھ پلایا ہے یا نہیں یا اسے یہ شک ہو' کیا پانچ رضعات مکمل ہوئے ہیں یا نہیں تو اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہو گا' لہٰذا آپ کی بہن نے جو کہا ہے' وہ اس عورت سے آپ کے نکاح کے لیے قطعاً نقصان دہ نہیں ہے۔

ـــــــــ شیخ ابن عثیمین ـــــــــ

١٩

كتاب الجنايات

قتل عمد کے احکام

قتل عمد کے بعد توبہ

سوال میں قتل کے ایک جرم میں شریک ہوا مگر پکڑا نہ جا سکا اور اب میں اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں' اگر میں اپنے آپ کو پولیس کے سپرد نہ کروں تو کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرما لے گا؟

جواب مقتول مومن ہو تو قتل عمد اکبر الکبائر میں سے ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اور حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ الْمَرْءُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا»(صحيح البخاري، الديات، باب قوله الله تعالى: ومن يقتل مؤمنا . . . ح:٦٨٦٢ والحاكم في المستدرك، الحدود، ح:٨٠٢٩ واللفظ له)

"آدمی ہمیشہ اس وقت تک دین کے اعتبار سے فراخی میں رہتا ہے جب تک حرام خون نہیں بہاتا۔"

اگر آپ نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اس قتل کے ساتھ تین حقوق وابستہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کا حق (۲) مقتول کا حق اور (۳) مقتول کے وارثوں کا حق۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہے' اگر آپ اس کی بارگاہ میں صدق دل سے توبہ کر لیں تو وہ اپنا حق معاف کر کے آپ کی توبہ قبول فرما لے گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

جہاں تک مقتول کے حق کا تعلق ہے تو اب مقتول تو زندہ نہیں ہے کہ آپ کے لیے اس سے حق معاف کروانا ممکن ہو' لہٰذا وہ آپ سے قصاص قیامت کے دن لے گا لیکن امید ہے کہ اگر آپ کی توبہ صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو خوش کر دے گا اور آپ بری ہو جائیں گے' جہاں تک تیسرے حق یعنی مقتول کے وارثوں کے حق کا تعلق ہے تو آپ اس سے اس وقت تک بری نہیں ہو سکتے جب تک اپنے آپ کو ان کے سپرد نہ کر دیں

اور ان کے سامنے اقرار نہ کریں کہ آپ نے اسے قتل کیا ہے' پھر انہیں اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ سے قصاص لیں بشرطیکہ قصاص کی شرطیں پوری ہوں اور اگر وہ چاہیں تو دیت لے لیں اور اگر وہ چاہیں تو کچھ لیے بغیر معاف کر دیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کسی مسلمان کو (جان بوجھ کر) قتل کرنا

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ ﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا جہنم ہے....."

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل مومن کا ذکر کیا ہے' قتل مسلم کا ذکر نہیں کیا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کی سزا بھی جہنم ہے یا نہیں؟

جواب ہاں جو کوئی کسی مسلمان کو قتل کرے تو اس کی سزا بھی جہنم ہے کیونکہ اگر مقتول کا باطن بھی اس کے ظاہر کے مطابق ہے تو وہ بھی مومن ہے اور اس کا قاتل بھی نص آیت کے مطابق اخروی وعید کا مستحق ہے اور اگر اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہے تو ہمیں اس کے ساتھ اس کے ظاہر کے مطابق ہی معاملہ کرنا چاہیے اور اس کے باطن کو نہیں کریدنا چاہیے لہٰذا اس کا خون بھی معصوم ہے اور یہ جائز نہیں کہ ہم اسے ناحق بہائیں' کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ، عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة ... الخ، ح:٢٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله ... الخ، ح:٢٢)

"مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں اور جب وہ یہ سب کچھ کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے' ہاں البتہ اسلام کا جو حق ہو گا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا اور پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔"

اس طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقہ (ایک جگہ) کی طرف بھیجا' ہم صبح کے وقت ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے اور انہیں شکست دے دی' میں اور ایک انصاری نے ان کے ایک شخص کا تعاقب کیا جب ہم اس پر غالب آ گئے تو اس نے کہہ دیا ((لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ)) یہ سن کر انصاری تو رک گیا مگر میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا' جب ہم واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

«يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ؟ قُلْتُ: كَانَ مُتَعَوِّذًا، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى

تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ»(صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي أسامة بن زيد إلى الحرقات . . . الخ، ح:٤٢٦٩ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله لا اله إلا الله، ح:٩٦)

اسامہ! اس نے ((لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ)) کہا اور تم نے پھر بھی اسے قتل کر دیا"؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے پناہ لینے کے لیے یہ کہا تھا مگر نبی ﷺ بار بار یہی بات ارشاد فرماتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ اے کاش! کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس گمان کو صحیح نہیں سمجھا کہ وہ مقتول ایمان کے اظہار میں سچا نہیں تھا' یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بات کی سختی سے تردید کی جس کا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر بھی بہت زیادہ اثر ہوا حتی کہ انہوں نے کہا کہ اے کاش! کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا"' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں احکام ظاہری حالات کے مطابق ہوتے ہیں' لہٰذا جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے وہ گناہ گار' کبیرہ گناہ کا مرتکب اور عذاب جہنم کا مستحق ہے' الا یہ کہ اس کا قتل ان تین مباح اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے ہو' جن کا نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلاَّ بِإِحْدٰى ثَلاَثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»(صحيح البخاري، الديات، باب قول الله: أن النفس بالنفس والعين بالعين، ح:٦٨٧٨ وصحيح مسلم، القسامة، باب ما يباح به دم المسلم، ح:١٦٧٦ واللفظ له)

"کسی مسلمان آدمی جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حق نہیں اور میں اس کا رسول ہوں کا خون حسب ذیل تین امور میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں ہے (۱) جان کے بدلے جان کو قتل کرنا (۲) شادی شدہ زانی کو قتل کرنا اور (۳) دین کو ترک کرنے والے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو قتل کرنا۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

دھوکے سے قتل کرنے کی سزا

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَبَعْدُ:

انجمن کبار علماء کے چھٹے اجلاس میں چونکہ یہ طے ہوا تھا کہ بحوث علیمہ و افتاء کی مستقل کمیٹی غیلہ (دھوکا یا غفلت سے مار ڈالنا) کے بارے میں تحقیقی مقالہ تیار کرے' چنانچہ کمیٹی نے یہ مقالہ تیار کیا اور اسے انجمن کے ساتویں اجلاس کے ایجنڈا میں شامل کر لیا گیا جو ۲ تا ۱۱ شعبان ۱۳۹۵ھ کو طائف میں منعقد ہوا' انجمن کے اس اجلاس میں یہ مقالہ کو پڑھا گیا اور اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ علماء و فقہاء اور اہل لغت کے ہاں غیلہ کی تعریف کیا ہے؟ اس مسئلہ سے متعلق مذاہب و دلائل کا جائزہ لیا گیا نیز اس موضوع پر بھی علمی گفتگو ہوئی کہ دھوکا سے قتل کرنے والے قاتل کی سزا قصاص ہے یا حد؟ اہل علم نے چونکہ

یہ ذکر کیا ہے کہ جو قتل غیلہ قصداً اور دشمنی کی وجہ سے ہو اور حیلہ اور دھوکے سے قتل ہوا ہو یا اس انداز سے ہوا ہو کہ اس میں مقتول قاتل کے حملہ سے بچ سکتا ہو' خواہ اس نے یہ حملہ مال پر کیا ہو یا عزت و حرمت کو پامال کرنے کے لیے: یا رسوائی کے خوف اور راز کے فاش ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے' مثلاً: یہ کہ وہ کسی انسان کو دھوکا دے جو اس سے بے خوف ہو لیکن وہ اسے کسی ایسی جگہ لے جائے جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اور پھر وہ اسے قتل کر دے یا وہ کسی کا زبردستی مال چھین کر اسے قتل کر دے تاکہ وہ اپنے مال کا مطالبہ نہ کر سکے یا کسی کی بیوی یا بیٹی کو چھیننے کے لیے قتل کر دے' یا مثلاً: یہ کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو' یا بیوی اپنے شوہر کو اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے دھوکے سے یا سوتے میں قتل کر دے۔

اس لیے شیخ صالح بن غصون کے سوا ساری انجمن نے بالاجماع یہ طے کیا کہ دھوکے سے قتل کرنے والے قاتل کو قصاص کے طور پر نہیں بلکہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا' لہٰذا ایسے قاتل کے بارے میں کسی کا معاف کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ کسی کی طرف سے معافی کو قبول ہی کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں اصل کتاب و سنت اور اثر اور معنی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٣٣)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں' ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں۔"

قتل غیلہ' ڈکیتی و رہزنی ہی کی ایک قسم ہے' لہٰذا ایسے قاتل کو حد کے طور پر نہ کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا واجب ہے' سنت سے اس سلسلہ میں وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ہے کہ: ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں سے کچل دیا تاکہ اس کی پازیب یا زیورات چھین لے' بالآخر وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے قتل کا حکم دیا اور اس معاملہ کو مقتول لڑکی کے وارثوں کے سپرد نہیں کیا تھا اور اگر اس یہودی کا یہ قتل بطور قصاص ہوتا تو آپ اس کا معاملہ لڑکی کے وارثوں کے سپرد کر دیتے کیونکہ وہ اس کے حق دار تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل حد کے طور پر تھا' نہ کہ قصاص کے طور پر۔

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ان پانچ یا سات اشخاص کو اس ایک شخص کے قتل کے جرم میں قتل کر دیا تھا جسے انہوں نے دھوکے سے قتل کر دیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر تمام اہل صنعاء بھی اس کے قتل کی سازش میں شریک ہوتے تو میں ان تمام کو قتل کرا دیتا' تو قتل غیلہ کے بارے میں خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل ہے اور کسی دلیل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے اس معاملہ کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کیا ہو۔ اگر ان کا حق ہوتا تو آپ ضرور معاملہ ان کے سپرد کر دیتے اور پھر یہ اس لیے بھی کہ قتل غیلہ حقوق اللہ میں سے ہے اور ہر وہ حق جو حقوق اللہ میں سے ہو اسے کوئی معاف نہیں کر سکتا' مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ اور پھر اس لیے بھی کہ قتل مکابرۃ کی طرح اس سے بچنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

---

[1] دیکھیے : صحیح بخاری' الخصومات' باب مایذکر فی الاشخاص ..... الخ' حدیث :٢٤١٣ و صحیح مسلم' القسامۃ' باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر' ح :١٦٧٢۔

—— کونسل برائے کبار علماء ——

صدر نشین نشست ہفتم: عبداللہ بن محمد بن حمید

عبدالرزاق عفیفی' عبداللہ خیاط' عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز' عبدالمجید حسن' عبدالعزیز بن صالح' محمد الحرکان' ابراہیم بن محمد آل شیخ' سلیمان بن عبید' صالح بن غصون (آپ کو اس سے اختلاف ہے) عبداللہ بن غدیان' راشد بن خنین' محمد بن جبیر' صالح بن لحیدان' عبداللہ بن منیع

باپ کو بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے

سوال اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو کیا اسے قتل کیا جائے گا؟ ہم نے بعض فقہاء سے یہ سنا ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر دیت واجب ہو گی؟

جواب جمہور اہل علم کی یہی رائے ہے کہ والد کو اپنے بیٹے کے قتل کے بدلے قتل نہ کیا جائے خواہ اس نے اسے عمداً قتل کیا ہو' ان کا استدلال دلیل سے بھی ہے اور تعلیل سے بھی۔ دلیل تو یہ مشہور حدیث ہے:

«لاَ يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالوَلَدِ»(جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا؟، ح:١٤٠١ وسنن ابن ماجه، الديات، لا يقتل الوالد بولده، ح:٢٦٦٢)

"اپنے بیٹے (کو قتل کرنے) کی وجہ سے باپ کو قتل نہ کیا جائے۔"

اور تعلیل یہ ہے کہ والد بیٹے کے وجود کا سبب ہے' لہٰذا بیٹے کو اپنے باپ کے عدم کا سبب نہیں بننا چاہیے مگر بعض اہل علم کی یہ رائے بھی ہے کہ اس وقت باپ کو بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جب یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ باپ نے اسے عمداً قتل کیا ہے اور انہوں نے ان دلائل کے عموم سے یہ استدلال کیا ہے جو قتل کی وجہ سے وجوب قصاص پر دلالت کناں ہیں' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٨)

"مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طور پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ ﴾ (المائدة٥/ ٤٥)

"اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلاَّ بِإِحْدٰی ثَلاَثٍ: النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ» (صحيح البخاري، الديات، باب قول الله: إن النفس بالنفس والعين بالعين، ح:٦٨٧٨ وصحيح مسلم، القسامة، باب ما يباح

به دم المسلم، ح:١٦٧٦)

"کسی بھی ایسے مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں' الا یہ کہ اس نے تین میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب کیا ہو (۱) کسی انسان کو قتل کیا ہو (۲) شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو (۳) دین سے مرتد ہو کر مسلمانوں کی جماعت کو ترک کر دیا ہو۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ»(سنن أبي داود، الديات، باب أيقاد المسلم من الكافر، ح:٤٥٣٠ وسنن النسائي، القسامة، باب القود بين الأحرار ... الخ، ح:٤٧٣٨)

"تمام مومنوں کا خون برابر ہے اور وہ غیر مسلموں کے مقابل ایک قوت ہیں اور ان میں ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی ان کے ذمہ کا اہتمام کرے گا۔"

ان علماء کا ان عمومات کی وجہ سے یہ کہنا ہے کہ والد کو بھی بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جب کہ یہ معلوم ہو کہ باپ نے عمداً اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے اور جو یہ مشہور حدیث ہے:

«لاَ يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ»(جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا؟، ح:١٤٠١ وسنن ابن ماجه، الديات، لا يقتل الوالد بولده، ح:٢٦٦٢)

"والد کو بیٹے کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے۔"

تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ باقی رہی تعلیل تو وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ والد کے قتل کا سبب بیٹا نہیں بلکہ خود والد ہی ہے کیونکہ جرم کا ارتکاب خود اس نے ہی کیا ہے اور اس نے ہی ایک ایسے بے گناہ کو قتل کیا ہے جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس دلیل کو الٹ کر ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ باپ کا اپنے بیٹے کو قتل کرنا سنگین قسم کی قطع رحمی اور بدترین قسم کا قتل ہے کہ کوئی بھی باپ اپنے بیٹے کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ حیوانات بھی اپنے چھوٹے بچوں پر شفقت کرتے ہوئے ان پر اپنا سم (کھر) تک نہیں رکھتے مبادا کہ ان (بچوں) کو تکلیف پہنچ جائے تو جس شخص نے قطع رحمی کی انتہا کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے اسے کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟ بہرحال اس قسم کے مسئلہ کو شرعی عدالت میں لے جایا جائے تاکہ حاکم اہل علم کے اقوال میں سے جو زیادہ قرین صواب ہے اس کے مطابق عمل کر سکے۔ ادلہ یا آراء کے تعارض کے وقت انسان کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور صراط مستقیم کی ہدایت کے لیے یہ دعا کرنی چاہیے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، ح:٧٧٠)

"اے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! چھپی اور ظاہر باتوں کو جاننے والے' تو اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا' جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں' حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے' اپنے حکم کے ساتھ مجھے بھی اس میں ہدایت عطا فرما' بے شک تو جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔"

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے کیونکہ گناہ انسان اور حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں' بعض علماء نے یہ استدلال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی کیا ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٠٥-١٠٦)

"(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کریں اور (دیکھو) دغا بازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا اور اللہ سے بخشش مانگنا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

قتل خطا کے احکام

قتل خطا کی سزا

سوال ایک شخص نے یہ پوچھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کی گاڑی سے ٹکرا کر ایک ترکی عورت فوت ہو گئی تھی' جس کی دیت اس نے بیت المال کو ادا کر دی اور پھر جب وہ اپنے کام کی جگہ واپس لوٹ رہا تھا تو احساء میں اس کی گاڑی الٹ گئی جس کی وجہ سے اس کی بیوی فوت ہو گئی تو اب اس صورت میں اس پر کیا واجب ہے؟

جواب مکہ مکرمہ میں اس کی گاڑی سے ٹکرا کر فوت ہو جانے والی ترکی عورت کے حوالہ سے اس پر کفارہ قتل واجب ہے اور وہ ہے کہ ایک مومن کی گردن کو آزاد کرنا' اگر میسر نہ ہو تو پھر دو ماہ کے روزے رکھنا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾

(النساء ٤/ ٩٢)

"اور جو شخص غلطی سے بھی کسی مومن کو مار ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)....... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

سائل کی بیوی کے حوالے سے بات یہ ہے' جو کہ اس کی گاڑی کے الٹنے کے نتیجہ میں جب کہ یہ اسے چلا رہا تھا فوت ہو گئی تھی' کہ اگر یہ شخص غلط ڈرائیونگ یا تیز رفتاری یا اونگھ وغیرہ کی وجہ سے حادثہ کا سبب خود بنا ہے' یا اس نے گاڑی کی دیکھ بھال نہیں کی اور اسے صحیح حالت میں رکھنے میں کوتاہی کی ہے تو اس پر کفارہ قتل واجب ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ یہ کفارہ اللہ کی طرف سے قبولیت توبہ کے لیے ہے اور اگر حادثہ وقوع پذیر ہونے میں اس کا قطعاً کوئی عمل دخل نہ تھا تو پھر بیوی کی وفات کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اس پر کوئی کفارہ نہیں

سوال میرے والد گاڑی چلا رہے تھے کہ ان کا ایک دوسری گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہو گیا جس کی وجہ سے اس دوسری گاڑی کا ڈرائیور فوت ہو گیا' ٹریفک پولیس کی رپورٹ کے مطابق تمام تر غلطی اس دوسرے ڈرائیور ہی کی تھی۔ اس کے وارثوں نے دیت بھی معاف کر دی ہے' اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے' اب سوال یہ ہے کہ کیا میرے والد پر مسلسل دو ماہ کے روزوں کا کفارہ ہے یا نہیں؟

جواب امر واقع اگر اسی طرح ہے جس طرح اے سائل! آپ نے بیان کیا ہے تو اس صورت میں آپ کے والد پر کوئی کفارہ نہیں ہے کیونکہ اس میں غلطی دوسرے کی ہے' لہٰذا آپ کے والد کو قاتل نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

حادثے کا سبب معلوم کرنا ضروری ہے

سوال ٹریفک کے ایک حادثہ میں میری گاڑی الٹ گئی' جس کی وجہ سے میرے والد صاحب جو کہ میرے ساتھ تھے' فوت ہو گئے' مجھے ایک بھائی نے بتایا ہے کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں روزے رکھوں یا ایک غلام آزاد کروں تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب واجب یہ ہے کہ پہلے حادثہ کا سبب معلوم کیا جائے' اگر حادثہ ڈرائیور کی کمی بیشی کی وجہ سے ہو تو وہ حادثے کا ذمہ دار ہے اور اس حادثے کے نتیجے میں کسی کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس پر کفارہ واجب ہو گا۔

اگر حادثہ کسی کمی بیشی کے بغیر رونما ہوا ہو تو پھر کچھ لازم نہیں' نہ تاوان اور نہ کفارہ' مثلاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے گاڑی کا ٹائر پھٹ جائے یا گاڑی الٹ جائے یعنی یہ بات بے حد اہم ہے کہ سب سے پہلے حادثے کے سبب کا تعین کیا جائے' اگر یہ ڈرائیور کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہو تو اس پر تاوان اور کفارہ ہے اور اگر حادثے میں اس کی غلطی یا کوتاہی کا کوئی دخل نہ ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

کفارۂ قتل میں یہ ضروری ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' اس میں والد وغیر والد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں' کیونکہ تمام مسلمانوں کی جانیں برابر ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وہ دو آدمیوں کی وفات کا سبب بنا

سوال ہماری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا جس کی وجہ سے دو شخص فوت ہو گئے' ٹریفک پولیس کی رپورٹ کے مطابق ۳۵ فی صد غلطی میری اور ۶۵ فی صد غلطی دوسری گاڑی والے کی تھی' فوت شدگان میں سے ایک کے وارثوں نے دیت معاف کر دی جب کہ دوسرے کی دیت لازم تھی اور اسے بھی ادا کر دیا گیا۔ اس قتل کے کفارے کے سلسلہ میں قاضی نے بتایا کہ ہم پر دو ماہ کے روزے بھی واجب ہیں' میں نے جب ایک عالم سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ دو نہیں بلکہ چار ماہ کے روزے لازم ہیں' امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ مجھ پر کیا لازم ہے اور جو روزے لازم ہیں' کیا انہیں مسلسل رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا غلطی کی نسبت کا روزوں سے بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ دو آدمیوں کی وفات کے سبب میں آپ بھی شریک ہیں تو آپ پر ان میں سے ہر ایک کی وجہ سے قتل خطا کا کفارہ لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' اس کے علاوہ اور کوئی چیز کفارہ سے کفایت نہیں کر سکتی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٩٢)

''اور کسی مومن کو لائق نہیں کہ وہ (کسی دوسرے) مومن کو مار ڈالے مگر یہ کہ غلطی ہو جائے اور جو شخص غلطی سے بھی کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے..... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔''

وفات کا سبب بننے والوں کی تعداد کا وجوب کفارہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا' ان میں سے ہر ایک پر کامل کفارہ لازم ہو گا' ہاں البتہ ایک مقتول کے کفارہ کے طور پر متواتر دو ماہ کے روزے رکھنے کے بعد دوسرے کے قتل کے کفارہ کے روزے شروع کرنے سے پہلے کچھ دن آرام کر لینے میں کوئی حرج نہیں کہ آرام کرنے کے بعد دوسرے قتل کے کفارہ کے متواتر دو ماہ کے روزے شروع کر دے۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

اس نے کنواں کھودا اور اس میں ایک بچی گر گئی

سوال میں نے ایک کنواں کھودا تا کہ اس سے میرے اہل خانہ اور دیگر لوگ بھی پانی حاصل کر سکیں' یہ کنواں آٹھ یا اس سے بھی زیادہ سال پہلے کھودا گیا تھا اور اس عرصہ میں اہل خانہ اور دیگر لوگ اس سے پانی حاصل کرتے رہے۔ تقدیر

الٰہی کا کرنا یہ ہوا کہ ہماری پانچ سالہ بچی حسب عادت اس کنویں سے پانی لینے کے لیے گئی مگر اس میں گر کر فوت ہو گئی۔ یہ واقعہ سترہ ذوالحج ۱۴۰۷ھ کو پیش آیا۔ اب آپ سے فتویٰ مطلوب ہے کہ اس بچی کے حوالہ سے مجھ پر کیا لازم ہے کیونکہ یہ کنواں تو میں نے کھودا تھا؟ فتویٰ عطا فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو اس بچی کی وفات کی وجہ سے آپ پر کوئی دیت یا کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہے کیونکہ آپ کا محض کنواں کھودنا گناہ کا سبب قرار نہیں پا سکتا۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا اس حادثے کی وجہ سے مجھ پر کفارہ لازم ہے؟

سوال میں گاڑی چلا رہا تھا' میرے اہل خانہ بھی میرے ساتھ گاڑی میں سوار تھے' تقدیر الٰہی سے گاڑی الٹ گئی جس کی وجہ سے میری بیوی فوت ہو گئی اور مجھے بھی بہت سخت چوٹیں لگیں' کیا اس حادثہ میں بیوی کے فوت ہو جانے کی وجہ سے مجھ پر روزے یا صدقہ یا کوئی اور کفارہ لازم ہے؟

جواب اگر آپ نے تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کیا' گاڑی کو صحیح حالت میں رکھنے میں بھی کوتاہی نہیں کی اور حادثے کے وقت آپ کی گاڑی کی حالت' رفتار اور آپ کی صحت معمول کے مطابق تھی تو پھر آپ پر کچھ بھی لازم نہیں کیونکہ آپ حادثے کا سبب نہیں بنے اور اگر آپ کسی وجہ سے حادثے کا سبب خود بنے ہیں تو آپ پر کفارہ لازم ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾﴾ (النساء٤/ ٩٢)

"اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ (کسی دوسرے) مومن کو قتل کر ڈالے مگر یہ کہ غلطی ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) وہ ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

اس کفارہ میں کھانا کھلانا کفایت نہیں کر سکتا۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— شیخ ابن باز ——

اپنی بیٹی کو غلطی سے ہلاک کر دیا

سوال تقدیر الٰہی سے یہ حادثہ رونما ہوا کہ میں اپنے کام سے واپس آنے کے بعد کھیتی کو گاہنے کے لیے نکلا اور جب میں نے گاڑی سٹارٹ کی تو میری تین سالہ بیٹی' جو کہ گاڑی کے پیچھے کھڑی تھی گر کر فوت ہو گئی کیونکہ مجھے وہ کھڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ براہ کرم فتویٰ عطا فرمائیں کہ مجھ پر شرعاً کوئی فدیہ واجب ہے یا نہیں؟ یاد رہے میں کاشت کار ہوں' سارا دن کام کرتا ہوں اور روزے رکھنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے غلطی سے بچی کو قتل کر دیا اور گاڑی کے ارد گرد کا جائزہ لینے میں کوتاہی کی تو اس صورت میں آپ پر لازم ہے کہ دیت ادا کریں الا یہ کہ بچی کے وارث معاف کر دیں' یاد رہے آپ اس بچی کے وارث نہیں ہوں گے' نیز آپ پر قتل خطا کا کفارہ بھی لازم ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کریں اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھیں' اس سلسلہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں نقدی دینا درست نہیں ہے کیونکہ قتل خطا کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے ہی کا ذکر فرمایا ہے اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾

(النساء٤/ ٩٢)

''اور جو شخص غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب دو یا اس سے بھی زیادہ لوگ قتل خطا میں شریک ہوں

سوال دو گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہوا' سامنے سے آنے والی گاڑی میں دو آدمی تھے' جن میں سے ایک فوت ہو گیا' ٹریفک پولیس کی رپورٹ کے مطابق پہلی گاڑی کے مالک تیس فیصد اور دوسری گاڑی کے مالک کی ستر فی صد غلطی تھی تو کیا کفارہ کے دو مہینے کے روزے بھی اسی نسبت سے رکھے جائیں گے' جیسا کہ دیت غلطی کی نسبت سے ہوتی ہے یا روزے مکمل دو ماہ کے رکھنے ہوں گے؟

جواب جب دو یا اس سے بھی زیادہ لوگ قتل خطا میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر مستقل کفارہ ہو گا کیونکہ کفارات تقسیم نہیں ہوتے جیسا کہ اہل علم نے بیان فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قتل خطا کا کفارہ

سوال میں اپنی گاڑی چلا رہا تھا کہ راستہ کاٹتے ہوئے' اچانک ایک آدمی سامنے آگیا' مگر میں اسے بچانے کے لیے کچھ نہ کر سکا' کیونکہ گاڑی چل رہی تھی اور وہ اچانک سامنے آگیا تھا' جس کی وجہ سے وہ موقعہ پر ہی فوت ہو گیا حالانکہ گاڑی کی رفتار بھی معمولی تھی' تیز نہ تھی مگر مذکورہ شخص کی غلطی کی وجہ سے حادثہ ہو گیا اور پولیس نے پچاس فیصد غلطی اسی کی قرار دی تاہم صلح کے پیش نظر مجھے ستر فی صد دیت ادا کرنا پڑی اور اب باقی رہ گیا فتویٰ' اس سلسلہ میں آپ سے رہنمائی مطلوب ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ پر قتل کا کفارہ واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کریں اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھیں' اس کے علاوہ اور کوئی چیز کفایت نہیں کرے گی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾
(النساء٤/ ٩٢)

''اور جو شخص غلطی سے (کسی دوسرے) مومن کو مار ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کردے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو مسلمان غلام میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔''

——— فتویٰ کمیٹی ———

غفلت سے چھوٹی بچی کو قتل کر دیا

سوال ایک عورت کے ساتھ اس کی دو سال کی عمر کی بچی تھی' وہاں مجلس میں قہوہ اور چائے کے برتن بھی پڑے ہوئے تھے' عورت چائے کی پیالیاں دھونے چلی گئی اور بچی کھیلتی کھیلتی آئی اور اس نے قہوہ کے برتن کو پکڑا مگر وہ اس کے اوپر گر گیا' اس میں بہت سخت گرم قہوہ تھا' بچی گری تو قہوہ اس کی انتڑیوں میں داخل ہو گیا' جس کی وجہ سے بچی چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر فوت ہو گئی' یہ عورت پوچھتی ہے' کیا اس پر کفارہ واجب ہے' نیز کفارہ کیا ہے؟

جواب اس مسئلہ سے متعلق حالات و واقعات کو یہ سائلہ (عورت) زیادہ بہتر جانتی ہے' اگر اس بچی کی وفات اس عورت کی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی ہے کہ اس نے اپنی بیٹی کو (اسی طرح) چھوڑ دیا کہ وہ اس حادثہ کا شکار ہو گئی اور اس کا سبب ماں

ہی بنی ہے تو اس پر کفارہ واجب ہے اور وہ یہ کہ وہ عورت ایک مسلمان غلام آزاد کرے' اور اگر وہ میسر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قتل خطا میں کفارہ واجب ہے

سوال میں نے ایک نفس کو قتل کیا تھا' میں اسے قتل کرنے پر مجبور ہو گئی تھی' میں نے اسے قصد و ارادہ سے قتل نہیں کیا تھا۔ آج میں مریض ہوں اور روزے رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی تو میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب قتل خطا میں کفارہ واجب ہے اور وہ ہے ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اگر میسر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنا' اس میں کھانا کھلانا وغیرہ کفایت نہیں کر سکتا کیونکہ آیت کفارہ میں کھانا کھلانے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ کسی عاجز و شدید بیمار انسان کے حق میں کفارہ ہی باقی رہے گا حتی کہ اسے اس کی استطاعت ہو جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کفارہ مارنے والے پر ہے

سوال ایک عورت کا دو سال کا بچہ گھر سے باہر نکل کر سڑک کی طرف چلا گیا اور اسے ایک قریبی رشتہ دار کی گاڑی نے کچل دیا تو کیا اس صورت میں بچے کی ماں پر بھی کچھ لازم ہے' حالانکہ اس حادثے کی وجہ سے اسے بہت تکلیف پہنچی ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو اس صورت میں بچے کی ماں پر کچھ لازم نہیں ہے بلکہ دیت و کفارہ تو اس پر لازم ہے جس نے بچے کو کچلا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کے والدین کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور اس مصیبت کی وجہ سے اجر و ثواب عطا فرمائے۔ ﴿ اناللہ وانا الیہ راجعون ﴾

——— شیخ ابن باز ———

اس پر کوئی کفارہ نہیں

سوال ایک شیر خوار بچی کو اس کی ماں نے بستر پر لٹا دیا اور وہ خود دوسرے بچوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی حتی کہ وہ بچے سو گئے' اس پر نیند غالب آ گئی اور یہ بھی انہی کے پاس سو گئی اور جب میں گھر آیا اور یہ بچی بیدار ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ بہت زیادہ روئی ہے' کثرت سے رونے کی وجہ سے اس کی صحت بھی بہت متاثر ہوئی اور اسے چند دن ہسپتال میں بھی رکھا گیا مگر وہ فوت ہو گئی۔ سوال یہ ہے' کیا اس صورت میں بچی کی ماں پر کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو بچی کی ماں پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو بچی کی موت کا سبب بنا ہو۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

احتیاط زیادہ بہتر ہے

سوال تیس سال پہلے کی بات ہے کہ میری والدہ کھیت میں کام کرتی رہی اور سخت محنت و مشقت کے بعد رات کو گھر

واپس آئی اور جب سوئی تو تین ماہ کی شیر خوار بچی بھی اس کے ساتھ لیٹی تھی۔ صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ بچی فوت ہو گئی ہے' والدہ کو اس کی وفات کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ کیسے ہوئی۔ کیا نیند کے دوران بچی اس کے نیچے آگئی یا کوئی اور صورت پیدا ہوئی' بہرحال ہمیں اس بچی کی وفات کے اسباب کا کوئی علم نہیں ہے' اس صورت میں والدہ کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب احتیاط اس میں ہے کہ یہ عورت ساٹھ ایام کے متواتر روزے رکھے کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس بچی کی وفات اس عورت کی وجہ سے ہوئی ہے کیونکہ اس کی وفات کا کوئی اور سبب معلوم نہیں ہو سکا تو شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اشتباہ کے وقت احتیاط کے مطابق عمل کر لیا جائے تاکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد سے بری الذمہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اسے روزے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

آپ پر کچھ لازم نہیں کیونکہ آپ نے عمداً قتل نہیں کیا

سوال میرا سوال اس حادثہ کے بارے میں ہے' جس سے میں ڈیڑھ سال قبل دوچار ہوئی تھی: بات یہ ہے کہ مجھے اپنے والد صاحب سے محبت تھی لیکن کچھ خاندانی حالات کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے میرے اور ان کے درمیان روزانہ تکرار ہونے لگی تاہم اس کے باوجود مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے محبت تھی۔ ایک دن والد صاحب بیمار ہو گئے اور وہ ہسپتال میں داخل ہو گئے' ہسپتال سے فارغ ہوئے تو ڈاکٹر نے میری والدہ کو بتایا کہ انہیں کوئی غم و اندوہ والی بات نہ بتائی جائے کیونکہ وہ ان کے شعور پر اثر انداز ہو گی اور اس سے ان کی موت واقع ہو جائے گی' کیونکہ اب ان میں کوئی صدمہ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس واقعہ کو تین ماہ گزر گئے مگر والدہ صاحبہ نے یہ کسی کو نہ بتایا۔ پھر ایک دن میرے اور ان کے درمیان تکرار ہو گئی' جس کی وجہ سے وہ مجھ سے کبیدۂ خاطر ہو گئے' اسی دن کچھ اور ناگوار باتیں بھی ہوئیں' جن کی وجہ سے ان کی صحت ناساز ہو گئی اور انہیں ہسپتال داخل کروا دیا گیا مگر وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ' کیا میں ان کی موت کا سبب ہوں؟ اس سلسلہ میں شرعاً مجھ پر کیا لازم ہے؟

جواب آپ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے کیونکہ آپ نے انہیں عمداً کوئی ایذاء نہیں پہنچائی اور نہ آپ کو ان مشکلات ہی کا علم تھا' جن کے بارے میں ڈاکٹر نے کہا تھا کہ یہ ان سے دوچار نہ ہوں۔ ان شاء اللہ آپ پر کوئی حرج نہیں۔ تکرار لوگوں کے درمیان ہمیشہ ہوتی رہتی ہے' اس سے اجتناب ممکن نہیں ہے لہٰذا اس معاملہ میں آپ بھی دوسروں ہی کی طرح ہیں لہٰذا آپ پر کچھ لازم نہیں ہے یعنی نہ فدیہ اور نہ کفارہ' کیونکہ یہ تو وہ معمول کی باتیں ہیں جو باپ اور بیٹے' بھائی اور بھائی' شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان ہوتی رہتی ہیں لہٰذا ان شاء اللہ اس میں کچھ لازم نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن باز ——

قتل خطا میں جس پر دیت واجب ہو' اس پر کفارہ بھی واجب ہے

سوال میری گاڑی کا حادثہ ہو گیا جس کی وجہ سے دوسری گاڑی میں سوار دو آدمی فوت ہو گئے' میری گردن پر معمولی زخم آیا' جب کہ میرے بھائی کی کمر پر چوٹ آئی' عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ غلطی میری اور دوسرے ڈرائیور کی مشترکہ تھی

اور اس میں تین اور چار کی نسبت قرار دی گئی جس کی وجہ سے میں نے ایک لاکھ پچاس ہزار ریال دو آدمیوں کی دیت کے طور پر ادا کر دیے' اب سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر روزے بھی واجب ہیں' نیز روزے دو ماہ کے ہیں یا چار ماہ ہیں؟

جواب جو لوگ گاڑیاں (خصوصاً لمبے راستوں پر) چلاتے ہیں' ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس بات کو فراموش نہ کریں کہ ان کے ساتھ معصوم انسان بھی ہیں' لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور گاڑیاں آہستہ' عقل مندی سے اور مناسب حالت میں چلائیں۔ جو شخص ڈرائیونگ اچھی طرح نہ جانتا ہو یا نیند وغیرہ یا گاڑی میں خرابی کی وجہ سے اچھی طرح سے گاڑی نہ چلا سکتا ہو' اس کے لیے گاڑی چلانا حرام ہے کیونکہ یہ اس کے لیے بھی اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی خطرناک ہے۔ آہ! ڈرائیوروں کی نالائقی اور سستی کی وجہ سے کتنی ہی معصوم جانیں ان سڑکوں پر ضائع ہو گئی ہیں۔ سائل نے جو سوال پوچھا ہے کہ اس سے حادثہ ہوا اور اس میں جانیں ضائع ہوئیں اور اس نے قاضی کے حکم شرعی کے مطابق فوت شدگان کی دیت ادا کر دی تو اس پر کفارہ بھی واجب ہے' کیونکہ جب دیت واجب ہو تو پھر کفارہ بھی واجب ہو جاتا ہے خواہ غلطی مشترکہ ہو' مشترکہ غلطی کرنے والوں پر بھی کفارات واجب ہیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾

(النساء ٤/ ٩٢)

"اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ (کسی دوسرے) مومن کو مار ڈالے مگر یہ کہ غلطی ہو جائے اور جو شخص غلطی سے مومن کو قتل کر ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو یہ میسر نہ ہو' وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

لہٰذا اے سائل! اس حادثہ میں فوت ہونے والے ہر شخص کی طرف سے آپ پر کفارہ واجب ہے' آپ نے ذکر کیا کہ دو آدمی فوت ہوئے' لہٰذا آپ پر دو کفارے واجب ہیں۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جائیں' لہٰذا اگر مقدور ہو تو دو غلام آزاد کریں یا ہر جان کی طرف سے دو ماہ کے روزے رکھیں' دو آدمیوں کی طرف سے ایک کفارہ کافی نہیں ہو گا' لہٰذا آپ کو پہلے ایک شخص کی وجہ سے دو ماہ کے اور پھر دوسرے شخص کی طرف سے دو ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ شریعت کی نگاہ میں مسلمانوں کے خون کی کس قدر عظمت اور معصوم جانوں کا کس قدر احترام ہے۔

شیخ ابن عثیمین

کیا قتل خطا کی دیت معاف ہونے سے بھی کفارہ لازم رہتا ہے؟

سوال جب کسی گاڑی کا ڈرائیور کسی انسان کو غلطی سے قتل کر دے اور مقتول کے وارث دیت معاف کر دیں تو کیا اس

کے لیے دو ماہ کے روزے لازم ہوں گے یا اس سے کم' کیونکہ یہ شخص کمزور ہے' اس نے مقتول کو جان بوجھ کر قتل نہیں کیا کیا اس کے لیے روزے معاف نہیں؟

جواب جب یہ ثابت ہو جائے کہ قتل خطا ہے تو دیت و کفارہ واجب ہو جاتے ہیں' خواہ ڈرائیور نے مقتول کو جان بوجھ کر نقصان نہ بھی پہنچایا ہو' وارث دیت معاف کر دیں تو دیت ساقط ہو جاتی ہیں مگر کفارہ باقی رہ جاتا ہے' لہٰذا اس کے لیے متواتر دو مہینے کے روزے رکھنے واجب ہوتے ہیں' کیونکہ آج کل غلام کو آزاد کرنا مشکل ہے۔ اگر فی الحال متواتر روزے رکھنے سے عاجز ہو مگر ظن غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں متواتر دو ماہ کے روزے رکھ سکے گا تو وہ اس وقت تک روزے مؤخر کر دے اور اگر وہ مستقبل میں بھی روزے رکھنے سے عاجز و قاصر ہو جائے تو اس کے لیے متواتر روزے رکھنا ساقط ہو جائے گا' لہٰذا وہ شخص حسب طاقت جس طرح ممکن ہو روزے رکھ لے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة۲/ ۲۸٦)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج۲۲/ ۷۸)

''اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔''

اور فرمایا:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

''سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

''جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اسے مقدور بھر بجالاؤ۔''

اس کی نظیر بلا طہارت اس شخص کے لیے وجوب نماز ہے جو پانی اور مٹی وغیرہ سے طہارت حاصل کرنے سے عاجز و قاصر ہو' نیز وہ مکلف جو نماز کے بعض ارکان ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کے لیے بھی اس قدر نماز واجب ہے' جس قدر وہ ادا کر سکتا ہو۔ رفع حرج اور آسانی شریعت سے متعلق نصوص کے عموم اس اور اس طرح کی دیگر مثالوں کو شامل ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

گردن آزاد کرنے کے معنی

سوال گردن کی آزادی کے بارے میں بعض لوگ اشکال میں مبتلا ہیں اور وہ اس کے معنی نہیں جانتے اور یہ شاید اس لیے کہ انہوں نے گردنوں کو آزاد ہوتے دیکھا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ بہت سے کفارات

کے سلسلہ میں گردن آزاد کرنے کا ذکر ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ گردن سے مراد کیا ہے؟ کیا اس سے وہ انسان مراد ہے جسے قتل کی سزا سنائی جا چکی ہو اور پھر اسے معاف کر دیا جائے؟ یا اس سے کسی حیوان کی گردن کو آزاد کرنا مراد ہے؟

جواب گردن آزاد کرنے سے مراد غلام مردوں اور عورتوں کو آزاد کرنا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ جب وہ دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ان پر غلبہ حاصل کر لیں تو ان کے بچے اور عورتیں مسلمانوں کے غلام بنا لیے جائیں گے' وہ ان سے خدمت لے سکیں گے' ان سے نفع اٹھا سکیں گے' ان کی خرید و فروخت کر سکیں گے اور ان میں تصرف کر سکیں گے' نیز جن لوگوں کو مسلمان جنگی قیدی بنا لیں وہ بھی اسی طرح ان کے غلام بن جاتے ہیں اور مسلمان حکمران کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو قیدیوں کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو انہیں آزاد کر دے' اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو انہیں آزاد کر دے اور اگر چاہے تو انہیں غلام اور مال غنیمت قرار دے دے' اور اگر مصلحت قتل کرنے میں ہو تو انہیں قتل بھی کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان سے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ بھی کر سکتا ہے یعنی جب کفار کے پاس مسلمان قیدی ہوں تو وہ ان کے تبادلہ میں کافر قیدیوں کو رہا بھی کر سکتا ہے یا کافر قیدیوں کو آزاد کرنے کے لیے ان سے فدیہ بھی لے سکتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن کیا تھا۔

بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس قیدی تھے' ان میں سے بعض کو آپ نے قتل کرا دیا اور بعض کو فدیہ لے کر رہا کر دیا تھا' چنانچہ ان قیدیوں میں سے آپ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو جنگ کے خاتمہ کے بعد قتل کروا دیا اور باقی قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکوں سے ان کا فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیں اور ان میں سے بعض قیدیوں کو نبی ﷺ نے معاف فرما دیا تھا۔ بوقت مصلحت مسلمان حکمران کے لیے قیدیوں کو معاف کرنا یا انہیں غلام بنانا یا فدیہ لے کر رہا کرنا جائز ہے۔

یہ ہیں وہ غلام گردنیں' مسلمان' دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد جن کے مالک بنے ہوتے ہیں' یہ مسلمانوں کے غلام ہوتے ہیں' غلام کے مالک کو بھی یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو اس سے اپنے کاموں میں خدمت لے' اور اگر چاہے تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے' اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اسے آزاد کر دے' یہ ایک نفل ہو گا یا اسے کفارہ قتل' یا رمضان میں دن کے وقت مباشرت کر لینے کے کفارے' یا کفارۂ ظہار یا کفارۂ قسم کے طور پر آزاد کر دے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ، أَعْتَقَ امْرَءًا مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ»(صحيح البخاري، كفارات الإيمان، باب قول الله تعالي "أو تحريرا رقبة"، ... الخ، ح:٦٧١٥ وصحيح مسلم، العتق، باب فضل العتق، ح:١٥٠٩ واللفظ له)

''جو مسلمان کسی مسلمان کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اس کے ایک ایک عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔''

——— شیخ ابن باز ———

قسموں سے (قتل کا) فیصلہ

کیا قسامہ کی قسمیں وارث کھائیں گے؟

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ، وَبَعْدُ:

کبار علماء کی کونسل نے اپنے آٹھویں اجلاس میں۔ جو ماہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ کے نصف اول میں شہر ریاض میں منعقد ہوا۔ قسامہ کی بحث پر غور کیا کیونکہ ساتویں اجلاس میں کونسل نے اس بحث کو مؤخر کر دیا تھا کہ کیا وارث قسامہ کی قسمیں اٹھائیں گے یا یہ قسمیں عصبہ ہی کو کھانا پڑیں گی خواہ وہ وارث نہ بھی ہوں مگر مذکر' بالغ اور عاقل ہوں؟

کونسل نے اس موضوع پر تیار کی گئی تحقیقی بحث' اہل علم کے اقوال' دلائل' ان کے مناقشہ اور تبادلۂ افکار و آراء کے بعد کثرت رائے سے یہ طے کیا کہ وارثوں میں سے جو حلف اٹھائیں گے وہ مرد' بالغ اور عاقل ہوں گے خواہ وہ ایک ہی ہو اور خواہ وہ عصبہ ہو یا نہ ہو' کیونکہ صحیحین میں سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہودیوں نے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ' محیصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

«أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟» (صحيح البخاري، الجزية، باب الموادعة والمصالحة مع المشركين ... الخ، ح:٣١٧٣ وصحيح مسلم، القسامة، باب القسامة، ح:١٦٦٩ وسنن أبي داود، الديات، باب القسامة، ح:٤٥٢١ واللفظ لمسلم)

''کیا تم قسمیں اٹھاتے ہو تاکہ اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بن جاؤ؟''

انہوں نے عرض کیا' جی نہیں! ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْكُمْ»(سنن أبي داود، الديات، باب القسامة، ح:٤٥٢٠)

''تم میں سے پچاس مرد قسمیں کھائیں۔''

اور پھر یہ اس لیے بھی کہ یہ دعویٰ حق میں قسم ہے تو دیگر قسموں کی طرح یہ بھی غیر دعوے داروں کے حق میں مشروع نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

———— کونسل رائے کبار علماء ————

٢٠

كتاب الحدود

حد زنا (بدکاری کی حد)

رجم کرنے والے کے لیے کوئی شرط نہیں

سوال عرب جمہوریہ یمن کے شہر "تعز" کی ایک شرعی عدالت نے ایک عورت کو زنا کی وجہ سے رجم کی سزا سنائی' لیکن بعض رجم کرنے میں متردد تھے کیونکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ رجم وہ کرے جو خود گناہ گار نہ ہو' چنانچہ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی باتیں کی گئی تھیں' لہٰذا درخواست ہے کہ آپ رہنمائی فرمائیں' جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب مجھے اس بات سے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ تعز کی عدالت نے شادی شدہ زانیہ (بدکار) عورت کو رجم کی سزا سنائی ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی وہ حد قائم کی گئی ہے' جسے اکثر اسلامی ملکوں نے معطل کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عدالت کو جزائے خیر سے نوازے اور حکومت یمن اور دیگر تمام اسلامی حکومتوں کو یہ توفیق بخشے کہ وہ بندگان الٰہی کے حدود اور غیر حدود' میں تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق کریں' کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے ہی میں ان کے تمام امور کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی کا راز مضمر ہے' مسلمانوں کو اس امر میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

جو شخص کسی شادی شدہ زانی کے رجم میں شرکت کرے' اسے اجر و ثواب ملے گا' اگر رجم کے بارے میں شرعی حکم صادر ہو جائے تو پھر کسی کو اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ماعز اسلمی' دو یہودیوں اور غامدیہ وغیرہ کے رجم کا حکم دیا تو انہوں نے فی الفور اس پر عمل کر دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ حدود اور غیر حدود تمام امور میں مسلمانوں کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رجم میں شرکت کرنے والے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ خود معصوم اور گناہوں سے پاک ہو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط عائد نہیں کی تھی اور کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی شرط عائد کرے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود نہ ہو۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا زانی کے زانیہ سے شادی کر لینے سے حد معاف ہو جاتی ہے

سوال کیا زانی کی اس زانیہ سے شادی' جس سے اس نے زنا کیا ہو' ان کے گناہوں کا کفارہ شمار ہو گی؟ کیا شادی کر لینے سے حد معاف ہو جائے گی؟

جواب زانی کے زانیہ سے شادی کفارہ شمار نہیں ہو گی کیونکہ زنا کا کفارہ دو ہی باتیں ہیں کہ یا تو اس پر حد قائم کی جائے' جب کہ بات حاکم وقت کے پاس پہنچ گئی ہو یا وہ اس جرم (زنا) سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اپنے عمل کی اصلاح کرے اور فتنہ و فحاشی کے مقامات سے دور رہے۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو اس زانی مرد و عورت کی آپس میں شادی حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾ ﴾ (النور ٢٤/٣)

''بدکار مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ عورت کے کسی (پاک باز عورت) سے نکاح نہیں کر سکتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ (بدکار عورت سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ہے۔''

ہاں البتہ اگر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالص توبہ کر لیں' جو کچھ ہوا' اس پر ندامت کا اظہار کریں اور نیک عمل کریں تو پھر آپس میں شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں' جس طرح دوسرے مرد کے لیے اس عورت سے شادی کرنا جائز ہو گا اسی طرح اس کے لیے بھی اس صورت میں جائز ہو گا۔ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد اپنی ماں کی طرف منسوب ہو گی' یہ اپنے باپ کی طرف منسوب نہیں ہوتی' کیونکہ نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»(صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، ح:٦٨١٨ وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش . . . الخ، ح:١٤٥٨)

''بچہ صاحب بستر کے لیے اور زانی کے لیے پتھر ہے''

''عاہر'' کے معنی زانی کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہو گا خواہ وہ توبہ کے بعد اس عورت سے شادی بھی کر لے کیونکہ شادی سے پہلے زنا کے پانی سے پیدا ہونے والا بچہ اس کا نہیں ہو گا اور نہ وہ اس کا وارث ہو گا خواہ وہ یہ دعویٰ ہی کیوں نہ کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے' کیونکہ یہ اس کا شرعی بیٹا نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

توبہ کافی ہے

ادارات بحوث علمیہ و افتاء کے رئیس عام کو حسب ذیل سوال موصول ہوا:

سوال میں شادی شدہ ہوں' میری بیوی لبنان میں ہے لیکن میں روزی کمانے اور بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں برازیل میں مقیم ہوں اور یہاں میں نے جرم زنا کا ارتکاب کر لیا ہے مگر اب میں نادم ہوں اور میں نے توبہ کر لی ہے تو کیا یہ توبہ ہی کافی ہے یا اس کے ساتھ حد بھی ضروری ہے۔ فتویٰ عطا فرمائیں؟ رحمکم اللہ۔

جواب بے شک زنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عورتوں کی بے پردگی' مردوں کا اجنبی عورتوں سے اختلاط' اخلاقی بے راہ روی اور ماحول کی عام خرابی بدکاری کے اسباب ہیں' اگر آپ نے بیوی سے دور ہونے اور اہل شر و فساد کے ساتھ اختلاط کے سبب زنا کر لیا ہے اور اب اپنے اس جرم پر نادم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کر لی ہے تو ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ کو قبول فرما کر اس گناہ کو بخش دے گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨-٧٠)

''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے

اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا' قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب عورتوں نے نبی اکرم ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے فرمایا تھا:

«فَمَنْ وَفٰی مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ»

(صحيح البخاري، التفسير، سورة الممتحنة، باب إذا جاءك المؤمنات . . . الخ، ح:٤٨٩٤ وصحيح مسلم، الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها، ح:١٧٠٩)

"تم میں سے جو اس بیعت کو پورا کرے گا' اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جس نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اسے سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی اور جس نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ وہ اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرما دے۔"

لیکن آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس خراب ماحول سے جو آپ کو گناہوں پر آمادہ کرتا ہے' ہجرت کر جائیں اور طلب معیشت کے لیے کسی اور ملک میں چلے جائیں جو نسبتاً کم خراب ہو تاکہ آپ اپنے دین کی حفاظت کر سکیں' اللہ تعالیٰ کی زمین بے حد کشادہ ہے' ایسا نہیں ہو سکتا کہ رزق کمانے کے لیے بندے کو کوئی اور جگہ ہی نہ ملے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی تعالیٰ سے ڈرے گا' تو وہ (اللہ) اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (اسے وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

زانی کے لیے اس کی بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال جب کوئی شادی شدہ مرد زنا کا ارتکاب کرے تو کیا اس سے اس کی بیوی اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے اور اسی طرح اگر کوئی شادی شدہ عورت زنا کا ارتکاب کرے تو کیا اس کا شوہر اس کے لیے حرام ہو جاتا ہے؟

جواب ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے لیے حرام نہیں ہوتا' ہاں البتہ ان سب کو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے اور ایمان صادق اور عمل صالح کا ثبوت دینا چاہیے۔ سچی توبہ اس وقت ہوتی ہے جب توبہ کرنے والا گناہ کو ترک کر دے' ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرے اور عزم صادق کرے کہ وہ آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہیں کرے گا اور وہ یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کے خوف' اس کی تعظیم' اس سے ثواب کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴾ (طہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھی راہ پر چلے اس کے گناہوں کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحریم ۶۶/ ۸)

"مومنو! اللہ کے آگے صاف خالص دل سے توبہ کرو۔"

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۱)

"اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

زنا بہت بڑا حرام کام اور بے حد کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں' ناحق قتل کرنے والوں اور زنا کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہیں قیامت کے دن دوگنا عذاب ہو گا اور وہ ان جرائم کی سنگینی اور ان افعال کی قباحت کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہیں گے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸۔۷۰)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بہت بڑی برائی و بے حیائی سے اجتناب کرے بلکہ اس سے بچنے کے لیے اس کے اسباب ووسائل کے قریب بھی نہ پھٹکے اور ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر سچی توبہ کرے۔ سچی توبہ کرنے والوں کی توبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

نشہ باز زانی پر حد قائم کی جائے گی

سوال ایک شخص نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کی بہن سے بدکاری کی' اس کی شرعی سزا کیا ہے؟ کیا اس لڑکی کا اس پر کوئی حق ہے؟ میں نے اس لڑکی سے شادی کی ہے' مجھے کیا کرنا چاہیے اس لڑکی (میری بیوی) نے اس واقعہ کے تین ماہ بعد

مجھے بتایا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ یہ خود بے گناہ ہے؟

جواب اس شخص کی جس نے اپنی سالی سے نشہ کی حالت میں بدکاری کی' سزا یہ ہے کہ اس پر بھی وہی حد قائم کی جائے جو صحیح سالم زانی کی حد ہے' امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں مشہور قول یہی ہے۔ اگر اس شخص نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی جب کہ یہ خود شادی شدہ تھا اور یہ دونوں بالغ' عاقل اور آزاد تھے تو پھر واجب ہے کہ اسے پتھر مار مار کر مار دیا جائے' کیونکہ شادی شدہ زانی کی یہی سزا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس مزدور کے قصہ میں مذکور ہے جس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کر لیا تھا جس نے اسے مزدوری پر رکھا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اس عورت کو بھی سنگسار کر دیا جائے۔ نیز صحیحین ہی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الإِعْتِرَافُ»(صحيح البخاري، الحدود، باب رجم الحبلى في الزنا إذا احصنت، ح: ٦٨٣٠ وسنن أبي داود، الحدود، باب في الرجم، ح: ٤٤١٨)

"رجم حق ہے' کتاب اللہ میں اس کا ذکر ہے اور یہ ان مردوں اور عورتوں کی سزا ہے جو شادی شدہ ہو کر زنا کریں بشرطیکہ گواہی' حمل یا اعتراف سے جرم زنا ثابت ہو جائے۔"

جس لڑکی سے بدکاری کی گئی ہے' اس کا حق حاکم شرعی کی صوابدید کے مطابق اسے دلایا جائے گا۔

یہ شخص جس نے اس لڑکی سے شادی کی اور پھر تین ماہ کے بعد اس واقعہ کے بارے میں اسے بتایا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ عورت بے گناہ ہے' اگر یہ اپنی بیوی میں نیکی اور استقامت دیکھے تو اسے اپنے پاس رکھے اور اس سے جو زبردستی بدکاری کی گئی' یہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو گی کیونکہ یہ اس کے اختیار کے بغیر کی گئی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

زانی کی نماز

سوال کیا زانی کی نماز باطل ہو جاتی ہے' یاد رہے مالی حالات کی وجہ سے میں شادی نہیں کر سکتا؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلزِّنَىٰٓ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ فَـٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣٢)

"اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

تمام امت کا اجماع ہے کہ زنا فواحش اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو کہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کامیاب مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ﴿٥﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔"

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ حرام کام سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے' بلکہ یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی نظر نیچی رکھے

اور فحاشی کے اسباب ووسائل' مثلاً فتیح اور عریاں فلموں کو دیکھنے سے بھی اجتناب کرے' نیز حلال شادی کے ذریعے عفت و پاکدامنی کے حصول کی کوشش کرے' کیونکہ شادی سے نظر نیچی ہو جاتی اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جسے شادی کرنے کی طاقت نہ ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ روزہ جنسی خواہش کو کچل دیتا ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اگر کوئی گم راہ ہو کر زنا کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے فوراً توبہ و ندامت کا اظہار کرنا چاہیے' لیکن یاد رہے زنا سے نماز اور دیگر اعمال صالحہ باطل نہیں ہوتے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

لواطت اور اس کی سزا

سوال اسلام میں لواطت کے بارے میں کیا حکم ہے نیز اس کی سزا کیا ہے؟

جواب لواطت بدترین قسم کی فحاشی ہے والعیاذ باللہ (اس سے اللہ کی پناہ)! اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے قوم لوط کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور انہیں دنیا میں زبردست سزا دی اور وہ یہ کہ ان کے گھروں کو الٹ کر تہہ و بالا کر دیا اور اوپر سے ان پر پے در پے پتھر برسائے جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان رکھے ہوئے تھے' اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

لواطت کی سزا کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ وارد ہے کہ جو شخص یہ کام کرے یا جس کے ساتھ کیا جائے دونوں کو قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے' یا رجم کر دیا جائے' یا کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے اور پھر پتھروں سے مار دیا جائے' کیونکہ اس میں بے حد اخلاقی خرابی بھی ہے اور یہ فطرت کے خلاف بھی ہے' یہ کام کرنے والے شرعی شادی سے روگردانی کرتے ہیں اور مفعول بہ عورت سے بھی کم تر حالت اختیار کر لیتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عمل قوم لوط کی خرابی

سوال دین میں لواطت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اس سے عرش الٰہی بھی کانپ اٹھتا ہے؟ امید ہے آپ اس سوال کا مکمل اور دلائل سے مدلل جواب عطا فرمائیں گے تاکہ میں اور دوسرے لوگ بھی اس فعل سے باز آجائیں۔ وجزاکم اللہ کل خیر۔

جواب لواطت یعنی مردوں سے جنسی عمل کرنا یا عورتوں کی دبر میں جنسی عمل کرنا' یہ وہ گناہ ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کیا کرتی تھی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَتَأْتُونَ ٱلذُّكْرَانَ مِنَ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٦٥﴾ ﴾ (الشعراء٢٦/ ١٦٥)

"کیا تم اہل جہاں میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟"

﴿ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النمل٢٧/ ٥٥)

"کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت (حاصل کرنے) کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس فعل کی سخت ترین سزا دی' ان کے گھروں کو الٹ دیا اور آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی

جیسا کہ فرمایا ہے:

﴿ جَعَلْنَا عَٰلِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۸۲-۸۳)

''ہم نے اس (بستی) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر تہ بہ تہ دار کھنگر یلے پتھر برسائے جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔''

تو جو شخص بھی اس جرم کا ارتکاب کرے' اسے یہی سزا ملنی چاہیے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ فتویٰ بھی دیا تھا کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے اور بعض نے یہ فتویٰ دیا کہ اسے کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے اور پھر پتھروں سے رجم کر دیا جائے۔ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے:

«مَنْ وَجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ» (سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، ح:٤٤٦٢ وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، ح:١٤٥٦)

''جسے تم عمل قوم لوط کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ (یہ کام کرنے اور کرانے والے دونوں) کو قتل کر دو۔''

سائل کو اس موضوع پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''الجواب الکافی'' کا مطالعہ کرنا چاہیے' انہوں نے اس جرم کی قباحت کے بارے میں اس میں بہت کچھ ذکر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

جانور وغیرہ سے جنسی عمل کی سزا

سوال کیا اس بکری پر بھی حد قائم کی جائے گی' جس سے کسی انسان نے جنسی عمل کیا ہو؟

جواب اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ حلال قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی اور باندی سے لطف اندوز ہو اور انہیں سے اپنی جنسی تسکین کا سامان فراہم کرے' ہاں البتہ حالت حیض وغیرہ میں ان سے بھی جنسی عمل حرام ہے۔ بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور سے جنسی عمل کو حرام اور حدود سے تجاوز قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ﴿٧﴾ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵-۷)

''اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بکری اور دیگر حیوانات وغیرہ کے ساتھ جنسی عمل حرام اور حدود الٰہی سے تجاوز ہے' لیکن اس سے اس طرح حد واجب نہیں ہوتی جس طرح عورت سے زنا کرنے سے حد واجب ہوتی ہے بلکہ اس سے صرف تعزیر واجب ہوگی جو حاکم وقت کی صوابدید کے مطابق ہوگی۔

بکری وغیرہ پر کوئی حد یا تعزیر نہیں ہے کیونکہ وہ احکام شریعت کی مکلف نہیں ہے' لیکن اسے علاقے میں نظروں سے دور کر دینا چاہیے' جہاں اس کے ساتھ جرم کیا گیا ہو یا تو اسے فروخت کر کے دور کر دیا جائے یا ذبح کر کے اس کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا جائے تاکہ یہ جرم بھلا دیا جائے اور لوگ اس موضوع پر گفتگو کرنے سے رک جائیں۔ جانور کے بارے میں اسے حد یا تعزیر سے تعبیر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے مالک ہی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے ذبح کرے یا بیچ دے کسی اور کو اس پر زیادتی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے بھی یہ روایت کیا گیا ہے کہ جس جانور کے ساتھ وطی کی گئی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے' لہٰذا جانور اگر ماکول اللحم مثلاً بکری وغیرہ ہو تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے ذبح کر دیا جائے تاکہ اس حدیث پر عمل ہو سکے اور اس بات کو بھی فراموش کر دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

منشیات کی سزائیں اور احکام

مسلمان کو شراب سے دور رہنا چاہیے

سوال ایک انسان جو شراب پیتا تھا اس نے اسے ترک کر دینے اور توبہ کرنے کا ارادہ کیا اور حج کرنے اور توبہ کرنے کے ارادے سے وہ اپنی گاڑی کے ذریعے اردن سے مکہ مکرمہ آیا' راستہ میں اس کا نفس بہک گیا اور اس نے شراب پی لی کہ یہ آخری بار ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شراب نوشی کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝٩١ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحْذَرُواْ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ۝٩٢﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩٢)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام' اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ اور اللہ کی فرماں برداری اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کو کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»(صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر ... الخ، ح:٢٠٠٣)

"ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"

تمام مسلمانوں کا شراب کی حرمت پر اجماع ہے۔ علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ جو شخص شراب کی حرمت کا منکر ہو وہ کافر اور مرتد ہے' ہاں البتہ اگر وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو اور اسے شراب کی حرمت کا علم نہ ہو تو اسے بتایا جائے گا اور اگر وہ اس کی حرمت کا انکار کر دے تو وہ مرتد ہو گا' لہٰذا ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ شراب کے بیچنے' خریدنے' اٹھانے' کھانے اور پینے وغیرہ سے دور رہے۔

جو شخص بھی انسان کے بدن اور عقل نیز معاشرے پر شراب کے بدترین اثرات کو دیکھے گا تو اس کے سامنے اس کی حرمت کی' حکمت واضح ہو جائے گی لہٰذا حکمت و عقل کا بھی تقاضا ہے کہ شراب حرام ہونی چاہیے جیسا کہ شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ سائل جس نے حج کے راستہ میں آخری بار شراب پی' اگر اس کی توبہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

شیخ ابن عثیمین

شرابی کے بارے میں اطلاع دینا

سوال اگر کوئی رشتہ دار یا دوست کسی فعل حرام مثلاً شراب نوشی کا ارتکاب کرتا ہو اور میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہو اور وہ باز نہ آئے تو کیا اس کے بارے میں اطلاع دینا جائز ہے یا اسے اس کی رسوائی قرار دیا جائے گا مگر حق بات سے خاموش رہنے والا بھی تو گونگا شیطان ہے؟

جواب مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کو کسی فعل حرام کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو اسے نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ارتکاب سے ڈرائے اور گناہوں کی سزا اور دل' نفس' اعضاء' فرد اور معاشرے پر ان کے بدترین نتائج سے آگاہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بار بار سمجھانے سے وہ باز آجائے اور توبہ کر لے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اسے اس سے باز رکھنے کے لیے جو سب سے موزوں راستہ ہو اسے اختیار کرے خواہ اس کے لیے حکام کو اطلاع دینا پڑے یا کسی اور ایسی شخصیت کو جس کی اس کی نظر میں اس سمجھانے والے سے زیادہ عزت ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ ناصح کو وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو سب سے زیادہ موزوں ہو تاکہ مقصود حاصل ہو جائے خواہ حکام تک بات پہنچانے کی نوبت آجائے کہ وہ اسے سمجھائیں۔

شیخ ابن عثیمین

ادویات میں الکحل کا استعمال

سوال بعض ادویات کے بنانے اور جڑی بوٹیوں کے مرکبات میں الکحل بھی شامل کیا جاتا ہے لہٰذا اگر یہ معلوم ہو کہ کسی دوا میں الکحل ڈالا گیا ہے تو کیا اسے استعمال کرنا جائز ہے' خواہ وہ کسی مرض کے علاج کے لیے استعمال کی جا رہی ہو؟

جواب اگر الکحل بہت معمولی مقدار میں ہو جو کہ دوا ہی میں گھل مل گئی ہو اور دوا کی حفاظت کے لیے ضروری ہو تو اس دوا کا استعمال کرنا جائز ہے اور اگر الکحل کی مقدار زیادہ ہو اور وہ دوا کے لیے ضروری بھی نہ ہو تو پھر اس کا استعمال جائز نہیں خواہ علاج ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شراب میں شفا نہیں ہے

سوال اس انسان کے متعلق کیا حکم ہے جو مرنے کے قریب ہو اور شراب کے بغیر اس کے علاج کی کوئی اور صورت نہ ہو؟

جواب علاج معالجہ کی شرعاً اجازت ہے لیکن علاج صرف انہیں اشیاء سے ہو گا جن کے استعمال کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت دی ہے اور صرف انہیں اشیاء کے استعمال سے شفاء ممکن ہے کیونکہ جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' ان میں کوئی شفا نہیں ہے۔ حرام اشیاء سے علاج کی حرمت پر عموماً اور شراب سے علاج کی حرمت پر خصوصاً وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح بخاری" میں تعلیقاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب شراب الحلوء والعسل في ترجمة الباب قبل ح:٥٦١٤ معلقًا عن ابن مسعود، والمعجم الكبير للطبراني:٩/ ٣٤٥، ح:٩٧١٤، ٩٧١٧ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بالمسكر:١٠/ ٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں تمہارے لیے کوئی شفا نہیں رکھی جن کو تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔"

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ایک ایسی سند کے ساتھ موصول بھی بیان کیا ہے جس کے رجال صحیح کے رجال ہیں' اس حدیث کو امام احمد' ابن حبان۔ بزار ابو یعلیٰ اور طبرانی رحمہم اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔ مسند ابو یعلیٰ میں یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام ابو داود رحمہ اللہ نے سنن میں حضرت ابو الدرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٧٤ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بما يكون حراما ... الخ:١٠/ ٥)

"بلا شبہ اللہ نے بیماری اور دوا کو نازل کیا ہے اور ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی دوا بھی مقرر کی ہے لہٰذا دوائی استعمال کرو مگر حرام اشیاء کو بطور دوائی استعمال نہ کرو۔"

صحیح مسلم میں طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں اس سے منع فرما دیا اور اس کے بنانے کو بھی مکروہ قرار دیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو اسے دوائی کے لیے بناتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دوا نہیں بلکہ یہ تو خود بیماری ہے۔

یہاں اس جانب توجہ مبذول کروانا بھی مناسب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا بھی حکم دیا ہے وہ یا تو محض مصلحت پر مبنی ہے یا اس میں خرابی کے بجائے درستی کا پہلو راجح ہوتا ہے اور جس چیز سے بھی اس نے منع فرمایا ہے وہ یا تو محض خرابی پر مبنی ہے یا اس میں درستی کی نسبت خرابی کا پہلو راجح ہوتا ہے کیونکہ وہ ذات گرامی حکیم و علیم ہے' لہٰذا یہ تصور ایک محض وہم ہے کہ اس مریض کو صرف شراب پینے سے شفا حاصل ہو گی کیونکہ دینی و طبعی دوائیں تو بہت سی ہیں پھر بات یہ

ہے کہ دوا تو مریض کو شفا نہیں دیتی بلکہ دوا کے استعمال سے شفا تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ شرعاً یہ بات مطلوب ہے کہ اسباب شرعیہ کو استعمال کیا جائے اور اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر کیا جائے کیونکہ محض اسباب پر کلی اعتماد کرنا شرک ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شراب سے علاج

سوال کیا کسی مومن کے لیے یہ جائز ہے کہ بعض تکالیف کے علاج کے لیے وہ شراب پیے؟

جواب شراب حرام ہے اسے بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اے بندگان الٰہی! علاج کرو لیکن حرام اشیاء کے ساتھ علاج نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے ان اشیاء میں شفا نہیں رکھی، جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے۔" [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

شرابی کی عبادت

سوال جو شخص ہمیشہ شراب پیتا اور زنا کرتا ہو، کیا اس کی نماز اور عبادت صحیح ہے؟

جواب جو شخص شراب پیے، زنا کرے یا دیگر معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کرے اور ان کو حلال سمجھے تو وہ کافر ہے اور کفر کی موجودگی میں کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا اور جو شخص کسی معصیت کا ارتکاب کرے اور وہ اسے حرام بھی سمجھے لیکن نفسانی خواہش کے غلبہ کی وجہ سے اس کا ارتکاب کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے بچالے گا تو وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن مگر گناہ کی وجہ سے فاسق ہوگا۔ ہر بندے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جب کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو عزم کرے کہ وہ آئندہ اس کا ارتکاب نہیں کرے گا، ماضی میں جو کچھ ہوا، اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو مذاق نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جو پردہ پوشی فرمائی یا اسے مہلت دی ہے تو اس سے فریب خوردہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک گناہ کی وجہ سے ابلیس کو اپنی رحمت سے خارج کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود قرار دے کر شیطان بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور صرف ایک ہی نافرمانی (گناہ) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا تھا لیکن انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز کر انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما دی، لہٰذا کسی بھی انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک دھوکے باز اور مکار کا معاملہ رکھے بلکہ ضروری ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا ہے، اسے بجالائے اور جس سے اس نے منع فرمایا ہے، رک جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

---

[1] دیکھیے: سنن ابی داود، الطب، باب فی الادویۃ المکروھۃ، حدیث: ۳۸۷۴ و جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی الدواء والحث علیہ، حدیث: ۲۰۳۸ والبیہقی فی السنن الکبریٰ، الضحایا، باب النھی عن التداوی بالمسکر، ۱۰/۵۔

شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا

سوال ایک مسلمان کے لیے ایسی فیکٹریوں میں کام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جن میں صرف شراب اور نشہ آور اشیاء تیار کی جاتی ہوں؟

جواب شراب اور دیگر تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں' ان کے لیے فیکٹریاں بنانا اور ان میں کام کرنا بھی حرام ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَعَنَ الْخَمْرَ وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَسَاقِيَهَا وَمُسْتَقِيَهَا»(مجمع الزوائد: ٥/ ٧٣ ومسند أحمد: ١/ ٣١٦ والطبراني في الكبير: ١٢/ ٢٣٣ وسنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، ح: ٣٦٧٤ والحاكم في المستدرك، البيوع: ٢٢٣٤ واللفظ لأحمد)

"میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! بلاشبہ اللہ عز و جل نے شراب' اسکے نچوڑنے والے اور جس کے لیے نچوڑی گئی پینے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھائی گئی ہو' اس کے بیچنے والے' خریدنے والے' پلانے والے اور اس کے پینے والے (سب) پر لعنت فرمائی ہے۔"

لہٰذا اس شخص کے لیے اس حدیث کے پیش نظر شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی فیکٹری میں کام کرنے والا بھی ملعون ہے اور پھر اس لیے بھی کہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

حکم شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس نے اس فیکٹری میں پہلے جو کام کیا وہ معاف ہے' جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾﴾ (الإسراء١٧/ ١٥)

"اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں' عذاب نہیں دیا کرتے۔"

کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی اور وہ اسے امت تک پہنچا دیتا ہے اور بندہ اسی وقت مکلف ہوتا ہے جب اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ جائے۔

منشیات کے سمگلروں کے لیے سزائے موت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى أَشْرَفِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَبَعْدُ:

کونسل برائے کبار علماء نے اپنے انتیسویں اجلاس میں' جو ریاض میں ۱۴۰۷ھ میں ۹ سے ۲۰ جمادی الثانی تک منعقد ہوا'

خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کے ٹیلی گرام نمبر س۔ ۸۰۳۴ مورخہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ پر، غور کیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ "منشیات کے چونکہ بے حد خطرناک نتائج ہیں اور ہم نے محسوس کیا ہے کہ ان آخری ایام میں یہ بہت کثرت سے پھیلتی جا رہی ہیں، لہٰذا مصلحت عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں منشیات پھیلانے والے لوگوں کو سخت سزا دی جائے خواہ وہ ان کی سمگلنگ کریں یا ان کو رائج کریں، لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ اس مسئلہ کو جلد کونسل کبار علماء میں پیش کیا جائے اور کونسل اس مسئلہ سے متعلق اپنی سفارش پیش کرے۔"

کونسل نے اپنے ایک سے زیادہ اجلاسوں میں اس موضوع پر غور کر کے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا، مناقشہ، تبادلہ افکار و آراء سے اس خبیث اور مہلک وبا کے پھیلنے کے نتائج پر غور کیا جو اس کی سمگلنگ، تجارت، ترویج اور استعمال کی صورت میں برآمد ہو رہے ہیں۔ منشیات استعمال کرنے والے انسانوں پر ان کے انتہائی بدترین اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ان کے استعمال کے نتیجہ میں بدترین جرائم، گاڑیوں کے حادثات اور طرح طرح کے اوہام و خرافات میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ مجرموں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آ رہا ہے جس کی گھٹی میں ظلم اور جس کی طبیعت ہی میں بدخلقی اور بد اخلاقی اور قابل احترام چیزوں کی بے حرمتی رچی بسی ہوئی ہوتی ہے، جو ہر قسم کے قانون کی خلاف ورزی کر کے انتشار و خلفشار پیدا کر رہا ہے، کیونکہ منشیات استعمال کرنے والوں میں غرور و تکبر اور ہیجان کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ ہر چیز پر قادر ہیں، نیز ان میں ایسے اوہام و افکار پیدا ہوتے ہیں جو انہیں ارتکاب جرائم پر مجبور کرتے ہیں منشیات کا استعمال صحت عامہ کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور اس سے عقل میں خلل پیدا ہو کر جنون تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام خرابیوں اور بیماریوں سے ہمیں عافیت و سلامتی میں رکھے، چنانچہ منشیات کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد کونسل نے بالاجماع یہ طے کیا ہے:

اولاً: منشیات کے سمگلر کی سزا قتل ہے کیونکہ منشیات اسمگل کر کے یہاں لانے اور اسے پھیلا دینے میں فساد عظیم ہے جو صرف اسمگلر کی ذات کی حد تک نہیں بلکہ اس کے زبردست نقصانات اور بے حد خوفناک خطرات سے ساری امت متاثر ہوتی ہے۔ جو شخص منشیات کی درآمد کرے اس کے لیے بھی وہی سزا ہو گی جو اسمگلر کی ہو گی یا جو شخص بھی انہیں باہر سے حاصل کر کے استعمال کرنے والوں کے لیے اپنے پاس جمع کر کے رکھے گا، اس کی بھی یہی سزا ہو گی۔

ثانیاً: منشیات کو رائج کرنے والے کے بارے میں جو قرار داد نمبر ۸۵ مورخہ ۱۱ ذوالقعدۃ ۱۴۰۱ھ کو پاس ہوئی تھی، وہ کافی ہے اور اس کا متن حسب ذیل ہے:

دوم: جو ان کو رائج کرے خواہ خود تیار کرے، یا درآمد کرے، خرید و فروخت کرے، یا کسی کو تحفہ دے، یا کسی بھی اور طریقے سے انہیں پھیلائے، اور اگر وہ پہلی مرتبہ اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے قید یا کوڑوں یا مالی جرمانے کی سزا ہو گی یا اگر عدالت سمجھے تو بیک وقت یہ سب سزائیں دی جائیں گی، اور اگر وہ اس جرم کا بار بار ارتکاب کرے تو پھر اسے ایسی عبرت ناک سزا دی جائے، جس سے معاشرہ اس کے شر سے پاک ہو جائے خواہ یہ سزا قتل کی صورت میں ہو، کیونکہ اپنے اس فعل کی وجہ سے وہ "مفسدین فی الارض" زمین میں فساد مچانے والے ڈاکوؤں میں شمار ہوتا ہے اور ان میں سے جو لوگوں کے دلوں میں جرائم کے بیج بوتے ہیں۔ محققین اہل علم نے قتل کو بھی تعزیری سزا ہی کی ایک صورت قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"زمین سے جس کا فساد قتل کے بغیر دور نہ ہوتا ہو تو اسے قتل کیا جائے' مثلاً جس طرح وہ شخص ہے جو مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنے والا اور دین میں بدعات کا داعی ہو۔"

جیسے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کے قتل کا حکم دے دیا تھا جس نے جان بوجھ کر (عمداً) آپ کی طرف ایک جھوٹی بات منسوب کی تھی اور ابن الدیلمی نے جب آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا' جو شراب نوشی سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جو اس سے باز نہ آئے اسے قتل کر دو۔"

ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک دوسری جگہ تعزیری سزا کے طور پر قتل کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مفسد حملہ کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور اگر حملہ آور کو قتل کے بغیر روکنا ممکن نہ ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔"

ثالثاً: کونسل کی رائے یہ ہے کہ فقرہ نمبرا اور نمبر۲ میں مذکور سزائیں دینے سے قبل یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی عدالتوں اور سپریم کورٹ میں ضروری شہادتوں وغیرہ کی روشنی میں جرم ثابت ہو چکا ہو' تاکہ ذمہ داری پوری ہو سکے اور انسانی جانوں کے بارے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

رابعاً: یہ بھی ازبس ضروری ہے کہ ان سزاؤں کے نفاذ سے پہلے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ان کا اعلان کر دیا جائے تاکہ کوئی ناواقفیت کا عذر پیش نہ کر سکے اور لوگوں کو ڈرایا بھی جا سکے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم۔

——— کونسل برائے کبار علماء ———

مرتد کا حکم

مرتد توبہ کرے تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی

سوال کیا مرتد پر حد قائم کرنا ضروری ہے' یعنی اگر کسی مسلمان نے ماضی میں کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہو جس سے ارتداد لازم آتا ہو لیکن پھر اس نے توبہ کر کے اس سے رجوع کر لیا ہو تو کیا اس ارتداد کی وجہ سے اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے لیکن یاد رہے اس نے ارتداد کا ارتکاب ایک ایسے ملک میں کیا ہے جہاں نفاذ شریعت نہیں ہے یا پھر ارتداد کے گناہ کو مٹانے کے لیے توبہ ہی کافی ہے اور اقامت حد ضروری نہیں ہے؟

جواب جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر توبہ و ندامت کے ساتھ رجوع کرے تو پھر حد قائم کرنا جائز نہیں کیونکہ حد تو اس پر قائم کی جاتی ہے جو ارتداد پر اصرار کرے اور جو توبہ کرے تو توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں' جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو شخص دین کو گالی دینے پر اصرار کرے اس کی سزا قتل ہے

سوال جو دین اور اللہ کو گالی دے اس کے بارے میں کیا حکم ہے' اس کا کیا کفارہ ہے' یاد رہے یہ شخص شادی شدہ ہے

تو کیا اس سے اس کی بیوی حرام ہو جائے گی یا اسے طلاق ہو جائے گی؟

جواب بے شک یہ اسلام سے ارتداد اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے' اس کا فاعل قتل کا مستحق ہے الا یہ کہ توبہ کرے' اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی' رشتہ داروں سے تعلق منقطع ہو جائے گا' وہ نہ اس کے وارث ہوں گے اور نہ یہ ان کا وارث ہو گا' لیکن اگر یہ توبہ کر لے' ندامت کا اظہار کرے' استغفار کرے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا اور وہ بیوی سے رجوع کر سکے گا بشرطیکہ وہ عدت سے خارج نہ ہو گئی ہو اور اگر وہ عدت سے خارج ہو گئی ہو تو پھر وہ خود مختار ہو گی اور اس کی رضامندی کے بغیر وہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہ ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

٢١

كتاب الأطعمة

حلال و حرام حیوانات کا بیان

حلال و حرام حیوانات کے بارے میں قاعدہ

سوال کیا حیوانات کی حلت و حرمت کے بارے میں کوئی قابل اعتماد شرعی قاعدہ موجود ہے کیونکہ قرآن و سنت میں تمام حیوانات کے بارے میں تو وضاحت نہیں ہے' کچھ پالتو جانور حرام ہیں اور کچھ حلال' اس طرح وحشی جانوروں میں سے بھی بعض حرام اور بعض حلال ہیں' لہٰذا اگر حلت و حرمت کے لیے کوئی قاعدہ یا صفات ہیں تو براہ کرم وضاحت فرما دیں تاکہ ہمیں بصیرت حاصل ہو نیز یہ فرمائیں' کیا اس سلسلہ میں قیاس کا بھی اعتبار ہے یا نہیں؟

جواب حقیقت ہے کہ اس سوال میں جو یہ کہا گیا ہے کہ کتاب و سنت میں اس کی وضاحت نہیں ہے' یہ غلط ہے ہاں البتہ سائل کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اسے کتاب و سنت سے اس کی وضاحت معلوم نہیں ہو سکی' ورنہ کتاب و سنت میں تو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بیان فرما دیا ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ (النحل١٦/ ٨٩)

''اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے۔''

سنت کے ساتھ ایمان رکھنا اور اس کے احکام کے ساتھ ایمان رکھنا بھی قرآن مجید ہی کے ساتھ ایمان ہے کیونکہ سنت قرآن مجید ہی کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ سنت قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل اور اس کے ابہام کی تفسیر ہے قرآن و سنت کے دامن کو تھامنے والوں کے لیے ان میں شفاء' نور' ہدایت اور استقامت ہے۔ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل اور بیان' قرآن و سنت میں موجود ہے لیکن ان میں سے بعض مسائل کی تو باقاعدہ متعین طور پر وضاحت موجود ہے اور بعض مسائل کو قواعد اور ضوابط عامہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے پھر لوگ چونکہ علم اور فہم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایمان و تقویٰ کے حساب سے قرآن مجید سے ان کا ادراک بھی مختلف ہوتا ہے کہ جس قدر ایمان باللہ' قرآن و سنت کے احکام کو قبول کرنے کا جذبہ اور تقویٰ قوی ہو گا' ایسے ہی قرآن و سنت کے احکام کے بارے میں علم بھی قوی ہو گا۔

یقیناً قرآن و سنت میں ہدایت' علم' نور اور تمام مشکلات کا حل موجود ہے' ان کا نظام اور منہاج بندگان الٰہی کے لیے سب سے کامل' سب سے منفعت بخش اور سب سے زیادہ موزوں ہے' لہٰذا جو ان کو ترک کر کے انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں اور قوانین کی طرف رجوع کرتا ہے وہ سخت غلط کار ہے کیونکہ وضعی قوانین کثرت سے غلطیوں سے پر ہیں اور اگر ان میں کوئی درست بات ہے تو وہ صرف وہی ہے جو کتاب و سنت سے ہم آہنگ ہے۔ میں اس بھائی کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ ایسے بہت سے ضابطے ہیں جن سے حرمت معلوم ہوتی ہے لیکن اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی حیوانات و جمادات پیدا فرمائے ہیں' وہ ہمارے لیے حلال ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٩)

''وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔''

یہ ایک عام اصول ہے کہ اس نے زمین کی تمام اشیاء کو ہمارے کھانے ' پینے اور نفع کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن ان میں ان حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر فرما دی ہیں۔

یہ ایک عام اور جامع قاعدہ ہے جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ»(البيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ... الخ: ١٠/ ١٢ وسنن أبي داود، الأطعمه، باب ما لم يذكر تحريمه، ح:٣٨٠٠)

''جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا ہے' وہ قابل معافی ہے۔''

آیئے! اب دیکھیں کہ کیا کیا اشیاء حرام ہیں تو سب سے پہلے تو مردار حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٣)

''اس نے تم پر مردار حرام کر دیا ہے۔''

گردن سے بہنے والا خون حرام ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

''کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں ' ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے' حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار (اپنی موت مرا ہوا) جانور ہو یا بہتا ہوا لہو (خون)۔''

سور کا گوشت بھی حرام ہے' کیونکہ اسی آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

﴿ أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

''یا سور کا گوشت''

یہ تینوں چیزیں اس لیے حرام قرار دی گئی ہیں کہ یہ ناپاک ہیں' کیونکہ ''فانه'' کی ضمیر صرف ''لحم خنزیر'' ہی کی طرف راجع نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کیونکہ استثناء ((الا ان یکون)) یعنی الا یہ کہ وہ کھائی جانے والی چیز مردار' یا بہتا ہوا لہو' یا سور کا گوشت ہو کیونکہ ان میں سے کھائی جانے والی ہر چیز ''نجس'' ناپاک ہے۔

پالتو گدھے بھی حرام ہیں' کیونکہ صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ» (صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، ح:٤١٩٨، ٤١٩٩ وصحيح مسلم، الصيد، باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية، ح:١٩٤٠ ومسند أحمد:٣/ ١١١ واللفظ له)

''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے (گوشت) کھانے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ گھریلو گدھے ناپاک ہیں۔''

اسی طرح ہر وہ درندہ بھی حرام ہے جو کچلی سے شکار کرتا اور چیرپھاڑ کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا اور کتا وغیرہ اور ہر وہ پرندہ بھی حرام ہے جو پنجے سے شکار کرتا ہو' مثلاً چیل ' عقاب اور باز وغیرہ۔ اسی طرح ہر وہ جانور جو ماکول اللحم اور غیرماکول اللحم کے

ملاپ سے پیدا ہو تو وہ بھی حرام ہے مثلاً خچر' کہ یہ گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ گھوڑا مباح ہے مگر گدھا حرام' لہذا جب خچر ان دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوا تو اس میں حرمت کے پہلو کے غلبہ کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

الحمدللہ یہ تمام مسائل سنت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں' اہل علم نے بھی انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور اگر کسی مسئلہ میں اشکال محسوس ہو تو اس بنیادی قاعدہ کی طرف رجوع کرو جو ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے کہ اصل حلت ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۹)

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔"

اور جو جانور مشتبہ ہوں یعنی ان کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام ہیں یا حلال تو ان کے بارے میں بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ ان کو ہم ان سے ملتے جلتے جانوروں سے ملا دیں گے اور جو حکم ان کا ہو گا' وہی ان کا بھی ہو گا لیکن دلائل کے ظاہر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حرام جانور اپنی نوع پر ان ضابطوں کی روشنی میں معلوم ہیں جن کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

«كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلُّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ»(صحيح مسلم. الصيد، باب تحريم أكل كل ذي ناب ... الخ، ح: ١٩٣٤)

"کچلی سے شکار کرنے والے تمام درندوں اور پنجے سے شکار کرنے والے تمام پرندوں کو حرام قرار دیا ہے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

بری و بحری حیوانات میں سے کون سے حلال ہیں؟

سوال میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بری و بحری حیوانات میں سے کون سے حرام ہیں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ کچھوا' کبوتر اور مینڈک کھانا جائز ہے؟

جواب سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں اصل حلت ہے' ہاں البتہ وہ حرام ہیں' جن کی حرمت دلائل سے ثابت ہو چکی ہو' اگر کسی چیز کی حلت و حرمت میں شک ہو تو وہ حلال ہو گی الا یہ کہ دلائل سے ثابت ہو جائے کہ وہ حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۹)

"وہی (اللہ) تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں' تمہارے لیے پیدا کیں۔"

آیت کریمہ کے یہ الفاظ حیوانات' نباتات اور پہننے کی ہر اس چیز کو شامل ہیں جو زمین میں موجود ہو' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ﴾ (الجاثیۃ۴۵/ ۱۳)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ»(البيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ... الخ: ١٠/ ١٢ وسنن أبي داود، الأطعمه، باب ما لم يذكر تحريمه، ح: ٣٨٠٠ عن ابن عباس موقوفا)

"اللہ نے جس چیز سے سکوت فرمایا ہے' وہ قابل معافی ہے۔"

نیز فرمایا:

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَنَهٰى عَنْ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رُخْصَةً لَكُمْ لَيْسَ بِنِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٩٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ... الخ: ١٠/ ١٢ واللفظ له)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں' انہیں ضائع نہ کرو' کچھ حدود کا تعین کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے روک دیا ہے ان کی (حرمت کی) پامالی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے تم پر رخصت کے پیش نظر نہ کہ بھول جانے کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے تو ان کے بارے میں کرید نہ کرو۔"

ان دلائل کی روشنی میں اصول یہ ہے کہ تمام حیوانات حلال ہیں' سوائے ان کے جن کی حرمت دلیل سے ثابت ہو گئی ہو' مثلاً پالتو گدھے حرام ہیں کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، أَبَا طَلْحَةَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ يُنَادِي: إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، ح: ٤١٩٨، ٤١٩٩ وصحيح مسلم، الصيد، باب تحريم أكل لحم الحمر الأنسية، ح: ١٩٤٠ ومسند أحمد: ٣/ ١٢١ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ یہ اعلان کر دو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تم کو گھریلو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرماتے ہیں' کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔"

اسی طرح ہر وہ درندہ حرام ہے جو کچلی سے شکار کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا' شیر اور ہاتھی' وغیرہ' نیز ہر وہ پرندہ حرام ہے جو اپنے پنجے سے شکار کرتا ہو' مثلاً عقاب' باز' شکرا' شاہین اور چیل وغیرہ' نیز وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے قتل کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے' انہیں تو اس لیے نہیں کھایا جاتا کہ وہ طبعی طور پر موذی ہیں' لہٰذا ان کے کھانے سے انسانی طبیعت پر بھی ایذا کا پہلو غالب آئے گا اور کھانے والا شخص انسانوں کو ایذا پہنچانے کے درپے ہو گا۔ اسی طرح جن کے قتل سے شریعت نے منع کیا ہے تو وہ ان کے احترام کی وجہ سے ہے' لہٰذا انہیں کھانا بھی جائز نہیں' شریعت نے جن جانوروں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے' ان میں کوا اور چیل ہے اور جن کے قتل سے منع کیا ہے' ان میں چیونٹی' شہد کی مکھی' ہدہد اور لٹورا وغیرہ شامل ہیں نیز وہ جانور جو حرام جانور اور حلال جانور کے ملاپ سے پیدا ہو' مثلاً: خچر تو اس میں حلت و حرمت کے اگرچہ دونوں پہلو ہوتے ہیں مگر یہاں حرمت کے پہلو کو غلبہ دے دیا گیا ہے' نیز وہ جانور جو مردار خور ہیں' ان کو بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے' مثلاً: چیل اور گدھ وغیرہ۔

یہ ہیں وہ سات قسم کے جانور جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے' ان میں سے بعض کے بارے میں اگرچہ اہل علم میں اختلاف ہے مگر اختلاف کے وقت اشیاء کو ان کے اصول کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

بحری جانور خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے وہ سب کے سب حلال ہیں کیونکہ وہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہیں:

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔"

سمندر اور دریا کی جو چیزیں پکڑی جائیں ان کا شکار کرنا اور جو مردہ پائی جائیں ان کا کھانا حلال ہے؟ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام سے اس کی تفسیر اسی طرح مروی ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دریا اور سمندر کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر . . . الخ، ح:٦٩)

"اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔"

اس آیت و حدیث کے عموم کے پیش نظر دریا اور سمندر کی کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں ہے' ہاں البتہ بعض علماء نے مینڈک' مگرمچھ اور سانپ کو ضرور مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ ہر وہ جانور جو دریا و سمندر (پانی) کے بغیر زندہ نہ رہ سکتا ہو وہ حلال ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کچھوے' مگرمچھ اور خارپشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال کیا درج ذیل حیوانات: کچھوے' دریائی گھوڑے' مگرمچھ اور خارپشت کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب خارپشت حلال ہے' کیونکہ یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت' کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔"

اور پھر اس لیے بھی کہ اصل جواز ہے الا یہ کہ دلیل سے عدم جواز ثابت ہو' کچھوے کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اسے کھانا جائز ہے خواہ ذبح نہ بھی کیا جائے' کیونکہ یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔"

میں داخل ہے' نیز نبی ﷺ نے بھی دریا کے بارے میں فرمایا ہے:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر ... الخ، ح:٦٩)

"اس کا پانی پاک اور اس میں مرا ہوا جانور حلال ہے۔"

لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اسے ذبح کر لیا جائے تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے۔ مگرمچھ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ آیت و حدیث کے عموم کے پیش نظر اسے بھی مچھلی کی طرح کھایا جا سکتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے کھانا جائز نہیں' کیونکہ یہ کچلی والا درندہ ہے لیکن ان میں سے راجح پہلا قول ہے۔ دریائی گھوڑے کا بھی کھانا مذکورہ آیت و حدیث کے پیش نظر جائز ہے اور پھر کسی دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہے اور پھر نص سے ثابت ہے کہ خشکی کا گھوڑا حلال ہے تو دریائی گھوڑا تو بالاولیٰ حلال ہو گا۔

فتویٰ کمیٹی

خارپشت کا کھانا

سوال کیا خارپشت کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب خارپشت جسے سیہہ بھی کہتے ہیں' ایک کانٹوں والا جانور ہے' جنہیں یہ اپنے جسم پر لپیٹ لیتا ہے' اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ نہ تو یہ کچلی والا درندہ ہے اور نہ مردار کھاتا ہے بلکہ یہ تو خرگوش وغیرہ کی طرح گھاس پھوس پر گزارہ کرتا ہے۔ اس طرح کے جانوروں کے بارے میں اصل حلت واباحت ہے جبکہ وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے خارپشت کو خبیث جانوروں میں سے قرار دیا تو وہ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ۔

فتویٰ کمیٹی

خارپشت کے بارے میں

سوال خارپشت جو ایک معروف حیوان ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' بعض نے اسے حلال اور بعض نے حرام قرار دیا ہے۔ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے کیونکہ حیوانات کے بارہ میں اصل حلت ہے اور ان میں سے صرف وہی حرام ہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہو اور شریعت میں ایسی کوئی دلیل وارد نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ جانور حرام ہے۔ یہ خرگوش اور ہرن کی طرح نباتات کھاتا ہے اور کچلی سے شکار کرنے والے درندوں میں سے بھی نہیں ہے' لہٰذا اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ مذکورہ حیوان سیہہ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اسے "دلدل" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے' اس کی جلد پر لمبے لمبے کانٹے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب خارپشت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت کریمہ پڑھ دی:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے' حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت۔"

ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شیخ نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے:

«خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب في أكل حشرات الأرض، ح:٣٧٩٩ ومسند أحمد: ٢/ ٣٨١)

"یہ خبیث جانوروں میں سے ایک خبیث جانور ہے۔"

انہوں نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو پھر یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کلام سے واضح ہوا کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارپشت کے بارے میں کچھ فرمایا ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے شیخ مذکور کی بات کی تصدیق بھی نہیں کی۔ اس شیخ مذکور کے مجہول ہونے کی وجہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ اور کئی دیگر اہل علم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے اور ضعیف قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

—— شیخ ابن باز ——

بجُّو کے کھانے کا حکم

سوال تمباکو نوشی اور بجُّو کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب تمباکو نوشی حرام ہے کیونکہ یہ خبیث ہے' پاکیزہ اور عقل سلیم والے نفوس (لوگ) اسے گندا سمجھتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"وہ لوگ جو (محمد) رسول (اللہ) کی' جو نبی اُمی ہیں' پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

نیز اس لیے بھی یہ حرام ہے' کیونکہ یہ مفتر (عقل میں فتور پیدا کرنے والی) ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور مستی پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے' یہ روایت امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بیان کی ہے۔ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ طبی طور پر صحت کے لیے اس کا استعمال بے حد نقصان دہ ہے اور یہ قاعدہ سب جانتے ہیں کہ جس چیز کا ضرر ثابت ہو اس کا شرعاً استعمال حرام ہوتا ہے' لہٰذا ان حالات میں تمباکو نوشی پر مال خرچ کرنا اضاعت مال شمار ہو گا اور رسول اللہ ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے' جیسا کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، ح:٥٩٧٥ وصحيح مسلم، الأقضية، باب النهى عن كثرة المسائل من غير حاجة ... الخ، ح:٥٩٣، بعد ح:١٧١٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ماؤں کی نافرمانی' خود نہ دینے اور دوسروں سے طلب کرنے' بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور قیل و قال' کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔"

یاد رہے یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ (یعنی ان کاموں کا کرنا حرام ہے)۔

بجُو کا کھانا حلال ہے' کیونکہ امام احمد اور اصحاب سنن نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عمارہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بجو شکار ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں' میں نے کہا کیا میں اسے کھا سکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ واللّٰہ الموفق' وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مینڈک قتل کرنے اور کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے

سوال کیا مینڈک قتل کرنا ناجائز ہے؟ کیا مینڈک بری و بحری حیوانات میں شمار ہوتا ہے؟ اگر بری ہو تو کیا پھر بھی اسے ذبح کیے بغیر کھانا جائز ہے کیونکہ لوگ اسے ذبح نہیں کرتے اور نہ ہی اسے ذبح کرنا ممکن ہے کیونکہ اس کی گردن ہی نہیں ہے؟ لوگ کھانے کے لیے اس کے پاؤں کاٹ لیتے اور باقی حصے کا بیان پھینک دیتے ہیں اور اگر یہ بحری ہو تو پھر اسے کیوں نہ اس سمندری شکار میں شمار کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے؟ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مینڈک کے قتل کی ممانعت میں وارد تمام احادیث ضعیف ہیں' آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب مینڈک کھانے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے' بعض نے اسے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔ جائز قرار دینے والوں میں امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا اہل علم ہیں اور ناجائز قرار دینے والوں میں امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا اہل علم ہیں۔ جائز قرار دینے والوں کا استدلال آیت کریمہ:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَـٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے"

اور دریا کے بارے میں نبی ﷺ کی اس حدیث:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر ... الخ، ح:٦٩)

"اس کا پانی پاک اور اس میں مرا ہوا جانور حلال ہے"

کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ مینڈک بھی دریائی شکار ہونے کی وجہ سے اس عموم میں داخل ہے اور جنہوں نے مینڈک کے کھانے کو ناجائز قرار دیا ہے' انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ نے "طب" اور "ادب" کے ابواب میں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے "صید" کے باب میں بواسطہ ابن ابی ذئب عن سعید بن خالد بن سعید بن مسیب رحمہما اللہ عن عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے:

«أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، عَنِ الضِّفْدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ قَتْلِهَا»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٧١، وفي الأدب، باب في قتل الضفدع، ح:٥٢٦٩ وسنن النسائي، الضحايا، الضفدع، ح:٤٣٦٠)

"ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کے دوا میں استعمال کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا۔"

امام احمد' اسحاق بن راھویہ اور ابوداؤد طیالسی رحمہم اللہ نے اپنی اپنی "مسانید" میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرک" کے "فضائل" اور "طب" کے ابواب میں عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی سے اسے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے لیکن امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مینڈک کے بارے میں جو کچھ وارد ہے' اس میں سب سے زیادہ قوی یہی حدیث ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مینڈک کھانا حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور قتل حیوان کی ممانعت یا تو اس کے احترام کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ آدمی کو قتل کرنا اس کے احترام کی وجہ سے منع ہے یا یہ ممانعت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اسے کھانا حرام ہوتا ہے جیسا کہ مینڈک کو قتل کرنا اس لیے حرام ہے کہ اسے کھانا حرام ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی سعید بن خالد ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مدنی ہیں اور قابل استدلال ہیں۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

گھونگا (ایک آبی جانور) اور مگرمچھ

سوال کیا گھونگا اور مگرمچھ کھانا جائز ہے؟

جواب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے حلزون (گھونگا) اور مگرمچھ کھانا جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ دریائی شکار ہے ' اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَـٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے"

کے عموم میں داخل ہیں ' لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے انہیں ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ دونوں جانور درندے ہیں اور اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے شکار سے منع فرمایا ہے۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے ' اگرچہ اس میں گنجائش ہے لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ انہیں نہ کھایا جائے تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے اور ممانعت کے پہلو کو غلبہ دیا جا سکے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

خنزیر کا گوشت اور چربی حرام ہے

سوال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مردار جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت .... سب حرام ہیں"

کیا اس سے یہ سمجھنا درست ہے کہ گوشت کے علاوہ خنزیر کے دیگر حصے ' مثلاً تیل اور چربی وغیرہ استعمال کرنا حلال ہے؟ اور اگر یہ بھی حرام ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے خنزیر کے بجائے "لحم الخنزیر" (خنزیر کا گوشت) کے الفاظ کیوں استعمال کیے ہیں؟

جواب تمام علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ خنزیر کا گوشت اور چربی اور سب کچھ حرام ہے اور انہوں نے اس آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی دیگر آیات سے استدلال کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ خنزیر کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک خبیث جانور ہے اور اس کی یہ پلیدی ' گوشت اور چربی سب کچھ میں سرایت کیے ہوئے ہے ' لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صرف گوشت کا ذکر اس لیے کیا کہ اصل مقصود گوشت ہی ہوتا ہے اور باقی اشیاء اس کے تابع ہوتی ہیں۔ نیز ان کا استدلال "صحیحین" کی اس حدیث سے بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ،

ح: (١٥٨١)

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' سور اور بتوں کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔"
اس حدیث میں گوشت کا نہیں بلکہ خنزیر کا ذکر ہے' تو یہ حدیث بھی عمومِ حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سور کے گوشت کی حرمت کی حکمت

سوال سور کے گوشت کھانے کی حرمت میں کیا حکمت ہے؟

جواب بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی رحمت' حکمت اور عدل ہر چیز سے وسیع ہے' وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے' وہ ان پر رحم فرماتا ہے' وہ خلق' تدبیر اور شریعت سازی میں حکیم ہے اس نے اپنے بندوں کو ان کاموں کا حکم دیا ہے جو ان کے لیے دنیا و آخرت میں موجب سعادت ہیں۔ اس نے ان کے لیے ان پاک چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو ان کے لیے منفعت بخش ہیں اور ان ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو ان کے لیے ضرر رساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا' بجز اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہو لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سور خبیث جانوروں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی شان میں فرمایا ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں"

مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس کی غذا گندگی اور ناپاک چیزیں ہیں' گندگی اور ناپاک چیزوں کو یہ بہت شوق اور رغبت سے کھاتا ہے اور گندی جگہوں ہی پر بسیرا کرتا ہے۔ باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے پیٹ میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں' نیز اسے کھانے سے غیرت و حمیت اور پاک دامنی اور عفت میں کمی آجاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں' مثلاً یہ کہ اسے ہضم کرنا بہت مشکل ہے' یہ نظام ہضم کے لیے معاون رطوبتوں کو پیدا ہونے سے بھی روکتا ہے۔ باخبر لوگوں کی یہ باتیں اگر صحیح ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے نقصان دہ اور ناپاک ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے اور اگر یہ صحیح نہیں ہیں تو عقل مند کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خبر پر یقین رکھے کہ یہ ناپاک ہے اور اس بات پر ایمان رکھے کہ اسے کھانا حرام ہے اور اس کی حرمت میں جو حکمتیں پنہاں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ وہ ذات گرامی جس نے اسے پیدا کیا' وہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اس میں کیا کچھ ودیعت کیا ہے۔

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (الملک ٦٧/ ١٤)

"بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔"

ـــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــ

خنزیر اور اس کا تیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، أَمَّا بَعْدُ:

"خنزیر اور اس کا تیل" کے زیر عنوان میں نے ایک مضمون ملاحظہ کیا ہے جو کہ عصام عبدالبدیع کے قلم سے ہے اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "یہ وہ مسئلہ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں کھٹکتا ہے جو کسی بھی غرض سے یورپ اور امریکہ جاتا ہے' اسے جو کھانا پیش کیا جاتا یا وہ خرید کر کھاتا ہے' کیسے معلوم کرے کہ یہ خنزیر کے تیل سے پاک ہے جسے مغربی معاشروں میں کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے' لہٰذا اسے اس بات کا کیسے اطمینان ہو کہ جو کھانا وہ کھا رہا ہے وہ شریعت اسلامیہ اور سنت محمدیہ کے مطابق پاک ہے؟" عصام مزید لکھتے ہیں کہ ان حالات میں اکثریت کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ وہ سوال ہے جو ان بہت سے مسلمانوں کو پریشان کیے ہوئے ہے جو حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مغربی معاشروں میں کام کاج یا تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ ہم یہ سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز چیئرمین کونسل بحوث علمیہ وافتاء و دعوت و ارشاد کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں تاکہ وہ ان بہت سے فرزندان توحید کو راحت بخشیں جنہوں نے اس موضوع سے متعلق کثرت سے سوالات پوچھے ہیں اور بعض تو اب یہاں تک سوچنے لگے ہیں کہ ان کی یہ حالت' ضرورت کی حالت ہے اور بوقت ضرورت ممنوع چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں۔ تو کیا یہ بات صحیح ہے یا شریعت میں اس بات کی اجازت نہیں ہے اور اس کا شریعت میں کوئی حل موجود ہے؟

میں اپنے اس مضمون نگار بھائی کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس مشکل مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی اور اس کا حل تلاش کرنا چاہا' لہٰذا میں بھی اختصار کے ساتھ اس کا جواب دینا پسند کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے منفعت بخش بنائے۔

اولاً: اس میں کچھ شک نہیں کہ بیرون ملک جانے والے طالب علم کو کھانے پینے' آنے جانے اور ان عبادات کے ادا کرنے میں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے' بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسے اور بہت سے بڑے بڑے خطرات کا بھی خوف ہوتا ہے کیونکہ نوجوان کو بہت سے فتنوں' داعیان ضلالت' بے حیائی کے علمبرداروں اور مغربی و مشرقی تنظیموں کے لشکروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جن سے صرف وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے' لہٰذا کسی بھی مسلمان طالب علم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے مسلمان ملک میں تعلیم کو ترک کر کے کسی غیر اسلامی ملک میں تعلیم کے لیے جائے اور ان عظیم خطرات اور بڑے بڑے فتنوں سے دوچار ہو۔

اگر مسلم ممالک کچھ معین لوگوں کو بعض ایسے مخصوص علوم کے حاصل کرنے کے لیے غیر مسلم ممالک بھیجنے پر مجبور ہو جائیں' جن کی تعلیم کا سعودیہ یا دیگر مسلم ملکوں میں انتظام نہیں ہے تو پھر مسلم ممالک کو چاہیے کہ غیر مسلم ممالک میں بھیجے

کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جو ارباب عقل و دین ہوں اور جنہیں احکام اسلام کا فہم ہو اور وہ ان علوم کو جہاں سے سیکھنا ممکن ہو حاصل کریں اور قیام کے دوران اپنے دین کے احکام و ہدایات پر نہایت سختی اور کڑی نگرانی کے ساتھ عمل کریں اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد فوراً اپنے ملکوں میں واپس آجائیں۔

ثانیاً: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے اور وہ ان کے نفع و نقصان کو بھی خوب جانتا ہے' اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اس اسلامی شریعت کو نازل فرمایا جو سراپا خیر ہے اور جس نے ہر شر سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء کو ان نقصانات کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے جو ان میں موجود ہیں خواہ لوگ انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ انہی حرام اشیاء میں سے سور کا گوشت بھی ہے جس کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع علماء اسلام سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٣)

"اس (اللہ) نے تم پر مردار (طبعی موت مرا ہوا) جانور اور بہتا ہوا لہو اور سور کا گوشت ..... حرام کر دیا ہے"

اور فرمایا:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت....."

اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح:١٥٨١)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔"

قرآن و سنت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سور کا گوشت حرام ہے اور اس پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ "خنزیر کے بارے میں تمام امت کا اجماع ہے کہ اس کے تمام اجزا حرام ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے عظیم حکمتوں کے پیش نظر خبیث چیزوں کو حرام قرار دیا ہے' اگرچہ وہ حکمتیں بعض لوگوں پر مخفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو جو حرام قرار دیا ہے' ان کی بعض حکمتیں اور اسرار اگرچہ بعض لوگوں پر واضح ہو گئے ہیں لیکن ان کی جو حکمتیں ابھی تک مخفی ہیں' وہ بہت زیادہ ہیں۔ خنزیر کی حرمت میں جو حکمتیں ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن ان میں سے جو واضح ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ بے حد گندا جانور ہے اور اس کی گندگی بہت سے نقصانات اور مادی و معنوی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔ سور کی سب سے پسندیدہ غذا گندگی اور نجاست ہے' لہٰذا یہ تمام ملکوں میں نقصان دہ ہے خصوصاً گرم ملکوں میں جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے وہ کیڑا پیدا ہوتا ہے جو انتہائی مہلک ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے عفت و غیرت پر بھی بدترین اثرات پڑتے ہیں' جیسا کہ ان ممالک کے حالات گواہ ہیں

جہاں یہ کھایا جاتا ہے۔ جدید میڈیکل سائنس نے ان بہت سے حقائق تک رسائی حاصل کر لی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھانے والے بہت سے لوگوں کو ایسی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جو ناقابل علاج ہیں۔ طب جدید نے اگرچہ ایسی چند بیماریوں کی تشخیص کر لی ہے جو اس کا گوشت کھانے سے پیدا ہوتی ہیں مگر شاید وہ بیماریاں اور نقصانات ان سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں جن کے بارے میں ابھی تک علم نہیں ہو سکا۔

ثالثاً: حلال و طیب چیزوں کے کھانے کے دل کی صفائی اور قبولیت دعا و عبادت کے سلسلہ میں اثرات بے حد واضح ہیں جس طرح اکل حرام (حرام کھانا) دعا اور عبادت کی قبولیت میں بہت بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمۡ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمۡۚ لَهُمۡ فِي ٱلدُّنۡيَا خِزۡيٞۖ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلۡكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحۡتِۚ﴾ (المائدة٥/ ٤١-٤٢)

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا' ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب ہے (یہ) جھوٹی باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرنے والے اور رشوت کا حرام مال کھانے والے ہیں“

جس کی یہ صفت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو کیونکر پاک کرے گا اور اس کی دعا کو کیونکر شرف قبولیت سے نوازے گا؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعۡمَلُواْ صَٰلِحًاۖ إِنِّي بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ ﴿٥١﴾﴾ (المؤمنون٢٣/ ١٥) وَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ﴾ (البقرة٢/ ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟» (صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح:١٠١٥)

”لوگو! بے شک اللہ پاک ہے' وہ صرف پاک ہی کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا تھا: اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو“ اور مومنوں سے فرمایا: اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ حال اور غبار آلود ہوتا ہے' اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے کہ یا رب! یا رب! مگر اس کا کھانا حرام' اس کا پینا حرام' اس کا لباس حرام اور حرام غذا پر وہ پلا ہے' اس کی دعا کیونکر شرف قبولیت سے نوازی جائے!؟“

رابعاً: جب مذکورہ باتیں معلوم ہو گئی ہیں تو ایک مسلمان پر واجب (لازم اور ضروری) ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرے' محرمات سے اجتناب کرے' اپنے آپ کو کسی ایسی جگہ نہ رکھے جہاں وہ اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام پر عمل نہ کر سکتا ہو۔ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اپنے آپ کو اس طرح کی جگہ پر رکھ

کر پھر علماء سے یہ پوچھے کہ اسلام کے حوالہ سے میری اس مشکل کا حل کیا ہے؟ کیونکہ مشکل کا حل تو اس وقت ڈھونڈا جاتا ہے جب تمام پہلوؤں سے متعلق اسلام کی رائے پر عمل کر لیا گیا ہو کیونکہ ایک پہلو کو چھوڑ دینا یا اس میں کوتاہی کرنا اور دوسرے پہلو کو لے لینا مفید نہیں ہو سکتا۔

خامساً: باہر گئے ہوئے کسی بھی طالب علم کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس دلیل کے ساتھ سور کا گوشت یا اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ استعمال کرے کہ اس کی یہ حالت ضرورت ہے اور بوقت ضرورت ممنوع اشیاء بھی مباح ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ ایک غلط خیال ہے' اس لیے کہ باہر جانے والا کوئی مجبور نہیں ہے کہ وہ اگر سور کا گوشت نہیں کھائے گا تو مر جائے گا۔ علاوہ ازیں اس مسئلہ کے دیگر وہ حل جن کی طرف مضمون نگار نے اشارہ کیا ہے' وہ تقویٰ سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

حاضر وہ کچھ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا اور پھر مسلم ممالک میں تیل بہت سستے ہیں' باہر جانے والا اپنی ضرورت کے مطابق اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے یا اسے بھیجا جا سکتا ہے نیز باہر جانے والے طلبہ کو چاہیے کہ وہ ایک گروپ کی شکل میں اکٹھے رہیں اور اجتماعی طور پر مناسب اور حلال کھانوں کا انتظام کریں' مثلاً مچھلی وغیرہ استعمال کر لیں یا خود حلال جانور ذبح کر لیں اور اس سلسلہ میں آنے والی مشقت کو اللہ کی رضا کی خاطر اور حرام سے بچنے کے لیے گوارا کر لیں۔

آخر میں' میں بھائی عصام عبدالبدیع کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں' جنہوں نے اس مشکل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمان نوجوانوں کو اپنے رب کی اطاعت' اس کی شریعت کی پابندی اور اس کے احکام کے مطابق عمل کی توفیق بخشے اور انہیں دشمنوں کے مکر و فریب سے بچائے۔ انہ سمیع قریب۔

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

چیئرمین ادارات بحوث علمیہ وافتاء

سور کے گوشت کی حرمت میں حکمت

سوال میں سویڈن میں مقیم ہوں' یہاں ہوٹلوں میں خنزیر کا گوشت پیش کیا جاتا ہے' بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سور کا گوشت کیوں حرام کیا گیا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کی حرمت کی دلیل کیا ہے؟ امید ہے تسلی بخش جواب عطا فرمائیں گے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) میں متعدد مقامات پر سور کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ

لَحۡمَ خِنزِيرٖ فَإِنَّهُۥ رِجۡسٌ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ ناپاک ہے اور انسان کے دین اور بدن کے لیے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے اور وہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی مخلوقات میں کیا نقصانات اور منافع ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے سور کے گوشت کو حرام قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ ناپاک ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی ناپاکی ہمارے دین اور جسم دونوں کے لیے نقصان دہ ہے' لہٰذا جب بھی ہم سے کوئی سور کے گوشت کی حرمت کی حکمت کے بارے میں پوچھے تو ہمیں کہہ دینا چاہیے کہ یہ نجس ہے اور ہمارے بدن اور ہمارے دین کے لیے نقصان دہ ہے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس گندے جانور کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ یہ بے غیرت ہے' لہٰذا اسے کھانے والے انسان سے بھی اپنی محرمات اور اہل و عیال کے بارے میں غیرت سلب ہو جاتی ہے کیونکہ انسان اپنی غذا سے متاثر ہوتا ہے۔ غور فرمایے کہ نبی ﷺ نے کچلی والے ہر درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے ہر پرندے کے کھانے سے بھی تو اسی لیے منع فرمایا ہے کہ ان درندوں اور پرندوں کی طبیعت میں دشمنی اور چیرپھاڑ ودیعت کی گئی ہے اور خدشہ ہوتا ہے کہ انہیں کھانے والے انسان میں بھی یہ عادات نہ پیدا ہو جائیں کیونکہ انسان اپنی خوراک سے متاثر ہوتا ہے پس یہی ہے وہ حکمت جس کی وجہ سے سور کے گوشت کھانے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

یہ بات جب ہم اس انسان سے کہتے ہیں جو قرآن اور اللہ کے احکام پر ایمان نہیں رکھتا تو ہم مومن سے بھی یہی کہتے ہیں تاکہ اسے اطمینان قلب اور مزید ثبات حاصل ہو' ورنہ ایک مومن کے لیے تو بس اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس سے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور یہ تمام حکمتوں سے بڑی حکمت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٖ وَلَا مُؤۡمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمۡرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلۡخِيَرَةُ مِنۡ أَمۡرِهِمۡۗ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٦)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ أَن يَقُولُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَاۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَخۡشَ ٱللَّهَ وَيَتَّقۡهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَآئِزُونَ ﴿٥٢﴾﴾ (النور٢٤/ ٥١-٥٢)

"مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت کو روزوں کی قضاء تو دینا پڑتی ہے مگر نماز

کی نہیں؟ تو انہوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ جب ہمارے ایام ہوتے ہیں تو ہمیں ان کے روزوں کی قضاء کا تو حکم دیا جاتا تھا مگر نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

مومن حکم شرعی کے بارے میں صرف اسی بات سے قانع ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور وہ اس حکم کے سامنے سراطاعت خم کرتے ہوئے اس پر راضی ہو جاتا ہے لیکن جب ہم کسی ایسے شخص سے مخاطب ہوں جس کا ایمان کمزور ہو یا جس کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہ ہو تو پھر ہمارے لیے ضروری ہے کہ حکمت کو تلاش کریں اور اسے بیان کریں۔

اس دور میں جب کہ یقین کمزور اور بحث و جدال کی کثرت ہو گئی ہے' طالب علم کو چاہیے کہ اسے ان شرعی حکمتوں کا علم ہو جن پر احکام مبنی ہوں' وہ بحث کرنے والے کو دلیل و تعلیل کے ساتھ قائل کر سکے اور اس کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سور ایک گندا جانور ہے

سوال مسلمانوں کے لیے سور کے گوشت کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟

جواب سور ایک گندا جانور ہے جو نجاستوں اور غلاظتوں کو پسند کرتا اور جانوروں اور انسانوں کے فضلات (پاخانہ وغیرہ) کھانے کا حریص ہے۔ اس سے اس کے گوشت میں بھی نجاست پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بدترین غذا بن جاتی ہے۔ نجاست چونکہ اس کی طبیعت میں رچ بس گئی ہے' لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ خود خون اور گندگی کو استعمال کرے یا کسی اور غذا کو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سور کے گوشت پر پلنے والی مرغی کھانا

سوال بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی کو محلہ بنی مراد کے ایک مسلمان نوجوان کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے جو کمیٹی کے چیئرمین کو مکتوب نمبر ۲۸۶ مؤرخہ ۱۰-۲-۱۴۰۱ھ موصول ہوا ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ "یہ لوگ مرغیوں کو مختلف غذائیں کھلاتے ہیں' جن میں مردہ جانوروں کے گوشت بلکہ سور کا گوشت بھی ہوتا ہے' تو اس گوشت پر پلنے والی مرغی حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو اس کے انڈوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

مرغی کی غذا کے سلسلہ میں اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو اس کے گوشت اور انڈے کھانے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس کا گوشت اور انڈے کھانا جائز ہے کیونکہ ناپاک غذائیں گوشت اور انڈوں میں تبدیل ہو کر پاک ہو جاتی ہیں اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے' جن میں ثوری' شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ بھی ہیں' کہ ایسے جانوروں کا گوشت اور انڈے کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام ہے۔ اس

سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر ان کی اکثر خوراک نجاست پر مبنی ہو تو یہ جلالہ (گندگی خور) ہیں' لہٰذا ان کا گوشت نہ کھایا جائے اور اگر ان کی اکثر خوراک پاک ہو تو پھران کا گوشت کھالیا جائے' ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ انہیں کھانا حرام ہے' کیونکہ امام احمد' ابوداؤد' نسائی اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، نَهٰى عَنْ لَبَنِ الْجَلاَّلَةِ»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهى عن أكل الجلالة وألبانها، ح:٣٧٨٦ وجامع الترمذي، الأطعمه، باب ماجاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها، ح:١٨٢٥)

"نبی ﷺ نے جلالہ کے دودھ (پینے) سے منع فرمایا ہے۔"

اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز امام احمد' ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْجَلاَّلَةِ وَأَلْبَانِهَا»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهى عن أكل الجلالة وألبانها، ح:٣٧٨٥ وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها، ح:١٨٢٤)

"رسول اللہ ﷺ نے جلالہ کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔"

جلالہ' اس جانور کو کہتے ہیں جو براز (پاخانہ) اور دیگر نجاستوں کو کھائے۔ ان اقوال میں سے دوسرا قول راجح ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— شیخ ابن باز ———

مردار کھانا

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ کیا آبادی سے خالی صحراء میں مردار کھانا جائز ہے' جب کہ ایک طویل مدت سے اسے کھانے کو کچھ نہ ملا ہو' ہاں البتہ آبادی والے علاقوں تک پہنچنے کے لیے اس کے پاس پانی کافی ہو؟

جواب اگر یہ شخص اضطراری حالت کو پہنچ جائے اور نہ کھانے کی وجہ سے جان کو خطرہ ہو تو پھر اس کے لیے مردار کھانا جائز ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٣﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مردار (طبعی موت مرا ہوا) جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم ذبح کر لو اور وہ

جانور بھی جو تھان (آستانے) پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں [1] سے قسمت معلوم کرو۔ یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔ (اور) آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا' ہاں جو شخص بھوک سے لاچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ذبح کے احکام اور اہل کتاب کا ذبیحہ

اہل کتاب کے ذبائح حلال ہیں خواہ وہ اپنے دین سے منحرف ہو گئے ہوں
آلات کے ساتھ ذبح کرنا چند شروط کے ساتھ جائز ہے

سوال ہمارا ملک مصر عیسائی' یہودی اور کبھی کبھی اشتراکی ممالک سے بھی گوشت درآمد کرتا ہے اور ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر ممالک میں جانوروں کو اسلامی طریقے سے ذبح نہیں کیا جاتا اور پھر بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کے عیسائی کافر ہیں اور وہ اپنے دین اور اس انجیل کو بھی نہیں مانتے جو آج ان کے ہاتھوں میں موجود ہے'ان میں سے اکثر لوگ اپنے دین کو ترک کر کے ملحد ہو چکے ہیں جب کہ کچھ لوگ اس کتاب مقدس پر عمل پیرا ہیں جو اس کتاب سے عبارت ہے جسے ان کے بڑے بڑے پادریوں نے مختلف انجیلوں کی صورت میں مرتب کیا تھا' لہٰذا یہ اس انجیل کے منکر اور کافر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی حالانکہ وہ انجیل جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی وہ بھی محرف تھی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشینی آلات سے ذبح کرنے کا طریقہ اسلام کے مطابق بھی ہو تو پھر بھی ضروری ہے کہ مشین کا بٹن دبانے والا شخص مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہو اور اب اہل کتاب تو موجود نہیں ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلہ میں اعتبار مشینی آلات کا ہے' بٹن دبانے والے انسان کا نہیں تو پھر یہ ذبیحہ قتل شمار ہو گا' اس جانور کی طرح جس پر چھری گر گئی ہو اور وہ مرگیا ہو اگر مشینی آلات سے اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا جائے مگر' ملک اشتراکی ہو تو پھر اس ذبیحے کا کیا حکم ہو گا؟ آپ حضرات سے امید ہے کہ ان استفسارات کے تمام اجزاء کا جائزہ لے کر تفصیل کے ساتھ جواب عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ مسائل بہت سے مسلمانوں کے لیے مشکلات کا سبب بنے ہوئے ہیں اور ہم اس درآمد کیے جانے والے گوشت کو کئی سالوں سے نہیں کھا رہے؟

---

[1] زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ دستور تھا کہ ان کے پاس تین پانسے (بے ریش تیر) ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ اِفْعَلْ (یہ کام کر) دوسرے پر لَا تَفْعَلْ (یہ کام نہ کر) اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتے تو پانسے ڈالتے اگر اِفْعَلْ والا نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر لا تفعل والا نکلتا تو اسے نہ کرتے اور اگر خالی نکلتا تو پھر ڈالتے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں آپ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں کہ ان کے ہاتھوں میں پانسے بھی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کرے' یہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل نے کبھی پانسوں سے کام نہیں لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پانسوں سے قسمت آزمائی کو گناہ قرار دے کر اس سے منع فرما دیا ہے۔ (مترجم)

جواب اولاً: یہود و نصاریٰ ان بہت سے اصولوں کے منکر تھے جو تورات اور انجیل میں ایمان کی حیثیت رکھتے تھے یہودی بعض انبیاء کرام' مثلاً: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے' انہوں نے تورات کے بہت سے احکام میں تحریف کر دی تھی۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتی تھی..... الخ' عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے..... الخ' اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل کتاب کے نام سے موسوم کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کے ذبیحوں کو اور ان کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا ہے' ان کا کفر' شرک اور اپنی کتابوں میں تحریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس امر سے مانع نہ تھی کہ ان پر اہل کتاب کے احکام کا اجراء کیا جائے' لہٰذا یہ امور قیامت تک مانع نہیں ہیں۔

ثانیاً: آلات سے ذبح کرنے کی صورت میں اگر وہ حصہ قطع ہو جائے جو اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کرنے کی صورت میں ماکول اللحم جانوروں کا قطع کرنا اسلامی شریعت نے ضروری قرار دیا ہے تو پھر یہ چھری سے ذبح کرنے سے مختلف نہیں ہو گا یعنی اگر کسی بھی قسم کے آلہ کو استعمال کرنے سے مقصود جانور کو ذبح کرنا ہے اور اس وقت اللہ وحدہ کا نام لیا جائے تو اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی' کیونکہ ہر وہ چیز جو خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ اسے دانت یا ناخن کے ساتھ ذبح نہ کیا گیا ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عیسائیوں کے ذبیحے کھانے کے بارے میں حکم

سوال کیا اس زمانے کے عیسائیوں کے ذبیحوں کو کھانا بھی حلال ہے؟ یاد رہے! ان کے ہاں ذبح کرنے کے مختلف طریقے رائج ہیں' مثلاً یہ ذبح کرنے کے لیے مشینی آلات کو بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں کو منشیات بھی استعمال کروا دیتے ہیں؟

جواب ان کے ذبیحوں کو کھانا جائز ہے بشرطیکہ انہیں غیر شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو کیونکہ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرح ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

اہل کتاب کے وہ ذبیحے جن کے لیے بجلی کے جھٹکے کو.....

سوال ف - ت نے جرمنی سے دو سوال ارسال کیے ہیں ایک تو یہ کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر ملکوں کے عیسائی مذبحوں میں بھیڑ بکریوں کو بجلی کے جھٹکوں سے ذبح کیا جاتا ہے اور مرغیوں کو ذبح کرتے وقت گردن کو اڑا دیا جاتا ہے تو ایسے ذبیحوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دوسرے سوال میں انہوں نے سور کی چربی کے بارے میں پوچھا ہے؟

جواب پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ' سنت مطہرہ اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ اہل کتاب

کا کھانا حلال ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے اور کھانے سے مراد ان کے ذبیحے ہیں' اس اعتبار سے وہ مسلمانوں سے اعلیٰ نہیں ہیں بلکہ اس باب میں وہ مسلمان ہی کی طرح ہیں لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے جانور کو اس طرح ذبح کیا ہے کہ وہ مردار کے حکم میں ہے تو پھر اسے کھانا حرام ہو گا۔ اگر کوئی مسلمان اس طرح کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ ﴾ (المائدۃ٥/ ٣)

"تم پر مردار (طبعی موت مرا ہوا) اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں۔"

ہر مسلمان یا کتابی کے ذبح کرنے کا وہ طریقہ جو ذبیحہ کو گلا گھٹ کر مر جانے والے' یا چوٹ لگ کر مر جانے والے یا گر کر مر جانے والے' یا سینگ لگ کر مر جانے والے جانور کے حکم میں کر دے تو اس سے جانور حرام ہو کر ان مرداروں میں شمار ہوتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اس آیت سے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے۔"

کے عموم کی تخصیص ہو جاتی ہے' نیز اس آیت سے ان دلائل کی بھی تخصیص ہو جاتی ہے جن سے مسلمان کا وہ ذبیحہ بھی حلال معلوم ہوتا ہے جو اس طرح سے ہو کہ ذبیحہ مردہ کے حکم میں ہو گیا ہو۔ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ عیسائی مذبحوں میں بھیڑ بکریوں کو بجلی کے جھٹکے سے اور مرغیوں کو گردن اڑا کر ذبح کیا جاتا ہے تو اس سلسلہ میں ہم نے بعض باخبر لوگوں سے پوچھا کیونکہ آپ نے اسے وضاحت سے نہیں لکھا تھا تو انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ بجلی کے جھٹکے سے اس طرح ذبح کیا جاتا ہے کہ شرعی طریقے سے ذبح کیے بغیر بجلی کا جھٹکا دے کر جانور کی روح نکال دی جاتی ہے اور مرغی کی گردن ایک ہی وار سے اڑا دی جاتی ہے' اگر آپ کی بھی اس سے یہی مراد ہے تو جس جانور کو اس طرح بجلی کے جھٹکے سے مارا جائے وہ مردار ہو گا کیونکہ اسے اس شرعی طریقے کے مطابق ذبح نہیں کیا گیا جس میں گلے کی رگیں کاٹی جاتی ہیں اور خون بہایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما ند من البهائم . . . الخ، ح:٥٥٠٩ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم . . . الخ، ح:١٩٦٨)

"جو خون بہادے اور جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھالو بشرطیکہ اسے دانت یا ناخن کے ساتھ نہ قتل کیا گیا ہو۔"

البتہ مذکورہ طریقے سے مرغی کی گردن اڑا کر ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ شرعی ذبح پر مشتمل ہے کہ اس سے گلے کی تمام رگیں کٹ جاتی ہیں اور خون بھی بہہ جاتا ہے اور اگر بجلی کے کرنٹ اور جھٹکے سے ذبح کرنے سے آپ کی کوئی اور مراد ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں جواب دیا جا سکے۔ اللہ ہم سب کو حق کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا دوسرا سوال جو سور کی چربی کے بارے میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور اکثر اہل علم گوشت کی طرح سور کی چربی کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کیونکہ جب اس کے اشرف حصہ کی حرمت پر نص موجود ہے تو اس کا ادنیٰ حصہ بالاولیٰ حرام ہو گا اور پھر اس لیے بھی کہ بوقت اطلاق چربی گوشت ہی کے تابع ہوتی ہے' لہٰذا ممانعت و حرمت اسے بھی شامل ہو گی اور پھر یہ گوشت کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے لہٰذا اس کے استعمال سے بھی یقیناً وہ نقصان ہو گا جو اس کے گوشت کے استعمال سے ہو گا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث میں وارد ہے جو اس امر پر دلالت کناں ہیں کہ سور کے جسم کے تمام اجزاء حرام ہیں اور سنت قرآن کی تفسیر اور اس کے معنی کی وضاحت کرتی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور اگر بالفرض کسی نے اختلاف کیا بھی ہو تو وہ شاذ ہے اور ولائل اور اجماع کے خلاف ہے لہٰذا وہ ناقابل التفات ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں سنت سے بھی رہنمائی ملتی ہے' چنانچہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے "صحیحین" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح:١٥٨١)

"بے شک اللہ اور اس کے رسول نے تم پر "شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔"

تو اس حدیث میں سور کو شراب اور مردار کا ہم پلہ قرار دیا گیا ہے جس طرح کہ شراب اور مردار کی بیع کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے لہٰذا اس نص سے بھی یہ صاف صاف معلوم ہوا کہ سور سارے کا سارا حرام ہے اور اس کی حرمت پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

بجلی کے جھٹکے سے ذبح کیا ہوا جانور

اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُولِ اللهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ أَمَّا بَعْدُ:

میں نے فضیلۃ الشیخ یوسف القرضاوی کا وہ فتویٰ دیکھا ہے جو مجلّہ "المسلمون" شمارہ نمبر ۱۴ مورخہ ۲۱-۸-۱۴۰۵ھ میں شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ (اہل کتاب کے ہاں سے درآمد کیے جانے والے مرغی اور گائے وغیرہ کے

محفوظ (سٹور کیے) گوشت' جنہیں بجلی کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کیا گیا ہو' اگر وہ انہیں حلال ذبیحہ سمجھتے ہوں تو یہ ہمارے لیے بھی حلال ہیں.....الخ)

یہ فتویٰ تفصیل طلب ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ کتاب و سنت نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کا ذبیحہ حرام ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

یہ آیت نص صریح ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا کھانا اور ذبیحہ حلال ہے اور یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس بات پر بھی دلالت کناں ہے کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کے ذبیحے حرام ہیں ہاں' البتہ اہل علم کے نزدیک اہل کتاب کے ذبیحوں میں سے وہ مستثنیٰ ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اسے غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے' کیونکہ جسے غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو وہ تو مطلقاً حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے..... یہ سب حرام ہیں۔"

اور جسے غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے' مثلاً جس جانور کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہو کہ وہ بجلی کا کرنٹ لگنے یا گلا گھٹنے سے مر گیا ہے تو وہ حسب حالات موقوذہ اور منخنقۃ وغیرہ میں شمار ہو گا خواہ یہ عمل اہل کتاب کا ہو یا مسلمانوں کا اور جس جانور کے ذبح کی کیفیت معلوم نہ ہو اس کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں یا اہل کتاب کا ذبیحہ ہو اور جسے کرنٹ لگایا گیا یا مارا گیا اور ابھی وہ زندہ ہی تھا کہ اسے شرعی طریقے سے ذبح کر لیا گیا تو وہ حلال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا۟ بِٱلْأَزْلَٰمِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو' یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو جانور چوٹ لگ کر یا گلا گھٹ کر مر جائے وہ حرام ہے' اسی طرح جو بجلی کے جھٹکے سے مر جائے اور مرنے سے پہلے اسے ذبح نہ کیا جائے تو وہ بھی انہی کی طرح حرام ہے' اسی طرح جس جانور کے سر وغیرہ پر مارا جائے اور ذبح کرنے سے قبل وہ مر جائے تو اس آیت کریمہ کے پیش نظر اسے کھانا بھی حرام ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ یوسف قرضاوی کا جواب بہت مجمل ہے۔ یہودی اور عیسائی اگر اس جانور کو کھانا جائز سمجھتے ہیں جسے گلا گھونٹ کر یا بجلی کے جھٹکے سے مار دیا جائے تو اسے کھانا ہمارے لیے جائز نہیں' خواہ بعض مسلمان اسے جائز ہی کیوں نہ قرار دیں کیونکہ حلال و حرام کے سلسلہ میں اعتبار تو صرف شریعت مطہرہ کا ہے اور اگر اس آیت میں اجمالی طور پر اہل کتاب کے کھانے کو جائز قرار دیا گیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اسے بھی جائز قرار دے لیں جس کی حرمت دوسری آیت سے تفصیل کے ساتھ ثابت ہے' مثلاً گلا گھٹ کر یا چوٹ لگ کر مرجانے والا جانور' بلکہ واجب یہ ہے کہ مجمل کو مبین پر محمول کیا جائے جیسا کہ اصول میں یہ شرعی قاعدہ طے شدہ ہے۔

باقی رہی وہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس کی طرف شیخ یوسف نے اشارہ کیا ہے تو یہ ان مسلمانوں کے بارے میں ہے جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور وہ کافر نہیں تھے لہٰذا اس سے کفار کے ان ذبائح کے بارے میں استدلال کرنا درست نہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے چنانچہ یہ حدیث اس طرح ہے:

«عَنْ عَائِشَةَ ـ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ـ أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِلَحْمٍ لاَ نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لاَ، فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ قَالَتْ: وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو اور اسے کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سوال ان لوگوں کے بارے میں تھا) جو نئے نئے کفر کو چھوڑ کر آئے تھے۔"

نصیحت' بیان' نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر تعاون کے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے یہ تحریر لکھی گئی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں' فضیلۃ الشیخ یوسف اور تمام مسلمانوں کو قول و عمل میں اصابت حق کی توفیق عطا فرمائے۔

انہ خیر مسئوول وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

—— شیخ ابن باز ——

مشرکین و کفار کا ذبیحہ

بت پرستوں کے ذبیحے

سوال کیا ان ملکوں سے درآمد کیے جانے والے گوشت کو کھانا جائز ہے' جن کی اکثریت اسلام یا عیسائیت یا یہودیت سے وابستہ نہیں ہے' مثلاً ہندوستان' جاپان اور چین وغیرہ؟

جواب اگر گوشت بت پرست یا اشتراکی ملکوں سے درآمد کیا ہو تو اس کو کھانا حلال نہیں ہے' کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے' ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے"۔

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اسے غیر شرعی طریقے' مثلاً: گلا گھونٹ کر یا بجلی کے کرنٹ سے ذبح نہ کیا گیا ہو اور اگر معلوم ہو کہ اسے غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے تو پھران کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

——— شیخ ابن باز ———

اسلام کی طرف منسوب مشرکوں کے ذبیحے

سوال ان ذبیحوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایسے ممالک کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں' جن کے باشندے شرک سے محفوظ نہیں ہیں؟ اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن جہالت اور بدعات و خرافات کی کثرت کی وجہ سے وہ شرک تک بھی کر گزرتے ہیں جیسے کہ فرقہ تیجانیہ ہے۔ مگر غلبہ جہالت اور بدعی جماعتوں کے غلبہ کی وجہ سے وہ شرک بھی کرتے ہیں؟

جواب اگر بات اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ ذبح کرنے والا اسلام کا مدعی تو ہے مگراس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کا تعلق ایک ایسی جماعت سے ہے جو غیراللہ سے ایسے امور پر مدد طلب کرتی ہے جن کے دفع کرنے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں اور فوت شدگان مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام سے مدد مانگتی ہے نیزان شخصیتوں سے بھی مدد مانگتی ہے جن کو یہ اپنے عقیدہ کے مطابق ولی سمجھتی ہے تو ایسے شخص کا ذبیحہ مشرکوں' بت پرستوں اور لات و عزیٰ و منات و وَدّ و سواع و یغوث و یعوق اور نسر کے پجاریوں کے ذبیحہ جیسا ہے' کسی سچے مسلمان کے لیے اسے کھانا حلال نہیں کیونکہ یہ مردار ہے اور ذبح کرنے والا انہی مشرکوں میں سے ہے کیونکہ وہ اس اسلام سے مرتد ہے جس کا وہ دعوے دار ہے' اس لیے کہ وہ ان امور میں بھی غیراللہ کی طرف رجوع کرتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں' مثلاً: گمراہ کو ہدایت دینا اور مریض کو شفا دینا وغیرہ۔ یہ لوگ مردوں کو یا ان لوگوں کو جو غائب ہونے کی وجہ سے مردوں کے حکم میں ہیں' پکارتے ہیں کیونکہ جہالت کی وجہ سے یہ ان کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہیں پکارنے سے برکت حاصل ہوتی ہے نیزان کے بارہ میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان کو وہ خواص حاصل ہیں جن کی وجہ سے وہ فریاد کرنے والوں کی دعاؤں کو سنتے' ان کی تکلیف کو دور کرتے اور انہیں نفع پہنچاتے ہیں خواہ دعا کرنے والا مشرق کے انتہائی کنارے پر اور جس کو پکارا جا رہا ہو مغرب کے انتہائی کنارے میں ہو۔

ان ملکوں میں رہنے والے اہل سنت پر یہ واجب ہے کہ ان مشرکوں کو سمجھائیں اور انہیں توحید خالص کی دعوت دیں'

اگر وہ قبول کر لیں تو الحمدللہ اور اگر قبول نہ کریں تو پھر حقیقت حال بیان کر دینے کے بعد ان کے لیے کوئی عذر نہیں ہو گا۔

اگر ذبح کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو لیکن اس کے ملک کے اکثر لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود مردوں سے فریاد کرتے ہوں اور ان کی طرف رجوع کرتے ہوں تو اس کے ذبیحے کا حکم بھی اکثریت کے ذبیحے کا ہو گا اور اسے کھانا حلال نہیں ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیراللہ کے لیے ذبح کرنا شرک ہے

سوال اگر کوئی شخص بکری ذبح کرے اور کہے کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں بزرگ کے نامہ اعمال میں درج فرما دے تو کیا یہ بدعت ہو گا؟

جواب اگر کوئی شخص بکری یا کوئی اور جانور ذبح کر کے کسی میت کی طرف سے صدقہ کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ اس میت کی تعظیم اور اس کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کرے تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہو گا کیونکہ ذبح کرنا بھی عبادت و قربت ہے اور عبادت و قربت صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔"

دونوں مقصدوں میں فرق کرنا واجب ہے یعنی اگر ذبح کرنے والے کا قصد یہ ہو کہ وہ اس کے گوشت کو صدقہ کر دے تاکہ اس کا ثواب اس میت کو حاصل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' اگرچہ اولیٰ اور احسن بات یہ ہے کہ میت کے لیے دعا کی جائے بشرطیکہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے دعا کا مستحق ہو اور صدقہ انسان کو خود اپنی طرف سے کرنا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے امت کو یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ وہ مردوں کی طرف سے صدقہ کریں بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح:١٦٣١)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس کے ساتھ نفع حاصل کیا جا رہا ہو اور (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

دیکھیے اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا جائے یا روزہ رکھا جائے یا نماز پڑھی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرنا افضل و احسن عمل ہے۔ عمل کے تو اے زندہ انسان! تم خود محتاج ہو' لہٰذا عمل خود اپنے لیے کریں اور اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے دعا کریں۔ اگر کسی شخص کے لیے ذبح کرنے سے مقصود اس کا تقرب و تعظیم ہو تو یہ شرک ہے' شرک اکبر! کیونکہ اس نے اس عبادت کو غیراللہ کے لیے سرانجام دیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غیر اہل کتاب کفار کے ذبیحے

سوال میں ایک صومالی طالب علم ہوں اور چین میں تعلیم حاصل کرتا ہوں' مجھے کھانے کے بارے میں عموماً اور گوشت کے بارے میں خصوصاً بہت سی مشکلات کا سامنا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

① چین آنے سے پہلے میں نے سنا تھا کہ جن حیوانات کو ملحدین نے ذبح یا زیادہ صحیح الفاظ میں قتل کیا ہو' مسلمان کے لیے انہیں کھانا جائز نہیں ہے۔ ہماری یونیورسٹی میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے جس میں گوشت بھی ہوتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں کہ اسے اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہوتا ہے' مجھے تو اس کے بارے میں شک ہوتا ہے جب کہ میرے ساتھی طلبہ کو اس کے بارے میں کوئی شک نہیں' لہٰذا وہ کھا لیتے ہیں جب کہ میں نہیں کھاتا۔ کیا میرے یہ ساتھی حق پر ہیں یا وہ حرام کھاتے ہیں؟

② کھانے کے برتنوں کے حوالہ سے وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے کوئی فرق نہیں ہے تو ان امور میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کے علاوہ دیگر کفار' خواہ وہ مجوسی ہوں یا بت پرست یا اشتراکی وغیرہ' کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں ہے۔ ان کے ذبح کیے ہوئے گوشت کے شوربے وغیرہ کو استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار میں سے صرف اہل کتاب ہی کے کھانے کو ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اہل کتاب کے کھانے سے مراد ان کا ذبیحہ ہے' جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل علم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ جہاں تک پھلوں وغیرہ کا تعلق ہے تو وہ حرام کھانے میں داخل نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا کھانا مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے حلال ہے بشرطیکہ وہ سچے مسلمان ہوں۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے ہوں اور نہ ہی اس کے ساتھ انبیاء' اولیاء اور اصحاب قبور وغیرہ کو پکارتے ہوں کہ جن کی کفار عبادت کرتے ہیں۔

برتنوں کے حوالے سے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے لیے برتن کافروں کے زیر استعمال برتنوں سے الگ ہوں' جن کو وہ اپنے کھانے اور شراب وغیرہ کے لیے استعمال کرتے ہوں۔ اگر الگ برتن میسر نہ ہوں تو پھر مسلمانوں کے باورچی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ برتنوں کو اچھی طرح دھو لے اور پھر انہیں مسلمانوں کے کھانے کے لیے استعمال کرے' کیونکہ صحیحین میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے برتنوں میں کھانا کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا:

«فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا ثُمَّ كُلُوا فِيهَا»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ماجاء في التصيد، ح:٥٤٨٨ وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، ح: ١٩٣٠)

"ان میں نہ کھاؤ' ہاں البتہ اگر (ان کے علاوہ اور) برتن نہ ہوں تو پھر انہیں دھو کر ان میں کھالو۔"

——— شیخ ابن باز ———

غیراللہ سے استغاثہ کرنے والے کا ذبیحہ

سوال طلبہ کی ایک جماعت یہ سمجھتی ہے کہ غیراللہ سے استغاثہ کرنے والوں اور انہیں ایسے امور کے لیے جن پر اللہ کے سوا اور کسی کو قدرت نہیں' پکارنے والوں' کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیں' ان کا استدلال ﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ (الانعام :۱۱۸/۶) کے عموم سے ہے نیز انہوں نے آیت کریمہ: ﴿ وَمَالَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَا سْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ --- (الانعام :۱۱۹/۶) سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ جو ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دے وہ ان حدود سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے جو بغیر علم کے اپنی خواہشات سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے لیے حرام قرار دیا ہے' اسے تفصیل سے بیان فرما دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِاللّٰهِ بِهِ ﴾ (المائدہ :۳/۵) اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ (البقرہ :۱۷۳/۲) میں ہے نیز وہ دیگر آیات جن میں ان ذبائح کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ان آیات میں سے کسی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی حرمت کو بیان نہیں کیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو' خواہ ذبح کرنے والا بت پرست ہو یا مجوسی۔ یہ لوگ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ان لوگوں کے ذبیحوں کو کھا لیتے تھے جو زید بن خطاب کو پکارتے تھے جب کہ وہ ان پر اللہ کا نام لے لیتے تھے۔ کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اگر مذکورہ آیات سے ان کا استدلال غلط ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟ اس مسئلہ میں حق کیا ہے؟ براہ کرم دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

جواب ذبح کرنے والوں کے حال کے مختلف ہونے کی وجہ سے حلت و حرمت کے اعتبار سے ذبیحوں کا حکم مختلف ہو گا۔ اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو اور اس کے بارے میں ایسی کسی بات کا علم نہ ہو جو اسلام کے منافی ہو اور اس نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لے لیا ہو' یا معلوم نہ ہو کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۱۸۔۱۱۹)

"تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے' اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اسے کھا لیا کرو اور سبب کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں' وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ (ان کے کھانے کے لیے) لاچار ہو جاؤ۔"

اگر ذبح کرنے والا کتابی یعنی یہودی یا عیسائی ہے اور وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لے تو وہ بھی بالاجماع حلال ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

اور اگر وہ اللہ کا نام لے نہ کسی غیراللہ کا' تو اس کے ذبیحہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے اس مذکورہ آیت سے استدلال کے پیش نظر حلال قرار دیا ہے اور بعض نے ذبیحہ پر وجوب تسمیہ کے دلائل کے عموم سے استدلال کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا ہے۔ نیز درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ان کا استدلال ہے' جس میں یہ ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اسے نہ کھایا جائے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔"

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے' اگر کتابی' ذبیحہ پر غیراللہ کا نام لے' مثلاً کہے: میں اسے عزیر یا مسیح یا صلیب کے نام سے ذبح کرتا ہوں تو پھر یہ ﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ﴾ (المائدہ :٣/٥) کے عموم کے پیش نظر کھانا حلال نہیں ہوگا کیونکہ اس آیت نے ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُو الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدہ :٥/٥) کے عموم کی تخصیص کر دی ہے۔

ذبح کرنے والا اگر مجوسی ہو تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا خواہ وہ اس پر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ ہمارے علم کے مطابق اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں بجز اس کے کہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مجوسی کا شکار اور ذبیحہ جائز ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ»(الموطأ، الزكاة، باب جزية أهل الكتاب والمجوس: ١/ ٢٧٨)

"ان سے بھی اہل کتاب کا سا معاملہ کرو۔"

اور پھر اس لیے بھی کہ ان سے بھی اہل کتاب کی طرح جزیہ لے کر انہیں اپنے دین پر برقرار رہنے کی اجازت دی جاتی ہے' لہٰذا ان کا شکار اور ذبیحہ جائز ہے لیکن علماء نے ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اسے ائمہ سلف کے اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کی خلاف ورزی کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مجوسیوں کے ذبیحوں میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے حالانکہ یہ کس قدر تعجب انگیز ہے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف ہے۔ جن لوگوں سے مجوسیوں کے ذبیحہ کی کراہت مروی ہے' ان میں ابن مسعود' ابن عباس' علی' جابر' ابو بردہ رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیب' عکرمہ' حسن بن محمد' عطاء' مجاہد' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' سعید بن جبیر' مرہ ہمدانی' زہری' مالک' ثوری' شافعی رحمہم اللہ اور اصحاب رائے شامل ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس کے خلاف کہا ہو الا یہ کہ وہ بدعتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

جس کا مفہوم یہ ہے کہ دیگر کفار کا کھانا حرام ہے' کیونکہ ان کے پاس کتاب نہیں ہے' لہٰذا بت پرستوں کی طرح ان کے ذبیحے حلال نہیں ہیں..... پھر فرمایا ہے کہ ان سے جزیہ اس لیے لیا جاتا ہے' کیونکہ کتاب کا شبہ ان کے خون کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے اور جب خون کی حرمت کے سلسلہ میں اس شبہ کو غلبہ دے دیا گیا تو واجب تھا کہ ذبیحوں اور عورتوں کی

حرمت کے سلسلہ میں عدم کتاب کے شبہ کو غلبہ دے دیا جاتا' تاکہ دونوں جگہوں پر احتیاط کے پیش نظر حرمت کے پہلو کو غلبہ دے دیا جائے اور پھر اس بات پر اجماع بھی ہے' چنانچہ یہی قول ان اہل علم کا بھی ہے جن کے اسماء گرامی ہم نے شمار کرائے ہیں اور ان کے زمانہ میں یا بعد میں کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی الا یہ کہ سعید رحمہ اللہ سے جو ایک روایت ہے ان سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ (المغنی)

اگر ذبح کرنے والا اہل کتاب اور مجوسیوں کے سوا دیگر مشرکوں' بت پرستوں یا ان میں سے ہو جو ان کے حکم میں ہوں تو پھر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس کا ذبیحہ حرام ہے خواہ یہ اللہ کا نام لیں یا نہ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدہ ۵/۵) سے معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کے ذبیحے حرام ہیں' ورنہ تخصیص کے ساتھ ان کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔

اسی طرح جو شخص اسلام کی طرف منسوب تو ہو مگر ایسے امور میں غیراللہ کو پکارتا ہو' جن پر اللہ کے سوا کسی اور کو قدرت نہیں ہوتی یا غیراللہ سے استغاثہ کرتا ہو تو کفار' بت پرستوں اور زندیقوں کی طرح اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے لوگ بھی شرک اور ارتداد کی وجہ سے کافر ہیں' لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ ان کے ذبیحوں کی حرمت پر مسلمانوں کے اجماع اور آیت کے مفہوم نے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالیا کرو۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"اور سبب کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ"

کے عموم کی تخصیص کر دی ہے' لہٰذا ان دو اور ان کے ہم معنی آیتوں سے بتوں کے پجاریوں اور ان لوگوں کے ذبیحوں کے حلال ہونے پر جو ان کے ہم معنی ہوں' استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' جو کہ اسلام سے مرتد ہو گئے ہوں اور مردوں اور دیگر غیراللہ سے استغاثہ و دعا کے لیے اصرار کرتے ہوں اور ان سے ایسے امور کے لیے مدد کے طلب گار ہوں' جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اور پھر اسے ان کے سامنے دلائل کے ساتھ بیان بھی کر دیا گیا ہو اور اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا یہ شرک جاہلیت اولیٰ کے شرک جیسا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے ذبیحوں کے حلال ہونے پر اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں ہے جو مردوں اور غیراللہ سے استغاثہ اور ایسے امور کے لیے فریاد کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں' خواہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام کیوں نہ لے لیں اور اگر ان کے ذبیحوں کا آیت کریمہ: ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ (البقرہ ۲/ ۱۷۳) اور اس کے ہم معنی دیگر آیات میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے تو یہ مردار کی حرمت کے دلائل کے عموم میں داخل ہیں کیونکہ یہ اسلام سے مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے ایسے امور کا ارتکاب کیا ہے جو اصل ایمان کے منافی ہیں اور پھر حقیقت حال کے بیان کے باوجود انہوں نے ان امور پر اصرار کیا ہے۔

جس شخص کا یہ گمان ہے کہ امام الدعوۃ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اہل نجد کے ذبیحوں کو کھا لیتے تھے حالانکہ وہ زید بن خطاب کو پکارتے تھے تو یہ محض اٹکل پچو اور ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ سے کوئی صراحت منقول نہیں

ہے بلکہ یہ گمان اس حکم کے خلاف ہے جس پر ان کی کتب و مؤلفات شاہد ہیں کہ جو ان امور میں جن پر اللہ کے سوا کوئی اور قادر نہیں' غیراللہ کو پکارے خواہ وہ کوئی ملک مقرب ہو یا نبی مرسل یا اللہ کا کوئی نیک بندہ' تو وہ مشرک و مرتد اور خارج اسلام ہے بلکہ اس کا یہ شرک زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے شرک سے بھی زیادہ شدید ہے' لہٰذا اس کے اور اس کے ذبیحوں کے بارے میں بھی وہی حکم ہو گا جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے بارے میں ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت حکم ہو گا۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل کتاب کے سوا دیگر تمام کفار کے ذبیحے حرام ہیں' خواہ وہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام ہی کیوں نہ لے لیں' کیونکہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عبادت کی ایک قسم ہے اور عبادت کو جب تک خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ادا نہ کیا جائے وہ صحیح نہیں ہوتی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/٨٨)

"اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

تارک نماز کے ذبیحہ کے بارے میں حکم

سوال اگر کوئی ایسا شخص ذبح کرے جو تارک نماز ہو تو کیا نمازی کے لیے اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے؟

جواب نماز ارکان خمسہ میں سے شہادتین کے بعد سب سے بڑا رکن ہے' جو اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے تو اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص محض سستی و کوتاہی کی وجہ سے اسے ترک کرے تو وہ بھی علماء کے صحیح قول کی روشنی میں کافر ہے اور اس سلسلہ میں دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر علي من ترك الصلاة، ح: ٨٢ وجامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢٠)

"بندے اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "مسند" میں اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢١ وسنن ابن ماجه، إقامة الصلاة، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، ح: ١٠٧٩)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے تو اس نے کفر کیا۔"

لہٰذا جس شخص کے بارہ میں آپ نے سوال کیا ہے کہ اگر وہ وجوب نماز کے انکار کی وجہ سے تارک ہے تو اس کا ذبیحہ بالاجماع نہیں کھایا جا سکتا اور اگر وہ محض سستی اور کوتاہی کی وجہ سے تارک نماز ہے تو ظاہر قول کے مطابق وہ کافر ہی ہے' لہٰذا اسے کھانا جائز نہیں جسے اس نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہو کیونکہ وہ مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جا سکتا جیسا کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے صراحت فرمائی ہے۔ واللہ الموفق' وصلی اللہ محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تارک نماز کا ذبیحہ

سوال کیا تارک نماز کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے؟

جواب جب کوئی ایسا شخص جانور ذبح کرے جو نماز نہیں پڑھتا تو اسے کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اہل علم کے راجح قول کے مطابق تارک نماز کافر ہے اور وہ اپنے اس کفر کی وجہ سے ملت سے خارج ہو جاتا ہے' لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ ذبیحہ صرف مسلمان یا کتابی کا حلال ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے یہ سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اہل کتاب کے کھانوں سے مراد ان کے ذبیحے ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے علاوہ دیگر تمام کفار کے ذبیحے حلال نہیں ہیں۔ مسلمان اور کتابی جب کوئی جانور ذبح کرے تو وہ حلال ہے خواہ ہمیں یہ علم نہ ہو کہ اس نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"تم خود اللہ کا نام لے لو اور اس کو کھا لو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سوال ان لوگوں کے بارے میں تھا) جو کفر کو نئے نئے چھوڑ کر آتے تھے۔ ان لوگوں کے ذبیحہ کو جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال قرار دیا ہے کیونکہ فعل جب اپنے اہل سے صادر ہو تو اس فعل کی کیفیت' شروط اور موانع کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اس میں اصل صحت ہے' مسلمان' یہودی اور نصرانی کے ذبیحہ کے بارے میں سوال نہیں ہو گا کہ اس نے کس طرح ذبح کیا ہے؟ اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ذبیحوں کو کھایا اور ان سے یہ سوال نہیں کیا کہ انہوں نے کس طرح ذبح کیا تھا۔

جس قاعدہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ بہت مفید ہے یعنی جو شخص کسی فعل کا اہل ہو تو اس کا فعل صحیح ہے الا یہ کہ اس کے فاسد ہونے کی دلیل موجود ہو۔ اگر ہم مسلمانوں کے لیے یہ لازم قرار دے دیں کہ وہ فاعل کے فعل کے بارے میں سوال کریں کہ کیا تمام شروط پوری تھیں' موانع ختم تھے تو ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مشقت میں مبتلا کر دیں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اس کا ذبیحہ حرام ہے' اسے نمازیوں یا غیر نمازیوں کے لیے کھانا حلال نہیں ہے' اسی طرح جو شخص فریضہ نماز کا منکر ہو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے الا یہ کہ وہ نیا نیا دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہو اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ نماز واجب ہے یا غیر واجب! تو انکار وجوب کی وجہ سے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا حتی کہ اس کے لیے حق واضح کر دیا جائے اور اگر حق واضح کیے جانے کے بعد بھی وہ وجوب نماز کا انکار کرے تو اس پر بھی یہی حکم لگایا جائے گا جو اس انکار کا تقاضا کرتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

اولیاء کے لیے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا حکم

سوال اس میت کے لیے ذبح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ وہ ولی اللہ ہے اور پھر اس کی قبر پر مقبرہ بھی بنایا گیا ہو؟

جواب ایسی میت کے لیے ذبح کرنا جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ وہ ولی اللہ ہے' شرک کی ایک قسم ہے اور ولی کے نام پر ذبح کرنے والا مشرک اور ملعون ہے اور یہ ذبیحہ مردار ہے' اسے کھانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ ٱلۡمَيۡتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحۡمُ ٱلۡخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيۡرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلۡمُنۡخَنِقَةُ وَٱلۡمَوۡقُوذَةُ وَٱلۡمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور جسے بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔"

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیراللہ کے لیے ذبح کرے۔"

فتویٰ کمیٹی

قبروں کے پاس ذبح کیے جانے والے جانور

سوال کچھ لوگ ایسی قبر پر جانور ذبح کرتے ہیں' جس کے بارے ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ زمانہ قدیم میں فوت ہونے والے فلاں بن فلاں ولی اللہ کی قبر ہے او یہ لوگ اپنے جانوروں اور کھیتوں میں اس ولی کا باقاعدہ حصہ رکھتے ہیں تاکہ اس سے برکت حاصل کر سکیں' اپنے اہل و عیال سے بلا کو دور کر سکیں اور اپنی معیشت میں نفع حاصل کر سکیں؟

جواب قبروں کے پاس جانوروں کو ذبح کرنا اور کچھ مقامات کو مخصوص کرنا تاکہ وہاں جانوروں کو ذبح کیا جائے یا کھانا کھلایا جائے' ان اعمال میں سے ہے' جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اگر اس سے مقصود ولی یا دیگر مخلوقات کے تقرب کا حصول ہو' تاکہ نفع حاصل کیا جائے' یا نقصان کو دور کیا جائے' یا اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی شفاعت کی امید رکھی جائے' یا اس طرح کے کوئی اور مقاصد ہوں جو قبرپرستوں کے پیش نظر ہوتے ہیں تو یہ شرک اکبر ہو گا۔

فتویٰ کمیٹی

جدف (جانور وغیرہ کو کاٹنے) کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ میت کے ساتھ جانور لے کر جاتے ہیں جسے وہ جدف کے نام سے موسوم کرتے ہیں تاکہ اسے قبرستان میں ذبح کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ اسے قبرستان سے ایک سو میٹر کے فاصلہ پر ذبح کیا جاتا ہے یہ اونٹ' گائے یا بکری ہوتا ہے۔ امید ہے اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں گے۔ وفقکم اللّٰہ۔

جواب قبر کے پاس جانور ذبح کرنا اور یہ جسے جدف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حرام ہے کیونکہ اس سے مقصود عبادت اور تقرب ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے' فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

''جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔''

اہل میت کا حاضرین کے لیے کھانا تیار کرنا سنت نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کیا جائے کیونکہ سنت سے ثابت ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جب خبر آئی تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو۔ [1] وصلى الله على نبينا محمد۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

در آمد شدہ اور مجہول ذبیحے

در آمد شدہ گوشت کا حکم!

سوال اس گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے جو منجمد حالت میں باہر سے منگوایا جاتا ہے خصوصاً فروزن چکن کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب وہ گوشت جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس سے آئے' اس کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے' اسی طرح جو گوشت اسلامی ملکوں سے منگوایا جائے' اس کے بارے میں بھی اصل یہی ہے کہ وہ حلال ہے' خواہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے جانور کو کس طرح ذبح کیا تھا اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں' کیونکہ اصول یہ ہے کہ جو فعل اپنے اہل سے واقع (صادر) ہو صحیح ہوتا ہے الا یہ کہ واضح ہو جائے کہ وہ صحیح سلامت نہیں ہے۔

اس اصل کی دلیل وہ روایت ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِلَحْمٍ لاَ نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَمْ لاَ، فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

---

[1] دیکھیے: جامع الترمذی' الجنائز' باب ماجاء فی الطعام یصنع لاهل المیت' حدیث: ۹۹۸ و سنن أبی داود' الجنائز' باب صنعة الطعام لاهل المیت' حدیث: ۳۱۳۲۔

"کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو اور اسے کھالو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "(یہ سوال ان لوگوں کے بارے میں تھا) جو کفر کو نئے نئے چھوڑ کر آئے تھے۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی فعل اس کے اہل کی طرف سے واقع ہو تو پھر ہمارے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ ہم یہ سوال کریں کہ کیا اسے صحیح طریقے سے سرانجام دیا گیا ہے یا نہیں؟

اس اصل کی بنیاد پر جو گوشت ہمارے پاس اہل کتاب کے پاس سے آئے' وہ حلال ہے اور اس کے بارے میں سوال یا کرید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر یہ واضح ہو جائے کہ یہ غیر صحیح طریقے سے ذبح کیا ہوا ہے تو پھر ہم اسے نہیں کھائیں گے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَنْهَرَ أَوْ نَهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ غَيْرَ السِّنِّ وَالظُّفُرِ فَإِنَّ السِّنَّ عَظْمٌ وَالظُّفُرَ مُدَى الْحَبَشَةِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب إذا ند بعير لقوم ... الخ، ح:٥٥٤٤ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

"جو چیز بھی خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو کھالو بشرطیکہ اسے دانت یا ناخن کے ساتھ ذبح نہ کیا گیا ہو کیونکہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔"

انسان کو چاہیے کہ دین میں غلو سے کام نہ لے اور ایسی چیزوں کے بارے میں کرید نہ کرے' جن کے بارے میں کرید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر خرابی یقینی اور واضح ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اور اگر شک و تردد ہو کہ معلوم نہیں اسے صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے یا نہیں تو اس صورت میں ہمارے سامنے دو اصول ہیں۔ اصل اول: کہ یہ صحیح سلامت ہے اور اصل دوم: یہ کہ پرہیزگاری کا ثبوت دیتے ہوئے اسے نہ کھایا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں اور اگر کھالے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

گویا اس مسئلہ کی تین حالتیں ہیں (۱) ہمیں معلوم ہو کہ جانور کو صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے (۲) ہمیں معلوم ہو کہ جانور کو صحیح طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا تو ان دو حالتوں کا حکم تو ہمیں معلوم ہے (۳) یہ کہ ہمیں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ جانور کو صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو اس حالت میں حکم یہ ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اور ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم یہ تحقیق کریں کہ اسے کس طرح ذبح کیا گیا ہے؟ اور کیا اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں بلکہ سنت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ اس کے بارے میں سوال اور تحقیق نہ کی جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے جب لوگوں نے یہ عرض کیا کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پوچھ لو کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں بلکہ یہ فرمایا:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"تم اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔"

اور یہ نام لینے کا جو نبی ﷺ نے حکم دیا ظاہر ہے کہ اس سے مراد بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا نہیں ہے کیونکہ ذبح کا عمل تو

اس سے پہلے سرانجام پا چکا ہے' لہٰذا اس سے مراد اسے کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے کیونکہ حکم شریعت یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے بلکہ راجح قول کے مطابق کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور پھر اس لیے بھی کہ اگر انسان بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کے کھانے پینے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ڈبوں میں بند گوشت کا استعمال

سوال بیرونی ملکوں سے آنے والے ان ڈبوں میں بند گوشت کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے' جن پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا ہوا ہے؟

جواب اجنبی ملکوں سے درآمد شدہ گوشت کو کھانا مکروہ ہے کیونکہ اس کا حلال ہونا مشکوک ہوتا ہے' خواہ ان ملکوں میں مسلمان یا کتابی ہی کیوں نہ رہتے ہوں' اس لیے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں ان کا ذبح کرنے کا طریقہ شرعی نہیں ہوتا۔ کبھی تو یہ جانوروں کو اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ ان کا سر کاٹ کر ان کو گردن کے اوپر کے حصہ کی طرف سے ذبح کرتے ہیں اور کبھی انہیں بڑی بڑی مشینوں میں داخل کر دیتے ہیں اور یہ ذبح کرنے سے قبل ہی مر جاتے ہیں' پھر بعد میں ان کے سر کاٹ دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کا خون ضائع نہ ہو اور گوشت وزنی ہو جائے اور کبھی انہیں زبردست کھولتے ہوئے پانی میں ڈبو کر مار دیتے ہیں تاکہ ان کے پروں اور بالوں وغیرہ کو یہ آسانی سے نوچ سکیں اور پھر اکثر و بیشتر صورتوں میں ذبح کرنے والے لوگ بھی مسلمان یا تورات و انجیل کو قائم کرنے والے حقیقی کتابی نہیں ہوتے' لہٰذا وہ مرتد شمار ہوں گے اور پھر یہ لوگ ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھی نہیں پڑھتے' حالانکہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مرغی کے درآمد شدہ گوشت کا استعمال

سوال مرغی کے اس گوشت کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے جو بیرون ملک سے ذبح کیا ہوا اور ٹین کے بند ڈبوں میں آتا ہے؟

جواب بیرون ممالک سے آنے والا مرغی یا دیگر جانوروں کا گوشت اگر اہل کتاب کے ملکوں سے آیا ہو تو حلال ہے۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ اہل کتاب کا کھانا قرآن کریم کی نص کی روشنی میں ہمارے لیے حلال ہے بشرطیکہ کوئی ایسا سبب موجود نہ ہو جس سے وہ حرام قرار پاتا ہو' مثلاً یہ کہ اسے غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا سر قطع کیے بغیر ذبح کیا گیا ہو اور اگر یہ گوشت مجوسیوں یا سوشلسٹوں اور اشتراکیوں یا دیگر بت پرستوں کے ملکوں سے منگوایا گیا ہو تو پھر یہ حرام ہے' اسے کھانا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منجمد مرغی کا استعمال

سوال باہر سے درآمد کیے ہوئے گوشت' نیز ان فروزن مرغیوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ انہیں کس طرح ذبح کیا گیا تھا بعض علماء ایسی مرغیوں کے خریدنے کو جائز قرار نہیں دیتے؟

جواب اگر مذکورہ گوشت اہل کتاب کے ملکوں سے درآمد کیے گئے ہوں تو انہیں کھانا حلال ہے بشرطیکہ کوئی اور ایسی وجہ نہ ہو جس سے یہ حرام قرار پائیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اہل کتاب کے بعض ملکوں کے بعض مذبحوں میں اگر جانوروں کو غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے تو اس سے یہ واجب قرار نہیں پاتا کہ اہل کتاب کے ملکوں سے درآمد کیا جانے والا تمام گوشت حرام ہے الا یہ کہ کسی معین ذبیحہ کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اسے جس مذبح سے منگوایا گیا ہے' اس میں جانوروں کو غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے کیونکہ اصل حلت و سلامتی ہے حتی کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس کا تقاضا اس کے خلاف ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

بازاروں میں بکنے والا درآمدی گوشت

سوال بازاروں میں فروخت ہونے والے اس گوشت کے متعلق کیا حکم ہے جو باہر سے درآمد کیا ہوتا ہے؟ کیا اسے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر جانوروں یا پرندوں کو ذبح کرنے والا شخص غیر کتابی ہو جس طرح کہ روس اور بلغاریہ یا ان کی طرح الحاد اور ترک ادیان میں مشابہت رکھنے والے کفار ہیں تو ان کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں ہے' خواہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو کیونکہ اصل میں تو صرف مسلمانوں ہی کے ذبیحے حلال ہیں۔ ہاں البتہ قرآنی نص نے اہل کتاب کے ذبیحوں کو بھی مستثنیٰ قرار دے دیا ہے' لہٰذا اگر کوئی یہودی یا عیسائی کسی زندہ جانور کو گردن سے ذبح کرے یا اونٹ کو (سینے کے گڑھے میں زخم لگا کر) نحر کرے اور بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام بھی لے تو اسے کھانا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

اور اگر وہ عمداً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اور نہ کسی اور کا نام لے تو اس کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے' اگر وہ غیر اللہ کا نام لے تو اسے کھانا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ مردار ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُۥ لَفِسْقٌ ۗ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔"

اور اگر وہ اس کے سر پر ہتھوڑا مارے یا اسے بجلی کا کرنٹ لگائے جس سے وہ مرجائے تو یہ جانور "موقوذہ" شمار ہو گا' خواہ بعد میں اس کی گردن کاٹ بھی لے' اور اللہ تعالیٰ نے "موقوذہ" کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ ﴾

(المائدة٥/ ٣)

"تم پر طبعی موت مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے..... یہ سب حرام ہیں۔"

ہاں البتہ سر پر چوٹ لگنے کے بعد اگر جانور ابھی تک زندہ ہو اور اسے باقاعدہ ذبح کر لیا جائے تو پھر اسے کھانا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"اور جو جانور چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

محرمات میں سے اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو مستثنیٰ قرار دے دیا ہے جو ابھی تک زندہ ہو اور اسے ذبح کر لیا گیا ہو کیونکہ ذبح کیا ہوا جانور مردہ نہیں ہوتا۔

جس جانور کا گلا گھونٹ دیا گیا اور وہ مرگیا یا اسے بجلی کا کرنٹ دیا گیا اور وہ مرگیا تو اسے کھانا بالاتفاق حلال نہیں ہے خواہ گلا گھوٹنے یا بجلی کا کرنٹ لگانے یا اسے کھانے کے وقت بسم اللہ ہی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ یاد رہے نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ تم:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"اللہ کا نام لو اور کھالو۔"

ان لوگوں کے ذبیحوں کے بارے میں تھا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور معلوم نہ تھا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں' لہٰذا اللہ کا نام لینے کے سلسلہ میں شک کرنے والے مسلمانوں کو آپ نے یہ حکم دے دیا کہ وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لیں اور ان ذبح کرنے والوں کے معاملہ کو اسی پر محمول کریں جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ وہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیتے ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مجہول العقیدہ اور شرک سے ناواقف شخص کا ذبیحہ

سوال کیا اس شخص کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے جس کا عقیدہ معلوم نہ ہو اور جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ حرام ہیں اور جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ قصد و ارادہ کے بغیر جن کو پکارتا ہے؟

جواب اگر وہ شرک نہ کرتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نہ اس کے بارے میں کوئی اور ایسی بات معلوم ہو جس سے کفر لازم آتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے' مثلاً: یہ کہ کسی جن کو پکارا ہے یا مردوں سے دعا اور استغاثہ کیا ہے تو یہ شرک اکبر ہے' اس کے مرتکب انسان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ جنوں کو پکارنے کی مثال یہ ہے کہ ان سے کہے کہ یہ کام کر دو یا یہ کام نہ کرو یا مجھے یہ دو یا فلاں شخص کے ساتھ یہ کرو' اس طرح جو شخص قبروں میں مدفون لوگوں یا فرشتوں کو پکارے' ان سے استغاثہ کرے یا ان کے لیے نذر مانے تو یہ سب شرک اکبر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے محفوظ رکھے۔

گناہوں کے ارتکاب سے ذبیحہ کھانا حرام نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ انہیں حلال نہ سمجھے بلکہ انہیں حرام ہی سمجھے اور پھر اس

نے جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کیا ہو اور جو شخص گناہوں کو حلال سمجھے تو وہ کافر شمار ہو گا۔ مثلاً: اگر کوئی شخص زنا یا شراب یا سود یا والدین کی نافرمانی یا جھوٹی گواہی وغیرہ ایسے گناہوں کو حلال سمجھے' جن کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے تو وہ کافر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر اس کام سے بچائے جو اسے ناراض کرنے کا سبب بنیں۔

—— شیخ ابن باز ——

کفار ملکوں میں مجہول گوشت

سوال یہاں امریکہ میں فروزن گوشت ملتا ہے' جس کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کس نے اور کس طرح ذبح کیا تھا؟ کیا ہم اس طرح کے گوشت کو کھا سکتے ہیں؟

جواب اگر مذکورہ گوشت کے علاقے میں صرف اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہی رہتے ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ یہ معلوم نہ بھی ہو کہ انہوں نے اسے کس طرح ذبح کیا ہے' کیونکہ ان کے ذبیحہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے' اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (المائدة۵/ ۵)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اور اگر اس علاقہ میں اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار رہتے ہوں تو پھر اسے کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں حلال کے ساتھ حرام کا اشتباہ بھی ہے' اسی طرح گوشت فروخت کرنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اسے غیر شرعی طریقے سے ذبح کرتے ہیں مثلاً گلا گھونٹ کر یا بجلی کا کرنٹ دے کر تو اسے بھی نہیں کھانا چاہیے خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کافر' کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدة۵/ ۳)

"تم پر مردہ جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دین میں فقاہت (سمجھ بوجھ) کی توفیق عطا فرمائے۔ انه سميع قريب.

—— شیخ ابن باز ——

جسے معلوم نہ ہو کہ اس گوشت پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں؟

سوال جب ہمارے سامنے کھانے کے لیے گوشت پیش کیا جائے اور ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں تو ہم اس وقت کیا کریں؟

جواب صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِلَحْمٍ لاَ نَدْرِي اَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لاَ، فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ قَالَتْ: وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم خود نام لے لیا کرو اور اسے کھا لیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔"

اس طرح کے لوگوں پر فرعی اور دقیق احکام مخفی ہوتے ہیں کیونکہ انہیں صرف وہی شخص جان سکتا ہے جو مسلمانوں کے درمیان رہتا ہو۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان سوال کرنے والوں کی رہنمائی فرمائی کہ تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھا لو یعنی کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور اسے کھا لو۔

اور تمہارے علاوہ ان دیگر لوگوں کا فعل جن کا تصرف صحیح ہے' صحت پر محمول کیا جائے گا' اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ تکلف اور غلو شمار ہو گا۔ اور اگر ہم اس قسم کے سوال شروع کر دیں تو اپنے آپ کو بہت تکلیف میں مبتلا کر دیں گے کیونکہ پھر تو ہمارے سامنے پیش کئے جانے والے ہر کھانے کے بارے میں یہ احتمال ہو گا کہ شاید یہ جائز نہیں' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس نے آپ کو کھانے کی دعوت دی اور اسے آپ کے سامنے پیش کیا اس کا یہ کھانا غصب شدہ یا مسروقہ ہو یا ممکن ہے کہ اس کی جو قیمت ادا کی گئی ہو' وہ حرام ہو۔ گوشت کی صورت میں احتمال ہے کہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ الغرض! اس طرح کے کئی شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت کے پیش نظر یہ قرار دیا ہے کہ فعل جب اپنے اہل سے صادر ہو تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے اسی طرح سر انجام دیا گیا ہو جس سے انسان بری الذمہ ہو جاتا ہے' لہٰذا اس صورت میں کھانا وغیرہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وہ ذبیحے جو مختلف مناسبتوں سے ذبح کیے جاتے ہیں

مہمان اور رشتہ دار کے اعزاز میں جانور ذبح کرنا

سوال غیراللہ کے لیے ذبح کرنا تو حرام اور شرک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مہمانوں اور قریبی رشتہ داروں کے لیے ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب کسی فائدے کے حصول یا نقصان سے بچنے کے لیے غیراللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر (جانور وغیرہ) ذبح کرنا شرک ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے' آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔"
لیکن مہمان یا قریبی رشتہ دار کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

مہمان اور اہل و عیال کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے" سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے کیا مقصود ہے؟ اور اگر کوئی شخص اپنے مہمان یا اہل خانہ کے لیے جانور ذبح کرے اور یہ کہے: (اللہ کے نام کے ساتھ' رسول اللہ ﷺ کی ملت پر' اللہ کی رضا کے لیے' اے اللہ! اس کا ثواب مجھے اور میرے اہل خانہ کو عطا فرما) تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ فوت شدہ انبیاء و اولیاء کے لیے ذبح کرنا حرام ہے جس سے ان کی برکت کی امید کی جائے' اسی طرح جنوں کو خوش کرنے کے لیے ذبح کرنا بھی حرام ہے تاکہ وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کریں یا ان سے شر کو دفع کریں' یہ شرک اکبر ہے' اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہے۔ مہمانوں کی عزت افزائی یا اہل خانہ کی کشادگی کے لیے ذبح کرنا نیز تقرب الی اللہ کے حصول کے لیے ذبح کرنا اور اسے فوت شدگان کے لیے صدقہ کر دینا اور زندہ و مردہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کی امید رکھنا جائز ہے بلکہ یہ احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔ اسی طرح قربانی کے دن فوت شدگان اور زندوں کی طرف سے جو قربانیاں کی جاتی ہیں وہ بھی نہ صرف جائز بلکہ نیکی و تقویٰ کا کام ہیں۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد

فتویٰ کمیٹی

مہمان کے لیے ذبح کرنا

سوال مہمان کے لیے جانور ذبح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا اهل به لغیر اللہ "اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے..... (حرام ہے)"

جواب مہمان نوازی کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے جب کہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ (المائدہ ۵:۳) "اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے (وہ حرام ہے)" کے عموم میں داخل نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے مقصود وہ جانور ہے جسے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے' مثلاً مردوں وغیرہ کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کرنا۔ جہاں تک مہمان کے لیے ذبح کرنے کا تعلق ہے تو اس سے مقصود مہمان کی عزت افزائی ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کرنا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مہمان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

کسی مشروع مناسبت سے جانور ذبح کرنا

سوال اس صدقہ کے بارے میں کیا حکم ہے جسے میں ذبح کروں اور اپنے دل میں یہ کہوں یا اپنے پاس موجود لوگوں کے سامنے یہ کہوں کہ یہ میرے بیٹے کی کامیابی کی خوشی میں' یا گاڑی کے حادثہ میں محفوظ رہنے کی خوشی میں یا کسی بھی اور خوشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا میں خود بھی اس صدقہ سے کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ یاد رہے میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم نہیں کھائی ہوتی اور نہ یہ نذر مانی ہوتی ہے کہ میں یہ کام کروں گا' لیکن جب کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو کہتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں' کیا یہ طریقہ درست ہے' جسے ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟

جواب اعمال کے بارے میں اصل یہ ہے کہ یہ نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ عمل پر ثواب کے لیے نیت شرط ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ ہر خرچ کے وقت تقرب الٰہی کے حصول کی نیت کرے اور اگر کسی پروگرام کی مناسبت سے' مثلاً: مہمان کی آمد یا بیٹے کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے جانور ذبح کیا جائے اور مقصود تقرب الٰہی کا حصول ہو تو اس سے خود کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کسی شخص کے اکرام اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال بعض عربوں میں یہ عادت ہے کہ وہ بوقت حاجت ایک دوسرے کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں' کبھی کبھی طالب رضا بکری لے کر آتا ہے اور اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے بعد ہی دروازہ سے داخل ہوتا ہے' اور کبھی وہ بکری لے کر آتا ہے تو وہ جس شخص کے لیے بکری لایا ہوتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ: ''عقیرہ'' حرام ہے اور وہ اسے اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے لیکن اس کی رضا کا طالب اس کے اکرام میں ایک دوسری بکری ذبح کر دیتا ہے' تو کیا ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب انسان کے کسی دوسرے کے لیے بکری وغیرہ ذبح کرنے سے اگر مقصود اس کی عزت افزائی ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے رفقاء بھی اسے کھائیں' نیز جسے بھی ان کے ساتھ کھانے کی دعوت دی جائے' وہ بھی شریک ہو جائے تو یہ جائز ہے بلکہ صحیح احادیث نے اس کی ترغیب بھی دی ہے' چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ح:٦٠١٩ وصحيح مسلم، الايمان، باب الحث علي اكرام الجار والضيف ... الخ، ح:٤٨)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

اسی طرح ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ

وَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلاَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ح:٦٠١٩ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث علي اكرام الجار والضيف ... الخ، ح:٤٨ وسنن أبي داود، الأطعمة، باب ما جاء في الضيافة، ح:٣٧٤٨ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے' اس کا انعام ایک دن رات ہے اور مہمان نوازی تین دن اور پھر اس کے بعد صدقہ ہے' کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی کے پاس اس قدر قیام کرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۔"

کبھی ذبح کرنے سے مقصود محض تعظیم و تکریم ہوتی ہے خواہ بعد میں ذبیحہ کھانے کے لیے پیش کیا جائے یا نہیں' تو یہ جائز نہیں بلکہ یہ شرک اور موجب لعنت ہے' کیونکہ یہ بھی ذبح لغیر اللہ کے عموم میں داخل ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«حَدَّثَنِي (رَسُولُ اللهِ ﷺ) بِكَلِمَاتٍ أَرْبَعٍ: لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا وَلَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے چار باتیں ارشاد فرمائیں ① جو اپنے والدین پر لعنت کرے' اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے اور ② جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے' اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے ③ جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے' اللہ تعالیٰ اس پر بھی لعنت فرمائے ④ اور جو زمین کی حدود کو مٹائے' اللہ اس پر بھی لعنت فرمائے۔"

لہٰذا اس طرح کے ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہو گا خواہ ذبح کرنے والا اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام کیوں نہ لے کیونکہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور "عقیرہ" کی تقدیم سے اس کا مقصود' غیر اللہ کی تعظیم اور خالصتاً اس کی تکریم ہے' نہ کہ اس کے گوشت سے کھانا مقصود ہے اگر وہ زندہ جانور پیش کرے اور مسترضی اسے لے لے اور مہمانوں کے لیے ذبح کر دے یا مہمانوں کے لیے کسی اور جانور کو ذبح کر دے تو اس طرح کے جانور کو کھانا جائز ہے کیونکہ اسے اس کی تعظیم کے لیے ذبح نہیں کیا گیا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

برھہ یا عتامہ کے بارے میں حکم

سوال دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ اشخاص میں جھگڑے کی صورت میں بستی کے بزرگ یا قبیلہ کا شیخ جھگڑا کرنے والوں کے معاملات کا جائزہ لیتا ہے۔ جھگڑے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد' جھگڑے کی بنیادی وجہ اور یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اصل غلطی کس کی ہے' وہ غلطی کا ارتکاب کرنے والے پر یہ فرض قرار دے دیتے ہیں کہ وہ دو یا تین یا بسا اوقات اس سے بھی زیادہ جانوروں کو ذبح کرے' اور جس کی غلطی کم ہو اسے یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی کم از کم ایک جانور ذبح کرے۔ چنانچہ ان میں سے ہر شخص پر جس قدر فرض قرار دے دیا گیا ہوتا ہے' وہ اسے ذبح کرتا ہے اور پھر کھانے پر لوگ اور فیصلہ کرنے والے منصف بھی حاضر ہوتے ہیں۔ جھگڑا کرنے والے خواہ فقیر ہوں یا غنی ان کے لیے منصفوں کے احکام

کی اطاعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہوتا۔ اس عادت کو "برھہ" یا "عتامہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر و بیشتر فیصلوں میں حکومتی اداروں کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ میرا سوال ان عادات کے بارے میں ہے کہ کیا یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ کیا اس طرح جانوروں کو ذبح کرنے والا اس ارشاد نبوی کے مصداق تو نہیں ہے:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح: ١٩٧٨)

"جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے' اللہ اس پر لعنت کرے۔"

یاد رہے یہ جو جانور ذبح کیے جاتے اور خون بہائے جاتے ہیں یہ کسی ایک شخص یا اشخاص یا رئیس یا روسائے قبیلہ کی رضامندی کے لیے ہوتے ہیں۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں؟

جواب تنازعات کا فیصلہ کرنا تاکہ خطاکار کی خطا کو واضح کیا جائے اور جس پر زیادتی ہوئی ہے' اس کی مدد کی جائے' آپس میں صلح کرا دی جائے اور اس حق کے ساتھ تنازعات کا فیصلہ کیا جائے جسے اسلامی شریعت لے کر آئی ہے' کتاب و سنت کی روشنی میں حق اور مشروع ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُواْ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓاْ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ ﴾

(الحجرات٤٩/ ٩)

"اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے' پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریقوں کے درمیان عدل و انصاف کیساتھ صلح کرا دو اور (پورے) انصاف سے کام لو یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ لَّا خَيْرَ فِى كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَىٰهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَٰحٍۭ بَيْنَ ٱلنَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ ٱللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١١٤)

"ان لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی (کی بات) نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے کہ خیرات دینے کی' یا نیک کام کرنے کی' یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی ترغیب دی ہو۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کام کرے گا' تو ہم اس کو بہت بڑا ثواب دیں گے۔"

وہ جانور جنہیں معاملہ کے دونوں فریق جھگڑا ختم ہو کر صلح ہو جانے کے بعد ذبح کرتے ہیں' اگر یہ ذبح کرنے والے کی طرف سے صدقہ اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے ہیں کہ اس نے امن و سلامتی کے ساتھ جھگڑے سے خلاصی عطا فرمائی اور پہلے کی سی اخوت و محبت کی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائی تو یہ ایک اچھی بات ہے۔ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے اور یہ ان نصوص کے عموم میں داخل ہے جن میں نیکی کی ترغیب اور نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' مثلاً: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے لیکن شرط یہ ہے

کہ اسے عادت نہ بنایا جائے اور ان واجبات کی طرح اسے لازم قرار نہ دیا جائے جو اپنے اوقات و اسالیب کے ساتھ مخصوص ہیں' نیز اپنی مادی طاقت و حیثیت سے کسی بھی انسان کو تجاوز نہیں کرنا چاہیے ورنہ ممنوع ہو گا اور اگر معاملات کی تحقیق کرنے والا اور فریقین میں صلح کرانے والا شخص اسے دونوں فریقوں پر اس طرح لازم قرار دے کہ جو اسے سرانجام نہ دے سکے' اس کے لیے اسے عیب و عار تصور کیا جائے اور بسا اوقات اس سے صلح بھی ختم اور فیصلہ کالعدم قرار پائے اور لڑائی جھگڑا پہلے ہی کی طرح یا اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ شروع ہو جائے' تو یہ ایک ایسا فیصلہ ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا' ہاں البتہ اگر یہ زیادتی یا غلطی کرنے والے کے لیے تعزیری سزا ہو اور یہ اس کی زیادتی اور غلطی کے بقدر (برابر) ہو اور اس سے مقصود اسے ادب سکھانا اور جس پر زیادتی ہوئی ہے اس کی دل جوئی کرنا ہو تو یہ ان فقہاء کے بقول جائز ہے جو مال کی صورت میں تعزیری سزا نیز اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ مال وہاں خرچ کیا جائے جہاں دونوں منصف مناسب سمجھیں۔ یعنی اگر ان کی رائے میں اسے بیت المال میں جمع کرانا مناسب ہو تو بیت المال میں جمع کرا دیا جائے اور اگر وہ اسے نیکی کے کسی کام میں صرف کرنا موزوں سمجھیں تو وہاں صرف کر دیا جائے اور اس بات کی پابندی نہ کی جائے کہ اسے صرف دونوں منصفوں یا حاضرین مجلس صلح ہی کے لیے ذبح کیا جائے۔ ان ذبیحوں کا حکم ان قربانیوں کا نہیں ہے جنہیں غیراللہ کے لیے مثلاً: بتوں کے نام پر' یا نیک لوگوں کی قبروں کے پاس' یا کسی جن وغیرہ کے لیے ان کے تقرب کے حصول یا قضاء حاجت کی امید یا دفع مضرت یا حصول منفعت وغیرہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہے۔

ممانعت کی صورت میں یہ ذبیحہ دین میں بدعت اور ایسی شریعت سازی کی قبیل میں سے ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا اور اس طرح یہ حدیث ((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ)) (غیراللہ کے نام پر ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے) کی نسبت اس آیت کے معنی کے زیادہ قریب ہے:

﴿ اتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ﴾ (التوبة۹/ ۳۱)

"انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔"

اگرچہ یہ دونوں عمل ہی ضلالت و گمراہی اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

دو جھگڑنے والوں کی صلح کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال جب دو قبیلوں میں شدید اختلاف پیدا ہو جائے اور اس بات کا شدید خطرہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جائیں گے تو اس صورت حال میں ایک تیسرا قبیلہ اگر مداخلت کرے اور جانور ذبح کر کے جھگڑنے والے دونوں قبیلوں کو کھانے پر بلائے تاکہ ان میں صلح کرادی جائے تو اس ذبیحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب جانور ذبح کرنے والے سے جھگڑا کرنے والے دو فریقوں میں سے کسی سے بھی سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ ہو کہ وہ آئیں تاکہ ان میں صلح کرا دی جائے تو یہ اس صلح کے سلسلہ میں مدد ہو گی جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۰)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔"

نیز یہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے اور دلوں سے کدورت کو ختم کرنے میں مدد اور صلح کے لیے حاضر ہونے والوں کی عزت افزائی کے لیے ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ذبح کرنے کے احکام

حیوان کے ساتھ نرمی

سوال ڈاکٹر۔ ت۔ ج۔ عبدالہادی اسکینر نے آسٹریلیا سے مشرق وسطیٰ کے ممالک میں جانور بھیجنے کے بارے میں خط لکھ کر ان بدترین حالات کے بارے میں فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سے سوال پوچھا ہے جن کا ان جانوروں کو سامنا کرنا پڑتا ہے؟ چنانچہ اس سوال کا فضیلۃ الشیخ نے حسب ذیل جواب دیا:

جواب عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے جناب برادر مکرم ڈاکٹر ت۔ ج۔ عبدالہادی اسکینر کے نام:

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' امابعد:

میں نے آپ کا وہ خط ملاحظہ کیا ہے جس میں آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے کہ آپ کے ملک آسٹریلیا سے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں جانوروں کی منتقلی کے وقت انہیں جن بدترین حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور رش وغیرہ کی وجہ سے بحری جہازوں میں انہیں جن بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اس موضوع پر قلم اٹھائیں۔ سب سے پہلے تو ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے ایک انتہائی اہم مسئلہ کی طرف جو توجہ مبذول فرمائی ہے' اس پر آپ کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ ہمیں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہم آپ کے اس سوال کا کتاب کریم و سنت مطہرہ کے ان نصوص کی روشنی میں جواب دیں' جن میں جانوروں کے ساتھ' خواہ وہ ماکول اللحم (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) ہوں یا غیر ماکول اللحم' حسن سلوک کی ترغیب دی گئی ہے' نیز اس موقع پر ہم کچھ ایسی صحیح احادیث کو بھی بیان کریں گے جن میں جانوروں کو تکلیف دینے والوں کے لیے وعید بیان کی گئی ہے' خواہ یہ تکلیف انہیں بھوکا رکھنے کے نتیجہ میں ہو یا نقل و حمل میں پرواہ نہ کرنے کی صورت میں یا کسی بھی اور وجہ سے چنانچہ حیوان وغیر حیوان سب کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحۡسِنُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ١٩٥ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۹۵)

"اور احسان کرو' بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُ بِٱلۡعَدۡلِ وَٱلۡإِحۡسَٰنِ ﴾ (النحل ۱۶/ ۹۰)

"اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

اس حدیث میں ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر باحسان الذبح ... الخ، ح:١٩٥٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں احسان کو فرض قرار دیا ہے' لہٰذا جب تم (کسی چیز کو) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو' چھری کو تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ"

صحیح حدیث میں ہے کہ جو کسی غم زدہ کی مدد کرتا ہے تو اسے عظیم اجر و ثواب ملتا ہے' اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے اس عمل کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلأَ خُفَّهُ مَاءً ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ حَتّٰى رَقِيَ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ، قَالُوا يَارَسُولَ اللهِ: وَإِنَّ لَنَا فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ لأَجْرًا؟ فَقَالَ: فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ»(صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ح:٦٠٠٩ وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقى البهائم ... الخ، ح:٢٢٤٤ واللفظ له)

"ایک آدمی راستہ پر چل رہا تھا کہ اسے پیاس نے ستایا تو اس نے ایک کنواں دیکھا اور اس میں اتر کر پانی پی لیا اور جب وہ کنویں سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہانپتے ہوئے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے کیونکہ اسے شدید پیاس لگی ہوئی تھی' اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کو بھی اس طرح پیاس لگی ہے جیسے مجھے پیاس لگی تھی' لہٰذا وہ پھر کنویں میں اترا اور اس نے اپنے موزے کو پانی سے بھر لیا' اسے اپنے منہ سے تھام لیا اور اس طرح باہر آکر کتے کو پانی پلا دیا' اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی نیکی کا صلہ دیا اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی وجہ سے بھی ہمیں اجر و ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہر زندہ چیز کی وجہ سے اجر و ثواب ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا كَلْبٌ يُطِيفُ بِرَكِيَّةٍ قَدْ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ إِذْ رَأَتْهُ بَغِيٌّ مِنْ بَغَايَا بَنِي إِسْرَائِيلَ فَنَزَعَتْ مُوقَهَا فَاسْتَقَتْ لَهُ بِهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهِ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ٥٤ بعد باب حديث الغار، ح:٣٤٦٧ وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقى البهائم ... الخ، ح:٢٢٤٥ واللفظ له)

"ایک کتا کنویں کی منڈیر کے گرد چکر لگا رہا تھا اور قریب تھا کہ پیاس کی شدت سے مر جائے کہ اسے بنی

اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے دیکھ لیا' اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس سے کنویں سے پانی نکال کر اسے پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے اس عمل کی وجہ سے معاف فرما دیا۔"

اسلام نے احسان کی ترغیب دی ہے' مستحق کے لیے اسے واجب قرار دیا ہے اور اس کے برعکس ظلم و زیادتی سے منع فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧)

"اور زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾﴾ (الفرقان٢٥/ ١٩)

"اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

صحیح مسلم میں ہے:

«مَرَّ ابْنُ عُمَرَ بِنَفَرٍ قَدْ نَصَبُوا دَجَاجَةً يَتَرَامَوْنَهَا فَلَمَّا رَأَوُا ابْنَ عُمَرَ تَفَرَّقُوا عَنْهَا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَنْ فَعَلَ هٰذَا؟ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هٰذَا»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما يكره من المثلة ... الخ، ح:٥٥١٥ وصحيح مسلم، الصيد، باب النهي عن صبر البهائم، ح:١٩٥٨ واللفظ له)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو ایک مرغی کو باندھ کر اپنے نشانہ کی مشق کر رہے تھے' انہوں نے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو منتشر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: یہ کس نے کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ أَيْ أَنْ تُحْبَسَ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما يكره من المثلة ... الخ، ح:٥٥١٣ وصحيح مسلم، الصيد، باب النهى عن صبر البهائم، ح:١٩٥٦)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جانوروں کو باندھ کر رکھا جائے (کہ وہ مرجائیں۔)"

ایک اور روایت میں ہے:

«لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا»(صحيح مسلم، الصيد، باب النهى عن صبر البهائم، ح:١٩٥٧)

"کسی بھی ذی روح چیز کو نشانہ کے لیے مشق نہ بناؤ۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَابِّ: النَّمْلَةِ وَالنَّحْلَةِ، وَالْهُدْهُدِ، وَالصُّرَدِ» (سنن أبي داود، الأدب، باب في قتل الذر، ح:٥٢٦٧ وسنن ابن ماجه، الصيد، باب ما ينهى عن قتله، ح:٣٢٢٤)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں (۱) شہد کی مکھی (۲) چیونٹی (۳) ہدہد اور (۴) لٹورا (ایک پرندے کا نام) کے قتل

کرنے (مار ڈالنے) سے منع فرمایا ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لاَ هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا وَلاَ هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خِشَاشِ الأَرْضِ» (صحيح مسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، ح: ٢٢٤٢)

"ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جسے اس نے قید کر دیا تھا حتی کہ وہ بلی مر گئی' لہٰذا فوت ہونے کے بعد وہ عورت جہنم رسید ہو گئی کیونکہ قید میں اس نے اسے نہ تو کھلایا' پلایا اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑا کہ وہ خود زمین سے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔"

سنن ابی دواود میں ابو واقد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ»(سنن أبي داود، الصيد، باب إذا قطع من الصيد قطعة، ح:٢٨٥٨ وجامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء ما قطع من الحي فهو ميت، ح:١٤٨٠ واللفظ له)

"زندہ جانور کے جسم سے جو حصہ کاٹا جائے' وہ مردار ہے۔"

اور ترمذی کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَا قُطِعَ مِنْ حَيٍّ فَهُوَ مَيِّتٌ» (الحاكم في المستدرك، الأطعمة، ح:٧١٥١ وسنن ابن ماجه، الصيد، باب ما قطع من البهيمة وهي حية، ح:٣٢١٧)

"زندہ سے جو کاٹا جائے' وہ مردہ ہے۔"

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے' آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے۔ ہم نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا تو چڑیا نے آکر پھڑ پھڑانا شروع کر دیا' اتنے میں نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا، رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، ح:٢٦٧٥ والحاكم في المستدرك، الذبائح، ح:٧٥٩٩)

"اس کے بچوں کی وجہ سے اسے کس نے تکلیف دی ہے' اس کے بچے اسے واپس لوٹا دو۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ہم نے چیونٹیوں کی ایک بل کو جلا دیا تھا تو آپ نے فرمایا: "اسے کس نے جلایا ہے؟" ہم نے عرض کیا: "ہم نے" آپ نے فرمایا:

«لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، ح:٢٦٧٥ وسنن الدارمي، السير، باب في النهي عن التعذيب بعذاب الله، ح:٢٤٥٨)

"آگ کے رب کے سوا کسی اور کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ آگ کا عذاب دے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

«مَا مِنْ إِنْسَانٍ قَتَلَ عُصْفُورًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا إِلاَّ سَأَلَهُ اللّٰهُ - عَزَّوَجَلَّ - عَنْهَا، قِيلَ

يَارَسُولَ اللهِ، وَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ: يَذْبَحُهَا فَيَأْكُلُهَا وَلاَ يَقْطَعُ رَأْسَهَا يَرْمِي بِهَا»(سنن النسائي، الصيد، باب إباحة أكل العصافير، ح:٤٣٥٤ والحاكم في المستدرك، الذبائح، ح:٧٥٧٤ ومسند أحمد: ٢/ ١٦٦)

''جو انسان بھی کسی چڑیا یا اس سے بڑھ کر بھی کسی چھوٹی چیز کو ناحق قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اس سے سوال کرے گا'' عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟'' فرمایا: ''یہ کہ اسے ذبح کر کے کھا لے اور اس طرح نہ کرے کہ اس کے سر کو کاٹ دے اور اسے پھینک دے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عادت کو ترک کر دینا چاہیے اور ان جانوروں وغیرہ کے ساتھ رحمت کا عین یہی تقاضا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گدھے کے پاس سے گزر ہوا جس کے منہ پر آگ سے نشان لگایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الَّذِي وَسَمَهُ»(صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه، ح:٢١١٧)

''اللہ تعالیٰ اس نشان لگانے والے پر لعنت فرمائے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ، عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ» (صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه، ح:٢١١٦)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے اور نشان لگانے سے منع فرمایا ہے۔''

اور یہ حکم انسان اور حیوان سب کے لیے ہے۔ یہ اور ان کے ہم معنی دیگر نصوص اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ ہر قسم کے جانور کو عذاب دینا حرام ہے حتی کہ ان جانوروں کو بھی جنہیں قتل کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے' مثلاً: پانچ فاسق جانور (۱) کوا (۲) بچھو (۳) چوہا (۴) چیل اور (۵) باؤلا کتا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں سانپ کا ذکر بھی ہے۔

ان تمام نصوص کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام نے حیوانات کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی ہے خواہ اس کا تعلق انہیں نفع پہنچانے سے ہو یا ان سے تکلیف کو دور کرنے سے' لہٰذا اسلام کی یہ تعلیمات ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہئیں خصوصاً ان جانوروں کے حوالہ سے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ حیوانات بھی اپنے اپنے دائرہ میں اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ ہم انہیں کھاتے ہیں یا یہ بھی ہمارا مال ہیں اور پھر ایک طرف تو اطاعت و قربت کے حوالہ سے ان سے بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں اور دوسری طرف انہیں بہت سی مشکلات کا جو سامنا کرنا پڑتا ہے' تو اس حوالہ سے بہت سے احکام ان سے متعلق ہیں خصوصاً جب کہ ان کے دور دراز علاقوں کی طرف نقل و حمل کا مرحلہ در پیش ہوتا ہے اور بے پناہ رش' بھوک' پیاس یا بیماری کے پھیلنے سے ان کے مرنے کا خدشہ ہوتا ہے تو ان حالات میں متعلقہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس طرف جلد توجہ کریں اور نقل و حمل کے وقت ان کے آرام' کھانے پینے اور علاج معالجے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کریں۔ کمزور جانوروں کو طاقتوروں سے اور بیماروں کو تندرستوں سے مقدور بھر کوشش کر کے تمام مراحل میں الگ رکھیں اور پھر یہ ساری باتیں سرمایہ کاری کرنے والے اداروں' افراد اور درآمد برآمد کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے لیے ممکن بھی ہیں۔

جو بات بے حد قابل افسوس بلکہ قابل مذمت ہے اور شریعت نے بھی اس سے منع کیا ہے' وہ جانوروں کے ذبح کرنے کا وہ طریقہ ہے جو آج کل اکثر غیر اسلامی ملکوں میں مروج ہے اور جس میں جانوروں کو مختلف قسم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے' مثلاً یہ کہ جانوروں کے مرکز دماغ پر بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں تاکہ اسے بے ہوش کر دیا جائے اور پھر اسے ایسی مشینوں سے گزارا جاتا ہے جو اس کے بالوں اور کھالوں کو نوچ لیتی ہیں یا ابھی وہ زندہ ہی ہوتا ہے کہ اسے الٹا لٹکا کر بجلی کا جھٹکا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح زندہ مرغیوں اور پرندوں کے بالوں کو نوچ لیا جاتا ہے یا انہیں سخت گرم پانی میں ڈبو دیا جاتا ہے یا بال اڑانے کے لیے ان پر سخت گرم بھاپ کو ڈالا جاتا ہے کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ اس طرح جانوروں کو ذبح کرنے سے زیادہ گوشت حاصل ہوتا ہے حالانکہ ان تمام صورتوں میں جانوروں کے عذاب کا پہلو ہے جو کہ ان نصوص شریعت کے مخالف ہے جن میں اسلامی شریعت بیضاء نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے' لہٰذا ہر وہ طریقہ جو ان نصوص کے خلاف ہو گا اسے ظلم و زیادتی تصور کیا جائے گا اور ایسا کرنے والے کا محاسبہ ہو گا' جیسا کہ مذکورہ بالا نصوص سے واضح ہوتا ہے اور جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سینگوں والی بکری سے بھی اس کا بدلہ لے گا جو اس نے بغیر سینگوں والی بکری کو مارا ہو گا' تو اس شخص سے کیوں نہ حساب لیا جائے گا جو ظلم اور اس کے بدترین نتائج کو خوب سمجھتا ہے۔

انہی نصوص شرعیہ اور ان کے تقاضوں کے پیش نظر فقہاء شریعت اسلامی نے ایسے ابواب بھی قائم کیے ہیں جن میں ایک طرف تو حیوانات کے حوالہ سے واجب' مستحب یا حرام و مکروہ امور کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف تفصیل کے ساتھ ان امور کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا تعلق حیوانات کے ذبح کرنے سے ہے تاکہ کھانے والے کے لیے وہ مباح ہو سکیں' چنانچہ ذیل میں ہم ان امور کو بیان کرتے ہیں' جو بوقت ذبح جانور سے حسن سلوک سے متعلق ہیں اور انہیں پیش نظر رکھنا مستحب ہے: 1 مذکورہ بالا حدیث:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ» (صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل ... الخ، ح:١٩٥٥)

"اللہ تعالیٰ نے یہ فرض قرار دیا ہے کہ ہر چیز کے ساتھ احسان کیا جائے۔"

کے پیش نظر یہ مستحب ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہو' اسے ذبح کرنے سے پہلے پانی پلا دیا جائے۔

2 ذبح کرنے کا آلہ بہت اچھا اور بہت تیز ہونا چاہیے اور ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اسے مقام ذبح پر بہت طاقت اور تیزی کے ساتھ چلا دے۔ اونٹ کا مقام ذبح لبہ ہے اور دیگر جانوروں کا حلق۔ [1]

3 اونٹ کو کھڑا کر کے اور اس کے بائیں ہاتھ (گھٹنے) کو باندھ کر نحر کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اسے قبلہ رخ کر لیا جائے۔

4 اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کو بائیں طرف لٹا لیا جائے بشرطیکہ ذبح کرنے والے کے لیے آسانی سے ایسا ممکن ہو' وہ اپنے پاؤں کو اس کی گردن پر رکھ لے' اس کے ہاتھ پاؤں کو نہ باندھے اور نہ روح نکلنے اور حرکت بند ہونے سے پہلے کسی چیز کو مروڑے اور نہ توڑے۔ روح نکلنے اور حرکت بند ہونے سے پہلے گردن کو الگ کرنا بھی مکروہ ہے' نیز یہ بھی مکروہ ہے کہ ایک جانور کو ذبح کیا جائے اور دوسرا اسے دیکھ رہا ہو۔

---

[1] "لبہ" سے مراد گردن اور سینے کے درمیان کا گڑھا ہے۔ (مترجم)

جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ رحمت اور احسان کے پیش نظر مذکورہ بالا امور کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے اور ایسے امور مکروہ ہیں جن میں رحمت و شفقت مفقود ہو' مثلاً اسے پاؤں سے گھسیٹنا۔ چنانچہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے موقوفاً روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ذبح کرنے کے لیے بکری کو پاؤں سے گھسیٹ کر لے جا رہا ہے تو انہوں نے فرمایا: "تجھ پر افسوس! اسے موت کی طرف اچھے طریقے سے لے کر جاؤ۔"

یہ بھی مکروہ ہے کہ جانور دیکھ رہا ہو اور اسے ذبح کرنے کے لیے چھری کو تیز کرنا شروع کر دیا جائے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح بھی ثابت ہے:

«أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِحَدِّ الشِّفَارِ وَأَنْ تُوَارٰی عَنِ الْبَهَائِمِ»(سنن ابن ماجه، الذبائح، باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ح:٣١٧٢)

"رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چھریوں کو تیز کیا جائے اور انہیں جانوروں سے چھپا کر رکھا جائے۔"

معجم طبرانی کبیر و اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور اس کے تمام راوی بھی صحیح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا' جس نے بکری کی گردن پر پاؤں رکھا ہوا تھا' چھری کو تیز کر رہا تھا اور بکری اسے دیکھ رہی تھی' آپ نے فرمایا:

«أَفَلَا قَبْلَ هٰذَا؟ أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَتَيْنِ»(الطبراني في الكبير:١١/٣٣٣، ح:١١٩١٦ والأوسط:٤/٣٦١، ح:٣٦١٤ واللفظ في الأوسط)

"یہ کام اس سے پہلے کیوں نہ کر لیا؟ کیا تو اسے دو دفعہ مارنا چاہتا ہے"؟

جس جانور کو ذبح کرنا مقدور نہ ہو' مثلاً جنگلی شکار یا بپھرا ہوا جانور یا بھاگا ہوا اونٹ وغیرہ تو اسے بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ سے' جس سے خون بہہ جائے' ذبح کرنا جائز ہے لیکن اس مقصد کے لیے ہڈی یا ناخن کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ تیر اگر اسے قتل کر دے تو اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ اسے اس طرح قتل کرنا شرعی طور پر ذبح کرنے ہی کے حکم میں ہے بشرطیکہ یہ احتمال نہ ہو کہ اس کی موت اس تیر سے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

آپ کی خواہش پر' آپ کے استفادہ کے لیے یہ چند باتیں ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ یہاں ان تمام باتوں کو ذکر کرنا مقصود نہیں ہے جو مختلف حیوانات کے سلسلہ میں وارد ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام دین رحمت' حسن سلوک کی شریعت' مکمل دستور حیات اور اللہ تعالیٰ اور جنت تک پہنچانے کا سیدھا راستہ ہے' لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس کی طرف دعوت دی جائے' اسی سے فیصلے کرائے جائیں' جو نہیں جانتے ان میں اس کی نشر و اشاعت کی کوشش کی جائے اور عامۃ المسلمین جو اس کے احکام و مقاصد سے ناواقف ہیں' اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر انہیں یاد دہانی کرائی جائے۔ شریعت اسلامی کے مقاصد حد درجہ حکمت و عدل پر مبنی ہیں' اس میں ہر نفع بخش حیوان کے کھانے کی حرمت نہیں ہے' جیسا کہ بدھ مت کے لوگوں میں ہے اور نہ ہی اس میں ہر نقصان دہ جانور کو جائز قرار دیا گیا ہے' جیسا کہ سور اور چیرپھاڑ کرنے والے درندوں اور دیگر خبیث چیزوں کے کھانے والوں نے ہر چیز کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ اسلام نے کسی بھی قابل احترام چیز کو خواہ وہ جان ہو یا مال یا عزت و آبرو ہو' اس پر نہ تو ظلم کیا ہے اور نہ اسے رائیگاں قرار دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں' جن میں سے سب سے بڑی نعمت تو خود اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کی مدد

فرمائے' اپنے کلمہ کو سربلندی عطا فرمائے اور ہمیں ہماری کوتاہیوں کے سبب کافر لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنائے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد المبلغ البلاغ المبین وعلی آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھدیہ الی یوم الدین۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

——— شیخ ابن باز ———

حیوانات کے ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

سوال حیوانات کے ذبح کرنے کے لیے صحیح اسلامی طریقہ کیا ہے؟

جواب اس طرح کا ایک سوال پہلے بھی دفتر میں موصول ہوا تھا' جس کا جناب مفتی شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے حسب ذیل شافی جواب دیا تھا:

اس ملک میں ذبح اور نحر کے شرعی طریقے کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں اور سوال پوچھنے والوں نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کئی بار دیکھا ہے کہ جانوروں کو ایسے طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ چونکہ ہر عام و خاص کے لیے مشترک ہے' لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے تبلیغ کے انداز میں بیان کیا جائے تاکہ امانت کو ادا کیا جا سکے اور امت کی خیر خواہی کی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے--- اس بات کو خوب جان لیجئے کہ ذبح کرنے کے شرعی طریقہ کے لیے کچھ شروط اور سنن ہیں لیکن سب سے پہلے ہم ایک جامع حدیث کو بیان کریں گے اور پھر ان شروط اور سنن کا تذکرہ کریں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ اور اصحاب سنن نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، ح:١٩٥٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان و بھلائی کو فرض قرار دیا ہے' لہٰذا جب (بھی) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو' چھری کو تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔"

ذبح کرنے کے لیے حسب ذیل چار شرطیں ہیں:

1. ذبح کرنے والے کی اہلیت یعنی یہ کہ وہ عاقل ---خواہ بچہ ہو لیکن باشعور ہو--- مسلم ہو یا کتابی ہو یعنی اس کے ماں باپ اہل کتاب میں سے ہوں اور اس سلسلہ میں اصل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

نیز مسند امام احمد اور سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مُرُوا أَبْنَاءَ كُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يومر الغلام بالصلاة، ح:٤٩٤ ومسند أحمد:٢/ ١٨٧ واللفظ له والحاكم في المستدرك، الصلاة:٧٠٨)

"اپنے بیٹوں (اولاد) کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں سزا دو جب کہ وہ دس سال کے ہوں' نیز ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بالغ اور باشعور کو صفت عقل سے موصوف قرار دیا جائے گا' لہٰذا باشعور کا قصد عبادت بھی صحیح ہے اور کتابی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کھانے سے مراد اہل کتاب کا ذبیحہ ہے۔

2 دوسری شرط آلہ ہے کہ ہر اس آلہ کے ساتھ جانور کو ذبح کرنا جائز ہے جو اپنی دھار کے ساتھ خون بہا دے لیکن دانت اور ناخن کے ساتھ ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما ند من البهائم ... الخ، ح:٥٥٠٩ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

"جو چیز بھی خون بہا دے اسے کھالو لیکن وہ دانت اور ناخن نہ ہو۔"

3 تیسری شرط گلا کاٹنا ہے' گلے سے مراد سانس اور کھانے کی رگیں ہیں۔ اس سلسلہ میں اصل وہ حدیث ہے جو سنن ابو داؤد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شیطان کے نشتر سے منع فرمایا اور اس سے مراد وہ نشتر ہے جو ذبح کے وقت جلد کو تو کاٹ دے لیکن گردن کی رگوں کو نہ کاٹے اور یہ اصول یاد رہے کہ نہی کا تقاضا تحریم ہی ہوتا ہے۔ اور سنن سعید بن منصور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "جب خون بہا دیا جائے اور رگیں کاٹ دی جائیں تو اس ذبیحہ کو کھالو"' اس حدیث کی سند حسن ہے۔ ذبح کرنے کی جگہ حلق اور لبہ ہے۔ لبہ سے مراد وہ گڑھا ہے جو گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان ہوتا ہے' اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے ذبح کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام نحر لبہ اور حلق ہے۔ سنن دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ منیٰ کی وادیوں میں یہ اعلان کر دو کہ جس جگہ سے جانور ذبح کرنا ہے وہ حلق اور لبہ (گردن اور سینے کے درمیان کا گڑھا) ہے۔

4 چوتھی شرط اللہ کا نام لینا ہے یعنی ذبح کرنے والا ذبح کرنے کے لیے جب اپنے ہاتھ کو حرکت دے تو وہ بسم اللہ پڑھے

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالیا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے نام لینے اور نہ لینے کی دونوں حالتوں اور دونوں حکموں میں فرق کیا ہے' ہاں البتہ اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کا ذبیحہ حلال ہو گا کیونکہ سعید بن منصور نے "سنن" میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

«ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ وَإِنْ لَّمْ يُسَمِّ إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ»(إرواء الغليل، ح:٢٥٣٧ والبيهقي في السنن الكبرى، باب من ترك التسمية ... الخ:٩/ ٢٤٠)

"مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ اللہ کا نام نہ بھی لے بشرطیکہ اس نے جان بوجھ کر اسے ترک نہ کیا ہو۔"

اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو گئی تو ذبیحہ کھانا حلال نہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں سنن حسب ذیل ہیں:

(۱'۲) ذبح کرنے کا آلہ تیز ہو اور اسے قوت اور طاقت کے ساتھ چلایا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر بإحسان الذبح ... الخ، ح:١٩٥٥ وسنن ابن ماجه، الذبائح، باب إذا ذبحتم ... الخ:٣١٧٠)

"تمہیں چاہیے کہ چھری تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔"

(۳'۴) یہ بھی مسنون ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود' ہو تو وہ اس آلے کو نہ دیکھ رہا ہو جس سے اسے ذبح کرنا ہے' نیز ذبیحہ کو دوسرے جانوروں سے چھپا کر رکھنا چاہیے کیونکہ مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چھری کو تیز کر لیا جائے اور اسے جانوروں سے چھپایا جائے اور معجم طبرانی کبیر و اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس نے بکری کی گردن پر پاؤں رکھا ہوا تھا' وہ چھری تیز کر رہا تھا اور بکری اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی' آپ نے فرمایا: "یہ کام اس سے پہلے کیوں نہ کر لیا' کیا تو اسے دو دفعہ مارنا چاہتا ہے۔"

(۵) جانور کو قبلہ رخ کر لیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی ذبیحہ کو ذبح فرمایا یا ہدی (حج و عمرہ کی قربانی) کو نحر کیا تو اسے قبلہ رخ کر لیا تھا۔ اونٹ نحر کے وقت کھڑا کر لیا جائے اور اس کے بائیں پاؤں کو باندھ لیا جائے اور بکری اور گائے وغیرہ کو بائیں پہلو پر لٹا لیا جائے۔

(۶) جانور کے ٹھنڈا ہونے یعنی اس کی روح نکلنے کے بعد اس کی گردن توڑی اور کھال اتاری جائے کیونکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر بھیجا' جنھوں نے منیٰ کی وادیوں میں چند اعلانات کیے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جانوروں کے جسموں سے روحوں کے نکلنے سے پہلے جلدی نہ کرو۔ (دار قطنی)

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

سوال بعض لوگ جانور ذبح کرتے وقت گردن کو دو وقفوں میں کاٹتے ہیں یعنی وہ حلق پر چھری چلاتے ہیں حتی کہ وہ رگ تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ تھوڑی سی دیر کے لیے رک جاتے ہیں اور پھر اس رگ کو کاٹتے ہیں جس سے ذبیحہ کی موت واقع ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ گردن ایک ہی بار نہیں کاٹنی چاہیے کیونکہ اسی طریقہ میں جانور کے لیے راحت ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی جو چھری تیز کرنے اور ذبیحہ کو آرام پہنچانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ تو آپ اس موضوع سے متعلق ہم سب کو کیا نصیحت فرمایں گے؟

جواب افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے حلق' نرخرہ اور گردن کی ان دو رگوں کو کاٹا جائے جو نرخرہ کے ساتھ ہوتی ہیں اور پھر اسے چھوڑ دیا جائے تاکہ تمام خون بہہ جائے کیونکہ خون کے رگوں میں باقی رہنے سے گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ جب خون بہنا بند ہو جائے تو پھر گردن کاٹ لے اور اگر ابتداء ہی میں سر کو یا ہڈی کو کاٹ لے تو اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مسنون تسمیہ پر اکتفا کرنا افضل ہے

سوال ایک سائل نے پوچھا ہے کہ بعض سادہ اور درویش قسم کے لوگ' نیز عامۃ الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چاہیے اور اگر کوئی بوقت ذبح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے تو پھر واجب یہ ہے کہ اس بکری وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے کیونکہ تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی رحمٰن اور رحیم کا یہ تقاضا ہے کہ اس بکری وغیرہ پر رحم کیا جائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اسلام کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کی اس بات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب اس وجہ سے بکری کے ذبح کرنے کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے ذبح کر دینا چاہیے اور ذبح کرنے والے کو یہ بات سکھا دینی چاہیے کہ وہ تسمیہ کے سلسلہ میں صرف انہی الفاظ پر اکتفاء کرے جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں اور وہ یہ کہ ذبح کرتے وقت صرف یہ کہنا چاہیے بسم اللہ واللہ اکبر۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

جو ذبیحہ حرکت نہ کرے

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ چھری سے ذبح کرنے کے بعد جو ذبیحہ (جانور) حرکت نہ کرے اسے کھانا حلال نہیں' کیونکہ وہ مردہ شمار ہو گا؟

جواب یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب جانور بیمار اور قریب المرگ ہو اور اس حال میں اسے ذبح کر لیا جائے اور گردن کاٹتے وقت اس کا کوئی بھی عضو حتی کہ دم بھی نہ ہلے تو وہ مردہ تصور ہو گا۔ جو جانور بیمار نہ ہو تو وہ عموماً ذبح کے وقت ضرور حرکت کرتا اور تڑپتا ہے' ہاں البتہ ذبح کر چکنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ حرکت کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ

سر جلدی کاٹ لینے کی وجہ سے وہ جلدی مر گیا ہو' لہٰذا اسے کھانا حلال ہو گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عورت کے ذبح کے بارے میں حکم

سوال کیا عورت کے لیے ذبح کرنا جائز ہے؟ کیا عورت کے ذبیحہ کو کھانا حلال ہے؟

جواب مرد کی طرح عورت کے لیے بھی جانور کو ذبح کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے یہ ثابت ہے' لہٰذا عورت کے ذبیحہ کو کھانا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ مسلمان یا کتابیہ ہو اور جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کرے۔ مرد کی موجودگی میں بھی عورت ذبح کر سکتی ہے یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ عورت صرف مرد کی عدم موجودگی کی صورت میں ذبح کر سکتی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عورت کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھائے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ مسلمان اس جانور کا گوشت کھائے جسے کسی عورت نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور ایسا ہو جسے شریعت نے حلال قرار دیا ہو کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے' اور پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "ایک عورت نے ایک بکری کو پتھر کے ساتھ ذبح کیا تھا' نبی اکرم ﷺ سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ اسے کھالیا جائے۔" [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

سوال کیا عورت کے لیے ہر قسم کے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے یا عورت کا ذبیحہ جائز نہیں ہے؟

جواب احکام شریعت میں اصل یہ ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے مشترک ہے الا یہ کہ خصوصیت کی کوئی دلیل ہو چنانچہ ذبح کا مسئلہ بھی مشترک احکام میں سے ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں ایسی کوئی دلیل معلوم نہیں جو مرد کی خصوصیت پر دلالت کرتی ہو اور وہ تمام عام دلائل جو ذبح کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں' ان میں مرد اور عورتیں سب داخل ہیں۔

وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بجلی کے جھٹکے سے ذبح کرنا

سوال ان جانوروں کا گوشت کھانے کے بارے میں (شریعت کا) کیا حکم ہے جنہیں کسی مسلمان ملک میں بجلی کے جھٹکے کے ذریعے سے ذبح کیا جاتا ہو؟ یعنی اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جانور کو بجلی کے آلہ سے جھٹکا دیا جاتا ہے جس سے وہ زمین پر گر جاتا ہے اور پھر زمین پر گرنے کے فوراً بعد قصاب اسے ذبح کر لیتا ہے؟

---

[1] دیکھیے : صحیح البخاری' الذبائح' باب ما انهرالدم من القصب والمروة والحدید' حدیث :۵۵۰۱ و سنن ابن ماجة' الذبائح' باب ذبیحة المرأة' حدیث :۳۱۸۲۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ بجلی کے جھٹکے سے جانور زمین پر گر جاتا ہے اور زمین پر گرنے کے فوراً بعد قصاب اسے ذبح کر لیتا ہے' اگر ذبح کرتے وقت اس جانور میں ابھی تک جان ہو تو اسے کھانا جائز ہے اور اگر اس میں جان نہ ہو تو پھر اسے کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ موقوذہ ---جو جانور چوٹ لگ کر مر جائے--- کے حکم میں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے الا یہ کہ مرنے سے پہلے پہلے اسے ذبح کر لیا گیا ہو اور ذبح کرنا اسی صورت میں مؤثر ہو سکتا ہے کہ اس میں ابھی تک زندگی موجود ہو۔ زندگی کا ثبوت ہاتھ یا پاؤں یا دم ہلنے سے معلوم ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"تم پر طبعی موت مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے او جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی حرام ہے جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

یعنی جس جانور کو کوئی حادثہ لاحق ہوا ہو تو اسے بھی بشرط ذبح کے ساتھ ہی جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی اگر اسے زندہ حالت ہی میں ذبح کیا گیا تو اسے کھانا حلال ہو گا ورنہ نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب کتابی ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لے

سوال جب کوئی کتابی کسی بکری کو اس طرح ذبح کرے جس طرح کوئی مسلمان ذبح کرتا ہے مگر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو کیا اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ تو تثلیث (تین خداؤں) پر ایمان رکھتا ہے؟

جواب جب کوئی کتابی کسی ذبیحہ کو ذبح کرے اور ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے تو اسے کھانا حلال ہے کیونکہ وہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

کے عموم میں داخل ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے غیر اللہ کا نام لیا ہے تو پھر اسے کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ پھر وہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہو گا کہ:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۲۱)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔"

نیز یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں بھی داخل ہے:

﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے تو وہ حرام ہے۔"

اور اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا اسے ترک کر دیا ہے تو اسے کھانا جائز ہے کیونکہ اصل میں ان کے ذبیحے حلال ہیں' جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا تقاضا ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ ٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

———— فتویٰ کمیٹی ————

بکری کا حادثہ ہوا اور اسے .....

سوال ایک گاڑی بکری سے ٹکرا گئی جس سے اس کی کمر اور ٹانگ ٹوٹ گئی یہ ابھی زندہ تھی اور لڑکھڑا کر چل بھی رہی تھی کہ میں نے اسے جلدی سے ذبح کر لیا مگر ذبح کرنے اور کھال اتار لینے کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ یہ بکری حرام ہے تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ براہ کرم بتائیں کہ اس ذبیحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو یہ ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ بکری ابھی زندہ تھی جب آپ نے اسے ذبح کیا' لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ --- وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدہ: ٥/٥) کی وجہ سے یہ حلال ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

جس جانور کو حرام مغز کاٹ کر قتل کیا گیا ہو

سوال ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد کو درج ذیل سوال موصول ہوا ہے کہ اس بیل کا گوشت کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے جسے چھری سے ذبح کرنے سے پہلے حرام مغز کاٹ کر قتل کر دیا گیا ہو جس کی وجہ سے مغز بھی بہہ گیا ہو' کیا اسے کھانا حلال ہے یا یہ مردار ہے؟

جواب یہ سوال مجمل ہے' اگر بیل وغیرہ کی گردن اور سر کو کوٹا گیا جس کی وجہ سے حرام مغز کٹ گیا اور مغز بہہ گیا اور یہ بیل ذبح کرنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس حالت میں یہ مردار کے حکم میں ہو گا کیونکہ اسے شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا' اور اگر اسے مرنے سے پہلے شرعی طریقے سے ذبح کر لیا گیا ہو تو یہ حلال ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گلا گھٹ کر مرجانے اور چوٹ لگ کر مرجانے والے اور اس طرح کے دیگر جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدۃ ٥/ ٣)

"(ان میں سے وہ حلال ہیں) جن کو مرنے سے پہلے پہلے تم ذبح کر لو۔"

یاد رہے کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ذبح کرنے سے پہلے کسی حیوان کے سر یا گردن پر مارے تاکہ اسے ذبح کرنے کے لیے گرا لے' ہاں البتہ اس برے طریقے کے علاوہ اور کوئی طریقہ استعمال کر سکتا ہے' مثلاً یہ کہ اسے رسی وغیرہ سے باندھ لے تاکہ اس کے لیے ذبح کرنا ممکن ہو۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

مشتعل اونٹ کو جب اصل جگہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو

سوال بحوث علمیہ و افتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک سائل کی طرف سے یہ استفسار موصول ہوا ہے کہ ایک مشتعل اونٹ اپنے مالک کو کھانا چاہتا تھا تو مالک نے اسے تیر وغیرہ سے قتل کر دیا مگر تیر ذبح کرنے کی اصل جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ لگا تو کیا اسے کھانا حلال ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَكُلُواْ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"جس چیز پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھا لیا کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تَأْكُلُواْ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے' اسے مت کھاؤ"

اور "صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، ح:٢٤٨٨ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم . . . الخ، ح:١٩٦٨)

"جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھا لو۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے' لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر ذبح کی جگہ تیر لگانا ممکن نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو اسے زخمی کر دیا جائے' مثلاً: ران وغیرہ پر تیر مار دیا جائے جس طرح کہ اس شکار پر تیر پھینکا جاتا ہے جسے پکڑنا ممکن نہ ہو اور وہ اسی طریقہ سے ہی جمہور علماء کے نزدیک مباح ہے۔ اس سلسلہ میں اصل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا تو ایک آدمی نے تیر مار کر اسے قتل کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا»(صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، ح:٢٤٨٨ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم . . . الخ، ح:١٩٦٨)

"یہ پالتو جانور بھی غضب ناک (مشتعل) ہو جاتے ہیں جس طرح وحشی جانور غضب ناک ہوتے ہیں لہٰذا جو پالتو جانور مشتعل ہو کر تم پر حملہ کر دے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔"

اگر ایسے اونٹ کو زندہ حالت میں پا لیا جائے تو اسے اس کے اصل مقام سے جہاں تک ممکن ہو نحر کیا جائے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے شکار کے بارے میں فرمایا ہے:

«فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، ح:١٩٢٩)

"اگر تو اسے زندہ پالے تو ذبح کرلے۔"

ــــــــ فتویٰ کمیٹی ــــــــ

حیوانات کو بجلی کے جھٹکے سے قتل کرنا

سوال افتاء کی مستقل کمیٹی کو برادر سید عزیز پاشا سیکرٹری جنرل اتحاد جمعیات اسلامیہ لندن کی طرف سے خط موصول ہوا ہے' جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ انہیں برطانیہ کی رائل کونسل کی طرف سے یہ خط موصول ہوا ہے جس میں جانوروں پر سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں مقیم اسلامی جماعتوں کو اس بات کا قائل کیا جائے کہ وہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں جنہیں ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا جھٹکا دیا گیا ہو۔ رائل کونسل نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ تنزانیہ کے قاضی اکبر نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی نص نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ان حیوانات کا گوشت کھانا حرام ہے جنہیں ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا جھٹکا دیا گیا ہو۔ انہوں نے اس سلسلہ میں صحیح فتویٰ طلب کیا ہے' لہٰذا آپ سے امید ہے کہ اس موضوع سے متعلق فتویٰ جاری فرما کر ہمیں ارسال کریں گے تاکہ رائل کونسل کو جواب دینا ممکن ہو؟

جواب کمیٹی نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

اولاً: اگر بجلی کا جھٹکا اس کے سر پر لگایا گیا یا اسے بجلی کا کرنٹ لگا دیا گیا اور جانور ذبح کرنے سے پہلے پہلے مرگیا تو یہ "موقوذہ" جو چوٹ لگ کر مرجائے' ہوگا اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں' خواہ بعد میں اس کی گردن کو کاٹ لیا جائے یا اسے لبہ سے نحر کرلیا جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر طبعی موت مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے......... یہ سب حرام ہیں۔"

تمام علماء اسلام کا اجماع ہے کہ اس قسم کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر بجلی کے جھٹکے وغیرہ کے بعد جانور ابھی تک زندہ ہو اور اسے ذبح یا نحر کرلیا جائے تو اسے کھانا جائز ہے کیونکہ اس مذکورہ بالا آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"اور جو چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کرلو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان حرام جانوروں میں سے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے جو زندہ ہو اور اسے ذبح کرلیا جائے تو اسے کھانا جائز ہے لیکن جو جانور ذبح یا نحر سے پہلے ہی بجلی کے جھٹکے سے مرجائے تو ذبح کرنے سے بھی وہ حلال نہ ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی روشنی میں وہ حیوانات حرام ہیں جو ذبح کرنے سے پہلے ہی بجلی کے جھٹکے سے مرجائیں کیونکہ

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما ند من البهائم ... الخ، ح:٥٥٠٩ واللفظ له وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

”جو چیز خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھالو لیکن وہ (خون بہانے والی چیز) دانت اور ناخن نہ ہو اور عنقریب میں تمہیں بتاؤں گا کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔“

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں مال غنیمت میں سے اونٹ اور بکریاں ملیں تو ان میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ کھڑا ہوا' اسے ایک آدمی نے تیر مار کر روک لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا»(صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، ح:٢٤٨٨ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

”بلاشبہ ان جانوروں میں سے کچھ غضب ناک (مشتعل) ہو جاتے ہیں جس طرح وحشی جانور غضب ناک ہوتے ہیں' لہٰذا ان میں سے جب کوئی تم پر غالب آجائے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کے پالتو جانوروں میں سے جو تمہیں عاجز کردے تو وہ شکار کی طرح ہے' جو اونٹ کنویں وغیرہ میں گر جائے تو اسے جہاں سے ممکن ہو ذبح کرلو۔ حضرت علی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی رائے ہے اور بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ وَقَدْ قَتَلَ فَلاَ تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لاَ تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ سَهْمَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلاَّ أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِي الْمَاءِ فَلاَ تَأْكُلْ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب الصيد إذا غاب عنه يومين أو ثلاثة، ح:٥٤٨٤ وصحيح مسلم، الصيد، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، ح:١٩٢٩ واللفظ له)

”جب تم اپنے کتے کو شکار کے لیے چھوڑو تو اللہ تعالیٰ کا نام لے لو' اگر وہ شکار کو آپ کے لیے پکڑ لے اور آپ اسے زندہ پائیں تو اسے ذبح کرلیں' اگر آپ اسے اس حالت میں پائیں کہ اس نے شکار کو قتل کردیا ہے اور اسے خود نہیں کھایا تو اسے کھالیں اور اگر آپ اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پائیں اور شکار قتل ہوگیا ہو تو اسے نہ کھائیں کیونکہ آپ کو معلوم نہیں کہ اسے کس کتے نے قتل کیا ہے؟ اگر آپ تیر پھینکیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیں' اگر شکار ایک دن غائب رہے اور پھر آپ اس میں صرف اپنے تیر ہی کا نشان پائیں تو اگر چاہیں تو اسے کھالیں اور اگر شکار کو پانی میں غرق پائیں تو اسے نہ کھائیں۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، فَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلاَ تَأْكُلْ» (صحيح البخاري، الذبائح، باب صيد المعراض، ح:٥٤٧٦)

''اگر تم نے اسے دھار سے ذبح کیا ہو تو اسے کھالو اور اگر عرض کی طرف سے اسے مارا ہو تو وہ چوٹ لگ کر مرا ہے' لہٰذا اسے نہ کھاؤ۔''

رائل برٹش کونسل کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ حیوانات کے ساتھ نرمی کریں حتی کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہو اس کے سر پر بھی نہ تو ضرب لگائیں اور نہ اسے بجلی کا کرنٹ لگائیں اور نہ کسی کو حیوانات کے ذبح و نحر کے وقت ایسا کرنے کی اجازت دیں اور اگر کسی حیوان کو باندھے بغیر ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو اسے رسی وغیرہ سے باندھ لیا جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو اسے اس طرح نیزہ یا تیر مارا جائے جس سے اس کا خاتمہ ہو جائے' یہ عمل اس کے ذبح کے مترادف ہو گا جب کہ وہ نیزہ یا تیر مارنے کے بعد ابھی تک زندہ نہ ہو' جیسا کہ سابقہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

''سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''

مشتبہ اور حرام کھانے

یہ تقویٰ نہیں ہے کہ.....

سوال مجھے کھانے کے مسئلہ میں بعض ائمہ کے تقویٰ کے بارے میں معلوم ہے' مثلاً: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہ وہ اپنے اس بیٹے کے مال کو بھی استعمال نہیں کرتے تھے جو منصب قضاء پر فائز تھے کیونکہ انہیں حکومت سے ملنے والے مال کے بارے میں شک تھا۔ جب سے مجھے اس کا علم ہوا ہے میں نے ہر قسم کے کھانے چھوڑ دیے ہیں سوائے اس کھانے کے جسے میں اپنے گھر میں اپنے باپ کے مال میں سے کھاتا ہوں یا جس کے متعلق مجھے یہ علم ہو کہ یہ کہاں سے حاصل ہوا ہے۔ اس احتیاط کی وجہ سے مجھے بہت سی مشکلات کا بھی سامنا ہے' میں نے اس وجہ سے بہت سے بھائیوں کو بھی ناراض کر لیا ہے کیونکہ وہ مجھے کھلانا چاہتے تھے اور میں نے ایک کھجور تک کھانے سے بھی انکار کر دیا تھا' اسی طرح ہمارے گھر میں بہت سے مہمان آتے ہیں تو وہ اپنے ساتھ پھل یا کھانے کی کچھ اور چیزیں لے کر آتے ہیں مگر میں انہیں نہیں کھاتا' اس لیے نہیں کہ مجھے یہ وثوق سے علم ہے کہ وہ حرام مال ہے بلکہ اس لیے کہ مجھے اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرعی حکم ہے کہ مجھے جب بھی کھانے کی دعوت دی جائے تو میں یہ پوچھوں کہ یہ کھانا کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ اسی طرح جب بھی کسی دوسرے شہر میں کسی رشتہ دار یا دوست کے پاس جاؤں تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے کھانے کے بارے میں یہ پوچھوں کہ یہ کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی تحفہ کسی کھانے پینے کی چیز کی صورت میں ہو تو کیا اس کے بارے میں بھی اس طرح پوچھنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب اس طرح کا سوال کرنا حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی سنت ہے اور پھر اس طرح کا سوال کرنے سے جفا' کینہ اور قطع رحمی پیدا ہوتی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

«لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَ إِلَيْهِ وَآكِلَ ثَمَنِهَا»(مسند أحمد: ٢/ ٩٧ والبيهقي في السنن الكبرى، البيوع، باب كراهية بيع العصير ... الخ، ح: ٥/ ٣٢٧ واللفظ له والحاكم في المستدرك، البيوع، ح: ٢٢٣٥ وسنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، ح: ٣٦٧٤)

"اللہ تعالیٰ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے' نچوڑنے والے' جس کے لیے نچوڑی گئی ہو' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھا کر لی جائی گئی ہو اور اس کی قیمت کھانے والے (ان سب لوگوں) پر لعنت فرمائی ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب الخمر من العسل وهو البتع، ح: ٥٥٨٥ وصحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر ... الخ، ح: ٢٠٠١)

"ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔"

نیز صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے:

«نَهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ»(سنن أبي داود، الأشربة، باب ما جاء في السكر، ح: ٣٦٨٦ ومسند أحمد: ٦/ ٣٠٩)

"آپ نے ہر نشہ آور اور مست کر دینے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔"

لہذا تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ خود بھی تمام نشہ آور اشیاء سے اجتناب کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کریں' جو ان کے استعمال کا عادی ہو اسے چاہیے کہ انہیں ترک کر دے اور فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم ٦٦/ ٨)

"مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (سچی اور پکی) توبہ کرو۔"

———— شیخ ابن باز ————

اندرائن کا استعمال

سوال یہ اندرائن جو بعض عطر فروشوں کی دکانوں سے ملتا ہے اور بعض امراض کے علاج کے لیے استعمال ہوتا ہے' کیا حلال ہے یا حرام؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس گھر میں اندرائن ہو' اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے؟

جواب یہ اندرائن جو بعض عطر فروشوں کی دکانوں سے ملتا ہے حلال ہے کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل معلوم نہیں

اور بعض لوگوں کے حوالہ سے آپ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ جس گھر میں اندرائن ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے' یہ بات بھی بے اصل بلکہ بالکل باطل ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تمباکو نوشی اور تمباکو کی تجارت

سوال تمباکو نوشی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب تمباکو نوشی حرام ہے کیونکہ یہ خبیث بھی ہے اور بہت سے نقصانات پر بھی مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کھانے پینے کی ان چیزوں کو جائز قرار دیا ہے جو پاک ہیں اور جو خبیث اور ناپاک ہیں انہیں حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"اے پیغمبر! آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ (ان سے) کہہ دیجئے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی شان میں سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے:

﴿ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَـٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

تمباکو نوشی کی کوئی قسم بھی طیبات میں سے نہیں بلکہ اس کی تمام انواع و اقسام خبیث ہیں۔ اسی طرح تمام نشہ آور اشیاء بھی خبیث اور ناپاک ہیں۔ شراب کی طرح تمباکو پینا' اس کی خرید و فروخت کرنا اور اس کی کسی طرح کی بھی تجارت کرنا جائز نہیں ہے' لہٰذا جو شخص تمباکو نوشی کرتا یا اس کی تجارت کرتا ہو تو اسے چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرے' ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرے اور عزم صمیم کرے کہ آئندہ یہ کام نہیں کرے گا۔ جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور مومنو تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

"اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے تو اس کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

——— شیخ ابن باز ———

«إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً»

"وہ یا تو تمہیں تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے اچھی خوشبو ہی پاتے رہو گے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے برے ساتھی کو آگ کی بھٹی میں پھونکنے والے سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا:

«إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً»(صحيح البخاري، الذبائح، باب المسك ح: ٥٥٣٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين ... الخ، ح: ٢٦٢٨)

"وہ یا تو آپ کے کپڑے جلا دے گا یا آپ (اس سے) بدبو محسوس کریں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«اَلرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، ح: ٤٨٣٣ وجامع الترمذي، الزهد، باب حديث الرجل علي دين خليله ... الخ، ح: ٢٣٧٨)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے' لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔"

خاندان کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ ہر اس فرد کو منع کرے جو ان منکر (گندی) اشیاء میں سے کسی کو استعمال کرتا ہو' خواہ اس کے لیے مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا پڑے یا اسے گھر سے نکالنا پڑے حتی کہ وہ توبہ کرے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات کو درست فرمائے اور انہیں ہر اس چیز کی توفیق عطا فرمائے جس میں ان کی اور ان کے خاندانوں کی بہتری ہو۔ انه خير مسئوول۔

——— شیخ ابن باز ———

پان حرام ہے ناپاک (پلید) نہیں

سوال بہت سے پان استعمال کرنے والے لوگ نماز کے وقت پان کو منہ سے نکال کر پلاسٹک کی ڈبیہ میں رکھ لیتے ہیں اور پھر نماز سے فراغت کے بعد اسے دوبارہ منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پان نجس نہیں ہے؟ جو منہ میں پان رکھ کر نماز پڑھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جس کے منہ میں پان ہو' کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ پان سے فارغ ہونے تک نماز کو مؤخر کر دے اور پھر فوت شدہ نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لے؟

جواب مجھے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جس سے پان نجس قرار پاتا ہو کیونکہ یہ ایک معروف درخت ہے اور درختوں اور تمام نباتات کے بارے میں اصل یہ ہے کہ یہ پاک ہیں' لیکن علماء کے صحیح ترین قول کی روشنی میں اس کا استعمال حرام ہے

کیونکہ یہ بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے۔ پان استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ نماز کے وقت اسے استعمال نہ کرے۔ پان کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا بھی جائز نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر نماز کو بروقت اور باجماعت اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر مسجد میں ادا کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، المساجد، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣ وسنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥١)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی سوائے اس کے جسے کوئی عذر ہو۔"

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' دار قطنی اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خوف یا بیماری۔ پان کا استعمال کوئی شرعی عذر نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال تو ایک بہت بری بات ہے اور اگر اس کے استعمال سے نماز میں تاخیر ہوتی ہو یا مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو تو پھر اس کے استعمال کرنے کا گناہ اور بھی زیادہ شدید ہو گا۔

پان استعمال کرنے والے کے لیے دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کا استعمال ان شرعی عذروں میں سے نہیں ہے جن کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت ہے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کے اوقات سکھائے اور پہلے اور آخری اوقات کی وضاحت فرما دی تو فرمایا کہ "نماز ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔" ①

اور "صحیح مسلم" میں حدیث ہے کہ ایک نابینا شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لیے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، المساجد، باب يجب اتيان المسجد علي من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا آپ نماز کے لیے اذان کی آواز سنتے ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ "پھر اس آواز پر لبیک کہو۔"

صحیح مسلم کے علاوہ ایک دوسری روایت میں جس کی سند صحیح ہے' یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢)

"میں تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

یہ صحیح احادیث اور اس کے ہم معنی دیگر تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز باجماعت' اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کے گھروں میں ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز کو مؤخر کر کے پڑھنا یا بغیر شرعی عذر کے دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا حرام ہے۔ میں پان' سگریٹ' نشہ آور اور مستی پیدا کرنے والی اشیاء استعمال کرنے والے تمام لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان چیزوں سے مکمل طور پر اجتناب کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں کیونکہ ان کے استعمال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

---

① دیکھیے: صحیح مسلم' المساجد' باب اوقات الصلوات الخمس' حدیث: ۶۱۳ و جامع الترمذی' الصلاۃ' باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ ..... حدیث: ۱۴۹۔

ان کے اس برے کام میں شرکت یا کم از کم اسے پسند کرنے کا وسیلہ ہے اور سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٦٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٦٨)

''اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

''اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ (ان باتوں کو چھوڑ کر) دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں' ان کے پاس مت بیٹھو' ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔''

—— شیخ ابن باز ——

شراب سے علاج

سوال بوقت ضرورت شراب پینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مثلاً یہ کہ طبیب نے شراب پینے کا حکم دیا ہو۔

جواب شراب یا کسی بھی ایسی ناپاک چیز کے ساتھ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' علاج کرنا حرام ہے اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے' چنانچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اسے دوا کے لیے بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ»(صحيح مسلم، الأشربة، باب تحريم التداوي بالخمر ... الخ، ح: ١٩٨٤ ومسند أحمد: ٤/ ٣١١)

''یہ دوا نہیں بلکہ یہ تو بیماری ہے۔''

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح: ٣٨٧٤ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بما يكون حراما ... الخ: ١٠/ ٥)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے دوا کو نازل فرمایا اور بیماری کو بھی نازل کیا ہے اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی ہے تو دوا ضرور استعمال کرو لیکن حرام چیز کو بطور دوائی استعمال نہ کرو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الادوية المكروهة، ح: ٣٨٧٠ وجامع الترمذي، الطب، باب ما جاء فيمن قتل نفسه ... الخ، ح: ٢٠٤٥)

"رسول اللہ ﷺ نے ناپاک اور پلید چیز کے ساتھ علاج سے منع فرمایا ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے زہر کے ساتھ علاج سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب شراب الحلواء والعسل، معلقا، قبل، ح: ٥٦١٤ والطبراني في الكبير: ٩/ ٣٤٥، ح: ٩٧١٤ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بالمسكر: ١٠/ ٥)

"اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی جس کو اس نے تم پر حرام قرار دیا ہے۔"

اسے امام ابو حاتم بن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی "صحیح" میں نبی اکرم ﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے۔ یہ اور ان جیسے دیگر نصوص سے نہایت صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پلید چیزوں کے ساتھ علاج ممنوع ہے۔ نیز ان سے یہ بھی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ شراب سے علاج کرنا حرام ہے' کیونکہ یہ تو ام الخبائث اور تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ علمائے کوفہ میں سے جس نے شراب کے ساتھ علاج کو جائز قرار دیا ہے تو اس نے اسے مضطر کے لیے مردار اور خون کے استعمال کے جواز پر قیاس کیا ہے' لیکن نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ قیاس کمزور ہے' لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ مردار اور خون کھانے سے ضرورت زائل ہو جاتی ہے اور اس سے جان کی حفاظت ہو جاتی ہے لیکن یہ بات یقینی نہیں کہ واقعی شراب سے مرض کا ازالہ ہو جائے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں یہ خبر دی ہے کہ یہ بجائے خود بیماری ہے' یہ دوا نہیں ہے' لہٰذا یہ علاج کا متعین طریقہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مسلمان پر رحم فرمائے جو بیماری کے علاج کے سلسلہ میں حرام اور خبیث (ناپاک) چیزوں سے بے نیاز ہو کر صرف انہی پاک اشیاء کے استعمال پر اکتفاء کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

حرام چیزوں کے ساتھ علاج

سوال میں ایک طبیب ہوں اور میرے پیشہ کا تقاضا ہے کہ مجھے کبھی کبھی نشہ آور اشیاء' مثلاً: مارفین' کوکین' اور ویلیم استعمال کرنا پڑتی ہیں' تو ان کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی بہت سی اُدلۂ شرعیہ موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام اشیاء کے ساتھ علاج جائز نہیں ہے' مثلاً سنن ابی داود میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي

کسب حرام سے کھانا

کسب حرام سے کھانا

سوال میں ایک بے روزگار مسلمان ہوں۔ میرا خاندان مجھ پر کھانے پینے میں جو خرچ کرتا ہے وہ حرام کمائی ہوتی ہے تو کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ حرام کمائی سے کھائیں یا پئیں یا خرچ کریں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے رنج و محن سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو لیکن اس کا آپ کی نماز پر کوئی اثر نہیں' آپ کی نماز صحیح ہو گی۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

چوری کیا ہوا کھانا

سوال میرے والد صاحب ایک ہوٹل میں کام کرتے ہیں' ہوٹل کا مالک ایک بخیل شخص ہے' لہٰذا میرے والد صاحب اور کچھ دیگر ملازمین ہوٹل کے مالک کو بتائے بغیر کچھ کھانا لے لیتے ہیں' چنانچہ میرے والد صاحب ہوٹل کے مالک کے علم کے بغیر ہفتہ میں تقریباً تین کلو گوشت گھر لے آتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ابا جان آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' اس لیے کہ ہوٹل کا مالک بخیل ہے اور وہ ہم پر ترس نہیں کھاتا' میں طالب علم ہوں اور ابھی زیر تعلیم ہوں۔ کیا اس گوشت کو کھا سکتا ہوں یا یہ حرام ہے؟ یہ گوشت ہمارے گھر میں چار دن تک رہتا ہے اور ان چار دنوں میں ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں کھاتے؟

جواب آپ کے لیے اس گوشت کو کھانا جائز نہیں ہے جسے آپ کے والد ہوٹل کے مالک کے علم کے بغیر چوری چھپے لاتے ہیں خواہ وہ بخیل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ کارکن کا حق تو صرف وہ تنخواہ وغیرہ ہے جسے بوقت معاہدہ طے کر لیا گیا ہو' لہٰذا آپ کے لیے اسے کھانا جائز نہیں جسے آپ کے والد ہوٹل سے چوری کر کے لائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ... الخ، ح: ٢٥٦٤)

"مسلمان سارے کا سارا دوسرے مسلمان پر حرام ہے (یعنی) اس کا مال بھی' خون بھی اور عزت و آبرو بھی۔"

اس کمائی سے اجتناب کرو

سوال اگر میرے والد کی کمائی حرام ہو تو کیا وہ جو کچھ ہمارے لیے لاتا ہے اسے کھانا جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں تو ہم کیا کریں؟

جواب اگر والد کی کمائی حرام ہو تو ضروری ہے کہ اسے سمجھایا جائے' اگر ہو سکے تو اسے خود ہی سمجھاؤ یا ایسے اہل علم سے مدد لو جو اسے قائل کر سکیں یا اس کے دوست واحباب سے مدد لو جو اسے قائل کر سکیں اور وہ اس حرام کمائی سے اجتناب کر لے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو تم بقدر ضرورت اس سے کھا سکتے ہو' اس حالت میں تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا لیکن ضروری ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ لو کیونکہ جس کی کمائی حرام ہو' اس کے مال میں سے کھانے میں شبہ ضرور موجود ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حلال میں حرام کی آمیزش .....

سوال ہمارے ہاں یہاں برطانیہ میں بعض مسلمانوں نے حلال و حرام طریقوں سے مال جمع کیا ہے کیونکہ وہ تاجر ہیں اور ان کی تجارت میں شراب اور سور کا گوشت بھی شامل ہے اور ان میں سے کسی کے مال میں حرام کی مقدار زیادہ ہے اور کسی کے مال میں کم' تو کیا ہم مسلمانوں کے لیے ان سے میل جول رکھنا اور جب وہ دعوت دیں تو ان کے کھانے کو کھانا جائز ہے؟ کیا مسجد وغیرہ کے سلسلہ میں ان لوگوں کے عطیات قبول کیے جا سکتے ہیں؟

جواب اولاً: آپ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو سمجھائیں اور انہیں حرام اشیاء کی تجارت اور حرام کی کمائی کے بدترین انجام سے ڈرائیں اور اہل خیر میں سے اپنے ان بھائیوں کے ساتھ تعاون کریں جو انہیں سمجھائیں اور بتائیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور برائیوں کا ارتکاب کرے اس کے لیے اللہ کی گرفت بہت سخت اور اس کا عذاب بہت شدید ہے' نیز انہیں بتایا جائے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور آخرت بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے۔

اگر وہ ان باتوں کو قبول کر لیں تو الحمدللہ! اور اس طرح وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے' پھر انہیں نصیحت کرو کہ اگر انہیں علم ہے تو غصب شدہ اشیاء ان کے اصل مالکوں کو واپس لوٹاؤ اور پھر نیک اعمال بھی کثرت سے بجالاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمہارے برے اعمال کو نیکیوں میں تبدیل کر دے' اس کے بعد تمہارے لیے ان سے میل جول اور اخوت کا معاملہ' ان کی دعوت کو قبول کرنا اور مساجد میں تعمیر و تزیین کے لیے ان سے عطیات وغیرہ لینا جائز ہو گا کیونکہ توبہ کرنے اور حسب امکان حق داروں کو ان کے حق لوٹا دینے سے ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۷۵)

''تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا' اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔''

ثانیاً: اگر نصیحت کرنے اور سمجھانے کے بعد بھی وہ اپنے حرام کاموں ہی پر اصرار کریں تو انہیں اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑ دینا چاہیے۔ ان کی دعوت اور ان کے عطیات کو قبول نہیں کرنا چاہیے تاکہ انہیں سمجھایا جا سکے اور ان کے باطل کا انکار کیا جا سکے شاید کہ وہ اس طرح ہی سمجھ جائیں اور منکر اور حرام کاموں کو چھوڑ دیں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَـٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّـٰرَةٌ طَعَامُ مَسَـٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِۦ ۗ عَفَا ٱللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ ٱللَّهُ مِنْهُ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ ذُو ٱنتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَـٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ ٱلْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ (المائدة٥/ ٩٤-٩٦)

”مومنو! کسی قدر شکار سے، جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو' اللہ تمھاری آزمائش کرے گا (حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے' اس کے لیے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو (یا تو اس کا) بدلا (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چارپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔ تمھارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار' جب تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے' ڈرتے رہو۔“ اور نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي وَلاَ لأَحَدٍ بَعْدِي وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ لاَ يُخْتَلَى خَلاَهَا وَلاَ يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا»(صحيح البخاري، البيوع، باب ما قيل في الصواغ، ح:٢٠٩٠ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها ... الخ، ح:١٣٥٣)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کے لیے حلال نہ تھا اور میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہ ہو گا۔ میرے لیے دن کی صرف ایک گھڑی میں حلال قرار دیا گیا تھا' لہٰذا اس کی گھاس نہ کاٹی جائے' اس کے درخت کو نہ کاٹا جائے اور اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے۔“

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا لاَ يُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَلاَ يُصَادَ صَيْدُهَا»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة ... الخ، ح:١٣٦٢ ... الخ)

”بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کی دونوں سرحدوں (مدینہ طیبہ کے دونوں طرف کے پتھریلے میدانوں) کے درمیان کے علاقہ کو حرم قرار دیتا ہوں کہ اس کی گھاس کو نہ کاٹا جائے اور نہ اس کے شکار کو پکڑا جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شکار جسے غیر محرم حل (حرم سے باہر) میں پکڑے اور اسے لے کر حرم میں داخل ہو جائے یا محرم اس سے خریداری کے ذریعے یا ہبہ کی صورت میں یا وراثت کے طور پر لے لے تو وہ محرم کے لیے بھی حلال ہے اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو حرم میں ہو' اسے ملکیت میں لینا' ذبح کرنا اور حل و حرم میں کھانا جائز ہے اسی طرح جس نے احرام باندھا اور اس کے ہاتھ میں یا اس کے گھر میں یا اس کے پنجرہ میں کوئی ایسا شکار ہو جس کا وہ قبل از احرام مالک ہو تو وہ اس کے لیے بعد از احرام بھی حلال ہے جیسا کہ پہلے حلال تھا' وہ اسے ذبح بھی کر سکتا ہے' کھا بھی سکتا ہے اور اسے بیچ بھی سکتا ہے کیونکہ حرام تو اس شخص کے لیے ہے جو حالت احرام میں ہو یا حرم میں ہو اور وہ شکار کرے یا اس شکار کو لے جو اس کی وجہ سے پکڑا گیا ہو' لہٰذا اسے نہیں لینا چاہیے اور اگر وہ اسے ذبح کر دے تو وہ مردار ہو گا جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو عمیر انصاری کے ہاتھ میں ایک پرندہ دیکھا جسے "نغیر" کہا جاتا ہے' تو آپ نے فرمایا:

«يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الانبساط إلى الناس، ح:٦١٢٩، وصحيح مسلم، الأدب، باب جواز تكنية من لم يولد له ... الخ، ح:٢١٥٠)

"اے ابو عمیر! تمہاری نغیر کو کیا ہو گیا۔"

اور آپ نے اسے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ یہ حرم مدینہ کی بات ہے۔ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں نو سال تک پرندوں کو پنجروں میں دیکھتے رہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف قسم کے پرندے دیکھتے جو مکہ میں کھانے کے لئے زندہ حالت میں لائے جاتے اور وہ منع فرماتے اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ شکار کو زندہ حرم میں داخل کر دیا جائے اور پھر اسے ذبح کر لیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور امارت میں شکار کئے ہوئے زندہ جانور مکہ میں فروخت کیے جاتے تھے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

چند متفرق احکام

ہاتھوں اور برتنوں کی چکناہٹ

سوال کیا کسی گھر یا بلڈنگ کے مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ہر قسم کے پانی کی نکاسی کے لیے ایک سیوریج سسٹم بنائے کہ کھانے کے برتنوں کو دھونے کے بعد کا پانی اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کے دھونے کا پانی بھی اسی میں جائے؟

جواب برتنوں کے دھونے' کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کے دھونے کے پانی اور دیگر اشیاء کے پانی کی نکاسی کے لیے ایک ہی سسٹم بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ برتنوں اور ہاتھوں کو لگنے والی چکناہٹ کھانا نہیں ہے لیکن روٹی' گوشت اور دیگر کھانوں کے ٹکڑوں کو نالیوں میں گرانا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ یہ ضرورت مندوں کو دے دیے جائیں یا انہیں کسی کھلی جگہ پر رکھ دیا جائے تاکہ رزق کی بے حرمتی نہ ہو اور جو شخص جانوروں یا پرندوں وغیرہ کو کھلانا چاہے' وہ انہیں لے لے۔

کھانے کے ٹکڑوں کو کوڑا کرکٹ یا گندی جگہوں یا راستہ میں پھینکنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے کھانے کی بے حرمتی ہے اور راستہ میں پھینکنے کی صورت میں چلنے والوں کے لیے تکلیف بھی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

۲۲

كتاب الأيمان

قسم کے الفاظ

قسم کے الفاظ اور قسم مغلظ

سوال کیا "اللہ کی قسم" کے الفاظ کو حلف شمار کیا جائے گا؟ اسی طرح جب ایک عورت دوسری سے یہ کہے کہ اگر تو ایسا کرے یا یہ پکڑے "تو یہ مجھ پر حرام ہے" کیا یہ الفاظ قسم ہیں؟ قسم مغلظ کیا ہوتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ بارک اللہ فیکم۔

جواب جب کوئی انسان یہ کہے کہ: "اللہ کی قسم" یا اس کے مشابہ کوئی اور الفاظ استعمال کرے تو یہ قسم شمار ہوں گے اور ان کے لیے بھی وہی حکم گا جو "واللہ"، "باللہ" اور "تاللہ" جیسے قسم کے صریح الفاظ کے لیے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان جب کسی چیز کو اپنے لیے حرام قرار دے لے تو یہ بھی قسم کے حکم میں ہوتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے تم اسے کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَـٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ﴾ (المائدة٥/ ٨٧-٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں' ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے جن پاک چیزوں کو ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے' انہیں حرام قرار دینے کی ممانعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا ذکر فرمایا ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص کسی چیز کو حرام قرار دے لے تو وہ ایسے ہے جیسے قسم کھا کر کہے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا' مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "میرے لیے اس کے گھر میں داخل ہونا حرام ہے" تو یہ ایسے ہے جیسے یہ کہے کہ "اللہ کی قسم میں اس کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔" اور اگر یہ کہے کہ اس چیز کا بیچنا میرے لیے حرام ہے" تو یہ ایسے ہی ہے جیسے یہ کہے کہ "اللہ کی قسم میں یہ چیز نہیں بیچوں گا" اور راجح قول کے مطابق اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ کوئی اپنی بیوی کو حرام قرار دے لے یا کسی اور چیز کو' کیونکہ تحریم کو بمنزلہ قسم قرار دینے والے دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ اور جہاں تک قسم مغلظ کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ قسم ہے جس کی تغلیظ (تاکید اور سختی) کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

جواب کونسل نے مختلف مذاہب کے فقہاء کی آراء کا اس موضوع سے متعلق جائزہ لیا ہے کہ کس کے ساتھ قسم جائز ہے اور کس کے ساتھ ناجائز ہے' نیز قاضی کے سامنے عدالتی قسم کے بارے میں بھی جائزہ لیا ہے اور کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے:

① قسم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی جائز ہے' کسی اور چیز کی قسم جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:
«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب كيف يستحلف، ح:٢٦٧٩ وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)
"جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ ہی کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

② قسم کھاتے وقت قرآن مجید یا تورات یا انجیل پر یا کسی بھی اور آسمانی کتاب پر ہاتھ رکھنا صحت قسم کے لیے لازم نہیں ہے لیکن اگر حاکم قسم کو پختہ بنانے کے لیے ایسا کرنا ضروری سمجھے تاکہ قسم کھانے والا جھوٹ سے بچ جائے تو یہ جائز ہے۔

③ مسلمان کے لیے بوقت قسم تورات یا انجیل پر ہاتھ رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت تورات اور انجیل کے جو نسخے متداول (پھیلے ہوئے) ہیں وہ سب تحریف شدہ ہیں اور یہ وہ نسخے نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل فرمائے تھے اور پھر شریعت محمدیہ نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ بھی کر دیا ہے۔

④ اگر کسی غیر اسلامی ملک کی عدالت کسی مسلمان سے بوقت قسم تورات یا انجیل یا دونوں پر ہاتھ رکھنے کے لیے کہے تو وہ عدالت سے درخواست کرے کہ اسے قرآن مجید پر ہاتھ رکھنے کی اجازت دی جائے' اگر عدالت اس کی اجازت نہ دے تو اسے مجبور قرار دیا جائے گا اور اس صورت میں ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک پر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا لیکن وہ ان کی تعظیم کی نیت نہ کرے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

قسم کھانے' توڑنے اور اس کے متعلقہ احکام

بے ارادہ قسم

سوال میں بسا اوقات گفتگو کرتے ہوئے "واللہ" (اللہ کی قسم) کا کثرت سے استعمال کرتا ہوں تو کیا یہ قسم شمار ہو گی؟ اور اگر میں یہ قسم توڑ دوں تو اس کا کفارہ کیا ہو گا؟

جواب جب کوئی مکلف مسلمان مرد و عورت کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں "واللہ" (اللہ کی قسم) کا کلمہ قصد و ارادہ سے استعمال کرے' مثلاً یہ کہے: "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے نہیں ملوں گا" یا یہ کہے کہ: "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے ملوں گا" اور یہ بات وہ دو یا اس سے زیادہ دفعہ کہے یا یہ کہے کہ: "اللہ کی قسم" میں فلاں شخص سے ضرور ملوں گا" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے اور قسم توڑ دے کہ جس کے کرنے کی قسم کھائی تھی اسے نہ کرے یا جس کے ترک کی قسم کھائی تھی اسے کرے تو اس پر کفارہ قسم واجب ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام کا آزاد کرنا۔ کھانے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ کھجور یا چاول یا اس جنس میں سے جو شہر کی خوراک ہو نصف صاع یعنی تقریباً ڈیڑھ کلو فی کس کے حساب سے دیا جائے اور لباس وہ دیا جائے جس میں نماز جائز ہوتی ہے' مثلاً قمیص یا تہبند اور

چادر اور اگر ان تینوں میں سے اسے کسی کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر تین روزے رکھ لے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں (مسکینوں) کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے۔ جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تمہیں) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

اگر قصد و ارادہ کے بغیر زبان سے قسم کے الفاظ ادا ہو جائیں تو یہ قسم لغو شمار ہو گی اور اس آیت کریمہ کے الفاظ ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي اَيْمَانِكُمْ ﴾ کے پیش نظر اس پر مؤاخذہ نہیں ہو گا۔

اگر ایک ہی فعل کے بارے میں کئی قسمیں ہوں تو ان کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہو گا جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے اور اگر قسمیں مختلف افعال پر ہوں تو پھر ہر قسم کے توڑنے پر کفارہ ہو گا' مثلاً یہ کہے کہ: "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے ضرور ملوں گا" یا "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا" یا "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص کو ضرور ماروں گا" تو اس طرح کی مختلف قسموں میں سے جس کو وہ توڑے گا' اس کا کفارہ واجب ہو گا اور اگر سب کو توڑ دے تو سب کے کفارے واجب ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

قسم مشیت الٰہی کے ساتھ

سوال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کا کیا معنی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب الاستثناء في اليمين، ح:۳۲٦۱، ۳۲٦۲ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في الاستثناء في اليمين، ح: ۱۵۳۱ واللفظ له)

"جس نے قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے؟"

جواب اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انسان جب کوئی قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ دے اور پھر وہ قسم کو پورا نہ کر سکے تو اس پر کفارہ نہیں ہے' مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ: ان شاء اللہ میں یہ کام ضرور کروں گا اور پھر وہ اسے نہ کرے یا یہ کہے کہ: ان شاء اللہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور وہ اسے کر لے تو اس حال میں اس پر کفارہ لازم نہیں ہو گا کیونکہ اس نے ان شاء اللہ کہہ دیا تھا' لہٰذا قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ ان شاء اللہ کہہ دیا کرے تاکہ قسم پورا نہ کر سکنے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم نہ ہو۔

بوقت قسم ان شاء اللہ کہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اس سے وہ کام آسان ہو جائے گا جس پر قسم کھائی ہو کیونکہ اس نے

شیخ ابن جبرین

ایک کام نہ کرنے کی قسم کھائی.....

سوال ایک شخص نے ایک خاص کام کے بارے میں قسم کھائی تھی کہ اگر اس نے اسے کیا تو وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے گا لیکن اب اسے یہ خدشہ ہے کہ وہ اس کام کا ارتکاب نہ کر لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ شخص ایک مخصوص کام سے رک جانے کا ارادہ رکھتا ہے، لہٰذا اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر اس نے یہ کام کیا تو وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے گا اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ اس کام سے باز رہنے کے لیے اس کے سامنے ایک قوی سبب بھی موجود ہو اور وہ متواتر دو ماہ کے روزے ہیں، تو اس طرح کی صورت حال کو نذر قرار دیا جائے گا اور وہ نذر جس سے مقصود ترغیب یا ممانعت یا تصدیق یا تکذیب ہو اہل علم کے نزدیک اس کا حکم قسم کا ہے، لہٰذا اس شخص سے ہم یہ کہیں گے کہ اگر آپ نے یہ کام کر لیا تو آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہو گا اور وہ ہے دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا۔

شیخ ابن عثیمین

قسم کھائی تھی کہ یہ کام نہیں کرے گا مگر.....

سوال کمیٹی کو درج ذیل سوال موصول ہوا ہے:

ایک شخص نے اللہ کی قسم کھائی تھی کہ وہ کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ نہیں کرے گا لیکن ایک مدت کے بعد جب وہ ایک مجلس میں گیا تو اس میں اس کے پڑوسی کی بیوی بھی تھی اور اس نے اپنی سابقہ قسم کو بھول جانے کی وجہ سے اس سے مصافحہ کر لیا اور اب وہ پوچھتا ہے کہ اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب کمیٹی نے استفتاء کے مطالعہ کے بعد درج ذیل جواب دیا ہے:

اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس نے غیر محرم عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد بھول کر مصافحہ کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۶)

"اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کریں۔"

اور صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُفِيَ مِنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»(سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، ح:۲۰۴۳، بلفظ: إن الله تجاوز لي عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه)

"میری امت کے لیے غلطی، بھول چوک اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو، معاف کر دیا گیا ہے۔"

اور اگر اس نے ایسا جان بوجھ کر اور اپنی قسم کو یاد رکھتے ہوئے کیا ہے تو اس کے لیے کفارہ قسم لازم ہے، لیکن یاد رہے کہ شرعاً عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ ماں، بہن، بیٹی یا دیگر محرم ہوں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد۔

فتویٰ کمیٹی

ایک چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا.....

سوال میرا ایک بڑا بھائی ہے' ۱۹۶۷ء میں میرے پاس کھانے پینے کی بنیادی ضرورت کی بھی استطاعت نہ تھی لیکن میرے اس بڑے بھائی کو جب خوراک مل جاتی تو وہ میرے دل کو توڑتے ہوئے اسے کھالیتا' میں نے غصہ میں آکر قسم کھالی کہ میں آئندہ چائے کو حرام سمجھوں گا چنانچہ میں نے ۱۹۶۷ء سے اب تک چائے نہیں پی' لہٰذا رہنمائی فرمائیں کہ کیا اس طرح حرام قرار دینے کے بعد میرے لیے چائے پینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسی چیز کو حرام قرار دیں جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو کیونکہ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے۔ آپ نے جو چائے کو حرام قرار دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حق پر زیادتی ہے اور اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کرنا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور استغفار کیجئے۔ چائے پینے کی صورت میں آپ پر کفارہ قسم واجب ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ۝٢ ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے آپ اسے کیوں حرام ٹھہراتے ہیں؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے ولا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝٨٧ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِيٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ۝٨٨ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٨٩ ﴾ (المائدة٥/ ٨٧-٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو یقیناً اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال پاکیزہ روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے' جس پر ایمان رکھتے ہو' ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی

قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔"

لہٰذا آپ کے لیے یہ کافی ہے کہ دس مسکینوں کا پانچ صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ جو آپ کھاتے ہیں نصف صاع فی مسکین کے حساب سے دے دیں اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لیں۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قسم کھائی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا

سوال میں بعض دوستوں کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کے پاس رہوں لیکن میں نے کہا کہ میری وجہ سے جو بھی نقصان اٹھاؤ گے وہ میرے لیے حرام ہے لیکن انہوں نے بکریاں ذبح کر لیں اور مجھے کھانے پر مجبور کیا تو میں نے ان کے پاس خاطر سے کھالیا تو اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

جواب ایک چیز کو حرام قرار دے کر اسے کھالینے کی وجہ سے آپ کے لیے کفارہ قسم لازم ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا جو آپ اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہیں خواہ وہ گندم ہو یا کھجور وغیرہ' اس کا ہر مسکین کو نصف صاع دے دیں یا دس مسکینوں کو کپڑے دے دیں یا ایک غلام آزاد کر دیں اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھ لیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ۚ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے آپ اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے کفارہ کی صورتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ۖ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَـٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّـٰرَةُ أَيْمَـٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو

یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو۔)"

—— فتویٰ کمیٹی ——

قسم کھائی تھی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا

سوال میں نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ یہ کام نہیں کروں گا لیکن حالات نے مجھے قسم توڑنے پر مجبور کر دیا' لہٰذا میں اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب آپ اگر کسی چیز کے ترک کرنے کی قسم کھائیں اور پھر اسے کر لیں تو اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہوتا ہے خواہ آپ نے قسم کھاتے وقت قرآن مجید پر ہاتھ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو)۔ اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

اگر آپ دس مسکینوں کو صبح و شام کا کھانا کھلا دیں یا انہیں کپڑے دے دیں تو اس سے کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر آپ ہر مسکین کو نصف صاع (تقریباً ڈیڑھ کلو) کھجور یا گندم یا چاول دے دیں تو یہ بھی کافی ہے اور اگر جس کام کے لیے آپ نے قسم کھائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہے' مثلاً سگریٹ یا تمباکو نوشی ہے تو اس کا کرنا حرام ہے خواہ آپ اس کے ترک کرنے کی قسم نہ بھی کھائیں' لہٰذا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور اسے چھوڑ دیں۔

—— شیخ ابن باز ——

قسم نیت کے مطابق ہوتی ہے

سوال کچھ دوست دروازے کے پاس بیٹھے تھے' میں نے انہیں اندر آنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے معذرت کر دی تو میں نے کہا کہ: "اللہ عظیم کی قسم! یا تو تم اندر آجاؤ' یا یہاں کھڑے نہ ہوں" انہوں نے کہا کہ وہ مشغول ہیں اور پھر وہ چلے گئے۔ امید ہے کہ آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ اس قسم کے حوالہ سے میرے لیے کیا لازم ہے؟ اللہ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے؟

جواب مسلمان کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی قسم کو پورا کرے۔ آپ نے جو یہ قسم کھائی تھی کہ وہ دروازے کے پاس کھڑے نہ ہوں اگر آپ کی اس سے نیت یہ تھی کہ وہ طویل وقت کے لیے کھڑے نہ ہوں اور وہ قسم کے بعد چلے گئے تو آپ کی قسم پوری ہو گئی کیونکہ وہ چلے گئے تھے اور کھڑے نہیں رہے' اور اگر آپ کی نیت محض

کھڑے ہونے سے تھی خواہ یہ تھوڑی ہی دیر کے لیے کیوں نہ ہو اور پھر وہ آپ کی قسم کے بعد بھی کھڑے رہے ہوں اور انہوں نے آپ کی قسم کی خلاف ورزی کی ہو تو پھر آپ پر کفارہ قسم لازم ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا جو آپ اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہیں یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھنا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کھیل کے بارے میں قسم

سوال جب انسان کسی کھیل وغیرہ کے بارے میں قسم کھائے' مثلاً یہ کہے کہ اللہ کی قسم میں تاش نہیں کھیلوں گا تو کیا یہ قسم بھی منعقد ہو جاتی ہے؟

جواب ہاں! جب بھی انسان اپنے دل سے قسم کھائے تو وہ منعقد ہو جاتی ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

''اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) تم سے مؤاخذہ کرے گا۔''

لہٰذا انسان جب بھی دل سے قسم کھائے تو وہ منعقد ہو جائے گی خواہ وہ کسی مباح یا واجب یا حرام چیز کے بارے میں ہو اور جب قسم منعقد ہو جائے تو پھر دیکھا جائے گا وہ کسی اچھے کام کے بارے میں ہے تو اسے باقی رکھا جائے اور اگر وہ اس کے خلاف ہے تو پھر نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِينٍ فَرَاٰی غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ»(صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينًا فرأى غيرها خيرًا منها ... الخ، ح: ١٦٥٠)

''جس نے کوئی قسم کھائی اور پھر دیکھا کہ خیر و بھلائی اس کے علاوہ کسی اور بات میں ہے تو وہ قسم کا کفارہ دے دے اور جو بہتر بات ہے اسے اختیار کر لے۔''

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ تاش نہیں کھیلے گا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم کو پورا کرے اور اسے نہ توڑے اور تاش نہ کھیلے اور اگر وہ کھیلنا چاہے تو ہم اسے یہ کہیں گے کہ تو اپنی قسم پر باقی نہیں رہا ہے بلکہ تو نے اسے توڑ دیا ہے لہٰذا اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔ اور قسم کا کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جسے یہ میسر نہ ہو تو اس کے لیے متواتر تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص قسم توڑ دے اس کے لیے کفارہ واجب ہے

سوال ایک دن ایک قریبی شخص نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ تو فلاں شخص کی بیٹی سے شادی کرے گا تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر دنیا میں اس کی بیٹیوں کے سوا اور کوئی عورت نہ ہو تو پھر بھی میں ان سے شادی نہیں کروں گا لیکن کئی سال

گزرنے کے بعد میں نے انہی میں سے ایک لڑکی سے شادی کر لی اور اب میں الحمدللہ پرسکون زندگی بسر کر رہا ہوں تو رہنمائی فرمائیں کہ اس سابقہ قسم کے حوالہ سے میں کیا کروں؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور یہ دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ کھانے کے سلسلہ میں واجب ہے کہ ہر مسکین کو کھجور یا گندم وغیرہ کا نصف صاع دیا جائے جس کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہے اور لباس وہ دیا جائے جس میں نماز پڑھنا جائز ہو مثلاً قمیص یا تہبند یا چادر۔ اگر کوئی شخص کھانا کھلانے یا کپڑے دینے یا غلام آزاد کرنے سے قاصر ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

ایک عورت اپنے بچوں کو قسم دیتی ہے مگر.....

سوال میرے بچے ہیں اور بہت دفعہ میں انہیں قسم دے کر کہتی ہوں کہ یہ کام نہ کرو لیکن وہ میری بات نہیں مانتے تو کیا اس صورت میں بھی مجھ پر کفارہ لازم ہے؟

جواب جب بھی آپ اپنے بچوں یا دوسرے لوگوں کے بارے میں ایسی قسم کھائیں جو مقصود ہو کہ مثلاً وہ یہ کام کریں یا نہ کریں اور پھر وہ آپ کی بات کو نہ مانیں تو آپ پر کفارہ قسم لازم ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

اسی طرح اگر آپ کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائیں اور پھر یہ دیکھیں کہ مصلحت اس قسم کے خلاف ہے تو

اس میں کوئی حرج نہیں کہ قسم توڑ دو اور مذکورہ کفارہ ادا کر دو' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب قول الله تعالى ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾، ح:٦٦٢٢ وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأي غيرها خيرًا منها . . . الخ، ح:١٦٥٠ واللفظ له)

''جب تم قسم کھاؤ اور پھر اس کے علاوہ کسی اور بات کو بہتر دیکھو تو قسم کا کفارہ دے دو اور جو بہتر ہے' اسے اختیار کر لو۔''

—— شیخ ابن باز ——

ایک عورت نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بیٹے ....

سوال ایک عورت نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بیٹے کے گھر میں اس کے والد کی وفات کے بعد داخل نہیں ہو گی' اب ماں اس گھر کو خریدنا چاہتی ہے' بیٹا بھی راضی ہے' تو کیا ماں اس گھر کو خرید کر اس میں رہائش اختیار کر سکتی ہے؟ اور اگر یہ جائز نہیں تو کیا قسم کا کفارہ ہے؟

جواب گھر خریدنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے بشرطیکہ گھر کے مالکان اسے بیچنا چاہیں' لہٰذا گھر خریدنے کے بعد اگر یہ اس میں داخل ہو تو کفارہ بھی نہیں کیونکہ اب تو یہ خود اس گھر کی مالکن بن چکی ہے اور اب یہ اس کے بیٹے کا گھر نہیں رہا اور اگر یہ اپنے بیٹے کے اس گھر میں داخل ہو جس میں وہ رہائش پذیر ہے تو اس پر کفارہ قسم واجب ہو گا خواہ وہ بیٹے کا اپنا گھر ہو یا اس نے کرایہ پر لیا ہو۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جسے استطاعت نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھ لے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں بیان فرمایا ہے۔ کھانے کی صورت میں ایک مسکین کو نصف صاع کھجور یا چاول یا اس جنس میں سے دیا جائے جو شہر میں کھائی جاتی ہے اور اس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے' اور اگر ان کو دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے یا ہر ایک کو ایسا لباس دے دیا جائے جس میں نماز پڑھی جا سکتی ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ اگر مذکورہ مکان خریدنے کے بعد بیٹا ابھی تک اسی میں رہائش پذیر ہو اور یہ عورت بیٹے کے اس سے منتقل ہونے سے پہلے اس میں داخل ہو جائے تو پھر بھی اس پر مذکورہ کفارہ لازم ہو گا۔ وباللہ التوفیق۔

حلف اور حرام کے ساتھ طلاق

سوال ہمارے ہاں لوگوں میں حلف اور حرام کے ساتھ طلاق دینے کا بہت رواج ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب طلاق کے ساتھ حلف مکروہ ہے' ایسا نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ اہل کے فراق کا وسیلہ ہے (یعنی بیوی سے علیحدگی اور جدائی کا ذریعہ ہے) اور پھر اس لیے بھی کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے' لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور ضرورت کے بغیر طلاق کا لفظ استعمال نہ کرے اور طلاق اس وقت دے جب وہ غصے کی حالت میں نہ ہو اور جب وہ اپنے دوستوں یا مہمانوں کو اپنے ہاں آنے یا کھانے کی دعوت وغیرہ کے سلسلہ میں تاکید کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ صرف اللہ کے نام کی قسم پر اکتفاء کرے۔ اگر غصے

کی حالت میں ہو تو اسے أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا چاہیے اور اپنی زبان اور دیگر اعضاء کی ایسے امور سے حفاظت کرنی چاہیے جو زیب نہ دیتے ہوں۔ کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا جائز نہیں خواہ وہ قسم کے صیغہ سے ہو یا کسی اور صیغہ سے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ﴾ (التحریم٦٦/ ١)

"اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے' تم اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟"

اس سلسلہ میں دیگر دلائل بھی معروف ہیں۔ اور پھر کسی مسلمان کو یہ بات زیب ہی نہیں دیتی کہ وہ کسی بھی ایسی چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

تاکید کے لیے تین بار طلاق کی قسم

سوال آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو ایک طلاق کی تین بار قسم دی کہ وہ یہ کام ضرور کرے لیکن اس نے نہ کیا' تو کیا یہ قسم اس کی ذات کی حد تک اس کی بیوی کے بارے میں معتبر اور نافذ ہوگی؟ اور اگر یہ قسم نافذ نہیں تو اسلام کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب جب کوئی شخص تین طلاقوں کے ساتھ کسی کو قسم دے کہ وہ یہ کام کرے یا یہ کام نہ کرے یا یہ کہ اگر میں فلاں کے ولیمہ میں گیا تو مجھ پر تین طلاقیں واجب ہیں یا یہ کہے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا یا اس طرح کے کسی بھی اور کام پر قسم کھالے تو اس میں تفصیل ہے' اگر اس طرح طلاق کے ساتھ قسم کھانے سے مقصد تاکید اور بات میں زور پیدا کرنا ہے' مقصود طلاق دینا نہیں تو اس کا حکم قسم کا ہوگا اور اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی قسم کا کفارہ لازم ہوگا' اور وہ ہے دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام کو آزاد کرنا' اور اگر اس سے عاجز ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھنا۔

اور اگر اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ چیز نافذ نہ ہوئی تو طلاق واقع ہو جائے گی تو اس سے اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس نے تین طلاقوں کے الفاظ ہی استعمال کیے ہوں۔ صحیح قول یہی ہے۔ عدت کے اندر اندر اسے رجوع کا حق بھی حاصل ہو گا اور اگر رجوع کرنے سے قبل عدت ختم ہو گئی تو پھر معتبر شروط کے ساتھ نکاح جدید کے بغیر یہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی۔ نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں' ایک (رجعی) طلاق شمار ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

طلاق کے ساتھ قسم کھائی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا.....

سوال ایک شادی شدہ نوجوان ایک ایسا کام کرتا تھا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے' لہٰذا ایک دن اس نے یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اس کی بیوی کو طلاق' اسی طرح اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے دوبارہ یہ کام کیا تو میری بیوی میرے لیے میری ماں کی طرح ہو گی۔ کچھ مدت تک تو وہ توبہ پر قائم رہا لیکن پھر وہ اس جگہ چلا گیا جہاں وہ حرام کا

ارتکاب کرتا تھا اور شیطان نے اسے معصیت میں مبتلا کر دیا۔ اس گناہ کے ارتکاب کے بعد اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور اسے حمل قرار پا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ شرعی احکام کیا ہیں؟ کفارہ کیا ہے؟ اور اس شخص پر کیا واجب ہے؟

جواب اگر اس شخص کا مقصد اپنے آپ کو اس حرام کام اور نافرمانی سے روکنا تھا' بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا مقصد نہ تھا اور اس نے طلاق کو اس حرام کام کے ساتھ معلق کر دیا تو اس پر قسم کی وجہ سے کفارہ قسم اور بیوی کو ماں کی طرح قرار دینے کی وجہ سے کفارہ ظہار واجب ہے اور اسے ان دونوں کفاروں کے ادا کرنے تک بیوی سے صحبت نہیں کرنی چاہیے۔ کفارہ قسم میں اختیار ہے کہ چاہے غلام آزاد کر دے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا انہیں کپڑے دے دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لے اور کفارہ ظہار میں واجب ہے کہ غلام آزاد کرے اور اگر میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر اس کا ارادہ طلاق کا تھا اور وہ بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا تھا اور اس معصیت کو اس نے علیحدگی اختیار کرنے کی علامت قرار دے دیا تو اس سے اس کی بیوی پر ایک (رجعی) طلاق واقع ہو جائے گی۔ عدت کے اندر اندر اسے رجوع کا حق بھی حاصل ہو گا تاہم اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بھی اور دیگر معصیتوں سے بھی بچائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

غصے کی حالت میں طلاق کے ساتھ قسم کھالی

سوال غصے کی حالت میں ایک کام نہ کرنے کے سلسلہ میں میں نے طلاق کے ساتھ قسم کھالی اور پھر شدید ندامت ہوئی کیونکہ یہ کام تو میرے اور میرے بچوں کی گزر بسر کا ذریعہ ہے' تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ جو شخص جنوں کا انکار کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جنبی کے ساتھ نکاح جائز ہے؟

جواب مذکورہ قسم چونکہ بہت شدید غصے کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود اپنے آپ کو اس کام سے روکنا تھا اور قسم اٹھانے والے کا مقصد بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا نہیں تھا' لہٰذا میری رائے میں اسے کفارہ قسم ادا کرنا چاہیے' اور یہ ہے دس مسکینوں کو درمیانہ درجے کا کھانا کھلانا جو یہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے یا انہیں کپڑے دینا............الخ

اسے یہ کام کرتے رہنا چاہیے جس میں اس کے لیے منفعت ہے کیونکہ جو شخص کسی کام پر قسم کھالے اور پھر دیکھے کہ کوئی دوسرا کام اس سے بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ قسم کا کفارہ دے دے اور جو کام بہتر ہے' اسے کر لے۔

ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرح جنوں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور انہیں فرشتوں اور شیطانوں کی طرح انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل رکھا ہے' جیسا کہ ارشاد تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴾ (الأعراف۷/ ۲۷)

''وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔''

یہ جسموں کے بغیر ارواح ہیں جس طرح کہ موت کے بعد جسم سے خارج ہونے والی انسانی روح ہوتی ہے۔ ہم اس

بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ شیطان انسانی جسم میں اس طرح گردش کر سکتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے۔ اسی طرح جن بھی انسان کے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں اور اس پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں' لیکن یہ ثابت نہیں کہ کسی انسان نے کسی جن کے ساتھ یا کسی جن نے کسی عورت کے ساتھ شادی کی ہو۔ قارئین کرام کو اس موضوع پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے رسالہ ''ایضاح الدلالۃ'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بھول کر طلاق کے ساتھ قسم کھالی

سوال ایک شخص کی نئی نئی شادی ہوئی تھی مگر اس نے بھول کر قسم کھالی کہ میں آئندہ سال یہ خریدوں گا ورنہ مجھ پر طلاق اور کیا اگر وہ نہ خریدے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟ نہ خریدنے کی صورت میں اس پر کیا لازم ہوگا؟ یاد رہے کہ طلاق کے ساتھ قسم کھانا اس کی ہرگز عادت نہ تھی' لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کیا ہے؟

جواب اس طرح کے کلام کا حکم شوہر کی نیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر اس کا مقصد اپنے آپ کو اس خریداری پر برانگیختہ کرنا تھا اور بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا مقصود نہ تھا تو اگر وہ چیز نہ بھی خریدے جس کا اس نے طلاق کے ساتھ ذکر کیا تھا تو اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ طلاق قسم کے حکم میں ہوگی' لہٰذا اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کہ ہر مسکین کو نصف صاع کھجور وغیرہ یا جو بھی شہر کی خوراک ہو دیا جائے۔ اس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے۔ اگر دس مسکینوں کو دوپہر یا شام کا کھانا کھلادے یا انہیں ایسے کپڑے دے دے جو نماز کے لیے کافی ہوں تو یہ بھی جائز ہے اور اگر اس کی نیت نہ خریدنے کی صورت میں طلاق ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ مومن کو چاہیے کہ اس طرح کے حالات میں لفظ طلاق کے استعمال سے اجتناب کرے کیونکہ بہت سے اہل علم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس صورت میں مطلقاً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

''جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو بچالیا۔''

—— شیخ ابن باز ——

بیوی سے کہا کہ اگر تو نکلی تو پھر واپس نہ آنا

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی تو پھر واپس نہ آنا۔ اس وقت میرا مقصد اسے گھر سے نکلنے سے منع کرنا تھا اور طلاق وغیرہ کے بارے میں تو میں نے سوچا تک بھی نہ تھا۔ اب مجھے ڈر ہے کہ میری بیوی کسی وقت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا علم بھی نہ ہو تو کیا میں نے جو بات کی تھی وہ قسم ہے اور میں اس کا اب کفارہ دے سکتا ہوں؟ یا اس صورت میں میرے لیے کیا لازم ہے؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب یہ کلام قسم کے حکم میں ہے' لہٰذا جب وہ گھر سے نکلے تو آپ پر کفارہ قسم لازم ہے' اس سے اس پر طلاق واقع نہ

ہو گی اور اگر اس کلام کے وقت آپ نے یہ بھی کہا کہ وہ آپ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے تو اجازت دینے کی صورت میں کفارہ بھی لازم نہیں ہو گا' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ»(سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، ح:٣٥٩٤، علقه البخاري قبل، ح:٢٢٧٤ وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، ح:١٣٥٢)

''مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔'' واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بیوی سے کہا کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو............

سوال ایک شخص نے ٹیلی ویژن سیٹ خریدا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دینی پروگرام کے علاوہ تو اگر کوئی پروگرام دیکھے تو تو مجھ پر حرام ہے' پھر ایک دن وہ گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ ٹیلی ویژن پر ڈرامہ لگا ہوا ہے۔ اس نے بیوی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ دینی پروگرام دیکھنے کے بعد وہ اسے بند کرنا بھول گئی تھی تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ دینی پروگرام کے بعد ٹیلی ویژن بند کرنا بھول گئی تو اس سے شوہر کی قسم نہیں ٹوٹے گی' ہاں البتہ اس نے شروع میں بیوی سے جو یہ کہا کہ اگر تو نے ٹیلی ویژن کھولا تو .... مجھ پر حرام ہے' یہ کہنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق پر دست درازی ہے' اس لیے کہ حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧)

''مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں' ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو بلاشبہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١)

''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟ (کیا اس سے) اپنی بیوی کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ دینی پروگراموں کے علاوہ دیگر پروگراموں کے لیے ٹیلی ویژن نہ کھولے اور جب دینی پروگرام

ختم ہو جائے تو اسے فوراً بند کر دے۔ اگر بیوی عمداً ان میں سے کسی پروگرام کے لیے ٹیلی ویژن کو کھولے جس سے اس کے شوہر نے منع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے شوہر پر کفارہ قسم لازم ہو گا کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق اسطرح کا کلام قسم کے حکم میں ہوتا ہے۔ تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ٹیلی ویژن کے حرام گانوں کے پروگرام' موسیقی کے پروگرام اور ان بے ہودہ ڈراموں وغیرہ کے پروگرام نہ دیکھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

زبان سے نہیں بلکہ دل سے حرام قرار دیا

سوال میں سگریٹ نوشی کرتا ہوں اور ایک بار میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اگر میں نے دوبارہ سگریٹ پی تو میری بیوی مجھ پر حرام' مگر میں یہ بھول گیا اور میں نے دوبارہ سگریٹ پی لی' پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے تو کہا تھا کہ اس سے میری بیوی مجھ پر حرام ہو جائے گی' تو اس صورت میں میرے لیے کیا لازم ہے؟

جواب اگر سگریٹ نوشی ترک کرنے کی آپ کی اس قدر شدید خواہش ہے تو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس کے ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو عزم صادق' استقامت اور صبر عطا فرمائے کہ آپ کو اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا کرے۔ جس تحریم کے بارے میں آپ نے سوال پوچھا ہے اگر آپ نے اسے صرف دل ہی میں کہا تھا اور زبان سے اسے ادا نہیں کیا تو اس کا کوئی حکم اور کوئی اثر نہیں ہے اور اگر آپ نے زبان سے یہ الفاظ کہے ہیں اور آپ کی اس سے نیت اپنے نفس کو شدت کے ساتھ ترک سگریٹ نوشی پر آمادہ کرنا تھا تو اس کا حکم قسم کا ہو گا' لہٰذا جب آپ قصد و ارادہ کے ساتھ اور ان الفاظ کو یاد رکھنے کی حالت میں سگریٹ پئیں گے تو آپ پر قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور اگر آپ نے بھول کر سگریٹ پی تو پھر کچھ لازم نہیں ہو گا لیکن اسے یاد کرنے کے بعد دوبارہ سگریٹ نوشی نہ کریں کیونکہ اس صورت میں آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ آپ کو اختیار ہے کہ کفارہ کی ان تین صورتوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں۔ کھانا کھلانے کی صورت میں آپ یا تو انہیں دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیں یا انہیں چاول اور گوشت دے دیں۔ دس مسکینوں کے لیے چھ کیلو کافی ہو گا خواہ وہ ایک گھر میں ہوں یا مختلف گھروں میں۔ اگر فقراء نہ ملیں تو آپ متواتر تین روزے رکھ لیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حرام قرار دینے سے حلال حرام نہیں ہوتا

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کا ارادہ کیا تو میری والدہ نے مجھے بتایا کہ اس نے اس دوشیزہ کو میرے تمام بھائیوں کے لیے حرام قرار دے رکھا ہے لیکن اب میری والدہ اس پر بہت نادم ہے اور میں اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا میرے لیے اس سے شادی کرنا حلال ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کفارہ کیا ہو گا؟

جواب حرام قرار دینے سے کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوتی بلکہ یہ بات قسم کے درجہ میں ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا تھا کہ "یہ شہد مجھ پر حرام ہے" [1] تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

﴿ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ﴾ (التحریم٦٦/ ١)

"آپ اسے کیوں حرام قرار دیتے ہیں' جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے؟۔"

اور پھر فرمایا:

﴿ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَٰنِكُمْ ﴾ (التحریم٦٦/ ٢)

"اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

یعنی تمہارے لیے قسم کا وہ کفارہ بیان فرما دیا ہے جس سے تم اس چیز کو حلال کر لیتے ہو جس کے بارے میں قسم کھالی ہو یعنی یہ کفارہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔"

لہٰذا یہ لڑکی آپ کی ماں کے حرام قرار دینے کی وجہ سے حرام نہیں ہوگی' ہاں البتہ اس کے لیے کفارہ قسم لازم ہوگا۔

واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کفارے کے احکام

قسم کا کفارہ

سوال قسم کا کیا کفارہ ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔"

---

[1] دیکھیے : صحیح بخاری التفسیر' سورۃ التحریم' باب :۱' حدیث : ۴۹۱۲ و صحیح مسلم' الطلاق' باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امراتہ ..... الخ' حدیث : ۱۴۷۴۔

بے ارادہ قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو اثناء کلام میں غیرارادی طور پر انسان کی زبان پر آجاتی ہیں اور انسان کہتا ہے "نہیں اللہ کی قسم" یا "ہاں اللہ کی قسم" ایسی قسموں پر کوئی کفارہ نہیں' ہاں البتہ ان قسموں پر کفارہ ہے جو انسان دل کے قصد و ارادہ کے ساتھ کھائے تو ان کے کفارہ میں اختیار ہے کہ ایک غلام آزاد کر دیا جائے یا دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلایا جائے جو وہ خود اور اس کے اہل و عیال کھاتے ہوں۔ اگر انہیں دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے یا بقدر ضرورت دے دیا جائے تو یہ کافی ہے یا انہیں ایسا لباس دے دیا جائے جو نماز میں ستر پوشی کا کام دے سکے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھ لیے جائیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کفارہ قسم میں کھانے کی مقدار

سوال یہ تو معلوم ہے کہ کفارہ قسم دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہر مسکین کو کتنی مقدار میں اور کس معیار کا کھانا دیا جائے؟

جواب قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلادیا جائے یا انہیں لباس دیا جائے یا ایک غلام آزاد کر دیا جائے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ متواتر تین روزے رکھے۔ کھانا اس اوسط درجے کا ہونا چاہیے جو قسم کھانے والا اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے کہ مسکین اس کے پاس دوپہر یا شام کا کھانا کھائیں حتی کہ سیر ہو جائیں یا یہ انہیں ایک رات کا کھانا دے دے اور اس کا اندازہ نصف صاع چاول وغیرہ ہے۔ لباس کی صورت میں ایسا لباس ہونا چاہیے جس میں نماز پڑھنی جائز ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قسم کا کفارہ ادا کرنے کی صورت

سوال قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' کیا انہیں ایک دفعہ کھانا کھلا دینا کافی ہے؟ کیا انہیں کھانا پکنے سے قبل دینا بھی جائز ہے؟ اس کی مقدار کتنی ہو گی؟

جواب ایک دفعہ کھانا کھلانا ان شاء اللہ کافی ہے اور یہ کافی ہے کہ دوپہر یا شام کے وقت اس قدر کھانا کھلائے کہ وہ سیر ہو جائیں اور اگر انہیں پکائے بغیر خام حالت میں کھانا دے دے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کی مقدار یہ ہے کہ ہر مسکین کو ڈیڑھ کلو چاول وغیرہ دے دے اور افضل یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ کچھ بھی دے جس سے چاول پکائے جا سکیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔"

یعنی اس طرح کا کھانا جو تمہارے اور تمہارے اہل و عیال کا معمول ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

افضل یہ ہے کہ کفارہ پہلے ادا کیا جائے

سوال میں نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر نہیں جاؤں گا اور اس سے تعلق قطع کر لوں گا اور اس کے بعد میں نے صلہ رحمی کے بارے میں سنا ہے' لہٰذا اب میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں تو اس صورت میں مجھ پر کیا لازم ہے؟ اگر کفارہ قسم لازم ہے تو کیا اسے اس کے پاس جانے سے پہلے ادا کروں یا بعد میں؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ تعلقات منقطع کریں اور قطع رحمی کریں خواہ آپ نے اس کی قسم ہی کیوں نہ کھائی ہو' کیونکہ جو شخص قسم کھائے اور پھر یہ دیکھے کہ بہتری اس کے علاوہ کسی اور بات میں ہے تو اسے چاہیے کہ جو بات بہتر ہو اسے اختیار کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور جب قسم توڑنے کا ارادہ کرے تو افضل یہ ہے کہ پہلے کفارہ ادا کر دے اور اگر قسم توڑنے کے بعد کفارہ ادا کرے تو پھر بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کھانا کھلانے سے پہلے روزے رکھنا جائز نہیں

سوال جب کسی چیز کے بارے میں میں یہ قسم کھالوں کہ میں اسے نہیں کروں گا اور پھر کسی دن اسے کر لوں تو کیا پہلے تین دن کے روزے رکھوں اور پھر اس چیز کو مکمل کروں یا اس سے رک جاؤں؟

جواب جب انسان کسی چیز کے بارے میں قسم کھائے کہ اسے نہیں کرے گا اور پھر اسے کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے' مثلاً یہ کہے کہ میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا یا اس کے کھانے کو نہیں کھاؤں گا اور پھر وہ اس سے کلام کر لے یا اس کے کھانے کو کھا لے تو اس پر کفارۂ قسم لازم ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ۖ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَـٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّـٰرَةُ أَيْمَـٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَـٰنَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَـٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو' اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کفارۂ قسم ذکر کیا اور یہ بیان فرمایا کہ روزے رکھنا اس شخص کے حق میں ہے جو کھانا کھلانے' لباس دینے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز و قاصر ہو۔ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ ہر مسکین کو کھانے کی کتنی مقدار دینا واجب ہے۔ سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان تمام اجناس میں سے نصف صاع دیا جائے

جنہیں انسان اپنے اہل خانہ کو کھلاتا ہے' مثلاً چاول اور کھجور وغیرہ' وزن کے حساب سے اس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے۔ اگر دس مسکینوں کو صبح یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے یا انہیں ایسا لباس دے دیا جائے جس میں نماز جائز ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ اور اگر کسی مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ اور اگر کوئی ان سب سے عاجز و قاصر ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جب قسمیں متعدد ہوں تو کیا ایک کفارہ کافی ہے؟

سوال جب انسان ایک سے زیادہ قسمیں کھالے تو کیا ایک قسم کا کفارہ کافی ہے یا وہ ہر قسم کا الگ الگ کفارہ ادا کرے؟

جواب اگر قسم مختلف افعال کے بارے میں ہو تو پھر ہر قسم کا کفارہ الگ ہو گا جب وہ اسے پورا نہ کرے' اور اگر قسمیں ایک ہی فعل کے بارے میں ہوں تو پھر ایک ہی کفارہ ہے کیونکہ فعل بھی ایک ہی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ایک فعل کے بارے میں متعدد قسمیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میں نے تین سے بھی زیادہ قسمیں کھا کر ایک حرام کام سے توبہ کی تھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر ایک کفارہ لازم ہے یا تین؟ نیز میرے لیے کفارہ کیا ہے؟

جواب آپ پر ایک ہی کفارہ لازم ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر یہ میسر نہ ہو تو آپ تین روزے رکھیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔"

اسی طرح ہر وہ قسم جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ہو وہ ایک ہی شمار ہو گی خواہ بار بار قسم کھائی گئی ہو اور اس میں کفارہ بھی ایک ہی ہو گا بشرطیکہ پہلی بار قسم کا کفارہ ادا نہ کر دیا ہو' اگر پہلی بار قسم کا کفارہ ادا کر دیا ہو اور پھر دوبارہ قسم کھائی ہو تو اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں دوبارہ کفارہ دینا ہو گا۔ اسی طرح اگر دوسری قسم کا کفارہ ادا کرنے کے بعد تیسری بار قسم کھائی ہو اور اسے پورا نہ کیا ہو تو اس صورت میں تیسرا کفارہ ادا کرنا لازم ہو گا۔

اگر متعدد افعال کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں متعدد قسمیں کھائی ہوں تو اس صورت میں ہر قسم کے پورا نہ

کرنے پر کفارہ ہو گا' مثلاً کسی نے اگر یہ کہا کہ: "اللہ کی قسم میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا' اللہ کی قسم میں اس کا کھانا نہیں کھاؤں گا' اللہ کی قسم میں فلاں جگہ کا سفر نہیں کروں گا" یا یہ کہے کہ "اللہ کی قسم میں فلاں شخص سے ضرور کلام کروں گا' اللہ کی قسم میں اسے ضرور ماروں گا۔"

کھانا کھلانے کی صورت میں واجب یہ ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع اس جنس میں سے دے دیا جائے جو شہر میں کھائی جاتی ہو۔ اس کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہے۔ لباس وہ ہونا چاہیے جس میں نماز پڑھنی جائز ہو' مثلاً قمیص یا تہبند اور چادر۔ اور اگر مسکینوں کو دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے تو یہ بھی کافی ہے' جیسا کہ مذکورہ آیت کریمہ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

متعدد قسموں کا کفارہ جب کہ ان کی تعداد معلوم نہ ہو

سوال پہلے میں ہر کام کے لیے قسم کھا لیا کرتا تھا لیکن اسے پورا نہ کرتا تھا اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ان قسموں کا کفارہ ادا کر دوں لیکن مجھے ان قسموں کی تعداد یاد نہیں تو کیا ان سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہو گا؟

جواب اندازے سے ان قسموں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کرو جن کو آپ نے توڑ دیا تھا اور پھر ان کے حساب سے کفارے ادا کر دو جب کہ یہ قسمیں مختلف امور پر کھائی گئی ہوں۔ اور اگر یہ قسمیں ایک ہی کام کے بارے میں ہوں' مثلاً اس طرح کہ: "اللہ کی قسم میں زید سے نہیں ملوں گا" "اللہ کی قسم زید سے نہیں ملوں گا" تو ان سب کا کفارہ ایک ہی ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کفارہ قسم مجاہدین کو دے دینا

سوال میں نے قسم کے کفارے کے سو ریال افغان مجاہدین کے امدادی فنڈ میں دے دیے تو کیا یہ دس مسکینوں کے کھانے کے لیے کافی ہوں گے۔ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب مذکورہ رقم کا کفارہ قسم کے طور پر ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قرآنی نص کے خلاف ہے اور نص سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

کفارہ قسم نقدی کی صورت میں ادا کرنا

سوال میری والدہ کے ذمہ قسم کا کفارہ ہے تو کیا میں دس مسکینوں کے کھانے کی قیمت کو سعودی ریال میں ادا کر کے کسی فلاحی تنظیم کو دے سکتا ہوں؟ اگر سعودی ریال کی صورت میں اسے ادا کرنا درست ہو تو کتنے ریال ادا کرنے چاہئیں؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب اگر آپ کی والدہ فوت ہو گئی ہوں یا زندہ ہوں اور انہوں نے آپ کو کفارہ ادا کرنے کی اجازت دے دی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دیں لیکن کفارہ کھانے کی صورت میں ہونا چاہیے نقدی کی صورت میں نہیں کیونکہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں کھانے کا ذکر ہے۔ ضروری ہے کہ کھجور یا گندم یا ہر اس جنس میں سے جو شہر کی خوراک ہو نصف صاع یعنی تقریباً ڈیڑھ کلو فی مسکین ادا کیا جائے' اگر آپ انہیں دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیں یا ایسے کپڑے دے دیں جن میں نماز جائز ہو' مثلاً قمیص یا تہہ بند اور چادر تو یہ بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائے

سوال ایک شخص نے یہ پوچھا ہے کہ اگر میں کسی معمولی چیز پر محض جلد بازی اور غصے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھا لوں اور یہ قسم جان بوجھ کر نہ ہو تو کیا اس صورت میں میں گناہ گار ہوں گا؟ اور پھر اس کے بعد میرے لیے کیا واجب ہے؟

جواب اگر قسم کھاتے وقت آپ کو یہ علم یا ظن غالب تھا کہ آپ اپنی قسم میں سچے ہیں اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ نہیں آپ تو جھوٹے تھے تو اس صورت میں کوئی گناہ یا کفارہ نہیں ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔"

اور اگر بوقت قسم آپ کو علم یا ظن غالب تھا کہ آپ قسم میں جھوٹے ہیں تو پھر آپ گناہ گار ہیں اور صحیح قول کے مطابق آپ پر کفارۂ قسم واجب ہے' اسی طرح اگر بوقت قسم' جس چیز کے بارے میں قسم کھائی گئی ہو' آپ کو شک تھا تو پھر بھی کفارہ واجب ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن ایسی پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا۔"

جو شخص قصداً جھوٹی قسم کھاتا ہے' اور وہ پختہ قسم کھاتا ہے جبکہ قسم کھاتے وقت اس کے دل میں قسم کے برعکس ارادہ ہوتا ہے تو یہ شخص قسم کی توہین کرتا ہے اور اس کی حفاظت نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ واحفظوا ایمانکم ﴾ "اپنی قسموں کی حفاظت کرو" کی مخالفت کرتا اور فرمان رسول ﷺ کے مطابق کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں جھوٹی قسم کو بھی کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا تھا۔

اگر آپ نے قصد و ارادہ سے قسم نہیں کھائی یعنی دل سے یہ قسم نہیں تھی بلکہ قصد و ارادہ کے بغیر زبان پر آگئی تو آپ کو گناہ نہیں ہو گا اور نہ اس پر کفارہ لازم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا" لیکن ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی قسم کی حفاظت کرے' قسم کھانے میں جلدی نہ کرے اور نہ ہی کثرت سے قسمیں کھائے۔ نیز اسے چاہیے کہ اپنی زبان کو بھی جھوٹ سے بچائے۔ غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بچپن میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھائی

سوال ایک شخص نے بچپن میں جب کہ اس کی عمر پندرہ سال تھی قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھائی لیکن سن رشد کو پہنچنے کے بعد اسے بہت ندامت ہوئی کیونکہ اب اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شرعاً حرام ہے' تو کیا اس پر گناہ یا کفارہ ہے؟

جواب اس سوال میں دو مسئلے قابل غور ہیں ایک تو ہے قسم میں تاکید پیدا کرنے کی خاطر قرآن مجید پر ہاتھ رکھنا' تو اس کی سنت سے چونکہ کوئی دلیل نہیں ہے' لہٰذا یہ شرعی حکم نہیں ہے کہ بوقت قسم قرآن مجید پر ہاتھ رکھا جائے۔

دوسرا مسئلہ ہے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کا تو بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے' لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جھوٹی قسم کے لیے حدیث میں جو "یمین غموس" (بمعنی ڈبو دینے والی قسم) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو یہ اس لیے کہ جھوٹی قسم گناہ میں اور پھر جہنم کی آگ میں ڈبو دیتی ہے۔ جھوٹی قسم اگر اس نے بالغ ہونے کے بعد کھائی ہے تو یہ شخص گناہ گار ہو گا' لہٰذا اسے توبہ کرنی چاہیے لیکن اس پر کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ کفارہ تو ان قسموں پر ہوتا ہے جن کا تعلق مستقبل کی اشیاء سے ہو' ماضی کی اشیاء میں کفارہ نہیں ہے بلکہ انکے حوالہ سے تو بات صرف اس قدر ہے کہ انسان گناہ گار ہے یا نہیں۔ اور جب انسان کسی ایسی چیز کے بارے میں قسم کھائے جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ گناہ گار ہو گا اور اگر کسی ایسی چیز کے بارے میں قسم کھائے جس کے بارے میں اسے علم یا ظن غالب ہو کہ وہ سچا ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نذر (منت ماننے) کے مسائل

اسلام میں نذر کے بارے میں حکم

سوال اسلام میں نذر کے بارے میں کیا حکم ہے' بعض لوگ اپنے آباؤ اجداد کی عادت کے مطابق عمل کرتے ہوئے جانور ذبح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کی نیت کے مطابق ہے لیکن اس نذر کو وہ سال کے معین اوقات میں' مانتے ہیں مثلاً اکثر لوگ رمضان المبارک میں ایسی نذر مانتے ہیں تو اسلام کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب جانور ذبح کرنے یا نفل نماز ادا کرنے یا نفل روزے رکھنے وغیرہ کی نذر ماننا عبادت ہے لہٰذا جو شخص ایسی کوئی نذر مانے تو اسے پورا کرنا لازم ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُهُۥ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٠)

"اور تم (اللہ کی راہ میں) جو کچھ خرچ کرو یا کوئی نذر مانو' اللہ اس کو جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠)

"جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

اور جو شخص غیراللہ کے لیے یعنی کسی نبی یا فرشتے یا ولی کے لیے نذر مانے تو یہ شرک ہے کیونکہ اس نے عبادت کو غیراللہ کے لیے قرار دیا ہے' لہٰذا اس شرک کی وجہ سے اس کے لیے توبہ و استغفار کرنا واجب ہے۔

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ یا مخلوق میں سے کسی اور کے تقرب اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا شرک ہے کیونکہ یہ بھی غیراللہ کی عبادت ہے لہٰذا اس سے بھی توبہ اور استغفار کرنا واجب ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نذر کی جہت بدلنے کا حکم

سوال کیا انسان کے لیے نذر کی جہت تبدیل کرنا جائز ہے؟ یعنی نذر ماننے اور اس کی جہت متعین کرنے کے بعد جب کوئی اور جہت زیادہ مستحق نظر آئے تو کیا اس میں تبدیلی جائز ہے؟

جواب جواب سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ انسان کو نذر نہیں ماننی چاہیے کیونکہ نذر مکروہ یا حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلي القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩ واللفظ له)

"یہ کوئی خیر نہیں لاتی ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل کا کچھ مال ضرور نکال لیا جاتا ہے۔"

نذر کے ذریعے جس خیر و بھلائی کی توقع کی جاتی ہے' اس کا سبب نذر نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ جب بیمار ہوتے ہیں تو یہ نذر مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے شفا بخشی تو وہ یہ کام کرے گا یا کسی چیز کے گم ہو جانے کی وجہ سے نذر مانتے ہیں کہ اگر ان کی وہ گم شدہ چیز مل گئی تو وہ یہ کام کریں گے لیکن جب انہیں شفا یا گم شدہ چیز حاصل ہو جائے تو اس کے یہ معنی

نہیں کہ یہ چیز انہیں نذر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے بلکہ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بے نیاز ہے کہ سوال کے لیے وہ کسی شرط کا محتاج ہو' لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ اس مریض کو شفا عطا فرمائے یا اس گم شدہ چیز کو واپس لوٹا دے' نذر کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور بہت سے لوگ نذر ماننے اور مقصود حاصل ہونے کے بعد نذر پورا کرنے میں سستی کرتے ہیں یا اسے پورا کرتے ہی نہیں تو یہ بات بہت خطرناک ہے' ارشاد باری تعالیٰ سماعت فرمائیے:

﴿ ۞ وَمِنْهُم مَّنْ عَـٰهَدَ ٱللَّهَ لَئِنْ ءَاتَىٰنَا مِن فَضْلِهِۦ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُم مِّن فَضْلِهِۦ بَخِلُوا۟ بِهِۦ وَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٧٦﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِى قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُۥ بِمَآ أَخْلَفُوا۟ ٱللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا۟ يَكْذِبُونَ ﴿٧٧﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧٥_٧٧)

"اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکو کاروں میں ہو جائیں گے لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر بیٹھے تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لیے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے' ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا' اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔"

لہٰذا مومن کو نذر نہیں ماننی چاہیے۔ اب رہا اس سوال کا جواب تو وہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کے بارے میں نذر مان لے اور پھر وہ یہ دیکھے کہ کوئی دوسری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ افضل و اقرب اور بندگان الٰہی کے لیے زیادہ نفع بخش ہے تو پھر نذر کو اس کی طرف تبدیل کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح مکہ سے نوازے تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔

«صَلِّ هَاهُنَا ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ: صَلِّ هَاهُنَا، ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ: شَأْنَكَ إِذَنْ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب من نذر أن يصلى في بيت المقدس، ح:٣٣٠٥ ومسند أحمد:٣/ ٣٦٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من لم ير وجوبه بالنذر . . الخ: ١٠/ ٨٢)

آپ نے فرمایا تم یہاں نماز پڑھ لو' اس نے اپنی بات پھر دوہرائی تو آپ نے فرمایا تم یہاں نماز پڑھ لو' اس نے اپنی بات تیسری بار دوہرائی تو آپ نے فرمایا: پھر تم جانو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان نذر میں ادنیٰ کو افضل سے بدل دے تو یہ جائز ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کیا نذر ماننے والا اپنی نذر میں سے خود بھی.....

سوال جب کوئی شخص نذر مانے اور اسے پورا بھی کر دے تو کیا وہ خود اپنی نذر میں سے کھا سکتا ہے؟

جواب اصل یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے' اگر وہ مشروع امور میں سے ہے تو اسے اسی مصرف پر خرچ کیا جائے

جس کی نذر ماننے والے نے نذر مانی ہے اور اگر اس نے کسی مصرف کا تعین نہ کیا ہو تو وہ ایک صدقہ ہے' لہٰذا اسے صدقہ کے مصرف یعنی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر نذر ماننے والے شخص کے شہر میں یہ عادت ہو کہ نذر ماننے والا بھی اس سے کھا سکتا ہے تو پھر عرف و عادت کے مطابق وہ اس سے کھا سکتا ہے یا اگر اس نے خود بھی کھانے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں بھی وہ خود کھا سکتا ہے کیونکہ اس طرح عرف اس جزء کی تخصیص کر دیتا ہے جسے وہ خود کھاتا ہے' لہٰذا وہ نذر میں داخل نہیں ہوتا۔ مستقل کمیٹی کی طرف سے پہلے بھی اس سلسلہ میں ایک فتویٰ صادر ہوا تھا اور وہ یہ ہے کہ "نذر اطاعت کا مصرف وہ ہے جس کی نذر ماننے والے نے شریعت مطہرہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے نذر مانی ہو' مثلاً اگر گوشت ہو اور اس کی اس نے صرف فقراء کے لیے نذر مانی ہو تو وہ خود اس میں سے نہیں کھا سکتا اور اگر اس نے اپنے اہل خانہ اور دوست احباب کو کھلانے کی نذر مانی ہو تو پھر وہ خود بھی کھا سکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی اپنے گھر کا ایک فرد ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

اس طرح اگر اس نے نذر مانتے ہوئے خود کھانے کی بھی شرط عائد کی ہو یا اس کے علاقے میں یہ عرف ہو تو پھر وہ خود بھی کھا سکتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نذر مکروہ ہے لیکن اسے پورا کرنا لازم ہے

سوال نذر کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا نذر پوری نہ کرنے کی سزا ہے؟ کیا نذر کی قیمت کو کسی دوسرے رفاہی کام میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

جواب نذر کے بارے میں حکم شریعت یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلي القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وانه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩ واللفظ له)

"یہ کسی خیر و بھلائی کو تو نہیں لاتی' البتہ اس کے ذریعہ بخیل کا کچھ مال نکال لیا جاتا ہے۔"

آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ بعض لوگ جب بیمار ہو جاتے یا نقصان اٹھاتے یا کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ یہ نذر مانتے ہیں کہ اگر انہیں شفا حاصل ہو جائے یا نقصان پورا ہو جائے تو وہ صدقہ کریں گے یا جانور ذبح کریں گے یا مال تقسیم کریں گے اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ یہ نذر نہ مانیں اللہ تعالیٰ انہیں شفا نہیں دے گا یا یہ نفع

نہیں پہنچائے گا' تو اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ قضا و قدر میں تو کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی البتہ یہ ضرور ہے کہ نذر ماننے والا بسا اوقات بخیل ہوتا ہے اور وہ نذر مانے بغیر خرچ نہیں کرتا۔

اگر کسی عبادت کی نذر مانی ہو' مثلاً نماز یا روزہ یا صدقہ یا اعتکاف کی تو اسے پورا کرنا لازم ہے اور اگر نذر کسی معصیت یعنی گناہ کی ہو مثلاً قتل' یا زنا یا شراب نوشی کی یا کسی کا مال ظلم سے چھیننے کی' تو یہ جائز نہیں اور اس صورت میں کفارہ قسم ادا کر دینا چاہیے اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا.....الخ

اگر نذر کا تعلق کھانے' پینے' پہننے' سفر کرنے اور معمول کی بات چیت کرنے وغیرہ کے مباح امور میں سے ہو تو پھر نذر ماننے والے کو اختیار ہے کہ اسے پورا کرے یا کفارہ قسم ادا کر دے۔

اگر اطاعت الٰہی پر مبنی نذر کا تعلق مسکینوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے ہو' مثلاً کھانا کھلانا یا دنبہ وغیرہ ذبح کرنا ہو تو اسے مسکینوں اور محتاجوں ہی پر خرچ کیا جائے اور اگر نذر کا تعلق کسی بدنی یا مالی نیک عمل' مثلاً جہاد' حج اور عمرہ وغیرہ سے ہو تو اسے پورا کرنا لازم (ضروری) ہے اگر نذر ماننے والے نے مصرف کا تعین کر لیا ہو' مثلاً یہ کہ اسے مساجد یا کتب یا اس طرح کے دیگر نیک کاموں میں خرچ کرے گا تو پھر اس طرح کے مقرر کردہ مصرف میں تبدیلی جائز نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا غیراللہ کے لیے نذر ماننا شرک ہے؟

سوال غیراللہ کے لیے نذر ماننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب غیراللہ کے لیے نذر شرک ہے کیونکہ اس میں جس کے لیے نذر مانی جائے اس کی تعظیم و تقرب ہے اور اسے پورا کرنا اس کی عبادت کے مترادف ہے۔ اگر نذر کا تعلق اطاعت و عبادت سے ہو تو پھر بہت سے دلائل کی روشنی میں یہ واجب ہے کہ اسے صرف اور صرف اللہ وحدہ کے لیے ادا کیا جائے' مثلاً ارشاد باری ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾﴾ (الأنبياء۲۱/ ۲۵)

"اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' تو میری ہی عبادت کرو۔"

لہٰذا غیراللہ کے لیے نذر ماننا شرک ہے۔

سوال نذر کے بارے میں ایک جماعت کا تو یہ کہنا ہے کہ نذر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مانی چاہیے کیونکہ غیراللہ کے لیے نذر ماننا کفر و شرک ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیراللہ کی عبادت کفر ہے اور ایک دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ غیراللہ کے لیے نذر عمل صالح اور موجب اجر و ثواب ہے تو اس میں سے کون سی بات حق ہے؟

جواب نذر عبادت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور یہ صرف اللہ وحدہ کا حق ہے' لہٰذا غیراللہ کے لیے نذر جائز نہیں۔ جو شخص غیراللہ کے لیے نذر مانتا ہے وہ گویا عبادت کی اس قسم کو غیراللہ کے لیے ادا کرتا ہے اور جو عبادت کی کسی بھی قسم کو خواہ وہ نذر ہو یا ذبح یا کچھ اور' غیراللہ کے لیے ادا کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتا

ہے اور وہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّـٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ ﴾

(المائدۃ٥/ ٧٢)

''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا' اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔''

جو عاقل بالغ مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ قبر میں مدفون لوگوں کے لیے نذر و ذبح جائز ہے تو اس کا یہ عقیدہ شرک اکبر ہے جو (آدمی کو) ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اس عقیدہ کے حامل شخص سے تین دن تک نہایت سختی کے ساتھ توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا' اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

ایسے شخص کے بیٹے کا اپنے باپ کے مال کو مستقبل بنانے کے لیے استعمال کرنا یا اس کی وفات کے بعد وارث بننا اسی مسئلہ پر موقوف ہے' اگر اس کا باپ اسی عقیدہ پر فوت ہوا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے توبہ کی ہے تو وہ اس کا وارث نہیں ہو گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔''

اس کا بیٹا اس کی زندگی میں اس کے مال کو جس قدر اس کا جی چاہے لے سکتا ہے' نیز اس کے لیے بھی بیٹے کے مال کو اس کے علم کے بغیر بھی لینا جائز ہے بشرطیکہ فقیر اور ایسے اسباب سے عاجز ہو جو اسے اس سے بے نیاز کر دینے والے ہوں' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے پاس یہ شکایت کی کہ ابو سفیان اسے اس قدر خرچ نہیں دیتا جو اس کے اور اس کے بیٹوں (اولاد) کے لیے کافی ہو تو آپ نے فرمایا کہ:

«خُذِي مِنْ مَّالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ»(صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ... الخ، ح: ٥٣٦٤ وصحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، ح: ١٧١٤ واللفظ له)

''تو اس کے مال میں سے دستور کے مطابق اس قدر لے لے جو تیرے بیٹوں کے لیے کافی ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی جماعت کا مؤقف حق ہے' جو یہ کہتی ہے کہ نذر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونی چاہیے اور غیراللہ کے لیے نذر کفر و شرک ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیراللہ کے لیے نذر (منت ماننا) شرک ہے اور وہ .....

سوال غیراللہ کے لیے نذر ماننا تو باطل ہے اور یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی شخص شیخ محی الدین یا شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے مثلاً کسی بکری کی نذر مانے کہ اس کا گوشت تو فقیروں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس کا ثواب شیخ

کی روح کے لیے ہو گا اور اس سے اس کے عقیدہ کے مطابق اسے شیخ کی طرف سے برکت حاصل ہو گی تو کیا اس طرح کی نذر منعقد ہو جاتی ہے؟ کیا یہ بکری بھی ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ "اور جس پر غیراللہ کا نام پکارا گیا ہو" (وہ حرام ہے) کے ضمن میں داخل ہو گی کیونکہ نذر کا یہ جانور تو پاک ہے' تو کیا اس باطل نذر کے سبب یہ حرام ہو جائے گا؟

جواب اللہ کے لیے نذر ماننا اور اللہ ہی کے لیے ذبح کرنا عبادت ہے اور کسی بھی عبادت کو غیراللہ کے لیے ادا کرنا جائز نہیں۔ جس نے غیراللہ کے لیے نذر مانی یا کوئی جانور ذبح کیا تو اس نے اس غیر کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا اور یہ گناہ اس وقت اور بھی شدید ہو جائے گا جب نذر ماننے یا ذبح کرنے والے کا کسی فوت شدہ انسان کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ وہ نفع و نقصان کا مالک ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں شرک ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ کہ غیراللہ کے لیے نذر منعقد ہی نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک باطل نذر ہوتی ہے۔ غیراللہ کے لیے جن مباح کھانوں یا ماکول اللحم حیوان کی نذر مانی اور اسے ابھی ذبح نہیں کیا تو وہ اس کے مالک کا ہے اور اگر اسے غیراللہ کے لیے ذبح کر دیا تو وہ مردار ہو گا جسے اس حیوان کے مالک کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی کھانا حرام ہو گا کیونکہ وہ مذکورہ بالا آیت کے عموم میں داخل ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بکری کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی مگر اسے بیچ دیا

سوال میں نے اللہ کے لیے ذبیحہ کی نذر مانی تھی مگر مجھے اس کی قیمت کی ضرورت پڑ گئی جس کی وجہ سے میں نے اسے ذبح کرنے کی بجائے بیچ دیا' یہ چار سال پہلے کی بات ہے۔ اب میں اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتا ہوں تو کیا اسی قیمت کا ایک جانور لے کر ذبح کر دوں جس قیمت میں میں نے پہلے جانور کو فروخت کیا تھا؟

جواب یہ بکری جسے آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی' اگر آپ کی یہ نذر' نذر اطاعت تھی تو آپ کے لیے اسے پورا کرنا واجب تھا اور متعین طور پر اسی بکری کو ذبح کرنا چاہیے تھا' اس کا بیچنا غلط بلکہ حرام تھا' لہٰذا اب آپ اسی طرح کی یا اس بھی بہتر بکری اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کریں اور اپنی اس کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور تقرب الٰہی کے حصول کے لیے اس کے بدلے اور بکری ذبح کر کے اسے فقراء میں تقسیم کر دیں بشرطیکہ آپ کی نیت اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرنے کی تھی اور اب جو جانور ذبح کریں وہ اسی طرح کا یا اس سے بھی بہتر ہونا چاہیے جس کی آپ نے نذر مانی تھی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص نذر مانے اور اسے پورا نہ کرے

سوال جو شخص قسم کھاتے ہوئے یہ کہے کہ میرا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد ہے کہ میں اس طرح کروں گا یا یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانتا ہوں کہ اس طرح کروں گا اور پھر وہ اس قسم کو پورا نہ کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب سوال کا جواب دینے سے قبل میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں کہ یہ نذر

جسے انسان اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے' یہ مکروہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب ألقاء العبد النذر إلي القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩ واللفظ له)

"یہ کوئی خیر و بھلائی تو نہیں لاتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل سے مال ضرور نکالا جاتا ہے۔"

بعض اہل علم نے تو یہ بھی کہا ہے کہ نذر حرام ہے کیونکہ اس سے انسان اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو لازم قرار دے لیتا ہے جو لازم نہیں ہوتی' لہٰذا وہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لیتا ہے اور بسا اوقات پورا نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو اس عذاب عظیم کا سزا وار (مستحق) قرار دے لیتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ نذر کے مکروہ ہونے کی طرف اللہ تعالیٰ نے خود بھی اشارہ فرمایا:

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُل لَّا تُقْسِمُوا طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ﴾ (النور٢٤/٥٣)

"اور یہ اللہ کی سخت سخت (انتہائی پختہ) قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب گھروں سے) نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ' پسندیدہ فرماں برداری درکار ہے۔"

پھر ہم لوگوں سے اس قسم کی باتیں ہمیشہ سنتے رہتے ہیں کہ انہوں نے کسی شرط کے ساتھ معلق نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مریض کو شفا دی تو میں اس قدر روزے رکھوں گا یا یہ صدقہ کروں گا اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ اس طرح انسان اپنے آپ کو ایک بہت بڑی سزا میں مبتلا کر لیتا ہے۔

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوئی نذر مان لے تو اسے پورا کرنا بہرحال واجب ہے اور اسے ترک کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ اس نے یہ نذر کسی اطاعت واجب کی مانی ہو' مثلاً یہ کہ انسان یہ کہے "میں اللہ کے لیے نذر مانتا ہوں کہ میں اپنی زکوٰۃ ادا کر دوں گا" یا کسی اطاعت مستحب کی نذر مانی ہو' مثلاً یہ کہے کہ: "میں اللہ کے لیے نذر مانتا ہوں کہ میں دو رکعت نماز ادا کروں گا" اور اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ نذر مطلق ہو اور کسی چیز کے ساتھ معلق نہ ہو یا وہ مطلق نہ ہو اور کسی چیز کے ساتھ معلق ہو۔

بہرحال ہر نذر اطاعت کا پورا کرنا واجب ہے اور یہ حلال نہیں کہ اسے چھوڑ دے اور اس کی بجائے کفارہ ادا کر دے' اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ گناہ گار ہو گا' ہاں البتہ اگر نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کی ہو تو اسے پورا کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

”جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔“

ہاں البتہ اس صورت میں اس کے لیے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمِّ كَفَّارَةُ يَمِينٍ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب من نذر نذرا لا يطيقه، ح:٣٣٢٢ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في كفارة النذر إذا لم يسم، ح:١٥٢٨ واللفظ له)

”جب نذر کو پورا نہ کرے تو نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔“

یہ حکم ہے' لہٰذا جس نذر کو پورا کرنا جائز نہ ہو تو اس میں کفارہ قسم واجب ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کی بنا پر سائل کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قسم کا کفارہ ادا کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نذر کو نیت کے مطابق پورا کرنا چاہیے

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی جدوجہد کے مطابق مال عطا فرما دیا تو میں ایک جامع مسجد بنانے کے لیے اس قدر مال خرچ کروں گا' اس مال کا تعین میں نے اپنے دل میں کر لیا تھا اور نذر کے دن میرا یہ خیال تھا کہ یہ رقم مسجد بنانے کے لیے کافی ہو گی۔ کئی سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری خواہش کو پورا کر دیا' لہٰذا میں اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ جس رقم کے خرچ کرنے کی میں نے نیت کی تھی' کرنسی کی قدر کم ہونے کی وجہ سے اب اس سے مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی' لہٰذا اگر میں اس رقم کو رشتہ دار اور غیر رشتہ دار محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کر دوں یا کسی ایسی فلاحی تنظیم کو دے دوں جو اسے کسی نامکمل مسجد کی تکمیل کے لیے خرچ کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ رہنمائی فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب آپ کے لیے واجب ہے کہ نذر کو پورا کریں اور حسب طاقت مسجد تعمیر کریں اور اگر آپ کا ارادہ ایسی جامع مسجد کی تعمیر کا تھا جس میں نماز جمعہ بھی ادا کی جائے تو آپ کے لیے ایسی ہی مسجد کی تعمیر واجب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان، والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے چاہیے کہ وہ اطاعت کرے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے نافرمانی والا کام نہیں کرنا چاہیے۔“

آپ کو چاہیے کہ کوشش کریں اور اپنی نذر کو مکمل طور پر ادا کریں اور اگر آپ کی نیت ایک معین رقم خرچ کرنے کی تھی تو پھر آپ پر اسی رقم کا خرچ کرنا واجب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوَى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اگر اس رقم کے ساتھ مکمل مسجد تعمیر نہ ہو سکتی ہو تو کسی دوسرے کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈال لیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانی کرے اور قرض سے عہدہ برا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی

سوال میری بیوی نے یہ نذر مانی تھی کہ جب اس کے بیٹے نے میٹرک کی سند حاصل کر لی تو وہ ہر ماہ چھ روزے رکھا کرے گی' اس نے تقریباً ایک سال پہلے یہ سند حاصل کر لی اور اس نے اس تاریخ سے روزے رکھنے شروع کر دیے لیکن اب اسے اس نذر کی وجہ سے بہت ندامت اور دشواری کا سامنا ہے کیونکہ بچوں کی تربیت' گھریلو کام کاج اور خصوصاً موسم گرما میں اسے روزے رکھنے میں بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے' لہٰذا اس نذر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ ہمیشہ روزے رکھتی رہے یا اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے؟ یاد رہے اس نے نذر یہ مانی تھی کہ وہ ساری زندگی ہر ماہ چھ روزے رکھے گی؟

جواب اس عورت کو اپنی نذر پوری کرنی چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح: ٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔"

اگر اس عورت نے متواتر روزے رکھنے کی نیت نہیں کی تھی تو پھر الگ الگ روزے رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس نے متواتر روزے رکھنے کی نیت کی تھی تو پھر اسے متواتر روزے ہی رکھنے ہوں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے' اسے عظیم اجر و ثواب عطا فرمائے اور اسے بھی اور دیگر مسلمانوں کو بھی یہ وصیت کرتے ہیں کہ وہ نذر نہ مانا کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لاَ تَنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لاَ يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح

مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٤٠ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب في كراهية النذور، ح:١٥٣٨ وصحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، ح:٦٦٠٨)

"نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل سے کچھ مال ضرور نکال لیا جاتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جس طرح کی نذر مانی ہو' اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے

سوال میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری بیٹی کو شفا عطا فرما دی تو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ایک بکری ذبح کروں گا۔ الحمدللہ! اب بیٹی شفایاب ہو گئی ہے تو کیا میرے لیے اس ذبیحہ کی قیمت کو صدقہ کرنا جائز ہے؟ کیونکہ فقیر تو گوشت کے بجائے مال کو ترجیح دیتا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب آپ پر واجب ہے کہ اپنی نذر کو پورا کریں' اس بکری کو ذبح کریں جس کی نذر مانی تھی اور تقرب و طاعت الٰہی کے حصول اور نذر کو پورا کرنے کے لیے اسے فقراء پر صدقہ کر دیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اسی کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

لہٰذا آپ کے لیے قیمت کو صدقہ کرنا جائز نہیں بلکہ واجب یہ ہے کہ بکری ذبح کریں جیسا کہ آپ نے نذر مانی تھی۔ اگر آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اس کے گوشت کو آپ اور آپ کے اہل خانہ کھائیں گے یا آپ اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو دعوت پر بلائیں گے تو پھر نیت کے مطابق عمل کریں اور اس صورت میں اسے فقراء میں تقسیم کرنا لازم نہیں ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى» (صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

ہم آپ کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ آئندہ نذر نہ مانیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تَنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ» (صحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٤٠ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب في كراهية النذور، ح:١٥٣٨ وصحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، ح:٦٦٠٨)

"نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر الٰہی کو تو نہیں ٹال سکتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل کے مال میں سے کچھ ضرور

نکال لیا جاتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

مشروط نذر

سوال میں نے اپنے بیمار بھائی کی وجہ سے ایک دن کے روزے کی نذر مانی تھی مگر حالات ایسے رہے کہ میں روزہ نہ رکھ سکا اور یہ بھائی بھی فوت ہو گیا' تو کیا اب اس کی وفات کے بعد بھی روزہ رکھ سکتا ہوں؟ ایک روزہ رکھوں یا دو روزے؟ میں نے دو دفعہ اپنے اس فوت شدہ بھائی کی قبر کی بھی زیارت کی ہے' کیا اسلام میں یہ جائز ہے؟ اور کیا یہ حقیقت ہے کہ زندہ لوگ جب میت کی قبر کی زیارت کریں تو فوت شدہ شخص کو اس کا علم ہو جاتا ہے؟

جواب اگر آپ نے مشروط نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھائی کو شفا عطا فرمائی تو آپ ایک روزہ رکھیں گے اور وہ شفا سے قبل ہی فوت ہو گیا تو پھر آپ کے لیے یہ روزہ رکھنا لازم نہیں ہے' چنانچہ سوال سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی وفات صحت یاب ہونے سے پہلے ہو گئی۔

آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے فوت شدہ بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ دفعہ جائیں لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ آپ ہمیشہ قبر کی زیارت کرتے رہیں کیونکہ ایسا کرنا مشروع نہیں ہے' ہاں یہ جائز ہے کہ کبھی کبھی زیارت کے لیے جائیں اور دعا کریں۔ جہاں تک زیارت کرنے والے کو پہچاننے کا تعلق ہے تو نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَا مِنْ أَحَدٍ مَرَّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ إِلاَّ عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ» (الاستذکار: ۲/ ۱۶۵)

"جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ (میت) اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"

اس حدیث کو عبدالبر رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کے حوالہ سے "کتاب الروح" میں درج کیا اور ان سے اتفاق کیا ہے۔ [1]

اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ زیارت فوت شدگان کی مصلحت اور زندہ انسانوں کی عبرت کے لیے ہونی چاہیے اور اس سے یہ مقصود نہیں ہونا چاہیے کہ ان مردوں کو پکارا جائے کیونکہ غیراللہ کو پکارنا ایسا شرک اکبر ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور پھر قبروں کے پاس دعا کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مسجدوں میں دعا کرنا افضل ہے اور دعا کے ارادے سے قبروں کے پاس جانا بدعت ہے بلکہ یہ کبھی کبھی وسیلۂ شرک بھی بن جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد سکوت اختیار کیا ہے۔ اسے صحیح قرار نہیں دیا اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ سکوت روایت کے صحیح ہونے کی علامت قطعاً نہیں۔ العلل المتناھیة کی تعلیق میں شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اس روایت کی سند پر مختصر اور جامع نقد کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العلل المتناھیة بتحقیق الاستاذ ارشاد الحق الاثری ۲/ ۴۳۰' ۴۲۹)

اپنی نذر کو پورا کرو

سوال میری ایک شادی شدہ بہن ہے' جس کے تین بچے ہیں اور اس کا ہمیشہ اپنے شوہر سے جھگڑا رہتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے شوہر کے انتہائی سخت معاملہ کی وجہ سے اس کا اپنے باپ کے ساتھ بھی اختلاف رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ مجبور ہو گئی کہ اپنا گھر چھوڑ کر اپنی اس مطلقہ ماں کے پاس چلی جائے جس نے ایک اور شخص سے شادی کر لی ہے مگر وہ بھی اس سے برا معاملہ کرتا ہے' لہٰذا میں نے ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کے لیے مکان کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تاکہ یہ میرے ساتھ رہائش اختیار کر لے۔ یہ اپنی ماں کے پاس بھی اکثر آتی جاتی رہتی ہے۔ ایک بار ماں کے شوہر نے اسے مجبور کیا کہ یہ جائے اور بچوں کو اپنے شوہر کے پاس چھوڑ آئے' چنانچہ اپنی ماں کو راضی کرنے کی خاطر اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک دن اس کے اور اس کی ماں کے اس شوہر کے درمیان بہت شدید اختلاف ہوا جس کی وجہ سے یہ اپنے مکان پر آ گئی' ان پریشانیوں اور اولاد سے دوری کی وجہ سے اس نے فریج سے گولیاں نکالیں اور یہ تمام گولیاں کھا لیں جس سے یہ اپنی زندگی ختم کرنا چاہتی تھی' چنانچہ میں اسے ہسپتال لے گیا اور اس کا علاج کروایا۔ وفات سے قبل کے آخری دنوں میں میں نے یہ محسوس کیا کہ اپنے اس فعل پر اس نے کثرت سے توبہ و استغفار کیا ہے اور وہ ہم سے بھی یہ کہتی رہتی تھی کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے' بہرحال اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت سے اس کا انتقال ہو گیا' تو سوال یہ ہے کہ اب اس کا کیا حال ہو گا؟ کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کی طرف سے صدقہ اور حج کروں؟ یاد رہے کہ میں نے یہ نذر مانی ہوئی ہے کہ میں ان شاء اللہ ساری زندگی یہ اعمال سرانجام دیتا رہوں گا؟

جواب اگر آپ کی مذکورہ بہن نے اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کر لی اور خود کشی (کا راستہ اختیار) کرنے پر ندامت کا اظہار کیا تو اس کے لیے مغفرت کی امید ہے کیونکہ توبہ سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہوتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے' اگر آپ اس کی طرف سے صدقہ کریں یا اس کے لیے استغفار کریں اور دعا کریں تو یہ اس کے حق میں اور بھی اچھا ہو گا' اس سے اسے فائدہ ہو گا اور آپ کو بھی اجر و ثواب ملے گا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جو نذریں مانی ہیں تو انہیں پورا کرتے رہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُۥ مُسْتَطِيرًا ۝٧ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

''یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔''

شیخ ابن باز

نذر مانی ہوئی چیز کی قیمت صدقہ کرنا

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ میں فی سبیل اللہ ایک کنواں کھودوں گا مگر مجھے اس کی توفیق نہ ہوئی اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی نیت بدل لوں اور کنویں پر آنے والے خرچ کو صدقہ کر دوں' تو کیا اس سے نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب نذر اگر اطاعت الٰہی پر مبنی ہو اور نذر ماننے والے کو اس کی قدرت ہو تو اسے پورا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر پورا کرنے کا حکم دیا اور اس پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ﴾ (الحج٢٢/ ٢٩)

"پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں۔"

اور فرمایا:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الإيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح: ٣٢٨٩ واللفظ له)

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

لہٰذا اس شخص پر واجب ہے کہ اپنی نذر کو پورا کرے اور کنواں کھود کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے اور اگر اسے اس کی طاقت نہ ہو یا کنویں کے لیے مناسب جگہ نہ ملے یا اسے حکومت یا حکمران یا اس علاقے کے باشندے کنواں کھودنے سے منع کر دیں تو پھر اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کنویں کی بجائے کوئی اور ایسی چیز اختیار کر لے جو اس سے مشابہ ہو اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پھر وہ کنویں پر آنے والے اخراجات کو صدقہ کر دے' یہ صدقہ مجاہدوں مسکینوں اور محتاجوں کو دیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

دل میں نذر مانی

سوال ایک سال پہلے میں ایک بہت ہی مشکل میں مبتلا تھا اور میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اگر یہ مشکل ختم ہو گئی تو میں سارا قرآن مجید زبانی حفظ کروں گا۔ الحمدللہ! یہ مشکل بہت احسن انداز میں ختم ہو گئی اور میں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا اور صرف دو پارے یاد کر سکا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں سارا قرآن حفظ نہیں کر سکوں گا جب

کہ میں نے اس کا اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر میں قرآن مجید حفظ نہ کر سکوں تو کیا مجھ پر کوئی چیز لازم ہوگی جب کہ معلوم ہے کہ جو عہد کو پورا نہ کرے' اس کا دین ہی نہیں ہے؟

جواب یہ معاملہ چونکہ آپ کے اور آپ کے دل کے درمیان تھا' لہٰذا اسے اس نذر کا حکم نہیں دیا جا سکتا جسے پورا کرنا لازم ہوتا ہے لیکن ہم آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اب جب کہ آپ نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا ہے تو اسے مکمل کرنے کی کوشش کریں' بھرپور محنت کریں' بار بار پڑھیں اور حفظ کے لیے کافی وقت مخصوص کر دیں۔ جو شخص محنت کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے اور جو راستے پر چلتا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ واللہ الموفق

—— شیخ ابن جبرین ——

امتحان میں کامیاب ہونے کی صورت میں جانور ذبح............

سوال میں نے امتحان سے پہلے ایک دن یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں چھٹی جماعت سے پاس ہو کر ساتویں جماعت میں چلا گیا تو ایک جانور ذبح کروں گا۔ میں کامیاب تو ہو گیا لیکن پہلے مرحلے میں نہیں (بلکہ) دوسرے مرحلہ میں' تو کیا اس صورت میں بھی مجھے جانور ذبح کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس بات کو چار سال ہو گئے ہیں اور میں نے ابھی تک نذر کو پورا نہیں کیا۔ اسی طرح کی نذر میں نے یہ بھی مانی تھی کہ اگر میں مڈل سکول سے کامیاب ہو کر ہائی سکول میں پہنچ گیا تو جانور ذبح کروں گا تو کیا اس امتحان سے کامیابی کی صورت میں مجھے ایک جانور ذبح کرنا ہو گا یا دو؟

جواب اگر آپ نے مطلق نذر مانی تھی اور پہلے مرحلہ میں کامیابی کی نیت نہیں کی تھی تو پھر آپ نذر پوری کریں' جانور ذبح کر کے اللہ کے لیے فقراء میں تقسیم کر دیں اور اس میں سے کچھ بھی آپ یا آپ کے اہل خانہ نہ کھائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

”جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔“

اور اگر آپ نے پہلے مرحلہ میں کامیابی کی صورت میں نذر مانی تھی اور آپ دوسرے مرحلہ میں کامیاب ہوئے تو اس صورت میں آپ پر کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

”تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔“

اسی طرح جب آپ ہائی سکول میں پاس ہو جائیں تو اپنی نذر پوری کریں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کا

یہی تقاضا ہے۔ اگر پہلی یا دوسری نذر سے آپ کی نیت اپنے اہل خانہ' رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو کھلانے کی ہے تو اپنی نیت کے مطابق عمل کریں' جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث کا تقاضا ہے۔

بھائی! آپ کو چاہیے کہ دوبارہ نذر نہ مانیں کیونکہ نذر تقدیر الٰہی کو نہیں ٹال سکتی اور نہ ہی یہ کامیابی کے اسباب میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نذر ماننے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩)

"یہ کچھ بھلائی لے کر نہیں آتی' ہاں البتہ اس سے بخیل سے مال ضرور نکلوا لیا جاتا ہے۔"

جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے۔ ہم اپنے لیے اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

نذر کے جانور کو ذبح کیا اور خود بھی کھالیا

سوال میں نے نذر مانی کہ اگر ساتویں کلاس میں پاس ہو کر آٹھویں کلاس میں چلا گیا تو بکری ذبح کروں گا۔ الحمدللہ! میں پاس ہو گیا اور میں نے بکری ذبح کر دی تو کیا اس سے میری لیے اور میرے بزرگوں اور عزیزوں کے لیے کھانا جائز ہے؟ اگر ہم نے اس سے کھالیا ہو تو ہم پر کیا واجب ہے جب کہ میری نذر اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کی تھی؟

جواب یہ نذر ایک چیز کے ساتھ مشروط تھی جو کہ واقع ہو چکی ہے لہٰذا اسے پورا کرنا ضروری ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

سائل نے چونکہ ذکر کیا ہے کہ اس نے صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی' لہٰذا اسے ان فقراء میں تقسیم کرنا چاہیے جن پر زکوٰۃ کو خرچ کیا جا سکتا ہو۔ نذر ماننے والے اور اس کے بزرگوں اور عزیزوں کو اس میں سے نہیں کھانا چاہیے کیونکہ وہ اس کے مال کی زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں' لہٰذا وہ نذر کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ اگر اس نذر ماننے والے یا اس کے بزرگوں اور عزیزوں نے اس میں سے کھالیا ہو تو وہ اس کے بدلہ میں پہلے جیسا یا اس سے بھی بہتر جانور ذبح کرے اور اسے فقراء میں تقسیم کر دے' ہاں البتہ اگر نذر ماننے والے نے بوقت نذر یہ نیت کی ہو کہ وہ اور اس کے اہل خانہ بھی اس میں سے کھائیں گے خواہ یہ نیت لفظی یا عرفی شرط کی صورت میں ہو تو پھر اس نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

روزوں کی نذر کو پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہے

سوال ایک عورت نے یہ نذر مانی کہ اگر اس نے بچے کو صحیح سالم جنم دیا اور وہ ایک سال تک سلامت رہا تو وہ ایک سال کے روزے رکھے گی۔ اس نے بچے کو جنم دیا اور اب اسے ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن وہ روزے رکھنے سے عاجز ہے؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ نذر اطاعت عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کرنے والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝﴾ (الإنسان٧٦/٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داو٦، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ، هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنَ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قالوا: لاَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من نذر أن ينحر . . . الخ:١٠/ ٨٣)

"ایک شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ ذبح کرے گا' اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے کسی بت کی عبادت تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ تو منعقد نہیں ہوتا؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو' اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو۔"

اس خاتون نے چونکہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے سال بھر کے روزوں کی نذر مانی تھی اور سال بھر کے متواتر روزے چونکہ صیام دہر کے قبیل سے ہیں اور صیام دہر مکروہ ہیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ صَامَ الدَّهْرَ فَلاَ صَامَ وَلاَ أَفْطَرَ»(مسند أحمد:٢٦/٤ وصحيح مسلم، الصيام، باب استحباب

صيام ثلاثة أيام من كل شهر . . . الخ، ح:١١٦٢)

"جس نے زمانہ بھر کے روزے رکھے' اس نے گویا نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔"

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مکروہ عبادت میں اللہ کی نافرمانی ہے' لہٰذا ایسی نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عبادت مکروہ کی نذر مانے' مثلاً ساری رات کے قیام یا زمانہ بھر کے روزوں کی تو ایسی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

اس خاتون پر کفارہ قسم واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو نصف صاع فی مسکین کے حساب سے کھجور وغیرہ یا اسی خوراک میں سے دیا جائے جو شہر میں اکثر و بیشتر کھائی جاتی ہو' اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ متواتر تین دن کے روزے رکھ لے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبروں کے پاس جانور ذبح کرنے کی نذر

سوال ایک شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ قبروں کے پاس ایک مینڈھا ذبح کرے گا تو کیا اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے یا وہ کسی بھی جگہ مینڈھا ذبح کر سکتا ہے؟

جواب قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا بدعت اور شرک اکبر کا ذریعہ ہے' لہٰذا جو شخص قبروں کے پاس جانور ذبح کرنے کی نذر مانے اس کے لیے اپنی اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نذر معصیت ہے اور نذر معصیت کو پورا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

نیز امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے:

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ، هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من نذر أن ينحر . . . الخ:١٠/ ٨٣)

"ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ نحر کرے گا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: "کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے کسی بت کی عبادت تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا گیا! جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: "کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ تو منعقد نہیں ہوتا؟ عرض کیا گیا جی نہیں تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔ اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو"۔

اگر یہ ذبیحہ صاحب قبر کے لیے ہو تو یہ شرک اکبر ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔"

اور صحیح حدیث میں ہے:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔"

———— فتویٰ کمیٹی ————

جو شخص نذر پوری نہ کرے

سوال ایک آدمی کچھ لوگوں سے مذاق کر رہا تھا اور اس کے پاس اس کا ایک بیٹا بھی تھا جس کی عمر ایک سال تھی۔ اس نے مذاق ہی مذاق میں یہ کہہ دیا کہ اگر یہ بیٹا زندہ رہا تو میں اہل محلہ کی دعوت کروں گا۔ اب وہ بیٹا بڑا ہو کر مرد بن چکا ہے مگر اس شخص نے کچھ نہیں کیا۔ اب وہ پوچھتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کے محلہ کے لوگ اس وقت بہت کم تھے اور اب ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے؟

جواب اگر سائل نے یہ بات بطور نذر کہی تھی تو اس پر واجب ہے کہ اپنی نذر کو پورا کرے اور اپنے پڑوسیوں کو کھانا کھلا دے جن کی تعداد اس وقت کے اہل محلہ سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ لوگوں کو کھانا کھلانا بھی تقرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے بھی نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہوگی۔"

اسی طرح:

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ، هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنَ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قالوا: لاَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من نذر أن ينحر ... الخ:١٠/٨٣)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ نحر کرے گا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے کسی بت کی عبادت تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! آپ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ تو منعقد نہیں ہوتا؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو' اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے' جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو۔"

اگر یہ بات بطور نذر نہیں بلکہ کھانا کھلانے کا ایک وعدہ تھا تو پھر بھی وعدے کو پورا کرنا چاہیے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اپنی نذر کے گوشت میں سے خود کھانا

سوال کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی نذر کے اس گوشت میں سے کھائے جو اس نے اپنی طرف سے یا اپنے گھر کے کسی فرد کی طرف سے مانی ہو؟

جواب نذر اطاعت کا مصرف وہ ہے جس کی نذر ماننے والے نے شریعت مطہرہ کی حدود کے اندر نیت کی ہو' لہٰذا اگر اس گوشت کو فقراء میں تقسیم کرنے کی نیت کی تھی تو پھر اس کے لیے اسے کھانا جائز نہیں اور اگر اس نے اپنے دوستوں اور اہل خانہ کو جن میں سے وہ خود بھی ایک ہے' کھلانے کی نیت کی تھی تو پھر وہ خود بھی کھا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اسی طرح اگر نذر میں کوئی شرط لگا لی جائے یا علاقے کا کوئی رواج و دستور ہو تو پھر بھی اس کے مطابق عمل ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

دس رکعات نماز کی نذر مانی تھی

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے پاؤں کا درد کم ہو گیا تو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے دس رکعات نماز ادا کروں گا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ دو دو کر کے میں پانچ دنوں میں یہ دس رکعات پڑھوں یا ایک ہی دن میں پڑھ لوں۔ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب جب مذکورہ شرط پائی جائے یعنی آپ کے پاؤں کا درد کم ہو جائے تو آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ نذر کو فوراً پورا کریں اور دس رکعات ایسے وقت میں پڑھیں جس میں نماز پڑھنا ممنوع نہ ہو اور دو دو رکعات کر کے پڑھیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى»(سنن أبي داود، الصلاة، باب صلاة النهار، ح:١٢٩٥ وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن صلاة الليل والنهار مثنى مثنى، ح:٥٩٧)

"رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

——— شیخ ابن باز ———

اونٹنی ذبح کرنے کی نذر مانی تھی.....

سوال ایک عورت اور اس کے بچوں کو ایک بیماری لاحق ہوئی جس کی وجہ سے ایک بچہ فوت بھی ہو گیا' یہ عورت ہسپتال میں داخل اور بیماری و غم میں مبتلا تھی کیونکہ اسے گھر میں موجود بچوں کے بارے میں معلوم نہ تھا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں۔ اس حالت میں اس نے یہ نذر مانی کہ: "اے اللہ! اگر گھر میں موجود بچوں سے زندہ سلامت میری ملاقات ہو گئی تو میں تیرے لیے ایک اونٹنی ذبح کروں گی اور اس کے گوشت میں سے خود کچھ بھی نہیں کھاؤں گی' نیز تیری رضا کے لیے ایک ماہ کے روزے بھی رکھوں گی' چنانچہ اس نے ایک ماہ کے روزے رکھ لیے اور اونٹنی بھی ذبح کر دی' لیکن اس کا کچھ گوشت بھی کھا لیا تو اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ اونٹنی کافی ہو گی جس کے گوشت میں سے اس نے کھا لیا ہے یا اس کے لیے ایک دوسری اونٹنی ذبح کرنا لازم ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اس عورت نے اونٹنی کو چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بطور صدقہ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی اور یہ نذر اطاعت ہے اور نذر اطاعت کو پورا کرنا لازم ہے' لہٰذا اسے اس اونٹنی کا سارا گوشت صدقہ کر دینا چاہیے تھا لیکن اس نے اس کا جو گوشت کھا لیا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے لیے ایک اور اونٹنی کو ذبح کرنا لازم نہیں ہے بلکہ لازم یہ ہے کہ جتنا گوشت

اس نے کھایا ہے اتنا ہی گوشت خرید کر مسکینوں میں صدقہ کر دے' اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ اس نذر سے یہ بری الذمہ ہو جائے گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نذر پورا کرنے میں تاخیر

سوال جو شخص کسی شرط کے ساتھ نذر مانے اور شرط کے پورا ہونے پر نذر پورا کرنے میں تاخیر سے کام لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفا عطا فرما دی تو میں پانچ دن کے روزے رکھوں گا اور پھر وہ شفایاب ہونے پر روزے رکھنے میں تاخیر کرے لیکن یاد رہے کہ اس نے روزے رکھنے کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا تھا؟ کیا ایسے شخص کے لیے متواتر روزے رکھنا واجب ہے؟ اگر نذر سے انکار کی نیت نہ ہو تو کیا تاخیر کی صورت میں کوئی کفارہ بھی لازم ہے؟

جواب نذر اطاعت' مثلاً روزہ' صدقہ' اعتکاف' حج اور تلاوت وغیرہ کی نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر نذر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو مثلاً بیماری سے شفا یا سفر سے واپسی وغیرہ کے ساتھ تو اسے فوراً پورا کرنا چاہیے' اگر ایسی نذر کو تاخیر سے پورا کر دیا تو پھر بھی کوئی گناہ نہیں اور اگر کوئی ایسی نذر کو پورا کیے بغیر فوت ہو جائے تو اس کا وارث اسے پورا کر دے لیکن ایسی نذر کو جلد پورا کرنا چاہیے تاکہ مسلمان اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو سکے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جس نے نذر کو کسی چیز کے ساتھ مشروط کیا اور وہ............

سوال ایک انسان نے ایک حرام چیز کے بارے میں یہ نذر مانی کہ اگر وہ اسے حاصل ہو گئی تو وہ کسی شخص کو ایک ماہ کا خرچہ دے دے گا لیکن یہ حرام چیز اسے حاصل نہیں ہوئی تو کیا اس پر کفارہ لازم ہے یا ایک ماہ کا خرچہ دینا؟ کیا کفارہ ہر مسکین کو بیس ریال نقدی کی صورت میں دیا جا سکتا ہے؟

جواب جس نے نذر کو مستقبل میں کسی چیز کے حصول کے ساتھ معلق قرار دیا اور وہ اسے حاصل نہ ہو تو اس سے اس پر کوئی کفارہ یا نذر کو پورا کرنا لازم نہیں آتا' ہاں البتہ اگر وہ چیز حاصل ہو جائے اور نذر اطاعت ہو تو پھر اسے پورا کرنا واجب ہے' مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر مجھے اس مال سے نفع حاصل ہوا تو میں مسکینوں پر ایک ماہ کی تنخواہ صدقہ کر دوں گا اور اگر نذر معصیت ہو' مثلاً کوئی یوں کہے کہ اگر میرا یہ مقصد حاصل ہو گیا تو میں شراب کا ایک جام پیئوں گا تو اس طرح کی نذر کو پورا کرنا حرام ہے۔ ایسی نذر ماننے والے کو کفارہ قسم ادا کرنا چاہیے' اگر نذر مباح ہو' مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں اس کپڑے کو خریدوں گا یا اس ماڈل کی گاڑی خریدوں گا تو اس کے لیے جائز ہے کہ نذر کو پورا کرے یا کفارہ قسم ادا کر دے' کفارہ قسم یہ ہے کہ دس مسکینوں کو ایک وقت کا اوسط درجے کا وہ کھانا کھلا دیا جائے جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہو یا انہیں کپڑے دے دے یا ایک غلام آزاد کر دے۔ اور اگر وہ اس سے عاجز ہو تو متواتر تین دن کے روزے رکھ لے' کھانے میں قیمت دینا کافی نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نذر پوری کرنی واجب (ضروری) ہے

سوال میں نے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گناہ سے نجات دے دی تو میں یہ نذر مانتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو سونے کے زیور کا ایک سیٹ دوں گا' میری بیوی کو میری اس نذر کا علم نہیں ہے تو کیا میں اس نذر کو پورا کروں یا قسم کا کفارہ ادا کر دوں؟

جواب اگر شرط مذکور حاصل ہو جائے تو آپ کے لیے اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

ہاں البتہ اگر آپ کی بیوی معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

نذر امتناعی' قسم کے حکم میں ہے

سوال میں ایک گناہ گار نوجوان تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی لیکن ایک گناہ کا میں پھر بھی ارتکاب کرتا رہا۔ میں نے کئی بار توبہ کی کوشش کی لیکن اس سے باز نہ رہ سکا' لہٰذا میں نے ایک بار اپنے دل میں یہ کہہ دیا کہ اگر اب میں نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تو میں متواتر دو ماہ روزے رکھوں گا لیکن شیطان نے مجھے پھر بہکا دیا اور میں نے سوچا کہ اس صورت میں یہ نذر قسم کی طرح ہے اور میں قسم کا کفارہ ادا کروں گا' لہٰذا میں نے اس گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ میری رہنمائی فرمائیں اب میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔ 'کیا میرے لیے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز ہے کیونکہ دو ماہ کے روزوں کی نسبت یہ میرے لیے آسان ہے؟ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے اب اس گناہ سے سچی توبہ کر لی ہے۔

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ سچے پکے عزم کا ثبوت دے اور قسم یا نذر کے بغیر حرام کو ترک کر دے اور فرض و واجب کو ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا۟ ۖ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ ﴾ (النور٢٤/٥٣)

"اور یہ اللہ کی سخت سخت (انتہائی پختہ) قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب گھروں سے) نکل کھڑے ہوں کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ' پسندیدہ فرماں برداری درکار ہے۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔"

لیکن کچھ لوگ اپنے نفس کو قابو کرنے سے عاجز و قاصر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فرض ادا کرنے یا حرام کے لیے نذر یا قسم کا سہارا لیتے ہیں تو علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ جس نذر سے مقصود امتناع (کسی کام سے رکنا) یا اقدام (کوئی کام کرنا) ہو تو اس کا حکم قسم کا سا ہے لہٰذا اس سوال کرنے والے بھائی پر یہ واجب ہے کہ اپنی اس نذر کی بجائے قسم کا کفارہ ادا کر دے اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو ایک مد چاول یا گندم فی مسکین کے حساب سے دے دے۔ ہمارے عرف میں جو صاع موجود ہے یہ پانچ مد نبوی کے برابر ہے' یا دس مسکینوں کو کپڑے دے دے۔ یا ایک غلام آزاد کرے۔ اسے اختیار ہے کہ ان تین صورتوں میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے اور اگر اسے استطاعت نہ ہو تو پھر متواتر تین روزے رکھ لے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا' تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔"

کھانے کے سلسلہ میں یہ بھی جائز ہے کہ دوپہر یا شام کے کھانے پر دس مسکینوں کو دعوت دے دی جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ نذر نہیں ہے

سوال ایک عورت نے ایک بچے کو ریڈیو پر بہت خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جو اس کو بہت اچھی لگی' اس وقت وہ عورت حاملہ تھی' اس نے کہا کہ اگر میرے ہاں بچہ پیدا ہوا تو میں بھی اسے تعلیم دلواؤں گی تاکہ وہ اس بچے کی طرح پڑھے۔ اس کے ہاں واقعی بچہ پیدا ہوا والحمدللہ! تو کیا اس کی اس خواہش کو نذر قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یہ نذر نہیں ہے اور نہ اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ بچے کو اس طرح کی تعلیم دلائے کہ وہ اسی بچے کی طرح پڑھے بلکہ اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے بچے کو قرآن مجید' شرعی علوم اور دیگر مفید علوم کی اسی طرح تعلیم دلوائے جس طرح اس ملک میں دوسرے مسلمان حاصل کرتے اور اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

دوسرے کے مال سے نذر پوری کرنا

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا تو میں تین بکریاں ذبح کروں گا۔ ایک مخیر شخص نے مدد کے لیے مجھے ایک ہزار ریال دیے ہیں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں ان میں سے بکریاں خرید کر اپنی نذر کو پورا کر دوں

جب کہ یہ میرا خالص مال نہیں ہے بلکہ یہ تو مذکورہ شخص کی طرف سے مدد ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس مال سے نذر پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جب اس نے یہ مال آپ کو دے دیا اور آپ نے اسے قبول کر لیا تو اب یہ مال آپ کا ہو گیا اور اس سے اگر آپ بکریاں خرید کر اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کر دیں تو ان شاء اللہ یہ نذر پوری ہو جائے گی لیکن آپ کو ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ آئندہ نذر نہ مانیں کیونکہ نذر ماننی مناسب نہیں ہے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَـنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لاَ يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٤٠ وجامع الترمذي، النذور الأيمان، باب في كراهية النذور، ح:١٥٣٨ وصحيح البخاري، القدر، باب القاء العبد النذو إلى القدر، ح:٦٦٠٨)

''نذر نہ مانو کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی نہیں ٹال سکتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل سے کچھ مال ضرور نکلوا لیا جاتا ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

❀ ❀ ❀

۲۳

کتاب القضاء

قضا اور اس کے متعلقہ احکام

کسی ایسے ملک میں منصب قضا.....

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے کسی ایسے ملک میں قاضی بننا جائز ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یعنی قرآن وحدیث کی حکمرانی نہ ہو؟

جواب یہ جائز نہیں ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پیشہ وکالت

سوال اسلامی شریعت کا پیشہ وکالت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اسلامی قانون اور اس کے نفاذ کے طریقے" کے آخر میں اس پیشے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے' اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب پیشہ وکالت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بھی دیگر وکلاء کی طرح دعویٰ اور جواب دعویٰ میں وکیل بنانے کے مترادف ہے بشرطیکہ وکیل طالب حق ہو اور قصد و ارادہ سے جھوٹ نہ بولے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی جس مذکورہ کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے' اسے میں نے نہیں دیکھا۔

——— شیخ ابن باز ———

پیشہ وکالت کو اختیار کرنے کی شروط

سوال پیشہ وکالت میں انسان بسا اوقات ایک خرابی کو روکنے اور اسے دور کرنے کے سلسلہ میں مدد کرتا ہے کیونکہ وکیل کا مقصد ایک بے گناہ شخص کو سزا سے بچانا ہوتا ہے تو کیا وکیل کی کمائی حرام ہے؟ کیا بطور وکیل کام کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ شروط عائد کی ہیں؟

جواب محاماۃ (بمعنی پیشہ وکالت) مادۂ حمایت سے (مفاعلۃ کا صیغہ) ہے اور حمایت اگر شر کے لیے اور اس کی طرف سے دفاع کے لیے ہو تو بلاشبہ یہ حرام ہے' کیونکہ یہ اس امر کا ارتکاب ہے' جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں منع فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

اور اگر وکالت خیر کی حمایت اور اس کے دفاع کے لیے ہو تو یہ قابل ستائش ہے اور اس کا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ

میں حکم دیا گیا ہے:
﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)
"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"
لہٰذا جس نے اپنے آپ کو پیشہ وکالت کے لیے تیار کیا ہو' اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس کیس کو لے رہا ہو اس کا مطالعہ کرے اور خوب جائزہ لے۔ اگر مؤکل کا مؤقف حق پر مبنی ہو تو کیس کو لے لے' حق کی حمایت اور حقدار کی مدد کرے اور اگر اس کا موقف مبنی بر حق نہ ہو تو پھر بھی وکالت کرے لیکن اس مؤکل کے خلاف اور وہ اس طرح کہ اسے سمجھائے کہ وہ حرام کا ارتکاب نہ کرے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»(صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه أنه أخوه ... الخ، ح:٦٩٥٢)
"اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔"
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
«تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ»(صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه أنه أخوه ... الخ، ح:٦٩٥٢ والبيهقي في السنن الكبرى، الغصب، باب نصر المظلوم ... الخ:٦/ ٩٤ واللفظ له وجامع الترمذي، الفتن، باب انصر أخاك ظالما أو مظلوما، ح:٢٢٥٥)
"ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے منع کرو۔"
وکیل کو اگر یہ معلوم ہو کہ مؤکل کا یہ دعویٰ مبنی بر حق نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ اسے سمجھائے اور اس دعویٰ کے بارے میں اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرائے اور اسے بتائے کہ اس کا یہ دعویٰ باطل ہے تاکہ وہ اسے چھوڑ دے۔
—— شیخ ابن عثیمین ——

تحقیق کے لیے ملزم کو مارنا

سوال کیا تحقیق و تفتیش کے دوران ملزم کو مارنا شرعاً جائز ہے تاکہ وہ اعتراف کرے؟ کیا اسلام میں پیشہ وکالت جائز ہے؟ کیا مجرم کی طرف سے دفاع جائز ہے؟

جواب اگر الزام قوی اور اس کی علامات واضح ہوں تو ملزم کو مارنا جائز ہے لیکن مطلق الزام کی بنیاد پر مارنا یا سزا دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سزا یا جبر کی وجہ سے مجبور ہو کر اقرار کرے تو اس کا اقرار حد اور اس حق کے لینے کا موجب نہیں ہے جس کا اس نے اقرار کیا ہو' اگر قرائن واضح ہوں تو حاکم ان کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔
وکالت ایک حق خاص کے بارے میں خصومت ہے' لہٰذا صاحب حق کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے جو اس کی طرف سے جھگڑا کرے کیونکہ وہ خود عجز یا جہالت وغیرہ کی وجہ سے جھگڑا نہیں کر سکتا لیکن وکیل کے لیے یہ لازم ہے کہ وکالت سے قبل وہ مؤکل کی خیر خواہی کرے اور اسے اس کے حق اور فرض سے آگاہ کر دے اور

اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کا مؤکل ظالم یا مجرم ہے تو پھر اس کی طرف سے دفاع کرنا حرام ہے خواہ وہ کتنی ہی زیادہ فیس کیوں نہ دے کیونکہ اس میں باطل کی نصرت اور ظالم کی تائید و حمایت ہے جو کہ حرام ہے۔ واللہ أعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شہادت حق کو چھپانا

سوال ایک آدمی ایک شخص کے پاس کام کرتا تھا لیکن اس نے اسے اجرت سے محروم کرنے کے لیے اس کے کام کا انکار کر دیا۔ کارکن انتظامیہ کے پاس شکایت لے کر گیا تو انتظامیہ نے اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا' جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ واقعی کام کرتا ہے' وہ اس شخص کے پڑوسی یا کارکن ہیں' لہٰذا انہوں نے گواہی دینے سے انکار کر دیا تو شہادت حق چھپانے والے ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو لوگ شہادت حق کو چھپائیں خواہ ان کا تعلق اس سوال سے ہو یا کسی بھی دوسرے معاملہ سے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۳)

"اور شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا' وہ دل کا گناہ گار ہو گا۔"

اور دل کا گناہ انسان کو انحراف بدن کی طرف لے جاتا ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلاَ وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:۵۲)

"جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ سن لو وہ ٹکڑا دل ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

گواہی اپنے علم کے مطابق دینی چاہیے

سوال لوگوں کو پاسپورٹ حاصل کرنے کے لیے اس قسم کی گواہی کی ضرورت ہوتی ہے کہ مثلاً فلاں شخص واقعی بحرین میں پیدا ہوا ہے تو لوگ یہ گواہی دے دیتے ہیں خواہ انہیں اس بات کا یقین ہو یا نہ ہو' تو کیا یہ بھی جھوٹی گواہی شمار ہو گی؟

جواب انسان کے لیے صرف اسی چیز کے بارے میں گواہی دینا جائز ہے' جسے وہ دیکھنے یا سننے کی وجہ سے جانتا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ ﴾ (الزخرف۴۳/ ۸۶)

"ہاں جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ ﴾ (الأنبياء۱۷/ ۳۶)

"اور جس چیز کا تجھے علم نہیں' اس کے پیچھے نہ پڑ۔"

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے:

«أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الشَّهَادَةِ فَقَالَ: هَلْ رَأَيْتَ الشَّمْسَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَعَلٰى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ أَوْ دَعْ»(أبونعيم في حلية الأولياء: ٤/ ٢٠ وكنز العمال، الشهادات، ح: ١٧٧٨٢)

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شہادت (گواہی) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم سورج کو دیکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کی بات کے بارے میں گواہی دو یا اسے چھوڑ دو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی شخص کے لیے اس وقت تک یہ گواہی دینا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص بحرین میں پیدا ہوا ہے' جب تک کہ اسے اس کا علم نہ ہو۔ اور جو شخص یہ گواہی دے کہ فلاں شخص بحرین میں پیدا ہوا ہے اور وہ جھوٹا ہو تو اس کی یہ گواہی جھوٹی ہو گی اور وہ اس وعید کا مستحق ہو گا جو جھوٹی گواہی کے بارے میں قرآن کریم اور سُنّت میں وارد ہے۔

فتاویٰ اسلامیہ (جلد سوم)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سوتیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل و مشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنة الدائمة للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب وسنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد چہارم)

کتابُ القرآن الکریم تا کتابُ الجامِع

فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للافتاء والارشاد سعودی عرب"

جمع و ترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

دارالسلام
DARUSSALAM

(جلد چہارم)

فتاویٰ اسلامیہ

فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"

القرآن الکریم

تا

کتاب الجامع

جمع وترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظرثانی:

ابوعبداللہ محمد عبدالجبار

دارالسلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض ۔ جدہ ۔ شارجہ ۔ لاہور

لندن ۔ هیوسٹن ۔ نیویارک

DARUSSALAM

257،15

ا ـ ن ـ ق

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:00966 1 4043432-4033962 فیکس:4021659
E-mail: riyadh@dar-us-salam.com - darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

1. طریق مکہ۔العلیا۔الریاض فون:00966 1 4614483 فیکس:4644945
2. شارع العین۔الملز۔الریاض فون:4735220 فیکس:4735221
3. جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270
4. الخبر فون:00966 3 8692900 فیکس:8691551
5. مدینہ منورہ موبائل:0503417155

شارجہ: فون:00971 6 5632623 فیکس:5632624

امریکہ:
1. ہوسٹن فون:001 713 7220419 فیکس:7220431
2. نیویارک فون:001 718 6255925 فیکس:6251511

لندن: فون:0044 208 539 4885 فیکس:208 539 4889

ملائیشیا: کوالالمپور فون:603-7710 9750 فیکس:603-7710 0749

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

1. 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون:0092 42 7240024-7232400 فیکس:7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
2. غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

کراچی شوروم: Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی
فون:0092-21-4393936 فیکس:4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فاسئلوا اهل الذكر
ان كنتم لا تعلمون

اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب
(اہلِ علم) سے پوچھ لو (الانبیاء ۲۱/۷)

فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد چہارم)

۲۴

القرآن الکریم

احکام قرآن اور اس کے آداب

احکام قرآن اور اس کے آداب

قرآن کریم کا احترام

سوال آنجناب سے امید ہے کہ آپ ہمیں اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو قرآن کریم کے مقام سے آگاہ فرمائیں گے؟

جواب قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جسے اس نے اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ یہ قیامت تک ساری کائنات کے لیے ہدایت و نور ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ابتدائی لوگوں کو بھی اور ان کے بعد آنے والوں کو بھی یہ توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیا' زندگی کے تمام امور و معاملات میں اس کے مطابق عمل کیا' چھوٹے بڑے ہر معاملے میں اس سے فیصلہ چاہا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بعض بندگان الٰہی کے ہمیشہ شامل حال رہا ہے کہ وہ حسی و معنوی طور پر قرآن کریم کی اس طرح تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں جس طرح اس کا حق ہے جب کہ بہت سے لوگ اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہیں' جو اگرچہ اپنے آپ کو اسلام ہی کی طرف منسوب کرتی ہیں لیکن وہ قرآن عظیم اور حدیث رسول ﷺ کے حق کو ادا کرنے سے محروم ہیں لہٰذا مجھے خدشہ ہے کہ یہ لوگ کہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے مصداق نہ ہوں:

﴿ وَقَالَ ٱلرَّسُولُ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِى ٱتَّخَذُواْ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۳۰)

"اور پیغمبر کہے گا' اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔"

آج بہت سے لوگوں نے واقعی قرآن کو چھوڑ رکھا ہے' انہوں نے اس کی تلاوت کو چھوڑ دیا' اس میں تدبر کو چھوڑ دیا اور اس کے مطابق عمل کو چھوڑ دیا۔ ((فَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ))

اللہ رب العالمین کے اس کلام کی تعظیم و تکریم کا جو تقاضا ہے' بہت سے لوگ اس سے بھی غافل ہیں۔ آج کل مسلمان ملکوں میں اخبارات و جرائد کثرت سے شائع ہوتے ہیں' جن کے ٹائیٹل پر یا اندرونی صفحات میں قرآنی آیات ہوتی ہیں لیکن بہت سے مسلمانوں کی عادت یہ ہے کہ وہ انہیں پڑھنے کے بعد کوڑا کرکٹ میں پھینک دیتے ہیں اور پاؤں تلے بھی یہ اخبارات و جرائد آتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو انہیں کچھ دیگر مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جس کے باعث یہ نجاستوں اور غلاظتوں سے بھی آلودہ ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ ﴾ (الواقعة ۵۶/ ۷۷-۸۰)

"بلاشبہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔ (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔"

یہ آیات کریمہ اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے طہارت کے بغیر قرآن کریم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ

جمہور اہل علم کی رائے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کے نام ایک خط لکھ کر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا جس میں لکھا تھا:

«لاَ يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني، ح:٤٣٣)

''انسان قرآن مجید کو اس وقت ہی ہاتھ لگائے جب وہ پاک ہو۔''

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلاَّ وَأَنْتَ طَاهِرٌ» (المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ٤٨٥)

''قرآن مجید کو صرف طہارت ہی کی حالت میں ہاتھ لگاؤ۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو پکڑنے کے لیے وضو کرو۔ (1) جب قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو کرنا ضروری ہے تو ان لوگوں کو اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے' جو ان اخبارات و جرائد کو دسترخوان کے لیے استعمال کرتے ہیں' جن میں قرآنی آیات بھی چھپی ہوتی ہیں اور پھر وہ انہیں دیگر نجاستوں اور غلاظتوں کے ساتھ کوڑا کرکٹ میں پھینک دیتے ہیں - بلاشک وشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس اور اس کے پاک کلام کی بے ادبی و بے حرمتی ہے۔

ہر مسلمان مرد و عورت پر یہ واجب ہے کہ وہ قرآن مجید اور ان کتابوں کی حفاظت کریں جو قرآنی آیات' احادیث نبویہ یا ایسے کلام پر مشتمل ہوں' جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا جس میں اس کے کچھ اسماء حسنیٰ ہوں' ان سب کو پاک جگہ پر حفاظت سے رکھنا چاہیے اور اگر ان اخبارات و جرائد وغیرہ کی ضرورت نہ رہی ہو تو انہیں پاک زمین میں دفن کر دیا جائے یا جلا دیا جائے اور اس بارے میں تساہل سے قطعاً کام نہیں لینا چاہیے جب کہ بہت سے لوگ غفلت یا جہالت کی وجہ سے اس ممنوع کام کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کتاب اللہ' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ و صفات علیا اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث مبارکہ کا ادب واحترام بجالائیں اور ایسے کام کا ارتکاب نہ کریں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور وہ اللہ رب العالمین کے پاک کلام کے مقام و مرتبے کے منافی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی محبت اور رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' ہم سب کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے بچائے اور ہم سب کو اپنی کتاب مقدس اور اپنے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ کی تعظیم اور ادب واحترام بجالانے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے اور ہر اس قول و فعل سے محفوظ رکھے' جو ان کے ادب واحترام کے تقاضوں کے منافی ہو' بے شک وہی قادر و کارساز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن مجید کی تلاوت' دیکھ کر کرنا افضل ہے یا زبانی؟

سوال کیا قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت سے افضل ہے' راہنمائی فرمائیں؟

---

(1) السنن الکبریٰ للبیہقی: 88/1

جواب نماز کے علاوہ تو قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ ضبط وحفظ میں زیادہ معاون ہے' ہاں اگر کسی کو زبانی پڑھنے سے زیادہ یاد ہوتا ہو یا اس سے خشوع زیادہ پیدا ہوتا ہو تو اسے زبانی پڑھنا چاہیے۔

نماز میں افضل یہ ہے کہ زبانی تلاوت کی جائے کیونکہ اگر وہ نماز میں دیکھ کر تلاوت کرے گا تو اس حالت میں اسے پکڑنے اور رکھنے اور صفحات کے پلٹنے اور الفاظ وحروف پر نظر جمانے کا عمل بار بار کرنا پڑے گا' نیز حالت قیام میں وہ سینے پر بائیں ہاتھ پر دائیں کو بھی نہیں رکھ سکے گا۔ قرآن مجید کو بغل میں رکھنے کی صورت میں وہ رکوع اور سجود بھی صحیح طور پر نہ کر سکے گا للٰہذا نمازی کے لیے ہم اس بات کو ترجیح دیں گے کہ وہ دیکھ کر تلاوت کرنے کی بجائے زبانی تلاوت کرے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مقتدی امام کے پیچھے قرآن مجید لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور امام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے ہیں جب کہ مذکورہ بالا امور کے پیش نظر اس طرح نہیں کرنا چاہیے' اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر بالفرض کسی امام کا حافظہ اچھا نہ ہو اور وہ کسی مقتدی سے کہے کہ تم میرے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے قرآن مجید لے کر کھڑے ہوا کرو تاکہ اگر میں غلطی کروں تو بتا دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت کیوں ہے؟

سوال آیۃ الکرسی کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کیوں ہے؟

جواب آیۃ الکرسی اللہ تعالیٰ کی صفات' اس کی توحید' اس کی ذات گرامی کے شایان شان امور کے اثبات اور صفات نقص سے تنزیہ پر مشتمل ہے اور یہ ساری باتیں آیۃ الکرسی کے سوا کسی ایک آیت میں جمع نہیں ہیں اس لیے اس کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح نمازوں کے بعد اور سونے کے وقت اس کے پڑھنے کے بارے میں بھی بہت سی احادیث وارد ہیں [1] اس کے پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ الغرض اس کے پڑھنے کی بہت ہی فضیلت آئی ہے۔

شیخ ابن جبرین

قرآن کریم کو کس طرح حفظ کیا جائے؟

سوال کیا کسی حدیث میں قرآن کریم کو حفظ کرنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے؟ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ناپاک کپڑے میں نماز پڑھ لے اور اسے دوران نماز میں یاد آئے؟ کیا سورۃ الکافرون کی فضیلت میں بھی کچھ احادیث وارد ہیں؟

جواب جامع ترمذی میں "(کتاب الدعوات) باب دعاء الحفظ" حدیث نمبر: 3570 ہے' جس میں حضرت علی بن ابی طالب کا قصہ ہے کہ انہوں نے جب اپنے حافظے کی خرابی کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ایک طویل دعا سکھائی کہ وہ شب جمعہ چار رکعات نماز پڑھیں..... لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح سند سے ثابت نہیں' البتہ حفظ قرآن اور دیگر امور کے لیے دعا کی ترغیب ضرور دی گئی ہے۔ ویسے بھی حفظ وفہم کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بہت آسان کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] عمل الیوم واللیلۃ' للنسائی' حدیث: 100 صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل سورۃ البقرۃ' حدیث: 5010

﴿ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ (مریم۱۹/ ۹۷)

"(اے پیغمبر!) ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے۔"

علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید حفظ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے معانی کو سمجھا جائے' پھر الفاظ کی بار بار تکرار کی جائے' اس کی تلاوت ہمیشہ کی جائے اور پھر حفظ کیے ہوئے حصے کو روزانہ اور پھر ہر ہفتہ میں پڑھا جائے حتی کہ قرآن مجید ذہن میں خوب راسخ ہو جائے' حدیث میں بھی آیا ہے:

«تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِّنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده، ح:٥٠٣٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن . . . الخ، ح:٧٩١ واللفظ لمسلم)

"قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھتے رہو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس طرح اونٹ بھی اپنی رسی کو جلد نہیں توڑتا جس طرح جلدی سے قرآن بھول جاتا ہے۔"

جو شخص ہمیشہ تلاوت کرتا رہے اور اس سے غافل نہ ہو تو قرآن مجید مرتے دم تک اس کے ذہن میں راسخ رہتا ہے۔

جو شخص اس طرح نماز پڑھے کہ اس کا کپڑا یا بدن یا جگہ ناپاک ہو اور اسے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے تو خطا و نسیان کے عذر کی وجہ سے اسے اس نماز کے دوہرانے کی ضرورت نہیں' البتہ اگر اسے دوران نماز میں ہی یاد آجائے تو ضروری ہے کہ نماز کو توڑ دے' ناپاکی کو زائل کرے اور پھر نماز دوبارہ پڑھے کیونکہ اگر نماز کا کچھ حصہ باطل ہو جائے تو ساری نماز کو دوہرانا لازم ہے۔

"سورۃ الکافرون" کے بارے میں جامع ترمذی میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ یہ قرآن کے چوتھائی حصے کے برابر ہے۔ [1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی سنتوں اور طواف کی دو رکعتوں وغیرہ میں اس سورت کو سورۂ اخلاص کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ [2] آپ نے سوتے وقت بھی اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ شرک سے براءت ہے۔ [3] اس میں عملی' قصدی اور ارادی توحید کو بیان کیا گیا ہے اور یہی توحید عبادت ہے لیکن اسے سمجھنا اور اس کے مدلول کو جاننا ضروری ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

لیٹ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا

سوال کیا پہلو یا پشت پر لیٹ کر قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟

---

(1) جامع ترمذی' فضائل القرآن' باب ماجاء فی ﴿ اذا زلزلت ﴾ حدیث: 2894

(2) صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر --- ' حدیث: 726' جامع ترمذی' الحج' باب ماجاء مایقرء فی رکعتی الطواف' حدیث: 869

(3) ابوداود' الادب' باب مایقال عندالنوم' حدیث: 5055

جواب جائز ہے کہ قرآن کریم کی بیٹھ کر' کھڑے ہو کر' چلتے' دوڑتے اور سواری کرتے ہوئے اور پہلو یا پشت کے بل لیٹے ہوئے تلاوت کی جائے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر' قلب و قالب کے ساتھ متوجہ ہو کر غور و فکر اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرے تاکہ قرآن مجید سے مکمل استفادہ کیا جاسکے۔

———— شیخ ابن جبرین ————

تلاوت قرآن پر اجتماع میں کوئی حرج نہیں

سوال میں اور میرے ساتھی ہفتے میں ایک رات جمع ہو کر قرآن مجید کی کچھ آیات کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ ہم قرآن مجید کو سیکھ سکیں اور تجوید کے ساتھ پڑھ سکیں اور پھر کچھ دیگر امور کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ تلاوت کی وجہ سے اجتماع جائز نہیں ہے' البتہ حفظ کے لیے جائز ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت' تعلیم و تدریس' حفظ اور دین کو سمجھنے کے لیے جمع ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلاَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن ... الخ، ح:٢٦٩٩)

"جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں' تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے' رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان فرشتوں میں کرتا ہے' جو اس کے پاس ہیں۔"

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان کی ہر رات جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے اور ان سے سنتے تھے' ① اسی طرح نبی ﷺ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی بہت دیر تک بیٹھ کر انہیں قرآن مجید پڑھاتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یاد دلاتے رہتے تھے۔ بسا اوقات آپ نے بعض صحابہ کو بھی حکم دیا کہ وہ آپ کو قرآن مجید پڑھ کر سنائیں۔ ②

یہ سب کچھ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قرآن مجید سننے' پڑھنے' دَور کرنے اور علم پڑھنے پڑھانے کے لیے جمع ہونا شرعاً جائز ہے۔ (واللّٰہ ولی التوفیق)

———— شیخ ابن باز ————

اجتماعی شکل میں قرآن مجید کی قراءت

سوال مسجد میں باجماعت قرآن مجید کی قراءت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

① صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم' حدیث: 4997

② صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب من احب ان یستمع القرآن من غیرہ' حدیث: 5049

جواب اس سوال میں اجمال ہے۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ سب لوگ ایک ہی آواز سے پڑھیں اور سب ایک ہی جگہ وقف کریں اور رکیں تو یہ صورت غیر مشروع ہے اور کم سے کم اس کے بارے میں جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ صورت' رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے اور اگر اجتماعی قراءت' قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو پھر امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر سوال سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اجتماعی شکل میں قراءت قرآن مجید حفظ کرنے یا اس کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک پڑھتا اور باقی سنتے ہیں یا ان میں سے ہر ایک اپنے طور پر پڑھتا ہے اور وہ دوسروں کی آواز کے ساتھ نہ آواز ملاتا اور نہ ان کے وقف کے مطابق وقف کرتا ہے تو یہ صورت شرعاً جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلاَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن ... الخ، ح:٢٦٩٩)

"جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں' تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے' رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان فرشتوں میں فرماتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ختم قرآن کی دعا

سوال کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ختم قرآن کی دعا پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟ سنت کی روشنی میں ختم قرآن کے موقع پر کون سا عمل واجب ہے؟

جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ختم قرآن کی دعا آپ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ کی تفسیر میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں' البتہ آپ کی طرف اس کی نسبت مشہور ہے' اس کے پڑھنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اگر انسان اس موقع پر دوسری دعائیں پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ختم قرآن کے موقع پر کسی مخصوص اور معین دعا کے پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ «واللہ الموفق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم»

—— فتویٰ کمیٹی ——

دعائے ختم قرآن کے وقت اجتماع

سوال دعائے ختم قرآن کے وقت اجتماع کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً یہ کہ انسان جب قرآن مجید ختم کرلے تو وہ اپنے اہل خانہ یا دیگر لوگوں کو بلائے تاکہ وہ اجتماعی طور پر ختم قرآن کی اجتماعی طور پر دعا کر سکیں اور انہیں ختم قرآن کا وہ ثواب حاصل ہو سکے جو شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ سے وارد ہے یا دیگر دعاؤں کو پڑھ سکیں جو قرآن مجید کے آخر میں لکھی ہوتی ہیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا ختم قرآن کی دعا کے موقع پر اجتماع جائز ہے خواہ یہ ختم رمضان المبارک کے اختتام پر ہو یا کسی اور موقع پر' کیا اس

اجتماع کو بدعت تو نہیں کہا جائے گا' کیا رسول اللہ ﷺ سے ختم قرآن عظیم کی کوئی مخصوص دعا ثابت ہے؟

جواب ہمارے علم کے مطابق ختم قرآن کے وقت کی کوئی مخصوص اور معین دعا ثابت نہیں ہے لہٰذا انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس موقع پر جو چاہے دعا کرے لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ ادعیہ نافعہ کو اختیار کرے مثلاً اپنے گناہوں کی معافی مانگے' جنت کا سوال کرے' جہنم کے عذاب سے پناہ مانگے' فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگے کہ وہ اسے قرآن کریم کا اس طرح فہم عطا فرمائے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ راضی ہو جائے' نیز اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کے حفظ کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق کے لیے بھی دعا کرے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ ختم قرآن کے موقع پر اپنے اہل خانہ کو جمع کر کے دعا فرمایا کرتے تھے [1] لیکن ہمارے علم کی حد تک نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف جو دعا منسوب ہے' میرے علم کے مطابق اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ دعا ہمارے مشائخ اور دیگر علماء میں مشہور ضرور ہے لیکن آپ کی کسی کتاب سے مجھے یہ دعا معلوم نہیں ہو سکی۔ (واللہ اعلم)

—— شیخ ابن باز ——

جس شخص کو قرآن مجید کے معانی کا علم نہیں اسے بھی....

سوال میں قرآن مجید کی تلاوت تو ہمیشہ کرتا رہتا ہوں لیکن اس کے معانی کو نہیں سمجھتا تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس تلاوت کا ثواب عطا فرمائے گا؟

جواب قرآن کریم ایک بابرکت کتاب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص ۳۸/ ۲۹)

"(یہ) کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔"

لہٰذا انسان کو اس کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے خواہ وہ اس کے معانی کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو' لیکن ہر وہ مومن جو قرآن مجید پر عمل کا مکلف ہے' اسے چاہیے کہ وہ معانی کو سمجھے بغیر تلاوت نہ کرے' مثلاً اگر کوئی انسان علم طب حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ طب کی کتابیں پڑھتا ہے' تو اس وقت تک اس کے لیے ان کتب سے استفادہ ممکن نہ ہو گا جب تک وہ ان کے معانی ومطالب کو نہ سمجھے بلکہ اس کی پوری پوری خواہش ہو گی کہ وہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھے تاکہ ان کے مطابق عمل کر سکے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس کتاب کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ فرمائیں کہ یہ کتاب جو دلوں کے لیے شفا اور انسانوں کے لیے نصیحت ہے' اسے سمجھے بغیر اور اس کے معنی کو سیکھے بغیر اس کی تلاوت کس طرح کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو دس آیات سے بھی اس وقت تک تجاوز نہ کرتے' جب تک ان کے معانی ومفاہیم کو نہ جان لیتے اور علم و عمل کے تقاضوں کو پورا نہ فرما لیتے تھے۔ بہرحال انسان کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا اجر وثواب ضرور ملتا ہے خواہ وہ اس کے معنی ومفہوم کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو' لیکن انسان کو معنی ومفہوم کے سمجھنے کے

[1] سنن دارمی' فضائل القرآن' باب فی ختم القرآن' حدیث: 3468 - 3469

لیے پوری پوری کوشش ضرور کرنی چاہیے' اسے ایسے علماء سے قرآن مجید کو سمجھنا چاہیے' جو علم اور امانت میں قابل اعتماد ہوں' اگر کسی ایسے عالم کی صحبت میسر نہ آسکے تو پھر قابل اعتماد کتب تفسیر مثلاً تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کے نقطوں اور اعراب کی اساتذہ سے تعلیم

سوال کیا قرآن مجید نقطوں اور اعراب کے بغیر نازل ہوا تھا تو اس صورت میں اسے کیسے پڑھا جاتا تھا؟

جواب ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ابتدا میں قرآنی نسخے نقطوں' اعراب اور وقف کی علامات کے بغیر لکھے جاتے تھے۔ نقطے اور اعراب وغیرہ تابعین کے عہد میں لگائے گئے اور عہد نبوی اور اس کے بعد کے دور میں لوگ' حفظ کرنے اور اساتذہ سے سیکھنے کی بنیاد پر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اچھے طریقے سے تلاوت نہ کرنے اور غلطیاں کرنے کی صورت میں گناہ ہو گا؟

سوال میں قرآن مجید پڑھتا تو بہت ہوں لیکن اچھے طریقے سے نہیں پڑھ سکتا اور تلاوت میں بہت غلطیاں کرتا ہوں تو کیا مجھے گناہ ہو گا؟

جواب ہر مسلمان شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کو صحیح طور پر پڑھنا سیکھے تاکہ وہ خوب اچھے طریقے سے تلاوت کر سکے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے امت کو ملا ہے اور جیسا کہ اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے لہٰذا قرآن مجید سیکھنے میں مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے خواہ اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے اور خواہ اسے ایک لفظ بار بار دوہرانا پڑے حتی کہ وہ اسے صحیح طور پر پڑھنے کے قابل ہو جائے' اس محنت کا اسے دوگنا ثواب ملے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن ... الخ، ح:٧٩٨)

"جو شخص قرآن مجید پڑھتا اور ہکلاتا ہو اور پڑھنا اس کے لیے بہت دشوار ہو تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔"

تو بھائی آپ صبر کریں' محنت کریں اور ایک لفظ کو بار بار پڑھیں تاکہ اسے صحیح طور پر تلاوت کر سکیں خواہ اس میں آپ کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اس سے آپ کو یقیناً زیادہ ثواب ملے گا۔ آپ جلدی سے اس طرح قرآن نہ پڑھیں کہ آپ کو یہ پروا ہی نہ ہو کہ آپ صحیح پڑھ رہے ہیں یا غلط' کیونکہ غلط پڑھنے میں قرآن مجید کی بے ادبی اور بے حرمتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے بطور کلام استعمال فرمایا۔ ہم اس کی تلاوت' حروف وحرکات کے ساتھ کرتے ہیں' سیدنا جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کر کے سیدنا محمد ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (الشعراء۲۶/ ۱۹۲-۱۹۵)

"اور بلاشبہ یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (یعنی اس نے) آپ کے دل پر (القاء کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہیں (اور یہ ہے بھی) فصیح عربی زبان میں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کو زمین پر رکھنا

سوال قرآن مجید کو پاک زمین یا مصلیٰ پر رکھ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب افضل یہ ہے کہ قرآن مجید کو کسی بلند جگہ پر رکھا جائے تاکہ حسی اور معنوی طور پر اس کی عظمت و رفعت ملحوظ رہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (عبس ۸۰/ ۱۴)

"(اللہ کے ہاں یہ قرآن مقدس ان پر عظمت صحیفوں میں ہے) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔"

جب آپ کو قرآن مجید کے ہاتھ سے رکھ دینے کی ضرورت پیش آئے' خواہ تھوڑے وقت کے لیے ہی رکھنا ہو تو اسے کسی اونچی جگہ رکھیں اور اگر کوئی اونچی جگہ نہ ہو تو پھر کسی پاک کپڑے پر رکھ کر زمین پر رکھنا بھی جائز ہے۔ البتہ قرآن مجید کو کسی نشیبی یا ناپاک یا مٹی والی جگہ پر نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اس میں بے ادبی اور بے حرمتی ہے۔ بوقت ضرورت پاک بستر پر رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن کوشش یہ ہونی چاہیے کہ قرآن مجید کو بلند جگہ پر رکھا جائے تاکہ حسی اور معنوی طور پر اس کی عظمت و رفعت ملحوظ رہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت

سوال عورت اگر خاموشی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے تو صحیح ہے یا اس کے لیے بھی واجب ہے کہ ترتیل کے ساتھ تلاوت کرے؟

جواب تلاوت میں ترتیل واجب نہیں نہ مرد کے لیے اور نہ عورت کے لیے' البتہ یہ تلاوت کے آداب میں سے ضرور ہے۔ حسن قراءت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ترتیل کے ساتھ اور معنی و مفہوم کے تدبر کے ساتھ قراءت کرے۔ قرآن مجید کو تیزی کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے بشرطیکہ الفاظ اور حروف حذف نہ ہوں۔

حالات کے مطابق قراءت کو جہری و سری دونوں طرح کیا جا سکتا ہے۔ اگر قراءت جہری کرنے میں زیادہ نشاط اور زیادہ خشوع و خضوع پیدا ہو تو قراءت جہری کرنی چاہیے بشرطیکہ کسی کو ایذاء نہ پہنچے اور اگر قراءت سری کرنے میں زیادہ خشوع ہو تو قراءت سری کی جائے اور اگر دونوں صورتیں برابر ہوں تو پھر انسان کو اختیار ہے جس طرح چاہے قراءت کر لے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

افضل یہ ہے کہ تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم نہ کیا جائے

سوال آپ کی ان لوگوں کے لیے کیا نصیحت ہے جو ایک مہینہ بلکہ کئی کئی ماہ تک قرآن کریم کو تو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن غیر مفید اخبارات وجرائد پڑھتے رہتے ہیں؟

جواب ہر مومن مرد اور عورت کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ غور وفکر اور تدبر کے ساتھ کثرت سے قرآن مجید کی زبانی یا دیکھ کر تلاوت کرتا رہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتَـٰبٌ أَنزَلْنَـٰهُ إِلَيْكَ مُبَـٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَـٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص۳۸/ ۲۹)

"(یہ) کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَـٰبَ ٱللَّهِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَـٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَـٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ ﴾ (فاطر۳۵/ ۲۹_۳۰)

"جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' وہ اس تجارت کے فائدے کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہو گی۔ کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا (اور) خوب قدر دان ہے۔"

تلاوت مذکورہ قرآن مجید کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے دونوں کو شامل ہے۔ غور وفکر' تدبر اور اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ کی جانے والی تلاوت' قرآن مجید کے مطابق عمل کا وسیلہ ثابت ہوتی ہے اور اس کا ثواب بھی بہت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لأَصْحَابِهِ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، ح:٨٠٤)

"قرآن پڑھا کرو کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے روز قیامت سفارشی بن کر آئے گا۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، ح:٥٠٢٧)

"تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لاَ أَقُولُ الٓمٓ

حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيمٌ حَرْفٌ»(جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في من قرأ حرفا من القرآن ... الخ، ح:٢٩١٠)

"جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے اسے اس کے عوض ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی کا دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمٓ﴾ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے' لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (یعنی ﴿الٓمٓ﴾ پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں)"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:

«اِقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ»

"ہر ماہ ایک بار قرآن مجید پڑھ لیا کرو۔"

انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے تو آپ نے فرمایا:

«اِقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن؟، ح:٥٠٥٤ وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر ... الخ، ح:١١٥٩)

"سات دنوں میں ایک بار پڑھ لیا کرو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا کہ وہ ہر سات دنوں کے بعد قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید کے تمام پڑھنے والوں کے لیے میری وصیت ہے کہ وہ تدبر' غور و فکر' اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور قرآن سے استفادہ وعلم کے قصد سے زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں اور ہر ماہ ایک بار ضرور ختم کریں اور اگر ایک ماہ سے کم مدت میں ختم کرنا ممکن ہو تو یہ خیر عظیم ہے۔ سات دنوں سے کم مدت میں بھی ختم کیا جا سکتا ہے' لیکن افضل یہ ہے کہ تین دن سے پہلے ختم نہ کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کم سے کم جس مدت کی راہنمائی فرمائی وہ یہی تین دن کی مدت ہے جیسا کہ آپ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا۔ (1) اگر کوئی شخص تین دن سے پہلے ختم کر لے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے بہت تیز بھی پڑھا ہے اور اس پر غور و فکر بھی نہیں کیا۔ قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں طہارت کے بغیر پڑھنا جائز نہیں ہے' البتہ زبانی پڑھنے کی صورت میں کوئی حرج نہیں' آدمی بے وضو بھی پڑھ سکتا ہے۔ تاہم جنبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غسل کیے بغیر دیکھ کر یا زبانی تلاوت کرے کیونکہ امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کو قرآن کی تلاوت کے لیے جنابت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہ ہوتی تھی۔ (2)

—— شیخ ابن باز ——

تلاوت کے بعد «صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ» کہنا

سوال قرآن مجید کی تلاوت کے بعد «صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ» کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

(1) صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فی کم یقرأ القرآن' حدیث: 5052- صحیح مسلم' الصیام' باب النھی عن صوم الدھر ---' حدیث: 1159

(2) ابو داود' الطھارۃ' باب فی الجنب یقرأ القرآن' حدیث: 229

جواب قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہنے کا سنت سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ کہنے کا رواج عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بہت بعد اسی آخری دور میں ہوا ہے۔ لاریب قائل کا ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہنا' اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس کی عبادت ہے اور جب یہ عبادت ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ہم شرعی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اور جب ان الفاظ کے کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے ساتھ تلاوت کو ختم کرنا مشروع اور مسنون نہیں ہے لہٰذا تلاوت ختم کرنے کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) نہیں کہنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران: ۹۵/۳) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ((صَدَقَ اللّٰهُ)) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جب تم تلاوت ختم کرو تو یہ کہو ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم))' نبی اکرم ﷺ بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی تلاوت کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہا ہو' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو سورۃ النساء کی تلاوت سنائی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٤١)

”بھلا اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو (احوال بتانے کے لیے) بلائیں گے اور آپ کو اِن لوگوں کا (حال بتانے کے لیے) گواہ طلب کریں گے۔“

تو آپ نے فرمایا: ”بس (اتنی تلاوت ہی کافی ہے)“ ① آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اب کہو ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) اور نہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے از خود ہی یہ الفاظ کہے تھے۔ یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تلاوت کے اختتام پر ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہنا حکم شریعت نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی ایسی بات رونما ہو جائے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہو اور اسے دیکھ کر کسی قرآنی آیت سے استشہاد کرتے ہوئے آپ ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہہ دیں' تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلام کی تصدیق کے قبیل سے ہو گی۔ مثلاً آپ اگر کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ اپنے رب کی طاعت و بندگی بجا لانے کی بجائے اپنی اولاد کے ساتھ مشغول ہے' تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٥)

”تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو سراسر آزمائش ہے۔“

یا اسی طرح کی دیگر آیات سے استشہاد کرتے ہوئے یہ کہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سورۃ توبہ میں ترک ”بسم اللہ“ کے اسباب

سوال سورۃ توبہ کو دوسری سورتوں کی طرح بسم اللہ سے کیوں شروع نہیں کیا گیا' اس سورت کی تلاوت کے وقت یہ کہنا کہ ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ' وَمِنْ شَرِّ الْكُفَّارِ' وَمِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ' وَالْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ)) صحیح ہے یا نہیں؟

① صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب قول المقرئ للقارئ : حسبک' حدیث : 5050

جواب سورۃ براءت (توبہ) کے آغاز میں اس دعا کا پڑھنا جو آپ نے ذکر کی ہے بدعت ہے' اس کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اسے اس سورت کے شروع میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ میں نے اپنے بچپن میں ان الفاظ کو قرآن مجید کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر لکھا ہوا بھی دیکھا ہے لہٰذا جو شخص ان الفاظ کو قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا ہوا دیکھے' تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ ان کو مٹا دے کیونکہ یہ الفاظ بدعت ہیں۔ اس سورت کے شروع میں ان کا پڑھنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

جہاں تک اس سوال کی پہلی شق کا تعلق ہے کہ اس سورت کو بسم اللہ سے کیوں شروع نہیں کیا گیا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سورت اسی طرح بسم اللہ کے بغیر ہی نازل ہوئی ہے۔ اگر اس کے ساتھ بھی بسم اللہ نازل ہوئی ہوتی تو وہ بھی آج موجود اور محفوظ ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا ہوا ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩)

"بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ سے بھی یہ سورت اسی طرح بسم اللہ کے بغیر ہی منقول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس مسئلہ میں یہ مشکل پیش آئی تھی جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورت کیا ایک مستقل سورت ہے یا یہ سورۃ الانفال ہی کا بقیہ حصہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے دونوں سورتوں کو الگ الگ تو کر دیا۔ لیکن درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی۔ دونوں سورتوں کو الگ الگ کرنا دراصل دو حکموں کے درمیان ایک حکم تھا۔ یعنی اگر یہ بات ثابت ہو جاتی کہ یہ سورۃ الانفال ہی کا بقیہ ہے تو پھر حد فاصل اور بسم اللہ کی ضرورت نہ تھی اور اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ یہ مستقل سورت ہے تو پھر حد فاصل اور بسم اللہ دونوں کی ضرورت تھی لیکن ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہ ہو سکی' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حد فاصل تو قائم کر دی لیکن بسم اللہ نہ لکھی' اور یہ ایک صحیح اجتہاد تھا۔ [1] میں علم الیقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس سورت کے شروع میں بھی بسم اللہ نازل ہوئی ہوتی تو وہ یقیناً اب تک موجود اور محفوظ ہوتی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩)

"بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

لہٰذا سورۃ براءۃ کی تلاوت شروع کرتے وقت "بسم اللہ الرحمان الرحیم" پڑھنا مشروع نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خوب صورت آواز سے قرآن مجید کی تلاوت

سوال فضیلۃ الشیخ! ترنم سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے کیا معنی ہیں؟

جواب سنت صحیحہ میں' ترنم سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' تو اس سے مراد تحسین صوت ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت گانے کے انداز میں کی جائے' صحیح حدیث میں ہے:

«مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب قول النبي ﷺ "الماهر بالقرآن مع سفرة الكرام البررة" ... الخ، ح: ٧٥٤٤ وصحيح مسلم، صلاة

[1] ابوداود' الصلاة' باب من جهر بها' حدیث: 786- ترمذی' تفسیر القرآن' باب (9) ومن سورة التوبة' حدیث: 3086

المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، ح: ۷۹۲)

''اللہ تعالیٰ نے اور کسی چیز کی طرف اس طرح کان نہیں لگائے جس طرح اپنے نبی کی قرآن مجید کی حسن صوت اور بلند آواز سے تلاوت کی طرف کان لگائے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»(صحیح البخاري، التوحید، باب قول الله تعالٰی وأسروا قولكم أو اجهروا به ... الخ، ح: ۷۵۲۷)

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو خوبصورت اور بلند آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرے۔''

مذکورہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے جو کان لگا کر قرآن مجید سننے کا ذکر ہے' تو یہ سننا اس طرح ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے شایان شان ہے۔ اس صفت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی دیگر تمام صفات کی طرح مخلوق سے مشابہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کان اور اس کے سننے کے بارے میں بھی وہی کہا جائے گا' جو اس کی دیگر صفات کے بارے میں کہا جاتا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اس طرح ہیں' جس طرح اس کی ذات گرامی کے شایان شان ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴿١١﴾ ﴾ (الشوری۴۲/ ۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔''

((تغنی)) (یعنی ترنم سے تلاوت کرنے) سے مراد' بلند اور خوبصورت آواز کے ساتھ خشوع وخضوع سے تلاوت کرنا ہے تاکہ اس سے دل کے تار ہل جائیں اور مقصود بھی یہی ہے کہ قرآن سے دل کے تار ہلا دیئے جائیں تاکہ دلوں میں خشوع بھی پیدا ہو اور اطمینان وسکون بھی اور وہ قرآن سے استفادہ بھی کریں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے' آپ نے ان کی تلاوت کو سننا شروع کر دیا اور پھر فرمایا:

«لَقَدْ أُوتِيَ هٰذَا مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ»(صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن، ح:۵۰۴۸ وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، ح:۷۹۳ وسنن النسائي، الافتتاح، تزیین القرآن بالصوت، ح: ۱۰۲۲ واللفظ له)

''اسے تو آل داود علیہ السلام کا سا لحن عطا کیا گیا ہے۔''

جب سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انہیں بتایا کہ آپ ان کی تلاوت سنتے رہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں اور بھی زیادہ خوبصورت طریقے سے تلاوت کرتا۔''(1) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوبصورت طریقے سے پڑھنے سے منع نہیں فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ خوبصورت آواز میں بڑے اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا امر مطلوب ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والے میں خشوع بھی پیدا ہو اور دونوں قرآن مجید سے استفادہ بھی کریں۔

——— شیخ ابن باز ———

(1) السنن الکبری للبیهقی' : 230 - 231' مسند ابی یعلی' 7279/13

قرآن مجید کو بوسہ دینا

سوال ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بھائی جب قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں اور پھر اپنی آنکھوں اور چہرے کے ساتھ اسے لگاتے ہیں تو کیا یہ حکم شریعت ہے؟

جواب ہمیں شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت معلوم نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قرآن مجید کا غیر عربی زبان میں ترجمہ اور کافر کا اسے ہاتھ لگانا

سوال کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن مجید کا مثلاً فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جائے اور کافر اسے پڑھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَـٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾ (الواقعة٥٦/ ٧٧-٧٩)

"یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)' اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔"

اور اس کتاب کے ٹائیٹل پر یہ آیت لکھ دی جائے:

﴿ وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٢٦﴾ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِى ٱلنِّسَآءِ ۖ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء٤/ ١٢٦-١٢٧)

"اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے۔"

جواب قرآن مجید کا کسی بھی دوسری زبان میں ایسا ترجمہ کرنا تو ممکن ہی نہیں جو دقت تعبیر' علو اسلوب' جمال نگارش اور استحکام نظم کے اعتبار سے قرآن مجید کے اعجاز' افادۂ احکام و آداب کے تمام مقاصد کی تکمیل اور دروس و عبر اور اصلی و ثانوی تمام معانی کے اظہار کے اعتبار سے قرآن مجید کے مماثل ہو کہ یہ سب قرآن مجید ہی کے امتیازات و خصوصیات ہیں جو اس کے کمال فصاحت و بلاغت کی کرشمہ سازی ہیں' لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن مجید کے اس طرح کے ترجمہ کی کوشش کرے' جو ان تمام خوبیوں سے مرصع ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے' جو سامان اور سیڑھی کے بغیر آسمان پر چڑھنے کی کوشش کرے یا پروں اور آلات کے بغیر فضا میں اڑنا چاہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک عالم نے قرآن مجید کے جو معانی سمجھے ہوں' ان کے مفہوم کو وہ حسب وسعت وطاقت کسی دوسری زبان میں بیان کر دے تاکہ اس زبان کے بولنے والوں تک وہ اس ادراک کو پہنچا دے' جسے اس کے فکر کی جولانیوں نے ہدایت قرآن سے اخذ کیا ہے' اس کے احکام سے استنباط کیا ہے یا عبر و مواعظ کو اس نے معلوم کیا ہے لیکن غیر عربی زبان میں اس عالم کی اس شرح کو قرآن نہیں کہا جائے گا اور نہ تمام اطراف و جوانب سے یہ قرآن مجید کے قائم مقام ہو گا بلکہ یہ تو قرآن مجید کی عربی زبان میں ایسی تفسیر کی طرح ہو گا' جس کے ذریعہ سے معانی کو آسان انداز میں سمجھانے اور احکام کے استنباط کے لیے کوشش کی گئی ہو گی اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی عربی زبان میں بھی اس تفسیر کو قرآن نہیں کہا جا

سکتا لہٰذا جنبی اور کافر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ غیر عربی زبان میں قرآن مجید کے معانی کے ترجمہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے جیسا کہ وہ عربی زبان میں مکمل کی گئی تفسیر کو بھی ہاتھ لگا سکتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اجرت لے کر قرآن مجید پڑھنا

سوال اجرت لے کر لوگوں کے لیے قرآن مجید کے پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے' راہنمائی فرمائیں' ((جزاکم اللہ خیرًا))؟

جواب اگر اس سے مقصود لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اور حفظ کرانا ہے' تو پھر علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جس شخص کو بچھو نے ڈسا تھا اس پر معلوم اجرت کی شرط کے ساتھ قرآن پڑھا گیا تھا اور اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ»(صحيح البخاري، الطب، باب الشرط في الرقية بفاتحة الكتاب، ح:٥٧٣٧)

"جس چیز پر اجرت لینے کے تم سب سے زیادہ حق دار ہو وہ کتاب اللہ ہے۔"

اور اگر اس سے مقصود' کسی موقع کی مناسبت سے محض تلاوت کر کے اجرت لینا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے حرام ہونے کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ اہل علم میں کوئی نزاع ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

جو قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھول جائے

سوال میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنی ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت یاد کی اور پھر اسے بھول گیا تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تو کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث میں قرآن مجید کی آیت کو یاد کر کے بھلا دینے کے بارے میں شدید وعید ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو محض سستی' کتاب اللہ سے اعراض اور عدم دلچسپی کی وجہ سے بھلا دے اور اگر کوئی شخص طبیعت کے تقاضے یا اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے واجبات و فرائض کے ادا کرنے میں مشغولیت کی وجہ سے بھول جائے تو اسے کوئی گناہ نہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا:

«رَحِمَهُ اللهُ، لَقَدْ أَذْكَرَنِي آيَةً كُنْتُ أُنْسِيتُهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب نسيان القرآن، وهل يقول نسيت، ح:٥٠٣٧-٥٠٣٨ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن ... الخ، ح:٧٨٨ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے' اس نے مجھے وہ آیت یاد دلا دی ہے' جو میں بھلا دیا گیا تھا۔"

بھول جانا بشری تقاضا ہے' نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، ح:٤٠١ وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح:٥٧٢)

"میں تمہاری طرح بشر ہی ہوں' (اس لیے) جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔"

تعجب اس بات پر ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرتے تو ہیں لیکن خواہش نفس انہیں اس طرف لے جاتی ہے کہ پھر یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کا کوئی حصہ بالکل یاد نہیں کریں گے کیونکہ خدشہ ہے کہ اگر یاد کیا تو بھول جائیں گے' تو اس دلیل کے ساتھ' جو قطعاً صحیح نہیں ہے' وہ اپنے آپ کو خیر سے محروم کر لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو یاد کرو اور پھر مقدور بھر اسے یاد رکھنے کی کوشش کرو اور پڑھتے رہو جیسا کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کو یاد رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

«لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِّنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده، ح:٥٠٣٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن ... الخ، ح:٧٩١)

"یہ اونٹ کے رسی تڑانے سے بھی جلد حافظہ سے نکل جانے والا ہے۔"

آپ قرآن مجید حفظ کریں اور اسے یاد بھی رکھیں اور اگر تقاضائے طبیعت کی وجہ' سے نہ کہ کتاب اللہ سے بے رغبتی یا سستی کی وجہ سے' بھول جائیں تو اس کا آپ کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمہ

سوال کیا قرآن مجید کا انگریزی یا فرانسیسی یا عبرانی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ کرنا جائز ہے؟

جواب قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ممکن ہی نہیں' یہ محال ہے اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو قرآنی لفظ کے مماثل ہو کیونکہ قرآن مجید اپنے الفاظ و تراکیب کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے۔ البتہ قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ جائز ہے' یعنی قرآن مجید کی تفسیر کا ترجمہ بوقت ضرورت وحاجت دوسری زبانوں میں جائز ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سلف صالحین کی کتب میں سے کسی ایسی کتاب کو لے لیا جائے جو مذہب سلف کے مطابق ہو اور اس میں بیان کردہ معانی کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ وہ لوگ اپنی زبان میں قرآن کریم کے معانی کو جان لیں۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ ہر مسلمان کے لیے عربی زبان کو سیکھنا بھی واجب ہے کہ جس زبان میں قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ نازل ہوئی ہے تاکہ وہ اپنے دین' اپنے رب کے کلام اور اپنے نبی کی سنت کو صحیح طریقے سے سمجھ سکے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایسے گھر میں قرآن پڑھنا جس میں کتا ہو

سوال ایسے گھر میں قرآن پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جس میں کتا موجود ہو؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں اور واجب یہ ہے کہ کتے کو نکال دیا جائے اور اسے گھر میں نہ رہنے دیا جائے الا یہ کہ وہ شکار یا کھیتی یا مویشیوں کی حفاظت کے تین امور میں سے کسی امر کے لیے ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ وَّلاَ مَاشِيَةٍ وَّلاَ أَرْضٍ فَإِنَّهُ يُنْقَصُ مِنْ أَجْرِهِ قِيرَاطَانِ كُلَّ يَوْمٍ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه ... الخ، ح:١٥٧٥ ومعناه متفق عليه من حديث ابن عمر بدون ذكر أرض)

"جو شخص شکار یا مویشی یا کھیتی کی حفاظت کے مقصد کے علاوہ کتا رکھے تو اس کے اجر وثواب میں سے ہر روز دو قیراط کم کر دیے جاتے ہیں۔"

شیخ ابن باز

بچوں کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال بچوں کے قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ائمہ کرام رحمہم اللہ کا محدث کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے جواز میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ محدث کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے کیونکہ کوئی ایسی صحیح صریح دلیل نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ محدث کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے اور اصل' براءت ذمہ اور عدم التزام ہے اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ طہارت کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حلال نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کی طرف جو خط روانہ کیا تھا اس میں یہ بھی تھا:

«لا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا» (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني، ح:٤٣٣)

"قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔"

اور طاہر سے مراد یہاں وہ شخص ہے' جو حدث سے پاک ہو۔ یہ قول پہلے قول کی نسبت زیادہ صحیح ہے کیونکہ طاہر کا لفظ اگرچہ طہارت معنوی اور طہارت حسی کے لیے مشترک ہے لیکن خطاب شارع سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "طاہر" یہاں معنوی طہارت کے لیے نہیں بلکہ حسی طہارت کے لیے بولا گیا ہے کیونکہ معنوی طور پر طاہر تو مسلمان ہی ہوتا ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ کیا یہ حکم قرآن مجید پڑھنے والے چھوٹے بچوں کے لیے بھی ہے کہ وہ بھی طہارت کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں اور یہ کہ ان کے لیے بھی وضو کرنا لازم ہے؟ یا یہ حکم ان کے لیے نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں؟ اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چھوٹے بچے کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو کرے کیونکہ وہ غیر مکلف ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کے لیے بھی وضو لازم ہے' لہٰذا اس سے وضو ضرور کروایا جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ زیادہ احتیاط تو اسی میں ہے اور پھر اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ ہم ان چھوٹے بچوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے ادب واحترام کا بیج بو رہے ہیں اور اگر وضو کی پابندی کروانے میں دشواری ہو تو یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید کو کسی کپڑے وغیرہ سے ہاتھ لگائیں کیونکہ اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو پھر محدث اور غیر محدث دونوں کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

شیخ ابن عثیمین

قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے

سوال قرآن مجید کو وضو کے بغیر ہاتھ لگانے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ ہاتھ

لگانے والے کا جسم پاک ہو؟

جواب جمہور اہل علم کے نزدیک وضو کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ -- رحمہم اللہ -- کا بھی یہی قول ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔ اس سلسلے میں ایک صحیح حدیث بھی موجود ہے جو کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک خط لکھا تھا جس میں یہ بھی مذکور تھا کہ:

«لاَ يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا» (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني، ح:٤٣٣)

"قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔"

یہ حدیث جید ہے' اس کے کئی طرق ہیں' جن سے ایک دوسرے کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور واجب بھی یہی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کو صرف وہی شخص اٹھائے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے جو پاک ہو یا پھر اسے غلاف وغیرہ سے پکڑے یا قرآن مجید کپڑے وغیرہ میں لپیٹا ہو تو اسے کپڑے سمیت ہی پکڑے' وضو کے بغیر براہ راست دونوں ہاتھوں سے قرآن مجید کو پکڑنا صحیح قول کے مطابق جائز نہیں ہے' جمہور اہل علم کا بھی یہی مذہب ہے۔

بے وضو شخص کے زبانی قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ بے وضو شخص قرآن مجید پڑھے اور قرآن مجید کو کسی اور نے پکڑ رکھا ہو' لیکن جنبی شخص کے لیے قرآن مجید پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ "جنابت کے علاوہ کوئی اور چیز آپ کے لیے تلاوت سے مانع نہ ہوتی تھی۔"[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے' آپ نے قرآن مجید کی کچھ تلاوت فرمائی اور فرمایا:

«هٰذَا لِمَنْ لَّيْسَ بِجُنُبٍ فَأَمَّا الْجُنُبُ فَلاَ وَلاَ آيَةً»(مسند أحمد:١/ ١١٠)

"یہ اس شخص کے لیے ہے جو جنبی نہ ہو اور جو جنبی ہو وہ قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتا۔"

مقصود یہ ہے کہ جو شخص جنبی ہو وہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا' نہ دیکھ کر اور نہ زبانی جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے اور جس شخص کا حدث اصغر ہو اور وہ جنبی نہ ہو تو وہ زبانی پڑھ سکتا ہے' لیکن قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

یہاں ایک اور مسئلہ بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ کیا حیض اور نفاس والی عورتیں قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں بھی اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ نہیں پڑھ سکتیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زبانی پڑھ سکتی ہیں۔ قرآن مجید کو ہاتھ لگا کر نہیں پڑھ سکتیں کیونکہ حیض اور نفاس کی مدت لمبی ہوتی ہے' جنابت کی طرح یہ مدت مختصر نہیں ہوتی کہ آدمی جلد غسل کر کے تلاوت کر سکے جبکہ اس کے برعکس حیض کی مدت تو دس دن یا اس سے بھی زیادہ تک دراز ہو سکتی ہے' اسی طرح نفاس کی مدت بھی طویل ہوتی ہے' لہذا حیض اور نفاس والی عورتیں زبانی قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں۔ راجح بات یہی ہے' چنانچہ صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب حج کے موقع پر ان کے ایام شروع ہو گئے تھے فرمایا تھا:

«اِفْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي»(صحيح البخاري، الحيض،

[1] ابوداود' الطهارة' باب في الجنب يقرء القرآن' حدیث: 229

باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت، ح:٣٠٥ وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام ... الخ، ح:١٢١١)

''وہ سب کچھ کرو جو حاجی کرتے ہیں ہاں البتہ پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتیں۔''

حاجی قرآن مجید بھی پڑھتا ہے اور اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید پڑھنے کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے لیے قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' اسی طرح آپ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے بھی جب انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر میقات پہنچنے پر محمد بن ابی بکر کو جنم دیا تھا یہی فرمایا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نفاس والی عورت بھی قرآن مجید پڑھ سکتی ہے لیکن قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ باقی رہی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الجنب والحائض ... الخ، ح:١٣١)

''حائضہ اور جنبی قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔''

تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں ابن عیاش ہے' جو موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتا ہے اور محدثین ابن عیاش کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اہل شام یعنی اپنے شہر کے لوگوں سے روایت کرنے میں جید ہے لیکن اہل حجاز سے روایت کرنے میں ضعیف ہے اور اس کی یہ روایت اہل حجاز سے ہے' لہٰذا ضعیف ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ان اخبارات وکاغذات کو جن پر اللہ کا نام ہو جلانا یا دفن کرنا

سوال بعض اخبارات وکاغذات میں قرآن کریم کی کچھ آیات لکھی ہوتی ہیں نیز بعض اوراق اور خطوط وغیرہ کے آغاز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' بھی لکھی ہوتی ہے' تو سوال یہ ہے کہ ان اخبارات' دستاویزات اور خطوط کے پڑھنے کے بعد ہم کیا کریں؟ کیا انہیں پھاڑ دیں یا جلا دیں یا کیا کریں؟

جواب مذکورہ اخبارات وکاغذات کی حفاظت واجب ہے یا پھر پڑھنے کے بعد انہیں جلا دیا جائے یا پاک زمین میں دفن کر دیا جائے تاکہ قرآنی آیات اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو بے ادبی وبے حرمتی سے بچایا جا سکے۔ یہ جائز نہیں کہ انہیں کوڑے کے ڈرموں یا بازاروں میں پھینک دیا جائے یا انہیں لفافوں کے طور پر یا کھانے کے لیے دسترخوان وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے کیونکہ ان تمام امور میں بے ادبی وبے حرمتی اور عدم حفاظت ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

شریعت' حائضہ کو قرآن مجید پڑھنے سے نہیں روکتی

سوال کیا حائضہ کے لیے عرفہ کے دن دعاؤں کی ایسی کتابوں کو پڑھنا جائز ہے' جن میں قرآنی آیات بھی لکھی ہوتی ہیں؟

جواب حیض اور نفاس والی عورتوں کے لیے مناسک حج کے بارے میں لکھی ہوئی دعائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ

صحیح قول کے مطابق ان کے قرآن مجید پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسی کوئی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے، جو حیض اور نفاس والی عورتوں کو قرآن مجید پڑھنے سے روکتی ہو۔ البتہ جنبی شخص کے لیے قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے [1] اور حیض ونفاس والی عورتوں کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

«لاَ تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الجنب والحائض ... الخ، ح:۱۳۱)

"حائضہ اور جنبی قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔"

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ یہ اسماعیل بن عیاش کی حجازیوں سے روایت ہے اور وہ حجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہے، لیکن اس کے باوجود حائضہ عورت کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید زبانی پڑھے اور اسے ہاتھ نہ لگائے، جب کہ جنبی غسل کیے بغیر زبانی یا دیکھ کر کسی طرح بھی نہیں پڑھ سکتا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جنابت کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے اور اس کے لیے فوراً غسل کرنا ممکن ہوتا ہے اور پھر معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جب چاہے غسل کر لے اور اگر غسل کرنے سے عاجز ہو تو تیمم کر لے اور نماز اور قرآن پڑھ لے، لیکن حیض اور نفاس والی خواتین کا معاملہ ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ ان کا معاملہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے، وہ جب حیض اور نفاس سے پاک ہوں گی تو غسل کریں گی اور ظاہر ہے کہ حیض اور نفاس میں کئی دن لگ جاتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ بھول نہ جائیں اور پھر قرآن پڑھنے اور قرآن مجید سے احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ خواتین جب قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں تو ان کتابوں کو پڑھنا تو بالاولیٰ جائز ہو گا جن میں آیات واحادیث پر مشتمل دعائیں ہوتی ہیں۔ یہی بات درست اور علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قاری قرآن کے لیے طہارت

سوال کیا اس مدرس کے لیے جو اپنے شاگردوں کو قرآن مجید پڑھاتا ہو، یہ واجب ہے کہ وہ طاہر ہو یا اس کے لیے طہارت شرط نہیں ہے؟

جواب مدرس اور غیر مدرس سب کے لیے حکم ایک ہی ہے کہ وہ طہارت کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں۔ جمہور اہل علم جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں، کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

«لاَ يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:۷۹۳ وسنن الدارقطني، ح:۴۳۳)

"قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔"

---

[1] مسند احمد: 110/1

یہ حدیث جید الاسناد ہے۔ اسے امام ابو داود نے (مراسیل میں) اور دیگر کئی محدثین نے متصل اور مرسل روایت کیا ہے اور اس کے کئی طرق ہیں' جو اس کی صحت واتصال پر دلالت کناں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔ ((واللّٰہُ وَلی التوفیق))

——— شیخ ابن باز ———

قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا کثرت سے ذکر

سوال قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر' کثرت سے کیوں کیا گیا ہے اور اکثر سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے کیوں استشہاد کیا گیا ہے؟

جواب موسیٰ علیہ السلام اولوا العزم پیغمبر ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں ہم کلامی کے شرف سے نوازا' بہت سے معجزات سے سرفراز کیا' فرعون کی طرف انہیں مبعوث فرمایا اور انبیا کی تکذیب کرنے والے ان کے اس دشمن کو ہلاک کر دیا۔ پھر بنی اسرائیل پر یہ انعام فرمایا کہ انہیں ان کے اس دشمن سے نجات دی' بنی اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام سنایا' انہیں معجزات دکھائے' انہیں اپنے ہم عصر لوگوں پر فضیلت دی لیکن اس سب کچھ کے باوجود انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حالانکہ وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے تھے' جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے' لہٰذا قرآن مجید انہیں زجر وتوبیخ کرتا ہے کہ انہوں نے علم کے باوجود عمل کیوں نہیں کیا اور حق کو پہچاننے کے باوجود اسے قبول کیوں نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کا تذکرہ کثرت سے کیا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حیض ونفاس والی خواتین کا قرآن مجید پڑھنا

سوال فضیلۃ الشیخ! میں سونے سے پہلے قرآن کریم کی کچھ سورتیں پڑھنے کی عادی ہوں' لیکن مخصوص ایام میں نہیں پڑھ سکتی تو کیا یہ جائز ہے کہ میں ان سورتوں کو کسی کاغذ پر لکھ لوں اور ان ایام میں (قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کی بجائے) اس کاغذ سے دیکھ کر پڑھ لیا کروں؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق حیض اور نفاس والی خواتین کے لیے قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' لیکن وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں بلکہ کسی پاک کپڑے وغیرہ سے پکڑیں۔ اسی طرح جس کاغذ وغیرہ میں قرآن لکھا ہوا ہو اسے بھی بوقت ضرورت کپڑے وغیرہ سے پکڑا جا سکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

غیر طاہر کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال اندرون اور بیرون ملک یہ دیکھا گیا ہے کہ مدارس کے طلبہ پیشاب کرنے کے بعد وضو کیے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ مدارس میں یہ عادت عام ہے حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَا یَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾ (الواقعة: 79/56) اور رسول

اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ اِلاَّ طَاهِرٌ ﴾ تو سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو باوضو ہاتھ لگانے میں کیا حکمت ہے اور کیا جو شخص بے وضو ہاتھ لگائے گا وہ گناہ گار ہو گا؟

جواب امور طلبہ کے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ وہ انہیں ہر اس چیز کی عملی تعلیم دیں، جو ہر عبادت کے لیے واجب ہے، انہی عبادات میں سے، دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے کہ یہ طہارت کاملہ پر موقوف ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی تعلیم دینے والے مدرسین پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ ہر سبق کے آغاز میں طلبہ کی راہنمائی فرمائیں اور جو بے وضو ہو اس سے وضو کرائیں۔ الحمد للہ! اب ہر مدرسے میں دن رات ہر وقت پانی وافر مقدار میں موجود ہے اور مدرسہ میں داخل ہونے والا ہر بچہ شروع ہی سے وضو کرنے کا طریقہ بھی جانتا ہے اور سائل نے جو دلائل خود ہی ذکر کیے ہیں وہ اس بارے میں کافی ہیں کہ قرآن مجید جو کہ پاک کلام، اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے، کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خود ہی فرمایا ہے کہ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں اور پھر اس کے بعد یہ ذکر فرمایا ہے کہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اور پاک سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک اور حدث اکبر و اصغر سے پاک ہوں، کیونکہ عموم دلائل کا یہی تقاضا ہے اور اگر "کتاب مکنون" سے مراد وہ کتاب ہے کہ جس کے قریب صرف فرشتے ہی جاتے ہیں تو قرآن بھی اسی کی فرع ہے، لہٰذا اسے بھی صرف وہی ہاتھ لگائے جو باطنی اور ظاہری طور پر دونوں طرح پاک ہو۔ (واللہ اعلم)

—— شیخ ابن جبرین ——

حدث اصغر والا قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے

سوال حدث اصغر والے کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے، راہنمائی فرمائیں؟

جواب حدث اصغر والے کے لیے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ جواز قراءت کے لیے یہ شرط نہیں کہ انسان طاہر ہو، اور اگر کوئی انسان جنبی ہو تو اس کے لیے غسل کیے بغیر قرآن مجید کو پڑھنا مطلقاً جائز نہیں ہے، لیکن وہ قرآن مجید کے الفاظ پر مشتمل ذکر کر سکتا ہے مثلاً ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ پڑھ سکتا ہے، مصیبت کے وقت ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ پڑھ سکتا ہے یا قرآن کریم سے ماخوذ اس طرح کے دیگر اذکار پڑھ سکتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کیسٹیں کاغذ کی طرح نہیں

سوال کیا وہ کیسٹیں جو قرآنی آیات اور بعض احادیث شریفہ پر مشتمل ہوں، انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینکنا جائز ہے؟

جواب یہ کیسٹیں جو احادیث نبویہ یا آیات کریمہ پر مشتمل ہوں، ان میں آیات و احادیث نظر ہی نہیں آتیں۔ یہ تو صرف آواز کا اتار چڑھاؤ (لہریں) ہوتی ہیں۔ جب کیسٹ ٹیپ ریکارڈر میں لگی چرخی پر گھومتی ہے، تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے لہٰذا کیسٹ کے لیے وہ احکام نہیں ہوں گے، جو اس کاغذ کے ہیں، جس پر قرآن یا احادیث لکھی ہوں، لہٰذا انسان کیسٹ کو جہاں بھی رکھ دے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مقصود بے ادبی و بے حرمتی نہ ہو۔ اس طرح بیت الخلاء میں بھی ساتھ لے جانے

میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آیات واحادیث کیسٹ پر ظاہر اور نمایاں نہیں ہوتیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تبرک کے لیے گاڑی وغیرہ میں قرآن مجید رکھنا

سوال بعض لوگ گھروں کے کمروں' ہوٹلوں اور دفتروں' وغیرہ میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ لکھ کر لٹکا دیتے ہیں اسی طرح ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں وغیرہ میں آیت ﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾ لکھ کر لٹکا دی جاتی ہے' تو سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح آیات کا لکھ کر لٹکانا بھی ان تعویذات کے قبیل سے ہے' جو شرعاً ممنوع ہیں؟ یاد رہے! لوگوں کا اس سے مقصود برکتوں کا حصول اور شیطانوں کو دفع کرنا ہوتا ہے' نیز اس سے مقصود بھولنے والے کو یاد دہانی اور غافل کو تنبیہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ اور کیا برکت کی نیت سے گاڑی میں قرآن مجید رکھنا بھی تعویذ کے قبیل سے ہو گا؟

جواب اگر اس سے مقصود لوگوں کو یاد دہانی کرانا اور ایسے امور کی تعلیم دینا ہے' جو ان کے لیے منفعت بخش ہوں' تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس سے مقصود شیطانوں اور جنوں سے محفوظ رہنا ہو' تو مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں' اسی طرح برکت کے لیے گاڑی وغیرہ میں قرآن مجید رکھنے کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ یہ مشروع ہے۔ اور اگر گاڑی میں قرآن مجید اس لیے رکھا جائے کہ اسے بعض اوقات پڑھ لیا جائے یا بعض دیگر سوار اسے پڑھ لیں تو یہ ایک اچھی بات ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

دفتروں میں آیات کو لٹکانا

سوال کیا دفتروں میں بعض قرآنی آیات کو لٹکانا جائز ہے؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ ان کا حکم بھی وہی ہے جو تصویروں کا ہے؟

جواب تصویروں کا لٹکانا تو جائز نہیں ہے البتہ یاد دہانی کے لیے دفتروں میں آیات اور احادیث کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں۔ ((واللہ ولی التوفیق))

——— شیخ ابن باز ———

نمازی کے پاس بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت

سوال کیا مسجد میں اس وقت بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے' جب پاس ہی کچھ نمازی مسجد میں نفل پڑھ رہے ہوں؟

جواب مسجد میں بلند آواز سے قرآن مجید اس وقت نہیں پڑھنا چاہیے' جب نمازیوں کی نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو' اسی طرح مسجد کے علاوہ بھی جب کسی جگہ لوگ نماز یا قرآن مجید پڑھ رہے ہوں تو سنت یہ ہے کہ ان کے پاس بلند آواز سے قرآن مجید نہ پڑھا جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن کچھ لوگوں کے پاس گئے جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور بلند آواز سے قرآن مجید کی قراءت کر رہے تھے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا»(سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، ح: ١٣٣٢ ومسند أحمد: ٣/ ٩٤)

"خبردار! بلاشبہ تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشیاں کرتا ہے لہٰذا ایک دوسرے کو تکلیف ہرگز نہ دو۔"

—— شیخ ابن باز ——

نماز پڑھنے والے کے پاس بلند آواز سے قراءت

سوال کیا اسلام کسی مسلمان یا مسلمانوں کی جماعت کے لیے اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ وہ بلند آواز سے قرآن مجید یا کوئی اور چیز پڑھیں جب کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں؟

جواب اسلام اس بات کو جائز قرار نہیں دیتا کہ مسجدوں میں اس وقت بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر کیا جائے یا کوئی دنیوی بات کی جائے' جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں کیونکہ اس طرح ان کی نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے [1] اور اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت یا ذکر اس وقت کرے جب جماعت کھڑی ہو تو وہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتا اور پھر بلند آواز سے تلاوت یا ذکر کرکے مسلمانوں کو تشویش میں بھی مبتلا کرتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ریڈیو سے قرآن مجید سننا

سوال ریڈیو سے قرآن مجید سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ریڈیو تو ایک آلہ ہے اس کے بارے میں تو کوئی حکم نہیں ہے بلکہ حکم اس چیز کا ہے جو اس سے نشر کی جاتی ہے لہٰذا ریڈیو سے اگر قرآن مجید یا اللہ کی شریعت کے احکام یا ایسے مواعظ جن سے دلوں میں گداز پیدا ہوتا ہو یا ایسی سچی سیاسی خبریں جن سے لوگ' افراد اور ملکوں کے حالات معلوم کر سکیں اور وہ دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں صحیح موقف اختیار کر سکیں یا اس سے ایسی تجارتی خبریں نشر کی جائیں' جن سے لوگ ایسے امور کو پہچان سکیں جو معیشت کے حوالہ سے مفید اور منفعت بخش ہوں یا اس طرح کی دیگر اچھی باتیں نشر کی جائیں تو پھر ریڈیو کو سننا بہتر ہے بلکہ کبھی کبھی اسے سننا واجب بھی ہو جاتا ہے اور اگر ریڈیو سے ایسے فحش گانے نشر کیے جائیں' جن میں بے شرمی و بے حیائی کی باتیں ہوں یا ایسی جھوٹی سیاسی خبریں نشر کی جائیں' جن سے مقصود حقائق کو بدلنا' لوگوں کو دجل وفریب میں مبتلا کرنا اور جھوٹ' گناہ اور بہتان کے ذریعے سے لوگوں کے جذبات کو بھڑکانا ہو تو اس طرح کی باتوں کو نشر کرنا باطل ہے لہٰذا ایسی باتوں سے نہ تو سکوت اختیار کرنا چاہیے اور نہ انہیں سننا چاہیے الا یہ کہ ان جھوٹی خبروں' فاسد آراء اور باطل اقوال کے سننے والے انہیں اس لیے سنیں کہ وہ ان کے جھوٹ اور دجل وفریب کو واضح کر سکیں اور امت کو ان کی تباہ کاریوں سے بچا سکیں اور ان لوگوں کو محفوظ رکھ سکیں جن کے ان کی چکنی چپڑی باتوں سے مبتلائے فریب ہونے کا اندیشہ ہو۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ

[1] ابو داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، حديث: ١٣٣٢ ومسند أحمد: ٣/ ٩٤

فتویٰ کمیٹی

ترتیب نزولی

سوال قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کی ترتیب کیسے مکمل ہوئی؟ نیز قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت کون سی ہے؟

جواب قرآن کریم کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ خود ہی یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں شامل کر دو۔ سورتوں میں سے بعض کی ترتیب توقیفی ہے اور بعض کی اجتہادی' یعنی جن سورتوں کی ترتیب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے وہ توقیفی ہے مثلاً سورۂ بقرہ اور آل عمران کہ نبی ﷺ ہمیشہ انہیں ملا کر پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح آپ سورۃ الاعلیٰ اور الغاشیہ کو اور الجمعہ اور المنافقون کو بھی ہمیشہ ملا کر پڑھا کرتے تھے' یعنی جن سورتوں کی ترتیب نبی ﷺ سے ثابت ہے وہ توقیفی ہے اور جن کی ترتیب نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے ان کی ترتیب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد سے کام لیا ہے مگر ہمیں اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ اجتہاد سے اعراض کریں بلکہ ہمیں قرآن کریم کی موجود ترتیب ہی کی پابندی کرنی چاہیے۔

رہی یہ بات کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی؟ تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ ۵/ ۳)

شیخ ابن عثیمین

ضاد کا مخرج

سوال ضاد کا مخرج کیا ہے؟ اگر اسے اصلی مخرج سے ادا کیا جائے تو اس کی آواز کس طرح ظاہر ہو گی۔ پاک و ہند میں کئی لوگ اسے "غدواد" یا "دواد" دال مفخمہ کے مشابہ' مثلاً ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ کو ((ولاغدوا لین)) یا ((ولا الدوا لین)) پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ اسے ظاء کے مشابہ پڑھتے ہیں جب کہ مخرج کے اعتبار سے ضاد اور ظاء کے تلفظ میں واضح فرق ہے۔ پہلے گروہ نے فتویٰ دیا ہے کہ دوسرے گروہ کے پیچھے نماز جائز نہیں یا اس طرح پڑھنے کی صورت میں کم از کم اجر و ثواب میں کمی ضرور ہو جاتی ہے۔

تو اے گروہ علماء حق مبین! ضاد کے مخرج کو اور اس کے اور ظاء کے فرق کو واضح کریں' شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتائیں اور یہ فرمائیں کہ مذکورہ گروہوں میں سے کس کا موقف مبنی بر حق و صواب ہے؟

جواب اوّلاً: ضاد کا مخرج زبان کے دائیں یا بائیں کنارے سے یاء کے مخرج کے بعد اور لام کے مخرج سے پہلے داڑھوں کے ساتھ ملنے والے حصہ سے ہے۔ ضاد کو منہ کے ابتدائی حصہ سے زبان کے قریب ترین کنارے سے نکالا جاتا ہے اور اس کی آواز' دال مفخمہ اور ظاء معجمہ کے قریباً بین بین ہے لہٰذا ضاد کی جو آواز سوال میں ذکر کی گئی ہے وہ غلط ہے۔

ثانیاً: جو شخص حرف ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے نکالنے کی قدرت رکھتا ہو' تو اس کیلئے یہ واجب ہے کہ وہ اسے صحیح مخرج

سے نکالے اور جو شخص ضاد یا کسی بھی دوسرے حرف کو زبان سے صحیح طور پر ادا کرنے سے عاجز ہو تو وہ معذور ہے اور اس کی نماز صحیح ہے۔ لیکن وہ اپنے جیسے یا اپنے سے بھی کم تر لوگوں کی امامت کروا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ ضاد اور ظاء کے تلفظ میں اس قدر معافی ہے' جو کسی دوسرے حرف میں نہیں ہے کیونکہ ان کا مخرج قریب قریب ہے اور نطق کے اعتبار سے دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے جیسا کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی وضاحت فرمائی ہے مثلاً حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نجات دینے والی سورتیں

سوال میرے پاس دارالحدیث مدینہ منورہ کے بعض طلبہ ایک نسخہ لے کر آئے جسے "سور منجیات" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا اور اس میں سورۂ کہف' سجدہ' یٰس' فصلت' دخان' واقعہ' حشر اور ملک لکھی ہوئی تھیں۔ اور ان طلبہ نے بیان کیا کہ اس نسخہ کی بہت سی کاپیاں حرم مکہ ومدینہ اور دیگر مقامات پر تقسیم کی گئی ہیں' سوال یہ ہے کہ کیا ایسی کوئی دلیل ہے' جس سے ان سورتوں کا یہ نام اور یہ تخصیص ثابت ہو؟

جواب فضیلت میں قرآن مجید سارے کا سارا ایک سورت کی طرح' اور اس کی آیات سینوں کے لیے شفا ہیں' مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ جو قرآن سے وابستہ ہو جائے اور اس کی ہدایت کو اختیار کرلے تو یہ اس کے لیے کفر' ضلالت اور عذاب الیم سے نجات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول' عمل اور تقریر سے دم کے جواز کو واضح فرمایا ہے لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ان آٹھ سورتوں کی کوئی تخصیص کی ہو یا انہیں منجیات کے نام سے موسوم فرمایا ہو' بلکہ ثابت یہ ہے کہ آپ تینوں معوذات یعنی سورۂ اخلاص' الفلق اور الناس کے ساتھ اپنے آپ پر دم کیا کرتے تھے۔ آپ انہیں تین بار پڑھتے' ہر بار پڑھنے کے بعد دونوں ہتھیلیوں پر پھونک مارتے اور انہیں اپنے چہرے اور جہاں تک ہو سکتا اپنے سارے جسم پر پھیرتے تھے۔ [1] سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک کافر قبیلے کے سردار کو دم کیا تھا جسے بچھو نے ڈسا تھا تو وہ اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس کی تائید فرمائی۔ [2] آپ نے سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے کی بھی تلقین فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت اسے پڑھے تو اس رات شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا۔ [3] جو شخص سوال میں مذکور سورتوں کو منجیات کے نام سے مخصوص کرلے وہ جاہل اور بدعتی ہے اور جو شخص دیگر سورتوں کو چھوڑ کر انہیں اس ترتیب سے جمع کرلے' خواہ اس کا مقصد نجات کی امید ہو یا حفظ کرنا یا ان سے تبرک حاصل کرنا' تو وہ اس مصحف عثمانی کی ترتیب کی مخالفت کی وجہ سے برا اور نافرمانی کا کام کرتا ہے' جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ اور پھر اس طرح وہ قرآن کریم کے اکثر حصہ کو ترک کر دیتا ہے اور بعض حصے کی وہ تخصیص بیان کرتا ہے' جو رسول اللہ ﷺ سے یا کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے' لہٰذا واجب ہے کہ اس عمل سے منع کیا جائے اور ان مطبوعہ نسخوں کو ختم کر دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

---

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل المعوذات' حدیث: 5017

[2] صحیح بخاری' الاجارۃ' باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب' حدیث: 2276

[3] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل سورۃ البقرۃ' حدیث: 5010

مصحف عثمانی کے رسم الخط میں تبدیلی

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

اسلامی فقہی کونسل نے اس خط کو ملاحظہ کیا جسے شیخ ہاشم وہبۃ عبدالعال نے جدہ سے ارسال کیا ہے اور جس میں انہوں نے عثمانی رسم الخط کی املائی رسم الخط میں تبدیلی کے مسئلہ کا ذکر کیا ہے تو کونسل نے اس موضوع پر گفتگو بھی کی اور اس موضوع سے متعلق کونسل کبار علماء ریاض کی قرار داد نمبر:۷۱ مجریہ ۱۳۹۹/۱۰/۲۱ھ کو بھی ملاحظہ کیا جس میں بتایا گیا ہے کہ درج ذیل اسباب کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید کی عثمانی رسم الخط میں کتابت ہی کو باقی رکھا جائے:

① یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید کی عثمانی رسم الخط میں کتابت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی اور انہوں نے کاتبین مصحف کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کی کتابت ایک معین رسم الخط میں کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد سے لے کر اب تک کے مسلمانوں کا بھی اسی رسم الخط پر اتفاق ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/٢٤٧ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:١/٩٦)

"میری اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔"

سیدنا عثمان' سیدنا علی اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور ان کے اجماع کے مطابق عمل کی وجہ سے یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن مجید کی کتابت عثمانی رسم الخط ہی میں کی جائے۔

② عثمانی رسم الخط کی بجائے قراءت میں آسانی کے مقصد سے موجودہ املائی رسم الخط کے اختیار کرنے سے ایک اور تبدیلی بھی آئے گی اور وہ یہ کہ املائی رسم الخط اصطلاح کی ایک قسم ہے اور اس میں کسی دوسری اصطلاح کی وجہ سے تبدیلی ممکن ہے اور بعض حروف کی تبدیلی یا کمی بیشی کی وجہ سے قرآن مجید میں تحریف بھی پیدا ہو سکتی ہے' جس کی وجہ سے قرآن مجید میں وہ اختلاف رونما ہو جائے گا' جو صدیاں گزرنے کے باوجود بھی پیدا نہ ہو سکا اور پھر اس سے دشمنان اسلام کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے کا موقع ملے گا جب کہ اسلام شر کے ذرائع اور فتنہ کے اسباب کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔

③ اگر قرآن مجید کی کتابت کے لیے عثمانی رسم الخط کی پابندی نہ کی جائے' تو خدشہ ہے کہ کتاب اللہ لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گی اور ہر انسان اسے اپنی فکر اور اپنی سوچ کے مطابق لکھنے لگ جائے گا' کوئی اسے لاطینی رسم الخط میں لکھے گا اور کوئی کسی دوسرے رسم الخط میں۔ اور اس میں بھی جو خطرات ہیں وہ مخفی نہیں اور دفع مفاسد' جلب مصالح سے زیادہ بہتر ہے۔

اسلامی فقہی کونسل نے جب سعودی عرب کے کبار علماء کی کونسل کے اس فیصلے کو دیکھا تو کونسل نے بالاتفاق اس کی تائید کی کہ قرآن مجید کی کتابت کے لیے عثمانی رسم الخط کو بدلنا جائز نہیں ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ اس رسم الخط ہی کو باقی رکھا جائے تاکہ نص قرآنی میں کسی تبدیلی یا تحریف کے وقوع پذیر نہ ہو سکنے کی یہ زندہ جاوید دلیل برقرار رہے اور صحابہ

کرام اور ائمہء سلف رضی اللہ عنہم کی بھی اتباع ہو سکے۔

جہاں تک اس نسل نو کے لیے جو مروج رسم الخط کی عادی ہے' قرآن مجید کی تعلیم اور قراءت کو آسان کرنے کی ضرورت کا تعلق ہے' تو یہ ضرورت مدرسین کی راہنمائی سے پوری ہو سکتی ہے کیونکہ تعلیم قرآن کے سلسلہ میں بھی انسان استاد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور استاد ہی بچوں کو وہ کلمات بھی سکھاتا ہے جن کا رسم الخط مصحف عثمانی میں مروجہ قواعد املاء کے رسم الخط سے مختلف ہوتا ہے خصوصاً جب کہ ان کلمات کی تعداد قلیل ہو اور قرآن مجید میں ان کا استعمال تکرار اور کثرت کے ساتھ ہوا ہو مثلاً کلمہ "الصلٰوة" اور "السمٰوات" وغیرہ تو بچہ جب عثمانی رسم الخط میں کسی کلمہ کو سیکھ جائے گا تو اس کا پڑھنا بھی اس کے لیے آسان ہو جائے گا' اسی طرح "هٰذَا" اور ذٰلِکَ کے کلمات بھی اگرچہ مروجہ قواعد املاء کے مطابق نہیں ہیں لیکن بچوں کو اگر ان کے بارے میں بتا دیا جائے تو پھر انہیں ان کے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

واللہ ولی التوفیق' و صلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی و علی آلہ وسلم تسلیماً کثیراً

دستخط	دستخط
عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف
چیئرمین فقہی کونسل	وائس چیئرمین

قرآن مجید کی تلاوت کے بعد "صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم" کہنا

سوال قرآن کریم کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد " صدق اللہ العظیم " کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کلمہ کو کثرت کے ساتھ لوگ استعمال کرنے لگے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اس کے پڑھنے کے لیے اہل علم کو اس کی کوئی دلیل نہیں ملی لہٰذا اسے معمول نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں داخل ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

اس کلمہ کا استعمال اگر بدعت نہیں تو بدعت کے مشابہ ضرور ہے خصوصاً جب کہ اسے ہر قراءت کے بعد پڑھا جائے' لیکن بعض لوگ تو اس کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ وہ نماز میں بھی اسے پڑھنے لگے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یا سلف امت سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد صدق اللہ العظیم پڑھتے ہوں' لوگوں میں اس کلمہ کا عام اور مشہور ہو جانا اور بعض لوگوں کا اسے مستحسن سمجھنا اس کے مشروع یا مستحسن یا لازمی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے' البتہ تلاوت کے دوران میں اگر کوئی تعجب انگیز مقام آئے اور انسان کتاب اللہ کی تعظیم کے پیش نظر بعض اوقات یہ کہہ دے کہ "صدق اللہ العظیم" تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن ہر تلاوت سے فراغت کے وقت اسے معمول بنا لینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ تتبع' اہتمام اور اہل علم کے ساتھ مذاکرہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے۔

شیخ ابن باز

سورۃ الضحیٰ اور اس کے بعد کی سورتوں کے بعد اللہ اکبر کہنا

سوال میں نے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر بعض قاریوں سے سنا ہے کہ وہ سورۃ الضحیٰ کی تلاوت کے بعد اللہ اکبر کہتے ہیں تو کیا یہ مشروع ہے اور اس سورۃ کے علاوہ دیگر سورتوں کے لیے بھی یہ حکم ہے اور کیا نماز میں بھی ان کی قراءت کے بعد اللہ اکبر کہنا جائز ہے؟

جواب قاریٔ مکہ عبداللہ بن کثیر جو کہ قراء سبعہ میں سے ایک ہیں' کی قراءت میں اللہ اکبر کہنا وارد ہے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کی سند سے یہ روایت کیا ہے کہ سورۃ الضحیٰ سے لے کر سورۃ الناس تک ہر سورت کے بعد اللہ اکبر کہا جائے' لیکن اہل حدیث سے یہ تکبیر منقول نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مرفوعاً ثابت نہیں ہے' ابن کثیر کے علاوہ قراء میں سے کسی اور نے بھی اسے ذکر نہیں کیا لہٰذا جو ابن کثیر کی قراءت سے پڑھے وہ تکبیر کہہ لے لیکن تکبیر کہنے والے یا نہ کہنے والے کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

چارپائی پر لیٹ کر قرآن پڑھنا

سوال کیا انسان کے لیے چارپائی پر لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہاں! چارپائی پر لیٹ کر بھی قرآن پڑھنا جائز ہے لیکن جنبی کے لیے غسل کے بغیر قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قراءت قرآن سے مقصود' تدبر اور عمل ہے

سوال ایک شخص الحمدللہ قرآن مجید کی قراءت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے' تو کیا اس کے لیے قرآن مجید سے دیکھ کر کثرت سے تلاوت کرنا افضل ہے یا کیسٹ سے کسی قاری کی تلاوت سننا افضل ہے؟

جواب افضل یہ ہے کہ آدمی وہ عمل کرے' جس سے دل کی زیادہ اصلاح ہو اور دل زیادہ متاثر ہو خواہ یہ خود تلاوت کرنے سے ہو یا تلاوت سننے سے۔ کیونکہ قراءت سے مقصود تدبر' معنی و مفہوم کو سمجھنا اور کتاب اللہ کے مطابق عمل کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص ۳۸/ ۲۹)

"یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے' بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑ سکیں"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ ﴾ (الاسراء ۱۷/ ۹)

”یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں‘ اس بات کی خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هُدًى وَشِفَآءٌ ﴾ (فصلت٤١/ ٤٤)

”کہہ دیجئے! جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ قرآن) ہدایت اور شفاء ہے۔“

——— شیخ ابن باز ———

ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن مجید کے نسخوں کی تقسیم کے بارے میں فقہی کونسل کی قرارداد

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ، أَمَّا بَعْد:

اسلامی فقہی کونسل نے اپنے ساتویں اجلاس میں جناب محمود شیت خطاب ممبر اسلامی فقہی کونسل کے خط پر غور کیا جو ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن کریم کے نسخوں کی تقسیم سے متعلق ہے۔ جناب محمود شیت خطاب اسے مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی رائے میں ایسا کرنا قرآن مجید کی بے حرمتی ہے۔

موضوع کے مناقشہ اور تبادلہ آراء کے بعد کونسل نے یہ طے کیا کہ مصلحت اس میں ہے کہ ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن مجید کے نسخوں کو رکھا جائے تاکہ فائدہ عام ہو اور شاید اس سے وہ بھی فائدہ اٹھا لے جس نے پہلے قرآن مجید پڑھا یا دیکھا نہ ہو۔ کونسل نے رابطہ کے جنرل سیکرٹری سے بھی کہا ہے کہ وہ جناب محمود شیت خطاب کی طرف خط لکھیں اور قرآن مجید کے حوالہ سے ان کی دینی غیرت پر شکریہ بھی ادا کریں اور کونسل کی رائے سے انہیں مطلع بھی کریں۔ واللہ ولی التوفیق‘ و صلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا و نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم۔

لوگوں سے قرآن مجید کے ساتھ گفتگو

سوال کیا قرآن مجید کے ساتھ کلام کرنا جائز ہے مثلاً اگر کوئی شخص سلام کہے تو اسے جواب دیا جائے ”سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ“ جس طرح کہ اس عورت کا قصہ ہے جسے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے؟

جواب اہل علم کے ہاں معروف یہ بات ہے کہ کلام کی جگہ قرآن کو استعمال نہ کیا جائے کیونکہ کلام کی اپنی شان ہے اور قرآن کی اپنی شان‘ لہٰذا کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ کلام کے لیے قرآن مجید کو استعمال کرنا مکروہ ہے لہٰذا سلام کا جواب عام دستور کے مطابق دینا چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ ہی کہا کرتے تھے۔ اسی طرح دوست احباب کی مزاج پرسی کے لیے بھی دستور کے مطابق عبارتیں استعمال کی جائیں۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن کریم کی تلاوت کے بعد "صدق اللہ العظیم" کہنا

سوال قرآن کریم کی تلاوت کے بعد "صدق اللہ العظیم" کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب "صدق اللہ العظیم" ایک ایسا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ثناء شمار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ثناء کا کلمہ عبادات میں سے شمار ہوتا ہے کیونکہ اس پر انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے لیکن انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عبادت کی کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرے، جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم نہ دیا ہو۔

تلاوت قرآن کے اختتام پر "صدق اللہ العظیم" کہنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا اور ہمارے علم کی حد تک رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کسی سے یہ ثابت نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ کو سورۃ النساء سنائیں، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ ﴾ (النساء٤/ ٤١)

"بھلا اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان گواہوں پر آپ کو گواہ بنا دیں گے۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حَسْبُكَ" (بس کافی ہے) اور اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت کو بند کر دیا۔ (1) نبی ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ آپ نے اس آیت یا کسی دوسری آیت کی تلاوت کے بعد کہا ہو "صدق اللہ العظیم" اور نہ ہی آپ ﷺ نے یہ کلمہ کہنے کا حکم دیا ہے لہٰذا آدمی کو یہ کلمہ نہیں کہنا چاہیے۔ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ کلمہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ قُلْ صَدَقَ ٱللَّهُ فَٱتَّبِعُوا۟ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ﴾ (آل عمران٣/ ٩٥)

"کہہ دیجئے! اللہ نے سچ فرمایا، پس دین ابراہیم کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے۔"

سے ماخوذ ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو نبی ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ آپ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں تک یہ بات پہنچا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی طرف جو وحی بھیجی ہے، اس میں وہ سچا ہے۔ ہم کسی مسلمان سے یہ نہیں کہتے کہ وہ "صدق اللہ العظیم" نہ کہے۔ بلکہ ضرور کہے، لیکن اسے دل میں کہے اور زبان سے بھی کہہ سکتا ہے مگر تلاوت کے اختتام کے ساتھ اس کلمہ کی تعیین اور تخصیص نہ کرے کیوں کہ یہ شریعت میں ثابت نہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ یہ واجب ہے کہ انسان اپنے دل اور زبان سے کہے "صدق اللہ العظیم" اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی بات میں سچا نہیں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾ ﴾ (النساء٤/ ٨٧)

"اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟"

---

(1) صحیح بخاری، فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقارئ: حسبک، حدیث: 5050- صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل استماع القرآن---، حدیث: 800

بہر حال مذکورہ بالا آیت قطعاً اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تلاوت کے اختتام پر انسان زبان سے "صدق اللّٰہ العظیم" کہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کسی ایک سورت کی زیادہ تلاوت کرنا

سوال کسی ایک سورت کی دوسری سورتوں کی نسبت زیادہ تلاوت کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً میں اکثر اوقات سورۂ مریم کی تلاوت کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں کیونکہ میں اسے تلاوت کرتے ہوئے بہت لطف و راحت محسوس کرتا ہوں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان کسی بھی سبب سے قرآن مجید کی کسی ایک سورت کو دوسری سورتوں سے ترجیح دے۔ یوں تو سارا قرآن ہی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے تو سارا قرآن ہی ایک جیسا ہے لیکن جلیل اور عظیم معانی پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے بعض سورتیں بعض سے افضل بھی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ: کتاب اللہ کی سب سے عظیم سورت' سورۃ الفاتحہ ہے اور سب سے عظیم آیت' آیۃ الکرسی ہے۔ [1]

ایک صحابی کو نبی ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا تھا تو وہ جب بھی قرآن (نماز کی امامت کے دوران میں) پڑھتے تو اسے سورۂ اخلاص کے ساتھ ختم کرتے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«سَلُوهُ لأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ»

"اس سے پوچھو کہ یہ ایسا کیوں کرتا ہے؟"

اس نے جواب دیا: اس لیے کہ یہ سورت' رحمٰن کی صفت پر مشتمل ہے لہٰذا میں اسے پڑھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللهَ يُحِبُّهُ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ أمته إلى توحيد الله، ح: ٧٣٧٥ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة "قل هو الله أحد" ح: ٨١٣)

"اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل "قل هو الله أحد"، ح: ٥٠١٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة "قل هو الله أحد"، ح: ٨١٢)

"یہ (سورۃ الاخلاص) قرآن مجید کے ایک ثلث کے برابر ہے۔"

لہٰذا اگر سائل سورۂ مریم پڑھنے کو زیادہ پسند کرتا ہے کہ اس میں عظیم و نافع واقعات بیان کیے گئے ہیں' اس میں آخرت میں جزا و سزا کا ذکر ہے' آیات کی تکذیب و تکفیر کرنے والے کا انکار ہے اور اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت آہنگ اور عظیم معانی عطا فرمائے ہیں' اس کی وجہ سے اگر سائل اس سورت کو پسند کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل فاتحۃ الکتاب' حدیث: 5006- صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب فضل سورۃ الکهف و آیۃ الکرسی' حدیث: 810

قرآن مجید کو سری طور پر پڑھنے والا

سوال الحمد للہ ! میں قرآن مجید بہت اچھے طریقے سے پڑھتا ہوں کہ مجھے تقریباً تقریباً قرآن مجید حفظ ہے لیکن میری مشکل یہ ہے کہ جب میں قرآن مجید سے دیکھے بغیر زبانی جہری طور پر قراءت کروں تو میں بہت بھولنے لگتا ہوں' تو سوال یہ ہے کہ کیا سری طور پر پڑھنے میں کوئی گناہ ہے اور کیا اس سے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے؟

جواب سری طور پر قرآن مجید پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جسے حسن اسناد کے ساتھ محدثین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ»(سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، ح:١٣٣٣ وجامع الترمذي، فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسأل الله به . . . الخ، ح:٢٩١٩)

"جہری طور پر قرآن مجید پڑھنے والا جہری طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے اور سری طور پر قرآن مجید پڑھنے والا سری طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید سری طور پر پڑھنا افضل ہے' جس طرح کہ سری طور پر صدقہ کرنا افضل ہے' البتہ اگر مصلحت اور حاجت کا تقاضا جہر کا ہو تو پھر جہری طور پر پڑھنا افضل ہے' جس طرح امام کو نماز پڑھاتے ہوئے اور خطیب کو لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے جہری طور پر پڑھنا پڑتا ہے لہٰذا اگر آپ کے لیے سری طور پر پڑھنا زیادہ نافع ہے تو یہ افضل ہے البتہ اگر آپ کے بھائیوں کو آپ سے سننے کی ضرورت ہو' تو اس صورت میں آپ دیکھ کر تلاوت کر لیا کریں تاکہ آپ سے غلطی نہ ہو یا اگر سامعین میں کوئی حافظ ہو جو غلطی کے بارے میں بتا سکے تو پھر زبانی پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

عیسائی کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال کسی عیسائی کے قرآن مجید یا قرآن مجید کے معانی کے ترجمہ کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلے کی بابت اہل علم میں اختلاف ہے' جب کہ اہل علم کا اس بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ عیسائیوں' یہودیوں اور دیگر تمام کافروں کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کو منع فرمایا کہ وہ دشمن کے علاقہ میں سفر کرتے ہوئے قرآن مجید کو ساتھ لے کر جائے۔ (1) آپ نے یہ اس لیے فرمایا تاکہ ان کے ہاتھ قرآن مجید کو نہ لگیں' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاتھ قرآن مجید کو نہیں لگنے چاہئیں' البتہ ان کے کانوں تک قرآن مجید کی تلاوت ضرور پہنچنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ﴾ (التوبۃ٩/٦)

(1) صحیح البخاری' الجهاد والسیر' باب کراهیة السفر بالمصاحف إلى أرض العدو' حدیث : 2990- و صحیح مسلم' الامارة' حدیث : 1869-

"اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سننے لگے"

یعنی ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تا کہ وہ قرآن مجید سن سکیں۔ لیکن ان کو قرآن مجید دیا نہ جائے۔ بعض اہل علم اس کے جواز کے بھی قائل ہیں خصوصاً جب کہ کافر کے مشرف بہ اسلام ہونے کی امید ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہرقل، عظیم روم کی طرف اپنے مکتوب گرامی میں یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی لکھا تھا:

﴿ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ ﴾

(آل عمران ٣/ ٦٤)

"کہہ دیجئے! اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی ہے) اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔" ①

ان اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ یہ عظیم آیت، کتاب اللہ کی آیت ہے اور نبی ﷺ نے اسے ہرقل کے نام اپنے مکتوب گرامی میں لکھا تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حجت نہیں ہے بلکہ اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کفار کی طرف خطوط میں کتاب اللہ کی ایک یا دو آیتوں کے لکھنے کا جواز ہے لیکن انہیں پورا قرآن مجید پکڑا دینا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے، البتہ اگر قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ کتابی صورت میں ہو تو کافر کے ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے یا جو شخص حالت طہارت میں نہ ہو اس کے ہاتھ لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ترجمہ کے لیے وہ حکم نہیں ہے جو قرآن مجید کے لیے ہے کیونکہ ترجمہ تو قرآن مجید کے معانی کی تفسیر ہے اور حکم قرآن، اس کے صرف عربی زبان میں لکھے ہوئے متن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ خود قرآن ہے لیکن اگر اس کے ساتھ ترجمہ بھی ہو تو اس کا حکم تفسیر کا ہوگا، اور تفسیر کے لیے حکم یہ ہے کہ بے وضو، مسلم اور کافر کے لیے اسے ہاتھ لگانا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ کتاب، قرآن مجید نہیں بلکہ کتب تفسیر میں سے شمار ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن کریم میں محکم و متشابہ

سوال قرآن کریم میں محکم و متشابہ سے کیا مراد ہے؟ سارے قرآن کو محکم ہی کیوں نہیں بنا دیا گیا تا کہ لوگ حق کے سوا کوئی اور تاویل کر ہی نہ سکیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں، ایک تو یہ کہ قرآن سارے کا سارا محکم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

① صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 7 و صحیح مسلم، الجهاد، باب:کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی هرقل ملک الشام یدعوه إلی الاسلام، حدیث: 1773-

﴿ كِتَٰبٌ أُحْكِمَتْ ءَايَٰتُهُۥ ﴾ (ھود ١١/ ١)

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ متشابہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا ﴾ (الزمر ٣٩/ ٢٣)

"اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں۔"

اس آیت میں تمام قرآن کے لیے ایک عام حکم بیان کیا گیا ہے۔ تمام قرآن کے لیے حکم عام کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید اپنے اخبار' احکام اور الفاظ وغیرہ کے اعتبار سے محکم اور متقن ہے اور متشابہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کمال' عمدگی' تصدیق اور ہم آہنگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے کہ قرآن مجید کے احکام و اخبار میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے بلکہ بعض مقامات سے بعض دیگر کے حق میں گواہی ملتی اور تصدیق ہوتی ہے۔ جن آیات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے انہیں سمجھنے کے لیے تدبر اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٨٢)

"بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے' اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔"

قرآن نے اپنا تیسرا وصف یہ بیان کیا ہے کہ اس کا بعض حصہ محکم اور بعض متشابہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ مُّحْكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ (آل عمران ٣/ ٧)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

محکم سے یہاں یہ مراد ہے کہ جس کے معنی واضح اور ظاہر ہوں کیونکہ اس کے بالمقابل جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ ہیں ﴿ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ "اور بعض متشابہ ہیں۔" اور لفظ کی تفسیر اس کے بالمقابل لفظ سے بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ تفسیر کا ایک اہم قاعدہ ہے جو ہر مفسر کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ لفظ کے معنی اس کے بالمقابل استعمال کیے گئے لفظ سے بھی واضح ہوتے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱنفِرُوا۟ ثُبَاتٍ أَوِ ٱنفِرُوا۟ جَمِيعًا ﴿٧١﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٧١)

"یا تو الگ الگ ہو کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔"

اس آیت میں "ثُبَاتٍ" کا لفظ مشکل تھا لیکن جب ہم اس کے بالمقابل استعمال کیے گئے لفظ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ "ثُبَاتٍ" کے معنی الگ الگ کے ہیں کیونکہ اس کے مقابل استعمال کیے گئے لفظ "جَمِيعًا" کے معنی اکٹھے کے ہیں۔ اس طرح ہم مذکورہ بالا آیت کے بارے میں کہیں گے کہ اس میں محکم کے معنی واضح اور غیر مشتبہ کے ہیں کہ انہیں عام و خاص سب لوگ جانتے ہیں جیسا کہ ﴿ وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ "اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔" اور اس طرح کے دیگر امور ہیں' جن کے معنی بالکل واضح ہیں۔

قرآن مجید کی بعض آیات متشابہ ہیں۔ متشابہ ان آیات کو کہتے ہیں کہ جن کے معنی بہت سے لوگوں سے مخفی ہوں کہ ان

کے معنی اللہ تعالیٰ اور علم میں دستگاہ کامل رکھنے والوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

''اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتے ہیں جو علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔''

یہ معنی قراءت وصل کے مطابق ہیں۔ یاد رہے کہ اس آیت کی قراءت میں سلف کے دو معروف قول ہیں۔ ایک یہ کہ ﴿ إِلَّا اللهُ ﴾ پر وقف کیا جائے اور دوسرا یہ کہ یہاں وقف نہ کیا جائے بلکہ وصل کیا جائے۔ بہر حال ان میں سے ہر قراءت مبنی بر دلیل ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سارے قرآن کو محکم کیوں نہیں بنا دیا' اس میں سے بعض کو متشابہ کیوں بنایا ہے؟ تو اس سوال کا جواب دو طرح سے ہے:

اولاً: معنی عام کے اعتبار سے تو سارا قرآن ہی محکم ہے جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کیونکہ متشابہ کو ہم محکم کی طرف لوٹا دیں گے تو اس کے معنی بھی واضح اور روشن ہو جاتے ہیں اور اس طرح سارا قرآن ہی محکم ہو جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ان مقامات کو جو متشابہ ہیں' جن پر غور و فکر اور تدبر کرنا پڑتا ہے اور انہیں محکم کی طرف لوٹانا پڑتا ہے' انہیں ایک حکمت کی وجہ سے نازل کیا ہے۔ حکمت یہ ہے کہ ان میں ابتلاء' امتحان اور آزمائش ہے کہ بعض لوگ ان متشابہ آیات کو قرآن مجید میں طعن و تشکیک اور فتنہ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس طرح یہ آیات ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء و امتحان بن جاتی ہیں' جس طرح یہ آیات قرآنیہ بعض لوگوں کے لیے امتحان و آزمائش کا سبب ہیں۔ اسی طرح آیاتِ کونیہ و قدریہ بھی بعض لوگوں کے لیے امتحان و آزمائش کا ذریعہ بنتی ہیں کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ شریعت پر عمل کے سلسلہ میں بعض اشیاء کو امتحان و آزمائش کے لیے مقرر کر دیتا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی کس طرح آزمائش کی جن کے لیے ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کو حرام قرار دے دیا تھا' اس میں ان کے لیے بڑی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن سطح آب پر مچھلیاں بڑی کثرت سے نمودار ہوتی تھیں کہ دوسرے دنوں میں اس قدر کثرت سے نظر نہیں آتی تھیں لیکن وہ لوگ اس آزمائش پر صبر نہ کر سکے' انہوں نے مشہور و معروف حیلہ سے کام لیا کہ جمعہ کے دن اپنے جال پانی میں ڈال دیتے تھے تاکہ ان میں مچھلیاں پھنس جائیں اور پھر ان مچھلیوں کو وہ اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے۔ اس حیلہ سازی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا ہی میں سخت سزا دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی آزمائش کی اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ﴾

(المائدۃ۵/ ۹٤)

''اے مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے شکار تک ان کے ہاتھوں کے سہولت سے پہنچنے سے انہیں حالت احرام میں آزمایا' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کا مظاہرہ کیا اور کسی بھی ایسے کام کا ارتکاب نہ کیا' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام قرار دیا تھا' اسی طرح شرعی آیات میں بھی کچھ متشابہ اشیاء ہوتی ہیں' جن میں بظاہر تعارض اور تضاد ہوتا ہے لیکن راسخ فی العلم لوگ جانتے ہیں کہ ان میں کس طرح تطبیق دیں جب کہ اہل فتنہ و شر ان آیات سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تعارض و تناقض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کو تکیہ بنانے کا حکم

سوال قرآن مجید کو تکیہ بنانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بلاشبہ قرآن مجید کو تکیہ کے طور پر استعمال کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے لہٰذا مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ قرآن مجید کو بے حرمتی سے بچائیں اور اس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کریں' بے حرمتی کرنے والوں سے اسے محفوظ رکھیں' اس طرح یہ بھی لازم ہے کہ اس طرح کے مفسد لوگوں سے مسجدوں کی بھی حفاظت کریں' مسجدوں کو ان سے بند رکھیں یا ان کی حفاظت کا انتظام کریں یا پھر قرآن مجید کی حفاظت کریں اور قرآن مجید کے نسخوں کو ان جاہل اور نافرمان لوگوں سے دور کسی اونچی جگہ پر رکھیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اجرت دے کر قرآن پڑھانا

سوال اجرت دے کر قرآن پڑھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص اجرت لے کر قرآن پڑھتا اور اس کا ثواب میت کی روح کو بخشتا ہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ جو اجرت پر پڑھے تو اس نے گویا اس کے ثواب کے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے' جس کی وجہ سے اس کا اجر باطل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے پاس تو کوئی چیز باقی ہی نہ رہی' جو وہ میت کو بخش سکے' پھر یہ عمل غیر مشروع بھی ہے' موت کے بعد جمع ہونا' قرآن پڑھنا اور میت کو ایصال ثواب کرنا اگر نیکی کا کام ہوتا تو سلف بھی اس طرح ضرور کرتے۔ آپ اگر حافظ نہیں ہیں اور قراءت کرتے ہوئے غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں' تو آپ کو چاہیے کہ اپنی قراءت کو درست کریں تاکہ صحیح طور پر قرآن مجید کی تلاوت کر سکیں اور جو غلطی قصد و ارادہ کے بغیر ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس کے لیے دو اجر ہیں

سوال میرا ایک قریبی عزیز ہے جو قرآن کریم کی تلاوت سے بہت محبت رکھتا ہے لیکن وہ عربی زبان اور قراءت کے اصولوں کو نہیں جانتا تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اسے چاہیے کہ قرآن مجید کی قراءت سیکھنے میں کوشش کرے' تدبر سے کام لے' جلد بازی نہ کرے اور اپنے سے زیادہ علم والے کو قرآن سنائے تاکہ اسے اس بات کا علم حاصل ہو جائے جس سے وہ جاہل ہے اور ناامید نہ ہو نبی ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے اسے اجر عظیم ملے گا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» (صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، ح:٥٠٢٧)

"تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے' جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان فرمایا ہے' نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ» (صحيح البخاري، التفسير، باب سورة عبس، ح:٤٩٣٧ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتعتع فيه، ح:٧٩٨ واللفظ له)

"قرآن مجید کے ماہر کو معزز و نیکو کار فرشتوں کا ساتھ نصیب ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھے' وہ اس پر گراں گزرتا ہو اور وہ پڑھتے ہوئے واضح طریقے سے تلاوت نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ

ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد کی ریاست عامہ کو درج ذیل سوال موصول ہوا۔

سوال میں نے مجلۃ العربی عدد ۲۳۷ بابت ماہ شعبان ۱۳۹۸ھ میں ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ کا ایک مقالہ پڑھا ہے جس کا موضوع تھا: "مطالعہ قرآن --- اعتراضات کا جواب' نئے زاویوں سے"

امید ہے کہ آپ اس مقالہ کو ملاحظہ فرمائیں گے' خاص طور پر اس کے اس حصہ کو جو ترجمہ قرآن سے متعلق ہے اور ان کے کلام سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد حرفی ترجمہ سے ہے۔ ترجمہ قرآن کے جواز کے بارے میں انہوں نے جو اسباب بیان کیے ہیں' ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور اپنی شریعت اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کا دفاع کرنے والوں میں سے بنائے؟

جواب ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ مقالہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی مراد قرآن مجید کے معانی عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں ترجمہ و تعبیر سے ہے۔ قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ جائز ہے' جب کہ یہ ترجمہ کوئی ایسا عالم کرے' جو قرآن مجید کے معانی کو صحیح طور پر سمجھتا ہو اور انہیں دوسری زبان میں صحیح طور پر بیان کر سکتا ہو اور یہ تعبیر ایسے دقیق انداز میں ہو جس سے نصوص قرآن کے معنی صحیح صحیح سمجھ میں آ جاتے ہوں تاکہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کو ان لوگوں تک پہنچانے کا

فریضہ بھی ادا کیا جا سکے' جو عربی زبان نہیں جانتے۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل اصطلاح سے ان کی اصطلاح اور ان کی لغت کے مطابق مخاطب ہونا مکروہ نہیں ہے' جب کہ اس کی ضرورت ہو اور معانی کو صحیح طور پر بیان کیا جائے' جیسا کہ عجم مثلاً رومیوں' ایرانیوں اور ترکوں سے ان کی لغت و عرف کے مطابق مخاطب ہونا بوقت ضرورت جائز اور ایک اچھی بات ہے۔ اس کی ضرورت نہ ہو تو پھر ائمہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص سے فرمایا تھا جب کہ وہ چھوٹی بچی تھیں اور وہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں کیونکہ ان کے والد ہجرت کر کے وہاں تشریف لے گئے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا' اے ام خالد! "هَذَا سَنَا" اور زبان حبشہ میں "سَنَا" کے معنی حسن کے ہیں (1) آپ نے یہ لفظ اس لیے استعمال کیا کہ ام خالد کی یہ زبان تھی لہٰذا جو شخص قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے ترجمہ کا محتاج ہو تو اس کے لیے ترجمہ کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح معلم کو بھی چاہیے کہ وہ دوسری قوموں کی کتابوں کو ان کی زبان میں پڑھے اور عربی میں ترجمہ کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ یہودیوں کی کتاب کو سیکھیں تاکہ وہ آپ کے لیے ان کی زبان میں لکھنے پڑھنے کی خدمت کو سرانجام دے سکیں کیونکہ یہودیوں پر آپ کو اعتماد نہیں تھا۔ (2)

صوتی ترجمہ جائز نہیں ہے' اس سے قبل مجلس کبار علماء سعودی عرب نے بھی اس سلسلہ میں ایک قرار داد منظور کی ہے' مزید تفصیل کے لیے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ۔

فتویٰ کمیٹی

کیا قرآن مجید میں مجاز ہے؟

سوال میں کتب تفسیر وغیرہ میں اکثر یہ پڑھتا رہتا ہوں کہ یہ حرف زائد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ﴿ كَمِثْلِهِ ﴾ میں کاف زائد ہے۔ ایک مدرس نے مجھ سے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا نام زائد یا ناقص یا مجاز ہو۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے تو پھر ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ ﴾ اور ﴿ وَأُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ ﴾ کے معنی کیا ہیں؟

جواب محققین کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں فن بلاغت کی تعریف کے مطابق کوئی مجاز نہیں ہے قرآن مجید میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنے مقام پر حقیقت ہی ہے۔ بعض مفسرین جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حرف زائد ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ قواعد اعراب کے اعتبار سے زائد ہے۔ یہ معنی نہیں کہ یہ معنی کے اعتبار سے زائد ہے بلکہ عربی لغت کے مخاطب لوگوں کے ہاں اس کے معنی معروف ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ میں حرف کاف نفی مثل میں مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے اور یہ ﴿ لَيْسَ مِثْلَهُ شَيْءٌ ﴾ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) صحیح البخاری' اللباس الخمیصة السوداء' حدیث: 5823

(2) صحیح البخاری' الاحکام' باب ترجمة الحکام' وهل یجوز ترجمان واحد؟ حدیث: 7195 معلقاً' و سنن ابی داود العلم' باب روایة حدیث اهل الکتاب' حدیث: 3645' و جامع الترمذی' الاستئذان' حدیث: 2715

﴿ وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ ٱلَّتِى كُنَّا فِيهَا وَٱلْعِيرَ ٱلَّتِىٓ أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَـٰدِقُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۸۲)

"اور جس بستی میں ہم (ٹھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر سے) اور جس قافلے میں آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجئے اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔"

تو اس سے مراد بستی کے ساکنین اور اصحاب قافلہ ہیں۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ (قریہ) کا لفظ اہل قریہ اور (عِیر) کا لفظ اصحاب قافلہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ عربی زبان کی وسعت اور کلام کے لیے صیغوں کی کثرت کے قبیل سے ہے۔ یہ اس مجاز کے باب میں سے نہیں ہے' جو اہل بلاغت کی اصطلاح میں معروف ہے' لیکن یہ ان معنوں میں ضرور مجاز ہے کہ ایسا جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَأُشْرِبُوا۟ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْعِجْلَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۹۳)

میں مراد (حب عجل) "بچھڑے کی محبت" ہے لیکن اسے مطلق اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اس لغت کے مخاطب ہیں وہ اس معنی کو سمجھتے ہیں۔ معنی کے بالکل واضح ہونے کی وجہ سے یہ ایجاز و اختصار اختیار کیا گیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

قرآن مجید میں مجاز نہیں ہے

سوال کتب بلاغت میں لکھا ہوا ہے کہ قرآن مجید میں مجاز ہے۔ یہ لوگ بعض شبہات بھی پیش کرتے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں مجاز ہے کیونکہ آزاد تو غلام کو کیا جاتا ہے لیکن اس آیت میں گردن کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ وہ غلام پر دلالت کرے (کیونکہ جز کل پر دلالت کرتا ہے) تو کیا اس کا نام مجاز رکھنا صحیح ہے؟ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ حالانکہ بات تو زبان سے کی جاتی ہے مگر منہ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ وہ زبان پر دلالت کرے (کیونکہ کل جز پر دلالت کرتا ہے) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ حالانکہ انشراح تو دل کا ہوتا ہے۔ مگر یہاں سینہ کو مجازاً ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ دل پر دلالت کرے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ ﴾ حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ وہ انگلی کا کنارہ کان میں رکھتا ہے نہ کہ ساری انگلی' لیکن یہاں انگلیوں کا ذکر مجازاً ہوا ہے۔ الغرض اس انداز کی بہت سی آیات ہیں' تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے کہ قرآن مجید میں مجاز ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا حدیث میں بھی مجاز ہے؟

جواب اپنی اصطلاح کے مطابق علماء بلاغت جس کو مجاز کہتے ہیں' اس کا کتاب و سنت اور عربی زبان میں کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ کتاب عزیز' سنت مطہرہ اور عربی زبان کی ہر بات اپنے مقام پر حقیقت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الایمان" میں اس موضوع پر خوب تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے' [1] جسے شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم نے "مجموعۃ الفتاویٰ" مین نقل کیا ہے' نیز علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر اپنی کتاب "الصواعق المرسلہ" میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی زیر نگرانی شیخ ابن باز ——

[1] الایمان' لشیخ الاسلام ابن تیمیہ' ص: 73

قرآن مجید کو نمازی کے پیچھے رکھنا

سوال قرآن مجید کے نسخوں کو رحلوں پر رکھ کر صفوں کے درمیان اور نمازیوں کے پیچھے رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بوقت ضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا "اللہ اکبر" بسم اللہ سے کفایت کر سکتا ہے؟

سوال قرآن کریم کے بعض قاری دو سورتوں کے درمیان فرق کے لیے بسم اللہ پڑھنے کی بجائے اللہ اکبر پڑھتے ہیں' کیا یہ جائز ہے اور اس مقام پر اللہ اکبر پڑھنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے خلاف ہے کہ وہ تو دو سورتوں میں فرق کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھا کرتے تھے۔ یہ اہل علم کے عمل کے برخلاف ہے لہٰذا قرآن مجید کی تمام سورتوں میں فرق کے لیے اللہ اکبر نہ پڑھا جائے۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بعض قراء نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ انسان سورۃ الضحیٰ سے قرآن مجید کے آخر تک ہر سورت کے بعد اللہ اکبر پڑھے مگر دو سورتوں میں فصل کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی ضرور پڑھا جائے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سنت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے لہٰذا مشروع یہی ہے کہ ہم دو سورتوں میں فرق کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ البتہ سورۂ براءۃ کے شروع میں نہ پڑھیں کیونکہ سورۂ الانفال اور سورۃ براءۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کی قراءتوں کی تعداد

سوال کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں قراءتوں کے تعدد کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید میں اختلاف ہے کیونکہ قراءت کے اختلاف سے معنی میں فرق آ جاتا ہے مثلاً سورۃ الاسراء کی آیت ﴿ وَ نُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُوْرًا ﴾ میں اگر "يُلَقَّاهُ مَنْشُوْرًا" پڑھا جائے تو اس سے معنی میں تبدیلی آ جائے گی؟

جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید عربوں کے لغات و لہجات میں سے سات کے مطابق نازل ہوا ہے [1] تاکہ ان پر تلاوت کرنے میں آسانی ہو اور اس طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عربوں پر رحمت ہے۔ یہ نقل متواتر سے ثابت ہے اور قرآن مجید کی قراءتیں ہی اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں' جو حکیم و دانا ہے۔

قرآن مجید کی قراءتوں کے مختلف ہونے کے معنی تحریف و تبدیلی' یا معانی میں التباس یا مقاصد میں تناقض و اضطراب کے نہیں ہیں بلکہ بعض قراءتیں بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے معنی و مفہوم کو واضح کرتی ہیں' بعض قراءتوں کے

---

[1] صحیح البخاری' فضائل القرآن' باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف' حدیث: 4992- و صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب بیان اَن القرآن انزل علی سبعۃ احرف و بیان معناھا' حدیث: 818

معانی میں تنوع بھی ہے' جن میں سے ہر قراءت ایک ایسے حکم کا فائدہ بخشتی ہے جو مقاصد شرع میں سے کسی مقصد اور مصالح عباد میں سے کسی مصلحت کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قراءتیں اس لیے بھی لائی جاتی ہیں کہ ان کے معانی کی حقیقت ایک ہی ہے۔ تشریعی صورت میں ان سب قراءتوں کا حکم یکساں ہے' ان کے درمیان کوئی تعارض اور اختلاف نہیں۔ جن آیات میں مختلف قراءتیں وارد ہیں' ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے جسے خود سائل نے ذکر کیا ہے اور یہ ہے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَكُلَّ إِنسَٰنٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِى عُنُقِهِۦ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنشُورًا ﴿١٣﴾ ﴾
(الإسراء۱۷/ ۱۳)

"اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔"

اس آیت میں ﴿ نُخْرِجُ ﴾ کو نون کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ اور ﴿ يَلْقَاهُ ﴾ کو یاء کے فتحہ اور قاف مخففہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم قیامت کے دن ہر انسان کے لیے ایک کتاب --یعنی اس کا صحیفۂ عمل-- نکالیں گے اور انسان کو یہ کتاب کھلی ہوئی ملے گی' اگر وہ سعید ہو گا تو اس کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور اگر وہ بدبخت ہو گا تو اس کتاب کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے لے گا۔ ایک قراءت کے مطابق اسے "يُلَقَّاهُ مَنْشُوْرًا" یعنی یاء کے ضمہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ہر انسان کے لیے قیامت کے دن ایک کتاب یعنی اس کا صحیفۂ اعمال نکالیں گے اور انسان کو یہ کتاب اس طرح دی جائے گی کہ یہ کتاب کھلی ہوئی ہو گی یعنی آخرکار ان دونوں قراءتوں کے معنی ایک ہی ہیں کہ جس کو کتاب دے دی جائے تو وہ اسے مل جاتی ہے اور جس کو کتاب مل گئی وہ اسے گویا دے دی گئی۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ ٱللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۰)

"ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہو گا۔"

اس آیت میں "يَكْذِبُوْنَ" کو یاء کے فتحہ' کاف کے سکون اور ذال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ اور مومنوں کے بارے میں جھوٹی خبریں دیتے ہیں۔ اسے "يُكَذِّبُوْنَ" یعنی یاء کے ضمہ' کاف کے فتحہ اور ذال مکسورہ کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو وحی لے کر آئے یہ اس کی تکذیب کرتے تھے تو ان میں سے ایک قراءت کے معنی دوسری قراءت کے مخالف یا معارض نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر قراءت نے منافقوں کے اوصاف میں سے ایک وصف کا ذکر کیا ہے۔ پہلی قراءت کے مطابق معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسولوں اور لوگوں کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں اور دوسری قراءت کے مطابق معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی طرف جن احکام کو نازل کیا ہے' یہ منافق ان کی تکذیب کرتے ہیں' یہ دونوں معنی ہی مبنی برحق ہیں کہ یہ منافق جھوٹ بھی بولتے ہیں اور تکذیب بھی کرتے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ تعدد قراءت بھی وحی الٰہی کی روشنی میں ہے اور یہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں نہ تو تحریف و تبدیل کا کوئی پہلو ہے' نہ اس پر کوئی ناشائستہ امور مرتب ہوتے ہیں اور نہ اس میں کوئی تناقض یا اضطراب ہے بلکہ یہ معانی و مقاصد پر متفق ہیں۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھول جائے

سوال جو شخص قرآن مجید حفظ کرے اور پھر دنیوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے بھول جائے تو کیا وہ گناہ گار ہو گا؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہو گا' لیکن ایک مسلمان کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ حفظ قرآن کے سلسلے میں خصوصی اہتمام کرے اور اسے کثرت سے پڑھتا رہے تاکہ اسے بھولی نہ جائے اور نبی ﷺ کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جائے:

«تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده، ح:٥٠٣٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الامر بتعهد القرآن وكراهة قول ... الخ، ح:٧٩١ واللفظ له)

"قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے رہو' اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اونٹ رسی کھل جانے کے بعد اس قدر تیزی سے نہیں بھاگتے جس قدر قرآن تیزی کے ساتھ (حافظہ سے) محو ہو جاتا ہے۔"

زیادہ اہم اور اعظم بات یہ ہے کہ قرآن کے معانی پر تدبر کیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جس نے قرآن مجید کے مطابق عمل کیا تو قرآن اس کے لیے حجت ہو گا اور جس نے اسے ضائع کیا تو قرآن اس کے خلاف حجت ہو گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، ح:٢٢٣)

"قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

اجرت لے کر میت کے لیے قرآن پڑھنا

سوال ایک حافظ قرآن جو اجرت لے کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے یا میت کے لیے قرآن پڑھتا ہے اور قراءت سے پہلے ہی اپنی اجرت وصول کر لیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت افضل عبادت ہے اور عبادات کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ خالص لوجہ اللہ ہوں' ان سے مقصد اللہ کے سوا اور کچھ نہ ہو' نہ دنیا کا حصول اور نہ حب جاہ وغیرہ۔ بلکہ ان سے اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا ڈر ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر٣٩/ ٢-٣)

"اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا ہے۔") نیز فرمایا:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البينة۹۸/ ۵)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں یک سو ہو کر۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ» (صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١، ٥٤ وصحيح مسلم، الامارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے' تو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا کے حصول کے لیے یا کسی خاتون سے شادی کرنے کے لیے ہو' تو اس کی ہجرت اس کے لیے ہے' جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔"

لہٰذا قرآن کے کسی قاری کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی قراءت پر اجرت لے' خواہ یہ اجرت قراءت سے پہلے لے یا بعد میں اور خواہ یہ قراءت نماز میں ہو یا میت پر۔ یہی وجہ ہے کہ علماء میں سے کسی نے بھی تلاوت قرآن پر اجرت لینے کی رخصت نہیں دی۔ یاد رہے کہ ائمہ مساجد یا مؤذن حضرات جو بیت المال سے تنخواہ لیتے ہیں تو وہ تلاوت یا نماز کی اجرت نہیں ہے' بلکہ وہ تو اس بات کی اجرت ہے کہ انہوں نے اپنے تمام خاص مشاغل ترک کر کے اپنے آپ کو اس فرض کفایہ کے ادا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے خلیفۃ المسلمین اپنے ذاتی روزگار کو ترک کر کے جب اسلامی خلافت کے اعمال و واجبات میں مشغول ہو جاتا ہے تو وہ بیت المال سے وظیفہ لیتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجاہدین کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اسلام میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہوتے تھے' ان کی ایمانی سبقت اور اسلامی خدمات کے اعتبار سے بیت المال سے وظائف دیا کرتے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عاملین زکوٰۃ کے لیے اس اسلامی فریضہ کو ادا کرنے کی وجہ سے زکوٰۃ میں حصہ مقرر کیا ہے خواہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ جب تک وہ اس فرض کو ادا کرتے ہیں' خود اپنا کوئی کام نہیں کرتے۔ واللہ الموفق

—— فتویٰ کمیٹی ——

میت کے لیے قرآن مجید کا ایک ایک پارہ پڑھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کو تیس اجزاء (پاروں) میں تقسیم کر کے ہر پارے کی مستقل طور پر اس طرح الگ الگ جلد بنا دی جائے کہ ایک آیت کریمہ کا کچھ حصہ ایک پارے میں جب کہ اسی آیت کا دوسرا حصہ اور پارے میں ہو اور یہ پارے مختلف آدمیوں کو (پڑھنے کے لیے) دیئے جائیں اور تمام مسلمان حاضرین مجلس تقریباً نصف گھنٹے میں پورا قرآن مجید

ختم کرلیں' پھر کہا جائے کہ یہ مکمل قرآن مجید فلاں میت کی روح کے ایصال ثواب کے لیے ختم کیا گیا ہے؟

جواب اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی تقسیم سورتوں کے حساب سے کرتے تھے' وہ آیات اور عدد حروف کے حساب سے تقسیم نہیں کرتے تھے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو سات منزلوں میں تقسیم کر لیتے اور اس طرح ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات سات دنوں میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

مسند احمد اور سنن ابی داود میں اوس بن ابی اوس سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم قرآن کی تقسیم کس طرح کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا' ہم اسے تین' پانچ' سات' نو' گیارہ اور تیرہ حصوں میں تقسیم کر لیا کرتے تھے اور حزب مفصل کو الگ پڑھ لیتے تھے۔ [1]

حروف کی تعداد کے اعتبار سے قرآن مجید کو تیس پاروں اور ساٹھ احزاب میں تقسیم کرنے کی ابتداء عراق میں حجاج کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوئی تھی' پھر عراق سے یہ تقسیم سارے عالم اسلام میں پھیل گئی حالانکہ پہلی تقسیم زیادہ بہتر ہے کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں یہی تقسیم معروف تھی اور پھر اس میں معنی کی تکمیل اور قصہ کے اختتام کے پہلو کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے' جب کہ حجاج کی اس تقسیم کے مطابق بسااوقات معنی کی تکمیل اور قصہ کا اختتام نہیں ہوتا۔

آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ایک آیت کا کچھ حصہ ایک مجلد پارہ میں جب کہ اسی آیت کا بقیہ حصہ دوسرے مجلد پارہ میں ہوتا ہے جو کہ کسی اور شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ اسے پڑھتا ہے تو قرآن مجید کے پاروں کی اس انداز میں جلد بندی ابھی تک ہمیں معلوم نہیں ہوسکی اور نہ کسی مسلمان کے لیے اس طرح کرنا جائز ہے۔

ثانیاً: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل نہیں تھا کہ وہ اس طرح مختلف لوگوں میں قرآن مجید تقسیم کر کے پڑھتے ہوں اور پھر مجموعی قراءت کو ایک مکمل قرآن قرار دیتے اور کسی میت کی روح کے لیے ایصال ثواب کرتے ہوں بلکہ ان کا معمول یہ تھا کہ ہر شخص اپنے طور پر جس قدر ممکن ہوتا قرآن مجید پڑھتا تھا۔ یا وہ اسے متعدد راتوں یا دنوں میں ختم کرتا تھا تاکہ وہ سارے قرآن سے استفادہ کر سکے اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے ثواب کی امید رکھتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کبھی بھی مردوں کے ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مردوں کو اپنی تلاوت کا ثواب بخشا ہو اور یاد رہے کہ ہر طرح کی خیر و بھلائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع' آپ کی اور آپ کے خلفاء راشدین کی سنت و سیرت کے مطابق عمل کرنے میں ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

سجود تلاوت کی بجائے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا

سوال جب ہم کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوں' کوئی آیت سجدہ آئے اور ہم مسجد میں یا نماز ادا کرنے کی جگہ میں نہ ہوں بلکہ مدرسہ وغیرہ میں ہوں تو کیا اگر سجدہ کرنے کی بجائے چار دفعہ یہ پڑھ لیا جائے "لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ' لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد و ھوعلی کل شیء قدیر" تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں تو پھر ہم کیا کریں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت سے نوازے۔

---

[1] سنن ابی داود' شھر رمضان' باب تحزیب القرآن' حدیث: 1393 و مسند احمد' 9/4' 343

جواب جب قرآن مجید پڑھنے والا آیت سجدہ کی تلاوت کرے اور وہ ایسی جگہ میں ہو کہ وہاں سجدہ کرنا بھی ممکن ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ سجدہ کرے۔ راجح قول کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے سورۃ النحل کی آیت سجدہ کو تلاوت کیا تو منبر سے نیچے اتر آئے اور آپ نے سجدہ کیا' پھر دوسرے جمعہ کے خطبہ میں بھی اس آیت کو پڑھا تو سجدہ نہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سجدہ کو ہم پر فرض قرار نہیں دیا۔ الا یہ کہ ہم خود چاہیں تو سجدہ کر لیں۔ [1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب سجدہ نہیں کیا تو اس کی بجائے کچھ اور بھی نہیں پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کی بجائے کچھ اور پڑھنا بدعت ہے۔ اس کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورۃ النجم کی تلاوت کی تو سجدہ نہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سجدۂ تلاوت کی بجائے کچھ اور پڑھنا نہیں سکھایا تھا۔ [2]

——— شیخ ابن عثیمین ———

حمام میں قرآن مجید لے کر جانا

سوال حمام میں قرآن مجید لے کر جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اہل علم کہتے ہیں کہ کسی بھی انسان کے لیے حمام میں قرآن مجید لے کر جانا جائز نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کا یہ تقاضا ہے کہ اسے ایسی جگہ پر نہ لے جایا جائے۔

سوال حمام میں ایسے کاغذات لے کر جانے کے بارے میں کیا حکم ہے جن پر اللہ کا نام لکھا ہو؟

جواب حمام میں ایسے کاغذات لے کر جانا جائز ہے جن پر اللہ کا نام لکھا ہو بشرطیکہ یہ کاغذات جیب میں ہوں اور نظر نہ آتے ہوں بلکہ پوشیدہ اور مخفی ہوں اور پھر اکثر مسلمانوں کے نام تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے خالی نہیں ہوتے مثلاً ان کے نام عبداللہ اور عبدالعزیز وغیرہ ہوتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

---

[1] صحیح البخاری' سجود القرآن' باب من رأی أن اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود' حدیث: 1077

[2] صحیح البخاری' سجود القرآن' باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد' حدیث: 1072- و صحیح مسلم' المساجد' باب سجود التلاوۃ' حدیث: 577

۲۵

التّفسِيرُ

تفسیر کا بیان

تفسیر کا بیان

کچھ سورۃ الاخلاص کی غلط تفسیر کے بارے میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا، أَمَّا بَعْدُ:

اسلامی فقہی کونسل نے اپنے اجلاس دوم میں جو بروز سوموار مؤرخہ ۱۰/۴/۱۴۰۲ھ کو منعقد ہوا' اس عجیب و غریب قبیح مضمون کو ملاحظہ کیا' جو کویت کے ایک مجلّہ "السیاسۃ" شمارہ نمبر۴۶۷۷ شائع شدہ بروز جمعرات مورخہ ۱۷ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ (۱۵/۱۰/۱۹۸۱ء) کو محمد احمد شمالی کے قلم سے زیر عنوان (توحید کے معنی: سورۃ الاخلاص کے منطوق کی تفسیر اور اس کا انگریزی ترجمہ) طبع ہوا ہے۔ دھوکا و فریب پر مبنی اس مضمون میں مضمون نگار نے قرآن عظیم کے معانی کے ساتھ تلاعب کی جرأت کی ہے اور خلط ملط' اوہام' جہالت' خیالی اور مبنی بر تشکیک تصورات کو عجیب رنگ میں پیش کیا ہے اور اسے مسلمانوں کے لیے سورۃ الاخلاص کی تفسیر کے طور پر پیش کیا ہے حالانکہ یہ صرف مضمون نگار کے عقلی اختلاط پر دلالت کرتا ہے۔

اس جدید مفسر نے سورۂ اخلاص کی اپنی اس تفسیر کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ ﴿ قُلْ ﴾ خبر مقدم بمعنی ایسے فرد کے ہے کہ جس کا کوئی "احد" نہیں' کہا جاتا ہے کہ "رجل قل" (ایک مرد قل ہے) "هُوَ مبتدأ مؤخر" کی ضمیر ہے اور اس کی خبر "قل" ہے۔ اور یہ اس کے ساتھ ملنے والے جملہ فعلیہ کے لیے مفعول بہ کے قائم مقام بھی ہے اور وہ جملہ "الله احد" یعنی أن الله أحده بمعنی "جعله واحدا" ہے یا یہ بمعنی "جعله حدا" یا بمعنی "جعله حادا" ہے۔

اس مخبوط الحواس شخص نے سورۃ الاخلاص کی باقی آیات میں بھی اسی انداز کو اختیار کیا اور پھر لکھا ہے کہ ﴿ ولم یکن له کفواً احد ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ "ماضی میں اس شخص کے ہمسر نہ تھے لیکن یہ اس بات سے مانع نہیں ہے کہ بعد میں بھی اس کے ہمسر نہ ہوں' ورنہ پہلی مرتبہ کے بعد دوبارہ اس کی ذات کے لیے زمین پر ظہور مشکل ہو جائے گا جب کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔"

فقہی کونسل کی رائے میں یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں ہے کہ مخبوط الحواس لوگوں میں سے بھی کوئی شخص اپنے آپ کو بہت بڑا محقق عالم یا بہت زبردست فلسفی تصور کرتا ہو کیونکہ مخبوط الحواس ہونا تو ایک مرض ہے' البتہ یہ بات ضرور تعجب انگیز ہے کہ ایک عربی اسلامی ملک کا ایک مشہور و معروف اخبار اس طرح کی جنون پر مبنی باتوں کو شائع کرے کہ جسے بڑے بڑے پاگلوں کا جنون بھی نہ پہنچ سکتا ہو اور پھر اس جلی عنوان سے شائع کرے کہ یہ ہیں توحید کے وہ معنی جو سورۃ الاخلاص سے مستفاد ہیں۔ ہاں سورۃ الاخلاص تو وہ مختصر مگر عظیم سورت ہے جس نے توحید کی حقیقت کو چند کلمات میں بیان کر دیا ہے مگر یہ چند کلمات بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے بلند و بالا پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں۔ اس مبارک سورت نے باطل افکار و نظریات اور شرک والحاد کو جو مختلف عوامل کی وجہ سے بعض بشری عقلوں کے لیے ضلال و انحطاط کا سبب

بنتے ہیں' اس طرح چیلنج کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملے گی۔

اگر جنون پر مبنی مذکورہ باتیں' اس عظیم الشان سورت کے منطوق کی تفسیر ہیں' تو سوال یہ ہے کہ اس مفسر نے پھر ان باطنی فرقوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے' جو اس کتاب عربی مبین کی آیات کے ساتھ اس طرح مذاق کرتے رہتے ہیں' جس طرح ان کی خبیث اغراض چاہیں تاکہ وہ خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر سکیں؟

اسی طرح کا عمل جرم' اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اور اسلام سے ارتداد ہے۔ تعجب ہے کہ ایک عربی اخبار کو جس کا ایڈیٹر بھی مسلمان ہے اور جو ایک اسلامی ملک سے طبع ہوتا ہے' یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے صفحات اس طرح کی خرافات کے شائع کرنے کے لیے استعمال کرے؟ یہ اخبار اور قرآن عظیم کی آیات کے ساتھ مذاق کرنے والا یہ مضمون نگار اس ذمہ داری سے کس طرح بچ سکتا ہے' جس کا تقاضا کویت اور دیگر اسلامی عربی ملکوں کے دساتیر اور قوانین عقوبات و مطبوعات سے متعلق نصوص کرتی ہیں؟

صحافت اور نشر و اشاعت میں اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کی وجہ سے' جس کی زد اسلامی عقائد و مقدسات پر پڑتی ہے' اسلامی فقہی کونسل نے ان تمام ذمہ دار حضرات کی توجہ اس جانب مبذول کرانا ضروری سمجھا ہے' جن کے کندھوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی مقدسات کو اس طرح کی خرافات سے بچائیں۔ ہم اس قرار داد کو رابطہ عالم اسلامی کے سپرد بھی کر رہے ہیں تاکہ وہ اسے کویت اور دیگر اسلامی ملکوں کے ذمہ دار حضرات کو ارسال کرنے کا اہتمام کرے تاکہ وہ اپنے اس فرض کو ادا کر سکیں جو ان پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بارے میں اپنے دین اور مسلمان عوام کے حقوق کے حوالے سے عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی مقدسات کی حفاظت کریں اور اسے کسی بھی ایسے شخص کے ہاتھ میں کھلونا نہ بننے دیں جو شخصی آزادی کے بدترین استعمال کے ذریعے سے اپنے باطل افکار و نظریات سے نسل نو کو گمراہ کرنے کی ناپاک جسارت کرتا ہو۔ واللہ ولی التوفیق وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم۔

دستخط	دستخط
محمد علی الحرکان	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
نائب الرئیس	نائب الرئیس

ارشاد باری تعالیٰ ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا---﴾ کے معنی

سوال الحمد للہ و بعد: بحوث علمیہ و افتا کی فتویٰ کمیٹی کو سلمان بن عثمان جویوبو کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے کہ اس آیت کریمہ ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ---﴾ (المجادلہ: ۲۲) کی تفسیر بیان فرمادیں کیونکہ بعض لوگ بعض دوسروں حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر بھی کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں خواہ وہ نماز پڑھتے' روزے رکھتے اور غیروں کو کافر سمجھتے ہوں' لہٰذا اس آیت کے معنی بیان فرمادیں؟ کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ خبر دی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت

کے دن پر ایمان لائے' اپنے دلوں کو اللہ کے لیے خالص کر لیا' اپنے چہروں کو اپنے رب کے سامنے جھکا دیا' اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا' اس کے سامنے انہوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور جس چیز سے انہیں روکا اس سے وہ فوراً رک گئے نیز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بھی کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے اور نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین و شریعت سے اعراض کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں' مگر مخلص مومن اور سچے لوگ خواہ زمانہ کتنی ہی کروٹیں کیوں نہ لے لے اور بصرو نظر کے زاویے کیسے ہی تبدیل کیوں نہ ہو جائیں' وہ ان کافروں سے محبت نہیں کر سکتے خواہ وہ نسب کے اعتبار سے ان سے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہوں' خواہ وہ ان کے باپ' بیٹے' بھائی اور قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پاکباز بندوں کا بڑے خوبصورت انداز میں تذکرہ فرمایا ہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی اور نبی اکرم ﷺ جس ہدایت و نور پر مبنی شریعت کو لے کر آئے اس کی پابندی کی۔ انہیں ترغیب بھی دی گئی ہے کہ وہ اپنے اس موقف پر ثابت قدم رہیں اور اس میں مزید پختگی پیدا کریں' لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی انہی کی سیرت کو مشعل راہ بنائیں' اخلاص اور صدق ایمان کی اس روش کو اختیار کریں' جو ان کا طرۂ امتیاز تھی اور ان منافقوں کے طرز عمل سے پرہیز کریں' جنہوں نے ایسے یہودیوں کو اپنا دوست بنا لیا تھا' جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا تھا اور وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنے کے لیے آپ کے سامنے آکر جھوٹی قسمیں کھانے لگ جاتے تھے اور کہتے تھے:

﴿ نَشۡهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُۥ وَٱللَّهُ يَشۡهَدُ إِنَّ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ لَكَٰذِبُونَ ١ ﴾

(المنافقون ٦٣/ ١)

''ہم گواہی دیتے (اقرار کرتے) ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ در حقیقت آپ اس کے پیغمبر ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق (دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔''

یہ جملہ سچے مومنوں کی ثناء پر مشتمل ہے کہ وہ کافروں سے بری ہیں' نیز ان کی مَوَدَّت و محبت سے انہیں منع بھی کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَتَّخِذِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ٱلۡكَٰفِرِينَ أَوۡلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۖ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ ٱللَّهِ فِي شَيۡءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُواْ مِنۡهُمۡ تُقَىٰةً ﴾ (آل عمران ٣/ ٢٨)

''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں' ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں۔)''

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُوٓاْ ءَابَآءَكُمۡ وَإِخۡوَٰنَكُمۡ أَوۡلِيَآءَ إِنِ ٱسۡتَحَبُّواْ ٱلۡكُفۡرَ عَلَى ٱلۡإِيمَٰنِۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمۡ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ٢٣ قُلۡ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ وَإِخۡوَٰنُكُمۡ وَأَزۡوَٰجُكُمۡ وَعَشِيرَتُكُمۡ وَأَمۡوَٰلٌ ٱقۡتَرَفۡتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَآ أَحَبَّ إِلَيۡكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٖ فِي سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّىٰ يَأۡتِيَ ٱللَّهُ بِأَمۡرِهِۦۗ وَٱللَّهُ لَا

يَهْدِي ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٤﴾ (التوبة۹/ ۲۳۔۲۴)

''اے اہل ایمان! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جوان سے دوستی رکھیں گے' وہ ظالم ہیں۔ کہہ دیجئے! کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو' اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

اور فرمایا:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن شَىْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٤﴾ ﴾

(الممتحنة ۶۰/ ۴)

''تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضروری) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ' ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔ ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں (ہمیں) لوٹ کر آنا ہے۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات اور نصوص کتاب و سنت ہیں' جن میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ان اہل کتاب اور دیگر تمام کفار نے اللہ تعالیٰ کے دین کو مذاق بنالیا تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ نے دل کے اعمال یعنی محبت و مودت' کافروں سے براءت اور ان سے بغض اور انہوں نے جن گمراہیوں اور ضلالتوں کا ارتکاب کیا ان سے بغض کا حکم بیان فرمایا ہے۔ جہاں تک دنیوی معاملات مثلاً خرید و فروخت اور دیگر منافع کے تبادلہ کا تعلق ہے تو یہ سیاست شرعیہ اور اقتصادی پہلوؤں کے تابع ہیں کہ ہمارے اور جن کافروں کے مابین صلح ہو تو ان کے ساتھ منافع مثلاً بیع' اجارہ' کرائے کے معاملات' تحائف کا قبول کرنا کوئی چیز ہبہ کرنا اور دستور اور معروف کے مطابق انہیں تحائف دینا جائز ہے تاکہ عدل و انصاف اور مکارم اخلاق کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے بشرطیکہ اس سے کسی شرعی اصول کی مخالفت لازم نہ آتی ہو اور انسان ان معاملات کے طریقوں سے باہر نہ ہو' جنہیں اسلام نے حلال قرار دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة ۶۰/ ۸)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ بلاشبہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور جن کافروں سے ہماری جنگ ہو یا جو ہم سے زیادتی کریں' تو ان سے دنیوی معاملات میں بھی دوستی کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ بھی اسی طرح حرام ہے' جس طرح ان سے محبت و اخوت کا معاملہ کرنا حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَـٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَـٰرِكُمْ وَظَـٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٩)

"اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے' جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے' وہی ظالم ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے صلح اور جنگ کی حالتوں میں مدینہ اور خیبر کے یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر کفار کے ساتھ معاملات میں اس کی اپنے عمل سے بھی وضاحت فرما دی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کو بھی بیان فرما دیا ہے' جس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافروں سے بغض ہوتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُو۟لَـٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَـٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ ﴾ (المجادلة ٥٨/ ٢٢)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔"

یہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نور سے کرن کرن اجالا کر دیا اور برہان' نور اور ہدایت کے ساتھ ان کے جسموں اور جانوں میں ایمان کو پختہ کر دیا' جس کی وجہ سے ان کی اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کو اپنے لیے اختیار کر لیا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دین کے طور پر پسند فرمایا ہے اور پھر وہ اس کی ان کو جو جزا عطا فرمائے گا' اسے اس نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ ﴾

(المجادلة ٥٨/ ٢٢)

"اور وہ ان کو ایسے باغات میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کرے گا۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔"

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر یہ احسان فرمائے گا کہ انہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی اور ان جنتوں میں ایسی ایسی عظیم الشان ابدی اور سرمدی نعمتیں ہوں گی' جنہیں کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہو گا' کبھی کسی کان نے سنا نہیں ہو گا اور نہ کبھی کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک آیا ہو گا۔ ان نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کے یہ مخلص اور پاکباز بندے فیض یاب ہوں گے اور ابد الآباد تک ان نعمتوں بھری جنتوں میں رہیں گے' نہ

کبھی جس کی نعمتیں ختم ہوں گی اور نہ کبھی ان کو ان سے نکالا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہو گا' اس لیے کہ ان کا ایمان سچا اور ان کا عمل صالح تھا۔ اور یہ بندگان الٰہی بھی اپنے رب کے فیصلوں' احکام اور اس کی طرف سے ملنے والی جزا سے راضی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا بیان کریں گے جس کا وہ اہل ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کا اختتام ان الفاظ پر فرمایا ہے:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

''یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا گروہ مراد حاصل کرنے والا ہے۔''

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اس کا لشکر وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اس کی اطاعت بجا لا کر اس کی دوستی کا ثبوت دیا اور اس نے دنیا و آخرت میں انہیں فتح و نصرت اور اپنے فضل و کرم سے نواز کر ان کی دوستی کا دوستی سے جواب دیا لہٰذا یہ لوگ کامیاب و کامران ہیں اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ ناکام و نامراد ہیں' جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دھوکا دینا چاہا اور جو کافروں کی دوستی کا دم بھرتے رہے۔ اس تفصیل سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

① جو شخص کافروں سے دوستی اور محبت رکھے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

② جو دل میں کافروں سے بغض رکھے مگر شریعت کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے ان سے خرید و فروخت' اجارہ اور کرایہ وغیرہ کے معاملات کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

③ جو شخص اللہ کے لیے کافروں سے بغض تو رکھے مگر کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے ان کے درمیان زندگی بسر کرے اور مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بجائے ان کے ساتھ مل کر رہنے کو ترجیح دے تو وہ گناہ گار ہے کیونکہ اس طرح یہ ان کی آبادی میں اضافہ اور ان کے ساتھ تعاون کا موجب ہے اور پھر اس نے اپنے آپ کو فتنوں کے لیے پیش کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ شعائر اسلام کے ادا کرنے' ان میں حاضر ہونے' ان کی مشاورت اور ہمدردی و خیر خواہی کرنے سے اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے حالانکہ یہ امرامت اسلامیہ کے لیے قوت اور دنیا و آخرت میں سعادت کے حصول کا موجب تھا الا یہ کہ ایسے شخص کو علم ہو کہ وہ کفار میں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا ہونے سے بچائے رکھے گا اور کفار کے ہاں اس کی موجودگی' ان میں دعوت اسلام کی نشر و اشاعت کا موجب ہو گی۔ و باللہ التوفیق' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مسجد ضرار

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ --- ﴾ (التوبة: ٩/١١٠) کے کیا معنی ہیں اور عمارت سے کیا مقصود ہے؟

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس مسجد ضرار کا ذکر کیا ہے' جسے منافقوں نے مسجد قباء کے قریب تعمیر کیا تھا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بھی ذکر کیا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًۢا بَيْنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ ٱللَّهَ

وَرَسُولَهُۥ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا ٱلْحُسْنَىٰ ۖ وَٱللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَـٰذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۷)

"اور (ان میں ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں' ان کے لیے گھات کی جگہ بنائیں۔ اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا۟ ۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَـٰنَهُۥ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَـٰنَهُۥ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَٱنْهَارَ بِهِۦ فِى نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَـٰنُهُمُ ٱلَّذِى بَنَوْا۟ رِيبَةً فِى قُلُوبِهِمْ إِلَّآ أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۸-۱۱۰)

"تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا' البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے' اس قابل ہے کہ اس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں' جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی' وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے' ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی (اور ان کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں اور اللہ خوب جاننے والا' حکمت والا ہے۔"

تو عمارت سے مراد یہ مسجد ہے' جسے ان منافقوں نے اپنی ان اغراض کے لیے بنایا تھا' جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' یعنی نقصان پہنچانے کے لئے' کفر کا اظہار کرنے کے لئے' مومنوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں کے لیے ایک گھات مہیا کرنے کے لئے! اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَـٰنُهُمُ ٱلَّذِى بَنَوْا۟ رِيبَةً فِى قُلُوبِهِمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۱۰)

"یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے' ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی۔"

کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ ہمیشہ شک اور قلق و اضطراب میں رہیں گے کیونکہ یہ ایک ایسی عمارت تھی' جسے معصیت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا' جس کی وجہ سے ان کے دلوں پر اس کی یہ تاثیر برقرار رہے گی۔ ان کے دل ہمیشہ قلق و اضطراب' ریب و حزن اور غم و فکر میں مبتلا رہیں گے الا یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔ یعنی ان کا یہ قلق و اضطراب اور حزن و ملال موت سے پہلے ختم نہیں ہو گا اور موت سے اگر یہ قلق و اضطراب اور غم و فکر دور ہو جائے گا تو اس کے بعد عذاب شدید سے انہیں دوچار ہونا پڑے گا' والعیاذ باللہ! اور اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا کہ ﴿ واللہ علیم حکیم ﴾ یعنی اللہ اس علم و حکمت کے ساتھ موصوف ہے جس کو یہ دونوں مبارک نام متضمن ہیں کیونکہ اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ اللہ تعالیٰ

کی ذات پر دلالت کو متضمن ہیں' نیز یہ اسماء ان صفات کو بھی شامل ہیں جو مطابقت (قیاس) یا تضمنی اور التزامی دلالت کے ذریعے سے حاصل ہوں۔ پس علیم وہ ذات ہے' جس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں' جو اپنے سابق و لاحق اور ازلی وابدی علم کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہ نہ اسے جہالت سے سابقہ پڑتا ہے اور نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے۔ اور حکیم وہ ہے کہ حکمت بالغہ کے ساتھ اس نے یہ کارخانہء قدرت ترتیب دیا ہے۔ حکمت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمام امور کو ان کی اپنی جگہ پر رکھا جائے۔ حکیم کا لفظ حکم سے بھی مشتق ہوسکتا ہے تو اس صورت میں حکیم کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ذات گرامی جس کا دنیا و آخرت میں حکم چلتا ہے۔ اور حکم سے حکم کونی و شرعی دونوں مراد ہیں اور اس کے یہ دونوں حکم ہی ہر حال میں حکمت پر مبنی ہیں۔ واللہ علیم حکیم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دیہاتی لوگ سخت کافر ہیں

سوال ہمارا اور بعض دوستوں کا آیت کریمہ ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْراً وَّ نِفَاقًا ﴾ "دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں" کے معنی میں اختلاف ہوگیا ہے' تو سوال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ قرآن کریم نے دیہاتی لوگوں کو ایسا کیوں کہا ہے؟ یہ آیت کریمہ کس موقع پر نازل ہوئی تھی؟

جواب اعراب (بدو) ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بادیہ نشین ہوتے ہیں اور پانی اور اپنے مویشیوں کے لیے چارہ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے ہیں۔ یہ مال مویشی ہی ان کے لیے ذریعہ معیشت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ شہروں اور بستیوں میں بہت کم آتے ہیں۔ ان پر چونکہ جہالت کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے ان کے دلوں میں ایمان بہت کمزور ہوتا ہے' لہذا یہ شہر والوں کی نسبت کفر اور نفاق کے اعتبار سے بہت سخت ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ۞قَالَتِ ٱلْأَعْرَابُ ءَامَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا۟ وَلَـٰكِن قُولُوٓا۟ أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ ٱلْإِيمَـٰنُ فِى قُلُوبِكُمْ ۖ ﴾
(الحجرات٤٩/ ١٤)

"دیہاتی کہتے ہیں' ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے۔ (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو تمہارے دلوں میں ابھی تک داخل ہی نہیں ہوا۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَـٰتٍ عِندَ ٱللَّهِ وَصَلَوَٰتِ ٱلرَّسُولِ ۚ ﴾ (التوبة٩/ ٩٩)

"بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کی قربت اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔"

یہ لوگ ان فانی شبہات اور شہوات سے بھی دور ہوتے ہیں' جن میں شہروں اور قصبوں کے اکثر باشندے مبتلا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حیات طیبہ کے معنی

سوال درج ذیل آیت کریمہ:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ ﴾ (النحل١٦/ ٩٧)

"جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے حسب ذیل ارشاد گرامی میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

«أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً، فَقَالَ:الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ»(مسند أحمد: ١/ ١٧٤، ١٨٥)

"(نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ) لوگوں میں سے سب سے سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اور پھر ان کی جو حضرات انبیاء کرام کے زیادہ قریب ہوں۔"

نیز آپ کا فرمان ہے:

«فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسْبِ دِينِهِ»(مسند أحمد: ١/ ١٧٤، ١٨٥)

"ہر شخص کی اس کے دین کے مطابق آزمائش ہوتی ہے" یعنی ایک طرف تو حیات طیبہ کی بات کی گئی ہے اور دوسری طرف مومن کو زندگی میں ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے' تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کس طرح ہو گی؟

جواب جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں حیات طیبہ کے یہ معنی نہیں کہ زندگی' فقر' مرض' اور پریشانی وغیرہ سے محفوظ ہو بلکہ حیات طیبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان انبساط اور انشراح قلب و صدر کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے فیصلوں سے وہ راضی ہو۔ اگر دنیا میں اسے راحت میسر آئے تو اپنے رب کا شکر ادا کرے اور یہ شکر ادا کرنا اس کے لیے بہتر ہو گا اور اگر دنیا کی زندگی میں کوئی آزمائش آئے تو صبر کرے' اور یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہو گا۔ یہ ہے حیات طیبہ یعنی یہ راحت قلب سے تعبیر ہے۔ جہاں تک کثرت اموال اور صحت ابدان کا تعلق ہے تو یہ چیزیں تو بسا اوقات انسان کے لیے شقاوت اور مشکلات کا سبب بن جاتی ہیں' تو اس صورت میں سائل نے جس آیت کریمہ اور دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے' ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ بسا اوقات انسان کو ابتلاء و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے لیکن اس کا دل مطمئن ہوتا ہے' وہ شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے فیصلوں پر راضی ہوتا ہے کہ آزمائش اور امتحانات اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی

سوال سیدنا یوسف علیہ السلام کی بیوی کا کیا نام ہے؟ کیا انہوں نے عزیز مصر کی اس بیوی سے شادی کر لی تھی جس کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے؟ بعض علماء خطبۂ نکاح کے وقت جو یہ دعا پڑھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے کہ «اللَّهُمَّ

اَلِّفْ بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ يُوْسُفَ وَ زَلِيْخَا)) "اے اللہ! ان دونوں میں اس طرح الفت و محبت پیدا فرما دے' جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا میں محبت پیدا فرما دی تھی؟"

جواب کتب قصص و تفاسیر میں' کتب بنی اسرائیل کے حوالہ سے مذکور ہے کہ عزیز کی بیوی کا نام زلیخا تھا' بعض نے کچھ اور نام بھی ذکر کیے ہیں۔ نیز انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جیل سے باہر آنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت سے شادی کر لی تھی کیونکہ عزیز مصر فوت ہو گیا تھا یا اس نے اسے طلاق دے دی تھی لیکن یہ سب کچھ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ جہاں تک مذکورہ دعا کا تعلق ہے تو مجھے اس کے ماثور ہونے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے' ممکن ہے بعض مفسرین سے منقول اقوال ہی کی وجہ سے اس دعا کو ایجاد کر لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اگلے اور پچھلے لوگ

سوال آیت کریمہ ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ "یہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں اور بہت سے پچھلوں میں سے" میں اگلے اور پچھلے لوگوں سے کون مراد ہیں؟

جواب بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ اگلے اور پچھلے لوگوں سے مراد اس امت کے لوگ ہیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ اگلے لوگوں سے مراد سابقہ امتوں کے لوگ ہیں اور پچھلے لوگوں سے مراد امت محمدیہ کے لوگ ہیں۔ بہرحال سابقہ امتوں کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حدیث میں ہے:

«مَا أَنْتُمْ فِي سِوَاكُمْ مِنَ الأُمَمِ إِلاَّ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِ الأَبْيَضِ» (صحيح البخاري، الرقاق، باب الحشر، ح:٦٥٢٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون هذه الأمة نصف أهل الجنة، ح:٢٢١ واللفظ له)

"سابقہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے سفید رنگ کے بیل کی کھال میں سیاہ بال ہوں"

اس سب کچھ کے باوجود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت تمام اہل جنت کی تعداد کے نصف یا دو ثلث کے برابر ہو گی اور یہ خیر کثیر ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اَلْخُنَّس اور اَلْكُنَّس کے معنی

سوال سورۃ التکویر کی آیت ۱۵ اور ۱۶ کی کیا تفسیر ہے' یعنی ان آیتوں کی:

﴿ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ ﴾ (التکویر ۸۱/ ۱۵-۱۶)

"ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں' جو چلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔"

جواب یہ اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کھائی ہے اور وہ عبرتوں اور نشانیوں کی وجہ سے اپنی مخلوقات میں سے جس کی بھی چاہے قسم کھا سکتا ہے۔ الخنس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام ستارے ہیں جو دن کو غائب اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں۔

یعنی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی قسم کھائی ہے جو دن کو چھپ جاتے ہیں اور رات کو چلتے اور لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ ان کے چلنے سے مراد ان کا طلوع ہونا اور چلنا جب کہ چھپنے سے مراد ان کا غائب ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مال کو اولاد سے مقدم کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟

سوال ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ قرآن کریم میں ہمیشہ مال کو اولاد سے پہلے کیوں ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ایک باپ کے نزدیک مال کی نسبت اس کی اولاد زیادہ عزیز ہوتی ہے تو اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب اس لئے کہ مال کی وجہ سے فتنہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مال حرام شہوات کے حصول میں ممد و معاون بنتا ہے۔ بخلاف اولاد کے کہ انسان ان کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوتا اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ لیکن مال کا فتنہ زیادہ بھی ہے اور شدید بھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے.

﴿ وَمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُم بِٱلَّتِى تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰٓ ﴾ (سبا٣٤/ ٣٧)

"اور تمہارا مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (الأنفال٨/ ٢٨)

"تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾ (المنافقون٦٣/ ٩)

"تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔"

پس فتنہ مال زیادہ بھی ہے اور شدید بھی۔

——— شیخ ابن باز ———

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال ۔۔۔

سوال قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے سوال و جواب کے ضمن میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کریں گے:

﴿ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ (المائدة٥/ ١١٦)

"کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟"

کیا یہ سوال و جواب اللہ تعالیٰ کے 'عیسیٰ ابن مریم کو آسمان پر اٹھانے سے قبل' دنیا ہی میں ہو چکا ہے یا یہ آخرت میں ہو گا؟

جواب آیات کے سیاق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیامت کے دن ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ قَالَ سُبْحَٰنَكَ

مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أَقُولَ مَا لَيۡسَ لِي بِحَقٍّۚ إِن كُنتُ قُلۡتُهُۥ فَقَدۡ عَلِمۡتَهُۥۚ تَعۡلَمُ مَا فِي نَفۡسِي وَلَآ أَعۡلَمُ مَا فِي نَفۡسِكَۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلۡغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ إِلَّا مَآ أَمَرۡتَنِي بِهِۦٓ أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمۡۚ وَكُنتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيدٗا مَّا دُمۡتُ فِيهِمۡۖ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبۡهُمۡ فَإِنَّهُمۡ عِبَادُكَۖ وَإِن تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ ٱللَّهُ هَٰذَا يَوۡمُ يَنفَعُ ٱلصَّٰدِقِينَ صِدۡقُهُمۡۚ﴾ (المائدۃ٥/ ١١٦-١١٩)

”اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو!) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے' مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے نفس میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو علام الغیوب ہے' میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔“

جیسا کہ میں نے کہا' یہ سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے درمیان یہ سوال و جواب آخرت میں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سابقہ لوگوں کے اقوال بالمعنی ہیں

سوال قرآن کریم میں مکالمہ کے انداز میں جو گفتگو ہوئی ہے' تو کیا اس میں انسان کا کلام لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے وارد ہے یا معنی انسان کے کلام کے اور الفاظ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہوتے ہیں؟

جواب مجھے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کے حالات بیان کرتے ہوئے جو مکالمات ذکر کیے ہیں' ان میں الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں کیونکہ یہ قرآن واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے اقوال بیان فرمائے ہیں' ان کی زبان عربی نہیں تھی بلکہ وہ لوگ دوسری زبانیں بولتے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کو عربی زبان میں بیان فرمایا ہے' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کو بالمعنی بیان کیا ہے' ان کے اقوال کو انہی کے اپنے لفظوں میں بیان نہیں فرمایا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے

سوال صلاۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور یہ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے غزوۂ خندق کے دن فرمایا تھا:

«شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰی»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، ح:٤١١١ وصحيح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ح:٦٢٧)

"انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے مشغول رکھا۔"

اور بلا ریب اس سے مراد نماز عصر ہے اور وسطیٰ کے معنی یہ ہیں کہ جو عدد کے اعتبار سے درمیان میں ہو اور اس سے مراد اس کی فضیلت ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخلوق غیبی امور سے ناواقف ہے

سوال امید ہے اس آیت کی مکمل شرح بیان فرمائیں گے' یہ آیت سورۂ نمل کی آیت ہے یعنی

﴿ بَلِ ٱدَّٰرَكَ عِلۡمُهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِۚ بَلۡ هُمۡ فِي شَكّٖ مِّنۡهَاۖ بَلۡ هُم مِّنۡهَا عَمُونَ ﴾ (النمل ٢٧/ ٦٦)

"بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔"

جواب یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مخلوق امور غیبیہ سے ناواقف اور ان علوم آخرت کے جاننے سے عاجز ہے' جن کو ان سے مخفی رکھا گیا ہے' سوائے ان علوم کے جن پر اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا ہے اور ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کا علم آخرت کے وقت' صفت اور اس میں پیش آمدہ واقعات کے بارے میں مضمحل' منتہی' کوتاہ اور کمزور ہے کہ ان باتوں میں سے انہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے' صرف وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسولوں کی زبانی بتایا ہے۔ ﴿ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا ﴾ یعنی شک ہمیشہ ان کی عقلوں کو ڈھانپے رکھے گا اور یہ لوگ ہمیشہ شک و ریب میں مبتلا رہیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین قائم فرمائے اور ان کی طرف علم یقین بھیجا لیکن اس کے باوجود بعثت' نشور اور آخرت کی جزا کے بارے میں انہیں شک ہے۔ ﴿ بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْن ﴾ یعنی اندھوں کی طرح وہ روکنے والے اور اعراض کرنے والے ہیں جو نہیں جانتے کہ ان کے آگے کیا ہے؟ یا علم سے اندھے اور اعراض کرنے والے ہیں' یعنی اس علم سے جو آخرت سے متعلق ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ --- ﴾ کی تفسیر

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا ﴾ (هود ١١/ ٦)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے کہ وہ زمین پر چلنے والے ہر انسان' حیوان اور تمام حشرات الارض کو رزق عطا فرمائے گا' تو اس آیت کریمہ کی موجودگی میں ہم افریقی ممالک میں آنے والے قحط اور بھوک کی کیا تاویل کریں گے؟

جواب آیت کا مفہوم بالکل ظاہر ہے' باقی رہے وہ قحط اور بھوک کے واقعات' جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں رونما ہوتے رہتے ہیں' تو وہ صرف اسی شخص کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں' جس کی مدت پوری اور جس کا رزق ختم ہو گیا ہو اور جس کی زندگی اور جس کا رزق ابھی باقی ہو تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ بہت سے ذرائع سے رزق پہنچا دیتا ہے' خواہ وہ شخص ان ذرائع کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا' تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔" اور فرمایا:

﴿ وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ٱللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ﴾ (العنکبوت٢٩/ ٦٠)

"اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَمُوتُ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا»(مسند البزار، من حديث حذيفة، ح: ٢٩١٤ واصله في سنن ابن ماجه من رواية جابر: ٢١٤٤)

"اس وقت تک کوئی جان دار فوت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے رزق اور عمر کو مکمل نہ کر لے۔"

——— شیخ ابن باز ———

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے

سوال ان دو آیتوں کا شان نزول کیا ہے؟

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ۗ وَمَا ٱخْتَلَفَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ۝١٩ ﴾ (آل عمران٣/ ١٩)

﴿ فَلَا تُطِعِ ٱلْمُكَذِّبِينَ ۝٨ وَدُّوا۟ لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝١٣ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝١٤ ﴾

(القلم٦٨/ ٨-١٤)

نیز یہ بھی فرمائیں کہ ان دونوں آیتوں کا مفہوم کیا ہے؟

جواب پہلی آیت یعنی ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین اسلام ہے۔ یاد رہے کہ دین سے مراد کبھی تو عمل ہوتا ہے اور کبھی عمل کی جزا۔ دین سے مراد عمل کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

"دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

اور دین سے مراد عمل کی جزا کی مثالیں حسب ذیل آیات ہیں:

﴿ مَٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٤﴾ ﴾ (الفاتحة۱/ ٤)

"حاکم ہے انصاف کے دن کا۔"

نیز فرمایا:

﴿ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِٱلدِّينِ ﴿٩﴾ ﴾ (الانفطار۸۲/ ۹)

"ہرگز نہیں بلکہ (بات دراصل یہ ہے کہ) تم لوگ (روزِ) جزاء کو جھٹلاتے ہو۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿١١﴾ ﴾ (المطففین۸۳/ ۱۰۔۱۱)

"اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے (یعنی) جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔"

پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل مقبول' اسلام ہے اور اسلام کے معنی ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرماں برداری اور یہ اس اسلام خاص کو بھی مشتمل ہے' جو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کا دین ہے اور اسلام عام کو بھی جو تمام انبیاء کرام کا دین ہے کیونکہ ہر وہ دین جو پہلے سے قائم ہو' وہ اللہ ہی کا دین یعنی دین اسلام ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ نئی شریعت آ جائے جو اسے منسوخ کر دے۔ یہ آنے والی نئی اور ناسخ شریعت دین اسلام بن جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مقبول ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ جس طرح عمومی طور پر دین کے اصول و فروع پر مشتمل ہے' اسی طرح یہ دین کی جزئیات پر بھی محیط ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عمل مقبول ہو گا جو اسلام کے مطابق ہو گا جیسا کہ اس صحیح حدیث سے ثابت ہے' جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:۱۷۱۸)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

یہ مذکورہ بالا آیت کریمہ گویا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام کے سوا دیگر دین اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول ہیں' خواہ ان کے مطابق عمل کرنے والے کیسے عمل ہی کیوں نہ کریں' خواہ ان کا تعلق دین یہود سے ہو یا دین نصاریٰ سے یا کسی بھی دوسرے دین سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہیں کیونکہ یہ وہ اسلام نہیں ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ جو شخص دین اسلام اور دیگر ادیان کو یکساں قرار دے اور کہے کہ یہ سب ادیان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں تو وہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اس کی سزا

قتل ہے کیونکہ اس دین نے‘ جسے عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا‘ سابقہ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے اور اب اللہ تعالیٰ اس دین کے سوا اور کسی دین کو ہرگز پسند نہیں فرمائے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَـٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَـٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۸۵)

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔“

دوسری آیت کریمہ جس کے بارے میں سائل نے پوچھا ہے‘ وہ یہ ہے:

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ ﴾ (القلم۶۸/ ۱۰۔۱۱)

”اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آ جانا جو بہت قسمیں کھانے والا‘ ذلیل اوقات ہے‘ طعن آمیز اشارتیں کرنے والا‘ چغلیاں لیے پھرنے والا۔“

سائل نے ان آیات کے شان نزول کے بارے میں پوچھا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ یہ آیات کسی خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔ البتہ ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو منع فرما دیا ہے کہ وہ ایسے شخص کے کہے میں نہ آئیں‘ جس میں یہ صفات موجود ہوں‘ جو ان آیات میں مذکور ہیں یعنی ﴿ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴾ ”جو بہت قسمیں کھانے والا‘ ذلیل اوقات ہو“ کیونکہ ایسا شخص فی نفسہ ذلیل و مہین ہوتا ہے اور اس کی بات کو اس وقت تک سچا نہیں مانا جاتا جب تک وہ قسم نہ کھا لے۔ ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴾ ”طعن آمیز اشارتیں کرنے والا‘ چغلیاں لیے پھرنے والا“ هَمَّاز اس شخص کو کہتے ہیں جو کثیر الغیبت ہو اور لوگوں کی چغلیاں کھاتا ہو۔ ﴿ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ لوگوں میں کثرت سے چغلیاں پھیلانے والا ہو۔ غیبت اور نمیمت میں فرق یہ ہے کہ غیبت تو یہ ہے کہ کسی انسان کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح ذکر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو اور نمیمت کے معنی ہیں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرنا اور ان میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے کوشش کرنا‘ مثلاً ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ فلاں شخص آپ کے بارے میں یہ یہ باتیں کرتا تھا۔ آپ کو گالی دیتا تھا‘ برا بھلا کہتا تھا‘ آپ کی یہ عیب جوئی کرتا تھا اور وہ یہ باتیں اس لیے کرے تاکہ دونوں میں دشمنی اور عداوت ڈال دے۔ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ»(صحيح البخاري، الأدب، باب ما يكره من النميمة، ح:٦٠٥٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، ح:١٠٥ واللفظ له)

”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔“ نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ۔

﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴾ ”مال میں بخل کرنے والا‘ حد سے بڑھا ہوا بدکار“ یعنی اس میں نہ صرف یہ کہ خود کوئی خیر نہیں ہے بلکہ وہ خیر کو دوسرے سے بھی روکتا ہے۔ ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ مخلوق پر زیادتی کرتا ہے۔ یعنی اس میں یہ دونوں خرابیاں ہیں کہ وہ مخلوق سے خیر کو روکتا بھی ہے اور مخلوق پر زیادتی بھی کرتا ہے اور یہ ظلم کی انتہاء ہوتی ہے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ ﴿ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴾ کہ وہ عداوت و دشمنی پیدا کرنے والی اپنی ان معصیتوں اور خیر سے لوگوں کو منع کرنے کی وجہ سے بہت بڑا گناہ گار ہے۔ ﴿ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴾ ”عُتُل“ کے معنی انتہائی سنگ دل اور متکبر شخص کے ہوتے ہیں اور ﴿ زَنِيمٍ ﴾ اسے کہتے ہیں‘ جو اپنے شر کی وجہ سے لوگوں میں معروف ہو۔ ”زَنِيم اس علامت کو کہتے ہیں جو جانور کی گردن میں ہو۔

﴿ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾ ﴾
(القلم٦٨/ ١٤-١٥)

"اس سبب سے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے' جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔"

یعنی اس شخص کے پاس چونکہ مال اور بیٹے تھے' اس لیے یہ مال وغیرہ کی وجہ سے فریب خوردہ ہو گیا' اس نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کر لی ہے اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' تو یہ کہتا ہے کہ یہ تو اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں' اس لیے قرآن کریم جس حسن و جمال اور جن عظیم معانی' جن آداب عالیہ' اخلاق فاضلہ' قصص نافعہ اور اخبار صادقہ پر مشتمل ہے' انہیں اس کے دل نے قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ تو محض اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لیجئے کہ گناہ جس شخص کے دل کو زنگ آلود کر دیں' اس کا دل نور حق اور نور ہدایت سے نیز قرآن عظیم کے شفاء اور نور سے محروم ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْفُجَّارِ لَفِى سِجِّينٍ ﴿٧﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المطففین٨٣/ ٧-١٤)

"سن رکھو! بدکاروں کے اعمال سجین میں ہیں۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ سجین کیا چیز ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے (یعنی) جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہ گار ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔"

اس نے آیات کو اگلے لوگوں کے افسانے اس لیے قرار دیا کہ ان میں جو نور' شفاء اور ہدایت ہے' وہ اس کے دل تک نہیں پہنچی کیونکہ گناہوں اور معصیتوں کی وجہ سے اس کے دل پر زنگ لگ چکا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہدایت حاصل کرے تو اس کے ہدایت اور نور میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱهْتَدَوْا۟ زَادَهُمْ هُدًى وَءَاتَىٰهُمْ تَقْوَىٰهُمْ ﴿١٧﴾ ﴾ (محمد٤٧/ ١٧)

"اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں' ان کو وہ مزید ہدایت بخشتا ہے اور پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَزِيدُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ٱهْتَدَوْا۟ هُدًى ۗ ﴾ (مریم١٩/ ٧٦)

"اور جو لوگ ہدایت یاب ہیں اللہ ان کو زیادہ ہدایت دیتا ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

دل میں آنے والا برائیوں کا خیال قابل معافی ہے

سوال بعض اوقات میرے دل میں کسی منکر فعل یا قول کا خیال آتا ہے لیکن اکثر و بیشتر میں اس قول یا فعل کا اظہار

نہیں کرتا' تو کیا اس صورت میں بھی مجھے گناہ ہو گا؟ نیز حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے کیا مقصود ہے:

﴿ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا۟ مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ ٱللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۴)

"جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جس کی چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

جواب اس آیت کریمہ کو حسب ذیل آیت نے منسوخ کر دیا ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا' برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں نے ایسا ہی کیا۔" [1]

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره . . . الخ، ح:٥٢٦٩ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس . . . الخ، ح:١٢٧)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرمایا ہے' جو دل میں پیدا ہوں جب تک ان کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے یا بات نہ کر لی جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں پیدا ہونے والے وسوسے اور بعض برائیوں کے ارادے قابل معافی ہیں' جب تک کہ ان کو قول یا فعل کی صورت میں عملی جامہ نہ پہنا دیا جائے اور اگر اس ارادے کے مطابق عمل کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے پیش نظر ترک کر دیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ [2] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس --- الخ' حدیث: 126

[2] صحیح البخاری' الرقاق' باب من ھم بحسنۃ اوبسیئۃ' حدیث: 6491 و صحیح مسلم' الایمان' باب اذاھم العبد بحسنۃ کتبت واذاھم بسیئۃ لم یکتب' حدیث: 131-

حائضہ عورت کے لیے کتب تفسیر کا مطالعہ

سوال کیا حالت جنابت یا حالت حیض میں دینی کتب مثلاً کتب تفسیر وغیرہ کا مطالعہ کرنا جائز ہے؟

جواب جنبی اور حائضہ کے لیے کتب تفسیر اور فقہ' دینی ادب' حدیث اور توحید وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز ہے۔ ان حالتوں میں قرآن مجید کو بطور تلاوت پڑھنا منع ہے۔ دعا یا استدلال وغیرہ کے لیے پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مسجدوں کی آبادی نماز کے ساتھ ہے

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ﴾ (التوبة۹/ ۱۸)

"اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں' جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔"

اس میں آباد کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا کافروں کے لیے مسجد کی تعمیر میں حصہ لینا جائز ہے؟ کیا عیسائی کارکنوں سے مسجد کے بنانے میں کام لیا جا سکتا ہے؟

جواب مسجدیں در حقیقت نماز' اطاعت' اعتکاف اور ان تمام بدنی اور قولی عبادات سے آباد ہوتی ہیں' جو ان میں سرانجام دی جائیں۔ گویا اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے' جو مسجدوں میں مختلف قسم کی عبادات سرانجام دیتے ہیں' نیز ان لوگوں کے لیے قرآن نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ ایمان دار ہیں جیسا کہ اس مرفوع حدیث میں بھی ہے' جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسَاجِدَ، فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ»(جامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة التوبة، ح:۳۰۹۳ وسنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة، ح:۸۰۲ واللفظ له)

"تم جب کسی آدمی کو مسجدوں میں آتے جاتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔"

اس حدیث میں بھی گویا اسی آیت سے استدلال ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے مسجدوں کو آباد کرنے کی نفی فرمائی ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا۟ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ ﴾ (التوبة۹/ ۱۷)

"مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔"

مسجدوں کی آبادی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حصول ثواب کی نیت سے انہیں پاک مال سے تعمیر کیا جائے' اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ مسجدوں کی تعمیر میں مال خرچ کرنا کفار کے لیے مفید اور منفعت بخش نہیں ہو سکتا کیونکہ شرک کی وجہ سے ان کے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں' البتہ انہوں نے اپنے مال سے کسی مسجد کو بنایا یا اس کی تعمیر میں حصہ لیا ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَلكُم فِيهَا جَمَالٌ --- ﴾ کی تفسیر

سوال کیا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾ ﴾ (النحل١٦/ ٦)

''اور تمہارے لیے ان (چوپایوں) میں حسن و جمال ہے' جب شام کو انہیں (جنگل سے) چرا لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو۔'' سے مقصود دنیا ہے؟

جواب یہ آیت سورۂ نحل کے ابتدا میں ہے اور اس سے مراد اونٹ ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے اور انہیں ہمارے لیے باعث جمال و زینت بنا دیا ہے کہ ان کے مالکان ان پر فخر کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مال اور ذخیرہ بنا دیا ہے کہ ہم ان کے حصول میں رغبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ جب وہ انہیں شام کو جنگل سے چرا کر لاتے ہیں اور جب صبح انہیں جنگل میں چرانے کے لیے لے جاتے ہیں' تو اس میں حسن و جمال (اور عزت و شان) کا پہلو بھی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بستیوں کی ہلاکت

سوال سورۃ الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾ ﴾ (الاسراء١٧/ ٥٨)

''اور (کفر کرنے والوں کی) کوئی بستی نہیں مگر قیامت کے دن سے پہلے ہم اسے ہلاک کر دیں گے یا سخت عذاب سے دوچار کریں گے۔ یہ کتاب (یعنی تقدیر) میں لکھا جا چکا ہے۔''

کیا یہ عذاب ان بستیوں پر بھی نازل ہوتا ہے' جن کے باشندے مومن ہوں یا ان پر نازل ہوتا ہے جن کے باشندے فاسق و فاجر اور اپنے رب کے نافرمان ہوں یا اس سے کیا مقصود ہے؟

جواب یہ آیت صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بستی کے لیے عذاب کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہ ایک یقینی خبر ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر بستی کے باشندوں سے ایسے کفر و معاصی کا ارتکاب ہو گا جو مستوجب عذاب ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور یہ ہر شہر و بستی کے لیے عام ہے۔ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں اور کئی رونما ہونے والے ہیں۔ عذاب کی کئی صورتیں ہیں مثلاً بیماریاں' فقر' بھوک' دولت کی کثرت اور دشمنوں کا غلبہ وغیرہ۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴾ کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب یہ آیت کریمہ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ یہ کہ اس دن تمام اطراف

سے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ملائکہ کرام علیہم السلام کے نزول کے لئے بہت سے دروازے ہوں گے' ملائکہ کے اس نزول کی طرف حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ ٱلسَّمَآءُ بِٱلْغَمَٰمِ وَنُزِّلَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ تَنزِيلًا ﴿٢٥﴾ ٱلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ ٱلْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۲۵۔۲٦)

"اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے' اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہو گی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہو گا۔"

اس آیت میں اس پھٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔ قراءت سبعہ میں اسے دو طرح پڑھا گیا ہے (۱) ﴿ وَ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴾ یعنی پہلی تاء کے کسرہ کے ساتھ اور (۲) ﴿ وَفُتِّحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴾ پہلی تاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ۔ یہ دوسری قراءت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ مشدد ہے اور مبالغہ و کثرت پر دلالت کرتی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً --- ﴾ کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَإِذَا رَأَوْا۟ تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا ٱنفَضُّوٓا۟ إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ ٱللَّهْوِ وَمِنَ ٱلتِّجَٰرَةِ ۚ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿١١﴾ ﴾ (الجمعة ٦۲/ ۱۱)

"اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو اس (تجارت) کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں' کہہ دیجئے! جو چیز اللہ کے ہاں ہے' وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے' اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔" کے کیا معنی ہیں؟

جواب یہ آیت کریمہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس خاص حالت سے متعلق نازل ہوئی ہے' جب ان کی معاشی حالت میں بہت تنگی تھی' زندگی بہت مشکل سے گزر رہی تھی کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کی فراوانی نہ تھی اور مال و دولت کی بے حد کمی تھی۔ ان حالات میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا۔ اس قافلہ کے سربراہ کی یہ عادت تھی کہ جب وہ آتا تو دف بجانے کا اہتمام کرتا تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے اور وہ اس سے آکر غلہ خرید لیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دف کی آواز کو سنا تو وہ مسجد سے باہر نکل گئے کیونکہ وہ تنگی کی حالت میں تھے اور کھانے کی اشیاء کی انہیں شدید ضرورت تھی۔ وہ مسجد سے باہر نکل گئے تاکہ کھانے کے لیے اور خرید و فروخت کے لیے غلہ خرید سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ بارہ اشخاص کے سوا' جن میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے' باقی سب لوگ مسجد سے باہر نکل گئے تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَإِذَا رَأَوْا۟ تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا ٱنفَضُّوٓا۟ إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ ٱللَّهْوِ وَمِنَ ٱلتِّجَٰرَةِ ۚ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿١١﴾ ﴾ (الجمعة ٦۲/ ۱۱)

"اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو اس (تجارت) کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں' کہہ دیجئے! جو چیز اللہ کے ہاں ہے' وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جو رزق اور آخرت میں جو ثواب ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ کھیل تماشے سے یہاں مراد تجارت کے لئے آنے والوں کے سامنے دف بجانا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اِنفَضُّوا اِلَيهَا ﴾ "اس کی طرف بھاگ گئے۔" اس سے مراد صرف تجارت ہے' یہ نہیں فرمایا کہ ﴿ اِنْفَضُّوْا اِلَيْهِمَا ﴾ "وہ ان دونوں کی طرف بھاگ گئے۔" یعنی کھیل تماشے اور تجارت کی طرف۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دف کے ساتھ کھیل تماشے کے لیے مسجد سے نہیں نکلے تھے بلکہ وہ ایک جائز مقصد یعنی تجارت کے لیے نکلے تھے۔ ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ کثرت سے رزق دیتا ہے اور اپنی کثیر تعداد مخلوق کو رزق دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ ﴾ (الذاريات ٥٨/٧١)

"اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔" اور فرمایا:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ ﴾ (ھود ٦/١١)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔"

مگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ہی سے دیتا ہے اور حکمت سے ہی روکتا ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے' کچھ لوگوں کو وہ رزق کی فراوانی اور وسعت سے نوازتا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ کون شکر ادا کرتا ہے اور کون کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے؟ یعنی دینے یا نہ دینے میں صرف اسی کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت خطبۂ جمعہ نماز کے بعد ہوتا تھا' نماز سے پہلے نہیں ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

امانت کے معنی

سوال درج ذیل آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں:

﴿ إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ ﴾ (الأحزاب ٧٢/٣٣)

"ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا۔"

جواب امانت سے مراد شرعی ذمہ داریاں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داریوں' اوامر و نواہی اور ثواب و عذاب کو ان مخلوقات کے سامنے پیش کیا تو یہ ڈر گئیں اور خوف کھانے لگیں کہ یہ عاجز ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی ان میں استطاعت نہ ہوگی' لہٰذا یہ اپنے جمادات بننے پر ہی راضی ہو گئیں اور اگر یہ ان ذمہ داریوں کو قبول کر لیتیں تو یہ بھی ان تمام افعال کی مکلّف ہوتیں' جن کا انسان کو مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ [1]

شیخ ابن جبرین

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴾ کے معنی

سوال اس آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں:

﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ ﴾ (البقرة ٢/ ١٨)

"(یہ) بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے راستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔"

جواب یہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تین صفتیں بیان کی ہیں کہ وہ بہرے ہیں نہ تو حق کو سنتے ہیں اور نہ اس کی طرف کان لگاتے ہیں۔ گونگے ہیں کہ حق بات کہتے نہیں اور اندھے ہیں کہ حق کو دیکھتے ہی نہیں۔ سماعت نافع' نطق حق اور رؤیت حق کے فقدان کے باعث ان پر چونکہ علم کے دروازے بند ہو چکے ہیں لہٰذا یہ اپنی سرکشی اور اپنے نفاق سے باز نہیں آئیں گے کیونکہ یہ غلطی یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے بارے میں فریب خوردہ ہیں۔ پس یہ بہرے' گونگے اور اندھے ہیں کہ کسی طرح بھی سیدھے راستے کی طرف نہیں آئیں گے۔

شیخ ابن عثیمین

القرء کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوٓءٍ ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٢٨) تو اس میں قُرُوْء سے کیا مراد ہے؟

جواب لغت میں قروء کا لفظ حالت طہارت اور حالت حیض دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں یہ لفظ حالت حیض کے لیے استعمال ہوا ہے۔ شارع کے اکثر استعمال اور جمہور صحابہ کے قول کے مطابق یہ لفظ حالت حیض ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

شیخ ابن جبرین

[1] آسان الفاظ میں اس مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرائض ہیں' جن کے اٹھانے سے آسمان نے بھی اپنا عجز ظاہر کیا اور زمین اور پہاڑوں نے بھی۔ مگر انسان نے اپنی بساط کو تو دیکھا نہیں اور کہا کہ میں اس بار کو اٹھاؤں گا۔ نادانی سے اس کو اٹھا تو لیا لیکن اٹھاتے ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگا' جس کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مورد عتاب قرار پایا۔ تب اسے سمجھ آئی کہ میں نے بڑی نادانی سے کام لیا ہے اور اپنے حق میں بڑا ظلم کیا ہے اور لگا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے۔ اس مشت خاک کو دیکھو اور اس کی بساط کو دیکھو اور اس کی جرأت کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کی امانت کو قبول کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ کمزور بھی تھا اور اس امانت کی عظمت سے ناواقف بھی تھا۔ (مترجم)

ولایت کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَا تَتَوَلَّوا قَومًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيهِم ﴾ میں ولایت سے کیا مراد ہے؟ کیا ان کے پاس جانا' باتیں کرنا اور ہنسنا وغیرہ بھی ولایت میں داخل ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ یہودیوں اور ان جیسے دیگر کفار سے محبت و مودت اور اخوت و نصرت کے تعلقات رکھیں اور انہیں دوست بنائیں خواہ وہ مسلمانوں سے جنگ نہ بھی کر رہے ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

"جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ١١٨-١١٩)

"اے مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازداں نہ بنانا' یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو! تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (مگر وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ (بدبختو!) غصے میں مر جاؤ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔"

اس کے علاوہ کتاب و سنت کے دیگر بہت سے نصوص میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو غیر حربی کافروں سے حسن سلوک کرنے' بیع و شراء کرنے یا ان کے تحائف قبول کرنے سے منع نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ٨۔٩)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے' جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اور جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔''

——— فتویٰ کمیٹی ———

﴿ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴾ سے مقصود

سوال ہم ایک مجلس میں سورۃ الاعلیٰ کی دو آیات کریمہ نمبر١٨' نمبر١٩ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے' جو یہ ہیں:

﴿ إِنَّ هَٰذَا لَفِى ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾ ﴾ (الأعلی٢/ ١٨۔١٩)

''یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے' (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

سوال یہ ہے کہ سورۃ الاعلیٰ کا سبب نزول کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی کتابوں کی بجائے ان کے صحیفوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحف نازل فرمائے تھے۔ صحف' صحیفہ کی جمع ہے اور صحیفہ اسے کہتے ہیں جس میں حکمتیں' مواعظ اور احکام لکھے ہوں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات سے پہلے صحیفے نازل کیے گئے تھے۔ اگرچہ ان صحائف کی تعداد میں اختلاف ہے' تاہم اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِى صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَٰهِيمَ ٱلَّذِى وَفَّىٰٓ ﴿٣٧﴾ ﴾ (النجم٥٣/ ٣٦۔٣٧)

''کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں' ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔''

صحف کا واحد صحیفہ ہے اور صحیفہ کاغذ وغیرہ کے اس صفحہ کو بھی کہتے ہیں' جس میں کلام اللہ لکھا جائے اور اس سے مراد وہ سب کچھ بھی ہو سکتا ہے' جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا۔ قرآن مجید کی تعریف میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿١٤﴾ ﴾ (عبس٨٠/ ١٣۔١٤)

''قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا)' جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔''

یہ اس وقت کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے' جب قرآن مجید ابھی مکمل لکھا ہوا نہیں تھا یا ابھی مکمل نازل ہی نہیں ہوا

تھا' شاید یہ مستقبل کے حوالے سے خبر ہو۔ بہرحال صحف کا لفظ کتب کی نسبت خاص ہے لیکن کبھی کبھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا خفیہ اعضاء کو دیکھنا وسوسہ تھا؟

سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُۥرِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَٰتِهِمَا ﴾ (الأعراف۷/ ۲۰)

"پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔"

اس وسوسے کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ وسوسہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام سے شیطان کے براہ راست کلام کی صورت میں تھا؟ کیا وہ انسان جو مرض وسوسہ میں مبتلا ہو گیا مرفوع القلم ہے کیونکہ وسوسہ تو جنون کی ایک قسم ہے؟"

جواب ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُۥرِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَٰتِهِمَا ﴾ (الأعراف۷/ ۲۰)

"پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔"

یعنی شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان سے زبانی یہ کہا:

﴿ مَا نَهَىٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةِ إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ ٱلْخَٰلِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ ٱلنَّٰصِحِينَ ﴿٢١﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۲۰-۲۱)

"تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

یہ کلام' حقیقت اور وسوسہ دونوں پر مبنی ہے' جسے شیطان نے ان دونوں کے دل میں ڈال دیا تھا۔ انسانوں کو جو وسوسے پیش آتے ہیں' یہ اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتے' جب تک انسان انہیں شدت سے دور کرتا رہے اور اگر ان کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے کہ کیا تو یہ عقیدہ رکھتا ہے؟ تو یہ شدت سے انکار کر دے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس قسم کے وسوسے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی تو آپ نے حکم دیا تھا کہ اس حالت میں أَعُوْذُ بِاللهِ پڑھ لیا کرو اور وسوسے سے رک جایا کرو۔ اگر انسان ایسا کرے تو اس کے میلان و رجحان کے بغیر اس کے دل پر طاری ہونے والے وسوسے اس کے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہوتے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تفسیر کی کتاب قرآن مجید کے برابر نہیں

سوال کتب تفسیر پر یہ آیت کریمہ کیوں نہیں لکھی جاتی:

﴿ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾ (الواقعة۵۶/ ۷۹)

17565

"اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک لوگ ہیں۔"

جواب کتب تفسیر چونکہ مفسرین کے کلام اور اقوال پر بھی مشتمل ہوتی ہیں لہٰذا یہ بھی دیگر دینی کتب کی مانند ہیں' یعنی بے وضو انہیں ہاتھ لگانا جائز ہے خواہ ان میں قرآن مجید کا اکثر حصہ موجود ہو۔ البتہ اس مصحف کو بے وضو ہاتھ لگانا منع ہے جس میں مکمل قرآن مجید ہو یا اس کا اکثر حصہ موجود ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کوتاہ ہندی تفسیر

سوال جماعت اسلامی ہند آیت کریمہ ﴿ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ﴾ (الشوری: ۴۲/۱۳) "دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔" کی تفسیر یہ کرتی ہے کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرو لیکن ان امور و معاملات میں جو حکام و محکومین سے متعلق ہیں' معاشرہ کو اس طرح استوار کرنے میں کسی کا دخل نہیں' جن کی اسلام دعوت دیتا ہے۔ البتہ مولانا مودودی نے عبادت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے' جب کہ دین اور اطاعت کا لفظ ان سب اشیاء پر مشتمل ہے لیکن یہ جماعت اس پر یہ اعتراض بھی کرتی ہے کہ اگر ہم اطاعت کے معنی عبادت کے کریں تو ﴿ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول کی عبادت کرو حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے' تو اس سلسلہ میں صحیح رائے کیا ہے؟

جواب اس جماعت کی یہ تفسیر بلاشک ایک غلط تفسیر ہے کیونکہ عبادت کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کو مانتے ہوئے اس کے سامنے عجز و نیازمندی کے اظہار کے ہیں' خواہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے معاملہ سے ہو یا اس کی مخلوق کے معاملہ سے۔ اس بات کی دلیل کہ مخلوق سے معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہے' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے معاملہ کے مسئلے کو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت یعنی آیت دَین میں ذکر کیا ہے' جو حسب ذیل ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى فَٱكۡتُبُوهُۚ وَلۡيَكۡتُب بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبُۢ بِٱلۡعَدۡلِۚ وَلَا يَأۡبَ كَاتِبٌ أَن يَكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُۚ فَلۡيَكۡتُبۡ وَلۡيُمۡلِلِ ٱلَّذِي عَلَيۡهِ ٱلۡحَقُّ وَلۡيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡـٔٗاۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِي عَلَيۡهِ ٱلۡحَقُّ سَفِيهًا أَوۡ ضَعِيفًا أَوۡ لَا يَسۡتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهُۥ بِٱلۡعَدۡلِۚ وَٱسۡتَشۡهِدُواْ شَهِيدَيۡنِ مِن رِّجَالِكُمۡۖ فَإِن لَّمۡ يَكُونَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٞ وَٱمۡرَأَتَانِ مِمَّن تَرۡضَوۡنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحۡدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحۡدَىٰهُمَا ٱلۡأُخۡرَىٰۚ وَلَا يَأۡبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُواْۚ وَلَا تَسۡـَٔمُوٓاْ أَن تَكۡتُبُوهُ صَغِيرًا أَوۡ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦۚ ذَٰلِكُمۡ أَقۡسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقۡوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَرۡتَابُوٓاْ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةٗ تُدِيرُونَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَلَّا تَكۡتُبُوهَاۗ وَأَشۡهِدُوٓاْ إِذَا تَبَايَعۡتُمۡۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٞ وَلَا شَهِيدٞۚ وَإِن تَفۡعَلُواْ فَإِنَّهُۥ فُسُوقُۢ بِكُمۡۗ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ ۝٢٨٢ وَإِن كُنتُمۡ عَلَىٰ سَفَرٖ وَلَمۡ تَجِدُواْ كَاتِبٗا فَرِهَٰنٞ مَّقۡبُوضَةٞۖ فَإِنۡ أَمِنَ بَعۡضُكُم بَعۡضٗا فَلۡيُؤَدِّ ٱلَّذِي ٱؤۡتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ وَلۡيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥۗ وَلَا تَكۡتُمُواْ ٱلشَّهَٰدَةَۚ وَمَن يَكۡتُمۡهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٞ قَلۡبُهُۥۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ ۝٢٨٣ ﴾

(البقرۃ ۲/ ۲۸۲-۲۸۳)

"اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے۔ نیز لکھنے والا جیسا اسے اللہ نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے جو کہ اس کا مالک ہے خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے اور قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے..... تو اگر تم میں کوئی ایک دوسرے کو امین سمجھے تو چاہیے کہ جس کو امین سمجھا گیا ہے' وہ اس (امین سمجھنے والے) کو اس کی امانت ادا (واپس) کر دے اور چاہیے کہ اپنے رب' اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا' جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہو گا اور اللہ سب کاموں سے واقف ہے۔"

وہ انسان جو عبادات میں تو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے حکم کو مانتا ہے مگر معاملات میں اسے تسلیم نہیں کرتا تو وہ در حقیقت ساری شریعت ہی کا منکر ہے' کیونکہ مکمل شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اگر وہ شریعت کے کچھ حصے کو مانتا اور کچھ کا انکار کرتا ہے' تو وہ ساری شریعت کا منکر و کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اسی طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ ٱلْكِتَـٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۸۵)

"(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو۔"

جو شخص بعض رسولوں پر تو ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے یا رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کچھ شریعت کو تو مانے اور کچھ کو نہ مانے تو ایسا شخص حقیقت میں کافر اور اپنی خواہش نفس کا پجاری ہے۔ ان لوگوں کا ان کی تردید کرنا درست نہیں ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ دین ان تمام اشیاء کو شامل ہے کیونکہ طاعت رسول در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طاعت ہے اور اطاعت رسول کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ہمیں جو حکم دیا ہے' اسے تسلیم کریں اور جس بات سے منع فرمایا ہے' اس سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بھی اطاعت کے یہی معنی ہیں اور اسی کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ وحدہ کے لیے عبادت کو خالص کریں اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایمان باللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو روکا

سوال سورۂ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوْلَآ أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ﴾ تو اس برہان کے معنی کیا ہیں اور اس سے کیا مقصود ہے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِۦ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَـٰنَ رَبِّهِۦ ﴾ (یوسف۱۲/ ۲۴)

"اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا اور اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے (تو ہوتا جو ہوتا۔")

وہ نشانی جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے ارادے کے مابین حائل ہو گئی' وہ ایمان' خشیت اور اللہ کا خوف تھا کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا ایمان ہی اس بات سے بچاتا ہے کہ وہ کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں جس قدر زیادہ علم رکھتا ہو گا' اس کے دل میں اسی قدر زیادہ خشیت اور خوف ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُا۟ ﴾ (فاطر ۳۵/ ۲۸)

"اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں' جو صاحب علم ہیں۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جس نشانی کو دیکھا' وہ نور تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا تھا۔ یہ نور ایمان اور خشیت الٰہی کے چشموں سے پھوٹتا تھا اور اس نور نے انہیں قصد کے حصول سے روکا۔

شیخ ابن عثیمین

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِلَّا ٱللَّمَمَ ﴾ کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِلَّا ٱللَّمَمَ ﴾ کی کیا تفسیر ہے؟

جواب سورۃ النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ لِيَجْزِىَ ٱلَّذِينَ أَسَٰٓـُٔوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَيَجْزِىَ ٱلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ بِٱلْحُسْنَى ﴿٣١﴾ ٱلَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَٰٓئِرَ ٱلْإِثْمِ وَٱلْفَوَٰحِشَ إِلَّا ٱللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَٰسِعُ ٱلْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِى بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ ٱتَّقَىٰٓ ﴿٣٢﴾ ﴾

(النجم ۵۳/ ۳۱-۳۲)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' سب اللہ ہی کا ہے۔ (اور اس نے مخلوق کو) اس لیے (پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔ جو لوگ صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں تو بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ۔ جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔"

تو اس آیت میں ﴿ إِلَّا ٱللَّمَمَ ﴾ کے متعلق سوال کیا گیا ہے' تو اس کے بارے میں علمائے تفسیر میں اختلاف ہے۔ انہوں نے اس کے معنی و مفہوم کے بارے میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں' جن میں سے سب سے اچھے یہ دو قول ہیں:

1 اس سے وہ صغیرہ گناہ مراد ہیں' جن کا انسان ارتکاب کر بیٹھتا ہے' مثلاً ایسی چیزوں کی طرف دیکھنا اور سننا وغیرہ جو صغیرہ گناہوں کے قبیل سے ہوں۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ ان کا استدلال سورۃ النساء کی اس آیت سے ہے:

﴿ إِن تَجْتَنِبُوا۟ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا

کَرِیمًا ﴿۳۱﴾ (النساء٤/ ٣١)

''اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے' اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔'' ①

تو ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت میں مذکورہ گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں' جنہیں لَمَم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ان سے اجتناب ہر انسان کے لیے مشکل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں گے' تو وہ ان کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دے گا بشرطیکہ وہ صغیرہ گناہوں پر بھی اصرار نہ کریں۔ کبیرہ گناہوں سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں سب سے اچھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہیں' جن کے ارتکاب پر دنیا میں حد نافذ کی جاتی ہے مثلاً چوری' بدکاری' تہمت اور نشہ آور چیزوں کا استعمال یا اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعید سنائی ہے کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے غضب' لعنت یا جہنم کی آگ کا مستحق ہو گیا مثلاً سود' غیبت' چغلی' اور سب و شتم وغیرہ۔ اس بات کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ انسان جب کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے اور صغیرہ گناہوں پر بھی اصرار نہ کرے تو صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

«كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لاَ مَحَالَةَ فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلاَمُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى، وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ»(صحيح البخاري، الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج، ح:٦٢٤٣ وصحيح مسلم، القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره، ح:٢٦٥٧ واللفظ له)

ہر ابن آدم کے لیے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے' جسے وہ ضرور پائے گا' دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' دونوں کانوں کا زنا سننا ہے' زبان کا زنا کلام کرنا ہے' ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے' پاؤں کا زنا چلنا ہے' دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔''

اس بات کی دلیل کہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا اور ان پر اصرار نہ کرنا واجب ہے' حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ ﴾(آل عمران٣/ ١٣٥۔١٣٦)

''اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں' تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے' ایسے ہی لوگوں کا صلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش اور ایسے باغات ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔''

① تفسیر ابن کثیر: 4/274' 275

2 لَمَم سے مراد وہ گناہ ہیں، جن کا انسان ارتکاب کر بیٹھتا ہے مگر پھر وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیتا ہے جیسا کہ سابقہ آیت میں ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً ﴾ (آل عمران۳/ ۱۳۵)

"اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھتے ہیں۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور۲٤/ ۳۱)

"اے مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن ذنوبه . . . الخ، ح:٢٤٩٩ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، ح:٤٢٥١)

"تمام بنی آدم خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کر لیں۔"

ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے، اس لیے سچی پکی توبہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ سچی توبہ وہ ہے جس میں سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کیا جائے، انہیں ترک کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے خوف، اس کی تعظیم اور اس کی مغفرت کی امید کی وجہ سے یہ سچا عزم کیا جائے کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا۔

اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو مثلاً کسی کی چوری کی ہو، کسی کا مال چھینا ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کو مارا ہو، کسی کو گالی دی ہو یا کسی کی غیبت وغیرہ کی ہو تو پھر توبہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ان بندوں کے حقوق کو ادا کرے یا ان سے معاف کروا لے الا یہ کہ گناہ کا تعلق غیبت سے ہو یعنی کسی کی عزت و آبرو کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں بات کی گئی ہو اور اسے معاف کروانا ممکن نہ ہو کہ اسے بتانے کی صورت میں زیادہ خرابی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں یہی کافی ہے کہ غائبانہ طور پر اس کے لیے دعا کی جائے اور ان جگہوں میں اپنے علم کے مطابق اس کی اچھی صفات اور اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے، جہاں اس نے اس کی غیبت کی تھی اور اگر زیادہ خرابی کے رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس نے اس کی غیبت کی تھی۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں اور آپ کو ہر برائی سے بچائے، ہم سب پر احسان کرتے ہوئے ہمیں دین پر استقامت عطا فرمائے، اپنی ناراضی کے اسباب سے بچائے اور اپنی شرع کے مخالف تمام امور سے ہمیں توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه جواد کریم

——— الرئیس العام ———

لادارات البحوث العلمية والافتا والدعوة والارشاد

شیخ عبدالعزیز بن باز

مذاق کرنے والے

سوال اس آیت کا کیا مفہوم ہے اور یہ کن کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ٦٥)

"اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو! کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟"

جواب یہ آیت یا آیات ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' جو آپس میں قافلہ والوں کی باتیں کر رہے تھے تاکہ راستہ کو طے کر لیں اور راستہ کی مشقت کو بھول جائیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ لوگ یہ کہتے تھے۔ -والعیاذ باللہ۔ کہ "ہم نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جو ہمارے ان قراء سے بڑھ کر پیٹ کے بارے میں رغبت کرتے ہوں' زبان کے زیادہ جھوٹے ہوں اور میدان جنگ میں زیادہ بزدل ثابت ہوں" حالانکہ منافقوں کی یہ ساری باتیں جھوٹ پر مبنی تھیں کیونکہ تمام لوگوں سے زیادہ پیٹو اور کھانے پینے کے زیادہ حریص وہ خود تھے۔ تمام لوگوں سے زیادہ جھوٹے تھے اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ بزدلی دکھانے والے وہ خود تھے' غزوۂ احد کے موقع پر گھروں سے جہاد کے لیے نکلنے کے بعد واپس لوٹ گئے تھے' جو کہ ان کی بزدلی اور دُوں ہمتی کی دلیل تھی کیونکہ یہ ایمان و عقیدے کی دولت سے محروم تھے۔ جب یہ لوگ مذکورہ باتیں کر رہے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ دو آیتیں نازل فرما دیں۔ یہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان سے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ ہم تو ہنسی مذاق کی باتیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ٦٥-٦٦)

"کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ' اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے مذاق کرنا کفر ہے' جس سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

سوال کیا اس آیت کو ان لوگوں پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے' جو ان لوگوں کا ہنسی مذاق اڑاتے ہیں جو داڑھیاں رکھتے' کپڑے ٹخنوں سے اونچے رکھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہیں؟

جواب یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے والوں اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والوں سے شریعت کی وجہ سے مذاق کرتے ہیں' تو ان کا یہ مذاق در حقیقت شریعت سے ہے اور شریعت کا مذاق اڑانا کفر ہے اور اگر ان کا مذاق ان اشخاص سے ہے اور یہ مذاق داڑھی اور کپڑوں کے بارے میں سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے نہیں ہے تو اس سے وہ کافر نہیں ہوں گے کیونکہ لوگ بسا اوقات کسی انسان سے مذاق تو کرتے ہیں لیکن اس کے عمل اور فعل سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا' لیکن اگر وہ اس فعل کی وجہ سے مذاق اڑائیں تو یہ کفر ہے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شریعت کا مذاق ہے چنانچہ ہر انسان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اہل علم یا ان اہل دین کے ساتھ مذاق سے اجتناب کرے' جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

﴿ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعٰى ﴾ اور ﴿ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعٰى ﴾ کی تفسیر

سوال سورۂ یٰسٓ کی آیت ۲۰ میں ہے:

﴿ وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱتَّبِعُوا۟ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾ (یس۳۶/ ۲۰)

"اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا' کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔"

اسی طرح سورۃ القصص کی آیت ۲۰ میں ہے:

﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّ ٱلْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَٱخْرُجْ إِنِّى لَكَ مِنَ ٱلنَّٰصِحِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾ (القصص۲۸/ ۲۰)

"اور ایک آدمی شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہا' اے موسیٰ! (شہر کے رئیس) تمہارے بارے میں مشورہ کرتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں' سو تم یہاں سے نکل جاؤ' میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

سوال یہ ہے کہ یہ دو آدمی کون ہیں اور ان دو آیتوں کی تفسیر کیا ہے؟

جواب سوال کے جواب سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ جب قرآن و سنت میں کسی شخص کا تذکرہ مبہم آیا ہو تو واجب ہے کہ اسے مبہم ہی رکھا جائے اور اس کی تعیین کے لیے تکلف نہ کیا جائے کیونکہ اصل اہمیت تو اس قصہ کی ہے' جسے بیان کیا جا رہا ہوتا ہے اور فلاں یا فلاں شخص کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اہمیت امر واقع کی ہوتی ہے۔ ان دو آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ کون تھا۔ سورۃ القصص میں ارشاد ہے:

﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ﴾ (القصص۲۸/ ۲۰)

"اور ایک آدمی شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا۔"

اور سورۂ یٰسٓ میں فرمایا:

﴿ وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ ﴾ (یس۳۶/ ۲۰)

"اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا۔"

یعنی سورۃ القصص میں شخص کا ذکر مقدم ہے اور سورۂ یٰسٓ میں مؤخر' مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے کون' لہٰذا اس کی تعیین میں کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اس طرح کے اشخاص کی تعیین میں مشغول نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس طرح کی آیات و احادیث کو مبہم ہی رہنے دینا چاہیے اور مخاطب کو توجہ ان احکام و مواعظ کی جانب مبذول کرنا چاہیے جو اس قصے سے مقصود ہوں۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر یہ ہے کہ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک ہمدرد و خیر خواہ شخص کو بھیج دیا جس نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ شہر کے اشراف و اکابر یعنی رئیس یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کریں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے آسانی پیدا کر دی کہ انہیں حقیقت حال کا علم ہو گیا اور اس شخص نے راہنمائی کرتے ہوئے کہا:

﴿ فَٱخْرُجْ إِنِّى لَكَ مِنَ ٱلنَّٰصِحِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾ (القصص۲۸/ ۲۰)

"سو تم یہاں سے نکل جاؤ' میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آگے سارا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اور سورۂ

یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے ایک بستی والوں کی طرف دو رسول بھیجے' مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی رسالت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید و حمایت کے لیے ایک تیسرے رسول کو بھیج دیا' مگر بستی والے بدستور رسولوں کا انکار کرتے رہے اور اس طرح رسولوں اور اس بستی والوں کے مابین ہوا جو ہوا' تو اس اثنا میں ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس معاملے کی اہمیت کے پیش نظر' یہاں پرلی جانب کا پہلے ذکر کیا ہے اور اس نے آکر اپنی قوم سے کہا:

﴿ يَٰقَوْمِ ٱتَّبِعُوا۟ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾ ٱتَّبِعُوا۟ مَن لَّا يَسْـَٔلُكُمْ أَجْرًا وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا لِىَ لَآ أَعْبُدُ ٱلَّذِى فَطَرَنِى وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (یس۳۶/ ۲۰-۲۲)

"اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو' ان کی اتباع کرو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور سیدھے راستے پر ہیں اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اس (مالک) کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا' جب کہ تم بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ نے آگے سارا قصہ بیان فرمایا ہے۔ یہ شخص اپنی قوم کا ہمدرد اور خیرخواہ تھا اور اسے اس کا صلہ یہ ملا کہ اس سے کہا گیا:

﴿ قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِى رَبِّى وَجَعَلَنِى مِنَ ٱلْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ ﴾ (یس۳۶/ ۲۶-۲۷)

"حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا۔ بولا کاش! میری قوم کو خبر ہو کہ اللہ نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کیا۔"

شیخ ابن عثیمین

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا --- ﴾ کی تفسیر

سوال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے کیا معنی ہیں؟

﴿ وَعَلَى ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِى ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ ٱلْبَقَرِ وَٱلْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَآ أَوِ ٱلْحَوَايَآ أَوْ مَا ٱخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَٰهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَٰدِقُونَ ﴿١٤٦﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٦)

"اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو۔ یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔"

جواب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے یہودیوں پر ناخن والے تمام چوپائے جانور حرام کر دیے تھے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ ناخن والے جانور سے مراد وہ جانور ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں میں کٹ نہ ہو بلکہ وہ آپس میں یکجا ہو کر ملے ہوئے ہوں' مثلاً جس طرح اونٹ کا پاؤں ہوتا ہے جب کہ کچھ جانوروں کے پاؤں کٹے بھی ہوتے ہیں' مثلاً جس طرح بکریوں اور گایوں کے پاؤں تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا' نیز ان کے لیے گایوں

اور بکریوں کی چربی کو بھی حرام قرار دیا تھا۔ سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو' تو یہ ان کے لیے حلال تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ حرمت ان کی سرکشی اور عداوت کی وجہ سے تھی' یعنی انہوں نے جب بغاوت و عداوت کی روش کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بعض پاک (اور حلال) چیزوں کو بھی حرام قرار دے دیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٠)

"تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔"

یہ گویا دنیا میں سزا کی ایک صورت تھی اسی لیے تو فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ جَزَيْنَٰهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَٰدِقُونَ ﴿١٤٦﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٦)

"یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔"

اس آیت میں ضمیر "ہم" یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اس نے یہاں جمع کے صیغے تعظیم کے لئے استعمال کیے ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ سچا قائل اور سب سے بڑا عادل حاکم ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے رب کی معصیت اور نافرمانی کرتا ہے تو اس پر بعض پاک (اور حلال) چیزوں کو بھی حرام قرار دیا جاتا ہے۔ یا تو شرعاً جیسا کہ یہودیوں کے لیے مذکورہ بالا اشیاء کو حرام قرار دیا گیا تھا یا پھر انہیں قدراً حرام قرار دیا جاتا ہے کہ انسان کئی ایسی آفتوں سے دوچار ہو جاتا ہے جو اسے بعض پاک (اور حلال) چیزیں کھانے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اسی طرح گناہوں اور معصیتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اور اگر لوگ تقویٰ کی زندگی بسر کریں' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پابندی کریں اور اپنے رب کی اطاعت بجالائیں تو پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ ٱلْقُرَىٰٓ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ (الأعراف٧/ ٩٦)

"اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایمان و تقویٰ کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ کی تفسیر

سوال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی کیا تفسیر ہے؟

﴿ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ (البقرة٢/ ٤١)

"اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو۔"

جواب اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ بعض لوگ' جن کو اللہ تعالیٰ نے آیات کا علم دیا ہوتا ہے' وہ ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں۔ یعنی دنیا کی خاطر اللہ کے دین کو چھوڑ دیتے ہیں یا دنیا کی خاطر اپنے جاہ و منصب کو تو باقی رکھنا چاہتے ہیں مگر اللہ کے دین کو ترک کر دیتے ہیں مثلاً ایک عالم کو یہ تو علم ہوتا ہے کہ یہ چیز حرام ہے مگر وہ اسے حرام نہیں کہتا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ لوگ اس سے دور ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ یا وہ ڈرتا ہے کہ حرام کا فتویٰ دینے سے بادشاہ اس کی تنخواہ کم کر دے گا' یا اسے اس کے منصب سے معزول کر دے گا' لہٰذا اس خطرہ کی وجہ سے وہ حرام کو بھی حلال قرار دینے لگ جاتا ہے۔ تاکہ عوام میں اپنی مقبولیت کو برقرار رکھ سکے یا بادشاہ کے عطا کردہ منصب پر فائز رہ سکے۔ بہر حال اس آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ کچھ لوگ امور دنیا کی خاطر اللہ کے دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ --- ﴾ میں امانت سے کیا مراد ہے

سوال اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۷۲)

''ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا' بے شک وہ بڑا ظالم اور بڑا نادان تھا۔''

یہاں امانت سے کیا مقصود ہے؟ کیا اس سے مقصود امانت عقل ہے یا وہ چیز جس کا انسان کو امین بنایا گیا ہے؟

جواب امانت سے مراد یہاں وہ تمام عبادات و معاملات ہیں' جن کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔ یہ سب امانت ہیں۔ انسان کو ان کا امین بنایا گیا ہے کیونکہ ان کا ادا کرنا انسان کے لیے واجب ہے' مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج' جہاد' والدین سے حسن سلوک اور اقراروں کو پورا کرنا وغیرہ۔ یہ سب امور امانت ہیں اور وہ تمام امور جن کا انسان کو مکلف کیا گیا ہے' وہ امانت میں داخل ہیں مگر ان امور کی پابندی چونکہ عقل ہی سے ہو سکتی ہے اس لیے عقل ہی کی وجہ سے انسان حامل امانت ہے۔ جانور وغیرہ حامل امانت نہیں ہیں کیونکہ وہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے غیر مکلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ ان بڑی بڑی مخلوقات نے بار امانت اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ ڈر گئیں لہٰذا انسان کا اس کو اٹھا لینا اس کے ظلم اور نادانی کی دلیل ہے' لیکن وہ قابل ستائش ہے جس نے اس بار امانت کو اٹھایا' اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اسے بجا لایا' جس سے منع کیا ہے اس سے اجتناب کیا اور اس طرح وہ آسمانوں اور زمین سے افضل قرار پایا کیونکہ اس نے اس بار امانت کو اٹھایا اور پھر اس طرح اس کے حق کو ادا کیا جس طرح اس سے تقاضا کیا گیا تھا' لہٰذا اسے ایک تو بارِ امانت کے اٹھانے کا شرف حاصل ہوا اور دوسرا اسے ادا کرنے کا اور اگر وہ اس بار امانت کو نہ اٹھائے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو ایسے شخص کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَثَلُ ٱلَّذِينَ حُمِّلُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ ٱلْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًۢا ﴾ (الجمعة۶۲/ ۵)

"جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارے تعمیل) کو نہ اٹھایا' ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔" نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ۵۵)

"بلاشبہ جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں' سو وہ ایمان نہیں لاتے۔"

تو وہ انسان جو امانت کے تقاضے کو پورا نہ کرے' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہے۔ وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ حماقت اور معاملہ نافہمی کی وجہ سے ایسے انسان کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اللہ کا ڈر

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر ڈرنے والے علماء ہیں' لیکن کون سے علماء؟ وہ جنہیں اللہ عزوجل کی معرفت' اس کی شریعت اور اس کی آیات کا علم ہے۔ اس سے مراد وہ علماء نہیں جنہیں صنعت وغیرہ کا علم ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جب کہ وہ علماء جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی کونی و شرعی آیات کا علم ہوتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر شناسی کرتے ہیں جیسی کرنی چاہیے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو پہچانتے ہیں۔ اس لیے وہ علم و بصیرت کی بنیاد پر اللہ سے ڈرتے ہیں' بخلاف ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم نہیں رکھتے' وہ اس سے ڈرتے بھی نہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جتنا زیادہ علم ہو گا' وہ اسی قدر اس سے زیادہ ڈرے گا اور اس کے دین کے مطابق زیادہ عمل کرے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بسم اللہ کے اسرار اور آیت کریمہ میں لفظ ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کے کیا معنی ہیں

سوال میرا پہلا استفسار تو کتاب اللہ میں وارد بسم اللہ کے اسرار و آثار کے بارے میں ہے اور دوسرا استفسار یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْلَكُمْ خَطَايَاكُمْ ﴾ میں لفظ حِطَّةٌ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہر اہم کام کے وقت اس کا ذکر کیا جائے تاکہ اس کے نام سے برکت حاصل کی جائے' خیر کو حاصل کیا جائے اور شر کو دور کیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ﴾ (العلق۹۶/ ۱)

"اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو۔" اور فرمایا:

﴿ وَٱذْكُرِ ٱسْمَ رَبِّكَ ﴾ (المزمل۷۳/ ۸)

"اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔"

حکم شریعت ہے کہ کھاتے' پیتے' مباشرت کرتے' گھر میں داخل ہوتے' سوتے' سواری پر سوار ہوتے اور اترتے' لکھتے

پڑھتے' اور اس طرح کے ہر اہم کام کے آغاز میں اللہ کا نام لیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے خیر و بھلائی حاصل ہوتی ہے' کراہت و ہلاکت دور ہوتی ہے' رزق' فتح و نصرت اور مطلوب کے حاصل کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔ تھوڑی چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ ڈر اور خوف کے وقت اللہ کا نام لیا جائے تو وہ دور ہو جاتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اللہ کا نام لینے والا اخلاص اور یقین کے ساتھ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے مدد حاصل کرتا' رحم طلب کرتا اور اپنے کاموں کو شروع کرتا ہوں..... الخ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو حکم دیا تھا کہ بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت حِطَّةٌ پڑھنا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہماری خطاؤں سے درگزر کرنا اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دینا۔ مگر انہوں نے اس کلمہ کو بدل کر حِنْطَةٌ کہنا شروع کر دیا' جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں گندم عطا فرما۔

—— شیخ ابن جبرین ——

﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ اور ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ کی تفسیر

سوال ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴾ اور آیت کریمہ ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴾ کی کیا تفسیر ہے؟

جواب پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ اور ان سے موسم گرما اور سرما کے مشرق مراد ہیں' موسم گرما کے مشرق میں سورج شمال کی طرف اپنے مدار کے انتہائی آخری کنارے میں ہوتا ہے اور موسم سرما میں سورج جنوب کی طرف اپنے مدار کے انتہائی آخری کنارے میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے اور ان دونوں کے اختلاف میں مخلوق کے لیے عظیم مصلحتیں ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے تمام قدرت اور کمال رحمت و حکمت کی بھی ایک واضح دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سورج کو ایک مشرق سے دوسرے مشرق اور ایک مغرب سے دوسرے مغرب کی طرف پھیر سکے' اسی لیے تو اس نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾ ﴾ (الرحمن ۵۵/ ۱۷۔۱۸)

"وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک (ہے) تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴾ کے بعد ﴿ فَبِاَيِّ الآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ کی آیت کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دو مشرقوں اور دو مغربوں سے موسم سرما و گرما کے سورج کے دو مشرق اور دو مغرب مراد ہیں۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَٰرِقِ وَالْمَغَٰرِبِ ﴾ (المعارج ۷۰/ ۴۰)

"ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم۔"

اس میں مشرق و مغرب کے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں' جب کہ ایک تیسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَّبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ ﴾ (المزمل ۷۳/ ۹)

"(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔"

ان آیات کریمہ میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ جس آیت میں تثنیہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں' اس سے جو مراد ہے وہ ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں اور جس آیت میں مشرق و مغرب کی جمع مشارق و مغارب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں تو اس سے یا تو ہر روز کا مشرق و مغرب مراد ہے کیونکہ آج کا مشرق و مغرب کل کے مشرق و مغرب سے مختلف ہوتا ہے یا اس سے نجوم و کواکب اور شمس و قمر کے مشارق و مغارب مراد ہیں۔

جس آیت میں واحد کا صیغہ مشرق و مغرب استعمال ہوا ہے' اس سے مراد جہت ہے۔ یعنی وہی ہر چیز کا مالک اور ہر چیز کا رب ہے خواہ وہ چیز مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ یاد رہے کہ کتاب اللہ اور صحیح سنت رسول اللہ ﷺ میں کوئی تضاد نہیں ہوتا' نہ نصوص میں اور نہ امرواقع کے اعتبار سے۔ اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ کتاب و سنت میں تناقض و تعارض ہے تو یہ یا تو اس کے اپنے علم کی کمی ہو گی یا فہم میں نقص اور غور و فکر میں کوتاہی کی وجہ سے ہو گا' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نصوص کتاب و سنت میں اور امرواقع میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے۔ سوال کا دوسرا حصہ آیت کریمہ:

﴿ وَٱلشَّمْسُ تَجْرِى لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَاۚ ﴾ (یس۳۶/ ۳۸)

"اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے۔"

کے بارے میں ہے' تو اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ عظیم سورج جسے اللہ تعالیٰ نے روشن چراغ بنایا ہے' جو حرارت اور روشنی کے اعتبار سے ایک بہت بڑا منبع ہے' یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے' جس کے حدود کا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے تعین کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ ﴿٣٨﴾ ﴾ (یس۳۶/ ۳۸)

"یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہی نے اس عظیم الشان سورج کو پیدا فرمایا اور اس نے اسے مسخر کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے امراور اس کے علم و حکمت کے تقاضے کے مطابق چلتا ہے اور اس طرح چلتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ مُسْتَقَر سے مراد عرش الٰہی کے سایہ تلے اس کا ٹھکانا ہے' جہاں یہ ہر روز غروب ہونے کے بعد جاتا اور اللہ ذوالجلال کے عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اجازت نہ ملے تو یہ وہاں لوٹ جائے جہاں سے آیا تھا اور پھر یہ مغرب سے طلوع ہو' اس طرف اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿ يَوْمَ يَأْتِى بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِىٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًاۗ ﴾

(الأنعام۶/ ۱۵۸)

"جس روز تمہارے پروردگار کی نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا' اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔"

لوگ جب سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے مگر جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا یا جس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔ اس طرح سورج اپنے ایک اور ٹھکانے کی طرف بھی چلے گا اور روز قیامت یہ اس کا آخری ٹھکانا ہو گا۔ اس کی طرف حسب ذیل آیت میں اشارہ ہے:

﴿ إِذَا ٱلشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ ﴾ (التکویر۸۱/ ۱)

"جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔"

یہ آیت اس بات کی بھی واضح دلیل ہے کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے' قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لہٰذا ہمارا عقیدہ اور دین یہی ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی ظاہر اور محسوس دلیل ہو جس کی وجہ سے ہم اس آیت کے بظاہر مفہوم کی تاویل کریں اور وہ بات کہیں جو آج کل کہی جاتی ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے اور سورج کے طلوع و غروب ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے مگر کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی ایسی دلیل کے بغیر ظاہر کتاب و سنت سے اعراض کرے' جو روز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے لئے حجت بن سکتی ہو اور اگر ایسی کوئی دلیل ہو تو پھر ظاہر کتاب و سنت سے اعراض کر کے اس دلیل کے مطابق موقف اختیار کرنا درست ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن جب تک کوئی ایسی محسوس دلیل نہ ہو جس سے دلوں کو اطمینان ہو تو اس وقت ہم مومنوں پر یہی واجب ہے کہ ہم ظاہر کتاب و سنت کے مطابق ایمان لائیں اور ان کی مخالفت کرنے والے کے قول کو قطعاً شائستہ التفات قرار نہ دیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

میرے سامنے اب تک ان لوگوں کا یہ موقف صحیح ثابت نہیں ہو سکا کہ لیل و نہار کی گردش اور سورج کے طلوع و غروب کا سبب' زمین کی سورج کے گرد گردش ہے۔ میرا عقیدہ جس کے مطابق میں اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار کیے ہوئے ہوں' یہ ہے کہ سورج کے سبب رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سورج کا زمین کے گرد گردش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں' ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ ۞ وَتَرَى ٱلشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَٰوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ ٱلْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ ٱلشِّمَالِ﴾

(الکہف۱۸/ ۱۷)

''اور جب سورج نکلے تو تم دیکھو گے کہ (دھوپ) ان کے غار سے دائیں طرف سمٹ جاتی ہے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جاتی ہے۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنِّىٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ ٱلْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّى حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِٱلْحِجَابِ ﴿٣٢﴾﴾ (ص۳۸/ ۳۲)

"میں نے اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔"

مزید فرمان الٰہی ہے:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ ٱلشَّمْسِ﴾ (الکہف۱۸/ ۸۶)

"یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔"

ان متعدد آیات میں طلوع و غروب کی' سمٹ جانے کی' مغرب کی اور چھپ جانے کی اضافت سورج کی طرف ہے لہٰذا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان افعال کو جن کی اضافت سورج کی طرف کی گئی ہے' ہم انہیں ان کے ظاہر سے بدل کر ایک ایسے قول کو اختیار کر لیں جس کے بارے میں یہ واضح نہیں کہ وہ امر واقع کے طور پر اس طرح ثابت ہے' لہٰذا ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو گا۔

ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم ظاہر کتاب و سنت کے مطابق عقیدہ رکھیں الا یہ کہ کوئی ایسی محسوس دلیل موجود ہو جس کے ساتھ انسان روز قیامت کو اپنے رب کا سامنا کر سکے اور کہہ سکے کہ اے اللہ! میں نے ایک ایسے امر محسوس کو دیکھا تھا

جو بظاہر اس کے خلاف تھا جس کے ساتھ تو نے ہمیں مخاطب فرمایا' تو ہی زیادہ علم و حکمت والا ہے' تیری کتاب اس سے پاک ہے کہ وہ واقع اور محسوس کے خلاف ہو۔ اگر حس واضح سے یہ ثابت ہو جائے کہ رات دن کا آنا جانا زمین کی گردش کی وجہ سے ہے تو پھر میرا فہم غلط ہو گا اور اگر یہ موقف محض قیل و قال پر مبنی ہے تو پھر میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس طرح کے امور میں کسی کے لیے کتاب و سنت کے ظاہر کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ سورج اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا ہے' اپنے ٹھکانے کی طرف جہاں یہ روزانہ پہنچ جاتا ہے۔ ایک خاص مقصد سے جاتا ہے اور وہ مقصد اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے اس کا اپنے رب تعالیٰ کو سجدہ کرنا ہے' جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ [1]

شیخ ابن عثیمین

قصہ ذوالقرنین

سوال مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں؟

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِى ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ ﴾ (الکہف ۱۸/ ۸۳)

جواب اس آیت کریمہ میں قریش کے ایک سوال کا ذکر ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تھا۔ ذوالقرنین کا قصہ خصوصاً اہل کتاب کے ہاں مشہور ہے۔ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد میں ایک نیک بادشاہ تھا۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف بھی کیا تھا۔ [2] واللہ اعلم۔

اس نیک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑی دسترس عطا فرمائی تھی اور انہیں حکومت کے ایسے تمام اسباب عطا فرمائے تھے' جن کی وجہ سے وہ دشمنوں پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیتے تھے' انہوں نے سفر کا ایک راستہ اختیار کیا' یعنی ایک ایسے راستہ کو اختیار کیا جو انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ ٱلشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِى عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ ﴾ (الکہف ۱۸/ ۸۶)

''یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔'' انہوں نے اس قوم پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بارے میں اختیار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْنَا يَـٰذَا ٱلْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ ﴾ (الکہف ۱۸/ ۸۶)

''ہم نے کہا' اے ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے)۔'' مگر انہوں نے عدل کی روش کو اختیار کرتے ہوئے کہا:

---

[1] صحیح البخاری' بدء الخلق' باب صفة الشمس والقمر' حدیث: 3199 و صحیح مسلم' الایمان' باب بیان الزمن الذی لایقبل فیه الایمان' حدیث: 159

[2] تفسیر طبری: 127/15 و ابن کثیر: 76/3

﴿ قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُۥ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِۦ فَيُعَذِّبُهُۥ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ ءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَهُۥ جَزَآءً ٱلْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُۥ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٨٧-٨٨)

"اس نے کہا' جو (کفر و بد کرداری سے) ظلم کرے گا' اسے ہم عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بڑا عذاب دے گا اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا' اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کریں گے۔" پھر انہوں نے سورج کے طلوع ہونے کے مقام کی طرف رخ کیا:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ ٱلشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٠)

"یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے۔"

جن کے لیے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی جو ان کے اور سورج کی گرمی کے مابین حائل ہوتی' یعنی وہاں نہ کوئی عمارت تھی اور نہ درخت' لہٰذا دن کو وہ غاروں اور کھوؤں میں رہتے اور رات کو باہر نکل کر رزق تلاش کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام احوال سے باخبر تھا' جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم و ہدایت کی روشنی میں چلتا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩١)

"اور جو کچھ اس کے پاس تھا' ہم کو سب کی خبر تھی۔" انہوں نے ایک اور سفر اختیار کیا:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ ٱلسَّدَّيْنِ وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٣)

"یہاں تک کہ وہ دو دیواروں (پہاڑوں) کے درمیان پہنچا تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ ایسے لوگ ہیں جو بات نہیں سمجھ سکتے۔" اس لیے کہ وہ عجمی تھے' ان کی زبان ناقابل فہم تھی اور نہ وہ دوسروں کی زبان کو سمجھتے تھے لیکن انہوں نے اس نیک بادشاہ ذوالقرنین سے یہ شکایت کی کہ یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں اور یہ دونوں بنو آدم ہی میں سے دو امتیں ہیں' جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ [1]

ان دونوں امتوں یعنی یاجوج اور ماجوج کے بارے میں کچھ اسرائیلی روایات بھی بیان کی جاتی ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یاجوج اور ماجوج بنی آدم ہی سے ہیں اور بنی آدم (انسانوں) ہی کی شکل و صورت کے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَقُولُ اللهُ تَعَالَى! يَاآدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ! وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ! فَيَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب قصة يأجوج ومأجوج ... الخ، ح:٣٣٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب قوله يقول الله لآدم أخرج بعث النار ... الخ، ح:٢٢٢)

"اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائے گا: اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ لبیک و سعدیک' اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "(اپنی اولاد میں سے) جہنم کا

---

[1] ابو داود الطیالسی' ص: 301' حدیث: 2282 والنھایہ فی الفتن والملاحم' 377

حصہ نکالو۔" آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! جہنم کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لیے ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بات بہت گراں گزری تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک ہزار میں سے صرف ایک شخص جہنم رسید ہونے سے بچے گا؟ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

«اِعْمَلُوا وَأَبْشِرُوا فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ إِلاَّ كَثَّرَتَاهُ، يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ»(السنن الكبرى للنسائي: ٦/ ٤١٠، ح: ١١٣٤٠)

"عمل کرو اور تمہیں بشارت ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں' میں محمد کی جان ہے کہ یقیناً تمہارا مقابلہ دو ایسی جماعتوں سے ہوگا کہ وہ جس کسی کے ساتھ ہوں گی دوسروں کے مقابلے میں اس کی تعداد بڑھا دیں گے۔ یعنی ''یاجوج اور ماجوج''۔

یہ حدیث اس بات کی واضح اور صریح دلیل ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا تعلق بنو آدم سے ہے۔ ان کی شکلیں اور صورتیں اور ان کے تمام حالات انسانوں جیسے ہیں' لیکن یہ ایسی قومیں ہیں کہ ان کی سرشت میں زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنا' لوگوں کی مصلحت کے کاموں کو خراب کرنا اور انسانوں کو قتل کرنا ہے تو لوگوں نے ذوالقرنین سے کہا:

﴿ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰٓ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٤)

"کیا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں؟ کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں۔"

تو انہوں نے انہیں بتایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں ایسی بادشاہت اور دسترس عطا فرمائی ہے' جو اس مال سے بہتر ہے جو وہ اسے دینا چاہتے ہیں۔

﴿ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٥)

"انہوں نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور اللہ نے مجھے بخشا ہے' وہ بہت اچھا ہے۔ تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا۔" پھر ذوالقرنین نے ان سے لوہے کے تختے طلب کیے' انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھوا دیا حتیٰ کہ وہ دونوں پہاڑوں تک پہنچ گئے۔

﴿ ءَاتُونِي زُبَرَ ٱلْحَدِيدِ حَتَّىٰٓ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ ٱلصَّدَفَيْنِ قَالَ ٱنفُخُواْ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٦)

"تو تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ' (چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا (اور) کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔" یعنی جب لوہے کے ان تختوں پر آگ جلائی اور اسے دھونکا تو لوہے میں آگ بھڑک اٹھی تو پھر انہوں نے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا' جس کی وجہ سے لوہے کے یہ تختے آپس میں جڑ گئے اور اس طرح لوہے کی ایک مضبوط اور مستحکم دیوار بن گئی اور

﴿ فَمَا ٱسْطَٰعُوٓاْ أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا ٱسْتَطَٰعُواْ لَهُۥ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٧)

"پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔"

اس طرح ان لوگوں اور یاجوج اور ماجوج کے درمیان یہ دیوار حائل ہو گئی۔ ذوالقرنین کا یہ قصہ مشہور و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سورۂ کہف کے آخر میں ذکر فرمایا ہے' جو شخص مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے' وہ قابل اعتماد کتب تفسیر کو پڑھ لے۔

شیخ ابن عثیمین

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ میں ورود کا معنی

سوال سورہ مریم کی آیت (۷۱'۷۲) میں ہے:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۷۱_۷۲)

"اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہو گا۔ یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

میں ان آیات کریمہ خصوصاً جہنم کے اوپر سے گزرنے کے معنی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی کتاب "التخویف من النار" میں پڑھا ہے کہ ائمہ کا ورود کے معنی کی تفسیر میں اختلاف ہے تو کیا اس کے معنی جہنم کی آگ میں داخل ہونے کے ہیں کہ ایک بار مومن اور کافر سب جہنم میں داخل ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس سے نجات عطا فرمادے گا اور کافر جہنم ہی میں رہیں گے یا اس سے مقصود پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے جو کہ تلوار کی دھار کی مانند ہے مگر پہلا گروہ اس کے اوپر سے بجلی کی طرح' دوسرا تیز آندھی کی طرح' تیسرا عمدہ گھوڑے کی طرح اور چوتھا گروہ عمدہ اونٹوں اور دیگر جانوروں کی تیز رفتاری سے گزر جائے گا اور فرشتے کہہ رہے ہوں گے اے اللہ! سلامت رکھنا' سلامت رکھنا؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے' جسے جہنم کے اوپر نصب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو جہنم سے بچائے۔ لوگ پل صراط کے اوپر سے اپنے اعمال کے مطابق گزر جائیں گے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ [1]

شیخ ابن باز

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ کی کیا تفسیر ہے؟

جواب نبی ﷺ نے اس آیت میں ورود کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے [2] کیونکہ پل صراط جہنم کے اوپر نصب کیا گیا ہے۔ متقی اس کے اوپر سے گزر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کے شر سے نجات عطا فرمائے' جب کہ کافر اس میں گر جائیں گے اور گناہ گاروں کے لیے بھی خطرہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جہنم سے محفوظ رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۷۱_۷۲)

"اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہو گا۔ یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

---

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب أدنی أھل الجنة ---' حدیث: 191 و جامع الترمذی' تفسیر' باب ومن سورة مریم' حدیث: 3159

[2] حوالہ مذکور

——— شیخ ابن باز ———

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ﴾ (القصص : ۸۵) امید ہے کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و برکت سے نوازے۔

جواب اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے اور آپ پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ آپ اسے امت تک پہنچائیں وہ آپ کو عنقریب بازگشت کی جگہ بھی لوٹا دے گا۔ یعنی آپ کو عنقریب قیامت کے دن تک پہنچا دے گا اور آپ سے یہ سوال کرے گا' کیا آپ نے رسالت کو پہنچا دیا؟ اپنی امت کو قرآن سکھایا اور انہیں بتایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے کیا کیا حقوق واجب ہیں؟ ایک قول یہ ہے "مَعَادٍ" سے مراد جنت ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "مَعَادٍ" سے مراد مکہ ہے' [1] یعنی جس مکہ سے لوگوں نے آپ کو نکال دیا تھا' اللہ تعالیٰ آپ کو پھر وہاں پہنچا دے گا لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں "مَعَادٍ" سے مراد روز قیامت یا پھر جنت ہے کیونکہ یہ سورت مکہ میں آپ کے ہجرت فرمانے سے پہلے نازل ہوئی ہے' اس طرح اس میں آخرت کی تیاری کرنے اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ ﴾ کی تفسیر

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۴۵)

"اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔" براہ کرم اس آیت کی تفسیر بیان فرما دیں؟

جواب یہ آیت اس سیاق میں ہے کہ نماز کے ساتھ استقامت کا حکم دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ نماز کی حفاظت کی جائے' اسے باقاعدگی سے ہمیشہ ادا کیا جائے' واجبات و ارکان کو مکمل طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ نماز کو اس کے صحیح اوقات میں ادا کیا جائے۔ ان امور کی حفاظت کی جائے جو اس کی قبولیت کا سبب بنیں اور پھر اس نماز کے ساتھ دین و دنیا کے امور میں استعانت (مدد طلب) کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ نماز کی حفاظت کرنا اور اسے اس طرح مکمل طریقے سے ادا کرنا کہ اس کے اثرات ظاہر ہوں اور اس سے اعانت حاصل کی جائے' ایک ثقیل و عظیم اور کمزور نفسوں کے لیے بہت گراں عمل ہے' مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آسان ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نماز کے ساتھ استعانت ایک خفیف عمل ہے' جب کہ یہ سست اور کمزور بصیرت لوگوں کیلئے بے حد گراں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

[1] صحیح البخاری' التفسیر' باب ﴿ ان الذی فرض علیک القرآن ﴾ حدیث: 4773

آسمانوں اور زمین کے لیے واحد و جمع کے صیغے

سوال قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ﴿ سَمَاوَات ﴾ کا لفظ جمع مگر ﴿ اَرْض ﴾ کا لفظ واحد کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوا ہے تو کیا یہ صیغہ واحد کی صورت میں بھی جمع پر دلالت کرتا ہے؟ نیز درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر کیا ہے؟

﴿ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الکهف۱۸/ ۵۱)

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت شاہد بنایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔"

جواب سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ قران کریم کی بہت سی آیات میں ﴿ سَمَاوَاتِ ﴾ کا لفظ جمع مگر ﴿ اَرْض ﴾ کا لفظ واحد کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے تو امر واقع اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی سماوات کا لفظ جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور کبھی اسے صیغہ واحد کے ساتھ بھی ذکر کرتا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ ۝ ﴾ (آل عمران۳/ ۵)

"اللہ (ایسا خبیر و بصیر ہے کہ) کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔"

اور فرمایا:

﴿ يَعْلَمُ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ (التغابن٦٤/ ٤)

"وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔"

قرآن مجید میں ارض (زمین) کا لفظ جمع کی صورت میں استعمال نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ واحد ہی کی صورت میں استعمال ہوا ہے البتہ درج ذیل آیت میں اس کے جمع کی طرف اشارہ ضرور ہے:

﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ وَمِنَ ٱلْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١٢)

"اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں۔"

یہاں مِثْلِیَّتْ صفات اور کیفیت میں تو ہو نہیں سکتی کیونکہ آسمان اور زمین کے درمیان بہت بڑا فرق ہے لہٰذا یہ مِثْلِیَّتْ صرف عدد میں ہو سکتی ہے' ہمیں سنت سے اس کی وضاحت ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنَ الأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في سبع الأرضين، ح:٣١٩٨ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، ح: ١٦١٠، واللفظ له)

"جو شخص ظلم سے کسی کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کر لے' تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔"

تو گویا قرآن مجید میں اگرچہ زمین کے لیے مفرد کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر اس سے مراد جنس زمین ہے' جس کے لیے واحد اور جمع دونوں کے صیغے استعمال ہو سکتے ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ:

﴿ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الکهف۱۸/ ۵۱)

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت شاہد بنایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔"

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں بلایا تھا لہٰذا یہ صحیح

نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کی اپنی پیدائش کے وقت بھی نہیں بلایا تھا' لہٰذا جب وہ اپنی پیدائش کے وقت بھی حاضر نہیں تھا تو وہ غیراللہ کی عبادت کیونکر کرتا ہے؟ جب تم اپنے بارے میں یا کسی دوسرے کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں اور نہ تم آسمانوں یا زمین کی کسی چیز کو پیدا ہی کر سکتے ہو' جس طرح کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ سورۂ طور میں ارشاد ہے:

﴿ أَمْ خُلِقُوا۟ مِنْ غَيْرِ شَىْءٍ أَمْ هُمُ ٱلْخَـٰلِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا۟ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ ﴾

(الطور ۵۲/ ۳۵-۳۶)

''کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کے اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہی خالق اور صرف اور وہی مستحق عبادت ہے کیونکہ یہ معبودان باطلہ تو خلق میں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ تھے بلکہ انہوں نے خلق کا مشاہدہ بھی نہیں کیا' لہٰذا تم انہیں عبادت میں کیونکر شریک ٹھہراتے ہو؟

——— شیخ ابن عثیمین ———

۲۶

الحَدِیْث الشّرِیْف

حدیث شریف کا بیان

حدیث شریف کا بیان

مکھی والی حدیث صحیح ہے مگر .....

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے جس میں یہ ہے کہ مکھی کے ایک پر میں دواء اور دوسرے میں بیماری ہے؟

جواب یہ حدیث صحیح ہے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1] اور ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَإِنَّهُ يَتَّقِي بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ، فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب في الذباب يقع في الطعام، ح:٣٨٤٤)

''وہ اپنے بیماری والے پر سے اپنا بچاؤ کرتی ہے لہٰذا اسے ساری کو ڈبو لینا چاہیے۔''

اور اب تو طب بھی اس کی گواہی دے رہی ہے۔ تاہم مکھی کسی مشروب میں پڑ ڈبو دے تو بعض لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں تو اس صورت میں اسے پینا لازم نہیں ہے کیونکہ انسان کو اس چیز کے کھانے پینے کا حکم نہیں ہے، جس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈے کے کھانے کو تو جائز قرار دیا مگر خود آپ نے اسے نہیں کھایا بلکہ فرمایا:

«لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي، فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب الضب، ح:٥٥٣٧ وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الضب، ح:١٩٤٦)

''یہ میری قوم کی زمین میں نہیں ہوتا لہذا مجھے اس سے ایک ناگواری سی محسوس ہوتی ہے۔''

—— شیخ ابن عثیمین ——

لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی

سوال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

«أَنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا»

''قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔'' امید ہے آپ اس کے معنی اور شرح بیان فرما دیں گے؟

جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لونڈیوں کی کثرت ہو جائے گی حتیٰ کہ مملوکہ اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔ یعنی لونڈی اپنے آقا سے جب حاملہ ہو گی تو وہ اپنی مالکہ کو جنم دے گی کیونکہ مالک کی بیٹی مالکہ اور مالک کا بیٹا مالک ہو گا۔

—— شیخ ابن باز ——

---

[1] صحیح البخاري، الطب، باب إذا وقع الذباب في الإناء، حديث: 5782

حدیث صحیح اور حسن

سوال حدیث صحیح اور حدیث حسن کی کیا تعریف ہے؟ کیا اس حدیث کے ساتھ عمل ممکن ہے؟

جواب دونوں میں فرق یہ ہے کہ حدیث صحیح وہ ہے جسے عادل اور تام الضبط راوی نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہو اور وہ شذوذ اور علت قادحہ سے پاک ہو اور حدیث حسن وہ ہوتی ہے' جسے تمام ضبط کے سوا دیگر اوصاف کے ساتھ متصف راوی نے روایت کیا ہو یعنی حدیث حسن میں راوی کے تمام ضبط کی شرط نہیں ہے' لہٰذا اس کی تعریف میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث حسن وہ ہے جسے عادل مگر خفیف الضبط راوی نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہو اور وہ روایت شذوذ اور علت قادحہ سے پاک ہو۔ حدیث کی یہ دونوں قسمیں یعنی صحیح اور حسن حجت ہیں۔ ان کو قبول کیا جائے گا اور ان کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں تمام احادیث ضعیف یا موضوع ہیں

سوال امید ہے درج ذیل احادیث کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے' کیا یہ صحیح ہیں؟

«مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي»

«مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي»

«مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

یہ احادیث بعض کتب میں مذکور ہیں جس کی وجہ سے اشکال اور رائے میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ ایک رائے ان احادیث کی تائید میں ہے اور دوسری ان کی تائید میں نہیں ہے؟

جواب ان میں سے پہلی حدیث کو ابن عدی اور دار قطنی نے بطریق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے اس طرح روایت کیا ہے:

«مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي» (الكامل لابن عدي: ٧/ ٢٤٨٠ وعنه ابن الجوزي في الموضوعات: ٢/ ١٢٧، ١٢٨)

''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ سے جفا کی۔''

یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع یعنی جھوٹی اور من گھڑت ہے' کیونکہ اس کی سند میں محمد بن نعمان بن شبل باھلی ہے' جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی بے حد ضعیف ہیں۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں طعن نعمان پر نہیں بلکہ ابن نعمان پر ہے۔ اس حدیث کو بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم غفاری ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے اسے بطریق حضرت عمر روایت کیا اور فرمایا کہ اس کی سند مجہول ہے۔

دوسری حدیث کو امام دارقطنی نے آل حاطب کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے جو اسے انہی الفاظ کے ساتھ نبی اکرم

ﷺ سے روایت کرتا ہے [1] مگر اس روایت میں یہ آدمی مجہول ہے۔ اسے ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور ابن عدی نے اپنی کامل میں بھی روایت کیا ہے [2] مگر اس کی سند میں حفص بن داود ہے' جو کہ ضعیف الحدیث ہے۔

تیسری حدیث کو ابن ابی فدیک رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے' [3] اس کی سند میں سلیمان بن یزید کعبی بطریق عمر ضعیف ہے۔ نیز اس کی سند میں ایک اور مجہول راوی بھی ہے۔ البتہ ایسی صحیح احادیث بھی ہیں جن میں یہ ہے کہ عبرت' نصیحت اور میت کی خاطر دعا کے لیے (قبرستان کی) زیارت کی جائے' مگر خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے جس قدر بھی روایات ہیں' وہ سب کی سب ضعیف ہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ موضوع ہیں۔ جو شخص زیارت قبور یا رسول اللہ ﷺ کی قبر کی شرعی زیارت کی رغبت کرے یعنی یہ زیارت عبرت' نصیحت' میت کے لیے دعا' نبی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے درود پڑھنے اور صاحبین کے لیے ترضی (دعا کرنے) پر مشتمل ہو' اس میں شدِّ رِحال نہ ہو محض زیارت قبور ہی کے لیے سفر نہ ہو' تو ایسی زیارت مشروع ہے اور اس میں اجر و ثواب کی امید ہے۔

اگر کوئی شخص شدِّ رِحال یا محض زیارت قبور ہی کے لیے سفر اختیار کرے تو یہ جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے خود یہ ارشاد فرمایا ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هٰذَا، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الأَقْصَىٰ»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧ واللفظ له)

"تین مسجدوں کے سوا اور کسی مسجد کیلئے شدِّ رحال نہ کیا جائے ① میری یہ مسجد ② مسجد حرام اور ③ مسجد اقصیٰ۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَلاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِي»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢ ومسند أحمد:٢/٣٦٧، واللفظ له)

"میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھنا' تمہارا درود مجھے پہنچایا جائے گا۔"

شیخ ابن باز

نماز عشاء پر کھانے کو مقدم کرنا صحیح ہے

سوال کیا لوگوں کی یہ بات صحیح ہے: "جب نماز عشاء کا وقت ہو جائے اور رات کا کھانا حاضر ہو تو کھانے کو نماز پر مقدم کر لو۔" یہ کلمہ لوگوں کی زبان پر عام ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

---

[1] سنن دار قطنی' : 278/2' حدیث : 2668

[2] الکامل لابن عدی' : 790/2

[3] تاریخ جرجان' ص : 434' 784

جواب یہ صحیح ہے' نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَأُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلاَةَ الْمَغْرِبِ وَلاَ تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ»
(صحيح البخاري، الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ح: ٦٧٢ وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام ... الخ، ح: ٥٥٧)

"جب شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو نماز مغرب سے پہلے کھانا کھاؤ اور اپنا کھانا چھوڑ کر نماز کے لیے عجلت نہ کرو۔"

یعنی جب شام کا کھانا تیار ہو' انسان کو کھانے کی طلب بھی ہو تو وہ نماز کے لیے جانے سے پہلے کھانا کھالے کیونکہ جب نماز سے پہلے کھانا تیار ہو جائے تو انسان کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو گی جس کی وجہ سے نماز میں کمی واقع ہو گی' لہٰذا نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلاَ هُوَ يُدَافِعُهُ الأَخْبَثَانِ»(صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام ... الخ، ح: ٥٦٠)

"کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب اسے بول و براز کا تقاضا ہو۔"

یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی واجب ہے کہ آدمی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کھانے کا ہمیشہ وہ وقت نہ ہو جو نماز کا بھی وقت ہو کیونکہ اس طرح نماز باجماعت ادا نہیں کی جا سکتی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک نبی جسے اس کی قوم نے ضائع کر دیا

سوال میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے ((ذٰلِكَ نَبِيٌّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ)) "یہ نبی تھے جنہیں ان کی قوم نے ضائع کر دیا۔" سوال یہ ہے کہ یہ نبی کون تھے؟ ان کا قصہ کیا ہے؟ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب اس حدیث کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "البدایۃ والنہایۃ" ج ۲ ص ۲۱۱ میں خالد بن سنان عبسی کے حالات میں ذکر کیا ہے جو کہ زمانۂ فترت میں تھے اور جن کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نبی تھے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ امام طبرانی سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس کے لیے اپنا کپڑا بچھایا اور فرمایا:

«بِنْتُ نَبِيٍّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ»(المعجم الكبير للطبراني: ١١/ ٤٤١، ح: ١٢٢٥٠)

"یہ ایک ایسے نبی کی بیٹی ہیں جن کو ان کی قوم نے ضائع کر دیا تھا۔"

پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بزار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ذکر کیا کہ خالد بن سنان کا رسول اللہ ﷺ کے ہاں ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

«ذَاكَ نَبِيٌّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ»(كشف الأستار عن زوائد البزار: ٣/ ١٠٩، ح: ٢٣٦١)

"یہ وہ نبی تھے کہ جن کو ان کی قوم نے ضائع کر دیا تھا۔"

لیکن ابن کثیر نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور پھر ان کی قوم کے ساتھ پیش آنے والے ایک طویل قصے کو ذکر کیا ہے جو مرفوعا ثابت نہیں ہے' لہذا حافظ ابن کثیر نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ زمانہ' فترت کے ایک نیک آدمی تھے' ان کا نبی ہونا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حدیث : جس نے حصول ثواب کی نیت سے مدینہ میں.....

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے' کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جس نے حصول ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔''

جواب اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے بطریق انس بن مالک رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں سلیمان بن یزید کعبی ضعیف ہے[1] ابوداود طیالسی نے اسے بطریق حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں بھی ایک راوی مجہول ہے۔[2] ہاں البتہ عبرت' نصیحت اور میت کی خاطر دعا کے لیے عام قبروں کی زیارت کی ترغیب میں صحیح احادیث وارد ہیں لیکن خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے سلسلہ میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں بلکہ انہیں موضوع قرار دیا گیا ہے لہذا جو شخص قبروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی شرعی زیارت کرے یعنی یہ زیارت عبرت' نصیحت اور اموات کے لیے دعا پر مشتمل ہو' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لئے درود اور صاحبین کے لیے ترضی پر مشتمل ہو اور اس مقصد کے لیے شد رحال یا سفر اختیار نہ کیا گیا ہو تو یہ زیارت مشروع ہے اور اس میں ثواب کی امید ہے اور اگر کوئی شد رحال اور سفر اختیار کرے یا برکت اور نفع حاصل کرنے کے لیے زیارت کرے یا مخصوص ایام و اوقات میں زیارت کرے تو یہ زیارت بدعت ہے۔ اس کے بارے میں کوئی صحیح نص نہیں ہے اور نہ اس امت کے سلف سے ایسی زیارت ثابت ہے' بلکہ اس سلسلہ میں ممانعت کی نصوص وارد ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هٰذَا، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الأَقْصٰى»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧ واللفظ له)

''تین مسجدوں کے سوا اور کسی مسجد کی طرف شد رحال نہ کیا جائے 1 میری یہ مسجد 2 مسجد حرام اور 3 مسجد اقصی۔''

اس طرح آپ نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَلاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا' وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِي»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢ ومسند أحمد:٢/٣٦٧،

---

[1] ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور' تاریخ جرجان' ص: 220' حدیث: 347

[2] ابوداود الطیالسی' ص: 12' 13 و سنن الکبری للبیهقی: 245/5

واللفظ له)

"میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھتے رہنا' تمہارا درود مجھے پہنچایا جائے گا۔"

شیخ ابن باز

حدیث: جو شخص میری سنت سے اعراض کرے

سوال اس حدیث کے کیا معنی ہیں ((فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) "جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔" جو شخص فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کو ترک کر دے کیا وہ بھی اس میں داخل ہے؟

جواب نبی ﷺ کے اس ارشاد:

«مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»(صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، ح:٥٠٦٣ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠١)

"جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص میرے اس طریقہ سے جس پر میں ہوں' اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے کیونکہ اس نے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔ سنتوں اور نوافل کا ترک کرنا اس باب میں سے نہیں ہے کیونکہ نوافل وغیرہ کے تارک کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اعراض نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں اس لیے ترک کر دیتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کی رخصت دی ہے اور پھر اس اعتبار سے بھی فرق ہے کہ نبی ﷺ کی سنت کو اعراض اور بے رغبتی کی وجہ سے ترک کیا جا رہا ہے یا اس کا سبب سستی یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رخصت کو قبول کرنا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

متکبر کے مقابلہ میں تکبر

سوال میں نے ایک دوست کو دیکھا ہے کہ وہ ایک شخص کے سلام کا جواب نہیں دیتا بلکہ اس کی طرف تکبر سے دیکھتا ہے۔ جب میں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ شخص متکبر ہے اور حدیث میں ہے ((اَلتَّكَبُّرُ عَلَى الْمُتَكَبِّرِ صَدَقَةٌ)) "متکبر کے مقابلے میں تکبر کرنا بھی صدقہ ہے۔" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ کیا میرے دوست کا یہ فعل جائز ہے؟

جواب بندگان الٰہی سے تکبر سے پیش آنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ حلال نہیں کہ وہ کسی سے تکبر سے پیش آئے خواہ کوئی تکبر کا مظاہرہ ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ بعض لوگ جو تکبر کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ ان سے تکبر کا معاملہ کیا جائے بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے' اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا جائے اور کہا جائے کہ اللہ سے ڈر' تکبر کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ سائل نے اوپر جس حدیث کا حوالہ دیا ہے' یہ ایک باطل حدیث ہے' نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آیت اور حدیث میں تضاد نہیں ہے

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے ((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) اور کیا یہ اس آیت کریمہ سے متضاد تو نہیں ہے؟

﴿ وَقَٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ ﴾
(البقرة٢/ ١٩٠)

جواب یہ حدیث صحیح ہے' اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں اور یہ آیت کریمہ کے متضاد بھی نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَقَٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٠)

''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔''

سے مراد کفار و مشرکین سے لڑنا ہے کیونکہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے قائل اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے والے نہیں ہیں' لہٰذا ان سے لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه تو پڑھے مگر اس کے حق کے مطابق عمل نہ کرے اور دین کے بعض ارکان کو ترک کر دے یا بعض محرمات کو حلال سمجھے اور اس پر اصرار کرے تو ایسے شخص سے لڑنا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ دے تو اس نے یقیناً اپنا مال اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کر لیا الا یہ کہ ازروئے اسلام اس پر کوئی حق واجب الاداء ہو۔'' [1]

——— شیخ ابن جبرین ———

مسجد کا پڑوسی

سوال کیا یہ صحیح حدیث ہے یا کسی کا قول ہے کہ لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ ؟ کیا اس میں تشدد نہیں ہے جب کہ دین آسان ہے' مشکل نہیں ہے۔ آپ کا اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

جواب

«لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ»(سنن الدارقطني: ١/ ٤٢٠، ح: ١٥٣٧، ١٥٣٨ والسنن الكبرى للبيهقي: ٣/ ٧٥ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ١/ ٢٤٦)

''مسجد کے پڑوسی کی مسجد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔''

اس حدیث کو امام دار قطنی' حاکم' اور بیہقی نے روایت کیا ہے مگر سب کی سندیں ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ روایت لوگوں میں مشہور ہے مگر اس کی کوئی سند ثابت نہیں ہے' لہٰذا یہ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ اگر اسے صحیح فرض بھی کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں مکمل ہو گی کیونکہ

---

[1] صحیح البخاري' الزكاة' باب وجوب الزكاة' حديث: 1399.

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ منفرد طور پر پڑھنے والے کی نماز بھی صحیح ہے البتہ شرعی عذر کے بغیر جماعت ترک کرنے والا گناہ گار ہے کیونکہ مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ، إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، المساجد، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني:١/ ٤٢٠، ٤٢١ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:١/ ٢٤٥ وصحيح ابن حبان، ح:٤٢٦)

''جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے' تو عذر کے بغیر اس کی نماز نہیں ہوگی۔''

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' دار قطنی' ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ نبی ﷺ نے اس نابینا شخص کو بھی گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی' جس نے آپ سے اجازت مانگی تھی اور یہ عذر بھی پیش کیا تھا کہ اس کے پاس کوئی معاون نہیں ہے تو آپ نے فرمایا: ''کیا آپ اذان کی آواز سنتے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا: ''پھر اس آواز پر لبیک کہو۔''[1]

شیخ ابن باز

حدیث : اگر تم اللہ پر توکّل کرو

سوال میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس حدیث کی اس طرح شرح فرما دیں کہ اس کا صحیح صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے۔

حدیث یہ ہے:

«لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا»

جواب یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا»(جامع الترمذي، الزهد، باب في التوكل على الله، ح:٢٣٤٤ وسنن ابن ماجه، ح:٤١٦٤ ومسند أحمد:١/ ٣٠و٥٢ وصحيح ابن حبان، ح:٢٥٤٨ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:٤/ ٣١٨)

''اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ صبح خالی پیٹ نکلتے اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔''

اس حدیث کو امام احمد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت کے امور میں خیر و بھلائی کے حصول اور نقصان کے دور کرنے کے لئے دل کا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر سچا اعتماد ہو۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر اپنے دل سے سچا توکل رکھیں' نفع کے حاصل کرنے اور نقصان کے دور کرنے میں صرف اسی پر کلی طور پر اعتماد کریں اور مفید اسباب کو بھی

[1] صحیح مسلم' المساجد' باب یجب إتیان المسجد علی من سمع النداء حدیث: 653

اختیار کریں تو وہ ادنیٰ سبب سے بھی ان کے پاس اسی طرح رزق کو لے آئے گا' جس طرح وہ پرندوں کو صبح و شام کی تلاش کے نتیجہ میں رزق دیتا ہے۔ پرندوں کا صبح و شام اپنے گھونسلوں سے نکلنا بھی تلاش رزق ہی کی ایک قسم ہے' گو یہ بہت معمولی کوشش ہے۔ ان اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے' جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے امور کو وابستہ کر دیا ہے اور جن کے ساتھ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توکل کے ساتھ ساتھ اسباب کو اختیار کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اعضاء کے ساتھ اسباب کے لیے کوشش کرنا اطاعت ہے جب کہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ایمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ ﴾ (ابراهيم١٤/ ١١)

"اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ جن کا اس نے حکم دیا ہے' توکل کو تقویٰ قرار دیا ہے' جب کہ اسباب کے بغیر توکل محض عجز اور درماندگی ہے' گو اس میں توکل کی ادنیٰ سی جھلک ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ عجز و درماندگی کو توکل اور توکل کو عجز و درماندگی نہ بننے دے بلکہ توکل کو بھی ان جملہ اسباب میں سے قرار دے' جن کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے بارے میں احادیث

سوال رسول اللہ ﷺ سے مروی کیا یہ حدیث کہ ((مَنْ رَآنِی فَقَدْ رَآنِی)) اور یہ حدیث کہ ((مَنْ رَآنِی فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ النَّارُ)) صحیح ہیں؟ ان کا مفہوم کیا ہے؟

جواب پہلی حدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد:

«مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ»(صحيح البخاري، التعبير، باب من رأى النبي ﷺ في المنام، ح:٦٩٩٦ وصحيح مسلم، الرؤيا، باب قول النبي عليه الصلاة والسلام من رآني في المنام فقد رآني، ح:٢٢٦٧)

"جس نے مجھے دیکھا تو اس نے حقیقی طور پر مجھے ہی دیکھا۔"

یہ حدیث صحیح ہے اور یہ کئی اور الفاظ سے بھی مروی ہے' مثلاً ایک روایت میں ہے:

«مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي»(صحيح البخاري، العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ، ح:١١٠)

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ إِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَشَبَّهُ بِي»(مسند أحمد: ٢/ ٢٦١)

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے سچا خواب دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

یعنی یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا دشمن شیطان' نبی ﷺ کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جس نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی تو اس نے سچا خواب دیکھا۔ اہل علم کے ہاں آپ کی صورت معروف ہے۔ آپ کا قد میانہ تھا' شکل و صورت کے اعتبار سے بے حد حسین و جمیل تھے' رنگ سرخ و سفید تھا' داڑھی مبارک گھنی اور سیاہ تھی' حیات پاک کے آخری حصہ میں چند بال سفید ہو گئے تھے تو جو شخص آپ کی حقیقی شکل و صورت میں زیارت کرے تو اس نے گویا آپ ہی کی زیارت کی کیونکہ شیطان آپ کی شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ دوسری حدیث:

«مَنْ رَآنِي فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ النَّارُ»

''جس نے مجھے دیکھا اس کے لیے جہنم کی آگ حرام قرار دے دی گئی۔'' یہ بالکل بے اصل ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

غربت اسلام

سوال اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

«بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ»

''اسلام کا غربت سے آغاز ہوا' یہ غربت ہی کی طرف لوٹے گا' جس طرح کہ آغاز ہوا تھا۔ پس غرباء کے لیے خوش خبری ہے۔''

جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کا آغاز غربت سے ہوا جیسا کہ مکہ مکرمہ میں اور ہجرت کے آغاز میں مدینہ منورہ میں حال تھا کہ کم لوگ ہی اسلام کو جانتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ پھر اسلام پھیل گیا اور لوگ فوج در فوج اور موج در موج حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے حتیٰ کہ یہ تمام ادیان پر غالب آگیا۔ مگر آخر زمانے میں یہ پھر غریب ہو جائے گا اسی طرح جس طرح آغاز میں تھا کہ اسے حقیقی طور پر سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے والے لوگ کم ہوں گے اور وہ غرباء ہوں گے' اس لیے فرمایا:

«فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ»(صحيح مسلم، الايمان، باب بيان أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا وإنه يأرز بين المسجدين، ح:١٤٥)

''غرباء کے لیے خوش خبری ہے۔''

صحیح مسلم میں تو نہیں بعض دیگر کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! غرباء کون ہیں؟ فرمایا:

«اَلَّذِينَ يَصْلُحُونَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ»(مسند أحمد: ٤/ ٧٣)

''جو اس وقت بھی نیک ہوں گے' جب لوگ برے ہو جائیں گے۔''

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«اَلَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، ح: ٢٦٣٠ وشرح السنة للبغوي: ١/ ١٢١)

''میرے بعد لوگوں نے میری سنت میں جو بگاڑ پیدا کیا ہو گا یہ لوگ اس کی اصلاح کریں گے۔''

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ان میں سے بنا دے۔ انه خير مسئول۔

—— شیخ ابن باز ——

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار......

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ»(شرح السنة للبغوي: ١/ ٢١٣، ح: ١٠٤)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اس کی خواہش اس (دین) کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں۔''

جواب اس حدیث کو ایک جماعت نے صحیح اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ صاحب الحجہ نے کہا ہے کہ اس وقت تک ایمانِ کامل والا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین و شریعت کے تابع نہ ہو جائے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بدکاری کی خواہش کرتا اور گناہوں کو سرانجام دیتا ہو' تو اس کا ایمان ناقص ہو گا۔ اس کا ایمان کامل اسی وقت ہو گا جب اس کی خواہش اور اس کا میلان اس دین و شریعت کے تابع ہو گا جسے نبی ﷺ لائے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنی خواہش کی پیروی اور شیطان کی اطاعت کرے تو یہ ایمان میں نقص ہو گا۔ ایمان کا یہ نقص کبھی درجہء کفر تک بھی جا پہنچتا ہے' مثلاً اگر کوئی شخص غیر اللہ کی عبادت کے سلسلہ میں یا دین کا مذاق اڑانے یا اسے گالی دینے یا اللہ تعالیٰ کی کسی حرام کردہ چیز کو حلال قرار دینے میں اپنی خواہش کی پیروی کرے' تو وہ اسلام سے مرتد ہو کر کفر تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

میری امت کا اختلاف رحمت ہے

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«اِخْتِلاَفُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ»(كنز العمال، ح: ٢٨٦٨٦ والاتحافات السنية: ١/ ٢٠٤، ٢٠٥)

''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔''

جواب نہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ بعض سلف نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ہی نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے

سوال میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی تھی:

«أَنْتَ وَمَالُكَ لأَبِيكَ»(سنن ابن ماجه، التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ح: ٢٢٩٢)

"تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔"

اور اب یہ سنا ہے کہ اس حدیث میں ضعف ہے‘ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اس کے بارے میں راہنمائی فرمائیں؟

جواب یہ حدیث ضعیف نہیں ہے کیونکہ اس کے شواہد موجود ہیں لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان کے پاس مال ہو تو اس کے باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مال میں سے جس قدر چاہے لے سکتا ہے لیکن اس کے لیے ایک بلکہ کئی شرطیں ہیں‘ جو کہ حسب ذیل ہیں:

① مال لینے سے بیٹے کو نقصان نہ ہو‘ مثلاً باپ اگر اس لحاف کو لینا چاہے‘ جسے بیٹا سردی سے بچنے کے لئے استعمال کر رہا ہو یا اس کھانے کو لے لے جسے وہ بھوک مٹانے کے لیے کھا رہا ہو تو باپ کے لیے یہ جائز نہ ہو گا۔

② بیٹے کی اس مال سے حاجت متعلق نہ ہو‘ مثلاً اگر بیٹے کے پاس لونڈی ہو تو باپ کے لیے اسے لینا جائز نہیں کیونکہ بیٹے کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر بیٹے کے پاس صرف ایک ہی گاڑی ہو جسے وہ آمد و رفت کے لیے استعمال کرتا ہو اور اسے دوسری گاڑی خریدنے کی استطاعت نہ ہو تو اس گاڑی کو لینا باپ کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو گا۔

③ اپنے کسی بیٹے کا مال اس لیے نہ لے کہ وہ کسی دوسرے بیٹے کو دے دے کیونکہ اس طرح تو اس کے بیٹوں میں عداوت پیدا ہو گی اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا بھی لازم آئے گا بشرطیکہ دوسرا بیٹا محتاج نہ ہو اور اگر وہ محتاج ہو تو پھر اس میں تفضیل نہیں ہے اور اس صورت میں اسے دینا باپ کے لیے واجب ہے۔

بہرحال یہ حدیث حجت ہے‘ علماء نے اسے قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے لیکن کچھ شرائط ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ باپ کے لیے بیٹے کے مال کو اس طرح لینا جائز نہیں ہے جس سے بیٹے کو نقصان پہنچے‘ نیز اس مال کو نہ لے جس کی خود بیٹے کو بھی ضرورت ہو نیز وہ ایک بیٹے کا مال لے کر دوسرے بیٹے کو نہ دے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حدیث موضوع‘ مرفوع اور حسن غریب کے معنی

سوال علماء جو یہ فرماتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا موضوع ہے اور کبھی بعض احادیث کے آخر میں اس طرح کی عبارت لکھی ہوتی ہے کہ فلاں شخص--- مثلاً امام ترمذی یا امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب یا منکر ہے حالانکہ یہ احادیث نبوی یا قدسی ہوتی ہیں؟

جواب "حدیث مرفوع" وہ ہوتی ہیں جس کی اضافت نبی ﷺ کی طرف کی گئی ہو‘ خواہ وہ آپ کا قول ہو یا فعل اور اگر وہ صحابی کا کلام ہو تو اسے "موقوف" اور اگر تابعی کا کلام ہو تو اسے "مقطوع" کہتے ہیں۔ "حدیث موضوع" اس حدیث کو کہتے ہیں جو بالکل جھوٹی ہو اور اسے از راہ کذب نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ ایسی حدیث کو روایت کرنا جائز نہیں الا یہ کہ ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ "حدیث غریب" وہ ہوتی ہے جو صرف ایک ہی شخص کے طریق سے مروی ہو‘ یعنی اسے صرف ایک ہی صحابی نے روایت کیا ہو اور پھر صحابی سے بھی صرف ایک ہی راوی نے روایت کیا ہو۔ "منکر" سے مراد اگر حدیث ہو تو اس سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے‘ جو احادیث ثابتہ کے مخالف

ہو کیونکہ اسے کسی ضعیف راوی نے روایت کیا ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد راوی ہو تو وہ ضعیف الروایۃ ہوتا ہے۔ سائل کو چاہیئے کہ وہ مزید معلومات کے لیے مصطلح الحدیث کی کتب کا مطالعہ کرے اور اس فن کے علماء سے مزید معلومات حاصل کرے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اللہ تعالیٰ شرابی پر لعنت فرمائے

سوال (لَعَنَ اللّٰهُ الشَّارِبَ قَبْلَ الطَّالِبِ) "اللہ تعالیٰ شارب پر طالب سے قبل لعنت فرمائے" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ یہ الفاظ زبان زد عام و خاص ہیں؟

جواب یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے' البتہ یہ ان احادیث میں سے ہے' جو اگرچہ زبان زد عام و خاص ہیں مگر ان کا کوئی اصل نہیں ہے۔ انسان کے لیے واجب ہے کہ نبی ﷺ کی طرف جو قول یا فعل منسوب ہو' تو اس کی تحقیق کرے کیونکہ نبی ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا اس طرح نہیں ہے جیسے ہم میں سے کسی کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کر دی جائے کیونکہ آپ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کے بارے میں جھوٹ بولنا ہے۔ اسی طرح کئی اور احادیث بھی مشہور ہیں' جن کا کوئی اصل نہیں مثلاً:

«حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الإِيمَانِ»(كشف الخفاء للعجلوني: ١/ ٤١٣)

"وطن کی محبت ایمان ہے۔"

«خَيْرُ الأَسْمَاءِ مَا حُمِّدَ وَمَا عُبِّدَ»(كشف الخفاء للعجلوني: ١/ ٩٥، ٤٦٨)

"بہترین نام وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد یا عبودیت کو بیان کیا گیا ہو۔"

«اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ»

"معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز اصل دوا ہے۔"

اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے سے اجتناب کرے تاکہ وہ اس وعید شدید کا مصداق نہ بنے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(صحيح البخاري، العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ، ح: ١١٠ وصحيح مسلم، المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، ح: ٣)

"جو جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے' وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ»(صحيح مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكاذبين ... الخ)

"جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور اس کو معلوم ہو کہ یہ جھوٹی روایت ہے تو وہ بھی دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

احادیث ضعیفہ

سوال کسی ایسی کتاب کی نشاندہی فرمائیں جس میں ضعیف اور منکر روایات بکثرت ہوں تا کہ میں ان سے اجتناب کر سکوں؟

جواب ہم آپ کو یہ نصیحت کریں گے کہ ضعیف اور منکر احادیث کے پڑھنے سے اجتناب کریں کیونکہ یہ احادیث تو ان اہل علم کو پڑھنی چاہئیں جو ضعیف اور صحیح میں تمیز کر سکیں۔ آپ کو ہم یہ نصیحت کریں گے کہ آپ "ریاض الصالحین" کا مطالعہ کریں۔ یہ ایک بے حد قیمتی کتاب ہے' اس کتاب کے مؤلف نے اس میں صحیح و حسن احادیث کو جمع کیا ہے اور ضعیف سے اجتناب کیا ہے۔ کتاب کے اکثر ابواب کا آیات قرآنی سے آغاز کیا ہے' لہٰذا یہ ایک بہت مفید کتاب ہے۔ ایک مبتدی کو چاہیے کہ وہ مختلف قسم کی کتابیں نہ پڑھے کیونکہ اس صورت میں خدشہ ہے کہ اس کا فہم تمام مسائل کا استیعاب نہیں کر سکے گا' جس کی وجہ سے شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور مبتدی مشکلات میں مبتلا ہو جائے گا لہٰذا آپ صحیح کے پڑھنے پر اکتفاء کریں لہٰذا اگر آپ چاہیں تو "اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیه الشیخان" بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح ترین احادیث کا مجموعہ اور ایک عظیم الشان اور مفید ترین کتاب ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حدیث وصیت

سوال میرے ایک دوست نے مجھے ایک کاغذ دیا' جس میں لکھا ہوا تھا کہ نبی ﷺ نے امام علی رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی کہ علی! سونے سے پہلے پانچ کام ضرور کرو (۱) پورے قرآن مجید کی تلاوت کرو (۲) چار ہزار درہم صدقہ کرو (۳) کعبہ کی زیارت کرو (۴) جنت میں اپنی جگہ محفوظ کر لو اور (۵) جھگڑنے والوں کی آپس میں صلح کرا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ﴿ قل هو الله احد ﴾ کو تین بار پڑھنا گویا سارے قرآن کو پڑھنے کے برابر ہے۔ (۲) اگر آپ چار دفعہ سورت فاتحہ پڑھیں تو گویا چار ہزار درہم کا صدقہ کیا (۳) اگر آپ دس دفعہ یہ پڑھ لیں کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" تو گویا کعبہ کی زیارت کر لی اور (۴) اگر آپ دس دفعہ یہ پڑھیں: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" تو آپ نے جنت میں اپنی جگہ کو محفوظ کر لیا اور (۵) اگر آپ دس دفعہ یہ پڑھیں: "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ تو آپ نے گویا جھگڑنے والوں میں صلح کرا دی۔

کیا یہ اقوال صحیح ہیں؟ مجھے تو صرف یہ معلوم ہے کہ سورۂ اخلاص کا پڑھنا ثلث قرآن کے برابر ہے تو سوال یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا اقوال کے بارے میں شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ حدیث جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا وصیتیں فرمائیں' یہ جھوٹی اور موضوع حدیث ہے۔ اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنا یا آپ کے حوالہ سے بیان کرنا جائز نہیں ہے

کیونکہ جو شخص نبی ﷺ کے حوالہ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے' جو اس کی رائے میں جھوٹی ہو تو وہ بیان کرنے والا بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر نبی ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے تو اسے بیان کرے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے تا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں تو پھر اسے بیان کرنے کا اجر و ثواب ملے گا' بہرحال مذکورہ بالا حدیث جھوٹی ہے۔ اسے از راہ جھوٹ نبی ﷺ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

یہاں ایک اور بات کی طرف توجہ مبذول کروانا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ سائل نے اپنے سوال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے امام کا لفظ استعمال کیا ہے لا ریب حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر خلفاء راشدین کی طرح یکے از ائمہ ہیں کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں کیونکہ یہ چاروں خلفائے راشدین ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، ح:٢٦٧٦)

"میری سنت اور میرے بعد کے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا۔" تو یہ وصف حضرت ابوبکر' عمر' عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سب پر منطبق ہوتا ہے۔

امامت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاصہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جس کی اقتداء کی جائے' یہی وجہ ہے کہ جو نماز میں امامت کے فرائض سرانجام دے اسے امام جماعت کہا جاتا ہے' اسی طرح جو شخص مسلمانوں کے امور و معاملات میں امامت کے فرائض سرانجام دے اسے بھی امام کہا جاتا ہے کیونکہ وہ راہنما و پیشوا ہوتا ہے اور اس کی بھی اقتداء کی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا کلمۂ امام سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہے' تو یہ ایک غلط تصور ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں' سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ اولیاء اللہ سے بھی دوسرے انسانوں کی طرح غلطیاں ہوتی ہیں اور وہ بھی توبہ کرتے ہیں کیونکہ ہر ابن آدم خطاکار ہے اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرلیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

احادیث درود

سوال میں نے بعض دینی کتب میں یہ احادیث پڑھی ہیں:

«مَنْ صَلَّىٰ عَلَيَّ فِي يَوْمٍ أَلْفَ مَرَّةٍ لَّمْ يَمُتْ حَتَّىٰ يَرٰى مَقْعَدَهُ فِي الْجَنَّةِ» (الترغيب والترهيب: ٢/ ٥٠١)

"جو شخص مجھ پر دن میں ایک ہزار مرتبہ درود پڑھے تو وہ اس وقت تک فوت نہیں ہو گا جب تک جنت میں اپنی جگہ نہ دیکھ لے۔"

«مَنْ صَلَّىٰ عَلَيَّ أَلْفَ مَرَّةٍ حَرَّمَ اللهُ جَسَدَهُ عَلَى النَّارِ»

"جو شخص مجھ پر ایک ہزار بار درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دے دیتا ہے۔"

کیا یہ احادیث صحیح ہیں؟ اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب یہ احادیث ضعیف یا موضوع ہیں۔ ہمارے لیے وہ احادیث صحیحہ ہی کافی ہیں' جنہیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سورۃ الاحزاب کی آیت کریمہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا ہے یا جنہیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جلاء الافہام" میں بیان فرمایا ہے لہٰذا آپ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کوے کو بد دعا کی روایت من گھڑت ہے

سوال میں نے ایک بھائی سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے دن کوے کو بد دعا دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَكَ»

"اللہ تجھے رو سیاہ کرے۔" کیا یہ روایت صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو آپ نے کوے کو یہ بد دعا کیوں دی تھی؟

جواب یہ ایک جھوٹی روایت ہے' جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے ہجرت کے وقت اور نہ کسی اور موقع پر کبھی بھی کوے کو بد دعا نہیں دی البتہ آپ نے اسے ان ناپاک جانوروں میں ضرور شمار کیا ہے' جنہیں حل و حرم میں قتل کیا جا سکتا ہے' آپ نے فرمایا:

«خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ، يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْغُرَابُ، وَالْحِدَأُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ما يقتل المحرم من الدواب، ح:١٨٢٩ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحل والحرم، ح:١١٩٨)

"پانچ قسم کے جانور ایسے ہیں جو سب ناپاک ہیں' انہیں حل و حرم میں قتل کیا جا سکتا ہے (۱) کوا (۲) چیل (۳) بچھو (۴) چوہیا اور (۵) باؤلا کتا۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

کیا یہ حدیث مردوں کے ساتھ خاص ہے؟

سوال کیا یہ حدیث:

«سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، ح:٦٦٠)

"سات قسم کے لوگ ایسے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔" مردوں ہی کے ساتھ خاص ہے یا جو عورتیں بھی یہ اعمال بجا لائیں گی' وہ بھی اس حدیث میں مذکور اجر و ثواب کی مستحق ہوں گی؟

جواب اس حدیث میں مذکور یہ فضیلت مردوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے

عام ہے۔ مثلاً وہ نوجوان عورت جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوانی کو بسر کرے' وہ بھی اس میں داخل ہے۔ اس طرح وہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کریں اور ہر وہ عورت بھی اس میں داخل ہے جسے کوئی بلند منصب اور صاحب جمال مرد بدکاری کی دعوت دے مگر وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتی ہوں' اس طرح وہ عورت بھی اس میں داخل ہے جو پاک کمائی سے اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ اسی طرح جو عورت خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ امامت مردوں کی خصوصیات میں سے ہے' نیز مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنا بھی مردوں ہی کے ساتھ خاص ہے جب کہ عورت کے لیے اپنے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ [1] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

"نبیل" کون سے نبی ہیں؟

سوال میں نے کتاب "انساب العرب" ص ۱۲۵ میں پڑھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چار کے سوا تمام انبیاء عجمی تھے اور وہ چار یہ ہیں (۱) ہود (۲) صالح (۳) شعیب اور (۴) نبیل۔ سوال یہ ہے کہ نبیل سے مراد کون سے نبی ہیں؟ ان چار اسماء کے ضمن میں ہمارے نبی ﷺ کا اسم گرامی کیوں نہیں ہے؟

جواب انساب العرب کے اس نسخہ میں یہ طباعت کی غلطی ہے کیونکہ نبیل کسی بھی عربی یا عجمی نبی کا نام نہیں ہے۔ یہاں اصل الفاظ اس طرح تھے "و نبیک یا ابا ذر" یعنی یہ نبیک' کاف کے ساتھ ہے۔ لام کے ساتھ نہیں ہے اور یہ آپ کا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ تھا یعنی اے ابوذر! چوتھے آپ کے نبی ہیں۔ آپ عرب ہیں اور آپ پر قرآن مجید بھی واضح اور فصیح عربی زبان ہی میں نازل ہوا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

پردے کے بارے میں حدیث اسماء

سوال حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب حیض کی عمر کو پہنچ جائے تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کی دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے علاوہ کچھ اور ظاہر ہو تو یہ تو گویا حجاب ہے' سوال یہ ہے کہ کیا نقاب کے بارے میں احادیث ہیں؟

جواب اس حدیث کو امام ابو داود نے سنن کے باب فیما تبدی المرأۃ من زینتھا میں اس طرح روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سے اپنے رخ کو بدل لیا اور فرمایا:

«يَا أَسْمَاءُ! إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يَصْلُحْ لَهَا أَنْ يُرٰى مِنْهَا إِلاَّ هٰذَا وَهٰذَا وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب فيما تبدي المرأة من زينتها، ح: ٤١٠٤)

---

[1] سنن ابی داود' الصلاۃ' باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد' حدیث: 567 و باب التشدید فی ذلک' حدیث: 570

"اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو پھر یہ درست نہیں کہ اس کے جسم کے اس اور اس حصے کے سوا اور کچھ نظر آئے۔ آپ نے یہ فرماتے ہوئے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔"

یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ خالد بن دریک کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور پھر اس کی سند میں سعید بن بشیر ازدی بھی ہے' جسے بصری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اصل میں وہ بصرہ کا ہے' اسے بعض علماء حدیث نے اگرچہ ثقہ قرار دیا ہے مگر امام احمد' ابن معین' ابن مدینی' نسائی' حاکم' ابو احمد اور ابوداود رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے لیس بشیئ اور حدیث میں قوی نہیں۔ قتادہ سے منکرات کو روایت کرتا ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کا حافظہ ردی اور یہ فاش غلطیاں کرتا ہے۔ قتادہ سے ایسی روایات بیان کرتا ہے' جن کی متابعت نہیں کی جا سکتی۔ ساجی نے بھی کہا ہے کہ اس نے قتادہ سے بہت سی مناکیر کو روایت کیا ہے اور اس روایت کو بھی اس نے قتادہ ہی سے روایت کیا جب کہ خود قتادہ مدلس ہے اور اس روایت کو اس نے خالد بن دریک سے روایت کیا ہے اور اس میں ولید بن مسلم بھی مدلس ہے جو تدلیس تسویہ کیا کرتا تھا اور غلو کرتے ہوئے (غیر مرفوع) احادیث کو مرفوع بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔ بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کئی وجوہ سے ضعیف ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گانا سننے کے بارے میں احادیث

سوال میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پڑھی اور سنی ہے:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى قَيْنَةٍ صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الآنُكُ»

"جو شخص کسی گانے والی کے گانے کو سنے تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔"

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اس طرح میں نے یہ حدیث بھی پڑھی اور سنی ہے:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ»

"گانا دل میں اس طرح نفاق کو اگاتا ہے جس طرح پانی سے گھاس اگتا ہے۔"

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ان مختلف قسم کے گانوں کے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو گھروں کی بجائے ایسی گاڑیوں یا محفلوں میں سنے جائیں' جہاں منع کرنا اس کے بس میں نہ ہو؟

جواب آواز سننے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اس کی طرف مائل ہو اور کان لگائے' تو گانے سننے میں بھی مائل ہونے اور کان لگانے ہی کی صورت ہے۔ لیکن یہ سماع کبھی تو قصد و ارادے اور قلبی میلان کی وجہ سے ہوتا ہے' جس کا نام استماع ہے اور اس کا حکم بھی استماع والا ہی ہے (یعنی یہ ناجائز اور حرام ہے) اور کبھی یہ سماع بغیر قصد و ارادے اور قلبی میلان کے ہوتا ہے تو اس کا نام استماع نہیں ہے اور نہ اس کا حکم ہی استماع والا ہے تو سائل نے یہ جو مختلف قسم کے گانے سننے کے بارے میں پوچھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گانا سننا حرام ہے' مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی' گھر میں بھی اور گاڑیوں اور عام و خاص ہر قسم کی محفلوں میں بھی کیونکہ اس طرح آدمی اس چیز کو اختیار کرتا' مائل ہوتا' اور شرکت کرتا

ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (لقمان۳۱/۶)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"

سائل نے گانے کا جو ذکر کیا ہے تو وہ یہی لہو الحدیث ہے۔ یہ دل کے لیے فتنہ ہے۔ دل کو شر کی طرف مائل کرتا اور خیر سے روکتا ہے۔ انسان کے وقت کو ضائع کرتا ہے لہٰذا یہ لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہے اور گانا گانے والا اور گانا سننے والا دونوں ہی اس کے عموم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے کو رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جس طرح قرآن مجید کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ گانا گانا اور سننا حرام ہے' اس طرح سنت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ، يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ لِحَاجَةٍ فَيَقُولُونَ: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا، فَيُبَيِّتُهُمُ اللهُ، وَيَضَعُ الْعَلَمَ، وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح:٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے اور کچھ لوگ ایک بلند پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالیں گے' شام کے وقت ان کا چرواہا ان کے جانور ان کے پاس لے کر آئے گا تو کوئی فقیر اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے ان کے پاس آئے گا تو وہ اسے کہیں گے کہ ہمارے پاس کل آنا تو رات کے وقت اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر ان کا کام تمام کر دے گا اور کچھ لوگوں کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دے گا پھر قیامت تک وہ اسی صورت میں رہیں گے۔"

معازف سے مراد گانا بجانا اور گانے بجانے کے آلات ہیں۔ گانا بجانا اور گانا سننا بھی اس میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو زنا کو حلال سمجھتے ہیں' مرد ہو کر ریشم پہنتے ہیں' شراب پیتے ہیں' آلات موسیقی کا استعمال کرتے اور گانا سنتے ہیں۔ گانا سننے کو بھی آپ نے ان کبیرہ گناہوں کے ساتھ ذکر کیا جن کا اس سے پہلے ذکر ہوا اور اس پر بھی عذاب کی وہ وعید سنائی جس کا اس حدیث کے آخر میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آلات موسیقی کو استعمال کرنا اور گانا سننا حرام ہے۔

قصد و ارادہ اور کان لگانے کے بغیر جو گانا سننا ہے' مثلاً راستہ میں چلتے ہوئے دوکانوں یا گاڑیوں سے آنے والی آواز کانوں میں پڑ جائے یا مثلاً یہ کہ آدمی اپنے گھر میں ہو مگر پڑوسیوں کے گھر سے آنے والی گانوں کی آواز کانوں میں پڑ جائے اور آدمی کو اس کا قطعاً کوئی شوق نہ ہو تو اس صورت میں آدمی معذور ہے' لیکن اسے چاہیے کہ ان صورتوں میں نصیحت کرتا رہے اور حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ اس منکر کام سے منع کرتا رہے اور مقدور بھر کوشش کر کے کانوں میں پڑنے والی اس آواز سے بھی خلاصی حاصل کرے' لیکن بہرحال اس طرح کانوں میں پڑ جانے والی آواز کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہیں

ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

علماء کی ایک جماعت کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ اپنے مطلوب کے بارے میں پہلے وہ صحیح دلائل بیان کر دیتے ہیں اور پھر کچھ ایسی احادیث بھی بیان کر دیتے ہیں جن کی سند یا دعویٰ پر دلالت میں کچھ ضعف ہوتا ہے تو یہ بات اصل مطلوب کے ثبوت میں نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ ان ضعیف روایات کو انہوں نے بطور استدلال نہیں بلکہ صرف استشہاد کے طور پر بیان کیا ہوتا ہے' مثلاً گانے کی حرمت کے صحیح دلائل کے ساتھ وہ یہ روایت بھی بیان کر دیتے ہیں جسے حکیم ترمذی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى صَوْتِ غِنَاءٍ لَّمْ يُؤْذَنْ لَهُ أَنْ يَّسْتَمِعَ الرُّوحَانِيِّينَ فِي الْجَنَّةِ» (كنز العمال، ح: ٤٠٦٦٠، ٤٠٦٦٦ وتفسير قرطبي: ١٤/ ٥٣_٥٤)

"جس نے گانے کی آواز کو سنا تو اسے جنت میں روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہ ہو گی۔"

اس طرح ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى قَيْنَةٍ صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(ضعيف الجامع الصغير للالبانى، ح: ٥٤١٠ والضعيفة، ح: ٤٥٤٩)

"جس نے کسی مغنیہ کی آواز کو سنا تو روز قیامت اس کے دونوں کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔"

ابن ابی الدنیا نے "ذم الملاهي" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ»(السنن الكبرى للبيهقي: ١٠/ ٢٢٣ وابن أبي الدنيا في ذم الملاهي، ص: ٧٣ وسنن أبي داود، الأدب، باب كراهة الغناء والزمر، ح: ٤٩٢٧ مختصرا)

"گانا دل میں اس طرح نفاق کو اگاتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے۔"

نیز امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ»(شعب الإيمان، ح: ٥١٠٠)

"گانا دل میں اس طرح نفاق کو اگاتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے۔"

یہ تمام احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر یہ گانا بجانے اور سننے کی حرمت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہیں کیونکہ اس کی حرمت کتاب و سنت کے دوسرے صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ واللہ الموفق۔

فتویٰ کمیٹی

مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی کو توڑنے ......

سوال کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح ہے «كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا» مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا اس طرح ہے' جس طرح زندہ کی ہڈی کو توڑا جائے؟

جواب یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح ثابت ہے۔ مرفوع روایت مصنف عبدالرزاق' سنن ابی داود' سنن

ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في الحفّار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان، ح:٣٢٠٧ وسنن ابن ماجه، ح:١٦١٦ ومصنف عبدالرزاق:٣/ ٤٤٤، ح:٦٢٥٦ وابن حبان، ح:٧٧٦)

"مردہ کی ہڈی کو توڑنا' زندہ کی ہڈی کو توڑنے کی طرح ہے۔"

امام عبدالرزاق نے اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ (باب کسر عظم المیت) اور پھر اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے۔ امام ابو داود نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ (باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکب ذلک المکان) "قبر کھودنے والا جب ہڈی پائے تو کیا اس جگہ سے ہٹ جائے؟" اور پھر انہوں نے اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ امام ابن ماجہ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ (باب فی النهی عن کسر عظام المیت) "مردہ کی ہڈیوں کو توڑنے کی ممانعت" اور پھر اپنی سند کے ساتھ انہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حافظ ہیثمی نے "موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان" میں باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ (باب فیمن آذی میتا) "جو شخص کسی میت کو ایذاء پہنچائے" اور پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے۔

موقوف روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے "موطا" کے (باب ماجاء فی الاختفاء) میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا اسی طرح ہے جس طرح زندہ کی ہڈی کو توڑنا' یعنی آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ عمل گناہ کے اعتبار سے ایک جیسا ہے۔ (1) امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے (باب مایکون بعد الدفن) میں امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے: "مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے کسی زندہ مسلمان کی ہڈی کو توڑ دیا جائے۔" (2) وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

کیا چور کے مال کو چرانا حلال ہے؟

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے ((اَلسَّارِقُ مِنَ السَّارِقِ حَلَالٌ)) "چور کے مال کو چرانا حلال ہے؟" یہ حدیث "کتاب الکبائر" میں ہے۔ کیا اس کتاب کی احادیث صحیح ہیں؟

جواب یہ حدیث بے اصل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس طرح کی کوئی حدیث ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چوری کرنا حرام ہے خواہ مالک کی چوری کی جائے یا چور کی۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کے پاس یہ مال مسروقہ ہے اور وہ اسے چھین کر اصل مالک کو واپس لوٹانا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

"کتاب الکبائر" کے مصنف امام ذہبی رحمہ اللہ ہیں' جن کا شمار کبار محدثین اور حفاظ میں ہوتا ہے لیکن اس کتاب کا موضوع چونکہ وعظ و نصیحت اور گناہوں سے ڈرانا ہے لہٰذا انہوں نے اس کتاب میں تساہل سے کام لیا اور بعض ضعیف

(1) موطأ امام مالک' الجنائز' باب ماجاء فی الاختفاء: 238/1 حدیث: 44

(2) الام للامام الشافعی': 277/1

احادیث اور قصص و حکایات کو بھی بیان کر دیا ہے' جب کہ اس کتاب کی اکثر و بیشتر روایات صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔ ضعیف احادیث کو انہوں نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان سے کوئی حلال و حرام کا مسئلہ انہوں نے ثابت نہیں کیا لہٰذا وعظ و نصیحت کے لیے اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حدیث: "جس نے مجھے جانتے ہوئے میری نافرمانی کی---" کے معنی

سوال مسلمان کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف صرف اسی قول کو منسوب کرے جو صحیح ہو اور جس کی نسبت آپ کی طرف ثابت ہو' تو کیا اس وقت اور بھی زیادہ شدید احتیاط کی ضرورت نہیں جب کسی قول کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہو؟ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو یہ قول منسوب کیا جاتا ہے:

«وَمَنْ عَصَانِي وَهُوَ يَعْرِفُنِي سَلَّطْتُ عَلَيْهِ مَنْ لاَّ يَعْرِفُنِي»

"جس نے مجھے جانتے ہوئے میری نافرمانی کی تو اس پر میں کسی ایسے شخص کو مسلط کر دوں گا جو مجھے نہیں جانتا ہو گا۔" اس کے بارے میں راہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں۔ والسلام۔

جواب ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف صرف اس بات کو منسوب کرے' جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ یہ صحیح ہے اور اگر اسے شک ہو تو پھر واجب یہ ہے کہ بات پورے جزم اور وثوق سے بیان نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح روایت کیا جاتا ہے یا رسول اللہ ﷺ سے "اس طرح" روایت کیا گیا ہے' یعنی اس طرح صیغۂ تمریض استعمال کرے' جزم اور وثوق کے ساتھ بات بیان نہ کرے جیسا کہ اہل علم نے اسے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ اثر بھی اسی قبیل میں سے ہے' جس کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے' ہمیں اس کا کوئی اصل معلوم نہیں۔ یہ صرف وعظ و نصیحت کی کتابوں میں ہے یا واعظوں کی زبانوں سے سنا ہے لہٰذا اسے جزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے' لہٰذا واجب یہ ہے کہ اسے مذکورہ بالا انداز میں صیغۂ تمریض کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر اس کام کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا پر مبنی ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

ہر ایسا کام جو قابل اہتمام ہو......

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ فَهُوَ أَبْتَرُ، أَقْطَعُ، أَجْذَمُ»

"ہر ایسا کام جو قابل اہتمام ہو اور اسے اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے تو وہ بے برکت' دم بریدہ اور کٹا ہوا ہے۔"

جواب اس حدیث کو امام ابن حبان وغیرہ نے دو یا دو سے بھی زیادہ طریق سے بیان کیا ہے [1] جب کہ اہل علم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] صحیح ابن حبان' (ابن بلبان) باب ماجاء فی الابتداء بحمدللّٰہ تعالیٰ' حدیث: 1'2- اس میں بسم اللہ کی بجائے بحمداللہ کے الفاظ ہیں۔

شیخ ابن باز

آب زمزم

سوال کیا آب زمزم کے فائدہ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے؟

جواب احادیث صحیحہ سے آب زمزم کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ یہ مقدس اور مبارک پانی ہے۔ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمزم کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ»(صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي ذر رضي الله عنه، ح:٢٤٧٣)

"یہ پانی مبارک ہے اور یہ کھانے والے کے لیے کھانا بھی ہے۔"

ابو داود کی روایت میں بسند جید یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَشِفَاءُ سُقْمٍ»(مسند أبي داود الطيالسي، الجزء الثاني، ص:٦١)

"یہ بیمار کے لیے شفاء بھی ہے۔"

یہ احادیث آب زمزم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کھانے والے کے لیے کھانا' بیمار کے لیے شفاء ہے اور بلاشبہ یہ انتہائی بابرکت پانی ہے۔ سنت یہ ہے کہ آب زمزم کو نوش کیا جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے نوش جان فرمایا' کیونکہ اس میں برکت ہے۔ یہ پاک کھانا ہے۔ جب میسر ہو اسے تناول کرنا چاہیے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا تھا۔ یاد رہے! آب زمزم کے ساتھ وضوء کرنا' استنجاء کرنا اور بوقت ضرورت غسل جنابت کرنا بھی جائز ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکلا تو لوگوں نے اس پانی کو لے لیا تھا[1] تاکہ اس سے اپنی پینے' وضو کرنے' کپڑوں کو دھونے اور استنجاء کرنے کی ضرورتوں کو پورا کریں اور امر واقع یہ ہے کہ انہوں نے ان تمام ضرورتوں کے لیے اس پانی کو استعمال کیا۔ آب زمزم اگرچہ اس پانی کی طرح تو نہیں ہے' جو آپ کی مبارک انگلیوں سے نکلا' اس سے مرتبہ میں بڑھ کر بھی نہیں ہو سکتا' تاہم یہ دونوں ہی بے حد مقدس پانی ہیں اور جب نبی ﷺ کی مبارک اور مقدس انگلیوں سے پھوٹنے والے پانی سے وضو کرنا' غسل کرنا' استنجاء کرنا اور کپڑوں کو دھونا جائز تھا تو آب زمزم کو ان تمام کاموں کے لیے استعمال کرنا بھی جائز ہو گا۔

شیخ ابن باز

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ عصر کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے اور صبح کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے مگر مکہ میں' مگر مکہ میں' مگر مکہ میں؟

جواب یہ حدیث "مگر مکہ میں" کے زائد الفاظ کے ساتھ تو ضعیف ہے' البتہ اصل حدیث صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے۔

[1] صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ' حدیث: 2473۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيبَ الشَّمْسُ»

(صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، ح:٥٨٦ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ح:٨٢٧)

''صبح کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔''

لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق اس سے وہ نماز مستثنیٰ ہے' جس کا کوئی خاص سبب ہو' مثلاً نماز کسوف' نماز طواف اور تحیۃ المسجد تو ان نمازوں کو تمام اوقات حتیٰ کہ ممانعت کے اوقات میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے یہ استثناء ثابت ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا یہ احادیث صحیح ہیں؟

سوال کیا یہ احادیث صحیح ہیں کہ (۱) ((تَهَادَوْا تَحَابُّوْا)) ''تحفے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔'' اور (۲) ((لَوْ عَلِمَ الْعِبَادُ مَا فِي رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ أُمَّتِيْ أَنْ يَّكُوْنَ رَمَضَانَ السَّنَةُ كُلُّهَا)) ''اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کا کس قدر اجر و ثواب ہے تو میری امت یہ تمنا کرتی' اے کاش! سارا سال رمضان ہی ہوتا۔''

جواب پہلی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' میں موصولاً [1] اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں مرسلاً روایت کیا ہے [2] اور اس کے بہت سے طرق ہیں' جو ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہیں' بہرحال یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور اجر و ثواب کی دعا فرماتے تھے۔ [3]

دوسری حدیث کو ابن ابی الدنیا وغیرہ نے بیان کیا ہے [4] جیسا کہ ''لطائف المعارف'' میں ہے' لیکن اس کے تمام طرق ضعیف ہیں جب کہ رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جو کہ صحیحین میں بھی ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حدیث ((مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلاَتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ)) کا مطلب

سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلاَتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ بِهَا مِنَ اللهِ إِلاَّ بُعْدًا»

---

(۱) الادب المفرد' باب قبول الهدية' حديث: 594

(۲) موطأ امام مالک' حسن الخلق' باب ماجاء فی المهاجرة' حديث: 16

(۳) صحيح البخاري' الهبة' باب قبول الهدية' حديث: 2574' 2579

(۴) اللآلی المصنوعة للسيوطی: 99/2

"جس شخص کو اس کی نماز فواحش و منکرات سے نہ روکے تو وہ نماز پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جاتا ہے۔" تو سوال یہ ہے کہ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے کیا اس کی نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب یہ حدیث متعدد طرق کے ساتھ مختلف الفاظ سے نبی ﷺ سے مروی ہے مگر یہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اسے ابن مسعود،[1] ابن عباس،[2] حسن[3] اور ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے، مگر موقوف روایت صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن مسعود، ابن عباس، حسن، قتادہ، اعمش وغیرھم سے موقوفاً مروی ہے۔ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص کی نماز فاسد ہے کیونکہ یہ ان نصوص صحیحہ کے منافی ہے، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں گناہوں اور برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے، تو اس کا یہ فعل نماز کی صحت و قبولیت سے مانع نہیں ہے بلکہ اس نے جس قدر شرعی طریقے سے نماز ادا کی، اسی قدر اسے اس کا ثواب ملے گا البتہ داڑھی منڈانے کا گناہ اسے ضرور ہو گا۔ وہ اپنے ایمان و عمل صالح کے مطابق مومن اور گناہوں کے مطابق فاسق ہو گا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نماز فواحش و منکرات سے اس وقت روکتی ہے، جب اسے اس طرح سے ادا کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت میں اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بدشگونی کے بارے میں حدیث

سوال رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کہ ((لَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ)) "بدشگونی اور الو کی نحوست نہیں ہے" اور اس ارشاد میں کس طرح تطبیق ہو گی کہ ((إِنْ كَانَتِ الطِّيَرَةُ فَفِي الْبَيْتِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ)) "اگر بدشگونی ہے تو وہ گھر، عورت اور گھوڑے میں ہے" راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب بدشگونی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم شرک ہے اور وہ ہے مرئیات یا مسموعات سے بدشگونی لینا تو یہ جائز نہیں ہے اور دوسری قسم اس سے مستثنیٰ ہے اور یہ ممنوع بدشگونی میں داخل نہیں ہے، اسی وجہ سے صحیح حدیث میں ہے:

«اَلشُّؤْمُ فِي ثَلَاثٍ، فِي الْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ وَالدَّابَّةِ»(صحيح البخاري، الطب، باب الطيرة، ح: ٥٧٥٣ وصحيح مسلم، السلام، باب الطيرة والفأل ... الخ، ح: ٢٢٢٥)

"بدشگونی تین چیزوں میں ہے یعنی عورت میں، گھر میں اور جانور میں۔"

یہ تین چیزیں مستثنیٰ ہیں اور یہ ممنوع بدشگونی میں داخل نہیں ہیں کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بعض عورتوں یا بعض جانوروں میں بدشگونی اور شر، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو یہ ایک قدری شر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس گھر کو چھوڑ دے، جو

---

1. المعجم الکبیر للطبرانی، 107/9، حدیث: 8543 موقوفًا
2. المعجم الکبیر للطبرانی، 54/11، حدیث: 11025
3. مسند الشهاب للقضاعی، 305/1، حدیث: 508

مناسب نہ ہو یا اس عورت کو طلاق دے دے' جو مناسب نہ ہو یا اس جانور کو چھوڑ دے' جو مناسب نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بدشگونی نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

شیخ البانی کے بارے میں رائے

سوال ہمارے ہاں ایک عالم ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے لیکن وہ ان مشائخ کو گالیاں دیتے ہیں' جن کا قول اس کی بات کے خلاف ہو خصوصاً رمضان میں تو وہ ہر رات علامہ البانی سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام علماء و فضلاء کی علامہ البانی کے بارے میں یہی رائے ہے کہ یہ شخص محض تاجر کتب ہے یعنی عالم نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کی علامہ البانی کے بارے میں کیا رائے ہے تاکہ آپ کی رائے کے بارے میں ہم اس شخص کو اور اس کے درس میں شریک ہونے والے لوگوں کو بھی بتا سکیں؟

جواب شیخ ناصر الدین البانی ہمارے ان خواص اور ثقہ بھائیوں میں سے ہیں' جو علم و فضل میں معروف اور تصحیح و تضعیف کے اعتبار سے علم حدیث کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھنے والوں میں سے ہیں لیکن وہ معصوم نہیں ہیں۔ بسا اوقات کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے میں ان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے لیکن انہیں گالی دینا یا ان کی مذمت کرنا یا ان کی غیبت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیت و عمل کی مزید خوبیوں سے نوازے۔ جس شخص کو دلیل کے ساتھ ان کی کسی واضح غلطی کے بارے میں علم ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے انہیں خط لکھ کر مطلع کرے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل ہو جائے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٥)

”دین ہمدردی اور خیر خواہی کا نام ہے۔“

نیز آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل ہو جائے:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ ظلم کے لیے اسے کسی اور کے سپرد کرے۔“

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ»(صحيح البخاري، الايمان، باب قول النبي ﷺ الدين النصيحة ... الخ، ح:٥٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٦)

”میں نے نبی ﷺ سے یہ بیعت کی کہ نماز قائم کروں گا' زکوٰۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کے لیے ہمدردی و خیر خواہی کروں گا۔“

یہ بات حتمی ہے کہ مومن مرد اور عورتیں خصوصاً اہل علم ایک دوسرے کے دوست ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا' بے شک اللہ غالب' خوب حکمت والا ہے۔"

لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہمدردی اور خیر خواہی کریں۔ حق کی وصیت کریں۔ غلطی کرنے والے کو اس کی غلطی پر متنبہ کریں اور شرعی دلائل کی روشنی میں صحیح بات کی طرف راہنمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا عملِ قوم لوط کے فاعل اور مفعول پر لعنت والی حدیث صحیح ہے؟

سوال کیا یہ حدیث جس میں فاعل و مفعول یعنی فحاشی کا ارتکاب کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے' صحیح ہے؟ میں نے اس حدیث کو حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۷ میں پڑھا ہے۔

جواب عمل قوم لوط سے نفرت دلانے کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں' جن میں فاعل و مفعول پر لعنت کی گئی ہے اور اس بدترین فعل پر وعید سنائی گئی ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے:

«اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ»(سنن أبي داود، باب الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، ح:٤٤٦٢ وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي:١٤٥٦)

"فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔"

لیکن یہ تمام احادیث ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ البتہ صحیح سندوں کے ساتھ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موقوفاً ثابت ہیں کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسے بدکار مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو دنیا ہی میں اس بدترین فعل کی وجہ سے جو بدترین عذاب سے دوچار کیا' یہ اس کی عقلی اور فطری طور پر حرمت و قباحت کی کافی بڑی دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مندرجہ ذیل احادیث کا کیا درجہ ہے؟

سوال کیا یہ احادیث صحیح ہیں؟

«أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»

"فتویٰ پر جو شخص زیادہ جرأت سے کام لے گا وہ جہنم رسید ہونے میں زیادہ دلیر ہے۔"

«مَكَّةُ رِبَاطٌ وَجُدَّةُ جِهَادٌ»

''مکہ رباط اور جدہ جہاد ہے۔''

«رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الأَكْبَرِ»

ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس لوٹ آئے ہیں۔''

جواب 1 یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں' جسے امام دارمی نے سنن دارمی (ج ۱ ص ۵۷) میں عبیداللہ بن ابی جعفر سے مرسل روایت کیا ہے اور ارسال کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ مجھے یہ مرفوع کہیں نہیں ملی۔ 2 ان الفاظ کے ساتھ مجھے کسی حدیث کا علم نہیں ہے۔ 3 یہ حدیث زبان زد عام اور مجالس و اخبارات میں عام ہے' لیکن مرفوع طور پر یہ ثابت نہیں ہے' لہٰذا اسے بیان کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہیے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی......

سوال بیان کیا جاتا ہے کہ قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جزیرۃ العرب کی زمین سرسبز و شاداب ہو جائے گی اور اس میں نہریں چلنے لگیں گی ' یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

جواب یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيضَ، حَتَّى يَخْرُجَ الرَّجُلُ بِزَكَاةِ مَالِهِ فَلاَ يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ، وَحَتَّى تَعُودَ أَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوجًا وَأَنْهَارًا»(صحيح مسلم، الزكاة، باب الترغيب في الصدقة قبل أن لا يوجد من يقبلها، ح:١٥٨ بعد ١٠١٢)

''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک مال کی بہت زیادہ کثرت نہ ہو جائے گی حتیٰ کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلے گا مگر اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا اور اس وقت تک بھی قیامت قائم نہ ہو گی جب تک سرزمین عرب باغات اور نہروں میں تبدیل نہ ہو جائے گی۔''

زکوٰۃ لینے سے یہ بے نیازی اس لیے ہو گی کہ لوگوں کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو گی۔ قیامت قریب ہو گی اور لوگ دنیا سے بے رغبت ہوں گے۔ سرزمین عرب سے مراد جزیرۃ العرب کی زمین ہے۔ ''مروج'' سے مراد زمین کی سرسبزی و شادابی ہے اور نہروں سے مراد' بارش کے پانی کی کثرت کی وجہ سے جاری ہونے والی نہریں ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

((العلم علمان ---)) ''علم دو طرح کے ہیں'' کیا یہ حدیث ہے؟

سوال کیا یہ حدیث ہے اور اگر حدیث ہے تو کیا یہ صحیح ہے کہ علم دو طرح کے علم ہیں (۱) علم ابدان اور (۲) علم ادیان۔ جو شخص علم شرعی کی تنقیص کرے اور اسے دنیوی علم سے کم مرتبہ مانے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ حدیث بے اصل ہے' کیونکہ علم سارا ایک ہے جو کہ بندوں کے ابدان' ادیان اور احوال کے سلسلہ میں بندوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہے اور اس علم نے ہر چیز کے حکم کو بیان کر دیا ہے اور جو شخص علم شرعی کی تنقیص کرے وہ زندیق ہے' توبہ کر لے تو صحیح ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

((عَبْدِی اَطِعْنِی---)) کیا یہ حدیث قدسی صحیح ہے

سوال ادارات بحوث علیہ و افتاء اور دعوۃ و ارشاد کے چیئرمین کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ ایک قدسی حدیث میں یہ آیا ہے:

«عَبْدِي أَطِعْنِي تَكُنْ عَبْدًا رَبَّانِيًّا يَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ»

"اے میرے بندے! تو میری اطاعت کر' تو اس سے رب کا ایسا بندہ بن جائے گا جو جس چیز سے بھی یہ کہے گا کہ تو ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔" کیا یہ حدیث قدسی صحیح ہے یا غیر صحیح؟

جواب ہمیں کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں بھی یہ حدیث نظر نہیں آئی اور اس کا مضمون بتلاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے' کیونکہ اس میں بندے کو' جو ایک کمزور مخلوق ہے' خالق کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے جو سب سے قوی ہے' یا یوں کہہ لیجئے کہ اس روایت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا گیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی شریک سے پاک ہے۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے' کفر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے' اسے کلمہ' کن سے پیدا فرما دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾﴾ (یس۳۶/ ۸۲)

"اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔"

وباللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا زنا سے پیدا ہونے والے پر جنت حرام ہے؟

سوال میں نے سنا ہے کہ اس مفہوم کی بھی ایک حدیث ہے کہ "زنا سے پیدا ہونے والے پر جنت حرام ہے" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس بچے کا کیا قصور ہے جسے اپنے ماں باپ کی غلطی اور گناہ کا سزاوار قرار دیا گیا ہے؟

جواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلَدُ الزِّنَا شَرُّ الثَّلَاثَةِ»(سنن أبي داود، العتق، باب في عتق ولد الزنا، ح:۳۹۶۳ ومسند أحمد: ۲/ ۳۱۱)

''ولدزنا تینوں میں سب سے زیادہ برا ہے۔''

بعض علماء نے کہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اصل' عنصر' نسب اور مولد کے اعتبار سے تینوں میں سب سے زیادہ برا ہے کیونکہ

وہ زانی مرد اور عورت کے پانی سے پیدا ہوا ہے اور یہ ناپاک اور خبیث پانی ہے اور ماں باپ کے اخلاق کا چونکہ اولاد پر اثر ہوتا ہے لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ اس خباثت کا اس پر بھی اثر ہو اور یہ اسے بھی شر پر آمادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام سے برائی کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۲۸)

”نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔“

لیکن اس کے باوجود اپنے والدین کے گناہ کی وجہ سے اس سے مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٤)

”کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

بہرحال دنیا و آخرت میں زنا کا گناہ اور اس کی سزا اس کے والدین کے لیے ہے۔ ہاں اس بات کا ضرور ڈر ہے کہ اس بدکاری کا اس کے اخلاق و کردار پر بھی اثر پڑے، جس کی وجہ سے یہ بھی خباثت اور گناہ میں مبتلا ہو جائے، لیکن یہ کوئی باقاعدہ طے شدہ اصول نہیں ہے کیونکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک بنا دے اور وہ عالم اور متقی و پرہیزگار بن کر تینوں میں سب سے اچھا ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا یہ حدیث: ((إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُوْرِ---)) ”جب تم معاملات میں پریشان ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو“ صحیح ہے؟

سوال بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبر میں مدفون میت سے مدد مانگنا جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

«إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا بِأَهْلِ الْقُبُورِ»

”جب تم امور و معاملات میں پریشان ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو۔“ کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

جواب یہ ایک جھوٹی روایت ہے جسے غلط طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کئی اہل علم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”یہ ایک جھوٹی حدیث ہے جسے محض کذب و افتراء سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس پر حدیث کے تمام علماء کا اجماع ہے۔ علماء میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا اور حدیث کی قابل اعتماد کتابوں میں سے کسی بھی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب یہ جھوٹی روایت کتاب و سنت کے بھی خلاف ہے کیونکہ کتاب و سنت میں تو یہ حکم ہے کہ عبادت اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف اللہ وحدہ ہی کے لیے واجب ہے، اس کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا حرام ہے۔ اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ مردوں کو پکارنا، ان سے مدد مانگنا اور غم و فکر کے موقعوں پر ان سے

---

[1] مجموع الفتاوی: 356/1

فریاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت بڑا شرک ہے جیسا کہ آسانی اور خوش حالی کی حالت میں بھی انہیں پکارنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ پہلے زمانے میں مشرکوں کا حال یہ تھا کہ جب مشکلات میں مبتلا ہوتے تو خالص اللہ کی عبادت کرتے اور جب مشکلات دور ہو جاتیں تو اللہ کے ساتھ شرک شروع کر دیتے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا۟ فِى ٱلْفُلْكِ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ فَلَمَّا نَجَّىٰهُمْ إِلَى ٱلْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (العنکبوت٢٩/ ٦٥)

"پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے (اور) خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں مگر اس دورِ آخر کے مشرک تو غمی اور خوشی کی ہر حالت میں شرک کرتے ہیں بلکہ شدائد و مشکلات کی حالت میں ان کے شرک میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتبار سے ان کا کفر پہلے لوگوں کے کفر سے بھی زیادہ اور سخت ہے حالانکہ:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البینة٩٨/ ٥)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور یک سو ہو کر۔"

اور فرمایا:

﴿ فَٱدْعُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْكَـٰفِرُونَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المؤمن٤٠/ ١٤)

"اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے۔ دیکھو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ ٱلْمُلْكُ ۚ وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (فاطر٣٥/ ١٣۔١٤)

"یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے' اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو (کسی چیز کے) مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح' تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔"

یہ آیت عام ہے اور ان سب کو شامل ہے' جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے خواہ وہ انبیاء ہوں یا اولیاء یا کوئی اور' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ مشرکوں کا ان کو پکارنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں اسے کفر بھی قرار دیا ہے:

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَـٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَـٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ١١٧)

"اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے ہاں کچھ بھی سند نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہو گا' کچھ شک نہیں کہ کافر رستگاری نہیں پائیں گے۔"

——— شیخ ابن باز ———

اس حدیث "جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا وہ کافر ہے" سے کیا مراد ہے؟

سوال ترکی میں کچھ مسلمان بھائیوں کا اس حدیث جس کے معنی یہ ہیں کہ "جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا تو وہ کافر ہے۔" کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد کافر ہے یا گناہ گار' سوال یہ ہے کہ حدیث میں وارد لفظ کَفَرَ کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس میں اور لفظ "کافر" میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ اس حدیث کے بارے میں کافی و شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب اولاً: ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث بے اصل ہے۔ قابل اعتبار ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی اسے صحیح یا ضعیف سند کے ساتھ بیان نہیں کیا لہٰذا اس صورت میں اس حدیث کی طرف التفات ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً: اگر کوئی مسلمان کسی ایسے حکم کی مخالفت کرے' جو کتاب و سنت کی نص صریح سے ثابت ہو' جس میں تاویل یا اجتہاد کی گنجائش نہ ہو یا وہ کسی ایسے اجماع کی مخالفت کرے جو قطعی طور پر ثابت ہو تو اس کے لیے صحیح حکم کو بیان کیا جائے گا۔ اگر قبول کرے تو الحمدللہ اور اگر وہ صحیح حکم بیان کیے جانے اور حجت قائم کیے جانے کے بعد بھی انکار کرے اور حکم الٰہی کے بدل دینے پر اصرار کرے تو اسے کافر قرار دیتے ہوئے اس سے مرتد کا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص نماز پنجگانہ یا ان میں سے کسی ایک نماز یا روزہ' یا زکوٰۃ یا حج کا انکار کرے' ان نصوص کتاب و سنت کی تاویل کرے' جن سے ان احکام کی فرضیت ثابت ہے اور اجماع امت کی بھی پروا نہ کرے اور اگر وہ کسی ایسے حکم کی مخالفت کرے جو کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کے ثبوت میں اختلاف ہو یا اس میں مختلف معانی اور احکام کی تاویل کی گنجائش ہو تو اس کا یہ اختلاف ایک اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہو گا' جس کی وجہ سے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ غلطی کرنے والے کو (جبکہ وہ مقلد نہ ہو) معذور سمجھا جائے گا اور اجتہاد کی وجہ سے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور وہ شخص قابل تعریف ہو گا جس کا اجتہاد صحیح ہو گا نیز اجتہاد کی وجہ سے وہ دو گنا اجر و ثواب کا مستحق ہو گا' ایک اجتہاد کا اجر اور دوسرا اجتہاد کے صحیح ہونے کا اجر۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے ایک شخص مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کا انکار کرے اور دوسرا اسے واجب قرار دے' یا جیسے کوئی شخص میت کے گھر والوں کے کھانے پکانے اور اس کے لیے لوگوں کے جمع کرنے کے بارے میں اختلاف کرے اور اسے مستحب یا مباح قرار دے یا یہ کہے کہ حرام تو نہیں مگر مکروہ ہے' تو ایسے شخص کو نہ کافر قرار دینا جائز ہے' نہ یہ جائز ہے کہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا جائے یا اس سے رشتہ جوڑنے سے انکار کر دیا جائے اور نہ ایسے شخص کا ذبیحہ حرام ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ اس کی ہمدردی و خیر خواہی کی جائے اور کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں اس سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا جائے کیونکہ یہ ایک مسلمان بھائی ہے اور اسے مسلمانوں کے حقوق حاصل ہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف' ایک اجتہادی اور فرعی مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اس قسم کے اختلاف کی مثالیں تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف کے عہد سے بھی ملتی ہیں مگر انہوں نے اس قسم کے اختلاف کی وجہ سے نہ تو ایک دوسرے کو کافر قرار

دیا اور نہ ایک دوسرے سے تعلقات ہی منقطع کیے تھے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

یہ حدیث منکر ہے

سوال اس حدیث کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع اور اگر یہ ضعیف ہے تو اس کے مطابق عمل کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ حدیث یہ ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”رات یا دن کو بارہ رکعات نماز اس طرح پڑھو کہ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد کرو اور جب نماز کا آخری تشہد پڑھو تو اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرو، نبی ﷺ پر درود پڑھو اور حالت سجدہ میں سورۂ فاتحہ سات بار، آیت الکرسی سات بار اور ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ دس بار پڑھو اور پھر یہ دعا پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ، وَاسْمِكَ الأَعْظَمِ، وَجَدِّكَ الأَعْلٰى، وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ»

”اے اللہ! میں تیرے عرش کے مقامات عزت، تیری کتاب کے انتہائے رحمت، تیرے اسم اعظم، تیرے بلند و بالا مقام اور تیرے مکمل کلمات کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔“

اور پھر اپنی حاجت و ضرورت کے لیے سوال کرو، پھر اپنے سر کو سجدہ سے اٹھالو اور دائیں بائیں سلام پھیرو۔ یہ دعا بیوقوف لوگوں کو نہ سکھاؤ، کیونکہ وہ بھی اگر اس طرح دعا کریں تو ان کی دعا بھی قبول ہو جائے گی۔ اس حدیث کو امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب یہ حدیث منکر ہے، نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ نبی ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے:

«أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا»(صحيح مسلم، الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، ح:٤٧٩)

”خبردار! آگاہ رہو کہ مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔“

لہذا یہ مناسب نہیں کہ انسان بحالت سجدہ قرآن پڑھے۔ البتہ اگر کوئی قرآنی دعا مثلاً:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ﴿٨﴾ ﴾ (آل عمران۳/۸)

”اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دینا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔“

یا مثلاً:

﴿ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴿٢٠١﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۰۱)

”اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔“

اس طرح کی دعا تو جائز ہے لیکن رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت ممنوع ہے حتیٰ کہ بعض اہل علم نے

تو یہاں تک کہا ہے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت سے نماز باطل ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شیطان کا چلنا حسی ہے یا معنوی؟

سوال رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ»(منسد أحمد: ١٥٦/٣)

"شیطان ابن آدم میں اس طرح چلتا ہے جس طرح خون چلتا ہے۔" سوال یہ ہے کہ کیا شیطان کا یہ چلنا ایک حسی امر ہے یا معنوی؟

جواب شیطان کا چلنا تو حسی ہے لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اس کی کیفیت ہی کو جانتے ہیں کیونکہ یہ اختلاط کی ایک صورت ہے۔ جن' انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کا انسان کے تصرفات پر اثر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیار کے بغیر کوئی بات یا کوئی کام کرنے لگ جاتا ہے کیونکہ جن نے انسان کو چھو کر اس کے عقل اور ارادہ کو ڈھانپ لیا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت میں سے ہے کہ اس نے اس مخلوق کو پیدا کر کے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ انسان کو چھوتا ہے مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتا اور وہ ان میں خلط ملط ہو جاتا ہے مگر یہ اسے دیکھ نہیں سکتے جب اس پر قرآن مجید پڑھا جائے اور اس سے پناہ چاہی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے جسم سے نکل جاتا ہے اور انسان حسب سابق تندرست ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نبی ﷺ کے فرمان ((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَلِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ---)) کا مطلب

سوال نبی ﷺ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت کی خطا' بھول چوک اور جس پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو' سے درگزر کر رکھا ہے۔''

جواب اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (1) امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے' جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے حوالے سے "بلوغ المرام" میں ذکر کیا ہے۔ (2) طبرانی نے معجم کبیر میں اسے حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے بھی روایت کیا ہے (3) مگر اس کی سند ضعیف ہے جیسا کہ ھیثمی نے "مجمع الزوائد" میں لکھا ہے۔ (4) اس حدیث میں خطاء کا لفظ عمد (قصد و ارادہ) اور نسیان کا لفظ

---

(1) سنن ابن ماجہ' الطلاق' باب طلاق المکرہ و الناسی' حدیث: 2043- المعجم الکبیر للطبرانی' 133/11' 134 حدیث: 11274' المستدرک للحاکم' 198/2

(2) بلوغ المرام' الطلاق' حدیث: 1078

(3) المعجم الکبیر للطبرانی' 97/2' حدیث: 1430

(4) مجمع الزوائد' 250/6

ذکر و حفظ کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو آپ کی امت کے حوالے سے یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ وہ امت کے اس فرد کا مؤاخذہ نہیں کرے گا جو غلطی سے یا بھول چوک کر کسی گناہ کا ارتکاب کرے یا کسی واجب کو ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ایسا شخص گناہ گار نہیں ہو گا۔

جہاں تک واجبات میں خطایا نسیان کے استدراک کا تعلق ہے یا اس بات کا تعلق ہے کہ حرام امور کے ارتکاب سے کیا لازم آئے گا تو اس کے لیے ادلہ تفصیلیہ کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ مثلاً قتل خطا کی صورت میں دیت اور کفارہ لازم ہے۔ نماز میں خطایا نسیان کی صورت میں سجدہ سہو ہے اور اگر نماز ہی کو بھول گیا ہو تو اس صورت میں قضا ہے' اس طرح حرم میں کیے جانے والے شکار کا بدلہ یا کفارہ ہے۔ خطا و نسیان کی بعض صورتوں میں کچھ بھی لازم نہیں ہوتا مثلاً اگر مکلف شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے یا بھول کر قسم توڑ دے تو کوئی کفارہ لازم نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی حرام کام کے ارتکاب پر اس قدر مجبور کر دیا گیا ہو کہ اس کے لیے اس سے خلاصی کی طاقت ہی نہ ہو تو اس صورت میں اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا بشرطیکہ اس کا دل ایمان سے سرشار ہو۔ جس گناہ پر اسے مجبور کیا گیا ہو' اس کا وہ منکر ہو اور اسے حلال نہ سمجھتا ہو۔ البتہ اگر اسے کسی شخص کے قتل پر مجبور کیا گیا ہو تو وہ اسے قتل کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا کیونکہ اس نے اپنی جان بچالی اور دوسرے انسان کو قتل کر دیا۔ اگر کسی کو کسی واجب کے ترک پر مجبور کر دیا گیا ہو تو اسے ترک کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہو گا' لیکن اگر ممکن ہو تو ممانعت کے ازالہ کے بعد اس واجب کو ادا کرنا ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا یہ حدیث «لَزَوالُ الدُّنیا بِأَسرِها--» صحیح ہے؟

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے:

«لَزَوَالُ الدُّنْیَا بِأَسْرِهَا عِنْدَاللهِ أَهْوَنُ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ»

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری دنیا کا زوال بھی ایک مرد مسلم کے قتل کے مقابلے میں کم تر ہے؟"

جواب اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے اپنی اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَزَوَالُ الدُّنْیَا أَهْوَنُ عِنْدَاللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ»(لم أجده في صحيح مسلم، جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن، ح:١٣٩٥ وسنن النسائي، تحريم الدم، باب تعظيم الدم، ح:٣٩٩٢ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال ایک مرد مسلم کے قتل کے مقابلے میں کم تر ہے۔"

ہم نے اس حدیث کے جتنے بھی طرق دیکھے ہیں' ان میں سے کسی میں بھی بأسرھا (تمام) کا لفظ نہیں ہے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَزَوَالُ الدُّنْیَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَیْرِ حَقٍّ»(سنن ابن ماجه، الديات، باب التغليظ

في قتل مسلم ظلما، ح:۲۶۱۹)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال ایک مرد مومن کے ناحق قتل کے مقابلے میں کم تر ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

بدعات سے کیا مراد ہے؟

سوال حدیث میں جو ((مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ)) کے الفاظ آئے ہیں' ان سے کیا مراد ہے اور ان کے کیا معنی ہیں؟

جواب نبی ﷺ کے ارشاد گرامی:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، ح:٢٦٧٦)

"اپنے آپ کو نئے نئے کاموں سے بچاؤ۔" سے مراد عقائد و عبادات سے متعلق وہ تمام بدعات ہیں' جن کو لوگوں نے از خود دین اسلام میں ایجاد کیا ہے اور کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت سنت میں جن کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر لوگوں نے انہیں دین بنالیا ہے اور انہی کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی یہ گمان کرتے ہوئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ مشروع ہیں' حالانکہ یہ بدعت اور ممنوع ہیں' مثلاً فوت شدہ نیک لوگوں یا غائب لوگوں کو پکارنا' قبروں کو مسجدیں بنانا' قبروں کا طواف کرنا' اہل قبور سے مدد مانگنا اور یہ گمان کرنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے سفارشی اور وسیلے ہیں کہ انہی کے واسطوں سے ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور مشکلات دور ہوتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء کے ایام ولادت کو عید کا درجہ دے کر محفلوں کا اہتمام کرنا اور ایسے امور سرانجام دینا جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ یہ ولادت کی رات یا دن یا مہینے سے مخصوص ہیں' علی ھذا القیاس اس طرح کی بہت سی بدعات اور خرافات ہیں' جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور نہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی سے ثابت ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعات کی بعض صورتیں شرک بھی ہیں جبکہ بعض صرف بدعت ہیں اور وہ شرک کے درجہ تک نہیں پہنچتیں' مثلاً قبروں پر عمارتیں اور مسجدیں بنانا بشرطیکہ ان میں غلو کے ایسے کام نہ کیے جائیں جو انہیں شرک کے درجہ تک پہنچا دیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اس حدیث سے عموم مراد ہے

سوال اس نئے ہجری سال کے موقع پر مجھے یہ حدیث یاد آئی:

«مَا مِنْ زَمَانٍ يَأْتِي إِلاَّ وَهُوَ أَسْوأُ أَوْ شَرٌّ مِمَّا قَبْلَهُ»

"ہر آنے والا زمانہ پہلے سے زیادہ برا ہو گا۔"

جملہ احادیث کا یہی مفہوم ہے' لیکن بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں شرک' بدعات اور جہالت کی گرم بازاری ہوتی ہے مگر پھر اس کے بعد ایک ایسا زمانہ بھی آتا ہے جو اس سے بہتر ہوتا ہے کہ اس میں شرک مٹ جاتا یا کم ہو جاتا ہے۔ بدعات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور علم کا نور پھیل جاتا ہے مثلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت سے پہلے زمانہ اور

پھران کی دعوت کے زمانہ میں یہی صورت حال تھی تو فتویٰ عطا فرمائیں کہ اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب جب لوگوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس حجاج ثقفی کے مظالم کی شکایت کی تو اس وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلاَّ وَالَّذِي بَعْدَهُ أَشَرُّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ» (صحيح البخاري، الفتن، باب لا يأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، ح:٧٠٦٨)

"تمہارے لیے اب جو زمانہ بھی آئے گا وہ پہلے سے برا ہو گا (اور یہ سلسلہ) تمہاری اپنے رب سے ملاقات تک جاری رہے گا۔"

انسان کو چاہیے کہ وہ اس حدیث کو کسی خاص علاقے یا مخصوص لوگوں کے تناظر میں نہ دیکھے بلکہ اس کی طرف عموم کے اعتبار سے دیکھے کیونکہ اگر کسی علاقے سے شرک اور فتنوں کے ازالہ کے بعد صورت حال میں تبدیلی آ جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ساری زمین کی حالت ہی درست ہو گئی ہے' لہٰذا اس نص سے مقصود عموم ہے نہ کہ مخصوص طور پر زمین کا ہر علاقہ اور ہر علاقے میں بسنے والا ہر ہر طبقہ۔ اس حدیث کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے اکثر و بیشتر حالت پر محمول کیا جائے گا اور اگر کسی جگہ شر کے بعد خیر رونما ہو جائے خواہ وہ عام کیوں نہ ہو تو اسے اس حدیث کے عموم کا مخصص قرار دیا جائے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

صحیح احادیث کا انکار

سوال جو شخص صحیحین میں وارد بعض صحیح احادیث مثلاً حدیث عذاب و نعیم قبر' معراج' سحر' شفاعت اور جہنم سے رہائی کا انکار کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے' اسے سلام کیا جا سکتا ہے یا ایسے شخص سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے؟

جواب اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَبَعْد:

حدیث کی روایت و درایت کا علم رکھنے والے علماء ایسے شخص سے گفتگو کر کے اسے ان احادیث کی صحت اور ان کے معانی و مطالب کے بارے میں بتائیں۔ اس کے باوجود اگر وہ ان احادیث کا انکار کرے یا ان کے معانی میں تحریف کرے تاکہ وہ اپنی خواہش پر عمل کرے اور انہیں اپنی باطل رائے کے مطابق ڈھالے تو ایسا شخص فاسق ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے واجب ہے کہ اس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے اور اس سے میل جول نہ رکھا جائے الا یہ کہ اس سے میل جول ہمدردی و خیرخواہی اور اس کی راہنمائی کے لیے ہو۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز کا حکم وہی ہے جو ایک فاسق شخص کی اقتداء میں نماز کا حکم ہے' مگر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے' کیونکہ بعض اہل علم ایسے شخص کو کافر قرار دیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تارک نماز کی سزا---ایک جھوٹی روایت

سوال تارک نماز کی سزا کے بارے میں جھوٹی روایت کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب

"تارک نماز کی سزا" کے عنوان سے مجھے ایک پمفلٹ کے بارے میں علم ہوا ہے' جس میں یہ لکھا ہے کہ "نبی ﷺ سے روایت ہے کہ جس نے نماز میں سستی کی تو اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا" پھر ان پندرہ سزاؤں کو ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے' امید ہے کہ جو شخص بھی اس پمفلٹ کو پڑھے گا وہ اسے لکھ کر دیگر تمام مسلمانوں میں بھی پھیلائے گا۔ پھر لکھا ہے کہ "نیک کام کی ابتداء کرنے والے کے لیے خیر ہے" اس طرح مجھے ایک اور پمفلٹ کے بارے میں بھی علم ہوا ہے جسے قرآن مجید کی تین آیات کے ساتھ شروع کیا گیا ہے' جن میں سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعۡبُدۡ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٦٦﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۶۶)

"بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔"

اور پھر لکھا ہے کہ یہ تین آیات چار دنوں کے بعد خیر و بھلائی لانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ لہٰذا اس کے پچیس نسخے لکھ کر ان لوگوں کو ارسال کیے جائیں' جن کو اس کی ضرورت ہو اور جو لوگ ایسا نہ کریں گے ان کو مختلف سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ دونوں پمفلٹ چونکہ باطل اور منکر امور پر مشتمل ہیں' اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ ان کے بارے میں مطلع کر دوں تاکہ وہ لوگ فریب خوردہ نہ ہوں جو شریعت مطہرہ کے احکام سے ناواقف ہیں' فاقول و باللہ التوفیق۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ امور بدعت میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف علم کے بغیر بات منسوب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلۡ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلۡفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلۡإِثۡمَ وَٱلۡبَغۡيَ بِغَيۡرِ ٱلۡحَقِّ وَأَن تُشۡرِكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهِۦ سُلۡطَٰنٗا وَأَن تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۳)

"کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو' (خواہ) ظاہر ہوں یا پوشیدہ' حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔"

لہٰذا اس بندے کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے' جو اس منکر طریقے کو اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرتا ہے' جو انہوں نے ارشاد ہی نہیں فرمائی۔ سزاؤں کی تحدید اور اعمال کی جزاء کی تعیین کا تعلق تو علم غیب سے ہے اور کوئی شخص بھی اسے جان نہیں سکتا سوائے اس کے کہ رسول اللہ ﷺ نے بطریق وحی اس کی اطلاع دی ہو اور ان کتابچوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' کتاب و سنت میں ان کے بارے میں کچھ بھی وارد نہیں ہے۔

اس کتابچے کے لکھنے والے نے رسول اللہ ﷺ کی طرف تارک نماز کے بارے میں جو یہ بات منسوب کی ہے کہ اسے پندرہ سزائیں دی جاتی ہیں' یہ ایک باطل اور جھوٹی روایت ہے' جیسا کہ حفاظ حدیث' مثلاً علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان"

میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "لسان المیزان" میں محمد بن علی بن عباس بغدادی عطار کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے تارک نماز کے بارے میں ایک باطل حدیث ابوبکر بن زیاد نیساپوری کی طرف منسوب کی ہے' جسے اس سے محمد بن علی موازینی شیخ ابی نرسی نے روایت کیا ہے۔ محمد بن علی نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن زیاد نے اسے ربیع سے' اس نے امام شافعی سے انہوں نے امام مالک سے انہوں نے سُمَیّ سے انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے:

«مَنْ تَهَاوَنَ بِصَلَاتِهِ عَاقَبَهُ اللهُ بِخَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً . . . الحديث»

"جس نے نماز میں سستی کی' اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا....."

یہ حدیث بالکل باطل اور صوفیہ کی وضع کردہ احادیث میں سے ہے۔ بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس حدیث کے باطل ہونے کا ایک فتویٰ ۱۰/۶/ ۱۴۰۱ھ کو بھی جاری کیا تھا لہٰذا ایک عاقل شخص کس طرح یہ پسند کر سکتا ہے کہ وہ کسی موضوع حدیث کو رواج دے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ رَوٰى عَنِّي حَدِيثاً وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنِ»(صحيح مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكاذبين وسنن ابن ماجه، السنة، باب من حدث عن رسول الله . . . الخ، ح: ٤٠ ومسند أحمد: ٤/ ٢٥٠، ٥٨٤، ٥/ ١٤، ٢٠)

"جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔"

جھوٹی حدیث بیان کرنے کی ضرورت بھی آخر کیا ہے جب کہ نماز کی اہمیت اور اس کے تارک کی سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جو ثابت ہے' وہ کافی اور شافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ مَا سَلَكَكُمْ فِى سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا۟ لَمْ نَكُ مِنَ ٱلْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (المدثر٧٤/ ٤٢-٤٣)

"تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہنمیوں کی ایک نشانی ترک نماز بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُونَ ٱلْمَاعُونَ ﴿٧﴾ ﴾ (الماعون١٠٧/ ٤-٧)

"تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے' جو نماز سے غافل رہتے ہیں' جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔"

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح البخاري، الايمان، باب دعاؤكم إيمانكم . . . الخ، ح:٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الاسلام ودعائمه العظام، ح:١٦)

”اسلام کی عمارت پانچ باتوں پر استوار کی گئی ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔“

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/٣٤٦، ٣٥٥)

”ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔“

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں جو کہ مشہور و معروف ہیں۔ دوسرا کتابچہ جسے کچھ آیات سے شروع کیا گیا ہے جن میں سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعْبُدْ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٦٦﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٦)

”بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔“

اسے لکھنے والے نے ذکر کیا ہے کہ جو اسے تقسیم کرے گا اسے یہ اجر و ثواب حاصل ہو گا اور جو اس کی طرف توجہ نہ کرے گا تو اسے یہ عذاب ہو گا' تو یہ بھی ایک بے حد و حساب باطل اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اس کا تعلق بھی ان جاہلوں اور بدعتیوں کے اعمال میں سے ہے' جو عامۃ المسلمین کو حکایات' خرافات اور باطل اقوال میں مشغول کر کے اس واضح اور بین حق سے دور کرنا چاہتے ہیں' جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے پیش کیا ہے کہ لوگوں کو جو بھی خیر و شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور ہر خیر و شر کو صرف اور صرف وہی جانتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (النمل٢٧/ ٦٥)

”کہہ دیجئے! جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں' اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے۔“

رسول اللہ ﷺ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ جس نے تین یا اس سے زیادہ آیات لکھیں تو اسے یہ ثواب ملے گا اور جو اسے ترک کرے تو اسے یہ گناہ ملے گا' لہٰذا اس طرح کا دعویٰ کرنا کذب اور بہتان ہے' جسے یہ علم ہو جائے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کتابچوں کو لکھے یا تقسیم کرے یا کسی بھی طرح ان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے۔ اگر کوئی شخص پہلے اس طرح کا کام کر چکا ہو تو اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے' اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرنا چاہیے اور یہ عزم کرنا چاہیے کہ آئندہ وہ اس طرح قطعاً نہیں کرے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی سے یہ دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق کو حق سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے۔ و صلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

——— شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ———

عورتیں مردوں کی مثل ہیں

سوال "اَلنِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ شقائق الرجال کے کیا معنی ہیں؟

جواب ہاں یہ حدیث صحیح ہے [1] اور اس کے معنی یہ ہیں کہ عورتیں مردوں کی ہم مثل ہیں مگر ان امور میں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے مثلاً میراث و شہادت وغیرہ جو دلائل سے ثابت ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

لہسن اور پیاز

سوال ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ بَصَلاً أَوْ ثُومًا أَوْ كُرَّاثًا فَلاَ يَقْرُبَنَّ مَسَاجِدَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ» (لم أجد بهذا اللفظ وأصله متفق عليه، صحيح البخاري، الأذان، باب ماجاء في الثوم النيء والبصل والكراث وصحيح مسلم، المساجد، نهي من أكل ثوما أو بصلا . . . الخ، ح:٥٦٤)

"جو شخص لہسن یا پیاز یا گندنا کھائے تو وہ تین دن تک ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، جس سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔" او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

کیا اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جس کے لیے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا لازم ہو اس کے لیے ان میں سے کوئی چیز کھانا جائز نہیں ہے؟

جواب یہ اور اس کے ہم معنی دیگر صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنا اس وقت تک مکروہ ہے، جب تک ان کی ناگوار بو موجود ہو، جس سے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو، خواہ یہ بو لہسن کی ہو یا پیاز کی یا گندنا کی یا دیگر ناگوار بو والی اشیاء مثلاً حقہ اور سگریٹ وغیرہ کی۔ جہاں تک تین دن کی تحدید کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں مجھے کوئی اصل معلوم نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

حدیث نماز تسبیح

سوال کیا نماز تسبیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے یا یہ بدعت اور ناجائز ہے؟ کیا اس کے بارے میں احادیث ہیں؟

جواب نماز تسبیح کے بارے میں ایک بہت ہی ضعیف حدیث وارد ہے، جسے معتبر علماء میں سے کسی ایک نے بھی صحیح قرار نہیں دیا۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں بھی یہ نماز معروف نہیں ہے اور نہ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی (صحیح حدیث) سنی ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، الطہارۃ، باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ، حدیث: 236

اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں یہ حدیث ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل نہیں ہونا چاہیے۔ (۱)

——— شیخ ابن جبرین ———

ستاروں کی طرف دیکھنے کی دعا

سوال میں نے ایک حدیث سنی ہے کہ جو شخص ستاروں کی طرف دیکھ کر یہ پڑھے:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱) ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۱)

تو اس کے لیے ستاروں کی تعداد کے مطابق نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں' کیا یہ حدیث ہے یا نہیں؟

جواب میں اس حدیث کو نہیں جانتا اور نہ ستاروں کی طرف دیکھنے کی کسی خاص دعا کو جانتا ہوں' البتہ بندے کو یہ حکم ضرور ہے کہ وہ ستاروں اور اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات کے بارے میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرے۔ آپ سورۂ آل عمران کی اسی آیت کی تفسیر' ابن کثیر میں پڑھ لیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث اور نصیحت کی عمدہ عمدہ باتیں ذکر فرمائی ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

---

(۱) شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ کا یہ فتویٰ محل نظر ہے۔ کیونکہ نماز تسبیح کی فضیلت حسن درجے کی روایت سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کے پڑھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ نماز تسبیح کی بابت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تین سندوں سے روایت مروی ہے' مگر تینوں سندوں میں سے سب سے اچھی سند عکرمہ والی ہے۔ اس حدیث کو ابوداود نے (حدیث 1297) میں' ابن ماجہ نے (حدیث : 1216) میں' امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ (حدیث : 245) میں عکرمہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں' چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے دس صحابہ سے اس کے موصول طرق اور متعدد تابعین سے مرسل طرق ملے ہیں۔

اس کے بعد ان طرق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ کثرت طرق کی بنا پر حسن درجے کی ہے۔ نیز محقق عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور محقق عصر الشیخ زبیر علی زئی نے بھی اسے شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اجوبۃ الحافظ عن احادیث المصابیح فی آخر المشکاۃ بتحقیق الالبانی: 1780/3' 1782۔

لہٰذا اس حدیث کو شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ کے سہو یا عدم علم کی وجہ سے ضعیف قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ شیخ موصوف کے اس فتوے پر عمل ہی کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس اس حدیث پر عمل کرنا مستحب' مسنون اور ماجور عمل ہوگا۔ ان شاء اللہ البتہ یہ ضرور یاد رہے کہ ہمارے ہاں نماز تسبیح کی بابت جو افراط و تفریط لوگوں میں پایا جاتا ہے وہ قطعاً غیر شرعی بلکہ ایک بدعی عمل ہے یعنی اس نماز تسبیح کا باجماعت اہتمام کرنا' اشتہارات اور اعلانات کے ذریعے سے اس کی تشہیر کرنا اور لوگوں کو اس کی ادائیگی کی خصوصی دعوت دینا' پھر نصف شب کے وقت یا اس کے قریب قریب مسجد کی بتیاں وغیرہ بجھا کر باجماعت ''پرتکلف خشوع اور رقت'' اپنے اوپر طاری کرنا اور بلند آواز سے گڑگڑانا' بالخصوص رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی انمول راتیں اور قیمتی دن اس طرح کے خودساختہ طریقوں میں ضائع کرنا یہ سب کچھ غیر شرعی اور من گھڑت انداز عبادت ہے لہٰذا ان تمام خرافات سے بچتے ہوئے' انفرادی طور پر سال بھر کے تمام شب و روز میں جب بھی اللہ تعالیٰ توفیق دیں اس اہم ترین نفلی اور مستحب عبادت کو بجا لایا جائے اور جس حد تک ممکن ہو اس کو سال بھر جاری رکھا جائے کیونکہ حدیث شریف سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

غربت دین اور طائفہ منصورہ

سوال ایک حدیث میں ہے کہ ((بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيْبًا)) "اسلام کا آغاز غربت سے ہوا....." اور دوسری حدیث میں ہے کہ ((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ)) "میری امت کا ایک گروہ غالب اور حق پر رہے گا؟" کیا ان دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہے؟

جواب ان دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے' چنانچہ پہلی حدیث امرواقع کے اعتبار سے بالکل ظاہر ہے اور اس کے بعد آگے الفاظ یہ ہیں:

«وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ»(صحيح مسلم، الايمان، باب بيان أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، ح:١٤٥)

"اسلام پھر اسی حالت غربت کی طرف لوٹ آئے گا جس طرح اس کا آغاز ہوا تھا' پس غرباء کیلئے خوشخبری ہے۔"

صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«يُحْيُونَ مَا أَمَاتَ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِي»(لم أجده)

"غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو میری اس سنت کو زندہ کریں گے جسے لوگوں نے فوت کر دیا ہو گا۔"

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«اَلَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء الاسلام بدأ غريبا وسيعود، ح:٢٦٣٠)

"غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس چیز کی اصلاح کریں گے جسے لوگوں نے خراب کر دیا ہو گا۔"

دوسری حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اصلاح' دعوت اور تعلیم و تعلّم کا سلسلہ باقی رہے گا اور اس میں یہ بھی بشارت ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ غالب اور حق پر رہے گا۔ غربت اس گروہ کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے یہ معنی ہیں کہ ان دونوں باتوں کا ایک ہی جگہ سے تعلق ہو یعنی یہ ممکن ہے کہ کسی جگہ اسلام حالت غربت میں ہو اور کسی جگہ اسلام کو غلبہ و سربلندی نصیب ہو اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غربت کسی شہر میں زیادہ اور کسی میں کم ہو اور پھر غربت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں' مثلاً بدعات کی کثرت یا نماز یا جماعت کا انکار یا امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فقدان اور ان سب سے بڑھ کر غربت یہ ہے کہ اہل توحید مغلوب ہو جائیں اور شرک کو غلبہ حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے محفوظ رکھے..... اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی علاقے میں اسلام کو اس قدر غلبہ حاصل ہو کہ صورت حال پہلے سے بھی بہتر ہو جائے یا ایک زمانہ کی نسبت دوسرے زمانہ میں اسلام کی حالت بہتر ہو جائے جیسا کہ امرواقع ہے کہ کئی علاقوں اور زمانوں میں ایسا ہوا۔ ایک اور حدیث میں جو یہ آیا ہے:

«لاَ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلاَّ وَالَّذِي بَعْدَهُ أَشَرُّ مِنْهُ»(صحيح البخاري، الفتن، باب لا يأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، ح:٧٠٦٨)

"تم پر آنے والا ہر زمانہ پہلے سے زیادہ برا ہو گا۔"

تو اسے اکثر و بیشتر صورت حال پر محمول کیا جائے گا اور یہ اس سے مانع نہیں ہے کہ بعض زمانے اپنے سے پہلے زمانوں

سے زیادہ اچھے ہوں' مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ سلیمان اور ولید کے زمانہ سے زیادہ اچھا تھا--- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید ابن قیم کا زمانہ اپنے سے پہلے دور سے زیادہ اچھا تھا کہ ان کی کوششوں سے سنت کو غلبہ نصیب ہوا اور اہل بدعت کی خوب خوب تردید ہوئی۔ اسی طرح جزیرۃ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے بعد جو تبدیلی آئی اس کی وجہ سے یہاں بھی صورت حال پہلے زمانے کی نسبت بہت زیادہ بہتر ہو گئی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ حدیث ((اِعْقِلْهَا وَ تَوَكَّلْ)) "اسے باندھ دو اور پھر توکل کرو" صحیح ہے؟

سوال طلبہ کی ایک جماعت کے سامنے قراءت کرتے ہوئے یہ حدیث گزری کہ "ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں اسے باندھوں یا توکل کروں تو آپ نے فرمایا کہ اپنی اونٹنی کو باندھ دو اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔" تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث تو ثابت ہی نہیں ہے۔ امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

جواب

امام ترمذی نے اپنی "سنن" میں بطریق حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسے باندھوں اور توکل کروں یا کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث، اعقلها وتوكل، ح:٢٥١٧)

"اسے باندھ دو اور توکل کرو۔"

اسے ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی نے امام یحییٰ بن سعید قطان کا یہ قول لکھا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث منکر ہے۔ پھر امام ترمذی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث بسند انس غریب ہے اور ہم اسے اسی سند ہی سے پہچانتے ہیں۔ نیز اسے عمرو بن امیہ ضمری نے بھی نبی ﷺ سے اس طرح روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد و منبع الفوائد" کی دسویں جلد میں "باب قیدھا و توکل" کے تحت اسی طرح درج کیا ہے کہ عمرو بن امیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَيِّدْهَا وَتَوَكَّلْ»(مجمع الزوائد: ١٠/ ٢٩١ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ٦٢٣ واللفظ له)

"بلکہ اسے باندھ دو اور توکل کرو۔"

اسے امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے' ان میں سے ایک میں عمرو بن عبداللہ بن امیہ ضمری ہے اور اسے میں نہیں جانتا' اس کے علاوہ اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔ حافظ ہیثمی نے دسویں جلد میں (باب التوکل' و قیدھا و توکل) میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری سے روایت ہے کہ اس نے کہا' یا رسول اللہ! میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَيِّدْهَا وَتَوَكَّلْ»(مجمع الزوائد: ١٠/ ٢٩١ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ٦٢٣ واللفظ له)

"بلکہ نہیں اسے باندھ دو اور توکل کرو۔"

طبرانی نے اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے: "ان میں سے ایک سند کے رجال صحیح کے رجال ہیں' سوائے یعقوب بن عبداللہ بن عمرو بن امیہ کے اور وہ ثقہ ہیں۔" علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الجامع الصغیر" کے حرف ہمزہ میں ترمذی کی روایت کو ذکر کرکے اس پر ضعف کی علامت لگائی ہے۔

خلاصۂ قول یہ ہے کہ اس حدیث میں کلام ہے مگر اس کے معنی صحیح ہیں کیونکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کے ساتھ ساتھ اسباب اختیار کرنے کی ترغیب ثابت ہے۔ جو شخص محض اسباب پر اعتماد کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل نہ کرے تو وہ مشرک ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرے مگر اسباب اور وسائل کو اختیار نہ کرے تو وہ جاہل' کوتاہی کرنے والا اور خطاکار ہے جب کہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو اختیار کیا جائے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اجتہاد اور فتویٰ

سوال کیا اسلامی احکام کے سلسلے میں اجتہاد کا دروازہ ہر انسان کے لیے کھلا ہے یا مجتہد کے لیے کچھ شرائط ضروری ہیں؟ کیا انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ واضح دلیل معلوم کیے بغیر محض اپنی رائے سے فتویٰ دے؟ اس حدیث کی صحت و ضعف کے اعتبار سے کیا حیثیت ہے جس میں یہ ہے کہ ((اَجْرَؤُکُمْ عَلَی الْفُتْیَا اَجْرَؤُکُمْ عَلَی النَّارِ)) "تم میں سے فتویٰ دینے کے لیے سب سے زیادہ دلیر وہ ہو گا جو جہنم جانے کے لیے زیادہ دلیر ہو؟"

جواب احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ اس شخص کے لیے کھلا رہے گا جو اس کا اہل ہو گا کہ جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کرنا چاہتا ہو اس سے متعلق ضروری آیات و احادیث کا اسے علم ہو۔ جن احادیث سے وہ استدلال کر رہا ہو' صحت و ضعف کے اعتبار سے ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو۔ جن مسائل میں وہ تحقیق کر رہا ہو' ان کے بارے میں اسے یہ علم ہو کہ کہاں کہاں اجماع ہے تاکہ کسی مسئلہ میں وہ اجماع امت کی خلاف ورزی نہ کرے۔ عربی زبان سے اسے اس قدر واقفیت حاصل ہو کہ وہ نصوص کو سمجھ سکے تاکہ اس کے لیے استدلال و استنباط ممکن ہو۔ کسی بھی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دین میں کوئی بات اپنی رائے سے کہے یا علم کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دے بلکہ اسے چاہیے کہ دلیل شرعی سے راہنمائی حاصل کرے اور پھر اہل علم کے اقوال اور دلائل کے بارے میں ان کے نظریات اور استنباط و استدلال کے سلسلہ میں ان کے طریقہ سے بھی استفادہ کرے اور پھر وہ بات کرے یا فتویٰ دے جس پر اسے اطمینان ہو گیا ہو اور جسے اس نے خود اپنے لیے بطور دین پسند کر لیا ہو۔

فتویٰ سے متعلق اوپر جس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا ہے' اسے عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے (سنن الدارمی' المقدمہ' باب الفتیا و مافیہ من الشدۃ : 57/1' حدیث : 159) میں عبیداللہ بن ابی جعفر مصری سے مرسل روایت کیا ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

۲۷

التّوبة واحكامها

توبہ اور اس کے احکام

توبہ اور اس کے احکام

توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے اس کی اطاعت کی طرف رجوع کیا جائے۔ توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢)

"یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

توبہ کرنا ہر مومن کے لیے واجب ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔"

توبہ اسباب فلاح میں سے ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

فلاح یہ ہے کہ انسان کو اس کا مطلوب حاصل ہو جائے اور جس بات سے وہ ڈرتا ہے' اس سے نجات پا جائے۔ صدق دل سے جو توبہ کی جائے' اس سے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ۞ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) یقیناً وہ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اے گناہ گار بھائی! اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو' توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک کھلا ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا»(صحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب ... الخ، ح:٢٧٥٩ مسند أحمد: ٤/ ٣٩٥، ٤٠٤)

"بے شک اللہ عزوجل اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے' تاکہ دن کو برائی کرنے والا (رات کو) توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کا ارتکاب کرنے والا (دن کو) توبہ کر لے' (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا) جب تک سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔"

کتنے ہی توبہ کرنے والے ہیں' جنھوں نے اپنے بہت زیادہ اور بڑے بڑے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازا' فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦٨_٧٠)

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

توبۃ النصوح وہ ہوتی ہے' جس میں حسب ذیل پانچ شرطیں موجود ہوں:

1 اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص' یعنی توبہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا' حصول ثواب اور اس کے عذاب سے نجات حاصل کرنا ہو۔

2 گناہ کے ارتکاب پر اظہار ندامت کیا جائے کہ انسان اس پر غمگین ہو اور وہ یہ خواہش کرے کہ اے کاش! اس نے گناہ کا ارتکاب ہی نہ کیا ہوتا۔

3 گناہ کے اس کام سے فوراً رک جائے' جب کہ اس کا تعلق کسی حرام فعل سے ہو اور اگر اس کا تعلق کسی ترک واجب سے ہو تو اسے فوراً سرانجام دینا شروع کر دے۔ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اسے فوراً ادا کرے (بایں طور کہ) یا تو حق متعلقہ شخص کو فوراً لوٹا دے یا اس سے معاف کروا لے۔

4 یہ پختہ عزم کرے کہ وہ آئندہ اس معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

5 توبہ موت کے آنے سے یا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے یعنی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ ﴾ (النساء٤/ ١٨)

''اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا، تَابَ اللهُ عَلَيْهِ»(صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منه، ح: ٢٧٠٣)

"جو شخص سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز دے گا۔"

اے اللہ! تو ہمیں توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرما اور اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرما' بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے۔

——— محمد صالح العثیمین ———

حرام سے نجات حاصل کرنے کی کیفیت

سوال ایک شخص فوٹوگرافی کی دکان میں شریک تھا مگر اب اس نے توبہ کرلی ہے' سوال یہ ہے کہ اس کام سے اب وہ اپنی شراکت کو کس طرح ختم کرے تاکہ اسے خسارہ بھی نہ ہو نیز اس دوکان سے حاصل ہونے والی کمائی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شراکت کو حساب کتاب کرکے ختم کرلے یا اس قیمت پر صلح کرے جس پر فریقین راضی ہو جائیں۔ اس دوکان سے حاصل ہونے والی کمائی مباح ہوگی بشرطیکہ وہ جاندار چیزوں کی تصویروں کی کمائی نہ ہو۔ جاندار چیزوں کی تصویروں کی جو کمائی ہو اس کا خوب غور و فکر کرکے اندازہ لگالے کہ وہ کل کمائی کا ایک چوتھائی یا ایک تہائی یا اس سے کم و بیش ہے تو اسے نیکی کے کاموں میں صدقہ کردے تاکہ وہ خود اس حرام کمائی سے بری الذمہ ہو کر اس سے دور ہو جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں۔ ماضی میں میں دین اور نماز کی پابندی نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ کئی ایام بلکہ کئی ہفتے گزر جاتے اور میں نماز نہیں پڑھتا تھا' مگر اب اللہ تعالیٰ نے ایک دوست کے ہاتھ پر مجھے ہدایت فرما دی ہے۔ اب میں نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرتا ہوں تو ماضی میں نماز کے بارے میں جو کوتاہی ہوئی اس کا کیا حکم ہے؟

جواب آپ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو انعام فرمایا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور توبہ کا جو احسان فرمایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں۔ سابقہ نمازوں کی کوئی قضاء وغیرہ لازم نہیں ہے کیونکہ توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے' لہٰذا سچی پکی توبہ کریں' توبہ پر قائم رہیں اور استقامت کا مظاہرہ کریں' اللہ تعالیٰ سے توفیق اور ہدایت کی دعا مانگتے رہیں' نیک اعمال کثرت سے کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ خیر و بھلائی سے نوازے گا۔ ماضی میں جو کوتاہی ہوئی وہ سچی پکی اور خالص توبہ سے مٹ جائے گی بشرطیکہ ماضی میں جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کریں' گناہوں سے رک جائیں اور عزم صادق کریں کہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ بہرحال اس وقت آپ پر یہی واجب ہے۔ والحمد للہ۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کبیرہ گناہوں سے توبہ

سوال ایک انسان نے اپنے دور جوانی میں بعض ایسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا' جو اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں مگر

اب اس نے توبہ کرلی ہے اور اب وہ درج ذیل امور کے بارے میں استفسار کرنا چاہتا ہے:

1 وہ گناہ کے جرم سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس میں کچھ وقت کے بعد دوبارہ مبتلا نہ ہو جائے؟

2 وہ ڈرتا ہے کہ جرم' گناہ دوبارہ اس کی توبہ وثبات پر اثر انداز نہ ہو؟

3 کیا ان افعال کا بھی محاسبہ ہو گا جن سے وہ توبہ کر چکا ہے؟

4 کیا لعنت گناہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت واقع ہوتی ہے؟

5 جب اس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا تو اس وقت اسے ان کی سزا کا علم نہ تھا' تو کیا ان گناہوں کی سنگینی سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ شخص قابل معافی ہو گیا' اس نے یہ گناہ بھی خفیہ طور پر کیے ہیں؟

جواب سائل اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص بھی کسی گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) یقیناً وہ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" یہ خوش خبری توبہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَـٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَـٰلِحًا فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَـٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۰)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا' مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے [1] اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے اس آدمی کا قصہ ہے' جس نے ننانوے آدمیوں کا قتل کرنے کے بعد ایک عابد سے پوچھا' کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں' تمہاری توبہ قبول نہیں ہو سکتی تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور اس طرح اس نے ایک سو کی تعداد کو پورا کر لیا' پھر اس نے ایک عالم سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہاں توبہ کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ نیز انہوں نے ایک

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب کون الاسلام یهدم ما کان قبله' حدیث: 121 بلفظ آخر

ایسی بستی کی نشان دہی کی جس میں نیک لوگ بستے تھے اور حکم دیا کہ ہجرت کر کے وہاں چلے جاؤ' وہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ پیغام موت آ گیا تو اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتے کو بھیج دیا اور اس نے کہا کہ دونوں بستیوں کے درمیان کے فاصلہ کی پیمائش کر لو' جس بستی کا فاصلہ زیادہ قریب ہو' اسے اسی میں سے شمار کر لو' فاصلہ کی جب پیمائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ نیک بستی کے زیادہ قریب ہے لہٰذا اس کی روح کو رحمت کے فرشتے لے گئے۔ [1] سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے کئی ایسے گناہ کیے ہیں جو مستوجب لعنت ہیں مگر اب اس نے ان گناہوں سے توبہ کر لی ہے' تو میں اسے خوش خبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سچی پکی (خالص) توبہ کو ضرور قبول فرمالے گا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلتَّوْبَةُ عَلَى ٱللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلسُّوٓءَ بِجَهَٰلَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُو۟لَٰٓئِكَ يَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ ﴾ (النساء ٤/ ١٧)

"اللہ انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے' جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں' پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے۔"

"پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں" سے مراد یہ ہے کہ وہ موت سے پہلے پہلے توبہ کر لیتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ ٱلتَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ إِنِّى تُبْتُ ٱلْـَٰٔنَ ﴾ (النساء ٤/ ١٨)

"اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔"

سائل کو چاہیے کہ اپنی توبہ کو برقرار رکھے' ثابت قدم رہے' تاکہ شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں یا یہ کہ اس سے اس گناہ کا بھی حساب لیا جائے گا جس سے یہ توبہ کر چکا ہے۔ البتہ اگر توبہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو پھر اس کے لیے یہ واجب ہے کہ متعلقہ لوگوں کے حقوق ادا کر دے یا ان سے معاف کرا لے اور اگر وہ حق داروں کو یا فوت ہو جانے کی صورت میں ان کے وارثوں کو نہ جانتا ہو تو ان کی طرف سے صدقہ کر دے تاکہ ان حقوق سے بھی وہ بریء الذمہ ہو جائے مثلاً اگر گناہ کی صورت یہ ہو کہ اس نے کسی کا مال لیا ہو اور پھر اس سے توبہ کر لی ہو تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ یہ مال اس کے مالک کو واپس لوٹا دے اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو دے دے اور اگر وہ اسے جانتا نہ ہو یا اسے بھول گیا ہو تو اس کی طرف سے نیت کرتے ہوئے اس مال کو صدقہ کر دے۔ نیت کرتے ہوئے یہ کہے کہ یہ اس کی طرف سے صدقہ ہے' جس سے اس نے مال لیا تھا اور اگر چاہے تو یہ کہے کہ یہ اس کی طرف سے صدقہ ہے' جس کا یہ مال ہے کیونکہ اگر وہ فوت ہو چکا ہو تو پھر یہ مال اس کے وارثوں کی طرف سے صدقہ ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو تو علم ہے کہ یہ کس کا مال ہے لہٰذا وہ اس کے مستحق تک اس کا ثواب پہنچا دے گا۔

---

[1] صحیح البخاری' احادیث الانبیاء' رقم الباب: 54' حدیث: 3470 و صحیح مسلم التوبۃ' باب قبول توبۃ القاتل' و ان کثر قتلہ' حدیث: 2766

سائل نے جو ذکر کیا ہے کہ وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ گناہ اس کی توبہ پر اثر انداز ہوں گے تو اسے اس بات سے قطعاً نہیں ڈرنا چاہیے' کیونکہ توبہ کرنے سے سابقہ گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں کہ ان کا مطلقاً کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور بسا اوقات توبہ کرنے کے بعد انسان توبہ سے پہلے کی زندگی سے بہت بہتر ہو جاتا ہے کیونکہ توبہ سے اسے انابت الی اللہ اور خوف الٰہی کی توفیق ملتی ہے اور ایسے قلبی احوال اور بدنی اعمال کی توفیق ملتی ہے' جن سے اس کا مقام و مرتبہ پہلے کی نسبت بہت بلند ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ ۝١٢١ ثُمَّ ٱجْتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝١٢٢ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۱۲۱۔۱۲۲)

"اور آدم نے اپنے رب (کے حکم) کی نافرمانی کی تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے' پھر ان کے رب نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔"

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ لعنت معصیت کے وقوع کے وقت واقع ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت کبھی تو معصیت کے وقوع کے وقت ہی لاحق ہوتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ و حکمت کے مطابق مؤخر بھی ہو سکتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمادے تو پھر لعنت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کے ہیں اور جو شخص توبہ کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اسے ان جرائم کی سزا کا علم نہیں تھا تو سزا کے علم نہ ہونے سے سزا ختم نہیں ہوتی خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی' بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ یہ کام کرنا حرام تھا۔ اگر انسان اپنے دل میں یہ کہے کہ اگر اسے یہ علم ہوتا کہ اس گناہ کی یہ سزا ہے تو وہ اس کا ارتکاب نہ کرتا تو یہ کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ اس نے اس علم کے باوجود کہ یہ کام حرام ہے' ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص زنا کرے اور اسے زنا کی حرمت کا علم ہو (اور ہر عاقل مسلمان یہ جانتا ہے کہ زنا حرام ہے) مگر اسے اس کی سزا کا علم نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور زنا کرلے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے تو پھر بھی اسے رجم کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں دن کے وقت روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کرلے اور کہے کہ اس حالت میں مباشرت کے کفارے کا اسے علم نہیں تھا حالانکہ اس کا کفارہ مغلظ ہے اور وہ ہے ایک غلام کو آزاد کرنا' غلام موجود نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر روزے رکھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا تو کفارے کے بارے میں ناواقفیت سے اس کا وجوب ختم نہیں ہوتا۔ کفارہ ہر صورت میں واجب ہو گا خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے جب نبی اکرم ﷺ سے یہ پوچھا کہ اس نے لاعلمی سے رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مباشرت کرلی ہے تو اس پر کیا واجب ہے؟ تو نبی ﷺ نے اسے یہ فتویٰ دیا کہ اس کے ذمے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے۔ [1] بہرحال جرم کی سزا کے علم نہ ہونے سے سزا ختم نہیں ہوتی' جب کہ یہ علم ہو کہ یہ کام حرام ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح البخاری' الصوم' باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شیئ فتصدق علیه فلیکفر' حدیث : 1936 و صحیح مسلم' الصیام' باب تغلیظ تحریم الجماع--- الخ' حدیث : 1111

خالص نیت کے ساتھ استغفار

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ ہر وہ شخص جو "اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ" کہے' تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟

جواب جب کوئی انسان خالص نیت کے ساتھ "اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ" کہے' طلب مغفرت میں صادق ہو اور توبہ کی شرطوں کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا بلکہ اس کے اس عمل کو پسند بھی کرے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۲)

"کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس طرح خوش ہوتا ہے' جس طرح اس انسان کو خوشی ہوتی ہے' جسے اپنی وہ گم شدہ اونٹنی مل گئی ہو جس پر اس کا کھانے پینے کا سامان بھی تھا' اس نے گمشدگی کے بعد اسے بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی لہٰذا وہ زندگی سے مایوس ہو کر موت کے انتظار میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا مگر جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی اونٹنی کی مہار درخت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے وہ اپنی اونٹنی کی مہار کو پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں" خوشی کی شدت کی وجہ سے اس سے یہ غلطی ہوئی۔ [1] اس طرح کی خوشی کا صحیح اندازہ صرف اسے ہی ہو سکتا ہے جو کبھی اس طرح کی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو بے حد پسند فرماتا ہے کہ اس کا بندہ اس کے حضور توبہ و استغفار کرے۔ اس نے اپنی کتاب کی کئی آیات میں استغفار کا حکم دیا ہے۔ استغفار کے معنی ہیں مغفرت اور بخشش طلب کرنا۔ مغفرت کے معنی ہیں گناہوں پر پردہ ڈال دینا اور ان سے در گزر کرنا کیونکہ یہ لفظ "مِغْفَر" سے ماخوذ ہے اور "مِغْفَر" اس خَود کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے سر کو ڈھانپ لیتا ہے تاکہ جنگ میں اپنے سر کو تیروں سے محفوظ رکھ سکے' اس سے سر کو چھپایا بھی جاتا ہے اور تیروں سے بچایا بھی جاتا ہے' اسی طرح مغفرت سے بھی گناہوں کو چھپایا جاتا اور ان کی سزاؤں سے اپنے آپ کو بچایا جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

توبہ اور نیک لوگوں کی صحبت

سوال میں اکیس برس کا ایک نوجوان ہوں۔ چار سال پہلے کچھ دین دار نوجوانوں سے میرا تعارف ہوا تو ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ہدایت عطا فرما دی' والحمد للہ! تقریباً ڈیڑھ سال تک میرا ان سے بھائی چارہ رہا اور اس دوران میں اسلامی اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو گیا۔ لیکن اس دوران میں مجھے اہل خانہ اور رشتہ داروں کی طرف سے مذاق اور طعن و تشنیع کا نشانہ بننا پڑا' تاہم میں نے ان سب باتوں کو برداشت کر لیا مگر کچھ عرصہ بعد میں نے ان صالح نوجوانوں کو چھوڑ دیا اور اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ آیا۔ حقوق اللہ کے ادا کرنے میں سستی شروع کر دی اور برے کام کرنے بھی شروع کر دیے لیکن ان کبائر کے ارتکاب کرنے اور ان دینی بھائیوں سے تعلقات منقطع کرنے کی وجہ سے مجھے بے حد حسرت و ندامت

---

[1] صحیح البخاری' الدعوات' باب التوبۃ' حدیث: 5309' و صحیح مسلم' التوبۃ' باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا' حدیث: 2747 واللفظ لہ

ہے لہذا براہ کرم راہنمائی فرمائیں کہ میں ان حالات سے نکلنے کے لیے کیا راستہ اختیار کروں نیز کچھ کتابوں کی بھی راہنمائی فرمائیں' جن کا مطالعہ میرے لیے مفید ثابت ہو سکے؟

جواب آپ کے لیے واجب ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں توبہ کریں اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کریں' ان کو ترک کر دیں' ان سے اجتناب کریں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خوف اور اس کے ثواب کے حصول کے شوق میں یہ عزم صمیم کریں کہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

کثرت کے ساتھ استغفار اور اعمال صالحہ بجا لائیں' اللہ تعالیٰ نے آپ پر جن کاموں کو واجب ٹھہرایا ہے' انہیں بجا لائیں اور جنہیں حرام قرار دیا ہے' انہیں ترک کر دیں' توبہ کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز غصب کی ہے تو اسے واپس لوٹائیں اور اگر کسی کا کوئی حق آپ پر لازم ہے تو اسے ادا کریں۔ توبہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوۡبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمۡ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمۡ سَيِّـَٔاتِكُمۡ وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنَّـٰتٍ تَجۡرِى مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَـٰرُ ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"مومنو! اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کر دے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته؟ ح:٢٤٤٩)

"اگر کسی نے اپنے بھائی کی عزت یا کوئی اور چیز ظلم سے چھینی ہے' تو وہ اس سے آج معاف کروا لے' قبل اس کے جب اس کے پاس کوئی دینار یا درہم نہ ہو گا۔ اگر اس کے پاس عمل صالح ہوا تو وہ اس کے ظلم کے برابر اس سے لے کر مظلوم کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ ہم آپ کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ نیک لوگوں کی صحبت کو اختیار کرو اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرو' خوب غور و فکر اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرو اور اس کے مطابق عمل کرو' سب سے اشرف' سب سے عظیم اور سب سے زیادہ سچی اللہ کی کتاب ہے کہ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ کی اتاری ہوئی ہے' دلوں اور

معاشروں کی بیماریوں کے علاج کے لیے یہ سب سے نافع اور اکمل کتاب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ ﴾ (الأسراء ١٧/ ٩)

"یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔"

اور فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ ﴾

(یونس ١٠/ ٥٧)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص ٣٨/ ٢٩)

''(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے' بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔''

میں آپ کو یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اہل سنت کی کتابوں کا مطالعہ کریں مثلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''التوحید'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقیدہ واسطیہ'' علامہ ابن قیم کی ''إغاثۃ اللھفان'' ''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الاربعین'' اور حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا تتمہ' شیخ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی کی ''عمدۃ الاحکام'' اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ''بلوغ المرام'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ متوسط' ثانوی اور یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے یہ کتابیں بہت زیادہ مفید ہیں۔ پھر اس کے بعد کتب ستہ خاص طور پر ''صحیحین'' کا مطالعہ کیا جائے اور عقیدہ' حدیث اور فقہ سے متعلق اہل سنت کی دیگر کتابوں کو بھی پڑھا جائے۔

اللہ آپ کو حق پر ثابت قدم رکھے' علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ انه خير مسئول.

شیخ ابن باز

توبہ کی عدم قبولیت کا ڈر

سوال ایک شخص نے گناہ کا ارتکاب کیا مگر پھر توبہ کر لی مگر وہ دل میں محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا' ایسے شخص کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بہت شدید اور اس کی حرمات کی بہت تعظیم ہے' ان شاء اللہ آپ خیر و بھلائی پر ہیں۔ اس خوف سے دور ہو جائیں' جو بلاوجہ ہے تاکہ شیطان آپ کو تعجب اور مشقت میں ڈال کر آپ کی زندگی کو تنگ نہ کر دے۔ خوب جان لیجئے! شیطان آپ کا دشمن ہے' اس نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو نیکی سے محبت ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کے دل میں غیرت ہے اور نیکیوں کی طرف آپ سبقت کرتے ہیں' تو اس نے ارادہ کیا کہ آپ کو تعجب اور مشقت میں ڈال دے لہٰذا اس کی بات نہ مانیں اور اس نے جو ارادہ کیا ہے اس سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور اپنے

رب تعالیٰ پر مطمئن ہو جائیں اور خوب جان لیں کہ توبہ کافی ہے' گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ کا توبہ کو قبول کرنا' ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ شرک سے بڑا تو کوئی گناہ نہیں' مگر جب مشرک توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو بھی قبول کر کے اسے معاف فرما دیتا ہے۔ آپ نے جو گناہ کیا اس سے توبہ کریں۔ توبہ سے ہر گناہ مٹ جاتا ہے۔ توبہ کے بعد کسی وسوسہ میں مبتلا نہ ہوں اور اس خوف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دشمن کی اطاعت نہ کریں اور جان لیں کہ آپ نے تو الحمد للہ! سچی اور خالص توبہ کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے بلاشبہ اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔"

اس مفہوم کی ایک بہت عظیم آیت ہے اور وہ یہ کہ بندہ جب توبہ کر لے اور توبہ کے بعد ایمان اور عمل صالح کا مظاہرہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو نیکی سے بدل دیتا ہے یعنی اس کی ہر برائی کو نیکی بنا دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۰)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی سچی توبہ' ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس گناہ کو یاد کرنے کی وجہ سے جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا' اس سے توبہ کرنے اور پھر اس کے بعد اعمال صالحہ' ایمان' تصدیق اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول کے شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کے گناہ کو نیکی سے بدل دے گا۔ اسی طرح وہ تمام گناہ جن سے بندہ توبہ کر لیتا ہے اور پھر ایمان اور عمل صالح کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے انہیں نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ کریں

سوال میں نے مسلسل تین دن کی نمازیں ترک کر دیں اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی اور میں

نے نماز شروع کر دی اور کوئی نماز نہ چھوڑی۔ البتہ مذکورہ تین دنوں کی نمازیں ضرور میرے ذمہ ہیں تو کیا میں ان کی قضاء دوں یا عمداً ترک نماز کی قضاء نہیں ہے' راہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ پر قضاء لازم نہیں ہے۔ البتہ یہ لازم ہے کہ سچی توبہ کریں' نماز کا اہتمام کریں' سنتوں کی حفاظت کریں اور کثرت کے ساتھ نفل نمازیں ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بدکاری کا کفارہ

سوال ایک شخص نماز پڑھتا اور نیک کام کرتا ہے مگر وہ بدکاری میں بھی مبتلا ہو گیا اور پھر اسے ندامت ہوئی اور اس نے توبہ کر لی' تو کیا اس بدکاری کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ بھی لازم ہے تاکہ اس کا ضمیر اس ندامت سے چھٹکارا حاصل کر سکے؟

جواب اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہے' سچی توبہ کرنے سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۰)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

الحمد للہ! توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر ثابت قدم رکھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسروقہ مال صدقہ کر دو

سوال میں لوگوں کے ان حقوق کو واپس لوٹانے کی استطاعت نہیں رکھتا' جن کو میں نے اپنے زمانۂ جاہلیت میں سلب کیا تھا کیونکہ میں ان لوگوں کو جانتا ہی نہیں مگر توبہ کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ حق داروں کے حقوق کو ادا کیا جائے' تو مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر آپ کو ان لوگوں کا علم نہیں ہے' جن کے مال کو آپ نے سرقہ وغیرہ کے ذریعے اخذ کیا تھا اور نہ آپ ان کے وارثوں میں سے کسی کو جانتے ہیں' تو عہدہ برآ ہونے کے لیے اس مال کو ان کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ مال کس کا ہے' وہ انہیں ضرور اجر و ثواب عطا فرما دے گا۔

شیخ ابن عثیمین

توبہ کرنے کا طریقہ

سوال میں انیس برس کا ایک نوجوان ہوں' میں نے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے حتی کہ میں اکثر مسجد میں باجماعت نماز بھی ادا نہیں کرتا' زندگی بھر کبھی رمضان کے سارے روزے نہیں رکھے' اس طرح میں نے اور بھی بہت سے برے اعمال کیے۔ میں نے اکثر توبہ کرنے کا ارادہ بھی کیا لیکن پھر بھی گناہوں کی زندگی ہی بسر کرتا رہا۔ اپنے محلہ کے کئی ایسے نوجوانوں سے میری دوستی ہے' جن کا اخلاق و کردار درست نہیں ہے' اس طرح میرے بھائیوں کے دوست جو ہمارے گھر میں آتے رہے ہیں' وہ بھی نیک اطوار نہیں ہیں' اس ماحول کی وجہ سے اللہ جانتا ہے کہ میں نے کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے مگر میں جب بھی توبہ کا ارادہ کرتا ہوں پھر سے گناہوں کی زندگی کی طرف لوٹ آتا ہوں۔ امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ میں وہ کون سا راستہ اختیار کروں' جو مجھے میرے رب سے قریب کر دے اور ان برے اعمال سے دور کر دے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ توبہ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لے' اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ﴾ (التحریم ۶۶/ ۸)

"اے مومنو! اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے (خالص) توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے مٹا دینے اور جنت میں داخل کر دینے کو سچی توبہ کے ساتھ معلق رکھا ہے۔ سچی توبہ وہ ہوتی ہے جو گناہوں کے ترک کر دینے' ان سے اجتناب کرنے' سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کرنے اور اس عزم صادق پر مشتمل ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعظیم' اس کے ثواب کے شوق اور اس کے عذاب کے ڈر کے باعث آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا۔ سچی توبہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ظلم سے جن لوگوں کی جو چیزیں چھینی ہوں' انہیں واپس لوٹا دیا جائے یا ان سے معاف کروا لیا جائے بشرطیکہ اس ظلم کا تعلق خون یا مال یا عزت سے ہو اور اگر اس کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو کہ اسے معاف کروانا ممکن نہ ہو تو پھر اپنے اس بھائی کے لیے کثرت سے دعا کرے اور جن مقامات پر اس کی غیبت وغیرہ کی تھی' وہاں اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں'

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح اور کامیابی کو توبہ کے ساتھ معلق قرار دیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ توبہ کرنے والا کامیاب اور سعادت مند ہے اور اگر توبہ کرنے والا توبہ کے بعد ایمان اور عمل صالح کا مظاہرہ کرے' تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو معاف فرما کر انہیں نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں شرک' قتل ناحق اور بدکاری کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨۔٧٠)

"اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا' مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور بلاشبہ اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

توبہ کے اسباب و ذرائع میں سے یہ بھی ہے کہ عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہدایت' توفیق اور توبہ کی دعا کی جائے کہ اس نے خود ہی فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر ٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ (البقرة ٢/ ١٨٦)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

توبہ اور اس پر استقامت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَرْءُ عَلٰى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ» (جامع الترمذي، الزهد، باب حديث الرجل على دين خليله، ح: ٢٣٧٨ ومسند أحمد: ٢/ ٣٠٣، ٣٣٤ واللفظ له)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے' لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی کس سے دوستی ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ

ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب المسك، ح:٥٥٣٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين ... الخ، ح:٢٦٢٨)

"نیک اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی سی ہے کہ کستوری بیچنے والا یا تو تمہیں تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاتے رہو گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبو پاتے رہو گے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں' مسلمان پیدا ہوا اور میں کبھی نماز نہیں چھوڑتا تھا۔ مشیت اقدار سے مجھے اپنے خاندان کے ہمراہ بیرون ملک سفر کرنا پڑا اور پھر کچھ عرصہ میں ان کے بغیر تنہا بھی رہا اور چار سال سے زیادہ عرصہ تک میں نے نماز چھوڑے رکھی اور بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا۔ چار سالوں کے رمضان کے مہینوں کے روزے بھی نہیں رکھے۔ رمضان کے مہینے میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مباشرت بھی کرتا رہا اور یہ سب کچھ برے ساتھیوں کا نتیجہ تھا' لیکن اب میں اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں' اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور نماز بھی باقاعدگی سے تنہا یا باجماعت ادا کرنے لگا ہوں۔ راہنمائی فرمائیں کہ ان حالات میں مجھ پر کیا واجب ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے' تو سچی توبہ ہی کافی ہے کیونکہ سچی پکی (خالص) توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ آپ پر نماز اور روزہ کی قضاء یا کسی چیز کا کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ترک نماز کفر ہے' خواہ اس کے وجوب کا انکار نہ بھی کیا جائے اور جو شخص وجوب نماز کا منکر ہے' وہ بالاجماع کافر ہے اور کافر جب مسلمان ہو جائے تو حقوق اللہ سے متعلق واجبات کی قضاء اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغۡفَرۡ لَهُم مَّا قَدۡ سَلَفَ ﴾ (الأنفال٨/ ٣٨)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«الإِسْلاَمُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

ہم آپ کو یہ وصیت کریں گے کہ توبہ پر استقامت کا مظاہرہ کریں' کثرت سے استغفار پڑھیں اور کثرت کے ساتھ اعمال صالحہ بجا لائیں۔ اگر آپ نے توبہ پر استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور نیک اعمال سرانجام دیتے رہے تو ہم آپ کو خیر و بھلائی اور اچھے انجام کی خوش خبری سناتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهۡتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو بلاشبہ اس کو میں بخش

دینے والا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حق پر ثابت قدم رکھے۔ انه خیر مسئوول۔

آپ کے سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں' جن کے بارے میں متنبہ کرنا ضروری ہے کہ "مشیت اقدار سے....." بات یہ ہے کہ تقدیروں کی کوئی مشیت اور چاہت نہیں ہے' لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یا شَآءَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ "اللہ وحدہ نے یا اللہ سبحانہ نے یہ چاہا...." اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دین میں فقاہت اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

توبہ ہی کافی ہے

سوال میری عمر اب انتیس (۲۹) سال ہے۔ چوبیس سال کی عمر سے میں نے نماز پڑھنی شروع کی اور الحمدللہ! اب باقاعدہ نماز پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمائی۔ پندرہ سال کی عمر کے بعد کی نمازوں کی قضاء دینے کی بھی میں نے مقدور بھر کوشش کی لیکن اس کے بارے میں لوگوں کی رائے مختلف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قضاء لازم نہیں ہے بلکہ توبہ ہی کافی ہے اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ قضاء بھی لازم ہے' امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ آپ پر قضاء لازم نہیں ہے بلکہ توبہ ہی کافی ہے۔ سچی توبہ یہ ہے کہ آپ سے ماضی میں جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کریں' نماز باقاعدگی سے ادا کریں اور سچا عزم کریں کہ آئندہ کبھی بھی نماز نہیں چھوڑیں گے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الأنفال٨/ ٣٨)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے (خالص) توبہ کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله . . . الخ، ح: ١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لاَّ ذَنْبَ لَهُ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، ح: ٤٢٥٠)

"جو گناہ سے توبہ کر لے وہ اس طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی فقاہت اور حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ ہم یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ آپ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمارا اور آپ کا خاتمہ اچھا کرے۔

شیخ ابن باز

زانی کس طرح توبہ کرے؟

سوال شیطان نے مجھے گمراہ کر دیا اور میں نے بدکاری کا ارتکاب کر لیا' حالانکہ مجھے علم ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے گا؟ میرے دل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ شاید میں پھر اس گناہ کا ارتکاب کروں لہٰذا پھر توبہ کر لوں گا..... کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت تک کھلا ہے۔ جو شخص شرک یا کسی بھی گناہ سے پکی سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ پکی سچی (خالص) توبہ یہ ہے کہ انسان گناہوں کو ترک کر دے' پہلے جو گناہ ہوئے ہوں ان پر ندامت کا اظہار کرے اور عزم صمیم کرے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خوف' اس کی تعظیم اور اس کے عفو و مغفرت کی امید کے پیش نظر وہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! تم اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے (خالص) توبہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ ۞ قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"اے پیغمبر! (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ توبہ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اگر حقوق العباد کا مسئلہ ہو تو پھر توبہ کے صحیح ہونے کی مذکورہ بالا تین شرطوں کے علاوہ ایک چوتھی شرط بھی ہے اور وہ یہ کہ ان کے مالی حقوق وغیرہ

ادا کیے جائیں یا انہیں معاف کروا لیا جائے‘ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَلاَّ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته؟، ح:٢٤٤٩)

”جس کسی شخص نے اپنے بھائی پر عزت و مال کے اعتبار سے کوئی ظلم کیا ہو تو اسے آج معاف کروا لے قبل اس کہ درہم و دینار نہ رہیں اگر اس کے پاس کوئی عمل صالح ہوا تو اس کے ظلم کے بقدر اس کی نیکیاں لے کر اسے دے دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو پھر اس کے ساتھی کی (جس پر ظلم کیا ہوگا) برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔“

ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ شرک‘ اس کے تمام اسباب و وسائل اور دیگر تمام گناہوں سے اجتناب کرے‘ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے اور پھر اسے توبہ کی توفیق ہی نہ ملے‘ لہٰذا ازبس ضروری ہے کہ ہر اس کام سے اجتناب کرے‘ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو‘ اپنے رب تعالیٰ سے عافیت کی دعا بھی کرتا رہے‘ شیطان کے ساتھ تساہل کا معاملہ نہ کرے کہ گناہوں کا اس نیت سے ارتکاب کرنے لگے کہ وہ ان سے توبہ کرے گا‘ کیونکہ یہ محض شیطانی دھوکہ اور اس کی طرف سے گناہوں میں مبتلا کرنے کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان سے توبہ کر لے گا لیکن بندے کو بسا اوقات سزا کے طور پر توبہ ہی سے محروم کردیا جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں اسے اس وقت بے حد ندامت اور بے پناہ حسرت ہوگی کہ جب ندامت و حسرت کسی بھی کام نہ آئے گی اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ و ایای فارهبون ﴾ (البقرة ٢/ ٤٠) ”اور مجھی سے ڈرتے رہو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ﴾ (آل عمران: ٣/ ٢٨)

”اور اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔“ اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ۝ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا۟ حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا۟ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ٥-٦)

”اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے‘ سو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے‘ تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو‘ وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔“ (اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔)

—— شیخ ابن باز ——

میں نے امانت کو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے استعمال کرلیا

سوال کچھ اہل خیر نے اعتماد کرتے ہوئے ایک ہائی سکول کی عمارت کی تعمیر کے لیے جمع کیے گئے عطیات کا مجھے خزانچی بنا دیا سکول کی عمارت کا کام جاری تھا کہ اپنے ذاتی گھر کی تعمیر کے لیے مجھے اس رقم کے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آگئی‘ لیکن مدرسہ کی عمارت کی تکمیل سے قبل ہی میں نے وہ رقم سکول کی کمیٹی کے سپرد کردی اور کہا کہ یہ مال ایک ایسی خاتون کی طرف سے عطیہ ہے‘ جو اپنا نام ذکر کرنا پسند نہیں کرتی‘ جب کہ درحقیقت یہ مال میرے پاس امانت تھا اور اسے ادا کرنا

میرے ذمہ واجب تھا لیکن شرمندگی کی وجہ سے میں حقیقت کا اظہار نہ کرسکا۔ کیا اس رقم کے استعمال کی وجہ سے مجھے گناہ ہوگا' جب کہ میں نے یہ رقم ادا بھی کر دی ہے؟ توبہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ یرحمک اللہ

جواب جس شخص کے پاس کسی بھی سکیم کا کوئی مال بطور امانت رکھا گیا ہو تو اسے اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے یہ واجب ہے کہ اس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کرے اور اسے صرف اس کے مصرف ہی میں استعمال کرے۔ آپ نے جو جھوٹ بولا اس سے بھی توبہ کریں۔ جو شخص صدق دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحریم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (سچی) توبہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

سچی توبہ یہ ہوتی ہے کہ سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کیا جائے' اللہ تعالیٰ کے خوف و تعظیم کے پیش نظر انہیں ترک کر دیا جائے' عزم صادق کیا جائے کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا اور اگر گناہ کا تعلق لوگوں کے خون' مال اور عزت و آبرو یا دیگر حقوق سے ہو تو انہیں واپس لوٹایا جائے یا ان سے معاف کروا لیا جائے اور اگر گناہ کا تعلق غیبت وغیرہ سے ہو اور خدشہ ہو کہ اسے بتانے کی صورت میں زیادہ نقصان ہو گا تو پھر ان لوگوں کو نہ بتائے جن کی غیبت کی ہو اور ان کے لیے دعا اور استغفار کرے اور غیبت کے ذریعے سے ان کی جو برائی کی اس کے مقابلے میں ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

خودکشی کی مگر موت سے قبل توبہ کر لی

سوال میری ایک شادی شدہ بہن تھی' جس کے تین بچے بھی تھے مگر اس کا ہمیشہ اپنے شوہر سے جھگڑا رہتا تھا۔ اس کا اپنے والد کے ساتھ بھی اختلاف تھا اور اس کا سبب بھی اس کا وہی شوہر تھا' جو اس کے ساتھ بے حد ناروا سلوک کرتا تھا جس نے اسے اپنا گھر چھوڑ کر اپنی اس مطلقہ ماں کے پاس جانے پر مجبور کر دیا' جس نے ایک دوسرے انسان سے شادی کر لی تھی' مگر افسوس کہ اس کی ماں کا یہ شوہر بھی اس کے ساتھ بے حد برا سلوک کرتا تھا۔

میں نے ایک فلیٹ کرایہ پر لے لیا تاکہ یہ میرے ساتھ رہے' لیکن یہ اکثر اپنی ماں کے پاس بھی جاتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ اس کی ماں کے شوہر نے اسے مجبور کیا کہ یہ بچوں کو اپنے شوہر کے پاس چھوڑ کر چلی آئے' ماں کی رضا کی خاطر اس نے اس طرح کیا بھی۔ ایک دن اس کا اپنی ماں کے شوہر کے ساتھ جھگڑا ہوا اور یہ بہت افسردہ ہو کر اپنے فلیٹ میں آ گئی' ان مصائب اور بچوں سے دوری کا اس پر بہت اثر تھا' جس کی وجہ سے اس نے فریزر سے گولیاں نکالیں اور تمام گولیوں کو کھالیا تاکہ خودکشی کر لے' مگر میں اسے ہسپتال لے گیا اور اس کا علاج کیا گیا۔ مگر اس نے وفات سے پہلے محسوس کیا کہ یہ اس کے

آخری ایام ہیں' لہٰذا اس نے توبہ کر لی' اپنے فعل پر کثرت سے استغفار شروع کر دیا اور ہم سے بھی یہ کہتی تھی کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے..... اللہ تعالیٰ کا کرنا ہوا کہ یہ بہن فوت ہو گئی' سوال یہ ہے کہ اب اس کا کیا حال ہو گا؟ کیا میں اس کی طرف سے صدقہ اور حج کر سکتا ہوں؟ یاد رہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ میں ساری زندگی یہ اعمال بجا لاتا رہوں گا' ان شاء اللہ! ..... راہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ کی مذکورہ بہن نے اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لی ہے اور خودکشی کا سبب اختیار کرنے پر ندامت کا اظہار کیا ہے' تو اس کے لیے مغفرت کی امید ہے' کیونکہ توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ اگر آپ ان کی طرف سے صدقہ کریں یا استغفار اور دعا کریں تو یہ بھی اس کے لیے بہتر اور مفید ہو گا اور آپ کو بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا۔

آپ نے نیکی کے جن کاموں کی نذر مانی ہے' انہیں بجا لاتے رہیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی مدح کے ضمن میں ان لوگوں کی بھی تعریف فرمائی ہے' جو نذر کو پورا کرتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے' جس کی سختی پھیل رہی ہو گی' خوف رکھتے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلاَ يَعْصِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اطاعت کرنی چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

—— شیخ ابن باز ——

کیا مرتد پر توبہ کے بعد بھی حد نافذ کی جائے گی؟

سوال کیا رجوع کرنے کے بعد بھی مرتد پر حد نافذ کی جائے گی؟ یعنی اگر مسلمان کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے' جو موجب ارتداد ہو اور پھر اس نے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ہو تو کیا اس ارتداد کی وجہ سے اس پر حد نافذ کی جائے گی؟ یاد رہے کہ جس ملک میں اس نے ارتداد کا ارتکاب کیا وہاں قانون شریعت نافذ نہیں ہے۔ یا گناہ ارتداد کی معافی کے لیے توبہ ہی کافی ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں اس پر حد بھی نافذ نہیں ہو گی؟

جواب جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر رجوع کرتے ہوئے توبہ کرے اور ندامت کا اظہار کرے تو اس پر حد قائم کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ حد تو اس پر قائم کی جاتی ہے جو ارتداد پر اصرار کرے اور اس پر برقرار رہے۔ جب کہ توبہ کرنے والے کی توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے' جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے۔

وباللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

گناہ سے توبہ کرنے والے نے گویا گناہ کیا ہی نہیں

سوال میں پہلے کئی کئی ماہ تک نماز نہیں پڑھتا تھا' لیکن اب میں نے سچی (خالص) توبہ کر لی ہے اور تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا شروع کر دیا ہے' والحمد للہ! پہلے میں رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتا تھا اور بہت کثرت کے ساتھ سگریٹ نوشی کرتا تھا' لیکن الحمد للہ اب ان تمام گناہوں سے میں نے توبہ کر لی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن نمازوں کو میں نے نہیں پڑھا کیا ان کی قضاء مجھ پر لازم ہے؟

جواب سب سے پہلے تو میں اپنے اس بھائی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں' جسے اللہ تعالیٰ نے توبہ اور نماز و روزہ جیسے فرائض کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے اور اپنے مزید خیر و فضل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اور انہیں ایمان پر فوت کر کے خیر الانام حضرت محمد ﷺ کے زمرہ میں حشر کے دن اٹھائے۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے' لہٰذا آپ نے نماز اور روزہ کے ترک کرنے سے جو توبہ کر لی ہے' تو یہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دے گی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۳۵۔۱۳۶)

"اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔"

لہٰذا انہوں نے ماضی میں جو نماز یا روزے چھوڑے ان کی قضاء لازم نہیں ہے' لیکن انہیں عمل صالح اور توبہ و استغفار کثرت سے کرنا چاہیے کہ جو شخص توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جھوٹی قسم کھائی اور پھر توبہ کر لی

سوال ایک شخص نے بچپن میں جب کہ اس کی عمر پندرہ سال تھی' ہاتھ میں قرآن مجید پکڑ کر جھوٹی قسم کھائی' لیکن سن

رشد کو پہنچنے کے بعد اسے اس پر ندامت ہوئی' کیونکہ اسے اب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جھوٹی قسم کھانا شرعاً حرام تھا' تو کیا اسے گناہ ہو گا؟ کیا اس پر کفارہ لازم ہے؟

جواب یہ سوال درحقیقت دو سوالوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا سوال تو ہے تاکید کے لئے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا' تو مجھے سنت سے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہے' لہٰذا یہ شرعاً درست نہیں ہے اور دوسرا مسئلہ ہے جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا' تو یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے توبہ کرنا واجب ہے حتی کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جھوٹی قسم کو عربی میں "یمین غموس" اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم، قسم اٹھانے والے کو پہلے گناہ میں اور پھر جہنم کی آگ میں ڈبو دیتی ہے۔

اگر یہ قسم بلوغت کے بعد اٹھائی گئی تو قسم اٹھانے والا گناہ گار ہو گا' اسے توبہ کرنی چاہیے۔ البتہ اس کا کفارہ نہیں ہے' کیونکہ کفارہ تو ان قسموں پر ہوتا ہے جن کا تعلق مستقبل کی اشیاء سے ہو' ماضی کی اشیاء میں کفارہ نہیں ہے' بلکہ ان میں تو انسان دو باتوں میں دائر ہوتا ہے کہ وہ یا تو گناہ گار ہو گا یا گناہ گار نہیں ہو گا۔ اگر وہ جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھا رہا ہے تو وہ گناہ گار ہو گا اور اگر اسے علم ہو یا ظن غالب یہ ہو کہ وہ سچا ہے تو پھر وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سچی توبہ سے اللہ گناہ معاف کر دیتا ہے

سوال میرے دوستوں کے پاس میری کچھ تصویریں ہیں۔ میں نے ان سے وہ تصویریں طلب کیں تاکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے انہیں پھاڑ دوں۔ ان میں سے بعض نے تو مجھے تصویریں دے دیں اور بعض نے یہ کہہ کر تصویریں دینے سے انکار کر دیا کہ ان تصویروں کا گناہ ان پر ہو گا' نہ کہ مجھ پر۔ کیا ان کی یہ بات صحیح ہے' براہ کرم راہنمائی فرمائیں؟

جواب سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

آپ کے پاس جو تصویریں ہوں' آپ انہیں تلف کر دیں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ آپ کی وہ تصویریں جو دوسرے لوگوں کے پاس ہیں اور مانگنے کے باوجود بھی انہوں نے آپ کو نہیں دیں تو آپ بری الذمہ ہیں۔ توبہ ان تصویروں کو بھی شامل ہو گی اور گناہ اسے

ہو گا' جس کے پاس وہ تصویریں موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

سونے کا کنگن

سوال میں مردوں اور عورتوں کے ایک مخلوط معاشرے میں تھی تو شیطانی خواہش کے اظہار کے پیش نظر ایک شخص نے مجھے سونے کا ایک قیمتی کنگن تحفہ کے طور پر دیا۔ الحمد للہ! اب میں اس ماحول سے باہر نکل آئی ہوں۔ میں نے حق کے راستے کو پہچان لیا ہے۔ مجھے اپنے ماضی پر ندامت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ تحفہ میرا حق ہے اور میں اس کنگن کو بطور زینت استعمال کر سکتی ہوں یا اسے صدقہ کر دوں یا اسے کیا کروں' کیونکہ وہ ماحول مجھے سخت ناپسند ہے اور میں اس میں واپس جا کر اس شخص کو اس کا یہ تحفہ واپس نہیں کر سکتی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ماحول سے جو بچایا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں' اور یہ تحفہ اس شخص کو واپس مت لوٹائیں بلکہ اسے صدقہ کر دیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

چوری سے توبہ

سوال میں مرحلہ ثانویہ کا ایک طالب علم ہوں۔ میں نے ابتدائی و ثانوی مرحلہ میں کچھ کتابیں اور لکھنے پڑھنے سے متعلق کچھ سامان کی چوری کی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی ہے' لہٰذا راہنمائی فرمائیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ جزاکُمُ اللّٰہُ خیرًا؟

جواب اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کی دواء بھی نازل فرمائی ہے۔ چوری کی یہ بیماری جو بعض لوگوں کو بچپن یا جوانی میں ہوتی ہے' اس کی بھی دواء موجود ہے۔ اگر آپ نے کسی شخص کی چوری کی تھی تو آپ پر واجب ہے کہ آپ اس سے ملیں اور اسے بتائیں کہ اس کا اس قدر مال آپ کے پاس ہے اور پھر جس قدر مال پر صلح ہو جائے وہ اسے لوٹا دیں لیکن بسا اوقات انسان اسے بہت گراں محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک شخص کے پاس جائے اور اسے خود یہ بتائے کہ اس نے اس کی چوری کی تھی اور یہ یہ چیز لی تھی' لہٰذا اس صورت میں آپ اسے یہ مال کسی اور واسطہ سے بھی لوٹا سکتے ہیں مثلاً اس شخص کے کسی دوست یا ساتھی سے ملیں اور اسے بتا دیں کہ یہ فلاں شخص کا مال ہے' جسے میں نے چوری کر لیا تھا مگر اب میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لی ہے' لہٰذا میری طرف سے اسے یہ دے دیں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی (چھٹکارے) کی صورت پیدا کر دے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

اگر آپ نے کسی ایسے شخص کی چوری کی ہو جس کا اب آپ کو علم نہ ہو اور نہ آپ یہ جانتے ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے تو یہ معاملہ پہلے سے بھی آسان ہے' کیونکہ اس صورت میں آپ اس شخص کی طرف سے نیت کر کے اس مال کو صدقہ کر دیں۔ اس صورت میں آپ بریٔ الذمہ ہو جائیں گے۔

اس سائل نے اپنا جو قصہ بیان کیا ہے' انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ اس طرح کے واقعات سے دور رہے' کیونکہ بعض اوقات وہ طیش یا بے وقوفی کی وجہ سے چوری تو کرتا ہے اور چوری کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا' لیکن جب اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دیتا ہے تو پھر اس طرح کے گناہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے خاصی دشواری پیش آتی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اطاعت الٰہی کو اپنا معمول بنائیے

سوال میں پاک صاف زندگی کا کس طرح آغاز کروں؟ تارک نماز کی سزا کیا ہے؟

جواب 1 سب سے پہلے تو نیت کی اصلاح کریں اور نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کا عزم صمیم کریں 2 اور پھر نیک لوگوں کی مجلس اختیار کریں اور دن رات' صبح و شام اور فرصت کے اوقات اچھے لوگوں کی صحبت میں گزاریں یا فرصت کے لمحات پبلک لائبریریوں' مذاکرہ کی مجلسوں اور اچھے ساتھیوں کے ساتھ علمی سفر میں بسر کریں۔ 3 اپنے آپ کو عادی بناتے ہوئے پنجگانہ نماز باجماعت مسجدوں میں ادا کریں' نیز فرض نمازوں سے پہلے اور بعد کثرت سے نوافل پڑھیں اور ذکر و دعا میں کثرت سے مشغول رہیں۔ 4 بے وقوفوں' شریروں' تماش بینوں اور بدکاروں سے تعلق قطع کر لیں اور ان سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

ترک نماز بے شک کفر ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے' مگر نماز کے منکر اور نماز میں کوتاہی کرنے والے میں فرق ہے' تاہم نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

توبہ تو کی مگر حقوق ادا نہیں کر سکتا

سوال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ کسی پر ظلم کیا ہو گا' کسی کو گالی دی ہو گی--- الخ' سوال یہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جس نے توبہ تو کر لی ہے مگر اپنے فقر کی وجہ سے وہ لوگوں کے حقوق واپس لوٹانے سے قاصر ہے؟

جواب حقوق العباد کے بارے میں اصل یہ ہے کہ انہیں ادا کیا جائے۔ کیونکہ یہ محض توبہ سے ساقط نہیں ہوتے' لہٰذا انہیں حق داروں کو ادا کرنا یا ان سے معاف کروانا از بس ضروری ہے۔ جب کوئی شخص حقوق العباد کے سلسلہ میں بھی پکی سچی توبہ تو کرے' مگر فقر یا حق داروں کے بارے میں عدم واقفیت کی وجہ سے انہیں ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا اور حق داروں کو روز قیامت اس کی طرف سے جس طرح وہ چاہے گا خوش کر دے گا--- اگر

دنیا میں اسے حقوق ادا کرنے یا انہیں معاف کروانے کی استطاعت ہو تو پھر واجب یہی ہے کہ انہیں ادا کیا جائے یا معاف کروا لیا جائے' ورنہ اس کے بغیر توبہ مکمل نہ ہو گی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

اجازت کے بغیر مال لیا---

سوال میں کیشیئر کے طور پر ملازمت کرتا تھا۔ ایک بار مجبور ہو گیا کہ میرے پاس جو رقم ہے اس میں سے کچھ بطور قرض استعمال کر لوں اور پھر اپنی تنخواہ سے واپس کر دوں مگر مالک مال کو اس کا علم ہو گیا اور اس نے کہا کہ اس مال کو واپس کر دو' بغیر کسی جھگڑے کے میں نے اسے واپس کر دیا لیکن اب میرا ضمیر مجھے اس پر ملامت کرتا ہے تو ضمیر کو اس ملامت سے بچانے کے لے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب کسی کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لینا خیانت ہے خواہ آپ کا ارادہ اچھا ہو اور عزم یہ ہو کہ آپ اسے اپنی تنخواہ وغیرہ میں سے واپس لوٹا دیں گے۔ اس طرح آپ اس مال کی منفعت سے اس کے مالک کو محروم بھی کر رہے ہیں جو نفع وغیرہ کی صورت میں اس سے حاصل ہوتا تھی۔ یہ فعل آپ کے لیے باعث عار اور آپ کی عزت کو داغ دار کرنے والا بھی ہے۔ اب آپ نے مالک کے علم و مطالبہ پر جب مال واپس لوٹا دیا ہے اور آپ نے اس فعل پر ندامت کا اظہار بھی کیا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ عزم بھی کر لیں کہ آئندہ کبھی بھی اس طرح نہیں کریں گے۔ مالک مال سے بھی معافی طلب کر لیں تاکہ اس کا دل صاف ہو جائے' نیز آپ اچھے طریقے سے توبہ کریں اور اعمال صالحہ کثرت سے بجا لائیں تاکہ اس حدیث پر عمل ہو سکے:

«وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا»(مسند أحمد: ١٥٣/٥، ١٥٨، ٢٢٨، ٢٣٦)

"برائی کے بعد نیکی کرو' وہ اسے مٹا دے گی۔"

اللہ تعالیٰ سے امید رکھو کہ وہ آپ کی توبہ قبول کر لے گا' گناہ کو معاف فرما دے گا اور آپ کو معاصی اور منکرات سے محفوظ رکھے گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کسی کے مال کو ناحق لینا

سوال الحمد للہ وحدہ و بعد: فتویٰ کمیٹی برائے بحوث و افتاء کو درج ذیل استفسار موصول ہوا' جس میں دو سوال پوچھے

گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ماضی میں کچھ دیگر سپاہیوں کے ساتھ ایک مشتبہ آدمی کو پکڑنے کے سلسلہ میں شریک تھا' اسے پکڑنے کے بعد جب اس کی جامہ تلاشی لی گئی تو اس سے چاندی کے پچاسی ریال ملے' جنہیں اس نے لے لیا اور فقر و جہالت کی وجہ سے اپنے گھر میں استعمال کر لیا' اب وہ کیا کرے تاکہ اس سے بریٔ الذمہ ہو جائے؟

جواب اگر وہ شخص اس کو یا اس کے کسی جاننے والے کو جانتا ہے' تو اسے چاہیے کہ اسے تلاش کرے تاکہ اس کی چاندی کی نقدی یا اس کے مساوی رقم یا جس پر دونوں متفق ہوں' اسے واپس لوٹا سکے اور اگر یہ اسے نہیں جانتا اور اسے تلاش نہیں کر سکتا تو پھر اس رقم کو یا اس کے مساوی رقم کو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔ اگر صدقہ کرنے کے بعد یہ اسے ملے تو اسے ساری بات بتا دے' اگر وہ راضی ہو جائے تو بہت خوب اور اگر وہ راضی نہ ہو اور اپنی رقم کا مطالبہ کرے' تو یہ اسے اس کی رقم ادا کرے۔ اس صورت میں یہ صدقہ اس کی طرف سے ہو جائے گا' نیز اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار اور مال کے مالک کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گناہ سے توبہ کرنے والا

سوال ہمارے شیخ جلیل اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو عمداً نماز و روزہ کا تارک تھا' مگر جب اللہ نے اسے ہدایت عطا فرما دی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا' اپنے اوپر جو ظلم کرتا رہا اس پر خوب رویا اور نماز' روزہ اور دیگر تمام عبادات کو ادا کرنا شروع کر دیا۔ اسے نماز و روزہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا یا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ ہی کافی ہے؟

جواب جو شخص نماز اور روزہ کو ترک کر دے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کر لے' اس کے لیے متروکہ نماز اور روزوں کی قضاء لازم نہیں ہے' کیونکہ ترک نماز ایسا کفر ہے' جو انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے' خواہ انسان وجوب نماز کا انکار نہ بھی کرے۔ اس مسئلہ میں علماء کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِن يَنتَهُوا۟ يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الأنفال٨/ ٣٨)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ معاف کر دیا جائے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

اس کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہ٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو بلاشبہ میں اس کو ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ﴾ (التحریم٦٦/٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (پکی سچی) توبہ کرو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کرے گا۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهُ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، ح:٤٢٥٠)

"جو شخص گناہ سے توبہ کرلے وہ اس طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

توبہ کرنے والے کو چاہیے کہ توبہ کے بعد اعمال صالحہ کثرت کے ساتھ کرے اور اللہ تعالیٰ سے کثرت سے یہ دعا کرے کہ وہ اسے حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور اسے حسن خاتمہ کی توفیق سے نوازے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بعض گناہوں کا ارتکاب

سوال ایک شخص اسلام کے ارکان خمسہ پر تو عمل پیرا ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بعض گناہوں کا بھی ارتکاب کرتا ہے۔ یعنی واجبات کو بھی ادا کرتا ہے اور منہیات کا بھی ارتکاب کرتا ہے' تو اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک کھلا ہے' لہٰذا ہر کافر اور گناہ گار کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے سچی توبہ کرے یعنی کفر اور گناہوں پر ندامت کا اظہار کرے' اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی تعظیم کی وجہ سے انہیں چھوڑ دے اور عزم صمیم کرے کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اس طرح توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ سابقہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو بلاشبہ میں اس کو ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«الإِسْلاَمُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله... الخ، ح: ١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

توبہ کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حقوق العباد کو ادا کیا جائے یا حق داروں سے انہیں معاف کروا لیا جائے' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَلاَّ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته؟، ح:٢٤٤٩)

"جس نے اپنے کسی بھائی پر عزت و مال وغیرہ کے اعتبار سے ظلم کیا ہو تو وہ اس سے آج ہی معاف کروا لے قبل اس کے کہ جب اس کے پاس کوئی دینار ہو گا اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس عمل صالح ہوا تو ظلم کے بقدر اس سے نیکیاں لے کر اسے دے دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔" اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

چوری کے بعد توبہ کر لی

سوال میری عمر چودہ سال تھی۔ میرے والد کا ایک رشتہ دار ایک دوسرے ملک سے انہیں ملنے کے لیے ہمارے گھر میں آتا تو میں اس کے ملک کی رقوم کو چرا لیتا تھا اور منی چینجرز سے تبدیل کروا کے انہیں اپنے استعمال میں لے آتا تھا۔ جب میں بڑا ہوا تو مجھے اس پر بے حد ندامت ہوئی اور میں نے توبہ کا عزم کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مجھ پر کیا لازم ہے؟ کیا اس شخص کو مسروقہ مال واپس لوٹانا ضروری ہے یا میں اس مال کو اس کے لیے ثواب کی نیت سے صدقہ بھی کر سکتا ہوں' یاد رہے کہ وہ شخص ابھی تک بقید حیات ہے؟

جواب آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو' آپ اس شخص کا مال اس کے پاس پہنچا دیں۔ آپ کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ کے بعد گناہ کا ارتکاب

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایک گناہ سے توبہ کرنے کے بعد پھر اس کا ارتکاب کر لیتا ہے اور بار بار یہ گناہ کرتا اور بار بار اس سے توبہ کرتا ہے مگر بعد میں جب اللہ تعالیٰ اسے پکی سچی توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے تو وہ پھر اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اس کے بارے میں فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق سے نوازے؟

جواب اس گناہ گار کی توبہ صحیح ہے۔ پہلی اور آخری سب توبہ صحیح ہیں' کیونکہ اس نے جب بھی گناہ کیا' اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کر لی اور جب اس نے توبہ کی شرطوں کو مکمل کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کی توبہ کو قبول فرما لے۔ اگر

اس کا نفس اسے دوبارہ گناہ کی دعوت دے اور گناہ کر بیٹھے تو پھر توبہ کرے۔ تیسری اور چوتھی بار ایسا ہو تو پھر توبہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ ﴾

(الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔"

لیکن اہم بات یہ ہے کہ توبہ سچی ہو۔ توبہ کرنے والے کا عزم یہ ہو کہ وہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ توبہ اس طرح ڈھیلی ڈھالی نہیں ہونی چاہیے کہ زبان سے تو توبہ کر رہا ہو مگر دل میں اس گناہ کے کرنے کی نیت ہو۔ اس طرح کی توبہ تو صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن اگر توبہ صحیح ہو اور عزم یہ ہو کہ وہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا لیکن پھر بھی اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس سے اس کی پہلی توبہ ختم نہیں ہو گی بلکہ وہ صحیح ہو گی۔ اسی طرح گناہ کرنے کے بعد وہ جب بھی توبہ کرے گا' تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

۲۸

اَحکام
اَلدُّعَاءِ وَ اٰدَابِه
دُعا کے احکام و آداب

دعا کے احکام و آداب

دعا کے شرائط و آداب

سوال دعا کی قبولیت میں کون سے امور مانع ہوتے ہیں؟ قبولیت دعا کے اوقات کون سے ہیں؟

جواب سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ دعا بذات خود عبادت ہے اور اس سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ انسان جب اپنے رب سے دعا کرتا ہے تو وہ اپنی عاجزی و درماندگی اور اللہ رب ذوالجلال کی ذات گرامی کے لیے کمال کا اعتراف کرتا ہے لہٰذا دعا کے سبب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہی اس کی عبادت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "دعا عبادت ہے" [1] اور جب دعا عبادت ہے تو اس سے یقیناً تقرب الٰہی حاصل ہو گا' لہٰذا جب انسان دعا کرتا ہے تو تقرب الٰہی کے حصول کے ساتھ ساتھ اس کی دعا کو یا تو شرف قبولیت سے نواز کر اس کا مقصود اسے عطا کر دیا جاتا ہے یا اس دعا کی برکت سے اس سے کسی شر کو دور کر دیا جاتا ہے اور یہ بات اس کے مطلوب و مقصود سے حاصل ہونے والے نفع سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے اور یا پھر اس دعا کے اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ روز قیامت کے لیے اپنے ہاں محفوظ کر لیتا ہے۔

بہرحال جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرے وہ کسی طرح بھی خسارے میں نہیں رہتا لیکن دعا کی قبولیت کے لیے کچھ شرطیں بلکہ کچھ آداب ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ بوقت دعا انسان یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اپنے رب کا محتاج ہے' اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے بغیر وہ کسی بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اعتقاد رکھے کہ کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی' اس کی رحمت' احسان' فضل اور اس کی قدرت ہی کو حاصل ہے اور تیسرا یہ کہ قبولیت کی امید کے ساتھ دعا کرے' اس طرح دعا نہ کرے کہ اسے شک ہو کہ معلوم نہیں یہ دعا قبول ہو گی یا نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ کرے کہ اس کی یہ دعا یقیناً شرف قبولیت حاصل کرے گی اور چوتھا یہ کہ دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے' یعنی اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کے بارے میں دعا نہ کرے جو شرعاً جائز نہ ہو۔

آداب دعا میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ کسی ایسی چیز کے بارے میں دعا نہ کی جائے جو شرعاً حلال نہ ہو مثلاً کسی گناہ کے کام یا قطع رحمی کے لیے دعا نہ کی جائے۔ نیز ایک ادب یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والے کا طعام اور لباس حرام نہ ہو کیونکہ مال حرام بھی قبولیت دعا سے مانع ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا» (صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح: ١٠١٥)

---

[1] سنن ابی داود' الوتر' باب الدعاء' حدیث: 1479

"بے شک اللہ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔"

قبولیت دعا کے اوقات میں سے رات کا آخری ثلث یا آخری حصہ اور اذان و اقامت کے درمیان کا وقت بطور خاص قابل ذکر ہے۔ قبولیت دعا کے حالات میں سے حالت سجدہ کی خصوصی اہمیت ہے کہ اس حالت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ»(صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود؟، ح:٤٨٢)

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

سوال دعا وتر کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب قنوت وتر اور دیگر موقعوں پر دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کے منہ پر پھیرنے کے بارے میں کچھ ضعیف احادیث ہیں جن کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ناقابل حجت ہیں۔ لہٰذا ان ضعیف احادیث سے شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا' لہٰذا افضل یہ ہے کہ وتر ہو یا کوئی اور موقع دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف احادیث مجموعی طور پر حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں لہٰذا یہ سنت ہے' مگر میرے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں کیونکہ اس سلسلہ میں وارد ضعیف احادیث درجۂ حسن تک نہیں پہنچتیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعا میں ان شاء اللہ کہنا

سوال دعا میں انسان کے ان شاء اللہ کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب دعا کرتے وقت انسان کو چاہیے کہ وہ یہ نہ کہے کہ اے اللہ! تو چاہے تو اس دعا کو قبول کر لے' بلکہ دعا پورے عزم اور رغبت سے کرنی چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو کوئی مجبور تو نہیں کر سکتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر ٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے چونکہ قبولیت دعا کا وعدہ فرمایا ہے' لہٰذا اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ انسان یہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو دعا قبول فرما لے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو دعا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے تو وہ یا تو اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرما دیتا ہے یا اس دعا کی برکت سے اس سے کسی شر کو دور فرما دیتا ہے یا روز قیامت کے لیے اسے ذخیرہ کر دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي إِنْ شِئْتَ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ»(صحيح البخاري، الدعوات، باب ليعزم المسألة فإنه لا مكره له، ح:٦٣٣٩، ٧٤٧٧ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب العزم بالدعاء ... الخ، ح:٢٦٧٩)

"تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف فرما دے' اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما' بلکہ اسے عزم سے دعا کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔"

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ مریض سے فرمایا کرتے تھے:

«لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى»(صحيح البخاري، المرض، باب عيادة الأعراب، ح:٥٦٥٦)

"اس میں کوئی حرج نہیں' یہ بیماری ان شاء اللہ گناہوں سے پاک کر دے گی۔"

تو ہم عرض کریں گے کہ ہاں! یہ نبی ﷺ سے ضرور ثابت ہے' مگر یہ الفاظ دعا کے باب سے نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق تو باب خبر اور امید سے ہے' لہذا آداب دعا میں سے یہ ایک اہم ادب ہے کہ انسان پورے جزم اور وثوق کے ساتھ دعا کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے

سوال کیا دعا سے تقدیر بدل سکتی ہے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا اور فرمایا ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر٤٠/٦٠)

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ (البقرة٢/١٨٦)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجئے کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

لہذا جب بندہ کسی سبب مشروع کو اختیار کرے اور دعا کرے تو یہ بھی تقدیر ہے اور تقدیر کو تقدیر ہی کے ساتھ بدلنا ہے' مگر ایسا اس وقت ہو گا جب اللہ چاہے گا اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ وَلَا يَرُدُّ الْقَدْرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ»(مسند أحمد:٥/ ٢٨٢، ٢٧٧، ٢٨٠ وجامع الترمذي، ح:٢١٣٩ وسنن ابن ماجه، ح:٩٠)

"بندہ گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے' تقدیر کو صرف دعا ہی بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی اضافہ کر سکتی ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

دعا میں استثناء

سوال ان الفاظ کے کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ ”ہم ان شاء اللہ جنت میں ملاقات کریں گے؟“

جواب یہ ایک اچھی بات ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ جنت میں ہمیں اپنے بھائیوں کے ساتھ جمع کرے اور ہم جنت میں ملاقات کر سکیں، لیکن اس موقع پر ”ان شاء اللہ“ نہ کہے بلکہ یہ کہے کہ ”ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اپنے فضل سے وہ ہمیں جنت میں اکٹھا کر دے“ ان شاء اللہ نہ کہے اور دعا میں استثناء نہ کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا

سوال میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ خطبہ جمعہ کی دعا میں دونوں ہاتھوں کو اٹھا لیتے ہیں اور بعض نہیں اٹھاتے۔ بعض لوگ سنت مؤکدہ کے بعد دعا کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھا لیتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ وتر میں دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور بعض نہیں اٹھاتے۔ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے کیا دعا میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیرًا.

جواب دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے اور یہ قبولیت دعا کے اسباب میں سے ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا»(سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، ح:١٤٨٨ وجامع الترمذي، ح:٣٥٥٦ وسنن ابن ماجه، ح:٣٨٦٦ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:١/ ٤٩٧)

”تمہارا رب باحیا اور کریم ہے، وہ اس بات سے حیا محسوس کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹا دے۔“

اس حدیث کو ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥١) وَقَالَ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ﴾ (البقرة٢/ ١٧٢) «ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ! وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ! وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ! فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟»(صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح:١٠١٥)

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا کہ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں، ان کو کھاؤ اور اگر تم اللہ ہی کی بندگی کرتے ہو تو (اس کی نعمتوں کا) شکر بھی ادا کرو۔ پھر آپ نے

ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک لمبا سفر کرتا ہے' پریشان حال اور غبار آلود ہوتا ہے' اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یارب! یارب! حالانکہ اس کا کھانا حرام' پینا حرام اور لباس بھی حرام ہے' مال حرام ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟"

بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہء استسقاء میں اور حجۃ الوداع کے موقع پر' ایام تشریق میں جمرہ اولیٰ و ثانیہ کے پاس اور دیگر بہت سے موقعوں پر دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے ہر عبادت کے وقت ہاتھ اٹھائے ہوں' لہٰذا آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں آپ نے ہاتھ نہیں اٹھائے وہاں ہم بھی ہاتھ نہ اٹھائیں' مثلاً خطبہء جمعہ' خطبہء عید' دونوں سجدوں کے درمیان دعا' نماز کے آخر میں دعا اور نماز پنجگانہ کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اور ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں صرف اور صرف نبی ﷺ ہی کے اسوہ کو پیش نظر رکھیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

بے وضو دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں

سوال بعض اوقات میں رات کو دو بجے بیدار ہو جاتا ہوں اور دعا شروع کر دیتا ہوں حالانکہ نہ میں نے وضو کیا ہوتا ہے اور نہ نفل نماز ہی پڑھی ہوتی ہے تو کیا یہ جائز ہے یا دعا کے لیے وضو اور نماز ضروری ہے؟

جواب دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں' خواہ آپ بے وضو ہی ہوں حتیٰ کہ دعا تو حالت جنابت میں بھی کی جا سکتی ہے کیونکہ دعا کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے دعا کے لیے طہارت کی شرط نہیں رکھی کیونکہ دعا کے لیے تو بندہ ہر وقت محتاج ہے۔ لیکن طہارت اور نماز کے ساتھ دعا کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے خصوصاً حالت سجدہ میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ»(صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود؟، ح: ٤٨٢)

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے' لہٰذا اس حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

ہمارے نیکوکاروں کی وجہ سے گناہ گاروں کو معاف کر دے

سوال اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ "ہمارے نیکوکاروں کی وجہ سے گناہ گاروں کو معاف فرما دے"؟

جواب اس کا مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے یہ دعا کی جا رہی ہے کہ وہ گناہ گاروں کو نیک مسلمانوں کی وجہ سے

معاف فرما دے اور اس دعا میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت و ہم نشینی بھی ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے گناہ گاروں کو معاف کر دیا جاتا ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب المسك، ح:٥٥٣٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين ... الخ، ح:٢٦٢٨)

"نیک اور برے ساتھی کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے' کستوری کا اٹھانے والا یا تو تمہیں تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبو پاؤ گے۔"

لیکن یہ جائز نہیں کہ گناہوں کے ازالے کے لیے مسلمان صرف ان امور ہی پر اکتفا کرے' بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا رہے' اپنا محاسبہ کرتا رہے' اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین میں لگا دے اور ان امور کو ادا کرے' جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور ان سے بچے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی امید بھی رکھے' محض اپنے آپ یا اپنے عمل پر بھروسہ نہ کرے' اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، فَإِنَّهُ لَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ أَحَدًا عَمَلُهُ قَالُوا: وَلاَ أَنْتَ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ح:٦٤٦٧ وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله، ح:٢٨١٨ واللفظ له)

''تم درست طریقے سے عمل کرو' میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ سو تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے ساتھ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: میں بھی نہیں' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔'' و باللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ

سوال جب انسان اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اسمائے حسنیٰ اور صفات کے وسیلے سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میرا یہ کام کر دے تو کیا اس طریقے سے دعا کرنا صحیح ہے؟

جواب سنت یہی ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے وسیلہ کو اختیار کرے' نیز وہ اپنے اعمال صالحہ اور نیک لوگوں کی صحبت کے وسیلے کو اختیار کرے کہ یہ قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔ اس طرح کے وسیلہ کو

دعا سے پہلے اور بعد میں دونوں طرح پیش کرنا جائز ہے' لیکن یاد رہے کہ اشخاص کے وسیلہ کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے' مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے پاس فلاں مرد یا عورت کے وسیلہ کو پیش کرتا ہوں تو یہ وسائلِ شرک میں سے ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کاغذ سے دیکھ کر دعا پڑھنا

سوال مجھے بہت کم دعائیں یاد ہیں' لہٰذا کیا یہ جائز ہے کہ میں کاغذ پر کچھ دعائیں لکھ لوں اور انہیں نماز میں اور نماز سے باہر دیکھ کر پڑھ لیا کروں؟

جواب اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اگر زبانی یاد نہ ہو تو انسان کاغذ سے دیکھ کر دعا پڑھ لے' یعنی کاغذ پر دعا لکھ لے اور اپنے پسندیدہ اوقات مثلاً رات میں یا رات کے آخری حصہ میں یا دیگر اوقات میں پڑھ لے۔ لیکن اگر اس کے لیے دعا کو زبانی یاد کرنا اور خشوع و خضوع سے دعا کرنا ممکن ہو تو یہ زیادہ مکمل صورت ہے۔ نماز میں افضل و بہتر صورت تو یہی ہے کہ دعا زبانی کی جائے اور دعاؤں کے الفاظ مختصر اور جامع ہوں' لیکن اگر کوئی حالت تشہد میں یا دونوں سجدوں کے درمیان کاغذ سے دیکھ کر دعا پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن دعا زبانی یاد ہو تو اس سے زیادہ خشوع و خضوع پیدا ہو سکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

صدقہ کرنے والے کے لیے دعا

سوال بعض لوگ صدقہ حاصل کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں' تو وہ مال صدقہ پر ہاتھ رکھ کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص صدقہ کرنے والے کے لیے دعا کرتا ہے اور دوسرے لوگ بلند آواز سے آمین کہتے ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ صورت درست نہیں کیونکہ یہ بدعت ہے۔ لیکن مال صدقہ پر ہاتھ رکھے بغیر اور مذکورہ صورت میں جمع ہو کر بلند آواز سے دعا کیے بغیر صدقہ کرنے والے کے لیے دعا کرنا صحیح ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ» (سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله عزوجل، ح:١٦٧٢ وسنن النسائي، ح:٢٥٦٨)

"جو شخص بھی تمہارے ساتھ نیکی کرے تم اسے بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے اس قدر دعا کرو کہ تمہیں محسوس ہو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

خطبہ کی دعا میں ہاتھ اٹھانا

سوال امام جب خطبۂ جمعہ میں دعا کر رہا ہو تو اس وقت ہاتھ اٹھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا

تھا کہ ایک شخص نے نماز کے بعد مجھے اس سے منع کر دیا مگر اس نے ممانعت کی کوئی دلیل پیش نہیں کی؟

جواب خطبہ کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا غیر مشروع ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا اس وقت انکار کیا جب بشر بن مروان نے خطبہ جمعہ میں اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تھا' دوران خطبہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا صرف دو حالتوں میں ثابت ہے۔ استسقاء کے وقت یعنی بارش کے لیے دعا کے وقت اور بارش بند ہونے کی دعا کے وقت اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ ایک آدمی اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور اس نے عرض کیا اموال ضائع ہو گئے--- الخ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے اور دعا فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آدمی اگلے جمعہ میں بھی آیا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ! مال غرق ہو گیا ہے--- الخ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا»(صحيح البخاري، الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، ح:٩٣٣ وصحيح مسلم صلوة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، ح:٨٩٧)

"اے اللہ! ان بادلوں کو ہم سے دور ہٹا کر ہمارے گردو پیش میں لے جا---" الخ

خطیب دعا کے لیے صرف ان دو موقعوں پر اپنے ہاتھوں کو اٹھا سکتا ہے اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ صرف اسی وقت ہاتھ اٹھائیں جب خطیب ہاتھ اٹھائے' کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی صرف اسی وقت ہاتھ اٹھائے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہر درس کے بعد اجتماعی دعا

سوال قراءت قرآن مجید کے فوراً بعد اجتماعی صورت میں دعا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً یہ کہ ایک شخص دعا کرے اور باقی لوگ آمین کہیں اور اسی طرح کسی بھی انقطاع کے بغیر ہر درس اور ہر وعظ کے فوراً بعد دعا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس طرح دعا کرنے والوں کا آیت کریمہ ﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ--- الْاٰيَة ﴾ سے استدلال ہے؟

جواب اصل یہ ہے کہ اذکار اور عبادات توقیفی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اسی طرح کی جائے' جس طرح حکم شریعت ہے۔ اسی طرح ان کے اطلاق' وقت کی پابندی' کیفیت اور تعداد کے سلسلہ میں بھی حکم الٰہی کی پابندی از بس ضروری ہے۔ یعنی اذکار' دعاؤں اور دیگر تمام عبادات کے سلسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ انہیں شریعت نے مطلقاً ادا کرنے کی اجازت دی ہے یا انہیں وقت' عدد' جگہ یا کیفیت کی کسی پابندی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اگر مقید کیا ہے تو ہمیں اس کی پابندی کرنا پڑے گی اور اگر مقید نہیں کیا تو ہمارے لیے از خود کسی خاص کیفیت یا وقت یا تعداد کی پابندی عائد کر لینا جائز نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں ہمیں بھی اس عبادت کو اس طرح مطلقاً کرنا ہو گا' جس طرح اس کے بارے میں حکم شریعت وارد ہے اور جس عبادت کے لیے وقت' تعداد' جگہ یا کیفیت کی پابندی قولی یا عملی دلائل سے ثابت ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طرح کریں گے' جس طرح کہ وہ شرعاً ثابت ہے۔

(اس اصول کے بعد یاد رکھیئے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً فرض نمازوں کے بعد' قراءت قرآن کے فوراً بعد یا

ہر درس کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت نہیں ہے' خواہ اس کی صورت یہ ہو کہ امام دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں یا تمام مقتدی ہی اجتماعی طور پر دعا کریں۔ یہ طریقہ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں ہے' لہٰذا جو شخص فرض نمازوں کے بعد یا ہر قراءت قرآن کے بعد یا ہر درس کے بعد اجتماعی دعا کی پابندی کرتا ہے تو وہ بدعت کا ارتکاب کرتا اور دین میں ایک ایسی نئی چیز پیدا کرتا ہے جو دین میں سے نہیں ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح:١٨/١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

اور فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح:١٨/١٧١٨ واللفظ له)

"جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

جن لوگوں کو آپ نے نصیحت کی ہے اور انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ... الآية ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے (نصیحت ماننے سے) انکار کر دیا ہے تو ان کے لیے اس آیت میں کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ استدلال ایک ایسی مطلق نص سے ہے' جس میں اس کیفیت کی تعیین نہیں ہے' جس کی انہوں نے اپنی دعاؤں میں پابندی شروع کر رکھی ہے اور مطلق کے سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ عمل اس کے اطلاق کے مطابق ہو' اس میں کسی مخصوص حالت کا التزام نہ کیا جائے۔ اگر اس میں کسی مخصوص کیفیت کی پابندی لازم ہوتی تو نبی ﷺ ضرور اس کی پابندی فرماتے اور پھر آپ کے بعد آپ کے خلفاء بھی اس پابندی کا التزام فرماتے اور قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بات آپ سے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قطعاً ثابت نہیں ہے اور (یہ بات طے شدہ ہے کہ) ساری خیر و برکت رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت کی اتباع اور پیروی میں ہے' جب کہ ساری کی ساری خرابی ان کی سیرت کی مخالفت اور ان بدعات کی پیروی میں ہے' جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، ح:٢٦٧٦)

"نئی نئی باتوں سے بچو کیونکہ (دین میں ایجاد کی جانے والی) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت (گمراہی) ہے۔"

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کے بعد امام کا دعا کرنا

سوال بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی کو عبدالرحمٰن مظہری کی طرف سے حسب ذیل استفسار موصول ہوا ہے کہ "ہم

بعض علاقوں میں دیکھتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ امام دعا کرتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ امید ہے آپ دلائل سے یہ واضح فرمائیں گے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟"

جواب تمام عبادات توقیفی ہیں لہٰذا کسی عبادت کے اصل' عدد' کیفیت اور جگہ کو اسی وقت مشروع قرار دیا جا سکتا ہے' جب وہ عبادت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ سوال میں مذکور دعا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی قولی' فعلی یا تقریری سنت ثابت نہیں ہے (لہٰذا یہ جائز نہیں ہے) اور ہر طرح کی خیر و بھلائی صرف اور صرف آپ کی سنت ہی کی پیروی میں ہے اور اس مسئلہ میں دلائل کے ساتھ آپ کی جو سنت ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ آپ اس انداز میں دعا نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین' حضرات صحابہ کرام اور تابعین کی سنت بھی یہی ہے کہ وہ اس طرح دعا نہیں کیا کرتے تھے اور طے شدہ اصول یہ ہے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف عمل کرے' وہ مردود ہے جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح: ١٧١٨/١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

لہٰذا جو امام بھی سلام پھیرنے کے بعد دعا کرے' مقتدی اس کی دعا پر آمین کہیں اور سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا رکھے ہوں' تو اس امام سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے' جس سے وہ اپنے اس عمل کو ثابت کر سکے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر یہ عمل مردود ہو گا۔

اس اصولی بات کے بعد ہم نبی ﷺ کی سیرت کی چند جھلکیاں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں' آپ کا معمول یہ تھا کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ تین بار اَستَغفِرُاللّٰہَ پڑھتے اور پھر یہ پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ»(صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح: ٥٩١، ٥٩٢ وجامع الترمذي، ح: ٣٠٠)

"اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و انعام فرمانے والے۔"

امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ نماز کے بعد استغفار کیسے پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ پڑھا کرتے تھے: اَستَغفِرُاللّٰہَ ' اَستَغفِرُاللّٰہَ یہ مسلم' ترمذی اور نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں اور نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد یہ استغفار پڑھا کرتے تھے۔ [1] ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فراغت پاتے تو اللہ تعالیٰ سے تین بار استغفار کرتے اور پھر فرماتے اَللّٰھُمَّ اَنتَ السَّلَامُ [2] ابوداود اور نسائی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو فرماتے:

---

[1] صحیح مسلم' الصلاۃ' باب مایستعاذ منہ فی الصلاۃ' حدیث : 591 و جامع الترمذی' الصلاۃ' حدیث : 300 و سنن النسائی' الصلاۃ' حدیث : 1338

[2] سنن ابی داود' الصلاۃ' باب مایقول الرجل اذا سلم' حدیث : 1513

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ»(سنن أبي داود، الوتر، باب ما يقول الرجل إذا سلم، ح:١٥١٢ وسنن النسائي، السهو، باب الذكر بعد الاستغفار، ح:١٣٣٩)

”اے اللہ! تو ہی سلامتی عطا فرمانے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و انعام فرمانے والے۔“

صحیح مسلم کی روایت میں ہے' جو کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وَرّاد سے ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط میں یہ املاء کروایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»(صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤٤ وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩٣)

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' سارا ملک اسی کا ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تیری پکڑ سے بچا نہیں سکتی۔“

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے' جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر نماز میں سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَلاَ نَعْبُدُ إِلاَّ إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ»(صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩٤)

”اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کا سارا ملک ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی بھی کام (یعنی گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے) کی طاقت و قوت اللہ کی مدد کے بغیر میسر نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' ہم صرف اس کی عبادت کرتے ہیں اس کی (دی ہوئی سب) نعمتیں ہیں' اس کا ہم پر فضل و احسان ہے اور اسی کے لیے سب اچھی تعریفیں ہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' ہم تو پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے دین کے پیروکار ہیں خواہ کافروں کو برا لگے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے اور صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ' تینتیس بار الحمد للہ' تینتیس بار اللہ اکبر پڑھے اور پھر سو کی گنتی کو پورا کرنے کے لیے ایک بار یہ پڑھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ‘‘ (صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، ح:٥٩٧)

’’اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے‘ وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں‘ سارا ملک اسی کا ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں‘ خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ جو شخص اس سلسلہ میں مزید دعائیں معلوم کرنا چاہے‘ تو اسے چاہیے کہ وہ جامع کتب حدیث مثلاً جامع الاصول‘ مجمع الزوائد‘ المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ وغیرہ کے کتاب الادعیہ کا مطالعہ کرے۔ وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ وسلم علی نبینا و صحبہ اجمعین۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اللہ تعالیٰ سے قرآن کے ساتھ دعا کرنا

سوال کیا انسان کے لیے اس طرح دعا کرنا جائز ہے: اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ--- ’’اے اللہ! میں تیرے ہر اس نام کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ تو نے اپنی ذات گرامی کو موسوم کیا ہے یا جسے تو نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے--- الخ کہ تو قرآن کے ساتھ مجھے تنگی کے بعد کشادگی‘ غم کے بعد خوشی اور سختی کے بعد آسانی عطا فرما؟

جواب اس دعا میں کوئی حرج نہیں۔ یہ دعا مسند احمد وغیرہ کی صحیح حدیث میں موجود ہے۔ [1] دعا کے آخری الفاظ میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء‘ ہدایت اور رحمت بنایا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا

سوال کیا یہ قبولیت دعا کی شرطوں میں سے ہے کہ ہاتھوں کو اٹھا لیا جائے اور منہ قبلہ رخ کیا جائے؟

جواب بوقت دعا دونوں ہاتھوں کو اٹھانا اور منہ قبلہ رخ کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ قبلہ سب سے افضل جہت ہے لیکن قبولیت دعا کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ ہاتھوں کو ضرور اٹھایا جائے اور منہ قبلہ رخ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مخلص مسلمان کی دعا کو شرف قبولیت سے ضرور نوازتا ہے خواہ وہ ہاتھوں کو نہ اٹھائے اور قبلہ کی طرف منہ نہ بھی کرے اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ جو ہاتھوں کو اٹھا کر اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرے گا‘ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرما لے گا‘ کیونکہ قبولیت سے کئی اور امور بھی مانع ہو سکتے ہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بچوں کو بد دعا دینا

سوال جب بچوں سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے‘ تو بہت سے والدین انہیں بد دعا دینے لگ جاتے ہیں۔ امید ہے اس حوالہ سے آپ ان کی راہنمائی فرمائیں گے؟

---

[1] مسند احمد: 391/1‘ 452

جواب ہم والدین کو یہ نصیحت کریں گے کہ ان کی اولاد سے بچپن میں جب کوئی کوتاہی ہو جائے' تو معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں اور اگر وہ کوئی ناشائستہ گفتگو کریں یا کسی اور طرح سے تکلیف دیں تو صبر کریں کیونکہ بچے عقل کے کچے ہوتے ہیں' قول و فعل میں ان سے غلطی ہوتی رہتی ہے۔ باپ اگر حلیم ہو گا' بچے کی غلطی کو معاف کر دے گا اور اسے نرمی' محبت اور شفقت سے سمجھائے گا' تو بچہ بھی اسے یقیناً قبول کر کے مؤدب بن جائے گا' لیکن عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ بچوں کی غلطی تو چھوٹی ہوتی ہے مگر اس کے مقابلہ میں والدین بڑی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کے لیے موت' بیماری یا آفتوں اور مصیبتوں کی بد دعائیں کرنے لگتے ہیں اور پھر بڑی کثرت کے ساتھ اس طرح کی بد دعائیں کرتے ہیں' لیکن جب ان کا غصہ فرو ہوتا ہے تو انہیں افسوس ہوتا ہے اور اپنی غلطی کا احساس بھی اور وہ اعتراف کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کی یہ بد دعائیں قبول ہوں' کیونکہ پدری محبت و شفقت کا تقاضا یہی ہوتا ہے اور انہوں نے جو بد دعا دی تھی تو یہ شدت غضب کی وجہ سے تھی' اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۱)

"اور اگر اللہ لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔"

والدین کے لیے واجب ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں اور مار پیٹ کر بچوں کو ادب سکھالیا کریں' کیونکہ بچہ تادیب و تعلیم کی نسبت مار پیٹ سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے۔ جہاں تک بد دعاء کا تعلق ہے تو اس سے اسے نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے' لہٰذا جو والد نے کہا ہو گا وہ اس کے ذمہ لکھا جائے گا اور بچے کو اس سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میری دعا قبول نہیں ہوتی

سوال میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک وقتاً فوقتاً یہ دعا کرتی رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک شوہر اور نیک اولاد عطا فرمائے لیکن میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ اب کچھ عرصہ سے میں نے یہ دعا کرنی چھوڑ دی ہے۔ دعا کے قبول ہونے سے مایوس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا تو یہ اس لیے کہ اس دعا کی قبولیت میرے حق میں بہتر نہیں ہے' لہٰذا میں نے یہ طے کیا ہے کہ میں اب اس دعا کو ختم کر دوں' کیونکہ اس دعا کی قبولیت کی شدید خواہش کے باوجود اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ میرے حق میں کون سی بات زیادہ بہتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں میرے لیے کیا واجب ہے؟ کیا دعا کے سلسلہ کو جاری رکھوں یا اس بات پر قانع ہو جاؤں کہ یہ دعا میرے حق میں بہتر نہیں ہے لہٰذا اسے چھوڑ دوں؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ بندے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے بشرطیکہ وہ جلدی نہ کرے [1] اور جلدی

[1] صحیح البخاری' الدعوات' باب یستجاب للعبد مالم یعجل' حدیث : 6340 و صحیح مسلم' الذکر والدعاء' باب بیان انه یستجاب للداعی مالم یعجل---' حدیث : 2735

کرنے کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ بندہ قبولیت میں تاخیر کو دیکھ کر مایوس ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے اور کہے کہ میں نے بہت دعا کی ہے مگر میری دعا تو قبول ہی نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ بسا اوقات کچھ خاص یا عام اسباب کے باعث اللہ تعالیٰ دعا کی قبولیت کو مؤخر کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرما دیتا ہے (۱) بندے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اس کے سوال کو پورا فرما دیتا ہے۔ (۲) دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا لیتا ہے یا (۳) اس کے بقدر اس سے اللہ تعالیٰ کسی شر کو دور فرما دیتا ہے' لہٰذا اے بہن! گزارش یہ ہے کہ آپ جلدی نہ کریں۔ دعا کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھیں خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں' نیز جب کفو (ہم پلہ) رشتہ آئے تو اس کا انکار نہ کریں خواہ رشتہ طلب کرنے والا بڑی عمر کا یا پہلے سے شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو' امید ہے اللہ تعالیٰ اسی میں خیر کثیر پیدا فرما دے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں خالص دنیوی امور کے لیے دعا

سوال کیا نماز میں خالص دنیوی امور کے لیے دعا کرنا جائز ہے؟ یہ دعا کس طرح کی جائے یعنی کیا بہتر یہ ہے کہ انسان نماز کے ختم ہونے کے بعد دعا کرے یا تشہد اول کے بعد دعا کرے یا سجدوں میں دعا کرے؟

جواب دنیوی امور مثلاً محض دنیوی خواہشات' کثرت مال اور خوبصورت بیوی وغیرہ کے بارے میں نماز میں دعا کرنا جائز نہیں ہے' ہاں البتہ اگر زندگی کے ان ضروری امور کی اسے اس لیے ضرورت ہو تاکہ دینی امر میں ان سے کام لے سکے مثلاً ایسی دعا سے مقصود عفت و عصمت کی حفاظت' لوگوں سے بے نیازی اور اپنے چہرے کو لوگوں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچانا ہو تو پھر ایسی دعا نماز کے اندر اور باہر دونوں طرح جائز ہے۔ فرض نمازوں کے بعد مسنون یہ ہے کہ ان اذکار کو پڑھا جائے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آخری تشہد اور سجدوں میں دعا مانگنا مسنون ہے اور یہ قبولیت دعا کے مقامات ہیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

یہ دعا غیر مقبول ہے

سوال میں نفل روزے رکھتی ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ میری ان غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرما دے جو میرے علم کے بغیر مجھ سے صادر ہوتی رہتی ہیں۔ الحمد للہ! میں دینی احکام کی پابند ہوں' لیکن (عجیب بات یہ ہے کہ) میری والدہ یہ دعا کرتی رہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے روزوں کو قبول نہ فرمائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ یہ دعا کیوں کرتی ہیں' حالانکہ میرے یہ روزے گھر کے کام کاج پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے۔ میری والدہ میری محتاج بھی نہیں ہیں' لیکن ان کی اس دعا کی وجہ سے میں بہت حیران و پریشان ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے روزوں کو قبول بھی فرمائے گا یا نہیں کیونکہ والدین کی دعا تو قبول ہوتی ہے۔ آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب آپ جو عبادات اور نفل روزوں کا اہتمام فرماتی ہیں' ہم اسے بنظر تحسین دیکھتے ہیں۔ آپ حتی المقدور انہیں بجا

لاتی رہیں اور اپنی والدہ صاحبہ سے معذرت کریں کہ روزہ ایک نیک عمل ہے اور جب یہ آپ کے ساتھ نیکی' آپ کی خدمت اور آپ کے حقوق ادا کرنے سے نہیں روکتا تو آپ اس سے منع نہ کریں' بلکہ آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ آپ مجھے اس کی ترغیب دیں' بلکہ ممکن ہو تو آپ خود بھی نفل روزے رکھیں' کیونکہ درجات کی بلندی اور گناہوں کے کفارہ کے لیے اسے بھی نفل نماز و روزہ اور عبادت کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی والدہ کی دعا کا جو ذکر کیا ہے تو امید ہے کہ یہ دعا قبول نہیں ہو گی کیونکہ روزہ تو ایک بہت اچھا اور صالح عمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا سے ان کا مقصود آپ پر رحمت و شفقت ہی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

سوال میں دو سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور دوسرا یہ کہ عورت کے مرد سے مصافحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں صحیح احادیث موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں جو احادیث موجود ہیں' وہ ضعف سے خالی نہیں ہیں لہٰذا زیادہ راجح اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو منہ پر نہ پھیرا جائے۔ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سلسلے میں اگرچہ احادیث ضعیف ہیں تاہم ان کے بعض طرق سے دوسرے طرق کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے وہ قوی ہو کر حسن لغیرہ کے قبیل میں سے ہو جاتی ہیں' جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "بلوغ المرام" کے آخری باب میں ذکر فرمایا ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں صحیح احادیث نہیں ہیں' نبی ﷺ نے ایسا نہ نماز استسقاء میں کیا اور نہ ان دیگر موقعوں پر جہاں آپ نے دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے مثلاً صفا اور مروہ کے پاس' عرفات میں' مزدلفہ میں اور جمرات کے پاس کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ نے ان موقعوں پر اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیرا ہو' تو اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرے خواہ وہ مصافحہ کے لیے خود اپنا ہاتھ آگے کیوں نہ بڑھا دے۔ ایسی صورت میں اسے یہ بتا دے کہ اجنبی مردوں سے مصافحہ جائز نہیں ہے بلکہ مصافحہ صرف محرم مردوں' مثلاً بھائی اور چچا وغیرہ سے جائز ہے۔ اجنبی مرد اور عورت کا آپس میں مصافحہ جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح:٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اسی طرح صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلاَمِ»(صحيح البخاري،

الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة... الخ، ح:٥٢٨٨)

"رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا۔ آپ ان سے زبانی گفتگو کے ساتھ بیعت لے لیا کرتے تھے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔"

شیخ ابن باز

حصول رزق کے لیے دعا

سوال حصول رزق اور اس میں برکت کے حصول کے لیے کون سی دعا ہے؟

جواب حصول رزق کے لیے مجھے کوئی خاص دعا معلوم نہیں' البتہ اللہ تعالیٰ کا ڈر حصول رزق کا سب سے قوی سبب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اسی طرح آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ آپ کو حلال' پاکیزہ اور بابرکت رزق عطا فرمائے' بلاشبہ اللہ تعالیٰ خشوع و خضوع سے دعا کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٦)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجئے) بلاشبہ میں (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

بہرحال اللہ تعالیٰ کا ڈر اختیار کرنا اور اس سے دعا کرنا حصول رزق کا اہم سبب ہے۔

شیخ ابن عثیمین

سینے کی تنگی سے نجات کے لیے دعا

سوال وہ کون سی دعا ہے جس سے انسان سینہ کی تنگی سے نجات حاصل کر سکے؟

جواب غم کو دور کرنا' پریشانی سے نجات دینا اور سینہ کو کھول دینا صرف اللہ وحدہ کے ہاتھ میں ہے' لہٰذا آپ جب کسی

کرب یا سینہ کی تنگی میں مبتلا ہوں تو اللہ وحدہ کی طرف رجوع کریں اور اس سے دعا کریں کہ وہ آپ کی پریشانی کو دور فرمائے' نیز اس سلسلہ میں وہ کریں جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ کو جب کوئی غم و فکر لاحق ہوتا تو آپ نماز پڑھنا شروع کر دیتے' نیز آپ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ غم و فکر کے وقت ہم یہ دعا پڑھا کریں:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ»(صحيح البخاري، الدعوات، باب الدعاء عند الكرب، ح:٦٣٤٦ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب دعاء الكرب، ح:٢٧٣٠)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت ہی بزرگ اور بڑا ہی بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور عرش کریم کا مالک ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

کافر کے لئے بد دعا کرنا

سوال کیا مرتد اور کافر کے لیے موت' ہلاکت' اور عذاب کی بد دعا کی جائے یا اس کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے؟ نیز اس کے لیے دعا کب کی جائے اور بد دعا کب؟

جواب اگر یہ مرتد بندگان الٰہی کو ایذا پہنچائے اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے تو پھر اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی ہلاکت اور بربادی کی بد دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو پھر زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کی تباہی اور ہلاکت کی بددعا کی بجائے اس کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے۔ حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ مرتدین کو اسلام کی دعوت دیں' انہیں غور و فکر کے لیے تین دن کی مہلت دیں ---اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ مرتدین کو مہلت نہ دی جائے بلکہ فوراً قتل کر دیا جائے تو حکمرانوں کو اس کا بھی اختیار ہے--- اگر مہلت گزر جائے اور مرتد ارتداد ہی پر اصرار کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله، ح:٣٠١٧)

"جو اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو۔" دعا اور بد دعا کے اعتبار سے کافر اور مرتد کا ایک ہی حکم ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

۲۹

البرّ والصّلة

نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

والدین کے حوالہ سے اولاد کا فرض

سوال میری نانی فوت ہو گئی ہیں' مجھے ان سے بڑی محبت تھی' میں انہیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ ان کے حوالہ سے مجھ پر کیا واجب ہے' جسے ادا کر کے میں یہ محسوس کروں کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟

جواب آپ کے لیے مشروع یہ ہے کہ ان کے لیے دعا' استغفار' صدقہ' حج اور عمرہ کریں۔ ان تمام اعمال سے انہیں نفع حاصل ہو گا--- اللہ تعالیٰ آپ کے ان اعمال کو قبول فرمائے اور آپ کو اجر و ثواب سے نوازے--- ان کا آپ پر یہ بھی حق ہے کہ اگر انہوں نے کوئی شرعی وصیت کی ہو تو آپ ان کی وصیت کے مطابق عمل کریں' ان کی سہیلیوں کی عزت کریں اور ان کی طرف سے آپ کے جو رشتہ دار ہیں مثلا ماموں' خالہ اور ان کی اولاد تو ان سے صلہ رحمی کریں کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ والدین کے ساتھ نیکی کی کوئی ایسی صورت باقی ہے' جسے میں ان کی وفات کے بعد بھی جاری رکھ سکوں؟ تو آپ نے فرمایا:

«نَعمْ، الصَّلاَةُ عَلَيْهِمَا وَالاستِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِيفَاءٌ بِعُهُودِهِمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لاَ تُوصَلُ إِلاَّ بِهِمَا»(سنن أبي داود، الأدب، باب في بر الوالدين، ح: ٥١٤٢ وسنن ابن ماجه، الأدب، باب صل من كان أبوك يصل، ح: ٣٦٦٤ واللفظ له)

"ہاں! ان کے لیے رحمت کی دعا کرو' ان کی بخشش کی دعا کرو' ان کے بعد ان کے وعدے کو پورا کرو' ان کے دوستوں کی عزت کرو اور ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو' جن سے رشتہ دار انہی کی وجہ سے ہو۔"

——— شیخ ابن باز ———

اللہ کے سامنے توبہ کرو

سوال ایک مرتبہ میں اپنی والدہ سے ناراض ہوا اور میں نے اپنے بڑے بھائی کے سامنے یہ الفاظ کہہ دیے اللہ کی قسم اگر یہ میری ماں نہ ہوتی تو میں اسے آگ سے جلا دیتا۔ کیا اس بات کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا' مجھے اس بات کی وجہ سے بہت ندامت ہے؟

جواب بے شک یہ ایک بد ترین بات ہے جو گناہ کبیرہ کا باعث ہے' کیونکہ اس میں ایک ایسے بڑے کام کی قسم ہے' جو کفار کے حوالہ سے بھی جائز نہیں ہے۔ یعنی آگ سے جلانا' پھر اس میں والدہ کی نافرمانی بھی ہے' حالانکہ ان کا حق بہت زیادہ ہے۔ آپ پر واجب یہ تھا کہ ان کی بات پر تحمل کا مظاہرہ کرتے' ان کی ناراضی کے مقابلہ میں رضامندی و نرمی اور نرم و شائستہ الفاظ استعمال کرتے' لہٰذا اب آپ پر واجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کریں' آپ سے جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار کریں اور

والدہ سے معافی طلب کریں' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کر کے ان کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس سے والدہ نے مطالبہ کیا کہ---

سوال ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے' لیکن اب اس کی والدہ نے اس سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اس کا کوئی سبب یا دین کے اعتبار سے کوئی عیب بھی نہیں بلکہ والدہ نے محض ذاتی خواہش کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا ہے۔ شوہر کی بہن اور بعض دیگر اہل خیر نے والدہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ وہ مطمئن نہیں ہوئی' بلکہ گھر سے نکل کر اپنی بیٹی کے ہاں چلی گئی۔ والدہ کے گھر سے جانے کی وجہ سے اس شخص کو بہت پریشانی ہے' جب کہ بیوی سے بھی اسے بہت محبت ہے' اس میں اس نے کوئی خرابی بھی نہیں دیکھی' لہٰذا آپ فتویٰ عطا فرمائیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر امر واقع ایسے ہی ہے' جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس کی بیوی کے حالات صحیح ہیں' یہ اسے پسند کرتا اور اس سے بہت محبت کرتا ہے' اس نے اس کی ماں سے کوئی برا سلوک بھی نہیں کیا بلکہ اس کی والدہ محض ذاتی خواہش کی وجہ سے اسے ناپسند کرتی ہے تو اسے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی معمول کے مطابق بسر کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں ماں کے مطالبہ پر طلاق دینا لازم نہیں ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت و فرماں برداری صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

اسے چاہیے کہ اپنی ماں سے نیکی کرے' ان سے ملاقات کر کے ان سے صلہ رحمی کرے' ان سے نرمی و شائستگی کے ساتھ پیش آئے' ان پر خرچ کرے' ان کی ضروریات کا خیال رکھے جس سے انہیں شرح صدر حاصل ہو اور وہ خوش ہو جائیں۔ البتہ بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔ واللہ المستعان' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گھر سے نکلنے سے پہلے اجازت لے لو

سوال کیا والدین کی اطاعت ہر کام میں ضروری ہے' یعنی مثلاً گھر سے نکلتے اور کام کاج کے لیے جانے کے وقت بھی ان سے اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب والدین کی اطاعت واجب ہے' بشرطیکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا کسی واجب عبادت کا ترک لازم نہ آتا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣-٢٤)

"اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جیسے انہوں نے میری بچپن میں (شفقت سے) پرورش کی ہے تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَـٰهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَآ ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٨)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی' اگر وہ تیرے ساتھ کوشش کریں (تجھ پر دباؤ ڈالیں) کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے' جس کا تجھے کوئی علم نہیں' تو ان کی اطاعت نہ کر۔"

نیکی یہ ہے کہ والدین کی خدمت کی جائے' حسب مقدور ان کے حکم کو مانا جائے اور ان پر شفقت و رحمت کی جائے۔ سفر غیر واجب مثلاً نفل جہاد' سفر تجارت یا سفر سیاحت کے لیے ان سے اجازت لینا بھی نیکی میں داخل ہے اور اگر سفر واجب ہو۔ مثلاً دفاع کے لیے جہاد یا دیگر تمام شرطیں مکمل ہونے کی صورت میں فرض حج کے لیے سفر اور واجب طلب علم کے لیے سفر تو اس کے لیے ان کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا بھی جائز ہے' مگر افضل یہی ہے کہ والدین کو قائل کیا جائے اور ان کے سامنے مصلحت اور اس سفر کے حکم کو بیان کیا جائے تاکہ ان کی رضامندی بھی حاصل کی جا سکے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ»(جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء من الفضل في رضا الوالدين، ١٨٩٩)

"رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

ماں کے تین اور باپ کا ایک حق ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے ماں کو باپ پر کیوں ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کے تین اور باپ کا ایک حق قرار دیا ہے؟

جواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ» (صحيح البخاري، الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، ح:٥٩٧١ وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين وأيهما أحق به، ح:٢٥٤٨ واللفظ له)

"میرے حسن صحبت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟

آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«أُمُّكَ، ثُمَّ أُمُّكَ، ثُمَّ أُمُّكَ، ثُمَّ أَبُوكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به، ح:٢٥٤٨)

"تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر جو شخص جس قدر زیادہ قریب ہے، وہ اسی قدر زیادہ مستحق ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے بڑھ کر ہے کہ آپ نے ماں کے حق کو تین بار قرار دیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ماں نے حمل، وضع حمل، دودھ پلانے، دودھ چھڑانے اور پرورش و تربیت کے سلسلہ میں بہت سی صعوبتوں اور مشقتوں کو برداشت کیا ہوتا ہے اور باپ نے جو نفقہ اور تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دیے، ان کی وجہ سے اس کا ایک حق مانا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میں ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر---

سوال میں ایک شوہر دیدہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میرے والد راضی ہیں، عورت اور اس کے گھر والے بھی اس شادی سے متفق ہیں، مگر میری والدہ اس سے متفق اور راضی نہیں ہیں۔ تو کیا والدہ کی رضامندی سے قطع نظر میں اس عورت سے شادی کر لوں یا نہ کروں؟ اور کیا شادی کرنے کی صورت میں میں اپنی والدہ کا نافرمان شمار ہوں گا؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب والدہ کا حق بہت عظیم ہے اور اس سے نیکی کرنا اہم واجبات میں سے ہے۔ لہٰذا میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اس عورت سے شادی نہ کریں، جسے آپ کی والدہ پسند نہیں کرتی، کیونکہ لوگوں میں سے آپ کی سب سے زیادہ خیر خواہ آپ کی والدہ ہی ہیں۔ ممکن ہے انہیں اس عورت کے کچھ ایسے عادات و خصائل کا علم ہو جو آپ کے لیے نقصان دہ ہوں اور پھر اس کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں۔ (عورتوں کی کوئی کمی نہیں) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

بلاشبہ والدہ سے نیکی بھی تقویٰ ہے، الّا یہ کہ والدہ اہل دین میں سے نہ ہو اور منگیتر اہل دین میں سے ہو تو پھر اس صورت میں والدہ کی اطاعت لازم نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت و فرمانبرداری صرف نیکی میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے لیے اس کام کو آسان فرما دے جس میں آپ کی بہتری اور آپ کے لیے دین و دنیا کی سلامتی ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

نشہ باز والد کو مارنا

سوال میرا والد منشیات کو استعمال کرتا ہے۔ ایک بار اس نے حالت نشہ میں میری والدہ کو مارنا شروع کر دیا تو میں نے والدہ کو چھڑانے کے لیے اپنے باپ کو مارنا شروع کر دیا اور پھر ان دونوں کو گھر سے نکال دیا۔ سوال یہ ہے کہ میں نے اس حالت میں اپنے والد کو جو مارا' تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس کرے گا؟

جواب اس سوال کے جواب کے ایک حصے کا تعلق باپ سے ہے اور دوسرے کا تعلق بیٹے سے ہے۔ باپ سے میں یہ کہوں گا کہ شراب نوشی سے اجتناب کرو' کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے والے پر لعنت فرمائی ہے [1] اور آپ نے فرمایا ہے کہ اسے پینا حرام ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحۡذَرُواْۚ فَإِن تَوَلَّيۡتُمۡ فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلۡبَلَٰغُ ٱلۡمُبِينُ ﴿٩٢﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٩٠_٩٢)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال نکالنے کے تیر (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یقیناً شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے' تو کیا تم (ان کاموں سے) باز رہو گے؟ اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو' اگر منہ پھیرو گے تو جان لو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف (پیغام کا) کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

لہٰذا اس باپ کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ کے آگے توبہ کرے اور شراب نوشی سے باز آجائے قبل اس کے کہ اس کی موت آجائے اور پھر اسے ندامت ہو اور اس وقت کی ندامت کسی کام نہ آئے گی۔

بیٹے سے میری نصیحت یہ ہے کہ ماں کو چھڑانے کے لیے اس نے باپ کو جو مارا تو اس کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا' البتہ اگر باپ کو مارنے کے بغیر ماں کو چھڑانا ممکن تھا تو پھر اسے نہیں مارنا چاہیے تھا' کیونکہ باپ کو ماں کے مارنے سے منع کرنا حملہ آور کو دفع کرنے کے باب سے ہے' لہٰذا اسے نسبتاً آسان طریقے سے منع کیا جائے' سو اگر مارنے کے بغیر اسے منع کرنا ممکن ہو تو پھر مارنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر مارنے کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] سنن ابی داود' الاشربہ' باب العصیر للخمر' حدیث: 3674

میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر---

سوال میں نے ایک دین دار اور بااخلاق لڑکی کو شادی کے لیے پسند کیا ہے اور جب اس کے بارے میں میں نے اپنے والد کو بتایا تو انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ میں نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹ گئے اور جب میں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں اس کا کوئی سبب بھی نہیں۔ میں حیران ہوں کہ باپ کی اطاعت کرتے ہوئے اس لڑکی سے صرف نظر کر لوں' جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا تھا' حالانکہ اس سے مجھے اس لڑکی کے خاندان کی طرف سے نفسیاتی طور پر کئی تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا یا میں کیا کروں' امید ہے صحیح راستے کی طرف میری راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس سوال کا تقاضا ہے کہ ہم یہاں دو نصیحتیں کریں۔ ایک نصیحت تو آپ کے والد کے لیے ہے' جنہوں نے آپ کو اس عورت سے شادی سے منع کر دیا ہے' جس کے بارے میں آپ کا یہ کہنا ہے کہ وہ متدین اور بااخلاق ہے لہذا آپ کے والد کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ آپ کو اس عورت سے شادی کی اجازت دے دیں الا یہ کہ ان کے پاس ممانعت کے لیے کوئی شرعی سبب ہو اور وہ اسے بیان بھی کریں تاکہ آپ مطمئن ہو جائیں۔ آپ کے والد کو چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا اس طرح بھی جائزہ لیں کہ اگر ان کے والد انہیں کسی ایسی عورت سے شادی کرنے سے منع کر دیتے جو انہیں دین و اخلاق کے اعتبار سے پسند ہوتی' تو اس سے ان کے دل پر کیا گزرتی' لہذا اگر وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کے والد کی طرف سے ان پر کوئی ایسی پابندی عائد ہو تو ان کا بیٹا بھی پسند نہیں کرتا کہ اس پر اس کے والد کی طرف سے کوئی ایسی پابندی عائد ہو اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ... الخ، ح:٤٥)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

آپ کے والد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی شرعی سبب کے بغیر آپ کو اس عورت سے شادی کرنے سے منع کریں اور اگر اس کا واقعی کوئی شرعی سبب ہو تو وہ انہیں بیان کرنا چاہیے تاکہ آپ کے سامنے بھی ساری صورت حال واضح ہو۔

اسی طرح آپ کو میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر باپ کو راضی کرنے کے لیے اور اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آپ اس کے سوا کسی اور عورت سے شادی کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اور اگر آپ کے لیے یہ ممکن نہ ہو کیونکہ آپ کا دل اس عورت سے وابستہ ہو چکا ہو اور آپ کے لیے یہ بھی خدشہ ہو کہ اگر آپ نے اس کے علاوہ کسی اور عورت سے منگنی کی تو آپ کا باپ آپ کو اس سے بھی شادی سے منع کر دے گا کیونکہ بعض لوگوں کے دل میں غیرت اور حسد ہوتا ہے حتی کہ اپنے بیٹوں کے لیے بھی جس کی وجہ سے وہ انہیں اپنے ارادوں کے مطابق عمل کرنے سے روکتے ہیں--- بہرحال اگر آپ کے لیے ایسا کوئی خدشہ ہے تو پھر اس عورت سے شادی

کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ آپ کے والد اس شادی کو پسند نہ کریں، ممکن ہے کہ شادی کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں اور ان کا دل صاف ہو جائے۔ ہم آپ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اس کام کی توفیق عطا فرمائے جو آپ کے لیے بہتر ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ بھی نیکی ہے کہ والدہ کو---

سوال والد کی وفات کے بعد اب والدہ ہمارے ساتھ گھر میں مقیم ہیں۔ میری والدہ ناخواندہ ہیں جب انہیں اذکار یا چھوٹی سورتیں یاد کرائیں تو وہ انہیں صحیح طور پر یاد نہیں کر سکتیں یا انہیں سمجھ نہیں سکتیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ فرض اور نفل نماز و روزہ کی پابند ہیں لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ کرنے کا سب سے کامیاب طریقہ کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ نیکی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جا سکے، راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے؟

جواب آپ پر واجب ہے کہ اپنی والدہ کے ساتھ شرعاً اور عرفاً نیکی کریں۔ شرعاً نیکی کرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آپ انہیں وہ قولی اور فعلی عبادات سکھا دیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب قرار دیا ہے لیکن نہایت نرمی کے ساتھ سکھائیں۔ ان سے اگر کچھ کوتاہی بھی ہو تو درگزر کریں کیونکہ بسا اوقات معمولی کوتاہی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ماں کسی وجہ سے ناراض ہوں یا ڈانٹ ڈپٹ کریں تو اسے برداشت کریں اور یہ مطالبہ نہ کریں کہ وہ تھوڑے وقت میں درجۂ کمال تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ جو کمال تک پہنچنے کا ارادہ کرے تو اسے صبر کے ساتھ انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے کمال حاصل ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک واجب ہے

سوال عزت مآب جناب شیخ! میری اولاد نافرمان ہے حتیٰ کہ وہ میرے یا اپنی والدہ کے حوالہ سے کسی ادنیٰ واجب کو بھی ادا نہیں کرتے جب کہ ان کی والدہ معمر اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ہیں۔ امید ہے کہ آپ میری اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بتائیں گے کہ والدین کے حقوق کیا ہیں؟

جواب اولاد پر واجب ہے کہ وہ نیک کاموں میں اپنے والدین کی اطاعت کرے۔ ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کی معصیت اور نافرمانی نہ کرے الایہ کہ ان کا کوئی حکم شریعت مطہرہ کے خلاف ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا ﴾ (الإسراء ١٧/ ٢٣)

"اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ

إِلَيَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ (لقمان ٣١/ ١٤)

”اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

اور نبی ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا، قَالَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، ح:٥٩٧٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالٰى أفضل الأعمال، ح:٨٥)

”وقت پر نماز پڑھنا‘ عرض کیا کہ پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: والدین سے نیکی کرنا‘ عرض کیا‘ پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا‘ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔“

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ ثَلَاثًا ـ قُلْنَا: بَلٰی يَارَسُولَ اللهِ، قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، ح:٥٩٧٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٧)

”کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ آپ نے یہ تین بار فرمایا‘ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں‘ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا‘ والدین کی نافرمانی کرنا--- آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور اس کے بعد ٹیک ہٹا کر بیٹھ گئے اور فرمایا‘ آگاہ رہو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہ ہیں۔“

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کے بارے میں اور ان کی نافرمانی کے حرام ہونے کے بارے میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ ہر مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے‘ قول یا فعل کے ساتھ ان کی بے ادبی سے بچے اور نیک کاموں میں ان کی اطاعت بجالائے‘ جیسا کہ مذکورہ آیات و احادیث کا تقاضا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

وہ رشتہ دار جن سے صلہ رحمی واجب ہے

سوال وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن سے صلہ رحمی کرنا واجب ہے‘ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیوی کی طرف سے رشتہ دار ارحام میں سے نہیں ہیں؟

جواب ارحام سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کا نسب کے اعتبار سے ماں اور باپ کی طرف سے تعلق ہو۔ سورۃ الانفال

اور سورۃ الاحزاب کی حسب ذیل آیت میں یہی رشتہ دار مراد ہیں:

﴿ وَأُوْلُوا ٱلْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌۢ ﴿٧٥﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٧٥)

"اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہیں۔"

ان میں سے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار آباء' امہات' اجداد' اولاد اور نیچے تک ان کی اولاد ہیں۔ پھر قریبی بھائی اور ان کی اولاد۔ چچے' پھوپھیاں اور ان کی اولاد۔ ماموں' خالائیں اور ان کی اولاد ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب ایک سائل نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا:

«مَنْ أَبَرُّ قَالَ: أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَب»(سنن أبي داود، الأدب، باب في بر الوالدين، ح:٥١٣٩ وجامع الترمذي، البر وصلة، باب ما جاء في بر الوالدين، ح:١٨٩٧)

"میں کس سے نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا' اپنی ماں سے۔ پھر اپنی ماں سے' پھر اپنی ماں' پھر اپنے باپ سے' پھر جو شخص جس قدر زیادہ قریبی رشتہ دار ہے' اس سے (اسی قدر زیادہ نیکی کرو۔)"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ بیوی کے رشتہ دار شوہر کے لیے ارحام نہیں ہیں جب کہ قرابت دار نہ ہوں۔ البتہ وہ اس بیوی سے ہونے والی اس کی اولاد کے لیے ضرور ارحام ہوں گے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

میرے والدین آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں---

سوال میں پچیس سال کا ایک نوجوان ہوں' میرے والدین ساری زندگی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے ہیں۔ اگر میں ان میں سے ایک کے ساتھ حسن سلوک کروں تو دوسرا ناراض اور متنفر ہو جاتا ہے اور اگر دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤں تو پہلا ناراض ہو جاتا ہے اور مجھے نافرمان قرار دینے لگ جاتا ہے۔ شیخ محترم! میں کیا کروں تاکہ دونوں ہی سے حسن سلوک کر سکوں؟ کیا باپ کے ساتھ محض حسن سلوک کی وجہ سے میں ماں کا نافرمان یا ماں کے ساتھ محض حسن سلوک کی وجہ سے باپ کا نافرمان ہو جاؤں گا؟ امید ہے جواب سے نواز کر اجر و ثواب کے مستحق قرار پائیں گے۔

جواب اس سوال کے جواب میں گزارش ہے کہ انسان کے انسان پر جو واجبات ہیں' ان میں سب سے بڑا واجب والدین سے نیکی اور حسن سلوک ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱعْبُدُوا ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِۦ شَيْـًٔا ۖ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔" اور فرمایا:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔" اور فرمایا:

﴿ أَنِ ٱشْكُرْ لِي وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَيَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٤)

"میرا شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

اس موضوع سے متعلق احادیث بھی بہت زیادہ ہیں' بہرحال ہر شخص کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے والدین یعنی ماں اور باپ دونوں ہی سے بھلائی کرے' اپنے مال سے' بدن سے' مقام و مرتبے سے اور ہر اس چیز کے ساتھ جو اس کی استطاعت میں ہو' ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِى ٱلدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱٤ـ۱۵)

"اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید ہے کہ میرا ہی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے ساتھ کوشش کریں (تجھ پر دباؤ ڈالیں) کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا۔"

دیکھیے اس آیت کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرک والدین کا ساتھ دینے کا بھی حکم دیا ہے' جو اپنے بیٹے کو شرک کا حکم دے رہے ہوں' مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ایسے والدین کا بھی دنیا کے کاموں میں ساتھ دیا جائے۔ لہٰذا ان والدین کے بارے میں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور یہ کہ آپ ان میں سے ایک کے ساتھ نیکی کریں تو دوسرا ناراض ہوجاتا ہے۔ آپ پر دو کام واجب ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ مقدور بھر کوشش کریں کہ ان کا یہ لڑائی جھگڑا ختم ہو' کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق ہیں' جنہیں ادا کرنا واجب ہے۔ اگر آپ اس لڑائی جھگڑے کو ختم کرا سکیں تو یہ بھی والدین کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہوگی' اس سے گھر کا ماحول خوشگوار اور زندگی سعادتوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو جائے گی۔ دوسرا کام آپ پر یہ واجب ہے کہ آپ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کریں اور دوسرے کی ناراضی کو آپ اس طرح ختم کر سکتے ہیں کہ اسے اپنے حسن سلوک کے بارے میں علم نہ ہونے دیں۔ یعنی ماں سے نیک سلوک کریں تو باپ کو علم نہ ہونے دیں اور اگر باپ سے نیکی کریں تو ماں کو اس کی خبر نہ ہونے دیں۔ اس سے مطلوب و مقصود حاصل ہو جائے گا۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اسے پسند نہ کریں کہ آپ کے ماں باپ اپنے اس لڑائی جھگڑے کو باقی رکھیں اور اگر آپ ان میں سے کسی ایک سے حسن سلوک کریں تو دوسرا ناراض ہو۔ آپ کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ اپنے والدین میں سے ہر ایک کے سامنے یہ واضح کر دیں کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ آپ کی صلہ رحمی کے یہ معنی نہیں کہ آپ دوسرے سے قطع رحمی کر رہے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اللہ تعالیٰ کی اطاعت صلہ رحمی سے مقدم ہے

سوال میں نے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جانے کی نیت کی تو مکہ مکرمہ جانے کے وقت مجھ سے یہ کہا گیا کہ

ضروری ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے بھی ملاقات کروں تاکہ قطع رحمی نہ ہو تو میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمرہ کا ارادہ ترک کر دیا تاکہ مجھے اپنے شوہر کے بھائی کے سامنے نہ جانا پڑے' کیونکہ اس سے ملاقات کے لیے مجھے اس کے سامنے اپنا چہرہ ننگا کرنا پڑے گا' تو کیا میرا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔"

اس آیت میں اولوالامر کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کے تابع قرار دیا گیا ہے' لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت میں تعارض ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مقدم قرار دیا جائے گا کیونکہ خالق کی معصیت لازم آتی ہو تو پھر مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ اپنے شوہر کے بھائی کے سامنے آپ کے لیے منہ ننگا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ یہ حرام ہے' لہٰذا آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ اپنے چہرے کو چھپائیں خواہ اس کے لیے آپ کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع ہو جائیں' کیونکہ قطع تعلق کا سبب وہ خود بنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو پھر ان کی بات ماننا لازم نہیں ہے لہٰذا جو بات اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے' آپ وہ ادا کریں اور اگر حدود الٰہی قائم کرنے کی وجہ سے وہ آپ سے تعلقات منقطع کریں تو اس صورت میں ان کے مقابلہ میں آپ کامیاب ہیں اور ان پر بھی واجب یہ ہے کہ احکام الٰہی سن کر یہ کہیں ﴿ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ﴾ "ہم نے اللہ کے حکم کو سن لیا اور اس کی اطاعت بجا لائیں گے" ان کو چاہیے کہ عادات کو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر غالب نہ کریں کیونکہ شریعت حاکم ہے' محکوم نہیں ہے' جب کہ عادات محکوم ہیں' حاکم نہیں ہیں۔

خوب جان لینا چاہیے کہ عورت کے لیے سب سے خطرناک چیز شوہر کے رشتہ دار ہیں۔ یہ رشتہ دار اجنبیوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں' کیونکہ نبی ﷺ نے جب عورتوں کے پاس جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: يَارَسُولَ اللهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذومحرم ... الخ، ح: ٥٢٣٢ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ح: ٢١٧٢)

"عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا' یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا' دیور تو موت ہے۔"

یعنی خلوت وہ شر ہے جس سے بچنا واجب ہے' اسی طرح "حمو" یعنی خاوند کی طرف سے قریبی رشتہ دار جو کہ بلا روک ٹوک گھر میں آتا جاتا ہے' وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے جس کی وجہ سے وہ بلا جھجک گھر میں آتا ہے لیکن شیطان اس کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور اس کے دل میں برائی کا خیال ڈال کر اسے برائی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شیطان نے کتنے ہی لوگوں کو اس برائی میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر ڈالا لہٰذا اس سے بچنا واجب ہے اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کرے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سوال کرنے والی عورت کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی سے بھی اپنے چہرے کو چھپائے خواہ وہ اس سے ناراض ہوں اور تعلق قطع ہی کیوں نہ کرلیں لیکن اس کے باوجود اسے صلہ رحمی کرتے رہنا چاہیے خواہ وہ کوتاہی کریں کیونکہ کوتاہی کی وجہ سے گناہ انہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میں نے فتنہ کے ڈر سے قریبی رشتہ داروں سے ---

سوال میرے کچھ رشتہ دار ہیں' جن سے میں ملنا چاہتا ہوں جیسا کہ نبی ﷺ نے حکم بھی دیا ہے' لیکن جب میں ان سے ملاقات کے لیے جاتا ہوں تو ان کی عورتیں بھی مجھ سے مصافحہ کرتی ہیں جو کہ میرے لیے غیر محرم ہیں مگر انہیں علم نہیں ہے کہ مردوں کا عورتوں سے مصافحہ کرنا حرام ہے' اس وجہ سے میں نے ان سے ملنا ہی ترک کر دیا ہے۔ کیا اس کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا؟ یاد رہے کہ میں انہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حرام ہے۔

جواب آپ کے لیے واجب یہی ہے کہ آپ ان عورتوں کو اور ان کے شوہروں کو یہ بتائیں کہ یہ حرام ہے۔ آپ ان سب کو بتائیں کہ غیر محرموں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ آپ ان سے میل جول کو ترک نہ کریں۔ آپ کے پاس جب غیر محرم عورتیں آئیں اور کوئی ان میں سے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آپ کی طرف بڑھائے تو آپ اپنا ہاتھ آگے نہ بڑھائیں' ان سے مصافحہ نہ کریں' بلکہ ان سب کو حکم یہ دیں کہ وہ پردہ کریں۔ اپنے چہروں اور بالوں کو ڈھانپ لیں اور صرف اپنے محرموں ہی سے مصافحہ کریں۔ اس طرح آپ صلہ رحمی بھی کریں گے' نیکی کا حکم بھی دیں گے' تعلیم بھی دیں گے اور حق کو علانیہ طور پر ظاہر کریں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی وجہ سے ان لوگوں کو نفع پہنچائے گا۔ اس خرابی کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں سے میل جول ترک کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ میل ملاقات تو صلہ رحمی میں شامل ہے۔ بہرحال آپ کو چاہیے کہ آپ دونوں کام ہی کریں۔ ملاقات بھی کریں نیکی کو ظاہر بھی کریں اور اس کی دعوت بھی دیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

علانیہ برائی نہ کرنے والے کو کس طرح سمجھایا جائے

سوال ہمارا ایک پڑوسی اپنے گھر میں کئی برے کام کرتا ہے لیکن وہ ان کاموں کا لوگوں کے سامنے کھلم کھلا اظہار نہیں کرتا تو کیا ایسے شخص کو سمجھانا بھی واجب ہے' جب کہ وہ ان کا علی الاعلان ارتکاب نہیں کرتا مگر ہمیں خصوصی ذرائع سے اس کا علم ہوا ہے؟

جواب آپ کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ اسے مخفی طور پر سمجھائیں۔ اس کی ہدایت کے لیے دعا بھی کریں اور اس کی غیبت نہ کریں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

شیخ ابن باز

گناہ کے کام میں تعاون جائز نہیں

سوال میرا باپ سگریٹ نوشی کرتا ہے اور وہ مجھے حکم دیتا ہے کہ میں بازار سے اس کے لیے سگریٹ خرید لاؤں تو کیا میں ان کے اس حکم کی اطاعت کروں؟ اطاعت کرنے کی صورت میں کیا مجھے بھی گناہ ہو گا؟ اور ظاہر ہے کہ ان کا حکم نہ ماننے کی صورت میں بھی کئی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کے والد کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ سگریٹ نوشی ترک کر دیں' کیونکہ اس کے بہت زیادہ نقصانات ہیں اور پھر یہ ان ناپاک چیزوں میں سے ہے' جن کی حرمت کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے حوالہ سے درج ذیل آیت میں ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ ٱلۡخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"اور وہ (رسول اللہ ﷺ) پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے صرف پاک چیزوں کو حلال کیا ہے' جیسا کہ سورۃ الاعراف کی اس (مذکورہ) آیت اور سورۃ المائدہ (کی حسب ذیل آیت) میں ہے:

﴿ يَسۡـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمۡۖ قُلۡ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ آپ (ان سے) کہہ دیجیے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے صرف پاک چیزوں ہی کو حلال قرار دیا ہے' جب کہ سگریٹ پاک چیزوں میں سے نہیں ہے' بلکہ یہ ناپاک اور نقصان دہ چیزوں میں سے ہے' لہٰذا آپ کے والد صاحب اور سگریٹ نوشی کرنے والے تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں اور سگریٹ نوشوں کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ سگریٹ یا گناہ کے کسی اور کام میں تعاون کریں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡعُدۡوَٰنِۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ ۝٢ ﴾

(المائدة٥/ ٢)

"اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

اس آیت کے پیش نظر آپ کے بھائیوں اور چچاؤں---- اگر آپ کے بھائی اور چچا ہوں---- پر بھی واجب ہے کہ وہ آپ کے والد کو سمجھائیں اور سگریٹ نوشی سے باز رکھیں۔ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لله وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح: ٥٥)

"دین ہمدردی اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمان حکمران کے لیے اور ان کے عوام کے لیے۔"

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے والد کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے' اس گناہ سے اور دیگر تمام گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو ان کے ساتھ نیکی کے کاموں میں تعاون کرنے والوں میں سے بنا دے۔ انه سميع قريب۔

——— شیخ ابن باز ———

والدین کی اجازت کے بغیر سفر جہاد جائز نہیں

سوال میں بیس سال کا ایک نوجوان ہوں' جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ افغانستان میں جہاد کرتے ہوئے موت سے ہمکنار ہو جاؤں' لیکن افسوس کہ میرے والدین نے میری اس خواہش کو مسترد کر دیا ہے اور انہوں نے اس کا کوئی سبب بھی نہیں بتایا۔ یاد رہے! میرے دو بڑے بھائی بھی ہیں جو میری عدم موجودگی میں اہل خانہ کی کفالت کر سکتے ہیں۔ مجھے اپنے والدین کو راضی کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیئے تاکہ وہ مجھے جہاد کے لیے جانے کی اجازت دے دیں؟ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب والدین کی اجازت کے بغیر آپ کے لیے سفر جہاد جائز نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے والدین سے اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ چونکہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے اور نیکی کے کاموں میں ان کی اطاعت بجالاتے ہیں' اس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کو مجاہدین کا اجر و ثواب ملے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جہاد والدین کی رضا کے ساتھ مشروط ہے

سوال میں اٹھارہ برس کا ایک طالب علم ہوں۔ کیا میرے لیے والدین اور بڑے بھائیوں کو بتائے بغیر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانا جائز ہے؟ یاد رہے کہ میں نے قبل ازیں عمرہ کیا ہوا ہے۔

جواب ہماری رائے میں ابھی تک ہمارے ملک کے حالات اس حد تک نہیں پہنچے کہ جہاد فرض عین ہو' لہٰذا جہاد کے لیے والدین کی رضامندی ضروری ہے' فریضۂ حج کو جلد سرانجام دینا واجب ہے' البتہ اگر جہاد فرض عین ہو تو پھر حج کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

پہلے اپنے والد کو مطمئن کرو اور پھر---

سوال میں ایک جوان آدمی ہوں اور دیہاتی علاقے کی ایک مسلمان دوشیزہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں' جس کا میں نے اس کے دین اور علم کی وجہ سے انتخاب کیا ہے' لیکن میرے والد صاحب اس قسم کی کسی بھی شادی سے اتفاق نہیں کرتے'

کیونکہ یہ ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہے' اس لیے کہ یہ دوشیزہ ہماری مقامی زبان نہیں بولتی۔ سوال یہ ہے کہ اگر میں اپنے والد کی مخالفت کرتے ہوئے اس دوشیزہ سے شادی کروں تو کیا میں اپنے والد کا نافرمان شمار ہوں گا؟

جواب پہلے اپنے والد کو مطمئن کریں کہ یہ بیوی نیک ہے اور آپ کی اس کے ساتھ شادی بہت مناسب ہے۔ نیز اپنے والد کو بتائیں کہ آپ کی رغبت بہت شدید ہے اور پھر اس شادی کے نتیجہ میں مرتب ہونے والی مصلحتیں بھی بیان کر دیں اور اگر آپ کے والد مطمئن نہ ہوں اور آپ کو کوئی اور دوشیزہ مل جائے جس کے ساتھ شادی سے والد مطمئن ہوں تو آپ پہلی دوشیزہ کی بجائے اس دوشیزہ سے شادی کر لیں بشرطیکہ یہ نیک اور صاحب دین و علم ہو اور اگر کوشش کے باوجود اس طرح کی کوئی بیوی نہ ملے تو پھر اس پہلی دوشیزہ ہی سے شادی کر لیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

والدین کی اطاعت کے لیے سنن اور واجبات کو ترک کرنا

سوال کیا کسی انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کے لیے کسی سنت کو ترک کر دے' مثلاً یہ کہ اس کا والد مطالبہ کرے کہ قمیص نہ پہنو۔ کیا اس سلسلہ میں مستحب سنت اور واجب سنت میں کوئی فرق ہے؟ کیا ہر سنت نیکی شمار ہوتی ہے؟

جواب اگر والد کی اطاعت سے اللہ کے کسی حکم کی مخالفت لازم آتی ہو یا کسی ایسے کام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو تو پھر خالق کی نافرمانی کے لیے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے' لہٰذا آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسے کام میں اپنے باپ کی اطاعت کریں' جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شادی کے بعد باپ کا بیٹوں کے ساتھ تعلق

سوال شادی کے بعد اسلام نے والدین اور بیٹوں کے تعلقات کے کیا حدود مقرر کیے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں کیونکہ بیٹوں کے گھریلو معاملات میں والدین کی مداخلت کا اکثر و بیشتر حالات میں اچھا انجام نہیں ہوتا۔

جواب شادی کے بعد والدین اور بیٹوں کا تعلق نیکی اور صلہ رحمی پر مبنی ہونا چاہیے۔ بیٹے کے لیے واجب ہے کہ وہ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی اپنے والدین کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔ والدین کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ صلہ رحمی کریں' کیونکہ ان کے بیٹے انہی کے رِحم سے ہیں اور صلہ رحمی واجب ہے' لہٰذا والدین میں سے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ شادی کے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو ایذا دیں یا بیوی کے ساتھ اس کی زندگی مشکل بنا دیں۔ اگر بیٹا والدین کے اس طرح کے طرز عمل کو دیکھے اور وہ محسوس کرے کہ والدین کے ساتھ رہائش کی صورت میں حالات درست نہیں ہو سکتے تو پھر والدین سے الگ رہائش اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' لیکن اس کے باوجود بھی بیٹے کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

صبر کرو اور اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو

سوال میں آپ کی خدمت میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی اپنی والدہ کے ساتھ مشکل صورت حال کو پیش کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ والدہ اس قدر کثرت سے ہمیں طعن و تشنیع کرتی اور برے انداز میں پیش آتی ہیں' جس کی وجہ سے ہم سے بھی بدتمیزی ہو جاتی ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اپنی والدہ کے نافرمان قرار پائیں یا اپنے ان شیطانی اعمال کی وجہ سے دنیا و آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں۔ دینی احکام کی پابندی کی وجہ سے والدہ ہمیں طعن و تشنیع کرتی رہتی ہیں اور "مولویوں" کے نام سے ہمیں پکارتی ہیں' حالانکہ انہوں نے خود بھی تیسویں پارے کی بہت سی سورتیں حفظ کر رکھی ہیں۔ سوموار اور جمعرات کے علاوہ ہر مہینے کے تین نفل روزے بھی رکھتی ہیں' نیز اس کے علاوہ نفل نمازیں ادا کرتی اور نفل روزے بھی رکھتی ہیں۔ ہم اپنے بھائی کے ساتھ جب سفر حج پر روانہ ہونے لگے تو اس وقت بھی انہوں نے ہمیں طعن و تشنیع کی' گالیاں دیں اور مارا پیٹا اور وہ ہمارے حسب و نسب میں طعن کرتی اور ہماری عزت پامال کرتی ہیں اور ہمیں ایسی ایسی بددعائیں دیتی رہتی ہیں کہ کوئی ماں اپنے بچوں کو اس طرح کی بددعائیں نہیں دے سکتی۔ جس کی وجہ سے ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اسے چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں یا پھر ہمیں موت ہی آ جائے تاکہ اس کے شر سے بچ جائیں اور اب صورت حال بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔۔۔ فضیلۃ الشیخ! ہمیں اپنی والدہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ والدہ کے اس طرز عمل اور اپنی زندگی کے حوالہ سے ہم کیا طریق کار اختیار کریں؟

جواب اس سوال کے جواب کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ مذکورہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے اگر صحیح ہے تو میں اسے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے برا سلوک کرے گی تو یہ قطع رحمی اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ ﴾ (محمد ٤٧/ ٢٢-٢٣)

"تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ»(صحيح البخاري، الأدب، باب إثم القاطع، ح:٥٩٨٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٦)

"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

ماں کا بچوں کے ساتھ یہ طرز عمل ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔ اس حدیث قدسی میں ہے جسے امام مسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلاَ تَظَالَمُوا» (صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٧٧ من حديث أبي ذر رضي الله عنه)

"اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور اسے تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے

لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔"
ظلم قیامت کے دن بہت سی ظلمتوں اور تاریکیوں کا سبب بنے گا۔ غیر اللہ (مخلوق) کے حق میں ظلم کو معاف نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کو ادا کرنا ازبس ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ "تم مفلس کس کو کہتے ہو؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم یا ساز و سامان نہ ہو۔" آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي، مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطَى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَامِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ، قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨١)

"مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہو گی' کسی پر بہتان لگایا ہو گا' کسی کا مال کھایا ہو گا' کسی کو قتل کیا ہو گا اور کسی کو مارا پیٹا ہو گا تو اس کو بھی اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اُس کو بھی اور اگر اس کے ذمہ حقوق کے پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا اور پھر اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔"

اس ماں کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے نافرمان ہو جائیں گے کیونکہ اکثر و بیشتر حالتوں میں انسانی نفوس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ ماں اپنی اولاد کے نافرمانی میں مبتلا ہونے کا خود ہی سبب بنے گی اور پھر اس کے نتیجے میں اپنے بچوں کے ساتھ اس کی زندگی خوش گوار بھی نہیں ہو گی بلکہ ہمیشہ لڑائی جھگڑا ہوتا رہے گا اور اختلافات اور مشکلات میں اضافہ ہوتا رہے گا' لہٰذا اس ماں کو میری نصیحت ہے کہ یہ اپنے طرز عمل کو صحیح کر لے' اپنے بارے میں اور اپنی اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' اولاد کے ساتھ اپنے تعلقات کو درست کرے اور ان کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کرے تاکہ وہ بھی اپنے ان حقوق کو ادا کر سکیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب قرار دیا ہے۔

جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس ماں کے بیٹوں اور بیٹیوں کو چاہیے کہ وہ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے مقدور بھر کوشش کر کے اپنی ماں سے حسن سلوک کریں۔ ماں کی قطع رحمی کے باوجود جب یہ صلہ رحمی کریں گے تو یہ یقیناً نفع میں رہیں گے' نقصان ان کی ماں ہی کو ہو گا' لہٰذا انہیں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتے ہوئے صبر کرنا چاہیے۔ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کے کچھ ایسے رشتہ دار ہیں کہ یہ تو ان سے صلہ رحمی کرتا ہے مگر وہ اس سے قطع رحمی کرتے ہیں' یہ ان سے حسن سلوک کرتا ہے مگر وہ اس سے برا سلوک کرتے ہیں' یہ ان سے حلم و عقل کا معاملہ کرتا ہے مگر ان کا اس سے معاملہ جہالت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ، فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلاَ يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ، مَادُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٨)

"اگر تمہارا طرز عمل اسی طرح ہے جس طرح تو نے بیان کیا ہے' تو گویا تو ان کے چہروں پر گرم راکھ ڈالتا ہے

اور جب تک تو اپنے اس حال پر قائم رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معاون (فرشتہ) ان کے مقابلہ میں تیری مدد کرتا رہے گا۔"

اور "اَلْمَل" کا معنی ہے گرم راکھ' مطلب یہ ہے کہ یہ تیرے لیے غنیمت ہے نہ کہ تاوان' کیونکہ نبی ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»(صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافيء، ح:٥٩٩١)

"صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے' بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔"

ان بیٹوں اور بیٹیوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنی اس ماں سے مقدور بھر صلہ رحمی کریں' اس کی جفا اور سنگ دلی پر صبر کریں اور انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ مخلصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن) سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و گمان) بھی نہ ہو۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

کوشش کر کے ماں کو قرآن کی سورتیں سکھا دو

سوال والد کی وفات کے بعد والدہ ہمارے ساتھ ہی گھر میں مقیم ہیں اور وہ ناخواندہ ہیں۔ جب ہم انہیں بعض اذکار یا قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں سکھانا چاہتے ہیں تو یہ سیکھ نہیں سکتیں لیکن اس کے باوجود یہ فرض و نفل نمازوں اور روزوں کی خوب پابندی کرتی ہیں۔ آپ نصیحت فرمائیں کہ ہم ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کریں تاکہ ان کے ساتھ نیکی کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں؟

جواب ہم نصیحت کرتے ہیں کہ کوشش کر کے اپنی والدہ کو قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور نمازوں کے بعد کے مختلف شرعی اذکار سکھا دو اور کچھ دیگر دعائیں بھی سکھا دو جو ان کے لیے دین و دنیا کے اعتبار سے منفعت بخش ثابت ہوں۔ ان کے لیے سورت فاتحہ کا پڑھنا بھی کافی ہے' لہٰذا خوب کوشش کر کے انہیں سورت فاتحہ ضرور سکھا دو تاکہ وہ اس کو اچھی طرح حفظ کر لیں اور اگر ان کے لیے یہ آسانی سے ممکن ہو کہ نماز فجر میں اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورت فاتحہ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی دیگر چھوٹی سورتیں یا کچھ آیتیں پڑھ سکیں تو یہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کے کام میں آپ کی مدد فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

والد کے ساتھ رہنے کے بارے میں حکم جب کہ ---

سوال ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ میرا والد ملازمت کرتا ہے اور وہ رشوت لیتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کو

گالی دیتا اور پردے کو تعصب قرا دیتا ہے۔ وہ کبھی مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہے اور کبھی کسی اور جگہ اور کبھی کئی نمازیں جمع کر کے پڑھتا ہے۔ اس شخص کی والدہ نماز نہیں پڑھتی البتہ اس کی بہنیں نماز پڑھتی ہیں۔ اس شخص کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا جائز ہے؟ اس طرح کے والد کے مال کو کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: آیات قرآن اور صحیح احادیث کو گالی دینا ایسا کفر ہے جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے' نیز جان بوجھ کر نماز ترک کرنا بھی کفر ہے اور رشوت لینا کبیرہ گناہ ہے' لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنے والدین کو سمجھائیں کہ وہ نماز پنجگانہ کو بروقت ادا کریں' اپنے والد کو سمجھائیں کہ وہ اپنی زبان کو گالی دینے سے عموماً اور قرآن و حدیث کو گالی دینے اور پردے کا مذاق اڑانے سے خصوصاً قابو میں رکھیں اور رشوت لینا چھوڑ دیں۔ اگر آپ کے والدین آپ کی بات کو قبول کر لیں تو الحمدللہ! ورنہ اچھے طریقہ کے ساتھ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔ ان سے ایسا میل جول نہ رکھیں جس سے آپ کے دین کو نقصان پہنچے' انہیں ایذا نہ پہنچائیں بلکہ دنیوی امور میں دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیں۔ اپنی بہنوں کو بھی سمجھاتے رہیں تاکہ والدین کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے وہ کسی فتنہ سے دوچار نہ ہوں۔

ثانیاً: اگر کسب حرام کے علاوہ آپ کے والد کی کمائی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو پھر ان کے مال کو نہ کھائیں اور اگر ان کے مال میں حرام حلال ملا جلا ہو تو پھر علماء کے صحیح قول کے مطابق اسے کھانا جائز ہے اور اگر آپ کے لیے اس سے بچنا ممکن ہو تو یہ آپ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

والدین کے ساتھ نیکی کے پانچ کام

سوال والدین کے ساتھ نیکی کس طرح کی جا سکتی ہے؟ کیا ان میں سے کسی کی طرف سے عمرہ کرنا جائز ہے جب کہ قبل ازیں انہوں نے خود بھی عمرہ ادا کیا ہو؟

جواب والدین کے ساتھ مال و جاہ اور بدنی نفع پہنچانے کی صورت میں نیکی اور بھلائی کرنا واجب ہے' جب کہ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔ نافرمانی یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کا حق ادا نہ کیا جائے اور ان کے ساتھ نیکی و بھلائی نہ کی جائے اور جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی و بھلائی مال و جاہ و جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور ان کی وفات کے بعد اس صورت میں کہ ان کے لیے دعا و استغفار کیا جائے۔ ان کی وصیت پر عمل کیا جائے۔ ان کے دوستوں کی عزت کی جائے اور ان لوگوں سے صلہ رحمی کی جائے جن سے صلہ رحمی کا سبب والدین ہی ہوں۔ یہ ہیں نیکی کے وہ پانچ قسم کے کام جو والدین کی وفات کے بعد کیے جا سکتے ہیں۔

والدین کی طرف سے صدقہ کرنا بھی جائز ہے لیکن بیٹے سے یہ نہ کہا جائے کہ تو صدقہ کر بلکہ یہ کہا جائے کہ اگر تو صدقہ کرے تو یہ جائز ہے اور اگر تو صدقہ نہ کرے تو ان کے لیے دعا کرنا افضل ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کا ہر عمل ختم ہو جاتا ہے (۱) صدقہ جاریہ' (۲) ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو اور (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

(اس حدیث میں) نبی اکرم ﷺ نے عمل کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے جو دعا کا ذکر کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے صدقہ کرنے' عمرہ ادا کرنے' قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور ان کی طرف سے نماز پڑھنے کی بجائے ان کے لیے دعا کرنا افضل ہے' کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو بیان فرماتے' بلکہ یہی بات آپ کے شایان شان تھی کہ آپ افضل اعمال کو بیان فرما دیتے اور مفضول کے بارے میں یہ بیان فرما دیتے کہ یہ جائز ہیں' جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی ﷺ سے اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت عطا فرما دی۔ اسی طرح آپ نے اس شخص کو بھی اجازت دے دی جس نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میری امی اچانک فوت ہو گئی ہیں۔ میرا گمان ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتیں' تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں۔" [1]

بہرحال میں اپنے اس بھائی سے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اپنے والدین کی طرف سے عمرہ ادا کرنے یا صدقہ کرنے یا اس طرح کے دیگر کام کرنے کی بجائے اپنے والدین کے لیے کثرت سے دعا کریں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہی راہنمائی فرمائی ہے۔ اگر وہ صدقہ کریں یا عمرہ ادا کریں یا نماز پڑھیں یا قرآن مجید پڑھیں اور ان اعمال کو اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف سے ادا کریں تو ہم اس کا بھی انکار نہیں کرتے اور اگر والدین نے عمرہ یا حج ادا نہ کیا ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرض ادا کرنا دعا سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیک لوگوں کی صحبت ترک کرنے کے بارے میں والدین کی-----

سوال اگر میرے والدین مجھے یہ حکم دیں کہ میں اپنے اچھے دوستوں اور نیک ساتھیوں کو چھوڑ دوں اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ان کے ساتھ سفر نہ کروں' حالانکہ مجھے یہ علم ہے کہ میں شرعی احکام کی پابندی کے راستہ پر چل رہا ہوں تو کیا اس حالت میں والدین کی اطاعت مجھ پر واجب ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں اور ان کاموں میں جن میں آپ کا نقصان ہوتا ہو والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح: ٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية ... الخ، ح: ١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح البخاری' الوصایا' باب الاشهاد فی الوقف والصدقة' حدیث: 2762

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي: ١٠/ ٤٤، ح: ٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ١٧٠، ح: ٣٨١)

”خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (جائز ہی) نہیں ہے۔“

جو آپ کو نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے منع کرے اس کی اطاعت نہ کرو خواہ وہ والدین ہوں یا کوئی اور۔ اسی طرح برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں بھی کسی کی اطاعت نہ کرو۔ البتہ اپنے والدین سے بہت شائستگی اور احسن انداز میں بات کریں' مثلاً آپ اس طرح کہیں کہ ابا جان! بات اس طرح ہے۔ امی جان! یہ لوگ بہت اچھے ہیں' میں ان سے استفادہ کرتا ہوں اور ان سے نفع حاصل کرتا ہوں۔ میرا دل ان سے مل کر نرم ہوتا ہے' میں ان سے علم سیکھتا اور استفادہ کرتا ہوں۔ یعنی آپ ان سے شائستگی اور احسن انداز میں گفتگو کریں' درشتی اور سختی سے بات نہ کریں اور اگر وہ آپ کو منع کریں تو آپ انہیں یہ نہ بتائیں کہ آپ نیک لوگوں کی پیروی کرتے ہیں اور ان سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر ماں باپ ناپسند کرتے ہوں تو آپ انہیں یہ بھی نہ بتائیں کہ آپ ان کے ساتھ سفر پر جا رہے ہیں۔ آپ ان کی اطاعت صرف نیک کاموں میں کریں۔ اگر ماں باپ آپ کو برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیں یا شراب نوشی یا سگریٹ نوشی یا زنا یا اس طرح کے دیگر گناہ کے کاموں کا حکم دیں تو نہ ان کی اور نہ کسی اور کی بات مانیں' جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے ثابت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں---

سوال میری دوستی کچھ بہت اچھے اور شرعی احکام کے پابند دوستوں سے ہے' لیکن میرے گھر والے ان کی دوستی کو پسند نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے مجھے ہمیشہ سرزنش اور کبھی مار پیٹ بھی کرتے رہتے ہیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا اس سلسلہ میں میرے لیے اپنے گھر والوں کی بات ماننا جائز ہے؟

جواب نیک لوگوں کی صحبت بہت افضل عمل اور سعادت مندی کے اسباب میں سے ایک عظیم ترین سبب ہے' جب کہ کافروں اور کھلم کھلا برائیوں کا ارتکاب کرنے والے برے لوگوں کی صحبت جائز نہیں ہے' بلکہ ایسے لوگوں کی صحبت برے خاتمہ کا سبب بنتی ہے اور اس سے انسان انہی لوگوں جیسے اخلاق و اعمال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”نیک دوست کی مثال کستوری اٹھانے والے کی طرح ہے کہ وہ یا تو تمہیں کستوری کا تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے اور یا پھر اس سے اچھی خوشبو تو پاتے رہو گے۔“ آپ نے برے دوست کی مثال بھٹی جھونکنے والے کی طرح بیان کی اور فرمایا کہ ”وہ تمہارے کپڑے جلا دے گا اور یا پھر تم اس سے بدبو پاتے رہو گے۔“ [1]

مومن کے لیے واجب ہے کہ وہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے۔ برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور اچھے لوگوں کی صحبت ترک کرنے کے بارے میں والدین کی یا کسی اور کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

[1] صحیح البخاری' الذبائح والصید' باب المسک' حدیث: 5534' و صحیح مسلم' البر والصلة' حدیث: 2628

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔" نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي:١٠/ ٤٤، ح:٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/ ١٧٠، ح:٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (جائز ہی) نہیں ہے۔" واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

غلطی سے اپنی ماں کو مارا

سوال گھریلو لڑائی جھگڑے کی وجہ سے میرے بھائی کا پاؤں پھسل گیا' بھائی کے اعصاب تانت کی مانند سخت ہو چکے تھے اور اس کا پاؤں ماں کی کمر پر لگ گیا جس کی وجہ سے اسے بہت شدید درد شروع ہو گیا تھا اور پھر بعد میں طبیب سے علاج کی وجہ سے اسے شفا حاصل ہو گئی تھی۔ اگرچہ ماں نے درگزر کیا اور معاف کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا کرے جس سے اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اور وہ یہ محسوس نہ کرے کہ وہ عاق ہے؟

جواب ہماری رائے میں یہ شخص معذور ہے اور اس پھسلن کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا' کیونکہ اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا۔ گھریلو لڑائی جھگڑے اور اعصاب کی سختی کی وجہ سے ایسا ہوا اور پھر اس کی ماں نے اسے معاف کر دیا اور غلطی کی وجہ سے اس سے جو کچھ ہوا اس میں اسے معذور سمجھتے ہوئے درگزر کیا ہے' لہذا اسے چاہیے کہ اپنے ضمیر کو بوجھل نہ سمجھے۔ والدہ سے حسن سلوک اور نیکی کا معاملہ کرے اور ان کی مشکلات وغیرہ کے ازالہ کی کوشش کرے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسلمان سے ترک تعلق حرام ہے

سوال جس شخص نے عرصہ دراز سے اپنے بھائی سے ترک تعلق کر رکھا ہو' اس کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا والد اس سے تعلق رکھنے سے منع کرتا ہے؟

جواب کسی دینی سبب کے بغیر ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تعلق ترک کرنا حرام ہے اور کسی مسلمان سے ترک تعلق کے بارے میں اپنے باپ یا کسی اور کی بات نہیں ماننی چاہیے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ضرورت کے خاص احکام ہیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میرے والد صاحب میرے اور میرے بھائیوں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں' مگر

میرے والد کا سودی بینکوں سے لین دین ہے۔ کیا میرے لیے اپنے والد کے مال کو استعمال کرنا جائز ہے جب کہ میں ابھی طالب علم ہوں؟ اور کیا اس مال سے شادی کرنا اور دینی کتب خریدنا جائز ہے؟

جواب پہلے تو یہ معلوم کریں کہ ان بینکوں کے ساتھ آپ کے والد کا لین دین کس قسم کا ہے۔ اگر انہوں نے محض امانت کے طور پر اپنی رقوم بینکوں میں رکھی ہیں اور ان پر وہ سود نہیں لیتے تو بوقت ضرورت یہ جائز ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ کاروبار میں شریک ہیں یا ان سے سود پر قرض وغیرہ لیتے ہیں تو یہ بالکل سود ہے۔ تو اس صورت میں اولاً تو آپ ان کو سمجھائیں کہ یہ لین دین صحیح نہیں ہے۔ اس سودی معاملے کی بابت سمجھائیں (کہ یہ لین دین صحیح نہیں ہے) اور ان کو اس کے انجام بد سے ڈرائیں، نیز (انہیں یہ بھی بتائیں کہ) سود سے برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ رجوع کر لیں اور توبہ کر لیں تو ماضی میں جو ہوا سو ہوا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور اگر وہ اصرار کریں، بات نہ مانیں یا یہ دعویٰ کریں کہ یہ سود نہیں ہے یا یہ کہیں کہ وہ کوئی اور کام نہیں کر سکتے یا اس طرح کے دیگر حیلے بہانے کریں تو پھر آپ کوشش کریں کہ ان کی غیر سودی کمائی کو اپنے استعمال میں لائیں، یا اگر ممکن ہو تو ان کی کمائی سے مکمل طور پر پرہیز اور اجتناب کریں اور اگر آپ ان کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کے مال کو کھانے کے لیے مجبور و بے بس ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں، لیکن اپنے دل میں اسے ناپسند کریں اور اس سے بچنے کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔ اسی طرح اگر آپ اس مال سے شادی کرنے یا کتب خریدنے کے لیے مجبور و مضطر ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ضرورت کے خاص احکام ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ اپنی ماں کو تو دیتا ہے لیکن باپ کو نہیں دیتا

سوال میں محکمہ فوج میں ملازم ہوں اور مجھے بہت اچھی تنخواہ ملتی ہے، جس میں سے کچھ تنخواہ میں اپنی والدہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، کیونکہ ماضی میں انہوں نے مجھ پر خرچ کیا تھا مگر میں اپنے والد کو کچھ نہیں دیتا کیونکہ انہوں نے مجھ پر حتیٰ کہ میرے بچپن میں بھی کبھی کچھ خرچ نہیں کیا تھا۔ کیا اس کا مجھے کوئی گناہ ہو گا؟

جواب والدین سے نیکی اور بھلائی بہت اہم فریضہ ہے، خواہ انہوں نے آپ پر بچپن میں کچھ بھی خرچ نہ کیا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا ﴾ (الإسراء ١٧/ ٢٣)

"اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔"

نیز فرمایا:

﴿ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (لقمان ٣١/ ١٤)

"میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

آپ پر واجب ہے کہ اپنے باپ سے بھلائی کریں، فعل و قول میں ان سے حسن سلوک کا معاملہ کریں اور اگر وہ ضرورت مند ہو تو آپ اپنی تنخواہ میں سے اسے اس قدر دے دیں جس سے آپ کو اور آپ کے بیوی بچوں کو نقصان نہ

پہنچے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضرّ بجاره، ح:٢٣٤٠، ٢٣٤١)

''نہ تکلیف دینا (جائز ہے) نہ کسی کی تکلیف دہی میں سبب بننا۔''

باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حسب ضرورت آپ سے مال کا مطالبہ کرے' جب کہ آپ کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مال ہو' کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنَّ أَوْلاَدَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ»(سنن أبي داود، البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده، ح:٣٥٢٨ وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء أن الوالد يأخذ من مال ولده، ح:١٣٥٨ واللفظ له)

''پاکیزہ مال جسے تم کھاتے ہو وہ ہے جسے تم نے کمایا ہو اور بلاشبہ تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔''

ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کریں' ان کے ساتھ بھلائی اور احسان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں اور ان کی رضا کو حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں' نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ»(جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الفضل في رضا الوالدين، ح:١٨٩٩)

''رب کی رضا والد کی رضا میں اور اس کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

باپ کے باقی ماندہ مال پر قبضہ جائز نہیں

سوال جب میرا والد کچھ چیزیں خریدنے کے لیے مجھے بھیجے اور خریداری کے بعد کچھ مال بچ جائے تو کیا والد کو بتائے بغیر میرے لیے اس باقی ماندہ مال کو اپنے پاس رکھنا جائز ہے؟ جب کوئی ایسا مسلمان فوت ہو جائے جو اپنی زندگی میں فاسق ہو تو کیا اس کے لیے رحمت کی دعا کرنا جائز ہے؟

جواب جب آپ کے والد صاحب کچھ اشیاء خریدنے کے لیے آپ کو مال دیں تو خریداری سے بچے ہوئے مال کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے' بلکہ واجب یہ ہے کہ مال اپنے والد کو واپس کریں کیونکہ اس کا تعلق اس امانت کے ادا کرنے سے ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں حکم دیا ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا﴾ (النساء٤/ ٥٨)

''(مسلمانو!) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کر دیا کرو۔''

ہاں فاسق شخص کے لیے رحمت اور عفو و مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے۔ اگر کافر نہ ہو تو نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

—— شیخ ابن باز ——

نفل جہاد کے لیے والدین کی اجازت شرط ہے

سوال کیا مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے لیے والدین سے اجازت حاصل کرنا شرط ہے؟

جواب جب جہاد فرض عین ہو تو علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں والدین کی اجازت شرط نہیں ہے' کیونکہ اگر والدین اجازت نہ دیں تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اور اگر جہاد نفل ہو اور کچھ مجاہدین فرض کفایہ کے طور پر جہاد کر رہے ہوں تو اس صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو وہ جہاد کے لیے نہ جائے جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ بات معروف ہے۔ اس قاعدہ کے پیش نظر یہ دیکھا جائے کہ اگر یہ جہاد فرض عین ہے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اور اگر یہ جہاد نفل ہے تو پھر اس کے لیے والدین سے اجازت لینا ضروری ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

باپ کے کہنے سے بیوی کو طلاق نہ دو

سوال میری بیوی اور میرے باپ کا آپس میں اختلاف ہو گیا' جس کی وجہ سے میرے باپ نے مجھ سے اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں ورنہ وہ (میرا باپ) مجھ سے روز قیامت تک بری (اور الگ) ہے' تو کیا میں اپنی بیوی کو طلاق دے دو حالانکہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ میرے حق میں کوئی کوتاہی کی؟

جواب اس طرح اکثر ہوتا ہے اور پھر بعد میں صلح ہو جاتی ہے اور دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں اور پھر وقت گزر جانے کے بعد ہر ایک ندامت کا اظہار کرتا ہے' لہٰذا اپنی بیوی کو طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ آپ کے والد کے' ساتھ نامناسب رویہ پر سرزنش کے طور پر اسے اپنے میکے بھیج دیں اور پھر اپنے باپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔ بیوی کی طرف سے معذرت کریں اور انہیں معافی و درگزر کی ترغیب دیں تاکہ وہ اپنے مطالبہ سے رجوع کر لیں۔ اگر بیوی نے کوئی گناہ یا کوتاہی نہ کی ہو تو پھر اپنے باپ کے کہنے پر اسے طلاق نہ دیں۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جس نے کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے از راہ جہالت ---

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے از راہ جہالت اپنے باپ کا نام بدل دیا ہو؟

جواب انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے اپنے باپ کے نام کو تبدیل کرے' کیونکہ جس کو اس نے مصلحت سمجھا ہے یا تو یہ اس لیے ہو گی کہ جس کی طرف وہ انتساب کر رہا ہے' اس سے وہ دنیوی وجاہت حاصل کرے اور اپنے باپ کی طرف انتساب سے دست کش ہو جائے اور یہ کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور باپ کو حقیر سمجھنا بھی' کیونکہ یہ اس کی طرف انتساب سے اعراض کر رہا ہے یا اس کا اس سے مقصد مال کمانا ہو گا وراثت کے ذریعہ یا حکومت کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے اور یہ بھی کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ اس میں جھوٹ' دھوکا' لوگوں سے فراڈ اور باطل طریقے سے مال کھانا ہے اور پھر اس میں انساب کی تبدیلی بھی ہے یا یہ بات انساب کی تبدیلی اور تلبیس کا سبب بن

سکتی ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی جن صورتوں کو حلال قرار دیا ہے' وہ حرام اور حرام صورتیں حلال قرار پا جائیں۔ اس طرح اموال وغیرہ میں بھی اس طرح کی خرابی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور یہ بھی بہت بڑی خرابی ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعٰى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلاَّ كَفَرَ بِاللهِ»(صحيح البخاري، المناقب، باب:٥، ح:٣٥٠٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر!، ح:٦١)

''جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو وہ کافر ہے۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ ادَّعٰى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب من ادعى إلى غير أبيه، ح:٦٧٦٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ح:٦٣)

''جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب من ادعى إلى غير أبيه، ح:٦٧٦٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ح:٦٢)

''اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو' کیونکہ جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو یہ کفر ہے۔''

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وعید سنائی اور اس پر سختی کی ہے حتیٰ کہ اس پر کفر کا حکم لگایا (یعنی ایسے شخص کو کافر کہا) اور اس پر جنت کو حرام قرار دیا ہے' لہٰذا جس کسی نے بھی ایسا کیا ہے' اسے چاہیے کہ وہ اس سے باز آ جائے اور اپنی اس کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اولاد میں ترجیح

سوال کیا عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی ایک بیٹے سے زیادہ گرم جوشی سے پیش آئے' جب کہ اس کے تمام بیٹے اس سے یکساں معاملہ کرتے ہوں یا اپنے پوتوں میں سے کسی ایک سے ترجیح کا سلوک کرے جب کہ وہ سب اس سے یکساں معاملہ کرتے ہوں راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد میں عدل کریں اور ایک دوسرے کو عطیہ' تحفہ اور ہدیہ وغیرہ میں ترجیح نہ دیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلاَدِكُمْ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل و انصاف کرو۔''
آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے تمام بچے نیکی اور بھلائی میں تم سے یکساں سلوک کریں' تو تم بھی ان کے ساتھ مساوی سلوک کرو۔ اکابر علماء بیٹوں میں مساوات کو مستحب سمجھتے تھے حتیٰ کہ وہ بوسے' خندہ پیشانی سے پیش آنے اور خوش آمدید کہنے میں بھی سب سے مساوی سلوک کرتے تھے' کیونکہ اولاد میں عدل و انصاف کے حکم کا بظاہر یہی تقاضا ہے۔ البتہ بعض حالتوں میں کمی بیشی معاف ہے کیونکہ باپ بسا اوقات از راہ شفقت چھوٹے بچے کو یا بیمار بیٹے کو دوسروں پر ترجیح دے دیتا ہے' ورنہ اصل تو یہی ہے کہ تمام معاملات میں بچوں سے یکساں سلوک کیا جائے خصوصاً جب کہ وہ سب نیکی' بھلائی اور اطاعت و فرماں برداری وغیرہ کرنے میں برابر ہوں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

لوگوں کی وجہ سے قطع رحمی نہیں کرنی چاہیے

سوال میری دو بہنیں ہیں' جن کی چچا کے بیٹوں سے شادی ہوئی ہے۔ اب دونوں گھروں میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کی وجہ سے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی ختم ہو گیا ہے۔ میرے بھائی نے دونوں بہنوں کے گھر آنا جانا چھوڑ دیا ہے اور بھائی کی وجہ سے والدہ نے بھی آنا جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ ناراض نہ ہو' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ سب لوگ گناہ گار ہوں گے' کیونکہ قطع رحمی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ رحم سے مراد قرابت ہے۔ قرابت جس قدر قریبی ہو گی صلہ رحمی کی اسی قدر شدید تاکید ہے۔ کسی کی دل جوئی کے لیے قطع رحمی جائز نہیں ہے' بلکہ اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے اور اللہ تعالیٰ نے جس بات کو واجب قرار دیا ہے' اسے ادا کرے۔ پھر اس سے اگر کوئی راضی ہوتا ہے تو وہ ایسی چیز سے راضی ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو اس کی ناراضی کا کوئی اعتبار نہیں۔ صلہ رحمی واجب ہے۔ لوگوں کی وجہ سے یا کسی کی محبت کی خاطر قطع رحمی جائز نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو

سوال میں اٹھارہ برس کا ایک نوجوان ہوں۔ نماز ادا کرتا ہوں اور اپنے والد کی رضامندی و اطاعت کے کام بھی کرتا ہوں' لیکن میں نے اپنی ولادت سے لے کر اب تک اپنی والدہ کو نہیں دیکھا لیکن جانتا ہوں کہ وہ اب کہاں مقیم ہے۔ وہ ہم سے بہت دور رہتی ہے۔ میرے والد نے بتایا ہے کہ اس نے اسے طلاق دے دی تھی۔ میں اپنی والدہ کو دیکھنا چاہتا ہوں' کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اپنی والدہ سے ملاقات نہ کی تو اللہ تعالیٰ میرا محاسبہ کرے گا۔ لیکن میں نے اپنے والد سے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ میں اپنی والدہ کو دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اس کا ذکر کیا تو وہ ناراض ہوں گے۔ میرے والد صاحب نے ایک اور عورت سے شادی کر لی ہے اور اس کے بطن سے ان کے کئی بچے بھی ہیں۔ میری اس حالت کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب ہماری رائے میں آپ پر یہ واجب ہے کہ آپ اپنی والدہ سے ملاقات کریں' دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیں اور ان

کے ساتھ وہ نیکی اور بھلائی کریں‘ جو آپ پر واجب ہے‘ کیونکہ نبی ﷺ سے جب یہ سوال پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”تمہاری والدہ۔ عرض کیا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ عرض کیا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ عرض کیا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر تمہارا والد۔“[1]

لہٰذا آپ کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنی والدہ سے قطع رحمی کریں بلکہ اس سے صلہ رحمی کریں اور ان سے ملاقات کریں۔ اس صورت حال میں اپنے باپ سے بات کو چھپا بھی سکتے ہیں یعنی انہیں بتائے بغیر ان سے ملاقات کر لیں‘ صلہ رحمی کریں اور نیکی و بھلائی کریں۔ اس طرح آپ اپنی والدہ کے حق کو بھی ادا کر سکتے ہیں اور اپنے والد کی ناراضی سے بھی بچ سکتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

واجب ہے کہ والدین سے خوب بھلائی کی جائے

سوال میری ایک سہیلی کا کہنا ہے کہ اس کی والدہ بہت جلد غصے میں آ جاتی ہے اور اسے اور اس کے بھائیوں کو بہت بد دعائیں دیتی ہے اور خاص طور پر صبح بیدار کرتے وقت تو بہت بددعائیں دیتی ہے اور پھر بسا اوقات قبولیت دعا کے اوقات میں بھی بد دعائیں دیتی ہے‘ لیکن یہ سہیلی اپنی والدہ کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی کوشش کرتی ہے مگر اپنی ماں کے سخت رویہ کی وجہ سے کبھی کبھی اس کی نافرمانی بھی کر بیٹھتی ہے تو کیا اس صورت میں یہ گناہ گار ہوگی‘ حالانکہ نافرمانی کا سبب خود اس کی ماں ہی ہوتی ہے اور اگر ماں بلاوجہ اپنے بچوں کو بددعا دے تو کیا وہ قبول ہو جاتی ہے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اولاد کے لیے یہ واجب ہے‘ خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں‘ اپنے والدین کے ساتھ نیکی و بھلائی کریں اور کوشش کریں کہ وہ ناراض نہ ہوں اور ان کے لیے بد دعا نہ کریں کیونکہ والدین کا حق بہت عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے بارے میں اپنے بندوں کو بہت وصیت فرمائی ہے‘ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

”اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔“

اور فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٤)

”اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

---

[1] صحیح البخاری‘ الادب‘ باب من أحق الناس بحسن الصحبة‘ حدیث : 5971 و صحیح مسلم‘ البروالصلة‘ باب برالوالدین‘ وأیهما احق به‘ حدیث : 2548

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلَىٰ وَقْتِهَا، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، ح: ٥٩٧٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، ح: ٨٥)

"وقت پر نماز پڑھنا' عرض کیا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: والدین سے نیکی اور بھلائی کرنا۔ عرض کیا' پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔"

والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں' لہٰذا اولاد پر خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں' یہ واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کریں' انہیں ناراض کرنے والے اسباب سے دور رہیں۔ نیکی کے کاموں میں ان کی سمع و طاعت بجالائیں۔ اولاد کے لیے والدین کی نافرمانی جائز نہیں ہے خواہ والدین کے اخلاق برے ہی کیوں نہ ہوں۔ والدین کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی کریں' ان سے احسن انداز میں معاملہ کریں اور انہیں نافرمانی پر مجبور نہ کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾

(المائدة٥/ ٢)

"اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت عذاب (سزا دینے) والا ہے۔"

والدین کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے خصوصاً قبولیت کے اوقات میں ہدایت و نیکی کی دعا کریں اور بد دعا سے اجتناب کریں' کیونکہ والدین کی اولاد کے بارے میں بددعا بہت خطرناک ہوتی ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت کا وقت ہو اور بددعا قبول ہو جائے--- وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

میرا والد سگریٹ خریدنے کا حکم دیتا ہے

سوال میرے والد کے پاس میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا لہٰذا وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں ان کیلئے سگریٹ لاؤں۔ اگر میں ان کی بات نہ مانوں تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور میرے بارے میں بہت تنگ ہو جاتے ہیں' مگر میں سگریٹ پیش کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہوں' کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حرام ہے۔ مجھے فتویٰ دیں کہ میں کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

جواب تمباکو خبیث اور حرام ہے اور اسے پینے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ کسی کے سامنے اسے پیش کرنا تمباکو نوشی کا وسیلہ ہے اور وسائل کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو نتائج کا ہو' جب نتیجہ حرام ہو تو اس تک پہنچانے والا وسیلہ بھی حرام ہو گا۔ لہٰذا کسی کے سامنے اسے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ والدین کی اطاعت صرف ان امور میں مشروع ہے' جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو اور وہ مباح ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں والدین کی اطاعت جائز ہی نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ طَاعَةَ لأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ١٢٣، ح: ٤٦٢٢)

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی بھی اطاعت نہیں ہے بلکہ اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي: ١٠/ ٤٤، ح: ٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ١٧٠، ح: ٣٨١ ومسند أحمد: ٥/ ٦٦)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (جائز ہی) نہیں ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد نے "مسند" میں اور امام حاکم نے "مستدرک" میں عمران اور حکم بن عمرو غفاری سے روایت کیا ہے۔ وباللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

آدمی کا نماز کے لیے جانا اور بچوں کا گھر میں رہ جانا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ آدمی خود تو نماز کے لیے مسجد میں چلا جائے مگر اس کے بچے گھر میں رہیں؟

جواب آدمی کیلئے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت بجالائے' جو درج ذیل آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ ٦ ﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

ہر آدمی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی نماز کا حکم دے' جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

«مُرُوا أَوْلاَدَكُمْ بِالصَّلاَةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، ح: ٤٩٥)

"اپنے بیٹوں کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور اگر وہ دس سال کے ہوں (اور نماز نہ پڑھیں تو) انہیں مارو' (نیز اس عمر میں) ان کے بستر الگ کر دو۔"

اللہ تعالیٰ نے عربوں کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور وہ اپنے رب کے ہاں انتہائی پسندیدہ تھے۔ کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سوتا رہنے دے اور انہیں نماز کے لیے بیدار نہ کرے (بلکہ خود بھی سستی میں) ان کے پیچھے لگ جائے اور پھر بیدار کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ ضروری ہے کہ انہیں اپنے ساتھ نماز کے لیے لے کر جائے' کیونکہ بچے بیدار ہونے کے بعد بسااوقات پھر سو

جاتے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ خود تو نماز کے لیے چلا جائے مگر بچے گھر ہی میں رہیں' اگر اسے نماز کے فوت ہونے کا خدشہ ہو اور وہ اس بات کا خواہش مند بھی ہو کہ بچوں کو بیدار کرے اور انہیں اپنے ساتھ لے جائے تو وہ خود چلا جائے اور پھران کے پاس واپس آجائے اور اگر وہ سست ہو اور نماز سے واپسی کے بعد انہیں اٹھاتا ہو اور محض ایک دو مرتبہ کہنے کے بعد ہی خود نماز کے لیے چلا جاتا ہو اور کہتا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں زیادہ دیر رکا رہا تو میری نماز بھی فوت ہو جائے گی۔ بلاشبہ یہ اس شخص کی کوتاہی ہے کیونکہ اس پر واجب یہ ہے کہ حسب حال انہیں بیدار کرے۔ اگر وہ بیدار ہونے میں سست ہوں تو انہیں جلد بیدار کرے اور اگر وہ سست نہ ہوں تو پھران کے حسب حال انہیں بیدار کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

پڑوسیوں میں ترجیح

سوال کیا ہم وطن پڑوسیوں کو جو ہم سے دور رہتے ہیں' ان مسلمانوں پر ترجیح دی جا سکتی ہے جو اسی محلے میں رہتے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں؟

جواب ترجیح کے تین اسباب ہیں ① قرابت ② اسلام اور ③ پڑوس۔ ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے تین حقوق ہوتے ہیں۔ اس سے مراد وہ مسلمان پڑوسی ہے جو رشتہ دار بھی ہو تو اس کے اسلام' پڑوس اور رشتہ داری کے ناطے حقوق ہیں۔ دوسرا پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں۔ اس سے مراد وہ پڑوسی ہے جو مسلمان ہو' اسے اسلام اور پڑوس کی وجہ سے دو حق حاصل ہیں اور تیسرا پڑوسی وہ ہے جس کا صرف ایک ہی حق ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ پڑوسی ہے جسے صرف پڑوس کی وجہ سے حق حاصل ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

وہ رشتہ دار جو دینی شعائر میں سست ہوں

سوال اپنے والد اور رشتہ داروں' پڑوسیوں اور ساتھیوں کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے جو بعض دینی شعائر کے ادا کرنے میں سست ہوں یا انہیں بالکل ہی ادا نہ کرتے ہوں حالانکہ میں انہیں نصیحت بھی کرتا رہتا ہوں تو ان سے معاملے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

جواب یہ سوال ان بعض شعائر کے حوالے سے مجمل ہے' جن کے بارے میں یہ لوگ کبھی سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کبھی انہیں بالکل ہی ترک کر دیتے ہیں' کیونکہ بعض شعائر اصل اسلام ہیں' بعض رکن اور بعض سنت ہیں' لہٰذا ان شعائر کے مختلف ہونے کی وجہ سے سختی اور نرمی کے اعتبار سے ان کا حکم بھی مختلف ہوگا اور ان شعائر کے مختلف ہونے کی وجہ سے سختی اور نرمی کرنے والوں کے لیے حکم بھی مختلف ہوگا۔ بہرحال والدین کے حوالہ سے آپ پر یہ واجب ہے کہ وہ جب بھی کسی شعار میں سستی کریں یا اسے ترک کریں تو آپ انہیں حکمت و دانش کے ساتھ نصیحت کریں اور اسے ادا کرنے کی دعوت دیں' جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام میں اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں۔ دنیا کے کاموں میں دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیں اور اس

شخص کے راستہ پر چلیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

والدین کے علاوہ دیگر رشتہ داروں' پڑوسیوں اور ساتھیوں کو بھی حکمت کے ساتھ دعوت دیں اور احسن انداز میں ان سے گفتگو کریں۔ جو شخص آپ کی دعوت کو قبول کر لے وہ آپ کا دینی بھائی ہے اور جو قبول نہ کرے تو آپ بھی اس سے قطع تعلق کر لیں بشرطیکہ وہ اسلام کے کسی اصل' رکن یا متفق علیہ فرائض میں سے کسی فرض کا تارک ہو۔ ایسے شخص سے تعلق نہ رکھیں اور اگر وہ کسی سنت یا مستحب معاملہ میں کوتاہی کرتا یا اس کا تارک ہو تو اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے' تو ایسے شخص سے قطع تعلق نہ کریں بلکہ نیکی کے کام میں اس سے تعاون کریں اور جس کام کو وہ ترک کرتا ہے' اس کے بارے میں اسے ہمیشہ نصیحت کرتے رہیے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بد خلق دادا سے معاملہ

سوال میرا دادا ہمارے ساتھ رہتا ہے اور وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑتا' یعنی ہمیں مارنے اور ڈانٹنے کا ہمیشہ موقع تلاش کرتا رہتا ہے تو کیا اس کے لیے بد دعا یا اس سے اونچی آواز میں بات کرنا جائز ہے؟

جواب اس بوڑھے آدمی کے ساتھ نرمی کریں اور ان کی طرف سے آپ کو جو تکلیف پہنچتی ہے' اس پر صبر کریں کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو وہ تنگ دل ہو جاتا ہے اور اونچی آواز یا اپنے حکم کی مخالفت سے تکلیف محسوس کرتا ہے اور اسے برداشت نہیں کر سکتا' لہٰذا آپ ان سے جو سنیں یا دیکھیں اس پر صبر کریں نیز انہیں بتا دیں کہ آپ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے' جس کی وجہ سے انہیں آپ کے لیے بد دعا کرنا پڑے یا آپ کو مارنا پڑے۔ امید ہے اس سے ان کی تیزی و تندی میں کمی آ جائے گی۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

میری والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں

سوال میری والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی اور مجھ پر بے حد شفقت کرتی ہیں' شائد اس کا سبب میری کمزوری اور بیماری ہے لیکن ان کی محبت تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہے۔ میں اس وقت اکیس برس کی ہوں لیکن والدہ مجھ سے اس طرح معاملہ کرتی ہیں گویا میری عمر دس سال ہو' اگر انہیں معلوم ہو کہ میں نے کھانا نہیں کھایا تو وہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھلانے لگ جاتی ہیں میں بھی الحمد للہ! ان سے بہت نرمی سے بات کرتی ہوں اور ان کی فرماں بردار ہوں؟

جواب اکثر و بیشتر والد اپنی اولاد سے اسی طرح محبت کرتے اور ان پر شفقت کرتے ہیں۔ والدین یا ان میں سے کسی ایک کے دل میں محبت کا یہ جذبہ کسی سبب یا بغیر سبب کے اس طرح فراواں ہوتا ہے۔ شائد اس کا سبب کسی بچے یا بچی کی مکمل اطاعت و فرماں برداری یا بیماری اور کمزوری ہوتا ہے' جو اس کمزور کے ساتھ زیادہ محبت و شفقت پر مائل کرتا ہے لیکن زیادہ محبت و شفقت کی وجہ سے بسا اوقات نقصان بھی ہونے لگتا ہے جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے' لہٰذا اس صورت میں اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنی ماں یا باپ سے معذرت کرے اور بتا دے کہ اسے اس قدر نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے۔

والدین کو بھی چاہیے کہ وہ محبت و شفقت کے اعتبار سے اپنی تمام اولاد سے یکساں سلوک کریں حتیٰ کہ بعض علماء سلف سے منقول ہے کہ وہ عدل و انصاف کے پیش نظر بوسے وغیرہ میں بھی اپنی اولاد سے یکساں سلوک کرتے تھے تاکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کر سکیں:

«اتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل و انصاف کرو۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

میری والدہ فوت ہو گئیں اور وہ مجھ سے ناراض تھیں

سوال میری والدہ تقریباً چھ سال قبل رمضان میں فوت ہو گئی تھیں' میں بچپن میں ہمیشہ ان سے لڑتی جھگڑتی اور ان سے تکرار کرتی رہتی تھی' لہٰذا جب وہ فوت ہو گئیں تو مجھ سے ناراض تھیں۔ اب جب میں بڑی ہو گئی ہوں تو میری عقل بھی بڑی ہو گئی ہے' لہٰذا مجھے اپنے طرز عمل پر ندامت ہے۔ مگر اب میں سوائے ندامت' توبہ و استغفار اور ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کے اور کچھ نہیں کر سکتی تو کیا اس سے اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کر کے قیامت کے دن مجھ پر رحم فرما دے گا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم نے ان کی طرف سے روزے بھی نہیں رکھے' تو کیا اس کی وجہ سے ہمیں گناہ ہو گا؟ کیا یہ جائز ہے کہ ہم ان کی طرف سے روزے رکھیں؟ یاد رہے کہ تھوڑا عرصہ قبل ہی ہمیں علم ہوا ہے کہ ان کے روزے رہ گئے تھے۔

جواب معلوم یوں ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ کی زندگی میں نادانی و کم عقلی کے ساتھ ساتھ آپ کی عمر بھی چھوٹی تھی' لہٰذا اس حالت میں آپ سے جو کوتاہی ہوئی اس کے لیے آپ معذور ہیں۔ ادراک و عقل کے بعد اب جب کہ آپ نے توبہ و استغفار کر لیا ہے تو اس سے ان شاء اللہ امید ہے کہ سابقہ کوتاہی کی تلافی ہو جائے گی کیونکہ توبہ سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح آپ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی جو دعا کرتی اور ان کی طرف سے صدقہ کرتی ہیں تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ آپ کی والدہ اپنی بیماری کے ایام میں جو روزے نہ رکھ سکیں اور نہ پھر انہیں قضا دینے کی مہلت ملی تو اس سلسلہ میں وہ معذور ہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایسے گھر میں رہتا ہے جو---

سوال میں شادی شدہ ہوں اور اپنی والدہ' بڑے بھائی' اس کی بیوی اور اپنی بہن کے ساتھ رہتا ہوں--- میرا بھائی نماز نہیں پڑھتا' علاوہ ازیں ہمارے گھر میں اور بھی بہت سے خلاف شریعت امور ہوتے ہیں مثلاً فلمیں دیکھی جاتی ہیں' گانے سنے جاتے ہیں اور دیواروں پر بچوں کی تصویروں کو لٹکایا جاتا ہے۔ میرا بھائی کسی نصیحت کو قبول بھی نہیں کرتا تو کیا میں یہ گھر چھوڑ دوں؟ الحمد للہ! مجھے اس قدر توفیق حاصل ہے کہ میں اپنی الگ رہائش کا انتظام کر سکتا ہوں۔ میری والدہ کے لیے اس کے ساتھ رہنا جائز ہے یا اسے بھی میرے ساتھ ہی اس گھر سے نکل آنا چاہیے؟ امید ہے میری راہنمائی کرتے ہوئے یہ

فرمائیں گے کہ اس مسئلہ میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب اگر آپ کے لیے صورت حال کی اصلاح اور اس خرابی کا ازالہ ممکن نہیں ہے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اس گھر سے نکل جائیں کیونکہ قدرت کے باوجود اس گھر میں رہنا جائز نہیں۔ آپ کی والدہ کے لیے بھی واجب یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ نکل آئیں کیونکہ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ برائی کا ارتکاب کرنے والے کے ساتھ رہے جب کہ اسے چھوڑ دینے کی اسے قدرت حاصل ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غیراللہ کے لیے رکوع اور سجود جائز نہیں

سوال کیا کسی کے لیے مثلاً والدین کے لیے رکوع جائز ہے؟

جواب جائز نہیں ہے' بلکہ یہ تو شرک ہے کیونکہ رکوع بھی سجدہ کی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت ہے' لہٰذا یہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وہ مسلمان ہو کر نماز نہیں پڑھتا

سوال ایک انسان جو ماں باپ کی طرف سے مسلمان ہے مگر وہ نماز' روزہ اور دیگر شعائر اللہ کو ادا نہیں کرتا تو کیا اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے یعنی کوئی مسلمان اس کے ساتھ مل کر کھا سکتا ہے؟

جواب جب اس شخص کا یہ حال ہے کہ وہ نماز' روزہ اور دیگر شعائر اسلام کو ادا نہیں کرتا تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ ایسے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے جس کی وجہ سے وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس سے تین دن تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کر لے تو الحمد للہ ورنہ مسلمان حاکم اس پر وہ حد نافذ کرے گا جو شریعت نے واجب قرار دی ہے کہ مرتدین کو قتل کر دیا جائے۔ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس سے دوستی اور میل جول رکھیں' البتہ اسے وعظ و نصیحت کرنے کے لیے میل جول رکھ سکتے ہیں' شاید یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور توبہ کر لے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

افضل یہ ہے کہ والدین کے لیے دعا کرو

سوال اگر میں اپنی ماں کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کروں تو کیا یہ جائز ہے؟ کیا اس صدقہ کا اسے ثواب پہنچے گا؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ انسان اپنے فوت شدہ والدین کی طرف سے صدقہ کرے جس کی طرف سے صدقہ کیا جائے اسے اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے' انہیں اگر بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔ [1] اس طرح نبی ﷺ نے سعد بن

[1] صحیح البخاری' الوصایا' باب ما یستحب لمن توفی فجأة ان یتصدقوا عنه --- الخ' حدیث: 2760

عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ مدینہ میں اپنے کھجور کے باغ کو اپنی ماں کی وفات کے بعد ان کی طرف سے صدقہ کر دیں۔ [1] لیکن افضل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرے اور نیک اعمال اپنے ثواب کے لیے کرے کیونکہ سلف سے یہی منقول ہے' بلکہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے (۱) جو اس نے صدقہ جاریہ کیا ہو (۲) یا اس نے جو علم نافع چھوڑا ہو (۳) یا اس کا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔"

لیکن اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد کچھ نیک اعمال ان کی طرف سے نیت کرتے ہوئے ادا کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اپنی بیوی کے ساتھ رہو اور اپنے اہل سے تعلق قطع نہ کرو

سوال چار ماہ ہوئے میں نے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی اور ہم اپنے خاندان کے گھر میں اکٹھے رہ رہے ہیں۔ ایک دن میری بیوی اور دیگر گھر والوں میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی' جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب اس نے یہ مطالبہ شروع کر دیا ہے کہ ہم اپنی رہائش الگ کر لیں تاکہ مشکلات سے بچ سکیں۔ یا پھر ہم اس کے باپ کے گھر میں سکونت اختیار کر لیں اور میں اپنے گھر والوں سے بھی تعلقات قائم رکھوں اور ہمیشہ ان کی خبر گیری بھی کرتا رہوں۔ میں نے اس تجویز کو جب اپنے گھر والوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے مسترد کر دیا اور اصرار کیا کہ میں ان کے ساتھ ہی رہوں۔ اگر میں ان کے اس اصرار کے باوجود انکار کر دوں اور اپنی بیوی کے ساتھ اس کے باپ کے گھر کے ایک حصہ میں سکونت اختیار کر لوں تو کیا اس میں گناہ ہو گا؟

جواب آدمی کے گھر والوں اور اس کی بیوی کے درمیان اس طرح کے اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال میں چاہیے کہ آدمی اپنے گھر والوں اور بیوی کے مابین مقدور بھر کوشش کر کے صلح کرا دے اور جو شخص ظلم و زیادتی کرنے والا ہو اسے سرزنش کرے اور احسن انداز میں سمجھا دے تاکہ فریقین میں الفت و محبت پیدا ہو جائے' کیونکہ الفت و محبت ہی سراپا خیر ہے۔ اگر صلح کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے تو پھر الگ سکونت اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اس میں سب کے لیے اصلاح اور منفعت ہوتی ہے کہ اس سے ایک دوسرے کے دل سے کدورت جاتی رہتی ہے۔ الگ سکونت اختیار کرنے کی صورت میں انسان کو اہل خانہ سے قطع تعلق نہیں کرنا بلکہ ان سے ملتے جلتے رہنا چاہیے۔ بلکہ وہ جس گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ سکونت پذیر ہو اگر وہ اس کے اہل خانہ کے گھر سے قریب ہو تو زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس سے ملنے

[1] صحیح البخاری' الوصایا' باب الاشهاد فی الوقف والصدقة' حدیث: 2762

جلنے اور ان سے تعلق رکھنے میں سہولت ہو گی۔ اگر ایک ہی جگہ سکونت رکھنے میں سب کے لیے دشواری ہو تو پھر الگ رہائش اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے' بشرطیکہ وہ اپنی بیوی اور اپنے تمام اہل خانہ کے حقوق ادا کرتا رہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مذاق اڑانے والے بھائی سے معاملہ

سوال میرا ایک بڑا بھائی ہے جو میرا بہت مذاق اڑاتا رہتا ہے۔ وہ میرے بارے میں کہتا ہے کہ میں منافق ہوں کیونکہ میں تنہائی میں اپنے کمرے میں گانے سنتا ہوں۔ کچھ مدت کے بعد میں وسوسے میں مبتلا ہو کر اس دین سے دور ہو جاؤں گا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ان باتوں سے باز آ جائے مگر وہ نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میری راہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب واجب یہ ہے کہ آپ اس کے راہ راست پر آنے سے مایوس نہ ہوں۔ (دیکھا گیا ہے کہ) بہت سے لوگ ایسے تھے جن کے اعمال درست نہ تھے مگر پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے سرفراز فرما دیا' لہٰذا اپنے بھائی کو کثرت سے سمجھاتے رہیں۔ انہیں دینی موضوع پر کچھ کیسٹیں اور کتابیں بھی بطور تحفہ دے دیں' شائد آپ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرما دے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب على بن أبي طالب ... الخ، ح:٣٧٠١ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب، ح:٢٤٠٦)

"اگر آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ آپ کے لیے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بھی زیادہ بہتر ہے۔"

آپ انہیں بار بار سمجھاتے رہیں اور اس کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کریں جس طرح کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

﴿ يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱنۡهَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَٱصۡبِرۡ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ ﴿١٧﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٧)

"پیارے بیٹے! نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

تارک نماز کا روزہ اور حج قبول نہیں

سوال میری والدہ کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو گیا تھا' انہوں نے کبھی بھی رمضان کے روزے نہیں رکھے تھے۔ اور نماز بھی انہوں نے اپنی عمر کے صرف آخری سال میں شروع کی تھی۔ انہوں نے حج کی بھی نیت کی تھی مگر موسم حج سے پہلے ہی

ان کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا تو کیا یہ جائز ہے کہ میں ان کی طرف سے ان مہینوں کے روزے رکھوں جو انہوں نے نہیں رکھے تھے؟ یاد رہے انہوں نے وفات سے پہلے نماز شروع کر دی تھی' کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کر سکتا ہوں؟ امید ہے جواب عطا فرمائیں گے' اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے۔ کیا کوئی ایسے طریقے یا ایسی عبادات ہیں جن کو میں ادا کر کے ان کا ثواب اپنی والدہ کو پہنچا دوں؟

جواب ترک نماز کے ساتھ ساتھ آپ کی والدہ نے جن روزوں کو ترک کیا' آپ ان کی قضا نہیں دے سکتے کیونکہ ترک نماز ایک کفر ہے جس سے عمل رائیگاں ہو جاتا ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے مابین عہد نماز ہے جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرما دی' اس کے بعد انہوں نے جن روزوں کو ترک کیا' آپ ان کی قضا دے سکتے ہیں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ، صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، ح:١٩٥٢ وصحيح مسلم، الصوم، باب قضاء الصوم عن الميت، ح:١١٤٧)

"جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔"

اگر آپ یا اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی اور روزے نہ رکھ سکے تو آپ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو نصف صاع کھجور یا چاول یا جو آپ کے شہر میں خوراک کھائی جاتی ہو' دے دیں۔ آپ کے لیے مشروع ہے کہ ان کے لیے کثرت سے دعا اور صدقہ اس امید سے کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ اسے نفع پہنچاوے گا بشرطیکہ انہوں نے وفات سے پہلے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو اسلام سے ارتداد کا موجب ہو۔ آپ ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی میں دولت مند تھیں تو پھر واجب یہ ہے کہ آپ ان کے لیے ان کے مال سے حج کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی کی توفیق اور اعانت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ ہبہ جائز ہے

سوال میری والدہ کو اپنے والد کی وفات کے بعد وراثت سے جو حصہ ملا' وہ انہوں نے اپنے بھائی کو دے دیا حالانکہ ان کے اپنے آٹھ بچے اور بچیاں ہیں' تو کیا اس طرح کا ہبہ شرعاً جائز ہے؟ ان کی وراثت میں سے ان کی اولاد کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب جیسا کہ سائل نے پوچھا ہے اس عورت نے اپنے والد کی وراثت سے ملنے والا حصہ اپنے بھائی کو ہبہ کر دیا تو کیا یہ عطیہ جائز ہے؟ ہم عرض کریں گے کہ اگر اس عورت نے اپنی صحت کی حالت میں یہ عطیہ دیا ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتی ہے' البتہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ

دے۔ اولاد کے علاوہ اگر اپنے بھائی یا کسی اور رشتہ دار کو کوئی عطیہ دینا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے اور اسے اس حق کے استعمال سے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اس کی وراثت سے ان کا کتنا حصہ ہے؟ اگر سائل کا مقصود یہ ہے کہ اس عورت کو اپنے باپ سے جو وراثت ملی ہے' اس میں ان کا کتنا حصہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک ان کی ماں بقید حیات ہے ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی وفات کے وقت حالات کے مطابق انہیں وراثت سے ضرور حصہ ملے گا' اس پر ابھی سے حکم لگانا ممکن نہیں۔

اگر اس عورت نے اپنے باپ کی طرف سے ملنے والی وراثت اپنے بھائی کو اپنے مرض موت میں یا اس بیماری میں جو اس کے حکم میں ہو' عطیہ کی ہے تو اس حالت میں اسے اپنے مال کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے' لہٰذا اگر باپ سے ملنے والی وراثت اس کے کل مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ ہو تو یہ عطیہ وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر یہ عطیہ اس کے کل مال کے ایک تہائی حصہ سے کم ہو تو پھر یہ جائز ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اس کی بیوی کی بہن اس سے کینہ رکھتی ہے

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی مگر اس عورت کی بہن اس مرد کو ناپسند کرتی اور اس سے کینہ رکھتی ہے۔ اس نے مختلف طریقوں سے بڑی کوشش کی کہ یہ شادی سرانجام نہ پائے مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ شادی ہو جائے۔ اب آدمی نے اپنی بیوی سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی بہن سے تعلق نہ رکھے تاکہ اختلافات اور مشکلات سے بچ سکے' لیکن بیوی اس بات پر مصر ہے کہ وہ اپنی بہن سے ترک تعلق نہیں کرے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ قطع رحمی ہو گی اور قطع رحمی دین و شریعت کے خلاف ہے مگر شوہر اپنی بیوی سے اس مقاطعہ کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب اس آدمی کو چاہیے کہ پہلے اپنی نیت اور اپنے قصد و عمل کی اصلاح کرے' عبادات کو پابندی سے ادا کرے' محرمات سے دور رہے اور ان امور سے اجتناب کرے جو اس کی بدنامی اور رسوائی کا سبب بنیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے' دستور کے مطابق اس کے ساتھ زندگی بسر کرے' اس کے لیے اسباب راحت اور خوش گوار زندگی کے تقاضوں کو فراہم کرے اور لڑائی جھگڑے اور اختلافات کے اسباب سے دور رہے اور ان باتوں سے بچے جو ناراضی' حسد' کینہ اور نفرت کو جنم دینے والے ہوں۔ جب وہ ایسا سب کچھ کرے گا تو اس کی بیوی اس کی صحبت میں رغبت رکھے گی' اس کے کردار کی تعریف کرے گی اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں راحت محسوس کرے گی۔ جو اس پر تنقید کرے گا اسے سختی سے رد کر دے گی اور اس کی تردید کرے گی جو اس پر ایسی بہتان طرازی کرے گا جس سے یہ بری ہو' خواہ وہ اس کی بہن ہو یا کوئی اور ہو' لہٰذا اسے اپنی بیوی کو بہن سے ملنے جلنے سے منع نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کوئی اختلاف یا بغض پیدا کرے گی۔ بلکہ اس کی بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے اور ان سے قطع تعلق نہ کرے کیونکہ قطع رحمی کے بارے میں بہت زیادہ وعید آئی ہے۔ ملنے جلنے سے ہو سکتا ہے کہ اس کی بہن کے دل میں اس کے شوہر کے بارے میں جو عداوت اور کراہت ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس کی

بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنی بہن کو توبہ کرنے اور اس کے شوہر کے بارے میں حسن ظن رکھنے کی ترغیب دے۔ اس کے سامنے اپنے شوہر کے حسن اخلاق' اس کی شریفانہ عادتوں اور نیک خصلتوں کا تذکرہ کرے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم

سوال ایک شخص اندر داخل ہوا جب کہ میں بھی وہاں مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ حاضرین اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے لیکن میں کھڑا نہ ہوا۔ کیا کھڑا ہونا میرے لیے لازم تھا؟ کیا کھڑا ہونے والوں کو گناہ ہو گا؟

جواب آنے والے کے لیے کھڑا ہونا لازم تو نہیں ہے لیکن یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ جو شخص آنے والے کے لیے کھڑا ہو تاکہ اس سے مصافحہ کرے اور اس کے ہاتھ کو پکڑ لے' خصوصاً اگر صاحب خانہ کھڑا ہو تو یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ نبی ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے لیے کھڑی ہوتی تھیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے حکم سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے تھے' جب کہ وہ بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا تھا۔ حضرت طلحہ کھڑے ہوئے تاکہ ان سے مصافحہ کریں اور انہیں توبہ کی قبولیت پر مبارک باد پیش کریں۔ اس کے بعد وہ مجلس میں بیٹھ گئے تھے۔ بہرحال اس بات کا تعلق مکارم اخلاق سے ہے اور اس میں توسع ہے۔

غلط بات یہ ہے کہ کوئی کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو لیکن مہمان کے استقبال' اس کی عزت افزائی یا اس سے مصافحہ و سلام کے لیے کھڑا ہونا تو ایک امر مشروع ہے۔ لوگ بیٹھے ہوں اور کسی کا تعظیم کے لیے کھڑا ہونا یا داخل ہوتے وقت سلام و مصافحہ کے بغیر کھڑا ہونا درست نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ غلط بات یہ ہے کہ کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا جائے جب کہ وہ خود بیٹھا ہو اور یہ حفاظت وغیرہ نہیں بلکہ صرف تعظیم کے لیے کھڑا ہو۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ کھڑے ہونے کی تین قسمیں ہیں:

① کسی کی تعظیم کے لیے کوئی کھڑا ہو جب کہ وہ بیٹھا ہو جیسا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی بیان فرمایا ہے' تو یہ قیام جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بیٹھ کر نماز پڑھائی تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں اور جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ تم بھی میری اس طرح تعظیم کرتے جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کی تعظیم کرتے ہیں۔

② کسی کے آنے یا جانے کے وقت کھڑا ہو اور اس سے مقصود سلام یا مصافحہ کے لیے کھڑا ہونا نہ ہو بلکہ محض تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ہو۔ اس صورت کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے' وہ یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ نبی ﷺ جب تشریف لاتے تو حضرات صحابہ کرام کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی ﷺ اس کو پسند نہیں فرماتے۔

③ آنے والے کے سامنے اس لیے کھڑا ہو تاکہ اس سے مصافحہ کرے یا اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اسے اس کی جگہ بٹھا دے یا اس طرح کا کوئی اور مقصد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اکابر اور ان مہمانوں کے لیے کھڑا ہونا تو سنت ہے' جن کے لیے کھڑے ہونے کی (ان کی مجبوری و معذوری کی وجہ سے) ضرورت ہو۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن باز ——

اگر آپ برائی کو ختم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ---

سوال ہماری خاندانی مجلسوں میں غیبت، تمباکو نوشی، تاش کھیلنا اور فلم بینی ہوتی ہے۔ میں لوگوں کو اس برائی سے منع تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح اندیشہ ہے کہ وہ مزید سرکش ہو جائیں گے اور علماء و دعاۃ کو برا بھلا کہنے لگ جائیں گے جیسا کہ مجلسوں میں ان کی عادت ہے۔ تو کیا میں ان لوگوں کی ہم نشینی چھوڑ کر ان سے قطع تعلق کر لوں یا کیا کروں؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب اگر آپ اس برائی کو ختم کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے، جس میں یہ لوگ مبتلا ہو چکے ہیں، تو پھر آپ کے لیے واجب ہے کہ ان کی مجلسوں سے تعلق ختم کر لیں کیونکہ جو شخص کسی برائی کے مرتکب کے ساتھ بیٹھے تو اسے بھی اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا برائی کا ارتکاب کرنے والے کو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

اگر ان بری مجلسوں کے مقاطعہ کی وجہ سے مستقبل میں وہ بھی آپ سے تعلق ختم کر کے قطع رحمی کر لیں گے تو اس میں نقصان کی کوئی بات نہیں۔ جب وہ آپ کے ساتھ قطع رحمی کریں تب بھی آپ مقدور بھر ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتے رہیں۔ انہیں قطع رحمی کی وجہ سے گناہ اور آپ کو صلہ رحمی کی وجہ سے اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

میری جماعت کی مجلس غیبت پر مبنی ہوتی ہے

سوال میری جماعت کی مجلس غیبت، چغلی اور تاش کے کھیل وغیرہ پر مبنی ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس مجلس میں بیٹھنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ اس مجلس کے اکثر لوگوں کے ساتھ میرے اخوت، محبت اور دوستی وغیرہ کے تعلقات ہیں۔

جواب یہ جماعت جس کی مجلس میں اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس جماعت کے لوگ در حقیقت بڑے ہی بے وقوف ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ﴾

(الحجرات٤٩/ ١٢)

"اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے؟ اسے تو تم ناپسند کرتے ہو۔"

یہ لوگ جو اپنی مجلسوں میں لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں والعیاذ باللہ' یہ ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں' لہٰذا آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ انہیں نصیحت کریں۔ اگر یہ آپ کی بات کو قبول کر کے اس گناہ کو ترک کر دیں تو بہت خوب! ورنہ آپ کے لیے یہ واجب ہو گا کہ ان لوگوں کی مجلس سے اٹھ جائیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ ﴾

(النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بلاشبہ اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کو جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں' انہی کے حکم میں کر دیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کی جگہ بیٹھنے والے کو' بھی اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ غیبت کرنے والے کو اور پھر یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے لہٰذا آپ پر واجب یہ ہے کہ ان مجلسوں کو چھوڑ دیں' ان مجلسوں میں نہ بیٹھیں' ان لوگوں کے ساتھ دنیوی تعلقات کی مضبوطی روز قیامت آپ کے کسی کام نہ آئے گی۔ قبر میں جب آپ تنہا ہوں گے ان لوگوں کی دوستی کسی کام نہ آئے گی۔ عنقریب ایک دن آپ ان کو چھوڑ ہی جانے والے ہیں یا وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور پھر ہر شخص سے الگ الگ اس کے عمل کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ ﴾ (الزخرف٤٣/ ٦٧)

"(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے۔)"

—— شیخ ابن عثیمین ——

بے نماز دوست سے معاملہ

سوال میرا ایک بہت ہی عزیز دوست ہے جو بہت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے' لیکن اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس دوست کے بلند اخلاق کی وجہ سے مجھے اس سے محبت ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس سے دوستی رکھوں یا نہ رکھوں؟ سماحۃ الشیخ! راہنمائی فرمائیں کہ اسے کس طرح قائل کروں کہ وہ نماز ادا کرنے لگ جائے؟ اور اگر وہ ترک نماز ہی کو اپنا معمول بنائے رکھے تو کیا میرے لیے لازم ہے کہ اس کی دوستی ترک کر دوں؟

جواب نماز اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد عظیم ترین رکن ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ باقی باتوں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔ صحیح حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"وہ عہد جو ہمارے اور ان لوگوں کے مابین ہے' وہ نماز ہے۔ جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح: ٨٢)

"بے شک آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز ہے۔"

عبداللہ بن شقیق عقیلی جو کہ ثقہ تابعین میں سے ہیں' بیان فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ [1] یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت کے نزدیک ترک نماز کفر اکبر ہے خواہ وہ اس کے وجوب کا انکار نہ بھی کرے' جیسا کہ ان اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور بلا شک و شبہ یہی بات حق ہے۔ کچھ دیگر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ ترک نماز کفر اصغر ہے' مگر یہ بہت بڑا جرم ہے حتیٰ کہ زنا اور چوری وغیرہ سے بھی بڑا جرم۔ اگر کوئی شخص نماز کے واجب ہونے کا منکر ہو تو وہ بالاجماع کافر ہے۔ اے سائل! اس سے آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ آپ کے لیے مذکورہ بالا شخص کو نصیحت کرنا اور اسے ترک نماز سے ڈرانا واجب ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو الحمدللہ! اور اگر توبہ نہ کرے تو پھر آپ کے لیے واجب ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھیں اور براءت کا اظہار کر دیں اور اس کی دوستی ترک کر دیں حتیٰ کہ وہ اپنے اس کفر سے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر لے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٤)

"تمہیں ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضروری) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہوسکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔"

ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ تمام کافروں کے ساتھ وہ اسی قسم کا سلوک کرے' خواہ کفر ترک نماز کی صورت میں ہو یا انکار وجوب کی صورت میں یا دین اسلام کو گالی دینے یا اس کا مذاق اڑانے کی شکل میں یا کسی اور انداز میں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز سے بچائے جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔ انہ خیر مسئول۔

—— شیخ ابن باز ——

رزق کمانا شرعاً مستحسن ہے

سوال میں پچیس سال کا ایک نوجوان ہوں اور اللہ کے احکام کا پابند۔ میرے کچھ یتیم بھائی بھی ہیں اور اکثر و بیشتر ہمارا گزارا مخیر لوگوں کی خیرات پر ہے۔ میں جہاد کے لیے افغانستان بھی گیا اور وہاں تین سال تک رہا۔ اب واپس آیا ہوں تو مجھے ایک کام کی پیشکش ہوئی ہے لیکن میرا دل کام کرنے اور دوسروں کے احکام کی پابندی کرنے کو نہیں چاہتا۔ سوال یہ ہے کہ

[1] جامع الترمذی' الایمان' باب ماجاء فی ترک الصلاۃ' حدیث: 2622

اگر میں کوئی کام نہ کروں تو کیا مجھے گناہ ہے؟ کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنے بھائیوں کے مال کو لے کر اس سے اپنے دوستوں کی مہمان نوازی کروں؟ امید ہے شافی جواب عطا فرمائیں گے کیونکہ میرے علاوہ یہ مسئلہ کئی اور نوجوانوں کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

جواب آپ کو چاہیے کہ رزق کمائیں اور اپنی اور اپنے بھائیوں کی بھی ضروریات کو---اگر وہ خود رزق کمانے سے قاصر ہوں--- پورا کریں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الساعي علي الأرملة، ح:٦٠٠٦ وصحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، ح:٢٩٨٢)

"بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔"

راوی کا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

«وَكَالْقَائِمِ لاَ يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لاَ يُفْطِرُ»(صحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، ح:٢٩٨٢)

"وہ اس قیام کرنے والے کی طرح ہے جو کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرے اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزے کا ناغہ نہ کرے۔"

آپ کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے اور اپنے مہمانوں پر خرچ کرنے کے لیے اپنے یتیم بھائیوں کے مال کو استعمال کریں اِلّا یہ کہ آپ عاجز و قاصر ہوں کہ کچھ کما نہ سکیں' یا آپ کے بھائی بڑے ہو کر سمجھ دار ہو جائیں اور آپ کو اپنا مال استعمال کرنے کی اجازت دے دیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میرے والد کی کمائی حرام ہے

سوال اگر میرے والد کی کمائی حرام ہو تو کیا اسے کھانا ہمارے لیے جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر والد کی کمائی حرام ہو تو واجب ہے کہ اسے سمجھایا جائے' لہٰذا اگر ممکن ہو تو خود اسے سمجھاؤ یا ان اہل علم سے مدد لے لو جن کے لیے اسے قائل کرنا ممکن ہو یا ان کے دوستوں اور ساتھیوں سے مدد لے لو شاید وہ انہیں قائل کر سکیں اور وہ حرام کمائی سے اجتناب کرنے لگ جائیں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بقدر ضرورت کھا سکتے ہو اور اس حالت میں تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا' لیکن تمہارے لیے ضرورت سے زیادہ مال لینا جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ جس شخص کی کمائی حرام ہو اس کے مال کے کھانے کے جواز میں شبہ موجود ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میں دینی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر---

سوال میں دینی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جب کہ میرے والد کا اصرار ہے کہ میں عصری علوم حاصل کروں تو اس سلسلہ

میں میرے لیے کیا واجب ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کو چاہیے کہ دینی علوم ہی حاصل کریں اور خوب محنت کریں اور اپنے والد کو قائل کریں کہ آپ کے لیے دینی علوم ہی کو حاصل کرنا واجب ہے۔ علماء شرع کے نزدیک دین کا علم سیکھنا اور اس میں فقاہت حاصل کرنا واجب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في اجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت نیکی میں ہے۔" اور فرمایا:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (شرح السنة للبغوي:١٠/ ٤٤، ح:٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/ ١٧٠، ح:٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔"

(یہی وجہ ہے کہ) اللہ کی نافرمانیوں میں اور حق کے خلاف والدین کی اطاعت نہیں کی جاتی' یعنی نیکی کے کام میں تو والدین کی اطاعت کی جاتی ہے مگر برائی کے کام میں ان کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔

——— شیخ ابن باز ———

انہوں نے اپنی حق تلفی کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کیا

سوال میری تین پھوپھیاں ہیں' ان میں سے بڑی ہمارے گھر میں' دوسری اپنے داماد کے ساتھ اور تیسری اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ ان سب نے مل کر مجھ سے تعلق منقطع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ یہ ہماری مشترکہ جائیداد کو میری اجازت کے بغیر فروخت کرنا چاہتی تھیں حالانکہ میں بھی اس جائیداد میں ان کے ساتھ شریک ہوں اور پھر ابھی تک ہم میں سے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا حصہ کتنا ہے' اس لیے میں نے خریدار کو نہ صرف اس جائیداد کے خریدنے سے منع کر دیا' بلکہ اس رقم کو بھی واپس کر دیا جو اس نے انہیں ادا کی تھی۔ میں اس جائیداد یا اس کی قیمت سے کوئی استفادہ نہیں کرنا چاہتا' اس لیے میں نے جائیداد کو انہی کے پاس رہنے دیا اور خود سفر پر چلا گیا۔ میں چاہتا یہ تھا کہ اس زمین کی پیداوار پر گزارہ کریں اور گھر پر رہیں مگر اس میں از خود کوئی تصرف نہ کریں۔ ان کے قطع تعلق کے بعد میں نے بھی اپنے آپ کو ان سے الگ کر لیا ہے اور اب میں تن تنہا رہ رہا ہوں' لیکن ڈرتا ہوں کہ قطع رحمی کی سزا کا مستحق قرار نہ پاؤں تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ کا اپنی پھوپھیوں کو اپنے اس حق کے فروخت کرنے سے منع کرنا جو انہیں باپ کی وراثت سے ملا ہے' ظلم و زیادتی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصہ میں تصرف کا شرعاً حق حاصل ہے اور کسی کو (اس وقت تک) یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انہیں تصرف سے منع کرے' جب تک کہ وہ شرعاً اس میں تصرف کی اہل ہوں۔ آپ کے اور ان کے درمیان تعلق کے منقطع ہونے کا سبب آپ ہیں' لہٰذا اس عظیم گناہ سے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں۔ آپ ان سے معافی طلب کریں اور ان سے ملاقات کریں کیونکہ اللہ بزرگ و برتر نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ﴾ (النساء٤/ ١)

"اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے بچو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَءَاتِ ذَا ٱلْقُرْبَىٰ حَقَّهُۥ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٦)

"اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو۔"

علماء کا اجماع ہے کہ صلہ رحمی واجب اور قطع رحمی حرام ہے۔ امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف ... الخ، ح:٦١٣٨)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔"

فتویٰ کمیٹی

ان کی یہ ناراضی بلا وجہ ہے

سوال میرا ایک بچہ ہے اور اب میری بیوی حاملہ ہے۔ میں نے اپنی والدہ کو بلایا تاکہ وہ ہمارے پاس رہے لیکن وہ اپنے ساتھ میرے بھائی کے تین بچوں کو بھی لے آئی' جس کی وجہ سے ہمارا بجٹ بہت متاثر ہوا حتیٰ کہ مجھے قرض لینا پڑ گیا ہے۔ اگر میں اپنی والدہ کی ضروریات کو تو پورا کروں مگر اپنے بھائی کے بچوں کو واپس کر دوں تو کیا اس سے اپنی والدہ کا نافرمان بن جاؤں گا؟ یاد رہے! والدہ یہ چاہتی ہیں کہ میں ان کے ان پوتوں کو بھی خوش رکھوں۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قول صحیح ہے کہ "جس نے اپنے والدین کو ناراض کیا وہ نافرمان ہے"؟

جواب اگر آپ کا بجٹ قلیل ہے اور وہ آپ کے بھتیجوں پر خرچ کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا' تو ان پر خرچ کرنا آپ کے لیے واجب نہیں ہے۔ آپ اس سلسلہ میں اپنی والدہ کو قائل کر سکتے ہیں' ان کے سامنے یہ بات واضح کر دیں کہ اگر آپ ان پر خرچ نہ کر سکیں تو آپ معذور ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا اور اللہ تعالیٰ اس پر اسی قدر بوجھ ڈالتا ہے جس قدر اس نے اسے دیا ہوتا ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس صورت حال میں آپ کی ماں آپ سے ناراض ہوں گی کیونکہ اس حال میں ان کی ناراضی بلا وجہ ہے' لہٰذا آپ کو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورہ بالا قول کا تعلق ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ ان کی طرف اس کا انتساب صحیح ہے یا نہیں؟ البتہ اس کے معنی صحیح ہیں کہ انسان جب کسی شرعی عذر کے بغیر اپنے والدین کو ناراض کرتا ہے تو وہ ان کا نافرمان ہے کیونکہ والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ انہیں راضی رکھیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کریں۔

شیخ ابن عثیمین

٣٠

اللِّبَاس وَالزِّينَة

لباس اور زینت کے احکام

لباس اور زینت کے احکام

ٹخنوں سے نیچے کپڑے لٹکانے کا حکم

شیخ علامہ محمد صالح عثیمین فرماتے ہیں: اگر ٹخنوں سے نیچے تہہ بند لٹکانے سے مقصود تکبر ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ روز قیامت ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ (نظر رحمت سے) نہ دیکھے گا' نہ کلام کرے گا' نہ اسے پاک کرے گا' بلکہ اسے دردناک عذاب دے گا اور اگر اس سے مقصود تکبر نہ ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کے حصہ کو آگ کے ساتھ عذاب دے گا' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ [إِزَارَهُ] وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار زالمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

”تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔“

اور فرمایا:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

”جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔“

یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے' جو اپنے کپڑے کو از راہ تکبر لٹکائے اور جس کا مقصد تکبر نہ ہو تو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

”تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا۔“

اس حدیث میں تکبر کی قید نہیں ہے اور سابقہ حدیث کے پیش نظر یہ صحیح بھی نہیں کہ اسے تکبر کے ساتھ مقید کیا جائے کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ وَلاَ حَرَجَ - أَوْ: لاَ جُنَاحَ - فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَمَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَّمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب في قدر موضع الإزار، ح:٤٠٩٣ وسنن ابن ماجه، ح:٣٥٧٣ والسنن الكبرى

للنسائي: ٥/ ٤٩٠، ح: ٩٧١٦ والموطأ للإمام مالك: ٢/ ٩١٤، ٩١٥)

"مسلمان کا تہ بند نصف پنڈلی تک ہونا چاہیے' اس میں کوئی حرج نہیں یا یہ فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں جو نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا اور جو شخص از راہ تکبر کپڑا نیچے لٹکائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔"

اس حدیث کو امام مالک' ابو داود' نسائی' ابن ماجہ اور ابن حبان نے "صحیح" میں بیان کیا ہے۔ "الترغیب والترهیب" کے باب "الترغيب في القميص" ص: ٨٨' ج: ٣ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

یہ دو مختلف عمل اور دو مختلف سزائیں ہیں اور جب حکم اور سبب مختلف ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا ممنوع ہوتا ہے کیونکہ اس سے تناقض لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ میں جو لوگ حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ حدیث تمہارے لیے حجت نہیں بن سکتی اور اس کے دو اسباب ہیں: (۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میرے کپڑے کی ایک جانب ڈھیلی ہو جاتی ہے الا یہ کہ میں اسے اوپر اٹھا لوں۔ یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے کو از راہ تکبر ڈھیلا نہیں چھوڑا تھا بلکہ وہ ڈھیلا پڑ جاتا تھا اور اس کے باوجود آپ اسے اوپر اٹھا لیتے تھے لیکن جو لوگ کپڑے کو لٹکائے رکھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا مقصد تکبر کرنا نہیں ہے' وہ گویا قصد و ارادہ سے کپڑے کو لٹکاتے ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم بغیر قصد کے اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاؤ گے تو جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا صرف اسے جہنم کی آگ میں عذاب دیا جائے گا اور اگر تم از راہ تکبر کپڑے کو نیچے لٹکاؤ گے تو تمہیں اس سے بھی زیادہ عذاب دیا جائے گا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت تم سے کلام بھی نہیں کرے گا' نہ تمہاری طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا اور نہ تمہیں پاک کرے گا اور تمہارے لیے دردناک عذاب ہو گا۔

(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تزکیہ تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا اور آپ کے حق میں یہ شہادت دی تھی کہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں' جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ان لوگوں میں سے بھی کسی کو ایسا تزکیہ اور ایسی شہادت حاصل ہے؟ شیطان کچھ لوگوں کے لیے یہ راستہ کھول دیتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے متشابہ نصوص کی پیروی کرتے ہیں تاکہ اپنے عمل کا جواز فراہم کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کپڑا لٹکانے کے حدود

سوال کپڑا لٹکانے کے کیا حدود ہیں اور کپڑے لٹکانے کی آخر حد کہاں تک ہے؟

جواب مردوں کے لیے کپڑا لٹکانا حرام ہے اور جو شخص باز نہ آئے اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ مومن کا تہ بند نصف پنڈلیوں تک ہوتا ہے۔ کپڑا اگر پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو تو جائز ہے' البتہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو حرام ہے۔ ایسا کرنے والے کو دنیا میں تعزیری سزا اور آخرت میں عذاب ہو گا کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔'' (نیز دیگر بہت سی صحیح احادیث سے بھی یہ ثابت ہے۔)

—— فتویٰ کمیٹی ——

تکبر نہیں بلکہ عادت

سوال رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے کو لٹکائے گا' وہ جہنم میں جائے گا۔ ہمارے کپڑے ٹخنوں سے نیچے ہوتے ہیں۔ ہمارا قصد تکبر اور فخر نہیں ہوتا بلکہ اسے بس عادت سمجھئے تو کیا پھر بھی یہ فعل حرام ہو گا؟ جو شخص اپنا کپڑا لٹکاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔'' (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں بیان فرمایا ہے)

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

''تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔''

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں بیان فرمایا ہے۔ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا مطلقاً حرام ہے' خواہ لٹکانے والا یہ گمان کرے کہ اس کا مقصد تکبر اور غرور نہیں ہے' کیونکہ یہ تکبر کا وسیلہ ہے۔ اس میں اسراف اور فضول خرچی بھی ہے اور پھر اس سے کپڑے میلے اور ناپاک بھی ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی از راہ تکبر ایسا کرے تو اس سے معاملہ سنگین اور گناہ اور بھی شدید ہو جائے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره

من غير خيلاء، ح: ٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح: ٢٠٨٥)

"جو شخص از راہ تکبر کپڑا لٹکائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔"

کپڑا لٹکانے کی حد ٹخنے ہیں۔ کسی بھی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکائے' کیونکہ مذکورہ بالا احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ عورتوں کے کپڑے اس قدر لمبے ہونے چاہئیں جو ان کے پاؤں کو چھپالیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کوشش کے باوجود میرا کپڑا نیچے لٹک جاتا ہے تو آپ نے ان سے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء ... الخ، ح: ٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح: ٤٠٨٥)

"آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو اس سے مراد یہ ہے کہ جس کا کپڑا قصد و ارادہ کے بغیر لٹک جاتا ہے اور وہ اسے اونچا اٹھائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے' کیونکہ اس نے قصداً ایسا نہیں کیا اور نہ اس کا مقصد تکبر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص جان بوجھ کر کپڑا لٹکاتا ہے تو اس پر فخر و غرور کا الزام لگایا جائے گا کیونکہ اس کا یہ عمل فخر و غرور کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور یہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ دلوں میں کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا لٹکانے کی سزا سے ڈرانے کی احادیث کو مطلق بیان فرمایا ہے' ان میں یہ نہیں فرمایا کہ جس کا مقصد تکبر نہیں ہوگا اسے سزا نہیں ملے گی۔ مسلمان کے لیے واجب ہے کہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے' اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے اسباب سے دور رہے' اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے پاس رک جائے۔ اللہ سے ثواب کی امید رکھے' اس کے عذاب سے ڈرے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٧﴾ ﴾ (الحشر ٥٩/ ٧)

"جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا (عذاب) دینے والا ہے۔"

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَـٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

"(تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ دوزخ میں

ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہو گا۔"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز کی توفیق عطا فرمائے' جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور مسلمانوں کے دین و دنیا کے تمام معاملات کی بہتری و بھلائی ہو۔ انه خیر مسؤول۔

——— شیخ ابن باز ———

تکبر کے بغیر کپڑے لٹکانا

سوال کیا تکبر کے بغیر کپڑے لٹکانا بھی حرام ہے یا نہیں؟

جواب مردوں کے لیے کپڑے لٹکانا حرام ہے' خواہ یہ تکبر کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے' البتہ اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو پھر اس کی سزا زیادہ سنگین اور شدید ہے' جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلاَثَ مِرَارٍ قَالَ أَبُوذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللهِ ! قَالَ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

یہ حدیث اگرچہ مطلق ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے مقید ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو لٹکایا' اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔"

یعنی یہ کام جب از راہ تکبر ہو گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (نظر رحمت سے) نہ دیکھے گا' نہ اسے پاک کرے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور یہ سزا اس شخص کی سزا سے بڑھ کر ہے' جو اپنے کپڑے کو تکبر کے بغیر اپنے ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔"

جب یہ دو مختلف سزائیں ہیں تو پھر مطلق کو مقید پر محمول کرنا ممنوع ہے کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے قاعدہ کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں نصوص کا حکم ایک ہو اور جب حکم مختلف ہو تو پھر ایک کو دوسرے کے ساتھ مقید نہیں کیا جا

سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آیت تیمم کو جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔" کو اس آیت وضو کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو۔"

لہذا تیمم کہنیوں تک نہیں ہو گا۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دیگر محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ وَلاَ حَرَجَ ـ أَوْ: لاَ جُنَاحَ ـ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَمَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَّمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب في قدر موضع الإزار، ح:٤٠٩٣ وسنن ابن ماجه، ح:٣٥٧٣ والسنن الكبرى للنسائي: ٥/ ٤٩٠، ح:٩٧١٦ والموطأ لإمام مالك: ٢/ ٩١٤، ٩١٥)

"مومن کا تہ بند نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں --یا یہ فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں-- جو نصف پنڈلی اور دونوں ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا اور جس شخص نے از راہ تکبر اپنا کپڑا لٹکایا' اللہ تعالیٰ اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں اور ان کی سزاؤں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کا حکم بھی مختلف بیان فرمایا ہے' تو گویا یہ دو مختلف فعل ہیں جن کا حکم اور سزا بھی مختلف ہے۔ اس تفصیل سے اس شخص کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ)) کو فرمان نبوی ((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ)) کے ساتھ مقید کرتا ہے۔ جب ان بعض لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے' جنہوں نے اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھا ہوتا ہے' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے از راہ تکبر ایسا نہیں کیا تو ان سے ہم یہ عرض کریں گے کہ کپڑا نیچے لٹکانے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں انسان کو صرف مخالفت کے مقام یعنی ٹخنوں سے نیچے کی جگہ پر عذاب دیا جائے گا اور اس سے مراد وہ ہے جو اپنے کپڑے کو تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص سے نہ کلام فرمائے گا' نہ اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ اسے پاک کرے گا' بلکہ اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور یہ سزا اس شخص کے لیے ہو گی جو اپنے کپڑے کو از راہ تکبر لٹکائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تکبر کے بغیر کپڑا نیچے لٹکانے کا حکم اور---

سوال تکبر کی وجہ سے یا بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی انسان اس کے لیے مجبور ہو جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے' خواہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اسے گھر والے مجبور کریں یا یہ عادت بن چکی ہو؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ مردوں کے لیے ایسا کرنا حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں جائے گا۔"

اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔"

یہ دونوں حدیثیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث عام ہیں اور یہ ہر اس شخص کے لیے ہیں۔ جو اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے' خواہ تکبر کی وجہ سے یا بغیر تکبر کے کیونکہ نبی ﷺ نے ان احادیث کو عام اور مطلق بیان فرمایا ہے' انہیں مقید بیان نہیں فرمایا' لہٰذا اگر کپڑا از راہ تکبر لٹکایا گیا ہو تو گناہ زیادہ بڑا اور وعید زیادہ شدید ہو گی' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جو شخص از راہ تکبر اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔"

یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ کپڑا نیچے لٹکانے کی یہ وعید تکبر کے ساتھ مقید ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں اسے تکبر کے ساتھ مقید نہیں کیا' جیسا کہ آپ نے دوسری حدیث میں بھی اسے مقید نہیں کیا جس میں آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ فرمایا تھا:

«إِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، ح:٤٠٨٤)

"کپڑے کو نیچے لٹکانے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ تکبر ہے۔"

اس حدیث میں آپ نے کپڑے کو نیچے لٹکانے کی تمام صورتوں کو تکبر قرار دیا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ تکبر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جس کا مقصد تکبر نہ بھی ہو تو یہ تکبر کا وسیلہ ضرور ہے اور وسائل کا حکم نتائج ہی کا ہوتا ہے اور پھر اس میں اسراف بھی ہے اور اس سے کپڑے بھی میلے اور ناپاک ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک نوجوان کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو آپ نے فرمایا:

«اِرْفَعْ ثَوْبَكَ، فَإِنَّهُ أَنْقَىٰ لِثَوْبِكَ، وَأَتْقَىٰ لِرَبِّكَ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان، ح: ٣٧٠٠)

"اپنے کپڑے کو اونچا اٹھاؤ' اس سے کپڑا صاف رہے گا اور رب راضی ہو جائے گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میرا تہ بند لٹک جاتا ہے حالانکہ میں اسے اونچا اٹھائے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح: ٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح: ٤٠٨٥)

"آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔" تو رسول اللہ ﷺ کی اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے لٹکے ہوئے کپڑوں کو اونچا اٹھالے تو وہ ان میں سے نہیں ہے' جو از راہ تکبر اپنے کپڑے لٹکاتے ہیں' کیونکہ اس نے انہیں خود نہیں لٹکایا بلکہ جب کپڑا لٹک جاتا ہے تو وہ اسے اٹھالیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ نہ لٹکے اور بلا شبہ ایسا شخص معذور ہے۔ لیکن جو شخص قصد و ارادہ سے اپنے کپڑے لٹکائے' خواہ وہ پاجامہ ہو یا شلوار یا ازار یا قمیص' تو وہ اس وعید میں شامل ہے اور کپڑے لٹکانے کے سلسلہ میں معذور نہیں ہے' کیونکہ کپڑا لٹکانے سے ممانعت کی یہ صحیح احادیث اپنے منطوق' معنی اور قصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ کپڑے لٹکانے سے اجتناب کرے' اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے تاکہ ان صحیح احادیث پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچ جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کپڑوں کا اٹھانا اور شلوار کو لٹکانا

سوال بعض لوگ اپنے دوسرے کپڑوں کو تو ٹخنوں سے اوپر اٹھائے رکھتے ہیں مگر ان کی شلواریں نیچے لٹکی ہوتی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام اور منکر ہے خواہ وہ قمیص ہو یا تہ بند یا شلوار یا پاجامہ اور لٹکانے سے مراد یہ ہے کہ اسے ٹخنوں سے نیچے لٹکایا جائے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح: ٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔" (اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت فرمایا ہے)

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ:

اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بھی فرمایا تھا:

«إِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، ح:٤٠٨٤)

"اپنے آپ کو کپڑے لٹکانے سے بچاؤ کیونکہ یہ تکبر ہے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کپڑا نیچے لٹکانا کبیرہ گناہ ہے' خواہ ایسا کرنے والا یہ گمان کرے کہ اس کا مقصد تکبر نہیں ہے' کیونکہ احادیث کے عموم و اطلاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور جس کا مقصد تکبر ہو تو پھر یہ گناہ اور بھی شدید اور سنگین ہو جائے گا' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جو شخص از راہ تکبر اپنے کپڑے کو لٹکائے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔"

اور یہ گناہ (شدید اور سنگین) اس لیے ہے کہ اس شخص نے بہ یک وقت دو جرم کیے ہیں' یعنی کپڑے کو لٹکانا اور تکبر کرنا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بچائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوشش کے باوجود میرا کپڑا لٹک جاتا ہے تو آپ نے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلاَءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح:٤٠٨٥)

"آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا اس شخص کے لیے جائز ہے' جس کا مقصد تکبر نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کا تہ بند یا شلوار تکبر و فخر کے قصد کے بغیر لٹک گیا اور اس نے اسے اوپر اٹھایا اور کپڑے کو درست کر لیا تو اسے گناہ نہیں ہو گا۔ جو لوگ شلواروں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا لیتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے' بلکہ تمام احادیث پر عمل کے پیش نظر سنت یہ ہے کہ قمیص ہو یا کوئی اور کپڑا' وہ نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان ہونا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا آستین کو لٹکانا بھی منع ہے؟

سوال کیا کپڑے کو اُس وقت لٹکانا بھی حرام ہے' جب مقصد تکبر اور غرور نہ ہو' نیز کیا آستین کو لٹکانا بھی منع ہے؟

جواب کپڑوں کو لٹکانا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔" (اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

جابر بن سُلیم سے مروی حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، ح:٤٠٨٤)

"کپڑا لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبر ہے۔"

امام مسلم رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے:

«ثَلاثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ ح:١٠٦)

"تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہو گا۔ (۱) کپڑے کو نیچے لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔"

عموم احادیث کے پیش نظر اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ اس سے کسی کا مقصد تکبر ہو یا نہ ہو لیکن اکثر و بیشتر تکبر اور غرور ہی کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کا یہ مقصد نہ بھی ہو تو یہ تکبر اور غرور کا وسیلہ ضرور ہے۔ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے' اس سے کپڑے میلے اور ناپاک بھی ہوتے ہیں اور اس میں اسراف بھی ہے۔ جس شخص کا مقصد تکبر ہو گا تو اسے گناہ بھی زیادہ ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جس نے تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے کو لٹکایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا کپڑا لٹک جاتا ہے مگر میں کوشش کر کے اسے اٹھالیتا ہوں تو آپ نے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلاَءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح:٤٠٨٥)

"بلاشبہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی صورت حال کا سامنا ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں' یعنی وہ اپنے کپڑے کی حفاظت کرتا ہو اور جان بوجھ کر اسے ٹخنوں سے نیچے نہ چھوڑتا ہو۔ آستین کے بارے میں یہ سنت ہے کہ وہ کلائی یعنی ہاتھ اور ہتھیلی کے جوڑ سے تجاوز نہ کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

چھوٹے اور باریک کپڑے

سوال آج کل مسلمانوں میں خاص طور پر موسم گرما میں چھوٹے اور باریک کپڑے پہننے کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نمازی بھی چھوٹے اور باریک کپڑے پہنتے ہیں اور نیچے نصف یا ثلث ران تک نیکر وغیرہ پہن لیتے ہیں اور کچھ لوگ چھوٹے انڈر ویئر پہن لیتے ہیں جس کی وجہ سے کپڑے سے ناف کے نیچے کا حصہ نظر آتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ شرم گاہ کو چھپانا نماز کی صحت کی شرائط میں سے ہے' لہٰذا نماز کی اہمیت اور اس کے دین کے ستون ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ آپ مساجد کے ائمہ و خطباء کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گے کہ وہ نمازیوں کو اس طرح کثرت کے ساتھ رواج پا جانے والے باریک کپڑوں کے استعمال سے منع کریں؟

جواب ہم آپ کے شعور اور نماز کے لیے' جو کہ بدنی عبادات میں سے سب سے اہم ہے' اس قدر اہتمام کے لیے شکر گزار ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو بیان کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے' جیسا کہ ہمارا خیال ہے کہ باریک کپڑے بھی ان شاء اللہ پردہ پوشی کا کام دیتے ہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کپڑا اس قدر باریک نہ ہو کہ اس سے جسم کی سفید یا سیاہ رنگت بھی نظر آئے' تاہم افضل یہی ہے بہت باریک لباس استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا باریک کپڑے سے ستر پوشی ہو جاتی ہے؟

سوال کیا بہت زیادہ باریک کپڑے سے بھی ستر پوشی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مسلمان نے جب باریک کپڑا زیب تن کیا ہو تو کیا اس میں نماز ہو جائے گی؟

جواب جب کپڑا اس قدر باریک ہو کہ وہ بدن کو نہ چھپائے تو اس میں نماز نہیں ہو گی الّا یہ کہ مرد نے ایسے لباس کے نیچے شلوار یا تہ بند بھی پہن رکھا ہو جو ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصے کو چھپائے ہوئے ہو۔ عورت کے لیے بھی ایسے کپڑے میں نماز صحیح نہیں الّا یہ کہ اس نے نیچے ایسا لباس پہنا ہوا ہو جو اس کے سارے بدن کو چھپائے ہوئے ہو۔ ایسے کپڑے کے نیچے محض چھوٹی سی شلوار پہن لینا عورتوں کے لیے کافی نہیں ہو گا۔ مرد کو چاہیے کہ وہ جب اس طرح کے باریک کپڑے میں نماز پڑھے تو اپنے اوپر ایک کپڑا ڈال لے جو اس کے دونوں یا ایک کندھے کو ڈھانپ لے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه، ح:٣٥٩ وصحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة في

الثوب الواحد، ح:٥١٦)

"تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کوئی چیز نہ ہو۔"

—— شیخ ابن باز ——

زہد کی وجہ سے لباس کا اہتمام ترک کر دینا

سوال ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نوجوان لباس کے بارے میں اہتمام نہیں کرتے اور دنیا کے لباس کو اہمیت نہ دینے کو وہ زہد خیال کرتے ہیں اور اس کے اہتمام کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں' جبکہ بعض دیگر نوجوان ان کی تردید میں نبی ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

«إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، ح:٩١)

"اللہ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔" آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو جب انعام سے نوازتا ہے' تو وہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر نعمت کے اثر کو دیکھے' نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے:

«اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا، يُحِبَّكَ اللهُ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب الزهد في الدنيا، ح:٤١٠٢)

"دنیا میں زہد اختیار کرو' اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

تو اس زہد کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی مال جمع کرنے کی حرص نہ کرے اور مال کی اس قدر کثرت طلب نہ کرے جو اسے آخرت سے غافل کر دے لیکن اگر اللہ تعالیٰ بندے کو مال حلال عطا فرمائے اور اسے نعمتوں کی فراوانی سے نوازے تو پھر نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور اسے وہاں خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اور زینت اختیار کرنے یعنی اچھا لباس پہننے کا حکم دیا ہے تو ظاہری لباس کی طرف توجہ نہ دینا اور اپنے آپ کو اس طرح کی گھٹیا صورت میں ظاہر کرنا جسے دیکھنے والے ناپسند کریں درست نہیں ہے۔ افضل صورت یہ ہے کہ آدمی لباس وغیرہ میں میانہ روی کو اختیار کرے کہ نہ اسراف اور فضول خرچی ہو اور نہ بخل اور کنجوسی۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ریشم سے مشابہ لباس

سوال جس طرح ریشم کے کپڑے مردوں کے لیے حرام ہیں کیا اس طرح وہ نرم و ملائم کپڑے بھی حرام ہیں جو مصنوعی ریشوں سے بنائے جاتے ہیں؟

جواب ریشم کا حکم ریشم ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ حکم دوسرے کپڑوں کے لیے نہیں ہے' خواہ وہ کتنے ہی نرم اور ملائم کیوں نہ ہوں' لیکن مردوں کے لیے ایسے کپڑوں کا استعمال زیادہ موزوں ہے' جن کی ریشم اور عورتوں کے کپڑوں سے مشابہت نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے کوٹ

سوال پچھلے دنوں کھال سے بنے ہوئے کوٹ استعمال کرنے کے موضوع پر ہماری بہت گرم گرم گفتگو ہوئی' کچھ بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ کوٹ عموماً خنزیر کی کھال سے بنائے جاتے ہیں' لہٰذا یہ جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی خنزیر کی کھال کے بنے ہوں تو پھر ان کے استعمال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' کیا انہیں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے؟ بعض دینی کتابوں مثلاً قرضاوی کی "الحلال والحرام" اور عبدالرحمٰن الجزیری کی "کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه" میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ تو کیا گیا ہے مگر اس کو واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دُبِغَ الإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ»(صحیح مسلم، الحیض، باب طهارة جلود المیتة بالدباغ، ح:٣٦٦)

"جب کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«دِبَاغُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ طُهُورُهَا»(ابن حبان (الموارد) باب في جلود المیتة تدبغ، ح:١٢٣ وسنن النسائي: ٧/ ١٧٤، ح: ٤٢٤٩)

"مردہ جانوروں کی کھالوں کو رنگنا انہیں پاک کرنا ہے۔"

اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے کہ کیا اس حدیث کے عموم میں تمام کھالیں شامل ہیں یا اس میں بطور خاص صرف ان مردہ جانوروں کی کھالوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ ذبح کرنے سے پاک ہو جانے والے جانوروں مثلاً اونٹ' گائے اور بکری میں سے مردہ جانوروں کی کھالوں کو جب رنگ لیا جائے تو وہ علماء کے صحیح قول کے مطابق پاک ہو جاتی ہیں اور ہر چیز میں ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ باقی رہے خنزیر اور کتے وغیرہ جیسے وہ جانور جو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتے' ان کے بارے میں اہل علم میں یہ اختلاف ہے کہ کیا ان کی کھالیں رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں یا نہیں' زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ان کے استعمال کو ترک کر دیا جائے تاکہ نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشادات پر عمل ہو سکے:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحیح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا' اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔" اور:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل ... الخ، ح:٢٥١٨ وسنن النسائي، ح: ٥١١٤)

"جس میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو' اسے اختیار کر لو۔"

شیخ ابن باز

تیراکی وغیرہ کے وقت مختصر لباس پہننے کا حکم

سوال الحمد للہ وحدہ و بعد: بحوث علمیہ و افتاء کمیٹی نے اس سوال کو ملاحظہ کیا جو محترم چیئرمین صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا کہ بہت سے لوگ جن میں فوج کے لوگ بھی شامل ہیں کھیلوں وغیرہ کے وقت بہت مختصر لباس استعمال کرتے ہیں' جس سے ناف کے نیچے کا حصہ نظر آتا ہے اور ران کا بھی نصف حصہ یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ حصہ نظر آتا ہے' اس طرح کے لباس کا چونکہ آج کل بہت عام رواج ہو گیا ہے' اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق حکم شرعی کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کیونکہ کچھ عرصہ سے اس قسم کے لباس کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے گویا یہ ایک مباح لباس ہے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ستر عورہ واجب ہے۔ عورت کا تو سارا جسم ہی عورہ ہے' جبکہ مرد کا آگے پیچھے کا مقام خاص تو بالاجماع عورہ ہے' بلکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق مرد کا ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ پردہ ہے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُبْرِزْ فَخِذَكَ، وَلاَ تَنْظُرْ إِلَى فَخِذِ حَيٍّ وَّلاَ مَيِّتٍ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب في ستر الميت عند غسله، ح:٣١٤٠ وسنن ابن ماجه، ح:١٤٦٠)

"اپنی ران کو ننگا نہ کرو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کو دیکھو۔" (اسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

محمد بن جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمر کے پاس سے گزر ہوا تو ان کے ننگے ران دیکھ کر آپ نے فرمایا:

«يَا مَعْمَرُ! غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ»(مسند أحمد:٥/ ٢٩٠ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:٤/ ١٨٠، ح:٧٣٦١، البخاري قبل ح:٣٧١ تعليقًا)

"اے معمر! اپنے دونوں رانوں کو ڈھانپ لو کیونکہ دونوں ران بھی پردہ ہیں۔" (اسے امام احمد رحمہ اللہ نے "مسند" میں' امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں تعلیقاً اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرک" میں روایت کیا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح:٢٧٩٧ ومسند أحمد:١/ ٢٧٥)

"ران پردہ ہے۔" (اسے امام ترمذی اور امام احمد رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے)

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا' جس کے ران ننگے تھے تو آپ نے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ»(مسند أحمد:٥/ ٢٩٠، والمستدرك على الصحيحين للحاكم:٤/ ١٨٠، ح:٧٣٦١)

"اپنے دونوں ران ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔"

جرہد اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس سے گزر ہوا تو میں نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور میری ران ننگی تھی تو آپ نے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ» (جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح:٢٧٩٨ ومسند أحمد:٣/ ٤٧٨)

"اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔" (اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "موطا" میں' امام احمد' امام ابوداود اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے)

یہ احادیث ایک دوسری کے لیے باعث تقویت ہیں' جس کی وجہ سے ان سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ مرد کے لیے اپنی رانوں کو چھپانا بھی فرض ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نیکر پہننے کے بارے میں حکم

سوال اوقات نماز کے علاوہ کھیلوں وغیرہ کے وقت نیکر پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب کہ اس سے کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہ ہو؟ امید ہے دلائل کے ساتھ اس سوال کا جواب عطا فرمائیں گے' راہنمائی فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب ہماری رائے میں ان نیکروں مثلاً کچھے وغیرہ کا پہننا جائز نہیں ہے' جن سے صرف مقام خاص ہی چھپتا ہو اور دونوں رانوں کے اکثر حصے ننگے رہتے ہوں خواہ اسے کھیل میں استعمال کیا جائے یا بازار میں' خواہ نماز کا وقت نہ بھی ہو۔ البتہ اس وقت اس قسم کے لباس کا استعمال قابل معافی ہے' جب انسان اپنے گھر میں کسی پرائیویٹ کام میں مصروف ہو اور اسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جرہد اسلمی کو دیکھا کہ ان کا تہبند ان کی ران کے کچھ حصے سے ڈھلک گیا ہے تو آپ نے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ» (جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح:٢٧٩٨ ومسند أحمد: ٣/ ٤٧٨)

"اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

عقال پہننے کے بارے میں حکم

سوال عقال پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' میں نے دیکھا ہے کہ (مساجد کے) ائمہ اور مؤذن یہ نہیں پہنتے؟

جواب عقال پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ لباس کے بارے میں اصول یہ ہے کہ ہر قسم کا لباس حلال ہے سوائے اس کے جس کے حرام ہونے کی کوئی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کسی شرعی دلیل کے بغیر لباس یا کھانے کی کسی چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں اور فرمایا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ ﴾ (الأعراف٧/ ٣٢)

"پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے۔"

البتہ اگر یہ لباس کسی شرعی دلیل کی وجہ سے حرام ہو' خواہ یہ حرام بعینہ ہو' مثلاً مردوں کے لیے ریشم یا مردوں اور

عورتوں کے لیے کوئی کپڑا جس میں تصویریں بنی ہوں اور خواہ یہ حرام بجنسہ ہو مثلاً یہ کہ یہ کفار کا کوئی مخصوص لباس ہو تو پھر یہ لباس حرام ہو گا ورنہ لباس کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وہ ہار جس پر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہوا ہو

سوال الحمد للہ وحدہ و بعد: بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے محمد عبدالعزیز کی طرف سے بھیجے جانے والے اس استفتاء کا جائزہ لیا' جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ہم اپنے اس خط کے ساتھ سونے کا وہ ہار بھی بھیج رہے ہیں' جس پر لفظ جلالہ (اللہ) لکھا ہوا ہے۔ اس ہار کو ہم مسلمانوں کی عورتیں زیور اور زینت کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے وابستہ بھائیوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس زیور کا استعمال حرام ہے کیونکہ اس پر لفظ جلالہ لکھا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ اس زیور کو مسلمان خواتین محض اظہار زیب و زینت اور یہود و نصاریٰ کی عورتوں کی مخالفت ہی کے لیے استعمال کرتی ہیں' کیونکہ عیسائی ایسے زیور استعمال کرتے ہیں' جن پر صلیب اور بتوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور یہودی ایسے زیور استعمال کرتے ہیں جن پر ستارۂ داؤد کندہ ہوتا ہے۔ امید ہے اس مسئلہ سے متعلق راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب یہ دیکھتے ہوئے کہ اس زیور پر لفظ جلالہ لکھا ہوا ہے تاکہ مسلمان عورتیں اسے اپنے سینہ پر لٹکا لیں' جس طرح عیسائی عورتیں ایسے زیور کو اپنے سینہ پر لٹکاتی ہیں' جس پر صلیب بنی ہوتی ہے اور یہودی عورتیں ایسے زیور کو اپنے سینہ پر لٹکاتی ہیں جس پر ستارۂ داؤد کندہ ہوتا ہے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہوا ہو اسے نقصان کے ازالہ' نفع کے حصول اور اس طرح کے دیگر مقاصد کے لیے لٹکایا جاتا ہے اور اس طرح کی چیز کے سینہ اور گلے وغیرہ میں لٹکانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کی بے حرمتی بھی ہے کہ لٹکانے والا حالت نیند میں بھی اسے لٹکائے رکھتا ہے یا اس کے ساتھ ایسی جگہوں پر بھی چلا جاتا ہے' جہاں کسی ایسی چیز کے ساتھ جانا مکروہ ہے' جس میں کلام اللہ کا کوئی حصہ یا اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہو۔ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ کسی ایسے زیور کا استعمال جائز نہیں جس پر اسم جلالہ لکھا ہو تاکہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت سے اجتناب کیا جا سکے کہ مسلمانوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ نیز سد ذریعہ' اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کی بے حرمتی سے حفاظت اور تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس طرح کا زیور استعمال نہ کیا جائے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مردوں کے لیے سونے کا استعمال

سوال الحمد للہ و بعد: بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس استفتاء کا جائزہ لیا' جو علی بن عبداللہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے کہ ہمارے کچھ دوستوں کے مابین مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی' گھڑی اور بٹن وغیرہ استعمال کرنے کے موضوع پر گفتگو ہوئی' تو بعض نے اسے حرام قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جس طرح سونے کے دانت استعمال کرنا جائز ہیں' اسی طرح مردوں کے لیے سونے کی یہ چیزیں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ اگر سونا مردوں کے لیے حرام ہوتا تو بہت

سے لوگ سونے کے دانت استعمال نہ کرتے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سونے کے دانت تو حلال ہوں مگر سونا پہننا حرام ہو؟ اس گفتگو کی وجہ سے یہ مسئلہ ہمارے لیے مشتبہ ہو گیا ہے لہٰذا امید ہے کہ فتویٰ عطا فرمائیں گے‘ جس سے اس کی حلت و حرمت واضح ہو جائے۔ جزاکم اللہ عنا و عن المسلمین کل خیر

جواب کمیٹی نے اس کا حسب ذیل جواب دیا: مردوں کے لیے سونا پہننا حرام ہے خواہ وہ انگوٹھی ہو یا گھڑی کا چین یا بٹن یا دانت یا اس طرح کی کوئی اور چیز کیونکہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، . . . وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمَ، أَوْ عَنْ تَخَتُّمٍ بِالذَّهَبِ، وَعَنْ شُرْبٍ بِالْفِضَةِ. . . . الحديثَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب خواتيم الذهب، ح:٥٨٦٣ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة.. الخ، ح:٢٠٦٦ واللفظ له)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات سے منع فرمایا--- آپ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا---“ (الحدیث)

امام احمد‘ ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح:٥١٥١ وجامع الترمذي، ح:١٧٢٠ ومسند أحمد:٤/ ٣٩٤، ٤٠٧)

”سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔“

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لاَ تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلاَ تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الآخِرَةِ»(صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مفضض، ح:٥٤٢٦ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة... الخ، ح:٢٠٦٧)

”سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ان سے بنی ہوئی پلیٹوں میں کھاؤ کہ یہ برتن کافروں کے لیے دنیا میں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گے۔“

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، ح:٥٦٣٤ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة ... الخ، ح:٢٠٦٥)

”جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے‘ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔“

البتہ بوقت ضرورت سونے کا دانت یا ناک استعمال کرنا جائز ہے یعنی جب کوئی اور چیز اس کے قائم مقام نہ ہو سکتی ہو تو پھر یہ جائز ہے‘ لیکن انگوٹھی‘ چین یا بٹن وغیرہ کا استعمال قطعاً جائز نہیں ہے‘ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ مردوں کے لیے سونے کی گھڑی یا سونے کا قلم استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مردوں کے لیے سونے کا استعمال اور ---

سوال مردوں کے لیے کسی بھی قسم کا سونا پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر منگنی کی انگوٹھی اتار دی جائے جو کہ سونے کی ہوتی ہے تو اس سے انسان بیوی سے محروم ہو جاتا ہے؟

جواب مردوں کی لیے سونا پہننا جائز نہیں ہے بلکہ یہ منکرات میں سے ہے خواہ سونا انگوٹھی ہو یا گھڑی یا زنجیر وغیرہ کیونکہ نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح: ٥١٥١ وجامع الترمذي، ح: ١٧٢٠ ومسند أحمد: ٤/ ٣٩٤، ٤٠٧)

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال مگر مردوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔"

نیز اس لیے بھی کہ نبی ﷺ نے "مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔" اسے امام بخاری اور امام مسلم نے "صحیحین" میں بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ [1]

اسی طرح نبی ﷺ نے جب ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر زمین پر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّن نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح: ٢٠٩٠)

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے۔" (اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے)

منگنی کی سونے کی انگوٹھی بھی سونے کی دوسری انگوٹھیوں ہی کی طرح ہے۔ اگر یہ انگوٹھی سونے ہی کی ہو تو اسے اتار دینا واجب ہے' اس کے اتار دینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے اتار دینے سے نکاح پر اثر ہوتا ہے' وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اس انگوٹھی کا استعمال ایک نیا رواج ہے' جس کی کوئی اصل نہیں ہے' لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسے ترک کر دیں۔ اس کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ ایک مکروہ رواج ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے اور ہر اس چیز سے بچنے کی توفیق دے جو اس کی شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی

سوال مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' خصوصاً اس انگوٹھی کے بارے میں جسے شادی کی انگوٹھی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے؟

---

[1] صحیح البخاری' اللباس' باب خواتیم الذهب' حدیث: 5863 و صحیح مسلم' اللباس' باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة... الخ' حدیث: 2066

جواب مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے' نہ شادی سے پہلے اور نہ شادی کے بعد' کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے اور جب آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال . . . الخ، ح:٢٠٩٠)

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔" (اسے امام مسلم نے "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا حرام ہے اور یہ مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ شادی ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

منگنی کی انگوٹھی

سوال اس انگوٹھی کے پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو منگنی کرنے والے کے دائیں ہاتھ اور شادی کرنے والے کے بائیں ہاتھ میں پہنائی جاتی ہے اور یہ سونے کی نہ ہو؟

جواب شریعت میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں ہے لہٰذا افضل یہ ہے کہ اس رسم کو ترک کر دیا جائے خواہ یہ انگوٹھی سونے کی ہو یا چاندی کی۔ ہاں اگر یہ انگوٹھی سونے کی ہو تو پھر یہ مردوں کے لیے حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے "مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔" [1]

——— شیخ ابن باز ———

شادی کی انگوٹھی

سوال مردوں کے لیے شادی کے موقع پر چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مردوں یا عورتوں کے لیے اس انگوٹھی کا پہننا بدعت ہے اور بعض صورتوں میں یہ حرام بھی ہو سکتی ہے' کیونکہ بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ انگوٹھی میاں اور بیوی کے درمیان محبت کا سبب ہے' یہی وجہ ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مرد اپنی انگوٹھی پر اپنی بیوی کا نام اور بعض عورتیں اپنی انگوٹھی پر اپنے شوہر کا نام لکھ لیتی ہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان تعلق قائم دائم رہے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے کیونکہ ان دونوں نے ایک ایسے سبب کا عقیدہ رکھا جو قدراً یا شرعاً سبب ہے ہی نہیں' اس بے چاری انگوٹھی کا مودت یا محبت سے کیا تعلق؟ کتنے ہی جوڑے ہیں' جنہوں نے اس انگوٹھی کو استعمال نہیں کیا مگر ان میں نہایت شدید مودت و محبت ہے اور کتنے ہی جوڑے ہیں' جنہوں

[1] صحيح البخاري' اللباس' باب خواتيم الذهب' حديث : 5863 و صحيح مسلم' اللباس' باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة---الخ' حديث : 2066

نے اس انگوٹھی کو استعمال کیا مگر وہ محرومی' بدقسمتی اور بدبختی میں مبتلا ہیں۔ یعنی اس فاسد عقیدہ کی وجہ سے یہ شرک کی ایک قسم ہے اور یہ عقیدہ نہ ہو تو پھر غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت' کیونکہ یہ رسم عیسائیوں سے لی گئی ہے' لہٰذا مومن کو چاہیے کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جو اس کے دین میں خلل ڈالے۔

جہاں تک مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا تعلق ہے' محض انگوٹھی کی حیثیت سے نہ کہ اس عقیدہ کی حیثیت سے کہ یہ انگوٹھی میاں بیوی میں تعلقات کو مضبوط و مستحکم رکھے گی' تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے اور سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا حرام ہے' اس لیے کہ نبی ﷺ نے جب ایک صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح: ٢٠٩٠)

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی حرمت کی حکمت

سوال مردوں کے لیے سونے کے استعمال کے حرام ہونے کا کیا سبب ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دین اسلام مسلمانوں کے لیے صرف اسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے' جو اس کے لیے نقصان دہ ہو تو سوال یہ ہے کہ مردوں کے لیے سونے کے زیورات کے استعمال میں کیا نقصان ہے؟

جواب سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ احکام شرعیہ میں ہر مومن کے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٦)

"اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔"

لہٰذا جب ہم سے کوئی شخص یہ سوال کرے گا کہ یہ چیز واجب کیوں ہے اور یہ حرام کیوں ہے تو ہم کہیں گے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے واجب یا حرام قرار دیا ہے اور ایک مومن کے لیے بس یہی بات کافی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ پوچھا گیا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضا تو دیتی ہے مگر نماز کی قضا نہیں دیتی تو انہوں نے فرمایا:

«كَانَ يُصِيبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلاَ نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، ح: ٣٣٥)

"ہمیں یہ عارضہ لاحق ہوتا تھا تو اس حالت میں ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا مگر نماز کی قضا کا حکم نہیں

دیا جاتا تھا۔"

کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کی نص ہر مومن کے لیے علت موجبہ ہے' تاہم اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ انسان حکمت کو معلوم کرے۔ اس سے طمانینت میں اضافہ ہو گا اور احکام کو علل و اسباب کے ساتھ ملانے سے اسلامی شریعت کی عظمت بھی واضح ہو گی اور پھر علت کے معلوم ہونے سے قیاس بھی ممکن ہو گا' یعنی جب کسی منصوص علیہ حکم کی علت کسی دوسرے غیر منصوص امر میں موجود ہو تو دونوں کا حکم یکساں ہو گا اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا ممکن ہو گا۔ گویا شرعی حکمت معلوم کرنے کے یہ تین فائدے ہیں۔ اس تمہید کے بعد ہم اس بھائی کے سوال کے جواب میں کہیں گے کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ سونا پہننا مردوں کے لیے حرام ہے' عورتوں کے لیے حرام نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا وہ سب سے اعلیٰ چیز ہے' جسے انسان جمال اور زینت کے لیے استعمال کرتا ہے گویا سونا زینت بھی ہے اور زیور بھی اور مرد کو اس چیز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رجولیت کی وجہ سے وہ فی نفسہ کامل ہے۔ مرد کو ضرورت نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کے لیے زینت اختیار کرے تاکہ اس کی طرف اس کی رغبت ہو' جب کہ عورت کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے زیورات کے ساتھ حسن و جمال اختیار کرے تاکہ اس سے اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان معاشرت کے لیے کشش پیدا ہو سکے' یہی وجہ ہے عورت کے لیے سونے کے زیورات کو جائز مگر مرد کے لیے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی بارے میں فرمایا ہے:

﴿ أَوَمَن يُنَشَّؤُاْ فِى ٱلْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى ٱلْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ ﴾ (الزخرف ۴۳/۱۸)

"کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی بیٹی ہو سکتی ہے؟)"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت میں مردوں کے لیے سونے کے استعمال کو حرام قرار دینے میں حکمت کیا ہے۔ چنانچہ اس مناسبت سے میں ان مردوں کو بھی نصیحت کروں گا جو سونے کے زیورات استعمال کرنے میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو عورتوں کی صف میں شامل کر لیا ہے اور اپنے ہاتھوں میں وہ سونے کے زیور نہیں بلکہ در حقیقت آگ کے انگارے پہن رہے ہیں' جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے' لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے آگے توبہ کریں اور اگر وہ چاہیں تو حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے چاندی کی انگوٹھی استعمال کریں کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں' نیز سونے کے علاوہ دیگر معدنیات کی انگوٹھیاں استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں اسراف یا فتنہ کا کوئی پہلو نہ ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں حکم ---

سوال چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے اور اگر یہ جائز ہے تو اسے دائیں ہاتھ میں پہنا جائے یا بائیں ہاتھ میں؟

جواب مردوں اور عورتوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں اور دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا جائز اور دائیں ہاتھ میں افضل ہے' کیونکہ دایاں ہاتھ اشرف ہے۔ نبی ﷺ کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہن لیا کرتے تھے اور آپ ہی کی ذات گرامی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ سونے کی انگوٹھی یا گھڑی مردوں کے لیے

جائز نہیں' یہ صرف عورتوں کے لیے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام مگر عورتوں کے لیے حلال ہے۔ [1] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مردوں کے لیے سونے سے مزین گھڑی اور قلم---

سوال میں نے ۷۵۰ ریال کی ایک گھڑی خریدی ہے' جو ۱۸ قیراط کے سونے سے مزین ہے۔ جب میں نے دوکان دار سے بات کی کہ سونے کی گھڑیاں استعمال کرنا تو مردوں کے لیے جائز نہیں ہے' تو اس نے کہا کہ اسے سونے کی گھڑی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر یہ سونے کی گھڑی ہوتی' تو اس کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی لیکن اکثر گھڑیوں کو زنگ سے بچانے کے لیے سونے کے پانی سے مزین کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی گھڑی استعمال کرنا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو میں کیا کروں؟ اس طرح اس قلم کے استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جس کی نب پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو؟

جواب اسے پہننا ناجائز ہے کیونکہ سونے یا سونے سے مزین گھڑی یا سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں' یہ سب کچھ مردوں کے لیے حرام ہے۔ یہ گھڑی اپنی بیوی یا کسی اور محرم عورت کو دے دو' آپ اسے بیچ بھی سکتے ہیں۔ آپ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح: ٥١٥١ وجامع الترمذي، ح: ١٧٢٠ ومسند أحمد: ٤/ ٣٩٤، ٤٠٧)

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال مگر مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔"

نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے' تو سونے کی گھڑی کے استعمال کی ممانعت تو اور بھی شدید ہو گی۔ باقی رہے وہ قلم جن کی نب پر سونے کا پانی چڑھا ہو تو مومن مردوں کے لیے زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ وہ انہیں بھی استعمال نہ کریں' کیونکہ یہ بھی بعض وجوہ سے انگوٹھی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

ایسی گھڑی جس پر سونے کا پانی چڑھا ہو

سوال میرے پاس ہاتھ کی ایک ایسی گھڑی ہے' جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے تو کیا میرے لیے اسے پہننا یا استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب یہ بات معلوم ہے کہ مردوں کے لیے سونا پہننا حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے جب ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح: ٢٠٩٠)

---

[1] سنن النسائی' الزینة' باب تحریم الذهب علی الرجال' حدیث: 5151 و جامع الترمذی' حدیث: 1720 و مسند احمد' 4/394' 407

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔"

جب نبی ﷺ تشریف لے گئے' تو اس شخص سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی پکڑ لو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ تو اس نے کہا' اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو نہیں پکڑوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا تھا۔ نبی ﷺ نے سونے اور ریشم کے بارے میں فرمایا ہے:

«هٰذَانِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي حِلٌّ لِإِنَاثِهَا»(سنن أبي داود، اللباس، باب في الحرير للنساء، ح:٤٠٥٧ وسنن النسائي، ح:٥١٤٧ وسنن ابن ماجه، ح:٣٥٩٥ مختصرا وشرح معاني الآثار:٤/ ٢٥٠ واللفظ له)

"یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لیے حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔"

مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ سونے کی انگوٹھی یا بٹن یا کوئی بھی اور چیز استعمال کرے۔ سونے کی گھڑی استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' اگر پالش سونے کی ہو یا گھڑی کی سوئیاں سونے کی ہوں یا اس میں سونے کے جیولز ہوں تو یہ اگرچہ جائز ہے لیکن پھر بھی ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ سونے کی پالش والی گھڑی استعمال کریں کیونکہ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گھڑی پر صرف سونے کے پانی کی پالش ہے یا اس کے میٹریل میں سونے کی آمیزش ہے۔ لوگ ایسی گھڑی استعمال کرنے والے کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتے ہیں یا پھر لوگ اس کی اقتداء کرنے لگ جاتے ہیں بشرطیکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کی اقتداء کی جاتی ہے اور لوگ خالص یا ملے جلے سونے کو استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کی پالش والی گھڑیاں استعمال کرنا حلال ہے مگر میری نصیحت یہ ہے کہ انہیں استعمال نہ کیا جائے' کیونکہ ایسی گھڑیوں کی وجہ سے جن کے استعمال میں کوئی شک و شبہ نہیں انسان ان سے بے نیاز ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔"

اگر محض رنگ یا پالش نہ ہو بلکہ دھات میں سونے کی آمیزش ہو تو پھر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ایسی گھڑی کو مردوں کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سونے کا دانت لگانا یا اس پر خول چڑھانا

سوال بیان کیا جاتا ہے کہ مرد کے لیے دانت کو سونے یا چاندی سے باندھنا جائز ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی کا دانت لگوا لیا جائے یا اس پر سونے یا چاندی کا خول چڑھا لیا جائے تو کتاب و سنت کی دلیل کی روشنی میں بتائیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب قولاً اور عملاً اصل ثابت یہ ہے کہ مردوں کے لیے سونے یا چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا یا ان چیزوں کو استعمال کرنا جنہیں سونے چاندی سے بنایا گیا ہو یا جن پر ان کی پالش کی گئی ہو حرام ہے۔ ان میں سے صرف وہ چیز جائز ہے

جس کے جواز کی کوئی دلیل ہو' مثلاً چاندی کی انگوٹھی یا سونے چاندی کے تار کے ساتھ ٹوٹے ہوئے برتن کو باندھنا۔ سونے اور چاندی کے دانت یا ناک لگوانا یا ان پر خول چڑھانا ممانعت سے مستثنیٰ نہیں ہے' لہٰذا اصل یہ ہے کہ یہ حرام ہے الّا یہ کہ اس کی ضرورت ہو تو پھر ضرورت کی وجہ سے یہ جائز ہو گا (یعنی جب سونے اور چاندی کے استعمال کے بغیر اور کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو تو پھر نظریۂ ضرورت کے تحت جائز ہے۔) وباللہ التوفیق' و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ہاتھ میں گھڑی پہننا

سوال ہاتھ میں گھڑی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے؟

جواب ہماری رائے میں اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ عورتوں کی گھڑیاں الگ ہیں اور مردوں کی الگ ہیں اور اگر ایک جیسی بھی ہوں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں جیساکہ چاندی کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں سب کے لیے استعمال کرنا جائز ہے اور گھڑی سے مقصود اسے زینت یا زیور کے طور پر استعمال کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود تو اوقات کو معلوم کرنا ہوتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

گھڑی اور لوہے کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں حکم

سوال کیا گھڑی کو پہننا اس لوہے کو پہننے کی طرح ہے' جس کی ممانعت ہے؟ دائیں ہاتھ میں گھڑی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب انگوٹھی کی طرح گھڑی کے بھی دائیں یا بائیں ہاتھ میں پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی ہے اور بائیں میں بھی۔ [1] لوہے کی گھڑی اور انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ "صحیحین" میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شادی کرنے والے سے فرمایا تھا:

«اِلْتَمِسْ وَلَوْ كَانَ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ»(صحيح البخاري، النكاح، باب السلطان ولي لقول النبي ﷺ زوجناكها بما معك من القرآن، ح:٥١٣٥ وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد. . . الخ، ح:١٤٢٥)

"تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔"

نبی ﷺ سے جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے لوہے کے استعمال سے نفرت دلائی ہے تو یہ ایک شاذ اور اس حدیث صحیح کے مخالف روایت ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

[1] صحیح مسلم' اللباس والزینۃ' باب في خاتم الورق فصہ حبشي' حدیث:2094 و باب في لبس الخاتم في الخنصر ---' حدیث:2095

مردوں کے لیے زنجیریں استعمال کرنے کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ جو گلے میں زنجیریں استعمال کرتے ہیں' ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مردوں کے لیے زینت کے طور پر زنجیریں استعمال کرنا حرام ہے' کیونکہ یہ زنجیریں استعمال کرنا عورتوں کی عادت ہے اور اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے' صحیح بخاری میں ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، ح: ٥٨٨٥)

''رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

اور اگر یہ زنجیریں سونے کی ہوں تو حرمت اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا کیونکہ ایک تو یہ سونے کی وجہ سے اور دوسرے عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حرام ہوں گی اور اگر زنجیر کے ساتھ کسی حیوان یا انسان کی تصویر بھی ہو تو قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا اور اگر اس کے ساتھ صلیب ہو تو پھر گناہ کی شدت اور خباثت میں مزید اضافہ ہو جائے گا کیونکہ یہ حرام ہے حتیٰ کہ عورت کے لیے بھی کہ وہ کوئی ایسا زیور استعمال کرے جس پر انسان یا حیوان یا پرندے یا کسی اور جاندار چیز کی تصویر ہو یا جس پر صلیب کی تصویر ہو۔ یعنی جس چیز پر تصویر ہو تو وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے' کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی چیز پہنے جس پر کسی انسان یا حیوان یا صلیب کی تصویر ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سونے کے تمغے پہننے کے بارے میں حکم

سوال میں نے بہادری کے بعض کارناموں میں شرکت کی جس کی وجہ سے مجھے سونے کا تمغہ' گھڑی اور قلم انعام کے طور پر ملے۔ سوال یہ ہے کہ سونے کی بنی ہوئی ان اشیاء کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں ان اشیاء کو کس طرح استعمال کر سکتا ہوں؟ کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے' زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو گی؟ یاد رہے کہ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ ان اشیاء میں سونے کی مقدار کتنی ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب مردوں کے لیے سونے کا تمغہ' گھڑی یا قلم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے' لہٰذا آپ یہ اشیاء اپنی کسی قریبی رشتہ دار عورت کو دے دیں یا ان اشیاء کو استعمال کرنے سے پہلے ان سے سونا اتار دیں' دیگر زیورات کی طرح سونے کی ان اشیاء کی قیمت میں بھی زکوٰۃ ڈھائی فی صد ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

۳۱

الجهاد والدّعوة والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر

جہاد، دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

جہاد' دعوت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

مسلمانوں کے لیے اپنے ملکوں کا دفاع جہاد ہے

سوال محاذ جنگ پر ڈیوٹی دینے والے آپ کے بیٹے آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی طرح اجر و ثواب ملے گا--- آپ جانتے ہیں کہ انہیں ایک ایسے دشمن کا سامنا ہے جسے نہ کسی عہد کا پاس ہے اور نہ کسی حق کی حفاظت کا خیال؟ وہ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کیا وطن' عزت اور مال کا دفاع بھی جہاد میں داخل ہے؟

جواب کتاب و سُنّت سے یہ ثابت ہے کہ جس شخص کی نیت نیک ہو اس کے لیے دشمن کی سرحد کے پاس ہمیشہ قیام رکھنا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے' کیونکہ اللہ جل و علا کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾﴾

(آل عمران۳/ ۲۰۰)

"اے اہل ایمان! (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے (ڈٹے) رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ مراد حاصل کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ، جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ، وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ»(صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرباط في سبيل الله عزوجل، ح:۱۹۱۳)

"(اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) ایک دن ثابت قدم ہو کر جمے (ڈٹے) رہنا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے' اگر وہ اس حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ کیا کرتا تھا' اس کا اسے رزق بھی جاری کر دیا جائے گا اور وہ فتنے میں مبتلا کر دینے والے (شیطان) سے بھی محفوظ رہے گا۔" (اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے)

"صحیحین" میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا»(صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل رباط يوم في سبيل الله، ح:۲۸۹۲ وصحيح مسلم، الإمارة، فضل الغدوة والروحة في سبيل الله، ح:۱۸۸۱ مختصراً)

"اللہ کے راستہ میں ایک دن کا قیام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔ جنت میں تم میں سے کسی

ایک کی ایک کوڑے کے برابر جگہ تمام دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے اور ایک شام یا ایک صبح جسے بندہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بسر کرتا ہے وہ بھی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔"

صحیح البخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، ح:٩٠٧)

"جس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہو گئے' تو اسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر حرام قرار دے دیا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین' جان' اہل' مال' ملک اور اہل ملک کا دفاع جہاد ہے اور جو مسلمان اس راہ میں قتل ہو جائے' وہ شہید شمار ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ»(جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء فيمن قتل دون ماله فهو شهيد، ح:١٤٢١ وسنن أبي داود، ح:٤٧٧٢ وسنن النسائي، ح:٤١٠٠ وسنن ابن ماجه:٢٥٨٠)

"جو مال کے دفاع میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' جو دین کی وجہ سے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' جو اپنی جان کے دفاع میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔"

محاذ جنگ پر دشمن کی سرحد کے پاس قیام کرنے والو! ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ تقویٰ اختیار کرو' اپنے تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اخلاص کے ساتھ سرانجام دو' نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرو' اللہ عزوجل کا ذکر کثرت سے کرو' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت استقامت کے ساتھ بجا لاؤ' اتفاق کو اختیار کرو اور اختلاف سے اجتناب کرو' اس سلسلہ میں نفس مطمئنہ کے ساتھ خود بھی صبر کرو اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرو' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ حسن ظن رکھو اور اس کی تمام نافرمانیوں سے بچو۔ اس سلسلہ میں سورۃ الانفال کی حسب ذیل آیات بہت جامع ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَٱثْبُتُواْ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَٱصْبِرُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾﴾ (الأنفال٨/ ٤٥ـ٤٦)

"اے مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد حاصل کرو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ آپ کو راہ راست پر رکھے' اپنے دین پر ثابت قدم رکھے' آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ حق کی مدد کرے اور آپ کی بدولت باطل اور اہل باطل کو ذلیل و رسوا کرے۔ انہ ولی ذلک والقادر علیہ۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز خوف کب پڑھی جاتی ہے؟

سوال وہ سپاہی جن کی سرحدوں پر نصب اسلحہ پر ڈیوٹی ہے کیا وہ نماز خوف پڑھ سکتے ہیں؟ ان کے لیے جنگ نہ ہونے کی وجہ سے نماز خوف پڑھنا کیونکر جائز ہو گا؟

جواب مجاہدین کے لیے نماز خوف اس وقت ہے، جب وہ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہوں یا جس وقت وہ دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہوں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً﴾ (النساء٤/ ١٠٢)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے، جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں۔ پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی، (ان کی جگہ) آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔ کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔"

"صحیحین" میں صالح بن خوات سے روایت ہے انہوں نے ان صحابہ سے بیان کیا ہے، جنہوں نے غزوۂ ذات الرقاع کے دن نبی ﷺ کے ساتھ نماز خوف ادا کی تھی، وہ بیان کرتے ہیں:

«عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوفِ، أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ، وَطَائِفَةٌ وُجَاهَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وُجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الأُخْرَىٰ فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا، وَأَتَمُّوا لأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، ح:٤١٢٩ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، ح:٨٤٢ واللفظ له)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نبی ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور ایک جماعت دشمن کے بالمقابل تھی، آپ نے ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ تھے ایک رکعت نماز پڑھائی، آپ کھڑے رہے مگر انہوں نے اپنی نماز کو پورا کر لیا اور پھر جا کر دشمن کے بالمقابل صف آراء ہو گئے۔ پھر دوسری جماعت آ گئی تو نبی ﷺ نے انہیں وہ رکعت پڑھا دی جو آپ کی باقی رہ گئی تھی۔ آپ یہ رکعت پڑھ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنی نماز کو پورا کر لیا تو آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا۔" (یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں)

"صحیحین" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَاهُمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ، فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاؤُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ كُلُّ وَّاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ»(صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف، ح:٩٤٢ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، ح:٨٣٩)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں شرکت کی' ہم نے دشمن کے سامنے ہو کر صفیں باندھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز میں شریک تھی' جب کہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے صف آرا تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ کے ساتھ تھے رکوع کیا اور دو سجدے کیے اور پھر یہ جماعت اس جماعت کی جگہ چلی گئی جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی' وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھا دی اور پھر سلام پھیر دیا تو ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ لی۔" (یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ، فَصَفَّنَا صَفَّيْنِ: صَفٌّ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُودَ، وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، وَانْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ، وَقَامُوا، ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ، وَتَأَخَّرَ الصَّفُّ الْمُقَدَّمُ، ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ الَّذِي كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى، وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نُحُورِ الْعَدُوِّ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُودَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ، فَسَجَدُوا، ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا»

(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، ح:٨٤٠)

"میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف میں حاضر تھا' ہم نے دو صفیں باندھیں۔ ایک صف تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھی اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے مابین تھا۔ نبی ﷺ نے اللہ اکبر کہا تو ہم سب نے بھی اللہ اکبر کہا' پھر آپ نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا' پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا' پھر آپ نے سجدہ کیا اور اس جماعت نے سجدہ کیا جو آپ کے ساتھ ملی ہوئی تھی' جب کہ پچھلی صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی' نبی ﷺ نے جب سجدے کو پورا کر لیا اور آپ کے ساتھ والی صف کھڑی ہو گئی تو پھر پچھلی صف نے سجدہ کیا اور پھر وہ کھڑے ہو گئے پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی' پھر نبی ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا' پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا پھر آپ سجدہ میں چلے گئے تو وہ اگلی صف بھی سجدہ میں چلی گئی' جو آپ کے ساتھ تھی

یعنی جو پہلی رکعت کے وقت پیچھے تھی اور اب پچھلی صف دشمن کے سامنے کھڑی تھی۔ جب نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ والی صف نے سجدہ پورا کر لیا تو پھر دوسری صف نے سجدہ کیا' پھر نبی ﷺ نے سلام پھیر دیا تو ہم سب نے بھی سلام پھیر دیا۔" (اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے)

—— شیخ ابن باز ——

سب سے بڑا جہاد

سوال کیا جہاد فی سبیل اللہ کی تمام صورتیں ایک درجہ کی ہیں یعنی خواہ جہاد جان کے ساتھ ہو یا مال کے ساتھ یا دعا کے ساتھ جب کہ جان کے ساتھ جہاد کی قدرت بھی ہو؟

جواب جہاد کی کئی قسمیں ہیں' جان کے ساتھ' مال کے ساتھ' دعا کے ساتھ' رہبری و راہنمائی کے ساتھ' کسی بھی طریقے سے نیکی کے کام میں اعانت کے ساتھ لیکن سب سے بڑا جہاد جان کے ساتھ جہاد کرنا ہے' پھر مال کے ساتھ' رائے اور راہنمائی کے ساتھ' دعوت الی اللہ بھی جہاد ہے بہرحال جہاد بالنفس سب سے اعلیٰ درجے کا جہاد ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

مرحوم اور شہید

سوال مجھے معلوم ہوا ہے کہ میت کے لیے مرحوم اور شہید کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے' تو سوال یہ ہے کہ صحافی' ذرائع ابلاغ کے نمائندے اور عام لوگ ان کی بجائے کون سے الفاظ استعمال کریں؟

جواب ان میں سے پہلے لفظ یعنی مرحوم کے استعمال سے مقصود اگر خبر ہو تو یہ جائز نہیں' کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس پر رحم کیا گیا ہے یا نہیں اور اگر اس لفظ کے استعمال سے مقصود دعا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کے لیے یہ کہیں کہ رَحِمَهُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے) یا یہ کہیں کہ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ (اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے) تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک دوسرے لفظ "شہید" کے استعمال کا مسئلہ ہے' تو کسی کو شہید کہنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے لیے شہادت کے حکم کا اثبات کر رہے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ شہادت دینا کہ وہ شہید ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے لیے حکم شہادت ثابت کر رہے ہیں اور حکم شہادت یہ ہے کہ وہ جنتی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالشُّهَدَآءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ﴾ (الحدید۵۷/ ۱۹)

"اور جو اپنے پروردگار کے نزدیک شہید ہیں' ان کیلئے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًۢا ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۶۹)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے' ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے

نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔"

لہٰذا کسی شخص کے بارے میں نص یا مسلمانوں کے اجماع کے بغیر پورے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ شہید ہے' اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے کہ (بَابٌ لَا يُقَالُ فُلَانٌ شَهِيدٌ) "یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص شہید ہے" البتہ اگر کوئی شخص ایسی موت مرا جس کے بارے میں شارع نے حکم یہ بیان فرمایا ہو کہ جو شخص اس طرح کی موت مرے گا وہ شہید ہے' تو اس صورت میں بطور عموم یہ کہا جائے گا کہ جو شخص اس سبب سے مرے وہ شہید ہے لہٰذا امید ہے کہ یہ شخص بھی شہید ہو گا۔

اخبارات و رسائل میں اس طرح کے القاب ان لوگوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں' جن کے بارے میں وثوق سے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مومن ہیں' شہید ہونا تو بہت دور کی بات ہے' ہر انسان کو چاہیے خواہ وہ صحافی ہو یا غیر صحافی کہ وہ جو بات بھی کرے احتیاط سے کرے' کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کہا ہو گا' اس کے بارے میں سوال ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ﴾ (ق: ٥٠/ ١٨)

"کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان (اس کو محفوظ کرنے کیلئے) اس کے پاس تیار رہتا ہے۔"

اگر کوئی کسی ایسے شخص کے بارے میں گفتگو کرے' جو کسی ایسے سبب سے فوت ہوا ہو' جس کے بارے میں گمان یہ ہوتا ہے کہ جو اس طرح فوت ہو تو وہ شہید ہے' تو اس طرح کہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو اس سبب سے فوت ہو گا تو وہ شہید شمار ہو گا لیکن اس طرح کے کسی معین شخص کے بارے میں یہ نہ کہے کہ وہ شہید ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

منشیات کے خلاف مقابلہ میں قتل ہونے والا شہید ہے

سوال اس میں کوئی شک نہیں کہ منشیات کے مقابلے کا ادارہ ان راستوں کے بند کرنے کے لیے جہاد کر رہا ہے' جن سے منشیات کا زہر اس پاک سرزمین میں آتا ہے۔ ان زہروں کو رواج دینے والے اگرچہ بڑے ہوشیار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اور پھر منشیات کے مقابلہ کے ادارہ کے کارکنوں کی قوت و عزیمت سے منشیات کے سمگلروں کی کوششیں ناکام ہو گئی ہیں۔ سماحۃ الشیخ! میرا سوال یہ ہے کہ منشیات کے سمگلروں سے مقابلہ کرتے ہوئے اس ادارے کا جو شخص قتل ہو جائے' کیا وہ شہید شمار ہو گا؟ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو اس ادارہ کے کارکنوں کو منشیات کے سمگلروں کے اڈوں کے بارے معلومات فراہم کرے تاکہ وہ ان پر چھاپہ مار سکیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب بے شک مسکرات اور منشیات کی روک تھام عظیم ترین جہاد ہے اور یہ بہت اہم فریضہ ہے کہ ان اشیاء کی روک تھام کے لیے معاشرے کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں کیونکہ ان کی روک تھام میں سب کی مصلحت اور ان کے پھیلانے اور رواج دینے میں سب کا نقصان ہے۔ جو شخص اس شر کا مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہو جائے اور اس کی نیت بھی اچھی ہو تو وہ شہید ہے۔ جو شخص ان کے اڈوں کے بارے میں ذمہ دار لوگوں تک معلومات پہنچائے تو

اسے بھی یقیناً اجر و ثواب ملے گا اور وہ اس کی وجہ سے راہ حق' مسلمانوں کی مصلحت اور معاشرے کو نقصان دہ امور سے بچانے والا مجاہد شمار ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ منشیات کے رواج دینے والوں کو ہدایت دے' انہیں رشد و بھلائی عطا فرمائے' انہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے دشمن شیطان کی چالوں سے بچائے' ان کا مقابلہ کرنے والوں کو حق تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے' اپنے فرض کو ادا کرنے کے لیے ان کی اعانت کرے' انہیں ثابت قدمی عطا فرمائے اور شیطان کی پارٹی کے خلاف انہیں نصرت و اعانت سے سرفراز فرمائے۔ انہ خیر مسئول۔

——— شیخ ابن باز ———

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے زیادہ طاقت ور ہونے کا سبب

سوال ہم یہ بات تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم سب اور تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار اور فرماں بردار اور اس پر ایمان رکھنے والے ہیں لیکن ہماری معیشت اور ہماری زندگی کی چابیاں ہمارے ان دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں جو مشرک اور ملحد ہیں تو اس میں کیا راز ہے؟

جواب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات میں صرف وہی ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ فرمائے' جو اللہ تعالیٰ چاہے' وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے' منع کرتا اور عطا فرماتا ہے' بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے' جو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ انسان کو جن آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس کی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ہی اپنے مومن' مصلح اور اہل صدق و اخلاص بندوں کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں نصرت و اعانت سے سرفراز فرماتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِن تَنصُرُوا۟ ٱللَّهَ يَنصُرْكُمْ ﴾ (محمد ٤٧/ ٧)

"اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ قوت کے ساتھ ان کی مدد فرماتا ہے' فرشتوں کو نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر لڑیں' نیز اللہ تعالیٰ ان سے دشمنوں کی چالوں کو دور فرماتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُدَٰفِعُ عَنِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ﴾ (الحج ٢٢/ ٣٨)

"اللہ تو مومنوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کافروں کے ان حیلوں کو باطل کرتا رہتا ہے' جن کے ساتھ وہ مسلمانوں کو ڈراتے رہتے ہیں' خواہ یہ حیلے اور اسباب ایٹمی اور کیمیاوی بموں ہی کی صورت میں کیوں نہ ہوں۔ یہ تمام اسباب و وسائل اللہ تعالیٰ کے غلبہ و قدرت کے تحت ہیں۔ یہ لوگ بندوں پر اسی وقت غالب آتے ہیں' جب بندگان الٰہی حق کی مخالفت اور نافرمانی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی' فسق و فجور کا اظہار کرتے ہیں' عبادات کو ترک کر دیتے ہیں' مسجدوں میں جانا چھوڑ دیتے ہیں' جمعہ و جماعت سے پیچھے رہتے ہیں' زنا اور بدکاری کا ارتکاب کرتے ہیں' شرابیں پیتے ہیں اور منشیات استعمال کرتے ہیں' نمازوں کو ضائع کرتے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے

ہیں' تو ان حالات میں اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فرعون کو مسلط کر دیا تھا اور فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو بدترین قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا عَصَانِي مَنْ يَعْرِفُنِي سَلَّطْتُ عَلَيْهِ مَنْ لاَ يَعْرِفُنِي»(البداية والنهاية : ١٣/ ٨٨)

"جب کوئی ایسا شخص میری نافرمانی کرتا ہے' جو مجھے پہچانتا ہے تو میں اس پر کسی ایسے شخص کو مسلط کر دیتا ہوں جو مجھے نہیں پہچانتا۔"

ان ایام میں بھی یہ لوگ ان پر مسلط ہیں' جنہوں نے احکام شرعیہ کو معطل کر دیا ہے' ان کی بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کر لیا ہے' بہت سی حرام اشیاء کو حلال قرار دے لیا ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کر رہے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلط کر دیا ہے کہ وہ انہیں قتل کر رہے ہیں' قیدی بنا رہے ہیں اور لوٹ رہے ہیں۔ جب بھی اہل اسلام اپنے صحیح دین کی طرف رجوع کر لیں گے' تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کی عظمت رفتہ واپس لوٹا دے گا اور اپنی نصرت و توفیق سے سرفراز فرما دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٩)

"اور (دیکھو) دل شکستہ نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

مجاہدین کے یتیم بچوں کی کفالت

سوال یتیم کی کفالت کا کیا اجر و ثواب ملتا ہے؟ کیا افغان مجاہدین کے یتیم بچوں کی کفالت سے بھی اجر و ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا»(صحيح البخاري، الأدب، باب فضل من يعول يتيمًا، ح: ٦٠٠٥)

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان (دو انگلیوں) کی طرح ہوں گے۔"

آپ ﷺ نے یہ انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یتیم کی کفالت' تربیت' اس پر خرچ کرنا اور اس کی بہتری کے لیے کوشش کرنا' یہ سب اجر و ثواب کے کام ہیں اور افغان مجاہدین کے یتیم بچوں کی کفالت کی وجہ سے بھی یہ اجر و ثواب ضرور ملے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

منافقوں اور کافروں سے جہاد میں فرق

سوال اس جنگ میں مقابلہ کے لیے سب سے بہترین طریقہ کیا ہے' جو بعض نام نہاد مسلمانوں ہی کی طرف سے اسلام کے خلاف برپا کی جا رہی ہے' خواہ یہ نام نہاد مسلمان سیکولر ہوں یا کوئی اور؟

جواب امت اسلامیہ کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ہر اس ہتھیار کا مناسب طریقے سے مقابلہ کرے' جس کا رخ اسلام کی طرف ہو۔ جو لوگ اپنے افکار و اقوال کے ساتھ اسلام کے ساتھ جنگ کرتے ہیں' تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ نظری' عقلی اور شرعی دلائل کے ساتھ ثابت کریں کہ ان کے یہ افکار و اقوال باطل ہیں۔ جو لوگ اقتصادی پہلو سے اسلام کے ساتھ جنگ کرتے ہیں' تو ان سے بھی اس پہلو سے مقابلہ کرنا چاہیے اور ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دینی چاہیے کہ اقتصادیات کی اصلاح اور بہتری کیلئے بھی سب سے بہترین طریقہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام ہے اور جو لوگ اسلحہ کے ساتھ اسلام سے جنگ کرتے ہیں' تو واجب ہے کہ اسی طرح کے اسلحہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَـٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٩﴾ ﴾

(التحریم٦٦/ ٩)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

یاد رہے کہ منافقوں کے ساتھ جہاد کافروں سے جہاد کی طرح نہیں ہے' کیونکہ منافقوں سے تو علم و بیان مگر کافروں سے جہاد شمشیر و سناں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مسلمان نوجوانوں میں بیداری کی تحریک

سوال اس وقت سارے عالم اسلام کے نوجوانوں میں بیداری کی جو تحریک ہے' اس کے بارے میں آپ کے کیا ارشادات ہیں؟

جواب یہ تحریک ہر مومن کے لیے باعث مسرت ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسے اسلامی تحریک یا اسلامی تجدید و نشاط کی تحریک کے نام سے موسوم کرنا چاہیے۔ اس تحریک کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے اور اسے کتاب و سنت کے دامن سے وابستہ رہنے کی تلقین کی جانی چاہیے اور قائدین اور کارکنوں کو نصیحت کی جائے کہ وہ غلو اور افراط سے اجتناب کریں تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٧١)

''اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ»(سنن النسائي، مناسك الحج، باب التقاط الحصى، ح:٣٠٥٩)

''دین میں ناحق مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں ناحق مبالغہ نے ہی تباہ و برباد کر دیا تھا۔''

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، قَالَهَا ثَلَاثًا»(صحيح مسلم، العلم، باب هلك المتنطعون، ح: ٢٦٧٠)

''غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے' آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔''

واجب یہ ہے کہ یہ نوجوان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھیں اور اس سے ہمیشہ توفیق' دلوں اور عملوں کی درستی اور حق پر ثابت قدمی طلب کرتے رہیں' قرآن کریم کی گہرے تدبر اور غور و فکر سے تلاوت کرتے رہیں اور دین کے دوسرے بڑے ماخذ سنت مطہرہ پر عمل کرتے رہیں' کیونکہ سنت مطہرہ کتاب اللہ کی تفسیر ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ ﴾ (النحل١٦/ ٤٤)

"اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان کے لیے بیان کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔"

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾ ﴾

(النحل١٦/ ٦٤)

"اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس لیے کہ جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو اور (یہ) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں پر بھی واجب ہے کہ وہ اس اسلامی تحریک کے ساتھ تعاون کریں' تحریک سے وابستہ لوگوں سے تبادل افکار کرتے رہیں اور ان شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہیں' جو تحریک سے وابستہ بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

دعوت الی اللہ کا کام کس پر واجب ہے؟

سوال کیا دعوت الی اللہ کا کام ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے یا یہ صرف علماء اور طلبہ کا کام ہے؟

جواب جب انسان کو اس چیز کی بصیرت حاصل ہو' جس کی طرف وہ دعوت دے رہا ہو تو پھر اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وہ کوئی بہت بڑا اور ممتاز عالم ہے یا کوئی طالب علم یا ایک عام مسلمان' لیکن شرط یہ ہے کہ اسے مسئلہ کا یقینی علم ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٦١)

"میری طرف سے (آگے) پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔"

داعی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے پاس بہت زیادہ علم ہو' البتہ یہ شرط ہے کہ وہ جس بات کی طرف دعوت دے رہا ہو اس کا اسے ضرور علم ہو' جہالت یا محض جذبات کی بنیاد پر دعوت دینا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے وہ بھائی جو دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہیں اور ان کے پاس علم کی کمی ہوتی ہے تو وہ محض اپنی خواہش سے کئی

ایسی چیزوں کو حرام قرار دے دیتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا ہوتا اور کئی ایسی چیزوں کو واجب قرار دے دیتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار نہیں دیا ہوتا اور یہ بہت خطرناک بات ہے' کیونکہ حلال کو حرام قرار دینا بھی اسی طرح ہے جس طرح حرام کو حلال قرار دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو ایک جیسا قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَٰعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ ﴾ (النحل١٦/ ١١٦۔١١٧)

"اور یونہی جھوٹ سے جو تمہاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (جھوٹ کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب دردناک ہو گا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعوت الی اللہ کے کامیاب طریقے

سوال آپ کی نظر میں اس دور میں دعوت الی اللہ کے لیے کامیاب طریقے کیا ہیں؟

جواب اس دور میں سب سے کامیاب اور مفید طریقہ یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جائے' کیونکہ یہ اسباب و ذرائع بہت کامیاب ہیں' یہ دو دھار والے ہتھیار ہیں۔ اگر ریڈیو' صحافت اور ٹیلی وژن وغیرہ ذرائع و اسباب کو دعوت الی اللہ اور اس دین کی طرف لوگوں کی راہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے' جسے رسول اللہ ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے تو یہ ایک بہت بڑی بات ہو گی۔ امت کے افراد جہاں جہاں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نفع پہنچائے گا بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچائے گا' وہ بھی دین اسلام کو سمجھنے' اس کے محاسن کو جاننے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کے راستہ کو پہچاننے لگیں گے۔

مبلغین اور مسلمان حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے کام میں ریڈیو' صحافت' ٹیلی وژن اور محفلوں میں خطابت کے طریقے سے جس طرح بھی ممکن ہو مقدور بھر حصہ لیں' جمعہ اور دیگر مواقع پر خطاب بھی دعوت الی اللہ کا ایک طریقہ ہے۔ الغرض ان طریقوں کو بھی اور ان کے علاوہ دیگر طریقے جو ممکن ہوں' ان سب کو استعمال کریں اور لوگوں تک دین حق کو تمام زبانوں میں پہنچائیں جو آج دنیا میں استعمال ہو رہی ہیں تاکہ دنیا کے تمام لوگوں تک ان کی اپنی زبان میں دعوت اور نصیحت پہنچ جائے۔ اس بات کی قدرت رکھنے والے تمام علماء' مسلمان حکمران اور مبلغین پر یہ واجب ہے تاکہ دنیا کے تمام اطراف و اکناف میں دنیا بھر میں بولی جانے والی بولیوں میں پیغام حق کو پہنچایا جا سکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی اس بات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ (المائدة٥/ ٦٧)

"اے نبی! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب (لوگوں کو) پہنچا دو۔"

رسول اللہ ﷺ پر واجب تھا کہ آپ دین کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ واجب تھا'

اسی طرح حضرات انبیاء کرام کے پیروکاروں پر بھی یہ واجب ہے' اسی لیے تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٦١)

"میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔" جب آپ ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے تو ارشاد فرماتے:

«فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ»(صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منىً، ح:١٧٤١ وصحيح مسلم، الحجّ، باب تحريم مكةً وتحريم صيدها ... الخ، ح: ١٣٥٤ مختصرا)

"جو شخص یہاں حاضر ہے' وہ (یہ بات) اس تک بھی پہنچا دے' جو یہاں موجود نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جس تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے بھی اسے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔"

تمام امت کے لیے یہ واجب ہے' خواہ وہ حکام ہوں یا علماء یا تجار یا دوسرے لوگ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس دین کو آگے پہنچائیں اور دنیا میں استعمال ہونے والی مختلف زندہ زبانوں میں واضح اسلوب کے ساتھ لوگوں کے سامنے دین کی تشریح کریں اور احسن انداز میں اسلام کے محاسن' حکمتوں اور فوائد کو اجاگر کریں تاکہ دین کی حقیقت کو دشمن بھی جان جائیں اور ناواقف اور دلچسپی رکھنے والے لوگ بھی پہچان جائیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

کامیاب دعوت کی شرطیں اور کتابیں

سوال کامیاب دعوت کون سی ہے' کس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ دعوت کامیاب ہے؟ اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے والوں میں کیا شرطیں ہونی چاہئیں؟ اس موضوع کی چند کتب کی بھی نشان دہی فرمائیں؟

جواب 1 سب سے کامیاب دعوت تو یہ ہے کہ علم و بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾
(حم السجدة٤١/ ٣٣)

"اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ﴾ (يوسف١٢/ ١٠٨)

"کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔"

2 کامیاب دعوت وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہو اور اس پر اسانید صحیحہ سے صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کا عمل ثابت ہو۔

3 اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والے میں‘ جو شرطیں ہونی چاہئیں تو وہ اس طرح کی ہونی چاہئیں جس طرح کی اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے میں درج ذیل آیت میں بیان فرمائی ہیں:

﴿ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَىٰكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا ٱلْإِصْلَٰحَ مَا ٱسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِٱللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ ﴾

(هود ١١/ ٨٨)

”انہوں نے کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں‘ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے‘ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

اس آیت میں علم اور کسب حلال کی شروط کا بیان ہے اور اس بات کا ذکر کہ انسان جس کی دعوت دے اس پر خود بھی عمل کرے‘ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے اجتناب کرے‘ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے بجالائے‘ نیت کو نیک رکھے‘ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے‘ اس کی ذات گرامی پر توکل کرے کہ اسی کے ہاتھ میں توفیق دینا اور رشد و بھلائی کا الہام کرنا ہے۔

دعوت الی اللہ کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے‘ جو حسب ذیل آیت میں مذکور ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل ١٦/ ١٢٥)

”(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔“

داعی کو صبر کے زیور سے بھی آراستہ ہونا چاہیے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِٱللَّهِ ۚ ﴾ (النحل ١٦/ ١٢٧)

”(اے نبی!) صبر کیجئے‘ اور تمہارا یہ صبر بھی اللہ ہی (کی توفیق) سے ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَٱصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُۥ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُۥ عَن ذِكْرِنَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ وَكَانَ أَمْرُهُۥ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ ﴾

(الكهف ١٨/ ٢٨)

”اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا۔“

4 اس موضوع سے متعلق کتب میں سرفہرست تو قرآن کریم ہے لہذا اسے حفظ کر لو' کثرت کے ساتھ اور گہرے غور و فکر اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرو' اس کے مطابق عمل کرو اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دو اور اس کے ساتھ ہی سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی ملا لو' کیونکہ سنت رسول اللہ ﷺ ہی قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے۔ کتب سنت میں سے اہم کتابیں صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا مالک' مسند امام احمد' سنن ابی داود' سنن ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب سنت بطور خاص قابل ذکر ہیں' علاوہ ازیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ' ان کے شاگرد رشید امام ابن قیم اور ائمہ دعوت شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی کتب کا مطالعہ بھی ضرور فرمائیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اختلاف رحمت نہیں ہے

سوال آپ نے اپنی کتاب "زاد الداعیة الی اللہ عزو جل" میں لکھا ہے کہ "فرقہ بندی اور گروہ بندی سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن کے سوا اور کسی کی آنکھ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی" جب کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میری امت کا اختلاف رحمت ہے" تو اس اختلاف سے جو رحمت ہے' کیا مراد ہے اور آپ نے اپنی کتاب میں جس تفرقہ بازی کی طرف اشارہ کیا ہے' اس سے کیا مقصود ہے؟ حفظکم اللہ۔

جواب یہ حدیث جس کا سائل نے ذکر کیا ہے ضعیف ہے۔ صحیح سند سے یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ (ھود۱۱/۱۱۸۔۱۱۹)

"اور وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر رحم کیا آپ کے رب نے اور اسی لیے اس نے پیدا کیا ان کو۔"

اللہ تعالیٰ نے اختلاف کو ان لوگوں کی صفت قرار دیا ہے جن پر وہ رحم نہیں فرماتا' لہذا امت کو اختلاف نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ اختلاف نہ کرے۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ اقوال مختلف نہ ہوں کیونکہ اقوال تو مختلف ہوتے ہیں' بلکہ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں اختلاف نہ ہو۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح یا حجت ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ امت کی آراء میں جو اختلاف ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تحت داخل ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ مجتہدین پر رحم فرمائے گا خواہ اجتہاد میں ان کے مابین اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی اگر مجتہد اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد غلط بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے سزا نہیں دے گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» (صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ح:٧٣٥٢ وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ح:١٧١٦)

"جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور

جب وہ کوئی فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد غلط ہو تو پھر بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔"
اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہیں ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے'لہٰذا "زاد الداعية" میں جو کچھ ذکر کیا (لکھا) گیا ہے اس میں اور صحیح حدیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مختلف جماعتوں میں تعاون کے ضابطے

سوال بلاشک و شبہ دعوت کی کامیابی اور لوگوں کے ہاں اس کے قابل ہونے کے لیے یہ از بس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں کا آپس میں تعاون ہو۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں بہت سی جماعتیں دعوت کا کام کر رہی ہیں۔ ہر جماعت کا اسلوب اور طریقہ مختلف ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عقیدہ جیسے بہت سے اہم مسائل میں آپس میں اختلاف بھی ہے' تو آپ کے نزدیک ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے اور تعاون کرنے کے لیے کیا ضابطے ہو سکتے ہیں؟ اس مسئلہ میں آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ وفقکم اللہ

جواب اس قسم کے اختلاف کی موجودگی میں ضابطہ یہ ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع کریں' جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت کریمہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩ ﴾ (النساء ٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو' یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ ﴾ (الشوری ٤٢/ ١٠)

"اور تم جس بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو گا۔"

جو شخص عقیدہ یا عمل میں یعنی علمی یا عملی امور میں راہ راست سے بھٹک جائے' واجب ہے کہ اس کے سامنے حق کو واضح کر دیا جائے۔ اگر وہ حق کی طرف رجوع کر لے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بہت بڑی نعمت ہو گی اور اگر وہ رجوع نہ کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی آزمائش ہو گی۔ ہم پر واجب یہ ہے کہ ہم اس کی اس غلطی کو واضح کر دیں' جس میں وہ واقع ہو چکا ہے اور مقدور بھر اسے اس غلطی سے بچائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہوں' بلاشبہ اس نے بڑی بڑی بدعات کا ارتکاب کرنے والے کئی لوگوں کو حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر وہ اہل سنت میں شامل ہو گئے۔

ہم میں سے بہت سے لوگوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ چالیس سال تک فرقہ معتزلہ سے وابستہ رہے' پھر کچھ عرصہ تک قدرے ان سے ہٹے رہے' اور بالآخر تاویل اور اعتزال کے تمام راستوں کو چھوڑ کر سب

سے سیدھے راستہ یعنی اہل سنت والجماعت کے مذہب سے وابستہ ہو گئے۔ فالحمدلله علی ذلک. حاصل کلام یہ کہ عقیدہ سے متعلق مسائل بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں کوئی کمی ہو تو واجب ہے کہ نصیحت کی جائے جیسا کہ علمی امور میں نصیحت کرنا بھی واجب ہے' اگرچہ اہل علم میں زیادہ تر اختلاف عملی مسائل میں ہے' علمی اور عقیدہ سے متعلق مسائل میں اختلاف زیادہ نہیں ہے۔ البتہ بعض مسائل میں بہت اختلاف ہے مثلاً آگ کے فنا ہونے کا مسئلہ' عذاب برزخ کا مسئلہ' میزان کا مسئلہ' یہ مسئلہ کہ کس چیز کا وزن ہو گا اور اس طرح کے دیگر مسائل میں کافی اختلاف ہے لیکن ان مسائل میں اختلاف کا اگر آپ عملی مسائل میں اختلاف سے مقابلہ کریں تو یہ بہت معمولی اختلاف معلوم ہو گا وللہ الحمد! بہرحال ہم پر واجب ہے کہ جو شخص بھی علمی یا عملی مسائل میں اختلاف کرے' ہم از راہ نصیحت و ہمدردی حق کو اس کے سامنے بالکل واضح کر دیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نوجوانان دعوت کے لیے نصیحتیں ---

سوال اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَبَعْد:

ہم ایک بستی میں ان بدعات کی وجہ سے بے حد قلق و اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں' جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امید ہے کہ ان بدعات سے متعلق ہمیں شافی جواب عطا فرما کر راہنمائی فرمائیں گے تاکہ ہم فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے کی بجائے اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل کریں' بدعات کو ترک کر دیں اور اپنی بستی کے لوگوں کو بھی سمجھائیں۔ براہ کرم اس موضوع کی اچھی اچھی کتب کی طرف بھی راہنمائی فرمائیں --اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خیر و ہدایت سے سرفراز فرمائے--!

ثانیاً: ہم نوجوان تو بحمد اللہ دین کی طرف مائل ہیں مگر ہمیں اپنے آباء کی طرف سے سختیوں اور مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ وہ مادیت میں مبتلا اور دینی امور سے یکسر غافل ہو چکے ہیں' لہٰذا کچھ ایسی بہترین کتب کی بھی نشان دہی فرمائیں جو بدعات سے پاک ہوں اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرنے میں مفید ثابت ہوں۔ ہمارے آباء دین کی طرف متوجہ ہونے اور جہالت' خرافات اور بدعات کے انکار کی وجہ سے ہمیں ہماری ضروریات سے بھی محروم کر رہے ہیں' لہٰذا کچھ کتابوں کی فہرست ضرور ارسال فرمائیں تاکہ اگر ہمارے لیے ممکن ہو تو ہم ان میں سے کچھ خرید لیں اور علم و بصیرت کی بنیاد پر اپنے رب کی عبادت کریں۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ کچھ احادیث موضوع اور ضعیف بھی ہیں' سوال یہ ہے کہ ہم انہیں کس طرح پہچانیں خصوصاً جب کہ یہ بعض ائمہ کی زبان پر بھی عام ہیں؟

ثالثاً: یہ جو شاذلیہ' احمدیہ' سعدیہ اور برہانیہ وغیرہ مختلف طریقے ہیں' ان کی کیا حقیقت ہے؟ ہم ان کی کس طرح تردید کریں؟ اس موضوع پر شافی کتب کون کون سی ہیں؟ کیا ان طریقوں سے وابستہ لوگ حق پر ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے؟

رابعاً: ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مذہب کے ائمہ دوسروں کی مخالفت کرتے ہیں' جو بالآخر لڑائی جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے' جس کی وجہ سے بعض نمازی نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں بھی ہم شافی جواب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم کسی ایک مذہب کی پیروی کریں' مختلف مذاہب میں کس طرح تطبیق دی جائے تاکہ

اختلاف ختم ہو جائے؟

خامسًا: کچھ لوگ کتاب اللہ پر بھی دست درازی کرتے اور آیات کی اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کرنے لگتے ہیں تاکہ لوگوں کو گمراہ کر سکیں مثلاً کچھ لوگ سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ:

﴿ ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۱)

''جو کھڑے' بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرتے وقت رقص کیا جائے اور پھر اس انداز سے ذکر کرتے وقت وہ کئی ایسے الفاظ منہ سے نکالتے ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور دائیں بائیں جھکتے ہوئے عجیب طریقے سے اللہ ہو' اللہ ہو کی آوازیں نکالتے ہیں' اس طرح اپنی خواہش نفس سے تفسیر کی اور بھی کئی مثالیں ہیں' مثلاً یہ لوگ خاندانی منصوبہ بندی کو' عشقیہ اشعار کو اور موسیقی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی نعت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امید ہے کہ ان تمام دینی امور میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے' حق بات سمجھائیں گے' دین میں بدعات ایجاد کرنے والوں کی تردید فرمائیں گے اور اس موضوع سے متعلق بہترین کتب کی نشان دہی بھی فرمائیں گے؟

جواب اولاً: اگر آپ ان بدعات کا بھی ذکر کر دیتے جن کے بارے میں آپ جواب چاہتے ہیں' تو ہمیں جواب دینے میں آسانی ہوتی' تاہم اس سلسلہ میں ہم آپ کو ایک بہت عظیم اصول بتا دیتے ہیں اور وہ یہ کہ عبادات کے بارے میں اصل یہ ہے کہ تمام عبادات ممنوع ہیں سوائے ان کے جن کے بارے میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو' یعنی کسی شرعی دلیل کے بغیر کسی عبادت' یا اس کی تعداد یا ادا کرنے کے لیے اس کی کیفیت کو شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا' لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے' جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا ہو تو وہ مردود ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:۱۷۱۸)

''جو شخص کوئی ایسا عمل کرے' جس کے بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

اور دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:۲۶۹۷ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:۱۷۱۸ واللفظ له)

''جو شخص ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے' جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

ثانیًا: ہم آپ کو یہ نصیحت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سیکھو' غور و فکر کے ساتھ کثرت سے تلاوت کرو' اس کے مطابق عمل کرو' نیز رسول اللہ ﷺ کی سنت کا علم حاصل کرو اور صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دیگر کتب سنت کا مطالعہ کرو اور اگر کسی بات کے سمجھنے میں کوئی اشکال محسوس ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔

ثالثًا: شاذلیہ' احمدیہ' سعدیہ اور برہانیہ وغیرہ یہ سب گمراہ طریقے ہیں۔ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک طریقہ کی بھی پیروی کرے بلکہ ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی

پیروی کرے اور آپ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلے اور ان لوگوں کی اتباع کرے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللهِ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ»(صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم، ح:١٠٣٧ بعد، ح:١٩٢٣)

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گا' انھیں پریشان کرنے والا یا ان کی مخالفت کرنے والا انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے اور یہ گروہ لوگوں میں ظاہر ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا اشهد، ح:٢٦٥٢ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ... الخ، ح:٢٥٣٣)

"سب سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں' پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے۔" آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

"یہودی اکہتر اور عیسائی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے مگر میری یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایک کے سوا تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا' یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' وہ لوگ جو اس طرح کے دین پر ہوں گے' جس طرح کے دین پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔" [1]

ان کی تردید کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ ان کے عقائد' ان کی بدعات اور ان کے شبہات کی تفصیلات معلوم کریں' کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں اور سنن و بدعات کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں' ان سے بھی مدد لیں۔ اس سلسلہ میں عبدالرحمن وکیل کی "مصرع التصوف" امام شاطبی رحمہ اللہ کی "الاعتصام" شیخ علی محفوظ کی "الابداع فی مضار الابتداع" علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی "إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان" اور اس طرح کی دیگر کتب کافی مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

رابعًا: مذاہب اربعہ کے ائمہ کے درمیان فقہی فروع میں جو اختلاف ہے' تو اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ ایک حدیث بعض ائمہ کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی' یا ایک کو حدیث پہنچ گئی ہوتی ہے اور دوسرے کو پہنچی نہیں ہوتی' یا اس طرح کے کچھ اور اسباب ہیں۔ بہرحال مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان ائمہ کے بارے میں حسن ظن رکھے' ان میں سے ہر ایک اپنے فقہی موقف میں مجتہد اور طالب حق ہے۔ اگر اجتہاد صحیح ہو تو اسے دوگنا اجر ملے گا' ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور دوسرا صحیح اجتہاد کرنے کا اور اگر اجتہاد غلط ہو تو پھر بھی اجتہاد کرنے کا ایک اجر ضرور ملے گا اور غلطی معاف ہے۔ جہاں تک ان ائمہ اربعہ کی تقلید کا سوال ہے' تو جس شخص کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ حق کو دلیل کے ساتھ اخذ کر سکے تو اس کے لیے دلیل کے ساتھ اخذ کرنا واجب ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ حسب امکان اہل علم میں سے جو اس کے نزدیک قابل اعتماد ہو اس کی تقلید کرے اور یہ اختلاف (اصول میں نہیں بلکہ) فروع میں ہے۔

---

[1] جامع الترمذی' الایمان' باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ' حدیث: 2641

اس اختلاف کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اختلاف کرنے والے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھیں' بلکہ واجب یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین کرام اور تبع تابعین کا بھی آپس میں فروعی مسائل میں اختلاف تھا مگر اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

خامسًا: قرآن مجید کی تفسیر کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرآن مجید' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین کے اقوال کے ساتھ تفسیر کی جائے اور اس سلسلہ میں اسالیب لغت اور مقاصد شریعت سے بھی مدد لی جائے۔ آپ نے بعض حضرات کے حوالہ سے اپنے سوال میں ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ کی جو تفسیر ذکر کی ہے تو یہ باطل تفسیر ہے' اس کی مطلقاً کوئی اصل نہیں ہے۔ ہم آپ کو وصیت کریں گے کہ اس آیت کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کے لیے تفسیر ابن جریر' تفسیر ابن کثیر' تفسیر بغوی اور اس طرح کی دیگر کتب تفسیر کا مطالعہ کریں تاکہ قابل اعتماد ائمہ تفسیر کے کلام کی روشنی میں حق بات کو معلوم کر سکیں۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

داعی کی صفات

سوال اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والے کی آپ کی نظر میں کیا صفات ہونی چاہئیں؟

جواب اسے علم حاصل کرنے کا شائق ہونا چاہیے' ادلہ شرعیہ کے پہچاننے میں کوشش کرے' مقدور بھر طاقت کے مطابق لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی شریعت کے اتباع اور امر و نہی کے مطابق عمل کی دعوت دے اور جس چیز کی دعوت دے پہلے خود اس پر عمل کرے اور اپنے آپ پر احکام شریعت نافذ کرنے میں خوب محنت کرے تاکہ اپنے اقوال' اعمال اور اپنے سیرت و اخلاق سے اللہ تعالیٰ کے دین کا سچا داعی بن جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مسلم داعی کی شروط

سوال ایک مسلمان داعی میں کیا شرطیں ہونی چاہئیں؟ میں نے سارا قرآن مجید حفظ نہیں کیا تو کیا میں داعی بن سکتا ہوں؟

جواب واجب ہے کہ داعی جس کا حکم دے' اسے اس کا علم ہو۔ جس بات کی طرف دعوت دے اسے وہ جانتا ہو' حلیم اور بردبار ہو۔ داعی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ سارے قرآن مجید اور باقی تمام علوم کا حافظ ہو بلکہ اسے ان دینی واجبات کا علم ہونا چاہیے جن کی طرف وہ دعوت دے رہا ہو۔ اسی طرح اسے محرمات کا علم ہونا چاہیے اور دلائل یاد ہونے چاہئیں تاکہ ان لوگوں کو مطمئن کر سکے' جن کو وہ دعوت دے رہا ہو' نیز اسے دعوت کے اس طریقے اور اسلوب کا علم ہونا چاہیے جس سے سامعین اس کی بات کو سمجھ لیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

دعوت کے لیے گھر سے باہر نکلنا

سوال جب میرے گھر والے دعوت الی اللہ کو قبول نہ کریں تو کیا میرے لیے دعوت کے سلسلہ میں گھر سے باہر نکلنا جائز ہے؟ امید ہے حدیث شریف کے ساتھ مدلل جواب عطا فرمائیں گے؟

جواب دعوت الی اللہ کا میدان بہت وسیع ہے اور والدین کی اطاعت ہر انسان پر واجب ہے۔ اس زمانے میں دعوت کی حیثیت نفل عبادت کی ہے کیونکہ دعوت کا کام کرنے والے بہت سے لوگ موجود ہیں لہٰذا اپنے والدین کی اطاعت کرو' ان کے ساتھ رہو اور مقدور بھر ان کی خدمت کرو اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے شہر میں افراد اور جماعتوں کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) دین کی دعوت بھی دیتے رہو' اس طرح والدین کے ساتھ رہ کر دعوت کے اجروثواب کو بھی حاصل کر لو گے' لیکن پہلے خود شریعت کے پابند ہو کر نیکی میں نمونہ بن جاؤ' گناہوں اور معصیت کے کاموں سے دور رہو تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعوت کو مفید بنا دے اور آپ کے ہاتھوں ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خیر و بھلائی کا ارادہ ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اس کا علم لے لو اور عمل چھوڑ دو

سوال ان بعض مبلغین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جن کے تصرفات اور عمل سے تو صدق کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ بعض گناہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفتوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں؟ تو کیا اس صورت میں ان سے اور ان کے علم اور دعوت الی اللہ سے استفادہ کرنا ممنوع ہے؟

جواب معلم اور داعی کی بات سننے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کامل ہو بلکہ اس سے ہر حال میں استفادہ کیا جائے گا خواہ اس کے اخلاق میں کچھ کمی ہی کیوں نہ ہو۔ کمی ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ شائستہ گفتگو اور احسن انداز میں لوگوں کو نیکی اور خیر و بھلائی کی دعوت بھی نہ دے۔ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ معلم خود تو نماز باجماعت ادا نہیں کرتا لیکن اپنے شاگردوں کو اس کی نصیحت ضرور کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہو مگر دوسروں کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے کپڑے اونچے رکھو۔ ہو سکتا ہے کہ خود داڑھی منڈاتا ہو مگر دوسروں کو داڑھی رکھنے کی نصیحت کرتا ہو اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سناتا ہو:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظافر، ح: ٥٨٩٢ مسند أحمد: ٢/ ٢٢٩)

''مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈواؤ۔''

—— شیخ ابن باز ——

قطع تعلق یا دعوت

سوال یہ تو معلوم ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے سے تعلق قطع کرنا واجب ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہم اسے دعوت دینا چاہیں تو کیا کریں؟ کیا ہم اس سے محبت کریں اور ہم نشینی اختیار کریں یا ہم کیا کریں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے!

جواب یہ درست نہیں ہے کہ گناہ گار سے تعلق قطع کرنا واجب ہے' جیسا کہ سائل نے کہا' البتہ گناہ سے قطع تعلق کرنا

ضرور واجب ہے۔ گناہ گار اگر گناہ کا ارتکاب نہ کر رہا ہو تو اس سے نہ مقاطعہ کیا جائے اور نہ اسے چھوڑا جائے گا الّا یہ کہ اس سے تعلقات ترک کرنے میں کوئی فائدہ ہو مثلاً یہ کہ ترک تعلق کی صورت میں وہ گناہ سے باز آ جائے' تو اس صورت میں ترک تعلق مطلوب ہو گا ورنہ ترک تعلق درست نہ ہو گا۔ تالیف قلب اور ہدایت و تقویٰ کی دعوت دینے کے لیے اس کے پاس بیٹھنا اور اس سے باتیں کرنا ایک امر مطلوب ہے لیکن مداہنت یا اس کے گناہوں سے بے پروائی برتتے ہوئے اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں بہرحال ہر حالت سے متعلق حکم الگ ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعوت کا آغاز کیسے کیا جائے؟

سوال جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو دعوت دے تو وہ کیسے آغاز کرے اور اس سے کس طرح گفتگو کرے؟

جواب سائل کی مراد شائد دعوت الی اللہ سے ہے' تو دعوت الی اللہ حکمت' اچھی وعظ و نصیحت اور نرمی سے ہونی چاہیے اور اس میں سختی' ملامت اور سرزنش نہیں ہونی چاہیے اور جو بات زیادہ اہم ہو اس سے آغاز کرنا چاہیے' جیسا کہ نبی ﷺ جب مختلف علاقوں میں اپنے قاصد روانہ فرماتے تو آپ حکم دیتے کہ وہ اپنی دعوت کا آغاز زیادہ اہم باتوں سے کریں' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت آپ نے فرمایا تھا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا صَلَّوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ... الخ، ح:٧٣٧٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح:١٩)

"سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کریں' جب وہ اسے پہچان لیں تو پھر انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں اور جب وہ نماز پڑھنا شروع کر دیں تو پھر انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے' جسے ان کے دولت مند سے وصول کر کے فقیر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔"

الغرض! جو بات زیادہ اہم ہو اس سے آغاز کیا جائے گا۔ داعی کو چاہیے کہ وہ موقع اور مناسب وقت کو پیش نظر رکھے اور دعوت دینے کے لیے مناسب جگہ کا بھی انتظام کرے کیونکہ کبھی یہ مناسب ہوتا ہے کہ اسے اپنے گھر دعوت دے اور اس سے گفتگو کرے اور کبھی یہ مناسب ہوتا ہے کہ خود اس آدمی کے گھر چلا جائے اور اسے دعوت دے۔

یہ بھی مناسب ہے کہ وقت کی نزاکت کو پیش نظر رکھے کیونکہ کسی وقت دعوت دینا مناسب ہوتا ہے اور کسی وقت مناسب نہیں ہوتا۔ بہرحال ہر عقل مند اور صاحب بصیرت مسلمان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کو حق کی دعوت کس طرح دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

علماء پر تنقید

سوال آنجناب کی ان بعض نوجوانوں خصوصاً دینی طالب علموں کے بارے میں کیا رائے ہے' جن کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض علماء پر تنقید کرتے' لوگوں کو ان سے متنفر کرتے اور ان سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں؟ کیا یہ عمل شرعی طور پر درست ہے' ایسا کرنے والے کو ثواب ملے گا یا عذاب؟

جواب میری رائے میں ایسا کرنا حرام ہے' کیونکہ کسی انسان کے لیے جب یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی غیبت کرے خواہ وہ عالم نہ بھی ہو تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کی غیبت کرے جو علماء ہیں لہٰذا ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی زبان کو اپنے مسلمان بھائیوں کی غیبت سے روکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾

(الحجرات۴۹/ ۱۲)

''اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے' (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس مصیبت میں مبتلا انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب وہ کسی عالم کو تنقید کا نشانہ بنائے گا' تو وہ گویا اس عالم کی حق باتوں کی تردید کا بھی سبب بنے گا تو حق کی تردید اور اس کی عدم قبولیت کا گناہ بھی اس کے ذمہ ہو گا کیونکہ ایک عالم پر تنقید ایک شخص پر تنقید نہیں بلکہ یہ حضرت محمد ﷺ کی میراث پر تنقید ہے۔

علمائے کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں' لہٰذا جب علماء پر طعن و تشنیع کی جائے تو لوگ اس علم پر بھی اعتماد نہیں کریں گے' جو ان کے پاس ہے حالانکہ وہ علم تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے اور اس طرح وہ گویا شریعت کی کسی بھی ایسی چیز کو قابل اعتماد نہیں سمجھیں گے جس کو یہ عالم بیان کرتا ہو' جسے طعن و تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر عالم معصوم ہے' بلکہ ہر انسان خطاء کا پتلا ہے۔ اگر آپ اپنے زعم میں کسی عالم کو غلطی پر دیکھیں تو اس سے ملیں اور تبادلہ خیال کریں۔ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس عالم کا موقف حق پر مبنی ہے' تو آپ پر واجب ہے کہ اس کی اتباع کریں' اگر یہ واضح نہ ہو کہ اس کا موقف حق پر مبنی ہے لیکن اس کی بات کی بھی گنجائش ہو تو آپ کے لیے واجب ہے کہ رک جائیں اور اگر اس کی بات کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے سے اجتناب کریں کیونکہ غلطی کو برقرار رکھنا جائز نہیں ہے' لیکن آپ اس پر جرح نہ کریں' خصوصاً جب کہ وہ عالم حسن نیت میں معروف ہو۔ اگر ہم حسن نیت میں معروف علماء پر مسائل فقہ میں کسی غلطی کی وجہ سے جرح کرنے لگیں گے' تو ہم بڑے بڑے علماء پر جرح کر بیٹھیں گے لہٰذا واجب وہی ہے' جو میں نے ذکر کر دیا ہے۔ اگر آپ کسی عالم کی کوئی غلطی محسوس کریں اور گفتگو اور افہام و تفہیم سے واضح ہو جائے کہ ان کا موقف درست ہے تو آپ کو ان کی بات مان لینی چاہیے اور اگر آپ کا موقف درست ثابت ہو تو پھر انہیں آپ کی بات تسلیم کر لینی چاہیے اور اگر بات واضح نہ ہو اور اختلاف کی گنجائش موجود ہو تو پھر آپ ان کو نظرانداز کر دیں

کہ وہ اپنی بات کہتے رہیں اور آپ اپنی بات کہتے رہیں۔

اختلاف صرف اسی زمانہ میں نہیں ہے بلکہ اختلاف تو حضرات صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک چلا آ رہا ہے۔ اگر غلطی واضح ہونے کے بعد بھی کوئی عالم اپنی ہی بات پر اصرار کرے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ آپ غلطی کو واضح کریں اور اس سے الگ ہو جائیں مگر توہین و تذلیل اور ارادۂ انتقام کی بنیاد پر نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس اختلافی مسئلہ کے سوا دیگر مسائل میں وہ حق بات کہتا ہو۔

بہرحال میں اپنے بھائیوں کو اس مصیبت اور اس بیماری سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور انہیں ہر اس چیز سے شفا عطا فرمائے جو ہمارے لیے دین و دنیا کے اعتبار سے باعث عار اور موجب نقصان ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

متعدد اسلامی جماعتیں اور ان کا اختلاف

سوال آج کل ان اسلامی جماعتوں کے بارے میں بہت گفتگو ہوتی ہے' جو دعوت الی اللہ کا کام کرتی ہیں کہ ہم ان میں سے کس جماعت کی پیروی کریں؟ ان جماعتوں کے اختلاف کے بارے میں ایک مسلمان کا موقف کیا ہونا چاہیے؟

جواب اس کے بارے میں میرا موٴقف یہ ہے کہ یہ ایک بہت دردناک اور افسوس ناک بات ہے۔ ڈر ہے کہ یہ اسلامی تحریک ختم ہی نہ ہو جائے اور اپنے اختلاف و انتشار کی وجہ سے مٹ ہی نہ جائے کیونکہ لوگ جب مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو پھر وہ اس طرح ہو جاتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفۡشَلُواْ وَتَذۡهَبَ رِيحُكُمۡ ﴾ (الأنفال۸/ ٤٦)

"اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔"

یعنی جب لوگ فرقہ بندیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور آپس میں جھگڑنے لگتے ہیں' تو وہ بزدل ہو جاتے ہیں' خائب و خاسر ہو جاتے ہیں' ان کا اقبال ختم ہو جاتا ہے اور ان کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ دشمنان اسلام اس انتشار اور خلفشار سے خوش ہوتے ہیں اور اختلافات کی ہوا کو بھڑکاتے ہیں' ایک دوسرے کے پاس آ کر ان کے خلاف باتیں کرتے' مسلمان بھائیوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے داعیوں میں عداوت اور بغض پیدا کرتے ہیں۔

ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور اس کے دین کے ان دشمنوں کی چالوں کو ناکام و نامراد بنا دیں اور امت واحدہ بن جائیں۔ ہم ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں' ایک دوسرے سے استفادہ کریں' اپنے آپ کو داعی کے طور پر پیش کریں۔ اس کے لیے طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر کے زعماء جن کا اپنے بھائیوں میں اثر و رسوخ ہو' صورت حال کا جائزہ لیں اور بالاتفاق ایک ایسا لائحۂ عمل تشکیل دیں' جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ دعوت الی اللہ کا انداز اور اسلوب مختلف بھی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہم نے کیا اسلوب اختیار کیا ہے' بلکہ اہمیت تو اس بات کی ہے کہ ہم سب بھائی بھائی بن کر حق پر جمع ہو جائیں اور پیکر مہر و وفا بن جائیں۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ ان جماعتوں اور گروہوں میں سے اچھا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں اگر میں یہ کہوں

کہ فلاں جماعت یا فلاں گروہ افضل ہے' تو یہ تو گویا اس فرقہ بندی کو تسلیم کرنے والی بات ہوئی حالانکہ میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ میری رائے میں واجب یہ ہے کہ ہم اپنے اس معاملہ کا صدق اور اللہ عز و جل' اس کی کتاب' اس کے رسول' مسلمان حکمران اور مسلمان عوام کے لیے اخلاص کے ساتھ جائزہ لیں اور آپس میں ایک ہی جسم کے مانند ہو جائیں کیونکہ الحمد للہ! حق بالکل واضح ہے۔ حق صرف اسی سے مخفی رہ سکتا ہے جو منکر ہو یا متکبر اور جو شخص حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے والا ہو تو اسے بلا شک و شبہ حق کی توفیق مل ہی جاتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

گمراہوں سے لوگوں کو خبردار کرنے میں کوئی حرج نہیں

سوال جب انسان کچھ لوگوں اور ان کے افکار پر تنقید کرنا چاہتا ہے تو کیا ان کا نام لے کر تنقید کرنا جائز ہے؟

جواب اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لکھی ہو جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور وہ اسے لوگوں میں پھیلا رہا یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے اسے نشر کر رہا ہو' تو ایسے شخص اور اس کے باطل افکار کی تردید کرنا واجب ہے۔ لوگوں کو اس سے خبردار کرنے کے لیے اس کا نام لے کر تردید کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' مثلاً شرک و بدعات کے داعیوں یا اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں کو حرام قرار دیا ہے' ان کی دعوت دینے والوں کے نام لے کر تردید کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اہل علم و ایمان' داعیان حق اور حاملین شریعت اس فرض کو ہمیشہ ادا کرتے رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کر سکیں' منکرات کی تردید کر سکیں' حق کی دعوت دے سکیں اور لوگوں کو باطل کی دعوت دینے والوں اور ان کے ملحدانہ افکار و نظریات سے فریب خوردہ ہونے سے بچا سکیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اسلامی کیسٹ

سوال ان اسلامی کیسٹوں کی خرید و فروخت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جو علمی تقریروں اور دینی مجلسوں پر مشتمل ہوں؟ نیز اسلامی نظمیں جو نوجوان پڑھتے ہیں' ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب اسلامی کیسٹ جو علمی تقریروں' دینی مجلسوں اور بامقصد نظموں پر مشتمل ہوں' ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تو ایک امر مطلوب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مسلمان اپنے علم کے مطابق دعوت کا کام کرے

سوال امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہمارے سامنے دین عیسائیت و یہودیت کے کئی ایک پہلو واضح ہوئے ہیں تو کیا ان کے بارے میں گفتگو کرنا ہمارے لیے جائز ہے؟

جواب ہاں! آپ کے لیے جائز ہے کہ اس موضوع کے بارے میں اپنے علم کے مطابق گفتگو کریں' جب کہ علم کے بغیر

اس موضوع یا کسی بھی دوسرے موضوع کے بارے میں گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔ یاد رہے کہ تورات اور انجیل کی شریعتیں بھی ان شریعتوں میں سے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر' اس دور کے لوگوں کے لیے' ان کے زمانے اور حالات کے مطابق نازل فرمایا تھا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں تورات' انجیل اور قرآن مجید کے نازل کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ (المائدة٥/ ٤٨)

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٣)

"بے شک تمہارا پروردگار خوب حکمت والا (سب کچھ) جاننے والا ہے۔"

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی شریعتوں میں تحریف اور تبدیلی کر کے ایسی ایسی باتوں کو داخل کر دیا تھا' جن کا ان شریعتوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر تمام انبیائے کرام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام روئے زمین کے جنوں اور انسانوں کے لیے ایک عالمگیر نبوت و رسالت اور ایک جامع شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس شریعت کے ساتھ تورات و انجیل کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور تمام روئے زمین کے لوگوں کے لیے اس بات کو واجب قرار دے دیا کہ اب وہ اس شریعت کے مطابق فیصلے کریں' جسے لے کر حضرت محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائے ہیں اور اب صرف اور صرف اسی شریعت کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اور باقی تمام شریعتیں چھوڑ دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٤٨)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے' اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا' ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے' تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو' تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ ﴾ (النساء٤/ ٦٥)

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ تب تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں' پھر جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کرلیں۔"

اور فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٥٠)

"کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں' جو شخص بھی قرآن کریم میں تدبر کرے اور استفادہ و عمل کے لیے کثرت سے تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے راہ حق کی ہدایت فرمادے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ٩)

"یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو' جو نیک اعمال کرتے ہیں' اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص دعوت دیتا لیکن خود عمل نہ کر سکتا ہو

سوال ایک داعی دعوت تو دیتا ہے لیکن کوشش کے باوجود خود عمل کی طاقت نہیں رکھتا' لیکن اس خیال سے وہ دعوت دیتا ہے کہ شائد مدعو اس پر عمل کرلے تو کیا اس صورت میں وہ دعوت دے یا نہیں؟

جواب جب نیکی کے کسی کام کی طرف دعوت دینے والا خود عمل نہ کر سکتا ہو' تو اسے دوسرے کو دعوت ضرور دینی چاہیے مثلاً ایک شخص تہجد پڑھنے کی دعوت دیتا ہو لیکن خود تہجد پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو' یا صدقہ دینے کی دعوت دیتا ہو لیکن خود صدقہ کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہ ہو تو ہم کہیں گے کہ اسے دوسروں کو دعوت ضرور دینی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص دوسروں کو دعوت دیتا ہو لیکن خود طاقت کے باوجود عمل نہ کرتا ہو تو بلاشبہ یہ بے وقوفی اور گمراہی کی بات ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

داعی کو نرم اور ہنس مکھ ہونا چاہیے

سوال بعض لوگ جن کو ہم دینی احکام کا پابند خیال کرتے ہیں' وہ لوگوں سے بہت سختی اور درشتی سے معاملہ کرتے ہیں اور ہمیشہ منقبض اور ترش رو نظر آتے ہیں' تو ان لوگوں کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے؟ مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی سے کس طرح معاملہ کرنا چاہیے خصوصاً جب وہ دینی احکام کی پابندی میں کوتاہی کر رہا ہو؟

جواب نبی ﷺ کی سنت مطہرہ سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ انسان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت' نرمی اور شائستگی کے ساتھ دعوت دے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی فرمایا:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَـٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل١٦/ ١٢٥)

"اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ (آل عمران۳/۱۵۹)

"(اے محمد ﷺ !) اللہ کی مہربانی سے تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو اور اگر تم سخت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے (اللہ سے) مغفرت مانگو۔"

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا:

﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ ﴾ (طه۲۰/ ٤٤)

"اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالاَ يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح:٢٥٩٣)

"بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے' نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی کے ساتھ وہ عطا فرما دیتا ہے جو وہ سختی کے ساتھ عطا نہیں فرماتا۔"

آپ جب مبلغین کو روانہ کرتے تو انہیں ہدایت فرماتے:

«يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا»(صحيح البخاري، العلم، باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة ... الخ، ح:٦٩ وصحيح مسلم، الجهاد، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير، ح:١٧٣٢)

"آسانی پیدا کرو اور مشکل میں نہ ڈالو' خوش خبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔"

داعی کو چاہیے کہ وہ نرم' ہنس مکھ اور کھلے دل کا مالک ہو تاکہ یہ بات اس شخص کو دعوت قبول کرنے کے لیے اپیل کرے' جسے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دے رہا ہو۔ واجب ہے کہ یہ اپنے نفس کی طرف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کیونکہ جب وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دعوت دے گا' تو اس طرح وہ مخلص بن جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا اور اس کے ہاتھوں اپنے جن بندوں کو چاہے گا ہدایت عطا فرما دے گا اور اگر وہ اپنے نفس کی طرف دعوت دے یعنی اس کا ارادہ یہ ہو کہ اسے فتح و نصرت حاصل ہو یا وہ اس طرح دعوت دے کہ گویا اسے اپنا دشمن سمجھ رہا ہو اور اس سے انتقام لینا چاہتا ہو تو اس طرح دعوت ناقص ہو گی اور ممکن ہے کہ برکت سے بھی محروم ہو' لہٰذا داعی بھائیوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اس بات پر توجہ فرمائیں کہ وہ اللہ کی مخلوق کو اس طرح دعوت دیں کہ ان کے پیش نظر مخلوق پر رحمت' اللہ عزوجل کے دین کی تعظیم اور اس کی نصرت و اعانت ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اصول دعوت ناقابل تبدیل ہیں

سوال کیا اسلامی دعوت کے اصول زمانے اور معاشرے کی تبدیلی کی وجہ سے بدل جاتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز جو عقیدہ کی اصلاح سے کیا تو کیا ہر زمانے کے داعیوں کو بھی اسی سے اپنی دعوت کا آغاز کرنا چاہیے؟

جواب بے شک رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک اسلامی دعوت کی روایات اور اصول ایک ہی ہیں، جو زمانے کے بدل جانے کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتے البتہ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ بعض اصولوں پر کسی کمی بیشی کے بغیر عمل پیرا ہوں، تو اس صورت میں داعی بعض ان امور کی طرف متوجہ ہو گا، جن میں یہ کوتاہی کرتے ہوں لیکن جہاں تک اسلام کی طرف اصول دعوت کا تعلق ہے، تو ان میں کبھی بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ تَعَالٰى فَإِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ ... الخ، ح:٧٣٧٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح:١٩)

”انہیں سب سے پہلے یہ دعوت دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کریں، جب وہ اسے پہچان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگ جائیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے غنی سے لے کر ان کے فقیر میں تقسیم کر دی جائے گی۔“

یہ ہیں وہ اصول دعوت جن کی اس ترتیب کو پیش نظر رکھنا واجب ہے بشرطیکہ ہم کافروں کو دعوت دے رہے ہوں اور جب ہم مسلمانوں کو دعوت دیں اور انہوں نے دین کے اصل اول توحید کو کسی کمی بیشی کے بغیر اختیار کر لیا ہو تو پھر ہم انہیں دوسری باتوں کی دعوت دیں گے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعوت علم و بصیرت کی بنیاد پر ہونی چاہیے

سوال ایک خاتون نے یہ سوال پوچھا ہے کہ میں بسا اوقات بعض لوگوں کو ایک غلط کام کرتے ہوئے دیکھتی ہوں اور جب انہیں سمجھانے کا ارادہ کرتی ہوں، تو دل میں خیال آنے لگتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن میں بھی ان جیسی نہ ہو جاؤں کیونکہ ایک قول ہے کہ اپنے بھائی کو مشکل میں نہ ڈالو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بچا لے اور تمہیں اس گناہ میں مبتلا کر دے؟

جواب آپ کے دل میں جو یہ خیال آتا ہے، تو یہ ایک شیطانی چال ہے تاکہ وہ تمہیں نصیحت کرنے سے روک سکے لہٰذا اللہ سے ڈرو، اللہ کے دشمن کی بات نہ مانو۔ اگر کسی کے قول یا عمل کو شریعت مطہرہ کے خلاف دیکھو تو اسے سمجھاتی رہو بشرطیکہ تمہیں علم اور بصیرت حاصل ہو کہ یہ قول یا عمل خلاف شریعت ہے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۰۸)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے :میرا راستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ اچھے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا' بے شک اللہ غالب خوب حکمت والا ہے۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیطان کے وسوسوں سے بچائے۔ انه خير مسؤول۔

—— شیخ ابن باز ——

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مدد کا ذمہ اٹھایا ہے لیکن ---

سوال بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مدد کا ذمہ اٹھایا ہے' تو پھر خدمت اسلام کی خاطر مبلغین جو کام کرتے ہیں تو یہ عبث ہے' اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو کس طرح جواب دیا جائے؟

جواب ان لوگوں کا جواب بہت آسان ہے کیونکہ ان کا سوال انکار اسباب پر مبنی ہے اور اسباب کا انکار دین کے اعتبار سے گمراہی اور عقل کے اعتبار سے بے وقوفی کی دلیل ہے۔ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا

ہے لیکن یہ ذمہ اسباب کے ساتھ مشروط ہے اور مبلغین کی دین کی نشرو اشاعت' تبلیغ اور اس کی طرف دعوت کے لیے یہ سرگرمیاں اسباب ہی تو ہیں۔ ان لوگوں کی یہ بات اسی طرح ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ شادی نہ کرو' اگر تمہارے مقدر میں بیٹا ہوا تو وہ تمہیں مل جائے گا یا کوئی یہ کہے کہ محنت و مشقت اور کوئی کام نہ کرو' اگر تمہارے مقدر میں رزق ہوا تو وہ تمہیں ضرور مل جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب یہ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الحجر ۹/۱۵)

"بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

تو اس نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ وہ حکیم ہے اور اسے یہ علم ہے کہ اشیاء' اسباب ہی کے ساتھ ہوتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرماتا رہے گا جن کی وجہ سے یہ دین محفوظ رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے سلف نے' جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عقائد اور اعمال کی بدعات سے محفوظ رکھا' تبلیغ بھی کی' کتابیں بھی لکھیں اور لوگوں کے سامنے دین کو بیان بھی کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو یہ فرض عائد کیا ہے کہ ہم دین کا دفاع اور اس کی حمایت کریں اور اسے بندگان الٰہی تک پہنچائیں' تو ہمیں بھی اس فرض کو ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے تاکہ ہمارا یہ دین محفوظ رہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کتابوں اور مفید کیسٹوں کی اشاعت بھی دعوت الی اللہ ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور دین کا داعی بننے کا ارادہ رکھتا ہوں' لیکن مجھے دعوت دین کا مناسب اسلوب نہیں آتا۔ اگر میں اسلامی کیسٹوں اور مفید کتابوں کی نشرو اشاعت اور توزیع و تقسیم کا کام کروں تو کیا یہ عمل دعوت الی اللہ کے لیے کافی ہو گا؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہاں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بعض لوگ خود دعوت نہیں دے سکتے' تو ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ مفید کتابوں اور کیسٹوں کی نشرو اشاعت کے ذریعہ دعوت کا کام کریں۔ اس صورت میں دعوت کا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کتابوں اور کیسٹوں کو کسی عالم دین سے چیک کرا لے تاکہ وہ غیر شعوری طور پر کسی غلط چیز کی اشاعت نہ کر سکے۔ دعوت دین کے لیے ایک یہ اسلوب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کسی عالم دین کے ساتھ مل جائے' عالم دین کتابیں لکھیں اور یہ ان کی طباعت و اشاعت کے لیے مالی طور پر تعاون کریں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تمہارا رونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

سوال جب بھی میں لوگوں کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کے لیے کھڑا ہوتا ہوں' تو غیر طبعی رقت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے رونے بھی لگتا ہوں لیکن جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اس وقت مجھے رونا نہیں آتا۔ تو کیا میرا یہ طرز عمل ریا اور نفاق شمار ہو گا؟ کیا ریا کاری اور عمل کے رائیگاں ہو جانے کے ڈر کی

وجہ سے مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ترک کر دینا چاہیے؟

جواب آپ کو چاہیے کہ دعوت الی اللہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں خوب محنت کریں اور اسے قطعاً ترک نہ کریں کیونکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیں اور اسی وجہ سے وہ آپ کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ آپ کا یہ عمل اس لیے ہے کہ لوگ آپ کی تعریف کریں۔ آپ اللہ سے ڈر جائیں' دعوت الی اللہ کا کام جاری رکھیں' اخلاص کے ساتھ کام کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے لیے یہ دعا کریں: ((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ)) ''اے اللہ! میری مدد فرما تاکہ تیرا ذکر اور شکر کر سکوں۔''

اس سلسلہ میں شیطان کی بات نہ مانو۔ اگر آپ کی یہ رقت اور گریہ زاری غیر ارادی طور پر ہو اور اس لیے نہ ہو کہ لوگ آپ کی تعریف کریں تو یہ اللہ کا فضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سلف اور عصر حاضر کی کتابوں کا مطالعہ

سوال اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جو ہم عصر مبلغین کی کتابوں سے نفرت کرتا اور سلف کی کتابوں کے مطالعہ اور ان سے پروگرام اخذ کرنے پر ہی اکتفاء کرتا ہے؟ کتب سلف اور ہم عصر مبلغین و مفکرین کی کتب کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر کیا ہونا چاہیے؟

جواب میری رائے میں ہر چیز سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ دعوت کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا جائے' بلا شک و شبہ ہم سب کی یہی رائے ہونی چاہیے۔ پھر اس کے بعد اس کا درجہ ہے جو خلفائے راشدین' صحابہ کرام اور اسلام کے ائمہ سلف سے منقول ہو۔

متاخرین اور معاصرین جن امور کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں' تو یہ وہ امور ہیں جو انہی کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور یہی لوگ ان کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں لہٰذا اگر اس پہلو سے انسان ان کی کتابوں سے استفادہ کرے' تو وہ اپنے وافر حصہ کو حاصل کر لیتا ہے' لیکن ہم سب یہ جانتے ہیں کہ معاصرین نے بھی سابقہ لوگوں سے علم حاصل کیا ہے۔ تو ہم بھی اسی جگہ سے کیوں نہ لیں' جہاں سے انہوں نے حاصل کیا ہے البتہ جدید امور کے بارے میں یہ زیادہ بہتر جانتے ہیں اور پھر سلف کے زمانہ میں تو یہ جدید امور بالکل اسی شکل و صورت میں معروف نہ تھے' اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دونوں خوبیوں کو یکجا کرے' یعنی اولاً تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر اعتماد کرے اور ثانیاً سلف صالح' خلفائے راشدین' صحابہ کرام اور مسلمانوں کے ائمہ کے کلام سے استفادہ کرے اور پھر معاصر علماء نے ان جدید مسائل کے بارے میں جو لکھا ہے' اسے بھی پڑھے کیونکہ یہ مسائل اپنی اسی شکل و صورت میں سلف کے زمانے میں معروف نہ تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہاتھ سے منع کرنا حکمران کا کام ہے

سوال کچھ لوگ سختی کے بغیر باز نہیں آتے تو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟

جواب ہاں کچھ لوگ سختی کے بغیر باز نہیں آتے لیکن ایسی سختی جو مصلحت کے خلاف ہو یا جس کا نتیجہ اس سے بھی برا نکلتا ہو تو وہ جائز نہیں ہے کیونکہ واجب یہ ہے کہ حکمت و دانش کو اختیار کیا جائے' سختی یعنی مارنا' ادب سکھانا اور قید کرنا تو حکمرانوں کا کام ہے۔ عام لوگوں کا فرض یہ ہے کہ وہ حق کو بیان کردیں اور برے کاموں کی تردید کردیں' باقی رہا برائی کو ہاتھ سے مٹانا تو یہ حکمرانوں کا منصب ہے' یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بقدر استطاعت برائی کو ختم کریں کیونکہ وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

اگر انسان اپنے ہاتھ سے اس برائی کو مٹانا چاہے جو وہ دیکھے تو اس سے ایسی خرابی پیدا ہو سکتی ہے' جو اس برائی سے بھی بڑھ کر ہو لہٰذا اس معاملہ میں حکمت و دانش سے کام لینا چاہیے۔ آپ برائی کو اپنے ہاتھ سے اپنے گھر میں تو مٹا سکتے ہیں لیکن اگر اس برائی کو بازار میں اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کریں تو ہو سکتا ہے کہ اس کا نتیجہ اس برائی سے بھی زیادہ برا ثابت ہو' اس صورت میں آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ بات اس شخص تک پہنچا دیں' جسے بازار میں اپنے ہاتھ سے برائی ختم کر دینے کی قدرت حاصل ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعوت کے مختلف طریقے نعمت ہیں

سوال دعوت کے لیے کچھ دعاۃ تعلیم و تربیت کے اسلوب کو اختیار کرتے ہیں' جب کہ کچھ لوگ عام لوگوں کے مجمعوں میں وعظ و نصیحت اور تقریر کے انداز کو اختیار کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے' دعوت کے لیے کون سا اسلوب زیادہ کامیاب ہے؟

جواب میری رائے میں دعوت کے یہ مختلف اسلوب بھی بندوں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمت ہیں کہ مثلاً ایک شخص واعظ ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے قدرت کلام اور بیان و تاثیر سے نوازا ہے تو اس کے لیے وعظ کے اسلوب کو اختیار کرنا ہی زیادہ موزوں ہو گا۔ اسی طرح ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے نرمی' شائستگی اور ایسی لطافت سے نوازا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اتر جاتا ہے' اس طرح کے داعی کا اسلوب پہلے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے خصوصاً جب کہ وہ بات اچھے طریقے سے نہ کر سکتا ہو' کیونکہ بعض داعیوں کے پاس علم تو ہوتا ہے لیکن وہ دوسروں سے بات اچھے طریقے سے نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے بندوں میں تقسیم فرما رکھا ہے' اس نے درجات میں بعض کو بعض پر سربلندی عطا فرمائی ہے۔ میری رائے میں ہر انسان کو وہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے' جو اس کے خیال میں زیادہ نافع' مفید اور مؤثر ہو' اسے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے' جس کے سرانجام دینے سے وہ عاجز و قاصر ہو۔ اسے چاہیے کہ اپنے آپ پر اعتماد کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے' اس طرح اسے جب بھی کوئی مشکل پیش آئے گی وہ اس سے نجات حاصل کر لے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسلمانوں پر اللہ کے دین کی تبلیغ واجب ہے

سوال کیا روز قیامت بارگاہ الٰہی میں ہم مسلمانوں سے دنیا بھر کے غیر مسلموں کے انجام کے بارے میں سوال نہیں ہو گا

کیونکہ ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اللہ کے دین' دین حق کی دعوت دیں اور مخلوق کو پیدا کرنے کی حکمت کی بابت بندگان الٰہی کے سامنے اس کے صراط مستقیم کو واضح کریں' سوال یہ ہے کہ کل قیامت کے دن اگر انہوں نے دربار الٰہی میں یہ کہا کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا تھا نہ ہمیں کوئی دعوت پہنچی تھی تو ہمارا موقف کیا ہوگا؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمام لوگوں تک پہنچائیں' لیکن اس کی کسے طاقت ہے۔ تمام لوگوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی قدرت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جن باتوں کو واجب قرار دیا ہے' انہیں قدرت کے ساتھ مشروط کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، ، الاعتصام بالكتاب السنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح: ١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کو تمام مخلوق تک پہنچائیں لیکن یہ بقدر استطاعت ہی واجب ہے۔ تمام مخلوق تک اللہ تعالیٰ کی شریعت کو کون پہنچا سکتا ہے' جو پہنچا سکتا ہو اس پر یہ واجب ہے اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص برائی کو نیکی اور نیکی کو برائی سمجھتا ہو

سوال ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جن کے تصورات ہی بدل گئے ہوں اور وہ نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی تصور کرنے لگ گئے ہوں؟

جواب ان لوگوں کے بارے میں میری رائے یہ ہے جن لوگوں کے تصورات ہی بدل گئے ہوں اور انہوں نے نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھنا شروع کر دیا ہو اور اب وہ نہ برائی کی تردید کرتے ہوں اور نہ نیکی کی ستائش تو ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ دائرۂ دین ہی سے خارج ہو گئے ہیں۔ والعیاذ باللہ! اس لیے کہ جس نے نیکی کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے' برائی سمجھ لیا تو اس نے شریعت کا انکار کیا' اسی طرح جس نے برائی کو نیکی سمجھنا شروع کر دیا تو وہ گویا شیطان پر ایمان لے آیا ہے اور حقیقی ایمان تو اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا' جب تک شیطان کے ساتھ کفر نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان نہ لایا جائے۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے گریبان میں جھانکیں' اپنے معاملے پر غور کریں' اپنی اصل کو پہچانیں اور اپنے انجام کو پیش نظر رکھیں' ان کا اصل عدم ہے یعنی کبھی ان کا ذکر تک مذکور نہ تھا اور ان کا انجام یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن موت کا جام پی کر فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ أَتَىٰ عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ حِينٌ مِّنَ ٱلدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْـًٔا مَّذْكُورًا ۝١ ﴾ (الدھر۷۶/ ۱)

”بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔“

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝٢٦ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ۝٢٧ ﴾ (الرحمن۵۵/ ۲۶۔۲۷)

”جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔“

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۖ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۸۵)

”ہر نفس (جان) کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پوارا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

ان کو چاہیے کہ اپنی اصلیت پر غور کریں‘ اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو پھر اپنے انجام کے بارے میں نظر عمیق کے ساتھ سوچیں۔ یہ روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ کچھ لوگ دنیا میں آ رہے ہیں اور کچھ جا رہے ہیں‘ یہ پیدا ہو رہا ہے اور وہ فوت ہو رہا ہے‘ یہ بیمار ہو رہا ہے اور وہ تندرست‘ کسی کے مال کو نقصان پہنچ رہا ہے اور کسی کے اہل کو اور وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دنیا میں کسی کو بھی بقائے دوام حاصل نہیں ہے لہذا ان کو چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں‘ نیکی کو نیکی سمجھیں اور برائی کو برائی سمجھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

برائی سے خاموشی

سوال مجھے یہ پیشکش کی گئی ہے کہ میں جمعہ کا خطبہ دوں لیکن شرط یہ ہے کہ سود‘ پردہ‘ اظہار زیب و زینت اور بے پردگی کو موضوع سخن نہ بناؤں تو کیا میں اس پیشکش کو قبول کر لوں؟

جواب اگر یہ برائیاں اس معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں‘ جس میں آپ رہ رہے ہیں تو پھر ان سے خاموش رہنے کی شرط کو قبول نہ کرو کیونکہ ان برائیوں سے خاموشی کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ ان کو صحیح سمجھتے ہیں جب کہ واجب یہ ہے کہ برائی کی تردید کی جائے اور پھر یہ برائیاں تو ایسی ہیں کہ شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ اگر کوئی حکومت انہیں صحیح سمجھے اور ان کو جائز قرار دے تو پھر ان افراد کے لیے ان برائیوں سے خاموشی جائز نہیں جو یہ جانتے ہوں کہ یہ برائیاں ہیں۔ ان کے لیے لازم ہے کہ ان کی تردید کریں‘ خطیب کو جب بھی موقع ملے اسے ان کی تردید کرنی چاہیے‘ ان کی خرابی کو واضح کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں درج ذیل آیات کو پیش کرنا چاہیے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

”اور اللہ نے سودے کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔“

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ ۖ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۳)

''اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں' اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔''

اور اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ کوئی شخص بھی کتاب و سنت کے ان دلائل کو رد نہیں کر سکتا جن کی دلالت واضح ہو۔ اگر بازاروں میں اور اس معاشرے میں جس میں آپ رہ رہے ہوں' یہ چیزیں موجود نہ ہوں تو پھر لوگوں میں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

برائی کو دل سے برا جاننے کی کیفیت

سوال برائی کو مٹا دینے والی حدیث سے کیا یہ مقصود ہے کہ جب تک برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا ہم اس جگہ کو ترک کر دیں' جہاں وہ برائی موجود ہو یا وہاں موجود تو رہیں مگر اسے ناپسند کریں اور اپنے دلوں میں برا جانتے رہیں؟

جواب برائی کے انکار کے حوالہ سے مسلمانوں کے کئی درجے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جن کے لیے برائی کو ہاتھ سے مٹانا واجب ہے' مثلاً حکمران اور ان کے نائب جن کو یہ صلاحیت حاصل ہوتی ہے' یا مثلاً والد کا اپنی اولاد سے' آقا کا غلام سے اور شوہر کا اپنی بیوی سے معاملہ جب کہ برائی کا مرتکب اس کے بغیر باز ہی نہ آتا ہو اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے لیے واجب ہے کہ برائی کی تردید کے لیے نصیحت و ارشاد' ممانعت اور احسن انداز میں دعوت کے طریق کار کو اختیار کریں اور ہاتھ اور قوت کو استعمال نہ کریں تاکہ فتنہ و فساد اور انارکی نہ پھیلے اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ برائی کو صرف دل سے برا جانیں کیونکہ انہیں اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے نہ وہ زبان ہی سے سمجھا سکتے ہیں۔ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

اور اگر اس معاشرے میں جس میں وہ برائی پھیلی ہوئی ہو' موجود رہنے کی مصلحت اسے چھوڑ جانے کے مفاسد سے زیادہ راجح ہو اور برائی کا ارتکاب کرنے والے لوگوں میں موجود رہنے کی صورت میں اس کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا بھی کوئی خدشہ نہ ہو تو وہ اسی معاشرے میں موجود رہے اور حسب استطاعت برائی کی تردید کرتا رہے' بصورت دیگر اپنے دین کو بچانے کے لیے ان لوگوں کو چھوڑ دے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء ——

عبدالعزیز عبداللہ بن باز (چیئرمین) عبدالرزاق عفیفی (وائس چیئرمین)
عبداللہ بن قعود (رکن) عبداللہ بن غدیان (رکن)

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا بہترین طریقہ

سوال ایک سائل نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراتب کے بارے میں پوچھا ہے اور یہ کہ بعض لوگوں کے بقول بسا اوقات اس کا نتیجہ زیادہ بڑی خرابی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے' کیا انسان قہوہ خانوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں بھی دعوت الی اللہ کا کام کر سکتا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم واضح فرمایا دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

(آل عمران۳/ ۱۱۰)

"(مومنو!) جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾﴾ (التوبة۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب خوب حکمت والا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح: ٤٩)

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں اور واجب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں نرمی اور اچھے اسلوب کو اختیار کیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ یہ کام علی وجہ البصیرت (دلیل کی بنیاد پر)

سرانجام دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۰۸)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں' (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو چاہیے کہ وہ صبر سے کام لے' اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے' اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ یہ کام کرے' ریا کاری' شہرت اور ان تمام مقاصد سے بچے جو اخلاص کے منافی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾

(حم السجدة۴۱/ ۳۳)

"اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البينة۹۸/ ۵)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ (بالکل یک سو ہو کر)"

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تھی:

﴿ يَٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿١٧﴾ ﴾ (لقمان۳۱/ ۱۷)

"پیارے بیٹے! نماز قائم کر اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دے' بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی تجھ پر پڑے اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

ہم آپ کو اور دوسروں کو بھی یہ نصیحت کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں ان لوگوں کی بات نہ مانو جو پسپائی اختیار کرنے والے اور بری بری خبریں اڑانے والے ہوں بشرطیکہ آپ خود بھی صبر' نرمی اور علم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور صبر' اخلاص اور بصیرت عطا فرمائے۔ انہ جواد کریم۔

داعی الی اللہ اور نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ ان مقامات پر بھی جائے جہاں برائی کا ارتکاب کیا جا رہا ہو تاکہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر سکے اور حکمت' شائستگی اور نرمی کے ساتھ حق کی طرف ان کی راہنمائی کر سکے اور اس اعتبار سے قہوہ خانوں' بازاروں اور برائی کی دیگر جگہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

جدید وسائل دعوت

سوال اسباب و وسائل دعوت کے بارے میں مبلغین میں اختلاف ہے' کچھ لوگ تو اسے توقیفی عبادت قرار دیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں مختلف ثقافتی سرگرمیوں' کھیلوں اور ڈراموں وغیرہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ نوجوانوں کو مائل کرنے اور دعوت دینے کے لیے اس طرح کے وسائل اختیار نہ کیے جائیں' جب کہ کچھ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ نئے زمانے میں وسائل بھی نئے ہوتے ہیں لٰہذا مبلغین کو چاہیے کہ وہ دعوت الی اللہ کے لیے ہر مباح وسیلے کو استعمال کریں' امید ہے آپ واضح فرمائیں گے کہ ان میں سے صحیح موقف کون سا ہے؟

جواب الحمد للہ رب العالمین ! اس میں کچھ شک نہیں کہ دعوت الی اللہ عبادت ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں اس کا حکم دیا ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل ١٦/ ١٢٥)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والا انسان دعوت دیتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہوئے اس کا تقرب حاصل کر رہا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سب سے بہترین چیز جس کی طرف دعوت دی جائے' وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب انسانیت کے لیے سب سے بڑا واعظ ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ ﴾

(یونس ١٠/ ٥٧)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔"

نبی ﷺ وعظ کے لیے بے حد بلیغ الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ اس انداز سے وعظ فرماتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ اس سے دل فگار اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں جب انسان کے لیے یہ ممکن ہو کہ اس کا وعظ اس کے وسیلہ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (مزین) ہو تو بلاشبہ یہ ایک بہترین وسیلہ ہے اور اگر اس کے ساتھ وہ کبھی کبھی ایسے وسائل کو بھی استعمال کر لے' جن کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ یہ وسائل کسی حرام چیز مثلاً جھوٹ یا کافرانہ ڈرامے وغیرہ پر مشتمل نہ ہوں۔ یعنی ایسے ڈرامے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا صحابہ کرام کے بعد کے مسلمانوں کے ائمہ کا کردار ادا کیا گیا ہو یا اس طرح کا کوئی اور ایسا ڈرامہ ہو جس سے یہ خدشہ ہو کہ کوئی اداکاری کے روپ میں ان ائمہ فضلاء کی توہین کر رہا ہے' نیز اس قبیل میں سے یہ بھی ہے کہ ڈرامہ میں مرد کی عورت کے ساتھ یا عورت کی مرد کے ساتھ مشابہت نہ ہو کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی ہوں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے کہ جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے ہوں۔

بہرحال اگر کبھی کبھی ان وسائل میں سے کوئی وسیلہ تالیف قلب کے لیے اختیار کر لیا جائے اور وہ کسی حرام چیز پر مشتمل نہ ہو تو میری رائے میں اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ان وسائل کو کثرت سے استعمال کرنا' انہیں ہی دعوت الی اللہ کے لیے استعمال کرنا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اعراض کرنا کہ مدعو صرف انہی وسائل ہی سے اثر قبول کرتا ہو تو میں اسے جائز نہیں سمجھتا بلکہ میری رائے میں یہ طریقہ حرام ہے کیونکہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں لوگوں کو کتاب و سنت سے ہٹا کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ کرنا ایک امر منکر ہے البتہ کبھی کبھی ان وسائل کے استعمال میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ کسی حرام چیز پر مشتمل نہ ہوں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وہ حیا جو حق بات سے روکے ضعف و ناتوانی ہے

سوال کسی برائی سے انکار یا کوئی علمی سوال پوچھتے وقت مجھ پر خوف اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے' اس کا علاج کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب یہ خوف اور ہیبت شیطان کی طرف سے (حق اور علم سے) روکنا ہے' لہٰذا شیطان سے بچ جاؤ' طاقت ور بن جاؤ اور شرماؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی حق بیان کرنے سے عار محسوس نہیں فرماتا۔ سوال کرو اور شرماؤ نہیں' برائی سے بھی منع کرو اور شرماؤ نہیں بشرطیکہ آپ کو علم و بصیرت حاصل ہو۔ آپ اچھے اسلوب میں دعوت الی اللہ دیں' نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور ان کاموں میں شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جو حیا حق بات سے روکے وہ حیا نہیں بلکہ ضعف اور ناتوانی ہے۔ شرعی حیا وہ ہے جو آپ کو باطل سے روکے' اسی حیا کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب الحياء من الإيمان، ح:٢٤ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان . . . الخ، ح:٣٦)

"حیا ایمان میں سے ہے۔" اور فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان وافضلها وأدناها . . . الخ، ح:٣٧)

"حیا سارے کا سارا خیر ہے۔"

یہ وہ حیا ہے جو آپ کو باطل سے روکتا ہے' یعنی جو حیا تمہیں بدکاری' شراب' دشمنوں کی صحبت اور ہر قسم کی برائی سے روکے وہ شرعی حیا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

دعوت کی وجہ سے سنتوں کو ترک کر دینا

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٠٨)

"اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔"

کیا اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ داعی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اس وقت سنت کو ترک کر دے جب اس پر عمل کرنے کی وجہ سے سنت کو گالی دی جاتی ہو مثلاً چھوٹے کپڑوں کے پہننے کی سنت کو ترک کر کے لمبے کپڑے (جو ٹخنوں سے نیچے ہوں) پہننا شروع کر دے وغیرہ؟

جواب سنت پر عمل کرنے میں دوسروں کے لیے گالی نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ بالا آیت اس پر منطبق نہیں ہوتی، لیکن ترک سنت کی دلیل ایک دوسری سنت ہی سے لی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بیت اللہ شریف کو از سر نو تعمیر کرنے کے اپنے ارادے کو ترک فرما دیا تھا کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ انہوں نے کفر کو ابھی نیا نیا چھوڑا تھا۔

اگر کوئی سنت ایسی ہو کہ عوام اسے نادر یا عجیب و غریب تصور کرتے ہوں اور اس سنت پر عمل کرنے والے انسان پر وہ ایسے الزام لگاتے ہوں، جن سے وہ پاک ہو تو پھر زیادہ بہتر اور افضل بات یہ ہے کہ اس سنت پر عمل کرنے سے پہلے انسان گفتگو کے ذریعہ سے سمجھا کر فضا ہموار کرے۔ یعنی مجلسوں میں، مسجدوں میں یا اسے جہاں بھی مناسب موقع ملے لوگوں کے سامنے حق بات کو واضح کرے تاکہ جب خود اس سنت پر عمل کرے تو لوگوں نے جان پہچان لیا ہو کہ یہ سنت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک آدمی کے عمل کرنے کی وجہ سے لوگ سنت کو ناپسند کرتے ہیں مگر ایک دوسرے آدمی کے عمل کرنے کی وجہ سے اسے ناپسند نہیں کرتے مثلاً اگر کوئی ایسی علمی شخصیت جو عوام میں بھی معتبر اور معروف ہو، اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے اونچا رکھے تو لوگ اس عمل کو نامناسب خیال نہیں کریں گے، لیکن اس وقت اسے ضرور نامناسب خیال کریں گے جب کسی ایسے شخص کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھیں گے جس کو یہ ثقہ عالم خیال نہ کرتے ہوں، جب صورت حال اس طرح ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ہم عوام کو تدریجاً سنت پر عمل کرنے کی دعوت دیں تاکہ جس فعل کو وہ ناپسند سمجھتے ہوں، اس کے بارے میں انہیں علم حاصل ہو جائے کہ یہ عمل ناپسندیدہ نہیں بلکہ یہ تو سنت ہے۔ خالی دلوں پر جب علم کی دستک ہو گی تو وہ اسے یقیناً قبول کر لیں گے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

منشیات کا کاروبار کرنے والوں سے جان کا خطرہ

سوال ایک شخص بعض لوگوں کو جانتا ہے، جو منشیات کا کاروبار کرتے ہیں۔ لیکن ان کی طرف سے جان کے خطرے یا ان سے رشتہ داری کی وجہ سے حکمرانوں کو ان کے بارے میں بتا نہیں سکتا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حکمرانوں کو بتانے کی وجہ سے اگر وہ اسے ماریں یا قتل کر دیں تو کیا یہ آزمائش اللہ کی راہ میں شمار ہو گی؟

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ حکمرانوں کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ ان تک یہ خبر کس نے پہنچائی ہے، بلکہ حکمرانوں کے لیے تو یہ واجب ہے کہ وہ یہ نہ بتائیں کہ ان تک کس نے خبر پہنچائی ہے بلکہ انہیں جب کسی جرم کے بارے میں یقین حاصل ہو جائے کہ اس کا ارتکاب کیا جا رہا ہے تو پھر وہ اپنے اس یقین کے مطابق عمل کریں اور اگر انہیں

یقین حاصل نہ ہو تو پھر بات کرنے والے شخص کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دیں کیونکہ اگر ہم ہر اس شخص کے نام کے اعلان کا دروازہ کھول دیں' جو کسی برائی کے بارے میں حکمرانوں کو بتائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکمرانوں کے پاس کوئی شخص بھی خبر نہیں پہنچائے گا کیونکہ اس طرح تو ہر شخص اپنے بارے میں قولی یا فعلی ایذاء سے ڈرے گا للذا حکمرانوں کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اس شخص کے نام کا اعلان نہ کریں' جو ان تک خبر پہنچائے اور جیسا کہ میں نے کہا اگر کسی شخص کی خبر کے بارے میں تحقیق سے انہیں یقین حاصل ہو جائے تو وہ کارروائی کریں اور اگر یقین حاصل نہ ہو تو پھر اس خبر کی طرف کوئی توجہ نہ دیں اور اگر اس خبر دینے والے شخص کے بارے میں بتایا گیا تو شدید اندیشہ ہے کہ اسے قولی و فعلی طور پر ایذاء پہنچائی جائے گی اور اس میں اس کا نقصان ہے اور اگر دلوں میں قوی اور مضبوط ایمان نہ ہو تو پھر خوف کی وجہ سے انسان حکمرانوں تک بات نہیں پہنچا سکتا البتہ اگر اطلاع دینے والے شخص کا نام صیغہ' راز میں رکھا جائے تو پھر وہ متعلقہ حکام تک اطلاع پہنچا سکتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اسباب و وسائل دعوت

سوال کیا دعوت الی اللہ کے اسباب و وسائل توقیفی ہیں کہ دعوت کے لیے جدید وسائل مثلاً ذرائع ابلاغ وغیرہ سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے اور صرف انہی وسائل پر اکتفاء کرنا چاہیے' جنہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں استعمال کیا گیا تھا؟

جواب سب سے پہلے یہ قاعدہ معلوم کرنا چاہیے کہ وسائل' مقاصد کے مطابق ہیں جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ قاعدہ طے شدہ ہے کہ وسیلہ کے احکام وہی ہیں' جو مقصد کے ہوں بشرطیکہ وسیلہ بجائے خود حرام نہ ہو اور اگر یہ خود حرام ہو تو پھر اس میں کوئی اچھائی نہیں ہے' اگر وسیلہ مباح ہو اور وہ ایسے نتیجہ تک پہنچاتا ہو جو شرعاً مقصود ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مواعظ سے روگردانی کر لیں اور صرف اسی کو اختیار کر لیں جسے ہم دعوت الی اللہ کا وسیلہ سمجھتے ہوں۔ وسیلہ کے بارے میں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے وسیلہ سمجھتے ہوں جب کہ بعض لوگ اسے وسیلہ نہ سمجھتے ہوں للذا انسان کو چاہیے کہ دعوت الی اللہ کے لیے وہ وسیلہ اختیار کرے جو بالاتفاق وسیلہ ہو تا کہ مختلف فیہ وسیلہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے اس کی دعوت الی اللہ مخدوش نہ ہو۔

مزید برآں یہ بھی واجب ہے کہ ہم تالیف اور دعوت کے فرق کو بھی ملحوظ رکھیں۔ کبھی کبھی مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہم ان نوجوانوں کی تالیف قلب کے لیے جنہوں نے کتاب و سنت کی دعوت کو قبول کر کے اس دعوت سے وابستگی اختیار کر لی ہو' جائز امور میں سے ایسی اشیاء کو استعمال کر لیں' جو دین اور دعوت الی اللہ کے لیے نقصان دہ بھی نہ ہوں اور ان سے ان نوجوانوں کی تالیف قلب بھی ہو جائے تا کہ یہ دین سے متنفر بھی نہ ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیسٹوں کے ساتھ دعوت

سوال میں یہ جانتا ہوں کہ ہم سے یہ تقاضا ہے کہ ہم دعوت الی اللہ کا کام کریں' سوال یہ ہے کہ جس کو میرا دعوت

دینے کا ارادہ ہو اور میں اسے کیسٹ بطور تحفہ دے دوں تو کیا یہ کافی ہو گا خصوصاً جب کہ مجھے نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کے لیے مناسب اسلوب بھی نہیں آتا؟

جواب بے شک بالمشافہ نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنا کتابوں اور کیسٹوں کے تحفہ دینے سے زیادہ مؤثر ہے، کیونکہ کتابوں اور کیسٹوں کا تحفہ کبھی مفید ثابت ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

یہ تحفہ تو صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ جب وہ شخص جسے تحفہ دیا گیا ہو صدق و عزم کے ساتھ، طلب حق کی خاطر اسے پڑھے اور اس وقت یہ تحفہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا جب اسے بادل نخواستہ پڑھے، بسا اوقات وہ کتاب کو پڑھتا اور کیسٹ کو سنتا ہی نہیں بلکہ انہیں یوں ہی رکھ دیتا ہے۔ کتابوں اور کیسٹوں کا تحفہ تو بوقت ضرورت ہوتا ہے یعنی اس وقت جب کسی کو بالمشافہ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کی استطاعت نہ ہو مثلاً وقت تنگ ہو یا مدعو کا مکان بہت بلندی (مثلاً پہاڑی کی چوٹی وغیرہ) پر ہو اور داعی کے لیے وہاں تک پہنچنے کی طاقت نہ ہو، یا اس طرح کا کوئی اور سبب ہو بہرحال اہم بات یہ ہے کہ دعوت بالمشافہ دی جائے اور دعوت کے لیے کتابوں اور کیسٹوں کو صرف بوقت ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔

شیخ ابن عثیمین

۳۲

فَتَاوٰی
لِلمُوظفِیْن وَالعُمّال

ملازمین اور کارکنان سے متعلقہ فتوے

ملازمین اور کارکنان سے متعلقہ فتوے

کیا کوئی پیشہ غیر شریفانہ بھی ہے؟

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ پیشے غیر شریفانہ ہیں اور وہ ان پیشوں کے کرنے والوں مثلاً نانبائیوں' حجاموں' موچیوں اور صفائی کا کام کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ کیا کوئی ایسی شرعی دلیل ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ خیال صحیح ہے؟ کیا عربی عادات و طبائع ان پیشوں سے نفرت کرتی ہیں؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللّٰہ خیرًا۔

جواب ان پیشوں اور ان جیسے دیگر جائز پیشوں میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان پیشوں سے وابستہ شخص اپنے رب سے ڈرے' ہمدردی و خیر خواہی سے کام کرے اور اپنے ساتھ معاملہ کرنے والوں کو دھوکہ نہ دے جیسا کہ ادلہ شرعیہ کے عموم کا تقاضا ہے مثلاً جب نبی ﷺ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

«عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ»(مسند أحمد: ٤/ ١٤١، والمستدرك على الصحيحين: ٢/ ١٠ ومسند البزار: ٢/ ٨٣)

"آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر جائز بیع۔"

اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے' اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل عمله بيده، ح: ٢٠٧٢)

"کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا اور کوئی نہیں کھایا' اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام' بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔" (اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں روایت فرمایا ہے)

پھر لوگوں کو ان اور ان جیسے دیگر پیشوں کی ضرورت بھی ہے' ان کو ترک کر دینے سے مسلمانوں کو نقصان ہو گا کیونکہ ان کاموں کے لیے پھر انہیں اپنے دشمنوں کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ جو شخص صفائی کے کام سے وابستہ ہو' اسے چاہیے کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو نجاست سے محفوظ رکھنے کے لیے پوری پوری کوشش کرے اور اگر کوئی نجاست وغیرہ لگ جائے تو جسم اور کپڑوں کو پاک کرنے کا خوب اہتمام کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

سفارش

سوال سفارش کے بارے میں کیا حکم ہے' کیا یہ حرام ہے؟ مثلاً جب میں کوئی ملازمت حاصل کرنا چاہوں یا سکول میں داخلے کا

مسئلہ درپیش ہو یا اس طرح کا کوئی اور معاملہ ہو اور میں کسی سے سفارش کرالوں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: حصول ملازمت کے سلسلہ میں سفارش سے اگر کسی ایسے انسان کی حق تلفی ہوتی ہو' جو اس ملازمت کے لیے تم سے زیادہ بہتر اور زیادہ حق دار ہو مثلاً یہ کہ متعلقہ ملازمت کے حوالہ سے اس کی علمی استعداد زیادہ ہو یا وہ اس کام کو تم سے زیادہ بہتر انداز میں سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر سفارش کرانا حرام ہے' کیونکہ اس شخص پر بھی ظلم ہے جو تم سے زیادہ حق دار ہے اور یہ حکمرانوں پر بھی ظلم ہے کہ انہیں زیادہ قابل' مستعد اور باصلاحیت لوگوں سے محروم کرنا ہے اور یہ امت کے ساتھ بھی زیادتی ہے کہ اسے ان لوگوں کی خدمات سے محروم کرنا ہے جو کام کو زیادہ بہتر اور موزوں طور پر سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور پھر اس سے عداوت' کینے' نفرتیں اور بدگمانیاں بھی جنم لیتی ہیں' جس سے معاشرہ خراب ہوتا ہے اور اگر سفارش سے کسی کا حق ضائع نہ ہوتا ہو یا کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو پھر یہ جائز ہے بلکہ شرعاً اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور سفارش کرنے والے کو ان شاء اللہ اجر و ثواب بھی ملے گا کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِشْفَعُوا تُؤْجَرُوا، وَيَقْضِي اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها، ح:١٤٣٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام، ح:٢٦٢٧)

"سفارش کرو تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے۔"

ثانیاً: مدارس' دینی ادارے اور یونیورسٹیاں امت کی فلاح و بہبود کے ادارے ہیں' ان اداروں میں وہ تعلیم دی جاتی ہے' جو دین و دنیا کے اعتبار سے منفعت بخش ہے' لہٰذا امت کے کسی فرد کو ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کا دوسروں سے زیادہ حق حاصل نہیں ہے' لہٰذا ان میں داخلہ سفارش کی بجائے دیگر امور مثلاً میرٹ وغیرہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ سفارش کرنے والے کو اگر یہ معلوم ہو کہ اس کی سفارش کی وجہ سے کوئی ایسا شخص داخلہ سے محروم ہو سکتا ہے' جو اہلیت یا عمر یا اسبقیت کے اعتبار سے مقدم ہو تو پھر سفارش ممنوع ہو گی کیونکہ اس میں محروم رہ جانے والے پر ظلم ہو گا یا وہ کسی دور دراز سکول میں داخلہ لینے پر مجبور ہو جائے گا' جس کی وجہ سے اسے بہت تکلیف ہو گی اور دوسرے کو راحت اور پھر اس سے معاشرے میں کدورتیں' نفرتیں اور خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں لہٰذا ان حالات میں سفارش جائز نہیں۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

دھوکے سے ڈگری حاصل کرنے والے کا کام

سوال ایک طالب علم نے یونیورسٹی سے ڈگری تو حاصل کر لی' جب کہ تعلیمی مراحل پاس کرنے کے دوران میں کبھی وہ نقل سے کام لیتا یا کبھی اپنے ساتھیوں سے امتحان میں مدد لے لیتا تھا اور اس طرح ناجائز طریقے اختیار کر کے بالآخر یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اپنی اس ڈگری کے مطابق وہ ملازمت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا اور اب اسے ملازمت کی ماہوار تنخواہ بھی ملنے لگی ہے' تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کی یہ تنخواہ حلال ہے یا حرام لیکن یاد رہے

کہ اس ملازمت کی وجہ سے اس کے سپرد جو کام ہے اسے وہ اچھے طریقے سے سرانجام دے رہا ہے' بلکہ وہ مقررہ وقت سے بھی زیادہ وقت دے دیتا ہے' اگر اس کی یہ تنخواہ حرام ہے تو پھر اس مشکل کا حل کیا ہے' فتویٰ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا؟

جواب اس شخص نے جو کچھ کیا اس پر اس کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے اور اپنے فعل پر نادم ہونا چاہیے۔ اس کی ملازمت صحیح ہے اور تنخواہ لینا بھی درست ہے بشرطیکہ اس کام کو صحیح طریقے سے سرانجام دے' جو اس کے سپرد کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے' اسے اپنے اس غلط اور برے کام سے توبہ ضرور کرنی چاہیے' توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ دھوکا اور فریب ہے

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں ملازم ہوں۔ ملازمت کے حصول کے وقت اس ادارے نے مجھے طبی معائنہ کے لیے کاغذات دیے تو میں نے نظر کے سوا تمام امور کا معائنہ خود کروایا اور نظر کا معائنہ اپنے بجائے اپنے کسی عزیز کا کروایا' اب یہ ملازمت کرتے ہوئے مجھے دس سال ہو گئے ہیں' راہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ آنکھ یا کسی اور چیز کے طبی معائنہ میں دھوکے یا فریب سے کام لیں اور اپنے بجائے کسی اور کو معائنہ کے لیے پیش کر دیں۔ آپ کو چاہیے کہ متعلقہ ادارے کو اس کے بارے میں بتا دیں اور اگر آپ اپنے ذ ائض سرانجام دے رہے ہیں' تو اللہ تعالیٰ ماضی کی غلطی کو معاف فرمائے' آئندہ ایسا نہ کرنا اور ماضی میں جو دھوکا اور فریب دیا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا

سوال میں ایک ایسے تاجر کے پاس کام کرتا ہوں' جو رشوت کے بغیر کام کرتا ہی نہیں۔ میں اس کا حساب کتاب کرتا ہوں' اس کے کام کی نگرانی کرتا اور اس کی تنخواہ لیتا ہوں تو کیا ایسے تاجر کے پاس کام کرنے کی وجہ سے گناہ ہے یا نہیں؟

جواب اولاً: اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ وہ رشوت حرام ہے' جسے انسان کسی باطل کام کے لیے دے مثلاً قاضی کو رشوت دے تاکہ وہ اس کے حق میں ناجائز فیصلہ کر دے یا کسی سرکاری ملازم کو رشوت دے تاکہ وہ اس کے کسی کام کو معاف کر دے' جو حکومت کے نزدیک ناقابل معافی ہو تو ان جیسے امور کے لیے رشوت دینا حرام ہے۔

جس رشوت کے ذریعے سے انسان اپنے حق کو حاصل کرنا چاہے کہ اس کے بغیر اس کے لیے اپنے حق کو حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں لینے والے کے لیے رشوت بلاشبہ حرام ہو گی مگر دینے والے کے لیے نہیں کیونکہ دینے والا تو اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے دے رہا ہے' البتہ لینے والا ضرور گناہ گار ہے کیونکہ وہ ناحق مال لے رہا ہے۔

بہرحال اس مناسبت سے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس بہت گھٹیا اور شرعاً حرام کام سے اجتناب کرنا چاہیے' جسے عقل بھی پسند نہیں کرتی۔ بعض لوگ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشے ۔۔۔ لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے معاملات کو آسان

بنانے کے سلسلہ میں اس وقت تک اپنے فرائض ادا ہی نہیں کرتے' جب تک انہیں مال نہ دیا جائے حالانکہ یہ ان کے لیے حرام ہے۔ اس میں حکومت کی بھی خیانت ہے اور جو ان کے سپرد امانت ہے اس کی بھی' نیز باطل طریقے سے مال کھانا اور اپنے بھائیوں پر ظلم کرنا بھی ہے' لہٰذا انہیں چاہیے کہ اللہ عزوجل سے ڈریں اور جس بار امانت کو انہوں نے اٹھایا ہوا ہے اس کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

اس اصول کی بنیاد پر رشوت کا معاملہ کرنے والے اس تاجر شخص کے پاس کام کرنا حرام ہے کیونکہ حرام کام کرنے والے کے پاس کام کرنے میں اس کی اعانت ہے اور حرام کام میں اعانت کرنا حرام اور گناہ کے کام میں شرکت ہے لہٰذا آپ بغور جائزہ لیں کہ اگر یہ شخص اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دیتا ہے تو پھر اس کے پاس کام کرنے میں آپ کو کوئی گناہ نہیں ہو گا بصورت دیگر گناہ اور اس کے پاس کام کرنا حرام ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس نے گاڑی اپنے نام سے خرید لی

سوال ایک آدمی نے کسی دوسرے شخص کو قرآن کریم کے حفظ کے مدرسہ پر خرچ کرنے کے لیے رقم دی اور اس شخص نے اور بھی مال جمع کیا اور اس سے ایک بڑی گاڑی خرید لی اور وہ کہتا ہے کہ یہ گاڑی مدرسہ کے لیے ہے لیکن اس نے اس کی اپنے نام پر رجسٹریشن کروالی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس شخص کا اپنے نام پر گاڑی کی رجسٹریشن کرانا بہت بڑی غلطی اور مدرسہ تحفیظ قرآن کے ساتھ زیادتی ہے' کیونکہ اگر اس شخص اور اس مدرسہ میں اختلاف ہو جائے اور معاملہ عدالت تک چلا جائے تو عدالت تو کاغذات دیکھ کر اسی کے حق میں فیصلہ کرے گی' جس کے نام پر گاڑی کی رجسٹریشن ہوگی لہٰذا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ گاڑی یا کوئی اور چیز جو کسی ادارے کی ہو' اسے اپنے نام لکھوائے' الاّ یہ کہ وضاحت کر دی جائے کہ یہ گاڑی وغیرہ اس کی نہیں بلکہ ادارے کی ہے اور وہ محض اس ادارے کے سرپرست یا وکیل کی حیثیت سے اپنے نام لکھوا رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے خرچ کرنے کے لیے جو مال دیا گیا ہے' اگر وہ مدرسہ کی عمومی ضروریات کے لیے ہے تو اس سے مدرسہ کے لیے گاڑی وغیرہ خریدی جا سکتی ہے اور اگر یہ مال اساتذہ اور طلبہ کے لیے خاص ہو تو پھر اسے ان کے علاوہ دیگر امور پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

برے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بھی گناہ ہے

سوال میرے کچھ دوست ہیں جو میرے ساتھ ایک ہی دفتر میں کام کرتے ہیں اور جس دن سے ان سے تعارف ہوا ہے' میں نے دیکھا ہے کہ وہ جنسی امور اور فحش رسالوں کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں' جب کہ میں ان کی باتوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا لیکن ایک ہی دفتر میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بیٹھنے پر مجبور ہوں' بعض اوقات اس قسم کی گفتگو پر

اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے میں دفتر سے باہر بھی نکل جاتا ہوں' لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ اگر مالک آ جائے اور مجھے اپنے کام کی جگہ پر بیٹھا ہوا نہ دیکھے تو وہ مجھے برا بھلا کہے گا اور اگر انہیں اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے دیکھے تو وہ بھی کسی شرم و حیا کے بغیر ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جائے گا کیونکہ ایسا کئی دفعہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر یہ لوگ حرام گفتگو کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کی صورت میں ان کی اصلاح ممکن نہیں' تو آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ اس ملازمت کو ترک کر کے کوئی اور ملازمت اختیار کر لیں کیونکہ علیحدگی اختیار کرنے کی قدرت کے باوجود گناہ گاروں کے ساتھ بیٹھنا ان کے گناہ میں شریک ہونا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگ جائیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

اگر ان لوگوں کے حالات میں تبدیلی نہیں آ سکتی تو پھر آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ آپ کوئی دوسری ملازمت تلاش کر لیں تاکہ ان کے گناہ میں شریک نہ ہوں۔ اگر آپ صدق دل سے اس حرام کام سے بھاگنے کی نیت کر لیں تو اللہ تعالیٰ بھی آپ کے لیے یقیناً آسانی پیدا فرما دے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن) سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

یہ کام جائز نہیں ہے

سوال میرا ایک قریبی عزیز ہے جو مرکزی ٹیلی فون ایکسچینج کے ایک ادارے میں کام کرتا ہے اور مجھے بعض حکومتی عہدے داروں کی گفتگو سنوا دیتا ہے تو کیا اس کی وجہ سے مجھے کوئی گناہ تو نہیں ہو گا؟

جواب متعلقہ حکومتی عہدے داروں کی اجازت کے بغیر ان کی گفتگو سننا جائز نہیں ہے۔ آپ کے اس قریبی عزیز کا یہ عمل خیانت پر مبنی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' تمہیں اور تمہارے اس عزیز کو ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

بے نماز ملازم کو فارغ کر دینا

سوال ایک مسلمان مگر بے نماز ملازم اگر میرے ماتحت کام کرتا ہو تو کیا میں اسے فارغ کر دینے کے لیے کوشش کروں؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب سب سے پہلے تو آپ پر یہ واجب ہے کہ اسے 'سمجھائیں' ہو سکتا ہے کہ آپ کے سمجھانے سے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرما دے اور اگر اس طرح وہ نہ سمجھے تو معاہدۂ ملازمت ختم کر دیں کیونکہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تو وہ کافر اور مرتد ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کام میں تفریق کرنا

سوال جہاں میں کام کرتا ہوں وہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں' جن کے عمل اور نصیحت میں فرق ہے لیکن وہ اس بات سے بے خبر ہیں' کیا یہ جائز ہے' مجھے اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب کام میں تفریق سے کیا مراد ہے؟ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شخص کو دوسرے سے مقدم قرار دیتے ہیں اور یہ ظلم ہے کیونکہ کام کرنے والے تمام لوگوں سے مساوی سلوک کرنا واجب ہے اور اگر کام میں فرق کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے کام کی نگرانی کر رہا ہو تو وہ خلوص اور ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص نگرانی نہ کر رہا ہو تو پھر سستی و کوتاہی سے کام لیتے ہیں تو یہ حرام اور اس کام میں خیانت ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہو اور جس کے بارے میں انہیں امین سمجھا گیا ہو۔ اس صورت حال میں واجب ہے کہ انہیں صحیح طریقے سے کام کرنے کی تلقین کی جائے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کا معاملہ متعلقہ حکام تک پہنچایا جائے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

صحیح صورت حال معلوم کریں

سوال میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک جگہ سکونت پذیر ہوں۔ ان میں سے ایک شخص کے بارے میں اچانک یہ تبدیلی آئی ہے کہ وہ بہت جلد امیر ہوتا جا رہا ہے حالانکہ اس کے اخراجات اس کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہیں' اس سے میرے دل میں اس کے بارے میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت حال میں میں اس کے ساتھ رہوں یا اس سے علیحدگی اختیار کر لوں؟

جواب واجب یہ ہے کہ آپ اپنے اس دوست سے اس جلد اور اچانک حاصل ہونے والی دولت کے بارے میں پوچھیں' ہو سکتا ہے کہ کسی نے اسے دولت ہبہ کر دی ہو یا اسے اپنے ہاتھ کی کمائی ہی سے حاصل ہوئی ہو یا اسے بطور میراث ملی ہو' لہٰذا پہلے آپ اس سے پوچھیں تاکہ صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ اگر معلوم ہو کہ یہ دولت جائز طریقے سے حاصل ہوئی ہے تو اس سے اشکال دور ہو جائے گا اور اگر معلوم ہو کہ یہ دولت ناجائز طریقے سے حاصل ہو رہی ہے تو آپ پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور اگر وہ سمجھانے سے بھی باز نہ آئے تو پھر اس سے علیحدگی اختیار کر لیں تاکہ آپ اس کے ساتھ حرام مال کھانے میں شریک نہ ہوں۔

شیخ ابن عثیمین

سرکاری چیزوں کا ذاتی کاموں کے لیے استعمال

سوال ایک سرکاری ملازم کے لیے دفتر کی بعض چھوٹی چھوٹی اشیاء مثلاً قلم، لفافہ اور پیمانہ وغیرہ ذاتی کاموں کے لیے استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب سرکاری دفتروں کی چیزوں کا ذاتی کاموں کے لیے استعمال حرام ہے، کیونکہ یہ اس امانت و دیانت کے خلاف ہے جس کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے، البتہ کسی ایسی چیز کو استعمال کیا جا سکتا ہے، جس کے استعمال سے حکومت کو کوئی نقصان نہ ہو، مثلاً پیمانہ وغیرہ کا استعمال کیونکہ اس کے استعمال سے نہ پیمانہ پر ہی کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ اس کے استعمال سے حکومت ہی کو کوئی نقصان ہوتا ہے لیکن سرکاری دفتروں کے قلم، کاغذات، ٹائپ رائیٹر اور فوٹو سٹیٹ مشین وغیرہ کا ذاتی کاموں کے لیے استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں صرف سرکاری استعمال کے لیے ہوتی ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

سرکاری گاڑی کا ذاتی ضرورت کے لیے استعمال

سوال کیا کسی حکومتی ادارے میں کام کرنے والے مسلمان ملازم کے لیے سرکاری گاڑی کا ذاتی ضرورت کے لیے استعمال جائز ہے خصوصاً جب کہ اس کے پاس اپنی ذاتی گاڑی بھی موجود ہو؟

جواب حکومت کے ملازم کی مثال اجرت پر کام کرنے والے مزدور کی سی ہے، جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہو وہ اس کے بارے میں امین ہے، نیز سرکاری کام کے لیے اسے جو آلات اور جو اشیاء دی جائیں، ان کے استعمال میں بھی اسے امانت و دیانت کا ثبوت دینا چاہیے کہ انہیں صرف سرکاری کاموں ہی کے لیے استعمال کرے لہٰذا اسے چاہیے کہ ذاتی کام کے لیے نہ سرکاری گاڑی استعمال کرے اور نہ ٹیلی فون، نوٹ بکس، کاغذات، قلم اور دیگر اشیاء استعمال کرے، تقویٰ اور امانت و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ سرکاری اشیاء کو ذاتی استعمال میں نہ لایا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَٰنَٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَٰعُونَ ﴿٣٢﴾﴾ (المعارج ۷۰/ ۳۲)

"اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔"

شیخ ابن جبرین

چوکیدار کی نماز

سوال ایک سپاہی کی ایک جگہ چوکیداری کے لیے ڈیوٹی لگائی گئی، اسی دوران میں نماز کا وقت ہو گیا تو اس نے اسے نماز مغرب کے بعد ادا کیا کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس کے قائم مقام ہو کر ڈیوٹی دیتا اور یہ نماز پڑھ لیتا، تو کیا اس صورت میں نماز عصر تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے اسے گناہ ہو گا؟ جو شخص ایسی صورت حال سے دوچار ہو، وہ کیا کرے؟

جواب چوکیدار یا کسی بھی دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے ادا کرے

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ چوکیداری کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ نماز بھی اسی طرح ادا کرے' جس طرح مسلمانوں نے دشمن کے بالمقابل صف آرا ہونے کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر نماز خوف ادا کی تھی۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

دفتروں میں قرآنی آیات کا لٹکانا

سوال کیا دفتروں میں بعض قرآنی آیات کا لٹکانا جائز ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے کہ آیات لٹکانے کا حکم بھی وہی ہے جو تصویریں لٹکانے کا ہے؟

جواب تصویروں کا لٹکانا تو جائز نہیں ہے البتہ دفتروں میں نصیحت کے لیے آیات و احادیث کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا یہ کام جائز ہے؟

سوال میں ایک نوجوان ہوں' ابھی تک کوئی ملازمت حاصل نہیں کر سکا البتہ ایک مسجد میں اذان دے رہا ہوں تو امام مسجد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں محکمہ اوقاف میں تمہارا نام لکھوا دیتا ہوں تاکہ تم تنخواہ حاصل کر سکو اور بطور مؤذن کسی اور شخص کا فرضی نام لکھوا دیتا ہوں تاکہ تم تنخواہ بھی اور اذان کا معاوضہ بھی حاصل کر سکو تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ میں کسی اور شخص کے نام پر تنخواہ اور اذان کا معاوضہ وصول کروں' کیا یہ جھوٹ ہے یا نہیں؟ اور اگر اس طرح میں نے جھوٹی تنخواہ لے لی ہو تو اس کا کیا کروں یعنی اسے صدقہ کر دوں یا کیا کروں؟

جواب یہ ایک غلط اور جھوٹا کام ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اوقاف سے لی ہوئی تنخواہ واپس کر دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اسے فقراء وغیرہ میں تقسیم کر دیں کیونکہ یہ مال ناحق لیا گیا ہے' اسے مستحق لوگوں پر صرف نہیں کیا گیا' لہٰذا اسے نیکی کے کاموں مثلاً فقراء کے لیے یا باتھ روم وغیرہ کی اصلاح کے لیے خرچ کرنا واجب ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ایسے ہوٹلوں میں کام' جن میں شراب اور سور کا گوشت پیش کیا جاتا ہو

سوال اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ بَعْد: بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کا جائزہ لیا' جو جناب چیئرمین کی خدمت میں نبیل بن عبداللہ شاہین کی طرف سے حوالہ نمبر ۲۰۴ مورخہ ۹/ ۲/ ۱۴۰۲ھ کو پیش

کیا گیا تھا اور جس میں لکھا ہے:

میں یہاں ہالینڈ میں کام کرتا ہوں اور الحمد للہ ایک مسلمان اور دیندار نوجوان ہوں لیکن یہاں اکثر و بیشتر ایسے کام ملتے ہیں، جن کا تعلق شراب سے ہے یا ایسے ہوٹلوں سے جن میں دوسرے گوشت کے ساتھ خنزیر کا گوشت بھی پکایا جاتا ہے۔ کیا ایسے ہوٹلوں میں ان برتنوں کے دھونے کا کام کیا جا سکتا ہے، جن میں خنزیر کا گوشت تیار کیا جاتا ہو؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے اور جزائے خیر سے نوازے۔

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا: آپ کے لیے ایسے مقامات پر کام کرنا جائز نہیں ہے، جہاں شرابیں بیچی جاتی یا پینے والوں کو پیش کی جاتی ہوں اور نہ ان ہوٹلوں میں کام کرنا جائز ہے، جہاں کھانے والوں کو خنزیر کا گوشت پیش کیا جاتا ہو یا آپ اسے خریداروں کو فروخت کریں خواہ اس کے ساتھ دوسرے گوشت اور دوسرے کھانے بھی موجود ہوں اور خواہ آپ کا کام بیچنے کا ہو یا کھانے والوں کی خدمت میں صرف پیش کرنے کا یا برتنوں کو دھونے کا کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور تم گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

اور ایسی بات بھی نہیں کہ آپ اس کے لیے مجبور اور مضطر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، مسلمانوں کے بہت سے ملک ہیں لہٰذا مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر کسی ایسے ملک میں کام کریں، جہاں جائز کام میسر ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَٰلِغُ أَمْرِهِۦ ۚ قَدْ جَعَلَ ٱللَّهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے، اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا

سوال جو مسلمان شراب یا منشیات بیچتا ہو، کیا ہم اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جو مسلمان کسی شراب کی فیکٹری میں کام کرتا ہو، کیا اس کے لیے واجب ہے کہ وہ اس کام کو چھوڑ دے خواہ اسے اس کے سوا کوئی دوسرا کام نہ بھی ملے؟

جواب شراب اور دیگر تمام محرمات کو فروخت کرنا بہت بڑا گناہ ہے' اسی طرح شراب کی فیکٹری میں کام کرنا بھی حرام اور منکر کام ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"(اور دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شراب' منشیات اور سگریٹ کی فروخت گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے' اسی طرح شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا بھی گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدة٥/ ٩٠۔٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان (شیطانی کام) میں سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب پر' اس کے پینے والے پر' پلانے والے پر' نچوڑنے والے پر' جس کے لیے نچوڑی گئی ہو' اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے لیے اٹھا کر لے جائی گئی ہو' اس کے بیچنے اور خریدنے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے:

«إِنَّ عَلَى اللهِ عَهْدًا، لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ، أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ»(صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر، وأن كل خمر حرام، ح:٢٠٠٢)

"اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذمہ لے رکھا ہے کہ جو شخص کوئی نشہ آور مشروب پیئے گا تو وہ اسے "طينة الخبال" پلائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! "طينة الخبال" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد جہنمیوں کا پسینہ ہے یا آپ نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد جہنمیوں کی پیپ ہے۔"

شراب بیچنے والے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ نافرمان' فاسق اور ناقص الایمان ہے۔ قیامت کے دن اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' وہ چاہے تو اسے معاف فرما دے یا اسے سزا دے' جب کہ وہ توبہ کرنے سے پہلے مرجائے۔ اہلسنّت و الجماعت کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ﴾ (النساء٤/ ١١٦)

"اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے۔"

---

[1] سنن ابی داود' الاشربہ' باب العصیر للخمر' حدیث: 3674

یہ حکم اس صورت میں ہے' جب وہ شراب بیچنے کو حلال نہ سمجھتا ہو اور اگر وہ اسے حلال سمجھتا ہو تو پھر وہ کافر ہے اور اس صورت میں اگر وہ مر جائے تو تمام علماء کے نزدیک نہ اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا کیونکہ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے۔

اس طرح جو شخص زنا یا لواطت یا سود یا دیگر متفق علیہ محرمات مثلاً والدین کی نافرمانی' قطع رحمی اور ناحق قتل کو حلال سمجھے تو اس کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اور اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کام کو کرے اور یہ سمجھے کہ یہ حرام ہے اور اس کے کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے' اس سے وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ وہ فاسق ہو گا اور اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو آخرت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گا جیسا کہ قبل ازیں شرابی کے بارے میں حکم بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مضطر کے بارے میں ایک فتویٰ

سوال رسالہ "المسلمون" میں مغرب کے شیخ احمد الکتانی کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے اس شخص کے کام کو جائز قرار دیا ہے' جو کسی قہوہ خانہ میں شراب پیش کرتا ہو اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ شخص مضطر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس میں کیا اضطرار ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو شراب کے سلسلہ میں کام کرنے والے ہر شخص پر لعنت فرمائی ہے۔

جواب ہاں یہ صحیح ہے کہ نبی ﷺ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' بیچنے والے' خریدنے والے' قیمت کھانے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے' کشید کرنے والے اور جس کے لیے اسے کشید کیا جائے' سب پر لعنت فرمائی ہے۔ [1] لہٰذا جو شخص کسی قہوہ خانہ میں شراب سے متعلق کوئی بھی کام کرتا ہو تو اس کا یہ کام اس حدیث کی رو سے حرام ہے اور اگر وہ اس قہوہ خانہ میں کوئی اور ایسا کام کرتا ہو جس کا شراب سے کوئی تعلق نہ ہو مثلاً کھانا تیار کرتا ہو یا قہوہ بناتا ہو یا قہوہ کے برتن دھوتا ہو تو پھر اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا لیکن اس صورت میں بھی افضل یہ ہے کہ وہ ایسے قہوہ خانہ سے دور ہی رہے۔ جواز صرف ایسی ضرورت کے وقت ہو گا' جب اسے حلال کمائی کے لیے کوئی اور کام نہ ملے اور اس قہوہ خانہ میں شراب یا اس کے پینے والوں سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سگریٹ وغیرہ جیسی حرام چیزیں بنانے والی فیکٹریوں میں کام

سوال میں ایک بہت زیادہ سخت کام کرتا تھا' جسے میرے لیے جاری رکھنا ناممکن تھا لہٰذا میں نے ایک آسان کام تلاش کرنا چاہا تو وہ مجھے سگریٹ بنانے والی ایک فیکٹری میں ملا ہے۔ اب میں چند ماہ سے اس فیکٹری میں کام کر رہا ہوں لیکن میں خود سگریٹ استعمال نہیں کرتا' سوال یہ ہے کہ اس کام کی وجہ سے مجھے جو اجرت ملتی ہے کیا وہ حلال ہے یا حرام' یاد رہے میں اپنے کام میں بحمد اللہ مخلص ہوں؟

---

[1] سنن ابی داود' الاشربة' باب العصیر للخمر' حدیث: 3674۔

جواب اس فیکٹری میں آپ کے لیے کام کرنا حلال نہیں ہے' جو سگریٹ بناتی ہے کیونکہ سگریٹ بنانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا حرام ہے اور اس فیکٹری میں کام کرنا ایک حرام کام میں تعاون کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اس فیکٹری میں آپ کا کام کرنا اور اس کام کی اجرت لینا حرام ہے لہٰذا آپ کو توبہ کرنی چاہیے اور اس فیکٹری میں کام چھوڑ دینا چاہیے' حلال کی تھوڑی تنخواہ حرام کی زیادہ تنخواہ سے بہتر ہے کیونکہ انسان کی کمائی اگر حرام ہو تو اللہ تعالیٰ اسے برکت سے محروم کر دیتا ہے' اگر اسے صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا اور اگر مرنے کے بعد اسے اپنے پیچھے چھوڑ جائے تو وارثوں کے لیے اگرچہ یہ مال غنیمت ہو گا لیکن اسے اس کا گناہ ہو گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُواْ صَٰلِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥١) وَقَالَ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾(البقرۃ٢/ ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ، يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟»(صحیح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح:١٠١٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو بھی وہی حکم دیا ہے' جو اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا تھا کہ "اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو' جو عمل تم کرتے ہو بلاشبہ میں ان سے واقف ہوں۔" اور فرمایا: "اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں انہیں کھاؤ۔" پھر نبی ﷺ نے ایک ایسے شخص کا بھی ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ حال اور غبار آلود ہے' آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یارب! یارب! مگر اس کا کھانا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے اور حرام ہی سے اس نے پرورش پائی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ "اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔"

قبولیت دعا کے اسباب کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے اس کی دعا کو قبولیت سے محروم قرار دیا تو وہ محض اس وجہ سے کہ اس کا کھانا' اس کا لباس اور اس کا پینا حرام ہے اور مال حرام سے اس نے پرورش پائی ہے لہٰذا انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ مال حرام سے بچے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢۔٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

لہٰذا اے بھائی! آپ کے لیے میری نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' اس فیکٹری میں کام کرنا چھوڑ دیں اور رزق حلال تلاش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کام کے بغیر اوور ٹائم کا معاوضہ وصول کرنا

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں ملازمت کرتا ہوں اور بعض اوقات کام کے بغیر ہی ہمیں اوور ٹائم کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے حالانکہ ہم نے اوور ٹائم کام کیا ہی نہیں ہوتا (بلکہ) ہم تو (اس وقت) ادارے میں موجود ہی نہیں ہوتے۔ اسے ملازمین کا معاوضہ قرار دیا جاتا ہے اور ادارے کے سربراہ کو بھی اس کا علم ہوتا ہے اور وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ آپ راہنمائی فرمائیں کیا ہمارے لیے یہ مال لینا جائز ہے اور اگر جائز نہیں تو ماضی میں میں نے اس طرح جو مال وصول کر لیا اور خرچ کر لیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے تو یہ ایک منکر اور ناجائز کام بلکہ خیانت ہے' اس طرح سرکاری خزانے سے آپ نے جو مال لیا ہے' واجب ہے کہ وہ سرکاری خزانے میں واپس لوٹائیں اور اگر اسے واپس کرنا ممکن نہ ہو تو مسلمان فقیروں اور فلاح و بہبود عامہ کے کاموں میں خرچ کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے توبہ کریں اور عزم صادق کریں کہ آئندہ اس طرح نہیں کریں گے کیونکہ کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے شرعی طریقے کے بغیر کچھ بھی وصول کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال ایک کمپنی اپنے بجٹ کا ایک خطیر حصہ اس لیے رکھتی ہے تاکہ ملازمین کو اوور ٹائم کی اجرت ادا کی جا سکے' ملازمین بھی دستخط کر کے ہر سال باری باری اوور ٹائم کی اجرت وصول کر لیتے ہیں حالانکہ انہوں نے قطعاً اوور ٹائم نہیں لگایا ہوتا' تو کیا اس طرح یہ مال وصول کرنا جائز ہے؟

جواب اس کمپنی کے ملازمین کو چاہیے کہ وہ اس مال کو ناجائز طور پر حاصل نہ کریں بلکہ جو مال بچا ہوا سے خزانہ میں جمع کرا دیں اور ان لوگوں کو نہ دیں جنہوں نے کام کیا ہی نہیں خواہ وہ آئندہ سال یا آنے والے سالوں میں بھی اگر زائد از وقت کام نہ کریں تو انہیں یہ مال بالکل نہ دیں کیونکہ وہ اس مال کے امین قرار دیئے گئے ہیں اور امین کو چاہیے کہ وہ اس مال کے بارے میں پوری پوری امانت و دیانت کا ثبوت دے' جو اس کے پاس بطور امانت ہو اور اگر مقررہ وقت سے زائد کام کی ضرورت ہو تو پھر ان کے کام کے بقدر جس اجرت کے وہ مستحق ہوں' وہ انہیں ادا کر دی جائے اور اگر ملازمین اسی نظم و نسق کے مطابق کام کریں اور کمپنی از خود انہیں کچھ دینا چاہے' تو اسے وہ لے سکتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«وَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَيْءٌ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلاَ سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَمَا لاَ فَلاَ تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب من أعطاه الله شيئا من غير مسألة ... الخ، ح:١٤٧٣ وصحيح مسلم، الزكاة، باب جواز الأخذ بغير سؤال ولا تطلع، ح:١٠٤٥ واللفظ له)

"تمہارے پاس جو مال اس طرح آئے کہ تم اس کے بارے میں حریص و لالچی نہ ہو اور نہ تم نے اس کے بارے میں سوال کیا ہو تو اسے لے لو اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کا پیچھا نہ کرو۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا میرے لیے یہ مال جائز ہے؟

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں کام کرتا ہوں۔ مجھے ایک سرکاری کام کے سلسلہ میں ایک دوسرے شہر میں بیس دن کے لیے بھیجا گیا مگر میرے سپرد جو کام کیا گیا تھا' میں نے وہ سات دن میں مکمل کر لیا اور اپنے ادارے میں واپس آ گیا' کچھ عرصہ بعد مجھے بیس دن کا معاوضہ ادا کیا گیا تو کیا میرے لیے یہ معاوضہ جائز ہے' اس ادارے کو اور ادارے کے مدیر کو یہ بات معلوم ہے کہ میں نے بیس دن کی بجائے سات دن میں ہی اپنا کام مکمل کر لیا تھا مگر یہ مدیر کی نیکی ہے کہ اس نے مجھے بیس دن کا معاوضہ ادا کیا اور اگر میرے لیے یہ جائز نہیں تو میں اس رقم کا کیا کروں؟

جواب جو کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا اگر وہ بہت زیادہ اور مشکل کام تھا اور عموماً بیس دنوں سے پہلے اسے ختم کرنا ممکن نہیں مگر آپ نے اس قدر زبردست محنت کی اور معمول سے زیادہ وقت لگایا اور اسے سات دن میں ختم کر لیا تو پھر آپ بیس دن کے معاوضے کے مستحق ہیں خصوصاً جب کہ اس ادارہ اور اس کی انتظامیہ کے علم میں بھی یہ بات ہے' جو آپ نے ذکر کی ہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ کاغذات جن میں اللہ کا ذکر (اور اس کا نام) ہو

سوال میرے کام کی نوعیت کے اعتبار سے میرے ہاتھ میں ایسے کاغذات آتے رہتے ہیں' جن میں اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے تو ان کاغذات کے بارے میں کیا کیا جائے؟

جواب یہ اوراق جن میں اللہ کا ذکر ہو' واجب ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے اور انہیں بے حرمتی سے بچایا جائے اور جب مقصد پورا ہو جائے اور ان کی ضرورت باقی نہ رہے تو پھر واجب یہ ہے کہ انہیں کسی پاک جگہ میں دفن کر دیا جائے یا انہیں جلا دیا جائے یا ایسی الماریوں وغیرہ میں انہیں سنبھال کر رکھ دیا جائے جہاں بے حرمتی سے محفوظ رہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

اعزازیہ کے لیے شرعی شرائط

سوال کسی ادارے کا سربراہ کسی کارکن کو اس کی مخلصانہ جدوجہد کی وجہ سے اس کی اصلی تنخواہ کے علاوہ جو اعزازیہ

دیتا ہے کیا یہ رشوت ہے؟

جواب نہیں یہ رشوت نہیں ہے جب کہ مقصود کام کی ترغیب دینا ہو الا یہ کہ یہ کارکن اس اعزازیہ کے بغیر اپنے فرائض کو ادا ہی نہ کرتا ہو تو اس حال میں یہ رشوت اور حرام ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ اس کے فرض و واجب کام کے بالمقابل ہو گا اور فرض و واجب ادا کرنے پر اعزازیہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس بات میں فرق ہے کہ اپنے فرض کو ادا کرنے پر حوصلہ افزائی کے لیے اعزازیہ دیا جائے یا اعزازیہ دیا ہی اس لیے جائے کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرے کیونکہ فرض کو ادا کرنا تو واجب ہے خواہ اعزازیہ ملے یا نہ ملے لیکن فرض کو ادا کرنے پر حوصلہ افزائی کے لیے اعزازیہ دینا رشوت نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے الا یہ کہ مستقبل میں اس کا کوئی منفی نتیجہ نکلتا ہو کہ کارکن کو اس کا لالچ ہو اور اگر اسے اعزازیہ نہ دیا جائے تو وہ کام میں کوتاہی کرے تو اس صورت میں اسے کوئی اعزازیہ نہ دیا جائے کیونکہ وسائل کے وہی احکام ہوتے ہیں جو مقاصد کے ہوتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

علاج کے اخراجات کی تنخواہ سے کٹوتی ہونی چاہیے

سوال مجھے اپنے کام کی جگہ سے باہر حادثہ پیش آیا اور جب میں اپنے علاج کے اخراجات برداشت نہ کر سکا تو میں نے اسے کام کے دوران میں حادثہ قرار دے دیا اور اس طرح جس کمپنی میں میں کام کرتا تھا اس نے علاج کے اخراجات ادا کر دیے لیکن اب میں اس پر نادم ہوں' سوال یہ ہے کہ کیا میں نے یہ حرام کام کیا ہے؟

جواب آپ کے لیے لازم ہے کہ کمپنی والوں کو حقیقت حال کے بارے میں بتائیں اور انہیں پیش کش کریں کہ انہوں نے جو اخراجات کیے ہیں' وہ آپ سے واپس لے لیں یا آپ کی تنخواہ میں سے کٹوتی کر لیں۔ اگر وہ آپ کو معاف کر دیں اور اس کا انہیں اختیار بھی ہو تو آپ سے تاوان ساقط ہو جائے گا ورنہ جب تک آپ ان سے معاف نہ کروائیں یا اخراجات واپس نہ کریں آپ بریٔ الذمہ نہیں ہوں گے۔ آپ نے جھوٹ اور ظلم سے جو کام لیا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی طلب کریں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اپنی تنخواہ لو اور یہ اخراجات نہ لو---

سوال کام کی ذمہ داری کی وجہ سے مجھے ایسی جگہوں پر جانے کے اخراجات بھی ملتے ہیں' جہاں میں حقیقت میں گیا ہی نہیں ہوتا۔ مجھے ادارے کے سربراہ کی بھی تائید حاصل ہوتی ہے' سوال یہ ہے کہ کیا ان فرضی اخراجاتِ سفر کا لینا جائز ہے؟

جواب جس شخص کے کوئی کام سپرد کر دیا جائے اور اسے سرانجام دینے کی وجہ سے اسے معاوضہ ملے' تو اس کے لیے اس وقت تک معاوضہ لینا حلال نہیں جب تک وہ اس کام کو سرانجام نہ دے خصوصاً جب کہ اس کام کا تعلق بھی ملک کی مصلحتوں سے ہو خواہ ادارے کے سربراہ کی تائید بھی حاصل ہو' البتہ کام کے عوض تنخواہ یا ترقی وغیرہ دی جا سکتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

آپ اس مال کے مستحق نہیں ہیں

سوال مجھے اور میرے ایک رفیق کار کو دفتر کی طرف سے ایک علاقے میں چار دن کے لیے بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ میرا یہ دوست تو چلا گیا لیکن میں نہیں گیا اور اپنی جگہ پر کام کرتا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد میں نے اس کا معاوضہ وصول کر لیا تو کیا اسے اپنے لیے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر جائز نہیں تو کیا اسے اس دفتر کی ضروریات پر خرچ کرنا جائز ہے' جس میں میں کام کرتا ہوں؟

جواب آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ اس رقم کو واپس کر دیں کیونکہ ڈیوٹی سرانجام نہ دینے کی وجہ سے آپ اس کے مستحق ہی نہیں ہیں اور اگر اسے واپس کرنا ممکن نہیں تو اسے نیکی کے بعض کاموں میں صرف کر دیں مثلاً فقراء پر صدقہ کر دیں یا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کر دیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کریں اور آئندہ کے لیے احتیاط کریں کہ ایسا کام نہیں کریں گے۔

—— شیخ ابن باز ——

اسے نمائندگی دی گئی مگر وہ مندوب بن کر نہیں گیا

سوال مجھے نمائندگی کرنے کے معاوضے کے طور پر مال دیا گیا لیکن میں اپنے کام کی جگہ سے باہر گیا ہی نہیں اور معاوضہ حق اسی کا ہوتا ہے جو نمائندگی کے لیے باہر جائے تو میں اس مال کا کیا کروں' کیا اسے زیر تعمیر مسجد کے لیے خرچ کر سکتا ہوں یا کیا کروں؟

جواب ان جیسے مسائل میں میری رائے یہ ہے کہ جب ایک شخص کو نمائندگی دی جائے اور وہ نمائندگی کے لیے نہ جائے تو چاہیے کہ اس کے سینئر افسر سے اوپر جو سینئر اور ذمہ دار ہو اس تک صورت حال کو پہنچایا جائے اور اسے بتایا جائے کہ اس نے نمائندگی کے لیے جانے کے بغیر ہی مجھے نمائندہ مقرر کر دیا تھا تاکہ زیادہ سینئر ذمہ دار کو اس دوسرے سینئر افسر کی خیانت کا علم ہو سکے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جا سکے جس کے خیانت کرنے والے مستحق ہوں' اس لیے کہ اگر ذمہ دار لوگ ہی عام لوگوں کو اس قسم کی حیلہ سازیوں کا عادی بنائیں جس سے معاشرہ خراب ہو' خیانت کا چلن عام ہو اور ہم آلام و مصائب میں مبتلا ہوں تو اصلاح کون کرے گا' اس لیے میری رائے میں زیادہ سینئر ذمہ داروں تک صورت حال کو پہنچانا چاہیے اور اس طرح لیے ہوئے پیسے حکومت کو واپس کر دینے چاہئیں۔ بعض لوگ اس طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو ناجائز طور پر نوازنے کے لیے حکومت کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ کام جو آپ نے سرانجام دیا ہی نہیں تو حکومت سے اس کا معاوضہ کیوں وصول کرتے ہیں اور اس سینئر افسر کے لیے یہ کس طرح حلال ہے کہ وہ جونیئر لوگوں کے لیے اس طرح کے مواقع فراہم کرے۔

میرے سامنے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایک شخص بہت زیادہ محنت کر کے بڑے اچھے نتائج پیش کرتا ہے مگر قوانین میں اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی اس زائد محنت کا اسے صلہ دیا جائے لہٰذا اسے اس کی محنت کا صلہ دینے کے لیے اس طرح حیلہ بازی سے کام لیا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جو شخص محنت سے کام کر کے اچھے نتائج پیش کرتا ہے تو اس نے تو اپنے کھانے پینے کو حلال کر لیا' اللہ تعالیٰ

اسے جزائے خیر سے نوازے۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری سے زیادہ کام کیا ہے تو اسے تعریفی سرٹیفکیٹ دیا جا سکتا ہے جو اس کے پاس رہے گا اور آئندہ اس کے کام آ سکتا ہے یا اس کا افسر زیادہ سینئر افسر کو اپنے فرض سے زیادہ کام کرنے پر اسے معاوضہ دینے کے لیے لکھے لیکن کوئی ایسی صورت حال جائز نہیں جس میں ہم کسی بھی شخص کو یا اپنے آپ کو یا حکومت کو دھوکا دیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حجاموں کا مشغلہ

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو داڑھیوں اور سر کے بالوں کو مونڈتا ہو اور اس حجام کے بارے میں کیا حکم ہے جو داڑھیوں کو مونڈتا ہو؟

جواب داڑھی مونڈنا حرام ہے اور داڑھی مونڈنے کے مشغلہ کو اختیار کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ اس گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون کے قبیل سے ہے' جس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

سر کے بالوں کو مونڈنا شرعاً جائز ہے لہٰذا جو شخص کسی دوسرے کا سر مونڈے تو اسے کوئی گناہ نہیں یا سر مونڈنے کا پیشہ روزی کمانے کے لیے اختیار کرے تو اسے کوئی گناہ نہیں۔ و باللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اپنے مدیر سے شائستہ انداز میں گفتگو کرو

سوال اگر ایک شخص اپنے مدیر سے اچھے انداز میں گفتگو کرتا ہے' اسے کوئی اچھا تحفہ بھی دیتا ہے اور بظاہر احترام سے پیش آتا ہے لیکن دل سے اسے پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کا تبادلہ ہو جائے تو کیا یہ بھی نفاق ہے؟ یاد رہے کہ یہ مدیر اچھے صفات کا مالک ہے؟

جواب بسم اللہ والحمد للہ ! واجب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی خیر خواہی کرے' اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت اور توفیق دے اور ہدیہ دینا ترک کر دے کیونکہ ہدیہ کسی ایسی جگہ نہیں دینا چاہیے جہاں وہ رشوت بن سکتا ہو لیکن اس کی ہمدردی و خیر خواہی کرنا چاہیے اور سجدہ میں اور نماز کے آخر میں اس کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے امانت کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے' مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے' نفاق اور رشوت سے اجتناب کرو البتہ اچھے اور شائستہ انداز میں گفتگو کرنا عین مطلوب ہے مثلاً آپ اسے السلام علیکم کہہ سکتے ہیں یہ پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کے اہل و عیال کا کیا حال ہے؟ وغیرہ

—— شیخ ابن باز ——

اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے

سوال میں نے ایک خیراتی سکیم کے لیے اس کے سربراہ کے خوف اور خجالت کی وجہ سے چندہ دیا کہ اگر میرا بس چلتا تو میں ایک پیسہ بھی چندہ نہ دیتا تو کیا میرے اس عمل کا مجھے اس طرح پورا ثواب ملے گا جس طرح میں نے بطیب خاطر اور اپنی مرضی سے خرچ کیا ہو' امید ہے دلیل کے ساتھ جواب دیں گے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کی ہے' تو اس رقم کے خرچ کرنے کی وجہ سے آپ کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا کیونکہ آپ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا نہیں تھا' بلکہ آپ نے تو اپنے اس ساتھی کے خوف کی وجہ سے خرچ کیا ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰی»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

برائی کے بدلے برائی

سوال ایک ملازم نے اپنے رفیق کار کے بارے میں جھوٹ بولا اور اس کی چغلی کر کے اسے نقصان پہنچایا تو اس نے بھی اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا اور جواب میں اسے بھی نقصان پہنچا دیا تو اس صورت حال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان دونوں میں سے ہر ایک نے بہت برا کیا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھی سے اس ظلم کی معافی مانگے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی روز قیامت اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرمائے گا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور فوراً توبہ کرے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اضافی مال کو قبول نہ کرو

سوال میں ایک کمپنی میں ماہانہ مقررہ تنخواہ پر کام کرتا ہوں اور مجھے لوگوں کے بعض آلات درست کرنے کے لیے ان کے گھروں میں بھی جانا پڑتا ہے اور بعض لوگ مجھے کچھ اضافی رقم دینے پر بھی اصرار کرتے ہیں' میں اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں لیکن وہ مجھے دینے پر اصرار کرتے ہیں' تو میں کیا کروں؟

جواب تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اسے قبول نہ کریں اور اسے ترک کر دیں کیونکہ نبی ﷺ نے صدقہ کی وصولی کے لیے اپنے ایک کارکن کو بھیجا تھا' جن کا نام عبداللہ بن لتبیہ تھا' جب وہ صدقہ وصول کر کے واپس آیا تو اس نے کہا کہ یہ

مال تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ دیا گیا ہے' تو نبی ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے اس کی تردید کی اور فرمایا:

«فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى لَهُ أَمْ لَا؟»(صحيح البخاري، الهبة، باب من لم يقبل الهدية لعلة، ح:٢٥٩٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، ح:١٨٣٢)

"یہ شخص اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟"

اس تعبیر سے کہ "یہ شخص اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا" وہ سبب معلوم ہوا کہ جس کی وجہ سے آپ نے اعمال عامہ سرانجام دینے والوں کو ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنے گھر میں ہوتا تو اسے قطعاً یہ ہدیہ نہ دیا جاتا لہٰذا ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی تنخواہ کے علاوہ کچھ اور قبول نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن عثیمین

سگریٹ نوشی کی ممانعت کے بارے میں حکمران کے فیصلے کو---

سوال حکمرانوں نے ایک حکیمانہ فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ سرکاری اداروں میں سگریٹ نوشی کی ممانعت کر دی ہے۔ اب کچھ ملازمین تو اس فیصلہ کی پابندی کرتے ہیں اور کچھ پابندی نہیں کرتے تو کیا یہ لوگ خائن تصور ہوں گے' جو حکمرانوں کے اس فیصلہ پر عمل پیرا نہیں ہوتے؟

جواب جو لوگ اس فیصلہ کی پابندی نہیں کریں گے' وہ امانت میں خیانت کریں گے اور دو گناہوں کے مرتکب قرار پائیں گے (۱) سگریٹ پینا بجائے خود ایک حرام اور منکر کام ہے کیونکہ اس کے بہت زبردست نقصانات ہیں اور بعض اوقات نشہ تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے (۲) حکمرانوں نے انہیں اس معصیت کے ترک کرنے اور ملازمین کو اس سے اجتناب کرنے کا جو حکم دیا ہے' وہ اس کی بھی نافرمانی کر رہے ہیں جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»(صحيح البخاري، الجهاد، باب يقاتل من وراء الإمام ويتقى به، ح:٢٩٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٣٥ واللفظ له)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔" (یہ حدیث متفق علیہ ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔)

اطاعت سے مراد امیر کی نیکی کے کام میں اطاعت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ما جاء في اجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

ماتحت ملازمین کی ذمہ داری

سوال جو شخص کسی ادارے کا سربراہ ہو اور اس کے ماتحت ملازمین ہوں تو کیا اس کے لیے یہ واجب ہے کہ نماز میں کوتاہی کرنے والے کو وہ نماز ادا کرنے اور دیگر امور شریعت کی پابندی کرنے کا حکم دے اور کیا وہ بھی حدیث «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» میں داخل ہے؟

جواب ہر ذمہ دار شخص کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت ملازمین کو ان تمام امور کے ادا کرنے کا حکم دے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے مثلاً نماز باجماعت ادا کرنا اور دیانت داری سے اپنی ڈیوٹی ادا کرنا اور اس طرح ان تمام امور کے ترک کرنے کا حکم دے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مثلاً دھوکا، خیانت، ایذاء اور ظلم وغیرہ کیونکہ ہر ذمہ دار شخص نبی ﷺ کے اس فرمان میں داخل ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب في القرى والمدن، ح:٨٩٣ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل ... الخ، ح:١٨٢٩)

"تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے بارے میں ذمہ دار ہے۔" (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرمایا ہے)

——— شیخ ابن باز ———

کام کو چھوڑ دو مگر داڑھی نہ منڈاؤ

سوال اگر میں کوئی ایسا کام کرنا چاہوں، جس میں مجھ سے داڑھی منڈانے کا تقاضا ہو تو پھر کیا کروں؟

جواب حدیث صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في اجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي:١٠/ ٤٤، ح:٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/ ١٧٠، ح:٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔"

لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس شرط کو قبول نہ کرو۔ بحمد اللہ رزق کے دروازے بہت ہیں جو بند نہیں ہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔"

کسی بھی ایسے کام کو اختیار نہ کرو' جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کی شرط عائد کی گئی ہو' خواہ اس کام کا تعلق فوج سے ہو یا کسی اور ادارے سے' لہٰذا اس طرح کے کام کو چھوڑ کر کوئی اور ایسا کام اختیار کر لو' جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کرو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ﴾ (المائدۃ ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

ہم آپ کے لیے اور اپنے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق کی تمنا کرتے ہیں۔ تمام حکمرانوں اور مسلمان ملکوں کے تمام اصحاب اقتدار پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور لوگوں کے لیے ایسے امور کو لازم قرار نہ دیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام قرار دیا ہے اور وہ اپنے تمام اوامر و احکام میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝٦٥﴾ (النساء ٤/ ٦٥)

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں' بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔"

اور فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٥٠﴾ (المائدۃ ٥/ ٥٠)

"کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں' ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩﴾ (النساء ٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی' اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت واجب ہے اور لوگوں کے امور و معاملات میں جو مشکل پیش آئے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا جائے' جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی کتاب کریم یا اس کے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ میں حکم ہو تو اسے اخذ کرنا اور نافذ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ داڑھی کا ہو یا سود کا یا لوگوں کے درمیان معاملات کے تصفیہ کا' ان تمام امور میں مسلمان حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور واللہ! اسی میں ان کی عزت' ان کی نجات اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے اور جب تک یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت نہ بجا لائیں اور اس کی شریعت کی اتباع نہ کریں' کبھی بھی کامل عزت اور اللہ تعالیٰ کی مکمل خوشنودی حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اور انہیں بھی اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

سکاؤٹ کا عہد

سوال محکمہ ڈاک ریاض کے ہائی سکول نے درج ذیل عبارت کو ملاحظہ کیا ہے: ''سکاؤٹ کا عہد--- میں اپنی عزت و ناموس کی قسم کے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنے وطن اور ملک کی خاطر اپنے فرائض سرانجام دینے کے لیے میں پوری پوری کوشش کروں گا' ہر وقت لوگوں کی مدد کروں گا اور سکاؤٹنگ کے قانون کے مطابق عمل کروں گا۔''

یہ عبارت سکاؤٹنگ سے متعلق اس کتابچے میں لکھی ہوئی ہے' جو عربی سکاؤٹنگ تنظیم کے سیکرٹری جنرل کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس کتابچے کے ٹائیٹل' مقدمہ اور اس کے صفحہ ۲۳ جس میں مذکورہ بالا عبارت درج ہے' کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے' امید ہے موصول ہونے پر مطلع فرمائیں گے اور فتویٰ سے بھی نوازیں گے کہ سکاؤٹنگ کے اس حلف کے بارے میں کیا حکم ہے تاکہ ہم اسے برقرار رکھیں یا شرعی فتویٰ کے مطابق اس کی اصلاح کر دیں؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے' خواہ وہ باپ ہو یا کوئی لیڈر یا شرف یا عزت و جاہ وغیرہ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب كيف يستحلف؟، ح:٢٦٧٩ وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

''جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔'' اور فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد: ٢/ ٨٧)

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی' اس نے شرک کیا۔''

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ اللہ کے لیے اور غیر اللہ مثلاً وطن یا بادشاہ یا لیڈر کے لیے یکساں طور پر کام کرے گا بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ وحدہ کے لیے اپنے فرض کو ادا کرنے میں پوری پوری کوشش کروں گا اور پھر اپنے وطن کی خدمت اور مسلمانوں کی مدد بھی کروں گا اور سکاؤٹنگ کے نظام کے مطابق اس حد تک عمل کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف نہیں ہو گا۔

تیسری بات یہ کہ یہ واجب ہے کہ انسان کا عمل اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہو' لہٰذا اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حکومت یا جماعت یا کسی انسانی گروہ کے قانون کے مطابق عمل کرنے کا مطلقاً عہد کرے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تصویریں لٹکانا

سوال تصویریں لٹکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب دیواروں پر یا دفتروں وغیرہ میں تصویریں لٹکانا مطلقاً جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ انہیں مٹا دیا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "ہر تصویر کو مٹا دو۔" [1]

تصویریں لٹکانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کی تعظیم کرنے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی بھی عبادت کرنے لگتا ہے جب کہ یہ تصویریں بادشاہوں' لیڈروں اور بڑے لوگوں کی ہوں اور اگر یہ تصویریں عورتوں اور بچوں کی ہوں تو پھر بھی یہ فتنہ سے خالی نہیں ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

مسلمان پر امانت کو ادا کرنا واجب ہے

سوال بعض ملازمین اور کارکن بہادری و دلیری کے ساتھ اپنا کام نہیں کرتے۔ کئی لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے اور وہ نیکی کا حکم نہیں دیتے' نہ برائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے کام پر بھی بہت تاخیر سے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں سربراہ کی طرف سے اس کی اجازت ہے' تو سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں دین کا تقاضا کیا ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اولاً: ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی جو بات بھی سنے' اسے آگے پہنچائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا ثُمَّ أَدَّاهَا إِلَى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا»(مسند أحمد: ٤/ ٨٠)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے' جو میری بات سنے' اسے یاد رکھے اور پھر اسے اس شخص تک پہنچا دے' جس نے اسے نہ سنا ہو۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح: ٣٤٦١)

"میری طرف سے (آگے) پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو۔"

آپ ﷺ جب لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے اور وعظ و نصیحت کرتے تو یہ ضرور فرماتے:

«فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ»(صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، ح: ١٧٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها ... الخ، ح: ١٣٥٤ مختصرا)

---

[1] صحیح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسویة القبر، حدیث: 969

"جو موجود ہے وہ اس تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہے کیونکہ بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے کی نسبت اسے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔"

میں تم سب کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ خیر و بھلائی کی جو بات سنو تو اسے بصیرت اور پورے وثوق کے ساتھ آگے پہنچاؤ۔ یعنی جو شخص بھی علم کی کوئی بات سنے تو اسے چاہیے کہ یاد رکھے اور اپنے اہل خانہ' اپنے بھائیوں اور اپنے دوستوں تک اسے پہنچائے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھے کہ اسے صحیح طور پر یاد رکھے اور پھر بلاکم وکاست آگے پہنچائے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ نہ کرے اور نہ کوئی ایسی بات بیان کرے جو اسے صحیح طور پر یاد نہ ہو کیونکہ صرف اسی صورت میں اس کا حق کی وصیت کرنے والوں اور نیکی کی دعوت کرنے والوں میں شمار ہو گا۔

وہ ملازمین جو اپنے کام سرانجام نہیں دیتے یا انہیں سرانجام دینے میں ہمدردی و خیر خواہی ملحوظ نہیں رکھتے تو یہ تم نے سن ہی لیا ہے کہ ایمان کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امانت کو ادا کیا جائے اور اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا﴾ (النساء٤/ ٥٨)

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔"

امانت ایمان کی خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی ہے' جب کہ خیانت نفاق کی خرابیوں میں سے ایک بہت بڑی خرابی ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِأَمَـٰنَـٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَٰعُونَ ﴿٣٢﴾﴾ (المعارج٧٠/ ٣٢)

"اور وہ' وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَخُونُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا۟ أَمَـٰنَـٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾﴾ (الأنفال٨/ ٢٧)

"اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔"

لہٰذا ملازم کو چاہیے کہ وہ صدق و اخلاص' اہتمام اور وقت کی پابندی کے ساتھ امانت کو ادا کرے' اپنی کمائی کو پاک کرے' اپنے رب کو راضی کرے اور اس سلسلہ میں حکومت' کمپنی یا جس ادارے میں بھی وہ کام کر رہا ہے' اس کی ہمدردی و خیر خواہی کو ملحوظ رکھے۔ ہر ملازم پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور حد درجہ اہتمام اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ امانت کو ادا کرے' اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے اور اس کے عذاب سے ڈرے اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا﴾ پر عمل کرے۔ منافقوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ امانتوں میں خیانت کرتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، ح:٣٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، ح:٥٩)

"منافق کی تین نشانیاں ہیں (ا) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (٢) جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور

(۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔"

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ منافقوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے بلکہ واجب ہے کہ وہ ان کے اطوار سے دور رہے' امانت کی حفاظت کرے' اپنے کام کو پوری توجہ کے ساتھ سرانجام دے' وقت کی پابندی کرے خواہ اس کے ادارے کا سربراہ سستی کرے اور اسے پابندی کرنے کا نہ بھی کہے۔ اسے یہ نہیں چاہیے کہ کام چھوڑ کر بیٹھ رہے یا کام میں سستی کرے بلکہ اسے چاہیے کہ اس قدر محنت سے کام کرے حتی کہ کام کرنے اور امانت کے ادا کرنے میں اپنے ادارے کے سربراہ سے بھی بہتر ثابت ہو اور دوسروں کے لیے بھی وہ ایک اچھا نمونہ بن جائے۔

—— شیخ ابن باز ——

۳۳

فتاوی
للمدرسین والطلاب

اساتذہ اور طلبہ سے متعلقہ فتوے

اساتذہ اور طلبہ سے متعلقہ فتوے

امتحان کے سوالات کا اعادہ

سوال ہمارے بعض اساتذہ امتحان میں دوبارہ پھر وہی سوالات دے دیتے ہیں' جو انہوں نے سابقہ جماعت کے امتحان میں پوچھے ہوتے ہیں اور طلبہ کو بسااوقات ان سوالات کا علم ہوتا ہے تو کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ یاد رہے کہ ان اساتذہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا یہی طریقہ ہے۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء۔

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ امتحانات تو اس لیے ہوتے ہیں تاکہ طلبہ کی مہارت' حفظ' ذہانت اور محنت کا اندازہ لگایا جا سکے لہٰذا کسی استاد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ امتحانی سوالات کے بارے میں کچھ بتائے یا کوئی اشارہ کرے کیونکہ یہ سوالات اس کے پاس امانت ہیں' ان کے بارے میں کسی کو مطلع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ خیانت اور دھوکا ہے جو کہ حرام ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

استاد کا جماعت میں لیٹ آنا

سوال ہم نے دیکھا ہے کہ بعض استانیاں وقت مقررہ پر اپنی جماعت میں نہیں آتیں' وہ سٹاف روم میں بیٹھی دوسری استانیوں کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں حالانکہ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی' یا بسا اوقات وہ سکول ہی میں دیر سے آتی ہیں' تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ بعض اساتذہ کرام کا بھی یہی معمول ہے؟

جواب یہ حرام ہے' کسی بھی معلم یا معلمہ کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے پیریڈ کے مقررہ وقت سے لیٹ کلاس روم میں آئے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوۡفُواْ بِٱلۡعُقُودِ ﴾ (المائدة٥/ ١)

"اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِٱلۡعَهۡدِۖ إِنَّ ٱلۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔولٗا ﴿٣٤﴾ ﴾ (بني اسرائيل١٧/ ٣٤)

"اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہو گی۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ ﴿٩﴾ ﴾ (الحجرات٤٩/ ٩)

"اور (عدل و) انصاف کرو' بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں عدل کرنے کا حکم ہے اور یہ عدل نہیں ہے کہ کوئی استاد یا استانی یا دیگر ملازم تنخواہ تو پوری

وصول کرے مگر اپنے اس فرض کو ادا کرنے میں سستی کرے، جس کی وجہ سے اسے تنخواہ ملتی ہے۔ اگر وہ اس سلسلہ میں سستی کرتا ہے تو اسے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں مذکور وعید پیش نظر رکھنی چاہیے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝١ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝٢ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝٣ ﴾

(المطففین۸۳/ ۱-۳)

"ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے' وہ لوگ جب دوسرے لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں کم کرکے دیتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے کام کرنے اور امانتوں کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طالبات اور معلّمات کی غیبت

سوال میرے ساتھ جو خواتین کام کرتی ہیں' ان کی اکثر وبیشتر گفتگو طالبات اور معلّمات کے بارے میں ہوتی ہے۔ میں نے انہیں کئی دفعہ مثبت انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ پھر اسی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتی ہیں۔ میں کیا کروں' کیا اس صورت حال میں ان کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گی؟

جواب جب آپ انہیں یہ نصیحت کرتی رہیں گی کہ وہ طالبات و معلّمات کے بارے میں ایسی گفتگو نہ کریں' جو جائز اور حلال نہ ہو اور وہ آپ کی بات مان لیں تو آپ کو بھی اور انہیں بھی خیر و بھلائی حاصل ہوگی اور اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کو سمجھانے کی وجہ سے نیکی ملے گی اور انہیں آپ کی بات قبول نہ کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا' مگر آپ انہیں مسلسل سمجھاتی رہیں خواہ وہ اس سے باز نہ بھی آئیں کیونکہ بسا اوقات مسلسل وعظ و نصیحت کرنے اور کثرت سے دعوت الی اللہ دینے سے انسان اپنے برے کام سے مکمل طور پر اجتناب کرنے لگ جاتا ہے۔ ان خواتین کے لیے اور دیگر سب لوگوں کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ حرام گفتگو سے اپنی زبانوں کو بچائیں اور یاد رکھیں کہ وہ جب کسی کے بارے میں ایسی گفتگو کریں' جو اسے ناپسند ہو تو یہ غیبت ہے اور جس کی غیبت کی جائے وہ روز قیامت اس کی نیکیوں کو لے لے گا اور اس کی برائیاں غیبت کرنے والے کے سر پر ڈال دی جائیں گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا میں سوالات کے جوابات دے سکتی ہوں؟

سوال میں اسلامیات کی ٹیچر ہوں۔ میں نے ڈگری کالج سے اسلامیات میں ڈگری حاصل کی ہے اور بہت سی فقہی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے لہٰذا جب طالبات مجھ سے کوئی سوال پوچھیں تو کیا میں اپنے علم کی حد تک بطریق قیاس و اجتہاد جواب دے سکتی ہوں' جب کہ حرام و حلال کے احکام و مسائل میں مداخلت نہ کروں؟

جواب کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور خوب محنت کیجئے اور پھر اپنے ظن غالب کے مطابق طالبات کے سوالوں کے جواب دے دیجئے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر آپ کو کسی جواب کے بارے میں شک ہو اور صحیح بات واضح نہ ہو تو کہہ دیں کہ مجھے

اس کا جواب معلوم نہیں اور وعدہ کرلیں کہ میں تحقیق کے بعد اس سوال کا جواب دوں گی اور پھر کتب کے مطالعہ کے بعد یا اہل علم سے پوچھ کر جواب دے دیں تاکہ صحیح جواب دیا جاسکے۔

——— شیخ ابن باز ———

طلبہ کی غلطیاں

سوال ہم نے دیکھا ہے کہ بعض طلبہ یونیورسٹی کیفے ٹیریا سے طے شدہ کھانے سے زیادہ لے لیتے ہیں مثلاً طے یہ ہے کہ وہ چار قسم کی چیزیں لے سکتے ہیں مگر وہ پانچ قسم کی لے لیتے ہیں اور اس طرح لی ہوئی زیادہ چیز کی قیمت بھی ادا نہیں کرتے' اسی طرح بعض طلبہ مطالعہ گاہ میں رکھے ہوئے اخبارات و مجلات اٹھا کر اپنے کمروں میں لے جاتے ہیں حالانکہ وہ سب کے مطالعہ کے لیے رکھے گئے ہوتے ہیں؟

جواب یہ دونوں کام جائز نہیں ہیں اس لیے کہ سوال میں مذکور پہلی بات کے مطابق طے شدہ شیڈول سے زیادہ لینا حرام ہے کیونکہ یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے الا یہ کہ وہ اس کی قیمت ادا کردے یا طلبہ کے کھانے کے نگران سے اس کی اجازت لے لے یا بعد میں اسے بتا کر راضی کرلے کیونکہ یہ اس کا حق ہے اور جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے یعنی جو چیز سب کے لیے مشترک ہے' اسے صرف اپنے لیے ترجیح دینا تو یہ بھی جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس سلسلہ میں کوئی باقاعدہ پروگرام ترتیب دے دیا گیا ہو مثلاً جس طرح لائبریری سے کچھ دنوں کے لیے کتاب مستعار لی جاسکتی ہے اور پھر اسے واپس لوٹا دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ایک جائز طریقہ ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غیر حاضر کی حاضری لگوانا جائز نہیں

سوال کبھی کبھی میرا ساتھی لیکچرار مجھ سے کہتا ہے کہ میں اس کی بھی حاضری لگوا دوں لہٰذا حاضری رجسٹر میں میں اس کا نام بھی لکھ دیتا ہوں تو کیا یہ انسانی خدمت ہے یا دھوکا و فریب ہے؟

جواب یہ ایک خدمت تو ہے لیکن یہ انسانی نہیں بلکہ شیطانی خدمت ہے' جس پر شیطان اسے آمادہ کرتا ہے جو یہ کام کرتا اور ایک غیر حاضر لیکچرار کی حاضری لگوا دیتا ہے حالانکہ اس میں خرابی کے تین پہلو ہیں:

پہلی خرابی یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس شعبہ میں ذمہ دار لوگوں کی یہ خیانت ہے اور تیسری خرابی یہ ہے کہ اس طرح غیر حاضر لیکچرار اپنے آپ کو اس تنخواہ کا مستحق قرار دے لیتا ہے' جو اسے حاضری کی صورت میں ملنی چاہیے' تو وہ تنخواہ لے لیتا ہے اور اسے کھاتا ہے لہٰذا یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک خرابی ایسی ہے جس کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا جاسکتا ہے' جسے سائل نے اپنے سوال میں انسانی خدمت قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ تمام انسانی امور مطلقاً قابل ستائش نہیں ہیں بلکہ ان میں سے جو شریعت کے مطابق ہوں گے وہ محمود اور جو مخالف شریعت ہوں گے وہ مذموم قرار پائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کام خلاف شریعت ہو اسے انسانی کام کہنا ہی غلط ہے کیونکہ وہ انسانی نہیں بلکہ حیوانی کام ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو حیوانوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾ ﴾ (محمد٤٧/ ١٢)

"وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٤٤)

"یہ تو چوپایوں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

پس ہر وہ کام جو شریعت کے مخالف ہو وہ حیوانی کام ہے' انسانی نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

امتحان میں دھوکا

سوال امتحانات میں دھوکا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں نے بہت سے طلبہ کو امتحانات میں دھوکا کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں سمجھایا لیکن انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں' لہٰذا آپ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب دھوکا حرام ہے خواہ امتحانات میں ہو یا عبادات میں یا معاملات میں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

"جو ہمیں دھوکا دے' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

اس میں چونکہ دنیا و آخرت کے بہت سے نقصانات ہیں' اس لیے واجب ہے کہ خود بھی اس سے اجتناب کیا جائے اور دوسروں کو بھی اس کے ترک کرنے کی تلقین کی جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

انگریزی کے مضمون میں دھوکا

سوال میں ریاض کے ایک کالج کا طالب علم ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض طلبہ امتحانات کے وقت بعض مضامین مثلاً انگریزی وغیرہ میں نقل کرتے ہیں اور جب اس کے بارے میں میں نے ان سے گفتگو کی تو انہوں نے جواب دیا کہ انگریزی کے مضمون میں نقل مارنا حرام نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کا فتویٰ دیا ہے' امید ہے آپ اس فعل اور اس فتویٰ کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب لاریب یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

"جو ہمیں دھوکا دے' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

یہ فرمان نبوی عام ہے لہٰذا دھوکا جائز نہیں ہے خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا امتحانات سے اور امتحان بھی خواہ انگریزی کے مضمون کا ہو' لہٰذا اس حدیث اور اس کے ہم معنی دیگر احادیث کے عموم کے پیش نظر طلبہ و طالبات کے لیے

کسی بھی مضمون میں دھوکا وغیرہ جائز نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

امتحانات میں دھوکا دینے کے بارے میں شرعی حکم

سوال امتحانات میں دھوکا دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُولِهِ وَآلِهِ وَبَعْد:

جواب تو خود اس سوال ہی میں موجود ہے۔ کیونکہ سائل نے سوال یہ کیا ہے کہ امتحان میں دھوکا دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یعنی سائل اس کے دھوکا ہونے کا خود اقرار کر رہا ہے اور دھوکا دینے کے بارے میں حکم شریعت بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

”جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امتحان میں دھوکے کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔

جو ان مالی نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں، جن کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کیونکہ اس میں تو درحقیقت پوری امت ہی کی خیانت ہے۔ جو شخص کسی دھوکا اور فریب سے امتحان میں پاس ہوتا ہے، تو اس نے اپنے آپ کو اس مقام و مرتبہ کا اہل قرار دے لیا، جس کا وہ اس امتحان پاس کرنے کی وجہ سے مستحق ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو اس طرح اس ادارے میں جس میں یہ کام کرے گا، سارے معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ دوسرا اس دھوکے کا ثقافتی اعتبار سے بھی نقصان ہے اور وہ یہ کہ امت کے تعلیم یافتہ افراد اگر دھوکہ فریب سے امتحان پاس کر کے آتے ہوں تو ان کی علمی استعداد بہت پست ہو گی۔ وہ قدم قدم پر دوسرے کے محتاج ہوں گے۔ جو شخص جعلی طریقے سے امتحان پاس کر کے آیا ہو، وہ تعلیم و ثقافت میں طلبہ کی صحیح راہنمائی کس طرح کر سکے گا، اس طرح کی جعل سازی کرنے والا حکومت کو بھی دھوکا دیتا ہے۔ حکومت اس طرح کی جعل سازی اور دھوکا بازی کو قطعاً پسند نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ امتحانات میں اس کے سد باب کے لیے بہت سے نگرانوں کو متعین کیاجاتا ہے لہٰذا دھوکہ و فریب کو کام میں لانے والا حکومتی نظام کی خلاف ورزی کر کے حکومت کی بھی خیانت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَـٰنَـٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَـٰدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٢٧-٢٨)

”اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔“

اس دھوکا دہی میں مضمون کے اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی تفسیر کے مضمون میں دھوکا کرے یا انگریزی زبان کے مضمون میں، اس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ہر مضمون میں کامیابی پر ہی طالب علم کے ایک تعلیمی مرحلہ

سے دوسرے مرحلہ میں جانے کا انحصار ہے اور پھر اسی کامیابی ہی کی بنیاد پر طالب علم کو ڈگری ملتی ہے لہٰذا ان میں سے ہر مضمون میں جعل سازی دھوکا ہے اور ہر دھوکا حرام ہے لہٰذا میں اپنے عزیز طلبہ اور نوجوانوں کے لیے اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ وہ اس حد تک پستی میں گر جائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ محنت و کوشش اور لیاقت و قابلیت کے ساتھ بلند مراتب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس میں دنیا و آخرت کی بہتری و بھلائی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حوصلہ افزائی کے لیے تالیاں بجانا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے بچے کی دل جوئی کے لیے تالیاں بجائے یا کوئی استاد کلاس میں طلبہ سے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی کے لیے تالیاں بجوائے؟

جواب تالی نہیں بجانا چاہیے۔ اس کے لیے جو کم سے کم بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ تالی بجانا شدید مکروہ ہے کیونکہ یہ عادات جاہلیت میں سے ہے اور پھر یہ کہ تالی بجانا تو عورتوں کے خصائص میں سے ہے کہ انہیں حکم ہے کہ نماز میں اگر امام سے کوئی سہو ہو جائے اور وہ اسے مطلع کرنا چاہیں تو وہ سبحان اللہ کہنے کی بجائے تالی بجائیں۔ و باللّٰہ التوفیق' و صلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تصویروں والی کتاب اور مجلّات و جرائد---

سوال میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم ہوں۔ مجھے کتب اور اخبارات و مجلّات کے مطالعہ کا بہت شوق ہے' جس کی وجہ سے میں نے بہت سے اسلامی' ثقافتی اور عسکری مجلّات اپنے نام جاری کروا رکھے ہیں' لیکن ان میں سے بعض بلکہ اکثر میں انسانی تصاویر ہوتی ہیں۔ میں اپنی ذاتی لائبریری میں ان مجلّات کو محفوظ رکھتا ہوں جب کہ ان میں تصویریں بھی ہوتی ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ احادیث نبویہ میں مصوروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے' امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں کوئی جامع مانع حل پیش فرمائیں گے' جس سے یہ مشکل دور ہو جائے؟

جواب مفید کتابوں اور اخبارات و مجلّات کے محفوظ رکھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ خواہ ان میں تصویریں ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر عورتوں کی تصویریں ہوں تو واجب ہے کہ انہیں مٹا دیا جائے اور اگر مردوں کی تصویریں ہوں تو ان کے سروں کو کاٹ دینا ہی کافی ہو گا تاکہ اس سلسلہ میں وارد صحیح احادیث کے مطابق عمل ہو سکے۔

——— شیخ ابن باز ———

یادگار کے لیے تصویریں

سوال ہم طالب علم ساتھیوں یا اپنے دوستوں کے ساتھ جب کسی جگہ سیر و سیاحت کے لیے جاتے ہیں تو محض یادگار کے لیے تصویریں بھی بنا لیتے ہیں۔ ان تصویروں کے بارے میں کیا حکم ہے جو محض یادگار کے طور پر بنائی گئی ہوں؟

جواب ان تصویروں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر یہ جاندار چیزوں کی ہوں تو یہ حرام ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٩ واللفظ له)

"روز قیامت سب سے زیادہ شدید عذاب مصوروں کو ہو گا۔"

نبی ﷺ نے مصوروں پر لعنت بھی فرمائی ہے [1] اور اگر تصویریں بے جان چیزوں مثلاً گاڑی' ہوائی جہاز اور کھجور کے درخت وغیرہ کی ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

تالی اور سیٹی بجانا

سوال لوگ محفلوں میں جو تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات غیر مسلموں سے لی گئی ہے' لہٰذا مسلمانوں کو اسے اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان کو جب کوئی بات اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ اکبر یا سبحان اللہ پڑھے لیکن ان کلمات کا بھی اجتماعی شکل میں پڑھنا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں' صحیح نہیں ہے' لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں ان کلمات کو پڑھے۔ کسی خوشی کے موقع پر اجتماعی شکل میں ان کلمات کے پڑھنے کے بارے میں مجھے کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

محفلوں میں تالی بجانا

سوال مجلسوں میں اور محفلوں میں مردوں کے تالی بجانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب محفلوں میں تالی بجانا اعمال جاہلیت میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکروہ ہے ورنہ دلیل کے ظاہر سے تو یہ حرام معلوم ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کفار مکہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ ٱلْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَتَصْدِيَةً ﴾ (الأنفال٨/ ٣٥)

"اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔"

علماء فرماتے ہیں کہ ﴿ مُكَاء ﴾ کے معنی سیٹی بجانا اور ﴿ تَصْدِيَه ﴾ کے معنی تالی بجانا ہے۔ مرد مومن کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ جب کوئی پسندیدہ یا ناپسندیدہ بات دیکھے یا سنے تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے جیسا کہ نبی ﷺ سے مروی بہت سی

[1] صحیح البخاری' الطلاق' باب مهر البغی والنکاح الفاسد' حدیث: 5347

احادیث سے ثابت ہے۔[1] تالی بجانے کا حکم تو بطور خاص عورتوں کے لیے ہے اور وہ بھی اس وقت جب وہ مردوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کر رہی ہوں اور امام سے نماز میں کوئی سہو ہو جائے تو اسے متنبہ کرنے کے لیے وہ تالی بجا سکتی ہیں جیسا کہ مرد ایسی صورت میں سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کرتے ہیں جیسا کہ صحیح سنت سے یہ ثابت ہے۔[2] اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مردوں کے تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مشابہت ممنوع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

استانی کے احترام میں طالبات کا کھڑا ہونا

سوال استانی کے احترام میں طالبات کے کھڑے ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب طالبات کو استانی اور طلبہ کو استاد کے لیے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ شدید مکروہ ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا مگر آپ جب تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك، ح:٥٢٢٩)

”جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ کھڑے ہو کر اس کا احترام بجالائیں' وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔“

اس مسئلہ میں مردوں اور عورتوں کے لیے ایک جیسا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' اپنی ناراضی کے کاموں سے بچائے اور ہم سب کو علم نافع اور اس کے مطابق عمل کی توفیق سے نوازے۔ انہ جواد کریم۔

——— شیخ ابن باز ———

طالبات کو مارنا

سوال ادب سکھانے یا علم پڑھانے کے لیے بوقت ضرورت طالبات کو مارنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب معلم و مدرس کو چاہیے کہ بچے اور بچیاں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے' ان سے نرمی اور شفقت کا سلوک کرے اور اگر کوئی جسمانی سزا دینے کی ضرورت پیش آ جائے بشرطیکہ وہ جسم پر اثر انداز نہ ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ بے وقوف لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ برا معاملہ کرتے اور اساتذہ کرام کا احترام بجا نہیں لاتے' لہٰذا کبھی سختی اور شدت اختیار کرنے کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے' جو نرمی و شفقت سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری' العلم' باب العلم والعظة باللیل' حدیث:115 و صحیح مسلم' الإیمان' باب بیان کون هذه الامة ---' حدیث:221

[2] صحیح البخاری' العمل فی الصلاة' باب التصفیق للنساء حدیث: 1203 و صحیح مسلم' الصلاة' باب تسبیح الرجل و تصفیق المرأة إذا نابها شیء فی الصلاة' حدیث: 422

―――― شیخ ابن جبرین ――――

عورتوں کے لیے انجینئرنگ اور کیمسٹری کی تعلیم حاصل کرنا

سوال کیا لڑکیوں کے لیے بعض علوم طبیعیات مثلاً کیمسٹری اور فزیالوجی وغیرہ کی تعلیم میں تخصص کرنا جائز ہے؟

جواب عورتوں کو ایسے علوم میں تخصص نہیں کرنا چاہیے' جو ان کے لیے مناسب نہ ہوں کیونکہ ایسے بہت سے میدان ہیں' جو ان کے لیے مناسب ہیں مثلاً اسلامیات' عربی زبان و ادب وغیرہ لیکن کیمسٹری' انجینئرنگ' فلکیات اور جغرافیہ وغیرہ ایسے مضامین ہیں جو عورتوں کے لیے مناسب نہیں ہیں' لہٰذا عورتوں کو ایسے مضامین کا انتخاب کرنا چاہیے جو خود ان کے لیے اور معاشرے کے لیے منفعت بخش ہوں۔ مردوں کو بھی چاہیے کہ وہ انہیں ایسی تعلیم دلائیں جو ان سے متعلق ہو مثلاً عورتوں سے متعلق طب اور گائنی وغیرہ۔

―――― شیخ ابن باز ――――

۳۴

الرّؤیٰ والأحلام

خوابوں کی تعبیر سے متعلّقہ فتوے

خوابوں کی تعبیر

جو شخص برا خواب دیکھے تو وہ کیا کرے؟

سوال میرا ایک چچا تھا' جو اپنی زندگی میں مجھے ناپسند کرتا تھا' وہ مجھے برداشت نہیں کرتا اور مارتا تھا' اب وہ فوت ہو گیا ہے اور ان دنوں میں نے بہت برے خواب دیکھے ہیں۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے اور میری چھوٹی بچی کو پکڑنا چاہتا ہے لیکن میں بھاگ جاتا ہوں اور وہ مجھے نہیں پکڑ سکتا' امید ہے راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میری یہ پریشانی دور ہو جائے؟

جواب یہ برے اور ڈراؤنے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان برا خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک لے اور تین بار شیطان سے اور اس برے خواب سے جو اس نے دیکھا ہو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس سے یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہاں اس خواب کے بارے میں وہ کسی کو بتائے بھی نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے' لہٰذا جب کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے' شیطان اور برے خواب سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس سے یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اس کے بارے میں وہ کسی کو بتائے بھی نہیں اور اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور جس سے وہ محبت کرتا ہے اس کو بتا دے۔" (1)

——— شیخ ابن باز ———

میرا خواب سچا ہو جاتا ہے

سوال میں اٹھارہ برس کی ایک لڑکی ہوں اور بحمد اللہ راہ راست پر اور دین کی پابند ہوں لیکن میں اکثر و بیشتر ڈراؤنے خواب دیکھتی ہوں مگر چند دنوں بعد ہی سپیدۂ سحر کی طرح ان کی تعبیر سامنے آ جاتی ہے اور میرے گھر والوں اور خاندان کو آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں جب اس قسم کے خواب دیکھتی ہوں تو اپنے گھر والوں کو بھی بتا دیتی ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ امید ہے آپ اس معاملے کی بابت ایسا فتویٰ عطا فرمائیں گے' جس سے میرے یہ مصائب ختم ہو جائیں؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ جب کوئی شخص ڈراؤنا خواب دیکھے تو وہ بیدار ہونے پر اپنے بائیں طرف تین بار تھوک لے' شیطان اور برے خواب سے اللہ کی تین بار پناہ مانگے اور کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس سے یہ ڈراؤنا خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اس خواب کے بارے میں کسی کو نہ بتائے کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے برا خواب دیکھنے والے کو یہی ہدایات فرمائی ہیں' جو ذکر کی گئی ہیں--- اگر کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور

---

(1) صحیح البخاری' بدء الخلق' باب صفة إبلیس و جنوده' حدیث: 3292' 5747' 6985 و صحیح مسلم' الرؤیا' باب فی کون الرؤیا من اللہ و أنها جزء من النبوة' حدیث: 2261

جس کو وہ پسند کرتا ہے اس کو بتا دے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ [1]

—— شیخ ابن باز ——

مجھے بار بار یہ ڈراؤنا خواب آتا ہے

سوال مجھے بار بار یہ خوفناک اور ڈراؤنا خواب ستاتا ہے کہ میرے منہ میں آٹے جیسی کوئی چیز پڑ جاتی ہے' جس سے سانس لینے اور بات کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہے اور جب بھی میں اسے ہاتھ کے ساتھ اپنے منہ سے باہر نکالتا ہوں تو اس کی بجائے وہی چیز اور منہ میں آ جاتی ہے اور میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں اور اس خواب سے بہت ڈرتا ہوں' جس نے میری زندگی کو تنگ کر رکھا ہے اور میں ہمیشہ اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں' نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ میں نماز روزے کی پابندی بھی کرتا ہوں اور حج بھی کر رکھا ہے' میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کرتا رہتا ہوں لیکن دو سے چار یا پانچ ماہ کے دوران میں ایک بار یہ خواب ضرور آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس ڈراؤنے خواب کی آپ سے کوئی تعبیر مل جائے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ آپ کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس وقت تک اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے؟

جواب یہ شیطانی خواب ہے۔ آپ کے لئے اور ہر مسلمان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ جب کوئی شخص برا خواب دیکھے تو اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے' شیطان اور برے خواب کے شر سے تین بار اللہ کی پناہ مانگے اور پھر اپنی دوسری کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس طرح اسے خواب سے کوئی نقصان نہیں ہو گا' اور اس خواب کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا شیطان کی طرف سے۔ اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو وہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے' شیطان اور اس خواب کے شر سے تین بار اللہ سے پناہ مانگے اور پھر اپنی کروٹ بدل لے' اس سے یہ خواب اسے نقصان نہیں پہنچائے گا' نیز اس خواب کے بارے میں وہ کسی کو کچھ نہ بتائے۔'' [2]

یہ صحیح حدیث مومنوں کے لیے باعث راحت ہے کہ جب بھی کوئی مومن مرد یا عورت برا خواب دیکھے تو وہ اس حدیث پر عمل کرلے۔ یہ بحمد اللہ ایک عظیم اور بہت آسان دواء ہے۔ میرے بھائی! آپ اس پر عمل کریں اور اس عظیم نبوی دواء کی وجہ سے اپنے دل کو اطمینان و راحت بخشیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

خواب میں سفید چاول دیکھنا

سوال میں خواب میں سفید چاول کثرت سے دیکھتا ہوں' اس کی کیا تعبیر ہے؟

جواب میں خواب کی تعبیر نہیں جانتا لیکن خوابوں کی تعبیر کے بارے میں سوالات کی کثرت کی وجہ سے اپنے بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ نبی ﷺ نے یہ راہنمائی فرمائی ہے کہ اگر انسان کوئی برا خواب دیکھے تو وہ شیطان مردود سے

---

[1] حوالہ مذکور [2] حوالہ مذکور

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے' اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے اور یہ پڑھ لے:

«أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَمِنْ شَرِّ مَا رَأَيْتُ»(لم أجده بهذا اللفظ)

''میں شیطان کے شر سے اور جو خواب میں نے دیکھا ہے' اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔''

برے خواب کے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور جس کروٹ پر پہلے لیٹا ہوا تھا اسے بدل لے اور اگر اس وقت اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے تو یہ افضل ہے' اس طرح کرنے سے اس کو یہ خواب کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا خواہ وہ کتنا ہی ڈراؤنا کیوں نہ ہو اور اس طرح انسان بہت سے غموں اور فکروں سے بھی محفوظ رہے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خواب میں کسی مردہ انسان کو دیکھنا

سوال خواب میں ہمیشہ کسی مردہ انسان کو دیکھنے کی کیا تعبیر ہے؟

جواب اگر مردہ کو خواب میں دیکھنے کی اچھی صورت ہو تو اس کے لیے بہتری و بھلائی کی امید ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ شیطانی کارروائی ہو سکتی ہے کیونکہ شیطان کبھی اپنے آپ کو اس طرح کسی مردہ انسان کی ناپسندیدہ صورت میں بھی پیش کرتا ہے' جس سے زندہ انسان کو حزن و ملال ہو کیونکہ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام کرے' جن سے مومنوں کو غم و فکر اور حزن و ملال لاحق ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾

(المجادلة٨٥/ ١٠)

''(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں' (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غم ناک ہوں جب کہ وہ (شیطان) اذنِ الٰہی کے بغیر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

لہٰذا انسان اگر کسی مردہ کے حوالہ سے خواب میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے' تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شیطان اور اس برے خواب کے شر سے پناہ مانگے اور اس میت کے بارے میں جو خواب دیکھا ہو وہ کسی سے بیان نہ کرے' اس سے میت کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب بھی انسان خواب میں کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ شیطان اور اس برے خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے' اپنے بائیں طرف تین بار تھوک لے اور جس کروٹ پر پہلے لیٹا ہوا تھا' اسے بدل لے اور اگر وہ وضو کر کے نماز بھی پڑھ لے تو یہ بہت پاکیزہ اور افضل بات ہے' اور جو اس نے برا خواب دیکھا ہو' اس کے بارے میں کسی سے بات نہ کرے اس سے یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مردوں کو دیکھنا

سوال کیا موت کے خواب یا خواب میں مردوں کو دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انسان جلد فوت ہو جائے گا؟ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے تاکہ ان برے خوابوں سے جان چھوٹ جائے؟

جواب یہ خواب جس سے انسان ڈر جائے اور گھبرا جائے' یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ شیطان اس بات کا

خواہش مند ہے کہ وہ ہر مسلمان کو غم و اندوہ میں مبتلا کر دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾

(المجادلة ۵۸/ ۱۰)

"(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غم ناک ہوں۔ جب کہ وہ (شیطان) اذن الٰہی کے بغیر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

اسی طرح یہ ڈراؤنے خواب جو انسان کو غم و فکر میں مبتلا کر دیتے ہیں' یہ بھی شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں' اس لیے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اپنے بائیں طرف تین بار تھوک دے اور کہے:

«أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَمِنْ شَرِّ مَا رَأَيْتُ»(لم أجده بهذا اللفظ)

"میں شیطان کے شر سے اور میں نے جو خواب دیکھا ہے' اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔"

اور جب تم خواب میں موت وغیرہ یعنی ایسی چیز کو دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اس وقت اس طرح کرو جس طرح نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تین بار بائیں جانب تھوک دو' نیز شیطان کے شر اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ اور پھر اس کے بعد اگر سونا چاہو تو دوسری کروٹ پر سو جاؤ اور جب سو کر اٹھو تو اس برے خواب کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤ' اس طرح اس خواب سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

انسان اگر موت کے بارے میں کوئی خواب دیکھے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عنقریب مرجائے گا بلکہ یہ بھی ایک شیطانی خواب ہے تاکہ وہ ایسے خواب کی وجہ سے مسلمان کو غم و فکر میں مبتلا کر دے۔ اس طرح کا خواب دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے اور اس کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرنی چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میں خواب میں فضا میں اڑتا ہوں

سوال میں کبھی کبھی خواب دیکھتا ہوں کہ فضا میں پرندوں کی طرح اڑ رہا ہوں۔ بعض اوقات ایسے خواب بھی دیکھتا ہوں جو سچے ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح خواب میں بعض اشخاص کو دیکھتا ہوں تو پھر بیداری کے عالم میں بھی ان سے ملاقات ہو جاتی ہے' اس سے جہاں مجھے خوشی ہے' حیرت بھی ہے اس کی کیا تعبیر ہے؟

جواب ان خوابوں کے نتائج سے نہ ڈرو اور نہ ان کی تعبیر معلوم کرنے کی کوشش کرو کیونکہ خواب تعبیر بیان ہونے تک پرندے کے پر پر ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ اسی طرح رونما ہو جاتا ہے۔ اکثر خوابوں کا تعلق اس گفتگو سے ہوتا ہے' جو انسان عالم بیداری میں کرتا رہتا ہے اور جن امور کے بارے میں وہ زیادہ اہتمام کرتا رہتا ہے' وہ خواب میں بھی اسی طرح نظر آتے رہتے ہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ خواب کی پورے وثوق کے ساتھ کوئی معین تعبیر بیان کرنے میں توقف سے کام لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

٣٥

الرشوة وآثارها

رشوت اور اُس کے اثرات ونتائج

رشوت اور اس کے اثرات و نتائج

رشوت کبیرہ گناہ ہے

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے اپنے مسلمان بھائیوں میں سے ہر اس شخص کے نام جو اسے دیکھے یا سنے' اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے اور انہیں عذاب جہنم سے بچائے!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' اما بعد:

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ حرام قرار دیا' ان میں سے ایک رشوت بھی ہے۔ رشوت یہ ہے کہ اپنی کسی ایسی مصلحت کے پورا کرنے کے لیے کسی ایسے ذمہ دار شخص کی خدمت میں مال پیش کرنا جس پر اس مال کے بغیر اسے پورا کرنا واجب تھا۔ اور اگر رشوت دینے سے مقصود اپنے حق کا حصول نہ ہو' بلکہ اس سے مقصود کسی حق کا ابطال یا کسی باطل کا احقاق یا کسی پر ظلم کرنا ہو تو پھر اس کی حرمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

ابن عابدین (شامی) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "حاشیہ" میں لکھا ہے کہ رشوت وہ ہے جسے ایک شخص کسی حاکم وغیرہ کو اس لیے دیتا ہے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کردے یا اسے وہ ذمہ داری دے جسے وہ چاہتا ہے۔ انہوں نے اس تعریف کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ رشوت عام ہے خواہ مال ہو یا کسی اور طرح کی منفعت اور "حاکم" سے مراد قاضی (جج) ہے اور "وغیرہ" سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے ہاں رشوت دینے والے کی مصلحت پوری ہو سکتی ہو خواہ اس کا تعلق حکمرانوں سے ہو یا سرکاری ملازمین سے یا خاص اعمال بجا لانے والے ذمہ داروں سے مثلاً تاجروں' کمپنیوں اور جاگیرداروں کے نمائندے وغیرہ۔ "فیصلہ" سے مراد یہ ہے کہ رشوت لینے والا رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق فیصلہ کردے تاکہ رشوت دینے والے کا مقصد پورا ہو جائے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔

برادران اسلام! رشوت ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام قرار دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اس کام کے کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے لہٰذا واجب ہے کہ اس سے خود بھی اجتناب کیا جائے اور لوگوں کو بھی اس سے اجتناب کی تلقین کی جائے کیونکہ یہ فساد عظیم' گناہ کبیرہ اور بھیانک نتائج کا سبب بنتی ہے۔ یہ گناہ اور ظلم کی ان باتوں سے ہے جن پر تعاون کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن

تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ' ہاں اگر باہم رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے۔)" اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾﴾ (البقرة٢/ ١٨٨)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔"

رشوت' باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتوں میں سے انتہائی بد ترین صورت ہے کیونکہ اس میں دوسرے انسان کو مال اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ اسے حق سے منحرف کر دیا جائے۔ رشوت دینا' لینا اور درمیان میں معاملہ کروانا سب حرام ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَعَنَ اللهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ وَالرَّائِشَ» (المعجم الكبير للطبراني: ٢/ ٩٤ ح: ١٤١٥ ومسند أحمد: ٥/ ٢٧٩ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٤/ ١٠٣ واللفظ له)

"رشوت لینے والے' دینے والے اور دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کے معنی اس کے فیضان رحمت سے دھتکارنے اور دور کر دینے کے ہیں--نعوذ باللہ من ذلک-- اور یہ سزا کسی کبیرہ گناہ ہی کی ہو سکتی ہے۔ رشوت کا تعلق ان حرام کاموں سے ہے' جن کی حرمت کا قرآن میں بھی ذکر ہے اور سنت میں بھی اور حرام کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مذمت کی اور اسے ان کی بہت بڑی برائی قرار دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ﴾ (المائدة٥/ ٤٢)

"(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔" اور فرمایا:

﴿ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُواْ يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾﴾ (المائدة٥/ ٦٢-٦٣)

"اور تم دیکھو گے کہ ان میں سے اکثر گناہ' زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے' بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔" مزید فرمایا:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ ٱلرِّبَوٰاْ وَقَدْ نُهُواْ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ﴾ (النساء٤/ ١٦٠-١٦١)

"تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں' جو ان کے لیے حلال تھیں' حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے

جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔"

بہت سی احادیث مبارکہ میں اس حرام چیز سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے بھیانک انجام کو بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ لَحْمٍ أَنْبَتَهُ السُّحْتُ فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ»(تفسير ابن جرير الطبري: ٦/ ١٥٦)

"ہر وہ گوشت جو مال حرام سے پیدا ہوا ہو' جہنم کی آگ ہی اس کے لیے زیادہ مستحق ہے۔"

عرض کیا گیا: مال حرام سے کیا مراد ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ»(تفسير ابن جرير الطبري: ٦/ ١٥٦)

"فیصلہ کرنے کے لیے رشوت قبول کرنا۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهَا الرِّبَا إِلاَّ أُخِذُوا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا إِلاَّ أُخِذُوا بِالرُّعْبِ»(مسند أحمد: ٤/ ٢٠٥)

"جس قوم میں سود عام ہو جائے تو وہ قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے' اس پر دشمن کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔"

امام طبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "حرام یہ ہے کہ دین کے امور میں رشوت طلب کی جائے" [1]

امام موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں لکھا ہے کہ حسن اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے "اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد رشوت ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ قاضی اگر رشوت قبول کرے تو رشوت اسے کفر تک پہنچا دیتی ہے' کیونکہ وہ گویا اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے بغیر کسی اور حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے بغیر فیصلہ کرے تو وہ کافر ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَـٰلِحًا ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥١) ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا رَزَقْنَـٰكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح: ١٠١٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا۔ "اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو۔ اور مومنوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: "اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں' ان کو کھاؤ۔ پھر آپ نے ایک ایسے

[1] المعجم الكبير للطبراني: 226/9' حديث: 9099

آدمی کا ذکر کیا جو بہت لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ حال اور غبار آلود ہے' اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے یا رب! یا رب! لیکن اس کا کھانا حرام ہے' اس کا پینا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے' حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہو؟"

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو' اس کی ناراضی سے بچو' اس کے غضب کے اسباب سے اجتناب کرو کہ جب اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بہت غیور ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

«لاَ أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ولا تقربوا الفواحش . . . الخ، ح: ٤٦٣٤ وصحيح مسلم، التوبة، باب غيرة الله تعالى و تحريم الفواحش، ح: ٢٧٦٠)

"اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اور زیادہ غیرت والا نہیں ہے۔"

لہٰذا تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو مال حرام اور اکل حرام سے بچاؤ' اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی اس آگ سے بچاؤ' جو اس گوشت کی زیادہ مستحق ہے' جو حرام سے پیدا ہوا ہو۔ حرام کھانا دعاء کی قبولیت میں حجاب بن جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ثابت ہے' جو صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہے' نیز طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس آیت کی تلاوت کی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا﴾ (البقرة٢/ ١٦٨)

"لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں' وہ کھاؤ۔"

توسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعاء بنادے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَاسَعْدُ أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِي جَوْفِهِ مَا يُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، وَأَيُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ وَالرِّبَا فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهِ»(المعجم الاوسط للطبراني: ٥/ ٣٤، ح: ٦٤٩٥)

"اے سعد! اپنا کھانا پاک کرلو' مستجاب الدعا بن جاؤ گے۔ اس ذات گرامی کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان جس کے ہاتھ میں ہے! بندہ جب ایک حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ جس بندے کا گوشت مال حرام سے پلا بڑھا ہو' جہنم کی آگ ہی اس کی زیادہ مستحق ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کا پاک نہ ہونا اور رزق کا حلال نہ ہونا قبولیت دعا میں مانع ہے اور دعا کے دربار الٰہی تک پہنچنے میں حجاب ہے اور حرام کھانے والے کے لیے یہ کس قدر وبال اور خسارے کا سودا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک!

اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ یعنی جہنم کی آگ' اللہ کے عذاب اور دیگر دردناک سزاؤں سے خود بھی نجات حاصل کرو اور اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے نجات دلاؤ۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝٦﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ' جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر سخت دل اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دیتا ہے' اس کی نافرمانی نہیں

کرتے اور وہ جو حکم دیئے جاتے ہیں بجالاتے ہیں۔"

مسلمانو! اپنے رب کے اس فرمان پر لبیک کہو' اس کے امر کی اطاعت بجالاؤ' اس کی نہی سے اجتناب کرو اور اس کے غضب کے اسباب سے بچو' دنیا و آخرت میں شاد کام ہو جاؤ گے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَٱتَّقُواْ فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٢٤ـ٢٥)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ (ﷺ) تمہیں ایسے کام کرنے کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی (جاوداں) بخشتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ' آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے روبرو جمع کیے جاؤ گے اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گناہ گار ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنا دے جو بات سنتے ہیں تو اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں' جو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے عملوں سے بچائے' اپنے دین کی مدد فرمائے' اپنے کلمہ کو سربلندی نصیب کرے اور ہمارے حکمرانوں کو ہر اس بات کی توفیق بخشے' جس میں بندوں اور شہروں کی بھلائی اور بہتری ہو' بے شک وہی کارساز و قادر ہے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ رشوت ہے؟

سوال میں "مبرد" ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا ہوں اور پھلوں اور سبزیوں کو مدینہ سے جدہ یا مکہ یا ریاض میں پہنچاتا ہوں اور جب میں پہنچ جاتا ہوں تو سبزیوں کا مالک مجھے ایک سو یا دو سو ریال دے دیتا ہے کیونکہ میں نے ان سبزیوں وغیرہ کو بہت جلد پہنچا دیا ہوتا ہے اور کمپنی کے مالک کو بھی اس کا علم ہوتا ہے تو میرا سوال یہ ہے کہ یہ ریال یا یہ اعزازیہ حلال ہے یا حرام؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہماری رائے میں اس نقدی کے لینے میں جسے سبزیوں کا مالک دیتا ہے اور کمپنی کے مالک کے علم میں ہے' کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے سبزیوں کا مالک آپ کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا ہے کہ آپ نے سبزیوں وغیرہ کو خراب ہونے سے پہلے جلد پہنچادیا۔ آپ اس حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ آپ نے خوب محنت سے کام کیا اور مال کی حفاظت بھی کی اور پھر دینے والا اپنی خوشی سے دے رہا ہے' لہٰذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے خواہ یہ آپ کی اس مزدوری سے زائد ہو جس پر آپ کام کرتے ہیں کیونکہ اس سے مقصود تو آپ کی حوصلہ افزائی ہے کہ آپ نے ذمہ داری کے ساتھ جلد مال پہنچا دیا اور مال کے مالکان کی مصلحت کا خیال رکھا۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رشوت کے بارے میں حکم اور اس کے اثرات

سوال رشوت کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب نص شریعت اور اجماع امت کی روشنی میں رشوت حرام ہے۔ رشوت سے مراد وہ چیز ہے جو کسی حاکم وغیرہ کو اس لیے دی جائے تاکہ وہ حق سے اعراض کرے اور اس شخص کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر دے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے رائش پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ [1] اس سے مراد وہ شخص ہے جو دونوں کے درمیان واسطہ بن کر معاملہ طے کراتا ہے۔ بلاشبہ وہ بھی گناہ گار ہے اور مذمت' عیب اور سزا کا مستحق ہے کیونکہ وہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں معاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٢﴾

(المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

سوال مسلمان کے عقیدہ پر رشوت کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

جواب رشوت اور دیگر گناہ ایمان کو کمزور اور رب تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں اور شیطان کو بندے پر مسلط کرنے کا سبب بنتے ہیں' جس کی وجہ سے وہ انسان کو دوسرے گناہوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ رشوت اور دیگر تمام گناہوں سے اجتناب کرے اور جو کچھ ماضی میں ہوا' اس سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اسلامی معاشرے پر رشوت کے اثرات

سوال مسلمانوں کے معاشروں' مصلحتوں اور کردار و اخلاق کو تباہ کرنے میں رشوت کا کیا کردار ہے؟

جواب اس سوال کا جواب بھی مذکورہ بالا سوال کے جواب ہی سے واضح ہے' علاوہ ازیں رشوت کے برے اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے معاشرے کے کمزور افراد پر ظلم ہوتا ہے' ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں انہیں ناروا تاخیر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان قاضیوں' ججوں اور ملازموں کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں جو رشوت لیتے اور رشوت دینے والے کی خواہش کو پورا کرتے اور جو رشوت نہ دے اس کے حق کو نقصان پہنچاتے یا اسے بالکل ضائع کر دیتے ہیں۔ رشوت لینے والے کا ایمان بھی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور دنیا و آخرت کی شدید سزا کا مستحق بھی قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مہلت ضرور دیتا ہے مگر اس سے غافل نہیں ہوتا۔ ہاں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] المعجم الكبير للطبراني' 2/94' حدیث: 1415 والمستدرك على الصحيحين للحاكم: 4/103

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الآخِرَةِ، مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، ح:٤٩٠٢ وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على ... الخ، ح:٢٥١١)

"نافرمانی اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں' جو اس بات کا زیادہ مستحق ہو کہ اس کے مرتکب کو دنیا ہی میں سزا دی جائے' آخرت کی سزا تو اس کے لیے ہے ہی۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رشوت اور ظلم کی دیگر تمام اقسام کا تعلق اس نافرمانی سے ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے مال دینا

سوال ایک شخص اپنی والدہ کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آیا' وہ دونوں حاجی تھے لیکن جب لوگوں کی کثرت کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینا مشکل ہو گیا تو اس نے حجر اسود کے پاس ڈیوٹی پر کھڑے ہوئے ایک شخص کو دس ریال دیئے جس نے لوگوں کو دور ہٹا دیا' حجر اسود خالی ہو گیا اور اس شخص اور اس کی والدہ نے بوسہ دے دیا۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیا ایسا کرنے والے کا حج ہو گا یا نہیں؟

جواب اگر معاملہ اسی طرح ہے' جس طرح سوال میں مذکور ہے تو اس شخص کے لیے رشوت دینا جائز نہ تھا۔ حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے' حج کے ارکان اور واجبات میں سے نہیں' لہٰذا جو شخص دوسروں کو تکلیف دیئے بغیر چھو سکے یا بوسہ دے سکے تو اس کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے اور اگر چھونا یا بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو عصا کے ساتھ چھو لے اور اسے بوسہ دے لے اور اگر ہاتھ یا عصا سے چھونا ممکن نہ ہو تو اس کے برابر آ کر اشارہ کر دے اور اللہ اکبر کہے' یہ بھی سنت ہے۔

اس کے لیے رشوت دینا قطعاً جائز نہیں خواہ کوئی طواف کرنے والا ہو یا کوئی اور ہو' سب کو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

کام کے معاہدہ کے عوض رقم دینا

سوال میرا ایک بھائی سعودیہ میں کام کرنا چاہتا ہے اور وہ بحمد اللہ مصطفیٰ ﷺ کی سنت (سنت نبوی) کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور فتنوں اور حدود الٰہی سے تجاوز سے بہت بچنا چاہتا ہے اور یہ صورت حال (حدود الٰہی سے تجاوز وغیرہ) اسے اس کمپنی میں درپیش ہے جس میں وہ (فی الحال) کام کرتا ہے۔ اس نے اپنی سند فراغت' جو اس نے اسکندریہ یونیورسٹی کے کامرس کالج سے ۱۹۷۴ء میں شعبہ معاشیات سے حاصل کی تھی میرے پاس بھیجی ہے۔ ایک سعودی نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اگر میں اسے مبلغ پانچ ہزار ریال دے دوں تو وہ اسے سعودی ایئر لائن میں ملازمت دلوا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ معاملہ شریعت کے مطابق ہو گا' فتویٰ عطا فرمائیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے تو سعودی ایئر لائن یا کسی بھی دوسرے ادارے میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے رقم دینا کبیرہ گناہ ہے' جس طرح اس رقم کو قبول کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ رشوت ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔ (1) اس سے اجتناب کیجئے اور حلال طریقے سے رزق طلب کیجئے کیونکہ کسب حلال کے بہت سے دروازے ہیں' لہٰذا اللہ سے ڈر جائیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا ۝٢ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُۚ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢۔٣)

"جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔" وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

یہ تحائف رشوت کے حکم میں ہیں

سوال میں ایک ادارے کا مدیر ہوں۔ کچھ لوگ اپنے معاملات ختم ہونے پر مجھے بعض تحائف دے دیتے ہیں کیونکہ وہ میری ادارت سے مستغنی نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں پھر بھی کبھی نہ کبھی اس ادارے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا تو کیا میں انہیں حسن نیت پر محمول کرتے ہوئے قبول کر لوں یا یہ بھی رشوت اور حرام شمار ہوں گے؟

جواب آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ ان تحائف کو قبول نہ کریں کیونکہ یہ رشوت کے حکم میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان تحائف کے لالچ میں یا ان سے حیا کی وجہ سے آپ ان کے معاملات کو دوسروں سے مقدم قرار دیں۔ سنت سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اس قسم کے تحائف قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آپ اور آپ جیسے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کام میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور تمام مراجعت کرنے والوں کی ہمدردی و خیر خواہی کو پیش نظر رکھیں اور تمام لوگوں کی ضروریات کو پورا کریں' جو پہلے آئے اس کے کام کو پہلے کریں یا جو کام زیادہ اہم ہو اسے زیادہ اہمیت دیں۔ اپنی خواہش نفس' دوستی اور رشتہ داری کی وجہ سے نہ تو کسی پر ظلم کریں اور نہ اس کے معاملہ کو مؤخر کریں تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا ﴾ (النساء ٤/ ٥٨)

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔"

اور کامیاب ہونے والے لوگوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِأَمَٰنَٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَٰعُونَ ۝٣٢ ﴾ (المعارج ٧٠/ ٣٢)

"اور جو امانتیں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔" واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

(1) المعجم الکبیر للطبرانی: 2/94' حدیث: 1415 والمستدرک علی الصحیحین للحاکم: 4/103

٣٦

مَالُ الیَتِیْم

مالِ یتیم کے احکام ومسائل

مالِ یتیم کے احکام و مسائل

مال یتیم میں تصرف

سوال جب کسی شخص کے پاس ایک یتیم ہو' یتیم کے پاس مال بھی ہو اور وہ شخص یتیم کی مصلحتوں کا خیال بھی رکھتا ہو تو کیا اس کے لیے یتیم کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے' جب کہ یتیم کا اصل مال محفوظ ہو اور وہ اسے واپس بھی لوٹا دے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یتیموں کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور احسن طریقوں کے بغیر ان کے اموال کے پاس جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْيَتَـٰمَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ ٱلْمُفْسِدَ مِنَ ٱلْمُصْلِحِ ۚ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٠)

"اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے! ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (یعنی خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔" اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ مَالَ ٱلْيَتِيمِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُۥ ۚ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ٣٤)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ وہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔"

پس یتیم کے والی (اور سرپرست) کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ان دونوں آیتوں کے مطابق عمل کرے' یعنی یتیموں کے اموال کی اصلاح کی جائے اور ان کے بڑھانے اور ان کی حفاظت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے خواہ انہیں تجارت میں لگا دیا جائے یا کسی قابل اعتماد شخص کو دے دیئے جائیں' جو نفع میں اپنے نصف حصہ وغیرہ پر جیسا کہ وہاں کا عرف ہو' انہیں تجارت میں لگائے اور اگر وہ سارا نفع ہی یتیم کو دے دے تو یہ بہت بہتر اور افضل ہے۔ باقی رہا یتیم کے ولی (اور سرپرست) کا یتیم کے اموال میں ایسا تصرف کرنا جس سے یتیم کی بجائے خود اسے فائدہ پہنچے' اس کی ضرورتیں پوری ہوں' اور اس کی تجارت پروان چڑھے تو جیسا کہ ظاہر ہے یہ جائز نہیں کیونکہ یہ یتیم کے مال کی اصلاح نہیں ہے اور نہ احسن طریقے سے اس کے مال کے قریب جانا ہے اور اگر وہ مال کو اس لیے خرچ کرے جب کہ استعمال نہ کرنے کی صورت میں مال کے ضائع یا چوری ہونے کا اندیشہ ہو اور کوئی ایسا قابل اعتماد شخص بھی نہ ہو جسے مال بطور مضاربت دیا جا سکے تو ایسی صورت میں مال کو خرچ کرنا اصلاح اور مال یتیم کی حفاظت ہو گا بشرطیکہ والی مال دار ہو اور اس کے پاس مال باقی رہنے کی صورت میں خطرے کی کوئی بات نہ ہو۔ خلاصہء کلام یہ ہے کہ یتیم کے ولی کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ ایسے طریق کار کو اختیار کرے' جس میں یتیم کی بے حد اصلاح ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون اور پھر وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔ اگر اچھا عمل کیا تو جزائے خیر سے نوازے گا اور اگر برا عمل کیا تو بری سزا دے گا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

———— شیخ ابن باز ————

سوال ایک بچے کے والدین فوت ہو گئے تو ہم نے اسے پالنا شروع کر دیا۔ اس کے چچا اور کچھ دیگر اہل خیر اسے کچھ پیسے بھی دیتے ہیں' ممکن ہے کہ اس کے یہ پیسے ہمارے مال میں بھی شامل ہو جاتے ہوں جب کہ ہم اسے جو دیتے ہیں وہ اس سے زیادہ ہوتا ہے اور ہم اسے اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ ہماری راہنمائی فرمائیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یتیم کو جو صدقات ملتے ہیں' انہیں لینے میں تمہارے لیے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم اس پر جو خرچ کرتے ہو' وہ اس (صدقات) کے برابر یا اس سے کم ہوں اور جو رقم تمہارے اخراجات سے زیادہ ہو تو اس کی حفاظت کرو اور اسے یتیم کے لیے محفوظ رکھو اور ہاں تمہارے لیے یہ خوشخبری ہے کہ یتیم کی تربیت اور اس سے حسن سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں بے پناہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

———— شیخ ابن باز ————

سوال کیا ان یتیموں کے مال میں تصرف کیا جا سکتا ہے جو خود مالی معاملات کرنے میں کوتاہ ہوں؟

جواب یتیم کا ولی اس کے مال میں ایسا تصرف کر سکتا ہے جو یتیم کے لیے نفع اور فائدہ کا باعث ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُواْ مَالَ ٱلْيَتِيمِ إِلَّا بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُۥ ﴾ (بني إسرائيل ١٧/ ٣٤)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔"

یتیم کا والی اس کے مال میں ایسا تصرف کر سکتا ہے جس سے اس کا مال بڑھے اور جس میں اس کی مصلحت ہو۔ باقی رہا ایسا تصرف' جس سے اس کا مال کم ہو یا اسے نقصان پہنچے تو یہ جائز نہیں ہے۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

سوال میرے والد فوت ہو گئے اور انہوں نے جدہ شہر میں ایک گھر چھوڑا ہے جس میں میرے بھائیوں کی رہائش ہے۔ والد صاحب نے قریباً ایک لاکھ ریال مال بھی چھوڑا ہے۔ میری والدہ اور بھائیوں نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ میں ترکہ کے مال کے ساتھ ان کے لیے ایک بڑا گھر بنا دوں' لیکن میرا ایک بھائی بہت چھوٹا ہے اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن ظاہر ہے کہ اس کی مصلحت بھی اسی میں ہے تو کیا ہمارے لیے اس ترکہ سے گھر بنانا جائز ہے جب کہ اس چھوٹے بچے کا بھی اس میں حصہ ہے؟

جواب اگر اس چھوٹے بچے کے ولی آپ ہیں اور آپ گھر بنانے میں ہی مصلحت سمجھتے ہیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُواْ مَالَ ٱلْيَتِيمِ إِلَّا بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُۥ ﴾ (بني إسرائيل ١٧/ ٣٤)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ وہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔"

———— شیخ ابن عثیمین ————

۳۷

التّصْويْر ووَسَائل الأعْلام والغِناء والموْسِيْقیٰ

تصویر، ذرائع ابلاغ، گانا اور موسیقی سے متعلق احکام ومسائل

تصویر' ذرائع ابلاغ' گانا اور موسیقی سے متعلق احکام و مسائل

تصویر کے بارے میں حکم

سوال تصویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں کیا احادیث آئی ہیں؟ کیا سایہ دار اور غیر سایہ دار تصویروں میں کوئی فرق ہے؟ اس سلسلہ میں علمائے کرام کا راجح قول کیا ہے؟ والسلام علیکم و رحمة اللّٰه و بر کاته

جواب کسی زندہ اور اپنے ارادے سے حرکت کرنے والے جاندار مثلاً انسان' حیوان اور پرندے وغیرہ کی صورت بنانے کے عمل کو تصویر بنانا کہتے ہیں اور اس کے بارے میں حکم شریعت یہ ہے کہ یہ حرام ہے اور اس کی دلیل وہ بہت سی احادیث ہیں' جو اس کے بارے میں وارد ہیں مثلاً صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٩ واللفظ له)

"بے شک روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب مصوروں کو ہو گا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ» (صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥١ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٨)

"جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں' یقیناً انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم نے جن کو پیدا کیا تھا' اب انہیں زندہ بھی کرو۔"

صحیحین ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَّنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من صور صورة كلف يوم القيامة ... الخ، ح:٥٩٦٣ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١١٠)

"جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی تو اسے قیامت کے دن یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح بھی پھونکے حالانکہ وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔"

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ، يَجْعَلُ لَهُ، بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا، نَفْسًا فَتُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ»
(صحيح مسلم، اللباس الزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١١٠)

"ہر مصور جہنم میں جائے گا' ہر تصویر کے عوض جو اس نے بنائی اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نفس بنا دے گا جس کے ساتھ اسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔"

حضرت ابو طلحہ سے مرفوع روایت ہے:

«لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ تَمَاثِيلُ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویریں ہوں۔"

یہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث عام اور ہر تصویر کے بارے میں ہیں' خواہ اس کا سایہ ہو یا سایہ نہ ہو یعنی خواہ ان کا جسم ہو یا انہیں دیوار یا کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر منقش کر لیا گیا ہو۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو اس میں تصویریں بھی تھیں' آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور پانی کے ساتھ تصویروں کو مٹانا شروع کر دیا اور فرمایا:

«قَاتَلَ اللهُ قَوْمًا يُصَوِّرُونَ مَا لاَ يَخْلُقُونَ»(مسند أبي داود الطيالسي، ص:٨٧، ح:٦٢٣ والمعجم الكبير للطبراني:١/ ١٦٧، ح:٤٠٧)

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دے جو ایسی چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں' جنہیں وہ پیدا نہیں کر سکتے۔"

البتہ اس دور میں کرنسی نوٹ جن پر بادشاہوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور اسی طرح پاسپورٹ اور شناختی کارڈز وغیرہ جن کے پاس رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے' اس سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ان کی اجازت بھی صرف بقدر حاجت و ضرورت ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ضرورت کے بغیر تمام زندہ چیزوں کی تصویریں حرام ہیں

سوال ہمیں بعض لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ تصویریں حرام ہیں اور فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا ان حرام تصویروں سے مقصود ایسی تصویریں ہیں جو انسانوں اور حیوانوں کی طرح مجسم ہوں یا یہ حکم ان تمام تصویروں کے لیے ہے جو شناختی کارڈ اور کرنسی نوٹوں وغیرہ پر بھی بنی ہوتی ہیں۔ اگر یہ تمام تصویریں حرام ہیں تو پھر راہنمائی فرمائیں کہ گھروں کو تصویروں سے کس طرح پاک کیا جا سکتا ہے؟

جواب جی ہاں تمام زندوں کی تصویریں خواہ وہ آدمی ہوں یا حیوان حرام ہیں اور تصویریں خواہ مجسم صورت میں ہوں' یا نقش و نگار کی صورت میں ہوں یا انہیں کپڑوں پر بنایا گیا ہو یا وہ شمسی تصویریں ہوں' سب حرام ہیں اور صحیح احادیث کے عموم کے پیش نظر فرشتے ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں۔ ان میں سے صرف ان تصویروں کی رخصت ہے' جن کی ضرورت ہو مثلاً مجرم اور مشکوک لوگوں کی تصویریں تاکہ انہیں پہچانا جا سکے' اسی طرح پاسپورٹ اور شناختی کارڈز کی تصویروں کی بھی رخصت ہے اور امید ہے کہ یہ اور اس طرح کی تصویریں جنہیں ضرورت و حفاظت کے

پیش نظر رکھا جاتا ہے' گھروں میں فرشتوں کے داخلے سے مانع نہیں ہوگی واللہ المستعان۔ اسی طرح وہ تصویریں جو بستروں اور تکیوں پر بنی ہوں اور انہیں پامال کیا جاتا ہو' وہ بھی مستثنیٰ ہیں۔ تصویروں کی حرمت کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من كره القعود على الصور، ح:٥٩٥٧)

''ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اسے زندہ کرو' جسے تم نے پیدا کیا تھا۔''

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے اور مصور پر لعنت فرمائی ہے۔ [1]

———— فتویٰ کمیٹی ————

فوٹوگرافی تصویر کا حکم

سوال کیا فوٹوگرافی کی تصویر بھی ہاتھ سے بنائی گئی تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب صحیح قول جو ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہے اور جسے جمہور علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جان دار چیزوں کی تصویر کی حرمت کے دلائل فوٹوگرافی تصویر کے لیے بھی ہیں اور ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے لیے بھی۔ اس تصویر کے لیے بھی جو مجسم ہو اور اس کے لیے بھی جو غیر مجسم ہو کیونکہ دلائل کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس موضوع سے متعلق پہلے بھی ایک فتویٰ جاری کیا ہے' مزید فائدہ کے لیے ہم اس کی ایک فوٹو کاپی بھی آپ کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں۔ و باللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

شمسی تصویر کا حکم

سوال ضرورت یا زینت کے لیے شمسی تصویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زندوں کی تصویر حرام ہے الّا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت کا تقاضا ہو مثلاً کسی ذمہ داری یا پاسپورٹ کے لیے یا ایسے مجرموں کی تصویر جنہیں شناخت کر کے پکڑنا مقصود ہو اور وہ جرم کے ارتکاب کے بعد فرار ہو گئے ہوں یا اس طرح کے دیگر ناگزیر مقاصد کے لیے ہو تو پھر تصویر کی اجازت ہے۔

———— فتویٰ کمیٹی زیر صدارت شیخ ابن باز ————

ضرورت کے لیے تصویر کا حکم

سوال حالت ضرورت اور غیر ضرورت میں تصویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] صحیح البخاری' اللباس' باب من لعن المصور' حدیث: 5962

جواب جان دار چیزوں کی تصویر حرام ہے خواہ وہ کیمرہ کی تصویر ہو' ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کسی آلہ وغیرہ سے۔ اسی طرح تصویروں کا جمع کرنا بھی حرام ہے' البتہ اگر کوئی شخص مضطر ہو جائے اور وہ بے اختیار ہو مثلاً یہ کہ پاسپورٹ کے لیے یا ذمہ داری سپرد کرنے کے لیے اس سے تصویر طلب کی جائے تو اس کی رخصت ہے لیکن دل سے تصویر کو مکروہ سمجھنا چاہیے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حیوانوں اور پرندوں کو حنوط کرنا جائز نہیں

سوال حیوانوں اور پرندوں کو حنوط کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ بھی بتوں کے قبیل میں سے شمار کیا جائے گا؟

جواب یہ سوال ہم سے بحوث علمیہ و افتاء کی کمیٹی میں پوچھا گیا تھا اور اس مسئلہ کے بارے میں بالاتفاق ہماری رائے یہ تھی کہ یہ جائز نہیں اور اس کے حسب ذیل دو بلکہ اس سے بھی زیادہ اسباب ہیں:

① یہ ایک فضول کام اور مال کو ضائع کرنا ہے۔

② یہ کام تصویروں کے لٹکانے کا بھی سبب بنے گا اور لوگ کہیں گے کہ یہ تصویریں بھی حنوط شدہ چیزوں کے مشابہ ہیں یا ان سے التباس بھی پیدا ہو گا اور کہا جائے گا کہ یہ تصویر نہیں بلکہ یہ حنوط شدہ ہے اور اس طرح تصویروں اور بتوں کا عام رواج ہو جائے گا اس لیے ہماری رائے میں چیزوں کو حنوط کر کے محفوظ کرنا جائز نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حیوانوں اور پرندوں کے حنوط کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ بعض حیوانوں یا پرندوں کو حنوط کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کے اندر نمک' ڈیٹول' روئی اور بعض کیمیکلز رکھ دیتے ہیں اور پھر ان حنوط شدہ چیزوں کو اپنی مجلسوں میں زینت کے لیے استعمال کرتے ہیں' شریعت مطہرہ میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس طرح کا عمل جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور پھر یہ حنوط شدہ چیز تصویروں کے لٹکانے کا وسیلہ بھی بنے گی اور اس گمان کا بھی کہ یہ حنوط شدہ چیزیں گھر اور گھر والوں سے بلاؤں کو دور کرتی ہیں جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ اس سوال کا جواب جو میں نے ذکر کیا ہے' اسی کے مطابق میری صدارت و شراکت میں بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

فوٹو گرافر کی ملازمت

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں فوٹو گرافر کے طور پر ملازمت کر رہا ہوں اور مختلف مواقع کی مناسبتوں سے مجھے کیمرے سے فوٹو بنانے پڑتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تصویر حرام ہے جب کہ وہ انسانی تصویر ہو۔ امید ہے کہ آپ فتویٰ کے ذریعہ راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میں اس کام سے دور ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی

حفاظت فرمائے اور نیکی کی توفیق سے نوازے؟

جواب ہر جان دار چیز کی تصویر حرام ہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور تصویر خواہ برش سے بنائی جائے یا بُن کر یا رنگ سے یا کیمرہ سے یا کسی اور چیز سے اور خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم۔ تصویر ہر طرح حرام ہے' کیونکہ تصویر کی حرمت پر دلالت کرنے والی احادیث کے عموم سے یہی ثابت ہے۔ فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس سلسلہ میں ایک مفصل اور مدلل فتویٰ جاری ہو چکا ہے۔ ہم اس کی فوٹو کاپی ارسال کر رہے ہیں تاکہ آپ اس سے مستفید ہو سکیں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تصویریں بنوانے والوں کے بارے میں حکم

سوال تصویریں بنانے والوں کے لیے تو لعنت آئی ہے کیا تصویریں بنوانے والے بھی اس لعنت کے مستحق ہیں' کیا ان کے بارے میں کوئی خاص دلیل بھی ہے؟

جواب جس طرح دلائل تصویریں بنانے والوں پر لعنت اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کی وعید کے بارے میں ہیں' اسی طرح یہ تمام دلائل اس شخص کے لیے بھی ہیں جو اپنے آپ کو تصویر بنوانے کے لیے پیش کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

''اور اللہ نے (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگ جائیں ان کے پاس مت بیٹھو' ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے قصہء ثمود کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ﴿١١﴾ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿١٥﴾ ﴾

(الشمس ٩١/ ١١-١٥)

''(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر (پیغمبر کو) جھٹلا دیا' جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا' تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ (حفاظت کرو تم) اللہ کی اونٹنی کی اور اس کو پانی پلانے کی' مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا اور وہ (اللہ) اپنے کام کے انجام سے نہیں ڈرتا۔''

عبدالواحد بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے کہا اے ابو سعید! مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو ابن مہلب کے فتنہ میں تو حاضر نہ ہو لیکن دل سے اسے اچھا سمجھتا ہو تو انہوں نے فرمایا برادر زادے! کتنے ہاتھوں نے اونٹنی کی کونچوں کو کاٹا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ ایک ہی ہاتھ نے' تو انہوں نے فرمایا' کیا پھر ساری قوم اس لیے ہلاک نہیں کر دی گئی تھی کہ وہ اس پر راضی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الزھد'' میں بیان فرمایا ہے کہ یہ دونوں آیتیں اس بات کی دلیل

ہیں کہ کسی فعل پر راضی ہونے والا بھی اسی طرح ہے جیسے اس فعل کو کرنے والا' [1] البتہ وہ شخص اس میں داخل نہیں ہے جو کسی اضطراری ضرورت کی وجہ سے تصویر بنواتا ہو۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تصویریں لٹکانا

سوال گھروں وغیرہ میں تصویریں لٹکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم یہ ہے کہ تصویریں اگر انسانوں یا جاندار چیزوں کی ہوں تو وہ حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«أَنْ لاَ تَدَعَ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا وَلاَ قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔" (اسے امام مسلم نے "صحیح" میں روایت کیا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے روشن دان پر ایک ایسا پردہ لٹکا دیا تھا' جس میں تصویریں تھیں' نبی ﷺ نے جب اسے دیکھا تو پھاڑ دیا' رخ انور کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من كره القعود على الصور، ح:٥٩٥٧)

"ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اسے زندہ کرو جسے تم نے پیدا کیا تھا۔"

البتہ اگر تصویر کسی ایسے بچھونے پر ہو جو پامال ہوتی ہو یا تکیہ میں ہو جس کے ساتھ ٹیک لگائی جاتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جبریل نے ایک بار نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا وعدہ کیا تھا مگر جب وہ آئے تو گھر میں داخل ہونے سے رک گئے۔ نبی ﷺ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ گھر میں مجسمہ ہے' پردے پر تصویریں ہیں اور ایک کتا بھی ہے۔ حکم دیجئے کہ مجسمہ کے سر کو کاٹ دیا جائے' پردے سے دو تکیے بنا لیے جائیں' جنہیں پامال کیا جائے اور کتے کو گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ نبی ﷺ نے اس طرح کیا تو جبریل علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے۔ اس حدیث کو امام نسائی اور دیگر محدثین نے جید سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2] حدیث مذکور میں یہ بھی ہے کہ یہ کتے کا بچہ تھا' جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تھا اور گھر میں رکھے ہوئے سامان کے نیچے تھا۔ صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ صُورَةٌ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير

---

[1] كتاب الزهد للامام احمد' ص: 288' 289 حديث: 1676

[2] صحيح مسلم' اللباس والزينة' باب تحريم تصوير صورة الحيوان --- الخ' حديث: 2105 و سنن النسائى الصيد' باب امتناع الملائكة من دخول بيت فيه كلب' حديث: 4288

صورة الحیوان ... الخ، ح:٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔"

حضرت جبریل کا یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر بچھونے وغیرہ پر تصویر ہو تو وہ دخول ملائکہ میں مانع نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مذکورہ بالا پردے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تکیہ بنا لیا تھا اور نبی ﷺ اس کے ساتھ ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ (1)

شیخ ابن باز

یادگار کے لیے تصویر کا حکم

سوال کیا کسی انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عید وغیرہ کے اوقات میں اپنی تصویر بنوا کر اپنے اہل خانہ کو ارسال کر دے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث سے تصویر کی ممانعت اور مصوروں کے لیے لعنت ثابت ہے اور انہیں مختلف قسم کی وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی تصویر بنائے یا دیگر جاندار چیزوں کی تصویریں بنائے، البتہ پاسپورٹ یا شناختی کارڈز وغیرہ کی ضرورت کے لیے تصویر بنائی جا سکتی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے احوال کی اصلاح فرمائے اور حکمرانوں کو توفیق بخشے کہ وہ شریعت پر عمل کریں اور مخالف شریعت کاموں سے منع کریں، انه خير مسئول

شیخ ابن باز

یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنا

سوال کیا یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب کسی بھی مسلمان مرد و عورت کے لیے انسانوں اور دیگر جاندار چیزوں کی تصویریں یادگار کے لیے جمع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ انہیں تلف کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنْ لاَ تَدَعَ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا وَلاَ قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔"

نبی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فتح مکہ کے دن آپ جب کعبہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کی دیواروں پر آپ نے تصویریں دیکھیں تو آپ نے پانی اور کپڑا منگوایا اور تصویروں کو صاف کر دیا (2) البتہ جمادات مثلاً پہاڑوں اور درختوں وغیرہ کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔

---

(1) صحیح البخاری، اللباس، باب ما وطئ من التصاویر، حدیث: 5954 و صحیح مسلم، اللباس والزینۃ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان --- الخ، حدیث: 2107

(2) مسند احمد: 396/3 و اصلہ عندالترمذی، حدیث: 1749 و ابو داود 4156

شیخ ابن باز

تصویروں کو محفوظ رکھنا

سوال کیا چھوٹی تصویروں کو محفوظ رکھنا جائز ہے' جب کہ ان میں سے بعض کے نصف اور بعض کے مکمل جسم بنے ہوئے ہوں اور انہیں دیواروں پر لٹکانا مقصود نہ ہو بلکہ مقصود صرف یادگار کے طور پر محفوظ رکھنا ہو؟

جواب تصویروں کو محفوظ کرنا جائز نہیں ہے خواہ انہیں دیواروں پر نہ بھی لٹکایا جائے۔ انہیں صرف پاسپورٹ یا شناختی کارڈ یا کرنسی نوٹوں کی صورت میں رکھا جا سکتا ہے' یا اس طرح کے دیگر مقاصد کے لیے جن کی شدید ضرورت و حاجت ہو تصویر کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہر تصویر کو مٹا دو۔ [1]

فتویٰ کمیٹی

سوال یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنا حرام ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تصویر کو رکھے الا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت و حاجت کے لیے ہو مثلاً ڈرائیونگ لائسنس' اقامہ' شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ پر لگی ہوئی تصویروں کو اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے اور جس تصویر کی ضرورت نہ ہو بلکہ محض یادگار کے لیے ہو تو اسے اپنے پاس رکھنا حرام ہے کیونکہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔

شیخ ابن عثیمین

کارٹون تصویر کے بارے میں حکم

سوال بعض اخبارات و مجلات میں کارٹون نظر آتے ہیں' جو انسانی تصویروں پر مشتمل ہوتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ بالا تصویر جائز نہیں ہے بلکہ یہ بھی آج کل عام ہونے والے ان منکرات میں سے ہے' جن کو ترک کرنا واجب ہے کیونکہ ان صحیح احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے جو ہر جاندار چیز کی تصویر کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں خواہ تصویر کسی آلہ سے بنائی جائے یا ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی نیز آپ نے مصور پر بھی لعنت فرمائی۔ [2] اس طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح: ٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح: ٢١٠٩ واللفظ له)

"قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب مصوروں کو ہو گا۔"

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب الامر بتسوية القبر' حدیث: 969

[2] صحیح البخاری' اللباس' باب من لعن المصور' حدیث: 5962

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»

(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥١ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٨)

"جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اسے زندہ کرو' جسے تم نے پیدا کیا تھا۔"

اسی طرح اس موضوع سے متعلق دیگر بہت سی احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تصویر حرام ہے اور صرف وہی تصویر مستثنیٰ ہے جو کسی ناگزیر ضرورت و حاجت کے لیے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں' وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے کھانے کے لیے ناچار ہو جاؤ۔"

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے رب کی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرنے اور ان کی مخالفت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه خير مسؤول

—— شیخ ابن باز ——

تصویریں' مجلّات اور ٹیلی وژن

سوال فوٹوگرافی اور شمسی تصویر جس کا آپ نے اپنے رسالہ میں ذکر نہیں فرمایا' اس کے بارے میں ہمارا اختلاف ہوا کہ کیا وہ بھی ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے حکم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے؟ بعض ساتھیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر نہیں ہے بلکہ یہ تو انسان کی ایک خیالی تصویر سے عبارت ہے اور اس خیالی تصویر کے بنانے کے لیے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا گیا کہ صرف کیمرے کے ایک بٹن کو دبا دیا گیا۔ مجھے بعض دوستوں نے آپ کی فوٹوگراف تصویر بھی دکھائی جو کویت کے مجلّہ "المجتمع" اور مصر کے "الاعتصام" میں شائع ہوئی ہے۔ یہ تصویر ماہ رمضان المبارک میں احکام روزہ سے متعلق آپ کے فتویٰ کے ساتھ شائع ہوئی ہے' کیا مجلّہ میں آپ کی تصویر کے شائع ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تصویر جائز ہے یا یہ تصویر آپ کے علم کے بغیر شائع کر دی گئی ہے؟

اگر فوٹوگرافی تصویر جائز نہیں ہے تو ان اخبارات و جرائد کے خریدنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو تصویروں سے بھرے ہوتے ہیں لیکن ان میں اہم خبریں بھی ہوتی ہیں اور صحیح اور غلط معلومات بھی۔۔۔ راہنمائی فرمائیں؟

کیا ان مجلّات کو نماز ادا کرنے کی جگہ پر کپڑے وغیرہ سے ڈھانپ کر رکھا جا سکتا ہے یا پڑھنے کے بعد انہیں تلف کرنا واجب ہے؟ ٹیلی وژن کی متحرک تصویروں کی طرف دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا نماز کی جگہ پر ٹیلی وژن کو استعمال کیا جا سکتا ہے؟ ان اشیاء کے احکام کے بارے میں راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اولاً: فوٹوگرافی اور شمسی تصویر بھی ان تصویروں میں سے ہے' جو حرام ہیں۔ تصویر بُن کر بنائی جائے یا رنگوں کے نقش و

نگار کے ساتھ یا مجسم صورت میں سب کا حکم ایک ہی ہے' اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ نے تصویر کس وسیلہ اور آلہ سے بنائی ہے' اس طرح اس سے بھی تصویر کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تصویر مشکل سے بنائی گئی ہے یا آسانی سے۔ اعتبار صرف تصویر کا ہے اور وہ حرام ہے خواہ اس کے لیے استعمال کیے گئے آلات اور اعمال مختلف ہی ہوں۔

ثانیاً: مجلّہ "المجتمع" اور "الاعتصام" میں احکام روزہ و رمضان سے متعلق میرے فتویٰ کے ساتھ میری تصویر کا شائع ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ میں تصویر کو جائز سمجھتا ہوں یا یہ میری رضامندی سے شائع ہوئی ہے کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کب میری تصویر لی تھی۔

ثالثاً: ایسے اخبارات و جرائد کا خریدنا جائز ہے' جن میں اہم خبریں اور علمی اور مفید مسائل ہوں اور ان میں جاندار چیزوں کی تصویریں بھی ہوں کیونکہ ان سے مقصود علم اور خبروں کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور تصویریں ان کے تابع ہوتی ہیں اور حکم اصل مقصود کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ تابع کے' انہیں نماز کی جگہ پر رکھنا جائز ہے بشرطیکہ تصویروں کو کسی طرح چھپا دیا گیا ہو تاکہ ان کے مقالات سے فائدہ اٹھایا جاسکے یا تصویروں کے سروں کو اس طرح مٹا دیا جائے کہ ان کی شناخت ختم ہو جائے۔

رابعاً: نماز کی جگہ میں ٹیلی وژن کو رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں لہوولعب ہے۔ ٹیلی وژن کی عریاں اور فحش تصویروں کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ ٹیلی وژن' اس کے سننے اور دیکھنے کے بارے میں قبل ازیں فتویٰ صادر ہو چکا ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی' زیر صدارت شیخ ابن باز ———

تصویروں کے بارے میں شیخ ابن عثیمین کے فتوے کی وضاحت

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین' حفظہ اللہ تعالیٰ' السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و بعد:
تجارتی اداروں میں چھوٹی بڑی تصویروں کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے' یہ تصویریں یا تو بین الاقوامی ایکٹروں کی ہیں یا دیگر مشہور لوگوں کی۔ تجارتی ادارے اپنے سامان مثلاً عطریات وغیرہ کی مشہوری کے لیے ان تصویروں کو استعمال کرتے ہیں۔ جب ہم نے اس برائی کی مخالفت کی تو بعض تاجروں نے یہ جواب دیا کہ یہ تصویریں غیر مجسم ہیں' جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حرام نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں اللہ تعالیٰ کے خلق کرنے کی مشابہت ہے کیونکہ ان کا سایہ نہیں ہے' نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے جریدہ "المسلمون" میں آپ کا فتویٰ دیکھا ہے کہ صرف مجسم تصویر حرام ہے' اس کے علاوہ باقی تصویریں حرام نہیں ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس فتویٰ کی وضاحت فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

جواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرتا ہے کہ صرف مجسم تصویر حرام ہے اور دیگر حرام نہیں ہے' تو وہ ہماری طرف ایک جھوٹی بات منسوب کرتا ہے کیونکہ ہماری رائے میں کسی ایسی چیز کو پہننا جائز نہیں جس میں تصویر ہو خواہ وہ چھوٹے بچوں کا لباس ہو یا بڑوں کا لباس' اسی طرح تصویروں کو یادگار وغیرہ کے لیے جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ صرف پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائیسنس جیسی ناگزیر ضرورتوں کے لیے تصویر جائز ہے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ محمد بن صالح عثیمین ———

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز کا کلیہ لغہ کے شعبہ صحافت کے طلبہ سے خطاب

سماحۃ الشیخ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کے بعد فرمایا:

تم جانتے ہو کہ دنیا میں صراط مستقیم سے منحرف ہونے والوں اور تباہی و بربادی کے داعیوں کی کثرت کے باعث مستقبل بہت مخدوش ہے--- ان حالات میں صحافیوں کے فرائض و واجبات آپ جیسے لوگوں سے مخفی نہیں ہیں۔ لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دینے' حق پر ثابت رکھنے' باطل سے ڈرانے اور بچانے' برے اعمال کے انجام اور اچھے اعمال کے ثمرات کے سمجھانے اور گزشتہ لوگوں کے حالات سے مطلع کرنے کے سلسلہ میں ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ انہیں چاہیے کہ لوگوں کو بتائیں کہ اعمال صالحہ بجا لانے والوں کا انجام بہت اچھا ہو گا' جب کہ برے اعمال کرنے والوں کا انجام بہت برا ہو گا۔ ایسے انسان کی بات کا معاشرہ پر بہت خوش گوار اثر پڑتا ہے' جو اسے سمجھ رہا ہو' جو وہ کہہ رہا ہو اور جو وہ کہتا ہو اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہو اور اگر کوئی ایسا انسان وعظ و نصیحت کرے جس کا قول عمل کے مطابق نہ ہو اور جس کی وہ دعوت دیتا ہو' اکثر و بیشتر حالات میں خود اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو تو اس کے وعظ و نصیحت سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے خواہ اپنی بات میں وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔

میں اپنے آپ کو بھی اور تمہیں بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اختیار کرو اور اس عمل کا اہتمام کرو جسے تم جانتے ہو کہ یہ بہتر ہے۔ جسے تم نیکی سمجھو اور جس کی طرف دعوت دو اور اس پر عمل کے لیے سب سے پہلے سبقت کا مظاہرہ کرو اور اس نیکی کا اثر تمہارے اقوال و اعمال' ظاہری و باطنی سیرت اور زندگی کے تمام مظاہر میں نمایاں طور پر نظر آنا چاہیے اور جس کام سے تم لوگوں کو منع کرو' تمہیں چاہیے کہ خود بھی اس سے سب سے زیادہ دور ہو جاؤ کہ اس طرح ہی تم اپنے معاشرے کے لیے بہترین نمونہ اور مثالی بن سکتے ہو۔

صحافت اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ لوگوں کا مقام و مرتبہ بہت اونچا اور ان کی ذمہ داری بھی بہت عظیم ہے اور ان کے کام کے نتائج بھی بہت اہم ہیں' اس لیے میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اختیار کرو اور مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی کے لیے نیت صالح کے ساتھ بہترین معاون و مددگار بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔ تعلیم کے دوران میں بھی اور تعلیم کی تکمیل کے بعد بھی اپنے اعمال و اقوال کو اسی کی روشنی میں مرتب کرو۔ تعلیم سے فراغت کے بعد تم اس میدان میں کام کرو یا دیگر میدانوں میں' تقویٰ اور مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی کے دامن کو کبھی نہ چھوڑو بلکہ مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی اور راست بازی کے داعی اور اس کی زندہ مثالیں بن جاؤ--- جہاں صبر کی ضرورت ہو وہاں صبر کا مظاہر کرو-- نہ اکتاؤ' نہ کمزوری و دوں ہمتی کا ثبوت دو بلکہ فتنوں اور آلام و مصائب کے وقت صبر اور حق پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو حق کی ذمہ داری کو ادا کرو۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ہر اس خیر و بھلائی تک پہنچا دے' جس کی ہم امید رکھتے ہیں اور ہمیں اور تمہیں علم نافع' عمل صالح اور تقویٰ کے زاد راہ سے سرفراز فرمائے۔ انه خير مسؤول. والله ولي التوفيق.

ان ارشادات کے بعد فضیلۃ الشیخ نے طلبہ کو سوالات کی دعوت دی' طلبہ کے سوالات اور آپ کے جوابات حسب ذیل ہیں:

سوال زندہ تصویر اب ذرائع ابلاغ کی ضروریات میں سے ہے' جسے بعض مقاصد کے لیے استعمال کرنا ناگزیر ہے جیسا کہ ٹیلی وژن میں تصویروں کا استعمال ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ بات محل نظر ہے۔ تصویر کی وجہ سے میں ٹیلی وژن پر آنے میں ہمیشہ توقف سے کام لیتا رہا لیکن اس مسئلہ کے بارے میں میں نے بہت سے برادر مشائخ سے تبادلہ افکار کیا ہے اور میں نے کہا ہے کہ ان کے ٹیلی وژن پر آنے میں عوام الناس کی مصلحت' انہیں فائدہ پہنچانا اور انہیں خیر کی دعوت دینا ہے' اس لیے انہیں ٹیلی وژن پر آنا چاہیے تاکہ اس کا استعمال غلط لوگوں ہی کے لیے محدود ہو کر نہ رہ جائے لہٰذا میرے نزدیک ٹیلی وژن پر آنے میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

حضرات علماء و مشائخ میں سے جو ٹیلی وژن پر اس لیے آئے تاکہ مسلمانوں کو نفع پہنچائے' ان کے سوالوں کے جوابات دے' باطل پرستوں کی تردید کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دے تو اسے ان شاء اللہ اجر عظیم ملے گا اور امید ہے کہ تصویر کے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

سوال مجلسوں' کانفرنسوں اور اجتماعات کی ویڈیو فلم بنانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے کہ اگر مجلس' محفل اور اجتماع وغیرہ کی تصویریں اسلامی معاشرہ کے لیے عام مصلحت اور دعوت الی اللہ پر مبنی ہوں اور مفاسد کی نسبت مصلحت زیادہ ہو اور اس تصویر میں لوگوں کے لیے خیر اور نفع ہو تو اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

سوال ٹیلی وژن ٹریننگ کے سلسلہ میں ایک مضمون ایسا بھی ہے' جس سے طالب علم کو تصویر کے فن میں مہارت حاصل ہو جاتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا آلہ تصویر کے استعمال سے گناہ ہو گا؟

جواب اگر یہ مذکورہ مصلحت کے لیے ہو یعنی نیت صالح ہو اور اس عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو' دنیا کمانا مقصود نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

سوال کیا تصویر بنانے والا اور بنوانے والا دونوں گناہ گار ہوتے ہیں یا صرف تصویر بنانے والا ہی گناہ گار ہوتا ہے؟

جواب اگر تصویر کا شرعی جواز نہ ہو تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

سوال ٹیلی وژن پر آنے کے لیے مردوں کے لیے میک اپ بھی ایک ضرورت بن گیا ہے' کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر چہرے سے زائل کرنے کے بعد یہ جسم کے لیے نقصان دہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ چہرے کے لیے نقصان دہ ہو اور دھونے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہے تو پھر جائز نہیں۔

سوال کیا آزادی رائے کے یہ معنی ہیں کہ اہل خیر اور اہل شر دونوں کے لیے میدان کھول دیا جائے اور ہر ایک معاشرے میں اپنا اپنا ڈھول پیٹ لے؟

جواب یہ بات باطل ہے' اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ واجب یہ ہے کہ باطل کو روکا جائے اور صرف حق کو اجازت دی جائے اور کسی ایسے شخص کو اجازت نہ دی جائے' جو اشتراکیت یا بت پرستی یا زنا یا جوا وغیرہ کی بالواسطہ یا بلا واسطہ دعوت دے' ایسا کرنے والے کو منع کیا جائے گا اور ادب سکھایا جائے گا کیونکہ یہ حرام اباحیت ہے۔

سوال ذرائع ابلاغ سے وابستہ مسلمان آدمیوں کو بعض ایسی محفلوں اور ڈراموں میں بھی جانا پڑتا ہے جہاں موسیقی اور بعض بڑے تکلیف دہ مناظر بھی ہوتے ہیں اور معاشرے کے لیے ان کا نقصان دہ ہونا واضح ہوتا ہے' تو کیا اس سے گناہ ہو گا؟

جواب اگر ایسی محفل میں شرکت سے مقصود مصلحت عامہ ہو' لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو اور حاضری سے مقصود شر سے بچنا ہو اور وہ اس قابل مذمت معمہ یا معاشرے میں اس لیے داخل ہو تاکہ شر کو پہچانے اور اس کے عیوب کو واضح کرے اور اس کا مقصد نیک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ ان محفلوں میں لطف اندوزی یا برے مقاصد کے لیے جائے تو پھر جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ٦٨)

"اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَجْلِسْ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهِمُ الْخَمْرُ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ما جاء في دخول الحمام، ح: ٢٨٠١)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے' جس پر بیٹھنے والوں کو شراب پیش کی جا رہی ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے بے ہودہ بکواس کرنے والوں اور انہیں منع نہ کرنے والوں کو بھی انہی کی طرح قرار دیا ہے۔

سوال بعض اساتذہ طلبہ کے لیے اس بات کو لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ ٹیلی وژن کے کسی خاص پروگرام کو دیکھیں تاکہ اس پروگرام کا تجزیہ کیا جا سکے یعنی یہ ان کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے تو اس صورت میں ٹیلی وژن دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ اس لیے ہو تاکہ طالب علم کو ایک غیر حرام چیز سمجھائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال ریڈیو سے عورتوں کی آواز سننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب کہ اس پروگرام کے سننے سے کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو؟

جواب اگر فتنہ کا ڈر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر فتنہ کا ڈر ہو تو پھر سننا جائز نہیں بلکہ اس سے فوراً رک جانا چاہیے۔

سوال کیا فحش مجلّات اور ویڈیو کی کیسٹوں کو اس لیے دیکھنا جائز ہے تاکہ ان کی خرابی و برائی کو طشت از بام کر کے ان سے بچایا جا سکے؟

جواب ہاں یہ واجب ہے کہ فحش اور مخرب اخلاق کیسٹوں اور فلموں پر نظر رکھی جائے بلکہ تمام نقصان دہ چیزوں پر نظر رکھی جائے خواہ ان کا تعلق ٹیلی وژن' مجلّات' ریڈیو' صحافت اور ویڈیو وغیرہ میں سے کسی سے بھی ہو۔ واجب ہے کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ان چیزوں کی نگرانی کرے تاکہ شر کو روکا اور خیر کو پھیلایا جا سکے خواہ ایسا شخص اجرت پر ہی کیوں نہ رکھنا پڑے۔ اس کی اجرت بھی حلال ہوگی بشرطیکہ مقصود یہ ہو کہ خیر کو معلوم کر کے اس کی اجازت دی جائے۔ جو شخص دنیوی معاوضہ لے کر یہ کام کرے تو دنیوی معاوضہ کے ساتھ ساتھ اسے اخروی اجر و ثواب بھی ملے گا۔ یہ بات ان عامۃ الناس کے لیے بھی ہے' جو ان چیزوں کو اس لیے دیکھیں تاکہ ذمہ دار لوگوں تک ان کے بارے میں بات پہنچا سکیں تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں۔

سوال بعض ایسے پروگرام ہیں' جنہیں کوئی مرد پیش کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ عورت بھی شریک ہوتی ہے' ریڈیو اور ٹیلی وژن کے اکثر پروگراموں میں اسی طرح ہوتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب میری رائے میں عورت کو مرد کے ساتھ اس طرح کے پروگراموں میں شریک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عورت کی ملائم آواز اس کے لیے فتنہ کا سبب بنے گی اور پھر اس سے مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی ہو گا اور پروگراموں کی ریکارڈنگ کے وقت انہیں خلوت بھی میسر آئے گی اور یہ ساری باتیں باعث فتنہ ہیں اور اکثر و بیشتر حالات میں عورتیں اسباب فتنہ سے کم ہی بچتی ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَأَحَدٖ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِنِ ٱتَّقَيۡتُنَّۚ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِٱلۡقَوۡلِ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۲)

''اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو' اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کیا کرو۔'' اور فرمایا:

﴿ وَقَرۡنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ ٱلۡأُولَىٰۖ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں' اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔''

علماء فرماتے ہیں کہ ''تبرج'' سے مراد نرمی و ملائمت' ناز و نخرہ اور فتنہ میں ڈال دینے والی چیزوں کا اظہار ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی وژن پر کام کرنے والی عورت اپنی آواز کو خوبصورت بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی تاکہ سننے والوں کو متاثر کر سکے' لہٰذا عورت کو اناؤنسر نہیں ہونا چاہیے اور فتنہ سے بچنے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن کو جنس نسواں سے پاک کرنا واجب ہے' ان کے لیے کام کے دوسرے شعبے ہیں مثلاً تدریس اور سلائی کڑھائی وغیرہ۔

سوال صحافت میں مستعار نام استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے مقالہ پر اپنا حقیقی نام لکھنے کے بجائے کوئی قلمی نام لکھے؟

جواب اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو کوئی حرج نہیں اور قلمی نام سچے ہونے چاہیے مثلاً مسلم بن عبداللہ یا عبداللہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ۔

ٹیلی وژن کے بارے میں حکم

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ٹیلی وژن ایک خطرناک آلہ ہے اور اس کے نقصانات سینما کی طرح ہیں یا اس سے بھی بڑھ کر' اس کے بارے میں لکھے گئے رسائل اور عرب اور دیگر ممالک کے اس کے بارے میں جاننے والوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ' اخلاق اور معاشرہ کے حالات کے لیے یہ بہت نقصان دہ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ گھٹیا اخلاق' فتنہ انگیز مناظر اور عریاں تصویروں کی نمائش کی جاتی ہے۔ عریاں عورتوں کی تصویریں' گمراہ کن تقریریں اور کفریہ مقالات براڈکاسٹ کیے جاتے ہیں۔ کفار کے اخلاق و لباس کے ساتھ مشابہت اور ان کے قائدین و زعماء کی تعظیم کی ترغیب دی جاتی ہے' مسلمانوں کے اخلاق اور لباس سے دور رکھا جاتا ہے' مسلمان علماء و زعماء کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور ان کی تصویر اس طرح پیش کی جاتی ہے' جس سے نفرت و حقارت اور ان کی سیرت و کردار سے اعراض پیدا کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ٹیلی وژن کی نشریات سے مکر و فریب کے طریقوں' چوری ڈکیتی اور راہزنی کی وارداتوں اور لوگوں کے لیے سازش اور دشمنی پر مبنی حکایتوں کی تعلیم دی جاتی ہے--- الخ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کی یہ حالت ہو اور جس سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہوں جو اوپر بیان کیے جا چکے ہیں' تو واجب ہے کہ اس سے منع کیا جائے' بچا جائے اور اس تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا جائے۔ اگر علماء کرام ٹیلی وژن کی مخالفت کریں اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کریں گے تو امید ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں کوئی ملامت نہیں ہو گی کیونکہ ان کا اقدام اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے لیے ہمدردی و خیر خواہی پر مبنی ہو گا اور اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ یہ آلہ ان خرابیوں سے پاک ہے اور اگر نگرانی کی جائے تو وہ صرف ایسی چیزوں کو نشر کرتا ہے' جو مصلحت عامہ کے مطابق ہیں تو وہ بہت دور کی کوڑی لا کر بہت غلط بات کہتا ہے کیونکہ نگران بھی غافل ہو جاتا ہے اور پھر لوگوں پر باہر کی تقلید اور باہر جو کچھ ہوتا ہے' اسے اپنانے کا بڑا رواج ہے اور پھر کم ہی ایسا ہو گا کہ جس نگران کے جو سپرد کیا گیا ہو' اس نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہو خصوصاً اس دور میں جب کہ اکثر لوگوں کا میلان لہو و لعب اور ان چیزوں کی طرف ہے جو ہدایت سے روکیں۔ حالات اس کی گواہی دیتے ہیں اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کے پروگرام اس بات کے شاہد ہیں کہ ذمہ دار لوگوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا اور ہم ان کے نقصانات سے بچ نہیں سکے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حکومت کو اس کی توفیق بخشے جس میں امت کے لیے دنیا و آخرت کی بہتری' نجات اور سعادت ہو' اللہ تعالیٰ حکومت کے کارپردازوں کو نیک بنا دے اور انہیں توفیق بخشے کہ وہ ان ذرائع ابلاغ میں نگرانی کے امور کو مضبوط و مستحکم بنائیں تاکہ صرف انہی چیزوں کو نشر کیا جا سکے' جن میں لوگوں کے دین و دنیا کا فائدہ ہو۔ انہ جواد کریم۔

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ-- آج جو مصیبتیں عام ہو چکی ہیں' ان میں سے ایک یہ ٹیلی وژن بھی ہے' جس سے برو بحر کا شائد کوئی گھر ہی خالی ہو حالانکہ اس سے جو کچھ نشر کیا جاتا ہے وہ حسب ذیل ہے: ① گانا اپنی وسعت اور موسیقی اپنے مختلف آلات کے ساتھ ② جرم و سزا کی مسلسل کہانیاں ③ خرافات پر مبنی فرضی ڈرامے ④ مردوں اور عورتوں کی مخلوط اداکاری ⑤ اسلام' مسلمانوں اور نیک لوگوں کی تاریخ کو مسخ کرنا کیونکہ ان کی عورتوں کو ان کے ساتھ بے پردہ دکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ تاریخی ڈراموں میں ہے ⑥ بعض ڈراموں میں میاں بیوی کی ایک دوسرے سے خیانت کو بھی پیش کیا جاتا ہے' والعیاذ باللہ ⑦ عورت اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ وہ بے پردہ ہو گی یا اس نے خوب میک اپ کیا ہو گا۔ یا وہ گانا گا رہی ہو گی یا وہ اداکاری وغیرہ کر رہی ہو گی ⑧ اس طرح کے پروگراموں کے درمیان میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اور احادیث نبویہ کو پڑھا جاتا ہے اور دینی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں ⑨ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ڈرامائی تشکیل کی جاتی ہے--- ریڈیو کے "اذاعۃ القرآن الکریم" چینل سے جو دینی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں' وہ ٹیلی وژن کے پروگرام سے کہیں زیادہ ہیں حتیٰ کہ اس چینل سے مقامی اور بین الاقوامی نشر کی جانے والی خبریں بھی ٹیلی وژن سے زیادہ ہوتی ہیں لہٰذا اب سوال یہ ہے:

- جب ہمیں ٹیلی وژن کے بارے میں یہ سب کچھ معلوم ہے تو کیا اسے گھر میں رکھنا اور عورتوں اور بچوں کے ہاتھ میں دینا--جو کمزور ادراک کے مالک ہوتے ہیں-- جائز ہے تاکہ وہ اسے دیکھیں اور ان کے سامنے حق اور باطل آپس میں خلط ملط ہو جائیں؟
- کیا ٹی وی پر آنے والی عورتوں اور بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنا جائز ہے' جو بعض اوقات ایسی شکل و صورت اختیار کرتے ہیں' جو مردوں کی صورت کے منافی ہوتی ہے؟

- جو شخص گھر میں ٹی۔وی رکھنے پر اصرار کرے اور کہے کہ میں اسے باہر نہیں نکال سکتا' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
- کیا اس شخص کے لیے بھی گھر میں ٹی وی رکھنا جائز ہے' جو یہ کہے کہ میں ان پروگراموں کو بند نہیں کر سکتا' جن میں گانا' موسیقی اور عورتیں ہوں؟
- کیا مذکورہ بالا پروگرام اسلامی شریعت کے مطابق ہیں؟
- کیا مردوں اور عورتوں کے لیے ان پروگراموں کو دیکھنا جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح اور شافی جواب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیلی وژن سے متعلق گفتگو کے ابتدائی سات نکات میں آپ نے ایسے امور کی طرف اشارہ کیا ہے جو حرام ہیں اور ان کی حرمت کے بارے میں کسی بھی ایسے انسان کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا جو اسلامی شریعت کے مصادر و مآخذ کو جانتا ہے کیونکہ ان میں ایسے مفاسد ہیں جو دین' اخلاق' امن اور معاشرہ کے لیے بہت سے مفاسد پر مبنی ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذمہ دار لوگوں کو ان سے اجتناب کرنے اور ان سے دور ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ خیر و بھلائی حاصل ہو اور شر اور فتنہ کے اسباب سے دور رہا جا سکے۔ ان پروگراموں کے درمیان قرآن مجید اور دینی پروگراموں کو پیش کرنا اجماع ضدین ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے ٹی وی رکھنا حرام ہے کیونکہ حرام کا مشاہدہ کرنا بھی حرام ہے' اگر کوئی شخص ٹی۔وی لے اور اسے معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ اس کے لیے مذکورہ بالا پروگراموں سے اجتناب ممکن نہ ہو گا تو اس نے گویا حرام کام کے ارتکاب پر اصرار کیا۔ اس طرح اگر کوئی اپنے اہل خانہ اور ایسے بچوں کے لیے خریدے جو اس سے نہ بچ سکیں' اور خواہ وہ خود نہ بھی دیکھے تو اس نے بھی گویا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا کیونکہ اس نے حرام کام کے بارے میں تعاون کیا ہے اور یہ اس کی وہ بری تربیت ہے' جس کے بارے میں روز قیامت اس کا محاسبہ ہو گا۔ اگر کسی شخص نے ٹی۔وی حاصل تو نہیں کیا مگر وہ اسے دیکھتا ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں:

1. ایسے پروگرام دیکھنا جو دین و دنیا کے اعتبار سے منفعت بخش ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ٹی۔وی دیکھنے والا کسی حرام کام کا ارتکاب نہ کرے مثلاً اگر عورت کسی اناؤنسر یا پڑیو سر وغیرہ کو دیکھ کر لطف اندوز ہو تو دیکھنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ یہ فتنہ ہے۔
2. ایسے پروگرام کو دیکھنا جو دین کے اعتبار سے نقصان دہ ہو' حرام ہے کیونکہ ہر مومن کے لیے یہ واجب ہے کہ اپنے دین کو ہر ایسی چیز سے بچائے جو اس کے لیے نقصان دہ ہو۔
3. جس پروگرام میں نہ کوئی نفع ہو اور نہ نقصان تو اسے دیکھنا ایک لغو کام ہے اور کسی عقل مند مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بے معنی پروگرام دیکھنے میں اپنا وقت ضائع کرے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے اور انہیں دنیا و آخرت میں برائی سے بچائے۔

—— شیخ محمد صالح العثیمین ——

ٹیلی وژن دیکھنے کے بارے میں حکم

سوال کیا کیمرہ سے تصویر بنانا جائز ہے؟ کیا ٹیلی وژن کی تصویر جائز ہے؟ اور کیا ٹیلی وژن کو دیکھنا خصوصاً خبروں وغیرہ کے

لیے جائز ہے؟

جواب جاندار چیزوں کی تصویر جائز نہیں ہے خواہ وہ کیمرہ سے بنائی جائے یا دیگر آلات سے اور نہ جاندار چیزوں کی تصویروں کو حاصل کرنا اور اپنے پاس رکھنا جائز ہے الا یہ کہ شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ کی کوئی ناگزیر ضرورت ہو' تو اس ضرورت کے لیے تصویر بنانا اور اسے اپنے پاس رکھنا جائز ہے۔ جہاں تک ٹیلی وژن کے بارے میں سوال ہے تو یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے وجود کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے۔ حکم کا تعلق اس کے استعمال سے ہے' اگر اسے حرام چیزوں کے لیے استعمال کیا جائے مثلاً فحش گانوں' فتنہ انگیز تصویروں' کذب و افتراء' الحاد' حقائق کے مسخ کرنے اور فتنوں کے بھڑکانے کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہے اور اگر اسے خیر و بھلائی کے کاموں کیلئے استعمال کیا جائے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت' حق کے اظہار' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے تو پھر اس کا استعمال جائز ہے اور دونوں مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے اور دونوں مساوی ہوں یا اس میں شر کا پہلو غالب ہو تو پھر اس کا استعمال حرام ہو گا۔ کمیٹی کی طرف سے تصویر اور ٹیلی وژن دیکھنے کے بارے میں دو مفصل فتوے جاری ہو چکے ہیں' ہم ان میں سے ہر ایک کی فوٹو کاپی ارسال کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے استفادہ کر سکیں۔ و باللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو کے بارے میں حکم

سوال شریعت میں ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا تلاوت قرآن اور ایسے امور کے لیے اس کا استعمال جائز ہے' جو خلاف شریعت نہ ہوں؟ خبریں نشر کرنے والے ریڈیو کے بارے میں کیا حکم ہے' ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر میں کیا فرق ہے؟

جواب ٹیپ ریکارڈر پر اگر قرآن مجید' علمی لیکچرز اور مفید اسلامی مقالات کی ریکارڈنگ کی گئی ہو تو اس کا استعمال اور اس کے ذریعہ سے ان چیزوں کی اشاعت ایک اچھا کام ہے اور اگر اس پر فحش گانوں' ملحدانہ لیکچروں اور برے مقالات یا جھوٹے پروپیگنڈے کو ریکارڈ کیا گیا ہو تو یہ ایک برا کام ہے اور اگر اس میں شر کا پہلو خیر پر غالب ہو تو اس کا استعمال حرام ہے۔ اس طرح ریڈیو کی نشریات کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ اچھی ہیں تو قابل ستائش اور جائز ہیں اور اگر بری ہیں تو قابل مذمت اور حرام ہیں۔ اس اعتبار سے ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ریڈیو سننا

سوال ریڈیو کے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ جسے آپ سن یا دیکھ رہے ہوں اس میں کوئی حرام کام نہ ہو؟

جواب ریڈیو سے نشر کی جانے والی قرآن مجید کی تلاوت' مفید احادیث اور اہم خبروں کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ٹیپ ریکارڈر سے قرآن' احادیث مبارکہ اور نصیحت آموز باتوں کے سننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ میں اس طرف بھی توجہ دلاؤں گا کہ ریڈیو کے پروگراموں "اذاعۃ القرآن" اور "نور علی الدرب" کو ضرور سنا جائے کیونکہ یہ عظیم فوائد پر مشتمل ہوتے ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

ویڈیو کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں حکم

سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ سے سوال پوچھا گیا کہ ویڈیو کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں کم سے کم یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ عورتیں بے پردہ ہوتی ہیں اور عشق و عاشقی کے قصے ہوتے ہیں؟ کیا تاجر کا مال حرام ہو گا' اس پر کیا واجب ہے اور وہ ان کیسٹوں اور سامان سے کس طرح نجات حاصل کرے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ان کیسٹوں کو بیچنا' خریدنا' سننا اور دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ فتنہ و فساد کی دعوت دیتی ہیں لہٰذا واجب ہے کہ انہیں تلف کر دیا جائے اور جو ان کا لین دین کرتا ہو اسے روکا جائے تاکہ فتنہ و فساد کو ختم کیا اور مسلمانوں کو اسباب فتنہ سے بچایا جا سکے۔ واللہ ولی التوفیق۔ الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ --- و بعد:

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کو ملاحظہ کیا جو مستفتی عبداللہ غامدی کی طرف سے سماحۃ الرئیس کو موصول ہوا اور جسے کمیٹی کی طرف سے کبار العلماء کے سیکرٹری جنرل کو بحوالہ ۵۱۲۳ مورخہ ۱۴/ ۵/ ۱۴۱۱ھ بھیج دیا گیا اور جس میں مستفتی نے یہ پوچھا تھا:

''میں ایک ویڈیو سینٹر کا مالک ہوں۔ اس سینٹر سے مغربی' ہندوستانی اور عربی فلموں کو بیچا اور کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ ان تمام فلموں میں ایسے مناظر ہوتے ہیں جن میں عورتیں بے پردہ بلکہ بعض میں قریباً قریباً عریاں ہوتی ہیں اس طرح ان میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے اور مرد عورتوں کو بوسے بھی دیتے ہیں' علاوہ ازیں ان میں گانے اور عورتوں کے رقص بھی ہوتے ہیں اور پھر بعض فلموں میں جرائم اور مار دھاڑ کی وارداتیں بھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ سینٹر میں ایک صالح نوجوان آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ میرا یہ کام ناجائز اور حرام ہے اور اس کے ساتھ میں دین و عقیدہ کو نقصان پہنچا رہا ہوں نیز اس کام کی کمائی حرام ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ واجب ہے کہ آپ اس کام سے اپنی جان چھڑا لیں' پھر وہ چلا گیا اور گھر واپس آنے کے بعد میں نے سوچا کہ آپ سے اس مسئلہ میں خط و کتابت کروں کیونکہ آپ پر میں سب سے زیادہ اعتماد کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ سب لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ آپ اس زمانے کے ائمہ میں سے سب سے بڑے عالم ہیں اس لیے امید ہے کہ آپ مجھے جلد فتویٰ دیں گے کیونکہ میں بہت قلق و اضطراب میں مبتلا ہوں۔ حفظکم اللہ و رعاکم۔

کمیٹی نے استفسار کے مطالعہ کے بعد یہ جواب دیا کہ اس نصیحت کرنے والے بھائی نے جو کچھ کہا ہے' وہ بالکل صحیح ہے' اس لیے آپ کے لیے واجب ہے کہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ و باللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	عبدالرزاق عفیفی	عبداللہ بن غدیان
(چیئرمین)	(نائب چیئرمین)	(رکن)

ڈش انٹینا کے بارے میں حکم

سوال عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے ہر اس مسلمان کے نام جو اس تحریر سے مطلع ہو' اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے' جس میں اس کی رضا ہو اور مجھے اور انہیں اپنے غضب و عتاب کے اسباب سے

بجائے آمین! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' امابعد:

آج کل لوگوں میں یہ چیز بہت عام ہو گئی ہے' جسے ڈش یا دیگر ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ طرح طرح کے فتنہ و فساد' باطل عقائد' کفرو الحاد کی مختلف اقسام کی طرف دعوت اور ان تمام چیزوں کو پیش کر رہا ہے' جنہیں دنیا بھر میں نشر کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ٹیلی وژن کی وساطت سے عورتوں کی تصویروں' شراب اور فتنہ و فساد کی مجلسوں اور بیرونی دنیا میں موجود شر کی تمام صورتوں کو بھی دکھا رہا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اسے استعمال کر رہے ہیں اور اس کے آلات ہمارے ملک میں بنائے اور بیچے جا رہے ہیں۔ لہٰذا میرے لیے یہ واجب ہے کہ میں اس کے خطرات' اس کے خلاف جنگ کے وجوب' اس سے اجتناب' گھروں وغیرہ میں اس کے استعمال اور اس کی خرید و فروخت اور بنانے کی حرمت کے بارے میں مطلع کروں کیونکہ اس کے استعمال کرنے میں عظیم نقصان اور بے حد و حساب فتنہ و فساد ہے۔ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون بھی ہے اور مسلمانوں میں کفر اور فتنہ و فساد کے پھیلانے اور قول و عمل کے ساتھ اس کی دعوت دینے کا ایک ذریعہ بھی ہے لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی اس کے ترک کرنے کی وصیت کرے تاکہ وہ حسب ذیل ارشادات باری تعالیٰ پر عمل کر سکے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٢ ﴾

(المائدۃ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾

(التوبۃ۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

اور ارشاد باری ہے:

﴿ وَٱلْعَصْرِ ۝١ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِٱلصَّبْرِ ۝٣ ﴾ (العصر۱۰۳/ ۱۔۳)

"عصر کی قسم کی انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''

اس طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٥)

''دین ہمدردی و خیر خواہی کا نام ہے' ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کے لیے ہمدردی و خیر خواہی' فرمایا: اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور ان کے عوام کے لیے۔'' اس طرح آپ نے فرمایا ہے:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ... الخ، ح:٤٥)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

اور صحیحین میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب قول النبي ﷺ الدين النصيحة ... الخ، ح:٥٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة ... الخ، ح:٥٦)

''میں نے اقامت نماز' ادائے زکوۃ اور ہر مسلمان کے لیے ہمدردی و خیر خواہی پر نبی ﷺ کی بیعت کی۔''

ایک دوسرے کو نصیحت' حق کی وصیت اور خیر و بھلائی کے کاموں پر تعاون کے وجوب کے بارے میں آیات کریمہ اور نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ بہت ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے' حکومتوں کے لیے بھی اور عوام کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ انہیں ان آیات و احادیث کا علم ہو اور وہ صبر بھی کریں اور تمام اقسام کے فتنہ و فساد سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول اور اس کے احکام کی اطاعت بجالانے کے لیے کریں تاکہ اس کی ناراضی اور عذاب سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے' ہمارے دلوں اور تمام اعمال کی اصلاح فرما دے اور ہمارے حکمرانوں کو توفیق بخشے کہ وہ اس مصیبت کو روکیں اور اس پر پابندی عائد کر دیں تاکہ مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا سکیں۔ یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمرانوں کی ہر اس کام میں مدد فرمائے' جس میں بندوں کی اور ملک کی بہتری و بھلائی ہو۔ اللہ تعالیٰ حکومت کے خاص لوگوں اور رازداروں کی اصلاح فرمائے' ان کے ساتھ حق کی مدد کرے اور دنیا بھر کے تمام مسلمان حکمرانوں کو اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' ان کے ساتھ حق کی مدد کرے' انہیں شریعت کے نفاذ اور اس کے مطابق عمل کی توفیق بخشے اور شریعت کی مخالفت سے بچائے' تمام مسلمانوں کے احوال کی اصلاح فرما دے' انہیں دین میں فقاہت و ثبات عطا فرمائے اور اس کی مخالفت سے

بچائے' بے شک وہی کارساز و قادر ہے۔ والسلام علیکم و رحمة الله و برکاته'

——— چیئرمین ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ———

کیا ڈش حرام ہے یا حلال؟

سوال اس دور میں ڈش کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے' جس کے ذریعہ سے بیرونی کافر ملکوں کے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں' جن میں عریاں اور فحش فلمیں بھی ہوتی ہیں' جن میں بوسہ بازی' عریاں رقص' فحش مکالمے اور ایسے پروگرام ہوتے ہیں جو عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا ایسی ایجادات کا استعمال' ان کا پروپیگنڈہ' ان کی تجارت اور ان کا کاروبار کرنے والوں کو کرایہ پر جگہ دینا جائز ہے' یاد رہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں بین الاقوامی خبروں کے لیے استعمال کرتے ہیں؟

جواب اس آلہ کے بارے میں بہت سے لوگوں نے پوچھا ہے' جو بیرونی ملکوں کے ٹیلی وژن سٹیشنوں کے پروگراموں کو اخذ کر لیتا ہے اور جسے ڈش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ کافر ممالک عقیدہ' عبادت' اخلاق' آداب اور امن کے اعتبار سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور جب یہ حقیقت ہے تو پھر یہ بات کوئی بعید نہیں کہ ان ٹی۔وی سٹیشنوں کے ذریعہ سے بھی وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں 'اگرچہ دجل و تلبیس کے طور پر ان پروگراموں میں وہ کچھ مفید چیزیں بھی شامل کر لیتے ہیں کیونکہ بتقاضائے فطرت انسانی نفوس ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے' جن میں صرف نقصان ہی نقصان ہو۔ مومن سمجھ دار اور ذہین ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے علم بخشا ہے' جس سے وہ مصالح اور مفاسد میں امتیاز کر سکتا ہے اور معلوم کر سکتا ہے کہ کون سی چیزیں اس کے فائدہ کی ہیں اور کون سی نقصان کی اور پھر اسے اللہ تعالیٰ نے اس قوت و شجاعت سے بھی نوازا ہے' جس سے وہ نقصان دہ چیزوں کے نقصانات سے بھی بچ سکتا ہے۔ اگر اس ڈش کی صورت حال اسی طرح ہے' جیسے سوال میں مذکور ہے تو پھر اسے حاصل کرنا' اس کا پروپیگنڈہ کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

''اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان جہنمیوں کے راستے سے بچائے' جن پر وہ غصے ہوتا رہا اور جو گمراہ ہیں۔

——— شیخ محمد صالح العثیمین ———

سوال --فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین حفظہ اللہ -- اس دور میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہو گیا ہے' جس سے انسان دنیا بھر کے ٹیلی وژن سٹیشنوں کے پروگرام اپنے ٹیلی وژن سیٹ پر دیکھ سکتا ہے اور یہ بات آپ سے مخفی نہیں ہے کہ یہ ٹی۔وی سٹیشن اللہ کے دین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے کس قدر زہریلے پروگرام نشر کر رہے ہیں کیونکہ ان ٹی۔وی سٹیشنوں پر کام کرنے والے دشمنان اسلام ہیں۔ یہ آلہ لوگوں میں ڈش کے نام سے موسوم ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی خرید و فروخت یا اس کی تشہیر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں اور مسلمانوں کو اپنی نصیحت سے بھی نوازیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس آلہ کے ذریعے سے اگر کافر حکومتوں مثلاً یہود ونصاریٰ اور رافضہ کی نشریات کو دیکھا جائے' اس کے ذریعے سے فتنہ وفساد' تشکیک اور حرام کی طرف میلان ہو' زنا' چوری' ڈکیتی' رہزنی اور مسکرات و منشیات کے حصول جیسے جرائم کی طرف رجحان ہو' اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں اور ایسے شکوک وشبہات کو نشر کیا جائے جو ایک مسلمان کو اس کے دین کے بارے میں حیرت میں مبتلا کر دیں اور پھر اس کے استعمال کے ذریعے سے کافروں کے دین کی تعظیم اور ان کے افعال اور کارناموں کی ستائش کی جاتی ہو اور اس طرح کے دیگر بہت سے مفاسد لازم آتے ہوں تو پھر بلاشبہ اس کی خرید و فروخت' تشہیر' درآمد اور اس کا استعمال حرام ہے' کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد ہے اور اس کا استعمال فتنہ وفساد کا باعث بنتا ہے۔ ہم ہر مسلمان سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ شرور اور ان کے اسباب سے دور رہ کر اپنے آپ کو بچالے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

فحش مجلّات

فحش مجلّات' مسلمانوں کیلئے ان کے خطرات' ان کی خرید و فروخت اور ان کی اشاعت میں تعاون کرنے کے بارے میں حکم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب إليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله أرسله الله تعالى بالهدى ودين الحق فبلّغ الرسالة وأدّى الأمانة ونصح الأمة وتركها على محجة بيضاء ليلها كنهارها فصلوات الله وسلامه عليه وعلى آله وَأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد:

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور ظاہری و باطنی فتنوں سے بچو' ہر اس چیز سے بچو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی اس عبادت سے غافل کر دے' جس کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اور ہر اس چیز سے بچو جو تمہارے اس عزو شرف اور اخلاق کے منافی ہو' جس پر تمہارے معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔

وَإِنَّمَا الأُمَمُ الأَخْـلاَقُ مَا بَقِيَتْ
فَإِنْ هُمُوا ذَهَبَتْ أَخْلاَقُهُمْ ذَهَبُوا

"جب تک امتوں کے اخلاق اچھے ہوں وہ باقی رہتی ہیں اور اگر اخلاق ختم ہو جائیں تو امتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔"

فتنوں سے بچو کہ یہ دلوں میں سرایت کر کے اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دیتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذکر سے نرم ہونے

والے اور اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہونے والے دلوں تک رسائی حاصل کر کے انہیں سختی اور تکبر میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ فتنے دلوں پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں' جس طرح زہر اثر انداز ہو کر تباہی و بربادی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لوگو! تمام فتنوں سے بچ جاؤ' ان کے اسباب سے بھی اجتناب کرو۔ کوئی یہ نہ کہے کہ میں تو مومن اور نیک پاک ہوں' یہ فتنے مجھ پر اثر انداز نہیں ہوں گے' اس طرح عصمت و پاک دامنی کا دعویٰ کرنے والا فتنوں کے اسباب کے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ ابلیس کے تیر ہر وقت برستے رہتے ہیں اور شیطان انسان میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح رگوں میں لہو' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور آپ نے دجال کے فتنہ کے خوف کی وجہ سے اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ فَوَاللهِ! إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهُ مِمَّا يُبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ»(سنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، ح:٤٣١٩)

"جو شخص دجال کے بارے میں سنے تو وہ اس سے دور ہو جائے کیونکہ اللہ کی قسم! ایک شخص اس کے پاس آئے گا اور وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہو گا لیکن اس کے پاس آکر اس کے پھیلائے ہوئے شبہات کے پیچھے لگ جائے گا۔"

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والو! یہ حدیث ایک ایسا مینارۂ نور ہے' جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے نصب فرما دیا ہے۔ تمام فتنوں کے موقع پر ہم اس سے کسب ضوء کر سکتے ہیں تاکہ ان سے دور رہیں خواہ ہمارا یہ گمان ہی کیوں نہ ہو کہ ہم ان فتنوں سے سلامتی کے ساتھ نکل جائیں گے۔ فتنے کے سامنے انسان اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا اور نہ وہ اس کے جال میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے۔ اے لوگو! اے بھائیو! ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں' جس میں اسباب فتنہ کی کثرت ہے' فتنہ کے اسلوب اور انداز مختلف ہیں' اس کے دروازے ہر طرف کھلے ہوئے ہیں' ہمارے سامنے دنیا کو کھول دیا گیا ہے جب کہ پہلے لوگوں نے جب اس کی رغبت کی تو وہ دنیا کی دل فریبیوں میں مبتلا ہونے کے باعث تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اب بدعات کے شبہات ہیں' جنہیں سادہ لوح لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ اب تحقیق سے خالی فتووں اور لٹریچر کی بھرمار ہے' جس نے لوگوں کے افکار کو مضطرب کر دیا ہے اور ایک بہت بڑی قیامت اور مصیبت یہ اخبارات اور جرائد ہیں' جو اس دور میں جنون' فسق و فجور اور انارکی و فحاشی کے داعی ہیں' جس کے باعث جسمانی اور فکری طور پر انسان کھوکھلا ہو چکا ہے اور بہت سے لوگوں کی عقلوں پر حیوانیت کا غلبہ ہے' جس کی وجہ سے انہوں نے ان اخبارات و مجلّات کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا رکھا ہے اور دین و دنیا کی مصلحتوں کو ضائع کر دیا ہے اور وہ اس مہلک بیماری کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں محفوظ رکھے۔

لوگو! یہ کس قدر افسوس ناک' غم ناک اور اندوہ ناک بات ہے کہ ہمارے بچوں' جوانوں' بوڑھوں' مردوں اور عورتوں کے ہاتھ میں اس طرح کے اخبارات و مجلّات ہوں' جن کے مضامین اور تصویریں اعلیٰ و ارفع اخلاق کو خیرباد کہہ کر گھٹیا اخلاق کو اختیار کرنے کی دعوت دیں' جب کہ ہم ایک ایسے ملک کے باشندے ہیں جو توحید' ایمان اور اسلام کا ملک ہے۔ میں کئی ایک مخرب اخلاق اور فحش مجلّات کے بارے میں سنتا رہتا تھا' جن کا اس وقت میں نام نہیں لوں گا کیونکہ اس طرح کے چند مجلّات کا نام لینے سے بعض لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کے علاوہ باقی تمام مجلّات پاکیزہ ہیں' اس لیے میں کسی کا نام

لیے بغیر کہتا ہوں کہ یہ ایسے مجلّات ہیں جو برائی و بے حیائی اور فحاشی و انارکی پھیلا رہے ہیں۔ میں اس طرح کے مجلات کے دیکھنے کو بھی وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھتا تھا حتیٰ کہ بعض نیک لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان میں سے بعض مجلّات کو دیکھوں خواہ ایک نظر ہی سہی اور پھر انہوں نے میری طرف بعض مجلّات کو بھیجا تاکہ ان کے مناسب حال حکم لگانا ممکن ہو کیونکہ کسی چیز کو جانے بغیر اس سے بچنا یا اس کے بارے میں حکم لگانا ممکن نہیں۔ میں نے جب ان مجلّات کو دیکھا تو میں اس جگہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم اس بات پر گواہ ہو جاؤ اور ہمارے اوپر اللہ گواہ ہے اس بات پر جو میں کہہ رہا ہوں اور تم سن رہے ہو کہ یہ مجلّات اخلاق کو تباہ اور امت کو خراب کرنے والے ہیں اور کسی بھی عقل مند شخص کو اس کے بارے میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا جو ان مجلّات کے اسلامی معاشرے میں پھیلانے والوں کا ارادہ ہے۔ میں نے ان مجلّات کے بارے میں جو کچھ سنا تھا' دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ ان میں ایسی گھٹیا اور فحش باتیں ہیں' جنہیں کوئی بھی اچھے اخلاق والا انسان سننا اور پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ ان مجلّات کے سرورق پر عورتوں کی تصویریں ہیں اور ان کے اندرونی صفحات پر تو عورتوں کی ایسی فتنہ انگیز تصویریں ہیں' جن کا لباس شرافت سے عاری اور رذالت میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ ایسی تصویریں ہیں جو اس شخص کے جذبات کو بھی بیدار کر دیتی ہیں' جس میں شہوت ہی نہ ہو۔ اس میں ایسی باتیں ہیں جو حرام موسیقی اور گانے کی دعوت دیتی ہیں۔ تشہیر کے لیے اس میں سگریٹ کے ڈبوں کی بھی تصویریں ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں اور بھی بہت زبردست فحش چیزیں ہیں اور جو مجلّات مجھ تک نہیں پہنچ پائے ممکن ہے کہ ان کی صورت حال اس سے بھی زیادہ سنگین اور بدترین ہو۔

لوگو! میں کیا کہوں اور میرے علاوہ دیگر محبین اصلاح کیا کہیں؟ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ ہم محبین اصلاح بن جائیں' ہم مصلحین میں سے ہو جائیں' میں ان جرائد و مجلّات کے بارے میں کیا کہوں؟ کن سے بات کروں' کیا حکومت کے ذمہ داروں سے بات کروں؟ اس طرح کے منبر سے حکومت کے ذمہ داروں سے مخاطب ہونا نہ تقاضائے عقل ہے اور نہ شریعت کا حکم کیونکہ یہ اچھی بات نہیں ہے کہ اس طرح کے منبر سے ہم ان سے مخاطب ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان، ح: ٦٤٧٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار ... الخ، ح: ٤٧)

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش ہو جائے۔"

کیا میں ان مجلّات کے ذمہ داروں سے بات کروں' ان سے بات کرنا بھی ممکن نہیں کیونکہ وہ میرے سامنے نہیں ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ان تک میری یہ بات پہنچ بھی جائے لہٰذا میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ اس دن ان سے ان مجلّات کے بارے میں پوچھا جائے گا جب وہ اللہ عزوجل کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہیں آئے گی اور نجات صرف وہ پائے گا جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا۔ یہ لوگ جو ان منکرات کو پھیلاتے ہیں تو ان سے ان کے نتیجہ میں جنم لینے والے جرائم کے بارے میں پوچھا جائے گا کیونکہ معاشرہ جب حیوانی معاشرہ بن جائے تو پھر وہ حق کو حق اور منکر کو باطل نہیں سمجھتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر اطاعت نہیں جھکاتا' اللہ کے بندوں کے احکام کو تسلیم کرنا تو بڑی دور کی بات ہے اور اس سے اس قدر انارکی پھیلتی ہے' جس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

لوگو! جب ان سب لوگوں سے مخاطب ہونا میرے لیے ممکن نہیں تو یہ میرے لیے ضرور ممکن ہے کہ ہم وطنو! میں آپ سے بات کروں' لٰہذا میں آپ سے بات کرتا ہوں کیونکہ آپ مومن ہیں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کیونکہ آپ شریف ہیں' میں آپ سے مخاطب ہوں کیونکہ آپ غیرت مند ہیں' میں آپ سے اس لیے کہتا ہوں کہ آپ باپ ہیں' میں آپ کو اس لیے بلاتا ہوں کہ آپ وارث ہیں' میں آپ سب کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ اپنے دین اور اخلاق کی حفاظت کرو' ظاہر اور خفیہ فتنوں سے دور رہو۔ میں تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ یہ جرائد و مجلّات تمہارے گھروں میں نہ آئیں جو فتنہ انگیز تصویروں' گمراہ کن باتوں اور عریاں و فحش لباس سے لبریز ہیں' کیونکہ یہ جب تمہارے گھروں میں آئیں گے تو گھر والوں کو تباہ و برباد کر دیں گے' ان کے اخلاق اور ان کی تہذیبی قدروں کو غارت کر دیں گے کیونکہ ان جرائد و مجلّات میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے' وہ ان سے دلچسپی رکھنے والوں پر یقیناً اثر انداز ہوتا ہے' وہ ان میں پیش کیے جانے والے افکار و نظریات سے متاثر ہوتے ہیں۔ مومنو! ان فحش جرائد و مجلّات کا گھروں میں آنا' فرشتوں کے گھروں میں داخل ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو اور اس گھر کی محرومی و بدقسمتی کے کیا کہنے' جس میں اللہ کی رحمت کے فرشتے داخل ہی نہ ہوں۔ انہیں بطور تحفہ دینا حرام' انہیں بطور تحفہ قبول کرنا حرام اور ہروہ کام بھی حرام ہے جو ان کے مسلمان معاشرے میں پھیلانے کا سبب بنے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

''اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔''

اے بندگان الٰہی! اللہ سے ڈرو اور اس بات سے اجتناب کرو کہ یہ جرائد و مجلّات تمہارے ہاتھوں میں ہوں لٰہذا انہیں جلا دو کیونکہ میری یہ بات سن کر تم پر حجت تمام ہو گئی ہے لٰہذا ان مجلّات کو جلا دو' انہیں تلف کر دو تاکہ یہ تمہارے پاس باقی نہ رہیں' بچوں اور بچیوں کے ہاتھوں میں نہ رہیں' ان کے خریدنے یا ان کی اشاعت میں اپنا مال خرچ نہ کرو کیونکہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں' ان خرابیوں میں سے ایک اس مال کو ضائع کرنا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے سبب معیشت بنا دیا ہے اور دین و دنیا کی مصلحتیں جس سے وابستہ ہیں اور جس چیز میں کوئی نفع نہ ہو' سراسر نقصان ہو' اس میں مال خرچ کرنا مال کو ضائع کرنا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [1] دوسری خرابی یہ ہے کہ ان جرائد و مجلّات کے پڑھنے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور وقت عقلاء کے نزدیک مال سے بھی زیادہ قیمتی ہے کیونکہ زندگی وقت ہی کا نام ہے اور اسے ضائع کرنا زندگی کو ضائع کرنا ہے اور ہر انسان سے زندگی کے بارے میں سوال ہو گا جیسا کہ اس سے مال کے بارے میں سوال ہو گا لٰہذا اگر انسان اپنی زندگی کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطالعہ میں اور تفسیر' سیرت النبی اور سیرت خلفائے راشدین سے متعلق کتابوں کے مطالعہ میں بسر کرے جو کتاب و سنت کے فہم میں ممد و معاون ثابت ہوں تو اسے خیر کثیر حاصل ہو گا۔

[1] صحیح البخاری' الاستقراض' باب ماینهی عن إضاعة المَالِ' حدیث : 2408 و صحیح مسلم' الاقضیه' باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة --- الخ' حدیث: 1715

ان جرائد و مجلّات کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ان سے دل میں فرضی محبت و عشق کے ایسے ایسے خیالات آتے ہیں' جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کی مثال ایسی ہے' جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے اور جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اسے اس کا حساب پورا پورا چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

ان جرائد و مجلّات میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان ان میں جن تصویروں اور لباس کو دیکھتا ہے' وہ اس کے اخلاق و عادات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر مسلمانوں کا معاشرہ بھی ان غلط معاشروں کی نقالی کرنے لگتا ہے لہٰذا مومنو! ان جرائد و مجلّات کا بائیکاٹ کر دو' ان کے ناشرین سے تعاون نہ کرو' تمہارے خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ تم انہیں مالی طور پر مضبوط اور مستحکم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہو' یعنی جو شخص انہیں خریدتا ہے وہ بھی گناہ اور ظلم کی باتوں میں برابر کا شریک ہے' مومنو! اس ارشاد باری تعالیٰ کو بھی یاد رکھو:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَـٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ ﴾ (التحریم٦٦/٦)

''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے' اور جو حکم ان کو ملتا ہے' اسے بجالاتے ہیں۔''

اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تو اس کا گواہ بن جا اور یہ لوگ جو سن رہے ہیں تو ان کا بھی گواہ ہو جا۔ تم پر یہ واجب ہے اور میں بار بار یہ کہتا ہوں کہ تم پر یہ واجب ہے کہ ان جرائد و مجلّات سے قطع تعلق کرو' جو تمہارے پاس موجود ہوں' انہیں جلا دو تاکہ تم ان کے گناہ سے بچ جاؤ۔ اے اللہ! تو ہمیں اچھے اخلاق و اعمال کی توفیق عطا فرما کیونکہ ان کی توفیق صرف تو ہی عطا فرما سکتا ہے۔ اے اللہ! تو ہم سے برے اخلاق و اعمال کو دور فرما دے کہ اے رب العالمین! تیرے سوا انہیں کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! فتنہ و فساد برپا کرنے والوں' فسق و فجور پھیلانے والوں اور دین سے منحرف ہونے والوں کو تباہ و برباد کر دے۔ اے اللہ! انہیں ذلیل و رسوا کر دے' انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اے اللہ! انہیں مالی نقصان سے دو چار کر دے تاکہ یہ توبہ کر کے رشد و بھلائی اور اپنی امت کی اصلاح و خیر خواہی کی طرف لوٹ آئیں یا رب العالمین! اے اللہ! ان پر ایسے لوگوں کو مسلط فرما دے جو انہیں ان کے اس شر سے روکیں' جس نے بہت سے لوگوں کو فسق و فجور اور انارکی و بے حیائی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تو قبول فرما۔ اے اللہ تو قبول فرما۔ اللھم صل وسلم علی عبدک و رسولک محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عورتوں کی تصویروں والے مجلّات پر پابندی لگانا واجب ہے

سوال بازار میں فروخت کیے جانے والے ان مجلّات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جن پر عورتوں کی بناؤ سنگار

کے ساتھ اور بہت فتنہ انگیز انداز میں تصویریں چھپی ہوتی ہیں؟ کیا ایسے مجلّات کو بیچنا جائز ہے؟

جواب ان تمام جرائد و مجلّات پر پابندی عائد کرنا واجب ہے' جن میں عورتوں کی تصویریں ہوں کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ حکومت نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے' والحمد للّٰه علی ذلک! اسی طرح وزیر اطلاعات کی طرف سے بھی ان مجلّات پر پابندی کا حکم صادر ہو چکا ہے لہٰذا سب پر واجب ہے کہ وہ تعاون کریں تاکہ مسلمانوں کو ان مجلّات اور ایسی صحافت سے بچایا جاسکے جو گھٹیا باتیں اور فحش تصویریں پھیلا رہی ہے' خواہ اس کا تعلق اندرون ملک سے ہو یا بیرون ملک سے کیونکہ یہ ایک ایسی برائی ہے جسے متعلقہ ذمہ دار لوگوں کی وساطت سے مٹا دینا واجب ہے۔ وزارت اطلاعات اور دینی امور کو بھی چاہیے کہ وہ اس کے خاتمہ کے لیے اقدام کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر اس کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس میں بندوں اور شہروں کی خیر و بھلائی ہو' انه سمیع قریب۔

——— شیخ ابن باز ———

فحش رسالوں کی اشاعت کا حکم

سوال ایسے رسالوں کی اشاعت کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں عورتوں کی عریاں اور فتنہ انگیز تصویریں اور فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کی خبریں شائع کی جائیں؟ جو شخص اس طرح کے کسی رسالہ میں کام کرے' یا اس کی تقسیم میں مدد کرے یا اسے خریدے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ایسے رسالوں کو شائع کرنا جائز نہیں ہے' جن میں عورتوں کی تصویریں ہوں یا جن میں بدکاری و بے حیائی' لواطت' منشیات یا دوسری باطل چیزوں کے استعمال کی دعوت دی جاتی ہو' نہ اس طرح کے رسالوں میں کتابت یا تقسیم وغیرہ کا کام ہی جائز ہے کیونکہ یہ گناہ' ظلم کی باتوں' زمین میں فساد پھیلانے' معاشرے کو خراب کرنے اور گھٹیا اور بری باتوں کے پھیلانے میں تعاون کرنا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٢ ﴾

(المائدة٥/ ٢)

''اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمِ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلاَلَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا»(صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ... الخ، ح: ٢٦٧٤)

''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے' اسے ان لوگوں کے اجر و ثواب کے مطابق اجر ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور پیروی کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی

طرف دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہ کے بقدر گناہ ملے گا' جو اس کی پیروی کریں گے اور پیروی کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلاَتٌ مَائِلاَتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لاَ يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلاَ يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا»(صحيح مسلم، اللباس، باب النساء الكاسيات العاريات ... الخ، ح:٢١٢٨)

"جہنمیوں کی دو جماعتیں ایسی ہیں جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا (۱) وہ مرد جن کے ہاتھوں میں گائے کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے' جن کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے اور (۲) ایسی عورتیں جنہوں نے لباس تو پہنا ہو گا مگر وہ عریاں ہوں گی۔ مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوں گے' وہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو ہی پا سکیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور کی مسافت سے آ رہی ہو گی۔"

اس مضمون کی آیات و احادیث بہت ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے' جس میں ان کی بہتری اور نجات ہو اور وزارت اطلاعات اور امور صحافت کے ذمہ دار لوگوں کو ہر اس بات کی توفیق بخشے' جس میں معاشرہ کی سلامتی اور نجات ہو اور انہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور شیطان کی چالوں سے پناہ دے۔ انہ جواد کریم۔

—— شیخ ابن باز ——

فحش مجلّات کے بارے میں حکم

سوال ایسے مجلّات شائع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں عورتوں کی تصویریں' خلاف شریعت افکار و نظریات اور ایسی عورتوں کے انٹرویوز ہوں جو فتنہ پرور ہوں اور جنہوں نے زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی طرح میک اپ کر رکھا ہو؟ تجارتی مراکز اور مکتبات پر ان کی توزیع و تقسیم اور خرید و فروخت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہیں خریدنے' حاصل کرنے اور دوسروں کو تحفہ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کے ادارۂ تحریر میں شرکت کرنے اور ان میں مقالات لکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مجلّہ "سیدتی" کو بھی اس قبیل کے مجلّات میں شمار کیا جا سکتا ہے' جن کے بارے میں مذکورہ بالا سوالات ہیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب اور امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے؟

جواب سنت متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ تصویر مطلقاً حرام ہے۔ مصوروں پر لعنت کی گئی ہے اور ہر مصور جہنم رسید ہو گا۔ اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے عوض ایک نفس بنایا جائے گا اور اسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور مصوروں کو جہنم میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہو گا اور انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکیں' انہیں عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم نے جو پیدا کیا تھا اسے زندہ کرو۔ تصویر کی حرمت میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب وہ فتنے کا سبب بنے جس طرح عریاں عورتوں کی تصویریں یا عورتوں کے لیے مردوں کی تصویریں ہیں۔ جب تصویر حرام ہے تو وہ جرائد

و مجلّات بھی حرام ہیں جو ان تصویروں کو شائع کرتے' فتنہ و فساد اور فحاشی و انارکی کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ جو چیز جرائم و منکرات کا وسیلہ بنے' وہ بھی حرام ہے لہٰذا جو شخص اس طرح کے مجلّات کو شائع کرے' بیچے یا خریدے یا کسی کو بطور تحفہ دے وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ، وَلَعَنَ شَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا، وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَآكِلَ ثَمَنِهَا»(سنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، ح: ٣٦٧٤ ومسند أحمد: ٢/ ٩٧ واللفظ له)

''اللہ تعالیٰ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' اسے نچوڑنے والے' جس کے لیے نچوڑی گئی ہو' اس کے بیچنے والے خریدنے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھائی گئی ہو اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔''

یہ مجلّات اخلاق' عفت و پاک دامنی اور دین و ایمان کے لیے شراب سے بھی بڑھ کر نقصان دہ ہیں خصوصاً جب کہ یہ ملحدانہ افکار و نظریات اور ایکٹرسوں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح میک اپ کرنے والی عورتوں کے اعلانات پر مشتمل ہوں' تو انہیں شائع کرنا' ان میں مقالات لکھنا' انہیں درآمد کرنا اور ان کی ترغیب دینا فتنہ و فساد کے پھیلانے' فحاشی کی اشاعت کرنے' گھٹیا باتوں کے پھیلانے اور برائی و بے حیائی اور بد اخلاقی کی دعوت دینے میں شرکت ہے۔ بلا شک و شبہ مجلّہ ''سیدتی'' انتہائی خراب اور گھٹیا مجلّہ ہے' اس میں بھی فحش تصویریں اور بدکاری کی دعوت ہوتی ہے' جو کسی بھی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں' لہٰذا جو شخص نجات چاہتا ہے' اس کے لیے میری نصیحت یہ ہے کہ وہ ان مجلّات سے دور رہے' ان میں کسی طرح کی ذرہ بھر بھی شرکت نہ کرے تاکہ وہ نجات پا سکے اور اپنے دین و عزت کو بھی بچا سکے۔ واللہ اعلم' وصلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جرائد و مجلّات اور آسمانی برجوں سے متعلق عقیدہ

سوال فضیلۃ الشیخ! امید ہے آپ اس بارے میں حکم شریعت کی وضاحت فرمائیں گے کہ بعض گھٹیا قسم کے مجلّات میں آسمانی برجوں مثلاً برج ثور اور برج عقرب وغیرہ کے بارے میں جو کچھ شائع کیا جاتا ہے' اس کی کیا حیثیت ہے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ مثلاً جو برج ثور میں پیدا ہو گا' اسے یہ یہ حالات پیش آئیں گے' وہ فلاں فلاں ملکوں کی طرف سفر کرے گا' علاوہ ازیں اس طرح کی باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں جو دعویٰ علم غیب پر مبنی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہر ہر برج سے متعلق مخصوص حالات منسوب کر رکھے ہیں' جن کے بارے میں یہ گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب برج سے مراد سورج کی منزلیں ہیں' جو بارہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم بھی کھائی ہے:﴿ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴾ (البروج: ۸۵/۱) ''آسمان کی قسم جس میں برج ہیں'' اور یہ برج حمل' ثور' جوزاء' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت ہیں اور یہ معمول کے مہینے ہیں' ان میں جو کچھ ہوتا ہے' انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ برج ثور میں یہ ہوتا ہے اور برج عقرب میں یہ ہوتا ہے تو وہ اس علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ستاروں' برجوں اور منزلوں کے بارے میں صرف ایسی بات ہی کہنی چاہیے' جس سے انسان کو ایمان اور

اسلام کے اعتبار سے فائدہ پہنچے۔ واللہ اعلم' وصلی اللہ علی محمد و آله و صحبه وسلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

فحش مجلّات پڑھنے کے بارے میں حکم

سوال ان عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے' جو فحش جرائد و مجلّات کا مطالعہ کریں؟

جواب ہر انسان کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ حرام ہے کہ وہ بدعت و ضلالت پر مبنی کتب اور ایسے مجلّات کو پڑھے' جو خرافات کو شائع کر رہے ہوں' جھوٹے دعوے کرتے ہوں اور اخلاق کریمانہ سے انحراف کی دعوت دیتے ہوں۔ البتہ اس شخص کے لیے انہیں پڑھنا جائز ہے' جو ان کے الحاد و انحراف کی تردید کرے' ان کے شائع کرنے والوں کو نصیحت کرے' ان کے اس طرز عمل کی مذمت کرے اور لوگوں کو بھی ان کے شر سے ڈرائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو شخص اپنے گھر میں فحش مجلّات لانے کی اجازت دے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے' جو اپنے گھر میں ایسے فحش مجلّات کی اجازت دے' جن میں تصویریں اور ایسے مقالات ہوں' جو شرعاً حرام ہیں؟

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں ایسے مجلّات یا ناول لائے' جن میں ایسے مقالات ہوں جو الحاد اور بدعت و ضلالت یا برائی و بے حیائی اور جنسی انارکی کی طرف دعوت دیتے ہوں کیونکہ یہ عقیدہ اور اخلاق کو خراب کرتے ہیں۔ ہر گھر کا سربراہ اپنے گھر کے بارے میں جواب دہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُمْ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب في القرى والمدن، ح: ٨٩٣ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل ... الخ، ح: ١٨٢٩ واللفظ له)

"آدمی اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

و صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آله وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مفید مجلّات اور تصویریں

سوال مجھے مفید مجلّات پڑھنے کا بہت شوق ہے' میں ان سے استفادہ کرتا رہتا ہوں لیکن ان میں موجود تصویروں کی وجہ سے مشکل در پیش ہے اور وہ یہ کہ کیا انہیں خریدنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا پڑھنے کے بعد ان مجلّات کو ضرورت کے لیے اپنے پاس محفوظ رکھ سکتا ہوں یا انہیں جلا دوں؟

جواب آپ مفید اخبارات و جرائد کو پڑھ سکتے ہیں اور ان سے دینی' ادبی اور اخلاقی فوائد حاصل کر سکتے ہیں' جہاں تک تصویروں کا تعلق ہے تو انہیں سیاہی وغیرہ کے ساتھ مٹا دیں' یا چہرے کو مٹا دیں یا انہیں ڈھانپ کر یا الماری اور صندوق

وغیرہ میں بند کر کے رکھیں اور اگر ضرورت باقی نہ رہے تو انہیں جلا دیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جریدہ "الشرق الاوسط" کی خرید و فروخت

سوال اخبار "الشرق الاوسط" مسلمانوں کی خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے' ان کے مسائل کو چھپانے اور اسلام اور مسلمانوں کی صورت کو اس طرح پیش کرنے میں جو کسی طرح بھی موزوں نہیں' انتہائی برا کردار ادا کر رہا ہے' اس کے برعکس وہ کافر فن کار مردوں اور عورتوں کی تصویریں اور خبریں بڑے اہتمام سے نمایاں کر کے شائع کرتا ہے' تو اس جریدہ کی خرید و فروخت' اس کی تقسیم اور اسے حاصل کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس اخبار کے ساتھ تعاون گویا اس کی حوصلہ افزائی کرنے' اس کی اشاعت میں حصہ لینے اور اس کی پالیسی کو پروان چڑھانے کے مترادف ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اسے حاصل کرنا' خریدنا اور تقسیم کرنا منع ہے۔ میں اسلام کے ہر بہی خواہ کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں گا کہ وہ اس میں اشتراک سے اجتناب کرے اور اس کی اشاعت میں قطعاً کسی قسم کا حصہ نہ لے' اس سے یہ اپنی موت آپ مرجائے گا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اس سے تعاون صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے اسلوب' طریقے اور روش کو بدل لے۔ اس فتویٰ کو عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین رکن افتاء کمیٹی نے لکھا۔ و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

گانے سننے کے بارے میں حکم

سوال گانے سننے کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

جواب عشقیہ گانے سننا ہر مرد و عورت کے لیے حرام ہے خواہ وہ اپنے گھر میں ہو یا گاڑی میں یا خاص و عام محفلوں میں کیونکہ اس سے انسان اس طرف مائل ہوتا اور اسے اختیار کرتا ہے' جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٞ مُّهِينٞ ۝٦ ﴾ (لقمان ۳۱/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) علم کے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"

سائل نے جو گانے کا ذکر کیا ہے تو یہ بھی لہو الحدیث (بے ہودہ حکایتوں) میں سے ہے کیونکہ یہ دل کے لیے فتنہ ہے' دل کو شر کا خوگر بنا کر خیر سے دور کر دیتا ہے اور گانے کا رسیا ہو کر انسان اپنا وقت ضائع کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہے۔ جو شخص گانا گائے یا سنے تاکہ اپنے آپ کو یا دوسرے کو اللہ کے راستے سے دور کر دے تو وہ بے ہودہ حکایتیں خریدنے کے عموم میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی اور ایسا کرنے والوں کو ذلیل کرنے والے

عذاب کی وعید سنائی ہے جس طرح قرآن مجید کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ گانا گانا اور سننا حرام ہے' اسی طرح سنت سے بھی گانے کی حرمت ثابت ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ، يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ لِحَاجَةٍ فَيَقُولُونَ: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللهُ، وَيَضَعُ الْعَلَمَ، وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

''میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے' جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال قرار دیں گے' کچھ لوگ ایک پہاڑ کے پہلو (دامن) میں فروکش ہوں گے' ان کے پاس ان کے چرنے والے جانوروں کو لایا جائے گا اور ان کے پاس اپنی حاجت و ضرورت کی وجہ سے ایک فقیر آئے گا تو اس سے کہیں گے کہ ہمارے پاس کل آنا تو وہ اس طرح رات بسر کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ کھڑا کر دے گا اور کچھ دوسرے لوگوں کو قیامت تک کے لیے بندروں اور خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دے گا۔''

معازف سے مراد لہو اور آلات لہو و لعب ہیں اور گانا گانا اور سننا بھی اسی میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زنا کو حلال سمجھنے والوں اور مردوں کے لیے ریشم اور شراب نوشی اور آلات لہو و لعب کو حلال سمجھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آلات لہو و لعب کو بھی ان کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے' جو اس حدیث کے شروع میں مذکور ہیں اور پھر اس حدیث کے آخر میں ان گناہوں کی وجہ سے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آلات لہو ولعب' گانا گانا اور سننا حرام ہے۔ البتہ اگر قصد و ارادہ کے بغیر کسی کے کان میں گانے کی آواز پڑ جائے مثلاً راستہ چلتے ہوئے کسی دوکان یا گاڑی سے آنے والی گانے کی آواز کان میں پڑ جائے یا کسی پڑوسی کے گھر سے آنے والی آواز قصد و ارادہ کے بغیر کان میں پڑ جائے تو یہ شخص معذور ہے' اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا' البتہ اسے چاہیے کہ مقدور بھر کوشش کر کے' حکمت و موعظت حسنہ کے اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے نصیحت کرے' منکر سے منع کرے اور جہاں تک ممکن ہو کوشش کرے کہ گانے کی آواز اس کے کان میں نہ پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

شیخ ابن باز

دین' وطن' بچوں اور سال گرہ کے گیت

سوال قبل ازیں ہم نے آپ سے گانا سننے کے بارے میں استفسار کیا تھا' تو آپ نے جواب دیا کہ عشقیہ گانے حرام ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دین' وطن' بچوں اور سال گرہ کے گیتوں کے بارے میں کیا حکم ہے' یاد رہے کہ یہ گیت خواہ ریڈیو سے نشر کیے جائیں یا ٹی وی سے ان کے ساتھ ساز ضرور ہوتا ہے؟

جواب ساز مطلقاً حرام ہے اور دین' وطن اور بچوں کے گیت اگر ساز کے ساتھ ہوں تو حرام ہیں' جہاں تک سالگرہ کی تقریبات کا تعلق ہے تو یہ بدعت ہیں اور ان میں حاضری اور شرکت حرام ہے۔ ساز کے ساتھ گائے جانے والے گانوں اور گیتوں کے حرام ہونے کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

''میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔''

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے' علاوہ ازیں اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

گیتوں کے ساتھ طبلہ اور سارنگی

سوال ہم بعض محفلوں میں گیتوں کے ساتھ طبلہ اور سارنگی کو بھی استعمال کرتے ہیں اور یہ سلسلہ رات بھر جاری رہتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ہمارے اس فعل کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام بہت برا ہے یعنی گیتوں کا طبلہ و سارنگی کے ساتھ گانا' یاد رہے کہ ہم فحش گیت نہیں گاتے' آپ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہمیں کوئی ایک بھی دلیل ایسی معلوم نہیں جس سے طبلہ اور سارنگی کا استعمال جائز قرار پاتا ہو' بلکہ صحیح حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی دیگر تمام آلات موسیقی کی طرح حرام ہیں' مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

''میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے' جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔''

حدیث میں آنے والا ''معازف'' کا لفظ تمام گانوں اور تمام آلات موسیقی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ریڈیو کے ایسے پروگرام جن میں موسیقی ہو

سوال ریڈیو کے بعض ایسے مفید پروگرام مثلاً اخبارات کے اداریے وغیرہ سننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب ان کے درمیان میں موسیقی بھی ہو؟

جواب ایسے پروگرام سننے اور ان سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ موسیقی کے شروع ہونے پر ریڈیو کا بٹن بند کر دیا جائے اور جب تک موسیقی ختم نہ ہو اسے بند رکھا جائے' کیونکہ موسیقی بھی جملہ آلات لہو سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کے ترک کرنے کو آسان بنا دے اور ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

ٹیلی وژن سے نشر کی جانے والی موسیقی

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے گانے اور موسیقی کو سننا حرام ہے اور دلیل یہ دی جائے کہ یہ تو ریڈیو اور ٹیلی وژن سے

نشر کی جا رہی ہے' ہم تو اسے استعمال نہیں کر رہے؟

جواب گانوں' ساز اور دیگر آلات موسیقی کو سننا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں اور ان کا سننا دلوں کو بیمار اور سخت کر دیتا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٖ ﴾ (لقمان۳۱/٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خرید تا ہے تاکہ (لوگوں کو) علم کے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے۔"

مفسرین اور غیر مفسرین اکثر علماء نے لکھا ہے کہ "لہو الحدیث" سے مراد گانا اور آلات موسیقی ہیں۔ حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح" میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم اور شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث میں لفظ "الحِرَ" سے مراد حرام شرم گاہ ہے اور "الحَرِیرَ" (ریشم) ایک معروف چیز ہے' جس کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے۔ "الخَمرَ" بھی معروف ہے' ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں جو کہ مردوں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں تمام مسلمانوں کے لیے حرام ہے' اس کا استعمال کبیرہ گناہ ہے۔ معازف سے مراد گانا اور طبلہ' سارنگی' رباب اور اس طرح کے دیگر آلات موسیقی ہیں۔ اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں' جنہیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان" میں ذکر فرمایا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے اور انہیں اپنے غضب و ناراضی کے اسباب سے بچائے۔

—— شیخ ابن باز ——

موسیقی' گانے سننے اور ڈرامے دیکھنے کے بارے میں حکم

سوال موسیقی' گانے سننے اور ڈرامے دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب موسیقی اور گانا سننا حرام ہے اور اس کی حرمت میں قطعاً کوئی شک نہیں' سلف صالح حضرات صحابہ کرام و تابعین سے مروی ہے کہ گانا سننا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور گانا سننا یہ وہ "لہوالحدیث" ہے' جس کا اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل ارشاد میں ذکر ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٞ مُّهِينٞ ۝٦ ﴾ (لقمان۳۱/٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے' جو بے ہودہ حکایتیں خرید تا ہے تاکہ (لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس سے مراد گانا ہے۔ صحابی کی تفسیر حجت ہے اور یہ تفسیر کے تیسرے مرتبے میں ہے۔ یاد رہے کہ تفسیر کے تین مرتبے ہیں (۱) قرآن مجید کی قرآن کے ساتھ تفسیر (۲) قرآن مجید کی سنت کے ساتھ تفسیر اور (۳) قرآن مجید کی اقوال صحابہ کے ساتھ تفسیر حتیٰ کہ بعض اہل علم کا تو یہ مذہب ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ مرفوع حدیث کے حکم میں تو نہیں ہے لیکن صحابی کا قول دیگر اقوال کی نسبت سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ گانے اور موسیقی کے سننے سے آدمی اس گروہ میں داخل ہو جاتا ہے جس سے نبی ﷺ نے ڈراتے ہوئے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

(اس حدیث کے لفظ "معازف" کے معنی آلات لہو و لعب کے ہیں)

میں اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہوئے ان کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں گا کہ وہ گانے اور موسیقی کے سننے سے اجتناب کریں اور ان اہل علم کے قول سے فریب خوردہ نہ ہوں جو موسیقی کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس کی حرمت کے دلائل نہایت واضح اور صریح ہیں۔ اس طرح ان ڈراموں کو دیکھنا بھی حرام ہے' جن میں عورتیں ہوں کیونکہ ان ڈراموں سے فتنہ جنم لیتا اور عورتوں سے تعلقات استوار کرنے کی خواہش جنم لیتی ہے۔ مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو نہ بھی دیکھیں پھر بھی اکثر و بیشتر ڈرامے نقصان دہ ہی ہیں کیونکہ ان کا مقصد ہی معاشرے کے اخلاق و کردار کو نقصان پہنچانا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے اور مسلمان حکمرانوں کو ان کاموں کی توفیق بخشے جن میں مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جو شخص گانے بجانے اور آلات موسیقی کو جائز قرار دے

سوال بعض عود' کمان' طبلہ' سارنگی اور اس طرح کے دیگر آلات موسیقی کو گانے کے لیے استعمال کرتے اور اسے جائز قرار دیتے ہیں' ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے گانے بجانے اور آلات موسیقی کے استعمال کی مذمت کی ہے اور ان سے منع کیا ہے۔ قرآن کریم نے ہماری راہنمائی کی ہے کہ ان کا استعمال اسباب ضلالت اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦ ﴾ (لقمان ٣١/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"

اکثر علماء نے لھو الحدیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد گانے' آلات موسیقی اور ہر وہ آواز ہے جو حق سے روکے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث کے لفظ "معازف" سے مراد گانے اور آلات موسیقی ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اسے اسی طرح حلال سمجھیں گے جس طرح وہ شراب' زنا اور ریشم کو حلال سمجھتے ہوں گے۔ یہ حدیث علامات نبوت میں سے ہے۔ یہ سب باتیں وقوع پذیر ہو گئی ہیں' جن کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور انہیں استعمال کرنے والا اسی طرح قابل مذمت ہے جس طرح شراب اور زنا کو حلال سمجھنے والا قابل مذمت ہے۔

بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ گانے اور آلات موسیقی حرام ہیں۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ گانے اور آلات موسیقی جائز ہیں تو وہ جھوٹ بولتا اور ایک بہت بڑی برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خواہش نفس اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رکھے اور اس سے بھی زیادہ شدید اور بد ترین جرم اس شخص کا ہے جو یہ کہے کہ ان کا استعمال مستحب ہے' کیونکہ یہ بات بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے جہالت پر مبنی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جرأت اور شریعت کے بارے میں ایک جھوٹی بات ہے۔ جو چیز مستحب ہے وہ عورت سے نکاح کے خاص موقع پر صرف دف بجانا ہے تاکہ نکاح کا اعلان کیا جا سکے اور اس میں اور زنا میں فرق کیا جا سکے۔ چھوٹی بچیاں عورتوں کی محفلوں میں دف کے ساتھ گیت گا سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس میں برائی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو یا کسی واجب کے ادا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہو اور پھر یہ بھی شرط ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل نہ ہو اور نہ ایسی ہو کہ اس سے پڑوسیوں کو تکلیف اور ایذا پہنچتی ہو۔ بعض لوگ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سے اس طرح کے جو اعلانات کرتے ہیں تو یہ ایک انتہائی بری بات ہے کیونکہ اس سے پڑوسیوں اور دیگر مسلمانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ بچیوں اور عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ شادی کی محفلوں یا دیگر محفلوں میں دف کے علاوہ دیگر آلات موسیقی مثلاً طبلہ' سارنگی اور رباب وغیرہ کو استعمال کریں۔ ان کا استعمال کرنا بہت گناہ کا کام ہے' نابالغ بچیوں کے لیے صرف دف ہی کے استعمال کی اجازت ہے۔ آدمیوں کے لیے ان میں سے کسی بھی چیز کا استعمال شادی کی محفل میں یا کسی دوسری محفل میں ہرگز جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے اس بات کو مشروع قرار دیا ہے کہ وہ آلات جنگ کے استعمال کی مشق کریں' نیزہ بازی اور گھڑ سواری کا مقابلہ کریں' تیروں اور ڈھال کے استعمال کی مشق کریں' ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی ٹریننگ لیں یا توپوں' مشین گنوں اور بموں کے استعمال کی مشق کریں' نیز ہر اس چیز کے استعمال کا طریقہ سیکھیں' جو جہاد فی سبیل اللہ میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے' انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ہر ایسی چیز کے سیکھنے کی توفیق بخشے جو دشمن سے جہاد اور اپنے دین و وطن کے دفاع کے لیے مفید ہو۔ انہ سمیع مجیب۔

شیخ ابن باز

جمہور اہل علم کے نزدیک گانا حرام ہے

سوال میں نے اخبار عکاظ کے شمارہ نمبر ۶۱۰۱ مجریہ ہفتہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ میں ایک خبر پڑھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سعودی نغمہ ساز نے گانا بجانا ترک کر دیا تھا لیکن جب قاہرہ اور پیرس کے مابین ایک ہوائی سفر کے دوران میں اس نغمہ ساز کی ایک عالم دین سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے گانا بجانا اور اس کی مشروعیت کے موضوع پر تبادلِ خیال کیا تو طیارہ سے اترنے سے پہلے پہلے اس عالم دین نے دلائل و براہین کے ساتھ نغمہ ساز کو قائل کر لیا کہ گانا بجانا شرعاً جائز ہے اور اس کے بعد اس نے دوبارہ گانے گائے' جو اس کے نئے گانے شمار ہوتے ہیں۔ دلائل و براہین کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں کہ کیا گانا بجانا اسلام میں جائز ہے خصوصاً عصر حاضر کے گانے جو فحش بھی ہیں اور پھر موسیقی کے ساتھ گائے جاتے ہیں؟

جواب جمہور اہل علم کے نزدیک گانا حرام ہے اور اگر گانا طبلہ و سارنگی جیسے آلات موسیقی کے ساتھ گایا جائے تو اس کے حرام ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کی حرمت کے دلائل میں سے ایک تو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦﴾ (لقمان۳۱/ ۶)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے' جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) علم کے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔" (جمہور مفسرین نے "لهو الحدیث" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد گانا ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گانا ہے' نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ»(السنن الكبرى للبيهقي: ۱۰/ ۲۲۳ ابن أبي الدنيا في ذم الملاحي، ص: ۷۳ وسنن أبي داود، الادب، وباب كراهية الغناء والزمر، ح: ۴۹۲۷ مختصرا)

"گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے' جس طرح پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ۵۵۹۰)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں معلقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ روایت کیا ہے' جب کہ دیگر ائمہ نے بھی اسے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حدیث کے لفظ "معازف" کے معنی گانے اور آلات موسیقی کے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جس نے گانے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے (اگر یہ بات صحیح ہے) تو اس نے علم کے بغیر ایک بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور ایک ایسا باطل فتویٰ دیا ہے کہ روز قیامت جس کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

――― شیخ ابن باز ―――

یہ کام گناہ ہے

سوال کچھ لوگ گانے سنتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گانا سننا حرام ہے' تو وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف کلام سنتے ہیں اور موسیقی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو ہم ان کی کس طرح تردید کریں؟

جواب بلا شک و شبہ یہ غلط ہے کیونکہ گانا سننا گناہ ہے' جس طرح خود مغنی گناہ گار ہے' اسی طرح اسے سننے والا بھی گناہ گار ہے' جو اسے اچھا سمجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ﴾ (لقمان ۳۱/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے' جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے۔"

اس کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں' جن سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یہ لوگ جو اس کی طرف مائل ہیں' وہ موسیقی سننے سے لذت محسوس نہ بھی کریں' پھر بھی اس فعل کی وجہ سے ہم انہیں برا کہیں گے کیونکہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ انہیں چاہیے کہ توبہ کریں' گانے اور موسیقی سے دور رہیں اور اس لہو و لعب اور باطل کی بجائے تلاوت قرآن' ذکر و دعا اور مفید گفتگو میں مشغول رہیں۔

――― شیخ ابن جبرین ―――

دلائل کی رو سے گانا حرام ہے

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی اس روایت ((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَ الْمَعَازِفَ)) سے گانوں کی حرمت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ حرمت اس صورت میں ہو گی جب حدیث میں مذکورہ تمام باتیں ایک شخص میں موجود ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس قول کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یہ قول ضعیف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مذکور لفظ "اَلْحِرَ" کے معنی شرم گاہ کے ہیں اور زنا بھی حرام ہے خواہ کوئی شخص صرف زنا ہی کرے اور باقی افعال نہ کرے تو پھر بھی یہ حرام ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے ریشم حرام ہے' نیز شراب بھی سب کے لیے بالاجماع حرام ہے خواہ کوئی صرف شراب ہی پئے اور دیگر جرائم کا ارتکاب نہ بھی کرے۔ اسی طرح گانا اور موسیقی بھی حرام ہے کیونکہ ایسی کوئی دلیل نہیں جو اسے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے۔ پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک معین چیز دیگر افراد کے ساتھ مل کر آئے تو اصول یہ ہے کہ وہ حکم ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ اس سے مراد ان تمام افراد کا مجموعہ ہے' لیکن یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے۔ البتہ کچھ ایسے حسن دلائل موجود ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گانا بجانا اور موسیقی انفرادی طور پر بھی حرام ہے۔

――― شیخ ابن عثیمین ―――

گانے اور موسیقی کے آلات کے لیے جگہ کرایہ پر دینا

سوال کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ میرے والد صاحب نے ایک شخص کو اپنی جگہ کرایہ پر دی تھی اور اس شخص نے آگے ایک ایسے شخص کو یہ جگہ کرائے پر دے دی' جو گانے اور موسیقی کے آلات بیچتا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ یہ کاروبار حرام ہے' اس لیے واجب ہے کہ آپ اس شخص سے جگہ خالی کرالیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص نے یہ دکان کرایہ پر میرے والد سے نہیں بلکہ اس شخص سے لی تھی جس نے میرے والد سے لی تھی۔ پھر میں نے ایک کتاب میں یہ پڑھا کہ گانے اور موسیقی کے آلات بیچنے والوں کو جگہ کرایہ پر دینا حرام ہے لہٰذا میں نے اپنے والد سے کہا کہ یہ بات بہت خطرناک ہے مگر میرے والد نے مجھ سے ایسی دلیل کا مطالبہ کیا ہے' جس سے یہ معلوم ہوا کہ گانے والوں کو دکان کرایہ پر دینا حرام ہے؟

جواب کمیٹی نے اس استفسار کے مطالعہ کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو اپنی جگہ کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے جو گانے بجانے اور موسیقی کے آلات اور گانوں کی کیسٹیں فروخت کرتا ہو کیونکہ یہ حرام ہے۔ اور ایک باطل چیز کے رواج دینے میں تعاون ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔" و باللہ التوفیق۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین۔ حفظہ اللہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ وبعد:

آنجناب یہ جانتے ہیں کہ یہ بلاء اس زمانے میں عام ہو گئی ہے کہ جگہ جگہ گانوں کی کیسٹیں بیچنے والوں کی دکانیں کھل گئی ہیں لہٰذا آپ راہنمائی فرمائیں کہ ان کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ یہ کیسٹیں:

1. مختلف انواع و اقسام کے گانوں اور موسیقی پر مشتمل ہوتی ہیں۔
2. ان میں بے حیائی' فسق و فجور اور دونوں جنسوں کے درمیان گھٹیا باتیں پھیلانے کی دعوت ہوتی ہے۔
3. ان میں اخلاق سے گرا ہوا کلام اور فحش غزلیں ہوتی ہیں۔

لہٰذا ان کیسٹوں کے خریدنے اور سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کیسٹوں کی فروخت سے حاصل ہونے والے مال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس قسم کی کیسٹیں فروخت کرنے والوں کو جگہ کرائے پر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جگہ کرایہ پر دینے والے کو بھی کیسٹیں بیچنے اور خریدنے والوں کا گناہ ہو گا یا نہیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

جواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

اگر یہ کیسٹیں انہی چیزوں پر مشتمل ہوں' جن کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ ان میں مختلف انواع و اقسام کے گانے اور موسیقی ہوتی ہے' بے حیائی' فتنہ و فساد' فسق و فجور اور دونوں جنسوں میں گھٹیا باتوں کے پھیلانے کی دعوت ہوتی ہے اور اخلاق سے گری ہوئی گفتگو اور فحش غزلیں ہوتی ہیں تو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے' اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب کی امید رکھنے والے مومن کی بات تو بڑی دور کی بات ہے' کسی بھی عقل مند انسان کو اس کے

بارے میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایسی کیسٹوں کو خریدنا اور سننا حرام اور ایک منکر کام ہے کیونکہ ایسی کیسٹیں اخلاق اور معاشرے کو خراب کر دیتی ہیں اور امت کو اللہ تعالیٰ کی عام اور خاص سزاؤں کا مستوجب قرار دے دیتی ہیں۔ جس شخص کے پاس ایسی کوئی کیسٹ ہو تو اس کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور ان گانوں کو صاف کر کے اس میں کوئی اچھی بات ریکارڈ کر لے۔ اس طرح کی کیسٹوں کی فروخت سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے جو کہ قطعاً حلال نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ»(سنن الدارقطني: ٣/ ٧، ح: ٢٧٩١ وسنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، ح: ٣٤٨٨)

"اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتا ہے۔"

اس طرح کی کیسٹیں بیچنے والوں کو جگہ کرایہ پر دینا بھی حرام ہے اور اس کا کرایہ بھی حرام ہے' کیونکہ یہ اس گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے جس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کیا کرو۔"

ان کیسٹوں کے خریدنے والوں کا گناہ ان کے ذمہ ہو گا اور کچھ بعید نہیں کہ اس کا گناہ بیچنے والوں اور جگہ کرایہ پر دینے والوں کو بھی ہو اور اس سے خریدنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم۔

--- اس فتویٰ کو محمد بن صالح عثیمین نے مورخہ ۱۴۰۸/۹/۹ھ کو لکھا ---

۳۸

کتابُ الجَامِع

متفرق مسائل سے متعلقہ فتوے

نام، کنیت اور لقب

محسن نام رکھنے کے بارے میں حکم

سوال میرا نام محسن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ہے، جو شخص بھی مجھے جانتا اور بلاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یا محسن، میں اس نام کو بدل بھی نہیں سکتا کیونکہ تمام سرکاری کاغذات میں یہی نام لکھا ہوا ہے، کیا یہ نام رکھنا حرام ہے یا مکروہ، اس کا گناہ نام رکھنے والے کو ہو گا یا مجھے؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب محسن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی یہ نام آیا ہو، [1] احسان اللہ تعالیٰ کے فعل کی صفت ہے، لہٰذا یہ نام رکھنا حرام نہیں جب کہ اس سے انسان کا مقصود صرف نام رکھنا ہی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کا نام حکیم تھا اور حکیم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، اس کے باوجود نبی ﷺ نے اس نام کو تبدیل نہیں فرمایا تھا، لہٰذا محض علم کے طور پر اس نام کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا آپ اس نام کو باقی رکھیں اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عبدالقوی نام رکھنا

سوال میرا لقب عبدالقوی ہے، اسلام میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے، کیا یہ کہنا جائز ہے کہ میرا بھروسہ اللہ پر ہے اور پھر آپ پر یا یہ کہنا کہ بھائی میری امید آپ سے وابستہ ہے؟

جواب یہ جائز ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور پھر آپ پر، کیونکہ اللہ پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور اسی پر اعتماد کیا جائے کیونکہ اللہ جل و علا ہی اس کائنات میں تصرف فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے بعد کسی بندے پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کام کو بندے کے اس قدر سپرد کر دیا جائے جس قدر اسے طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت ہے اور بندے کی اپنی مشیت لیکن بندے کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٩﴾ ﴾ (التکویر ۸۱/ ۲۸-۲۹)

"اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔" اور فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (الدھر ۷۶/ ۲۹-۳۰)

---

[1] شیخ محمد بن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ محسن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔

"یہ تو نصیحت ہے' جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرے اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو' بے شک اللہ خوب جاننے والا' حکمت والا ہے۔"

اس اصول کی طرف نبی ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے' امام نسائی نے حضرت قتیلہ کی روایت کو بیان کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم بھی شرک کرتے ہو کیونکہ تم یہ کہتے ہو کہ جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے' نیز تم یہ کہتے ہو کہ کعبہ کی قسم! تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا:

«إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! وَيَقُولُ أَحَدٌ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ»(سنن النسائي، الأيمان والنذور، باب الحلف بالكعبة، ح:٣٨٠٤)

"جب وہ قسم اٹھانے کا ارادہ کریں تو یہ کہیں رب کعبہ کی قسم!" اور یہ کہیں کہ "جو اللہ چاہے پھر تو چاہے۔"

صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلاَنٌ وَلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلاَنٌ»(سنن أبي داود، الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، ح:٤٩٨٠)

"یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور فلاں چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے' پھر فلاں چاہے۔"

عبدالقوی کے ساتھ کنیت یا نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ "اَلْقَوِی" اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ہے۔

عاشق اللہ نام رکھنا

سوال بہت سے لوگ عاشق اللہ' محمد اللہ اور محب اللہ نام رکھتے ہیں' کیا اس طرح کے نام رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب عاشق اللہ نام رکھنا بے ادبی ہے البتہ محمد اللہ اور محب اللہ نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں' لیکن افضل یہ ہے کہ اس طرح کے نام رکھنے کی بجائے ایسے نام رکھے جائیں' جن سے اللہ تعالیٰ کی طرف عبدیت کی نسبت ہوتی ہو یا پھر محمد' صالح اور احمد جیسے نام رکھ لیے جائیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اس طرح کے نام رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے طٰهٰ' یٰسٓ' خباب' عبدالمطلب' الحباب' قارون اور ولید نام رکھنا جائز ہے؟ کیا طٰهٰ اور یٰسٓ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے اسماء میں سے ہیں یا نہیں؟

جواب یہ نام رکھنے جائز ہیں کیونکہ ان کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن مومنوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ ایسے ناموں کا انتخاب کریں' جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف عبدیت کی نسبت کی گئی ہو' مثلاً عبداللہ' عبدالرحمٰن اور عبدالملک وغیرہ' اسی طرح قارون وغیرہ کی بجائے صالح اور محمد جیسے اچھے اور مشہور نام رکھ لیے جائیں۔ استثنائی صورت میں عبدالمطلب نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرام کے اس نام کو برقرار رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا کسی بھی غیراللہ کی طرف عبدیت کی نسبت کرکے نام رکھنا جائز نہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو مثلاً عبدالنبی' عبدالحسین اور عبدالکعبہ جیسے نام رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے' امام ابو محمد ابن حزم نے لکھا ہے کہ ایسے نام رکھنے کی

حرمت پر اہل علم کا اجماع ہے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق طٰهٰ اور یٰسٓ نبی اکرم ﷺ کے اسماء میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں، جس طرح صٓ، قٓ اور نٓ وغیرہ حروف مقطعات ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے ناموں کی تصغیر

سوال ہم بہت سے ان پڑھ اور پڑھے لکھے لوگوں سے یہ سنتے ہیں کہ وہ اسماء مُعَبَّدَہ کی تصغیر کر دیتے ہیں یا وہ انہیں ایسے ناموں سے بدل دیتے ہیں جو پہلے نام کے منافی ہوتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں مثلاً عبداللہ کو عبید، عبود اور عِبدی کہہ دیتے ہیں، عبدالرحمٰن کو دحیم اور عبدالعزیز کو عزیز، عزوز اور عزی کہہ دیتے ہیں جب کہ محمد کو محیمید، حمداً اور حمدی وغیرہ کے ناموں سے بلاتے ہیں؟

جواب اسماء معبدہ کی تصغیر میں کوئی حرج نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اہل علم میں سے کسی نے اس سے منع کیا ہو۔ احادیث و آثار میں بھی اس طرح کے بہت سے نام ملتے ہیں مثلاً اُنَیس، حُمَید اور عُبَید وغیرہ، لیکن اگر کسی ایسے شخص کے نام کو تصغیر کے ساتھ بلایا جائے جو اسے ناپسند کرتا ہو تو پھر بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں یہ برے القاب کے ساتھ پکارنے کے قبیل سے ہو گا، جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اس نام کے بغیر پہچانا ہی نہ جا سکتا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں جیسا کہ ائمہ حدیث نے بعض رجال کے سلسلہ میں یہ صراحت کی ہے مثلاً اعمش اور اعرج وغیرہ۔

—— شیخ ابن باز ——

مسلمان ہونے کے بعد نام تبدیل کرنا

سوال جو شخص اسلام قبول کرنے کا اعلان کرے تو کیا اس کے جارج اور جوزف وغیرہ سابقہ نام تبدیل کرنا لازم ہے؟

جواب نام تبدیل کرنا لازم نہیں ہے البتہ اگر اس میں عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو تو اسے تبدیل کرنا لازم اور اچھا نام رکھنا مشروع ہے یعنی عجمی نام کی بجائے اگر اس کا نام اسلامی نام رکھ دیا جائے، تو یہ بہت اچھی بات ہے لیکن واجب نہیں اور اگر اس کا نام عبدالمسیح وغیرہ ہو تو پھر اسے بدلنا واجب ہے۔ اگر ایسے نام ہوں جن میں غیر اللہ کی طرف نسبت نہ ہو مثلاً جارج اور بولس وغیرہ تو انہیں بدلنا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ نام مشترک ہیں، عیسائی بھی اس طرح کے نام رکھ لیتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

سب سے بڑے بیٹے کے نام پر کنیت

سوال کیا یہ جائز ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہو اسے اے ابو محمد! کہہ کر بلائیں حالانکہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو بلکہ وہ شادی شدہ ہی نہ ہو؟

جواب مرد یا عورت کی کنیت اولاد کے بغیر بھی جائز ہے بلکہ کسی ادنیٰ سے تعلق کی بنیاد پر بھی کنیت جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی کنیت اس بلی کی وجہ سے تھی، جسے انہوں نے اٹھایا ہوا تھا۔ غیر شادی شدہ نوجوان کی اس کے باپ وغیرہ

کے نام پر کنیت رکھنا بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ بچ ہی اختیار کیا جائے اور بڑے بیٹے کے نام پر کنیت رکھی جائے' اسی طرح عورت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی اور یہ کنیت آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام پر تھی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کسی کو اعرج (لنگڑا) کہنا

سوال کیا کسی انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اعرج (لنگڑا) یا اعور (کانا) کہے؟

جواب اگر اس سے مقصود اس انسان کی شناخت ہو تو کوئی حرج نہیں' بعض روایات میں بعض لوگوں کے لیے اعمش اور اعرج کے نام استعمال کیے گئے ہیں اور اگر یہ از راہ طعن و غیبت ہو تو پھر جائز نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

اسلامی القاب

سوال ہم حضرت محمد رسول اللہ کے لیے ﷺ' حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا کسی دوسرے پیغمبر کے لیے علیہ السلام' حضرت ابوبکر صدیق' خلفائے راشدین یا صحابہ کرام میں سے کسی کے لیے رضی اللہ عنہ' حضرت علی بن ابی طالب کے لیے کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں اس طرح تشہد اول میں کہتے ہیں السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا شخصیتوں کے ناموں کے ساتھ مذکورہ دعائیہ کلمات کے التزام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا کسی نیک مسلمان کے لیے بھی رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں یا نہیں اور کیوں؟

جواب نبی ﷺ کے لیے صلوٰۃ و سلام کا حکم آیا ہے' اس لیے اس حکم کی اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ہم ﷺ کہیں' دیگر تمام رسولوں کے لیے بھی ان الفاظ کا استعمال جائز ہے' دیگر رسولوں کے لیے اگر صرف سلام ہی پر اکتفاء کر لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے' ملائکہ اور انسانوں کے لیے بھی ﷺ کے الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«اَللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى» (صحيح البخاري، الزكاة، باب صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة ... الخ، ح:١٤٩٧ وصحيح مسلم، الزكاة، باب الدعاء لمن أتى بصدقة، ح:١٠٧٨)

لیکن اسے عادت نہ بنایا جائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الفتح 18/48) لہٰذا ہم بھی اس طرح کہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر نیک لوگوں مثلاً ائمہ کرام وغیرہ کے لیے بھی ان الفاظ کا استعمال جائز ہے۔ یہ سب دعائیہ کلمات ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بطور خاص کرم اللہ وجہہ کے الفاظ کے استعمال کی کوئی دلیل نہیں ہے' ان الفاظ کو صرف رافضہ استعمال کرتے ہیں لیکن اس عبارت کو دوسروں کے حق میں استعمال کرنا بھی جائز ہے' جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرنا ہی افضل ہے۔ رضی اللہ عنہم

—— شیخ ابن جبرین ——

نبی ﷺ پر درود کے لیے "ص" سے اشارہ کرنا

سوال کیا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے لیے "ص" یا "صلعم" کے حروف لکھنے میں کوئی حرج ہے؟

جواب متاخرین کی کتابوں میں اس رمز کے بکثرت استعمال کے باوجود یہ غلط ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے لیے ﷺ کے حروف مکمل لکھے جائیں تاکہ قاری بھی اسے پڑھ لے اور اس طرح لکھنے والے کو بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا بخلاف اشارہ و رمز کے کہ اس صورت میں قاری صلوٰۃ و سلام کو ترک کر دیتا ہے یا وہ اسے رمز ہی کی صورت میں پڑھتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تحیہ و سلام

اشارہ سے سلام

سوال ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ سلام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اشارہ کے ساتھ سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ کلام کے ساتھ سلام کیا جائے اور کلام کے ساتھ اس کا جواب بھی دیا جائے۔ اشارہ کے ساتھ سلام جائز نہیں کیونکہ اس میں بعض کافروں کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے خلاف بھی ہے، البتہ جس کو اس نے سلام کیا ہو، اس کے دور ہونے کی وجہ سے اگر اشارہ کر دے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے سلام کیا ہے اور پھر منہ سے بھی سلام کہہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کی دلیل موجود ہے۔ اس طرح جس شخص کو سلام کیا گیا ہو، اگر وہ نماز میں مشغول ہو تو وہ بھی اشارہ کے ساتھ جواب دے سکتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے۔[1]

—— شیخ ابن باز ——

سلام میں الفاظ کا اضافہ

سوال جو شخص سلام کہتے ہوئے السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہے تو کیا وہ اس سے زیادہ الفاظ بھی کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب سلام کہتے ہوئے السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ سے زیادہ الفاظ نہ کہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق سلام کے لیے صرف اسی قدر الفاظ ثابت ہیں۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

[1] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ و نسخ ما کان من إباحتہ، حدیث: 540

السلام علیکم کی بجائے "شام بخیر"

سوال سلام کہتے ہوئے بہت سے لوگ اس طرح کے الفاظ کہہ دیتے ہیں "شام بخیر" "صبح بخیر" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب سلام کے لیے جو الفاظ وارد ہیں' وہ یہی ہیں کہ انسان کہے "السلام علیکم" یا "سلام علیک" پھر اس کے بعد جو چاہے الفاظ کہہ لے یعنی "مساک اللہ بالخیر" (اللہ آپ کی شام اچھی کرے) اور "صبحک اللہ بالخیر" (اللہ آپ کی صبح اچھی کرے) یا اس طرح کے دیگر الفاظ مشروع سلام کے بعد کہے جائیں' لیکن مشروع سلام کی بجائے' ان الفاظ کو استعمال کرنا غلط ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ

سوال کیا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمان آدمی کا اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنا مشروع ہے کیونکہ یہ دلائل سے ثابت ہے' لیکن کسی مرد کا کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا نہیں چاہیے کیونکہ افضل یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کے بعد سلام کرنا

سوال نماز خصوصاً نماز فجر کے بعد ایک دوسرے کو سلام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ اسے بدعت کہتے ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں' تو سوال یہ ہے کہ صحیح بات کیا ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔

جواب اس بارے میں ہمیں کوئی حدیث معلوم نہیں' البتہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس اعرابی کے سلام کا جواب دیا تھا' جس نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی تھی لیکن نماز صحیح طریقے سے ادا نہیں کی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا تھا:

«ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلَّى كَمَا كَانَ صَلَّى، ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»(صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها ... الخ، ح: ٧٥٧ وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة ... الخ، ح: ٣٩٧ واللفظ له)

"جاؤ نماز پڑھو' تم نے نماز پڑھی ہی نہیں' اس نے واپس جا کر نماز پڑھی اور اسی طرح پڑھی جس طرح پہلے پڑھی تھی پھر وہ آیا اور اس نے نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو' تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔"

یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اس کے دوسری یا تیسری بار سلام کہنے کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اسے برقرار رکھا اور اس کے سلام کا آپ نے جواب بھی دیا حالانکہ وہ آپ کے قریب ہی نماز پڑھ رہا تھا اور آپ سے اوجھل بھی نہ تھا اور پھر آپس میں سلام کہنے سے دلوں میں الفت و محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سلام کے بعد دست بوسی اور ہاتھ کو سینے پر رکھنا

سوال میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ مصافحہ کے بعد دست بوسی بھی کرتے ہیں یا اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں پر رکھ لیتے ہیں تاکہ محبت کا زیادہ اظہار کر سکیں تو کیا یہ جائز ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہمارے علم کی حد تک شریعت میں اس عمل کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ قطعاً شریعت کا حکم نہیں کہ مصافحہ کے بعد ہاتھ کو بوسہ دیا جائے یا اسے اپنے سینہ پر رکھا جائے اور اگر ایسا کرنے والے اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھیں تو یہ بدعت ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کراٹے وغیرہ میں جھک کر سلام کرنا جائز نہیں خواہ صرف سر ہی کو جھکایا جائے

سوال کچھ لوگ امریکہ کی کراٹے کی محفلوں میں سے ایک محفل میں شریک ہوئے' تو ٹریننگ دینے والے نے کہا کہ جب تمہارے سامنے جھکا جائے تو تم پر واجب ہے کہ تم بھی جھکو لیکن ہم نے اسے مسترد کر دیا اور اپنے دین کے حوالہ سے اس کی وضاحت کی تو اس نے ہم سے اتفاق کیا اور کہا کہ آپ صرف سر جھکا دیا کریں کیونکہ جھکنے کا آغاز تو اس نے کیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں اور اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کسی بھی مسلمان یا کافر کے سامنے بوقت سلام جھکنا جائز نہیں' نہ جسم کے بالائی حصہ کے ساتھ اور نہ صرف سر کے ساتھ کیونکہ جھکنا تو عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی ذات گرامی کے لیے خاص ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

آنے والے کے لیے کھڑا ہونا اور بوسہ دینا

سوال آنے والے کے لیے کھڑے ہونے اور اسے بوسہ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: جہاں تک آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو اس کا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑا مفصل جواب دیا ہے' جو ادلہ شرعیہ پر مبنی ہے' لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اسے ہی ذکر کر دیں کیونکہ اس سے مقصود پورا ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین کی یہ عادت نہ تھی کہ وہ جب بھی نبی ﷺ کو دیکھیں تو کھڑے ہو جائیں' جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں بلکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ [قَالَ]: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، ح: ٢٧٥٤)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نبی ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر اس کے باوجود

وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔"
بعض اوقات وہ عرصہ بعد آنے والے کسی شخص کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ عکرمہ کے لیے کھڑے ہوئے اور جب سعد بن معاذ آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا کہ "اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔" [1]
اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس لیے آئے تھے تاکہ بنی قریظہ کا فیصلہ کریں' انہوں نے آپ کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔
لوگوں کو بھی یہی بات زیب دیتی ہے کہ وہ اسی کی اتباع کریں' جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سلف کا عمل تھا کیونکہ وہ خیر القرون ہیں اور سب سے بہتر کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر سیرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔ لہذا کوئی شخص خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت سے اعراض کر کے کسی اور طریقے کو اختیار نہ کرے۔ معزز آدمی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو یہ تلقین کرے کہ وہ اسے جب بھی دیکھیں تو کھڑے نہ ہوا کریں الا یہ کہ ایسی ملاقات ہو کہ وہ سفر سے واپس آیا ہو۔
سفر سے واپس آنے والے شخص کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا اچھی بات ہے اور جب لوگوں کی یہ عادت ہو کہ آنے والے شخص کی کھڑے ہو کر عزت افزائی کی جاتی ہو اور اگر اسے ترک کر دیا جائے تو وہ یہ سمجھے کہ اس سے اس کے حق کو ترک کر دیا گیا ہے یا اس کے مرتبہ کو کم کر دیا گیا ہے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ لوگوں کی یہ عادت سنت کے موافق ہے تو زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ اس کے لیے کھڑا ہوا جائے کیونکہ یہ آپس کی الفت و محبت کے لیے اور باہمی بغض و نفرت کے ازالہ کے لیے زیادہ موزوں ہے اور اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ لوگوں کی عادت سنت کے موافق ہے تو پھر ترک قیام میں اس کے لیے کوئی تکلیف دہ بات نہ ہو گی اور اس قیام سے مراد وہ قیام نہ ہو گا جس کا نبی ﷺ کے اس فرمان میں ذکر آیا ہے:
«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، ح: ٢٧٥٥)
"جس شخص کو یہ بات خوش لگے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھنا چاہیے۔"
کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں جب کہ وہ خود بیٹھا ہو' اس سے مراد کسی کی آمد پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قُمْتُ اِلَيْهِ اور قُمْتُ لَهٗ میں اہل علم نے فرق کیا ہے۔ آنے والے کے لیے جب کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے تو وہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں لیکن بیٹھے ہوئے کے سامنے کھڑا ہونے کی صورت میں دونوں برابر نہیں ہوتے۔ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جب اپنی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر پڑھنا چاہی تو آپ نے انہیں بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری' الاستئذان' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قوموا إلی سیدکم)' حدیث: 6262 و صحیح مسلم' الجہاد' باب جواز قتال من نقض العہد --- الخ' حدیث: 1768

«لاَ تُعَظِّمُونِي كَمَا يُعَظِّمُ الأَعَاجِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا»(لم أجده بهذا اللفظ، ومعناه موجود في صحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، ح:٤١٣)

"تم میری اس طرح تعظیم نہ کرو' جس طرح عجمی لوگ آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔"

آپ نے انہیں نماز میں بھی اس وقت کھڑے ہونے سے منع فرما دیا' جب کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے تاکہ ان عجمی لوگوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو' جو اپنے بڑوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں' جب کہ وہ خود بیٹھے ہوتے ہیں۔ بہرحال سب سے موزوں بات یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کرتے ہوئے سلف کے اخلاق و عادات کا اتباع کیا جائے' لیکن جو شخص اس کا خیال نہ کرے اور نہ اسے یہ معلوم ہو کہ یہ لوگوں کی عادت ہے اور لوگوں کے بطور احترام کھڑے ہونے کی عادت کی وجہ سے اس کے لیے کھڑے نہ ہونے کی صورت میں مفسدت کا پہلو راجح ہو تو اس صورت میں کم درجہ کے مفسدہ کو اختیار کر کے دونوں میں سے بڑے فساد کو ترک کر دیا جائے جیسا کہ ادنیٰ مصلحت کو ترک کر کے عظیم مصلحت کو اختیار کرنا واجب ہوتا ہے۔

آپ نے جو ذکر فرمایا ہے' اس کی مزید وضاحت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس قصہ سے بھی ہوتی ہے' جو صحیحین میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کو قبول فرمالیا اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے' تو طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف دوڑ کر آئے اور سلام کہا اور توبہ کی قبولیت کی مبارک باد دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ (1) اس سے معلوم ہوا کہ آنے والے کے استقبال' مصافحہ اور سلام کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے۔ اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ جب اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں' آپ کے دست مبارک کو پکڑ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتی تھیں اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آتیں' تو آپ بھی ان کے لیے کھڑے ہوتے' ان کے ہاتھ کو پکڑ لیتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھا دیتے تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (2)

ثانیاً: جہاں تک بوسہ دینے کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا جواز ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زید بن حارثہ مدینہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے' وہ آئے تو انہوں نے دروازے پر دستک دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صرف تہبند باندھا ہوا تھا آپ تہبند کو گھسیٹتے ہوئے اس طرح باہر تشریف لے گئے کہ ایسی حالت میں اس سے پہلے یا بعد کبھی میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔۔۔ آپ نے زید کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے۔ (3) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ باہر سے آنے والے کے استقبال کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا تو اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے تو دس بیٹے ہیں مگر میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لاَ يَرْحَمُ لاَ يُرْحَمُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، ح:٥٩٩٧

---

(1) صحیح البخاری' المغازی' باب حدیث کعب بن مالک' حدیث: 4418 و صحیح مسلم' التوبة' باب حدیث توبة کعب بن مالک و صاحبیه' حدیث: 2769 (2) جامع الترمذی' المناقب' باب ماجاء فی فضل فاطمة (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہا' حدیث: 3872

(3) جامع الترمذی' الاستئذان' باب ماجاء فی المعانقة' حدیث: 2732

وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال ... الخ، ح:٢٣١٨)

"جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شفقت و رحمت کے طور پر بوسہ دینا جائز ہے' جب کہ دلیل سے یہ ثابت ہے کہ عام ملاقات کے وقت بوسہ نہیں دینا چاہیے' بلکہ مصافحہ پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصافحہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ (1)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل یمن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ جَاءَكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ وَهُمْ أَوَّلُ مَنْ جَاءَ بِالْمُصَافَحَةِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في المصافحة، ح:٥٢١٣)

"اہل یمن آئے ہیں اور یہ وہ سب سے پہلے لوگ ہیں' جنہوں نے مصافحہ کو اختیار کیا ہے۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا، قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا» (سنن أبي داود، الأدب، باب في المصافحة، ح:٥٢١٢)

"جب بھی دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہوئے مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے الگ ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔"

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لیے جھکے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عرض کیا کیا اسے چمٹ جائے اور بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا نہیں' عرض کیا اس کے ہاتھ کو پکڑ لے اور اس سے مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے (2) مگر اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی حنظلہ سدوسی ہے' جو اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو دیگر شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہو۔ امام احمد' نسائی' ترمذی اور کئی دیگر محدثین نے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ دو یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نو روشن نشانیوں (جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں) کے بارے میں سوال کیا اور آپ نے جب ان کے سوال کا جواب دیا تو انہوں نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ (3) وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	عبدالرزاق عفیفی	عبداللہ بن غدیان
(چیئرمین)	(نائب چیئرمین)	(رکن)

(1) صحیح البخاری' الاستئذان' باب المصافة' حدیث: 6263

(2) جامع الترمذی' الاستئذان' باب ماجاء فی المصافحة' حدیث: 2728

(3) جامع الترمذی' الاستئذان' باب ماجاء فی قبلة الید والرجل' حدیث: 2733

کھڑا نہ ہونا بہتر ہے

سوال آنے والے شخص کے احترام میں کھڑے ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آنے والے شخص کے احترام میں کھڑا ہونا جائز ہے' بشرطیکہ یہ شخص اکرام و احترام کا مستحق ہو اور اگر مستحق نہ ہو تو پھر اس کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کھڑا ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں' کھڑا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اور لوگوں کو کھڑے نہ ہونے کی عادت ڈالنا ہی اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ کے عہد میں یہی طریقہ معروف تھا۔ نبی اکرم ﷺ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لاتے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اسے ناپسند فرماتے ہیں' لیکن وفد ثقیف جب آیا تو نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال فرمایا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موقع و محل کی مناسبت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ بلا سبب ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے۔ اگر لوگ کھڑا نہ ہونے کی عادت بنا لیں تو یہ افضل ہے' لیکن اب جب کہ لوگوں نے کھڑے ہونے کی عادت بنا لی ہے اور آنے والے کے لیے لوگ کھڑے نہ ہوں حالانکہ وہ اس بات کا مستحق بھی ہے تو اس کے دل میں یہ خیال آ سکتا ہو کہ لوگوں نے اس کے احترام میں کمی کی ہے' تو پھر کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آرائش و زیبائش اور اعضاء کی پیوند کاری

بدصورتی کے ازالہ کے لیے بیوٹی کے عمل کا حکم

سوال بیوٹی کے عمل کے اختیار کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور بیوٹیشن کے علم کے سیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خوبصورتی حاصل کرنے کی دو قسمیں ہیں' ایک تو یہ ہے کہ کسی حادثہ وغیرہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے کسی عیب کے ازالہ کے لیے خوبصورتی کو حاصل کیا جائے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک شخص کی جب جنگ میں ناک کٹ گئی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اسے سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دے دی تھی۔ [1]

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی عیب کے ازالے کے لیے نہیں بلکہ محض حسن و جمال میں اضافے کی خاطر اس عمل کو اختیار کیا جائے تو یہ حرام اور ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی' بال ملانے والی اور ملوانے والی اور بال گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے [2] کیونکہ ان صورتوں میں کسی عیب کا ازالہ نہیں بلکہ

---

[1] سنن ابی داود' الخاتم' باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذھب' حدیث: 4232

[2] صحیح البخاری' اللباس' باب وصل الشعر' حدیث: 5933' 5934' 5936' 5937' 5940 و صحیح مسلم' اللباس والزینة باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة' والواشمة ... الخ' حدیث: 2122' 2123' 2124' 2125

حسن و جمال میں اضافہ اور کمال مقصود ہوتا ہے۔

جو شخص میڈیکل کی تعلیم کے دوران میں بیوٹی سرجری کی تعلیم حاصل کرتا ہے' تو اس علم کے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ حرام صورتوں میں اس عمل کو اختیار نہ کرے بلکہ حرام صورتوں میں اس عمل کے اختیار کرنے والے کو اس سے اجتناب کی نصیحت کرے کیونکہ یہ حرام ہے اور ڈاکٹر کی نصیحت کو لوگ زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مرد کی خوبصورتی کے لیے عمل جراحی

سوال میں اٹھارہ سال کی عمر کا ایک نوجوان ہوں' چار سال پہلے میرے پستان بڑھنا شروع ہو گئے اور ساتھ کچھ درد بھی ہوتا تھا۔ کچھ مدت بعد الحمد للہ درد تو ختم ہو گیا لیکن پستان بدستور بڑھے ہوئے ہیں حتیٰ کہ وہ کپڑوں کے نیچے سے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں جب سپیشلسٹ سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ آپریشن کر کے پستانوں کے اس ابھار کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا آپریشن جائز ہے۔ یاد رہے پستانوں کے اس ابھار کی وجہ سے مجھے دوسروں کے سامنے بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے؟

جواب آپ کے لیے پستانوں کے اس ابھار کو ختم کرنے کے لیے آپریشن کرانا جائز ہے بشرطیکہ ظن غالب یہ ہو کہ یہ آپریشن کامیاب رہے گا اور اس سے کوئی ایسا نقصان نہیں ہو گا جو اس کے فائدہ سے زیادہ ہو یا اس کے برابر ہو۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نر کی مادہ اور مادہ کی نر میں تبدیلی

سوال ہم بعض عربی اخبارات میں اس قسم کی خبریں بھی پڑھتے ہیں کہ یورپ میں بعض ڈاکٹر آپریشن کر کے نر کی جنس کو تبدیل کر کے مادہ اور مادہ کو نر بنا دیتے ہیں' کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا یہ اس خالق کے امور و معاملات میں مداخلت نہیں کہ پیدا کرنا اور شکلیں بنانا جس کا خاصہ ہے۔ اسلام کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب مخلوق میں سے کسی کو اس بات کی قدرت نہیں ہے کہ وہ نر کو مادہ یا مادہ کو نر میں تبدیل کر سکے۔ اہل یورپ کو بھی اس کی طاقت و قوت نہیں ہے۔ خواہ وہ مادہ اور اس کے خواص کی معرفت کے علم میں کتنا اونچا مقام ہی کیوں نہ حاصل کر لیں۔ کیونکہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف و اختیار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ ﴾

(الشوری ۴۲/ ۴۹۔۵۰)

''آسمانوں اور زمین کی (تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں (دونوں) ملا کر عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے' بلاشبہ وہ خوب جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے شروع میں فرمایا کہ یہ اسی کی ملکیت اور خصوصیت ہے اور پھر آیت کا اختتام اس اختصاص کے اصل کے بیان کرنے پر ہوا اور وہ یہ کہ اس کی ذات گرامی کو کمال علم و قدرت حاصل ہے۔ بسااوقات مولود کا معاملہ مشتبہ ہوتا ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ وہ نر ہے یا مادہ' مثلاً بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادہ ہے لیکن حقیقت میں وہ نر ہوتا ہے یا صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے لیکن بلوغت کے وقت اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ اشکال زائل ہو جاتا اور حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور اس کے لیے صورت حال کی مناسبت سے ڈاکٹروں کو آپریشن کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی اس آپریشن کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔ بہرحال ڈاکٹران معاملات میں یہ واضح کرتے ہیں کہ مولود کی جنس نر ہے یا مادہ' یہ نہیں کہ وہ آپریشن کے ذریعہ نر کو مادہ اور مادہ کو نر کی جنس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کام میں کوئی مداخلت نہیں کرتے بلکہ وہ تو صرف لوگوں کے سامنے واضح کرتے ہیں کہ اللہ نے کیا پیدا فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نئے بال اگانا

سوال امریکہ میں گنج سے ختم ہونے والے بالوں کی جگہ اس طرح نئے بال اگائے جا رہے ہیں کہ سر کے پچھلے حصے کے بال لے کر انہیں متعلقہ جگہ پر سر کے اگلے حصہ میں اگا دیا جاتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کیونکہ یہ تو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اسے ہی واپس لوٹانے کے باب سے ہے' نیز یہ ازالہ عیب کے باب سے ہے' یہ آرائش و زیبائش یا اللہ تعالیٰ نے جو پیدا فرمایا ہے' اس میں اضافہ کے باب سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی خلق میں تبدیلی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو نقص و عیب کے ازالہ کے قبیل سے ہے۔ ان تین آدمیوں کے قصہ سے ہمیں جو دلیل ملتی ہے وہ بھی مخفی نہ رہے' جن میں سے ایک گنجا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ اس کی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بال واپس لوٹا دے تو فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا گنجاپن جاتا رہا اور اسے خوبصورت بال عطا کر دیے گئے تھے۔ [1]

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک سے دوسرے انسان کی آنکھ میں قرنیہ کی منتقلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

کبار علماء کی کونسل نے اپنے تیرھویں اجلاس میں جو شہر طائف میں ماہ شوال ۱۳۹۸ھ کے آخر میں منعقد ہوا اس تحقیق کو ملاحظہ کیا' جسے بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے قرنیہ (آنکھ کے سامنے والے شفاف حصے) کی پیوند کاری کے موضوع پر حسب ارشاد جناب چیئرمین برائے ادارہ بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد (حوالہ نمبر ۲/۴۵۷/۲/۱/د) تیار کیا تھا نیز اس بات کو بھی ملاحظہ کیا' جسے ماہرین امراض چشم ڈاکٹروں نے ذکر کیا تھا کہ حالات و واقعات کے مختلف ہونے کے باعث

---

[1] صحیح البخاری' احادیث الانبیاء باب حدیث أبرص وأعمی و أقرع فی بنی اسرائیل' حدیث : 3464- و صحیح مسلم' الزهد' باب الدنیا سجن للمؤمن و جنة للکافر' حدیث : 2964

اس طرح کے آپریشن ۵۰ سے ۹۵ فی صد کامیاب ہوتے ہیں۔ مطالعہ و تحقیق اور افکار و نظریات کے تبادلہ کے بعد کونسل نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا:

اولاً: ایک انسان کی موت کے یقینی ہونے کے بعد اس کی آنکھ کے قرنیہ کو کسی دوسرے مضطر مسلمان کی آنکھ میں لگانا جائز ہے' جب کہ ظن غالب ہو کہ یہ آپریشن کامیاب رہے گا اور میت کے وارث منع نہ کریں۔ یہ جواز اس مشہور فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہے کہ دو مصلحتوں میں سے اعلیٰ کو اختیار کیا جاتا ہے اور دو ضرروں میں سے جو زیادہ خفیف ہو تو اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے نیز زندہ انسان کی مصلحت کو مردہ انسان کی مصلحت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس آپریشن کے بعد امید ہوتی ہے کہ زندہ انسان بصارت سے محرومی کے بعد دیکھنے لگے گا' نظر کی درستی سے خود بھی فائدہ اٹھائے گا اور امت کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا اور اس سے میت کو کوئی نقصان نہیں جس کی آنکھ کے قرنیہ کو لیا جائے کیونکہ اس کی آنکھ تو مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں ملنے والی ہے۔ اس کی آنکھ کے قرنیہ کے لینے کی صورت میں مثلہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی آنکھ کو تو بند کر دیا جائے گا اور اوپر کی پلک کو نیچے کی پلک کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

ثانیاً: ایک تندرست قرنیہ کی ایسی آنکھ سے منتقلی بھی جائز ہے' جس کے بارے میں ڈاکٹر نے آنکھ سے نکال دینے کا فیصلہ کیا ہو' جب کہ اس کے باقی رہنے کی صورت میں خطرہ ہو' تو اسے کسی دوسرے مضطر مسلم کو لگانا جائز ہے۔ کیونکہ اسے تو دراصل اس انسان کی صحت کی حفاظت کے لیے اس کی آنکھ سے نکالا گیا تھا۔ اور اب کسی دوسرے انسان کو اس کے منتقل کر دینے کی صورت میں اسے کوئی نقصان نہیں جب کہ دوسرے انسان کو اس سے فائدہ حاصل ہو رہا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ عین تقاضائے شریعت کے مطابق ہے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

———— کونسل کبار علماء ————

اختلاف دین کی صورت میں خون کی منتقلی

سوال کیا ایک انسان کا دوسرے انسان کو خون دینا جائز ہے' خواہ ان کا دین الگ الگ ہو؟

جواب اگر کوئی شخص اس قدر شدید بیمار اور کمزور ہو جائے کہ اس کی تقویت یا علاج کے لیے خون دینے کے سوا اور کوئی صورت نہ ہو اور طے یہ پائے کہ اس کی جان بچانے کا اب یہی طریقہ ہے اور ماہر اطباء کا ظن غالب یہ ہو کہ اس سے مریض کو فائدہ پہنچے گا تو دوسرے انسان کے خون دینے کے ساتھ علاج میں کوئی حرج نہیں خواہ دونوں کا دین الگ الگ ہو۔ کافر خواہ حربی بھی ہو تو اس کا خون مسلمان کو دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح غیر حربی کافر کو مسلمان کا خون بھی دیا جا سکتا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

کیا کافر کے خون سے استفادہ جائز ہے؟

سوال ایک انسان کے دوسرے کو خون کا عطیہ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے' نیز غیر مسلم اگر مسلمان کو خون کا عطیہ دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان کو خون دینا جائز ہے' خون دینے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر' کافر خواہ کتابی ہو یا بت پرست بشرطیکہ خون دینے والے کو کوئی نقصان نہ ہو اور لینے والے کو اس کی شدید ضرورت ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مادہ منویہ کا عطیہ

سوال کیا مرد یا عورت کے لیے مادہ منویہ کا عطیہ دینا جائز ہے؟

جواب اس کا عطیہ دینا جائز نہیں کیونکہ اس کے لیے شرم گاہوں کو ہاتھ لگانا پڑے گا' گندی چیزوں کو استعمال کرنا پڑے گا اور نجاست کو چھونا پڑے گا اور پھر اس سے بچے کا پیدا ہونا غیر یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق و متصرف ہے:

﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ إِنَـٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَـٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ﴾ (الشوریٰ ۴۲/ ۴۹۔۵۰)

"جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں (دونوں) ملا کر عنایت فرماتا ہے اوار جس کو چاہتا ہے' بے اولاد رکھتا ہے"

اس طرح کے عطیہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیدا فرما دیا ہے اور اسے عطا کر دیا ہے' اس پر راضی رہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

خون کا عطیہ

سوال ایک شخص خون کی کمی میں مبتلا ہے اور ہسپتال نے اس کے لیے خون کا مطالبہ کیا ہے' جب کہ ہمارے ہاں مشہور بات یہ ہے کہ خون نجس ہے تو سوال یہ ہے کیا اس مضطر مریض کے لیے خون کا عطیہ دینے کی رخصت ہے؟

جواب علاج معالجہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے ساتھ ہو جو شرعاً جائز ہوں لیکن جب مریض کی تقویت یا علاج کے لیے کسی دوسرے کے خون کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو اور مرض یا ضعف سے بچانے کے لیے صرف یہی ایک طریقہ ہو اور ماہر ڈاکٹروں کا ظن غالب یہ ہو کہ اس سے مریض کو فائدہ پہنچے گا تو خون کے ساتھ اس کے علاج کرنے اور بیماری اور ضعف سے اسے نجات دلانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِۦ لِغَيْرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۷۳)

"اس نے تم پر مرا ہوا (مردار) جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں' وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے کھانے کے لیے ناچار ہو جاؤ۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

جسم میں کسی کافر کے عضو کی پیوند کاری

سوال اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے بیرون ملک آپریشن کروایا تو اس کے پیٹ کے ایک ماؤف عضو کی بجائے ایک دوسرا عضو لگا دیا گیا جو کسی غیر مسلم کا عطیہ تھا؟

جواب ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں' خواہ یہ کسی غیر مسلم ہی کا عضو کیوں نہ ہو کیونکہ انسان کو اس کی عقل اور روح کے ساتھ مکلف قرار دیا گیا ہے۔ باقی رہے انسانی اعضاء تو وہ قیامت کے دن ان کے مالکان کی طرف لوٹا دیے جائیں گے اور وہ ثواب یا عذاب کو پالیں گے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

گردے کا عطیہ

سوال میری ایک سہیلی ہے' جس نے برضا و رغبت اپنے بھائی کو گردے کا عطیہ دیا کیونکہ اس کے بھائی کے گردے ناکارہ ہو گئے تھے مگر کہا گیا ہے کہ یہ عطیہ حرام ہے کیونکہ انسان کے پاس اس کا نفس امانت ہے اور اس امانت کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا؟

جواب بوقت حاجت و ضرورت گردے کا عطیہ دینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ماہر اطباء کی رائے میں گردہ نکالنے کی صورت میں عطیہ دینے والے کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو اور جس کے لیے نکالا گیا ہو' اس کے لیے یہ کار آمد ہو۔ عطیہ دینے والی اس بہن کو ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا کیونکہ یہ ایک انسانی جان کو لاحق ضرر اور خطرے سے بچانے کے لیے مدد اور احسان ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

"اور نیکی کرو' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ» (صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی کے بارے میں فتوے

داڑھی کو منڈوانا' کچھ حصہ منڈوانا' چھوٹا کرنا' مذاق اڑانا' کالا رنگ کرنا اور مونچھوں کا بڑھانا اور کٹانا

داڑھی کے شرعی حدود

سوال امید ہے آپ داڑھی کے منڈوانے یا قطع و برید کرنے کے بارے میں وضاحت فرمائیں گے نیز یہ فرمائیں کہ داڑھی کے شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَعْفُوا اللِّحٰى وَحُفُّوا الشَّوَارِبَ» (مسند أحمد: ٢/ ٥٢)

''داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔''

اور پھر یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے سے ہٹ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے طریقے کو اختیار کرنا ہے اور داڑھی کی حد جیسا کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے چہرے' دونوں جبڑوں اور دونوں رخساروں کے بالوں تک ہے۔ یعنی دونوں رخساروں' دونوں جبڑوں اور ٹھوڑی پر جو بال ہیں وہ سب داڑھی میں شامل ہیں' ان سب میں قطع و برید معصیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں' وہ یہ ہیں:

«أَعْفُوا اللِّحٰى»(صحيح البخاري، اللباس، ح:٥٨٩٣ وصحيح مسلم، الطهارة، ح:٢٥٩ ومسند أحمد: ٢/ ٥٢) «وَأَرْخُوا اللِّحٰى . . . »(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

«وَوَفِّرُوا اللِّحٰى . . . »(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢)

«وَأَوْفُوا اللِّحٰى . . . »(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

اور ان سب الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ داڑھی میں قطعاً کوئی قطع و برید نہ کی جائے لیکن گناہوں اور معصیتوں کے درجات چونکہ مختلف ہوتے ہیں' اس لیے قطع و برید کی نسبت داڑھی منڈوانا' بہرحال بڑا گناہ ہے کیونکہ قطع و برید کرنے کی نسبت اس میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت زیادہ اور واضح ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

داڑھی منڈوانا

سوال داڑھی منڈوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَعْفُوا اللِّحٰى وَحُفُّوا الشَّوَارِبَ» (مسند أحمد: ٢/ ٥٢)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔"
اور آپ نے مونچھیں کٹوانے اور داڑھی بڑھانے کو ان دس امور میں سے شمار کیا ہے' جن کا تعلق فطرت سے ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک بھی گھنی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:
﴿ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ ﴾ (طه ٢٠/ ٩٤)
"بھائی! میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے۔"
داڑھی سے مراد وہ بال ہیں' جو دونوں جبڑوں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ دونوں جبڑوں سے مراد نیچے کے دانتوں کے اگنے کی جگہ ہے اور ٹھوڑی اس جگہ کو کہتے ہیں' جہاں دونوں جبڑے مل جاتے ہیں۔ تو داڑھی کے بارے میں جب یہ صحیح احکام موجود ہیں' تو ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور اطاعت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ احکام کی پیروی کی جائے۔ جو شخص داڑھی کو منڈواتا ہے تو نبی ﷺ کے ان ارشادات أَعْفُوا اللِّحٰی' اَوْفُوا اللِّحٰی' وَفِّرُوا اللِّحٰی اور اَرْخُوا اللِّحٰی جن میں داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے' کی مخالفت کرتا ہے۔ داڑھی منڈوانے یا کٹوانے والے کی اطاعت رسول ﷺ میں خلل ہے اور وہ معصیت میں مبتلا ہے لہٰذا اسے توبہ اور ندامت کا اظہار کرنا چاہیے اور جو شخص توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

آپ داڑھی بڑھائے رکھیں' وہ گناہ گار ہیں

سوال الحمد للہ! میں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے لیکن میرے رشتہ داروں یا جاننے والوں میں سے جو شخص بھی مجھ سے ملتا ہے' میری داڑھی کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ داڑھی چھوٹی کروا لو جب کہ میں نے مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ میں پوری داڑھی رکھوں گا۔ کیا داڑھی کٹوانا جائز ہے یا میں اپنی داڑھی پوری ہی رہنے دوں اور ان کی باتوں کو دیوار پر دے ماروں؟

جواب آپ کے لیے یہی واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اور آپ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے داڑھی پوری رکھیں۔ باقی رہی لوگوں کی باتیں تو انہیں دیوار پر دے ماریں۔ ان کی ان باتوں کی تردید کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلائیں۔ ان لوگوں کے لیے اس طرح کی باتیں کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ ان کا یہ کام در حقیقت شیطان کی نیابت ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ لوگ شیطان کے نائب ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے:
«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)
"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"
آپ نے یہ بھی فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحٰى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٦٠)

"مونچھیں منڈاؤ' داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«وَوَفِّرُوا اللُّحٰى . . . »(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢)

"داڑھی پوری رکھو۔"

لہذا واجب یہ ہے کہ داڑھی کو چھوڑ دیا جائے' اسے بڑھایا جائے اور اسے پورا پورا رکھا جائے اور ان فاسقوں کی بات نہ مانی جائے' جو اس کے کٹانے یا منڈوانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ ان کی یہ بات اس حدیث کی مصداق ہے' جس میں یہ ہے کہ آخری زمانے میں کچھ ایسے شیطان آئیں گے' جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور محرمات کے ارتکاب کی دعوت دیں گے۔ اسی طرح حدیث حذیفہ میں ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شر کے بارے میں پوچھا جو بعد میں واقع ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ "ہاں یہ شر بعد میں امت کے آخری دور میں واقع ہو گا اور پھر اس دور میں جہنم کے دروازوں پر داعی ہوں گے' جس نے ان کی بات کو قبول کیا تو اسے وہ جہنم رسید کر دیں گے۔" میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے ان کی کوئی علامت بیان فرما دیں تو آپ نے فرمایا: "وہ لوگ ہمیں میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے۔" ①

اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر لوگ انہی میں سے ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ لوگ جہنم کے داعی ہیں۔ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کی بات کو قبول کرے یا ان کی طرف مائل ہو بلکہ اسے چاہیے کہ ان کی مخالفت اور نافرمانی کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کو اختیار کرے۔ واللہ المستعان۔

—— شیخ ابن باز ——

داڑھی منڈوانا' مذاق اڑانا اور اس کا انکار کرنا

سوال داڑھی رکھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن بہت سے لوگ ہیں جو داڑھی منڈاتے ہیں' بعض داڑھی کے بال اکھاڑ دیتے ہیں' کچھ لوگ داڑھی کے بال کٹوا دیتے ہیں' بعض اس کا انکار کرتے ہیں' کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی سنت ہے کہ عمل کرنے والے کو ثواب ملے گا لیکن عمل نہ کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ بعض بیوقوف یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر داڑھی میں کوئی خیر و بھلائی ہوتی تو زیر ناف بال نہ اگتے --اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے-- ان مختلف نظریات رکھنے والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں کیا حکم ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا انکار کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

① صحیح البخاری' المناقب' باب علامات النبوة فی الاسلام' حدیث: 3606 و صحیح مسلم' الامارة' باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن' حدیث: 1847

جواب نبی اکرم ﷺ کی سنت صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ داڑھی رکھنا' اسے چھوڑ دینا اور پورا پورا رکھنا واجب ہے اور اسے منڈوانا یا کٹوانا حرام ہے' جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ' مونچھیں کٹواؤ۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ' داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

یہ دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ داڑھی رکھنا اور اسے بڑھانا واجب ہے' اور اسے منڈوانا یا کٹوانا حرام ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ گمان کرے کہ یہ ایک ایسی سنت ہے کہ عمل کرنے والے کو تو ثواب ملے گا لیکن عمل نہ کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا تو اس کی یہ بات غلط اور صحیح احادیث کے مخالف ہے' کیونکہ اصول یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور نہی تحریم کے لیے' لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہونے والے اس ظاہر حکم کی مخالفت کرے الا یہ کہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کی بنیاد پر ان احادیث کے ظاہر کے خلاف کہا جا سکے' لیکن یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے' جو ان احادیث کو ان کے ظاہر سے ہٹا دے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول و عرض سے چھوٹا کر لیا کرتے تھے تو یہ ایک باطل حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی پر کذب کا الزام ہے۔

جو شخص داڑھی کا مذاق اڑائے اور اسے زیر ناف بالوں سے تشبیہ دے تو وہ ایک ایسے عظیم منکر کا ارتکاب کرتا ہے جو اسے دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دے دیتا ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی ایسی چیز کا مذاق اڑانا جو کتاب اللہ سے یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہو' کفر اور ارتداد شمار ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝٦٥ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ٦٥-٦٦)

"کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' تمہیں اور تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے اور گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا داڑھی منڈوانا بھی اللہ کی تخلیق کو بدل دینا ہے؟

سوال کیا داڑھی منڈانا بھی ﴿ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء: ۱۱۹/۴) میں داخل ہے؟

جواب ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں جو یہ ذکر فرمایا ہے کہ شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا' تو اس کے عموم میں داڑھی منڈوانا بھی داخل ہے کیونکہ اسے منڈوانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا ہے اور نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھایا او مونچھوں کو کٹوایا جائے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

داڑھی منڈوانا قابل تعزیر جرم ہے

سوال کیا اللہ سبحانہ عزوجل داڑھی منڈوانے والے کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کی وجہ سے پکڑے گا اور سزا دے گا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»

''مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔''

کیا داڑھی ایک مسلمان کے ایمان کامل کیلئے شرط ہے کہ منڈوانے والے کا اللہ تعالیٰ مؤاخذہ کرے گا اور اسے سزا دے گا؟

جواب داڑھی منڈوانا حرام ہے اور وجوبِ کمال ایمان کے منافی ہے۔ اس کا منڈوانے والا دنیا میں تعزیز کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہے۔ الا یہ کہ وہ اپنی موت سے پہلے پہلے توبہ کرلے۔ اگر کوئی سچی پکی توبہ کرے اور داڑھی کو رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

''اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے' تو بلاشبہ اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔''

اور اگر کوئی شخص داڑھی منڈانے پر اصرار کرے حتی کہ فوت ہو جائے تو وہ مستحق عذاب ہے اور اگر حالت ایمان میں فوت ہوا ہو تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ کہ وہ چاہے تو اسے معاف کردے اور چاہے تو اسے سزا دے۔ قبل ازیں کمیٹی کی طرف سے دلائل کے ساتھ مفصل فتویٰ صادر ہو چکا ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

دونوں رخساروں کے بالوں کو مونڈنا

سوال داڑھی منڈوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دونوں رخساروں کے بالوں کے مونڈنے کے بارے میں کیا حکم ہے نیز داڑھی اور مونچھوں دونوں کے چھوڑ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈوانا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ' داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی ان بالوں کا نام ہے' جو دونوں رخساروں اور ٹھوڑی پر اگیں جیسا کہ صاحب "قاموس" نے اس کی وضاحت کی ہے' **لہٰذا** واجب یہ ہے کہ رخساروں اور ٹھوڑی پر اگنے والے بالوں کو چھوڑ دیا جائے اور انہیں مونڈا یا کاٹا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

داڑھی کا مذاق اڑانا بہت بڑا جرم ہے

سوال ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو نہ صرف خود داڑھی منڈواتا ہو بلکہ داڑھی کا مذاق بھی اڑاتا ہو اور داڑھی رکھنے والوں کو منڈوا دینے کا حکم بھی دیتا ہو؟

جواب الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ و آلہ و صحبہ ..... وبعد: جس شخص نے داڑھی رکھی ہو تو اس کا مذاق اڑانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے تو اسے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی اطاعت بجالاتے ہوئے رکھا ہے' **لہٰذا** جو شخص اس کا مذاق اڑائے اس کو نصیحت کی جائے' سمجھایا جائے' اور بتایا جائے کہ داڑھی رکھنے والے کا مذاق اڑانا ایک بہت بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝٦٥ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾

(التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

"کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے' بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔" و باللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

داڑھی چھوٹی کرانا

سوال داڑھی کٹوانے یا چھوٹی کروانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈوانا یا کٹوانا یا اطراف سے ہلکا کروانا حرام ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى»(مسند أحمد: ٢/ ٢٢٩)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

داڑھی ان بالوں کا نام ہے جو دونوں جبڑوں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ ٹھوڑی کے نیچے یا دونوں رخساروں کی ابھری ہوئی جگہ کے بال داڑھی میں شامل نہیں ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو داڑھی کو شدید کالے رنگ سے رنگ لیتا ہے؟ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ داڑھی منڈوانے اور اسے کالا کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو مہندی اور وسمہ سے رنگنا تو جائز ہے لیکن کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کا سر ثغامہ بوٹی کے پھولوں کی طرح سفید تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اذْهَبُوا بِهِ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَلْتُغَيِّرْهُ وَجَنِّبُوهُ السَّوَادَ»(صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة ... الخ، ح: ٢١٠٢ ومسند أحمد: ٣/ ٣٣٨ وسنن ابن ماجه، اللباس، باب الخضاب بالسواد، ح: ٣٦٢٤ واللفظ له)

"انہیں ان کی عورتوں میں سے کسی کے پاس لے جاؤ جو ان کے بالوں کو کسی چیز سے رنگ دے لیکن کالے رنگ سے اجتناب کرنا۔"

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَقْرَرْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ لَأَتَيْنَاهُ» (مسند أحمد: ٣/ ١٦٠)

"اگر تم اس بزرگ کو اس کے گھر ہی میں رہنے دیتے تو ہم خود اس کے پاس جاتے۔"

آپ نے یہ بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کے لیے فرمائی۔ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی داڑھی اور سر ثغامہ بوٹی کے پھولوں کی طرح سفید تھے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«غَيِّرُوهُمَا وَجَنِّبُوهُ السَّوَادَ»(مسند أحمد: ٣/ ١٦٠)

"ان بالوں کے رنگ کو تبدیل کر دو مگر کالے رنگ سے اجتناب کرنا۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ»(سنن أبي داود، الترجل، باب في الخضاب، ح: ٤٢٠٥ وجامع الترمذي، ح: ١٧٥٣ وسنن النسائي، ح: ٥٠٨١ وسنن ابن ماجه، ح: ٣٦٢٢ ومسند أحمد: ٥/ ١٤٧، ١٥٠ واللفظ للنسائي وابن ماجه)

"سب سے احسن چیز جس سے تم سفید بالوں کو رنگتے ہو' وہ مہندی اور وسمہ ہے۔"

جہاں تک داڑھی کے منڈوانے اور اسے سیاہ خضاب سے رنگنے کا حکم ہے تو یہ دونوں باتیں ہی ممنوع ہیں' تاہم سیاہ خضاب کی نسبت داڑھی منڈوانے کی ممانعت زیادہ شدید ہے۔ واللہ الموفق۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے

سوال داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جو شخص ایسا کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی یا سر کے سفید بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے' کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ سیاہ رنگ کے علاوہ دیگر رنگوں مثلاً سرخ اور زرد وغیرہ سے رنگنا جائز ہے۔ مہندی اور وسمہ ملا کر لگانا بھی جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة ... الخ، ح:٢١٠٢ وسنن أبي داود، ح:٤٢٠٤ وسنن ابن ماجه، ح:٣٦٢٤ وسنن النسائي، ح:٥٠٧٩)

"ان کے سفید بالوں کو رنگ دو مگر سیاہ رنگ سے انہیں بچانا۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لاَ يَصْبَغُونَ، فَخَالِفُوهُمْ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، ح:٢١٠٣)

"یہودی اور عیسائی اپنے بالوں کو نہیں رنگتے لہذا تم ان کی مخالفت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنا

سوال داڑھی کو ایسے کالے رنگ کے ساتھ رنگنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو سفید بالوں کے رنگ کو سیاہ رنگ میں تبدیل کر دے؟

جواب مختار اور راجح قول یہ ہے کہ سفید بالوں کو کالے رنگ سے رنگنا حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة ... الخ، ح:٢١٠٢ وسنن أبي داود، ح:٤٢٠٤ وسنن ابن ماجه، ح:٣٦٢٤ وسنن النسائي، ح:٥٠٧٩)

"ان کے سیاہ بالوں کو رنگ دو مگر انہیں کالے رنگ سے بچانا۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَكُونُ قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لاَ يَرِيحُونَ رَائِحَةَ

الْجَنَّةِ»(سنن أبي داود، الترجل، باب ما جاء في خضاب السواد، ح: ٤٢١٢)

"آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنی داڑھیوں کو اس طرح رنگیں گے گویا وہ کبوتر کے پوٹے ہوں' یہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکیں گے۔"

آج کل چھوٹے بڑے بہت سے لوگ جو کالا رنگ استعمال کر رہے ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مونچھیں منڈوانا

سوال امید ہے کہ آپ ایسی احادیث ذکر فرمائیں گے' جن میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ جس نے داڑھی منڈوائی تو وہ فاسق ہے؟ کیا مونچھوں کو منڈانا جائز ہے؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے اور منڈوانے والا فاسق کیونکہ وہ ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے' جن میں داڑھی کے بڑھانے اور پورا رکھنے کے بارے میں حکم ہے۔ قبل ازیں بھی فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء کو اسی طرح کا ایک سوال موصول ہوا تھا اور اس کا کمیٹی نے حسب ذیل فتویٰ دیا تھا:

داڑھی منڈوانا حرام ہے کیونکہ امام بخاری' مسلم' احمد اور دیگر محدثین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢)

"مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحٰى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی منڈوانے پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے لہٰذا منڈوانے والے کو نصیحت کی جائے اور اس کے داڑھی منڈوانے کا انکار کیا جائے۔ اگر دینی قیادت میں سے کوئی شخص ایسا کرتا ہو تو اسے اور بھی زیادہ تاکید کے ساتھ سمجھانا چاہیے۔ ہماری معلومات کی حد تک رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی صحابی سے مونچھیں منڈوانا ثابت نہیں ہے۔ ان سے جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ انہیں کٹوا دیا اور چھوٹا کروا دیا جائے۔ فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء کی طرف سے اس مسئلہ میں بھی ایک فتویٰ جاری ہو چکا ہے' جس کا نمبر ۱۹۵۴ ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

داڑھی اور مونچھیں منڈوانے والے کے بارے میں تنبیہ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے جناب برادر مکرم ایڈیٹر اخبار "عرب نیوز" کے نام ...... وفقہ اللہ۔

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ امابعد:

آپ کے اخبار کے مورخہ ۲۴/ ۲/ ۱۹۸۴ء بروز جمعۃ المبارک کے شمارے کے ص ۷ پر جو کہ دینی احکام و مسائل کے لیے مخصوص ہے' میں نے درج سوال کے جواب کے ترجمہ کو ملاحظہ کیا۔ یہ سوال س۔ رخان ص ب ۱۲۵۷ جدہ کی طرف سے اس طرح تھا کہ داڑھی اور مونچھوں کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ کیا داڑھی منڈوانے والے کے لیے بعد از وفات کسی معین سزا کا ذکر موجود ہے؟ کیا داڑھی منڈوانے والا اپنی عبادت اور زندگی میں بجا لانے والے اپنے دیگر اعمال صالحہ کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے؟

میں نے محسوس کیا ہے کہ اخبار میں چھپنے والا جواب ناکافی ہے اور وہ مطلوب کو پورا نہیں کرتا لہٰذا صحیح جواب یہ ہے کہ داڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کو شارع ﷺ نے فرض قرار دیا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

یہ دونوں صحیح ہیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ واجب یہ ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور اسے کٹوایا یا منڈوایا نہ جائے جیسا کہ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مونچھوں کو کٹوانا واجب ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ کسی معین سزا کا ذکر نہیں ہے لیکن مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی اطاعت بجا لائے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرما دیا ہو اس سے اجتناب کرے' خواہ اس کے بارے میں کسی معین سزا کا ذکر نہ بھی ہو۔ مسلمان حکمران کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اوامر و نواہی کی مخالفت کرنے والوں کو اپنی صواب دید کے مطابق تعزیری سزائیں دے' یعنی ایسی سزائیں جو حدود کی سزاؤں سے کم ہوں تاکہ لوگ محرمات کے ارتکاب اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز آ جائیں۔ ثابت ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ يَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لاَ يَزَعُ بِالْقُرْآنِ»(منتخب كنز العمال على مسند أحمد:٢/ ١٣٤ عن عمر ابن الخطاب رضي الله عنه)

”بے شک اللہ تعالیٰ بادشاہ کے ساتھ ایسی چیزوں سے روک دیتا ہے‘ جن سے قرآن کے ساتھ نہیں روکتا۔“

جو شخص اس حالت میں مرجائے‘ اس کا معاملہ دیگر تمام گناہوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے‘ اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو وہ سزا دے‘ جس کا ارتکاب معاصی کی وجہ سے وہ مستحق ہو۔ بہرحال انہی معاصی اور گناہ کے کاموں میں سے داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ ﴾ (النساء٤/١١٦)

”اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شرک کے سوا دیگر تمام گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہیں‘ اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے۔ البتہ خوارج‘ معتزلہ اور ان کے ہم نوا کئی دیگر اہل بدعت کا قول اس کے خلاف ہے۔ بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ داڑھیاں منڈوانے‘ مونچھیں بڑھانے اور شرک کے سوا دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنے سے نہ تو اعمال صالحہ رائیگاں جاتے ہیں اور نہ ان کا ثواب باطل قرار پاتا ہے کیونکہ اعمال تو صرف شرک اور کفر اکبر ہی کے ساتھ رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ گناہوں کے ساتھ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوۡ أَشۡرَكُواْ لَحَبِطَ عَنۡهُم مَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٨)

”اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے ہیں سب ضائع ہو جائے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدۡ أُوحِيَ إِلَيۡكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكَ لَئِنۡ أَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٥)

”اور (اے محمد!) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں‘ یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے۔“

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت و توفیق سے نوازے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— شیخ ابن باز ———

دعوت اس طرح نہیں دی جاتی

اَلْحَمْدُ لله وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُولِهِ وَآلِهِ وصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

اخبار ”السیاسۃ“ کے شمارہ ٦٦٨ مورخہ ١٩/ ٨/ ١٤٠٤ھ میں حمد سعیدان کا ایک مقالہ طبع ہوا ہے‘ جسے میں نے ملاحظہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے‘ اپنے اس مقالہ میں انہوں نے داڑھی منڈوانے کے بارے میں دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری طرف ایک ایسی غلط بات منسوب کی ہے جو میں نے نہیں کہی مثلاً انہوں نے میرے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ کہا ہے کہ میرے نام سے جو فتویٰ بھی صادر ہو تو واجب ہے کہ اس پر مہر تو میری لگی ہو مگر وزارت اوقاف سے بھی اس کی تصدیق کروالی جائے حالانکہ یہ بات قطعی طور پر باطل ہے کیونکہ میں نے کسی دن بھی اپنے فتاویٰ کی

وزارت اوقاف کی طرف سے تصدیق کی شرط عائد نہیں کی۔ پھر اس مقالہ نگار نے داڑھی منڈانے اور دیگر مسائل کے بارے میں بھی بہت بے جا کلام کیا ہے۔ اور گمان کیا ہے کہ نبی ﷺ کے اس فرمان:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢)

"مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

کا عصر حاضر میں تقاضا یہ ہے کہ ہم داڑھیاں منڈوائیں کیونکہ مجوسی' مشرک' یہودی' سکھ اور کئی دیگر غیر مسلم اس دور میں داڑھیاں رکھ رہے ہیں لہٰذا ہمارے لیے واجب ہے کہ ان غیر مسلم لوگوں کی مخالفت کریں اور اپنی داڑھیاں منڈوا دیں' جیسا کہ علماء ازہر نے اس حدیث پر عمل کیا اور مشرکوں وغیرہ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی داڑھیوں کو منڈوا دیا ہے۔ اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اس مضمون نگار کی طرف سے یہ بہت دیدہ دلیری اور سنت رسول ﷺ کی توہین ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان واضح اور آپ کا امر واجب الاطاعت ہے۔ آپ کے فرمان کی مخالفت کرنے والا آخرت میں بدترین انجام سے دوچار ہو گا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٦٣)

"جو لوگ آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو اس (بات) سے ڈرنا چاہیے کہ انہیں (دنیا میں) کوئی آزمائش پہنچے یا انہیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بالکل واضح ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے' اس کے مطابق قیامت تک عمل کرنا واجب ہے خواہ کافر داڑھیاں رکھیں یا منڈوا دیں۔ اگر وہ داڑھی رکھنے یا کسی دوسری چیز میں ہماری موافقت کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی شریعت کی مخالفت شروع کر دیں جیسا کہ ان سب کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں' ہمیں ان کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا بہت محبوب ہے' ہمیں اس بات کا حکم بھی ہے کہ ہم انہیں اس بات کی دعوت دیں اور اگر یہ لوگ اسلام قبول کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں' تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے ہم دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں بلکہ ہم پر یہی واجب ہے کہ ہم انہیں اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہیں اور ان امور میں ان کی مشابہت اختیار نہ کریں' جن میں یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کریں جیسا کہ تمام اہل علم کے ہاں یہ بات مشہور و معروف ہے۔

اس مضمون نگار نے حدیث شریف کو جو اس بات پر محمول کیا ہے کہ داڑھی منڈوانا واجب ہے کیونکہ مشرکوں وغیرہ نے داڑھی منڈوانا ترک کر دیا ہے تو یہ باطل کے پھیلانے اور اس کی دعوت دینے کے لیے ایک بدترین جرأت ہے اور پھر اس کی یہ بات حقیقت اور امر واقع کے بھی خلاف ہے کیونکہ تمام کافروں نے تو داڑھیاں نہیں رکھیں بلکہ ان میں سے بعض نے رکھی ہیں اور بعض نے نہیں رکھیں اور اگر یہ فرض بھی کریں کہ تمام کافروں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں تو پھر بھی ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہو گا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کریں اور کفار کی مخالفت کی وجہ سے اپنی داڑھیاں منڈوا دیں' کوئی شخص بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جسے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بارے میں ادنیٰ علم و بصیرت بھی ہو کیونکہ اس سے تو بہت سی باطل اور منکر باتیں لازم آتی ہیں۔

مضمون نگار نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ شیوخ ازہر نے جب یہ دیکھا کہ بعض کافروں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں' تو انہوں نے اپنی داڑھیوں کو منڈوا دیا' اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ بعض مسلمانوں کے شریعت کی مخالفت سے شریعت مطہرہ کے ترک کر دینے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا بلکہ واجب یہ ہے کہ جو بھی شریعت کی مخالفت کرے' اس کا انکار کر دیا جائے' اس کی اقتداء نہ کی جائے اور اس کے عمل سے ترک شریعت کے بارے میں استدلال نہ کیا جائے۔ بہت سے علماء نے شریعت مطہرہ کی بہت سے مسائل میں مخالفت کی ہے اور اس کا سبب یا تو دلیل سے ناواقفیت ہے اور یا دیگر اسباب ہیں لہٰذا ان کا یہ عمل اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ ان اعمال کو ترک کر دیا جائے' جن کا شریعت میں سے ہونا معلوم ہے اور کہا جائے کہ چونکہ ان علماء نے احکام کے مطابق عمل نہیں کیا لہٰذا ہم بھی نہیں کرتے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جائے کہ شائد انہیں حکم شریعت نہ پہنچا ہو یا وہ دلیل انہیں ایسی سند سے پہنچی ہو جو ان کے نزدیک ثابت نہ ہو یا اس طرح کے دیگر عذروں کی وجہ سے انہوں نے اس دلیل کے مطابق عمل نہ کیا ہو۔ علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جلیل القدر کتاب "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام" میں اس موضوع پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے اور بعض اہل علم نے بعض احکام شریعت کی جو مخالفت کی ہے تو اس کے وجوہ و اسباب کی انہوں نے نہایت عمدگی و خوبی کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے' طالب حق کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے بلاشبہ یہ ایک بہت ہی مفید کتاب ہے۔ (1)

میں مضمون نگار حمد کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرے اور داڑھی رکھنے والوں سے مذاق اور بدگمانی سے بچے' اسی طرح میں اسے یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ان تمام مسلمان بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے' جو نفاذ شریعت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے تمام اقوال و اعمال میں اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق عمل پیرا ہوں' اسے چاہیے کہ وہ ان کے اس عمل کو اچھے محل پر محمول کرے تا کہ سورۃ الحجرات میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق عمل کر سکے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿١١﴾ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۱)

"اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے' ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔"

﴿ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ' لمز عیب لگانے کو کہتے ہیں اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۲)

"اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔"

(1) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت کتاب کا الحمد للہ ملک کے مشہور مصنف و مترجم

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بہت گمان کرنے سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اس سے مراد وہ گمان ہے جس کی کوئی دلیل نہ ہو اور نہ کوئی شرعی علامت ہو جو اس سلسلہ میں راہنمائی کرتی ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ح:٦٠٦٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس ... الخ، ح:٢٥٦٣)

"گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔"

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان اہل علم اور دعاۃ الی اللہ کو نصیحت بھی نہ کی جائے' جو اپنے عمل یا دعوت یا سیرت و کردار میں کسی غلطی کے مرتکب ہوں بلکہ واجب یہ ہے کہ احسن انداز میں خیر اور حق کی طرف ان کی توجہ مبذول کروائی جائے اور عیب' بدگمانی اور قابل اعتراض اسلوب سے احتراز کیا جائے کیونکہ اس سے تو اس چیز سے نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے' جس کی طرف دعوت دی جا رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو رسولوں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے اس وقت فرمایا جب انہیں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے کافر کی طرف مبعوث فرمایا تھا:

﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ ﴾ (طٰه۲۰/ ٤٤)

"اور اس سے نرمی سے بات کرنا شائد وہ غور کرے یا ڈر جائے۔"

اللہ تعالیٰ نے دعوت کے سلسلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نرمی' شفقت' حکمت اور لطف و مہربانی سے سرفراز فرمایا تھا' اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۵۹)

"(اے محمد!) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دین کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَـٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل۱٦/ ۱۲۵)

"(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم آپ کے لیے بھی ہے' امت کے تمام علماء کے لیے بھی اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو داعیٔ حق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو احکام دیئے ہیں' وہ صرف آپ ہی کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ پوری امت کے لیے عام ہیں الا یہ کہ کسی حکم کے بارے میں دلیل سے ثابت ہو جائے کہ یہ آپ

حضرت مولانا پروفیسر غلام احمد حریری رحمہ اللہ نے "ائمہ سلف اور اتباع سنت" کے نام سے اُردو میں ترجمہ کیا' بندۂ عاجز نے تسہیل' تخریج اور تحقیق کے فرائض سرانجام دیے اور طارق اکیڈمی فیصل آباد نے نہایت سلیقہ سے زیور طباعت سے آراستہ کرایا ہے۔ بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد اور مختصر مگر جامع کتاب ہے' قارئین کرام کو اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔ (مترجم)

ہی کے لیے خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۵۷)

''تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم (اور حمایت) کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے' اس کی پیروی کی تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَٱلسَّـٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَـٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَـٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی' اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے' یہ بڑی کامیابی ہے۔''

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ»(صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹۲)

''جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ ساری خیر سے محروم کر دیا گیا۔''

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ الرِّفْقَ لاَ يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلاَّ زَانَهُ، وَلاَ يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلاَّ شَانَهُ»(صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹٤)

''نرمی جس چیز میں بھی ہو گی' اسے مزین کر دے گی اور جس چیز سے اسے نکال دیا جائے تو اسے عیب دار بنا دے گی۔''

جیسا کہ نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ، يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالاَ يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ»(صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے' نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرما دیتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والوں اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کرنے والوں پر یہ واجب ہے کہ وہ مفید اسلوب اور ایسی عبارت کا انتخاب کریں جس میں نہ سختی ہو اور نہ وہ حق سے نفرت کا باعث بنے۔ بلکہ ایسا اسلوب اور ایسا انداز گفتگو اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے یہ امید ہو کہ مخالف حق اسے قبول کرتے ہوئے حق پر راضی ہو جائے گا' اسے ترجیح دے گا اور باطل کو ترک کر کے حق کو اختیار کر لے گا۔ داعی الی اللہ کو چاہیے کہ وہ دعوت کے لیے ایسے طریقے استعمال نہ کرے' جن کی وجہ سے حق سے نفرت پیدا ہو اور وہ حق سے دور کر کے اسے قبول نہ کرنے کا باعث بنیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے' بصیرت کے ساتھ دین کی دعوت دینے کی توفیق سے نوازے' ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اعمال کی خرابیوں سے محفوظ رکھے اور اس بات سے بھی بچائے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں علم کے بغیر کوئی بات کہیں۔ بے شک وہی قادر و کارساز ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و من اھتدی بھداہ الی یوم الدین۔

——— شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ———

کھیلوں وغیرہ کے بارے میں فتوے

مختصر لباس کے ساتھ کھیلنا

سوال ایسے مختصر لباس کے ساتھ کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جس سے ستر پوشی کے تقاضے پورے نہ ہوتے ہوں' نیز اس طرح کے کھلاڑیوں کے کھیل کو دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کھیل میں حصہ لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ کسی واجب چیز سے غافل نہ کرے اور اگر وہ کسی واجب چیز سے غافل کر دے تو پھر حرام ہے اور اگر انسان کھیل کود میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ اس کا اکثر وقت اس میں صرف ہوتا ہو تو اس میں وقت کا ضیاع ہے اور اس حالت میں جو بات کم سے کم کہی جا سکتی ہے' وہ یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اگر کھلاڑی نے اس قدر مختصر نیکر وغیرہ پہن رکھی ہو کہ اس سے اس کی ران یا اس کا اکثر حصہ ننگا ہوتا ہو تو یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ نوجوان آدمی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی رانوں کو چھپائے' اگر کھلاڑیوں کی رانیں ننگی ہوں تو انہیں دیکھنا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مختصر نیکر پہننا جائز نہیں ہے

سوال کھیل کے مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے چھوٹی نیکر پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب کہ نماز کے اوقات بھی نہ ہوں اور نہ اس سے کسی فتنے کا اندیشہ ہو؟ امید ہے کہ دلائل کے ساتھ اس سوال کا جواب عطا فرمائیں گے۔ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے۔

جواب ہماری رائے میں ایسی چھوٹی نیکر پہننا جائز نہیں ہے جس سے فقط شرم گاہ ہی کی ستر پوشی ہوتی ہو اور دونوں رانیں یا ان کا اکثر حصہ ننگا رہ جاتا ہو۔ خواہ اسے کھیل میں حصہ لینے کے لیے پہنا جائے یا بازار میں اور خواہ نماز کا وقت نہ بھی ہو' البتہ گھر کے اندر ایسا لباس پہنا جا سکتا ہے جب کہ انسان اپنے گھر کے خاص امور میں مصروف ہو اور اسے دوسرے لوگ نہ دیکھ رہے ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار نبی ﷺ نے جرہد اسلمی کو اس طرح دیکھا کہ ان کا ازار ان کی ران سے ہٹا ہوا تھا تو آپ نے ان سے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ»(مسند أحمد: ٣/ ٤٧٨ وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح: ٢٧٩٨ واللفظ له)

''اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔'' واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

میدانوں میں کھیل کے مقابلے دیکھنا

سوال کھیل کا میچ دیکھنے کے لیے فٹ بال گراؤنڈ میں جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب فٹ بال میچ دیکھنے کے لیے کھیل کے گراؤنڈ میں جانے سے اگر کسی واجب کا ترک لازم نہ آتا ہو مثلاً اس سے نماز ترک نہ ہوتی ہو یا پردہ کے مقام کو دیکھنا لازم نہ آتا ہو اور نہ ہی اس سے کوئی کینہ اور دشمنی پیدا ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ ''لَهو'' ہے اور اکثر و بیشتر صورتوں میں ایسے مواقع پر حاضری سے واجب ترک ہو جاتا اور فعل حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مردوں کا زنجیریں پہننا

سوال بعض مرد حضرات زنجیریں پہن لیتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زیب و زینت کے لیے زنجیر پہننا حرام ہے کیونکہ یہ عورتوں کی عادات و خصائل میں سے ہے' جس کی وجہ سے زنجیریں پہننے میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور اگر یہ زنجیریں سونے کی بنی ہوئی ہوں تو پھر حرمت اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مرد کے لیے دو وجہ سے حرام ہیں' ایک تو اس وجہ سے کہ یہ سونے کی بنی ہوتی ہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور اگر ان میں کسی حیوان یا انسان کی تصویر ہو تو پھر ان کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر خبیث اور ناپاک صورت یہ ہو گی کہ ان میں صلیب کا نشان بنا ہو تو یہ حرام ہے حتیٰ کہ اگر زیورات پر کسی انسان یا حیوان یا پرندے یا صلیب وغیرہ کی تصویر بنی ہو تو ان کا استعمال مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے کیونکہ ان میں سے کسی کے لیے بھی کوئی ایسی چیز پہننی جائز نہیں ہے' جس میں کسی انسان یا حیوان یا صلیب وغیرہ کی تصویر ہو۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن عثیمین

سونے کے میڈل پہننا

سوال میں نے دلیری اور بہادری کے بعض مقابلوں میں حصہ لیا' جس کی وجہ سے مجھے سونے کے میڈل' سونے کی گھڑی اور سونے کا قلم بطور انعام دیا گیا تو سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میں انہیں استعمال کر سکتا ہوں؟ کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے؟ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو گی؟ یاد رہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان اشیاء میں سونے کی مقدار کتنی ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب مردوں کے لیے سونے کا میڈل' گھڑی اور قلم استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے۔ اس لیے یا تو اپنی قریبی عورتوں میں سے کسی کو یہ چیزیں تحفہ میں دے دیں یا پھر ان میں سے سونا الگ کروا دیں اور پھر انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ دیگر زیورات کی طرح ان کی قیمت میں بھی اڑھائی فیصد زکوٰۃ واجب ہو گی۔

شیخ ابن جبرین

کھیلوں میں دیئے جانے والے انعامات

سوال آج کل ملاحظہ کیا جا رہا ہے کہ بہت سے نوجوانوں میں کھیلوں کے ان مقابلوں میں حصہ لینے کی استعداد موجود ہے جو کسی تنظیم کے زیر اہتمام منعقد ہوتے ہیں اور اس میں ہر ٹیم کو ایک معین مال کی صورت میں اپنا حصہ بھی ڈالنا پڑتا ہے اور ایک ٹیم اس سلسلہ میں کچھ ادا نہیں کرتی کیونکہ وہی کھیلوں کو منعقد کرتی اور ٹرافیاں اور انعامات کی چیزیں خریدنے کا اہتمام کرتی ہے اور باقی ٹیمیں ان انعامات کے حصول کے لیے کھیلتی ہیں اور جو ٹیم کامیاب ہو جائے' وہ ٹرافی حاصل کر لیتی ہے' جب کہ باقی انعامات دیگر ٹیموں میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں راہنمائی فرمائیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر انعام کسی ایسے شخص کی طرف سے دیا جائے جو مقابلہ میں باقاعدہ شریک نہ ہو۔ مثلاً انعام کوئی ایسا شخص دے جو مقابلہ کرنے والوں میں شامل نہ ہو لیکن وہ کامیاب ہونے والی ٹیم کو اپنی طرف سے کچھ مال بطور انعام دے دے تو یہ اس جوے میں شامل نہیں ہے جو حرام ہے لیکن انعام اگر مقابلہ میں حصہ لینے والی دونوں ٹیموں کی طرف سے ہو کہ ہر ٹیم کچھ رقم ادا کرے اور پھر ان دونوں ٹیموں کی طرف سے جمع کی گئی رقم اس ٹیم کو دے دی جائے جو مقابلہ جیت لے تو یہ جوا ہے اور حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۰)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔"

اسی طرح اگر ٹیمیں تین یا اس سے بھی زیادہ ہوں اور ان میں سے دو ٹیمیں تو ادا کریں اور تیسری ٹیم ادا نہ کرے اور انعام جیتنے والی ٹیم لے لے تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ سَبَقَ إِلاَّ فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق، ح:٢٥٧٤ وجامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الرهان والسبق، ح:١٧٠٠ وسنن النسائي، الخيل، باب السبق، ح:٣٦١٦ واللفظ لهما)

"مقابلہ صرف تیراندازی یا اونٹ یا گھوڑے دوڑانے میں ہے۔"

(حدیث میں) مذکور لفظ "نَصل" کے معنی تیراندازی میں مقابلہ' "خُف" کے معنی اونٹوں میں مقابلہ اور "حَافِر" کے معنی گھوڑوں میں مقابلہ کے ہیں اور "سبق" سے مراد وہ مجہول انعام ہے جو سبقت کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اس طرح کا مقابلہ صرف ان تینوں چیزوں ہی میں جائز ہے کیونکہ ان کا تعلق جہاد فی سبیل اللہ سے ہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

آپس میں شرط لگانے کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ آپس میں شرط لگالیتے ہیں اور اسے حق کے نام سے موسوم کرتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپس میں شرط لگانے کی صورت بہت سے لوگوں کو معلوم ہے جو یہ ہے کہ جب دو آدمیوں کا کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے ایک دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ اگر میری بات صحیح ہوئی تو آپ مجھے اس قدر رقم ادا کریں گے' جس کا وہ نام لے کر باقاعدہ تعین کر دیتا ہے اور اگر آپ کی بات صحیح ہو گی تو اتنی رقم میں آپ کو ادا کر دوں گا۔ یہ صورت حرام ہے کیونکہ یہی وہ جوا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے شراب کے ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

لہٰذا یہ جوا حرام ہے اور بعض لوگ اگر اسے "حق" کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو اس کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے باطل کو حق کا نام دیا' اس کا نام تبدیل کر دیا اور اس پر حلال ہونے کا رنگ چڑھا دیا' لہٰذا یہ لوگ اپنے اس طرز عمل میں جھوٹے اور دغاباز ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی اور عافیت عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تاش کے پتوں سے کھیلنا

سوال کچھ لوگ تاش کے پتوں سے کھیلتے ہیں اور اس طرح کے بعض کھیلوں میں وہ بسا اوقات یہ شرط بھی لگا لیتے ہیں

کہ جو شکست کھا گیا وہ اس قدر مال ادا کرے گا یا جوس خرید کر پلائے گا یا اس طرح کی کوئی اور شرط لگا لیتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا' نیز جو لوگ اس طرح کا کھیل کھیلتے ہیں' انہیں نصیحت بھی فرمائیں؟

جواب یہ کام حرام ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ سَبَقَ إِلاَّ فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق، ح:٢٥٧٤ وجامع الترمذي، الجهاد، باب ما جاء في الرهان والسبق، ح:١٧٠٠ وسنن النسائي، الخيل، باب السبق، ح:٣٦١٦)

''مسابقت صرف تیر اندازی یا اونٹ یا گھوڑے دوڑانے میں ہے۔''

مذکورہ بالا صورت بلاشبہ اس جوا کی ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام قرار دیا اور شراب اور بتوں کی پوجا کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝٩٠﴾ (المائدة٥/ ٩٠)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔''

اس طرح کا کھیل کھیلنے والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں اور آئندہ یہ کھیل نہ کھیلیں۔ اس طرح کے کھیل سے جو وہ کمائی کریں گے' وہ حرام ہو گی اور قطعاً حلال نہیں ہو گی۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ کھیل جو انسان کو خیر و بھلائی کے کاموں سے غافل کر دیں' یہ واقعی انسان کے لیے بہت بڑے خسارے کا سبب ہیں کیونکہ ان سے انسان کے بہت سے قیمتی اوقات ضائع ہو جاتے ہیں۔ عقل مند انسان جب اپنے مال کو بے فائدہ ضائع نہیں کرتا تو اسے اپنا قیمتی وقت تو بالاولیٰ ضائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وقت تو مال سے زیادہ قیمتی چیز ہے اور پھر نوجوانوں اور دیگر لوگوں کا اپنے قیمتی اوقات کو ان جیسے بے فائدہ کھیلوں میں ضائع کرنا' بے حد حزن و ملال کا سبب ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے اس طرح کے کھیلوں کو معاوضہ کی شرط کے بغیر بھی حرام قرار دیا ہے اور اگر ان میں معاوضہ کی اس طرح کی کوئی شرط ہو تو پھر ان کے حرام ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

معاوضہ کے بغیر تاش کا کھیل

سوال اگر تاش کا کھیل نماز سے غافل نہ کرے اور اس میں پیسوں کا چکر بھی نہ ہو تو کیا یہ حرام ہے یا نہیں؟

جواب تاش کا کھیل جائز نہیں ہے خواہ اس میں معاوضہ نہ بھی ہو کیونکہ یہ کھیل انسان کو اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ خواہ کھیلنے والا یہ گمان کرے کہ وہ اس سے غافل نہیں ہوتا اور پھر یہ کھیل جوے کا ذریعہ بھی ہے' جو نص قرآن کی روشنی میں حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰)

"شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔" و باللہ التوفیق' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تاش کا کھیل اور معاشرے پر اس کے اثرات

سوال تاش کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیونکہ جب یہ کھیل کھیلنے والے (کھیلنے کے لیے) بیٹھتے ہیں تو وہ نہ اذان کی آواز کا جواب دیتے ہیں' نہ اذان کے اختتام پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو سن کر اس کے بارے میں وارد دعا ہی پڑھتے ہیں۔ لوگ اذان کی آواز سن کر مسجد میں نماز کے لیے چلے جاتے ہیں مگر یہ لوگ اپنے کھیل میں مگن ہو کر بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ نماز سے فراغت حاصل کر کے جب مسجد سے واپس آتے اور انہیں سلام کہتے ہیں تو یہ سلام کا جواب تک نہیں دیتے کیونکہ یہ دل و دماغ کے ساتھ اپنے اس کھیل میں بری طرح مشغول ہوتے ہیں اور پھر جس گھر میں بیٹھے یہ کھیل رہے ہوں وہاں سگریٹ کے دھوئیں' شور و غوغا' ہنسی مذاق' لعن طعن اور کثرت سے کھائی جانے والی قسموں' جن میں سے کچھ اللہ کے نام کی اور کچھ غیر اللہ کے نام کی ہوتی ہیں' کی وجہ سے انسان وہاں بیٹھ بھی نہیں سکتا لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس کھیل کے بارے میں کیا حکم ہے' اس کے کھیلنے والے کو کیا گناہ ہو گا اور معاشرہ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب جیسا کہ سائل نے یہ بیان کیا ہے' تاش کے پتوں کا کھیل اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتا ہے۔ کھیلنے والوں کے دلوں میں یہ عداوت اور بغض پیدا کرتا ہے۔ کبھی اس کھیل میں مال کی شرط بھی ہوتی ہے جس کے مطابق ہارنے والا جیتنے والے کو مال بھی دیتا ہے' اور پھر اس میں لعن طعن اور جھوٹی قسمیں بھی ہوتی ہیں لہٰذا جب اس کھیل کے یہ نتائج ہیں تو یہ حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَـٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰-۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

تاش کھیلنے والے ایک حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں لہٰذا وہ اس کی وجہ سے بھی گناہ گار ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ جو واجب وہ چھوڑتے ہیں مثلاً وہ نماز باجماعت ادا نہیں کر سکتے یا دیگر حرام امور مثلاً لعن طعن' جھوٹی قسموں' غیر اللہ کے نام کی قسموں اور سگریٹ نوشی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے بھی گناہ گار ہیں۔

جہاں تک اس کھیل کے معاشرے پر اثرات کا تعلق ہے تو ایک سلیم معاشرے کی بنیادیں دو باتوں سے مضبوط ہوتی

ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کی جائے اور (۲) اس نے جن کاموں سے منع فرمایا ہے' ان سے اجتناب کیا جائے۔ اگر واجبات میں سے کسی چیز کو ترک کر دیا جائے یا محرمات میں سے کسی کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے معاشرہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ یہ کھیل بھی ان عوامل میں سے ہے' جو معاشرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ یہ نماز با جماعت کے ترک کا سبب بنتا ہے۔ اس کھیل سے آپس کے تعلقات کشیدہ ہوتے اور ایک دوسرے سے دوری' قطع رحمی اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور محرمات کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے انسان اپنا رزق کمانے میں بھی سستی کرنے لگتا ہے اور اگر اس کھیل میں مالی شرط لگائی جائے تو اس سے حاصل ہونے والا مال حرام ہو گا جیسا کہ اس جواب کے آغاز میں اس کی دلیل بیان کی جا چکی ہے۔ هذا و بالله التوفيق! و صلى الله وسلم على نبينا محمد و آله و صحبه.

——— فتویٰ کمیٹی ———

تاش اور شطرنج کا کھیل

سوال تاش اور شطرنج کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ یہ نماز سے غافل نہ کرتے ہوں؟

جواب یہ دونوں اور ان کی طرح کے دیگر کھیل جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ آلات لہو سے ہیں۔ یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں اور ناحق وقت ضائع کرنے کا سبب بنتے ہیں اور پھر ان کی وجہ سے کھیلنے والوں میں کینہ اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور اگر ان میں مالی شرط بھی لگائی جائے تو پھر ان کی حرمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ جوا بن جاتے ہیں' جس کی حرمت میں قطعاً کوئی شک یا اختلاف نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تاش اور شطرنج کا کھیل

سوال تاش اور شطرنج کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اہل علم اور ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں کھیل حرام ہیں کیونکہ یہ انسان کو بے حد غافل کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر سے روک دیتے ہیں اور بسا اوقات ان کی وجہ سے کھیلنے والوں میں عداوت اور بغض بھی پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر ان کھیلوں میں انعامی شرط بھی لگائی جاتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے پر مقابلہ کرنے کی کسی بھی صورت میں انعامی شرط جائز نہیں ہے سوائے اس مسابقت کے جس پر نص شریعت ہے اور وہ صرف تین چیزیں ہیں (۱) تیر اندازی' (۲) اونٹ اور (۳) گھوڑے دوڑانا۔ شطرنج اور تاش کھیلنے والوں کے بہت سے اوقات اللہ کی اطاعت کے بغیر صرف ہوتے ہیں اور ایسے کاموں میں خرچ ہوتے ہیں' جن کا دنیوی امور میں بھی کوئی فائدہ نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاش اور شطرنج کھیلنے سے ذہن کھلتا ہے اور ذہانت نشوونما پاتی ہے لیکن حقیقت اور امر واقع ان لوگوں کے اس دعویٰ کے خلاف ہے کیونکہ ان کھیلوں سے تو انسان کند ذہن ہوتا اور وہ صرف انہی بے کار کھیلوں تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے' کسی اور کام میں ان لوگوں کا ذہن قطعاً کسی کام نہیں آتا' لہٰذا ایک عقل مند انسان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ان کھیلوں سے کنارہ کش رہے جو انسان کے فکر کو بلید اور اس کی سوچ کو محض انہیں تک محدود کر دیتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اوقات نماز کے علاوہ شطرنج کھیلنا

سوال کیا درج ذیل شرطوں کے ساتھ شطرنج کھیلنا جائز ہے: 1 ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی کھیل لیا جائے۔ 2 کھیلتے ہوئے برے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔ 3 فرض نمازوں کو ضائع نہ کیا جائے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔

جواب راجح قول یہ ہے کہ شطرنج کا کھیل حرام ہے۔ 1 اس لیے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ تمثالی اور مجسم صورتوں سے خالی نہیں ہوتا اور معلوم ہے کہ تصویروں کو پاس رکھنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتاً فِيهِ صُورَةٌ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمين ... الخ، ح:٣٢٢٦ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو"

2 اس لیے کہ یہ کھیل اکثر و بیشتر حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے کا ذریعہ بنتا ہے اور جو چیز اللہ کے ذکر سے غافل کرے وہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب' جوا' بت اور پانسوں کی حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٩١)

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

یہ کھیل کھیلنے والے آپس میں لڑائی جھگڑے اور اختلاف کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف حد درجہ ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں' جو ایک مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے قطعاً استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ ذہن کو صرف اسی ایک کام میں مشغول رکھنے کی وجہ سے وہ کند ہو جاتا ہے جیسا کہ مجھے قابل اعتماد لوگوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے شطرنج کھیلنے والوں کو اپنے اس کھیل کے سوا دیگر تمام میدانوں میں ذہانت و فطانت کے اعتبار سے سب سے گھٹیا پایا ہے لہٰذا ان اسباب کی وجہ سے شطرنج کھیلنا حرام ہے۔ اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ اس میں جوا نہ ہو یعنی شکست کھانے والے کے لیے مالی معاوضہ ادا کرنے کی شرط نہ ہو' اور اگر ایسی کوئی شرط بھی ہو تو پھر یہ کھیل بہت خبیث اور بدترین ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس کھیل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال اس کھیل کے بارے میں کیا حکم ہے' جو آج کل بازاروں میں بچے اور جوان کھیل رہے ہیں۔ یہ ایک میز ہے' جس میں فٹ بال کھیلنے والوں کی تصویریں ہیں' اس میں ایک چھوٹی گیند رکھی جاتی ہے' جسے ہاتھوں سے ہلایا جاتا ہے۔ شکست کھانے والا کھیل کی قیمت ادا کرتا ہے جب کہ فتح پانے والا کچھ ادا نہیں کرتا تو کیا اس طرح کے کھیل اسلامی شریعت میں جائز ہیں؟

جواب اگر اس کھیل کی یہی حالت ہے جو آپ نے بیان کی ہے کہ کھیل کی میز پر تصویریں بنی ہوئی ہیں اور شکست کھانے

والے کو کھیل کی اجرت ادا کرنا پڑتی ہے اور فتح حاصل کرنے والے کو کچھ ادا نہیں کرنا پڑتا تو یہ کھیل کئی وجہ سے حرام ہے:

اولاً: اس کھیل میں مشغول ہونا لہو ہے' جو کھیلنے والے کی فرصت کے لمحات کو برباد کر دیتا ہے اور اس کی دین و دنیا کی بہت سی مصلحتوں کو ضائع کر دیتا ہے حتیٰ کہ یہ کھیل اس کی عادت بن جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ جوئے کی ایک قسم کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جو کھیل اس طرح کا ہو وہ شرعاً باطل اور حرام ہے۔

ثانیاً: تصویروں کو بنانا اور حاصل کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تصویر کشی پر جہنم کی آگ اور دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

ثالثاً: شکست کھانے والے کو گیند استعمال کرنے کی اجرت ادا کرنا حرام ہے کیونکہ لہو و لعب میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے یہ اسراف اور مال کو ضائع کرنا ہے۔ گیند کو اجرت پر لینا عقد باطل ہے اور کمائی کرنے والے کی یہ کمائی حرام ہے کیونکہ یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے لہٰذا یہ کھیل کبیرہ گناہ بھی ہے اور حرام بھی ہے اور حرام جوا بھی۔

و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

تقریبات میں تالیاں بجانا

سوال کیا تقریبات و اجتماعات میں تالیاں بجانا جائز ہے یا مکروہ؟

جواب تقریبات میں تالیاں بجانا اعمال جاہلیت میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ مکروہ ہے جبکہ دلیل سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ ٱلْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَتَصْدِيَةً ﴾ (الأنفال۸/ ۳۵)

"اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔"

علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں "مکاء" کے معنی سیٹی اور "تصدیہ" کے معنی تالی بجانے کے ہیں۔ مومن کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ جب کوئی پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیز کو دیکھے یا سنے تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے۔ تالی بجانے کا حکم تو عورتوں کے لیے ہے کہ جب انہیں نماز میں کوئی بات در پیش ہو یا وہ مردوں کے ساتھ نماز با جماعت ادا کر رہی ہوں اور امام نماز میں بھول جائے تو ان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ امام کو تالی بجا کر مطلع کریں جب کہ مردوں نے اس صورت میں امام کو سبحان اللہ کہہ کر مطلع کرنا ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مردوں کے تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان دونوں کی مشابہت ہی ممنوع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

عیدوں کے موقع پر نمائشوں کا اہتمام

سوال عیدوں وغیرہ کے موقعوں پر نمائشوں کے اہتمام کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عیدوں کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اتمام عبادت پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار کیا جا سکے اور یہ اظہار تکبیر' ذکر اور نماز عید کی صورت میں ہوتا ہے اور اس موقع پر کھیل وغیرہ کی صورت میں بھی اظہار مسرت جائز ہے جیسا کہ ثابت ہے کہ عید کے موقع پر حبشیوں نے مسجد نبوی میں کھیل کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسی طرح وہ نمائشیں بھی جائز ہیں' جن سے مقصود مسلمانوں کی قوت کا اظہار اور جہاد کے لیے کر و فر کی مشق ہو' بشرطیکہ ان میں عورتوں کی شرکت نہ ہو۔ فخر و غرور کا اظہار نہ ہو اور ایسی باتیں بھی نہ ہوں' جن سے آپس میں اختلاف و انتشار وغیرہ پیدا ہوتا ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

لاٹری وغیرہ سے متعلق احکام و مسائل

لاٹری کے انعام کا اسلامی سکیموں میں خرچ کرنا

سوال لاٹری میں شرکت کے بارے میں کیا حکم ہے' شرکت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی ٹکٹ خریدتا ہے اور اگر قسمت ساتھ دے تو وہ بطور انعام بہت بڑی رقم حاصل کر لیتا ہے' لیکن یاد رہے کہ اس شخص کی نیت یہ ہے کہ وہ اس رقم کو حاصل کر کے اسلامی سکیموں میں خرچ کرے اور مجاہدین کی مدد کرے؟

جواب یہ صورت جو سائل نے بیان کی ہے کہ وہ ٹکٹ خریدتا ہے اور پھر اگر قسمت ساتھ دے تو اسے بطور انعام بہت بڑی رقم مل جاتی ہے یہ اس جوئے میں داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحْذَرُواْ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ﴿٩٢﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩٢)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور (اللہ کے) رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو' اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

ہر معاملہ جو تاوان اور مال مفت حاصل کرنے میں دائر ہو اور معاملہ کرنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مال مفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا یا اسے تاوان ادا کرنا پڑے گا' جوا ہے اور جوا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اس کی تمام صورتیں حرام ہیں اور اس کی قباحت انسان سے مخفی نہیں رہنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بتوں کی عبادت' شراب اور پانسوں کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ اس میں اگر نفع کی توقع ہوتی تو اس میں نقصان کا پہلو بھی ضرور ہوتا ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

﴿ یَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۱۹)

"اے پیغمبر! لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔"

اس آیت پر غور فرمائیں کہ اس میں منافع کا لفظ تو جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے مگر اثم کا لفظ مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ "فِيهَا آثَامٌ كَبِيْرَةٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ" بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "إِثْمٌ كَبِيْرٌ" اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں منافع خواہ کس قدر زیادہ اور متعدد صورتوں میں کیوں نہ ہوں بہرحال ان کا ایک بہت بڑے گناہ نے احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ بڑا گناہ فوائد و منافع کی نسبت راجح ہے یعنی ان سے خواہ کس قدر منافع حاصل ہو جائیں' ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی انسان کے لیے لاٹری کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ اس کی غرض لاٹری سے حاصل ہونے والی رقم کو بہبود عامہ کے کاموں مثلاً سڑکوں کی اصلاح' مسجدوں کی تعمیر اور مجاہدین کی اعانت کے لیے ہی خرچ کرنا کیوں نہ ہو۔ جب وہ اس حرام مال کو' جسے اس نے حرام طریقے سے کمایا ہو' تقرب الٰہی کے کاموں میں صرف کرے گا تو اس کا یہ مال قبول نہیں ہو گا بلکہ گناہ اس کے ذمہ باقی رہے گا اور اجر و ثواب سے یہ محروم رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اگر وہ حرام سے بچنے کے لیے اس مال کو مسجدوں کی تعمیر اور اس طرح کے دیگر کاموں میں خرچ کرنا چاہے تو یہ بیوقوفی کی بات ہو گی کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان غلطی سے بچنے کے لیے غلطی کرے کیونکہ عقل مندی اور شریعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان غلطی سے بچنے کے لیے اسے ترک کر دے۔ یہ نہیں کہ پہلے اس سے آلودہ ہو اور پھر اس سے خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کرے لہٰذا انسان کو اس نیت سے بھی یہ حرام مال نہیں کمانا چاہیے کہ اسے وہ تقرب الٰہی کے کاموں میں خرچ کرے گا یا ایسے کاموں میں خرچ کرے گا جو فلاح و بہبود عامہ کے کام ہوں کیونکہ مرد مومن کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ حرام کو قطعی طور پر ترک کر دے اور اس سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لاٹری حرام اور جوا ہے

سوال لاٹری کی یہ سکیمیں' جنہیں بعض خیراتی تنظیمیں تعلیمی' طبی اور معاشرتی میدانوں میں خدمات سرانجام دینے کی خاطر فنڈز جمع کرنے کے لیے بناتی ہیں' کیا یہ شرعاً جائز ہیں؟

جواب لاٹری کی یہ تمام سکیمیں در حقیقت قمار اور جوئے ہی کا عنوان ہیں اور وہ کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰-۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

مسلمانوں کے لیے جوا قطعاً حلال نہیں ہے' خواہ جوئے سے حاصل ہونے والے مال کو نیکی کے کاموں میں کیوں نہ خرچ کیا جائے۔ کیونکہ دلائل شریعت کی روشنی میں جوا خبیث اور حرام ہے اور جوئے سے حاصل ہونے والا مال بھی حرام ہے' لہٰذا اسے ترک کرنا اور اس سے بچنا واجب ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

بینکوں کے انعامی بانڈز

سوال بعض ملکوں میں کچھ بینک انعامی بانڈز جاری کرتے ہیں۔ ان بانڈز کو بینکوں سے خریدا جاتا ہے اور ہر مہینے لاٹری کی صورت میں ان پر انعام دیا جاتا ہے' جو بانڈ کامیاب ہو جائے تو اس پر بہت بڑی رقم اسے بطور انعام ملتی ہے۔ بانڈ خریدنے والا جب چاہے بینک کو بانڈ واپس کر کے اس کی قیمت حاصل کر سکتا ہے۔ تو یہ خطیر رقم جو بانڈ پر انعام کی صورت میں ملتی ہے' اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے سوال میں ذکر کیا گیا ہے' تو یہ جوئے کا معاملہ ہے جو کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۰-۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

جو شخص یہ معاملہ کر رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے' آئندہ کے لیے اس سے اجتناب کرے اور اس طرح جو کمائی کی ہو اس سے خلاصی حاصل کرے' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آله و صحبه وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

تجارتی اداروں کی طرف سے انعامات

سوال تجارتی اداروں کی طرف سے پیش کیے جانے والے انعامات کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ وَآلِهِ صَحْبِهِ. أَمَّا بَعْدُ:

ملاحظہ کیا گیا ہے کہ بعض تجارتی ادارے اخبارات وغیرہ میں اس طرح کے اعلانات شائع کرتے ہیں کہ جو لوگ ان سے سامان خریدیں گے وہ انہیں انعامات دیں گے' اس سے بعض لوگ دوسرے اداروں کی بجائے انہی اداروں سے سامان خریدتے ہیں یا وہ انعام کے لالچ میں ایسا سامان بھی خرید لیتے ہیں' جس کی انہیں قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی' یہ چونکہ اس جوئے کی ایک قسم ہے' جو شرعاً حرام ہے اور پھر یہ باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کا ذریعہ بھی ہے' اس سے اپنے سامان کو تو بیچا جا سکتا ہے لیکن دوسروں کے لیے یہ کساد بازاری کا سبب بنتا ہے' جو اس طرح کی جوا بازی سے کام نہیں لیتے' اس لیے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ قارئین کرام کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں کہ یہ عمل حرام ہے اور اس حرام طریقے سے حاصل ہونے والا انعام بھی حرام ہے کیونکہ یہ جوا ہے اور جوا شرعاً حرام ہے۔ لہٰذا تاجروں کے لیے واجب ہے کہ وہ اس جوا سے اجتناب کریں اور جس طرح دیگر لوگوں کے لیے حلال مال کافی ہے' ان کے لیے بھی کافی ہونا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَـٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (النساء٤/ ٢٩-٣٠)

''اے مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ' ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے اور جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔''

یہ جوا اس تجارت کے قبیل میں سے نہیں ہے جو آپس کی رضامندی سے جائز ہوتی ہے بلکہ یہ تو وہ جوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے اور پھر اس سے بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَـٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩١)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق بخشے' جس میں اس کی رضا اور اس کے بندوں کی بہتری ہو اور ہم سب کو ہر اس عمل سے محفوظ رکھے' جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔

انہ جواد کریم' و صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ

شیخ ابن باز

حیوانات' پرندوں اور دیگر جانوروں کے بارے میں احکام

مویشی جب کھیتوں میں داخل ہو کر انہیں خراب کر دیں

سوال کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث جو اونٹوں اور کھیتوں کے مالکان میں فیصلہ کے بارے میں ہے' بکریوں' گایوں اور ان تمام مویشیوں کو شامل ہے' جن کی کسی ایسے چرواہے کے ذریعہ حفاظت کی جانی چاہیے' جو انہیں کھیتوں میں داخل ہونے سے اور درندوں کے چیر پھاڑ کھانے سے بچائے یا یہ حدیث صرف اونٹوں ہی کے ساتھ خاص ہے' جو دن کو کم چرتے ہیں اور رات کو ان کی حفاظت کی جاتی ہے؟

جواب اولاً: اس موضوع سے متعلق جو حدیث وارد ہے' اسے امام احمد نے "مسند" میں اور امام ابو داود' نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے اپنے "سنن" میں' نیز کئی دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے' الفاظ قریباً ایک جیسے ہیں۔ ابو داود کی روایت میں یہ ہے کہ حرام بن محیصہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

«كَانَتْ لَهُ نَاقَةٌ ضَارِيَةٌ فَدَخَلَتْ حَائِطًا فَأَفْسَدَتْ فِيهِ، فَكُلِّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهَا فَقَضَى: أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّهَارِ عَلَى أَهْلِهَا، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِيَةِ بِاللَّيْلِ عَلَى أَهْلِهَا، وَأَنَّ عَلَى أَهْلِ الْمَاشِيَةِ مَا أَصَابَتْ مَاشِيَتُهُمْ بِاللَّيْلِ»(سنن أبي داود، البيوع، باب المواشي تفسد زرع قوم، ح: ٣٥٧٠ وسنن ابن ماجه، ح: ٢٣٣٢، والنسائي في الكبرى، ح: ٥٧٨٤ ومسند أحمد: ٥/٤٣٦)

"اس کی ایک نقصان پہنچانے والی اونٹنی تھی' جس نے ایک باغ میں داخل ہو کر اسے نقصان پہنچایا تو انہوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ باغوں کی دن کے وقت حفاظت ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے اور جانوروں کی رات کے وقت حفاظت ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے۔ جانور رات کے وقت جو نقصان پہنچائیں تو اس کی ذمہ داری ان کے مالکان پر ہے۔"

امام ابوداود نے ایک دوسری سند کے ساتھ یہ بھی روایت کیا ہے' جسے حرام بن محیصہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے:

«أَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطَ رَجُلٍ فَأَفْسَدَتْهُ عَلَيْهِمْ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى أَهْلِ الأَمْوَالِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَعَلَى أَهْلِ الْمَوَاشِي حِفْظَهَا بِاللَّيْلِ»(سنن أبي داود، البيوع، باب المواشي تفسد زرع قوم، ح: ٣٥٦٩ والنسائي في الكبرى، ح: ٥٧٨٤ ومسند أحمد: ٥/٤٣٦)

"براء کی اونٹنی نے ایک شخص کے باغ میں داخل ہو کر اسے نقصان پہنچایا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ دن کے وقت اپنے اموال کی حفاظت اہل اموال کی ذمہ داری ہے' جب کہ مویشیوں کے مالکان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ رات کے وقت ان کی حفاظت کریں (تاکہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔")

ثانیاً: نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث ایک خاص سبب کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور وہ سبب ہے براء کی اونٹنی کا کسی دوسرے شخص کی کھیتی کو خراب کر دینا' لیکن اس کے لیے آپ نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں' وہ عام ہیں اور وہ یہ کہ

آپ نے فرمایا کہ رات کے وقت جانوروں کی حفاظت ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے۔ اور جانور جو نقصان پہنچائیں گے اس کا تاوان ان کے مالکان پر ہو گا' تو اعتبار حدیث کے عام الفاظ ہی کا ہو گا' خاص سبب کا نہیں۔ ماشیہ (مویشی) کا لفظ عام ہے' جو بکریوں اور گایوں پر بھی مشتمل ہے۔

ثالثاً: بہت سے علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے مطابق عمل کیا ہے۔ مثلاً امام مالک' شافعی' احمد اور کئی دیگر ائمہ نے یہی فرمایا ہے کہ جانور کے مالک پر اس نقصان کا تاوان ہو گا جو اس کا جانور رات کے وقت پہنچائے اور وہ جو نقصان دن کے وقت پہنچائے اس کا وہ ذمہ دار نہیں ہو گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا عمل اسی حدیث کے مطابق ہے کیونکہ یہ ثابت ہے' متصل ہے اور اس کی سند کے تمام رجال بھی معروف ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو دوسری حدیث ((اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ)) [1] "جانوروں کا نقصان رائیگاں جاتا ہے" کے عموم کا مخصص قرار دیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مویشیوں کے مالکان کو مطلقاً تاوان ادا کرنا ہو گا خواہ وہ دن کو نقصان پہنچائیں یا رات کو اور بعض نے کہا ہے کہ جانوروں کے نقصان پر مطلقاً تاوان نہیں ہے لیکن ان میں سے پہلا قول ہی مختار ہے کیونکہ اس طرح عام و خاص دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس سلسلہ میں مزید علم چاہے' اسے کتب کے متعلقہ مقامات پر علماء کے اقوال و دلائل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور جسے اس طرح کا واقعی کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اسے قاضی کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ قاضی معتبر علماء کے اقوال کی روشنی میں جو فیصلہ کرے تو اس کا حکم نافذ ہو گا اور اس سے اختلاف ختم ہو جائے گا۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

جانوروں کے کان پر داغ لگانا یا اسے جلانا یا کاٹنا

سوال ہمیں ایک شیخ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جانور کے کان پر داغ لگانا یا اسے جلانا یا جزئی یا کلی طور پر کاٹنا امر شیطان میں سے ہے اور ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا سبب بنتا ہے' کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اسلام میں اصول تو یہ ہے کہ مویشی چوپاؤں کا احترام کیا جائے اور انہیں کان کے داغنے یا سوراخ کرنے یا کلی و جزئی طور پر کاٹنے وغیرہ کی صورت میں ایذاء نہ دی جائے الا یہ کہ اس کی کوئی ناگزیر ضرورت ہو مثلاً وہ اس کے ذریعے سے اپنے یا دوسرے کے لیے شناخت کی علامت لگانا چاہتا ہو لیکن اس صورت میں بھی چہرے پر داغ نہ لگایا جائے یا ہدی (قربانی) کے لیے لے جائے جانے والے اونٹوں کی کوہانوں کو چیرا دینا چاہتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ حدود حاجت کے اندر رہے اور اس کی غرض بھی صحیح ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ میں صبح سویرے عبداللہ بن ابی طلحہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ اسے گھٹی دیں۔ میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے دست مبارک میں اس وقت داغ لگانے والا ایک آلہ تھا' جس کے ساتھ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگا رہے تھے۔ [2] احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو

---

[1] صحیح البخاری' الزکاۃ' باب فی الرکاز الخمس' حدیث: 1499 و صحیح مسلم' الحدود' باب جرح العجماء والمعدن' حدیث: 1710

[2] صحیح البخاری' الزکاۃ' باب و سم الامام ابل ....' حدیث: 1502 و صحیح مسلم' اللباس' باب جواز و سم الحیوان ... ' حدیث: 2119

آپ بکریوں کے کانوں پر داغ لگا رہے تھے۔ [1] صحیح بخاری میں مِسْوَر بن مَخْرَمَہ اور مروان کی روایت ہے کہ نبی ﷺ چودہ سو سے کچھ زیادہ صحابہ کرام کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ جب مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے ہدی کے اونٹوں کو قلادہ پہنایا اور ان کا شعار بھی کیا۔ [2] شعار یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کو زخمی کر دیا جائے حتیٰ کہ خون بہہ نکلے اور پھر خون کو بند کر دے تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ یاد رہے! چہرے پر داغ لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [3] وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء ——

گھر میں کتا پالنا

سوال ہمارے گھر میں ایک کتیا ہے' جسے ہم اس وقت گھر لائے تھے جب ہمیں گھر میں بلا ضرورت کتا رکھنے کے بارے میں حکم معلوم نہ تھا اور جب ہمیں یہ حکم معلوم ہو گیا تو ہم نے کتیا کو بھگایا مگر وہ نہ گئی کیونکہ وہ گھر سے مانوس ہو گئی تھی اور میں اسے قتل بھی نہیں کرنا چاہتا' تو اب اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کے سوا کتا پالنا حرام ہے' جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور شریعت نے شکار کے لیے یا مویشیوں اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کی اجازت دی ہے اور جو شخص ان امور کے علاوہ بلا ضرورت کتا رکھتا ہے تو اس کے اجر و ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط کے برابر کمی کر دی جاتی ہے اور جب ثواب میں ایک قیراط کمی کی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص گناہ گار ہے کیونکہ اجر و ثواب کا ختم کر دینا یا گناہ کا حاصل ہونا دونوں ہی اس عمل کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں' جس کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔

اس مناسبت سے میں ان تمام فریب خوردہ لوگوں کو جو کتے پالنے کے شوق میں کافروں کے فعل سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں' یہ نصیحت کروں گا کہ کتا ایک خبیث جانور ہے اور جانوروں کی نجاستوں میں سے اس کی نجاست بہت زیادہ ہے کہ یہ اس وقت تک پاک ہی نہیں ہو سکتی جب تک اسے سات بار نہ دھویا جائے' جن میں سے ایک بار اسے مٹی سے پاک کیا جائے۔ کتا اس قدر نجس ہے کہ خنزیر جو کہ نص قرآنی کی رو سے حرام اور ناپاک ہے' اس کی نجاست بھی کتے کی نجاست کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

کتا نجس اور خبیث ہے لیکن بہت افسوس ہے کہ بعض لوگ جو کفار کی نقالی کا شوق رکھتے ہیں' وہ بھی ناپاک چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور بلا ضرورت و حاجت کتے رکھنے لگ جاتے ہیں' انہیں اپنے گھروں میں رکھتے' پالتے پوستے اور انہیں صاف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ کبھی پاک صاف ہو ہی نہیں سکتے خواہ انہیں دریاؤں اور سمندروں کے پانیوں کے ساتھ کیوں نہ دھویا جائے کیونکہ یہ نجس عین ہیں۔ پھر یہ لوگ کتے پر بہت زیادہ مال صرف کر کے اسے ضائع کرتے ہیں

---

[1] مسند احمد' 3/171 و سنن ابن ماجه' اللباس' باب لبس الصوف' حديث: 3565

[2] صحيح البخاري' الحج' باب من أشعر وقلد --- حديث: 1694' 1695

[3] صحيح مسلم' اللباس' باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه' حديث: 2116' 2117

اور نبی کریم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

میں ان فریب خورد لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں۔ کتوں کو اپنے گھروں سے نکال دیں۔ البتہ اگر کسی شخص نے شکار کے لیے یا مویشی اور کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا رکھا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ (1)

اب ہم اپنے اس بھائی کے سوال کے جواب میں عرض کریں گے کہ جب آپ اس کتیا کو اپنے گھر سے نکال دیں گے تو پھر آپ اس کے بارے میں جواب دہ نہیں ہوں گے۔ آپ اسے اپنے پاس نہ رکھیں' نہ اسے جگہ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ جب یہ گھر کے دروازے کے باہر ہی رہے تو چلی جائے اور شہر سے باہر نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کے رزق کو کھانے لگے جس طرح کہ دیگر کتے کھاتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

پہچان کے لیے جانوروں اور مویشیوں کو داغ لگانا

سوال فقہ میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں اور مویشیوں کے چہروں پر داغ لگانا حرام ہے لیکن ہم بادیہ نشین لوگ اپنے جانوروں کو داغ لگانے پر مجبور ہیں تاکہ وہ چراگاہ میں دوسرے لوگوں کے جانوروں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں اور پھر اس طرح کے داغ لگے ہوئے جانوروں کا چوروں کے لیے چرانا اور انہیں فروخت کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ تو کیا ان صورتوں میں جانوروں کو داغ لگانا جائز ہے؟

جواب ہاں سوال میں مذکور اغراض کے لیے جانوروں کو داغ لگانا جائز ہے بشرطیکہ داغ چہرے پر نہ لگایا جائے کیونکہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے ہاتھ میں داغ لگانے والا آلہ تھا' جس سے آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگا رہے تھے۔ (2) احمد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ کی حضرت انس ہی سے روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت بکریوں کے کانوں پر داغ لگا رہے تھے (3) جہاں تک چہرے پر داغ لگانے کا تعلق ہے' تو یہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (4)

فتویٰ کمیٹی

بلوں کی جنسی صلاحیت کو ختم کر دینا

سوال مغرب میں بلوں کی جنسی صلاحیت کو ختم کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ایذاء کا باعث نہ بنیں' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

(1) صحیح مسلم' الطهارة' باب حکم ولوغ الکلب' حدیث: 280

(2) صحیح البخاری' الزکاة' باب وسم الامام ابل الصدقة بیده' حدیث: 1502 و صحیح مسلم' اللباس' باب جواز وسم الحیوان غیر الآدمی--- حدیث: 2119

(3) مسند احمد' 171/3 و سنن ابن ماجه' اللباس' باب لبس الصوف' حدیث: 3565

(4) صحیح مسلم' اللباس' باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه' حدیث: 2116' 2117

جواب جب بلے بہت زیادہ ہوں اور ایذاء پہنچائیں اور آپریشن سے انہیں اذیت نہ پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ انہیں قتل کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور اگر بلے عام نوعیت کے ہوں اور کسی ایذاء کا باعث نہ بنتے ہوں تو پھر شائد ان کی بقاء ہی میں بہتری ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ڈیکوریشن کے لیے پرندے اور مچھلیاں رکھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ پرندوں مثلاً طوطوں وغیرہ کو پنجروں میں ڈال کر گھروں میں ڈیکوریشن کے لیے استعمال کیا جائے یا بلبلوں کو پنجروں میں ڈال کر گھروں میں رکھا جائے تاکہ ان کی آواز سے لطف اٹھایا جائے یا پانی کے حوض میں رنگین مچھلیوں کو رکھا جائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان جانوروں پر ظلم نہ کیا جائے اور ان کے کھانے پینے کا اچھا انتظام کیا جائے' خواہ یہ طوطا ہو یا کبوتر ہو یا مرغ ہو بشرطیکہ ان سے اچھا سلوک کیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے اور خواہ انہیں حوضوں میں رکھا جائے یا پنجروں میں۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

پنجروں میں پرندوں کا بند کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ گھروں یا باغوں میں بعض پرندوں کو پنجروں میں بند کر کے ڈیکوریشن کے لیے استعمال کیا جائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان پرندوں کا رکھنے والا ان کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ، لَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَسْقِهَا، وَلَمْ تَتْرُكْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ»
(صحيح البخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء، ح:٢٣٦٥ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، ح:٢٢٤٣ واللفظ له)

''ایک عورت کو جہنم میں ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ جسے اس نے نہ تو خود کھلایا پلایا اور نہ اسے چھوڑا تاکہ وہ زمین سے گھاس پھوس کو کھالیتی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کو بند کرنے کے ساتھ ساتھ اگر وہ اسے کھلاتی پلاتی تو اسے عذاب نہ ہوتا۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

پرندوں سے متعلق ایک اور سوال

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے' جو اپنے بچوں کے دل بہلانے کیلئے پرندوں کو پنجروں میں بند کر کے رکھتا ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ ان کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کرے کیونکہ اس طرح کے مسائل میں اصول یہ ہے کہ وہ حلال ہیں الا یہ کہ ان کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو' لیکن ہمارے علم کے مطابق ان کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا

سوال ہم نے ڈیکوریشن کے لیے پنجروں میں پرندے رکھے ہوئے ہیں' ہم ان کے لیے ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں اور ہر روز صبح کے وقت ہم تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے لیے انہیں باہر کھلی فضا میں بھی رکھ دیتے ہیں۔ ایک دن ہم انہیں باہر رکھ کر بھول گئے حتیٰ کہ دھوپ آگئی اور وہ دھوپ کی وجہ سے مرگئے' جس کی وجہ سے ہم ان پرندوں کے رکھنے پر بہت نادم ہوئے تو فتویٰ عطا فرمائیں کیا ان پرندوں کے رکھنے کی وجہ سے ہمیں کوئی کفارہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے تو پھر تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة۲/ ۲۸۶)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول اور چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ (1) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اس دعا کو قبول فرمالیا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

موذی کیڑوں مکوڑوں کا مارنا

سوال ایک سائل نے یہ پوچھا ہے کہ ہمارے شہر میں چیونٹیاں بہت خوفناک صورت اختیار کر گئی ہیں کہ نہ صرف وہ کھانے پینے کی چیزوں اور لباس کو نقصان پہنچاتی ہیں بلکہ وہ ہمیں جسمانی طور پر بھی نقصان پہنچاتی ہیں تو کیا انہیں مارنا جائز ہے؟ ان کے مارنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ کیا یہ ہمارے لیے ابتلاء ہے؟ ہم اسے کس طرح دور کریں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے بیان کیا گیا ہے تو پھر تمہارے لیے چیونٹیوں کو مارنا جائز ہے۔ خواہ اس کے لیے آگ کے سوا کوئی بھی طریقہ اختیار کرو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی ابتلاء و امتحان ہے لہٰذا اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔

فتویٰ کمیٹی

پانچ موذی جانور

سوال میں نے "الفواسق الخمس" کے الفاظ سنے ہیں' ان کے کیا معنی ہیں؟ کیا ہمیں یہ حکم ہے کہ ان کو قتل کر دیں حتیٰ کہ حرم میں بھی قتل کر دیں؟

جواب پانچ موذی چیزوں سے مراد ہیں ① چوہیا ② بچھو ③ باؤلا کتا ④ کوا اور ⑤ چیل۔ یہ وہ پانچ چیزیں ہیں' جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

---

(1) صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالٰی عن حدیث النفس--- الخ' حدیث: 126

«خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الحِلِّ وَالْحَرَمِ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ما يقتل المحرم من الدواب، ح:١٨٢٩ وصحيح مسلم، الحج، بَاب ما يندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحل والحرم، ح:١١٩٨ واللفظ له)

"پانچ چیزیں موذی ہیں' انہیں حل و حرم میں ہلاک کر دیا جائے۔"

لہذا انسان کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ ان پانچ موذی چیزوں کو قتل کرے خواہ اس نے احرام باندھا ہو یا نہ باندھا ہو اور خواہ وہ حدود حرم کے اندر ہو یا باہر کیونکہ بعض اوقات یہ ایذاء اور نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہیں اور ان پانچ چیزوں پر ان کو بھی قیاس کیا جائے گا جو ان جیسی ہوں یا ان سے بھی زیادہ ایذاء اور نقصان پہنچانے والی ہوں۔ البتہ گھروں میں آ جانے والے سانپوں کو اس وقت تک قتل نہ کیا جائے' جب تک ان سے تین بار یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ جن ہوں۔ البتہ ان میں سے چھوٹے اور زہریلے سانپ اور خبیث قسم کے سانپ کو ہر جگہ قتل کیا جا سکتا ہے خواہ وہ گھروں ہی میں کیوں نہ ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اَبْتَرْ اور ذُو الطُّفْيَتَيْن کے سوا دیگر سانپوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اَبْتَرْ سے مراد وہ سانپ ہے جس کی دم چھوٹی ہو اور ذُو الطُّفْيَتَيْن سے مراد وہ ہے جس کی پشت پر دو سیاہ لکیریں ہوں۔ ان دونوں قسم کے سانپوں کو ہر جگہ اور ہر حال میں قتل کیا جا سکتا ہے' ان کے سوا دیگر سانپوں کو تین بار وارننگ دیئے بغیر قتل نہ کیا جائے۔ وارننگ اس طرح دی جائے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ' میں تمہیں اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا' یا اس طرح کا کوئی اور کلمہ کہا جائے جس سے معلوم ہو کہ آپ اسے ڈرا کر بھگا رہے ہیں اور اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے رہے اور اس کے بعد بھی اگر وہ گھر میں رہے تو وہ جن نہیں ہے یا اگر وہ جن ہو تو اس کے بعد اس کا خون رائیگاں ہے لہذا اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس حالت میں وہ زیادتی کرے تو اسے دور ہٹایا اور اپنا دفاع کیا جا سکتا ہے خواہ پہلی مرتبہ ہی ایسا ہو۔ اگر اپنے دفاع کے نتیجہ میں وہ قتل ہو جائے یا قتل کے بغیر اس کے ایذاء سے بچنے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ اپنی جان کے دفاع کے باب سے ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

گھروں کے حشرات کو قتل کرنا

کیا گھروں میں پائے جانے والے کیڑوں مکوڑوں مثلاً چیونٹی اور جھینگر وغیرہ کو آگ کے ساتھ جلا دینا جائز ہے اور اگر جائز نہیں تو پھر ان سے خلاصی کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

سوال یہ کیڑے مکوڑے اگر ایذاء کا باعث بنیں تو انہیں کیڑے مار دواؤں کے ساتھ ختم کرنا تو جائز ہے لیکن آگ کے ساتھ جلانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "پانچ جانور ایذاء کا باعث ہیں' انہیں حل و حرم میں قتل کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) کوا (۲) چیل (۳) چوہیا (۴) باؤلا کتا (۵) بچھو۔ اور ایک دوسری حدیث میں چھٹے جانور کے طور پر سانپ کا بھی ذکر ہے۔ [1]

[1] صحیح البخاری' جزاء الصید' باب مایقتل' المحرم من الدواب' حدیث : 1829 و صحیح مسلم الحج' باب ماىندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل و الحرم' حدیث : 1198

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ایذاء پہنچانے کی وجہ سے انہیں "فواسق" قرار دیا ہے اور ایذاء نہ پہنچانے والے جانوروں سے انہیں الگ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انہیں حل و حرم میں ہر جگہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کچھ اور جاندار مثلاً چیونٹی' جھینگر اور گبریلا وغیرہ ایذاء پہنچائیں تو انہیں بھی کیڑے مار دواؤں سے قتل کیا جا سکتا ہے' البتہ آگ کے ساتھ نہیں جلانا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

غیبت' چغلی اور مجلس کے احکام

غیبت' کینہ اور عداوت پیدا کرنے کا سبب ہے

سوال بعض لوگ --اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے-- غیبت کو گناہ یا حرام نہیں سمجھتے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس انسان میں وہ برائی موجود ہو جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں تو پھر اس کی غیبت حرام نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اس بارے میں احادیث مصطفیٰ ﷺ سے تجاہل سے کام لیتے ہیں' امید ہے آنجناب اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب غیبت حرام اور کبیرہ گناہ ہے' خواہ عیب اس شخص میں موجود ہو یا نہ ہو' کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جب غیبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ح:٢٥٨٩)

"تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔" عرض کیا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو' جسے میں بیان کر رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں یہ خرابی موجود ہے' جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر یہ اس میں موجود نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان باندھا ہے۔"

حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ "جب نبی ﷺ نے شب معراج کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو زخمی کر رہے تھے' آپ نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کو کھایا کرتے' اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔"[1]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾

(الحجرات٤٩/ ١٢)

[1] سنن ابی داود' الادب' باب فی الغیبة' حدیث: 4878

"اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔ (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو' بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ غیبت سے اجتناب کرے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لاتے ہوئے اسے ترک کرنے کی دوسروں کو بھی وصیت کرے۔ مسلمان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے اور ان کے عیوب و نقائص کو دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کرے کیونکہ غیبت معاشرے میں کینہ' عداوت اور انتشار پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر قسم کی نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

غیبت کرنے والے سے قطع تعلق

سوال میرا ایک دوست ہے جو اکثر لوگوں کی غیبت کرتا رہتا ہے' میں نے اسے سمجھایا ہے لیکن بے سود اور معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کرنا اس کی عادت بن چکا ہے' ممکن ہے کہ بسا اوقات لوگوں کے بارے میں اس کی گفتگو حسن نیت ہی سے ہو تو کیا اس سے تعلق قطع کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمانوں کی عزتوں کے بارے میں ایسی گفتگو کرنا جسے وہ ناپسند کرتے ہوں ایک بہت بڑی برائی' حرام غیبت اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٢)

"اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو' بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ح:٢٥٨٩)

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرو جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں وہ بات موجود ہو جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس کی

غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود ہی نہ ہو تو پھر اس صورت میں تم نے اس پر بہتان باندھا۔"
یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ شب معراج نبی ﷺ کا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا، جن کے تانبے کے ناخن تھے اور وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو زخمی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا:

«هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، ح:٤٨٧٨ ومسند أحمد:٣/ ٢٢٤)

"یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔"
اسے امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علامہ ابن مفلح فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کو بھی بیان کیا ہے، جس کی سند حسن ہے:

«إِنَّ مِنَ الْكَبَائِرِ اسْتِطَالَةَ الْمَرْءِ فِي عِرْضِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، ح:٤٨٧٧)

"کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان آدمی کی عزت پر ناحق زبان درازی کی جائے۔"
آپ اور دیگر تمام مسلمانوں کے لیے یہ واجب ہے کہ اس شخص کی صحبت کو اختیار نہ کریں، جو مسلمانوں کی غیبت کرے، البتہ اسے نصیحت کی جائے اور اس کے غیبت کرنے کی مخالفت کی جائے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"
اور اگر وہ آپ کی بات کو نہ مانے تو اس کی ہم نشینی کو ترک کر دو کیونکہ یہ بھی اس برائی کی تردید ہی کے قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات درست فرمائے اور انہیں ان اعمال کی توفیق بخشے، جو دنیا و آخرت میں ان کے لیے موجب سعادت و نجات ہوں۔

——— شیخ ابن باز ———

فاسق کی غیبت

سوال اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو بلکہ وہ ہر طرح کے ایسے برے عمل کرتا ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضی کا باعث بنتے ہوں تو کیا ایسے شخص کی غیبت جائز ہے تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں مطلع کیا جا سکے یا اس کی غیبت بھی جائز نہیں ہے؟

جواب اس طرح کے لوگوں کو ان اعمال کے بارے میں بتایا جائے، جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان اعمال کی برائی اور

خرابی کو بیان کیا جائے' جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اگر وہ بات مان لے خواہ تھوڑی ہی سہی تو حسب گنجائش اسے سمجھانے اور نصیحت کرنے کا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے ورنہ حتی المقدور اس کے ساتھ میل جول سے اجتناب کیا جائے تاکہ انسان برائی سے بچ سکے اور دور رہ سکے اور اگر ضرورت ہو تو اس کے واجبات میں کوتاہی کرنے اور منکرات کے ارتکاب کرنے کو بیان کیا جا سکتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں بتایا جا سکے اور لوگ اس کے حالات سے آگاہ ہو کر اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں اور اگر اس کے سسرال یا شرکاء کار یا اسے بطور ملازمت رکھنے والوں میں سے کوئی اس کے بارے میں پوچھے تو پھر اس کے بارے میں بتانا واجب ہو گا یا اگر کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس کے جال میں نہ پھنس جائے تو اس کے شر سے بچانے کے لیے بھی اس کے سامنے اس کی صورت حال کو بیان کرنا واجب ہو گا تاکہ اہل خیر کو اس کے شر سے بچایا جا سکے اور یہ امید رکھی جا سکے کہ یہ لوگوں کے عدم التفات کو دیکھ کر اپنے برے اعمال سے باز آ جائے گا لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ محض اپنے اور لوگوں کے تلذذ کے لیے یا مجلسوں میں محض زیب داستان کے لیے اس کی بد اعمالیوں اور برے اخلاق و عادات کا ذکر کیا جائے کیونکہ یہ شر پھیلانے کے مترادف ہو گا اور پھر اس سے انسانی نفوس بے حس ہو جاتے ہیں اور ان میں برائی کا احساس ختم یا کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ اس کی طرف ایسی برائیوں کو منسوب کیا جائے جو اس نے کی ہی نہیں تاکہ اس کے حال کو زیادہ برا اور اس کی صورت کو زیادہ بھیانک کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ یہ جھوٹ اور بہتان ہو گا اور اس سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اگر مقصود نصیحت ہو تو یہ غیبت نہیں

سوال ایک شخص نے کسی کو کام پر رکھنا چاہا اور مجھے معلوم ہے کہ یہ شخص کئی اعتبار سے اس کام کے لیے موزوں نہیں ہے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ اس شخص کے کچھ عیوب و نقائص اسے بتا دوں' کیا یہ غیبت تو شمار نہیں ہو گی؟

جواب اگر مقصود نصیحت اور خیر خواہی ہو تو یہ غیبت نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«الدِّيْنُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لله وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح: ٥٥)

"دین خیر خواہی کا نام ہے' ہم نے کہا کس کے لیے خیر خواہی تو آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے' اور ان کے عوام کے لیے۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی۔ (1) اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

(1) صحیح البخاری' الایمان' باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة' حدیث: 57 و صحیح مسلم' الایمان باب بیان ان الدین النصیحة' حدیث: 56

مذاق ہو یا سنجیدگی، جھوٹ ہر طرح ممنوع ہے

سوال بعض لوگ اپنے دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے محض ہنسی مذاق کی خاطر جھوٹ بول دیتے ہیں تو کیا یہ بھی اسلام میں ممنوع ہے؟

جواب ہاں! یہ بھی اسلام میں ممنوع ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا جھوٹ ممنوع ہے۔ اور اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا»(صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾ ... الخ، ح:٦٠٩٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب، وحسن الصدق وفضله، ح:٢٦٠٧ واللفظ له)

”سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ کو تلاش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“

اور نبی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے:

«وَيْلٌ لِّلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيَضْحَكَ بِهِ الْقَوْمُ وَيْلٌ لَّهُ، وَيْلٌ لَّهُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في التشديد في الكذب، ح:٤٩٩٠ وجامع الترمذي، ح:٢٣١٥ والسنن الكبرٰى للنسائي:٦/٥٠٩، ح:١١٦٥٥)

”تباہی و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے تباہی و بربادی ہے، اس کے لیے تباہی و بربادی ہے۔“

لہٰذا ہر قسم کے جھوٹ سے اجتناب واجب ہے، خواہ وہ لوگوں کو ہنسانے کے لیے ہو یا ازراہ مذاق ہو یا سنجیدگی سے ہو۔ انسان جب اپنے آپ کو سچ بولنے کا عادی اور خوگر بنا لے تو وہ ظاہر و باطن میں سچا ہو جاتا ہے اسی لیے تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا»(صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى ﴿يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾ ... الخ، ح:٦٠٩٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، ح:٢٦٠٧ واللفظ له)

”آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔“

اور یہ ہم میں سے کسی پر بھی مخفی نہیں کہ سچ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور جھوٹ کا کیا؟

شیخ ابن باز

خوش طبعی میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سچ پر مبنی ہو

سوال دین اسلام میں خوش طبعی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ بھی "لھوالحدیث" میں سے ہے۔ یاد رہے میرا سوال ایسی خوش طبعی کے بارے میں نہیں ہے، جس میں دین کا مذاق اڑایا گیا ہو، فتویٰ عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے؟

جواب خوش طبعی اگر حق سچ پر مبنی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں خصوصاً جب کہ کثرت سے ایسا نہ کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ بھی کبھی کبھی مزاح فرما لیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ہر حال میں حق اور سچ ہی فرماتے تھے اور خوش طبعی میں جھوٹ ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَيْلٌ لِّلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيَضْحَكَ بِهِ الْقَوْمُ وَيْلٌ لَّهُ، وَيْلٌ لَّهُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في التشديد في الكذب، ح:٤٩٩٠ وجامع الترمذي، ح:٢٣١٥ والسنن الكبرىٰ للنسائي:٦/٥٠٩، ح:١١٦٥٥)

"تباہی و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے تباہی و بربادی ہے، پھر اس کے لیے تباہی و بربادی ہے۔" (اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے جید سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے)

شیخ ابن باز

انسانی گوشت کھانے کے لیے جمع ہونا

سوال میرے گاؤں کے نوجوان رات کو محفل جما کر غیبت اور چغلی کی باتیں کرتے ہیں، کیا ان کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے؟

جواب جو لوگ اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے کے لیے محفلیں جماتے ہیں، یہ حقیقت میں بیوقوف لوگ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۲)

"اور نہ کوئی شخص کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔"

یہ لوگ جو اپنی محفلوں میں لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں، یہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، لہذا آپ پر واجب ہے کہ انہیں نصیحت کریں، اگر وہ آپ کی بات مان لیں اور اپنے اس عمل کو ترک کر دیں تو بہتر ورنہ آپ کے لیے واجب ہے کہ آپ ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ

﴿يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ جَامِعُ ٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱلْكَٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾﴾

(النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں' ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے کچھ شک نہیں کہ اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی' جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر ان کا انکار کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں' انہی جیسا قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے اور ان کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے والا جب ان جیسا ہے تو اسی طرح اس سے کم تر جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے والا بھی انہی کی طرح ہو گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ غیبت کی جگہ پر بیٹھنے والا بھی گناہ کے اعتبار سے غیبت کرنے والے ہی کی طرح ہے' لہٰذا آپ کو چاہیے کہ ان کی مجلسوں کو چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

علانیہ طور پر گناہوں کا ارتکاب کرنے والے فاسقوں کے ساتھ بیٹھنا

سوال ایک شخص اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھتا ہے مگر وہ اس مجلس میں شراب پینا شروع کر دیتے ہیں تو کیا اس صورت میں اس شخص کا ان کے پاس بیٹھنا حرام ہے؟

جواب ان فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں' جو علانیہ طور پر گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہوں مثلاً شرابیں پی رہے ہوں یا آلات لہو و لعب اور حرام موسیقی کو استعمال کر رہے ہوں یا بانسریاں اور طبلے وغیرہ بجا رہے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے ایسے دوستوں کو ان گناہوں سے بچنے کی تلقین کرے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان گناہوں کی کس قدر سخت سزا ہے اور دنیا میں بھی ان کے کس قدر خوفناک نتائج برآمد ہوتے ہیں اور اگر وہ اس کی ان باتوں کو قبول نہ کریں تو اسے ان سے دور ہو جانا چاہیے تاکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر یہ بھی شقاوت اور بدبختی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تمباکو نوشوں کی مجلس کو ترک کر دینا

سوال الحمد للہ! میں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہوں' میں نے اپنے گھر کو وی سی آر سے پاک کر دیا اور ویڈیو فلموں کو جلا دیا ہے' نیز اپنے پاس موجود تصویروں کو بھی جلا دیا ہے' گانوں کی کیسٹوں کو میں نے اسلامی کیسٹوں میں تبدیل کر دیا ہے' میں نے داڑھی بھی رکھ لی ہے اور سنت نبوی کی اتباع میں کپڑوں کو بھی چھوٹا کر لیا ہے۔ البتہ ابھی تک ایک چیز باقی ہے' جو میری زندگی کو مکدر کیے ہوئے ہے اور وہ ہے تمباکو نوشی' میں نے اسے بھی ترک کرنے کی کوشش کی

ہے لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہو سکی۔ اسے ترک کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے مجھے نصیحت فرمائیں، امید ہے آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرمائیں گے کہ وہ مجھے اس سے بچا لے۔

جواب سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے آپ کو حق کی ہدایت فرمائی اور اسے اختیار کرنے کے لیے اس نے آپ کی اعانت فرمائی، جس کی وجہ سے آپ نے مخالف حق کاموں کو ترک کر دیا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حق پر ثابت قدمی اور دین میں فقاہت عطا فرمائے۔

جہاں تک تمباکو نوشی کا تعلق ہے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اسے بھی ترک کر کے اس سے اجتناب کریں کیونکہ اس کے نقصان بہت زیادہ ہیں اور جب آپ صدق دل سے اسے ترک کرنا چاہیں گے اور تمباکو نوشوں کی مجلسوں کو بھی چھوڑ دیں گے تو اسے ترک کرنے اور اس کے شر سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی آپ کی مدد فرمائے گا۔ ہم آپ کو وصیت کرتے ہیں کہ آپ عزم صادق اور اپنی قوت ارادی کو کام میں لائیں اور اپنے سجدوں میں اور دیگر اوقات میں اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کریں کہ وہ اسے ترک کر دینے کے سلسلے میں آپ کی مدد فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ تمباکو نوشوں کی صحبت کو بھی ترک کر دیں۔ اس سے آپ کو خیر و بھلائی حاصل ہو گی اور انجام بھی یقیناً اچھا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ ﴾ (غافر ٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے، تمباکو نوشی ترک کرنے کے سلسلہ میں آپ کی مدد فرمائے اور حق پر آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائے۔ انه سميع قريب۔

—— شیخ ابن باز ——

دو چہروں والا سب لوگوں سے بد تر ہے

سوال میں دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ دو چہروں کے ساتھ باتیں کرتے ہیں، میرے سامنے ایک چہرے سے اور دوسرے کے سامنے دوسرے چہرے سے، تو کیا ایسے شخص کی بابت میں خاموش رہوں یا دوسروں کو بتا دوں؟

جواب دو چہروں کے ساتھ گفتگو جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ ذَا الْوَجْهَيْنِ: الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَيَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ»(صحيح البخاري، المناقب، باب المناقب، ح: ٣٤٩٤)

"تم سب لوگوں سے برا دو چہروں والے کو پاؤ گے، جو کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ جاتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی انسان کی اس کے منہ پر تو کسی دنیوی مقصد کے لیے بے حد مدح و ستائش کی جائے مگر اس کی عدم موجودگی میں دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی مذمت کی جائے اور اس کی خامیوں کو بیان کیا جائے اور اس کا یہ طرز عمل اکثر لوگوں کے مناسب حال نہ ہو' تو جو کسی ایسے شخص کو جانتا ہو تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ اسے سمجھائے اور اس فعل سے باز رہنے کی تلقین کرے اور اسے بتائے کہ یہ منافقوں کی خصلت ہے اور کبھی نہ کبھی لوگ اس سے اور اس کے اس برے اور قابل مذمت طرز عمل سے آگاہ ہو جائیں گے تو وہ اس سے ناراض ہوں گے' اس کی صحبت سے بچیں گے بلکہ اس سے قطع تعلق کر لیں گے اور اس طرح یہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور اگر وہ اس طرح کی نصیحت کو قبول نہ کرے تو پھر واجب ہے کہ لوگوں کو اس کے اور اس کے فعل کے بارے میں بتایا جائے' اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

«اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيهِ يَحْذَرُهُ النَّاسُ»(كشف الخفاء ومزيل الإلباس للعجلوني: ۱/ ۱۱٤، ح: ۳۰۵)

"فاجر کی خرابیوں کو بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

خفیہ عادت (مشت زنی) کے احکام

خفیہ عادت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال آنجناب سے امید ہے کہ آپ مشت زنی کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ نیز اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب خفیہ عادت یعنی مشت زنی حرام ہے۔ اس کے نقصانات بہت زیادہ اور اس کا انجام بہت بھیانک ہے جیسا کہ ماہر اطباء نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے تذکرہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵۔۷)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں' یہ عادت ان کے خلاف ہے۔ یہ اپنے ہی نفس پر بہت ظلم و زیادتی ہے۔ اسے ترک کرنا اور اس سے بچنا واجب ہے اور اس سے بچنے کے لیے وہ طریقہ استعمال کرنا چاہیے' جس کی نبی ﷺ نے راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

«يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه . . . الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ جواناں! تم میں سے جس کو استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو خوب جھکانے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

امید ہے کہ اس نبوی علاج سے اس خبیث اور حرام عادت کا ان شاء اللہ خاتمہ ہو جائے گا۔ جسے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو یا وہ اس خبیث عادت کو ترک نہ کر سکتا ہو تو اسے علاج کے لیے طبیب کی طرف رجوع کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ»

(مسند أحمد: ١/ ٤١٣ وسنن ابن ماجه مختصرا، ح:٣٤٣٨)

"اللہ عزوجل نے جو بیماری نازل کی ہے اس کی شفاء بھی اس نے نازل فرمائی ہے' جس نے اسے جان لیا تو اس نے جان لیا اور جو اس سے ناواقف رہا تو وہ ناواقف رہا۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«عِبَادَ اللهِ تَدَاوَوْا، وَلاَ تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٠٥٥ وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، ح:٢٠٣٨)

"اے بندگان الٰہی! علاج تو کرو مگر حرام اشیاء کے ساتھ علاج نہ کرو۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر برائی سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

مشت زنی کے بارے میں حکم

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین سے بھی اس عادت کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

جواب مخفی عادت یعنی ہاتھ وغیرہ سے منی خارج کرنا' دلائل کتاب و سنت اور عقل کی روشنی میں حرام ہے۔ قرآن مجید سے اس کی حرمت کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥-٧)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر

کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

تو جو شخص اپنی بیوی یا باندی کے بغیر اپنی شہوت کو پورا کرنا چاہے تو وہ اور چیز کا طالب ہے للذا یہ مخفی عادت بھی فطری طریقے کے علاوہ اور چیز ہے اور سنت سے اس کی حرمت کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه . . . الخ، ح: ١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ جوانان! تم میں سے جس کو استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو خوب جھکا دینے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

جسے شادی کرنے کی استطاعت نہ ہو تو نبی ﷺ نے اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر مشت زنی جائز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کا حکم دیتے اور جب آپ نے اس کا حکم نہیں دیا' حالانکہ ایسا کرنا بہت آسان ہے تو معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں۔ عقلی طور پر اس کے حرام ہونے کی دلیل وہ بہت سے نقصانات ہیں' جو اس کے نتیجہ میں برآمد ہوتے ہیں۔ اہل طب نے ذکر کیا ہے کہ اس کے نقصانات سے بدن' جنسی قوت اور عقل و فکر سبھی متاثر ہوتے ہیں اور بسا اوقات یہ عادت انسان کو حقیقی نکاح سے محروم کر دیتی ہے کیونکہ انسان جب اس طرح اپنی خواہش کی تکمیل کرنے لگتا ہے تو نکاح کی طرف اس کی رغبت نہیں رہتی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مشت زنی حرام ہے

سوال کیا خفیہ عادت حرام ہے؟

جواب مشت زنی کے بارے میں علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥-٧)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

جو شخص اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنی شہوت کو اپنی بیوی یا کنیز ہی سے پوری کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف بیان فرمائی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی خواہش کی کسی اور طرح تکمیل کرے' خواہ وہ کوئی بھی طریقہ ہو

تو وہ شخص حد سے نکل جانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ طریقہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مشت زنی کی حرمت کی دلیل

سوال مشت زنی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے' جس سے معلوم ہو کہ یہ حرام ہے؟

جواب مشت زنی حرام ہے کیونکہ یہ صحت کے لیے مضر ہے' علاوہ ازیں اس کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں۔ علماء نے سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل فرمان سے' اس کی حرمت پر استدلال کیا ہے:

﴿فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧﴾ (المؤمنون٢٣/ ٧)

"اور وہ جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

یعنی جو شخص اپنی بیوی یا کنیز کے علاوہ کسی اور طریقے کا طالب ہو تو وہ حد سے نکل جانے والوں میں سے ہے۔ شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "اضواء البیان" میں اس آیت سے یہی استدلال کیا ہے۔ بعض آثار میں ہے کہ "کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جن کے ہاتھ حاملہ ہوں گے کیونکہ یہ لوگ اپنے آلات تناسل کے ساتھ کھیلتے تھے" اگر کسی نوجوان کو یہ خدشہ ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو اسے بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور ان علماء کا خیال ہے کہ اس سے شہوت بالکل تو ختم نہیں ہوتی البتہ اس میں کچھ کمی آجاتی ہے۔ [1] لیکن اسے بھی حصول عفت کے لیے سب سے پہلے شادی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر اسے اس بات کی استطاعت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا چاہیے' اس سے اس کی شہوت ختم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ہاتھ کے بغیر مادہ منویہ کا خارج کرنا

سوال مخفی عادت کے بارے میں کیا حکم ہے اور اگر اس کے لیے ہاتھ کے علاوہ کوئی اور طریقہ استعمال کیا جائے تو کیا اس کا بھی یہی حکم ہو گا؟

جواب مخفی عادت حرام ہے خواہ ہاتھ سے منی نکالی جائے یا روئی وغیرہ سے عورت کی اندام نہانی کی صورت بنا کر اسے استعمال کیا جائے۔ ہر مسلمان کے لیے اس سے اجتناب کرنا واجب ہے' کیونکہ یہ فعل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے خلاف ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥_٧)

---

[1] جن علماء نے یہ بات کہی ہے ان کا یہ قول بالکل غلط اور کتاب و سنت کی نصوص کے منافی ہے۔ لہٰذا اس قول کی طرف التفات کرنا اور اس سے مشت زنی کی اجازت کی دلیل لینا بہت بڑی جسارت اور نصوص کی مخالفت ہے۔ واللہ اعلم (عبدالجبار' دارالسلام' لاہور)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

یہ عادت اس لیے بھی حرام ہے کہ یہ انسانی صحت کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

مخفی عادت اور شادی کے وقت اس کے نقصانات

سوال میں اس بری عادت میں مبتلا ہوں' جسے شیطان نے بہت سے نوجوانوں کے لیے مزین کر رکھا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ عادت میرے جسم و عقل کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے دین کی کیا ہدایت ہے تاکہ اس کی روشنی میں میں اس سے باز آ جاؤں یاد رہے میں نماز پڑھتا ہوں اور قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتا ہوں؟

جواب بری عادت سے مراد شائد وہ ہے' جو لوگوں میں مخفی عادت کے نام سے معروف ہے یعنی آلہ' تناسل کے ساتھ کھیل کر مادہ منویہ کو خارج کر دینا یا ایسے طریقے استعمال کرنا جو شہوت کے ہیجان اور منی کے انزال کا سبب بنیں تو یہ عادت حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵-۷)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ» (صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح: ٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح: ١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ جواناں! تم میں سے جس کو استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو خوب جھکا دینے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

اگر یہ عادت جائز ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اسے اختیار کرنے کی راہنمائی فرماتے کیونکہ یہ آسان ہے اور پھر اس میں کچھ لذت بھی ہے لیکن یہ چونکہ حرام تھی اس لیے آپ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی حرمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ انسانی صحت و فکر کو نقصان پہنچا کر انسان کو ناکارہ بنا دیتی ہے' نیز یہ اس جنسی مادہ کو بھی نقصان پہنچاتی ہے' جس کی انسان کو شادی کے بعد ضرورت ہوتی ہے۔ نوجوان بھائیوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر

کرنے کی تلقین کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کو طلب کرتے رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخفی عادت اور غسل نہ کرنا

سوال میں اٹھارہ سال کا ایک نوجوان ہوں۔ میں تین سال سے مخفی عادت (مشت زنی) میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ اس میں مجھے لذت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر مجھے اس سے ندامت ہوتی ہے اور ضمیر ملامت کرتا ہے۔ اس بری عادت کے بعد میں کبھی تو غسل کر لیتا ہوں اور کبھی غسل بھی نہیں کرتا خصوصاً موسم سرما میں جب سردی زیادہ ہوتی ہے میں غسل نہیں کرتا اور اب یاد بھی نہیں کہ غسل کے بغیر میں نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ رمضان ۱۴۰۲ھ میں دن کے وقت روزے کی حالت میں بھی یہ کام کرتا رہا ہوں۔ کیا اس سے نماز اور روزے پر کوئی اثر پڑے گا؟ کیا منی پاک ہے؟ میں نے ایک حدیث سنی ہے، جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر ادا فرما رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑے سے مادہ منویہ کھرچ رہی تھیں؟ براہ کرم میری راہنمائی فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

جواب مخفی عادت یعنی مشت زنی انتہائی بدترین عادت ہے۔ اہل علم نے اسے حرام قرار دیا اور اس کی حرمت پر حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ ﴾ (المؤمنون ٢٣/ ٥-٧)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اس عادت میں مبتلا انسان کو بہت سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا آپ کے لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس عادت سے توبہ کریں اور آئندہ اس سے اجتناب کریں۔ رمضان کے جن دنوں میں اس خبیث عادت کے مطابق عمل کیا تو ان دنوں کے روزوں کی قضاء دیں نیز ان نمازوں کی بھی قضاء دیں جنہیں غسل جنابت کے بغیر پڑھا تھا اور اگر ان نمازوں اور روزوں کی صحیح صحیح تعداد یاد نہ ہو تو ظن غالب کے مطابق قضاء دینا کافی ہو گا۔ جہاں تک منی کا تعلق ہے تو وہ علماء کے صحیح قول کے مطابق پاک ہے۔ کپڑے کو لگ جائے تو مستحب یہ ہے کہ اسے دھو کر یا کھرچ کر اس کے نشان کو زائل کر دیا جائے البتہ اسے دھونا افضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نفسیاتی امراض اور شیطانی وسوسے

مومن اور نفسیاتی امراض

سوال کیا مومن نفسیاتی طور پر بیمار ہو سکتا ہے؟ شریعت میں اس کا علاج کیا ہے' جدید طب میں تو نفسیاتی امراض کا صرف دواؤں ہی سے علاج کیا جاتا ہے؟

جواب اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ انسان مستقبل کے فکر یا ماضی کے غم کی وجہ سے نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو سکتا ہے اور نفسیاتی امراض جسم پر جسمانی امراض سے بھی زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان امراض کا شرعی امور --یعنی دم-- سے علاج' دواؤں سے علاج کی نسبت زیادہ کامیاب ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ ان بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ جس مومن کو کوئی پریشانی یا غم و فکر لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و فکر کو نہ صرف دور فرما دیتا ہے بلکہ اسے خوشی اور مسرت سے بدل دیتا ہے۔ دعا یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي»(مسند أحمد: ١/ ٤٥٢، ٣٩١)

''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' تیرے بندے کا بیٹا ہوں' تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم میرے حق میں نافذ ہے۔ تیرا فیصلہ میرے بارے میں مبنی بر عدل و انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے ساتھ جو تیرا نام ہے' تو نے خود اسے اپنے نام کے طور پر رکھا یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا' یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے ہی پاس رکھا' میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و غم کو دور کرنے کا سبب بنا دے۔''

یہ دعا در حقیقت شرعی دواء ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ دعا بھی پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٧)

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور وار ہوں۔''

تفصیل کے لیے ان کتب کا مطالعہ فرمائیں' جو علماء نے اوراد و وظائف کے موضوع پر لکھی ہیں' مثلاً امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''الوابل الصیب'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ''الکلم الطیب'' اور امام نووی رحمہ اللہ کی ''الاذکار'' نیز امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''زاد المعاد'' کا مطالعہ فرمائیں۔

جب ایمان کمزور ہو گیا تو شرعی دواؤں کے لیے نفس کا قبول کرنا بھی کمزور ہو گیا اور اب لوگوں نے شرعی دواؤں کی

بجائے مادی دواؤں پر زیادہ اعتماد کرنا شروع کر دیا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جب ایمان قوی تھا تو شرعی دوائیں مکمل طور پر مؤثر تھیں بلکہ ان کی تاثیر مادی دواؤں سے زیادہ تیز تھی۔ ہم سب کو اس شخص کا قصہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے' جسے نبی اکرم ﷺ نے ایک سریہ کے ساتھ بھیجا تھا' یہ لوگ ایک عرب قوم کے پاس فروکش ہوئے مگر انہوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی تو اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ ان کے سربراہ کو ایک سانپ نے ڈس لیا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ' جنہوں نے یہاں آکر ڈیرا ڈالا ہے' شائد ان میں کوئی دم کرنے والا ہو مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا کہ ہم تو تمہارے سربراہ کو اس وقت تک دم نہ کریں گے' جب تک تم ہمیں اتنی بکریاں نہ دے دو۔ انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص گیا اور اس نے اسے صرف سورت فاتحہ پڑھ کر دم کیا' جسے سانپ نے ڈسا تھا' تو یہ شخص فوراً اس طرح تندرست ہو گیا گویا اسے بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا گیا ہو۔ اس شخص پر سورت فاتحہ کی قراءت اس لیے اثر انداز ہوئی کہ اسے ایک ایسے شخص نے پڑھا تھا' جس کا دل ایمان سے لبریز تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ میں واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا:

«وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟»(صحيح البخاري، الإجارة، باب ما يعطي في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب، ح:٢٢٧٦ وصحيح مسلم، السلام، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار، ح:٢٢٠١)

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورت دم ہے؟''

لیکن ہمارے زمانہ میں دین اور ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ لوگوں نے مادی اور ظاہری امور پر انحصار کرنا شروع کر دیا ہے' جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ان کے لیے کچھ شعبدہ باز قسم کے لوگ ظاہر ہو گئے ہیں' جو لوگوں کی عقلوں اور عقائد کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور اس بات کے دعوے دار ہیں کہ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں' لیکن حقیقت میں یہ باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے والے ہیں اور لوگوں نے اب دو انتہائی متضاد موقف اختیار کر لیے ہیں' کچھ لوگ تو قرآن پڑھ کر دم کرنے کا مطلقاً کوئی اثر نہیں سمجھتے اور کچھ لوگ جھوٹے منتر جنتر پڑھ کر لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور لوگ ان کے فریب جال میں پھنس رہے ہیں البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں' جنہوں نے معتدل طرز عمل کو اختیار کر رکھا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اعصابی مریض

سوال طبیب کے بقول ایک شخص پرانے اعصابی مرض میں مبتلا ہے اور اس مرض کے باعث وہ والدین سے بدکلامی کرتا ہے' رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتا ہے اور قلق واضطراب' ڈر اور خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کیا مذکورہ بالا بیماری کی وجہ سے یہ شخص اب احکام شرعیہ کا مکلّف نہیں ہے؟ آپ اسے کیا نصیحت کریں گے؟ جزاکم اللہ خیرًا.

جواب جب تک اس شخص کی عقل کام کرتی رہے گی' یہ احکام شرعیہ کا مکلف رہے گا اور جب اس کی عقل بالکل زائل ہو جائے اور عقل پر اسے کوئی دسترس نہ رہے تو پھر یہ شخص واقعی معذور ہو گا۔ میں اسے نصیحت کرتا ہوں کہ دعا'

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور استغفار کثرت سے کرے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی اس وقت پناہ مانگے جب اس کا غصہ بھڑک اٹھے' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بیماری دور فرما دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غم و فکر کا علاج کیسے کریں؟

سوال آج کل وہ غم و فکر' مشکلات اور پریشانیاں کثرت سے موضوع بحث ہیں' جو انسان کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں' اور مرور زمانہ کے ساتھ انسان ان میں مبتلا ہوتا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کا علاج کیسے کریں؟ کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو بھی دم کرے؟

جواب سب سے پہلے تو یہ جاننا واجب ہے کہ ان مشکلات' پریشانیوں' غموں اور فکروں کو اللہ تعالیٰ گناہوں کا کفارہ بنا کر گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور انسان اگر صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے ان مشکلات کے باعث اجر و ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ غم و فکر کے ازالہ کے لیے مسنون دعاؤں کے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ہے' جسے اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسَأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي»(مسند أحمد: ١/ ٣٩١، ٤٥٢)

''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' تیرے بندے کا بیٹا ہوں' تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم میرے حق میں نافذ ہے۔ تیرا فیصلہ میرے بارے میں مبنی بر عدل و انصاف ہے' میں تیرے ہر اس نام کے ساتھ جو تیرا نام ہے' تو نے خود اسے اپنے نام کے طور پر رکھا' یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا' یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے ہی پاس رکھا' میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و غم کو دور کرنے کا سبب بنا دے۔''

اسی طرح یہ دعا بھی پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٧)

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور وار ہوں۔''

یہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا تھی' اللہ تعالیٰ نے اسے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ فَٱسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَنَجَّيْنَٰهُ مِنَ ٱلْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُۨجِي ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٨)

''تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنے آپ کو خود دم کر لے۔ نبی ﷺ سوتے وقت معوذات پڑھ کر خود اپنے

آپ کو دم کیا کرتے تھے' انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونک مارتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر اور جسم پر جہاں جہاں پہنچ سکتے' پھیر لیا کرتے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نفسیاتی بیماری اور دین

سوال ہمارے شہر میں ایک متدین شخص ایک نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو گیا' تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دین کی وجہ سے یہ شخص اس بیماری میں مبتلا ہوا ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنی داڑھی منڈوا دی اور اب نماز بھی اس طرح باقاعدگی سے نہیں پڑھتا' جس طرح پہلے پڑھا کرتا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ وہ شخص دین میں رسوخ اور احکام دین پر پابندی سے عمل کرنے کی وجہ سے بیمار ہوا؟ کیا اس طرح کی بات کرنے والے کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب دین کو مضبوطی سے تھامنا کسی مرض کا سبب نہیں بن سکتا بلکہ دین تو دنیا اور آخرت کی ہر خیر و بھلائی کا سرچشمہ ہے۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بے وقوف لوگوں کی اس قسم کی باتوں کو صحیح مانے اور نہ یہ جائز ہے کہ ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے داڑھی منڈوا یا کٹوا دے' یا نماز باجماعت ادا کرنا ترک کر دے بلکہ واجب یہ ہے کہ استقامت کے ساتھ حق پر قائم رہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عذاب سے ڈرتے ہوئے ہر اس چیز سے اجتناب کرے' جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾﴾ (النساء ٤/ ١٣-١٤)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو ایسے باغ ہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا' اللہ اس کو دوزخ میں ڈالے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو رسوا کن عذاب ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا' جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس متدین شخص کو دین کی وجہ سے بیماری لاحق

ہوئی ہے' تو وہ جاہل ہے۔ ضروری ہے کہ اس کی اس بات کی تردید کی جائے اور اسے بتایا جائے کہ دین تو سراپا خیر ہے۔ کسی مسلمان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے' تو وہ اس کے گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

ایسا کہنے والے کی تکفیر کے مسئلہ میں تفصیل ہے' جو اسلامی کتب فقہ کے "باب حکم المرتد" سے معلوم ہو سکتی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

شیطانی وسوسے

سوال مسلمان اپنے نفس سے ان شیطانی وسوسوں کو کس طرح دور کرے' جو اس کے دین کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں؟

جواب وسوسے کبھی تو طہارت یا نماز کے بارے میں ہوتے ہیں اور یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں تاکہ وہ اس کی عقل کو فاسد کر دے' لہٰذا اس صورت میں شیطان سے پناہ مانگنی چاہیے اور اصل یعنی طہارت پر بنیاد رکھنی چاہیے اور شیطان جو اس قسم کی باتیں دل میں ڈالتا ہے کہ اس نے تو ابھی یہ پڑھا ہی نہیں یا اس نے تو ابھی وضو کیا ہی نہیں' ان سے دور رہنا چاہیے۔ اور کبھی وسوسے عقیدہ' ایمان بالغیب' اللہ تعالیٰ کی صفات' بعثت اور رسالت کے بارے میں ہوتے ہیں۔ یہ وسوسے پہلی قسم کے وسوسوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ انہیں دل سے جھٹک دیا جائے اور ایسی گفتگو کی جائے جس سے ایمان کو استحکام نصیب ہو' آیات و دلالات پر غور کرے' مخلوقات میں غور و فکر کرے اور جیسے اسے دین پہنچا ہے' اس کے مطابق اجمال و تفصیل کے ساتھ غیب پر ایمان رکھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور دیگر تمام امور غیب کی کیفیت کے بارے میں سوچنے سے اجتناب کرے حتیٰ کہ ایمان مضبوط و مستحکم ہو جائے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وسوسے اثر انداز نہیں ہوتے

سوال شیطان کبھی کبھی میرے دل میں وسوسے پیدا کر کے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا ہے؟ حتیٰ کہ وہ بات یہاں تک آگے بڑھا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ میں ان وسوسوں کے بارے میں کیا کروں؟

جواب اس قسم کے وسوسے اثر انداز نہیں ہوتے۔ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے پاس آ کر کہتا ہے کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا ہے' اس کو کس نے پیدا کیا ہے (اور جب انسان جواب یہ دیتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے) تو شیطان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے تیر بہدف دوا کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس موقع پر (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھ لو اور اس وسوسہ سے رک جاؤ۔ [1] لہٰذا آپ کے دل میں بھی جب اس طرح کا کوئی وسوسہ آئے تو (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھ لو' اس سے رک جاؤ اور اس سے مکمل طور پر اعراض کر لو۔ ان شاء اللہ یہ وسوسہ زائل ہو جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان الوسوسة فی الایمان وما یقوله من وجدها' حدیث: 134

شیطانی وسوسوں کی طرف دھیان نہ دو

سوال میں ایک مسلمان اور متدین نوجوان ہوں لیکن تشکیک میں مبتلا۔ وضو کرتے ہوئے مجھے شک پڑ جاتا ہے کہ میں نے شاید اچھی طرح وضو نہیں کیا لہٰذا میں دوبارہ وضو کرنے لگ جاتا ہوں۔ اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے خصوصاً حالت سجدہ میں شک پڑتا ہے کہ شائد ہوا خارج ہو گئی ہے لہٰذا میں نماز توڑ کر وضو کرنا شروع کر دیتا ہوں۔ اسی طرح جب میں باہر ہوتا ہوں تو اس شک کی وجہ سے میں گوشت نہیں کھاتا کہ شائد انہیں غیراسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو۔ اسی طرح میں بسکٹ اور ناشتہ میں استعمال ہونے والی دیگر چیزیں بھی نہیں کھاتا کیونکہ مجھے شک یہ ہوتا ہے کہ شائد انہیں ایسی گائے کے گھی سے بنایا گیا ہے' جسے اسلامی طریقے کے مطابق ذبح نہیں کیا گیا تھا۔ الغرض میں اس طرح کے بہت سے اوہام و شکوک میں مبتلا ہوں۔ میرے بڑے بھائی نے اس طرح کے شکوک سے دور رہنے کی مجھے نصیحت بھی کی ہے مگران کی نصیحت بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی' لہٰذا سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں؟ اور اگر میں سو جاؤں تو پھر مجھے نماز کی پروا نہیں ہوتی؟

جواب وہ شکوک جو عبادات اور معتقدات حتیٰ کہ ذات باری تعالیٰ کے بارے میں دل میں پیدا ہوتے ہیں' یہ سب کے سب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ان کے دلوں میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جنہیں وہ بیان نہیں کر سکتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ یہ تو خالص ایمان ہے۔ [1] اس لیے کہ شیطان اس طرح کے شبہات اس دل میں پیدا کرتا ہے جس میں پہلے سے کوئی شبہ موجود نہ ہو' تاکہ وہ اس کے پیدا کردہ شبہ کے بارے میں اس کی اطاعت شروع کر دے اور جس شخص کا دل پہلے ہی شبہات سے بھرا پڑا ہو' یا دین سے خالی ہو تو ایسے دل میں شیطان وسوسے نہیں ڈالتا کیونکہ اس سے وہ فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔

ہم اس نوجوان سے یہ کہیں گے کہ اس پر واجب یہ ہے کہ وہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور وضو' نماز اور دیگر امور کے بارے میں اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسوں کی طرف توجہ نہ دے۔ شکوک و شبہات کا پیدا ہونا جہاں ایمان کے خالص ہونے کی دلیل ہے' وہاں ان شکوک و شبہات کے ساتھ ساتھ چلتے جانا عزیمت اور استقامت کی کمزوری کی دلیل بھی ہے۔

ہم اس نوجوان سے یہ بھی کہیں گے کہ یہ شک بلا وجہ ہے کیونکہ آپ جب خرید و فروخت کے لیے بازار میں چلے جاتے ہیں تو کیا آپ کو کسی چیز کے بارے میں شک ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ اس طرح کے امور کے بارے میں شیطان انسان کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں کرتا۔ البتہ وہ عبادات میں ضرور وسوسہ ڈالتا ہے تاکہ وہ انہیں خراب کر دے لہٰذا جب شکوک و شبہات کی کثرت ہو جائے تو ان کی طرف توجہ نہ دیں۔ اسی طرح جب عبادت سے فراغت کے بعد شک ہو تو اس کی طرف بھی کوئی دھیان نہ دیں الا یہ کہ کسی کمی و بیشی کا یقین ہو۔

"فعل کے بعد شک اثر انداز نہیں ہوتا' اسی طرح جب شکوک کی کثرت ہو جائے تو وہ بھی مؤثر نہیں ہوتے۔"

کھانے پینے کی وہ اشیاء جو اصل میں حلال ہیں' ان کے بارے میں بھی شک کا کوئی اعتبار نہیں۔ خیبر میں ایک یہودی

---

[1] صحیح مسلم، الایمان، باب بیان الوسوسۃ فی الایمان وما یقولہ من وجدھا، حدیث: 132/133

عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بکری کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے اس کے گوشت کو کھا لیا تھا۔ (1) اسی طرح ایک یہودی نے جب آپ کی دعوت کی اور اس میں جو کی روٹی اور باسی چربی پیش کی تو آپ نے اسے بھی کھا لیا تھا۔ (2)

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ کچھ لوگوں نے جو نئے نئے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے' مسلمانوں کی ایک جماعت کو گوشت کا تحفہ دیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ان سے فرمایا:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ذبيحة الأعراب، ونحوهم، ح: ٥٥٠٧)

"تم اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اسے کھا لیا کرو۔"

لہٰذا جس کا ذبیحہ حلال ہو' اس کے ذبیحہ کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ حلال ہے حتیٰ کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو' اس کے استعمال سے رک جانا' بلا وجہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے۔ سائل نے جو یہ کہا ہے کہ وہ جب سو جاتا ہے تو نماز کی پروا نہیں کرتا تو یہ بھی شیطان کی طرف سے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا گیا کہ ایک شخص سو گیا حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور وہ نماز کے لیے نہ اٹھا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ح: ٣٢٧٠ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الحث على صلاة الليل وإن قلت، ح: ٧٧٤)

"اس آدمی کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔"

شیطان انسان کو گہری نیند میں مبتلا کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے وہ نماز صبح یا دیگر نمازوں کے لیے اٹھ نہیں سکتا۔ اس صورت کا علاج اس طرح ممکن ہے کہ ٹائم پیس کا الارم لگا لیا جائے یا کسی دوسرے شخص سے کہہ دیا جائے کہ وہ اسے بیدار کر دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شیطانی وسوسوں کا علاج

سوال میں ایک مشکل میں مبتلا ہوں' امید ہے کہ آپ میری صحیح راہنمائی فرمائیں گے' تاکہ میں اس مشکل سے نجات پا سکوں اور وہ یہ کہ شیطان ہمیشہ میرے معاملات میں مداخلت کرتا رہتا ہے' خصوصاً فرائض کی ادائیگی مثلاً نماز میں' قرآن کریم کی تلاوت میں اور وضو میں وہ بہت خلل انداز ہوتا ہے' جس کی وجہ سے میں ایسی گفتگو کرتا رہتا ہوں' جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ میں یہ گفتگو زبان سے نہیں کرتا بلکہ اپنے دل ہی میں کرتا رہتا ہوں' میں اس سے اجتناب کے لیے بڑی کوشش کرتا ہوں لیکن بے فائدہ۔ تو کیا اس سے مجھے گناہ ہو گا؟ آپ میری راہنمائی بھی فرمائیں تاکہ میں اس سے بچ سکوں؟

---

(1) صحیح البخاری' الھبة و فضلھا والتحریض علیھا' باب قبول الھدیة من المشرکین' حدیث: 2617

(2) صحیح البخاری' البیوع' باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئة' حدیث: 2069

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کثرت سے (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھتے رہیں۔ استعاذہ کے معنی کو مستحضر کریں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ شیطان ہی دل میں اوہام اور وسوسے ڈالتا ہے تاکہ انسان کو بہکا کر سیدھے راستے سے دور لے جائے اور یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو شیطان کے مکر و فریب اور نقصان سے بچا سکتا اور محفوظ کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں' دعا کریں' اوراد و وظائف پڑھیں' قرآن مجید کی تلاوت کریں اور ایسے اعمال صالحہ بجالائیں' جن سے بندے کو حفاظت اور حمایت حاصل ہو۔ اس بات کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ یہ تمام وسوسے شیطان کی طرف سے ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دل کو مشغول کر دے' آپ کی زندگی کو مکدر کر دے اور آپ کو نقصان پہنچائے خصوصاً عبادت کی ادائیگی میں تاکہ آپ اکتا کر تنگ آ جائیں' لیکن آپ ان وسوسوں کی وجہ سے کوئی نقصان محسوس نہ کریں اور ان کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ واللہ الموفق

—— شیخ ابن جبرین ——

انسان میں داخل ہونے کے لیے شیطان کے راستے

سوال: وہ کون سے راستے ہیں' جن سے شیطان انسان میں داخل ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان میں داخل ہونے کے لیے شیطان کے بہت سے راستے ہیں مثلاً یہ کہ وہ جنسی شہوت کے ذریعہ داخل ہوتا ہے۔ بدکاری کے ذریعہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے لیے اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت' انہیں دیکھنا' ان سے میل جول رکھنا اور ان کے گانے کو سننا بہت ہی مزین کر دیتا ہے اور اس طرح کی چیزوں کے ذریعہ انسان کو ہمیشہ فتنہ میں ڈالے رکھتا ہے حتیٰ کہ انسان زنا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان کو پیٹ کی خواہش کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے اور اسے حرام کھانے' شراب پینے اور منشیات کے استعمال کا عادی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ مال کے راستے سے انسان کو گمراہ کرتا ہے کہ مال و دولت کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور وہ حلال و حرام کی پروا کیے بغیر کمائی کے زیادہ سے زیادہ اسباب حاصل کرنے میں لگ جاتا ہے اور باطل راستے سے لوگوں کے مال کھانے' سود' چوری' غاصبانہ قبضے' ڈکیتی' رہزنی اور ملاوٹ وغیرہ کرنے میں بھی کوئی دریغ نہیں کرتا۔ اسی طرح شیطان حکومت و اقتدار اور بلند منصب کی محبت و خواہش کے راستہ سے انسان میں داخل ہوتا ہے اور جب انسان کو حکومت و اقتدار یا کوئی بلند منصب حاصل ہو جاتا ہے' تو وہ فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے' لوگوں کو ظلم و جبر کا نشانہ بناتا' انہیں حقیر جانتا اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ الغرض اس طرح کے بہت سے راستے ہیں' جن سے شیطان انسان میں داخل ہوتا ہے۔ وصلی اللّٰه علی نبینا محمد و آله و صحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نظر بد اور جن کا لگ جانا

نظر بد لگ جانا

سوال: کیا نظر بد انسان کو لگ جاتی ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ کیا اس سے بچنا توکل کے منافی تو نہیں ہے؟

جواب: نظر لگ جانا برحق اور شرعی و حسی طور پر ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ ﴿٥١﴾﴾ (القلم٦٨/ ٥١)

''اور کافر یوں لگتے ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں کے ساتھ آپ کو نظربد لگانا چاہتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا»(صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقي، ح:٢١٨٨)

''نظربد لگ جانا برحق ہے' اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جاسکتی تو وہ نظربد تھی اور جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو تم غسل کر دیا کرو۔''

اسی طرح امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ ''عامر بن ربیعہ کا سہل بن حُنَیف کے پاس سے اس وقت گزر ہوا جب وہ غسل کر رہے تھے تو اس نے کہا کہ جس طرح کا (خوبصورت اور حسین) بدن میں نے آج دیکھا ہے' اس طرح کا بدن تو کسی پردہ نشین دوشیزہ کا بھی نہیں دیکھا۔ بس اس کا یہ کہنا تھا کہ سہل بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے' انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ! سہل بے ہوش ہو گئے ہیں' ان کا علاج فرمایئے۔ آپ نے فرمایا' تم کسے الزام دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مِنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ، فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ»(سنن ابن ماجه، الطب، باب العين، ح:٣٥٠٩ وسنن الكبرى للنسائي:٦/ ٦٠، ح:١٠٠٣٦)

''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کیوں کرتا ہے؟ جب کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اس کے لیے برکت کی دعا کرے۔''

پھر آپ نے پانی منگوایا اور عامر کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے' اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور دونوں گھٹنوں کو اور تہبند کے اندر کے حصے کو دھوئے' پھر آپ نے حکم دیا کہ اس پانی کو سہل کے اوپر انڈیل دو اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے حکم دیا کہ برتن کو اس کے پیچھے سے اس کے اوپر انڈیل دو۔ نظر لگنا ایک ایسا امر واقع ہے' جو کئی دفعہ مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار ممکن نہیں۔ نظر لگ جائے تو اس کے لیے حسب ذیل شرعی علاج استعمال کیے جائیں:

1 دم کرنا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره ... الخ، ح:٥٧٠٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين ... الخ، ح:٢٢٠)

دم نظربد یا بخار ہی کے لیے کیا جا سکتا ہے۔''

جبریل امین نبی اکرم ﷺ کو دم کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

«بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيكَ، بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ»(صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقي، ح:٢١٨٦)

”اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں' ہر اس چیز سے جو تجھے تکلیف دے اور ہر انسان کے یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے' اللہ تجھے شفاء دے' میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں۔“

2 نہانے کا مطالبہ کرنا: جیسا کہ سابق حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو اس کا حکم دیا تھا اور پھر غسل کے اس پانی کو اس شخص پر انڈیل دیا جائے جسے نظر لگی ہو۔ جہاں تک اس کے فضلات اور بول و براز کو لینے کی بات ہے تو یہ بالکل بے اصل ہے۔ اسی طرح اس کے پاؤں کی مٹی کو لینا بھی بالکل بے اصل ہے' اس سلسلہ میں جو ثابت ہے وہ صرف نظربد لگانے والے سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء اور تہبند کے اندر کے حصے کو دھوئے۔ پگڑی' ٹوپی اور کپڑے کے اندر کے حصے کو دھونے کا بھی شاید یہی اثر ہو۔ واللہ اعلم۔

نظربد سے پیشگی بچاؤ اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ توکّل کے بھی منافی نہیں بلکہ یہ عین توکل ہے کیونکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی پر اعتماد کیا جائے اور ان اسباب کو بھی اختیار کیا جائے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے' یا جنہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھی یہ دم کیا کرتے تھے:

«أُعِيذُكُماَ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لاَمَّةٍ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ١٠، ح:٣٣٧١ بلفظ أعوذ . . .)

”میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں' ہر شیطان اور زہریلی بلا کے شر سے اور ہر لگنے والی نظربد کے شر سے۔“

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہم السلام کو بھی اسی طرح دم کیا کرتے تھے۔ [1]

——— شیخ ابن عثیمین ———

نظربد لگ جانا برحق ہے

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ کافر مسلمان کو نظربد نہیں لگا سکتا' اس کی دلیل کیا ہے؟ کیا آیت سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے میں اپنی حالت کے مطابق ہی سجدہ کر سکتا ہوں یعنی سر اور جسم کو ڈھانپے بغیر بھی سجدہ کر سکتا ہوں؟

جواب نہیں یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ کافر بھی دوسرے لوگوں کی طرح نظربد لگا سکتا ہے کیونکہ نظربد کا لگ جانا برحق ہے۔ کسی بھی حالت میں سجدہ تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ سر ننگا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ راجح قول کے مطابق اس سجدے کا حکم نماز کا نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جنوں کا انسان پر اثر انداز ہونا اور ان سے بچاؤ

سوال کیا جن انسان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں' ان سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

[1] صحیح البخاری' احادیث الانبیاء رقم الباب: 10' حدیث: 3371

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ جن انسان پر اثر انداز ہو کر اسے اذیت پہنچا سکتے ہیں' جس کی نوبت قتل تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ کبھی وہ پتھر پھینک (مار) کر انسان کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کبھی وہ انسان کو ڈرانے بھی لگتے ہیں' الغرض جنوں کے انسانوں پر اثرانداز ہونے کی یہ مختلف صورتیں ہیں' جو سنت سے ثابت ہیں اور حالات و واقعات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو ایک غزوہ میں اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی کیونکہ وہ نوجوان تھے اور ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ جب وہ گھر پہنچے تو انہوں نے اپنی بیوی کو دروازے پر کھڑے پایا تو انہیں (بیوی کا اس طرح دروازے پر کھڑے ہونا) معیوب لگا' ان کی بیوی نے ان سے کہا اندر آجائیں۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے بستر پر لیٹا ہوا ایک سانپ دیکھا۔ ان کے پاس ایک نیزہ تھا جو انہوں نے سانپ کو چبھو دیا جس سے وہ مر گیا اور عین اسی لمحے جس میں سانپ مرا وہ نوجوان بھی مر گیا۔ حتیٰ کہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ سانپ پہلے مرا ہے یا نوجوان۔ جب نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے چھوٹے یا زہریلے اور خبیث قسم کے سانپوں کے سوا گھروں میں موجود سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔ [1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جن انسانوں پر زیادتی کرتے ہیں اور انہیں ایذاء پہنچاتے ہیں جیسا کہ تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے حالات و واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی بار انسان جنگل وغیرہ میں گیا تو اس پر پتھر گرنے لگ گئے حالانکہ اس کو وہاں کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا۔ بسا اوقات انسانوں نے آوازیں اور ایسی سرسراہٹ بھی سنی ہے جیسی درختوں کی سرسراہٹ سی ہوتی ہے۔ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہوتے ہیں' جو وحشت و اذیت ناک ہوتے ہیں' علاوہ ازیں جن انسان کے جسم میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ کبھی تو اسے انسان سے عشق ہو جاتا ہے' کبھی اس کا مقصد انسان کو ایذاء پہنچانا ہوتا ہے اور کبھی اس کا سبب کوئی اور ہوتا ہے۔ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے' جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

اس صورت میں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جن انسان کے اندر سے باتیں بھی کرتا ہے اور وہ اس شخص سے بھی باتیں کرنے لگتا ہے' جو اسے قرآن کریم کی آیات پڑھ کر دم کر رہا ہو۔ کبھی دم کرنے والا اس سے یہ وعدہ بھی لے لیتا ہے کہ وہ آئندہ یہاں نہیں آئے گا۔ الغرض اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو تواتر تک پہنچی ہوئی اور لوگوں میں بہت مشہور ہیں۔ جن کے شر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان وہ کچھ پڑھتا رہے جو اس سلسلہ میں حدیث میں آتا ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو آیت الکرسی پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور صبح تک شیطان بھی اس کے قریب نہیں آسکتا۔ [2] اور اللہ ہی حفاظت کرنے والا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم' السلام' باب قتل الحیات و غیرھا' حدیث: 2236

[2] صحیح البخاری' الوکالة' باب إذا وَكَّلَ رجلا فترک الوکیل شیئًا فأجازہ الموکل فھو جائز --- الخ' حدیث: 2311

——— شیخ ابن عثیمین ———

جن اور نظر بد کا انسان پر اثر

سوال جن کا انسان پر اور انسان کا جن پر کیا اثر پڑ سکتا ہے' نیز حاسد کی نظر کا محسود پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

جواب جن کا انسان پر اور انسان کا جن پر اثر نیز حاسد کی نظر کا محسود پر اثر ایک مشہور بات ہے جو حالات و واقعات سے ثابت ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے شرعی نہیں بلکہ کونی و قدری حکم سے ہوتا ہے۔ حاسد کی نظر کا محسود پر اثر فعلاً ثابت ہے اور لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ»(صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقي، ح:٢١٨٨)

"نظر بد برحق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو وہ نظر بد تھی"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رُقْيَةَ إِلاَّ مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره ... الخ، ح:٥٧٠٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين ... الخ، ح:٢٢٠)

"دم' نظر بد یا بخار ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔"

اس مسئلہ سے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحت و عافیت عطا فرمائے اور حق پر ثابت قدم رکھے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جن کو آگ سے جلا کر نکالنا

سوال ایک آسیب زدہ عورت ہے' جس پر ایک جن عورت نے تسلط جمایا ہوا ہے۔ جب اس جن عورت کو مارا جاتا ہے تو وہ اس انسان عورت کے جسم سے نہیں نکلتی تو کیا اس حال میں اسے آگ سے جلانا جائز ہے تاکہ وہ مسلمان عورت کے جسم سے باہر نکل جائے؟

جواب آگ سے اسے جلانا مطلقاً حرام ہے' کیونکہ آگ کے ساتھ عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ و باللہ التوفیق' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جن کے انسان کے جسم میں داخل ہونے کی دلیل

سوال کیا ایسی کوئی دلیل ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ جن انسانوں کے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں؟

جواب ہاں کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن انسانوں کے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے' جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنی قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ اس وقت اٹھتا ہے جب وہ حالت آسیب میں ہو اور شیطان نے لپٹ کر اسے دیوانہ بنا دیا ہو اور سنت سے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ»(صحيح البخاري، الاعتكاف، باب هل يدرأ المعتكف عن نفسه؟، ح:۲۰۳۹ وصحيح مسلم، الاسلام، باب بيان أنه يستحب لمن رؤي خاليا بامرأة ... الخ، ح:۲۱۷۵)

"شیطان ابن آدم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون۔"

امام اشعری نے "مقالات اہل السنۃ والجماعۃ" میں لکھا ہے کہ اہل سنت کا قول یہ ہے کہ جن آسیب زدہ جسم میں داخل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں استدلال سابقہ آیت ہی سے کیا ہے۔ عبداللہ بن امام احمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جن انسان کے بدن میں داخل نہیں ہو سکتا' تو آپ نے فرمایا: بیٹا! یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ جن تو انسان کے جسم میں داخل ہو کر اس کی زبان سے باتیں بھی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایسی کئی احادیث سے ثابت ہے کہ ایک آسیب زدہ بچے کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ»(سنن ابن ماجه، الطب، باب الفزع والأرق وما يتعوذ منه، ح:۳۵٤۸)

"اے اللہ کے دشمن نکل جا! آپ نے تین بار اس طرح کیا۔"

حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«أُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ أَنَا رَسُولُ اللهِ»(مسند أحمد: ٤/ ۱۷۱، ۱۷۲)

"اے اللہ کے دشمن نکل جا! میں اللہ کا رسول ہوں۔"

آپ نے جب یہ فرمایا تو بچہ فوراً تندرست ہو گیا تو جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اس مسئلہ میں یہ ایک دلیل قرآن کریم سے ہے اور دو دلیلیں سنت مطہرہ سے۔ علاوہ ازیں اہل سنت والجماعۃ اور ائمہ سلف کا بھی یہی قول ہے اور حالات و واقعات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے' لیکن ہم اس بات کے منکر نہیں ہیں کہ جنون کا کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے مثلاً اعصابی تناؤ یا دماغی عدم توازن وغیرہ۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

انسان جن کی ایذاء اور شرارت سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے

سوال ایک شخص نے سوال کیا ہے کہ میں ایک نابینا شخص ہوں اور ایک ایسے گھر میں رہتا ہوں جہاں ہر رات جن آتا ہے اور میں اس سے ڈرتا ہوں۔ میرے پاس قرآن مجید ہے اور جب میں اسے اس کے منہ کے آگے کر دیتا ہوں تو وہ چلا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ قرآن مجید کو اس کے منہ کے آگے کرنا صحیح نہیں ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کو چاہیے کہ سوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کریں' آیت الکرسی' سورۂ اخلاص' اور معوذتین تین بار پڑھیں اور صبح و شام تین تین بار اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے اللہ سے پناہ مانگیں' جو اس نے پیدا کی ہے' نیز صبح و شام تین تین بار یہ بھی پڑھیں:

«بِسْمِ اللهِ الَّذِي لاَ يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ»(مسند أحمد: ۱/ ٦٢ وسنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ح:٥٠٨٨)

"اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس سے آپ ان شاء اللہ جنوں وغیرہ کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اس معاملہ میں مذکورہ طریقے سے قرآن مجید کو استعمال نہ کریں کیونکہ یہ کتاب اللہ کی توہین اور شیطانوں کو خوش کرنے کے مترادف ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت بخشے اور ہم سب کو شیطانوں سے محفوظ رکھے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

بعض کلمات اور الفاظ کے استعمال کا حکم

لفظ "مبروک" کے ساتھ مبارک باد دینا

سوال مبارک باد کے وقت لفظ "مبروک" استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ "بروک" سے ماخوذ ہے مثلاً آپ کہتے ہیں کہ بَرَكَ الْجَمَلُ (اونٹ بیٹھا) اور یہ مبارک کے معنی میں نہیں ہے' جو برکت سے ہے؟

جواب لفظ "مبروک" کا برکت سے ہونا درست ہے کیونکہ فعل رباعی "بَارَكَ" سے یہ کہا جاتا ہے کہ "هٰذَا مُبَارَكٌ" اور فعل "بَرَكَ" سے یہ کہا جاتا ہے کہ "هٰذَا مَبْرُوْكٌ" گویا عرفی لغت میں یہ لفظ "مبارک" ہی کے معنی میں ہے۔ میرے خیال میں صرفی قواعد کے اعتبار سے یہ صحیح نہیں ہے کہ "مَبْرُوْك" "بَرَكَ" سے مشتق ہے کیونکہ بَرَكَ فعل لازم ہے اور فعل لازم سے اسم مفعول حرف جر کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ "بَرَكَتِ النَّاقَةُ فَهِيَ بَارِكَةٌ" تو اسے "مَبْرُوْكَةٌ" نہیں کہتے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے بَرَكَ نَاقَتُهُ فَهِيَ مَبْرَكَةٌ' مَبْرُوْكَةٌ نہیں کہا جاتا۔ گویا برک فعل لازم سے صیغہ مفعول از روئے

لغت حرف جر کے بغیر استعمال کرنا صحیح نہیں ہے اور اسے حرف جر کے بغیر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ عوام میں معروف ہے اور جب مادۂ اشتقاق موجود ہے اور یہ ہے "باء' راء اور کاف جو برکت کے اصلی حروف ہیں لہٰذا میری رائے میں مبارک کے معنی میں لفظ مبروک استعمال کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لفظ حرام کا استعمال

سوال بہت سے لوگ جب کسی کو عادت یا شریعت کے خلاف کوئی کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو "حرام" کا لفظ استعمال کرتے ہیں' کیا اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے گناہ ہو گا یا اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا؟

جواب لوگ جس کو حرام کہتے ہیں اس کا تعلق یا تو ان امور میں سے ہو گا' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' مثلاً "حرام ہے کہ یہ شخص زنا کرے" یا "حرام ہے کہ زبان جھوٹ بولے" تو ان کاموں کے لیے حرام کا لفظ استعمال کرنا صحیح اور شریعت کے مطابق ہے اور اگر کوئی چیز شریعت میں حرام نہ ہو تو اسے حرام قرار دینا اور اس کے لیے حرام کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس چیز سے اسے حرام قرار دینے کا شبہ ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو یا اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قضاء و قدر سے روک دیا ہے کیونکہ حرمت سے ان کا مقصود حرمت قدری ہوتی ہے کیونکہ حرمت قدری بھی ہو سکتی ہے اور شرعی بھی کہ جس چیز کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہو گا اس کی حرمت قدری ہو گی اور جس کا تعلق اس کی شریعت سے ہو گا' اس کی حرمت شرعی ہو گی' لہٰذا اگر ان لوگوں کا مقصود شرعی طور پر حرام کردہ امر نہ ہو تو انہیں اس لفظ کے استعمال سے روکا جائے کیونکہ حرمت قدری کا تعلق اس سے نہیں بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' جسے پیدا کرنا چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور جسے روک دینا چاہے' اسے وہ روک دیتا ہے' لہٰذا میری رائے میں اس کلمہ کے استعمال سے انہیں پرہیز کرنا چاہیے خواہ ان کا مقصد و ارادہ صحیح ہی کیوں نہ ہو مثلاً وہ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ بعید ہے کہ یہ واقع ہو یا یہ بات بہت بعید ہے کہ ایسے نہ ہو۔ بہرحال میری رائے میں اس لفظ کے استعمال میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لفظ جلالہ کا نبی اکرم ﷺ کے نام کے ساتھ استعمال

سوال کاغذ کے چارٹوں اور دھاگوں سے بنی ہوئی بعض چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ملا کر اس طرح لکھا جاتا ہے کہ "اللہ محمد" تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ بات لوگوں میں کئی طرح سے رواج پا گئی ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہو اور اس کے ساتھ ہی رسول ﷺ کا اسم گرامی لکھ دیا جائے۔ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا: ماشاء اللہ--- "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔" تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جَعَلْتَنِي لله عَدْلاً! بَلْ مَاشَاءَ اللهُ وَحْدَهُ» (مسند أحمد: ١/ ٢٨٣، ٢١٤، ٣٤٧)

''تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے بلکہ یہ کہو کہ ''جو اللہ وحدہ (اکیلا) چاہے۔''

اگر اس طرح کی لوح وغیرہ کے لٹکانے سے مقصود حصول تبرک ہو تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ حصول تبرک کا طریقہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کیا جائے اور آپ کے راستہ پر چلا جائے۔ اسی طرح گھروں میں ایسے کتبوں اور تختیوں کو لٹکانا جن پر قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی ہوں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا حضرات صحابہ کرام اور تابعین سے یا ائمہ سلف رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت نہیں ہے۔ معلوم نہیں یہ بدعت کہاں سے آگئی ہے۔ حقیقت میں یہ بدعت ہی ہے کیونکہ قرآن مجید تو اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے' نہ اس لیے کہ اسے دیواروں پر لٹکایا جائے۔ دیواروں پر لٹکانے میں خرابی کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ ایسا کرنے والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لیے تعویذ ہے اور اس طرح وہ صحیح حرز یعنی زبان سے قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ فرمایا ہے: ''جو شخص رات کو آیت الکرسی کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ اس کی حفاظت کرتا ہے اور صبح تک شیطان اس کے قریب بھی نہیں آتا۔'' [1]

مجلسوں میں عام طور پر حرام باتیں بھی ہوتی ہیں اور بسا اوقات وہاں آلات لہو و لعب بھی موجود ہوتے ہیں لہٰذا ایسی جگہوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ ایسی تختیوں اور کتبوں کو گھروں میں نہ لٹکائیں جن پر قرآن مجید کی آیات ہوں یا اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہو یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

فلاں شخص کا اپنے آپ پر اعتماد ہے

سوال یہ کہنا کہ ''فلاں شخص کا اپنے آپ پر اعتماد ہے'' یہ کیسا ہے؟ کیا یہ مسنون دعا کے ان الفاظ کے منافی تو نہیں ہے' جن کے معنی یہ ہیں کہ ''اے اللہ! مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر؟''

جواب ان الفاظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قائل کی اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص کو اس کے بارے میں پورا اعتماد اور وثوق حاصل ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی طرف بسا اوقات بعض چیزوں کی نسبت یقین سے کی جاتی ہے' بعض کی ظن سے' بعض کی شک اور تردد سے اور بعض کی بطور مرجوح کے۔ لہٰذا جب کوئی یہ کہے کہ ''مجھے اس کا پورا اعتماد ہے'' یا ''مجھے اپنے نفس پر پورا بھروسہ ہے۔'' یا ''فلاں شخص کو اپنے آپ پر اعتماد ہے۔'' یا ''جو وہ کہتا ہے' اس پر اسے پورا پورا اعتماد ہے۔'' لہٰذا اس طرح کے اسلوب کلام میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ اس مشہور دعا کے خلاف ہے:

«فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ»(سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ح: ٥٠٩٠)

کیونکہ انسان اپنے نفس پر اعتماد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے عطا کردہ علم و قدرت کے ساتھ ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

---

[1] صحیح البخاری' الوکالۃ' باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فأجازہ الموکل فھو جائز--- الخ' حدیث: 2311

رسم و رواج

سوال اسلامی معاشروں میں بسا اوقات اس مفہوم کے لیے کہ یہ معاشرے اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہیں' اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں کہ "اسلامی رسم و رواج کے ساتھ چلتے ہوئے۔" بعض معاصر علماء اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اسلام تو عادات و تقالید اور رسم و رواج کے خلاف ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ الفاظ دشمنان اسلام کی طرف سے پھیلائے ہوئے ہیں' جب کہ کچھ اہل علم کی یہ رائے ہے کہ ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے اس حکم کے سامنے جو اس کے رب نے اسے دیا یا اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے دیا ہے' ایک اچھا مسلمان اس کے سوا کسی اور طرف نہیں دیکھتا۔ عبادت سے مقصود بھی یہی ہے۔ امید ہے آپ دلائل کے ساتھ راہنمائی فرمائیں گے کہ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب اسلام عادات و تقالید اور رسم و رواج کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو اس وحی کا نام ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف بھیجا اور جسے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا۔ جب مسلمان اسے اختیار کرلیں اور اس کے مطابق عمل کو اپنا شعار بنالیں تو یہ ان کا اخلاق و کردار بن جاتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو رسم و رواج سے تشکیل پایا ہو بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے اور اسلامی شریعت کے دیگر تمام اصولوں کو ماننے کا نام ہے۔ لیکن غیر شعوری طور پر ان کے ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات و جرائد میں ایسے الفاظ عام استعمال ہو رہے ہیں' جن کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ "اسلامی عادات و تقالید کے ساتھ چلتے ہوئے" مسلمان ان الفاظ کو حسن نیت ہی سے استعمال کرتے ہیں اور ان کا مقصد اس سے دین اسلام اور اس کے احکام کی اطاعت و پابندی ہوتا ہے۔ یہ مقصد بلاشبہ نیک اور قابل ستائش ہے لیکن انہیں چاہیے کہ اپنے مقصد کے اظہار کے لیے ایسی عبارت استعمال کریں' جو واضح ہو اور جس سے معلوم ہو کہ اسلام ایسی تقالید و رسوم کا نام نہیں ہے' جن کو ہم نے اپنے مسلمان اسلاف سے ورثہ میں پایا ہے' اس لیے ہم انہیں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا الفاظ کی بجائے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں کہ "اسلامی شریعت اور اس کے عادلانہ احکام کے مطابق چلتے ہوئے۔" یاد رہے! مسلمان کے لیے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ اس کی نیت اچھی ہو بلکہ اس کے لیے عبارت بھی صحیح اور واضح استعمال کرنی چاہیے لہٰذا مسلمان کو کوئی ایسی عبارت استعمال نہیں کرنی چاہیے جس سے یہ شبہ اور وہم ہو کہ اسلامی شریعت رسم و رواج کا نام ہے۔ حسن نیت کی وجہ سے الفاظ کی اس قسم کی لغزشوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا' جب کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کر سکتا اور زبان سے ایسے الفاظ ادا کر سکتا ہے' جو اس طرح کے شکوک و شبہات اور اوہام سے پاک ہوں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بعض غلط اعتقادات کا حکم

علماء سے اس لیے نہ پوچھنا کہ کہیں یہ عمل حرام ہی نہ ہو

سوال میرا ایک عزیز دوست ہمیشہ سگریٹ پیتا رہتا ہے اور میں بھی اسے بہت نصیحت کرتا رہتا ہوں تاکہ وہ اس بری

عادت کو ترک کر دے' لیکن اس نے میری نصیحت کو قبول نہیں کیا اور جب میں اسے بعض علماء کے فتوے اور پند و نصائح دکھاتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر انہیں پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے کہ اگر میں نے انہیں پڑھ لیا تو اس طرح سگریٹ کی حرمت کے بارے میں مجھ پر حجت پوری ہو جائے گی اور میں عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گا' تو اس طرح کی بات کے سلسلہ میں آپ ہمیں کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب آپ کے دوست پر واجب ہے کہ وہ نصیحت کو قبول کرے اور سگریٹ نوشی ترک کر دے کیونکہ دینی' جسمانی اور مالی بہت سے نقصانات کی وجہ سے یہ حرام ہے اور اس لیے بھی کہ بعض اوقات یہ نشے کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ وہ اسے ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے۔ جس شخص کو سگریٹ یا کسی اور چیز کی حرمت کے بارے میں شک ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے پوچھ لے تاکہ اسے بصیرت حاصل ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (النحل١٦/ ٤٣)

"اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔"

اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس خدشہ کی وجہ سے سوال نہ کرے کہ جس کام کو وہ کر رہا ہے۔ سوال کرنے پر اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا جائے گا کیونکہ یہ بات مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مذکور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس صحیح سنت کے بھی خلاف ہے' جس میں دین کے علم کو سیکھنے اور دین میں تفقہ حاصل کرنے کی تلقین کی گئی اور دین سے اعراض کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

گرہن کے وقت کھانا پینا

سوال میں نے بہت سے والدین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سورج یا چاند کے گرہن کے وقت کھانا پینا معدہ کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے' لہٰذا جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے کچھ کھانا پینا نہیں چاہیے کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب گرہن کے وقت کھانا پینا جائز ہے' اس میں کوئی نقصان نہیں۔ اس کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے یہ بے اصل ہے' اصل جواز ہے حتیٰ کہ ممانعت کی کوئی دلیل ہو۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ گرہن کے وقت مسلمان نماز کسوف اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ گرہن ختم ہو جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سجدوں کی علامت

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ سجدوں کی وجہ سے پیشانی پر جو نشان پڑ جاتا ہے یہ نیک لوگوں کی علامت ہے؟

جواب یہ نیک لوگوں کی علامات میں سے نہیں ہے' البتہ وہ نور ضرور علامت ہے' جو چہرے پر جھلکتا ہے اور جو انشراح صدر اور حسن خلق وغیرہ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ سجدوں کے سبب چہرے پر ظاہر ہونے والا نشان کئی دفعہ جلد کی ملائمت اور حساسیت کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں پر بھی نظر آ جاتا ہے' جو صرف فرائض ہی ادا کرتے ہیں اور ان لوگوں

کے چہروں پر نظر نہیں آتا جو نوافل بھی کثرت سے ادا کرتے اور سجدے بھی لمبے لمبے کرتے ہیں۔

ـــــــــ شیخ ابن عثیمین ـــــــــ

کالی رنگت

سوال میں نے بعض اسلامی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جن لوگوں کی رنگت کالی ہے' وہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کے ایک ایسے بیٹے کی اولاد ہیں' جس نے چوری چھپے اپنے والد کی شرم گاہ کو دیکھ لیا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی اس کے چہرے کو کالا کر دیا جائے تو اس وقت سے اس کی اولاد کالے رنگ کی پیدا ہو رہی ہے؟

جواب بعض ایسی کتابوں میں اسی طرح کا ذکر کیا گیا ہے' جن کا اسرائیلی روایات پر انحصار ہے۔ بعض کتابوں میں کالی رنگت کے کچھ اور اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں مگر جیسا کہ ظاہر ہے یہ باتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کاریگری اور اس کا اپنے بندوں کے بارے میں تصرف و اختیار ہے کہ اس نے ان میں سے کسی کو گورا بنا دیا اور کسی کو کالا' کسی کو سرخ اور کسی کو کسی اور رنگت میں پیدا فرما دیا' جیسا کہ اس نے کسی کو دراز قد عطا فرمایا اور کسی کو کوتاہ' کسی کو کامل بنا دیا اور کسی کو ناقص' کسی کو عقل مند اور کسی کو مجنون تو اس تفاوت میں بھی عقل والوں کے لیے عبرت ہے کہ یہ سب آدم کی اولاد ہیں' سب اپنے ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں مگر مختلف حیثیتوں کے حامل ہیں کہ یہ اس غالب و علیم ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ ﴾ (الروم ٣٠/ ٢٢)

"اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔"

ـــــــــ شیخ ابن جبرین ـــــــــ

بیت المقدس کی چٹان

سوال بیت المقدس کی وہ چٹان جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج' معراج کے لیے سوار ہوئے تھے' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ معلق ہے' فتویٰ عطا فرمائیں کیا یہ بات درست ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آسمانوں' زمینوں اور ان کے مابین کی ہر چیز حتیٰ کہ وہ چٹان جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے' اپنی اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُمْسِكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِهِۦٓ ﴾

(فاطر ٣٥/ ٤١)

"اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں' جو ان کو تھام سکے۔" اور فرمایا:

﴿ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَن تَقُومَ ٱلسَّمَآءُ وَٱلْأَرْضُ بِأَمْرِهِۦ ﴾ (الروم ٣٠/ ٢٥)

"اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔"

بیت المقدس کی چٹان فضا میں اس طرح معلق نہیں ہے کہ تمام اطراف سے اس کے گرد ہوا کے سوا اور کچھ نہ ہو' بلکہ یہ چٹان ایک طرف سے اس پہاڑ کے ساتھ ملی ہوئی ہے جس کا یہ ایک حصہ ہے اور جس کے ساتھ یہ باقاعدہ پیوست ہے۔ یہ چٹان اور اس کا پہاڑ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر ایسے اسباب کی وجہ سے قائم ہیں جو کونی ہیں' معمول کے مطابق ہیں اور سمجھ میں آنے والے ہیں۔ ان کی حالت بھی بالکل وہی ہے جو کائنات کی دیگر اشیاء کی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کے منکر نہیں ہیں کہ وہ کائنات کی کسی چیز کو فضا میں معلق کر دے بلکہ امر واقع یہ ہے کہ تمام مخلوقات ہی فضا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ قائم ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر کوہ طور کو اس وقت کھڑا کر دیا تھا' جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت یہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ قوم موسیٰ کے سر پر اٹھایا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَـٰقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَـٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱذْكُرُوا۟ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ (البقرة۲/ ٦٣)

"اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے' اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے' اسے یاد رکھو تا کہ تم (عذاب سے) محفوظ رہو۔"

اور فرمایا:

﴿ ۞ وَإِذْ نَتَقْنَا ٱلْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُۥ ظُلَّةٌ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُۥ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَـٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱذْكُرُوا۟ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۷۱)

"اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے' اس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ۔"

اس لیے ہمارا مقصود صرف اس امر واقع کو بیان کرنا ہے کہ بیت المقدس کی چٹان فضا میں اس طرح معلق نہیں ہے کہ وہ تمام اطراف سے پہاڑ سے بالکل الگ تھلگ ہو بلکہ یہ پہاڑ کے ساتھ متصل اور اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو

سوال مجھے دنیوی امور میں سے جب کسی کام کی توفیق مل جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے اس میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے تو مجھے یہ گمان گزرنے لگتا ہے کہ میں نے شاید کوئی گناہ کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے مہلت مل رہی ہے کہ میرے کام سرانجام پا رہے ہیں' میرا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے؟

جواب اس حال میں شریعت کا آپ سے تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور اس نے آپ پر جو احسان فرمایا

ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اس کی اطاعت اور بندگی کا کام لیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ حسن ظن رکھیں' اس کی ناراضی سے بچیں' اس کے حق کو ادا کریں اور دین پر استقامت کا ثبوت دیں۔

——— شیخ ابن باز ———

غیر مسلم کی مدد کرنا

سوال اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی مدد کرے تو کیا اس سے وہ اس کا بھائی بن جائے گا؟

جواب اگر کوئی مسلمان کسی غیر حربی غیر مسلم و کافر کی مدد کرے تو اس سے وہ اس کا بھائی نہیں بن جائے گا اور نہ وہ محرم بنے گا اگر مدد کرنے والی عورت ہو' تاہم مدد کرنے والے کو ثواب ضرور ملے گا کیونکہ یہ نیکی ہے اور نیکی خواہ کافر ہی سے کیوں نہ کی جائے' یہ ایک پسندیدہ عمل ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحْسِنُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۵)

"اور نیکی کرو' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" اور فرمایا:

﴿ لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَـٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَـٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة۶۰/ ۸)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:۲۶۹۹)

اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:۲۴۴۲ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:۲۵۸۰)

"جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے' اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔"

ان دونوں حدیثوں کا تعلق مسلمان سے ہے اور غیر مسلم کے حوالہ سے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی ماں سے صلہ رحمی کی اجازت دے دی تھی' جو کہ کافرہ تھیں [1] اور یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کے مابین مصالحت ہو چکی تھی۔ یاد رہے! حربی کفار کی کسی قسم کی مدد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی مدد کرنے سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحیح البخاری' الهبة و فضلها والتحريض عليها' باب الهدية للمشركين' حديث : 2620 و صحيح مسلم' الزكاة' باب فضل النفقة والصدقة على الاقربين والزوج--- الخ' حديث : 1003

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾﴾ (المائدة٥/ ٥١)

"اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو وہ بھی انہیں میں سے ہو گا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

——— شیخ ابن باز ———

ہارون الرشید نیک خلیفہ تھا

سوال بعض کتب تاریخ خصوصاً کتاب "الف لیلہ و لیلہ" میں ذکر کیا گیا ہے کہ خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید لہو و لعب کے سوا اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ شرابیں پیتا تھا' گانے والیوں کے رقص کو دیکھتا اور انہیں اپنے قریب رکھتا تھا۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ اس بہادر شخص کے بارے میں جو کہا گیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب یہ صریح جھوٹ اور قبیح ظلم ہے کیونکہ یہ خلیفہ بہت نیک تھا' ایک سال حج کرتا اور ایک سال جہاد کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سے علاقوں پر فتح عطا فرمائی اور اسلامی حکومت کے حدود دور دور تک پھیل گئے' ہر طرف امن' خوشحالی اور خیر و بھلائی کا اس طرح دور دورہ تھا کہ بعد میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ پھر یہ خلیفہ نیک اور اچھے اخلاق و کردار کا مالک تھا' علماء کی صحبت اختیار کرتا' ان سے فیض حاصل کرتا' ان کے پند و نصائح کو سنتا' روتا' خشوع و خضوع کا اظہار کرتا' تہجد' تلاوتِ قرآن' ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کثرت سے مشغول رہتا تھا۔ جیسا کہ آپ کی سیرت سے متعلق مستقل کتاب میں یہ ساری باتیں مذکور ہیں۔ جہاں تک اس کتاب "الف لیلہ و لیلہ" کا تعلق ہے تو یہ ایسے من گھڑت جھوٹوں کا مجموعہ ہے' جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی ذہنی اختراع ہے' جس میں امانت و دیانت نہیں ہے اور جس کا مقصود صرف یہ تھا کہ امت کو اس کے واجبات فراموش کرا دیئے جائیں اور خرافات اور جھوٹے قصے کہانیوں کے پڑھنے یا سننے میں اس کا وقت ضائع کر دیا جائے' لہٰذا اس کتاب سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بچے کی پرورش اور بعض دیگر احکام

کیا مادہ منویہ کے جراثیم زندہ ہیں یا نہیں؟

سوال کیا چار ماہ بعد جنین میں روح پھونکے جانے سے ہم یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ منی کے جراثیم' جو عورت کے بیضہ سے ملتے ہیں اور جن سے جنین پیدا ہوتا ہے' ان میں روح نہیں ہے' یا ہم اس سے کیا مفہوم اخذ کریں؟

جواب منی کے ہر جرثومہ اور عورت کے ہر بیضہ میں اس کے مناسب حال زندگی ہے جب کہ وہ آفات سے محفوظ ہو' پھر اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر سے یہ ایک دوسری صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اس وقت ان سے اگر اللہ چاہے تو جنین

پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی زندہ ہوتا ہے اور اس کی زندگی اس کے مناسب حال ہوتی ہے اور اس میں نمو اور وقتاً فوقتاً وہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے' جو معروف ہے اور جب اس میں روح پھونک دی جائے تو اللہ لطیف و خبیر کے حکم سے اس کی ایک دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرے اور وہ کیسا ہی ماہر طبیب کیوں نہ ہو' وہ حمل کے اسرار' اسباب اور اطوار کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے محدود علم' بڑی بحث و تمحیص اور تجربہ سے بعض حالات ہی کو جانتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے:

﴿ ٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ ٱلْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَىْءٍ عِندَهُۥ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عَـٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَـٰدَةِ ٱلْكَبِيرُ ٱلْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ ﴾ (الرعد۱۳/ ۸۔۹)

"اللہ ہی اس بچے سے واقف ہے' جو عورت کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف) اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے' وہ دانائے نہاں و آشکار ہے' سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ ﴾ (لقمان۳۱/ ۳۴)

"اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

عقیقہ کی شرعی مدت

سوال کیا عقیقہ کی مدت ایک ہفتہ' دو ہفتے یا اکیس دن ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے؟ اگر عقیقہ کے جانور کو نویں یا دسویں دن ذبح کیا جائے تو کیا یہ صحیح ہو گا؟

جواب افضل یہ ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کیا جائے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ چودھویں دن کیا جائے اور اگر چودھویں دن بھی نہ ہو سکے تو پھر اکیسویں دن کیا جائے اور پھر اس کے بعد ہفتوں کا اعتبار نہیں اور یہ صرف افضلیت کے اعتبار سے ہے لہٰذا اگر چھٹے یا پانچویں یا دسویں یا پندرھویں دن عقیقہ کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

سوال اگر اکیسویں دن ذبح کیا جائے تو کیا وہ عقیقہ شمار ہو گا؟

جواب ہاں عقیقہ شمار ہو گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ مدت کا تعین بر سبیل افضلیت ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آٹھویں ماہ میں بچے کی ولادت

سوال میرے بچے کی سات ماہ اور آٹھ دن بعد غیر طبعی طور پر ولادت ہوئی ہے' کیا اس طرح پیدا ہونے والے بچے کو پورا بچہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ بچہ جب چار ماہ کے بعد پیدا ہو تو اس کا حکم زندہ پیدا ہونے والے بچے کا ہو گا بلکہ وہ زندہ ہو گا کیونکہ جب چار ماہ پورے ہو جائیں تو بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے' لہٰذا بچہ جب چار ماہ کے بعد ساقط ہو تو اسے غسل دیا جائے گا' کفن پہنایا جائے گا' اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ ایسے بچے کا نام بھی رکھنا چاہیے۔ اگر معلوم ہو کہ لڑکا ہے تو لڑکوں جیسا اور اگر معلوم ہو کہ لڑکی ہے تو لڑکیوں جیسا اس کا نام رکھا جائے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی تو کوئی ایسا نام رکھا جائے جو دونوں ہی کے لیے موزوں ہو مثلاً "هبة الله" یا اس سے ملتا جلتا نام اس کا عقیقہ بھی کیا جائے کیونکہ اسے بھی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

شیخ ابن عثیمین

بچے کے نام رکھنے کا وقت

سوال بچے کی ولادت کے کس دن بعد اس کا نام رکھنا افضل ہے یعنی ساتویں دن یا کسی اور دن اور کیا اس موقع پر دوستوں' ساتھیوں اور پڑوسیوں وغیرہ کے ساتھ تقریب منعقد کرنا صحیح ہے؟

جواب بچے کے نام رکھنے کے سلسلہ میں کافی گنجائش ہے۔ ولادت کے دن بھی نام رکھا جا سکتا ہے اور ساتویں دن بھی' چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ منذر بن اسید کی جب ولادت ہوئی تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا تو آپ نے اسے اپنی ران پر بٹھا لیا' ابو اسید بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے رکھی ہوئی کسی چیز میں مشغول ہو گئے تو ابو اسید نے کہا کہ بچے کو لے لو تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک پر سے لے لیا گیا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ کہاں ہے؟ ابو اسید نے عرض کیا یا رسول اللہ! اسے ہم نے لے لیا ہے' تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے؟ ابو اسید نے نام بتایا تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کا نام منذر ہے۔ [1] صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر اس کا نام رکھا ہے۔" [2]

امام احمد اور اہل سنن نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ غُلَامٍ رَهِينٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ وَيُسَمَّى» (مسند أحمد: ٥/ ١٢، ٨)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے' اسی دن اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

---

[1] صحیح البخاری' الادب' باب تحویل الاسم الی اسم أحسن منه' حدیث: 6191 و صحیح مسلم' الاداب' باب استحباب تحنیک المولود عند ولادته وحمله الی صالح یحنکه--- الخ' حدیث: 2149

[2] صحیح مسلم' الفضائل' باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال' و تواضعه' وفضل ذلک' حدیث: 2315

بچے کے نام رکھنے کی تقریب

سوال کیا بچے کے نام رکھنے کے موقع پر احباب' پڑوسیوں اور دوستوں کا جمع ہونا جائز ہے یا ایسی تقریب کو بدعت اور کفر قرار دیا جائے گا؟

جواب بچے کے نام رکھنے کے موقع پر تقریب کا انعقاد کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت نہیں ہے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں کبھی ایسا ہوا تھا' جو شخص اسلامی سنت سمجھ کر ایسی تقریب منعقد کرے تو اس نے دین میں ایک ایسی چیز ایجاد کی جس کا دین سے تعلق نہیں ہے' لہٰذا یہ بات بدعت ہونے کی وجہ سے مردود ہو گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة . . . الخ، ح:١٧١٨ واللفظ له)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو دین میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

لیکن یاد رہے کسی ایسی تقریب کا انعقاد کفر نہیں ہے اور اگر کوئی شخص خوشی اور مسرت یا عقیقہ کی دعوت کے لیے تقریب کا انعقاد کرے اور اسے سنت قرار نہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بچے کی پرورش

سوال میں نے ایک قریبی رشتہ دار خاتون سے شادی کی تھی اور اس کے بطن سے میرا ایک بچہ پید ہوا لیکن ہمارے تعلقات سازگار نہ رہ سکے حتیٰ کہ بعض ایسے اسباب کی بنا پر طلاق تک نوبت پہنچ گئی' جن کے یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ میرے بچے کی عمر نو سال ہو گئی ہے اور میں جانتا ہوں کہ ماں کا حق حضانت سات سال تک ہے اور اس کے بعد اختیار دیا جاتا ہے اور ساتویں سال کے بعد جب میں شرعی عدالت میں گیا تاکہ اپنے بچے کو لے سکوں تو عدالت نے مجھے بتایا کہ نئے قانون کے مطابق اب اردن میں حق حضانت پندرہ سال کی عمر تک ہے۔ میں یہاں سعودی عرب میں مقیم ہوں اور جب چھٹیوں میں اردن میں جاتا ہوں اور بچے کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ بچے کو بہت پکا کر دیا گیا اور اس کے خیالات کو مسموم کر دیا گیا ہے۔ وہ راستے میں مجھے دیکھ کر بھاگ جاتا ہے بلکہ گالیاں دیتا ہے اور مجھے پتھر مارنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ میں نے کوشش کی کہ اسے اپنے پاس بلاؤں' اسے دیکھوں اور اس کے حالات معلوم کروں' لیکن اس کی ماں نے اسے رد کر دیا۔ میں نے عدالت سے رجوع کیا تو عدالت نے مجھے بتایا کہ میں اسے ہفتہ میں صرف ایک گھنٹہ اور وہ بھی شیخ کے گھر میں یا عدالت میں مل سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بچے کو دیکھنا اور اس کی اچھی تربیت کرنا میرا حق نہیں ہے' کیا شریعت موجودہ صورت حال سے خوش ہے' میں عدالتوں اور وکیلوں سے

تنگ آ گیا ہوں' امید ہے کہ آپ مجھے کوئی حل بتائیں گے تاکہ میں اپنے بچے کو دیکھ سکوں اور اس کی اچھی تربیت کر سکوں؟

جواب تربیت و پرورش کے مسائل اختلافی مسائل ہیں اور ان کا تعلق عدالتوں سے ہے لیکن ہم آپ کو یہ ضرور نصیحت کریں گے کہ عورت کے وارثوں سے اچھا معاملہ کریں اور باہمی معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کے لیے اپنے اور عورت کے وارثوں کے درمیان اچھے دوستوں کو ڈال لیں اور جس قدر ممکن ہو عورت اور اس کے ولی سے اچھا سلوک کریں تاکہ باہمی اتفاق و اتحاد سے مسئلہ حل ہو جائے' اسی میں ان شاء اللہ سب کے لیے بہتری ہو گی اور اس میں آپ کے بیٹے کے لیے دین و دنیا کی مصلحت ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا بہرا اور گونگا بچہ مکلف ہے؟

سوال کیا بہرا اور گونگا بچہ شرعاً نماز وغیرہ عبادات کا مکلف ہے یا اسے معذور سمجھا جائے گا؟

جواب گونگا بہرا بچہ جب بالغ ہو جائے تو وہ بھی نماز اور دیگر عبادات کا مکلف ہو گا۔ اسے ضروری باتیں لکھ کر یا اشارہ سے سمجھائی جائیں۔ احکام شرعیہ کے وجوب کے دلائل کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر بالغ اور عاقل پر واجب ہیں۔ بالغ وہ ہے جو پورے پندرہ سال کا ہو جائے یا اسے احتلام ہو یا اس کی شرم گاہ کے ارد گرد کھردرے بال اگ آئیں اور عورت کے حوالہ سے ایک چوتھی زائد علامت یہ ہے کہ اسے حیض آنا شروع ہو جائے۔ گونگے بہرے بچے کے ولی پر لازم ہے کہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق کو بھی ادا کرے اور دین و شریعت کی جو باتیں اس سے مخفی ہوں' ممکن طریقوں سے اسے سمجھائے تاکہ وہ یہ سمجھ جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا واجب قرار دیا ہے اور کیا حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

"میں جب تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجالاؤ۔"

ہر وہ مکلف جو سن نہیں سکتا یا بول نہیں سکتا یا گونگے اور بہرے پن دونوں میں مبتلا ہے' تو اسے بھی ادائے واجبات اور ترک محرمات کے سلسلہ میں مقدور بھر کوشش کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے بھی مقدور بھر کوشش کر کے مشاہدہ یا کتاب یا اشارہ کے ذریعہ دین کو سمجھنا چاہیے تاکہ مطلوب حاصل ہو جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

ختنے کے بارے میں چند مسائل پر تنبیہ

ختنہ سنت فطرت اور مسلمانوں کا شعار ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالاِسْتِحْدَادُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ ـ وَنَتْفُ الآبَاطِ» (صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩١ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٧)

”فطرت پانچ چیزیں ہیں (۱) ختنہ کرنا (۲) زیر ناف بال صاف کرنا (۳) مونچھیں کاٹنا (۴) ناخن تراشنا اور (۵) بغلوں کے بال اکھاڑنا۔“

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کا سب سے پہلے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ سنن فطرت میں سے ہے۔

شرعی ختنہ: شرعی ختنہ یہ ہے کہ صرف اس قلفہ کو کاٹ دیا جائے جس نے آلہ تناسل کے حشفہ کو چھپا رکھا ہو۔ جو شخص اس کھال ہی کو کاٹ دے جس نے آلہ تناسل کا احاطہ کیا ہو یا سارے آلہ تناسل ہی کو چھیل دے جیسا کہ بعض وحشی علاقوں میں رواج ہے اور وہ از راہ جہالت سمجھتے ہیں کہ یہ شرعی ختنہ ہے حالانکہ یہ شیطانی حکم ہے' جسے اس نے جاہل لوگوں کے لیے مزین کر دیا ہے' اس میں اس شخص کے لیے سخت تکلیف بھی ہے' جس کا ختنہ کیا جا رہا ہو اور اس سنت محمدیہ اور شریعت اسلامیہ کی مخالفت بھی ہے جس میں آسانی' سہولت اور انسانی نفس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام ہے لہٰذا اس طرح ختنہ کرنا کئی وجہ سے حرام ہے۔

① سنت یہ ہے کہ صرف اس قلفہ کو کاٹا جائے جس نے آلہ تناسل کے حشفہ کو چھپایا ہوا ہو۔

② اس میں انسانی جان کو عذاب دینا اور مثلہ کرنا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے اور جانوروں کو باندھ کر ہلاک کرنے یا انہیں بے مقصد ہلاک کرنے یا ان کے اطراف کاٹنے سے منع فرمایا ہے' جب جانوروں کا تکلیف دینا حرام ہے تو انسانوں کو تکلیف دینا بالاولیٰ حرام بھی ہو گا اور اس میں گناہ بھی زیادہ ہو گا۔

③ یہ طریقہ اس احسان اور نرمی کے بھی خلاف ہے' جس کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ» (صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، ح:١٩٥٥)

”اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے کہ ہر چیز سے اچھا سلوک کیا جائے۔“

④ بسا اوقات اس طرح ختنہ کرنے کی صورت میں مختون کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

”اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا کہ بڑی عمر کے آدمی کے لیے اس وقت ختنہ واجب نہیں ہے' جب ختنہ کی صورت میں اس کی موت کا اندیشہ ہو۔ ختنہ کے موقع پر ایک خاص دن مردوں اور عورتوں کا جمع ہونا اور سب کے سامنے بچے کو ننگا کھڑا کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں شرم گاہ ننگی ہوتی ہے اور دین اسلام میں اسے چھپانے کا حکم اور ننگا کرنے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح اس قسم کے موقع پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں فتنہ بھی ہے اور شریعت مطہرہ کی مخالفت بھی۔

—— شیخ ابن باز ——

نوجوانوں کے لیے پند و نصائح

بیس سال کی عمر کے نوجوان کے لیے ہدایات

سوال ایک مسلمان اس دنیا کی خرابیوں سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ مسلمان اس مادی زندگی میں کیا عمل کرے' جس میں مادہ نے لوگوں کو بری طرح سرکشی میں مبتلا کر رکھا ہے' حتیٰ کہ دل سخت ہو گئے ہیں والعیاذ باللہ! میں ایک دنیا وار قسم کا بیس سال کی عمر کا نوجوان ہوں' آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے اور کن باتوں کے پڑھنے کی تلقین کریں گے؟

جواب آپ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ' اس کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اختیار کریں۔ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لیں' مفید باتوں کو اختیار کریں' بے معنی اور فضول باتوں کو ترک کر دیں' فتنوں سے دور رہیں' نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں' برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کریں' قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کریں اور معانی و مطالب سمجھنے کے لیے تدبر کریں۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت اور صحیح اذکار کو معمول بنائیں اور حضور قلب اور عجز و انکساری کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کریں اور ان کتب کا مطالعہ کریں جو حکمتوں اور نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں مثلاً کتاب "الفوائد" اور "الداء والدواء" جو دونوں ہی امام ابن قیم کی تصنیف ہیں۔ سجدوں میں کثرت کے ساتھ انتہائی خشوع و خضوع سے وہ دعائیں کریں جو سنت مطہرہ سے ثابت ہیں۔ اس طرح کرنے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت اور شرح صدر عطاء فرمائے گا' ظاہری و باطنی فتنوں سے بچائے گا۔ دیگر مفید کتب میں سے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی "زاد المعاد" اور "اغاثۃ اللھفان" نیز "فتح المجید بشرح کتاب التوحید" قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری و مسلم اور تفسیر ابن کثیر کے مطالعہ کا بھی خاص اہتمام کریں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تقویت ایمان

سوال آدمی کس طرح اپنے ایمان کو قوی کرے کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے لگے اور اس کے عذاب سے ڈرنے لگے؟

جواب اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے' اس کے معانی و احکام پر تدبر کیا جائے اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کا مطالعہ کیا جائے' اس سے احکام شریعت کی تفصیل معلوم کی جائے' اس کے مطابق عمل کیا جائے' عقیدہ اور تمام اقوال و افعال میں کتاب و سنت کی پابندی کی جائے' ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے' دل کو اس کی عظمت کے تصور سے بھرا جائے اور یوم آخرت اور اس کے حساب' ثواب' عذاب' شدت اور ہولناکیوں کو یاد رکھا جائے' نیز نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

نوجوان کے لیے نصیحتیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میرے لیے آپ کی کیا نصیحتیں ہیں؟

جواب ہم نصیحت کریں گے کہ آپ ظاہری و باطنی طور پر اسلام پر عمل کریں' شعائر اسلام کا اظہار کریں' علماء کی مجالس میں شرکت کرکے ان سے استفادہ کریں' نیک' صالح اور ہمدرد و خیر خواہ نوجوانوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان برے دوستوں کو چھوڑ دیں جو گناہوں کی ترغیب دیتے' نیکیوں میں سستی کرتے اور عبادت میں کوتاہی کرتے ہوں۔ نیز ہم آپ کو یہ بھی نصیحت کریں گے کہ سلف صالح کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہا کریں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

سوال میرے دل میں اکثر یہ خیال آتا ہے کہ میں ایک ایسا انسان بن جاؤں جس کا ایمان مضبوط ہو' جو عقیدہ میں پختہ ہو' دین پر سختی سے عمل پیرا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہو۔ لیکن کچھ دنوں بعد سست ہو جاتا ہوں اور پھر اس طرح کا عزم کرتا ہوں اور پھر کچھ دنوں بعد سست ہو جاتا ہوں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں' امید ہے کہ آپ ایسے صحیح راستے کی رہنمائی فرمائیں گے جس پر چلنے سے میرا ایمان مضبوط ہو جائے؟

جواب صحیح طریقہ یہی ہے کہ آپ اسی حالت پر برقرار رہیں جو دل کی صفائی اور نیکی سے محبت کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ آپ جس صورت حال سے دوچار ہیں' یہ دوسرے لوگوں کو بھی پیش آتی ہے۔ بعض لوگوں کو جب یہ صورت پیش آتی ہے تو وہ خود بھی صبر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نفسانی خواہشات کے مقابلہ میں ان کی مدد فرماتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جسمانی لذتوں میں استغراق

سوال میں اسلام کا پابند ایک نوجوان ہوں لیکن کچھ عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں کہ میرا ایمان کمزور ہو گیا ہے کیونکہ میں بعض گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں مثلاً یہ کہ نمازیں ضائع ہو رہی ہیں یا میں انہیں تاخیر سے ادا کر رہا ہوں' فضول باتوں

کو سنتا ہوں اور جسمانی لذتوں میں غرق ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو اس صورت حال سے نکالنے کی کوشش تو کی لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا کیا آنجناب راہنمائی فرمائیں گے کہ وہ کیا صحیح طریقہ ہے جسے اختیار کر کے میں اپنے نفس امارہ کے شر سے نجات حاصل کر لوں؟

جواب سب سے پہلے تو ہم یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمائے! نفس کے شر سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ ﴾

(یونس ۱۰/ ۵۷)

”لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔“

پھر جہاں تک ممکن ہو نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور سنت کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے، اس کے لیے یہ راستے کے مینار ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ اہل صلاح و تقویٰ، علماء ربانی اور متقی دوستوں کی صحبت و رفاقت اختیار کریں اور چوتھی بات یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کر کے ان برے دوستوں سے دور رہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”برے ساتھی کی مثال بھٹی میں پھونکنے والے کی طرح ہے کہ وہ یا تو آپ کو جلا دے گا --یا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا-- یا تم اس سے بدبو پاؤ گے۔“ [1]

پھر اس تبدیلی کی روشنی میں ایسے نیک اعمال سرانجام دو، جن سے تم پھر اس طرح بن جاؤ جیسا کہ پہلے تھے۔ اگر کوئی نیک کام کرو تو اس پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ فریفتہ ہونے سے عمل باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا۟ ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا۟ عَلَىَّ إِسْلَـٰمَكُم ۖ بَلِ ٱللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَىٰكُمْ لِلْإِيمَـٰنِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١٧﴾ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۷)

”یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں، کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔“

اعمال صالحہ کے حوالہ سے ہمیشہ یہ تصور کرو کہ تم سے ان کے بجا لانے میں ہمیشہ کوتاہی ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ و استغفار کر سکو اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن بھی رکھو کیونکہ انسان جب اپنے عمل کے بارے میں بہت خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے اور رب تعالیٰ پر اپنا حق جتانے لگے تو یہ اس قدر خطرناک بات ہے کہ اس سے انسان کے اعمال رائیگاں ہو سکتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی و عافیت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب المسک، حدیث: 5533 و صحیح مسلم، البر والصلۃ، باب استحباب مجالسۃ الصالحین و مجانبۃ قرناء السوء، حدیث: 2628

غصے کا علاج

سوال میں ایک ایسا انسان ہوں کہ مجھے بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ غصے کے وقت اپنے اعصاب قابو میں رکھوں لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں غصہ کی حالت میں ہوں' امید ہے کہ آپ غصہ کے علاج کے لیے میری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کثرت سے (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم) پڑھا کریں اور جب غصہ آئے تو وضو کر لیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی انہی باتوں کی طرف راہنمائی فرمائی تھی' جسے غصہ بہت آتا تھا۔ حسب استطاعت ان اسباب سے بھی بچنے کی کوشش کریں' جن کی وجہ سے غصہ آتا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

لے پالک بنانے کے بارے میں احکام

سوال

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس استفسار کو ملاحظہ کیا جو انجمن برائے بہبودی اطفال پنجاب کی طرف سے جناب چیئرمین ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور انہوں نے اسے مراسلہ نمبر ۲/۸۶ تاریخ ۱۳۹۲/۱/۱۵ھ کو کبار علماء کی کونسل کے سپرد کر دیا۔ اس استفتاء میں یہ پوچھا گیا ہے کہ ان اصول و قواعد کو بیان کر دیا جائے' جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ وراثت میں متبنیٰ بچے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

جواب اس سوال کا درج ذیل جواب دیا گیا: ① ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی رسالت سے قبل ایام جاہلیت میں بچوں کو لے پالک بنانے کا طریقہ معروف تھا۔ جو شخص کسی دوسرے کے بچے کو لے پالک بنا لیتا تو پھر بچے کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی' وہ اس کا وارث قرار پاتا اور اس کی بیوی اور بچیوں کے پاس بلا روک ٹوک آ جا سکتا تھا اور لے پالک بنانے والے کے لیے اس بچے کی بیوی سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا الغرض تمام امور و معاملات میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے ہی کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی نبوت سے پہلے زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور انہیں زید بن محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لے پالک بچوں کے لیے زمانۂ جاہلیت کا یہ طریقہ ۳ھ یا ۵ھ تک برقرار رہا۔

② پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ لے پالک بچوں کی نسبت ان کے حقیقی باپوں ہی کی طرف کی جائے' جن کی پشت سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اگر وہ معلوم ہوں اور اگر ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو پھر وہ دینی بھائی اور متبنیٰ بنانے والے اور دیگر مسلمانوں کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دے دیا کہ بچے کی لے پالک بنانے والے کی طرف حقیقی نسبت کی جائے بلکہ بچے کے لیے بھی اس بات کو حرام قرار دے دیا گیا کہ وہ اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے' البتہ اگر زبان کی کسی غلطی کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ سبحانہ و

تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ یہ حکم عین عدل و انصاف پر مبنی ہے' یہی سچی بات ہے' اس میں انساب اور عزتوں کی حفاظت بھی ہے اور ان لوگوں کے مالی حقوق کی حفاظت بھی' جو ان کے زیادہ حق دار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَٰهِكُمْ وَٱللَّهُ يَقُولُ ٱلْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى ٱلسَّبِيلَ ﴿٤﴾ ٱدْعُوهُمْ لِءَابَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَمَوَٰلِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥﴾﴾

(الأحزاب ٣٣/ ٤-٥)

''اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا' یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات تم سے غلطی سے ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو قصد دل سے کرو (اس پر مؤاخذہ ہے) اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ ادَّعٰی إِلَی غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمٰی إِلَی غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، ح:٥١١٥)

''جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے یا (کوئی غلام) اپنے آقاؤں کی بجائے دوسروں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل لعنت ہو۔''

③ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کے دعوے کو' جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی' مسترد کر دیا' اس لیے اس سے متعلق وہ تمام احکام بھی ختم ہو گئے' جن پر زمانۂ جاہلیت میں عمل ہوتا تھا اور پھر اسلام کے ابتدائی دور تک ہوتا رہا۔ جن میں سے بعض احکام حسب ذیل ہیں: (الف) اس غیر حقیقی دعوے کی وجہ سے لے پالک اور اسے بیٹا بنانے والے کے درمیان وراثت کا تعلق ختم کر دیا گیا۔ البتہ اس بات کو برقرار رکھا گیا کہ یہ دونوں زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کر سکتے ہیں اور وفات کے بعد وصیت کر سکتے ہیں' مگر یہ وصیت کرنے والے کے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ اسلامی معاشرے نے وراثت اور مستحقین کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں' اس تفصیل میں متبنیٰ بنانے والے اور جسے متبنیٰ بنایا گیا ہو' کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیکی اور احسان کا وراثت کے سلسلہ میں اجمالاً ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأُو۟لُوا۟ ٱلْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِى كِتَٰبِ ٱللَّهِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ إِلَّآ أَن تَفْعَلُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِكُم مَّعْرُوفًا﴾ (الأحزاب ٨/ ٦)

''اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو۔''

(ب) متبنیٰ بنانے والے کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے لے پالک کی بیوی سے اس وقت نکاح کر سکتا ہے'

جب وہ اس سے علیحدگی اختیار کر لے' زمانہ جاہلیت میں اسے حرام سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے اس رسم کے خاتمہ کا آغاز کروایا تاکہ حلال ہونے کی یہ ایک قوی دلیل بن جائے اور زمانہ جاہلیت کی اس عادت کا سختی سے خاتمہ ہو سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَـٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِىٓ أَزْوَٰجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا۟ مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٧)

''پھر جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے تم سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کرلیں (یعنی طلاق دے دیں) کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔''

تو نبی اکرم ﷺ نے زینب بنت جحش سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس وقت نکاح کر لیا جب ان کے شوہر زید بن حارثہ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔

④ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ متبنی بنانے کی رسم کے خاتمہ کے یہ معنی نہیں کہ اخوت' محبت' صلہ رحمی اور احسان کی انسانی قدروں اور اسلامی حقوق کا بھی خاتمہ کر دیا جائے لہٰذا: (الف) انسان از راہ لطف و کرم اور شفقت و محبت اپنے سے عمر کے اعتبار سے چھوٹے (کم عمر) کو یَابُنَیَّ (اے میرے بیٹے) کہہ کر بلا سکتا ہے' تاکہ وہ اس سے مانوس ہو جائے' اس کی نصیحت کو سنے یا اس کے کام کو کر دے۔ اسی طرح عمر کے اعتبار سے بڑے شخص کو کوئی چھوٹا بطور تعظیم و تکریم یَا أَبِیْ (ابا جی) کہہ سکتا ہے تاکہ اس کی طرف سے نیکی و نصیحت کو حاصل کر سکے' اس سے مدد اور تعاون لے سکے' معاشرے میں ادب و احترام کی فضا پیدا ہو' معاشرے کے افراد میں باہمی تعلقات مضبوط و مستحکم ہوں اور سارا معاشرہ سچی دینی اخوت سے سرشار ہو جائے۔ (ب) اسلامی شریعت نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون' باہمی الفت و محبت اور حسن سلوک کی ترغیب دی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

''اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم، ح:٢٥٨٦ ومسند أحمد: ٤/ ٢٧٠)

''باہمی محبت' رحمدلی اور شفقت کے اعتبار سے مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے' کہ جب کوئی ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ بے قرار ہو جاتا ہے۔''

نبی ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»(صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، ح:٢٤٤٦ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ح:٢٥٨٥)

''مومن' مومن کے لیے ایک دیوار کی مانند ہے' جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔''

اسی لیے شریعت نے حکم دیا ہے کہ یتیموں' مسکینوں' ناداروں اور لاوارث بچوں کی نگہداشت کی جائے' ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے اور ان سے نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے تاکہ اسلامی معاشرے میں کوئی شخص لاچار و بے کار نہ ہو کیونکہ معاشرہ اگر ایسے لوگوں کے بارے میں سنگ دلی اور عدم توجہی کا ثبوت دے تو پھر اس طرح کے لوگ بھی اپنی بری تربیت یا سرکشی و بغاوت کے باعث معاشرے کے لیے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ ناداروں' یتیموں اور لاوارث بچوں کے لیے ہوسٹل بنائے' اگر بیت المال سے ان کے اخراجات پورے نہ ہو سکتے ہوں تو امت کے خوش حال لوگوں سے مدد لی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ»(صحيح البخاري، الاستقراض، باب الصلاة على من ترك دينا، ح:٢٣٩٩)

''جو مومن فوت ہو اور مال چھوڑ جائے' تو اس کے وارث اس کے عصبہ ہیں' خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور جو قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا دوست ہوں۔''

اس فیصلے پر کمیٹی کے تمام ارکان نے دستخط کیے۔ و صلی اللّٰہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

متفرق مسائل کے بارے میں فتوے

دین اسلام کا نام اسلام کیوں ہے؟

سوال دین اسلام کو اسلام کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

جواب اس لیے کہ جو شخص اس دین میں داخل ہو جائے' وہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٣٠-١٣١)

''اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے کہ جو نہایت نادان ہو ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہیں۔ جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔''

اور فرمایا:

﴿مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُۥٓ أَجْرُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۱۲)

"جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

کلید بردارِ حرم کی طرف منسوب وصیت

سوال میرے پاس ایک بھائی آئے اور انہوں نے مجھے حرم نبوی کے کلید بردار احمد نامی ایک شخص کی طرف منسوب وصیت دی جو مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کے نام ہے' جب میں نے اسے پڑھا تو وہ مجھے اسلامی عقیدے کے خلاف معلوم ہوئی۔ جب میں نے اس سے اس سلسلہ میں بات کی تو اس نے میری بات سننے کی بجائے اس بات پر زور دیا کہ میں اس وصیت کی بہت زیادہ تعداد میں کاپیاں تقسیم کروں' آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یہ پمفلٹ اور اس کے لکھنے والے کے بقول اس کے فوائد اور اس کی طرف توجہ نہ دینے کی صورت میں نقصانات محض ایک جھوٹی بات ہے' جو قطعی طور پر صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کذاب لوگوں کی افتراء پروازی ہے لہٰذا اس پمفلٹ کو اندرون و بیرون ملک تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ایک منکر کام ہے اور اس کا کرنے والا گناہ گار ہو گا اور اسے جلد یا بدیر اس کی سزا ضرور ملے گی کیونکہ بدعات کا شر بہت زیادہ اور ان کے نتائج بے حد خطرناک ہیں۔ یہ پمفلٹ بھی منکر بدعات میں سے ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی یہ ایک جھوٹی بات ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي ٱلْكَذِبَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰذِبُونَ ﴿١٠٥﴾﴾ (النحل۱۶/ ۱۰۵)

"جھوٹ افتراء تو وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحیح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ح:۲٦۹۷ وصحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ... الخ، ح:۱۷۱۸ واللفظ له)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:۱۷۱۸)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے' جس کے بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ان تمام مسلمانوں پر واجب ہے' جن کے ہاتھوں میں اس طرح کے پمفلٹ آئیں کہ انہیں پھاڑ دیں' تلف کر دیں اور لوگوں کو بھی ان سے بچائیں اور انہیں بتائیں کہ ہم نے اور دیگر بہت سے اہل ایمان نے ان پمفلٹوں کو کوئی اہمیت نہیں

دی اور ہم نے خیر و بھلائی ہی کو پایا ہے اور جو شخص اسے لکھے گا' اسے تقسیم کرے گا' اس کی دعوت دے گا اور اسے لوگوں میں پھیلائے گا تو وہ بلاشبہ گناہ گار ہوگا کیونکہ یہ سب کچھ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور بدعات کو رواج دینا اور ان کے مطابق عمل کی ترغیب دینا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔ ان جھوٹی خرافات وضع کرنے والوں کے مقابلہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ جس نے اسے وضع کیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرے جس کا وہ مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے' جھوٹ کو رواج دینے اور لوگوں کو ایک ایسے کام میں مشغول کرنے کی وجہ سے جو ان کے لیے نقصان دہ ہے اور قطعاً فائدہ مند نہیں ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبه

—— شیخ ابن باز ——

ایک گم نام خط

سوال مجھے کسی گم نام شخص کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے' جسے میں نے اپنے اس خط کے ساتھ منسلک کر دیا ہے اور جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس خط کے شروع میں کتاب اللہ کی چار آیات لکھی ہوئی ہیں اور اس کے بعد اس خط کے ارسال کرنے والے نے اس شخص کے لیے بہت سے فوائد لکھے ہیں' جو ان آیات کو طبع کرکے چار دن کے اندر اندر بہت سے لوگوں تک پہنچائے اور اس سلسلہ میں اس نے بہت سی مثالیں بھی بیان کی ہیں کہ جن لوگوں نے اس کے مطابق عمل کیا تو انہیں کیا کیا فوائد اور خیر و برکات حاصل ہوئے اور جن لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی تو انہیں کیا کیا نقصانات اٹھانا پڑے!

جناب! مجھے یہ معلوم ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت اور تمام حالات میں اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے لیکن مجھے تردد اس طریقے کے بارے میں ہے' جسے اس خط کے ارسال کرنے والے نے بیان کیا ہے کہ اگر اسے تقسیم کیا جائے تو اس سے خیر عظیم حاصل ہوگی اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہت بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ خیر و شر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور انسان کو صرف وہی حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ رکھا ہو۔ مجھے یاد ہے کئی سال پہلے بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کے ایک رسالہ کو مشہور کیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ مسجد نبوی کے ایک دربان شیخ احمد کی طرف سے ہے اور آپ نے اخبارات و رسائل میں اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اس کے بارے میں شرعی حکم واضح فرمایا تھا' اسی لیے یہ خط بھی آپ ہی کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں' امید ہے آپ اس کے بارے میں راہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے؟

جواب قرآن مجید کی کچھ آیات کی قراءت یا تلاوت پر اجر و ثواب یا ایسا نہ کرنے کی وجہ سے جلد یا بدیر عذاب کا تعین ان امور میں سے ہے' جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ ان غیبی اسرار میں سے ہے' جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے' لہٰذا اس کے بارے میں گفتگو کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعہ مطلع فرما دیا ہو اور سوال میں مذکورہ آیات کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بطور خاص ان آیات کے لکھنے' انہیں دوسروں کی طرف لکھ کر ارسال کرنے اور لوگوں میں انہیں پھیلانے کی وجہ سے آخرت میں یہ اجر و ثواب ملے گا اور دنیا

میں وہ حفاظت میں رہے گا یا اسے دولت ملے گی یا اس کے کام آسان ہو جائیں یا اس کی مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اسی طرح کتاب و سنت کی کسی دلیل سے یہ بھی قطعاً ثابت نہیں ہے کہ ایسا نہ کرنے والے کو کوئی حادثہ پیش آئے گا یا وہ کسی آفت و مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا' لہٰذا جو شخص ان آیات کو لکھ کر ایک مدت مقررہ کے اندر اندر ارسال کرنے کی وجہ سے کسی متعین جزا کی بات کرتا ہے تو وہ یہ بات محض اٹکل سے کرتا ہے اور وہ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک بات منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس سے منع فرما دیا ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۚ إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُو۟لَٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا ﴿٣٦﴾ ﴾

(الإسراء١٧/ ٣٦)

''اور (اے بندے!) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٣٣)

''کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل ہی نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس پمفلٹ کی دعوت دینا اور اس پر ثواب و عذاب کا تعین کرنا ایک منکر کام ہے' جس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں سزا کا مستحق ہو گا' نیز دنیا میں حکمران بھی اسے سزا دے سکتے ہیں کیونکہ وہ دین میں ایک ایسی چیز پیدا کر رہا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تاکہ اسے اور دوسروں کو اس طرح کی باتوں سے روکا جا سکے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

تورات وانجیل کے اقتباسات کی اشاعت

سوال بعض مجلّات تورات کے کچھ اقتباسات اکثر و بیشتر شائع کرتے رہتے ہیں' کیا ان اقتباسات کو پڑھنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تورات پڑھنے سے منع فرما دیا تھا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے پڑھنا حرام ہے؟

جواب حقیقت یہی ہے کہ ان مجلّات کو تورات یا انجیل میں سے کچھ بھی نقل نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ کوئی ایسی چیز ہو جس سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا اثبات ہوتا ہو یا ان کے انکار کی تکذیب ہوتی ہو تو یہ ایک اچھی چیز ہو گی' لیکن ہدایت طلب کرنے یا پیروی اختیار کرنے کے لیے ان میں سے کچھ نقل کرنا حرام ہے کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ دیگر آسمانی کتابوں کی ضرورت نہیں ہے' ہمیں بس قرآن ہی کافی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

انجیل اور تورات کو اپنے پاس رکھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں تورات کا ایک نسخہ حاصل کر کے اپنے پاس رکھوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو معلوم کروں' جو اس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا؟ کیا موجودہ انجیل صحیح ہے؟ میں نے سنا ہے کہ صحیح انجیل فرات میں غرق ہو گئی تھی؟

جواب قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابوں تورات و انجیل وغیرہ میں سے کسی کو حاصل کر کے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ: ① ان کتابوں میں جو نفع بخش باتیں تھیں' وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرما دی ہیں۔
② قرآن مجید ہمیں ان سابقہ تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ (آل عمران۳/ ۳)

"اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے۔"

سابقہ آسمانی کتابوں میں خیر و بھلائی کی جو باتیں بھی تھیں' وہ تمام قرآن مجید میں موجود ہیں۔ سائل نے جو یہ کہا ہے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا کلام نازل کیا تھا تو ہمارے لیے اس کا بھی نفع بخش حصہ قرآن میں موجود ہے لہٰذا اسے بھی کسی اور جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور پھر موجودہ انجیل تحریف شدہ بھی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت ایک کی بجائے چار انجیلیں ہیں اور یہ چاروں ایک دوسرے کی مخالف ہیں لہٰذا ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا' البتہ ایسا طالب علم جس کے پاس اتنا علم ہو کہ وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہو تو وہ باطل کی تردید کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتا ہے تاکہ ان کے ماننے والوں پر حجت تمام کر سکے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیک لوگوں کا مذاق اڑانا

سوال اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے احکام کی پابندی کرنے والوں کا مذاق اڑانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے احکام کی پابندی کرنے والوں کا اس لیے مذاق اڑانا کہ انہوں نے ان احکام کی پابندی کی ہے' حرام اور بے حد خطرناک ہے کیونکہ اس بات کا خدشہ ہے کہ انہیں محض دین پر استقامت کی وجہ سے ناپسند کیا جا رہا ہو لہٰذا ان کا مذاق اڑانا درحقیقت اس طریقے کا مذاق اڑانا ہے' جس پر یہ قائم ہیں لہٰذا یہ ان لوگوں کے مشابہ ہوں گے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِٱللَّهِ وَءَايَـٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَـٰنِكُمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ۶۵-۶۶)

"اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے

کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

یہ آیات ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں' جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اپنے ان علماء (ان کا اشارہ رسول اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف تھا) سے بڑھ کر ایسے لوگ نہیں دیکھے' جن کی اپنے پیٹ کی طرف زیادہ رغبت ہو' جو زبان کے زیادہ جھوٹے ہوں اور میدان جنگ میں زیادہ بزدل ثابت ہوتے ہوں۔ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تھا۔ جو لوگ اہل حق سے محض ان کی دین سے وابستگی کی وجہ سے مذاق کرتے ہیں' انہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ كَانُوا۟ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا۟ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا ٱنقَلَبُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَهْلِهِمُ ٱنقَلَبُوا۟ فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوٓا۟ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ أُرْسِلُوا۟ عَلَيْهِمْ حَٰفِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَٱلْيَوْمَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنَ ٱلْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ ٱلْكُفَّارُ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ ﴾ (المطففين ٨٣/ ٢٩-٣٦)

"جو گناہ گار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو گمراہ ہیں حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ تو آج مومن کافروں سے ہنسی کریں گے (اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے' تو کافروں کو ان کے عملوں کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مذاق اڑانے والوں کی بات کی طرف توجہ نہ دی جائے

سوال بعض لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں' جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو سنت رسول ﷺ کے مطابق اپنے لباس' داڑھی اور مسجدوں میں بیٹھنے کا اہتمام کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خرافات ہیں یا کوئی اور ایسی بات کہہ دیتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہو' امید ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے نصیحت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے؟

جواب ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے' اسے بجالائے' جس سے منع فرمایا ہے' اسے ترک کر دے' دوسروں کو بھی اس کی وصیت کرے' اس پر تعاون کرے اور مذاق اڑانے والوں کی بات کی طرف قطعاً توجہ نہ دے تاکہ حسب ذیل ارشادات باری تعالیٰ کے مطابق عمل پیرا ہو سکے:

﴿ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٣٢)

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا۟ ۚ وَمَا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ﴿٥٤﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٥٤)

''کہہ دیجیے کہ اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول (اللہ) کے حکم پر چلو' اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمے ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پا لو گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (اللہ کے احکام کا) پہنچا دینا ہے۔''

اور سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

''یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو باغ ہائے بہشت میں داخل کرے گا' جن میں نہریں بہہ رہی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ٧٢٨٠)

میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جو انکار کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انکار کون کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا۔''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں نماز پنجگانہ کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں ان کے اوقات میں ادا کریں اور مسلمان مردوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نمازوں کو مسجدوں میں باجماعت ادا کریں' اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے' رمضان کے روزے رکھے جائیں' استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کیا جائے' والدین سے حسن سلوک اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی جائے' زبان اور دیگر اعضاء کو ان تمام چیزوں سے بچایا جائے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' حق اختیار کرنے کی نصیحت اور ایک دوسرے کو وصیت کی جائے۔ نیکی و تقویٰ اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ مرد مونچھوں کو کٹوائیں اور داڑھیوں کو بڑھائیں اور پوری پوری رکھیں اور ٹخنوں سے نیچے کپڑوں کو لٹکانے سے اجتناب کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٥٩)

''مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔''

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔"

شلوار' قمیص اور پینٹ وغیرہ لباس کی دیگر تمام صورتوں کا حکم بھی تہہ بند جیسا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: ... اَلْمُسْبِلُ [إِزَارَهُ] وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية، ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ گفتگو فرمائے گا' نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا ① اپنے تہبند کو (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا۔ ② دے کر احسان جتلانے والا اور ③ جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

—— شیخ ابن باز ——

دعاؤں کی کتاب کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا

سوال میرے پاس ایک چھوٹی سی کتاب ہے' جسے میں ہمیشہ اپنی جیب میں رکھتا ہوں' اس میں دین و دنیا کی بھلائی سے متعلق ذکر اور دعائیں لکھی ہوئی ہیں لیکن میں وضو اور قضائے حاجت کے لیے جب بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو یہ کتابچہ میری جیب میں ہوتا ہے' کیا اس سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا؟

جواب افضل یہ ہے کہ جب آپ کے لیے ایسا ممکن ہو تو آپ مذکورہ بالا کتابچہ لے کر بیت الخلاء میں نہ جائیں۔ کیونکہ بہت سے اہل علم نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور اگر اسے حمام سے باہر چھوڑنا ممکن نہ ہو تو پھر کوئی حرج اور کراہت نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

غسل خانوں میں اللہ کا ذکر

سوال کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ غسل خانہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا غسل خانہ میں داخل ہونے کے بعد وہ اللہ کا ذکر بند کر دے؟

جواب اسلامی آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان جب بیت الخلاء یا حمام میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اپنے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے داخل ہونے سے پہلے بیت الخلاء کے باہر کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھ لے:

«اَللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»(صحيح البخاري، الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، ح:١٤٢ وصحيح مسلم، الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، ح:٣٧٥)

"اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور جننیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد اللہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ محض داخل ہوتے ہی ذکر بند کر دینا چاہیے۔

فتویٰ کمیٹی

مقدس اوراق کے تلف کرنے کا صحیح طریقہ

سوال آج کل کوئی گھر بھی ایسے جرائد و مجلّات سے خالی نہیں ہے' جن میں بعض قرآنی آیات یا اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی نہ کوئی اسم پاک اور تصویریں ہوتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ انہیں حفاظت سے رکھنے یا تلف کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب جرائد و مجلّات میں زندہ انسانوں کی تصویریں اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا آیات قرآنی طبع ہو رہی ہیں تو یہ تمام امور عموم بلویٰ کے قبیل میں سے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو آیات یا اللہ کے ذکر پر مشتمل کلمات کی پوری پوری حفاظت کرے اور ان جرائد و اخبارات کو ضرورت کے بعد جلا دے یا دفن کر دے۔ تصویروں کو مٹاوے' اخبارات و جرائد کاغذ بنانے والے کارخانوں کے مالکان کو فروخت بھی کیے جاسکتے ہیں تاکہ وہ ری سائیکل کر کے ان کا دوبارہ کاغذ بنالیں۔ بہرحال کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے' جس سے تصویریں مٹ جائیں اور آیات قرآنی کی حفاظت ہو سکے۔

فتویٰ کمیٹی

آیات والے کاغذات کو پھینکنا جائز نہیں ہے

سوال ہم لوگ ایسے اخبارات اور جرائد و مجلّات کو استعمال کرتے ہیں' جن میں اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے اور پھر انہیں کوڑا کرکٹ میں پھینک دیتے ہیں' کیا یہ جائز ہے؟ کیا نیکر کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے' جو گھٹنوں سے اوپر تک ہوتی ہے؟

جواب کسی ایسی چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کی آیات یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھی ہوں' کسی ایسی جگہ رکھنا جہاں ان کی بے حرمتی ہوتی ہو جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بہت باعظمت ہے' اس کا احترام واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کے لیے قرآن مجید کو پڑھنا اور ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے' البتہ بہت سے بلکہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے وضو کیا ہو تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ ایسے کاغذات کو جن پر آیات و احادیث مطبوع ہوں' استعمال کے بعد یا تو اچھی طرح جلا دیا جائے یا جدید آلات کے ساتھ ان کی اس طرح قطع و برید کر دی جائے کہ ان کے حروف میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ ایسی چھوٹی نیکروں میں نماز پڑھنا جو ناف سے لے کر گھٹنے تک کے مقام کو نہ چھپائیں' جائز نہیں ہے الا یہ کہ ان کے اوپر ایسا لمبا لباس پہنا ہوا ہو جو ستر پوشی کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہو۔

شیخ ابن عثیمین

دعوتی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنا

سوال کیا شادی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنا جائز ہے کیونکہ پڑھنے کے بعد انہیں گلیوں' بازاروں یا کوڑے کرکٹ کے ڈبوں میں پھینک دیا جاتا ہے؟

جواب دعوتی کارڈوں اور خطوط وغیرہ میں بسم اللہ لکھنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَبْتَرُ»(طبقات الشافعية

لسبکی: ۱/۶ وارواء الغلیل: ۱/۲۹، ح: ۱ واللفظ له)

"ہر وہ اچھا کام جسے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم سے شروع نہ کیا جائے' وہ بے برکت ہے۔"

نبی ﷺ بھی اپنے مکتوبات شریفہ کو بسم اللہ سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ کارڈ وصول کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے کارڈ کو جس میں اللہ کا ذکر یا قرآن مجید کی کوئی آیات ہو' کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں یا کسی اور گندی جگہ پر پھینکے' اسی طرح ایسے جرائد و مجلات کی بھی بے حرمتی کرنا یا انہیں کوڑے کرکٹ کے ڈبوں میں پھینکنا جائز نہیں ہے' ایسے اخبارات کو دسترخوان کے طور پر یا چیزیں ڈالنے' لفافے بنانے کے لیے استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' ایسا کرنے والا یقیناً گناہ گار ہو گا تاہم بسم اللہ لکھنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

تسبیح کا استعمال

سوال اللہ کے ذکر کے لیے تسبیح استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہمارے علم کے مطابق شریعت مطہرہ میں تسبیح کے استعمال کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا زیادہ بہتر یہ ہے کہ تسبیح استعمال نہ کی جائے اور اللہ کے ذکر کے لیے ہاتھ کی انگلیوں کے استعمال ہی پر اکتفاء کیا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

انگلیوں پر ذکر کرنا تسبیح سے افضل ہے

سوال ذکر الٰہی یا دیگر اعمال کے لیے تسبیح استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ذکر الٰہی کے لیے انگلیوں کو استعمال کرنا افضل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا۔ بہت سے اہل علم نے تسبیح کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کے عمل کے خلاف ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تسبیح کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم

سوال آپ کی نظر میں تسبیح کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ ہم میں سے بہت سے لوگ نماز سے فراغت کے بعد تسبیح پر ذکر کرتے ہیں؟

جواب زیادہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر ذکر کرے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر کرے کیونکہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر ذکر کرنے کی بجائے صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر ذکر کرنا افضل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے کہ آپ نے انگلیوں کے ساتھ ذکر و تسبیح کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں قوت گویائی عطا کی جائے گی [1] رسول اللہ ﷺ بھی اپنے دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ [2] تسبیح کے استعمال میں حسب ذیل امور خلاف شریعت ہیں:

---

[1] سنن ابی داود' الوتر' باب التسبیح بالحصی' حدیث: 1501

[2] سنن ابی داود' الوتر' باب التسبیح بالحصی' حدیث: 1502

① نبی اکرم ﷺ نے انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کے لیے جو راہنمائی فرمائی ہے یہ طریقہ اس کے خلاف ہے۔ ② تسبیح کا یہ استعمال بسااوقات ریاکاری کا سبب بھی بنتا ہے خصوصاً ہم کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے تسبیح کو ہار کی طرح اپنے گلے میں لٹکایا ہوتا ہے اور ان کی تسبیح بھی ہزار دانوں پر مشتمل ہوتی ہے اور پھر گردنوں میں ڈال کر گویا لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو ہم ہزار دانوں کی تسبیح پڑھنے والے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا ہے کہ تسبیح استعمال کرنے والا ہر شخص ریاکار ہوتا ہے بلکہ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تسبیح کا استعمال ریاکاری کا سبب بنتا ہے۔ ③ تسبیح کو انسان اذکار کی تعداد شمار کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس طرح وہ حضور قلب کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ تسبیح کے ان محدود دانوں پر جنہیں وہ ایک ایک کر کے شمار کرتا ہے' اکتفاء کرتا ہے جب کہ دل ذکر سے غافل ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بظاہر تسبیح پھیر رہے ہوتے ہیں اور آنکھیں گردوپیش سے گزرنے والے لوگوں کا جائزہ لے رہی ہوتی ہیں۔ گویا ان کے ہونٹ تسبیح سے ہل رہے ہوتے ہیں' مگر بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل غافل اور اس طرف متوجہ ہیں جس طرف وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کیونکہ اکثر و بیشتر صورتوں میں دل کا تعلق نظر ہی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا میں یہ کہتا ہوں کہ افضل یہ ہے کہ انسان تسبیح کو استعمال نہ کرے بلکہ انگلیوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

دائیں ہاتھ سے تسبیح افضل ہے

سوال کیا ہر فرض نماز کے بعد دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح و تحمید اور تکبیر پڑھنا افضل ہے؟

جواب افضل یہی ہے کہ اس ذکر کو دائیں ہاتھ پر پڑھا جائے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اسے دائیں ہاتھ کی انگلیوں ہی پر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جوتا پہننے' کنگھی کرنے' طہارت اختیار کرنے اور دیگر ہر ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔ [1] البتہ یہ جائز ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر ذکر کر لیا جائے کیونکہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُنَّ مَسْؤُولاَتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ»(سنن أبي داود، الوتر، باب التسبيح بالحصى، ح:١٥٠١ وجامع الترمذي، ح:٣٥٨٣)

"ان سے پوچھا جائے گا' انہیں قوت گویائی عطا کی جائے گی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امر میں توسع ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تشدد یا لڑائی جھگڑا اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

—— شیخ ابن باز ——

اجتماعی صورت میں اوراد و وظائف

سوال بعض بھائی جب کسی سفر یا عمرہ وغیرہ کے لیے جاتے ہیں تو وہ اپنے میں سے کسی ایک یا چند بھائیوں سے یہ کہہ

[1] صحیح البخاری' الوضوء باب التیمن فی الوضوء والغسل' حدیث: 168 و صحیح مسلم' الطهارة باب التیمن فی الطهور وغیره' حدیث: 268

دیتے ہیں کہ وہ ہر روز صبح و شام رسول اللہ ﷺ سے ثابت اوراد و وظائف پڑھتے رہیں اور وہ سب انہیں سنتے رہیں گے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں' جنہیں آپ خود صبح و شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں آپ سے سن کر یاد کر لیا تھا اور وہ بھی انہیں صبح و شام پڑھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے ہر شخص اپنے طور پر خود ہی پڑھا کرتا تھا۔ ہمارے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اوراد و وظائف کو کبھی اس صورت میں اجتماعی طور پر پڑھا ہو یا کبھی ایسا ہوا ہو کہ ان میں سے ایک شخص پڑھ رہا ہو اور باقی تمام سن رہے ہوں' لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ذکر و دعا میں' اس کی کیفیت میں اور رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے دیگر تمام امور میں آپ کی سیرت و سنت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو پیش نظر رکھے کیونکہ ہر طرح کی خیر و بھلائی آپ کی اتباع ہی میں مضمر ہے جب کہ ہر طرح کا شر آپ کی مخالفت میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کرنے کی یہ اجتماعی صورت اور اس کے لیے سوال میں بیان کیا گیا طریقہ اختیار کرنا اور اسے عادت بنا لینا از خود ایجاد کردہ بدعات میں سے ہے اور بدعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨ واللفظ له)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧)

"دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ سے صبح و شام کے جو اذکار اور دعائیں ثابت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے' جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر صبح و شام یہ کلمات پڑھا کرتے تھے اور انہیں کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! [إِنِّي] أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي، وَآمِنْ رَوْعَاتِي، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي»(سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا أصبح، ح:٥٠٧٤ وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب ما يدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسى، ح:٣٨٧١)

"اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی و عافیت چاہتا ہوں اپنے دین و دنیا اور اہل و مال میں۔ اے اللہ! تو میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف کو امن سے سے بدل دے۔ اے اللہ! تو میرے آگے اور پیچھے سے

اور میرے دائیں اور بائیں اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے اچانک کسی ہلاکت میں ڈال دیا جاؤں۔"

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ نَحْيَا، وَبِكَ نَمُوتُ، وَإِلَيْكَ النُّشُورُ، (وَإِذَا أَمْسَى قَالَ: مِثْلَ ذٰلِكَ إِلاَّ أَنَّهُ قَالَ): وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ح:٥٠٦٨ وجامع الترمذي، ح:٣٣٩١ وسنن ابن ماجه، ح: ٣٨٦٨ واللفظ له)

"اے اللہ! ہم نے تیری ہی مدد سے صبح کی اور تیری ہی مدد سے شام کی اور تیری ہی مدد سے ہم زندہ ہیں اور تیری ہی مرضی سے ہم فوت ہوں گے اور تیرے ہی پاس قیامت کے دن اٹھ کر جانا ہے اور شام کے وقت بھی آپ یہی کلمات پڑھتے اور شام کے وقت وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ کی بجائے وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ "اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے" پڑھا کرتے تھے۔" وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

شعبان کی پندرہویں رات

سوال ایک شخص نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا شعبان کی پندرہویں رات کی کوئی خاص نماز ہے؟

جواب شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بیان کی جانے والی تمام احادیث موضوع' ضعیف اور بے اصل ہیں۔ اس رات کی قطعاً کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اس میں کوئی قراءت' کوئی خاص نماز یا اس رات کسی نماز کے باجماعت ادا کرنے کے سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اس رات کی خصوصیت ہے تو وہ ضعیف قول ہے کیونکہ دلیل کے بغیر اس طرح کی خصوصیت کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ اس رات کی کوئی خصوصیت نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

عیدین' شب معراج اور شب براءت کی محفلیں

سوال ہمارے ہاں کچھ عادات ہیں جو بعض مواقع کی مناسب سے اختیار کی گئی ہیں مثلاً عیدالفطر کے موقع پر کیک اور بسکٹ بنائے جاتے ہیں۔ ۲۷ رجب اور ۱۵ شعبان کی راتوں میں گوشت اور پھلوں کی دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور عاشورہ کے دن خاص قسم کے حلوے تیار کیے جاتے ہیں تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دنوں میں خوشی اور مسرت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ خوشی و مسرت کا یہ اظہار حدودِ شریعت کے اندر ہو مثلاً ان دنوں میں کھانے پینے وغیرہ کا اچھا انتظام کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق

... الخ، ح:١١٤١)۔

"ایام تشریق کھانے' پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔"

ایام تشریق سے مراد عیدالاضحیٰ کے بعد کے تین دن ہیں۔ ان دنوں میں لوگ قربانی کرتے' قربانیوں کا گوشت کھاتے اور اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح عیدالفطر کے موقع پر بھی خوشی و مسرت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شریعت کے حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔

۲۷ رجب یا ۱۵ شعبان کی رات یا عاشورہ کے دن خوشی و مسرت کے اظہار کی کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ اس طرح کے کاموں کی ممانعت کی دلیل موجود ہے لہٰذا جب اس طرح کی محفلوں میں شرکت کی دعوت دی جائے تو ان میں کسی مسلمان کو شرکت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧)

"دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

رجب کی ۲۷ویں تاریخ کے بارے میں بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرایا گیا تھا لیکن یہ بات تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے اور جو چیز ثابت نہ ہو تو وہ باطل ہوتی ہے اور جس کی باطل پر بنیاد ہو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ۲۷ رجب کی رات ہی شب معراج ہے تو پھر بھی ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس رات ہم عید اور عبادات کی صورتوں کو ایجاد کریں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قطعاً ثابت نہیں ہے حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب لوگوں سے قریب تھے اور آپ کی سنت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرنے میں سب لوگوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے' تو کسی ایسی چیز کو ایجاد کرنا ہمارے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے' جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں نہیں تھی۔

شعبان کی پندرہویں رات کی عظمت اور شب بیداری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ بعض تابعین نے ضرور اس رات نماز اور ذکر وغیرہ کا اہتمام کیا لیکن یہ ان سے بھی ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اس رات کھانے پینے' خوشی و مسرت کا اظہار کرنے اور عید کی طرح اس رات کو منانے کا اہتمام کیا ہو۔ یوم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ»(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر ... الخ، ح:١١٦٢)

"اس دن کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

لیکن اس دن خوشی یا غم کی کوئی کیفیت اختیار کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس دن خوشی یا غم کا اظہار دونوں باتیں ہی خلاف سنت ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس دن کے روزے کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہے اور روزے کے بارے میں بھی آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس دن سے پہلے یا اس دن کے بعد ایک دن کا روزہ بھی اس کے ساتھ رکھیں تاکہ ان یہودیوں کی مخالفت بھی کی جا سکے جو صرف عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے ناپسند کرے---

سوال کیا تقربِ الٰہی کے حصول کی نیت سے مباح چیزوں کو ترک کرنا بھی بدعات میں سے شمار ہو گا یا نہیں؟ بعض لوگ اس کی بڑی پابندی کرتے ہیں اور اسے زہد و تقویٰ سے تعبیر کرتے ہیں' بلکہ بسااوقات وہ بعض مباح اشیاء کو بھی کسی دلیل و برہان کے بغیر حرام یا مکروہ قرار دے دیتے ہیں اور ان سے نہ صرف خود اجتناب کرتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی ایسا نہ کرنے کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔ امید ہے آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔ بارک اللہ فیکم

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو یا کسی ایسی چیز کو ناپسند کرے جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند نہ کیا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ١١٦)

"اور یوں ہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ٣٣)

"کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ' جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس بات کو کہ اس کی طرف علم کے بغیر باتیں منسوب کی جائیں' شرک سے بھی بڑے درجہ کا گناہ قرار دیا ہے' کیونکہ اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والا فساد بہت بڑا ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسے شیطانی حکم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ ﴾ (البقرة ٢/ ١٦٨-١٦٩)

"اے لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو' بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔"

اگر کوئی شخص تقربِ الٰہی کے حصول کی نیت سے مباح اشیاء کو اس لیے ترک کر دیتا ہے تاکہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں مدد ملے اور انہیں اپنے لیے یا دوسرے لوگوں کے لیے حرام نہ قرار دے مثلاً بعض اوقات

تواضع اور کسر نفسی کرتے ہوئے اور تکبر سے بچنے کی وجہ سے فاخرانہ لباس کو ترک کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' بلکہ اس کا ان شاء اللہ ثواب ملے گا۔

—— شیخ ابن باز ——

آیات و احادیث کا لٹکانا

سوال بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآنی سورتوں یا آیات کا دیوار پر لٹکانا حرام ہے حالانکہ ان سورتوں یا آیات مثلاً سورہ یٰسٓ اور آیت الکرسی کو ان کے فضائل کی وجہ سے لٹکایا جاتا ہے' امید ہے آپ اس مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم بیان فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اگر دفتر یا ڈرائنگ روم میں وعظ و نصیحت اور یاد دہانی کے لیے دیواروں پر آیات یا سورتوں کو لکھ کر لٹکا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گو بعض معاصر علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے' مگر صحیح بات یہ ہے کہ اگر مقصود وعظ و نصیحت اور یاد دہانی ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ جگہ بھی صاف ستھری ہو جیسا کہ دفتر یا ڈرائنگ روم میں ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور تمام ایسی اچھی باتوں کو جو وعظ و نصیحت پر مبنی ہوں' لٹکایا جا سکتا ہے اور اگر ان کے لٹکانے سے مقصد کچھ اور ہو مثلاً یہ کہ یہ جن یا نظر بد وغیرہ سے محفوظ رکھیں گی تو پھر اس مقصد کے لیے اور اس اعتقاد کے ساتھ انہیں لٹکانا جائز نہیں ہو گا کیونکہ شریعت سے یہ ثابت نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی قابل اعتماد دلیل ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جو شخص گناہ کا ارادہ کرے اور پھر گناہ نہ کرے تو۔۔۔۔۔۔

سوال میرا نفس مجھے کئی بار کسی برے کام کے کرنے یا بری بات کے کہنے پر اکساتا ہے لیکن اکثر اوقات میں ایسے برے قول و فعل سے باز رہتا ہوں تو کیا محض نفس کے اکسانے کی وجہ سے میں گناہ گار ہوں گا؟

جواب جب کسی انسان کا نفس اسے کسی حرام کام پر اکسائے خواہ اس کا تعلق کسی واجب کے ترک یا حرام فعل کے ارتکاب سے ہو اور پھر وہ اس نفسانی خواہش کو ترک کرتے ہوئے واجب کو ادا کرے اور حرام کو ترک کر دے تو اسے اجر و ثواب ملے گا کیونکہ اس نے حرام فعل کے ارتکاب کو اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کیا ہے۔ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اسے عملی جامہ نہ پہنائے تو اس کے لیے ایک مکمل نیکی لکھ دی جاتی ہے' کیونکہ اس نے اس برائی کو اللہ عزوجل کے لیے ترک کیا ہے۔ یہاں اس مسئلہ کی قدرے تفصیل بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی حرام کو ترک کرے تو کیا اسے اجر ملے گا یا نہیں؟ جو شخص کسی حرام کام کو ترک کرتا ہے تو وہ تین حالات میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتا:

① اس لیے ترک کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے تمام اسباب کو تو اختیار کرتا ہے' مگر اسے سرانجام دینے سے عاجز و قاصر رہتا ہے تو ایسے شخص کو گناہ ہو گا کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:

«إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ هٰذَا؟ الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ»(صحیح البخاري، الإيمان، باب وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا ... الخ، ح:٣١ وصحیح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، ح:٢٨٨٨)

"جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ قاتل (تو ضرور جہنمی) ہے' مگر مقتول کیوں جہنمی ہو گا؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا۔"

② اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اسے ترک کرتا ہے تو اسے ایک مکمل نیکی کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے حرام کام کو محض اللہ کے لیے ترک کیا ہوتا ہے۔

③ اس نے حرام کام کو اس لیے ترک کیا کہ بعد میں اس کے کرنے کا خیال ہی نہ آیا اور اسے اس نے کوئی اہمیت ہی نہ دی تو اسے نہ ثواب ملے گا اور نہ کوئی گناہ ہو گا۔

④ اس سلسلہ میں ایک چوتھی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرام کام کو اس نے عاجز و قاصر ہونے کی وجہ سے ترک کیا اور پھر اس کے لیے ضروری اسباب و وسائل کو بھی استعمال نہ کیا۔ البتہ اس کام کے کرنے کی اس کی نیت ضرور تھی تو اسے نیت کے مطابق گناہ ہو گا' البتہ یہ اس شخص کی طرح نہیں ہے' جس نے اسباب و وسائل کو تو اختیار کیا' مگر اس حرام کام کا ارتکاب اس کے لیے ممکن نہ ہوا یعنی یہ اس سے کم تر درجے کا گناہ گار ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حرام کام کے بارے میں سوچنا' مگر اسے نہ کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حرام اشیاء کے بارے میں سوچتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچتا ہے کہ وہ چوری کرے یا زنا کرے لیکن اسے یہ معلوم ہے کہ اگر اسے اسباب میسر بھی آ جائیں تو وہ پھر بھی ان میں سے قطعاً کوئی کام نہیں کرے گا؟

جواب انسان کے دل میں چوری' زنا یا منشیات کے استعمال جیسے جو برے خیالات آتے ہیں اور انسان انہیں عملی جامہ نہیں پہناتا تو یہ قابل معافی ہیں۔ ان کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ»(صحیح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الاغلاق والكره ... الخ، ح:٥٢٦٩ وصحیح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس ... الخ، ح:١٢٧)

"میری امت کے لوگوں کے دلوں میں جو خیالات آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے بشرطیکہ انہیں عمل یا قول کا جامہ نہ پہنا دیا جائے۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، لَمْ تُكْتَبْ»(صحیح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت

... الخ، ح: ۱۳۰)

''جس شخص نے برائی کا ارادہ کیا' مگر پھر اسے نہ کیا تو اسے اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جائے گا۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّايَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت ... الخ، ح:۱۲۹ كلاهما من حديث أبي هريرة)

''اور اگر اس نے اسے ترک کر دیا تو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے اسے میرے ڈر کی وجہ سے ترک کیا ہے۔''

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اس برائی کو' جس کا اس نے ارادہ کیا تھا' اگر محض اللہ کے لیے اسے ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر دیگر اسباب کی وجہ سے اسے ترک کر دے تو پھر اس کے نامۂ اعمال میں نہ نیکی لکھی جاتی ہے اور نہ برائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر محض فضل و رحمت ہے اور اس کی ذات گرامی کے لیے حمد و شکر ہے' اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے اور نہ رب!

—— شیخ ابن باز ——

مردوں کا ابرو کے بالوں کو چھوٹا کرنا

سوال اگر ابرو کے بال بہت زیادہ گھنے ہو جائیں تو کیا انہیں تھوڑا سا چھوٹا کرنا جائز ہے جب کہ مقصد نہ تو عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا؟

جواب میری رائے میں ان بالوں کو چننا یا چھوٹا کرنا یا منڈوانا جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمال اور زینت کے لیے اگایا اور آنکھوں کی حفاظت کا انہیں ذریعہ بنایا ہے لہذا مرد یا عورت کا ان بالوں کو زائل کرنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کے مترادف ہے' چونکہ اکثر عورتیں ہی ان بالوں کو زائل کرتی ہیں اس لیے بطور خاص انہیں کے لیے لعنت آئی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ کتابیں جمع کرتا ہے اور پڑھتا نہیں

سوال میں بحمد للہ ایک ایسا آدمی ہوں کہ میرے پاس بہت سی نافع و مفید کتب اور مراجع موجود ہیں لیکن میں ان سب کو پڑھتا نہیں بلکہ پڑھنے کے لیے ان میں سے بعض کتب کا انتخاب کر لیتا ہوں--- کیا گھر میں کتابیں جمع کر رکھنے کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا۔ یاد رہے کہ بعض لوگ مجھ سے کتابیں مستعار بھی لے لیتے ہیں اور پھر استفادہ کے بعد مجھے واپس لوٹا دیتے ہیں؟

جواب اس بات میں کسی مسلمان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں مفید کتابوں کو جمع کر لے' انہیں مراجعت و استفادہ کے لیے اپنی ذاتی لائبریری میں محفوظ رکھے اور اہل علم کی خدمت میں پیش کرے تاکہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں اور اگر وہ خود بہت زیادہ کتابوں کو نہ بھی پڑھ سکے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک قابل اعتماد لوگوں کو استفادہ کے لیے کتب مستعار دینے کا تعلق ہے تو یہ ایک نیک کام اور تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے کیونکہ یہ

تحصیل علم میں اعانت اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں داخل ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، ح:٢٦٩٩)

"اللہ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

بھائیوں کی حرام کمائی

سوال میں ایک طالب علم ہوں اور اس مال کے سوا میرا اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے' جو میرے وہ دو بھائی مجھے بھیجتے ہیں جو جرمنی میں ایک ہوٹل میں کام کرتے ہیں' جس کا ان دونوں بھائیوں میں سے ایک مالک ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ہوٹل میں شراب' سور کا گوشت اور بعض دیگر حرام کھانے فروخت کیے جاتے ہیں' کیا ان بھائیوں کے مال سے استفادہ کرنے کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟ ان اشیاء کا کیا کروں جو ان دو بھائیوں نے مجھے پہلے سے ارسال کی ہیں؟ اس مسئلہ کا عمومی حل کیا ہے؟ یاد رہے ان کے اس کام میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے؟

جواب آپ کے یہ بھائی اپنی اس خبیث کمائی سے آپ کو جو ہدیہ یا تحفہ بھیجتے ہیں' آپ کے لیے اسے قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ سب سے پہلے آپ اپنے بھائیوں کو یہ بات سمجھائیں کہ ان کے لیے ان حرام اشیاء کو بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اس ہوٹل کو کلی طور پر ترک کر دیں' اس کی بجائے اس سے بہتر کوئی کام کریں یا کسی دوسرے ملک میں منتقل ہو کر اسلامی کھانوں کا ہوٹل کھول لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔"

انہوں نے آپ کو پہلے جو چیزیں دی ہیں' انہیں اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن آئندہ ان سے کوئی چیز قبول نہ کریں اور اپنے لیے کمانے کی خود کوئی صورت پیدا کریں۔ وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جماع خون بند ہونے کے بعد ہی جائز ہے

سوال کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ولادت کے تیس یا پینتیس دن بعد اپنی بیوی سے مقاربت کرے یا یہ صرف چالیس دن کے بعد ہی جائز ہے؟

جواب مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ولادت کے بعد ایام نفاس میں اپنی بیوی سے جماع کرے حتی کہ تاریخ ولادت کے بعد چالیس دن گزر جائیں' البتہ اگر چالیس دن سے پہلے خون نفاس بند ہو جائے تو پھر عورت کے غسل کرنے کے بعد مقاربت

جائز ہے اور اگر چالیس دن سے پہلے دوبارہ پھر خون آنا شروع ہو جائے تو اسی وقت مباشرت حرام ہو جائے گی۔ اگر خون چالیس دنوں کے بعد بھی جاری رہے تو وہ خون نفاس نہیں بلکہ استحاضہ کا خون ہو گا' اس صورت میں عورت کو ہر نماز کے لیے وضو کرنا ہو گا اور اس کے شوہر کے لیے مباشرت کرنا جائز ہو گا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسجد میں جگہ مخصوص کرنا

سوال بعض معمر لوگ جب مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہ کسی کو اس جگہ بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں جہاں وہ نماز پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ مسجد میں کسی جگہ بیٹھنا اسی کا حق ہے جو وہاں سب سے پہلے آئے۔ ان بزرگوں کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں اس مسئلہ میں ناراضی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ حرام ہے؟

سوال

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس استفتاء کا جائزہ لیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں انجمن کبار علماء کے سیکرٹریٹ کی طرف سے (حوالہ: ۲۲۲۵۔۲) بھیجا گیا ہے اور سوال یہ ہے کہ کچھ اجنبی لوگوں نے مظاہرے کیے تو سیکورٹی فورسز نے انہیں گرفتار کر لیا اور مجاز اتھارٹی نے ان کے مکانات گرا دینے کا حکم دیا' جس کی وجہ سے ان کا کچھ سامان ادھر ادھر بکھر گیا' جسے بعض لوگوں نے لے لیا تو کیا یہ سامان لے لینے کی وجہ سے کسی کو گناہ تو نہیں ہو گا؟ کیا یہ سامان لینا حرام ہے؟ اگر کسی نے یہ سامان اٹھا لیا ہو اور اب وہ اس کے مالک سے معاف کروانا چاہتا ہو تو اس کی کیا صورت ہے۔ فتویٰ عطا فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں؟

جواب اصول یہ ہے کہ مسلمان خون' مال اور عزت و آبرو کے اعتبار سے واجب الاحترام ہے۔ کسی کے لیے ناحق دست درازی کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا»(صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، ح:١٧٣٩ وصحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، ح:١٢١٨)

"بے شک تمہارے خون' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے لیے اس طرح قابل احترام ہیں' جس طرح یہ دن' یہ شہر اور یہ مہینہ قابل احترام ہے۔"

اسی طرح مال کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلاَّ بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ»(السنن الكبرى للبيهقي:٦/ ١٠٠، ٨/ ١٨٢ ومجمع الزوائد: ٤/ ١٧٢)

''کسی مسلمان شخص کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خود خوش دلی سے دے دے۔''

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم . . . الخ، ح:٢٥٦٤)

''ہر مسلمان کا خون' اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

آپ نے جو صورت ذکر کی ہے کہ بعض لوگوں نے مظاہرہ کیا اور انتظامیہ نے ان کے مکانات کو گرانے کا حکم دے دیا تو اس صورت میں لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیں۔ جس کسی نے بھی ان کے مال کو لوٹا تو وہ ظالم' سرکش اور گناہ گار شمار ہو گا' لہٰذا جس کسی نے ان کا مال لیا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ فوراً توبہ و استغفار کرے اور اس شخص کو مال واپس لوٹا دے جس کے گھر سے اس نے اسے لیا ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ وَّلاَ دِرْهَمٌ، وَإِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدَرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، المظالم، باب من كان له مظلمة عند رجل . . . الخ، ح:٢٤٤٩)

''جس کسی نے اپنے بھائی کی آبرو ریزی یا کسی بھی شکل میں اس پر زیادتی کی ہو تو اسے آج ہی معاف کروا لے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جب اس کے پاس کوئی دینار ہو گا اور نہ درہم البتہ اگر اس کے پاس عمل صالح ہوا تو وہ اس کے ظلم کے بقدر اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے ساتھی کی برائیوں کو لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا۔''

اگر پوری تحقیق و جستجو اور ان لوگوں کے بارے میں سوال کرنے کے باوجود' جن کا مال لیا' ان کے بارے میں علم ہونا اور ان تک مال پہنچانا مشکل ہو تو پھر اس مال یا اس کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے۔ اگر بعد میں ان لوگوں کا علم ہو جائے تو انہیں ساری صورتِ حال بتا دی جائے۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جائیں تو ٹھیک ورنہ اس کا تاوان اپنے پاس سے ادا کرے۔

وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

یہ مال لینا جائز نہیں

سوال میرے والد بہت معمر اور نابینا ہیں۔ ان کی ایک بہت ہی چھوٹی سی دوکان ہے۔ وہ اور میری والدہ بہبود ویلفیئر دفتر گئے اور انہوں نے سالانہ امداد حاصل کی' میری والدہ والد کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اس امداد کو حاصل کرتی رہیں' جس کی وہ مستحق تھیں جب کہ بالفعل امداد میرے والد ہی دفتر سے حاصل کر لیا کرتے تھے۔ چار سال قبل میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے لیکن میرے والد اس امداد کو مسلسل حاصل کر رہے ہیں' امید ہے راہنمائی فرمائیں گے' کیا اس کی وجہ سے میرے والد کو گناہ تو نہ ہو گا؟ کیا میری والدہ کے نام پر ان کا امداد حاصل کرنا حلال ہے؟

جواب اس حالت میں اس شخص کے لیے اپنی بیوی کے نام پر اس کی وفات کے بعد گزارہ الاؤنس حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نفقہ اپنی بیوی کے نام پر حاصل کرتا ہے اور وہ فوت ہو چکی ہے۔ اسے چاہیے کہ یہ متعلقہ محکمہ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے اور اگر اس کی کوئی اور بیوی ہو اور وہ اس کی مستحق ہو تو اس کے نام سے از سرنو مدد حاصل کر لے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

خود کشی

سوال خود کشی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خود کشی یعنی انسان کا اپنے آپ کو قصد و ارادہ کے ساتھ قتل کرنا' خواہ اس کا مطلب کوئی بھی ہو' حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے' جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اور سنت سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کرے تو اسے اس کے ساتھ آتش جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔"[1]

جو شخص اللہ تعالیٰ یا مخلوق کی طرف سے پہنچنے والی کسی مصیبت کی وجہ سے خود کشی کرتا ہے' تو وہ گویا اس مصیبت کو برداشت نہیں کرتا اور خود کشی کر لیتا ہے' اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی دھوپ سے بچنے کے لیے آگ کا سہارا لے کیونکہ خود کشی کر کے وہ بد سے بدترین حالات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ صبر سے کام لیتا تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے برداشت کرنے کے لیے اس کی مدد فرماتا اور پھر ہمیشہ ایک جیسی صورت حال تو نہیں رہتی بلکہ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ع

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

——— شیخ ابن عثیمین ———

اصحاب کبائر سے قطع تعلق کرنا

سوال جو لوگ لواطت اور زنا وغیرہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوں' جن کے بارے میں نصوص میں بہت شدید وعید آئی ہے' کیا ان لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے؟ انہیں سلام کرنا جائز ہے؟ اگر ان میں توبہ کرنے کے آثار ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ کی وعید اور اس کے عذاب سے ڈرانے کی غرض سے ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنا جائز ہے؟

---

[1] صحیح البخاری' الطب' باب شرب السم والدواء به' وما یخاف منه والخبیث' حدیث: 5778 و صحیح مسلم' الایمان' باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان--- الخ' حدیث: 109

جواب جن لوگوں پر ان گناہوں کا الزام ہو تو واجب ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے' ان کو گناہوں سے بچنے کی تلقین کی جائے اور ان کے بدترین انجام سے انہیں ڈرایا جائے اور بتایا جائے کہ یہ گناہ دلوں کے مرض' قساوت اور موت کا سبب ہیں۔ جو شخص ان گناہوں کا کھلم کھلا ارتکاب کرے تو واجب ہے کہ اس کے معاملہ کو حکمرانوں کے سپرد کیا جائے اور اس پر حد قائم کی جائے۔ ایسے لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لیا جائے' شاید اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت اور توبہ کی توفیق دے۔ اگر قطع تعلق کرنے سے ان کی برائی میں اور اضافے کا خطرہ ہو تو پھر واجب ہے کہ انہیں اچھے اسلوب کے ساتھ ہمیشہ سمجھایا جائے اور نصیحت کی جائے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ ایسے لوگوں کو دوست نہیں بنانا چاہیے۔ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو پکڑیں اور ان پر شرعی حدود قائم کریں اور جو شخص ان کے حالات سے باخبر ہو اسے چاہیے کہ وہ حکومت کی مدد کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (التوبۃ۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾﴾ (العصر۱۰۳/ ۱-۳)

"عصر کی قسم کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھادے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ

وَعَامَّتِهِمْ»(صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحة، ح: ۵۵)

"دین ہمدردی اور خیرخواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے (ہمدردی و خیرخواہی؟) آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمان حکمرانوں کے لیے اور عامۃ المسلمین کے لیے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے' انہیں دین کی سمجھ بوجھ بخشے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرنے کی توفیق عطا فرمائے' انہیں ہدایت پر جمع کر دے اور ان کے حکمرانوں کی بھی اصلاح فرما دے۔ انہ خیر مسؤول۔

—— شیخ ابن باز ——

مجسّموں اور تصویروں کی فروخت

سوال کیا مسلمان کے لیے مجسّموں اور تصویروں کو بطور سامان بیچنا اور اسے ذریعۂ معاش بنانا جائز ہے؟

جواب مسلمان کے لیے مجسّموں اور تصویروں کو بیچنا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ذی روح چیزوں کی تصویر بنانا' انہیں مجسّموں کی شکل دینا اور باقی رکھنا حرام ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تجارت ان کی ترویج کا ذریعہ اور تصویر بنانے اور اسے گھروں اور محفلوں میں سجانے کے سلسلے میں اعانت ہے۔

جب تصویر حرام ہے تو پھر اسے بنانے اور بیچنے کی صورت میں اس کی کمائی بھی حرام ہے۔ کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تصویروں کی کمائی کو اپنی خوراک یا لباس وغیرہ میں استعمال کرے۔ اگر کوئی ایسا کر رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے فوراً ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے' امید ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے تو یقیناً اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔"

ہماری طرف سے قبل ازیں یہ فتویٰ جاری ہو چکا ہے کہ ذی روح چیزوں کی تصویر مطلقاً حرام ہے خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم' اسے کھود کر بنایا گیا ہو یا کھینچ کر' برش اور رنگ استعمال کر کے بنایا گیا ہو یا کیمرہ کے ذریعہ۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

حرام کاروبار کے لیے دکانیں کرایہ پر دینا

سوال سگریٹ' گانے کی کیسٹوں اور ناپاک ویڈیو فلمیں فروخت کرنے والوں اور سودی بینکوں کو تجارتی مقامات کرایہ پر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان مقامات کو کرایہ پر دینے کے بارے میں حکم درج ذیل آیت کریمہ سے معلوم ہو جاتا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

سوال میں مذکورہ مقاصد کے لیے دکانوں کو کرایہ پر دینا حرام ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ولدالزنا کے بارے میں حکم

سوال اگر ولدالزنا (حرامی بچہ) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو کیا وہ جنت میں داخل ہو گا؟ کیا اسے حرامی ہونے کا گناہ ہو گا یا نہیں؟

جواب حرامی بچے کو اپنے والدین کی حرام کاری اور ارتکاب جرم کی وجہ سے گناہ نہیں ہو گا کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں ہے لہٰذا اس کا گناہ اس کے والدین کو ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٨٦)

"(جو شخص) اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا' برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٤)

"اور کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

لہٰذا حرامی بچے کا معاملہ بھی دوسرے انسانوں جیسا ہی ہے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کرے' نیک عمل کرے اور اسلام پر فوت ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا اور اگر وہ اللہ کی نافرمانی کرے اور کفر پر فوت ہو تو وہ جہنم رسید ہو گا اور اگر وہ نیک اور بد ملے جلے عمل کرے اور مسلمان فوت ہو تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کہ اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے اور پھر بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے جنت میں جائے گا۔ وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ "زنا سے پیدا ہونے والا بچہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" موضوع ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ شرعاً جائز ہے

سوال اگر میں کسی شخص سے ایک قطعۂ اراضی کاشت کرنے کے لیے بلامعاوضہ حاصل کروں اور وہ مجھ سے رہن کے طور پر کچھ رقم کا مطالبہ کرے' جسے وہ اس وقت واپس کر دے گا جب میں اسے اس کی زمین واپس کروں گا تو کیا یہ جائز ہے یاد رہے کہ وہ اس دوران میں زمین کی پیداوار میں سے کوئی حصہ وصول نہیں کرے گا؟

جواب ہاں یہ شرعاً جائز ہے کہ وہ آپ کو کاشت کے لیے زمین دے دے اور پیداوار آپ حاصل کریں' اس نے اس طرح آپ سے احسان کیا ہے۔ راجح قول کے مطابق اس کے رہن کے طور پر رقم لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ

اس طرح اسے اعتماد حاصل ہو جائے گا کہ آپ اس کی زمین واپس کر دیں گے تو آپ کے ذمہ دین (قرض) نہیں ہے' لیکن آپ کے ہاتھ میں عین (یہ زمین) تو ہے لیکن اسے رہن کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ یہ کافی ہے کہ آپ دونوں آپس میں ایک دستاویز لکھ لیں کہ اس نے یہ زمین آپ کو صرف ایک سال یا دو سال کے لیے بطور عطیہ کے دی ہے اور اگر وہ رہن کا بھی مطالبہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نقصان نہ پہنچاؤ

سوال اگر کسی شہر کے اردگرد ایسی چراگاہیں ہوں' جن میں گھاس بکثرت ہو اور اہل شہر لوگوں کے ان چراگاہوں سے گھاس کاٹ کر جمع کرنے اور بیچنے سے نقصان اٹھاتے ہوں اور ان کے مویشیوں کو بھی اس سے نقصان ہوتا ہو اور قاضی کے پاس بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہو کہ یہ سارے علاقے بارش نہ ہونے کی وجہ سے بے حد خشک ہیں اور ان کے جانور بھی بھوک کی وجہ سے مر رہے ہیں اور لوگ دوسرے سرسبز و شاداب علاقوں کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ چراگاہ کی گھاس کاٹ کر بیچنے میں لوگوں کے لیے نقصان خصوصاً مویشیوں کے مالکان کے لیے بہت تنگی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر انتظامیہ کے پاس یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ چراگاہ کی گھاس کاٹ کر بیچنے میں مویشیوں کے مالکان کے لیے تنگی اور پریشانی ہے تو ان لوگوں کو کاٹنے اور بیچنے سے منع کر کے گھاس کو جانوروں کے چرنے کے لیے مخصوص کیا جا سکتا ہے' کیونکہ فقہ کا قاعدہ یہ ہے کہ مصالح عامہ کو مصالح خاصہ سے مقدم قرار دیا جاتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ح:٢٣٤٠)

"نہ تو کسی کو اپنے فائدے کے لیے نقصان پہنچائے اور نہ کسی کو بلا فائدہ اور بے مقصد نقصان پہنچائے۔"

وصلى الله وسلم على نبينا محمد و آله وصحبه أجمعين

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیماری گناہوں کو مٹا دیتی ہے

سوال کیا بیماری سے گناہ مٹ جاتے ہیں؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیماریوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ وَلاَ هَمٍّ وَلاَ حَزَنٍ وَلاَ أَذًى، وَلاَ غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلاَّ كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ»(صحيح البخاري، المرضى، باب ماجاء في كفارة المرض، ح:٥٦٤١، ٥٦٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض أو حزن . . . الخ، ح:٢٥٧٣)

''مسلمان کو جب بھی کوئی پریشانی' غم' رنج' تکلیف اور دکھ پہنچتا ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

اور بیماری تو بڑی مصیبت ہے اللہ جل وعلا اس کے ساتھ یقیناً گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

غرقد یہودیوں کا درخت ہے

سوال غرقد کا درخت کون سا ہے؟

جواب یہ مدینے کا ایک مشہور درخت ہے اور نبی اکرم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ مسلمان جب یہودیوں سے جہاد کریں گے اور یہودی درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو غرقد کے سوا دیگر تمام درخت بول کر بتا دیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ غرقد یہودیوں کا درخت ہے' یہ اس کے پیچھے چھپنے والے یہودیوں کے بارے میں نہیں بتائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے

سوال میں ایک سال تک اپنی بیوی سے غائب رہا اور اسے یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ طویل مدت کے بعد جب میں واپس آیا تو آٹھ ماہ پچیس دن تک اس کے ساتھ رہا اور اسی دوران میں اس نے بچے کو جنم دیا تو نویں مہینے کے پورے ہونے سے پانچ دن پہلے اس بچے کو جنم دینے کی وجہ سے مجھے شک ہے' آپ راہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

جواب عورت اگر نو ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم دے دے تو شک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَحَمْلُهُۥ وَفِصَٰلُهُۥ ثَلَٰثُونَ شَهْرًا ﴾ (الأحقاف ٤٦/ ١٥)

''اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔'' اور فرمایا:

﴿ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ ﴾ (لقمان ٣١/ ١٤)

''اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے' لٰہذا اگر عورت ساتویں ماہ یا اس کے بعد بچے کو جنم دے تو اس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

نیکی کی طرف چلنے کی فضیلت

سوال امید ہے کہ آپ کتاب و سنّت کے ایسے دلائل کی وضاحت فرمائیں گے' جن سے نماز یا دیگر دینی واجبات مثلاً حج ادا کرنے کے لیے چل کر جانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہو' مثلاً ایک حدیث نبوی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نیکی یا دینی واجب کے ادا کرنے کے لیے اٹھنے والے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ ایک نیکی یا صدقہ لکھ دیتے ہیں۔ کیا یہ حدیث حج ادا کرنے کے

لیے اٹھنے والے قدموں پر بھی منطبق ہوتی ہے؟

جواب نیکی کی طرف چلنے اور کوشش کرنے کی فضیلت کے بارے میں بہت سے عام نصوص ہیں' جب کہ کچھ خاص نصوص میں مخصوص نیکیوں کے لیے اٹھنے والے قدموں کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا۟ وَءَاثَـٰرَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَىْءٍ أَحْصَيْنَـٰهُ فِىٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾ ﴾ (یس ۳۶/ ۱۲)

"بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور (جو) ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلم بند کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن (لوح محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔"

یہ آیت کریمہ عام ہے' مساجد میں نماز ادا کرنے کے لیے' میدان جنگ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے' علم نافع حاصل کرنے اور صلہ رحمی کرنے کے لیے اٹھنے والے تمام قدموں کو یہ شامل ہے' نیز انسان نے اپنی وفات کے بعد اگر کچھ اوقاف یا دینی کتابوں یا نیک اولاد کو چھوڑا ہو جو دوسروں کے لیے نفع کا باعث ہوں تو یہ اسے بھی شامل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے فرمایا ہے:

﴿ مَا كَانَ لِأَهْلِ ٱلْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ ٱلْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا۟ عَن رَّسُولِ ٱللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا۟ بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِۦ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَطَـُٔونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ ٱلْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِۦ عَمَلٌ صَـٰلِحٌ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۲۰)

"اہل مدینہ کو اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو لائق نہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں' یہ اس لیے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کے لیے عمل نیک لکھا جاتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ' ذکر الٰہی اور خطبہ سننے کے لیے جلدی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُوا۟ ٱلْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الجمعة۶۲/ ۹)

"اے مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کے لیے جلدی کرو اور (خرید و) فروخت ترک کر دو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب منتقل ہو جائیں' مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑیں' آپ نے فرمایا:

«أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ»(صحيح البخاري، الأذان، باب احتساب الآثار، ح: ۶۵۶)

"کیا تم اپنے قدموں کے آثار کے ثواب کو حاصل نہیں کرنا چاہتے؟"

امام مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اس سے مسجدوں کی طرف جاتے ہوئے قدموں کے نشانات مراد ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے بطریق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ، أَعَدَّ اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلاً، كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ» (صحيح البخاري، الأذان، باب فضل من غدا إلى المسجد ومن راح، ح:٦٦٢ وصحيح مسلم، المساجد، باب المشي إلى الصلاة تمحى به الخطايا . . . الخ، ح:٦٦٩ واللفظ له)

"جو شخص صبح یا شام کے وقت مسجد میں جائے تو جب بھی وہ مسجد میں جائے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار فرماتا ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں بطریق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلاَةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلاَتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لاَ يُخْرِجُهُ إِلاَّ الصَّلاَةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلاَّ رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلاَئِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَادَامَ فِي مُصَلاَّهُ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلاَ يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلاَةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلاَةَ»(صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ح:٦٤٧)

"آدمی کا باجماعت نماز ادا کرنا اس کے گھر اور بازار میں نماز ادا کرنے کی نسبت پچیس گنا زیادہ اجروثواب کا حامل ہے۔ جب کوئی شخص بہت اچھے طریقے سے وضو کرے اور پھر مسجد کی طرف چلا جائے اور صرف نماز ہی کے لیے نکلے تو ہر قدم کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور جب تک وہ اپنی جگہ پر نماز ادا کرتا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے مسلسل یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو اسے برکت دے۔ اے اللہ! تو اس پر رحمت نازل فرما اور جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا رہے' وہ نماز کے حکم میں ہوتا ہے۔" امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَّلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جو شخص طلب علم کے لیے کسی راستے پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان بنا دیتا ہے۔"

صحیح بخاری و مسلم میں حجۃ الوداع کی احادیث کے ضمن میں ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کے بعد تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا اجر و ثواب تمہاری تکلیف --یا آپ نے فرمایا کہ تمہارے خرچ-- کے مطابق ہے۔"[1]

---

[1] صحیح البخاری' العمرة' باب أجر العمرة علی قدر النصب' حدیث: 1787 و صحیح مسلم' الحج' باب بیان وجوه الاحرام و انه یجوز--- الخ' حدیث: 1211

یہ تمام نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ نیکی کرنے والے کو نیکی اور اس کے وسائل کے مطابق ثواب ملتا ہے اور اجر و ثواب مشقت' پیدل چلنے اور جدید سواریوں کو استعمال کرنے کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے جیسا کہ مقام اور جگہ کے فضل و شرف اور اخلاص' حضور قلب اور خشوع کے اعتبار سے بھی اجر و ثواب مختلف ہو سکتا ہے مختصر یہ کہ وسائل کے لیے نتائج کے مطابق حکم ہوتا ہے اور مقدمات کے لیے جنس خیر و شر اور گناہ و اجر کے اعتبار سے مقاصد کا حکم ہوتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نابالغ بچے کے اعمال

سوال کیا نابالغ بچے کے اعمال صالحہ مثلاً نماز' حج اور تلاوت وغیرہ کا ثواب اسی کے لیے ہوتا ہے یا اس کے ان اعمال کا ثواب اس کے والدین کے لیے ہوتا ہے؟

جواب نابالغ بچے کے اعمال صالحہ کا ثواب اسی کو ملتا ہے' اس کے والد یا کسی اور کو نہیں' البتہ اسے تعلیم دینے' نیکی کی طرف راہنمائی کرنے اور اس پر اعانت کرنے کی وجہ سے اس کے والد کو ضرور اجر و ثواب ملتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک عورت نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بچہ پیش کر کے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس کا بھی حج ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ»(صحيح مسلم، الحج، باب صحة حج الصبي ... الخ، ح:١٣٣٦)

"ہاں اور تمہیں اس کا اجر ملے گا۔"

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حج بچے ہی کے لیے ہے اور اس کی ماں کو اسے حج کرانے کی وجہ سے اجر و ثواب ملے گا۔ اس طرح غیر والد کو بھی نیکی کا ثواب ملتا ہے مثلاً اگر کسی نے یتیموں' رشتہ داروں اور خادموں وغیرہ کو دینی تعلیم دی تو اسے اس کا ثواب ملے گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ» (صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله ... الخ، ح:١٨٩٣)

"جو شخص بھی کسی نیکی کی طرف راہنمائی کرے تو اسے اس نیکی کے کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔"

اور پھر اس لیے بھی کہ یہ نیکی و تقویٰ کے کام میں تعاون ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

حالت جنابت میں سونا

سوال کیا حالت جنابت میں سونا جائز ہے؟

جواب حالت جنابت میں سونا جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ انسان استنجاء اور نماز کے وضو کی طرح وضو کر کے سوئے کیونکہ محدثین کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ»(صحيح البخاري، الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام، ح:٢٨٨ وصحيح مسلم، الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج... الخ، ح:٣٠٥)

"نبی ﷺ جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو استنجاء اور نماز کے وضو کی طرح وضو فرما لیتے تھے۔"

مستقل فتویٰ کمیٹی

عربی ہندسوں کی بجائے یورپ میں مستعمل ہندسوں کو استعمال کرنا جائز نہیں

فقہی کونسل مکہ مکرمہ کی قرارداد نمبر: ۳

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده سيدنا ونبينا محمد وآله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرًا، أما بعد:

اسلامی فقہی کونسل نے اس خط کا جائزہ لیا جو رابطہ کے جنرل سیکرٹری کو اردن کے وزیر اوقاف و مذہبی امور استاد کامل شریف کی طرف سے موصول ہوا' نیز اس تحقیقی مقالہ کا بھی جائزہ لیا گیا جو وزیر موصوف کی طرف سے اردنی کابینہ کے سامنے "عربی ہندسوں کا تاریخی جائزہ" کے عنوان سے پیش کیا گیا تھا اور اس مقالہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا کہ بعض پڑھے لکھے لوگوں میں یہ نظریہ پھیلایا جا رہا ہے کہ عربی ہندسے اپنے موجودہ رسم الخط (ا' ۲' ۳' ۴ الخ) کے اعتبار سے ہندی ہندسے ہیں اور یورپین ہندسے (1, 2, 3, 4 etc---) اصل عربی ہندسے ہیں' لہٰذا عربی ملکوں میں ان یورپین ہندسوں پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں رائج کیا جائے کیونکہ اس سے ہمیں ان حکومتوں اور غیر ملکی اداروں کے ساتھ حساب کتاب میں بہت آسانی ہو جائے گی' جن کا عربی ملکوں میں اقتصادی اور معاشرتی طور پر بے حد گہرا اثر و نفوذ ہے اور پھر کیلکولیٹر اور کمپیوٹر میں بھی ان ہندسوں کا استعمال عرب ملکوں میں انہیں پسندیدہ بنا دے گا۔ مذکورہ تحقیقی مقالہ میں عربی اور یورپین ہندسوں کے تاریخی پس منظر کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ فقہی کونسل نے اس موضوع سے متعلق مجلس کبار علماء سعودی عرب کی اس سفارش کو بھی ملاحظہ کیا ہے' جو اس نے اپنے اکیسویں اجلاس منعقدہ ریاض مورخہ ۱۷ تا ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ میں منظور کی تھی اور جس میں یہ لکھا ہے کہ حسب ذیل اسباب کے پیش نظر موجودہ استعمال ہونے والے عربی ہندسوں کو مغربی ممالک میں استعمال ہونے والے ہندسوں سے بدلنا جائز نہیں ہے۔

اولاً : تبدیلی کے داعی حضرات جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مغرب میں استعمال ہونے والے ہندسے عربی ہیں یہ بات ثابت نہیں ہو سکی بلکہ مشہور و معروف بات اس کے برعکس ہے اور امر واقع بھی اس کا شاہد ہے اور پھر طویل صدیوں سے موجودہ ہندسوں کے استعمال نے انہیں عربی ہندسے بنا دیا ہے جیسا کہ بہت سے کلمات ایسے ہیں جو اصل میں عربی نہیں ہیں' مگر عربی زبان میں ان کے استعمال نے انہیں عربی بنا دیا ہے۔ حتی کہ قرآن کریم میں استعمال ہونے والے بعض کلمات عربی نہیں ہیں' مگر عربی زبان میں مستعمل ہونے کی وجہ سے قرآن کریم میں بھی انہیں استعمال کیا گیا ہے' اسی قسم کے کلمات کو معرب کلمات کہا جاتا ہے۔

ثانیاً : اس فکر کے نتائج بدترین اور اثرات بہت خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوں گے۔ یہ درحقیقت اسلامی معاشرے کو آہستہ آہستہ مغربی معاشرہ بنانے کی طرف پہلا قدم ہے جیسا کہ اس خط کے ساتھ منسلک تحقیقی مقالہ کے چوتھے پیراگراف میں ہے کہ ''کویت کی وزارت اطلاعات کی طرف سے ایک دستاویز جاری ہوئی ہے' جس میں اس بات کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے کہ یورپ میں استعمال ہونے والے ہندسوں کو عام کیا جائے' اس کے کئی اسباب ہیں' جن کی اساس یہ ہے کہ عالمی طور پر ثقافتی' سائنسی حتی کہ سیاحتی میدانوں میں بھی وحدت پیدا کی جائے۔''

ثالثاً : یہ فکر اس بات کی تمہید ہے کہ عربی حروف کی بجائے لاطینی حروف کو استعمال کیا جائے خواہ یہ مطالبہ ایک طویل عرصہ بعد ہی کیا جائے۔

رابعاً : یہ سوچ مغرب کی تقلید اور اس کے طریقوں کو مستحسن قرار دینے کی مظہر ہے۔

خامساً : قرآن مجید' کتب تفسیر' کتب لغت اور دیگر تمام کتابوں میں صفحات کے نمبروں یا مراجع کی طرف اشارہ کے لیے موجودہ مروج ہندسوں ہی کو استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ہمارا بہت ہی عظیم الشان علمی سرمایہ ہے' ان ہندسوں کی بجائے موجودہ انگریزی ہندسوں کے استعمال کرنے کی وجہ سے آنے والی نسلیں اس عظیم علمی میراث سے آسانی اور سہولت کے ساتھ استفادہ نہیں کر سکیں گی۔

سادساً : یہ ضروری نہیں کہ ان بعض عربی ملکوں کی پیروی کی جائے' جن میں یورپین ہندسوں کے استعمال کا رواج پا گیا ہے' کیونکہ ان ممالک نے تو اس سے بھی زیادہ عظیم اور اہم بات کو ترک کر رکھا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی شریعت کا نفاذ جو کہ عزت و سعادت اور دنیا و آخرت کی سعادت کا سرچشمہ ہے لہٰذا ان ملکوں کا عمل حجت نہیں ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں اسلامی فقہی کونسل نے طے کیا:

اولاً : اس موضوع سے متعلق مجلس کبار علماء سعودی عرب کی طرف سے جاری ہونے والی سفارش جسے اوپر ذکر کیا گیا ہے' کی بھرپور تائید کی جائے۔ اس سفارش کی رو سے عربی میں استعمال ہونے والے موجودہ ہندسوں کو یورپ میں استعمال ہونے والے ہندسوں سے بدلنا جائز نہیں ہے اور اس کے اسباب بھی اس سفارش میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

ثانیاً : اس رائے کو قبول کرنا جائز نہیں ہے کہ یورپ میں استعمال ہونے والے ہندسوں کو عام کیا جائے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ امت اس بات کو ترک کر دے' جسے وہ طویل صدیوں سے اختیار کیے ہوئے ہے اور غیروں کے اتباع کی وجہ سے اس ظاہر و نمایاں مصلحت کو ترک کر دے' جو ان ہندسوں کے استعمال میں ہے۔

ثالثاً : عرب ملکوں کے حکمرانوں کی اس خطرناک امر کی طرف توجہ مبذول کروائی جائے اور انہیں اس فکر میں شامل ہونے سے روکا جائے جس کے نتائج عربی و اسلامی میراث کے لیے بڑے خطرناک ثابت ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

سوال عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے حضرت الاخ المکرم (ف - ن - م) کے نام اللہ تعالیٰ انہیں ہر نیک کام

کے کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' وبعد: آپ کا خط موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمائے۔ آپ نے اپنے خط میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرما لیتے تھے لیکن صدقہ قبول نہیں فرمایا کرتے تھے' یہ سوال پوچھا ہے کہ صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟ نیز اعانت اور ہبہ میں کیا فرق ہے؟ کیا صدقہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے لیے بھی حرام ہے؟ کیا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل کے لیے بھی حرام ہے؟ آپ کے نسب شریف کے ثبوت کے لیے کیا طریقہ ہے؟

جواب ہدیہ اور صدقہ میں یہ فرق ہے کہ ہدیہ تو وہ تحفہ ہوتا ہے' جسے انسان محبت اور احترام کی وجہ سے پیش کرتا ہے جب کہ صدقہ وہ ہوتا ہے جسے انسان شفقت' احسان اور اللہ تعالیٰ سے طلب ثواب کے لیے پیش کرتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کے لیے ہدیہ حلال اور صدقہ حرام قرار دیا گیا تھا۔ آپ کے اہل بیت بھی اس مسئلہ میں آپ کے تابع ہیں اور آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہے۔ اعانت اور ہبہ کا حکم صدقہ کا ہے ہدیہ کا نہیں' بشرطیکہ انسان کا اس سے ارادہ غم گساری و ہمدردی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے حصول ثواب کا ہو اور اگر اس سے مقصود اس انسان سے اظہار محبت ہو' جس کی مدد کی جا رہی اور جسے ہبہ کیا جا رہا ہو یا اس سے بدلہ لینا مطلوب ہو تو یہ ہدیہ کے حکم میں ہو گا کیونکہ جسے ہبہ کیا جا رہا ہو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ ہدیہ دینے والے کو بدلہ میں ہدیہ دے اور اگر بدلہ نہ دے سکتا ہو تو پھر اس کے لیے دعا کرے' جب کہ صدقہ سے انسان کا مقصود اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب ہوتا ہے اس سے اس کا مقصود مالی بدلہ یا محبت و شفقت کا اظہار نہیں ہوتا۔

جہاں تک نسب شریف کے ثبوت کے طریقے کا تعلق ہے' تو اسے کئی امور سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ① ثقہ مؤرخین کی طرف سے نص کہ فلاں خاندان یا آل فلاں اہل بیت میں سے ہیں۔ ② اہل بیت میں سے ہونے کے مدعی کے ہاتھ میں بعض معتبر قاضیوں اور ثقہ علماء کی طرف سے شرعی دستاویز ہو کہ اس کا تعلق اہل بیت سے ہے۔ ③ اس شخص کے شہر والے تواتر اور تسلسل کے ساتھ یہ جانتے ہوں کہ آل فلاں اہل بیت میں سے ہیں۔ ④ دو عادل شخصوں کی گواہی سے یہ ثابت ہو اور وہ اپنی شہادت کی دلیل قابل اعتماد اور ثقہ تاریخ سے یا قابل اعتبار دستاویزات سے یا قابل اعتبار آدمیوں سے پیش کریں' محض زبانی کلامی دعوے کا اعتبار تو نہ اس مسئلہ میں کیا جاتا ہے اور نہ کسی اور مسئلہ میں۔ اگر مدعی شخص یہ جانتا ہو کہ وہ اپنے دلائل کی روشنی میں سچا ہے' تو اسے اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کی وجہ سے زکوٰۃ قبول نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے دعویٰ کو جاننے والوں کو چاہیے کہ وہ اسے زکوٰۃ نہ دیں کیونکہ اپنے اعتراف و اقرار کے مطابق وہ زکوٰۃ کے مستحق لوگوں میں سے نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر مسلموں پر صدقہ کرنا

سوال اگر کسی غیر مسلم کو شدید ضرورت ہو تو کیا اس پر صدقہ کرنے کا بھی ثواب ملے گا؟

جواب غیر مسلم کو صدقہ دینا جائز ہے اور اس میں اجر و ثواب بھی ہے' جب کہ وہ محتاج ہو لیکن واجب صدقہ یعنی زکوٰۃ

اسے نہ دی جائے۔ الّا یہ کہ وہ مؤلفة القلوب میں سے ہو۔ اس پر صدقہ کرنے کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی نہ کرتا ہو یا انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالتا ہو کیونکہ اس حالت میں اس پر صدقہ کرنے کے معنی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اس کی مدد کرنے کے ہوں گے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دوست کے مال میں اس کے علم کے بغیر تصرف کرنا

سوال کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائی کے مال میں سے اس کے علم کے بغیر اپنی ضرورت کو پورا کر لوں جب کہ مجھے اس بات کا یقین ہو کہ اگر وہ موجود ہوتا تو اس سے مکمل طور پر راضی ہوتا یا جب اسے بعد میں معلوم ہو گا تو وہ اس سے راضی ہو گا؟

جواب افضل یہ ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کے مال کا احترام کریں' خواہ آپ کو یہ یقین ہی کیوں نہ ہو کہ اپنے اموال میں آپ کے تصرف سے وہ خوش ہوں گے کیونکہ اصل یہ ہے کہ مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں لانا حرام ہے' البتہ اگر آپ کو اس کے مال میں تصرف کرنے کی کوئی شدید ضرورت پیش آ جائے اور آپ کو معلوم ہو کہ وہ اس سے راضی ہو گا اور آپ کو اس کی رضامندی کا پورا وثوق ہو مثلاً آپ کے پاس مہمان آ جائیں اور آپ کے دوست کے پاس بکریاں ہوں اور آپ ان میں سے ایک بکری مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے لے لیں اور آپ کو پورا پورا اعتماد ہو کہ آپ کا دوست اس سے خوش ہو گا تو بوقت ضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی ایسی حاجت و ضرورت درپیش نہ ہو تو پھر بہتر اور افضل یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف نہ کریں کیونکہ وہ خود کتنا راضی ہی کیوں نہ ہو وہ آپ کے اس طرز عمل سے یقیناً اپنے دل میں تنگی محسوس کرے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اسلامی گیت

سوال ہم جانتے ہیں کہ معروف گانے موجودہ شکل میں حرام ہیں کیونکہ ان میں بے ہودہ اور فحش کلام' موسیقی اور لہو و لعب ہوتا ہے اور یہ گانے بالکل بے فائدہ کلام پر مشتمل ہوتے ہیں' ہم نوجوانانِ اسلام جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ روشن کر دیا ہے' ہم جانتے ہیں کہ ان بے ہودہ گانوں کے بدلے میں کچھ اچھے گانوں کا انتخاب کر لیں۔ ہم نے ایسے اسلامی گیت منتخب کیے ہیں' جو شجاعت و بہادری اور پاکیزہ جذبات پر مشتمل ہیں۔ یہ اشعار دعاة اسلام کے کہے ہوئے ہیں جیسا کہ سید قطب رحمہ اللہ کا قصیدہ اخی -- میرے بھائی! -- ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان خالص اسلامی گیتوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو شجاعت و بہادری اور پاکیزہ جذبات پر مشتمل ہوتے ہیں اور یہ عصر حاضر و غیر حاضر کے دعاة اسلام کے اشعار ہیں' جن میں سچے کلمات ہیں' جو اسلام کی تعبیر اور دعوت پر مشتمل ہیں لیکن جب یہ گیت گائے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ طبلہ یعنی دف کی آواز ہوتی ہے تو کیا انہیں سننا جائز ہے؟ میں یہ جانتا ہوں اور میرا علم بہت محدود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف کے لیے طبلہ کو جائز قرار دیا ہے۔ طبلہ آلات موسیقی میں سب سے خفیف آواز ہوتی ہے' ایسے ہی جیسے کسی

بھی چیز پر مارنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ براہ کرم ہماری راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پسند اور رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا: آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ گانے اپنی موجودہ شکل میں حرام ہیں کیونکہ یہ فحش اور بے ہودہ کلام پر مشتمل ہیں اور ان میں خیر و بھلائی کا کوئی عنصر نہیں بلکہ ان میں لہوولعب' خواہشات و جنسی جذبات کو ابھارنا اور جنون اور ایسی گری ہوئی باتیں ہوتی ہیں جو ان کے سننے والوں کو شر میں مبتلا کر دیتی ہیں --اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے-- ان گانوں کی بجائے آپ ایسے اسلامی گیت سن سکتے ہیں جن میں حکمت و دانش' وعظ و نصیحت اور درس و عبرت ہو اور وہ بہادری' دینی غیرت اور اسلامی جذبات کو ابھاریں اور شر اور اس کی اسباب سے نفرت دلائیں تاکہ ان کے سننے والے کا نفس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مائل ہو اور اس کے معصیت کے ارتکاب کرنے اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے سے نفرت کرے اور اس کی بجائے اس کی شریعت اور اس کے راستے میں جہاد سے محبت کرے لیکن ان گیتوں کے سننے کو معمول اور عادت نہیں بنا لینا چاہیے' بلکہ مختلف مواقع کی مناسبت مثلاً بیاہ شادی' جہاد کے لیے سفر اور ہمتوں کی کمزوری وغیرہ کے موقع پر انہیں سن لینا چاہیے تاکہ نفس کو فعل خیر پر آمادہ کیا جاسکے اور نفس جب شر کی طرف مائل ہو تو اسے بچانے اور اس سے نفرت دلانے کے لیے ان گیتوں کو سن لیا جائے لیکن ان گیتوں کے سننے سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ انسان قرآن مجید کی تلاوت اور نبی اکرم ﷺ سے ثابت اذکار کے ورد کو اپنا معمول بنالے کیونکہ یہ نفس کے تزکیہ' شرح صدر کے لیے طہارت و قوت اور طمانیت قلب کے لیے گیتوں سے کہیں بڑھ کر مؤثر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۲۳)

"اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں' (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دوہرائی جاتی (ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہوکر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے' وہ اس سے جس کو چاہتا ہے' ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے' اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ ﴾ (الرعد ۱۳/ ۲۸۔۲۹)

"جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے آرام پاتے ہیں (اللہ ان کو اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔) اور سن رکھو کہ اللہ ہی کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں' جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے ان کے لیے خوش حالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔"

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول اور عادت یہ تھی کہ وہ کتاب و سنت ہی کے یاد کرنے' پڑھنے پڑھانے اور ان کے

مطابق عمل کرنے کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کبھی کبھار گیت اور حدی بھی استعمال کر لیتے تھے مثلاً خندق کھودتے وقت' مساجد تعمیر کرتے وقت اور جہاد کے لیے روانہ ہوتے وقت انہوں نے گیت استعمال کیے لیکن اسے انہوں نے اپنا شعار یا معمول نہیں بنایا تھا' البتہ کبھی کبھی انہوں نے نفسوں کو راحت پہنچانے اور جذبات کو ابھارنے کے لیے گیتوں کو استعمال کیا۔ ان اسلامی گیتوں کے ساتھ طبلہ اور دیگر آلات موسیقی کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں استعمال نہیں کیا اور اللہ ہی سیدھے رستے کی ہدایت فرمانے والا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گناہوں کے نتائج خطرناک ہیں

سوال اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بیٹیاں عطا کیں اور اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا اور پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اگر وہ مجھے بیٹا عطا فرمائے تو میں روزانہ نماز فجر مسجد میں ادا کیا کروں گا۔ میں فرائض و سنت تمام نمازوں کو ان کے اوقات ہی میں ادا کرتا ہوں سوائے نمازِ فجر کے جسے میں بیدار ہونے پر گھر ہی میں ادا کر لیتا ہوں اور اسے مسجد میں ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعار کو قبول فرمالیا' مجھے بیٹا عطا فرما دیا میں نے اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا لیکن میں نماز فجر باقاعدہ مسجد میں ادا نہیں کرنے لگا' نماز فجر کے علاوہ باقی تمام نمازیں بروقت ادا کرتا ہوں لیکن نماز فجر میں سات بجے کام کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے ادا کرتا ہوں۔ امید ہے آپ میری راہنمائی فرمائیں گے کیا اس میں عہد شکنی کی وجہ سے میں گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ اب میرے لیے کیا واجب ہے؟ کیا اس وعدے کے وفاء نہ کرنے کی وجہ سے بچہ بیماری یا کسی دوسری تکلیف میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ براہ کرم راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب فرض نماز کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت ادا کرنا اہم واجبات میں سے ہے اور اس سے پیچھے رہنا اور نماز کو گھر میں ادا کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی اور ان منافقوں کے ساتھ مشابہت ہے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓاْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُواْ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٤٢)

''منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الٰہی تو یونہی برائے نام سی کرتے ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٤٥)

''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

«إِنَّ أَثْقَلَ صَلاَةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلاَةُ الْعِشَاءِ وَصَلاَةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧ وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها ... الخ، ح:٦٥١ واللفظ له)

"منافقوں پر سب سے گراں نماز عشاء کی نماز اور صبح کی نماز ہے اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان نمازوں کا کس قدر اجر و ثواب ہے تو یہ انہیں پڑھنے کے لیے ضرور آئیں خواہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے۔"

نماز پنجگانہ میں سے نماز فجر کے باجماعت ادا کرنے کی زیادہ تاکید اور اہمیت آئی ہے' لہٰذا آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ دیگر نمازوں کے ساتھ ساتھ نماز فجر بھی باجماعت ادا کریں۔ نماز فجر کو تاخیر کے ساتھ اور گھر میں ادا کرنا جائز نہیں ہے' اگر آپ ایسا کریں گے تو خدشہ ہے کہ آپ کا نفس' اہل و عیال اور مال اللہ کے غضب و عتاب کی زد میں نہ آ جائے کیونکہ گناہوں کے خطرات بہت عظیم اور ان کے انجام بہت خوفناک ہوتے ہیں۔ نماز باجماعت ادا کرنے سے پیچھے رہنا بدترین گناہ اور منافقوں کی علامت ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلاَ صَلاَةَ لَهُ، إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، المساجد، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ اسے کوئی عذر ہو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خوف یا مرض اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایک نابینا شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے پاس کوئی معاون نہیں ہے' جو مجھے مسجد میں لے جاسکے تو کیا میرے لیے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز ادا کروں؟ آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ فَقَالَ نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لیے اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں' تو آپ نے فرمایا: پھر اس آواز پر لبیک کہو۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢)

"میں تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

آپ نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ آپ کو بیٹا عطا فرما دے تو آپ باقاعدگی سے نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اولاد نرینہ کے شوق کو پورا فرما دیا تو آپ بھی اللہ سے ڈریں' اس کے حق کے ادا کرنے میں جلدی کریں اور اس کے اس فضل و کرم پر اس کا شکر ادا کریں' اس سے آپ کو مزید خیر و بھلائی حاصل ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ (ابراھیم۱۴/ ۷)

"اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴾ (البقرة:٢/١٥٢)

''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں اور میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔''

نیز فرمایا:

﴿ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ (سبا٣٤/١٣)

''اے آل داود (میری نعمتوں کے) شکریہ میں نیک عمل کرو میرے بندوں میں سے شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور تمام امت مسلمہ کو شکر گزاری اور کما حقہ ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔(وباللہ التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

رات کا آخری ثلث کس وقت ہے؟

سوال میں گھڑی کے ٹائم کے مطابق رات کے آخری ثلث کا وقت معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

جواب معین اوقات کے ساتھ اس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں' تاہم ہر شخص اس کا یوں اندازہ کر سکتا ہے کہ پوری رات کو غروب آفتاب سے طلوع فجر تک تین حصوں میں تقسیم کرے' جب دو حصے گزر جائیں تو آخری حصہ رات کا آخری ثلث شمار ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ.» (صحيح البخاري، التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، ح: ١١٤٥ وصحيح مسلم، الصلاة، باب الترغيب والدعاء والذكر في آخر الليل،ح: ٧٥٨)

''اللہ تعالیٰ ہر رات کو (جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے)' آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: کون ہے جو مجھے پکارے' میں اس کی دعا قبول کر لوں' کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کر دوں' کون ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے میں اس کو معاف کر دوں۔''

چنانچہ ایک مومن کو چاہیے کہ وہ اس وقت کو غنیمت جانے' اگرچہ رات کا کچھ ہی حصہ نصیب ہو شاید کہ وہ اس عظیم فضیلت کو پالے۔ شاید کہ مولا عزوجل کی رحمت کا کوئی جھونکا اس کا مقدر بن جائے اور مولا کریم اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نواز دے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے توفیق کے طلب گار ہیں۔

——— شیخ محمد ابن عثیمین ———

ٹریفک کے اشاروں کی خلاف ورزی

سوال اسلام میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ٹریفک رولز کی خلاف ورزی کرتا ہے مثلاً سرخ اشارے کے وقت اشارہ

توڑ کر نکل جاتا ہے؟

جواب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حکومت کے نافذ کردہ ٹریفک رولز کی خلاف ورزی کرے کیونکہ اس میں اس کی ذات کے لئے اور دوسروں کے لیے عظیم خطرات پنہاں ہیں۔ حکومت نے یہ قوانین مصلحت عامہ کے لیے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لئے نافذ کیے ہیں۔

چنانچہ کسی بھی شخص کے لئے ان کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ حکام کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو مناسب سزائیں دیں' تا کہ انہیں اور دوسرے سب لوگوں کو عبرت ہو۔ اللہ تعالیٰ سلطان کے ذریعے ایسی برائیوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا ازالہ قرآن کے ذریعے نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ صرف حکومتی گرفت کے خوف سے جرائم سے رکے رہتے ہیں۔ اور یہ چیز اکثر لوگوں میں ایمان کی قلت یا اس کی عدم موجودگی کے باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَكۡثَرُ ٱلنَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِينَ ﴾ (یوسف۱۲/۱۰۳)

''آپ کتنا ہی چاہیں مگر لوگوں کی اکثریت ایمان دار نہ ہوگی۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے توفیق کے طلب گار ہیں۔

شیخ محمد ابن عثیمین

قیامت کی علامات' اشراط اور ان سے بچنے کی تدابیر

سوال براہ کرم قیامت کی علامات اور ان سے بچاؤ اور احتیاط کی تدابیر بیان فرمائیں۔ جو شخص اس نوعیت کے فتنوں کو دیکھے اسے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب قیامت کی علامات بہت سی ہیں۔ ان میں سے نبی ﷺ کا وہ جواب ہے جو آپ نے جبریل امین کے سوال پر دیا تھا۔

((إِذَا وَلَدَتِ الأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَ إِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الإِبِلِ البُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ)) (البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان، ح: ٥٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان، الإيمان والإسلام....ح:٩)

''جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی' اور جب اونٹوں کے کالے کلوٹے چرواہے لمبی لمبی عمارتیں بنانے لگیں گے۔''

اور علامات قیامت میں سے مسیح دجال کا ظاہر ہونا' عیسیٰ ابن مریمؑ کا آسمان سے نازل ہونا' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور ''دابة الارض'' کا منظر عام پر آنا ہے۔ اور انہی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مال کی بہت کثرت ہو جائے گی۔ حتی کہ ایک شخص کو بہت سا مال دیا جائے گا مگر پھر بھی وہ ناراض ہی رہے گا۔ اور فتنے بڑی کثرت سے ہوں گے' حتی کہ عربوں کا کوئی گھر ان سے محفوظ نہ رہے گا۔

ہم آپ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپ علامہ ابن کثیر کی کتاب ''النهاية في الفتن والملاحم'' کا مطالعہ کریں' اس میں اکثر علاقات قیامت کی شرح موجود ہے اور اس میں بہت سی نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں' اور یہ کہ انسان کس طرح اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکتا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

باکردار مسلمان کے بارے میں بدگمانی کرنا

سوال کیا بدگمانی ہر حال میں حرام ہے؟ براہ کرم اس موضوع پر مستفید فرمائیں؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ (الحجرات۴۹/۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو' بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

ہر گمان گناہ نہیں ہوتا' جو گمان مختلف قرائن اور علامات کی بنیاد پر یقین کی طرح ہو اس میں کوئی حرج نہیں' مگر جو گمان محض وہم کی بنا پر ہو وہ جائز نہیں۔

فرض کریں آپ نے ایک باکردار شخص کے ساتھ کسی عورت کو دیکھا تو محض عورت کے غیر محرم ہونے کی وجہ سے ایسے شخص کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں' کیونکہ یہ ایسا ظن ہے جو انسان کو گناہ گار کر دیتا ہے۔ البتہ اگر بدگمانی کے لئے کوئی شرعی سبب پایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں: کسی بظاہر عادل شخص کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں۔ (واللہ اعلم)

شیخ محمد ابن عثیمین

محض بدگمانی کی وجہ سے تہمت

سوال اگر کسی شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ شراب یا کوئی دوسری نشہ آور چیز استعمال کرتا ہے' مگر کہنے والے کو اچھی طرح معلوم ہو کہ شخص مذکور ایسی حرکات کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ یہ محض اس کی شہرت کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا پروپیگنڈا کر رہا ہے' تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی بھائی کے خلاف اس کی عزت اور شہرت کو داغدار کرنے کے لیے تہمت لگائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا ﴾ (الحجرات۴۹/۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو' بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور عیب نہ ٹٹولا کرو۔''

اگر انسان کسی پر محض اپنے ذہن میں وارد ہونے والے بعض خیالات کی بنیاد پر یا کسی کمزور سے قرینہ کی بنا پر عیب' گناہ یا فسق و فجور کے الزامات عائد کرے تو یہ ایک حرام کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق منع ہے' جس میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ ﴾ (الحجرات۴۹/۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

انسان کو یہ بات جان لینا چاہیے کہ وہ اپنی زبان سے جو بھی لفظ ادا کرتا ہے اسے لکھ لیا جاتا ہے' جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ (ق ۵۰/۱۸)

''کوئی لفظ انسان زبان سے نہیں نکال پاتا مگر اس کو لکھنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود ہے۔''

یہ تو اس صورت میں ہے جب آپ کسی دوسرے کا کلام آگے نقل کریں۔ جہاں تک آپ کے ہاں اس کلام کی قبولیت کا سوال ہے تو آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسے شخص کا کلام قبول کریں جو حسد اور عداوت کی بنا پر کسی کے خلاف بول رہا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ ﴾ (الحجرات ۴۹/۶)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔''

اگر کوئی شخص آپ کے پاس کسی کے بارے میں بری بات کہے تو اگر وہ شخص آپ کے نزدیک غیر عادل ہے تو آپ تحقیق کریں' اس لیے کہ بعض لوگ بلا تحقیق و بلا احتیاط بات آگے نقل کر دیتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کی کسی خاص شخص سے دشمنی ہوتی ہے وہ اس شخص کو بے عزت کرنا اور لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتے ہیں تا کہ لوگ اس سے بدظن ہو جائیں۔ آپ کے سوال کے جواب میں میں نے مناسب جانا کہ اس مسئلہ کی مختلف صورتوں کی طرف توجہ مبذول کروا دی جائے۔

شیخ محمد ابن عثیمین

دنیا اور آخرت کی شراب میں فرق

سوال ہم میں سے ہر شخص یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ دنیا کی شراب حرام ہے' یہ نشہ دیتی ہے اور عقل میں فتور پیدا کرتی ہے' لہذا اس کا پینا گندا شیطانی کام ہے نیز یہ ام الخبائث ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ شراب دنیا میں حرام اور آخرت میں حلال کیوں ہے؟

جواب آخرت والی شراب پاکیزہ ہوگی' اس میں کوئی نشہ آور یا نقصان دہ چیز نہیں ہوگی۔ جہاں تک دنیا والی شراب کا تعلق ہے تو اس میں نقصان دہی' نشہ آوری اور تکلیف پائی جاتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت والی شراب پینے والے کا نہ تو سر چکرائے گا نہ اسے کمزوری لاحق ہوگی' نہ اس میں عقل یا بدن کو نقصان دینے والی کوئی چیز ہے۔ لیکن دنیا کی شراب عقل و بدن سب کو نقصان دیتی ہے۔ چنانچہ وہ تمام نقصانات جو دنیا کی شراب میں پائے جاتے ہیں آخرت کی شراب ان سب سے خالی ہوگی۔

شیخ ابن باز

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد چہارم)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سوتیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل ومشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے، وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب وسنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد وعبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

دارُ السّلام

کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور